ماہ نامہ بینات کے لیے تحریر کردہ حضرت بنوری رحمۃ اللہ علیہ
کے اداریوں اور مضامین کا مجموعہ

بصائر وعبر

رشحات قلم

محدث العصر حضرت مولانا سید محمد یوسف بنوری رحمہ اللہ

حصہ اول

جمع وترتیب

مولانا ڈاکٹر محمد حبیب اللہ مختار شہید رحمہ اللہ

مکتبہ بینات
جامعۃ العلوم الاسلامیۃ
علامہ بنوری ٹاؤن کراچی

ماہ نامہ بینات کے لیے تحریر کردہ حضرت بنوری رحمۃ اللہ علیہ کے اداریوں اور مضامین کا مجموعہ

رشحاتِ قلم

محدث العصر حضرت مولانا سید محمد یوسف بنوری رحمۃ اللہ علیہ

حصہ اوّل

جمع و ترتیب

مولانا ڈاکٹر محمد حبیب اللہ مختار شہید رحمۃ اللہ علیہ

مکتبہ بینات

جامعۃ العلوم الاسلامیۃ

علامہ بنوری ٹاؤن کراچی

پیش لفظ

الحمد لله وحدهٗ، والصلاۃ والسلام علی من لا نبی بعدهٗ وعلی من تبع هداه وهدیه، و بعد.

ہمارے شیخ، محدث العصر حضرت العلامہ مولانا سید محمد یوسف بنوری رحمہ اللہ تعالیٰ کے اس دار فانی سے رحلت فرمانے کے بعد راقم الحروف کا دل چاہا کہ اپنے محبوب شیخ کے آنکھوں سے اوجھل ہونے کے بعد بھی وہ پیاری ہستی، وہ نورانی چہرہ، وہ بابرکت شخصیت کسی نہ کسی بہانے سب کے سامنے موجود رہے۔ قارئین نے سنا ہوگا کہ ''من أحبّ شیئًا اکثر ذکرہ'' (جس کو کسی سے محبت ہوتی ہے اس کا تذکرہ کرتا ہی رہتا ہے)۔ یہ بھی ایک باعث تھا، اور ساتھ ہی یہ بھی کہ زندگی میں اپنے شیخ کی خدمت نہ کر سکے تو اب کچھ لیپا پوتی کر لیں۔ اس لئے مختلف جہات سے حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ پر اپنے ناقص انداز سے کام کرنے کا ارادہ کیا اور اب تک درج ذیل آثارِ شیخ ہدیۂ ناظرین ہو چکے ہیں:

① جامعة دیو بند الاسلامیة فی ضوء المقالات البنوریة (عربی)

② المقدمات البنوریة (عربی، فارسی، اردو)

③ القصائد البنوریة (عربی)

④ مجربات بنوریة (اردو)

یہ چاروں کتابیں چھپ چکی ہیں اور اب خدا کے فضل سے ''بصائر و عبر'' پیش خدمت ہیں۔ کئی سال قبل حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ کے تحریر کردہ ماہنامہ بینات کے اداریے الگ کئے تھے اور انہیں اپنی سمجھ کے مطابق تین ابواب میں تقسیم کر دیا تھا۔

① مقالات علمیہ۔ ② حالاتِ حاضرہ۔ ③ وفیات۔

مقالات علمیہ میں ان اداریوں کو لیا گیا ہے جس میں علمی مواد غالب تھا، اسی طرح حالاتِ حاضرہ میں ان مضامین کو رکھا گیا ہے جن میں حالات حاضرہ سے متعلق مواد کا حصہ وافر تھا۔ اگرچہ وہ بھی حقیقت میں علمی

مقالات ہی ہیں۔لیکن چونکہ ان میں حالاتِ حاضرہ کا رنگ و پہلو غالب ہے اس لئے اس ذیل میں ذکر کردیا۔ ورنہ سب ہی اداریے علمی شاہکار، ادبی یادگار اور حساس دل کے ترجمان اور عظیم مصلح کی شخصیت پر روز روشن کی طرح دلالت کرنے والے ہیں۔

وفیات میں ان صفحات کو رکھا گیا ہے جن میں دنیا سے رحلت کرنے والی بعض ممتاز و اہم شخصیات پر حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ نے کلمات تعزیت تحریر فرمائے تھے۔

اداریوں میں کچھ وہ مضامین بھی شامل ہیں جو بینات میں طبع ہو چکے ہیں۔علمی مقام اور افادیت کے خاطر بصائر وعبر میں شامل کرلیا گیا،عنوانات بندہ کی ناقص رائے کے مطابق ہیں۔اس لئے ہوسکتا ہے کہ کسی جگہ جو عنوان ہونا چاہئے وہ نہ لگ سکا ہو۔ایسی صورت میں مطلع فرما کر اجر حاصل کریں۔آئندہ اشاعت میں انشاء اللہ تعالیٰ درست کرلیا جائے گا۔

اللہ تعالیٰ کے یہاں ہر چیز کا ایک وقت ہوتا ہے۔یہ کام آج سے غالباً تین سال قبل کا ہے۔کتابت بھی ہو چکی تھی،لیکن طباعت نہ ہوسکی اب یہ مرحلہ بھی آ گیا۔اللہ تعالیٰ ہی کا لاکھ لاکھ شکر ہے،اس کی توفیق پر بھی اور اعانت پر بھی۔اللہ تعالیٰ جزائے خیر دے برادر محترم مولانا عطاء الرحمن صاحب کو جنہوں نے حسب معمول اس کام میں بھی ہاتھ بٹایا اور برادرم مولانا حسن الرحمن صاحب اور برادرم مولانا فیض الرحمن صاحب کو بھی جنہوں نے اس کی تصحیح میں حصہ لیا اور ان سب حضرات کو بھی جنہوں نے اس سلسلہ میں کسی بھی طرح کی اعانت کی ہو۔مکتبہ بنوریہ کی خوش نصیبی ہے کہ اسے اس کتاب کے طبع کرنے کی سعادت حاصل ہو رہی ہے۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ ہمارے تمام کاموں کو محض اپنی رضاء وقرب کا ذریعہ بنائے اور قبولیت سے نوازے اور موفق بنائے۔إنه على كل شيئٍ قدير و بالإجابة جدير۔

و صلى الله تعالىٰ على خير خلقه محمد و آله و صحبه اجمعين

کتبہ

محمد حبیب اللہ مختار

٢٨-٦-١٤٠٨ھ

١٧-٢-١٩٨٨ء

فہرست مضامین

فہرست مضامین

باب دوم : حالات حاضرہ

باب سوم: وفیات

باب اول

علمی مقالات

دین اسلام اور اس کی جامعیت

دین اسلام ایک جامع ترین نظامِ حیات ہے جو اپنے اصول وفروع کے لحاظ سے اخلاق وعبادات، سیاسیات ومعاملات اور انفرادی واجتماعی زندگی کے تمام شعبوں پر حاوی ہے۔ اس کی بنیاد وحی ربانی پر ہے جو ماورائے عقلِ انسانی ہے، حق جل مجدہٗ نے اپنے علم محیط اور کمالِ قدرت سے قیامت تک کے امراض کے لئے یہ نسخۂ شفا نازل فرمایا ہے، انسانی زندگی کا کوئی بڑے سے بڑا اور چھوٹے سے چھوٹا مسئلہ ایسا نہیں جس کے لئے اسلام کا کوئی منصوص یا غیر منصوص حکم موجود نہ ہو، حق تعالیٰ نے قیامت تک اسے باقی رکھنے کی یہ تدبیر فرمائی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ارشادات اور عملی زندگی سے اس کی تشریح فرمائی اور حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبتِ بابرکات میں صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے اسے خوب سمجھ کر اپنی زندگی کا نصب العین اور دستور العمل بنایا اور خلافت راشدہ میں اس کی عملی تفصیلات اپنی پوری وسعت سے منضبط ہوئیں۔ پھر ان فقہائے صحابہ، خلفائے راشدین، عبداللہ بن مسعود، ابو الدرداء، زید بن ثابت، ابی بن کعب، معاذ بن جبل، ابو موسیٰ اشعری، ابو ہریرہ، انس بن مالک، عبداللہ بن عباس، عائشہ صدیقہ اور دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے علمی وعملی طور پر تابعین اور ائمہ مجتہدین تک صحیح سالم بکمال وتمام پہنچا، اسی طرح تمام عالم میں عادل، خدا ترس، پاک نیت اور اہل امانت افراد کے علم وعمل کے ذریعہ قرناً بعد قرنٍ توارث وتواتر سے پہنچتا رہا ہے۔ چنانچہ آج کے اس خدا فراموش، پرفتن اور قربِ قیامت کے دور میں بھی الحمد للہ یہ دین اپنی علمی اور عملی شکل میں ٹھیک موجود ہے۔ امت کے صالحین اور علمائے ربانیین اس پر عمل پیرا بھی ہیں اور اس کی تعلیم وتعلم اور تبلیغ واشاعت میں بھی مشغول ہیں اور قیامت تک کے لئے کوئی نہ کوئی جماعت ایسی موجود رہے گی جو اپنی علمی وعملی زندگی سے اس کے صحیح صحیح خدو خال پیش کرتی رہے گی۔ الغرض اس طرح اللہ تعالیٰ نے اپنے دین کی حفاظت فرما کر ہر دور میں تمام عالم پر اتمام حجت کر دیا، نہ کل کسی کے لئے یہ کہنے کا موقعہ تھا کہ اسلام کے سمجھنے اور اس پر عمل کرنے والے کہاں ہیں، نہ آج کسی کے لئے یہ موقعہ ہے نہ آئندہ قیامت تک یہ گنجائش رہے گی۔

﴿لِيَهْلِكَ مَنْ هَلَكَ عَنْ بَيِّنَةٍ وَّيَحْيٰى مَنْ حَيَّ عَنْ بَيِّنَةٍ﴾ [الانفال:٤٢]

ترجمہ: اب اتمام حجت کے بعد جسے اسلام کو چھوڑ کر برباد ہونا ہے وہ برباد ہوتا رہے اور جسے اسلام کو اپنا کر زندہ رہنا ہے وہ زندہ رہے۔

دارالافتاء و دارالقضاء

اسلامی حکومتوں میں جب تک اسلامی قانون جاری رہا اور اسلامی حکومتیں کسی نہ کسی حد تک خدمتِ دین کی ذمہ داری کو محسوس کرتی رہیں، اس وقت تک ایک طرف محاکمِ عدلیہ قضا کا نظام جاری رہا اور دوسری طرف علمائے امت کے ذریعہ ہر وقت افتاء کا کام ہوتا رہا، اسلامی حکومتیں دارالقضاء کی طرح دارالافتاء کی سرپرستی بھی کرتی رہیں، آج بھی ان حکومتوں میں جنہیں پوری طرح اسلامی حکومتیں کہنا مشکل ہے، قضاء و افتاء کا نظام کسی نہ کسی حد تک قائم ہے۔

متحدہ ہندوستان کے فرنگی استعمار کا شکار ہو جانے اور اس کے ظلم و جبر کے شکنجے میں جکڑ جانے کے بعد بھی بہت سی اسلامی ریاستوں میں یہ نظام کسی حد تک قائم رہا اور بھوپال، ٹونک، بہاول پور وغیرہ میں سوائے حدود کے تمام فیصلے اسلامی قانون کے مطابق ہوتے رہے۔ البتہ برٹش گورنمنٹ کے زیرِ نگیں علاقوں میں اسلامی قانون کو معطل کر دیا گیا، محاکم عدلیہ اٹھا دیئے گئے، ان کی جگہ تاجِ برطانیہ کی وفادار عدالتیں قائم ہوئیں، اسلامی حکومتوں کے قائم کردہ دارالافتاء برباد کر دیئے گئے، ان حالات میں امتِ محمدیہ کے دور اندیش اکابرِ دین نے امت میں دین کے علمی و عملی اور اخلاقی و اعتقادی نظام کو قائم اور باقی رکھنے کے لئے دینی ادارے قائم کئے جن سے تعلیم و تبلیغ اور درس و افتاء کے چشمے جاری ہوئے، یہ فقہاء اسلام اور حکمائے امت جنہوںؒ نے ان کٹھن حالات میں یہ نظام قائم رکھا، صرف یہی نہیں کہ یہ حضرات علوم اسلامیہ (تفسیر و حدیث، فقہ و اصول، جرح و تعدیل، قضایائے صحابہ و تابعین، نحو و بلاغت، صرف و لغت) کے دریائے ناپیدا کنار کے شناور ہوتے تھے، بلکہ اکابر اولیاء اللہ اور صالحین امت کے فیضِ صحبت سے تربیت یافتہ بھی ہوتے تھے، ان کے دل نور ایمان سے منور، ان کے دماغ فراست ایمانی سے روشن اور ان کے اخلاق و اعمال امت کے لئے قابل حجت نمونہ ہوتے تھے، روزِ اوّل ہی سے ان کی تعلیم و تربیت علوم انبیاء کے مزاج کے مطابق ''خضر صفت'' اساتذہ کے انفاسِ قدسیہ اور صحبتِ مقدسہ کے ذریعہ ہوتی تھی، جس کے نتیجہ میں وہ علمی تبحر، اخلاقی بلندی اور عملی کمال کے ساتھ شریعتِ محمدیہ کی ذمہ داری کی نزاکتوں کا بھی پورا پورا احساس رکھتے تھے، انہیں یہ بات پوری طرح ملحوظ رہتی تھی کہ کل انہیں بارگاہِ خداوندی میں پیش ہونا ہے اس لئے خدا خوفی اور فکرِ آخرت کے جذبے سے کسی کی رُو رعایت یا خوفِ ملامت کئے بغیر وہ ٹھیک ٹھیک احکام خداوندی بیان کرتے تھے۔

ظاہر ہے کہ یہ منصب صرف کتابوں کی ورق گردانی، غیر مسلم مستشرقین کی شاگردی، اعدائے اسلام کی معاشرت ان سے محبت و تعلق اور ان کی رہنمائی سے حاصل نہیں ہو سکتا بلکہ ان کفار اور مستشرقین کی صحبت سے رہے

سے فطری نقوش بھی مٹ جاتے ہیں، قبول حق کی توفیق سلب ہوجاتی ہے اور دلوں پر مہر لگ جاتی ہے، یہی وجہ ہے کہ مسلم ممالک کے سادہ لوح اسکالر جب مستشرقین کے سامنے زانوئے تلمذ طے کرتے ہیں تو انہیں دیکھتے ہی ان کی زبان سے بولنے اور ان ہی کے ذہن سے سوچنے لگ جاتے ہیں، ان کے صفحۂ دماغ اور لوحِ دل پر مستشرقین اساتذہ کے کافرانہ و معاندانہ نقوش کچھ اس طرح مرتسم ہوجاتے ہیں کہ کھلے کھلے اسلام کش نظریات کو وہ غیر شعوری طور پر ہضم کرتے چلے جاتے ہیں تا آنکہ وہ ان کفار کی کورانہ تقلید میں اس قدر راسخ ہوجاتے ہیں کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے لائے ہوئے دین کو ''روایتی اسلام'' کہہ کر پائے استحقار سے ٹھکرادیتے ہیں۔ جب قلوب مسخ ہوجائیں، نیتیں بدل جائیں، عزائم میں فساد ابھر آئے، مزاج بگڑ جائیں، ذہن کفر کے زہر سے مسموم ہوجائیں تو صرف یہی نہیں کہ پھر ان لوگوں کے سدھرنے کی توقع باقی نہیں رہتی بلکہ ان کا وجود، ان کا علم اور ان کا کردار امت کے لئے سراپا فتنہ بن جاتا ہے، اس وقت ان کی حالت ٹھیک وہی ہوتی جو نوح علیہ السلام نے اپنی امت کی بیان فرمائی:

﴿اِنَّكَ اِنْ تَذَرْهُمْ يُضِلُّوْا عِبَادَكَ وَلَا يَلِدُوْٓا اِلَّا فَاجِرًا كَفَّارًا﴾ [نوح:۲۷]

ترجمہ: اے اللہ! اگر آپ انہیں مزید مہلت دیں گے تو یہ صرف آپ کے بندوں کو بہکائیں گے اور ان کی آئندہ نسل بھی فاجر و بدکار ہی ہوگی۔

تفقہ فی الدین اور منصب افتاء

بہر حال تفقہ فی الدین اور ''افتاء'' کے بلند منصب پر ہر زید و عمرو کو فائز نہیں کیا جاسکتا، نہ ابوالفضل اور فیضی مزاج کے لوگوں کو اس پر براجمان کیا جاسکتا ہے، ہمارے ملک میں ہزاروں علماء، ہزاروں مؤلف اور ہزاروں مبلغ موجود ہیں لیکن ایسے حضرات بس چند گنے چنے ہی ہوں گے جنہیں تفقہ کا منصب جلیل حاصل ہے اور امت ان کے علم و عمل پر اعتماد رکھتی ہے، فتویٰ نویسی بچوں کا کھیل نہیں کہ ہر شخص کو اس کا اہل سمجھا جائے، اگرچہ اسلامی حکومت کی سرپرستی نہ ہونے کی وجہ سے آج کل برساتی کیڑوں کی طرح نام نہاد فتویٰ نویسوں کا سیلاب امنڈنا شروع ہوگیا ہے جس کے ہاتھ میں قلم ہے اور اس نے الٹے سیدھے چند سیاہ حروف پڑھ لئے ہیں وہ مفتی بن بیٹھا ہے اور خلق خدا کو گمراہ کرکے اپنے نامۂ عمل کی سیاہی میں اضافہ کررہا ہے۔ لیکن امت مسلمہ کے ایک عامی شخص تک میں بھی ابھی اتنا شعور موجود ہے کہ وہ واقعی مفتی اور ''مصنوعی مفتی'' کے درمیان اور صحیح عالم اور ''عالم نما جاہل'' کے درمیان تمیز کرسکے۔

ہمارا ملک جب سے نقشۂ عالم پر ظاہر ہوا ہے آج تک حکومت کی سرپرستی میں ''اسلامی محکمہ عدلیہ'' اور اسلامی دارالافتاء سے محروم رہا ہے، حکومت کی نظر میں اگر اس کام کی کوئی اہمیت تھی تو اسے ممنون ہونا چاہئے تھا کہ علماء امت نے بغیر کسی طمع و لالچ اور بغیر حکومتی اعانت کے دینی ادارے قائم کرکے امت مسلمہ کے دینی ضمیر کو بیدار

رکھا، آج تمام قابل قدر ممتاز اداروں میں فتویٰ نویسی کے لئے دارالافتاء قائم ہیں جن میں ملک کے گوشے گوشے سے سوالات آتے ہیں اور قابل اعتماد ماہرین کی نگرانی میں ان کے جواب دیئے جاتے ہیں جو کام اسلامی حکومت کے کرنے کا تھا، الحمدللہ کہ وہ غریب نادار اور بے نوا مسلمانوں کی توجہ سے پورا ہو رہا ہے، حکومت کے خزانے سے اس پر ایک پائی خرچ نہیں ہوتی۔

جدید مسائل اور ان کے حل کے لئے مجلس کا قیام

عام فقہی مسائل کے مشکل ہونے کے علاوہ جو نئے مسائل جدید تمدن نے پیدا کر دیئے ہیں ان کے صحیح اسلامی حل کا مسئلہ اور بھی انتہائی پیچیدہ اور دشوار ہے جن لوگوں نے حالات کے دھارے پر بہہ جانے اور لوگوں کے دین و ایمان کی کشتی کو مغرب کی طرف بہنے والے الحادی سیلاب کے رخ پر ڈال دینے ہی کو اصول بنا لیا ہے، انہیں مشکلات کا احساس نہیں ہو سکتا، ان کے پاس ہر مشکل کا آسان حل، زمانے کی آواز پر لبیک کہنا اور زمانہ سازی میں پورے اسلام کو لپیٹ لینا ہے، مشکلات کا صحیح احساس اس وقت ہوگا جب علوم اسلامیہ اور فقہی دقائق کا صحیح علم ہو، منصب افتاء کی نزاکت کا احساس ہو، حلال و حرام میں فکر آخرت دامنگیر ہو اور قیامت کی مسئولیت پیش نظر ہو، غرض دل و دماغ میں خوف خدا اور ذہن و فکر میں علم صحیح کا نور موجود ہو تو احساس ہوگا کہ شرعی احکام و مسائل میں منہ کھولنا کتنا مشکل مرحلہ ہے۔

جہاں تک غور و فکر کیا گیا، یہی احساس ہوا کہ جدید مسائل کے لئے شخصی، انفرادی غور و خوض کافی نہیں اور یہی یقین اس حدیث نبوی سے بھی ہوتا ہے جو ہم بار بار پیش کر چکے ہیں "ولا تمضوا فيه رأى خاصة"[1] چنانچہ اس مقصد کے لئے اپنے محدود وسائل کے مطابق چار حضرات کی جماعت نے بتوفیق اللہ تعالیٰ جدید مسائل پر اجتماعی غور و فکر شروع کر دیا ہے، تصفیہ شدہ مسائل کا اعلان اجتماعی فتوے کی صورت میں ان شاء اللہ عنقریب کر دیا جائے گا۔

ادارۂ تحقیقات اسلامی کی فتوے بازی

لیکن انتہائی افسوس کا مقام ہے کہ "ادارۂ تحقیقات اسلامی" نے ان تمام حقائق اور مشکلات سے آنکھیں بند کر کے جدید و قدیم مسائل میں فتویٰ بازی شروع کر دی ہے، گذشتہ دنوں یہ فتویٰ صادر کیا گیا کہ ایک انسان کے اعضاء کاٹ کر دوسرے کے لگا دینا جائز ہے اور اب یہ حکم صادر ہوا کہ بسم اللہ پڑھے بغیر جس جانور کو مشین سے قتل کر دیا جائے وہ حلال ہے اور تمام کفار کا ذبیحہ بھی حلال اور طیب ہے۔ یہ فتویٰ قرآن کی نص صریح اور

---

(۱) المعجم الاوسط للطبرانی ج:۲ ص:۱۷۲، ط:دار الحرمین القاهرة. مجمع الزوائد ج:۱ ص:۲۱۷، ط:دار الفکر بیروت

اجماع امت کے خلاف ہے اس فتویٰ کی تردید حضرت مولانا محمد شفیع صاحب اور دوسرے علماء فرما چکے ہیں، مگر سوال ان چند جزئیاتی مسائل کا نہیں بلکہ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ ایک سوچی سمجھی اسکیم کے مطابق تمام احکام شرعیہ کو مسخ کر ڈالنے کا منصوبہ ہے۔

ادارۂ تحقیقاتِ اسلامی اب تک جس طرح اسلام کے اصولی اور بنیادی مسائل کو تختۂ مشق بنا چکا ہے وہ اس ملک کے مسلمانوں کو معلوم ہے، اب ملت اسلامیہ میں مزید انتشار پیدا کرنے کے لئے اسلام کے متفق علیہ مسائل کو نشانہ بنالیا گیا ہے، کتنا اچھا ہوتا کہ یہ ادارہ جو حکومت کی نگرانی میں کام کر رہا ہے، صحیح العلم محقق علماء کو ساتھ لے کر ان مشکلات کو حل کرتا اور امت کے لئے صحیح علمی وفقہی روشنی مہیا کرتا لیکن اس صورت میں ان اداروں کی اصلی خواہشات شاید بروئے کار نہ آتیں، اب تو کتاب وسنت، فقہ اسلامی، خوف خدا اور مسئولیت آخرت سے بے نیاز ہوکر جو چاہیں فتویٰ صادر کریں، علمائے حق کے ساتھ مشورہ کرنے اور مسئولیت آخرت کو سامنے رکھنے کے بعد ظاہر ہے کہ یہ آزادی مشکل تھی۔

یہ کتنی عجیب بات ہے کہ اس ملک میں اب تک کوئی رسمی دارالافتاء قائم نہ ہوا۔ قائم ہوا تو ''ادارۂ تحقیقاتِ اسلام'' کاش یہ اسم بامسمّٰی ہوتا، لیکن اس کی اب تک کی تحقیقات کے پیش نظر تو اس کا صحیح نام ''ادارۂ تحریفاتِ اسلام'' ہی موزوں ہوگا جس نے سود شراب اور مردار کو حلال اور طیب ثابت کرنے پر ''ریسرچ'' کی۔

[شعبان ۱۳۸۷ھ]

اسلام کیا ہے؟

''اسلام'' یا ''دین اسلام'' حق تعالیٰ شانہٗ اور حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک معاہدہ کا نام ہے۔ کلمہ طیبہ یعنی ''لاالٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ'' اس معاہدہ کا متن ہے، معاہدے کی تمام دفعات نہایت اجمال وخوبی کے ساتھ انہی دو حرفوں میں سمیٹ دی گئی ہیں۔ ''کلمہ طیبہ'' کا پہلا جزء اللہ تعالیٰ شانہٗ کی الوہیت وخدائی کا دل وجان سے اقرار ہے، اس جزء میں حق تعالیٰ شانہٗ کی تمام صفات کمال وجلال وجمال کو سمیٹ دیا گیا، حق تعالیٰ خالق ہے، حق تعالیٰ رازق ہے، ہادی برحق ہے، وہ ہر دور میں تمام مخلوقات کے لئے ہدایت وارشاد کے نظام نامے نازل فرماتا اور اپنے نمائندے بھیجتا رہا ہے، کسی قوم کو بغیر ہادی کے نہیں چھوڑا، ہر دور کے ہر پیغام پر ایمان لانا یقین کرنا ضروری ہوگا، الغرض یہ اور اس قسم کی تمام تفصیلات اسی جزء کی تشریحات ہوں گی۔

دوسرا جزء حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت ورسالت کا زبان سے اعتراف اور دل وجان سے اسے تسلیم کرنا ہے، وہ تمام صفات وکمالات جو حضرت حق تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو عطا فرمائے ہیں ان سب پر ایمان لانا ایک کلمہ گو کے لئے ضروری ہوگا، بعثت انبیاء کا جو سلسلہ حضرت آدم علیہ السلام سے شروع ہوا تھا

وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر ختم ہوا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم خاتم النبیین بنائے گئے، حق تعالیٰ کا آخری پیغام ہدایت ''قرآن کریم'' آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے ذریعہ رہتی دنیا تک تمام انسانیت کے لئے نازل فرمایا گیا اور اس کے تمام احکام ابدی ہیں ان میں کسی ترمیم وتبدیل کی گنجائش نہیں اور یہ نظام نامۂ ہدایت چونکہ تمام مخلوقات کے لئے تھا عرب کے لئے بھی تھا عجم کے لئے بھی، ایشیا کے لئے بھی تھا اور یورپ کے لئے بھی، افریقہ کے لئے بھی تھا اور امریکہ کے لئے بھی تھا، اور ہر دور کے لئے تھا اور تمام نسل انسانی جو قیامت تک آنے والی تھی سب کے لئے تھا اس لئے کسی دور میں جو برائیاں اور خرابیاں پیدا ہونے والی تھیں، ان سب کی اصلاح کے لئے تھا اور ایسا کرنے سے حق تعالیٰ عاجز نہ تھا کیونکہ اس کا علم بھی کامل ومحیط تھا، ازلی تھا، ابدی تھا، کوئی چیز اس سے مخفی نہ تھی اور قدرت بھی کامل تھی، کوئی چیز اس کی قدرت سے باہر نہ تھی، اس لئے تمام نسل انسانی کے لئے اور ان کے امراض روحانی کے لئے ایک جامع نسخۂ شفا نازل کرنا اس کے علم محیط اور قدرت کاملہ سے باہر نہ تھا اور اسی آخری پیغام ہدایت میں یہ واضح اعلان فرمادیا تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم خاتم النبیین ہیں اور نبوت کا سلسلہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر ختم کردیا گیا اور نہایت شرح وبسط کے ساتھ اس کی تفصیلات کو قرآن وحدیث میں واضح کردیا گیا، خلاصہ یہ ہے کہ یہ تمام تفصیل اسی دوسرے جزء کی تشریح ہے، ان دوحرفوں کے اعتراف کرلینے سے تمام دین کے تسلیم کرلینے کا معاہدہ ہوجاتا ہے اور دین کی ایک ایک بات کو ماننا اور اس پر ایمان لانا ضروری ہوجاتا ہے۔

ظاہر ہے کہ زبان سے تو صرف اظہار واقرار کرنا ہوتا ہے، اصل تسلیم واعتراف تو دل کا ماننا اور اس پر یقین کرنا ہے، کوئی شخص بھی ایسے معاہدہ کو صحیح نہیں مان سکتا جو صرف زبان سے تو کہا جائے اور دل میں نہ ہو، اسی کا نام جھوٹ ہوگا، سچے اقرار کے معنی یہ ہیں کہ بدل وجان تسلیم کیا جائے اور قلبی یقین واذعان کا زبان سے اظہار واقرار کیا جائے۔ دیکھئے ''عقد نکاح'' کیا ہے؟ بظاہر تو صرف دو لفظ ہیں ''ایجاب وقبول'' ایک کی جانب سے کہا جاتا ہے کہ میں نے اپنا نفس آپ کے نکاح میں دے دیا دوسرا کہتا ہے کہ میں نے قبول کیا، انہی دولفظوں کے بولنے کے بعد گویا وہ تمام باتیں جو زوجیت کے لوازم ہیں سب اسی ایجاب وقبول میں آگئیں، بیوی کا نفقہ، اس کی رہائش، اس کی تیمارداری، اس کی حفاظت، اس کی ہر وہ خدمت جس کی وہ محتاج ہوگی ان سب کے التزام کا معاہدہ ہوگیا، کوئی جاہل یہ نہیں کہہ سکتا ہے کہ میں نے کب ان باتوں کا اقرار کیا تھا، تمام عقود ومعاملات کا دارومدار ان ہی دوحرفوں پر ہوتا ہے جس کا نام شرعی زبان میں ''ایجاب قبول ہے''۔ تمام حکومتوں کے معاملات اسی طرح سے ہوتے ہیں، جب ایک حکومت نے دوسری حکومت کو تسلیم کرلیا اور اپنا سفیر بھیج دیا تو وہ تمام روابط جو آج کی بین الاقوامی سیاست میں دو دوست حکومتوں میں ہوا کرتے ہیں وہ سب قائم ہوجاتے ہیں، الغرض ''لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ'' کا یہ مختصر کلمہ تمام اسلامی معاہدے کا متن ہے اور دین اسلام کی تمام ہدایات واحکام کا ماننا ضروری ہوجاتا ہے، اس لئے تمام علماء امت محمدیہ کا یہ اجتماعی عقیدہ ہے کہ ایمان یا اسلام نام ہے اس عقد کا کہ جو کچھ اللہ ورسول نے فرمایا ہے وہ

سب سچ ہے، دل وجان سے اس کی تصدیق کی جائے اور اس پر ایسا یقین کامل ہو جس میں شک وشبہ کی کوئی گنجائش نہ ہو اور ہر طرح کے شبہات وشکوک سے بالاتر ہو اس قسم کی تصدیق کا نام ایمان ہے:

"هو تصديق النبي صلى الله عليه وسلم في جميع ماجاء به من عند الله، مما علم كونه من الدين ضرورة" (۱)

لغت میں اسلام کے معنی

جہاں تک لغت کا تعلق ہے "اسلام" کے معنی تسلیم وانقیاد اور طاعت وفرمانبرداری کے ہیں اور قرآن کریم کی اصطلاح میں "اسلام" کا اطلاق اس آسمانی دین پر ہوتا ہے جو انبیاء کرام علیہم الصلوات والتسلیمات کے ذریعہ حق تعالیٰ کی طرف سے آیا، یہ سلسلہ حضرت آدم صفی اللہ علیہ السلام سے شروع ہو کر حضرت خاتم الانبیاء محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ختم ہوا، اسی لئے ہر نبی کے دور نبوت میں اس کے ذریعہ آئے ہوئے دین کو "دین اسلام" کہا جاتا تھا اور ہر وہ شخص جو اس دین کا متبع ہو "مسلمان" کہلانے کا مستحق تھا لیکن آخر میں جب یہ سلسلہ حضرت خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم پر آکر ٹھہرا تو دین حق دین محمدی (علی صاحبہ الصلاۃ والسلام) کا نام بن گیا اور جو دین حق تعالیٰ نے حضرت رسول اللہ محمد بن عبداللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ نازل فرمایا محض اس کا لقب "اسلام" رکھا گیا اب "دین اسلام" صرف اسی مخصوص دین کا لقب اور نام ہے کسی دوسرے دین پر اس کا اطلاق نہ ہوگا اور نہ کسی قدیم یا جدید دین کے ماننے والے کو "مسلمان" کہنا ہی صحیح ہوگا اسی لئے عرفات کے میدان میں عرفے کے دن جمعہ کی عصر کو (۹/ذی الحجہ ۱۰ھ) تمام امت اسلامیہ کے سامنے یہ اعلان کر دیا گیا:

﴿اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا﴾ [المائدة:۳]

ترجمہ: آج کے دین تمہارا دین تمہارے لئے مکمل کر دیا اور اپنی نعمت پوری کر دی اور اسلام ہی تمہارا دین تمہارے لئے پسند کیا۔

اس مقام پر "بعض مشاہیر" اہل قلم کو بڑی غلط فہمی ہوئی اور خطرناک باتیں قلم سے نکل گئیں، حقیقت یہی ہے جو عرض کی گئی، کامل ترین صورت میں حق تعالیٰ نے "دین اسلام" کو نازل فرمایا اور اس آخری ہدایت کو آخری شکل دے دی گئی جس میں کسی اضافے یا ترمیم کی گنجائش نہیں اور حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عملی زندگی اور ارشادات سے اس کی مکمل تشریح کر دی گئی اور قرآنی ونبوی ارشادات میں ایسے رموز ونکات واشارات کر دیئے گئے کہ صحیح طور پر سمجھ لینے کے بعد آئندہ کے تمام مسائل کا حل نکل سکے اور ان کی روشنی میں وہ تمام مسائل خود بخود

(۱) شرح العقائد النسفية، مبحث الايمان ص: ۱۲۰، ط: الميزان لاهور.

واضح ہوتے رہتے ہیں کہ ظاہر ہے کہ مدارک وعقول کے مراتب میں قدرتی تفاوت واختلاف موجود ہے تو اجتہادی مسائل میں بھی اختلاف ناگزیر ہے اس لئے اس کو برداشت کیا گیا اور عہد نبوت میں جو طریقہ کار رہا اس سے اس کی تصدیق ہوتی ہے البتہ غور وفکر کرنے والے حضرات کے لئے قرآن وحدیث کی روشنی میں اجتہاد کی اہلیت اور اس کے شرائط ضروری ہیں اور جن کو اہلیت نہ ہو ان کی مداخلت برداشت کے قابل نہیں، یہ تو نہایت نازک مرحلہ ہے اور غامض ودقیق علم واسرار ہیں، اللہ ورسول کا کلام ہے، ہر کس وناکس کے لئے دخل دینے کی گنجائش کا کیا امکان ہے، جب کہ دنیا کے ''علوم وفنون'' جو انسانی عقول وادراکات کے نتائج ہیں اور انسانی دماغ وعقل سے پیدا شدہ ہیں ان کے لئے بھی اہلیت کو ضروری سمجھا جاتا ہے پھر کتنی عجیب بات ہے کہ اللہ ورسول کے کلام میں اتنی آزادی وحریت؟ کہ جس کا جی چاہے اور جو چاہے اس کے لئے وقف عام کر دیا جائے کتنی حیرت کی بات ہے اور اس سے بڑھ کر حیرت کی بات یہ ہے کہ شرعی نصوص یعنی اللہ تعالیٰ ورسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی واضح ہدایات کو میزان عقل قاصر سے ناپا تولا جائے اور جب اپنی فہم نارسا کے موافق نہ دیکھے انکار کیا جائے۔

انبیاء کرام علیہم السلام کی بعثت کا مقصد

تمام انبیاء کرام علیہم السلام کی بعثت کا اصلی مرکزی نقطہ نہ صرف اصلاح معاشرہ ہے بلکہ مخلوق کا خالق سے ٹھیک ٹھاک رابطہ پیدا کرنا ہے تاکہ انسانی نظریات اور اخلاق واعمال میں جو خرابیاں پیدا ہوتی ہیں ان کی اصلاح کی جائے اور اللہ تعالیٰ کی وہ مرضیات بتائی جائیں جن کے ادراک سے انسانی عقلیں قاصر ہیں، اسی طرح توحید، صفات باری، جنت دوزخ، برزخ کے احوال، ملائکہ کا وجود، مرنے کے بعد کی زندگی، حساب وکتاب وغیرہ وغیرہ دینی حقائق جن کے فہم وادراک سے تمام عقلیں قاصر ہیں ان کا بتلانا اور ان تمام غیبی حقائق پر یقین پیدا کرنا ان سب کا منصب ہے غرض جو خرابیاں اعتقاد وعمل، اخلاق وکردار میں پیدا ہوتی ہیں انبیاء کرام علیہم السلام ان کی اصلاح کرتے ہیں ان خرابیوں اور بے اعتدالیوں میں سے کسی کا نام شرک ہے اور کسی کا کفر، کسی کا نام نفاق ہے اور کسی کا ظلم وغیرہ وغیرہ، ان تمام مراحل کو طے کرنا ہے اور اس اصلاح کے راستے میں جو مشکلات پیش آتی ہیں ان سے عہدہ برآ ہونا ہے۔ اور بسا اوقات جب معاملہ حد سے گذر جائے اور اصلاح کے تمام راستے بند ہو جائیں تو تلوار اٹھانے کی ضرورت پڑتی ہے اور جہاد وقتال کی نوبت آجاتی ہے۔ اگر انبیاء کرام کفر کو برداشت کریں اور کوئی اصلاحی قدم نہ اٹھائیں اور لوگوں کو اپنی اپنی حالت پر چھوڑ دیں اور عملی جدوجہد شرک وکفر کے مٹانے کے لئے نہ [illegible]
[illegible]
[illegible]

بیان کرنا، کفر و شرک کی باتوں کو واضح کرنا اور عملی جدو جہد کے تمام مراحل سے گزرنا انبیاء کرام علیہم السلام کے لئے ناگزیر ہے، اگر دعوت و تبلیغ کے کسی مرحلے پر: ﴿لَااِکْرَاهَ فِی الدِّیْنِ قَدْتَّبَیَّنَ الرُّشْدُمِنَ الْغَیِّ﴾ (۱) کا اعلان ہوتا ہے، تو کسی مرحلے پر جا کر:

﴿مَاکَانَ لِنَبِیٍّ اَنْ یَّکُوْنَ لَهٗ اَسْرٰی حَتّٰی یُثْخِنَ فِی الْاَرْضِ﴾ (۲)

﴿قَاتِلُوا الَّذِیْنَ یَلُوْنَکُمْ مِّنَ الْکُفَّارِ وَلْیَجِدُوْا فِیْکُمْ غِلْظَةً﴾ (۳)

کا اعلان بھی ہوتا ہے۔

اور یہ بھی اعلان ہوتا ہے: ﴿یٰاَیُّهَا النَّبِیُّ جَاهِدِالْکُفَّارَ وَ الْمُنٰفِقِیْنَ وَاغْلُظْ عَلَیْهِمْ وَمَاْوٰهُمْ جَهَنَّمُ وَبِئْسَ الْمَصِیْرُ﴾ (۴) اور یہ بھی اعلان ہوتا ہے: ﴿قُلْ لَا تَعْتَذِرُوْا قَدْ کَفَرْتُمْ بَعْدَ اِیْمَانِکُمْ﴾ (۵) اور یہ بھی اعلان ہوتا ہے: ﴿فَمَا لَکُمْ فِی الْمُنٰفِقِیْنَ فِئَتَیْنِ وَاللّٰهُ اَرْکَسَهُمْ بِمَا کَسَبُوْا اَتُرِیْدُوْنَ اَنْ تَهْدُوْا مَنْ اَضَلَّ اللّٰهُ﴾ (۶) بہر حال کفر و شرک کو مٹانا اور توحید کے جھنڈے گاڑنا ان کا سب سے پہلا کام ہوتا ہے، دینی نظام کے مختلف ادوار میں انبیاء آتے رہے، کبھی کبھی انبیاء کرام کے ساتھ ملوک و سلاطین کا نظام بھی قائم کیا گیا اور انبیاء کی رہنمائی میں کام کرنے کا حکم دیا گیا، خاتم الانبیاء حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی کو تمام انبیاء سابقین و ملوک صالحین و عادلین کے کمالات کا وارث بنایا گیا اور ایسی جامعیت عطا فرمائی گئی کہ تمام مناصب اصلاح خواہ دعوت و تبلیغ کے ہوں یا جہاد و قتال کے یا نظم مملکت کے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات بابرکات میں جمع کر دیے گئے تھے، بیک وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم داعی الی اللہ بھی تھے اور حاکم اعلیٰ بھی اور قائد جیوش بھی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلفائے راشدینؓ بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی صفات [illegible]

---

(۱) (کسی کو) دین (پر لانے کے معاملہ) میں کوئی زبردستی نہیں، ہدایت (اور) گمراہی (ایک [illegible]) ہے (اس کے بعد بھی جو گمراہی کو چھوڑ کر ہدایت پر نہیں آتا، نہ آئے جہنم میں جائے)۔ [illegible]

(۲) کسی نبی کے لئے یہ مناسب نہیں کہ اس کے پاس (کافر) قیدی ہوں (اور وہ ان کو [illegible]) [illegible] میں خونریزی نہ کر لے۔ [الانفال: ۶۷]

(۳) اور لڑو ان کافروں سے جو تمہارے قریب (آباد) ہیں اور انہیں تم میں سختی محسوس کرنی چاہئے۔ [التوبۃ: ۱۲۳]

(۴) اے نبی! ان کافروں اور منافقوں سے جہاد کیجئے اور (ان سے ذرا نرمی نہ کیجئے بلکہ) ان پر سختی کیجئے اور ان کا ٹھکانا جہنم ہے اور وہ لوٹنے کی بہت ہی بری جگہ ہے۔ [التوبۃ: ۷۳]

(۵) آپ کہہ دیجئے بہانے نہ بناؤ، [illegible] شک نہیں کہ تم نے (دعویٰ) ایمان کے بعد (بھی) کفر کا ارتکاب کیا ہے۔ [التوبۃ: ۶۶]

(۶) (اے) مسلمانو! تمہیں کیا ہوا کہ تم منافقوں کے بارے میں اختلاف کرنے لگے (کہ تم میں [illegible]) باوجود یہ کہ اللہ نے ان کو بدعملی کے سبب الٹے پاؤں پھیر دیا، کیا تم یہ چاہتے ہو کہ جسے اللہ [illegible] کو ہدایت یافتہ قرار دو؟) [النساء: ۸۸]

تھے،جس طرح انبیاء کا منصب تھا کہ توحید کی علمبرداری کریں، دنیا سے کفر و شرک کو مٹائیں اور دعوت الی اللہ کے لئے جدو جہد کریں،ٹھیک اسی طرح علوم نبوت کے وارثین کا فرض منصبی ہے کہ ایمان و کفر کی تمیز کرائیں اور ایک دوسرے کی حدود کو متعین کریں جس طرح کسی مسلمان کو کافر کہنا گناہ عظیم ہے،ٹھیک اسی طرح کسی کافر کو مسلمان کہنا بھی بڑا عظیم جرم ہے۔اگر علماء امت اس فریضہ میں کوتاہی کریں تو ادائے فرض کی کوتاہی میں عند اللہ مجرم ہوں گے،البتہ یہ ضروری ہے کہ اس فریضہ کی ادائیگی علم صحیح کی روشنی میں نیک نیتی سے ہو،جذبات سے بالاتر ہو۔

علماء کا فرضِ منصبی

حدودِ اسلام کی حفاظت اور پاسبانی یہ علماء امت کا فرض منصبی ہے جس کے بہر حال مکلف ہیں، اگر اسلامی حکمرانوں کا فرض منصبی ہے کہ وہ مملکت اسلامیہ کی جغرافیائی حدود کی حفاظت کریں تو علماء امت کا فریضہ ہے کہ وہ حدود دین اسلام کی حفاظت کی تدابیر سرانجام دیں،اور اگر غور کیا جائے تو دین اسلام کی حدود کی حفاظت مملکت اسلامی کی حفاظت سے بھی زیادہ اہم ہے،اب اگر مملکت اسلامی کے چپہ چپہ کی پاسبانی ضروری ہے تو اس سے زیادہ اسلامی قوانین اور احکام کی پاسبانی بلکہ ہر ہر حکم و قانون کی پاسبانی ضروری ہے اور اسلامی مملکت بھی صحیح معنی میں وہی ہو سکتی ہے جو دین اسلام کی محافظ ہو اور جس میں احکام اسلام کی تنفیذ و تحفظ کی ضمانت ہو،ظاہر ہے کہ مملکت خداداد پاکستان اسلام اور مسلمانوں کی حفاظت اور پاسبانی کے لئے وجود میں آئی ہے،تمام تر کوشش اسی لئے تھی کہ مسلمانوں کے نفوس کو امن و امان نصیب ہو اور اسلامی احکام محفوظ ہوں اگر کسی اسلامی ملک میں اسلامی قوانین کی حفاظت نہ ہو تو اس اسلامی حکومت کو اسلامی کہنا بے معنی ہو جاتا ہے۔ہر مملکت کی نوعیت اس کے دستور اور اس کے قوانین سے پہچانی جاتی ہے،جس طرح کمیونسٹ حکومت کا نظام اس کے دستور سے معلوم ہوگا اور جمہوری مملکت اس کے آئین سے معلوم ہوگی اس طرح ایک اسلامی مملکت کی شناخت کی علامت اسلامی دستور ہے،اگر کسی اسلامی مملکت میں ''غیر اسلامی اقلیت'' موجود ہے تو اس کے یہ معنی ہرگز نہیں کہ ان کو غیر مسلم کہنا جرم ہوگا،کوئی غیر مسلم صرف اسلامی مملکت میں رہنے سے تو مسلمان نہیں بنے گا،کافر کافر رہے گا اور مسلمان مسلمان،اگر کافر موجود ہے تو اس کو کافر کہنا پڑے گا اگر کوئی شخص اسلامی قوانین میں سے کسی بھی قانون کا انکار کرے گا تو وہ یقینا کافر اور غیر مسلم قرار دیا جائے گا،اسلام کا تعلق نہ تو جغرافیائی حد بندی سے ہے نہ رنگ و نسل سے ہے نہ وطن سے ہے بلکہ دین محمدی کی ایک ایک بات کو ماننے اور بغیر ہیر پھیر کے اس پر ایمان لانے اور یقین کرنے سے ہے،اس یقین کے اقرار کرنے کے لئے عنوان ہے''لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ'' امید ہے کہ اہل انصاف کے لئے یہ چند اشارات کافی ہوں گے حق تعالیٰ صحیح فہم نصیب فرمائے۔

واللہ سبحانہ ولی التوفیق والهداية وهو حسبنا ونعم الوكيل

[رمضان ۱۳۸۸ھ]

دین اسلام کیا ہے؟

''اسلام'' نام ہے اس دین وشریعت کا جو حضرت خاتم الانبیاء محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے توسط سے امتِ محمدیہ کو دیا گیا ہے، اس کی بنیاد دو چیزوں پر ہے ایک قرآن کریم اور دوسری سنت نبویہ محمدیہ علی صاحبها الصلوات والسلام، یہ دین مجموعہ ہے عقائد وعبادات کا، قوانین واحکام کا، اخلاق وتزکیہ نفوس کا، اس میں عبادت کا جامع ترین نظام ہے جس میں عبادات بدنیہ بھی ہیں جیسے نماز روزہ، مالی بھی ہیں جیسے زکاۃ، صدقات، کفارات، بدنی ومالی دونوں کی جامع بھی ہیں جیسے حج وعمرہ، اسلام جس طرح عبادات کا جامع نظام رکھتا ہے، اسی طرح وہ احکام وقوانین کا بھی محیر العقول جامع ترین نظام ہے جس میں نظمِ مملکت سے لے کر امور خانہ داری تک زندگی کے انفرادی واجتماعی، دینی وسیاسی، معاشی واقتصادی، ہر پہلو اور ہر گوشے کے لئے تمام جزئیات موجود ہیں، اسی طرح اس میں نفس وروح کے تزکیہ کے لئے ظاہری وباطنی تمام ہدایات وارشادات موجود ہیں، غرض زندگی کا کوئی شعبہ ایسا نہیں جس کے لئے اسلام کے حیرت انگیز نظام نامۂ حیات میں ارشادات وہدایات کا کافی وشافی سرمایہ موجود نہ ہو، دینِ اسلام کا خزانۂ عامرہ ان تمام جواہرات اور قیمتی لعل وگہر سے مالا مال ہے جو انسانیت کی فلاح وبہبود کے لئے درکار ہیں اور جن سے دنیا بھر کے ''ازموں'' کا دامن خالی ہے۔ اسلام کو کوئی ضرورت نہیں کہ وہ لینن ومارکس اور ہیگل وانیجلز کے دروازے پر جا کر بھیک مانگے یا کسی سرمایہ دارانہ نظام کا دروازہ کھٹکھٹائے، اسلام، علیم وخبیر اور سمیع وبصیر رب العالمین جل ذکرہٗ کی طرف سے نازل کردہ دین ہے، چند عقلاء وحکماء کے ذہنی ادراک کا نتیجہ نہیں، نہ قانون ساز اداروں یا قوم کے چند نمائندوں کی دماغی کاوشوں کا ثمرہ ہے، یہ اس علیم وخبیر کی قدرتِ کاملہ اور رحمتِ کاملہ کا ظہور ہے جو ہر دور، ہر زمانہ، ہر قوم اور ہر ملک کے انسانوں کا خالق ہے جو پوری انسانیت کے حقیقی امراض سے باخبر اس کی واقعی ضروریات سے واقف اور اس کی دقیق نفسیات کا راز داں ہے۔

دین اسلام سے دوری کے نتائج

تاریخ کے جس دور میں مسلمان حکمران اس پاکیزہ دین پر عمل کرتے رہے، اس کی برکات وثمرات سے فیضیاب ہوتے اور جتنی بہتر صورت میں اس پر عمل ہوتا رہا اس کے مطابق نتائج بھی ظاہر ہوتے رہے، بالآخر رفتہ رفتہ ملوک وامراء کی عیش وعشرت اور افراد واقوام کی غفلت سے ان قوانین واحکام پر عمل کمزور ہوتا چلا گیا اور رفتہ رفتہ اسلامی نظام کی برکات سے مسلمان محروم ہوتے چلے گئے اور بعض ممالک میں تو یہ نعمت بالکلیہ چھین لی گئی، ان بدنصیب ملکوں میں ہمارا متحدہ ہندوستان بھی تھا جس پر تقریباً ایک ہزار برس کے بعد کفارِ یورپ کی ظالم وجابر حکومت کا تسلط ہوا، تقریباً ایک صدی بعد ایک حصہ متحدہ ہندوستان کا دوبارہ ''پاکستان'' کے نام سے مسلمانوں کے اقتدار میں دیا گیا، یہاں ابتدائی دور کے چند سالوں کے بعد ایسے حکمران آتے گئے جن کی طرف سے دین اسلام

ذریعہ اسلام کے ان شخصی قوانین کا بھی جنازہ نکال دیا گیا، یہ عائلی قوانین وہ تھے جن کا خاکہ سابقہ دور حکومت کے چند پرویزی فکر لوگوں نے مغربی معاشرت سے درآمد کیا تھا لیکن تمام مسلمانوں کی نیز مسلم پریس کی شدید مخالفت کے باعث وہ منظور نہیں ہوسکا تھا لیکن مارشل لا کے دور میں اس کو مسلط کردیا گیا، بعد میں علماء نے قرآن وسنت کے دلائل سے اس کی تنسیخ وترمیم کا مطالبہ کیا اور تمام اراکینِ اسمبلی نے اس کی معقولیت کو تسلیم کرلیا، سترہ ترمیمیں منظور کی گئیں اور ان پر غور کرنے کے لئے ایک سب کمیٹی مقرر ہوئی، آخر کار صدر مملکت نے اپنے اختیارات سے اسمبلی کے فیصلے کو راتوں رات مسترد کردیا اور اس طرح وہ رسوائے عالم قانون مسلمانوں پر بدستور مسلط رہا جو قرآن وسنت نصوصِ قطعیہ اور عقل ودیانت سب کے خلاف ہے۔

افرادی قوت اور عددی اکثریت کے فوائد

دنیا کی دانشمند قومیں ہمیشہ اپنی عددی اکثریت پر فخر کرتی ہیں، اگر کسی قوم کو عددی اکثریت کے ساتھ عسکری قوت اور فوجی طاقت بھی مہیا ہوجائے تو دنیا میں وہ زبردست طاقت بن جاتی ہے، حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی مسلمانوں کو نسل بڑھانے کی ترغیب دی اور اسے قیامت کے روز اپنے فخر کا ذریعہ فرمایا اور قرآن کریم نے بھی نسل کشی کی مذمت کی ہے اور یہ فرمایا کہ یہ حرکت حق تعالیٰ کی رزاقیت کے عقیدے کے خلاف ہے، حق تعالیٰ رزاق ہے، رزق کا کفیل اللہ تعالیٰ ہے کوئی فرد یا جماعت یا حکومت رزاق نہیں، فرد و جماعت اور حکومت کے ذمہ تو صرف کسبِ معاش کی تدبیر ہے لیکن تقلیلِ نسل کی اس لعنت کو پاکستان پر مسلط کرنے کے لئے خاندانی منصوبہ بندی درآمد کی گئی اور کروڑوں روپیہ اس نسل کشی پر خرچ کر کے اعداءِ اسلام کو مطمئن کرنے کا موقع دیا گیا، علماءِ امت نے اس کی قباحتیں اور اس کے برے نتائج کے واضح کرنے میں تقریر او تحریر اکوئی کسر باقی نہیں رکھی تھی لیکن افسوس کہ کسی کی ایک نہیں سنی گئی، ستم یہ کہ اس قبیح تحریک کو غیر شادی شدہ لڑکوں اور لڑکیوں میں فروغ دے کر فواحش ومنکرات کا دروازہ کھول دیا، اناللہ۔

یہ ہیں وہ دینی کارنامے جو عہدِ حاضر کی حکومت کے زریں کارنامے ہیں، عقائد، احکام، اخلاق، معاشرت سب کو تباہ کرنے کی کوئی کسر باقی نہیں چھوڑی گئی، اقتصادی، سیاسی اور معاشی مسائل کی داستان بھی طویل ہے جو عوام سے مخفی نہیں، الغرض تمام دینی احکام اور دنیوی مصالح کی بنیادوں کو ہلا دیا گیا، آخر حق تعالیٰ کے وصف "عزیزٌ ذوانتقام" کا ظہور ہوا اور آج اس حکومت کی ذلت کے وہ روح فرسا مظاہر سامنے آئے کہ کوئی تصور بھی نہیں کرسکتا تھا کہ ایسا ہوگا، سابقہ ادوار کا ایک حکمران مردہ گوروں میں جا ملا اور گورا قبرستان میں دفن ہوا، دوسرا اسلام دشمن حکمران زندہ گوروں میں جا کر سکونت پذیر ہوا، دونوں کا حشر دنیا نے دیکھ لیا یہ ہیں تاریخ کے عبرت ناک مظاہر۔

ان روح فرسا عبرت ناک واقعات سے درسِ عبرت لینے کی ضرورت ہے، یہ ظاہر ہے کہ ملکِ اسلام

کے نام پر بنا اور اسلام کا نام بلند کرنے کے ارادوں سے وجود میں آیا، پھر کتنا دردناک منظر ہے کہ اسلام ہی کو ذبح کرنے کی کوششیں ہوئیں جس کے تصور سے دل کانپ اٹھتا ہے، اب بعض حلقوں سے ''سوشلزم'' یا ''اسلامی سوشلزم'' کی آوازیں سننے میں آ رہی ہیں۔

سوشلزم کیا ہے؟ اس کے نتائج کتنے ہولناک ہیں؟ اس نے دنیا کو کیا دیا؟ اس کے بانی اور لیڈر غریب عوام کے کتنے خیر خواہ اور مساوات کے خوشنما اور بلند بانگ دعوؤں میں کتنے مخلص ہیں؟ اس کے لئے کسی دوسری فرصت کی ضرورت ہے یہاں ہم صرف اتنا کہیں گے، پاکستان اسلام اور صرف اسلام کی خاطر معرض وجود میں آیا، اسلام ہی پر اس کا وجود موقوف ہے، اسلام اور پاکستان کا درمیانی رشتہ اتنا مضبوط اتنا گہرا اور اتنا شدید ہے کہ ان دونوں کو جدا نہیں کیا جا سکتا، اس لئے جو لوگ پاکستان میں اسلام کے سوا کسی اور ''ازم'' کو لانے کا خواب دیکھتے ہیں وہ بنائے پاکستان کی نفی کر کے نہ صرف اسلام اور ملت سے دغا کرتے ہیں بلکہ خود اپنے آپ کو بھی فریب دیتے ہیں اور جو لوگ اسلام کے حسین قبا میں ''مارکسی ٹاٹ'' کا پیوند لگانا چاہتے ہیں وہ بیک وقت اسلام اور سوشلزم دونوں سے اپنی ناواقفیت کا مظاہرہ کرتے ہیں۔

صدر ایوب کے بارے میں ایک افواہ اور اس کی وضاحت

روزنامہ جنگ نے ۱۷ جنوری ۱۹۶۹ء کی اشاعت میں ''صدر ایوب کے عقیدہ'' کی وضاحت کی سرخی کے ساتھ یہ خبر شائع کی ہے:۔

> ''لاہور کے ایک ممتاز شہری نے حال ہی میں صدر کے ملٹری سیکرٹری کو ایک خط لکھا تھا، جس میں قرآن مجید کے متعلق صدر کے بعض مبینہ تبصروں کی وضاحت کے لئے استدعا کی گئی تھی، ان کو جوابی مکتوب میں مطلع کیا گیا ہے کہ آپ نے ملٹری سیکرٹری کو جو خط ارسال کیا تھا، صدر ایوب نے اس کا مطالعہ کیا اور سید فدا حسن کو ہدایت کی کہ وہ اس خط کا جواب روانہ کریں اور صحیح صورتِ حال کی وضاحت کر دیں، صدر کے مشیر اعلیٰ نے اپنے جواب میں واضح اور غیر مبہم طور پر لکھا ہے کہ صدر سے جو باتیں منسوب کی گئی ہیں وہ قطعی غلط اور بے بنیاد ہیں اور صدر کا کہنا ہے کہ ''وہ کبھی یہ الفاظ نہیں کہہ سکتے''۔ سید فدا حسن نے مزید لکھا ہے: ''یہ قطعی غلط اور بے بنیاد ہے کہ سربراہ مملکت اس فرقہ [1] میں شامل ہو گئے ہیں جو ''قادیانی'' عقیدہ رکھتا

(۱) قادیانی امت کو ''فرقہ'' کہنا ہی غلط فہمیوں کی اصل جڑ و بنیاد ہے قادیانی جماعت اسلام کا ایک فرقہ نہیں بلکہ اسلام کے بالکل محاذی ایک جدید دین اور جدید امت ہے ہمیں تعجب ہے کہ صدر کے مشیر اعلیٰ نے غلط فہمی کا ازالہ کرتے ہوئے اس کی اصل جڑ کو جوں کا توں کیسے رہنے دیا۔ (مدیر)

ہے انہوں نے مزید وضاحت کرتے ہوئے کہا: ''صدر ایوب ایک سنی خاندان میں پیدا ہوئے اور وہ راسخ العقیدہ سنی ہیں اور ان کا کہنا ہے کہ انہوں نے کبھی اپنے عقیدے میں تبدیلی کی ضرورت محسوس نہیں کی''، سید فدا حسن نے آخر میں امید ظاہر کی ہے کہ اس وضاحت سے تمام لوگوں کے شکوک و شبہات ختم ہو جائیں گے۔

راسخ العقیدہ سنی مسلمان کون ہے؟

صدرِ محترم کے بارے میں یہ افواہ گذشتہ کئی مہینے سے گرم تھی کہ انہوں نے قادیانی مسلک اختیار کرلیا ہے اور وہ واقعۃً قادیانی ہوگئے ہیں اگرچہ عقل اسے کسی طرح ماننے کے لئے تیار نہیں تھی لیکن بعض حلقے بڑے وثوق واعتماد سے اس پر چیلنج کر رہے تھے اور صدر محترم سے اس بارے میں وضاحتی بیان کا مطالبہ کیا جارہا تھا، ادھر قصرِ صدارت کی طرف سے اس کا جواب مکمل خاموشی رہا، ایسے میں عوام کا شکوک و شبہات میں مبتلا ہوجانا ایک طبعی امر تھا، مقامِ شکر ہے کہ صدر کے مشیرِ اعلیٰ نے اس افواہ کی ''غیر مبہم الفاظ'' میں تردید کردی، کاش یہ کام چند مہینے پہلے ہوگیا ہوتا تو غلط فہمی کو جاگزیں ہونے کا موقعہ نہ ملتا اور فضا میں جو تلخی اور شدت پیدا ہوچکی ہے، یہ نہ ہوتی۔ مگر یہ فرض صدر کے قریبی حلقوں کا تھا کہ وہ صدر مملکت کو حالات کی صحیح نزاکت سے آگاہ رکھتے، خیال ہوتا ہے کہ شاید اب بھی اس قضیہ کے پورے گوشے صدر کے سامنے نہیں رکھے گئے نہ ان تمام غلط فہمیوں سے انہیں آگاہ کیا گیا جو ان کے بارے میں پائی جاتی ہیں، ورنہ صدر کے مشیرِ اعلیٰ کا وضاحتی بیان اور زیادہ واضح صورت میں ہوتا، ان کا کہنا ہے کہ :''صدر راسخ العقیدہ سنی مسلمان ہیں'' حالانکہ تمام مسلمانوں کے نزدیک:

(الف)...... آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بایں معنی خاتم النبیین ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی نبی نہیں ہوگا نہ حقیقی نہ مجازی، نہ ظلی، نہ بروزی۔

(ب)...... مرزا غلام احمد قادیانی نے نبی بلکہ خاتم الانبیاء ہونے کا دعویٰ کیا اور خود کو محمد رسول اللہ کا مصداق قرار دیا ہے، اس لئے مرزا صاحب کا وہی حکم ہوگا جو اسلام میں جھوٹے متنبی کا ہوتا ہے۔

(ج)...... مرزائی حضرات مرزا صاحب کو ان کے دعاوی میں سچا سمجھتے ہیں اس لئے وہ دائرہ اسلام سے خارج ہیں، اب اگر صدر کے مشیرِ اعلیٰ کے بقول صدرِ محترم قادیانی نہیں بلکہ راسخ العقیدہ سنی مسلمان ہیں تو صدر کے عقیدہ کا اعلان اس طرح ہونا چاہئے کہ:

(الف)...... صدر مملکت بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ختم نبوت پر ایمان رکھتے ہیں اور یہ کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی قسم کی نبوت کا مدعی کذاب اور جھوٹا ہے۔

(ب)...... صدر، مرزا غلام احمد قادیانی کو نبی نہیں سمجھتے بلکہ سنی عقیدہ کے مطابق اسے مرتد سمجھتے ہیں۔

(ج) اور تمام قادیانیوں کو ان کے عقیدہ کے مطابق دائرہ اسلام سے خارج سمجھتے ہیں۔

پس صدر اگر واقعتاً مسلمان ہیں تو انہیں اپنے عقیدہ کی عملی تصدیق کے لئے اعلان کرنا چاہئے کہ:

(الف) قادیانی اور لاہوری دونوں گروپ پاکستان کی غیر مسلم اقلیت ہیں، ہم دوسری غیر مسلم اقلیتوں کی طرح اسلامی ہدایت کے مطابق ان کی جان و مال کی حفاظت کرسکتے ہیں لیکن انہیں مسلمانوں کی صفوں میں گھسنے کی اجازت نہیں دے سکتے، نہ انہیں کلیدی آسامیاں دے کر مسلمانوں کے سروں پر مسلط کرسکتے ہیں۔

(ب) نیز صدر مملکت کو ایسے قادیانی لٹریچر کی اشاعت پر پابندی عائد کرنی چاہئے جس میں مرزا صاحب کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا مثل قرار دیتے ہوئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے مساوات کا دعویٰ کیا گیا ہے، جس میں مرزا صاحب کو "نبی خاتم الانبیاء" اور "محمد رسول اللہ" کے القاب سے مشرف کیا گیا ہے، جس میں اسلام کی عظیم شخصیتوں کو گندہ الفاظ سے نوازا گیا ہے اور جس میں مرزا صاحب کی فرضی نبوت پر ایمان نہ لانے والے تمام مسلمانوں کو جنگل کے سوروں اور کنجریوں کی اولاد سے یاد کیا گیا ہے۔

(ج) نیز قادیانیوں کو بیرون ملک اپنے نظریات پھیلانے کے لئے "تبلیغ اسلام" کی مد سے جو لاکھوں روپے کا زرمبادلہ دیا جاتا ہے، صدر کے راسخ العقیدہ مسلمان ہونے کا تقاضا تھا کہ پہلی فرصت میں اسے بند کردیا جاتا۔

(د) نیز صوبائی حکومت کی طرف سے "اسلامی فرقوں" کے خلاف لکھنے پر جو پابندی اپریل ۱۹۷۶ء سے عائد کی ہے، صدر کی طرف سے وضاحت ہونی چاہئے تھی کہ اس آرڈیننس کا اطلاق قادیانیوں کے خلاف لکھی گئی کتابوں پر نہیں ہوتا کیونکہ وہ اسلامی فرقوں میں شامل نہیں ہیں۔

(ہ) اسی طرح صدر کی طرف سے قادیانی جماعت کو یہ ہدایت ہونی چاہئے تھی کہ وہ اپنے مشن کی تبلیغ کرتے ہوئے یہ پوزیشن اختیار نہ کریں کہ وہ اسلام کے نمائندہ ہیں، نہ اپنی سرگرمیوں کو مسلمانوں کی طرف منسوب کریں، اقلیتوں کی آزادی کے یہ معنی نہیں کہ وہ اپنے غیر اسلامی نظریات کو اسلام کے نام سے رائج کرتے پھریں۔

ہمارا خیال ہے کہ صدر محترم کو جب تک اس صحیح صورت حال سے آگاہ نہیں کیا جاتا اور وہ اپنی وضاحت کی تصدیق ان عملی اقدامات سے نہیں کرتے تب تک ان کی یہ وضاحت ناکافی رہے گی اور نوع بنوع غلط فہمیوں کا تدارک نہیں ہوسکے گا۔ غلط فہمی کی بنیاد یہ نہیں کہ صدر کس اسلامی فرقے سے منسلک ہیں؟ بلکہ اس کی اصل بنیاد یہ ہے کہ صدر محترم قادیانی امت کو اپنے راسخ سنی عقیدہ کے مطابق، خارج از اسلام سمجھتے ہیں یا نہیں؟ ظاہر ہے کہ جب تک اس امر کی دو ٹوک وضاحت نہیں کردی جاتی اور اس کی تصدیق کے طور پر مذکورہ بالا عملی اقدامات نہیں کئے جاتے، صدر مملکت کے بارے میں افواہوں اور غلط فہمیوں کا مطلع صاف نہیں ہوگا، قول کی تصدیق جب تک عمل سے نہ ہو "عوامی عدالت" اسے کوئی وزن نہیں دیا کرتی۔

حضرت ابراہیم تیمی رحمہ اللہ کا حکیمانہ ارشاد ہے:

ماعرضت قولی علی عملی إلا خشیت أن أکون مکذباً (۱)

ترجمہ: میں نے جب بھی اپنے قول کا اپنے عمل سے موازنہ کیا مجھے یہی خدشہ رہا کہ لوگ مجھے ''جھوٹا'' سمجھیں گے۔

حق تعالیٰ ہم سب کو اپنی مرضیات کی توفیق عطا فرمائیں۔

وصلی الله تعالیٰ علی صفوة البرية سيدنا محمد وآله وأصحابه وأتباعه وعلماء امته أجمعين. آمين برحمتك يا رب العالمين.

[ذی قعدہ ۱۳۸۸ھ]

دین اسلام کی امتیازی خصوصیات

کون نہیں جانتا کہ اسلام میں غیبت گناہِ کبیرہ ہے اور یہ ایسا گناہ ہے جس کا ذکر قرآن کریم نے کیا ہے اور ایک عجیب وغریب مثال سے اس کی قباحت وشناعت واضح فرمائی ہے، ظاہر ہے کہ غیبت میں کوئی خلاف واقعہ بات نہیں ہوتی ہے بلکہ جو کمزوری کسی انسان میں ہو اس کا ذکر اس کی غیر موجودگی میں کرنا غیبت کہلاتا ہے، وہ بھی اتنا بڑا گناہ ہے کہ خود حق تعالیٰ قرآن میں اس کا ذکر فرماتا ہے اور مسلمانوں کو اس سے منع فرماتا ہے، کون نہیں جانتا کہ جھوٹ گناہِ کبیرہ ہے اور جھوٹی بات کہنا منافقت کی علامت بتلائی گئی ہے، منافق وہ شخص ہے جس کی زبان پر اسلام کا دعویٰ ہو اور دل میں کفر چھپا ہوا ہو، کون نہیں جانتا کہ ''افتراء'' یعنی کسی پر جھوٹی بات لگانا جھوٹا الزام لگا دینا گناہ کبیرہ ہے اور یہی افتراء اگر حد سے بڑھ جائے کہ لوگ سن کر مبہوت ہو جائیں تو یہ بہتان کہلاتا ہے اور وہ گناہ کبیرہ ہے، غرض غیبت، کذب، افتراء، بہتان، تمام کے تمام معاصیٔ کبیرہ ہیں اور ان کے مرتکب کے لئے جہنم کی وعید ہے، یہ سب کچھ اس لئے کہ اسلام نے مسلمانوں میں عالمگیر اخوت قائم کی ہے ﴿إِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ إِخْوَةٌ﴾ [الحجرات: ۱۰] کہ مسلمان تو آپس میں بھائی بھائی ہیں اور اسلامی اخوت کے بارے میں احادیثِ نبویہ میں عجیب عجیب حقائق بیان فرمائے گئے ہیں، ایک مسلمان کے دوسرے مسلمان پر کیا حقوق ہیں؟ فرمایا ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ مسلمان مسلمان کا بھائی ہے، نہ اس پر ظلم کرے نہ اسے دشمن کے حوالے کرے، بوقت حاجت اس کی امداد کرے، اگر کوئی گناہ کرے تو اس کی پردہ پوشی کرے اور جو مسلمان، مسلمان بھائی کی پردہ پوشی

---

(۱) وقد ضبط بفتحها (الذال) ومعناه خشيت أن يكذبنى من رأى عملى مخالفاً لقولى. كرمانى.

صحيح البخارى، كتاب العلم، باب خوف المؤمن أن يحبط عمله ج: ۱ ص: ۱۲، ط: قديمى

کرے گا حق تعالیٰ شانہٗ دنیا و آخرت دونوں میں اس کی پردہ پوشی فرمائے گا(۱)، اور فرمایا کہ مسلمانوں کی مثال ہمدردی و غم خواری میں ایک جسد کے اعضاء کی طرح ہے اگر ایک عضو درد میں مبتلا ہو تو تمام بدنِ انسانی بے چین رہتا ہے(۲)، اور فرمایا کہ مسلمان جب مسلمان ہوگا کہ جو چیز خود اپنے لئے پسند کرے وہی مسلمان بھائی کے لئے پسند کرے(۳)، اور فرمایا کہ مسلمان وہ ہے کہ مسلمان اس کی ایذاء رسانی سے محفوظ رہیں(۴)، کہاں تک بیان کیا جائے، مسلمان جب مسلمان سے ملے تو "السلام علیکم" کہے(۵)، اور مسلمان کو چھینک آئے تو فوراً "یرحمك الله" کہے کہ اللہ تعالیٰ کی آپ پر رحمت ہو(۶)، مسلمان کو گالی دینا فسق ہے(۷)، غرض قرآن، احادیث نبویہ میں اتنی تفصیلات ہیں کہ عقل حیران رہ جاتی ہے، یہ ہیں دینِ اسلام کی وہ امتیازی خصوصیات کہ کوئی دین ان کی ہمسری کا دعویٰ نہیں کرسکتا، مسلمان کا اکرام و اعزاز کرنا اسلام کے بنیادی حقوق میں سے ہے، مسلمان کی خیر خواہی، اس کی نصرت، اس کی ہمدردی، اس پر نیک گمان کرنا وغیرہ وغیرہ، یہ دینِ اسلام کی وہ باتیں ہیں کہ تہذیب کی مدعی قومیں اس کی مثال پیش کرنے سے عاجز ہیں۔

جدید تہذیب کی برکات

افسوس کہ آج کل بالخصوص پارلیمانی انتخابات کا اعلان ہوتے ہی اسلامی اخوت اور مسلمانی کی وہ دھجیاں بکھیری جارہی ہیں کہ سن کر عقل حیران ہے، جھوٹ، غیبت، بہتان طرازی، افتراء پردازی کون سا وہ گناہ ہے جو برسر بازار بڑے بڑے عظیم الشان اجتماعات میں نہیں کیا جاتا، ایک طوفان بدتمیزی ہر محفل میں برپا ہے، نہ کسی کی آبرو محفوظ ہے، نہ کسی کی جان محفوظ، مال و دولت کو بری طرح سے بہایا جارہا ہے، بھائی بھائی کا دشمن بنا ہوا ہے، غرض کون سی بدتہذیبی ہے جس کا مظاہرہ نہ ہورہا ہو، یہ ہے یورپ کی تہذیب، یہ ہے مغرب کا تحفہ، یہ ہیں مغرب زدگی کے کارنامے، پھر ہر شخص ہر فریق کی زبان پر یہ دعویٰ کہ ہماری جماعت کی کامیابی سے اسلام کا یہ فائدہ ہوگا،

---

(۱) الصحیح لمسلم، کتاب البر والصلة والآداب، باب تحریم الظلم ج:۲ ص:۳۲۰، ط: قدیمی. سنن الترمذی، ابواب الحدود، باب ماجاء فی الستر علی المسلم ج:۱ ص:۲۶۳، ط: قدیمی

(۲) صحیح البخاری، کتاب الآداب، باب رحمة الناس والبهائم ج:۲ ص:۸۸۹، ط: قدیمی

(۳) صحیح البخاری، کتاب الایمان، باب من الایمان ان یحب لاخیه مایحب لنفسه ج:۱ ص:۶، ط: قدیمی

(۴) صحیح البخاری، کتاب الایمان، باب أی الاسلام افضل ج:۱ ص:۶، ط: قدیمی

(۵) الصحیح لمسلم، کتاب السلام، باب من حق المسلم للمسلم رد السلام ج:۲ ص:۲۱۳، ط: قدیمی

(۶) صحیح البخاری، کتاب الآداب، باب تشمیت العاطس اذا حمد الله ج:۲ ص:۹۱۹، ط: قدیمی

(۷) صحیح البخاری، کتاب الایمان، باب خوف المؤمن ان یحبط عمله و هو لا یشعر ج:۱ ص:۱۲، ایضًا: کتاب الآداب، باب ماینهی عن السباب واللعن ج:۲ ص:۸۹۳، ط: قدیمی

مسلمانوں کو یہ نفع پہنچے گا، آئندہ ہم اگر کامیاب ہوئے تو یہ کریں گے اور وہ کریں گے، حق تعالیٰ کا ارشاد ہے:
﴿يَا أَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لِمَ تَقُوْلُوْنَ مَا لَا تَفْعَلُوْنَ كَبُرَ مَقْتًا عِنْدَ اللهِ أَنْ تَقُوْلُوْا مَا لَا تَفْعَلُوْنَ﴾ [الصف:۲،۳]

ترجمہ: اے ایمان والو! ایسی بات تم کیوں کہتے ہو جو نہیں کرتے، حق تعالیٰ کے غضب کو دعوت دینے والی ہے یہ بات کہ جو کہتے ہو کرتے نہیں۔

یہ ہے تہذیب جدید کی پیداوار اور اس قسم کے انتخابات سے یورپ کی جمہوریت جنم لیتی ہے جس کا حشر ملک ۳۰ برس سے دیکھ رہا ہے کہ ان دعویداروں نے اسلام کی کیا خدمت انجام دی اور کسی خدمت کی ابتداء کی بھی تو انجام کی خدا کو خبر، کیا اس ملک میں ایسا قانون بنا جس سے انسان کی شرافت محفوظ ہو، آبرو محفوظ ہو، مال محفوظ ہو جان محفوظ ہو، کیا اللہ تعالیٰ کا قانون عدل نافذ کیا، کیا شراب کو بند کیا گیا، کیا زنا پر اسلامی سزا جاری کی گئی، کیا چور کے ہاتھ کاٹے گئے، کیا چکلے بند کر دیئے گئے، کیا شراب خانے ختم کر دیئے گئے، کیا قصاص جاری کیا گیا نہیں! بلکہ بے حیائی، شراب خوری، آبرو ریزی کو دورِ حاضر کے ہر ذریعے سے اتنا اچھالا گیا کہ عقل دنگ رہ گئی، کیا مسلمانوں کی املاک محفوظ ہیں؟ کیا کارخانے محفوظ ہیں؟ کیا انڈسٹری محفوظ ہے؟ کیا اس قریبی دور میں ۲۲ ر سو فیکٹریاں قومیائی نہیں گئیں جن کی کم از کم تین ارب کی کمائی سے قوم محروم ہوگئی اور نا اہلوں کے سپرد کر کے معیشت تباہ ہوگئی خسارے میں چل رہی ہیں، یا دکھلایا جارہا ہے کہ خسارہ ہے تاکہ حکومت کے خزانے میں ٹیکس نہ ادا کرنا پڑے، حکومت کا خزانہ بھی خالی ہو گیا قوم بھی فقر و فاقے میں مبتلا ہوگئی، یہ داستان نہ ہمارا موضوع ہے نہ ہمارا مزاج ورنہ بتلاتے کہ ان دعویداروں نے اس ملک اور ذرائع آمدنی کی کیا گت بنائی ہے، غرض نہ دین کی ترقی نہ دنیا کا سکون ﴿خَسِرَ الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةَ ذٰلِكَ هُوَ الْخُسْرَانُ الْمُبِيْنُ﴾ [الحج:۱۱] دنیا تباہ، دین تباہ، اخلاق تباہ، انسانیت ختم، حیا کا جنازہ نکالا گیا، یہ ہیں جدید تہذیب کے برکات، یہ ہیں جمہوریت کے ثمرات، اور یہ ہے خدا فراموشی کی سزا، انا للہ وانا الیہ راجعون۔ حق تعالیٰ اس ملک خداداد پر رحم فرمائے اور صالح ہاتھوں میں حکومت آئے تاکہ اللہ تعالیٰ بھی راضی ہو اور قوم بھی خوش ہو، دل کو بھی سکون ملے، جان بھی محفوظ ہو۔

اللّٰهم لا تسلط علينا من لا يرحمنا اللّٰهم ولّ أمورنا خيارنا و لا تولّ أمورنا شرارنا واغفرلنا وارحمنا وأنت خير الراحمين. آمين يارب العالمين

[ربیع الاول ۱۳۹۷ھ - مارچ ۱۹۷۷ء]

اسلام دینِ رحمت ہے

بلاشبہ اسلام دنیا میں دینِ رحمت ہے تمام ادیانِ الٰہیہ سماویہ میں رحمت بن کر آیا ہے، پوری انسانیت کی ہمدردی کا علمبردار ہے اس کے دامن میں رأفت ورحمت اور اخوت وشفقت کے وہ پھول ہیں جن سے مشام عالم معطر ہے، اسلام نے دنیا کو ہمدردی ومحبت کا درس دیا ہے اسلام آنے کے بعد تمام ارباب ادیان اپنے اپنے مذہب میں اصلاح کرنے پر مجبور ہوئے کہ اسلام کے آفتاب عالمتاب کے بعد وہ اس قابل نہ تھے کہ دنیا کے سامنے منہ دکھا سکیں، حدیث نبوی:

"لا یبقی بیت وبرٍ و لا مدرٍ إلا أدخله الله الاسلام بعز عزیز وذل ذلیل"(۱)

ترجمہ: کوئی خیمہ اور مٹی کا مکان باقی نہیں رہے گا مگر اللہ تعالیٰ وہاں اسلام کو داخل کردے گا، کسی معزز کی عزت اور ذلیل کی ذلت کے ساتھ۔

کا اشارہ اس مضمون کی طرف بھی ہے کہ ہر ہر گھر میں اسلام پہنچا اور ہر ہر مذہب نے اس کی خوبیوں سے فائدہ اٹھایا۔

اسلام جانوروں پر بھی رحم کرنے کی تعلیم دیتا ہے

اسلام ہی وہ مذہب ہے جس نے یہ بتایا کہ ایک پیاسے کتے کو پانی پلا کر بھی جنت حاصل کی جا سکتی ہے اور ایک بلی کو ناحق ایذا دینے سے انسان جہنم میں پہنچ سکتا ہے، اسلام ہی وہ مذہب ہے جو جانوروں پر بھی رحم سکھاتا ہے اور جانور ذبح کرنے سے پہلے چھری تیز کرنے کا حکم دیتا ہے، اسلام ہی وہ مذہب ہے جو دنیا میں مظلوم بننے کو ذریعہ نجات کہتا ہے اور ناقابل برداشت تکالیف ومصائب میں صبر وحوصلہ کی تلقین کرتا ہے اور صبر کرنے والوں کو بے حساب اجر وثواب کی بشارت سناتا ہے، ﴿اِنَّمَا یُوَفَّی الصَّابِرُوْنَ اَجْرَهُمْ بِغَیْرِ حِسَابٍ﴾ [الزمر:۱۰] انتقام لینے کا حکم اس وقت دیتا ہے جب پانی سر سے گذر جائے اور ظلم حد سے بڑھ جائے مگر انتقام کی بھی غیر محدود اجازت نہیں دیتا بلکہ یہ شرط عائد کرتا ہے کہ انتقام ظلم کے مماثل ہو، اس سے متجاوز نہ ہو، ارشاد ہے: ﴿فَاعْتَدُوْا عَلَیْهِ بِمِثْلِ مَا اعْتَدٰی عَلَیْکُمْ﴾ [البقرۃ:۱۹۴] یعنی جتنا ظلم تم پر کیا گیا اتنا ہی انتقام لے لو، اور ﴿جَزٰٓؤُا سَیِّئَةٍ سَیِّئَةٌ مِّثْلُهَا﴾ [الشوریٰ:۴۰] برائی کی سزا اتنی ہی برائی ہے اور اس کے باوجود بھی اعلان فرمایا: ﴿فَمَنْ عَفَا وَاَصْلَحَ فَاَجْرُهٗ عَلَی اللّٰهِ﴾ [الشوریٰ:۴۰] کہ جو شخص درگذر کرے اور درستگی واصلاح کی فکر کرے تو حق تعالیٰ ہی اجر عطا فرمائے گا۔

---

(۱) مشکوۃ المصابیح، کتاب الایمان، الفصل الثالث ج:۱ ص:۱٦ ط: قدیمی

اسلام کا قانونِ رحمت وعدل

اسلام صرف اس وقت تلوار اٹھانے کا حکم دیتا ہے کہ جب اصلاح کے راستے بند ہو جاتے ہیں، تمام معاشرہ کے تباہ ہونے کا اندیشہ لاحق ہو جاتا ہے اور کوئی توقع خیر کی باقی نہیں رہتی، ہر طرف سے مایوسی ہی مایوسی ہوتی ہے، اس وقت شر وفساد سے عالم انسانیت کو بچانے کے لئے تلوار کا حکم دیتا ہے اور پھر بھی یہ اعلان کرتا ہے کہ بچوں کو بچاؤ، عورتوں اور بوڑھوں کو قتل مت کرو، عبادت گاہوں میں بیٹھے ہوئے عبادت گذاروں سے درگذر کرو، کیا موجودہ تہذیب کے مدعی خواہ وہ فرانس ہو یا برطانیہ، امریکہ ہو یا جرمنی، روس ہو یا چین، اسلام کے قانونِ رحمت وعدل کی نظیر پیش کر سکتے ہیں؟ اسلام کی رواداری وانسانی ہمدردی کی کوئی مثال وہاں مل سکتی ہے؟

اسلامی غزوات پر اعتراض کرنے والوں کے روح فرسا کارنامے

دنیا کی جنگ عظیم دوم نے کیا کیا تباہی نہیں مچائی؟ دو ہزار میل لمبا اور چار سو میل چوڑا میدان کارزار گرم ہوا، تیس ہزار ٹینک اور پچاس ہزار ہوائی جہاز انسانی خون کی ہولی کھیلنے کے لئے اُمڈ آئے، ۶ برس تک انسانیت کی وہ مسلسل تباہی ہوتی رہی جس کی نظیر تاریخ ظلم واستبداد میں نہیں مل سکتی اور جس کے سامنے چنگیز وہلاکو شرمندہ ہیں، دس دس بارہ بارہ گھنٹے مسلسل ہوش ربا بمباری ہوتی رہی، سینکڑوں مربع میل میں نہ کوئی معصوم بچہ محفوظ رہا نہ کوئی ضعیف وناتواں بوڑھا، بچے، عورتیں اور بے گناہ حیوانات تمام کے تمام ہلاک ہوئے، پہلے ہٹلر و ہملر و گوبلز و مسولینی نے یہ کردار ادا کیا، پھر برطانیہ کے چرچل اور امریکہ نے اس درندگی کا ثبوت دیا، تقریباً تین کروڑ نسل انسانی تباہ ہوئی اور لاکھوں عورتیں بیوہ ہو گئیں، اسٹالن نے کتنے لاکھوں بلکہ کروڑوں انسانوں کو صرف اپنے عقیدے کمیونزم کی مخالفت کی وجہ سے تہ تیغ کیا، روس نے سمرقند وبخارا میں کیا کیا؟ فرانس نے الجزائر میں کیا کیا؟ ان مہذب بھیڑیوں اور انسان نما درندوں نے دنیا میں کیا کیا؟ اور کیا کر رہے ہیں؟ نسلِ انسانی کو تباہ و برباد کرنے کے لئے ایٹم بم اور ہائیڈروجن بم کے ذخائر جمع کرنے والوں نے پہلے کیا کچھ نہیں کیا، اور آئندہ کیا کچھ نہیں کریں گے، کیا ان درندوں کے دل میں رحمت وانسانیت کا ایک شمہ بھی موجود ہے؟ کیا ان کو شرم نہیں آتی کہ اسلام کے مسئلہ جہاد اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے غزوات پر اعتراض کرتے ہیں؟ جب کہ ان میں دس سال کے عرصہ میں فریقین کے چند سو افراد سے زیادہ قتل نہیں ہوئے، غرض یہ غیر منصفانہ دھاندلی کتنی عجیب ہے کہ خود تو مظلوم اور بے گناہ انسانوں کو صفحۂ ہستی سے مٹانے کے لئے کیا کیا ظلم کر رہے ہیں اور حکومتوں کے تختے الٹنے اور طرح طرح کے انقلابات لانے کے لئے کیا کیا ستم ڈھا رہے ہیں اور کیا کیا روح فرسا واقعات کرتے رہتے ہیں لیکن اگر اسلام عدل قائم کرنے کے لئے کسی بدترین مجرم کو قصاص کے طور پر قتل یا زنا جیسے قبیح جرم کے مرتکب کی سنگساری کا حکم دے تو تمام کافر چیخ اٹھتے ہیں کہ یہ عدل وانسانیت کے خلاف ہے، اگر عقول یہاں تک مسخ ہو جائیں تو پھر جنون کا کیا علاج؟ کیا آج کل

عدالتیں پھانسی کی سزائیں نہیں دیتیں؟ صد حیف کہ اسلام کے نام سے سزا ہو تو جرم ہے اور اگر غیر اسلامی عدالت سے سزا ہو تو عین انصاف ہے:

''بریں عقل و دانش بباید گریست''

اسلام میں تو کفار کی قسمیں ہیں: ① حربی کافر ② ذمی کافر
③ مستأمن کافر ④ مرتد کافر، سب کے الگ الگ احکام ہیں۔
پھر اسی طرح مملکتوں کے اقسام ہیں:
① دار الاسلام ② دار الحرب ③ دار الامان

سب کے علیحدہ علیحدہ شرعی احکام ہیں، بسا اوقات ان احکام کو نہ سمجھنے کی وجہ سے شبہات پیدا ہوتے ہیں، جو کافر میدان جنگ میں مسلمانوں سے معرکہ آراء ہوں ان کے ساتھ اسلام کا رویہ نسبتاً شدت آمیز ہے، اسی طرح وہ کافر جو اسلام کے خلاف ریشہ دوانیاں اور سازشیں کرنے میں مصروف ہوں ان کے حق میں اسلام کا رویہ سخت ہے اور بلاشبہ اس موقعہ پر شدت و سختی ہی سراپا حکمت اور عینِ مصلحت ہے، جب ایک مسلمان زانی کے بارے میں حق تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَ لَا تَأْخُذْكُمْ بِهِمَا رَأْفَةٌ فِيْ دِيْنِ اللهِ﴾ [النور:۲]

اور دیکھو! زانی مرد وعورت پر اللہ کے دین کا حکم نافذ کرتے وقت تمہیں ان پر ترس نہیں آنا چاہئے۔

تو مفسد کفار کے حق میں شفقت و رواداری کیونکر جائز ہوسکتی ہے؟ جب کبار صحابہ اور بدری صحابہ کے بارے میں مکمل مقاطعہ کا حکم شرعاً واجب ہوسکتا ہے تو کفار و مرتدین کے بارے میں اگر صحیح سزا کی قدرت نہ ہو تو بدرجہ مجبوری ان کی ساتھ مقاطعہ کیوں اسلامی اصول کے خلاف ہے؟ درحقیقت اسلام کی تمام سزائیں نہ صرف یہ کہ عدل وانصاف کے فطری اصول پر مبنی ہیں بلکہ خود مجرم کے حق میں عینِ رحمت اور سراپا حکمت ہیں تاکہ اسے غور و فکر کا موقع ملے اور اسلام جیسی نعمت سے محروم ہوکر ابد الآباد تک عذاب الٰہی میں گرفتار نہ ہو، دراصل اسلام ہی وہ دین سماوی ہے جس نے جرم وسزا کے درمیان فطری توازن قائم کر کے انسانیت پر عظیم الشان احسان کیا ہے، جو لوگ جرائم پیشہ مفسدین اور کفار و مرتدین کے ساتھ معمولی سختی پر چیں بجبیں ہوجاتے ہیں ان کے نزدیک گویا مسلمانوں کے ساتھ ظلم کرنا تو قابل برداشت ہے لیکن کافروں اور مرتدوں کے ساتھ سختی کرنا اسلامی عدل وانصاف کے خلاف ہے، مسلمانوں کو فرضی جرائم پر مادرزاد عریاں کرنا، انہیں سخت سے سخت سزائیں دینا اور ان سے انسانیت سوز سلوک کرنا تو ان کے نزدیک بالکل انصاف ہے لیکن موذی محارب کافر کو معمولی سزا دینا بھی اسلام کے خلاف ہے یعنی اسلام، مسلمانوں کو اتنی بھی اجازت نہیں دیتا کہ وہ بددین موذیوں سے قطع تعلق ہی کرلیں؟ نہ معلوم عقل وانصاف اور دین و دیانت کا جنازہ کیوں نکل گیا، موذی کافر کے ساتھ رحم دلی اور بے گناہ مسلمان کے ساتھ بے رحمی

یہ کہاں کا فلسفہ ہے؟ کچھ محسوس ہوتا ہے کہ ایمان کا نور دلوں سے نکل چکا ہے اور کفر کی عظمت ایسی چھا گئی ہے کہ حقائق کی تمیز مشکل ہوگئی ہے۔

[شعبان المعظم ۱۳۹۴ھ۔ستمبر ۱۹۷۴ء]

اسلام کا دستور

''دین اسلام'' یا شریعت اسلامیہ نام ہے اس عالمگیر نظام انسانیت کا جس میں تکمیلِ انسانیت کے کسی گوشہ کو نظر انداز نہیں کیا گیا، خالق سے رشتہ ہو یا مخلوق سے اور وہ بھی شخصی زندگی سے متعلق ہو یا اجتماعی زندگی سے، غرض عبادات ہوں یا معاملات، معیشت و معاشرت ہو یا احوال و اخلاق و اعمال ان سب کے لئے ایک علمی دستور اور ایک مقصد و نصب العین ہے، دین اسلام کا علمی دستور قرآن حکیم اور مقصود رضائے الٰہی ہے۔

قرآن حکیم انسانیت کی تکمیل چاہتا ہے اور اس کے لئے اس نے اسلام کے بنیادی اصول و احکام اور اساسی اغراض و مقاصد انتہائی محیر العقول اور معجزانہ اسلوبِ بیان کے ساتھ واضح کر دیئے ہیں، ان مقاصد و احکام کے سلسلہ بیان میں وہ مظاہرِ فطرت اور آثارِ قدرت کو بھی اگر بیان کرتا ہے تو اس کا مقصود بھی یہی ہے کہ انسان کے فکری اور اعتقادی پہلوؤں کی تکمیل کی جائے، اگر وہ تاریخی حقائق بیان کرتا ہے تو اس کی غرض بھی یہی ہوتی ہے کہ ان عبرت انگیز وقائع تکوینی اور آیاتِ الٰہیہ سے انسانی بصیرت و اعتبار کی تربیت و تکمیل کی جائے، اگر احکامِ الٰہیہ کا ذکر ہوگا تو اس سے بھی یہی مراد ہوگی کہ اشرف المخلوقات انسان کو اکرم المخلوقات بنانے کی تدبیر ہو جائے، ذات و صفات کی توحید و کمال کا بیان ہو یا تذکیر و موعظت کی داستان، قانونِ عدل و انصاف کی تنظیم و تفصیل ہو یا اصول و احکام کی تمہید و انضباط، ان سب ہی سے انسان کو انسانیت کی معراجِ کمال تک پہنچانا مقصود ہے۔

قرآنِ کریم نہ تاریخی کتاب ہے کہ محض واقعات کی تفصیلات ہی بیان کرتا رہے اور نہ طبیعی نوامیس کی تفصیل دبیان پر مشتمل کتابِ طبیعات ہے کہ محض علمی اور ذہنی عیاشی کے افسانوں میں وقت ضائع کرے، وہ تاریخ کی روح پیش کرتا ہے اور طبیعات کے عقلی و فکری نتائج بیان کرتا ہے جن سے توحید الٰہی، خلق و ربوبیت کے حقائق انسان کے دل و دماغ میں پیوست ہوں اور روح کو پاکیزگی حاصل ہوتا کہ وہ نظامِ عالم میں خلیفۃ اللہ کے منصب اعلیٰ کے تقاضوں کو پورا کرنے کا اہل بن جائے، قرآن اگر کائنات میں غور کرنے کی دعوت دیتا ہے تو اس کی غرض و غایت یہی ہوتی ہے کہ انسانی ذہن و فکر کے سامنے اللہ تعالیٰ کی معرفت کا راستہ کھل جائے اور اس غور و فکر کے بصیرت آموز نتائج سے ایمان بالغیب کی تائید اور پرورش ہو، اس لئے کہ ان حقائقِ کونیہ اور حقائقِ الٰہیہ میں غور و خوض سے ایمان قوی ہوگا، وہ ان کی طرف محض علم و فن کی حیثیت سے کبھی دعوت نہیں دیتا کہ محض فن کو مقصد بنا لیا جائے۔

قرآن کے بعض جدید مفسرین کو اس سلسلہ میں بڑی غلط فہمی ہوئی ہے، انہوں نے ان موضوعات میں

قرآنی مباحث کی تفسیر اوران مباحث کی غایت وغرض بیان کرنے میں بڑے غلو سے کام لیا ہے اور یہ حقیقت ان کی نگاہوں سے اوجھل ہوگئی ہے کہ قرآن اگران طبیعیات میں غور وفکر کی دعوت دیتا ہے تو اس کا مقصد بھی معرفتِ الٰہی تک پہنچنا ہے اور اگر کسی جگہ ان طبیعی وسائل کو دائرہ عمل میں لانے کی طرف متوجہ کرتا ہے تو اس کی غرض وغایت یہی ہوتی ہے کہ ان وسائل کو خدمتِ خلق کا ذریعہ بنایا جائے صرف مال ودولت اور ثروت کا ذریعہ نہ بنایا جائے، ظاہر ہے کہ ذات وصفاتِ الٰہی کے بحر بیکراں میں شناوری کا صرف یہی ایک راستہ ہے کہ انسان ان حقائق میں غور کرے تا کہ اس وادی میں اس کی فکر ونظر کی صلاحیتیں زیادہ وسیع ہوں اور اس کے سامنے معرفتِ الٰہیہ کے نئے نئے ابواب کھلیں اور جب اس طرح قلب وروح کی تربیت ہوجائے اور انسانیت کا صحیح شعور بیدار ہوجائے تو عملی دائرہ کا صحیح مقصد بھی خود بخود متعین ہوجاتا ہے۔

تفسیر ''جواہر القرآن'' پر تبصرہ

تقریباً انتیس ۲۹ سال پہلے ۱۳۵۷ھ، ۱۹۳۸ء کے اوائل میں مصر جانے کا اتفاق ہوا تھا اور قاہرہ کے ایک دینی ہفتہ وار مجلہ ''الاسلام'' کے دفتر میں اپنے رفیق مولانا سید احمد رضا صاحب بجنوری کی معیت میں بسلسلہ اشاعت مضامین جانا ہوا تھا وہیں مجلہ ''الاسلام'' کے دفتر میں مصر کے ایک مشہور عالم اور مفسرِ قرآن (۱) شیخ جوہری طنطاوی مرحوم سے تعارف اور ملاقات کا موقع ملا، وہ بھی اس مجلہ میں کوئی مضمون شائع کرانے کی غرض سے تشریف لائے تھے، تعارف کے بعد علامہ موصوف نے مجھ سے دریافت فرمایا کہ کیا میں نے ان کی تفسیر کا مطالعہ کیا ہے؟ میں نے جواباً عرض کیا کہ جی ہاں اس قدر مطالعہ کیا ہے، جس سے اس کے متعلق رائے قائم کرسکا ہوں کہ وہ کیسی تفسیر ہے، علامہ نے فرمایا کہ میں وہ رائے سننا چاہتا ہوں، میں نے عرض کیا کہ مشکلات القرآن (۲) کے مقدمہ میں آپ کی تفسیر کے متعلق مختصر طور پر اپنی رائے لکھ چکا ہوں، وہ مختصر سی رائے تھی، اگر آپ اجازت دیں تو اب ذرا تفصیل سے عرض کروں، فرمایا بہت خوشی سے، اس کے بعد میں نے عرض کیا:

''آپ نے علماءِ امت پر یہ تو بڑا احسان کیا کہ علوم جدیدہ خصوصاً طبیعیات وفلکیات وہیئت وغیرہ کو جو یورپ کی زبانوں میں تھے اور علماء ان سے استفادہ نہیں کرسکتے تھے فصیح وبلیغ عربی میں منتقل کردیا اور اس سے ہمارے لئے استفادہ کی راہیں کھل گئیں اس احسان کے ہم سب ممنون ہیں لیکن قرآنی دعوت کو آپ نے جس انداز

(۱) علامہ شیخ جوہری طنطاوی نے ''الجواہر فی تفسیر القرآن الکریم'' [illegible] تفسیر لکھی ہے۔
(۲) ''مشکلات القرآن'' امام العصر حضرت مولانا سید محمد [illegible] تفسیر ہے جس میں قرآن کریم کے مشکل مسائل کا تفسیری حل پیش کیا گیا ہے اس پر امام العصر رحمۃ اللہ کے تلمیذ خاص ہمارے شیخ حضرت مولانا محمد یوسف صاحب بنوری رحمۃ اللہ علیہ نے مقدمہ تحریر فرمایا ہے۔

سے بیان کیا ہے اس کا تو حاصل یہ ہے کہ مسلمانوں نے ان قرآنی حقائق کو سمجھنے میں انتہائی تقصیر کی ہے اور یورپ کی قوموں نے ان کو خوب سمجھا ہے اور انہیں نے صحیح طور پر ان پر عمل کیا اور پورا فائدہ اٹھایا ہے، یورپین اقوام کی ترقی وتقدم اور مسلمانوں کی پستی وتاخر کا سب سے بڑا سبب یہی ہے، اگر آپ کے اس بیان کو بلا تاویل صحیح مان لیا جائے تو یہ بھی تسلیم کرنا پڑے گا کہ اس معاملہ میں سب سے زیادہ عملی تقصیر خود اس مقدس شخصیت سے ہوئی (معاذ اللہ) جس پر قرآن کریم نازل ہوا تھا اور سب سے زیادہ قرآنی حقائق کی عالم تھی اور اس کے بعد خلفاء راشدین اور صحابہ کرامؓ نے بھی یہی تقصیر کی (معاذ اللہ) اور یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ صحابہ کرامؓ سے زیادہ قرآن کریم پر صحیح عمل کرنے والی قوم روئے زمین پر پیدا نہیں ہوئی لیکن آپ کے بیان کے مطابق حضرات صحابہؓ کی یہی قوم سب سے زیادہ مقصر (کوتاہی کرنے والی) ہوگی''۔

آپ فرماتے ہیں کہ جو قوم ان حقائق کو جتنی زیادہ جانے گی اللہ تعالیٰ کی معرفت کے میدان میں وہی قوم گوئے سبقت لے جائے گی، گویا یورپ کا ایک سائنسدان آپ کے فرمانے کے مطابق صحابہ کرامؓ اور عارفین امت سے زیادہ اعرف باللہ ہوگا اور ایک یورپین کافر و فاسق سائنس دان آپ کے نزدیک سید الطائفہ حضرت جنید بغدادیؒ سے زیادہ عارف باللہ ہوگا۔

پھر آپ قرآنی آیات سے بسا اوقات ایسے طرز پر استدلال کرتے ہیں کہ قرآن حکیم کی شان رفیع اس واہی اور کمزور استدلال سے بہت اعلیٰ وارفع ہوتی ہے، مثال کے طور پر میں نے سورۂ آل عمران کی تفسیر میں ایک موقعہ پر علامہ موصوف کے ایک استدلال کا حوالہ دیا جس میں موصوف نے فوٹو کے جواز پر استدلال کیا تھا میں نے اس کی کمزوری اور اس کے رکیک انداز کو اچھی طرح واضح کیا۔

علامہ طنطاوی مرحوم بڑے غور سے میری سنتے رہے اور اس کے بعد ان کا جواب دینا شروع کیا اور میں موصوف کی ان جوابی وضاحتوں کا ردو اعتراض اور جواب در جواب دیتا رہا، عجیب بات یہ تھی کہ مرحوم کوئی مؤثر اور وزنی بات نہیں فرما سکے اور اس سے زیادہ عجیب اتفاق یہ تھا کہ اس وقت اللہ تعالیٰ نے میرا سینہ اس طرح کھولا اور زبان و بیان میں ایسی طاقت وروانی عطا فرمائی جو میں نے اس سے پہلے کبھی محسوس نہیں کی تھی اور اس کا میں نے یہ اثر دیکھا کہ گرمیٔ بحث کے دوران علامہ طنطاوی مرحوم نے بے ساختہ فرمایا:

''مَاأنتَ عالمٌ هنديٌ انما أنت مَلَكٌ نَزَلَ مِنَ السَّماء لِا صْلاحِي!''

تم محض ایک ہندی عالم نہیں بلکہ درحقیقت فرشتہ ہو جو آسمان سے میری اصلاح کے لئے اترا ہے۔

اور بحث کے درمیان کبھی کبھی کانوں پر ہاتھ رکھ کر بہت ہی تعجب کے لہجہ میں فرماتے:

''ألآن أفهم منك معنى هذا الحديث''

اس وقت میں تم سے اس حدیث کے معنی سمجھا ہوں۔

یہ اعتراف علامہ مرحوم کا حسنِ اخلاق تھا اور اس طرف یہ میرا کوئی کمال نہ تھا بلکہ اس جماعت کی برکت تھی جس کی طرف میرا انتساب تھا اور ان اکابر کی کرامت تھی جن کے جوتے میں نے اٹھائے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے رسوا نہیں فرمایا اور میرے جہل و نادانی سے میرے اکابر بدنام نہیں ہوئے۔

اس تمام بحث و تفصیل کا حاصل یہ ہے کہ کائنات اور کونیات حق تعالیٰ کے کمالات قدرت اور صفاتِ جلال و جمال کا ایک صحیفہ ہے جس کے مطالعہ سے اور اس میں غور و فکر کرنے سے ایمان میں پختگی پیدا ہوتی ہے اور اس حیثیت سے طبیعیات کے جدید علوم ان اصحاب کے لئے بلاشبہ بصیرت افزا اور بے حد بصیرت افروز ہیں جن کو وحی والہام اور مکاشفہ کی راہ سے وصول الی اللہ حاصل نہ ہو، معرفت الٰہیہ ان علوم پر منحصر نہیں ہے بلکہ ظاہر بین اصحاب کے لئے حصولِ معرفت کا یہی ایک راستہ باقی رہ گیا ہے۔

علمی معارف کے بعد عملی نتائج ہیں اور اس علم و عمل سے حقیقی فوائد حاصل کرنے کے لئے صحت مقصد کی ضرورت ہے اور تصحیحِ مقصد کے لئے ایمان باللہ، ایمان بالرسول اور ایمان بالآخرۃ کے سوائے کوئی دوسری راہ نہیں ہے، ایمان و یقین سے محرومی اور بے مقصد علم و عمل ہی کی وجہ ہے کہ روس، امریکہ اور یورپ کی قومیں ان سائنسی ترقیات اور محیر العقول ایجادات واختراعات کے باوجود انسانیت کی صفوں سے نکل کر پوری درندگی کی حدوں تک پہنچ چکی ہیں، نبوت ختم ہو چکی ہے اس لئے معجزاتِ نبوت اور انبیاء کے خوارق کی جگہ اللہ تعالیٰ ان علمی راہوں سے ان پر اپنی حجت پوری کر رہا ہے اور خود انہیں کے ایجاد کردہ علوم سے ان حقائق کو اس نے واشگاف کر دیا ہے کہ بے شعور طبیعت اور اس کے ان حیرت انگیز مظاہر اور حیرت افزا خواص و منافع میں کرشمہ الٰہیہ کے اعتراف کے سوائے اور کوئی توجیہ نہیں ہو سکتی۔

ایک طرف سائنس کی موجودہ ترقیات اور حیرت انگیز ایجادات واختراعات کو دیکھ کر عقل دنگ ہو جاتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسانی عقل میں کیا کیا صلاحیتیں رکھی ہیں اور جب ان صلاحیتوں سے کام لیا گیا ہے تو عقل نے کہاں تک رسائی حاصل کر لی ہے، ان چیزوں کو دیکھ کر سائنس دانوں کے کمال کا اعتراف کرنا پڑتا ہے لیکن یہ صورت کمال کا صرف ایک ہی رخ ہے اسی تصویر کا دوسرا رخ دیکھئے کہ ان آیاتِ قدرت اور عجائبات و تکوین کو دیکھنے کے بعد بھی وہ اب تک اللہ تعالیٰ پر ایمان نہیں لائے، اور ایمان باللہ کی دولت سے محروم ہیں تو حیرت ہوتی ہے کہ یہی عقلاء فکر و نظر کے اس رخ پر اس قدر جاہل کیسے رہ گئے، لیکن حق تعالیٰ ان کے کفر و انکار کی حقیقت سے بھی پردہ اٹھاتا ہے، ارشاد ہے:

﴿يَعْلَمُوْنَ ظَاهِرًا مِّنَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَهُمْ عَنِ الْاٰخِرَةِ هُمْ غَافِلُوْنَ﴾

[الروم:۷]

وہ حیات دنیا کے ظاہر ہی میں سے کچھ جانتے ہیں اور یہی لوگ آخرت سے تو بالکل غافل ہی ہیں۔

دنیا کا بھی ظاہر اور وہ بھی بہ ہمہ جہت محدود مقدار میں جانتے ہیں، ان کا ذہن اور ان کی فکر ونظر اس طرف بالکل نہیں جاتی کہ اس حیرت انگیز کائنات اور پراسرار وحقائق مخلوقات کے خالق پر ایمان لائیں، ایک طرف یہ ذہانت اور حیرت انگیز ذہانت اور دوسری طرف اس قدر غباوت اور غیر معمولی غباوت بجائے خود کس قدر عجیب اور حیرت ناک ہے اور حق تعالیٰ کے اس ارشاد کی صداقت کی کتنی سچی گواہی ہے:

﴿وَمَنْ لَّمْ يَجْعَلِ اللّٰهُ لَهٗ نُوْرًا فَمَا لَهٗ مِنْ نُّوْرٍ﴾ [النور: ٤٠]

اللہ تعالیٰ جس کو روشنی نہ دے تو اس کے لئے کہیں روشنی نہیں ہے۔

اسلام اور اس سے صحیح فائدہ اٹھانے کا راستہ

''اسلام'' حق تعالیٰ کی وہ آخری نعمت ہے جس سے دنیا کو سرفراز کیا گیا ہے اس نعمت اسلام سے صحیح اور کامل فائدہ اسی وقت نصیب ہوتا ہے جب صحیح اسلامی حکومت دنیا میں قائم ہو اور اسلام کے احکام وقوانین جاری کرنے کے لئے اسلامی حکومت کی سرپرستی حاصل ہو، عہد نبوت میں بھی جب مدینہ طیبہ اسلامی مرکز بن گیا اور دارالاسلام وجود میں آ گیا تب جا کر دین اسلام کی برکات کا ظہور ہونا شروع ہوا، غرض اسلام اور حکومتِ اسلام کا تعلق چولی دامن کا سا تعلق ہے، ایک دوسرے سے جدا نہیں ہوسکتا، حکومتِ اسلامی ہی وہ عظیم الشان سرچشمۂ برکات ہے جس کی بدولت اسلام پر صحیح عمل کی توفیق میسر آتی ہے، حکومت اسلامی کے قیام کے بعد مسلمانوں کی جان ومال وآبرو کی حفاظت ہو جاتی ہے اور قلب کو سکون حاصل ہو جاتا ہے، اسلامی قوانین کے نفاذ کے لئے اسلامی حدود وتعزیرات کے نافذ ہو جانے کے بعد پرسکون ماحول میسر آ جاتا ہے، اسلامی حکومت کا حقیقی بیت المال قائم ہو جاتا ہے جس کی بدولت کوئی یتیم لاوارث، کوئی بیوہ، کوئی مسکین، کوئی فقیر، پریشان حال نہیں رہ سکتا، ان کی ہر قسم کی پریشانیوں اور تہی دستی وافلاس کا علاج ہو جاتا ہے، صحیح زکوٰۃ، صحیح عشر وخراج ادا کرنے کے بعد زمین کی پیداوار میں فوق العادۃ برکت ہونے لگتی ہے اور اس کے نتیجہ میں حقیقی اسلامی ہمدردی سے جمع شدہ اموال خرچ کرنے کی بنا پر مزید برکت نازل ہوتی ہے۔

اسلامی فتوحات کے بعد اسلامی مملکتوں کی تفصیلات تاریخوں میں پڑھ لیجئے، مصر وشام وعراق کی تاریخوں کی ورق گردانی سے یہ تمام حیرت افزا واقعات آپ کے سامنے آ جائیں گے، کسی بھی شوہر وبیوی کا قضیہ نامرضیہ باقی نہیں رہ سکتا، اسلامی عدالت سے صحیح چارہ جوئی ہوتی ہے اگر زوجین کے یا ان کے حکمین (ثالثوں کے) ذریعہ تصفیہ نہیں ہوسکتا تو پھر اسلامی حکومت مسلمان قاضی کے ذریعہ عدل وانصاف پر مبنی تصفیہ کرا دیتی ہے اور نزاع ختم ہو جاتا ہے، یہ تو ایک مثال ہے اسی طرح ہر مجرم کو قرار واقعی سزا مل جاتی ہے اس عدالتی نظام کے زیر سایہ خدا تعالیٰ کی مخلوق اطمینان کا سانس لیتی ہے کسی مظلوم کی دادرسی میں نہ دیر لگتی ہے نہ غیر اسلامی عدالتی گورکھ دھندوں

میں پریشان ہونا پڑتا ہے، معاشرے کی اصلاح ہو جاتی ہے نہ کوئی شراب پیتا ہے نہ شراب پینے کے برے نتائج پیش آتے ہیں، نہ زنا ہوتا ہے اور نہ اس کے نتیجہ میں قتل وغارت ہوتی ہے، نہ کوئی نائٹ کلب یعنی بدمعاشی کا اڈا یا چکلہ باقی رہتا ہے، چوری کی شرعی سزا ہاتھ کاٹنے سے دو چار واقعات ہی امن وامان کی فضا پیدا کر دیتے ہیں نہ حفاظت کے لئے پہرہ داروں کی ضرورت باقی رہتی ہے نہ جان ومال کی حفاظت کے لئے پولیس کی ضرورت باقی رہتی ہے، حکومت کے خزانے پر جو فضول اخراجات، ملازمین کی بے تحاشا تنخواہوں اور غیر سرکاری مصارف کا ناقابل برداشت بوجھ پڑتا ہے سب ختم ہو جاتا ہے

سود کا کاروبار ختم ہونے کی وجہ سے تمام پیسہ [illegible] کی حرکت جاری رہتی ہے، بیمہ قمار اور تمام ناجائز معاملات کے بند ہونے سے غیر معمولی اور غیر فطری حقیقی تجارت ختم ہو جاتا ہے، اگر دس پندرہ سال میں کسی شخص پر دولت کی فراوانی پیدا ہو جاتی ہے تو وفات کے بعد شرعی وراثت کے قانون کے ذریعہ تقسیم دولت ہو کر خاندان کے افراد میں دولت منقسم ہو جاتی ہے اور معاشرے کے تمام افراد میں ایک گونہ مساوات قائم ہو جاتی ہے، سوشلزم اور اشتراکیت کے لئے راستے بند ہو جاتے ہیں اور جب اسلامی احکام کی پابندی کی برکت سے بندگان خدا کے قلوب کا تزکیہ اور اصلاح ہو جاتی ہے تو انفاق فی سبیل اللہ کے دروازے بھی کھل جاتے ہیں دلوں میں رقت وہمدردی اور ترحم ورأفت کے جذبات پیدا ہو جاتے ہیں حتی کہ کوئی صاحب ثروت کسی کو غریب ومحتاج دیکھ نہیں سکتا، الغرض اسی طرح غریبوں کے ساتھ ہمدردی واعانت کے جذبات، امیر وغریب کے درمیان محبت ومودت کا ایک مستحکم رابطہ پیدا کر دیتے ہیں۔

اسلامی حکومت کا سربراہ وحکمران

یہ تو اس صالح نظام کی وہ برکات ہیں جن سے تمام باشندگان مملکت بہرہ یاب ہوتے ہیں لیکن اسی صالح نظام کو بدل وجان تسلیم کرنے کے بعد جو شخصیت اس خداوندی نظام کو ملک میں نافذ کراتی ہے وہی اسلامی حکمران ہے اور وہی اسلامی مملکت کا سربراہ ہوتا ہے اسلامی اصول پر انتخاب کے بعد تاحیات وہ سربراہ رہتا ہے، پانچ دس سال کا عرصہ نہیں بلکہ جب تک وہ زندہ رہتا ہے اور صریح کفر کا صدور اس سے جب تک نہ ہو وہ معزول نہیں ہو سکتا، ایسا شخص صحیح معنی میں "ظل اللہ" (اللہ تعالیٰ کا سایۂ رحمت) ہوتا ہے اس کا منصب اسلام میں اتنا جلیل وعظیم ہوتا ہے کہ اللہ ورسول کی اطاعت کے بعد اس کی اطاعت کا حکم ہوتا ہے، اس کی مخالفت ونافرمانی اللہ اور رسول کی نافرمانی ہوتی ہے، گویا جو شخص اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول برحق صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام کو نہ صرف تسلیم کرتا بلکہ اس کی تعمیل بھی کرتا ہے اور ملک میں اس کی تنفیذ بھی کرتا ہے اس کو اتنا عظیم المرتبت بنایا گیا ہے کہ تمام امت ورعیت پر اس کی اطاعت واجب ہوتی ہے اس کو بڑے بڑے اختیارات دیئے جاتے ہیں، درحقیقت اسلامی قانون اور اسلامی آئین

کا تصور بلا اسلامی حکمران کے ناتمام رہتا ہے اس لئے کہ اگر کسی وقت معاشرے کے افراد میں صحیح جذبہ ہمدردی باقی نہیں رہتا اور معاشی نظام میں توازن قائم نہیں رہتا تو اسلامی حکمران ہی کی شخصیت ایسی ہوتی ہے کہ اس کو حق حاصل ہے کہ مداخلت کر کے توازن قائم کرے اسلامی حکمران کے عادلانہ نظام کے یہ برکات ہوتے ہیں۔

اسلامی ممالک کی امتیازی خصوصیت

بہر حال اسلامی مملکت کی سب سے بڑی ممتاز خصوصیت ملک میں محاکم عدلیہ شرعیہ کا قیام اور اسلامی قانون کا اجراء ہے کوئی مملکت بھی مسلمانوں کی اسلامی مملکت نہیں بن سکتی جب تک کہ اس کے دستور و قانون کا تانا بانا اسلامی احکام شرعیہ سے نہ بنا جائے، میں صاف لفظوں میں کہتا ہوں کہ یہ بات بالکل واضح ہے کہ اسلامی قوانین کا نفاذ اور اسلامی مملکت کے قیام کا خیال ہی حقیقی اسلامی سربراہ کے بغیر بے معنی ہے، گویا شرعی نظام کا سنگ بنیاد ہی سچے مسلمان اور عادل حکمران کی ذات ہے کوئی بھی اصلاحی قدم بغیر اس کے نہیں اٹھایا جا سکتا نہ ہی کسی اور قسم کے حکمران کو رعایا کے جان و مال پر وہ اختیارات حاصل ہیں جو ایک صحیح معنی میں اسلامی حاکم کو حاصل ہیں۔

پاکستان کی سرزمین جب اللہ تعالیٰ نے عطا فرمائی ہے اور ایک ایسی خودمختار مملکت وجود میں آ گئی ہے جس کے باشندے اسی فیصد آج بھی صحیح نظام اسلام کے آرزومند ہیں اور اسے بے چون چرا تسلیم کرنے کے لئے آمادہ ہیں تو آخر کس بات کا انتظار ہے؟ کیوں اسلامی قانون جاری نہیں کیا جاتا؟ اور آخر اس اسلامی دستور کا کیا نتیجہ ہوگا جس کا اول دن عہد کیا گیا تھا، خصوصاً اس ملک میں جب غیر اسلامی نظام کے تمام تجربے ناکام ہو چکے اور تمام دنیوی نظام جاری کرنے کے بعد بھی کوئی خاطر خواہ نتیجہ نہیں نکلا بلکہ دن بدن قوم قعر مذلت میں گرتی جا رہی ہے دین بھی تباہ دنیا بھی تباہ، اخلاق بھی برباد ملک کا امن و امان بھی برباد، تو آخر ایک مرتبہ اسلامی قوانین جاری کر کے اسلامی نظام کو کیوں نہیں آزمایا جاتا؟ یاد رکھیئے! اس ملک کا مزاج دینی ہے عوام سچے اور پکے مسلمان ہیں تمام باشندے حنفی ہیں مختصر سی ایک جماعت اہل حدیث حضرات کی ہوگی اور دو چار فیصد شیعہ حضرات ہوں گے، عبادات میں ہر شخص کو اپنے اپنے مسلک کی پیروی کرنے کی آزادی ہے، اسی طرح شخصی معاملات و شخصی قوانین بھی تمام مذاہب کے مرتب موجود ہیں، بنیادی عقائد اور عبادات و معاملات میں تمام امت اسلامیہ متفق ہے اسلامی قانون بنا بنایا موجود ہے صرف محاکم عدلیہ کے چلانے والے جج اور قاضی کو ان کا علم ہونا ضروری ہے اگر اسلامی قانون کو جدید قانون سازی کی طرح مرتب کرنا ہی ضروری ہے تو چند ماہ سے زیادہ عرصہ اس کے لئے درکار نہیں، ایک بڑی راحت یہ ہے کہ اگر یہ اسلامی نظام نافذ کیا جائے تو روز بروز مارشل لاء نافذ کرنے کی کوئی ضرورت نہ ہوگی، قوم کی آسودہ حالی اور خوش حالی نیز سکون قلب اور معاشرے کی پائیدار اصلاح بغیر اس کے ناممکن ہے ہزار تدبیریں کی جائیں اگر دلوں کی اصلاح نہیں ہوتی تو سب بے کار اور بے معنی ہے اور دلوں کی اصلاح کتاب و سنت کی ہدایات اور اسلامی عدلیہ کے بغیر ناممکن ہے۔ اللہ تعالیٰ

توفیق عطافرمائے کہ ان واشگاف حقائق کو سمجھیں اوراس پرعمل کرنے کی توفیق نصیب ہو۔

[ربیع الاول ۱۳۸۹ھ]

امت محمدیہ اوراسلام

﴿هٰذَا بَصَائِرُ مِنْ رَّبِّكُمْ وَهُدًى وَّرَحْمَةٌ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ﴾ [الاعراف:۲۰۳]

اسلام جس کامل ترین شکل میں امتِ محمدیہ کے سامنے آج موجود ہے یہ بڑی کٹھن منزلیں طے کر کے یہاں پہنچا ہے اور دینِ اسلام کا یہ خوبصورت باغیچہ جس شان میں آج موجود ہے اور جس طرح یہ عالم اسلام پر سایہ فگن ہورہا ہے اور اس کے شیریں پھلوں اور پھولوں سے امت لذت اندوز ہورہی ہے اور اس کی روح پرور خوشبوؤں سے قلب ودماغ کوسکون نصیب ہورہا ہے یہ شہداءِ احد اور شہداءِ بدر کے پاکیزہ اور مقدس خونوں سے سینچ سینچ کر سرسبز وشاداب کیا گیا ہے، اس کے پیچھے امت محمدیہ کے جان نثاروں کی عظیم الشان تاریخ ہے گھر بیٹھے بٹھائے یہ نعمت ہمیں اورآپ کوآسانی سے میسرآ گئی ہے ہمیں اس کی کیا قدر ہوسکتی ہے اس کی قدر وقیمت توصدیق وفاروق، عثمان وعلی، طلحہ وزبیر، سید الشہدا حمزہ وجعفر، ابن رواحہ وخالد بن ولید (رضی اللہ عنہم) سے پوچھئے، اس کی داستانیں ابوعبیدہ، سعد بن ابی وقاص اور ابوموسیٰ اشعری سے سنیے، خباب وخبیب، بلال وعمار، سلمان وابوفکیہہ رضی اللہ عنہم کی المناک زبانوں سے معلوم کیجئے۔

آیئے! آپ بھی اسلام کی تاریخ کے سنہری اوراق کی کچھ ورق گردانی کیجئے اور فاتحین اسلام کے عظیم الشان واقعات اور کارنامے پڑھئے شاید کچھ اسلام کی قدر وقیمت کا احساس ہوجائے، کہنا یہ ہے کہ یہ نعمت بڑی مشکلوں سے ہم تک پہنچی ہے لیکن افسوس آج امت اس کی حفاظت کے فریضہ سے قطعاً قاصر بلکہ غافل نظرآ رہی ہے۔

دین الٰہی کی تاریخ

اورزیادہ گہرائی میں جایئے تو اس دینِ الٰہی کی تاریخ اس سے بھی زیادہ قدیم نظر آتی ہے، حضرت آدم علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس دینِ اسلام کی خشت اول رکھی ہے، ان کے بعد آنے والے حضرات انبیاء کرام ورسولانِ عظام پر کیا کیا گذری ہے اس کا کچھ اندازہ حضرت رسالت پناہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشادگرامی سے ہوسکتا ہے جوصحیح بخاری شریف میں امت کے سامنے ہے:

"الأنبياء أشد الناس بلاء ثم الأمثل فالأمثل"(۱)

سب سے زیادہ تکلیفیں انبیاء کرام کواٹھانی پڑتی ہیں پھر جوان کے جتنا زیادہ قریب ومماثل ہو اس کو۔

---

(۱) صحيح البخاری، کتاب المرضی، باب أشد الناس بلاء الانبياء ج:۲ ص:۸٤۳، ط: قديمی.
مشکوة المصابيح، کتاب الجنائز، باب عيادة المريض وثواب المرض ج:۱ ص۱۳٦، ط: قديمی

یعنی یہ "دین اسلام" ان تمام ادیانِ الٰہیہ ساویہ کی آخری کڑی ہے جو جامع ترین کامل ترین شکل وصورت میں ہم تک پہنچا ہے، پھر صحابہ کرام اور تابعین عظام رضی اللہ عنہم نے کس کس طرح اس چمن کی آبیاری فرمائی ہے، پھر محدثین کرام نے حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے انفاس قدسیہ اور احادیث نبویہ کی کس شان سے حفاظت فرمائی ہے اور کیا کیا محنتیں اس سلسلہ میں کی ہیں، ایک ایک حدیث کے سننے اور محفوظ کرنے کے لئے کیسے کیسے طویل وشاق سفر کئے ہیں اور پھر اعداء اسلام کی سازشوں اور تحریفات وتلبیسات سے کس طرح بچا بچا کر امت کے سامنے یہ امانت پہنچائی ہے حتی کہ اس کی حفاظت وصیانت کے لئے تقریباً ایک سو علوم ایجاد کئے، الغرض اس امانت الٰہی کو ان حضرات نے کس طرح سینوں سے لگایا اور کس طرح تصنیفی سفینوں (کتابوں) میں امت تک پہنچایا؟ یہ اسلامی تاریخ کا زریں دور ہے، بخاری، مسلم، ابوداؤد، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ، دارمی وغیرہ وغیرہ تو اس گلستان کے چند پھول ہیں اور اسی بوستان کے چند باثمر پودے ہیں جن کے ثمرات سے آج امت فائدہ اٹھارہی ہے۔

پھر اللہ جل مجدہٗ نے اس امانت الٰہی کے حکم ومصالح کو سمجھنے سمجھانے کے لئے اور اس کی روح کو محکم بنیادوں پر قائم کرنے کے لئے حضرات فقہاء کرام کو پیدا فرمایا ہے کہیں علقمہ واسود وشعبی وابراہیم نخعی ہیں، کہیں قاسم بن محمد بن ابی بکر وسلیمان بن یسار وعروۃ بن الزبیر وسعید بن المسیب ہیں کہیں عطاء بن ابی رباح ہیں کہیں ابن سیرین وحسن بصری ہیں، کہاں تک گنوائیں! مدینہ، مکہ، کوفہ، بصرہ، بغداد، شام، مصر وغیرہ بلادِ اسلامیہ کے فقہاء تابعین کی فہرست بہت طویل ہے اس امتِ مرحومہ کی ان نفوس طیبہ کی جن کو صحابہ وتابعین ومحدثین نے یہ امانت الٰہیہ سپرد کی ہے پھر جو صحیح معنی میں ان اکابر امت کے علوم کے وارث بنے ہیں ان کی فہرست بھی بہت طویل ہے، شام میں امام عبدالرحمن اوزاعی، مصر میں یزید بن ابی حبیب ولیث بن سعد، کوفہ میں سفیان ثوری، امام ابوحنیفہ، محمد بن عبدالرحمن بن ابی لیلی، مدینہ میں امام مالک بن انس اور ان کے شیخ ربیعہ وغیرہ فقہاء سبعہ ہیں۔

پھر کچھ عرصہ بعد یہ امانت محمد بن ادریس شافعی اور احمد بن حنبل کو سپرد ہوئی جن کے آراء وافکار واقوال امت کے سامنے مرتب ومحفوظ اور مدون ہو کر پہنچے اور آج تک ان کے بتلائے ہوئے طریقوں اور مسلکوں پر امت عمل پیرا ہے ان میں جن کو زیادہ قبول نصیب ہوا بلکہ حدیثِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی تعبیر کے مطابق "ثم وضع له القبول فی الأرض"(۱) کے مصداق بنے وہ امام ابوحنیفہ، امام مالک، امام شافعی، امام احمد بن حنبل رحمہم اللہ ہیں۔

کوفہ کی علمی ودینی حیثیت

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ اتفاق سے اس سرزمین میں پیدا ہوئے جہاں علوم نبوت کا سب سے زیادہ ذخیرہ

---

(۱) صحیح البخاری، کتاب الآداب، باب المِقة من الله ج: ۲ ص: ۸۹۲، ط: قدیمی.
مشکوۃ المصابیح، باب الحب فی الله ومن الله ج: ۲ ص ۴۲۵، ط: قدیمی.

پہنچا، چنانچہ خلافتِ فاروقی کے عہد میں جب اسلام مشرق ومغرب میں پھیل گیا اور عراق میں کوفہ ایک مستقل اسلامی بستی بسائی گئی اور اس کو مرکزیت حاصل ہوگئی تو سب سے زیادہ صحابہ کرام اس سرزمین میں منتقل اور آباد ہوئے بلکہ کوفہ صحابہ کرام کا فوجی ہیڈ کوارٹر بن گیا، حروبِ قادسیہ میں یعنی ایران کی لڑائیوں میں آٹھ ہزار صحابہ کرام بتصریح مؤرخ ابن جریر طبری شہید ہوئے ہیں، وہ سب کے سب اسی سرزمین میں سکونت اختیار کر چکے تھے، کوفہ میں ایک علاقہ قرقیسیا کا تھا جس میں بتصریح شیخ ابن ہمام چھ سو صحابہ کرام سکونت پذیر تھے، اسلام کے اس عالمی مرکز کے لئے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے تمام فقہاء صحابہ میں سے حضرت عبداللہ بن مسعود کو منتخب کر کے بھیجا تھا جن کے بارے میں حسب روایت طبقاتِ ابن سعد، فاروق اعظم کے یہ کلمات طیبہ انتہائی اہمیت رکھتے ہیں: "آثرتكم به يا أهل القادسية"(۱)

اے مجاہدین قادسیہ! تم کو وہ شخص دے رہا ہوں جس کا میں خود محتاج ہوں۔

عبداللہ بن مسعودؓ نے اس سرزمین میں کچھ ہی عرصہ میں ایک ایسی عظیم جماعت تیار کر دی جس کو دیکھ کر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا تھا: "أصحاب عبدالله سُرج هذه القرية"(۲)

عبداللہ بن مسعودؓ کے شاگرد اس شہر کے مشعل و چراغ ہیں۔

جس وقت حضرت علی رضی اللہ عنہ کوفہ تشریف لے گئے ہیں عبداللہ بن مسعودؓ تو وفات پا چکے تھے لیکن حضرت علیؓ کے استقبال کے لئے ان کے تلامذہ اور تلامذہ کے تلامذہ چار ہزار کی تعداد میں پہنچے تھے جس کا ذکر امام سرخسی نے مبسوط کی سولہویں جلد میں کیا ہے، حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کو دیکھ کر فرمایا:

"رحم الله ابن أم عبد قد ملأ هذه القرية علماً وفقهاً" (۳)

ابن ام عبد یعنی ابن مسعودؓ پر اللہ تعالیٰ کی رحمتیں ہوں جنہوں نے اس شہر کو علم (حدیث) اور فقہ سے بھر دیا ہے۔

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اس قابلِ قدر اور سزاوارِ افتخار شہادت پر غور کیجئے۔

بہر حال خلافتِ فاروق اعظمؓ کے بعد اسلامی ملکوں میں صحابہ کرام کی کثرتِ تعداد کے اعتبار سے دنیا کا کوئی ملک بھی کوفہ کا مقابلہ نہیں کر سکتا، ظاہر ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہر صحابی حدیث اور علم دین کا ایک سرچشمہ ہے، اس لحاظ سے جہاں جتنے زیادہ صحابہ پہنچے وہاں اسی قدر زیادہ حدیث پہنچی اور جہاں جتنے زیادہ فقہاء

---

(۱) الطبقات الكبرى لابن سعد، ذكر عبدالله بن مسعود ج:۲ ص:۳٤٤. ايضا ج:۳ ص:۱۵۷، ط: دار صادر بيروت

(۲) الطبقات الكبرى لابن سعد، طبقات الكوفيين ج:٦ ص:۱۰، ط: دار صادر بيروت

(۳) المبسوط للسرخسي، كتاب أدب القاضي ج:۱٦ ص:۷۷، ط: دار الكتب العلمية بيروت

صحابہ اور سب صحابہ پہنچے وہاں اسی قدر زیادہ علوم نبوت کے چشمے جاری ہوئے، یہی وجہ تھی کہ عہد بنی امیہ اور پھر عہد بنی عباس میں جس کثرت سے محدثین کوفہ میں موجود تھے کوئی ملک بھی اس کی ہمسری نہیں کرسکتا، محدث عجلی کا بیان ہے کہ کوفہ میں ایک ہزار پانچ سو صحابہ سکونت پذیر تھے جن میں ستر صحابہ بدریین تھے، یہ تو ان صحابہ کی تعداد ہے جو کوفہ کے مستقل باشندے تھے اور جو صحابہ دینی اور ملکی ضرورت کے تحت کوفہ تشریف لائے اور کچھ عرصہ عارضی طور پر قیام فرمایا ہے ان کی تعداد کا تو اندازہ لگانا بھی مشکل ہے۔

اور ظاہر ہے کہ ان سب کی علمی اور دینی وراثت اہل عراق کو ہی منتقل ہوئی ہے خصوصاً جب کوفہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ، وکرم اللہ وجہہ کے عہد میں مرکز اسلام ومرکز خلافت بھی بن گیا تھا، اسی وجہ سے حضرت علیؓ اور حضرت ابن مسعودؓ کے علوم کے حاملین اور تلامذہ کوفہ ہی میں زیادہ رہے ہیں۔

پھر باقاعدہ طور پر حضرات صحابہ میں سے حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت و درایت اور ان کے فقہ کو پورے طور پر محفوظ کرنے والے عبداللہ بن مسعودؓ کے تلامذہ ہی تھے اور پھر تلامذہ کے تلامذہ تھے، چنانچہ محمد بن جریر طبری مفسر ومورخ فرماتے ہیں:

لم یکن أحدله أصحاب معروفون حرروا فتیاہ ومذاهبه فی الفقه غیر ابن مسعود، وکان یترك مذهبه وقوله لقول عمر، وکان لا یخالفه فی شیء من مذاهبه ویرجع من قوله الی قوله اھ.(۱)

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے علاوہ کوئی صحابی ایسا نہیں جس کے تلامذہ نے باقاعدہ طور پر اس کے اقوال وفتاوی ومذہب کو مدون ومرتب کیا ہو اور ابن مسعودؓ حضرت عمرؓ کے قول کی بنا پر اپنے قول کو چھوڑ دیا کرتے تھے اور حضرت عمر کے مسلک کی کسی چیز میں بھی مخالفت نہیں کرتے تھے اور اپنے قول سے عمر کے قول کی طرف رجوع کر لیا کرتے تھے۔

مسروق بن الاجدع جو کبار تابعین کوفہ میں شمار ہوتے ہیں وہ فرماتے ہیں کہ:

میں نے صحابہ کرام کو قریب سے قریب تر ہو کر دیکھا ہے اور ان کی صحبت حاصل کی ہے، میں اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ تمام صحابہ کرام کے مختلف علوم چھ صحابہ میں سمٹ آئے ہیں:

① عمر فاروقؓ ② علی مرتضیٰؓ ③ عبداللہ بن مسعودؓ

④ ابوالدرداءؓ ⑤ زید بن ثابتؓ ⑥ ابی بن کعبؓ

پھر ان چھ حضرات کے علوم کو میں نے دو صحابہ میں مجتمع پایا ہے، حضرت علیؓ اور حضرت ابن مسعودؓ، اور

(۱) بحوالہ، اعلام الموقعین، فصل عمر بن الخطاب ج:۱ ص:۱٦، ط: دار الکتب العلمیة بیروت

اس میں شک نہیں کہ ان دونوں حضرات کے علوم کے وارث کوفہ والے ہی ہیں۔(۱)

امام ابوحنیفہؒ اور ان کی خصوصیات

بہر حال صحابہ کرام کے علوم کے وارث تابعین بنے اور تابعین کے علوم حدیث وفقہ کے وارث وہ ائمہ اجتہاد ہوئے جن کے تفقہ اور مذاہب پر امت کی دینداری کا دارومدار رہا ہے ان ائمہ مجتہدین کے دور میں جو امام سب سے زیادہ ممتاز تھے وہ سفیان ثوری، محمد بن عبدالرحمن بن أبی لیلی اور ابوحنیفہ ہیں، پھر ان سب میں تفقہ اور اجتہاد کے اعتبار سے امام ابوحنیفہؒ سب سے زیادہ ممتاز اور مقبول ہوئے اور حق تعالی نے ان سے وہ خدمت لی کہ عقل حیران رہ جاتی ہے، امام ابوحنیفہؒ کے کمالات وخصوصیات ہمارا موضوع بحث نہیں یہ ان کے کمالات کی تفصیل کی یہاں گنجائش ہے:

فی طلعة الشمس مایغنیك عن زحل

آفتاب عالمتاب کے طلوع ہونے کے بعد زحل ستارے کی روشنی کی ضرورت باقی نہیں رہتی۔

یہ تو ظاہر ہی ہے کہ حضرات محدثین اور فقہاء مجتہدین میں سے جو مشائخ ابوحنیفہ کو میسر آئے کسی اور امام کو میسر نہیں آئے، پھر فطرۃ جودت نظر، تو قد فکر اور ذکاء کا حصہ وافر ابوحنیفہ کو ملا ہے اس میں کوئی ان کا ہمسر نہیں، پھر صبر واستقامت اور خیر خواہی کا جذبہ، فیض رسانی کی حرص اس قدر کہ عقل حیران ہے، غرض حق تعالی نے ابوحنیفہ کو وہ فطری ملکات عطا فرمائے جن کی نظیر ان کے معاصرین میں کہیں نہیں ملتی، ان کے مذاہب کی سب سے بڑی قابل قدر خصوصیت یہ ہے کہ حضرت فاروق رضی اللہ عنہ کے بعد تاریخ اسلام میں ابوحنیفہ پہلے امام دین ہیں جس نے ''فقہی شورائی'' نظام قائم کیا تھا اور چالیس فقہاء ومحدثین وائمہ کرام اس شوری کے ارکان تھے ان میں سے چند کے اسماء گرامی حسب ذیل ہیں:

امام ابو یوسف، زفر، داؤد طائی، اسد بن عمرو، یوسف بن خالد سمتی، یحیی بن زکریا بن ابی زائدہ، عافیۃ ازدی، حمزہ زیات، حبان بن مندل، فضیل بن عیاض وغیرہ وغیرہ۔

یہ چالیس ارکان کی جماعت مسائل فقہیہ میں کما حقہ غور وخوض کے بعد مسائل متفقہ طور پر طے کرتی تھی کبھی کبھی ہفتوں بحث وتمحیص میں لگ جاتے تھے، ابن ابی العوام سعدی اپنی کتاب ''اخبار أبی حنیفة واصحابه'' میں لکھتے ہیں:

''کان أصحاب أبی حنیفة الذین دونوا معه الکتب أربعین رجلاً کبراء الکبراء''(۲)

(۱) نصب الرایة ج:۱ ص:۲۵، منزلة الکوفه من علوم الاجتهاد، ط: دارالحدیث قاهره

(۲) بحواله، نصب الرایة، طریقة ابی حنیفة فی التفقیه ج:۱ ص:۳۲، ط: دارالحدیث قاهره

امام ابوحنیفہ کی فقہ کو مرتب کرنے والے چالیس حضرات ایسے تھے کہ جو اکابر کے اکابر تھے۔

موفق مکی، مناقب ابوحنیفۃ میں لکھتے ہیں:

"وضع أبوحنيفة مذهبه شورى بينهم لم يستبدّفيه بنفسه دونهم اجتهادًا منه فى الدين ومبالغةً فى النصيحة لله ورسوله والمؤمنين فكان يلقى المسائل مسألةً مسألةً و يسمع ماعند هم و يقول ماعنده و يناظرهم شهرًا أواكثر حتى يستقر أحدالأ قوال فيها ثم يثبتها أبو يوسف فى الأصول حتى أثبت الأصول كلها، وهذا يكون أولىٰ وأصوب والى الحق أقرب والقلوب اليه أسكن وبه أطيب من مذهب من انفرد فوضع مذهبه بنفسه و يرجع فيه الى رأيه.اه"(۱)

ابوحنیفہ نے اپنے مذہب کی بنیاد ان چالیس ارکان کے مشورہ اور اتفاق رائے پر رکھی تھی، ان کی آراء کو نظر انداز کر کے اپنی شخصی رائے کو کبھی بھی مدار نہیں بنایا، اس کا مقصد اپنی جانب سے دین کے معاملہ میں انتہائی جدو جہد کا اور اللہ، اس کے رسول اور اہل ایمان کی خیر خواہی کا حق ادا کرنا تھا، ابوحنیفہ فقہی مسئلے ایک ایک کر کے ان اراکین شوریٰ کے سامنے پیش کرتے ان کے دلائل سنتے، اپنے دلائل بیان کرتے مہینہ مہینہ بلکہ اس سے بھی زیادہ عرصہ ان کے ساتھ بحث ومباحثہ کرتے یہاں تک کہ متفقہ فیصلہ ہو جاتا تو اس کے بعد کتب اصول میں درج کراتے یہی سب سے بہتر، سب سے زیادہ درست اور حق سے سب سے زیادہ قریب طریق کار تھا اسی سے دل مطمئن اور خوش ہو سکتے ہیں، بمقابلہ ایک شخصی مذہب کے جس کو ایک فرد اپنی شخصی رائے سے تجویز کرے اور اپنی رائے پر ہی اعتماد کرے اور اسی کو مدار بنائے۔

یہی وجہ ہے کہ امام محمد بن ادریس شافعی جیسے امام کو بھی اعتراف کرنا پڑا کہ:

"الناس كلهم فى الفقه عيال على أبى حنيفة"(۲)

تمام امت فقہ میں ابوحنیفہ کی محتاج ہے۔

اور اسی وجہ سے ابن خلدون جیسے محقق مؤرخ کو بھی جو خود مالکی المذہب تھے اور اندلس کے مسلّم عالم تھے کہنا پڑا کہ: "جو پختگی مذہب ابوحنیفہ کو حاصل ہوئی مالکی مذہب کو حاصل نہ ہو سکی"۔ (تفصیل کے لئے مقدمہ ابن خلدون دیکھا جائے)۔

---

(۱)مناقب الامام الاعظم ابی حنیفة ج:۲ص:۱۳٤،۱۳۳،ط:مکتبه اسلامیه کوئته

(۲)تاریخ بغدادللحافظ ابی بکر احمدبن علی الخطیب ج:۱۳ص:۳٤٦،ط:دارالکتاب العربی بیروت

امام ابوحنیفہؒ اور شرعی مسائل

امام ابوحنیفہ نے جو شرعی مسائل واحکام امت کے لئے املاء کر کے لکھوائے تھے ان کی تعداد کے بارے میں متعدد اقوال ہیں، ان میں ایک قول یہ ہے کہ یہ مسائل واحکام بارہ لاکھ ستر ہزار سے بھی زائد تھے، یہی وجہ ہے کہ ابوحنیفہ کے مذہب کو عالم اسلامی میں جو عروج وقبول نصیب ہوا ہے تصور سے بالاتر ہے، چنانچہ کہا گیا ہے کہ تمام امت میں ابوحنیفہ کی متابعت واقتدا کرنے والے دنیائے اسلام کے نصف سے زائد مسلمان ہیں، نصف اقل میں بقیہ تمام ائمہ کے متبعین شامل ہیں۔

انہی حقائق کے پیش نظر امام یحییٰ بن سعید القطان اور امام یحییٰ بن معین اور وکیع بن الجراح وغیرہ وغیرہ کبار محدثین کے متعلق محققین علماء اسماء رجال کا بیان ہے کہ یہ ابوحنیفہ کا اتباع کرتے تھے، گویا ''اجتہاد مطلق'' کا منصب اتنا اونچا اور اتنا دقیق وعمیق ہے کہ اتنے بڑے بڑے حضرات علماء محدثین بھی ابوحنیفہ کی اتباع سے بے نیاز نہ ہو سکے، بلاشبہ ان کا اتباع یا ان کی تقلید عام امت جیسی نہیں ہے کہ ہر ہر مسئلے میں امام کی تقلید کریں بلکہ جو دقیق فقہی مسائل ایسے درپیش آتے تھے کہ یہ حضرات خود از روئے حدیث فیصلہ نہ کر سکتے تھے تو ان میں ابوحنیفہ کا مذہب اختیار کرتے تھے اور اسی پر فتوی دے دیا کرتے تھے اسی بنیاد پر امام ترمذی جیسے حضرات محدثین کو شافعی مذہب کا پابند بتلایا گیا ہے اور امام ابوداؤد جیسے محدث کو امام احمد بن حنبل کا متبع بتلایا گیا ہے۔ بہرحال حدیث ہو یا فقہ دین کے الگ الگ شعبے ہیں۔

''ہر کسے را بہر کارے ساختند''

"لکل فن رجال" معروف قولہ ہے، اعمش جو ابوحنیفہ اور ابو یوسف کے شیخ تھے، ایک موقعہ پر ان سے ایک مسئلہ پوچھا گیا جواب سے عاجز آئے، ابوحنیفہ موجود تھے، عرض کیا: ''اجازت ہو تو جواب دوں'' فرمایا: ''جی ہاں'' جب ابوحنیفہ نے اسی حدیث سے جواب دیا جو اعمش کو بھی یاد تھی تو اعمش کو اس پر حیرت ہوئی اور بے اختیار فرمانے لگے: "یامعشر الفقهاء نحن الصيادلة وأنتم الأطباء"(۱)

اے فقہاء کی جماعت! ہم تو دوا ساز ہیں طبیب تو تم ہو۔

امام ابو یوسف کی موجودگی میں ایک دفعہ کسی نے کوئی مسئلہ دریافت کیا، پھر امام اعمش جواب سے خاموش رہے تو ابو یوسف نے باجازت شیخ جواب دیا، فرمایا کہ: ''اے یعقوب (امام ابو یوسف کا نام ہے) تمہارے والدین نے نکاح بھی نہیں کیا تھا اس وقت سے یہ حدیث مجھے معلوم تھی لیکن یہ معلوم نہ تھا کہ اس حدیث سے یہ مسئلہ

---

(۱) اخبار ابی حنيفة واصحابه ج:۱ ص:۲۷، ط: عالم الكتب بيروت. فضائل ابی حنيفة واخباره و مناقبه ص:۱۰۲. ط: المكتبة الامدادية مكة المكرمة

بھی نکلتا ہے''۔

ان واقعات کو حافظِ حدیث حافظ ابن عبدالبر مالکی نے ''جامع بیان العلم'' میں اپنی سند سے لکھا ہے اور اس قسم کے بے شمار واقعات ہیں، عرصہ ہوا کہ ''الفرقان'' کے شاہ ولی اللہ نمبر میں راقم الحروف کا ایک طویل مقالہ اس موضوع پر شائع ہو چکا ہے، اس وقت قلم برداشتہ چند حروف لکھ دیئے تھے شاید اہلِ انصاف نے قدر فرمائی ہو، باقی جن حضرات نے نہ ماننے کا عزم ہی کرلیا ہو روئے سخن ان کی طرف نہیں ہے آج کل جہاں اور فتنے اس ملک کے مسلمانوں کو گھیرے ہوئے ہیں یہ بھی ایک فتنہ بن گیا ہے کہ ایک طرف ایک جماعت پوری جہالت کے ساتھ اتباعِ سنت کے خلاف کرتی ہے اور مذہب حنفی کی آڑ لیتی ہے اور اس طرح یہ مذہب حنفی کو بدنام کرتے ہیں، دوسری طرف ایسے حضرات بھی موجود ہیں جو مقلدینِ ائمہ اور متبعینِ مجتہدین کو مشرکین سے کم نہیں سمجھتے اور ان کے خلاف لکھتے لکھتے ابوحنیفہ کے خلاف بھی اپنا زورِ قلم خرچ کررہے ہیں، بڑی شدید خلیج درمیان میں حائل ہے۔ انصاف اور اخلاص کے فقدان سے یہ صورت حال پیدا ہوئی ہے آج امت کفر والحاد کے بحران میں مبتلا ہے، نئی نسل بے دینی وبداخلاقی کے گہرے گڑھے میں گر رہی ہے اور ہمیں ایک دوسرے پر لعن وطعن سے ہی فرصت نہیں ملتی، آج کفر و اسلام کا مقابلہ ہے اسلام اور کمیونزم کا مقابلہ ہے اسلام اور سرمایہ داری کا مقابلہ ہے، تمام دین کی اقدار مسخ کی جارہی ہیں ماسکو اور واشنگٹن کے ساتھ مہبطِ وحی البلد الامین مکہ مکرمہ اور مہبطِ جبرئیل امین مدینہ طیبہ کا موازنہ کیا جارہا ہے، ایک طرف سے دہریت والحاد کے ساتھ ساتھ جدید تہذیب وتمدن کا سیلاب آرہا ہے، اور اسلامی اقدار کے مضبوط قلعوں کو برباد کرنے پر تلا ہوا ہے اور ہم تقلید اور عدمِ تقلید کے جھگڑوں میں پڑے ہوئے ہیں:

بسوخت عقل زحیرت کہ ایں چہ بوالعجبی است

اللّٰهم اهدقومی فانهم لا يعلمون

[رمضان المبارک ۱۳۹۱ھ-نومبر ۱۹۷۱ء]

اسلام ''دین کامل'' ہے، اس میں کسی بھی ''ازم'' کی گنجائش نہیں (۱)

خطبہ مسنونہ کے بعد آیت مندرجہ ذیل تلاوت فرمائی:

﴿اَلْيَوْمَ أَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَأَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْإِسْلَامَ دِيْنًا﴾ [المائدة:۳]

(۱) حضرت مولانا محمد یوسف صاحب بنوری (رحمہ اللہ تعالیٰ) کی ایک اہم تقریر جو آپ نے حرمین شریفین کی زیارت اور حج سے واپسی کے دوسرے دن بروز جمعہ ۲۱ر مارچ ۶۹ء کو ایک مجمعِ کثیر کے سامنے جامع مسجد علامہ بنوری ٹاؤن میں فرمائی اور ماہنامہ ''بینات'' میں اس کا اختصار ''بصائر وعبر'' میں پیش کیا گیا۔

آج میں نے تمہارے لئے تمہارا دین کامل بنا دیا اور تم پر اپنی نعمت پوری کر دی اور اسلام کو بحیثیت دین تمہارے لئے پسند کیا۔

عزیزان گرامی قدر اور محترم بزرگو! میں آپ سے تقریباً ۲۸ روز غیر حاضر رہا، ان دنوں میں آپ پر کیا گذری اس سے آپ سب حضرات خوب واقف ہیں، اس ملک میں اسلام پر جو کچھ بیت رہی ہے اور جو کچھ اس کے ساتھ کیا جا رہا ہے اس کے پیش نظر میں نے ایک عرصہ سے اخبار بینی تقریباً ترک کر دی تھی کیونکہ ہر روز کوئی نہ کوئی دردناک خبر ملتی تھی اور کسی نہ کسی روح فرسا واقعہ سے سابقہ پڑتا تھا، پھر عریانی و فواحش اور ان کی تصاویر سے اخبارات بھرے ہوتے تھے، اس لئے جب یہاں تھا تو ان سے اجتناب کرتا تھا لیکن پھر بھی کوئی نہ کوئی خبر کان میں پڑ ہی جاتی تھی، یہاں سے جانے کے بعد رخ ہی دوسری طرف تھا اس لئے خود کو خالی الذہن کر لیا تھا لیکن ان ۲۸ دنوں میں جو کچھ اس ملک پر گذرا اور برسوں کی مسافت جو چند دنوں میں طے ہوئی وہ ایسا واقعہ نہیں ہے کہ اس سے صرف نظر کیا جائے اور ذرا بھی غفلت برتی جائے ہم آپ ایک ہی کشتی کے سوار ہیں جب کشتی ڈوب رہی ہو تو ہر مسافر کو اس کے بچانے کی فکر میں لگ جانا چاہئے، کچھ تو میں نے حرمین شریفین میں اس بدقسمت ملک کے بارے میں سنا اور کچھ یہاں آ کر بعض کرم فرماؤں نے بتلایا، ان خبروں اور حالات کا خلاصہ یہ ہے کہ پاکستان آج اپنی تاریخ کے انتہائی نازک ترین دور سے گذر رہا ہے، دنیا میں انقلابات آتے ہیں سازشیں ہوتی ہیں، طوائف الملوکی پھیل جاتی ہے اور ایسا بھی ہوتا ہے کہ آج کسی کے لئے تخت سلطنت ہے تو کل اس کے لئے تختہ دار ہے، یہ سب کچھ ہوتا ہے لیکن ہمارا ملک اس سے بھی شدید ترین خطرات سے دوچار ہے، داخلی اور خارجی قوتوں نے اپنی پوری توانائیوں کے ساتھ اس کو گھیر رکھا ہے، امریکہ، برطانیہ، روس اور چین ایک عرصہ سے اس ملک کو اپنی چراگاہ بنائے ہوئے تھے اور اپنے اپنے ایجنٹوں کے ذریعہ عمل جراحی میں مصروف تھے ان سب کا مقصد یہ تھا کہ اس ملک کو اپنی حالت میں رہنے نہ دیں اور یہ ملک جس مقصد کے لئے بنایا گیا تھا اس سے اس کو کوسوں دور ڈال دیں۔

برطانیہ ایک زہریلے بچھو کی طرح نیش زنی میں مصروف رہتا ہی ہے، برطانیہ کی تاریخ جس قدر قدیم ہے اسلام اور مسلمانوں سے اس کی عداوت بھی اتنی ہی قدیم ہے، اس کی خواہش ہمیشہ سے یہ ہے کہ یہ ملک مسلمان ملک کی حیثیت سے زندہ نہ رہے، امریکہ دوسرا شیطان ہے جو اسی فکر میں ڈوبا ہوا ہے کہ پاکستان ختم ہو جائے اور ہندوستان اس پر حاوی اور قوی ہو جائے اس پر وہ کروڑوں ڈالر خرچ کر رہا ہے، روس بڑا بدمعاش ہے وہ چاہتا ہے کہ گرم پانیوں تک پہنچ جائے اور کشمیر پر قبضہ کر لے اور چاہتا ہے کہ وہ بھی اپنے بلاک کو وسیع کر لے امریکہ کو شکست دے دے اور دنیا کو اپنے غیر فطری امور، خدا دشمن نظام کمیونزم کی لپیٹ میں لے لے، درمیان میں ایک نیا شیطان اور آ نکلا ہے جس کا نام چین ہے وہ بھی اپنی میچائی ہوئی نگاہیں پاکستان پر اور افریقہ و ایشیا کے دوسرے ملکوں پر ڈال رہا ہے، یہ تمام دشمن ملک کے موجودہ حالات

سے فائدہ اٹھانے کی کوشش کر رہے ہیں، ان کی توقعات اب وسیع سے وسیع تر ہوتی جارہی ہیں اور اپنے جالوں کے پھندے بڑے تیزی سے کس رہے ہیں، ادھر ملک میں کچھ حضرات جن کی طرف انگلیوں سے اشارہ کیا جاتا ہے وہ ان بیرونی ممالک کے آلۂ کار بنے ہوئے ہیں، صدر صاحب اپنے اعمال کا نتیجہ بھگت رہے ہیں اپنے دس سالہ کرتوتوں کی سزا پا رہے ہیں، قرآن کریم میں ارشاد ہے:

﴿قُلِ اللّٰهُمَّ مَالِكَ الْمُلْكِ تُؤْتِى الْمُلْكَ مَنْ تَشَاء وَتَنْزِعُ الْمُلْكَ مِمَّنْ تَشَاء وَ تُعِزُّ مَنْ تَشَاء وَتُذِلُّ مَنْ تَشَاء بِيَدِكَ الْخَيْرُ اِنَّكَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ﴾

[آل عمران:۲٦]

آپ کہا کریں: اے اللہ تو ہی ہے بادشاہت کا مالک جس کو چاہتا ہے سلطنت سے نوازتا ہے اور جس سے چاہتا ہے سلطنت وحکومت کو چھین لیتا ہے جس کو چاہتا ہے عزت سے سرفراز فرماتا ہے اور جس کو چاہتا ہے ذلت و رسوائی سے ہمکنار کرتا ہے خیر تیرے ہی دست قدرت میں ہے بلاشبہ تو ہر چیز پر قدرت بیکراں رکھتا ہے۔

صدر صاحب آج معکوس حالت سے دوچار ہیں وہ کل تک عزیز تھے انہیں ملک کا نجات دہندہ سمجھا جارہا تھا اس زمانہ میں کہا جارہا تھا کہ سمندر نے بھی سونا اگلنا شروع کر دیا، سمندر نے سونا بے شک اگلا اور خوب اگلا یہ اور بات ہے کہ وہ سونا بعد میں پیتل بن گیا، پھر آپ کو وہ زمانہ بھی یاد ہوگا جب ہندوستان نے پاکستان کو اپنی جارحیت کا نشانہ بنایا تھا، صدر صاحب کی زبان سے کلمہ طیبہ نکلا اور تقریر سے پہلے بسم اللہ پڑھنے کی عادت پڑی، ریڈیو بھی مسلمان ہوگیا، حکومت مسلمان ہوگئی، فوج بھی مسلمان ہوگئی، فوجیوں نے جام شہادت نوش کئے، اخلاص اور کامل اخلاص سے لڑے، مساجد نمازیوں سے بھر گئیں، آخر کار مسلمانوں کی جان میں جان آئی کہ اللہ تعالیٰ نے ملک کو بچالیا، پھر یکا یک ملک کے حالات بدلے یا زبردستی ان کو بدلا گیا دینی فضا جو قائم ہوئی تھی اس کو فواحش ومنکرات اور ٹیڈی ازم کے نرغے سے ختم کیا گیا۔

بہرحال اس وقت ملک جن خطرات سے دوچار ہے اس سے آپ بخوبی واقف ہیں اس وقت دو طبقے ہیں جن کے ذمہ میں فریضہ عائد ہوتا ہے کہ وہ میدان میں اتر کر اس ملک کو خطراتِ کفر والحاد اور بے چینی کے تسلط سے بچائیں اور اسلام اور امن وسلامتی کے راستہ پر ملک کو چلا کر عزت وسرفرازی سے ہمکنار کریں۔

علماء کی ذمہ داری اور ان کے فرائض

ایک طبقہ علماء کا ہے، علماء پر سب سے زیادہ ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ وہ کامل اخلاص اور پوری تندہی سے اس وقت کام کریں وہ یہ سوچیں کہ اللہ تعالیٰ نے جو کچھ ان کو عزت دی ہے وہ سب کچھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دین مبین کا صدقہ ہے، مسلمانوں میں ہماری جو کچھ عظمت واحترام اور ادب ہے وہ سب اللہ کے دین سے وابستہ

ہونے کی وجہ سے ہے، آج اس ملک میں اسلام پر جو کچھ گذر رہا ہے یا گذرنے والا ہے اس میں علماء کیا کردار ادا کریں گے؟ دنیا کی آنکھیں اس کی طرف لگی ہوئی ہیں، علماء جو کچھ کریں گے تاریخ اپنے سفینوں میں اور قوم اپنے سینوں میں اس کو ہمیشہ محفوظ رکھے گی، آج علماء کے امتحان کا وقت آگیا ہے۔ ضرورت ہے کہ ہم حق کہیں اور حق کے لئے کہیں اور حق تعالیٰ جل مجدہٗ کی رضا وخوشنودی کے لئے کہیں اور جو کام کریں نفس کا شائبہ تک اس میں نہ ہو، وہ حدیثِ رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام تو علماء کے سامنے ہوگی اور پڑھی اور پڑھائی ہوگی:

''قیامت کے روز اللہ تعالیٰ کے یہاں سب سے پہلے علماء، مجاہدین، سخاوت کرنے والوں کی پیشی ہوگی سب سے پہلے علماء کی باری آئے گی اور ان سے کہا جائے گا کہ تم نے علم کس لئے حاصل کیا تھا؟ عرض کریں گے کہ تیری رضا کے لئے، ارشاد ہوگا: غلط کہتے ہو تم نے علم اس لئے حاصل کیا تھا کہ تم کو عالم کہا جائے اور لوگ تمہاری عزت کریں، چنانچہ ایسا ہوگیا (لوگ تمہیں عالم کہنے لگے) پھر حکم ہوگا ان کو اوندھے منہ جہنم میں ڈال دو اور وہ جہنم میں ڈال دیئے جائیں گے، پھر اسی طرح مجاہدین کا نمبر آئے گا اور ان سے بھی یہی سوال وجواب ہوکر جہنم میں ڈال دیا جائے گا، آخر میں سخاوت کرنے والے آئیں گے اور ان پر بھی یہی ماجرا گذرے گا''۔ (۱)

لہذا علماء ربانیین کا اہم فریضہ ہے کہ وہ سروں سے کفن باندھ کر میدان میں آجائیں، بہت بے حسی اور بے غیرتی کی بات ہوگی کہ دین پر نازک ترین وقت آجائے اور ہم خاموش تماشائی بنے بیٹھے رہیں اور تاویلیں کرتے رہیں کہ ابھی عزیمت کا وقت نہیں، رخصت پر عمل کیا جاسکتا ہے۔

مجھے امید ہے کہ ایسا نہیں ہوگا، علماء خاموشی سے نہیں بیٹھیں گے، ان شاء اللہ ثم ان شاء اللہ۔ ہماری تو آرزو ہے کہ دین کے تقاضے ہم سے پورے ہوجائیں، الحمد للہ ہمیں ۲۰ رسال سے شہادت کی آرزو سے اپنے سینہ کو گرم کر رکھا ہے اس سے بڑی کیا خوش نصیبی ہوگی کہ اس کی راہ میں شہادت نصیب ہو، لیکن ضرورت اس کی ہے کہ علماء کی طرف سے کام ہو مگر صحیح، درست، عقل اور تدبیر سے ہو اللہ کو راضی کرنے کے لئے اور اس کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے ہو، وما ذٰلك علی الله بعزیز۔

عوام کے فرائض وذمہ داریاں

دوسری ذمہ داری عام مسلمانوں کی ہے جن سے اس وقت میں مخاطب ہوں، اگرچہ اس ملک میں ملاحدہ زنادقہ، بے دین اور اسلام سے منحرف لوگوں کی ایک بڑی تعداد موجود ہے تاہم ملک کی بھاری اکثریت حلقہ بگوش اسلام ہے جو اس ملک میں اسلام کو پھلتا پھولتا دیکھنا چاہتی ہے اور اسلام سے روگردانی اور انحراف کو سب سے

(۱) الصحیح لسملم، کتاب الامارة، باب من قاتل للریاء والسمعة استحق النار، ج:۲ ص:۱۴۰، ط: قدیمی

بڑا گناہ تصور کرتی ہے ان ہی حضرات کے سامنے میں اپنی معروضات پیش کر رہا ہوں کہ:

آپ اس وقت سخت امتحان میں ڈال دیئے گئے ہیں، آپ علماء حق کی دعوت پر لبیک کہیں اور ان فتنوں سے نبرد آزما ہونے میں علماء کا ہاتھ بٹائیں، عوام مسلمین کی قربانیاں اسی وقت نتیجہ خیز ثابت ہوں گی جب یہ صحیح قیادت کے تحت کام کریں اور صحیح قیادت علماء ربانیین ہی کی ہو سکتی ہے:

لا یصلح الناس فوضی لا سراۃ لھم
و لا سراۃ اذا جھالھم سادوا

صحیح قیادت کے بغیر انتشار اور پراگندگی کی حالت میں لوگوں کی حالت بہتر نہیں ہو سکتی اور جاہلوں کی سیادت کو صحیح قیادت نہیں کہا جا سکتا۔

آپ کو معلوم ہے کہ اس مسلمان ملک میں سوشلزم اور کمیونزم کے نعرے لگ رہے ہیں اور بڑے زور وشور کے ساتھ لگائے جا رہے ہیں جہنم کی طرف لے جانے والے ائمۂ ضلال وفسق لوگوں کی قیادت کر رہے ہیں، اور خود بھی شرارت اور فتنہ وفساد کی آگ بھڑکا رہے ہیں اور لوگوں کو بھی اس پر آمادہ کر رہے ہیں اب ہماری خاموشی بدترین جرم ہوگی، اگر دیندار مسلمان اسلام کی حفاظت وصیانت اور دفاع سے خاموش ہو گئے تو یہاں اسلام ختم ہو جائے گا اور دنیا کے نقشہ سے حرف غلط کی طرح مٹ جائے گا، اس موقعہ پر قرآن کریم آپ کو پکار رہا ہے اور کہہ رہا ہے: ﴿وَجَاهِدُوْا فِي اللهِ حَقَّ جِهَادِهٖ﴾ [الحج:۷۸]

جہاد کرو اللہ کے راستہ میں جیسا کہ حق ہے اس کے راستہ میں جہاد کرنے کا۔

یہاں پر یہ دردناک حقیقت بھی سنتے جایئے کہ پچھلے دنوں ڈھاکہ میں حزب اختلاف کی آٹھ جماعتیں جمع ہوئیں اور ان کا اسلام پر اتفاق نہ ہو سکا چند سلبی چیزیں ان کے اتفاق واتلاف کے نقطے بن سکیں لیکن نظام اسلام اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا لایا ہوا دین اتفاقی نقطہ نہ بن سکا۔

شروع میں میں نے آپ کے سامنے جو آیت کریمہ تلاوت کی ہے اس کے متعلق آپ جانتے ہوں گے کہ یہ آیت کس موقعہ پر نازل ہوئی؟ ذی الحجہ کا مہینہ تھا اور اس کی نویں تاریخ تھی، عرفہ کا دن تھا، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر مبارک کا ۶۳ رواں برس تھا، نبوت کا تیسواں سال تھا، جمعہ کا دن تھا، عصر کا وقت تھا، آپؐ اپنی اونٹنی قصویٰ پر سوار تھے مخاطبین میں ابوبکر، عمر، عثمان، علی، طلحہ، زبیر، حسن، حسین رضی اللہ عنہم اور ایک لاکھ صحابہ موجود تھے، یہ ایک مجمع تھا کہ چشم فلک نے اس سے زیادہ مقدس، اس سے زیادہ پاکیزہ، اس سے زیادہ جاں نثار مجمع نہیں دیکھا اور نہ کبھی دیکھے گا، اسلامی تاریخ نے یہ سب کچھ محفوظ کر رکھا ہے اور اس طرح کہ اس سے زیادہ حفاظت کا تصور نہیں کیا جا سکتا، پھر مسلمانوں نے اپنے ہادیٔ برحق خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت اور آپ کے انفاس قدسیہ کو تو اس طرح محفوظ کر رکھا ہے کہ کوئی قوم نہیں کر سکتی، آپ کی پاکیزہ زندگی کا ایک ایک لمحہ حدیث وسیرت میں محفوظ ہے۔

الغرض آیت کریمہ میں فرمایا جارہا ہے کہ آج کے دن میں نے تمہارا وہ دین جس کا سلسلہ نہ صرف ۲۳ رسال بلکہ ہزاروں سال پہلے حضرت آدمؑ سے جاری تھا، مکمل وکامل کردیا اور نعمت یعنی نعمت نبوت یا نعمت اسلام یا اللہ سے تعلق کو پورا کردیا، اب دنیا میں تمہاری فلاح اور دنیا وآخرت دونوں میں تمہاری فلاح ونجات صرف دین اسلام سے وابستہ ہے تمہاری صلاح وفلاح کسی بھی ازم یا نظام حیات سے وابستہ نہیں ہے۔

غور فرمائیے! جب یہ آیت کریمہ اتری ہے، اس وقت دنیا میں مختلف اور متعدد مذاہب اور نظامہائے حیات موجود تھے، مختلف ''ازم'' موجود تھے جن سے دنیا آشنا تھی، آج جو کچھ دنیا میں ہورہا ہے اس کی ابتدائی شکلیں اس وقت موجود تھیں لیکن رب کریم نے ان سب پر خط تنسیخ پھیر کر اسلام اور صرف اسلام کو ہماری خیر وفلاح کا ضامن ٹھہرایا ہے کیونکہ اس قانون کا بنانے والا رب العالمین، احکم الحاکمین، ارحم الراحمین ہے جس کی مدح وثناء ہم عاجز بندے کر ہی نہیں سکتے پھر نہ صرف یہ کہ اس نے اس دین کو پسند کیا بلکہ ساتھ ہی ساتھ یہ بھی اعلان فرمایا:

﴿وَ مَنْ يَّبْتَغِ غَيْرَ الْاِسْلَامِ دِيْنًا فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْهُ وَ هُوَ فِى الْاٰخِرَةِ مِنَ الْخَاسِرِيْنَ﴾ [آل عمران: ۸۵]

جو شخص اسلام کے علاوہ کسی نظام کو اپنا دین بنائے گا وہ اس سے ہرگز قبول نہ ہوگا اور وہ آخرت میں خسارہ اٹھانے والوں کی فہرست میں شمار ہوگا۔

کمالِ دین کا مطلب اور اس کے معنی

یہ بھی سمجھئے کہ کمال دین کا مطلب کیا ہے؟ اس کا مطلب یہ ہے کہ اس دین میں عقائد، عبادات، احکام، معاملات، معاشرت، قانون صلح وجنگ، اقتصادیات، معاشیات، سیاسیات سب کچھ موجود ہو ورنہ اگر انسانی زندگی سے متعلق کوئی ایک شعبہ بھی نہ ہو تو وہ کامل نہیں ہوسکتا وہ ناقص اور محتاج تکمیل کہلائے گا۔

جب اللہ تعالیٰ اس دین کو کامل فرمارہے ہیں اور واقعتاً اس میں سب کچھ موجود ہے تو ہمیں کیا ضرورت ہے کہ ہم امریکہ، روس یا چین سے کسی ازم کی بھیک مانگیں، درحقیقت کسی بھی دوسرے ازم سے بھیک مانگنا اور اسلام میں اس کا پیوند لگانا شرک فی الربوبیۃ ہے جو شرک کی بدترین قسم ہے اور جو شخص اس کو جائز سمجھتا ہے اس کو چاہئے کہ وہ اپنے ایمان کی خیر منائے، نہ اس کا اللہ تعالیٰ پر ایمان ہے اور نہ آخرت پر، موجودہ حالات کے تحت اسلام کے معاشی نظام کی ترتیب وتنظیم زیر غور ہے، اللہ تعالیٰ توفیق دے تاکہ مثبت پہلو میں دین کا یہ نقش آپ کے سامنے آجائے۔

ساری دنیا کا محور آج کل پیٹ کا مسئلہ ہے اسلام نے پیٹ کے مسئلہ کو حل کیا ہے لیکن اس کے پس منظر میں انسان کو حیوان سے اور جانوروں سے ممتاز کرنے کی غرض سے ایک مستقل نظام روحانیت یعنی عقائد وعبادات،

اعمالِ صالحہ واخلاقِ فاضلہ کو محفوظ رکھا ہے، اس کے برعکس امریکہ نے زراندوزی اور عیش کوشی کو ہی زندگی کا مقصد قرار دیا ہے، روس اور چین نے پیٹ کے مسئلہ کو جیسا تیسا حل کیا لیکن انسان کو جانور بنا کر ساری انسانی مکرمت اور توقیر چھین لی اور تمام اخلاقی اور روحانی اقدار کو پامال کر کے نرا حیوان بنا ڈالا، اسلام ہی وہ دین کامل ہے جس نے انسان کا صحیح مقام اس دنیا میں متعین کیا اور اس کو وہ نظامِ حیات دیا ہے جو اس کے شایانِ شان ہے، اسلام میں صرف روٹی کپڑا اور مکان کا نعرہ جانوروں کا نعرہ تو ہوسکتا ہے انسان کا نعرہ ہرگز نہیں ہوسکتا لہذا:۔

اسلام میں کسی بھی ازم کی گنجائش نہیں ہے نہ کیپٹل ازم کی نہ سوشلزم کی نہ نیشنلزم کی، آج ہمارے ملک میں جو مشکلات ہیں وہ معاذ اللہ اسلام کی پیدا کردہ ہرگز نہیں ہیں بلکہ لوگوں نے اسلامی نظام جس کے نام پر یہ ملک حاصل کیا تھا اس کو پس پشت ڈال کر اور مغربی سرمایہ دارانہ نظام کو اپنا کر یہ مشکلات خود پیدا کی ہیں، اس ملک میں اسلام کو ایک دن بھی اپنا معاشی نظام جاری کرنے کا موقعہ نہیں دیا گیا، اگر اسلام کے معاشی نظام کو یہاں جاری کیا جاتا تو اس کا امکان ہی نہیں تھا کہ ملک کی معاشی حالت اس درجہ پر پہنچتی اور یہ سوشلزم کے کافرانہ نعرے بلند ہوتے۔

اسلامی سوشلزم کا نعرہ

پھر ان سارے نعروں میں سب سے زیادہ دلچسپ یا تکلیف دہ نعرہ اسلامی سوشلزم کا ہے بھلا یہ بھی کوئی بات ہے یہ تو بالکل ایسا ہی ہے کہ کہا جائے ''اسلامی دہریت'' ''اسلامی لادینی'' ''اسلامی شراب'' ''اسلامی قحبہ خانہ'' بلکہ میرے نزدیک اسلامی سوشلزم اس سے بھی زیادہ خطرناک ہے اس سے تو اسلام کے عقیدہ پر زد پڑتی ہے کہ دین مکمل نہیں ہے۔

اگر کوئی دین وایمان سے کورا انسان یہ محسوس کرتا ہے کہ موجودہ دور بدل گیا ہے اس لئے ہمیں نئے نظام کی ضرورت ہے تو ایسا شخص کافرانہ غلطی میں مبتلا ہے اور اس کا ایمان اللہ اور اس کے رسول برحق پر صحیح نہیں ہے کیونکہ یہ قانون تو اللہ علیم وخبیر کا بنایا ہوا ہے جو قیامت تک آنے والی نسلوں، ان کے امراض وعوارض ان کی حاجات وضروریات مرغوبات ومیلانات کو جاننے والا تھا اور ہے، اس کا علم گذشتہ اور آئندہ سب پر محیط ہے اس کی قدرت کامل ہے، اس نے اپنے اس ابدی قانون میں اپنے علم اور قدرت دونوں کو سمو دیا ہے اب نہ کوئی قانون آنے والا ہے نہ کوئی نبی مبعوث ہونے والا ہے، اب ہماری ہدایت کے لئے یہی نسخہ کیمیا کافی وشافی ہے۔

اب اس وقت آپ کے سامنے کام کی ترتیب یہ ہے:

(الف)...... جہاد باللسان، یعنی زبان سے جہاد، علماء اس میں پہل کریں، آپ ان کی معاونت کریں اور اپنے ماحول وگردوپیش میں اسلام کے لئے مسلسل کام کرتے رہیں۔

(ب)...... جہاد بالقلم، جو شخص لکھنے کی قدرت وصلاحیت رکھتا ہے وہ ان فتنوں کے خلاف لکھے، اخبار

نویس اخبارات میں، مصنفین ومؤلفین رسائل وکتابوں میں۔

(ج)...... جہاد بالقوۃ، یعنی ضرورت کے وقت اپنے دست بازو کی قوت کو کام میں لائیں اوران فتنوں کی بیخ کنی کر کے ہی دم لیں۔

انشاء اللہ آپ مجھے اس کام میں پیچھے نہ پائیں گے آپ سپاہی ہوں گے اور میں آپ کا قائد، اسلام کا جھنڈا میرے ہاتھ میں ہوگا، جلد ہی انشاء اللہ کچھ اور چیزیں اور پروگرام کی تفصیل آپ کے سامنے آئے گی۔

وآخر دعوانا أن الحمد لله رب العالمين

رحمت الٰہی کا ایک نفحہ (لہر)

۲۱/مارچ ۶۹ء جمعہ کو حسب معمول ایک مختصر سی تقریر کی تھی جو بعض حضرات نے ریکارڈ کر لی تھی اسی کا خلاصہ بصائر وعبر کے لئے تجویز ہوا، اس درمیان میں ملکی حالات اور عوام میں انتشار واضطراب کی کیفیت ناگفتہ بہ ہوگئی خصوصاً مشرقی پاکستان میں تو خودغرض لیڈروں کی غلط قیادت سے ملک میں وہ روح فرسا اور دردناک صورت حال پیدا ہوگئی تھی جس کے تصور سے بھی رونگٹے کھڑے ہوجاتے ہیں، سنگ دلی اور بربریت ودرندگی کے وہ وحشت ناک مناظر پیش آئے جس کی نظیر تاریخ میں مشکل سے ملے گی، ان حالات میں اللہ تعالیٰ نے ۲۵/مارچ کو سابق صدر مملکت کو توفیق عطا کی اور انہوں نے حیرت انگیز تدبیر کا ثبوت دیا اور ۲۵/مارچ ۶۶ء کو پورے ملک میں مارشل لاء نافذ کر دیا، درحقیقت یہ حق تعالیٰ کی تکوینی مصلحت کا ظہور ہوا ہے جو تمام پاکستان کے لئے پیغام بن گیا ہے، اہل حق کی کوششوں کے لئے بھی سکون سے کام کرنے کا موقع مل گیا ہے اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ تمام امور کے نتائج وعواقب بالخیر کرے۔

[محرم الحرام ۱۳۸۹ھ]

اسلامی حکومت اور اس کے اساسی قوانین

کون نہیں جانتا کہ اسلامی حکومت کے اساسی قوانین کیا ہیں؟ اور اس کے خدوخال کیسے ہوتے ہیں؟ کون سا ایسا مسلمان ہے جو اسلام کے بنیادی عقیدوں کو نہ جانتا ہو؟ مگر مسلمان کے لئے جہاں جاننا ضروری ہے وہاں ماننا بھی ضروری ہے، صرف جان لینے سے اسلام کی شہادت وسند نہیں مل سکتی۔ ابو طالب بھی اسلام کی حقانیت کا اقرار کر چکے تھے، عہد نبوت کے یہودی بھی حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت بلکہ خاتم النبیین ہونے کو دل سے جانتے تھے جس پر وحی آسمانی وتعلیمات قرآنی کی تصریحات موجود ہیں لیکن باوجود جاننے کے مانتے نہیں تھے، اس لئے "مغضوب علیهم" کفار کی صف اول میں شمار ہوتے ہیں، الغرض جاننا اور پھر ماننا اسلام کی اولین شرط ہے، ماننے کے بعد عمل کرنا یہ اعلیٰ درجہ ہے۔

اسلام کیا ہے؟

''اسلام'' کیا چیز ہے؟ اللہ تعالیٰ کی وحدانیت پر (ذات میں ہو یا صفات میں یا افعال میں) ایمان لانا، حضرت نبی کریم محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے خاتم النبیین ہونے پر ایمان لانا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم آخری نبی ہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی نبی نہیں آسکتا اور اللہ تعالیٰ کے فرمانے سے اور حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمانے سے جو باتیں امت کو قطعی طور پر پہنچی ہیں جن کو علمی زبان میں ''ضروریاتِ دین'' کہا جاتا ہے ان سب کو بدل وجان تسلیم کر لینا، یہی خلاصہ ہے کلمہ طیبہ کا جو اسلام کا پہلا کلمہ ہے "لا الٰه الا الله محمد رسول الله" یا دوسرا کلمہ شہادت ہے، اس کی یہ بھی تعبیر ہو سکتی ہے کہ ''قرآن کریم پر ایمان لانا اور اس کو حق تعالیٰ کا آخری پیغام تسلیم کرنا اور حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جو اس کی عملی تشریح کی ہے اسی طرز پر اس کو سمجھنا اور مان لینا۔'' اسی طرح اس کی اور کئی طرح تعبیریں ہو سکتی ہیں، مثلاً یہ کہا جائے کہ ''مسلمان وہ ہے جو قرآن کریم اور احادیث نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائے'' یا یہ کہا جائے کہ ''نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جو دین کی باتیں بتلائی ہیں اور یقینی طور پر امت کو پہنچی ہیں یا یہ کہ دین اسلام کی جتنی بنیادی باتیں ہیں ان پر ایمان لائے۔'' یا یہ کہا جائے کہ ''حق تعالیٰ کی الوہیت وتوحید اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت ورسالت، نماز، روزہ، زکاۃ، حج وغیرہ پر ایمان لائے'' یا یہ کہا جائے کہ ''اللہ ورسول کی تمام ہدایات وتعلیمات پر ایمان لائے۔'' یہ سب تعریفیں صحیح اور درست ہیں، صرف الفاظ وتعبیر کا اختلاف ہے۔

تعبیرات اور الفاظ کے اختلاف سے حقائق کا اختلاف سمجھنا یہ عناد ہے، یا جہل ہے یا پھر دونوں باتیں ہیں اب یہ کہنا کہ آج تک اسلام کی اتفاقی تعریف نہیں ہو سکی جو شخص یہ خیال کرتا ہے اس کا تو مطلب یہ ہے کہ اس کو اب تک اپنے ایمان واسلام پر یقین تو کجا اس کا علم بھی نہیں ہے، پاکستان کے ایک سابق جج کی رسوائے عالم رپورٹ میں جو کوشش کی گئی تھی اس کا تو مقصد یہی تھا کہ تعبیر کے اختلاف کا فائدہ اٹھا کر کافروں کو مسلمان ثابت کیا جا سکے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

اسلامی حکومت کسے کہتے ہیں؟

اب اسلامی حکومت وہی ہوگی جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لائے اور بتائے ہوئے احکامات کو نافذ کرے اور حکومت کی طاقت سے جاری کرے اور اس قسم کی کافرانہ رپورٹوں اور فیصلوں کے لئے اس میں کوئی جگہ نہ ہو اور اس میں اسلامی حکومت کا عنوانِ دستور یہی ہوگا کہ ''حکومت کا مذہب دینِ اسلام ہوگا۔'' آج تک جتنی اسلامی حکومتیں ہیں ان کے دستور کی پہلی دفعہ یہی ہے، نہ ہمارا مزاج سیاسی ہے اور نہ ہمارے ماہنامے ''بینات'' کا موضوع سیاست ہے، بحیثیت ایک مسلمان اور بحیثیت ایک خادم دین ہم اس بات کے سمجھنے سے

قاصر ہیں کہ ہمارا یہ ملک پاکستان اب تک کیوں اسلامی مملکت نہیں بن سکا بلکہ فقہی حیثیت سے اس کو "دارالاسلام" کہنا بھی مشکل ہے۔ اس لئے اگرچہ قدرت قانون اسلام جاری کرنے کی بظاہر موجود ہے (بظاہر اس لئے کہتا ہوں کہ شاید یہ خیال بھی صحیح نہ ہو بلکہ اندر اس جسد عنصر کو حرکت دینے والی کوئی خارجی روح مخفی ہو جو ہمیں نظر نہ آتی ہو۔ خیر ہم تو نہ جانتے ہیں باطن اللہ تعالیٰ کے علم میں ہے، بہر حال یہ قدرت اگرچہ ہے) لیکن اس قدرت سے نہ صرف یہ کہ احکامات اسلام اور تعلیمات اسلام کو جاری نہیں کیا گیا بلکہ طرح طرح کی مشکلات وعقبات پیدا کرنے کی کوشش کی گئی، متحدہ ہندوستان بلاشبہ علمی وفقہی اصطلاح سے "دارالکفر" تھا، تقسیم ملک کے بعد وہ حصہ بالاتفاق دارالکفر رہا، خصوصاً جب وہاں یہ اعلان بھی کر دیا گیا کہ "سیکولر" (لادینی) حکومت ہوگی، یہاں صرف اعلان تو نہیں کیا گیا لیکن عملاً کوئی فرق نہیں رہا بلکہ یہاں کفر وارتداد کے ساتھ وہاں سے زیادہ رواداری برتی گئی، وہاں عیسائی مشنریوں کو کسی ہندوستان کے باشندے کو مسلمان ہو یا ہندو، عیسائی بنانے کی اجازت نہیں لیکن ہمارے ملک میں عیسائیوں کو عیسائی بنانے کی کھلی اجازت دی گئی اور سب سے زیادہ کسی مسلمان ملک میں اگر عیسائیت کی حوصلہ افزائی ہوئی تو ہمارا ملک ہے۔ اگر حکومت کا مذہب اسلام ہوتا تو کسی کو عیسائی بنانے کی کیا مجال تھی۔ تفصیلات میں جانے کی ضرورت نہیں، اس ملک میں نہ صرف یہ کہ زنا کرنا جرم نہیں بلکہ اس کے لائسنس دیئے جاتے ہیں، شراب پینا عام ہے، سودی کاروبار پر تمام زندگی کا ڈھانچہ قائم ہے، چور کے ہاتھ نہیں کاٹے جاتے، کوئی شرعی قانون نافذ نہیں بلکہ اسلام کو چھوڑ کر مرتد ہو جانا بھی جرم نہیں، حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خاتم النبیین نہ سمجھنا بھی جرم نہیں بلکہ ملک کے اندر اور باہر حکومت کی اعانت وامداد سے قادیانیت کی دعوت وتبلیغ جاری ہے، اس ملک میں قرآن کریم کو برملا محرف کیا جاتا ہے، اکابر صحابہ پر تبرا بھیجا جاتا ہے۔

جس ملک میں زنا، شراب، سود، جوئے اور سٹے کا عام رواج ہو، جس ملک میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو آخری نبی ورسول نہ سمجھا جاتا ہو بلکہ جھوٹے مدعیان نبوت کو ماننے والے بیشتر کلیدی آسامیوں پر فائز ہوں، جس ملک میں ابوبکر صدیق اور عمر فاروق پر معاذ اللہ سب وشتم ہوتا ہو، جہاں علمی ونظریاتی طور پر تمام بنیادی مسائل کو مجروح کیا جاتا ہو، جہاں ہر کفر والحاد کی نہ صرف اجازت ہو بلکہ اس کی پرورش ہوتی ہے، جس ملک میں ہر بے حیائی کو فروغ دیا جاتا ہو اور جہاں اسلام کے عادلانہ قانون کے مطابق نہ کسی کی جان محفوظ ہو نہ آبرو محفوظ ہو نہ مال محفوظ ہو کیا وہ "دارالاسلام" ہے؟ کیا یہی اسلامی مملکت ہے؟ کیا پاکستان میں اس کے سوا اور بھی کچھ ہے؟ کیا انہی چیزوں کی خاطر اللہ تعالیٰ اس کی حفاظت کرے؟

آج آسمان سر پر اٹھایا جاتا ہے، شادیانے بجتے ہیں اور شور برپا ہے کہ قومی اسمبلی قائم ہوگئی اور عبوری آئین نافذ ہوگیا، عبوری آئین جیسا کچھ ہے سب کے سامنے آچکا ہے، نہ معلوم مستقل آئین بھی (اگر بنا تو) اسی نوعیت کا ہوگا یا اس سے کچھ مختلف؟ تاہم عبوری آئینہ میں مستقل آئین کے خدوخال نظر آرہے ہیں۔

''قیاس کن زگلستان من بہار مرا''

ہم تو اتنا جانتے ہیں کہ لاکھ جمہوریت بحال کردی جائے مگر جب تک صاف اعلان نہیں کر دیا جاتا کہ حکومت کا مذہب اسلام ہوگا، اس ملک میں کسی کو مرتد بننے اور بنانے کی اجازت نہیں ہوگی، صدر مملکت (اور کلیدی اہمیت کے دیگر مناصب) کے لئے مسلمان ہونا لازمی شرط ہوگی، اسلامی احکام کا اجراء ہوگا، تمام شرعی تعزیریں نافذ کی جائیں گی، شراب ممنوع، زنا حرام اور سودی کاروبار بند ہوگا، قمار اور جوئے کی اجازت نہیں ہوگی، شراب نوشی اور عصمت دری پر شرعی سزائیں جاری کی جائیں گی، چور کے ہاتھ کاٹے جائیں گے، سرکاری مدارس میں اسلامی تعلیم لازمی ہوگی، عیسائی اسکولوں میں مسلمانوں کے بچوں کو انجیل کی تعلیم ممنوع ہوگی، جو لوگ حضرت ختمی مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی ''ختم نبوت'' کا انکار کرتے یا اس میں تاویل کرتے ہیں ان کے فرقہ کو مسلمانوں سے الگ ایک غیر مسلم اقلیت قرار دیا جائے گا وغیرہ وغیرہ۔

الغرض اسلامی شعائر کی بہت سی باتیں جن کو ہر مسلمان جانتا ہے اور جن سے کسی اسلامی مملکت کے خدوخال ہر شخص کو نظر آ سکتے ہیں جب تک صاف دل و دماغ سے ان باتوں کو نہیں اپنایا جاتا اسلامی حکومت نہیں ہوگی، کسی اسلامی حکومت کی واضح علامت یہ ہے کہ وہ اسلامی شعائر کو بلند کرے اور کفر کے شعائر کو مٹائے۔ اس کے بغیر چاہے چار دانگ عالم میں اس امر کا اعلان کیا جائے کہ یہ اسلامی مملکت ہے، یہ دعویٰ ان حقائق کی روشنی میں نفاق ہے، دھوکا ہے، آنکھوں میں مٹی ڈالنے کے مترادف ہے اور خدا تعالیٰ اور خدا کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو دھوکا دینا ہے۔ صرف جمعیت علمائے اسلام کے ایک آدھ وزیر ہونے سے یا مفتی محمود اور مولانا غلام غوث ہزاروی جیسے حضرات کے رکن اسمبلی بن جانے سے یہ ملک اسلامی نہیں بن سکتا، جہاں خدا اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات کو جمہوری ووٹنگ سے طے کیا جائے اور جہاں قرآن وسنت کے صریح احکام بھی اکثریت و اقلیت کے فیصلے کے رہینِ منت ہوں اس نقار خانے میں طوطی کی آواز کون سنتا ہے؟ جمہوری فیصلوں کا دائرہ صرف انتظامی معاملات تک محدود ہے اور یہیں تک محدود رہنا چاہئے، قرآنی تعلیمات اور اسلامی ہدایات اور قوانین و احکام کے سامنے ان کی کیا وقعت ہے؟

اسلامی مملکت کا دستوری ڈھانچہ

حکومت و سلطنت اگر مسلمانوں کے زیر اقتدار آئے تو ان کا طرز عمل کیا ہوگا؟ اور وہ اپنا فرض منصبی سمجھتے ہوئے کن چیزوں کو بروئے کار لائیں گے؟ اس سلسلہ میں قرآن حکیم نے چار باتوں کا ذکر کیا ہے:

① اقامت الصلاۃ (نمازوں کی پابندی) ② ایتاء زکاۃ (نظام زکاۃ کا قائم کرنا)

③ امر بالمعروف (نیک کاموں کا حکم کرنا) ④ نہی عن المنکر (برے کاموں سے منع کرنا)

چنانچہ ارشاد ہے:

﴿اَلَّذِيْنَ اِنْ مَّكَّنّٰهُمْ فِى الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَ اٰتَوُا الزَّكٰوةَ وَ اَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَ نَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ وَ لِلّٰهِ عَاقِبَةُ الْاُمُوْرِ﴾ [الحج:٤١]

وہ لوگ ایسے ہیں کہ اگر ہم ان کو دنیا میں حکومت دے دیں تو یہ لوگ نماز کی پابندی کریں اور زکاۃ دیں اور نیک کاموں کے کرنے کو کہیں اور برے کاموں سے منع کریں اور سب کاموں کا انجام تو خدا ہی کے اختیار میں ہے۔(بیان القرآن)

یہی وہ ''بنیادی نکات'' ہیں جن پر اسلامی مملکت کا دستوری ڈھانچہ مرتب ہوگا، یہی وہ محور ہے جس کے گرد مسلمانوں کا نظم مملکت گردش کرے گا، یہی وہ روح ہے جو اسلامی حکومت کے ایک ایک شعبہ میں جاری وساری ہوگی اور یہی وہ اساسی مقاصد ہیں جنہیں اسلامی حکومت اپنے لئے نصب العین قرار دے گی، بلاشبہ اسلامی حکومت کو سینکڑوں قسم کے سیاسی مصالح، معاشرتی مسائل اور وقتی تقاضوں کا سامنا کرنا ہوگا لیکن وہ اس امر کی شدت سے پابند رہے گی کہ اس کا کوئی اقدام ان بنیادی اصولوں سے متصادم نہ ہو۔

مسلمان حکمران کے شرائط

مختصر یہ کہ ایک مسلمان حکمران کے لئے پہلی شرط یہ ہے کہ وہ خود صالح، متقی اور خداترس ہو، اور کتاب وسنت کے بیان کردہ اصولوں کے مطابق تمام معاشرے کی اصلاح کر کے انہیں صالح اور خداترس بنائے، خود صالح ہونا اور دوسروں کو صالح بنانا یہ ہے اسلامی حکومت کا اساسی اصول، اس کی علمی تفصیلات کتاب وسنت میں محفوظ ہیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی اسی نہج پر تربیت فرمائی اور خلافت راشدہ کے بابرکت اور زرین عہد میں اس کا مثالی نمونہ عملی طور پر ظہور پذیر ہوا یہی وجہ ہے کہ قرآن کریم کی ایک دوسری آیت میں اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کے بعد اولی الامر کی اطاعت کو بھی لازم قرار دیا گیا:

﴿أَطِيْعُوا اللهَ وَأَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَأُولِى الْأَمْرِ مِنْكُمْ﴾ [النساء:٥٩]

(اے ایمان والو) حکم مانو اللہ کا اور حکم مانو رسول کا اور حاکموں کا جو تم میں سے ہو۔(از شیخ الہند)

لفظ ''منکم'' میں بتلادیا گیا کہ اسلامی حکومت کے سربراہ کا مسلمان اور مومن ہونا شرط ہے، یعنی اس کی اطاعت اس وقت لازم ہوگی جب کہ وہ حق تعالیٰ کے احکام کا مطیع اور فرمانبردار ہو اور اگر وہ اللہ تعالیٰ سے باغی ہوجائے اس کے احکام سے سرتابی کرے اور اسلام کا زرین تاج اپنے سر سے اتار پھینکے تو اس کی اطاعت کا سوال باقی نہیں رہتا۔ ''لا طاعة لمخلوق فى معصية الخالق''(١)۔

(١) مشکوۃ المصابیح، کتاب الامارۃ والقضاء ج:٢ ص:٣٢١، ط: قدیمی

"اولی الامر" کا اصل مصداق تو خلفاء راشدین ہیں جن میں صفاتِ جہانبانی کے ساتھ تفقہ فی الدین کا وصف بھی موجود تھا، وہ خلفاء بھی تھے اور فقہاء بھی، حاکم بھی تھے اور عالم بھی، اس لئے اولی الامر کی تنقیح میں علماءِ تفسیر کا اختلاف ہوا کہ اس سے مراد امراء وخلفاء ہیں یا علماء وفقہاء؟ ظاہر ہے علمی و دینی اعتبار سے فقہاء وعلماء اس کا مصداق ہیں اور احکام خداوندی کو جاری اور نافذ کرنے کی طاقت وقوت اربابِ اقتدار کے پاس ہوتی ہے، اب اگر کسی شخصیت میں تفقہ فی الدین اور اقتدار کی دونوں صفات جمع ہو جائیں جیسا کہ خلفاء راشدین میں جمع تھیں تو اس کا وجود سراپا رحمت ہے لیکن جب یہ دونوں صفات کسی ایک ہستی میں جمع نہ ہوں تو ضروری ہوگا کہ حکومت دونوں قسم کے رجال کو جمع کرے جن میں مقتدر حکام بھی ہوں اور دین کی صحیح بصیرت رکھنے والے اصحاب تفقہ بھی۔

خلافتِ راشدہ کا بابرکت دور علم وعمل، صلاح وتقوی، فقر وزہد، ایثار وقربانی اور اخوت ومساوات کے لحاظ سے انسانیت کا تابناک دور تھا، جس کے آثار وبرکات نے عرصہ دراز تک دنیا کو منور رکھا۔

دینی مدارس اور ان کے ثمرات واثرات

بعد کے دور میں مسلمان حکمرانوں کی عملی زندگی اگر چہ مجروح ہوتی چلی گئی تاہم اعتقادی پہلو ہمیشہ محفوظ رہا اور امت کی اصلاح اور دینی تقاضوں کی بجا آوری کے لئے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا کام بھی اپنے صحیح طریقِ کار اور تسلسل کے ساتھ جاری رہا، آج بھی، جبکہ اسلامی حکومت کے دھندلے نقوش بھی تدریجاً مٹتے چلے جارہے ہیں، "هيئة الأمر بالمعروف والنهي عن المنكر" کے ادارے تھوڑا بہت کام کررہے ہیں، مسلم حکمرانوں کی عملی زندگی سے قطع نظر یہ بات بالکل صاف ہے کہ اسلامی تاریخ کے سابقہ ادوار میں اسلامی قوانین سے عداوت اور بغض وعناد کا کہیں پتہ نہیں چلتا، البتہ آخری دور میں اس کا ظہور ترکی میں ہوا، خلافتِ اسلامیہ کے الغاء کے بعد جو قیادت ابھری اس نے اسلامی احکام سے علانیہ عداوت کا مظاہرہ کیا، یہاں اس ناخوشگوار بحث کی تفصیلات میں جانے کی ضرورت نہیں، اس کے بعد دوسرے اسلامی ممالک میں بھی اس کا اثر پھیلتا گیا، تاہم بہت سے شعائرِ اسلام کا احترام اب تک بیشتر ممالک میں باقی ہے، ان ممالک کی بنیادی خرابی یہ تھی کہ امر بالمعروف کے اداروں کی سرپرستی، مدارس ومعاہد کی تاسیس اور مساجد کی تعمیر حکمرانوں کے فرائض میں شامل سمجھی جاتی تھی اور عامۃ المسلمین اس فریضہ سے سبکدوش ہو چکے تھے، جب ان حکمرانوں نے دین اور دینی مسائل سے غفلت یا عداوت کا رویہ اختیار کیا تو ان ممالک میں دین بے سہارا ہو کر رہ گیا، اس کی بنیادیں گرنے لگیں اور کوئی مؤثر قوت ایسی نہ رہی جو آگے بڑھ کر اسے سنبھالا دیتی۔

البتہ متحدہ ہندوستان اس خصوصیت میں منفرد ہے جو محض حق تعالی کی عنایت کا ثمرہ ہے کہ یہاں جب مسلمان حکمران ختم ہوئے اور نظامِ اقتدار کفر کے ہاتھ آیا تو اس موقعہ پر اکابرِ امت کی فراست نے محسوس کیا کہ

شعائر دین کی بقاء، دینی اداروں کی تاسیس، مساجد و مدارس کی تعمیر کے لئے اگر عام مسلمانوں کو تربیت نہ دی گئی اور تعلیم وتربیت، فتویٰ وقضاء اور امامت وخطابت کے مناصب کا بطورِ خاص انتظام نہ کیا گیا تو اس خطہ میں اسلام باقی نہیں رہے گا، حق تعالیٰ نے ان کی مبارک توجہات کو بارآ ور فرمایا، عام مسلمانوں میں حفاظت دین کا جذبہ بیدار رہا اور اعداء دین کی دسیسہ کاریوں کے علی الرغم وین جوں کا توں محفوظ رہا۔

اربابِ اقتدار کے غلط رخ اختیار کرنے کی ایک مثال

تقسیم ہند کے بعد بھی یہ سلسلہ رکا نہیں بلکہ آگے بڑھا، ہند و پاک کے دین پسند عوام کی توجہ سے دینی فضا قائم رہی، قیام پاکستان کے بعد اگر یہاں کے حکمران اخلاص سے دینی نظام کو نافذ کرنے کا تجربہ کرنا چاہتے تو اس کے لئے ماحول کافی حد تک سازگار تھا اور یہ تجربہ پورے عالم میں اسلام کی نشاۃ ثانیہ کا ذریعہ ثابت ہوتا اور آج کی دکھی انسانیت کے لئے رحمت کا پیغام بنتا لیکن بدقسمتی سے یہاں کے حکمرانوں کو صحیح رخ اختیار کرنے کی توفیق نہ ہوئی، ان کا طرز عمل بتدریج بگڑتا چلا گیا، دین سے انحراف کا راستہ اختیار کرلیا، موجودہ حکومت کی ناکامی کا سب سے بڑا سبب یہی ہے کہ اس نے لادینی نظام کو جہل یا عناد کی بنا پر تمام قوم پر مسلط کردینے کی کوشش کی ''ملا'' لوگ تو خیر ان حقائق کو واشگاف کرنے میں ہمیشہ مصروف رہے مگر کرشمۂ قدرت دیکھئے کہ اب سرکاری مسلم لیگ کی ہائی کمان نے بھی امت کی ہمنوائی کی ہے، روزنامہ جنگ ۷ رفروری کی اطلاع کے مطابق مسلم لیگ ہائی کمان کی پارلیمانی پارٹی کی مقرر کردہ ۲۵ رکنی جائزہ کمیٹی نے اعتراف کیا ہے کہ عائلی قوانین مجریہ ۱۹۶۱ء کے ایکٹ نے عوام کے مختلف طبقات میں حکومت سے منافرت پیدا کی، عوام حکومت سے دور ہوگئے اور علماء کے احساسات وجذبات ان قوانین سے مجروح ہوئے، علمائے امت پہلے دن سے یہ واضح کرتے رہے کہ یہ قوانین کتاب وسنت کے منافی ہیں ان سے معاشرتی الجھنیں ختم نہیں ہوں گی بلکہ ان میں اضافہ ہوتا چلا جائے گا لیکن ارباب اقتدار اسے ''چند ملاؤں کا شوروغوغا'' کہہ کر ٹالتے رہے، مقام شکر ہے کہ اب پاکستان مسلم لیگ نے بھی (بزعم خود پاکستان کی سب سے بڑی سیاسی جماعت) تسلیم کرلیا کہ ملاؤں کا اندیشہ غلط نہیں تھا:

کی مرے قتل کے بعد اس نے جفا سے توبہ
ہائے اس زود پشیماں کا پشیماں ہونا

دینی اعتبار سے ہمارے اربابِ اقتدار کے غلط رخ اختیار کرنے کی یہ صرف ایک مثال ہے۔ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ سے فرمایا تھا:

''يا أباعبيدة ! اذا طلبت العزة بالله أعزك الله، و اذا طلبت العزة بغير الله

أذلّك الله".(١)

ابوعبیدہ! جب تم اللہ تعالیٰ کے ذریعہ عزت چاہو گے تو اللہ تعالیٰ تمہیں باعزت کرے گا اور جب تم اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر دوسروں کے ذریعہ عزت طلب کرو گے تو اللہ تعالیٰ تمہیں ذلیل کرے گا۔

موجودہ حکومت نے اپنے خیال میں عوام کی رضامندی کے لئے اللہ کے قانون سے انحراف کیا تھا اس کے تکوینی نتائج ظاہر ہو کر رہے۔

﴿قل اللهم مالك الملك تؤتي الملك من تشاء وتنزع الملك ممن تشاء وتعز من تشاء وتذل من تشاء بيدك الخير انك على كل شيئ قدير﴾

[ذی الحجہ ۱۳۸۸ھ]

اسلامی آئین اور آئین پاکستان

بے تابی سے نگاہیں منتظر تھیں کہ پاکستان کا جمہوری آئین تیار ہو کر سامنے آئے آخر شدید و مدید انتظار کے بعد وہ منصۂ شہود پر آہی گیا بلاشبہ دور حاضر میں کسی مملکت کے صحیح خدوخال اور حقیقی حسن و جمال اس ملک کے آئین ہی سے عیاں ہوتے ہیں۔

پاکستان کے وجود میں آنے سے قبل سے لے کر آج تک تمام مسلمانوں کا یہی تصور بلکہ عقیدہ رہا ہے کہ پاکستان کا آئین صحیح اسلامی آئین ہوگا، صحیح اسلامی دستور ہوگا، صحیح اسلامی قانون ہوگا، صحیح اسلامی نظام کا مظہر ہوگا اور اس کے بابرکت سایۂ عاطفت میں امیر و فقیر یکساں طور پر زندگی بسر کریں گے اور آج بھی باوجود خرابی بسیار، عام امت کی یہی خواہش ہے، یہی تمنا ہے اور یہی تڑپ ہے، موجودہ حکمران بھی مسلسل یہی اطمینان دلاتے رہے ہیں اور اسی بناپر خیال تھا کہ پارٹی بندی کے سطحی اصول اور فرقہ وارانہ سیاست کی کشمکش سے بالاتر ہو کر یہ دیرینہ آرزؤں کا گلدستہ قوم کے سامنے لایا جائے گا جس کی خوشبو دماغوں کو معطر کرے گی اور موجودہ حکمرانوں کا یہ کارنامہ تمام عالم اسلام سے خراج تحسین حاصل کرے گا لیکن وائے ناکامی کہ قومی اسمبلی کی آئین سازی کی جو صورت اس وقت تک سامنے آئی ہے وہ نہ صرف یہ کہ کچھ زیادہ امید افزاء نہیں بلکہ انتہائی مایوس کن ہے۔ یہ مانا کہ کچھ جاذب نظر اور جاذب توجہ اچھے اچھے عنوانات، عمدہ عمدہ تعبیرات، جگہ جگہ اسلام کا نام، جگہ جگہ قرآن وسنت کا نام لیا جارہا ہے اور ممکن ہے کہ ظاہر بین نگاہیں اسی پر انتہائی خوش ہوں گی کہ ماشاءاللہ چشم بددور کیا عمدہ اسلامی آئین قوم کو دیا گیا ہے قدم قدم پر شاندار سفارشات، اسلامی رنگ میں ڈوبے ہوئے کلمات، بلکہ کہیں کہیں تو شبہ ہوتا ہے کہ اچھا خاصہ وعظ

(١)حلية الاولياء،عمر بن الخطاب،ج:١ص:٤٤،ط:دارالكتاب العربي.البداية والنهاية،فتح بيت المقدس على يدى عمر بن الخطاب، ج:٧ص:٦٠،ط:مكتبة المعارف بيروت.

نیا نیا ہے کو یا حکومت بھی راشد امداد سے حکمران بننے کے نصیحت و وعظ پر اتر آئی ہے لیکن غور کرنے کے بعد چند انتظامی امور اور چند پاکیزہ عنوانات اور اسلامی تعبیرات کے علاوہ سابقہ آئینوں میں اور اس آئین میں کوئی بنیادی فرق نظر نہیں آتا، ان صفحات کا دامن ان تفصیلات کو برداشت نہیں کر سکتا، لکھنے والے بہت کچھ لکھ بھی چکے ہیں افسوس اور صد افسوس:

ما خانہ رمید گانے ظلمیم
پیغام خوش از دیار ما نیست

اسلامی آئین کسے کہتے ہیں؟

ہم تو اسلامی آئین اسی کو سمجھتے ہیں جس میں تمام اسلامی شعائر کی حفاظت ہو اور تمام اسلامی قوانین کا اجراء اس کا طرۂ امتیاز ہو اس آئین کی روشنی میں خود بخود ایسے اسلامی قوانین نافذ ہوں کہ ان کو دیکھ کر ہر شخص بآسانی فیصلہ کر سکے کہ یہ ہے اسلامی آئین اور یہ ہے اسلامی مملکت! جس آئین کے زیر سایہ بدستور شراب خانے قائم رہیں، چکلے موجود رہیں، نہ کسی چور کا ہاتھ کاٹا جائے، نہ زنا کی شرعی سزائیں رجم کرنا اور کوڑے لگانا جاری ہوں، سود و قمار کا بازار بدستور گرم ہو، بیمہ و انشورنس کی ترغیبات و اشتہارات بدستور شائع ہوں، حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خاتم النبیین تسلیم کرنا ضروری نہ ہو، حضرت صدیق اکبرؓ اور حضرت عمر فاروقؓ کو گالیاں دی جاسکیں، جو چاہے مرتد ہو جائے جو چاہے عیسائی ہو جائے، جو چاہے روزہ رکھے جو چاہے روزہ نہ رکھے، ہر لڑکی چاہے سر بازار ننگی ہو جائے اور مرد چاہے سر راہ شراب پی کر ناچے، نہ کوئی محاسبہ ہو نہ کوئی احتساب نہ باز پرس، جس کے تحت بے حیائی و عریانی کا سیلاب ہر طرف موجزن نظر آئے تو اسلام سے کیا تعلق اس آئین کا اور کیا رابطہ اس دستور کا؟ اگر کوئی کراچی اور لاہور کے بازاروں میں جا کر ہوشربا مناظر دیکھے یا کلفٹن و ہاکس بے جا کر حیا سوز مناظر دیکھے تو پیرس و لندن اور کراچی میں اس کو کیا فرق نظر آ سکتا ہے، سوائے انیس بیس کے فرق کے۔

اسمبلی میں جو چند اسلامی ترمیمات پیش کی جاسکیں ان کو بھی صرف اس لئے ٹھکرا دیا گیا کہ یہ ترمیمیں حزب اختلاف کی طرف سے آئی ہیں حزب اقتدار کے لئے ان کو قبول کرنا توہین کے مترادف ہے یا یا اکثریت کی رائے کے خلاف ہیں یا پارٹی کے اصولوں کے مخالف ہیں جہاں اسلامی تجاویز کے رد و قبول کا مدار اکثریت و اقلیت کے اصول پر ہو کہ اس کو اسلامی ملک کہنا خود اپنے منہ پر طمانچہ مارنے کے مترادف ہے۔

اسمبلی کا فرض منصبی

درحقیقت اسمبلی کو شرعی مسائل میں تو رائے زنی کا حق نہیں ہے اس کا فرض منصبی تو صرف اتنا ہے کہ ان احکام کو ملک میں نافذ کرائے، دراصل اس قومی اسمبلی کا قانون ساز اسمبلی نام رکھنا ہی اسلامی اصول کے منافی ہے یہ

نام تو اس سرزمین سے آیا ہے جہاں حاکمیت غیر اللہ کی بنیاد رکھی گئی ہے، اسلام میں حاکمیت واقتدار صرف حق تعالیٰ کا حق ہے یا پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا جو حق تعالیٰ کی طرف سے دین اسلام کی ترجمانی پر مامور ہیں اسمبلی کا دائرہ اختیار اسلامی اصول کے پیش نظر صرف تنفیذ احکام شرعیہ کے انتظامی معاملات تک محدود ہے اللہ ورسول کے حکم اور فیصلہ کے بعد اس کے لئے سوائے تسلیم وانقیاد کے اور کوئی چارہ کار نہیں۔

اسلامی سوشلزم

عجیب تماشا ہے ایک طرف تو اسلام کا نام لیا جارہا ہے اور ایک ہی سانس میں اس کے ساتھ سوشلزم کا نام بھی لیا جاتا ہے اور عوام کی آنکھوں میں دھول جھونکنے کے لئے سوشلزم کے ساتھ ''اسلامی'' کا پیوند لگایا جاتا ہے اور ''اسلامی سوشلزم'' کی پُرفریب تعبیر اختیار کی جاتی ہے ''اسلام'' کے ساتھ تو کسی بھی پیوند لگانے کی ضرورت ہی نہیں، اسلام ایک کامل ومکمل نظام حیات ہے جس میں عبادات، معاملات، اقتصادیات، معاشیات اور معاشرت ومعیشت کی تمام چیزیں خود بخود آجاتی ہیں، دراصل اس کفر کو چھپانے کے لئے یہ دھوکا دیا جاتا ہے اور پیوندکاری کی جاتی ہے تاکہ کمیونزم کے لئے زمین ہموار کی جائے اور کل کمیونزم کا نام ''اسلامی کمیونزم'' رکھا جاسکے، میں اسلامی سوشلزم پر کوئی فتویٰ تو نہیں لگانا چاہتا لیکن یہ واضح کردینا ضرور چاہتا ہوں کہ اسلامی تعبیرات کو چھوڑ کر اس قسم کی فریب کارانہ تعبیرات کو اختیار کرنا یقیناً کسی خطرناک فتنہ کی غمازی ضرور کرتا ہے:

حاجت مشاطہ نیست روئے دل آرام را

مساواتِ محمدی

اسی طرح ''محمدی مساوات'' کی تعبیر بھی سراسر فریب ہے آخر عوام کو کون سی مساوات سمجھانا ہے؟ اسلام میں تو حقیقی مساوات یہ ہے کہ قانون کی گرفت کے لئے امیر وغریب کا کوئی فرق نہیں ہے، یہ مقصد تو ہرگز نہیں کہ تمام افراد کو معیشت میں یکسانیت نصیب ہو، صدرِ مملکت اور کارخانے کا مزدور ایک حالت میں ہوں۔ یہ مساوات تو روس اور اس کے ہمنوا کمیونسٹ ممالک میں بھی موجود نہیں ہے، پھر اس پُرفریب لفظ کو زبان وقلم پر لانے کا اور بار بار اعلان کرنے کا کیا مقصد ہے! درحقیقت ہمارے عوام کو فریب دے کر اپنا اُلو سیدھا کیا جارہا ہے، الغرض جس آئین کے آئینہ میں یہ پُرفریب چہرے دکھائی دیتے ہوں اسے اسلام سے کیا نسبت ہوسکتی ہے، اللہ تعالیٰ صحیح نیت عطا فرمائے اور دلوں کی اصلاح فرما کر اس نفاق کو ختم کرائے، اس سے بڑھ کر اسلام کی بے کسی اور بے بسی اور کیا ہوسکتی ہے کہ ملک سے غداری تو شدید ترین جرم ہو اور اس کا مرتکب شدید ترین سزا کا مستحق ہو اور اسلام سے غداری کی کھلی چھٹی ہو کہ جو چاہے اور جب چاہے اسلام کو چھوڑ کر کوئی بھی دوسرا مذہب اختیار کرسکتا ہے، اسی طرح اگر کوئی قانون ''بنیادی حقوق'' کے خلاف نافذ ہوجائے تو سپریم کورٹ میں اس کو چیلنج کرنے کا اختیار تو ہر شہری کو حاصل ہو لیکن اگر

کوئی قانون قرآن وحدیث کے خلاف نافذ ہوجائے تواس کے خلاف مرافعہ دائر کرنے کا حق بڑی سے بڑی عدالت میں بھی کسی بھی مسلمان کو حاصل نہ ہواس کے باوجود حزبِ اقتدار اور اکثریتی پارٹی کا یہ کہنا کہ ''ہم کیا مسلمان نہیں ہیں'' کس قدر شرمناک ہے تف ہے ایسی مسلمانی پر۔

مسودہ دستورِ پاکستان اور

اربابِ علم وفکر کی تجاویزات وترامیم

مسودۂ دستور سامنے آنے کی بعد اربابِ علم اور اہل فکر کی ایک مجلس میں اس پر غور کیا گیا اور چند ترمیمات تجویز کی گئیں لیکن جہاں خود ارکانِ اسمبلی کی تجاویز صرف اس وجہ سے کہ وہ اقلیت میں ہیں یا حزبِ مخالف کی رائے ہے قبول نہیں کی جاسکتیں وہاں چند اربابِ علم وفکر کی تجویزیں کیا درخورِ اعتناء سمجھی جاسکتی ہیں لیکن صرف اتمامِ حجت کے لئے چند حضرات نے اپنے اپنے تصدیقی دستخطوں کے ساتھ ان مطبوعہ تجاویز کو ہر ایک رکن کے نام بذریعہ ڈاک ارسال کردیا ہے نامناسب نہ ہوگا کہ ''بینات'' کے صفحات پر بھی ان ترمیمات کو شائع کردیا جائے جو مکتوب ان تجاویز کے ساتھ بھیجا گیا ہے، وہ بھی شائع کیا جاتا ہے ان ترمیمات پر حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب، حضرت مولانا پیر محمد ہاشم مجددی، جناب الٰہی بخش سابق وزیرِ اعلیٰ سندھ اور راقم الحروف (۱) کے دستخط بھی ہیں وہ مکتوب اور تجاویز یہ ہیں:

محترمی مکرمی! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آج کل اسمبلی میں مسودۂ دستور پر بحث جاری ہے ہم نے پوری غیر جانب داری کے ساتھ اس مسودے کا مطالعہ کیا تو معلوم ہوا کہ جہاں اس میں بعض امور اسلامی نقطۂ نظر سے قابلِ اطمینان ہیں وہاں بعض بنیادی امور کی اصلاح بھی بے حد ضروری ہے، ذیل میں ہم چند بنیادی امور کی مختصر نشاندہی کر رہے ہیں، ایک اسلامی مملکت کے رکنِ اسمبلی ہونے کی حیثیت سے یہ آپ کا دینی فریضہ ہے کہ ان نکات کے مطابق دستور میں ترمیم کرانے کی کوشش کریں، آپ کا تعلق حزبِ اقتدار سے ہو یا حزبِ اختلاف سے لیکن حزبِ اسلام سے ضرور ہوگا، امید ہے کہ آپ اپنی ذمہ داری کو محسوس فرمائیں گے اور ان چند خالص دینی اور قطعی غیر سیاسی امور میں صرف اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کے لئے حق کی حمایت کریں گے، انشاء اللہ آپ کی یہ کوشش آپ کے فلاحِ دارین کا سبب ہوگی۔ اللہ تعالیٰ حق کے راستے میں آپ کی مدد فرمائے۔

---

(۱) افسوس علماء ومجاہدین، اربابِ علم وفکر، تقویٰ وورع کا یہ قافلہ عالم آخرت کی طرف سفر کرگیا، صالحین ایک ایک کرکے یکے بعد دیگرے اٹھتے جارہے ہیں لیکن الحمدللہ ان حضرات کے مجاہدے اور محنت کے ثمرات باقی ہیں اور رہتی دنیا تک باقی رہیں گے اللہ تعالیٰ امت کو توفیق عطا فرمائے۔

تجاویز و ترمیمات

① دفعہ نمبر ۲۲۷ میں ذیلی فقرہ ۲ حذف کر کے اس کی جگہ یہ عبارت بڑھائی جائے:

''اگر کوئی قانون قرآن و سنت کے خلاف نافذ ہو جائے تو ہر شہری کو حق ہوگا کہ وہ اسے خلاف اسلام ہونے کی بنیاد پر سپریم کورٹ میں چیلنج کرے اور ایسے اعتراضات کی سماعت کا اختیار سپریم کورٹ میں صرف ایک خصوصی بنچ کو ہوگا جسے صدر اس مقصد کے تحت نامزد کرے گا اور جس کے ارکان کی اہلیت کے لئے وہی شرائط معتبر ہوں گی جو دفعہ نمبر ۲۲۸ / ذیلی فقرہ نمبر ۳/ میں اسلامی کونسل کے ارکان کے لئے مقرر کی گئی ہیں۔''

② دفعہ نمبر ۲۲۸ / ذیلی فقرہ نمبر ۳/ شق (ب) میں اسلامی کونسل کے صرف چار ارکان کے لئے یہ ضروری قرار دیا گیا ہے کہ وہ کم از کم پندرہ سال تک اسلامی تعلیم اور تحقیق کے کام میں مشغول رہا ہو۔ یہ ''چار ارکان'' کی تحدید ناکافی ہے، اس کے بجائے ''ارکان کی اکثریت'' لکھا جائے۔

③ دفعہ نمبر ۲۲۹ / میں اسلامی کونسل کے پاس سوال بھیجنے کے لئے اسمبلی کی قرارداد کو ضروری قرار دیا گیا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ ارکان اسمبلی کی اکثریت وہ سوال بھیجنے پر متفق ہو، اس کے بجائے یہ تصریح ہونی چاہئے کہ دس ارکان کی تحریک پر بھی سوال بھیجا جا سکے گا۔

④ دفعہ نمبر ۲۳۰ / کا ذیلی فقرہ نمبر ۳/ جس میں اسلامی کونسل کا مشورہ موصول ہونے سے قبل قانون سازی کی اجازت دی گئی ہے اسے حذف کر کے اس کی جگہ اسلامی کونسل کو اس بات کا پابند بنایا جائے کہ وہ اپنا جواب ایک محدود مدت میں بھیج دے۔

⑤ دفعہ نمبر ۲۳۰ / ذیلی فقرہ نمبر ۴/ میں کہا گیا ہے کہ اسلامی کونسل کی رپورٹ خواہ عبوری ہو یا قطعی، اسمبلی میں غور کے لئے پیش کی جائے گی اور اسمبلی ''اس کے بارے میں'' (INRESPECT THERE OF) قوانین وضع کرے گی، اس میں یہ امکان موجود ہے کہ اسلامی کونسل کے مرتب کردہ قوانین میں اسمبلی ایسی ترمیم کر دے جو قرآن و سنت کے خلاف ہو، اس لئے یہاں ''اس کے بارے میں'' کے بجائے ''اس کی متابعت میں'' (IN PURSUANCE THERE OF) کے الفاظ لکھے جائیں۔

⑥ دفعہ نمبر ۱۹/ شق (الف) کے الفاظ یہ ہیں:

''ہر شہری کو اپنے مذہب کو ماننے، اس پر عمل کرنے اور اس کی تبلیغ کرنے کا حق حاصل ہوگا الخ۔''

اس میں یہ اضافہ ضروری ہے کہ:

''یہ دفعہ انسداد ارتداد سے متعلق کسی قانون پر اثر انداز نہیں ہوگی اور ایسی تبلیغ پر

پابندی عائد کی جاسکے گی جس سے لوگوں کے مرتد ہونے کا اندیشہ ہو یا جو مملکت کے اساسی اصولوں کے انہدام کا باعث ہو۔''

(۷) دفعہ نمبر ۲۴ میں حکومت کو جو گنجائش دی گئی ہے کہ وہ جائیدادوں کو بلا معاوضہ اپنی تحویل لے سکتی ہے، یہ اسلام کے خلاف ہے، اسلام میں اگر کوئی جائیداد حرام طریقے سے حاصل ہوئی ہے تو وہ بلاشبہ ناجائز قابض سے لے کر اصل مستحق کو پہنچانا ضروری ہے لیکن اگر کوئی جائداد کسی نے حلال طریقے سے حاصل کی ہے تو اسے چھین لینا کسی طرح جائز نہیں خواہ کتنی ہی ہو، مسجد نبوی کی توسیع کے لئے حضرت عمر رضی اللہ عنہ جیسے امیر المومنین بھی حضرت عباس رضی اللہ عنہ کو جائیداد کو فروخت کرنے پر مجبور نہیں کر سکے، اس لئے حلال جائیدادوں کو بالجبر وصول کرنے کی گنجائش ختم کر کے یہاں صرف یہ تصریح کی جائے کہ:

''البتہ حرام طریقوں سے حاصل کی ہوئی جائیداد یا دولت کو قرآن وسنت کے احکام کے مطابق اصل مستحقین تک پہنچانے کے لئے قوانین وضع کئے جاسکیں گے اور حرام وحلال دولت کی تعیین کا اختیار عدالت عالیہ کو ہوگا۔''

(۸) دفعہ نمبر ۵۲ ذیل نمبر ۱ اور دفعہ نمبر ۵۲ ذیل نمبر ۲ میں قائم مقام صدر کے لئے، دفعہ نمبر ۵۶ میں اسپیکر کے لئے، دفعہ نمبر ۶۳ ذیل نمبر ۱ میں چیئرمین کے لئے، دفعہ نمبر ۱۰۴ ذیل نمبر ۱ میں گورنر کے لئے، دفعہ نمبر ۱۳۱ ذیل نمبر ۲ میں وزیراعلیٰ کے لئے، دفعہ ۱۷۶ ذیل نمبر ۱ میں چیف جسٹس کے لئے، دفعہ نمبر ۲۴۳ ذیل نمبر ۲ شق (ب) میں افواج کے چیف آف اسٹاف کے لئے مسلمان ہونا ضروری قرار دیا جائے۔

(۹) دفعہ نمبر ۲۵۳ جو ملکیت کی تحدید سے متعلق ہے، حذف کر دی جائے۔

(۱۰) دفعہ نمبر ۲۵۱ میں قومی زبان کو سرکاری مقاصد کے لئے استعمال کرنے کی مدت پندرہ سال بیان کی گئی ہے، اس کے بجائے تین سال کر دیا جائے۔

(۱۱) دفعہ نمبر ۷ ذیل نمبر ۱ میں اس شق کا اضافہ کیا جائے:۔

''اس باب کا کوئی حکم قرآن وسنت کی بنیاد پر قانون سازی کے لئے مانع نہیں ہوگا''۔

(۱۲) دفعہ نمبر ۳۱ ذیل ۲ شق (پ) کے الفاظ اس طرح کر دیئے جائیں:

''زکوٰۃ اور اوقاف کا نظام شرعی قواعد کے مطابق قائم کیا جائے گا اور مساجد کی حریت کا تحفظ کیا جائے گا''

(۱۳) دفعہ نمبر ۳۹ ذیلی شقوں میں مندرجہ ذیل اضافہ کیا جائے:

۱۔ ملک میں مروجہ نظام ونصاب تعلیم کے ہر شعبہ کو اسلامی تعلیمات کے مطابق بنایا جائے۔

۲۔ اسلامی روایات کے مطابق محکمہ احتساب قائم کرے جو معروفات کو فروغ دے اور منکرات کو مٹائے۔

⑭ دفعہ نمبر ۲۴۰ رشق (ث) میں ''ربا'' کو ختم کرنے کی کوئی مدت مقرر نہیں کی گئی، اس لئے یہاں یہ عبارت ضروری ہے:

''ربا کو زیادہ سے زیادہ تین سال میں ختم کرے اور اس کے لئے ماہرین شریعت ومعاشیات کی ایک ایسی کمیٹی بنائے جو موجودہ بنکاری کے نظام کو غیر سودی بنیادوں پر تبدیل کردے۔''

دستور میں مزید ترمیمات بھی پیش کی جاسکتی ہیں، لیکن اس وقت صرف وہ ترمیمات عرض کی گئی ہیں جو اسلامی نقطۂ نظر سے بنیادی اہمیت رکھتی ہیں۔

تحدید ملکیت اور حکومت کا کسی دوسرے کی ملکیت پر زبردستی قبضہ کرنا

ترمیمات کی دفعہ ۲۳ رمیں یہ بات واضح کردی گئی تھی کہ جائز ذرائع سے جو ملکیت حاصل کی گئی ہو زبردستی حکومت کے اس پر قبضہ کرنے یا اس کی تحدید کر کے عوام میں تقسیم کرنے کا کوئی شرعی جواز نہیں ہے۔ نہ معلوم کیوں ہمارے ایک کرم فرمانے جن کی ہمارے دلوں میں عزت واحترام ہے اس پر تنقید کر کے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ اسلامی قاضی کے حکم سے یہ سب کچھ کرنا جائز ہے اور افسوس ہے کہ اس دعوے کے ثبوت میں حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ کی کتاب ''ایضاح الادلۃ'' کی ایک عبارت بطور دلیل پیش کر کے اس سے ایک مجتہدانہ استنباط فرمایا ہے، انا للہ!۔

یہی تو آج کل کا سب سے بڑا فتنہ اور سب سے بڑی مصیبت ہے۔ یقیناً ایک غیر عالم جب علمی دقیق فقہی مسائل میں دخل دے گا تو ایسی ہی خطرناک غلطیوں میں مبتلا ہوگا اگر آج کوئی اردو دان صرف اردو قانون کا مطالعہ کر کے قانون کی باریکیاں بیان کرے یا صرف انگریزی دان جو ایل ایل بی نہ ہو صرف انگریزی زبان جاننے کی وجہ سے قانونی موشگافیوں میں دخل دے تو ہر عاقل اس کی تحمیق وتجہیل کرے گا۔ جب کسی انسانی قانون کے بارے میں یہ نزاکت کارفرما ہے تو خدائی قانون اور دقیق فقہی قانون میں کسی غیر مستند عالم کو اس قسم کا دخل دینا کیسے جائز ہوسکتا ہے؟ پھر کمال یہ ہے کہ ''ایضاح الادلۃ'' میں وہ مضمون تقریباً پورے اسی صفحات پر پھیلا ہوا ہے اور اس مسئلہ کے تمام پہلوؤں پر مفصل بحث فرمائی ہے اگر پوری بحث کو پڑھا اور سمجھا جاتا تو شاید اس خطرناک غلطی کا ارتکاب نہ ہوتا یہاں تو وہ مثل بالکل صادق آجاتی ہے کہ جیسے کوئی جاہل قران کریم کی آیت کریمہ ﴿لَا تَقْرَبُوا الصَّلَاةَ وَأَنْتُمْ سُكَارَىٰ﴾ [نساء: ۴۳] میں سے صرف پہلا جملہ لے لے اور دعویٰ کرے کہ قرآن کریم کا تو ارشاد یہ ہے کہ نماز کے قریب بھی مت جاؤ:

بریں عقل ودانش بباید گریست

آج کل ٹھیک اسی قسم کے اجتہادات کا دروازہ کھل گیا ہے وہ مسئلہ فقہی جس پر حضرت شیخ الہند قدس اللہ سرہ نے بحث فرمائی ہے اس کا فقہی عنوان یہ ہے:

"قضاء القاضي بشهادة الزور ينفذ ظاهرا و باطنا فى العقود الفسوخ دون الاملاك المرسلة"

جس کا حاصل یہ ہے کہ کوئی شخص مثلاً کسی ایسی عورت پر جو نہ کسی دوسرے شوہر کی منکوحہ ہو اور نہ کسی دوسرے شوہر کی عدتِ طلاق وغیرہ میں ہو یہ دعویٰ کرے کہ یہ میری منکوحہ بیوی ہے اور دو گواہ پیش کرے جو بالکل جھوٹے ہوں اور قاضی حقیقتِ حال سے بے خبر ہونے کی بنا پر یہ سمجھے کہ گواہ بالکل سچے ہیں اور اسی شہادت کی بناء پر قاضی یہ فیصلہ کر دے کہ جاؤ یہ تمہاری بیوی ہے تو یہ فیصلہ ظاہر و باطن میں اس لئے صحیح اور نافذ ہوگا کہ محل کے صالح ہونے کی وجہ سے قاضی کا یہ حکم خود بمنزلہ "عقد نکاح" کے ہو گیا گویا قاضی جانبین سے بمنزلہ وکیل کے ہو گیا اور یہ فیصلہ "عقد ازدواج" کے قائم مقام ہو گیا اب وہ عورت شرعاً اس کے لئے حلال ہے اور وہ عورت اس فیصلے کے بعد اس کی بیوی اسی طرح بن جائے گی جیسے عقد نکاح کے بعد بنتی، ہاں قیامت کے روز یہ مدعی جھوٹے دعوے اور کذب بیانی کی وجہ سے اور دونوں گواہ جھوٹی شہادت کی بنا پر شدید عذاب کے مستحق ہوں گے۔

یہ حکم صرف امام ابو حنیفہؒ کی اجتہادی رائے ہے امام ابو یوسف اور محمد اور مالک و شافعی و احمد رحمہم اللہ سب اس کے خلاف ہیں بہر حال اس وقت تفصیلات میں جانے کی حاجت نہیں، زیر بحث مسئلہ تو یہ ہے کہ حکومت موجودہ جائز مالکان سے ان کی حلال طریق پر حاصل کردہ زمینوں، جائیدادوں کو ان سے بلا معاوضہ جبراً چھین لینا اور دوسرے مستحقین کو دینا چاہتی ہے اس مسئلہ سے مذکورہ بالا مسئلہ کا کیا تعلق؟ یہاں نہ کوئی مدعی ہے، نہ مدعی علیہ، نہ شہادت ہے نہ عدالت، نہ قضاء قاضی ہے نہ شہادت زور ہے، نہ قاضی کو شہادت کے جھوٹے ہونے کا علم، وہ مذکورہ بالا قاضی کا حکم ایک خاص مسئلے سے متعلق ہے جس میں متعدد قیود اور شرائط اور مخصوص صورت حال مؤثر ہے چنانچہ اگر وہ عورت کسی دوسرے شخص کی منکوحہ بیوی ہو تو قاضی کا مذکورہ بالا حکم باطناً نافذ نہ ہوگا وہ عورت اس مرد پر حرام ہو گی اور وہ مرد اس عورت پر حرام ہوگا۔(۱)

اس خاص مسئلے کے دائرے کو وسیع کر کے اس سے زمین کی ملکیت کا مسئلہ نکالنا کتنا عجیب استنباط ہے؟

---

(۱) علاوہ ازیں حلال طریق پر حاصل کردہ مملوک زمین کی ملکیت سے محروم کرنے کا جواز بھی اس مسئلہ سے نہیں نکل سکتا ہاں وہ زمین جو کسی کی مملوک نہ ہو اس کو کسی بھی مستحق کو دینے پر استدلال کیا جا سکتا ہے۔ اس لئے کہ امام ابو حنیفہؒ نے قضاء قاضی کے ظاہراً و باطناً نافذ ہونے کے لئے محل کا صالح ہونا شرط قرار دیا ہے لہذا جس طرح منکوحہ غیر کے حق میں قاضی کا یہ فیصلہ باطناً نافذ نہ ہوگا اور وہ منکوحہ غیر مدعی کے لئے حرام رہے گی اسی طرح ایسی مملوک زمین جو حلال طریق پر حاصل کی گئی ہے حکومت کے کسی دوسرے شخص کو دے دینے سے اس کے لئے حلال نہ ہوگی بلکہ حرام رہے گی۔

اوراگراس بنیاد پر کہ ہر ہر چیز کا حقیقی مالک حق تعالیٰ ہے ہماری جان بھی اسی کی ہے ہمارا مال بھی اسی کا ہے ایک قاضی کو اس کا اختیار دیا جاتا ہے کہ جس کا مال جس کو چاہے دے دے اور اسی کا نام شریعت فہمی ہے تو اس طرح تو نہ کسی نہ زکوٰۃ لازم ہوگی نہ عشر، نہ حج فرض ہوگا اور نہ قصاص لازم ہوگا، وائے افسوس کہ اتنی فہم بھی اس نام نہاد مجتہد کو نصیب نہیں کہ یہ سمجھ سکے کہ حکم شرعی کی علت کیا ہوتی ہے اور حکمت کیا ہوتی ہے، درحقیقت غیر عالم اس فرق کو سمجھ ہی نہیں سکتا بحث کے تمام پہلو خود ''ایضاح الادلۃ'' میں موجود ہیں اگر اس کو صحیح طور پر پڑھا اور سمجھا جاتا تو کبھی ایسی جرأت نہیں ہوسکتی تھی ہمارا یہ دعویٰ ہے کہ کسی بھی اسلامی مذہب میں چار اماموں کے مذاہب ہوں یا زیدیہ، جعفریہ، امامیہ، اباضیۃ، خارجیہ کے مذاہب ہوں اس کی اجازت قطعاً نہیں کہ کسی کی مملوک زمین اور جائز ملکیت اس سے بغیر اس کی رضا کے اور بغیر معاوضہ کے چھین کر کسی دوسرے کے حوالے کر دی جائے چاہے کوئی بھی اسلام کی دعویدار جماعت ہو یا اسلامی سوشلزم کا نعرہ لگانے والی حکومت ہو تحدیدِ ملکیت کے غیر اسلامی نظام کا شرعی ثبوت پیش نہیں کر سکتا ہاں ظلم و جور اور طاقت وقوت کے بل بوتے پر جو چاہے کرے۔

وسیعلم الذین ظلموا أی منقلب ینقلبون

[ربیع الاول ۱۳۹۳ھ۔ مئی ۱۹۷۳ء]

دین اسلام سے مسلمانوں کی روگردانی

حق تعالیٰ کی ان تمام نعمتوں میں جو اس دنیا کو عطا کی گئی ہیں صرف ''دین اسلام'' نعمتِ عظمیٰ ہے امت محمدیہ علیٰ صاحبہا الصلوات والتحیات والتسلیمات کو اس نعمت سے سرفراز فرمایا گیا ہے جس طرح حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ''ختم نبوت'' اور ''سیادتِ انبیاء اور رسل'' کی نعمت کبریٰ سے مشرف کیا گیا اور تمام انبیاء کرام کی جماعت میں اعلیٰ ترین منصب پر فائز کیا گیا اسی طرح کتب الٰہیہ میں ''قرآن حکیم'' اعلیٰ ترین کتاب ان پر نازل فرمائی گئی اور ظاہر ہے جس امت میں خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم جیسے رسول ہوں اور قرآن حکیم جیسی کتاب موجود ہو اور ان دونوں سرچشموں سے جس دین کا خمیر تیار ہوا ہو وہ دین بھی اعلیٰ ترین دین ہوگا تو ہر حیثیت سے ''دین اسلام'' اعلیٰ ترین ہوا اور اس امت کے ذریعہ تمام کائنات کو یہ اعلیٰ ترین نعمت دی گئی ہے اور اسی لئے وحی آسمانی الٰہی ابدی میں یہ اعلان کیا گیا ہے:

﴿اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ وَرَضِیْتُ لَکُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا﴾ [المائدۃ:۳]

میں نے آج کے دن تمہارے لئے تمہارا دین مکمل کر دیا ہے اور اپنا احسان بھی پورا کر دیا ہے اور صرف اسلام کو تمہارے لئے دین پسند کیا ہے۔

اور ساتھ ہی یہ بھی اعلان کر دیا گیا:

﴿وَمَنْ يَبْتَغِ غَيْرَ الْإِسْلَامِ دِيْنًا فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْهُ وَهُوَفِى الْاٰخِرَةِ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ﴾ [آل عمران:۸۵]

اور جو کوئی اسلام کو چھوڑ کر اور کوئی دین اختیار کرے گا وہ ہرگز قبول نہ ہوگا اور وہ آخرت میں تباہ و برباد ہوگا۔

حضرت رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی ارشاد فرمایا:

"لو كان موسى حيا لما وسعه الا اتباعى"(۱)

اگر حضرت موسیٰ علیہ السلام (جیسے اولوالعزم پیغمبر) بھی زندہ ہوتے تو میری ہی اتباع کرتے اور اس کے سوا چارۂ کار نہ ہوتا۔

اور ظاہر ہے کہ آفتاب عالمتاب کے طلوع کے بعد تاروں کی روشنی تلاش کرنا یا چراغوں سے نور حاصل کرنا انتہائی غیر معقول حرکت ہے لیکن واے محرومی اتنی بڑی نعمت کے ہوتے بھی آج مسلمان اس کو چھوڑ کر یورپ اور امریکہ وغیرہ سے روشنی تلاش کر رہے ہیں یہ حق تعالیٰ کی اس نعمت عظمیٰ، اس نعمت کبریٰ کی کتنی بڑی توہین ہے اگر دین موسوی اور دین عیسوی مسیحی اپنی اصل شکل میں محفوظ بھی ہوتے اور اس پر دنیا عمل بھی کرتی ہوتی تب بھی اسلام آنے کے بعد اس کی طرف توجہ کرنا اسلام کی بڑی تحقیر ہوتی اور جبکہ یہ ادیان تمام تر "تحریف" کی نذر ہو چکے ہیں کوئی آسمانی چیز ان میں محفوظ نہیں رہی پھر بھی اس کی پیروی بجز ضلالت وحماقت کے اور کیا ہو سکتی ہے۔

معاملہ یہیں پر ختم نہیں ہو جاتا مسلمان نہ صرف دینی شعائر، بلکہ وہ غیر دینی معاشرت کی چیزیں بھی اس قوم سے لے رہا رہے ہیں جس پر حق تعالیٰ کا غضب نازل ہو چکا ہے، حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کی زبانی ان پر لعنت نازل ہو چکی ہے، پھر کاش کہ معاملہ یہیں تک محدود ہوتا، مسلمان قوم نے تو اپنی تمام اسلامی خصوصیت کو یکسر قلم چھوڑ دیا اور زندگی کے تمام ہی شعبوں میں ان کافروں کی نقالی شروع کر رکھی ہے لباس، پوشاک، خوراک، سونا، جاگنا، چلنا پھرنا، دفتری نظام، گھریلو نظام، تعلیم کا نظام حتیٰ کہ تمام کے تمام طرز معیشت و معاشرت میں ان کی حیرت انگیز نقالی و اپنے لئے سرمایہ سعادت و فخر سمجھا ہے، انا للہ وانا الیہ راجعون۔

اس سے بڑھ کر حق تعالیٰ کی نعمتوں کی یہ تحقیر و تذلیل ہوئی کہ فسق و فجور ہو وہاں تک کہ معیشت میں بھی ایسی تقلید کہ نقل جیران ہے، فحاشی و عریانی فواحش و منکرات میں انہماک اس درجہ ترقی پر ہے کہ نقل اصل سے بڑھ گئی، یہ تو مسلمانوں کی زندگی اور یہ ان کی تہذیب و معاشرت اس پر انتہائی بے حیائی سے یہ پوچھا جاتا ہے کہ ہم کیوں ذلیل ہیں؟ کیوں خوار ہیں؟ کیوں روز بروز قعر مذلت میں گرتے چلے جا رہے ہیں؟

باقی یہ کہنا کہ یورپ پر عذاب الٰہی کیوں نہیں آتا؟ اول تو یہ نظر کا فرق ہے ﴿وَاِنَّ جَهَنَّمَ لَمُحِيْطَةٌ

(۱) مشکوة المصابیح، باب الاعتصام بالکتاب والسنة ج:۱ص:۳۰، ط: قدیمی

بِالْكَافِرِيْنَ﴾[التوبۃ:۴۹] وہ یقیناً جہنم کے شعلوں میں جل رہے ہیں ان کے ملک قہر الٰہی کی آگ میں پھنس رہے ہیں، جس عذاب میں یورپ مبتلا ہے الامان والحفیظ، قلب کا سکون جو زندگی کی اصلی روح ہے وہ یورپین ممالک میں سراسر ختم ہو چکا ہے تقویٰ وطہارت کی زندگی سے جو قلوب میں نورانیت وطمانیت پیدا ہوتی ہے وہ یکسر ختم ہے، وہ انتہائی حیران و پریشان ہیں، قلب کو منشیات ومسکرات کے استعمال سے عارضی آرام پہنچانے کی کوشش وکاوش میں اپنی زندگیاں ختم کررہے ہیں، گویا قانون کی گرفت سے بچ کر خودکشی کررہے ہیں، ان ممالک کی تفصیلات اگر ذرا بھی کسی کو معلوم ہو جائیں تو معلوم ہو کہ وہاں پوری زندگی جہنم بن چکی ہے اور اس سے پناہ مانگی جائے۔ اور اگر کسی کو اس نمائشی چہل پہل اور تروتازگی پر کچھ شبہ ہو اور وہ قصداً حقائق سے چشم پوشی کرے تو اس کو یہ سمجھنا چاہئے کہ یہ قومیں حق تعالیٰ کے محبوب دین ''اسلام'' سے منکر ومنحرف اور کافر ہیں حق تعالیٰ کے قانون عدل کا تقاضا یہ ہے کہ جب آخرت کی نعمتوں سے ایک قوم سراسر محروم ہو تو دنیا کی نعمتیں تو اسے ملنی چاہئیں، یہی قرآن کہتا ہے یہی حدیث کہتی ہے۔

دینِ اسلام سے بغاوت اور اس کی سزا

سزا تو باغی قوم کو ملتی ہے مسلمانوں نے تو اسلام قبول کیا ہے اور پھر اسلام کو چھوڑا ہے جس کے دو ہی محمل ہو سکتے ہیں یا تو وہ باغی ہیں یا منافق ہیں، بغاوت کا جرم بھی انتہائی سخت ہے اور نفاق کا جرم بھی انتہائی شدید ہے اسی لئے قرآن کریم میں منافقین کے لئے جہنم کا آخری اور سب سے نچلا طبقہ تجویز کیا گیا ہے، گویا کفار سے بہت زیادہ سخت عذاب ان کو ہوگا، آج مسلمان قوم بھی یا تو عملی بغاوت میں مبتلا ہے یا پھر شدید نفاق کا شکار ہے۔

بہر حال کہنا یہ ہے کہ مسلمان قوم نے حق تعالیٰ کی نعمت عظمیٰ کی شدید تحقیر کی ہے جو یقیناً ناقابل برداشت جرم ہے، یہ حق تعالیٰ کے دین کا استخفاف، یہ توہین، اتنا بڑا جرم ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ حلیم نہ ہوتے اور ان کا حلم کارفرما نہ ہوتا تو ایک لمحہ کے لئے بھی ان کو روئے زمین پر رہنے نہ دیا جاتا اور اس صفحۂ ہستی سے اس قوم کا نام ونشان تک مٹ جاتا۔

بالاد عربیہ کو دیکھئے حق تعالیٰ نے ان کو دنیا کی بھی عظیم نعمت نصیب فرمائی، دنیا کے کلیدی مقامات ان کے ہاتھوں میں ہیں زمینی خزانے ان کے دروازوں پر بہا دیئے ہیں، یورپ وامریکہ ان کے محتاج ہیں لیکن خالق کائنات کی نعمت ''اسلام'' سے انحراف اور دنیا کے سامان تعیش میں انہماک کی وجہ سے کس بری طرح یورپ کی گندی زندگی کی نقالی میں مبتلا ہیں اور چھانٹ چھانٹ کر تمام یورپین معاشرے اور تہذیب کی جو غلاظتیں ہیں ان کو اختیار کر رکھا ہے اور حیرت ہے کہ ان کی محنتیں، مشقتیں، جفاکشی وفرض شناسی وغیرہ جو بعض خوبیاں ہیں ان کو یکسر نظر انداز کر دیا گیا ہے آخر سب عذاب الٰہی میں مبتلا ہو گئے ہیں، باوجود عددی کثرت کے قلت میں ہیں، باوجود اسباب عزت کی فراوانی کے ذلت میں ہیں، باوجود ثروت وغنا کے فقر وتنگ دستی میں مبتلا ہیں، صرف اس لئے کہ تمام دولت

وثروت عیش پرستی وراحت کوشی کی نذر ہورہی ہے، تازہ تازہ نیو ماڈل کاروں، یورپین طرز کی عمارتوں اور فرنیچر وسامان آرائش میں سارا سرمایہ جھونکا جارہا ہے، پیرس کو مات کرنے والے ہوٹل اور کلب روز افزوں ہیں، افرنگیت کا ایک بھوت ہے جو دماغوں پر سوار ہوگیا ہے انہی کی آنکھوں سے دیکھتے ہیں انہی کے کانوں سے سنتے ہیں، آخر اس کا نتیجہ یہی ہوا نا کہ کروڑوں افراد پر مشتمل عرب آبادی چند مٹھی بھر یہودیوں سے لرزہ براندام ہے۔ مانا کہ یہودی طاقت کے پیچھے امریکہ اور روس کی طاقت ہے لیکن اگر یہی مسلمان آج حق تعالیٰ کی نصرت پر یقین رکھتے اور آسمانی ہدایات پر عمل پیرا ہوتے تو آج نقشہ ہی کچھ اور ہوتا اور یہ روز بدنہ دیکھنا پڑتا، کون سی تنبیہ ہے جو قرآن حکیم نے نہیں کی اور کون سی نصیحت ہے جو خدا اور رسول نے نہیں کی لیکن اس سے استفادہ کے لئے گوش عبرت نیوش اور نگاہ بصیرت افروز چاہئے، اگر مسلمان قوم کو اب بھی عبرت نہیں ہوتی اور یہی خدا فراموش زندگی ہے، یہی بے حیائی ہے، یہی عریانی ہے، یہی اسراف وتبذیر کی شیطانی زندگی ہے تو خاکم بدہن انہیں اپنی آخری تباہی وبربادی کا انتظام کرنا چاہئے۔

حق تعالیٰ رحمۃ للعالمین کے طفیل اپنی رحمت کاملہ سے اپنے عذاب سے بچالے اور ہمیں اپنی اصلاح کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

آزادی اور اس کا مقصد

﴿هٰذَا بَصَائِرُ مِنْ رَّبِّكُمْ وَهُدًى وَّرَحْمَةٌ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ﴾ [الاعراف:۲۰۳]

کسی مملکت کی آزادی یا کسی مسلمان قوم کی آزادی درحقیقت حق تعالیٰ کی نعمت ہے لیکن یہ آزادی بذات خود کوئی مقصد نہیں بلکہ یہ صحیح ترین اور اعلیٰ ترین مقاصد کے لئے بہترین وسیلہ ہے اور صحیح مقاصد تک پہنچنے کے لئے ایک راستہ ہے، چنانچہ مسلمان قوم کی آزادی کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ وہ کافرانہ اور ظالمانہ حکومت کے تسلط سے آزاد ہو کر اللہ تعالیٰ کی رحمت وعدل کے زیر سایہ آجائے تاکہ حق تعالیٰ کے مقرر کردہ قوانین عدل ورحمت پر عمل کر کے دنیا وآخرت کی نعمتوں کی مستحق بن جائے اور دنیاوی زندگی کے اس عبوری دور میں قانون الٰہی پر عمل کر کے اس امتحان میں اعلیٰ کامیابی کے نمبر حاصل کرے تاکہ آخرت کی غیر فانی نعمتوں وبرکتوں سے مالا مال ہو سکے۔

اسی لئے جب کوئی مسلمان قوم آزادی کے صحیح مقصد کو فراموش کر دیتی ہے اور اس نعمت کو غلط طریقے پر ناجائز مقاصد واغراض کے لئے استعمال کرتی ہے تو حق تعالیٰ کا قانون قدرت اس سے انتقام لے کر اس آزادی کی نعمت کو اس سے چھین لیتا ہے یہی تمام اسلامی تاریخ کا لب لباب ہے اور یہی مسلمانوں کے عروج وزوال کا خلاصہ ہے۔

متحدہ ہندوستان کے مسلمان اپنے سیاہ کارناموں کی پاداش میں اس نعمت آزادی سے عرصہ دراز تک محروم رہے لیکن پھر بعد خرابی بسیار ہوش آنے پر عرصہ دراز تک آزادی کا میں مبتلا رہے اور ساتھ ہی اس نعمت کے حصول کے

لئے مسلسل کوشش اور جدو جہد میں لگے رہے آخر حق تعالیٰ کی رحمت نے مسلمانوں کو پھر اپنی آغوشِ رحمت میں لے کر ایک قطعۂ ملک دوبارہ ان کے حوالے کر دیا تاکہ دوبارہ امتحان لیا جائے ،لینظر کیف تعملون۔

لیکن انتہائی صدمہ کی بات ہے کہ نہ صرف حکمران اور عوام بلکہ ہر خاص و عام سب کے سب اپنے فرضِ منصبی کی ادائیگی میں مقصر رہے، نہ صرف مقصر بلکہ اس اصل مقصد کے برعکس ہر شخص اس نعمت کے ذریعہ اپنی اپنی اغراض وخواہشات کے حصول میں مشغول ہو گیا جس کا نتیجہ خاکم بدہن نہایت خطرناک ہے حکمرانوں کا فرض تھا کہ وہ جلد سے جلد اسلامی قانون نافذ کرتے اور حکومت کی طاقت سے لوگوں کو صحیح مسلمان بناتے اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ ادا کرتے، محاکمِ احتساب تمام ملک میں قائم کرتے اور قرآنِ حکیم میں جو فرائض حکمرانوں کے ہیں پورے کرتے ، اَلَّذِيْنَ اِنْ مَّكَّنّٰهُمْ فِي الْاَرْضِ......[حج:٤١]

علماء کا فریضہ تھا کہ دعوت واصلاح کی خدمت کے لئے اپنے آپ کو وقف کر دیتے تاکہ دینی رہنمائی کا صحیح تقاضا پورا ہوتا، عوام امت کا فرض تھا کہ عقائد وعبادات ،اسلامی تہذیب واخلاق اور اسلامی معاشرت کے اختیار کرنے میں کوشش کرتے لیکن اس کے برعکس جو کچھ ہو رہا ہے ہم سب کچھ دیکھ رہے ہیں: ''عیاں راچہ بیان''۔

آج کل جو بحران ملک پر مسلط ہے اور اس کے نتیجہ میں جو انقلابات رونما ہو رہے ہیں یا ہونے والے ہیں یہ سب کچھ صرف اسی تقصیر وکوتاہی کے نتائج ہیں جو سامنے آرہے ہیں اگر حکمران اور کارکنانِ حکومت صحیح معنوں میں عادل وقوم پرور ہوتے اور خود اپنی زندگی میں ظاہر و باطن دونوں لحاظ سے اسلام کے تقاضے پورے کرتے تو آئے دن جو یہ بحران اور انقلابات رونما ہو رہے ہیں امت ان سے محفوظ رہتی ، دیکھتے دیکھتے ان چند سالوں میں نہ صرف پاکستان بلکہ تمام ممالک اسلامیہ خصوصاً ممالک عربیہ کا کیا سے کیا نقشہ ہو گیا یہ سب کچھ اسی خدا فراموشی کے نتائج ہیں جو سامنے آرہے ہیں۔ صبح شام روزانہ اخبارات کے صفحات میں کسی نہ کسی ملک میں تباہ کن انقلاب کی خبر نظر آتی ہے لیکن ان حقائق وواقعات کے مشاہدہ کے باوجود کسی کو بھی عبرت نہیں ہوتی۔

غیر اللہ کو عزت وطاقت کا سرچشمہ سمجھنے کی سزا

مملکتِ پاکستان کو اللہ تعالیٰ نے دو مرتبہ ہندوستان اور اعداءِ اسلام کی متحدہ طاقتوں کی ریشہ دوانیوں کا نشانہ بننے سے محض اپنے فضل وکرم سے محفوظ فرمایا اس نعمت کا شکر ادا کیا جانا چاہئے اور وہ شکر یہی ہے کہ پاکستان کا خالص اسلامی دستور ہو، حکومت صحیح اور خالص اسلامی قوانین ملک میں نافذ کرے تاکہ تمام امتِ پاکستان اسلامی قانون کی برکات سے مالا مال ہو اور ہر طرح کے بحرانوں سے محفوظ رہے۔ بارہا ہم اس حقیقت کو واضح کر چکے ہیں کہ اس ملک اور قوم کو کمیونزم اور سوشلزم کی لعنت سے یا سرمایہ دارانہ نظام کے شکنجے اور استحصال سے صرف اسلامی قانون ہی بچا سکتا ہے اور صرف اسلامی قانون پاس کر دینے سے نہیں بلکہ اسلامی قانون کی دیانت داری سے تنفیذ اور اجراء اور پھر قوم کے ہر

طبقہ نے اس پر عمل پیرا ہونے سے یہ لعنتیں دور ہوسکتی ہیں۔ صحیح اسلام ہی وہ نعمت ہے اور وہ دولت ہے جس کے حصول کے بعد خود ملک اپنی ضروریات کے لئے مکتفی ہوسکتا ہے اور اغیار سے بھیک مانگنے سے نجات پاسکتا ہے۔ آج ہمارا ملک بے رحم دشمنوں سے لئے ہوئے قرضوں اور ان کے سود سے اتنا دبا ہوا ہے اور کراہ رہا ہے کہ نہ معلوم اس کا انجام کار کیا ہوگا، جب تک اسلامی قانون کے محکمہ ہائے احتساب قائم نہ ہوں گے اور اس ملک سے رشوت کا خاتمہ نہ ہوگا نہ حکومت کا خزانہ حسب ضرورت بھر سکتا ہے نہ ٹیکسوں اور مال گذاریوں کی صحیح مقدار حکومت کو حاصل ہوسکتی ہے، چاہے کتنے ہی بھاری ٹیکس حکومت لگائے عوام ضرور تباہ ہوں گے مگر حکومت کی ضرورتیں ہرگز پوری نہ ہوں گی اور عوام کی قربانیوں اور فداکاریوں کے باوجود دشمنوں سے قرض کی بھیک مانگنے پر مجبور ہوگی۔

آج اگر سرکاری محکموں میں رشوت لینی اور دینی ختم ہوجائے اور بیرونی ممالک کے بینکوں میں خفیہ اور غلط طریقے پر جمع کرایا ہوا سرمایہ ملک میں واپس آجائے اور زندگی کی غیر ضروری اشیاء یعنی تعیشات ہر طبقہ کی زندگی سے خارج کردی جائیں تو حکومت ان دشمنان اسلام کے سامنے ہاتھ پھیلانے اور قرض کی بھیک مانگنے کی لعنت سے بآسانی بچ سکتی ہے۔ آج انہی دشمنان اسلام اور دریچے آزار طاقتوں کے ہم رہین منت ہیں اور ہمیشہ ان سے بھیک مانگتے رہتے ہیں اور اس بھیک کی وہ اتنی بڑی قیمت پاکستان سے وصول کررہے ہیں کہ عقل حیران ہے اور صرف اسی وجہ سے وہ ہمارے اندرونی معاملات میں نہایت دلیری کے ساتھ دخل اندازی کرتے ہیں اپنی پارلیمنٹوں میں ہماری داخلی معاملات میں بحثیں کرتے رہتے ہیں اور نہ صرف مشورے دیتے ہیں بلکہ مغرورانہ انداز سے اوامر واحکامات صادر کرتے ہیں اور ان احکامات کی تعمیل میں ذرا بھی کوتاہی دیکھتے ہیں تو طرح طرح کی دھمکیاں دیتے ہیں اور ہمارے خلاف پروپیگنڈے کرکے آسمان سر پر اٹھاتے ہیں، دراصل ان کی امدادوں اور قرضوں نے جہاں ان کے حوصلے بڑھادیئے ہیں وہاں ہمارے حوصلے پست کردیئے ہیں اسی وجہ سے ان کو یہ جرأت ہوتی ہے کہ تحقیقات کے لئے اپنے وفود بھیجتے ہیں خودساختہ صحافی بھیجتے ہیں اور وہ ان کے حسب منشاء ان کے سامنے اپنی رپورٹ پیش کرتے اور آنکھوں میں دھول جھونکتے ہیں اس کے علاوہ یہ صحافی ہمارے دشمنوں کے لئے مخبری بھی کرتے ہیں اور ہمارے کمزور پہلوؤں سے ان کو آگاہ کرتے ہیں تاکہ بصورت جنگ ہمیں خاطرخواہ نقصان پہنچا سکیں۔

کیا اسی کا نام آزادی ہے اس سے بڑھ کر اور کیا غلامی ہوسکتی ہے یہ سب کچھ اسی کے نتائج ہیں کہ ہم ان سے محتاج ہیں قرضوں کے علاوہ اپنی ضروریات زندگی کی ہر چیز ان سے درآمد کرتے ہیں انا للہ!

جہاں ہماری بڑی بڑی اسلامی حکومتیں اس لعنت میں گرفتار ہیں وہاں بعض چھوٹی چھوٹی حکومتیں اس لعنت سے محفوظ ہیں۔ روزنامہ جنگ مورخہ ۲۹ رجون ۱۹۷۱ء پیر علی محمد راشدی صاحب کے مضمون سے ایک اقتباس ملاحظہ ہو، ممکن ہے اس سے ہماری حکومت کی آنکھیں کھل جائیں:

''شروع میں جیسے ہی مشرقی پاکستان کے حالات نے ناگوار صورت اختیار کی میں نے جنگ کی دو اشاعتوں مورخہ ۱۷ اپریل اور ۲۰ اپریل میں اپنی ناچیز رائے پیش کرتے ہوئے یہ بتادیا تھا کہ اس صورت حال سے نمٹنے کی کیا تدبیر ہوسکتی ہے، اس کے بعد میں ملکی حالات پر لکھنے سے احتراز کرتا رہا ہوں وجہ یہ ہے کہ جب ملکی معاملات ذمہ دار قابل اعتماد اور ایسے لوگوں کے ہاتھوں میں ہیں جو ہر مشکل کا حل نکالنے کے اہل ہیں تو پھر ایسے موقعہ پر ہم باہر سے دیکھنے والے لوگوں کے لئے مناسب نہیں ہے کہ ہم خواہ مخواہ اپنی غیر مکمل اور سیکنڈ ہینڈ (SECOND HAND) معلومات کی بنا پر موقعہ بے موقعہ رائے زنی کرتے پھریں اور بے وجہ ذہنی الجھنوں میں اضافہ کرتے رہیں وقت یقیناً نازک ہے مگر ہماری طرف سے جو لوگ کام چلا رہے ہیں اور حالات کا مقابلہ کر رہے ہیں وہ بے شک وشبہ ہر لحاظ سے وقت کی ضروریات کو پہچاننے اور پورا کرنے کے اہل ہیں لہٰذا ہم کو مطمئن ہو کر ان کی ہمت افزائی کرنی چاہئے اور جو تدبیر وہ کریں اس کی تائید کرنی چاہیے بحران کی کیفیت میں ہر ایک کو فلاسفر نہیں بننا چاہیے اس طرح سے ذہنی انتشار بڑھتا ہے اور اصل مسئلہ کے حل میں رکاوٹ پڑتی ہے۔

مگر حال ہی میں مسئلہ کا ایک پہلو ایسا نکل آیا ہے جس پر میں لکھنا اپنا فرض سمجھتا ہوں وہ پہلو یہ ہے کہ آئے دن باہر کے ملکوں کے نمائندے ہمارے یہاں ہمارے حالات کا جائزہ لینے آنے لگے اور ہمارے اندرونی انتظامی معاملات کے بارے میں دوسرے ملکوں کی پارلیمنٹوں میں بحثیں ہونے لگی ہیں نہ صرف یہ بلکہ صورت حال ایسی بن گئی ہے کہ آج کل باہر کے ملک ہم کو براہِ راست ''ڈکٹیٹ'' کرنے لگے ہیں کہ ہم کو ہمارے داخلی معاملات کے سلسلہ میں کیا کرنا چاہیے بھارت والے تو یہاں تک چلے گئے ہیں کہ وہ ہم پر احکامات صادر فرمانے لگے ہیں کہ ہم کو فلاں پارٹی سے سمجھوتہ کرنا چاہئے ورنہ وہ دخل اندازی سے باز نہیں آئیں گے۔ دو دن ہوئے کنسورشیم والوں نے اسی اسپرٹ کا مظاہرہ کیا ہے ان کا ارشاد ہے کہ وہ ہماری کوئی امداد کریں اس سے پہلے وہ دیکھنا چاہتے ہیں کہ ہمارے صدر ملک کے سیاسی اور آئینی معاملات کے بارے میں کس قسم کا اعلان کرتے ہیں۔

اصولی طور پر میں اس ساری صورت حال کو جائز اور معقول نہیں سمجھتا بنیادی سوال یہ ہے کہ ہماری ریاست ایک آزاد ریاست ہے یا بین الاقوامی دنیا کی نظروں میں ہماری وہی حیثیت ہے جو کسی زمانہ میں انگریز کے تحت برصغیر کی ''دیسی ریاستوں'' راجوں مہاراجوں کی ہوتی تھی؟ یعنی نیچے راجہ صاحبان کا راج اور اوپر وائسرائے ہند کا ڈنڈا؟

بین المملکتی تعلقات کی تاریخ میں مجھے ایسی کوئی مثال نہیں مل رہی ہے جس سے یہ ثابت ہو کہ کسی آزاد ریاست کے اندرونی معاملات کے بارے میں تحقیقات کرنے کے لئے باہر سے لوگ آتے ہوں یا ان پر باہر کی پارلیمنٹوں میں بحثیں ہوتی رہی ہوں یا باہر کی ریاستیں ڈکٹیٹ کرتی رہی ہوں کہ فلاں سیاسی پارٹی سے سمجھوتہ ہونا چاہئے یا نہیں ہونا چاہئے اقتدار منتقل ہونا چاہئے یا نہیں؟

یمن میں کئی سال تک خانہ جنگی جاری رہی کیا باہر کی کسی پارلیمنٹ میں اس پر بحث ہوئی کسی باہر کے ملک نے کوئی تحقیقاتی کمیشن وہاں بھیجا؟

یونان میں چند سال سے فوجی حکومت قائم ہے اس حکومت کی کارگذاریوں کے بارے میں باہر کے اخبارات میں عجیب وغریب مواد شائع ہوتا رہا ہے مگر امریکہ نے جس کی امداد پر یونان کا یہ سارا کاروبار چل رہا ہے کبھی نہیں کہا کہ ''اقتدار قومی نمائندوں کو منتقل کر دو ورنہ امداد بند کر دی جائے گی''، یونان کے یہ حکمران کھل کر امریکہ سے کہتے رہتے ہیں کہ ''ہم وہی کریں گے جو ہمارے ملک کے لئے موزوں ہوگا آپ کو اگر امداد دینا ہے تو مہربانی ورنہ بند کر دو''، امریکہ خاموش ہے۔

برطانیہ کے اپنے علاقے شمالی آئرلینڈ میں مدتوں سے اندرونی گڑبڑ بدامنی اور خونریزی چل رہی ہے گڑبڑ کا سبب قریب قریب وہی ہے جس سے مشرقی پاکستان میں ہمارا سابقہ پڑا ہے، برطانیہ کی مرکزی حکومت کو مجبور ہو کر وہاں فوجی کارروائی کرنی پڑی ہے مگر کیا ہم نے یا کسی رومن کیتھلک ملک نے کبھی اپنے آدمی وہاں بھیج کر تحقیقات کروائی کہ وہاں کیا ہو رہا ہے؟ کیا دنیا کے کسی ملک نے برطانیہ سے یہ مطالبہ کیا کہ تم شمالی آئرلینڈ سے فوج ہٹا دو ورنہ تمہارے ساتھ راہ ورسم منقطع؟ کیا جنوبی آئرلینڈ کی آزاد حکومت نے اس معاملے میں مداخلت کی؟

سوڈان کے جنوبی حصہ میں ''تحریک آزادی'' کے نام سے بغاوت کی سی کیفیت رہی ہے، وقتاً فوقتاً سوڈان کی حکومت جو ایک فوجی حکومت ہے فوجیں بھیج کر بغاوت کو کچلنے کی کوشش کرتی رہی ہے مگر کیا اس بنا پر بین الاقوامی برادری نے سوڈان سے کبھی کوئی باز پرس کی؟

اریٹیریا کے لوگ ایبے سینیا سے الگ ہونا چاہتے ہیں ایبے سینیا کی حکومت ان کو مار مار کر اپنی بات منوانے کے لئے فوج استعمال کرتی رہی ہے، کیا ''سیلف ڈیٹرمینیشن'' یا ''جمہوری حقوق'' والے اصول کی خاطر کسی باہر کے ملک نے کبھی کوئی تحقیقاتی کمیشن یا پارلیمانی وفد اریٹیریا بھیج کر وہاں کے حالات معلوم کرنے کی کوشش کی؟ اریٹیریا کا علاقہ، انگریزوں نے ہی ایتھوپیا کے حوالے کیا ہوا ہے، اس بنا پر وہاں جو کچھ ہوتا رہا ہے اس کے بارے میں اخلاقی ذمہ داری کسی حد تک برطانیہ پر بھی عائد ہوتی تھی مگر کیا اس مسئلہ کے بارے میں برطانیہ کی پارلیمنٹ میں کبھی کوئی بحث ہوئی؟ کیا برطانیہ نے کبھی ایبے سینیا سے یہ مطالبہ کیا کہ تم اریٹیریا کے لوگوں سے سیاسی سمجھوتہ کرلو ورنہ ہم تمہاری مدد نہیں کریں گے اور ہمارے اخبار تمہارے خلاف رات دن اودھم مچاتے رہیں گے؟''

عراق میں کردوں نے بغاوت کی جو کئی سال جاری رہی، اس بغاوت کو فرو کرنے کے لئے عراق آزادی سے اپنی فوجی قوت سے کام لیتا رہا مگر کیا اس کی وجہ سے باہر کے ملکوں نے کبھی عراق پر کردوں کی خاطر دباؤ ڈالنے کی ہمت کی؟

نائیجیریا اور کانگو کے واقعات ہر ایک کے علم میں ہیں وہاں بھی صوبوں نے بغاوت کی اور مرکزی حکومتوں

نے اس بغاوت کو فوجی قوت سے ختم کردیا مگر کیا ان معاملات میں باہر کی حکومتوں نے کبھی کوئی مداخلت کی؟۔

بہر حال کہنا یہ ہے کہ جو دردناک صورت حال اس وقت پیش آ رہی اس کی اصل وجہ یہی ہے کہ عزت وطاقت کا سرچشمہ اعداء اسلام کو سمجھا گیا ہے آج اگر مسلمان حکومتیں حق تعالیٰ کی ذات کو عزت وطاقت کا سرچشمہ سمجھیں اور اس حقیقت کو سمجھ لیں جو حق تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ وَلِرَسُوْلِهٖ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ وَلٰكِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ﴾ [المنافقون:۸]

عزت تو اللہ کے اس کے رسول کے اور مسلمانوں ہی کے لئے ہے لیکن منافق سمجھتے نہیں۔

ان حکومتوں کی ظاہری مادی ترقیات نے ہماری نگاہوں کو خیرہ کردیا ہے اور اپنی ''ترقیات'' کی وجہ سے جس اخلاقی بحران میں یہ قومیں مبتلا ہیں اس سے ہم قطعاً غافل ہیں۔

بالفرض اگر باہر کی امدادوں اور قرضوں کے ہم محتاج ہی ہیں اور بغیر قرضوں کے ہمارا کام نہیں چل سکتا تو پھر ہماری متعدد عرب حکومتوں کو اللہ تعالیٰ نے اس مقام پر پہنچادیا ہے کہ ان سے باآسانی سود کے بغیر قرض لے سکتے ہیں تو پھر ہم ان سے قرضے کیوں نہیں؟ ایک کویت کی دولت اللہ کے فضل سے اتنی ہے کہ اگر انگلستان کے بنکوں سے اس کی دولت نکال لی جائے تو انگلستان کا دیوالیہ نکل جائے۔ اگر بھیک مانگنا ضروری ہی ہے تو پھر اپنوں سے کیوں نہ مانگیں وہ یقیناً ہمارے دشمن ہیں نہ ان کی طرح بے رحم، ہماری تمام مشکلات ان کے تعاون سے حل ہوسکتی ہیں، آج اگر ایک طرف حکومت کو ان اعداء اسلام کے سودی قرضوں نے تباہ کررکھا ہے اور سرمایہ دارانہ سودی نظام نے قوم کو ہلاکت کے گڑھے میں پہنچادیا ہے تو دوسری طرف شراب کے لائسنسوں نے اور عریاں کلبوں کے اجازت ناموں نے فواحش ومنکرات کو فروغ دینے کی نت نئی تدبیروں اور فریب کاریوں نے تمام امت کو بے حیائی و بے شرمی اور بربادی وتباہی میں مبتلا کردیا ہے، یہ ہے وہ بدترین صورت حال جس کے تصور سے دماغ پھٹا جارہا ہے، قلم تحریر سے عاجز ہے، زبان بیان سے قاصر ہے، کیا کیا لکھا جائے اور کیا کیا کہا جائے؟

خدارا! اپنی حالت پر رحم کرو! ابھی وقت ہے اس ملک کو تباہی سے بچانے کا عزم کرلو، اسلامی قانون قانون نافذ کردو، اسلامی تعزیرات جاری کر کے صالح معاشرے کی تشکیل کرلو، غیر اسلامی تعزیرات کے ذریعہ جان ومال وآبرو کی حفاظت کی توقع بالکل بے معنی ہے، رشوت پر بلا رورعایت سخت سے سخت سزا دو، یورپ و امریکہ کی خدافراموش تہذیب کی بیخ کنی کرو، فوجیوں اور نوجوانوں میں جہاد کی روح پیدا کردو، قوم کو ایثار سکھاؤ اس اسراف وتبذیر کی بنیاد پر قائم شیطانی معاشرے کو ملک سے باہر کرو، جب تک ان باتوں پر عمل نہیں کیا جائے گا اسلامی ترقی کا خواب کبھی شرمندۂ تعبیر نہ ہوگا۔

اللھم اھد قومی فانھم لا یعلمون

[جمادی الثانیہ ۱۳۹۱ھ۔ اگست ۱۹۷۱ء]

امت محمدیہ اور فتنے

حضرت رسالت پناہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (فداہ آباءنا وأمهاتنا) نے ایک حدیث میں فرمایا تھا کہ" میں دیکھ رہا ہوں کہ تمہارے گھروں میں فتنے ایسے آرہے ہیں جیسے بارش کے قطرے برستے ہیں"(۱) عہد نبوت کے دور مبارک کے کچھ عرصہ بعد سے ہی ان فتنوں کا دور شروع ہوا ہے اور ہمیشہ مومنین ومخلصین کا امتحان ہوتا رہا ہے، لیکن عہد نبوت کے قرب کی وجہ سے ایمان اتنا قوی رہا کہ زیادہ تر فتنوں کا دائرہ صرف "عمل" تک محدود رہا، دلوں کا یقین بڑی حد تک محفوظ رہا لیکن عہد نبوت سے جتنا بعد ہوتا گیا، ایمان ویقین میں بھی ضعف رونما ہونے لگا، یہاں تک کہ عصر حاضر میں تو دنیائے اسلام کے گوشے گوشے میں فتنوں کا ایک "سیلاب" امڈ آیا ہے، علمی، عملی، دینی، اخلاقی، معاشرتی، تمدنی، اتنے فتنے ظاہر ہو چکے ہیں کہ عقل حیران ہے اور حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا وہ ارشاد:

"لتتبعن سنن من كان قبلكم ذرا عاً بذراع وشبراً بشبر حتى لو دخل أحدهم جحر ضب لد خلتموه".(۲)

یعنی تم بھی پہلی امتوں یہود ونصاریٰ اور مشرکین کے نقش قدم پر چل کر رہو گے اور ان کے اتباع میں اتنا غلو ہو جائے گا کہ اگر بالفرض کوئی گوہ کے سوراخ میں گھسا ہے تو تم بھی اس میں ضرور داخل ہو گے، یعنی فضول و لایعنی اور عبث حرکات میں بھی ان کا اتباع کرو گے۔

آج جب ہم دنیائے اسلام کا جائزہ لیتے اور مسلمانوں کے تمدن ومعاشرت کو دیکھتے ہیں تو حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس حدیث کی پوری تصدیق ہو جاتی ہے، مسلمانوں کے موجودہ معاشرے کو جب دیکھتے ہیں خصوصاً بلاد عربیہ اسلامیہ کا جب جائزہ لیتے ہیں تو بے حد افسوس ہوتا ہے کہ بمشکل کوئی خدوخال ایسا نظر آتا ہے جس سے یہ اندازہ ہو سکے کہ یہ مسلمان ہیں۔ "مغربیت" کے اس سیلاب میں اس طرح بہہ جانا انتہائی دردناک ہے، پھر کاش یہ مغربیت اور یورپ پرستی ظاہر تک ہی منحصر ہوتی، اب تو یہ زہر ظاہر سے تجاوز کر کے باطن تک سرایت کر چکا ہے، خیالات، افکار، نظریات، احساسات سب ہی میں یورپ کا چربہ اتارا جانے لگا ہے، مسلمان ملکوں کی یہ تباہی و بربادی دیکھ کر بہت دکھ ہوتا ہے، ستم بالائے ستم یہ ہے کہ "قومیت" کی لعنت اس تیزی سے ابھر رہی ہے کہ الأمان الحفیظ، اللہ تعالیٰ رحم فرمائیں، نہ معلوم اس آغاز کا انجام کیا ہوگا؟

---

(۱) مسند احمد بن حنبل، حدیث اسامہ بن زید ج:۵ ص:۲۰۸، ط: عالم الکتب بیروت

(۲) صحیح البخاری، کتاب الاعتصام، باب قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم لتتبعن سنن من كان قبلكم ج:۲ ص:۱۰۸۸، ط: قدیمی

سب سے بڑا المیہ یہ ہے کہ مغربیت کے ان زہریلے اثرات سے ''حرمین شریفین'' بھی محفوظ نہیں ہے لڑکیوں کی تعلیم جبری ہوچکی ہے، تھیٹر کی بنیاد پڑ چکی ہے، ٹیلی ویژن جدہ، مکہ، مدینہ تک آ گیا ہے اور اس دردناک صورت میں کہ مدینہ منورہ میں ٹیلیویژن کا افتتاح کسی امریکی فلم سے کیا گیا ہے انا للہ! مسجد نبوی کے بالکل سامنے ٹیلی ویژن لگا ہوا ہے، نماز عشاء کے بعد جب لوگ نماز سے فارغ ہوکر آتے اور صلاۃ وسلام کا تحفہ بارگاہ قدس میں پیش کر کے نکلتے ہیں تو دلوں میں جو رقت و نور پیدا ہوتا ہے، ٹیلی ویژن کی ظلمتیں اس کو یکسر ختم کر دیتی ہیں اس سے بھی بڑھ کر دردناک واقعہ یہ ہے کہ ''غزوہ بدر کبریٰ'' کا ڈرامہ خاص مکہ مکرمہ میں ''عبداللہ بن الزبیر'' کے مدرسہ میں طلبہ کے ذریعے کھیلا گیا ہے، ۱۷ر رمضان المبارک دوشنبہ کی رات میں اس کا اہتمام کیا گیا ہے، مکہ مکرمہ کے بہت سے شرفاء و معززین نے یہ ڈرامہ دیکھا ہے، طلبہ نے حضرت سعد بن معاذ، حضرت مقداد بن الاسود، حضرت عباس بن عبدالمطلب، حضرت حکیم بن حزام، ابوجہل، ولید بن المغیرۃ کے کردار ادا کئے ہیں، اس ڈرامہ میں بار بار حضرت مقداد، حضرت بلال کو پردے کے پیچھے بھیجا جاتا ہے کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کر کے آئیں کہ ان کی کیا رائے ہے؟ ستم یہ ہے کہ یہ ڈرامہ مکہ مکرمہ کے تمام اخبارات میں دیکھنے والوں اور دکھانے والوں کی تصویروں کے ساتھ شائع ہوا ہے اور تمام جرائد و اخبارات اس رسوا کن ڈرامہ کی تعریف میں رطب اللسان ہیں۔

اس وقت جریدہ ''الندوۃ'' شمارہ ۱۸ر رمضان المبارک ۱۳۸۷ھ کی یہ کٹنگ میری سامنے ہے بعض دیکھنے والوں کا تو یہ کہنا ہے کہ اس سے کہیں زیادہ دردناک پہلو اس ڈرامہ کا یہ تھا کہ ڈرامہ کی روح یہ تھی کہ صحابہ کرام کی زندگی ابتداء اسلام میں اسی طرح بسر ہوتی تھی کہ کفار کے قافلوں کو لوٹ کر اپنا گذارہ کریں، انا للہ وانا الیہ راجعون

''چو کفر از کعبہ برخیزد کجا ماند مسلمانی''

اسلام اور تاریخ اسلام کے خلاف امریکہ اور یورپ کے شیاطین جو کام خود نہ کر سکے تھے وہ مسلمانوں سے کرادیا، فیاعربة الاسلام و یاغربة المسلمین۔ حرمین شریفین کے وہ علماء اور نجد و ریاض کے وہ مشائخ جن پر امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا دارومدار ہے اور انہی کے فتاویٰ کی پورے ملک میں وقعت ہے بلکہ دینی ذمہ داری اور شرعی احتساب کا دارومدار انہی پر ہے وہ یہ کہہ کر خاموش ہوجاتے ہیں کہ حکومت کی سیاسی مصالح اس تمدن و تہذیب کے اپنانے کی مقتضی ہیں ہم کچھ نہیں کر سکتے یا کچھ نہیں کہہ سکتے:

لمثل هذا يذوب القلب عن كمد
ان كان فى القلب اسلام و ايمان!

ان فتنوں کو دیکھ کر، خصوصاً منبع وحی اور مرکز ایمان، ان بقاع مقدسہ، کے فتنوں کو دیکھ کر یقین ہوتا جارہا ہے کہ ''قیامت کبریٰ'' اب بالکل قریب آ چکی ہے۔ اصلاح کی کوئی امید نظر نہیں آتی اللہ تعالیٰ رحم فرمائیں، انتہائی درد و تشویش اس کی ہے کہ حجاج کرام اور زائرین حرم اقدس ان حالات کو دیکھ کر کیا تاثرات اپنے دلوں میں لے کر

آئیں گے؟ یہ تو ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ کا دین قرآن وسنت ہے وہ یقیناً محفوظ ہے، صحابہ کرام کی حیات مقدسہ تاریخ اسلام کے صفحات پر عیاں اور روشن ہے، صحیح دین پر عمل کرنے والوں کی جماعتیں اور افراد بھی دنیا میں موجود ہیں لیکن بشریت کی کمزوری، نفس اور شیطان کی فریب کاری کے تحت یہ "بے علم" حجاج وزائرین ان قبیح مناظر کو دیکھنے کے بعد کیا تاثرات اختیار کریں گے؟ خدا ہی جانتا ہے، بس اللہ تعالیٰ کی ہی قدرت میں ہے کہ کوئی لطیفہ غیبی ظاہر ہو اور دینی انقلاب آجائے، وما ذلك على الله بعزيز۔

مسلمان کسے کہتے ہیں؟

"الرحیم" شمارہ ۸، ج ۵، بابت ماہ رمضان ۱۳۸۷ھ کے "شذرات" پڑھ کر افسوس ہوا کہ مولانا غلام مصطفیٰ صاحب جیسے عالم دین کی "ادارت" میں اور جناب ڈاکٹر عبدالواحد حالی پوتا کی "نگرانی" میں ایسی کھوکھلی باتیں لکھی گئی ہیں؟ تعجب ہے امام ابو یوسف کی "کتاب الخراج" سے صحیحین کی مشہور اور معروف حدیث کا ترجمہ نقل کیا ہے اور اس سے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ اسلام صرف یہ ہے کہ "جو شخص بھی مسلمانوں کی طرح نماز پڑھے اور مسلمانوں کا ذبیحہ کھائے وہ مسلمان ہے۔" اور پھر اس حدیث کو امام ابو یوسف رحمہ اللہ کا فتویٰ بتلایا ہے کہ امام موصوف نے اسلام کی یہی تعریف کی ہے، بعد ازاں اس تحقیق سے یہ نتیجہ برآمد کیا ہے کہ جب مدار اسلام اتنی ہی بات پر ہے تو موجودہ نام کے اسلامی فرقوں میں یہ "وحدت" اگر موجود ہے تو پھر کسی ایک فرقہ کو دوسرے فرقہ کی تکفیر کا حق نہیں ہے سب ہی مسلمان ہیں، نیز حکومت کو چاہئے کہ وہ ایسا قانون بنائے کہ پاکستان کے سب فرقے مسلمان ہیں ان میں سے کسی کے کفر کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا، ایسی صورت میں کوئی بھی اہل حق کسی بھی اہل باطل کو "کافر" کہنے کا قانوناً مجاز نہیں۔

اگر کہیں محترم مقالہ نگار کی نظر صحیح مسلم کی حدیث "من قال لا اله الا الله دخل الجنة"(۱) پر پڑ جاتی تو ان کے لئے معاملہ اس سے بھی زیادہ آسان ہو جاتا یعنی وہ کہہ دیتے کہ بس سارا اسلام یہی ہے کہ جو کوئی زبان سے "لا اله الا الله" کہہ دے وہ مسلمان ہے، لیجئے سارا جھنجھٹ ہی ختم ہوا، افسوس کہ "دینی حقائق" پر لکھنے والے اور "دینی مجلوں" میں لکھنے والے ایسے حضرات؟ پھر "علمی مجلوں" میں اس قسم کی تحقیقات؟ حیرت انگیز نہیں تو کیا ہے؟

کیا صحیح بخاری اور صحیح مسلم اور ان کے علاوہ کتب حدیث کی مستند و مشہور حدیث ابن عمر رضی اللہ عنہ "بنی الاسلام علی خمس، شهادة أن لا اله الا الله، وأن محمدا رسول الله، واقام الصلاة

(۱) الصحيح لمسلم باب الدليل على ان من مات على التوحيد دخل الجنة قطعاً، ج: ۱، ص: ۴۱، ط: قديمي، ايضاً كتاب الصلوة، باب استحباب القول مثل قول المؤذن لمن سمعه، ج: ۱، ص: ۱٦٧، ط: قديمي

وايتاء الزكاة، وصوم رمضان ،والحج"(۱) نظر سے نہیں گذری؟ اور صحیح بخاری وصحیح مسلم کی وہ حدیث جس میں حضرت صدیق اکبرؓ فرماتے ہیں:"والله لأقاتلن من فرق بين الصلاة والزكاة" اوراس کے بعد یہ فرمایا" والله لومنعونى عناقاًكانوا يؤدونه الى رسول الله صلى الله عليه وسلم لقاتلتهم". (۲) کیوں نظر نہیں آئی؟ تمام کے تمام ذخیرہ حدیث کو نظر انداز کر کے صرف ''کتاب الخراج'' کی ایک حدیث کو مدار استدلال بنا کر فیصلہ کر دینا، کیا یہی علمی تحقیق اور دیانت ہے؟ حدیث نبوی علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اس طرح ''بازیچۂ اطفال'' بنانا کتنا افسوسناک امر ہے، نہ صرف یہ بلکہ اسی بنیاد پر اپنے دلوں کی بھڑاس نکالنا اور حکومت کو مشورہ دینا کہ وہ ایسا قانون بنائے اور نافذ کرے کہ کوئی کسی کافر کو بھی کافر نہ کہہ سکے، اس کا مطلب تو یہ ہوا کہ قرآن کریم میں سے ایمان وکفر سے متعلق آیتوں کو بھی نکال دینا چاہئے جن آیات میں "اولئك هم الكافرون حقّا" وغیرہ آیا ہے ان سب کو حذف کر دینا چاہئے، اگر ایمان وکفر دو حقیقتیں ہیں، جنت بھی ہے دوزخ بھی ہے، تو کفر کے وجود سے استبعاد وانکار کے کیا معنی؟ اتنا بھی غور نہیں کیا گیا کہ علماء دین اگر حفاظت دین کی خاطر کسی'' کافر'' کے کفر کا ''اظہار کرتے ہیں تو یہ ان کے دینی منصب کا تقاضا ہے وہ خود کسی کو کافر نہیں بناتے، بلکہ وہ تو ایک کافر کو کافر بتاتے ہیں، پھر حکومت کو مشورہ دینا کہ تکفیر کو ممنوع قرار دیا جائے اس سے بہتر تو یہ ہے کہ یہ مشورہ دیا جائے کہ حکومت پاکستان کو سیکولر اسٹیٹ بنا دیا جائے اور پاکستان کو لادینی مملکت قرار دے دیا جائے، لیکن مقالہ نگار خوب جانتے ہیں کہ سیکولر اسٹیٹ سے ان کا منشاء پورا نہیں ہوتا کیونکہ سیکولر اسٹیٹ میں ہر ہر شخص اپنے مسلک اور مذہب پر عمل کرنے کا مجاز ہوتا ہے اور خود حکومت کا کوئی مذہب نہیں ہوتا، تمام اہل ملک کو مذہبی آزادی ہوتی ہے وہ تو پاکستان کو اس سے بھی آگے دیکھنا چاہتے ہیں کہ کسی کو بھی اس سرزمین پر مذہب پر عمل کرنے کا موقع ہی نہ دیا جائے، یہ بات تو لندن وامریکہ میں بھی نہیں ہے البتہ روس کی مملکت کی یہ خصوصیت ضرور ہے کہ وہاں کوئی بھی مذہب برداشت نہیں کیا جاسکتا، لہذا محترم مقالہ نگار کے مشورے کا صاف مطلب یہ ہے کہ وہ حکومت کو کمیونسٹ بنانے کا مشورہ دے رہے ہیں بہت ممکن ہے کہ موصوف کی ضمیر کی آواز یہی ہو لیکن وہ اپنے مطلب کو ذرا عنوان بدل کر ''در حدیث دیگراں'' کے طور پر اس طرح کہنا چاہتے ہیں کہ مسلمانوں کو محسوس نہ ہو سکے۔

اللہ تعالیٰ اس ملک پر رحم فرمائیں اور مشیران سوء سے حکومت کو بچائیں، اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ مملکت کا بڑا طبقہ دین اسلام کا حلقہ بگوش ہے اور اسلام کے نام پر ہی یہ مملکت وجود میں آئی ہے، صدر مملکت کا مسلمان ہونا

---

(۱) صحیح البخاری،کتاب الایمان ج:۱ ص:٦،ط:قدیمی.الصحیح لمسلم،کتاب الایمان،باب بیان ارکان الاسلام ج:۱ ص:۳۲،ط:قدیمی

(۲)صحیح البخاری.کتاب الزکوۃ،باب وجوب الزکاۃ ج:۱ ص:۱۸۸،ط:قدیمی.الصحیح لمسلم، کتاب الایمان،باب الامر بقتال الناس...ج:۱ ص:۳۷،ط:قدیمی

وایتاء الزکاۃ، وصوم رمضان ،والحج"(۱) نظر سے نہیں گذری؟ اور صحیح بخاری وصحیح مسلم کی وہ حدیث جس میں حضرت صدیق اکبرؓ فرماتے ہیں: "واللہ لأقاتلن من فرق بین الصلاۃ والزکاۃ" اور اس کے بعد یہ فرمایا" واللہ لومنعونی عناقاًکانوا یؤدونہ الی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لقاتلتھم". (۲) کیوں نظر نہیں آئی؟ تمام کے تمام ذخیرۂ حدیث کو نظر انداز کر کے صرف ''کتاب الخراج'' کی ایک حدیث کو مدار استدلال بنا کر فیصلہ کر دینا، کیا یہی علمی تحقیق اور دیانت ہے؟ حدیث نبوی علیہ الصلوۃ والسلام کو اس طرح ''بازیچۂ اطفال'' بنانا کتنا افسوسناک امر ہے، نہ صرف یہ بلکہ اسی بنیاد پر اپنے دلوں کی بھڑاس نکالنا اور حکومت کو مشورہ دینا کہ وہ ایسا قانون بنائے اور نافذ کرے کہ کوئی کسی کافر کو بھی کافر نہ کہہ سکے، اس کا مطلب تو یہ ہوا کہ قرآن کریم میں سے ایمان وکفر سے متعلق آیتوں کو بھی نکال دینا چاہئے جن آیات میں "اولئك ھم الکافرون حقًا" وغیرہ آیا ہے ان سب کو حذف کر دینا چاہئے، اگر ایمان وکفر دو حقیقتیں ہیں، جنت بھی ہے دوزخ بھی ہے، تو کفر کے وجود سے استبعاد وانکار کے کیا معنی؟ اتنا بھی غور نہیں کیا گیا کہ علماء دین اگر حفاظت دین کی خاطر کسی ''کافر'' کے کفر کا ''اظہار کرتے ہیں تو یہ ان کے دینی منصب کا تقاضا ہے وہ خود کسی کو کافر نہیں بناتے، بلکہ وہ تو ایک کافر کو کافر بتاتے ہیں، پھر حکومت کو مشورہ دینا کہ تکفیر کو ممنوع قرار دیا جائے اس سے بہتر تو یہ ہے کہ یہ مشورہ دیا جائے کہ حکومت پاکستان کو سیکولر اسٹیٹ بنا دیا جائے اور پاکستان کو لادینی مملکت قرار دے دیا جائے، لیکن مقالہ نگار خوب جانتے ہیں کہ سیکولر اسٹیٹ سے ان کا منشاء پورا نہیں ہوتا کیونکہ سیکولر اسٹیٹ میں ہر ہر شخص اپنے مسلک اور مذہب پر عمل کرنے کا مجاز ہوتا ہے اور خود حکومت کا کوئی مذہب نہیں ہوتا، تمام اہل ملک کو مذہبی آزادی ہوتی ہے وہ تو پاکستان کو اس سے بھی آگے دیکھنا چاہتے ہیں کہ کسی کو بھی اس سرزمین پر مذہب پر عمل کرنے کا موقع ہی نہ دیا جائے، یہ بات تو لندن وامریکہ میں بھی نہیں ہے البتہ روس کی مملکت کی یہ خصوصیت ضرور ہے کہ وہاں کوئی بھی مذہب برداشت نہیں کیا جا سکتا، لہذا محترم مقالہ نگار کے مشورے کا صاف مطلب یہ ہے کہ وہ حکومت کو کمیونسٹ بنانے کا مشورہ دے رہے ہیں بہت ممکن ہے کہ موصوف کی ضمیر کی آواز یہی ہو لیکن وہ اپنے مطلب کو ذرا عنوان بدل کر ''درحدیث دیگراں'' کے طور پر اس طرح کہنا چاہتے ہیں کہ مسلمانوں کو محسوس نہ ہو سکے۔

اللہ تعالیٰ اس ملک پر رحم فرمائیں اور مشیران سوء سے حکومت کو بچائیں، اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ مملکت کا بڑا طبقہ دین اسلام کا حلقہ بگوش ہے اور اسلام کے نام پر ہی یہ مملکت وجود میں آئی ہے، صدر مملکت کا مسلمان ہونا

---

(۱) صحیح البخاری،کتاب الایمان ج:۱ص:٦،ط:قدیمی.الصحیح لمسلم،کتاب الایمان،باب بیان ارکان الاسلام ج:۱ ص:۳۲،ط:قدیمی

(۲)صحیح البخاری.کتاب الزکوۃ،باب وجوب الزکاۃ ج:۱ص:۱۸۸،ط:قدیمی.الصحیح لمسلم، کتاب الایمان،باب الامر بقتال الناس...ج:۱ص:۳۷،ط:قدیمی

بھی ضروری ہے لہذا دعا ہے کہ اللہ تعالی صدر مملکت کو صحیح اسلام پر چلنے کی توفیق عطا فرمائیں اور حقیقی اسلامی قانون کی تنفیذ کی توفیق ان کی رفیق کار ہو اور اسلام کے صحیح خدوخال اس ملک میں نمایاں ہوں اور ملاحدہ و زنادقہ ذلیل وخوار ہوں، نیز کمیونسٹوں اور امریکہ و برطانیہ کی سازشوں سے یہ مملکت محفوظ رہے۔

امت مرحومہ اور فتنے

حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ امت مرحومہ رحمۃ للعالمین کی برکت سے اگرچہ بہت سے ان عمومی امراض اور عمومی عذاب سے نجات پا چکی ہے جن میں پہلی امتیں مبتلا ہوئی ہیں لیکن اس کے باوجود مومنین کے ایمانی امتحان کے لئے اس امت کے ہر دور میں فتنوں کا ایک مسلسل تکوینی نظام جاری ہے حتی کہ ''فتنہ'' نام ہی آزمائش کا ہوگیا اور جب بھی کوئی فتنہ عالمگیر صورت اختیار کر لیتا ہے تو روئے زمین کے تمام مخلصین وصالحین کے قلوب بھی اس سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہتے اگرچہ وہ عملی طور پر اس سے بطرح محفوظ رہتے ہیں تاہم اعتقادی طور پر ان میں وہ ایمانی قوت وشدت باقی نہیں رہتی جو پہلے ہوتی ہے، یہی وجہ ہے کہ عہد نبوت سے جتنا بعد ہوتا جاتا ہے ان فتنوں کی اتنی ہی کثرت ہوتی جاتی ہے اور اسی نسبت سے ایمانوں میں ضعف نمایا ہوجاتا ہے، جب بارشیں کثرت سے ہوجاتی ہیں تو ساری ہی فضا اور ہوا مرطوب اور نم ہوجاتی ہے اور جہاں جہاں ہوا کا نفوذ ہوتا ہے رطوبت اور نمی سرایت کر جاتی ہے، دیکھا ہوگا کہ برسات کے موسم میں بارش کی کثرت سے بکسوں کے اندر بند لپٹے ہوئے کپڑوں میں بھی نمی پہنچ جاتی ہے ٹھیک اسی طرح فسق وفجور اور بداعمالی کے فتنوں کے دور میں صالحین کے قلوب بھی ان سے متاثر ہوجاتے ہیں اور حدیث نبوی علیہ الصلوۃ والسلام:

''اللهم اذا أردت بقوم فتنة فاقبضنى اليك غير مفتون''(۱)

الٰہی! جب تو کسی گروہ کو کسی فتنہ (آزمائش) میں ڈالنا چاہے تو مجھے (اس سے پہلے ہی) فتنہ (آزمائش) کے بغیر اپنے پاس اٹھالے۔

میں شاید اسی مضمون کی طرف اشارہ ہو۔

فتنوں کی قسمیں

ہر دور میں فتنوں کی مختلف صورتیں رہی ہیں لیکن بنیادی طور پر فتنے دو قسم کے ہوتے ہیں:

① ایک عملی فتنے ② دوسرے علمی فتنے

---

(۱) سنن الترمذی، ابواب التفسير، سورة ص، ج:۲ ص:۱۵۹، ط: قديمى. موطا الامام مالك، كتاب القرآن، باب العمل فى الدعاء ج:۱ ص:۲۲۰، ط: قديمى

عملی فتنے

گناہوں کی مختلف قسمیں ہوتی ہیں جو امت میں عام ہوجاتی ہیں، زنا اور شراب کی کثرت، سودخوری ورشوت ستانی، بے حیائی وعریانی، رقص وسرود، اس کے نتیجہ میں استبداد، کذب وافترا، بدعہدی وبدمعاملگی وغیرہ یہ اخلاقی بیماریاں جو معاشرہ میں پیدا ہوجاتی ہیں ان کے مختلف اور متنوع وجوہ واسباب ہوتے ہیں، بہرصورت ان بداخلاقیوں اور بداعمالیوں کے اثرات نماز، روزہ، زکاۃ، حج وغیرہ سارے ہی اعمال صالحہ پر پڑتے ہیں جتنی ان برائیوں میں کثرت وہمہ گیری پیدا ہوتی ہے اتنی ہی ان نیکیوں میں ضعف واضمحلال اور کمی آجاتی ہے۔

علمی فتنے

علمی فتنے وہ ہوتے ہیں جو علوم وفنون کی راہ سے آتے ہیں، تاریخ اسلام میں ان علمی فتنوں کی مختلف صورتیں رہی ہیں، بہرصورت ان علمی فتنوں کا اثر براہ راست اعتقاد پر پڑتا ہے، ان فتنوں میں سب سے زیادہ خطرناک فتنہ باطنیہ کا تھا جو قرامطہ کے دور میں ابھرا اور خوب پھلا پھولا، اس فتنہ کا سب سے بڑا اور برا نتیجہ یہ نکلا کہ دین میں الحاد وتحریف کا دروازہ کھل گیا اور اسلامی حقائق ضروریات دین، متواتراتِ اسلام، بنیادی عقائد واعمال، مجمع علیہ شعائر اسلام میں تاویلوں اور تحریفوں کے دروازے کھل گئے۔

اس آخری دور میں یہ فتنہ بہت بڑے پیمانے پر تمام اسلامی ممالک میں یورپ سے درآمد ہونا شروع ہوا اور مستشرقین یورپ نے تو اس کو ایسا اپنا نصب العین بنالیا کہ درس وتدریس، تصنیف وتالیف، نشر واشاعت، تحقیق وریسرچ غرض ہر دلکش اور پرفریب عنوان سے اس کے پیچھے پڑ گئے، اپنی زندگیاں اس کے لئے وقف کردیں اور اسلام سے انتقام لینے کا اس کو ایک ''کارگرترین حربہ'' قرار دے لیا، یہاں تک کہ جو طلبہ اسلامی ممالک سے پی، ایچ، ڈی کی ڈگریاں حاصل کرنے کی غرض سے یورپین ممالک کا سفر کرتے ہیں، ان درس گاہوں میں ان طلبہ سے ''اسلامی موضوعات'' پر ایسے مقالات ومضامین لکھواتے ہیں کہ وہ مسلمان طلبہ بھی اسلامی معتقدات کے بارے میں کم از کم ''تشکیک'' کے اندر ضرور مبتلا ہوجاتے ہیں، یہ وہ دردناک داستانیں ہیں جن کی تفصیل کے لئے بے پایاں دفتر درکار ہیں، ''مجمع الزوائد'' میں حافظ نورالدین ہیثمی نے بحوالہ ''معجم طبرانی'' ایک حدیث بروایت عصمۃ بن قیس سلمی صحابی نقل کی ہے:

''انه كان يتعوذمن فتنة المشرق، قيل ،فكيف فتنة المغرب؟ قال:''تلك اعظم واعظم''(۱)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فتنہ مشرق سے پناہ مانگا کرتے تھے، آپؐ سے دریافت کیا گیا کہ مغرب میں

(۱)مجمع الزوائد،كتاب الفتن،باب التعوذمن الفتن ج:۷ص:٤٤٩،ط:دار الفكر بيروت

بھی فتنہ ہوگا؟ آپ نے فرمایا کہ وہ تو بہت ہی بڑا ہے، بہت ہی بڑا ہے۔

یقین سے تو نہیں کہا جاسکتا کہ آپ کی مراد فتنہ مغرب سے کیا ہے، ہوسکتا ہے کہ سقوط اندلس کی طرف اشارہ ہو کہ وہاں اسلام کا پورا بیڑہ ہی غرق ہوگیا اور نام کا مسلمان بھی کوئی اس ملک میں نہ رہا، تمام ملک پر کفر کا استیلاء ہوگیا، لیکن ہوسکتا ہے کہ بلاد مغرب کے اس ''فتنہ استشراق'' کی طرف بھی اشارہ ہو کہ الحاد و تحریف کا یہ فتنہ مغربی دروازوں سے ہی تمام دنیا کے مسلمان ملکوں میں داخل ہوگا جو سب فتنوں سے زیادہ خطرناک اور عالمگیر ہوگا، بہرحال الفاظ حدیث کے عموم میں تو یہ داخل ہے ہی۔

فتنوں کا انسداد

الغرض اس دور میں یہ علمی و عملی فتنے پورے زور و شور اور طاقت و قوت کے ساتھ اسلامی ممالک میں پھیل رہے ہیں، ہمارا ملک نسبتاً ان سے مامون و محفوظ تھا لیکن کچھ تو جدید تعلیم کے اثرات سے، کچھ مستشرقین کی دسیسہ کاریوں سے نیز مواصلات کی آسانیوں سے اور مال و دولت کی فراوانی سے اب تو یہ کچھ بعید نہیں کہ اس معاملہ میں دوسرے ممالک سے گوئے سبقت لے جائے۔

عرصہ سے جب بھی ان حالات کا جائزہ لیا گیا اور صورت حال پر غور و خوض کیا گیا کہ اس سیلاب کی روک تھام کے لئے یا عمومی اصلاح احوال کے لئے کون کون سے افراد یا جماعتیں کام کر رہی ہیں؟ اور یہ فرض کفایہ انجام پذیر ہو رہا ہے یا نہیں؟ اور یہ دینی درس گاہیں جو پشاور سے لے کر چاٹگام تک پھیلی ہوئی ہیں یہ موجودہ ہمہ گیر امراض کے لئے ''نسخہ شفا'' ہیں یا نہیں؟ جب بھی پورا جائزہ کامل غور و خوض سے لیا گیا نتیجہ یہی نکلا کہ ''مرض کا پورا علاج نہیں ہو رہا'' حضرت مولانا محمد الیاس اور ان کے خلف رشید حضرت مولانا محمد یوسف رحمہما اللہ کی جماعت جس کا بعد میں جاکر ''تبلیغی جماعت'' نام پڑ گیا ہے سب جماعتوں سے بہتر خدمت انجام دے رہی ہے اور اس کے برکات دور دراز تک پہنچ رہے ہیں اور معاشرے میں جو عملی فتنے پیدا ہو رہے ہیں ان کے ازالہ کے لئے ''اکسیری علاج'' کا کام کر رہی ہے۔ لیکن موجودہ حالات میں انقلاب برپا کرنے اور مکمل اصلاح احوال کے لئے جس عمومی اور ہمہ گیر جد و جہد کی ضرورت ہے ابھی تک اس معیار پر کام نہیں ہو رہا، بایں ہمہ اگر یہ جماعت پھیلاؤ، عموم اور مزید توجہ و اہتمام کے ساتھ بھی یہ خدمت انجام دینے لگے، تب بھی اس کا دائرہ کار ''عملی فتنوں'' کی اصلاح تک محدود رہے گا۔ ''علمی فتنے'' اس جماعت کے دائرہ اصلاح سے بالکل باہر ہیں۔

اس لئے آرزو تھی کہ کوئی جماعت ایسی جامع ہو کہ علمی اور عملی دونوں قسم کے فتنوں کی اصلاح کی طرف قدم اٹھائے لیکن اس کا تانا بانا اسی تبلیغی جماعت کے طریق کار پر رکھا جائے کہ نہ اس کا کوئی صدر و سیکرٹری ہو نہ کہیں اس کا دفتر ہو نہ خزانہ ہو۔

اس سلسلہ میں حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب دامت برکاتہم سے مختلف اوقات میں گفتگو ہوتی رہی اور ہم دونوں اس نتیجہ پر پہنچے کہ جو دینی درسگاہیں ہم چلا رہے ہیں اگر چہ وہ بھی ایک ٹھوس اور بنیادی خدمت ہے اور دہریت کے سیلاب کے دفاع کے لئے اس کے علاوہ اور کوئی چارہ کار بھی نہیں ہے لیکن بحالت موجودہ ہماری مسئولیت اس پر ہی ختم نہیں ہو جاتی بلکہ اس سے زیادہ محنت اور وسعت کے ساتھ کام کرنے کی ضرورت ہے اور جب تک ان علمی اور عملی فتنوں کے دفاع کے لئے اپنے اپنے ''مدرسہ'' اور دارالعلوم میں جتنی اہمیت و توجہ کے ساتھ کام نہ کیا جائے گا یہ مقصد انجام پذیر نہ ہوگا اور ہم مسئولیت سے سبکدوش نہ ہوں گے۔

کام کی وسعت اور ہمہ گیری اور اسکے مقابلہ پر اپنی کم ہمتی اور اس سے بھی زیادہ کوتاہ دستی کی طرف جب نظر جاتی تھی تو حوصلہ پست ہو جاتا، لیکن جتنا سوچا آخرت کی مسئولیت اور جواب دہی کا احساس شدت کے ساتھ بڑھتا رہا تا اینکہ بہر صورت پہلوتہی اور روگردانی کی کوئی گنجائش نہ رہی اور عزم مصمم کر لینے کے سوا کوئی چارۂ کار نظر نہ آیا تو توکلاً علی اللہ اس بے سروسامانی سے قطع نظر کر کے حضرت مفتی صاحب کی قیادت میں قدم اٹھانے کا عزم کر لیا۔

اور ہم دونوں نے چند اپنے ہمنوا اور شریک احساس علماء اور ارباب صحافت کو بالکل ''غیر رسمی'' طور پر کراچی میں جمع کر کے اس جماعت کا ایک ابتدائی ڈھانچہ تیار کر لیا جس کی تفصیلات حضرت مفتی محمد شفیع صاحب کی افتتاحی تقریر، اس جماعت کے اغراض و مقاصد، نظام اور طریق کار میں آپ ملاحظہ فرمائیں:۔

مجلس دعوت و اصلاح کا قیام

علماء کے اجتماع میں حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب کی افتتاحی تقریر

اہلِ علم اور اہلِ دین کو یہ بتلانے کی ضرورت نہیں کہ اس وقت مسلمان اپنی غیر معمولی عددی اکثریت اور بہت سی آزاد و خود مختار سلطنتوں کے مالک ہونے کے باوجود کن دل دوز حالات سے گذر رہے ہیں، دینی، علمی، اخلاقی، معاشرتی، اقتصادی اور سیاسی جس حیثیت سے بھی پوری مسلم قوم کا جائزہ لیا جائے تو ایک ایسا بھیانک منظر سامنے آ جاتا ہے کہ اس کے عواقب کے تصور سے روح کانپ اٹھتی ہے۔

﴿ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَ الْبَحْرِ بِمَا كَسَبَتْ أَيْدِي النَّاسِ﴾ [الروم:۴۱]

(ظاہر ہو گیا فساد خشکی اور تری میں لوگوں کے اپنے اعمال کی وجہ سے)

پنبہ کجا کجا نہم تن ہمہ داغ داغ شد

ہمارے اپنے ملک میں ہماری آنکھوں کے سامنے عیسائی مشنریوں نے پورے ملک پر یلغار کی ہوئی ہے، طرح طرح کے لالچوں اور مختلف حیلوں سے بڑی تیزی کے ساتھ لوگوں کو دین حق سے مرتد بنا رہے ہیں۔

دوسری طرف مسلمانوں کی صفوں میں کچھ ایسے عناصر پیدا ہو گئے ہیں جو اصلی اسلام کو مسخ و محرف کر کے

اپنی اغراض واہواء کے مطابق ''اسلام کا جدید ایڈیشن'' تیار کرنے میں ہمہ تن مصروف ہیں، ''اسلامی ریسرچ'' اور ''اسلامی ثقافت'' کے نام پر وہ سب کچھ کیا جا رہا ہے جو ''مستشرقین'' کے اسلام دشمن حلقے اب تک نہ کر سکے تھے، ''شعائر اسلام'' کو مجروح اور اسلام کے اجماعی اور متفق علیہ اصول واحکام کو مشکوک بنانے کی ''سعی پیہم'' قوم کے لاکھوں روپے کے صرفہ سے جاری ہے۔

اس صورت حال کے نتیجہ میں بے حیائی، عریانی، رقص وسرود، بے حجابی، اغوا، بدکاری، شراب نوشی، قمار بازی، معاشرتی افراتفری اور خاندانی نظم کی ابتری کا ایک سیلاب ہے جو مسلمانوں میں امڈا چلا آ رہا ہے۔ سود، دھوکہ فریب، جعلسازی اور دوسرے اخلاقی معائب معاشرے کی ایمانی اور اخلاقی حس کو مضمحل سے مضمحل تر کئے جا رہے ہیں اور عام ''نظم ونسق'' کا تعطل اس حد تک شدید ہو چکا ہے کہ ایک عام آدمی کے لئے حصول انصاف تقریباً ناممکن ہو چکا ہے۔

یہ سیلاب مغربی تہذیب کے گہواروں سے شروع ہوا اور اب دیندار مسلمانوں تک کے گھروں میں گھس چکا ہے اور اکابر علماء واتقیاء کے دروازوں پر دستک دے رہا ہے اور یہ بات یقینی دکھائی دے رہی ہے کہ اگر اس سیلاب کو روکنے کی جدوجہد میں اہل حق نے اپنے تمام وسائل داؤ پر نہ لگا دیئے تو چند سالوں کے بعد بلاکت آفرین طوفان کے مقابلہ کی سکت ہی باقی نہ رہے گی۔

دینی درسگاہوں اور اداروں کی اول تو کوئی معتد بہ تعداد ہی نہیں اور جو ہیں وہ بھی کسمپرسی کے عالم میں ہیں اور جو کچھ کام کر رہے ہیں ان کا بھی حلقہ اعانت وہمدردی روز بروز سمٹ رہا ہے، اسی لئے ان اداروں کے اثرات مدھم سے مدھم تر ہوتے جا رہے ہیں اور ان اداروں سے اب ایسی شخصیتیں نہیں ابھر رہیں جو الحاد وزندقہ اور ضلالت جدیدہ کے علی الرغم ''علم اسلام'' کو ہمت وجرأت سے بلند کر سکیں اور دعوت الی اللہ کے تقاضے کو پورا کر سکیں، اس کی بڑی وجہ یہ ہے کہ دینی درسگاہوں اور اداروں میں بھی فکر آخرت سے زیادہ جاہ ومال کی طلب غالب ہونے لگی ہے اور روحانی قدروں پر مادیت غالب آتی جا رہی ہے۔

ان حالات میں نگاہیں بار بار ان چند اصحاب فکر وعمل کی جانب اٹھتی ہیں جو ماحول کی نامساعدت کے علی الرغم عند اللہ مسئولیت کا احساس رکھتے ہیں جن کی نظریں ان فتنوں پر بھی ہیں جن کی نشاندہی ابھی کی گئی ہے اور جو اپنی اپنی حد تک ادائیگی فرض میں کوشاں بھی ہیں۔

ان حضرات کی اکثریت دینی اداروں سے متعلق ہے کچھ دینی تعلیمی اداروں کو چلا رہے ہیں اور کچھ تصنیف وتالیف، افتاء اور اپنے افکار کی نشر واشاعت نیز لادینی، الحاد وتجدد کی تردید میں مصروف ہیں، بلاشبہ ان حضرات کی تعداد بہت کم ہے لیکن اگر ان کی مساعی حسنہ کو منظم کر لیا جائے تو یہ امید بندھتی ہے کہ اس الحاد وبے دینی اور اشاعت فواحش ومنکرات کے سیلاب کا مقابلہ کیا جا سکتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی رحمت سے کچھ بعید نہیں کہ ہمارے

ضعف وناتوانی کو دیکھ کر وہ ان حقیر مساعی میں حالات کا رخ بدلنے کی قوت واستعداد پیدا فرمادیں۔

وما ذلك على الله بعزيز

یہاں یہ عرض کرنا بھی بے جانہ ہوگا کہ ہم دین کی خدمت کرنے والے چند ایسی الجھنوں میں بھی پھنسے ہوئے ہیں جو ہماری دینی مساعی کے ثمرآور ہونے میں مانع ہیں بلکہ بے دینی کے اس سیلاب کو ہمارے ان ''مشاغل'' سے مدد بہم پہنچ رہی ہیں۔

موانعات کے اس سلسلہ کی پہلی کڑی یہ ہے کہ دین کے نام پر کام کرنے والے بہت سے اہل علم خود فروعی مسائل پر مناظروں، مباحثوں اور ان کے نتیجہ میں جنگ وجدال کے اندر ایسے گرفتار ہیں کہ اولاً تو یہ جھگڑے انہیں یہ سوچنے کی فرصت ہی نہیں دیتے کہ اسلام اور قرآن ان کو کس محاذ پر اپنی طاقت صرف کرنے کے لئے پکار رہا ہے اور وہ کہاں اپنی توانائی ضائع کر رہے ہیں، ثانیاً الحاد وبے دینی اور تجدد پسندی اور بداعمالی وبداخلاقی کا جو طوفان پورے عالم اسلام کو اپنے لپیٹ میں لئے ہوئے ہے۔ یہ تگ ودو جو باہمی مناقشات کی صورت میں کر رہے ہیں اس طوفان سے صرف نظر کا سبب بن رہی ہے اور ہم اس کی ہلاکت وبربادی کے صحیح شعور سے ہی محروم ہوتے چلے جارہے ہیں۔

یہ صورت حال اس امر کی متقاضی ہے کہ دین کا علم اور عند اللہ مسئولیت کے قوی احساس کے تحت اس عالمگیری فساد کی اصلاح کا قومی داعیہ رکھنے والے حضرات کی دینی مساعی کو ایک ایسے اجتماعی نظم کے تحت منظم کیا جائے جو مروجہ قسم کی جماعت سازی کے بجائے اسلام کے اصول اجتماعیت ﴿تَعَاوَنُوْاعَلَى الْبِرِّ وَ التَّقْوٰى﴾ [المائدۃ: ۲] اور ﴿إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللهِ أَتْقَاكُمْ﴾ [الحجرات: ۱۳] کے تحت قائم ہو، رسمی تکلفات اور پابندیوں سے مبرا ہو اور امت میں کسی قسم کے تحزب اور تشتت کا باعث بننے کے بجائے باہمی ائتلاف واتحاد کا ذریعہ ہو۔

مگر افسوس ہے کہ میں اپنی عمر کے اس حصہ سے گذر رہا ہو کہ جس میں عادتاً سابقہ مشاغل بھی چھوڑ کر یکسوئی کی زندگی موزوں ہوتی ہے، قویٰ کا انحطاط ہے، حافظہ غائب ہوتا جارہا ہے، ایسی حالت میں کسی نئے کام کے آغاز کی کوئی صورت نہ تھی مگر اس وقت میرے محب محترم مولانا محمد یوسف صاحب بنوری نے (بارك الله فى علمه وعافيته) ہمت بندھائی اور اس کام کا بار اٹھانے کے لئے مخلصانہ جدوجہد پر کمربستہ ہوگئے، ان کا علم وفضل محتاج تعارف نہیں، اصلاح مفاسد کے لئے ان کی بے چینی کا جذبہ مجھ جیسے بوڑھے کے لئے ایک ''طاقت کا انجکشن'' بن گیا اور دونوں نے مل کر کچھ اور اہل فکر حضرات کو جمع کرنے کا پروگرام بنایا۔

یہ ظاہر ہے کہ یہ دعوت تمام رسمی تکلفات تنظیمی اور جماعتی بندھنوں سے بالاتر ہے، اسی لئے وقتی طور پر جن حضرات اہل فکر وعمل کی اسماء گرامی زیر مشورہ آئے ان کو دعوت دی گئی نہ اس میں حضرات علماء کا انحصار ہے نہ اہل

فکر وبصیرت کا بلکہ ایک کام کو سادگی کے ساتھ شروع کرنے کے لئے چند حضرات کا مشورہ اس وقت کافی سمجھا گیا، آگے اللہ تعالیٰ اس کام کو بڑھائیں اور قبول فرمائیں تو اس حلقہ کی توسیع اور دوسرے حضرات کا اشتراک واجتماع انشاء اللہ بڑھتا رہے گا۔

اس نئی مہم کو چونکہ سیاسی اور دیگر تنظیموں سے مختلف بالکل سادہ رکھنا مطلوب ہے اس لئے ابتدا میں تو خیال تھا کہ اس نظام کا کوئی خاص نام بھی نہ رکھا جائے مگر کام کی سہولت کے پیش نظر بعض حضرات کے مشورہ سے اس رائے کو ترجیح حاصل ہوئی کہ اس نظام کا نام ''مجلس دعوت واصلاح'' رکھ دیا جائے۔

مجلس دعوت واصلاح کے مقاصد

مقاصد

① الحاد وارتداد، بے دینی اور تحریف دین اور مجمع علیہ منکرات کے اسباب کے لئے زبانی اور تحریری جدوجہد۔

② مسلمانوں کے مختلف طبقات کے گروہی اختلافات کو معتدل کر کے سب کو مجمع علیہ فواحش ومحرمات اور تحریف والحاد کی مدافعت پر جمع کرنا۔

③ جدید پیش آنے والے مسائل میں انفرادی فتووں کے بجائے باہم مشورہ سے تحقیقی اور اجتماعی فیصلے پیش کرنا۔

تشریح

① الحاد وارتداد کے ذیل میں عیسائی مشنریوں کی یلغار، انکارِ حدیث، انکارِ ختم نبوت وغیرہ کے فتنے بھی شامل ہیں۔

② بے دینی اور تحریف دین کے ذیل میں ''اسلامی ثقافت'' ''اسلامی ریسرچ'' کے نام پر پیدا کئے ہوئے شکوک وشبہات جن کے ذریعہ سود، شراب، قمار، بے حیائی وغیرہ محرمات شرعیہ کے جواز کے راستے نکالے جارہے ہیں اور مغربی تہذیب وتمدن کی پیداوار منکرات مثلاً بے حجابی، بادہ نوشی، مرد وزن کا بے محابا اختلاط، عریانی فحاشی، رقص وسرود کی محفلیں، اسراف وغیرہ منکرات شامل ہیں۔

دین اور علم دین سے عام بیگانگی اور عقیدہ آخرت وفکر آخرت سے غفلت کے پیدا کردہ جرائم مثلاً جھوٹ فریب، رشوت، دھوکا دہی، جعل سازی اور ترک نماز وروزہ وغیرہ شامل ہیں۔

یہ ظاہر ہے کہ مقاصد اتنے کثیر اور وسیع ہیں کہ کوئی ایک جماعت یا ملک کا کوئی ایک حصہ ان سب کا بیک

وقت احاطہ نہیں کر سکتا، اس لئے ضروری ہے کہ پاکستان کے ہر ہر حصہ میں اہل حق کی جماعتوں کے لئے اشتراک عمل کا دروازہ کھلا رکھا جائے اور الأهم فالأهم کے قاعدے کے انتخاب اور پھر تقسیم کار کے اصول پر کام کیا جائے اور عملی قدم اٹھایا جائے اور جماعت کے چند ذمہ دار افراد اس کی تعیین کا کام کریں۔

نوعیت نظام

① یہ نظام خالصاً تبلیغی اور اصلاحی ہوگا، مروجہ سیاسی طریقوں سے بالخصوص انتخابات کے ذریعہ نمائندگی، نیز حصول اقتدار کی کشمکش میں حصہ لینے سے اس کا کوئی تعلق نہ ہوگا۔

② ملک کے حالات اور عوامی جماعتوں کے طویل تجربہ کی بنیاد پر اس نظام کے لئے کوئی رسمی قسم کی جمہوری جماعت بنانا پیش نظر نہیں جس کے لئے ممبر سازی اور عہدوں، منصبوں کی ضرورت پیش آئے بلکہ ملک کے اطراف میں جہاں جہاں جو مخلص حضرات اس کام کی فکر رکھتے ہیں وہ اپنے اپنے حلقہ اثر میں اپنے کام میں آزاد و خود مختار رہتے ہوئے اس کام کی نوعیت اور طریق کار میں ایک معاہدہ کے پابند ہوں گے جس کی تفصیل ذیل میں درج ہے، اس طرح یہ نظام ایک ''معاہداتی وفاق'' کی حیثیت رکھے گا اور عند اللہ مسئولیت کی اساس پر قائم اور جاری رہے گا۔

اس نظام کے شرکاء مندرجہ ذیل امور کا معاہدہ کریں گے:

(الف)......ہم خالصاً لوجہ اللہ مقاصد ثلاثہ مذکورہ کو اپنے سب کاموں سے زیادہ اہمیت دیں گے اور موجودہ مشاغل میں سے اس کام کے لئے معتد بہ وقت نکالیں گے۔

(ب)......الحاد، بے دینی اور مجمع علیہ منکرات ومحرمات کے ازالہ کی جدو جہد اور اپنے اپنے اقرباء واحباء نیز معاشرہ کے ہر طبقہ بشمول حکمران وفرمانروایانِ ملک سب کی اصلاح ہمارا مقصد اول ہوگا۔

(ج)......فروعی اور گروہی مسائل کی بحثوں کو معتدل کرنے اور کرانے کی جدو جہد کریں گے جس کی صورت یہ ہوگی کہ ان بحثوں کو صرف حلقہ درس وفتوی اور خالص علمی مجالس تک محدود رکھا جائے گا، اس کے لئے عام اخباری اور عوامی ذرائع استعمال نہ کئے جائیں گے، مجتہد فیہ مسائل میں اپنے اپنے مختار مسلک پر عمل کریں گے مگر مخالف پر نکیر نہ کریں گے اور منکرات شرعیہ پر نکیر میں بھی حکمت وموعظت اور '' مجادلة بالتي هي أحسن '' کے اصول کو نظر انداز نہ کریں گے، طنز اور طعن وتشنیع سے ہمیشہ گریز کریں گے۔

③ اس نظام کو قائم کرنے اور برقرار رکھنے کے لئے ایک مختصر سی اساسی مجلس شوری ایسے علماء پر مشتمل ہو جن کے علمی کارنامے معروف ہوں اور ان کے تقوی ودیانت پر عام طور سے اعتماد پایا جاتا ہو، یہ جماعت اپنا ایک امیر منتخب کرے گی اور اپنے اصول کار خود طے کرے گی۔ ملک میں کام کرنے والے حلقے اس جماعت سے

منسلک ہوں گے، اہم امور میں اس مرکزی نظم قائم کرنے والی جماعت سے مشورہ لیا کریں گے۔

④ یہ مجلس ان کام کرنے والے حلقوں کی ضروری نگرانی اور دوسرے جدید حلقے پیدا کرنے کی کوشش کرتی رہے گی۔

⑤ یہ جماعت اپنے تمام حلقہ ہائے کار کے ذمہ داروں کا زیادہ سے زیادہ چھ ماہ کے بعد ملک کے مختلف شہروں میں اجتماع کرنے کا انتظام کرے گی جس میں سابقہ کارکردگی کا جائزہ اور آئندہ کے کام کا پروگرام باہمی مشورہ سے طے کیا جائے گا۔

⑥ دعوت واصلاح کے اس نظام میں ملک کے دونوں بازو مغربی اور مشرقی شریک ہوں گے، سہولت کار کی غرض سے مشرقی پاکستان میں اسی طرح کی ایک مجلس شوریٰ بنائی جائے گی اور دونوں مجلسوں کے باہمی مشورہ اور اشتراک وارتباط کا طریقہ مشورہ سے طے کرلیا جائے گا۔

⑦ یہ جماعت اس کا بھی انتظام کرے گی کہ نئے پیش آنے والے مسائل میں انفرادی فتوی کے بجائے ملک کے ارباب فتویٰ کی رائیں حاصل کرے اور ضرورت ہوتو ان حضرات میں سے جن کی ضرورت محسوس ہو، ان کو جمع کر کے کسی ایک نتیجہ پر پہنچے اور پھر علماء کی تصدیقات حاصل کر کے ان کو شائع کرے تاکہ عوام بھی انتشار میں مبتلا نہ ہوں اور علماء کو بھی زیر بحث مسئلے کے تمام پہلو سامنے آجانے کے بعد صحیح رائے قائم کرنے میں مدد ملے، اس کام کے لئے اگر کسی مسئلہ کی تحقیق میں کسی خاص فن کی تحقیق ضروری ہوتو اس فن کے ماہرین کو بھی علماء کی مجلس میں جمع کر کے ان کی تحقیق سے فائدہ اٹھایا جائے، نیز مشکلات کے حل میں بحیثیت مجموعی کتاب وسنت اور پوری فقہ اسلامی کو بطور اساس سامنے رکھا جائے گا جیسا کہ ہر اسلامی دور میں ہوتا رہا ہے، اسی طرح کوئی طبی مسئلہ ہوگا تو ماہرین فن اطباء اور ڈاکٹروں سے اور سائنسی مسئلہ ہے تو ماہرین سائنس سے علیٰ ہذا دوسرے فنون کے ماہرین سے اس کے حل کرنے میں مدد لی جائے گی۔

⑨ سردست یہ ''اساسی شوریٰ'' مجلس دعوت واصلاح مغربی پاکستان کے مندرجہ ذیل افراد سے تشکیل کی جاتی ہے:

① حضرت مفتی محمد شفیع صاحب
② حضرت مولانا محمد یوسف بنوری
③ حضرت مولانا ظفر احمد صاحب تھانوی
④ حضرت مولانا عبدالحق صاحب اکوڑہ خٹک
⑤ حضرت مولانا محمد اسمٰعیل صاحب گوجرانوالہ
⑥ حضرت مولانا امین احسن صاحب اصلاحی
⑦ حضرت مولانا خان محمد صاحب کندیاں شریف۔

طریق کار

① ملک کے جن حصوں میں اصلاح مفاسد کا کچھ کام ہو رہا ہے اس کو فروعی اور گروہی مسائل میں صرف کرنے کے بجائے مجمع علیہ منکرات اور الحاد و تحریف دین کے فتنوں کی طرف متوجہ کرنا اور ''پیغمبرانہ طریق دعوت'' کے اصول کو اپنانے کی دعوت دینا۔

② ملک کے عام علماء سے روابط پیدا کرنا اور ان کو مذکورہ بالا طریق پر کام کرنے کے لئے آمادہ کرنا۔

③ خطبات جمعہ اور عام مجلس میں عوام کو ان فتنوں سے متنبہ کرنا اور ان میں فکر آخرت اور ان کا دینی شعور بیدار کرنا خصوصاً نماز باجماعت کی پابندی اور ضروری علم دین سیکھنے اور اپنے گھر والوں کو سکھانے کی دعوت دینا، اخلاق، معاملات اور اداء حقوق اور اسلام کی سادہ معاشرت اختیار کرنے کی جانب متوجہ کرنا، مسلمانوں کو مغرب کی مہنگی اور گندی معاشرت سے نجات دلانے کی جدوجہد کرنا۔

④ دینی مدارس اور اداروں سے ارتباط پیدا کر کے ان کو مندرجہ ذیل امور کے لئے آمادہ کرنا:

(الف) ضروریات دین اور ناظرہ قرآن کی تعلیم کے مکاتب حسب استطاعت ہر محلہ میں قائم کرنا۔

(ب) بڑی بڑی مساجد میں عوامی درس قرآن اور درس حدیث جاری کرنا۔

(ج) مغربی تعلیم یافتہ حضرات کو دینی معلومات بہم پہنچانے اور تحریف دین کے دسائس سے آگاہ کرنے کے لئے شبینہ کلاسیں جاری کرنا اور خصوصی مجالس میں ان موضوعات پر مذاکرے اور مباحثے منعقد کرنا۔

(د) ناخواندہ عوام کو ضروریات دین سے واقف کرنے کے لئے عوامی شبینہ کلاسوں کا انتظام کرنا، جن میں ایسا نصاب پڑھایا جائے جو محدود وقت میں دین کی بنیادی معلومات بہم پہنچانے کا ذریعہ ہو۔

(ہ) خطباء کی خصوصی تربیت کا انتظام کرنا تاکہ وہ بھی دعوت الی اللہ اور تبلیغ دین کا کام مؤثر اور نتیجہ خیز طریق پر انجام دے سکیں۔

⑤ تعلیم یافتہ اور مغربی تعلیم کے اداروں، حکمران طبقوں، تجارتی حلقوں اخبارات وجرائد اور معاشرہ کے دوسرے عناصر کو ان کے فرائض اور ذمہ داریوں کی جانب متوجہ کرنے کے لئے تحریر و تقریر کا خصوصی مجلسوں ملاقاتوں وغیرہ کے ذریعہ اہتمام و انصرام کرنا۔

[جمادی الاولیٰ ۱۳۸۵ھ۔ ستمبر ۱۹۶۵ء]

فتنے اور امت محمدیہ

حق تعالیٰ جل ذکرہ نے امت محمدیہ کے لئے جس ہادی و رسول کا انتخاب فرمایا، (صلی اللہ علیہ وسلم) اسے رحمۃ للعالمین بنایا، اس رحمت کا ظہور بہت سی شکلوں میں ہوا، ان میں سے ایک یہ ہے کہ تمام امت۔ خواہ وہ دعوت

محمدیہ کے سایہ میں آئی ہو یا نہ آئی ہو۔ اس رحمت عامہ کی بدولت عام عذاب الٰہی سے محفوظ ہوگئی، پہلی امتوں پر طرح طرح کے عذاب عام نازل ہوئے جن سے پوری پوری امتیں تباہ و برباد کردی گئیں، بعض کو بندر اور خنزیر کی شکل میں مسخ کردیا گیا، بعض پر آسمان سے پتھر برسائے گئے، بعض کو زمین میں دھنسا دیا گیا، بعض کو طوفان کی نذر کردیا گیا اور بعض کو سمندر میں غرق کردیا گیا، حق تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کو ان سے محفوظ رکھا۔

صحیح بخاری وغیرہ کی روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ جب یہ آیت کریمہ نازل ہوئی:

﴿قُلْ هُوَ الْقَادِرُ عَلَى اَنْ يَّبْعَثَ عَلَيْكُمْ عَذَاباً مِنْ فَوْقِكُمْ اَوْ مِنْ تَحْتِ اَرْجُلِكُمْ اَوْ يَلْبِسَكُمْ شِيَعاً وَّ يُذِيْقَ بَعْضَكُمْ بَأْسَ بَعْضٍ﴾ [الانعام:٦٥]

تو کہہ اس کو قدرت ہے اس پر کہ بھیجے تم پر عذاب اوپر سے (جیسے پتھر برسنا یا طوفانی ہوا اور بارش) یا تمہارے پاؤں کے نیچے سے (جیسے زلزلہ اور سیلاب وغیرہ) یا بھڑا دے تم کو مختلف فرقے کرکے اور چکھادے ایک کو لڑائی ایک کی۔ (ترجمہ شیخ الہند)

جس میں تین قسم کے عذاب سے ڈرایا گیا ہے: آسمانی عذاب، زمین کا عذاب اور باہمی اختلاف کا عذاب، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلی قسم کے عذاب سے نجات کی دعا فرمائی اور وہ قبول ہوئی، پھر دوسری قسم کے عذاب سے نجات کی دعا کی اور وہ بھی قبول ہوئی، جب تیسری قسم کے عذاب سے نجات کی دعا فرمائی تو قبول نہیں ہوئی (۱) جس سے معلوم ہوا کہ اس امت کا عذاب آپس کا اختلاف ونزاع ہوگا۔

اس اختلاف کی صورتیں مختلف رہی ہیں، یہ کبھی باہمی خانہ جنگی اور قتل وقتال کی صورت میں ظاہر ہوا، کبھی باہمی نزاع وجدال کی صورت میں نمودار ہوا، کبھی شقاق وافتراق کے راستے سے آیا اور کبھی بدظنی وبدگمانی، طعن وتشنیع اور لعنت وملامت کی صورت میں ابھرا۔

اسلامی تاریخ شاہد ہے کہ خلیفہ مظلوم سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد اس امت پر فتنوں کا دروازہ کھل گیا، جنگ جمل، جنگ صفین، واقعہ حرہ، واقعہ دیر الجماجم، واقعہ کربلا اور سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت وغیرہ اس دردناک سلسلہ کی کڑیاں ہیں، بہر حال اس امت میں ابتدا ہی سے فتنوں کا دور شروع ہوا اور احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اس امت میں فتنوں کا دور کم وبیش برابر جاری رہے گا، فرق یہ ہے کہ دور اول میں عہد نبوت کے قرب کی وجہ سے امت کا ایمان قوی تھا، یہی وجہ ہے کہ شدید ترین اختلاف اور جدال وقتال کے باوجود دور اول کے تمام فتنے امت کے ایمان کو متزلزل نہیں کرسکے، بلکہ تمام مسلمانوں کا ایمان اپنی جگہ قائم وراسخ رہا۔

سب سے بڑا اور خطرناک فتنہ وہ ہوتا ہے جس سے زوال ایمان کا خطرہ پیدا ہوجائے، اگرچہ اپنی ظاہری شکل وصورت کے اعتبار سے وہ معمولی معلوم ہوتا ہو، چنانچہ احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اس امت کا سب

(۱) صحیح البخاری، کتاب التفسیر، سورۃ انعام ج:۲ ص:٦٦٦، ط: قدیمی

سے بڑا فتنہ دجال لعین کا فتنہ ہوگا وہ خدائی کا دعوی کرے گا اور ہر قسم کے دجل وفریب سے لوگوں کے ایمان کو غارت کرے گا، یہ فتنہ اگرچہ قیامت کے بالکل قریب ہوگا اور قیامت کی علامات کبریٰ میں سے ہوگا تاہم اس کی شدت واہمیت کی بنا پر ہر نبی ورسول نے اپنی اپنی امتوں کو اس فتنہ سے ڈرایا اور اس کے ایمان سوز نتائج وعواقب سے آگاہ کیا مگر چونکہ اس فتنہ کا ظہور امت محمدیہ کے عہد میں ہونا تھا اور اس فتنہ کبری سے براہ راست اسی امت کا تعلق تھا، اس لئے حضرت رسالت پناہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بہت وضاحت وصراحت کے ساتھ اس سے ڈرایا اور اس کی واضح علامتیں بیان فرمائیں تاکہ ہر شخص دجالی فتنہ کو پہچان سکے اور امت گمراہی سے بچے۔ الغرض زوال ایمان کا فتنہ تو سب سے بڑا فتنہ ہے، اور اللہ تعالیٰ اپنی پناہ میں رکھے، اور اس کا ظہور بھی امت کے بالکل آخری دور میں ہوگا۔ لیکن اس کے علاوہ ہر دور میں جن فتنوں کا ظہور ہوتا رہا ہے وہ اعمال واخلاق، بدعت والحاد اور تشتت وافتراق کے فتنے ہیں۔

ہمارا یہ دور جس سے ہم گذر رہے ہیں، گوناگوں فتنوں کی آماجگاہ ہے، ہر طرف سے مختلف قسم کے فتنوں کی یورش ہے ان میں سب سے زیادہ جن فتنوں سے امت کو واسطہ پڑا ہے وہ اخلاقی وعملی فتنے ہیں، عوام زیادہ تر اخلاقی فتنوں میں مبتلا اور بدعملی کے فتنوں کا شکار ہیں، فریضہ نماز میں تساہل، فریضہ صیام سے تغافل، فریضہ حج وزکوۃ میں تکاسل، وغیرہ وغیرہ...... عبادات ہوں یا اخلاق، معاملات ہوں یا معاشرت ہر شعبہ دین میں بدعملی کا دور دورہ ہے اور بہت سے فتنے اس بدعملی کے نتائج ہیں۔

ملک میں شراب نوشی، عریانی وبے حیائی، فواحش ومنکرات، مردوزن کے مخلوط اجتماعات، مخلوط تعلیم، تھیٹر اور سینما، ریڈیو اور ٹیلیویژن، زنا اور بدمعاشی، بداخلاقی وبدا طوری، لوٹ مار، چوری اور ڈاکہ، رشوت وخیانت، جھوٹ اور بہتان طرازی، غیبت اور چغلی، حرام خوری کی نت نئی صورتیں، حرص دنیا کی خاطر اشیا خوردنی میں ملاوٹ۔

کہاں تک شمار کیا جائے، بے شمار برائیاں ہیں جو دور حاضر میں اس کثرت سے ظاہر ہوئیں کہ پچھلے زمانوں میں اس کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا تھا، عقل حیران اور انسانی ضمیر انگشت بدنداں ہے کہ یا اللہ! دنیا کیا سے کیا ہوگئی؟ اگر آج قرون اولی کے مسلمان زندہ ہوکر آجائیں اور اس دور کے مدعی اسلام مسلمانوں کے اخلاق وعمل کا یہ نقشہ دیکھیں تو خدا جانے کیا کہیں اور ہمارے بارے میں کیا رائے قائم کریں، نعوذ باللہ من الفتن ما ظهر منها و ما بطن۔

بہرحال یہ فتنے اور یہ امراض تو وہ ہیں جن میں زیادہ عوام مبتلا ہیں، اب ذرا خواص امت پر بھی سرسری نگاہ ڈالئے۔ یہ حقیقت ہے کہ علماء کرام اس عالم کا دل ودماغ ہیں اور عوام امت بمنزلہ اعضائے انسانی کے ہیں، علمائے امت کا مقام وہی ہے جو انسانی جسم میں قوائے رئیسہ دل ودماغ جگر اور گردوں کا ہے۔ اعضائے رئیسہ اپنا کام ٹھیک کر رہے ہوں تو جسم کسی اندرونی مرض کا شکار نہیں ہوتا اور بیرونی آفات وصدمات کے مقابلہ میں

پوری قوت مدافعت رکھتا ہے۔ عام اعضائے انسانی کا نقص، اعضائے رئیسہ کے اختلال کی نشاندہی کرتا ہے اور ظاہر جسم کی خرابی اکثر و بیشتر جسم کی اندرونی قوتوں کی خرابی سے ہوتی ہے، اسی طرح عوام امت میں خرابی زیادہ تر علماء امت کی خرابی و فساد سے ظہور میں آتی ہے، جب علمائے امت اپنا فرض منصبی ادا کرنا چھوڑ دیتے ہیں تو عوام میں فساد کے در آنے کا راستہ کھل جاتا ہے۔

اس جماعت کا پہلا فرض یہ ہے کہ خود صحیح ہوں اور ایمان و تقویٰ اور اخلاق و عمل صالح سے آراستہ ہوں اور دوسرا فرض یہ ہے کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے منصب پر فائز ہوں اور صراط مستقیم کی طرف امت کی راہنمائی کریں اور کسی قسم کا نقص اعتقادی، اخلاقی یا عملی امت میں واقع ہو تو اس کے لئے بے چین ہو جائیں اور اس کی اصلاح کے لئے صحیح تدابیر کریں، اگر خود ان ہی میں نقص آ جائے تو امت کے عوام کا خراب ہونا لازمی ہے، اسی طرح اگر وہ اپنے مقام و مسند کو چھوڑ بیٹھیں، دعوت و تبلیغ اور اصلاح و تزکیہ کی خدمت سے دستکش ہو جائیں اور اصلاح امت کی فکر کو بالائے طاق رکھ دیں تو اس کے نتیجہ میں پوری امت فساد اور بدعملی کی لپیٹ میں آ جاتی ہے۔

بہر کیف امت کے لئے سب سے بڑا فتنہ یہ ہوتا ہے کہ مصلحین امت اپنے فریضہ منصبی سے غافل ہو جائیں اور جب رفتہ رفتہ یہ مرض یہاں تک بڑھ جاتا ہے کہ علماء امت خود اپنی اصلاح سے بھی غافل اور مختلف امراض اور فتنوں میں مبتلا ہو جاتے ہیں تو اس کے نتیجہ میں امت پر ایک وقت ایسا بھی آتا ہے کہ امت، امراض کے انتہائی خطرناک درجہ تک پہنچ جاتی ہے اور اس وقت کوئی توقع باقی نہیں رہتی کہ دعوت و تبلیغ اور اصلاح کی کوشش مثمر ہو سکے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک کلمات میں اسی کا نقشہ یوں پیش کیا گیا ہے:

"اذا رأيت هوى متبعا و شحاً مطاعاً و دنيا مؤثرة و اعجاب كل ذى رأى برايه"(۱)

جب تم دیکھو کہ نفسیاتی خواہشات کی اتباع ہو رہی ہے طبیعت کی حرص قابل اطاعت بن گئی ہے ہر کام میں دنیا کی مصلحت بینی کا خیال رکھا جاتا ہے، اور ہر شخص کو اپنی رائے پر ناز ہے اور اپنی رائے کے خلاف ہر بات کو ہیچ سمجھتا ہے۔

جب نوبت یہاں تک پہنچ جاتی ہے تو پھر اپنی فکر کرنی چاہئے، دنیا کی اصلاح کی فکر ختم کر دینی چاہئے، یا یہ کہ تبلیغی فریضہ ساقط ہو جاتا ہے، یہ دوسری بات ہے کہ انتہائی اولوالعزمی سے کام لیا جائے اور اس وقت بھی میدان میں آ کر اس خدمت کو انجام دیا جائے، بہر حال جب حالات اتنے مایوس کن نہ ہوں تو قدم کو جادۂ دعوت و اصلاح سے نہیں ہٹنا چاہئے۔

---

(۱) سنن الترمذی، ابواب التفسیر، سورة المائدة ج:۲ ص:۱۳۶، ط: قدیمی۔
سنن ابی داؤد کتاب الملاحم، باب الامر والنهی ج:۲ ص:۵۹۷. ط: حقانیه پشاور

علماء ومصلحین اور اُن کے فتنے

سب سے بڑا صدمہ اس کا ہے کہ مصلحین کی جماعتوں میں جو فتنے آج کل رونما ہو رہے ہیں نہایت خطرناک ہیں، تفصیل کا موقعہ نہیں لیکن فہرست کے درجہ میں چند باتوں کا ذکر ناگزیر ہے:

① مصلحت اندیشی کا فتنہ

یہ فتنہ آج کل خوب برگ وبار لا رہا ہے، کوئی دینی یا علمی خدمت کی جائے اس میں پیش نظر دنیاوی مصالح رہتے ہیں، اس فتنہ کی بنیاد نفاق ہے، یہی وجہ ہے کہ بہت سی دینی وعلمی خدمات برکت سے خالی ہیں۔

② ہر دل عزیزی کا فتنہ

جو بات کہی جاتی ہے اس میں یہ خیال رہتا ہے کہ کوئی بھی ناراض نہ ہو، سب خوش رہیں اس فتنہ کی اساس حب جاہ ہے۔

③ اپنی رائے پر جمود واصرار

اپنی بات کو صحیح وصواب اور قطعی ویقینی سمجھنا، دوسروں کی بات کو درخور اعتناء اور لائق التفات نہ سمجھنا بس یہی یقین کرنا کہ میرا موقف سو فیصد حق اور درست ہے اور دوسرے کی رائے سو فیصد غلط اور باطل۔ یہ اعجاب بالرائے کا فتنہ ہے اور آج کل سیاسی جماعتیں اس مرض کا شکار ہیں۔ کوئی جماعت دوسرے کی بات سننا گوارا نہیں کرتی، نہ حق دیتی ہے کہ ممکن ہے کہ مخالف کی رائے کسی درجہ میں صحیح ہو یا یہ کہ شاید وہ بھی یہی چاہتے ہوں جو ہم چاہتے ہیں، صرف تعبیر اور عنوان کا فرق یا الاہم فالاہم کی تعیین کا اختلاف ہو۔

④ سوءِ ظن کا فتنہ

ہر شخص یا ہر جماعت کا خیال یہ ہے کہ ہماری جماعت کا ہر ہر فرد مخلص ہے اور ان کی نیت بخیر ہے اور باقی تمام جماعتیں جو ہماری جماعت سے اتفاق نہیں رکھتیں وہ سب خود غرض ہیں، ان کی نیت صحیح نہیں بلکہ اغراض پر مبنی ہیں اس کا منشا بھی عجب وکبر ہے۔

⑤ سوءِ فہم کا فتنہ

کوئی شخص کسی مخالف کی بات جب سن لیتا ہے تو فوراً اسے اپنا مخالف سمجھ کر اس سے نہ صرف نفرت کا اظہار کرتا ہے بلکہ مکروہ انداز میں اس کی تردید فرض سمجھی جاتی ہے، مخالف کی ایک ایسی بات میں جس کے کئی محمل اور

مختلف توجیہات ہوسکتی ہیں وہی توجیہ اختیار کریں گے جس میں اس کی تحقیر وتذلیل ہو، کیا ﴿إِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ إِثْمٌ﴾(١) اور ”إیاکم والظن فان الظن أکذب الحدیث“(٢) کی نصوص مرفوع العمل ہوچکی ہیں؟

⑥ بہتان طرازی کا فتنہ

مخالفین کی تذلیل وتحقیر کرنا یا ان کی طرف گھناؤنی باتیں منسوب کرنا۔ اگر کسی مخالف کی بات ذرا سی کسی نے نقل کر دی بلا تحقیق اس پر یقین کر لینا اور مزے لے لے کر محافل ومجالس کی زینت بنانا، بالفرض اگر خود بہتان طرازی نہ بھی کریں دوسروں کی سنی سنائی باتوں کو بلا تحقیق صحیح سمجھنا کیا یہ نص قرآنی ﴿إِنْ جَاءَكُمْ فَاسِقٌ بِنَبَإٍ فَتَبَيَّنُوا﴾(٣) کے خلاف نہیں؟

⑦ جذبۂ انتقام کا فتنہ

کسی شخص کو کسی شخص سے عداوت ونفرت یا بدگمانی ہے لیکن خاموش رہتا ہے لیکن جب ذرا اقتدار مل جاتا ہے، طاقت آجاتی ہے تو پتہ چلتا ہے کہ خاموشی کا سوال پیدا نہیں ہوتا تھا، کہ یا یہ خاموشی، معافی اور درگذر کی وجہ سے نہیں تھی بلکہ بے چارگی وناتوانی اور کمزوری کی وجہ سے تھی جب طاقت آگئی تو انتقام لینا شروع کیا، رحم وکرم، عفو ودرگذر سب ختم۔

⑧ حب شہرت کا فتنہ

کوئی دینی یا علمی یا سیاسی کام کیا جائے، آرزو یہی ہوتی کہ زیادہ سے زیادہ داد ملے اور تحسین وآفرین کے نعرے بلند ہوں، درحقیقت اخلاص کی کمی یا فقدان سے، خودنمائی وریاکاری کی خواہش سے یہ جذبہ پیدا ہوتا ہے، صحیح کام کرنے والوں میں یہ مرض پیدا ہوگیا اور درحقیقت یہ شرک خفی ہے حق تعالیٰ کے دربار میں کسی دینی یا علمی خدمت کا وزن اخلاص سے ہی بڑھتا ہے اور یہی تمام اعمال میں قبول عنداللہ کا معیار ہے، اخبارات، جلسے، جلوس، دورے زیادہ تر اسی سلسلہ کی کڑیاں ہیں۔

⑨ خطابت یا تقریر کا فتنہ

یہ فتنہ عام ہوتا جا رہا ہے، لیکن تقریریں انتہا درجہ میں ہوں عملی کام صفر کے درجہ میں ہوں تقریر کا شوق

---

(١) اور یقیناً بعض گمان گناہ ہیں۔ [الحجرات: ١٢]

(٢) بدگمانی سے بچو کیونکہ بدگمانی سب سے جھوٹی بات ہے (اور بڑے بڑے جھوٹ اسی سے پیدا ہوتے ہیں)۔
[صحیح البخاری، کتاب الادب، باب ماینهی عن التحاسد والتدابر ج:٢ ص:٨٩٦، ط: قدیمی]

(٣) اگر آئے تمہارے پاس کوئی فاسق خبر لے کر تو تحقیق کرلو۔ [الحجرات:٦]

دامن گیر ہے، عمل و کردار سے زیادہ واسطہ نہیں:

﴿يَا اَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا لِمَ تَقُوْلُوْنَ مَا لَا تَفْعَلُوْنَ ، كَبُرَ مَقْتاً عِنْدَ اللهِ اَنْ تَقُوْلُوْا مَا لَا تَفْعَلُوْنَ﴾ [الصف. ٢،٣]

اے ایمان والو! کیوں کہتے ہو منہ سے جو نہیں کرتے، بڑی بیزاری کی بات ہے اللہ کے یہاں کہ کہو وہ چیز جو نہ کرو۔ (ترجمہ شیخ الہندؒ)

خطیب اس انداز سے تقریر کرتا ہے گویا تمام جہان کا درد اس کے دل میں ہے لیکن جب عملی زندگی سے نسبت کی جائے تو درجہ صفر ہوتا ہے۔

⑩ دعایۃ یعنی پروپیگنڈہ کا فتنہ

جو جماعتیں وجود میں آئی ہیں خصوصاً سیاسی جماعتیں ان میں غلط پروپیگنڈہ اور واقعات کے خلاف جوڑ توڑ کی وبا اتنی پھیل گئی ہے جس میں نہ دین ہے اور نہ اخلاق، نہ عمل ہے نہ انصاف محض یورپ کی دین باختہ تہذیب کی نقالی ہے، اخبارات اشتہارات، ریڈیو، ٹیلی ویژن تمام اس کے مظاہر ہیں۔

⑪ مجلس سازی کا فتنہ

چند اشخاص کسی بات پر متفق ہوگئے یا کسی جماعت سے اختلاف رائے ہوگیا، فوراً ایک نئی جماعت کی تشکیل ہوگئی طویل وعریض اغراض ومقاصد بتائے جاتے ہیں۔

پروپیگنڈا کے لئے فوراً اخبار نکالا جاتا ہے، بیانات چھپتے ہیں کہ اسلام اور ملک بس ہماری جماعت کے دم قدم سے باقی رہ سکتا ہے۔

نہایت دل کش عنوانات اور جاذب نظر الفاظ وکلمات سے قراردادیں اور تجویزیں چھپنے لگتی ہیں، امت میں تفرق وانتشار اور گروہ بندی کی آفت اسی راستے سے آئی ہے۔

⑫ عصبیت جاہلیت کا فتنہ

اپنی پارٹی کی ہر بات خواہ وہ کیسی ہی غلط ہو اس کی حمایت وتائید کی جاتی ہے اور مخالف کی ہر بات پر تنقید کرنا سب سے اہم فرض سمجھا جاتا ہے، مدعی اسلام جماعتوں کے اخبار ورسائل، تصویریں، کارٹون، سینما کے اشتہار، سود اور قمار کے اشتہار اور گندے مضامین شائع کرتے ہیں مگر چونکہ "اپنی جماعت" کے حامی ہیں اس لئے جاہلی تعصب کی بنا پر ان سب کو بنظر استحسان دیکھا جاتا ہے، الغرض جو اپنا حامی ہو وہ تمام بدکرداریوں کے باوجود پکا مسلمان ہے اور جو اپنا مخالف ہو اس کی نماز، روزہ کا بھی مذاق اڑایا جاتا ہے۔

⑬ حب مال کا فتنہ

حدیث میں تو آیا ہے کہ "حب الدنیا رأس کل خطیئة"(۱)، دنیا کی محبت تمام گناہوں کی جڑ ہے، حقیقت میں تمام فتنوں کا قدر مشترک حب جاہ یا حب مال ہے، بہت سے حضرات ﴿ربنا آتنا فی الدنیا حسنة﴾ کو دنیا کی جستجو اور محبت کے لئے دلیل بناتے ہیں حالانکہ بات واضح ہے کہ ایک ہے دنیا سے تعلق اور ضروریات کا حصول، اس سے انکار نہیں، نیز ایک ہے طبعی محبت، جو مال اور آسائش سے ہوتی ہے اس سے بھی انکار نہیں، مقصد تو یہ ہے کہ حب دنیا یا حب مال کا اتنا غلبہ نہ ہو کہ شریعت محمدیہ اور دین اسلام کے تمام تقاضے ختم یا مغلوب ہو جائیں، اقتصاد و اعتدال کی ضرورت ہے عوام سے شکایت کیا کی جائے آج کل عوام سے یہ فتنہ گذر کر خواص کے قلوب میں بھی آ رہا ہے، الا ماشاء اللہ۔ اس فتنے کی تفصیلات کے لئے ایک طویل مقالے کی ضرورت ہے۔ حق تعالیٰ توفیق عطا فرمائے۔ ہم ان مختصر اشاروں کو حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کی ایک دعا پر ختم کرتے ہیں:

"اللّٰهم ارزقنی حبك وحب من يحبك وحب عمل يقربنی اليك ، اللّٰهم ما رزقتنی مما احب فاجعله قوة فيما تحب ومازويت عنی مما احب فاجعله فراغا لی فيما تحب ، اللهم اجعل حبك احب الاشياء الی من نفسی و أهلی ومن الماء البارد".(۲)

[ربیع الثانی ۱۳۹۰ھ - جون ۱۹۷۰ء]

فتنے اور ان سے بچاؤ کا راستہ

حضرت صادق و مصدوق سیدنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (فداہ ابی وامی) کا ارشاد گرامی ہے کہ خیر وسعادت کے تمام ابواب میں روز افزوں تنزل ہی تنزل ہے، صرف "شر" ہی ایک ایسی چیز ہے جس میں برابر ترقی ہوتی جائے گی، حدیث کے الفاظ جو مسند احمد میں حضرت ابوالدرداءؓ سے مروی ہے، یہ ہیں:

"كل شيئ ينقص الا الشر فانه يزادفيه"(۳)

دنیا کی ہر چیز روبہ تنزل ہے، سوائے شر کے، کہ اس میں برابر اضافہ و ترقی ہوتی رہے گی۔

---

(۱) مشکوۃ المصابیح، کتاب الرقاق، الفصل الثالث ص: ٤٤٤، ط: قدیمی

(۲) سنن الترمذی، ابواب الدعوات ج:۲ ص:۱۸۷، ط: فاروقی کتب خانہ

(۳) مسند احمد بن حنبل ، ومن حديث ابی الدرداء ، رقم الحديث : ۲۷٤۸۳ ج : ٦ ص : ٤٤١ ، ط : عالم الکتب بیروت

صحیح بخاری شریف میں ایک حدیث ہے، زبیر بن عدی کہتے ہیں کہ ''ہم نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حجاج بن یوسف ثقفی کے مظالم کی شکایت کی، فرمایا: صبر کرو! میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ تم پر جو زمانہ بھی آئندہ آئے گا وہ پہلے سے بدتر ہوگا''۔(۱)

آج نقشہ عالم کو سامنے رکھ کر دیکھئے، مرکز عالم (مکہ مکرمہ، مدینہ طیبہ اور حجاز مقدس) سے لے کر تمام عرب، تمام ایشیا، تمام یورپ اور امریکہ کے جس جس خطے پر نظر جاتی ہے وہ شرور وفتن کی آماجگاہ بنا ہوا ہے، آفات ومصائب کا ایک عالمی طوفان ہے جو تھمتا نظر نہیں آتا، اضطراب وقلق، بے چینی و پریشانی اور حیرانی و سراسیمگی کا ایک کوہ آتش فشاں ہے جس کے عالمگیر شعلوں نے پورے عالم کے امن وسکون اور حقیقی مسرت کو خاکستر کر ڈالا ہے، فتنوں پر فتنے اٹھ رہے ہیں، دینی وعلمی فتنے، ملکی وقومی فتنے، تہذیب وتمدن کے فتنے، آرائش کے فتنے، سرمایہ داری کے فتنے، غربت وافلاس کے فتنے، اخلاقی وسیاسی فتنے۔

دنیا کا کوئی گوشہ فتنوں کی یورش سے خالی نہیں، ایسا محسوس ہوتا ہے کہ تمام دنیا، آخرت فراموشی، دنیا طلبی اور خدا تعالیٰ کو بھول جانے کی سزا بھگت رہی ہے۔

﴿وَ مَنْ اَعْرَضَ عَنْ ذِكْرِىْ فَاِنَّ لَهٗ مَعِيْشَةً ضَنْكًا وَّنَحْشُرُهٗ يَوْمَ الْقِيَامَةِ اَعْمٰى﴾ [طه:١٢٤]

اور جو شخص میری یاد سے منہ موڑے گا، پس یقینی طور پر اسے ''تنگ زندگی'' نصیب ہوگی اور ہم اسے قیامت کے دن اندھا اٹھائیں گے۔

شقاق ونفاق کی حد ہوگئی، جو ''مجاہدین'' قدس اور عمان کے محاذ پر ''اسرائیل'' سے نبرد آزما تھے ان کا رخ یہودیوں سے ہٹ کر اپنوں کی طرف مڑ گیا، باہم دست وگریباں ہوکر ہزاروں نوجوان ''اپنوں'' کا نشانہ بن گئے اور ایک بڑی طاقت جو اعداء اسلام کے مقابلہ میں سینہ سپر تھی وہ خانہ جنگی کی نذر ہوگئی، اناللہ، اس سے بڑھ کر عبرت کی کیا خبر ہوگی؟ کہ ایک ہی ملک وملت اور ایک ہی قوم کے افراد کے باہمی نفاق وعناد کا جب یہ حال ہو تو ان سے دوسروں کے ساتھ خیر کی کیا توقع کی جاسکتی ہے؟ ظاہر ہے اس صورت حال سے امریکہ اور روس۔ خدا دشمن۔ فائدہ اٹھائیں گے ایک طاقت ایک فریق کو شہ دے گی اور دوسری دوسرے فریق کو ابھارے گی اور یوں مشرق وسطی کو ایک نیا ''ویت نام'' بنایا جائے گا، بچے مسلمانوں کے کٹ رہے ہیں، قوت مسلمانوں کی پامال ہورہی ہے افسوس!

''از ماست کہ بر ماست''

ان حالات میں کیا توقع کی جاسکتی ہے کہ سوریا، عراق اور مصر کے عرب متحد ہوکر اعداء اسلام کے سامنے سینہ سپر ہوسکیں گے بلکہ عرب ممالک میں خانہ جنگی کا ایک نیا خطرہ پیدا ہوگیا ہے۔

---

(۱)صحیح البخاری،ابواب الفتن،باب لایاتی زمان الاالذی بعده شر منه ج:۲ ص:۱۰٤٧، ط: قدیمی

سنا ہے کہ لیبیا سے جو امریکہ کا عظیم الشان ہوائی اڈہ اٹھایا جا رہا ہے اسے سرزمین مقدس حجاز میں مکہ ومدینہ کے درمیان منتقل کیا جائے گا، اگر یہ خبر صحیح ہے تو اس سے بڑھ کر دردناک صورت حال اور کیا ہوگی؟ نہ معلوم دورِ حاضر کے مسلمان سلاطین وحکام کی عقلوں پر کیسے پردے پڑ گئے ہیں کہ عواقب کا احساس ہی ختم ہو گیا۔

خیر یہ داستان تو جتنی دردناک ہے اس سے زیادہ طویل ہے، کہنا یہ ہے کہ تمام عالم اور عالم اسلام خصوصاً فتنوں کی آماجگاہ بنا ہوا ہے اور یہ تشتت وافتراق کا فتنہ تو اتنا عام ہے کہ اس سے۔۔الا ماشاء اللہ۔کوئی بھی محفوظ نہیں رہا، عوام وخواص، عالم وجاہل اور ملوک ورعایا سب میں سرایت کر گیا ہے، اتحاد واتفاق اور خدا تعالیٰ کے لئے ایک دوسرے سے سچی محبت کرنا قصۂ پارینہ بن کر رہ گیا ہے۔(۱)

باہر کی دنیا کو جانے دیجئے، خود ہمارے ملک میں ایک سرے سے دوسرے سرے تک سیاسی جماعتوں میں جس طرح سر پھٹول اور رسہ کشی ہو رہی ہے اس سے عقل حیران ہے، ایک دوسرے پر کیچڑ اچھالنا اور خدا کے بے گناہ بندوں کی طرف گھناؤنے فرضی افسانے منسوب کرنا، سچ کو جھوٹ اور جھوٹ کو سچ ثابت کرنا، سیاسی کارنامہ سمجھا جاتا ہے جن جماعتوں کے افراد کی اسلام دشمنی، روز روشن کی طرح عیاں ہے وہ بھی لوگوں کی آنکھوں میں دھول جھونک کر اپنے آپ کو سب سے زیادہ اسلام کا ہمدرد اور خیر خواہ ظاہر کر رہے ہیں اور اپنے مخالفین کو نہ معلوم کیا کیا خطاب دے رہے ہیں (۲)، یہ تو ظاہر ہے کہ اس عالم کون وفساد کا خمیر ہی خیر وشر کے مرکب سے اٹھایا گیا ہے، دنیا کا مزاج خیر وشر کے امتزاج سے بنا ہے، دونوں کا سلسلہ چلا آیا ہے اور قیامت تک جاری رہے گا لیکن ان دنوں شر اتنا غالب اور خیر اتنی مغلوب ہو رہی ہے کہ عذاب الٰہی کے نازل ہونے کا خطرہ پیدا ہو گیا ہے، دراصل عہد نبوت سے جتنا بعد ہوتا جائے گا خیر کم ہوتی جائے گی، فقیہ امت حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ وارضاہ دور نبوت اور بعد کے زمانے کا فرق بیان کرتے ہوئے خلافت راشدہ کے دور میں فرما رہے ہیں کہ دنیا کی مثال ایسی ہے:

"كالثغب شرب صفوه وبقي كدره"(۳)

جیسے وہ تالاب جس کا صاف اور ستھرا ہوا پانی پی لیا گیا ہو اور گدلا پانی باقی رہ گیا ہو۔

یہ جلیل القدر صحابی عہد عثمانی میں وفات پا چکے ہیں، اگر وہ جمل وصفین کے ہولناک مناظر دیکھ لیتے تو کیا

(۱) حضرت حکیم الامت تھانوی (نور اللہ مرقدہ) فرماتے ہیں [illegible] فرمایا کرتے تھے کہ اتفاق کی جڑ تواضع ہے اور افتراق کی جڑ [illegible] جب ہر شخص اپنی چلانا چاہے گا [illegible] "فرعون" [illegible] سے آئے۔

(۲) یہاں یہ لطیفہ قابل ذکر ہے کہ ایک "سیاسی جماعت" کے [illegible] میں یہ فیصلہ کیا گیا کہ جماعت کے نام میں "اسلام" کا لفظ نہیں آنے [illegible] چنانچہ [illegible] انگریزی [illegible] عوام [illegible]

(۳) صحیح البخاری، کتاب الجهاد، باب عزم الامام على الناس فيما يطيقون ج:۱ ص:۴۱۶، ط: قدیمی

فرماتے؟ اور خدانخواستہ ہماری حالت زار ان کے سامنے آتی تو ان کا کیا حال ہوتا؟ رائے اور ذوق کا اختلاف پہلے بزرگوں میں بھی رہا ہے لیکن بہتان طرازی، افتراء پردازی، سب وشتم اور لعن طعن کا جو طوفان اس دور میں برپا ہے وہ انتہائی دردناک ہے، موجودہ صورت حال نے جو شکل اختیار کر لی ہے اس سے نہ کسی کی عزت وحرمت باقی ہے نہ جان ومال محفوظ ہے، پوری امت کے خرمن امن وسکون کو آگ لگا دی گئی ہے، سب جانتے ہیں اور ہمیشہ سے یہ بات مسلّم چلی آتی ہے کہ بعض دفعہ ایک انتہائی مخلص اور سراپا خلاص شخصیت کی رائے بھی غلط ہوسکتی ہے، کسی مخلص کے لئے ضروری نہیں کہ وہ صاحب الرائے بھی ہو، اس کے برعکس بعض دفعہ ایک غیر مخلص کی رائے صحیح بھی ہوسکتی ہے، اس کمی کو پورا کرنے کے لئے ہماری شریعت نے ''شوریٰ'' کا طریق تجویز کیا تھا، کہ جو قدم اٹھایا جائے اہل صلاح اور اہل دانش کے مشورہ سے اٹھایا جائے، مگر افسوس ہے کہ خود غرضی اور نفسانفسی کی کیفیت نے امت سے یہ نعمت بھی چھین لی ہے اور اس کے نتیجہ میں پوری امت کا شیرازہ منتشر ہو چکا ہے، ہر جماعت اپنی رائے پر اڑی ہوئی ہے اور جماعت کا ہر فرد اپنے کو عقل کل سمجھتا ہے جس سے آئے دن جماعتیں تقسیم ہو ہو کر جماعت در جماعت کا عمل جاری ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جہاں فتنوں سے پناہ مانگتے تھے وہاں یہ دعا بھی فرماتے تھے:

''واذا اردت بقوم فتنة فتوفنی غیر مفتون''(۱)

اے اللہ! جب تو کسی قوم کو فتنے میں مبتلا کرنا چاہے تو مجھے فتنہ میں ڈالے بغیر اٹھالینا۔

فتنے سے محفوظ رہ کر دنیا سے رخصت ہونے کی دو صورتیں ہوسکتی ہیں، ایک تو یہ کہ اللہ تعالیٰ کسی کو فتنہ کے زمانے سے پہلے ہی دنیا سے اٹھالے، دوسری یہ کہ فتنوں کے باوجود اللہ تعالیٰ کسی پر اپنی رحمت فرمائے اور اسے فتنہ میں مبتلا کئے بغیر دنیا سے اٹھائے۔

ہمارے دور میں فتنے شروع ہو چکے ہیں (بلکہ ہم سے بہت پہلے شروع ہو چکے تھے) اس لئے پہلی صورت تو نہیں ہوسکتی، البتہ دوسری صورت ممکن ہے کہ آدمی ایسا طرز عمل اختیار کرے جس کے ذریعہ فتنوں سے محفوظ رہ سکے، بہت سے مخلصین کے خطوط آرہے ہیں کہ ہمیں فتنوں کی اس موجودہ فضا میں کیا کرنا چاہیے، اس لئے فتنوں سے حفاظت کا ایک مختصر دستور العمل عرض کیا جاتا ہے۔

اول: شورائیت

کسی بھی قسم کا دینی، دنیاوی یا سیاسی قدم اٹھائیں تو اہل خیر وصلاح اور اہل دانش وخرد سے مشورہ کئے بغیر نہ اٹھائیں اور اہل شوریٰ میں سے ہر شخص نہایت اخلاص کے ساتھ فی ما بینہ وبین اللہ اپنا مشورہ دے، اپنی بات

---

(۱) سنن الترمذی، ابواب التفسیر، سورۃ ص، ج:۲ ص:۱۵۹، ط: قدیمی۔
موطا الامام مالک، کتاب القرآن، باب العمل فی الدعاء ج:۱ ص:۲۲۰، ط: قدیمی

منقولہ [illegible] پر عمل کیا جائے تو ان شاء اللہ بہت [illegible] اور اعجاب بالرائی کا ہے۔ الغرض مخلصین [illegible] کو متہم سمجھیں مبادا اس میں نفس و شیطان کا دخل کہیں چھپا ہوا ہو۔

دوم: اعتدال

اگر پوری کوشش کے باوجود سب کی رائے متفق نہ ہو سکے اور اہل حق کی دو جماعتیں وجود میں آ جائیں تو ہر جماعت اپنے کو قطعی حق پر اور دوسرے کو قطعی باطل پر نہ سمجھے، زیادہ سے زیادہ جس بات کی گنجائش ہے وہ یہ ہے کہ آدمی اپنے موقف کو "صواب محتمل خطا" اور دوسرے کے موقف کو "خطا محتمل صواب" سمجھے اور دونوں طرف سے برابر یہ خواہش رہنی چاہئے اور کوشش بھی کہ تمام اہل حق ایک کلمہ پر متفق ہو جائیں۔

سوم: حکایات وشکایات سے احتراز

آج کل پروپیگنڈے کا دور ہے، پروپیگنڈے کے کرشمے سے رائی کو پربت اور تنکے کو شہتیر بنا کر پیش کیا جاتا ہے، غلط افواہیں اور جھوٹی خبریں پھیلا کر ایک دوسرے کے درمیان منافرت پیدا کرنے کی کوشش کی جاتی ہے، جو شخص اس فتنے سے محفوظ رہنا چاہتا ہے اس کے لئے ضروری ہے کہ جب تک کسی حکایت وشکایت کے صحیح ہونے کا پورا وثوق نہ ہو جائے اس وقت تک اس پر کان نہ دھرے نہ اس پر کوئی کارروائی کرے۔ امیر المؤمنین سیدنا علی کرم اللہ وجہہ سے لوگوں نے شکایت کی کہ ابن ملجم آپ کے قتل کا منصوبہ بنا رہا ہے اور قتل کی دھمکیاں دیتا ہے، آپ اسے قتل کرا دیجئے۔ فرمایا: "کیا میں اپنے قاتل کو قتل کر دوں؟"

اسی طرح اس قسم کی حکایات وشکایات کو نقل کرنا بھی امت کو فتنے میں ڈالنا ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے امت کو اسی قسم کے فتنوں کے بارے میں ہدایت فرمائی تھی:

"ستكون فتن، القاعد فيها خير من القائم، والقائم فيها خير من الماشي، والماشي فيها خير من الساعي"(۱)

بہت سے فتنے ہوں گے، ان میں بیٹھنے والا کھڑے ہونے والے سے بہتر ہوگا، کھڑا ہونے والا چلنے والے سے بہتر ہوگا اور چلنے والا دوڑنے والے سے بہتر ہوگا۔

اور مسلم شریف کی ایک روایت میں ہے:

(۱) صحيح البخاري، كتاب الفتن، باب قول النبي صلى الله عليه وسلم تكون فتنة القاعدفيهاخير من القائم ج:۲ ص:۱۰۴۸، ط: قديمي

"النائم فيها خير من اليقظان واليقظان فيها خير من القائم"(۱)

جو ان میں سورہا ہوگا وہ جاگنے والے سے بہتر ہوگا اور جو جاگ رہا ہوگا وہ اٹھنے والے سے بہتر ہوگا۔

ہر شخص کو کوشش کرنی چاہئے کہ میرے کسی قول و عمل سے امت کے درمیان افتراق کی خلیج وسیع نہ ہو، نیز اہل حق کو اس بات سے چوکنا رہنا چاہئے کہ اہل باطل ان کے درمیان اختلافات کو ہوا دے کر اپنا الو سیدھا نہ کرسکیں، جب اہل حق آپس ہی میں لڑنے لگتے ہیں تو اہل باطل کے لئے میدان صاف ہوجاتا ہے، اس لئے اہل حق کو اہل باطل کے ہاتھ کا کھلونا نہیں بننا چاہئے، کہ جوش میں اپنوں ہی کو بدنام کرنے لگیں، افسوس ہے کہ مسلمانوں میں سب سے بڑا مرض یہی ہے کہ اپنوں سے بدگمانی رکھیں گے اور حق کے نام پر اہل حق سے لڑیں گے لیکن اہل باطل کے ساتھ مسامحت اور رواداری برتی جائے گی، اللہ تعالیٰ اپنا فضل فرمائے۔

چہارم: اکرام واحترام

ایک مسلمان اللہ ورسول صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان رکھنے کی وجہ سے اکرام واحترام کا مستحق ہے اور ہماری باہمی رنجشوں سے اس کے احترام کا حکم منسوخ نہیں ہوجاتا، سنن ابوداؤد میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد مروی ہے کہ:

"ان من اجلال الله تعالىٰ اكرام ذى الشيبة المسلم وحامل القرآن غير الغالى فيه والجافى عنه واكرام السلطان المقسط"(۲)

تین چیزیں اللہ تعالیٰ کی تعظیم میں داخل ہیں: سفید ریش مسلمان کی عزت کرنا، حامل قرآن کی عزت کرنا، جو نہ قرآن میں غلو کرے نہ بے پروائی کرے اور عادل حاکم کی عزت کرنا۔

بہر حال اختلاف کی بنا پر کسی بھی مسلمان کی ہتک عزت جائز نہیں اور خاص طور پر علمائے دین کی بے حرمتی کرنا تو بہت ہی بری بات ہے کوئی مخلص عالم دین ایک رائے رکھتا ہو تو اس پر سب وشتم کرنا اس میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے انتقام کا نہایت خطرہ ہے، ایسا شخص مخذول اور بے توفیق ہوجاتا ہے اور ایمان کی سلامتی مشکل ہوجاتی ہے۔

پنجم: استخارہ کرنا

دور حاضر میں امت کا شیرازہ جس بری طرح بکھر گیا ہے، مستقبل قریب میں اس کی شیرازہ بندی کا کوئی امکان نظر نہیں آتا، جب استشارے کا راستہ بند ہوگیا تو اب صرف استخارہ کا راستہ ہی باقی رہ گیا ہے، حدیث

---

(۱) الصحيح لمسلم، كتاب الفتن، باب اشراط الساعة ج:۲ ص:۳۸۹، ط: قديمى

(۲) مشكوة المصابيح، كتاب الآداب، باب الشفقة والرحمة على الخلق ج:۲ ص:۴۲۳.

سنن ابی داؤد، كتاب الآداب، باب فى تنزيل الناس منازلهم ج:۲ ص:۶۶۵، ط: حقانيه پشاور

شریف میں تو فرمایا تھا:

"ماخاب من استخار وماندم من استشار"(۱)

جو استخارہ کرے وہ خائب وخاسر نہ ہوگا اور جو مشورہ کرے گا پشیمان نہ ہوگا۔

عوام کے لئے یہی دستور العمل ہے کہ اگر کوئی ان فتنوں میں غیر جانبدار نہیں رہ سکتا ہے تو مسنون استخارہ کرکے عمل کرے اور امید ہے کہ استخارہ کے بعد اس کا قدم صحیح ہوگا، مسنون استخارہ کا مطلب یہی ہے کہ انسان جب کسی امر میں متحیر اور متردد ہوتا ہے اور کوئی واضح وصاف پہلو نظر نہیں آتا اس کا علم رہنمائی سے قاصر رہتا اور اس کی طاقت جواب دے جاتی ہے تو حق تعالیٰ کی بارگاہ رحمت وعطاف میں التجا کرتا ہے اور حق تعالیٰ کی بارگاہ سے دین تفویض اور تسلیم ورضا بالقضاء کے راستوں سے کرتا ہے کہ وہ اس کی دستگیری اور رہنمائی فرمائے، بہتر صورت پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔

فتنوں کا اصل علاج

قرآن کریم حق تعالیٰ شانہ کی وہ آخری اور عظیم ترین نعمت ہے جو اس دنیا کو دی گئی ہے، قرآن کریم ہی وہ قانون الٰہی ہے جو انسانوں کو اعلیٰ ترین منزل پر پہنچانے کا ضامن ہے اور جو قوموں کی سربلندی اور حکومتوں کی عزت ومجد کا بہترین ذریعہ ہے، دور حاضر کے جتنے بھی فتنے ہیں ان سب کا واحد علاج قرآنی دستور ہے، اسلامی ممالک میں آج کل جو فتنے رونما ہورہے ہیں ان کا اصلی سبب قرآن کریم کی تعلیمات سے انحراف واعراض ہے:

﴿نَسُوا اللهَ فَأَنْسٰهُمْ أَنْفُسَهُمْ أُولٰئِكَ هُمُ الْفَاسِقُوْنَ﴾ [الحشر:۱۹]

انہوں نے اللہ کو بھلادیا، پھر اللہ نے ان کو اپنی جانوں سے بھلادیا یہی لوگ ہیں نافرمان۔

شام ہو یا مصر، انڈونیشیا ہو یا افریقہ ان سب میں روز روز کے انقلابات اور بے چینی اور اضطراب کا اصلی سبب یہی ہے کچھ ظاہری اسباب بھی ہیں جن میں روس وامریکہ کی ریشہ دوانیاں سرفہرست ہیں لیکن ان اسباب میں کوئی تضاد وتعارض نہیں، ظاہر بین ظاہری اسباب کو دیکھتے ہیں اور حقائق بین نگاہیں باطن تک پہنچتی ہیں، میں سمجھتا ہوں کہ قرآن کریم میں سورۂ حشر کے آخری رکوع میں یہ مضمون بالکل واضح کردیا گیا ہے، سورۂ حشر جس میں یہودی تباہی وبربادی کی داستان اور ان کا حشر یہ سب کچھ نعمت قرآن کی ناشکری اور اس عظیم نظام قرآنی سے انکار وجحود کا نتیجہ تھا، غرض سورۂ حشر کا محور بھی قرآنی دعوت ہے اور یہودی عبرت انگیز تاریخی داستان پیش کرنے سے مقصد بھی یہی ہے کہ قرآن کریم پر عمل نہ کرنے کا انجام کار آخر یہ ہوتا ہے اس لئے ابتداء سورت میں حق تعالیٰ کی تسبیح وتقدیس کا بیان ہے اور انتہاء میں اللہ تعالیٰ کی صفات کمال جمال وجلال کا ذکر ہے تاکہ دعویٰ ودلیل دونوں کا ساتھ ہی ساتھ ذکر ہو:

(۱) المعجم الاوسط للطبرانی، رقم الحدیث ۶۶۲۷ ج:۶ ص:۳۶۵، ط: دار الحرمین قاھرۃ

﴿كِتٰبٌ أَنْزَلْنَاهُ إِلَيْكَ مُبَارَكٌ لِيَدَّبَّرُوْا آيٰتِهٖ وَلِيَتَذَكَّرَ أُولُوا الْأَلْبَابِ﴾ [ص:۲۹]

ایک کتاب ہے جو اتاری ہم نے تیری طرف برکت کی، تاکہ لوگ اس میں تدبر کریں اور عقل والے اس سے نصیحت حاصل کریں۔

لفظ و معنی و حروف و نقوش سب ہی بابرکت ہیں جن کی تفصیلات احادیث میں ہیں "تدبر" عمل کرنا ہے، علمی درجہ میں حکیمانہ حقائق پر غور کرنا ہے، "تذکرہ اولی الالباب" عملی قانون بنانا ہے اور جب تک اسلامی ممالک کا قانون قرآن کریم رہا سارے عالم پر ان کا جھنڈا لہراتا رہا اور ایک ہزار برس تک ان کا سکہ چلتا رہا، آخر بے عملی و بدعملی کے نتائج سامنے آگئے۔

"جامع ترمذی" اور "مسند دارمی" میں بروایت حارث اعور حضرت علیؓ کی مرفوع حدیث میں ان سب حقائق کا بیان موجود ہے، حدیث کا یہ جملہ انتہائی قابل غور ہے:

"من تركه من جبار قصمه الله"(۱)

یعنی اگر کوئی طاقتور حکمران بھی اس قانون الٰہی کو ترک کرے گا تو اللہ اس کو ریزہ ریزہ کردے گا۔

انتہائی صدمہ یہ ہے کہ عالم اسلام کی سب سے بڑی اسلامی مملکت پاکستان جس میں دنیا کی قیادت کی صلاحیت تھی اور ہے وہ آج قرآن حکیم سے دردناک بے اعتنائی کر رہی ہے اور افسوس کہ نہ صرف بے اعتنائی بلکہ اس دور میں قرآنی حقائق کے مسخ کرنے اور تحریف کرنے کا جو منظم و پیہم سلسلہ جاری ہے اس کو نہ صرف یہ کہ برداشت کیا جا رہا ہے بلکہ اس کی حوصلہ افزائی کی جا رہی ہے۔ ان اٹھارہ سال میں دین اسلام کی سربلندی کے لئے ایک انچ بھی آگے نہیں بڑھے بلکہ جہاں تھے اس سے بھی پیچھے ہٹ کر پوری طرح قعر مذلت میں جا پڑے، پرویز اور پھر اس کے نقش قدم پر چلنے والے ڈاکٹر فضل الرحمن ڈائرکٹر ادارۂ تحقیقات اسلامیہ نے سابق تحریفات کا ریکارڈ توڑ دیا، ادارہ پر حکومت کا لاکھوں روپیہ سالانہ خرچ ہو رہا ہے، کیا پاکستان اس لئے بنا تھا کہ برطانوی دور استعمار میں جو کام نہ ہو سکا وہ پاکستان پورا کردے، انا للہ وانا الیہ راجعون!

پاکستان کے موجودہ صدر محترم سے کچھ توقعات وابستہ ہوگئی تھیں اور خیال تھا کہ جس طرح مملکت کا نظم و نسق پہلے سے بہتر ہوگیا ہے، دینی اعتبار سے بھی یہ حکومت گوئے سبقت لے جائے گی اور دینی اعتبار سے بھی ایوبی عہد مبارک ثابت ہوگا، فریضۂ جہاد حق تعالیٰ نے میسر فرمایا اور امت نے اس کی برکات کا بھی معائنہ کیا لیکن ان اثرات کو مٹا دیا گیا، ہم بارہا ان حقائق کو واشگاف الفاظ میں بیان کر چکے ہیں لیکن سب کچھ صدا بصحرا ثابت ہوا، کوئی نتیجہ ابھی تک ظاہر نہیں ہے اگر ہماری آواز نہیں پہنچتی تو افسوس ہے اور اگر پہنچتی ہے اور پھر اس پر غور نہیں ہوتا

---

(۱)سنن الترمذی،ابواب فضائل القرآن،باب ماجاء فی فضل القرآن ج:۲ص:۱۱۸،ط:قدیمی۔سنن الدارمی،کتاب فضائل القرآن،باب فضل من قرأ القرآن ج:۲ ص:۵۲۶،ط:دار الکتاب العربی بیروت

تو صد افسوس، نتیجہ دونوں صورتوں میں ظاہر ہے، ہماری آرزو اور خواہش ہے کہ جس طرح ظاہری اعتبار سے پاکستان عہد حاضر میں قابل فخر بن گیا ہے کاش دینی اعتبار سے بھی ایسا ہی ہوتا تا کہ اقوام عالم میں ہمارا سر اونچا ہوتا اور ایک معیاری اسلامی حکومت ہوتی لیکن ''از ما ست کہ بر ماست''۔

مادیت کا فتنہ اور اس کا علاج

آج کل دنیا طرح طرح کے فتنوں کی آماجگاہ بنی ہوئی ہے، ان سب فتنوں میں ایک بنیادی اور بڑا فتنہ ''پیٹ'' کا ہے، شکم پروری وتن آسانی زندگی کا اہم ترین مقصد بن کر رہ گیا ہے، ہر شخص کا شوق یہ ہے کہ لقمہ تر اس کی لذت کام ودہن کا ذریعہ بنے اور یہ فتنہ اتنا عالمگیر ہے کہ بہت کم افراد اس سے بچ سکے ہیں، تاجر ہو یا ملازم، اسکول کا ٹیچر ہو یا کالج کا پروفیسر، دینی درسگاہ کا مدرس ہو یا مسجد کا امام اس آفت میں سبھی مبتلا نظر آتے ہیں، ہاں فرق مراتب ضرور ہے۔ زہد وقناعت، ورع وتقوی اور اخلاص وایثار جیسے اخلاق وفضائل اور ملکات کا نام ونشان نہیں ملتا، اسی کا نتیجہ ہے کہ آج کا پورا عالم ساز وسامان کی فراوانی کے باوجود حرص وآز، طمع ولالچ اور زرطلبی وشکم پروری کی بھٹی میں جل رہا ہے اور کرب واضطراب، بے چینی، بے اطمینانی اور حیرت وپریشانی کا دھواں ہر چہار سمت پھیلا ہوا ہے۔

دراصل اس فتنہ جہاں سوز کا بنیادی سبب یہی ہے جس کی نشاندہی رحمت للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمائی، آخرت کا یقین بے حد کمزور اور آخرت کی نعمتوں اور راحتوں کا تصور قریبا ختم ہو چکا ہے، مادی نعمتیں اور ان کا تصور اس قدر غالب ہے کہ روحانی قدریں مضمحل ہو چکی ہیں، یہی وجہ ہے آج انسانوں کی چھوٹائی بڑائی، عزت وذلت اور بلندی وپستی کی پیمائش ﴿إن أكرمكم عند الله أتقاكم﴾ کے پیمانے سے نہیں ہوتی بلکہ ''پیٹ اور جیب'' کے پیمانے سے ہوتی ہے، مادیت کے اس سیلاب میں پہلے ایمان ویقین رخصت ہوا، پھر انسانی اخلاق ملیا میٹ ہوئے، پھر اسوۂ نبوت سے وابستگی کمزور ہو کر اعمال صالحہ کی فضا ختم ہوئی، پھر معاشرت ومعاملات کی گاڑی لائن سے اتری، پھر سیاست وتمدن تباہ ہوا اور اب مادیت کا یہ طوفان انسانیت کو بہیمیت کے گڑھے میں دھکیل رہا ہے، افراتفری اور بے اصولی، آوارگی وبے راہ روی اور بے رحمی وشقاوت کا وہ دور دورہ ہے کہ الامان والحفیظ۔

الغرض اس ''پیٹ'' کے فتنے نے ساری دنیا کی کایا پلٹ کر ڈالی، دنیا بھر کے عقلاء ''پیٹ'' کی فتنہ سامانی کے سامنے بے بس نظر آتے ہیں وہ اس فتنہ کے ہولناک نتائج کا تدارک بھی کرنا چاہتے ہیں مگر صد حیف کہ علاج کے لئے ٹھیک وہی چیز تجویز کی جاتی ہے جو خود سبب مرض ہے، درحقیقت انبیاء علیہم السلام ہی انسانیت کے نباض ہیں اور انہی کا تجویز کردہ علاج اس مریض کے لئے کارگر ہوتا ہے۔

حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس ہولناک مرض کی صحیح تشخیص بہت پہلے فرمادی تھی، چنانچہ ارشاد فرمایا:

"والله لا الفقر أخشى عليكم ولكن أخشى عليكم أن تبسط عليكم الدنيا كما بسطت على من كان قبلكم فتنافسوها كما تنافسوها فتهلككم كما أهلكتهم"(۱)

بخدا! مجھے تم پر فقر کا اندیشہ قطعاً نہیں، بلکہ اندیشہ یہ ہے کہ تم پر دنیا پھیلائی جائے، جیسا کہ تم سے پہلوں پر پھیلائی گئی پھر تم پہلوں کی طرح ایک دوسرے سے آگے بڑھ کر اسے حاصل کرنے کی کوشش کرو، پھر اس نے جیسے ان کو برباد کیا تمہیں بھی برباد کر ڈالے۔

لیجئے یہ تھا وہ نقطۂ آغاز جس سے انسانیت کا بگاڑ شروع ہوا یعنی دنیا کو نفیس اور قیمتی چیز سمجھنا اور ایک دوسرے سے بڑھ چڑھ کر اس پر جھپٹنا، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تشخیص پر ہی اکتفا نہیں کیا بلکہ اس کے لئے ایک جامع نسخۂ شفا بھی تجویز فرمایا جس کا ایک جزء اعتقادی ہے اور دوسرا عملی۔

اعتقادی جزء یہ کہ اس حقیقت کو ہر موقعہ پر مستحضر رکھا جائے کہ اس دنیا میں ہم چند لمحوں کے مہمان ہیں، یہاں کی ہر راحت وآسائش بھی فانی ہے اور ہر تکلیف ومشقت بھی ختم ہونے والی ہے، یہاں کے لذائذ وشہوات آخرت کی بیش بہا نعمتوں اور ابد الآبادکی لازوال راحتوں کے مقابلہ میں کالعدم اور ہیچ ہیں، قرآن کریم اس اعتقاد کے لئے سراپا دعوت ہے اور سینکڑوں جگہ اس حقیقت کو بیان فرمایا گیا ہے، سورۃ الاعلیٰ میں نہایت بلیغ مختصر اور جامع الفاظ میں اس پر متنبہ فرمایا:

﴿بَلْ تُؤْثِرُوْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةُ خَيْرٌ وَّأَبْقٰى﴾ [الاعلیٰ:۱۶،۱۷]

کان کھول کر سن لو! (کہ تم آخرت کو اہمیت نہیں دیتے) بلکہ دنیا کی زندگی کو (اس پر) ترجیح دیتے ہو، حالانکہ آخرت (دنیا سے) بدرجہا بہتر اور لازوال ہے۔

اور عملی حصہ اس نسخہ کا یہ ہے کہ دنیا میں رہتے ہوئے آخرت کی تیاری میں مشغول ہوا جائے اور بطور پرہیز کے حرام اور مشتبہ چیزوں کو زہر سمجھ کر ان سے کلی پرہیز کیا جائے اور یہاں کے لذائذ وشہوات میں انہماک سے کنارہ کشی کی جائے، دنیا کا مال واسباب، زن وفرزند، خویش واقرباء اور قبیلہ وبرادری کے سارے قصے زندگی کی ایک ناگزیر ضرورت سمجھ کر صرف بقدرِ ضرورت ہی اختیار کئے جائیں، ان میں سے کسی چیز کو بھی دنیا میں عیش وعشرت اور لذت وتنعم کی زندگی گذارنے کے لئے اختیار نہ کیا جائے، نہ یہاں کی عیش کوشی کو زندگی کا مقصد اور موضوع بنایا جائے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشادِ گرامی ہے:

---

(۱) صحيح البخاری، كتاب الرقاق، باب مايحذر من زهرة الدنيا والتنافس فيها ج:۲ ص:۹۵۱، ط: قديمی
الصحيح لمسلم، كتاب الزهد ج:۲ ص:۴۰۷، ط: قديمی.

"اياك والتنعم ، فان عباد الله ليسوا بالمتنعمين"(۱)

عیش وتنعم سے پرہیز کرو، کیونکہ اللہ کے بندے عیش پرست نہیں ہوتے۔

عجیب متضاد طرز عمل

تعجب ہے کہ اگر کسی ڈاکٹر کی رائے ہو کہ دودھ، گھی، گوشت، چاول وغیرہ کا استعمال مضر ہے تو اس کے مشورے اور اشارے سے تمام نعمتیں ترک کی جاسکتی ہیں، لیکن خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کے واضح ارشادات اور وحی آسمانی کے صاف احکام پر ادنیٰ سے ادنیٰ لذت کا ترک کرنا گوارا نہیں، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی آل واصحابؓ کی زندگی اور معیار زندگی کو اول سے آخر تک دیکھا جائے تو معلوم ہوگا کہ دنیا کی نعمتوں سے دل بستگی سراسر جنون ہے۔ "صحیح بخاری شریف" میں حضرت ابو ہریرہؓ کا قصہ مروی ہے کہ کچھ لوگوں پر ان کا گذر ہوا، جن کے سامنے بھنا ہوا گوشت رکھا تھا، انہوں نے حضرت ابو ہریرہؓ کو کھانے کی دعوت دی، آپؓ نے انکار کردیا اور فرمایا کہ "محمد صلی اللہ علیہ وسلم اسی حالت میں دنیا سے رخصت ہوئے کہ جو کی روٹی بھی پیٹ بھر کر نہ کھائی۔"(۲)

مہینوں پر مہینے گذر جاتے مگر کاشانۂ نبوت میں نہ رات کو چراغ جلتا نہ دن کو چولہا گرم ہوتا، پانی اور کھجور پر گذر بسر ہوتی وہ بھی کبھی میسر آتیں کبھی نہیں، تین تین دن کا فاقہ ہوتا، کمر سیدھی رکھنے کے لئے پیٹ پر پتھر باندھے جاتے اور اسی حالت میں جہاد وقتال کے معرکے ہوتے، الغرض زہد وقناعت، فقر وفاقہ، بلند ہمتی وجفاکشی اور دنیا کی آسائش سے بے رغبتی اور نفرت و بیزاری سیرت طیبہ کا طغرائے امتیاز تھی، اپنی حالت کا اس "پاک زندگی" سے مقابلہ کرنے کے بعد ہم میں سے ہر شخص کو شرم آنی چاہئے، ہمارے یہاں سارا مسئلہ روٹی اور پیٹ کا ہے اور وہاں یہ سرے سے کوئی مسئلہ ہی نہیں تھا، ظاہر ہے کہ یہ زندگی بالقصد اختیار کی گئی تھی تاکہ آئندہ نسلوں پر خدا کی حجت پوری ہوجائے ورنہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم چاہتے تو آپ کو منجانب اللہ کیا کچھ نہ دیا جاسکتا؟ مگر دنیا کا یہ ساز وسامان جس کے لئے ہم مرکھپ رہے ہیں اللہ تعالیٰ کی نظر میں اس قدر حقیر وذلیل ہے کہ وہ اپنے محبوب اور مقرب بندوں کو اس سے آلودہ نہیں کرنا چاہتا، بعض انبیاء علیہم السلام کو عظیم الشان سلطنت بھی دی گئی مگر ان کے زہد وقناعت اور دنیا سے بے رغبتی و بیزاری میں فرق نہیں، ان کے پاس جو کچھ تھا دوسروں کے لئے تھا، اپنے نفس کے لئے کچھ نہ تھا۔

الغرض یہ ہے "فتنۂ پیٹ" کا صحیح علاج جو انبیاء کرام علیہم السلام اور بالخصوص سید کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے تجویز فرمایا، اور اگر انسان "پیٹ کی شہوت" کے فتنہ سے بچ نکلے تو انشاء اللہ "شہوت فرج" کے فتنہ سے بھی محفوظ

---

(۱)مشكوة المصابيح، كتاب الرقاق، باب فضل الفقراء ج:۲ ص:٤٤٩، ط: قديمى

(۲)صحيح البخارى، كتاب الاطعمة، باب ماكان النبى صلى الله عليه وسلم واصحابه ياكلون ج:۲ ص:۸۱۵، ط: قديمى

رہے گا کہ یہ خرمستی پیٹ بھرے آدمی کو ہی سوجھتی ہے، بھوکا آدمی اس کی آرزو کب کرے گا، ان ہی دو شہوتوں سے بچنے کا نام اسلام کی اصطلاح میں ''تقویٰ'' ہے جس پر بڑی بشارتیں دی گئی ہیں، خلاصہ یہ ہے کہ جس طرح ضعیف مریض کو بقائے حیات کے لئے ہلکی پھلکی معمولی غذا کا مشورہ دیا جاتا ہے اور زبان کے چسکے سے بچنے کی سخت تاکید کی جاتی ہے تاکہ مطلوبہ اعلیٰ صحت نصیب ہو، بس یہی حیثیت اسلام کی نظر میں دنیا کی ہے۔

انسانی مشکلات کا حل صرف اسلام اور اسلامی نظام میں ہے

''بینات'' کے گذشتہ سے پیوستہ شمارے میں مصری حکومت کے نائب صدر جناب حسین شافعی کے ایک مضمون کا ترجمہ دیا گیا تھا، افسوس ہے کہ اس قیمتی مقالے کا ایک اہم قطعہ کتابت واشاعت سے رہ گیا، اس میں صاف اور جلی عنوان سے یہ مضمون تھا کہ ''کمیونزم یا سوشلزم یا کیپٹل ازم، انسانی مشکلات کے حل کرنے میں ناکام ہو چکے ہیں، صرف اسلامی نظام ہی اس کا صحیح حل ہے''۔ مصری حکومت میں جہاں کمیونزم اور سوشلزم کا ڈھنڈورا بڑی بلند آہنگی کے ساتھ پیٹا گیا تھا، یہ اعتراف حقیقت بہت ہی قابل قدر اور لائق توجہ ہے، ہمارے یہاں کے ارباب اقتدار کو بھی مصر کے اس تجربہ سے عبرت پکڑنا چاہئے جو تھوڑے وقفے کے بعد اعلان کرتے رہتے ہیں کہ ہماری منزل مقصود ''اسلامی سوشلزم'' ہے۔ ''بینات'' کے صفحات میں بارہا عرض کیا جا چکا ہے کہ اسلام کی ریشمی قبا پر کسی ''ازم'' کے ٹاٹ کا پیوند نہیں لگایا جا سکتا، نہ کسی ''باطل ازم'' کو اس ترکیب سے مشرف بہ اسلام کیا جا سکتا ہے۔

قابل تقلید مثال

گذشتہ دنوں شیخ الازہر یہاں تشریف لائے تو ان سے معلوم ہوا کہ حکومت مصر کے نائب صدر اور شیخ الازہر کی تحریک پر قاہرہ میں حفظ قرآن کے لئے ایک انجمن بنائی گئی ہے جس کے ہر فرد پر قرآن کریم حفظ کرنا اور اس کے مطابق زندگی ڈھالنے کی پابندی لازم ہے، ہر شخص کو قرآن کریم کا ایک نسخہ دیا جاتا ہے اور ہفتہ میں کتنا یاد کرنا ہے اس کی نشاندہی کی جاتی ہے، جمعہ کے دن ازہر کی جامع مسجد میں نماز جمعہ سے قبل تین گھنٹے تک شیخ الازہر اور جناب حسین شافعی نائب صدر حکومت، تجوید کے ساتھ عوام سے قرآن سنتے ہیں اور آئندہ ہفتہ کے لئے مقدار حفظ کی نشاندہی کرتے ہیں، سبحان اللہ! مصر کی سرزمین اور یہ نظام؟ اللہ تعالیٰ ہمارے ارباب اقتدار اور علماء و مشائخ کو بھی اس کی توفیق عطا فرمائے، آمین۔

[جمادی الاولیٰ ۱۳۹۴ھ - جون ۱۹۷۴ء]

سب سے بڑا فتنہ حب دنیا

عصر حاضر کا سب سے بڑا فتنہ دنیا کی محبت ہے دنیا سے میری مراد عام ہے دولت وثروت ہو، جاہ و منزلت ہو، شہوات ولذائذ ہوں، راحت وآسائش ہو، بودوباش ہو، غرض معاشرت ومعیشت کا کوئی شعبہ بھی ہو، غیر شعوری طور پر اس کی رغبت ہوتی ہے، اس کے لئے محنت کی جاتی ہے، ان چیزوں کو قرآن وحدیث میں ''متاع دنیا'' کہا گیا ہے اور جب دنیا کی محبت کا غلبہ ہوتا ہے تو اس کے حصول کے لئے عام ذرائع اختیار کئے جاتے ہیں، حلال ہوں یا حرام ہوں اور جب یہ حالت ترقی کر جاتی ہے تو پھر اس کے حصول کے لئے کوئی چیز مانع نہیں ہوتی، بے حیائی، بے رحمی ناانصافی سب آجاتی ہیں اور رفتہ رفتہ طبیعت مسخ ہو جاتی ہے اور حقائق معکوس ہو جاتے ہیں، صحیح کو غلط سمجھنے لگتا ہے اور غلط کو صحیح، حق کو باطل اور باطل کو حق، حق تعالیٰ کا ارشاد صادق آجاتا ہے ﴿فَإِنَّهَا لَا تَعْمَى الْأَبْصَارُ وَلَـٰكِن تَعْمَى الْقُلُوبُ الَّتِي فِي الصُّدُورِ﴾ [الحج:٤٦] یعنی سر کی آنکھیں اندھی نہیں ہوتیں، دل کی آنکھیں اندھی ہو جاتی ہیں۔ اس لئے حدیث نبوی میں یہ ارشاد ہے کہ ''حب الدنیا رأس کل خطیئة''(۱) یعنی دنیا کی محبت ہر گناہ کی جڑ ہے، بہرحال حب دنیا کا فتنہ اتنا عالمگیر ہو گیا ہے کہ ہر شخص پر کچھ نہ کچھ اثر اس کا پڑتا ہے، الا ماشاء اللہ۔ پھر نفس کی ان خواہشات کو شیطان لعین ہوا دیتا ہے، اس کی اہمیت ومعقولیت طبیعت میں راسخ کرتا ہے ﴿وزين لهم الشيطان أعمالهم﴾ کہ شیطان ان کے کاموں کو ان کے لئے خوبصورت وآراستہ کرتا ہے۔ جب نفس وشیطان کا پورا استیلا ہو جاتا ہے تو انسان اچھا خاصا حیوان بن جاتا ہے، اس کے لئے شراب نوشی، بدکاری، بے حیائی، عریانی وفحاشی سب میں انتہائی جاذبیت پیدا ہو جاتی ہے، اناللہ۔ اللہ تعالیٰ رحم فرمائے۔ اس صورت حال میں اگر بدقسمتی سے انسان خدافراموش ماحول میں پہنچ جاتا ہے جہاں کی دنیا یہی ہو، جہاں قدم قدم پر یہ روح فرسا منظر ہوں، دل ودماغ پر نفس وشیطان کا سحر اثر کر گیا ہو، ہر وقت متاع دنیا کی ہوس سوار ہو تو معاملہ مایوس کن مرحلہ میں داخل ہو جاتا ہے یا انسان کسی ایسی مملکت میں سکونت پذیر ہو کہ حکومت کی خواہش یہی ہو کہ خدا تعالیٰ کی تمام مخلوقات خدافراموش زندگی اختیار کرے، ہر بے حیائی کی حوصلہ افزائی ہو، تھیٹر، سینما، ٹی وی اور فواحش منظر ہوں، تعلیم ہو تو مخلوط ہو، اجتماعات ہوں تو مشترک ہوں، اس دردناک صورت حال میں کیا کوئی خیر کی توقع باقی رہ سکتی ہے؟

یہ تو عملی فتنوں کی حالت ہے اگر اس پر مستزاد علمی فتنے بھی شامل ہوں مثلاً سیرت ہو تو فرائیڈ کی، تاریخ ہو تو ہیگل ومارکس اور لینن کی، نہ ذکر وعبادت کی فکر ہو نہ تقویٰ کا خیال ہو، ظلمات بعضها فوق بعض، اوپر نیچے اندھیرا ہی اندھیرا ہو تو خیر کی کیا امید؟

---

(۱) مشکوٰۃ المصابیح، کتاب الرقاق، الفصل الثالث ص: ٤٤٤، ط: قدیمی

آج کل اکثر اسلامی ممالک کی یہی صورت حال ہے مال دولت کی فراوانی نہیں بلکہ سیلاب ہے، مال و دولت کی فراوانی کے جو لوازم ہیں یعنی عیش پرستی، اسراف وتبذیر، کروفر نخوت وغرور کا وہ عالم کہ الا مان والحفیظ، افسوس کہ فقر وتنگدستی میں ان کا ایمان محفوظ رہا اور انسانی اخلاق وملکات قائم رہے لیکن اس پرآشوب صورت نے تو ان کی کایا پلٹ دی، نہ معلوم یہ سیلاب کہاں رکے گا اور کیسے رکے گا؟

خدا فراموشی کا نتیجہ!

آج بیروت کا خوبصورت شہر اور لبنان کے علاقے کیوں جہنم کدہ بنے ہوئے ہیں؟ عبرت کا مقام ہے، عیاشی و بدمعاشی، بے حیائی و عریانی، غنا، فحش ومنکرات کے قبیل کی کون سی چیز ہے جس کا وجود وہاں نہ ہو؟ آخر نام اسلام کا ہو اور تمام کام کفر کے ہوں یہ نفاق حق تعالیٰ کے یہاں برداشت نہیں۔ مانا کہ اس عذاب کے کچھ ظاہری اسباب بھی ہیں لیکن تکوینی اسباب اور ظاہری اسباب میں تعارض نہیں ظاہری اسباب کچھ بھی ہوں لیکن باطنی اسباب کچھ اور ہوتے ہیں، ہم بینات کے ''بصائر وعبر'' کے صفحات میں بارہا یہ عبرت انگیز تلخی آمیز حقائق واشگاف بیان کر چکے ہیں، ولکن لا حیاة لمن تنادی (تم جس کو پکار رہے ہو وہ موت کی نیند سو چکا ہے) کون سنتا ہے؟ نقار خانے میں طوطی کی آواز سے زیادہ اس کی حیثیت نہیں، نہ معلوم کہ دنیا کو یہ جنون کیوں سوار ہے؟ ہوش کیوں نہیں آتا؟ ''حیات طیبہ'' پاکیزہ زندگی کی برکات کا کیوں احساس نہیں ہے؟ دنیا کی اس خدا فراموش زندگی کا پہلا نتیجہ اضطرابِ قلب ہے، چنانچہ آج دنیا سے سکون مفقود ہے، دنیا کی نعمتوں میں سب سے زیادہ قابل اہمیت نعمت سکون قلب ہے اگر یہ حاصل ہے تو سب کچھ ہے، ورنہ تمام باغ وبہار ہیچ ہے، اگر غور کیا جائے تو انسان اس یقین تک پہنچ سکتا ہے کہ پاکیزہ زندگی کے ذریعہ دنیا بھی جنت ہے اور خدا فراموش زندگی میں دنیا جہنم ہے ﴿و ان جهنم لمحيطة بالكافرين﴾ کی ایک توجیہ یہ بھی ہے۔ بلاشبہ اگر دنیا کو آخرت کی نعمتوں کا ذریعہ بنایا جائے تو دنیا دنیا نہیں ہوگی بلکہ یہی دنیا آخرت بن جائے گی اور ہر لمحہ اجر وثواب نصیب ہوگا اور اسی لئے حدیث میں یہ بھی آیا ہے کہ ''لا تسبوا الدنیا'' یعنی دنیا کو برا مت کہو۔ اس کی مراد یہی ہے کہ دنیا آخرت کا مزرعہ اور کھیتی ہے، اگر یہ دنیا نہ ہو تو آخرت کی نعمتیں کیوں کر حاصل ہوں گی؟ دنیا ہی کے ذریعہ آخرت کی تمام نعمتیں حاصل ہو سکتی ہیں ہاں اگر دنیا کا مقصد صرف دنیا کی نعمتیں ہیں تو پھر دنیا لعنت ہی لعنت اور غضب ہی غضب کی مستحق ہے اور اسی لئے حدیث شریف میں آیا ہے جو جامع ترمذی، ابوداؤد وغیرہ میں ہے:

''الدنیا ملعونة، معلون مافیها الا ذکر الله أو ما والاه أوعالم أو متعلم''(۱)

---

(۱) سنن الترمذی، ابواب الزهد، باب ماجاء فی هوان الدنیا علی الله عزوجل ج:۲ ص:۵٦، ط: فاروقی کتب خانه. سنن ابن ماجه، ابواب الزهد، باب مثل الدنیا ص:۳۰۲، ط: قدیمی

کہ دنیا اور جو کچھ دنیا میں ہے تمام لعنت کے مستحق ہیں، بجز چار چیزوں کے:

① حق تعالیٰ کی یاد، اور یادِ الٰہی کے حکم میں ہر پاکیزہ زندگی ہے

② اور جو چیز دنیا کی اللہ تعالیٰ کو پسند ہو، یعنی عمل صالح، عبادات اور مکارم اخلاق وغیرہ

③ عالم اور علمی زندگی

④ علم دین حاصل کرنے کی زندگی۔

یہ چار چیزیں گویا آخرت کی نعمتیں ہیں اگرچہ دنیا میں ہیں۔ ان چار چیزوں کو اگر نکال دیا جائے تو دنیا ملعون ہے قابل لعنت ہے اس میں کوئی خوبی نہیں۔

یہ میں نہیں کہتا ہے کہ یکسر دنیا کو چھوڑ کر رہبانیت اختیار کی جائے نہیں! ہرگز نہیں! تجارت، زراعت، کسب حلال، حصول نفقہ اور صحیح معاشرہ کے تمام وسائل یہ سب کچھ عین دین ہے۔ ان چیزوں کا مقصد اگر صحیح ہے تو یہ سب چیزیں دنیا نہیں بلکہ آخرت کی ہیں اور باعث اجر وثواب ہیں، شریعت ان چیزوں پر پابندی نہیں لگانا چاہتی ہے بلکہ ان کا رخ صحیح کرنا چاہتی ہے، مقصد کی اصلاح کرنا چاہتی ہے، اس طرح تمام دنیا آخرت کی زندگی بن سکتی ہے، اگر تمام زندگی عبادت میں گذار دے اور تمام اوقات درس وتدریس میں یا وعظ وتبلیغ میں گذارے لیکن مقصد جاہ ومنزلت ہو یا حصول مال ودولت ہو تو یہ ساری چیزیں دنیا بن جاتی ہیں، الغرض ایک گناہ ہی ایسی چیز ہے کہ حسن نیت سے طاعت نہیں بن سکتی ہے، باقی تمام دنیا کی جائز وحلال چیزیں حسن نیت سے آخرت کے حکم میں داخل ہوسکتی ہیں، صالحین امت کے لئے دنیا جنت ہے، فاسقین کے لئے یہ دنیا بھی جہنم ہے، میرا مقصد کوئی وعظ نہیں بلکہ مقصد یہ ہے کہ جس کو حق تعالیٰ نے ذرا بھی عقل دی ہو اور وہ ذرا بھی عقل سلیم کے تقاضے کو پورا کرے تو دنیا کی حقیقت اس پر واضح ہوجائے گی، حق تعالیٰ نے قرآن کریم میں عجیب وغریب اسلوب سے دنیا کی اس حقیقت کو مختلف مقامات میں بیان فرما کر ارباب عقول پر اپنی حجت پوری کردی ہے، آج کل جو کچھ اضطراب اور پریشانی کا نقشہ دنیا میں نظر آرہا ہے، یہ سب کچھ حب دنیا کے ثمرات ہیں، کاش مسلمان قرآن کریم کا ہی ترجمہ سمجھتے اور تدبر سے تلاوت کرتے تو یہ دلشگاف حقائق الٰہیہ ان کے سامنے آتے، لیکن آج مسلمانوں کو اخبار بینی، ریڈیو اور ٹی وی سے فرصت کہاں ملتی ہے؟ بہت کچھ تیر مارا تو ریڈیو پر اسلامی زندگی کا کچھ مضمون خاص سانچے میں ڈھلا ہوا سن لیا اور سمجھ لیا کہ بس بہت کچھ درس حاصل ہوگیا، کاش مسلمانوں کا تعلق براہ راست اللہ تعالیٰ کے اس پیغام سے ہوتا اور سمجھ کر بغور تلاوت نصیب ہوتی تو مسلمانوں کا نقشہ ہی کچھ اور ہوتا، قرآن کریم عظیم ترین نعمت ہے، یہ وہ ذکر اللہ ہے جس کے ذریعہ ایمان میں نورانیت پیدا ہوتی ہے اور جس سے قلب وروح کو غذا ملتی ہے، دماغ کی تربیت ہوتی ہے، زندگی کی اصلاح ہوتی ہے۔ ''ہم خرما وہم ثواب'' والی صورت ہے، لیکن مرض موجود ہو اور مرض کا علاج نہ ہو بلکہ مرض ہی کو صحت سمجھ لیا جائے تو شفاء کیوں کر ہوگی؟ بد پرہیز مریض کا انجام بجز ہلاکت اور کیا ہوسکتا ہے؟ زہر کو

تریاق سمجھ کر استعمال کرنے کا جو نتیجہ ہے وہ ظاہر ہے، حق تعالی مسلمانوں کو صحیح فہم عطا فرمائے اور حق بات سننے کی توفیق نصیب فرمائے اور اس پر عمل کی مزید توفیق ہو، اور ان مختصر اشارات سے فائدہ اٹھانے کی توفیق ہو۔ آمین۔

[صفر المظفر ۱۳۹۶ھ - مارچ ۱۹۷۶ء]

قرآن کریم - دین و دنیا کی کامرانیوں کا کفیل

قرآن کریم اللہ تعالی کی وہ عظیم الشان نعمت ہے جو دین و دنیا کی سعادتوں اور کامرانیوں کی کفیل ہے۔ نزول قرآن کے بعد فلاح و نجاح، مجد و شرف قرآن ہی سے وابستہ کیا گیا ہے جو قوم اس کتاب عظیم پر عامل ہوگی وہ دین و دنیا کی بلندیوں پر سرفراز ہوگی، اس کے برخلاف جو قوم اس سے اعراض کرے گی وہ آخرت کی ذلتوں اور نکبتوں کے ساتھ ساتھ دنیا میں بھی عزت اور اقتدار سے محروم ہوگی، صحیح مسلم میں حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

"ان الله يرفع بهذا الكتاب أقواماً و يضع به آخرين"(۱)

بلاشبہ اللہ تعالی قرآن کریم کے ذریعہ قوموں کو سر بلند کرتا ہے (یعنی جو عمل کریں) اور قرآن کریم کے ذریعہ قوموں کو گراتا ہے۔ (یعنی جو عمل نہ کریں)

مسند دارمی اور جامع ترمذی میں حضرت علی مرتضی رضی اللہ عنہ سے ایک حدیث مروی ہے جو مذکورہ بالا حدیث کی شرح و تفسیر ہے اس کا ماحصل درج ذیل ہے:

> ''اس دنیا میں فتنے آئیں گے، ان فتنوں سے محفوظ رہنے کا راستہ صرف قرآن حکیم ہے، قرآن حکیم میں پچھلی امتوں کے عبرت آموز واقعات ہیں، اسی طرح آئندہ آنے والے واقعات کی نشان دہی، اس کتاب حکیم میں فیصلہ کن صحیح ترین احکام الہی ہیں جو جابر حکومت اس قرآن کو چھوڑے گی وہ تباہ ہو جائے گی، جو لوگ قرآن حکیم کے علاوہ کسی اور جگہ رہنمائی حاصل کرنے کی کوشش کریں گے وہ منزل مقصود پر نہیں پہنچیں گے۔
>
> قرآن کریم اللہ تعالی کی مضبوط رسی ہے اس میں حکیمانہ نصائح ہیں اور یہی صراط مستقیم ہے، یہ کتاب عظیم اھواء انسانی کے زیغ و ضلال سے بالاتر ہے، (اسی طرح) انسانی زبانوں کی تلبیسات سے برتر ہے، اہل علم اس کے علوم و معارف سے کبھی سیر نہیں ہوں گے، پڑھنے والا بار بار پڑھنے سے بھی نہیں اکتائے گا۔ بار بار پڑھنے سے اس کے حقائق پرانے نہیں ہوتے اور اس کے علوم و معارف کا خزانہ کبھی ختم نہیں ہونے پاتا، جنات نے قرآن سننے کے

(۱) الصحيح لمسلم، كتاب فضائل القرآن، باب فضل من يقوم بالقرآن و يعلمه ج:۱ ص:۲۷۲، ط: قديمی

بعد اعتراف کیا:

ہم نے تو عجیب قرآن سنا جو رشد وہدایت کا راستہ بتلاتا ہے اس پر ہم ایمان لاتے ہیں۔[الجن:۱] اس قرآن پر جس نے یقین کیا وہی سچا ہے، جس نے عمل کیا وہ اجر کا مستحق ہے، جس نے اس پر فیصلہ کیا اس نے عدل وانصاف اختیار کیا، جس نے اس کی طرف دعوت دی اس نے صراط مستقیم کی طرف رہنمائی کی"۔(۱)

ان حکیمانہ حقائق سے لبریز کلمات نبوت نے کیا کسر چھوڑی ہے؟ کیسی وضاحت اور صراحت سے بتلایا گیا کہ قرآن حکیم پر عمل کرنے پر کیا کیا ثمرات مرتب ہوں گے اور اس سے روگردانی کے کیا کیا عواقب حاصل ہوں گے، پھر اس کتاب مقدس کے مقام رفیع کو کس طرح واضح کیا گیا کہ یہ قرآن کریم رشد وہدایت، علوم وحقائق کا سرچشمہ ہے، اسی کے قوانین میں سعادت وخیر موجود ہے اس کے سوا خود ساختہ قوانین خواہ یورپ وامریکہ کے ہوں یا روس اور اس کے ہمنواؤں کے وہ سراپا زیغ وضلال ہیں، ان پر عمل کرنا خسران وذلت کو دعوت دینا ہے۔

کاش! ہماری اسلامی حکومتیں آنکھیں کھولیں اور حقائق نبویہ پر عمل پیرا ہوں، یہ حکومتیں آج جس ذہنی غلامی میں مبتلا ہیں اور اس کے نتیجہ میں ذلت آمیز تعلقات ومعاہدات پر مجبور ہیں اگر یہ حکومتیں قرآنی تعلیمات کو اپنا نصب العین بنالیں تو ان کی زندگیوں کا نقشہ ہی کچھ اور ہو جائے اور ذلت آمیز قومی زندگی سے ہمیشہ کے لئے نجات مل جائے۔

(۲)

حکومت جمہوریہ عربیہ متحدہ لائق ستائش ہے کہ اس نے ماہ رمضان المبارک میں جو نزول قرآن کا یادگار مہینہ ہے ممالک اسلامیہ میں گیارہ سو مصری قراء کو بھیجا تاکہ ہر جگہ مساجد میں تراویح کے بعد قرأت کی محفلیں آراستہ ہوں اور مسلمان وجد آفرین تلاوت قرآن سے محظوظ ہوں۔ ظاہر ہے کہ اتنے بڑے پیمانے پر قراء کرام کو دور دراز ملکوں میں بھیجنا اور مصارف سفر برداشت کرنا، پرتکلف ہوٹلوں میں ٹھہرانا ایک چھوٹی سی حکومت کے لئے قابل صد تحسین ہے، پاکستان میں بھی دو ممتاز قاری پہنچ چکے ہیں، ایک تو شیخ القراء الشیخ محمود خلیل حصری ہیں اور دوسرے الشیخ احمد الایاتی ہیں، سنا ہے کہ فی کس دو دو ہزار پونڈ سفر خرچ اور حق الخدمت کے طور پر حکومت کی طرف سے پیش کیا گیا ہے۔

حکومت متحدہ عربیہ کا یہ جذبہ قابل قدر ہے، رقاصات اور مغنیات کو خراج تحسین حاصل کرنے کے لئے باہر دوسرے ملکوں میں بھیج کر زرمبادلہ خرچ نہیں کیا گیا بلکہ دینی روح اور جذبہ ایمانی ابھارنے کے لئے قاریوں کو

---

(۱) سنن الترمذی، ابواب فضائل القرآن، باب ماجاء فی فضل القرآن ج:۲ ص:۱۱۸، ط: قدیمی۔
سنن الدارمی، کتاب فضائل القرآن، باب فضل من قرأ القرآن ج:۲ ص:۵۲۶، ط: دار الکتاب العربی بیروت

بھیجا گیا، کاش! اس قسم کی خدمات سیاسی مصلحتوں سے بالاتر ہوں اور محض دینی سطح پر ہوں، ہمیں تو بہر حال حسن ظن ہی رکھنا چاہئے دوسرے ممالک اسلامیہ کو اس سلسلہ میں حکومت متحدہ عربیہ کی مثال سامنے رکھتے ہوئے تبلیغ دین اور اسلامی روابط کو مستحکم و مضبوط کرنے کے لئے وفود بھیجنا چاہئے۔

غالباً فروری ۱۹۶۷ء میں پاکستان میں بین الاقوامی طرز پر محفل قرأت کا انتظام ہو رہا ہے، حکومت پاکستان اس سلسلہ میں جو حصہ لے سکتی ہے وہ یہ کہ اس کے مصارف ارباب ثروت سے چندہ لینے کے بجائے خود برداشت کرے، اس طرح بعض افسوسناک واقعات کا اعادہ بھی نہ ہو اور حکومت کی ایک نیک کام میں شرکت مسلمانوں کے نزدیک قابل ستائش ہو۔

بہر حال جو کچھ کیا جا رہا ہے اور سوچا جا رہا ہے اس کی افادیت سے انکار نہیں لیکن اصل میں جو کام کرنے کا ہے اس سے اسلامی حکومتیں نہ صرف غافل بلکہ معاند ہیں، اصل کام قرآنی زندگی ہے، قرآنی حکومت بنانے کی تدبیر ہے، قرآنی احکام نافذ کرانے ہیں، قرآنی ارشادات کے مطابق معاشرے کی اصلاح کرنی ہے، قرآنی حدود و تعزیرات جاری کرانے ہیں تاکہ اسلامی حکومتیں بنیں اور قانون الٰہی پر عمل کرانے کی برکات سے بہرہ مند ہوں اور دین و دنیا کی سعادتوں سے سرفراز ہوں اور ہر طرح کی فلاح و کامرانی سے ہمکنار ہوں، دنیا کی زندہ قوموں کی صف میں شمار ہوں اور آخرت میں حق تعالیٰ کی نعمتوں کے مستحق بنیں۔

صحیح اسلامی روح تو قرآنی زندگی سے ہی پیدا ہوگی لیکن افسوس صد افسوس کہ اسلامی مملکتوں میں صحیح اسلامی روح کو کچلا جا رہا ہے، سوچئے اور بار بار سوچئے کہ ان اسلامی ملکوں میں قرآن اور اسلام کے ساتھ کیا کچھ نہیں کیا جا رہا ہے، قدم قدم پر حیا سوز مظاہر ہیں فواحش و منکرات کا سیلاب امڈ رہا ہے، اباحیت و الحاد اور نفاق کے منحوس سائے متحرک ہیں، کیا اس صورت میں یہ حکومتیں اسلامی حکومت کہلانے کی مستحق ہیں، مصر ہو یا شام، پاکستان ہو یا افغانستان جب تک اسلامی قوانین اساس و بنیاد نہیں بنیں گے ان میں سے کوئی بھی صحیح معنی میں اسلامی حکومت کہلانے کی مستحق نہیں ہوگا البتہ ان کو مسلم حکومتیں کہا جا سکتا ہے۔

[شوال ۱۳۸۶ھ-فروری ۱۹۶۷ء]

امت محمدیہ اور قرآن کریم

امت محمدیہ علی صاحبہا الصلوات والتحیات کی نجات وسعادت دارین کا ایک نسخہ ''قرآن عظیم'' ہے یعنی قرآن کریم پڑھنا پڑھانا اور اس پر عمل کرنا، اس قرآن کریم ہی کے ذریعہ اس امت کے پہلے دور کی اصلاح ہوئی ہے اور اس آخری دور کی اصلاح بھی بغیر اس کے ناممکن ہے، حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ کا ارشاد ہے، جیسے کہ ''الریاض النضرۃ'' میں محب طبری نے نقل کیا ہے:

"لن يصلح آخر هذه الأمة الا ما أصلح أولها"(۱)

معلوم ہوا تھا کہ حکومت سعودیہ میں پہلی مرتبہ قرآن کریم کے حفظ وتجوید کے مدارس مساجد میں عوامی سطح پر قائم ہونے شروع ہوگئے ہیں اور اس کا سہرا بھی ہمارے محترم شیخی محمد یوسف صاحب پاکستانی کے سر ہے کہ اس کے محرک موصوف ہی بنے ہیں ان حضرات کی حوصلہ افزائی کے لئے میں نے ایک مکتوب مکہ مکرمہ لکھا تھا جس میں خلفاء راشدین ثلاثہ حضرت عمر فاروق، حضرت عثمان، حضرت علی رضی اللہ عنہم کی روایات میں سے تین مرفوع حدیثیں کتب حدیث سے نقل کی تھیں اور ان سے واضح نتائج نکالے تھے، معلوم ہوا کہ اس مکتوب کی ان حضرات نے بڑی قدر کی اور ٹائپ کروا کر مختلف جہات میں (سرکاری اداروں) تک بھیجا، احباب کی خواہش تھی کہ ناظرین "بینات" کے سئے بھی اس مکتوب کو شائع کیا جائے تاکہ ہمارے حکمران طبقے بھی اس پر غور فرمائیں اور مسلمانوں کے مکتبوں میں جو "قرآنی خدمت" انجام دی جارہی ہے اس کی قدر کرسکیں، والله سبحانه ولى كل توفيق وسعادة۔

مکتوب بنام صدر واراکین انجمن اشاعت حفظ قرآن عظیم مکہ مکرمہ (صانہا اللہ)

الى حضرة رئيس جمعية تحفيظ القرآن الكريم بمكة المكرمة وأعضائها حفظهم الله ورعاهم، تحية وسلاماً.

وبعد، فقد أنبئت أنه انعقدت جمعية تحفيظ القران الكريم فى مكة وربوع الحجاز المقدس وفعلاً قد طال فروعها، فقد زاد سروری وطمانينتى بأن المملكة وأهلها تشملهم العناية الربانية ويزداد بذلك مجدها وعزتها وهناك أحاديث ثلاثة:

۱-فحديث عثمان رضى الله عنه أنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "خير كم من تعلم القرآن وعلمه". (۲)

دل على أن كل أمة قامت بنشر القرآن تعليماً وتعلماً هو خير أمة، فى لسان الرسول صلى الله عليه وسلم وأن هذه الخدمة قد فاقت كل خدمة دينية مهما كانت عظيمة وان خير الأمة وظيفتها ومنصبها تعليم القرآن وتعلمه وبذلك تستحق هذا اللقب الجليل.

(۱) الرياض النضرة فى مناقب العشرة، الباب الثانى فى مناقب امير المومنين ابى حفص عمر بن الخطاب، ذكر وصف على له بما يتاهل معه للخلافة ج:۲ ص:٤٠۲، ط: دار الكتب العلميه بيروت

(۲) صحيح البخارى، كتاب فضائل القرآن، باب خير كم من تعلم القرآن وعلمه ج:۲ ص:۷٥۲، ط: قديمى

٢- وحديث عمر الفاروق رضى الله عنه أنه قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "ان الله يرفع بهذا الكتاب أقواماً و يضع به آخرين"(١)

قد دل على أن كل أمة قامت بتعاليم القرآن يرفع الله علمها ويحفظ كيانها ومجدها وعزتها وأن كل أمة قد انقطعت صلتها بالقرآن خابت وخسرت وهانت وذلت.

٣-وحديث على رضى الله عنه أنه قال:

"أما انى سمعت رسول الله صلى الله يقول: ألاانها ستكون فتنة، قلت: ما المخرج منها يارسول الله؟ قال:كتاب الله، فيه نبأماقبلكم وخبرما بعدكم وحكم مابينكم هو الفصل ليس بالهزل من تركه من جبار قصمه الله، ومن ابتغى الهدى فى غيره أضله الله، وهوحبل الله المتين، وهو الذكر الحكيم وهو الصراط المستقيم، هو الذى لا تزيغ به الاهواء ولا تلتبس به الألسنة، ولا يشبع منه العلماء ولا يخلق من كثرة الرد، ولا ينقضى عجائبه هو الذى لم تنته الجن اذ سمعته حتى قالوا: ﴿انا سمعنا قرآناً عجباً يهدى الى الرشد فآمنا به﴾ من قال به صدق ومن عمل به أجر ومن حكم به عدل، ومن دعا اليه هدى الى صراط مستقيم" (٢)

يدل على أن أكبر فتنة أن تحرم الأ مة عن نورالا يمان والاسلام، و أن سبب النجاة والعصمة ليس الا القرآن الكريم والتمسك به والا عتصام به، و يدل على أن كل دولة اسلامية لم تتمسك بالقران الكريم لا أنها خابت وخسرت فقط بل تصاب بالبواروالدمار والذلة والهوان، والعياذبالله.

فأمام هذه الأحاديث وأمثالها نثق والحمد لله، على أن تلك الحركة فى البلاد العربية المقدسة فاتحة خير وطليعة سعادة و بشائر رحمة وتبا شيرمجدوعزة وازدهار.

نسأل الله سبحانه أن يديم هذه الحركة و يستمرفى ربوع المملكة نشاطها، و تزيد شعبها وفروعها، وتستفيد منها أبناؤها وتستثمر أفنانها وأغصانها لكى تعيش الأمة العربية فى هناء وسعادة ترفرف عليها أعلام المجد والمفخرة، فأهنئى القائمين بهذا الأمر والساعين فى سبيله خير تهنئة من أعماق قلبى ،والله سبحانه ولى كل توفيق وكل نعمة وهو حسبنا ونعم الوكيل ،والسلام.

محمد يوسف البنورى
عميد المدرسة العربية الاسلاميه
وخادم الحديث النبوى بهاكراتشى رقم٥

---

(١)الصحيح لمسلم،كتاب فضائل القرآن،باب فضل من يقوم بالقرآن و يعلمه ج:١ص:٢٧٢، ط: قديمى

(٢) سنن الترمذى،ابواب فضائل القرآن،باب ماجاء فى فضل القرآن ج:٢ص:١١٨ ،ط: قديمى

انجمن حفظ قرآن کریم مکہ مکرمہ کے صدر محترم اور معزز اراکین کے نام!

اسلامی تحیہ اور سلام مسنون!

مجھے بتلایا گیا ہے کہ مکہ مکرمہ اور حجاز مقدس کے دوسرے خطوں میں حفظ قرآن کریم کی ایک انجمن کی تشکیل کی گئی ہے اور اب اس کی شاخیں دور دور تک پھیل چکی ہیں (اور نہایت سرگرمی سے کام ہو رہا ہے) میری مسرت واطمینان میں یہ معلوم کر کے مزید اضافہ ہوا کہ توفیق ربانی حکومت سعودیہ عربیہ اور اراکین سلطنت کے بھی شامل حال ہے (کہ وہ اس تنظیم کی سرپرستی کر رہے ہیں) اور یہ توجہ اور سرپرستی حکومت کی عزت وعظمت میں ترقی واضافہ کا باعث بن رہی ہے۔

اس سلسلہ میں تین اہم احادیث (غور وفکر اور خوشخبری کی غرض سے) آپ کے سامنے پیش کرنا مناسب سمجھتا ہوں:

① ایک خلیفہ سوم حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی حدیث وہ کہتے ہیں کہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ: تم میں سب سے بہتر وہ (شخص یا جماعت) ہے جو خود قرآن کا علم حاصل کرے اور پھر دوسروں کو اس کی تعلیم دے۔

اس حدیث میں اس امر کی بشارت ہے کہ جو قوم قرآن عظیم کی تعلیم (پڑھنے پڑھانے) کی اشاعت میں سرگرم ہوگی وہ لسان نبوت (علی صاحبہا الصلوۃ والسلام) کی تصدیق کے مطابق بہترین قوم ہے اور یہ تعلیم وتعلم قرآن کی خدمت بڑی سے بڑی دینی خدمت پر بھی فوقیت رکھتی ہے، نیز معلوم ہوا کہ اسلام میں بہترین امت کا امتیازی فریضہ اور منصب "تعلیم وتعلم قرآن عظیم" ہے اور اسی فریضہ کی بنا پر وہ اس عظیم لقب (بہترین قوم) کی مستحق ہوتی ہے۔ (خلافت راشدہ خصوصاً شیخین ابوبکر صدیق اور عمر فاروق رضی اللہ عنہم کے زریں عہد خلافت اس کے شاہد ہیں)

② دوسری حدیث حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ:

بے شک اللہ تعالیٰ شانہ اس کتاب الٰہی کی تعلیم وتعمیل اور اتباع کے ذریعہ بہت سی قوموں کو (دینی ودنیاوی) رفعت وعلو مرتبت کے اعلیٰ مقام پر پہنچائے گا اور بعض قوموں کو اسی کتاب کو (پس پشت ڈال دینے) کی بنا پر ذلت اور پستی کے گڑھے میں ڈال دے گا۔

عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی یہ حدیث واضح طور پر بتلا رہی ہے کہ جو قوم قرآن عظیم کی تعلیمات کو دنیا میں قائم کرے گی (اس کو اپنا نصب العین بنائے گی) اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے کہ وہ اس کی عظمت وشوکت کے جھنڈوں کو بلند سے بلند تر فرمائیں گے اور اس کے قومی وجود واستحکام اور (اقوام عالم میں) اس کی عزت وعظیمت کی حفاظت

فرمائیں گے اور جس قوم کا رشتہ قرآن سے ٹوٹ جائے گا (اور وہ قرآنی تعلیمات سے صرف نظر کرے گی) وہ ذلیل وخوار اور تباہ و برباد ہو جائے گی۔

③ تیسری حدیث حضرت علی رضی اللہ عنہ کی ہے وہ فرماتے ہیں:

(مسلمانو) سن لو! میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان وحی ترجمان سے سنا ہے، آپ ارشاد فرمار ہے تھے: آگاہ ہو جاؤ! عنقریب عظیم فتنوں کا دور آنے والا ہے،'' میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ ان سے نکلنے اور بچنے کا راستہ کیا ہے؟ (وہ بھی تو بتلایئے) آپ نے ارشاد فرمایا: ''کتاب اللہ (قرآن عظیم) ہے اس کتاب الٰہی میں تم سے پہلی امتوں کے (عبرت آموز) اخبار وواقعات موجود ہیں اور تمہارے بعد آنے والی قوموں کی (سبق آموز عواقب کی) خبریں اور علامتیں بھی بیان کی گئی ہیں، اس کتاب آسمانی میں تمہارے درمیان (پیدا ہونیوالے) اختلافی امور کے واضح احکام بھی موجود ہیں یہ قطعی اور فیصلہ کن ''اللہ کا کلام'' ہے، ہنسی دل لگی کی داستان نہیں ہے، جس (شخص یا قوم) نے اس کو از راہ تحقیر ٹھکرایا اللہ اس کی کمر توڑ ڈالے گا اور جو کوئی اس کے علاوہ کسی اور دستور وآئین سے رہنمائی حاصل کرے گا اللہ تعالیٰ اس کو (دنیا وآخرت دونوں) میں گمراہ کر دیں گے۔ (یادرکھو) یہی کلام الٰہی اللہ تعالیٰ کا مضبوط و پائیدار رشتہ ہے اور یہی (حکمتوں اور مصلحتوں پر مشتمل) حکیمانہ ذکر (یادداشت) ہے، اور یہی سیدھا راستہ ہے اور یہ وہ (محکم وواضح قانون قدرت) ہے کہ نہ انسانی اغراض وخواہشات اس میں کوئی کجی پیدا کر سکتی ہیں اور نہ انسانی زبانیں اس کی تعبیر وتشریح میں کوئی شک وشبہ ڈال سکتی ہیں (تحریف وتلبیس کر سکتی ہیں) اور نہ (حقائق کے متلاشی) علماء (اس کے علوم سے) کبھی (کبھی اور کسی بھی زمانہ (اور ملک میں) سیر (اور مستغنی) ہو سکتے ہیں اور نہ یہ کثرت استفادہ (اور تفکر وتدبر کی زیادتی سے (کسی بھی زمانہ اور ظرف واحوال میں) کہنہ (از کار رفتہ اور نا قابل عمل) ہو سکتا ہے اور نہ اس کے عجائبات (نو بنو انکشافات) کبھی ختم ہو سکتے ہیں اور یہ تو وہ کلام الٰہی ہے کہ جن جیسی (سرکش اور ناری) مخلوق بھی اس کو سنتے ہی بیساختہ یہ کہنے سے باز نہ رہ سکی کہ ''بے شک ہم نے تو ایک عجیب وغریب قرآن سنا ہے جو نیکی اور بھلائی کی (واضح اور قطعی) رہنمائی کرتا ہے اسی لئے ہم اس پر ایمان لے آئے۔'' (یادرکھو) جس (شخص یا قوم) نے (صدق دل سے) اس پر اعتقاد رکھا (اور ایمان لایا) وہ سچا ہے اور جس نے اس پر عمل کیا وہ (یقینا دنیا وآخرت میں) اجر وثواب کا مستحق ہوا، اور جس نے اس کے مطابق فیصلہ کیا اس نے (یقینا) عدل وانصاف (قائم) کیا اور جس نے اس کی تعلیم وتعلم (عمل کی) طرف (مخلوق کو) دعوت دی (سمجھ لو) اس کو صراط مستقیم کی ہدایت کر دی گئی۔

یہ حدیث ہمیں واضح طور پر بتلاتی ہے کہ اسلام میں سب سے بڑا فتنہ یہ ہے کہ ملت مسلمہ ایمان واسلام کے نور سے محروم ہو جائے اور اس فتنے (اور اس کے نتیجہ میں دوسرے تمام فتنوں) سے نجات حاصل کرنے اور محفوظ رہنے کا واحد راستہ قرآن کریم اور اس کو دانتوں سے پکڑ لینے اور اس کی علماً وعملاً پابندی کرنے کے سوا اور کوئی نہیں

ہے۔ نیز یہ حدیث اس پر بھی قطعی طور پر دلالت کرتی ہے کہ جو کوئی بھی اسلامی حکومت قرآن کریم کو دانتوں سے نہ پکڑے گی نہ صرف یہ کہ وہ (فوز وفلاح سے) محروم ہوگی اور خسارہ میں پڑے گی بلکہ قطعی ہلاکت وتباہی اور ذلت وخواری اور رسوائی کا نشانہ بنے گی، خدا کی پناہ۔

لہٰذا ان تینوں حدیثوں کو سامنے رکھتے ہوئے ہم کو پورا وثوق واعتماد ہے کہ مقدس عرب ممالک میں اس تحریک ''حفظ وتعلیم قرآن کا ظہور وعروج'' حکومت سعودیہ کے لئے ایک خوش آئند آغاز اور سعادت وخوش بختی کا پیش خیمہ ہے اور گوناگوں (خداوندی) رحمت کی بشارت ہے اور عزت وعظمت اور شوکت وجلالت کی صبح صادق کی آفاق عالم میں پھیلنے والی روشنی ہے۔ ہم اللہ سبحانہ وتعالیٰ سے صدق دل سے دعا کرتے ہیں کہ وہ اس تحریک کو ہمیشہ برابر قائم ودائم رکھے، اور مملکت سعودیہ کے علاقوں میں یہ تحریک برابر جاری وساری رہے اور اس کی شاخوں اور شعبوں میں روز افزوں اضافہ ہو اور امت عربیہ کی نسلیں اس سے مستفید ہوتی رہیں اور یہ تحریک زیادہ سے زیادہ بارآور ہو تاکہ عرب قوم سعادت وخوشحالی کی زندگی عظمت وفخر کے جھنڈوں کے زیر سایہ بسر کرتی رہے۔ آخر میں اس انجمن کے بانی اور تحریک کو چلانے والے عہدیداران، اراکین اور کارکنوں کی خدمت میں تہنیت اور عقیدت کا تحفہ پیش کرتا ہوں اور اللہ سبحانہ تعالیٰ ہی ہر توفیق خیر اور ہر نعمت کے متولی ہیں اور وہی ہمارے لئے کافی ہیں اور بہت اچھے کارساز ہیں۔

والسلام۔

محمد یوسف بنوری

مہتمم واستاذ حدیث

مدرسہ عربیہ اسلامیہ کراچی نمبر ۵

جمادی الثانیہ ۱۳۸۵ھ، اکتوبر ۱۹۶۵ء

اسلام میں سنت اور حدیث کا مقام

الحمد لله رب العالمين والصلاة والسلام على سيدنا محمد خاتم النبيين وعلى آله وأصحابه أجمعين.

اما بعد! حق تعالیٰ نے بنی نوع انسان کی ہدایت ورہنمائی کے لئے وحی آسمانی کا سلسلہ جاری فرمایا، اس کے لئے جن برگزیدہ نفوس قدسیہ کا انتخاب فرمایا، اسلامی زبان میں انہیں انبیاء ورسل کہتے ہیں۔ ان مقدس ہستیوں کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ''عصمت'' کی ضمانت دی جاتی ہے یعنی ان کا ہر قول وفعل شیطانی تسلط اور نفسانی خواہش سے پاک ہوتا ہے:

﴿وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى اِنْ هُوَ اِلاَّ وَحْيٌ يُّوْحٰى﴾ [النجم: ۳، ۴]

اور نہیں بولتا اپنے نفس کی خواہش سے، وہ تو حکم ہے بھیجا ہوا۔ (ترجمہ شیخ الہندؒ)

ان کی صداقت وحقانیت کو قطعی دلائل وشواہد سے ثابت کیا جاتا ہے تاکہ مخلوق پر حجت قائم ہو اور وہ پوری طرح یقین واطمینان کے ساتھ ان پر ایمان لائیں اور ان کی تصدیق کرسکیں، انہی دلائل کا نام ''معجزات'' و''بینات'' ہے، ان کی نبوت ورسالت، ان کی صداقت وحقانیت اور ان کی عصمت وضمانت کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ ان کی اطاعت تمام انسانوں کے لئے فرض ہوجاتی ہے:

﴿وَمَا اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا لِيُطَاعَ بِاِذْنِ اللهِ﴾ [النساء:٦٤]

اور ہم نے کوئی رسول نہیں بھیجا مگر اسی واسطے کہ اس کا حکم مانیں اللہ کے فرمانے سے۔ (ترجمہ شیخ الہندؒ)

الغرض آسمانی ہدایت کا اصل منبع وہ ربط وتعلق ہے جو انبیاء کرام علیہم السلام کا بارگاہ قدس سے قائم ہوتا ہے اور جسے نبوت ورسالت سے تعبیر کیا جاتا ہے انہیں حق تعالیٰ کی طرف سے برابر پیغامات دیئے جاتے ہیں، پیغام رسانی کبھی فرشتہ کے ذریعہ ہوتی ہے اور کبھی براہ راست، جس فرشتہ کو اس کے لئے منتخب فرمایا گیا ہے ان کا نام جبریل ہے:

﴿وَمَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ يُّكَلِّمَهُ اللهُ اِلَّا وَحْياً اَوْمِنْ وَّرَائِ حِجَابٍ اَوْ يُرْسِلَ رَسُوْلًا فَيُوْحِيَ بِاِذْنِهٖ مَايَشَاء﴾ [الشوریٰ:٥١]

اور کسی آدمی کی طاقت نہیں کہ اس سے باتیں کرے اللہ، مگر اشارہ سے یا پردہ کے پیچھے سے یا بھیجے کوئی پیغام لانے والا پھر پہنچادے اس کے حکم جو وہ چاہے۔

منبع وحی

یہ پیغام عام طور سے کسی صحیفہ یا کتاب کی صورت میں نہیں بلکہ فرشتہ کی زبانی یا القاء فی القلب کی شکل میں ہوتا ہے اور کبھی اس پیغام کو الفاظ کی صورت میں منضبط کر کے بھیجا جاتا ہے جسے ''صحیفہ'' یا ''کتاب'' کہا جاتا ہے، حضرت ابراہیم علیہ السلام کے صحیفے اور تورات، زبور، انجیل، قرآن کریم چار مشہور کتابیں اسی سلسلہ کی کڑیاں ہیں، ظاہر ہے کہ انبیاء کرام کی تعداد ایک لاکھ سے متجاوز ہے اور صحیفوں اور کتابوں کی تعداد نہایت قلیل، اس سے صاف طور پر واضح ہوجاتا ہے کہ وحی صرف کتاب یا صحیفے میں منحصر نہیں بلکہ نبی ورسول کی ذات گرامی منبع وحی ہے، امت کے لئے جس طرح کتاب واجب القبول اور واجب الاتباع ہے ٹھیک اسی طرح نبی ورسول کا ہر حکم وارشاد اور ہر قول وفعل امت کے لئے حجت اور واجب الاتباع ہے، البتہ اتنا فرق ہے کہ کتاب بعد کی امت تک قطعی ذرائع سے پہنچتی ہے اس لئے اس کے احکامات کا ثبوت قطعی ہوتا ہے اور بقیہ پیغامات کبھی تواتر یا عملی توارث جیسے قطعی ذرائع سے پہنچتے ہیں اور کبھی وہ ذرائع قطعی نہیں ہوتے اس لئے اس دوسری قسم کا درجہ قرآن کریم کی سی قطعیت کا نہیں ہوگا مگر اس کے یہ معنی نہیں کہ قرآن کریم تو امت کے لئے قابل قبول ہو اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

کے دوسرے پیغامات کی معاذ اللہ کوئی قیمت نہ ہو، قرآن کریم بار بار اعلان کرتا ہے کہ قرآن کریم کا سمجھانا، سکھانا اور اس پر عمل کرانا یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا کام ہے، قرآن کریم کی اجمال کی تفصیل، اس کے ابہام کی توضیح، اس کے اشارات کی تشریح، اس کے مقصد ومنشاء کی تعیین، اس کی مشکلات کا حل اور اس کے احکام کی عملی تشکیل یہ سب کام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذمہ ہیں جو وحی الٰہی کے ذیل میں آتے ہیں اور امت کے لئے واجب القبول ہیں۔

تعلیماتِ انبیاء

بہر حال یہ حقیقت واضح اور مسلم ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر پیغامات الٰہیہ جس طرح قران کی صورت میں نازل ہوئے اسی طرح بہت سے پیغامات الٰہیہ قرآن کے علاوہ بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوئے جن کی تعلیم امت کو دی گئی، قرآن کریم کی اصطلاح میں انبیاء کرام کی ان تعلیمات کا نام "الحکمۃ" ہے اور قرآن کریم نے متعدد مقامات میں اسے "انزل" سے تعبیر فرمایا ہے۔

دین کا منبع اور مدار

ان اشارات سے یہ بات سمجھنی آسان ہوگئی کہ دین کا اصل مدار آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی ہے اور دین کا اصل منبع نبوت کی تعلیمات وہدایات ہیں خواہ قرآن کریم میں ان کا ذکر ہو یا نہ ہو، اسلام کے تشریعی نظام پر غور کرنے کا موقع جن لوگوں کو ملا ہے وہ جانتے ہیں کہ بہت سے بنیادی اور اہم احکامات حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وحی خفی کے اشارے سے امت کو دیئے اور مدت کے بعد قرآن کریم میں ان احکام کی آیات نازل ہوئی جن میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بیان فرمودہ احکام کی تصدیق وتائید کی گئی، اس کی چند مثالیں ملاحظہ فرمایئے:

① توحید ورسالت کے اقرار کے بعد اسلام میں سب سے پہلی عبادت صلاۃ یعنی نماز ہے، اس عبادت کا سلسلہ ابتداء اسلام ہی سے قائم ہوگیا تھا، معراج سے پہلے صبح وشام کی دو نمازیں فرض تھیں اور اسراء کے بعد پانچ نمازوں کی فرضیت نازل ہوئی، مگر قرآن کریم میں اس وقت تک نماز کے اوقات کی تفصیل نہ تھی، اس فریضہ کو امت نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہی سے لیا اور اس پر عمل کیا۔

② نماز کا جو نقشہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے قولاً وعملاً پیش فرمایا کہ "اللہ اکبر" سے شروع ہو اور "السلام علیکم" پر ختم ہو، اس میں قیام ہو، قرأت ہو، رکوع وسجود ہو، جلسہ وقومہ ہو اور رکعتیں کبھی دو ہوں کبھی تین کبھی چار وغیرہ وغیرہ ان تمام تفصیلات کی طرف قرآن کریم میں کہیں کہیں اشارے تو موجود ہیں لیکن یہ مفصل نقشہ امت نے آپ

صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے قول وعمل سے سیکھا اور اس پر عمل کیا، نہ قرآن کریم پر اس کا مدار نہ اس میں ذکر کا انتظار۔

③ نماز کے لئے طہارت ووضو وغیرہ کے لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہی ہدایت فرمائی اور امت نے اس پر عمل کیا، تقریباً اٹھارہ سال بعد سورۂ مائدہ میں آیت وضو نازل ہوئی جب کہ امت اٹھارہ سال سے آپ ﷺ کی ہدایت پر عمل پیرا تھی۔

④ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ طیبہ تشریف لائے تو امت کو نماز میں بیت المقدس کے استقبال کا حکم فرمایا، سولہ، سترہ مہینے اس پر عمل رہا، اس کے بعد قرآن کریم میں بیت اللہ شریف کے استقبال کا حکم ہوا، بیت المقدس کے استقبال کا حکم قرآن میں نازل نہیں ہوا تھا لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بیان فرمودہ حکم کی قرآن کریم نے تصدیق کی ﴿سیقول السفهاء من الناس﴾ الآیۃ۔

⑤ جب بنی النضیر سے جہاد کا حکم ہوا تو جنگی مصلحت کے پیش نظر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے کھجور کے بعض درختوں کو کاٹنے کا حکم فرمایا، یہود نے اس پر اعتراض کیا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کی تصدیق وتصویب کے لئے قرآن نازل ہوا اور ان درختوں کے کاٹنے کو "باذن الله" فرمایا:

﴿مَاقَطَعْتُمْ مِنْ لِّيْنَةٍ اَوْتَرَكْتُمُوْهَا قَائِمَةً عَلٰى اُصُوْلِهَا فَبِاِذْنِ اللهِ﴾ [الحشر:۵]

جو کاٹ ڈالا تم نے کھجور کا درخت یا رہنے دیا کھڑا اپنی جڑ پر سو اللہ کے حکم سے۔ (ترجمہ شیخ الہندؒ)

ان چند مثالوں سے یہ بات بخوبی واضح ہوگئی کہ امت کی راہنمائی کے لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی سرچشمہ ہدایت ہے کسی بھی معاملہ میں نہ قرآن پر توقف ہے نہ اس کا انتظار، صحابہ کرام جو قرآن کریم کے سب سے پہلے اور براہ راست مخاطب تھے، ان کے نزدیک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دونوں حیثیتیں مسلم تھیں کہ آپ نبی معصوم بھی ہیں اور ہر معاملہ میں مطاع مطلق بھی، اسی لئے وہ قرآن حکیم اور حدیث نبوی کے احکام کو یکساں طور پر واجب الاتباع مانتے تھے اور ان پر عمل کرتے تھے۔

احادیث نبویہ میں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کا کافی بڑا حصہ تو وہ ہے جو قرآنی احکام کی تشریح وتوضیح پر مشتمل ہے، قرآن کریم نے أقیموا الصلاۃ فرمایا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اقامت صلاۃ کی قولاً وعملاً تعلیم دیتے ہوئے فرمایا: "صلوا کما رأیتمونی أصلی"(۱) تم بھی ایسی نماز پڑھو جیسی میں پڑھتا ہوں "و آتو الزکاۃ" کا حکم نازل ہوا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی تفصیل بیان فرمائی کہ کن کن اموال میں زکاۃ ہوگی، ہر ایک کا نصاب کیا ہوگا، مقدار زکاۃ کیا ہوگی، اس کے اصول وشرائط کیا ہوں گے؟ اس اعتبار سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا وجود باجود اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ عملی قرآن ہے یعنی احکام قرآن کا عملی نمونہ اور مثال ہے، یہی وجہ ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا خلق دریافت کیا گیا تو فرمایا: "کان

(۱) صحیح البخاری، کتاب الآذان، باب الاذان للمسافر اذاکانوا جماعۃ والاقامۃ ج:۱ ص:۸۸، ط: قدیمی

خلقه القرآن"(۱) آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا خلق قرآن تھا۔ شریعت محمدیہ کا وسیع نظام جو سب کے سامنے ہے اور جس میں عقائد و عبادات، اخلاق و معاشرت، سنن وآداب، جہاد وقتال، صلح و جنگ، سیاست و معیشت سبھی کچھ آجاتا ہے، ان میں بہت سے احکام ایسے ہیں جو قرآن کریم میں نہیں ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہی نے امت کو ان کی تعلیم فرمائی ہے، ظاہر ہے کہ دین اسلام کا تفصیلی نقشہ قرآن کریم کے ساتھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے انفاس قدسیہ اور احادیث طیبہ کو ملانے ہی سے تیار ہوتا ہے اور اسی سے الحاد وتحریف اور رکیک تاویلات کے راستے بند ہوتے ہیں، اگر قرآن کریم کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی عملی زندگی اور آپ کے ارشادات وہدایات سے الگ کرلیا جائے تو قرآن کریم ملحدین کی غلط تعبیرات کا تختۂ مشق بن جائے گا اور تحریف وتاویل کا انسداد دشوار ہوگا۔

مستشرقین اور اعداء اسلام کی قرآن کریم میں معنوی تحریف کی کوشش

متن قرآن کریم کی حفاظت کا تو اعلان ہو چکا ہے، اس کا امکان نہیں تھا کہ قرآن کے الفاظ میں ردوبدل کیا جاسکے، اس لئے دشمنان اسلام جو ہمیشہ اسلام کو مٹانے کے درپے رہے، قرآن کریم سے تو مایوس ہوگئے، انہوں نے قرآن کی معنوی تحریف کے لئے یہ چور دروازہ تلاش کیا کہ حدیث نبوی کو جو معانی قرآن کی محافظ ہے ناقابل اعتبار ثابت کریں، یورپ کے مستشرقین اور دشمن اسلام ملاحدہ نے اپنے تمام وسائل اور دماغی وقلمی تمام طاقتیں احادیث کو بے وقعت بنانے کے لئے صرف کرنا شروع کردیں اور مسلمانوں میں ''منکرین حدیث'' کے نام سے منافقین کا جو گروہ آج موجود ہے غلام احمد پرویز وغیرہ انہوں نے انہی دشمنان اسلام کی راہنمائی میں اس مہم کو اور آگے بڑھایا ﴿ولقد صدق علیهم ابلیس ظنه﴾ چنانچہ نئی نسل کے بہت سے افراد جو دینی تعلیم وتربیت سے بے بہرہ تھے ان خیالات کا شکار ہوگئے۔

تاریخ فتنۂ انکار حدیث

انکار حدیث کے فتنہ کی تاریخ بہت قدیم ہے، سب سے پہلے خوارج نے اس کی بنیاد رکھی، صحابہ کرام کی تکفیر کرکے ان کی روایت کردہ احادیث کا انکار کیا اور صرف کتاب اللہ کو مانا، ان کے بالمقابل شیعہ نے کتاب اللہ کی تحریف اور احادیث کے انکار کا راستہ کھولا اور دین کا انحصار اپنے ائمہ کی روایت پر رکھا، معتزلہ نے تاویل کے راستہ سے فتنۂ انکار حدیث کو مزید قوت بہم پہنچائی مگر یہ دور اسلام کی شوکت وعزت کا دور تھا، ان کی مساعی ناکام

---

(۱) الصحیح لمسلم، کتاب الصلوۃ، باب صلوۃ اللیل و عدد رکعات النبی صلی اللہ علیہ و سلم ج:۱ ص:۲۵۶، ط: قدیمی۔ مسند احمد بن حنبل ج:۶ ص:۹۱، ط: عالم الکتب بیروت

رہیں اور مسلمانوں نے جس طرح قرآن کو سینے سے لگایا اور علوم قرآن کی خدمت کو سرمایہ سعادت سمجھا اسی طرح احادیث نبویہ کو سر آنکھوں پر رکھا اور علوم حدیث کی خدمات اس محنت وعقیدت سے انجام دیں کہ تاریخ عالم اس کی مثال پیش کرنے سے قاصر ہے اور حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے انفاس قدسیہ کی وہ حفاظت کی کہ عقل حیران ہے۔

حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے مسلمانوں کا شغف دیکھ کر اس وقت اعداء اسلام نے وضع احادیث کا چور دروازہ نکالا اور من گھڑت روایات پھیلانا شروع کیں تاکہ حق وباطل خلط ملط ہو کر حقیقت ملتبس ہو جائے، مگر حق تعالیٰ نے اپنے دین کی حفاظت کے لئے ایسے رجال کار پیدا کئے جنہوں نے دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی الگ کر کے رکھ دیا، انہوں نے فن رجال اور جرح وتعدیل مرتب کیا اور روایات کی چھان بین کر کے تمام اعداء اسلام یہودیوں، سبائیوں اور ملحدوں کی اس سازش کو خاک میں ملا دیا، امت محمدیہ نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث کی حفاظت کے کام کو اتنا آگے بڑھایا کہ اصول حدیث کے مختلف فنون کی تعداد ایک سو کے قریب پہنچ گئی، بلاشبہ دین اسلام ابدی دین تھا، قیامت تک کی نسل انسانی کے لئے سرچشمہ ہدایت تھا، ضروری تھا کہ دین اسلام کی یہ دونوں مشعلیں کتاب وسنت قیامت تک روشن اور ہر قسم کی آندھیوں اور جھگڑوں سے محفوظ رہیں تاکہ ہر دور میں اللہ کی حجت قائم رہے اور قرآن کریم کی یہ آیت ہر وقت صادق رہے:

﴿وَكَيْفَ تَكْفُرُوْنَ وَاَنْتُمْ تُتْلٰى عَلَيْكُمْ اٰيٰتُ اللهِ وَفِيْكُمْ رَسُوْلُهٗ﴾ [آل عمران:۱۰۱]

اور تم کس طرح کافر ہوتے ہو اور تم پر تو پڑھی جاتی ہیں آیتیں اللہ کی اور تم میں اس کا رسول ہے۔

فرمان نبویؐ میں اس حقیقت کا اظہار اس طرح فرمایا گیا ہے:

"ترکت فیکم أمرین لن تضلوا ما تمسکتم بهما کتاب الله وسنة رسوله"(۱)

میں نے تم میں دو چیزیں چھوڑی ہیں جب تک ان کو مضبوطی سے پکڑے رہو گے کبھی گمراہ نہ ہو گے، ایک کتاب اللہ اور دوسری اس کے رسول کی سنت۔

قرآن کریم اور حدیث نبوی

الغرض اس کا کوئی امکان نہیں کہ قرآن وحدیث کو ایک دوسرے سے جدا کیا جا سکے نہ یہ ممکن ہے کہ قرآن کریم پر ایمان ہو اور حدیث نبوی سے انکار، کیونکہ قرآن کریم بار بار اس حقیقت کا اظہار کرتا ہے کہ حضرت

(۱) موطأ الامام مالك، کتاب الجامع، باب النهی عن القول فی القدر ج:۲ ص:۷۰۲، ط: قدیمی

یہ حدیث سند کے اعتبار سے معضل ہے یعنی دو واسطے ساقط ہیں لیکن مستدرک حاکم میں ابن عباسؓ کی روایت اور سنن بیہقی میں ابوہریرہؓ کی روایت اور مستدرک میں معقل بن یسار کی حدیث اس حدیث کی صحت کے شواہد ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع میں تمہاری نجات ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی تباہی و بربادی کا موجب ہے، آپ کی مخالفت پر قرآن کریم سخت سے سخت وعیدیں سناتا ہے، آپ کی زندگی کو امت کے لئے اسوۂ ونمونہ قرار دیتا ہے، قرآن کی تعلیم وتشریح اور اس کے اجمال کی تفصیل کو قرآن آپ کا فرض منصبی بتاتا ہے، حاصل یہ کہ دنیا و آخرت کی نجات وسعادت اور فلاح وبہبود آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی میں ہے اور حق تعالیٰ کی محبت واطاعت کا معیار بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی متابعت کے سوا کچھ نہیں:

﴿قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللهَ فَاتَّبِعُوْنِیْ یُحْبِبْكُمُ اللهُ وَ یَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ﴾

[آل عمران: ۳۱]

ان سے کہہ دیجئے کہ اگر تم اللہ تعالیٰ سے محبت کرتے ہو تو میری پیروی کرو اللہ تعالیٰ تم سے محبت کرے گا اور تمہارے گناہ معاف فرمائے گا۔

فرق باطلہ اور حدیث

بہر حال تمام فرقِ باطلہ خوارج، شیعہ، معتزلہ، قدریہ، جہمیہ اور مرجئہ وغیرہ نے احادیث کے خلاف جو ہرزہ سرائی کی تھی (اور امام ابوحنیفہ، امام شافعی، امام احمد اور دیگر محدثین ومتکلمین نے جس کا دندان شکن جواب دے کر ان کے حوصلے پست کر دیئے تھے) ہر دور میں ملاحدہ اسے جدید شکل وصورت میں پیش کرتے رہے ہیں چنانچہ مستشرقین یورپ نے بھی اسی محاذ سے اسلام کی بیخ کنی شروع کی اور اس کے لئے ایک منظم مہم چلائی جو زہر قدیم باطل پرستوں نے اگلا تھا اسی کو دوبارہ نئی بوتلوں میں بھر بھر کر جدید نسل کے حلق سے اتارنے کی کوشش کی، کبھی کہا کہ احادیث تو دو سو سال بعد قلم بند ہوئی ہیں ان کا کیا اعتبار؟ کبھی حاملین حدیث پر اعتراضات کئے، کبھی عقلی شبہات ووساوس پیش کئے اور ان راستوں سے نماز، اس کے اوقات، زکاۃ، روزہ، حج قربانی وغیرہ تمام عبادات میں شکوک وشبہات پیدا کئے، احکام شرعیہ کو اعتراضات کا نشانہ بنایا، ملائکہ، جنات، شیاطین، ارواح وغیرہ میں تاویل باطل کا راستہ کھولا، اس طرح کوشش کی گئی کہ خدانخواستہ اسلام کی بنیادوں کو ہلا دیا جائے مگر لسان نبوت سے یہ اعلان پہلے صادر ہو چکا تھا:

"یحمل هذا العلم من کل خلف عدوله ینفون عنه تحریف الغالین وانتحال المبطلین وتأویل الجاهلین"(۱)

ہر آنے والی نسل میں کچھ عادل وثقہ حضرات اس علم دین کے حامل ہوں گے جو غلو کرنے والوں کی تحریف، باطل پرستوں کے غلط ادعا اور جاہلوں کی تاویل کو صاف کریں گے۔

---

(۱) مشکوۃ المصابیح، کتاب العلم، الفصل الثانی ج: ۱ ص: ۳۶، ط: قدیمی

سنت وحدیث پر مطبوعہ کتابیں

الحمدللہ! اللہ تعالیٰ نے ہر دور میں ایسے رجال کار پیدا کئے جنہوں نے باطل پرست جاہلوں کے اٹھائے ہوئے گرد وغبار سے سنت کا چہرہ صاف کیا، امام شافعیؒ سے ابن وزیر یمانی صاحب ''الروض الباسم'' اور شیخ جلال الدین السیوطی صاحب "مفتاح الجنة فی الاحتجاج بالسنة" تک اور ان سے آج تک نہ صرف عربی اردو میں بلکہ انگریزی اور یورپ کی دوسری زبانوں میں بھی قابل قدر تالیفات وجود میں آئیں۔ گذشتہ پچاس سال کے عرصہ میں اہل علم نے بیسیوں گرانقدر تصنیفات سے علمی کتب خانوں میں بیش بہا اضافہ کیا، قدمائے امت نے جو کتابیں تصنیف فرمائیں ان کی طویل فہرست راقم الحروف کی کتاب "**عوارف المنن مقدمہ معارف السنن**" میں مذکور ہے جو انشاء اللہ عنقریب طبع ہوگی، اس تیس چالیس برس میں جو ذخیرہ اس موضوع پر مدون ہوا ان میں چند کتابوں کا نام بطور نمونہ درج ذیل ہے:

کتاب	مصنف	زبان
① الحديث والمحدثون	محمد محمد أبوزهو	عربی
② السنة قبل التدوين	محمد عجاج خطيب	عربی
③ الانوار الكاشفه	شيخ عبدالرحمن يمانى	عربی
④ ظلمات أبى ريه	شيخ محمدعبدالرزاق حمزه	عربی
⑤ كتاب السنة	موسىٰ جار الله قازانى	عربی
⑥ فى الحديث النبوى	شيخ مصطفى زرقاء شامى	عربی
⑦ تدوین حدیث	مولانا مناظر احسن گیلانی	اردو
⑧ بصائر السنة	مولانا امین الحق صاحب طوری	اردو
⑨ فتنۂ انکار حدیث	افتخار احمد بلخی	اردو
⑩ فتنۂ انکار حدیث	مولانا سرفراز صاحب	اردو
⑪ سنت قرآن کریم کی روشنی میں	مولانا غفار حسن	اردو
⑫ حدیث قرآن کریم کی نظر میں	از راقم الحروف (مولانا یوسف بنوری)	اردو (۱)
⑬ احادیث النبی الکریم ﷺ	پروفیسر روحی	اردو
⑭ سنت کا تشریعی مقام	مولانا محمد ادریس میرٹھی	اردو
Studies in Early Hadith Literature-	ڈاکٹر مصطفی اعظمی	انگریزی

(۱) مقالہ شائع شدہ ماہ نامہ دار العلوم دیوبند ۱۳۵۶ھ

مدرسہ عربیہ اسلامیہ کراچی کے درجہ تخصص کے رفقاء نے حسب ذیل مقالات کتابی شکل میں مرتب کئے ہیں:

(الف) السنة النبوية والقرآن الكريم مولانا محمد حبیب اللہ مختار — عربی، اردو

(ب) وسائل حفظ الحديث وجهود الأمة في ذلك

از مولوی عبدالحلیم سلہٹی — اردو

(ج) علم مصطلح الحديث وأسماء الرجال وثمراته

از مولوی عبدالحق دیروی — عربی

(د) كتابة الحديث وأدوار تدوينه از مولوی محمد اسحٰق سلہٹی — اردو

(ھ) الكتب المدونة في الحديث وأصنافها وخصائصها

از مولوی محمد زمان کلاچوی — عربی

(و) الصحابة وما رووه من الأحاديث مولوی حبیب اللہ مہندی — عربی

یہ چھ کتابیں ابھی تک زیور طبع سے آراستہ نہیں ہوئیں جس وقت امت کے سامنے یہ ذخیرہ آئے گا دنیا حیرت میں رہ جائے گی۔

اسی قیمتی ذخیرہ کی ایک قابل قدر کتاب الشیخ مصطفیٰ سباعی مرحوم کی تالیف: ''السنة ومكانتها في التشريع الاسلامی'' اپنے موضوع پر اہم ترین کتاب ہے جو کئی سال قبل قاہرہ میں طبع ہوئی تھی، مؤلف موصوف اپنے وقت کے بہترین خطیب اور پرجوش صاحب قلم تھے، موصوف نے ازہر سے عالمیت واستاذیت کی ڈگری حاصل کرنے کے لئے یہ موضوع اختیار کیا تھا، چنانچہ پورے ایک سو مآخذ سے یہ کتاب نہایت فصیح وبلیغ زبان اور شیریں وشگفتہ اسلوب میں تحریر کی، یہ کتاب تیس کے قریب بڑے بڑے عنوانات پر مشتمل ہے جن میں سنت نبوی کے ہر گوشہ پر شافی بحث کی گئی ہے، ضمنی بحثیں نہایت عمدہ اور عجیب وغریب آتی ہیں، مستشرقین کی خرافات وشبہات کے نہایت مؤثر اور فاضلانہ ومحققانہ جوابات کتاب کا بہترین اور قیمتی حصہ ہیں، اگر اس کتاب میں اس کے سوا اور کچھ نہ ہوتا تو اس کتاب کی قیمت کے لئے کافی تھا۔

مدرسہ عربیہ اسلامیہ کراچی کے دار التصنیف نے چاہا کہ اس گراں مایہ کو اردو میں منتقل کیا جائے تاکہ نئی نسل میں یورپ کے پھیلائے ہوئے زہر کے لئے تریاق کا کام دے اور جدید افکار میں سرایت کردہ سمیت کے لئے اکسیر عظیم اور کبریت احمر ثابت ہو، ترجمہ کے لئے ہمارے مدرسہ کے درجہ تکمیل کے فارغ التحصیل مولانا احمد حسن ایم اے کا انتخاب کیا گیا اور اس پر مولانا محمد ادریس میرٹھی استاذ حدیث مدرسہ عربیہ کی نظر اصلاح نے سونے پر سہاگہ کا کام دیا، جلد اول طبع ہو چکی اور جلد دوم عنقریب زیور طبع سے آراستہ ہوگی، دعا ہے کہ حق تعالیٰ ہماری نئی

نسل کو نئے فتنوں سے بچائے اور شیاطین یورپ ان کی متاع ایمانی کو لوٹنے کی جو تدبیریں کر رہے ہیں انہیں خاک میں ملا دے۔

وصلى الله تعالى على خير خلقه صفوة البرية سيدنا محمد وآله وصحبه وبارك وسلم

[جمادی الثانیہ ۱۳۹۱ھ - اگست ۱۹۷۱ء]

منصب نبوت کی اجمالی تشریح

یہ تحریر تقریباً ۴۱ برس پہلے کی ہے اور اٹھارہ سال قبل ماہنامہ ''بینات'' میں پہلی مرتبہ اشاعت پذیر ہوئی جو در اصل ایک گرانقدر تمہید کی حیثیت رکھتی ہے۔ اس موضوع پر مفصل مضمون کی نہیں۔

نبوت کی حقیقت

نبوت کی اصلی حقیقت تو اسی رب العزت قدوس وسبوح جل ذکرہٗ کو معلوم ہے جس نے نظام عالم کی ظاہری و باطنی اصلاح کے لئے اس ربانی عطیہ کی سنت عالم میں جاری کردی تھی، یا پھر اس کو جو اس عطیہ الٰہی سے سرفراز کیا گیا ہو، کسی اور پر اس کی پوری حقیقت کا روشن ہونا حقیقت سے بعید ہے، اس لئے کہ انسان کے پاس حقائق اشیاء کے معلوم کرنے کے لئے عقل ہے اور نبوت ایک ایسی حقیقت ہے جو عقل سے وراء الوراء ہے۔ عقل وعقلیات کی سرحد جہاں ختم ہوتی ہے وہاں سے نبوت کی سرحد شروع ہوتی ہے لیکن محققین اسلام اور اکابر امت نے قرآن کریم کی روشنی میں اور امام الانبیاء حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مقدس زندگی کے آثار واحوال کے مشاہدہ وعلم کے بعد جو تحقیقات پیش کی ہیں وہ یقیناً ایک حد تک اس حقیقت کبریٰ کی جلوہ نمائی کے لئے کافی ہیں اور ان کی عقول سلیمہ نے اس حقیقت کی تفہیم میں جو عقلی پیرائے اختیار کئے ہیں اور نیز شواہد سے اس کو سمجھایا ہے وہ ہمارے ''علم کلام'' کا اہم ترین جزء ہیں۔ امام ابوالحسن اشعری، ابن حزم ظاہری، قاضی ابوبکر باقلانی، ابواسحاق اسفرائینی، ابویعلی، ابوالمعالی، امام الحرمین، عبدالکریم شہرستانی، امام غزالی، فخر الدین رازی، سیف الدین آمدی، ابن خلدون، عزالدین بن عبدالسلام، ابن تیمیہ وغیرہ وغیرہ محققین اسلام نے تیسری صدی ہجری کے وسط سے لے کر آٹھویں صدی کے وسط تک اس موضوع پر گرانبہا علمی جواہرات کا ایک نادر ترین ذخیرہ چھوڑا ہے۔ (۱)

محققین ہند اور متاخرین علماء اسلام میں حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی اور حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی

(۱) بعض قدماء معتزلہ اور قدماء شیعہ کی بھی اس موضوع پر مستقل تصانیف ہیں چونکہ جمہور امت محمدیہ کے مسلک کے وہ خلاف ہیں اور زیادہ تر ان کا طرز اس موضوع میں محض فلسفیانہ ہے اس لئے ان کا ذکر نہیں کیا گیا۔

دیوبندی کے اسمائے گرامی اس سلسلہ کی صف اول میں درج ہونے چاہئیں، اور سچ تو یہ ہے کہ اس موضوع پر جو جواہر پارے شاہ ولی نے پیش کئے ہیں اس کی ہمسری کرنے کے لئے قدماء میں سوائے حجۃ الاسلام غزالیؒ کوئی دوسری ہستی زیادہ نمایاں نظر نہیں آتی یا تو یہ واقعہ ہے یا ہماری نظر کا قصور ہوگا۔ یہ دوسری بات ہے کہ ایک بڑا ذخیرہ کی تحقیقات کا عطر ان کے سامنے موجود تھا اور ان کی تحقیقات کی تیز شعاعوں میں منزل مقصود کی رہنمائی آسان ہوگئی۔ تاہم حقیقت یہ ہے کہ اس قسم کے حقائق کی تفہیم وافہام کے لئے جس سرچشمہ کی ضرورت تھی شاہ ولی خود اس سے سرشار تھے۔ امام غزالیؒ کی کتابوں میں یہ بحث "المنقذ من الضلال"، "معارج القدس" میں سب سے عمدہ شکل میں موجود ہے۔ امام رازیؒ کی "تفسیر کبیر" و "مطالب عالیہ" میں کافی سامان ہے۔ شاہ ولی نے چند کتابوں میں اس کی پوری تحلیل اور کامل تجزیہ کیا ہے۔ بالخصوص اپنی کتاب "حجۃ اللہ البالغہ" کی پہلی جلد کے مختلف ابواب میں نبوت کی حقیقت، منصب نبوت کی تشریح، نبوت کے خواص ولوازم، انبیاء و مصلحین کے فروق وغیرہ کو خوب واضح کیا ہے۔ (۱)

امیر یمانی کی "ایثار الحق علی الخلق" میں اس موضوع میں کافی لمبی بحث موجود ہے۔ ابن تیمیہ کی اس موضوع پر "کتاب النبوات" تقریباً تین سو صفحات میں موجود ہے لیکن حق یہ ہے کہ ابن تیمیہ نے باوجود علمی تبحر وتدقیق اور باوجود جلیل القدر محقق ہونے کے اس موضوع کا حق نہیں ادا کیا۔ غزالی کے چند صفحے اور شاہ ولی کے چند ورق کو میں اس ساری کتاب پر ترجیح دیتا ہوں چند ضمنی فوائد ونکات کے سوا اس میں کوئی اہم بات یا علمی تحقیق اس موضوع پر نہیں جس کی ان سے توقع تھی، مجھے اس وقت نبوت کی عقلی تشریح کرنی منظور نہیں کیونکہ اس کی تشریح سے پہلے "روح" کی حقیقت سمجھانی ہوگی جو بجائے خود ایک مستقل دقیق وغامض علمی مضمون ہے جس میں ارسطو نے "کتاب النفس" لکھی ہے اور اس کی تلخیص وتراجم وشروح ثامسطیوس، الاسقید وروس، استیلقوس، اسکندر افرودوسی، ابن بطریق وغیرہ وغیرہ نے کی ہیں۔ (۲)

اسلامی دور میں ابوالعباس احمد سرخسیؒ (المتوفی ۲۸٦ھ) صدقہ بن منجا الدمشقی (۲٦۰ھ) مؤرخ مشہور مسعودیؒ (۳۴٦ھ) امام غزالیؒ (۵۰۵ھ) امام رازیؒ (٦۰٦ھ) ابن القیم (۷۵۲ھ) برہان الدین بقاعی (۸۸۵ھ) وغیرہ وغیرہ متکلمین اسلام اور علماء امت نے "روح" پر مستقل کتابیں لکھی ہیں۔ ان میں سے "معارج

(۱) ملاحظہ ہو "حجة الله البالغـه" کے حسب ذیل ابواب، ذکر الملاء الأعلى ص:۱۲، باب التكليف ص:۱۵، انشقاق التكليف من التقدير ص:۱٦، اقتضاد التكليف من المجازاة ص:۱۹، اختلاف الناس فی جبلتهم ص:۲۰، حقيقة السعادة ص:۳۹، اختلاف الناس فی السعادة ص:٤۰، الحاجة الى هداة السبل ص:٦٥، حقيقة النبوة ص:٦٦، كيفية الاستنباطات ص:۳۰، ۳۱، باب الارتفاق الأول ص:۳۰.

(۲) ملاحظہ ہو تفصیل کے لئے کشف الظنون ج:۲ ص:۲۷۸-۳۰۴۔

القدس'' غزالی کی اور کتاب ''الروح'' ابن القیمؒ کی اور ''سرالروح'' بقاعیؒ کی اور ''کتاب الفتوح لمعرفة احوال الروح'' بعض علماء عصر کی اور ''الطاف القدس'' شاہ ولی اللہ کی ہمارے سامنے مطبوعہ موجود ہیں۔ کہنا یہ ہے کہ حقیقت نبوت کی تشریح کے لئے ''حقیقت روح'' بیان کرنا ضروری ہوگی۔ اس وقت ان غامض و دقیق علمی موضوعات کی طرف جانا نہیں اور نہ فیصلہ کرنا ہے۔ صرف اپنے سلف صالحین کے چند علمی کارناموں سے طلبہ کو واقف کرانا تھا، کوئی مشکل سے مشکل دقیق سے دقیق علمی موضوع اور خصوصاً جس کا تعلق دین اسلام سے ہو ایسا نہیں ہوگا جس پر کہ ہمارے اکابر نے اپنی بیش بہا تحقیقات کا ذخیرہ جمع نہ کیا ہو۔ اس وقت مقصود صرف اتنا ہے کہ یہ بتلایا جائے کہ ''نبی'' (پیغمبر) کسے کہتے ہیں؟ اور قرآن کریم میں ''انبیاء'' اور ''نبوت'' کے کیا کیا خواص بتلائے گئے ہیں؟ تاکہ آیات بینات کی روشنی میں ایک مسلمان صحیح عقیدہ کو سمجھ سکے، اور جب کسی کی نبوت ثابت ہو جائے مسلمان کے لئے ان کی نبوت پر ایمان لانا ضروری ہوگا اور جب ایمان لایا گیا اس وقت ''نبی'' ایک امتی کے لئے ایک برگزیدہ مقدس واجب الاطاعت ہستی ہوگی۔ اس کے احکام اس کی مرضیات اس کے اوضاع واطوار اس کی اخلاق وعادات، غرض کل نظام حیات میں اس کی سنت افراد امت میں سے ہر فرد کے لئے دلیل راہ ہوگی۔ پھر وہاں کیوں؟ اور کیوں کر؟ کا سلسلہ ہی ختم ہو جاتا ہے۔ سوائے تسلیم وانقیاد واطاعت وفرمانبرداری کے کوئی چیز باقی نہیں رہتی۔ اس کی اطاعت اللہ تعالیٰ کی اطاعت ہوتی ہے۔ اس کی رضامندی خدائے تعالیٰ کی رضامندی ہوتی ہے۔ اس لئے کہ خود حق تعالیٰ یوں ہی فرما چکے ہیں جیسا کہ آئندہ ان شاء اللہ تعالیٰ واضح ہو جائے گا۔ ہاں عبادت بہر حال اللہ تعالیٰ کی ہوگی، رسول کی اطاعت سے اس کی عبادت لازم نہیں آتی، عبادت وبندگی اور چیز ہے، اطاعت وتسلیم اور چیز ہے دونوں میں خلط نہ کرنا چاہئے۔ مقصد صرف اتنا ہے کہ رسول کی رہنمائی میں اللہ تعالیٰ شانہٗ کی عبادت وبندگی کی جائے۔ اب وہ رہنمائی مختلف صورتوں میں ہوگی کبھی اللہ تعالیٰ کی طرف صاف طور پر نسبت کر کے ارشاد فرمایا جائے گا، کبھی اپنی طرف سے کچھ ارشاد فرمائیں گے گو وہ بھی اللہ تعالیٰ کی جانب سے ہوگا۔ لیکن لفظوں میں اللہ تعالیٰ کی نسبت نہیں ہوگی، کبھی ان کے اتباع ان کے طرز وطریقہ کو دیکھ کر رہنمائی حاصل کریں گے۔ غرض کہ رہنمائی حاصل کرنے کے طریقے مختلف ہوں گے۔

نبی و رسول یا پیغمبر

لغت عرب میں ''نبأ'' اس خبر کو کہتے ہیں جس میں فائدہ ہو اور فائدہ بھی عظیم اور اس خبر سے سننے والے کو علم واطمینان بھی حاصل ہو(۱)، غرض کہ تین چیزیں اس میں ضروری ہوں:

---

(۱) ملاحظہ ہو ''مفردات راغب'' ص: ۴۹۹۔ ابن تیمیہ نے ''النبوات'' میں اسی کو دوسرے عنوان سے بیان کیا اور کسی قدر اور لطیف کر دیا۔ دیکھو ''النبوات'' ص: ۲۲۲ الخ

① خبر فائدے کی ہو ② فائدہ بھی عظیم الشان ہو
③ سننے والے کو یقین کامل یا اطمینان قلب حاصل ہو جائے۔

قرآن کریم نے اسی لغت سے "نبی" کا لفظ ایک ایسے انسان کے لئے استعمال کیا جس نے اللہ تعالیٰ کے بندوں کو اللہ تعالیٰ کی جانب سے فائدے اور نفع کی ایسی عظیم الشان خبریں سنائیں جن سے ان کی عقول قاصر ہیں صرف اپنی عقل نارسا سے وہاں تک رسائی حاصل نہیں کر سکتے۔ ظاہر ہے کہ ایسی باتیں وہی ہوں گی جو اللہ تعالیٰ شانہ کی طرف سے ہوں گی اور پھر ان خبروں پر اطمینان یا علم جب ہی حاصل ہو سکتا ہے کہ خبر دینے والا اس پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی دلیل بھی پیش کرے یا صرف اس کی زندگی ہی اتنی پاکیزہ و اتنی اعلیٰ و مقدس ہو کہ اس پر جھوٹ کا وہم و گمان بھی نہ ہو سکے۔ اس کی بات سنتے ہی لوگوں کو یقین آ جائے۔ اب صرف "نبی" کا لفظ ہی لغت عرب کے مطابق ان سب حقائق پر روشنی ڈالتا ہے جس کی تفصیل تحقیق کے بعد سے معلوم ہوتی ہے۔ شیطانی وساوس یا طبعی جمود و عناد اگر قبول سے مانع آ جائے یہ دوسری بات ہے۔

رسالت

لغت عرب میں "رسالت" کے معنی ایک پیغام کے ہیں اور "رسول" کہتے ہیں پیغام پہنچانے والے کو قرآن کریم نے اس لفظ کو اس پیغام پہنچانے والے کے لئے استعمال کیا جو اللہ تعالیٰ شانہ کی جانب سے دین و دنیا کے مصالح کے بارے میں پیغامات اس کے بندوں تک پہنچائے۔

اب خلاصہ یہ ہوا کہ اسلام کی زبان میں "نبی و رسول" وہ شخص ہے جس کو خود اللہ تعالیٰ نے منتخب فرمایا ہو۔ خدائے تعالیٰ کے پیغامات اس کے بندوں تک پہنچاتا ہو، دین و دنیا کے مصالح و منافع کے لئے ایک "قانون حیات" ایک "نظام العمل" ایک دستور اساسی پیش کرتا ہو، ایسے احکام ایسے حقائق ایسے امور ان کو ارشاد کرتا ہو جن سے ان کی عقول قاصر ہوں۔ ایسی دقیق و غامض باتوں کی اصلاح دیتا ہو جہاں ان کی عقل پرواز نہ کر سکتی ہو، ان کے شکوک و شبہات کا ازالہ کرتا ہو، نہ کرنے پر اللہ تعالیٰ کی ناراضگی و عذاب سے ڈراتا ہو۔ جو حکم دیتا ہو وہ خود کرتا ہو خود ان کے لئے مجسم پیکر عمل ہو۔ اس قانون حیات و نظام العمل کے لئے اس کا وجود آئینہ ہو یہ ہیں اسلام کی زبان میں شریعت کی لغت میں "رسول و نبی" کے معنی اسی کو ہم اپنی زبان میں "پیغمبر" کہتے ہیں۔ "رسول" و "نبی" میں جو فرق ہے یہ ایک مختلف فیہ چیز ہے اور ہمارے موضوع سے خارج ہے۔ لیکن اجمالاً اتنا واضح رہے کہ حافظ ابن تیمیہ نے "کتاب النبوات" میں جو فرق بیان کیا وہ ہمیں سب سے بہتر معلوم ہوتا ہے جس کا خلاصہ صرف اتنا ہے:

"کہ جو اللہ تعالیٰ کی جانب سے صرف غیب کی خبروں سے قوم کو اطلاع دیتا ہو ان کو نصیحت کرتا ہو ان کی اصلاح کرتا ہو اور اللہ تعالیٰ کی جانب سے اس کو "وحی" ہوتی ہو وہ "نبی" کہلاتا ہے۔ اگر ان اوصاف کے ساتھ وہ قادر

طرف اور نافرمان قوم کو تبلیغ پر مامور بھی کیا جائے تو وہ ''رسول'' بھی ہوگا۔(۱)

اب ہم قرآن کریم کی روشنی میں ''انبیاء و رسل'' کے خواص و لوازم پیش کرتے ہیں لیکن معلوم رہے کہ ''انبیاء و رسل'' کے عام خصائص بحیثیت نبوت و رسالت سب مشترک ہیں۔قرآن کریم نے جتنے کمالات اور اوصاف انبیاء و رسل کے بیان کر دیئے ہیں وہ سب حضرت خاتم الانبیاء رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں بوجہ کمال موجود ہیں کیونکہ آپ سب انبیاء و رسل سے افضل ہیں۔آپ سید الانبیاء ہیں، خاتم الانبیاء ہیں۔ یہ نصوص قطعیہ کا مفاد ہے اور امت مرحومہ کا ''اجتماعی عقیدہ'' ہے اور تاریخ عالم کی ''حقیقت ثابتہ'' ہے اور اسلامی دور کے حیرت انگیز کارنامے اس کے شاہد عدل ہیں۔قرآن کریم نے بہت سے انبیاء و رسل کے خصائص و کمالات بیان کرنے کے بعد آپ کو حکم دیا اور فرمایا:

﴿أُولَٰئِكَ الَّذِينَ هَدَى اللَّهُ فَبِهُدَاهُمُ اقْتَدِهْ﴾ (الانعام:۹۰)

''یہ حضرات ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے ہدایت کی ہے۔آپ بھی انہیں کے طریقہ پر چلئے۔''

اس سے یہ صاف معلوم ہوا کہ انبیاء کے جتنے عملی و علمی کمالات تھے، آپ ان سے مالا مال تھے۔اس لئے ہم جتنی آیات کریمہ مختلف انبیاء و رسل کے خصائص و اوصاف میں پیش کریں گے۔مقصود ان سے صرف نبوت کے کمالات و خصائص ہوں گے جو اصل نبوت کی وجہ سے قدر مشترک سب میں موجود ہیں۔

منصب نبوت و رسالت

نبوت ایک عطیہ ربانی ہے جس کی حقیقت تک رسائی غیر نبی کو نہیں ہو سکتی۔اس کی حقیقت کو یا تو حق تعالیٰ جانتا ہے جو نبوت عطا کرنے والا ہے یا پھر وہ ہستی جو اس عطیہ سے سرفراز ہوئی۔مخلوق بس اتنا جانتی ہے کہ اس اعلیٰ و ارفع منصب کے لئے جس شخص کا انتخاب کیا گیا ہے وہ:

① معصوم ہے، یعنی نفس کی ناپسندیدہ خواہشات سے پاک صاف پیدا کیا گیا ہے اور شیطان کی دسترس سے بالاتر۔عصمت کے یہی معنی ہیں کہ ان سے حق تعالیٰ کی نافرمانی کا صدور ناممکن ہے۔

② آسمانی وحی سے ان کا رابطہ قائم رہتا ہے اور وحی الٰہی کے ذریعہ ان کو غیب کی خبریں پہنچتی ہیں۔کبھی جبریل امین کے واسطے سے اور کبھی بلا واسطہ جس کے مختلف طریقے ہیں۔

③ غیب کی وہ خبریں عظیم فائدہ والی ہوتی ہیں اور عقل کے دائرے سے بالاتر ہوتی ہیں۔یعنی انبیاء علیہم السلام بذریعہ وحی جو خبریں دیتے ہیں ان کو انسان نہ عقل و فہم کے ذریعہ معلوم کر سکتا ہے نہ مادی آلات و حواس کے ذریعہ ان کا علم ہو سکتا ہے۔

---

(۱) تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو ''کتاب النبوات'' ص:۲۷۲ تا ۲۷۴۔

ان تینوں صفات کی حامل ہستی کو مخلوق کی ہدایت کے لئے معبوث و مامور کیا جاتا ہے، گویا حق تعالیٰ اس منصب کے لئے ایسی شخصیت کا انتخاب فرماتا ہے جو افرادِ بشر میں اعلیٰ ترین صفات کی حامل ہوتی ہے۔ اس انتخاب کو قرآن کریم کہیں اجتباء سے، کہیں اصطفاء سے اور کبھی لفظ اختیار سے تعبیر فرماتا ہے، یہ عام صفات تو ہر نبی و رسول میں ہوتی ہیں، پھر حق تعالیٰ ان میں سے بعض کو بعض پر فضیلت عطا فرما کر وہ درجات عطا کرتا ہے جن کے تصور سے بھی بشر قاصر ہے گویا نبوت، انسانیت کی وہ معراجِ کمال ہے جس سے کوئی بالاتر منصب اور کمال عالم امکان میں نہیں، ان صفات عالیہ سے متصف ہستی کو ہدایت و اصلاح کے لئے معبوث کر کے انہیں تمام انسانیت کا مطاعِ مطلق ٹھہرایا جاتا ہے، ارشاد ہے: ﴿وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا لِيُطَاعَ بِاِذْنِ اللهِ﴾ [النساء: ٦٤] یعنی ہم نے ہر رسول کو اسی لئے بھیجا کہ اس کی اطاعت کی جائے اللہ کے حکم سے، پس حکم خداوندی یہی ہے کہ اس کی اطاعت کی جائے، وہ مطاع اور واجب الاطاعت متبوع ہے، اور امت اس کی ہدایت کے تابع و رشیح فرمان۔

نبی ہر نقص و کوتاہی سے بالاتر ہوتا ہے

جب نبوت و رسالت کے بارے میں یہ صحیح تصور قائم ہو گیا کہ وہ ایک عطیہ ربانی ہے، کسب و محنت اور مجاہدہ و ریاضت سے حاصل نہیں ہوتا بلکہ حق تعالیٰ اپنے علم محیط، قدرت کاملہ اور حکمت بالغہ سے پاک اور معصوم و مقدس ہستی کو پیدا فرما کر اس کو وحی آسمانی سے سرفراز فرماتا اور مخلوق کی ہدایت و ارشاد کے منصب پر اسے کھڑا کرتا ہے تو اس سے عقلی طور پر خود بخود یہ بات واضح ہو گئی کہ نبی و رسول کی شخصیت ہر نقص سے، ہر کوتاہی سے اور ہر انسانی کمزوری سے بالاتر ہوتی ہے، کیونکہ اگر خود اس کی شخصیت انسانی کمزوریوں میں ملوث ہو تو وہ ہدایت و اصلاح کی خدمت کیسے انجام دے سکے گا:

"آنکہ خود گم است کرا رہبری کند"

چنانچہ سنت اللہ یہی ہے کہ نبی کا حسب و نسب، اخلاق و کردار، صورت و سیرت، خلوت و جلوت اور ظاہر و باطن ایسا پاک اور مقدس و مطہر ہوتا ہے جس سے ہر شخص کا دل و دماغ مطمئن ہو اور کسی کو انگشت نمائی کا بال برابر بھی موقعہ نہ مل سکے، یہ الگ بات ہے کہ کوئی شخص شقاوتِ ازلی کی وجہ سے اس کی دعوت پر لبیک نہ کہے اور جحود و انکار میں مبتلا ہو کر ہدایت سے محروم رہ جائے، لیکن یہ ممکن نہیں کہ بدتر سے بدتر دشمن بھی نبی میں کسی "انسانی کمزوری" کی نشاندہی کر سکے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے خصائص و اوصاف

قرآن کریم میں انبیاء کرام اور رسولانِ عظام علیہم الف الف صلاۃ وسلام کے بارے میں جو کچھ فرمایا

ہے اوران کے جن جن خصائص وکمالات اور اخلاق واوصاف کی نشاندہی فرمائی ہے یہ جگہ ان کی تفصیل کے لئے کافی نہیں، یہاں اس سمندر کے چند قطرے پیش کئے جاتے ہیں جو حق تعالیٰ شانہٗ نے اپنے حبیب حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں ارشاد فرمائے ہیں:

﴿یَا اَیُّھَا النَّبِیُّ اِنَّا اَرْسَلْنَاکَ شَاھِداً وَّ مُبَشِّراً وَّ نَذِیْراً وَ دَاعِیاً اِلَی اللّٰہِ بِاِذْنِہٖ وَ سِرَاجاً مُّنِیْراً﴾ [الاحزاب:٤٥،٤٦]

اے نبی! بے شک ہم نے آپ کو اس شان کا رسول بنا کر بھیجا ہے کہ آپ گواہ ہوں گے اور آپ بشارت دینے والے ہیں اور ڈرانے والے ہیں اور اللہ کی طرف اس کے حکم سے بلانے والے ہیں اور آپ ایک روشن چراغ ہیں۔

﴿اِنَّـا اَرْسَلْنَاکَ شَاھِداً وَّمُبَشِّراً وَّنَذِیْراً لِّتُؤْمِنُوْا بِاللّٰہِ وَ رَسُوْلِہٖ وَ تُعَزِّرُوْہُ وَتُوَقِّـرُوْہُ﴾ [الفتح:٩]

ہم نے آپ کو گواہی دینے والا اور بشارت دینے والا اور ڈرانے والا کر کے بھیجا ہے تا کہ تم لوگ اللہ پر اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ اور اس کی مدد کرو اور اس کی تعظیم کرو۔

﴿یٰسٓ وَالْقُرْاٰنِ الْحَکِیْمِ اِنَّکَ لَمِنَ الْمُرْسَلِیْنَ عَلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ﴾ [یٰسٓ:١ تا ٤]

یٰس، قسم ہے قرآن سراپا حکمت کی کہ بے شک آپ منجملہ پیغمبروں کے ہیں، سیدھے رستہ پر ہیں۔

﴿نٓ وَالْقَلَمِ وَمَا یَسْطُرُوْنَ مَا اَنْتَ بِنِعْمَةِ رَبِّکَ بِمَجْنُوْنٍ وَاِنَّ لَکَ لَاَجْرًا غَیْرَ مَمْنُوْنٍ وَاِنَّکَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیْمٍ﴾ [القلم:١ تا ٤]

ن، قسم ہے قلم کی اور ان (فرشتوں) کے لکھنے کی کہ آپ اپنے رب کے فضل سے مجنون نہیں، اور بے شک آپ کے لئے ایسا اجر ہے جو ختم ہونے والا نہیں اور بے شک آپ اخلاق (حسنہ) کے اعلیٰ پیمانہ پر ہیں۔

﴿قَدْ جَاءَ کُمْ مِّنَ اللّٰہِ نُوْرٌ وَّ کِتَابٌ مُّبِیْنٌ﴾ [المائدة:١٥]

تحقیق تمہارے پاس اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک روشن چیز آئی ہے اور کتاب واضح (یعنی قرآن مجید)۔

﴿فَـالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِہٖ وَعَزَّرُوْہُ وَنَصَرُوْہُ وَاتَّبَعُوا النُّوْرَ الَّذِیْٓ اُنْزِلَ مَعَہٗٓ اُولٰٓئِکَ ھُمُ الْمُفْلِحُوْنَ﴾ [الاعراف:١٥٧]

سو جو لوگ اس نبی پر ایمان لاتے ہیں اور ان کی حمایت کرتے ہیں اور ان کی مدد کرتے ہیں اور اس نور کا اتباع کرتے ہیں جو ان کے ساتھ بھیجا گیا ایسے لوگ پوری فلاح پانے والے ہیں۔

﴿وَرَفَعْنَالَکَ ذِکْرَکَ﴾ [الانشراح:٤]

اور ہم نے آپ کی خاطر آپ کا آوازہ بلند کیا۔

﴿قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللهُ﴾ [آل عمران:٣١]

آپ فرما دیجئے کہ اگر تم خدا تعالیٰ سے محبت رکھتے ہو تو تم لوگ میرا اتباع کرو، خدا تعالیٰ تم سے محبت کرنے لگیں گے۔

﴿وَاِنْ تُطِيْعُوْهُ تَهْتَدُوْا﴾ [النور:٥٤]

اور اگر تم نے ان کی اطاعت کر لی تو راہ پر جا لگو گے۔

﴿لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَنْ كَانَ يَرْجُوا اللهَ وَالْيَوْمَ الْاٰخِرَ وَ ذَكَرَ اللهَ كَثِيْرًا﴾ [الاحزاب:٢١]

تم لوگوں کے لئے یعنی ایسے شخص کے لئے جو اللہ سے اور روز آخرت سے ڈرتا ہو اور کثرت سے ذکر الٰہی کرتا ہو رسول اللہ کا ایک عمدہ نمونہ موجود تھا۔

﴿فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ حَتّٰى يُحَكِّمُوْكَ فِيْمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوْا فِيْ اَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا﴾ [النساء:٦٥]

پھر قسم ہے آپ کے رب کی یہ لوگ ایماندار نہ ہوں گے جب تک یہ بات نہ ہو کہ ان کے آپس میں جو جھگڑا واقع ہو اس میں یہ لوگ آپ سے تصفیہ کرا دیں پھر آپ کے تصفیہ سے دلوں میں تنگی نہ پاویں اور پورا پورا تسلیم کر لیں۔

﴿لَقَدْ مَنَّ اللهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ﴾ [آل عمران:١٦٤]

حقیقت میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں پر احسان کیا جب کہ ان میں انہی کی جنس سے ایک ایسے پیغمبر کو بھیجا کہ وہ ان لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی آیتیں پڑھ پڑھ کر سناتے ہیں اور ان لوگوں کی صفائی کرتے رہتے ہیں اور ان کو کتاب اور فہم کی باتیں بتلاتے رہتے ہیں اور بالیقین یہ لوگ اس سے قبل صریح غلطی میں تھے۔

﴿وَاَنْزَلَ اللهُ عَلَيْكَ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَعَلَّمَكَ مَالَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ وَكَانَ فَضْلُ اللهِ عَلَيْكَ عَظِيْمًا﴾ [النساء:١١٣]

اور اللہ تعالیٰ نے آپ پر کتاب اور فہم کی باتیں نازل فرمائیں اور آپ کو وہ وہ باتیں بتلائی ہیں جو آپ نہ جانتے تھے اور آپ پر اللہ تعالیٰ کا بڑا فضل ہے۔

ترجمہ آیات سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صفات وکمالات کا نقشہ سامنے آ گیا ہوگا جس کا حاصل یہ ہے کہ حق تعالیٰ نے حضرت خاتم الانبیاء محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دعوت الی اللہ کا آفتاب عالم تاب بنایا ہے

تا کہ امت ان پر ایمان لائے ان کی توقیر کرے اور ان کی امداد کرے بلاشبہ آپ سراسر صراط مستقیم پر ہیں تاریخ عالم اس کی شہادت دیتی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم خلقِ عظیم سے آراستہ ہیں جو ان پر ایمان لائیں اور ان کی توقیر ونصرت کریں اور جو آسمانی وحی کا نورِ الٰہی ان کے ساتھ ہے اس کا بھی اتباع کریں آخرت کی فلاح انہی کے لئے ہے ان کی اتباع سے حق تعالیٰ کی محبوبیت کی سعادت عظمیٰ ملتی ہے۔

انہی کی اطاعت سے ہدایت ملتی ہے جو لوگ اللہ تعالیٰ کے اور آخرت کے امیدوار ہیں وہ انہی کو اپنا مقتدا و پیشوا بنائیں گے جو لوگ اپنے نزاعات ومخاصمات میں بھی ان کے فیصلوں کو بدل وجان تسلیم نہ کریں خدا کی قسم کبھی مومن نہیں ہو سکتے، حق تعالیٰ کا امت محمدیہ پر بڑا احسان ہے جن میں ایسی ہستی مبعوث فرمائی کہ حق تعالیٰ کی آسمانی وحی ان کو پڑھ کر سنائیں، ہر قسم کے شرک وکفر، معصیتوں اور جاہلیت کی رسموں سے ان کا تزکیہ کریں، ان کو کتاب وسنت کی تعلیم دیں، اللہ تعالیٰ نے ان پر بڑا فضل فرمایا کہ کتاب وحکمت کے وہ تمام علوم ان کو سکھائے جو نہ جانتے تھے، چند آیات بینات کا یہ سرسری خاکہ ہے حق تعالیٰ کی اس آسمانی شہادت کے بعد کیا کوئی کمال اب ایسا باقی ہے، جو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نہ دیا گیا ہو؟ اسی آسمانی وحی ربانی میں تمام امت کو یہ اعلان کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے تمام فرشتے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر رحمت و درود بھیجتے ہیں اس لئے تمہیں حکم ہے کہ تم بھی ان پر درود بھیجو، پانچوں وقت اذان میں ان کی رفعت و بلندیٔ مقام کا اعلان ہوتا ہے، ہر نماز میں ان پر درود وسلام کا مخصوص انداز میں حکم ہے گویا کوئی نماز جو حق تعالیٰ شانہ کی مخصوص عبادت ہے اور حق تعالیٰ کے ساتھ خصوصی مناجات ہے آپ کے ذکر خیر اور درود وسلام سے خالی نہیں بلکہ اسی پر نماز کا اختتام ہوتا ہے اس لئے تمام امت اور آسمانی کتابوں کا بھی فیصلہ ہے:

بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں گستاخی

بہر حال یہ مسلمات میں سے ہے کہ افراد بشر میں جن نفوس قدسیہ کو حق تعالیٰ نے اصلاح نفوس اور ہدایت وارشاد عالم کے لئے منتخب فرمایا ہے ان سب کے سرتاج سید الانبیاء والمرسلین امام المتقین خاتم النبیین سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ مقدس ہے اگر ان میں کوئی کوتاہی اور کمی رہ جائے تو پھر سارے انبیاء کرام کوتاہیوں سے مبرا کیسے ہو سکتے ہیں اور امت کی ہدایت کے لئے وہ کیسے اسوہ وقدوہ بن سکتے ہیں اور اس کا لازمی نتیجہ یہ ہوگا کہ جس ذات اقدس نے ہدایت وارشاد کے لئے ان کی بعثت فرمائی ہے وہ العیاذ باللہ قاصر ہے اور ان کی قدرت سے ایسے افراد کا انتخاب بالاتر ہے انا للہ وانا الیہ راجعون، بات کہاں سے کہاں پہنچ گئی، پھر نہ تو خدائی رہی، نہ نبوت ورسالت، نہ آسمانی وحی، نہ دین۔ سارا معاملہ ہی ختم ہو گیا، ان حقائق کی روشنی میں ''ترجمان القرآن'' جلد ۸۵ شمارہ

اپریل ۷۶ء میں بعنوان ''اسلام کس چیز کا علمبردار ہے'' مودودی صاحب کا مقالہ مطالعہ کیجئے، صفحہ ۳۰ پر موصوف یوں رقمطراز ہیں'' وہ (یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) نہ فوق البشر ہے نہ بشری کمزوریوں سے بالاتر ہے۔''

کس جاہل نے کہا ہے کہ وہ فوق البشر ہے ہاں تمام اولین و آخرین اور حق تعالیٰ جو خالق الانبیاء والمرسلین ہیں ان کا فیصلہ ہے کہ وہ اَتقی البشر ہیں سید البشر ہیں، تمام نسل انسانی میں سب سے بڑھ کر متقی اور کامل ترین افراد بشر میں سے ہیں، آفتاب عالمتاب اور بدر منیر کے انوار کو ان کے انوار سے کیا نسبت؟ آسمان ہو یا زمین، چاند ہو یا سورج حتیٰ کہ عرش رحمٰن بھی آپ کی منزلت سے قاصر ہے، تمام مخلوقات خداوندی میں افضیلت وکمال کا تاج آپ ہی کے سر باندھا گیا ہے'' نہ فوق البشر ہے'' یہ جملہ بھی جو غمازی کرتا ہے کہ فوق البشر کہنا بھی ناقابل برداشت ہے لیکن'' نہ بشری کمزوریوں سے بالاتر ہے'' کے فقرے سے جو کچھ دل میں تھا ابھر کر آگیا جو شخص بشری کمزوریوں میں ملوث ہے وہ بشر کی ہدایت کے لئے کیسے موزوں ہوسکتا ہے؟ اردو کے عرف میں اور عام تعبیرات کے پیش نظر بشری کمزوریوں کا اطلاق ان صفات بشریہ پر ہوتا ہے جو صفات ذمیمہ اور قبیحہ ہیں، لوازم بشریت مراد ہو ہی نہیں سکتے لوازم بشریت کھانا پینا سونا جاگنا خوشی، غم صحت و مرض وفات وغیرہ بلاشبہ یہ لوازم بشریت ہیں خواص بشریت ہیں اور صفات بشریہ ہیں، عرف میں اس کو کوئی بشری کمزوریوں سے تعبیر نہیں کرتا، لوازم بشریت سے تو ملائکۃ اللہ اور حق تبارک وتعالیٰ منزہ ہیں کہنا یہ ہے کہ یہ جملہ خطرناک حقیقت کی غمازی کررہا ہے، اسلام کی پوری بنیاد منہدم ہوجاتی ہے، حق تعالیٰ تو ان کو یہ شرف قبولیت عطا فرماتا ہے کہ کلمۂ اسلام میں، کلمۂ شہادت میں، اذان واقامت میں حق تعالیٰ کے نام کے ساتھ آپ کا نام آئے، نماز میں درود وسلام بھیجنے کا حکم ہوا اور اس انداز سے ہوا کہ چونکہ حق تعالیٰ اور ان کے فرشتے آپ پر درود بھیجتے ہیں اے ایمان والو تم بھی درود بھیجو، بارگاہ قدس سے اتنا اونچا منصب عطا کیا گیا ہو، اور مودودی صاحب کی نگاہ میں وہ بشری کمزوریوں سے بالاتر نہیں جو شخصیت بشری کمزوریوں میں مبتلا ہو کیا وہ اس منصب جلیل کی مستحق ہوسکتی ہے؟ بظاہر تو یہ ایک جملہ ہے لیکن اس ایک جملہ سے ان کے تمام کمالات اور منصب نبوت پر پانی پھر جاتا ہے اور ہر ناقد کے لئے تنقید کا راستہ ہموار ہوجاتا ہے، بشری کمزوری میں جھوٹ بولنا خود غرضی بقایا جاہلیت کے آثار کا نمایاں ہونا، مصلحت اندیشی کا کارفرما ہونا، بنی عبد مناف اور بنی ہاشم کو بنی امیہ پر ترجیح دینا، قریش و مہاجرین کو وہ مقام عطا کرنا جس سے انصار محروم تھے وغیرہ وغیرہ کون سی کمزوری ہے جو اس اجمال میں نہیں آسکتی؟ کیا اچھا ہوتا کہ مودودی صاحب ان کمزوریوں کی نشاندہی خود فرمادیتے کہ وہ کون سی کمزوریاں ہیں جو آپ کی ذات گرامی میں موجود ہیں۔ اس قسم کے نظریات یا قلمی طغیانی اس شخص کا شیوہ ہے جو نہ اہل اللہ کا صحبت یافتہ ہو، نہ اسے علم دین میں کمال حاصل ہو، عجب و کبر میں مبتلا ہو، اعجاب بالرائی کی وباء عظیم میں ملوث ہو۔ جس ذات گرامی پر ایمان لانے کا حکم ہو حق تعالیٰ پر ایمان کے بعد جس پر ایمان کا جسے ہدایت امت کے لئے سراجاً منیراً بنایا گیا ہو، جو دعوت الی اللہ پر مامور ہو جس کی شخصیت کو امت کے

لئے اسوہ بنایا گیا ہو، جس کی صفات وکمالات اور خصائص واخلاق عظیمہ کا اعلان کیا گیا ہو، مودودی کی نگاہ میں ان کی شخصیت اتنی شدید مجروح ہو کہ بشری کمزوریوں سے بالاتر نہیں، اب تک تو ہم یہی سمجھتے تھے کہ مودودی صاحب سلف صالحین کو مجروح کرتے چلے آئے ہیں، صحابہ کرامؓ کی شخصیت کو مجروح کرتے چلے آئے ہیں اور انبیاء کرام کی شخصیت پر بھی کچھ نہ کچھ اشارات جرح کے موجود تھے۔

یونس علیہ السلام سے فریضۂ نبوت پر تقصیر ہوئی جیسے کہ ''تفہیم القرآن'' میں ہے وغیرہ وغیرہ، ایک حضرت سید المرسلین خاتم النبیین امام المتقین کی ذات گرامی باقی رہ گئی تھی وہ بھی اب مجروح ہوگئی، تعجب کا مقام ہے کہ مودودی صاحب نے ہر پیراگراف کو قرآنی حوالہ دے کر بیان کیا اور شاید مقالہ اور اس کی تعلیمات کو پڑھنے والے کو یہ غلط فہمی ہو کہ یہ جملہ بھی بقیہ قرآنی حوالوں سے معمور ہوگا لیکن بغیر جوڑ کے قرآنی تعبیرات کے درمیان سطر نمبر ۱۲، اشارہ نمبر ۱۳ صفحہ ۳۱ پر یہ دل کی بات قلم سے نکل گئی، قرآن کریم میں جہاں یہ حکم ہو کہ آپ اعلان کریں کہ میں بشر ہوں ساتھ ہی ''یوحی الیّ'' کا وصف لگایا گیا تا کہ کوئی قاصر الفہم قاصر العقل بشر کے ساتھ بشری کمزوریوں کا خیال نہ کرے، چنانچہ ارشاد ہے:

﴿قُلْ اِنَّمَا أَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوْحٰى اِلَيَّ أَنَّمَا اِلٰهُكُمْ اِلٰـهٌ وَّاحِدٌ﴾ [الكهف:۱۱۰]

سورہ اسراء میں ہے:

﴿قُلْ سُبْحَانَ رَبِّيْ هَلْ كُنْتُ اِلاَّ بَشَراً رَّسُوْلاً﴾ [بنی اسرائیل:۹۳]

بشر کے ساتھ رسول کی صفت لگائی گئی ہے جہاں محض بشریت کا ذکر کیا ہے یا صفات بشریت کا ذکر ہے وہ تمام تر مشرکین وکفار کے قول کی نقل ہے:

﴿قَالُوْا اِنْ أَنْتُمْ اِلاَّ بَشَرٌ مِّثْلُنَا﴾ [ابراهيم:۱۰]

﴿هَلْ هٰذَا اِلاَّ بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ﴾ [الانبياء:۳]

﴿مَا هٰذَا اِلاَّ بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ﴾ [المومنون:۲٤]

﴿مَا أَنْتُمْ اِلاَّ بَشَرٌ مِّثْلُنَا﴾ [يٰس:۱۵]

﴿مَا نَرَاكَ اِلاَّ بَشَراً مِّثْلَنَا﴾ [هود:۲۷]

کفار نے بلاشبہ طعنے کے طور پر کہا کہ یہ ہم جیسے بشر ہیں بلکہ ان کو بھی اس کی جرأت نہیں ہوئی کہ یہ جرم بھی عائد کرسکیں کہ بشری کمزوریوں سے بالاتر نہیں اس لئے کہ وہ جانتے تھے کہ انبیاء کرام کی پاکیزگی اخلاق، کرامت وشرافت اتنی بدیہی اور واضح ہے کہ انکار کی مجال نہیں، زیادہ سے زیادہ یہ طعنہ دیا کہ کھاتا پیتا ہے، بازاروں میں جاتا ہے، گویا فرشتہ نہیں کہ ان چیزوں سے بالاتر ہو، کچھ ایسا محسوس ہو رہا ہے کہ موصوف کے دل میں اس سے بھی زیادہ کچھ ہے لیکن خوف مانع ہے، پوری دل کی بات کا اظہار نہ کرسکے ﴿وَمَا تُخْفِيْ صُدُوْرُهُمْ

أَكْبَرُ﴾ [آل عمران: ١١٨] اللہ تعالیٰ کی زیغ وضلال سے بچانے بشری کمزوری دو راستوں سے ہوتی ہے:

① نفس ② شیطان

جب نبی ورسول نفس کی غیر مستحسن اور ناپسندیدہ خواہشات سے مبرّا ہے اور پاک ہے تو اس کے عواطف ورجحانات ناپسندیدہ نہیں ہو سکتے، ان کا نفس نفسِ مطمئنہ ہے، نفسِ ملکی ہے، نفس کی صفات رذیلہ سے یکسر بالاتر ہے، ادنیٰ سے ادنیٰ رذیلہ نفسانی کا وہاں گذر نہیں اور نفس کے جتنے صفات کمال ہیں، تقویٰ وطہارت شکر وصبر، عفت ورأفت، رحمت وجود اور سخاوکرم وغیرہ وغیرہ تمام کے تمام وہاں موجود ہوتے ہیں اور شیطان لعین کے وساوس سے یکسر حفاظت ہوتی ہے شیطان نبی ورسول کو کبھی بھی غلط کام پر آمادہ ہی نہیں کر سکتا، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ میرا شیطان مجھے خیر ہی کا حکم دیتا ہے، بہر حال جب دونوں راستوں سے حفاظت ہوگئی تو بشری کمزوری خود بخود ختم ہو جاتی ہے، ''صحیح مسلم'' میں عائشہ صدیقہؓ کی روایت میں تو یہ آیا ہے کہ ''كان خلقه القرآن''(١) آپ کے اخلاق کریمہ قرآن کریم کا مرقع ہیں گویا آپ کی حیات مقدسہ زندہ قرآن ہے۔ آپ کا وجود مقدس زندہ قرآن ہے اور یہی تمام عالم کا فیصلہ ہے لیکن مودودی صاحب فرماتے ہیں کہ بشری کمزوریوں سے آپ بالاتر نہیں، پھر سنت اللہ جاری ہے کہ انبیاء کرام کے عام قویٰ بشری بھی عام انسانوں سے بالاتر ہوتے ہیں، ان کی جسمانی صلاحیتیں جسمانی قوتیں برتر اور عام افراد بشر سے بالاتر ہوتی ہیں بلکہ ایک حدیث میں آیا ہے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو چالیس افراد جنت کی قوت عطا فرمائی گئی ہے اور ایک حدیث میں یہ بھی آیا ہے کہ جنت میں ہر فرد بشر کو سو اشخاص کی قوت عنایت کی گئی ہے بلکہ قاضی عیاض ''شفاء'' میں اور سیوطی کی ''خصائص کبریٰ'' میں حضرت عائشہ صدیقہؓ کی روایت سے ایک حدیث ہے کہ آپ نے فرمایا ہے: ''أما علمت أن أجسادنا تنبت على أرواح أهل الجنة''(٢) یعنی ہمارے اجساد میں ارواح اہل جنت کی ہیں اور تفصیلات کا یہاں موقع نہیں ہے، بہر حال نہ معلوم کہ اتنی صاف اور واضح حقیقت کیوں سمجھ میں نہیں آتی کہ جب کوئی شخص بشری کمزوریوں میں مبتلا ہو وہ کیونکر ہادی ورہنما بنے گا اور اس کی دعوت وتبلیغ کیونکر کامیاب ہو سکتی ہے؟ قرآن کریم تو صاف اعلان فرماتا ہے:

﴿أَتَأْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبِرِّ وَتَنسَوْنَ أَنْفُسَكُمْ وَأَنْتُمْ تَتْلُوْنَ الْكِتَابَ أَفَلاَ تَعْقِلُوْنَ﴾ [البقرة: ٤٤]

کیا تم لوگوں کو حکم دیتے ہو نیکی کا اور اپنے نفسوں کو بھولتے ہو اور تم کتاب اللہ پڑھتے ہو، کیا اتنی بھی تم نہیں جانتے کہ اس کا کیا اثر ہوگا، حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تو سب سے بڑی خصوصیت یہی ہے کہ جو کیا اسی کا حکم دیا تا کہ

(١) الصحيح لمسلم، كتاب الصلوة، باب صلوة الليل و عدد ركعات النبي ﷺ ج: ١ ص: ٢٥٦ ط: قديمي. مسند احمد بن حنبل ج: ٦ ص: ٩١، ط: عالم الكتب بيروت

(٢) الخصائص الكبرى للسيوطي، باب لآية في حفظه (ﷺ) من الاحتلام ج: ١ ص: ١٢٠، ط: دار الكتب العلمية بيروت

قول وعمل میں کوئی تضاد نہ ہو، مقام افسوس ہے کہ مودودی صاحب کو اتنی واضح اور صاف بات بھی سمجھ میں نہیں آتی، بہرحال جہاں مودودی صاحب کے بہت سے قابلِ شدید اعتراض مباحث ہیں یا تعبیرات ہیں اور ان کی تصنیفات میں بکھری پڑی ہیں یہ جملہ اور مضمون بھی قباحت میں گوئے سبقت لے گیا ہے مودودی صاحب اپنی تفسیر سورۂ آلِ عمران میں حضرات صحابہؓ کے بارے میں رقم طراز ہیں ''سودخوری جس سوسائٹی میں موجود ہوتی ہے اس کے اندر سود خوری کی وجہ سے دو قسم کے اخلاقی امراض پیدا ہوتے ہیں، سود لینے والے میں حرص وطمع بخل خودغرضی اور سود دینے والوں میں نفرت، غصہ اور بغض حسد، احد کی شکست میں ان دونوں قسم کی بیماریوں کا کچھ نہ کچھ حصہ شامل تھا'' اسی سورۂ آلِ عمران کے آخر میں ان صحابہؓ کے بارے میں حق تعالیٰ یوں فرماتے ہیں:

﴿فَالَّذِيْنَ هَاجَرُوْا وَأُخْرِجُوْامِنْ دِيَارِهِمْ وَأُوْذُوْا فِيْ سَبِيْلِيْ وَقَاتَلُوْا وَقُتِلُوْا لَأُكَفِّرَنَّ عَنْهُمْ سَيِّاٰتِهِمْ وَلَأُدْخِلَنَّهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُثَوَاباً مِّنْ عِنْدِاللّٰهِ وَاللّٰهُ عِنْدَهٗ حُسْنُ الثَّوَابِ﴾ [النساء:۱۹۵]

''سو جن لوگوں نے ترک وطن کیا اور اپنے گھروں سے نکالے گئے اور تکلیفیں دیئے گئے میری راہ میں، اور جہاد کیا اور شہید ہو گئے ضرور ان لوگوں کی تمام خطائیں معاف کر دوں گا اور ضرور ان کو ایسے باغوں میں داخل کروں گا جن کے نیچے سے نہریں جاری ہوں گی، یہ عوض ملے گا اللہ کے پاس سے اور اللہ ہی کے پاس اچھا عوض ہے۔''

حق تعالیٰ نے تو ان کو یہ داد دی ہے اور مودودی صاحب کی نگاہ میں وہ حریص طماع بخیل خودغرض ایک دوسرے سے نفرت کرنے والے بغض وحسد رکھنے والے اور ان بیماریوں میں مبتلا تھے ان میں جہل وعناد کی بھی انتہا ہو گئی، غزوۂ احد کے بعد غزوہ بنی النضیر میں جو سورۂ حشر نازل ہوئی اس میں حق تعالیٰ شانہ یوں ارشاد فرماتے ہیں:

﴿لِلْفُقَرَاءِ الْمُهَاجِرِيْنَ الَّذِيْنَ أُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ وَ اَمْوَالِهِمْ يَبْتَغُوْنَ فَضْلاً مِّنَ اللّٰهِ وَ رِضْوَاناً وَّ يَنْصُرُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ اُولٰٓئِكَ هُمُ الصَّادِقُوْنَ وَالَّذِيْنَ تَبَوَّؤُ الدَّارَ وَ الْاِيْمَانَ مِنْ قَبْلِهِمْ يُحِبُّوْنَ مَنْ هَاجَرَ اِلَيْهِمْ وَ لَايَجِدُوْنَ فِيْ صُدُوْرِهِمْ حَاجَةً مِّمَّا اُوْتُوْا وَ يُؤْثِرُوْنَ عَلٰى أَنْفُسِهِمْ وَلَوْكَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ وَمَنْ يُّوْقَ شُحَّ نَفْسِهٖ فَأُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ﴾ [الحشر:۹]

ان فقراء مہاجرین کا حق ہے جو اپنے گھروں سے اور اپنے مالوں سے جدا کر دیئے گئے وہ اللہ تعالیٰ کے فضل اور رضا مندی کے طالب ہیں اور وہ اللہ اور اس کے رسول کی مدد کرتے ہیں، یہی لوگ سچے ہیں اور ان لوگوں کا حق ہے جو دارالاسلام میں ان (مہاجرین کے آنے) سے قبل قرار پکڑے ہوئے ہیں اور جو ان کے پاس ہجرت کر کے آتا ہے اس سے یہ لوگ محبت کرتے ہیں اور مہاجرین کو جو کچھ ملتا ہے اس سے یہ لوگ اپنے دلوں میں کوئی رشک نہیں پاتے اور اپنے سے مقدم رکھتے ہیں اگرچہ ان پر فاقہ ہی ہو اور واقعی جو شخص اپنی طبیعت کے بخل سے

محفوظ رکھا جائے ایسے ہی لوگ فلاح پانے والے ہیں۔

حق تعالیٰ تو ان مہاجرین وانصار کو صادقون و مفلحون جیسے شاندار الفاظ میں اس عجیب انداز سے داد دیں اور مودودی صاحب ان کو طماع وحریص ایک دوسرے سے متنفر بتلائیں اس وقت تو بطور مثال ایک سرسری اشارہ کردیا گیا اور یہ موضوع ابھی بہت کچھ لکھنے کا محتاج ہے، اسی مضمون ومقالہ کے شروع میں جو تحقیق فرمائی گئی کہ ہمارے عقیدے کے مطابق اسلام کسی ایسے دین کا نام نہیں جس کو سب سے پہلے محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے پیش کیا ہو اور اس بناء پر آپ کو بانی اسلام کہنا صحیح ہو۔

انبیاء میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیت دراصل یہ ہے کہ:① وہ خدا کے آخری نبی ہیں② ان کے ذریعہ خدا نے اسی اصل دین کو پھر تازہ کردیا جو تمام انبیاء کا لایا ہوا تھا الخ" اس مضمون میں بھی ان کو ٹھوکر لگی ہے اور غلط موڑ پر پہنچ گئے جو نہایت خطرناک ہے، اب دیانت اور دین کی خیر خواہی کا تقاضا یہی ہے کہ ان مضامین پر بے لاگ تبصرہ ایسا کیا جائے کہ دودھ کا دودھ پانی کا پانی سامنے آجائے جو ایک دو مولوی ان کی ہم نوائی کرتے چلے آئے ہیں ان کے ایمانی امتحان کا وقت بھی آگیا ہے واللہ یقول الحق وھو یھدی السبیل حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مقام عالی کا کیا کہنا، آپ کی صحبت فیض خدمت اور توجہات مبارکہ سے صحابہ کرام جس مقام پر پہنچ گئے ہیں اس کا ادراک بھی ہم جیسوں کے لئے ناممکن ہے، قرآن کریم کی سورۂ فتح میں ارشاد ہے:

﴿مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللهِ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗٓ اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ تَرٰهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا يَّبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللهِ وَ رِضْوَانًا سِيْمَاهُمْ فِيْ وُجُوْهِهِمْ مِّنْ اَثَرِ السُّجُوْدِ﴾ [الفتح:٢٩]

"محمد اللہ کے رسول ہیں اور جو لوگ آپ کے صحبت یافتہ ہیں وہ کافروں کے مقابلہ میں تیز اور آپس میں مہربان ہیں، اے مخاطب تو ان کو دیکھے گا کہ کبھی رکوع کر رہے ہیں اور کبھی سجدہ کر رہے ہیں، اللہ تعالیٰ کے فضل اور رضامندی کی جستجو میں لگے ہیں، ان کے آثار بوجہ تاثیر سجدہ کے ان کے چہرے سے نمایاں ہیں۔"

یہاں تک لکھ چکا تھا کہ آج "ترجمان القرآن" بابت ماہ جون ۷۶ء میں "رسائل ومسائل" کے عنوان سے اس کے جواب کی کوشش کی گئی، ظاہر بات ہے کہ بات ناقابل برداشت تھی اور اس میں پوری رسوائی ہورہی تھی اس لئے موصوف کے حواریوں میں سے کسی نے موصوف کو متنبہ کیا اور اس کا جواب دیا گیا کیا اچھا ہوتا کہ مودودی صاحب اپنی غلطی کا اعتراف کرکے توبہ کرتے اور اعلان کرتے کہ میں نے یہ بات غلط کی ہے لیکن مودودی صاحب کی تاریخ زندگی میں اس بات کا امکان نہیں، یہ تو ہوا کہ جب کسی ہمدرد حواری نے کسی غلطی پر متنبہ کیا تو دوسرے ایڈیشن میں وہ بات نکال دی گئی لیکن اس کی توفیق نہ ہوئی کہ اعتراف کرکے غلطی کا اعلان ہوتا اور غلط بات سے رجوع کرتے تاکہ وہ لوگ جن کے پاس پہلا ایڈیشن ہے وہ بدستور گمراہ نہ ہوتے، مثلاً تفسیر "تفہیم القرآن" کے

پہلے ایڈیشن میں حضرت یونس علیہ الصلاۃ والسلام کو فرائض نبوت میں تقصیر کا مرتکب مانا تھا لیکن اعتراض کے بعد دوسرے ایڈیشن پر اس عبارت کو حذف کر دیا گیا، کیا یہ دیانت ہے؟ اور کیا یہ حق ہے؟ اور کتنی مثالیں ہیں، مودودی صاحب کے نزدیک انبیاء کرام ایسے معصوم نہیں ہیں کہ غلطی نہ ہوسکتی تھی وہ تو فرماتے ہیں کہ بشریت کے اظہار کے لئے کوئی وقت ایسا ضرور ہے تو کیا مودودی صاحب معصوم ہیں کہ ان کی عصمت انبیاء کرام سے بھی زیادہ ہے، بہرحال جب عذر کر کے جواب دیا گیا تو معلوم ہوا کہ وہ بھی بالکل لچر اور بے معنی ہے، اردو محاورات میں کوئی بتلا دے کہ لوازمِ بشریت کو بشری کمزوریوں سے تعبیر کیا جا سکتا ہے؟ مولانا مودودی صاحب بشری کمزوریوں سے عیوب ونقائص ہی مراد لیتے ہیں، اس کی واضح دلیل یہ ہے کہ سورۂ آل عمران کی تفسیر میں انہوں نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر یہ الزام لگایا ہے کہ ان میں سودخوری کی وجہ سے دو قسم کی بیماریاں تھیں، حرص وطمع بخل وخودغرضی اور حسد نفرت بغض اور غزوہ احد کی شکست میں دونوں کو دخل ہے اس کے ثبوت میں قرآن کے لفظ "ببعض ماکسبوا" کا ترجمہ ''بعض کمزوریوں'' سے کیا گیا جس پر نہایت عالمانہ ومحققانہ انداز سے حضرت مولانا محمد اسحاق صدیقی سندیلوی تنقید فرما چکے ہیں (ملاحظہ ہو 'بینات' بابت ماہ جون ۷۶ء) مودودی صاحب کی اس تفسیر وتشریح سے واضح ہے کہ کمزوریوں سے مراد وہ بیماریاں لیتے جو عیوب اور بدترین عیوب ہیں، اللہ تعالیٰ رحم فرمائے اور صحیح توبہ کی توفیق نصیب فرمائے۔ آمین

[جمادی الاخری ۱۳۹۶ھ- جولائی ۱۹۷۶ء]

بسم اللہ الرحمن الرحیم

عصمت انبیاء وحرمت صحابہ

یہ حقیقت مسلم اور ہر شک وشبہ سے بالاتر ہے کہ نبوت ورسالت وہ اعلیٰ ترین منصب ہے جو حق تعالیٰ ذکرہٗ کی طرف سے مخصوص بندوں کو عطا کیا جاتا ہے، تمام کائنات میں انسان اشرف المخلوقات ہے اور نبوت انسانیت کی آخری معراجِ کمال، انسانیت کے بقیہ تمام مراتب وکمالات اس سے پست اور فروتر ہیں، انسانی فکر کی کوئی بلندی نبوت کی حدوں کو نہیں چھوسکتی، نہ انسانیت کا کوئی شرف وکمال اس کی گرد راہ کو پہنچ سکتا ہے، اس سے اوپر بس ایک ہی مرتبہ ہے اور وہ ہے حق تعالیٰ کی ربوبیت والوہیت کا مرتبہ! منصبِ نبوت عقولِ انسانی سے بالاتر ہے، اس کی پوری حقیقت صرف وہی جانتا ہے جس نے یہ منصب عطا فرمایا یا پھر ان مقدس ہستیوں کو معلوم ہوسکتی ہے جن کو اس منصب رفیع سے سرفراز کیا گیا، ان کے علاوہ تمام لوگوں کا علم وفہم سرِ نبوت کی دریافت سے عاجز اور عقل اس کی ٹھیک ٹھیک حقیقت وکنہ کے ادراک سے قاصر ہے، جس طرح ایک جاہل علم کی حقیقت سے بے خبر ہے، اسی

طرح غیر نبی نبوت کی حقیقت سے نا آشنا ہے، اگر غور کیا جائے تو یہ حقیقت واضح ہوگی کہ رسالت و نبوت کا منصب رفیع تو در کنار، معمولی ہنر و فن کا بھی یہی حال ہے، کسی فن کی صحیح حقیقت تک رسائی اسی صاحب کمال کے لئے ممکن ہے جسے وہ فن حاصل ہو اور اسی حد تک ممکن ہے جس حد تک اسے فنی رسوخ و کمال حاصل ہو۔

ہمارے حضرت استاذ امام العصر مولانا محمد انور شاہ کشمیری دیو بندی (نور اللہ مرقدہ) فرمایا کرتے تھے کہ:

''نبوت تو کیا اجتہاد کی حقیقت کے ادراک سے بھی ہم قاصر ہیں''۔

یعنی اجتہاد کے بارے میں جو کچھ ہم جانتے ہیں وہ محض اس کی ظاہری سطح ہے اور جتنی معلومات ہمیں حاصل ہیں وہ صرف سطحی معلومات ہیں (اسے منطقی اصطلاح میں علم بالوجہ کہتے ہیں) ورنہ اجتہاد کی حقیقت کا صحیح ادراک صرف مجتہد کو ہو سکتا ہے جسے یہ ملکہ حاصل ہو، اسی طرح نبوت کا علم بھی عام انسانوں کو محض آثار ولوازم کے اعتبار سے ہے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بارے میں ہم صرف اتنا جانتے ہیں کہ:

نبوت کے لئے حق تعالیٰ جل ذکرہ ایک ایسی برگزیدہ اور معصوم شخصیت کا انتخاب فرماتا ہے جو اپنے ظاہر و باطن، قلب و قالب، روح و جسد ہر اعتبار سے عام انسانوں سے ممتاز ہوتا ہے، وہ ایسا پاک طینت اور سعید الفطرت پیدا کیا جاتا ہے کہ اس کی تمام خواہشات رضاء و مشیت الٰہی کے تابع ہوتی ہیں، ردائے عصمت اس کے زیب تن ہوتی ہے، حق تعالیٰ کی قدرت کاملہ ہر دم اس کی نگرانی کرتی ہے، اس کی ہر حرکت و سکون پر حفاظت خداوندی کا پہرہ بٹھا دیا جاتا ہے اور وہ نفس و شیطان کے تسلط واستیلاء سے بالاتر ہوتا ہے، ایسی شخصیت سے گناہ و معصیت اور نافرمانی کا صدور ناممکن اور منطقی اصطلاح میں محال و ممتنع ہے، اسی کا نام عصمت ہے (۱) اور ایسی ہستی کو معصوم کہا جاتا ہے، عصمت لازمہ نبوت ہے، جس طرح یہ تصور بھی نہیں کیا جا سکتا کہ کسی لمحہ نبوت نبی سے الگ ہو جائے اسی طرح اس بات کا وہم و گمان بھی نہیں کیا جا سکتا کہ عصمت نبوت اور نبی سے ایک آن کے لئے بھی جدا ہو سکتی ہے، معاذ اللہ۔

حضرات علما نے تحقیق فرمائی ہے کہ ایک ہے معصوم اور ایک ہے محفوظ، معصوم وہ ہے جس سے گناہ و معصیت کا صدور محال ہو، اور محفوظ وہ ہے جس سے صدور معصیت محال تو نہ ہو لیکن کوئی معصیت صادر نہ ہو یا آسان اور سادہ لفظوں میں یوں تعبیر کریں گے کہ معصوم وہ ہے جو گناہ کر ہی نہیں سکتا اور محفوظ کے معنی یہ ہیں کہ گناہ کر تو سکتا ہے لیکن کرتا نہیں، اس لئے کہا جاتا ہے کہ انبیاء کرام علیہم السلام معصوم ہیں اور اولیاء کرام رحمہم اللہ محفوظ ہیں۔

---

(۱) اس کے یہ معنی نہیں کہ انبیاء کرام علیہم السلام سے قدرت سلب کر لی جاتی ہے بلکہ عصمت کا مدار ان ہی دو چیزوں پر ہے جس کی طرف اوپر اشارہ کیا گیا یعنی اول تو ان کی فطرت اتنی پاکیزہ اور مصفیٰ مزکیٰ ہوتی ہے کہ وہ گناہ و معصیت کا تصور بھی نہیں کر سکتے اور گناہ کا تصور فطرۃً ان کے لئے ناقابل برداشت ہے۔ دوم یہ کہ حفاظت الٰہی کی نگرانی ایک لمحہ کے لئے ان سے جدا نہیں ہوتی، ظاہر ہے کہ ان دو باتوں کے ہوتے ہوئے صدور معصیت کا امکان نہیں رہتا۔ (مدیر)

الغرض نبوت ورسالت کے عظیم ترین منصب کے لئے حق تعالیٰ اسی شخصیت کو بحیثیت نبی ورسول کے منتخب کرتا ہے جو حسب ونسب، اخلاق واعمال، عقل وبصیرت، عزم وہمت اور تمام کمالات میں اپنے دور کی فائق ترین شخصیت ہو، نبی تمام جسمانی وروحانی کمالات میں یکتائے زمانہ ہوتا ہے اور کسی غیر نبی کو کسی معتد بہ کمال میں اس پر فوقیت نہیں ہوتی، قرآنی وشرعی الفاظ میں اس شخصیت کا انتخاب اجتبا، اور اختیار خود حق تعالیٰ فرماتا ہے، کون نہیں جانتا کہ حق تعالیٰ کا علم کائنات کے ذرہ ذرہ کو محیط ہے، اس کے لئے ظاہر وباطن اور سر وجہر سب عیاں ہے، ماضی ومستقبل اور حال کے تمام حالات بیک وقت اس کے علم میں ہیں، اس میں نہ غلطی کا امکان نہ جہل کا تصور، قرآن کریم کی بے شمار آیات میں یہ حقیقت بار بار بیان کی گئی ہے:

﴿إِنَّ اللهَ كَانَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمًا﴾ [النساء:۳۲]

اور اللہ ہر چیز کو جانتا ہے۔

﴿وَمَا يَعْزُبُ عَنْ رَّبِّكَ مِنْ مِّثْقَالِ ذَرَّةٍ فِي الْأَرْضِ وَلَا فِي السَّمَاءِ﴾ [یونس:٦١]

اور غائب نہیں تیرے رب سے کوئی ذرہ بھر چیز بھی، نہ زمین میں نہ آسمان میں۔

﴿يَعْلَمُ سِرَّكُمْ وَجَهْرَكُمْ﴾ [الانعام:۳]

وہ جانتا ہے تمہارے پوشیدہ کو اور ظاہر کو۔

ظاہر ہے کہ جب حق تعالیٰ کا علم محیط نبوت ورسالت کے لئے کسی شخصیت کو منتخب کرے گا تو اس میں کسی نقص کے احتمال کی گنجائش نہیں رہ جاتی، اس منصب کے لئے جس مقدس ہستی پر حق تعالیٰ کی نظر انتخاب پڑے گی اور جسے تمام انسانوں سے چھانٹ کر اس عہدہ کے لئے چنا جائے گا، وہ اپنے دور کی کامل ترین، جامع ترین، اعلیٰ ترین اور موزوں ترین شخصیت ہوگی، البتہ خود انبیاء ورسل کے درمیان کمالات ودرجات میں تفاوت اور فرق مراتب اور بات ہے۔

نیز یہ حقیقت بھی مسلم ہے کہ نبوت ورسالت محض عطیہ الٰہی ہے، کسب واکتساب سے اس کا تعلق نہیں کہ محنت ومجاہدہ اور ریاضت ومشقت سے حاصل ہو جائے، دنیا کا ہر کمال محنت ومجاہدہ سے حاصل ہو سکتا ہے لیکن نبوت ورسالت حق تعالیٰ کا اجتبائی عطیہ ہے وہ جس کو چاہتا ہے اس منصب کے لئے چن لیتا ہے، قرآن کریم کی متعدد آیات میں یہ تصریحات موجود ہیں:۔

﴿اللهُ يَصْطَفِي مِنَ الْمَلٰئِكَةِ رُسُلًا وَّمِنَ النَّاسِ﴾ [الحج:۷۵]

اللہ چن لیتا ہے فرشتوں سے پیغامبر اور انسانوں سے۔

﴿اللهُ أَعْلَمُ حَيْثُ يَجْعَلُ رِسٰلَتَهٗ﴾ [الانعام:۱۲۴]

اللہ کو خوب علم ہے جہاں رکھتا ہے وہ اپنے پیغامات۔

ان حقائق شرعیہ کو سمجھ لینے کے بعد یہ سوال ہی پیدا نہیں ہوتا کہ کوئی نبی و رسول فرائض نبوت میں کوتاہی بھی کر سکتا ہے، کجا کہ کسی نبی نے ۔معاذ اللہ۔ اپنے فرائض منصبی میں کوتاہیاں کی ہوں، اس لئے یہ کہنا کہ ''فلاں نبی سے فریضۂ رسالت کی ادائیگی میں کچھ کوتاہیاں ہوگئی تھیں۔'' ''نبی ادائے رسالت میں کوتاہی کر گیا۔'' یا یہ کہ ''فلاں نبی بغیر اذنِ الٰہی کے اپنی ڈیوٹی سے ہٹ گیا۔'' انتہائی کوتاہی کی بات ہے اور وہ اپنے اندر بڑے سنگین مضمرات رکھتی ہے۔ اسی طرح کسی مشکل مقام کی تہہ کو نہ پہنچنے کی بنا پر یہ اٹکل پچو کلیہ گھڑ لینا کہ ''عام انسانوں کی طرح نبی بھی مومن کے بلندترین معیارِ کمال پر ہر وقت قائم نہیں رہ سکتا، وہ بھی بسا اوقات تھوڑی دیر کے لئے اپنی بشری کمزوری سے مغلوب ہو جاتا ہے اور جب اللہ کی طرف سے اسے متنبہ کیا جاتا ہے کہ یہ عمل محض ایک ''جاہلیت کا جذبہ'' ہے تو نبی فوراً اسلامی طرزِ فکر کی طرف پلٹ آتا ہے۔'' نہایت خطرناک بات اور مقامِ نبوت سے ناشناسائی کی عبرت ناک مثال ہے:

چوں ندیدند حقیقت رہِ افسانہ زدند

اسی طرح یہ کہنا کہ ''نبی اور رسول پر کوئی وقت ایسا بھی آتا ہے .... اور آنا چاہئے .... جب کہ اس سے عصمت کا پردہ اٹھا لیا جاتا ہے اور اس سے ایک دو گناہ کرائے جاتے ہیں تاکہ اس کی بشریت ظاہر ہو'' یہ ایک ایسا خطرناک قسم کا غلط فلسفہ (سوفسطائیت) ہے جس سے تمام شرائع الٰہیہ اور ادیان سماویہ کی بنیادیں ہل جاتی ہیں۔

نبوت سے عصمت کے جدا ہو جانے کے معنی یہ ہوئے کہ عین اس وقت نبی کی حیثیت ایک ایسی شخصیت کی نہیں ہوتی جو امت کے لئے اسوہ اور نمونہ ہو، اور جسے امین و مامون قرار دیا گیا ہو، اس وقت اس کی حیثیت ایک عام انسان کی سی ہوگی یا زیادہ واضح الفاظ میں یہ کہیئے کہ عین اس حالت میں جب کہ نبی سے عصمت اٹھالی جاتی ہے وہ نبوت اور لوازمِ نبوت سے موصوف نہیں ہوتا۔ ظاہر ہے کہ اگر یہ غلط منطق تسلیم کر لی جائے تو سارا دین ختم ہو جاتا ہے نبی اور رسول کی ہر بات .... معاذ اللہ .... مشکوک ہو جاتی ہے اور اس کا کوئی قول و عمل اور تلقین و تعلیم قابل اعتماد نہیں رہتی کیونکہ ہر لمحہ یہ احتمال رہے گا کہ شاید یہ ارتفاعِ عصمت اور انخلاع عن النبوت کا وقت ہو .... بظاہر یہ بات جو بڑے حسین و جمیل فلسفہ کی شکل میں پیش کی گئی ہے، غور کیجئے تو یہ اس قدر غیر معقول اور ناقابل برداشت ہے کہ کوئی معقول آدمی جو شریعت الٰہی کو سمجھتا ہو، اس کی جرأت تو کجا اس کا تصور تک نہیں کر سکتا؟ جن لوگوں کی زبان و قلم سے یہ بات نکلی ہے .... اور افسوس ہے کہ بڑے اصرار و تکرار سے مسلسل نکلتی جا رہی ہے .... ان کے بارے میں یہ کہنا بے جا نہیں ہوگا کہ انہیں نہ علم کی حقیقت تک رسائی ہوئی ہے نہ نبوت کے تقاضوں کو انہوں نے صحیح سمجھا ہے۔

اور یہ بات بھی کسی علم و دانش کا پتہ نہیں دیتی کہ جب تک ہم انبیاء کرام علیہم السلام کو عام انسانوں کی طرح دو چار گناہوں میں مبتلا نہ دیکھ لیں اس وقت تک ہمیں ان کی بشریت کا یقین ہی نہیں آئے گا .... کون نہیں جانتا کہ انبیاء کرام (علیہم السلام) کھاتے ہیں، پیتے ہیں، انہیں صحت و مرض جیسے بیسیوں انسانی عوارض لاحق ہوتے

ہیں، وہ انسانوں سے پیدا ہوتے ہیں اور ان سے انسانی نسل چلتی ہے، علاوہ ازیں وہ بار بار اپنی بشریت کا اعلان فرماتے ہیں، کیا ان تمام چیزوں کے بعد بھی اس بات کی ضرورت باقی رہ جاتی ہے کہ جب تک ان سے عصمت نہیں اٹھالی جاتی اور دو ایک گناہ نہیں ہونے دیئے جاتے تب تک ان کی بشریت مشتبہ رہے گی؟ اور ہمیں ان کی بشریت کا یقین نہیں آئے گا؟

یہاں یہ نکتہ بھی یاد رکھنا چاہئے کہ بھول چوک اور خطاء ونسیان تو خاصۂ بشریت ہے، مگر گناہ ومعصیت مقتضائے بشریت نہیں بلکہ خاصۂ شیطانیت ہے۔ انسان سے گناہ ہوتا ہے تو محض تقاضائے بشریت کی وجہ سے نہیں ہوتا بلکہ شیطان کے تسلط واغواء سے ہوتا ہے، اس لئے گناہوں کے ارتکاب سے انبیاء علیہم السلام کی بشریت ثابت نہیں ہوگی بلکہ اور ہی کچھ ثابت ہوگا اور جو لوگ بھول چوک اور ''معصیت'' کے درمیان فرق نہیں کرسکتے انہیں آخر کس نے کہا ہے کہ وہ ان نازک علمی مباحث میں الجھ کر ''ضلوا فأ ضلوا'' (خود بھی گمراہ ہوئے اور دوسروں کو بھی گمراہ کیا) کا مصداق بنیں۔

بہر حال یہ عصمت اور کمالات نبوت تو ہر نبی کے لئے لازم وضروری ہیں اب غور فرمائیے کہ جس مقدس ترین شخصیت کو تمام انبیاء ورسل کی سیادت وامامت کے مقام پر کھڑا کیا گیا ہو، جسے ختم نبوت ورسالت کبریٰ کا تاج پہنایا گیا ہو، اور جسے ع ''بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر'' کے اعلیٰ ترین منصب سے سرفراز کیا گیا ہو (بآبائنا وامهاتنا ﷺ) کائنات کی اس بلند ترین ہستی کے شرف وکمال، طہارت ونزاہت، حرمت وعظمت، عفت وعصمت اور رسالت ونبوت کا مقام کون معلوم کرسکتا ہے؟ اگر ایسی فوق الادراک ہستی کے بارے میں بھی کوئی ایسا کلمہ کہا جائے کہ کسی وقت غیر معصومیت ان پر بھی آسکتی ہے تو کیا اس عظیم ترین جرم کی انتہا معلوم ہوسکتی ہے؟

حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب خاتم النبیین ہوئے، اور منصب رسالت ونبوت کی سیادتِ کبریٰ سے مشرف ہوئے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت کو آخری شریعت اور قیامت تک آنے والی تمام قوموں اور نسلوں کے لئے آخری قانون بنایا گیا تو اس کے لئے دو چیزوں کی ضرورت تھی، ایک یہ کہ آسمانی قانون قیامت تک جوں کا توں محفوظ رہے، ہر قسم کی تحریف وتبدیل سے اس کی حفاظت کی جائے، الفاظ کی بھی اور معانی کی بھی، کیونکہ اگر الفاظ کی حفاظت ہو اور معانی کی حفاظت نہ ہو تو یہ حفاظت بالکل بے معنی ہے، دوم یہ کہ جس طرح علمی حفاظت ہو اسی طرح عملی حفاظت بھی ہو، اسلام محض چند اصول ونظریات اور علوم وافکار کا مجموعہ نہیں بلکہ وہ اپنے جلو میں ایک نظام عمل لے کر چلتا ہے، وہ جہاں زندگی کے ہر شعبہ میں اصول وقواعد پیش کرتا ہے وہاں ایک ایک جزئیہ کی عملی تشکیل بھی کرتا ہے، اس لئے یہ ضروری تھا کہ شریعت محمدیہ (علیٰ صاحبہا الف الف صلوٰۃ وسلام) کی علمی وعملی دونوں پہلوؤں سے حفاظت کی جائے اور قیامت تک ایک ایسی جماعت کا سلسلہ قائم رہے جو شریعت مطہرہ کے علم وعمل کی حامل وامین ہو، حق تعالیٰ نے دین محمدی کی دونوں طرح حفاظت فرمائی، علمی بھی اور عملی بھی۔

حفاظت کے ذرائع میں صحابۂ کرام (رضوان اللہ علیہم اجمعین) کی جماعت سرفہرست ہے، ان حضرات نے براہ راست صاحب وحی صلی اللہ علیہ وسلم سے دین کو سمجھا، دین پر عمل کیا اور اپنے بعد آنے والی نسل تک دین کو من وعن پہنچایا، انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے زیر تربیت رہ کر اخلاق واعمال کو ٹھیک ٹھیک منشائے خداوندی کے مطابق درست کیا، سیرت وکردار کی پاکیزگی حاصل کی، تمام باطل نظریات سے کنارہ کش ہو کر عقائد حقہ اختیار کئے، رضائے الٰہی کے لئے اپنا سب کچھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قدموں پر نچھاور کر دیا، ان کے کسی طرز عمل میں ذرا خامی نظر آئی تو فوراً حق جل مجدہ نے اس کی اصلاح فرمائی، الغرض حضرات صحابہ کرام کی جماعت اس پوری کائنات میں وہ خوش قسمت جماعت ہے جن کی تعلیم وتربیت اور تصفیہ وتزکیہ کے لئے سرورکائنات محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو معلم ومزکی اور استاذ واتالیق مقرر کیا گیا۔ اس انعام خداوندی پر وہ جتنا شکر کریں کم ہے، جتنا فخر کریں بجا ہے:

﴿لَقَدْ مَنَّ اللهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلاً مِّنْ أَنْفُسِهِمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَ يُزَكِّيْهِمْ وَ يُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ﴾ [آل عمران:١٦٤]

بخدا بہت بڑا احسان فرمایا اللہ نے مومنین پر کہ بھیجا ان میں ایک عظیم الشان رسول، ان ہی میں سے، وہ پڑھتا ہے ان کے سامنے اس کی آیتیں اور پاک کرتا ہے ان کو اور سکھاتا ہے ان کو کتاب اور گہری دانائی۔ بلاشبہ وہ اس سے پہلے صریح گمراہی میں تھے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی علمی وعملی میراث اور آسمانی امانت چونکہ ان حضرات کے سپرد کی جارہی تھی، اس لئے ضروری تھا یہ حضرات آئندہ نسلوں کے لئے قابل اعتماد ہوں، چنانچہ قرآن وحدیث میں جابجا ان کے فضائل ومناقب بیان کئے گئے، چنانچہ:

الف:...... وحی خداوندی نے ان کی تعدیل فرمائی، ان کا تزکیہ کیا، ان کے اخلاص وللّٰہیت پر شہادت دی اور انہیں یہ رتبہ بلند ملا کہ ان کو رسالت محمدیہ (علی صاحبہا الف صلاۃ وسلام) کے عادل گواہوں کی حیثیت سے ساری دنیا کے سامنے پیش کیا:

﴿مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللهِ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗ أَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَاءُ بَيْنَهُمْ تَرٰاهُمْ رُكَّعاً سُجَّدًا يَّبْتَغُوْنَ فَضْلاً مِّنَ اللهِ وَرِضْوَاناً سِيْمَاهُمْ فِيْ وُجُوْهِهِمْ مِّنْ أَثَرِ السُّجُوْدِ﴾ [الفتح:٢٩]

محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اللہ تعالیٰ کے سچے رسول ہیں اور جو ایماندار آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے ساتھ ہیں وہ کافروں پر سخت اور آپس میں شفیق ہیں، تم ان کو دیکھو گے رکوع، سجدے میں۔ وہ چاہتے ہیں صرف اللہ کا

فضل اور اس کی رضا مندی ان کی علامت ان کے چہروں میں سجدے کا نشان ہے۔

گویا یہاں محمد رسول الله (محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں) ایک دعویٰ ہے اور اس کے ثبوت میں حضرات صحابہ کرامؓ کی سیرت وکردار کو پیش کیا گیا ہے کہ جسے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت میں شک وشبہ ہو، اسے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھیوں کی پاکیزہ زندگی کا ایک نظر مطالعہ کرنے کے بعد خود اپنے ضمیر سے یہ فیصلہ لینا چاہئے کہ جس کے رفقاء اتنے بلند سیرت اور پاکباز ہوں وہ خود صدق وراستی کے کتنے اونچے مقام پر فائز ہوں گے:

''کیا نظر تھی جس نے مردوں کو مسیحا کر دیا''

ب:.....حضرات صحابہؓ کے ایمان کو ''معیارِ حق'' قرار دیتے ہوئے نہ صرف لوگوں کو اس کا نمونہ پیش کرنے کی دعوت دی گئی بلکہ ان حضرات کے بارے میں لب کشائی کرنے والوں پر نفاق وسفاہت کی دائمی مہر ثبت کردی گئی:

﴿وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ اٰمِنُوْا كَمَآ اٰمَنَ النَّاسُ قَالُوْٓا اَنُؤْمِنُ كَمَآ اٰمَنَ السُّفَهَاۗءُ اَلَآ اِنَّھُمْ ھُمُ السُّفَهَاۗءُ وَلٰكِنْ لَّا يَعْلَمُوْنَ﴾ [البقرة:۱۳]

اور جب ان (منافقوں) سے کہا جائے ''تم بھی ایسا ہی ایمان لاؤ جیسا دوسرے لوگ (صحابہ کرام) ایمان لائے ہیں'' تو جواب میں کہتے ہیں ''کیا ہم ان بے وقوفوں جیسا ایمان لائیں؟'' سن رکھو یہ خود ہی بے وقوف ہیں مگر نہیں جانتے۔

ج:.....حضرات صحابہ کرام کو بار بار ''رضی الله عنهم و رضوا عنه'' (اللہ ان سے راضی ہوا، وہ اللہ سے راضی ہوئے) کی بشارت دی گئی اور امت کے سامنے یہ اس شدت وکثرت سے دہرایا گیا کہ صحابہ کرام کا یہ لقب امت کا تکیہ کلام بن گیا، کسی نبی کا اسم گرامی آپ ''علیہ السلام'' کے بغیر نہیں لے سکتے اور کسی صحابی رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کا نام نامی ''رضی الله عنه'' کے بغیر مسلمان کی زبان پر جاری نہیں ہوسکتا، ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ صرف ظاہر کو دیکھ کر راضی نہیں ہوا، نہ صرف ان کے موجودہ کارناموں کو دیکھ کر، بلکہ ان کے ظاہر و باطن اور حال و مستقبل کو دیکھ کر ان سے راضی ہوا ہے، یہ گویا اس بات کی ضمانت ہے کہ آخر دم تک ان سے رضائے الٰہی کے خلاف کچھ صادر نہیں ہوگا اور یہ بھی ظاہر ہے کہ جس سے خدا راضی ہو جائے خدا کے بندوں کو بھی اس سے راضی ہو جانا چاہئے کسی اور کے بارے میں تو ظن وتخمین ہی سے کہا جا سکتا ہے کہ خدا اس سے راضی ہے یا نہیں؟ مگر صحابہ کرامؓ کے بارے میں تو نصِ قطعی موجود ہے، اس کے باوجود اگر کوئی ان سے راضی نہیں ہوتا تو گویا اسے اللہ تعالیٰ سے اختلاف ہے اور پھر اتنی بات کو کافی نہیں سمجھا گیا کہ ''اللہ تعالیٰ ان سے راضی ہوا'' بلکہ اسی کے ساتھ یہ بھی بتایا گیا ہے کہ وہ اللہ سے راضی ہوئے، یہ ان حضرات کی عزت افزائی کی انتہا ہے۔

د: حضرات صحابہ کرامؓ کے مسلک کو"معیاری راستہ" قرار دیتے ہوئے اس کی مخالفت کو براہ راست رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت کے ہم معنی قرار دیا گیا اور ان کی مخالفت کرنے والوں کو وعید سنائی گئی:

﴿وَمَنْ يُّشَاقِقِ الرَّسُوْلَ مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدٰى وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيْلِ الْمُؤْمِنِيْنَ نُوَلِّهٖ مَا تَوَلّٰى﴾ [النساء:۱۱۵]

اور جو شخص مخالفت کرے رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی جب کہ اس کے سامنے ہدایت کھل چکی اور چلے مومنوں کی راہ چھوڑ کر ہم اسے پھیر دیں گے جس طرف پھرتا ہے۔

آیت میں "المؤمنین" کا اولین مصداق اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم کی مقدس جماعت ہے، رضی اللہ عنہم، اس سے واضح ہوتا ہے کہ اتباع نبوی کی صحیح شکل صحابہ کرامؓ کی سیرت و کردار اور ان کے اخلاق و اعمال کی پیروی میں منحصر ہے اور یہ جب ہی ممکن ہے جب کہ صحابہؓ کی سیرت کو اسلام کے اعلیٰ معیار پر تسلیم کیا جائے۔

ہ: اور سب سے آخری بات یہ کہ انہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سایہ عاطفت میں آخرت کی ہر عزت سے سرفراز کرنے اور ہر ذلت و رسوائی سے محفوظ رکھنے کا اعلان فرما گیا:

﴿يَوْمَ لَا يُخْزِى اللّٰهُ النَّبِيَّ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ نُوْرُهُمْ يَسْعٰى بَيْنَ أَيْدِيْهِمْ وَبِأَيْمَانِهِمْ﴾ [التحریم:۸]

جس دن رسوا نہیں کرے گا اللہ تعالیٰ نبی کو اور جو مومن ہوئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ، ان کا نور دوڑتا ہوگا ان کے آگے اور ان کے داہنے۔

اس قسم کی بیسیوں نہیں بلکہ سینکڑوں آیات میں صحابہ کرام کے فضائل و مناقب مختلف عنوانات سے بیان فرمائے گئے ہیں اور اس سے یہ حقیقت واضح ہوجاتی ہے کہ دین کے سلسلہ سند کی یہ پہلی کڑی اور حضرت خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کے صحبت یافتہ حضرات کی جماعت۔ معاذ اللہ۔ نا قابل اعتماد ثابت ہو، ان کے اخلاق و اعمال میں خرابی نکالی جائے اور ان کے بارے میں یہ فرض کرلیا جائے کہ وہ دین کی علمی و عملی تدبیر نہیں کرسکے تو دین اسلام کا سارا ڈھانچہ ہل جاتا ہے اور خاتم المرسلین۔ رسالت محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم مجروح ہوجاتی ہے۔

دنیا کا ایک معروف قاعدہ ہے کہ اگر کسی خبر کو رد کرنا ہو تو اس کے راویوں کو جرح و قدح کا نشانہ بناؤ، ان کی سیرت و کردار کو ملوث کرو اور ان کی ثقاہت و عدالت کو مشکوک ثابت کرو۔ صحابہ کرامؓ چونکہ دین محمدی کے سب سے پہلے راوی ہیں، اس لئے چالاک فتنہ پردازوں نے جب دین اسلام کے خلاف سازش کی اور دین سے لوگوں کو بدظن کرنا چاہا تو ان کا سب سے پہلا ہدف صحابہ کرامؓ تھے، چنانچہ تمام فرق باطلہ اپنے نظریاتی اختلاف کے باوجود جماعت صحابہ کو ہدف تنقید بنانے میں متفق نظر آتے ہیں، ان کی سیرت و کردار کو داغدار بنانے اور ان کی شخصیت کو نہایت گھناؤنے رنگ میں پیش کرنے کی کوشش کی گئی، ان کے اخلاق و اعمال پر تنقید یں کی گئیں ان پر مال و جاہ کی

حرص میں احکام خداوندی سے پہلو تہی کرنے کے الزامات دھرے گئے، ان پر خیانت، غصب اور کنبہ پروری، اقربا نوازی کی تہمتیں لگائی گئیں اور غلو وانتہا پسندی کی حد ہے کہ جن پاکیزہ ہستیوں کے ایمان کو حق تعالیٰ نے ''معیار'' قرار دے کر ان جیسا ایمان لانے کی لوگوں کو دعوت دی تھی ''آمنوا کما امن الناس'' انہی کے ایمان وکفر کا مسئلہ زیر بحث لایا گیا، اور تکفیر وتفسیق تک نوبت پہنچا دی گئی، جن جانبازوں نے دین اسلام کو اپنے خون سے سیراب کیا تھا، انہی کے بارے میں چیخ چیخ کر کہا جانے لگا کہ وہ اسلام کے اعلیٰ معیار پر قائم نہیں رہے تھے، جن مردانِ خدا کے صدق وامانت کی خدا تعالیٰ نے گواہی دی تھی:

﴿رِجَالٌ صَدَقُوْا مَا عَاهَدُوا اللهَ عَلَيْهِ فَمِنْهُمْ مَّنْ قَضٰى نَحْبَهٗ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّنْتَظِرُ وَمَا بَدَّلُوْا تَبْدِيْلاً﴾ [الاحزاب:۲۳]

یہ وہ ''مرد'' ہیں جنہوں نے سچ کر دکھایا جو عہد انہوں نے اللہ سے باندھا، بعض نے تو جانِ عزیز تک اسی راستہ میں دے دی اور بعض (بے چینی سے) اس کے منتظر ہیں اور ان کے عزم واستقلال میں ذرا تبدیلی نہیں ہوئی۔

انہی کے حق میں بتایا جانے لگا کہ نہ وہ صدق وامانت سے موصوف تھے، نہ اخلاص وایمان کی دولت انہیں نصیب تھی جن مخلصوں نے اپنے بیوی بچوں کو، اپنے گھر بار کو، اپنے عزیز واقارب کو، اپنے دوست احباب کو، اپنی ہر لذت وآسائش کو، اپنے جذبات وخواہشات کو اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے، اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر قربان کر دیا تھا، انہی کو یہ طعنہ دیا گیا کہ وہ محض حرص وہوا کے غلام تھے اور اپنے مفاد کے مقابلے میں خدا اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام کی انہیں کوئی پروا نہیں تھی، لَقَدْ جِئْتُمْ شَيْئاً اِدًّا۔

ظاہر ہے کہ اگر امت کا معدہ ان بے ہودہ نظریات کی مردہ مکھی کو قبول کر لیتا اور ایک بار بھی صحابہ کرامؓ امت کی عدالت میں مجروح قرار پاتے تو دین کی پوری عمارت گر جاتی، قرآنِ کریم اور احادیثِ نبویہ سے امان اٹھ جاتا اور یہ دین جو قیامت تک رہنے کے لئے آیا تھا، ایک قدم آگے نہ چل سکتا، مگر یہ سارے فتنے جو بعد میں پیدا ہونے والے تھے علمِ الٰہی سے اوجھل نہیں تھے، اس کا اعلان تھا:

﴿وَاللهُ مُتِمُّ نُوْرِهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْكٰفِرُوْنَ﴾ [الصف:۸]

اور اللہ اپنا نور پورا کر کے رہے گا، خواہ کافروں کو کتنا ناگوار ہو۔

یہی وجہ ہے کہ حق تعالیٰ نے بار بار مختلف پہلوؤں سے صحابہ کرام کا تزکیہ فرمایا، ان کی توثیق وتعدیل فرمائی اور قیامت تک کے لئے یہ اعلان فرما دیا:

﴿أُولٰئِكَ كَتَبَ فِيْ قُلُوْبِهِمُ الْاِيْمَانَ وَأَيَّدَهُمْ بِرُوْحٍ مِّنْهُ﴾ [المجادلة:۲۲]

یہی وہ لوگ ہیں کہ اللہ نے لکھ دیا ان کے دل میں ایمان اور مدد دی ان کو اپنی خاص رحمت سے۔

ادھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ کرامؓ کے بے شمار فضائل بیان فرمائے، بالخصوص خلفائے

راشدین، حضرت ابوبکر صدیق، حضرت عمر، حضرت عثمان ذی النورین، حضرت علی مرتضیٰ رضوان اللہ علیہم اجمعین کے فضائل کی تو انتہا کر دی، جس کثرت وشدت اور تواتر وتسلسل کے ساتھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام کے فضائل ومناقب، ان کے مزایا وخصوصیات اور ان کے اندرونی اوصاف وکمالات کو بیان فرمایا، اس سے واضح ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی امت کے علم میں یہ بات لانا چاہتے تھے کہ انہیں عام افرادِ امت پر قیاس کرنے کی غلطی نہ کی جائے، ان حضرات کا تعلق چونکہ براہِ راست آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ گرامی سے ہے، اس لئے ان کی محبت عین محبتِ رسول ہے اور ان کے حق میں ادنیٰ لب کشائی نا قابلِ معافی جرم فرمایا:

"الله الله فى أصحابى، الله الله فى أصحابى، لا تتخذوهم غرضاً من بعدى، فمن أحبهم فبحبى أحبهم، ومن أبغضهم فببغضى أبغضهم ، ومن آذاهم فقد آذانى، ومن آذانى فقد آذى الله ومن آذى الله فيوشك أن ياخذه". (۱)

اللہ سے ڈرو، اللہ سے ڈرو میرے صحابہ کے معاملہ میں، مکرر کہتا ہوں اللہ سے ڈرو اللہ سے ڈرو میرے صحابہ کے معاملہ میں، ان کو میرے بعد ہدفِ تنقید نہ بنانا، کیونکہ جس نے ان سے محبت کی تو میری محبت کی بنا پر اور جس نے ان سے بدظنی کی تو مجھ سے بدظنی کی بنا پر، جس نے ان کو ایذا دی اور اس نے مجھے ایذا دی اور جس نے مجھے ایذا دی اس نے اللہ کو ایذا دی اور جس نے اللہ کو ایذا دی تو قریب ہے کہ اللہ اسے پکڑ لے۔

امت کو اس بات سے بھی آگاہ فرمایا گیا کہ تم میں سے اعلیٰ سے اعلیٰ فرد کی بڑی سے بڑی نیکی ادنیٰ صحابی کی چھوٹی سے چھوٹی نیکی کا مقابلہ نہیں کر سکتی، اس لئے ان پر زبان تشنیع دراز کرنے کا حق امت کے کسی فرد کو حاصل نہیں، ارشاد ہے:

"لا تسبوا أصحابى، فلو أن أحدكم أنفق مثل أحد ذهباً ما بلغ مُدّ احدهم ولا نصيفه"(۲)

میرے صحابہ کو برا بھلا نہ کہو (کیونکہ تمہارا وزن ان کے مقابلہ میں اتنا بھی نہیں جتنا پہاڑ کے مقابلہ میں ایک تنکے کا ہو سکتا ہے چنانچہ) تم میں سے ایک شخص احد پہاڑ کے برابر سونا بھی خرچ کر دے تو ان کے ایک سیر جو کو نہیں پہنچ سکتا اور نہ اس کے عشر عشیر کو۔

مقامِ صحابہ کی نزاکت اس سے بڑھ کر اور کیا ہو سکتی ہے کہ امت کو اس بات کا پابند کیا گیا کہ ان کی عیب جوئی کرنے والوں کو نہ صرف ملعون ومردود سمجھیں بلکہ برملا اس کا اظہار کریں فرمایا:

(۱) سنن الترمذی، ابواب المناقب، باب فی من سب اصحاب النبی ﷺ ج:۲ ص:۲۲۵ ط:قدیمی

(۲) صحیح البخاری، کتاب المناقب ج:۱ ص:۵۱۸، ط:قدیمی۔ صحیح مسلم، کتاب الفضائل، باب تحریم سب الصحابۃ ج:۲ ص:۳۱۰، ط:قدیمی

"اذا رأيتم الذين يسبون أصحابي فقولوا لعنة الله على شركم"(۱)

جب تم ان لوگوں کو دیکھو جو میرے صحابہ کو برا بھلا کہتے اور انہیں ہدفِ تنقید بناتے ہیں تو ان سے کہو تم

---

(۱) سنن الترمذی، ابواب المناقب، باب في من سب اصحاب النبي ﷺ ج:۲ ص: ۲۲۵، ط: قدیمی

اس اصول کے علاوہ جو مولانا محترم مدفیضہم نے اس حدیث سے مستنبط کیا ہے اس حدیث پاک کے مفہوم و منطوق سے کئی اور اہم مسائل بھی مستنبط ہوتے ہیں مختصراً ان کی طرف اشارہ کردینا مفید ہوگا:

① حدیث میں "سب" سے بازاری گالیاں دینا مراد نہیں بلکہ ہر ایسا تنقیدی کلمہ مراد ہے جو ان حضرات کے استخفاف میں کہا جائے، اس سے معلوم ہوا کہ صحابہ پر تنقید اور نکتہ چینی جائز نہیں بلکہ وہ قائل کے ملعون و مطرود ہونے کی دلیل ہے۔

② آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قلبِ اطہر کو اس سے ایذا ہوتی ہے (وقد صرح به بقوله فمن آذاهم فقد آذاني) اور آپ ﷺ کے قلب اطہر کو ایذا دینے میں حبط اعمال کا خطرہ ہے لقوله تعالى ﴿أن تحبط أعمالكم وأنتم لا تشعرون﴾

③ صحابہ کرامؓ کی مدافعت کرنا اور ناقدین کو جواب دینا ملت اسلامیہ کا فرض ہے "فان الأمر للوجوب"

④ آنحضرت ﷺ نے یہ نہیں فرمایا کہ ناقدین صحابہؓ کو ایک ایک بات کا تفصیلی جواب دیا جائے کیونکہ اس سے جواب اور جواب الجواب کا ایک غیر مختتم سلسلہ چل نکلے گا بلکہ یہ تلقین فرمائی کہ انہیں بس اصولی اور فیصلہ کن جواب دیا جائے اور وہ ہے لعنة الله على شركم۔

⑤ "شرکم" اسم تفضیل کا صیغہ ہے جو مشاکلت کے طور پر استعمال ہوا ہے، اس میں آنحضرت ﷺ نے ناقدین صحابہؓ کے لئے ایسا کنایہ استعمال فرمایا ہے کہ اگر وہ اس پر غور کریں تو ہمیشہ کے لئے تنقید صحابہ کے روگ کی جڑ کٹ جاتی ہے، خلاصہ اس کا یہ ہے کہ اتنی بات تو بالکل جلی ہے کہ صحابہؓ کیسے ہی ہوں مگر تم سے تو اچھے ہی ہوں گے، تم ہوا پر اڑلو، آسمان پر پہنچ جاؤ، سو بار مر کر جی اٹھو مگر تم سے صحابی تو نہیں بنا جاسکے گا، تم آخر وہ آنکھ کہاں سے لاؤ گے جس نے جمالِ جہاں آرائے محمد (ﷺ) کا دیدار کیا؟ وہ کان کہاں سے لاؤ گے جو کلماتِ نبوت سے مشرف ہوئے؟ ہاں وہ دل کہاں سے لاؤ گے جو انفاسِ مسیحائی محمدی سے زندہ ہوئے؟ وہ دماغ کہاں سے لاؤ گے جو انوارِ مقدس سے منور ہوئے؟ تم وہ ہاتھ کہاں سے لاؤ گے جو ایک بار بشرۂ محمدی سے مس ہوئے اور ساری عمر ان کی بوئے عنبریں نہیں گئی؟ تم وہ پاؤں کہاں سے لاؤ گے جو معیتِ محمدی میں آبلہ پا ہوئے؟ تم وہ زمان کہاں سے لاؤ گے جب آسمان زمین پر اتر آیا تھا؟ تم وہ مکان کہاں سے لاؤ گے جہاں کونین کی سیادت جلوہ آرا تھی؟ تم وہ محفل کہاں سے لاؤ گے جہاں معرفتِ دارین کی شرابِ طہور کے جام بھر بھر دیئے جاتے اور تشنہ کا"مان محبت" "هل من مزيد" کا نعرہ مستانہ لگا رہے تھے؟ تم وہ منظر کہاں سے لاؤ گے جو كأني أرى الله عياناً کا کیف پیدا کرتا تھا؟ تم وہ مجلس کہاں سے لاؤ گے جہاں كانما على رؤسنا الطير کا سماں بندھ جاتا تھا؟ تم وہ صدر نشینِ تختِ رسالت کہاں سے لاؤ گے جس کی طرف هذا الأبيض المتكي سے اشارے کئے جاتے تھے؟ تم وہ شمیمِ عنبر کہاں سے لاؤ گے جو دیدارِ محبوب میں خوابِ نیم شبی کو حرام کردیتی تھی؟ تم وہ ایمان کہاں سے لاؤ گے جو ساری دنیا کو تج کر حاصل کیا جاتا تھا؟ تم وہ اعمال کہاں سے لاؤ گے جو پیمانۂ نبوت سے ناپ ناپ کر ادا کئے جاتے تھے؟ تم وہ اخلاق کہاں سے لاؤ گے جو آئینۂ محمدی سامنے رکھ کر سنوارے جاتے تھے؟ تم وہ رنگ کہاں سے لاؤ گے جو "صبغة الله" کی بھٹی میں دیا جاتا تھا؟ تم وہ ادائیں کہاں سے لاؤ گے جو دیکھنے والوں کو نیم بسمل بنادیتی تھیں؟ تم وہ نماز کہاں سے لاؤ گے جس کے امام نبیوں کے امام تھے؟ تم قدسیوں کی وہ جماعت کیسے بن سکو گے جس کے سردار رسولوں کے سردار تھے، تم میرے صحابہ کو لاکھ برا کہو، مگر اپنے ضمیر کا دامن جھنجھوڑ کر بتاؤ! اگر ان تمام سعادتوں کے بعد بھی میرے صحابہؓ برے ہیں تو کیا تم ان سے بدتر نہیں ہو؟ اگر وہ تنقید و ملامت کے مستحق ہیں تو کیا تم لعنت و غضب کے مستحق نہیں ہو؟ اگر تم میرے صحابہ کو بدنام کرتے ہو تو کیا میرا خدا تمہیں سرِ محشر سب کے سامنے رسوا نہیں کرے گا؟ اگر تم میں انصاف و حیا کی کوئی رمق باقی ہے تو اپنے گریبان میں جھانکو اور میرے صحابہؓ کے بارے میں زبان بند کرو اور اگر تمہارا ضمیر بالکل مسخ ہوچکا ہے تو بھی کیا دنیا یہ فیصلہ کرے گی کہ میرے صحابہؓ پر تنقید کا حق ان کپوتوں کو حاصل ہونا چاہئے؟! (بقیہ اگلے صفحہ پر)

میں سے (یعنی صحابہ اور ناقدین صحابہ میں سے) جو برا ہے اس پر اللہ کی لعنت (ظاہر کہ صحابہ کو برا بھلا کہنے والا ہی بدتر ہوگا)۔(۱)

یہاں تمام احادیث کا استیعاب مقصود نہیں بلکہ کہنا یہ ہے کہ ان قرآنی ونبوی شہادتوں کے بعد بھی اگر کوئی شخص حضرات صحابہ کرامؓ میں عیب نکالنے کی کوشش کرے تو اس بات سے قطع نظر کہ اس کا یہ طرز عمل قرآن کریم کی نصوصِ قطعیہ اور ارشاداتِ نبوت کے انکار کے مترادف ہے، یہ لازم آئے گا کہ حق تعالیٰ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر جو فرائض بحیثیتِ منصب نبوت کے عاید کئے تھے اور جن میں اعلیٰ ترین منصب تزکیۂ نفوس کا تھا، گویا حضرت رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے فرضِ منصبی کی بجا آوری سے قاصر رہے اور تزکیہ نہ کرسکے اور یہ قرآن کریم کی صریح تکذیب ہے، حق تعالیٰ تو ان کے تزکیہ کی تعریف فرمائے اور ہم انہیں مجروح کرنے میں مصروف رہیں۔

---

(۱) بقیہ حاشیہ: علامہ طیبیؒ نے اسی حدیث کی شرح میں حضرت حسانؓ کا ایک عجیب شعر نقل کیا ہے:

أتهجوه ولست له بكفوء ۔۔۔ فشركما لخير كما فداء

ترجمہ: کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجو کرتا ہے جب کہ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے برابر کا نہیں ہے؟ پس تم دونوں میں بدتر تمہارے بہتر پر قربان۔

⑥ حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ تنقید صحابہ کا منشا ناقد کا نفسیاتی شر اور خبث وتکبر ہے، آپ جب کسی شخص کے طرز عمل پر تنقید کرتے ہیں تو اس کا منشا یہ ہوتا ہے کہ کسی صفت میں وہ آپ کے نزدیک خود آپ کی اپنی ذات سے فروتر اور گھٹیا ہے اور جب کوئی شخص کسی صحابی کے بارے میں مثلاً یہ کہے گا کہ اس نے عدل وانصاف کے تقاضوں کو کما حقہٗ ادا نہیں کیا تھا تو اس کے معنی یہ ہوں گے کہ اگر اس صحابی کی جگہ یہ صاحب ہوتے تو عدل وانصاف کے تقاضوں کو زیادہ بہتر ادا کرتے گویا ان میں صحابی سے بڑھ کر صفت عدل موجود ہے، یہی ہے تکبر کا وہ "شر" اور نفس کا وہ خبث جو تنقید صحابہ پر ابھارتا ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ای "شر" کی اصلاح اس حدیث میں فرمانا چاہتے ہیں۔

⑦ حدیث میں بحث ومجادلہ کا ادب بھی بتایا گیا ہے یعنی خصم کو براہِ راست خطاب کرتے ہوئے یہ نہ کہا جائے کہ تم پر لعنت! بلکہ یوں کہا جائے کہ تم دونوں میں جو برا ہو اس پر لعنت! ظاہر ہے کہ یہ ایک ایسی منصفانہ بات ہے جس پر سب کو متفق ہونا چاہئے، اس میں کسی کے برہم ہونے کی گنجائش نہیں، اب رہا یہ قصہ کہ "تم دونوں میں برا" کا مصداق کون ہے؟ خود ناقد؟ یا جس پر وہ تنقید کرتا ہے؟ اس کا فیصلہ کوئی مشکل نہیں، دونوں کے مجموعی حالات سامنے رکھ کر ہر معمولی عقل کا آدمی یہ نتیجہ آسانی سے نکال سکتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا صحابی برا ہوسکتا ہے یا اس کا خوش فہم ناقد؟

⑧ حدیث میں "فقولوا" کا خطاب امت سے ہے گویا ناقدین صحابہؓ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی امت نہیں سمجھتے بلکہ انہیں امت کے مقابل فریق کی حیثیت سے کھڑا کرتے ہیں اور یہ ناقدین کے لئے شدید وعید ہے جیسا کہ بعض دوسرے معاصی پر "فليس منا" کی وعید سنائی گئی ہے۔

⑨ حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو جس طرح ناموس شریعت کا اہتمام تھا اسی طرح ناموس صحابہ کی حفاظت کا بھی اہتمام تھا کیونکہ ان ہی پر سارے دین کا مدار ہے۔

⑩ حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ ناقدین صحابہ کی جماعت بھی ان "مارقین" سے ہے جن سے جہاد باللسان کا حکم امت کو دیا گیا ہے، یہ مضمون کئی احادیث میں صراحۃً بھی آرہا ہے، واللہ اعلم بالصواب۔ (مدیر)

اور جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ان کے تزکیہ سے قاصر رہے تو گویا حق تعالیٰ نے آپ کا انتخاب صحیح نہیں فرمایا تھا۔ انا للہ۔ بات کہاں سے کہاں تک پہنچ جاتی ہے اور جب اللہ تعالیٰ کے انتخاب میں قصور نکلا تو اللہ تعالیٰ کا علم غلط ہوا۔ نعوذ باللّٰه من الغواية والسفاهة۔ چنانچہ اہل ہوا کی بڑی جماعت کا دعویٰ یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ کو "بدا" ہوتا ہے، یعنی اسے بہت سی چیزیں جو پہلے معلوم نہیں تھیں بعد میں معلوم ہوتی ہیں اور اس کا پہلا علم غلط ہوجاتا ہے، جن لوگوں کا اللہ تعالیٰ کے بارے میں یہ تصور ہو رسول اور نبی اور ان کے بعد صحابہ کرام کا ان کے نزدیک کیا درجہ رہے گا......؟

الغرض صحابہ کرامؓ پر تنقید کرنے، ان کی غلطیوں کو اچھالنے اور انہیں مورد الزام بنانے کا قصہ صرف ان ہی تک محدود نہیں رہتا، بلکہ خدا اور رسول، کتاب وسنت اور پورا دین اس کی لپیٹ میں آجاتا ہے اور دین کی ساری عمارت منہدم ہوجاتی ہے، بعید نہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اس ارشاد میں جو اوپر نقل کیا گیا ہے، اسی بات کی طرف اشارہ فرمایا ہو:

"من آذاهم فقد آذاني ومن آذاني فقد آذى الله، ومن آذى الله فيو شك أن يأخذه"(۱)

جس نے ان کو ایذا دی اس نے مجھے ایذا دی اور جس نے مجھے ایذا دی اس نے اللہ تعالیٰ کو ایذا دی اور جس نے اللہ کو ایذا دی تو قریب ہے کہ اللہ اسے پکڑ لے۔

اور یہی وجہ ہے کہ تمام فرقِ باطلہ کے مقابلہ میں اہل حق کا امتیازی نشان صحابہ کرامؓ کی عظمت ومحبت رہا ہے، تمام اہل حق نے اپنے عقائد میں اس بات کو اجماعی طور پر شامل کیا ہے کہ:

"ونكف عن ذكر الصحابة الا بخير"

اور ہم صحابہؓ کا ذکر بھلائی کے سوا کسی اور طرح کرنے سے زبان بند رکھیں گے۔

گویا اہل حق اور اہل باطل کے درمیان امتیاز کا معیار صحابہ کرام کا "ذکر بالخیر" ہے جو شخص ان حضرات کی غلطیاں چھانٹتا ہو، ان کو موردِ الزام قرار دیتا ہو، اور ان پر سنگین اتہامات کی فردِ جرم عائد کرتا ہو وہ اہل حق میں شامل نہیں ہے۔

جو حضرات اپنے خیال میں بڑی نیک نیتی، اخلاص اور بقول ان کے وقت کے اہم ترین تقاضوں کو پورا کرنے کے لئے قبائح صحابہ کو ایک مرتب فلسفہ کی شکل میں پیش کرتے ہیں اور اسے "تحقیق" کا نام دیتے ہیں، انہیں اس کا احساس ہو یا نہ ہو لیکن واقعہ یہ ہے کہ اس تسویدِ اوراق کا انجام اس کے سوا کچھ نہیں کہ جدید نسل کو دین کے نام پر دین سے بیزار کردیا جائے اور ہرایرے غیرے کو صحابہ کرامؓ پر تنقید کی کھلی چھٹی دے دی جائے، جنہیں نہ علم ہے

(۱) سنن الترمذی، ابواب المناقب، باب فی من سب اصحاب النبی ﷺ ج:۲ ص:۲۲۵ ط:قدیمی

نہ عقل، نہ فہم ہے نہ فراست۔

اور یہ نرا اندیشہ ہی اندیشہ نہیں بلکہ کھلی آنکھوں اس کا مشاہدہ ہونے لگا ہے، الامان والحفیظ۔

کہا جاتا ہے کہ "ہم نے کوئی نئی بات نہیں کہی بلکہ تاریخ کی کتابوں میں یہ سارا مواد موجود تھا۔ ہمارا قصور صرف یہ ہے کہ ہم نے اسے جمع کر دیا ہے۔" افسوس ہے کہ یہ عذر پیش کرتے ہوئے بہت سی اصولی اور بنیادی باتوں کو نظر انداز کر دیا گیا ہے ورنہ بادنیٰ تامل واضح ہو جاتا کہ صرف اتنا عذر طعن صحابہ کی وعید سے بچنے کے لئے کافی نہیں، اور نہ وہ اتنی بات کہہ کر بری الذمہ ہو سکتے ہیں۔

اولاً:.... قرآن کریم کی نصوصِ قطعیہ، احادیث ثابتہ اور اہل حق کا اجماع صحابہ کی عیب چینی کی ممانعت پر متفق ہیں، ان قطعیات کے مقابلہ میں ان تاریخی قصہ کہانیوں کا سرے سے کوئی وزن ہی نہیں، تاریخ کا موضوع ہی ایسا ہے کہ اس میں تمام رطب و یابس اور صحیح و سقیم چیزیں جمع کی جاتی ہیں، صحت کا جو معیار "حدیث" میں قائم رکھا گیا ہے، تاریخ میں وہ معیار نہ قائم رہ سکتا تھا نہ اسے قائم رکھنے کی کوشش کی گئی ہے، اس لئے حضراتِ محدثین نے ان کی صحت کی ذمہ داری اٹھانے سے انکار کر دیا ہے۔

حافظ عراقی فرماتے ہیں:

وليعلم الطالب أن السيرا
يجمع ماقد صح وما قد أنكرا

یعنی علم تاریخ و سیر صحیح اور منکر سب کو جمع کر لیتا ہے۔

اب جو شخص کسی خاص مدعا کو ثابت کرنے کے لئے تاریخی مواد کو کھنگال کر تاریخی روایات سے استدلال کرنا چاہتا ہے اسے عقل و شرع کے تمام تقاضوں کو نظر انداز کرتے ہوئے صرف یہ دیکھ لینا کافی نہیں ہے کہ یہ روایت فلاں فلاں تاریخ میں لکھی ہے بلکہ جس طرح وہ یہ سوچتا ہے کہ یہ روایت اس کے مقصد و مدعا کے لئے مفید ہے یا نہیں؟ اسی طرح اسے اس پر بھی غور کر لینا چاہئے کہ کیا یہ روایت شریعت یا عقل سے متصادم تو نہیں؟ اس اصول کی وضاحت کے لئے یہاں صرف ایک مثال کا پیش کرنا کافی ہوگا۔

آپ "خلیفہ راشد" اسے کہتے ہیں جو ٹھیک منہاج نبوت پر قائم ہو اور اس کا کوئی عمل اور کوئی فیصلہ منہاجِ نبوت کے اعلیٰ معیار سے ہٹا ہوا نہ ہو، اب آپ ایک صحابیؓ کو خلیفہ راشد تسلیم کرتے ہوئے اس پر یہ الزام عائد کرتے کہ انہوں نے بلا کسی استحقاق کے مال غنیمت کا پورا خمس (۵ لاکھ دینار) اپنے فلاں رشتہ دار کو بخش دیا تھا۔ سوال یہ ہے کہ "خلافت راشدہ" اور منہاجِ نبوت یہی ہے جس کی تصویر اس افسانے میں دکھائی گئی ہے؟ اور آج کے ماحول میں اس روایت کو من و عن تسلیم کرنے سے کیا یہ ذہن نہیں بنے گا کہ خلافتِ راشدہ کا معیار بھی آج کے جابر حکمرانوں سے کچھ زیادہ بلند نہیں ہوگا جو اپنے رشتہ داروں کو روٹ پرمٹ اور امپورٹ لائسنس مرحمت

فرماتے ہیں؟ اسی پر ان دوسرے الزامات کو قیاس کر لیجئے جو بڑی شانِ تحقیق سے عائد کئے گئے ہیں۔

ثانیاً:...... یہ تاریخی روایات آج یکا یک نہیں ابھر آئی ہیں بلکہ اکابر اہلِ حق کے سامنے یہ سارا کچھ موجود رہا ہے اور وہ اس کی مناسب تاویل وتوجیہ کر چکے ہیں، جس سے معلوم ہوا کہ ان تاریخی واقعات کو بڑی آسانی سے کسی اچھے محمل پر محمول کیا جا سکتا ہے، اب ایک شخص اٹھتا ہے اور ''بے لاگ تحقیق'' کے شوق میں ان کے ایسے محمل تلاش کرتا ہے جس سے صحابہ کرامؓ کی صریح تنقیص اور ان کی سیرت و کردار کی گراوٹ مفہوم ہوتی ہے، کیا اس کے بارے میں یہ حسن ظن رکھا جائے کہ صحابہ کرامؓ کے بارے میں وہ ''حسن ظن'' رکھتا ہے؟

اور عجیب بات یہ کہ جب اس کے سامنے اکابر اہل حق کے طرزِ تحقیق کا حوالہ دیا جاتا ہے تو ان حضرات کو ''وکیل صفائی'' کہہ کر ان کی تحقیقات کو قابلِ التفات نہیں سمجھتا، غالباً یہ دنیا کی نرالی عدالت ہے جس میں ''وکیل استغاثہ'' کے بیان پر یک طرفہ فیصلہ دیا جائے اور ''وکیل صفائی'' کے بیانات کو اس جرم میں نظر انداز کر دیا جائے کہ وہ کسی مظلوم کی طرف سے صفائی کا وکیل بن کر کیوں کھڑا ہو گیا ہے، اوپر قرآن وسنت کی جن نصوص کا حوالہ دیا گیا اور اہل حق کے جس اجماعی فیصلہ کا ذکر کیا گیا ہے اس سے معلوم ہوگا کہ صرف حافظ ابن تیمیہؒ اور شاہ عبدالعزیزؒ ہی نہیں، بلکہ خدا اور رسول اور پوری امت کے اہل حق، صحابہ کرام کے ''وکیل صفائی'' ہیں، اب یہ فیصلہ کرنا ہر شخص کی اپنی صوابدید پر موقوف ہے کہ وہ وکیل صفائی کی صف میں شامل ہونا پسند کرتا ہے یا وکیل استغاثہ کی صف میں۔

ثالثاً:...... ان تاریخی روایات کے متفرق جزئی واقعات کو چن چن کر جمع کرنا، انہیں ایک مربوط فلسفہ بنا ڈالنا، جزئیات سے کلیات اخذ کر لینا اور ان پر ایسے جلی اور چبھتے ہوئے عنوانات جمانا جنہیں آج کی چودھویں صدی کا فاسق سے فاسق بھی اپنی طرف منسوب کرنا پسند نہیں کرے گا، یہ نہ تو دین وملت کی کوئی خدمت ہے، نہ اسے اسلامی تاریخ کا صحیح مطالعہ کہا جا سکتا ہے، البتہ اسے ''تاریخ سازی'' کہنا بجا ہوگا۔ بقول سعدیؒ:

''ولیکن قلم در کفِ دشمن است''

میں پوچھتا ہوں کیا کوئی ادنیٰ مسلمان اپنے بارے میں یہ سننا پسند کرے گا کہ اس نے خدائی دستور کو بدل ڈالا؟ اس نے بیت المال کو گھر کی لونڈی بنالیا؟ اس نے مسلمانوں سے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی آزادی سلب کر لی؟ اس نے عدل وانصاف کی مٹی پلید کر ڈالی؟ اس نے دیدہ ودانستہ نصوصِ قطعیہ سے سرتابی کی؟ اس نے خدائی قانون کی بالادستی کا خاتمہ کر ڈالا؟ اس نے اقربا پروری وخویش نوازی کے ذریعہ لوگوں کی حق تلفی کی؟

کیا کوئی معمولی قسم کا متقی اور پرہیزگار آدمی ان جگر پاش اتہامات کو ٹھنڈے دل سے برداشت کرے گا؟ اگر نہیں...... اور یقیناً نہیں...... تو کیا صحابہ کرامؓ ہم نالائقوں سے بھی گئے گزرے ہیں؟ کہ ایک دو نہیں بلکہ مثالب وقبائح اور اخلاقی گراوٹ کی ایک طویل فہرست ان کے نام جڑ دی جائے، پھر بے لاگ تحقیق کے نام سے اسے اچھالا جائے اور روکنے اور ٹوکنے کے باوجود اس پر اصرار کیا جائے۔

کیا صحابہ کرامؓ کی عزت وحرمت یہی ہے؟ کیا اسی کا نام صحابہؓ کا ''ذکر بالخیر'' ہے؟ کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے معزز صحابہؓ اسی احترام کے مستحق ہیں؟ کیا ایمانی غیرت کا یہی تقاضا ہے؟ کیا مسلمانوں کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد بھول جانا چاہئے:

''جب تم ان لوگوں کو دیکھو جو میرے صحابہ کو برا بھلا کہتے ہیں تو ان کے جواب میں یہ کہو' تم میں سے (یعنی صحابہ کرام اور ان کے ناقدین میں سے) جو برا ہو اس پر اللہ کی لعنت!''۔(۱)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہؓ، بعد کی امت کے لئے حق وباطل کا معیار ہیں، انہیں معیتِ نبوی کا جو شرف حاصل ہوا، اس کے مقابلہ میں کوئی بڑی سے بڑی فضیلت ایک جو کے برابر بھی نہیں، کسی بڑے سے بڑے ولی اور قطب کو ان کی خاک پا بننے کا شرف حاصل ہو جائے تو اس کے لئے مایۂ صد افتخار ہے، اس لئے امت کے کسی فرد کا ...... خواہ وہ اپنی جگہ مفکر دوراں اور علامۂ زماں ہی کہلواتا ہو...... ان پر تنقید کرنا قلبی زیغ کی علامت ہے...... ایاز! قدر خویش بشناس!! یہ دنیا حق وباطل کی آماجگاہ ہے، یہاں باطل حق کا لبادہ اوڑھ کر آتا ہے، بسا اوقات ایک آدمی اپنے غلط نظریات کو صحیح سمجھ کر ان سے چمٹا رہتا ہے جس سے رفتہ رفتہ اس کے ذہن میں کجی آ جاتی ہے اور بالآخر اس سے صحیح کو صحیح اور غلط کو غلط سمجھنے کی استعداد ہی سلب ہو جاتی ہے اور یہ بڑی خطرناک بات ہے۔ اہل علم وتحقیق کی یہ شان نہیں کہ وہ ''میں یہ سمجھتا ہوں'' کی بر خود غلط فہمی میں مبتلا ہوں اور جب انہیں اخلاص وخیر خواہی سے تنبیہ کی جائے تو تاویلات کا ''ضمیمہ'' لگانے بیٹھ جائیں اہل حق کی شان تو یہ ہے کہ اگر ان کے قلم وزبان سے کوئی نامناسب لفظ نکل جائے تو تنبیہ کے بعد فوراً حق کی طرف پلٹ آئیں حق تعالیٰ جل ذکرہ' ہمیں اور ہمارے تمام مسلمان بھائیوں کو ہر زیغ وضلال سے محفوظ فرمائے، اور اتباع حق کی توفیق بخشے۔(۲)

﴿ربنا لا تزغ قلوبنا بعد اذ هديتنا وهب لنا من لدنك رحمة انك أنت الوهاب﴾ وصلى الله تعالىٰ علىٰ خير خلقه صفوة البرية محمد وعلىٰ آله وأصحابه وأتباعه أجمعين آمين.

---

(۱) سنن الترمذی، ابواب المناقب، باب فی من سب اصحاب النبی ﷺ ج:۲ ص:۲۲۵، ط: قدیمی

(۲) مندرجہ بالا مضمون مجلس دعوت وتحقیق اسلامی کے رفیق کار جناب مولانا یوسف طلال امریکی کے قلم سے انگریزی منتقل ہو کر کتابچہ کی شکل میں شائع ہو چکا ہے۔(مختار)

حیاۃ انبیاء علیہم الصلاۃ والسلام

مسئلہ حیات انبیاء اور اس کے متعلقات پر جب حضرت مولانا محمد سرفراز صاحب شیخ الحدیث نصرۃ العلوم کی تالیف "تسکین الصدور فی تحقیق أحوال الموتی فی البرزخ والقبور" شائع ہوئی تو ذیل کا مضمون اس کی تائید و تقریظ میں لکھا گیا:

بسم الله الرحمن الرحیم

الحمد لله وکفی وسلام علی عباده الذین اصطفی، خصوصاً علی سیدنا محمدن المصطفی وآله وصحبه ماکفی وشفی، أما بعد:

انبیاء کرام علیہم الصلوات والسلام کی حیات بعد الممات کا مسئلہ صاف اور متفقہ مسئلہ تھا، شہداء کی حیات بنصِ قرآن ثابت تھی اور دلالۃ النص سے انبیاء کرام کی حیات قرآن سے ثابت تھی، اور احادیث نبویہ سے عبارۃ النص کے ذریعہ ثابت تھی لیکن برا ہو اختلاف اور فتنوں کا کہ ایک مسلمہ حقیقت زیر بحث آ کر مشتبہ ہوگئی، کتنی ہی تاریخی بدیہیات کو کج بحثوں نے نظری بنالیا اور کتنے ہی حقائقِ شرعیہ کو کج فہمی نے مسخ کر کے رکھ دیا، یہ دنیا ہے اور دنیا کے مزاج میں داخل ہے کہ یہاں ہر دور میں کج فہم، کجرو اور کج بحث موجود ہوتے ہیں، زبان بند کرنا تو اللہ تعالیٰ ہی کی قدرت میں ہے ملاحدہ وزنادقہ کی زبان کب بند ہوسکی؟ کیا اس دور میں امام حسینؓ کی شہادت کو افسانہ نہیں بتایا گیا اور کہا گیا کہ یہ واقعہ ہے ہی نہیں؟ اور کیا امام حسینؓ کو باغی اور واجب القتل اور یزید (بن معاویہؓ) کو امیر المؤمنین اور خلیفۂ برحق ثابت نہیں کیا گیا؟ کسی صحیح حدیث کو ضعیف بنانے کے لئے کسی راوی کے بارے میں کتبِ رجال میں جرح کا کوئی کلمہ دیکھ لینا بس کافی ہے کہ اس پر بنیاد قائم کی جائے؟ اگر عقلِ سلیم سے کام نہ لیا جائے اور صرف کسی کتاب میں جرح کو دیکھا تو امام ابوحنیفہؒ، امام مالکؒ، امام شافعیؒ، امام احمدؒ تمام کے تمام ائمہ مجروح ہوکر دین کا سرمایہ ختم ہی ہوجائے گا۔

الغرض حیاتِ انبیاء کرام علیہم السلام کا مسئلہ بھی تقریباً اسی قسم کی کج بحثوں میں الجھ کر اچھا خاصا فتنہ بن گیا، عصمت تو انبیاء کرام کا خاصہ ہے، علماء معصوم تو ہیں نہیں، (۱) کچھ حضرات نے دانستہ یا نادانستہ حدیثی وکلامی بحثیں پیدا کردیں اور سمجھایہ گیا یا سمجھایا گیا کہ اس طرح توسل بالاموات اور استعانت بغیر اللہ وغیرہ وغیرہ بہت سی بدعات کا خاتمہ ہوجائے گا۔ گویا علاج یہ تجویز کیا گیا کہ حیات انبیاءؑ، سے انکار کرنے ہی سے یہ مفاسد ختم ہوسکتے

(۱) یہاں یہ تنبیہ ضروری ہے کہ بدلائلِ شرعیہ امت من حیث المجموع خطاء سے محفوظ ہے یعنی شرعاً یہ ناممکن ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی امت مرحومہ سب کی سب کسی مسئلہ میں۔ معاذ اللہ۔ غلطی پر متفق ہوجائے۔ ... ہمارے یہاں کے ملاحدہ نے "عصمت انبیاء کرام کا خاصہ ہے" کے نعرہ کو کلمة حق أريد به الباطل کے طور پر دین کے قطعی متواتر اور اجماعی مسائل کے ابطال بلکہ پورے دین ہی کو "عجمی سازش" قرار دینے کے لئے ڈھال بنالیا۔ (مدیر)

ہیں، اس کی مثال تو ایسی ہوئی کہ بارش سے بچنے کے لئے پرنالے کے نیچے جا کر بیٹھ گئے، بہر حال ان تفصیلات میں جانے کی حاجت نہیں، خلفشار کو ختم کرنے کے لئے اربابِ فکر و خلوص نے چند حضرات کے نام تجویز کئے کہ اس اختلاف کو جس نے فتنہ کی شکل اختیار کر لی ہے، ختم کرنے کی کوشش کریں، راقم الحروف کا نام بھی انہیں میں شامل تھا، تجویز یہ ہوئی کہ اس موضوع پر ایک محققانہ کتاب مؤثر انداز میں لکھی جائے اور تشکیک پیدا کرنے والے حضرات کے شبہات کا جواب بھی دیا جائے اور مسئلہ کے تمام گوشوں پر سیر حاصل تبصرہ بھی کیا جائے، باتفاق رائے اس کام کی انجام دہی کے لئے جناب برادر گرامی مآثر مولانا ابوالزاہد محمد سرفراز صاحب منتخب ہو گئے، جن کے دماغ میں بحث وتمحیص کی صلاحیت بھی ہے اور قلم میں پختگی بھی، علوم دینیہ اور حدیث و رجال سے اچھی اور قابلِ قدر مناسبت بلکہ عمدہ بصیرت بھی ہے، مختلف مظان سے غرر نقول جمع کرنے کی پوری قدرت بھی ہے اور حسن ترتیب کی پوری اہلیت بھی، الحمد للہ کہ برادر موصوف نے توقع سے زیادہ مواد جمع کر کے تمام گوشوں کو خوب واضح کر دیا اور تحقیق کا حق ادا کر دیا ہے، میرے ناقص خیال میں اب یہ تالیف اس مسئلہ میں جامع ترین تصنیف ہے اور اس دور میں جتنی تصانیف اس مسئلہ پر لکھی گئی ہیں ان سب میں جامع، واضح، عالمانہ بلکہ محققانہ ہے، اللہ تعالیٰ موصوف کی اس خدمت کو قبول سے نوازے اور اس قسم کی مزید خدمات کی توفیق عطا فرمائے۔

عرصہ ہوا کہ میرے رفیقِ محترم جناب مولانا سید احمد رضا صاحب بجنوری، جن کو حضرت امام العصر مولانا محمد انور شاہ رحمہ اللہ سے نہ صرف شرفِ تلمذ حاصل ہے بلکہ فرزند نسبتی ہونے کا شرف بھی حاصل ہے، جن کے قلم سے صحیح بخاری کی محققانہ اردو شرح انوار الباری وجود میں آ رہی ہے اور اب سے اکتیس بتیس سال قبل مصر و استنبول کے علمی سفر میں میرے رفیقِ طریق رہے ہیں، ان کے ایک خط کے جواب میں ۱۳۷۹ھ میں، میں نے اس موضوع پر قلم برداشتہ نہایت عجلت میں جو کچھ لکھا تھا نامناسب نہ ہوگا کہ یہاں اس خط کا کچھ اقتباس نقل کر دیا جائے تاکہ اس مسئلہ میں میری قدیم ذاتی رائے بھی معلوم ہو جائے۔ اگرچہ وہ مجمل اشارات ہیں اور مخاطب ایک عالم تھے، تفصیل کی حاجت نہیں تھی لیکن اس موضوع پر ایک جامع اور منقح فیصلہ کی حیثیت سے ایک متن ہے، تشریح جتنی چاہے کر لیجئے، واللہ المستعان۔

محولہ بالا طویل مکتوب کے چند اقتباسات

① شہداء کے لئے نصِ قرآن "حیات" حاصل ہے اور مزید دفعِ تجویز کے لئے "یرزقون" کا ذکر بھی کیا گیا ہے جیسے آج کل محاورہ بھی ہے "فلان حی یرزق" عام اہل برزخ سے ان کی حیات ممتاز ہے۔

② جب انبیاء کا درجہ عام شہداء سے اعلیٰ وارفع ہے تو بدلالۃ النص یا بالاولیٰ خود قرآن کریم سے ان کی حیات ثابت ہوئی – علیہم الصلوات والتسلیمات – اور جب مرتبہ اعلیٰ وارفع ہے تو حیات بھی اقویٰ

واکمل ہوگی۔

③اس حیات کی اکملیت کے بارے میں دو حدیثیں آئی ہیں "ان الله حرم على الارض أن تأكل اجسادالانبياء"(۱)،اور حدیث "الانبياء احياء فى قبورهم يصلون"(۲)، اوراس کے علاوہ بھی روایات ہیں،اوران احادیث کے شواہد کے طور پر دیگر احادیث صحیح موجود ہیں،مثلاً موسیٰ علیہ السلام کا تلبیۂ حج۔

④روح کے تعلقات اجساد سے پانچ قسم کے ہیں:

۱-فی حالۃ الجنین۔ ۲-بعدالولادۃ فی الدنیااوراس کی دوصورتیں ہیں:

۳-حالت نوم میں اور حالت یقظہ میں ۴-بعدالموت فی البرزخ

۵-بعدالبعث فی الحشر

ضعیف ترین اول ورابع ہے،قوی ترین خامس اورمتوسط دنیوی ہے كما حققه المتكلمون وابن القيم فى كتاب الروح والقارى فى شرح الفقه الأكبر۔

⑤انبیاءکرام علیہم السلام کی نوم جیسے ممتاز ہے عام نوم سے "ان عيناى تنامان ولا ينام قلبى"(۳) اسی طرح ان کی موت کی حالت بھی عام اموات جیسی نہیں، النوم أخ الموت اور عام موتی میں تحقیق موت سے انقطاع الروح عن الجسد بالکلیہ ہوتا ہےاور یہاں بالکلیہ نہیں ہوتا اور پھر علوِ مرتبہ جتنا ہوتا ہے اتنا ہی تعلق قوی ہوگا۔

⑥مفارقۃ الروح عن الجسد سے مفارقۃ تعلق الروح عن الجسد لازم نہیں آتا۔

⑦اگر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے جسدِ مبارک کو تروّح کی کیفیت حاصل ہو جیسے معراج میں جسد پر روح کی کیفیت طاری ہوئی، تجسد ارواح اور تروّح اجساد دونوں کی نظریں عالمِ شہادۃ میں ہیں تو عالم ارواح میں کیوں استبعاد کیا جائے جب کہ اس کا تعلق عالمِ غیب سے ہے۔

⑧دنیا میں صوفیاءکرام کے یہاں ابدانِ مثالیہ کا تعدد وقت واحد میں،متعدد امکنۂ میں ظہور اور آثار کے ثبوت پر مشہور واقعات ہیں،انبیاءکرام کی نقل وحرکت بالاجسادالمتر وحہ اس کی نظیر ہوگی۔

⑨الغرض انبیاءکرام کے لئے حیاۃ،بقائے اجساد،نقل وحرکت،ادراک وعلم سب چیزیں حاصل ہیں۔

---

(۱) سنن ابن ماجه،كتاب الصلوة،باب فى فضل الجمعة ص:٧٦،ط:قديمى.ايضاًكتاب الصلوة،ابواب ماجاء فى الجنائز،باب ماجاء فى ذكر وفاته ودفنه ﷺ ص:١١٨،ط:قديمى.سنن ابى داؤد،كتاب الصلوة، تفريع ابواب الجمعة ج:١ ص:١٥٠،ط:حقانيه پشاور.سنن النسائى،كتاب الصلوة،باب اكثار الصلوة على النبى ﷺ يوم الجمعة ج:١ ص٢٠٤،ط:قديمى

(۲)مجمع الزوائدللهيثمى،باب ذكر الانبياء ج:٨ص:١٤٤،ط:دارالفكر بيروت

(۳)صحيح البخارى،كتاب التهجد،باب قيام النبىؐ بالليل فى رمضان ج:١ ص:١٥٤،ط:قديمى. صحيح مسلم،كتاب الصلوة،باب صلوة الليل وعدد ركعات النبىؐ ج:١ ص:٢٥٤،ط:قديمى

⑩ یہ حیات، دنیوی حیات کے مماثل بلکہ اس سے اقویٰ ہے، دنیا میں ہمیشہ جسد کو روح کی خاصیت حاصل نہیں ہوتی اور برزخ میں ہوتی ہے، اب اگر اس کو حیاتِ دنیوی سے بعض حضرات نے تعبیر کیا ہے تو اس حقیقت کو واضح کرنے کے لئے کیا ہے، بہرحال وہ حیاۃ دنیوی بھی ہے اور حیاۃ برزخی بھی، صرف حیاتِ برزخی نہیں جس میں عام شہداء یا اموات بھی شریک ہوں بلکہ اقویٰ واکمل ہے اس لئے حیات دنیوی کے مماثل ہے بلکہ اس سے بھی اقویٰ ہے۔

اختلاف تعبیرات میں نزوعِ لفظی ہے اس دنیا سے رسمی تعلق منقطع ہونے کے بعد برزخی دور شروع ہوتا ہے اب جو چاہے اطلاق کیا جائے۔

⑪ اگر احادیث ونصوص میں حیات کا ثبوت ہے اور پھر عدم نکاح بالازواج المطہرات اور عدم توریث وغیرہ کی علت اصل حیات کو کہا جائے تو درست ہے۔ بہرحال حکم شرعی کی کوئی علت ہی ہوتی ہے اور یہاں تو علت از قبیل العلل المعتبر ۃ کے ہوگی نہ کہ علل مرسلہ کی قسم سے اور اس علت کی تنقیح، اصولی تنقیح المناط اور تحقیق المناط سے زیادہ قطعی ہوگی۔ واللہ اعلم بالصواب۔

[شعبان المعظم ۱۳۸۸ھ]

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا جذبۂ ایمانی

آفتابِ نبوت کے غروب ہوتے ہی ایمانی روشنی میں اضمحلال وضعف رونما ہونا شروع ہو گیا تھا، عہد نبوت میں ایمان ویقین کی جو تابانی وشدت تھی وہ روز بروز زوال پذیر ہوتی رہی، حضرت رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ مقدسہ میں صحابہؓ کی جو ایمانی کیفیت تھی وصال کے بعد اس میں اضمحلال شروع ہوا بلکہ حیاتِ مقدسہ میں حضور وغیبت کا فرق تھا، صحابی رسول حضرت حنظلہ رضی اللہ عنہ کا مشہور واقعہ ''صحیح مسلم'' وغیرہ میں مذکور ہے کہ ایک دفعہ کہیں جا رہے تھے راستہ میں حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ ملے، پوچھا کہاں جا رہے ہو؟ جواب دیا کہ: کیا پوچھتے ہو، حنظلہ تو منافق ہو گیا، صدیق اکبرؓ فرمانے لگے سبحان اللہ! خیر تو ہے کیا کہتے ہو؟ جواب دیا کہ ہم جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں ہوتے ہیں آپ جب جنت دوزخ کا تذکرہ فرماتے ہیں تو ایسا محسوس ہوتا ہے کہ آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں، لیکن گھر آ کر دنیا کے دھندوں میں مشغول ہو کر اور بیوی بچوں میں مصروف ہو کر یہ کیفیت ختم ہو جاتی ہے، حضرت صدیقؓ یہ سن کر فرمانے لگے کہ: اگر یہ نفاق ہے تو پھر میں بھی اس میں مبتلا ہوں دونوں بارگاہِ نبوت میں پہنچے، حنظلہ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: یارسول اللہ! میں تو منافق ہو گیا، آپ نے فرمایا: کیا بات ہے؟ حضرت حنظلہؓ نے صورتِ حال بیان کی، سننے کے بعد آپ نے فرمایا:

''والذی نفسی بیدہ انکم لو تدومون علی ماتکونون عندی وفی الذکر لصافحتکم الملائکۃ علی فرشکم وفی طرقکم ولکن یا

حنظلة ساعة فساعة"(۱)

اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے اگر تمہاری یہ حالت جو میری مجلس میں ہوتی ہے یا ذکر اللہ کی حالت میں ہوتی ہے ہر وقت باقی رہتی تو (تم اتنے اونچے ہوتے) کہ فرشتے تم سے تمہارے گھروں اور راستوں میں مصافحہ کرتے اور ملتے لیکن اے حنظلہ! یہ کیفیت کبھی کبھی ہوتی ہے (ہمیشہ باقی نہیں رہتی)۔

اس واقعہ سے یہ بات واضح ہے کہ آپ کی حیات مبارکہ میں حاضری اور غیر حاضری کا فرق نمایاں تھا، ایمان ویقین کی کیفیات کے اندر تفاوت ہوتا تھا، پھر حضرت رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد تو ظاہر ہے کہ یہ تفاوت بہت نمایاں ہوگیا، جامع ترمذی وسنن ابن ماجہ میں انس بن مالکؓ صحابی رسول سے مروی ہے:

"لما كان اليوم الذى قدم فيه رسول الله ﷺ المدينة اضاء منها كل شى فلما كان اليوم الذى مات فيه اظلم منها كل شئى قال: ومانفضنا عن رسول الله صلى الله عليه وسلم الأيدى حتىٰ أنكرنا قلوبنا"(۲)

جس دن حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ تشریف لائے تو یہاں کی ہر چیز روشن ہوگئی لیکن جس دن آپ کی وفات ہوئی تو مدینہ کی ہر چیز تاریک ہوگئی اور فرمایا: ہم نے آپ کو دفن کر کے ابھی مٹی سے ہاتھ بھی نہیں جھاڑے تھے کہ اپنے دلوں میں فرق محسوس کرنے لگے۔

اسی قسم کا مضمون "تاریخ ابن کثیر" میں حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے بھی منقول ہے۔ (۳)

"سنن ابن ماجہ" میں حضرت ابی بن کعبؓ سے ایک حدیث اور ام المومنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے ایک اور حدیث مروی ہے جن کا حاصل یہ ہے:

"عہدِ نبوت میں نماز ایسے خشوع سے ہوتی تھی کہ نمازی کی نگاہ قدموں سے آگے متجاوز نہیں ہوتی تھی، عہد صدیقی میں اس قدر فرق ہوگیا کہ نگاہ قدموں سے آگے بڑھ کر سجدہ کی جگہ سے آگے نہیں بڑھتی تھی، عہد فاروقی میں قبلہ کے رخ سے نگاہ ہٹ کر دائیں بائیں نہیں جاتی تھی لیکن جب عہد عثمانی آیا اور فتنوں کا دور شروع ہوا تو نمازی کی نگاہ دائیں بائیں جانے لگی"۔ (۴)

---

(۱)صحيح مسلم،كتاب التوبة،باب فضل دوام الذكر والفكر فى امور الاخرة ج:۲ص:۳۵۵،ط: قديمى

(۲)سنن الترمذى،ابواب المناقب،باب ماجاء فى فضل النبى ﷺ ج:۲ص:۲۰۲،ط:فاروق كتب خانه ملتان. سنن ابن ماجه،كتاب الصلوة،ابواب ماجاء فى الجنائز،باب ماجاء فى ذكر وفاته ودفنه ﷺ ص:۱۱۷،ط:قديمى

(۳)البداية والنهاية ، باب ما اصاب المسلمين من المصيبة بوفاته ﷺ ، ج : ۵ ص : ۲۷۴، ط : مكتبة المعارف بيروت

(۴)سنن ابن ماجه،كتاب الصلوة،ابواب ماجاء فى الجنائز،باب ماجاء فى ذكر وفاته ودفنه ﷺ ص: ۱۱۸، ط: قديمى

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا محاسبہ نفس

سبحان اللہ کیا ٹھکانا! صحابہ کرام رضوان اللہ تعالی علیہم اجمعین کی ذکاوتِ حس اور اس دقیق محاسبہ کا کہ کس طرح اپنی عبادات کا جائزہ لیتے تھے اور اپنے قلوب کی کیفیات اور اعمال کا کیسا محاسبہ کرتے تھے، ٹھیک جس طرح ہم آج اپنی معمولی سی جسمانی کیفیت کے فرق کو محسوس کرتے ہیں اور اس کی تدبیر میں لگ جاتے ہیں اسی طرح حضرات صحابہ کرامؓ روح وقلب کے تغیرات کا جائزہ لیا کرتے تھے اور اس کی فکر کرتے تھے اور اصلاح حال کی تدابیر اختیار فرماتے تھے۔

''صحیح بخاری'' میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک کے بعد ہر چیز میں تغیر آ گیا کوئی چیز بھی اپنی حالت پر باقی نہیں رہی بجز نماز اور پھر فرمایا:

''وهذه الصلاة قد ضيعت''(١)

اور یہ نماز بھی ضائع ہوگئی۔

مطلب یہ کہ نماز بھی ایسی نہیں رہی، حقوق وآداب خشوع وخضوع سے جس طرح پہلے ہوتی تھی وہ بات اب نہیں رہی۔

حضرت حسن بصری رحمہ اللہ نے ایک مرتبہ اپنے زمانہ کے لوگوں سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا تھا:

والله لقد أدركت سبعين بدر ياً اكثر لباسهم الصوف ولورأيتموهم قلتم مجانين، ولو رأوا خياركم لقالوا ما لهؤلاء من خلاق، ولو رأوا شراركم لقالوا: مايؤمن هؤلاء بيوم الحساب''(٢)

بخدا میں نے ستر ٧٠ بدری صحابہ کو دیکھا جن کا زیادہ تر لباس صوف ہوتا تھا اور وہ صحابہ ایسے تھے کہ تم اگر ان کو دیکھتے تو تم ان کو دیوانہ کہتے اور اگر وہ تمہارے بہترین لوگوں کو دیکھتے تو کہہ دیتے کہ ان لوگوں کے لئے آخرت میں کوئی حصہ نہیں ہے اور اگر وہ تمہارے برے لوگوں کو دیکھتے تو فرما دیتے کہ یہ لوگ آخرت پر ایمان نہیں رکھتے ہیں۔

اس کا حاصل یہی ہے کہ صحابہ اور بالخصوص بدری صحابہ آخرت کے کاموں اور اللہ و رسول کی مرضیات میں ایسے منہمک تھے جس کی وجہ سے ان کو نہ اپنی جان کی فکر تھی، نہ اپنی اولاد کی، نہ دنیا کے عیش وآرام کا خیال، بہر حال ایسے لوگوں کو دیکھ کر یہی کہا جائے گا کہ یہ تو دیوانے ہیں اور تمہارے سچے اور بہترین اشخاص تھی اپنی جان،

(١) صحيح البخاري، كتاب الصلوة، باب في تضييع الصلوة عن وقتها ج:١ ص:٧٦، ط: قديمي

(٢) حلية الاولياء، ذكر الحسن البصري ج:٢ ص:١٣٤، ط: دار الكتاب العربي بيروت

اپنی اولاد کی فکر کو مقصود بنائے ہوئے ہیں اس لئے ان کو دیکھ کر بھی کہا جائے گا کہ آخرت میں ان کا کوئی حصہ نہیں ہے اور تمہارے شریر اور بدکار لوگوں کو دیکھ کر کہا جائے گا کہ یہ لوگ آخرت پر ایمان ویقین نہیں رکھتے۔

حسن بصری تابعی ہیں ۱۱۰ھ میں ان کی وفات ہوئی اور آج ان کی وفات کو ۱۲۷۷ برس گذر گئے۔ خیر القرون کے آدمی ہیں جس کی فضیلت زبانِ نبوت سے ثابت ہے حسن بصری آج اگر زندہ ہوجائیں اور ہماری حالت دیکھیں تو سوچئے کیا فتویٰ دیں گے۔

ان حقائق سے آپ اندازہ لگائیں کہ صحابہ کرامؓ کے یقین وایمان کا کیا حال تھا اگر عہد تابعین میں صحابہ کرام کی قوت ایمانی کا اندازہ لگانا مشکل تھا تو آج کیونکر ممکن ہے کہ ہم اس کا اندازہ لگا سکیں جو جنس مارکیٹ میں ہی نہ ہو اس کے حسن وخوبی کا اندازہ کیسے لگایا جا سکتا ہے۔

حضرت عبداللہ بن المبارک رحمہ اللہ سے کسی نے دریافت کیا کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ افضل ہیں یا عمر بن عبدالعزیزؒ؟ آپ نے فرمایا:

وہ جہاد جس میں حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ امیر معاویہؓ شریک تھے اس جہاد کے غبار کا وہ حصہ جو امیر معاویہ کے گھوڑے کی ناک میں گیا ہے وہ بھی ابن عبدالعزیزؒ سے بہتر ہے۔

یہ کوئی شاعری نہیں ہے، ابن المبارک امت محمدیہ کے فقیہ ومحدث امام ہیں، حضرت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے کبار تلامذہ میں سے ہیں ابن المبارک رحمہ اللہ کے اس فتویٰ کو شیخ ابن حجر ہیتمی نے "تطهير الجنان" میں نقل کیا ہے۔(۱)

صحابہ کرام کمال ایمان وکمال تقویٰ پر فائز تھے

صحابہ کرام کی فضیلت فوق العادہ ہے جس سے ان نفوس قدسیہ کی قوت ایمانی اور قرب عنداللہ کا اندازہ ہوتا ہے، یہ حضرات کمال ایمان وکمال تقویٰ پر فائز تھے جس کا نام قرآن کریم میں "ولایت" ہے، ارشاد ہے:

﴿الَآاِنَّ اَوْلِيَاءَ اللهِ لَاخَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَكَانُوْا يَتَّقُوْنَ﴾

[یونس:۶۳،۶۲]

سنو! اللہ تعالیٰ کے اولیا جن پر قیامت کے دن نہ خوف ہوگا اور نہ وہ غمگین ہوں گے وہ لوگ ہیں جو کامل طور پر ایمان لائے اور جنہوں نے کمال تقویٰ اختیار کیا۔

ایمان کے بعد مدار قرب وکرامت عنداللہ تقویٰ ہے، جو حضرات سراپا تقویٰ بن جاتے ہیں ان کی صحبتیں، ان کی مجلسیں، ان کی ملاقات اصلاح حال میں عجیب تاثیر رکھتی ہے، یہی ہیں وہ پاک باز نفوس جن کی صحبت سے دل

---

(۱) تطهير الجنان، ص: ۱۰، ط: بیرون بوہر گیٹ ملتان

ودماغ پر ایسے نقوش مرتسم ہو جاتے ہیں جو تنہا عبادت وریاضت سے سالہا سال میں ممکن نہیں اسی کو کہا گیا ہے:

یک زمانہ صحبت با اولیاء

بہتر از صد سالہ طاعت بے ریا

حدیث نبوی میں ولی اللہ کی ایک واضح علامت یہ بیان فرمائی گئی ہے کہ ان کے دیکھنے سے اللہ تعالیٰ یاد آجاتا ہے، فرمایا گیا:

"وخیار عباد الله اذا رؤ اذکر الله"(۱)

اللہ تعالیٰ کے بہترین بندے وہ ہیں کہ جب ان کو دیکھا جائے تو اللہ تعالیٰ یاد آجائے۔

تاریخ ابن کثیر میں حضرت حسن بصری کے بارے میں امام یونس بن عبید سے منقول ہے:

"کان الرجل اذا نظر الی الحسن انتفع به وان لم یر عمله ولم یسمع کلامه"(۲)

حضرت حسن بصری کو صرف دیکھنے سے نفع ہوتا تھا اگرچہ ان کا عمل دیکھا نہ جائے اور نہ ان کی گفتگو سنی جائے۔

یہی وہ جلیس صالح ہے جس کی مثال حدیث میں "کحامل المسك" بیان کی گئی ہے یعنی صالح ہم نشین کی صحبت سے ایسا فائدہ ہوتا ہے جیسے مشک اٹھانے والے کو مشک سے، صحبت کی یہی تاثیر ہے جس کی وجہ سے سلاسل صوفیہ میں سے سلسلہ نقشبندیہ میں صحبت شیخ پر سب سے زیادہ زور دیا گیا ہے اور میں سمجھتا ہوں کہ حضرت رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم کے انفاس قدسیہ جذب کرنے کا یہ متوارث سلسلہ ہے، اسی لئے شیخ سے عقیدت اور محبت ضروری ہے۔ اگر شیخ باکمال ہے اور مرید کا یہ حال ہے تو غیر شعوری طور پر خود بخود محب جان نثار اپنے محبوب کا نمونہ ہوگا اور جتنی محبت اور صلاحیت ہوگی اس کے مطابق یہ نقشہ تیار ہوگا بعض عشاق منازل عشق منٹوں میں طے کر لیتے ہیں جب کہ دوسرے سالہا سال تک اس سے محروم رہتے ہیں۔

بہر حال کہنا یہ ہے کہ عشق ومحبت، پاکیزگی کی یہ داستانیں اب کہاں تلاش کی جائیں! معرفت وقرب الٰہی کے یہ خمخانے کہاں سے لائے جائیں! یہ گلستان اب خزاں کی زد میں آچکا ہے اور اس گلشن کی ویرانی آنکھوں کے سامنے ہے، مشام دماغ کو معطر کرنے کے لئے معرفت کے پھولوں کی مہک کہاں سے لائی جائے۔

مادیت نے اس دور میں بے دینی وفواحش ومنکرات کے زمانے میں یہ افسانے پارینہ نقش کو کیا ہیں، حاصل کلام یہ ہے کہ جس طرح مادرزاد نابینا سیاہ وسفید میں فرق نہیں کر سکتا اسی طرح مادیت کے دور میں اس کا

(۱)مشکوۃ المصابیح، کتاب الرقاق، باب الحب فی الله ومن الله ص:۴۲۷، ط:قدیمی

(۲) البدایة والنهایة، سنة عشر ومائة من الهجرة النبویة، ذکر الحسن البصری ج:۹ ص:۲۶۷، ط:مکتبة المعارف بیروت

امکان نہیں ہے کہ عہد نبوت وعہد صحابہ اور قرون مشہود لھا بالخیر کی ایمانی کیفیت کا اندازہ لگایا جائے۔

میں تو یہ کہتا ہوں کہ جن دو چار ہستیوں کو ہم نے دیکھا ہے اور پایا ہے آج ان کے ایمانی ملکات اور اپنے رب سے تعلق کی نظیر کہیں نہیں ملتی اور ان حضرات کا اپنے بزرگوں کے بارے میں یہی نظریہ تھا، یہ تنزل عہد نبوت سے شروع ہو چکا ہے اور چودہ سو سال سے جاری ہے، چونکہ اس دین کی حفاظت اللہ تعالیٰ کے ذمہ ہے اس لئے اس تنزل کے باوجود دین سے تعلق رکھنے والے موجود ہیں اور دین کے مختلف گوشوں میں کام ہو رہا ہے، بسا غنیمت ہیں وہ حضرات کہ مادیت کے اس تاریک دور میں بھی ذکر اللہ اور تعلق مع اللہ سے گلشن معرفت کی آبادی میں لگے ہوئے ہیں لیکن افسوس کہ یہ بقایا صالحین سرعت سے آخرت کی طرف جارہے ہیں۔

[شوال ۱۳۸۷ھ]

اصحاب صفہ

تاریخ اسلام کے سنہرے باب کے چند تعلیمی اوراق ہیں جن کا سرورق اصحاب صفہ سے شروع ہوتا ہے، درحقیقت یہ باب:

﴿وَ يُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ﴾ [آل عمران: ١٦٤]

اور وہ (نبی) ان کو کتاب (قرآن) اور حکمت (سنت) کی تعلیم دیتے ہیں۔

"وانما بعثت معلما"(۱)

اور اس کے سوا نہیں کہ مجھے تو بھیجا گیا ہے (دین) سکھلانے کے لئے۔

کی عملی تفسیر ہے۔ مدینہ طیبہ میں مسجد نبوی -علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام- کے شمالی مشرق جانب ایک سائبان کے سایہ میں چند نفوسِ قدسیہ تعلیم وتربیت پارہے تھے، ان نفوس قدسیہ نے اپنی زندگی حصول علم ہی کے لئے وقف کردی تھی، ان میں چند نفوس ایسے بھی تھے کہ کبھی کبھی دن کے کسی حصہ میں جنگل سے لکڑی لا کر فروخت کرتے اور گذر بسر کیا کرتے تھے، ان کے احوال وتعداد میں قدماء محدثین نے مستقل کتابیں لکھی ہیں، جن میں امام حدیث ابونعیم اصبہانی اور امامِ حدیث ابوعبداللہ حاکم اور ابن الاعرابی اور سلمی وغیرہ کے نام قابل ذکر ہیں، ان کی تعداد مختلف اوقات میں کل ملا کر چار سو تک پہنچتی ہے، ویسے تو حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پوری زندگی تعلیمی ہی تھی اور امت محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم میں صحابہ کرامؓ ہی سب سے پہلے متعلم وشاگرد تھے لیکن اسی تحصیلِ علم کے ساتھ ساتھ اکثر وبیشتر حضرات کے تجارت وزراعت وغیرہ کے مشاغل بھی تھے، حضرت عمر فاروقؓ جیسی اہم شخصیت کا ایک دور ایسا بھی گذرا کہ مدینہ سے باہر عوالی مدینہ میں ان کا قیام تھا اور بعدِ مسافت کے علاوہ معاشی

---

(۱) سنن ابن ماجه، مقدمة، باب فضل العلماء والحث على طلب العلم ص: ۲۱، ط: قديمي

مشغولیت کی وجہ سے روزانہ بارگاہ نبوت کی حاضری سے معذور تھے لیکن آپ نے اپنے ایک انصاری پڑوسی (غالباً ان کا نام اوس بن خولی ہے) کے ساتھ یہ انتظام کیا ہوا تھا اور باری مقرر کر رکھی تھی کہ ایک دن وہ بارگاہ نبوت میں حاضر ہوا کریں اور جو وحی نبوت (قرآن کریم کی آیت) جدید اتری ہو یا کوئی اہم حدیث آپ ﷺ بیان فرمائیں تو وہ رات کو حضرت عمر کو آ کر سنا دیا کریں اور ایک دن حضرت عمر یہی خدمت انجام دیا کریں جس کی تفصیل صحیح بخاری میں موجود ہے، غرض صحابہ کرام جو روزانہ حاضری نہیں دے سکتے تھے وہ بھی حصول علم کے لئے پورا اہتمام وانتظام فرماتے تھے، لیکن کچھ حضرات ایسے بھی تھے جن کی شب وروز کی زندگی، اسی حصول علم کے لئے وقف تھی، اہل وعیال سے آزاد، نہ تجارت سے غرض نہ زراعت سے مطلب، نہ اپنی معاش کی فکر، نہ اہل وعیال کی، یہ وہ اصحاب صفہ کی نفوس قدسیہ ہیں جن کی تعداد ایک ایک وقت میں ستر تک بھی پہنچ جاتی تھی، انہی نفوس قدسیہ سے میں ستر وہ شہداء "بیر معونہ" ہیں، جن کو کفار کے چند قبائل بنی لحیان ورعل وذکوان وغیرہ نے جو تعلیم دین اور تبلیغ اسلام کی غرض سے حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے معلم ومبلغ طلب کرنے آئے تھے اور آپ نے ان قراء کو اسی دینی خدمت کے لئے بھیجا تھا، ان بدبخت قبائل نے ان کو لے جا کر شہید کر ڈالا تھا، جس پر آپ کو شدید صدمہ ہوا تھا اور نماز فجر میں آپ نے دعا قنوت نازلہ پڑھنی شروع فرمادی تھی۔

انہی نفوس قدسیہ میں سے اس واقعہ شہادت کے بعد ستر ایسے صحابہ بھی تھے جن کے متعلق حضرت ابوہریرہؓ کا یہ بیان "صحیح بخاری" میں قابل عبرت وبصیرت ہے:

"رأیت سبعین من أصحاب الصفة، ما منهم رجل علیه رداء، اما ازار و اما کساء قد ربطوا فی أعناقهم، فمنها ما یبلغ نصف الساقین و منها ما یبلغ الکعبین فیجمعه بیده کراهیة أن تری عورته"(۱)

میں نے ستر ایسے اصحاب صفہ کو دیکھا ہے جن میں سے کسی کے پاس (اوپر اوڑھنے کے لئے) چادر نہ تھی یا ان کے پاس صرف لنگی تھی یا (بدن ڈھانپنے کے لئے) ایک کملی جس کو انہوں نے گردن سے (نیچے تک) باندھ رکھا ہوتا تھا، کوئی تو ٹخنوں تک پہنچ جاتی، کوئی پنڈلیوں تک ہی پہنچتی، (رکوع سجدہ کے وقت) اس کو ہاتھ سے سنبھالے رہتے کہ (جسم کا) پوشیدہ حصہ نہ کھل جائے۔

انہی نفوس قدسیہ میں سے خود حضرت ابوہریرہؓ بھی تھے جن پر بعض اوقات بھوک سے غشی کے دورے پڑا کرتے اور مسجد نبوی کے اندر منبر نبوی اور بیت الرسول کے درمیان روضہ میں بے ہوش پڑے ہوتے اور عام حضرات کا گمان ہوتا کہ ان پر مرگی کا دورہ پڑا ہے حالانکہ صرف بھوک کی شدت اور فاقوں کی کثرت سے ان پر اس قسم کی حالت طاری ہوتی تھی، خود انہی کی زبان سے صحیح بخاری میں یہ ساری تفصیل مذکور ہے، آخر اس جفاکشی اور

(۱) صحیح البخاری، کتاب الصلوة، باب نوم الرجال فی المسجد ج:۱ ص:٦٣، ط: قدیمی

اس اندازِ طالب علمی کے جو حیرت انگیز نتائج ہونے چاہیے تھے وہ امت کے سامنے آئے خود انہی کے زبان سے ''صحیح بخاری'' میں مروی ہے:

"صحبت رسول الله صلى الله عليه وسلم ثلاث سنين فلم أكن في سني أحرص على أن أعي الحديث مني"(۱)

میں تین سال تک (ہمہ وقت) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہا میں نے اپنی عمر میں اپنے سے زیادہ حدیثوں کو یاد کرنے کا حریص (سرگرم شائق) اور کسی کو نہیں دیکھا۔

اتنے مختصر عہد میں جو روایتیں مدونینِ کتب حدیث کو ان سے پہنچی ہیں ان کی تعداد ۵۳۷۴ رہے نہ معلوم اور کتنی روایتیں ہوں گی جو مدونین کتب حدیث تک ان کے معیار کے مطابق نہ پہنچ سکیں جو یقیناً اس قدسی صحبت اور اس فنافی العلم کے جذبہ کی برکات تھیں، چنانچہ پورے آٹھ سو صحابہ وتابعین کو ان سے شرف تلمذ حاصل ہوا اور دین کا بہت بڑا حصہ تنہا انہی کی روایات سے امت کو پہنچا، یہی وجہ ہے کہ یورپ کے مستشرقین اور منکرین حدیث مستغربین اوران کے علاوہ اعداءِ اسلام کا سارا زور حضرت ابو ہریرہؓ پر طعن وتشنیع اور عیب چینی پر صرف ہورہا ہے، کہنا یہ ہے کہ آخر وہ کیا اسباب تھے جن کی بنا پر ان اصحاب صفہ کے فقر وافلاس کی حالت کو برداشت کیا گیا؟ اوران کو فکر معاش کی طرف کیوں متوجہ نہیں کیا گیا؟ کیوں ان کو زراعت یا صنعت وحرفت کی طرف رغبت نہیں دلائی گئی اور کیوں ان کے پیٹ بھرنے یا سدرمق کے لئے زکاۃ وصدقات کا انتظار کیا جاتا اور جب انتہائی مجبوری کی نوبت آجاتی اور فاقوں پر فاقے پڑنے لگتے تو حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہر ایک صحابی کو اربابِ صفہ میں سے ایک ایک نفر کو کھانا کھلانے کے لئے اپنے گھر لے جانے کا ارشاد فرماتے اور خود بھی دس دس افراد کو اپنے ہمراہ لے جایا کرتے تھے، اس لئے کہ ازواج مطہرات کی تعداد ۹ رتھی اور دسویں آپ تھے، اس لحاظ سے گویا طعام الواحد يكفى الاثنين کے اصول پر جو حدیث مرفوع میں مذکور ہے(۲)، خود بیوت نبی علیہ الصلاۃ والسلام میں عمل ہوتا تھا، یہ تو احادیث نبویہ علی صاحبہا الصلاۃ والسلام کے شواہد وبینات ہیں، اب ذرا قرآن کریم کا ارشاد بھی سنیئے:

﴿الَّذِيْنَ أُحْصِرُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللهِ لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ ضَرْباً فِي الْأَرْضِ يَحْسَبُهُمُ الْجَاهِلُ أَغْنِيَاء مِنَ التَّعَفُّفِ تَعْرِفُهُمْ بِسِيْمَاهُمْ لَا يَسْأَلُوْنَ النَّاسَ إِلْحَافاً﴾

[البقرة:۲۷۳]

وہ حاجت مند (تمہاری امداد واعانت کے مستحق ہیں) جو اللہ کی راہ میں (کسب معاش سے) روک دیئے گئے ہیں وہ (روزی حاصل کرنے کے لئے) روئے زمین میں (کہیں) جا آ نہیں سکتے، ناواقف آدمی تو ان

(۱) صحيح البخاري، كتاب المناقب، باب علامات النبوة في الاسلام ج:۱ ص:۵۰۷، ط: قديمي

(۲) صحيح البخاري، كتاب الاطعمة، باب طعام الواحديكفي الاثنين ج:۲ ص:۸۱۲، ط: قديمي

کے (سوال کرنے سے) بچنے کی وجہ سے ان کو مالدار گمان کرتے ہیں (لیکن) تم ان کے فقر وافلاس کو ان کے چہرہ بشرہ سے پہچان سکتے ہو، وہ لوگوں سے سوال ہی نہیں کرتے (کہ پیچھے پڑیں اور) اصرار کریں۔

مفسرین کا اتفاق ہے کہ یہ آیت کریمہ انہی نفوس قدسیہ کے بارے میں نازل ہوئی ہے جن کی زندگی کا مقصد وحید صرف تعلیم دین اور جہاد تھا۔

ٹھنڈے دل سے غور کرنے کا مقام ہے کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ صرف اس صورت حال کو قائم رکھا بلکہ اس کی تعریف وتوصیف وحی متلو میں بھی فرمائی، کیا یہ واضح وصاف دلیل اس کی نہیں ہے کہ امت میں کچھ افراد ایسے ہونے چاہئیں جن کی حیات طیبہ کلی طور پر علم دین کے لئے وقف ہو چکی ہو، اس مقدس مشغلہ کے علاوہ ان کا اور کوئی مشغلہ ہی نہ ہو، اب رہا یہ سوال کہ وہ کھائیں گے کہاں سے اور ضروریات معاش پوری کیسے کریں گے؟ تو قرآن حکیم کی تعلیمات اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے تعامل میں اس کا واضح جواب صرف یہی ملتا ہے کہ ان کی ضرورت کا تکفل اور خبر گیری امت محمدیہ کے ذمہ فرض ہے وہ اپنے صدقات وخیرات اور زکاۃ سے ان کی خدمت کرے گی۔ اسی لئے علم دین میں مہارت وخصوصیت فرض کفایہ ہے، فرض عین نہیں کہ ہر شخص کے بس کا یہ کام نہیں، اس کے بعد قابل غور یہ ہے کہ علم دین حاصل کرنے کے دو مقصد ہیں:

علم دین حاصل کرنے کا مقصد

① خود اپنی تکمیل یعنی صاحب کمال بننا اپنی دینی زندگی کو صلاح وتقویٰ سے آراستہ کرنا تاکہ فلاح وسعادت دارین سے خود بہرہ ور ہو سکے۔

② دوسروں کی خدمت کرنا اور ان کو سعادت دارین سے ہمکنار کرنا۔

لیکن اسی کے ساتھ ساتھ اگر کوئی عالم دین اپنی اور اپنے متعلقین کی ضروریات زندگی کے لئے محتاج کسب معاش ہے تو اسی معاش کے ذرائع اور صحیح وسائل اختیار کرنے میں کوئی عار نہیں ہونا چاہئے، کیا اسلام کے انتہائی مجد وعروج کے دور میں کبار امت نے معاشی ذرائع اختیار نہیں کئے؟ تفصیل کا یہ موقع نہیں۔

علماء کے مناصب

اب رہا یہ کہ علماء دین کے وہ مناصب کیا ہیں جن کے ذریعہ وہ مسلمانوں کی دینی خدمت انجام دے سکیں؟ اور مسلمانوں کی اجتماعی زندگی کے وہ کون سے شعبے ہیں جو ان کے سپرد ہونے چاہئیں؟ اس سوال کا جواب بالکل صاف ہے کہ اسلام کے عروج کے دور میں انہی علماء میں سے حسب اہلیت علماء خلافت، حکومت، احتساب، قضاء، افتاء، خطابت، تبلیغ دین، درس وتدریس، تصنیف وتالیف وغیرہ وغیرہ مناصب پر فائز تھے جب کہ علوم اسلامیہ میں دین ودنیا کی تفریق نہ تھی اور "رجال دین" و "رجال دنیا" کے درمیان کچھ زیادہ وسیع خلیج حائل نہ تھی اور

نہ کوئی بنیادی تفاوت موجود تھا، دنیا کے تمام کام دین کی تعلیمات کی روشنی میں انجام پاتے تھے، لیکن اس دور میں بھی اگر مسلمان اپنے دین اسلام سے بالکل بے نیاز اور بے تعلق نہ بنیں تو ان کے بچوں کے لئے تعلیم قرآن، ان کی مساجد کے لئے امام وخطیب ومؤذن، شب وروز کی زندگی میں پیش آنے والے معاملات میں شرعی احکام بتلانے کے لئے مفتیین اور علوم دینیہ۔قران وحدیث وفقہ۔کی حفاظت کے لئے معاہد دینیہ ومدارس اسلامیہ میں تدریس کے مناصب تواب بھی موجود ہیں، پھر علماء کی فکر معاش کا بہانہ بنا کر کیوں مدارس دینیہ کی مخالفت کی جاتی ہے؟ پاکستان کی دس کروڑ آبادی میں کل علماء وطلباء علم کی تعداد پچاس ہزار سے زیادہ نہیں اگر مدارس اسلامیہ کی تعداد تقریباً ۲۰۰۰ بھی ہوتو مساجد کی تعداد کم از کم ایک لاکھ ہے، اگر مسلمان اس امر کا عہد کریں کہ ہر مسجد کا امام وخطیب باقاعدہ مستند عالم ہوگا تو ان طلبہ وعلماء کی تعداد اس ایک ہی دینی ضرورت کو پورا نہیں کرسکتی، درس قرآن وتعلیم اطفال وتعلیم قرآن حفظ وناظرہ نیز تدریس علوم دینیہ وافتاء یعنی مدرسین ومفتیین مدارس اسلامیہ کی ضرورت اس کے علاوہ رہے گی، آخر اس مروجہ دنیوی تعلیم کا مقصد تو یہی ہے تاکہ پیٹ کی پرورش ہو سکے اور حکومت کا دفتری نظام چل سکے لیکن جس کثرت سے لڑکوں اور لڑکیوں کی عصری تعلیم کا زینہ ملک میں پھیل رہا ہے کیا اس کی نسبت سے سرکاری عہدے اور منصب اتنے ہیں کہ سب کو جگہ دی جاسکے؟ پھر اس تعلیم کی اتنی مخالفت کیوں نہیں کی جاتی جتنی علوم دینیہ اور علماء دین کی کی جارہی ہے؟ درحقیقت مسئلہ صرف دینی علماء وطلبہ کی معاش کا نہیں ہے بلکہ دنیوی علوم کے فارغ التحصیل طلبہ کی معاش کا مسئلہ اس سے بدرجہا مشکل ہے۔

ایسی صورت میں بڑے افسوس کا مقام ہے کہ جو افراد اللہ اور اس کے رسول علیہ الصلاۃ والسلام کے دین کی حفاظت کررہے ہیں اور امت محمدیہ کے لئے راہ سعادت ونجات کو محفوظ کررہے ہیں ان کو تو بیکار اور عضو معطل سمجھا جارہا ہے اور جن افراد کا معاشرہ میں صرف یہی مقام ہے کہ اپنے پیٹ بھرنے کی فکر کریں اور حکومت کی مشنری کو چلائیں ان کی قدردانی اور حوصلہ افزائی کی جارہی ہے! فیا للعجب و یا للأسف۔

اصل مشکل کا حل

دراصل اگر یہ علماء دین کی معاش کا مسئلہ کوئی مشکل ہے اور اس مشکل کو حل کرنا ضروری ہے تو اس کا حل صرف یہ ہے کہ حکومت کی وزارت تعلیم میٹرک تک کی تعلیم دینی اور دنیوی مشترک رکھے بلکہ میٹرک تک کی تعلیم کی بنیاد دینی تعلیم پر ہو اور عربی زبان کی تعلیم وتدریس لازمی وضروری ہو، تاکہ ایک میٹرک پاس طالب علم بھی بقدر ضرورت دونوں شعبوں کی خدمات انجام دے سکے، درحقیقت یہ مشکل خود حکومت نے اور اس کے غلط نظام تعلیم نے بلکہ برطانوی عہد کے ملعون طریقہ تعلیم نے پیدا کی ہے اور شومئی قسمت سے آج تک اسی قے کو ہم چاٹ رہے ہیں، مختصر یہ کہ اس معاملہ میں اگر قصور ہے تو صرف جدید نظام تعلیم کا ہے، اگر ابتدائی تعلیم سے لے کر میٹرک تک کی

تعلیم میں علم دین کا وافر حصہ شامل کرلیا جائے بلکہ زیادہ تر توجہ تعلیم دین پر ہی مرکوز ہو اور جدید حصہ پر توجہ ثانوی درجہ میں تو رجالِ دین اور رجالِ دنیا کی تفریق خود بخود ختم ہوجائے گی جس نے اس ملک کے معاشرے پر بہت برا اثر ڈالا ہوا ہے اور تکالیف وہ خلیج حائل ہوگئی ہے، اللھم اھد قومی فانھم لا یعلمون۔

[ربیع الثانی ۱۳۸۶ھ۔ اگست ۱۹۶۶ء]

اہل اللہ اور کشف والہام

گذشتہ رمضان المبارک ۱۳۹۱ھ کی غالباً ۱۳ر یا ۱۴ر تاریخ تھی تراویح اور وتر سے فارغ ہوکر راقم الحروف بیت اللہ کے سامنے مطاف کے کنارے حطیم کی جانب رکنِ شامی کی محاذات میں بیٹھا تھا اتنے میں چند احباب ومخلصین بھی آگئے اور ایک بزرگ جو مدینہ کے مہاجر ہیں تیس سال سے حرمین شریفین میں قیام پذیر ہیں بڑی اونچی باطنی نسبت کے مالک، بلکہ اربابِ قلوب کے حلقہ کے ایک فرد ہیں اور "قلندر ہرچہ گوید دیدہ گوید" والی جماعت میں شامل ہیں وہ بھی تشریف لائے سلسلۂ سخن شروع ہوا تو موصوف نے فرمایا:

"پاکستان کے چاروں طرف آگ ہی آگ ہے یہ ملک شدید ابتلاء میں ہے حق تعالیٰ کے غضب وانتقام کی صورت ہے (۱)، تمام اربابِ کشوف ومشاہدات پریشان ہیں دعاؤں میں مشغول ہیں، لیکن نجات کی صورت نظر نہیں آتی (۲) پھر فرمایا: "شاید آخر میں بچاؤ کی کوئی صورت نکل آئے"۔

اس قسم کی طویل گفتگو فرمائی جس سے پوری مجلس پر ایک خاص رقت طاری ہوگئی اور تمام حاضرینِ مجلس نے آبدیدہ ہوکر کعبہ شریف کے سامنے والہانہ انداز میں دعا کے لئے ہاتھ اٹھائے اور حق تعالیٰ سے گڑگڑا کر دعائیں کی۔

شوال میں میری مراجعت ہوئی تو یہاں وہی آگ لگ رہی تھی اور پھر تو وہ نقشہ سامنے آیا جو کبھی نہ دیکھا

---

(۱) اس کو "کشف" کہئے یا "فراست مومن" مگر اس میں شک نہیں کہ بعض خاصان خدا پیش آنے والے حالات کو اس وقت محسوس کر لیتے ہیں جبکہ ہم "اخبار بینوں" کو ان کا وہم وگمان بھی نہیں ہوتا۔ اس بزرگ کی مؤید ایک بات تبلیغی احباب سے سنی کہ حضرت مولانا محمد یوسف کاندھلوی امیر تبلیغ جب آخری مرتبہ (غالباً ۶۵ء میں) مشرقی پاکستان تشریف لے گئے تو بار بار فرماتے تھے: "مجھے یہاں چاروں طرف آگ کے شعلے بھڑکتے نظر آرہے ہیں" اور فرماتے تھے: "اس کا علاج صرف یہ ہے کہ امت میں سے "امت پنا" پیدا ہوجائے اور "امت پنا" جب پیدا ہوگا جب امت حضور صلی اللہ علیہ وسلم والے دعوت الی اللہ کے کام میں جڑے گی"۔ (مدیر)

(۲) وجہ اس کی یہ ہے کہ اجتماعی جرم میں اجتماعی جرم کی سزا انفرادی دعاؤں اور کوششوں سے نہیں ٹلتی حدیث میں آتا ہے کہ ایک زمانہ ایسا آئے گا کہ اللہ کا نیک اور مؤمن بندہ مسلمانوں کی جماعت کے لئے دعا کرے گا مگر قبول نہیں کی جائے گی اللہ تعالیٰ فرمائیں گے کہ تو اپنی ذات اور اپنے ذاتی امور کے لئے دعا کر میں قبول کرتا ہوں مگر پوری جماعت کے حق میں تیری دعا قبول نہیں کروں گا کیونکہ انہوں نے مجھے غصہ دلایا ہے (ابن مبارک: کتاب الرقاق ص: ۱۵۵، ۳۱۴) اجتماعی عذاب کے ٹلنے کی صورت صرف یہ ہے کہ پوری قوم توبہ وانابت کا راستہ اختیار کرے یا کم از کم تمام اخیار امت امت کی طرف سے نمائندے بن کر معذرت کریں جیسا کہ آگے آتا ہے۔ (مدیر)

تھا نہ سنا تھا، مشرقی پاکستان کا سقوط ہوا، لاکھوں جانیں اس بے دردی و بے رحمی سے ضائع ہوئیں کہ عقل حیران ہے، پاکستان کی ایک لاکھ بہادر ترین فوج کو قید بنالیا گیا، اور لاکھوں نہیں کروڑوں مسلمان اب بھی تڑپ رہے ہیں اور انہیں تڑپایا جارہا ہے جن کی نہ کوئی آہ و بکا سنتا ہے نہ داد نہ فریاد اور اسی پر بس نہیں، وہی آگ اب مغربی پاکستان میں بھڑک رہی ہے مسلمان مسلمان سے وہ سلوک کررہا ہے جس کے تصور ہی سے آدمی کانپ اٹھتا ہے، نفرت و بیزاری کے شعلے انسانی اخوت اور اسلامی برادری کو خاکستر کررہے ہیں اور پورا ملک یاس و نا امیدی اور پریشانی و سراسیمگی کی تاریک وادیوں کی طرف رواں دواں ہے:

''محوِ حیرت ہوں کہ دنیا کیا سے کیا ہو جائے گی''

مسلمانوں کا عروج و زوال

ماہ ربیع الاول ۱۳۹۲ھ کے ''بصائر و عبر'' میں جو کچھ عرض کیا گیا تھا وہ ہمارے نزدیک صورتِ حال کا صحیح مرقع تھا اور جو نازک دور ہم پر گذرا ہے اور ابھی گذر رہا ہے اس کا حقیقی جائزہ تھا، ہر صاحب بصیرت اس کو پڑھنے کے بعد دل کی گہرائیوں سے اس کی صحت و اصابت کا اعتراف کرے گا کہ جس عبرت ناک مقام پر ہم پہنچ گئے ہیں یہ سب کچھ ہمارے اعمال بد کا نتیجہ ہے[۱] اور یہ تو حق تعالیٰ کی رحمت اور اس کا احسان و کرم تھا ورنہ شاید ہم اس سے پہلے ہی تباہ و برباد ہو گئے ہوتے۔

بہر حال جو کچھ لکھا گیا تھا وہ اپنی بساط کے مطابق صورتِ حال کی ایک نا تمام تصویر تھی اتفاق سے ایک صاحب کا مکتوب اور اس سے منسلک ایک خواب موصول ہوا، خواب میں وہی کچھ تھا جو ہم آنکھوں سے دیکھتے اور عقل سے جانتے تھے اور جس کو اربابِ بصیرت اپنی فراست سے اور اربابِ کرامت و مکاشفات دل کی آنکھوں سے دیکھ رہے تھے، بعض مخلصین کی رائے ہوئی کہ جو کچھ ''بصائر و عبر'' میں تحریر کیا گیا ہے ایک رویائے صادقہ سے اس کی مزید تائید ہوتی ہے لہٰذا اس کو بھی شائع کردیا جائے، یہ خواب میرے ذہن سے نکل کر طاقِ نسیاں کی زینت بن چکا تھا یاد دلانے پر تلاش کیا، مل گیا اور شائع ہوا۔ الحمد للہ کہ پڑھنے والوں پر اس کا خاطر خواہ اثر ہوا اور بہت سے احباب نے خطوط میں اپنے تأثرات کا اظہار کیا۔

جیسا کہ ابھی عرض کیا ''بصائر و عبر'' میں جو کچھ عرض کیا گیا تھا اس خواب پر نہیں تھا یہ خواب نہ بھی ہوتا تب

---

(۱) اور اب تو ہم سب دنیا بھر کے سامنے برملا اعتراف کرتے ہیں اور بار بار کرتے ہیں کہ ہم سے کچھ سیاسی غلطیاں ہوئی ہیں اور واقعۃً ضرور ہوئی ہیں مگر اے کاش! ہم سب کو خدا تعالیٰ کے سامنے بھی اعتراف کرنے کی توفیق ہو جاتی کہ ہم سے صرف کچھ سیاسی غلطیاں نہیں بلکہ خدا تعالیٰ سے بغاوت، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عداوت اور اسلام سے نفرت کا بدترین جرم صادر ہوا ہے، نہ صرف یہ کہ ہم نے قدرت کے باوجود خدا اور رسول کا ایک بھی حکم اس ملک میں نافذ نہیں کیا بلکہ خدا تعالیٰ کے پاکیزہ دین کی ایک ایک بات کا مذاق اڑانے کو ترقی پسندانہ فیشن بنایا۔ (مدیر)

بھی صورتِ حال واضح تھی اور خواب وخیال کی سطح سے بالاتر سر کی آنکھوں سے اس کا مشاہدہ ہورہا تھا اس لئے نہ صورتِ حال کی تکذیب کی گنجائش تھی نہ خواب پر سوءِ ظن کا موقعہ تھا، لیکن بعض ناظرین کو خواہ مخواہ یہ خیال آیا کہ شاید یہ خواب بھی کچھ اسی نوعیت کا ہے جس طرح کسی زمانہ میں کوئی عیسائی شیطان شیخ احمد کے نام سے جھوٹے خواب شائع کیا کرتا تھا اگر کسی نے کسی زمانے میں کوئی جھوٹا خواب شائع کیا تو اس کے معنی یہ ہوئے کہ ہر سچا خواب بھی جھوٹا سمجھنا چاہئیے۔

اور ایک صاحب کو دوسرے صاحب سے کچھ زیادہ حسن ظن نہیں اور اتفاق سے ان کا ذکر اس مجلس میں دیکھا تو فوراً فیصلہ فرمادیا کہ یہ صحیح نہیں اس لئے کہ اس خواب میں فلاں صاحب کا ذکر ہے گویا اگر کسی میں کوئی عیب ہے (اور وہ بھی ہماری نظرِ قاصر میں) تو اس میں کسی خوبی کسی بھلائی اور کسی کمال کا امکان ہی سرے سے مفقود ہو گیا، یعنی ایک یا چند کمزوریوں سے تمام محاسن و کمالات سلب ہوجاتے ہیں، حق تعالیٰ نے مخلوق پر بڑا ہی احسان فرمایا کہ اسے علم غیب سے بے خبر رکھا، ورنہ نظامِ عالم تہ وبالا ہوجاتا، انسان اتنا کمزور اور کم حوصلہ واقع ہوا ہے کہ اسے کسی کا ایک عیب نظر آجائے تو اس کی خوبی پر اس کی نظر نہیں جاتی سارے محاسن اس کی نظر سے غائب ہوجاتے ہیں، حالانکہ حقیقت میں بے عیب کون ہے! بجز ذاتِ حضرتِ حق تعالیٰ شانہٗ کے اور بجز ان حضرات کے جن کو حق تعالیٰ نے شرف عصمت سے مشرف فرمایا ہے، کمزوریاں سب میں ہیں لیکن حق تعالیٰ کی مرضی اور اس کا حکم یہ ہے کہ انسان اپنے عیب کو دیکھے اور دوسروں کے کمال پر نظر رکھے اور ان کے عیب سے چشم پوشی کرے، اس سے تواضع، فروتنی، باہمی مودت اور اسلامی اخوت پیدا ہوگی، اس کے برعکس اگر انسان اپنی خوبیاں اور دوسروں کی کمزوریاں سامنے رکھے تو اس سے کبر ونخوت اور باہمی شقاق ونفاق کی راہ کھلے گی، خالق ہی جانتا ہے کہ اس نے اپنی کس کس مخلوق میں کیا کیا خوبیاں رکھی ہیں، حق تعالیٰ مخلوق کی خوبیاں دیکھتا ہے اور مخلوق مخلوق کی برائیوں کو دیکھتی ہے، حق تعالیٰ جو سب عیبوں سے پاک ہے وہ بندوں کے عیوب سے چشم پوشی اور درگذر فرماتا ہے اور بندہ ناتواں جو سراپا عیب ہے وہ دوسروں کی خوبیوں سے اغماض کرتا ہے، اگر ایک انسان میں متعدد برائیاں ہوں لیکن ساتھ ہی کوئی خوبی بھی ہو تو چاہئیے کہ اس خوبی کی قدر کی جائے اور برائیوں سے چشم پوشی کی جائے، قرآن کریم اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے یہی ارشاد ہیں۔

بسا اوقات خواب دیکھنے والے کی شخصیت معمولی ہوتی ہے لیکن خواب اونچا دیکھ لیتا ہے، بہر حال جب حقائق واضح ہیں اور صورتِ حال کا پورا نقشہ سامنے ہے تو جس خواب وخیال سے اس کی تصدیق ہو اس کی تکذیب کی کیا مجال ہے؟ (۱)

---

(۱) اور اگر کسی کو کسی سے سوءِ ظن ہی رکھنا ہو تب بھی اس خواب کو جھٹلانے کی ضرورت نہیں تھی وہ یہ تاویل کرسکتا تھا کہ اس خواب میں جس مجلس کا ذکر ہے وہ تہدید وتنبیہ کی مجلس تھی اور ایسی مجلس میں جہاں مقربین مخلصین کو طلب کیا جاتا ہے وہاں دوسری نوعیت کے افراد کو بھی حاضر کیا جاسکتا ہے۔ (مدیر)

مسلمانوں کے زوال کا سبب

بہر حال عرض یہ کرنا ہے کہ پاکستان ابھی تک شدید ابتلاء میں ہے اور جس عذاب کا نزول کچھ عرصہ پہلے مشرقی پاکستان سے شروع ہوا تھا وہ ابھی تک نہ مشرق میں تھما ہے نہ مغرب میں، اس کے ظاہری اور سطحی اسباب خواہ کتنے تلاش کر لئے جائیں مگر اس کا حقیقی اور بنیادی سبب صرف ایک ہے اور وہ ہے ہماری شامتِ اعمال اور ہماری بدعملیوں پر قہر خداوندی کا متوجہ ہونا۔ قرآن کریم میں ایک جگہ قہر الٰہی کے نازل ہونے کی تین شکلیں ذکر کی گئی ہیں:

① آسمانی عذاب مثلاً پتھر برسنا

② زمینی عذاب مثلاً زلزلے آنا اور زمین میں دھنس جانا

③ باہمی گروہ بندی، قتال اور جنگ و جدال، چنانچہ ارشاد ہے:

﴿قُلْ هُوَالْقَادِرُ عَلٰى اَنْ يَّبْعَثَ عَلَيْكُمْ عَذَابًا مِّنْ فَوْقِكُمْ اَوْ مِنْ تَحْتِ اَرْجُلِكُمْ اَوْ يَلْبِسَكُمْ شِيَعًا وَّ يُذِيْقَ بَعْضَكُمْ بَاْسَ بَعْضٍ اُنْظُرْ كَيْفَ نُصَرِّفُ الْاٰيٰتِ لَعَلَّهُمْ يَفْقَهُوْنَ﴾ [الانعام:٦٥]

آپ کہیئے! اس پر وہی قادر ہے کہ تم پر کوئی عذاب تمہارے اوپر سے بھیج دے یا تمہارے پاؤں تلے سے یا تم کو گروہ گروہ کر کے سب کو بھڑا دے اور تمہارے ایک کو دوسرے کی لڑائی کا مزا چکھا دے، آپ دیکھئے تو سہی ہم کس طرح مختلف پہلوؤں سے دلائل بیان کرتے ہیں شاید وہ سمجھ جاویں۔ (بیان القرآن)

احادیث طیبہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اس امت پر پہلی دو قسم کے عام عذاب اس طرح نازل نہیں ہوں گے کہ بعض پہلی امتوں کی طرح یہ پوری امت نیست و نابود کر دی جائے، البتہ تیسری قسم کے عذاب میں یہ امت مبتلا ہوگی۔ چنانچہ آج یہ امت بالخصوص ہمارا ملک اس عذاب کی لپیٹ میں ہے طبقاتی منافرت، صوبائی عصبیت، اور لسانی منافست کا دیو پوری قوم کو نگل رہا ہے، بھائی بھائی کے خون کا پیاسا ہے، افراتفری اور بے اعتمادی کی بدبودار فضا میں دم گھٹا جا رہا ہے۔

قہر الٰہی سے بچنے کا راستہ

ہر طرف سے ''انا و لا غیری'' (میں میں اور تو تو) کے نعرے بلند ہو رہے، اس سے بڑھ کر کسی قوم کے لئے اور کیا سزا ہو سکتی ہے؟ کوئی شک نہیں کہ اس قوم پر قہر الٰہی اور غضبِ خداوندی ٹوٹ پڑا ہے، یہ ہزار چیخے چلائے، سر پیٹے، واویلا کرے، لاکھ جتن کرے مگر جب تک اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس عذاب کو اٹھا لینے کا فیصلہ نہیں ہوگا یہ قوم کبھی گردابِ بلا سے نہیں نکل سکتی۔ ہم اس بھول میں ہیں کہ خدا تعالیٰ کو راضی کئے بغیر محض ہماری تقریروں سے، ہمارے نعروں سے، ہمارے اخباروں سے، ہمارے رسالوں سے، ہمارے ریڈیو اور ٹیلی ویژن

کے پروپیگنڈے سے، ہماری جمہوریت سے، ہماری اصلاحات سے، ہماری حکومتوں سے، ہماری قیادت سے، ہمارے عوامی شعور سے، ہمارے قومی تدبر سے فضا بدل جائے گی، ہوا کا رخ پلٹ جائے گا، طوفان کا دھارا مڑ جائے گا، نفرت کا دھواں چھٹ جائے گا، انتشار و افتراق کا آتش فشاں سرد ہو جائے گا، اور ہم صرف اپنی ناکارہ تدبیروں سے حالات پر قابو پالینے میں کامیاب ہو جائیں گے۔ اگر ہماری خوش فہمیوں سے حالات بدل جاتے تو اب تک کبھی کے بدل گئے ہوتے مگر حق تعالیٰ کا فیصلہ یہ ہے ﴿ان الله لا یهدی القوم الفا سقین﴾ (بے شک اللہ تعالیٰ راہ نہیں سمجھاتا بدکار قوم کو) جب تک معاشرے پر فسق و بدکاری کا غلبہ مسلط ہے ہمیں کبھی فلاح و بہبود کا راستہ نہیں مل سکتا بلکہ جو تدبیر ہوگی الٹی ہوگی، ہم ان صفحات میں بار بار کہہ چکے ہیں اور پھر کہتے ہیں کہ اس قہر الٰہی سے بچنے کا صرف ایک ہی راستہ ہے وہ یہ کہ ہم توبہ و انابت سے اللہ تعالیٰ کو راضی کریں اور اللہ تعالیٰ سے ہم نے جو معاملہ بگاڑ لیا ہے اس کی اصلاح کریں مگر افسوس اور بے حد افسوس کا مقام ہے کہ عوام تو عوام خواص کو بھی اس صدائے جرس پر کان دھرنے کی فرصت نہیں ہوئی، نہ اس کے لئے کوئی تحریک پیدا ہوئی۔

امت کی نجات اور عذاب سے چھٹکارے کی تدبیر

میرے ایک مخلص دوست اور صالح عالم ابھی چند دن ہوئے یہاں تشریف لائے تھے، موصوف نے اپنے ایک وارد قلبی کا ذکر فرمایا اور نماز پڑھتے وقت کچھ معمولی غنودگی کی حالت میں ان پر جو کیفیت طاری ہوئی اتفاق سے اس کا ذکر بھی آیا، موصوف کی عادت بے حد اخفاء کی ہے مگر اتفاقیہ زبان سے کچھ بات نکل گئی اور ہمارے اصرار پر انہیں اس کی تفصیل بیان کرنا پڑی جس سے محسوس ہوا کہ وہ ایک پیغام ہے اور اس میں امت کی نجات اور اس عذاب سے رستگاری کی ایک تدبیر ہے اور اوپر عذاب الٰہی اس کے اسباب اور اس کی تدبیر کے سلسلہ میں جو کچھ عرض کیا گیا اس کی مزید تصدیق ہوئی، ہماری فرمائش پر موصوف نے اسے قلمبند کر دیا ہے، ذیل میں ان کی تحریر پیش کرتا ہوں وہ فرماتے ہیں۔

بسم الله الرحمن الرحيم

نحمده و نصلی علی رسوله الکريم

سقوط پاکستان کا صدمہ اتنا شدید تھا کہ آنسو تھمتے نہ تھے سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ کیا ہوگا اسی غم و فکر میں قلب پر وارد ہوا کہ:

"قوم (مسلمانانِ پاکستان) من حیث القوم نقض عہد کی مرتکب ہوئی ہے، یہ اس کا نتیجہ ہے، ہندو پاک کے مسلمانوں نے تحریکِ پاکستان کے دوران ۱۹۴۶ء میں پاکستان کی حمایت میں اس لئے ووٹ دیا تھا کہ پاکستان ایک مثالی اسلامی مملکت ہوگی جس میں احکام الٰہی

کا اجراء اور شریعت اسلامیہ کا نفاذ ہوگا، اللہ تعالیٰ نے چوتھائی صدی تک مہلت دی لیکن اس مہلت سے کوئی فائدہ نہ اٹھایا گیا بلکہ جب ۱۹۷۰ء کے الیکشن میں قوم نے مشرقی پاکستان میں تقریباً سو فیصد اور مغربی پاکستان میں بھاری اکثریت کے ساتھ ان جماعتوں اور افراد کو ووٹ دے کر جو اصلاً شریعت کے نفاذ اور نظامِ اسلامی کے قیام کے داعی نہ تھے بلکہ نیشنلزم، سوشلزم اور دیگر غیر اسلامی نظاموں کے نمائندے تھے، کھلا اظہار و اعلان کر دیا کہ اللہ تعالیٰ سے جس عہد پر ملک لیا گیا تھا وہ اب باقی نہیں رہا اور قوم من حیث القوم اپنے عہد سے پھر گئی ہے تو اس نقضِ عہد کی بناء پر عتاب اور تنبیہ الٰہی کی مورد بن گئی ہے۔''

اس ''وارد'' کے بعد طبیعت مزید پریشان و مضمحل ہوگئی، دل بیٹھا جاتا تھا اور سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ اب اس نقضِ عہد پر نازل شدہ عتابِ الٰہی اور تنبیہ خداوندی کا کیا مداوا کیا جائے اسی پریشانی میں تھا (اور یہ سقوط ڈھاکہ کا غالباً دوسرا دن تھا) کہ مغرب کی سنتوں میں تھا کہ یک غنودگی سی (بین النوم والیقظہ کی حالت) طاری ہوگئی اور بارگاہِ رسالت (روحی فداہ) صلی اللہ علیہ وسلم سے ارشاد ہوا کہ:

''سوائے توبہ وانابت کے بچنے کی کوئی دوسری راہ نہیں، پھر یہ آیت تلاوت فرمائی:

﴿ تُوْبُوْا اِلَى اللهِ جَمِيْعًا اَيُّهَ الْمُؤْمِنُوْنَ ﴾ [النور: ۳۱]

میرے دل میں آیا کہ امت اور مسلمانانِ پاکستان جس غفلت میں ہیں وہ سب کے سب کیسے تائب اور اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کر سکتے ہیں۔

ارشاد ہوا:

''اس کی یہ صورت ہو سکتی ہے کہ دیندار طبقہ پوری امت کی طرف سے نیابۃً توبہ کرے اور ان میں سے ہر شخص اپنے دل کو امت کا دل سمجھ کر دل سے تائب ہو اور انابت اختیار کرے''۔

پھر توبہ و استعانت کے لئے دعائے قنوت کے ابتدائی تین الفاظ پڑھے:

''اللّٰهم انا نستعينك ونستغفرك ونؤ من بك''

والله أعلم بالصواب

جس کا مطلب اسی حالت میں فقیر یہ سمجھا کہ اللہ تعالیٰ سے مدد کے لئے استغفارِ حقیقی اور تجدید ایمان کی ضرورت ہے (جس میں اس عہد کی تجدید بھی آ جاتی کہ ہم پاکستان میں صحیح اسلامی احکامِ شریعت کا اجراء اور دینی معاشرہ کو بپا کریں گے۔

بہر حال حاصلِ کلام یہ ہے کہ اس وقت اللہ تعالیٰ کے عتاب کو اسی صورت میں روکا جا سکتا ہے کہ پوری امت یا کم ازکم ان کی طرف سے نیابۃً دیندار طبقہ انابت وتوبہ کی راہ اختیار کرے، اور پھر سے عزم بالجزم کرے کہ جومملکت اسلام کے نام پر لی گئی ہے اسے اسلام ہی کے بے مثل و بے مثال نظام کا گہوارہ بنایا جائے گا۔

واللہ اعلم بحقیقۃ الحال، واللہ اعلم وعلمہ اتم

توبہ واستغفار کے جوفضائل وبرکات قرآن وحدیث میں آئے ہیں اس وقت ان کا ذکر مقصود نہیں اور الحمد للہ کہ اہل دین مسلمان ان سے کچھ ایسے بے خبر بھی نہیں، حق تعالیٰ کے غضب وعتاب سے بچنے کے لئے توبہ واستغفار کی اہمیت تو ظاہر ہے لیکن جس طرح اپنے گناہوں سے توبہ کرنا ضروری ہے ٹھیک اسی طرح حق تعالیٰ کی نعمتوں کا شکریہ ادا کرنے میں جو امت تقصیر کر رہی ہے اس کے لئے بھی استغفار ضروری ہے، نیز یہ بھی ظاہر ہے کہ تمام امت جس غفلت اور غیر اسلامی زندگی میں مبتلا ہے ان سب سے یہ توقع رکھنا کہ سب کے سب غیر اسلامی زندگی اور بدعقیدگی وبدعملی سے تائب ہو جائیں گے صرف حق تعالیٰ کی قدرت میں تو ہے کہ ایک ہی آن میں تمام امت صالح بن جائے (اس کا ایک ادنی سا نمونہ ۶۵ء میں اللہ تعالیٰ نے دکھلا بھی دیا اور اس کی برکات وثمرات بھی دکھلا دیے) مگر عالم اسباب میں مشکل ہے، البتہ جو صورت ممکن اور آسان ہے وہ یہ ہے کہ اہل دین اور اہل درد تمام امت کا درد لے کر اٹھ کھڑے ہوں اور امت کی فکر کو اپنی فکر بنا کر دعوت واصلاح کے کام پر اپنی توانائیاں صرف کر دیں اور رو رو کر اللہ تعالیٰ سے امت کی ہدایت وفلاح مانگیں تو حق تعالیٰ کی رحمت سے امید ہے کہ وہ امت کی نجات کا فیصلہ فرما دیں گے، نیز اربابِ تقویٰ وصالحین اور وہ عام مسلمان جن کے دلوں میں اللہ تعالیٰ کا خوف موجود ہے اور جو فرائض کی ادائیگی میں تقصیر نہیں کرتے ایسے لوگ تمام امت کی طرف سے نیابۃً اور اپنی طرف سے اصالۃً انفرادی واجتماعی دونوں طرح استغفار کریں۔

حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع کے موقعہ پر مزدلفہ میں رات گذارنے کے بعد صبح کو حضرت بلالؓ سے ارشاد فرمایا:

”یا بلال اسکت اوقال انصت الناس، ثم قال ان اللہ تطول علیکم فی جمعکم هذا فوهب مسیئکم لمحسنکم واعطی محسنکم ما سأل فادفعوا باسم اللہ“(۱)

اے بلال! لوگوں کو خاموش کراؤ (جب لوگ متوجہ ہو گئے تو) ارشاد فرمایا: اللہ تعالیٰ نے تم پر اس مزدلفہ کی وادی میں ایک بڑا انعام واحسان فرمایا کہ تمہارے گنہگاروں کو تمہارے نیکوکاروں کی وجہ سے بخش دیا اور

(۱) سنن ابن ماجه، ابواب المناسك، باب الوقوف بجمع ص: ۲۱۷، ط: قدیمی

نیکوکاروں نے جو مانگا سو ان کو دیا پس اللہ کا نام لے کر چلو۔(۱)

اس حدیث سے توقع ہوتی ہے کہ راستہ اب بھی کھلا ہے کہ صالحین کی وجہ سے بدکرداروں کو معافی ہو جائے خصوصاً جب صالحین اپنے تقصیر کرنے والے بھائیوں کی طرف سے بارگاہِ قدس میں معذرت پیش کریں اور ان کی طرف سے معافی مانگیں برادرِ موصوف کے مکاشفے میں جو حکم دیا گیا ہے وہ بھی اسی نوعیت کا ہے(۲) اور ہمارے شیخ سعدی رحمہ اللہ تو بہت پہلے فرما چکے ہیں:

"بداں را بہ نیکاں بخشد کریم"

اب ضرورت اس کی ہے کہ جس شخص کو حق تعالیٰ نے شب خیزی کی دولت عطا فرما کر ﴿وَالْمُسْتَغْفِرِيْنَ بِالْأَسْحَارِ﴾ [آل عمران:۱۷] سحر کے وقت استغفار کرنے والوں کی صف میں داخل فرمایا ہے، اس کو نہایت

---

(۱) اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کی روایت میں اس سے زیادہ تفصیل ہے، وہ فرماتے ہیں کہ عرفہ کی شام کو آنحضرت ﷺ نے ہمیں خطبہ دیا اس میں ارشاد فرمایا کہ ''اے لوگو! اللہ تعالیٰ نے تم پر تمہارے اس مقام (وقوفِ عرفات) میں بہت ہی بڑا احسان فرمایا کہ تمہارے نیکوکاروں سے (ان کی طاعات وعبادات) کو قبول فرمایا، نیکوکاروں نے جو مانگا سو ان کو دیا اور تمہارے نیکوکاروں کی بدولت تمہارے گنہگاروں کو بخش دیا بجز تمہارے باہمی حقوق کے (کہ اگر کسی کے مال، جان یا عزت وآبرو کی حق تلفی کسی کے ذمہ ہوگی اس کی معافی کا وعدہ نہیں بلکہ ظالم سے مظلوم کا بدلہ بہر صورت لیا جائے گا) بس اب اللہ کا نام لے کر (عرفات سے مزدلفہ) چلو۔'' اور جب مزدلفہ کی صبح ہوئی تو فرمایا: ''اے لوگو! اللہ تعالیٰ نے تمہارے اس مقام (وقوفِ مزدلفہ) میں تم پر بہت بڑا احسان فرمایا کہ تمہارے نیکوکاروں سے (ان کی طاعت وعبادات کو) قبول فرمالیا، تمہارے نیکوکاروں کو منہ مانگا عطا کیا اور تمہارے نیکوکاروں کی بدولت تمہارے گنہگاروں کو بھی (بغیر سزا کے یا سزا میں تخفیف کر کے) معاف کر دینے کا وعدہ فرمایا اور تمہاری باہمی حق تلفیوں کا معاوضہ اپنے پاس سے ادا (کرنے کا وعدہ) فرمایا بس اب اللہ کا نام لے کر (منیٰ کی طرف) چلو، صحابہؓ نے عرض کیا: یا رسول اللہ! کل شام تو آپ ہمیں بہت ہی فکرمند اور غمگین لائے تھے اور آج مسرت وشادمانی کی حالت میں لے جا رہے ہیں؟ فرمایا: ''کل میں نے اپنے رب سے ایک چیز کی درخواست کی تھی مگر قبول نہیں فرمائی، میں نے درخواست کی تھی کہ (بندوں کے جو) تاوان (ایک دوسرے کے ذمہ ہیں ان کی (بھی) معافی ہو جائے مگر انکار فرمادیا، پھر آج (میں نے دوبارہ الحاح وزاری کے ساتھ درخواست کی تو) جبریل (علیہ السلام) میرے پاس آئے اور کہا کہ آپ کا پروردگار آپ کو سلام کہتا ہے، فرماتا ہے کہ میں تاوانوں کی ضمانت لیتا ہوں تاوان اپنے پاس سے ادا کروں گا۔'' [زرقانی شرح مواهب، ج:۸ص:۱۸۵] (مدیر)

(۲) اور اس کی حقیقت شفاعت اور سفارش ہے یعنی نیکوکار حضرات گناہ گاروں کی شفاعت کے لیے ہاتھ اٹھائیں، خود اپنے کو پاک نہیں بلکہ قصوروار سمجھتے ہوئے اپنے ساتھ تمام گناہ گاروں کی طرف سے معذرت کریں اور ساری گناہ گار امت کی طرف سے نمائندہ بن کر اپنی اور سب کی خطاؤں کا اس طرح اقرار واعتراف کریں گویا وہ ساری امت کے گناہوں کی ذمہ داری اپنے سر لے کر سب کی طرف سے توبہ کرتے ہیں اور معافی کے خواستگار ہیں، آخرت میں باذن خداوندی انبیاء، صدیقین، صالحین اور ملائکہ کا گناہ گاروں کی شفاعت کرنا قرآن وحدیث کی نصوص قطعیہ سے ثابت ہے اور دنیا کے عذاب سے رستگاری کے لیے شفاعت کے بھی بہت سے نظائر نصوص میں موجود ہیں، چنانچہ ان ستر افراد کے لیے جو ایک بے ادبی کی پاداش میں ہلاک کر دیے گئے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دعا اور سفارش کرنے کا واقعہ قرآن مجید میں کئی جگہ مذکور ہے، الغرض یہ مکاشفہ نصوص شرعیہ کے مطابق ہے اور اس پر کوئی علمی اشکال نہیں، نہ اس پر مدار ہے، واللہ اعلم۔ (مدیر)

تضرع اور عاجزی کے ساتھ گڑگڑا کر آخر شب میں اس توبہ کو معمول بنانا چاہئے اور جن کو حق تعالیٰ نے پنج وقتہ نماز کی توفیق نصیب فرمائی ہے وہ نمازوں کے بعد اس کو معمول بنائیں اور بہتر ہوگا کہ جمعہ کے مبارک دن نماز جمعہ کے بعد اجتماعی طور پر توبہ و استغفار کریں۔

اللہ کے دربار میں عجز و انکساری سے دعا کی ضرورت ہے

بلاشبہ ''دعا'' میں عاجزی، تضرع اور حضور قلب مطلوب ہے اور توبہ کے الفاظ ایسے ہوں جن سے دل پر رقت کی کیفیت طاری ہو، اس لئے ان پاکیزہ دعاؤں کے علاوہ، جو بارگاہ نبوت سے ارشاد ہوئی ہیں ہر شخص اپنے ضمیر کے مطابق اپنی زبان میں توبہ و استغفار کے ایسے الفاظ بھی استعمال کرے جن سے دل متاثر ہو اور دل کا سوز و گداز آنکھوں کے آنسوؤں کی شکل میں بہہ نکلے، لیکن بسا اوقات عوام کے لئے منضبط الفاظ میں دعا کرنا خصوصاً جب اجتماعی شکل میں دعا کی جائے زیادہ مفید ہوتا ہے، اس لئے خیر خواہی کے جذبے کے پیش نظر جو کلمات خیال ناقص میں آئے انہیں اخبارات میں شائع کرادیا اور ''بصائر و عبر'' کے صفحات میں بھی شائع کرنا مفید معلوم ہوتا ہے، بہتر ہوگا کہ پہلے سورۂ فاتحہ پڑھی جائے پھر درود شریف اور دعائے قنوت پڑھ کر بارگاہ ارحم الراحمین میں ہاتھ پھیلا کر نہایت توجہ اور حضور قلب کے ساتھ حسب ذیل الفاظ میں دعا کی جائے۔

''اے ارحم الراحمین! ہم گنہگار ہیں، بدکردار ہیں، خطاکار ہیں لیکن تیرے بندے ہیں اور تیرے رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کے امتی ہیں ہم نے تجھ سے پاکستان اس لئے مانگا تھا کہ تیرے قانون رحمت و عدالت کے سرچشمے اس سرزمین میں جاری ہوں اور امت مرحومہ اس سے سیراب و شفایاب ہو اور ہم تیرے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے بتلائے طریقوں پر عمل پیرا ہوکر اسلام کا بول بالا کریں۔

اے اللہ! ہم نے نافرمانی کی، بدعہدی کی، بغاوت کی، مملکت کا ایک بڑا حصہ ہم سے لے لیا گیا، اے اللہ! اس پر بھی ہماری آنکھیں نہ کھلیں اب عالم یہ ہے کہ ہم میں نہ اسلامی اخوت ہے اور نہ ہمدردی، بھائی بھائی کے خون کا پیاسا اور جانی دشمن ہے، ہم نے وہ کام کئے ہیں جن سے درندے اور بھیڑیئے بھی پناہ مانگیں۔

اے ارحم الراحمین! تو ہی ہمارا ملجا اور تو ہی ہمارا مددگار ہے، ہم اپنی نافرمانیوں، اپنی بغاوتوں، اپنی بداعمالیوں سے اور جو کچھ ہم نے کیا ہے اس سے سچے دل سے توبہ کرتے ہیں۔

اے ارحم الراحمین! اپنے حبیب پاک رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کے صدقہ ہم گنہگاروں کو معاف فرما اور اپنی مرضیات کی توفیق ارزانی فرما، راعی ورعایا دونوں کو دین اسلام پر چلنے کی توفیق مرحمت فرما جو تیرا آخری پیغام نجات ہے۔

یا ارحم الراحمین! ہم سب مسلمانوں کے درمیان الفت و محبت پیدا فرمایئے اور ہمارے دشمنوں اور

بدخواہوں کے شر سے ہمیں نیز ہمارے ملک کو بچایئے ﴿بِيَدِكَ الْخَيْرُ اِنَّكَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ﴾[آل عمران:۲۶] اس آیت کی تکرار کم سے کم تین بار کی جائے۔

اے ارحم الراحمین! تیرا رحم وکرم ہمارے اعمال سے اور تیری مغفرت ہمارے گناہوں سے کہیں زیادہ ہے، تیرے کرم کے سامنے ہمارے گناہ بالکل حقیر ہیں۔

توبہ! توبہ! اے اللہ! ہمیں معاف فرما ہم تیرے ہی بندے ہیں تجھ ہی پر ایمان رکھتے ہیں اور تجھ ہی سے مغفرت چاہتے ہیں، ﴿رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَا اِنْ نَّسِيْنَا اَوْ اَخْطَاْنَا رَبَّنَا وَ لَا تَحْمِلْ عَلَيْنَا اِصْرًا كَمَا حَمَلْتَهٗ عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِنَا رَبَّنَا وَ لَا تُحَمِّلْنَا مَا لَا طَاقَةَ لَنَا بِهٖ وَاعْفُ عَنَّا وَاغْفِرْ لَنَا وَارْحَمْنَا اَنْتَ مَوْلٰنَا فَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ﴾[بقرۃ:۲۸۶]

دعا کے بعد الحمد للہ رب العالمین کہہ کر درود شریف تنجینا پڑھا جائے جو درج ذیل ہے:

اللھم صل علی سیدنا ومولانا محمد صلاۃ تنجینا بھا من جمیع الاھوال والآفات وتقضی لنا جمیع الحاجات وتطھرنا بھا من جمیع السیئات و ترفعنا بھا عندك اعلی الدرجات وتبلغنا اقصی الغایات من جمیع الخیرات فی الحیاۃ و بعد الممات انك علی كل شیء قدیر.

[شعبان المعظم ۱۳۹۲ھ-اکتوبر ۱۹۷۲ء]

اخلاص اور تصحیح نیت

انسان اس کا مکلف ہے کہ وہ اپنی قدرت، اپنے علم، اپنی فہم، اپنی صلاحیت اور اپنی صوابدید کے مطابق قدم اٹھائے، انسان کی مسئولیت یہی ہے، کامیابی وناکامی اس کے اختیار سے بالاتر ہے کہا جاتا ہے "السعی منی والاتمام من اللہ" یعنی کوشش کرنا میرا فرض ہے باقی تکمیل تک پہنچانا یہ حق تعالیٰ کا کام ہے، نتیجہ ہمیشہ حق تعالیٰ کے قبضہ قدرت میں رہتا ہے، اس کی تکوینی مصلحت وحکمت کا جو تقاضا ہوگا وہی ہوگا۔ اختیار تمام تر اللہ تعالیٰ کا ہے نیز انسان اس کا مکلف ہے کہ جو کام کرے وہ اخلاص سے کرے یعنی پہلے یہ سوچ لے کہ حق تعالیٰ کی مرضی کیا ہے، مقصد رضائے الٰہی ہو نفسانی خواہش نہ ہو، یہ مرحلہ بہت باریک اور بہت مشکل ہے، پہلے تو نفسیاتی مکائد کی وجہ سے اور شیطانی دسائس اور وساوس کی وجہ سے نفسانی خواہشات کا تجزیہ کرنا ہی بہت مشکل ہے" کارے دارد" کسی مقصد کا ایسا تجزیہ کرنا کہ رضائے الٰہی کتنی ہے اور نفس کی خواہش کتنی ہے آسان نہیں، پھر نفسانی خواہش کو یک قلم چھوڑ کر حق تعالیٰ کی خوشنودی ہی منزل مقصود ہو بڑا کٹھن مرحلہ ہے، بسا اوقات مقصد صحیح ہوتا ہے عمل درست ہوتا ہے لیکن نیت صحیح نہیں ہوتی بلکہ نفس کا کھوٹ اور دنیا کا کوئی مقصد اس میں شامل ہو جاتا ہے جس سے وہ سارا عمل بیکار ہو جاتا ہے،

شیطان لعین جو انسان کا "عدوٌّ مُّبین" ہے اس کا کام یہ ہوتا ہے کہ کسی طرح اگر وہ نیک کام نہیں چھڑا سکتا ہے تو کم از کم اس کو دنیا کی کسی غایت وغرض سے ملوث کر دیتا ہے اور آدمی ﴿يَحْسَبُوْنَ اَنَّهُمْ يُحْسِنُوْنَ صُنْعًا﴾ [کہف:۱۰۴] یعنی وہ گمان کرتے ہیں کہ ہم تو اچھا کام کرتے ہیں، کا مصداق بن جاتا ہے اور اس طرح وہ صحیح مقصد اور صحیح عمل کی برکات سے محروم ہوجاتا ہے، بہرحال پہلے یہ سوچنا کہ کام صحیح بھی ہے یا نہیں، پھر اس میں صحیح قدم رکھنا دنیا کی کسی وجاہت وعزت، حب جاہ یا حب مال کا ذریعہ تو نہیں ان مراحل سے گزرنا بے حد مشکل ہے:

"چو گل بسیار شد پیلان بلغزند"

یہ محض توفیقِ الٰہی سے نصیب ہوتا ہے، اس کی دینی تدابیر یہ ہیں کہ انسان بارگاہ ربوبیت میں نہایت عاجزانہ انداز سے التجاء کرے اور والہانہ دعائیں کرتا رہے۔ ارباب عقل وتجربہ اور صالحین سے مشورہ کرے، استخارہ کرے، غرض پھونک پھونک کر کے قدم رکھے اور پھر بھی یہ خطرہ پیش نظر رہے کہ ممکن ہے میری رائے یا میرا عمل صحیح نہ ہو تب جا کر کہیں مسئولیت کا حق ادا ہوگا۔ بہرحال اس مرحلے پر پہنچ کر اس کا فرض ادا ہوگیا آگے یہ ضروری نہیں کہ وہ کام تکمیل تک پہنچ بھی جائے، یہ کام حق تعالیٰ کا ہے۔

اس دنیا میں حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوات والسلام تشریف لائے، ان کے تقدس واخلاص اور ان کے فضائل وکمالات کا کیا کہنا، انسانیت کا انتہائی معراج کمال، خدا پرستی کا انتہائی عروج، خداترسی کی سب سے بڑی بلندی یہ ادنی سے ادنی نبوت کا خاصہ ہے (ولیس منهم دنیّ) اس کی رہنمائی اور اس کی توفیق کا سلسلہ حق تعالیٰ سے براہ راست بلا واسطہ قائم ہوتا ہے (وَمَا رَمَيْتَ اِذْ رَمَيْتَ) کے منصب سے ان کو سرفراز کیا جاتا ہے، کوئی قدم بھی منشا الٰہی کے خلاف نہیں اٹھ سکتا جس کو ہم ظاہر میں غلط سمجھیں وہ بھی حق تعالیٰ کے تکوینی نظام کا عین مقتضاء ہوتا ہے، اگر کوئی ظاہری عتاب بھی ہوتا ہے تو وہ بھی کسی منشاء الٰہی کو پورا کرتا ہے، بہرحال وہ نفس کی خواہشات سے بالاتر ہو کر معصومیت کی معراج پر پہنچ چکا ہوتا ہے (بی یبصر وبی یسمع) وہ میرے دکھائے دیکھتا ہے اور میرے سنائے سنتا ہے) کے مقامات طے کرتا ہے۔ امت محمدیہ کے اولیاء اللہ کو یہ کمال جب حاصل ہوجاتا ہے تو حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوۃ والسلام کے مراتب کمال کا تو کیا ٹھکانا ہے لیکن ان تمام کمالات کے باوجود دنیا میں جس مقصد کے لئے وہ مبعوث ہوتے ہیں اس میں کوئی کامیاب ہوتا ہے اور کوئی بظاہر کامیاب دکھائی نہیں دیتا لیکن ان میں جو بظاہر ناکام نظر آتے ہیں درحقیقت وہ بھی کامیاب ہی ہیں اس لئے کہ انہوں نے اپنی مسئولیت پوری کردی مقصود رضائے الٰہی تھی وہ حاصل ہوگئی۔

کسی جماعت سے اتحاد کے لئے شرائط

بہرحال اگر مقصد ہمارا صحیح ہے اور بہت غور وخوض اور دینی تدابیر کے بعد یہ فیصلہ کیا گیا کہ اس طرح یہ

کام انجام تک پہنچانا ہے اور مقصد حق تعالیٰ کی خوشنودی ہے اور ملک وملت کی خدمت بھی حق تعالیٰ کی رضا کے لئے کرنی ہے تو جادۂ حق سے کسی وقت بھی ہمارے قدم ڈگمگانے نہیں چاہئیں کوئی ساتھ دے یا نہ دے، محض تکثیرِ سواد کی خاطر تا کہ جماعت قوی ہو جائے ایسے افراد یا جماعتوں سے معاہدہ کرنا جن کا ماضی داغدار ہے یا شرعی معیار پر ان میں نقائص موجود ہیں یا جن کا مقصد محض سیاسی اقتدار وزعامت ہے اور ان معاہدوں سے ان کی دینی غلطیوں پر پردہ پڑ جانے اور آئندہ نسل پر ان کا دینی مسلک مشتبہ ہو جانے کا اندیشہ ہو تو یہ کہاں تک درست ہوگا؟ کسی جماعت کے پاس تنظیم ہے، مال ودولت ہے، رائے عامہ کو ہموار کرنے کے لئے بے شمار وسائل ہیں ان کے ساتھ معاہدہ کرنا صرف اس لئے کہ ضرور کامیابی ہوگی شرعاً یہ اقدام کہاں تک صحیح ہوگا؟

اس وقت علماءِ کرام کی جماعتوں میں آراء کا اختلاف بھی ہے اور طریقۂ کار کا اختلاف بھی ہے، لیکن الحمدللہ کہ مقصد ایک ہے وہ باطل اور اہلِ باطل کی سرکوبی ہے اس لئے عوام کو یہ اختلاف برداشت کرنا چاہیئے لیکن جو چیز ہر وقت پیش نظر رہنی چاہیئے وہ یہ ہے کہ ہر جماعت کو اپنی قوت حاصل کرنے کے پیش نظر کوئی قدم ایسا نہیں اٹھانا چاہیئے جس سے باطل کو (غیر شعوری ہی سہی) تائید حاصل ہو اور (اِثْمُهُمَآ اَكْبَرُ مِنْ نَّفْعِهِمَا) یعنی نفع سے نقصان زیادہ ہو، کا مصداق بن جائے ہم اس کے مکلف ہی نہیں کہ دنیا کی معروف کامیابی سے سرفرازی ہو ہم اس کے مکلف ہیں کہ قدم صحیح اٹھائیں چاہے متعارف کامیابی ہو یا نہ ہو۔

یہ مقصد نہیں کہ صحیح اور جائز، معقول اور مؤثر تدابیر اختیار کرنے میں کوتاہی کی جائے اس کے لئے جو ممکن جدوجہد ہو اس میں کوئی کوتاہی نہیں ہونی چاہیئے۔

یہ مقصد بھی نہیں کہ اسلامی جماعتوں کے اتحاد کی کوشش سے گریز کیا جائے بلکہ مقصد یہ ہے کہ جہاں تک ممکن ہو اختلاف اگر ختم نہ ہو سکے تو اسے کم سے کم کرنے کی کوشش کی جائے لیکن اتحاد کے لئے سب سے اہم شرط دین اور مسلک کا اتحاد ہے، یہ معاہدات بھی ایسے ہیں جیسے شرعی معاہدہ عقدِ نکاح ہوتا ہے۔ حدیث میں آتا ہے کہ نکاح میں چار باتوں کا خیال عموماً کیا جاتا ہے۔ مال یا حسن وجمال یا دنیوی شرافت وجاہ یا دین، حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: "تنكح المرأة لأربع لمالها ولحسبها وجمالها ولدينها" پھر فرمایا "فاظفر بذات الدين" یعنی دین ہی کی جہت کو اپنی ظفر و کامیابی سمجھو۔(۱)

درحقیقت نبوت کی زبانِ فیض ترجمان سے ایک اصولی بات معلوم ہوئی کہ تمام ظاہری محاسن حسن وجمال ثروت ومال یا وجاہت ومنصب کے بالمقابل صرف دین کو ترجیح دینی چاہئے، ظاہری تدبیریں، تنظیمیں، اخبارات، پریس کی قوت اور مال ودولت کی شان وشوکت کے مقابل ان جماعتوں یا افراد کو ترجیح و برتری ہوگی جن

---

(۱) صحيح البخاري، كتاب النكاح، باب الاكفاء في الدين ج:۲ ص:۷۶۲، ط: قديمي

میں دین اور دینی خد و خال نمایاں ہوں، اتحاد مطلوب ہے تو ان افراد و اشخاص یا جماعتوں سے ہو جن کا مقصد دین ہو اور وہ خود دین پر عامل ہوں ورنہ نتیجہ سوائے خسران اور ناکامی اور کیا ہوگا؟

نیز جس جماعت سے معاہدہ ہو تو معاہدے کے اصول سے ہو یعنی مساوات و اعتدال کا حامل ہو نہ یہ کہ ایسی جماعت سے معاہدہ کیا جائے کہ آپ کی حیثیت صرف تابع محمل کی ہو جائے۔ آج کل یہی ہو رہا ہے کہ ضعیف جماعت کا قوی جماعت سے معاہدہ ہوتا ہے یا تو یہ ضعیف اس قوی میں بالکلیہ مدغم ہو کر اپنی حیثیت کو ختم کر دیتی ہے یا پھر محض تابع ہو کر اپنی خودداری ختم کر دیتی ہے، یہ تمام محنتیں صرف اس لئے کی جاتی ہیں اور نامعقول و ناپسندیدہ اشیاء کو برداشت کیا جاتا ہے کہ انتخابات میں کامیابی نصیب ہو اور چند سیٹیں مل جائیں تو کیا الیکشن میں کامیاب ہونا ہی اصل مقصد اور منزل مقصود ہے؟ اور کیا الیکشن ہی تمام خرابیوں اور امراض کی دواء ہے؟ کیا اسمبلی کا نظام ہی نسخہ شفا اور اکسیر بے نظیر ہے؟ کیا یہ مداہنت فی الدین اسی امید موہوم کے لئے برداشت کی جاتی ہے؟ کیا ہم اس کے مکلف ہیں؟ غور کرنا ہوگا کہ صرف وقتی وقار اور معاہدہ کی خاطر تمام دین کو پامال کیا جا سکتا ہے؟

''بسوخت عقل زحیرت کہ ایں چہ بوالعجبی ست''

اللہ تعالیٰ صحیح عقل و ادراک عطا فرمائیں۔ آمین، بہر حال جو کچھ خیال ناقص میں آیا عرض کر دیا گیا۔

حافظ وظیفه تو دعا گفتن است وبس
در بندِ آن مباش که نشنید یا شنید

[رجب ۱۳۹۰ھ۔ستمبر ۱۹۷۰ء]

قول و عمل کا تضاد اور اسلام

آسمانی وحی میں جن بڑے بڑے جرائم کو حق تعالیٰ کے شدید غضب و ناراضی کا سبب قرار دیا گیا ہے ان میں سے قول و عمل کے تضاد کو بھی ذکر فرمایا گیا ہے، قرآن کریم میں سورہ صف میں ارشاد ہے:

﴿یا اَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لِمَ تَقُوْلُوْنَ مَا لَا تَفْعَلُوْنَ كَبُرَ مَقْتًا عِنْدَ اللهِ اَنْ تَقُوْلُوْا مَا لَا تَفْعَلُوْنَ﴾ [الصف:۲،۳]

اے ایمان والو! ایسی بات کیوں کہتے ہو جو کرتے نہیں ہو، خدا کے نزدیک یہ بہت ناراضی کی بات ہے کہ ایسی بات کہو جو کرو نہیں۔

درحقیقت نفاق بھی یہی چیز ہے کہ زبان پر کچھ ہے اور دل میں کچھ ہے، منافقوں کے لئے سزا اور وعید بھی قرآن کریم میں شدید آئی ہے۔

﴿اِنَّ الْمُنٰفِقِیْنَ فِی الدَّرْكِ الْاَسْفَلِ مِنَ النَّارِ﴾ [النساء:۱۴۵]

بلاشبہ منافقین دوزخ کے سب سے نچلے طبقہ میں جائیں گے۔

نفاق کی تین صورتیں

اسلام کی اصطلاح میں الحاد اور زندیقیت کا بھی یہی مفہوم ہے، چنانچہ فقہاء کرام نے زندیق اسی کو بتایا ہے جو زبان سے اسلام کا دعویٰ کرے اور دل میں کفر چھپائے، گویا قول وعمل کے تضاد کا نام نفاق ہے اور اس کی تین صورتیں ہیں، اول یہ کہ قلبی اعتقاد تو صحیح ہو مگر عمل دعویٰ کے خلاف ہو یہ نفاق فی العمل ہے۔ دوم یہ کہ دل سے خدا اور رسول کی بات پر سرے سے اعتقاد ہی نہ ہو بلکہ صرف ظاہرداری کے لئے ایمان واسلام کے زبانی دعوے کئے جائیں یہ نفاق اعتقادی کہلاتا ہے جو کفر خالص ہے اور اس کے لئے دوزخ کے سب سے نچلے طبقہ کی وعید ہے۔ سوم یہ کہ ایک شخص دل میں عقیدۂ کفر رکھتا ہے مگر ظاہری طور پر اسلام کا انکار نہ کرے بلکہ بظاہر اسلام کا اقرار کرے اور قرآن وحدیث کی نصوص میں تاویل وتحریف کر کے انہیں اپنے عقائد باطلہ پر چسپاں کرے یہ زندقہ اور الحاد کہلاتا ہے جو نفاق فی التعبیر سے پیدا ہوتا اور نفاق کا یہ درجہ سب سے اشد ہے۔ چنانچہ منافق کی توبہ بالاتفاق مقبول ہے لیکن زندیق کی توبہ بعض علماء کے نزدیک لائق التفات نہیں۔ ان تین مراتب نفاق میں فرق یہ ہے کہ نفاق عملی کی صورت میں ایمان واعتقاد باقی ہے اور عمل کے بہت شعبے بھی موجود ہیں مگر کسی خاص شعبۂ عمل میں نفاق ہے اور نفاق اعتقادی میں نہ اسلام ہے نہ ایمان، نہ عقیدہ ہے، نہ عمل، صرف ظاہرداری کے لئے دعویٰ ہی دعویٰ ہے یعنی خالص کفر کے باوجود اسلام کا دعویٰ کیا جاتا ہے اور تیسرا مرتبہ اس سے بھی بدتر ہے کہ اس میں نفاق اعتقادی کے ساتھ نصوص میں تحریف کا اضافہ ہو جاتا ہے گویا خالص کفر کو تاویلات کے ذریعے اسلام ثابت کیا جاتا ہے۔ الغرض قول وعمل کا تضاد ہو یا نفاق ہو حق تعالیٰ کے نزدیک بدترین جرم ہے شدید غضب الٰہی کا سبب ہے۔

آج مسلمانوں کا بظاہر عام جرم یہی ہے کہ زبان سے اسلام کا دعویٰ ہے لیکن عمل وہ ہیں جن سے کافر بھی شرمائے اور افراد واشخاص ہوں یا حکومتیں، راعی ہوں یا رعایا سب آج اس عظیم معصیت میں مبتلا ہیں، نفاق عملی میں تو قریباً سبھی مبتلا ہیں کہ زبان سے دعوے کچھ کئے جاتے ہیں اور عمل کچھ اور ہوتا ہے لیکن بہت سے لوگ تو واقعۃً نفاق اعتقادی کے مریض ہیں یعنی وہ مسلمان صرف اس لئے کہلاتے ہیں کہ ان کو مسلمانوں سے واسطہ ہے ورنہ ان کے دل میں اسلام نہیں نہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دین کی عظمت ہے، نہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمودات کا اعتقاد ہے، اور بہت سے لوگ اسلام کی پیمائش نفس وشکم کے پیمانے سے کرتے ہیں گویا انسان کو دین اسلام کی اطاعت وفرمانبرداری کے لئے پیدا نہیں کیا گیا بلکہ خود اسلام کو انسانی خواہشات کے پیچھے چلنے کے لئے نازل کیا گیا ہے وہ مسلمانوں پر یہ فرض عائد نہیں کرتے کہ وہ اپنی زندگی اسلام کے ڈھانچے میں ڈھالیں بلکہ وہ اسلام پر یہ فرض عائد کرتے ہیں کہ وہ انسانی خواہشات کے سانچے میں ڈھلتا رہے، یہ موجودہ دور میں زندقہ کی ترقی

یا فتنہ شکل ہے۔خلاصہ یہ ہے کہ آج عمومی طور پر مسلمان نفاقِ عملی یا اعتقادی میں مبتلا ہے آج ہمیں جو ذلت ونکبت نصیب ہورہی ہے درحقیقت اس منافقانہ طرز زندگی کی سزا ہے۔

پاکستان کیوں حاصل کیا گیا؟ اور اب تک کیا ہوا؟

ماضی قریب میں متحدہ ہندوستان میں ہم نے یہی نعرے لگائے کہ مسلمانوں کے لئے ایک مستقل جداگانہ سرزمین کی اس لئے ضرورت ہے کہ اللہ تعالیٰ کے احکام کے نفاذ کے لئے اسلام کی حکومت قائم ہواور سر سے پیر تک اسلامی معاشرہ کی تشکیل ہو،اس موقعہ پر ہم نے بڑے بلند بانگ دعوے کئے تھے کہ حق تعالیٰ کے قوانین عدل کا اجراہوگا،اسلامی شعائر کا احیاء ہوگا،اسلامی اتحاد کا خواب پوراہوگا اسی مقصد کے لئے جلسے کئے،جلوس نکالے،کوششیں کیں،قراردادیں پاس کیں،جان ومال اور عزت وآبرو کی قربانیاں دیں جو کچھ ہوااور جو کچھ کیا اس کی تاریخ آپ کے سامنے ہے،بہرحال جدوجہد ٹھکانے لگی،حق تعالیٰ نے غلامی کے طویل دور کے بعد آزادی کی نعمت نصیب فرمائی اور ایک بڑی عظیم سلطنت عطا فرمائی۔ ۱۲ کروڑ کی قابل قدر اطاعت شعار فرمانبردار رعیت عطا فرمائی جس نے کارخانے بنائے،کاروبار کو ترقی دی،مملکت کو آباد کیا،اس کو چار چاند لگائے،باہر کی دنیا میں اس کا وقار قائم کیا،مسجدیں بنائیں،مدرسے تعمیر کرائے اور اتنا کمایا کہ اپنے ٹیکسوں سے حکومت کے خزانوں کو معمور کیا اور قوم کی محنتوں سے ملک کہاں سے کہاں پہنچا،ماضی وحال کی تاریخ آپ کے سامنے ہے غرض دین ودنیا کی سعادتوں سے مملکت کو ہم کنار بنایا لیکن جس بنیادی مقصد کا بار بار اعلان کیا جاتا تھا کہ اسلامی حکومت قائم ہوگی اور یوں عالم اسلام سے اتحاد ہوگا اس کے لئے حکمرانوں اور حکومتوں نے کیا کیا؟ اپنے وعدوں کو کہاں تک پورا کیا؟ یہاں کون کون سے اسلامی قوانین جاری ہوئے؟ کفر والحاد کو کہاں تک ختم کیا گیا؟ اسلامی معاشرت قائم کرنے کے لئے کیا کیا اقدام کئے گئے؟ ان تمام سوالات کا جواب حسرت ناک نفی میں ملے گا،آخر امتحان کا یہ عبوری دور تھا کون سی نعمت تھی جو حق تعالیٰ نے نہ دی ہو؟ کون سی فرصت تھی جو نہ ملی ہو؟ لیکن واحسرتاہ! کہ ربع صدی سے زیادہ عرصہ گذر گیا،مگر پاکستان کے مقصدِ وجود کا خواب شرمندہ تعبیر نہ ہوا کون سا وعدہ پورا کیا گیا؟ کون سی اسلامی عدالت قائم ہوئی؟ زانی اور شرابی کو کون سی سزا دی گئی؟ بداخلاقی کا کیا انسداد کیا گیا؟ ظلم،عدوان،رشوت ستانی،کنبہ پروری،بے حیائی وعریانی،سودخوری وبد معاشی کو ختم کرنے کے لئے کون سا قدم اٹھایا گیا؟ بلکہ اس کے برعکس یہ ہوا کہ سودخوری،شراب نوشی،بداخلاقی اور بے حیائی کی نہ صرف حوصلہ افزائی کی گئی بلکہ سرکاری ذرائع سے اس کی نشرواشاعت میں کوئی کسر باقی نہیں اٹھا رکھی گئی۔''بینات'' کے صفحات میں ان دردناک داستانوں کو بار بار دہرایا گیا ہے۔

فسق وفجور اور گناہوں کے اثرات

آخر اس فسق وفجور کی کثرت اور خدافراموش زندگی کی لعنت سے دشمنانِ اسلام (ہندوستان ،

امریکہ، روس) کے گٹھ جوڑ سے ایک جھٹکا لگا، اور اس بے نظیر مملکت کا ایک حصہ کاٹ دیا گیا اور بقیہ حصہ کو شر و فساد، اختلاف وانتشار، ہوشربا گرانی اور قحط میں مبتلا کر دیا گیا، امن وامان ختم ہوگیا، کسی کی نہ جان محفوظ نہ کسی کا مال محفوظ، نہ کسی کی آبرو محفوظ، بڑی بڑی صنعتیں نیشنلائز کی گئیں مگر نتیجہ صفر، زمینداروں اور کسانوں کے درمیان باہم دست وگریباں کی فضا پیدا ہوگئی، مزدوروں اور کارخانہ داروں کے درمیان بے اعتمادی کی لہر دوڑ گئی، حکمرانوں کی عزت واحترام کا جذبہ رعایا کے دلوں سے نکل گیا، آخر یہ سب کچھ کیوں ہوا اور کس لئے ہوا؟

جواب صاف اور واضح ہے کہ ہم نے نفاق سے کام لیا، اسلام سے روگردانی کی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بے وفائی کی، خدا تعالیٰ کو دھوکا دیا، قول وعمل کے تضاد کو شعار بنایا اور منافقانہ زندگی کو اختیار کیا:

کار ہا با خلق آری جملہ راست

با خدا تزویر وحیلہ کے رواست

آخر حق تعالیٰ کے قانونِ عدل کا ظہور شروع ہوگیا، قرآن کریم بار بار حق تعالیٰ کے اس قانونِ عدل کا صاف اعلان کرتا ہے کہ جب حق تعالیٰ کی نعمتوں کی ناشکری کی جائے اور قانونِ خداوندی کی توہین کی جائے تو اس کا انجام یہی ہوتا ہے کہ وہ نعمتیں ان سے چھین لی جاتی ہیں اور ان کے بدلے میں عذابِ شدید اس قوم پر مسلط کر دیا جاتا ہے، ارشاد ہے:

﴿لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَاَزِيْدَنَّكُمْ وَلَئِنْ كَفَرْتُمْ اِنَّ عَذَابِيْ لَشَدِيْدٌ﴾ [ابراھیم:۷]

اگر شکر کرو گے تو تمہیں زیادہ انعام دوں گا اور اگر ناشکری کرو گے تو میرا عذاب بڑا سخت ہے۔

دوسری جگہ ارشاد ہے:

﴿فَلَمَّا نَسُوْا مَا ذُكِّرُوْا بِهٖ فَتَحْنَا عَلَيْهِمْ اَبْوَابَ كُلِّ شَيْءٍ حَتّٰى اِذَا فَرِحُوْا بِمَا اُوْتُوْا اَخَذْنَاهُمْ بَغْتَةً فَاِذَا هُمْ مُّبْلِسُوْنَ فَقُطِعَ دَابِرُ الْقَوْمِ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ﴾ [الانعام:۴۴،۴۵]

پھر جب وہ لوگ ان چیزوں کو بھول گئے جن کی ان کو نصیحت کی جاتی تھی تو ہم نے ان پر ہر چیز کے دروازے کھول دیئے، یہاں تک کہ جب ان چیزوں پر جو ان کو ملی تھیں خوب اترا گئے تو ہم نے ان کو دفعۃً پکڑ لیا۔ پھر وہ بالکل حیرت زدہ رہ گئے پھر ظالم لوگوں کی جڑ کٹ گئی اور اللہ کا شکر ہے۔

نیز ارشاد ہے:

﴿وَضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا قَرْيَةً كَانَتْ اٰمِنَةً مُّطْمَئِنَّةً يَّاْتِيْهَا رِزْقُهَا رَغَدًا مِّنْ كُلِّ مَكَانٍ فَكَفَرَتْ بِاَنْعُمِ اللّٰهِ فَاَذَاقَهَا اللّٰهُ لِبَاسَ الْجُوْعِ وَالْخَوْفِ بِمَا كَانُوْا يَصْنَعُوْنَ﴾ [النحل:۱۱۲]

اور اللہ تعالیٰ ایک بستی والوں کی حالت عجیبہ بیان فرماتے ہیں کہ وہ بڑے امن واطمینان میں تھے، ان کے کھانے پینے کی چیزیں بڑی فراغت سے ہر چہار طرف سے ان کے پاس پہنچا کرتی تھیں، سوانہوں نے خدا کی نعمتوں کی بے قدری کی اس پر اللہ تعالیٰ نے ان کو ان حرکات کے سبب ایک محیط قحط اور خوف کا مزہ چکھایا۔

کیا یہ ارشادات ہماری تنبیہ اور گوشمالی کے لئے کافی نہیں؟ کیا دن بدن ہمارا قدم نحوست وادبار کی طرف نہیں بڑھ رہا؟ کیا ہم نے خدا کی متواتر نعمتوں کی ناشکری میں کوئی کسر چھوڑی ہے؟ کہاں گئی وہ قرارداد مقاصد جو شیخ الاسلام حضرت عثمانی کی کوششوں سے پاس ہوئی تھی؟ کہاں ہے وہ تعلیماتی بورڈ جس پر لاکھوں روپیہ خرچ کیا گیا تھا؟ کہاں ہے وہ اسلامی کونسل جس پر لاکھوں روپیہ سالانہ خرچ ہو رہا ہے؟ کیا یہ سب کچھ نفاق نہیں ہے؟ غضب الٰہی کو دعوت دینے والی کون سی برائی ہے کہ اس کو نہ اپنایا ہو اور نیکی وفلاح وبہبود کا کون سا کام ہے جسے ہم نے نہ ٹھکرایا ہو؟ نہ معلوم کہ غفلت کے پردے کب چھٹیں گے اور بدنصیب قوم کا طالع سعید کب طلوع ہوگا؟

پاکستان اور مرزائی امت

ماضی قریب میں اسلامی آئین بنایا گیا اور عالم اسلام میں اس کا چرچا کیا گیا لیکن خدارا بتائیں کہ کاغذی کارروائی سے کیا اب تک ایک قدم بھی آگے بڑھ سکا؟ مرزائی امت جو اسلام کے نام سے اسلام کی بدترین دشمن ہے جو برطانیہ کا خود کاشتہ پودا ہے یہ وہ غدار اسلام تحریک ہے جس کے ذریعہ تمام عالم اسلام کی فضا کو مسموم کیا جا رہا ہے، جو تحریک صیہونیت کی ترقی یافتہ شکل ہے جس نے پاکستان کی جڑوں کو کھوکھلا کر رکھا ہے، جو ''ریاست اندر ریاست'' ہے، جو اسلام میں نقب زنی کرتی ہے، جو مسلمانوں کی دنیا وآخرت پر ڈاکہ ڈالتی ہے، جو براہ راست سید الانبیا، حضرت خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کی حریف ہے، جس کی بنیاد ہی اسلام سے غداری وبے وفائی اور مسلمانوں سے عداوت ودشمنی پر رکھی گئی ہے، جس کا مشن ہی اول سے آخر تک مسلمانوں کی جاسوسی رہا ہے۔ اگر یہاں کے حکمرانوں کو خدا کا، رسول کا، اسلام کا اور خود اپنے بلند بانگ دعوؤں اور وعدوں کا کچھ پاس ولحاظ ہوتا تو کیا پاکستان میں، ہاں! محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نام پر حاصل کئے گئے پاکستان میں، اس انگریزی تحریک اور اس مرزائی امت کا سکہ چل سکتا تھا؟ ہرگز نہیں لیکن حکمرانوں کے نفاق کی اندھیر نگری میں اس کفر خالص کا اسلام کے نام پر جعلی سکہ ربع صدی تک پھیلتا رہا۔

مسلمان قوم بے بسی کے عالم میں چیختی چلاتی رہی مگر کوئی شنوائی نہ ہوئی، سیاست پر مرزائیوں کا تسلط رہا، اقتصادیات پر ان کا قبضہ رہا، دفاع کی پالیسی ان کے سپرد رہی، تعلقات خارجہ ان کے زیر اثر اندرونی نظم ونسق پر حاوی رہے، اونچی اونچی ملازمتیں ان کے حصہ میں آئیں، قوم نے بار بار احتجاج کئے، التجائیں کیں، تحریکیں چلائیں، مطالبات کئے مگر سب کچھ صدا بصحرا ثابت ہوا، آخر لاہور کے تاریخی اجتماع میں قوم کو اعلان کرنا پڑا کہ

اگر وزیر اعظم قادیانی مسئلہ میں عوام کی رائے کو درخور اعتناء نہیں سمجھیں گے تو وہ پاکستان کے نہیں بلکہ ربوہ کے وزیر اعظم ہوں گے۔ خدا خدا کر کے ۷ ستمبر کو پہلی بار کم از کم کاغذی سطح پر قوم کا یہ مطالبہ تسلیم کر لیا گیا کہ امت مرزائیہ کو غیر مسلم اقلیت قرار دیا جائے، ربوہ کو کھلا شہر قرار دیا جائے، قادیانی اوقاف حکومت کی تحویل میں لئے جائیں، کلیدی مناصب سے ان کو نکالا جائے، تمام بری، بحری اور ہوائی فوج سے ان کو ہٹایا جائے، ان کے الگ تشخص اور امتیاز کے لئے شناختی کارڈ جلد سے جلد جاری کئے جائیں اور غیر مسلم مردم شماری میں ان کا اندراج کیا جائے، ان کی عبادت گاہوں کے نام تبدیل کرائے جائیں، مرزائیوں کی عبادت گاہوں کو مسجد نہ کہا جائے، انہیں اسلامی اصطلاحات کے غلط استعمال سے روکا جائے، نبی، نبوت، صلاۃ وسلام، وحیِ الٰہی، مسیح، مہدی، ام المومنین، خلفیہ، امیر المومنین وغیرہ وغیرہ اسلام کے مقدس الفاظ ہیں، غلام احمد اور اس کے گردو پیش کے لوگوں کے لئے ان کا استعمال ممنوع قرار دیا جائے وغیرہ وغیرہ۔

ہمیں اس اعتراف میں ذرا بخل نہیں کہ حکومت نے ۷ ستمبر کو مسلمانوں کے مطالبات آئینی طو پر تسلیم کر لئے اور قادیانوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دے دیا گیا، گذشتہ حکومتوں کی طرح مسلمانوں کے مطالبات ٹھکرا کر حکومت نے عاقبت نا اندیشی کا ثبوت نہیں دیا مگر افسوس صد افسوس! کہ آئینی فیصلہ کے بعد حکومت یہ سوچ کر بے فکر ہوگئی کہ مسلمانوں کو مطمئن کر دیا گیا اور ان کے مطالبات تسلیم کر لئے گئے، لیکن خدارا بتائیے کہ حکومت نے اس کاغذی فیصلہ کی تعمیل کے لئے کیا قدم اٹھایا، اور ان مطالبات اور وعدوں کو کس طرح پورا کیا گیا؟ گذشتہ اشاعت میں ہم عرض کر چکے ہیں کہ مرزائی آئین کے واضح فیصلہ کو صاف صاف ٹھکرا رہے ہیں مگر حکومت نے ان کے اس باغیانہ اعلان کے خلاف کیا کارروائی کی، اس سے بڑھ کر قول وعمل کے تضاد کی کیا مثال ہوگی۔

مرزائی بدستور مسلمانوں کا مضحکہ اڑا رہے ہیں، اسلام کی مقدس اصطلاحات کو ناپاک کر رہے ہیں، مسلمانوں کے نام سے حج پر جاتے ہیں، اسلامی ممالک میں ملازمتیں کر رہے ہیں، اندرون ملک بڑی بڑی آسامیوں پر قابض ہو کر مسلمانوں سے مذہبی جنون کا انتقام لے رہے ہیں، پاکستان کو زک پہنچانے کے لئے ہر ممکن تدبیر بروئے کار لا رہے ہیں، قوم کے مختلف طبقات میں طبقاتی خلفشار برپا کر رہے ہیں، لیکن ان کے انسداد کے لئے ابھی تک کوئی موثر قدم نہیں اٹھایا گیا اس کا نتیجہ کیا نکلا؟ مرزائیوں کو اور ان کے آقایانِ مغرب کو مسلمانوں کی نفسیاتی کمزوری کا احساس ہونے لگا کہ موجودہ دور کے مسلمان صرف کہنا جانتے ہیں کرنا نہیں جانتے، وہ قول کے ہیرو ہیں مگر عمل کے پھسڈی ہیں، چنانچہ اب وہ بڑی شد و مد کے ساتھ اور بڑے امن وسکون سے اپنی قوتوں کو مجتمع کرنے اور اسلام اور مسلمانوں کے خلاف سازشوں کے نئے تانے بانے بُننے میں مصروف ہیں اور ریاستِ ربوہ کا خلیفہ چند سالوں تک مرزائیت کے غلبہ واقتدار کی پیش خبریاں سنا رہا ہے، انا للہ وانا الیہ راجعون۔

بحمد اللہ! ہم باطل کے حربوں سے مرعوب نہیں، ہمیں یقین ہے کہ ملت اسلامیہ کے بدخواہ اور محمد رسول

اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے غدار جو کنواں کھودیں گے وہ سب سے پہلے خود انہی کا مدفن ثابت ہوگا لیکن ہمیں اپنے حکمرانوں سے شکایت ہے کہ وہ آئین کے واضح فیصلہ کو عملی جامہ پہنانے سے کیوں ہچکچاتے ہیں؟ کیا ان کی آنکھیں اس وقت کھلیں گی جب ایک نیا طوفان برپا ہوگا؟ اللہ تعالیٰ ہم پر رحم فرمائے، امتِ اسلامیہ کی حفاظت فرمائے اور انہیں طاغوتی طاقتوں کے شر و فساد سے محفوظ رکھے۔ آمین۔

وصلی اللہ علی خیر خلقه صفوة البرية محمد وآله واصحابه واتباعه اجمعين

[جمادی الاولیٰ ۱۳۹۵ھ۔ جون ۱۹۷۵ء]

اسلام میں شہادت فی سبیل اللہ کا مقام (۱)

الحمد لله رب العالمين والعاقبة للمتقين، و لا عدوان الا على الظالمين، والصلوة والسلام على سيدالانبياء والمرسلين وخاتم النبيين محمد وعلى آله وصحبه وتابعيهم اجمعين. اما بعد:

حضرات! اسلام میں شہادت فی سبیل اللہ کو وہ مقام حاصل ہے کہ (نبوت وصدیقیت کے بعد) کوئی بڑے سے بڑا عمل بھی اس کی گرد کو نہیں پا سکتا، اسلام کے مثالی دور میں اسلام اور مسلمانوں کو جو ترقی نصیب ہوئی وہ ان شہداء کی جان نثاری و جانبازی کا فیض تھا جنہوں نے اللہ رب العزت کی خوشنودی اور کلمہ اسلام کی سربلندی کے لئے اپنے خون سے اسلام کے سدا بہار چمن کو سیراب کیا، شہادت سے ایک ایسی پائیدار زندگی نصیب ہوتی ہے جس کا نقش ہمیشہ جریدۂ عالم پر ثبت رہتا ہے، جسے صدیوں کا گرد و غبار بھی نہیں دھندلا سکتا اور جس کے نتائج و ثمرات انسانی معاشرے میں رہتی دنیا تک قائم و دائم رہتے ہیں۔

شہید اور شہادت کے فضائل

کتاب اللہ کی آیات اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث میں شہادت اور شہید کے اس قدر فضائل بیان ہوئے ہیں کہ عقل حیران رہ جاتی ہے اور شک وشبہ کی ادنیٰ گنجائش باقی نہیں رہتی۔

حق تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿اِنَّ اللهَ اشْتَرٰی مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ اَنْفُسَهُمْ وَاَمْوَالَهُمْ بِاَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ یُقَاتِلُوْنَ فِیْ سَبِیْلِ اللهِ فَیَقْتُلُوْنَ وَ یُقْتَلُوْنَ وَعْدًا عَلَیْهِ حَقًّا فِی التَّوْرٰاةِ وَالْاِنْجِیْلِ وَالْقُرْاٰنِ وَمَنْ اَوْفٰی بِعَهْدِهٖ مِنَ اللهِ فَاسْتَبْشِرُوْا بِبَیْعِكُمُ الَّذِیْ بَایَعْتُمْ بِهٖ وَذٰلِكَ هُوَ

(۱) مجمع البحوث الاسلامیہ مصر کی چھٹی کانفرنس ۱۹۷۱ء میں، حضرت مولانا نے مذکورہ بالا عنوان پر عربی میں مقالہ لکھا اور پڑھا جو بینات میں ربیع الثانی ۱۳۹۱ھ کے پرچہ میں حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی صاحب کے قلم سے اردو ترجمہ کی شکل میں شائع ہوا۔

الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ﴾ [التوبہ:۱۱۱]

بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کی جانوں اوران کے مالوں کواس بات کے عوض میں خرید لیا ہے کہ ان کو جنت ملے گی، وہ لوگ اللہ کی راہ میں لڑتے ہیں جس میں قتل کرتے ہیں اور قتل کئے جاتے ہیں اس پر سچا وعدہ کیا گیا ہے توریت میں اور انجیل میں اور قرآن میں اور اللہ سے زیادہ اپنے عہد کو کون پورا کرنے والا ہے تم لوگ اپنی اس بیع پر جس کا معاملہ تم نے ٹھہرایا ہے خوشی مناؤ اور یہ ہی بڑی کامیابی ہے۔

سبحان اللہ! شہادت اور جہاد کی اس سے بہتر ترغیب ہوسکتی ہے؟ اللہ رب العزت خود بنفس نفیس بندوں کی جان و مال کا خریدار ہے جن کا وہ خود مالک ورزاق ہے اور اس کی قیمت کتنی اونچی اور کتنی گراں رکھی گئی؟ جنت! پھر فرمایا گیا کہ یہ سودا کچا نہیں کہ اس میں فسخ کا احتمال ہو بلکہ اتنا پکا اور قطعی ہے کہ توریت وانجیل اور قرآن تمام آسمانی صحیفوں اور خدائی دستاویزوں میں یہ عہد و پیمان درج ہے اور اس پر تمام انبیاء و رسل اور ان کی عظیم الشان امتوں کی گواہی ثبت ہے۔ پھر اس مضمون کو مزید پختہ کرنے کے لئے کہ خدائی وعدوں میں وعدہ خلافی کا کوئی احتمال نہیں فرمایا گیا ہے ﴿ومن اوفى بعهده من الله﴾ یعنی اللہ تعالیٰ سے بڑھ کر اپنے وعدہ اور عہد و پیمان کی لاج رکھنے والا کون ہوسکتا ہے؟ کیا مخلوق میں کوئی ایسا ہے جو خالق کے ایفائے عہد کی ریس کر سکے؟ نہیں ہرگز نہیں! مرتبۂ شہادت کی بلندی اور شہید کی فضیلت و منقبت کے سلسلہ میں قرآن مجید کی یہی ایک آیت کافی ووافی ہے۔ امام طبری، عبد بن حمید اور ابن ابی حاتم نے حضرت جابرؓ سے روایت کیا ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو لوگوں نے مسجد میں ''اللہ اکبر'' کا نعرہ لگایا اور ایک انصاری صحابی بول اٹھے واہ واہ! کیسی عمدہ بیع اور کیسا سودمند سودا ہے، واللہ! ہم اسے کبھی فسخ نہیں کریں گے نہ فسخ ہونے دیں گے۔ نیز حق تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ فَاُولٰئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِنَ النَّبِيّٖنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَاءِ وَالصّٰلِحِيْنَ وَحَسُنَ اُولٰئِكَ رَفِيْقًا﴾ [النساء:۶۹]

اور جو شخص اللہ اور رسول کا کہنا مان لے گا تو ایسے اشخاص بھی ان حضرات کے ساتھ ہوں گے جن پر اللہ تعالیٰ نے انعام فرمایا ہے یعنی انبیاء اور صدیقین اور شہداء اور صلحاء اور یہ حضرات بہت اچھے رفیق ہیں۔

اس آیت کریمہ میں راہِ خدا کے جانباز شہیدوں کو انبیاء وصدیقین کے بعد تیسرا مرتبہ عطا کیا گیا ہے، نیز حق تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ يُّقْتَلُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتٌ بَلْ اَحْيَاءٌ وَّلٰـكِنْ لَّا تَشْعُرُوْنَ﴾

[البقرة:۱۵۴]

اور جو لوگ اللہ تعالیٰ کی راہ میں قتل کر دیئے ان کو مردہ مت کہو، بلکہ وہ زندہ ہیں مگر تم کو احساس نہیں۔

نیز حق تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللهِ اَمْوَاتًا بَلْ اَحْيَاءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُوْنَ فَرِحِيْنَ بِمَا اٰتٰهُمُ اللهُ مِنْ فَضْلِهٖ وَ يَسْتَبْشِرُوْنَ بِالَّذِيْنَ لَمْ يَلْحَقُوْا بِهِمْ مِّنْ خَلْفِهِمْ اَلَّا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ يَسْتَبْشِرُوْنَ بِنِعْمَةٍ مِّنَ اللهِ وَفَضْلٍ وَاَنَّ اللهَ لَا يُضِيْعُ اَجْرَ الْمُؤْمِنِيْنَ﴾ [آل عمران:١٦٩-١٧١]

اور جولوگ اللہ کی راہ میں قتل کردیے گئے ان کو مردہ مت خیال کرو بلکہ وہ لوگ زندہ ہیں، اپنے پروردگار کے مقرب ہیں ان کو رزق بھی ملتا ہے، وہ خوش ہیں اس چیز سے جو ان کو اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے عطا فرمائی اور جولوگ اس کے پاس نہیں پہنچے ان سے پیچھے رہ گئے ہیں ان کی بھی اس حالت پر خوش ہوتے ہیں کہ ان پر کسی طرح کا خوف واقع ہونے والا نہیں، نہ وہ مغموم ہوں گے۔ وہ خوش ہوتے بوجہ نعمت وفضلِ خداوندی کے اور بوجہ اس کے کہ اللہ تعالیٰ اہل ایمان کا اجر ضائع نہیں فرماتے۔ (ترجمہ حکیم الامۃ تھانوی)

ان دونوں آیتوں میں اعلان فرمایا گیا کہ شہداء کی موت کو عام انسانوں کی سی موت سمجھنا غلط ہے، شہید مرتے نہیں بلکہ مرکر جیتے ہیں، شہادت کے بعد انہیں ایک خاص نوعیت کی برزخی حیات سے مشرف کیا جاتا ہے۔

کشتگانِ خنجرِ تسلیم را
ہر زماں از غیب جانے دیگر ست

یہ شہیدانِ راہ خدا، بارگاہِ الٰہی میں اپنی جان کا نذرانہ پیش کرتے ہیں اور اس کے صلے میں حق جل شانہ کی طرف سے ان کی عزت وتکریم اور قدر ومنزلت کا اظہار اس طرح ہوتا ہے کہ ان کی روحوں کو سبز پرندوں کی شکل میں سواریاں عطا کی جاتی ہیں، عرش الٰہی سے متعلق قندیلیں ان کی قرارگاہ پاتی ہیں اور انہیں اذنِ عام ہوتا ہے کہ جنت میں جہاں چاہیں جائیں، جہاں چاہیں سیر وتفریح کریں اور جنت کی جس نعمت سے چاہیں لطف اندوز ہوں، شہید اور شہادت کی فضلیت میں بڑی کثرت سے احادیث وارد ہوئی ہیں، سمندر کے چند قطرے یہاں پیش خدمت ہیں:

حدیث ①: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"لو لا ان اشق على امتي ما قعدت خلف سرية، ولودوت اني اقتل ثم احيي ثم اقتل ثم احي ثم اقتل".(۱)

(اخرجه البخاري في عدة ابواب من كتاب الايمان والجهاد وغيرهافي حديث طويل)

اگر یہ خطرہ نہ ہوتا کہ میری امت کو مشقت لاحق ہوگی تو میں کسی مجاہد دستہ سے پیچھے نہ رہتا اور میری دلی

---

(۱) صحيح البخاري، كتاب الايمان، باب الجهاد من الايمان ج:۱ ص:۱۰، ايضًا كتاب الجهاد، باب الجعائل والحملان في السبيل ج:۱ ص:۴۱۷، ط: قديمي

آرزو یہ ہے کہ میں راہ خدا میں قتل کیا جاؤں، پھر زندہ کیا جاؤں، پھر قتل کیا جاؤں، پھر زندہ کیا جاؤں اور پھر قتل کیا جاؤں۔

غور فرمایئے! نبوت اور پھر ختم نبوت وہ بلند و بالا منصب ہے کہ عقل وفہم اور وہم وخیال کی پرواز بھی اس کی رفعت و بلندی کی حدوں کو نہیں چھو سکتی، اور یہ انسانی شرف ومجد کا وہ آخری نقطۂ عروج اور غایۃ الغایات ہے جس سے اوپر کسی مرتبہ ومنزلت کا تصور تک نہیں کیا جاسکتا، لیکن اللہ رے مرتبہ شہادت کی بلندی و برتری! کہ حضرت ختمی مآب صلی اللہ علیہ وسلم نہ صرف مرتبہ شہادت کی تمنا رکھتے ہیں بلکہ بار بار دنیا میں تشریف لانے اور ہر بار محبوب حقیقی کی خاطر خاک وخون میں لوٹنے کی خواہش کرتے ہیں:

بنا کردند خوش رسمے بخاک وخون غلطیدن

خدا رحمت کند ایں عاشقانِ پاک طینت را

صرف اسی ایک حدیث سے معلوم کیا جاسکتا ہے کہ مرتبۂ شہادت کس قدر اعلیٰ وارفع ہے۔

حدیث ②: حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"ما من احد يدخل الجنة يحب ان يرجع الى الدنيا وله ما في الارض من شيء الا الشهيد يتمنى ان يرجع الى الدنيا فيقتل عشر مرات لما يرى من الكرامة"(۱)

(اخرجه البخاري في باب تمنى المجاهد ان يرجع الى الدنيا، ومسلم)

کوئی شخص جو جنت میں داخل ہو جائے یہ نہیں چاہتا کہ وہ دنیا میں واپس جائے اور اسے زمین کی کوئی بڑی سے بڑی نعمت مل جائے البتہ شہید یہ تمنا ضرور رکھتا ہے کہ وہ دس مرتبہ دنیا میں جائے پھر راہِ خدا میں شہید ہو جائے کیونکہ وہ شہادت پر ملنے والے انعامات اور نوازشوں کو دیکھتا ہے۔

حدیث ③: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''میں بعض دفعہ جہاد کے لئے اس وجہ سے نہیں جاتا کہ) بعض (نادار اور) مخلص مسلمانوں کا جی اس بات پر راضی نہیں کہ (میں تو جہاد کے لئے جاؤں اور) وہ مجھ سے پیچھے بیٹھے رہیں (مگر ان کے پاس جہاد کے لئے سواری اور سامان نہیں) اور میرے پاس (بھی) سواری نہیں کہ ان کو جہاد کے لئے تیار کرسکوں، اگر یہ عذر نہ ہوتا تو اس ذات کی قسم! جس کے قبضے میں میری جان ہے میں کسی مجاہد دستے سے جو جہاد فی سبیل اللہ کے لئے جائے پیچھے نہ رہا کروں۔

(۱) صحيح البخاري، كتاب الجهاد، باب تمنى المجاهد ان يرجع الى الدنيا ج:۱ ص:۳۹۵، ط: قديمي
صحيح مسلم، كتاب الامارة، باب فضل الشهادة في سبيل الله ج:۲ ص:۱۳٤، ط: قديمي

اور اس ذات کی قسم! جس کے قبضے میں میری جان ہے، میری تمنا یہ ہے کہ میں راہ خدا میں قتل کیا جاؤں پھر زندہ کیا جاؤں پھر قتل کیا جاؤں پھر زندہ کیا جاؤں پھر قتل کیا جاؤں"(۱)۔(بخاری و مسلم)

حدیث ④:حضرت عبداللہ بن ابی اوفی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"واعلموا أن الجنة تحت ظلال السيوف" (۲).(بخاری)

جان لو! کہ جنت تلواروں کے سائے میں ہے۔

حدیث ⑤:حضرت مسروق تابعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ہم نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالی عنہ سے اس آیت کی تفسیر دریافت کی:

﴿وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللهِ اَمْوَاتًا بَلْ اَحْيَاءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُوْنَ﴾ [آل عمران:۱٦۹]

اور جو لوگ راہ خدا میں قتل کر دیئے گئے ان کو مردہ مت خیال کرو بلکہ وہ زندہ ہیں اپنے پروردگار کے مقرب ہیں ان کو رزق بھی ملتا ہے۔

تو انہوں نے ارشاد فرمایا کہ ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کی تفسیر دریافت کی تو آپ نے فرمایا:

"ارواحهم في جوف طير لها قناديل معلقة بالعرش تسرح من الجنة حيث شاء ت ثم تاوى الى تلك القناديل،فاطلع اليهم ربهم اطلا عة فقال:هل تشتهون شيئا؟قالوا:أى شىء نشتهى ونحن نسرح من الجنة حيث شئنا،ففعل ذلك بهم ثلاث مرات،فلما رأوا انهم لن يتركوا من ان يسألوا قالوا: يارب!نريد ان ترد أرواحنا فى اجسادنا حتى نقتل فى سبيلك فلما رأى ان ليس لهم حاجة تركوا" (۳).(رواه مسلم)

شہیدوں کی روحیں سبز پرندوں کے جوف میں سواری کرتی ہیں، ان کی قرارگاہ وہ قندیلیں ہیں جو عرش الہی سے آویزاں ہیں، وہ جنت میں جہاں چاہیں سیر و تفریح کرتی ہیں پھر لوٹ کر انہی قندیلوں میں قرار پکڑتی ہیں۔ایک بار ان کے پروردگار نے ان سے بالمشافہ خطاب کرتے ہوئے فرمایا: کیا تم کسی چیز کی خواہش رکھتے ہو؟

---

(۱)صحيح البخارى،كتاب الجهاد،باب الجعائل والحملان فى السبيل ج:۱ص:٤١٧،ايضاكتاب الجهاد،باب تمنى الشهادة ج۱ص:۳۹۲،ط:قديمى.الصحيح لمسلم،كتاب الامارة،باب فضل الجهاد والخروج فى سبيل الله ج:۲ص:۱۳۳،ط:قديمى

(۲) صحيح البخارى،كتاب الجهاد،باب الجنة تحت بارقة السيوف ج:۱ص:۳۹۵،ط:قديمى

(۳)الصحيح لمسلم،كتاب الامارة،باب فى بيان ان ارواح الشهداء فى الجنة ج:۲ص:۱۳۵،ط:قديمى

عرض کیا: ساری جنت ہمارے لئے مباح کردی گئی ہے ہم جہاں چاہیں آئیں جائیں اس کے بعد اب کیا خواہش باقی رہ سکتی ہے؟ حق تعالیٰ نے تین بار اصرار فرمایا کہ اپنی کوئی چاہت تو ضرور بیان کرو، جب انہوں نے دیکھا کہ کوئی نہ کوئی خواہش عرض کرنی ہی پڑے گی، تو عرض کیا اے پروردگار! ہم یہ چاہتے ہیں کہ ہماری روحیں ہمارے جسموں میں دوبارہ لوٹا دی جائیں تاکہ ہم تیرے راستے میں ایک بار پھر جام شہادت نوش کریں (اللہ تعالیٰ کا مقصد یہ ظاہر کرنا تھا کہ اب ان کی کوئی خواہش نہیں) چنانچہ جب یہ ظاہر ہوگیا تو ان کو چھوڑ دیا گیا۔

حدیث ⑥: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"لا یکلم احد فی سبیل اللہ ، واللہ اعلم بمن یکلم فی سبیلہ الا جاء یوم القیامة وجرحه یثعب دمًا اللون لون الدم والریح ریح المسک".(۱)

جو شخص بھی اللہ کی راہ میں زخمی ہوا اور اللہ ہی جانتا ہے کہ کون اس کی راہ میں زخمی ہوتا ہے وہ قیامت کے دن اس حالت میں آئے گا کہ اس کے زخم سے خون کا فوارہ بہہ رہا ہوگا رنگ خون کا ہوگا اور خوشبو کستوری کی۔

حدیث ⑦: حضرت مقدام بن معدی کرب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"للشهيد عند الله ست خصال :يغفر له فی اول دفعة، و يری مقعده من الجنة، ويجار من عذاب القبر و يامن من الفزع الاكبر، و يوضع علی راسه تاج الوقار ، الياقوتة منها خير من الدنيا و ما فيها، و يزوج ثنتين وسبعين زوجة من الحور العين و يشفع فی سبعين من اقربائه"(۲).(رواه الترمذی وابن ماجه، ومثله عند احمد والطبرانی من حديث عبادة بن الصامت)

اللہ تعالیٰ کے ہاں شہید کے لئے چھ انعام ہیں:

① اول وہلہ میں اس کی بخشش ہوجاتی ہے۔

②(موت کے وقت) جنت میں اپنا ٹھکانا دیکھ لیتا ہے۔

③ عذاب قبر سے محفوظ اور قیامت کے فزع اکبر سے مامون ہوتا ہے۔

④ اس کے سر پر وقار کا تاج رکھا جاتا ہے جس کا ایک نگینہ دنیا اور دنیا کی ساری چیزوں سے بہتر ہے۔

---

(۱) صحيح البخاری، كتاب الجهاد، باب من يجرح فی سبيل الله ج:۱ ص:۳۹۳، ط:قديمی.
الصحيح لمسلم، كتاب الامارة، باب فضل الجهاد والخروج فی سبيل الله ج:۲ ص:۱۳۳، ط:قديمی
(۲) سنن الترمذی، ابواب فضائل الجهاد، باب فضل الشهداء ج:۲ ص:۲۹۵، ط:قديمی،
سنن ابن ماجه، ابواب الجهاد، باب فضل الشهادة فی سبيل الله ص:۲۰۱، ط:قديمی

⑤ جنت کی بہترحوروں سے اس کا بیاہ ہوتا ہے۔

⑥ اور اس کے ستر عزیزوں کے حق میں اس کی شفاعت قبول کی جاتی ہے۔

حدیث ⑨: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"الشهيد لا يجد ألم القتل الا كما يجد احدكم القرصة" (۱). (رواه الترمذی والنسائی والدارمی)

شہید کو قتل کی اتنی تکلیف بھی نہیں ہوتی جتنی کہ تم میں سے کسی کو چیونٹی کے کاٹنے سے تکلیف ہوتی ہے۔

حدیث ⑨: حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"اذا وقف العباد للحساب جاء قوم واضعی سيو فهم على رقابهم تقطر دمًا فازدحموا على باب الجنة فقيل: من هؤلاء؟ قيل الشهداء كانوا احياء مرزوقين" (۲) (رواه الطبرانی)

جب کہ لوگ حساب کتاب لئے کھڑے ہوں گے تو کچھ لوگ اپنی گردن پر تلواریں رکھے ہوئے آئیں گے جن سے خون ٹپک رہا ہوگا یہ لوگ جنت کے دروازے پر جمع ہو جائیں گے لوگ دریافت کریں گے کہ یہ کون لوگ ہیں (جن کا حساب کتاب بھی نہیں ہوا سیدھے جنت میں آ گئے) انہیں بتایا جائے گا کہ یہ شہید ہیں جو زندہ تھے جنہیں رزق ملتا تھا۔

حدیث ⑩: حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"ما من نفس تموت لها عند الله خير يسرها ان ترجع الى الدنيا الا الشهيد فانه يسره ان يرجع الى الدنيا فيقتل مرة اخرى لما يرى من فضل الشهادة" (۳). (رواه مسلم)

جس شخص کے لئے اللہ کے ہاں خیر ہو جب وہ مرے تو کبھی دنیا میں واپس آنا پسند نہیں کرتا البتہ شہید اس سے مستثنیٰ ہے کیونکہ اس کی بہترین خواہش یہ ہوتی ہے کہ اسے دنیا میں واپس بھیجا جائے تاکہ وہ ایک بار پھر شہید

(۱) سنن الترمذی، ابواب فضائل الجهاد ج:۲ ص:۲۹٦، ط: قدیمی. سنن النسائی، کتاب الجهاد، ما يجد الشهيد من الالم ج:۲ ص:٦١، ط: قدیمی

(۲) المعجم الاوسط للطبرانی ج:۲ ص:۲۸۵، ط: دارالحرمين قاهره

(۳) الصحيح لمسلم، کتاب الامارة، باب فضل الشهادة فی سبيل الله ج:۲ ص:۱۳٤، ط: قدیمی

ہو جائے اس لئے کہ وہ مرتبۂ شہادت کی فضلیت دیکھ چکا ہے۔

حدیث ⑪: ابن منذر نے حضرت طلحہ بن عبید اللہ سے روایت کیا ہے: ''وہ کہتے ہیں کہ اپنے مال کی دیکھ بھال کے لئے میں غابہ گیا وہاں مجھے رات ہوگئی میں عبداللہ بن عمرو بن حرام رضی اللہ عنہ (جو شہید ہو گئے تھے) کی قبر کے پاس لیٹ گیا میں نے قبر سے ایسی قرأت سنی کہ اس سے اچھی قراءت کبھی نہیں سنی تھی، میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر اس کا تذکرہ کیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہ قاری عبداللہ (شہید) تھے، تمہیں معلوم نہیں اللہ تعالیٰ ان کی روحوں کو قبض کر کے زبرجد اور یاقوت کی قندیلوں میں رکھتے ہیں اور انہیں جنت کے درمیان (عرش پر) آویزاں کر دیتے ہیں، رات کا وقت ہوتا ہے تو ان کی روحیں ان کے اجسام میں واپس کر دی جاتی ہیں اور صبح ہوتی ہے تو پھر انہیں قندیلوں میں آ جاتی ہیں''۔

یہ حدیث حضرت قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمہ اللہ نے تفسیر مظہری میں ذکر کی ہے اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ وفات کے بعد بھی شہداء کے لئے طاعات کے درجات لکھے جاتے ہیں۔

حدیث ⑫: حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: جب حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے احد کے قریب سے نہر نکلوائی تو وہاں سے شہداء احد کو ہٹانے کی ضرورت ہوئی، ہم نے ان کو نکالا تو ان کے جسم بالکل تر و تازہ تھے، محمد بن عمرو کے اساتذہ کہتے ہیں کہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کے والد ماجد حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کو (جو احد میں شہید ہوئے تھے) نکالا گیا تو ان کا ہاتھ زخم پر رکھا تھا وہاں سے ہٹایا گیا تو خون کا فوارہ پھوٹ نکلا زخم پر ہاتھ دوبارہ رکھا گیا تو خون بند ہو گیا، حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: میں نے اپنے والد ماجد کو ان کی قبر میں دیکھا تو ایسا لگتا تھا گویا سو رہے ہیں، جس چادر میں ان کو کفن دیا گیا تھا وہ جوں کی توں تھی اور پاؤں پر جو گھاس رکھی گئی تھی وہ بھی بدستور اصل حالت میں تھی، اس وقت ان کو شہید ہوئے چھیالیس سال کا عرصہ ہو چکا تھا۔ حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں اس واقعہ کو کھلی آنکھوں دیکھ لینے کے بعد اب کسی کو انکار کی گنجائش نہیں، کہ شہداء کی قبریں جب کھودی جاتیں تو جونہی تھوڑی سی مٹی گرتی اس سے کستوری کی خوشبو مہکتی تھی۔

یہ واقعہ امام بیہقی نے متعدد سندوں سے اور ابن سعد نے ذکر کیا ہے جیسا کہ تفسیر مظہری میں نقل کیا ہے [1]۔

مندرجہ بالا جواہر نبوت کا خلاصہ مندرجہ ذیل امور ہیں۔

اول...... شہادت ایسا علیٰ وارفع مرتبہ ہے کہ انبیاء کرام علیہم السلام بھی اس کی تمنا کرتے ہیں۔

دوم...... مرنے والے کو اگر موت کے بعد عزت و کرامت اور راحت و سکون نصیب ہو تو دنیا میں واپس آنے کی خواہش ہرگز نہیں کرتا، البتہ شہید کے سامنے جب شہادت کے فضائل و انعامات کھلتے ہیں تو اسے خواہش

(۱) التفسیر المظھری ج: ۲ ص: ۱۵۲، ط: رشیدیہ

ہوتی ہے کہ بار بار دنیا میں آئے اور جامِ شہادت نوش کرے۔

سوم۔۔۔ حق تعالیٰ شہید کو ایک خاص نوعیت کی ''برزخی حیات'' عطا فرماتے ہیں شہداء کی ارواح کو جنت میں پرواز کی قدرت ہوتی ہے اور انہیں اذنِ عام ہے کہ جہاں چاہیں آئیں جائیں، ان کے لئے کوئی روک ٹوک نہیں اور صبح و شام رزق سے بہرہ ور ہوتے ہیں۔

چہارم۔۔۔ حق تعالیٰ نے جس طرح ان کو برزخی حیات سے ممتاز فرمایا ہے اسی طرح ان کے اجسام بھی محفوظ رہتے ہیں گویا ان کی ارواح کو جسمانی نوعیت اور ان کے اجسام کو روح کی خاصیت حاصل ہوتی ہے۔

پنجم۔۔۔ موت سے شہید کے اعمال ختم نہیں ہوتے نہ اس کی ترقی درجات میں فرق آتا ہے بلکہ موت کے بعد قیامت تک اس کے درجات برابر بلند ہوتے رہتے ہیں۔

ششم۔۔۔ حق تعالیٰ ارواحِ شہداء کو خصوصی مسکن عطا کرتے ہیں جو یاقوت وزبرجد اور سونے کی قندیلوں کی شکل میں عرشِ اعظم سے آویزاں رہتے ہیں اور جنت میں چمکتے ستاروں کی طرح نظر آتے ہیں۔

بہت سے عارفین نے جن میں عارف باللہ حضرت شیخ شہید مظہر جانِ جاناں بھی شامل ہیں ذکر کیا ہے کہ شہید چونکہ اپنے نفس، اپنی جان اور اپنی شخصیت کی قربانی بارگاہِ الوہیت میں پیش کرتا ہے اس لئے اس کی جزا اور صلہ میں اسے حق جل شانہٗ کی تجلی ذاتی سے سرفراز کیا جاتا ہے اور اس کے مقابلے میں کونین کی ہر نعمت ہیچ ہے۔

حضرات! شہادت نتیجہ ہے جہاد کا، اور ہم نے کتاب اللہ کی ان آیات اور بہت سی احادیث نبویہ سے تعرض نہیں کیا جو جہاد کے سلسلہ میں وارد ہیں چنانچہ ''صحیح بخاری'' اور ''صحیح مسلم'' میں متعدد صحابہ کرام، حضرت عبداللہ بن رواحہ اور سہل بن سعد وغیرہما رضی اللہ عنہم سے مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''اللہ تعالیٰ کے راستے میں ایک صبح کو یا ایک شام کو جہاد کے لئے نکل جانا دنیا اور دنیا بھر کی ساری دولتوں سے بہتر ہے''۔(۱)

اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

''مجاہد فی سبیل اللہ کی مثال ایسی ہے کہ کوئی شخص ساری عمر رات بھر قیام کیا کرے اور دن کو روزہ رکھا کرے، جہاد فی سبیل اللہ کے برابر کوئی نیکی نہیں''۔(۲)

ان کے علاوہ اور بہت سی احادیث ہیں۔

---

(۱) صحیح البخاری، کتاب الجهاد، باب الغدوة والروحة فی سبیل الله وقاب قوسین احدکم من الجنة ج:۱ ص:۳۹۲، ط: قدیمی. الصحیح لمسلم، کتاب الامارة، باب فضل الغدوة والروحة فی سبیل الله ج:۲ ص:۱۴۳، ط: قدیمی

(۲) صحیح البخاری، کتاب الجهاد، باب فضل الجهاد والسیر ج:۱ ص:۳۹۱، ط: قدیمی

شہید کسے کہتے ہیں؟

حضرات! شہید کی کئی قسمیں ہیں، ان میں سب سے عالی مرتبہ وہ شہید ہے جو اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی اور اللہ کی بات کو اونچا کرنے کے لئے میدانِ جنگ میں کافروں کے ہاتھوں قتل ہو جائے۔ اس کے علاوہ اپنے دین کی حفاظت کرتے ہوئے جو قتل ہو جائے وہ بھی شہید ہے، جو شخص اپنی جان کی حفاظت کرتے ہوئے قتل ہو جائے وہ بھی شہید ہے اور جو شخص اپنے مال کی حفاظت کرتے ہوئے قتل ہو جائے وہ بھی شہید ہے، جیسا کہ سعد بن زید رضی اللہ عنہ کی روایت سے نسائی، ابوداؤد اور ترمذی میں حدیث موجود ہے۔(۱)

امام بخاریؒ اور امام مسلمؒ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''پانچ آدمی شہید ہیں: جو طاعون سے مرے، جو پیٹ کی بیماری سے مرے، جو پانی میں غرق ہو جائے، جو مکان گرنے سے مر جائے اور جو اللہ کی راہ میں شہید ہو جائے''۔(۲)

حضرت جابر بن عتیک رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''اللہ کے راستے میں قتل ہونے کے علاوہ سات قسم کی موتیں شہادت ہیں: طاعون سے مرنے والا شہید ہے، ڈوب کر مرنے والا شہید ہے، نمونیہ کے مرض سے مرنے والا شہید ہے، پیٹ کی بیماری سے مرنے والا شہید ہے، جل کر مرنے والا شہید ہے، دیوار کے نیچے دب کر مرنے والا شہید ہے، جو عورت حمل یا ولادت میں انتقال کر جائے وہ شہید ہے''۔(یہ حدیث امام مالک ابوداؤد اور نسائی نے روایت کی ہے)(۳)۔

ابوداؤد میں حضرت امِ حرام رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا:

''سمندر میں سر چکرانے کی وجہ سے جس کو قے آنے لگے اس کے لئے شہید کا ثواب ہے''۔(۴)

نسائی شریف میں حضرت صفوان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا:

---

(۱) سنن ابی داؤد، کتاب السنة، باب فی قتال اللصوص ج:۲ ص:۶۵۸، ط: حقانیه پشاور.
سنن الترمذی، ابواب الدیات عن رسول الله صلی الله علیه وسلم، باب ماجاء من قتل دون ماله فهو شهید ج:۱ ص:۱۷۰، ط: فاروقی کتب خانه ملتان

(۲) صحیح البخاری، کتاب الجهاد، باب الشهادة سبع سوی القتل ج:۱ ص:۳۹۷، ط: قدیمی.
الصحیح لمسلم. کتاب الامارة. باب بیان الشهداء ج:۲ ص:۱۴۲،۱۴۳، ط: قدیمی

(۳) مؤطا الامام مالك، کتاب الجنائز، باب النهی عن البکاء علی المیت ص:۲۱۵، ط: قدیمی.
سنن النسائی، کتاب الجنائز، باب النهی عن البکاء علی المیت ج:۱ ص ۲۶۱، ط: قدیمی

(۴) سنن ابی داؤد، کتاب الجهاد، باب فی رکوب البحر و فضل قتل الکافر ج:۱ ص:۳۳۷، ط: حقانیه

''نفاس میں (ولادت کے بعد) مرنے والی عورت کے لئے شہادت ہے''۔(۱)

نسائی شریف میں حضرت سوید بن مقران سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''جو شخص ظلم کی مدافعت کرتے ہوئے مارا جائے وہ شہید ہے''۔(۲)

ترمذی شریف میں حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ وہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ:

''شہید چار قسم کے ہیں: ایک وہ شخص جس کا ایمان نہایت عمدہ اور پختہ تھا اس کا دشمن سے مقابلہ ہوا، اس نے اللہ کے وعدوں کی تصدیق کرتے ہوئے داد شجاعت دی یہاں تک کہ قتل ہو گیا، یہ شخص اتنے بلند مرتبے میں ہوگا کہ قیامت کے روز لوگ اس کی طرف یوں نظر اٹھا کر دیکھیں گے، یہ فرماتے ہوئے آپ نے سر اوپر اٹھایا یہاں تک کہ آپ کی ٹوپی سر سے گر گئی (راوی کہتے ہیں کہ مجھے معلوم نہیں کہ اس سے حضرت عمرؓ کی ٹوپی مراد ہے یا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی) فرمایا: دوسرا وہ مومن آدمی جس کا ایمان نہایت پختہ تھا، دشمن سے اس کا مقابلہ ہوا مگر حوصلہ کم تھا، اس لئے مقابلے کے وقت اسے ایسا محسوس ہوا گویا خار دار جھاڑی کے کانٹے اس کے جسم میں چبھ گئے ہوں (یعنی دل کانپ گیا اور رونگٹے کھڑے ہو گئے) تاہم کسی نامعلوم جانب سے تیر آ کر اس کے جسم میں پیوست ہو گیا اور شہید ہو گیا، یہ دوسرے مرتبہ میں ہوگا۔ تیسرے وہ مومن آدمی جس نے اچھے اعمال کے ساتھ کچھ برے اعمال کی آمیزش بھی کر رکھی تھی دشمن سے اس کا مقابلہ ہوا اور اس نے ایمان ویقین کے ساتھ خوب ڈٹ کر مقابلہ کیا، حتیٰ کہ قتل ہو گیا یہ تیسرے درجے میں ہوگا۔ چوتھے وہ مومن آدمی جس نے اپنے نفس پر (گناہوں سے) زیادتی کی تھی (یعنی نیکیاں کم اور گناہ زیادہ تھے) دشمن سے اس کا مقابلہ ہوا اور اس نے خوب جم کر مقابلہ کیا، یہاں تک کہ قتل ہو گیا، یہ چوتھے درجے میں ہوگا''۔(۳)

مسند دارمی میں حضرت عتبہ بن عبد السلمی سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''راہ خدا میں قتل ہونے والے تین قسم کے لوگ ہیں: ایک وہ مومن جس نے اپنی جان و مال سے راہ خدا میں جہاد کیا، دشمن سے مقابلہ ہوا خوب لڑا یہاں تک کہ شہید ہو گیا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہ وہ شہید ہے جس کے دل کو اللہ تعالیٰ نے تقویٰ کے لئے چن لیا، یہ عرش الٰہی کے نیچے اللہ تعالیٰ کے بنائے ہوئے خیمے میں ہوگا نبیوں کو اس پر فضیلت صرف درجہ نبوت کی وجہ سے ہوگی۔ دوسرے وہ مومن جس نے کچھ نیک عمل کئے تھے کچھ

(۱) سنن النسائی، کتاب الجنائز، باب النهی عن البکاء علی المیت ج:۱ ص ۲٦١، ط: قدیمی

(۲) سنن النسائی، کتاب المحاربة، باب من قاتل دون مظلمة ج:۲ ص:۱۷۳، ط: قدیمی

(۳) سنن الترمذی، ابواب فضائل الجهاد، باب ماجاء فی فضل الشهداء عندالله ج:۱ ص:۱۹۸، ط: فاروقی کتب خانه

برے، اس نے جان و مال کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے راستے میں جہاد کیا، اور دشمن کے مقابلے میں لڑا یہاں تک کہ قتل ہو گیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے بارے میں فرمایا: مٹا دینے والی (تلوار) نے اس کی غلطیوں اور گناہوں کو مٹا دیا ہے، بلا شبہ تلوار گناہوں کو مٹا دیتی ہے اور اس شہید کو اجازت دی گئی کہ وہ جس دروازے سے چاہے جنت میں داخل ہو جائے۔ تیسرا منافق: جس نے جان و مال سے جہاد کیا دشمن سے مقابلہ ہوا مارا گیا، یہ دوزخ میں جائے گا کیونکہ تلوار (اور گناہوں کو تو مٹا دیتی ہے) مگر نفاق (دل میں چھپے ہوئے کفر) کو نہیں مٹاتی''۔ (۱)

حاصل یہ کہ ان تمام احادیث کو جن میں شہادت کی اموات کو متفرق بیان کیا ہے جمع کر لیا جائے تو شہداء کی فہرست کافی طویل ہو جاتی ہے اور سب جانتے ہیں کہ جو لوگ مفہوم مخالف کے قائل ہیں ان کے نزدیک بھی عدد میں مفہوم مخالف کا اعتبار نہیں۔ نہایت جلدی میں یہ چند احادیث پیش کی گئیں ورنہ اس موضوع کے استیعاب کا قصد کیا جاتا تو شہداء کی تعداد کافی زیادہ نکل آتی۔ (۲)

پھر قیاس و اجتہاد کے ذریعہ ایسے شہداء کو بھی ان سے ملحق کیا جا سکتا ہے جو اگرچہ احادیث میں صراحۃً نہیں آئے مگر حدیث کے اشارات سے نکالے جا سکتے ہیں، مثلاً فرمایا: جو اپنے مال کی مدافعت کرتا ہوا مارا جائے وہ شہید ہے، اب یہ عام ہے جو تمام حقوق کو شامل ہے لہٰذا جو شخص مادرِ وطن کی حفاظت کرتا ہوا مارا جائے وہ شہید ہو گا، جو ظلم و عدوان کا مقابلہ کرتے ہوئے مارا جائے وہ شہید ہو گا۔ الغرض جو مسلمان اپنی جان کی، اپنے اہل و عیال کی، اپنی عزت کی، اپنے مال کی، اپنے وطن کی، سرزمینِ اسلام کے وقار کی اور مسلمانوں کی عزت و قوت کی حفاظت کرتا ہوا مارا جائے وہ حسبِ درجۂ شہید کا مرتبہ پائے گا بشرطیکہ اس کی مدافعت رضائے الٰہی کے لئے ہو محض جاہلی عصبیت، خالص قومیت اور جاہلی حمیت کی بنا پر نہ ہو۔

مسلمانوں کی ذلت و رسوائی کے اسباب

کون نہیں جانتا کہ ''وطن'' اپنی ذات میں کوئی مقدس چیز نہیں، اس کی عزت و حرمت محض اس وجہ سے ہے کہ وہ اسلام کی شان و شوکت اور اس کی سربلندی کا ذریعہ ہے اور ''قومی اسٹیٹ'' میں سوائے اس کے تقدیس کا کوئی پہلو نہیں کہ وہ اسلامی قوت کا مرکز اور مسلمانوں کی عزت و شوکت کا مظہر ہے۔ آج جو مشرق و مغرب میں اسلام دشمن طاقتیں عرب و عجم کے مسلمانوں کے خلاف متحد ہو کر انہیں خود ان کے اپنے علاقوں میں طرح طرح سے

---

(۱) سنن الدارمی، کتاب الجهاد، باب فی صفة القتل فی سبیل الله ج:۲ ص:۲۷۲، ط: دارالکتاب العربی بیروت

(۲) مظاہر حق شرح مشکوۃ میں، مرقاۃ اور ''طوالع الانوار حاشیہ درمختار'' کے حوالے سے نیز شامی نے ردالمحتار میں شہداء کی فہرست شمار کی ہے جو کم و بیش ساٹھ ہیں۔ (مترجم)

ذلیل وخوار اور پریشان کررہی ہیں، اس کا واحد سبب یہ ہے کہ ہم نے فریضۂ جہاد سے غفلت برتی اور مرتبۂ شہادت حاصل کرنے کا ولولہ جاتا رہا، جہاد سے غفلت کی وجہ یہ نہیں کہ ہمارے پاس مال ودولت اور مادی وسائل کا فقدان ہے یا یہ کہ مسلمانوں کی مردم شماری کم ہے، اللہ رب العزت نے اسلامی عربی ممالک کو ثروت اور مال کی فراوانی کے وہ اسباب عنایت فرمائے ہیں جو کبھی تصور میں بھی نہیں آسکتے تھے صرف یہی نہیں بلکہ ان وسائل میں یہ اسلام دشمن طاقتیں بھی عالم اسلام اور ممالک عربیہ کی دست نگر اور محتاج ہیں، الغرض آج مسلمانوں کی ذلت کا سبب وسائل کی کمی نہیں بلکہ اس کا اصل باعث ہمارا باہمی شقاق ونفاق ہے، ہم نے اجتماعی ضروریات پر شخصی اغراض کو مقدم رکھا، انفرادی مصالح کو قومی مصالح پر ترجیح دی، راحت وآسائش کے عادی ہو گئے، روحِ جہاد کو کچل ڈالا اور آخرت اور جنت کے عوض جان ومال کی قربانی کا جذبہ سرد پڑ گیا۔ یہ ہیں وہ اسباب جن کی بدولت مسلمان قوم اوجِ ثریا سے ذلت وحقارت کی عمیق وادیوں میں جا گری۔

حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ کی حدیث جس کو امام ابوداؤد وغیرہ نے روایت کیا، اہل علم کے حلقہ میں معروف ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''وہ زمانہ قریب ہے جبکہ تمام اسلام دشمن قومیں تمہارے مقابلے میں ایک دوسرے کو دعوتِ ضیافت دیں گی، ایک صاحب نے عرض کیا یا رسول اللہ! کیا اس وجہ سے کہ اس دن ہماری تعداد کم ہوگی؟ فرمایا: نہیں! بلکہ تم بڑی کثرت میں ہوگے لیکن تم سیلاب کے جھاگ کی مانند ہوگے، اللہ تعالیٰ دشمنوں کے دل سے تمہارا رعب نکال دے گا اور تمہارے دلوں میں کمزوری اور دوں ہمتی ڈال دے گا، ایک صاحب نے عرض کیا، یا رسول اللہ! دوں ہمتی سے کیا مراد ہے؟ فرمایا: دنیا کی چاہت اور موت سے گھبرانا''۔(۱)

بہر حال جب ہم مسلمانوں کی موجودہ ناگفتہ بہ زبوں حالی کے اسباب کا جائزہ لیتے ہیں تو ہمارے سامنے چند چیزیں ابھر کر آتی ہیں جن کی طرف ذیل میں نہایت اختصار سے اشارہ کیا جاتا ہے:۔

اوّل:......اعداءِ اسلام پر وثوق واعتماد اور بھروسہ کرنا (خواہ روس ہو یا امریکہ ومغربی اقوام) ظاہر ہے کہ کفر اپنے اختلافات کے باوجود ایک ہی ملت ہے، اور اللہ تعالیٰ پر اعتماد وتوکل اور مسلمانوں پھر بھروسہ نہ کرنا جب کہ تمام مسلمانوں کو حکم ہے کہ:

﴿وَعَلَى اللهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ﴾ [آل عمران: ۱۶۰]

صرف اللہ پر ہی بھروسہ کرنا چاہیے مسلمانوں کو۔

اس آیت میں نہایت حصر وتاکید کے ساتھ فرمایا گیا ہے کہ مسلمانوں کو اللہ رب العزت کے سوا کسی

---

(۱) سنن ابی داؤد، کتاب الملاحم، باب فی تداعی الامم علی الاسلام ج:۲ ص:۵۹۰، ط: حقانیہ پشاور
مشکوۃ المصابیح، کتاب الرقاق، باب تغیر الناس، الفصل الثانی ج:۲ ص:۴۵۹، ط: قدیمی

شخصیت پر اعتماد اور بھروسہ نہیں کرنا چاہیے، (حیث قدم قولہ: وعلی اللہ)

دوم:...... مسلمانوں کا باہمی اختلاف وانتشار اور خانہ جنگی، جس کا یہ عالم ہے کہ اگر وہ آپس میں کہیں مل بیٹھ کر صلح صفائی کی بات کرتے ہیں تب بھی ان کی حالت یہ ہوتی ہے۔

﴿تَحْسَبُهُمْ جَمِيْعاً وَّقُلُوْبُهُمْ شَتّٰى﴾ [الحشر:١٤]

بظاہر تم ان کو مجتمع دیکھتے ہو مگر ان کے دل پھٹے ہوئے ہیں۔

سوم:...... توکل علی اللہ سے زیادہ مادی اور عادی اسباب پر اعتماد، بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں ان تمام اسباب ووسائل کی فراہمی کا حکم دیا ہے جو ہمارے بس میں ہوں اور جن سے دشمن کو مرعوب کیا جاسکے، لیکن افسوس ہے کہ ایک طرف سے تو ہم مادی اسباب کی فراہمی میں کوتاہ کار ہیں اور دوسری طرف فتح ونصرت کا جو اصل سرچشمہ ہے اس سے غافل ہیں، ارشاد خداوندی ہے:

﴿وَمَاالنَّصْرُ اِلَّا مِنْ عِنْدِ اللهِ الْعَزِيْزِ الْحَكِيْمِ﴾ [آل عمران:١٢٦]

نصرت وفتح تو صرف اللہ عزیز وحکیم کے پاس ہے اور اسی کی جانب سے ملتی ہے۔

تاریخ کے بیسیوں نہیں سینکڑوں واقعات شاہد ہیں کہ کافروں کے مقابلہ میں بے سروسامانی اور قلتِ تعداد کے باوجود فتح ونصرت نے مسلمانوں کے قدم چومے۔

چہارم:...... دنیا سے بے پناہ محبت، عیش پرستی اور راحت پسندی، آخرت کے مقابلے میں دنیا کو اختیار کرنا، قومی اور ملی تقاضوں پر اپنے ذاتی تقاضوں کو ترجیح دینا اور روح جہاد کا نکل جانا، اس کی تفصیل طویل ہے قرآن کریم کی سورہ آل عمران اور سورہ توبہ میں نہایت عالی مرتبہ عبرتیں موجود ہیں۔ امت کا فرض ہے کہ اس روشن مینار کو ہمیشہ پیشِ نظر رکھے۔

بہرحال اللہ کے راستے میں کلمۂ اسلام کی سربلندی کے لئے دشمنوں سے معرکۂ آرائی راہِ خدا میں جہاد کرنا اور اسلام کی خاطر اپنی جان قربان کردینا نہایت بیش قیمت جوہر ہے۔ قران کریم اور سیدنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے دنیوی فوائد اور اخروی درجات کو ہر پہلو سے روشن کردیا ہے اور اس کی وجہ سے امتِ محمدیہ پر جو عنایات الٰہیہ نازل ہوتی ہیں ان کے اسرار کو نہایت فصاحت وبلاغت سے واضح کردیا ہے۔

حضرات! یہ ایک مختصر سا مقالہ ہے جو نہایت مصروفیت اور کم وقت میں لکھا گیا اس لئے بحث کے بہت سے گوشے تشنہ رہ گئے ہیں جس پر مسامحت کی درخواست کروں گا، آخر میں ہم حق تعالیٰ سے دعا کرتے ہیں کہ ہماری غلطیوں کی اصلاح فرمائے، ہمارے درمیان قلبی اتحاد پیدا فرمائے، کافروں کے مقابلہ میں ہماری مدد اور نصرت فرمائے اور ہمیں صبر، عزیمت، مسلسل محنت کی لگن اور تقویٰ کی صفات سے سرفراز فرما کر کامیاب فرمائے۔ آمین۔

[ربیع الثانی ۱۳۹۱ھ]

علم کی اقسام اور ان کے حصول کا راستہ

علم دنیا میں دو راستوں سے آیا، ہے ایک علمِ الٰہی ہے جو بذریعہ وحی انبیاء کرام علیہم السلام کے توسط سے دنیا والوں کو پہنچا ہے، اس علم کے معلم اوّل خود حضرت حق سبحانہ وتعالیٰ شانہٗ کی ذات گرامی صفات ہے اور اس کے اوّلین شاگرد حضرات انبیاء کرام علیہم السلام ہیں، اس مقدس سلسلۂ تلامذہ میں پہلے شاگرد اور متعلم ابوالبشر سیدنا آدم علیہ السلام ہیں، جن کے علم وفضل کا لوہا ملائکہ مقربین تک نے مانا ہے اور اس لحاظ سے حضرت آدم علیہ السلام کے ذریعہ ہی اس علم الٰہی کا پہلا درس حظیرۂ قدس کی درس گاہ میں ملاء اعلیٰ کے فرشتوں کو ہی دیا گیا ہے۔ یہ علم الٰہی وہ علم ہے جس کے ادراک ومعرفت سے عقل انسانی قاصر وعاجز ہے اس لئے کہ یہ حقائق الٰہیہ اور علوم غیبیہ عقل انسانی کی دسترس سے بالاتر اور وراء الوراء (دور سے دورتر) ہیں: ارشاد ہے:

﴿وَلَا يُحِيْطُوْنَ بِشَيْءٍ مِّنْ عِلْمِهٖٓ اِلَّا بِمَا شَاۗءَ﴾ [البقرة:۲۵۵]

اور وہ (انسان) نہیں احاطہ کر سکتے اس کے علم کے کسی حصہ پر بھی بجز اس کے جو وہ خود (عطا فرمانا) چاہے۔ اور اس "بما شاء" کے استثناء کے تحت ان علوم کا جو حصہ انسان کو دیا گیا ہے وہ علم الاولین والآخرین (اگلوں اور پچھلوں سب کا علم) ہونے کے باوجود بھی "قدر قلیل" گویا بحرِ ذخار کے ایک قطرہ کا مصداق ہے، ارشاد ہے:

﴿وَمَآ اُوْتِيْتُمْ مِّنَ الْعِلْمِ اِلَّا قَلِيْلًا﴾ [بنی اسرائیل:۸۵]

اور جو علم تم کو دیا گیا ہے وہ تو بہت ہی تھوڑا علم ہے۔

دوسرا وہ علم ہے جس کا ذریعہ عقل وادراک کا وہ جوہر لطیف ہے جو خالق کائنات نے ہر انسان کی فطرت میں علیٰ فرق المراتب (درجہ بدرجہ) ودیعت فرمایا ہے، جس کا ظہور ہر بچہ میں ہوش سنبھالنے سے پہلے ہی شروع ہو جاتا ہے اور سن وسال نیز محسوسات ومشاہدات اور تجربات کے اضافہ کے ساتھ ساتھ بڑھتا اور ترقی کرتا رہتا ہے۔

بحیثیت مجموعی ہر دور میں عقلِ انسانی میں جتنی پختگی پیدا ہوتی گئی یہ "فکری ونظری علم" بڑھتا اور ترقی وتنوع اختیار کرتا رہا اور جوں جوں نسل انسانی کو نت نئی حاجات وضروریات پیش آتی رہیں ان کو پورا کرنے کی تگ ودو میں اس علم کا دائرہ وسیع سے وسیع تر ہوتا رہا۔

لیکن اس علم انسانی کے مبادی محسوسات ومشاہدات وتجربات سے انتفاع میں بھی عقل انسانی کی ابتدائی رہنمائی وحی والہام الٰہی کے ذریعہ ہی ہوئی ہے اور تمام تر صنعتوں اور حرفوں کے اصول ومبادی کے معلم اول بھی انبیاء کرام علیہم السلام ہی ہوئے ہیں۔

چنانچہ تمام مفسرین اس پر متفق ہیں کہ حضرت آدم علیہ السلام کی وہ تمام تر آسمانی تعلیمات جن کی تبلیغ وتعلیم کے لئے انھیں مبعوث کیا گیا تھا معبودِ حقیقی کی ابتدائی معرفت اور اس روئے زمین پر انسان زندگی کے ابتدائی

لوازمات غذا، لباس اور مسکن کے مہیا کرنے کے طریقوں کی تعلیم پر مشتمل تھیں، حضرت ادریس علیہ السلام خیاطت (کپڑے سینے) کے معلم اوّل تھے، حضرت نوح علیہ السلام کشتی سازی اور جہاز سازی کے معلم اوّل ہوئے ہیں، حضرت داؤد علیہ السلام آلات حرب میں سے زرہ سازی کے معلم اوّل اور حضرت سلیمان علیہ السلام فنونِ لطیفہ میں سے عمارت سازی اور ظروف سازی کے معلم اوّل ہوئے ہیں، معدنیات میں سے خام لوہے سے فولاد تیار کرنے اور تانبہ کو سیال کرنے کی صنعت کے معلم اوّل بھی حضرت داؤد و سلیمان علیہما السلام ہی ہوئے ہیں، قرآن کریم کی نصوص اور صریح آیات اس پر شاہد ہیں۔

لیکن یہ تمام علوم جو انسانی عقل اور قوتِ اختراع کے ذریعہ پروان چڑھے اور دنیا میں پھیلے درحقیقت علوم نہیں بلکہ فنون صنعت وحرفت ہیں جنہیں انسانی عقل، موجودات عالم خصوصاً زمین اور اس کی اندرونی وبیرونی پیداوار یعنی معدنیات ونباتات وحیوانات، پہاڑوں اور جنگلات کی طبعی پیداوار کے افعال وخواص اور منفعتوں مضرتوں کے مسلسل مطالعہ اور ان کی تحلیل وترکیب سے انسانی ضروریاتِ زندگی پورا کرنے والی نوع بنوع ایجادات واختراعات کو سالہا سال تک بروئے کار لاتی رہی ہے اور یہ نو بنو مصنوعات وجود میں آتی رہی ہیں۔

بہر حال! قرآن کریم کی روشنی میں یہ تو مسلم ہے کہ حیاتِ انسانی کے ابتدائی مراحل میں عقلِ انسانی کی رہنمائی بھی وحی الٰہی کے ذریعہ ہوئی ہے بلکہ مستدرک حاکم کی ایک روایت سے تو معلوم ہوتا ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کی ذریت میں نسلاً بعد نسلٍ جو صنعتیں اور حرفتیں قیامت تک وجود میں آنے والی تھیں جن کی تعداد اس روایت کے بموجب ایک ہزار ہے وہ سب اللہ جل شانہٗ نے حضرت آدم کو سکھائی ہیں آیت کریمہ ''وعلم آدم الاسماء کلھا'' سے اس روایت کی تائید ہوتی ہے، فلسفہ توالد وتناسل کی رو سے بھی آدم یعنی ابوالبشر کی خلقت اور فطرت میں ان تمام کمالات وفنون کے اجمالی نقوش موجود ہونے ضروری ہیں ان کی ذریت میں بطور توارث نسل انسانی کے مختلف ادوار میں وجود میں آنے والے ہیں۔

انسانی عقل وقوت اختراع اور دنیا

اس جہانِ حدوث وفنا یعنی دنیا کے بقاء وارتقاء کے لئے یہ علومِ عقلیہ صناعیہ اور ضروریاتِ زندگی کی کفیل صنعتیں بے حد ضروری ہیں اور ہر دور میں حق تعالیٰ شانہٗ عقل وادراکِ انسانی کی تحقیقات وتجربات کے ذریعے اپنی گوناگوں عنصری، معدنی، نباتاتی اور حیوانی مخلوق میں چھپی ہوئی بے شمار صلاحیتیں، منفعتیں اور مضرتیں ظاہر کرتے اور منظر عام پر لاتے رہے ہیں اس لئے کہ خالقِ کائنات نے حضرت انسان کو ہی ان پر متصرف بنایا ہے اور انہی ارضی وسماوی کائنات ومخلوقات سے اس کی زندگی وابستہ ہے، ارشاد ہے:

﴿وَسَخَّرَ لَكُمْ مَّا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ﴾ [الجاثیہ:۱۳]

وہ جو آسمانوں اور زمینوں میں ہے سب تمہارے تصرف میں دے دیا ہے۔

﴿خَلَقَ لَكُمْ مَّا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا﴾ [البقرة:۲۹]

جو کچھ زمین میں ہے سب تمہارے لئے ہی پیدا کیا ہے۔

چنانچہ انسانی عقل اور قوت اختراع کے ذریعہ "خلق لکم" اور "سخر لکم" کی عملی تفسیر ہمیشہ سامنے آتی رہی ہے اور رہتی دنیا تک آتی رہے گی نئی نئی دریافتیں ہوتی رہیں گی اور نو بنو ایجادات و مصنوعات منظر عام پر آتی رہیں گی، نہ کائنات میں اللہ تعالیٰ نے ودیعت فرمودہ افعال و خواص اور منفعتوں اور مضرتوں کی کوئی حد و انتہا ہے اور نہ ہی انسانی ایجاد و اختراع کی کوئی حد و نہایت ہے۔ درحقیقت خالق کائنات کی ان نو بنو شئون الہیہ کے تحت جن کے متعلق ارشاد ہے: ﴿كُلَّ يَوْمٍ هُوَ فِيْ شَاْنٍ﴾ [الرحمن:۲۹] ہر روز اس کی نئی شان اور نرالی شان ہے، ہر نیا دن اپنے ساتھ نئی نئی دریافتیں اور نو بنو ایجادات و اختراعات لاتا ہے۔

اس طرح ایک طرف اس کارخانہ قدرت کی لامحدود وسعت، ہمہ گیری اور احاطہ کا اور دوسری طرف روز افزوں دولت و ثروت اور نو بنو لوازم معیشت کا ظہور ہوتا ہے اور حق جل وعلیٰ کے کمال علم و قدرت اور محیر العقول کائناتی نظام کی حکمتیں اور اسرار ظاہر ہوتے رہتے ہیں تاکہ یہ حضرت انسان ان "آیات بینات" روشن دلائل کو دیکھ کر زبانِ حال اور زبانِ قال دونوں طریق پر اعتراف کرتے رہیں:

﴿رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلًا﴾ [آل عمران:۱۹۱]

اے پروردگار! بے شک تو نے اس (کارخانہ قدرت و بوقلمونی) کو بے فائدہ نہیں پیدا کیا ہے۔

ظاہر ہے کہ دنیا کی یہ گوناگوں ارضی و سماوی موجودات اور ان کے حقائق و عجائبات اور اسرار و حکم کے دریافت و انکشافات کا کفیل عقل و ادراک انسانی ہی کو بنایا گیا ہے اسی میں وہ شب و روز مصروف و منہمک ہے اور قیامت تک رہے گی اسی لئے کسی رند مشرب کا مقولہ ہے کہ "خدا اور انسان اپنی تخلیق پیہم سے زندہ ہیں" بات ایک حد تک صحیح ہے لیکن انداز بیان عظمت و جلال خداوندی کے منافی اور تعبیر گستاخانہ ہے۔

انبیاء علیہم السلام کا فرض منصبی

ان صناعی علوم کا انبیاء علیہم السلام کے فرض منصبی سے کوئی تعلق نہیں۔ نبوت کا فرضِ منصبی تو یہ ہے کہ ان حقائق الہیہ اور مرضیات خداوندی کو وہ بیان کریں جن کی معرفت سے عقل انسانی قاصر ہے اسی لئے خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک موقعہ پر ارشاد فرمایا ہے:

"انتم اعلم بأمور دنياكم"(۱)

---

(۱) صحيح مسلم، كتاب الفضائل، باب وجوب امتثال ماقاله شرعًا: ۲ص: ۲٦٤، ط: قديمي

دنیاوی دھندوں کو تم خود ہی خوب جانتے ہو۔

انبیاء علیہم السلام کا اصلی کام حق تعالیٰ کی ذات وصفات وکمالات کی معرفت، عبادت و طاعت الٰہی کے طریقوں اور "مافی السموات والارض" سے انتفاع واستعمال کے سلسلہ میں مرضیاتِ الٰہیہ اور منشاء خداوندی سے آگاہ کرنا، مبدا ومعاد کے احوال، مرنے کے بعد کی زندگی کے کوائف، حساب وکتاب، اعمال کی تفصیلات اور جزاوسزا، جنت ودوزخ وغیرہ حقائق دینیہ کا بیان کرنا ہے یہ وہ علم ہے جس کا عقل انسانی قطعی ادراک نہیں کرسکتی۔

قانون الٰہی اور مذہب ساوی کی ضرورت

اگر اس نظام کا بقاء وارتقاء ان دنیوی علوم وفنون اور وسائل وضروریات کی تکمیل پر موقوف ہے تو دنیا کا معنوی بقاء، روحانی ارتقاء، انسان کی درندگی اور بہیمیت سے محفوظ انسانیت کی تعلیم وتربیت پر موقوف ہے، اگر نفوس کی تعلیم وتربیت، قلوب کی اصلاح وتزکیہ اور اس خلق لکم ما فی الارض جمیعا (جو کچھ زمین میں ہے سب تمہارے فائدہ کے لئے پیدا کیا ہے) سے انتفاع میں عقلِ انسانی کی صحیح رہنمائی علوم وحی یعنی مذہب اور دین الٰہی کے ذریعہ نہ کی جائے اور عقل انسانی کو آزاد اور شترِ بے مہار کی طرح بے لگام چھوڑ دیا جائے تو یہ پورا کارخانۂ قدرت اور سارا عالم خود اسی انسان کے ہاتھوں جس کی فلاح وبہبود کے لئے یہ پیدا کیا گیا ہے یکسر تباہ وبرباد ہو جائے اور روئے زمین فساد وبربریت، قتل وغارت اور درندگی کی آماجگاہ بن کر رہ جائے جس کی نشاندہی آیتِ کریمہ ذیل میں کی گئی ہے:

﴿ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَ الْبَحْرِ بِمَا كَسَبَتْ اَيْدِي النَّاسِ﴾ [الروم:۴۱]

بحر وبر میں لوگوں کی کرتوتوں کی وجہ سے ایک فساد برپا ہے۔

اس لئے قانونِ قدرت کا تقاضا اور بقاء اصلح کے اصول کا فیصلہ یہی ہے کہ ہر دور میں اس سرزمین پر انسانی دسترس سے بالاتر قانونِ الٰہی اور مذہبِ ساوی کا وجود ضروری ہے تاکہ انسان انسان رہیں حیوان اور درندے نہ بن جائیں۔

موجوداتِ عالم سے انتفاع اور ان کے استعمال پر مذہب یعنی احکامِ الٰہیہ کی یہ پابندی اس لئے بھی ضروری اور ناگزیر ہے کہ خالق کائنات نے جس طرح انسان کی "عبدیت" یا کہیے عقل وخرد کی آزمائش اور اس کے اشرف المخلوقات ہونے کی اہلیت کو ظاہر کرنے کی غرض سے خود انسان کی خلقت میں نکوکاری و پرہیزگاری اور فسق وفجور وبدکاری دونوں کے رجحانات فطری پر رکھ دیئے، ارشاد ہے:

﴿فَاَلْهَمَهَا فُجُوْرَهَا وَتَقْوٰاهَا﴾ [الشمس:۸]

پس دل میں ڈال دیا اس کے اس کی بدکاری کو اور پرہیزگاری کو۔

اور متنبہ فرمادیا:

﴿قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكّٰهَا وَقَدْ خَابَ مَنْ دَسّٰهَا﴾ [الشمس:۹،۱۰]

بے شک جس نے اس نفس کو پاک وصاف کرلیا اس نے فلاح پائی اور جس نے اس کو زندہ درگور کردیا وہ خسارہ میں رہا۔

اسی طرح انسان کے تصرف اور استعمال میں دی جانے والی تمام موجوداتِ عالم میں منفعت اور مضرت دونوں قسم کے خواص واثرات بھی رکھ دیئے، دنیا کی کوئی بھی چیز نہ اس طرح منفعت رساں ہے کہ اس میں مضرت کا شائبہ بالکل نہ ہو اور نہ ایسی مضرت رساں کہ اس میں منفعت کا کوئی شائبہ نہ ہو، حتی کہ سمیات میں بھی عظیم منافع موجود ہیں، پھر صرف اتنا ہی نہیں کہ منفعت ومضرت کا کوئی یکساں اور مطرد ضابطہ نہیں بلکہ ایک ہی چیز ایک وقت اور ایک حالت میں نافع مفید اور حیات آفرین ہے اور وہی چیز دوسرے وقت اور دوسرے حالات میں سخت مضر اور ہلاکت خیز ہوتی ہے، طبائع اور امزجہ میں بھی اسی طرح کا فرق اور تفاوت رکھا کہ ایک ہی چیز ایک شخص کے لئے مضر اور مہلک ہے اور وہی چیز دوسرے شخص کے لئے مفید اور صحت بخش ہے اور اس متنوع اور متضاد افعال وخواص کی حامل موجودات پر متصرف بنادیا۔ اس نکوکاری اور بدکاری دونوں قسم کے متضاد رجحانات کی مالک مخلوق انسان کو پھر اچھی بری، مفید ومضر اشیاء کے انتخاب کا اختیار صرف عقل وخرد کے ہاتھ میں نہیں دیا بلکہ نفسانی اغراض وخواہشات کو اس انتخاب میں دراندازی کرنے کی پوری قدرت دیدی، نتیجہ یہ ہے کہ ہر وقت اور ہر قدم پر عقل وخرد اور نفسانی اغراض وخواہشات میں زبردست کشمکش اور کھینچ تان برپا ہے اور یہ ظلوم وجہول مخلوق یعنی حضرت انسان سرپکڑے حیران کھڑا ہے۔

اسی ہوا وہوس اور عقل وخرد کی کش مکش کے مواقع کے لئے اللہ رب العالمین اپنی اس ''حامل امانت مخلوق'' حضرت انسان کی رہنمائی فرماتے ہیں:

﴿عَسٰى اَنْ تَكْرَهُوْا شَيْئًا وَّ هُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ وَ عَسٰى اَنْ تُحِبُّوْا شَيْئًا وَّ هُوَ شَرٌّ لَّكُمْ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ﴾ [البقرة:۲۱۶]

بہت ممکن ہے تم کو ایک چیز پسند نہ ہو اور وہی چیز تمہاری لئے بہتر ہو، اور ایسے ہی بہت ممکن ہے کہ تم کسی چیز کو پسند کرو اور وہ تمہارے لئے بری اور مضر ہو، اللہ ہی (حقیقت حال) جانتا ہے تم نہیں جانتے۔

یعنی زمامِ اختیار ہوا وہوس کے ہاتھ میں ہرگز مت دینا اور ہمیشہ حکم خداوندی کے مطابق اچھے برے اور پسند وناپسند کا فیصلہ کرنا ورنہ تباہ ہوجاؤ گے۔

اس لئے بھی موجوداتِ عالم اور انسانی اختراع کردہ مصنوعات سے انتفاع اور ان کے استعمال کے بارے میں انسان کی رہنمائی اور دستگیری کی شدید ضرورت ہے اور یہ کام مذہب یعنی انسانی دسترس سے بالاتر آسمانی

تعلیمات اور احکامِ الٰہی ہی انجام دے سکتے ہیں اور اس نظامِ عالم کے بقاوتحفظ کے لئے علوم دینیہ کا موجود ومحفوظ رہنا ازبس ضروری اور ناگزیر ہے۔

مذہب اور جدید تعلیم

الغرض مذہب کی تعلیمات انسان پر روز افزوں دنیاوی ترقی کے دروازے ہرگز بند نہیں کرتیں، اس کو جاری رکھنے اور اس کے لوازمات مہیا کرنے پر قدغن ہرگز نہیں لگاتیں۔

مذہب کے متعلق اس قسم کی بہتان تراشی اور اس بنیاد پر خدا کی مخلوق کے دلوں میں مذہب سے نفرت اور بیزاری کے جذبات پیدا کرنا درحقیقت خدا دشمن شیطانوں کا شیوہ ہے اور لادینی کی طرف دعوت دینے والے ملحدوں کا رسوا کن پروپیگنڈہ ہے۔

ذرا سوچئے! مذہب اگر انسان پر روز افزوں مادی ترقی کے دروازے بند کرے تو اس کے معنی تو یہ ہوئے کہ لامحدود قدرتِ خداوندی کے نو بنو کرشموں اور عجائباتِ اسرارالٰہی کے اس مظہر یعنی کارخانۂ قدرت کی تخلیق عبث ہے اور یہ گردش لیل ونہار اور وقت کی رفتار بے معنی اور انسانی فطرت میں ایجاد واختراع کا جوہر ودیعت فرمانا عبث ہے، حالانکہ خالقِ کائنات کا ازلی ابدی کلام قرآن عظیم اسی آسمان وزمین کی متنوع اور گوناگوں مخلوق اور اسی روز وشب کی گردش یعنی وقت کی رفتار کو اربابِ بصیرت کے لئے خالق کائنات کی آیات (عجائبات اور کرشموں) کا مظہر قرار دے رہا ہے، ارشاد ہے:

﴿اِنَّ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافِ الَّیْلِ وَالنَّهَارِ لَاٰیٰتٍ لِّاُولِی الْاَلْبَابِ﴾ [آل عمران:۱۹۰]

بے شک آسمانوں اور زمین کے پیدا کرنے میں اور رات دن کی گردش میں اربابِ عقل وخرد کے لئے بے شمار (قدرت کی) نشانیاں (رکھی ہوئی) ہیں۔

اور انہی آیات کو دیکھ کر تو وہ بے ساختہ کہتے ہیں:

﴿رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلاً سُبْحٰنَكَ فَقِنَا عَذَابَ النَّارِ﴾ [آل عمران:۱۹۱]

اے ہمارے رب! بے شک اس (آسمان وزمین) کو تو نے بیکار اور بے مقصد نہیں پیدا کیا تو تو (بیکار وعبث کام کرنے سے) پاک ومبرا ہے، پس تو ہم کو جہنم کے عذاب سے بچا (اور اس جہل وکج فہمی اور جحود وعناد سے محفوظ رکھ)۔

اس لئے مذہب اور دینی تعلیمات پر اس سے بڑھ کر کوئی بہتان نہیں لگایا جاسکتا کہ وہ روز افزوں ترقیات کے دروازے اپنے ماننے والوں پر بند کرتا ہے یا علوم دینیہ کی اشاعت دنیوی ترقیات کے منافی ہے اور

ان علوم کی درس گاہوں کا وجود ملکی ترقی واستحکام کی راہ میں حائل ہے۔

بلکہ مذہب تو ان تمام انسانی ایجادات واختراعات اور مصنوعات پر جواب تک ہوئی ہیں یا آئندہ ہوتی رہیں کی کنٹرول کرتا ہے جس کی بقا وارتقا اور استحکام کے لئے شدید ضرورت ہے کہ ان کا استعمال صحیح اور برمحل ہو، خالق کائنات کی منشاء اور مرضی کے خلاف اور منافی نہ ہو، انسانیت کی فلاح وبہبود کے لئے استعمال کیا جائے، انسانیت کو ظلم وعدوان کی قربان گاہ پر بھینٹ چڑھانے کے لئے ان سے کام ہرگز نہ لیا جائے۔ روئے زمین پر امن وسلام قائم کرنے اور معاشی، اقتصادی اور سیاسی فتنہ وفساد، استعماری اوٹ کھسوٹ کو مٹانے کے لئے ان سے کام لیا جائے، کمزور قوموں کو مغلوب ومقہور کر کے ان کے ملکوں کے ذخائر دولت وثروت پر ڈاکہ ڈالنے اور استحصال بالجبر کرنے کی غرض سے ہرگز ہرگز ان سے کام نہ لیا جائے۔

علوم دنیا اور علوم آخرت میں کوئی نزاع وتصادم نہیں

اسلام تلوار بنانے پر کوئی پابندی نہیں لگاتا، ہاں! اس کے استعمال پر ضرور پابندی عائد کرتا ہے کہ صحیح طریق پر اس کو استعمال کیا جائے کیوں؟ صرف اس لئے کہ تلوار ایک ظالم وبے رحم قاتل سے قصاص لینے کے لئے بھی استعمال کی جاسکتی ہے اور ایک بے قصور اور بے گناہ انسان کو اپنی شیطانی اغراض وخواہشات کی راہ سے ہٹانے کے لئے بھی استعمال کی جاسکتی ہے۔

اسی طرح اسلام عہد حاضر کے حربی اسلحہ، ٹینک، طیارہ شکن توپیں، بمبار طیارے، میزائل، راڈار اور طرح طرح کے بلاکت خیز بم بنانے سے منع نہیں کرتا، ہاں ان کے استعمال پر پابندی ضرور لگاتا ہے کہ یہ تمام سامان حرب اور آلات جنگ صرف ملک وملت کے دفاع اور اسلام اور مسلمانوں کے دشمنوں کے ظلم وعدوان کا مقابلہ کرنے اور دنیا میں امن وامان قائم کرنے کے لئے استعمال کئے جائیں، استعماری اغراض، کمزور قوموں اور ترقی پذیر ملکوں کو اس حربی طاقت کے دباؤ اور زور سے مغلوب ومرعوب کر کے ان ملکوں کی پیداوار، دولت وثروت پر ڈاکے ڈالنے کے لئے ہرگز استعمال نہ کیا جائے کہ یہ قرآنی عدل وانصاف اور مساوات سے منافی اور روئے زمین پر عالمگیر فتنہ وفساد برپا کرنے کا موجب ہے، جیسا کہ مذکورہ سابق آیت کریمہ میں اس پر تنبیہ کی گئی ہے۔

غرض اسلام مقصد کی تعیین، نیت کی تصحیح، نفوس کے تزکیہ کی اہم ترین ضرورت کو پورا کرتا اور مقدس ترین فرض کو انجام دیتا ہے تاکہ عمل خود بخود صحیح ہو جائے۔

ان وصنائع، ایجادات واختراعات اور مصنوعات کو عدم سے وجود میں لانے پر مجبور کرتی رہیں گی۔ علوم دینیہ الٰہیہ کو دنیا میں لانے اور محفوظ رکھنے والے انبیاء علیہم السلام ہیں اور ان کے بعد ان انبیاء کے وارث یعنی حاملین علوم انبیاء علماء حق ہیں، اس لئے کہ انبیاء علیہم السلام دینار ودراہم، مال ومتاع، جائداد وجاگیر ترکہ میں نہیں چھوڑتے

بلکہ علوم نبوت کی وراثت چھوڑتے ہیں جو ان کے نقش قدم پر چلنے والے حاملین علوم نبوت یعنی علماء دین کے طبقہ میں قرناً بعد قرنٍ منتقل ہوتی چلی آتی ہے اور نظام عالم کے تو ازن کو برقرار رکھتی ہے خاص کر خاتم النبیین سید الاولین و الآخرین صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کے علماء اور حاملین علوم کتاب وسنت کہ ان کے متعلق تو سرکار کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے " العلماء ورثة الانبياء(۱)"۔ اس حدیث کے پیش نظر علماء امت کا کام وہی ہے جو انبیاء کا کام ہے۔

اس بحث وتنقیح سے یہ بات تو بالکل ہی صاف اور واضح ہو جاتی ہے کہ علوم دنیا اور علوم آخرت میں کوئی نزاع یا تصادم قطعاً نہیں ہے، ہاں! دونوں کے مقاصد اور دائرہ کار جدا جدا ہیں، اسی لئے یہ بالکل حقیقت ہے کہ اگر ان انسانی علوم وصنائع کو خالق کائنات کی مرضی اور منشاء کی روشنی میں انسانیت کی خدمت کے لئے وقف کر دیا جائے تو یہ دنیا ساری دین بن جائے اور پھر دین اور دنیا کی تفریق جو محض ایک شیطانی مفروضہ اور منصوبہ ہے بالکل ہی مٹ جائے، بالکل اسی طرح جیسا کہ اگر انہی علوم انبیاء کو حصول دنیا اور جلب خواہشات واغراض نفسانی کا وسیلہ بنا لیا جائے تو نہ صرف یہ کہ پورا دین دنیا بن جاتا ہے بلکہ خالق کائنات کی امانت میں خیانت اور بہت بڑا جرم ہو جاتا ہے، اس لئے کہ اگر دنیا کا حصول دنیا کے وسائل کے ذریعہ ہو تو عین مصلحت اور عقل کا تقاضہ ہے اس میں کوئی قباحت نہیں لیکن اگر دین کو صرف حصول دنیا کا وسیلہ بنایا جائے تو یہ "وضع الشيء في غير محله" چیز کا بے محل استعمال ہے اور بہت بڑا ظلم اور انتہائی قبیح جرم ہے۔

اسی طرح یہ بات بھی واضح ہوگئی کہ علوم نبوت کا اصلی مقصد آخرت کے ثمرات وبرکات تو ہیں ہی لیکن آخرت سے پہلے اسی دنیاوی زندگی میں انفرادی اور اجتماعی حیات طیبہ اور پاکیزہ ماحول کی تشکیل اور صالح وخدا شناس وخدا پرست معاشرے کی تخلیق بھی علوم انبیاء کا اہم فریضہ ہے جس کے بارے میں وہ دنیا وآخرت دونوں میں مسئول ہیں، خدا شناسی، خدا پرستی، خدمت خلق، امن وامان کی ضمانت، انسانیت کی فلاح وبہبود وغیرہ انسانی کمالات وفضائل اور وسائل سعادت، ایک قابل رشک معاشرے کے وہ خدوخال ہیں جو انسان کو صحیح معنی میں مسجود ملائک اور اشرف المخلوقات بنا دیتے ہیں اور علوم آخرت کے وہ ثمر شیریں رس ہیں جو اس دنیا کو بھی جنت بنا دیتے ہیں۔

سائنسی اور فنی علوم اور ان کے برکات وثمرات

یہ تو علوم الٰہیہ دینیہ کے برکات ہیں اس کے برعکس نرے عقلی اور فنی علوم وفنون کی ہلاکت آفرینی اور

(۱) مشكوة المصابيح، كتاب العلم، الفصل الثاني ص: ۳٤، ط: قديمي

ایک ایسے لادینی معاشرے کا جہنمی چہرہ اور انسانیت کے لئے نہ صرف باعث ننگ و عار بلکہ انتہائی بھیانک خدو خال بھی دیکھئے جو علوم الٰہیہ دینیہ سے باغی اور خدا اور رسول کی تعلیمات سے نہ صرف محروم بلکہ ان کی بیخ کنی کے درپے ہے اور صرف نفسانی اغراض و خواہشات کے ہاتھوں میں اس کی باگ ڈور ہے، حالانکہ فنی (سائنسی) علوم وفنون اور اختراعات وایجادات کے اس معراج کمال پر پہنچا ہوا ہے کہ کائنات ارضی کو بزعم خود مسخر کر لینے کے بعد کائنات سماوی کی تسخیر کی تگ ودو میں مصروف ومنہمک ہے ان فنی اور سائنسی علوم وفنون کی پیداوار کیا ہے؟ اور ایسے لادینی معاشرہ کے خدو خال کیا ہیں؟ فرعونیت اور قہاریت ہے، بے پناہ ظلم وعدوان ہے، عالمگیر اقتدار و تسلط کا جنون ہے، درندے بھی جس سے شرمائیں وہ بے رحمی اور قساوت ہے، جانور بھی جس سے کترائیں وہ خود غرضی اور نفس پرستی ہے، کمزورکشی اور استحصال بالجبر ہے، بے دریغ خونریزی اور جہاں سوزی ہے، عریاں درندگی اور بہیمیت ہے، یہ وہ انسانیت سوز نحوستیں اور لعنتیں ہیں جنہوں نے قیامت سے پہلے ہی اس روئے زمین کو جہنم بنا رکھا ہے، ان فراعنۂ وقت امریکہ، روس اور برطانیہ وغیرہ طاغوتی طاقتوں کے سیاہ کارنامے، ننگ انسانیت عزائم اور مادی طاقت کے مظاہرے آپ روزانہ اخبارات میں پڑھتے رہتے ہیں، دیکھا آپ نے ان نرے مادی علوم وفنون کے ارتقاء اور سائنسی اکتشافات وایجادات کی فراوانی نے اس وقت دنیا کو کس خطرناک دوراہے بلکہ جہنم کے کنارے لاکر کھڑا کر دیا ہے، آپ کو معلوم ہے کہ روس میں امریکہ کو تباہ کرنے اور جہنم بنا دینے کے لئے غیر معمولی پاور کے ایٹم بم اور ہائیڈروجن بم اور میزائل راکٹوں کے اندر رفت جہاں سوزی کے لئے تیار رکھے ہوئے ہیں اور امریکہ میں روس کو جہنم بنا دینے کے لئے ناقابل قیاس پاور والے آتش بار بم تیار رکھے ہوئے ہیں، صرف بٹن دبانے کی دیر ہے آن کی آن میں امریکہ، روس کو ہیروشیما اور روس، امریکہ کو ہیروشیما بنا سکتا ہے اور ان دونوں براعظموں میں برسنے والے بموں کے ذرات اور تابکاری کے اثرات یورپ اور ایشیا کو پھونک ڈالنے کے لئے کافی ہیں۔ یہ ہے علوم آخرت کی گرفت سے آزاد محض عقلی اور سائنسی علوم وفنون اور سائنسی ارتقاء کا کارنامہ۔

ہاں! اگر علوم آخرت کے کنٹرول میں رہ کر اور ان کی سرپرستی ونگرانی میں یہ فنی اور سائنسی علوم وفنون اور ایجادات واختراعات پروان چڑھیں اور ترقی کریں تو یقیناً یہ سائنسی علوم وفنون فلاح انسانیت اور خدمت خالق مخلوق کے بہترین وسائل بن سکتے ہیں اس لئے بھی علوم دینیہ کی درسگاہوں اور حاملین علوم نبوت یعنی علماء دین کا بابرکت وجود اس روئے زمین خصوصاً مملکت پاکستان کے لئے ازبس ضروری اور ناگزیر ہے۔

دین اور علماء دین کے خلاف پروپیگنڈہ

یہ حقائق اظہر من الشمس، آفتاب نیمروز سے زیادہ روشن ہیں، یہ واقعات ومشاہدات ناقابل تردید ہیں اس کے باوجود سمجھ میں نہیں آتا کہ کیوں اور کس کے اشاروں پر خاص کر ان آخری ایام میں یہ شوروغوغا برپا اور

شرمناک پروپیگنڈہ جاری ہے، مہینوں سے سرکاری اور نیم سرکاری رسالوں اور میگزینوں میں ادارتی نوٹ لکھے جارہے ہیں، صدر مملکت کے نام مکاتیب بھجوائے جارہے ہیں کہ مذہب اور دینی علوم جدید ترقیات کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ ہیں، علماء دین ملک کی ترقی اور استحکام و سالمیت کے سب سے بڑے دشمن ہیں، مدارس عربیہ اور مکاتب دینیہ عصری تقاضوں کے خلاف فتنہ وفساد برپا کرنے کی تعلیم کے مراکز ہیں، حکومت کا فرض ہے کہ وہ ان تمام دینی مدارس ومکاتب اور درس گاہوں اور بڑی بڑی مساجد کو اپنے کنٹرول میں لے کر ان علوم دینیہ اور حاملینِ علوم نبوت کی بیخ کنی کرے، نہ یہ حکومت کی مالی امداد سے آزاد عربی مدارس اور دینی درس گاہیں ہوں گی، نہ یہ علماء دین پیدا ہوں گے، نہ ملکی ترقی اور عصری تقاضوں کے خلاف کوئی آواز بلند کرنے والا ہوگا۔

ہمیں اچھی طرح یقین ہے کہ حکومت اتنی بے خبر اور ناسمجھ نہیں ہے کہ وہ ان بازیگروں سے بے خبر ہو جن کے اشاروں پر یہ کٹھ پتلیاں ناچ رہی ہیں بقول شاعر:

''کوئی معشوق ہے اس پردہ زنگاری میں''

اور مشرق وسطی کے المیہ کے بعد تو یہ راز بالکل ہی طشت از بام ہو چکا ہے کہ اسلامی ملکوں اور مسلمان قوموں میں سامراجی منصوبوں کو خاک میں ملانے والی ناقابل تسخیر طاقت صرف اسلام اور دین وایمان کی قوت ہے، اس لئے تمام استعماری حکومتیں اور سامراج پرست قومیں (یاد رکھیئے! اشتراکی ممالک اور اقوام درحقیقت سب سے بڑی استعمار پرست قومیں ہیں) جس طرح بھی بن پڑے زور سے، زر سے، دھمکیوں سے، لالچوں سے اسلامی ممالک اور مسلمان قوموں سے اسلام اور دین وایمان کو مٹانے کے درپے ہیں، کوئی دوست بن کر، کوئی دشمن بن کر، اس وقت دنیا میں جنگ دراصل دین اور لادینیت کی جنگ ہے۔

علوم دینیہ اور علماء کے خلاف پروپیگنڈہ کرنے والوں سے چند سوالات

تاہم ان لادینی اقوام کے بامعاوضہ یا بے معاوضہ ایجنٹوں سے علوم دینیہ اور علماء دین کے خلاف پروپیگنڈے کی پول کھولنے کی غرض سے ہم دریافت کرتے ہیں کہ:

① کس عالمِ دین نے کب اور کہاں یہ کہا ہے کہ ملکی دفاع کو مستحکم کرنے کی غرض سے جدید آلات واسلحہ سے مسلح اور جدید فنون سے واقف اور آزمودہ کار فضائی اور بحری بیڑہ تیار کرنا اور اس کے لئے ٹینک سازی، طیارہ سازی اور اسلحہ سازی کے کارخانے قائم کرنا، ایٹمی انرجی کے ادارے قائم کرنا اور ان کو فروغ دینا حرام اور شرعاً ممنوع ہے اور ایٹم یا ہائیڈروجن بم بنانا گناہ ہے؟

② کس عربی مدرسہ میں یہ درس دیا جاتا ہے کہ ملک کو غذا کے مسئلہ میں خودکفیل بنانے کی غرض سے ملکی

غذائی پیداوار میں اضافہ کرنے کی مہم چلانا، اس کے لئے محکمے قائم کرنا، منصوبے بنانا، مصنوعی کھاد، ٹریکٹر اور ترقی یافتہ جدید آلات زراعت کے کارخانے قائم کرنا، جراثیم کش ادویہ ہوائی جہازوں کے ذریعہ کھیتوں میں چھڑکنا، قابل کاشت زمین کو سیم اور تھور کے تسلط سے پاک کرنے کی غرض سے ترقی یافتہ ملکوں میں آزمودہ تدابیر و وسائل پاکستان میں اختیار کرنا، ناقابل کاشت زمینوں کو قابل کاشت بنانا اور اس مقصد کے لئے قوم کا روپیہ خرچ کرنا حرام ہے، خدا کی ناراضگی اور آخرت کے عذاب کا موجب ہے؟

④ کس مفتی دین متین نے یہ فتویٰ دیا ہے کہ غیر ملکی مصنوعات سے بے نیاز ہونے اور ملکی مصنوعات کو فروغ دینے کی غرض سے پاکستانی انڈسٹری کو جدید ترقی یافتہ معیار پر لانا اور اس کے لئے دوسرے ملکوں سے جدید سے جدید مشینری برآمد کرنا، بڑے بڑے جدید طرز کے صنعتی کارخانے قائم کرنا اور ملک کو صنعت کے اعتبار سے اس قابل بنانا کہ ملکی ضروریات سے فاضل مصنوعات کو عالمی منڈیوں میں برآمد کر سکے معصیت ہے اور حرام یا مکروہ تحریمی ہے؟

④ کس عربی مدرسہ کی درسی کتاب میں لکھا ہے کہ ملک کی تجارت، درآمد و برآمد اور اقتصادیات کی سطح کو بلند کرنے کے لئے درآمد و برآمد کے جدید انتظام کو اختیار کرنا، ضرورت کے تحت بیرونی تجارتی اداروں کو ملک میں جائز اور ملکی مفاد کے مناسب شرائط کے تحت کاروبار کرنے کی اجازت دینا یا ملکی مفاد کے خلاف کاروبار کرنے والے اداروں کو معاوضہ دے کر قومی ملکیت میں لے لینا گناہ اور ناجائز ہے؟

⑤ کس جامع مسجد کے خطیب عالم دین نے برسر منبر یہ خطبہ دیا ہے کہ ملک میں تباہ کن حد تک پہنچی ہوئی اسمگلنگ (غیر قانونی تجارت) وہ بھی دشمن ملک کے ساتھ چور بازاری اور رشوت ستانی کو ختم کرنے کے لئے اعلیٰ سطح پر موثر تدابیر اختیار کرنا، محکمے قائم کرنا، ملک میں خطرناک حد تک بڑھتے ہوئے جرائم کے انسداد کے لئے پولیس فورس کو بڑھانا اور موثر اقدام کرنا اور معاشرہ کو تباہ کرنے والے جرائم پیشہ لوگوں کو عبرت ناک شرعی سزائیں دینا۔ جو موجودہ قانونی سزاؤں سے بدرجہا زیادہ عبرت ناک ہیں ظلم ہے گناہ ہے اور ناجائز ہے؟ یعنی عدل و مساوات کے ساتھ ساتھ ہر شعبہ زندگی میں ملک کی ترقی اور فروغ کے وسائل اور اقدامات کو اختیار کرنے سے علوم آخرت کے حاملین ہرگز منع نہیں کرتے اور دینی درسگاہوں اور علماء دین کی مساعی کو ملکی ترقی کی راہ میں رکاوٹ کہنا سفید جھوٹ اور شیطانی پروپیگنڈہ ہے۔

علماءِ دین کا پیغام اور دعوتِ دین

ہاں! وہ یہ ضرور کہتے رہے، کہتے ہیں اور کہتے رہیں گے، مدرسوں کی درسگاہوں میں مسند درس پر بیٹھ کر بھی اور مسجدوں کے منبر اور مجمع عام کے اسٹیج پر کھڑے ہو کر بھی، بلکہ تختہ دار کے اوپر بھی اور جیل خانوں کی کال

کوٹھریوں کے اندر بھی ظالم و جابر حکمرانوں کے رُو در رُو بھی اور پسِ پشت بھی اور اسلام کا حقیقی محافظ خدا ان کے کلمۂ حق کو قوم کے کانوں تک ضرور پہنچائے گا تجربہ اس کا شاہد ہے کہ:

① اسلامی ملک میں صرف خدا کا نازل کردہ اور رسول کا لایا ہوا اسلامی قانون ہی بغیر کسی ترمیم و تصرف اور کتر بیونت کے نافذ کیا جا سکتا ہے، اس کے منافی یا اس کے علاوہ کسی بھی قانون کو نافذ کرنا حرام ہے اور اس کی مخالفت فرض ہے۔

② ہنگامی حالات کو وقت کے تقاضوں کو اور ملکی ترقیاتی منصوبوں کو اسلامی قانون کے سانچے میں ڈھالنا ماہرین قانون اسلامی کا فرض ہے، اسلامی قانون کو ان حالات، تقاضوں اور ترقیاتی منصوبوں کے سانچے میں ڈھالنا اور اس غرض سے اس کی خود ساختہ تعبیرات اور من مانی تشریحات کرنا قطعاً حرام اور گناہ کبیرہ بلکہ کفر و ارتداد کے مرادف ہے۔

③ اسلامی معاشرہ میں:

(الف) زنا قطعاً حرام ہے اور شرعی ثبوت کے بعد اس پر حد جاری کرنا فرض عین ہے، چاہے وہ چکلوں میں ہو، چاہے کلبوں میں، چاہے گھروں کی چار دیواریوں کے اندر ہو، چاہے سر راہ اور چاہے باہمی رضامندی سے ہو، چاہے بالجبر ہو، بہر صورت زنا قابل دست اندازیٔ پولیس جرم ہے زنا کے کیس میں کوئی بھی عدالت باہمی مصالحت (راضی نامہ) قبول کرنے کی مجاز نہیں۔

(ب) شراب۔ ام الخبائث جس کی جنم دی ہوئی خباثتوں سے مغربی ممالک بھی لرزہ براندام ہیں۔ قطعاً حرام ہے خواہ ایک گھونٹ ہو خواہ ایک بوتل، کسی بھی قسم کی ہو کسی بھی نام کی اسلامی ملک میں اسلامی حکومت کے لئے اس کی کشید یا درآمد و برآمد اور خرید و فروخت کے لائسنس جاری کرنا بھی حرام ہے اور اس کے ٹیکس سے جو حکومت کو آمدنی ہوتی ہے وہ بھی قطعاً حرام ہے۔

(ج) سود۔ ملک کی دولت و ثروت، خیر و برکت کو چاٹ جانے والی ''دیمک'' دولت کو پوری قوم کے ہاتھوں سے چھین کر چند سود خوار ہاتھوں میں جمع کر دینے والا ''شعبدہ'' لینا بھی اور دینا بھی قطعاً حرام ہے۔ اسی طرح ہر سودی کاروبار بڑا ہو یا چھوٹا سودی نظام مالیات، بینکاری سسٹم پوری قوم کو بھوکا ننگا بنا دینے والا سسٹم قطعاً حرام ہے۔ اس کے بجائے اسلامی نظام مالیات و اقتصادیات ملک میں جاری کرنا اور سود کی لعنت سے ملک کو پاک کرنا ہر مسلمان حکومت کا فرضِ اولین ہے دنیا کی فلاح کے اعتبار سے بھی اور آخرت کی نجات کے اعتبار سے بھی۔

(د) قمار جوا۔ خواہ مہذب ہو خواہ غیر مہذب، کلبوں میں ہو خواہ ریس کورس میں کسی بھی شکل و صورت میں ہو قطعاً حرام ہے، اس سے جو آمدنی ہو وہ بھی قطعاً حرام ہے، اسلامی حکومت کے لئے کسی بھی صورت میں جوے کے لائسنس دینا اور اس کی آمدنی سے ٹیکس وصول کرنا بھی قطعاً حرام ہے۔

(و) اسلامی معاشرہ کے تحفظ کے لئے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا ایک محکمہ احتساب قائم کرنا جو محرمات ومنکرات شرعیہ کا ارتکاب کرنے والوں کو شرعی سزائیں دینے کا مجاز ہو اسلامی حکومت کا فرض ہے تاکہ خود غرض اور ہوس پرست اسلامی معاشرہ کے خدوخال کو مسخ کرنے کی جرأت نہ کر سکیں۔

یاد رہے! کسی خطۂ زمین اور ملک وملت میں علوم آخرت کے مذکورہ سابق ثمر ہائے بیش رس اور خیرات وبرکات کے وجود، نشوونما اور بقا وتحفظ کے لئے اس ملک میں انسانی دسترس سے محفوظ قانون الٰہی اور احکام شرعیہ کا نفاذ اور امر بالمعروف نہی عن المنکر کے لئے محکمہ احتساب ازبس ضروری ہے اور یہ فرض اسی طبقہ کے ہاتھوں انجام پا سکتا ہے جو نسلاً بعد نسل اپنی عمریں علوم قرآن اور علوم سنت کی تحصیل غور وفکر اور پھر ان پر عمل کرنے کرانے میں صرف کرتے ہیں، یعنی حاملین علوم کتاب وسنت علماء اور ایسے علماء کو پیدا کرنے اور پروان چڑھانے والے ادارے یہی آزاد وخود مدارس علوم عربیہ ہیں، جو ملک ان آزاد عربی مدارس اور دینی مکاتب سے محروم ہو جائے گا وہ لازمی طور پر حاملین علوم الٰہیہ سے بھی محروم ہو جائے گا اور پھر اس ملک اور اس کے معاشرے کی فنی اور سائنسی علوم وفنون کی ترقی کے باوجود وہی بھیانک شکل اور جہنمی صورت بن جائے گی جس کا نمونہ ہم اس سے پہلے پیش کر چکے ہیں۔

دینی مدارس اور ان کا فائدہ

یہ علوم آخرت کی درس گاہیں اور ان سے پیدا ہونے والے حاملین علوم انبیاء علمائے حق حکومت کے عدم تعاون یا عوام کی سرد مہری کی وجہ سے مذکورہ بالا قابل رشک اسلامی معاشرہ کی تشکیل میں اگر کامیاب نہ بھی ہوں تب بھی ان کے دم قدم کا اتنا فائدہ ضرور ہوگا کہ معاشرہ کے فسق وفجور میں گرفتار افراد قانون الٰہی اور احکام شرعیہ کی خلاف ورزی، سود خوری، شراب نوشی حتی کہ زنا کاری اور فحاشی کے باوجود خود کو گنہگار عند اللہ مجرم ضرور سمجھتے رہیں گے اور کسی نہ کسی وقت خدا کے سامنے گناہوں کی مغفرت کے لئے ان کے ہاتھ ضرور اٹھتے رہیں گے، بالکل ہی خدا ناشناس، درندے اور جانور نہ بنیں گے اور اس خدا شناسی اور اعتراف گناہ کی بدولت، اگرچہ صرف دل ہی سے ہو عام عذاب الٰہی، خدائی قہر اور الٰہی انتقام کا نشانہ نہ بنیں گے، ارشاد ہے:

﴿وَمَا كَانَ اللّٰهُ مُعَذِّبَهُمْ وَهُمْ يَسْتَغْفِرُوْنَ﴾ [الانفال:۳۳]

اللہ سے یہ بعید ہے کہ وہ تو اللہ سے مغفرت کی دعائیں کر رہے ہوں اور اللہ ان کو عذاب (آسمانی) میں گرفتار کر دے۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ ایمانی قوت اور اسلامی روح اگرچہ فسق وفجور کی وجہ سے کتنی ہی مضمحل اور کمزور ہو جائے باقی ضرور رہتی ہے اور آڑے وقت ضرور کام آتی ہے۔ ستمبر ۱۹۶۵ء کی پاک بھارت جنگ میں اس کا مشاہدہ ہو چکا ہے۔ علاوہ ازیں چونکہ ان علماء دین اور حاملین علوم آخرت کی عمر کا وہ حصہ جو فطری طور پر دنیوی علوم

صنعت وحرفت اوران کے علاوہ دنیوی وسائل معاش کے سیکھنے اور حاصل کرنے کا ہوتا ہے انہی علوم دینیہ کی درس گاہوں اور علوم دینیہ کے حاصل کرنے میں گذر جاتا ہے اس کے بعد وہ دنیوی اعتبار سے کسی مصرف کے نہیں رہتے، اس لئے قدرتی طور پر ان کی معاشی زندگی دین اور دینی خدمات سے وابستہ ہو جاتی ہے، خواہ درس وتدریسِ علوم دینیہ کی صورت میں ہو، خواہ وعظ وتبلیغ کی صورت میں، خواہ مؤذنی امامت وخطابت کی شکل میں ہو یا مکاتبِ قرآن کریم میں حفظ یا ناظرہ قرآن کریم کی تعلیم کی شکل میں، اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ قوم اور اس کے معاشرہ میں ان لوگوں کی بدولت کم از کم دین کا شعور اور خدا پرستی کا احساس ضرور بیدار اور باقی رہتا ہے، بلکہ قوم کی اکثریت انفرادی طور پر ضرور دیندار اور احکام شرعیہ کی بڑی حد تک پابند رہتی ہے، حرام وحلال، طاعت ومعصیت، عذاب وثواب کی تمیز اور کسی نہ کسی درجہ میں خوف خدا اور خوف آخرت ضرور ظاہر ہوتے ہیں، اس کے برعکس جن اسلامی ملکوں میں ان آزاد عربی مدارس ومکاتب کا وجود حکومت کے زور سے بالکل ختم کر دیا گیا ہے اور ملک کے تمام مدارس ومکاتب کو دنیوی تعلیم کی درس گاہوں میں تبدیل کر دیا گیا ہے، امامت وخطابت، وعظ وتبلیغ اور درس وتدریس کو حکومت کے کنٹرول میں لے لیا گیا ہے ان ملکوں میں علومِ قرآن وحدیث وفقہ واصول فقہ کے سوتے بالکل خشک ہو چکے ہیں اور اس کے نتیجہ میں نری عیش پرستی کے تسلط کی وجہ سے ایمانی قوت اور دینی روح اور خدا پرستی کا احساس اور چرچا بالکل ہی ختم ہو چکا ہے یا ختم ہوتا جا رہا ہے، اسلام کی جگہ قومیت نے لے لی ہے، خدا کی جگہ مادی ترقیات پر قابض طاغوتی طاقتوں نے لے لی ہے، قانون الٰہی کی جگہ انسانی ساختہ پرواختہ استعماری یا اشتراکی قوانین نے اور امر بالمعروف نہی عن المنکر کی جگہ مغربی تہذیب اور اس کے لوازمات موسیقی، رقص وسرد، غنا، عریانی فحاشی اور جنسی جذبات کو برانگیختہ اور مشتعل کرنے والی فلموں، ڈراموں اور نام نہاد ثقافتی پروگراموں نے لے لی ہے اور عام طور پر پوری قومیں خصوصاً نوجوان نسلیں شب وروز ریڈیو پر موسیقی کے نغمے اور دھنیں سننے اور ٹیلیویژنوں پر عریاں مناظر دیکھنے اور پھر اپنی نجی صحبتوں مجلسوں یا خلوتوں میں قدِ آدم آئینوں کے سامنے اس فحاشی اور جنسی آوارگی کی ریہرسل (مشق) اور عملی تجربے کرنے میں مصروف ہے۔ (العیاذ باللہ)

پاکستان کے عذاب الٰہی سے محفوظ رہنے کی وجہ

واضح رہے کہ پاکستان کی اس پاک سرزمین پر بطور استہزاء، اللہ کے پسندیدہ ''دین اسلام'' کو ''ملاازم'' اور اس کے حاملین علماء حق کو ''ملا'' کہہ کر مذاق اڑانے اور توہین کرنے والوں پر قہر خداوندی کی بجلی نہ گرنے اور عذاب الٰہی سے محفوظ رہنے کا سبب آیتِ کریمہ (وما كان الله معذبهم وهم يستغفرون) کی روشنی میں صرف یہ ہے کہ پاکستان کے عوام کے دلوں میں قوتِ ایمان زندہ اور روحِ اسلام بیدار ہے اور اونچے طبقہ کو چھوڑ کر متوسط اور ادنیٰ طبقہ کی اکثریت کسی نہ کسی حد تک کم از کم انفرادی زندگی میں احکام شرعیہ کی پابند ہے، چپہ چپہ پر

مسجدیں آباد ہیں، پنج وقتہ اذان کی آوازیں گونج رہی ہیں، عربی مدارس میں "قال اللہ قال الرسول" کی آسمان سے رحمت الٰہی کو لانے والی آوازیں بلند ہو رہی ہیں تفسیر، حدیث، فقہ وغیرہ کی کتابیں ادنیٰ سے اعلیٰ تک باقاعدہ پڑھائی جارہی ہیں اور قانون الٰہی کو زندہ اور محفوظ رکھنے کے لئے حاملین علوم انبیاء تیار کئے جارہے ہیں، مکاتب قرآن جگہ جگہ بے شمار کھلے ہوئے ہیں اور چھوٹے چھوٹے بچے حفظ اور ناظرہ باتجوید اور بے تجوید قرآن پڑھنے میں مصروف ہیں، وعظ وتذکیر کے، خوف خدا اور خوف آخرت کو زندہ اور بیدار رکھنے والے ہفتہ وار حلقے (اجتماعات) جمعہ کے جمعہ نماز جمعہ کے بعد قائم ہیں تبلیغی جماعتوں کے پیار محبت سے کلمہ طیبہ اور نماز پڑھوانے وغیرہ کی غرض سے تبلیغی دورے جاری ہیں، احکام شرعیہ اور مسائل دینیہ بتلانے کے لئے جگہ جگہ دارالافتاء کھلے ہوئے ہیں، صرف ان دارالافتاؤں سے زندگی کے ہر شعبہ کے متعلق مختلف اور متنوع احکام شرعیہ کے استفتاء (سوالات) اور ان کے جوابوں کی ہزاروں لاکھوں تک پہنچنے والی تعداد ہی اس امر کا ناقابل تردید ثبوت ہے کہ اس ملک کا عام مزاج دینی ہے اور غالب اکثریت کے دلوں میں ہر شعبہ زندگی کے اندر احکام شرعیہ معلوم کرنے کی تڑپ ضرور موجود ہے اور جہاں تک ملکی حالات مساعدت کرتے ہیں ان پر عمل بھی کرتی ہے استفتاء (سوال کرنا) اس کی دلیل ہے۔

اور یہ بتلانے کی توضرورت نہیں ہر ذی ہوش سمجھتا اور مانتا ہے کہ یہ تمام ترصورتحال صرف انہی حکومت کے کنٹرول سے آزاد عربی مدارس، دینی مکاتب کے برکات اور دولت ورفاہیت پر فقر وافلاس کو ترجیح دینے والے اور اس فقر کو خدا کی رحمت باور کرنے والے حاملین علوم دینیہ علماء حق کی دیرینہ اور مسلسل جدوجہد اور ان کی مساعی مشکورہ (عند اللہ وعند الناس) کا نتیجہ اور خالق کائنات جل وعلا کی توفیق خدمت دین عطا فرمانے کا ثمرہ ہیں۔

اس لئے بھی خاص طور پر ان گستاخ اور دریدہ دہن ملحدوں، بے دینوں اور علوم دینیہ اور علماء دین کو گالیاں دینے والوں اور ان کے ہمنواؤں کو ان حکومت کے کنٹرول سے آزاد علوم دینیہ کی درسگاہوں اور ان سے نکلنے والے علماء وخدام دین کے پاکستان میں وجود کو مغتنم اور قہر خداوندی سے بچانے والی پناہ گاہیں اور پناہ دہندہ سمجھنا چاہئے، ورنہ اگر خدا نا کردہ اس مسلمان ملک کے عوام وخواص پر بھی وہی عام بے دینی، خدافراموشی، اغراض وخواہشات پرستی اور روحانیت کش مادہ پرستی مسلط ہوجاتی جو دوسرے اشتراکیت نواز مسلم ممالک پر مسلط ہے تو یہ ملک بھی آج دوسرے مسلمان اشتراکیت پسندملکوں کی طرح کسی نہ کسی صورت میں قہر خداوندی اور انتقام الٰہی کا نشانہ بنا ہوتا، ارشاد ہے۔

﴿نَسُوا اللهَ فَاَنْسَاهُمْ اَنْفُسَهُمْ﴾ [الحشر: ۱۹]

انہوں نے اللہ کو فراموش کردیا تو اللہ نے ان سے خود اپنے نفسوں کو فراموش کرادیا۔

یعنی خالق کائنات خدافراموش لوگوں کو اس خدافراموشی کے جرم کی سزا دنیا میں یہ دیتا ہے کہ انہیں خود فراموش بنادیتا ہے تو وہ اپنے بقا وتحفظ کی تدبیریں سوچنے اور اسباب اختیار کرنے کے بجائے خود اپنی ہلاکت

وبربادی کی راہ پر چل پڑتے ہیں اور صفحۂ ہستی سے مٹ جاتے ہیں، اقوامِ عالم کے عروج وزوال کی تاریخ اس کی شاہد ہے یہ انتہائی تباہ کن انتقامِ خداوندی ہے، ارحم الراحمین اپنے لطف وکرم سے اس نوزائیدہ اسلامی مملکت کو اس خدافراموشی کے جرم کے ارتکاب سے اور اس کی پاداش میں اس انتقامِ الٰہی سے محفوظ رکھے اور ہماری بداعمالیوں کو معاف فرمائے۔

اللهم انا نعوذ برضاك من سخطك وبمعافاتك من عقوبتك ونعوذبك منك.

دین کے محافظ علماءِ حق ہیں

بہرحال سن لیجئے! اسلام خالقِ کائنات کا پسندیدہ اور کامل ترین دین ہے، وہی اس کا شارع اور قانون ساز ہے، اسی نے نوعِ انسانی کی آخری ہدایت کے طور پر نبی آخرالزماں صلی اللہ علیہ وسلم کے توسط سے اس کو اتارا ہے اور اس کا حامل اور محافظ امت محمدیہ علی صاحبہا الصلاۃ والسلام کے علماءِ حق کو بنایا ہے، ارشاد ہے:

﴿وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ اُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ اِلَى الْخَيْرِ وَيَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ﴾ [آل عمران:۱۰٤]

چاہیے کہ تم میں سے ایک جماعت (تیار) ہو وہ خیر (دین) کی طرف (لوگوں کو) دعوت دیں، بھلے کاموں کا حکم دیں برے کاموں سے منع کریں۔

﴿فَلَوْلَا نَفَرَ مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ مِّنْهُمْ طَائِفَةٌ لِّيَتَفَقَّهُوْا فِي الدِّيْنِ وَلِيُنْذِرُوْا قَوْمَهُمْ اِذَا رَجَعُوْا اِلَيْهِمْ﴾ [التوبة:۱۲۲]

کیوں نہ نکلا ان میں سے ہر فرقہ کا ایک گروہ تاکہ وہ دین میں سمجھ (علوم دینیہ) حاصل کرتا اور جب وہ لوٹ کر جاتا تو اپنی قوم کو باخبر کرتا۔

چنانچہ علماءِ امت نے اللہ جل شانہٗ کی توفیق واعانت سے ہر زمانہ اور ہر دور میں اس کو حاصل کیا ہے، اس کے حصول کو جاری وساری رکھنے اور اس کی حفاظت کے لئے معاون علوم کی تدوین کی ہے، تصانیف لکھی ہیں، علومِ دینیہ کی درسگاہیں قائم کی ہیں اور قرآن وحدیث اور ان کے معاون علوم دینیہ کی درس وتدریس کا سلسلہ جاری کیا ہے، یہ سلسلہ محض اللہ کی توفیق واعانت سے حکومتوں کی امداد واعانت اور کنٹرول کے بغیر صدیوں سے جاری ہے اور ایسے ہی قیامت تک جاری رہے گا، مخبرِ صادق صلی اللہ علیہ وسلم نے خبر دی ہے:

"يحمل هذاالعلم من كل خلف عدوله"(۱)

جو کوئی فرد یا قوم یا حکومت اس کو مٹانے اور نوعِ انسانی کے اس آخری "منارہ نور" کو گل کرنے کا قصد

---

(۱) مشكوة المصابيح، كتاب العلم، الفصل الثاني ج:۱ ص:۳٦، ط: قديمى

کرے گی اس کی زندگی کا چراغ خود گل کر دیا جائے گا اور صفحۂ ہستی سے اس کا نام ونشان مٹا دیا جائے گا اور یہ منارہ روشنی جب تک اللہ چاہے گا رشد و ہدایت کی روشنی بہم پہنچاتا رہے گا، ارشاد ہے:

﴿یُرِیْدُوْنَ لِیُطْفِئُوْا نُوْرَ اللّٰہِ بِاَفْوَاھِھِمْ وَاللّٰہُ مُتِمُّ نُوْرِہٖ وَلَوْ کَرِہَ الْکٰفِرُوْنَ﴾
[الصف:۸]

وہ (دشمن) چاہتے ہیں کہ اللہ کے نور کو بجھا دیں اور اللہ اپنے نور (دین) کو پورا کر کے رہے گا اگر چہ منکروں کو کتنا ہی نا گوار ہو۔

اور اس سلسلہ کا حقیقی محافظ خالق کائنات حق جلا وعلا ہے، ارشاد ہے۔

﴿اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّکْرَ وَ اِنَّا لَہٗ لَحٰفِظُوْنَ﴾ [الحجر:۹]

بے شک ہم ہی نے اس ذکر (دین) کو اتارا ہے اور ہم ہی اس کے محافظ ہیں۔

اب اگر کوئی فرد یا جماعت، حکومت یا قوم اپنے ہاتھوں اپنی قبر کھودنا اور بلاکو خاں، چنگیز خاں، اکبر اور اس کے ہر دو شیطانوں ابوالفضل اور فیضی، کمال اتاترک اور آخر میں مسلم اشتراکیت نواز ممالک کے زعما اور برسر اقتدار پارٹیوں کے نقشِ قدم پر چل کر خودکشی کرنا چاہتی ہے شوق سے کرے، علماء دین اور حاملینِ شرع متین بھی سر بکف، برہنہ جسم پر تازیانے کھانے دار و رسن پر چڑھنے اور دم واپسیں تک کلمہ حق کہتے رہنے کے لئے تیار ہیں، علماء کے لئے بھی یہ کھیل کوئی نیا کھیل نہ ہوگا بلکہ یہ مقاومت اور مقابلہ اور آزمائش تو ان کے اسلاف وا کابر کی سنت ہے، اس کے باوجود ارحم الراحمین سے دعا کہ وہ پاکستان کے علماء حق کو اس ابتلاء سے محفوظ رکھے اور اپنی پناہ میں لے کر اس دینی خدمت کے سلسلہ کو جاری وساری اور قائم ودائم رکھے آمین۔

دورِ حاضر میں علماء وطلبا کے خلاف خطرناک سازش

نوٹ: یہ زمانہ ڈپلومیسی اور چالبازی کا ہے، جس مخالف اور بزعمِ خود دشمن طبقہ اور اس کے مراکز کے خلاف جنگ کرنی ہوتی ہے میدانِ حرب وضرب اور جبر واستبداد میں گرم جنگ لڑنے سے برسوں پہلے میدانِ صحافت میں سرد جنگ لڑی جاتی ہے یعنی پہلے اس کے خلاف اخبارات ورسائل میں مضامین ومقالات شائع ہوتے ہیں تاکہ زمین یعنی رائے عامہ کو اس کے خلاف ہموار کر لیا جائے اس کے بعد حکومت کی ''کنٹرولنگ مشینری'' حرکت میں آتی ہے اور ابتداءً صرف حکومت سے ریگنگ نیشن یعنی الحاق کی دعوت دی جاتی ہے ساتھ ساتھ ''ایڈ'' (مالی امداد) کا لقمہ چرب وشیریں ارباب مراکز ومدارس کے منتظمین کے سامنے ڈالا جاتا ہے اگر یہ حربہ کامیاب نہیں ہوتا تو پھر قانون کے ذریعہ ریگنگ نیشن (الحاق) پر مجبور کیا جاتا ہے، اس کے بعد نصاب اور درسی کتابوں میں ترمیمات کی جاتی ہے، قدیم علوم کی ٹھوس قابلیت پیدا کرنے والی کتابیں نکال کر ان کی جگہ عصری علوم وفنون کی کتابیں لائی

جاتی ہیں، اس طرح دینی علوم کی جان تو نکال ہی لی جاتی ہے، اسی کے ساتھ ان ملحقہ مدارس کی سندوں کو وزارت تعلیمات سے منظور کرا دیا جاتا ہے اور سرکاری نیم سرکاری تعلیمی اور غیر تعلیمی اداروں میں ملازمت کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں، یہ طلبہ کے لئے لقمہ چرب و شیریں ڈالا جاتا ہے اور پورے ملک سے ماہرین علوم دینیہ کو کھینچ لینے اور آزاد عربی مدارس کو ویران کر دینے کی غرض سے ان نیم سرکاری یا سرکاری درس گاہوں میں کام کرنے والے ماہرین و محققین علوم دینیہ کے لئے گرانقدر مشاہروں والا ؤنسز کے اعلان کئے جاتے ہیں ان کی سالانہ ترقی اور آخری تنخواہ کے ''منہ میں پانی بھر لانے والے'' گریڈ مقرر کئے جاتے ہیں، یہ آزمودۂ کار علماء و محققین کے زبان و قلم کو حکومت کے خلاف بولنے اور لکھنے سے باز رکھنے کے لئے طلائی زنجیریں تیار کی جاتی ہیں، ان تدبیروں کے بعد بھی جو دین کو دنیا پر ترجیح دینے پر ایمان رکھنے والے علماء حق اور آزاد مدارس دینیہ عربیہ کے اساتذہ اور مبلغین وواعظین و خطباء اس ''دام ہمرنگ زمین'' میں گرفتار ہو کر اپنی کلمہ حق کہنے کی آزادی قربان کرنا نہیں چاہتے ان کے خلاف حکومت کا قانون حرکت میں آتا ہے، اول ان کی قدر کفاف روزی پر حملہ کیا جاتا ہے اور ڈپٹی کمشنر کی منظوری کے بغیر پبلک سے چندہ وصول کرنا قانوناً ممنوع قرار دے دیا جاتا ہے، پھر ان کے گوشۂ عافیت پر یورش ہوتی ہے اور محکمۂ اوقاف کے ذریعہ یادگار ''صفۂ مسجد نبوی'' علی صاحبہ الصلوٰۃ والسلام یعنی مدارس عربیہ اور مکاتب دینیہ کی عمارتوں پر قبضہ کر کے انہیں خانماں برباد کر دیا جاتا ہے، خدا کے گھروں یعنی مسجدوں پر قبضہ کیا جاتا ہے اور محکمۂ اوقاف کے ذریعہ غیر سند یافتہ مؤذنین، ائمہ اور خطباء کے لئے مسجدوں کے دروازے بند کر دیئے جاتے ہیں، اوقاف کی قائم کردہ منتظمہ کمیٹی کے سیکریٹری سے اعلان کرا دیا جاتا ہے کہ سیکریٹری کی اجازت کے بغیر کوئی بھی عالم دین مسجد میں وعظ نہیں کہہ سکتا، پبلک جلسوں میں علماء کو کلمہ حق کہنے سے روکنے کے لئے ''دفعہ ۱۴۴'' لگا دی جاتی ہے، ان علماء و مبلغین وواعظین کو جن سے حکومت کے خلاف بولنے کا خطرہ ہوتا ہے کسی خاص علاقہ میں ان کی بستی میں یا گھروں میں قانونِ ''تحفظ امن عامہ'' کے تحت نظر بند کر دیا جاتا ہے یا زبان بندی کروی جاتی ہے اور جن علماء حق کے ملک میں موجود ہونے کو ہی حکومت اپنے مفاد کے لئے مضر سمجھتی ہے ان کو جلا وطن کر دیا جاتا ہے تا اینکہ علماء حق کے لئے قانون شکنی کے سوا کوئی چارہ کار باقی نہیں رہتا اور وہ قانون شکنی پر آمادہ ہو جاتے ہیں، تب گرم جنگ شروع ہوتی ہے اور جیلوں کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں، اگر جیلوں کی وحشیانہ اور ننگ انسانیت ایذا رسانیاں بھی ان کو حق بات کہنے سے نہیں روک سکتیں تو حکومتیں ان کو سولی پر چڑھا دینے میں بھی دریغ نہیں کرتیں اور علماء حق امام مالکؒ، امام ابوحنیفہؒ اور امام احمدؒ کی سنت کو بے دریغ زندہ کرتے ہیں اور قید و بند کی تمام سختیوں بلکہ موت فی سبیل اللہ کو بھی لبیک کہتے ہیں۔

یہ ہوتے ہیں علماء حق پیدا کرنے والی علوم دینیہ کی درس گاہوں اور علماء حق کے بابرکت وجود کو سطح روئے زمین سے مٹانے کے دہ سالہ اور پنج سالہ منصوبے اور ان کے مختلف مرحلے، سادہ لوح عوام ان سے قطعاً ناواقف ہیں

[illegible] کہ اب بھی جن [illegible] علماء حق [illegible] ملامت کا ہدف بنتے اور ظلم وجور
سہنے اور قربانی دینے کے لئے تیار ہیں [illegible] علوم دینیہ کی حفاظت کا فرض انجام دینے اور حکومت کے
اثر سے آزاد دینی خدمت انجام دینے کی سعادت سے کسی قیمت پر بھی دستبردار ہونے کے لئے تیار نہیں۔

"وما توفیقنا الا باللہ هو مولانا نعم المولیٰ ونعم النصیر"

یہ ایک حقیقت ہے [illegible] تمام اسلامی ملکوں کی حکومتوں نے آزاد علوم عربیہ
دینیہ کی درسگاہوں [illegible] اسلامی ملکوں کا تمام مدارس
عربیہ کے خلاف حالیہ سرد جنگ میں بار بار لیا جا رہا ہے۔ آج یہ تمام اسلامی ممالک علوم کتاب وسنت یعنی علم تفسیر
واصول تفسیر، علم حدیث واصول حدیث، علم فقہ واصول فقہ اور ان کے معاون علوم کی ٹھوس اور باضابطہ تعلیم اور درس
وتدریس سے یکسر محروم اور خالی ہو چکے ہیں۔ اس وقت برصغیر پاکستان وہندوستان کے سوا اور کسی ملک میں حکومتوں
کے اثر سے آزاد علوم دینیہ کی درسگاہوں کا [illegible] باقی نہیں رہا ہے اور صرف انہی دونوں ملکوں میں
علوم کتاب وسنت کی [illegible] درس وتدریس [illegible] جاری ہیں [illegible]
[illegible] ان درسگاہوں سے فارغ ہو کر نکل
رہے ہیں اور مختلف دینی خدمات انجام دے رہے ہیں اور ان کی مساعی کی بدولت دینی روح کسی درجہ میں ابھی تک
زندہ ہے اور ان دونوں ملکوں کے مسلمانوں کا مزاج بہر حال دینی ہے جو لوگ عہد حاضر کے ممالک اسلامیہ کی
[illegible] سے واقف ہیں [illegible] ہمارے اس بیان کی تصدیق وتائید کریں
گے نوبت یہاں تک پہنچ چکی ہے کہ علوم شرعیہ کے کالجوں اور یونیورسٹیوں میں شیخ التفسیر، شیخ الحدیث اور شیخ الفقہ
جیسے خالص دینی منصبوں پر تقرر کی پہلی اور لازمی شرط یہ ہے کہ امیدوار عالم دین حقیقی معنی میں ہو یا نہ ہو مگر امریکن
یا یورپین ممالک کی کسی یونیورسٹی سے اس نے پی ایچ ڈی کی ڈگری لی ہو یعنی "یورپ زدہ" اور "مغرب زدہ" ضرور
ہو یہودیوں اور نصرانیوں کا تریاق نما زہر جو اسلامی روح کے لئے سم قاتل ہے اس نے چار سال تک ضرور پیا ہو۔

اس لئے اب علوم دینیہ عربیہ اور علماء دین پیدا کرنے والی عربی درسگاہوں کی حفاظت ان ملکوں کے
علماء حق پر فرض کفایہ نہیں رہی بلکہ فرض عین ہو گئی ہے۔

اگر فی الحقیقت حکومت کی نیت نیک ہے اور وہ چاہتی ہے کہ مدارس عربیہ کے فارغ التحصیل طلبہ کو عصری
علوم، عالمی حالات حاضرہ اور انگریزی زبان سے واقف بنا کر ان کو دینی خدمات انجام دینے کے لئے زیادہ کارآمد
اور ان کی اسلامی دینی خدمات کو زیادہ موثر اور دور رس بنانا چاہتی ہے تو جیسا کہ اس کو اب سے تین سال پہلے "وفاق
المدارس العربیہ" کی جانب سے مشورہ دیا جا چکا ہے ان مدارس عربیہ [illegible] ان کے درسی نصاب [illegible]
[illegible] کرنے کے بجائے ان کے فارغ التحصیل طلبہ کے لئے علماء حق کے مشورہ سے صرف علوم

عصریہ اور انگریزی زبان کا ایک چہار سالہ نصاب الگ تجویز کرے اور اس کے لئے دو تین مستقل درس گاہیں مرکزی شہروں مثلاً کراچی، لاہور، راولپنڈی یا پشاور میں قائم کرے یا موجودہ بڑے بڑے مدرسوں میں ہی یہ چہار سالہ نصاب اپنے خرچ پر یا اگر ان مدارس کے فنڈ میں گنجائش ہو تو انہی کے خرچ پر قائم کرے اور صرف دینی خدمات کے مناصب کے لئے اس کی سند کو تسلیم کرے، دفتری ملازمتوں کے لئے نہیں، تو ان علماء کی دینی خدمات زیادہ مؤثر اور دوررس ہوسکیں گی اور قدیم علوم دینیہ کی باضابطہ اور ٹھوس تعلیم اور دینی تربیت کو نقصان پہنچائے بغیر یہ طلبہ عصری علوم حالات حاضرہ اور انگریزی زبان سے ناواقفیت کے نقص کو دور کرسکیں گے اور حقیقی معنی میں علوم عصریہ سے واقف علماء دین بن سکیں گے اور اندرون ملک و بیرون ملک دینی خدمات انجام دے سکیں گے۔

محکمۂ اوقاف کا ترتیب کردہ قدیم علوم دینیہ اور جدید علوم عصریہ کا مخلوط نصاب "آدھا تیتر آدھا بٹیر" جو اس وقت محکمہ اوقاف کی درس گاہ "جامعہ اسلامیہ بہاول پور" میں رائج ہے، علوم دینیہ عربیہ کے لئے تو تباہ کن ہے ہی، علوم عصریہ اور حالات حاضرہ کی معلومات واقفیت اور انگریزی زبان کی قابلیت پیدا کرنے میں بھی ناکام ہے۔ جن ناظر فدار لوگوں نے جامعہ اسلامیہ بہاول پور کے نصاب اور اس کی تعلیم و تدریس کی تفصیلات کو، بخاری سال میں کتنی ہوتی ہے اور ہدایہ کتنا ہوتا ہے اور جلالین کتنی ہوتی ہے، کو قریب سے دیکھا ہے وہ اس کے شاہد ہیں۔

وما علینا الا البلاغ

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین والصلوۃ والسلام علی سید الانبیاء والمرسلین محمد وآلہ وصحبہ اجمعین

[جمادی الاخری ۱۳۸۷ھ]

علم اس کی اقسام اور اس کے فوائد

علم، دین کا ہو یا دنیا کے کسی شعبے کا وہ بہرحال انسانیت کے لئے تمغہ فضیلت اور طرۂ امتیاز ہے اور تعلیم کا مقصد فضل وکمال سے آراستہ ہونا اور میراثِ انسانیت کا حاصل کرنا ہے، موضوع کے لحاظ سے علم کی دو قسمیں قرار پاتی ہیں (۱) دینی علوم اور (۲) دنیاوی علوم۔

دینی علوم کے اصل ثمرات و برکات تو آخرت ہی میں ظاہر ہوں گے تاہم جب تک دنیا میں اسلام کی عزت و رفعت کا دور دورہ رہا دنیا میں بھی اس کی منفعتیں ظاہر ہوتی تھیں، علماء دین، قاضی، قاضی القضاۃ، مفتی اور شیخ الاسلام کی حیثیت سے محاکم عدلیہ اور محاکم احتساب کے مناصب پر فائز ہوتے تھے، ملک و ملت کے لئے ان کا وجود سایہ رحمت سے کم نہیں تھا، ان کی خداترسی، حق پسندی اور عدل پروری کی بدولت معاشرہ میں امن وعافیت کی فضا قائم تھی اور اسلام کے عادلانہ احکام کا نفاذ بہت سے معاشرتی امراض سے حفاظت کا ضامن تھا۔

الغرض دینی مناصب کے لئے علماء دین ہی کا انتخاب وتقرر ہوتا تھا اور آج بھی جن ممالک میں اسلامی نظام کسی حد تک رائج ہے اس کے کچھ نمونے موجود ہیں اور دنیوی علوم جن کا تعلق براہ راست دنیا کے نظام سے تھا مثلاً فلسفہ، منطق، تاریخ، جغرافیہ، ریاضی، ہیئت، حساب، طب وجراحت وغیرہ ان کے لئے تو حکومتی مناصب بے شمار تھے۔

علوم کی یہ تقسیم کہ کچھ علوم دینی ہیں اور کچھ دنیاوی، محض موضوع کے لحاظ سے ہے، مگر اس کے معنی دین ودنیا کی تفریق کے ہرگز نہیں، چنانچہ دنیوی علوم اگر بے ہودہ اور لایعنی نہ ہوں اور انھیں خدمتِ خلق، اصلاح معاش اور تدبیرِ سلطنت کی نیت سے حاصل کیا جائے تو وہ بھی بالواسطہ رضائے الٰہی کا ذریعہ بن جاتے ہیں اور دین ودنیا کی تفریق ختم ہوجاتی ہے اور اس کے برعکس جب دینی علوم کی تحصیل کا مقصد محض دنیا کمانا ہو تو یہ علوم بھی بالواسطہ دنیا کے علوم کی صف میں آجاتے ہیں اور اس کے لئے احادیث نبویہ میں سخت سے سخت وعیدیں بھی آئی ہیں، مثلاً ایک حدیث میں ہے:

”من تعلم علمًا مما يبتغي به وجه الله لا يتعلمه الا ليصيب به عرضًا من الدنيا لم يجد عرف الجنة يوم القيامة،يعنى ريحها“ (۱)

جس شخص نے وہ علم سیکھا جس کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کی رضامندی حاصل ہوسکتی ہے اور پھر اس کو متاع دنیا کا ذریعہ بنایا تو ایسا شخص قیامت کے دن جنت کی خوشبو سے بھی محروم رہے گا۔

ایک اور حدیث میں ہے:

”من طلب العلم ليجاري به العلماء اوليماري به السفهاء او يصرف وجوه الناس اليه ادخله الله النار“(۲)

جس شخص نے اس غرض سے علم حاصل کیا کہ اس کے ذریعہ علماء سے مقابلہ کرے یا کم عقلوں سے بحث کرے یا لوگوں کی توجہ اپنی طرف مائل کرے اللہ تعالیٰ ایسے شخص کو آگ میں ڈالیں گے۔

بہر حال ایک مقام ایسا بھی آتا ہے کہ دینی علوم بھی دنیا کے علوم بن جاتے ہیں اور دنیوی علوم بھی رضائے الٰہی اور طلب آخرت کا ذریعہ بن سکتے ہیں اور دین ودنیا کی تفریق ختم ہوجاتی ہے، گویا اصل مدار مقاصد ونیات پر ہے کہ اگر مقصد رضائے الٰہی ہے تو دنیوی علم بھی دین کے معاون ومددگار اور صنعت وحرفت کے تمام شعبے اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے وسائل بن جاتے ہیں۔

علوم خواہ قدیم ہوں یا جدید اور دینی ہوں یا دنیوی ان سب سے مقصد رضائے الٰہی کے مطابق ایک

---

(۱) مشکوۃ المصابیح، کتاب العلم، الفصل الثانی ص: ۳٤، ط: قدیمی

(۲) مشکوۃ المصابیح، کتاب العلم، الفصل الثانی ص: ۳٤، ط: قدیمی

صالح معاشرہ کا قیام ہونا چاہیے اور یہ مقصد اسی صورت میں حاصل کیا جاسکتا ہے کہ جو شخص جس شعبہ زندگی سے منسلک ہو وہ اس شعبہ سے متعلق بقدر ضرورت دینی مسائل سے بھی واقف ہو، مسلمان تاجر ہو تو تجارت سے متعلقہ دینی مسائل کا عالم ہو، انجینئر ہو تو عالم ہو، طبیب اور ڈاکٹر ہو تو عالم ہو، حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے عہد میں جو خلافت راشدہ کا تابناک دور ہے ایک قانون یہ تھا:

"لا یبع فی سوقنا هذا من لم یتفقه فی الدین"(۱)

جو شخص فقیہ (دینی مسائل کا ماہر) نہ ہو اس کو ہمارے بازار میں خرید و فروخت کی اجازت نہیں۔

گویا دنیا کمانے کے لئے بھی علم دین کی ضرورت ہے تاکہ حلال و حرام اور جائز و ناجائز کی تمیز ہو سکے اور خالص سود، سودی کاروبار اور غیر شرعی معاملات میں مبتلا نہ ہو۔

الغرض ایک دور ایسا تھا کہ ہر ہنر و کمال کا مقصد آخرت اور رضائے الٰہی تھا اور اب ایک دور ایسا آ گیا ہے کہ ہر چیز کا مقصد دنیا ہی دنیا بن کر رہ گیا بلکہ اب تو اس میں بھی اس قدر تنزل رونما ہوا ہے کہ دنیا کی بھی تمام حیثیتیں ختم ہو کر رہ گئیں اب تو واحد مقصد صرف پیٹ رہ گیا ہے، دنیا کے ہر علم و ہنر اور فضل و کمال کا منتہائے مقصود بس یہ سمجھا جاتا ہے کہ کسی نہ کسی طرح یہ جہنم بھر جائے۔

جدید تعلیم اور اس کا مقصد

قدیم اصطلاح میں تو دینی علم ہی علم کہلانے کا مستحق تھا، دنیاوی علوم کو فنون یا ہنر سے تعبیر کیا جاتا تھا، مگر آج کی اصطلاح یہ ہوگئی ہے کہ قدیم علوم کے ماہر کو عالم کہا جاتا ہے اور جدید علوم کے ماہرین کو تعلیم یافتہ کے خطاب سے یاد کیا جاتا ہے۔ امریکہ اور یورپ وغیرہ کے جو ممالک جدید علوم کے امام ہیں وہاں آج بھی کسی تعلیم یافتہ کے لئے ضروری نہیں کہ وہ کسی اسکول میں ٹیچر، کسی کالج میں پروفیسر یا سرکاری دفتر میں ملازم ہو بلکہ وہاں تعلیم کا مقصد ہنر و کمال کی تحصیل سمجھا جاتا ہے تاکہ ہر شعبہ حیات میں ہنر و کمال کے مالک افراد موجود ہوں، ان ممالک میں ٹیکسی ڈرائیور اور بسوں کے کنڈیکٹر بھی گریجویٹ ہوتے ہیں، یہ کہیں بھی نہیں سمجھا جاتا کہ بی اے یا ایم اے ہونے کے بعد دکان پر بیٹھنا یا کارخانے میں جانا یا ڈرائیور بننا باعث توہین ہے، پھر نہ معلوم ہمارے ملک میں یہ کیوں ضروری سمجھ لیا گیا ہے کہ جو شخص تعلیم یافتہ یا گریجویٹ ہو اس کے لئے سرکاری ملازمت لازم ہے ورنہ اس کی حق تلفی اور اس کی ڈگری کی توہین متصور ہوگی۔

برطانوی دور میں اس جدید تعلیم کا مقصد بلاشبہ یہی سمجھا گیا تھا کہ اسکولوں، کالجوں اور یونیورسٹیوں سے تیار ہونے والے افراد سرکاری مشینری کے کل پرزے بنیں گے، کیونکہ اس اجنبی ملک میں حکومت کی انتظامی

---

(۱) سنن الترمذی، ابواب صلوة الجمعة، باب ماجاء فی فضل الصلوة الجمعة ج:۱ ص:۱۱۰، ط: قدیمی

دینداری، خدا ترسی اور خوف آخرت کا کوئی نمونہ سرے سے موجود نہ ہو اور جس ملک میں قدم قدم پر فواحش و منکرات، بے حیائی و بداخلاقی اور رندگی و شیطنت کا سامان موجود ہو کیا آپ وہاں کی نئی نسل سے دینداری، شرافت اور انسانی قدروں کے احترام کی توقع کرسکتے ہیں؟ جس نسل کا خمیر تخریب سے اٹھایا گیا ہو، کیا وہ کوئی تعمیری کارنامہ انجام دے سکتی ہے؟ جو خود معاشرے کے لئے کوئی بگاڑ ہی پیدا کر رہی ہو وہ کس درجہ تک معاشرہ کی اصلاح کے لئے مفید اور کارآمد ہوسکتی ہے؟

تم اسے تعلیمی ترقی اور اعلیٰ تہذیب کے ڈھنڈورے پیٹو لیکن خوب یاد رکھو تعلیم کا ماحول جب تک دینی نہیں ہوگا نئی نسل کے سامنے اساتذہ اور مدرسین کی شکل میں اخلاق و انسانیت اور دینداری و خدا خوفی کے اعلیٰ نمونے جب تک موجود نہیں ہوں گے، تعلیم میں جب تک دینی تربیت پیش نظر نہیں ہوگی اور جب تک اخلاق واعمال، جذبات وعواطف اور رجحانات ومیلانات کی اصلاح نہیں ہوگی تب تک یہ صورت روز افزوں ہوتی جائے گی، تعلیم سے جب اسلامی روح نکل جائے، اخلاق برباد ہو جائیں، انسانی قدریں پامال ہو جائیں اور مقصد زندگی صرف حیوانیت اور شکم پروری رہ جائے تو اس تعلیم کے یہ دردناک نتائج ظاہر نہیں ہوں گے تو اور کیا ہوگا؟

صد حیف! کہ آج انسانیت کی پوری مشین پیٹ کے گرد گھومنے لگی ہے، آج کی تمام تعلیم، تمام تربیت اور تمام تہذیب کا خلاصہ یہ ہے کہ حیوانی زندگی کے تقاضے کیسے پورے کئے جائیں، دین جاتا ہے تو جائے، اخلاق مٹتے ہیں تو مٹیں، انسانیت پامال ہوتی ہے تو ہو مگر ہمارے حیوانی تقاضے اور نفسانی خواہشات بہر حال پوری ہونی چاہئیں، نہ دین سے تعلق، نہ اخلاق سے واسطہ، نہ انسانیت کا شعور، نہ افکار صحیح، نہ خیالات درست، نہ خدا کا خوف، نہ آخرت کی فکر، نہ مخلوق سے حیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

جدید تعلیم اور اس کے چند مہلک ثمرات

اسی جدید تعلیم اور اس کے لادینی نظام نے لسانی عصبیت اور صوبہ پرستی کی لعنت و نفرت پیدا کی جس کی وجہ سے مشرقی پاکستان کٹ گیا اور اب کراچی اور سندھ میں جو شب و روز اس کے دردناک مناظر دیکھنے میں آ رہے ہیں، نہ معلوم اس بد نصیب قوم کا انجام کیا ہوگا۔ انسانی قدروں اور احترام انسانیت کا شعور پیدا کرنے کے لئے دین و مذہب کے سوا کوئی چارہ نہیں، ہم بارہا ان حقائق کو صاف صاف کہہ چکے ہیں کہ آخرت کی نجات اور دنیا کی سعادت صرف اسلامی تعلیمات اور اسلامی ہدایات واحکامات میں مضمر ہے، اس کے سوا کہیں روشنی نہیں ہے۔ تعلیم کا مقصد روح کی بالیدگی، نفس کی پاکیزگی، سیرت وکردار کی بلندی اور ظاہر و باطن کی طہارت ونظافت ہونا چاہئے اور یہ جب ہی ہوسکتا ہے کہ اس تعلیمی قالب میں دینی روح بطور مقصد جلوہ گر ہو اور جب تم اپنے وسائل کی پوری قوت سے دین کو ختم کر رہے ہو اور دین کا مضحکہ اڑا کر اسے رسوا کرنے کی ہر ممکن کوشش کر رہے ہو تو اس کے بدترین نتائج کے لئے

بھی تیار رہو۔

خرما نتواں یافت ازاں خار کہ کشتیم

نئی نسل کے اضطراب کا بڑا اور اہم سبب

نئی نسل کے کرب واضطراب کا ایک بڑا سبب صنفِ نازک کے بارے میں غلط روی پر مسلسل اصرار ہے، اسلام نے عورت کو عزت واحترام کا جو مقام بخشا ہے وہ نہ کسی قدیم تہذیب میں اسے حاصل ہوا تھا نہ جدید ترقی یافتہ تہذیب کو اس کی ہوا لگی ہے، اسلام نے اس کے تمام حقوق دلوائے، اسے ماں، بہن اور بیٹی کے نہایت قابل احترام القاب سے سرفراز کیا، مرد وعورت کے درمیان نہایت مقدس ازدواجی رشتہ قائم کرکے دونوں کی زندگی کو سراپا امن وسکون بنانے کی ضمانت دی، عورت کے تمام حقوق ونفقات کا بوجھ مرد کے ذمہ ڈالا، اس کو گھر کی ملکہ بنا کر گھر کا سارا نظم ونسق اس کے سپرد کیا، اولاد کے بہترین اتالیق کی حیثیت سے اسے پیش کیا، مرد وزن کے الگ الگ دائرہ کار کی حد بندی کی، دونوں کے لئے ایسے عادلانہ احکام وضع فرمائے کہ یہ رشتہ نفسیاتی طور پر محبت وخلوص کا مجسمہ بن جائے، گھر کے انتظامی معاملات عورت کے سپرد کرکے مرد کو گھر کی فکر سے یکسو کردیا اور باہر کی تمام ضروریات کا بار مرد پر ڈال کر عورت کو فکرِ معاش سے آزاد کردیا تا کہ دونوں جانب سے احسان مندی اور قدر شناسی کے جذبات پروان چڑھیں۔

ایک پُرفریب نعرہ ’’آزادیٔ نسواں‘‘

مگر جدید تہذیب نے ان تمام مصالح واسرار کو غارت کرکے ’’آزادیٔ نسواں‘‘ کا ایک پرفریب نعرہ ایجاد کیا اور صنفِ نازک کو گھر کی سلطنت سے باہر نکال کر گلی کوچوں میں رسوا کیا اور زندگی کی پرخار وادیوں میں اسے مردوں کے دوش بدوش چلنے پر مجبور کیا، جو فرائض مردوں کے ذمہ تھے ان کا بوجھ بھی عورتوں پر ڈالا اس کے بعد تعلیم نسواں کے فسونِ ساحری نے عورت کو جدید تعلیم اور جدید تہذیب کے قالب میں ڈھالا اور اب عورتوں کے لئے اعلیٰ تعلیم ایک فیشن بن گیا، ڈگری حاصل کرنے کے بعد اب ضرورت ہے کہ ملازمتوں میں انہیں بھی برابر کا حصہ دیا جائے، پہلے مردوں کے لئے ملازمت کی جگہ کا سوال تھا اب عورتوں کے لئے ملازمت کا اس پر مزید اضافہ ہوگیا۔

ہمیں خوب معلوم ہے کہ جدید طبقہ کس ذہن سے سوچنے کا عادی ہو چکا ہے اس لئے ہمیں توقع نہیں کہ اس گرداب بلا میں پھنس جانے کے باوجود وہ کسی ناصح مشفق کی بات سننا گوارا کرے گا، تاہم ہمیں یہ کہنے میں باک نہیں کہ جدید تہذیب نے عورت سے بدترین مذاق کرکے شرفِ انسانیت کو بٹہ لگادیا ہے۔

پردہ عورت کا فطری حق ہے

پردہ عورت کا فطری حق ہے، عورت گھر میں ہو یا بازار میں، کالج میں ہو یا یونیورسٹی میں یا دفتر اور عدالت میں ہو وہ اپنی فطرت کو تبدیل کرنے سے قاصر ہے، وہ جہاں ہوگی اس کی ضمیر کی خلش اور فطرت کی آواز اسے پردہ کرنے پر مجبور کرے گی، وہ بے دین قومیں جو عورت کی فطرت سے اندھی اور خالقِ فطرت کے احکام سے نا آشنا ہیں وہ اگر عورت کی پردہ دری کے جرم کا ارتکاب کریں تو جائے تعجب نہیں، مگر ایک مسلمان جس کی سامنے خدا و رسول کے احکام اور اس کے اکابر کا شاندار ماضی موجود ہو اس کا اپنی بہو بیٹیوں کو پردے سے باہر لے آنا مردہ ضمیری کا قبیح ترین مظاہرہ ہے، عورت کی ساخت و پرداخت، اس کی عادات و اطوار اور اس کی گفتار و رفتار پکار پکار کر کہہ رہی ہے کہ وہ عورت (مستور) ہے اسے ستر (پردہ) سے باہر لانا اس پر بدترین ظلم ہے۔

ستم ظریفی کی حد ہے کہ وہ عورت جو عصمت و تقدس کا نشان تھی اور جس کی عفت و نزاہت سے چاند شرماتا تھا اسے پردہ سے باہر لا کر اس سے ناپاک نظروں کی تسکین اور نجس قلوب کی تفریح کا کام لیا گیا، جدید تہذیب میں عورت زینتِ خانہ نہیں شمع محفل ہے، اس کی محبت و خلوص کی ہر ادا اپنے شوہر اور بال بچوں کے لئے وقف نہیں بلکہ اس کی رعنائی و زیبائی وقف تماشائے عالم ہے، وہ تقدس کا نشان نہیں کہ اس کے احترام میں غیر محرم نظریں فوراً نیچے جھک جائیں بلکہ وہ بازاروں کی رونق ہے، آج دو پیسے کی چیز بھی عورت کی تصویر کے بغیر فروخت نہیں ہوتی اس سے زیادہ نسوایت کی ہتک اور کیا ہوسکتی ہے؟ کیا اسلام نے عورت کو یہی مقام بخشا تھا؟ کیا جدید تہذیب نے عورت پر یہی احسان کیا؟ کیا یہی آزادی نسواں ہے جس کے لئے گلے پھاڑ پھاڑ کر نعرے لگائے جاتے تھے؟ اسلام کی نظر میں عورت ایک ایسا پھول ہے جو غیر محرم نظر کی گرم ہوا سے فوراً مرجھا جاتا ہے، اسے پردہ سے باہر لانا اس کی فطرت کی توہین ہے۔

ادھر عورتیں پردے سے باہر آئیں ادھر انہیں زندگی کی گاڑی میں جوت دیا گیا، تجارت کریں تو عورتیں، وکالت کریں تو عورتیں، صحافت کے شعبہ میں جائیں تو عورتیں، عدالت کی کرسی پر متمکن ہوں تو عورتیں، اسمبلی میں جائیں تو عورتیں، الغرض کاروباری زندگی کا وہ کون سا بوجھ تھا جو مظلوم عورت کے نازک کاندھوں پر نہیں ڈال دیا گیا، سوال یہ ہے کہ جب یہ تمام فرائض عورتوں کے ذمہ آئے تو مرد کس مرض کی دوا ہیں؟ اسلام نے نان ونفقہ کی تمام ذمہ داری مرد پر ڈالی تھی لیکن بزدل مغرب نے مردوں کے دوش بدوش چلنے کا جھانسہ دے کر یہ سارا بوجھ اٹھا کر عورت کے سر پر رکھ دیا، جدید تہذیب کے نقیبوں سے کوئی پوچھنے والا نہیں کہ یہ عورت پر احسان ہوا یا بدترین ظلم؟ عورت گھر کے فرائض بھی انجام دے، بال بچوں کی پرورش کا ذمہ بھی لے، مرد کی خدمت بھی بجالائے اور اسی کے ساتھ کسب معاش کی چکی میں بھی پسا کرے؟ ظاہر ہے کہ عورت کے فطری قویٰ اتنے بوجھ کے متحمل نہیں

ہو سکتے اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ گھر کا کاروبار نوکروں کے سپرد کرنا پڑا، بچوں کی تربیت و پرداخت ماماؤں کے حوالے کی گئی، روٹی ہوٹل سے منگوائی گئی، گھر کا سارا نظام تو ابتر ہوا ہی باہر کے فرائض پھر بھی عورت یکسوئی سے ادا نہ کر پائی نہ وہ کر سکتی ہے۔

پھر مردوزن کے اختلاط اور آوارہ نظروں کی آوارگی نے معاشرہ میں جو طوفان برپا کیا اس کے بیان سے زبان قلم کو حیا آتی ہے۔ یہ ہے آزادی نسواں اور تعلیم نسواں کا پرفریب افسوں جس نے انسانیت کو تباہ و برباد اور معاشرے کو کرب واضطراب میں مبتلا کر دیا۔

اسلام کی نظر میں جائز پیشے ذلت کے موجب نہیں

اس کرب و ہیجان کا ایک بڑا سبب یہ ہے کہ عام طور سے صنعت وحرفت اور دستکاری سے عار نوجوانوں کے مزاج میں داخل ہو گیا ہے جب تک کوئی اچھی ملازمت یا کوئی بڑے پیمانے کا کاروبار میسر نہ ہو اس وقت تک کسی کام کا شروع کرنا "باعزت شان" کے خلاف سمجھا گیا اور یہی چیز بے روزگاری، زبوں حالی اور ذہنی انتشار پر منتج ہوا۔ کسی ادنیٰ سے ادنیٰ حلال پیشے کو حقیر سمجھنا نہایت پست ذہنی کی علامت ہے، اسلامی نقطۂ نظر سے کوئی جائز اور حلال پیشہ تحقیر و تذلیل کا مستحق نہیں، حدیث میں ہے:

"ما اکل احد طعامًا قط خیرا من عمل ید یہ،وان نبی اللہ داؤد علیہ السلام کان یا کل من عمل یدیہ". (بخاری)(۱)

کسی شخص نے کبھی کوئی کھانا نہیں کھایا جو اس کے اپنے ہاتھوں کی کمائی سے بہتر ہو، اور اللہ تعالیٰ کے نبی حضرت داؤد علیہ السلام (باوجود عظیم سلطنت کے) اپنے ہاتھ سے کما کر کھاتے تھے۔

ایک اور حدیث میں آتا ہے کہ "حضرت زکریا علیہ السلام نجار (بڑھئی) تھے"۔(۲)

الغرض ایک طرف تو حرفت و دستکاری کو حقیر جانا گیا اور دوسری طرف کسی صحیح منصوبہ بندی کے ذریعہ نوجوانوں کے لئے روزگار مہیا کرنے کی نئی نئی صورتوں پر توجہ نہیں دی گئی نتیجۃً بیکاری و بیروزگاری کا سیلاب امڈ آیا اور تعلیم یافتہ نوجوانوں کا مسئلہ پورے معاشرے کے لئے وبال بن گیا۔

تعلیم یافتہ بیروزگار نوجوانوں کے مسائل کا حل

اگر ہم اس گرہ دار اور تکلیف دہ صورت حال سے نجات حاصل کرنا چاہتے ہیں تو اس کے لئے:

اولاً: [illegible] اوپر سے نیچے تک پورے معاشرے کی اور بالخصوص نئی نسل کی دینی تعلیم و تربیت کا انتظام کرنا

(۱) صحیح البخاری، کتاب البیوع، باب کسب الرجل وعملہ بیدہ ج:۱ ص:۲۷۸، ط: قدیمی

(۲) الصحیح لمسلم، کتاب الفضائل، باب من فضائل زکریا علیہ السلام ج:۲ ص:۲۶۸، ط: قدیمی

ہوگا اس کے لئے ضروری ہے کہ تمام تعلیمی اداروں میں خالص دینی ماحول بنایا جائے، امت مسلمہ کا رشتہ مسجد سے قائم کیا جائے اور انہیں تبلیغی مراکز میں جوڑا جائے۔

ثانیا:...... غیر اسلامی نظریات کی تلقین وتبلیغ کا سلسلہ یک لخت بند کرنا ہوگا، جس قوم کے پاس محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا لایا ہوا پیغام حیات موجود ہو اور وہ اس کے مسائل کو حل نہ کر سکے تو خدا اس قوم کے کسی مسئلہ کو کبھی حل نہ کرے، ہمارے ارباب اقتدار واختیار کو اچھی طرح یاد رکھنا چاہیے کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دامن کو چھوڑ کر لینن وماؤ سے راہنمائی حاصل کرنے کا نتیجہ ذلت ورسوائی کے سوا کچھ نہیں ہوگا۔

﴿ضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِلَّةُ وَالْمَسْكَنَةُ وَ بَاءُو بِغَضَبٍ مِنَ اللهِ﴾ [البقرة: ٦١]

ثالثا:...... خواتین کی بے پردگی، عریانی اور سر بازار رسوائی کا انسداد کرنا ہوگا، عورتوں کی بقدر ضرورت تعلیم پردہ میں ہو، اور باہر کی تمام ذمہ داریوں سے انہیں سبکدوش کیا جائے اور اگر کوئی ایسی صورت ہو کہ کسی خاتون کا کوئی معاشی کفیل نہیں تو اول تو قوم اور قومی خزانہ کا فرض ہے کہ ان کی معاشی کفالت اپنے ذمہ لے اور اگر قوم کی بے حسی اور حکام کی غفلت اس سے مانع ہو تو ان کے لئے باپردہ گھریلو صنعتوں کا انتظام کیا جائے جس سے وہ اپنی معاش حاصل کر سکیں۔

الغرض معاشی بوجھ صرف مردوں کو اٹھانا چاہیے اور اگر شاذ ونادر یہ ذمہ داری عورتوں پر آئے تو ان کیلئے باپردہ انتظام کیا جائے، ہم سمجھتے ہیں کہ اگر صرف عورتوں کا مسئلہ حل ہو جائے تو آدھا انتشار اسی وقت ختم ہو جائے گا۔

رابعا:...... اس ذہنیت کو ترک کرنا ہوگا کہ تعلیم صرف ملازمت کے لئے ہے اور یہ کہ فلاں پیشہ حقیر ہے، بلکہ صحیح منصوبہ بندی کے ذریعہ نئی نسل کی افرادی قوت کو مفید کاموں میں لگانا ہوگا، اللہ تعالیٰ صحیح فہم نصیب فرمائے۔

[جمادی الثانیہ ۱۳۹۲ھ - اگست ۱۹۷۲ء]

سائنسی علوم اور تعلیم وتربیت

آج کل سائنس کا بہت شور برپا ہے، ہر طرف سے سائنس اور علوم طبعیہ کی صدائیں گونج رہی ہیں اور خیال راسخ ہوتا ہے کہ سائنسی علوم تعلیم وتربیت کا ایک اہم جزء ہیں اس کے بغیر ہر قسم کی تعلیم بے معنی ہے اور یہی باور کیا جا رہا ہے کہ تعلیمی نظام میں علمی سائنس اور عملی سائنس دونوں کی شدید ضرورت ہے اور جس طرح سابق اسلامی ادوار میں ریاضی اور ہیئت وفلکیات کے بڑے بڑے ماہر ہوئے ہیں اور طرح طرح کی فنی رصدگاہیں مسلمانوں نے بنائی ہیں آج کیوں مسلمانوں کا دامن ان کمالات سے خالی ہو۔

اس طرح کے افکار ونظریات آج کل عام جرائد ومجلات کے صفحات کی زینت بنے ہوئے ہیں لیکن جہاں تک علمی وعملی سائنس کی اہمیت کا تعلق ہے اس انکار کرنا حماقت وجہالت ہے مگر اسی کے ساتھ سائنسی علوم کو ہر

قسم کی تعلیم وتربیت کے لئے لازمی جزء سمجھنا شاید اس کا بھی حماقت وجہالت سے کم درجہ نہ ہوگا۔

علوم کی قسمیں اور ان کا حکم

پہلی بات تو یہ ہے کہ علوم دو قسم کے ہیں: ایک وہ علوم جن کا حاصل کرنا ہر مسلمان پر فرض عین ہے، یہ وہ علوم ہیں جن کے ذریعہ بندے کا تعلق اپنے معبود حق تعالیٰ شانہٗ سے قائم ہو اور حق تعالیٰ کے حکم کے مطابق بندہ اس کی بندگی کر سکے، خیر وشر، حلال وحرام کی تمیز ممکن ہو، غرض عقیدہ صحیح ہو جائے اور عمل درست، عبادات وطاعات اور فرائض وواجبات سے ضروری واقفیت میسر آجائے، یہ علم چاہے زبانی تعلیم سے حاصل ہو یا والدین کی صحیح تربیت سے یا مکتب میں استاد کے ذریعے سے ہو یا پھر چاہے مادری زبان میں ہو یا کسی اجنبی زبان میں ہو اسی کو حدیث میں "طلب العلم فریضة علی کل مسلم(۱) " فرمایا گیا ہے۔

دوسرے علوم وہ ہیں جن کو فقہی زبان میں فرض کفایہ کہتے ہیں، یعنی اگر امت کے چند اشخاص بھی ان کو حاصل کرلیں تو بقیہ افراد کے ذمے سے یہ فرض ساقط ہو جاتا ہے، جیسے نماز جنازہ میں چند افراد کے نماز پڑھ لینے سے تمام مسلمانوں کے ذمہ سے فرض ادا ہو جاتا ہے، اسلامی علوم میں تفسیر قرآن کریم اور احادیث نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم، فقہ، اصول فقہ، علم توحید وکلام وغیرہ کی تعلیم اور ان میں مہارت وبصیرت حاصل کرنا یہ فرض کفایہ ہے، بلاشبہ یہ فرض کفایہ بھی دین اسلام کا اہم شعبہ ہے اور امت اسلامیہ میں اس کا باقی رکھنا فرض ہے، قرآن کریم کی آیت کریمہ ذیل میں انہی علوم کے متعلق ارشاد فرمایا گیا ہے:

﴿فَلَوْ لَا نَفَرَ مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ مِّنْهُمْ طَائِفَةٌ لِّيَتَفَقَّهُوْا فِي الدِّيْنِ وَلِيُنْذِرُوْا قَوْمَهُمْ إِذَا رَجَعُوْا إِلَيْهِمْ لَعَلَّهُمْ يَحْذَرُوْنَ﴾ [التوبة:۱۲۲]

کہ ہر قوم کے چند افراد کے ذمہ ضروری ہے کہ وہ علم دین سیکھیں اور اپنی بقیہ تمام قوم کو دین سے واقف کرائیں (آیت کریمہ کے کماحقہ تفسیری حقائق ولطائف بیان کرنے کا یہ موقع نہیں)۔

پھر ان علوم میں بھی بعض علم ایسے ہیں کہ وہ خود مقصود نہیں ہیں بلکہ مقصود کے حصول کے لئے وسیلہ اور ذریعہ ہیں، جیسے صرف نحو، معانی، بیان وغیرہ کہ ان علوم کے بغیر تفسیر، حدیث، فقہ، اصول فقہ وغیرہ کو حاصل ہی نہیں کیا جا سکتا، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے لئے یہ علوم عربیت مادری زبان کی حیثیت سے خود بخود حاصل تھے اس لئے ان کو ان علوم کے سیکھنے کی ضرورت نہ تھی، روئے زمین کے عجمی (غیر عربی) مسلمانوں اور بعد کی نسلوں کو یہ بات میسر نہ تھی اس لئے ان کو ان علوم کا حاصل کرنا بھی ضروری ہوا۔

اب رہے وہ علوم طبیعیہ جن کو آج کل سائنس کے لفظ سے تعبیر کرتے ہیں، اگر چہ ان دونوں کے مفہوم

---

(۱) سنن ابن ماجه، المقدمة، باب فضل العلماء والحث على طلب العلم ص: ۲۰، ط: قديمي

میں کچھ فرق ہے، بہرحال یہ وہ علوم ہیں جو عقل وادراک اور فنی تجربات کے ذریعہ وجود میں آتے ہیں، عقلِ انسانی نسلِ انسانی کے لئے اللہ تعالیٰ کا ایک عظیم عطیہ ہے، اسی عقل کے ذریعہ حق تعالیٰ کے علم اور قدرت کے رازہائے سربستہ اس کائنات اور کارخانۂ قدرت میں ہر دور اور ہر زمانے میں جیسے جیسے وقت کے تقاضے ہوتے ہیں ظاہر ہوتے رہتے ہیں، اور پھر انہی فکری اور نظری علوم کے ذریعہ ان کے اچھے برے اثرات ونتائج ظہور میں آتے رہتے ہیں، انہی علوم کا ثمرہ وہ تمام صنعتیں اور ایجادات ہیں جو نسل آدم کے کام آتی رہتی ہیں اسی کا نام عملی سائنس ہے۔

اصلی علم کیا ہے؟

اگر بنظرِ غائر دیکھا جائے تو بآسانی واضح ہوگا کہ اصلی علوم وہی ہیں جو صرف وحیِ الٰہی کے ذریعہ اور انبیاء کرام کی تعلیمات کے واسطہ سے ظہور میں آتے ہیں، یہ وہ علوم ہیں جن کے ادراک سے عقلِ انسانی نہ صرف قاصر ہے بلکہ عقلِ انسانی کے دائرے سے ہی یہ علوم خارج ہیں، علوم وفنون کی اصطلاح میں ان کو "ماوراء الادراك" اور "ماوراء العقل" کہا جاتا ہے۔

اس لئے انبیاء کرام علیہم الصلاۃ والسلام کا دائرۂ تعلیم وتربیت انہی علومِ الٰہیہ میں منحصر ہونا چاہئے جو عقل انسانی کی رسائی سے بالاتر ہیں، قرآن کریم اور تعلیمات نبویہ میں ان علومِ طبعیہ وعقلیہ اوران کے ذریعہ وجود میں آنے والی ایجادات واختراعات کی نہ تو تعلیم دی گئی ہے اور نہ ہی ان کی طرف توجہ کی گئی ہے نہ ہی اس کی ضرورت تھی۔

ظاہر ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے عقل وادراک جیسی خود کفیل نعمت اور قوتِ اختراع جیسی خود کار طاقت انسان کو عطافرمادی جو ان تمام ضرورتوں کو پورا کرنے کے لئے کافی ووافی ہے تو پھر کسی مزید تفصیل کی ضرورت باقی نہیں رہتی، چنانچہ اسلامی تاریخ اس کی شہادت دیتی ہے کہ ہر دور میں عقلِ انسانی یہ خدمت انجام دیتی رہی ہے اور آج اس دورِ ترقی میں بھی جو کچھ نتائج سامنے آرہے ہیں اور آئندہ آتے رہیں گے وہ سب اسی کے کرشمے ہیں۔

اگر ہم ان گذشتہ اشارات اور گذارشات کا خلاصہ بیان کرنا چاہیں تو یہ کہہ سکتے ہیں کہ انسان کی دو قسم کی ضرورتیں تھیں، ایک دنیا کی اور ایک آخرت کی، یا یوں کہئے ایک روح کی اور ایک جسد کی، علومِ الٰہیہ ربانیہ کے وہ سرچشمے جن کا تعلق وحیِ آسمانی سے ہے ان کا تعلق آخرت اور اصلاحِ روح سے ہے اور نفس کا تزکیہ وتہذیب ہی ان سے مقصود ہے مگر ان علوم کے حقیقی ثمرات ونتائج آخرت کی زندگی میں کماحقہٗ ظاہر ہوں گے اگرچہ ان کے برکات کا قدرے ظہور اس دنیا میں بھی ہو اور علوم عقلیہ انسانیہ کا تعلق جسم وجسمانیات اور دنیا کی زندگی سے ہے ان کے منافع کا تعلق بھی دنیوی زندگی اور عالم جسمانی سے وابستہ ہے۔

سائنسی علوم کا ظاہری فائدہ

البتہ ان علومِ طبیعیہ سائنسی علوم وفنون کا اس زندگی میں ایک عظیم الشان فائدہ یہ ہے کہ یہ علوم اوران کے

ذریعہ حاصل ہونے والے نو بنو اکتشافات حق تعالیٰ کے کمالِ قدرت، کمالِ علم اور حقائقِ الٰہیہ کی معرفت کا ذریعہ بنتے ہیں، اس کارخانۂ قدرت اور محیر العقول نظامِ کائنات میں حق تعالیٰ کی قدرت کے وہ رازہائے سربستہ ان کے ذریعہ منکشف ہوتے ہیں جو معجزات کا کام دیتے ہیں اور ایمانِ کامل، یقینِ محکم، طمانیتِ دل ودماغ اور رسوخِ ایمانی جیسے عظیم اور حیرت انگیز ثمرات ان کی بدولت میسر آتے ہیں اور اس طرح اللہ تعالیٰ کی حجت منکرین وکافرین پر پوری ہوجاتی ہے، لیکن تجربہ اس کا شاہد ہے کہ جو حضرات پہلے سے مشرف بایمان ہیں ان کے لئے تو یہ رسوخِ ایمانی کا ذریعہ بنتے ہیں لیکن جو لوگ سعادتِ ایمان سے محروم ہوتے ہیں ان کے لئے نفسِ ایمان کا ذریعہ بھی نہیں بنتے، یہی وجہ ہے کہ یہ سائنسدان حق تعالیٰ کے اس کارخانۂ ملکوت میں اس حیرت انگیز نظام کے اسرار وغوامض پر مطلع ہونے کے بعد بھی ان میں سے کسی ایک کو بھی ایمان کی توفیق نصیب نہیں ہوتی، ایمان تو کیا حقیقی معنی میں وہ انسان بننا بھی نصیب نہیں ہوتا جس کے پہلو میں دل اور دل میں رحم وعاطفۂ انسانیت ہو، یہی وجہ ہے کہ عہدِ حاضر کے تمام تر سائنس دانوں کی یہ گوناگوں ایجادات آج نسلِ انسانی کو تباہ وبرباد کرنے پر تلی ہوئی ہیں، تمام دنیا کو تباہی کے کنارے لاکر کھڑا کردیا ہے، اس تفصیل سے یہ بات بھی خیال میں آگئی ہوگی کہ سب سے زیادہ مقدم روح کی اصلاح وتربیت ہے اس کے بعد ہی یہ جدید علومِ عصریہ مفید ہوسکتے ہیں۔

علوم الٰہیہ اور قدیم وجدید علوم کی ترویج کس کا فرض ہے؟

اب اس پر غور فرمائیں کہ تمام قدیم وجدید علوم کی تعلیم وتربیت اور ان علومِ الٰہی کی ترویج واشاعت نیز علومِ انسانی کی توسیع وہمت افزائی یہ کس کے ذمہ ہے؟ یہ ذمہ داری تمام تر اسلامی حکومتوں اور اسلامی حکمرانوں کی ہے۔

سوءِ اتفاق سے اس وقت مراکش سے لے کر انڈونیشیا تک تمام حکومتیں اور حکمران درجہ بدرجہ اس ذمہ داری کے معاملہ میں مقصر نہیں بلکہ مجرم ہیں، ظاہر ہے کہ اس تمام تعلیمی اور تجرباتی نظام سے تمام امت کو مستفید بنانے کے لئے حکومت کی سطح پر ہی کام ہوسکتا ہے، اسی وجہ سے یہ مسلّم ہے کہ تعلیمی میزانیہ، فوجی میزانیہ سے زیادہ ہونا چاہیے لیکن جب حکومتیں اس طرح کی مجرمانہ غفلت برت رہی ہیں تو علوم الٰہیہ کی جو فرضِ عین ہیں یا فرضِ کفایہ حفاظت، امت کے ذمہ ہی عائد ہوتی ہے۔ متحدہ ہندوستان میں جب مسلمان اسلامی حکومتوں کے سایہ سے محروم ہوگئے تو علماءِ دین اور عام مسلمانوں نے اس ذمہ داری سے سبکدوشی کو اپنا فرض سمجھ کر اس کی کماحقہٗ تدبیریں کیں، دیندار اربابِ اموال سے مالی اعانتیں حاصل کرکے ان کی حفاظت کی اور آج تک الحمد للہ یہ سلسلہ ہندو پاکستان دونوں ملکوں میں قائم ہے اور آج ہزاروں مدارسِ دینیہ باوجود گوناگوں نقائص اور کمزوریوں کے کسی نہ کسی درجہ میں یہ فرض انجام دے رہے ہیں۔

عربی زبان اور اسلام

اسلام اور عربی زبان کا جو باہمی محکم رشتہ ہے وہ محتاج بیان نہیں، اسلام کا قانون عربی زبان میں ہے، اسلام کا آسمانی صحیفہ قرآن حکیم عربی زبان میں ہے، اسلام کے پیغمبر خاتم الانبیاء حضرت محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم کی مادری زبان عربی ہے، حضرت رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تمامتر تعلیمات و ہدایات اور ارشادات کا پورا ذخیرہ عربی زبان میں ہے، اسلام کی اہم ترین عبادت صلوۃ (نماز) جس کو روئے زمین کے تمام مسلمان اپنے اپنے ملکوں میں روزانہ پانچ وقت پڑھتے ہیں، وہ عربی زبان میں ہے، یہ نماز ہی توحید اسلام کا اعلیٰ ترین مظہر اور دین اسلام کی بنیادی عبادت ہے، پھر ہفتہ واری اسلام کا پیغام ''جمعہ کا خطبہ'' عربی زبان میں ہے، سال میں دو مرتبہ عمومی واجتماعی پیغام عید الفطر اور عید الاضحیٰ کا خطبہ تمام دنیا میں عربی میں پڑھایا جاتا ہے، حضرت خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم نے امت کی رہنمائی کے لئے جو عجیب وغریب اذکار اور دعائیں صبح سے شام تک ہر محل و ہر موقع اور ہر کام کے لئے تلقین فرمائی، عبد و معبود کے درمیان تعلق و رابطہ پیدا کرنے یا اس رشتہ کو مضبوط کرنے کے لئے جن سے زیادہ مؤثر اور کوئی تدبیر نہیں، وہ سب عربی میں ہے، اسلام کا حسی مرکز، بارگاہ قدس رب العالمین اور تجلیات الٰہیہ کا سرچشمہ جس سر زمین میں واقع ہے، مکہ مکرمہ (زادھا اللہ شرفاً وتعظیما وتکریما ومھابۃ) وہ عرب ہے، اور وہاں کے باشندوں کی زبان عربی ہے، سید الکونین رسول الثقلین حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی آرام گاہ اور دار الھجرۃ جس سر زمین مقدس میں واقع ہے مدینہ منورہ (زادھا اللہ نوراً وطیبا) وہ عرب میں ہے، اور اس کے بسنے والوں کی زبان بھی عربی ہے۔ مکہ معظمہ جس طرح عدنانی عرب کا مرکز تھا اسی طرح ہجرت کے بعد مدینہ طیبہ قحطانی عرب کا مرکز بن گیا ان دونوں مرکزوں کی زبان اور تہذیب عہد قدیم سے آج تک عربی ہے، دونوں قوموں عدنانی وقحطانی عربوں کا سرمایہ تاریخ وادب عربی زبان میں ہے، قرآن کریم اور اسلام کے پہلے مخاطب، جزیرۃ العرب میں بسنے والی پوری آبادی عرب ہے، جزیرۃ العرب سے باہر اسلام کے دو اہم ترین مرکز عراق وشام ہیں دونوں ملک عربی زبان وتہذیب کا گہوارہ تھے اور رہیں۔ مصر، لیبیا، سوڈان، مغربی افریقہ، الجزائر، تیونس اور مراکش وغیرہ سب عربی بولنے والوں کے مرکزی مقامات ہیں، شمالی افریقہ کی اکثریت کی زبان بھی عربی یا بگڑی ہوئی عربی ہے۔

صحابہ کرامؓ اور تابعین عظامؒ کے زمرہ میں شامل عرب فاتحین جو اسلامی فتوحات کے سلسلہ میں سندھ وہند، افغانستان اور بخارا سے لے کر اسپین تک نہ صرف پھیل گئے بلکہ ان ملکوں میں بس بھی گئے تھے، ان کے ذریعہ ان ملکوں میں بھی عربی زبان پہنچ گئی اور چونکہ ان ملکوں کی تمام مسلمان قوموں کا دینی سرمایہ عربی زبان میں تھا اس لئے ان ملکوں کی بھی دینی اور مذہبی زبان عربی بن گئی، چنانچہ نہ صرف یہ کہ ان ممالک اسلامیہ میں لائق فخر عربی دان پیدا ہوئے بلکہ عجمی ممالک کے ان مراکز سے عربی کے وہ مایۂ ناز ماہرین وموجدین علوم وفنون پیدا ہوئے جن

کی نظیر کا دنیا تصور بھی نہیں کرسکتی، انہیں عجمی علماء کی بدولت عربی علوم میں صرف نحو، معانی، بیان، بدیع، لغت، عربی رسم الخط، علم الا شتقاق، عروض وقافیہ اور شعر وادب اور اسلامی علوم میں تفسیر واصول تفسیر، حدیث واصول حدیث، فقہ واصول فقہ، عقائد وتوحید وکلام، اور آلی علوم میں منطق، فلسفہ، ہیئت، ریاضی وغیرہ علوم کا سارا ذخیرہ عربی زبان میں ڈھل گیا اور نہ صرف یہ بلکہ عربی زبان کے حقائق فقہ اللغۃ کی باریکیاں اور حیرت انگیز لسانی خصوصیت عربی تلفظ کی صحت وسہولت کے قواعد وضوابط اور لسانی حسن وجمال کی نیرنگیاں وغیرہ وہ علمی سرمائے ہیں کہ عربی کے علاوہ دنیا کی اور دوسری زبانوں میں ان کا پتہ تک نہیں ہے۔

الغرض دینی علوم ہوں یا اسلامی تاریخ، وحی الٰہی کا منبع ہو یا تعلیم وتربیت نبوی کا سرچشمہ، اتحاد اسلامی کا عظیم مقصد ہو یا بین المملکتی سیاسی مفاد ومصالح، ہر لحاظ اور ہر حیثیت سے عربی زبان کی اہمیت سے انکار جنون کے مرادف ہے۔

عصر حاضر میں بھی صحرائے عرب میں جزیرۃ العرب کے اندر اور جزیرۃ العرب کے باہر اللہ تعالیٰ کی قدرت ومشیت سے جوز رسیال، پٹرول اور دوسرے معادن کے ابلتے ہوئے چشمے نمودار ہو گئے ہیں انہوں نے ان بادیہ نشینوں اور خانہ بدوشوں عرب اقوام کو عزت ومجد اور عظمت وثروت کے اس اعلیٰ مقام پر پہنچا دیا ہے کہ آج روس وامریکہ، فرانس وبرطانیہ جیسے اعداء اسلام بھی اپنے اقتصادی وسیاسی مفاد ومصالح کی خاطر ان بدویوں کی خوشامد پر اور اس کے لئے عربی زبان سیکھنے اور بولنے پر مجبور ہو گئے ہیں، اسی لئے تمام یورپین ممالک کے لئے عربی زبان وادب کی درسگاہیں کھولنا اور ان کو فروغ دینا ناگزیر ہو گیا ہے، کویت کا صحراء آج وہ دولت وثروت اگل رہا ہے جس کی بدولت انگلستان کی باغ وبہار قائم ہے، اگر آج کویت کی دولت انگلستان کے بینکوں سے نکال لی جائے تو برطانیہ کا دیوالیہ نکل جائے گا۔

غرض جس طرح عہد ماضی میں روحانی ہدایت کے سرچشمے صحراء عرب سے پھوٹے، بالکل اسی طرح مادی دولت وثروت کے سرچشمے بھی اسی سرزمین سے ابل رہے ہیں یہی وجہ ہے کہ دین ہو یا دنیا، روحانیت ہو یا مادیت، ہر جہت اور ہر حیثیت سے عربی زبان دنیا کی تمام قوموں کے لئے اپنی غیر معمولی اہمیت کی بنا پر قابل توجہ بنی ہوئی ہے۔

آج ان ممالک کو عربی داں ٹیچروں کی ضرورت ہے، جدید علوم وفنون کے عربی دان ماہرین کی احتیاج ہے، عربی دان ڈاکٹروں، طبیبوں، انجینئروں اور مہندسوں کی ضرورت ہے، اقتصادیات وتجارت کے ماہرین کی حاجت ہے، زراعت وصنعت میں رہنمائی کی ضرورت ہے۔

اگر ہماری عظیم ترین اسلامی مملکت پاکستان اس حقیقت اور صورتحال پر ذرا بھی غور کرتی اور ان بین المملکتی مصالح کے پیش نظر عربی زبان کی اس غیر معمولی اہمیت کو محسوس کرتی اور نہ صرف اپنے تعلیمی اداروں،

یونیورسٹیوں، کالجوں اور سکولوں میں عربی زبان وادب کو فروغ دیتی اور ابتدا سے لے کر انتہا تک عربی زبان وادب کو بحیثیت زبان کے لازمی مضمون قرار دیتی بلکہ ہر طبقہ اور شعبہ کے ماہرین کے لئے مستقل عربی زبان وادب کی تعلیم کے مراکز کھول دیتی تو آج صورت حال بالکل بدلی ہوئی ہوتی اور تمام ممالک اسلامیہ عربیہ کی تعلیمی، اقتصادی، تجارتی، صنعتی اور زراعتی ضرورتیں پاکستان پوری کرتا اور اس وسیلہ سے ان ممالک کی قیادت بھی پاکستان ہی کے ہاتھ میں ہوتی۔

صرف سعودی مملکت کے ہسپتالوں میں اس وقت ۷۵ رفیصد ڈاکٹر پاکستانی ہیں، طائف جیسی چھوٹی سی جگہ میں پندرہ پاکستانی ڈاکٹر کام کررہے ہیں، اگر آج ہمارے گریجویٹ عربی زبان وادب کے ماہر نہ سہی صرف واقف ہی ہوتے تو ان ممالک میں سو فیصد ڈاکٹر، انجینئر، ٹیچر اور ماہرین علوم وفنون پاکستانی ہی ہوتے، اس لئے کہ مملکتِ سعودیہ عربیہ کے ہمسایہ ممالک شام ولبنان واردن میں اتنی صلاحیت نہیں کہ وہ سعودی مملکت کی ضرورتوں کو پورا کرسکیں، جمہوریہ عربیہ متحدہ مصر سے ان کے تعلقات شگفتہ نہیں ہیں، اس لئے بمجبوری اور بادل ناخواستہ یورپ وامریکہ جیسے ازلی دشمنِ اسلام ممالک سے یہ ضرورتیں پوری کی جارہی ہیں، اس کے عواقب ونتائج کیا ہوں گے؟ یہ بالکل ظاہر ہے عرب ممالک کو ٹکڑے ٹکڑے کردینے اور مختلف بلاکوں میں تقسیم کردینے کے سلسلہ میں ان کی ریشہ دوانیاں بے نقاب ہوچکی ہیں، یہ معلوم کرکے انتہائی صدمہ ہوا کہ حکومتِ سعودیہ عربیہ نے ایک سو ماہرین تعلیم امریکہ سے بلائے ہیں اور یہ بھی سنا ہے کہ ان ماہرین تعلیم نے آتے ہی عربی ادب اور قرآن کریم کو مملکت سعودیہ عربیہ کے نصاب تعلیم سے نکال دیا ہے اگر یہ صحیح ہے تو:

چیست یارانِ طریقت بعد ازیں تدبیر ما؟

کاش پاکستان کے اربابِ حل وعقد میں ذرا سی بھی اسلامی غیرت وحمیت موجود ہو اور وہ ان حقائق پر ذرا سا بھی غور وفکر کریں اور فی الفور عربی زبان وادب کی تعلیم اور ترویج وتوسیع کی کوشش شروع کردیں اور عربی زبان جاننے والے جدید علوم وفنون کے ماہرین پیدا کرنے لگیں تو اس شرمناک اور غیرت سوز صورتِ حال کا تدارک باآسانی ہوسکتا ہے۔

جس طرح آج پاکستانی ڈاکٹر سرزمین مقدس حجاز میں پہنچے ہوئے ہیں اگر ہماری تمام تعلیم یافتہ (گریجویٹ) نوجوان بھی عربی زبان وادب سے واقف ہوتے تو مملکتِ سعودیہ عربیہ کے تمام سرکاری محکمے اور تعلیمی ادارے بھی پاکستانی ماہرین سے معمور ہوتے اور اس تعلیمی اور تربیتی رشتہ اور رابطہ کے بعد دونوں اسلامی ملکوں کے تعلقات کی کیا نوعیت ہوتی؟ اس کا اندازہ آپ خود لگائیے، علاوہ ازیں ممالک عربیہ اسلامیہ کی یہ صحیح خدمت انجام دینے کے بعد اغیار کی خفیہ ریشہ دوانیوں سے بھی جن کا راز ابِ طشت از بام ہوچکا ہے مملکت سعودیہ اور دوسرے عربی ممالک کو نجات مل جاتی، دین ودنیا دونوں کی وہ حیرت انگیز کامیابی نصیب ہوتی جس کا تصور کرنا بھی آج مشکل ہے۔

تعلیم جیسی بنیادی واساسی خدمت کی زمام ہاتھ میں آجانے کے بعد عرب ممالک کا نوجوان طبقہ جس کے ہاتھ میں کل حکومتوں کے کلیدی عہدے ہوں گے یورپین ممالک کے بجائے پاکستان ہی کا رہین منت اور اسلامی تہذیب وتمدن سے متاثر ہوتا۔

افسوس کہ ہمارے حکمرانوں کو ملک وملت کے ان اہم ترین مفادات کو سوچنے سمجھنے کا موقعہ ہی نہیں ملتا نہیں بلکہ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ یہ حضرات اپنی اغراض وخواہشات (١) کی بنا پر پاکستان میں عربی زبان وادب اور دینی تعلیم کو کسی بھی قیمت پر برداشت کرنے کے لئے تیار نہیں ہیں۔فیا غربة الاسلام۔

عربی زبان سیکھنے کے لئے جہاں تک معمولی نوشت وخواند کا تعلق ہے،صرف تین چار ماہ کا عرصہ کافی ہے ہاں عربی زبان وادب کی مہارت اور لسانی علوم وفنون صرف ونحو،معانی وبیان وبدیع،لغت واشتقاق ومحاضرات، قرآنی اعجاز (٢) کے حقائق تک پہنچنا اس کے لئے تو بے شک عمریں درکار ہیں اور یہ مرحلہ اتنا مشکل ہے کہ امتِ محمدیہ کے مخصوص افراد کے حصہ میں بھی بمشکل ہی آتا ہے مشہور ہے کہ قرآنی اعجاز کی نقاب کشائی امت میں صرف شیخ عبدالقاہر جرجانی اور علامہ زمخشری ہی کر سکے ہیں۔

چنانچہ مشہور مقولہ ہے کہ:

"لم يدر إعجاز القرآن إلا الأعرجان"

قرآنی اعجاز کی دقیق معرفت تک دو ہی ہستیاں پہنچیں اور اتفاق دیکھئے کہ وہ دونوں اعرج (لنگڑے) تھے۔

ہمارے شیخ امام العصر حضرت مولانا محمد انور شاہ قدس اللہ سرہٗ اس پر ذیل کا جملہ اضافہ فرماتے ہیں:

"احدهما من زمخشر والآخر من جرجان"(٣)

ایک زمخشر کا رہنے والا ہے اور دوسرا جرجان کا۔

بہرحال اگر اب بھی حکومت کے تعلیمی ادارے اور محکمے بی اے یا ایم اے پاس طلبہ کو صرف عربی زبان

---

(١) تفصیل کے لئے ملاحظہ کیجئے مقالہ "عربی سے معری اسلامیات" از ڈاکٹر سید محمد یوسف صاحب صدر شعبہ عربی کراچی یونیورسٹی، ماہنامہ بینات بابت ماہ ذی الحجہ ٨٥ھ شمارہ:٦ جلد:٤

(٢) بدقسمتی سے ملک کا ایک مخصوص طبقہ جو "اسلام کی تعبیر نو" کے نام سے "اسلام کا جدید ایڈیشن" تیار کرنے پر تلا ہوا ہے جو اس کام پر مامور ہے،عربی زبان وادب اور قرآنی اعجاز پر عمریں یا چند سال یا چند ماہ یا چند ہفتے صرف کرنے تو کجا عربی کی الف،با (ابجد) سے بھی واقف نہیں ہے،اور وہ قرآن کے منصوص احکام کی تہہ میں چھپی ہوئی "علل وغایات" تراش کر قرآنی احکام میں قطع وبرید کر رہا ہے،ہم کوشش کرتے ہیں کہ ان "متجددین" یا نئے "مجتہدین" کی پول کھولنے کی غرض سے مستشرقین کی ان کتابوں اور حوالوں کی نشاندہی کردیں جوان کی "علمی تحقیق" کا ماخذ ہیں،وباللہ التوفیق۔

(٣) العرف الشذی علی هامش الترمذی،ابواب الطهارة،باب ماجاء فی الجنب والحائض انهما لا يقرآن القرآن ج:١ ص:٣٥،ط:قدیمی

سکھانے کے لئے ایک عربی زبان کی کلاس تمام یونیورسٹیوں اور کالجوں میں کھول دیں اور اس کی تعلیم کے لئے عرب ممالک، شام وعراق واردن ومصر وغیرہ کے ایسے اساتذہ بلائیں جو اردو وانگریزی بالکل نہ جانتے ہوں تو ہمارا تجربہ ہے کہ طلبہ چند ہفتوں میں ہی عربی سمجھنے بولنے پر قادر ہو جاتے ہیں۔

اور فصیح عربی زبان کے مقابلہ پر عوامی بول چال کی عربی تو اور بھی آسان ہے اس میں صرف ونحو کے قواعد کی پابندی نہیں کرنی پڑتی، اگر عربی کو عربی میں پڑھا جائے اور ذرا سی لکھنے کی مشق کرائی جائے تو چند ہفتوں میں اچھی خاصی عربی بول چال اور نوشت وخواند کی مہارت پیدا ہو جاتی ہے، خدا کا شکر ہے کہ مدرسہ عربیہ اسلامیہ کراچی میں یہ صلاحیت واہلیت موجود ہے کہ وہ اپنے اہتمام وانتظام کے تحت ہر دو قسم کی عربی تعلیم کی خدمت انجام دے سکے اور عربی کو عربی میں پڑھانے والے عرب اساتذہ بھی میسر ہیں۔

حاصل یہ ہے کہ اگر دین کی ضرورت پیش نظر ہو تب بھی عربی علوم سے استغناء ممکن نہیں اور اگر دنیا کے مصالح خصوصاً اقتصادی وسیاسی مفادات پیش نظر ہوں تب بھی عربی زبان وادب سے استغناء صحیح اور معقول نہیں۔

عصری تعلیم کا منتہائے نظر پیٹ کی پرورش ہے اور گرانقدر تنخواہیں اور عہدے جدید تعلیم یافتہ حضرات کا معراج کمال ہیں، اس سلسلہ میں بھی آج کل ممالک عربیہ اسلامیہ میں ہر قسم کے تعلیمی وتربیتی عہدے اور منصب بآسانی مل سکتے ہیں اور ان ممالک میں تنخواہوں کا معیار بھی کثرت زر کی بنا پر پاکستان سے کہیں اونچا ہے صرف عربی زبان سے واقفیت کی کسر ہے، الیس منکم رجل رشید۔

کیا ہے کوئی ہوشمند درست کار مرد

[محرم ۱۳۸٦ھ]

عربی زبان اور اس کی اہمیت

عربی زبان کی دینی اہمیت تو ظاہر ہے کہ اسلام کا بنیادی پیغام قرآن حکیم تمام عالم کے لئے حق تعالیٰ کا آخری پیغام ہے وہ عربی زبان میں ہے، دین اسلام کے پانچ بنیادی ارکان میں توحید ونبوت کے بعد نماز جو عماد دین ہے اس کے تمام ارکان قرأت، قرآن، اذکار وادعیہ یعنی پوری نماز اول سے آخر تک عربی میں ہے، عیدین وجمعہ کے خطبے عربی زبان میں ہیں، حضرت رسالت پناہ فداہ ابی وامی صلی اللہ علیہ وسلم کی تمام تعلیمات وارشادات کا عظیم الشان ذخیرہ یعنی احادیث عربی میں ہے، حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی نسبتاً عربی قریشی ہاشمی ہے بعض روایات میں عربی زبان سے محبت کرنے کے لئے یہ ارشاد فرمایا گیا ہے کہ: ”میں بھی عربی اللسان ہوں، قرآن بھی عربی میں ہے اور اہل جنت کی زبان بھی عربی ہے“۔(۱)

---

(۱) المستدرك على الصحيحين، فضائل القبائل، فضل كافة العرب، ج: ٤ ص: ۹۷، ط: دار الكتب العلمية

حضرت خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم نے امت کو جو اذکار اور دعائیں تلقین فرمائی ہیں جو بجائے خود عجیب وغریب دعائیں ہیں جن میں دین ودنیا کی کوئی ضرورت ایسی نہیں ہے جس کے متعلق دعا ارشاد نہ فرمائی گئی ہو بلکہ دعاؤں کی جامعیت دیکھ کر عقل حیران رہ جاتی ہے کوئی بڑے سے بڑا عاقل انسان بھی اس جامعیت کا تصور تک نہیں کرسکتا جس سے ان کا الہامی ہونا ظاہر ہے اور نبوت کے اعجاز کی مستقل دلیل ہے یہ سب کچھ عربی زبان میں ہے، بزرگانِ دین، صحابہ کرام وتابعین عظام سے لے کر جنید وشبلی تک پھر شیخ عبدالقادر جیلانی اور صاحب حزب البحر وصاحب دلائل الخیرات وغیرہ بقیہ بزرگان دین کی دعائیں اوراذکار اور درود شریف سب عربی زبان میں ہیں، اللہ تعالیٰ کے پیارے ننانوے مبارک نام بھی عربی میں ہیں، رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک نام بھی عربی میں ہیں، غرض کیا کیا چیزیں گنوائی جائیں۔ خلاصہ یہ کہ پورا دین اور دین کے ہر ایک جز کا عربی زبان سے تعلق ہے، اس لحاظ سے ایک مسلمان کا بحیثیت دین جتنا تعلق بھی عربی زبان سے ہو بجا ہے، دنیاوی اور سیاسی حیثیت سے بھی اس کی اہمیت بالکل واضح ہے تمام عربی ممالک حجاز مقدس، مکہ، مدینہ، لبنان، شام، مصر، طرابلس، الجزائر، تیونس، مراکش، بحرین، کویت وغیرہ وغیرہ چھوٹی بڑی بیسیوں ریاستیں عربی قوموں کی ہیں، عربی ممالک ہیں ان سے تعلقات قائم رکھنے کے لئے اور ان میں اسلامی نفوذ پیدا کرنے کے لئے عربی زبان کی کتنی شدید ضرورت ہے، ان ممالک میں جو عربی لٹریچر، دینی اور سیاسی کتابیں ہزاروں کی تعداد میں شائع ہورہی ہیں، رسائل واخبارات کا تو ٹھکانہ ہی نہیں،، ان ممالک کو معلموں کی ضرورت ہے، انجینئروں کی حاجت ہے، ڈاکٹروں کی ضرورت ہے، ان ممالک میں تجارت کے ذرائع پیدا کرنا، کارخانے قائم کرنا، ان ممالک میں عربی زبان میں اپنے سیاسی مقاصد ومفادات کی اشاعت کرنا، انتہائی اہم وقتی تقاضے ہیں۔ ان سب کے لئے عربی زبان کی کتنی شدید ضرورت ہے، علاوہ ازیں ان ممالک عربیہ میں دنیا کی ثروت ودولت کا جو سیلاب آیا ہے اس سے بقیہ غیر عربی ممالک اسلامیہ کو مستفید ہونے کے لئے بھی عربی زبان کی کتنی اہمیت ہے، مشرقی دنیا میں انڈونیشیا جو مسلمانوں کی بڑی حکومت ہے وہاں عربی کو سرکاری زبان کی حیثیت حاصل ہے، اسی لئے امام شافعی کے مذہب میں تو کچھ نہ کچھ عربی سیکھنا فرض عین کا درجہ رکھتا ہے، بقیہ اماموں مالک وابوحنیفہ واحمد بن حنبل رحمہم اللہ کی نزدیک بھی عربی سیکھنا فرض کفایہ ہے، ادبی حیثیت سے بھی عربی کی خصوصیات بے حد لطیف مگر تفصیل طلب ہیں، کاش ہمارے ملک میں، ہماری یونیورسٹیوں، کالجوں، اسکولوں اور ان کے ارباب اقتدار کو اس طرف توجہ ہوجائے اور اس کی اہمیت محسوس کرنے لگیں۔

ہمارے اسلاف کرام کے علمی وفنی ذخائر، علوم ومعارف کی حیرت انگیز ذخیرے تمام کے تمام عربی زبان میں ہیں، عالم اسلام اور عالم عربی کے اتحاد کے لئے عربی زبان ایک قوی رابطہ ثابت ہوسکتی ہے، ہمارے حکمران دین کے لئے نہیں اپنی سیاسی ودنیوی اغراض کے لئے ہی عربی زبان پر توجہ دیتے تو آج پاکستان اور عالم اسلام کا نقشہ ہی کچھ اور ہوتا۔

بہر حال کہنا یہ ہے کہ عربی زبان کی عظمت و اہمیت دینی، سیاسی، ادبی ہر جہت سے مسلّم ہے، ہم سے تقاضا ہو رہا ہے کہ مدرسہ عربیہ اسلامیہ کی طرف سے کوئی عربی پرچہ بھی جاری کیا جائے بہت کچھ سوچا لیکن ہماری دینی درس گاہوں کی کم ذوقی و غفلت، ہمارے طلبہ و علماء کی بے حسی اور عربی زبان سے بے رغبتی یا عدمِ مہارت اس کی اجازت نہیں دیتی تاہم فی الوقت یہ ارادہ کرلیا ہے کہ ''بینات'' میں چار پانچ صفحے عربی مضامین کے لئے مخصوص کئے جائیں لیکن ساتھ ساتھ اس کا اردو ترجمہ بھی ہوتا ہے کہ عربی اور ادبی ذوق کے مالک حضرات عربی سے لطف اندوز ہوں اور عام قارئین کرام اس کے ترجمہ سے محظوظ ہوں، اللہ تعالیٰ توفیق عطا فرمائیں۔ آمین

[جمادی الاولیٰ ۱۳۹۱ھ]

علماء کی صحبت کے بغیر علم آزمائش و ابتلاء ہے

دنیا میں ہر کمال کے حصول کے لئے ضروری ہے کہ صاحب کمال کی خدمت میں رہ کر وہ کمال حاصل کر لیا جائے، معمولی سے معمولی صنائع اور عام سے عام پیشوں کے لئے بھی کسی استاذ و رہنما کی ضرورت مسلم، بغیر استاد کے نری عقل و ذہانت اور طباعی سے کوئی کمال صحیح طور پر حاصل نہیں ہوسکتا، انجینئری ہو یا ڈاکٹری اور طبابت ہو، ہر صنعت و حرفت کے لئے ابتداء عقل کی رہنمائی کے لئے کسی استاذ کی حاجت یقینی ہے، جب انسانی عقل کے پیدا کردہ فنون و علوم کے حاصل کرنے کے لئے ایک کامل کی صحبت ضروری ہے تو علوم نبوت اور معارفِ انبیاء اور حقائق شریعت کے لئے استاذ و رہنما سے کیسے استغناء ہوسکتا ہے؟ کیونکہ یہ علوم و معارف تو عقل و ادراک کے دائرے سے بالاتر ہیں اور وحی ربّانی کے ذریعہ سے امت کو پہنچے ہیں، آسمانی تربیت اور ربانی ہدایات و ارشاد کے ذریعہ سے اس کا سلسلہ جاری رہتا ہے پھر ان ربانی علوم میں الفاظ سے زیادہ مربی کی توجہات اور اس کی عملی صحبت کو دخل ہوتا ہے اور تعلیم سے زیادہ ذہنی و فکری اور عملی تربیت ضروری ہے، اس لئے جتنی طویل صحبت ہوگی زیادہ کمال نصیب ہوگا اور مربی و رہنما جتنا با کمال ہوگا اتنا زیادہ فائدہ اور کمال حاصل ہوگا، پھر ان علوم نبوت کی غرض و غایت چونکہ ہدایت و ارشاد اور مخلوق خدا کی رہنمائی ہے اس لئے ان کے سمجھنے میں شیطان لعین کی عداوت و اضلال اور گمراہی کا شدید اندیشہ ہوتا ہے، جو کمال کہ دنیوی مفاد کے لئے حاصل کرنا ہوتا ہے اس پر شیطان آرام سے بیٹھا رہتا اس کو دخل کی حاجت ہی نہیں نہ عداوت ظاہر کرنے کی ضرورت ہے لیکن جہاں آخرت و عقبیٰ اور دین کی بات ہوتی ہے تو شیطان اپنی شرارت کے لئے بے تاب ہوتا ہے، مختلف وسائل سے اپنی پوری طاقت صرف کرتا ہے کہ کسی طرح سے یہ رشد و ہدایت، ضلالت میں تبدیل ہوجائے اور چونکہ ابلیس لعین کا سب سے بڑا کارنامہ تلبیس ہے یعنی حق و باطل میں ایسا التباس ہوجائے کہ جو چیز ظاہری صورت کے لحاظ سے خیر ہے حقیقت کے اعتبار سے شر بن جائے، پھر نفس انسانی کی کارستانیاں اس پر مستزاد ہیں، انسانی فطرت میں کبر و عجب ہے، ریا کاری و حبّ شہرت ہے، حبّ جاہ کا مرض ہے

اور ایسے شدید وقوی امراض ہیں کہ مدتوں کی ریاضتوں اور مجاہدوں سے ان کا ازالہ نہیں ہوتا اس لئے نفس وشیطان کے اثرات سے بچنے کے لئے مدتوں کسی کامل کی صحبت کی ضرورت ہوتی ہے اور جب فضل الٰہی شامل حال ہوتو اصلاح ہوجاتی ہے ورنہ انسان یونہی علم وعقل کے صحراؤں میں بھٹکتا پھرتا ہے، دنیا کی علمی تاریخ کا مطالعہ کرنے کے بعد یہ حقیقت بالکل واضح ہوجاتی ہے کہ جتنے فتنے پیدا ہوئے ہیں سب اذکیاء اور طباع حضرات کے ذریعہ سے وجود میں آئے اور علمی دور میں اکثر فتنے علم کے راستے سے آئے ہیں بلکہ علماء حق میں بھی بہت سے اذکیاء زمانہ اپنی شدت ذکاوت کی وجہ سے جمہور امت سے شذوذ اختیار کر کے غلط افکار ونظریات کا شکار ہوگئے اور وہاں زیادہ تر یہی حقیقت کارفرما رہی کہ اپنے تبحر وذکاوت پر اعتماد کر کے علمی کبر اور اعجاب بالرائ کے مرض میں مبتلا ہوئے زیادہ صحبت نہیں ملی اور کہاں سے کہاں نکل گئے۔

ہمارے اس دور میں بھی اس کے بہت سے نظائر موجود ہیں اور چونکہ علمی ذہانت تو ہوتی ہی ہے اور بسااوقات بہت عمدہ بات بھی کہہ جاتے اور لکھ جاتے ہیں اس لئے ان کی وہ عمدہ باتیں مزید فتنہ کا باعث بن جاتی ہیں اور جن حضرات کو زیادہ صحبت اور علمی گہرائیاں نصیب نہیں ہیں وہ بہت جلد ان کے معتقد ہوجاتے ہیں اور ان کے امت سے مختلف شواذ اور جدید افکار ونظریات کے بھی حامی ہوجاتے ہیں اور شیطان تو اپنے کام میں لگا ہوا ہے جو شخصیت امت کی ہدایت وارشاد کے کام آسکتی تھی وہ امت میں زیغ وضلال کا ذریعہ بن جاتی ہے۔ ہر دور میں اس کی مثالیں موجود ہیں امام غزالیؒ نے ''مقاصد الفلاسفہ'' میں لکھا ہے کہ یونانیوں کے علوم، حساب، ہندسہ، عنصریات وغیرہ صحیح علوم کو دیکھ کر لوگ ان کے تمام علوم کے معتقد ہوگئے، طبعیات والٰہیات میں ان کی تحقیقات کے قائل ہوکر گمراہ ہوگئے۔ امام غزالیؒ کی یہ بات بہت عجیب ہے اور بالکل صحیح ہے شیطان کو اس قسم کے مواقع میں اضلال کا بہت اچھا موقع مل جاتا ہے، بہرحال جب انتہائی علمی قابلیت والے، انتہائی ذکاوت والے فتنوں میں مبتلا ہوسکتے ہیں تو ایسے حضرات کہ جن میں علمی قابلیت بہت کم لیکن قلمی قابلیت بہت زیادہ ہو صحبت ارباب کمال سے یکسر محروم ہوں، طباع ذہین ہوں وہ تو بہت جلد اعجاب بالرائ کی خطرناک بلا میں مبتلا ہوکر تمام امت کی تحقیر اور تمام تحقیقات امت کا استخفاف اور تمام سلف صالحین کے کارناموں کی تضحیک اور اول سے لے کر آخر تک تمام پر تنقید کر کے خطرناک گہرے گڑھے میں گر کر تمام نسل کے لئے گمراہی کا باعث بن جاتے ہیں۔

اس قسم کے لوگوں میں سے آج کل کی ایک مشہور شخصیت جناب ابوالاعلی صاحب مودودی کی ہے، جو بچپن ہی سے طباع وذہین مگر معاشی پریشانی میں مبتلا تھے، ابتدا میں اخبار مدینہ بجنور میں ملازم ہوئے اور پھر دہلی میں جمعیت علماء ہند کے اخبار ''مسلم'' سے وابستہ رہے، پھر چند سالوں کے بعد اخبار ''الجمعیۃ دہلی'' میں ملازم ہوئے جو جمعیت علماء ہند کا ترجمان تھا، دہلی سے نکلتا تھا غالباً سہ روزتھا، تاریخ کے جواہر پاروں کے عنوان سے ان کے مضامین بہت آب وتاب سے نکلتے تھے اس طرح مودودی صاحب کی قلمی تربیت مولانا احمد سعید صاحب کے

ذریعہ ہوتی گئی، والد مرحوم کی وفات کی وجہ سے اپنی تعلیم نہ صرف یہ کہ مکمل نہ کر سکے بلکہ بالکل ابتدائی عربی تعلیم کی کتابوں میں رہ گئے، نہ جدید تعلیم سے بہرہ ور ہو سکے، پرائیویٹ انگریزی تعلیم حاصل کی اور انگریزی سے کچھ مناسبت ہوگئی اس دور کے اچھے لکھنے والوں کی کتابوں اور تحریرات اور مجلات وجرائد سے بہت کچھ فائدہ اٹھایا اور قلمی قابلیت روز افزوں ہوتی گئی، بدقسمتی سے نہ کسی دینی درسگاہ سے فیض حاصل کر سکے، نہ جدید علم کے گریجویٹ بن سکے، نہ کسی پختہ کار عالم دین کی صحبت نصیب ہوسکی اور ایک مضمون میں خود اس کا اعتراف کیا ہے جو عرصہ ہوا کہ ہندوستان متحدہ میں مولانا عبدالحق مدنی مرادآبادی کے جواب میں شائع ہوا تھا، بلکہ بدنصیبی سے نیاز فتح پوری جیسے ملحد وزندیق کی صحبت نصیب ہوئی ان سے دوستی رہی ان کی صحبت ورفاقت سے بہت کچھ غلط رجحانات ومیلانات پیدا ہو گئے، حیدرآباد دکن سے ۱۹۳۳ء میں ماہنامہ ''ترجمان القرآن'' جاری کیا آب وتاب سے مضامین لکھے، بہتر سے بہتر پیرائے میں کچھ علمی وقلمی چیزیں ابھرنے لگیں، ان دنوں ملک کی سیاسی فضا مرتعش تھی، تحریک آزادی ہند فیصلہ کن مراحل میں تھی، ہندوستان کے بہترین دماغ اسی کی طرف متوجہ تھے، مودودی صاحب نے سب سے ہٹ کر اقامتِ دین اور حکومت الٰہیہ کا نعرہ لایا اور تحریک آزادی کی تمام قوتوں پر بھرپور تنقید کی، ان کے بھولے بھالے مداح یہ سمجھے کہ شاید دین قیم کا آخری سہارا بس مودودی صاحب کی ذات رہ گئی ہے، چنانچہ بہت جلد مولانا سید سلیمان ندوی، مولانا مناظر احسن گیلانی اور عبدالماجد دریا آبادی کے قلم سے خراج تحسین وصول ہونے لگا، ظاہر ہے کہ اس وقت مودودی صرف ایک شخص کا نام تھا نہ اس وقت اس کی دعوت تھی نہ جماعت تھی نہ تحریک تھی، ان کی تحریرات اور زور دار بیانات سے بعض اہل حق کو ان سے توقعات وابستہ ہوئیں ان کی آمادگی اور چوہدری محمد نیاز کی حوصلہ افزائی سے پٹھانکوٹ میں ''دارالاسلام'' کی بنیاد ڈالی گئی، لیگ وکانگریس کی رسہ کشی شروع ہوگئی تھی ان کے قلم سے ایسے مضامین نکلے اور سیاسی کشمکش کے نام سے ایسی کتاب وجود میں آگئی کہ ہم نوا حضرات سے اس کو خراج تحسین حاصل ہوا اور سیاسی مصالح نے اس کو پروان چڑھایا لاہور میں اجتماع ہوا اور باقاعدہ امارت کی بنیاد ڈالی گئی اور ان کی ایک لکھی تقریر پڑھی گئی جس میں بتایا گیا کہ امیرِ وقت کے لئے کیا کیا امور ضرور ہیں، ارباب اجتماع میں مشہور شخصیتیں جناب مولانا محمد منظور نعمانی، مولانا ابوالحسن علی ندوی، مولانا امین احسن اصلاحی اور مولانا مسعود عالم ندوی بھی تھے، بڑے امیر منتخب ہو گئے اور چار امراء یہ حضرات امیر ماتحت منتخب ہو گئے، جماعت اسلامی باقاعدہ وجود میں آگئی اس کا دستور آیا اس کا منشور آیا لوگوں کی نگاہیں انھیں ہر طرف سے امیدیں وابستہ ہوگئیں لیکن ۶ ماہ کا عرصہ نہیں گذرا ہوگا کہ مولانا نعمانی، مولانا علی میاں مستعفی ہو گئے اور ان کو ان کی علمی کمزوریاں اور اخلاص کا فقدان نظر آیا ساتھ نہیں دے سکے لیکن ان حضرات نے پھر بھی پردہ پوشی کی اور امت کے سامنے صاف وصریح وجہ علیحدگی ظاہر نہیں فرمائی، میں اس وقت جامعہ اسلامیہ ڈابھیل میں تدریسی خدمات انجام دیتا تھا میں نے ان دو بزرگوں سے جدائی کے وجوہ دریافت کئے بہت کچھ کہا لیکن کوئی صاف بات نہیں بتلائی لیکن میں سمجھ گیا مولانا

مسعود عالم مرحوم اور مولانا امین احسن اصلاحی کو بہت کچھ معتقدات وطریقہ کار میں موافقت تھی اور یہ دونوں بزرگ عرصہ تک مودودی صاحب کے دست و بازو بنے رہے، مولانا مسعود عالم مرحوم نے عربی ادب کے ذریعہ خدمات انجام دیں اور مودودی صاحب کی تحریرات اور کتابوں کے آب وتاب سے عربی ترجم کئے اور ادبی تربیت کر کے چند شاگردوں کو بھی تیار کر دیا، مولانا اصلاحی نے اپنے خاص علمی ذوق وانداز سے مودودی صاحب کی تحریک کو پروان چڑھایا اچھے اچھے رفقاء کار، ارباب قلم اور ارباب فن شامل ہو گئے، کمیونزم کے خلاف اور بعض دینی مسائل پر عمدہ عمدہ کتابیں لکھی گئیں، سودخوری، شراب نوشی، پردہ وغیرہ پر اچھی کتابیں آ گئیں تفہیمات وتنقیحات میں بعض اچھے اچھے مضامین آئے، جدید نسل کی اصلاح کے لئے کتابیں تالیف کی گئیں، عرب ممالک میں خصوصاً سعودی عرب کو متاثر کرنے کے لئے اور وہاں کے شیوخ کو ہم نوا بنانے کے لئے مختلف انداز سے کام کیا اور کامیاب تدبیریں اختیار کیں اور جو رفقاء کار کے قلم سے معرض اشاعت میں آیا اسے اس انداز سے پیش کیا جاتا رہا کہ یہ سب کچھ مودودی کی توجہات کا رہینِ منت ہیں، اس سے ان کی شخصیت بنی شروع ہوگئی اور تمام جماعت کے افراد کی تالیفات سے خود وجاہت کا فائدہ اٹھایا، خود عربی لکھنے سے معذور، انگریزی لکھنے سے معذور ہے، نہ عربی لکھ سکتا ہے نہ بول سکتا ہے، یہی انگریزی کا حال بھی ہے لیکن جو کتابیں ترجمہ کی گئیں ان کے سرورق پر بھی لکھا گیا ''تالیفات المودودی'' کہیں یہ نہیں لکھا کہ یہ ترجمہ مسعود عالم کا ہے، یا عاصم حداد کا ہے، لوگ یہ سمجھے کہ اردو کا یہ ادیب کیا ٹھکانا، عربی ادب کا بھی امام ہے، لیکن چند دن گذرے تھے کہ مولانا گیلانی مرحوم اور حضرت سید سلیمان مرحوم متنبہ ہو گئے کہ یہ تحریرات جدید فتنہ انگیزی کا سامان مہیا کر رہی ہیں جو کچھ خطابات تھے اور متکلم اسلام وغیرہ القاب تھے اس کو روک دیا اور مولانا گیلانی نے ''صدق جدید'' میں ''خارجیت جدیدہ'' کے عنوان سے تنقیدی مضمون لکھا علمائے کرام کے زمرے میں شاید حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی رحمہ اللہ پہلی شخصیت ہیں جنہوں نے اپنے مکاتیب میں اس فتنے کی نشاندہی فرمائی، رفتہ رفتہ علماء امت کچھ نہ کچھ لکھتے رہے حضرت مولانا شیخ الحدیث محمد زکریا صاحبؒ نے اس وقت جو مطبوعہ ذخیرہ تھا سب کو مطالعہ فرما کر ایک مبسوط رسالہ مرتبہ فرمایا لیکن افسوس کہ طبع نہ ہوسکا اور اس سلسلہ میں ایک مدرس مظاہر العلوم مولانا محمد زکریا قدوسی صاحب، مودودی صاحب کی طرف مائل ہو گئے تھے ان کی اصلاح کے پیش نظر ایک مکتوب لکھا جو ''فتنہ مودودیت'' کے نام سے ایک رسالہ کی شکل میں شائع ہوگیا ہے۔

مودودی صاحب کی بہت سی چیزیں پسند بھی آئیں اور بہت سی ناپسند بھی، لیکن عرصہ دراز تک جی نہ چاہا کہ ان کو مجروح کیا جائے اور ان کے جدید انداز بیان سے جی چاہتا تھا کہ جدید نسل فائدہ اٹھائے اگرچہ بعض اوقات ان کی تحریرات میں ناقابل برداشت باتیں بھی آئیں لیکن دینی مصلحت کے پیش نظر برداشت کرتا رہا اور خاموش رہا لیکن اتنا اندازہ نہ تھا کہ یہ فتنہ عالمگیر صورت اختیار کرے گا اور اکثر عرب ممالک میں یہ فتنہ بری صورت اختیار کرے گا اور دن بدن ان کے شاہکار قلم سے نئے نئے شگوفے پھوٹتے رہیں گے، صحابہ کرامؓ اور انبیاء کرام

علیہم السلام کے حق میں ناشائستہ الفاظ استعمال ہوں گے، آخر ''تفہیم القرآن'' اور ''خلافت وملوکیت'' اور ''ترجمان القرآن'' میں روز بروز ایسی چیزیں نظر آئیں کہ اب معلوم ہوا کہ بلاشبہ ان کی تحریرات وتالیفات عہد حاضر کا سب سے بڑا فتنہ ہے اگر چہ چند مفید ابحاث بھی آگئیں ہیں (واثمهما اكبر من نفعهما) والی بات ہے، اب حالت یہاں تک پہنچ گئی ہے کہ سکوت جرم عظیم معلوم ہوتا ہے اور چالیس سال جو مجرمانہ سکوت کیا اس پر بھی افسوس ہوا اور اب وقت آگیا ہے کہ بلاخوف لومة لائم الف سے یاء تک ان کی تالیفات وتحریرات کو مطالعہ کر کے جو حق وانصاف ودین کی حفاظت کا تقاضا ہو وہ پورا کیا جائے۔ واللہ سبحانہ ولی التوفیق۔

[رجب المرجب ۱۳۹۶ھ - اگست ۱۹۷۶ء]

منصب افتاء اور اس کا تقاضہ

افتاء کا منصب بہت رفیع ہے اور جتنا رفیع ہے اتنا ہی دقیق مشکل بھی ہے اس دقیق ورفیع منصب کا پہلا تقاضا یہ ہے کہ مفتی جو کچھ لکھے آخرت کی مسئولیت کے پیش نظر لکھے، خارجی تاثرات، ماحول کے محرکات یا ذاتی رجحانات ومیلانات سے پاک وصاف ہو کر لکھے، صرف حق تعالیٰ کی مرضی مطلوب ہو اور ہر تحریر میں رضاء الٰہی پیش نظر ہو، اس کے بعد تلاش حق کی سعی وکوشش کرے، اور وصول الی الحق میں مطلق تقصیر نہ کرے، عباراتِ فقہاء اور ائمہ کے اقوال میں انتہائی غور وخوض کے بعد اس عزم وارادہ کے ساتھ لکھے کہ اگر غلطی یا خطا ہوگئی تو فوراً رجوع الی الصواب کر کے حق گوئی کا فرض ادا کرے گا، اپنی بات کی پیچ اور اپنی غلطی پر اصرار نہ کرے گا، الغرض انتہائی بے نفسی، اخلاص اور للّٰہیت کے ساتھ قلم اٹھائے، نہ اپنی رائے پر اصرار کرے اور نہ اس کو قول فیصل سمجھے، خصوصاً ان حوادث ومسائل میں جو عہد ائمہ میں پیش نہیں آئے یا ائمہ کرام کے صریح اقوال موجود نہ ہوں، ان میں تو انتہائی کوشش ہونی چاہئے کہ فتویٰ اصول دین اور نصوص شرعیہ سے متصادم نہ ہو، اسی طرح غیظ وغضب کی یا کسی خاص تاثر کی حالت میں فتویٰ ہرگز نہ لکھے خصوصاً جس صورت میں اختلاف آراء وافکار موجود ہو اور مسئلہ زیر بحث میں تجاذبِ جہات یا تعارض ادلہ کارفرما ہو تو انتہائی احتیاط اور غور وفکر کی ضرورت ہوگی۔

منصب افتاء کا اساسی اصول

حضرت نعمان بن بشیرؓ کی حدیث جو بخاری اور مسلم کی متفق علیہ حدیث ہے، اس میں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ مسائل غیر منصوصہ کے بارے میں مذکورہ بالا امور کی طرف کافی اشارات موجود ہیں اور آخر میں ''الا ان فی الجسد مضغة اذا صلحت صلح الجسد كله واذا فسدت فسد الجسد كله الا وهي القلب''(۱) نے تو اس حقیقت کو بالکل ہی واضح کر دیا ہے کہ اس احتیاط وتورع کا مدار اصلاحِ قلب پر ہے، جب تک قلب کی

(۱) صحیح البخاری، کتاب الایمان، باب فضل من استبرأ لدینه ج:۱ ص:۱۳، ط: قدیمی

علیہم السلام کے حق میں ناشائستہ الفاظ استعمال ہوں گے، آخر ''تفہیم القرآن'' اور ''خلافت وملوکیت'' اور ''ترجمان القرآن'' میں روز بروز ایسی چیزیں نظر آئیں کہ اب معلوم ہوا کہ بلاشبہ ان کی تحریرات وتالیفات عہد حاضر کا سب سے بڑا فتنہ ہے اگرچہ چند مفید ابحاث بھی آ گئیں ہیں (واثمھما اکبر من نفعھما) والی بات ہے، اب حالت یہاں تک پہنچ گئی ہے کہ سکوت جرم عظیم معلوم ہوتا ہے اور چالیس سال جو مجرمانہ سکوت کیا اس پر بھی افسوس ہوا اور اب وقت آ گیا ہے کہ بلاخوف لومۃ لائم الف سے یاء تک ان کی تالیفات وتحریرات کو مطالعہ کر کے جو حق وانصاف ودین کی حفاظت کا تقاضا ہو وہ پورا کیا جائے۔ واللہ سبحانہٗ ولی التوفیق.

[رجب المرجب ۱۳۹٦ھ - اگست ۱۹۷٦ء]

منصب افتاء اور اس کا تقاضہ

افتاء کا منصب بہت رفیع ہے اور جتنا رفیع ہے اتنا ہی دقیق مشکل بھی ہے اس دقیق ورفیع منصب کا پہلا تقاضا یہ ہے کہ مفتی جو کچھ لکھے آخرت کی مسئولیت کے پیش نظر لکھے، خارجی تاثرات، ماحول کے محرکات یا ذاتی رجحانات ومیلانات سے پاک وصاف ہو کر لکھے، صرف حق تعالیٰ کی مرضی مطلوب ہو اور ہر تحریر میں رضاء الٰہی پیش نظر ہو، اس کے بعد تلاش حق کی سعی وکوشش کرے، اور وصول الی الحق میں مطلق تقصیر نہ کرے، عباراتِ فقہاء اور ائمہ کے اقوال میں انتہائی غور وخوض کے بعد اس عزم وارادہ کے ساتھ لکھے کہ اگر غلطی یا خطا ہوگئی تو فوراً رجوع الی الصواب کر کے حق گوئی کا فرض ادا کرے گا، اپنی بات کی پیچ اور اپنی غلطی پر اصرار نہ کرے گا، الغرض انتہائی بے نفسی، اخلاص اور للّٰہیت کے ساتھ قلم اٹھائے، نہ اپنی رائے پر اصرار کرے اور نہ اس کو قول فیصل سمجھے، خصوصاً ان حوادث ومسائل میں جو عہد ائمہ میں پیش نہیں آئے یا ائمہ کرام کے صریح اقوال موجود نہ ہوں، ان میں تو انتہائی کوشش ہونی چاہئے کہ فتویٰ اصول دین اور نصوص شرعیہ سے متصادم نہ ہو، اسی طرح غیظ وغضب کی یا کسی خاص تاثر کی حالت میں فتویٰ ہرگز نہ لکھے خصوصاً جس صورت میں اختلاف آراء وافکار موجود ہو اور مسئلہ زیر بحث میں تجاذبِ جہات یا تعارض ادلہ کارفرما ہو تو انتہائی احتیاط اور غور وفکر کی ضرورت ہوگی۔

منصب افتاء کا اساسی اصول

حضرت نعمان بن بشیرؓ کی حدیث جو بخاری اور مسلم کی متفق علیہ حدیث ہے، اس میں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ مسائل غیر منصوصہ کے بارے میں مذکورہ بالا امور کی طرف کافی اشارات موجود ہیں اور آخر میں ''الا ان فی الجسد مضغة اذا صلحت صلح الجسد كله واذا فسدت فسد الجسد كله الا وھی القلب''(۱) نے تو اس حقیقت کو بالکل ہی واضح کر دیا ہے کہ اس احتیاط وتورع کا مدار اصلاحِ قلب پر ہے، جب تک قلب کی

(۱) صحیح البخاری، کتاب الایمان، باب فضل من استبرأ لدینه ج:۱ ص:۱۳، ط: قدیمی

اصلاح نہ ہو، ورع وتقویٰ اور اجتناب عن الشبہات کا امکان نہیں اور درحقیقت منصبِ افتاء کا اساسی اصول یہی ہے کہ قلب تقی ونقی ہو اور علم کامل اور صحیح ہو تو ان دونوں شرطوں کے متحقق ہونے کی صورت میں غلطی بھی معاف ہے اور اجر کی امید بھی ہوسکتی ہے۔

حضرت شاہ عبدالقادر رائے پوری رحمہ اللہ کی غیر شرعی تدفین

آج کل حضرت اقدس مولانا شاہ عبدالقادر رائپوری قدس سرہ کی تدفین کا مسئلہ حضرات مفتیین کے زیر بحث ہے کہ یہ تدفین شرعی ہوئی یا نہیں ہوئی؟ اور اگر نہیں ہوئی تو اس کا تدارک کیا جائے یا نہیں؟ اکثر فتاویٰ اور کیفیت تدفین وحقیقت قبر پر غور کرنے کے بعد یہی واضح ہوتا ہے کہ غیر شرعی تدفین کو شرعی تدفین اور مواراۃ اور صورت قبر بنا کر اس کو شرعی قبر ثابت کرنے کے لئے تمام کوششیں ہو رہی ہیں، اور کتب فقہ کی ان عبارتوں سے استدلال کیا جا رہا ہے جن سے فتویٰ دینے والوں کے حق میں ارغم نقیض دعویٰ کا ثبوت ہو رہا ہے۔

ابتداء میں ہم نے بھی صورت مسئولہ کا جو صاف اور سادہ سا جواب دے دیا اصلی صورتحال پر کچھ زیادہ غور نہیں کیا نہ ہی حقیقت حال معلوم کرنے کے وسائل میسر تھے اور استفتاء کے ضمن میں جو روح کارفرما ہے حضرات مفتیین کی عظمت کی بنا پر اس کی طرف خیال بھی نہیں گیا اور دوسرے استفتاء پر بھی حضرات مفتیین کی شخصیتوں کو دیکھ کر تصدیق کر دی لیکن معتمد علماء کی مطبوعہ تحریروں سے صورت حال معلوم ہونے کے بعد ہمیں غلطی کا احساس ہوا اس لئے بلا تامل رجوع کر لیا گیا لیکن یہ دیکھ کر حیرت کی انتہا نہ رہی کہ کراچی، لاہور، ڈھڈیاں، لائل پور سے لے کر سہارن پور، لکھنو، بجنور، مئو، شاہجہانپور تک جو فتاویٰ کا اور فتویٰ نویسی بلکہ فتویٰ سازی کا جو جال بچھایا گیا سب کو غور سے دیکھیں، اقلام سے قلوب تک اور افکار سے اغراض تک جو حقائق ہیں وہ سامنے آنے پر بجز حیرت وافسوس کیا کیا جا سکتا ہے:

"بسوخت عقل زحیرت کہ ایں چہ بوالعجبی است"

جی نہیں چاہتا تھا کہ "بینات" کے صفحات پر یہ دل خراش موضوع زیر بحث آئے خصوصاً "بصائر وعبر" کی سرزمین میں اس کی تخم ریزی ہو لیکن صورت حال نے مجبور کیا کہ اس فتویٰ نویسی کی وجہ سے جو فضا پیدا ہوگئی ہے اس کا کچھ تدارک کیا جائے اور حضرات مفتیین کو ان کی ذمہ داری کا احساس دلایا جائے۔

کون نہیں جانتا کہ قبر کے معنی یہی ہیں کہ زمین کھود کر اس میں لحد یا شق بنائی جائے، کون نہیں جانتا کہ جہاں تک دفن شرعی اور مسنون طریقے سے ممکن ہو اس کو اختیار کیا جائے جو روز مرہ امت محمدیہ کا تعامل ہے کہ قبر کھود کر مٹی نکالی جاتی ہے اور میت کو دفنانے کے بعد وہی مٹی اوپر ڈالی جاتی ہے، کون نہیں جانتا کہ زمین کھود کر دفن کرنا فرض ہے، بقیہ تفصیلات وکیفیات کچھ واجب، کچھ سنت، کچھ مستحب ہیں، امت اسلامیہ کے علماء نہیں جاہلوں کو بھی یہ

علم حاصل ہے اور تمام امت کا اس پر عمل ہے ان حقائق کے لئے کسی فقیہ امت کی ضرورت نہیں بلکہ تمام صالحین امت اور عوام امت اسلامیہ کا روزمرہ کا یہ معمول ہے، کون نہیں جانتا کہ بلا شدید ضرورت اور مخصوص حالات کے تابوت میں میت کو رکھ کر دفنانا خلاف سنت ہے، سطح زمین پختہ یا خام پر میت کے تابوت کو رکھ کر اور چار دیواری بنا کر باہر سے مٹی لا کر بھرائی کے بعد قبر کی صورت بنا کر کوئی بھی اس کو شرعی تدفین نہیں کہتا، حضرت قطب الارشاد عارف باللہ مولانا شاہ عبدالقادر رائے پوری کی تدفین کی جو صورت اختیار کی گئی ہے کچھ اسی طرح کی ہے، شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحب مدظلہ فرماتے ہیں:

''جہاں تک معلوم ہوا زمین کے اوپر اینٹوں کا فرش کر کے اس پر تابوت رکھ کر چاروں طرف دیوار بنا کر اس پر ڈاٹ لگادی گئی اس کے بعد چاروں طرف دور تک مٹی ڈال کر اور اس سطح کو مسجد کے برابر جو بہت اونچی ہے کر دیا گیا اور اس پر کچی قبر کا نشان بنا دیا''

جناب محترم حضرت مولانا منظور احمد صاحب نعمانی مدیر الفرقان رقمطراز ہیں:

''تابوت لحد یا شق کی شکل میں زیر زمین دفن نہیں کیا گیا بلکہ زمین کے اوپر کے حصہ میں اینٹوں کے فرش پر دیواروں کے درمیان رکھا گیا اور دیواروں کے اوپر اینٹوں ہی کی ڈاٹ لگادی گئی اور پھر ہر طرف سے مٹی ڈال دی گئی، پھر تحریر فرماتے ہیں کہ: حضرت اقدس کی تدفین جس طرح ہوئی کاش اس طرح نہ ہوتی اور زیر زمین ہی شق کی شکل بنا کر دفن کیا جاتا، ظاہر ہے کہ غلطی نادانستہ ہی ہوئی ہے، اللہ تعالیٰ ہم سب کی غلطیاں اور کوتاہی معاف فرمائیں اور اتباع سنت و شریعت کی توفیق دے''۔

ان دو مستند تحریروں کا مدار بھی جناب مولانا عبدالجلیل صاحب کی تحریر ہی پر ہے، اس سے بڑھ کر صورت حال کی وضاحت کیا ہو سکتی؟ فقہاء امت اور مذاہب اربعہ کی معتمد علیہ کتب کا جو حاصل ہے وہ یہی ہے:

(الف)...... زمین کھود کر قبر بنانا فرض ہے اور قبور کی یہی سنتِ متوارثہ ہے۔

(ب)...... کھودنے کے بعد لحد یا شق کی صورت ہونی چاہیے۔

(ج)...... ''وضع علی الارض'' زمین پر رکھ کر قبر کی تعمیری صورت شرعاً امر منکر اور بدعت ہے۔

(د)...... زمین کھودنے سے جو مٹی نکالی گئی وہی ڈالی جائے اور اس میں باہر کی مٹی ملا لینا بھی خلاف سنت ہے، لیکن یہ دیکھ کر دکھ ہوا کہ بعض حضرات نے موجودہ صورت کو شرعی ثابت کرنے کے لئے جو کچھ تحریر فرمایا ہے ان کی شان، ان کے علم، ان کے فہم سے بہت بعید ہے، فقہاء کی تعبیر ''سنة الحفر'' سے حفر کا مسنون ہونا مراد لینا اور ''ابقر مقر المیت'' سے جہاں میت رکھ دی جائے وہ قبر ہے مراد لینا اسی طرح یہ دعویٰ کرنا کہ مقصود ستر میت ہے جس طرح حاصل ہو جائے اور ''کیف یواری سوءة اخیه'' سے استدلال کرنا اور نص ''یبحث فی

الارض" سے اعراض یا اغماض کرنا یوں کہیئے کہ حکمت کو مدار حکم بنانا اور علت سے تغافل کرنا یا حکمت وعلت میں تمیز نہ کرسکنا یا نہ کرنا یا صریح نصوص فقہاء کونظر انداز کرنا اور کسی مفتی کے قول کو بلا سند پیش کرنا یہ کہاں کا انصاف ہے؟

انا للہ وانا الیہ راجعون

حق تعالیٰ سب کو صحیح فہم اور صحیح علم اور بے لوث حق گوئی کی توفیق عطا فرمائے، چونکہ اس وقت تک ایک طرف کے فتاویٰ سے تصویر کا ایک ہی رخ سامنے آیا ہے اور عوام کے دلوں میں مختلف شکوک وشبہات پیدا ہورہے ہیں اس لئے ضروری معلوم ہوا کہ تصویر کا دوسرا رخ بھی امت کے سامنے آئے لہٰذا جو فتاویٰ مدرسہ عربیہ اسلامیہ سے اس سلسلہ میں لکھے گئے ہیں اس کا شائع کرنا بھی ضروری ہوا اسی شمارے کے ضمیمہ میں ملاحظہ فرمائے جائیں۔

جدید فقہی مسائل اور چند رہنما اصول

''بینات'' کے گذشتہ شمارے میں حضرات علماء کرام کی خدمت میں جو گذارش کی گئی تھی اس کے پیش نظر بطور رہنما اصول کے مزید گذارش یہ ہے کہ:

① یہ تو ظاہر ہے کہ اسلام وہ آخری پیغام حیات و پیغام نجات ہے جو قیامت تک آنے والی نسلوں کے لئے قانون ہدایت ہے اور ہر دور، ہر ملک، ہر قوم کے لئے اس میں ہدایت کے سرچشمے موجود ہیں۔ مادی وروحانی، شخصی واجتماعی، اقتصادی ومعاشی، ملکی وسیاسی غرض ہر ضرورت کی حاجت روائی کا سامان اس میں موجود ہے اور اس کا دامن ایسے بیش قیمت جواہرات سے پُر ہے کہ سارے عالم کے افلاس کا علاج اس کے خزانہ عامرہ سے ہوسکتا ہے یہی ایک ایسا صالح ترین واعلیٰ ترین نظام ہے جو نسل آدم میں عدل وانصاف ہر مشکل کو آسان کرسکتا ہے۔

② قرآن وحدیث یا کتاب وسنت اس کا بنیادی سرمایہ ہیں، خلافت راشدہ بالخصوص عہد صدیقی وعہد فاروقی اور اس کے بعد عہد اموی اور عہد عباسی میں صحابہ وتابعین اور پھر ائمہ اجتہاد وائمہ اربعہ، ابوحنیفہ، مالک، شافعی، احمد رضی اللہ عنہم اور ان کے اقران میں سفیان ثوری، اوزاعی وغیرہ مجتہدین امت وفقہاء اسلام کی مساعی جمیلہ ومبارکہ سے دین اسلام کی تعمیر وتعبیر کا عجیب وغریب نقشہ کامل ترین خوشنما صورت میں محفوظ ہوگیا۔

ان اکابر امت اور فقہاء ملت میں اللہ تعالیٰ نے عظیم ترین اخلاص، اعلیٰ درجہ کا تقویٰ وخشیت الٰہی، علوم دینیہ میں تبحر، دقت نظر، تو قد وذکاء کے جو کمالات جمع کئے تھے اس وقت کی نسل اس کا ادراک بھی نہیں کرسکتی، قرآن وحدیث کا علم صحیح اور دین اسلام کی مزاج شناسی کا ذوق جوان کو نصیب تھا آج اس کا احساس بھی مشکل ہے اور انہی کمالات کا نتیجہ ہے کہ ایک ہزار برس سے زیادہ عرصہ گذرا لیکن ان کا فیض برابر جاری ہے اور قلوب میں ان کی عظمت اور قدر وقیمت ہنوز موجود ہے بلکہ حقیقت یہ ہے کہ قیامت تک آنے والے ان کی منت پذیری سے بے نیاز نہیں ہوسکتے اور نہ اس عظیم سرمایہ سے امت کسی وقت مستغنی ہوسکتی ہے۔

③فقہ اسلامی کا یہ ذخیرہ ہمارا بڑا قیمتی سرمایہ ہے اور جہاں اس کی حفاظت کی ضرورت ہے، ساتھ ہی ساتھ اس پر عمل کرنا اور اس سے منتفع ہونا بھی ہمارا فرض ہے، منتفع ہونے سے میرا مقصد یہ ہے کہ جدید تمدن نے جو بہت سے جدید مسائل پیدا کردیئے ہیں اب اسی فقہ اسلامی کی روشنی میں اس کا حل تلاش کرنا چاہیے، اس سرمایہ کے ہوتے امت کو نہ جدید مستقل اجتہاد کی ضرورت ہے اور نہ اس کا امکان، اس عظیم الشان ذخیرہ میں بحث وتلاش اور غور وخوض کے بعد جدید مسائل کے حل کرنے کا بہت سامان مل جائے گا ورنہ زیادہ سے زیادہ بعض جزوی مسائل میں علماء امت کو ان ہی کے بتائے ہوئے اصولوں پر جدید اجتہاد کی ضرورت ہوگی۔

④ گذشتہ شمارے میں جو معجم طبرانی کی حدیث پیش کی تھی اس سے حسب ذیل نتائج برآمد ہوتے ہیں۔

الف۔جدید مسائل ایسے ضرور پیدا ہوں گے جن میں قرآن وحدیث کا صاف وصریح فیصلہ نہ ہوگا۔

ب۔علماء امت کے ذمہ یہ فرض عائد ہے کہ اس کا حل پیش کریں۔

ج۔علماء انفرادی رائے اور شخصی رائے سے اجتناب کریں اور باہمی مشورہ سے اس کا فیصلہ کریں۔

د۔ان علماء میں دوشرطیں ضروری ہیں، ان کے دلوں میں خوف خدا ہو اور تفقہ فی الدین ان کو حاصل ہو۔

اس حدیث نبوی نے ان علماء امت کو جدید مسائل کے فیصلہ کرنے کا مکلف بنایا ہے جن میں اخلاص وتقویٰ اور عبادت گذاری کی روح موجود ہو اور غور وخوض وباہمی مشورہ کرنے کی اہلیت ہو۔

⑤اس میں شک نہیں کہ حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ جو بقول امام شمس الدین ذہبی ''فقیہ ملت'' ہیں اور بقول صفی الدین خزرجی ''فقیہ امت'' ہیں۔(۱)

ان کی فقہ جامع ترین فقہ بلکہ فقہ اسلامی کی روح ہے کہ جس کی روشنی میں بقیہ ائمہ نے اپنی اپنی فقہ کی ترتیب وتدوین کی ہے۔امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے جو مسائل اپنے اصحاب وتلامذہ کو املاء کروائے ہیں ان کی تعداد صاحب عنایہ شارح ہدایہ نے چوتھی صدی کے ایک محقق کے قول کے مطابق بارہ لاکھ ستر ہزار سے زائد بتلائی ہے۔ اگر امت کو یہ سارے مسائل پہنچ جاتے تو شاید بہت سے جدید مسائل حل ہوجاتے ،فقہ حنفی کی اسی ہمہ گیری کو دیکھ کر مشہور محقق مورخ ابن خلدون باوجود مالکی المذہب ہونے کے اس کا اعتراف کرتا ہے کہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی فقہ کی سرزمین اسلامی تہذیب وتمدن کا گہوارہ تھی اس لئے جو پختگی حنفی فقہ کو نصیب ہوئی وہ فقہ مالکی کو نصیب نہ ہوسکی اور شاید یہی وجہ ہے کہ امام شعرانی شافعی اپنی کتاب المیزان میں اپنے اس کشف کا ذکر کرتے ہیں کہ امام ابوحنیفہ کا مذہب سب مذاہب سے آخر تک رہے گا،جس کا صاف مطلب یہ ہے کہ اس مذہب میں اس کی زیادہ اہلیت ہے کہ جدید نظام کے مسائل پوری طرح حل کرسکے تاہم بہت سے مسائل ایسے ملیں گے اور ہیں جن کا ذکر موجودہ فقہ حنفی

---

(۱)ملاحظہ ہو کتاب العبر للذہبی والخلاصہ للخزرجی

کے اس عظیم الشان ذخیرہ میں نہیں ملتا اور فقہ شافعی اور فقہ حنبلی میں مل جاتا ہے، اس لئے اس سلسلہ میں جو بات فکر ناقص میں آئی ہے وہ عرض کرنے کی جرات کرتا ہوں اور علماء امت کی خدمت میں درخواست کروں گا کہ اگر وہ صحیح نہ ہوتو ضرور اپنی مخلصانہ تنقید سے سرفراز فرمائیں۔ واللہ یقول الحق وھو یھدی السبیل۔

⑥ مبسوط، بدائع، قاضی خاں سے لے کر طحطاوی، ردالمحتار اور التحریر المختار تک کتب فقہ حنفی کی ورق گردانی کرنے کے بعد بھی اگر مسئلہ ہاتھ نہ آئے تو امہات کتب مذاہب ثلاثہ کی ورق گردانی کرنی ہوگی فقہ مالکی میں مدونہ کبری سے لے کر حطاب تک۔

اور فقہ شافعی میں کتاب الام سے لے کر تحفۃ المحتاج تک کی مراجعت کرنی ہوگی، حکومت سعودی کی عنایت وتوجہ سے فقہ حنبلی کا عظیم الشان ذخیرہ طبع ہو کر امت کے سامنے آ گیا ہے اس کے لئے مغنی لابن قدامہ المحرر اور الانصاف کی ورق گردانی کافی ہوگی۔ الغرض اگر مسئولہ ومطلوبہ مسئلہ ان کتب میں مل جائے تو اس پر فتوی دے دیا جائے، جدید اجتہاد کی ہرگز ضرورت نہیں اور اگر مسئلہ صراحۃ نہ ملے تو ان مسائل مصرحہ پر قیاس کرنے میں مضائقہ نہ ہوگا بشرطیکہ قیاس مع الفارق نہ ہو جس کا فیصلہ خود علماء کرام فرمائیں گے کہ یہ قیاس کس درجہ میں ہے۔

⑦ اگر مسئلہ مطلوبہ سب فقہاء کے ہاں ملتا ہے لیکن حنفی مذہب میں دشواری اور بقیہ مذاہب میں نسبتا سہولت ہے اور عوام کا عام ابتلاء ہے تو اخلاص کے ساتھ جماعت اہل علم غور کرے ان کو یقین ہو جائے کہ عموم بلوی کے پیش نظر عصر حاضر میں دینی تقاضا سہولت وآسانی کا مقتضی ہے تو پھر مذہب مالک، مذہب شافعی، مذہب احمد بن حنبل کو علی الترتیب اختیار کر کے اور اس پر فتوی دے کر فیصلہ کیا جائے۔

ہمارے عصر حاضر کے اکابر نے فسخ نکاح کی مشکلات کو اسی طرح حل کیا ہے اور متاخرین حنفیہ نے مسئلہ مفقود الخبر میں بھی ایسا ہی کیا ہے البتہ تلفیق سے احتراز کرنا ضروری ہوگا، اور تتبع رخص کو مقصد نہ بنایا جائے گا۔ مثلاً مسائل معاملات میں بیع قبل القبض ہے کہ آج کل تمام تاجر طبقہ اس میں مبتلا ہے اب اس کی صورت حال پر غور کر کے پوری طرح جائزہ لیا جائے کہ اگر یہ ابتلاء واقعی ہے اور موجودہ معاشرہ مضطر ہے اور بغیر اس کے چارہ کار نہیں تو مذہب مالکی پر فتوی دے دیا جائے کہ عدم جواز بیع قبل القبض مطعومات کے ساتھ مخصوص ہے۔ اس مسئلہ میں مذہب حنبلی بھی مذہب مالکی جیسا ہے اور حدیث میں صراحۃ طعام ہی کا ذکر ہے نهی رسول الله ﷺ عن بيع الطعام قبل ان يستوفيه(۱) (سنن) امام ابوحنیفہ وامام شافعیؒ نے طعام پر بقیہ چیزوں کو قیاس کر کے منع

---

(۱) سنن الترمذی، ابواب البیوع عن رسول الله ﷺ، باب ماجاء فی کراهیة بیع الطعام حتی یستوفیه ج:۱ ص:۱۵۵، ط: فاروق کتب خانه ملتان. سنن ابی داؤد، کتاب البیوع، باب فی بیع الطعام قبل ان یستوفی ج:۲ ص:۴۹۳، ط: حقانیه پشاور. سنن ابن ماجه، ابواب التجارات، النهی عن بیع الطعام قبل مالم یقبض ص:۱٦۱، ط: قدیمی

کر دیا ہے۔

⑧ خلافیاتِ ائمہ میں اس پر غور کرنا ہوگا کہ اختلاف کا منشا نصوص کا تعارض ہے یا قواعد فقہیہ کا اختلاف یا یہ محض اجتہادی وجوہ کی وجہ سے ہے۔ اس سلسلہ میں حضرت شاہ ولی اللہ صاحب رحمہ اللہ کی جو الہامی رائے فیوض الحرمین میں منقول ہے کہ ائمہ احناف کے اختلافات میں ترجیح کا معیار کیسے قائم کیا جائے اس کو پیش نظر رکھنے سے موجودہ خلافیات میں رہنمائی مل سکے گی، نیز اختیارات علماء کا سلسلہ جو مختلف ادوار میں جاری رہا اسکو نظیر بنایا جا سکے گا، عرف و حالات کے اختلافات سے جو اثرات ہوں گے ان کو بھی ضرور پیش نظر رکھنا ہوگا مثلاً تعلیم القرآن، پھر اذان و امامت پھر تدریس حدیث علوم دینیہ پر معاوضہ یا مشاہرہ لینے میں قدماء و متاخرین کے زمانوں کے اختلاف کی وجہ سے جو اختلاف رہا یہ سب باتیں پیش نظر رکھنی ہوں گی۔

⑨ جن مطلوبہ احکام کا فیصلہ کرنا ہوگا ان میں طبقات و مراتب قائم کرنے ہوں گے اور یہ دیکھنا ہوگا کہ وہ مسائل موجودہ معاشرے کے لئے کس درجہ میں مطلوب ہیں کیا ان کے بغیر نظام نہیں چل سکتا؟ یا چل تو سکتا ہے کہ لیکن کسی قدر دقت پیدا ہوگی پھر اس دقت پر غور کرنا ہوگا کہ وہ دقت کس درجہ کی ہے؟۔

⑩ معاملات میں فیصلہ کرنے کے لئے سب سے پہلے موجودہ ملک کے بارے میں فیصلہ کرنا ہوگا کہ فقہی اصطلاح کے اعتبار سے یہ ملک دارالاسلام ہے یا دارالامان یا دارالحرب ہے؟ دارالاسلام کا اصلی مدار فصل خصومات پر ہے کہ پورا قانون تعزیرات و حدود و محاکم شرعیہ عدلیہ قائم ہوں اور معاملات و عقوبات کا قانون مکمل اسلامی ہو۔ تعزیرات و حدود قانون اسلامی کے مطابق جاری ہوں۔ اسی طرح موجودہ نظام حکومت کا جائزہ لینا اور اس پر غور کرنا ہوگا کہ یہ کس قسم کی حکومت ہے۔ اسلامی قانون کے نفاذ پر صرف قدرت ہی کافی ہے یا عملی طور پر اس کی تنفیذ بھی ضروری ہے؟ عرصہ دراز تک باوجود قدرت قانون اسلامی جاری نہیں کیا گیا تو اس کے عوامل و اسباب کیا ہیں؟ اور سابقہ دارالحرب یعنی عہد برطانوی کا دارالحرب تقسیم ہو کر دو حصے بنے، ایک حصہ یقیناً اب بھی دارالحرب ہے، دوسرا حصہ صرف حکمرانوں کی تبدیلی سے کیا دارالاسلام بن جائے گا؟ یعنی قانون تو نہیں بدلا مگر قانون کے چلانے والے بدل گئے تو کیا اس لئے حکم بدل جائے گا، پھر جبکہ عہد حاضر میں عائلی قانون کے نام سے صراحۃً کتاب و سنت کے خلاف قانون بنایا گیا صریح خلاف قرآن قانون بننے کے بعد بھی فقہاء اسلام کے مسائل کے مطابق یہ دارالاسلام ہی رہے گا؟ الغرض اس امر کے فیصلہ کرنے کے بعد معاملات کا شرعی فیصلہ ممکن ہو سکے گا۔ عقود فاسدہ، ربا، بیمہ ان سب مسائل کے صحیح حل کرنے کے لئے اس ملک و حکومت کے متعلق شرعی و فقہی فیصلہ کرنا ہوگا اور یہ غور کرنا ہوگا کہ موجودہ حزب اقتدار آخر اسلامی قانون کے نافذ کرنے سے گریز کیوں کرتا ہے؟ کیا صرف اس لئے کہ ان کی نفسیاتی خواہشات کی تکمیل میں یہ قانون حائل ہے؟ یا وہ عقیدۃً اسلامی قانون کو موجودہ زمانے کے لئے غیر صالح اور ناکافی سمجھتا ہے ان سب گوشوں پر غور کرنا اور ان سب حالات کا جائزہ لینا ہوگا جب جا کر صحیح فیصلہ ہو

سکے گا اور جب اس حکومت یا اس ملک کی فقہی و شرعی حیثیت متعین ہوجائے گی تو پھر ان معاملات کے احکام کا صحیح فتوی دیا جاسکے گا جن کا حکم اختلاف دار سے مختلف ہوسکتا ہے۔

یہ چند مختصر اشارے ہیں جن کی حیثیت ایک مختصر ''متن'' کی ہے اور اس کی تشریح ایک مفصل مضمون کی محتاج ہے لیکن چونکہ اصلی مخاطب علماء کرام ہیں ان کی خدمت میں یہ اشارات بھی کافی ہوں گے۔

میری خواہش ہے کہ علماء کی خدمت میں ان موضوعات کو بھی آئندہ پیش کیا جائے جن پر ان کو غور کرنا ہوگا اور جب تک اجتماعی فیصلہ کا موقع نہ آئے اس سے پہلے انفرادی طور پر ان مسائل کو حل کرنے کی کوشش انہی اصول کے پیش نظر کریں۔ مقصود تین باتیں ہیں:

الف۔ اللہ کا یہ دین کامل اور ہر معاشرے کے لئے صالح وموزوں ہے۔

ب۔ اسلام کو مشکل سمجھ کر اور ناممکن العمل خیال کر کے اسلام کو ختم کرنے کی کوشش نہ کی جائے۔

ج۔ جو فریضہ علماء امت کے ذمہ ایسے حالات میں عائد ہوتا ہے ان سے سبکدوش ہوجائیں نہ جدید اجتہاد کا دروازہ کھولنا ہے نہ تتبع رخص پر قوم کو آمادہ کرنا ہے نہ ترک تقلید کی بنیاد رکھنا ہے، بلکہ یہ سمجھنا ہے کہ قرآن وسنت اور اس کے بعد فقہ اسلامی اور تفقہ فی الدین کے ذریعہ سارے مشکلات حل ہوسکتے ہیں اور فقہاء اسلام اور فقہ اسلامی سے بے نیاز ہوکر دین اسلام کی حفاظت کی تدبیر طفلانہ خیال ہے۔ فقہاء کرام نے دین کی بڑی خدمت کی ہے ایک ہزار برس کے بعد بھی دنیا ان کی جلیل القدر حیرت انگیز خدمات سے مستغنی نہیں ہوسکتی بلکہ قیامت تک ان کی منت پذیر رہے گی۔ الدین النصیحة للہ ولکتابه ولرسوله ولائمة المسلمین وعامتھم۔ (مسلم عن تمیم الداری)(۱)

[ربیع الثانی ۱۳۸۳ھ۔ستمبر ۱۹۶۳ء]

علماء امت کے لئے لمحہ فکریہ..... عصر حاضر کا اہم تقاضا

قدیم فقہ اسلامی کی روشنی میں جدید مسائل کا حل

یوں تو آئے دن اتنے علمی وعملی فتنے ظاہر ہورہے ہیں کہ جنہیں دیکھ کر حیرت ہوتی ہے کہ کس کس کا جواب دیا جائے اور کس کس کی طرف توجہ کی جائے:

تن ہمہ داغ داغ شد پنبہ کجا کجا نہم

فتنوں کا ایک سیلاب ہے کہ امنڈا چلا آرہا ہے کچھ سمجھ میں نہیں آتا کہ کہاں جا کر رکے گا۔ رسائل ہیں، اخبارات ہیں، ریسرچ کے انسٹی ٹیوٹ ہیں، ثقافت کے ادارے ہیں، کہیں تعمیر نو کے نام پر تخریب دین ہے، کہیں

(۱) الصحیح لمسلم، کتاب الایمان، باب بیان ان الدین النصیحة ج: ۱ ص: ۵٤، ط: قدیمی

عقائد اسلامیہ پر حملے ہیں، کہیں احکام شرعیہ سے انکار ہے، کہیں انکار سنت پر زور ہے، کہیں تحریف قرآن کا فتنہ ہے، کہیں جواز سود و تحلیل خمر کے فتوے ہیں، کہیں رقص و سرود کو جائز کرنے کے لئے تحقیقات ہو رہی ہے، کہیں تعزیرات و حدود پر ہاتھ صاف کیا جا رہا ہے، کہیں سلف صالحین سے بدظن کرانے کی مذموم کوشش ہو رہی ہے، کہیں اسلامی نظام کی ناکامی کے دلائل پیش کئے جا رہے ہیں۔ الغرض کہیں مستشرقین مصروف عمل ہیں تو کہیں ملاحدہ و زنادقہ اسلام سے برسر پیکار ہیں، اندر باہر، عوام و خواص، راعی و رعیت سب ہی کی طرف سے اللہ تعالیٰ کی اس آخری نعمت کو تباہ کرنے کی پوری کوشش جاری ہے، مقصد حیات صرف مادی آسائش ہے، نہ آخرت کا تصور نہ حساب و کتاب کی فکر، سارے نظام کا محور صرف پیٹ ہے اور بس! اور اس پر مستزاد یہ ہے کہ جن حضرات میں ان فتنوں کے دفاع کی صلاحیت و اہلیت ہے وہ یا تو بالکل غافل و خاموش ہیں یا ان کے وسائل اتنے محدود ہیں کہ اگر کچھ کرنا چاہیں بھی تو نہیں کر سکتے۔ فانا للہ وانا الیہ راجعون:

مصائب شتى جمعت فى مصيبة
و لم يكفها حتى قفتها مصائب

کتنے ہی منتشر مصائب ایک مصیبت میں آکر جمع ہو گئے اور اس پر بھی بس نہیں بلکہ روز نئی نئی مصیبتیں آ رہی ہیں۔

علماء امت کے ذمہ جہاں اور فرائض عائد ہوتے ہیں وہاں عصر حاضر کے اس اہم فریضہ کی ادائیگی بھی ان ہی کے ذمہ ہے کہ موجودہ دور کے تمدن و تہذیب نے جو نت نئے مسائل پیدا کر دیئے ہیں ان پر غور کر کے ان کا حل تلاش کیا جائے۔ آج کل کا نیا طبقہ اپنی ناواقفیت کی بنا پر اس خیالی خام میں مبتلا ہو گیا ہے کہ اسلام کا قدیم نظام یا قدیم اسلامی فقہ موجودہ معاشرے کی مشکلات کے حل کے لئے کافی نہیں، لیکن اگر ذرا غور کیا جائے تو یہ بات بالکل واضح ہے کہ ہمارے نظام کے دو حصے ہیں: ایک حصہ وہ ہے جو قرآن و سنت کی صریح نصوص سے ثابت ہے یہ تمام تر اس علیم و قدیر اور حکیم و خبیر رب العالمین کا ابدی اور دائمی قانون ہے، جس کا علم بھی ہر شے کو محیط ہے اور وہ خوب جانتا ہے کہ قیامت تک جو آنے والی نسلیں ہیں ان میں کیا کیا خرابیاں پیدا ہوں گی اور اس کی قدرت بھی کامل ہے، چنانچہ اس نے اپنے علم محیط اور قدرت کاملہ سے قیامت تک پیدا ہونے والے تمام امراض روحانی کے لئے ایسا نسخہ شفا اتارا ہے کہ جس میں نہ کسی ترمیم و اصلاح کی گنجائش ہے نہ کسی ادنی سی تبدیلی کی۔

دوسرا حصہ وہ ہے جو علماء امت اور مجتہدین عظام نے قرآن کریم و سنت نبویہ سے استخراج و استنباط کر کے مرتب فرمایا ہے اس کے مختلف مراتب اور مختلف ادوار ہیں، معاملات اور معاشرت میں بہت سے احکام ایسے بھی ہیں کہ جن کا تعلق اس عہد سے تھا، مجتہدین امت کو اللہ تعالیٰ جزائے خیر دے پہلے ہی ایسے اصول و قواعد مرتب فرما گئے کہ قیامت تک آنے والے اہل علم کو ان سے مستفید ہونے کا موقع ملتا رہے گا اور انہی اصول و قواعد

کی روشنی میں آئندہ ہر قسم کی مشکلات حل ہو سکیں گی۔ ظاہر ہے کہ جتنا تمدن ترقی کرے گا اتنے ہی جدید مسائل پیدا ہوں گے اور غیر اسلامی ملکوں سے تعلقات و روابط جتنے زیادہ پیدا ہوں گے نئے نئے مسائل سے واسطہ پڑتا رہے گا۔ مسلمانوں میں اب بھی ایک بہت بڑا طبقہ ایسا موجود ہے کہ اگر تجارت و معاملات میں اسلامی اصول کی روشنی میں ان کے مشکلات کو حل کر دیا جائے اور فقہی قوانین سے ان کو ایسی تدابیر بتلادی جائیں کہ جن کی بنا پر وہ شرعی حدود کے دائرہ سے باہر قدم نہ نکال سکیں تو نہایت خوشی سے اس پر لبیک کہیں گے اور بدل و جان ان تدابیر پر عمل کریں گے۔

خلاصہ یہ ہے کہ اس وقت علماء امت کے ذمہ یہ فریضہ عائد ہوتا ہے کہ جس طرح ہمارے اسلاف نے اپنے اپنے زمانے میں اجناس واقعات اور نوازل کے عنوان سے روزمرہ کے نت نئے پیش آنے والے مسائل کو یکجا کیا اور پھر قدیم فقہ اسلامی کی روشنی میں ان کو حل کیا، ٹھیک اسی طرح موجودہ فقہا بھی جدید نوازل و واقعات کا حل قدیم فقہ اسلامی روشنی میں تلاش کریں جدید تمدن سے بھی فقہ کے ہر باب میں نماز روزہ سے لے کر معاملات و معاشرت تک جدید سوالات پیدا ہو گئے ہیں۔

اس لئے علماء امت کے ذمہ اب یہ فرض ہے کہ جلد سے جلد ان نئے پیدا ہونے والے مسائل کے مفصل جوابات امت کے سامنے پیش کر کے مسلمانوں کے دیندار طبقہ کو مطمئن فرمائیں اور جدید نسل کو باور کرائیں کہ دین اسلام میں ہر وقت کے صحیح تقاضے کو پورا کرنے کی پوری پوری صلاحیت موجود ہے اور ہماری شریعت زمان و مکان کے قیود سے بالاتر ہے۔

''بینات'' کے آئندہ شمارے میں انشاء اللہ ایک اجمالی فہرست ان مسائل کی پیش کر کے اس سلسلہ میں اہل علم کی خدمت میں چند رہنما اصول بھی پیش کروں گا تاکہ ان کی روشنی میں غور و خوض کر سکیں۔ بلاشبہ یہ فرض ایک اسلامی حکومت کا تھا کہ وہ وقت کے جامع ترین علماء اور قرآن و حدیث اور فقہ اسلامی کے ایسے ماہرین کو جن کا تقویٰ و اخلاص مسلم ہو، جن کے تدین پر امت کو اعتماد ہو جن کی زندگیاں ''قال اللہ وقال الرسول'' میں گذری ہوں جن کے ذہنوں میں تو قد و ذکا ہو، جن کی طبیعتوں میں استقامت و استقلال ہو، جو خواہشات و تاثرات سے بالاتر ہوں، جن کے دلوں میں مخلوق خدا کا درد ہو، جو دنیا کی مشکلات سمجھنے کا سلیقہ رکھتے ہوں اور جن میں مؤثر تعبیرات اور عام فہم تحریر کا ملکہ ہو، ان کو کسی ایک مرکز میں جمع کرتی اور ان کی رفاقت میں عصر حاضر کے دیندار قانون دان طبقہ کو شامل کرتی اور فقہ اسلامی کے شعبہ میں تمام ممالک اسلامیہ میں اب تک جتنا کام ہوا ہے وہ سب ان کے پیش نظر ہوتا خواہ وہ مصر و شام میں ہوا ہو یا مغرب اقصی کے ممالک میں، اور پھر اس طرح قدیم و جدید سے فقہ اسلامی کی مہارت و معلومات رکھنے والے حضرات اس کام کو اپنے ہاتھوں انجام دیتے لیکن:

اے بسا آرزو کہ خاک شدہ

افسوس کہ حکومت پاکستان ادارہ اسلامیات کراچی وغیرہ پر سالانہ لاکھوں روپیہ خرچ کر رہی ہے مگر اس

امر پر اس کی توجہ نہیں۔ ان اداروں میں ایک بھی نہ متدین عالم ہے نہ اسلامی علوم کا ماہر خصوصی، بجائے اس کے کہ وہ کچھ کام کرتے ان کا وجود ان کی کوششیں خود دین اسلام کے لئے عظیم الشان فتنے کی صورت اختیار کر چکی ہیں۔

فیاغر بة الا سلام و یاخیبة المسلمین!

موجودہ صورت حال میں جب حکومت اس طرف متوجہ نہیں تو پھر دیندار مال دار طبقہ کو چاہئے تھا کہ اس خدمت کو بجالانے کے لئے کوئی اقدام کرتا اور علماء کے مشورہ سے اس مقصد کے پیش نظر اہل افراد کا انتخاب کر کے فکر معاش سے ان کو ہر طرح مطمئن کرا کر اسی کام کے لئے فارغ کرتا اور اس طرح ایک ''مجلس الفقہا والعلماء'' کی تشکیل ہوتی کہ جس میں محققین اہل علم باہمی مشاورت اور بحث و تمحیص سے ان مسائل کو حل کرتے شخصی رائے کتنے ہی غور وخوض کے بعد قائم ہو پھر بھی وہ شخصی رائے ہی رہے گی، ان مشکلات کے حل کے لئے اجتماعی جدوجہد کی ضرورت ہے، اکابر صحابہؓ کے بعد حضرت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی پہلی شخصیت ہے جس نے اجتہادی مشکلات کے حل کرنے کے لئے اپنے وقت کے ممتاز ترین چالیس افراد پر مشتمل ایک جماعت کی تشکیل کی اور ایک طویل مدت تک فقہی مسائل کے استنباط اور اجتہادی احکام کی تدوین کی خدمت انجام دیتے رہے، اسی لئے جو پختگی اور قبول عام اس مذہب کو ہوا اور کسی مذہب کو نصیب نہیں ہوا۔ چنانچہ خلافتِ عباسیہ سے لے کر خلافت عثمانیہ کے اختتام تک جو بارہ سو برس کا طویل زمانہ گذرا ہے اس میں یہی مذہب حنفی تھا جس کی روشنی میں خدا کی مخلوق کے مشکلات حل ہوتے رہے اور ان خلافتوں میں بھی فقہ حنفی ملک کا قانون بنا رہا۔

لیکن جب کہ ہماری حکومت اور ہمارے ملک کے مسلمانوں کا مالدار طبقہ بھی اس فرض سے غافل ہے تو اب خالصۃً یہ فریضہ علماء امت کے ذمہ آجاتا ہے۔ خصوصاً ان مدارس کے ارباب اہتمام کے ذمے کہ جو اپنے مدرسوں میں ہزار ہا روپے سالانہ خرچ کرنے کی اہلیت رکھتے ہیں اور مناسب مشاہرات پر اچھے اچھے فضلاء کو رکھ سکتے ہیں۔ اگر ان عربی مدارس میں سے ہر مدرسہ اس مقصد کی تکمیل کے لئے ایک جماعت کی تشکیل کرے اور پھر اپنا ایک نمائندہ منتخب کرے تو کیا اچھا ہو جو کام ارباب حکومت لاکھوں روپے کے صرف سے بھی انجام نہیں دے رہی وہ علماء کا یہ غریب و مفلس اور نادار طبقہ تھوڑے سے خرچ پر بآسانی کر سکتا ہے، جامعہ علوم اسلامیہ کراچی، دارالعلوم کراچی، دارالعلوم الاسلامیہ ٹنڈو اللہ یار، خیر المدارس ملتان، جامعہ اشرفیہ لاہور، جامعہ مدنیہ لاہور، دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ، جامعہ امدادیہ کشور گنج ڈھاکہ، مدرسہ معین الاسلام ہاٹ ہزاری چاٹگام، مدرسہ اسلامیہ جیری چاٹگام، جامعہ اسلامیہ قرآنیہ لال باغ ڈھاکہ وغیرہ وغیرہ اگر یہ مدارس اس مقصد پر متفق ہو جائیں تو یہ عظیم الشان کام ان شاء اللہ بہت جلد انجام پذیر ہو سکے گا اور بآسانی یہ مشکل حل ہو جائے گی۔

آخر میں اپنی یہ مختصر گذارش حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک حدیث پر ختم کرتا ہوں جس سے ان مشکلات کے حل کرنے میں پوری رہنمائی ملتی ہے:

"عن علیؓ قال: قلت یارسول الله،ان نزل بنا امر لیس فیه بیان امر و لا نهی فما تأمرنی؟قال "شاوروا فیه الفقهاء والعابدین و لا تمضوا فیه رأی خاصة".(۱)

(رواه الطبرانی فی الا وسط ورجاله موثقون من اهل الصحیح.(مجمع الزوائد ج:۱ ص:۱۷۸)

حضرت علیؓ فرماتے ہیں میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! اگر کوئی ایسا مسئلہ پیش آئے جس میں آپ کا کوئی بیان کرنے یا نہ کرنے کا نہ ملتا ہو تو آپ کیا ارشاد فرماتے ہیں کہ کیا کیا جائے؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ فقہاء و عابدین سے مشورہ کرکے فیصلہ کیا کریں شخصی رائے کو دخل نہ دیں۔

اس حدیث کریم سے جہاں اجتماعی شورائی فیصلوں کی نہ صرف اہمیت بلکہ فرضیت ثابت ہوئی ساتھ ساتھ اس جماعت کی اہلیت کے شرائط بھی معلوم ہوگئے ① ایسے اہل علم ہوں کہ تفقہ فی الدین ان کو حاصل ہو ② صالح و متقی اور عبادت گذار ہوں، والله سبحانه هو الموفق۔

[ربیع الاول ۱۳۸۳ھ۔اگست ۱۹۶۳ء]

اہل علم واہل قلم حضرات کا فریضہ

افسوس کہ ہم ایک ایسے دور سے گذر رہے ہیں جس میں ارباب علم اپنے علمی تقاضوں کو نہیں پورا کررہے ہیں اور ارباب جہل علمی مسائل میں دخل دے رہے ہیں، ہر صاحب قلم، صاحب علم بننے کا مدعی ہے، کتابوں کے اردو تراجم نے اس فتنے کو اور وسعت دی ہے اردو تراجم جہاں ایک اصلاحی مفید خدمت انجام دے سکتے تھے افسوس کہ عصر حاضر میں "واثمهما اکبر من نفعهما" کا مصداق بنتے جارہے ہیں جن کا ضرر و نقصان فائدہ و نفع سے کہیں بڑھ گیا ہے، دور حاضر جہاں مختلف فتنوں کی آماجگاہ ہے، وہاں قلم کا فتنہ شاید سب سے گوئے سبقت لے جارہا ہے۔(۲)

علمی میدان ان حضرات کا نہ صرف بہت محدود و تنگ ہے بلکہ ہے ہی نہیں۔اردو کے تراجم سے کچھ سطحی معلومات حاصل کرکے ہر شخص دور حاضر کا مجتہد بنتا جارہا ہے اور "اعجاب کل ذی رأی برایه" (ہر شخص اپنی

---

(۱) المعجم الاوسط للطبرانی ج:۲ ص:۱۷۲، ط:دارالحرمین القاهرة.مجمع الزوائد ج:۱ ص: ۲۱۷، ط: دارالفکر بیروت

(۲) ایک حدیث میں جسے درمنثور (ص:۵۵ ج:۶) میں بحوالہ مسند احمد، الادب المفرد للبخاری اور مستدرک حاکم بروایت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ ذکر کیا ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قیامت سے پہلے کے چھ فتنوں کا ذکر فرمایا ہے جن میں سے ایک "فشو القلم" یعنی قلم کا طوفان ہے۔اس حدیث کی روشنی میں آج طوفان قلم کی فتنہ سامانی کا اندازہ ہر عاقل کرسکتا ہے۔(مدیر)

رائے کو پسند کرتا ہے) اس فتنے نے مزید ''کریلا اور پھر نیم چڑھا'' والی مثل صادق کر دی ہے اور ناشرین نے محض تجارتی مصالح کے خیال سے سستے داموں عالم نما جاہلوں سے تراجم کرا کر فتنہ کو اور بڑھا دیا ہے، غرض کہ فتنوں کا دور ہے ہر طرح کے فتنے اور ہر طرف سے فتنے ہی فتنے نظر آتے ہیں۔ ان فتنوں کے سد باب کے لئے مستقل اداروں کی ضرورت ہے جن کا اساسی مقصد صرف یہی ہو کہ ان تراجم کا جائزہ لیا جائے اور اخبارات میں شائع ہونے والے مقالات کی نگرانی ہو، ارباب جرائد و مجلات کا مقصد محض تجارت ہے اور ارباب قلم کا مقصد محض شہرت ہے یا پھر کچھ مادی منفعت بھی پیش نظر ہے، انہی قلمی و اخباری فتنوں میں سے ایک زرعی اصلاحات کے عنوان سے زرعی مشکلات کو حل کرنے کے سلسلہ کے مضامین ہیں جو آئے دن اخبارات میں نکلتے رہتے ہیں۔

بلاشبہ علمی و دینی نقطہ نظر سے یہ وقت کا اہم ترین مسئلہ ہے اور اسلامی احکام کی روشنی میں اگر صحیح متفقہ حل پیش کیا جائے تو کمیونزم کا سد باب ہو سکتا ہے، دنیا کی مادی بنیادیں دو ہیں جن پر معاش و معیشت کا دار و مدار ہے، ایک زراعت اور ایک صنعت و تجارت دونوں چیزیں حیات انسانی کے لئے بمنزلہ ریڑھ کی ہڈی کے ہیں اس لئے دین اسلام نے ان کے احکام پورے طور پر بیان کر دیئے۔

قرآن و حدیث و فقہ اسلامی میں ان کی تفصیلات موجود ہیں، ضرورت اس بات کی ہے کہ مفکرین ارباب دین و ارباب علم جن کی علمی زندگیاں انہی بادیہ پیمائیوں میں گذری ہیں اور جن کی بے لوث زندگیاں اخلاص و تقویٰ سے معمور ہیں اور جن کی فکری و اجتہادی صلاحیتیں مسلم ہیں جلد سے جلد کسی مرکز میں بیٹھ کر وفاقی اجماعی حل پیش کریں، شخصی طور پر اس پچاس سال میں بہت کچھ لکھا جا چکا ہے چند ماہ پہلے مدرسہ عربیہ اسلامیہ نے چند ممتاز افراد کو جمع بھی کیا تھا لیکن تکمیل سے پہلے حضرات منتشر ہو گئے کام ادھورا رہ گیا، حق تعالیٰ توفیق عطا فرمائیں کہ جلد سے جلد یہ کام انجام پذیر ہو اور نہایت خوش اسلوبی سے منصۂ شہود پر امت کے سامنے آ جائے، اگرچہ ارباب اقتدار آج کل اتنے جری ہو گئے کہ فوجی طاقت کے بل بوتے پر ہر حکم نافذ کرتے ہیں اور اسلام کے ادعاء کے باوجود ہر قید و بند سے آزاد ہو کر احکامات صادر فرماتے رہتے ہیں، ان حالات میں بے چارے اہل علم یا ارباب دین کی باتوں کو وہ کہاں درخور اعتناء سمجھتے ہیں لیکن بارگاہ ربوبیت میں اپنی مسئولیت پوری کرنے کے لئے ہر وقت اس کی ضرورت ہے۔

[ربیع الثانی ۱۳۹۲ھ - جون ۱۹۷۲ء]

تصویر سازی اور اسلام

اسلام دین قیم ہے، اس نے کفر و شرک، بدعت و ضلالت اور کجراہی و گمراہی کا ایک ایک کانٹا چن چن کر صاف کر دیا تمام اولادِ آدم کو ایک صاف سیدھا اور نکھرا ہوا صراط مستقیم عطا کیا جس پر چل کر وہ امن و امان اور راحت و عافیت کی زندگی بسر کر سکے اور مرنے کے بعد قرب و رضا اور جنت و نعیم کی وارث بنے:

﴿تِلْكَ الدَّارُ الْاٰخِرَةُ نَجْعَلُهَا لِلَّذِيْنَ لَا يُرِيْدُوْنَ عُلُوًّا فِي الْاَرْضِ وَلَا فَسَادًا

وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِيْنَ﴾ [القصص:٨٣]

یہ آخرت کا گھر ہم ان لوگوں کے لئے مخصوص کرتے ہیں جو نہ تو زمین میں سرکشی چاہتے ہیں اور نہ فساد اور اچھا انجام پرہیزگاروں ہی کے لئے ہے۔

اسلام نے انسانیت کے اعمال واخلاق کے تزکیہ کے لئے شر وفساد کے تمام راستوں کو مسدود کر دیا، شرک جو اسلام کی نظر میں سب سے بڑا ظلم ہے تاریخ شاہد ہے کہ وہ دنیا میں مجسموں، مورتیوں اور تصویروں اور فوٹوؤں کے راستہ سے آیا تھا اس لئے اسلام نے اس منبع کفر وشرک کو حرام اور تصویر سازوں کو معلون اور بدترین خلق قرار دے کر اس راستہ کو بند کیا، صحیحین میں ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی روایت سے یہ حدیث موجود ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مرضِ وصال میں ایک دفعہ ازواجِ مطہرات آپ کے پاس جمع تھیں کسی تقریب سے ''ماریہ'' نامی کنیسہ (گرجا) کا ذکر چھڑا، حضرت ام سلمہؓ اور حضرت ام حبیبہؓ کو چونکہ ہجرت حبشہ کے دوران اس کے حالات معلوم کرنے کا موقعہ ملا تھا اس لئے ان دونوں حضرات نے اس کے حسن تعمیر اور وہاں کی آراستہ تصویروں کا تذکرہ کیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم یہ گفتگو سن رہے تھے بستر علالت سے سر اٹھایا اور فرمایا:

''اولئك اذامات فیھم الرجل الصالح بنوا علی قبرہ مسجدا ثم صوروا به تلك الصور اولئك شرار خلق الله''.(١)

ان لوگوں میں جب کسی نیک آدمی کا انتقال ہو جاتا یہ اس کی قبر پر عبادت گاہ بنا لیتے پھر ان تصویروں سے اسے آراستہ کر لیتے تھے یہ لوگ اللہ کی مخلوق میں بدترین قسم کے لوگ ہیں۔

ایک حدیث میں حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سفر پر تھے آپؐ کی تشریف آوری سے پہلے میں نے گھر میں ایک طاقچہ پر کپڑے کا پردہ لٹکا دیا جس میں تصویریں بنی تھیں جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے دیکھا تو چہرہ انور پر غضب کے آثار نمودار ہوئے اور نہایت نفرت کے لہجہ میں فرمایا:

''یا عائشة ان اشد الناس عذابًا عند الله یوم القیامة الذین یضاھون بخلق الله''(٢)

عائشہ! قیامت کے دن اللہ کے نزدیک سب سے زیادہ سخت عذاب کے مستحق یہ لوگ ہوں گے جو اللہ تعالیٰ کی صفت خلق میں ریس کرتے ہیں۔

---

(١)صحیح البخاری، کتاب الصلوة، باب هل ینبش قبور مشرکی الجاهلیة ج:١ ص:٦١
ایضاً کتاب الجنائز، باب ذکر شرار الموتی ج:١ ص:١٨٧، ط: قدیمی
(٢)صحیح البخاری، کتاب اللباس، باب ما وطی من التصاویر ج:٢ ص:٨٨٠، ط: قدیمی۔
الصحیح لمسلم، کتاب اللباس، باب تحریم صورة الحیوان ج:٢ ص:٢٠١، ط: قدیمی

صحیح مسلم اور مسند احمد کی حدیث میں ہے:

"ان اشد الناس عذابا یوم القیامة المصورون"(۱)

یقیناً سب سے زیادہ سخت عذاب کے مستحق قیامت کے دن تصویر ساز ہوں گے۔

اور صحیحین اور دوسری کتب حدیث میں بہت سی احادیث صحیحہ مبارکہ موجود ہیں جو جاندار چیزوں کی تصویر سازی کی حرمت اور ملعونیت کو بیان کرتی ہیں اور تمام فقہائے امت نے متفقہ طور پر جاندار چیزوں کی تصاویر کو حرام قرار دیا ہے۔

تصویر اور فوٹو ایک وبائی فتنہ

بدقسمتی سے عالم کی زمامِ قیادت کافی عرصہ سے ناخداشناس تہذیبوں اور بددین قوموں کے ہاتھ میں ہے جن کے یہاں (الا ماشاءاللہ) دین و دیانت نام کی کوئی چیز ہے ہی نہیں اور شرم و حیا، عفت و عصمت، غیرت و حمیت کا لفظ ان کی لغت سے خارج ہے، ان کے نزدیک مکر و فن اور دغا و فریب کا نام "سیاست" ہے انسانیت کشی کے اسباب و وسائل کا نام ترقی ہے، فواحش و منکرات کا نام آرٹ ہے، مرد و زن کے غیر فطری اختلاط کا نام روشن خیالی اور خوش اخلاقی ہے، پردہ دری اور عریانی کا نام ثقافت ہے اور پس ماندہ ممالک ان کی تقلید، اندھی تقلید اور نقالی کو فخر سمجھتے ہیں، اس لئے آج سارے عالم میں فتنوں کا دور دورہ ہے اور شاید یہ دجالِ اکبر کے دجالی فتنہ کی تیاری ہو رہی ہو، خصوصاً عالم اسلام ہر معصیت ہر فتنہ اور ہر برائی کی آماجگاہ بنا ہوا ہے، آئے دن کے ان ہزاروں فتنوں میں ایک فوٹو کا فتنہ ہے جہاں دیکھیں فوٹو گرافر موجود ہیں، دعوت و ضیافت ہو یا مجلس نکاح، اجلاس عام ہو یا پرائیویٹ اجتماع، ہر جگہ فوٹو گرافر موجود ہوگا اور کیمرہ سامنے، اس معصیت نے وبائی فتنہ کی شکل اختیار کر لی ہے جس سے بچنا دشوار ہو گیا ہے، کوئی بالارادہ بچنا بھی چاہے تب بھی اسے معاف نہیں کیا جاتا، بے خبری میں اس کا فوٹو بھی لے لیا جاتا ہے اور دوسرے دن اخبارات کے صفحات پر دنیا کے سامنے پیش بھی کر دیا جاتا ہے، آج ان فوٹو گرافروں، کیمرہ بازوں اور اخبار نویسوں کے طفیل عریاں غلاظت کے انبار ہمارے گھروں میں داخل ہو رہے ہیں اور اس سے پورا معاشرہ متاثر بلکہ متعفن ہو رہا ہے، مگر حیف ہے کہ اس پر کوئی گرفت کرنے والا نہیں، ستم یہ کہ اس عمومی اور عالم گیر صورت نے عام طبقہ کے ذہن سے یہ خیال ہی ختم کر دیا ہے کہ یہ بھی کوئی ناجائز کام یا معصیت اور گناہ ہے، کیونکہ برائی کا یہ خاصہ ہے کہ جب وہ عام ہو جاتی ہے اور اس پر گرفت کا بندھن ڈھیلا ہو جاتا ہے تو رفتہ رفتہ اس کی نفرت و حقارت دلوں سے نکلتی جاتی ہے اور قلوب مسخ ہوتے جاتے ہیں اور نوبت یہاں تک جا پہنچتی ہے

---

(۱) الصحیح لمسلم، کتاب اللباس، باب تحریم صورة الحیوان ج:۲ ص:۲۰۱، ط: قدیمی۔

مسند احمد بن حنبل، مسند عبداللہ بن مسعود ج:۱ ص:۳۷۵، ط: عالم الکتب بیروت

کہ وہ معیار شرافت بن جاتی ہے:

تھا جو ناخوب بتدریج وہی خوب ہوا
کہ غلامی میں بدل جاتا ہے قوموں کا مزاج

اور اسی کو کج نظر اور غلط پندار لوگ ''انسانی قدروں کی تبدیلی'' سے تعبیر کرنے لگتے ہیں، ورنہ ظاہر ہے کہ جب تک انسان انسان ہے اور اس کی انسانیت باقی ہے تب تک کسی انسانی قدر کے بدل جانے کا تصور ہی غلط ہے، ہاں انسان نما جانور، انسان ہی نہ رہیں کسی اور نوع میں تبدیل ہو جائیں تو دوسری بات ہے۔

چند دن ہوئے ایک عالم کے یہاں خصوصی دعوت تھی وہاں دو ایک مشہور شخصیتیں بھی مدعو تھیں اور خصوصی مہمان بھی تشریف فرما تھے، راقم الحروف کو بھی شرکت کی نوبت آئی اور سوء اتفاق سے مجھے ان ہی کے ساتھ بٹھا دیا گیا، یہ تصور بھی نہیں ہو سکتا تھا کہ ایک عالم کے مکان پر خصوصی دعوت میں فوٹو گرافر کیمرہ لے کر آ موجود ہوگا، جب فوٹو گرافر سامنے آیا تو راقم الحروف نے سختی سے روکا اور ایک دوسرے عالم نے بھی شدید نکیر فرمائی اطمینان ہوا کہ فتنہ ٹل گیا لیکن کچھ وقفے کے بعد دوبارہ کسی قدر فاصلہ پر دروازہ پر کھڑا دیکھا تو معلوم ہوا کہ اس نے ہماری بے خبری اور غفلت سے فائدہ اٹھا کر اپنا ارادہ پورا کر لیا، اگلے دن جنگ کے صفحات پر تین اشخاص کا جن میں ایک راقم الحروف تھا، فوٹو آ گیا اور ستم ظریفی یہ کہ نیچے یہ عبارت لکھ دی ''گروپ فوٹو''۔ انا للہ!

تصویر سازی کی حرمت پر امت کا اتفاق ہے

حدیث نبوی میں تصویر سازی پر جو وعید شدید آئی ہے وہ ہر جاندار کی تصویر میں جاری ہے اور تمام امت جاندار اشیاء کی تصاویر کی حرمت پر متفق ہے لیکن خدا غارت کرے اس مغربی تجدد کو کہ اس نے ایک متفقہ حرام کو حلال ثابت کرنا شروع کر دیا، اس فتنۂ اباحیت کا سب سے پہلا اور سب سے بڑا مرکز مصر اور قاہرہ تھا۔ چنانچہ آج سے نصف صدی پہلے قاہرہ کے مشہور شیخ محمد بخیت مطیعی نے جو شیخ الازہر بھی تھے "اباحة الصور الفوتو غرافية" کے نام سے ایک رسالہ تالیف کیا تھا جس میں انہوں نے کیمرے کے فوٹو کے جواز کا فتویٰ دیا تھا، اس وقت عام علماء مصر نے ان کے فتویٰ کی مخالفت کی حتی کہ ان کے ایک شاگرد رشید علامہ شیخ مصطفےٰ حمامی نے اپنی کتاب "النهضه الا صلاحية للا سرة الا سلامية" میں اس پر شدید تنقید کی اور اس کتاب میں ۲۶۰ر سے ۲۶۸ر پر اور ۳۱۰ر سے ۳۲۸ر تک اس پر بڑا بلیغ رد لکھا ایک جگہ وہ لکھتے ہیں ''تمام امت کے گناہوں کا بار شیخ کی گردن پر ہوگا کہ انہوں نے تمام امت کے لئے شر اور گناہ کا دروازہ کھول دیا''۔

اسی زمانہ میں حضرت مولانا سید سلیمان ندوی مرحوم کے قلم سے ماہنامہ ''معارف'' میں ایک طویل مقالہ شیخ مطیعی کے رسالہ کی روشنی میں نکلا، اس وقت حضرت امام العصر مولانا انور شاہ رحمہ اللہ کو جب اس کی اطلاع ہوئی

اور اس مضمون سے واقف ہوئے تو آپ کی تحریک پر آپ کے تلامذہ میں سے حضرت مولانا محمد شفیع صاحب نے ماہنامہ ''القاسم'' میں (جو دارالعلوم دیوبند کا ماہنامہ تھا) اس پر تردیدی مقالہ شائع فرمایا۔ وہ مقالہ حضرت شیخ کی راہنمائی میں مرتب ہوا جسے بعد میں "التصویر لاحکام التصاویر" کے نام سے حضرت مفتی صاحب نے شائع فرمایا۔

یہ واضح رہے کہ حضرت سید صاحب موصوف مرحوم نے اپنی حیات طیبہ کے آخری سالوں میں جبکہ آپ کی عمر مبارک ساٹھ تک پہنچ چکی تھی جن چند مسائل سے رجوع فرمالیا تھا ان میں فوٹو کے جواز کے مسئلہ سے بھی رجوع فرمایا تھا۔ مولانا ابوالکلام آزاد جیسے آزاد صاحب قلم نے اگر چہ ذوالقرنین کو سائرس بنا کر اس کے مجسمہ کا فوٹو ''ترجمان القران'' میں شائع کیا تھا لیکن بعد میں اسے ''ترجمان القرآن'' کے تمام نسخوں سے نکال کر تصویر کے حرام ہونے کا اعلان کر دیا تھا۔

الغرض نہ صرف ہمارے اکابر بلکہ تمام فقہاء امت کا اس پر اتفاق ہے کہ فوٹو حرام ہے، البتہ پاسپورٹ وغیرہ ضروریات کے لئے نصف چھوٹے فوٹو کو اس سے مستثنیٰ کرنا ہوگا، اس کا گناہ ان لوگوں کے ذمہ ہے جن کی طرف سے یہ مجبوریاں عائد کی گئی ہیں۔ اس لئے یہ واضح رہے کہ میرا مسلک یہی ہے کہ فوٹو بلا ان خاص ضرورتوں کے ناجائز اور حرام ہے اگر میری بے خبری میں چالاکی سے کسی نے فوٹو لے لیا تو اس کا گناہ اس کی گردن پر ہے اگر چہ اس معلون فن سے اسلامی معاشرہ میں نفرت عام نہیں رہی، ناواقف عوام اسے معمولی اور ہلکی چیز سمجھنے لگے ہیں اور کچھ لوگ تو اس کے جواز کے لئے بھی حیلے بہانے تراشنے لگے ہیں، لیکن کون نہیں جانتا کہ کسی معصیت کے عام ہونے یا عوام میں رائج ہونے سے وہ معصیت ختم نہیں ہوجاتی اور اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی چیز کو جب حرام قرار دے دیا تو اس کے بعد خواہ سو بہانے کئے جائیں مگر اس کے جواز کا کوئی سوال پیدا نہیں ہوتا۔ آج کل سود، بیمہ اور اسی قسم کی بہت سی چیزیں جنہیں مغربی تہذیب وتمدن کی بددینی نے جنم دیا ہے ہمارے جدید تمدن میں گھس آئی ہیں اور اب پوری طرح ان کا رواج ہے لیکن کون مسلمان ہوگا جو یہ کہنے کی جرأت کرے کہ یہ سب جائز ہیں؟ ہاں یہ ممکن ہے کہ گناہ میں عموم بلویٰ کی وجہ سے آخرت کی سزا میں کچھ تھوڑی بہت تخفیف ہوجائے اس کا علم حق تعالیٰ ہی کو ہے۔

اسلامی سلطنت کو کیا کرنا چاہیے؟

افسوس ہے کہ ہمارے یہاں ہر چیز پر پابندی ہے لیکن اگر آزادی ہے اور پوری آزادی ہے تو اہل الحاد کے لئے آزادی ہے کہ وہ جو چاہیں لکھیں اور جو چاہیں کہیں، کوئی روکنے والا نہیں، اس سے بڑھ کر صدمے کی بات یہ ہے کہ اسلامی حکومت جس سے بجا طور پر مسلمانوں کو یہ توقع تھی کہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دین کی سچی

خادم ہوئی اور اسلامی حصار میں شگاف ڈالنے والے قزاقوں کو سرزنش کرے گی اور انہیں قرآن وسنت اور مسلمانوں کے دین سے کھیلنے کا موقعہ نہیں دے گی، مگر ہماری شامت اعمال ہے کہ ہماری خوش فہمی کے خواب شرمندۂ تعبیر نہیں ہوئے، ڈاکٹر فضل الرحمن جن کے بارے میں ہم چھ سال سے چیخ رہے تھے مگر ہماری سنی ان سنی ایک کر دی گئی تھی، عوامی مطالبہ کے پیش نظر گذشتہ دنوں ان کا استعفاء تو منظور کر لیا گیا مگر حکومت کی طرف سے ان کی لغویات کی مذمت میں ایک حرف نہیں کہا گیا بلکہ اس کی طرف سے صفائی ہی کی کوشش کی گئی اور اب وہ آزادانہ طور پر اپنے نظریات کی نشر واشاعت کریں گے۔

بعض ذرائع سے ہمیں یہ افسوسناک اطلاع ملی ہے کہ حکومت کی طرف سے فوجوں کے افسروں کو متوجہ کیا گیا ہے کہ وہ اسلام کا مطالعہ مسٹر پرویز کی کتابوں کی روشنی میں کریں، انا للہ وانا الیہ راجعون! اگر اس خبر میں ذرا بھی صداقت ہے تو یہ نہایت ہی افسوسناک اور روح فرسا خبر ہے، مسٹر پرویز کے نظریات ہر عام وخاص کو معلوم ہیں وہ اسلام کو ''عجمی سازش'' کہتے ہیں اور پوری امت کو گمراہ، ان کے نزدیک خدا اور رسول ''مرکز ملت'' کا نام ہے وغیرہ وغیرہ، ایسے زندیق کی کتابوں کے مطالعہ کی تحریک؟

بسوخت عقل ز حیرت کہ ایں چہ بوالعجبی است

ہم ارباب اقتدار سے خدا اور رسول کا واسطہ دے کر (جن کے نام پر ہمیں یہ ملک اور حکومت ملی) گذارش کرتے ہیں کہ وہ اخلاص اور سچائی سے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے اصل دین اور سچے اسلام کی حفاظت کریں اور اگر وہ ایسا نہیں کر سکتے تو کم از کم ملحدین کی حوصلہ افزائی نہ کریں، خدانخواستہ اگر محمد صلی اللہ علیہ وسلم والے اسلام کو یہاں ختم کر دیا گیا تو پاکستان کو نہ مسٹر پرویز کا ''طلوع اسلام'' بچا سکتا ہے، نہ ڈاکٹر فضل الرحمن کا اسلام اور نہ کوئی ظلی، بروزی نبوت، واللہ یقول الحق وھو یھدی السبیل

حق تعالیٰ ہمارے حال پر رحم فرمائے اور ہماری لغزشوں سے درگذر فرمائے۔

[شعبان ۱۳۸۸ھ]

تصویر اور اسلام

اللہ تعالیٰ رحم فرمائے قرب قیامت کی وجہ سے اس تیزی سے فتنوں پر فتنے اٹھ رہے ہیں کہ ایمان کی سلامتی مشکل ہو رہی ہے اور اعمال صالحہ کی توفیق سلب ہوتی جارہی ہے، ایک فتنہ تنہا بذاتِ خود فتنہ ہوتا ہے اور ایک فتنہ مختلف فتنوں کو جنم دیتا ہے۔ مثلاً فوٹو گرافی کا فتنہ شروع ہوا یہی کیا کم گناہ تھا کہ اس سے سینکڑوں فتنے پیدا ہوئے، حضرت حق جل شانہٗ کا علم ہر شئ کو محیط ہے اس کے علم میں ہے کہ فلاں فتنہ فلاں فلاں اسباب وذرائع سے بھڑکے گا، اس بناء پر شریعت الہیہ کا منشاء یہ ہوتا ہے کہ جو چیز کسی درجہ میں بھی معاصی اور گناہوں کا سبب بن سکتی

ہو اس کو منع فرمائے۔ انسانی عقل بسا اوقات اپنے قصور علم اور کم فہمی کی وجہ سے اس کی علت وحکمت کو محسوس نہیں کر سکتی انسان بسا اوقات تعجب کرتا ہے کہ بظاہر اس معمولی بات کو اتنی سختی سے کیوں روکا گیا، لیکن بعد میں واقعات وشواہد سے اس کی تصدیق ہو جاتی ہے کہ شریعت الٰہیہ نے جو فیصلہ کیا تھا عین حکمت تھا، ایک مصوری کے پیٹ سے کیسے کیسے فتنے پیدا ہوں گے شریعت محمدی نے ابتدا ہی سے فرمادیا تھا:

"اشد الناس عذابا یوم القیامۃ المصورون"(۱)

یعنی سخت ترین عذاب قیامت کے دن صورت بنانے والوں کو ہوگا۔

اور کبھی یہ فرمایا کہ "ان سے کہا جائے گا کہ جو تم نے بنایا ہے اس میں روح پھونکو" اور کبھی یہ ارشاد فرمایا کہ: "جس گھر میں کتا یا تصویر ہو اس میں فرشتے داخل نہیں ہوتے" اور کہیں یہ فرمایا کہ: "صورت سازی حق تعالیٰ کی خالقیت کی نقل کرنی ہے" وغیرہ وغیرہ۔

تصویر کے معاملہ میں شریعت محمدیہ کی سختی کی وجہ

تصویر کے معاملہ میں اس شدت کی بنیاد درحقیقت یہ ہے کہ دین اسلام کا بنیادی عقیدہ توحید ہے یعنی حق تعالیٰ کی وحدانیت کا بدل وجان اقرار کرنا، خواہ توحید ذات الٰہی کی ہو یا توحید صفات الٰہی کی ہو یا توحید افعال الٰہی کی ہو، اسلام میں کسی قسم کا شرک قابل برداشت نہیں۔ اس لئے ابتدا ہی سے شریعت نے تمام اسباب شرک پر جن میں تصویر بھی شامل ہے، شدید پابندی لگادی، اسی لئے میں نے کہا کہ یہ کوئی معمولی گناہ نہ تھا لیکن اس وقت جب کہ حق تعالیٰ نے حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک کے ذریعہ یہ اعلان کرایا تھا اور یہ احکام نازل فرمائے تھے خیال بھی نہیں گذر سکتا تھا کہ آئندہ چل کر یہ فتنہ کتنے عظیم الشان فتنوں کا ذریعہ بنے گا۔

تصویر اور اس کے گندے اور فتنہ انگیز نتائج

آج اسی مصوری کی وجہ سے حسن وجمال کی نمائش ہوتی ہے اور اسی تصویر سازی کی وجہ سے بے حیا قوموں کی عورتوں کے عریاں فوٹو، بد اخلاقی، بد اطواری اور خدا فراموش زندگی کا ذریعہ بن چکے ہیں، یہی لعنت شہوانی وحیوانی جذبات بھڑکانے کا سبب ہے، اسی لعنت کی وجہ سے کتنے معصوموں کا خون بہہ رہا ہے اور کتنی جانیں تلف ہو رہی ہیں اور خودکشی کی کتنی وارداتیں ہو رہی ہیں۔ تھیٹر اور سینما کے پردوں پر اسی مصوری کی وجہ سے بے حیائی کے مظاہر اور روح فرسا مناظر سامنے آرہے ہیں، اسی فتنہ کی وجہ سے نہ کسی کی آبرو محفوظ ہے، نہ تہمت تراشی سے کوئی بچ سکتا ہے، کسی کا سر اور کسی کا دھڑ لے کر جو چاہے کرشمہ سازی دکھلائے، کسی کو بدنام کرنا ہو اس کے بالائی

---

(۱) الصحیح لمسلم، کتاب اللباس، باب تحریم صورۃ الحیوان ج:۲ ص:۲۰۱، ط: قدیمی

بدن کی صورت لے کر کسی طوائف کے عریاں فوٹو میں پیوند لگا کر جو چاہے کر لیجئے، آپ کو یہ سن کر تعجب ہوگا کہ ایک بڑے قوی اسلامی مملکت کی تباہی و بربادی اور اس کے حکمراں کی جلا وطنی میں یہی فتنہ ایک مؤثر عامل ثابت ہوا ہے۔ اس قسم کی عریاں تصویروں کے ذریعہ ملک میں ان کی بداخلاقی و بے حیائی و بے دینی کا پروپیگنڈہ کیا گیا اور بدنامی کی انتہا کر دی گئی اور آخر تخت وتاج سے محرومی کا باعث بنا۔ افسوس کہ واقعہ کی پوری تفصیل سے معذور ہوں، الغرض اس فتنے کے کرشموں سے نہ دین محفوظ ہے، نہ اخلاق، نہ کسی کی جان محفوظ ہے، نہ کسی کا ایمان، نہ آبرو محفوظ ہے، نہ کسی کی عصمت، فواحش ومنکرات کی اشاعت میں مصوری کا اتنا بڑا دخل ہے کہ اسی کی وجہ سے تقویٰ وطہارت و پاکیزگی زندگی کی بنیادیں ہل گئیں، لیکن آج کل کی اصطلاح میں یہ ثقافت اور آرٹ ہے اور غضب یہ کہ اس کو ''اسلامی آرٹ'' کا نام دیا جاتا ہے۔

بسوخت عقل زحیرت کہ ایں چہ بوالعجبی ست

کسی معاشرہ میں بے حیائی کا سر اٹھانا اس کے دلوں سے اسلامی روح نکلنے کی علامت ہے

تھیٹر وسنیما اور یہ فلمیں جن سے آج معاشرہ ہلاکت کے کنارے پہنچ گیا ہے یہ تمام اسی مصوری کی بدولت ہے اور یہ فتنہ اتنا عام ہوگیا ہے کہ مسجدیں جو خالص عبادت گاہیں ہیں وہ بھی اس سے محفوظ نہیں، نکاح کی محفلوں سے مقامات مقدسہ تک ہر جگہ یہ فتنہ پہنچ گیا ہے، بعض وہ حکومتیں جو اسلامی قانون جاری کرنے کی مدعی ہیں اور وہ جن کا دعویٰ اتباع سنت ہے ان کے ہاں یہ فتنہ اس قدر شباب پر ہے اور آب وتاب سے ہے کہ الا مان والحفیظ۔ بہر حال یہ فتنہ اتنا عالمگیر ہوگیا ہے کہ نہ مسجد بچی، نہ مدرسہ، نہ اسلامی ملک بچا نہ صالح مسلمان بچے، اور آج اس لعنت کی وجہ سے ایک فلم تیار کی جارہی ہے روز نامہ جنگ کراچی (مورخہ ۱۰ر جنوری ۱۹۷۰ء صفحہ ۱۵) میں اس کا مندرجہ ذیل اشتہار شائع ہوا ہے:

بسم اللہ الرحمن الرحیم

تاریخِ اسلام پر تیار کی ہوئی دنیا کی سب سے پہلی رنگین فلم جسے حکومت سعودی عرب کے تعاون سے سرزمینِ حجاز میں فلمایا گیا:

''اللہ اکبر''!

مکہ معظمہ کے وہ تمام تاریخی مقامات جن سے تاریخ محمدی کا آغاز ہوتا ہے، حجر اسود، خانہ کعبہ، مقام ابراہیم، زم زم، صفا اور مروہ، منحرِ ابراہیم، مولد نبی ﷺ، دولت کدہ حضرت خدیجہؓ، مولد علیؓ، مولد فاطمۃ الزہراؓ، غارِ حراء، دار ارقمؓ، غار مرسلات، غار ثور، جبل الرحمۃ کے علاوہ مسجد الراتبہ، مسجد الجن، مسجد الشجرۃ، مسجد الغنم، مسجد بو

قیس، مسجد طوی، مسجد عائشہؓ، مسجد العقبہ، مسجد الجعرانہ، مسجد الخیف، مسجد البیعۃ، جنت المعلی وغیرہ وغیرہ۔

مدینہ منورہ کے وہ مقدس مقامات جہاں اسلام پروان چڑھا، مسجد نبوی، روضہ مبارک سرورکونین حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم، منبر ومحراب، اسطوانہ حنانہ، اسطوانہ جبرئیل، اسطوانہ عائشہؓ، اسطوانہ علیؓ، حجرہ مبارک حضرت فاطمہؓ، مسجد قبا، مسجد قبلتین، مسجد حضرت ابوبکرؓ، مسجد حضرت علیؓ، مسجد فاطمہؓ، جنت البقیع وغیرہ کے علاوہ وہ تمام میدان جنگ جہاں جنگ احد، جنگ بدر، جنگ خندق، جنگ خیبر جیسے مشہور غزوات ہوئے ہیں، اس رنگین فلم میں فتح مکہ کے علاوہ طائف کا وہ مقام بھی دیکھیں گے جہاں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبہ ارشاد فرمایا اور دشمنانِ اسلام کے پتھراؤ سے بے ہوش ہو گئے تھے اس کے ساتھ ساتھ حج کے تمام مناسک تفصیل اور تسلسل کے ساتھ دکھائے گئے ہیں۔

اسلام نے غیرت وحیاء عصمت و پاک دامنی اور پردہ پر جتنا زور دیا ہے وہ کسی سے مخفی نہیں، حیاء کو ایمان کا اہم شعبہ قرار دیا، بے غیرت اور دیوث افراد کو ملعون کہا گیا، حیاء باختہ لوگوں کو اسلامی معاشرہ سے خارج کیا گیا، صنف نازک کی بڑی خوبی اس کی طہارت ونزاہت پاکدامنی و پردہ داری بتائی گئی۔

﴿فَالصّٰلِحٰتُ قٰنِتٰتٌ حٰفِظٰتٌ لِّلْغَيْبِ بِمَا حَفِظَ اللهُ﴾ [النساء:٣٤]

پھر جو عورتیں نیک ہیں سو تابعدار ہیں نگہبانی کرتی ہیں پیٹھ پیچھے اللہ کی حفاظت سے۔

بہت سی آیات واحادیث میں مستورات کے لئے پردہ وغیرہ کے خصوصی احکام صادر کئے گئے اور ان تمام راستوں کو بند کر دیا گیا جن سے بے حیائی کو در آنے کا موقع ملتا ہے۔

﴿وَقَرْنَ فِيْ بُيُوْتِكُنَّ وَلَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِيَّةِ الْأُوْلٰى﴾ [الاحزاب:٣٣]

اور قرار پکڑو اپنے گھروں میں اور دکھلاتی نہ پھرو جیسا کہ دکھلانا دستور تھا پہلے جہالت کے وقت میں۔

ان ساری تعلیمات کے باوجود کسی مسلم معاشرہ میں بے حیائی کے اسباب ومحرکات کا سر اٹھانا اس امر کی نشاندہی کرتا ہے کہ دلوں سے اسلامی روح نکل چکی ہے اور ان مسلمانوں کے بے جان لاشے پڑے ہیں جن پر خدا فراموش تہذیبوں کے کرگس منڈلا رہے ہیں۔

بے حد افسوس کی بات ہے کہ یہ مملکتِ خداداد پاکستان جو آج تک تمام عالم اسلام میں کم از کم انفرادی طور پر دینی فضا اور دینی کردار کے لحاظ سے ممتاز تھا، دینی درسگاہیں اعلیٰ سے اعلیٰ یہاں موجود ہیں، خانقاہیں بہتر سے بہتر یہاں موجود ہیں، محقق علماء اور صالح عوام کی کثرت سے ایک بڑی خصوصیت کا حامل رہا۔ اب بڑی سرعت سے خدا فراموش قوموں کی نقالی کر رہا ہے اور خرد باختہ تمدن کی تقلید۔ اندھی تقلید۔ میں لعنت وغضب کے راستوں پر رواں دواں ہے، معلوم ہوا ہے کہ لاہور میں مقابلہ حسن ہونے والا ہے اگر یہ خبر صحیح ہے اور ہمیں واقع کی رپورٹ غلط نہیں پہنچی ہے تو پاکستان کے مسلمانوں کے لئے ڈوب مرنے کا مقام ہے۔ یہ لیڈر جو آج کل ہر جگہ ہر تقریر میں

اسلام اور کتاب وسنت کا نام لینا ضروری سمجھتے ہیں کیوں خاموش ہیں؟ اور یہ حکومت جو اسلام کے تحفظ کا دعویٰ بار بار کرتی ہے اسے کیونکر برداشت کررہی ہے؟ اگر یہ ملک بھی یورپ وامریکہ کے نقش قدم پر چلنے لگا تو یہاں کسی خیر کی کیا توقع ہوسکتی ہے؟ کیا پاکستان اس لئے بنایا تھا کہ یہاں بے حیائی کو فروغ دیا جائے گا؟ یہاں نمائش حسن کے میلے ہوں گے؟ یہاں سینما وتھیٹر اور ریڈیو اور ٹیلیویژن کے ذریعے قوم کو ناچ گانے کی مشق کرائی جائے گی؟ اور شرمناک مناظر سے ہوس پرستی کی تسکین ہوگی؟ قحبہ خانوں، شراب خانوں اور کلبوں کے ذریعہ یہاں کی فضا کو گندہ اور نظر وقلب کو زہر آلود کیا جائے گا؟ ہم حکومت سے گذارش کریں گے کہ اس قسم کے فواحش کو بند کیا جائے ورنہ خطرہ ہے کہ اس عذاب الٰہی سے پٹی ہوئی قوم پر مزید عذاب اور غضب نازل نہ ہوجائے۔

یکم جنوری سے سیاسی آزادی بحال ہوتے ہی مختلف تنظیمیں اور جماعتیں میدان کارزار میں اتری آئی ہیں بیان بازی، دھینگا مشتی، مکروہ پروپیگنڈا اور تہمت طرازی کے اسلحہ سے لیس ہوکر ایک دوسرے کے خلاف نبرد آزما ہیں، لطف یہ کہ ہر جماعت اور جماعت کا لیڈر عوام کی فلاح وبہبود کے ساتھ ساتھ اسلام اسلام پکارتا اور کتاب وسنت کا نام لیتا ہے۔ (حالانکہ ان میں سے بعض حضرات کتاب وسنت کو سمجھنا تو درکنار نماز پڑھنا بھی نہیں جانتے ہوں گے نہ انہیں ایسا اتفاق کبھی پیش آیا ہوگا)

سوال یہ ہے کہ ہر جماعت کا جب یہی دعویٰ ہے کہ ہم یہاں اسلام لائیں گے اور کتاب وسنت کا آئین بنائیں گے تو پھر یہ سارے متحد کیوں نہیں ہوتے؟ آخر اتحاد سے کس نے روکا ہے؟ اگر اس پر اتفاق ہے کہ سوشلزم، کمیونزم اور سرمایہ داری ایک لعنت ہے، اگر اس پر سب متفق ہیں کہ یہاں کتاب وسنت کے مطابق اسلامی قانون نافذ ہونا چاہیے، اگر یہ عقیدہ ہے کہ دین اسلام ہمارے تمام امراض کے لئے نسخہ شفا ہے، اگر یہ تسلیم ہے کہ اسلام صرف عبادات کا نام نہیں بلکہ وہ پوری زندگی اور زندگی کے ہر شعبہ پر حاوی اور معاشرے کے ایک ایک فرد کی ضروریات کا کفیل ہے، اگر یہ ایمان ہے کہ اسلامی قانون اور شرعی احکام تمام عالم کے قوانین سے اعلیٰ وارفع ہیں تو یہ تمام جماعتیں ان روح فرسا اختلافات کو ختم کیوں نہیں کرتیں اور بے چارے عوام پر رحم کرتے ہوئے انہیں اس حیرت انگیز انتشار سے کیوں نہیں بچایا جاتا، اگر پیش نظر صرف اپنی جماعت کا وقار واقتدار نہیں تو پھر ایک دوسرے پر کیچڑ اچھالنے، فضول نعروں اور دوروں سے قوم کو پریشان کرنے اور نئے نئے جرائد واخبارات پر لاکھوں روپیہ ضائع کرنے کے کیا معنی ہوئے؟ اگر اخلاص ہے، نیت صحیح ہے، مقصد متحد ہے تو یہ اختلاف کیوں؟ یہ تھوتھکار کیسی؟ یہ شوروغوغا کیونکر؟ ہماری دعا ہے کہ حق تعالیٰ تمام جماعتوں کو اخلاص وعمل اور اتفاق واتحاد کی توفیق نصیب فرمائے۔

دراصل آج کی سیاست کے لئے یہ ضروری سمجھ لیا گیا ہے کہ عوام سے لمبے چوڑے وعدے کئے جائیں، عوامی فلاح وبہبود کے نعرے لگائے جائیں، خصوصیت سے وقت کے کسی اہم مسئلہ کو انتخابی اہمیت دی

جائے، قرآن و سنت و خدا و رسول اور دین اسلام کے نام پر لوگوں سے اپیل کی جائے۔ (خواہ داعی صاحب کی زندگی اس سے بعد المشرقین رکھتی ہو) اپنے مخالف کو نیچا دکھانے کے لئے ہر حربہ استعمال کیا جائے، اس کی معمولی لغزش کو مبالغہ آمیزی سے دہرایا جائے، جہاں تک بس چلے اسے ذلیل کرنے میں کوئی کسر باقی نہ رہے، ہنگامے کئے جائیں، فساد اور اودھم مچایا جائے، انتخابات کے موقع پر ہمیشہ یہی ہوتا آیا، بدقسمتی سے اب پھر یہی مناظر سامنے آنے لگے ہیں، بڑے دکھ کی بات یہ ہے کہ ہمارے سیاست دانوں نے سیاست کے تالاب کو اتنا گندہ کر دیا ہے کہ اس کا تعفن پوری قومی زندگی میں رچ بس گیا ہے۔ بہر حال اس اختلاف و انتشار کے نتائج کیا مرتب ہوں گے ہم تمام مسلمانوں سے کہیں گے کہ اگر ہمیں اب بھی صالح و فاسق اور نیک و بد کے درمیان تمیز نہ ہوئی، کھوکھلے نعروں پر اعتماد کر لیا، صحیح افراد کو منتخب نہیں کیا تو آئندہ یہ ملک بدترین حالات سے دوچار ہوگا اور پھر کوئی توقع اس بات کی نہیں ہوگی کہ یہاں اسلامی قانون نافذ ہو سکے۔ اللہ تعالیٰ صحیح عقل و بصیرت نصیب فرمائے۔

اسلامی قانون کو نافذ کرنے میں ان حضرات کو دو دقتیں پیش آ رہی ہیں:

اول: یہ کہ ہمارے یہاں کا ایک مخصوص طبقہ اپنی تعلیم و تربیت کی بنا پر مغرب سے بے حد مرعوب اور احساس کمتری کا شکار ہے، اس غلط نگہی اور مرعوبیت کا اثر ہے کہ اسلامی حدود و تعزیرات کے بارے میں سمجھا جا رہا ہے کہ یہ عصر حاضر کے خلاف ہے اور دور حاضر کی مغربی تہذیب انہیں برداشت نہیں کر سکتی، اب اگر ہم اسلامی تعزیرات کو نافذ کر دیتے ہیں تو مہذب دنیا ہمیں رجعت پسندی اور قدامت پرستی کا طعنہ دے گی اور ''غیر مہذب وحشی'' کے خطاب سے نوازے گی، لیکن اگر اللہ عقل دے ذرا غور کرنے کی توفیق نصیب فرمائے تو یہ وہم دور کیا جا سکتا ہے۔

اگر یورپ و امریکہ کی عصر حاضر کی تاریخ کا سرسری مطالعہ کیا جائے اور تہذیب کے مدعی قوموں کے اعمال کا جائزہ لیا جائے تو ہر انصاف پسند یہ فیصلہ آسانی سے کر سکتا ہے کہ اسلامی تعزیرات کو وحشیانہ قرار دینے والی مہذب قوموں کے دامن پارسائی پر وحشت و بربریت اور بہیمیت اور درندگی کے کتنے دھبے ہیں؟ روس نے بخارا اور سمرقند میں مسلمانوں کے ساتھ کیا کیا؟ فرانس نے الجزائر میں کیا کیا؟ امریکہ نے دوسری جنگ عظیم میں آتشیں بمباری سے خدا تعالیٰ کی بے گناہ مخلوق کے ساتھ کیا کیا اور اب ویت نام میں کیا کر رہا ہے؟ برطانیہ نے اپنی پوری تاریخ میں ضعیف و ناتواں مخلوق کو کس بے دردی و سنگدلی سے تباہ و برباد کیا؟ کیا مہذب قوموں کو اور ان کی ترقی یافتہ تہذیبوں کو شرم نہیں آتی کہ اسلام ایک مجرم کو اس کے گھناؤنے جرم کے بدلے میں معقول سزا دیتا ہے تاکہ معاشرہ اس قسم کے جرائم سے پاک ہو جائے اور خدا تعالیٰ کی مخلوق آرام و راحت کی نیند سوئے وہ تو وحشیانہ سزا ٹھہرے اور ان کے سیاہ کارنامے اور وحشت و بربریت سے لبریز علم نامے، عین تہذیب اور سراپا رحم دلی قرار پائیں؟ کیا تعزیرات و حدود کے سلسلے میں اسلامی سزاؤں کے بدنام کرنے میں ذرا بھی معقولیت ہے؟ اگر انصاف ہو، بصیرت ہو تو یہ جو کچھ کیا جا رہا ہے اس سے بڑھ کر خیرہ چشمی اور بے حیائی کیا ہو سکتی ہے؟ پاکستان میں بالخصوص جو روح فرسا

حالت بے اطمینانی وبدامنی کی پیدا ہوچکی ہے صحیح اسلامی سزاؤں کے بغیر اصلاح کا کوئی امکان نہیں۔

۲۔ ہمارے ان حضرات کا دوسرا بہانہ یہ ہے کہ اسلامی قانون بنابنایا موجود نہیں، مرتب کرنے میں ایک بڑا عرصہ چاہئے لیکن غور کرنے سے یہ بات بالکل واضح ہوجاتی ہے کہ یہ محض دلفریب دھوکا ہے۔

اولاً..... اسلامی قانون فقہ اسلامی کی صورت میں مدون موجود ہے، جو شخص عربی میں مہارت اور قانون سے مناسبت رکھتا ہو وہ آسانی سے ہر حادثہ کا شرعی حکم معلوم کرسکتا ہے اور اسے واقعات پر تطبیق دے سکتا ہے اور اگر ہمارے قانون دانوں کی عربی سے ناواقفیت کو عذر قرار دیا جائے تو یہ بھی صحیح نہیں، کیونکہ جہاں آپ ایل، ایل، بی کی شرط عائد کرتے ہیں وہاں عربی فقہ میں مہارت کو کیوں شرط قرار نہیں دیتے؟ علاوہ ازیں فقہ اسلامی کی تمام اہم کتابوں کے تراجم اردو میں موجود ہیں، کنز الدقائق، ہدایہ، شرح وقایہ، عالمگیری وغیرہ وغیرہ تمام کتابیں اردو میں منتقل ہوگئی ہیں اور بعض اہم کتابوں کے انگریزی تراجم بھی دستیاب ہیں۔

ثانیاً..... اگر مقصد یہ ہے کہ اسلامی دفعات پر مرتب شدہ موجودہ قوانین کے مرکز پر ہونا چاہیے تو اس پر بھی کسی قدر کام ہوچکا ہے۔ ترکی میں سلطان عبدالحمید خان کے دور میں ''المجلۃ العدلیۃ'' کے نام سے دفعات پر ترتیب شدہ مواد موجود ہے۔ افغانستان میں ''تمسك القضاة الامانية'' اور ''تشکیلات جزاعمومی افغانستان'' کے نام سے مجموعے موجود ہیں، ان کتابوں کو اردو یا انگریزی میں منتقل کرنے پر کتنا عرصہ لگے گا مختصر عرصہ میں یہ سب کام ہوسکتا ہے۔

ثالثاً..... اگر اسلامی فقہ کسی طرح بھی ہمارے قانون دانوں کے بس کا روگ نہیں تو کم از کم اتنا ہی کرلیا جائے کہ ہر محکمہ میں ایک مستند عالم دین کا تقرر ہو اور اس کی رائے واعانت سے شرعی حکم معلوم کرکے نافذ کیا جائے۔ بہرحال اگر خدا کا خوف ہو اور آخرت کا محاسبہ پیش نظر ہو اور اس ملک کو صحیح اسلامی مملکت بنانا مقصود ہو تو پھر نہ اسلامی قانون نافذ کرنا مشکل ہے، نہ مرتب قانون کو اردو میں منتقل کرنا دشوار، نیت درست ہو تو سب آسان۔

[ذی الحجہ ۱۳۸۹ھ۔فروری ۱۹۷۰ء]

فوٹو اور تصویر کی حرمت

غالباً مارچ ۱۹۷۰ء میں راقم الحروف پاکستانی مندوب کی حیثیت سے ''مجمع البحوث الاسلامیۃ'' کی پانچویں کانفرنس میں شرکت کے لئے قاہرہ گیا تھا، کانفرنس کے اختتام پر سابق صدر جمال عبدالناصر مرحوم نے گورنمنٹ ہاؤس میں مندوبین کو ملاقات کی دعوت دی، جس شاہانہ کروفر کا مظاہرہ ہوا اور جو بظاہر مصری حکومت کا خصوصی امتیاز ہے یہاں اس کا ذکر مقصود نہیں۔ ترتیب کے مطابق ہر شخص ملاقات کے لئے جاتا مصافحہ کرتا اور اسے کچھ کہنے کی خواہش ہوتی تو دو چار باتیں بھی کرلیتا، ملاقات اور مصافحہ کے بعد صدر مرحوم نے مندوبین کے اعزاز

کے لئے فوٹو گرافروں کو حکم دیا کہ ہر مندوب کا ان کے ساتھ الگ الگ فوٹو لیا جائے۔

آج کل جلسوں، کانفرنسوں اور عام اجتماعات میں فوٹو اتارنے کا مرض وبائی شکل اختیار کر چکا ہے، یہ فتنہ اتنا عام ہوگیا کہ کوئی شخص خواہ کتنا ہی بچنا چاہے نہیں بچ سکتا، پھر یہ معصیت اتنی پھیل گئی ہے کہ لوگ اسے گناہ ہی نہیں سمجھتے۔ دور فتنہ نے معروف کو منکر اور منکر کو معروف بنا ڈالا، گناہوں کی گندگی سے قلب و ذہن مسخ ہو گئے اور کتنے ہی گناہ معاشرے میں ایسے رچ بس گئے کہ لوگوں کے دلوں سے گناہ کا تصور و ادراک ہی ختم ہو گیا۔

مصر تو فوٹو کی وبا میں ہم سے بھی چار قدم آگے ہے، مدت ہوئی وہاں کے ایک عالم شیخ محمد بخیت نے جو شیخ الازہر تھے، اس کے جواز میں رسالہ لکھ کر اس معصیت کو اور بھی عام کر دیا اسی رسالہ سے متاثر ہو کر حضرت مولانا سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی ''معارف'' میں اس کے جواز پر ایک مضمون لکھا تھا، حضرت مولانا انور شاہ رحمہ اللہ کے حکم سے حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب نے اس پر ایک تردیدی مضمون لکھا جو ''القاسم'' میں شائع ہوا اور بعد میں ''التصویر لاحکام التصاویر'' کے نام سے مستقل رسالے کی صورت میں چھپ چکا ہے۔ الحمد للہ حضرت سید صاحب مرحوم نے اپنے مضمون سے اور فوٹو کے جواز سے رجوع فرما لیا تھا اور صاف اعلان کر دیا تھا کہ اب میں اسے حرام سمجھتا ہوں۔ خیر عرض یہ کرنا ہے کہ صدر مرحوم کی طرف سے جب اس خواہش کی تکمیل کا اظہار ہوا تو اس عزت افزائی پر عام مندوبین خصوصاً عرب مندوبین کو بڑی خوشی ہوئی کہ جمال عبدالناصر کے ساتھ ہمارا یادگار فوٹو لیا جائے گا، ہر ایک نے باری باری صدر کی بائیں جانب کھڑے ہو کر فوٹو کھنچوائے۔ میں کوئی اتنا صالح و متقی اور پارسا نہیں ہوں کہ ایسے مواقع میں بھی ان معصیتوں سے بچ سکوں، چنانچہ عام مجمعوں میں بہر حال فوٹو گرافر فوٹو لیتے رہتے تھے لیکن صدر کے ساتھ خصوصی فوٹو اتروانے کے لئے میری باری آنے تک تو صف سے نکل کر اندر جا کر کرسی پر بیٹھ گیا اتفاق سے صدر میرے سامنے تھے اور مجھے خوب دیکھ رہے تھے، جب میری باری آئی تو صدر نے دو ازہری علماء سے جو اس وقت ان کے سامنے تھے کہا کہ جاؤ اور پاکستانی شیخ (عالم) کو بلاؤ کہ وہ آ کر فوٹو کھنچوائے، الحمد للہ اس وقت میری دینی غیرت جوش میں آئی دل نے کہا آج اپنے اکابر کے مسلک پر جمے رہو اور اس اعزاز کو ٹھکرا دو آج اس حدیث نبوی پر عمل کرنا ضروری ہے:

''لا طاعة لمخلوق فی معصیة الخالق انما الطاعة فی معروف''(۱)

یعنی معصیت میں کسی امیر کی اطاعت جائز نہیں امیر کی اطاعت بس جائز امور میں ہے۔

جب ان دونوں حضرات نے مجھ سے کہا:

''سیادة الرئیس یدعوك لاخذ الصورة معه''.

جناب صدر آپ کو اپنے ساتھ فوٹو بنوانے کے لئے بلاتے ہیں۔

---

(۱) صحیح البخاری، کتاب اخبار الآحاد، باب ماجاء فی اجازة خبر الواحد ج: ۲ ص: ۱۰۷۸، ط: قدیمی

میں نے کہا:

"لا احب ذلك وليست للصورة عندي قيمة دينية فلااحبها".

میں اسے درست نہیں سمجھتا، نہ میرے نزدیک اس کی کوئی دینی قدر و قیمت ہے۔

وہ دونوں گئے اور صدر سے میرا عذر بیان کر دیا، ان کے الفاظ میں نہیں سن سکا کہ میری ترجمانی انہوں نے کس انداز میں کی، رخصت ہوتے ہوئے دوبارہ مصافحہ کا دستور نہیں تھا لیکن میں عملی معذرت کے بجائے رخصت ہونے کے لئے دوبارہ صدر کے پاس گیا اور جی میں آئی کہ آج موقعہ ملا ہے، پھر خدا جانے موقعہ ملے گا یا نہیں، اس لئے آج ان سے کلمہ خیر کہہ دینا چاہیے، چنانچہ میں نے مصافحہ کرتے ہوئے صدر سے کہا:

"جناب صدر! اللہ تعالیٰ نے آپ کے سینے میں بڑا قوی دل رکھا ہے اور یہ ایک بڑی نعمت ہے جو آپ کو عنایت ہوئی، میری آرزو اور خواہش یہ ہے کہ اس قوی دل کا قوی تعلق اس قوی ذات سے ہونا چاہیے جو تمام طاقتوں کا سرچشمہ ہے اور تمام قوتیں جس کے قبضہ قدرت میں ہیں، میرے عربی الفاظ یہ تھے:

"سيادة الرئيس !ان الله سبحانه وتعالى قد منحك قلباً قوياً بين حنايا ضلوعك ، فارجو ان يكون لهذا القلب القوى رابطة قوية مع الخالق القوى الذى بيده ملكوت كل شيء".

صدر نے مسکراتے ہوئے میرا جملہ غور سے سنا اور قدرے زور سے مصافحہ کرتے ہوئے ہاتھ کو ذرا جھٹکا دیا، جیسا کہ خوشی کے موقعہ پر ایسا کیا جاتا ہے، یہ صدر مرحوم سے میری آخری ملاقات تھی جو اس نصیحت پر ختم ہوئی۔

عجیب اتفاق ہے کہ اس سے ایک سال قبل میں نے خواب دیکھا تھا خواب طویل تھا اس میں میں جمال عبدالناصر سے کہہ رہا تھا کہ اگر آپ نے ایسا کیا اور ایسا کیا "تكون اجمل الناس واكمل الناس" تو آپ سب لوگوں سے خوب تر اور کامل تر ہو جائیں گے، بظاہر اس خواب کی تعبیر پوری ہوگئی۔

مسلمانوں اور عالم اسلام کی غلامانہ ذہنیت

بحمد اللہ ہمیں نہ امراء و وزراء سے ملاقات کا شوق، نہ یہ داستان لذیذ و مرغوب، دراصل اس وقت میرے بصائر وعبر کا موضوع مندرجہ بالا فقرہ ہے اس سے قبل جو کچھ لکھا گیا وہ اس کی تمہید تھی، جی چاہا کہ یہ نصیحت جو ایک خاص موقعہ پر ایک خاص شخص کو کی گئی تھی پیغام عام کی شکل میں ہر عام و خاص کے گوش گذار کر دی جائے۔

عالم اسلام اور اسلامی ممالک ایک عرصہ سے زبوں حالی و پسماندگی اور زوال و اضمحلال کا شکار ہیں، مسائل پر مسائل پیدا ہوتے چلے آتے ہیں اور ہمارے ارباب اقتدار اور سربراہان مملکت ہر نئے مسئلہ پر دنیا کی ترقی یافتہ قوموں کے سامنے کشکول گدائی لے کر حاضر ہو جاتے ہیں، ان کی ظاہری شان و شوکت، ان کے سرمایہ و دولت، ان کی فوجی و عسکری طاقت، ان کی مادی و سائنسی برتری، ان کی سیاسی قیادت اور حربی سیادت سے عالم

اسلام اتنا عوب ہے جس کی حد نہیں۔ ہمارے حکمرانوں میں مرعوبیت اور احساس کہتری کا عارضہ وبائی صورت اختیار کر چکا ہے، کہنا چاہیے کہ جو جتنے بڑے عہدے اور منصب پر فائز ہے اور جس کی جتنی ذمہ داریاں زیادہ ہیں وہ اتنا ہی احساس مرعوبیت کے بوجھ تلے دبا ہوا ہے۔ آج تصور بھی نہیں کیا جا سکتا کہ ہم ترقی یافتہ قوموں کے بغیر بھی حکومت کر سکتے ہیں اور یہ سوچا تک نہیں جا سکتا کہ ان کی دوستی کے بغیر بھی ہمارا نظام حکومت چل سکتا ہے۔ اسلامی ممالک جو پسماندہ اور ترقی پذیر ہیں، محض عالمی طاقتوں کے رحم و کرم پر جینے کے عادی ہو گئے۔ کروڑوں روپے کے مصارف سے اعلیٰ پیمانے پر سفارت خانوں کا تکلف کیا جاتا ہے، لاکھوں کے خرچ سے امراء و وزراء کے دورے ہوتے ہیں، وفد پر وفد بھیجے جاتے ہیں، ان طاغوتی قوتوں کے سربراہوں اور نمائندوں کو تشریف آوری کی دعوتیں دی جاتی ہیں، اس پر بڑے فراخدلی سے قومی سرمایہ صرف کیا جاتا ہے اور ان کی قدم رنجہ فرمائی کو مایۂ افتخار سمجھا جاتا ہے۔ یہ سارے پاپڑ اس لئے بیلے جاتے ہیں کہ یہ عالمی طاقتیں ہم سے خوش رہیں ان سے دوستانہ روابط قائم رہیں اور آڑے وقت میں ان سے مدد طلب کی جا سکے، گویا عالم اسلام اور اس کے سربراہوں کے نزدیک بطور اصول موضوعہ یہ بات طے ہو چکی ہے کہ امریکہ، روس، برطانیہ، فرانس اور چین کی نظرِ عنایت جب تک ہمارے شاملِ حال نہ ہو، نہ ہم عزت و آبرو سے زندہ رہ سکتے ہیں، نہ اپنے مسائل حل کر سکتے ہیں، نہ ترقی کر سکتے ہیں۔

انا للہ وانا الیہ راجعون

اگر یہ دوستی برابر کی دوستی کی حد تک رہتی تو بھی ایک بات تھی، آفت تو یہ ہے کہ ہم خود اعتمادی کے وصف سے یکسر محروم ہو کر نہایت گھٹیا قسم کی مقلدانہ روش بلکہ مجھے تلخ نوائی پر معاف رکھا جائے تو عرض کروں کہ ہم غلامانہ ذہنیت میں مبتلا ہیں۔ گویا ہمارے پاس نظری و فکری سرمایہ کچھ نہیں، ہم بات بات میں ان کی تقلید کرتے ہیں، بات بات پر ان کے حوالے دیتے ہیں، اور زندگی کے ایک ایک خد و خال کو ان کے نقشوں پر ڈھالنا چاہتے ہیں، قانون ہو تو ان کا، تہذیب ہو تو ان کی، معاشرہ ہو تو ان کا سا، بول چال اور لب و لہجہ ہو تو ان جیسا، نشست و برخاست ہو تو ان کے طرز پر، خورد و نوش ہو تو ان کے ڈھب کی، لباس کی تراش خراش ہو تو ان سے پوچھ کر، سیاست ہو تو ان سے سیکھ کر، معیشت ہو تو ان سے مانگ کر، الغرض زندگی کا وہ کون سا شعبہ ہے جس میں ہماری غلامانہ ذہنیت اور اندھی تقلید کار فرما نہیں؟

اپنے گھر میں خدا کا دیا سب کچھ ہے مگر عالم اسلام کی حرص و آز اور جبلتِ گداگری کا کیا کیا جائے کہ ان بد دین، بے خدا اور بے تہذیب قوموں سے امداد پر امداد اور قرض پر قرض لے کر عالم اسلام مفلوج ہو کر رہ گیا ہے، وہ بار بار ہمیں اپنے دروازوں سے دھتکارتے ہیں اور موقعہ بے موقعہ امداد اور قرض بند کر دینے کا اعلان کرتے ہیں لیکن ہم ہیں کہ اس کے باوجود بھی صدائے فقیرانہ لگانا ضروری سمجھتے ہیں، اور اگر ایک دروازے سے دھکا مل جائے تو دوسرے دروازے پر حاضر ہو جاتے ہیں، کیونکہ اصول یہ طے ہو گیا ہے کہ ترقی پذیر قومیں، ترقی یافتہ قوموں کی خیرات کے بغیر شاہراہِ ترقی پر گامزن نہیں ہو سکتیں، مگر یہ اصول طے کرتے وقت ہم یہ بھول جاتے ہیں کہ یہ قومیں جو

آج ترقی یافتہ کہلاتی ہیں یہ کس کی خیرات پر پل کر ترقی یافتہ ہوئیں اور کس سے قرضے لے کر انہوں نے اپنے ترقیاتی منصوبے پایہ تکمیل تک پہنچائے، نہ ہمیں یہ بات یاد رہتی ہے کہ جب ہم زندہ قوم تھے کس سے امداد لے کر ہم نے اقوام عالم کو فتح کیا تھا، اسی طرز فکر اور طرز عمل کا نتیجہ یہ ہے کہ آج پورا عالم اسلامی دولت کی ریل پیل کے باوجود معاشی بحران کا شکار ہے۔ ہمارے کارخانۂ معیشت کے بٹن پر ان طاغوتی طاقتوں کا ہاتھ ہے وہ جب چاہتے ہیں اس بٹن کو دبا دیتے ہیں اور ہماری معیشت کا پہیہ وہیں جام ہو کر رہ جاتا ہے۔

اقوام متحدہ اور عالم اسلام

سیاسی محاذ پر بھی ہم انہی طاغوتوں کے ہاتھ کا کھلونا ہیں، بات بات پر جمعیت الاقوام (اقوام متحدہ) کا دروازہ کھٹکھٹانا فرض سمجھتے ہیں۔ ہندو پاک کا جھگڑا ہو یا بحرین و خلیج کا، فلسطین کا مسئلہ ہو یا قبرص کا، بیت المقدس کا المیہ ہو یا نہر سویز کا، کشمیر کا تنازعہ ہو یا اسرائیل کا، ہر مسئلہ میں ہماری کامیاب سیاست یہ ہے کہ ہم اس کی رپٹ اقوام متحدہ کے تھانے میں درج کرا آئیں، اگر ان ترقی یافتہ قوموں میں اپنے مفادات سے ہٹ کر خالص انسانی بنیادوں پر عالمی مسائل حل کرنے کا جذبہ ہوتا تب بھی ہمارے اس سیاسی کارنامہ کے لئے کوئی وجہ جواز ہوتی، مگر بار بار کے تجربوں نے ثابت کر دیا ہے کہ یہ منافق جن کو مادی ترقی نے اقوام عالم کا چودھری بنا دیا ہے اور یہ کفن چور جنہوں نے مظلوم اور پسماندہ قوموں کے کفن چھین چھین کر اپنی معیشت کا جامہ تیار کیا ہے، انہوں نے اپنے مفاد سے ہٹ کر کسی مظلوم کی آہ و بکا اور کسی ناتوان نیم بسمل کی سسکیوں پر کبھی کان نہیں دھرا بلکہ کمزور مظلوم کے مقابلہ میں انہوں نے ہمیشہ طاقت ور ظالم کو تھپکی دی ہے۔ مسلمانوں کو آپس میں لڑانا اور عالم اسلام میں نفرت و بیزاری کے کانٹے بونا، ان شیاطین کا مستقل وطیرہ ہے۔ اقوام متحدہ کا ادارہ جب سے وجود میں آیا ہے اس نے عالم اسلام کے ایک بھی مسئلہ کو حل نہیں کیا بلکہ اس میں نئی گرہوں کا اضافہ کیا ہے، اقوام متحدہ میں جو مسئلہ گیا وہ ہمیشہ کے لئے ایسا الجھا کہ ناخن تدبیر اسے سلجھانے سے ہمیشہ کے لئے قاصر رہے۔

ان تمام حقائق و تجربات کے بعد بھی ہم سیٹو، سنٹو دولت مشترکہ اور اقوام متحدہ سے چمٹے رہنے کو ضروری سمجھتے ہیں، خدا معلوم وہ کون سا ساحر سامری ہے جس سے دیکھنے سننے اور سوچنے کی صلاحیتیں جاتی رہیں، گویا عقلیں مسخ ہیں اور آنکھوں پر پٹیاں بندھی ہیں۔ حدیث میں تو آتا ہے کہ:

"لا يلدغ المؤمن من جحر واحد مرتين"(۱)

مومن ایک ہی سوراخ سے دوبار نہیں ڈسا جاتا۔

---

(۱) صحیح البخاری، کتاب الادب، باب لایلدغ المومن من جحر مرتین ج: ۲ ص: ۹۰۵، ط: قدیمی
الصحیح لمسلم، کتاب الزهد، باب فی احادیث متفرقة ج: ۲ ص: ۴۱۳، ط: قدیمی

لیکن آج ہم دعویٰ ایمان کے باوجود اس سوراخ سے بار بار ڈسے جانے کی مشق کررہے ہیں، قرآن کریم کی یہ آیات گویا آج کی صورت حال کے بارے میں نازل ہوئی ہیں:

﴿يَا اَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا لَا تَتَّخِذُوْا بِطَا نَةً مِّنْ دُوْنِكُمْ لَا يَاْ لُوْ نَكُمْ خَبَالاً وَدُّوْا مَا عَنِتُّمْ قَدْ بَدَتِ الْبَغْضَاءُ مِنْ اَفْوَاهِهِمْ وَمَا تُخْفِيْ صُدُوْرُهُمْ اَكْبَرُ قَدْ بَيَّنَّا لَكُمُ الْاٰ يٰتِ اِنْ كُنْتُمْ تَعْقِلُوْنَ﴾ [آل عمران:۱۱۸]

اے ایمان والو! اپنے سوا کسی کو صاحب خصوصیت مت بناؤ، وہ لوگ تمہارے ساتھ فساد کرنے میں کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھتے، تمہاری مضرت کی تمنا رکھتے ہیں، واقعی بغض ان کے منہ سے ظاہر ہو پڑتا ہے اور جس قدر ان کے دلوں میں ہے وہ تو بہت کچھ ہے ہم علامات تمہارے سامنے ظاہر کر چکے اگر تم عقل رکھتے ہو۔

(ترجمہ حضرت تھانویؒ)

﴿كَيْفَ وَاِنْ يَّظْهَرُوْا عَلَيْكُمْ لَا يَرْقُبُوْا فِيْكُمْ اِلًّا وَّ لَاذِمَّةً يُرْضُوْنَكُمْ بِاَفْوَاهِهِمْ وَتَاْبٰى قُلُوْ بُهُمْ وَاَكْثَرُ هُمْ فَا سِقُوْنَ﴾ [التوبة:۸]

کیسے؟ حالانکہ ان کی یہ حالت ہے کہ اگر وہ کہیں تم پر غلبہ پائیں تو تمہارے بارے میں نہ قرابت کا پاس کریں اور نہ قول وقرار کا، یہ لوگ تم کو اپنی زبانی باتوں سے راضی کررہے ہیں اور ان کے دل نہیں مانتے اور ان میں زیادہ آدمی شریر ہیں۔ (ترجمہ حکیم الامت تھانویؒ)

اس قسم کی بیسیوں آیات ہیں جن سے واضح ہوتا ہے کہ مسلمانوں کا کسی کافر پر اعتماد کرنا ان کی پہلی غلطی ہے۔

عالم اسلام اور مسلم سربراہوں کو کس پر اعتماد کرنا چاہیے؟

الغرض عالم اسلام اور اس کے سربراہوں پر زبوں حالی، سراسیمگی اور احساس کمتری کی جو فضا مسلط ہے اس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے میں نے صدر ناصر مرحوم سے وہ جملہ کہا تھا کہ جن سہاروں کے بھروسے ہم آج تک جی رہے تھے وہ نہایت بودے، نکمے اور ناکارہ ثابت ہوئے۔ آج عالم اسلام کو خواب غفلت سے بیدار ہو کر انگڑائی لینے کی ضرورت ہے، آج وقت کی پکار عالم اسلام سے ایک انقلاب کا مطالبہ کررہی ہے، یقین و ایمان کا انقلاب، تعلق مع اللہ کا انقلاب، ترقی یافتہ طاغوتوں کے لات ومنات کو توڑ پھینکنے کا انقلاب، آج ضرورت ہے کہ عالم اسلام کے سربراہ اپنے قلب وذہن، سیرت وکردار، اخلاق واعمال، فکر ونظر، جذبات واحساسات اور تدبیر وسیاست کا رخ قبلہ مغرب سے بدل کر پیغام نبوت کی طرف پھیریں، طاغوتی قوتوں سے کٹ کر ایک اللہ تعالیٰ کی ذات سے دلوں کا تعلق پیدا کریں، کعبۂ دل سے تین سو ساٹھ بتوں کو ہٹا کر توحید کے انوار وتجلیات سے منور کریں، یورپ کی تقلیدی سیاست چھوڑ کر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپؐ کے خلفائے راشدین سے سیاست

وحکمرانی کا سبق سیکھیں۔

اصلی و حقیقی ایمان و یقین

کاش! ہمیں کلمۂ اسلام "لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ" کا صحیح یقین نصیب ہو جائے یعنی پوری کی پوری کائنات کا معبود اور خالق و مالک صرف ایک اللہ ہے، ہر چیز میں صرف اسی کی مشیت کارفرما ہے، آسمان وزمین کی ایک ایک چیز اسی کے قبضۂ قدرت میں ہے، کائنات کا ذرہ ذرہ اسی کا تابع فرمان ہے، اسی کے چاہنے سے سب کچھ ہوتا ہے وہ نہ چاہے تو کچھ نہیں ہوتا، عزت و ذلت، فتح و شکست، صحت و رزق اور قوت و ناتوانائی اسی کے قبضے میں ہے۔

اور یہ کہ امت مسلمہ کی نجات صرف محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قدموں میں ہے، آپ ہی کا یقین، آپ ہی کا عزم، آپ ہی کا عمل، آپ ہی کی سیرت اور آپ ہی کا پیغام ہمارے لئے فلاح و کامرانی کا ذریعہ ہے۔ فماذا بعد الحق الا الضلال؟ کائنات کی ساری طاقتیں ہمارے ساتھ ہوں مگر خدا ہمارے ساتھ نہ ہو تو ہم ذلیل ہو کر رہیں گے اور کائنات کی ہر طاقت ہمارے خلاف ہو مگر خدا سے ہمارا تعلق صحیح ہو تو پھر دنیا ہمارا کچھ نہیں بگاڑ سکتی، ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نقش قدم پر ہوں تو دریا ہمیں راستہ دے سکتے ہیں جنگل کے شیر ہماری راہنمائی کر سکتے ہیں، ہوا کی لہریں ہماری آواز ایک ملک سے دوسرے ملک پہنچا سکتی ہیں، ہماری تاریخ میں اس کی سینکڑوں مثالیں موجود ہیں۔

عالم اسلام کی کمزوری کا سبب

یہ طاغوتی طاقتیں جو آج ہم پر مسلط ہیں اور عالم اسلام کی نکیل جدھر چاہتی ہیں موڑ دیتی ہیں یہ صرف اس لئے طاقت ور ہیں کہ ہم کمزور ہیں اور ہم اس لئے کمزور ہیں کہ ہمارا اعتماد خالق کائنات کو چھوڑ کر نا کارہ اور کمزور مخلوق پر رہ گیا ہے، بخدا! اگر اس قوی ذات سے ہمارا تعلق قوی ہو تو ہم آج بھی امریکہ و روس کا غرور قیصر و کسریٰ کی طرح خاک میں ملا سکتے ہیں، ان کے ایٹم ان کی سائنسی ترقی اور ان کے تمدنی کروفر کی ساری عمارت آج بھی پیوند زمین ہو سکتی ہے مگر اس کے لئے یہ ضروری ہے کہ ہم خدا تعالیٰ کی خاطر اپنی خواہشات ترک کر دیں، اس کے احکام پر اخلاص کے ساتھ عمل کرنے کا عہد و پیمان کریں اور اس کی رضا کے مقابلہ میں کسی کی رضامندی و ناراضگی کی پروانہ کریں۔

حدیث میں آتا ہے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں خط لکھا کہ مجھے کوئی وصیت لکھ بھیجئے مگر زیادہ طویل نہ ہو، جواب میں حضرت ام المومنین رضی اللہ عنہا نے لکھا:

> "سلام علیک! امابعد فانی سمعت رسول اللہ ﷺ یقول: من التمس رضی اللہ بسخط الناس کفاہ اللہ مؤنۃ الناس ومن التمس رضی الناس بسخط

الله وكله الله الى الناس' والسلام". (۱)

السلام علیکم! اما بعد: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے فرماتے تھے کہ جو شخص لوگوں کو ناراض کر کے اللہ کی رضامندی ڈھونڈتا ہے اللہ تعالیٰ لوگوں کے شر سے اس کی خود کفایت فرماتے ہیں اور جو شخص اللہ تعالیٰ کو ناراض کر کے انسانوں کی رضامندی چاہتا ہے اللہ تعالیٰ اسے انسانوں کے سپرد کر دیتے ہیں۔ (اور ان ہی کے رحم وکرم پر چھوڑ دیتے ہیں)

الغرض اگر مسلمانوں کا ایمان پختہ اور مضبوط ہو حق تعالیٰ سے ان کا تعلق صحیح ہو، اس کی ذات پر کامل بھروسہ اور یقین ہو، طاغوتی طاقتوں سے بیزار ہو کر وہ اپنے وسائل پر انحصار کریں اور کلمۂ اسلام کی سربلندی کے لئے ہر قسم کی قربانی کے لئے تیار ہو جائیں تو حق تعالیٰ کا وعدہ یقیناً پورا ہوگا۔ ارشاد ہے:

﴿وَكَانَ حَقًّا عَلَيْنَا نَصْرُ الْمُؤْمِنِيْنَ﴾ [الروم:٤٧]

''اور ہمارے ذمہ ہے مومنوں کی مدد کرنا۔''

﴿وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ﴾ [آل عمران:١٣٩]

''اور تم ہی اونچے رہوگے بشرطیکہ تم مومن ہو۔''

﴿وَمَا النَّصْرُ اِلَّا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْحَكِيْمِ﴾ [آل عمران:١٢٦]

''اور مدد تو صرف اللہ عزیز وحکیم کے پاس سے ملتی ہے۔''

اگر مسلمان ان ارشادات ربانی کو سینے سے لگائیں، فسق وفجور کی متعفن زندگی چھوڑ کر توبہ وانابت کا راستہ اختیار کریں تو حق تعالیٰ کی رحمتیں نازل ہوں گی اور راحت وسکون اور عزت وسربلندی کی بھی نعمتیں نصیب ہوں گی، جن کا ظہور قرون اولیٰ میں ہو چکا ہے۔ حق سبحانہ وتعالیٰ ہمارے قلوب کی اصلاح فرمائیں، عالم اسلام کی حفاظت فرمائیں اور اسلام کے تمام بدخواہوں کو ذلیل وخوار کریں۔

وصلى الله تعالىٰ على صفوة البرية محمد وآله وصحبه واتباعهم اجمعين. آمين.

[ربیع الثانی ۱۳۹۱ء]

محبت رسول کا تقاضہ

بدقسمتی سے ہم ایسے دور سے گذر رہے ہیں کہ ہر نیا آفتاب ایک نئی آفت لے کر طلوع ہوتا ہے اور ہر رات فتنہ وفساد اور ظلم وعدوان کی نئی تاریکی چھوڑ کر جاتی ہے۔ دن بدن انسانی قدریں پامال ہو رہی ہیں، دینی شعائر

(۱) سنن الترمذی، ابواب الزهد عن رسول الله صلى الله عليه وسلم، باب ماجاء فی حفظ اللسان ج:۲ ص:٦٣، ط: فاروقی کتب خانہ ملتان

مٹ رہے ہیں، دل و دماغ مسخ ہو رہے ہیں، جہل و عناد کی اس تاریک فضا میں دینی حقائق کو اجاگر کرنا اور دین کی بالکل واضح بدیہی اور موٹی موٹی باتوں کا سمجھنا بھی بے حد مشکل ہو چکا ہے۔ جب بدی نیکی کا روپ دھار لے، جب صریح منکر کو معروف کا نام دیا جانے لگے، جب اپنا جہل کو علم سمجھا جانے لگے اور بے حیائی اور بے حمیتی کو شرافت و اخلاق کی [illegible] جو بے دینی ہے اور جسے ہم شرف و وقار سمجھتے ہو وہ ننگ انسانیت ہے۔ یوں تو دنیا میں حق و باطل کو گڈمڈ کرنے کی رسم بہت قدیم زمانے سے چلی آتی ہے اور حقائق اکثر مشتبہ رہتے ہیں، لیکن اب تو عقلوں پر ایسا پردہ پڑا ہے کہ کسی صحیح بات کا انکشاف ہی نہیں ہوتا، بلکہ باطل محض کو حق [illegible] کا ذریعہ بتایا جاتا ہے، فسق و فواحش کو تقویٰ خیال کیا جاتا ہے، آج کتنی چیزیں ایسی ہیں جن سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی توہین اور دین اسلام کی تذلیل ہوتی ہے مگر بدفہمی کا یہ عالم ہے کہ انہی کو دین اسلام کے احترام کا ذریعہ بتایا جاتا ہے، جن چیزوں کو کل تک اعدائے اسلام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بغض و نفرت کے اظہار کے لئے استعمال کرتے تھے آج انہی چیزوں کو اسلام کے نادان دوست اسلام سے عقیدت کا مظاہرہ کرنے کے لئے اپناتے ہیں، ذہن و قلب کے مسخ ہو جانے کا قبیح منظر اس سے بڑھ کر اور کیا ہو سکتا ہے؟

در اصل جب کسی قوم کے اندر سے دین کی حقیقی روح نکل جاتی ہے اور صرف نمائشی ڈراموں پر اس کا مدار رہ جاتا ہے تو گھٹیا قسم کے پست اور سطحی مظاہر اس کے فکر و عمل کا محور بن جاتے ہیں، لایعنی حرکات کو حقیقی دین سمجھا جاتا ہے، فواحش و منکرات کو دینی قدروں کا نام دیا جاتا ہے، سنت کی جگہ من گھڑت بدعات سے تسکین حاصل کی جاتی ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سچی محبت کا تقاضا تو یہ تھا کہ مسلمانوں کا ظاہر و باطن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت و محبت سے سرشار ہوتا، قدم قدم پر آپ کی پیروی ہوتی، آپ کے ایک ایک طریقے کو اپنانے کا ولولہ ہوتا، صورت و سیرت اور ظاہر و باطن میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوۂ حسنہ کی جھلک نظر آتی، آپ کی ایک ایک سنت کو زندہ کرنے اور ایک ایک حکم کو شعبۂ زندگی میں نافذ کرنے کی تڑپ ہوتی، لیکن جب قلوب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت و محبت سے خالی ہو گئے، ایمان و یقین کے چراغ دلوں سے گل ہو گئے، آپ کے اخلاق و اعمال کی پیروی کا جذبہ بھی ختم ہو کر رہ گیا تو محبت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے صحیح تقاضوں کی جگہ سطحی مظاہر کو عین دین و ایمان سمجھ لیا گیا، توہین و تذلیل کو اکرام و احترام، دشمنی اور عداوت کو اظہار محبت تصور کر لیا گیا، وا حسرتا!

غیر مسلموں کی نقالی اور مسلمان

کسی قوم کی دینی حس کے ماؤف ہو جانے کا جو نقشہ اوپر پیش کیا گیا اس کا سب سے پہلا مظاہرہ

عیسائیوں اور یہودیوں کے یہاں ہمیں ملتا ہے جب وہ اپنی بدبختی سے اپنے نبی کی تعلیمات کو یکسر فراموش کر بیٹھے تو انہیں دین کے مردہ ڈھانچے کو محفوظ رکھنے کے لئے نمائشی تصویروں کا سہارا لینا پڑا، چنانچہ عیسائیوں میں حضرت عیسیٰ حضرت مریم اور دیگر اکابر کی فرضی تصویریں بنائی گئیں اور ان کی پرستش کو جزو دین وایمان بنالیا گیا، بعدازاں اس محرف مسیحیت کی ترویج واشاعت کے لئے مصنوعی ڈرامے تیار کئے گئے اور ان کی فلموں کی نمائش کی گئی۔ مصر کے چند اشخاص نے سوچا کہ ہم عیسائیوں کی نقالی میں کیوں پیچھے رہیں انہوں نے اس کے مقابلہ میں جامع ازہر کی مجلس اعلیٰ کی بعض ارکان کی سرپرستی میں ''فجر اسلام'' کے نام سے ایک فلم تیار کی اور عرب اسلامی ممالک میں اس کا خوب چرچا ہوا، بیس بائیس ممالک میں اس کی نمائش ہو چکی ہے اور اب وہ سرزمین پاک کو ناپاک کرنے کے لئے کراچی پہنچ گئی ہے، ریڈیو، ٹیلی ویژن اور اخبارات کے ذریعہ اس کی ایسی تشہیر کی گئی گویا مسلمانوں کو تجدید ایمان کے اہم ذریعہ کا انکشاف ہوا ہے، اخبارات کے مطابق یہاں کے بعض نام نہاد علمائے دین نے بھی اس کی شرعی منظوری دے دی ہے اور اب فرزندانِ اسلام اسکرین کے پردے پر اسلام کا تماشہ دیکھنے کے لئے جوق در جوق تشریف لا رہے ہیں۔ اناللہ وانا الیہ راجعون۔

بسے نادیدنی را دیدہ ام من
مرا اے کاشکے مادر نزادے

تصویر سازی اور اسلام

کون نہیں جانتا کہ اسلام کی نظر میں تصویر سازی نہ صرف قبیح اور حرام ہے بلکہ لعنت اور غضب خداوندی کی مستوجب ہے، تصویر بنانے والے کے حق میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے ''المصورون اشد الناس عذابا یوم القیامة'' (۱) یعنی وہ قیامت کے دن سب سے سخت تر اور بدترین عذاب میں مبتلا ہوں گے۔ جس مکان میں تصویریں ہوں اس پر خدا کی لعنت آئی ہے، فرشتوں کو تصویروں سے بھی اسی طرح نفرت آئی ہے جس طرح کتے سے نفرت ہے، کیا ان وعیدوں کے ہوتے ہوئے کسی فلم کو جائز کہا جا سکتا ہے؟ کیا فلموں کی ترویج وتشہیر پوری قوم پر خدا کے غضب ولعنت کو دعوت دینے کے مترادف نہیں؟

پھر اس سے بڑھ کر جسارت کیا ہو سکتی ہے کہ عہد نبوت اور عہد اسلام کی پاک اور روحانی زندگیوں کو تصویروں کے ذریعہ فلمایا جائے؟ کتنا بڑا ظلم ہے کہ جس چیز کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لعنت قرار دیا ہو، آپ کے پاکیزہ دور کو اس لعنت میں ملوث کیا جائے؟ کیا اللہ ورسول صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک یہ ناپاک جسارت قابل برداشت ہو سکتی ہے؟ کیا مسلمانوں میں اتنی ایمانی حس بھی باقی نہیں رہی کہ وہ کم از کم نبوت کے پاکیزہ دور کو اس

---

(۱) الصحیح لمسلم، کتاب اللباس، باب تحریم صورة الحیوان ج:۲ ص:۲۰۱، ط: قدیمی

نجاست سے محفوظ رکھتے؟

مزید برآں یہ کہ یہاں صورت یہ نہیں کہ جو واقعات پیش آئے ہو بہو انہی کا عکس لے لیا گیا ہو، بلکہ یہاں جو صحیح صورت حال ہے وہ یہ ہے کہ دورِ نبوت کے واقعات کا مصنوعی سوانگ بنایا گیا ہے۔ کچھ بہروپیوں نے خاکم بدہن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا پارٹ ادا کیا، کسی نے صحابہ وصحابیات کے مقدس اشخاص کا، کسی نے ابوجہل وابولہب وغیرہ کافروں کا۔ پھر ان مصنوعی ڈراموں کی عکس بندی کرکے فلم تیار کی گئی اور اسے پردہ اسکرین پر لایا گیا۔ اب اگر کسی مسلمان میں ایمان کی کوئی رمق اور غیرت کی ادنیٰ حس موجود ہو کیا وہ ایک لمحہ کے لئے برداشت کرے گا کہ وہ لوگ جن کا وجود ہی گندگی اور بے حیائی کا نشان ہے انہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یا آپ کے مقدس صحابہ وصحابیات کی شبیہ بنا کر پیش کیا جائے اور ان کے ادا کردہ پارٹ کو ان مقدس ہستیوں سے منسوب کیا جائے؟ اس سے بڑھ کر ان حضرات کی تذلیل وتوہین کیا ہوسکتی ہے؟ پھر جن لوگوں نے ابوجہل وابولہب وغیرہ کافروں کا کردار ادا کرتے ہوئے ان کی کافرانہ حرکات کی نقل کی ہوگی اور صحابہ وصحابیات کو ظلم وستم کا نشانہ بنایا ہوگا کیا وہ مسلمان بھی رہیں گے؟ اور ان کے وہ تماشائی جو اس تماشۂ کفر کو تفریحِ طبع کا سامان کرتے ہیں ان کا اسلام محفوظ رہ جائے گا؟ اور یہ بھی ظاہر ہے کہ ان ڈراموں میں بہت سی حرکات وسکنات اور بہت سے الفاظ وکلمات ایسے آئیں گے جن کو حقیقت کے ساتھ دور کا واسطہ بھی نہیں ہوگا اس صورت میں ان مصنوعی واقعات کو حقیقی قرار دینا بدترین قسم کا جھوٹ اور افتراء ہوگا، جس کے بارے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے "من كذب علي متعمدا فليتبوأ مقعده من النار"(۱) کہ جس نے مجھ پر قصداً جھوٹ باندھا وہ اپنا ٹھکانا دوزخ بنائے۔

امریکی اور مغربی اخبارات ورسائل میں جب کبھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی فرضی تصاویر شائع ہوتی ہیں آئے دن ہمارے اخبارات میں ان پر احتجاج ہوتا رہا ہے اور مسلمانوں میں ایک کہرام مچ جاتا ہے۔ کیا اس قسم کی فلموں کے بعد مسلمانوں میں یہ حمیت باقی رہے گی کہ وہ اعدائے اسلام کے خلاف صدائے احتجاج بلند کریں؟ جب مسلمان خود دورِ نبوت کی فلمیں بنانے سے نہیں شرماتے تو وہ کس منہ سے غیروں کو روکنے کی جرأت کریں گے؟ اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ کچھ عرصہ بعد اعدائے اسلام نہ صرف ان مقدس ہستیوں کی فرضی تصویریں کھلے بندوں شائع کرنے لگیں گے بلکہ آپ کی حیاتِ طیبہ پر محض فرضی فلمیں وجود میں آنا شروع ہوں گی اور جس طرح اب تک مستشرقین آپ کی سیرتِ طیبہ کو غلط رنگ میں پیش کرنے کی جسارت کرتے رہے ہیں آئندہ نہایت گھناؤنے انداز میں آپ کو پردۂ فلم پر دکھایا جائے گا اور یہ نام نہاد مسلمان جنہوں نے خود اس بدعت کو جنم دیا ان کفار کا کچھ نہیں بگاڑ سکیں گے۔ اب تک کافر تو میں صرف مسلمانوں کے احترام میں اس سے ہچکچاتی رہی ہیں، مسلمانوں کو شرم آنی چاہیے کہ جو کام کافر قومیں سرانجام نہیں دے سکیں اس مکروہ اور گندے کام کا آغاز خود ان کے ہاتھوں ہو رہا ہے اور سب سے

---

(۱) صحيح البخاري، كتاب العلم، باب اثم من كذب على النبي، ج: ۱ ص: ۲۱، ط: قديمي

آخری بات یہ ہے کہ کیا لہو ولعب اور تفریح وتماشے کے لئے رسول اللہ ﷺ اور آپؐ کے مقدس صحابہ کی ذات گرامی ہی رہ گئی تھی؟ کیا کوئی دیوث اور بے غیرت شخص بھی یہ گوارا کر سکتا ہے کہ اس کے ماں باپ اور بہو بیٹیوں کا سوانگ بھرا جائے اور لوگ اس کا تماشہ دیکھیں؟ پھر آخر اس مشق ستم کے لئے رسول اللہ ﷺ اور صحابہ وصحابیات کی ذوات قدسیہ ہی کو کیوں منتخب کیا گیا ہے؟ کیا ان کا احترام ہماری ماؤں اور بہنوں سے بھی کم ہے؟ منافقین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نقلیں اتار کر ہنسی مذاق کیا کرتے تھے اور ان سے جب احتجاج کیا جاتا تو جواب دیتے کہ ہم تو یوں ہی دل لگی اور تفریح کر رہے تھے، قرآن کریم نے اس کا جواب دیتے ہوئے فرمایا ہے:

﴿لَا تَعْتَذِرُوْا قَدْ كَفَرْتُمْ بَعْدَ اِيْمَانِكُمْ﴾ [التوبة:٦٦]

بہانے نہ بناؤ تم نے دعویٰ ایمان کے بعد کفر کا ارتکاب کیا ہے۔

اس سے واضح ہوجاتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ گرامی یا اسلام کی کسی بات کو ہنسی، دل لگی اور تفریح طبع کا موضوع بنانا کیسا ہے؟ اس کو وہی شخص اختیار کر سکتا ہے جس کا دل دین وایمان سے خالی ہو چکا ہو۔

ان گذارشات کا خلاصہ یہ ہے کہ:

اول:......اسلام میں تصویر سازی حرام اور موجب لعنت ہے۔

دوم:......اس حرام اور ملعون چیز سے دور نبوت کو ملوث کرنا نہایت ناپاک جسارت اور ان بزرگوں کی توہین ہے۔

سوم:......واقعات کے بہت سے اجزاء ومکالمات فرضی ہوں گے جو کذب وافتراء علی الرسول ہے۔

چہارم:......ایکٹروں اور ایکٹرسوں کا آنحضرت ﷺ اور صحابہ کرام کا پارٹ ادا کرنا شرمناک بات ہے۔

پنجم:......حضور ﷺ اور صحابہ کرام کی مقدس زندگی کو لہولعب اور تفریح کا موضوع بنانا شعبہ کفر ہے۔

ششم:......ایسی فلموں سے غیر مسلموں کے لئے فرضی تصاویر اور من گھڑت واقعات پر مبنی فلمیں بنا کر دور نبوت کی جانب منسوب کرنے کا دروازہ کھل جائے گا جس کے نتائج تباہ کن ہوں گے، اس لئے ہم ارباب اقتدار کی خدمت میں عرض کریں گے کہ اس قوم پر رحم فرمائیں اور اس فلم فجر اسلام کی نمائش پر پابندی عائد کریں اور تمام مسلمانوں سے اپیل کریں گے کہ وہ نہ صرف اس فلم کا بائیکاٹ کریں بلکہ ہر ممکن طریقہ سے اس کے خلاف صدائے احتجاج بلند کریں، خصوصاً تمام علماء کرام، ائمہ، خطباء اور دیگر راہنماؤں کو اپنا فرض ادا کرنا چاہیے۔

ایک حرام چیز کو اگر سارا جہاں بھی حلال کہہ دے اور اس کے جائز ہونے کے چاروں طرف سے فتوے صادر ہونے لگیں تب بھی وہ چیز حلال اور جائز نہیں ہوجاتی، اس قسم کی صریح حرام چیزوں کو جائز کرنے کا انجام بد کچھ تو مسلمانوں کے سامنے آچکا ہے اور کچھ کسر باقی ہے وہ آئندہ پوری ہوجائے گی۔ و لا فعل الله ذلك.

لیجئے ابھی تک ''فجر اسلام'' ہی کا ماتم تھا لیکن ابلیس لعین نے اس سے آگے بڑھ کر خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ کی فلم بھی تیار کرادی، کراچی کے بعض اخبارات کی یہ خبر پڑھئے۔

''بارہ اسلامی ممالک میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ پر فلم کی
نمائش کی جائے گی، جامعہ ازہر اور شیعہ کونسل نے مناظر کی نمائش کی منظوری دے دی''

تہران ۲۰ رجولائی (یو پی پی) پیغمبر اسلام محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ پر ایک فلم تیار کرنے کے معاہدہ پر اس ہفتہ کے دوران دستخط کردیئے گئے اس معاہدے کی رو سے یہ فلم فارسی سمیت کئی زبانوں میں بارہ اسلامی ممالک میں نمائش کے لئے تقسیم کی جائے گی۔ یہ فلم لبنان، کویت، بحرین اور مراکش کی ٹیموں کی جانب سے مشترکہ طور پر پیش کی جارہی ہے اس کے ڈائریکٹر مصطفیٰ عقاد ہیں اور اس نمائش کے مناظر کی منظوری لبنان کی اعلیٰ شیعہ کونسل اور قاہرہ کی جامع ازہر نے دے دی''۔ (روزنامہ آغاز، ۲۱ رجولائی ۱۹۷۳ء)

اگر یہود و نصاریٰ اور منافقین اسلام کی ان مکروہ سازشوں سے اب بھی مسلمانوں کی آنکھیں نہیں کھلیں تو اس کے سوا کیا کہا جائے کہ قلوب مسخ ہو چکے ہیں اور عنقریب اللہ تعالیٰ کی جانب سے رسوا کن عذاب در عذاب میں یہ قوم مبتلا ہونے والی ہے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

وزارت اسلامی امور پاکستان اور علماء

کراچی کے ایک انگریزی اخبار ''ڈیلی نیوز'' میں یہ خبر شائع ہوئی ہے:

''۱۵ ردسمبر ۷۳ء۔ خوشی کی بات ہے کہ مرکزی کابینہ میں عنقریب دین اسلام کی حفاظت واشاعت کے لئے ایک اسلامی امور کی پوری وزارت قائم کی جائے گی۔ عرصہ دراز سے ایسی وزارت کی ضرورت محسوس کی جارہی تھی، گذشتہ دنوں مرکزی اسمبلی میں اس کے متعلق مولانا کوثر نیازی کا اعلان بڑی حد تک پاکستانی عوام کی اکثریت کو مطمئن کرے گا جو کہ ملاؤں کے کردار اور دینی امور پر ان کے تسلط سے مایوس ہو چکے تھے۔ ہمیں یقین ہے کہ اسلامی امور کی وزارت مولانا کوثر نیازی کی سرکردگی میں قرآن اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات کو فروغ دے گی اور اسلام کو ان ملاؤں کے پنجوں سے چھڑائے گی جو کھلم کھلا اسے اپنے سیاسی اور معاشی اغراض کے لئے استعمال کرتے ہیں۔ یہ وزارت جو مجموعی طور پر دینی امور کی نگران ہوگی یقیناً پرانی مساجد کی دیکھ بھال، نئی مساجد کی تعمیر (جہاں مساجد نہ ہوں) اور مساجد میں روشن خیال، جدید تعلیم یافتہ اور ترقی پسند اشخاص جن کو اسلام اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات کا پورا علم ہو، کے تقرر کا کام انجام دے گی''۔

جہاں تک وزارت امور شرعیہ کے قیام کا تعلق ہے یہ بہت ہی مبارک اقدام ہے جو بہت پہلے ہونا چاہیے تھا، ایک اسلامی حکومت کا سب سے اہم فریضہ یہی ہوسکتا ہے کہ وہ اسلام اور شریعت اسلامیہ کی پاسبان ہو اور اسلامی اقدار کے فروغ و ترویج میں کوشاں ہو، لیکن یہ خبر جس لب ولہجہ میں شائع ہوئی ہے اس سے مترشح ہوتا ہے کہ شاید اصلی مقصد اسلام کی پاسبانی سے زیادہ ملاؤں سے گلوخلاصی ہے، ان ملاؤں کا سب سے بڑا اور ناقابل معافی جرم بس یہ ہے کہ انہوں نے اس ملک میں اسلام کو زندہ رکھنے کے لئے ہر قسم کی قربانی دی ہے، انہیں بوریہ

نشینوں کا طفیل ہے کہ یہاں اسلام کے کچھ بچے کھچے آثار نظر آرہے ہیں، ہمارے ترقی پسند ملحدین کی نظر میں غریب ملّا اس وجہ سے خار ہے کہ وہ جس افراتفری جس سرپھٹول اور جن لادینی خطوط پر معاشرہ کو ڈالنا چاہتے ہیں ملّا اس کے لئے سدراہ ہے، بہرحال کسی پر احسان جتانا مقصود نہیں بلکہ صرف عرض کرنا ہے کہ اگر اس ملک میں اسلام کو باقی رہنا ہے تو انشاء اللہ اسلام کے یہ پاسبان جنہیں آپ بلند نظری کی بنا پر لفظ ملّا سے تعبیر کرتے ہیں وہی رہیں گے، سکندر مرزا اور ایوب حکومت پر بھی یہ سودا سوار ہوا تھا مگر ان کا جو انجام ہوا وہ سب کے سامنے ہے۔

جہاں تک سیاسی اور معاشی اغراض کے لئے اسلام کو استعمال کرنے کا سوال ہے ہمیں معلوم نہیں کہ اس ملک میں وہ کون بڑا یا چھوٹا ہے جو اسلام کے طفیل اپنی روٹیاں سیدھی نہیں کر رہا خود اس ملک کا قیام، اس کا وجود، یہاں کی صدارتیں، امارتیں، وزارتیں سب اسلام ہی کے نام سے وابستہ ہیں۔

اسلام کسی گروہ یا کسی طبقہ کی اجارہ داری نہیں، نہ ملّا کسی خاص مخلوق کا نام ہے، بادشاہ کا لڑکا ہو یا کسی فقیر کا، تاجر کا بیٹا ہو، یا مزدور کا جو چاہے علم دین حاصل کر کے اسلام کی خدمت میں حصہ لے سکتا ہے۔ علم دین کی تحصیل کے دروازے کسی مسلمان پر بند نہیں، لیکن اگر کوئی شخص یہ چاہتا ہے کہ علم دین سے جاہل رہ کر بھی اسے دین کے معاملہ میں دخل در معقولات کا حق حاصل ہے اور اسلام کو ملاؤں کے چنگل سے آزاد کرنے کا یہی مطلب ہے کہ ہر شخص کو لاوارث اسلام کے پوسٹ مارٹم کا حق ہے تو انشاء اللہ قیامت تک یہ تمنا بر نہ آئے گی:

﴿يُرِيْدُوْنَ لِيُطْفِئُوْا نُوْرَاللهِ بِأَفْوَاهِهِمْ وَاللهُ مُتِمُّ نُوْرِهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْكَافِرُوْنَ﴾ [الصف:۸]

[ذوالحجہ ۱۳۹۳ھ-جنوری ۱۹۷۴ء]

حج بیت اللہ

اللہ تعالیٰ شانہٗ نے یوں تو ہر عبادت کے لئے قدم قدم پر رحمت وعنایت اور اجر وثواب کے وعدے فرمائے ہیں، نماز وزکاۃ اور روزہ واعتکاف وغیرہ سب پر جنت اور جنت کی بیش بہا نعمتوں کے وعدے ہیں لیکن تمام عبادات میں حج بیت اللہ کی شان سب سے نرالی ہے، حج گویا دبستانِ عبدیت کا آخری نصاب ہے جس کی تکمیل پر بارگاہِ عالی سے رضا وخوشنودی کی آخری سند عطا کی جاتی ہے، کتنے عجیب انداز سے فرمایا گیا ہے۔

”والحج المبرور ليس له جزاء الا الجنة“(۱)

اور حج مبرور کا بدلہ تو بس جنت ہی ہے۔

گویا حج مبرور ایک ایسی عالی شان عبادت ہے کہ بجز جنت کے اس کا اور کیا بدلہ ہوسکتا ہے، حج

---

(۱) صحيح البخاري، كتاب المناسك، ابواب العمرة، باب وجوب العمرة وفضلها ج:۱ ص:۲۳۸، ط: قديمي. مشكوة المصابيح، كتاب المناسك، الفصل الاول ص:۲۲۱، ط: قديمي

مبرور جس کا بدلہ صرف جنت ہی ہوسکتی ہے، اس کی تشریح یہ ہے کہ اس میں گناہ کی آلودگی اور ریاکاری کا شائبہ نہ ہو، یعنی تمام سفر حج میں اللہ تعالیٰ کی نافرمانی سے آدمی بچے اور محض اللہ تعالیٰ کی رضا کی خاطر حج کیا جائے، بلاشبہ اس شرط کا نبھانا بھی بہت مشکل ہے اور صرف اللہ تعالیٰ کی توفیق اور اس کے فضل ہی سے یہ مشکل مرحلہ طے ہوسکتا ہے۔

عشق و محبت کا سفر

حج کی ظاہری صورت بھی عجیب وغریب ہے اور اس میں غضب کی جاذبیت ہے، قدم قدم پر عشق و محبت کی پُر بہار منزلیں طے ہوتی ہیں، سب سے بڑے دربار کی حاضری کا قصد ہے، دل میں دیارِ محبوب کی آرزوئیں مچلتی ہیں، سفرِ طویل ہے، حلال وطیب توشہ سفر کا اہتمام کیا جارہا ہے، نیک اور صالح رفیق کی تلاش ہورہی ہے، چشم پرنم کے ساتھ عزیز واقارب سے رخصت ہورہے ہیں، لین دین کا حساب باق کیا جارہا ہے، حق حقوق کی معافی طلب کی جارہی ہے، کوشش یہ ہے کہ اس دربار میں حاضر ہوں تو کسی کا معمولی حق بھی گردن پر نہ ہو، لیجئے روانگی کا وقت آیا، غسل کر لیجئے اور دو سفید نئی چادریں پہن لیجئے، گویا انسان خود اپنے ارادہ واختیار سے سفرِ آخرت پر روانہ ہورہا ہے، پہلے غسل سے بدن کے ظاہری میل کچیل کو صاف کرتا ہے اور پھر کفن کی چادریں اوڑھ کر دوگانہ احرام ادا کرتا ہے، اس طرح گویا توبہ وانابت سے دل کے میل کچیل سے اپنے باطن کو پاک صاف کرتا ہے اور ظاہری وباطنی نظافت کے ساتھ شاہی دربار میں نذرانہ عشق ومحبت پیش کرنے کا عہد کر لیتا ہے۔ ارحم الراحمین نے دعوت دے کر بلایا ہے اور شاہی دربار سے بلاوا آیا ہے، یہ فوراً بیت اللہ الحرام کے شوق دیدار میں اس دعوت پر ''لبیک اللهم لبیك'' (میں حاضر ہوں، اے میرے اللہ! میں حاضر ہوں) کا نعرہ بلند کرتے ہوئے مستانہ وار سوئے منزل روانہ ہوجاتا ہے۔

یہ اس والہانہ وعاشقانہ عبادت کی ابتدا ہے، زیب وزینت کے تمام مظاہر ختم، راحت وآسائش کے تمام تقاضے فراموش، نہ سر پر ٹوپی، نہ پاؤں میں ڈھب کا جوتا، نہ بدن پر ڈھنگ کا کپڑا، دیوانہ وار رواں دواں منازل عشق طے کرتا ہوا جارہا ہے، دیارِ محبوب کی دھن میں بادہ پیمائی ہورہی ہے۔

در بیاباں گر بشوق کعبہ خواہی زد قدم
سرزنشہا گر کند خارِ مغیلاں غم مخور

پہنچتے ہی مرکزِ تجلیات (کعبہ) پر نظر پڑی تو بے ساختہ دارِ محبوب کا طواف کرتا ہے، بار بار چکر لگاتا ہے، حجرِ اسود جو ''یمین اللہ فی الارض'' کی حیثیت رکھتا ہے اس کو چومتا ہے، آنکھوں سے لگاتا ہے، ملتزم سے چمٹتا ہے، زار وقطار روتا ہے، گویا زبانِ حال سے کہتا ہے:

نازم بچشم خود کہ روئے تو دیدہ است
افتم بپائے خویش کہ بکویت رسیدہ است
ہزار بار بوسہ زنم من دستِ خویش را
کہ بدامنت گرفتہ بسویم کشیدہ است

اس بے خود عاشق زار کو جو قلب تپاں اور جگر سوزاں لے کر آیا تھا، پہلی مہمانی کے طور پر آب زمزم کا تحفہ شیریں پیش کیا جاتا ہے، جس سے تسکین قلب بھی ہوگی اور جگر کی پیاس بھی بجھے گی اور حکم ہوتا ہے کہ جتنا پانی پیا جا سکے پی لے، خوب دل ٹھنڈا کر لے کوئی کسر نہ چھوڑ، یہاں سے فارغ ہو کر صفا و مروہ کے درمیان چکر لگاتا ہے، پھر منیٰ پہنچتا ہے پھر اس کے آگے عرفات کا رخ کرتا ہے، آج وادی عرفات سچ مچ ہنگامہ محشر کا منظر پیش کر رہی ہے، حیرت انگیز اجتماع ہے، رنگارنگ مختلف شکلیں مختلف زبانیں، بوقلموں مناظر، یہ سب رب العالمین کے دربار قدس کے مہمان ہیں، یہ شاہی دربار میں عبدیت و بندگی، ضعف و بے کسی، عجز و درماندگی اور ذلت و مسکنت کا نذرانہ پیش کریں گے اور رضا و مغفرت، فضل واحسان اور انعام واکرام کے گوہر مقصود سے جھولیاں بھر کر لے جائیں گے، اپنے لئے، اپنے اعزہ واقارب اور دوست احباب کے لئے آج جو کچھ مانگیں گے نقد ملے گا، زوال ہوا تو ہر چہار طرف سے آہ وبکا کا شور برپا ہوا، اس کی آواز بھی اس حیرت انگیز طوفان گریہ وزاری میں ڈوب گئی، شام تک کا سارا وقت اسی عالم تحیر میں گذارتا ہے، کبھی خوب رو رو کر مانگتا ہے، کبھی لبيك اللّٰهم لبيك کا نعرہ لگاتا ہے، کبھی تکبیر کی گونج سے زمزمہ آراء ہوتا، کبھی تہلیل سے نغمہ سرا ہوتا ہے، کبھی "لا اله الا الله وحده لا شريك له" سے وحدانیت وربوبیت کی صدائیں بلند کرتا ہے، عابد و معبود کا یہ تعلق کتنا دلربا ہے؟ اور بندگی و سر افگندگی کا یہ منظر کس قدر حیرت افزا ہے؟

آفتاب غروب ہوا اور اس دشت پیمانے بوریا بستر باندھ مزدلفہ کا رخ کیا، شب بیداری وہاں ہو گی، مغرب وعشا کی نماز وہاں پڑھی جائے گی، اظہار آداب بندگی میں کچھ کسر باقی رہ گئی ہے تو وہاں نکالی جائے گی، کبھی رکوع وسجود ہے کبھی وقوف وقیام ہے، کبھی تہلیل وتکبیر ہے، کبھی تسبیح وتلبیہ ہے، گریہ وزاری، دعا ومناجات اور تضرع وابتہال کا نصاب پورا ہوا تو کامیابی وکامرانی کی نعمت سے سرشار ہو کر وہاں سے منیٰ کو چلا، دشمنِ انسانیت، عدو مبین، راندہ بارگاہ، ابلیس لعین کی سرکوبی کے لئے جمرہ کی رمی کی، خلیل وذبیح (على نبينا وعليهما الصلاة والسلام) کی سنتِ قربانی کی یاد تازہ کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ کے نام پر قربانی دی اور رضائے محبوب کے لئے جان ومال کے ایثار وقربانی کا عہد تازہ کر لیا، وہاں سے بارگاہِ قدس کے مرکز انوار کی زیارت کو چلا اور طواف کعبہ کے انوار وبرکات سے دیدہ ودل کی تسکین کا سامان کیا۔

الغرض اس عاشقانہ ووالہانہ عبادت میں دیوانہ وار ایثار قربانی اور عبدیت وفنائیت کا ریکارڈ قائم کر لیتا ہے

اور تجلیات ربانی کے انوار و برکات سے سراپا نور بن جاتا ہے اور رحمت و رضوان کے تحفوں سے مالا مال ہو کر اور استحقاق جنت کی آخری سند لے کر اپنے وطن کو واپس لوٹتا ہے۔ اس طرح بندہ بندگی کا ثبوت دے کر جنت و رضوان الٰہی کی نعمتوں سے سرفرازی کے تمغۂ وصول کر لیتا ہے "والحج المبرور لیس له جزاء الا الجنة"(۱) کے آخری انعام سے مطمئن ہو جاتا ہے۔ دیکھئے کس انداز سے عشق و محبت کی منزلیں طے کی گئیں اور کس کس طرح شاباشوں سے نوازا گیا۔ یہ اس عاشقانہ و عارفانہ عبادت کا بہت ہی مختصر سا نقشہ ہے۔

سفر عشق میں امتحان

ظاہر ہے کہ مقصد بہت ہی اعلیٰ ہے اس لئے کبھی کبھی اس مقصد کے حصول کے لئے امتحان بھی ناگزیر ہوتا ہے، مدتوں کے جمے ہوئے تہ بر تہ زنگ و غبار کو دور کرنے کی لئے شدید تنقیہ کی ضرورت پڑتی ہے، کبھی جان پر امتحان آتا ہے، کبھی مال پر، کبھی رفقاء سے تنہا کر کے آزمایا جاتا ہے، کبھی پٹوا کر رلایا جاتا ہے، کبھی یہ آسائش و راحت چھین کر آخرت کی آسائش و راحت کی نعمت سے نوازا جاتا ہے۔ بہر حال یہ راز ہر ایک کے بس کی بات نہیں، شان ربوبیت کے کریمانہ کرشمے ہیں، شان صمدیت کا ظہور ہے اور ارحم الراحمین کی رحمت خفیہ کے شیون ہیں۔ رحمت الٰہی کا ظہور کبھی بصورت رحمت ہوتا ہے، کبھی بشکل زحمت، کسی کو چون و چرا کی گنجائش نہیں، یہ وہ مقام ہے کہ عارفین جو دریائے معرفت کے غوطہ زن ہیں وہ بھی سر حیرت جھکا کر خاموش ہیں، صبر آزما امتحان لیا جاتا ہے، کبھی جوع و خوف سے، کبھی انفس و اموال زیر امتحان ہوتے ہیں، رضا بالقضاء کے نئے مجاہدہ کرایا جاتا ہے اور مہربانی اور شاباش کی بارش ہوتی اور آخر میں جنت کی سند مل جاتی ہے اور " والحج المبرور لیس له جزاء الا الجنة"(۲)۔ کا تحفہ عطا کیا جاتا ہے، بلاشبہ عبدیت کا ظہور اور شان عشق و محبت کا مظاہرہ جس طرح حج بیت اللہ احرام میں ہوتا ہے کسی اور عبادت میں نہیں ہوتا۔

امسال سال گذشتہ یا گذشتہ سالوں کی بہ نسبت بے حد ہجوم تھا اور تقریباً نصف ملین (۵۰۰۰۰۰) خدا کی مخلوق زیادہ پہنچ گئی تھی، محدود مقامات اور محدود انتظامات میں غیر محدود مخلوق کا انتظام درہم برہم ہو گیا تھا، قیام و طعام کی دشواریاں تھیں، ٹریفک اور مواصلات کا نظام تقریباً بس سے باہر تھا۔ ایک ترکی قوم کی تعداد ایک لاکھ سے زیادہ تھی جن کی ویگن بسوں نے تمام حجاج کرام کو بے بس بنا دیا تھا، تین بند راستے مشغول شاہ فیصل کے عہد

---

(۱)صحیح البخاری، کتاب المناسك، ابواب العمرة، باب وجوب العمرة وفضلها ج:۱ ص:۲۳۸،
ط: قدیمی

(۲)صحیح البخاری، کتاب المناسك، ابواب العمرة، باب وجوب العمرة وفضلها، ج:۱ ص:۲۳۸،
ط: قدیمی

مبارک کے شاہانہ انتظامات نے بھی عجز و تقصیر کا اعتراف کیا۔ اگر چہ قدم قدم پر حق تعالیٰ کی شان ربوبیت کرم فرما تھی اور شاہ فیصل کے عہد کے برکات بالکل ظاہر و باہر تھے لیکن پھر بھی حکومتوں کا حج پر کنٹرول کر کے حجاج کے کوٹے مقرر کر کے تحدید کرنے کی مصلحتیں تکوینی طرز پر واضح ہوگئیں، اس سلسلہ میں چند باتیں اور گذارشات ضروری خیال کرتا ہوں۔

حجاج کے لئے چند ضروری ہدایات

① عورتوں اور مردوں کا ناگفتہ بہ اختلاط طوافوں میں، نمازوں میں اور سلام کی حاضری میں غیر شرعی ہے، اس لئے ضروری ہے کہ عورتوں کے طواف کے لئے رات یا دن میں کوئی وقت مخصوص کر لیا جائے اور اس طرح سلام کی حاضری کے لئے بھی وقت مخصوص ہو ان اوقات میں مردوں کو طواف یا حاضری سے روکا جائے۔

② نہ تو عورتوں پر جماعت کی پابندی ہے نہ مسجد کی حاضری کی فضلیت ہے، نہ نماز جمعہ ان پر فرض ہے، اس لئے عورتیں گھر میں نماز پڑھا کریں اور اسی طرح جمعہ میں عورتوں کی حاضری روکی جائے، موجودہ صورت حال نہ شرعاً درست ہے نہ عقلاً قابل برداشت ہے۔

③ رمی جمرات کے لئے عورتیں رات کو جایا کریں جس طرح بوڑھوں اور مریضوں کے لئے بھی یہی وقت مناسب ہے، بلا شبہ بغیر عذر کے یہ خلاف سنت ہے لیکن موجودہ صورت حال میں انشاء اللہ کراہت بھی ختم ہو جائے گی۔

④ تمام حضرات جو حج بیت اللہ الحرام کا ارادہ کریں تمام ضروری مسائل یاد کر کے آئیں، فرائض وواجبات کا اہتمام بہت ضروری ہے۔ بسا اوقات یہ دیکھا گیا کہ لوگ فرائض وواجبات میں تقصیر کرتے ہیں اور فضائل ومستحبات کا اہتمام ہوتا ہے۔

اس وقت جو صورتِ حال ہے قانونی وفقہی احکام کے پیش نظر تو یہ امید رکھنا بہت مشکل ہے کہ یہ عبادت صحیح ادا ہوئی یا یہ حج مبرور ہوگا، صحیح طواف کیسے ہو؟ اور اس میں کیا کیا باریکیاں ہیں؟ اگر ایک قدم طواف کا ایسا ادا ہو کہ بیت اللہ کی طرف سینہ ہو جائے تو سارا طواف بیکار ہو گیا اگر شروع کرنے میں حجر اسود سے تقدم ہو گیا تو طواف میں نقصان آجاتا ہے، اگر ایک انچ ہٹ کر طواف شروع کیا تو سرے سے طواف ہوا ہی نہیں، خاص کر اژدحام وہجوم میں صحیح طواف کرنا بے حد دشوار مرحلہ ہے، عورتیں مردوں کے درمیان کھڑی ہو جاتی ہیں، ایک عورت اگر صف میں مردوں کے درمیان کھڑی ہوگئی تو تین مردوں کی نماز غارت ہوگئی، جو شخص دائیں ہو جو بائیں ہو، جو اس سیدھ میں پیچھے ہو، اگر ایک ہزار عورتیں اس طرح صفوں کے درمیان ہیں تو تین ہزار مردوں کی نماز فاسد ہوگئی۔ دوران سفر بہت سی نمازیں قضاء ہو جاتی ہیں اگر فرض نماز قضا ہوگئی تو حج مبرور کی توقع رکھنا مشکل ہے۔ الغرض اس طرح

دسیوں مسائل ہیں کہ جن سے عوام تو کیا علما بھی غافل ہیں، رمی جمرات میں تو معمولی عذر پر دوسروں کو وکیل بنایا جاتا ہے، اس طرح وہ توکیل صحیح نہیں ہوتی، دم لازم آجاتا ہے، غور کرنے سے محسوس ہوا کہ جہاں تک مسائل و احکام کا تعلق ہے مشکل سے یہ کہا جائے گا کہ یہ حج صحیح ادا ہوگیا، لیکن حق تعالیٰ شانہٗ کی رحمت کاملہ کے پیش نظر کوئی بعید نہیں کہ اگر نیت صحیح ہو اور جذبہ سچا ہو تو تمام کوتاہیاں اور قانونی فروگذاشتیں سب معاف ہوں اور ارحم الراحمین کی رحمت عامہ سے یہی امید ہے کہ اپنے گنہگار بندوں کی کوتاہیوں سے درگذر فرما کر اپنی رحمت ونعمت سے نوازے اور نہ معلوم کس کی کون سی ادا قبول ہوجائے اور کیا کچھ خزانہ رحمت سے ملے اور بلاشبہ حق تعالیٰ شانہٗ کی رحمت کاملہ کی موسلادھار بارش میں کوئی بدنصیب ہی محروم رہے گا، ہوسکتا ہے کہ چند مقبولین بارگاہ کے طفیل سب کا حج قبول ہو اس کی شان کریمی کے سامنے سب کچھ آسان ہے۔ کاش! اگر حق تعالیٰ کی اتنی مخلوق قانون کے مطابق جذبات صادقہ سے والہانہ انداز سے یہ فریضہ ادا کرتی تو امت کا نقشہ ہی کچھ اور ہوتا اور تمام عالم میں ان نمائندگان بارگاہ قدس کا فیض جاری ہوتا جس حریم قدس کو ان شاندار کلمات سے وحی ربانی میں یاد کیا ہو:

﴿اِنَّ اَوَّلَ بَيْتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِيْ بِبَكَّةَ مُبٰـرَكًا وَّهُدًى لِّلْعَالَمِيْنَ فِيْهِ اٰيٰتٌ بَيِّنَاتٌ مَّقَامُ اِبْرَاهِيْمَ وَمَنْ دَخَلَهٗ كَانَ اٰمِنًا﴾ [آل عمران:۹۷]

ان آیات بینات اور ان برکات وتجلیات کا کیا ٹھکانا؟ بہرحال کہنا یہ ہے کہ کوشش کی جائے کہ قانون کی رو سے بھی صحیح حج ہو اور نیت وجذبہ بھی سچا ہو اور قدم قدم پر تقصیر کا احساس ہو اور یہ تصور مستمر قائم ہو کہ اس حریم قدس میں حاضری کے آداب کی اہلیت کہاں؟ ہم جیسے ناپاکوں کو اس سرزمین میں حاضری کی دعوت دی گئی اور پہنچ گئے یہ محض حق تعالیٰ شانہٗ کا عظیم احسان ہے کہ اس مقدس زمین اور بقعہ نور میں سراپا ظلمات والے کو جگہ عطا فرمادی، توقع ہے کہ اس احساس سے بارگاہِ قدس میں شرف قبولیت نصیب ہو۔ یہ جو کچھ بیت اللہ کی عظمت کی طرف اشارہ کیا گیا ہے یہ بہت سطحی حقائق کے درجہ میں بات عرض کی گئی ورنہ جو حقائق واسرار عارفین وکبار صوفیاء کرام شیخ اکبر، امام ربانی شیخ احمد سرہندی، حضرت شیخ سید آدم بنوری، شاہ عبدالعزیز اور حجۃ الاسلام مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمہم اللہ جمیعاً نے بیان فرمائے ہیں وہ "بینات" کے دائرہ بیان سے بالاتر ہیں۔

راقم الحروف نے اپنے رسالہ "بغية الاريب فی مسائل القبلة والمحاريب" کے آخر میں کچھ تھوڑا سا حصہ بیان کیا ہے۔ بہرحال کعبۃ اللہ اس مادی کائنات میں شعائر اللہ میں داخل ہے، نماز میں اگر حق تعالیٰ شانہٗ سے مناجات وہم کلامی کا شرف حاصل ہوتا ہے تو حج میں حق تعالیٰ کے گھر میں مہمانی کا شرف ومجد حاصل ہے۔ جب ہم کلامی کی عظمت بیت الحرام میں نصیب ہو اور دونوں عظمتیں جمع ہوجائیں تو جو کچھ بھی اس کا درجہ ہوگا تصور وخیال سے بالاتر ہے:

"نرخ بالا کن کہ ارزانی ہنوز"

یہ وہ مقام ہے کہ انتہائی تعظیم وادب کی ضرورت ہے لیکن آج کل ہماری غفلت و جہالت سے جو صورت حال ہے وہ ظاہر ہے، افسوس یہ ہے کہ ہماری تمام عبادات کی صرف صورت رہ گئی روح نکل گئی ہے، تمام عبادات بے جان لاشے ہیں، اگر ان میں جان ہوتی تو آج امت محمد یہ کا نقشہ ہی کچھ اور ہوتا، حق تعالیٰ کی رحمت ہے اور اسلام کا حکیمانہ نظام ہے کہ مساجد بھی بیوت اللہ ہیں ﴿وان المساجد لله فلا تد عوامع الله احدا﴾ مساجد صرف اللہ تعالیٰ کی ہیں ان میں صرف اللہ ہی کی عبادت ہونی چاہئے۔ آخری سب سے بڑا مرکزی گھر وہ مسجد حرام وہ بیت الحرام ہے جس سے عالم میں بجز اس مقام کے جہاں حضرت سید الکونین صلی اللہ علیہ وسلم آرام فرمارہے ہیں کوئی مقدس قطعہ نہیں، جہاں پر حق تعالیٰ کی طرف سے انوار کی موسلا دھار بارش برستی ہے، فرشتے طواف کے لئے آسمانوں سے اترتے ہیں، حق تعالیٰ مسلمانوں اور حجاج کرام کو توفیق نصیب فرمائے کہ اس مقام کی صحیح معرفت نصیب ہو بقدر طاقت بشری حق ادا کرسکیں۔

[محرم الحرام ۱۳۹۵ھ۔فروری ۱۹۷۵ء]

اعضائے انسانی کی تبدیلی

آئے دن اسلامی ممالک میں علمی محفلیں سجائی جاتی ہیں اور سیمینار، کلوکیم اور مجلس مذاکرات ومباحثات منعقد کی جاتی ہیں اور بین الاقوامی سطح پر مندوبین کو بلایا جاتا ہے پر تکلف انتظامات کئے جاتے ہیں، لاکھوں روپے خرچ کئے جاتے ہیں، مگر ان کی تہ میں دیکھئے تو اکثر وبیشتر سیاسی مصالح چھپی ہوتی ہیں، کم از کم کسی مملکت کی سستی شہرت کے لئے تو کامیاب نسخہ ہے ہی، علمی مسائل اور دینی مشکلات کو سیاسی سطح پر لاکر حل کرنے کی کوشش کی جاتی ہے، ووٹوں کی کثرت وقلت اور اٹھے ہوئے ہاتھوں سے فیصلے کئے جاتے ہیں، حکیم مشرق نے سچ کہا ہے:

گریز از طرزِ جمہوری غلام پختہ کارے شو
کہ از مغزِ دوصد خر فکرِ انسانی نمی آید

ظاہر ہے کہ علمی مشکلات حل کرنے کے لئے پرسکون علمی ماحول کی اور علمی دماغوں کو جمع کرنے کی ضرورت ہوتی ہے، پارلیمانی مجلسی ہنگامہ آرائیوں سے اور سیاسی مصالح کی آمیزش سے کیا یہ مسائل طے ہوسکتے ہیں؟ پھر اکثر وبیشتر ارکان غیر علمی ہوتے ہیں ان کی نامزدگی حکومت کے رحم وکرم پر موقوف ہوتی ہے، کس کو نمائندہ بنائے اور بھیجے، بھلا غیر علمی اشخاص علمی مسائل میں کیا رائے دے سکتے ہیں اور ان کی رائے کی کیا وقعت ہوسکتی ہے؟

اسی سلسلہ کی کڑی یہ ہے کہ اپریل ۶۹ء کے آخری ہفتہ میں کوالالمپور، ملائشیا کے دارالخلافہ میں ایک سیمینار منعقد ہوا ہے۔ ۱۸؍اسلامی ملکوں سے نمائندے پہنچے ہیں، ہماری مملکت کی جانب سے بھی آٹھ ارکان کا ایک وفد گیا ہے جس میں ہمارے ملک کے ایک مایہ ناز اور ممتاز عالم مولانا شمس الحق صاحب افغانی بھی تھے،

مگر" اکیلا چنا کیا بھاڑ پھوڑے" فقہی مسائل میں جو مسئلہ طے ہوا ہے وہ اعضاء انسانی کی تبدیلی کا مسئلہ ہے۔ مثلاً ایک آدمی کی آنکھ دوسرے آدمی کے لگائی جا سکتی ہے یا نہیں؟ اسی طرح دوسرے اعضاء، بلاشبہ یہ مسئلہ انتہائی توجہ اور تحقیق کا محتاج ہے، مصر کے بعض علماء نے تو عرصہ ہوا جواز کا فتویٰ دے دیا تھا، سید رشید رضا وغیرہ نے بھی جواز کا فتویٰ دیا ہے، لیکن یہ مسئلہ اتنا سطحی نہیں ہے۔ کراچی میں مجلس تحقیقات مسائل حاضرہ نے مختلف اور متعدد مجالس میں اس پر غور کیا۔ اور مذاہب اربعہ کی تمام کتابیں چھان ڈالی ہیں اور علماء ہندو پاک سے استفتاء بھی کیا ہے آخر میں جس نتیجہ پر پہنچے ہیں وہ عدم جواز ہے، البتہ خون مریض کو دینے کا جواز تو ہے لیکن ایک انسان کے اعضاء دوسرے انسان کو منتقل کرنے کی گنجائش نہیں، نہ معلوم کہ ان حضرات نے کن فقہی دلائل کی بنیاد پر یہ اتفاق رائے کیا ہے۔ انشاء اللہ عنقریب مجلس تحقیق مسائل حاضرہ کے یہ طے شدہ مسائل شائع کئے جائیں گے، فقہی مسائل بے حد بحث و تحقیق کے محتاج ہیں۔

کہنا یہ تھا کہ اس قسم کے علمی مسائل کے لئے فقہی ذوق کے علاوہ کتب مذاہب کے وسیع مطالعہ کی شدید ضرورت ہے اور ادلہ پر ہر پہلو سے غور کرنے کی حاجت ہے، ظاہر ہے کہ ایک مجلس میں یہ مسائل کیسے طے ہو سکتے ہیں اور کیا اگر کوالالمپور میں چند حضرات نے فیصلہ کر لیا تو کیا ان کا فیصلہ تمام دنیا کے لئے حجت ہو سکتا ہے؟ جبکہ یہ بھی یقینی معلوم نہیں کہ طے کرنے والے کون یگانہ روزگار فقہاء ہیں؟ دراصل لادینی قوموں میں یا امریکہ و یورپ میں ایک چیز کا تعامل شروع ہو جاتا ہے مذہب سے ناآشنا حکمراں چاہتے ہیں کہ ان کی تقلید کے لئے کوئی دلیل مل جائے اور ہم بھی پیچھے نہ رہیں یہ شرمناک قسم کا احساس کمتری اور بے حمیتی ہے۔ اعا ذنا الله منه.

[ربیع الاول ۱۳۸۹ھ]

حضرت مولانا بنوری رحمہ اللہ تعالیٰ اور جمعیۃ علماء اسلام

محرم ۸۹ھ کے بصائر میں حضرت بنوری مدظلہ کی شائع شدہ تقریر سے متعلق مولانا مفتی سیاح الدین کاکاخیل نے ایک مکتوب روانہ کیا حضرت مولانا نے اس کے اور ان کے ایک سابقہ مکتوب کے پیش نظر یہ جواب لکھا ہے:

بسم الله الرحمن الرحيم

برادر محترم زادکم اللہ مجداً، السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

نامۂ کرم نے نوازا، وقت کے موجودہ فتن سے متعلق بینات کے تازہ شمارہ میں بصائر و عبر کے عنوان کے تحت میری شائع شدہ تقریر کے بارے میں آپ نے جن نیک جذبات کا اظہار اور اس پر جو میری حوصلہ افزائی فرمائی ہے اس کا میں تہ دل سے شکریہ ادا کرتا ہوں۔

کچھ عرصہ قبل آپ کا ایک اور طویل مکتوب بھی وصول ہوا تھا جس میں آپ نے جمعیت علمائے اسلام

کے طرز عمل اور وقت کی بعض تحریکوں سے متعلق ان کے مؤقف اور پھر اس بارے میں میری خاموشی پر سخت تنقید کی تھی، اس خط کا جو جواب میں نے فوری طور پر پیش کیا تھا اس میں میں نے اس بات کی وضاحت کر دی تھی کہ جمعیت علماء اسلام کے ساتھ میرا کوئی رسمی تعلق نہیں ہے البتہ میری ہمدردیاں ان کے ساتھ ہیں اور میں ان کو ان کے مؤقف اور عمل میں مخلص ضرور سمجھتا ہوں۔

آپ کا یہ خط دراصل میرے محترم دوست مولانا غلام غوث صاحب ہزاروی کے اس بیان سے متعلق تھا جو انہوں نے ایک پریس میں دیا تھا اور اخبارات کے غلط تصرف کی وجہ سے اس کا مفہوم بظاہر وہ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا جو کہ اس بیان سے مولانا موصوف کی مراد ہو سکتا تھا۔ جس وقت میں آپ کے اس خط کا جواب دے رہا تھا مولانا موصوف کا تردیدی بیان ابھی اخبارات میں شائع نہیں ہوا تھا، تاہم مولانا کے تقویٰ، تدین، خلوص اور مجاہدانہ زندگی کے پیش نظر جس کا ہمیں ذاتی طور پر اچھی طرح علم ہے میں نے از خود مولانا کی طرف سے دفاع اور ان کے قول کو اچھے محمل پر حمل کرنا اپنا فریضہ سمجھا اور غالباً اس خط میں آپ کے اس رویہ پر ناپسندیدگی کا اظہار بھی کیا کہ آپ ایک شخص کے ساتھ مخالفت ہونے کی وجہ سے اس کی پوری زندگی اور اعمال کو نظر انداز کر کے اس کے متعلق اس قسم کی بے باکانہ رائے قائم کر دیتے ہیں اور جن کے ساتھ آپ کا قلبی تعلق اور محبت ہے ان کے وہ مساوی بھی محاسن نظر آتے ہیں جن کے خلاف ملک بھر کے علماء کا اجماع ہو چکا ہے۔

بہر حال آپ کے گذشتہ عتاب اور موجودہ حوصلہ افزائی کے پیش نظر مناسب معلوم ہوتا ہے کہ میں اس بات کی وضاحت کر دوں کہ کسی شخص یا جماعت یا کسی نظریہ کی تائید یا تردید میں جو کچھ میرے قلم یا زبان سے نکلتا ہے وہ محض مذہبی نقطہ نگاہ سے ہوتا ہے۔ سیاسیات سے میرا کوئی تعلق یا لگاؤ نہیں اور اس لئے میرے جملہ بیانات ہر قسم کی سیاسی مصالح سے ہمیشہ بالاتر ہوتے ہیں۔

مجھے متعدد بار مصر اور بعض دوسرے عرب ممالک میں جانے کا اتفاق ہوا، میں نے اپنے علم و فراست کے مطابق وہاں کے حالات کا جو جائزہ لیا وہ بالکل آزادانہ طور پر سپرد قلم کیا۔ میں نے جیسا کہ ناصر کی اشتراکیت نوازی اور عرب قومیت کی علمبرداری پر تنقید کی ایسے ہی اس کی سامراج دشمنی اور اس کے غیور و شجاع اور کیریکٹر کے مضبوط ہونے پر اس کی تعریف کی اور اس کی بعض اسلامی خدمات کو سراہا بھی، کوئی سیاست مجھے اس غلط بیانی پر آمادہ نہ کر سکی کہ میں اس کو خواہ مخواہ یہودیوں کے ایجنٹ اور اسلام کے بدترین دشمن کی شکل میں ظاہر کروں، ایسے ہی حال ہی میں جب ملک میں سوشلزم اور کمیونزم زندہ باد کے نعرے بلند ہونے لگے جو کہ دراصل اس ملعون سرمایہ دارانہ نظام کا ردعمل تھا جو کہ مغربی سامراج نے زمانہ دراز سے ان بلاد پر مسلط کر رکھا ہے اور اس بات کا خطرہ محسوس ہونے لگا کہ ملک کے عوام جو کہ اس سامراجی نظام کی پیدا کردہ معاشی مشکلات سے بری طرح دوچار ہیں، کہیں اپنی مشکلات کے حل کے طور پر اس قسم کی لادینی تحریکوں اور محض مادی بنیادوں پر استوار نظام حیات کو قبول کرنا شروع

نہ کردیں، تو میں نے ان فتن سے عوام کو آگاہ کرنا اور یہ بتلانا اپنا فریضہ سمجھا کہ ان کی مشکلات کا حل اسلام میں جو ہر اعتبار سے جامع ترین دین ہے، بطریق احسن موجودہ ہے، یہاں بھی میری یہ تنقید خالص دینی جذبہ کے تحت تھی، یمین و یسار کی کش مکش میں کسی ایک طرف جھکاؤ کبھی میری طبیعت کا تقاضا نہیں رہا، مغربی سامراج نے جو نقصان اسلام اور مسلمانوں کو پہنچایا ہے وہ میرے نزدیک اس نقصان سے کسی درجہ میں بھی کم نہیں جو روس اور چین کے ہاتھوں مسلمانوں کو پہنچا ہے۔

الغرض امریکہ اور چین کی اس موجودہ جنگ میں ملک کی سیاسی جماعتوں کا مؤقف مختلف ہے، بعض مذہبی سیاسی جماعتیں کمیونزم اور سوشلزم کو شکست دینے کے لئے امریکی اور برطانوی سامراج کو تقویت دینے اور ان کا آلہ کار بننے سے دریغ نہیں کرتی ہیں، جبکہ بعض دوسری جماعتیں مغربی سامراج کی بیخ کنی کے لئے اس کے ساتھ برسر پیکار تمام طاقتوں کے حق میں قدرے نرمی برتنے کو مصلحت کا تقاضا سمجھتی ہیں اور میں چونکہ کسی بھی سیاسی مکتب فکر سے وابستہ نہیں اس لئے تمام باطل قوتوں پر بے لاگ اور آزادانہ نکیر کرنے میں مجھے کوئی جھجک اور تردد نہیں ہوسکتا لیکن اپنے اس آزادانہ مؤقف کے باوجود میں یہ گوارا نہیں کروں گا کہ میرے اس قسم کے بیانات کو آپ یا آپ کی جماعت اپنی بعض حریف جماعتوں کے خلاف استعمال کرنا شروع کردیں۔ (۱)

میں اگر چہ جمعیت علماء اسلام کے ساتھ رسمی طور پر وابستہ نہیں ہوں اور نہ ہی اپنے مشاغل کی بنا پر ان سے کوئی خاطر خواہ تعاون کرسکا ہوں لیکن باوجود اس کے میری ہمدردیاں ان کے ساتھ ہیں اور میرے نزدیک یہ جماعت ہی وہ صحیح المسلک مذہبی سیاسی جماعت ہے جس سے مسلمانوں کو خیر کی توقعات وابستہ کرکے اس کو تقویت پہنچانا چاہیئے۔ جمعیت کے زعماء کو میں قریب سے جانتا ہوں ان کا سیاسی مؤقف کچھ بھی سہی لیکن ان کے متعلق اس بات کا ہم تصور بھی نہیں کرسکتے کہ وہ اسلام کے مقابلہ میں سوشلزم یا کسی اور باطل نظام کو ایک لمحہ کے لئے قبول کرنے پر آمادہ ہوسکتے ہیں، ان کا ماضی اس پر شاہد ہے کہ انہوں نے ہمیشہ سلف صالح اور اہل سنت والجماعت کے مسلک سے دفاع کیا ہے۔ اور اعلاء کلمۃ اللہ کی خاطر کسی قسم کی قربانی اور جہاد سے کبھی دریغ نہیں کیا، چنانچہ اس وقت بھی اسلامی تعلیمات کے تحت ملک کے معاشی مسائل کا حل تلاش کرنے میں جمعیت مصروف ہے۔

اخیر میں ایک بار پھر آپ کے نیک جذبات پر آپ کا شکریہ ادا کرتا ہوں آپ کے مفید مشوروں پر عمل کی کوشش کی جائے گی، اللہ ہم سب کو صراط مستقیم کی ہدایت فرمائے۔

[ربیع الاول ۱۳۸۹ھ]

---

(۱) یعنی اس بیان کو ''جمعیت علماء اسلام'' کے اس مؤقف کے خلاف بطور حجت پیش کرنا کہ ''روس اور چین کے متوقع خطرات کے سد باب کے ساتھ ساتھ بلکہ اس سے بھی پہلے امریکہ اور برطانیہ کی بالفعل مسلط کردہ لعنتوں کا خاتمہ از حد ضروری ہے''۔

استخارہ اور اس کا مسنون طریقہ

جن مخلصین واحباب کے خطوط آرہے ہیں ان سب کے لئے یہ لائحہ عمل پیش کیا جارہا ہے کہ مسنون استخارہ پر عمل کریں، نامناسب نہ ہوگا کہ یہاں استخارہ مسنونہ کی ترکیب بھی لکھ دی جائے اور دعا بھی لکھ دی جائے۔ درحقیقت استخارہ مشکاۃ نبوت کی ایک روشنی ہے جو امت کو دکھلائی گئی ہے اور امت کے ہر پریشان حال انسان کی قیامت تک کے لئے رہنمائی فرمائی گئی ہے۔ یہ پیغمبرانہ تربیت ہے جس کی برکات قیامت تک جاری رہیں گی۔ حدیث میں آتا ہے کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کرامؓ کو اس طرح استخارہ کی تعلیم دیتے تھے جس طرح قرآن کریم کی سورتیں بچوں کو یاد کرائی جاتی ہیں اور تعلیم دی جاتی ہیں۔ بزرگان دین کے تجربوں میں بہت سی صورتیں استخارہ کی آئی ہیں اور ان کے ذریعے انسان کی رہنمائی بھی ہوجاتی ہے لیکن ہادیٔ امت، خاتم النبیین رحمۃ للعالمین اعلم الاولین والآخرین کے سینہ نبوت سے جو چیز نکلی ہو اس کی خیر و برکت کا کیا کہنا۔

واضح ہو کہ استخارۂ مسنونہ کا مقصد یہ ہے کہ بندے کے ذمے جو کام تھا وہ اس نے کرلیا اور اپنے آپ کو حق تعالیٰ کے علم محیط اور قدرتِ کاملہ کے حوالہ کردیا، گویا استخارہ کرنے سے بندہ اپنی ذمہ داری سے سبکدوش ہوگیا، ظاہر ہے کہ اگر کوئی انسان کسی تجربہ کار عاقل اور شریف شخص سے مشورہ کرنے جاتا ہے وہ شخص صحیح مشورہ ہی دیتا ہے اور اپنی مقدور کے مطابق اس کی اعانت بھی کرتا ہے۔ گویا استخارہ کیا ہے حق تعالیٰ سے مشورہ لینا ہے، اپنی درخواست استخارہ کی شکل میں پیش کردی، حق تعالیٰ سے بڑھ کر کون رحیم کریم ہے؟ اس کا کرم بےنظیر ہے، علم کامل ہے اور قدرت بےعدیل ہے، اب جو صورت انسان کے حق میں مفید ہوگی حق تعالیٰ اس کی توفیق دے گا اس کی رہنمائی فرمائی گا، پھر نہ سوچنے کی ضرورت، نہ خواب میں نظر آنے کی حاجت۔ جو اس کے حق میں خیر ہوگا وہی ہوگا، چاہے اس کے علم میں اس کی بھلائی آئی یا نہ آئے، اطمینان وسکون فی الحال حاصل ہو یا نہ ہو، ہوگا وہی جو خیر ہو گا۔ یہ ہے استخارہ مسنونہ کا مطلوب، اسی لئے تمام امت کے لئے تاقیامت یہ دستور العمل چھوڑا گیا ہے اور اسی لئے حدیث میں آتا ہے کہ:

"من سعادة ابن ادم استخارته من الله ومن شقاوته ترك الاستخارة"(۱)

انسان کی سعادت و نیک بختی یہ ہے کہ اپنے کاموں میں استخارہ کرے اور بدنصیبی یہ ہے کہ استخارہ کو چھوڑ بیٹھے۔

اب استخارہ کی دعا ناظرین کی خدمت میں پیش کی جاتی ہے:

---

(۱) مجمع الزوائد، باب الاستخارة ج:۲ ص:۲۳۰، ط: دارالفکر بیروت.
مشکوة، کتاب الرقاق، باب التوکل والصبر، الفصل الثانی ص:۴۵۳، ط: قدیمی

اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْتَخِیْرُكَ بِعِلْمِكَ وَاَسْتَقْدِرُكَ بِقُدْرَتِكَ وَاَسْئَلُكَ مِنْ فَضْلِكَ الْعَظِیْمِ، فَاِنَّكَ تَقْدِرُ وَ لَا اَقْدِرُ وَ تَعْلَمُ وَ لَا اَعْلَمُ وَاَنْتَ عَلَّامُ الْغُیُوْبِ. اَللّٰهُمَّ اِنْ كُنْتَ تَعْلَمُ اَنَّ هٰذَا الْاَمْرَ خَیْرٌ لِّیْ فِیْ دِیْنِیْ وَمَعَاشِیْ وَعَاقِبَةِ اَمْرِیْ فَاقْدِرْهُ لِیْ وَ یَسِّرْهُ لِیْ ثُمَّ بَارِكْ لِیْ فِیْهِ. وَاِنْ كُنْتَ تَعْلَمُ اَنَّ هٰذَا الْاَمْرَ شَرٌّ لِّیْ فِیْ دِیْنِیْ وَمَعَاشِیْ وَعَاقِبَةِ اَمْرِیْ فَاصْرِفْهُ عَنِّیْ وَاصْرِفْنِیْ عَنْهُ وَاقْدِرْ لِیَ الْخَیْرَ حَیْثُ كَانَ ثُمَّ اَرْضِنِیْ بِهٖ.

یا اللہ! میں آپ سے خیر چاہتا ہوں بوجہ آپ کے علم کے، اور قدرت طلب کرتا ہوں آپ سے بوجہ آپ کی قدرت کے اور مانگتا ہوں میں آپ سے آپ کے بڑے فضل میں سے، کیونکہ آپ قادر ہیں اور میں قادر نہیں اور آپ عالم ہیں اور میں عالم نہیں اور آپ علام الغیوب ہیں۔ یا اللہ! اگر ہو علم میں آپ کے کہ یہ کام بہتر ہے میرے لئے میرے دین میں اور میری معاش میں اور میرے انجام کار میں تو تجویز کر دیجئے۔

اور آسان کر دیجئے اس کو میرے لئے پھر برکت دیجئے میرے لئے اس میں اور اگر ہو علم میں آپ کے کہ یہ کام برا ہے میرے لئے میرے دین میں اور میری معاش میں اور میرے انجام کار میں تو ہٹا دیجئے اس کو مجھ سے اور ہٹا دیجئے مجھ کو اس سے اور نصیب کر دیجئے مجھے بھلائی جہاں کہیں بھی ہو پھر راضی رکھئے مجھ کو اس پر۔

[جواہر ۰ - ۱۹۰]

جدہ سے احرام باندھنے کا حکم

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ وکفی وسلام علی عباده الذین اصطفی:

رسالہ "الیواقیت فی احکام المواقیت" مصنفہ حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب دامت برکاتہم وزیدت حسناتہم کے مطالعہ کا شرف حاصل ہوا اور کچھ حصہ حضرت مصنف سے زبانی بھی سنا اور بحری حجاج مسافروں کے لئے جدہ سے جواز احرام کا مسئلہ ہماری فقہی مجلس کی متعدد مجالس میں زیر بحث آیا اور کافی غور وخوض ہوا اور "تحفة المحتاج شرح المنهاج" کی عبارت اور مخدوم ہاشم سندھی وغیرہ کی عبارت وآراء پر بھی غور ہوا اور بہت عرصہ پہلے انفرادی طور پر بھی بار ہا غور کیا کبھی انشراح صدر نہیں ہوا کہ جدہ سے احرام کے جواز کی صورت درست ہو سکتی ہے جو کچھ فہم قاصر میں آیا ہے اس کا خلاصہ یہ ہے:

سرزمین حرم یا مکہ معظمہ میں آنے کے لئے دنیا کے کسی گوشہ سے آئیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حدود مقرر فرمادی ہیں، بلا احرام ان سے تجاوز کرنا جائز نہیں، بیت الحرام کے شمال سے آنے والوں کے لئے "ذو الحلیفہ" ہے، مغرب سے آنے والوں کے لئے "جحفہ" ہے (جس کا جدید نام رابغ ہے) جنوب سے آنے والوں

کے لئے ''جبل یلملم'' ہے (جس کا جدید نام جبال سعدیہ ہے) مشرق سے آنے والوں کے لئے ''قرن المنازل'' ہے اور شمالی مشرق سے آنے والوں کے لئے ''ذات العرق'' ہے (جس کا جدید نام عقیق ہے) اب یا تو انہیں مقامات پر گذر ہوگا تب تو انہیں مقامات سے احرام باندھنا ہوگا یا ان سے فاصلہ سے گزرنا ہوگا تو دائیں یا بائیں یہ مقامات واقع ہوں گے ان کی محاذات اور مسامت سے احرام باندھنا ہوگا، اگر محاذات کی جگہ متعین نہ ہو سکے اور علم یا ظن غالب سے تعین ممکن نہ ہو تو اس وقت کسی ایسے مقام سے احرام باندھنا ہوگا جس کا فاصلہ کم از کم دو مرحلہ عرفیہ یا تین مراحل شرعیہ ہوں، کیونکہ قریب ترین مواقیت کا فاصلہ اتنا ہی ہے ظاہر ہے کہ میقات یا محاذاتِ میقات سے تجاوز کرنے کی ایک ہی صورت ہے کہ محاذات میقات مجہول ہو، نیز جدہ تمام فقہاء حنفیہ کی تصریحات کے مطابق داخل میقات ہے، اب جو شخص بحر میں سفر کر رہا ہو محاذاتِ میقات سے بلا احرام گذرے گا اور داخل میقات کے مقام پر پہنچے گا، اس پر تجاوز عن المیقات بلا احرام کا حکم لگ گیا۔

رہا یہ کہ محاذات کا علم صحیح طریقہ سے ممکن نہیں ہے؟ تو یہ بات صحیح نہیں ہے آج کل کے آلات ونقشہ جات اور جہاز رانوں کی معلومات کے پیش نظر یہ محض خیال خام ہے، نیز آج کل پاکستان سے جو جہاز جاتے ہیں جہاز ران تمام مسلمان ہوتے ہیں اطلاع دینے والے کافر کا سوال بھی ختم ہوجاتا ہے۔ شیخ ابن حجر ہیتمی مکی کا یہ فرمانا کہ جب ''تجاوز یمنة و یسرة'' یعنی دائیں بائیں ایسے حال میں کہ مسافر کا رخ مکہ کی سمت میں نہ ہو تو تاخیر احرام جائز ہے اور جب رخ مکہ کی طرف ہو تو اس وقت محاذات میقات سے احرام باندھنا ہوگا، قابل اطمینان نہیں ہے، جب مسافروں کا قصد مکہ ہی ہے اور آگے چل کر صحیح تعین محاذات کی مشکل ہو تو اس متعین محاذات کو چھوڑنا غیر معقول ہے جبکہ میقات اور محاذاتِ میقات سے پہلے احرام باندھنا زیادہ بہتر ہے اور اسی وجہ سے ابن حجر کے چند شارحین نے ان کی رائے کی مخالفت کی ہے اگرچہ مدار خلاف کچھ اور ہے، صرف اتنی بات تجاوز عن المیقات کے لئے کہ مسافت جدہ اور یلملم برابر ہے جدہ سے احرام باندھنے کے لئے کافی نہیں، یہ تو صرف اس وقت حکم ہے کہ محاذات میقات کا تعین نہ ہو سکے۔ بہر حال جو کچھ ابن حجر ہیتمی نے فرمایا ہے وہ میری سمجھ سے بالاتر ہے اور تعجب ہے کہ موصوف نے اپنے دعویٰ کی تائید اور تدلیل میں کوئی فقہی یا حدیثی دلیل پیش نہیں فرمائی، اس لئے موصوف کے دعویٰ بلا دلیل پر اتنی بڑی بنیاد قائم کرنا صحیح نہیں اور میرے نزدیک فقہی مسئلہ یہی ہے کہ بحری مسافر کو یلملم کی محاذات سے احرام باندھنا ضروری ہے ورنہ دم لازم آئے گا اور توبہ بھی لازم ہوگی۔

[شعبان ۱۳۸۸ھ]

عائلی قوانین

عائلی قوانین جو سابق حکومت نے بزور اقتدار نافذ کئے تھے، قرآن وحدیث اور اسلامی مسلمات کے

خلاف ہیں، ملک بھر میں ان پر تنقیدیں کی گئیں، تمام دانشور حلقوں کی جانب سے ان پر احتجاج اور ان کی ترمیم و تنسیخ کا مطالبہ کیا گیا۔ سابق حکومت نے خود منسوخ ہونا گوارا کیا، مگر افسوس کہ ان غلط قوانین کی صلاح کے لئے آمادہ نہ ہوئی، مقام مسرت ہے کہ موجودہ حکومت نے ان قوانین کو اسلامی شریعت کے مطابق بنانے کا فیصلہ کرلیا ہے (روزنامہ جنگ ۲۷ رفروری ۱۹۷۰ء) اگر یہ کار خیر موجودہ حکومت کے ہاتھوں انجام پائے تو مسلمانوں پر بڑا احسان ہوگا اور یہ کارنامہ موجودہ حکومت کے حسنات میں شمار ہوگا، البتہ ضرورت اس بات کی ہے کہ اس کے لئے موزوں افراد کو منتخب کیا جائے جو اس کی صحیح اہلیت رکھتے ہوں۔ اسلامی شریعت کو ٹھیک سمجھتے ہوں انہیں خدا کے سامنے جوابدہی کا احساس ہو اور عام مسلمانوں کو ان کے علم و دیانت پر اعتماد ہو ورنہ ساری محنت بے کار جائے گی۔ واللہ الموفق۔

[محرم الحرام ۱۳۹۰ھ]

نزول مسیح علیہ السلام کا عقیدہ
اسلامی اصول کی روشنی میں (۱)

حامدا و مصلیا

امام حجۃ الاسلام غزالیؒ "مقاصد الفلاسفہ" وغیرہ میں فرماتے ہیں:

"یونانیوں کے علوم میں حساب ہندسہ اور اقلیدس یقینی علوم تھے ان کو یقینی اور صحیح پا کر ان کے بقیہ علوم الہیات، طبعیات، نجوم وغیرہ کو بھی بعض لوگ ان کی تقلید میں صحیح خیال کرنے لگے"۔

حقیقت میں یہ ایک عام چیز ہے، نہ اس عہد کی تخصیص ہے نہ یونانیوں کے علوم کی خصوصیت، اکثر جب لوگ کسی کی شخصیت سے مرعوب ہو جاتے ہیں ان کے بعض خود ساختہ غلط نظریات و افکار کو ہی یا تو صحیح مان لیتے ہیں یا اس میں تاویل کے درپے ہو جاتے ہیں اور ان کی شخصیت کو بچاتے رہتے ہیں۔ آج کل یہی وبا پھیل رہی ہے، بعض مشاہیر جن کے بعض کمالات و خصائل عوام میں مسلم ہو گئے ہیں اکثر لوگ ان کی شخصیت اور بعض خصوصیات سے مرعوب ہو کر ان کے بقیہ خیالات و افکار کو بھی صحیح تصور کرنے لگتے ہیں اور بسا اوقات اس میں غلو کر کے ان ہی تحقیقات کو صحیح نظریات سمجھنے لگتے ہیں۔ اس عقلی ترقی کے دور میں یہ چیز خود دنیا کے دوسرے عجائبات کی طرح حیرت انگیز ہے، ایک طرف کبار امت اور اساطین اسلام، عمائدین اشعری، ماتریدی، باقلانی، غزالی، رازی، آمدی وغیرہ جیسے محققین اسلام کی تحقیر کی جاتی ہے، کبار فقہاء امت اور اکابر محدثین کے فیصلوں کو بنظر اشتباہ دیکھا جاتا ہے اور دوسری طرف قرن حاضر کے بعض ارباب قلم کی قلمی جولانیوں سے متاثر یا ان کی شخصیت سے مرعوب ہو کر ان کے ہر فکر اور ہر خیال کو

---

(۱) یہ مقالہ سہ روزہ "صدق" لکھنؤ کی چھ اشاعتوں (۱۸ ر شعبان لغایۃ ۱۲ ر رمضان المبارک ۱۳۷۴ھ) میں شائع ہوا تھا۔

قطعی خیال کرنے لگتے ہیں۔ کچھ دنوں سے ہندوستان کے مؤقر جریدہ ''صدق'' میں نزول مسیح علیہ السلام کا عقیدہ زیر بحث ہے جو مدتوں پہلے سے فیصلہ شدہ اور جو فتنہ قادیانیت کی وجہ سے پھر تقریباً چالیس سال زیر بحث رہا اور جس پر متعدد کتابیں تصنیف ہوئیں۔ مولوی ابوالکلام صاحب، مولوی جار اللہ صاحب، مولانا عبید اللہ صاحب سندھی وغیرہ کی تحریرات میں یہ چیز آئی اور مولانا آزاد نے تو یہاں تک لکھ دیا کہ ''اگر یہ عقیدہ نجات کے لئے ضروری ہوتا تو قرآن میں کم سے کم (واقیموا الصلاۃ) جیسی تصریح ضروری تھی اور ہمارا اعتقاد ہے کہ کوئی مسیح اب آنے والا نہیں'' الخ۔ اس وقت بھی میں نے اس خیال کی تردید میں ایک مفصل مضمون لکھا تھا جو بعض ارباب جرائد کی مداہنت سے شائع نہ ہوسکا اور نہ اس کا مسودہ میرے پاس ہے، غور کرنے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ان حضرات کو اصل داعیہ اس قسم کے خیالات میں عقلی استبداد ہے اور بدقسمتی سے اپنے عقلی معیار کو ان حضرات نے اتنا بلند سمجھا ہے کہ نبوت کا منصب گویا ان عقول قاصرہ کو دے دیا گیا، ہوسکتا ہے کہ ہمارے بعض نیک دل ارباب قلم ان ہی حضرات کی شخصیتوں سے مرعوب ہوکر غیر شعوری تقلید میں کچھ درمیانی صورت اختیار کرنے لگے ہوں۔

اہل حق کے مسلک کی تائید میں جناب محترم مولانا ظفر احمد صاحب تھانوی نے ایک مقالہ ''صدق'' میں شائع فرمایا اس کے جواب میں جے پور کے ایک محترم نے بہت طویل مقالہ ''صدق'' میں شائع فرمایا جس کی تنقیح حسب ذیل امور میں ہوسکتی ہے:۔

① نزول مسیح کا عقیدہ صحیح ہے لیکن ظنی ہے یقینی نہیں۔

② نزول مسیح کے بارے میں احادیث اصطلاحی تواتر کو نہیں پہنچیں۔

③ نزول مسیح کے بارے میں اجماع کا نقل مشتبہ ہے، غیب کے آئندہ امور میں اجماع محل نظر ہے، ممکن ہے کچھ اور اجزاء بھی تنقیح طلب ہوں، لیکن اصلی مدار ان تین چیزوں پر ہے اور یہی زیادہ اہم بھی ہیں۔ اس وقت اس مختصر فرصت میں اس مسئلہ کی نوعیت میں بعض خطرناک اصولی غلطیاں جو پیش آرہی ہیں ان کا تصفیہ مقصود ہے۔ جے پوری صاحب نہ تو میرے مخاطب خاص ہیں نہ ان کے مضمون کی سطر سطر کی تردید یا گرفت منظور ہے، نہ طالبعلمانہ بحثوں میں الجھنا مقصود ہے، نہ ان کی نیت پر حملہ ہے، صرف طالب حق کے لئے چند اصولی اساسی امور بیان کرنے ہیں۔ باقی جحود وعناد کا تو کوئی علاج نہیں، والسلام علی من اتبع الهدی.

① دین اسلام کے مہمات عقائد و اعمال یا اصول وفروع کا ایک ذخیرہ جیسے قرآن کریم اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے توسط سے ہم تک پہنچا ہے اسی طرح اعتقادی و عملی ضروریات دین ہم تک بذریعہ توارث یا تعامل طبقہ بہ طبقہ بھی پہنچتے رہے ہیں، بلکہ اگر غور کیا جائے تو یہ معلوم ہوگا کہ دین اسلام اور اس کی کل ضروریات ہم کو اس توارث کے ذریعہ پہنچی ہیں، لاکھوں کروڑوں مسلمان جن کو نہ تو قرآن تعلیمات کی پوری خبر ہے نہ احادیث نبویہ کا علم ہے لیکن باوجود اس کے وہ دین کی مہمات وضروریات سے واقف رہتے ہیں یہ دوسری بات ہے کہ عوام کا ایمان

اجمالی ہوتا ہے تفصیلات کے وہ اس وقت مکلف ہوتے ہیں جب ان کے علم میں آجائے۔ یہ حق تعالیٰ کا ایک مستقل احسان ہے کہ باوجود اس دینی توارث کے قرآن کریم وحدیث نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی شکل میں ایک ایسا دستور اساسی بھی دے دیا کہ اگر کسی وقت مدتوں کے بعد اس دینی عملی توارث میں فتور یا قصور آجائے یا لوگ منحرف ہوجائیں تو تجدید واحیاء کے لئے ایک مکمل اساسی قانون اور علمی ذخیرہ بھی محفوظ رہے، تاکہ امم سابقہ کی طرح ضلالت کی نوبت نہ آئے اور حق تعالیٰ کی حجت پوری ہوجائے اور ظاہر ہے جب ''کتابِ الٰہی'' خاتم الکتب الالہیہ ہو اور نبی کریم خاتم الانبیاء ہوں اور دین خاتم الادیان اور امت خیر الامم ہو تو اس کے لئے یہ تحفظات ضروری تھے اور اسی لئے اس علمی قانون پر عمل کرنے کے لئے عملی نمونوں کی ایک جماعت بھی ہمیشہ موجود رہے گی تاکہ علمی وعملی دونوں طرح حق وباطل کا امتیاز قائم رہ سکے اور پوری طرح تحفظ کیا جائے اور مزید اطمینان یا اتمام حجت کے لئے دونوں باتوں کا صاف صاف نہایت موکد طریقہ پر اعلان بھی کردیا، چنانچہ ارشاد ہوتا ہے:

۱- ﴿إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَ إِنَّا لَهُ لَحَافِظُوْنَ﴾ [الحجر:۹]

ترجمہ: ہم ہی نے قرآن کو اتارا اور ہم ہی اس کے محافظ ہیں۔

اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

''لا تزال طائفة من امتی قائمین علی الحق لایضر هم من خالفهم ولا من خذلهم حتی یأتی امر الله وهم علی ذلك''(۱)

ترجمہ: یعنی ایک گروہ قیامت تک ہمیشہ کے لئے دین حق پر قائم رہے گا کسی کے امداد نہ کرنے سے یا مخالفت کرنے سے ان کا کچھ نہ بگڑے گا۔

اور میرے خیال ناقص میں تو ﴿فاسئلوا اهل الذکر ان کنتم لا تعلمون﴾ (اگر تم نہیں جانتے ہو تو اہل علم سے پوچھتے رہو) میں بھی ایک لطیف اشارہ ہے کہ ہر دور میں کچھ اہل حق ضرور ہوں گے۔

بہرحال اتنی بات واضح ہوئی کہ محافظین حق اور قائمین علی الحق کا ایک گروہ قیامت تک ہوگا جس سے یہ بات ثابت ہوئی کہ مہمات دین کے لئے صرف علمی اور ذہنی دستور اساسی ہی نہیں بلکہ ایک علمی نمونہ بھی موجود رہے گا اور اسی طرح توارث اور تعامل کا سلسلہ بدستور جاری رہے گا اگر بالفرض وہ علمی ودفتری قانون دنیا سے مفقود بھی ہوجائے تو حصول مقصود کے لئے اس گروہ کا وجود بھی کافی ہوگا۔

دین اسلام کی بہت سی ضروریات اور قطعیات مثلاً نماز، روزہ، زکوۃ، حج، نکاح، طلاق، خرید وفروخت

---

(۱) صحیح البخاری، کتاب المناقب، باب ج:۲ ص:۵۱۴، ایضاً کتاب العلم، باب من یرد الله به خیرا یفقه فی الدین ج:۱ ص:۱۶، ط: قدیمی۔

صحیح مسلم، کتاب الامارة، باب لاتزال طائفة من امتی ج:۲ ص:۱۴۳، ط: قدیمی

کی اجازت، شراب خوری، زنا کاری، قتل وقتال کی حرمت وغیرہ وغیرہ بیسیوں باتیں اسی توارث کے ذریعہ سے ہم تک پہنچتی رہی ہیں، بلکہ نماز کی بعض کیفیات اور زکوۃ کی بعض تفصیلات نہ تو صریح قرآن سے ثابت ہیں نہ اس بارے میں احادیث اصطلاحی متواتر ہیں لیکن باوجود اس کے دنیا جانتی ہے کہ وہ سب چیزیں ضروری اور قطعی ہیں اور اس میں کوئی شبہ بھی نہیں۔

② ''ادلہ سمعیہ'' یعنی عقائد واحکام کے ثبوت کے لئے قرآن وحدیث کی نصوص چار قسم کی ہوتی ہیں:

الف: ثبوت ودلالت دونوں قطعی ہوں۔

ب: ثبوت قطعی ہو دلالت ظنی ہو۔

ج: دلالت قطعی ہو ثبوت ظنی ہو۔

د: ثبوت ودلالت دونوں ظنی ہوں۔

ثبوت کے معنی یہ ہیں کہ اللہ ورسول کا کلام ہے، دلالت کے معنی یہ کہ اس کے کلام کی مراد یہ ہے۔

قرآن واحادیث متواتر ثبوت کے اعتبار سے دونوں قطعی ہیں البتہ دلالت کے اعتبار سے کبھی قطعیت ہوگی کبھی ظنیت۔

اخبار آحاد میں تیسری چوتھی قسم پائی جاتی ہے، مزید تفصیل کے لئے عبدالعزیز بخاریؒ کی کتاب کشف الاسرار شرح اصولِ فخر الاسلام اور شرح تحریر الاصول ابن امیر حاج وغیرہ ملاحظہ ہوں، پہلی قسم سے انکار کفر ہے، دوسری تیسری قسم کی انکار سے کفر تک نوبت نہیں پہنچتی۔

③ تصدیق رسالت جو بنیادی عقیدہ ہے اس میں تصدیق کے معنی یہ ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ہر بات کو دل قبول کرے اور تسلیم کرے، قرآن میں (و صدق به) اور (و یسلموا تسلیما) سے یہی مراد ہے، صرف کسی شے کا علم میں آجانا جو منطقی ومعقول تصدیق ہے قطعا کافی نہیں ہے ورنہ صرف معرفت تو بہت سے یہودیوں کو اور ہرقل کو بھی حاصل تھی لیکن مسلمان ہونے کی لئے اور نجات کے لئے اتنی بات کافی نہ ہوئی۔

④ احادیث متواترہ کا افادہ قطعیت اہل حق بلکہ امت کا اجماعی مسئلہ ہے۔

⑤ اصطلاحی تواتر میں ایک شرط یہ ہے کہ ہر دور میں نقل کرنے والے اتنے ہوں کہ غلطی اور شبہ کی گنجائش نہ رہے، نقل کرنے والوں کی کوئی خاص تعداد مقرر نہیں، بسا اوقات کسی خاص موقع پر پانچ خاص آدمیوں کی روایت سے یقین حاصل ہوتا ہے جو پچاس دوسروں سے کسی دوسرے موقع پر حاصل نہیں ہوسکتا ہے۔ اس لئے علماء اصول نے تصریح کردی ہے کہ بیان کرنے والوں یا سننے والوں کے مرتبہ سے فرق پڑ جاتا ہے اور کبھی مضمون اور بات کی نوعیت سے بھی تفاوت ہوسکتا ہے۔ دیکھئے ''فواتح الرحموت شرح مسلم الثبوت'' (ج: ۲ ص: ۱۱۰، مطبوعہ مصر)۔

⑥ بعض اصولیین کے نزدیک تواتر حدیث کا مدار راویوں کی کثرت اور طرق ومخارج کی تعداد پر نہیں

بلکہ دارومدار تلقی بالقبول پر ہے، جن احادیث کو قرن اول یعنی صحابہؓ کے عہد ہی میں امت نے قبول کرلیا ہے وہی متواتر ہیں۔ اس تعریف کے پیش نظر متواتر احادیث کی تعداد بہت بڑھ جاتی ہے، بعض محققین نے اسی تعریف کو زیادہ پسند کیا ہے اس میں کوئی شبہ نہیں کہ عملی اعتبار سے قبولیت عامہ نفس کثرت رواۃ سے کہیں زیادہ مؤثر اور قوی ہے اسی کو ہم نے توارث وتعامل سے تعبیر کیا ہے۔ عنقریب اس بات کی تائید دوسری طرح سے بھی ہوجائے گی۔

⑦ قرن اوّل میں ناقلین شرط تواتر پر ہوں اور قرن ثانی وثالث میں کمی آجائے یہ محض عقلی احتمال ہے، ذخیرہ حدیث میں اس کی مثال نہیں ملتی بلکہ احادیث کی روایت میں واقعہ یہ ہے کہ یہ راوی بڑھتے گئے اور قرن ثانی وثالث میں اخبار آحاد کے راوی بھی اس کثرت کو پہنچ گئے ہیں جو قرن اول میں احادیث متواترہ کے بھی نہیں تھے۔ جے پوری صاحب کو یہاں بھی بظاہر اشتباہ ہے اگرچہ آخری جزو کو خود بھی ایک مقام پر تسلیم کر گئے ہیں۔

⑧ احادیث متواترہ کا ذخیرہ حدیث میں نہ ہونا یا نہایت کم ہونا دونوں دعوے تحقیق اور واقعیت کے خلاف ہیں، حافظ ابن حجرؒ وغیرہ محققین اس خیال کی تردید کرتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ اس قسم کے خیالات کا منشاء احوال رواۃ وکثرت طرق پر قلت اطلاع کے سوا اور کچھ نہیں، بلکہ فرماتے ہیں کہ صحاح ستہ میں اس کی مثالیں بکثرت موجود ہیں، حافظ جلال الدین سیوطیؒ نے تو دو مستقل رسالے تصنیف کئے ہیں جن میں احادیث متواترہ کو جمع کیا ہے(۱) الازهار المتناثرة فی الاخبار المتواترة یہ رسالہ چھپ چکا ہے(۲) تدریب الراوی (ص:۱۹۱) فتح المغیث للعراق (ج:۱ص:۲۷) فتح المغیث للسخاوی (ص:۹۵)

⑨ محدثین میں کبار محدثین کی رائے یہ ہے کہ صحیح بخاری وصحیح مسلم کی وہ احادیث صحیحہ جو درجہ تواتر کو نہیں بھی پہنچیں وہ بھی قطعی ہیں اور ان سے علم یقینی حاصل ہوتا ہے۔ استاذ ابومنصور بغدادی، امام ابواسحٰق اسفرائینی، امام الحرمین، امام ابوحامد اسفرائینی، قاضی ابوطیب طبری، امام ابواسحٰق شیرازی، شمس الائمہ سرخسی حنفی، قاضی عبدالوہاب مالکی، ابویعلی حنبلی، ابوخطاب حنبلی، ابن فورک، ابن طاہر مقدسی، ابونصر عبدالرحیم شافعی، ابن صلاح وغیرہ محققین مذاہب اربعہ کا یہی مذہب ہے، بلکہ اکثر اشاعرہ اور عام محدثین کا بھی یہی مسلک ہے اور یہی رائے ہے، متاخرین میں سے ابن تیمیہ، ابن قیم، ابن کثیر، ابن حجر مکی، سیوطی کا یہی دعویٰ ہے، نووی وغیرہ نے جو خلاف کیا ہے حافظ ابن حجر نے اس کو بھی نزاع لفظی بتایا ہے "الانصاح فی المحاكمة بين النووی وابن الصلاح" ابوعلی غانی کی جو اس موضوع پر مستقل کتاب ہے وہ بھی نزاع لفظی ٹھہراتے ہیں، فرماتے ہیں کہ علم قطعی نظری کا افادہ سب کے یہاں مسلم ہے۔ امام ابن طاہر مقدسی تو یہاں تک فرماتے ہیں کہ جو صحیحین کی روایتیں نہیں ہیں لیکن صحیحین کی شرط پر ہوں وہ بھی مفید قطع ہیں۔ مکہ کے کبار تابعین میں سے عطاء بن ابی رباح فرماتے ہیں:

"ان ما اجمعت عليه الا مة اقوی من الا سناد"۔

ترجمہ: جس حدیث پر امت کا اتفاق ہو کہ یہ صحیح ہے نفس اسناد کے تواتر سے یہ زیادہ قوی چیز ہے۔

امام ابو اسحٰق اسفرائینی فرماتے ہیں:

"اهل الصنعة مجمعون على ان الا خبار التى اشتمل عليها الصحيحان مقطوع بصحة اصو لها ومتو نها فمن خالف حكمه خبرا منها وليس له تاويل سائغ للخبر نقضنا حكمه ، لان هذه الاخبارتلقتها الامة بالقبول". اه(۱)

محدثین سب اس پر متفق ہیں کہ بخاری و مسلم کی احادیث سب قطعی ہیں، اگر بغیر صحیح تاویل کوئی ایک حدیث کی بھی مخالفت کرے گا تو اس کے حکم کو ہم توڑیں گے کیونکہ امت محمدیہ نے ان احادیث کو قبول کرلیا ہے۔

حافظ ابن حجر عسقلانی فرماتے ہیں:

"الاجماع على القول بصحة الخبر اقوى فى افادة العلم من مجرد كثرة الطرق"(۲)

کسی حدیث کی صحت پر علماء کا متفق ہونا افادہ علم (قطعیت) میں کثرت طرق سے زیادہ قوی ہے۔

⑩ متواتر لفظی کے یہ معنی ہرگز نہیں کہ بعینہ ایک ہی لفظ سے وہ احادیث مروی ہوں بلکہ جس لفظ سے بھی ہوں مضمون ایک ہونا چاہیے اور ایک یا دو محدثین نے جو نفی تواتر حدیث کا دعویٰ کیا تھا یا صرف ایک ہی مثال بتلائی تھی بعض محققین کے نزدیک ان کی مراد بھی یہی ہے کہ ایک لفظ سے متواتر کی مثال نہیں ملتی، عزیز الوجود ہے، گویا ان کے نزدیک بھی احادیث متواترہ بہت ہیں لیکن ایک لفظ سے نہیں ہیں، صرف حدیث "من كذب على متعمدا فليتبوأ مقعده من النار" کو ایسا بتلایا گیا ہے۔ اس بنا پر نزاع بھی لفظی ہو جاتا ہے، متواتر معنوی کے یہ معنی نہیں کہ لفظ مختلف ہوں اور مضمون سب میں ایک ہو بلکہ یہ معنی ہیں کہ ہر ایک حدیث میں مضمون الگ الگ ہو اور ایک بات قدر مشترک نکل آئے، جیسے احادیث معجزات کہ ہر ایک اگرچہ اخبار آحاد میں سے ہے لیکن نفس ثبوت معجزہ سب میں قدر مشترک ہے، اسی کو اصطلاح میں تواتر معنوی یا تواتر قدر مشترک کہتے ہیں۔ ملاحظہ ہو: مسلم الثبوت اور اس کی شرح فواتح الرحموت۔

⑪ ادلہ شرعیہ میں ایک دلیل اجماع امت ہے، اگر اس اجماع کا ثبوت قطعی ہو تو اجماع قطعی ہوگا اور اس کا منکر بھی کافر ہوگا جیسے دوسری قطعیات شرعیہ کا منکر، [illegible] اگرچہ اخبار آحاد سے ثابت ہوں لیکن ان پر

---

(۱) فتح المغيث للسخاوى، حكم الصحيحين الماضى ذكرهما فيما اسند فيهماوغيره والتعليق ج:۱ ص:۵۱، ط: دار الكتب العلمية بيروت

(۲) فتح المغيث للسخاوى، حكم الصحيحين الماضى ذكرهما فيما اسند فيهما وغيره والتعليق ج:۱ ص:۵۱، ط. دار الكتب العلمية بيروت

امت کا اجماع ہوجائے وہ بھی قطعی ہوجاتے ہیں، کمافی التلویح وشرح التحریر (ج:۳ ص:۱۱۶) آئندہ غیبی امور کے متعلق علامات قیامت کے بارے میں اگر اجماع ہوتو اس کے معنی یہ ہیں کہ اس بارے میں مخبر صادق سے جو نقل ہے وہ صحیح ہے، ملاحظہ ہو تفصیل کے لئے "فواتح الرحموت شرح مسلم (۲۔۲۹۶) شرح تحریر الاصول لابن امیر الحاج (ج:۳ ص:۲۹۶) حدوث عالم پر اجماع کے معنی بھی یہی ہیں جیسے فتح الباری (ج:۱۲ ص:۱۷۷) میں تقی الدین ابن دقیق العید سے منقول ہے۔ جے پوری صاحب نے اس بارے میں کس قدر تلبیس سے کام لیا ہے۔ فليتنبه۔

⑫ جو چیز قرآن کریم یا احادیث متواترہ سے ثابت ہو یا اجماع امت سے اور دلالت بھی قطعی ہو تو وہ سب ضروریات دین میں داخل ہیں، ضروریات دین کے معنی یہ ہیں کہ ان کا دین اسلام سے ہونا بالکل بدیہی ہو، خواص سے گذر کر عوام تک اس کا علم پہنچ گیا ہو، یہ نہیں کہ ہر عامی کو اس کا علم ہو کیونکہ بسا اوقات تعلیم دین نہ ہونے سے بعض ضروریات دین کا علم عوام کو نہیں ہوتا لیکن تعلیم کے بعد اور جان لینے کے بعد اس پر ایمان لانا ضروری ہوتا ہے۔ علماء نے تصریح فرمادی ہے کہ بعض متواترات شرعیہ کے جہل سے تو کفر نہیں لازم آتا لیکن معلوم ہونے کے بعد جحود و انکار سے آدمی کافر ہوجاتا ہے۔ ملاحظہ ہو "جواہر التوحید" کی شرح (ص:۵۱) وحاشیہ الموافقات للشاطبی (ج:۳ ص:۵۶) واکفار الملحدین (ص:۲)

⑬ ضروریات دین کا انکار کرنا یا اس میں خلاف مقصود تاویل کرنا دونوں کو علماء کرام نے موجب کفر بتلایا ہے۔ حجۃ الاسلام غزالی نے اس موضوع میں "التفرقه بين الاسلام والزندقة" مستقل کتاب لکھی ہے اور فیصلہ کن بحث فرمائی ہے۔ مدت ہوئی مصر سے چھپ کر آ گئی ہے اور غالباً ہندوستان میں بھی طبع ہوئی ہے اور امام العصر محدث وقت حضرت استاذ مولانا محمد انور شاہ کی کتاب "اكفار الملحدين في ضروريات الدين" اس موضوع پر نہایت ہی جامع اور بے مثل کتاب ہے۔

⑭ جو چیز متواتر ہوجائے وہ دین میں ضروری ہوجاتی ہے کیونکہ متواتر کا افادہ علم ضروری قطعی مسلمات سے ہے، پس اگر کسی کو اس کا علم ہوجائے کہ یہ حدیث احادیث متواترہ میں سے ہے یا یہ بات حدیث متواتر سے ثابت ہے تو اس پر ایمان لانا ضروری ہوجاتا ہے خواہ اس کا تعلق کائنات ماضیہ سے ہو یا مغیبات مستقبلہ سے ہو، خواہ عقائد کے متعلق ہو خواہ احکام کے بارے میں ہو، تصدیق رسالت کے لئے اس سے چارہ نہیں ورنہ تکذیب رسول کا کفر ہونا کسی دلیل کا محتاج نہیں۔ بہرحال تصدیق رسول کا ایمان کے لئے ضروری ہونا اور تکذیب سے کفر کا لازم آنا یہ خود دین کی ضروریات میں داخل ہے، کتب کلامیہ اور کتب اصول فقہ میں یہ قواعد کلیہ مفصل مل جاتے ہیں بطور نمونہ ہم اس سمندر سے چند قطرے پیش کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔

۱-ومن اعترف بكون شيء من الشرع ثم جحده كان منكرًا للشرع وانكار جزء من الشرع كانكار كله. (شرح التحرير ج:۳ ص.۱۳۰)

جو شخص یہ مانے کہ یہ چیز شریعت میں ہے باوجود اس کے اس کا انکار کرے تو یہ کل شریعت کا انکار ہے۔

۲- وصح الاجماع علی ان کل من جحد شیئاصح عندنا بالاجماع ان رسول الله ﷺ اتی به فقد کفر ، او جحد شیئاصح عنده بان النبی ﷺ قاله فهو کا فر. (الملل لابن حزم ج:۱ ص۲۵ و ۲۲۶)(۱)

اس پر اجماع ہے کہ جس چیز کے متعلق یہ اتفاق ہو کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرما چکے ہیں اس کا انکار کفر ہے یا یہ مانتا ہو کہ آپ فرما چکے ہیں باوجود اس کے نہ مانے یہ کفر ہے۔

۳- من انکر الاخبار المتواترة فی الشریعة مثل حرمة لبس الحریر علی الرجال کفر .(۲) (شرح فقه اکبر نقلاً عن المحیط)

کسی شرعی حکم کی حدیث متواتر ہو اور اس سے انکار کیا جاوے تو کافر ہوگا جیسے ریشمی لباس مردوں کے لئے۔

٤- فصار المنکر المتواتر ومخالفه کافرا.(۳)

متواتر کا انکار یا مخالفت دونوں کفر ہیں۔

۵-والصحیح ان کل قطعی من الشرع فهو ضروری .(۴)

دین میں جو چیز قطعیات کو پہنچ چکی ہو وہ ضروریات دین میں داخل ہے۔

(المحصول للرازی بحواله اکفار الملحدین ص:٦٧)

٦-شروط القطع فی النقلیات التواتر الضروری فی النقل والتجلی الضروری فی المعنی. (۵) (ایضاص:٦٩)

شرعی امور جب تواتر سے ثابت ہوں اور معنی بھی واضح ہوں یہی قطعیت ہے۔

۷- کل مالم یحتمل التاویل فی نفسه وتواتر نقله ولم یتصور ان یقوم برهان علی خلافه فمخالفته تکذیب محض. (التفرقة للغزالی ص:١٤)

جس چیز کی نقل متواتر ہو اور تاویل کی گنجائش نہ ہو اور کوئی دلیل خلاف پر قائم نہ ہو تو ایسی چیز کی مخالفت

---

(۱) بحواله اکفار الملحدین ص:٦٤،ط:المجلس العلمی کراچی

(۲)شرح الفقه الاکبر للملاعلی القاری ص:۲۷٦،ط:دارالکتب العلمیة بیروت

(۳)اصول فخر الاسلام البزدوی،باب المتواترج:۱ص:۱۵۱،ط:جاوید پریس کراچی، اکفار الملحدین ص:٦٥،ط:المجلس العلمی کراچی

(۴) اکفار الملحدین ص:۸٤،ط:المجلس العلمی کراچی

(۵) اکفار الملحدین ص:۸۵،ط:المجلس العلمی کراچی

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تکذیب ہے۔

٨- بل انكار المتواتر عدم قبول اطاعة الشارع.... و رد على الشريعة وان لم يكذب وهو كفر بواح نفسه.

(شرح الاشباه للحموى، رد المحتار، طحطاوى بحواله اكفار الملحدين)

بلکہ حقیقت میں تو متواتر کا انکار شارع علیہ الصلاۃ والسلام کی عدم اطاعت ہے اور شریعت اسلام کا رد ہے جو خود کھلا ہوا کفر ہے اگرچہ تکذیب نہ کرے۔

٩-ومن انكر شيئا من شرائع الاسلام فقد ابطل قول لا اله الا الله

(السير الكبير للامام محمد بحواله اكفار الملحدين)

شریعت اسلامیہ کی کسی چیز سے انکار کرنا کلمہ اسلام سے انکار کرنا ہے۔

١٠- فلا خلاف بين المسلمين ان الرجل لو اظهر انكار الواجبات الظاهرة المتواترة ونحو ذلك فانه يستتاب فان تاب والا قتل كافرًا مرتدًا. اهـ. (شرح عقيده طحاوية، مطبوعه حجاز ص:٢٤٦)

امت مسلمہ میں کوئی خلاف اس بارے میں نہیں کہ جو کوئی متواترات سے انکار کرے چاہے اس کا کرنا فرض ہو یا ترک حرام ہو اس سے توبہ نہ کرے تو کافر ہے اور واجب القتل ہے۔

١١-لا يكفر اهل القبلة الا فيما فيه انكار ما علم مجيئه بالضرورة او اجمع عليه كاستحلال المحرمات. (١) (المواقف ومثله في العضدية)

اہل قبلہ کی اس وقت تک تکفیر نہیں کی جاتی جب تک ضروریات دین کا یا کسی ایسی چیز کا جس پر اجماع منعقد ہوا انکار نہ کرے، مثلاً حرام کو حلال سمجھنا۔

١٢-وكذلك يقطع بتكفير من كذب او انكر قاعدة من قواعد الشريعة وما عرف يقينًا بالنقل المتواتر من فعل رسول الله ﷺ. (٢)

جو شخص تکذیب کرے یا کلیات شریعت میں سے کسی قاعدہ سے انکار کرے یا جو چیز نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے متواتر ثابت ہے اس سے انکار کرے اس کی تکفیر قطعی و یقینی ہے۔

---

(١) كتاب المواقف، الفرقة السابعة المشبهة ج:٣ ص:٧١٩، ط: دار الجيل بيروت
اكفار الملحدين ص:٥٦، ط: المجلس العلمى كراچى
(٢) اكفار الملحدين ص:٥٦، ط: المجلس العلمى كراچى

۱۳- وخرق الاجماع القطعی الذی صار من ضروریات الدین کفر(۱)

(کلیات ابی البقاء بحوالہ اکفار الملحدین)

قطعی اجماع جو ضروریات دین میں داخل ہے اس کا خلاف کرنا کفر ہے۔

۴ ضروریات دین کی مثال میں علماء امت اپنی اپنی کتابوں میں دو چار مثالیں ذکر کر دیتے ہیں ناظرین کو یہ غلط فہمی ہو جاتی ہے کہ ضرور یات دین بس یہی ہیں آگے سلسلہ ختم ہو گیا، یہ چیز جج پوری صاحب کو بھی پیش آ رہی ہے حالانکہ ان اکابر کا مقصود محض مثال پیش کرنا ہے نہ استقصاء، نہ حصر، نہ تخصیص، اس غلط فہمی کے ازالہ کے لئے ذیل میں ہم ان مثالوں کو ایک جگہ جمع کر دیتے ہیں جو سرسری محنت سے مل سکیں تا کہ اس مختصر فہرست سے خود بخود یہ حقیقت واضح ہو جائے کہ مقصود تمثیل تھی نہ پوری فہرست، کتب فقہ، اصول فقہ، کتب کلام، اصول حدیث میں ذیل کی مثالیں ملتی ہیں۔

اثبات علم الٰہی، قدرتِ محیط، ارادۂ کاملہ، صفتِ کلام، قرآن کریم، قدم قرآن، قدم صفات باری، حدوثِ عالم، حشرِ اجساد، عذابِ قبر، جزاء وسزا، رؤیت باری قیامت میں، شفاعت کبری، حوض کوثر، وجود ملائکہ، وجود کراما کاتبین، ختم نبوت، نبوت کا وہبی ہونا، مہاجرین و انصار کی اہانت کا عدم جواز، اہل بیت کی محبت، خلافت شیخین، پانچ نمازیں، فرض رکعات کی تعداد، تعداد سجدات، رمضان کے روزے، زکاۃ، مقادیر زکاۃ، حج، وقوف عرفات، تعداد طواف، جہاد، نماز میں استقبال کعبہ، جمعہ، جماعت، اذان، عیدین، جواز مسح خفین، عدم جواز سبِ رسول، عدم جواز سب شیخین، انکار جسم، انکار حلول اللہ، عدم استحلال محرمات، رجم زانی محض حرمت لبسِ حریر (ریشم پہننا) جواز بیع، غسل جنابت، تحریم نکاح امہات، تحریم نکاح بنات، تحریم نکاح ذوی المحارم، حرمت خمر، حرمت قمار اس وقت یہ اکیاون مثالیں پیش کی گئی ہیں، اب تو خیال مبارک میں آ گیا ہوگا کہ بعض وہ امور جس کی طرف التفات بھی نہ ہوگا وہ بھی ضروریات دین میں داخل ہیں۔ اب ہم اس بحث کے آخر میں محقق ہند حضرت عبدالعزیزؒ صاحب کی عبارت کا اقتباس پیش کرتے ہیں پوری عبارت اکفار الملحدین میں منقول ہے اس سے انشاء اللہ یہ بات بالکل بدیہی ہو جائے گی کہ ضروریات دین کے لئے ضابطہ کلیہ کیا ہے اور جو چیزیں بطور تمثیل پیش کی جاتی ہیں ان کا دائرہ صرف تمثیل ہی کی حد تک محدود ہے، فرماتے ہیں:

"ضروریات الدین منحصرۃ عندھم فی ثلاثۃ : مدلول الکتاب بشرط ان یکون نصا صریحا لا یمکن تاویلہ کتحریم البنات والامھات ، و مدلول السنۃ المتواترۃ لفظا اومعنی سواء کان من الاعتقادیات او من العملیات وسواء کا ن فرضاً او نفلاً والمجمع علیہ اجماعاً قطعیاکخلافۃ الصدیق

(۱) اکفار الملحدین ص:۷۵، ط: المجلس العلمی کراچی

والفاروق ونحوذلك ولا شبهة ان من انكر امثال هذه الا مور لم يصح ايمانه بالكتاب والنبيين. (إكفار الملحدين ص۱۲۲ ط المجلس العلمى)

ضروریاتِ دین تین قسم کے ہیں: پہلی قسم یہ کہ تصریح نص قرآنی سے ثابت ہوں جیسے ماں، بیٹی سے نکاح کا حرام ہونا، دوسری قسم یہ کہ سنت متواترہ سے ثابت ہوں تواتر خواہ لفظی ہو، خواہ معنوی، عقائد میں ہو یا اعمال میں ہو، فرض ہو یا نفل ہو، تیسری قسم یہ ہے کہ اجماع قطعی سے ثابت ہوں جیسے صدیق اکبرؓ وفاروق اعظمؓ کی خلافت وغیرہ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ اس قسم کے امور سے اگر انکار کیا جائے تو اس شخص کا ایمان قرآن اور انبیاء پر صحیح نہیں ہے۔

امام العصر محدث حضرت استاذ مولانا محمد انور شاہ مزید توضیح کے ساتھ فرماتے ہیں کہ ''ضروری کے معنی یہ ہیں کہ حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کا ثبوت ضروری ہو، دین سے ہونا یقینی ہو اور جو بھی اس کا شرعی مرتبہ ہو اسی درجہ کا عقیدہ اس کا ضروری ہوگا۔ مثلاً نماز فرض ہے اور فرضیت کا عقیدہ بھی فرض ہے اور اس کا سیکھنا بھی فرض ہے اور انکار کفر ہے۔ اسی طرح مسواک کرنا سنت ہے اور سنت ہونے کا عقیدہ فرض ہے اور سیکھنا سنت اور انکار کرنا کفر ہے اور عملاً ترک کر دینا باعث عتاب یا عقاب ہے''۔ اب امید ہے کہ اس تشریح سے ضروریات دین کی حقیقت واضح ہوگئی ہوگی۔ بات تو بہت لمبی ہوگئی لیکن توقع ہے کہ طالب حق کے لئے نہایت کارآمد ثابت ہوگی اور آج کل جو عام طور سے ایمان وکفر کے قواعد یا مسائل میں عوام کو یا عالم نما جاہلوں کو شبہات وشکوک یا وساوس پیش آرہے ہیں ان کا بھی اس سے تصفیہ ہوجائے گا۔ اس طولانی تمہید کے بعد ان ہی اصول مذکورہ کی روشنی میں ہم نزول مسیح علیہ السلام کے عقیدہ کو پرکھتے ہیں۔ اگرچہ ہمارا اصلی مقصد تو پورا ہوگیا اب طالب حق خود ہی ان اصول اسلامیہ اور قواعد مسلمہ کی روشنی میں تفتیش کر کے مزید ضروریات دین کا سراغ بھی لگا سکے گا، لیکن تبرعاً چند مختصر گذارشات بھی ناظرین کی خدمت میں پیش کرتے ہیں: نزول مسیح علیہ السلام کے تین پہلو ہیں:

① قرآنی حیثیت اس کی کیا ہے؟ ② حدیثی مرتبہ کیا ہے؟ ③ اور اجماع امت کا فیصلہ اس بارے میں کیا ہے؟ تینوں امور واضح ہونے کے بعد خود بخود یہ چیز اظہر من الشمس ہوجائے گی کہ عقیدہ نزول ضروریات دین میں سے ہے یا نہیں!!

نزول مسیح اور قرآن کریم

۱ - ﴿وَإِنَّهُ لَعِلْمٌ لِلسَّاعَةِ فَلَا تَمْتَرُنَّ بِهَا﴾ [الزخرف:٦١]

اور بے شک وہ نشانی ہے قیامت کی پس نہ شک کرو اس میں۔

ترجمان القرآن حضرت ابن عباسؓ اور حضرت ابو ہریرہؓ صحابہ میں سے، تابعین میں سے ابوالعالیہ، ابو مالک، عکرمہ، حسن، قتادہ، ضحاک، مجاہد وغیرہ سے آیت کریمہ کی صحیح تفسیر یہ منقول ہے کہ: ''انہ'' کی ضمیر عیسیٰ علیہ

السلام کی طرف راجع ہے، قرآنی سیاق کا تقاضا بھی یہی ہے اور علم کے معنی نشانی کے ہیں۔ تفسیر ابن جریر، تفسیر ابن کثیر، تفسیر درمنثور میں مجاہد سے مروی ہے:

"قال آية للساعة خروج عيسى ابن مريم قبل يوم القيامة"

فرمایا: قیامت کی نشانی ہے حضرت عیسیٰ بن مریم کا قیامت سے پہلے تشریف لانا۔

حافظ ابن کثیر دعویٰ کرتے ہیں کہ یہی تفسیر صحیح ہے، ظاہر ہے کہ کسی صحابی سے اس کے خلاف تفسیر جب منقول نہیں تو ایسی صورت میں حبر امت اور بحر امت ترجمان القرآن ابن عباسؓ کی تفسیر سے زیادہ راجح کون سی تفسیر ہو سکتی ہے۔ اب ترجمہ آیت کریمہ کا یہ ہوا کہ "یقینی یہ ہے کہ نزول عیسیٰ علیہ السلام قیامت کی نشانی ہے پس اس میں شک نہ کرو" تفصیل کے لئے تفسیر ابن جریر۔(۲۵۔۵۴) مطبوعہ میریہ، تفسیر ابن کثیر (۹۔۱۴۶) مطبوعہ میریہ، الدرالمنثور (۶۔۲۰) طبع مصر، عقیدۃ الاسلام فی حیات عیسیٰ علیہ السلام (ص:۳) ملاحظہ ہو۔ اس لئے عقیدۃ الاسلام (ص:۵) میں حضرت امام العصرؒ فرماتے ہیں:

اذا تواترت الاحاديث بنزوله وتواترت الاثاروهو المتبادرمن نظم الآية فلا يجوز تفسير بغيره .الخ

جب عیسیٰ علیہ السلام کے نزول کی احادیث وآثار متواتر ہیں اور قرآن کریم کی آیت کا واضح مفہوم بھی یہی ہے تو اس کے علاوہ کوئی اور تفسیر صحیح نہ ہوگی۔

۳- ﴿وَاِنْ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ اِلَّا لَيُؤْمِنَنَّ بِهٖ قَبْلَ مَوْتِهٖ وَ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ يَكُوْنُ عَلَيْهِمْ شَهِيْدًا﴾ [النساء:۱۵۹]

کوئی شخص بھی اہل کتاب میں سے نہ رہے گا مگر وہ عیسیٰ علیہ السلام پر ان کی موت سے قبل ایمان لائے گا۔

"موتہ" کی ضمیر میں نزاع ہے، ابن جریر نے ابن عباس، مجاہد، عکرمہ، ابن سیرین، ضحاک وغیرہ کی تفسیر کے مطابق اس کی تصحیح وترجیح فرمائی ہے "موتہ" کی ضمیر راجع ہے عیسیٰ علیہ السلام کی طرف اور مقصود یہ ہے کہ نزول عیسیٰ علیہ السلام کے وقت جتنے اہل کتاب ہوں گے عیسیٰ علیہ السلام کی وفات سے پہلے سب ایمان لے آئیں گے اور اسی قول کو ابن جریر اپنی تفسیر میں "اولی هذه الاقوال بالصحة"(۱) قرار دیتے ہیں۔ ابن کثیر اپنی تفسیر میں فرماتے ہیں:

وهذا القول هو الحق كما سنبينه بالدليل القاطع ان شاء الله ...... ولا شك ان هذا الذى قاله ابن جرير هو الصحيح لا نه المقصود من سياق الآية(۲)

---

(۱) جامع البيان فى تأويل القرآن المعروف بـ تفسير الطبرى، ج۹، ص۳۸۶، ط: مؤسسة الرسالة.

(۲) تفسيرابن كثير تحت قوله﴿وان من اهل الكتاب الاليؤمنن به قبل موته﴾ ج:۱ ص:۵۷۷، ط: قديمى

یہی قول حق ہے جیسا کہ آگے دلیل قطعی کے ساتھ اس کو بیان کریں گے، انشاء اللہ۔۔۔۔لاریب کہ یہ جو کچھ ابن جریرؒ نے فرمایا ہے یہی صحیح ہے کیونکہ سیاق آیت سے یہی مقصود ہے۔

عمدۃ القاری (۷۔ ۲۵۲) میں اس تفسیر کو اہل العلم کی تفسیر بتلایا ہے۔(۱)

بہر حال قرآن کریم کی راجح تفسیر کی بنا پر ان دو آیتوں میں نزول مسیح علیہ السلام کا ذکر ہے۔ ہاں یہ دو آیتیں اس مقصود میں ظاہر الدلالۃ ہیں قطعی الدلالۃ نہیں لیکن چونکہ احادیث صحیحہ نزول عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق تواتر کو پہنچ گئی ہیں اور تواتر مفید قطعیت ہے اس حیثیت سے یہ آیتیں مفید قطعیت ہوں گی اگر چہ مقطوع لغیر ہ ہوں۔

بہر حال یہ تفصیل ہمارے موضوع سے خارج ہے اس موضوع کی تفصیل و تحقیق نکات و لطائف کو دیکھنے کا اگر شوق ہو تو عقیدہ الاسلام اور تحیۃ الاسلام کی مراجعت کی جائے، جو امام العصر مولانا انور شاہ قدس سرہٗ کی اس موضوع پر بے نظیر کتابیں ہیں۔

نزول عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں تواتر حدیث

اب رہا دوسرا پہلو: حدیثی اعتبار سے تو یہ پہلے ذہن نشین ہونا چاہئے کہ تواتر حدیث یا تواتر احادیث دونوں ایک ہی حقیقت کے دو عنوان ہیں۔ محدثین کی اصطلاح میں اگر ایک متن مثلاً دس صحابہ سے مروی ہو تو یہ دس حدیثیں کہلائیں گی اگر عدد صحابہ درجہ تواتر کو پہنچ گیا تو یہی حدیث متن کے اعتبار سے حدیث متواتر ہوگی، رواۃ اور کثرت طرق کے اعتبار سے احادیث متواترہ کی تعبیر زیادہ انسب ہوگی، بظاہر جے پوری صاحب اس سے بھی غافل ہیں۔ اب سنیے! اگر کسی حدیث کے رواۃ اور طرق بحث و تفتیش کے بعد درجہ تواتر کو پہنچ گئے ہیں تو ہر محدث کو اس حدیث کے متواتر کہنے کا حق حاصل ہوگا اگر چہ امت میں سے کسی نے تصریح نہ کی ہو، بلکہ ہوسکتا ہے کہ محدث نے بغیر بحث و تحقیق کے کسی حدیث کے متعلق فرمادیا ہو کہ یہ خبر واحد ہے بعد میں تتبع طرق اور کثرۃ رواۃ سے کسی کو معلوم ہو کہ متواتر ہے تو وہ متواتر اور مفید للعلم القطعی ہوگی، نیز یہ معلوم رہے کہ ہر فن کا مسئلہ اس فن والوں سے لیا جاتا ہے کسی حدیث کی تصحیح یا تحسین یا تضعیف یا خبر واحد یا مشہور و متواتر ہونے کے لئے محدث کی شہادت پیش کی جائے گی صرف فقیہ کا یہ منصب نہیں اور نہ صرف متکلم یا معقولی کا یہ وظیفہ ہے۔ ایک موقعہ پر جے پوری صاحب نے نزول مسیح کی احادیث کو اخبار آحاد کہنے کے لئے تفتازانی کی عبارت پیش فرمائی ہے، یہ فن تفتازانی کا نہیں وہ معانی و بیان یا منطق و کلام میں ہزار درجہ محقق ہوں تو ہوں حدیث ان کا فن نہیں ہے۔ یہاں تو غزالی، امام الحرمین، رازی، آمدی جیسے اکابر کے اقوال بھی قابل اعتبار نہیں چہ جائیکہ تفتازانی؟ ایسے موقع پر تو مغلطائی، ماردینی، مزی، ذہبی، عراقی، ابن حجر، عینی، ابن تیمیہ، ابن قیم، ابن کثیر وغیرہ وغیرہ محدثین امت اور حفاظ حدیث کی شہادت مقبول ہوسکتی ہے۔

(۱) عمدة القاری شرح صحیح البخاری، کتاب احادیث الانبیاء، باب نزول عیسی ابن مریم علیهما السلام ج:۱٦ ص:٥٤، ط: رشیدیه کوئٹه

سید جرجانی اور تفتازانی کی احادیث دانی جاننے کے لئے یہ واقعہ کافی ہے کہ چھ ماہ تک "حب الهرة من الایمان" میں مناظرہ کرتے رہے کہ یہ حدیث ہے اور "من" ابتدائیہ ہے یا تبعیضہ؟ بے چاروں کو اتنی بھی خبر نہیں ہوئی کہ حدیث موضوع ہے۔ خیر اس بحث کو رہنے دیجئے، احادیث نزول مسیح صحاح کی حدیثیں ہیں اور صحاح ہی میں عبداللہ بن مسعود، عبداللہ بن عمر، حذیفہ، ابن اسید، ابو امامہ باہلی، جابر بن عبداللہ، نو اس بن سمعان رضی اللہ عنہم سے مروی ہیں، ان میں سے ابو ہریرہ، جابر، حذیفہ، ابن عمر رضی اللہ عنہم کی حدیثیں تو صحیحین کی ہیں اگر اس بات میں صرف شیخین ہی کی حدیثیں ہوتیں تو نمبر (۹) کے مطابق محققین اہل حدیث و کبار محدثین کے نزدیک ان کے افادہ یقین میں ذرا بھی شبہ نہیں اور صحیح ابن خزیمہ، صحیح ابن حبان، مسند احمد، سنن اربعہ وغیرہ کی حدیثیں ملا کر مرفوعات کی تعداد ستر تک پہنچ جاتی ہے، کیا ستر کبار صحابہ جن کی فضیلت میں وحی متلو نازل ہوئی اور روئے زمین پر انبیاء علیہم السلام کے بعد صدق شعار قوم ان سے زیادہ نہیں گذری، اگر لسان نبوت سے ان کی حکایت مفید للعلم نہیں ہوگی تو کس قوم کی ہوگی؟ اگر ہمیں کسی کے صلاح وتقوے اور صداقت کا یقین ہو اور بیس بائیس ایسے آدمی آ کر ہم سے کوئی بات بیان کریں تو انصاف سے بتایا جائے کہ ہمارے لئے مفید للعلم الیقینی ہوگی یا نہیں؟ حالانکہ ایک صحابی ایک ہزار راویوں پر بھاری ہے، بلکہ اگر یہ کہا جائے کہ ساری امت پر بھاری ہے تو شاید مستبعد نہ ہوگا، پھر ان ستر صحابہ کی مرفوع احادیث کے علاوہ تقریباً تیس صحابہ وتابعین سے آثار موقوفہ مروی ہیں اور محدثین کا یہ فیصلہ ہے کہ غیر قیاسی وغیر عقلی امور میں موقوف روایت بھی مرفوع کے حکم میں ہے، گویا سو مرفوع روایتیں باسانید صحیحہ وحسنہ جمع ہوگئی ہیں، کیا کوئی بتلا سکتا ہے کہ جن محدثین نے جن احادیث کے متعلق تواتر اصطلاحی کا دعویٰ کیا ہے وہ کثرت رواۃ و کثرت طرق اور کثرت مخارج میں اس کا مقابلہ کر سکتی ہیں؟ حدیث "من كذب على متعمدا فليتبوا مقعده من النار"(۱)۔ جو سب سے اعلیٰ ترین متواتر حدیث کی نظیر پیش کی گئی ہے اس کے رواۃ بھی تقریباً سو ہی تک پہنچے ہیں حالانکہ مشکل ہے کہ سو کی سو روایتوں کے تمام رجال صحیح یا حسن تک پہنچیں، حدیث مسح خفین باتفاق محدثین حدیث متواتر ہے، کتب اصول فقہ وکتب فقہ وشروح حدیث میں متعدد مواضع میں امام ابوحنیفہ کا یہ مشہور قول نقل چلا آتا ہے:

ما قلت بالمسح على الخفين الا اذا جاء فى مثل ضوء النهار و انى اخاف الكفر على من لم ير المسح على الخفين(۲)

میں مسح خفین کا اس وقت قائل ہوا جب کہ دن کی روشنی کی طرح یہ مسئلہ میرے سامنے واضح ہو گیا اور جو

---

(۱) صحيح البخاری، كتاب العلم، باب اثم من كذب على النبی ج:۱ ص:۲۱، ط: قديمی

(۲) المبسوط للسرخسی، باب المسح على الخفين ج:۱ ص:۲۲۹، ط: دار الكتب العلميه بيروت.

عمدة القاری، كتاب الوضوء، باب المسح على الخفين ج:۳ ص:۱٤٤، ط: رشيديه.

فتح القدير، كتاب الطهارات، باب المسح على الخفين ج:۱ ص:۱٤٤، ط: دار الفكر بيروت

شخص مسح خفین کا قائل نہیں مجھے اس کے حق میں کفر کا اندیشہ ہے۔

تو مسح خفین کے انکار سے کفر کا اندیشہ ہے اور تاریخ خطیب بغدادی میں ہے کہ امام ابوحنیفہؒ سے کسی نے ان کا مسلک پوچھا تو انہوں نے فرمایا:

"افضل الشیخین واحب الختنین واری المسح علی الخفین"(۱)

میں حضرت ابوبکر وعمر کو سب (صحابہ) سے افضل سمجھتا ہوں، عثمان وعلی سے محبت رکھتا ہوں، مسح خفین کا قائل ہوں۔

گویا سنی ہونے کے لئے مسح خفین کے ماننے کو ضروری معیار قرار دیا ہے، بالفاظ دیگر جواب کا خلاصہ یہ نکلا کہ میں نہ شیعی ہوں نہ خارجی ہوں بلکہ سنی ہوں۔ تو اس لئے کہ امامؒ کے نزدیک مسح علی الخفین کی احادیث متواتر ہیں اور مفید للعلم القطعی ہیں، حالانکہ غسل رجلین قرآن کریم کا قطعی حکم ہے اور احادیث غسل رجلین بھی متواترہ ہیں دو قطعی دلیلوں سے فرضیت غسل رجلین ثابت ہو چکی تھی پھر بھی جمہور امت کے نزدیک مسح علی الخفین کا جواز یقینی ہے اور اس قطعی دلیل سے کتاب اللہ اور احادیث متواترہ غسل پر زیادتی صحیح ہوگئی۔

غور کرنے کا مقام ہے کہ احادیث مسح علی الخفین بتصریح امام احمد بن حنبلؒ مرفوع حدیثیں کل چالیس ہیں حالانکہ صحابہ میں سے بعض اکابر کا خلاف بھی منقول ہے پھر یہ بھی مشکل ہے کہ یہ چالیس حدیثیں سب کی سب صحیح یا حسن ہوں اس کے باوجود اتنی مقدار تواتر قطعی کے لئے کافی ہوئی۔

احادیث غسل رجلین کو متواتر اصطلاحی کہا گیا ہے حالانکہ بمشکل اکتیس حدیثیں منقول ہیں، احادیث معراج جسمانی کو متواتر اصطلاحی کہا گیا ہے حالانکہ کل رواۃ بیس تک پہنچتے ہیں۔ احادیث حوض کوثر کو متواتر اصطلاحی کہا گیا ہے حالانکہ کل احادیث پچاس تک پہنچتی ہیں۔ احادیث رفع یدین عند التحریمہ کو متواتر اصطلاحی کہا گیا ہے حالانکہ کل حدیثیں بمشکل پچاس تک پہنچیں گی۔

حدیث "من بنی مسجد للہ الخ" متواتر ہے باوجودیکہ صحابہ روایت کرنے والے بیس سے متجاوز نہیں، ایسے ہی حدیث شفاعت، حدیث عذاب قبر، حدیث سوال منکر نکیر، حدیث المرء مع من احب، حدیث کل میسر لما خلق له، حدیث بدأ الاسلام غریبا الخ وغیرہ وغیرہ ان سب حدیثوں کو اصطلاحی تواتر کے اعتبار سے متواتر کہا گیا ہے۔

حافظ ابن تیمیہ نے تو کئی رسائل میں احادیث شفاعت، حوض کوثر، عذاب قبر کو سنت متواترہ سے تعبیر کیا ہے باوجودیکہ ان کے رواۃ وطرق احادیث نزول مسیح کو نہیں پہنچتے۔

اب نہیں معلوم جے پوری صاحب کے یہاں وہ کون سی شرط ہے جو حدیث متواتر اصطلاحی کے لئے

(۱) عمدة القاری، کتاب الوضوء، باب المسح علی الخفین ج: ۳ ص: ۱۴۴، ط: رشیدیه.

موجود ہونی چاہیے، محدثین نے جن متواتر حدیثوں کو جمع کیا ہے وہ سب اصطلاحی متواترات ہیں نہ کہ لغوی، نہ معلوم جے پوری صاحب کو تواتر کے لفظ سے کیوں چڑ ہے کہ جہاں ''تواترت الاخبار'' کا لفظ دیکھ لیا فرمانے لگے: یہ تواتر لغوی ہے مراد کثرت ہے نہ معلوم یہ ''جج'' کا منصب آپ کو کس نے دیا ہے، ہاں! یہ صحیح ہے کہ بعض مواقع پر لغوی تواتر مراد ہوتا ہے لیکن خارجی قرائن اور بحث و تحقیق سے یہ فیصلہ ہو جاتا ہے کہ یہ تواتر اصطلاحی ہے یا لغوی؟ جن کا یہ فن ہے اور شب و روز اس کی مزاولت کرتے ہیں اور حدیث ان کی صفت نفس بن گئی ہے وہ ہی اپنی بصیرت سے اس کا فیصلہ کرتے ہیں، ہر عمرو و زید کا یہ منصب نہیں۔ اب سوچئے کہ صحابہ میں سے احادیث نزول کو اتنے روایت کرنے والے اور صحابہ سے نقل کرنے والے یقیناً اس سے کہیں زائد ہیں اور کم سے کم اتنے تو ضرور ہیں اور باتفاق امت رواۃ بڑھتے ہی گئے کم نہیں ہوئے، اسی وجہ سے متواترات کی مشہور احادیث کی تعداد بھی بڑھ گئی کہ قرنِ ثانی میں نقل کرنے والے بڑھ جاتے ہیں اور قرنِ ثالث میں تو اخبار آحاد بھی مشہور و متواتر کی کثرت طرق اور کثرت رواۃ کو پہنچ جاتی ہیں جو جے پوری صاحب کو خود بھی تسلیم ہے اب ایسی صورت میں اگر کوئی محدث بھی تصریح نہ کرتا کہ یہ حدیث متواتر ہے جب بھی کوئی مضائقہ نہ تھا۔

لیکن باوجود اس کے جب حافظ ابن کثیر ان کو اخبار متواترہ سے تعبیر کرتے ہیں، حافظ جلال الدین سیوطی ان کو متواتر کہتے ہیں، قدماء محدثین میں سے ''ابو الحسن السجزی الآبری'' اس کو متواتر مانتے ہیں اور خارجی بحث و تحقیق سے بھی یہ بات ثبوت کو پہنچ چکی تو خدارا انصاف کیجئے کہ ایسی صورت میں کیا کسی کو یہ حق حاصل ہے کہ بے دلیل محض اپنی خواہش پوری کرنے کے لئے یہ کہے کہ تواتر سے لغوی تواتر مراد ہے۔

ابو الحسن آبری قدماء محدثین میں سے ہیں، ابن خزیمہ صاحب الصحیح سے روایت کرتے ہیں ۳۶۳ھ میں وفات پا چکے ہیں ان کا قول حافظ ابن حجرؒ نے فتح الباری (۶۔۳۵۸) مطبوعہ میریہ میں یوں نقل کیا ہے:

وقال ابو الحسن الخسعی الآبری

یہ ناسخین کی تصحیف ہے صحیح ''السجزی الآبری'' ہے ''سجستانی'' کی نسبت غیر قیاسی ''سجزی'' آیا کرتی ہے کما فی القاموس، ''السجستی'' نہیں آتی جیسا جے پوری صاحب فرماتے ہیں۔

فی مناقب الشافعیؒ وتواتر الاخبار بان المهدی من هذه الامة وان عیسیٰ یصلی خلفه.

مناقب شافعیؒ میں ہے کہ اس مضمون کی احادیث متواتر ہیں کہ مہدی اس امت سے ہوں گے اور عیسیٰ علیہ السلام ان کی اقتداء میں نماز پڑھیں گے۔

اصل غرض اس عبارت سے چاہے ابن ماجہ والی حدیث کا رد ہی ہو جس میں ''ولا مهدی الا عیسیٰ'' آیا ہے لیکن اس سے تین باتیں نکل آئیں:

الف: احادیث مہدی متواتر ہیں۔

ب: احادیث نزول مسیح متواتر ہیں۔

ج: مہدی کا عیسیٰ علیہ السلام کے لئے امام ہونا متواتر ہے۔

لیجئے بجائے ایک دعویٰ کے اب تین دعوے ہو گئے۔ جے پوری صاحب کا یہ فرمانا کہ لازم آتا ہے غرض یہ تو نہ تھی۔ بالکل بے معنی بات ہے کیونکہ لازم بین ہے لزوم صریح ہے اور قائل کا غیر مراد نہیں بلکہ یہ مراد بالاولی ہے اور اس کا التزام ہے تو کیا یہ لازم ہونا ان کے خلاف مقصود ہے، کیا دلالۃ النص اور دلالۃ بالاولی یا ظاہر النص کی بحث اصولِ فقہ میں محض بیکار ہے، حقیقت میں خروج مہدی، نزول مسیح، خروج دجال تینوں متشاکل و متقارب امور ہیں اور شرعی حیثیت میں تقریباً ان تینوں میں تلازم ہے اس لئے اکثر احادیث میں تینوں کا ذکر ساتھ ساتھ آتا ہے۔ فرحم الله من انصف۔

اب صرف ایک دو محدثوں کا ضعیف قول کہ متواتر عزیز الوجود کیسے قابل وثوق ہو سکتا ہے کیا مثبت کا قول راجح ہے یا نافی کا؟ اکثریت کس طرف اور اقلیت کس طرف ہے؟ خارجی ثبوت کس کی شہادت دیتا ہے، اثبات متواترات کی یا نفی کی؟ اور کثرت کی یا قلت کی؟ کیا کسی نے ان کے قول کو قبول بھی کیا۔

احادیث کا ذخیرہ متواترات سے بھرا پڑا ہے اگر کسی کو نظر نہ آئے تو اس کا کیا علاج، بہر حال حدیثی ابحاث میں محض انکل سے یا محض عقلی احتمالات سے کام نہیں چلتا نہ اس قسم کے وساوس سے خدا کے ہاں نجات ہو سکتی ہے، محدثین میں سے جن محدثین نے یہ فرمایا تھا کہ متواتر حدیث قلیل الوجود ہیں وہ یہ بھی تو فرماتے ہیں کہ بخاری و مسلم کی اخبار آحاد بھی مفید للعلم الیقینی ہیں تو ان کے یہاں تو ضرورت دین کے لئے صحیحین کی اخبار آحاد بھی کافی ہیں، آپ بتلایئے کہ آپ کے نزدیک قرآن کریم کے سوا ضروریات دین کے لئے کیا ثبوت رہ جاتا ہے؟ کیا اس کے یہ معنی نہیں کہ قرآن کے بغیر کوئی بھی عقیدہ ثابت نہیں ہو سکتا کیونکہ قطعیت کے لئے سوا قرآن کے متواتر حدیث ہونی چاہیے اور وہ ہے نہیں؟ اللہ اللہ کیسے کام ہلکا ہو گیا یہی تو فرقہ اہل قرآن والے کہتے چلے آئے ہیں اور تقریباً کل منکرین حدیث کا منشا بھی یہی نکلتا ہے، بہر حال بقیہ ضروریات دین کے لئے یا تو صحیحین کی اخبار آحاد کو مفید للعلم مان کر ان کو قطعی ماننا ہوگا یا احادیث متواترہ کو تسلیم کر کے ان ضروریات دین پر ایمان لانا ہوگا۔ تیسرا قول کہ نہ تو احادیث صحیحین مفید قطعیت ہیں اور نہ کوئی حدیث متواتر موجود ہے جو مفید قطعیت ہو، مرکب باطل ہے۔ اللہ تعالیٰ فہم وانصاف عطا فرمائے یہی تو وہ پرانا فتنہ ہے جو جہمیہ کی میراث رہ گئی ہے، گویا آج کل اس فتنہ کی تجدید ہو رہی ہے، کیونکہ عقائد قطعیہ کے لئے ان دلائل کی ضرورت ہو گی جن کا مفید علم ہونا قطعی طور پر مسلم ہو اور وہ صرف قرآن کریم کی وہ نصوص ہوں گی جو قطعی الدلالۃ ہوں یا حدیث متواتر قطعی الدلالۃ ہو اور وہ ہے نہیں، یہی تو حمدان قرمطی اور ان کے اتباع "قرامطہ" کا مسلک ہے۔ اب بتلایئے کہ بات کہاں سے کہاں تک پہنچ جائے گی؟

پس خلاصہ یہ ہوا کہ احادیث نزولِ مسیح صحیحین کی حدیثیں ہیں، محققین محدثین اور اکثر اشاعرہ کے مذہب کے موافق تو افادہ علم ویقین کے لئے یہ بھی کافی ہے اور اگر مدار تواتر پر بھی ہو تو قرنِ اول میں ان احادیث کی تلقی بالقبول ہو چکی ہے تو یہ چیز بھی ان احادیث میں موجود ہے، اگر خواہ مخواہ اسی کی ضد ہے کہ تواتر اصطلاحی کی مشہور تعریف کی بنا پر متواتر احادیث چاہئیں تو لیجئے گذشتہ تحقیق وتفصیل سے یہ بات بھی بحمد اللہ ثبوت کو پہنچ گئی ہے کہ احادیث نزولِ مسیح اصطلاحی تواتر سے متواتر ہیں اور متواتر بھی قطعی الدلالۃ ہیں احادیث متواترہ قطعی الثبوت اور قطعی الدلالۃ ہونے کے بعد عقیدہ نزولِ مسیح کی فرضیت وقطعیت میں کیا شبہ رہ جاتا ہے اور جحود وانکار کا جو نتیجہ ہے وہ بھی ظاہر ہے، یقین واذعان کی ان مختلف جہات اور حیثیات کے بعد بھی اس کے ضروریاتِ دین ہونے میں کوئی شبہ باقی رہتا ہے۔؟ واللہ یقول الحق وھو یھدی السبیل۔

نزولِ مسیح علیہ السلام اور اجماعِ امت

نمبر (۱۳) میں یہ بات واضح ہوگئی ہے کہ مستقبل میں جن امور کے متعلق امت کا اجماع ہوتا ہے اس کی حیثیت کیا ہے؟ کیونکہ امت کو تو غیب کا علم نہیں وہ تو علام الغیوب ہی کا خاصہ ہے، اس کا مطلب صرف یہ ہے کہ مخبر صادق سے جو کچھ منقول ہے اس پر امت کا اتفاق ہے اگر وہ نقل بذریعہ آحاد ہو جب بھی اجماع کے بعد قطعی ویقینی ہو جاتی ہے، اب غور کیجئے کہ کتبِ حدیث میں جو امہات واصول ہیں مثلاً بخاری، مسلم، سنن نسائی، سنن ابی داؤد، ترمذی، ابن ماجہ سے لے کر مستدرک حاکم وسنن کبریٰ بیہقی تک بیسیوں کتابوں میں نزولِ عیسیٰ علیہ السلام کے مستقل ابواب موجود ہیں، سب ہی نزول کی احادیث روایت کرتے ہیں اور نفسِ نزول میں اسنادی اعتبار سے کوئی علت قادحہ نہیں بیان کرتے۔

پھر ان ہی کتبِ حدیث وکتبِ تفسیر میں صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے پھر تابعین سے اور تابعین بھی مختلف بلاد کے مدینہ، مکہ، بصرہ، کوفہ، شام وغیرہ کے سب سے نزولِ مسیح کے بارے میں نقول موجود ہیں، پھر کسی صحابی، کسی تابعی سے نہیں بلکہ کسی امامِ دین، کسی محدث، کسی مصنف سے بھی اس کا خلاف کسی کتاب میں کسی دور میں کہیں بھی کوئی حرف نقل نہیں ہوا، کیا یہ اس کی دلیل نہیں کہ یہ بات اور یہ عقیدہ بالکل اجماعی واتفاقی ہے۔ پھر کتبِ عقائد میں جو مستند ترین اور اعلیٰ ترین کتبِ عقیدہ ہیں ان سب میں اس کا ذکر عقیدہ کی صورت میں موجود ہے اس سے بڑھ کر کیا دلیل ہوگی؟

اس وقت ہم ذیل میں دو اہم ترین ماخذ پیش کرتے ہیں:

① عقیدہ طحاویہ: جو امام ابو حنیفہ، ابو یوسف، محمد وغیرہ حنفیہ کے عقائد میں موثوق ترین چیز ہے، اس کی عبارت ملاحظہ ہو:

ونؤمن باشراط الساعة من خروج الدجال ونزول عیسٰی ابن مریم علیه السلام من السماء.(۱)

خروج دجال اور آسمان سے نزول عیسیٰ علیہ السلام وغیرہ علامات قیامت پر ہمارا ایمان ہے۔

(۲) فقہ اکبر: امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی مشہور ترین متداول کتاب ہے، ابو مطیع بلخی کی روایت سے منقول ہے امام ابومنصور ماتریدی جو ماتریدیہ کے امام الطائفہ ہیں وہ اس کتاب کے پہلے شارح ہیں اس فقہ اکبر کی عبارت یہ ہے:

ونزول عیسیٰ علیه السلام من السماء وسائر علامات القیامة علی ما وردت به الاحادیث الصحیحه حق کائن . اھ.(۲)

آسمان سے عیسیٰ علیہ السلام کا نازل ہونا اور اس کے علاوہ علامات قیامت جو صحیح احادیث میں مذکور ہیں بالکل حق ہیں۔

ان عبارتوں میں جس طرح تصریح کی گئی ہے اس سے بڑھ کر عقیدہ ہونے کی یہ تصریح ہوگی! کیا اس قسم کی تصریحات کے بعد کسی منصف کے لئے کوئی شبہ باقی رہتا ہے؟ کیا اس عقیدہ کے اتفاقی ہونے کے لئے مزید کسی دلیل کی ضرورت باقی رہتی ہے؟ یہ عقائد تو وہ ہیں جو بذریعہ توارث امت محمدیہ میں پہنچ چکے ہیں۔ اب اجماع کی بھی دو تصریحی شہادتیں پیش کی جاتی ہیں تاکہ بیان سابق کی تصدیق و تائید میں کسی طالب حق کے لئے کوئی خلجان باقی نہ رہے۔

امام ابواسحاق کلاآبادی بخاری جو قرن رابع کے اکابر حفاظ محدثین سے ہیں اور اپنی اسناد سے روایت حدیث کرتے ہیں، اپنی کتاب ''معانی الاخبار'' میں فرماتے ہیں:

قد اجمع اهل الاثر وکثیر من اهل النظر علی ان عیسیٰ علیه السلام ینزل من السماء فیقتل الدجال و یکسر الصلیب. اھ. (تحیة الاسلام ص:۱۳۵)

کل محدثین اور بہت سے متکلمین کا اس پر اجماع ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام آسمان سے نازل ہوں گے دجال کو قتل کریں گے اور صلیب کو توڑیں گے۔

یہ خیال رہے کہ محدثین کا دور متکلمین سے پہلے شروع ہوتا ہے اور اس مسئلہ پر محدثین کا اجماع منعقد ہو چکا ہے بعد میں اگر متکلمین کے عہد میں خلاف بھی ہو گیا ہو تو اجماع سابق کو مضر نہیں، نہ یہ خلاف اتفاق ہونے کے بعد قابل اعتبار ہے جس کی تحقیق کتب اصول فقہ میں موجود ہے، نیز بظاہر یہ خلاف جو بعض متکلمین کی طرف منسوب ہے، صحیح نہیں، جیسا کہ آئندہ سفارینی کی عبارت سے واضح ہے۔

---

(۱) شرح العقیدة الطحاویة، اشراط الساعة ص:٥٦٤، ط:المکتب الاسلامی بیروت

(۲) شرح الفقه الاکبر للملاعلی القاری ص:۱۱۲، ط:قدیمی

بہر حال یہ تو ہوئی نقل اجماع کے بارے میں قدماء محدثین کی تصریح، اب متاخرین اہل حدیث میں سے امام شمس الدین محمد بن احمد حنبلی سفارینی نابلسی کی عبارت ملاحظہ ہو:

واما الاجماع فقد اجتمعت الامة على نزوله ولم يخالف فيه احد من اهل الشريعة وانما انكر ذلك الفلاسفة والملاحدة مما لا يعتد بخلافه وقد انعقد اجماع الامة على انه ينزل ويحكم بهذه الشريعة المحمدية .اھ.

(شرح عقیدہ سفارینی ج:۲ص:۹۰)

رہا نزول عیسیٰ علیہ السلام میں اجماع: تو امت محمدیہ کے کل اہل شرع کا ان کے نزول پر اجماع ہے کہ وہ نازل ہوں گے اور شرع محمدی پر عمل کریں گے، بجز فلاسفہ اور ملاحدہ کے کسی نے خلاف نہیں کیا اور ان کا خلاف قابل اعتبار نہیں۔

سفارینی مذکور بارہویں صدی کے اکابر محدثین میں ہیں، حنبلی المذہب ہیں، نابلس کے ایک گاؤں سفارین کے باشندے ہیں، نام محمد بن احمد، شمس الدین لقب، ابوالعون کنیت ہے، بیسیوں کتابوں کے مصنف ہیں۔ "سلك الدرر فی اعیان القرن الثانی عشر" "السحب الوابلة على ضرائح الحنابلة" وغیرہ میں ان کا مفصل ترجمہ اور حالات مذکور ہیں "سلک الدرر" میں ان کو الشیخ، الامام، العلام، الحبر، البحر، النحر وغیرہ جلیل القدر القاب سے ذکر کیا ہے اور بہت سے مفاخر و مآثر لکھنے کے بعد فرماتے ہیں:

وبالجملہ فقد كان غرة عصره، وشامة مصره، لم يظهر فى بلده بعد مثله(۱)

صاحب الضرائح لکھتے ہیں:

شمس الدين العلامة المسند الحافظ المتقن." وبالجملہ فتآليفه نافعة مفيدة مقبولة سارت به الركبان وانتشرت فى البلدان ، كان اماما متقنا جليل القدر، زينة اهل عصره ونقاوة اهل مصره .

سید مرتضیٰ زبیدی بلگرامی صاحب "تاج العروس شرح القاموس" اور صاحب "اتحاف السادة المتقين بشرح احياء علوم الدين" حدیث میں ان کے تلمیذ ہیں۔

اب تو جے پوری صاحب نے سفارینی کو پہچان لیا ہوگا کہ وہ کون ہیں اور کس پایہ کے ہیں، سفارینی کی عبارت سے معلوم ہوا کہ کل محدثین اور سب متکلمین، ماتریدیہ، اشاعرہ، معتزلہ سب کے سب کا نزول مسیح علیہ السلام پر اجماع ہے، صرف ملحدین وفلاسفہ اس کے منکر ہیں، اس قسم کے مواضع میں جب اجماع کا اس طرح ذکر کیا جاتا ہے اس سے اجماع ناطق ہی مراد ہوتا ہے اجماع سکوتی کو کبھی بھی اس طرح تعبیر نہیں کرتے۔ جے پوری صاحب کو جیسے

(۱) سلك الدرر فى اعيان القرن الثانى عشر، ذكر محمد السفارينی ج:ص:۸۲، ط:بیروت

تواتر کے لفظ سے چڑ ہے ایسے ہی اجماع کے لفظ سے بھی ضد ہے جہاں اجماع کا لفظ دیکھا جھٹ فرمائیں گے کہ یہ کوئی سکوتی اجماع ہوگا محض اپنی ضد کو پورا کرنے کے لئے بے انصافی کرکے بے دلیل ایسی بات کہنا کسی عالم کا شعار نہیں، جب تک کوئی صریح دلیل اس کے خلاف قائم نہ ہو اجماع سے یہی اجماع صریح اجماع ناطق مراد ہوگا اگر ان کو اس پر اصرار ہے کہ یہ اجماع سکوتی ہے تو لائیں کوئی دلیل پیش کریں، ھاتوا برھانکم ان کنتم صادقین۔

نیز واضح رہے کہ تالیفی دور کے بعد اجماع کا نقل انہی تالیفات کے ذریعہ سے ہوتا ہے، جتنے مسائل اصول کے ہوں یا فروع کے جن میں اجماع نقل کیا جاتا ہے اسی پر اعتماد کیا جاتا ہے، آج تک تالیفی دور میں کل ارباب تالیف کا سلف میں بھی اور خلف میں بھی یہی معمول چلا آرہا ہے۔ یہ کبھی نہ ہوا اور نہ ہوسکتا ہے کہ چودھویں صدی میں کسی زید و عمرو کو اسنادی اجماع پہنچ گیا ہو، اس قسم کے خیالات محض طفلانہ ہیں اگر بات لمبی نہ ہوتی تو ہم یہاں پر اس کے نظائر پیش کرتے کہ جن امور میں اجماع نقل ہوا ہے اور امت کے نزدیک اجماع سے وہ درجہ قطعیت کو پہنچ گئے ہیں ان میں بھی اس سے زیادہ اجماع کا ثبوت نہیں کہ فلاں کتاب میں فلاں شخص نے اس پر اجماع نقل کیا ہے اور ناقل ثقہ ہے، اب تک امت محمدیہ نے اپنی تالیفات میں اس علمی امانت کو اچھے طریقہ سے ادا کردیا ہے اب آگے اللہ تعالیٰ رحم فرمائیں۔

خلاصہ بحث

اس طویل بحث کا خلاصہ حسب ذیل امور میں پیش کیا جاتا ہے:

① نزول مسیح علیہ السلام کا عقیدہ امت محمدیہ میں قرن بہ قرن، طبقہ بہ طبقہ متوارث چلا آرہا ہے اور اس کو تواتر طبقی حاصل ہے، قطعیت کے لئے یہ توارث خود بخود مستقل دلیل ہے جس کی تفصیل نمبر (۱) میں گذر چکی ہے۔

② باوجود اس توارث کے قران مجید میں بھی اس کا ذکر موجود ہے، اکثر اہل علم اور صحابہ و تابعین کی تفسیر کی بناء پر نزول مسیح علیہ السلام کا ذکر قرآن کریم میں ہے۔

③ نزول مسیح کی احادیث باتفاق امت صحیح ہیں اور باتفاق امت ان کی تلقی بالقبول ہو چکی ہے اور بہ تصریح حفاظ حدیث وہ اصطلاح متواتر ہیں اور خارجی بحث و تحقیق سے بھی ان تینوں باتوں کی قطعیت میں کوئی شبہ نہیں۔

④ نزول مسیح کے بارے میں امت محمدیہ کا اجماع بھی منعقد ہو چکا ہے قدماء محدثین اور متاخرین اس اجماع کو نقل کرتے ہیں اور آج تک کسی کتاب میں کسی کا اہل حق میں سے انکار یا خلاف منقول نہیں۔

⑤ غرض یہ کہ عقیدہ نزول مسیح مختلف جہات، مختلف اعتبارات سے قطعی ہے اور ضروریات دین میں داخل ہے اور معلوم ہونے کے بعد صرف باطنی زیغ یا قلبی وساوس یا عقلی استبعاد کی بنا پر انکار کرنا اور انکار کے لئے حیلے تلاش کرنا اور چارہ جوئی کرنا مومن قانت کا شیوہ نہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت ضروریات دین کا اہم ترین جز ہے، حضرت رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک بات فرما چکے ہوں اور قطعی ذرائع سے ہم تک پہنچ جائے پھر اس کا ضروریات دین میں داخل نہ ہونا، ایمان کا جز نہ بننا بالکل غلط و متناقض دعویٰ ہے اور پیغمبر اسلام کی تکذیب ہے، اگر تصدیق رسول ضرورت دین میں داخل ہے تو کوئی راستہ ماننے کے سوا نہیں، اس کی کیفیت سمجھ میں آئے یا نہ آئے، اگر فرشتہ آسمان سے اتر سکتا ہے اور بصورت دحیہ کلبیؓ متمثل ہو سکتا ہے تو ایک نبی کا آسمان پر چلا جانا اس میں کون سا عقلی استبعاد ہے ﴿فَتَمَثَّلَ لَهَا بَشَرًا سَوِيًّا﴾ [مریم:۱۷] ﴿لَقَدْ جَآءَتْ رُسُلُنَا اِبْرَاهِيْمَ بِالْبُشْرٰى﴾ [هود:۶۹] وغیرہ آیات قرآنیہ میں بشکل انسانی فرشتہ کا متمثل ہونا بالکل منصوص ہے، انبیاء علیہم السلام کی روحانیت ان کی قوت قدسیہ کی وجہ سے بھی غالب ہوتی ہے اس لئے ان کے اجساد مبارکہ پر روحانی کیفیات بآسانی طاری ہو سکتی ہیں۔ کیا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی معراج جسمانی اور جسد عنصری کا عروج بنص قرآن مکہ سے بیت المقدس تک ثابت نہیں؟ اور آگے آسمانوں پر صعود و عروج احادیث متواترہ سے ثابت نہیں؟ کیا اس پر یقین اہل حق کا عقیدہ نہیں؟ تو جیسے یہاں صعود و نزول آناً فاناً قابل انکار نہیں، اسی طرح عیسیٰ علیہ السلام کا رفع جسمانی پھر حق تعالیٰ جل شانہٗ کے ارادہ کی مقناطیسی جذب نے ان کو آسمان پر اٹھا لیا ہو تو اس میں کون سی حیرت کی بات ہے۔ آج کل مسمریزم اور اسپریچولیزم کے عجائبات کا اگر کسی کو ذرہ بھر بھی علم ہو تو ان خوارق الٰہیہ میں ذرا بھی شبہ نہیں کر سکتا۔

یہ چیز تو ہمارے موضوع بحث سے خارج ہے، کہنا صرف اتنا ہے کہ جب اللہ و رسول کوئی بات ارشاد فرمائیں ہمیں بجز تسلیم کی کوئی مخلص نہیں، قولہ تعالیٰ ﴿مَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّلَا مُؤْمِنَةٍ اِذَا قَضَى اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗٓ اَمْرًا اَنْ يَّكُوْنَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ﴾ [الاحزاب:۳۶] اللہ و رسول کے فیصلہ کے بعد کسی مرد مومن یا عورت مومنہ کو ماننے نہ ماننے کا اختیار باقی نہیں رہتا۔

عقیدہ کی تنقیح کے دو جز ہیں: عیسیٰ علیہ السلام کا جسمانی رفع اور پھر قیامت کے قریب آسمان سے نزول، یہی دو چیزیں ضروریات دین میں داخل ہیں، جب نزول مانا جائے گا تو رفع جسمانی خود بخود ماننا پڑے گا، اس لئے اس مضمون میں اس جز کو نہیں لیا گیا باقی یہ تفصیلات کہ رفع سے پہلے موت طاری ہوئی تھی یا نہیں؟ تھوڑی دیر کے لئے یا زیادہ کے لئے؟ رفع بحالت حیات ہو، وغیرہ وغیرہ ان جزوی تفصیلات میں کچھ کچھ سلف سے خلاف منقول ہے لیکن اہل حق اور جمہور اہل سنت کا اس میں منقح فیصلہ یہی ہے کہ جسد عنصری کے ساتھ بحالت حیات رفع آسمانی واقع ہوا اس وقت صرف مسئلہ نزول کو اصولی حیثیت سے واضح کرنا تھا اتنا عرض کر دیا گیا اسی پر کفایت کی جاتی ہے توقع ہے کہ طالب حق کے لئے اتنا لکھنا کافی ہوگا۔

ان ارید الا الاصلاح ما استطعت وما توفیقی الا باللہ علیہ توکلت والیہ انیب

[شعبان ۱۳۹۱ھ]

عقیدہ ختم نبوت

الحمد لله رب العالمین والصلوة والسلام علی سیدنا محمد خاتم النبیین وعلی آله الطاهرین وصحبه اجمعین.

امابعد: دین اسلام کی اساسی خشت ختم نبوت کا عقیدہ ہے، حق تعالیٰ شانہٗ نے اس کائنات کی ہدایت کے لئے رشد و ہدایت کا جو سلسلہ جاری فرمایا وہ نبوت و رسالت کا سلسلہ ہے، اس کی ابتداء حضرت آدم (علیہ صلوات اللہ وسلامہ) سے ہوتی ہے اور اس عمارت کی تکمیل کی آخری خشت حضرت سید العالمین خاتم النبیین محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا وجود باجود اور ظہور پرنور ہے۔

اللهم صل علیه صلاة تکرم بها مثوه وتشرف بها عقباه وتبلغ بها یوم القیامة مُناه ورضاه وبارك وسلم.

ختم نبوت کے اس عقیدہ پر خدا تعالیٰ کی سب سے آخری آسمانی کتاب قرآن کریم کی بے شمار تصریحات موجود ہیں اور جس طرح یہ ثبوت کے اعتبار سے قطعی ہے اسی طرح دلالت کے لحاظ سے بھی قطعی اور ہر شک و شبہ سے پاک ہے۔ ظاہر ہے کہ کسی مسئلہ میں قرآن کریم کی ایک آیت کریمہ بھی اگر قطعی الدلالۃ ہو تو مضمون کی قطعیت کے لئے کافی ہے، چہ جائیکہ قرآن کریم کی ایک سو سے زائد آیات ختم نبوت پر دلالت کرتی ہیں۔ اس قطعیت کی نظیر قرآن کریم میں بھی کم ملے گی۔

اسی طرح عقیدہ ختم نبوت پر احادیث نبویہ بھی تواتر کو پہنچ گئی ہیں اور تواتر بھی ایسا ہے کہ جس کی نظیر احادیث متواترہ کے ذخیرہ میں نہیں، دوصد احادیث سے یہ عقیدہ ثابت ہوا ہے، گویا قرآن و احادیث میں اس قطعیت کی نظیر کسی اور مسئلہ میں نہیں ملے گی۔ پھر امت محمدیہ کا اس پر اجماع بھی ہے اور نہ صرف امت محمدیہ کا اجماع! بلکہ تمام کتب سماویہ کا اس پر اجماع ہے اور تمام انبیاء کرام کا اس پر اجماع ہے، عالم ارواح میں تمام انبیاء کرام علیہم صلوات اللہ وسلامہ کا یہ عہد و پیمان ہے۔

پس جس طرح توحید الٰہی تمام ادیان کا اجماعی عقیدہ ہے، اسی طرح ختم نبوت کا عقیدہ بھی تمام کتب الہیہ تمام انبیاء کرام اور تمام ادیان سماویہ کا متفق علیہ اور اجماعی عقیدہ ہے، آغاز انسانیت سے لے کر آج تک اس پر ہمیشہ اتفاق رہا ہے کہ خاتم النبیین محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہی ہوں گے اور سلسلہ نبوت و رسالت آپ کی ذات گرامی پر ختم ہو جائے گا۔ اصولی و اعتقادی مسائل میں انبیاء کرام کے درمیان کبھی اختلاف نہیں ہوا بلکہ وہ ہر دور میں متفق علیہ رہے ہیں۔ پس جس طرح دیگر عقائد دینیہ تمام نبوتوں میں مشترک ہیں ٹھیک اسی طرح حضرت محمد مصطفےٰ، احمد مجتبیٰ علیہ صلوات اللہ وسلامہ کا آخری نبی ہونا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی نبوت پر دنیا کا خاتمہ ہونا تمام انبیاء کرام کی شریعتوں اور آسمانی کتابوں کے مسلمات میں سے رہا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ کتب سماویہ میں اس کی ان

گنت پیش گوئیاں کی گئیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا نام، آپ کے القاب، آپ کا خاندان، آپ کا ملک، آپ کی جائے ولادت، آپ کے دار ہجرت وغیرہ کی خبریں دی گئیں، غرض اللہ تعالیٰ نے تمام مخلوقات پر اور تمام اقوام عالم پر اپنی حجت پوری کردی، اور اسلام کی پوری تاریخ میں اس اجماعی عقیدے کا ظہور اس طرح ہوتا رہا کہ جب کبھی کوئی مدعی نبوت کھڑا ہوا اس کا سر قلم کر دیا گیا یہ اس عقیدے کا عملی ثبوت تھا جو اسلام کے ہر دور میں ہوتا رہا اور جس پر امت کا تعامل مسلسل جاری رہا۔

حضرت صدیق اکبرؓ کے دور میں اسلامی جہاد کا آغاز ہی مسیلمہ کذاب کے مقابلہ میں جنگ یمامہ سے ہوا جس میں سات سو صرف حفاظ قرآن شہید ہوئے، جو صحابہ کرام میں اہل القرآن کے لقب سے مشہور تھے۔ گویا اسی عقیدے کی حفاظت کے لئے سب سے زیادہ صحابہؓ شہید ہوئے اور اسی بنیاد کو مضبوط کرنے کے لئے اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے خون کی قربانیاں پیش کیں، معرکہ حق و باطل سب سے پہلے اسی عقیدہ کی خاطر برپا ہوا اور اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مقدس خون سے اس باغیچہ کو سیراب کیا گیا۔ یہ حق تعالیٰ کی حکمت بالغہ تھی کہ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرامؓ کے دور میں اسود عنسی اور مسیلمہ کذاب کے فتنہ کی سرکوبی کر کے قیامت تک آنے والی امت کو دوٹوک اور غیر مبہم انداز میں بتادیا گیا کہ خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد جو لوگ دعوائے نبوت کے ساتھ اٹھیں امت کو ان سے کیا سلوک کرنا ہوگا۔

قادیانیت انگریز کا خود کاشتہ پودا

الغرض یہ عقیدہ اتنا بنیادی اور اتنا اہم ہے کہ اسے عالم ارواح سے لے کر آج تک ہر آسمانی دین میں مسلسل دہرایا جاتا رہا اور قولاً عملاً، اعتقاداً اس کی مسلسل تاکید و تلقین کی جاتی رہی، بدقسمتی سے برطانوی اقتدار میں جھوٹی نبوت کا فتنہ کھڑا کیا گیا اور یہ سمجھ کر کہ ختم نبوت اسلام کا بنیادی عقیدہ ہے اس کے متزلزل ہوجانے سے اسلام کی عمارت منہدم ہوجائے گی، اس پر کاری ضرب لگانے کی کوشش کی گئی، اس کے لئے مدعی نبوت مرزا غلام احمد قادیانی علیہ ماعلیہ کا انتخاب کیا گیا، متحدہ ہندوستان اسلامی حکومت کے سائے سے محروم تھا ورنہ مرزا کا حشر بھی اسود عنسی اور مسیلمہ کذاب وغیرہ سے مختلف نہ ہوتا، اس لئے مسلمان سوائے دینی بحثوں اور مناظروں کے کچھ نہیں کر سکتے تھے، برطانوی حکومت اپنے تمام لامحدود وسائل سے اس فتنہ کی پرورش اور اپنے خود کاشتہ پودا مرزا غلام احمد قادیانی کی حفاظت کرتی رہی۔

قادیانیت کے خلاف علامہ کشمیریؒ کا جہاد

امت کے جن اکابر نے اس فتنہ کے استیصال کے لئے محنتیں کی ہیں ان میں سب سے زیادہ امتیازی شان حضرت امام العصر مولانا محمد انور شاہ کشمیری دیوبندی رحمہ اللہ کو حاصل تھی اور دارالعلوم دیوبند کا پورا اسلامی ادر دینی مرکز انہی کے انفاس مبارکہ سے اس شجرہ خبیثہ کی جڑوں کو کاٹنے میں مصروف رہا۔ قادیانیوں کے شیطانی

وساوس اور زندیقانہ دسائس کا جس طرح حضرت امام العصرؒ نے تجزیہ کر کے ان پر تنقید کی اس کی نظیر تمام عالم اسلام میں نہیں ملتی، حضرت مرحوم نے خود بھی گراں قدر علوم وحقائق سے لبریز تصانیف رقم فرمائیں اور اپنے تلامذہ، مدرسین دیوبند سے بھی کتابیں لکھوائیں اور ان کی پوری نگرانی واعانت فرماتے رہے۔ میں نے خود حضرت رحمہ اللہ سے سنا کہ جب یہ فتنہ کھڑا ہوا تو چھ ماہ تک مجھے نیند نہیں آئی اور یہ خطرہ لاحق ہوگیا کہ کہیں دین محمدی (علی صاحبہ الصلاۃ والسلام) کے زوال کا باعث یہ فتنہ نہ بن جائے، فرمایا چھ ماہ کے بعد دل مطمئن ہوگیا کہ انشاء اللہ دین باقی رہے گا اور یہ فتنہ حل ہوجائے گا۔ میں نے اپنی زندگی میں کسی بزرگ اور عالم کو اس فتنے پر اتنا دردمند نہیں دیکھا جتنا کہ حضرت امام العصرؒ کو، ایسا محسوس ہوتا تھا کہ دل میں ایک زخم ہوگیا ہے جس سے ہر وقت خون ٹپکتا رہتا ہے جب مرزا کا نام لیتے تو فرمایا کرتے تھے لعین ابن اللعین لعین قادیان اور آواز میں ایک عجیب درد کی کیفیت محسوس ہوتی، فرماتے تھے کہ لوگ کہیں گے کہ یہ گالیاں دیتا ہے فرمایا کہ ہم اپنی نسل کے سامنے اپنے اندرونی درد دل کا اظہار کیسے کریں؟ ہم اس طرح قلبی نفرت اور غیظ وغضب کے اظہار کرنے پر مجبور ہیں ورنہ محض تردید وتنقید سے لوگ یہ سمجھیں گے کہ یہ تو علمی اختلافات ہیں جو پہلے سے چلے آتے ہیں۔ مرض موت میں جب تمام قوتیں جواب دے چکی تھیں اور چلنے پھرنے کے قابل نہیں تھے ایک دن (یہ جمعہ کا دن تھا) جامع مسجد میں ڈولی میں لائے گئے اور اپنے شاگردوں اور علماء اور اہل دیوبند کو آخری وصیت فرمائی کہ دین اسلام کی حفاظت کی خاطر اس فتنۂ قادیانیت کی سرکوبی کے لئے پوری کوشش کریں اور فرمایا میرے تلامذہ کی تعداد جنہوں نے مجھ سے حدیث پڑھی ہے دو ہزار ہوگی، ان سب کو میں وصیت کرتا ہوں کہ اس فتنہ کے خلاف پوری جدوجہد کریں۔ حضرت رحمہ اللہ کی یہ وصیت ''دعوتِ حفظ ایمان'' کے نام سے ایک پمفلٹ کی شکل میں شائع ہوگئی تھی۔

حضرت رحمہ اللہ نے اپنی آخری زندگی میں مسلمانانِ کشمیر کو اس فتنے سے بچانے کے لئے آخری تصنیف فارسی زبان میں تالیف فرمائی، کشمیر میں فارسی زبان عام تھی اور وہاں کی علمی زبان فارسی ہی تھی اس لئے آیت خاتم النبیین کی شرح فرمائی، حضرت مرحوم کا دل ودماغ جس طرح علوم ومعارف سے بھرا ہوا تھا ظاہر ہے کہ قلم سے اسی انداز کے علوم وحقائق نکلیں گے، زبان فارسی ہو یا اردو، علوم انوری کے جواہرات اپنی پوری تابانی کے ساتھ ظاہر ہوں گے، ہر شخص نہ اس کی تہوں تک پہنچ سکتا تھا اور نہ یہ علوم اس کے قبضہ میں آسکتے تھے اس کے لئے حسب ذیل امور کی ضرورت تھی:

① عام فہم شستہ اردو زبان میں ترجمہ کیا جائے۔
② مترجم ذکی ومحقق عالم ہو کہ علمی اشارات ولطائف کو بخوبی سمجھتا ہو۔
③ حضرت امام العصر رحمہ اللہ کے طرز تحریر سے مناسبت رکھتا ہو اور اس کے سمجھنے کی پوری صلاحیت رکھتا ہو۔
④ قادیانیت کے موضوع سے دلچسپی رکھتا ہو اور قادیانی مذہب کے لٹریچر سے پوری طرح باخبر ہو۔

⑤ علمی دقائق کی تشریح پر اردو میں قادر ہو اور قلمی افادات سے عوام کو مستفید بنانے کی قابلیت رکھتا ہو۔

⑥ تالیفی ذوق رکھتا ہو، تصنیفی ملکہ حاصل ہو، تا کہ مناسب عنوانات سے مضمون کو آسان کر سکے۔

⑦ حضرت امام العصر رحمہ اللہ سے انتہائی عقیدت و محبت ہو کہ مشکلات حل کرنے میں گھبرا نہ جائے اور غور و خوض سے اکتا نہ جائے۔

⑧ محنت و عرق ریزی کا عادی ہو، دل کا درد رکھتا ہو، قادیانیت سے بغض ہو۔

⑨ اپنے علمی کاموں میں محض رضاء حق کا طالب ہو حب جاہ و ثناء سے بالاتر ہو۔

⑩ عام علمی مہارت اور دینی ذوق کے علاوہ خصوصیت کے ساتھ عربیت و بلاغت کے سمجھنے کی قابلیت رکھتا ہو اور معانی بلاغت کی نکتہ سنجیوں سے واقف ہو۔

یہ دس امور تھے جو ارتجالاً زبان قلم پر آ گئے "عشرہ کاملہ" کے بعد اب مترجم صحیح ترجمہ پر قدرت پا سکتا ہے مجھے کسی سے توقع نہ تھی کہ یہ خدمت صحیح طور پر انجام دے سکے گا، میری خود بھی ہمت نہ تھی کہ اس لق ودق صحراء میں قدم رکھوں اگر چہ عرصہ دراز سے احساس تھا کہ اس نے ترجمہ وتشریح کی ضرورت ہے، جس وقت شباب تھا اور فرصت بھی تھی و ماغ میں تازگی تھی اور عہد انوری کی صحبتوں کی یاد تازہ تھی اس وقت توجہ نہ کر سکا اور اس سعادت سے محروم رہا، حالانکہ "نفحۃ العنبر" میں ۴۵ ربرس پہلے لکھ چکا کہ خدا کی قسم! انوری علوم کے باغ و بہار اور وہبی علوم کا نمونہ اگر دیکھنا ہو تو رسالہ خاتم النبیین ملاحظہ کیا جائے۔(۱)

---

(۱) نفحة العنبر کا متعلقہ اقتباس حسب ذیل ہے:

"اودع الشيخ فيها نكات واسرارًا وهبيةً ما يرهف الالباب والبصائر و يروح القلوب والخواطر،احتوت على حقائق سامية ربانية و بدائع حكم الٰهية ، يبهت لها الخيال وتحار لها العقول، ستحسّ اوان مطالعتها ان المزنة السحاء يهطل بديمها،اوان البحرالذاخر يسمح بعبه،وايم الله،ان محاسنها الجلية تاخذ بالقلوب،لاادرى باى وصف اصفها،دررفاق بهاؤها،وغرر شاع ضوئها و سناؤها،وزهرفاح اريجهاوراق زهاؤ ها،لله من حكم يما نيةٍ سمح بها صدره ولله من معارف عالية نثرت من سنى قلمه". [نفحة العنبر فى حياة امام العصر الشيخ انور ص:۱۲۹،ط:المكتبة البنورية]

ترجمہ: حضرت شیخ نے اس میں وہ وہبی اسرار و نکات درج کئے ہیں جن سے فہم بصیرت کو جلا ملتی ہے اور روح و قلب کو وجد آجاتا ہے یہ رسالہ ان بلند پایہ حقائق ربانیہ اور حکمت الٰہیہ کے نوادر پر مشتمل ہے جن سے خیال مبہوت اور عقل ششدر رہ جاتی ہے، اس کے مطالعہ کے وقت ایسا محسوس ہوگا گویا ابر باراں موسلا دھار برس رہا ہے یا بحر محیط ٹھاٹھیں مار رہا ہے۔ خدا کی قسم! اس کے محاسن دلوں کو پکڑ لیتے ہیں، سمجھ میں نہیں آتا کہ کن الفاظ سے اس کی تعریف وتوصیف کروں۔ یہ وہ موتی ہیں جن کی رونق سب پر فائق ہے۔ یہ وہ گوہر ہیں جن کی تابانی و درخشانی شہرۂ آفاق ہے۔ یہ وہ کلیاں ہیں جن کی خوشبو مہلک رہی ہے، سبحان اللہ! کیا یمانی حکمتیں ہیں جو سینہ انور سے نکلیں اور ماشاء اللہ کیا ہی اعلیٰ معارف ہیں جو آپ کی نوک قلم سے بکھرے۔

الحمد للہ کہ یہ سعادت میرے ہم نام اور میرے ہم کام میرے مخلص رفیق کارمولانا محمد یوسف صاحب لدھیانوی کے حصہ میں آئی جو اس عشرہ کاملہ سے متصف تھے باکمال تھے اور اللہ تعالیٰ کا شکر کہ وہ اس کے ترجمہ وتشریح کے فرض سے نہایت کامیابی کے ساتھ عہدہ برآ ہوئے اور اس علمی و دینی خدمت کا حق ادا کردیا، اللہ تعالیٰ بارگاہ قدس میں قبول فرمائے اور مترجم کے لئے سعادت دارین کا وسیلہ بنائے اور حضرت مولانا انور شاہ رحمہ اللہ کی شفاعت مقبولہ کا ذریعہ بنائے۔ آمین۔

هدية المهديين فى آية خاتم النبيين

حال ہی میں مجلس تحفظ ختم نبوت پاکستان کی طرف سے حضرت مولانا مفتی محمد شفیعؒ (بانی دارالعلوم کراچی) کا عربی رسالہ "هدية المهديين فى آية خاتم النبيين" شائع کیا گیا جو موصوف نے حضرت الاستاذ امام العصر علامہ محمد انور شاہ کشمیریؒ کے حکم سے اور انہی کی نگرانی میں مرتب فرمایا تھا، اس میں مسئلہ ختم نبوت پر ۳۳ر آیات، ۱۶۵ر احادیث، صحابہ تابعین کے آثار، علماء امت کے ارشادات اور کتب سابقہ کی شہادتوں کا بے نظیر ذخیرہ جمع کیا گیا ہے۔ یہ رسالہ عربی میں اپنے موضوع پر جامع ترین کتاب ہے جس پر حضرت امام العصرؒ نے حضرت مؤلف کو بہت داد دی تھی۔

"مجلس تحفظ ختم نبوت" کی جانب سے اس کی اشاعت اس مقصد کے پیش نظر کی گئی ہے کہ نہ صرف اندرون ملک ہر عالم اور عربی داں اس سے مستفید ہو بلکہ ایشیاء، افریقہ اور یورپ کے ان تمام ممالک کے اہل علم تک یہ کتاب پہنچائی جائے جہاں قادیانی فتنہ ارتداد کے اثرات ہیں اور جہاں عالمی زبانوں میں مستند اور ٹھوس لٹریچر کا تقاضا شدت سے ہورہا ہے، ارادہ ہے کہ سردست اس کتاب کا ایک لاکھ نسخہ بھجوانے کا بندوبست کیا جائے اور اس کی شکل یہ تجویز کی گئی ہے کہ وہ تمام اہل خیر جنہیں دین اور اس کے عالمی تقاضوں کا احساس ہے انہیں اس صدقہ جاریہ کی طرف توجہ دلائی جائے کہ وہ حسب استطاعت اس کے سوسو، ہزار ہزار نسخے خرید کر خود بھجوائیں یا یہ کام مجلس تحفظ ختم نبوت کے سپرد کردیں، جو حضرات اس صدقہ جاریہ کی تحریک میں حصہ لیں گے انہیں کتاب اصل لاگت پر مہیا کی جارہی ہے، یعنی فی سینکڑہ ۳۰۰ر تین صدروپے اور فی ہزار ۲۴۰۰ر چوبیس سوروپے، اس چھوٹی سی کتاب کے ایک لاکھ نسخے بھجوادینا قومی سطح پر معمولی بات ہے مگر اس کے اثرات انشاء اللہ دنیا و آخرت میں خیر وبرکات کا موجب ہوں گے، میں تمام احباب و مخلصین سے اپیل کرتا ہوں کہ وہ قومی وملی فریضہ کی طرف متوجہ ہوں اور اس تحریک میں بیش از بیش حصہ لیں۔ والله الموفق لكل خير وسعادة.

[جمادی الثانیہ ۱۳۹۷ھ - جون ۱۹۷۷ء]

دین اسلام کا سب سے بڑا شعار عقیدہ ختم نبوت

''ختم نبوت'' کا عقیدہ دین اسلام کا وہ بنیادی عقیدہ ہے کہ تمام عمارت اسی عقیدہ پر قائم ہے یعنی یہ کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم آخری نبی ورسول ہیں اور سلسلۂ نبوت جو حضرت آدم علیہ السلام سے شروع ہوا تھا آپؐ پر ختم ہوا ہے۔

اوّلِ انبیاء حضرت آدم علیہ السلام ہیں اور آخری نبی حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں، اب کوئی نبی یا رسول آنے والا نہیں، یہ قطعی اعلان آسمانی وحی نے قرآن کریم میں سورۃ احزاب میں کیا ہے اور واضح رہے کہ وحی آسمانی کا یہ اعلان ۵ ھ ہجری میں حضرت ام المومنین زینب بنت جحشؓ کے آسمانی نکاح کے موقع پر ہوا ہے، لیکن اس آیت کریمہ کے نزول سے قبل بھی یہ عقیدہ اٹھارہ سال پہلے اسلام کا اساسی عقیدہ تھا، اسی طرح تمام اسلامی عقائد کو قرآن کریم کے نزول سے پہلے ہی حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد پر امت نے تسلیم کیا ہے اور ان پر ایمان لائی ہے بعد میں قرآن کریم میں موقع بہ موقع ان کا ذکر واعلان ہوتا رہا تاکہ اسلامی دستور واسلامی آئین دین اسلام کے مہمات سے خالی نہ ہو، نماز، روزہ، زکاۃ، حج، وضو، غسل وغیرہ وغیرہ تمام اسلامی فرائض کو امت نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد پر تسلیم کیا ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ہر حکم امت کے لئے واجب الاطاعت اور واجب الایمان ہے۔قرآن کریم میں اس کا ذکر ہو یا نہ ہو اور یہ عقائد اور یہ شریعت اور اس کے تمام بنیادی احکام امت محمدیہ کو تعامل وتوارث وتواتر کے ذریعہ پہنچے ہیں۔ بہرحال کہنا یہ ہے کہ ختم نبوت کا عقیدہ اساسی ہے اور قطعی ہے اور ہر دور میں امت محمدیہ کا اس پر اجماع رہا ہے، جس طرح یہ عقیدہ بنیادی اور اہم ترین عقیدہ ہے اسی طرح اس عقیدہ کے مخالف عقیدہ امت میں سب سے بڑا فتنہ ہوگا اور سب سے بڑا کفر ہوگا، چنانچہ شیطان نے سب سے پہلے حملہ اسی عقیدہ پر کیا ہے تاکہ اسلامی بنیاد متزلزل ہوسکے۔ یمامہ کا مسیلمہ کذاب، یمن کا ''اسود عنسی'' یمامہ کی سجاح، یہ کذابین ودجالین کے سرفہرست ہیں اور اسی لئے جھوٹی نبوت کے مدعی کو ہر دور میں کافر سمجھا گیا اور اس دعوے کو دین محمدی کے خلاف بغاوت کے مترادف سمجھا گیا اور اسی اہمیت کے پیش نظر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صاف اعلان فرمایا کہ:

''میری اس امت میں تیس دجال وکذاب پیدا ہوں گے جن میں سے ہر ایک نبوت کا دعویٰ کرے گا اور یہ سب جھوٹے ہیں اور میری بعد کوئی نبی نہیں ہوگا اور میں آخری نبی ہوں''۔(۱)

جیسا کہ صحیح بخاری کی روایت میں تصریح کی گئی ہے، بہرحال عقیدہ ختم نبوت دین اسلامی کا قطعی عقیدہ ہے، قرآن کریم اس پر ناطق ہے، احادیث نبویہ کا اس پر تواتر ہے اور امت محمدیہ کا اس پر اجماع ہے، اگر غور کیا

---

(۱) صحیح البخاری، کتاب المناقب، بابب علامات النبوۃ فی الاسلام ج:۱ ص:۵۰۹، ط: قدیمی

جائے تو واضح ہوگا کہ امت محمدیہ کی تمام کوششیں اور علماء اسلام کی تمام محنتیں اور یہ تمام اسلامی ادارے، دینی درس گاہیں اور اسلامی انجمنیں اور احادیث نبویہ کی تدریس اور کتب حدیث کی تالیف وتصنیف واشاعت یہ سب پچھلے اس عقیدے کی حفاظت وصیانت کی مختلف صورتیں ہیں اور متعدد مظاہر ہیں، اگر یہ عقیدہ درمیان سے ختم ہو جائے تو یہ تمام دینی جدوجہد بالکل لایعنی ہے، نہ قرآن کی عظمت واہمیت باقی رہتی ہے، نہ صحیح بخاری وصحیح مسلم وغیرہ واحادیث نبویہ کی حاجت باقی رہتی ہے، جب دوسرا نبی ورسول آسکتا ہے اور وحی الٰہی کا سلسلہ جاری ہے نئی شریعت بھی آسکتی ہے جدید احکام بھی نازل ہوسکتے ہیں، جہاد اسلامی بھی منسوخ ہوسکتا ہے، حج وزکوۃ اور تمام عبادات میں جو ترمیم چاہیں ہوسکتی ہے تو قرآن وحدیث کی وقعت واہمیت کیا باقی رہ جاتی ہے، گویا حفاظت اسلام کا قوی ترین ومستحکم قلعہ یہی ختم نبوت ہے، اس لئے شیاطین الانس وشیاطین الجن کا سب سے پہلا حملہ اس قلعہ پر ہوا اس لئے کہ اس مورچہ کو ختم کر کے تمام معاملات حسب خواہش طے ہوسکتے ہیں، لہذا کسی بھی اسلامی حکومت کا سب سے پہلا فریضہ یہ ہے کہ اس قلعہ کی حفاظت کرے اسلامی دستور اسلامی آئین کی بنیاد بھی یہی عقیدہ ہے۔

اسلام کے خلاف برطانوی سازش

الغرض دین اسلام کا سب سے بڑا شعار عقیدہ ختم نبوت ہے، بدقسمتی سے متحدہ ہندوستان پر جب فرنگی استعمار کا پنجہ مضبوط ہوگیا اور ۱۸۵۷ء میں روح فرسا مظالم کر کے لاکھوں مسلمانوں کو تہ تیغ کر دیا گیا لیکن اس کے باوجود انگریز اسلام کو ختم نہ کر سکا تب اسلام کے خلاف جن مؤثر تدابیر کو انگریز نے اختیار کیا ان میں سب سے مؤثر نسخہ یہی ہاتھ آیا کہ اسلام کے اس عقیدہ پر کاری ضرب لگائے۔ انگریزی نفسیات کے بارے میں مسولینی کا مقولہ مشہور ہے کہ یہ قوم صدیوں پہلے انجام کار کا اندازہ لگا لیتی ہے، بلاشبہ شیطنت وتلبیس میں یہ قوم اعداء اسلام میں امتیازی حیثیت رکھتی ہے، ہمارے شیخ المشائخ حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندی فرمایا کرتے تھے کہ جہاں کہیں اسلام کے خلاف سازش نظر آئے اگر کھوج لگاؤ گے تو معلوم ہوگا کہ اس کا سرچشمہ انگریز ہے۔ اس لئے انگریزی حکمراں کی نگاہ نے ایک صوبے پنجاب کے ضلع گورداسپور کے گاؤں قادیان میں ایک وکیل مرزا غلام احمد کا انتخاب کرلیا، مسلمانوں میں ''مہدیت'' کے دعوے دار بہت سے مختلف ادوار میں پیدا ہو چکے تھے لہذا یہ دعوی زیادہ انوکھا نہ تھا اس لئے اول مرزا غلام احمد نے مہدی ہونے کا دعوی کیا تا کہ آسانی سے ہضم ہو سکے رفتہ رفتہ ''مثیل مسیح موعود'' کا دعوی کیا اس کو بھی چند لوگوں نے قبول کرلیا پھر ''مسیح موعود'' ہونے کا دعوی کیا پھر نبی غیر تشریعی (یعنی بلاشریعت پیغمبر) ہونے کا مدعی ہوا، آخر صراحۃً نبوت کا دعوی کرڈالا اور یہ بھی ساتھ دعوی کیا کہ ان کی شریعت میں امرونہی بھی ہے، جدید احکام بھی ہیں اور بالآخر جہاد کے منسوخ ہونے کا اعلان کر دیا۔ الغرض ترتیب وتدریج کے ساتھ جو پہلے مرحلہ پر سوچ چکا تھا اسی مرحلے پر آخرکار پہنچ گیا، تمام اطراف ہند میں شوروغوغا ہوا اور تکفیر

پر مضامین آئے، کتابیں لکھی گئیں لیکن برطانیہ نے بہت ہوشیاری اور تدبر کے ساتھ اس کی ترویج وتقویت اور پشت پناہی میں پورا زور صرف کر دیا اور آج اسی کے نتیجہ میں دنیا کا کوئی گوشہ باقی نہیں رہا کہ انگریز کے اس خود کاشتہ پودے کے ثمرات وہاں نہ پہنچے ہوں، لندن میں تو اس کا مرکز ہی ہے، امریکہ کینیڈا سے لے کر فلسطین تک بلکہ اسرائیل کی نام نہاد حکومت میں بھی اس کا مرکز ہے، اگر پاکستان کی موجود حکومت کا دعویٰ ہے کہ وہ اسلامی حکومت ہے اور دستور کے اندر بھی یہ دفعہ آگئی ہے کہ مسلمان کے لئے ضروری ہے کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ختم نبوت کا عقیدہ رکھے تو اس کو فوراً قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دے دینا چاہیے کہ یہ ایک اسلامی حکومت کا ادنیٰ ترین فرض ہے، مقامِ مسرت ہے کہ مکہ مکرمہ میں رابطہ عالم اسلامی کی دعوت پر تمام اسلامی ممالک کی اسلامی جماعتوں کا اجتماع ہوا اور بالاتفاق یہ قرارداد پاس ہوئی کہ: مرزائی قادیانی جہاں بھی ہوں غیر مسلم اقلیت ہیں صرف پاکستان کے ایک نمائندے نے اتفاق نہیں کیا، انا للہ۔

جس حکومت کے نمائندے کو سب سے پہلے سبقت لے جانی چاہئے تھی وہی مخالف رہا، کہنا یہ ہے کہ حکومت پاکستان کا سب سے پہلا فرض یہ ہے کہ اس عقیدہ کی حفاظت کرے اور ملک کے جو باشندے اس عقیدہ کے خلاف ہیں ان کو غیر مسلم اقلیت قرار دے کر ان کے ساتھ بقیہ غیر مسلم اقلیتوں کا معاملہ کرے، حق تعالیٰ ہمارے حکمرانوں کو دین کی صحیح سمجھ عطا فرمائیں اور اس پر چلنے کی توفیق نصیب فرمائیں تا کہ قیامت کے روز سرخروئی نصیب ہو اور دنیا میں بھی ہم مسلمانوں اور مسلمان حکومتوں کے سامنے رسوا نہ ہوں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ناموس کی حفاظت کر کے آپ کی شفاعت کبریٰ کے مستحق ہوں۔

تخلیق کائنات کا مقصد

قرآن مجید میں بہت سی جگہ عقیدہ آخرت کے اثبات کے لئے یہ دلیل پیش کی گئی ہے کہ اگر اس کائنات کی تخلیق کا منشا صرف یہی ہوتا کہ اس دنیا کا نقشہ وجود میں آجائے اور اس کا کوئی نتیجہ نہ ہو تو یہ محض ایک فعل عبث اور کھیل تماشا ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی ذات قدسی صفات کھیل تماشے سے بلند وبالا اور عبث والایعنی سے پاک اور منزہ ہے:

﴿اَفَحَسِبْتُمْ اَنَّمَا خَلَقْنٰكُمْ عَبَثًا وَّاَنَّكُمْ اِلَيْنَا لَا تُرْجَعُوْنَ﴾ [المؤمنون:۱۱۵]

پس کیا تمہارا خیال ہے کہ ہم نے تمہیں عبث پیدا کیا ہے اور یہ کہ تم ہماری طرف لوٹائے نہیں جاؤ گے۔

یہ کارخانہ عالم بے نتیجہ و بے مقصد نہیں بلکہ ذریعہ و وسیلہ ہے ایک بڑے مقصد کا، یہ عبوری و عارضی اور امتحانی وابتلائی زندگی خود مقصد نہیں بلکہ یہ تمہید ہے آخرت کی، جہاں کی زندگی ابدالآباد کی زندگی ہوگی۔ سورہ فاتحہ سے سورہ الناس تک بے شمار مقامات پر محیر العقول معجزانہ اسلوب اور عجیب مؤثر انداز میں یہ حقیقت بار بار ذہن نشین کرائی گئی ہے۔ سورہ فاتحہ میں جسے ایک مسلمان کم از کم ۳۲ مرتبہ روزانہ پڑھتا یا سنتا ہے حق تعالیٰ کی ربوبیت

اور رحمت عامہ کے فوراً بعد ''یوم الدین'' کی مالکیت اور بادشاہی کا اعلان کیا گیا ہے تاکہ ہر لحظہ یہ عقیدہ پیش نظر رہے کہ دنیا خود مقصد نہیں اصل منزل مقصود آخرت اور صرف آخرت ہے۔

پاکستان کا مقصد

ٹھیک اسی طرح یہ سمجھنا چاہیئے کہ مملکت خداداد پاکستان جسے ۱۸۵۷ء سے ۱۹۴۷ء تک کی طویل اور صبر آزما جنگ آزادی کے بعد حاصل کیا گیا، جس کے لئے جان ومال اور عزت وآبرو کی بے مثال قربانیاں دی گئیں، جس کی خاطر لاکھوں خاندانوں کو ترک وطن کی وہ صعوبتیں برداشت کرنا پڑیں جن کی نظیر پیش کرنے سے تاریخ شرمندہ ہے اور جس کو خدا اور رسول کے مقدس نام پر اور ''لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ'' کا واسطہ دے کر حاصل کیا گیا اگر اس کا مقصد صرف اتنا ہی تھا کہ آزادی مل جائے، کافروں کی جگہ بڑے بڑے مسلمان سرمایہ دار وجود میں آجائیں، بڑے بڑے کارخانے ہوں، فلک بوس عمارتیں اور خوشنما بلڈنگیں ہوں، فراخ سڑکیں اور عمدہ کاریں ہوں، سینما اور تھیٹر ہوں، ریڈیو اور ٹیلیویژن ہوں، شاندار ہوٹل اور کلب گھر ہوں، رقص وسرور کی محفلیں، مخلوط دعوتیں اور حیا سوز مناظر ہوں، سود اور رشوت کا بازار گرم ہو، ظلم وناانصافی کا دور دورہ ہو، لاقانونیت کی فضا ہو، نہ خدا کا خوف ہو نہ قانون کا ڈر، نہ حاکم کو احساس فرض ہو نہ محکوم کو، نہ کسی کی جان محفوظ ہو نہ مال، نہ پولیس اپنے منصب کی پروا کرے نہ عدالت سے دادخواہی غریب آدمی کے لئے ممکن ہو، ایک طرف کارخانوں پر کارخانے کھلتے جائیں اور دوسری طرف ملک کا نادار طبقہ نانِ جویں کا محتاج ہو، الحاد ودہریت کی کھلی چھٹی ہو، کوئی کسی کے ایمان پر ڈاکہ ڈالے، ایمانی عقائد پر حملہ کرے، اخلاق کو تباہ کرے، معاشرہ کو متعفن کرے، مگر قانون اسے روکنے میں کامیاب نہ ہو۔ الغرض یہاں جو کچھ ہو رہا ہے اگر یہ ملک اسی کے لئے بنا تھا آزادی اسی کے لئے حاصل کی گئی تھی، خدا اور رسول کے مقدس نام کا استعمال انہی مقاصد کے لئے ہوا تھا، پاکستان کی تفسیر کلمہ طیبہ(۱) سے اسی کے لئے کی گئی تھی تو ہم نے خود اپنے اوپر کتنا بڑا ظلم کیا اور بھری دنیا کو کتنا بڑا دھوکا دیا؟ یہ سارے کام تو امریکہ ویورپ اور بے دین ممالک میں بھی بڑے وسیع پیمانے پر انجام دیئے جارہے تھے۔

الغرض حق تعالیٰ کے ارشاد کے مطابق اگر تخلیق دنیا کا منشاء آخرت نہ ہو، روز جزا میں میزانِ عدل قائم نہ ہو، جزا وسزا کا دفتر نہ کھلے، مجرمین کو سزا اور صالحین کو جنت نہ ملے تو عالم کا تمام نقشہ بے کار ہے، محض کھیل اور تماشا ہے، اسی طرح اگر پاکستان کا مقصد اسلامی حکومت، اسلامی دستور اور اسلامی قانون نہ ہو تو یہ تمام نقشہ بے کار ہے اور کھیل تماشے سے زیادہ اس کی کوئی حیثیت نہیں۔

---

(۱) پاکستان کا مطلب کیا؟ لا الہ الا اللہ! تحریک پاکستان کے دوران بچے بچے کی زبان پر تھا، ان بچوں کو جو اب پیرانہ سالی میں قدم رکھ رہے ہیں یہ نعرہ اب بھی یاد ہوگا۔

تاسیس پاکستان کا اصل مقصد

پاکستان کی تاسیس کا اصل مقصد یہ تھا کہ اس ملک میں اسلام کا قانون رائج ہو، ایک صالح معاشرے کی تشکیل ہو، فواحش ومنکرات کا قلع قمع کیا جائے، بے حیائی وعریانی کا جو سیلاب خدا فراموش ملکوں سے آرہا ہے اس سے محفوظ رہا جائے، ظلم وعدوان کو مٹایا جائے، اسلام کے عدل وانصاف کے سائے میں ہر شخص اطمینان وسکون کی زندگی بسر کر سکے، قوم کے نادار افراد کی دستگیری کی جائے، کس قدر حیرت وافسوس کا مقام ہے کہ تیس سال کے طویل عرصہ کے بعد بھی ہم اسلامی قانون کے سایہ رحمت سے محروم ہیں، ملک اسلام اور مسلمانوں کا ہے، حکومت مسلمانوں ہی کی ہے، حکومت کا سرکاری مذہب اسلام ہے، مگر نہ اسلامی دستور ہے، نہ اسلامی قانون، قوم بار بار مارشل لاء کے سائے میں زندگی گذارنے پر مجبور ہے، اس سے بڑھ کر افسوس کی بات یہ ہے کہ اس اسلامی ملک میں کوئی اسلامی حکومت آج تک مسلم اور غیر مسلم کے درمیان سرکاری طور پر کوئی حد فاصل قائم نہیں کر سکی، گذشتہ دور حکومت میں یہ سستا اصول بنالیا گیا تھا کہ جو شخص بھی اسلام کا ادعا کرے وہ مسلمان ہے، ایک شخص حکومت کے سرکاری مذہب سے بغاوت کر کے حضرت خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کی ختم نبوت کا انکار کرے، ارشادات نبوت کو جھٹلائے، الحاد وتحریف کے ذریعہ دین کی ساری جڑوں کو کھوکھلا کر دے، مرزائی بنے، پرویزی بنے، ملحد بنے، نماز، روزہ کا مذاق اڑائے، انبیاء کرام کی توہین کرے، مگر یہاں اس کے اسلام پر کوئی آنچ نہیں آتی اور وہ جوں کا توں مسلمان رہتا ہے اس سے بڑھ کر ستم ظریفی اور کیا ہو سکتی ہے کہ ایک مسلمان ملک میں اسلام کے حقوق محفوظ نہ ہوں۔

قادیانیوں کے بارے میں عدالت کے فیصلے

تاہم اس پر آشوب اور تاریک فضا میں بھی روشنی کی کرن کبھی کبھار پھوٹ نکلتی ہے۔ مرزائی امت کی شرعی اور قانونی حیثیت کیا ہے؟ اس نکتہ پر سابق ریاست بہاول پور کے جج جناب محمد اکبر صاحب (۱) کا تاریخی فیصلہ ایک مسلمان جج کے ایمان کا شاہکار تھا قیام پاکستان کے بعد جناب شیخ محمد اکبر ڈسٹرکٹ جج راولپنڈی نے ان کے کفر کا فیصلہ دیا (۲) اور اب یہ تیسرا فیصلہ ہے جو جیمس آباد کے سول جج جناب محمد رفیق گوریجہ پی، سی، ایس نے

---

(۱) بمقدمہ مسماۃ غلام عائشہ بنت مولوی الٰہی بخش۔ بنام عبد الرزاق ولد مولوی جان محمد، یہ مقدمہ دو سال تک زیر سماعت رہا اور فاضل جج نے فروری ۱۹۳۵ء مطابق ۳ ذیقعدہ ۱۳۵۳ھ کو فیصلہ سنایا فیصلہ مقدمہ بہاول پور کے نام سے طبع ہو چکا ہے اور نہایت قیمتی دستاویز ہے۔

(۲) بمقدمہ امۃ الکریم بنت کرم الٰہی بنام لیفٹیننٹ نذیر الدین پسر ماسٹر محمد دین، یہ فیصلہ ۳ جون ۱۹۵۵ء میں ہوا، مجلس تحفظ ختم نبوت تغلق روڈ ملتان سے شائع ہو چکا ہے۔

جنہیں فیملی کورٹ کورٹ جج کے اختیارات بھی حاصل ہیں ایک احمدی مرد کے ساتھ مسلمان لڑکی کے نکاح کو ناجائز قرار دیتے ہوئے صادر فرمایا ہے(۱)، یہ فیصلہ بے حد لائق تحسین اور قابل مبارک باد ہے، جہاں ہم محترم جج کو مبارک باد پیش کرتے ہیں وہاں موجودہ مارشل لاء حکومت کے دور میں عدلیہ کی آزادی بھی قابل صد تبریک ہے جس کی وجہ سے ایک سول جج اس جرأت ایمانی کا مظاہرہ کرسکتا ہے کہ وہ شرعی اور اسلامی قانون کے مطابق مدلل اور مفصل فیصلہ کرسکے کہ چونکہ قادیانی مسلمان نہیں اس لئے کسی مسلمان عورت اور قادیانی مرد کے درمیان عقد نکاح منعقد نہیں ہوتا۔

فیصلے کا پورا متن ملک کے بہت سے اخبارات وجرائد میں شائع ہو چکا ہے یہاں ہم اس فیصلے کے چند اہم نکات کا مطالعہ کرانا چاہتے ہیں:

فیصلہ جیمس آباد کے اہم نکات

نکتہ اول: مسلمان کسے کہتے ہیں؟

سب سے پہلا نکتہ یہ ہے کہ اسلام کی تعریف کیا ہے؟ اسلام اور کفر کے درمیان حد فاصل کیا ہے؟ اور وہ کون سی چیز ہے جو ایک مسلمان کو غیر مسلم سے ممیز کرتی ہے؟ اس نکتہ پر بحث کرتے ہوئے فاضل جج امیر علی کی کتاب ''محمڈن لا'' کے حوالے سے لکھتے ہیں:

''کوئی شخص جو اسلام لانے کا اعلان کرتا یا دوسرے لفظوں میں خدا کی وحدانیت اور محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے پیغمبر ہونے کا اقرار کرتا ہے وہ مسلمان اور مسلم لاء کے تابع ہے۔''

ایک اور جگہ وہ لکھتے ہیں: ''ہر وہ شخص جو خدا کی وحدانیت اور رسول عربی کی پیغمبری پر ایمان رکھتا ہے دائرہ اسلام میں آجاتا ہے۔''

نیز سر عبدالرحیم کی کتاب ''محمڈن جورسپروڈنس'' کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ:

''اسلامی عقیدہ خدائے واحد کی حاکمیت اور محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کے نبی کی حیثیت سے مشن کی صداقت پر مشتمل ہے''۔

یہ دونوں تعریفیں جو اپنے مفہوم میں متحد ہیں اپنی جگہ صحیح اور درست ہیں مگر تشریح طلب ہیں۔ اسلام دراصل انسان کے اس عہد کا نام ہے کہ وہ خدا تعالیٰ کے اس پورے دین کو جو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے

(۱) بمقدمہ امۃ الہادی بنت سردار خاں بنام حکیم نذیر احمد برق قادیانی، یہ فیصلہ ۱۳/جولائی ۱۹۷۰ء کو پڑھ کر سنایا گیا۔

ذریعہ بھیجا گیا دل و جان سے تسلیم کرتا ہے۔ اس عہد میں چند اصولی چیزیں آپ سے آپ آ جاتی ہیں۔

اوّل: اس عہد کی رو سے لازم ہوگا کہ دین کے تمام اجزاء کو ایک ایک کر کے تسلیم کیا جائے اگر کوئی شخص دین کی کسی ایسی بات کو جس کا ثبوت قطعی ہے(۱) نہیں مانتا تو چاہے باقی سارے دین کو مانتا ہو تب بھی وہ مسلمان نہیں کہلائے گا، کیونکہ معاہدہ کی ایک شق سے انحراف معاہدہ کی پوری دستاویز سے انحراف سمجھا جاتا ہے، قرآن کریم میں ارشاد ہے:

﴿اَفَتُؤْمِنُوْنَ بِبَعْضِ الْكِتَابِ وَتَكْفُرُوْنَ بِبَعْضٍ فَمَا جَزَآءُ مَنْ يَّفْعَلُ ذَالِكَ مِنكُمْ اِلَّا خِزْيٌ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ يُرَدُّوْنَ اِلٰى اَشَدِّ الْعَذَابِ وَمَا اللهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ﴾ [البقرة:۸۵]

پھر کیا (ایسا نہیں کہ) تم کتاب کے ایک حصے پر تو ایمان لاتے ہو اور اس کے ایک حصے سے مکر جاتے ہو؟ تم میں سے جو شخص بھی ایسا کرے گا اس کا بدلہ اس کے سوا اور کیا ہوسکتا ہے کہ اسے دنیا میں رسوائی نصیب ہو اور قیامت کے دن انہیں سخت ترین عذاب کے حوالے کیا جائے گا اور اللہ بے خبر نہیں ان کاموں سے جو تم کرتے ہو۔

دوم: اس عہد کا دوسرا تقاضا ہے کہ تمام دینی حقائق کو من وعن تسلیم کیا جائے اور ان کے معنی و مفہوم وہی لئے جائیں جو خدا اور رسول کی مراد ہیں، جو صحابہؓ کے دور سے آج تک اپنے صحیح تسلسل کے ساتھ نسلاً بعد نسل منتقل ہوتے ہوئے ہم تک پہنچے ہیں، اگر ایک شخص الفاظ کی حد تک تو دین کو ماننے کا دعویٰ کرتا ہے لیکن وہ دین کے بنیادی حقائق کی من مانی تاویل کر کے ان کی اصل روح کو کچل دیتا ہے اور انہیں ایسے من گھڑت اور عجیب و غریب معنی پہناتا ہے جو نہ خدا اور رسول کی مراد ہیں نہ صحابہؓ و تابعین کے زمانہ میں ان کا کبھی تصور کیا گیا، نہ اسلام کی بعد کی صدیوں کے علماء ان سے آشنا ہوئے تو یہ شریعت کی اصطلاح میں تحریف الحاد اور زندقہ ہوگا اور یہ کفر کی خبیث ترین قسم ہے، یہ شخص دین کو مانتا نہیں بلکہ دین سے کھیلتا ہے اسی قماش کے لوگوں کے بارے میں فرمایا گیا ہے:

---

(۱) دین کی ایسی باتیں جن کا ثبوت قطعی ہے اور جن کا دین محمدی میں داخل ہونا ہر عام و خاص کو معلوم ہے، ضروریات دین کہلاتی ہیں۔ ''ضروریات'' ''ضروری'' کی جمع ہے جس کے معنی ہیں بدیہی، واضح، بالکل ظاہر، ضرورت دین کے معنی ہوئے: وہ امور جن کا جزو دین ہونا بالکل ظاہر واضح اور قطعی ہو ان کے ثبوت میں کوئی خفا نہیں، نہ شک و شبہ کی گنجائش ہے۔

''ضروریات دین'' کے ذیل میں وہ ساری چیزیں آجاتی ہیں جن کا ثبوت قرآن مجید، حدیث متواتر اور اجماع امت سے ہو ان تمام امور کا ماننا ایمان کہلاتا ہے اور ان میں سے کسی ایک کا انکار کر دینا بھی صریح کفر ہے اور ان کو توڑ مروڑ کر غلط معنی پر محمول کرنا الحاد اور زندقہ کہلاتا ہے جو کفر کی بدترین صورت ہے۔ اس موضوع پر جامع ترین تحقیقی کتاب امام العصر مولانا محمد انور شاہ رحمہ اللہ کی تصنیف اکفار المحلدین ہے جس کا اردو ترجمہ بھی مجلس علمی کراچی نے شائع کر دیا ہے قابل دید ہے خصوصاً علماء و محققین کے استفادہ کے لائق ہے۔

﴿اِنَّ الَّذِيْنَ يُلْحِدُوْنَ فِيْٓ اٰيٰتِنَا لَا يَخْفَوْنَ عَلَيْنَا اَفَمَنْ يُّلْقٰى فِي النَّارِ خَيْرٌ اَمْ مَّنْ يَّاْتِيْٓ اٰمِنًا يَّوْمَ الْقِيٰمَةِ اِعْمَلُوْا مَا شِئْتُمْ اِنَّهٗ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ﴾

[حم السجدة:٤٠]

یقیناً جو لوگ ہمارے احکام میں کجروی اختیار کرتے ہیں وہ ہم سے چھپے نہیں رہ سکتے، پس کیا وہ شخص جسے دوزخ میں ڈالا جائے گا بہتر ہے یا وہ شخص جو قیامت کے دن امن کی حالت میں آئے گا؟ تم جو چاہو کرلو، وہ (یعنی اللہ تعالیٰ) تمہارے کرتوتوں کو یقیناً دیکھ رہا ہے۔

سوم: اس عہد کا تیسرا مقتضیٰ یہ ہے کہ اس عہد و پیمان کے بعد اس سے کوئی ایسا قول و فعل سرزد نہ ہو جو اس عہد کی نفی کرتا ہو، اسی طرح یہ بھی ضروری ہے کہ وہ اسلام کا عہد باندھ لینے کے بعد دوسرے تمام مذاہب و ملل کے عقائد و افکار اور نظریۂ حیات سے کنارہ کشی کرے، اگر ایک شخص اسلام کا دعویٰ کرتا ہے مگر عملاً بت کو سجدہ کرتا ہے، ہندوؤں کے مذہبی مراسم بجالاتا ہے، عیسائیوں کی صلیب لٹکاتا ہے، یا معاذ اللہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جناب میں گستاخی کرتا ہے، کسی نبی کی تنقیص کرتا ہے، قرآن مجید سے ہتک آمیز سلوک کرتا ہے، شعائر دین کی بے ادبی کرتا ہے، کسی حکم شرعی کا مذاق اڑاتا ہے، ایسا شخص اپنے دعوائے ایمان میں مخلص نہیں بلکہ منافق ہے اور محض اسلام اور مسلمانوں کو دھوکہ دینے کے لئے اسلام کا ادعا کرتا ہے، حق تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّقُوْلُ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَبِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَمَاهُمْ بِمُؤْمِنِيْنَ يُخٰدِعُوْنَ اللّٰهَ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا﴾ [البقرة:٨،٩]

اور بعض لوگ دعویٰ کرتے ہیں کہ ہم ایمان لائے اللہ پر اور آخرت کے دن پر، حالانکہ وہ قطعاً مومن نہیں وہ اللہ کو اور مسلمانوں کو دھوکا دینا چاہتے ہیں۔

الغرض اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور محمد رسول اللہ ﷺ کی نبوت پر ایمان لانے کے معنی یہ ہیں کہ:

① دین کے وہ تمام حقائق جن کا علم ہمیں یقینی ذرائع سے پہنچا ہے ان سب کو تسلیم کرے۔

② ان کو بغیر کسی تاویل و تحریف کے من و عن قبول کرے۔

③ اور اس سے کوئی ایسی حرکت سرزد نہ ہو جس سے اس کے دعوائے ایمان کی نفی ہوتی ہو، کلمہ طیبہ ''لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ'' اس معاہدہ ایمان کا مختصر متن ہے جو دین کی تمام تفصیلات کو شامل ہے، یہ ہے اسلام کی میزان عدل! جس سے کسی کے اسلام اور کفر کا فیصلہ کیا جاسکتا ہے۔

نکتہ دوم: مسلمان اور غیر مسلم کے الگ الگ دائرہ عمل

فاضل جج نے اس نکتہ پر بھی بحث کی ہے کہ آیا عدالت یہ تعین کرسکتی ہے کہ احمدی (مرزائی) مسلمان

ہیں یا نہیں؟ انہوں نے عدالت عالیہ کے فاضل ججوں کے مشاہدات کا حوالہ دیتے ہوئے یہ قرار دیا ہے کہ بعض صورتوں میں عدالت کے لئے یہ تصفیہ ناگزیر ہے، مثلاً وراثت، جائداد، منصب، کسی خانقاہ کی سجادہ نشینی، کسی مذہبی ادارے کی سربراہی یا پاکستان کے صدارتی انتخاب کی امیدواری کا سوال ہو وغیرہ تو عدالت کو یہ تعین کرنا ہوگا کہ احمدی (مرزائی) مسلمان ہیں یا نہیں۔

جہاں تک ہماری عدالتوں کے دائرہ اختیار کا تعلق ہے اس کی تشریح تو عدالت عالیہ ہی بہتر کرسکتی ہے لیکن جہاں تک شریعت اسلامیہ کے فیصلے کا سوال ہے اس کی روشنی میں ہم کہہ سکتے ہیں کہ اسلام اور کفر کی لائنیں اپنے نقطۂ آغاز ہی سے جدا ہوجاتی ہیں، ہماری شریعت میں ایک لحہ کے لئے نہ کسی مسلمان سے غیر مسلم کا سا سلوک کیا جاسکتا ہے نہ کسی غیر مسلم کو مسلمان کے حقوق دیئے جاسکتے ہیں۔

کوئی غیر مسلم (۱) سلام، ودعا اور مسلمانوں کی دوستی اور موالات کا مستحق نہیں، وہ مر جائے تو اسلامی طریقہ کے مطابق اس کا کفن دفن اور جنازہ جائز نہیں، وہ کسی عزت وتکریم کا مستحق نہیں، وہ کسی مسلمان کا وارث نہیں ہوسکتا، نہ مسلمان اس کا وارث ہوسکتا ہے، وہ اسلامی عدالت کا جج نہیں بن سکتا، نہ اسلامی آئین کی تدوین میں اسے شریک کیا جاسکتا ہے، نہ اسے کسی کلیدی آسامی پر مسلط کیا جاسکتا ہے، نہ وہ مسلمانوں کے کسی مذہبی ادارے کے لئے موزوں ہے، نہ کسی مسلمان عورت سے نکاح کرسکتا ہے، نہ کسی مسلمان لڑکی کا ولی بن کر اس کا نکاح کراسکتا ہے نہ کسی مسلمان یتیم بچے کا متولی ہوسکتا ہے وغیرہ ذلک۔

ظاہر ہے کہ یہ وہ احکام ہیں جن کی قدم قدم پر ضرورت واقع ہوگی اور ایک مسلمان کو خدا اور رسول کے حکم کے مطابق ان احکام کا ہر لحہ خیال رکھنا ہوگا اس لئے ایک مسلمان کے لئے یہ تعین ہر وقت ضروری ہے کہ فلاں شخص اپنے نظریات وعقائد کے ساتھ مسلمان ہے یا نہیں؟

اور یہ تو خیر عام غیر مسلموں کا حکم ہے، مرتد کی نوعیت اس سے زیادہ سنگین ہے، اسلام لانے کے بعد اس سے پھر جانا یا اسلام کے کسی قطعی حکم کا انکار کردینا یا ضروریات دین کو توڑ موڑ کر ان کو من گھڑت معنی پہنانا شروع کردینا، یا شریعت کے کسی حکم کو طنز وتعریض کا نشانہ بنانا ''ارتداد'' کہلاتا ہے، ارتداد اسلام کی نظر میں کفر اور شرک سے کہیں بڑھ کر انتہائی درجے کا سنگین جرم ہے، اسلام نے جرائم کی جو فہرست مرتب کی ہے ان میں صرف تین جرائم ایسے ہیں جن کے لئے سزائے موت تجویز کی ہے۔

معاشرتی جرائم میں قتل عمد سب سے بدتر جرم ہے اور سزائے موت کا موجب، اخلاقی جرائم میں زنا سب

---

(۱) غیر مسلم سے مراد یہاں وہ تمام لوگ ہیں جنہوں نے نکتہ اولیٰ کی تشریح کے مطابق اسلام قبول نہیں کیا ایسے لوگ خواہ اپنے آپ کو ہزار بار مسلمان کہیں لیکن جب تک وہ اپنے غلط نظریات سے توبہ کر کے سیدھے طریقے سے اسلام کو قبول نہیں کرتے شریعت کی نظر میں وہ مسلمان نہیں نہ ان سے مسلمانوں کا سا برتاؤ جائز ہے۔

سے گھناؤنی چیز ہے اور اس کے لئے رجم (سنگساری) کی سزا ہے اور نظریاتی جرائم میں ارتداد کفر وطغیان کی آخری حد ہے اور اس کے لئے سزائے موت کا حکم ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

"من بدّل دينه فا قتلوه"(۱)

جو شخص بھی اپنے دین کو بدل کر مرتد ہو جائے اسے قتل کر دو۔

یہی وجہ ہے کہ اسلام صلح وجزیہ کے شرائط پر کفر وشرک سے تو مصالحت کر سکتا ہے لیکن ارتداد سے مصالحت کرنے کے لئے کسی قیمت پر آمادہ نہیں، مرتد کے بارے میں اس کا فیصلہ یہ ہے کہ اسے تین دن کی مہلت دی جائے اس کے شبہات کے ازالہ کی کوشش کی جائے اگر وہ اسلام کی طرف پلٹ آئے تو اس کی جان بخشی کی جائے گی ورنہ اس پر سزائے موت جاری کر دی جائے گی (۲)۔

مرتد کو مہلت کے ان تین دنوں میں بھی آزاد نہیں چھوڑ دیا جائے گا بلکہ نظر بند رکھا جائے گا اور اس سے مکمل معاشرتی مقاطعہ (بائیکاٹ) ضروری ہوگا اور اسے آزادانہ تصرفات کی اجازت نہیں ہوگی۔

خلاصہ یہ کہ جس شخص کا کفر یا ارتداد معروف ہو شریعت اسلام کے مطابق اس کے ساتھ ایک لمحہ کے لئے بھی مسلمانوں کا سا برتاؤ نہیں کیا جا سکتا، اسے مسلمانوں کی جماعت میں گھسنے کی اجازت نہیں دی جا سکتی ہے، نہ اسے اسلامی برادری کے حقوق سے نفع اندوزی کا موقعہ دیا جا سکتا ہے۔

نکتہ سوم: قادیانی کافر و مرتد ہیں اس کے وجوہ واسباب

فاضل جج نے قرآن مجید، احادیث نبویہ اور اجماع امت سے یہ ثابت کرنے کے بعد کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم آخری نبی ہیں، مرزا غلام احمد اور ان کے پیروؤں کے جو عقائد ونظریات ان ہی کے لٹریچر سے پیش کئے ہیں اور جن کو سامنے رکھ کر فاضل جج نے مرزائیوں کے کفر وارتداد کا فیصلہ کیا ہے، ان کا خلاصہ حسب ذیل ہے:

① مرزا غلام احمد نے ختم نبوت کے اسلامی عقیدہ سے انحراف کیا ہے۔

② انہوں نے بہت سے مقامات پر خود نبی ورسول ہونے کا دعویٰ کیا ہے۔

③ انہوں نے بہت سی ان آیات کو جن میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر ہے خود اپنی ذات پر چسپاں کرنے کی کوشش کی ہے۔

④ انہوں نے مسیح موعود ہونے کا دعویٰ کیا ہے۔

---

(۱) صحيح البخارى ،كتاب استتابة المعاندين والمرتدين ، باب حكم المرتدوالمرتدة ج:۲ ص: ۱۰۲۳ ، ط: قديمى

(۲) امام شافعی اور دوسرے ائمہ کے نزدیک مرتد مرد یا عورت دونوں کا ایک ہی حکم ہے مگر امام ابوحنیفہ کے نزدیک یہ صرف مرد کا حکم ہے، عورت کے لئے حبس دوام کا حکم ہے جب تک کہ وہ توبہ نہ کرے۔

⑤انہوں نے عیسیٰ علیہ السلام کے نسب پر طعن کیا ہے اور انکی دادیوں اور نانیوں کے خلاف غیر شائستہ زبان استعمال کی ہے۔

⑥انہوں نے آنحضرت ﷺ اور ان کے صحابہؓ کے بارے میں توہین آمیز کلمات کہے ہیں۔

⑦انہوں نے اپنے لئے نزول وحی کا دعویٰ کیا ہے۔

⑧انہوں نے قرآن مجید کی آیات کو دیدہ و دانستہ مسخ کیا ہے۔

⑨انہوں نے نزول عیسیٰ کے اسلامی عقیدہ کا انکار کیا ہے اور اس کی من مانی تاویلیں کی ہیں۔

⑩انہوں نے ان تمام مسلمانوں کو جو ان پر ایمان نہیں لائے کافر قرار دیا ہے۔

⑪انہوں نے اپنے پیروؤں کو مسلمانوں کے پیچھے نماز پڑھنے سے روکا ہے۔

⑫انہوں نے مرزائیوں کو مسلمانوں کی نماز جنازہ پڑھنے سے منع کیا ہے۔

⑬انہوں نے مرزائیوں کو حکم دیا ہے کہ وہ مسلمانوں کے نکاح میں اپنی بیٹیاں نہ دیں کیونکہ وہ کافر ہیں۔

⑭انہوں نے اپنے ایک خواب کے حوالے سے خدائی کا دعویٰ کیا ہے اور آسمانوں کی تخلیق کو اپنی طرف منسوب کیا ہے۔

⑮ مرزائیوں نے ''الفضل'' (۱۷ جولائی ۱۹۲۲ء) میں دعویٰ کیا ہے کہ ہر شخص بڑے سے بڑا مرتبہ پاسکتا ہے حتیٰ کہ (نعوذ باللہ) محمد رسول اللہ سے بھی بڑھ سکتا ہے۔

⑯ مرزائیوں کا دعوی ہے کہ مرزا غلام احمد کے ہاتھ پر بیعت کرنے والوں کا وہی مرتبہ ہے جو صحابۂ رسول کا تھا۔

⑰مرزا غلام احمد نے اپنی نبوت پر ظل و بروز کا پردہ ڈالا ہے اور یہ بقول علامہ اقبال مجوسیوں کا عقیدہ ہے۔

⑱انہوں نے تنسیخ جہاد کا دعویٰ کیا ہے۔

فاضل جج نے مرزائی لٹریچر کے ان اقتباسات سے جو ''مشتے نمونہ از خروارے'' کا مصداق ہیں، یہ نتیجہ اخذ کیا ہے کہ مرزا غلام احمد اور ان کے پیروؤں کا اسلام سے کوئی تعلق نہیں وہ دائرہ اسلام سے خارج ہیں، فاضل جج نے اس سلسلے میں جو ریمارکس دیئے ہیں، ان کے چند اقتباس ملاحظہ ہوں موصوف لکھتے ہیں:

''قرآن پاک اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مندرجہ بالا ارشادات کے بعد یہ جان کر حیرت ہوتی ہے کہ مدعا علیہ (مرزائی) نے خود کو نعوذ باللہ پیغمبر کی صف میں کھڑا کر دیا ہے اور اس کے ممدوح مرزا غلام احمد نے بھی اپنے پیغمبر اور نبی اور رسول ہونے کا دعویٰ کیا ہے۔''

ایک اور جگہ لکھتے ہیں:

''مدعا علیہ اور مرزا غلام احمد دونوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں ایک بالکل مختلف تصور

پیش کیا ہے جو مسلمانوں کے مسلمہ عقائد کے یکسر منافی ہے اور قران پاک کی تعلیمات سے متصادم ہے۔''

ایک اور جگہ لکھتے ہیں:

''لیگل اتھارٹی کے پورے احترام کے ساتھ میں یہ کہنے کی جرأت کرتا ہوں کہ احمدیوں اور غیر احمدیوں میں نہ صرف یہ کہ بنیادی اور نظریاتی اختلاف موجود ہے بلکہ ان میں عقیدے اور اعلان نبوت کے بارے میں بھی اختلافات موجود ہیں، نیز اللہ تعالیٰ کی طرف سے وحی کا نزول قرآن پاک کی آیات کو مسخ کرنا میری رائے میں کسی شخص کو بھی مرتد قرار دینے کے لئے کافی ہیں۔''

ایک اور جگہ لکھتے ہیں:

''رسول پاک (صلی اللہ علیہ وسلم) کی اس سے زیادہ اور کوئی توہین نہیں ہو سکتی کہ مرزا غلام احمد جیسا شخص یا مدعا علیہ یا کوئی اور خود کو پیغمبران کرام (علیہم السلام) کی صف میں کھڑا کرنے کی جسارت کرے، کوئی مسلمان کسی شخص کی طرف سے ایسا دعویٰ برداشت نہیں کر سکتا اور نہ قرآن وحدیث سے اس طرح کے دعوے کی تائید لائی جا سکتی ہے۔''

مرزا غلام احمد نے دانستہ طور پر قران پاک کی آیات خود سے منسوب کی ہیں اور انہیں خود ساختہ معنی پہنا ئے ہیں تا کہ وہ دوسروں کو گمراہ کر سکیں اور یہ بے خبر اور جاہل لوگوں کو گمراہ کرنے کی ایسی سنگین غلط بیانی ہے جو جان بوجھ کر روا رکھی گئی ہے اور جو اسلام کی نظر میں گناہ کبیرہ ہے۔

ایک اور جگہ لکھتے ہیں:

''پیغمبرانِ کرام کے بارے میں غیر شائستہ زبان کا استعمال ہی کسی کے ارتداد کے رجحان کی غمازی کرنے کے لئے کافی ہے۔''

ایک اور جگہ لکھتے ہیں:

''مرزا غلام احمد یا مدعا علیہ کی نام نہاد نبوت پر ایمان حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کی کھلی تنقیص ہے جس کی وضاحت خداوند تعالیٰ نے قرآن پاک میں اور رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے احادیث میں کر دی ہے، مدعا علیہ اور مرزا غلام احمد نے امتی نبی یا رسول یا ظلی اور بروزی نبی کا جو تصور پیش کیا ہے وہ قرآن وحدیث کی تعلیمات کے سراسر منافی ہے اس کی کوئی سند قرآن اور حدیث سے نہیں ملتی اور نہ مدعا علیہ اور مرزا غلام احمد کے تصور کی تائید کسی اور ذریعہ سے ہوتی ہے، امتی نبی کا تصور انتہائی غیر اسلامی ہے اور یہ مرزا غلام احمد اور مدعا علیہ کی من گھڑت تصنیف ہے۔''

فاضل جج آگے چل کر اپنے فیصلے میں مزید لکھتے ہیں:

''مندرجہ بالا امور کے پیش نظر میں یہ قرار دینے میں کوئی جھجک محسوس نہیں کرتا کہ مدعا علیہ اور ان کے ممدوح مرزا غلام احمد نبوت کے جھوٹے مدعی ہیں، اللہ تعالیٰ کی طرف سے الہامات وصول کرنے کے متعلق بھی ان

کے دعوے باطل اور مسلمانوں کے اس متفقہ عقیدے کے منافی ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اللہ تعالیٰ کی طرف سے نزول وحی کا سلسلہ ختم ہو چکا ہے۔''

مسلمانوں میں اس بارے میں اجماع ہے کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم آخری نبی ہیں اور ان کے بعد کوئی اور نبی نہیں آئے گا اور اگر کوئی اس کے برعکس یقین رکھتا ہے تو وہ صریحاً کافر اور مرتد ہے۔''

''مرزا غلام احمد نے قرآن پاک کی آیات مقدسہ کو توڑ مروڑ کر اور غلط رنگ میں پیش کیا ہے اور اس طرح انہوں نے ناواقف اور جاہل لوگوں کو گمراہ کرنے کی کوشش کی ہے، انہوں نے جہاد کو منسوخ قرار دیا ہے اور شریعت محمدی میں تحریف کی ہے، اس لئے مدعا علیہ کو جس نے خود اپنی نبوت کا اعلان کیا ہے نیز مرزا غلام احمد اور ان کی نبوت پر اپنے ایمان کا اعلان کیا ہے بلا کسی تردد کے کافر اور مرتد قرار دیا جاسکتا ہے۔''

قادیانی مسئلہ میں فاضل عدالت کا فیصلہ اتنا واضح ہے کہ اس پر کسی اضافہ کی ضرورت محسوس نہیں ہوتی، یہ فیصلہ جو قرآن مجید، احادیث نبویہ اور اجماع امت کی روشنی میں کیا گیا ہے پوری ملت اسلامیہ کے احساسات وعقائد کی ٹھیک ٹھیک ترجمانی ہے، اس فیصلے کا اطلاق جس طرح قادیانی مرزائیوں پر ہوتا ہے ٹھیک اسی طرح لاہوری مرزائیوں کے مؤقف کو بھی واضح کر دیتا ہے۔

بعض ناواقف اور جاہل یہ سمجھتے ہیں کہ مرزائیوں کی قادیانی پارٹی تو بلاشبہ دائرہ اسلام سے خارج ہے کیونکہ وہ مرزا غلام احمد کو نبی مانتی ہے لیکن لاہوری پارٹی مرزا صاحب کو نبی نہیں مانتی اس لئے انہیں دائرہ اسلام سے خارج قرار دینا مشکل ہے، یہ مؤقف شریعتِ اسلام اور لاہوری پارٹی دونوں کی حقیقت سے یک وقت جہالت اور ناواقفی کی دلیل ہے۔

اولاً: لاہوری پارٹی جس کی قیادت مسٹر محمد علی (مرید مرزا غلام احمد قادیانی) کے ہاتھ میں تھی مرزا غلام احمد اور ان کے خلیفہ اول حکیم نورالدین کے زمانہ تک ٹھیک ان ہی عقائد ونظریات کی حامل تھی جو دوسرے قادیانیوں کے ہیں۔ مسٹر محمد علی اور ان کے ہمنواؤں کی اس وقت کی تحریریں شاہد ہیں کہ وہ مرزا غلام احمد کو نبی مانتے تھے اور اس کا برملا اعلان کرتے تھے، مرزا صاحب کے خلیفہ دوم مرزا بشیر الدین سے ذاتی اور سیاسی اختلافات کی بنا پر انہوں نے اپنی الگ پارٹی بنالی اور یہ مؤقف اختیار کیا کہ مرزا غلام احمد نبی نہیں تھے بلکہ مجدد اعظم تھے، پھر مجدد مان کر تمام انبیاء کرام سے ان کو افضل مانتے ہیں اب جب تک یہ پارٹی اپنے سابق مؤقف سے برأت کا اظہار کرتے ہوئے تجدید اسلام کا اعلان نہیں کرتی اسے مسلمان تصور نہیں کیا جاسکتا، فقہائے امت کی تصریح کے مطابق کسی مرتد کا اسلام اسی وقت معتبر ہوگا جب کہ وہ اپنے سابق نظریات سے مکمل برأت کا اعلان کرے۔

ثانیاً: لاہوری پارٹی اگرچہ مرزا غلام احمد کو بظاہر نبی نہیں مانتی، لیکن انہیں مسیح موعود اور مہدی موعود کے خطاب سے مشرف کرتی ہے، مسیح موعود کا خطاب نبوت ہی کی ایک تعبیر ہے اس لئے مرزا غلام احمد جیسے لوگوں کو مسیح

موعود کہنا یقیناً کفر ہے۔

ثالثاً: جیسا کہ فاضل عدالت نے لکھا ہے مرزا غلام احمد کا جھوٹا دعوائے نبوت کرنا، خود کو انبیاء کرام کی صف میں لا کھڑا کرنا، قرآنی آیات کو مسخ کرنا، انبیاء کرام کی توہین کرنا، عیسیٰ علیہ السلام کی دادیوں اور نانیوں کے بارے میں ناشائستہ الفاظ استعمال کرنا اظہر من الشمس ہے اور کسی تاویل کا متحمل نہیں، لاہوری پارٹی ان دعاوی باطلہ کے باجود مرزا صاحب کو نہ صرف یہ کہ کافر و مرتد نہیں سمجھتی بلکہ مہدی اور مجدد تسلیم کرتی ہے اور یہ خود کفر ہے، اگر اسلام میں ایسے مہدی اور مجددوں کا وجود تسلیم کرلیا جائے تو یہ دین ایک کھلونا بن کر رہ جاتا ہے اسی بنا پر ہمارے شیخ امام العصر حضرت العلامہ مولانا محمد انور شاہ کشمیریؒ فرماتے ہیں:

وَمَنْ ذَبَّ عَنْهُ اَوْ تَاَوَّلَ قَوْلَهٗ
يُكَفَّرُ قَطْعًا لَيْسَ فِيْهِ تَوَانِ

ترجمہ: اور جو شخص (کھلے کفر کے باوجود) مرزا صاحب کی جناب سے مدافعت کرے گا یا اس کے اقوال کی تاویل کرے گا بغیر کسی جھجک کے اسے بھی قطعی کافر قرار دیا جائے گا۔

فَشَانِئُ شَانِ الْاَنْبِيَاءِ مُكَفَّرٌ
وَمَنْ شَكَّ قُلْ هٰذَا الْاَوَّلِ ثَانِ.

ترجمہ: انبیاء علیہم السلام کی شان میں تنقیص کرنے والے کی تکفیر کی جائی گی اور جو اس میں شک کرے وہ بھی اسی کے پیچھے ہے۔ (اور کافر و مرتد ہے)

رابعاً: ان تمام امور سے قطع نظر لاہوری پارٹی کے سربراہ مسٹر محمد علی ایم اے نے اپنی تصانیف میں جن نظریات کا اظہار کیا ہے اور قرآن کریم کی آیات کی جس انداز سے کھلی تحریف کی ہے اور نصوص شریعہ کو جس طرح مسخ کیا ہے وہ ان کے الحاد و زندقہ کی کافی دلیل ہے، لاہوری پارٹی اپنے سربراہ کے نظریات سے متفق ہے اس لئے بھی اس کا حکم مسلمانوں کا نہیں ہوسکتا۔

نکتہ چہارم: قادیانیوں کو ایک علیحدہ امت قرار دینے کا مطالبہ

فاضل جج مرزا غلام احمد کی ان تصریحات کو نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

''اس سے ظاہر ہے کہ احمدی (مرزائی) مسلمانوں سے ایک الگ مذہب کے پیرو ہیں اور علامہ اقبال نے اس وقت کی حکومت ہند کو بالکل درست مشورہ دیا تھا کہ اس طبقے (احمدیوں) کو مسلمانوں سے یکسر مختلف تصور کیا جائے اور اگر انہیں علیحدہ حیثیت دے دی گئی تو مسلمان ان کے ساتھ اسی رواداری سے پیش آئیں گے جس کا مظاہرہ وہ دوسرے مذاہب کے پیروؤں سے کرتے ہیں، لیکن ایک الگ طبقے کی حیثیت سے زندگی گذارنے کا حق

احمدیوں کو اس بات کی اجازت نہیں دیتا کہ وہ مسلمانوں کے پرسنل لاء میں مداخلت کریں اور انہیں مجبور کریں کہ وہ احمدیوں کو بھی صرف اس لئے اسلام کا ایک فرقہ تسلیم کرلیں کہ انہوں نے اپنے اوپر احمدی مسلم کا لیبل لگا رکھا ہے۔''

فاضل جج کا یہ ریمارک اور علامہ اقبال کا اس وقت کی انگلش گورنمنٹ کو مشورہ دینا کہ وہ مرزائی امت کو مسلمانوں سے ایک الگ اور جداگانہ اقلیت قرار دے، دراصل ان عقائد و نظریات اور طرز عمل کا فطری اور منطقی نتیجہ ہے جو مرزا غلام احمد اور ان کی امت نے اختیار کیا، جیسا کہ پہلے معلوم ہو چکا ہے انہوں نے اسلام کے قطعی اور مسلمہ عقیدہ ختم نبوت پر تاویل و تحریف کی ضرب لگا کر اپنے دعوائے نبوت کے لئے راستہ پیدا کیا، پھر قرآن مجید کی بے شمار آیات کی تحریف کر کے منصب نبوت پر سرفراز ہونے کا دعویٰ کیا ہے، اس نئی نبوت کے نتیجہ میں ان تمام مسلمانوں کو جو اس نئی نبوت پر ایمان نہیں لائے کافر اور دائرہ اسلام سے خارج قرار دیا اور ان سے تمام مذہبی و معاشرتی تعلقات منقطع کرنے کا اعلان کیا اور پھر یہ خالی دھمکی ہی نہیں بلکہ اس وقت سے آج تک مرزائی امت عملی طور پر بھی مذہب و معاشرت میں مسلمانوں سے کٹی ہوئی ہے۔

اب جبکہ مرزائی امت کے بقول:

''ان کا (یعنی مسلمانوں کا) اسلام اور ہے اور ہمارا اور، ان کا خدا اور ہے اور ہمارا اور، ہمارا حج اور ہے اور ان کا حج اور، اسی طرح ان سے ہر بات میں اختلاف ہے''۔ (الفضل ۲۱۔ اگست ۱۹۱۷ء تقریر میاں محمود)

''یہ غلط ہے کہ دوسرے لوگوں سے ہمارا اختلاف صرف وفات مسیح یا اور چند مسائل میں ہے، آپ نے فرمایا اللہ تعالیٰ کی ذات، رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم، قرآن، نماز، روزہ، حج، زکوۃ، غرض آپ نے تفصیل سے بتایا ایک ایک چیز میں ان سے ہمیں اختلاف ہے۔ (الفضل ۳۰ جولائی ۱۹۳۱ء تقریر مرزا محمود)

ان کا اور مسلمانوں کا جب ہر چیز میں اختلاف ہے مذہب ان کا الگ، نبی ان کا الگ، نماز، روزہ ان کا الگ، عقائد ان کے الگ، معاشرت ان کی الگ تو آخر کیا وجہ ہے کہ سیاسی طور پر ان کی مردم شماری مسلمانوں سے الگ نہ کی جائے، اور ان کو مسلمانوں سے ایک الگ اقلیت قرار نہ دیا جائے۔

علامہ اقبال نے برٹش گورنمنٹ کو یہ حقیقت پسندانہ مشورہ دیا تھا کہ وہ قادیانیوں کو مسلمانوں سے ایک الگ اقلیت قرار دے، مگر برٹش گورنمنٹ کا مفاد اسی میں تھا کہ قادیانیوں کو مسلمانوں میں گھل مل کر انہیں دسیسہ کاریوں کا موقعہ دیا جائے۔ کیونکہ بقول فاضل جج:

''مرزا غلام احمد نے محض اپنے آقاؤں کی خوشنودی کے لئے مسلمانوں میں انتشار وافتراق پھیلانے کا کھلا لائسنس حاصل کرلیا تھا''۔

اس لئے انگریز کسی قیمت پر بھی اپنے اس بنے بنائے کھیل کو بگاڑنے پر آمادہ نہیں ہو سکتا تھا، مگر سوال یہ ہے کہ اب جب کہ انگریز کو رخصت ہوئے ربع صدی کا عرصہ گذر چکا ہے، پاکستان کی مسلمان حکومت سے کیوں

توقع نہ رکھی جائے کہ وہ مرزائی امت کو مسلمانوں سے ایک الگ ملت قرار دے، ہماری مسلمان حکومت کو مسلمانوں اور مرزائیوں میں کون سی چیز قدر مشترک نظر آتی ہے اور ملک وملت کی وہ کون سی مصلحت ہے جس کی بنا پر مرزائیوں کے مسلمان ہونے پر اصرار کیا جائے؟ اور ملت اسلامیہ کا یہ معقول مطالبہ تسلیم نہ کیا جائے؟ خدا اور رسول کا وہ کون سا حکم ہے جو ہمیں مجبور کر رہا ہے کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ختم نبوت کے باغیوں کو ہم اپنی سر آنکھوں پر جگہ دیں؟ حقائق مفروضات کے تابع نہیں ہوتے، کوئی مانے نہ مانے مگر وہ اپنا وجود منوا کر چھوڑتے ہیں، مرزائی مسلمانوں سے ایک الگ امت ہے یہ ایک ایسی حقیقت ہے کہ آفتاب نصف النہار کا انکار کیا جا سکتا ہے مگر اس کا انکار ممکن نہیں۔ ملت اسلامیہ کے لئے یہ بات ناقابل برداشت ہے کہ حضرت ختمی مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابل ایک اور نبی لا کر کھڑا کیا جائے اور پھر اس پر اصرار کیا جائے کہ ہم انہیں مسلمان بھی کہیں۔

نکتہ پنجم: قادیانیوں کے غیر مسلم قرار پانے کے نتائج

فاضل عدالت نے قادیانی مدعا علیہ کو غیر مسلم قرار دیتے ہوئے جو آخری نتیجہ قلمبند کیا ہے وہ یہ ہے:

''اندریں حالت میں قرار دیتا ہوں کہ اس مقدمے کے فریقین کے درمیان شادی اسلامی شادی نہیں بلکہ یہ سترہ سال کی ایک مسلمان لڑکی کی ساٹھ سال کے ایک غیر مسلم کے ساتھ شادی ہے، لہٰذا یہ شادی غیر قانونی اور غیر مؤثر ہے۔''

''مندرجہ بالا بحث کا نتیجہ یہ نکلا کہ مدعیہ جو ایک مسلمان عورت ہے، کی شادی مدعا علیہ کے ساتھ جس نے شادی کے وقت خود اپنا قادیانی ہونا تسلیم کیا ہے اور اس طرح جو غیر مسلم قرار پاتا ہے غیر مؤثر ہے اور اس کی کوئی قانونی حیثیت نہیں۔''

عدالت کے زیر غور چونکہ صرف ایک شادی کا مقدمہ تھا اس لئے فاضل عدالت نے ایک قادیانی کو غیر مسلم (مرتد) قرار دیتے ہوئے اس کے ساتھ مسلمان لڑکی کے نکاح کو غیر منعقد قرار دیا مگر اس فیصلہ کی روشنی میں مسلمان یہ مطالبہ کرنے میں حق بجانب ہیں کہ۔

الف: قادیانی چونکہ غیر مسلم (مرتد) ہیں اس لئے انہیں ایک غیر مسلم اقلیت قرار دیا جائے۔

ب: انہیں کلیدی آسامیوں پر فائز کر کے مسلمانوں کے سر پر مسلط نہ کیا جائے۔

ج: انہیں ایک مسلمان کی حیثیت سے سیاسی حقوق سے متمتع ہونے کا موقعہ نہ دیا جائے۔

د: انہیں تبلیغ اسلام کے ڈھونگ سے غیر ممالک میں مرزائیت پھیلانے کے لئے زرمبادلہ نہ دیا جائے۔

ہ: انہیں آئندہ مسلمانوں کو گمراہ اور مرتد کرنے کی اجازت نہ دی جائے۔

و: انہیں اس بات کی اجازت نہ دی جائے کہ وہ مسلمانوں کے بھیس میں حج کو جائیں اور مکہ، مدینہ اور

مقامات مقدسہ کو اپنے قدموں سے ملوث کریں۔

آخر میں ایک بات ہم مسلمانوں سے بھی کہنا چاہتے ہیں، وہ یہ کہ مرزا غلام احمد اور ان کے متبعین کے عقائد ونظریات سے تمام مسلمان باخبر ہیں ہمارے علم میں یہ بات لائی گئی ہے کہ پنجاب کے بعض وکیل اور سیاستدان مرزائیوں کی پیروی اور حمایت کررہے ہیں، تمام مسلمانوں کی دینی غیرت کا تقاضا ہے کہ وہ کسی ایسے سیاسی لیڈر اور بیرسٹر کو منہ نہ لگائیں جو مرزائیوں کی حمایت کے لئے کھڑا ہو اور نہ اس قسم کے شقی کو ووٹ دیں، رضا بالکفر کفر ہے جو دل سے اس کفر کی تائید کرے اور دنیوی منافع کے لئے اس کو مسلمان ثابت کرے ایسا شخص خود اسلام کی نعمت سے محروم ہوجاتا ہے، ایسے حالات میں مسلمان حق بجانب ہوں گے کہ یہ اعلان کریں کہ اس قسم کے وکلاء کا مسلمانوں سے کوئی تعلق نہیں۔

وآخر دعوانا ان الحمد لله رب العالمين وصلى الله تعالىٰ على خير خلقه صفوة البرية سيدنا محمد وآله واصحابه واتباعه اجمعين

[شعبان ۱۳۹۰ھ- اکتوبر ۱۹۷۰ء]

تسخیر کائنات اور اسلام (۱)

دین اسلام اور دین اسلام کی آسمانی کتاب قرآن کریم کا بنیادی مقصد انسانیت کی تکمیل ہے، یعنی انسان کو درندوں اور حیوانات کی صف سے نکالا جائے اور اس کی ایسی تربیت کی جائے اور ایسے اعلیٰ مکارم اخلاق سے آراستہ کیا جائے کہ دنیا میں وہ باعزت اور پرسکون زندگی سے سرفراز ہوسکے اور عظیم الشان محیر العقول کارخانۂ قدرت کے خالق و مالک کی خوشنودی حاصل کرسکے۔

وحی آسمانی اور تعلیمات نبوی کا مرکزی نقطہ

وحی آسمانی اور ہدایات وتعلیمات نبوی کا مرکزی نقطہ یہ ہوتا ہے کہ انسان حق تعالیٰ کی (جو اس کائنات کا خالق و مالک ہے) معرفت تک رسائی حاصل کرسکے اور اس تخلیقی نظام کے نتائج پر غور کرے اور اس کے فوائد ومنافع اور آثار وثمرات کو سمجھے اور ان سے فائدہ اٹھا کر شکر بجالائے اور آفاقی وانفسی آیات بینات میں غور وخوض کرکے خالق و مالک کی عظمت وجلال کا گرویدہ ہوجائے اور انسان اپنی قیمت بھی سمجھ لے کہ اس کائناتی نظام کا مقصد انسان کی تکمیل حیات اور خدمت ہے اور اس منعم حقیقی کی ان حیرت انگیز نعمتوں کا بدل وجان شکر ادا کرے۔ نیز حقائق ومعارف کی گہرائیوں تک پہنچ جائے کہ یہ تمام کارخانہ جو اس ملکوتی عجائب قدرت پر مشتمل ہے،

(۱) ۲۴ رتا ۲۷ راگست ۶۹ ء کو لاہور میں چار روزہ سیمینار محکمہ اوقاف کے زیر اہتمام ہوا، مندرجہ بالا مقالہ اس میں پڑھا گیا۔

بے مقصد تخلیق نہیں بلکہ کوئی اہم مقصد پیش نظر ہے اور ان دل کی گہرائیوں سے حقیقت کا اعتراف کرے کہ یہ جو انسان کی فانی حیات ہے اس کے لئے ربوبیت کا یہ حیرت افزا نظام وجود میں آیا ہے تا آنکہ وحی الٰہی کا وہ پیغام خداوندی جو حضرت ابوالبشر آدم علیہ السلام سے لے کر تمام انبیاء و رسل جس کی خبر دیتے ہیں یہ دور عبوری دور ہے اور یہ حیات فانی ہے اور اس کے بعد ایک جاودانی زندگی کا دور ضرور آنے والا ہے اس پیغام کا بدل و جان اعتراف کر لے اور یہ کہ ان تمام مظاہر قدرت میں قدم قدم پر اس جاودانی زندگی کے روشن دلائل موجود ہیں تا کہ کسی طرح بھی عقل انسانی اس کا انکار نہ کر سکے اور حق تعالیٰ کی حجت پوری ہو جائے۔

حق تعالیٰ شانہٗ نے انسان کو عقل و ادراک جیسی نعمت عطا فرمائی اور ملکوتی روح سے سرفراز فرمایا جس کے اسرار سربستہ کی عقدہ کشائی سے بیالوجیا (علم الحیاۃ) والے بھی حیران اور عاجز ہیں، خصوصاً آج کے دور میں کہ عقل کی ایجادات و اختراعات نے کیسے کیسے حیرت انگیز کارنامے سرانجام دیئے ہیں تا کہ عقلی پرواز کے ان فوق العادۃ کمالات کو دیکھ کر اس کے خالق کی عظمت کا اعتراف کیا جائے۔

بلاشبہ عقل کی جتنی پختگی ہوگی اور نسل انسانی اس سے فائدہ اٹھائے گی جدید سے جدید اختراعات وجود میں آئیں گی، بجلی، ٹیلیویژن، ٹیلیفون، ریڈیو، ٹیلیگراف، لاسلکی نظام، ہوائی جہاز وغیرہ سینکڑوں عجائبات جو آج کل سامنے آرہے ہیں تمام عقلی کمالات کے آثار و مظاہر ہیں:

''ہر کہ بیشتر راہ رفت آں راہ دید''

ایک سے ایک بڑھ کر عجائبات سامنے آرہے ہیں، عقلی ادراکات و ایجادات ہی نے آلات تلسکوبیہ اور آلات میکروسبیہ کی اختراعات کے بعد اسرار و تخلیق کے کتنے راز ہائے سربستہ کی عقدہ کشائی کی ہے، سبحان اللہ العظیم۔

خلاصہ یوں سمجھ لیجئے کہ حق تعالیٰ نے اس دنیا میں جہاں عقلاء، حکماء، فلاسفہ و سائنسدان پیدا کئے ساتھ ہی ساتھ انبیاء و رسل کا سلسلہ بھی جاری فرما دیا تا کہ عقل کی طغیانی حد سے نہ بڑھ جائے۔ حضرت ادریس علیہ السلام کے عہد ہی سے حکماء و عقلا کا سلسلہ جاری ہو گیا، حضرت ادریس علیہ السلام کا عہد حضرت ابراہیم علیہ السلام سے بھی پہلے ہے اس لحاظ سے وہ تاریخی دور سے بہت پہلے کی شخصیت ہیں، تو گویا حکماء کا دور بھی اسی وقت سے شروع ہے اور کچھ بعید نہیں کہ انبیاء کرام علیہم السلام کی رہنمائی میں ابتداء یہ حکماء کام کرتے ہوں گے لیکن انبیاء کی رہنمائی سے استغنا کیا ہوگا تو ٹھوکریں کھانا شروع کی ہوں گی، فیثاغورث و بطلیموس پھر وادیٔ بابل و نینوی میں حکماء، صائبین پھر ہندوستان میں ارجہد سے لے کر روما و یونان کے سقراط و بقراط، افلاطون و ارسطو، ابرخس، وارسطراطیس وغیرہ وغیرہ سینکڑوں حکماء عالم کے گوشے گوشے میں پیدا کئے تا کہ ملکوت کے مشاہدات سے کائنات کے اسرار کا انکشاف ہوتا رہے لیکن حیات بعد الممات کے حقائق کے ادراک سے یہ حکماء و عقلاء عاجز رہے، اگرچہ یونان کے حکماء نے

الٰہیات کی طرف بڑی توجہ دی لیکن ظاہر ہے کہ یہ حقائق عقل کے دائرہ ادراک وامکان سے باہر تھیں اس لئے ٹھوکریں کھائیں اور ناکام رہے۔

اس کے برعکس انبیاء علیہم السلام کا منصب ان ہی حقائق کو بیان کرنا ہوتا ہے جس کے ادراک سے حکماء وعقلاء عاجز رہے ہوں، عقل کا دائرہ تحقیقات مشاہدات وتجربات تک محدود ہوتا ہے، حق تعالیٰ نے عقل کی تخلیق ضرور فرمائی اور اس میں یہ حیرت انگیز صلاحیت بھی رکھی کہ وہ اسرار عالم مادی کی عقدہ کشائی کر سکے لیکن وحی الٰہی کا منصب اور نبوت کا مقام یعنی الٰہیات اور مابعد الطبعیات نیز عقل وادراک سے بالاتر حقائق الٰہیہ کا دائرہ حکماء کی دسترس سے بالا تجویز فرمادیا۔

دین اسلام کیا ہے؟

بہرحال دین اسلام یا شریعت اسلامیہ نام ہے اس عالمگیر نظام انسانیت کا جس میں تکمیل انسانیت کے کسی گوشے کو نظر انداز نہیں کیا گیا، خالق کائنات سے رشتہ ہو یا مخلوق سے اور وہ بھی شخصی زندگی سے متعلق ہو یا اجتماعی زندگی سے، غرض عبادات ہوں یا معاملات، معیشت ومعاشرت ہو یا احوال واخلاق واعمال ان سب کے لئے ایک علمی دستور اور مقصد ونصب العین ہے۔ دین اسلام کا علمی دستور قرآن کریم اور مقصود رضائے الٰہی ہے اور دنیا کے عبوری دور میں رضائے الٰہی اور تکمیل انسانیت کی جلیل القدر خدمات انجام دے کر ابدالآباد کی نعمتوں اور لازوال حیات طیبہ کا مستحق ہو جائے۔

قرآن کریم کیا ہے؟

قران حکیم انسانیت کی تکمیل چاہتا ہے اور اس کے لئے اس نے اسلام کے بنیادی اصول واحکام اور اساسی اغراض ومقاصد انتہائی محیر العقول اور معجزانہ اسلوب بیان کے ساتھ واضح کر دیئے ہیں ان مقاصد وسلسلہ بیان میں وہ مظاہر قدرت اور آثار قدرت کو بھی اگر بیان کرتا ہے تو اس کا مقصود بھی یہی ہے کہ انسان کے فکری اور اعتقادی پہلوؤں کی تکمیل کی جائے اگر وہ تاریخی حقائق بیان کرتا ہے تو اس کی غرض بھی یہی ہے کہ ان عبرت انگیز وقائع تکوینی اور آیات الٰہیہ سے انسانی بصیرت واعتبار کی تربیت وتکمیل کی جائے، اگر احکام الٰہیہ کا ذکر ہوگا تو اس سے مراد بھی یہی ہوگی کہ اشرف المخلوقات بنانے کی تدبیر ہو جائے، ذات وصفات کی توحید وکمال کا بیان ہو یا اصول واحکام کی تمہید وانضباط، ان سب ہی سے انسان کو انسانیت کی معراج تک پہنچا دینا مقصود ہے۔

قرآن کریم نہ تاریخی کتاب ہے کہ محض واقعات کی تفصیل ہی بیان کرتا رہے اور نہ ہی طبعی نوامیس کی تفصیل وبیان پر مشتمل کتاب طبعیات ہے کہ محض علمی اور ذہنی عیاشی کے افسانوں میں وقت ضائع کرے۔ وہ تاریخ کی روح پیش کرتا ہے اور طبعیات کے فکر وعمل کے نتائج بیان کرتا ہے جس سے توحید الٰہی، خلق وربوبیت کے

حقائق انسان کے دل و دماغ میں پیوست ہوں اور روح کو پاکیزگی حاصل ہو، تاکہ وہ نظام عالم میں خلیفۃ اللہ کے منصب اعلیٰ کے تقاضوں کو پورا کرنے کا اہل بن جائے، قرآن اگر کائنات میں غور کرنے کی دعوت دیتا ہے تو اس کی غرض و غایت یہی ہوتی ہے کہ انسانی ذہن و فکر کے سامنے اللہ تعالیٰ کی معرفت کا راستہ کھل جائے اور اس غور و فکر کے بصیرت آموز نتائج سے ایمان بالغیب کی تائید اور پرورش ہو، اس لئے کہ ان حقائق کونیہ اور حقائق الٰہیہ میں غور رد خوض سے ایمان قوی ہوگا وہ ان کی طرف محض علم و فن کی حیثیت سے کبھی دعوت نہیں دیتا کہ محض فن ہی کو مقصد بنالیا جائے یا دنیا میں محض برتری یا عالم انسانیت پر پنجہ استبداد مضبوط کرے۔

قرآن کریم کے بعض جدید مفسرین کو اس سلسلہ میں بڑے غلط فہمی ہوئی ہے انہوں نے ان موضوعات میں محض قرآنی مباحث کی تفسیر اور ان مباحث کی غرض و غایت بیان کرنے میں بڑے غلو سے کام لیا ہے اور یہ حقیقت ان کی نگاہوں سے اوجھل ہوگئی ہے کہ قرآن اگر طبعیات میں غور و فکر کی دعوت دیتا ہے تو اس کا مقصد بھی معرفت الٰہی تک پہنچنا ہے اور کسی جگہ ان طبعی مسائل کو خدمت خلق کا ذریعہ بنایا جائے، نہ یہ کہ صرف مال و دولت اور ثروت کا ذریعہ بنایا جائے، ظاہر ہے کہ ذات و صفات الٰہی کے بحر بیکراں میں شناوری کا صرف یہی ایک راستہ ہے کہ انسان ان حقائق میں غور کرے تاکہ اس وادی میں ان کے فکر و نظر کی صلاحیتیں زیادہ وسیع ہوں اور ان کے سامنے معرفت الٰہیہ کے نئے نئے باب کھلیں اور جب اس طرح قلب و روح کی تربیت ہو جائے اور انسانیت کا صحیح شعور بیدار ہو جائے تو عملی دائرہ کا صحیح مقصد بھی خود بخود متعین ہو جاتا ہے۔

اس تمام بحث و تفصیل کا حاصل یہ ہے کہ الغرض کائنات اور کونیات حق تعالیٰ کی کمالات قدرت اور صفات جلال و جمال کا ایک صحیفہ ہے جس کے مطالعہ سے اور اس میں غور و فکر کرنے سے ایمان میں پختگی پیدا ہوتی ہے اور اس حیثیت سے طبعیات کے جدید علوم ان اصحاب کے لئے بلاشبہ بصیرت افزاء اور بے حد بصیرت افروز ہیں جن کو وحی و الہام اور مکاشفہ کی راہ سے وصول الی اللہ حاصل نہ ہو، معرفت الٰہیہ ان علوم پر منحصر نہیں ہے بلکہ ظاہر بین اصحاب کے لئے حصول معرفت کا یہی ایک راستہ باقی رہ گیا ہے۔

عملی معارف کے بعد عملی نتائج ہیں اور اس علم و عمل سے حقیقی فوائد حاصل کرنے کے لئے صحت مقصد اور تصحیح مقصد کی ضرورت ہے اور تصحیح مقصد کے لئے ایمان باللہ، ایمان بالرسل اور ایمان بالآخرت کے سوائے کوئی دوسری راہ نہیں ہے، ایمان و یقین سے محرومی اور بے مقصد علم و عمل ہی کی وجہ ہے کہ روس، امریکہ اور یورپ کی قومیں ان سائنسی ترقیات اور محیر العقول ایجادات و اختراعات کے باوجود انسانیت کی صفوں سے نکل کر پوری درندگی کی حدوں تک پہنچ چکی ہیں، نبوت ختم ہو چکی ہے اس لئے معجزات نبوت اور انبیاء کے خوارق کی جگہ اللہ تعالیٰ ان علمی راہوں سے ان پر اپنی حجت پوری کر رہا ہے اور خود ان ہی کے ایجاد کردہ علوم سے ان حقائق کو اس نے واشگاف کر دیا ہے کہ بے شعور طبیعت اور اس کے ان حیرت انگیز مظاہر اور حیرت افزا خواص و منافع ہیں، کرشمہ الٰہیہ کے

اعتراف کے سوائے اور کوئی توجیہ نہیں ہوسکتی۔

ایک طرف سائنس کی موجودہ ترقیات اور حیرت انگیز ایجادات واختراعات کو دیکھ کر عقل دنگ رہ جاتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسانی عقل میں کیا کیا صلاحیتیں دے رکھی ہیں اور جب ان صلاحیتوں سے کام لیا گیا ہے تو عقل نے کہاں تک رسائی حاصل کر لی ہے، ان چیزوں کو دیکھ کر سائنس دانوں کے کمالات کا اعتراف کرنا پڑتا ہے لیکن یہ صورت کمال کا صرف ایک ہی رخ ہے، اس تصویر کا دوسرا رخ دیکھئے کہ ان آیاتِ قدرت اور عجائباتِ خلق وتکوین کو دیکھنے کے بعد بھی وہ اب تک اللہ تعالیٰ پر ایمان نہیں لاتے اور ایمان باللہ کی دولت سے محروم ہیں تو حیرت ہوتی ہے کہ یہ عقلاء فکر ونظر کے اس رخ پر اس قدر جاہل کیسے رہ گئے لیکن حق تعالیٰ ان کے اس کفر وانکار کی حقیقت سے بھی پردہ اٹھاتا ہے، ارشاد ہے۔

﴿يَعْلَمُوْنَ ظَاهِرًا مِّنَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَهُمْ عَنِ الْاٰخِرَةِ هُمْ غَافِلُوْنَ﴾

[الروم:۷]

وہ حیات دنیا کے ظاہر ہی میں سے کچھ جانتے ہیں اور یہی لوگ آخرت سے تو بالکل ہی غافل ہیں۔

دنیا کا بھی ظاہر اور وہ بھی ہم بہت محدود مقدار میں جانتے ہیں ان کا ذہن اور ان کی فکر ونظر اس طرف بالکل نہیں جاتی کہ اس حیرت انگیز کائنات اور پر اسرار حقائق مخلوقات کے خالق پر ایمان لائیں ایک طرف یہ ذہانت اور حیرت انگیز ذہانت اور دوسری طرف اس قدر غباوت اور غیر معمولی غباوت بجائے خود کس قدر عجیب اور حیرت ناک ہے اور حق تعالیٰ کے اس ارشاد کی صداقت کتنی کتنی سچی گواہی ہے:

﴿وَمَنْ لَّمْ يَجْعَلِ اللهُ لَهٗ نُوْرًا فَمَا لَهٗ مِنْ نُّوْرٍ﴾ [النور:٤٠]

اللہ تو جس کو روشنی نہ دے تو اس کے لئے کہیں روشنی نہیں ہے۔

اس بحر محیط کے چند قطرے ہی مناسب ہیں اس مختصری تمہید کے بعد ہم وحی ربانی قرآن کریم کی زبانی پیش کرتے ہیں، ارشاد ہے:

۱- ﴿اِنَّ فِيْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافِ الَّيْلِ وَالنَّهَارِ لَاٰيٰتٍ لِّاُولِى الْاَلْبَابِ الَّذِيْنَ يَذْكُرُوْنَ اللهَ قِيَامًا وَّقُعُوْدًا وَّ عَلٰى جُنُوْبِهِمْ وَيَتَفَكَّرُوْنَ فِيْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلاً سُبْحَانَكَ فَقِنَا عَذَابَ النَّارِ﴾ [آل عمران:۱۹۱،۱۹۰]

بلاشبہ آسمانوں کے اور زمین کے بنانے میں اور یکے بعد دیگرے رات اور دن کے آنے جانے میں دلائل ہیں اہل عقل کے لئے، جن کی حالت یہ ہے کہ وہ لوگ اللہ تعالیٰ کی یاد کرتے ہیں کھڑے بھی اور بیٹھے بھی اور لیٹے بھی اور آسمانوں اور زمین کے پیدا ہونے میں غور کرتے ہیں کہ اے ہمارے پروردگار! آپ نے اس کو لایعنی

پیدا نہیں کیا ہم آپ کو پاک سمجھتے ہیں سو ہم کو عذاب دوزخ سے بچالے۔

۲- ﴿وَاٰيَةٌ لَّهُمُ الَّيْلُ نَسْلَخُ مِنْهُ النَّهَارَ فَاِذَاهُمْ مُّظْلِمُوْنَ.وَالشَّمْسُ تَجْرِىْ لِمُسْتَقَرٍّ لَّهَا ذٰلِكَ تَقْدِيْرُ الْعَزِيْزِ الْعَلِيْمِ .وَالْقَمَرَ قَدَّرْنَاهُ مَنَازِلَ حَتّٰى عَادَ كَالْعُرْجُوْنِ الْقَدِيْمِ.لَا الشَّمْسُ يَنْبَغِىْ لَهَا اَنْ تُدْرِكَ الْقَمَرَ وَلَا الَّيْلُ سَابِقُ النَّهَارِ. وَكُلٌّ فِىْ فَلَكٍ يَّسْبَحُوْنَ﴾ [یٰس:۳۷تا۴۰]

اور ایک اور نشانی ان لوگوں کے لئے رات ہے کہ ہم اس پر سے دن کو اتار لیتے ہیں سو یکا یک وہ لوگ اندھیرے میں رہ جاتے ہیں اور آفتاب اپنے ٹھکانے کی طرف چلتا رہتا ہے، اور چاندکی بھی ہم نے منزلیں مقرر کردیں یہاں تک کہ (گھٹتے گھٹتے) کھجور کی پرانی شاخ کی طرح ہو جاتا ہے، یہ اندازہ باندھا ہوا ہے اس کا جو زبردست علم والا ہے، نہ آفتاب کی مجال ہے کہ چاند کو جا پکڑے اور نہ رات دن سے پہلے آسکتی ہے اور دونوں ایک ایک دائرہ میں تیر رہے ہیں۔

۳- ﴿اَللّٰهُ الَّذِىْ خَلَقَ السَّمٰوَاتِ وَالْاَرْضَ وَاَنْزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَاَخْرَجَ بِهٖ مِنَ الثَّمَرَاتِ رِزْقاً لَّكُمْ وَسَخَّرَ لَكُمُ الْفُلْكَ لِتَجْرِىَ فِى الْبَحْرِ بِاَمْرِهٖ وَسَخَّرَ لَكُمُ الْاَنْهٰرَ.وَسَخَّرَ لَكُمُ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ دَائِبَيْنِ وَسَخَّرَ لَكُمُ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ﴾ [ابراهيم:۳۲،۳۳]

اللہ ایسا ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا اور آسمان میں سے پانی برسایا پھر اس پانی سے پھلوں کی قسم سے تمہارے لئے رزق پیدا کیا اور تمہارے نفع کے لئے کشتی کو مسخر بنایا تاکہ وہ خدا کے حکم سے دریا میں چلے اور تمہارے نفع کے واسطے نہروں کو مسخر بنایا اور تمہارے نفع کے واسطے چاند اور سورج کو مسخر بنایا جو ہمیشہ چلنے ہی میں رہتے ہیں اور تمہارے نفع کے واسطے رات اور دن کو مسخر بنایا۔

٤- ﴿اَللّٰهُ الَّذِىْ رَفَعَ السَّمٰوَاتِ بِغَيْرِ عَمَدٍ تَرَوْنَهَا ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ كُلٌّ يَّجْرِىْ لِاَجَلٍ مُّسَمًّى يُدَبِّرُ الْاَمْرَ يُفَصِّلُ الْاٰيَاتِ لَعَلَّكُمْ بِلِقَاءِ رَبِّكُمْ تُوْقِنُوْنَ﴾ [الرعد:۲]

اللہ ایسا ہے کہ اس نے آسمانوں کو بدون ستون کے اونچا کھڑا کر دیا، چنانچہ تم ان کو دیکھ رہے ہو، پھر عرش پر قائم ہوا اور آفتاب اور مہتاب کو کام میں لگادیا ہر ایک ایک وقت معین پر چلتا رہتا ہے وہی ہر کام کی تدبیر کرتا ہے دلائل کو صاف صاف بیان کرتا ہے تاکہ تم اپنے رب کے پاس جانے کا یقین کرلو۔

۵-﴿وَسَخَّرَلَكُمُ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ وَالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ وَالنُّجُوْمُ مُسَخَّرٰتٌ بِاَمْرِهٖ اِنَّ فِىْ ذٰلِكَ لَاٰيَاتٍ لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ﴾ [النحل:۱۲]

اور اس نے تمہارے لئے رات اور دن اور سورج اور چاند کو مسخر بنایا اور ستارے اس کے حکم سے مسخر ہیں بیشک اس میں عقلمند لوگوں کے لئے چند دلیلیں ہیں۔

٦-﴿وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ مَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ فَاَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ﴾ [العنكبوت:٦١]

اور اگر آپ ان سے دریافت کریں کہ وہ کون ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا اور جس نے سورج اور چاند کو کام میں لگا رکھا ہے تو وہ لوگ یہی کہیں گے کہ وہ اللہ ہے پھر کدھر الٹے چلے جا رہے ہیں۔

٧- ﴿اَلَمْ تَرَوْا اَنَّ اللّٰهَ سَخَّرَ لَكُمْ مَّا فِى السَّمٰوٰتِ وَمَا فِى الْاَرْضِ وَاَسْبَغَ عَلَيْكُمْ نِعَمَهٗ ظَاهِرَةً وَّبَاطِنَةً﴾ [لقمان:٢٠]

کیا تم لوگوں کو یہ بات معلوم نہیں ہوئی کہ اللہ تعالیٰ نے تمام چیزوں کو تمہارے کام میں لگا رکھا ہے اور جو کچھ آسمانوں میں ہیں اور جو کچھ زمین میں ہیں اور اس نے تم پر اپنی نعمتیں ظاہری اور باطنی پوری کر رکھی ہیں۔

٨- ﴿اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ يُوْلِجُ الَّيْلَ فِى النَّهَارِ وَ يُوْلِجُ النَّهَارَ فِى الَّيْلِ وَ سَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ كُلٌّ يَّجْرِىْ اِلٰى اَجَلٍ مُّسَمًّى وَّاَنَّ اللّٰهَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ﴾

[لقمان:٢٩]

اے مخاطب! کیا تجھ کو معلوم نہیں کہ اللہ تعالیٰ رات کو دن میں اور دن کو رات میں داخل کر دیتا ہے اور اس نے سورج اور چاند کو کام میں لگا رکھا ہے کہ ہر ایک وقت مقررہ تک چلتا رہے گا اور یہ کہ اللہ تعالیٰ تمہارے سب عملوں کی پوری خبر رکھتا ہے۔

٩-﴿يُوْلِجُ الَّيْلَ فِى النَّهَارِ وَ يُوْلِجُ النَّهَارَ فِى الَّيْلِ وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ كُلٌّ يَّجْرِىْ لِاَجَلٍ مُّسَمًّى ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ لَهُ الْمُلْكُ﴾ [فاطر:١٣]

وہ رات کو دن میں داخل کر دیتا ہے اور دن کو رات میں داخل کر دیتا ہے اور اس نے سورج اور چاند کو کام میں لگا رکھا ہے، ہر ایک مقررہ وقت تک چلتے رہیں گے، یہی اللہ تعالیٰ تمہارا پروردگار ہے اسی کی سلطنت ہے۔

١٠-﴿اِنَّ رَبَّكُمُ اللّٰهُ الَّذِىْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ فِىْ سِتَّةِ اَيَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ يُغْشِى الَّيْلَ النَّهَارَ يَطْلُبُهٗ حَثِيْثًا وَّالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ وَ النُّجُوْمَ مُسَخَّرٰتٍ بِاَمْرِهٖ اَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَالْاَمْرُ تَبٰرَكَ اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ﴾

[الاعراف:٥٤]

بے شک تمہارا رب اللہ ہی ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو چھ روز میں پیدا کیا، پھر عرش پر قائم ہوا، چھپا دیتا ہے شب سے دن کو ایسے طور پر کہ وہ شب اس دن کو جلدی سے آلیتی ہے اور سورج اور چاند اور دوسرے

اور اس نے تمہارے لئے رات اور دن اور سورج اور چاند کو مسخر بنایا اور ستارے اس کے حکم سے مسخر ہیں بیشک اس میں عقلمند لوگوں کے لئے چند دلیلیں ہیں۔

٦- ﴿وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ مَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ فَاَنّٰى يُؤْ فَكُوْنَ﴾ [العنکبوت:٦١]

اور اگر آپ ان سے دریافت کریں کہ وہ کون ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا اور جس نے سورج اور چاند کو کام میں لگا رکھا ہے تو وہ لوگ یہی کہیں گے کہ وہ اللہ ہے پھر کدھر الٹے چلے جارہے ہیں۔

٧- ﴿ اَلَمْ تَرَوْا اَنَّ اللّٰهَ سَخَّرَ لَكُمْ مَّافِي السَّمٰوٰتِ وَمَافِي الْاَرْضِ وَاَسْبَغَ عَلَيْكُمْ نِعَمَهٗ ظَاهِرَةً وَّ بَاطِنَةً﴾ [لقمان:٢٠]

کیا تم لوگوں کو یہ بات معلوم نہیں ہوئی کہ اللہ تعالیٰ نے تمام چیزوں کو تمہارے کام میں لگا رکھا ہے اور جو کچھ آسمانوں میں ہیں اور جو کچھ زمین میں ہیں اور اس نے تم پر اپنی نعمتیں ظاہری اور باطنی پوری کر رکھی ہیں۔

٨- ﴿اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ يُوْلِجُ الَّيْلَ فِي النَّهَارِ وَ يُوْلِجُ النَّهَارَفِي الَّيْلِ وَ سَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ كُلٌّ يَّجْرِيْ اِلٰى اَجَلٍ مُّسَمًّى وَّاَنَّ اللّٰهَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ﴾

[لقمان:٢٩]

اے مخاطب! کیا تجھ کو معلوم نہیں کہ اللہ تعالیٰ رات کو دن میں اور دن کو رات میں داخل کر دیتا ہے اور اس نے سورج اور چاند کو کام میں لگا رکھا ہے کہ ہر ایک وقت مقررہ تک چلتا رہے گا اور یہ کہ اللہ تعالیٰ تمہارے سب عملوں کی پوری خبر رکھتا ہے۔

٩- ﴿يُوْلِجُ الَّيْلَ فِي النَّهَارِ وَ يُوْلِجُ النَّهَارَ فِي الَّيْلِ وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ كُلٌّ يَّجْرِيْ لِاَجَلٍ مُّسَمًّى ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ لَهُ الْمُلْكُ﴾ [فاطر:١٣]

وہ رات کو دن میں داخل کر دیتا ہے اور دن کو رات میں داخل کر دیتا ہے اور اس نے سورج اور چاند کو کام میں لگا رکھا ہے، ہر ایک مقررہ وقت تک چلتے رہیں گے، یہی اللہ تعالیٰ تمہارا پروردگار ہے اسی کی سلطنت ہے۔

١٠- ﴿ اِنَّ رَبَّكُمُ اللّٰهُ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَ رْضَ فِيْ سِتَّةِ اَيَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ يُغْشِي الَّيْلَ النَّهَارَ يَطْلُبُهٗ حَثِيْثًا وَّالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ وَ النُّجُوْمَ مُسَخَّرٰتٍ بِاَمْرِهٖ اَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَالْاَمْرُ تَبَارَكَ اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ﴾

[الاعراف:٥٤]

بے شک تمہارا رب اللہ ہی ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو چھ روز میں پیدا کیا، پھر عرش پر قائم ہوا، چھپا دیتا ہے شب سے دن کو ایسے طور پر کہ وہ شب اس دن کو جلدی سے آلیتی ہے اور سورج اور چاند اور دوسرے

ستاروں کو پیدا کیا ایسے طور پر کہ سب اس کے حکم کے تابع ہیں یاد رکھو! اللہ ہی کے لئے خالق ہونا اور حاکم ہونا بڑی خوبیوں سے بھرے ہوئے ہیں اللہ تعالیٰ جو تمام عالم کے لئے پروردگار ہیں۔

۱۱-﴿وَمِنْ اٰيٰتِهِ الَّيْلُ وَالنَّهَارُ وَالشَّمْسُ وَالْقَمَرُ لَا تَسْجُدُوْا لِلشَّمْسِ وَلَا لِلْقَمَرِ وَاسْجُدُوْا لِلّٰهِ الَّذِيْ خَلَقَهُنَّ اِنْ كُنْتُمْ اِيَّاهُ تَعْبُدُوْنَ﴾

[حمٓ السجدة:۳۷]

اور منجملہ اس کی نشانیوں کے رات ہے اور دن ہے اور سورج ہے اور چاند ہے تم لوگ نہ سورج کو سجدہ کرو اور نہ چاند کو کرو اور اس خدا کو سجدہ کرو جس نے ان نشانیوں کو پیدا کیا اگر تم کو خدا کی عبادت کرنا ہے۔

۱۲-﴿سَنُرِيْهِمْ اٰيٰتِنَا فِي الْاٰفَاقِ وَفِيْٓ اَنْفُسِهِمْ حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَهُمْ اَنَّهُ الْحَقُّ اَوَلَمْ يَكْفِ بِرَبِّكَ اَنَّهٗ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدٌ﴾ [حمٓ سجدہ:۵۳]

ہم عنقریب ان کو اپنی نشانیاں ان کے گرد و نواح میں بھی دکھائیں گے اور ان کی ذات میں بھی، یہاں تک کہ ان پر ظاہر ہو جائے کہ وہ قرآن حق ہے، کیا آپ کے رب کی یہ بات کافی نہیں کہ وہ ہر چیز کا شاہد ہے۔

۱۳-﴿يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْاَهِلَّةِ قُلْ هِيَ مَوَاقِيْتُ لِلنَّاسِ وَالْحَجِّ﴾

[البقرہ:۱۸۹]

آپ سے چاندوں کی حالت کی تحقیقات کرتے ہیں آپ فرما دیجئے کہ وہ چاند ایک آلہ شناخت اوقات ہے لوگوں کے لئے اور حج کے لئے۔

۱٤-﴿هُوَ الَّذِيْ جَعَلَ الشَّمْسَ ضِيَاءً وَّالْقَمَرَ نُوْرًا وَّقَدَّرَهٗ مَنَازِلَ لِتَعْلَمُوْا عَدَدَ السِّنِيْنَ وَالْحِسَابَ مَاخَلَقَ اللّٰهُ ذٰلِكَ اِلَّا بِالْحَقِّ يُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ اِنَّ فِي اخْتِلَافِ الَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَمَا خَلَقَ اللّٰهُ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّتَّقُوْنَ.اِنَّ الَّذِيْنَ لَا يَرْجُوْنَ لِقَاءَنَا وَرَضُوْا بِالْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَاطْمَاَنُّوْا بِهَا وَالَّذِيْنَ هُمْ عَنْ اٰيٰتِنَا غٰفِلُوْنَ اُولٰٓئِكَ مَاْوٰهُمُ النَّارُ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ﴾ [یونس:۵ تا ۸]

وہ اللہ ایسا ہے جس نے آفتاب کو چمکتا ہوا بنایا اور چاند کو نورانی بنایا اس کے لئے منزلیں مقرر کیں تا کہ تم برسوں کی گنتی اور حساب معلوم کر لیا کرو، اللہ تعالیٰ نے یہ چیزیں بے فائدہ پیدا نہیں کیں وہ یہ دلائل ان لوگوں کو صاف صاف بتلا رہے ہیں جو دانش رکھتے ہیں، بلا شبہ رات اور دن کے یکے بعد دیگرے آنے میں اور اللہ نے جو کچھ آسمانوں اور زمین میں پیدا کیا ہے ان سب میں ان لوگوں کے واسطے دلائل ہیں جو ڈر مانتے ہیں، جن لوگوں کو ہمارے پاس آنے کا کھٹکا نہیں ہے اور دنیوی زندگی پر راضی ہو گئے اور اس میں جی لگا بیٹھے ہیں اور جو لوگ ہماری

آیتوں سے بالکل غافل ہیں ایسے لوگوں کا ٹھکانا ان کے اعمال کی وجہ سے دوزخ ہے۔

پہلے اس سے کہ ہم لفظ کلمہ ''تسخیر'' کے معنی بیان کریں قرآن کریم کی ان آیاتِ ربانی سے سرسری طور پر جن حقائق کی طرف رہنمائی ہوتی ہے ان کو اجمالاً پیش کرنا مناسب سمجھتے ہیں:

① یہ تمام کارخانہ قدرت جس میں آسمان زمین، چاند، سورج سمندر اور دریاؤں کا حیرت انگیز نظام جسے نظام شمسی کہا جاتا ہے قائم ہے یہ پورا نظام عالم انسان کی خدمت و آسائش کے لئے ہے۔

② یہ تمام عالم ملکوت حق تعالیٰ کی تخلیق کا نتیجہ ہے، اسی کے تصرف میں ہے، اسی کے قبضہ قدرت میں ہے اور یہ سب کچھ اس کی عظمت و جلال کی نشانیاں ہیں۔

③ ان ملکوتی عجائبات میں غور کرنے والے یقیناً خالق کائنات کی عظمت کے قائل ہوں گے اور اس نتیجہ پر پہنچیں گے کہ یہ کارخانہ کسی عظیم ترین مقصد کا پیش خیمہ ہے اور اس کا نتیجہ فوق العادت نکلنے والا ہے، نہ از خود وجود میں آیا ہے نہ ہی بے مقصد ہے، یہ تخلیق بھی اس کی ہے اس پر اقتدار تصرف بھی اسی کا ہے۔

④ چاند، سورج اور رات دن کا یہ چکر اس دنیا کے نظام سے وابستہ ہے اور ایک وقت آئے گا کہ یہ پورا نظام ختم ہوگا جب تک وہ وقت نہیں آئے گا اسی طرح ہمیشہ ہمیشہ چلتا رہے گا۔

⑤ چاند، سورج کے جہاں اور منافع ہیں مہینوں اور برسوں کا حساب اور اوقات کار کا تعلق بھی ان سے وابستہ ہے تاکہ دنیا کے کاروبار کے اوقات اور عبادات کے اوقات خصوصاً حج کا موسم معلوم ہوتا رہے۔

⑥ چاند کی منزلیں مقرر کی گئی ہیں تاکہ ان سے پورے مہینہ کے دنوں کا حساب معلوم ہو سکے اور سورج سے برسوں اور موسموں کا حساب معلوم ہوتا رہے۔

⑦ ان آسمانی اور ذہنی حقائق پر غور کرو اور ان کی تخلیق کے رازوں سے زیادہ توجہ اس طرف کرو کہ کتنے عظیم فوائد اور منافع ان سے وابستہ ہیں۔

⑧ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے چاند کے گھٹنے بڑھنے کی علت اور سبب کو دریافت کیا جواب میں سبب بتلانے کی بجائے مقصد سے آگاہ کیا گیا کہ یہی معلوم کرنا اہم اور کارآمد ہے، باقی سبب و علت یہ تو عقلی چیز ہے خود مشاہدات و تجربات سے سمجھ جائیں گے۔ اصلی مقصد اس نظام کے منشاء قدرت کو سمجھنا ہونا چاہیے سو اس کو بتلا دیا۔

تسخیر کے معنی

عربی لغات میں تسخیر کے معنی ہیں کسی چیز کو اپنے ارادہ کے تابع کر لینا یا کام میں لگا لینا اور اس طرح مجبور کرنا کہ وہ خلاف نہ کر سکے۔ چاند، سورج، رات، دن اور کائنات کے تمام سیاروں اور تاروں کی تسخیر کی حقیقت یہ ہے کہ ان سب کو حق تعالیٰ نے ایک ایسے نظام میں منسلک کر دیا ہے، کیا مجال ہے کہ اس میں مقرر کردہ نظام سے

سے موتجاوز کرسکیں، حق تعالیٰ کے تکوینی اور تخلیقی نظام کے مطابق یہ سب اپنے اپنے مدارت پر معلق ہیں اور ایک نظام کے تحت چل رہے ہیں یعنی اپنا اپنا کام انجام دے رہے ہیں اور یہ تسخیر محض حق تعالیٰ کے ارادہ واختیار اور تصرف واقتدار کا کرشمہ ہے، انسانی دسترس سے بالاتر ہیں۔ یہ تسخیر شدہ کائناتی اشیاء کونیہ ہیں اور ان کو مسخر کرنے والی صرف حق تعالیٰ کی ذات جل ذکرہٗ ہے اور جس کے لئے ان کو تسخیر کیا گیا وہ حضرتِ انسان ہیں۔

نظام کائنات میں انسان کی پرواز

ظاہر ہے کہ اس حقیقت کی رو سے انسانی ارادہ واختیار اور تصرف واقتدار کو اس نظام کائنات میں ذرہ برابر بھی دخل نہیں، نہ اس نظام کو روک سکتا ہے نہ بدل سکتا ہے، انسان کی پرواز زیادہ سے زیادہ یہ ہے کہ اس کے فوائد منافع کا علم ہوجائے اور ان سے فائدہ اٹھائے، باقی فائدہ اٹھانے کی صلاحیت واہلیت ہر زمانہ اور ہر دور میں عقل وفہم اور آلات ووسائل کی توانائی پر موقوف ہے۔ فطرت کا تقاضا بھی یہی ہے۔ دیکھئے ایک بچہ بہت کم بوجھ اٹھا سکتا ہے، ایک نوجوان بہت زیادہ بوجھ اٹھا سکتا ہے، جس طرح یہ مادی اور جسمانی کیفیت جو حالات کے اعتبار سے مختلف ہیں ٹھیک اسی طرح عقل وادراک کی قوتیں بھی حالات کے اعتبار سے مختلف ہیں، حق تعالیٰ کی کائنات سے سابقہ حکماء کی عقلیں محدود فائدے حاصل کرتی رہیں، آج کے سائنس دانوں کی عقول نے دقیق سائنسی آلات کے ذریعہ ایسے بے شمار فوائد منافع حاصل کر لئے ہیں جن کا تصور بھی حکماء سابقین کو نہ تھا۔ لباس پوشاک، زراعت تجارت، صنعت وحرفت، نو بنو ایجادات واختراعات وغیرہ یہ تمام اشیاء جس مرحلے پر آج پہنچ گئی ہیں اس کے عشر عشیر کا ذکر بھی ماضی بعید میں تو کیا ماضی قریب میں بھی افسانے معلوم ہوتے تھے، اس دریافت کا نام تسخیر رکھنا صحیح نہیں ہوسکتا، یہ تو عقلی ترقی ہے یا تمدن کی ترقیات ہیں، یہ تمام مادی اشیاء تو حق تعالیٰ نے انسان کے انتفاع کے لئے تسخیر وتخلیق فرمائی ہیں وہی ان کا خالق وہی ان کا تسخیر کنندہ ہے، رہے حضرتِ انسان تو ہر دور، ہر زمانہ میں انسانی عقول اپنے اپنے محدود دائرے میں ان سے انتفاع کرتی اور فائدے اٹھاتی رہی ہیں۔

قدرت الٰہی اور انسانی قوت کے دائرے

انسان نے اپنی فکری اور تجرباتی کاوش سے یہ تو کرلیا کہ انسان کے جسم سے خون نکال کر اسے محفوظ کرلیا اور بوقت ضرورت دوسرے آدمی کے جسم میں چڑھادیا اور مان لیجئے اس کی جان بچ گئی لیکن آج تک انسان سے یہ نہ ہوسکا اور نہ ہوسکے گا کہ کسی لیبارٹری میں پھلوں اور غذاؤں سے خون تیار کرسکیں، قدرت الٰہی کے کرشموں کا دائرہ اور ہے اور انسانی قدرت تصرفات کا دائرہ اور، یہ تو ہوا کہ انسان چاند پر پہنچ گیا اور ہوسکتا ہے کہ کل مریخ یا کسی اور کرہ کی زیارت بھی کرلے لیکن چاند سورج کے نظام سے رات اور دن کا جو نظام قائم ہے اس میں تصرف یا کسی قدر تبدیلی کرسکے ناممکن ہے۔ مثلاً جہاں رات ۱۲ گھنٹہ کی ہے اسے ۱۳ گھنٹہ کی کردیں اور رات کا وقت کچھ کم کردیں۔

تسخیر کائنات کا مطلب

تسخیر کائنات کا مطلب تو یہ ہوتا ہے کہ حق تعالیٰ نے جو کائنات کا نظام مقرر فرمایا ہے اس میں انسان تصرف کر سکتا یا وہ نظام انسان کے اختیار و اقتدار میں آجائے اور حسب منشاء جب چاہیں چھوٹے بڑے کر سکیں، زیادہ سے زیادہ بات اتنی ہے کہ جو ماضی میں اس کائنات سے فائدہ نہ اٹھا سکے آج عقلی ترقی کے مراحل اتنے آگے بڑھ گئے ہیں کہ ان کے ذریعہ اتنے عظیم فوائد حاصل کئے جا رہے ہیں جن کا تصور بھی کچھ عرصہ پہلے نہ کر سکتے تھے ان قرآنی تعبیرات پر ذرا بھی کوئی غور کرے تو بات صاف اور واضح ہو جاتی ہے، حق تعالیٰ کا ارشاد ہے "وسخر لکم الشمس والقمر" تمہارے لئے یا تمہارے فائدے کے لئے یا تمہارے کاموں کے لئے چاند اور سورج کی تسخیر فرمادی، یہ نہیں فرمایا "سخرتم الشمس والقمر" کہ تم نے چاند اور سورج کو مسخر کر دیا، دراصل تسخیر کرنے والی حق تعالیٰ کی ذات قدسی صفات ہے، یہ موجودہ کائنات جس مقصد کے لئے تسخیر کی گئی ہے موجودہ انسانی معلومات کا قرآنی تعبیرات وکلمات کا واضح مفہوم بھی یہی ہے۔

عقل انسانی قدرت خداوندی کی حیرت انگیز تخلیق

بلاشبہ عقل کی یہ ترقی اور کائناتی فضا میں رسائی فوق العادۃ ترقی ہے کہ ایک مشینی ایجاد یعنی خلائی جہاز اور قمری گاڑی کو لاکھوں میل فضا پر پہنچا دینا اور پھر لاکھوں میل کے فاصلے سے زمین کے ساتھ اس کا ربط قائم رکھنا اور زمین پر سائنس دانوں کا اس پر کنٹرول کرنا، ہر خرابی کی اصلاح کرنا اور ہر سیکنڈ پر اس کی کیفیت سے باخبر رہنا اور زمین پر اس کی مختلف کیفیات کی تصویروں کا پہنچتے رہنا وغیرہ وغیرہ نہایت ہی حیرت افزاء انسانی ترقی ہے لیکن یہ سب کچھ کارفرمائی اس عقل انسانی کی ہے جو حق تعالیٰ کی مخلوق ہے اور قدرت الٰہی کی حیرت انگیز تخلیق ہے کہ انسانی عقل میں کتنی بڑی اور حیرت انگیز ترقی کی صلاحیت و اہلیت ودیعت فرمائی ہے اسی سلسلہ میں ماہنامہ "بینات" کے ۶۵ء کے ایک شمارے میں راقم الحروف لکھا تھا:

"خبر آئی ہے اور دنیا میں اس خبر کا چرچا ہے کہ روس کا راکٹ کرۂ قمر پر پہنچ گیا، ٹیلی ویژن سے تصویریں لے لی گئی ہیں اور اب یہ کوشش جاری ہے کہ آئندہ ان خودکار راکٹوں کے ذریعہ انسان کو چاند تک پہنچایا جائے، بلاشبہ یہ حیرت انگیز کارنامہ ہے اور سائنس کی قابل فخر ترقی ہے، لیکن کرۂ ارض کے سب سے زیادہ قریب کرۂ تک جہاز بھیجنا رب العالمین کی اس حیرت افزاء اور وسعت کائنات کی نسبت سے کیا حیثیت رکھتا ہے؟ باقی سیاروں کے کرات تک انسان کب تک پہنچ جائے گا اور ان سے بھی دور ستاروں پر کب تک؟ جن کی روشنی بھی (فی سیکنڈ روشنی کی رفتار سے ایک لاکھ ۸۶ ہزار میل فی سیکنڈ ہے) ہزاروں سال بلکہ بعض ستاروں کی لاکھوں برس تک پہنچتی، سبحان اللہ العظیم! کیا ٹھکانا ہے؟

ہیئت افلاک اور سیارات کے بارے میں سابقہ تحقیق

جدید طبعیات کی تحقیقات میں بطلیموس کے قدیم نظاماتِ فلکیات مشاہدہ سے غلط ثابت ہو چکے ہیں ان نظاموں کی بنیاد اس نظریہ پر تھی کہ سبع سیارات سات آسمانوں میں جڑے ہوئے ہیں، اسی نظریہ پر ان کی تفصیلات مرتب کی گئی ہیں، قران کریم نے تو صرف یہ فرمایا تھا کہ اس عالم سے قریب تر آسمان کی زینت ان ستاروں سے کی گئی ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ستارے آسمان کے نیچے ہیں عوام یا خواص نے غلطی سے یہ سمجھ لیا تھا کہ شاید اسلام بھی وہی کچھ کہتا ہی جو ہیئت افلاک کے قدیم نظریات میں بیان کیا گیا ہے، جب یہ قدیم نظریات غلط ثابت ہوئے تو لوگوں کے اعتقاد ڈگمگانے لگے، جیسے طبعیات کی ان جدید تحقیقات نے اسلام کے پیش کردہ حقائق کو غلط ثابت کر دیا ہو، لیکن حقیقت یہ ہے کہ ان نظامات سے اسلام کا کوئی تعلق نہیں تھا، الحمد للہ اسلام اپنی جگہ قائم ہے، قدیم نظریہ ہیئت غلط ثابت ہو یا جدید تحقیقات، کائنات کے متعلق اسلام نے قرآن حکیم میں جتنی جگہ بھی تفصیل کی ہے وہ اپنی جگہ اٹل ہے، سائنس کا یہ دعویٰ قابل قبول نہیں ہے کہ آسمان کا وجود نہیں ہے، اس دعویٰ پر اس کے سوائے کوئی دلیل نہیں کہ ان فلکی کرات کے درمیان کوئی چیز حائل نہیں ہے، اس سے ثابت ہوتا ہے کہ ان علوم کی پرواز ابھی اتنی بلند نہیں ہوئی کہ آسمانوں تک رسائی ہوجائے، ماہرین سائنس کی عقل و تحقیق اور ان کے علوم ابھی ان کرات ہی کے گرد گھوم رہے ہیں، ان جدید تحقیقات سے اگر کوئی حقیقت بے نقاب ہوئی ہے تو وہ صرف اس قدر کہ ہیئت افلاک اور سیارات کا پرانا نقشہ غلط تھا اور جیسا کہ بیان کیا جاچکا ہے کہ اس کا اسلام اور قرآن کریم سے کوئی تعلق نہیں ہے۔

قرآنِ کریم اور وحی الٰہی کا منصب ان حقائق کو بیان کرنا ہے جہاں عقل کی رسائی نہیں ہوتی، عقل کی سرحد جہاں ختم ہوجاتی ہے وہاں سے نبوت اور وحی کی حد شروع ہوتی ہے، قرآن کریم اگر ان حقائق کائنات کی طرف کبھی کبھی اشارہ کرتا ہے تو اس کا مقصد محض تذکیر و موعظت ہے یا صرف ان عقدوں کی گرہ کشائی ہے جہاں عقلِ انسانی کو ٹھوکر لگتی ہے۔

اسی لئے وہ سلسلۂ بیان میں ضرورت اور موقع کی نسبت سے ان اسرار و حقائق کے تذکرہ اور ان کی طرف اشارہ بھی کسی تکوینی حقیقت کی پوری تفصیل پیش کرنے کے بجائے ان کے صرف ان ہی پہلوؤں کو نمایاں کرتا ہے جہاں سے تذکیر و موعظت اور انسان کی عبرت پذیری اور بصیرت اندوزی کا مقصد حاصل ہو، ذات الٰہی کا عرفان اور اس کی صفات و کمال کی معرفت حاصل کرنے کے لئے عقل و فکر کی راہ ہموار ہوجائے۔

اسی لئے علمِ کائنات اور اس کے اسرار انکشافات ہی کو جو درحقیقت ایمان و معرفت کا وسیلہ ہیں حیاتِ انسانی کا مقصد وحید بنالینا اور اصل مقصد کو نظر انداز کرکے وسیلہ ہی کو مقصدی حیثیت دے دینا نہ انسان کے لئے مفید ہے نہ صحت و عقل کے مطابق ہے اور نہ اسلام ہی اس کی اجازت دیتا ہے۔ انسان کی بقاء اور اس کی ضروریات کا

نہ ان علوم وفنون پر انحصار ہے اس لئے کہ وہ ان کے بغیر بھی زندہ رہ رہا ہے اور معاشرتی آسودگی حاصل کرتا رہا ہے اور نہ قرین عقل ودانش ہی ہے کہ وہ اشرف واکرم مخلوق جس کے لئے یہ کائنات مسخر کی گئی ہے جس میں قدرت کی بخشی ہوئی تسخیر وتصرف کائنات کی صلاحیتیں ظاہر ہوکر اس کے اشرف خلائق ہونے کی شہادت دیتی رہی ہیں اپنے سے فروتر اور مسخر مخلوق کے احوال وخواص کے علم ہی کو اپنا مقصد زندگی بنا لے، اس لئے اسلام نے اس کو یہ نصب العین دیا ہے کہ وہ کائنات کی مخلوق کو اپنے فکر ونظر کا مرکز ومحور بنانے کی بجائے خالق کائنات سے ربط قرب کو مطلوب ومقصود بنائے اور تکوینیات کے ان علوم کو بھی انسانی زندگی کے اسی اعلیٰ ترین نصیب العین تک پہنچنے کا وسیلہ بنائے۔

[شوال المکرم ۱۳۸۹ھ - دسمبر ۱۹۶۹ء]

انسان کا چاند پر پہنچنا

خبر آئی ہے اور دنیا میں اس خبر کا چرچا ہے کہ روس کا راکٹ کرۂ قمر پر پہنچ گیا ہے، ٹیلیویژن سے تصویریں لے لی گئی ہیں اور اب یہ کوشش جاری ہے کہ آئندہ ان خود کار راکٹوں کے ذریعہ انسان کو بھی چاند تک پہنچایا جائے، بلاشبہ یہ ایک حیرت انگیز کارنامہ ہے اور سائنس کی قابل فخر ترقی ہے، لیکن کرہ ارض کے سب سے زیادہ قریب کرہ تک خلائی جہاز بھیجنا رب العالمین کی اس حیرت افزاء وسعت کائنات کی نسبت سے کیا حیثیت رکھتا ہے؟ باقی سیاروں کے کرات تک انسان کب تک پہنچ جائے گا اور ان سے بھی دور ستاروں پر کب تک؟ جن کی روشنی بھی (فی سیکنڈ روشنی کی رفتار سے ایک لاکھ چھیاسی ہزار میل فی سیکنڈ ہے) ہزاروں سال بلکہ بعض ستاروں کی لاکھوں برس میں پہنچتی ہے:

"العظمة لله العظیم وله الکبریاء فی السموات والارض"

عظمت خدائے عظیم ہی کے لئے ہے اور اسی کے لئے ہے ساری بڑائی آسمانوں اور زمین میں۔

جدید طبیعیات کی تحقیقات میں بطلیموس اور فیثاغورث کے قدیم نظامات فلکیات مشاہدہ سے غلط ثابت ہو چکے ہیں، ان نظاموں کی بنیاد اس نظریہ پر تھی کہ سبع سیارات سات آسمانوں میں جڑے ہوئے ہیں، اسی نظریہ پر ان کی خاص خاص تفصیلات مرتب کی گئی تھیں قران حکیم نے تو صرف یہ فرمایا تھا کہ اس عالم سے قریب تر آسمان کی زینت ان ستاروں سے کی گئی ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ تمام ستارے آسمان کے نیچے ہیں، عوام یا خواص نے غلطی سے یہ سمجھ لیا تھا کہ شاید اسلام بھی وہی کچھ کہتا ہے جو ہیئت افلاک کے قدیم نظریات میں بیان کیا گیا ہے اور جب یہ قدیم نظریات غلط ثابت ہوئے تو لوگوں کے اعتقاد ڈگمگانے لگے جیسے طبیعیات کی ان جدید تحقیقات نے اسلام کے پیش کردہ حقائق کو غلط ثابت کر دیا ہو لیکن حقیقت یہ ہے کہ ان نظامات سے اسلام کا کوئی تعلق نہیں تھا۔

الحمدللہ! اسلام اپنی جگہ قائم ہے قدیم نظریہ ہیئت غلط ثابت ہو یا جدید، تحقیقات کائنات کے متعلق اسلام

نے قرآن حکیم میں جتنی تفصیل بھی کی ہے وہ اپنی جگہ بالکل اٹل ہے، سائنس کا یہ دعویٰ قابل قبول نہیں کہ آسمان کا وجود نہیں ہے اس دعویٰ پر ان کے سوائے کوئی دلیل نہیں کہ ان فلکی کرات کے درمیان کوئی چیز حائل نہیں ہے اس سے یہ تو ثابت ہوتا ہے کہ ان علوم کی پرواز ابھی اتنی بلند نہیں ہوئی کہ آسمانوں تک رسائی ہوجائے، ماہرین سائنس کی عقل وتحقیق اور ان کے علوم ابھی ان کرات ہی کے گرد گھوم رہے ہیں۔

ان جدید تحقیقات سے اگر کوئی بے نقاب ہوئی ہے تو وہ صرف اس قدر ہے کہ ہیئت افلاک اور سیارات کا پرانا نقشہ غلط تھا اور جیسا کہ بیان کیا جا چکا ہے اسلام اور قرآن حکیم کا اس سے کوئی تعلق نہیں ہے۔

قرآن حکیم اور وحی الٰہی کا منصب ان حقائق کو بیان کرنا ہے جہاں عقل کی رسائی نہیں ہوتی، عقل کی سرحد جہاں ختم ہوجاتی ہے وہاں سے نبوت اور وحی کی حد شروع ہوتی ہے۔ قرآن کریم اگر اسرار حقائق کائنات کی طرف کبھی کبھی اشارہ کرتا ہے تو اس کا مقصد محض تذکیر وموعظت ہے یا صرف ان عقدوں کی گرہ کشائی جہاں عقل انسانی کو ٹھوکر لگتی ہے اور اس کی بصیرت گرہ کھاتی ہے۔

اسی لئے وہ سلسلہ بیان میں ضرورت اور موقع کی مناسبت سے ان اسرار وحقائق کے تذکرہ اور ان کی طرف اشارہ میں بھی کسی تکوینی حقیقت کی پوری تفصیل پیش کرنے کے بجائے اس کے صرف انہیں پہلوؤں کو نمایاں کرتا ہے جن سے تذکیر وموعظت اور انسان کی عبرت پذیری اور بصیرت اندوزی کا مقصد حاصل ہو، ذات الٰہی کا عرفان اور اس کی صفات کمال کی معرفت حاصل کرنے کے لئے عقل وفکر کی راہ ہموار ہوجائے۔

اس لئے علم کائنات اور اس کے اسرار کے انکشاف ہی کو، جو درحقیقت ایمان ومعرفت کا وسیلہ ہیں، حیات انسانی کا مقصد وحید بنالینا اور اصل مقصد کو نظر انداز کرکے وسیلہ ہی کو مقصدی حیثیت دے دینا نہ انسان کے لئے مفید ہے نہ صحت عقل کے مطابق ہے اور نہ اسلام ہی اس کی اجازت دیتا ہے۔ انسان کی بقا اور اس کی ضروریات کا نہ ان علوم وفنون پر انحصار ہے اس لئے کہ وہ ان کے بغیر بھی زندہ رہا ہے اور معاشرتی آسودگی حاصل کرتا رہا ہے اور نہ قرین عقل ودانش ہی ہے کہ وہ اشرف واکرم مخلوق، جس کے لئے یہ کائنات مسخر کی گئی ہے جس میں قدرت کی بخشی ہوئی تسخیر وتصرف کائنات کی صلاحیتیں ظاہر ہوکر اس کے اشرف خلائق ہونے کی شہادت دیتی رہتی ہیں اپنے سے فروتر اور مسخر مخلوق کے احوال وخواص کے علم ہی کو اپنا مقصد زندگی بنالے اس لئے اسلام نے اس کو یہ نصب العین دیا ہے کہ وہ کائنات مخلوق کو اپنے فکر ونظر کا مرکز ومحور بنانے کے بجائے خالق کائنات سے ربط وقرب کو مطلوب ومقصود بنائے اور تکوینیات کے ان علوم کو بھی انسانی زندگی کے اسی اعلیٰ ترین نصیب العین تک پہنچنے کا وسیلہ بنائے۔ کبھی فرصت ہوئی تو انشاء اللہ ان مجمل اشارات کی تفصیل سپرد قلم کی جائے گی۔

واللہ سبحانہ ھو الموفق والمعین۔

[ذوالقعدہ ۱۳۸۵ھ - مارچ ۱۹۶۶ء]

تسخیر قمر و تسخیر کائنات

تمام عالم میں ایک شور برپا ہے کہ چاند کی تسخیر ہوگئی، تمام فضائی عالم کے لئے راستہ ہموار ہوگیا، انسان چاند پر پہنچ گیا، امریکہ نے حیرت انگیز کارنامہ انجام دیا اور کچھ سادہ لوح انسانوں کا مذہبی عقیدہ متزلزل ہونے لگا کہ یہ مخلوق آسمانوں پر کیسے پہنچ گئی۔ ہمیں ان حضرات کے تعجب پر تعجب اور حیرت پر حیرت ہے، اعلیٰ ترین دماغوں نے فیثا غورس اور بطلیموس، افلاطون اور ارسطو کے عہد سے ہی اللہ تعالیٰ کی اس کائنات اور فضائے محیر العقول نظام کے حقائق و معلومات حاصل کرنے کی لئے لگا تار کوششیں کی ہیں اور موجودہ دور میں بڑی حد تک ان قدیم فلاسفہ کی خوشہ چینی کرکے ہی عملی تجارب آگے بڑھائے ہیں، اسلامی ادوار میں بھی رصدگاہیں بنیں اور بہت کچھ ان نظریات کی تحقیقات ہوئیں غرض یہ کہ ہزاروں برس سے ان فضائی معلومات و تحقیقات کا سلسلہ جاری رہا ہے۔

یہاں ہمیں سب سے پہلے تو عقل کی پرواز پر غور کرنے کی ضرورت ہے کہ حق تعالیٰ نے انسان عقل و دماغ کو کتنی بڑی صلاحیت عطا فرمائی ہے کہ وہ کہاں سے کہاں پہنچ گیا، یہ تمام خالق عقل حق تعالیٰ کی عظیم قدرت کی نشانیاں ہیں اس کے بعد کائنات کی وسعت، آسمانی کائنات نظام کی وسعت پر غور کیا جائے، لاکھوں برس سے یہ حیرت ناک نظام جاری و ساری ہے، اللہ تعالیٰ کی ذات ثناء و صفت کے لائق جس نے یہ عظیم الشان کارخانہ قائم کیا ہے، مزید غور کیجئے کہ فضاء فوقانی میں سینکڑوں نہیں ہزاروں نہیں لاکھوں نہیں کروڑوں نہیں اربوں کھربوں کرّے ہیں جو آسمانی نظام میں معلق جگمگا رہے ہیں اور زمین والوں سے بعض اتنے دور ہیں کہ ان کی روشنی، روشنی کی رفتار سے جو فی سیکنڈ ایک لاکھ چھیاسی ہزار میل یا ۳۰۰ ہزار کیلومیٹر ہے، زمین پر لاکھوں نوری سالوں کے بعد پہنچتی ہے، سبحان الله العظيم .

پھر اس فضا کے اندر کتنے نظام شمسی ہیں، بعض سورج تو ایسے ہیں کہ ان میں نور تو ہے لیکن بجائے حرارت کے برودت ہے، اگر زمین والوں پر ان کی تاثیر پہنچ جائے تو تمام مخلوق جو کرہ ارض پر آباد ہے منجمد ہوجائے اور اس کرہ ارض کا نظام شمسی جس میں روشنی اور حرارت دونوں ہیں اگر ہواؤں اور بادلوں سے ان کی حرارت کم نہ ہو تو دنیا جل کر راکھ کا ڈھیر بن جاتی، پھر یہ اربوں کرّے، جن میں چاند، سورج، زہرہ، عطارد، مریخ، مشتری، زحل اور جوزا، سرطان، اسد وغیرہ شامل ہیں سب کے سب اس فضا میں معلق ہیں ان میں سے بعض کا حجم زمین سے لاکھوں گنا بڑا ہے، ایک جوزا کا حجم ہی سورج سے لاکھوں گنا بڑا کہا جاتا ہے، یہ سب ان گنت کرّے پہلے آسمان کے نیچے نیچے فضا میں موجود ہیں، اس خدائے قادر لا یزال، عزیز و علیم کا یہ حیرت انگیز نظام ہے جس کی حقیقت کو سمجھنے کے لئے ابھی نسل انسانی کو کروڑوں سال کا عرصہ چاہیے جس کا سائنسدان بھی اعتراف کرتے ہیں۔

چاند سورج اور آسمان

قرآن وحدیث نے کہیں بھی یہ تصریح نہیں کی کہ یہ چاند سورج افلاک میں جڑے ہوئے ہیں یہ تو صرف بطلیموسی ہیئت کی پیداوار ہے کہ سبع سیارات آسمانوں میں ہیں لیکن جدید ہیئات نے اس بطلیموسی نظام کی غلط بینی ثابت کردی ہے کہ یہ فضا میں معلق ہیں، فیثاغورس کا نظریہ بطلیموس کے خلاف تھا وہ ان سب کو فضا میں مانتے تھے اور یہ بھی کہیں نظر سے گذرا ہے کہ فیثاغورس زمین کی حرکت کے بھی قائل تھے اور کچھ بعید بھی نہیں، اس لئے کہ کہتے ہیں فیثاغورس حضرت ادریس علیہ السلام کے شاگرد تھے اور ان سے ہی مستفید تھے۔ ہوسکتا ہے کہ وحی آسمانی کی برکت سے ان کا نظریہ صحیح ہو گیا ہو، علماء اسلام میں سے شیخ اکبر محی الدین ابن عربیؒ زمین کی حرکت کے قائل تھے، قرآن حکیم کی تعبیر "ولقد زینا السماء الدنیا بمصابیح" کا صاف مطلب یہی ہے کہ یہ تمام نجوم اور سیارے چاند وسورج آسمان دنیا کے نیچے ہیں اور اس نیلگوں آسمان کے لئے آرائش وزینت کا کام کرتے ہیں۔

آسمان اور افلاک میں فرق

یہاں یہ بات اچھی طرح ذہن نشین کرلینی چاہیے کہ آسمان اور ہیں اور افلاک اور شئی ہیں، نیز یہ کہ آسمان کا اطلاق ہر فوقانی چیز پر کیا جاتا ہے، جدید سائنس میں آسمانوں کی نفی کی کوئی دلیل نہیں صرف اتنا ثابت ہے کہ یہ کرے آسمان میں جڑے ہوئے نہیں ہیں۔ بہر حال ان مختصر اشاروں سے آپ نے سمجھ لیا ہوگا کہ اللہ تعالیٰ کی کائنات کی وسعت کس قدر حیرت انگیز ہے اور آسمانوں تک تو ابھی ان کی عقل ومشاہدہ اور رصدگاہوں کی پرواز پہنچی ہی نہیں۔ پھر اس پر بھی غور کیجئے کہ اربوں کھربوں تاروں میں زمین سے قریب تر چاند تھا جس کی دوری دولاکھ اڑتیس ہزار میل بتائی جاتی ہے، اس تک پہنچنے کے لئے ڈرتے ڈرتے کھربوں روپیہ خرچ کیا، سالہا سال تک اعلیٰ ترین دماغوں نے عرق ریزی کی تب کہیں جاکر انسان چاند پر پہنچ کر کچھ ریت اور پتھر لے آیا اگر یہ رقم تمام عالم کے محتاجوں میں تقسیم کی جاتی تو شاید دنیا میں کوئی فقیر نہ رہتا۔ شاید اللہ تعالیٰ کی تکوینی مصلحت اس میں یہ ہو کہ ان کی دولت اور ان کی دماغی توانائی ان عبث وبیکار باتوں میں صرف کردی جائے اور دنیا کو ان کے ظلم وعدوان سے بچایا جائے، اگر یہ پوری دولت اور طاقت صرف دنیا اور زمینی مخلوق کی طرف متوجہ ہوتی تو نہ معلوم یہ کیا کیا ستم ڈھاتے۔ علاوہ ازیں کہ اللہ تعالیٰ کی حجت ان کفار پر پوری ہورہی ہے کہ اب بھی حق تعالیٰ کی عظمت، کمال قدرت، کمال جبروت، خلاقیت، اور حیرت انگیز محیر العقول نظام پر ایمان لے آئیں کوئی معذرت قیامت کے دن ان کے پاس باقی نہ رہے:

﴿سَنُرِيْهِمْ اٰيٰتِنَا فِي الْاٰ فَاقِ وَفِيْٓ اَنْفُسِهِمْ حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَهُمْ اَنَّهُ الْحَقُّ اَوَلَمْ يَكْفِ بِرَبِّكَ اَنَّهٗ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدٌ﴾ [حمٓ سجدہ :۵۳]

ان آفاقی وانفسی دلائل قدرت اور تکوینی معجزات کا مشاہدہ کرنے کے بعد بھی اگر حق تعالیٰ کی وحدانیت

اور قدرت پر ایمان نہ لائیں تو ان سے بڑھ کر بدنصیب قوم کون ہوگی؟ سچ فرمایا اللہ تعالیٰ نے:

﴿يَعْلَمُوْنَ ظَاهِرًا مِّنَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَهُمْ عَنِ الْاٰخِرَةِ هُمْ غٰفِلُوْنَ﴾ [الروم:۷]

غور کرنے کی بات تو یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ایک ایسے کرّہ کا جو فضا میں معلق ہے جس میں پہاڑ اور ریگستان اور غار ہی ہیں اور خود بالکل سیاہ ہے سورج کے ساتھ کیسا ربط و تناسب قائم کیا ہے کہ اس کی روشنی سے تمام عالم میں قمر کی روشنی مدوجزر اور دوسرے منافع کا اور مہینوں کے حساب کا نظام قائم فرمادیا ہے، اسی قمر سے سمندروں اور دریاؤں کے مدوجزر کا تعلق، رات کے اندھیروں میں سمندروں کے اندر کشتی بانوں اور جہاز رانوں کو اسی سے جہات معلوم ہوتی ہیں، پھلوں اور اناج کے پکنے اور لذت میں چاند کی شعاعوں کی تاثیر ہی کارفرما ہے، پھر قمری مہینہ کا پورا حساب چاند نکلنے اور بڑھنے گھٹنے کے ساتھ اور سال کے بارہ مہینوں کا حساب اور موسموں فصلوں کا نظام سورج کے ساتھ، کس حیرت انگیز طریق پر قائم ہے کہ جس سے ایک فلسفی، ایک دیہاتی، ایک حکیم اور ایک بدو یکساں طور پر مستفید ہوتے ہیں۔ صحابہ کرامؓ نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے پوچھا کہ یا رسول اللہ! یہ چاند کیوں بڑھتا گھٹتا ہے؟ آپؐ نے فرمایا: اس کی حکمت اور علت کو چھوڑ و اس کے منافع پر غور کرو کہ اللہ تعالیٰ نے نظام اوقات اور حج بیت اللہ کے وقت معلوم کرنے کے لئے یہ سلسلہ جاری فرمایا ہے۔ آیت کریمہ: ﴿يَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْاَهِلَّةِ قُلْ هِيَ مَوَاقِيْتُ لِلنَّاسِ وَالْحَجِّ﴾۔ [البقرہ:۱۸۹] کا مفہوم یہی ہے، صحابہ کرامؓ کو آپ کی صحبت سے جو ایمانی قوت و بصیرت نصیب تھی اس کے ہوتے ہوئے اس کی ضرورت نہ تھی کہ شمس و قمر کے فلسفیانہ اسباب و علل کو معلوم کر کے ایمان بڑھائیں، اس لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے تخلیقی منشاء کو واضح فرمادیا کہ ان کو کس مقصد کے لئے پیدا کیا ہے اور اسباب و اسرار تخلیق سے توجہ ہٹا کر مقصد تخلیق واضح فرمادیا تاکہ احکام شرعیہ کی تعمیل کریں اور حکمتوں کے درپے نہ ہوں۔

سائنسی کارنامے انبیاء علیہم السلام کے معجزات سمجھنے کا ذریعہ ہیں

اسی طرح اس وقت بھی اگر کسی کو اللہ تعالیٰ نے عقل سلیم بخشی ہو تو اس کے لئے ان سائنسی کارناموں سے انبیاء علیہم السلام کے معجزات و کمالات سمجھنے کا راستہ کھل سکتا ہے، دنیا نے ہزاروں سال محنت کی، طرح طرح کے پاپڑ بیلے، اربوں کھربوں دولت ضائع کی، قیمتی جانوں کو خطرے میں ڈالا اور اس کے نتیجہ میں صرف قریب ترین کرّے چاند تک رسائی حاصل کی، اب حق تعالیٰ کا معاملہ اپنے انبیاء علیہم السلام کے ساتھ دیکھئے اور ان کی بلندیٔ مراتب کا تصور کیجئے خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کو ان اسباب و تدابیر، آلات و وسائل کے بغیر جب چاہا آسمانوں کی سیر کرادی، فضائے بسیط کا سارا فاصلہ چند لمحوں میں طے کرادیا، اور آناً فاناً تمام آسمانوں سے اوپر پہنچادیا، رفعت انسانی کی تمام حدیں پست رہ گئیں اور ملکوت الٰہیہ کے وہ عجائبات دکھلادیئے کہ نسل انسانی اسباب کے

دائرے میں کروڑوں برس تک تحقیقات پر محنت کرے مگر ناممکن ہے کہ اس کا لاکھواں حصہ بھی حاصل کر سکے، سلیمان علیہ السلام کو یہ اعزاز بخشا گیا کہ ان کے لئے ہوا مسخر کر دی، چنانچہ ان کا ہوائی تخت محض ہوا کے دوش پر مہینوں کی مسافت صبح وشام کے چند لمحات میں طے کر لیتا تھا، حضرت رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے براق کے ذریعہ برق رفتاری کا جو ریکارڈ قائم کیا گیا، کیا بجلی کی رفتار اور ایٹمی رفتار اس کی گرد کو بھی پہنچ سکتے ہیں؟

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم وادیٔ عرفات میں ایک لاکھ انسانوں کے جم غفیر سے خطاب فرما رہے ہیں، تمام سامعین تک آپ کی آواز بغیر مشین کے پہنچائی جا رہی ہے، وادی منیٰ میں خدا کے آخری پیغمبر کا خطبہ ہو رہا ہے، تمام حجاج کرام جو تقریباً آٹھ مربع میل وادی میں پھیلے ہوئے اپنے اپنے خیموں میں قیام پذیر تھے آپ کی آواز بلا کم وکاست سن رہے ہیں، سنن ابی داؤد کی حدیث ہے کہ صحابہ فرماتے ہیں ہم اتنی دور کی آواز اتنی آسانی سے سن رہے تھے کہ گویا آج ہماری قوت سامع بڑھا دی گئی ہے۔ نہ مائیکروفون ہے، نہ لاؤڈ اسپیکر، نہ ریڈیو اسٹیشن ہے نہ بجلی کے آلات لیکن پوری وادی میں پھیلا ہوا مجمع آپ کی آواز مبارک کی لذت اندوزی سے سرشار ہے، آج ٹیلی ویژن کی ایجاد پر دنیا محو حیرت ہے اور اسے سائنسی معجزہ کہا جاتا ہے، لیکن نبوت ٹیلی ویژن اور الیکٹرک نظام کی رہین منت نہ تھی، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ان اسباب کے بغیر عالم غیب لا کھڑا کر دیا جاتا ہے اور مسجد نبوی کی دیوار قبلہ میں جنت ودوزخ کا مشاہدہ بحالت نماز کسوف کرا دیا جاتا ہے۔ آج دنیا زمین پر بیٹھ کر دوربینوں سے چاند کی سطح کا مشاہدہ کرنے پر پھولی نہیں سماتی لیکن نبوت کی آنکھ دوربینوں کی منت کشی کے بغیر خندق کھودتے ہوئے بصرہ کے محلات کا مشاہدہ کر لیتی ہے۔ آج آلات کے ذریعہ زمین والے چاند والوں کو ہدایت دیتے ہیں اور بڑا کرشمہ سمجھا جاتا ہے لیکن نبوت کی انگشت شہادت براہ راست چاند کو ہدایات جاری کرتی ہے اور دیکھنے والے چاند کو تعمیل حکم کرتے ہوئے دیکھتے ہیں۔

خیر یہ تو پیغمبرانہ معجزات ہیں آپ کے فیض صحبت سے فیض یافتہ اصحاب کرام ہی کی کرامت پر ایک نظر ڈالئے، فاروق اعظمؓ مدینہ طیبہ میں جمعہ کا خطبہ دیتے ہوئے ملک شام میں ایک جنگ کا مشاہدہ کر رہے ہیں، فوجی قائد پیچھے پہاڑی کے حملے سے بے خوف ہے عین اسی وقت اسے ہدایت دیتے ہیں "یا ساریة ! الجبل الجبل" (اے ساریہ پہاڑ کی طرف کا خیال رکھو کہ اس طرف سے دشمن حملہ نہ کرے) حضرت ساریہ نہ صرف فاروق اعظمؓ کی گونجتی ہوئی آواز کو پوری طرح سنتے ہیں بلکہ اس کے مطابق عمل کر کے میدان جنگ کا نقشہ پلٹ دیتے ہیں، کیا ریڈیو اور ٹیلیویژن کی اختراع اس سے زیادہ عجیب ہے؟

ہمارے استاذ محترم امام العصر حضرت مولانا سید محمد انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ نے اپنے ایک فصیح وبلیغ قصیدہ میں اس حقیقت کا پہلی بار انکشاف فرمایا ہے کہ عالم اسباب میں عقل انسانی کی اختراعات کے ذریعہ جتنی حیرت انگیز ایجادات ہوئی ہیں اور ہوں گی ان سب کا نمونہ انبیاء کرام کے معجزات میں موجود ہے، درحقیقت انبیاء

کرام علیہم السلام کے معجزات پیش خیمہ ہیں اس بات کا کہ آئندہ چل کر نسل انسانی اسباب کے ذریعہ یہاں تک ترقی کرے گی، فرماتے ہیں:

وقد قيل ان المعجز ات تقدم
بما يرتقى فيه الخليفة فى مدىٰ

۱۳۴۷ھ کا واقعہ ہے کہ حضرت شیخ امام العصر مولانا محمد انور شاہ رحمہ اللہ کشمیر سے واپسی پر لاہور میں آسٹریلین بلڈنگ میں بطور مہمان قیام پذیر تھے، میزبان نے ڈاکٹر اقبال مرحوم کو بھی دعوت دی تھی مجھے خوب یاد ہے کہ حضرتؒ نے ڈاکٹر صاحب کے سامنے بیان فرمانا شروع کیا، ڈاکٹر صاحب انتہائی حیرت وتعجب سے ہمہ تن گوش تھے اور خوب خوب مستفید ہورہے تھے، مجھے ارشاد فرمایا: ڈاکٹر صاحب کو میرے قصیدے کے وہ اشعار جو اس مضمون سے متعلق ہیں سناؤ اتفاق سے مجھے وہ تمام قصیدہ اس وقت محفوظ تھا میں نے سنانا شروع کردیا، ڈاکٹر صاحب مرحوم بہت ہی تعجب سے میری طرف دیکھنے لگے۔

اصلی تسخیر کائنات

خیر کہنا یہ ہے کہ ایک معمولی کرے تک پہنچ جانا کیا اس کا نام ''کائنات کی تسخیر'' ہے؟ جس کا چار دانگ عالم میں ڈنکا بجایا جارہا ہے۔

''کے آمدی کے پیر شدی'' اصل تسخیر تو یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کرے کو تمام دنیا کے لئے پیغام رحمت بنایا ہے اور حیات انسانی اس کی رہین منت ہے، ان سائنسی کارناموں سے ایک مسلمان کو حق تعالیٰ کی قدرت کاملہ کا زیادہ سے زیادہ مشاہدہ ہونا چاہیے اور اس کا ایمان قوی تر ہونا چاہیے کہ کس چیز سے اللہ تعالیٰ نے کیا کیا فوائد مخلوق کے لئے مقدر کئے ہیں، اگر فضا میں خلائی اسٹیشن قائم ہوجائے اور نسل انسانی کی آبادی وہاں شروع ہوجائے تو ''ربنا ما خلقت هذا با طلاً سبحانك فقنا عذاب النار'' کی تفسیر کے تحت آجائے گی۔

بہر حال ان سائنسی کارناموں سے کسی اسلامی عقیدہ پر زد نہیں آتی، یہ امریکہ، یہ روس اور یہ سائنسدان ان ہی کروں کی تحقیقات میں رہیں گے جو آسمان سے نیچے معلق ہیں، آسمانی دروازے ان شیاطین پر بند ہیں، اللہ تعالیٰ نے انس وجن دونوں قسم کے شیاطین کو یہ قدرت نہیں دی کہ وہاں تک پرواز کرسکیں، البتہ ان سائنسی کرشموں سے یہ فائدہ ہوا کہ جو چیز انبیاء کرام علیہم السلام کے معجزات میں کارفرما تھی اور عقل انسانی اپنی کوتاہ نظری کی بنا پر اس کو محال وممتنع سمجھتی تھی اللہ تعالیٰ نے حجت پوری کردی اور اس کا امکان ثابت ہوگیا اور ایک چھوٹے سے نمونے میں اس کا وقوع دکھلا دیا تاکہ اللہ تعالیٰ کی قدرت کے خوارق ومعجزات سے انکار نہ کرسکیں، تفصیلات تو بہت ہیں تاہم امید ہے کہ ان ہی اشارات سے بہت کچھ رہنمائی ہوجائے گی، مسلمانوں کے ایک صوفی شاعر حضرت فریدالدین

عطارؒ نے کیا خوب کہا ہے:

ہست عالم ذرہ از ندرتش
باز ذرّہ عالمے از حکمتش
کار عالم خیر است وحیرت است
حیرت اندر حیرت اندر حیرتست
واللہ ولی التوفیق والهدایة

[جمادی الثانیہ ۱۳۸۹ھ-ستمبر ۱۹۶۹ء]

حدیث اِفتراق امت

حدیث افتراق امت مختلف الفاظ اور مختلف طرق سے چودہ صحابہ کرامؓ سے مروی ہے،محدثین کی اصطلاح کے مطابق یہ چودہ حدیثیں ہوتی ہیں،طرق اس سے زیادہ ہیں ان صحابہ کرامؓ کی حدیثیں مندرجہ ذیل امہات حدیث میں ملتی ہیں:

مسند احمد، سنن ابی داؤد جامع ترمذی، صحیح ابن حبان، مستدرک حاکم، سنن کبریٰ بیہقی، مسند بزار وغیرہ۔

مسند احمد کی روایت سے کم ازکم اتنا ثابت ہوا کہ حدیث بے اصل نہیں جیسا کہ محدثین کی تصریحات اس بارے میں موجود ہیں، بلکہ بعض اسانید بالکل صحیح ہیں، سنن ابی داؤد کی روایت اور اس پر سکوت سے کم سے کم اتنا پایہ ثبوت کو پہنچا کہ حدیث مذکور قابل احتجاج ہے، ترمذی، ابن حبان، حاکم نے صحیح ہونے کی تصریح کی، حافظ جمال الدین زیلعی نے تخریج احادیث کشاف میں اور حافظ شمس الدین سخاوی نے کتاب الفرق میں اس حدیث کے متون اوران کی اسانید وطرق پر سیر حاصل بحث کی ہے، افسوس کہ یہ دونوں کتابیں غیر مطبوع ہیں اور عوام ان سے مستفید نہیں ہوسکتے ان کے اقتباسات ہمارے پیش نظر ہیں۔

ان سب احادیث میں حضرت ابوہریرہؓ کی روایت صحیح اور بالکل صحیح ہے۔ محدثانہ نقطۂ نگاہ سے اس کی نفس صحت میں کوئی کلام نہیں۔ ترمذی وابن حبان وحاکم سے لے کر زیلعی، ابن حجر، سخاوی، سیوطی اور محمد بن اسماعیل عجلونی تک محدثین اس کی تصحیح کے قائل ہیں۔ ابو ہریرہؓ کی اس حدیث پر اسناد کے اعتبار سے عدم صحت کا حکم ساری امت میں سوائے ابن حزم کے اور کسی نے نہیں لگایا اگر چہ ابن حزم بھی نفس ثبوت سے گو باسناد ضعیف ہو منکر نہیں ہیں، فیروزآبادی کا قول جس پر ان کی کتاب سفر السعادۃ ختم ہوئی ہے یہ ہے:

”وباب افتراق الامة الى اثنتين وسبعين فرقة لم يثبت فيه شيء“

لیکن اتنی بات سے یہ ہرگز ثابت نہیں ہوتا کہ وہ بھی موضوع ہونے کا حکم لگاتے ہیں، آگے چل کر ہم یہ

واضح کردیں گے کہ ان دونوں بزرگوں کی اس جرح کی فنی قیمت کتنی ہے اور فیروز آبادی کا رتبہ اس بارے میں کیا ہے، لیکن یہاں صرف یہ واضح کرنا مقصود ہے کہ "لم یصح من جهة الاسناد" یا "لم یثبت" سے کسی روایت کا بالکل بے اصل یا موضوع ہونا محدثانہ اصول سے ثابت نہیں ہوسکتا، بہر حال ہم اگر ان دونوں کی بات کو بھی حدیثی اعتبار سے وقعت دیں تو اس بات میں یہ بھی ایک قول ہوگا اور یہاں ایک تیسرا گروہ یہ کہتا ہے کہ اصل حدیث بالکل صحیح ہے لیکن اس میں یہ زیادتی:

"کلها فی النار الا واحدة"

کہ تہتر فرقوں میں سے بہتر دوزخ میں ہوں گے صرف ایک جنت میں ہوگا۔

صحیح نہیں۔ محدثانہ نقطہ نگاہ سے غور کرنے پر یہ معلوم ہوگا کہ یہ قول زیادہ اقرب الی التحقیق ہے۔ اور حسن اتفاق یہ ہے کہ امام ترمذی وحاکم وغیرہ نے جس حدیث کی تصحیح فرمائی ہے اس میں یہ زیادتی سرے سے ہے ہی نہیں، چنانچہ حدیث ابو ہریرہؓ جو مسند احمد، ترمذی، ابوداؤد، مستدرک حاکم اور صحیح ابن حبان میں ہے اس کے الفاظ یہ ہیں:

قال رسول الله صلی الله علیه وسلم: "افترقت النصاری علی احدی او قال اثنتین وسبعین فرقة وتفترق امتی علی ثلاث وسبعین فرقة" (۱)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: یہود اکہتر فرقوں میں اور نصاریٰ بھی اکہتر یا بہتر فرقوں میں بٹ گئے اور میری امت تہتر فرقوں میں منقسم ہوگی۔

اب رہی وہ زیادتی جو ابوداؤد کی دوسری روایت میں ہے، اس کے متن میں حسب ذیل اضطراب ہے:

الف: ثنتان وسبعون فی النار وواحدة فی الجنة: یا اس کے ہم معنی لفظ۔

ب: اثنتان وسبعون فی الجنة وواحدة فی النار: بعض محدثین نے اسنادی اعتبار سے اس کو زیادہ واضح کیا ہے۔ شمس الدین محمد بن احمد المقدسی "احسن التقاسیم" میں اسی کے قائل ہیں۔

ج: بعضه فی الجنة وبعضه فی النار الا هذه الامة فانها کلها فی الجنة.

د: کلها فی الجنة الا الزنادقة، اب ظاہر ہے کہ اس اضطراب میں اگر صحیح ترجیح کا معیار قائم ہوسکے تو ترجیح دی جائے گی ورنہ سقوط متعین ہے۔ اگرچہ جمہور محدثین کے نزدیک آخری تین صورتیں مرجوح اور پہلی صورت راجح ہے تاہم اس اضطراب سے اس کی وہ قوت نہیں رہی جو اصل متن کے بقیہ حصہ کی ہے۔

---

(۱) سنن ابی داؤد، کتاب السنة، باب فی شرح السنة ج:۲ ص:۶۳۱، ط: قدیمی. سنن الترمذی، ابواب الایمان، باب افتراق هذه الامة ج:۲ ص۸۸، ط: فاروقی کتب خانه ملتان. المستدرک، کتاب الایمان ج:۱ ص:۴۷، ط: دار الکتب العلمية بیروت. مسند احمد بن حنبل ج:۲ ص:۱۰۲، ط: عالم الکتب بیروت

علامہ ابن حزمؒ اور حدیث افتراق

حدیث میں امام ابن حزم کی جلالت قدر اور تبحر و وسعت علم سے کوئی انکار نہیں لیکن ان سارے کمالات اور خصائص کے باوجود یہ کوئی دعویٰ نہیں کر سکتا کہ ان کا ہر قول صحیح ہے۔ یہ عصمت تو صرف نبی معصوم صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیت ہے۔ ان کا قول ایک حد تک جرح وتعدیل میں مسلم ہے، محدثین میں مشہور ہے کہ ابن حزم کو باوجود جلیل القدر، حافظ حدیث ہونے کے جامع ترمذی ان تک نہیں پہنچی بلکہ وہ اس کے مصنف امام ترمذی کے مرتبہ اور حالت سے بھی ناواقف تھے اور اسی لئے انہوں نے ابوعیسیٰ ترمذی کو مجہول کہا ہے (دیکھئے تہذیب التہذیب ج ۹: ص: ۲۸۸) اس سے اتنا تو بالکل صاف ہو گیا کہ امام ترمذی کی تصحیح اور ان کی خاص روایت کا تو ان کو علم نہیں ہوا، ورنہ شاید اتنی صفائی کے ساتھ ”لا يصح من جهة الاسناد“ نہ فرماتے، پھر ابن حزم نے کوئی تصریح نہیں فرمائی کہ وہ کس اسناد کے پیش نظر یہ فرماتے ہیں اور کس راوی کی وجہ سے ایسا فرماتے ہیں۔ اس میں شک نہیں کہ اس حدیث کے بعض طرق میں عبدالرحمن بن زیاد افریقی ہے اور بعض میں کثیر بن عبداللہ نخعی ہے اور بعض میں عباد بن یوسف یا رشدین سعد ہے اور کسی میں ولید بن مسلم ہے اور ان سب میں ان کے علاوہ بھی کوئی مجہول یا مجروح ضرور ہے، بہت ممکن ہے کہ ابن ماجہ اور بیہقی و بزار کی یہ روایتیں ان کے پیش نظر ہوں اور ان اسانید کے اعتبار سے حکم عدم صحت کا لگایا ہو۔

کچھ بھی ہو اس قسم کے مواقع پر مثبت کے قول کو ترجیح دی جائے گی نہ کہ منکر کے قول کو، یا نافی کے قول کو۔ رہا یہ فرمانا کہ ”جرح تعدیل پر مقدم ہے“ پہلے تو یہ کہ علی الاطلاق نہیں، ورنہ دنیا میں کوئی محدث کوئی حافظ حدیث اور کوئی امام ثقہ نہیں ہو سکے گا اور امام احمد، مالک، شافعی، بخاری، مسلم، داود ظاہری اور خود ابن حزم سب ختم ہو جائیں گے، بلکہ محدثین نے تصریح فرمادی ہے کہ جس کی شخصیت مشتبہ ہو اور اس کی قدر و منزلت مشہور نہ ہو اس وقت جرح تعدیل پر مقدم ہوگی۔

دوسرے یہ کہ یہ اصول اس وقت مسلم ہوگا کہ کسی شخص کے متعلق اس قسم کے متعارض اقوال ملیں تو یہ ہرگز مراد نہیں کہ کسی حدیث کے اسناد کو اجمالاً کسی نے مجروح کر دیا اور دوسرے نے تصحیح کی تو جرح مقدم سمجھی جائے گی۔

بہر حال ابن حزم نے ”ملل ونحل“ کی کتاب الایمان میں اس حدیث کی صحت سے انکار فرمایا۔

لیکن حیرت ہے کہ اپنی کتاب ”محلی“ کی پہلی جلد اور ”کتاب الاحکام“ کی آخری جلد میں عوف بن مالک کی حدیث:

قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: ”تفترق امتي على بضع وسبعين فرقة اعظمها فتنة على امتي قوم يقيسون الامور برأيهم“

کی روایت لا کر اس کی تصحیح کی کوشش کی ہے اور اپنے خیال میں ابطال قیاس کی لئے دلیل پیش فرمائی ہے، حالانکہ ابن حزم سے پہلے اور ابن حزم کے بعد اندلس سے لے کر خراسان تک کے محدثین اس حدیث کی تضعیف میں ہم زبان ہیں۔ گو یا علامہ ابن حزم احادیث افتراق امت میں ابو ہریرہؓ کی صحیح حدیث کی تو تضعیف فرماتے ہیں اور عوف بن مالک کی ضعیف حدیث کی یہاں توثیق فرماتے ہیں، خیر یہ توثیق صحیح ہو یا غلط لیکن بہر حال ابن حزم کے قلم سے بھی حدیث افتراق امت کی توثیق کا ایک طریق ظہور میں آ گیا۔ اگر ابن حزم ہی کے قول پر مدار ہے تو لیجئے یہ بھی حاضر ہے اور سنیے! ابن حزم کی کتاب ''الفصل'' جس کے حوالے سے حدیث کی تضعیف نقل ہوئی ہے وہ ''کتاب الاحکام'' سے پہلے کی تالیف ہے اور ''کتاب الاحکام'' اس کے بعد کی لکھی ہوئی ہے، چنانچہ ''کتاب الاحکام'' کی پہلی جلد میں خود ابن حزم اس کی تصریح فرماتے ہیں، اب ابن حزم کے اگر دو متعارض قولوں میں کسی ایک کو ترجیح دے سکتے ہیں تو وہ ان کا آخری قول ہوگا۔ خلاصہ یہ ہوا کہ حدیث کی صحت سے انکار اب ابن حزم بھی نہیں کر سکتے۔ نہ ابن حزم کی سابق تضعیف وانکار قابل قبول ہوسکتا ہے جب کہ ان کے آخری قول خود اس کے خلاف موجود ہے۔ فرحم الله من انصف واذعن للحق۔

مجد الدین فیروز آبادیؒ اور حدیث افتراق امت

اب لے دے کے صرف مجد الدین فیروز آبادی رہ جاتے ہیں، پہلے تو یہ عرض ہے کہ فیروز آبادی کا شمار نہ تو حفاظت میں ہے نہ کبار محدثین میں، جرح وتعدیل اور نقد حدیث کے باب میں ان کے قول کا کیا مرتبہ ہوسکتا ہے، بالخصوص جبکہ جہابذہ امت کے اقوال ان کے مخالف موجود ہوں؟۔

رفع یدین کے بارے میں ان کا یہ قول:

"ففقد صح فی هذا الباب اربعمائة خبر و اثر، و رواه العشرة المبشرة ولم يزل على هذه الكيفية حتى رحل من هذا العالم ولم يثبت شيء غيرها."

ان کی مبالغہ آمیزی اور معرفت حدیث میں ان کا کیا مرتبہ ہے اس کی قلعی کھول دیتا ہے اور محدثین کے نزدیک اس بات میں ہر ہر جز وخبر غلط ہے اور تحقیق و واقعیت سے کہیں بعید ہے جس کی تفصیل کا یہ موقع نہیں۔ ان کی ''سفر السعادة'' میں اس قسم کے جتنے دعوے ہیں تحقیق کے بعد بہت کم صحیح ثابت ہو سکے۔ اس لئے شارحین ''سفر السعادة'' وغیرہ محققین نے تصریح فرمادی ہے کہ اس قسم کے مبالغہ آمیز دعاوی تحقیق کے خلاف ہیں۔ اگر مضمون کی طوالت کا خطرہ نہ ہوتا تو یہاں اس کے چند نمونے بھی پیش کرتا، فیروز آبادی کی تفسیر ''تنویر المقیاس من تفسیر ابن عباس'' ان کی حدیث دانی کی تردید کے لئے کافی ہے جس کو علماء نے ''اکذب التفاسیر'' کا لقب دیا ہے، اس لئے فیروز آبادی ایک طرف تصحیح میں انتہائی متساہل اور دوسری طرف تضعیف میں انتہائی متشدد واقع ہوئے ہیں، اس لئے

نہ ان کی تصحیح قابل اعتماد ہے نہ تضعیف قابل وثوق ہے۔ امہات حدیث ہمارے سامنے ہیں، محدثین کے اقوال کا ذخیرہ سامنے موجود ہے، رجال واسانید کی تحقیق کا دروازہ کھلا ہوا ہے ان حقائق ثابتہ کے سامنے فیروزآبادی کے محض ایک دعوے کی کیا وقعت رہ جاتی ہے:

فی طلعة الشمس ما یغنیك عن زحل

ابن جوزی جیسے جلیل القدر محدث جنہوں نے سب سے پہلی تنقید حدیث کے لئے اصول درایت بھی مفصل مرتب فرمائے ہیں انہوں نے اس حدیث پر کوئی عقلی جرح نہیں فرمائی اور نہ اپنی کتاب ''موضوعات'' میں اسے ذکر فرمایا ہے۔ حدیث کی اسنادی صحت کے بعد اس کے مقصد کی تعیین میں گو علماء امت کا کچھ معمولی سا اختلاف ہے کہ آیا یہ عدد بہتر وتہتر تحدید کے لئے ہے یا محض تکثیر کے لئے اور اس اختلاف وتفرق سے مراد اصولی تفرق واختلاف ہے یا فروعی اور امت سے مراد امت اجابت ہے یا امت دعوت وغیرہ وغیرہ۔ اگر اتنا کہہ دیا جائے کہ مراد تعداد سے محض تکثیر ہے اور جس طرح قرآن کریم میں ''سبعون ذراعا'' اور ''سبعین مرة'' وغیرہ کے عدد تکثیر ہی کے لئے مستعمل ہیں اسی طرح یہاں بھی ہے، افتراق واختلاف سے مراد عام اختلاف ہے، فروعی ہو یا اصولی اور مقصد اھل اھواء اور اھل بدع کا افتراق ہے، اہل سنت محدثین وفقہاء، ظاہر یہ وغیرہ سب فرقہ ناجیہ میں شمار ہیں اور حدیث کا خلاصہ صرف اتنا ہوا کہ یہود ونصاریٰ میں بہت سے فرقے پیدا ہوئے ہیں اور میری امت میں ان سے زیادہ فرقے پیدا ہوں گے نجات کا انحصار صرف میری اتباع اور میرے اصحاب کے اتباع میں ہے، تو بتلایئے کہ اس حدیث میں عقلی کیا اشکال رہ جاتا ہے۔ کیا تاریخی شہادت اس کے اثبات میں ہے یا نفی میں، بہر حال یہ چیز تو بطور نمونہ ومثال کے عرض کر دی ہے ورنہ بہت کچھ تفصیل وتحقیق کی گنجائش ہے۔ معنوی حیثیت سے اس حدیث کی تحقیق وتشریح مطالب میں بہت کچھ لکھا گیا ہے۔ ابو اسحاق شاطبی نے ''کتاب الاعتصام'' میں کافی وشافی بحث فرمائی ہے جو ایک منصف کے لئے باعث طمانینت ہو سکتی ہے۔ مضمون باوجود بہت اختصار کچھ طویل سا ہو گیا لیکن توقع ہے کہ نفع سے خالی نہ ہوگا۔

[محرم ۸۳ ۱۳ھ]

حدیث اختلاف امت

حدیث ''اختلاف امتی رحمة'' کے بارے میں عرصہ سے بحث کا میدان گرم ہے، کسی کو مضمون سے اختلاف ہے اور کسی کو اس کے لفظ حدیث ہونے میں اشتباہ وتردد ہے اور ایک حد تک اتنی بات تو معقول ہے کہ تشتت وافتراق کو عذاب بتلایا گیا ہے۔ اس سے نجات وپناہ مانگی گئی ہے۔ نصوص کتاب وسنت میں افتراق واختلاف کی مذمت بیان ہوئی ہے، قرآن وحدیث کی نصوص کے پیش نظر یہ شبہ درست ہے کہ جو چیز سراسر عذاب

وزحمت ہے وہ رحمت کیوں کر بنی؟ الغرض اکثر ارباب فکر ونظر کے لئے یہ موضوع مرکز توجہ بنا ہوا ہے اس لئے خیال آیا کہ اس کے اسنادی پہلو کو بھی روشن کیا جائے اور اس کی معنوی حیثیت سے بھی پردہ اٹھایا جائے اور جس طرح کہ حدیث افتراق امت پر ایک خلاصہ پیش کیا گیا ہے اور ایک طویل مضمون کا نچوڑ نکالا گیا ہے۔ اسی انداز سے اس پر بھی چند سطریں لکھ کر ناظرین ''بینات'' کی خدمت میں تحفہ پیش کیا جائے۔ نیز دور حاضر کے بعض ارباب فکر پر حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے فروعی اختلاف کی بنا پر ان کی دینی منزلت وشرعی منصب مشتبہ ہوگیا ہے اور وہ ان کی حیثیت کو قابل تنقید سمجھ کر ایک بڑی غلط فہمی میں مبتلا ہو گئے ہیں۔ ایک حد تک ان کے شبہات کا بھی ازالہ ہو جائے، گو اصل مسئلہ مستقل توجہ و بحث کا محتاج ہے اور اس کے سب پہلوؤں پر سیر حاصل بحث اور نتیجہ خیز تنقیح کی ضرورت ہے اور انشاء اللہ اس سلسلہ میں جو افراط وتفریط ہو رہی ہے اس کے سد باب کے لئے دوبارہ کچھ لکھا جائے گا لیکن اس وقت تو اس مضمون سے ضمناً موضوع کے ایک رخ سے نقاب کشائی ہو جائے گی۔ واللہ سبحانہ ہو الموفق۔

حدیث اختلاف امت کے رواۃ اور اس کے الفاظ

حدیث ''اختلاف امت'' کا یہ مضمون مجموعی طور پر مندرجہ ذیل صحابہؓ سے مرفوعاً وموقوفاً روایت کیا گیا ہے:

① حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ

② حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ

③ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما۔

نیز حسب ذیل تابعین سے بھی مروی ہے:

① قاسم بن محمد بن ابی بکر، جن کا شمار مدینہ کے فقہاء سبعہ میں ہے۔

② عمر بن عبدالعزیز، خلیفہ راشد۔

③ یحییٰ بن سعید الانصاری۔

اور مندرجہ ذیل کتب حدیث وغیرہ میں مختلف الفاظ سے مذکورۃ الصدر حدیث کسی صحابی یا تابعی سے روایت کی گئی ہے:

مسند عبد بن حمید ، مسند دارمی ، سنن ابن ماجه ، الجمع بين الصحاح للعبدری ، مستدرك حاكم ، تاريخ ابن عساكر ، فضائل الصحابه للدارقطنی ، المدخل للبيهقی ، طبقات ابن سعد ، معجم طبرانی ، مسند الفردوس للديلمی ، كتاب الحجة فی اثبات المحجة لنصر بن ابراهيم المقدسی ، كتاب العلم والحلم لآدم بن ابی اياس ، الرسالة الاشعريه للبيهقی ، المختصر فی اصول الفقه لابن حاجب المالكی ، غريب

الحديث للامام الخطابی ، مشكوة المصابيح للخطيب ، جمع الفوائد لمحمد بن سليمان المغربی وغيره.(۱)

جن کبار محدثین اور محققین نے اپنی اپنی تصانیف میں اس کا ذکر کیا ہے ان میں سے چند کے اسماء گرامی حسب ذیل ہیں:

امام خطابی، ابوعبداللہ الحسین بن الحسن الحلیمی الشافعی، قاضی حسین الشافعی، امام الحرمین ابن الاسعد الشافعی، ابوالعباس القرطبی المالکی، حافظ حدیث برہان الدین زرکشی، حافظ ولی الدین العراقی، علامہ عبدالرؤف مناوی کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ امام مالکؒ نے اس کو صراحت کے ساتھ حدیث ہی کہا ہے۔ (دیکھو فیض القدیر ج:۱ص:۲۱)

اب نہایت اختصار کے ساتھ چند منتخب روایات پیش کی جاتی ہیں:

۱-عن عمر بن الخطاب قال قال رسول الله ﷺ سالت ربی عن اختلاف اصحابی. قال الله يا محمد ، ان اصحابك عندی كالنجوم بعضها اقوى من بعض وفی رواية بعضها اضوء من بعض ولكل نور فمن اخذ بشیء مما هم عليه من اختلافهم فهو عندی على هدى.

حضرت فاروق اعظمؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے صحابہ کے اختلافات کے بارے میں حق تعالیٰ سے عرض کیا تو اللہ تعالیٰ نے بذریعہ وحی فرمایا کہ آپ کے صحابہ کی مثال آسمان کے تاروں جیسی ہے، بعض زیادہ روشن ہیں بعض سے اور ہر ایک کے لئے نور ہے ان میں سے کسی کے قول کا بھی اتباع کیا گیا تو وہ ہدایت پر ہے۔

یہ روایت مسند عبد بن حمید و مسند دارمی و ابن ماجہ، رزین عبدری، حاکم وغیرہ کی ہے (بحوالہ تفسیر مظہری ج:۲ص:۱۱۶ مطبوعہ دہلی)

۲-یہی حدیث امام حدیث دارقطنی نے اپنی کتاب ''فضائل الصحابہ'' میں اور حافظ ابن عبدالبر نے حضرت جابرؓ کی روایت سے نقل کی ہے۔ (بحوالہ مذکورہ)

۳-یہی حدیث امام بیہقی نے ''کتاب المدخل'' میں بروایت ابن عباسؓ نقل کی ہے (بحوالہ مذکورہ)

محدثین کی اصطلاح میں یہ تین حدیثیں ہوئیں۔

(۱) ملاحظہ ہو: تفسیر مظہری ج:۲ص:۱۱۶ مطبوعہ دهلی جید برقی پریس ، المقاصد الحسنه للسخاوی ص:۲۶،۲۷ طبع مصر، فیض القدیر للمناوی ج:۱ص:۲۰۹ تا ۲۱۱ طبع مصر، کتاب الموضوعات الکبیر للقاری ص:۲۰ ، مطبع محمدی لاهور، طبقات ابن سعد ج:۵ص:۱۸۹ مطبوعه قاهره.

٤- عن ابن عباس قال قال رسول الله ﷺ مهما اوتيتم من كتاب الله فالعمل به ولا عذر لاحد فی ترکه ، فان لم یکن فی کتاب الله فسنة ماضیة ، فان لم یکن فی سنة نبی فما قال اصحابی.ان اصحابی بمنز لة النجوم فی السماء فایهااخذ تم به اهتد یتم واختلاف اصحابی لکم رحمة.

حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جو کتاب اللہ میں ہے اس پر عمل ضروری ہے اور کسی کا بھی ترک کرنے میں عذر قبول نہیں اور کتاب اللہ میں نہیں تو پھر سنت میں ہوگا اور اگر میری سنت میں نہیں تو پھر جو میرے صحابہ کہیں اور میرا صحابہ کی مثال آسمان کے تاروں جیسی ہے کسی کے قول پر بھی عمل کروگے تو ہدایت پر چلوگے اور میرے اصحاب کا اختلاف تمہارے لئے رحمت ہے۔

یہ حدیث بیہقی نے ''المدخل'' میں روایت کی ہے اور طبرانی نے ''معجم'' میں اور دیلمی نے ''مسند الفردوس'' میں اور بدرالدین زرکشی نے بحوالہ ''کتاب الحجۃ للنصر المقدسی'' ذکر کی ہے۔لیکن اس کی سند ضعیف ہے، اس کی سند میں جو جویبر بن معبد ضعیف ہے اور انقطاع بھی ہے لیکن واضح رہے کہ یہ ابن ماجہ کا راوی ہے اور حماد بن زید وابن المبارک و یزید بن ہارون جیسے اکابر محدثین نے اس سے روایت کی ہے (دیکھو ''میزان الاعتدال للذہبی'' ج:۱ص:۱۹۸) اور انقطاع امام مالک اور امام ابوحنیفہ کے یہاں علت قادحہ نہیں منقطع روایت ان ائمہ کے نزدیک احکام میں بھی قابل عمل ہے۔

٥- اختلاف اصحابی رحمة لامتی

- میرے صحابہ (ساتھیوں) کا اختلاف میری امت کے لئے رحمت ہے۔

امام بیہقی نے اس کو ''رسالہ اشعریہ'' میں بغیر سند نقل کیا ہے، یہی روایت حافظ عراقی نے بحوالہ آدم بن ابی ایاس نقل کی ہے سند کا ذکر نہیں کیا جس کی تفصیل حافظ سخاوی نے ''المقاصد الحسنہ'' میں کی ہے۔

٦- عن القاسم بن محمد قال اختلاف اصحاب محمد رحمة لعباد الله

حضرت قاسم بن محمد فرماتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کا اختلاف اللہ کے بندوں کے لئے رحمت ہے۔

یہ روایت تفسیر مظہری میں بحوالہ ''کتاب المدخل للبیہقی'' وطبقات ابن سعد مذکور ہے۔طبقات ابن سعد (ج:۵ص:۱۸۹مطبوعہ قاہرہ) کے الفاظ سند کے ساتھ یہ ہیں:

اخبر نا قبیصة بن عقبة حد ثنا افلح بن حمید عن القاسم بن محمد قال کان اختلاف اصحاب رسول الله صلی الله علیه وسلم رحمة للناس.

قبیصہ بن عقبہ فرماتے ہیں کہ افلح بن حمید، قاسم بن محمد سے روایت فرماتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کا اختلاف لوگوں کے لئے باعث رحمت ہے۔

۷- عن عمر بن عبد العزیز قال ما سرنی لو ان اصحاب محمد صلی اللہ علیہ وسلم لم یختلفوا لانهم لو لم یختلفوا لم یکن رخصة .

حضرت عمر بن عبدالعزیز فرماتے ہیں مجھے اس کی خوشی نہ ہوتی اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب میں اختلاف نہ ہوتا اگر اختلاف نہ ہوتا تو رخصت کہاں سے نکلتی۔

یہ روایت بیہقی نے کتاب المدخل میں نقل کی ہے۔ (بحوالہ سخاوی ومظہری)

الغرض ان مختلف روایات اور مختلف الفاظ اور متعدد طرق ومخارج سے قدر مشترک یہی نکلی کہ حدیث کا مضمون محدثانہ نقطہ نگاہ سے قابل اعتبار ہے اور ایک حدیث کا صحیح ہونا بقیہ روایات کی تصحیح کی دلیل ہے۔ نیز ان مختلف الفاظ سے مقصود بھی واضح ہوگیا کہ اصلی مقصد یہ ہے کہ اختلاف کی وجہ سے حکم کا وزن ہلکا ہوجاتا ہے اور گنجائش نکل آتی ہے۔ چنانچہ حافظ شمس الدین سخاوی نے المقاصد الحسنہ میں یحییٰ بن سعید انصاری سے نقل کیا ہے "اهل العلم اهل تو سعة" یعنی علماء توسع کیا کرتے ہیں، پھر خود سخاوی فرماتے ہیں کہ مفتیان کرام میں ہمیشہ اختلاف رہا ایک جائز کہتا ہے ایک ناجائز لیکن ایک دوسرے کی عیب جوئی نہیں کرتے۔ ظاہر ہے کہ منصوص حکم کے خلاف کرنا یا قطعی حکم کی نافرمانی کرنا یا اجماعی فیصلہ کی خلاف ورزی کرنا جتنا بڑا جرم ہوگا کسی اختلافی مسئلہ کی مخالفت کرنا اتنا بڑا جرم ہرگز نہ ہوگا۔ بہرحال گذشتہ روایات والفاظ سے جو نتائج نکلے ہیں وہ حسب ذیل ہیں:

① نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے صحابہ کے آئندہ اختلاف سے اندیشہ ہوا کہ غیر منصوص مسائل میں ضرور اختلاف ہوگا ایسا نہ ہو کہ یہ اختلاف قلوب میں اختلاف وتفرق وتحزب وتشیع کا ذریعہ بنے۔

② اللہ تعالیٰ نے اطمینان دلا دیا کہ صحابہ حق پر ہیں، ان کے مراتب علم وفقہ میں ضرور تفاوت ہوگا لیکن کوئی مضائقہ نہیں ان میں ہر ایک کا اتباع رہنمائی کے لئے کافی ہوگا۔

③ صحابہ کی متابعت کا موقع اس وقت آئے گا جب کتاب وسنت میں صاف وصریح حکم نہ ہو تو پھر صحابہ کے اتباع میں دین ہوگا اس سے خروج دین سے خروج سمجھا جائے گا۔

④ جس طرح عام انسانوں کے مزاجوں میں تفاوت ہوتا ہے، کوئی عزیمت کو پسند کرتا ہے کوئی رخصت وآسانی کا متلاشی رہتا ہے، کوئی احتیاط وورع کے پہلو کو ترجیح دیتا ہے، کوئی عام نظام کے پیش نظر تیسیر وسہولت کو پسند کرتا ہے، ٹھیک اسی طرح سے صحابہ کے مزاجوں میں بھی تفاوت ہوگا اور تابعین کی آئندہ نسلیں اپنے اپنے مزاج کے مطابق اپنے لئے ہیرو منتخب کرلیں گی۔

⑤ دین اسلام کے فطری نظام کا بھی فطری تقاضا تھا کہ مسائل اجتہادیہ میں اتنی لچک رہے کہ ہر شخص اپنے ماحول اور طبعی افتاد کے مطابق انتخاب کا فیصلہ کرسکے۔

⑥ قلوب میں اتنی وسعت ہونی چاہیے کہ اجتہادی امور میں تنگ نظری وتعصب سے کام نہ لیا جائے اور اس اختلاف کو اللہ تعالیٰ کی رحمت سمجھے۔ دیکھئے اس مضمون کو کتنی صراحت کے ساتھ حضرت خلیفہ راشد امیر المومنین عمر ثانیؒ نے بیان فرمایا جس کا ذکر پہلے آچکا ہے اور مدینہ طیبہ کے فقہاء سبعہ میں ممتاز ترین شخص حضرت قاسم بن محمد بن ابی بکر نے کس صراحت کے ساتھ اس کو اللہ تعالیٰ کی رحمت بتلایا۔ چنانچہ الشیخ عبد الرؤف المناوی نے فیض القدیر میں بڑے شرح وبسط کے ساتھ فرمایا کہ حدیث مذکورہ کا مصداق فروعی احکام اجتہادیہ ہیں اور مذاہب امت کا فروعی اختلاف اللہ تعالیٰ کی بڑی نعمت اور بڑا فضل وکرم ہے، ہاں اصول وعقائد میں اختلاف کرنا یہ گمراہی وضلالت ہے۔ حافظ ابوعمرو بن الصلاح سے بھی یہی مضمون موصوف نے نقل کیا ہے، اس لئے امام الخطابی نے بڑے زور وشور سے فرمایا ہے کہ اس حدیث پر صرف دو شخصوں نے اعتراض کیا ہے کہ اگر اختلاف رحمت ہے تو اتفاق عذاب ہوگا۔ فرماتے ہیں کہ یہ کہنے والا ایک اسحاق موصلی ہے جو بے دین ہے اور دوسرا جاحظ ہے جو ملحد ہے، موصوف کے الفاظ ہیں:

اعترض على هذا الحديث رجلان، احد هما ماجن والآخر ملحد، وهما اسحاق الموصلى وعمرو بن بحر الجاحظ (ملاحظه هو "المقاصد الحسنه للسخاوى" ص:۲۷)

بہر حال امام خطابی اور بہت سے محققین نے یہی سمجھا ہے کہ حدیث کا تعلق اور اس اختلاف کا محل فروعی اجتہادی مظنون مسائل شرعیہ ہیں، دین اسلام کے منصوص مسائل وآیات بینات جو قرآن وسنت میں فیصلہ شدہ ہیں وہ نہیں ہیں اور ظاہر ہے کہ ان میں اختلاف کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا، البتہ ان نصوص کی دلالت اگر قطعی نہیں یا تعارض ہے اور اجماع وغیرہ اس بات میں نہ ہو تو نصوص شریعہ اور احادیث نبویہ کے محامل ومعانی ومقاصد میں اختلاف کا درجہ یہی ہوگا جو فروعی مسائل اجتہادیہ کا ہے۔

حضرت قاضی ثناء اللہ پانی پتی محدث وقت اپنی بے نظیر تفسیر "المظہری" (ج:۲ ص:۱۱۵) میں آیت کریمہ ذیل کی تفسیر میں رقمطراز ہیں:

"ولا تكونوا كالذين تفرقوا" يعنى اليهود، تفرقوا على ثنتين وسبعين فرقة "واختلفوا من بعد ما جاءهم البينات" الدلائل الواضحة القاطعة من الآيات المحكمة والاخبار المتواترة المحكمة من الانبياء ونحو ذلك كاجماع هذه الامة سواء كان ذلك الاختلاف فى اصول الدين كاختلاف اهل الاهواء مع اهل السنة وفى الفروع المجمع عليها كمسالة غسل الرجلين ومسح الخفين فى الوضوء وخلافة الخلفاء الاربعة، واحترز بهذا

القید عن اختلاف بالاجتهاد فی ماثبت بالادلة الظنية فان الاختلاف فيها ضروری ضرورة خطا بعض المجتهدين ، فذلك الاختلاف بعد بذل الجهد بلا مكابرة وتعصب معفو بل هو رحمة وسعة للناس .

اس کا خلاصہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے کہ یہ یہود کا کام ہے بینات آنے کے بعد تفرق واختلاف کرتے ہیں بینات سے مراد قرآن کریم کی آیات محکمہ یا احادیث متواترہ قطعیہ اور اجماع امت ہے، الغرض مضر اختلاف وہ ہے جو اصول دین میں ہو یا ان فروع دین میں ہو جو اجماع امت سے ثابت ہیں جیسے وضو میں پاؤں کا دھونا یا موزوں پر مسح کرنا یا خلفاء راشدین کی خلافت کا ثبوت۔ رہا مجتہدین امت کا وہ اختلاف جو سعی وکوشش کے باوجود ادلہ ظنیہ کی وجہ سے باقی رہا تو یہ معاف ہے اور اللہ تعالیٰ کی رحمت ہے۔ پھر قاضی صاحب نے اس کی تائید میں گذشتہ روایات ذکر فرمائی ہیں، تابعین کے ان آثار سے بھی ایسا ہی معلوم ہوتا ہے کہ حدیث "اختلاف امتی رحمة" سے مراد یہی فروعی اختلاف ہے۔ دین کے مسائل شرعیہ میں ائمہ کا اجتہادی اختلاف ایک مسلمہ حقیقت ہے، نقل کے علاوہ عقل سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے اور ائمہ دین کے اجتہادی دور کی پوری تاریخ اس کی شہادت دیتی ہے۔ ان حقائق کے پیش نظر کسی کو مجال انکار باقی نہیں رہ سکتا اور حدیث کا مقصد بالکل واضح ہو جاتا ہے۔ مزید غور کرنے سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ ان روایات میں وہی حقیقت جلوہ گر ہے جو فضائل صحابہ اور مناقب امت محمدیہ میں آئی ہے کہ یہ امت کبھی گمراہی پر متفق نہ ہوگی اور حق ان کے اندر دائر سائر رہے گا اور میں نے اللہ تعالیٰ سے درخواست کی کہ میری امت گمراہی پر متفق نہ ہو۔ اللہ تعالیٰ نے میری درخواست قبول فرمائی۔ وغیرہ وغیرہ مختلف روایات جو متعدد صحابہ کرام سے کتب حدیث میں موجود ہیں۔

دراصل اختلاف امت کا سب سے پہلے ظہور عہد صحابہ میں ہوا ہے، صحابہ کرام کے دور میں جتنا بھی مسائل دین اور فروعی اجتہادی احکام شرعیہ میں اختلاف ہوا ہے وہ سب دین کے دائرے کے اندر ہوا ہے، یہ ممکن نہیں کہ صحابہ میں سنت نبویہ کے خلاف کوئی جدید بدعت راستہ نکالے، اگر کوئی اختلاف بھی پیش آئے گا تو غور کرنے کے بعد ہر ہر بات کی سند یا کسی حدیث قولی یا فعلی سے مل جائے گی یا قرآن کریم سے صاف وصریح استنباط ہوگا، اس کا کوئی امکان نہیں کہ بلا سند وحجت اپنی خواہش پر کوئی بات کہے یا اس پر اصرار کرے، یہی وجہ ہے کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کا دینی منصب بیان فرما دیا ہے۔ چنانچہ سب سے پہلے حضرات شیخین یعنی سیدنا ابی بکرؓ اور سیدنا عمرؓ کا دینی منصب متعین فرمایا ارشاد ہے:

"اقتدوا بالذين بعدی ابی بكر وعمر"(۱)

میرے بعد ابو بکرؓ وعمرؓ کی اقتدا کرو۔

---

(۱) سنن الترمذی، ابواب المناقب، مناقب ابی بکر الصدیق ج:۲ ص:۲۰۶، ط: فاروقی کتب خانہ ملتان

"ان الله جعل الحق علی لسان عمر"(۱)

اللہ نے عمرؓ کی بات میں حق رکھا ہے۔

پھر خلفاء راشدین کے مرتبہ کا تعین فرمایا:

"علیکم بسنتی و سنة الخلفاء الراشدین المهدیین عضوا علیها بالنواجذ ، و ایاکم و محدثات الامور".(۲)

تم پر لازم ہے کہ میری سنت اور خلفاء راشدین کی سنت کو اختیار کرو۔ اس کو دانتوں سے پکڑ لو اور نئی نئی باتوں سے بچتے رہو۔ (احمد والسنن من حدیث العرباض بن ساریۃ)

پھر عام صحابہ کے بارے میں ارشاد ہے:

"واصحابی أمنة لامتی فاذا ذهب اصحابی اتی امتی ما یوعدون"(۳)

میرے صحابہ میری امت کے امین ہیں جب میرے صحابی چلے جائیں گے تو میری امت پر پھر وہ حالات آئیں گے جن سے ان کو ڈرایا جارہا ہے۔

بلکہ حدیث "خیر القرون قرنی" الخ میں تابعین کے دور کی طرف بھی اشارہ کیا گیا ہے (۴)۔

بہر حال اس قسم کی روایات کا ایک وسیع باب ہے جن سے یہ بات صاف ہوجاتی ہے کہ سنت نبوی کے بعد صحابہ کرام کا درجہ ہے اگر سنت نبوی میں دین کی کوئی بات نہ ملے تو تعلیم صحابہ میں تلاش کرنا چاہیے۔ اگر بلا اختلاف عہد صحابہ میں کوئی بات طے ہوجاتی ہے تو پھر کسی کو اس کی مخالفت کا حق نہیں پہنچتا اور اگر ان میں اختلاف پایا گیا تو ان کے اقوال میں سے کسی ایک کو اختیار کرنا ہوگا، جدید اجتہاد کی نہ ضرورت ہے نہ اس کی اجازت، اس کا کوئی امکان نہیں کہ صحابہ بدعت یا احداث فی الدین اختیار کریں۔ اس لئے کہ ان کے دینی منصب کی ضمانت دی گئی ہے اور ان کی پیروی کی طرف رہنمائی کی گئی ہے۔ اب اگر قرآن وحدیث میں کسی امر کا کوئی فیصلہ نہ ملے تو اسے صحابہ کے اقوال اور ان کی سنت میں تلاش کرنا چاہیے جو شخص ان کی سنت ہوتے ہوئے جدید اجتہاد کرے گا یا اس سے انکار کرے گا وہ مبتدع ہوگا بلکہ ان احادیث کا مخالف ومنکر ہوجائے گا جو آپ نے اپنے صحابہ کرامؓ کے حق

---

(۱) سنن الترمذی، ابواب المناقب، مناقب ابی حفص عمر بن الخطاب ج:۲ ص:۲۰۹، ط: فاروق کتب خانہ ملتان. سنن ابی داؤد، کتاب السنة، باب فی لزوم السنة ج:۲ ص:٦٣٥، ط: قدیمی

(۲) سنن الترمذی ، ابواب العلم ، باب الاخذ بالسنة ج:۲ ص:۹۲، ط: فاروق کتب خانہ ملتان.

سنن ابن ماجه ، باب اتباع السنة الخلفاء الراشدین ص:۵، ط: قدیمی.

مسند احمد بن حنبل، حدیث عرباض بن ساریة ج:٤ ص:١٢٦، ط: عالم الکتب بیروت

(۳) الصحیح لمسلم، کتاب الفضائل، باب بیان ان بقاء النبی امان لاصحابه ج:۲ ص:۳۰۸، ط، قدیمی

(۴) الصحیح لمسلم، کتاب الفضائل، باب فضل الصحابة ثم الذین یلونهم، ج:۲ ص:۳۰۹، ط: قدیمی

میں ارشاد فرمائی ہیں، حضرات صحابہ سے بھی اس سلسلہ میں متعدد تصریحات ملتی ہیں۔

(۱) حضرت حذیفہؓ فرماتے ہیں:

"کل عبادة لم یتعبدها اصحاب رسول الله ﷺ فلا تعبدوها و خذو ابطر یق من کان قبلکم". [الاعتصام للشاطبی ج ۲، ص ۱۳۲]

یعنی جو عبادت صحابہ نے نہیں کی تو تم بھی وہ عبادت مت کرو اور سلف کا طریقہ اختیار کرو۔

(۲) حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں:

"من کان منکم مستنا فلیستن بمن قدمات فان الحی لا یؤمن علیه الفتنة"(۱)

جو کوئی تم میں سے کسی کی اقتدا کرنی چاہے تو اس کی اقتدا کرے جس کا انتقال ہو چکا ہے۔ کیونکہ زندہ آدمی کے فتنہ میں مبتلا ہونے کا اندیشہ ہے۔

(۳) یا فرمایا: اتبعوا آثارنا و لا تبتدعوا (۲)

ہمارے آثار و اقوال کا اتباع کرو اپنی طرف سے نئی باتیں مت نکالو۔ وغیرہ وغیرہ۔

صحابہ و تابعین کے اتنے کثرت سے آثار و اقوال اس سلسلہ میں ملتے ہیں کہ جمع کرنے سے ایک دفتر تیار ہو جائے گا اور جب کہ قرآن کریم میں صحابہ کے فضائل و مناقب اتنی وضاحت کے ساتھ موجود ہیں تو پھر ان کے ہوتے ہوئے ان کے اس دینی منصب کو سمجھنے میں کیا شبہ رہ جاتا ہے۔ غالباً اس وقت یہ چند اشارے کافی ہوں گے۔

بہرحال حدیث "افتراق امت"، جس کے متعلق گذشتہ بینات کے شمارے میں تفصیل آ چکی ہے، اس کا تعلق اس افتراق و شقاق سے ہے جو اصول دین میں ہے اور انتہائی مذموم ہے۔ نصوص قرآن و حدیث میں اس کی مذمت و قباحت بیان کی گئی ہے۔ امت اسلامیہ اور امت اجابت میں جو فرقے اصولی پیدا ہوئے جن کو اہل اہوا، اور اہل بدع کہا جاتا ہے، ان میں خوارج و قدریہ، رافضہ مرجئہ، جہمیہ، کرامیہ، حشویہ وغیرہ شامل ہیں ان سب کا تعلق حدیث افتراق امت سے ہے جس کے لئے معیار اتباع سنت "ما انا علیه و اصحابی" کا جادۂ مستقیمہ بتلایا گیا اور جو اس معیار پر صحیح نہ اترے وہ اس دائرہ سے خارج ہوں گے اور حدیث اختلاف امت کا دائرہ فروعی اجتہادی مسائل تک منحصر ہے۔ کتاب اللہ، سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، خلفاء راشدین ہو قیر صحابہ، اجماع امت و اجتہاد و استنباط کے اصولی طرق میں سب اہل سنت متفق ہیں ان کے جزوی اختلافات کو قابل گرفت نہیں سمجھا گیا اور ہدایت کی گئی کہ اس قسم کے اختلاف کو افتراق کا ذریعہ نہ بنایا جائے بلکہ اس اختلاف کو تکوینی مصالح و اسرار اور فطری اختلاف سمجھ کر اس کو سراسر حکمت و مصلحت سمجھا جائے۔ اس دائرے میں تخرب و تشیع کو برسر کار نہ

(۱) مشکوۃ، کتاب الایمان، باب الاعتصام بالکتاب والسنة، الفصل الثالث ج: ص: ۳۲، ط: قدیمی

(۲) سنن الدارمی، باب فی کراهیة اخذ الرأی ج: ۱ ص: ۸۰، ط: دار الکتاب العربی بیروت

لایا جائے اور قلوب کے نفاق وشقاق کا ذریعہ بننے نہ دیا جائے۔ دونوں حدیثوں کے مضمون جدا جدا ہیں ان کو ایک ہی مصداق پر محمول کرنا یہ سراسر خلط مبحث ہے۔ اگر قرون متاخرہ میں چند افراد نے تصلب مذہبی میں غلو کر کے تعصب وفرقہ بندی کے ذریعہ امت محمدیہ میں شقاق ونفاق کا راستہ کھول دیا تو یہ اتباع مذاہب کی ناعاقبت اندیشی ہے۔ یہ ان کا جرم ہے کہ ایک صحیح ومفید چیز سے ناجائز وغلط فائدہ اٹھایا گیا۔ کچھ ظاہر بین اور عواقب ناشناس حضرات نے غلو کر کے اتباع کے اس غلط طریقۂ عمل سے متاثر ہو کر اصل اختلاف فکری کو غیر اسلامی نظریہ قرار دے دیا اور حنفیہ ومالکیہ، شافعیہ وحنابلہ کی گروہ بندیوں کو بیچ میں لا کر انہیں قدریہ وجہمیہ بلکہ کفار ومشرکین کی صف میں کھڑا کر دیا۔ اناللہ وانا الیہ راجعون۔

حالانکہ صاف بات ہے کہ جن مسائل واحکام میں کوئی قرآنی وحدیثی فیصلہ موجود نہ ہو اور صحابہ کے دور میں ان کا فیصلہ نہ ہو سکا ہو تو چونکہ انسانی دماغ کے مراتب مختلف ہیں اور ہر دماغ کا زاویہ نگاہ فطری طور پر ضروری نہیں ہے کہ دوسرے سے متفق ہو جائے اور ہر صاحب فکر وصاحب اجتہاد اس کا مکلف ہے کہ شارع علیہ الصلوۃ والسلام کے منشا کو سمجھنے کی کوشش کرے اور وحی الٰہی کے اصل سرچشمہ سے سیراب ہو اس لئے اختلاف تو ناگزیر تھا، لہٰذا شریعت نے اس کے دائرے کو وسیع بنا دیا اور پابندی نہیں لگائی اور فطری ضرورتوں کی تکمیل میں توسع سے کام لیا اور اس کو رحمت کہا۔ شرط صرف اتنی ہے کہ اصولی دائرہ سے باہر نہ جائے اور نیت بخیر ہو اور علم وتقوی وبحث وتحقیق کی اہلیت موجود ہو۔ یہ موضوع زیادہ وضاحت وتشریح کا محتاج ہے اس وقت حدیث "اختلاف امتی رحمة" کے مضمون کو سمجھنے کے لئے اتنا کافی ہوگا۔ انشاء اللہ تعالیٰ، حق تعالیٰ سمجھنے کی صحیح توفیق نصیب فرمائے۔ آمین۔

[ربیع الاول ۸۳ ۱۳ھ]

حدیث "بدء الاسلام غریبا" کی تشریح

"بدأ الاسلام غريبا وسيعود كما بدأ فطوبى للغرباء"(١)

"صحیح مسلم شریف" کی ایک صحیح حدیث ہے کہ اسلام کا ابتدائی دور غربت کا تھا اور آخری دور بھی غربت کا ہوگا جو لوگ اسلام کی غربت کے باوجود اسلام پر قائم رہیں گے وہ خوش قسمت ہیں۔

غریب کے معنی

عربی زبان میں "غریب" کے معنی مسافر کے ہیں جس کا کوئی پرسان حال نہ ہو، کوئی اجنبی مسافر جب کسی ملک میں جاتا ہے تو لوگ اس کو تعجب سے دیکھتے ہیں نہ اس کا کوئی ہمدرد ہوتا ہے، نہ غمگسار، نہ کوئی پرسان حال،

(١) الصحيح لمسلم، كتاب الايمان، باب بيان ان الاسلام بدأ غريبا وسيعود ج: ١ ص: ٨٤، ط: قديمي

تاریخ اسلام میں ابتدائی دور کے حالات وواقعات تو پڑھے ہوں گے، حضرت بلال، حضرت عمار بن یاسر، حضرت سمیہ، حضرت ابوفکیہہ، حضرت خباب بن الارت وغیرہ وغیرہ رضی اللہ عنہم کی دردناک داستانیں تو زبان زد خلائق ہیں، آپ نے کبھی سنی یا پڑھی ہوں گی یہ ہے غریب الدیار اسلام کا دور غربت۔ اگر غور فرمائیں تو زیادہ تر عقیدے کا دور تھا تمدن ومعیشت کا نہ تھا، پوشاک وخوراک کا نہ تھا، رنگ وصورت کا نہ تھا، صرف ایک عقیدۂ توحید کا دور تھا اور اسی کی دعوت پر کہا جاتا تھا:

﴿أَجَعَلَ الْاٰلِهَةَ إِلٰـهًا وَّاحِدًا إِنَّ هٰذَا لَشَيْءٌ عُجَابٌ﴾ [ص:٥]

بہت سے خداؤں کو ایک خدا بنادیا؟ یہ تو بڑی عجیب بات ہے۔

مسلمان مملکتوں میں اسلام کی غربت

حق تعالیٰ کی توحید اور ذات وصفات وکمالات میں یکتائی کا عقیدہ مسلمانوں کا خصوصی وصف تھا اسی وجہ سے دین اسلام کو ایک غریب الدیار مسافر کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے۔ لیکن آیئے اور اسلام کی آج کی غربت پر نظر ڈالئے، اس وقت تمام تر اسلام کا مدار صرف زبان پر ہے زبان سے بے شک اسلام اور مسلمان کا نام لیا جاتا ہے لیکن نہ عقیدہ اسلام کا، نہ عمل مسلمانوں کا، نہ صورت مسلمانوں کی، نہ سیرت اسلام کی، نام ''اسلامی مملکت'' اور ''المملکۃ الاسلامیۃ'' اور قانون ہے رومن لاء یا کمیونزم یا سوشلزم، نام ہے اسلام کا عمل ہے نیشنلزم کا، شراب خانے آباد ہیں، جوئے اور قمار کے اڈے عروج پر ہیں، رقص وسرود کی محفلیں گرم ہیں، مرد وزن کے روح فرسا نیم عریاں مناظر قدم قدم پر سامنے ہیں، شراب خانوں کے اشتہارات ہیں، سینما اور تھیٹروں کے اشتہارات ہیں، اخبارات، دیواریں بورڈ ان اشتہارات سے پٹے پڑے ہیں، سگریٹ یا سگار منہ میں ہے، ننگا سر ہے یا سر پر ہیٹ لگا ہے، گردن میں ٹائی بندھی ہے، درحقیقت عیسائیت کا امتیازی نشان اور صلیب کی علامت ہے۔ ہیں کون؟ مسلمان! نت نئی دعوتوں کے نام ہیں، لنچ اور ڈنر ہیں، کھڑے کھڑے اچھلتے کودتے کھا رہے ہیں، عجیب عجیب انداز سے بولیاں بول رہے اور قہقہے لگا رہے ہیں، سر سے پیر تک، صورت سے سیرت تک، صاحب بہادر بنے ہوئے، غرض کیا کیا ادائیں آج کے مسلمانوں کی شمار کی جائیں۔

اور سب سے زیادہ روح فرسا طرز عمل یہ ہے کہ تھیٹروں کے اسٹیج پر فلموں کے دوش بدوش میلاد النبی کے جلسے ہیں اور حج وزیارت کی فلمیں ہیں، غزوۂ بدر کے ڈرامے ہیں، تھوڑی بہت جو کسر باقی تھی وہ ٹیلیویژن نے پوری کردی، انا للہ وانا الیہ راجعون۔

اسلام کے ساتھ شر انگیز اور مضحکہ خیز صورت حال

اور ان سب سے جانکاہ صورت یہ ہے کہ اسلام اور دین اسلام کے ساتھ یہ مضحکہ خیز اور شر انگیز حرکات

عین اسلام اور خدمت اسلام ہیں، عبادت و طاعت سمجھانے کی کوشش کی جارہی ہے، اس پرفریب صورت حال نے ادران شیطانی و طاغوتی کارناموں نے پردہ پوش عورتوں کو، شریف زادیوں کو، پابند شرم وحیا لڑکیوں کو بھی زاویہ عفت وعصمت سے نکال کرفسق و فجور کے ان حیا سوز مرکزوں میں پہنچادیا، "فیاغربة الا سلام" قران وحدیث اور فقہ اسلامی کی دھجیاں اڑائی جاتی ہیں، ہر کافرانہ عقیدے کے اظہار اور اشاعت کی آزادی ہے، جو جس کو چاہے کافر بنا دے، مرتد بنادے، کوئی پرسان حال نہیں، محاسبہ نہیں، کوئی جرم نہیں، سادہ لوح مسلمان اور عیسائی مشنریاں، بھیڑوں میں بھیڑیوں کو کھلا چھوڑ دیا گیا ہے کہ جو چاہے کریں نہ اسلامی حمیت ہے نہ اسلامی غیرت ہے۔

سب سے بڑی صدمے کی بات یہ ہے کہ یہ سب کچھ اسلام کے نام پر ہورہا ہے۔ آہ! دین اسلام سر سے پیر تک غریب ہی غریب ہے، کسمپرسی کی حالت میں کراہ رہا ہے نہ کوئی تیماردار ہے نہ کوئی غم خوار۔

اگر آج کوئی صحابی زندہ ہوجائے اور ہمارے اسلامی ملکوں کا یہ نقشہ دیکھے کیا وہ باور کر سکے گا کہ یہ اسلامی مملکت ہے اور یہ اس کے مسلمان باشندے ہیں؟ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اپنے زمانے میں بڑی حسرت سے فرمایا کرتے تھے:

"والذی لا اله الا هو، ما أذكر ما غبرمن الدنيا الا كالثغب شرب صفوة و بقى كدرة".(۱)

خدا کی قسم! میں کیا کہوں کہ دنیا کیا رہ گئی ہے، اس کی مثال اس حوض کی ہے جس کا نتھرا اور صاف پانی تو پی لیا گیا ہو اور گدلا و گندا پانی باقی رہ گیا ہو۔

یہ خلافت راشدہ کا دور ہے، اس زمانہ کی بات فرمارہے ہیں حضرت ابن مسعود، حضرت عثمان رضی اللہ عنہما کی شہادت سے پہلے وفات پاچکے ہیں اگر آج کے دور کو دیکھیں تو آپ ہی سوچئے کیا کہیں گے؟ حضرت ابن عمرؓ ایک مسجد میں نماز پڑھنے کی غرض سے تشریف لے گئے اذان کے بعد مؤذن نے اتفاق سے دوبارہ نماز کا اعلان کردیا چونکہ حدیث میں اذان کے بعد دوبارہ نماز کا اعلان ثابت نہیں، ناراض ہوکر فوراً مسجد سے نکلے اور اپنے ساتھی مجاہدؒ سے فرمایا:

" اخرج بنا من عند هذاالمبتدع"(۲)

چلو اس بدعتی کے یہاں سے نکلو۔

(۱) صحيح البخارى، كتاب الجهاد، باب عزم الامام على الناس فيمايطيقون ج:۱ ص:٤١٦، ط: قديمى
(۲) سنن الترمذى، ابواب الصلوة، باب ماجاء فى التثويب فى الفجر ج:۱ ص:۲۸، ط: فاروقى كتب خانه ملتان

آج کوئی صحابی ان ممالک اسلامیہ میں آنکلیں وہ اسلام کا نقشہ دیکھ کر کیا فیصلہ فرمائیں گے؟

عملی اسلام کی حفاظت کے لئے خوش نصیب افراد کا وجود

اسی سلسلہ میں حضرت امام حسن بصریؒ کا ایک مقولہ بینات کے کسی شمارے میں گزر چکا ہے، یہ اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ اللہ جل وعلیٰ کا آخری پیغام جس طرح قرآن وحدیث کی صورت میں محفوظ ہے اور اس کے ذریعہ اللہ جل جلالہ کی حجت تمام مخلوقات پر پوری ہورہی ہے اور اسلام کی علمی سرمایہ کی حفاظت کی گئی ہے ٹھیک اسی طرح سے عملی اسلام کے خدوخال بھی آج محفوظ ہیں اور ہر دور میں حق تعالیٰ امت محمدیہ کی ایک جماعت کو حق پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرماتا رہتا ہے تاکہ عملی نقشہ بھی سامنے رہے۔ چنانچہ صحیح بخاری شریف کی ایک حدیث میں بروایت حضرت امیر معاویہؓ صاف اعلان فرمایا گیا ہے:

" لا تزال طائفة من امتي ظاهرين على الحق لا يضرهم من خالفهم ، من خذلهم ، حتى ياتي امر الله وهم على ذلك اوكما قال".(۱)

یعنی قیامت تک ایک جماعت ہمیشہ حق پر عمل کرنے والی موجود رہے گی مخالفین ودشمنان اسلام کی تدبیروں سے ان کو کوئی ضرر نہ پہنچ سکے گا۔

بہرحال یہ جو کچھ بھی ہے صرف شخصی اسلامی زندگی کا نقشہ ہے، افراد امت میں ہمیشہ ایسے ملیں گے، لیکن جہاں تک تعلق پورے معاشرے اور مسلمان حکومتوں کا ہے افسوس! کہ ان میں تمام اسلامی آثار ونشانات مٹتے جارہے ہیں، مراکش والجزائر وتیونس سے لے کر انڈونیشیا تک تمام ممالک اسلامیہ میں اسلام کی حیثیت ایک اجنبی مسافر کی ہے۔ صحیح قانون اسلام ہر حکومت میں تقریباً ختم ہے، دو ملک البتہ ایسے ہیں جہاں کچھ کچھ آثار باقی ہیں۔ مملکت عربیہ سعودیہ اور مملکت افغانستان اور کسی قدر مملکت لیبیا، لیکن معاشرے کا حلیہ ان ممالک میں بھی بگڑتا جارہا ہے، اس مغربی تمدن وتہذیب کا پنجہ اتنا شدید ہے کہ کوئی مملکت بھی اس کی گرفت سے باہر نہیں۔

خیر ہمیں تو اپنے وطن اور اپنی مملکت کی فکر ہونی چاہیے، انتہائی افسوس ہے کہ جو توقعات تھیں وہ سب خاک میں مل گئیں اور دشمنان اسلام کی تدبیریں پورے طور پر کارگر ہوگئیں، صدمہ صرف اس کا ہے کہ یہ تمام تخریب اسلام کے نام پر کی جارہی ہے۔

حکومتوں کی اصلاح کے لئے صحیح راستہ

تجربہ کے بعد یہ محسوس ہوا کہ حکومتوں کی اصلاح کے سیاسی راستے بیکار ہیں، انتخابات میں حصہ، جلسے

(۱) صحيح البخاري، كتاب العلم، باب من يرد الله به خيرا يفقه في الدين ج:۱ ص:۱۶،
ايضا كتاب الجهاد، باب قول الله فان لله خمسه وللرسول ج:۱ ص۴۳۹، ط: قديمى

جلوس، مظاہرے، پروپیگنڈے، اخبارات کے ذریعہ اصلاح کی توقع، یہ حربے بے اثر اور بے نتیجہ ہیں، ان کے اثرات اگر ہوتے بھی ہیں تو دیرپا نہیں ہوتے سطحی اور وقتی ہوتے ہیں، چند افراد اگر اسمبلی میں شدید جدوجہد کے بعد پہنچ بھی گئے تو نقارہ خانے میں طوطی کی آواز سے ان کی حیثیت زیادہ نہیں ہوتی بارہا یہ تجربہ ہو چکا ہے:

من جزب المجرب حلّت به الندامة

یعنی تجربہ کے بعد بھی عبرت حاصل نہ کرنا ندامت کا باعث ہے۔

اب تو تمام تر مرکزِ توجہ عوام کی انفرادی اصلاح ہونی چاہئے، اس کے بعد معاشرے کی اصلاح پر توجہ دینے کی ضرورت ہے، اگر عوام کی اصلاح ہوجاتی ہے تو ظاہر ہے کہ انہی میں سے ارباب اقتدار آئیں گے، انہی میں سے ارکان اسمبلی ہوں گے اور ظاہر ہے کہ اگر جمہور امت کے رجحانات صحیح ہوں گے تو اقتدار کے خواہاں اور کرسی کے خواہش مند مجبور ہوں گے کہ وہ ایسے طریقے اور لائحہ عمل اختیار کریں جس پر عوام سے خراج تحسین مل سکے۔ ضرورت اس کی ہے کہ اسلام کے علمبرداروں کی پوری جدوجہد افراد اور معاشرے کی اصلاح کے رخ پر ہونی چاہیے، بلاشبہ راستہ طویل ہے وقت زیادہ لگے گا لیکن اگر کوئی امید اصلاح کی ہوسکتی ہے تو اسی صورت میں:

مصلحت دید من آنست کہ یاراں ہمہ کار
بگذرانند و خم طرۂ یارے گیرند

اب ضرورت اس کی ہے کہ پرسکون طریقے پر دعوت الی اللہ کا پیغام ملک کے گوشے گوشے میں پہنچا دیا جائے اور بازاروں، دکانوں، دفتروں سے لے کر اسکولوں، کالجوں، اور یونیورسٹیوں تک اس کے دائرے کو وسیع بنا دیا جائے۔ اللہ تعالیٰ توفیق عطا فرمائے۔

[جمادی الاولی ۱۳۸۸ھ]

حدیث "النکاح من سنتی" کی تحقیق

"کراچی کے ایک اہل حدیث عالم کا جنہیں مولانا بنوریؒ سے مخلصانہ تعلق ہے، خیال ہے کہ خطبہ نکاح میں جو حدیث "النكاح من سنتى فمن رغب عن سنتى فليس منى" پڑھی جاتی ہے نہ یہ حدیث صحیح ہے، نہ اس کا پڑھنا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے، اس لئے اس کا پڑھنا بدعت ہے، ان کے استفسار پر مولانا مدظلہ نے جو تحقیق فرمائی ہے وہ اہل علم کی خدمت میں پیش کی جاتی ہے"

بخدمت گرامی حضرت مولانا.......... صاحب، زیدت معالیہم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

دونامے مسلسل پہنچے، میں انتہائی مشغول تھا اور ہوں اس لئے جواب میں تاخیر و تقصیر ہوئی اس کے لئے معذرت خواہ ہوں، اب اختصار کے ساتھ جواب عرض کرتا ہوں:

سوال: "النكاح من سنتي فمن رغب عن سنتي فليس مني" یہ حدیث باسناد صحیح کہاں مروی ہے؟ (خلاصہ)

جواب: یہ ایک حدیث نہیں بلکہ دو حدیثیں ہیں: "النكاح من سنتي" حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی روایت سے سنن ابن ماجہ میں مروی ہے(۱)، اس کی اسناد اگرچہ متکلم فیہ ہے مگر شواہد کثرت سے موجود ہیں(۲)، بنابریں اگرچہ اس کی مخصوص اسناد صحیح نہیں لیکن معنی بالکل صحیح ہیں اور شواہد صحیحہ کی بنا پر یہ حدیث بسند خصوص "صحیح لغیرہ" کے حکم میں ہوگی۔

"فمن رغب عن سنتي فليس مني" یہ حدیث انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی روایت سے مرفوعاً صحیح بخاری شریف میں موجود ہے(۳)، ظاہر ہے کہ اس کی صحت میں کلام نہیں اور نہ ہوسکتا ہے، حافظ ابن حجر نے بھی "التلخيص الحبير" میں اس پر تنبیہ کی ہے اور اسی طرح ذکر کیا ہے۔ نیز کسی حدیث کے حدیث ہونے کے لئے یہ ضروری نہیں کہ صحیح اصطلاحی ہو، حسن بھی حدیث ہے، ضعیف بھی حدیث ہے اور ہر مسئلہ میں صحیح حدیث ہوتی بھی نہیں، نہ کبھی علماء وفقہاء اور محدثین نے اسے شرط قرار دیا ہے بلکہ بسا اوقات حسن وغیرہ سے بھی تمام محدثین امت استدلال کرتے چلے آرہے ہیں(۴)۔

بہرحال جب یہ دو حدیثیں ہوئیں تو پڑھنے کا صحیح طریقہ یہ ہونا چاہئے کہ شروع میں "قال رسول الله

(۱) باب ماجاء في فضل النكاح (ص:۱۳٤) حدثنا احمد بن الازهر ثنا آدم ثنا عيسى بن ميمون عن القاسم عن عائشه رضي الله عنها قالت قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: النكاح من سنتي فمن لم يعمل بسنتي فليس مني. الحديث.

(۲) فمنها: قوله تعالى: ﴿ولقد ارسلنا رسلا من قبلك وجعلنا لهم ازواجا وذرية﴾ [الرعد:۳۸]

ومنها: حديث ثلاثة رهط جاء والى بيوت ازواج النبي صلى الله عليه وسلم يسئلون عن عبادة النبي صلى الله عليه وسلم فلما اخبروا كانهم تقالوها (رواه الشيخان وغيرهما من حديث انس)

ومنها: حديث ابي ايوب: اربع من سنن المرسلين: الحياء والتعطر والسواك والنكاح (رواه الترمذي)

ومنها: حديث عبيد بن سعد يبلغ به النبي صلى الله عليه وسلم قال من احب فطرتي فليستن بسنتي ومن سنتي النكاح. (رواه ابو يعلى ورجاله ثقات ان كان عبيد بن سعد صحابيا والا فهو مرسل قاله الهيثمي (ج:٤ ص:۲۵۲) ومالي ذلك من الاحاديث والآثار.

(۳) باب الترغيب في النكاح (ج:۲ ص:۷۵۷)

(۴) حدیث حسن بالاتفاق حجت ہے اس لئے حسن کو بھی محدثین نے مانا اور جگہ صحیح اصطلاحی کا مقابل ہونا کوئی فرق نہیں ہے، نیز حدیث ضعیف حلال وحرام میں حجت نہیں اور فضائل کے باب میں تسامح اس پر عمل جائز ہے جب کہ تین شرطیں اس میں پائی جائیں: (۱) شدید ضعیف نہ ہو یعنی ... (۲) قواعد شرعیہ سنت ثابتہ اور اجماع امت کے خلاف نہ ہو (۳) اس پر عمل کرتے ہوئے اس کی سنیت کا عقیدہ نہ رکھا جائے۔ واللہ اعلم۔

صلی اللہ علیہ وسلم" کہہ کر حدیث "النکاح من سنتی" پڑھی جائے پھر دوبارہ "وقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم" کہہ کر دوسری حدیث "فمن رغب عن سنتی فلیس منی" کو پڑھا جائے اور میں ہمیشہ اسی طرح ہی پڑھتا ہوں یہ سب کچھ یاد سے لکھ رہا ہوں اس لئے ابن ماجہ، صحیح البخاری اور "التخلیص الحبیر" کا صفحہ نمبر نہیں لکھا اگر ضرورت ہوئی لکھ دیا جائے گا۔

سوال: اس کا ثبوت دیا جائے کہ یہ حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کس خطبہ میں پڑھی تھی؟

جواب: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا پڑھنا ضروری نہیں حدیث ہونا کافی ہے، خطبہ حاجت و خطبہ نکاح جو ترمذی وغیرہ کی احادیث میں آیا ہے اس کا مطلب اتنا ہے کہ حمد و شہادتین سے خطبہ شروع ہونا چاہیئے، آیت تقوی والی حدیث جامع ترمذی کی اسناد محدثین کے اصول پر صحیح نہیں ہے، زیادہ سے زیادہ حسن کا درجہ رکھتی ہے اس لئے کہ وہ روایت "ابو عبیدة عن عبد اللہ بن مسعود" کی سند سے مروی ہے اور ابو عبیدہ کا سماع عبد اللہ سے ثابت نہیں اس لئے محدثین کے نزدیک منقطع ہے اور منقطع حدیث صحیح نہیں ہوتی بلکہ ضعیف ہوتی ہے۔ حاکم نے مستدرک میں ابن مسعود کی جو حدیث روایت کی ہے اس میں آیت تقوی کا ذکر نہیں (۱)، اس لئے بھی محل نظر ہو گیا اگر مثبت کو ترجیح دی جائے تب بھی اتنا ثبوت تو مل گیا ہے کہ خطبہ نکاح میں اگر یہی مضمون ضروری ہوتا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس کا التزام فرماتے حالانکہ ابو درداء کی روایت میں حمد و ثنا شہادتین کے الفاظ بھی اور ہیں، نیز حضرت فاطمہ اور حضرت علی رضی اللہ تعالی عنہما کے عقد نکاح کا خطبہ مرفوعاً ثابت ہے وہ بالکل اور خطبہ ہے (۲)، ان تمام شواہد سے معلوم ہوا کہ خطبہ نکاح میں صرف آیات و احادیث کا ذکر ضروری یا مندوب ہے کوئی خاص قسم کے الفاظ مطلوب نہیں اور تمام امت کے نزدیک حکم ہے کہ نفس خطبہ نکاح بھی مندوب اور مستحب ہے واجب نہیں۔ (۳)

اس لئے ان ماثورہ خطبوں میں سے کوئی بھی ہو اس کا التزام مستحب تو ہے مگر واجب یا سنت مؤکدہ نہیں، پھر جب حمد و ثناء شہادتین اور آیات تقوی پڑھ لی گئیں تو اصل سنت ادا ہوگئی اس کے بعد مزید ترغیب و تذکیر کی نیت سے احادیث ماثورہ کا پڑھنا مجتہدانہ ذوق کے پیش نظر عین منشاء حدیث ہے۔ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مختلف خطبات پڑھنا اور فرمانا اس کی دلیل ہے کہ خطبۂ نکاح میں اصل مقصود حمد و ثنا شہادتین اور نکاح سے متعلقہ آیات و احادیث کا ذکر ہے۔ پھر جب اصلی سنت ادا ہوگئی اور مسنون اور مستحب درجہ پورا ہوگیا تو اس پر آیات

---

(۱) قال الحافظ فی التلخیص الحبیر (ج:۳ص:۱۵۲) وقد رواه الحاکم من طریق آخر عن قتادة عن عبد ربه عن ابی عیاض عن ابن مسعود، ولیس فیه الآیات، وذکره الشوکانی فی "النیل".

(۲) اس خطبہ کا پورا متن علامہ قسطلانی نے "مواہب لدنیہ" میں نقل کیا ہے۔

(۳) اخرج ابوداؤد عن رجل من بنی سلیم قال خطبت الی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم امامة بنت عبد المطلب فانکحنی من غیر ان یتشهد.

واحادیث تذکیر کے اضافہ کو خلاف سنت کہنا بہت بے انصافی ہے یہ سطحی قسم کا غیر مفتیانہ ذوق ہے۔ اور اگر بالفرض خطبہ نکاح میں الفاظ ماثورہ پر اقتصار ہی کو مستحب تسلیم کرلیا جائے تب بھی آیات واحادیث مناسبہ کے اضافہ کو زیادہ سے زیادہ ترک مستحب کا درجہ دیا جاسکے گا اب اگر کوئی مستحب کو کرتا ہے تو ترک مستحب پر اعتراض دے کر کرنا بالخصوص جب کہ وہ فتنہ کا باعث ہو کیونکر صحیح ہوسکتا ہے اور کسی مستحب کے ترک پر اعتراض کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ اعتراض کنندہ اس مستحب کو واجب سمجھتا ہے اور جس مستحب کو واجب سمجھ لیا گیا خود اس کا ترک از روئے حدیث واجب ہے، اللہ تعالیٰ صحیح فہم عطا فرمائے۔

بہر حال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مختلف خطبے قولاً وعملاً ثابت ہیں اور قدر مشترک حمد وثنا، وشہادتین اور متعلقات نکاح کا ذکر کرنا ہے اور بس۔

[جمادی الاولیٰ ۱۳۹۰ھ - جولائی ۱۹۷۰ء]

عدل وانصاف کی اہمیت

صحیح بخاری شریف میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ان سات اشخاص کا ذکر آیا ہے جو قیامت کے دن عرش الٰہی کے سائے میں ہوں گے ان میں سرفہرست امام عادل کا نام آتا ہے:

"عن ابی ھریرة رضی اللہ عنہ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال "سبعة یظلھم اللہ فی ظلہ یوم لا ظل الا ظلہ ، امام عادل وشاب نشاء فی عبادة اللہ و رجل معلق قلبہ فی المساجد و رجلان تحابا فی اللہ اجتمعا علیہ و تفرقا علیہ و رجل دعتہ امرأة ذات منصب وجمال فقال انی اخاف اللہ و رجل تصدق بصدقةٍ فا خفاھا حتی لا تعلم شمالہ ما تنفق یمینہ ورجل ذکر اللہ خالیاً ففاضت عیناہ". (۱)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: سات آدمی ایسے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ان کو اپنے (عرش) کے سائے میں جگہ دے گا جس دن کہ اس کے سائے کے سوا کوئی سایہ نہ ہوگا، عادل بادشاہ، وہ جوان جو اللہ کی عبادت میں پلا بڑھا ہو، وہ آدمی جس کا دل مسجد میں لٹکا ہوا رہتا ہے، ایسے دو آدمی جن کی محبت محض اللہ کی خاطر تھی اسی کے لئے جمع ہوئے اور اسی پر جدا ہوئے، وہ آدمی جس کو کسی صاحب حسب و جمال عورت نے دعوت دی تو اس نے کہا مجھے خدا کا خوف ہے، وہ آدمی جس نے اس قدر چھپا کر صدقہ کیا کہ اس کے

(۱) صحیح البخاری، کتاب الآذان ، باب من جلس فی المسجد ینتظر الصلوة و فضل المساجد ج:۱ ص: ۹۱۔ ایضًا کتاب الزکوة ، باب الصدقة بالیمین ج:۱ ص: ۱۹۱، ط: قدیمی

بائیں ہاتھ کو بھی خبر نہ ہوئی، اور وہ آدمی جس نے تنہائی میں اللہ کو یاد کیا تو آنکھیں ابل پڑیں۔

عدل درحقیقت اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی عظیم الشان صفت ہے، قرآن کریم میں ارشاد ہے:

﴿"شَهِدَ اللهُ اَنَّهٗ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ وَالْمَلٰٓئِكَةُ وَ اُولُوا الْعِلْمِ قَآئِمًا بِالْقِسْطِ لَا اِلٰـهَ اِلَّا هُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ﴾ [آل عمران:۱۸]

اللہ نے گواہی دی کہ کسی کی بندگی نہیں اس کے سوا اور فرشتوں نے اور علم والوں نے بھی، وہی حاکم انصاف کا ہے کسی کی بندگی نہیں سوا اس کے زبردست ہے حکمت والا۔

حق تعالیٰ شانہٗ خود عادل ہے اس کا نازل کردہ قانون (شریعت محمدیہ) سراپا عدل ہے، اس لئے بے شمار آیتوں میں بندوں کو عدل وانصاف کا حکم دیا گیا ہے اور اس میں ایسی باریکیوں کو ملحوظ رکھا گیا ہے کہ عقل حیران ہے۔

قرابت کے موقعہ پر بڑے سے بڑے انصاف پرور کے قدم ڈگمگا جاتے ہیں اور وہ جنبہ داری کی خاطر عدل وانصاف کا دامن چھوڑ دیتا ہے مگر فرزندان اسلام سے ایسی نازک صورت حال میں بھی عدل وانصاف قائم رکھنے کا عہد لیا گیا ہے:

﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِيْنَ بِالْقِسْطِ شُهَدَآءَ لِلّٰهِ وَلَوْ عَلٰٓى اَنْفُسِكُمْ اَوِ الْوَالِدَيْنِ وَالْاَقْرَبِيْنَ اِنْ يَّكُنْ غَنِيًّا اَوْ فَقِيْرًا فَاللّٰهُ اَوْلٰى بِهِمَا فَلَا تَتَّبِعُوا الْهَوٰٓى اَنْ تَعْدِلُوْا﴾ [النساء:۱۳۵]

اے ایمان والو! قائم رہو انصاف پر گواہی دو اللہ کی طرف کی اگرچہ نقصان ہو تمہارا، یا ماں باپ کا، یا قرابت والوں کا، اگر کوئی مالدار ہے یا محتاج ہے تو اللہ ان کا خیرخواہ تم سے زیادہ ہے، سو تم پیروی نہ کرو دل کی خواہش کی، انصاف کرنے میں۔

اسی طرح جب کسی سے بغض وعداوت ہو تو عدل وانصاف کے تقاضے عموماً بالائے طاق رکھ دیئے جاتے ہیں اور اپنے حریف کو نیچا دکھانے کے لئے آدمی ہر جائز وناجائز حربہ تلاش کرتا ہے، لیکن احکم الحاکمین کی جانب سے مسلمانوں کو ہدایت دی گئی ہے کہ ایسے موقعہ پر بھی عدل وانصاف کا ترازو ہاتھ سے نہ چھوڑیں بلکہ ہر حال میں عدل وانصاف کو قائم رکھیں۔

﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِيْنَ لِلّٰهِ شُهَدَآءَ بِالْقِسْطِ وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰٓى اَلَّا تَعْدِلُوْا اِعْدِلُوْا هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى وَاتَّقُوا اللّٰهَ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ﴾ [المائدة:۸]

اے ایمان والو! کھڑے ہو جایا کرو اللہ کے واسطے گواہی دینے کو اور کسی قوم کی دشمنی کے باعث انصاف کو ہرگز نہ چھوڑو، عدل کرو یہی بات زیادہ نزدیک ہے تقویٰ سے اور ڈرتے رہو اللہ سے، اللہ کو خوب خبر ہے

جو تم کرتے ہو۔

نظام عالم اور عدل وانصاف

دراصل کائنات کا نظام ہی عدل وانصاف سے وابستہ ہے، نظام عالم کے لئے عدل وانصاف سے بڑھ کر اور کوئی چیز ضروری نہیں، بلاشبہ حاکم عادل کا وجود اس عالم کے لئے سایۂ رحمت الٰہی اور کسی عدل کش حاکم کا تسلط عذاب الٰہی ہے جو بندوں کی نافرمانیوں کی پاداش میں ان پر نازل کیا جاتا ہے:

شامت اعمال ماصورت نادر گرفت

کسی زمانے میں مطلق العنان بادشاہ کو "من لمن الملك" بجاتے تھے اور آئین وقانون ان کے اشاروں پر رقص کرتا تھا لیکن دور جدید نے ملوکیت کو جمہوریت میں بدل ڈالا، آئین ودستور وضع کئے گئے، بادشاہت کی جگہ کہیں صدارتی نظام رائج ہوا اور کہیں وزراتی نظام نافذ کیا گیا، گویا دورِ قدیم کے شہنشاہ کا منصب دور جدید کے صدر مملکت یا وزیر اعظم کو تفویض ہوا، فرق یہ پڑا کہ دور قدیم میں بادشاہ اوپر سے آتے تھے اور دور جدید میں نیچے سے جاتے ہیں، لیکن عدل وانصاف محض ملوکیت یا آج کی جمہوریت کا نام نہیں بلکہ اس کا مدار خداترس اور عدل پرور ارباب اقتدار پر ہے۔ حاکم اعلیٰ عدل وانصاف کے جوہر سے مالا مال ہو تو ملوکیت بھی رحمت ہے، یہ نہ ہو تو جمہوریت بھی چنگیزی کا روپ دھار لیتی ہے، جس طرح مملکت کی آبادی وشادابی عدل وانصاف سے وابستہ ہے اسی طرح اشخاص کی بقاء وفلاح عدل وانصاف کی رہین منت ہے۔

قوموں اور ملکوں کی تباہی کے اسباب

کسی مملکت کی تباہی وبربادی کے عوامل جائزہ دیکھئے تو دو بنیادی چیزیں سامنے آئیں گی، قوم کا فسق وفجور اور حکمرانوں کا ظلم وعدوان، جب کوئی قوم خدا فراموشی کی روش اختیار کرتی ہے، الٰہی قوانین سے سرکشی کرتی ہے اور فسق ومعصیت کے نشہ میں بدمست ہو کر حلال وحرام اور جائز وناجائز کے حدود علانیہ توڑنے لگتی ہے تو ان پر جفا کیش اور جابر وظالم حاکم مسلط کر دیئے جاتے ہیں، قرآن کریم میں کسی قوم کی تباہی وبربادی کے بارے میں ایک قانون عام بیان فرمایا ہے:

﴿وَاِذَا اَرَدْنَا اَنْ نُّهْلِكَ قَرْيَةً اَمَرْنَا مُتْرَفِيْهَا فَفَسَقُوْا فِيْهَا فَحَقَّ عَلَيْهَا الْقَوْلُ فَدَمَّرْنٰهَا تَدْمِيْرًا﴾ [بنی اسرائیل:١٦]

اور جب ہم کسی بستی کو ہلاک کرنا چاہتے ہیں تو اس کے خوش عیش لوگوں کو حکم دیتے ہیں پھر جب وہ لوگ وہاں شرارت مچاتے ہیں تب ان پر حجت تمام ہو جاتی ہے، پھر اس بستی کو تباہ اور غارت کر ڈالتے ہیں۔

قوم کا فسق وفجور اور ملوک وسلاطین کا ظلم ہی سب سے پہلے اس عالم کی تباہی وبربادی کا ذریعہ بنتا ہے،

ظلم و استبداد کی چکی میں پہلے سرکش قوم پستی ہے بالآخر یہی چکی ظالم و جابر کو بھی پیس ڈالتی ہے، اہل دانش کا قول ہے کہ کفر کے ساتھ حکومت رہ سکتی ہے مگر ظلم و استبداد کے ساتھ نہیں رہ سکتی۔

درحقیقت کائنات کا حقیقی تصرف و اقتدار اللہ رب العالمین اور احکم الحاکمین کے ہاتھ میں ہے، حدیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ ظالم کو چندے مہلت دیتا ہے لیکن جب اسے پکڑتا ہے تو پھر اسے نہیں چھوڑتا۔ یہی وجہ ہے کہ ظالم حکمران زیادہ دیر تک مسند اقتدار پر نہیں رہ سکتا بلکہ دوسروں کے لئے درس عبرت بن کر بہت جلد رخصت ہوجاتا ہے، تاریک دور کے فرعون و ہامان اور شداد و نمرود کو جانے دو، ماضی قریب میں اسٹالن، ہٹلر اور مسولینی وغیرہ کا عبرت ناک حشر کس نے نہیں دیکھا اور برطانیہ کا حشر بھی سب کے سامنے ہے، وہ ظالم جس کی بادشاہی میں آفتاب غروب نہیں ہوتا تھا آج سمٹ سمٹا کر ایک چھوٹے سے جزیرے میں پناہ گزین ہے، خود ہماری مملکت خداداد پاکستان کی چھوٹی سی عمر میں جابر حکمرانوں کی بے بسی کے عبرتناک مظاہر سامنے آتے رہے ہیں، کیا سکندر مرزا، غلام محمد، ایوب خاں اور یحییٰ خاں کے قصوں کو دنیا بھول جائے گی۔

حکومت کی بقاء کے لئے عدل و انصاف ضروری ہے

بہر حال بقائے مملکت اور بقائے حکومت کے لئے بے حد ضروری ہے کہ ارباب اقتدار عدل و انصاف کو قائم کریں اور قوم فسق و معصیت کا راستہ ترک کر کے انابت اور رجوع الی اللہ کا راستہ اختیار کرے، دنیا کی تاریخ بالعموم اور اسلامی تاریخ بالخصوص اس حقیقت پر شاہد ہے کہ مسلمان قوم کو من حیث القوم نا ؤ نوش، فسق و فجور اور فحاشی و بدکاری کبھی راس نہیں آئی اور اس کا انجام ہمیشہ ہولناک ہوا، پاکستان کی پاک سرزمین جو حق تعالیٰ نے ہمیں عطا فرمائی اس کا تقاضا یہ تھا کہ یہاں عدل و انصاف کا دور دورہ ہوتا، پاکیزہ معاشرہ وجود میں آتا، تقویٰ وطہارت کی فضا قائم ہوتی، راعی اور رعایا اسلام کا سچا نمونہ پیش کرتے اور یہ مملکت خداداد دور جدید میں اسلام کی نشاۃ ثانیہ کی علمبردار ہوتی لیکن افسوس صد افسوس کہ:

''خود غلط بود آنچہ ما پنداشتیم''

یہاں نہ صرف یہ کہ دورِ غلامی کے تمام آثارِ کفر کو جوں کا توں باقی رہنے دیا گیا بلکہ آزادی کے بعد یہ فرض کر لیا گیا کہ ہم خدا اور رسول سے بھی آزاد ہیں، سود، قمار اور دیگر صریح محرمات کو حلال کرنے کی کوشش کی گئی، فواحش و منکرات کی ترویج کی گئی، سینما، ریڈیو، ٹیلی ویژن کو بے حیائی کا منادبنا دیا گیا، رہی سہی کسر اخبارات نے پوری کردی، شعائر دین کا مذاق اڑایا گیا، اسلامی قوانین کو مسخ کیا گیا، دین کے قزاقوں کو کھیلنے کا موقعہ دیا گیا، بے خدا قوموں کی تقلید میں آزادی نسواں کا پرچار کیا گیا، اسلام کے مقابلہ میں نئے نئے ازموں کے نعرے لگائے گئے اور اب تو خدا فراموشی کی حالت ایسی ناگفتہ بہ صورت اختیار کر چکی کہ اس کے انجام کا تصور کر کے بھی رونگٹے کھڑے

ہو جاتے ہیں۔

یہ ایک فطری اصول ہے کہ جرم انفرادی ہو تو اس کی سزا بھی افراد تک محدود رہتی ہے اور جب قوم کی قوم ہی جرم و بغاوت کا راستہ اختیار کرے تو اس کی سزا بھی عام ہوتی ہے، یہ سزا ہمیں ایک بار سقوط مشرق کی صورت میں مل چکی اور ابھی یہ زخم مندمل نہیں ہو پایا تھا کہ سزا کی دوسری قسط کے خطرات سر پر منڈلانے لگے۔

مسلمان قوم سے اسلام کی روح نکلنے کا نتیجہ

جس طرح روح نکل جانے کے بعد لاشہ بے جان اپنے وجود کو محفوظ نہیں رکھ سکتا، بلکہ اس کے اعضاء میں انحلال و انفصال کا عمل شروع ہو جاتا ہے اور بالآخر سڑ گل کر منتشر ہو جاتا ہے، ٹھیک اسی طرح مسلمان قوم سے اسلام کی روح نکل جائے تو نتیجہ انحلال و انتشار کے سوا کیا ہو سکتا ہے، شدید خطرہ پیدا ہو گیا ہے کہ جس طرح امریکہ، روس اور ہندوستان کی سازش سے ہم اپنے ملک کے ایک بڑے حصہ سے محروم ہو بیٹھے ہیں اسی طرح خاکم بدہن مزید تباہی و بربادی سے دوچار نہ ہوئیں۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ عقلوں پر کیسے پردے آ جاتے ہیں اور ان حقائق سے کیوں عبرت نہیں لی جاتی، ایک طرف پورا ملک بے چینی و بے قراری کا شکار ہے، بیم و یاس کی کیفیت طاری ہے، ہوشربا گرانی سے کمر ٹوٹ رہی ہے، خیر و برکت اٹھ چکی ہے، یہی خطۂ زمین جو دوسرے علاقوں کو غلہ فراہم کرتا تھا خود دانے دانے کے لئے دریوزہ گر ہے، ہر چیز کا قحط ہے، باہمی الفت و محبت اور اتحاد و اعتماد نصیب دشمناں ہے، رشوت، لالچ، چور بازاری، سٹہ بازی جیسے امراض دق کی طرح چمٹے ہوئے ہیں، چوری اور ڈاکے کی وارداتیں روز مرہ کا معمول بن چکی ہیں، کیا یہ سب عذاب الٰہی کی شکلیں نہیں؟ صد حیف کہ ان تنبیہات سے سبق نہیں لیا جاتا بلکہ فواحش و منکرات میں روز افزوں اضافہ ہو رہا ہے، کلبوں اور ناچ گھروں میں عریانی بے حیائی کے دردناک مظاہر ہیں، ظلم و بربریت کی آخری حدوں کو چھویا جا رہا ہے، غفلت و خدا فراموشی کا نشہ دن بدن تیز سے تیز تر ہوتا جا رہا ہے، آخر حق تعالیٰ کے غضب کو دعوت دینے والی زندگی کب تک برداشت کی جائے گی؟ اور انتقام الٰہی کی بے آواز لاٹھی کب تک تھمی رہے گی؟ گذشتہ بے خدا قوموں کے بارے میں فرمایا ہے:

﴿الَّذِيْنَ طَغَوْا فِي الْبِلَادِ فَاَكْثَرُوْا فِيْهَا الْفَسَادَ فَصَبَّ عَلَيْهِمْ رَبُّكَ سَوْطَ عَذَابٍ اِنَّ رَبَّكَ لَبِالْمِرْصَادِ﴾ [الفجر: ۱۱ تا ۱٤]

یہ سب وہ تھے جنہوں نے زمین میں سرکشی کی، پس اس میں بہت اودھم مچایا، پھر برسایا ان پر تیرے رب نے کوڑا عذاب کا، بلاشبہ تیرا رب گھات میں ہے۔

ان تمام دردناک صورت حال سے نجات حاصل کرنے کے لئے ازبس ضروری ہے کہ راعی اور رعایا بارگاہِ ربوبیت میں توبہ و انابت اختیار کریں، اجتماعی معاصی سے یکسر پرہیز کریں اور گذشتہ گناہوں پر بارگاہ رحمت

میں توبہ واستغفار کریں، اسلامی شعائر کو بلند کریں اور غیر اسلامی نشانات کو پامال کریں، سورۂ نوح میں اس قسم کے معاصی کی کثرت سے قحط وتنگ سالی جیسے عذاب کا نازل ہونا اور اس کا علاج توبہ واستغفار بتایا گیا ہے:

﴿فَقُلْتُ اسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ اِنَّهٗ كَانَ غَفَّارًا يُرْسِلِ السَّمَآءَ عَلَيْكُمْ مِّدْرَارًا وَّ يُمْدِدْكُمْ بِاَمْوَالٍ وَّ بَنِيْنَ وَيَجْعَلْ لَّكُمْ جَنّٰتٍ وَّيَجْعَلْ لَّكُمْ اَنْهٰرًا﴾

[نوح: ۱۰ تا ۱۲]

(نوح علیہ السلام بارگاہ الٰہی میں عرض کرتے ہیں کہ قوم سے خطاب کرتے ہوئے) میں نے کہا: گناہ بخشواؤ اپنے رب سے بے شک وہ ہے بخشنے والا، چھوڑ دے گا تم پر آسمان کی دھاریں اور بڑھا دے گا تم کو مال اور بیٹوں سے اور بنا دے گا تمہارے واسطے باغ اور بنا دے گا تمہارے لئے نہریں۔

مقصد یہ کہ توبہ وانابت کی برکت سے نہ صرف آخرت کی کامیابی وکامرانی نصیب ہوگی بلکہ دنیا کے عیش وآرام کی صورتیں بھی اللہ تعالیٰ اپنے فضل واحسان سے مہیا فرمادیں گے، دلوں کو سکون واطمینان نصیب ہوگا، اموال میں خیر وبرکت ہوگی، اولاد صالح اور خدمت گار ہوگی، آسمان سے ابرِ رحمت کا نزول ہوگا، پھلوں اور غلوں کی کثرت اور بہتات ہوگی، فرصت کے لمحات بہت مختصر ہیں اور فیصلے کی گھڑی سر پر آئی کھڑی ہے، اس لئے ہمیں موجودہ حالات کا صحیح علاج فوراً کر لینا چاہیے ورنہ ہماری ظاہری اور سطحی تدبیریں سب ناکام ہوں گی، اللہ تعالیٰ ہم پر رحمت فرمائے، ہماری قوم کو فسق وفجور اور حکمرانوں کو ظلم وعدوان سے بچنے کی توفیق عطا فرمائے۔

ربنا اغفر لنا ذنوبنا و اسرافنا فی امرنا وثبت اقدامنا وانصرنا علی القوم الکافرین ربنا ظلمنا انفسنا و ان لم تغفر لنا و ترحمنا لنکونن من الخاسرین وصلی اللہ تعالیٰ علی خیر خلقہ صفوۃ البریۃ سیدنا محمدٍ وعلی آلہ واصحابہ واتباعہ الی یوم الدین

[ربیع الاول ۱۳۹۵ھ - اپریل ۱۹۷۵ء]

دنیا و آخرت

حضرت مولانا رحمہ اللہ کی یہ تقریر اسلامیہ کالج پشاور کی جامع مسجد میں ۱۳۸۷ھ میں ہوئی تھی، جسے ٹیپ ریکارڈ کے ذریعہ محفوظ کر لیا گیا تھا، چونکہ سفرِ حج کی وجہ سے حضرت مولانا رحمہ اللہ محرم ۱۳۸۸ھ کے لئے بصائر وعبر نہیں لکھ سکے تھے، لہٰذا بصائر وعبر کی جگہ تقریر کو چار اقساط میں پیش کیا گیا، ہم مولانا محمد اشرف صاحب مدظلہ (صدر شعبہ عربی اسلامیہ کالج پشاور) کے ممنون ہیں کہ یہ تقریر ان ہی کی دعوت پر ہوئی اور ان کے ہی اہتمام سے ضبط کی گئی۔

خطبہ مسنونہ۔ امابعد:

فاعوذباللہ من الشیطان الرجیم

بسم اللہ الرحمن الرحیم

﴿اِعْلَمُوْا اَنَّمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا لَعِبٌ وَّلَهْوٌ وَّزِيْنَةٌ وَّتَفَاخُرٌ بَيْنَكُمْ وَتَكَاثُرٌ فِي الْاَمْوَالِ وَالْاَوْلَادِ كَمَثَلِ غَيْثٍ اَعْجَبَ الْكُفَّارَ نَبَاتُهٗ ثُمَّ يَهِيْجُ فَتَرَاهُ مُصْفَرًّا ثُمَّ يَكُوْنُ حُطَامًا وَفِي الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ شَدِيْدٌ وَّمَغْفِرَةٌ مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانٌ وَّمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا اِلَّا مَتَاعُ الْغُرُوْرِ سَابِقُوْا اِلٰى مَغْفِرَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَجَنَّةٍ عَرْضُهَا كَعَرْضِ السَّمَاءِ وَالْاَرْضِ﴾ [الحدید:۲۱،۲۰]

محترم بھائیو اور عزیز طلباء! حسن اتفاق سے آج میرے محترم اور مخلص مولانا محمد اشرف صاحب کی دعوت پر مجھے یہاں حاضری کا موقعہ ملا، زندگی میں یہ پہلا موقعہ ہے کہ اس پاکیزہ مسجد میں آپ سے تخاطب کا شرف حاصل کر رہا ہوں، میں اس سرزمین سے آوارہ و بے وطن ہو کر یہاں سے بہت دور چلا گیا ہوں اس لئے مجھے صدمہ ہے کہ یہاں کے عزیز بھائیوں کی خدمت کا مجھے موقعہ نہیں ملتا، نہ ان کے دینی عواطف بھڑکانے کا، نہ اپنے جذبات وعواطف پیش کرنے کا، نہ ان سے درد دل سننے کا، نہ اپنی بات سنانے کا، نہ انہیں تڑپانے کا نہ اپنی تڑپ کے اظہار کا۔ یہ میری خوش قسمتی ہے کہ مجھے اپنے وطن میں اپنے بھائیوں کے ساتھ مل بیٹھنے کے چند لمحے آج میسر آئے، اس لئے مجھے ممنون ہونا چاہیے اپنے محترم مولانا محمد اشرف صاحب کا جنہوں نے مجھے یہ موقعہ دیا کہ میں آپ کو اپنے درد دل کی کہانی سناؤں اور آپ کو بھی اپنے غم میں شریک کرسکوں۔

نبی کسے کہتے ہیں؟

عزیز بھائیو! انسان کی زندگی ایک مقصد سے وابستہ ہے اگر وہ مقصد پیش نظر رہے تو کامیابی ہی کامیابی ہے، ہم اس کے مکلف ہیں کہ ہم منزل مقصود کو پہچانیں اور صحیح رہنمائی میں وہاں تک پہنچنے کی امکانی کوشش کریں، پہنچنا یا نہ پہنچنا ہمارا کام نہیں بلکہ نتیجہ اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے، اگر ہم زندگی میں منزل مقصود تک پہنچنے میں بظاہر ناکام بھی رہے ہوں تب بھی انشاء اللہ کامیاب ہیں، دیکھئے دنیا میں تقریبا ایک لاکھ چوبیس ہزار (یا کم وبیش) پیغمبر تشریف لائے (ہاں درمیان میں اتنا عرض کردوں کہ) جسے ہم پیغمبر کہتے ہیں اس کی حقیقت پہچان ہی نہیں سکتے نہ پیغمبر، مصلح، ریفارمر جیسے کسی لفظ سے اس حقیقت کو ادا کیا جا سکتا ہے، انبیاء کرام علیہم السلام کی بلندی اور حقیقت نبوت کی طرف راہنمائی سے ہمارے الفاظ قاصر اور نا تمام ہیں، ہماری کسی زبان میں خواہ انگریزی ہو یا اردو، پشتو ہو یا فارسی، کوئی لفظ نہیں اور نہ اس کی گنجائش ہے جو ''نبی ورسول'' اور نبوت ورسالت کے مفہوم کو ٹھیک ادا کردے،

تفصیلات سے قطع نظر میں یہاں اس کی طرف مختصر اشارہ کرتا ہوں۔

لغت عرب میں نبی کے معنی ہیں نباء (خبر) دینے والی شخصیت، لیکن شریعت نے جس ذات کی لئے یہ لفظ استعمال کیا ہے اس کے لئے پہلی شرط یہ ہے کہ رب العالمین جل ذکرہٗ نے ازل سے اس کو اپنے اور بندوں کے درمیان واسطہ بنانے کے لئے منتخب فرمایا ہو، قدرت اس کی پرورش کررہی ہو، "ولتصنع علی عینی" اس کو ہر طرح معصوم بنایا گیا ہو، وہ نفس و شیطان کے تمام غوائل سے محفوظ ہو، اس کا امکان نہیں کہ وہ عقل و شہوت کی خواہش میں گمراہ ہو سکے، اس کا کوئی امکان نہیں کہ نفس و شیطان کے وساوس سے منزل مقصود اس سے محجوب ہو سکے، ایک ایسی ہستی جسے رب العالمین اپنے اور اپنی مخلوق کے درمیان واسطہ ہدایت بناتا ہے اسے اپنا نمائندہ منتخب کرتا ہے، اسے معصوم الفطرت، معصوم العقل اور معصوم النفس پیدا کرتا ہے، اس کے بعد وہ غیب کی خبر دیتا ہے جسے ''وحی'' کہا جاتا ہے اور محققین اہل لغت لکھتے ہیں کہ ''نباء'' کے معنی ایسی خبر کے ہیں جو غیب سے ہو اور اس میں عظیم فائدہ ہو، اب نبی کے معنی ہوئے وہ معصوم ہستی جس کا قدرت نے ازل ہی سے انتخاب فرمایا وہ کسب سے نہیں بنا، تعلیم سے نہیں بنا، محنت سے نہیں بنا، جد و جہد سے نہیں بنا، بلکہ اللہ تعالیٰ کی وہبی رحمت شامل حال ہوئی، اسی نے اس کا انتخاب کیا، اسی کی قدرت نے اس کی تربیت فرمائی، اسے نفس و شیطان کے غوائل سے ہر آن محفوظ رکھا، پھر اس کے پاس ایسی غیبی خبریں (وحی) بھیجیں جن میں سننے والوں کا عظیم فائدہ ہے، اب بتلایئے کہ لفظ ''نبی'' کا ترجمہ ہم کس لفظ سے کر سکتے ہیں۔

یہ تو ایک ضمنی بات تھی میں یہ عرض کر رہا تھا کہ انبیاء کرام جو اس قدر عظمت اور درجہ رکھتے ہیں، دنیا میں تشریف لائے اور انسانیت کے سامنے ایک دعوت پیش کی، دنیا کے اعتبار سے جسے ہم کامیابی و ناکامی سمجھتے ہیں کوئی کامیاب ہے کوئی ناکام، لیکن اپنے مقصد کے اعتبار سے سبھی اعلیٰ درجے کے کامیاب ہیں، ان پر آرے چلے، ان کے بدن سے لوہے کی کنگھیاں نکالی گئیں، ان کو ایذائیں دی گئیں، ان کو خدا جانے کیا کچھ کہا گیا، ان میں سے بعض کے ہاتھ پر ایک بھی شخص ایمان سے مشرف نہیں ہوا لیکن اس کے باوجود نبی نبی ہے، رسول رسول ہے، ان کے کمالات میں اس سے کمی نہیں ہوئی، بلکہ ہر ایک مقصد زندگی میں کامیاب رہا کیونکہ کام اللہ کا ہے نتیجہ اللہ کے ہاتھ میں ہے، پس جب انبیاء کرام کے بارے میں ہمارا تصور یہ ہے تو ہم اپنے بارے میں اس غلط فہمی میں کیوں مبتلا ہو جائیں کہ ہمیں مقصد تک پہنچنا ہے، نہیں! ہمارا کام صرف اتنا ہے کہ منزل مقصود کو ٹھیک ٹھیک پہچانیں اور وہاں تک پہنچنے کی جد و جہد کریں، پھر خواہ سیلاب کے تھپیڑوں سے نکل کر ساحل مراد تک پہنچ جائیں یا درمیان ہی میں شہید ہو کر رہ جائیں، بہر صورت گوہر مقصود حاصل ہے، یہ اللہ کا کام ہے کہ جسے چاہیں ظاہری اعتبار سے بھی کامیاب بنا دیں، جسے چاہیں ناکام کر دیں، منزل کی پہچان اور اس کی تگ و دو کے بعد ہم بہر حال کامیاب ہیں یہی ہمارا مقصد ہے۔

زمین کی حقیقت

جو آیت میں نے تلاوت کی ہے اس کے ترجمہ اور مضمون کو بیان کرنے سے پہلے ایک بات آپ سے کہنا چاہتا ہوں وہ یہ کہ اس دنیا میں ہزاروں حقائق ایسے ہیں جن کی اصل حقیقت تک ہماری رسائی نہیں، جبکہ صبح و شام ہمیں ان سے واسطہ رہتا ہے، دیکھئے یہ زمین جس کے بارے میں فرمایا گیا ہے: ﴿منها خلقناكم وفيها نعيدكم ومنها نخرجكم تارة اخرى﴾ (اسی سے ہم نے تمہیں پیدا کیا ہے اسی میں ہم تمہیں دوبارہ لوٹاویں گے) اس سے بڑھ کر ہمیں کس چیز سے واسطہ ہوگا؟ اسی زمین سے ہم نکلے اسی میں ہم جائیں گے، اسی زمین کے مادہ سے غذا تیار ہوئی، پھل اور میوے پیدا ہوئے، وہ انسان کے اندر بنائی ہوئی ایک خدائی مشین معدہ میں پہنچے، ہضم و تحلیل کے بعد جگر میں خون بنا، پھر خون اپنے مدارج طے کر کے سفید مادہ کی شکل بنا، وہ ایک عجیب و غریب نظام سے ایک جگہ پہنچا اور چند دنوں میں ایک جیتا جاگتا انسان پیدا ہو گیا، فتبارك الله احسن الخالقين۔

یہ تو ہمارا اس زمین سے تعلق ہے، مگر اسی زمین کی حقیقت آج تک ٹھیک ٹھیک معلوم نہیں، ہزاروں برس سے دنیا اس بطلیموس عقیدے پر قائم تھی کہ زمین ساکن ہے اور سورج متحرک، مگر جدید سائنس نے اس نظریہ کو غلط ثابت کر دیا اور یہ دعویٰ کیا کہ زمین شرقاً و غرباً گھومتی ہے اور سورج اپنی جگہ قائم رہتا ہے[1]۔ تو عقلاء کے ہزاروں برس اس غلط فہمی میں مبتلا رہنے سے ہمیں یہ سبق ملتا ہے کہ اتنے قریب ترین حقائق جو ہمارے پاؤں کے نیچے اور آنکھوں کے سامنے ہیں زندگی میں ہمہ وقت ان سے سابقہ رہتا ہے، ہمیں ان حقائق تک بھی پوری رسائی نہیں اور ابھی تک قطعی فیصلہ نہیں کر پائے کہ زمین ساکن ہے یا متحرک، آپ کو یاد ہوگا کہ جب سائنسدانوں کی ایک جماعت ارضی تحقیقات کے لئے جمع ہوئی تھی اس وقت انہوں نے بڑی صفائی سے اقرار کیا تھا کہ زمین کے بارے میں ہماری معلومات بطلیموس کے عہد سے کچھ زیادہ نہیں تو جب انسان زمین کی حقیقت بھی معلوم نہیں کر سکے تو کیا اعتبار ہے ان کی تحقیقات کا جن کی تحقیقات پر کروڑوں نہیں بلکہ اربوں کھربوں روپے خرچ ہو رہے ہیں، ان میں ابھی تک یہ بحث چل رہی ہے کہ زمین ساکن ہے یا متحرک؟ متحرک ہے تو اس کی حرکت کیسی ہے؟ سورج میں حرکت ہے یا نہیں؟ یہ کرہ فضا میں کیسے معلق ہے؟ زمانہ دراز کے بعد انسان کو محض ظاہری اور سطحی علم حاصل ہو سکا، اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد کتنا عجیب و غریب اور برمحل ہے:

﴿يَعْلَمُوْنَ ظَاهِرًا مِّنَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَ هُمْ عَنِ الْاٰخِرَةِ هُمْ غَافِلُوْنَ﴾

[الروم:۷]

یہ لوگ دنیوی زندگی کی بھی محض ظاہری سطح کو جانتے ہیں (حقیقت اس کی بھی معلوم نہیں) اور آخرت

---

(۱) اب سائنس کی جدید تحقیق یہ ہے کہ سورج میں ایک قسم کی حرکت نہیں بلکہ مختلف قسم کی حرکات ہیں، محمد سراج، ایم سی زراعت

سے تو بالکل ہی غافل ہیں۔

انسان میں ہڈیاں کتنی ہیں؟ پٹھے کتنے ہیں؟ ریشے کتنے ہیں؟ شرائین کتنی ہیں؟ سونا، چاندی، لوہا، پیتل کتنا ہے؟ آنکھ کے پردے کتنے ہیں؟ دماغ کیسے بنا ہوا ہے؟ یہ سب کچھ جانتے ہیں لیکن یہ کبھی نہیں سوچا کہ منی سے یہ جاندار کیسے بن گیا؟ رحم مادر میں یہ ناک نقشے کیسے تیار ہو گئے؟ ایک بالشت کے محدود رقبہ میں اربوں کھربوں انسانوں کی الگ الگ شکلیں کس نے بنا ڈالیں، آپ نے کبھی سوچا کہ ہم نے ذرا سا بیج ڈالا اس سے اتنا بڑا عظیم الشان درخت جس کے اجزاء یہی مٹی اور پانی ہیں آخر کیسے پیدا ہو گیا، اس ننھے سے بیج سے یہ درخت کس نے نکالا، جس کی جڑ، تنا، پتے، شاخیں، کونپلیں، پھل، پھول سب کی خاصیت الگ الگ، رنگ جدا جدا، اور تاثیر علیحدہ علیحدہ ہے، پھر ایک ہی زمین اور مٹی سے مرچ بھی پیدا ہوتی ہے اور آم بھی، کیلا بھی اور کریلا بھی، زہر بھی اور تریاق بھی، کبھی قدرت کے ان عجائبات پر غور کیا؟ کہ یہ کیسے پیدا ہوئے اور کس نے پیدا کئے، بس یہی وہ مقام ہے جہاں مادہ پرست سائنسدانوں اور علم الحیاۃ کے ماہرین کو غلطی ہوئی، ان کی عقلی پرواز وہی ہے جو قرآن نے بیان کی ﴿یعلمون ظاھرا من الحیاۃ الدنیا وھم عن الا خرۃ ھم غافلون﴾ وہ دنیوی زندگی کی صرف ظاہر سطح کو جانتے ہیں اور آخرت سے تو بالکل ہی غافل ہیں۔

قدرت خداوندی کے مظاہر

پھر یہ دنیا جس کا آپ کو کچھ سطحی علم ہے بھی یہ کل کائنات کا شاید کروڑواں حصہ بھی نہیں بنتا، آج تو ان حقائق کو سائنسدان بھی ماننے پر مجبور ہیں، ورنہ کسے معلوم تھا کہ ریت کے اجزاء سے نائلون کا کپڑا تیار ہوگا جو اپنی خوبصورتی خوشنمائی، نفاست اور نرمی سے ریشم کو بھی مات کر دے گا، اگر کوئی شخص ایسا دعوی کرتا تو یقیناً اسے احمق کہا جاتا، لیکن آج اسی زمین کے اجزاء سے اربوں گز سالانہ نائلون تیار ہوتا ہے اور اتنی وافر مقدار میں تیار ہوتا ہے کہ ایک ایک عورت سو سو جوڑے بنائے تب بھی ختم ہونے میں نہیں آتا، کیا یہ رب العالمین کی شان ربوبیت نہیں؟ کیا معلوم کہ کل ایسے کیمیائی مواد پیدا ہو جائیں جن کے ذریعہ ایک جریب زمین سے ہزار جریب کی پیداوار ہونے لگے، جو لوگ آئندہ پیدا ہونے والی انسانیت سے ڈر کر نسل کشی کے فلسفے پیش کرتے ہیں کیا ان پر ''آب نادیدہ موزہ کشیدہ'' کی مثال صادق نہیں آتی، خدا کی رزاقیت پر پہلے ہی سے تحدید لگا دینا کیسی عجیب بات ہے، یہ نقصان صرف اس لئے ہوا کہ نظریات کی بنیاد صرف عقل کو بنالیا گیا اور عقل بے چاری اتنی محدود ہے کہ وہ صرف سامنے کی چیز کو دیکھنا جانتی ہے آگے پیچھے اوپر نیچے کچھ نہیں دیکھتی۔ یعلمون ظاھرا من الحیوۃ الدنیا۔

چاند اور دیگر سیارے

تو میں نے کہا کہ آسمان کو تو چھوڑو، تم زمین پر ہو اور زمین سے قریب تر کرہ چاند ہے جو ۲۰۰۳۸ ہزار

میل دور ہے جس کی روشنی ایک لاکھ چھیاسی ہزار میل فی سیکنڈ کے حساب سے سوا سیکنڈ میں یہاں پہنچتی ہے اور سورج آٹھ کروڑ میل بتلایا جاتا ہے جس کی روشنی تقریباً آٹھ منٹ میں یہاں پہنچتی ہے، پھر اس سے آگے اور کرّے اس سے زیادہ دور ہیں اور آسمان ان سب سے دور ہے، سائنسدانوں کی رسائی ابھی تک زمینی کرّوں تک نہیں ہوئی، آسمان تک کہاں پہنچے، اس غلطی سے دعویٰ کر دیا کہ آسمان نہیں ہے اور اس پر یہ دعویٰ کر دیا کہ اسلام جو آسمان کے وجود کا قائل ہے غلط ہے معاذ اللہ، حالانکہ اسلام غلط نہیں ہوا بلکہ بطلیموسی فلسفہ غلط ہوا جس نے یہ دعویٰ کیا تھا کہ یہ سیارے آسمان میں گڑے ہوئے ہیں، اسلام نے تو یہ دعویٰ کیا تھا کہ آسمان اوپر ہے اور یہ چھوٹے بڑے سیارے سب سے نیچے کے آسمان کی زینت ہیں "ولقد زینا السماء الدنیا بمصابیح" تو آسمان چھت ہے اور یہ فضا میں معلق سیارے اس کے لئے زینت ہیں، اس لئے اسلام اپنی جگہ قائم ہے اور جدید تحقیق سے بطلیموسی فلسفہ غلط ہو گیا، سچ پوچھئے تو سائنس نے ہم پر احسان کیا آج سائنس کی بدولت ہمارے لئے قرآن کی حقیقت کا سمجھنا آسان ہو گیا اب یہ ہماری غلطی ہوگی اگر ہم سائنس سے صحیح نتائج نہیں نکال سکتے۔

بھائی ایک بات سن لیجئے ایک عقل کا دائرہ ہے اور ایک نبوت کا، نبوت ان چیزوں کو بیان کرتی ہے جن کی دریافت سے عقل قاصر ہے جہاں حواس کی سرحد ختم ہوتی ہے وہاں عقل کی سرحد شروع ہوتی ہے اور جہاں عقل کی سرحد ختم ہوتی ہے وہاں سے نبوت کی سرحد شروع ہوتی ہے، جو چیز حواس سے آپ معلوم نہیں کر سکتے اسے عقل سے معلوم کرتے ہیں اور جو چیز عقل سے معلوم نہیں ہو سکتی اسے نبوت سے معلوم کیا جاتا ہے۔ آپ عقل سے معلوم نہیں کر سکتے کہ مرنے کے بعد کیا ہوگا، زندگی ہوگی یا نہیں ہوگی، مٹی میں مل جانے کے بعد اٹھنا ہوگا یا نہیں ہوگا، اللہ تعالیٰ نے انبیاء کرام (علیہم السلام) بھیجے تاکہ وہ ان امور میں آپ کی رہنمائی کریں، انبیاء کرام (علیہم السلام) حساب و کتاب، سائنس اور ریاضی کی تعلیم کے لئے نہیں بھیجے جاتے اس لئے کہ ضرورت ایجاد کی ماں ہے، جب ان چیزوں کی ضرورت ہوگی عقل خداداد ان کو معلوم کر لے گی، اس لئے جو چیزیں عقلی دائرے میں آسکتی تھیں ان کے لئے انبیاء کرام (علیہم السلام) کو بھیجنے کی ضرورت نہ تھی۔

موجودہ سائنس تکوینی عجائبات پر مطلع ہونے کا ایک راستہ ہے

الغرض سائنس سے یہ فائدہ ہوا کہ حق تعالیٰ کے حیرت ناک تکوینی عجائبات سے واقفیت ان ذرائع سے آسان ہو گئی، میں یہاں اس کی ایک مثال عرض کرتا ہوں دنیا میں مشکل ترین مسئلہ یہ تھا کہ عذاب قبر کیسے ہوگا؟ کیونکہ قدیم وجدید اکثر عقلاء وجود روح کے قائل ہیں کہ جب انسان مر جاتا ہے تو روح بدن سے جدا ہو جاتی ہے اسی کا نام موت ہے، اب اشکال یہی ہے کہ جب موت کے بعد بدن جماد محض رہ گیا تو اسے عذاب قبر کیسے ہوگا؟ لیکن سائنسی ترقی اور مسمریزم، علم التوجہ اور علم الارواح کے جدید فنون نے جن حقائق و عجائبات سے نقاب کشائی کی ہے

اس سے کم از کم عذاب قبر کا مسئلہ تو نا قابل فہم نہیں رہا، اس سلسلہ میں فرید الوجدی نے ''دائرۃ المعارف'' میں مادہ ''روح'' کے تحت یہ دل چسپ واقعہ فرانسیسی مجلہ کے حوالے سے ذکر کیا ہے کہ عمل تنویم (مسمریزم) کے ایک ماہر نے ایک شخص پر عمل تنویم شروع کیا اور اس سے بعض امور کے بارے میں سوالات کرتا رہا اس طویل اور مسلسل عمل سے اس معمول کی روح نکل گئی، جسم ٹھنڈا، حس وحرکت مفقود، اس پر موت کی کیفیت طاری ہوگئی اور سوال و جواب کا سلسلہ منقطع ہوگیا، عامل صاحب بہت پریشان ہوگئے، جلدی سے ایک دوسرے آدمی پر تنویمی توجہ ڈالی اس سے پہلے معمول کے بارے میں دریافت کیا اس نے بتلایا کہ اس کی روح نکل چکی ہے اور ذرا فاصلے پر فلاں جگہ موجود ہے، اب عامل صاحب اسے تلاش کرنے لگے، معمول ثانی نے بتلایا کہ اب آپ کا ہاتھ اس کی پنڈلی پر ہے، عامل نے فوراً ہوا میں نشتر چلایا اور معمول اول جو بے حس وحرکت پڑا تھا اس کی پنڈلی پر زخم ہوا جس سے خون کا فوارہ پھوٹ پڑا باوجودیکہ جسم کے درمیان اور اس جگہ کے درمیان جہاں ہوا میں نشتر چلایا گیا تھ کافی فاصلہ تھا۔

اس قسم کے عجائبات کی خبریں ہمیشہ آتی رہتی ہیں تو قدرت نے بتلا دیا کہ تمہاری عقل کے دائرے کے اندر بھی ایسی چیزیں واقعہ ہوسکتی ہیں کہ روح کے جدا ہو جانے کے بعد بھی جسم [illegible] شریعت نے یہی کہا تھا کہ مردہ خواہ کسی جگہ ہو، خشکی میں یا تری میں، سمندر کے تہہ میں ہو یا مچھلی کے پیٹ میں، سڑ جائے، گل جائے اس کے اجزاء ہوا میں تحلیل ہو جائیں، لیکن خدا کے ملک، اس کی قدرت اور اس کے علم سے باہر نہیں، روح کا ایک مخفی تعلق جسم کے ان ذرات سے باقی رہتا ہے جس کی وجہ سے جسم کو برزخی ثواب وعذاب ہوتا ہے خواہ ہمیں اس کا احساس ہو یا نہ ہو۔

دیکھئے میڈیکل سائنس کے بقول آپ کے پیٹ میں ہزاروں لاکھوں جراثیم موجود ہیں ایک دوسرے کو مارتے ہیں، قتل کرتے ہیں اور دوائیوں سے انہیں ختم کیا جاتا ہے، میدان کارزار گرم ہے لیکن آپ کو اس کی کوئی خبر نہیں، اس انکشاف سے پہلے کسی کو کیا خبر تھی کہ ایک قطرہ کے اندر کروڑوں اربوں جراثیم ہوں گے، اتنے باریک کہ آلات کے ذریعہ انہیں دس ہزار گنا بڑا نہ کریں تو وہ نظر نہیں آئیں گے، ان میں خورد ونوش اور توالد وتناسل کا سلسلہ بھی جاری ہے، قدرت کے یہ عجائبات جو آج آپ کے علم میں آئے ہیں کیا سو سال پہلے معلوم تھے؟ نہ معلوم آئندہ کیا کیا حقائق ظاہر ہوں گے۔

دنیا کی بے حقیقی و بے ثباتی

میرا مقصد اس دنیا کی حقیقت سمجھانا ہے دیکھئے! اگر آپ سے کہا جائے کہ آپ کی یہ زندگی کچھ نہیں بلکہ اس کے بعد جو زندگی آئے گی وہی اصل زندگی ہوگی، تو ممکن ہے کہنے والے کو بے وقوف کہا جائے کہ ہم تو اس زندگی میں کھاتے ہیں، پیتے ہیں، شادی بیاہ کرتے ہیں، اولاد پیدا کرتے ہیں، جوان ہوتے ہیں، قتل وقتال اور رزم وبزم

کے ہنگامے برپا کرتے ہیں، نظم مملکت چلاتے ہیں، طرح طرح کے عجائب کا انکشاف کرتے ہیں اور تم کہتے ہو یہ کچھ نہیں، میں عرض کرتا ہوں یہ تمہاری زندگی تھیٹر اور سینما کی مثال ہے، تم سینما کے پردوں پر پاکستان، ایشیا، یورپ، افریقہ، امریکہ الغرض سارے جہاں کی چیزیں دیکھتے ہو اس کے بنانے پر کروڑوں روپے صرف کئے جاتے ہیں، کتنے ہی لوگ اس پر روپیہ برباد کرتے ہیں، امیر وغریب، شاہ وگدا اور مفکر و سائنسدان سب ہی یہ تماشا دیکھنے کے لئے جاتے ہیں تو یہ سینما کیا ہے؟ خالی پردہ ہے جس کے لئے دین بھی غارت کیا جاتا ہے اور اخلاق بھی، مال بھی برباد کیا جاتا ہے اور قیمتی وقت بھی، حالانکہ سب جانتے ہیں کہ اس کے مناظر نقش ونگار اور آوازیں سب مصنوعی ہیں ان کی حقیقت کچھ نہیں، اب مخبر صادق صلی اللہ علیہ وسلم یہ بتلاتے ہیں کہ تمہاری یہ زندگی بھی خود ایک تماشا ہے اور جب مروگے تو پتہ چلے گا:

”الناس نیام فاذا ماتوا انتبھوا“(۱)

لوگ محوخواب ہیں جب مریں گے تب جاگ اٹھیں گے۔

قرآن مجید نے اسی حقیقت کو بیان فرمایا، چنانچہ ارشاد فرماتے ہیں:

﴿اِعْلَمُوْا اَنَّمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا لَعِبٌ وَّلَهْوٌ وَّزِيْنَةٌ وَّتَفَاخُرٌۢ بَيْنَكُمْ وَتَكَاثُرٌ فِى الْاَمْوَالِ وَالْاَوْلَادِ كَمَثَلِ غَيْثٍ اَعْجَبَ الْكُفَّارَ نَبَاتُهٗ ثُمَّ يَهِيْجُ فَتَرٰىهُ مُصْفَرًّا ثُمَّ يَكُوْنُ حُطَامًا وَفِى الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ شَدِيْدٌ وَّمَغْفِرَةٌ مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانٌ وَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا اِلَّا مَتَاعُ الْغُرُوْرِ﴾ [الحدید:۲۰]

تم خوب جان لو کہ دنیوی زندگی محض لہو ولعب کھیل تماشا اور زینت اور باہم ایک دوسرے پر فخر کرنا اور اموال واولاد میں ایک کا دوسرے سے اپنے کو زیادہ بتلانا ہے، جیسے مینہ ہے کہ اس کی پیداوار کاشت کاروں کو اچھی معلوم ہوتی ہے پھر وہ خشک ہو جاتی ہے، سو اس کو تو زرد دیکھتا ہے پھر وہ چوراچورا ہو جاتی ہے اور آخرت میں عذاب شدید ہے اور خدا کی طرف سے مغفرت اور رضامندی ہے اور دنیوی زندگی محض دھوکہ کا سامان ہے۔

قرآن کریم کا اعجاز اور اس کی فصاحت وبلاغت

سبحان اللہ! ایسی فصاحت ایسی بلاغت، ایسا عجیب زور بیان، ایسی شیرینی، ایسا کمال، لیکن افسوس کہ ”زبان یار من ترکی ومن ترکی نمی دانم“ ہمیں نہ تو قرآن کا اعجاز حلاوت وانداز فصاحت معلوم، نہ ترجمے میں اتنی قابلیت کہ میں اس زور بیان کو ادا کرسکوں، اس لئے میں چند اشارات عرض کرتا ہوں، حق تعالیٰ فرماتے ہیں: ”اعلموا انما الحیوۃ الدنیا“ کلام کو ”اعلموا“ کے بعد ”انما“ سے شروع فرمایا، شیخ عبدالقادر جرجانی

(۱) المقاصد الحسنة للسخاوی ج:۱ ص:۶۹۱، ط: دار الکتاب العربی بیروت

''دلائل الاعجاز'' میں ایک جگہ لکھتے ہیں کہ ''انما'' سے کلام شروع کرنے کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ یہ کلام سو فیصد حقیقت ہے جس میں کسی ادنیٰ تردد یا شک وشبہ کی گنجائش نہیں۔

تو ''انما'' سے کلام شروع کر کے حق تعالیٰ شانہٗ متنبہ کرنا چاہتے ہیں کہ تمہاری دنیوی زندگی کا لہو ولعب اور کھیل تماشا تو ایسی بدیہی حقیقت اور کھلی بات ہے کہ اس میں کسی عاقل کو تردد ہی نہیں ہوسکتا، سبحان اللہ! یہ قرآن کریم کا اعجاز ہے کہ ایک طرف تو قرآن کے حقائق اتنے گہرے ہیں کہ بڑے بڑے عقلاء وہاں تک رسائی سے عاجز ہیں، چنانچہ ایک لمبی حدیث میں قرآن پاک کے بارے میں فرمایا:

"لایخلق بکثرۃ الرد، و لا یمل قار یہ و لا یشبع منہ العلماء و لا تنقضی عجائبہ"(۱)

قرآن کثرت تلاوت سے کہنہ نہیں ہوتا، اس کا پڑھنے والا اکتاتا نہیں، اس سے علما کو سیری نہیں ہوتی، اس کے عجائبات ختم نہیں ہوتے۔

تو ایک طرف تو قرآن کریم ایسا دریائے ناپیدا کنار ہے کہ اس کے حقائق وعجائبات ختم نہیں ہوتے اور دوسری طرف اس کا یہ اعجاز ہے کہ عامی سے عامی آدمی بھی اپنے ظرف کے مطابق اس کا مفہوم سمجھ جائے، چنانچہ ارشاد ہے:

﴿وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ﴾ [القمر:۱۷]

اور یقیناً ہم نے قرآن کو نصیحت کے لئے آسان کر دیا پس ہے کوئی سوچنے والا؟

سبحان اللہ! یہ رب العالمین ہی کے کلام کی خصوصیت ہوسکتی ہے کہ ایک طرف یہ اس قدر آسان کہ ایک امی (ان پڑھ) بھی اسے سمجھ جائے اور دوسری طرف ایک بڑے سے بڑا فقیہ، فلسفی، متکلم اور عاقل بھی اس کے حقائق کی گہرائی سے حیران اور ششدر رہ جائے، کیونکہ وہ تو رب العالمین ہے، اس کی ربوبیت عامہ کا ایک کرشمہ یہ بھی ہے کہ ہر شخص کے دماغ کو اس کی استعداد کے مطابق غذا مہیا کرتا ہے، فلسفی کو اس کے خیال کے مطابق، فقیہ کو اس کی گہرائی کے مطابق، عالم کو اس کی شان کے مطابق، عامی کو اس کے حال کے مناسب، قرآن کے اس خوانِ یغما اور مائدۂ عام سے سب کو فیض ملتا ہے۔

انسانی زندگی کے چار دور

بہر حال قرآن حکیم نے اپنی اعجازی شان سے ہماری دنیوی زندگی کا نقشہ کھینچا ہے کہ یہ زندگی کل چار دائروں میں سمٹی ہوئی ہے لعب ولہو، زینت، تفاخر اور تکاثر۔

---

(۱) سنن الترمذی، ابواب فضائل القرآن، باب فی فضل القرآن ج:۲ ص:۱۱۸، ط: قدیمی

بچہ کی ابتدائی پرورش اور اس کے قدرتی نظام

انسان جب پیدا ہوتا ہے تو آپ جانتے ہیں کہ نہ وہ بول سکتا ہے نہ کسی چیز کو سمجھ سکتا ہے، ہاتھ، پاؤں، ناک، کان، آنکھ سب کچھ موجود ہے مگر بے بسی کا یہ عالم ہے کہ ان سے کچھ فائدہ نہیں اٹھا سکتا، ہاں قدرت فیاض نے اسے دودھ چوسنے کا ڈھنگ بتلا رکھا ہے، اسی خدائی تعلیم سے وہ اپنی خوراک لیتا ہے (یہاں درمیان میں ایک اور بات عرض کرتا ہوں) بچہ کے مزاج کے مطابق حق تعالیٰ نے غذا تیار کی، وہی مادہ جو کبھی پیٹ کی نلکی کے ذریعہ شکم مادر میں اس کی غذا بنتا تھا، جب پیدا ہوا تو اس کی قدرت نے دودھ کی شکل میں تبدیل فرما دیا کہ منہ پاک ہے تو اس کے لئے غذا بھی پاک ہونی چاہیے، پھر یہ غذا بھی ایسی لطیف تجویز فرمائی کہ دنیا کی کوئی لیبارٹری (تجربہ گاہ) ایسی لطیف غذا تیار نہیں کرسکتی، اسی لئے محققین اطباء کا کہنا ہے کہ ماں کے دودھ کا بدل نہیں ہوسکتا، اس کے اس دودھ سے ماں کے جو افعال، خواص، عادات، اخلاق اور دیگر خصوصیات بچے کی طرف منتقل ہوتی ہیں انہیں چھوڑیئے، صرف اتنی بات پر غور فرمالیجئے کہ یہ دودھ اگر زیادہ میٹھا ہوتا تو بچہ سے ہضم نہ ہوتا، پھیکا ہوتا تو بدمزہ ہوتا، اگر زیادہ گرم ہوتا تو ننھے بچے کے لئے ناقابل برداشت ہوتا، زیادہ غلیظ ہوتا تو تکلیف پیدا کرتا، اور پتلا ہوتا تو غذائی ضرورت پوری نہ کرتا، اس لئے نہایت معتدل رکھا پھر اس کے نکلنے کے لئے نہایت باریک چھلنی لگا دی تاکہ ذرا ذرا نکلے، سوراخ بڑا ہوتا تو بچے کو گھبراہٹ ہوتی، تو یہ ہے حق تعالیٰ کی شان ربوبیت کہ گندے مادے کو صاف ستھرے دودھ کی شکل میں تبدیل کر کے غذا بنا دیا کہ اسی سے فلسفی کی بھی پرورش ہوتی ہے اور عاقل کی بھی، نبی کی بھی اور ولی کی بھی، اسی سے اندازہ ہوگا ان لوگوں کی حماقت کا جنہوں نے رزق کو اپنے قبضے میں سمجھ کر شور کردیا کہ بچے بند کرو، ورنہ بھوکوں مرجاؤ گے، حالانکہ جو خالق و رازق بے دست و پا بچے کے لئے انتظام کرتا ہے وہ دوسرے انسانوں کے لئے بھی رزق کے نئے نئے دروازے کھول سکتا ہے، دراصل عقیدہ اور یقین بگڑ گیا، خدا کی رزاقیت پر سے یقین اٹھ گیا۔

انسانی زندگی کے تدریجی مراحل

بہرحال عرض کررہا تھا کہ بچہ جب پیدا ہوا تو کچھ نہیں جانتا، نہ عقل نہ شعور، نہ ادراک، اب غذا ملی، کچھ نرم نرم چیزیں کھانے لگا اور اعصاب میں ذرا قوت آگئی تو چلنے پھرنے لگا تو اب صرف دو کام وہ جانتا ہے، اول یہ کہ دنیا کی ہر چیز کھانے کے لئے ہے، گندگی ہو اس میں ہاتھ ڈالے گا، آگ ہو اس کو منہ میں لے جائے گا، کھانے کی کوئی چیز ہو اسے کھالے گا، الغرض وہ پیٹ جانتا ہے اور کچھ نہیں جانتا، یہ چونکہ غیر شعوری دور ہے اس لئے قرآن نے اس کا ذکر نہیں کیا اور جب چار پانچ سال کا ہوا تو کھیل کود کا دور شروع ہوگیا اب نہ اسے فیشن کی فکر ہے، نہ جوتے کپڑے کی، نہ ٹوپی کی، نہ نائی کی، پہلے غیر شعوری دور میں فنا فی الاکل تھا تو اب فنا فی اللعب ہے، اس کے بعد جوانی

آئی تو زینت و آرائش کا دور شروع ہوا، ڈاڑھی ایسی ہو، صابن ایسا ہو، بال ایسے ہوں، ٹوپی ایسی ہو، کپڑے ایسے ہوں۔ الغرض ہر وقت آرائش و زیبائش کی فکر، اسے فکر نہیں کہ باپ کہاں سے لائے گا، روپیہ پیسہ کہاں سے آئے گا، ماں باپ کی گذر بسر کیسے ہوگی، یہ ''فی الزینۃ'' ہے اور بناؤ سنگھار میں مستغرق، اب ذرا عقل میں پختگی آئی، کچھ شد بد ہوئی، کوئی ڈگری ملی، کہیں ملازمت اور عہدہ ملا، چار پیسے جیب میں آنے لگے، تو تفاخر شروع ہوا، ہم سادات ہیں، ہم قریشی ہیں، ہم پٹھان ہیں، ہم حنفی ہیں، ہم یہ ہیں، ہم وہ ہیں، کہیں قومیت، کہیں پارٹی، کہیں کچھ، کہیں کچھ حالانکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد یہ ہے: ﴿اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللهِ اَتْقٰكُمْ﴾ (تم سب میں اللہ کے نزدیک مکرم وہ ہے جو سب سے زیادہ پرہیزگار ہو) اب ذرا اور آگے بڑھے شادی ہوگئی، اولاد ہوئی، اب مال اور اولاد میں اضافہ کی فکر ستانے لگی، آج پانچ سو تنخواہ ہے، فلاں ڈگری کرلیں تو تنخواہ بڑھ جائے، وہ ڈگری کرلیں تو آٹھ سو ہو جائے، امریکہ جائیں تو اور زیادہ ہو جائے، لندن جائیں تو اتنی ہو جائے، یہ ہے ﴿تکاثر فی الاموال والاولاد﴾ لا حول ولا قوۃ الا باللہ! کوئی امریکہ جاتا ہے خواہ ایمان غارت ہو جائے، دین برباد ہو جائے، اخلاق تباہ ہو جائے، مگر ڈگری کے لئے لندن، پیرس اور امریکہ جانا ضروری ہے، خدا کے بندو! رزق محدود، زندگی محدود، ازل سے رزق ناپ تول کر مقرر کر دیا گیا، تعجب ہے کہ ڈگری کے لئے لندن اور امریکہ کی خاک چھانی جائے، دین و ایمان کو خطرات میں ڈالا جائے۔

بھائی ٹھیک ہے کچھ اسباب کرو لیکن اتنی حرص بھی کیا جس کے لئے اپنے ایمان کو اتنے شدائد اور اتنے سیلابوں میں ڈالا جائے، اگر تم خدا کے فضل سے بچ بھی نکلے لیکن کتنے ہیں جو بچ نکل آتے ہیں۔

مال و اولاد پر تفاخر

بہر حال یہ ہیں انسانی زندگی کے چار دور، لہو و لعب سے ابتدا ہوئی پھر زینت کا دور آیا پھر تفاخر کا پھر تکاثر کا، اور یہ مال و اولاد پر تفاخر اور تکاثر کا مرض تو ایسا ہے کہ کمبخت مرتے دم تک چمٹا رہتا ہے، حق تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿اَلْهٰكُمُ التَّكَاثُرُ. حَتّٰى زُرْتُمُ الْمَقَابِرَ﴾ [التکاثر ۱، ۲]

تمہیں بہتات کی حرص نے اتنا غافل کر دیا کہ تم نے قبریں جا دیکھیں۔

اور حدیث پاک میں آتا ہے:

''منھومان لایشبعان منھوم العلم ومنھوم المال''(۱)

دو حریص ایسے ہیں جن کا پیٹ نہیں بھرتا علم کا حریص اور مال کا حریص۔

دیکھئے امریکہ کتنا امیر ترین ملک ہے مگر اس کا پیٹ ابھی تک نہیں بھرا وہ بھی یہی چاہتا ہے کہ فلاں

----

(۱) مشکوۃ المصابیح، کتاب العلم، الفصل الثالث ص: ۳۷، ط: قدیمی

ملک ختم ہوتو میری منڈی چلے، بس وہی حالت ہے جسے حدیث میں بیان فرمایا گیا ہے:

"لو ان لابن آدم وادیان من ذهب لابتغی ثالثاً ، ولا یملأ جوف ابن آدم الا التراب ، و یتوب الله علی من تاب". (۱)

اگر انسان کو دو وادیاں (یعنی ایک یہ دنیا اور ایک ایسی ہی دوسری دنیا) سونے سے بھری ہوئی مل جائیں تو تیسری کو تلاش کرے گا اور کوئی چیز سوائے قبر کی مٹی کے انسان کا پیٹ نہیں بھرتی اور جو توبہ کرے اللہ تعالیٰ اس کی توبہ قبول کرتا ہے۔

یعنی اللہ تعالیٰ نے جس کو توفیق اور سمجھ عطا فرمائی اور وہ قانع ہوگیا، اس کا پیٹ البتہ بھر جاتا ہے، الحمدللہ ایسے صالحین موجود ہیں۔

انسانی زندگی کی ایک مشاہد مثال

خیر اللہ پاک نے انسان کی زندگی کے یہ چار دور بیان فرمائے لہو ولعب، زینت وتفاخر، تکاثر، ہم سمجھتے تھے کہ کھیل کود بچوں کا ہی کام ہے اب معلوم ہوا کہ اس کھلنڈرے زمانے میں صدر مملکت اور بادشاہ بھی کھیلتے ہیں، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ چار دور اس لئے بیان فرمائے کہ بعض ادوار میں ان میں بعض چیزوں کا غلبہ ہوتا ہے، ورنہ کھیل، زینت اور تفاخر ہر دور میں کچھ نہ کچھ پایا جاتا ہے، بہرحال یہ ہے تمہاری دنیا کا خلاصہ۔ اس کے بعد مثال سے اس کا نقشہ بیان فرماتے ہیں:

﴿كَمَثَلِ غَيْثٍ اَعْجَبَ الْكُفَّارَ نَبَاتُهُ ثُمَّ يَهِيْجُ فَتَرَاهُ مُصْفَرًّا ثُمَّ يَكُوْنُ حُطَاماً﴾ [الحدید:۲۰]

جیسے بارش کہ کسانوں کو اس کی کھیتی پسند آتی ہے پھر وہ خشک ہو کر زرد نظر آتی ہے بالآخر وہ چورا چورا ہو جاتی ہے۔

بالکل یہی حال انسانی زندگی کا ہے، آج ماں کے پیٹ سے پیدا ہوا اس سے پہلے کچھ نہیں تھا، پلا بڑھا، پھلا پھولا، جوان ہوا، یہ ہوا وہ ہوا پھر مر گیا، جنازہ پڑھا گیا، دفن کر دیا گیا اور کچھ مدت بعد نام ونشان مٹ گیا، پھر انجام کیا ہوگا؟ فرماتے ہیں:

﴿وَفِي الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ شَدِيْدٌ وَّمَغْفِرَةٌ مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانٌ﴾ [الحدید:۲۰]

اور آخرت میں سخت عذاب بھی ہے اور اللہ تعالیٰ کی خاص بخشش اور رضامندی بھی۔

(۱) صحیح البخاری، کتاب الرقاق، باب مایتقی من فتنة المال ج:۲ ص:۹۲۵، ط: قدیمی.
مشکوة المصابیح، کتاب الرقاق، باب الامل والحرص ص:۴۵۰، ط: قدیمی

یہ ہے تمہاری زندگی کا نقشہ! کتنی محدود؟ کتنی ناپائیدار؟ اس پر فریفتہ ہونا، مغرور ہونا اسی کو مقصد بنالیا، یہ تمہاری بے وقوفی ہے، کج فہمی ہے، فرماتے ہیں۔

﴿ وَمَاالْحَيٰوةُ الدُّنْيَا اِلَّا مَتَاعُ الْغُرُوْرِ ﴾ [الحدید: ۲۰]

اور دنیاوی زندگی تو محض دھوکے کا سودا ہے۔

اس کے بعد ارشاد ہے یہ سب چھوڑو، اسے وسیلہ سمجھو، گذرگاہ اور راستہ سمجھو، اسے مقصد نہ بناؤ، کہ مقصد آنے والی زندگی ہے، پس "سابقوا الی مغفرة" لپکو! دوڑو بخشش خداوندی کی طرف، ایک دوسرے سے آگے نکلنے کی کوشش کرو۔ "وجنة عرضها كعرض السماء والارض" اور دوڑو! جنت کی طرف، کیسی جنت؟ جس کی صرف چوڑائی آسمان وزمین جتنی ہے۔

بھائی خدا ہی جانے آج تو خیر زمین کی محدودیت معلوم ہوگئی ہے ورنہ اس زمانے میں تو معلوم نہ تھی اور آسمان کی وسعت کی تو آج تک بھی کسی ماہر فلکیات کو ہوا تک نہیں لگی، کسی کو کچھ خبر نہیں کہ خدا تعالیٰ کی پیدا کردہ دنیا کتنی وسیع ہے؟ میں نے کسی کتاب میں ایک سائنسدان کا یہ جملہ پڑھا ہے کہ یہ کیڑے مکوڑے (حشرات الارض) جو دنیا کی رذیل، ذلیل، بیکار اور گندی مخلوق شمار کی جاتی ہے انہی کی تحقیقات اتنی وسیع ہیں کہ انسان دو لاکھ سال تک بھی ان کی انتہا کو نہیں پہنچ سکتا۔

نظام قدرت کے سامنے انسانی عقل کی حیرانی

میں یہاں ایک لطیفہ آپ کو سناتا ہوں بعض لوگ آج کل کہا کرتے ہیں کہ مکھی تو گندی چیز ہے، بھنبھناتی ہے، گندگی پر بیٹھتی ہے، خدا نے اس کو کیوں پیدا کردیا، میں کہا کرتا ہوں کہ حدیث میں آتا ہے کہ "مکھی اگر کھانے کے برتن میں گر جائے تو اسے غوطہ دے کر نکال دو کیونکہ اس کے ایک پر میں بیماری ہے اور دوسرے میں اس کی دوا ہے" (۱)۔ بعض نادانوں نے اس حدیث کا خوب مضحکہ اڑایا ہے کہ یہ حدیث تو بالکل خلاف عقل ہے، میں کہتا ہوں کہ اگر آپ نے مکھی پر اپنی تحقیقات اتنی قطعیت کے ساتھ مکمل کرلی ہوتیں کہ ان پر نہ تو اضافہ ممکن ہوتا نہ کسی تحقیق میں ردوبدل کی گنجائش رہتی، پھر تو آپ کو حق تھا کہ اس حدیث پر اعتراض کرتے، لیکن جب آپ کو اپنے جہل کا خود اقرار ہے جیسا کہ سائنسدان کا مقولہ میں نے ابھی نقل کیا تو یہ حدیث خلاف جہل ہوئی، خلاف عقل تو نہ ہوئی، یہ دوسری بات ہے کہ آپ نے جہل کا نام عقل رکھ لیا ہے، یعنی جس چیز کی حقیقت تک آپ کی رسائی نہیں ہوسکی آپ نے کم نظری کی بناء پر اسی کو خلاف عقل کہنا شروع کردیا۔

آخر یہ بات آپ کی عقل میں کیوں نہیں آتی کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے قدرتی نظام کے تحت ایک حشرہ ایسا

---

(۱) صحيح البخاری، كتاب الطب، باب اذا وقع الذباب فی الاناء ج: ۲ ص: ۸۶۰، ط: قدیمی

پیدا کیا ہے جس کا کام جاروب کشی ہے، اسے اتنی تیز نظر بخشی ہے کہ تمہاری دوربینیں اس کے سامنے ہیچ ہیں اور اس کے معدے میں ایسی حرارت پیدا کی ہے جو اس کی کھائی ہوئی تمام گندگی کو جلا کر تریاق بنا دیتی ہے، دیکھئے شہد کی مکھی کس قدر زہریلی ہے، لیکن وہ پھلوں کا رس چوس کر بجائے زہر کے شہد اگلتی ہے تو اس حدیث میں یہ بتلایا گیا ہے کہ مکھی کے ایک بازو میں اس کی غیر منہضم غذا کا خزانہ ہے، یہ تو بیماری ہے اور دوسرے بازو میں ہضم شدہ تریاق ہے اور وہ برتن میں گرتے وقت اسی بازو کو آگے رکھتی ہے جس میں غیر منہضم غذا جمع کرتی ہے، تم اسے غوطہ دے کر اس کا وہ بازو بھی ڈال دو جس میں دوا ہے تاکہ توازن قائم ہو جائے، اب بتلایئے اس میں کون سی بات خلاف عقل ہے؟ وہاں ہم ان حقائق سے جاہل تھے وحی نے ہم کو آگاہ کر دیا۔

اس کم بینی کی بنا پر چین والوں نے تو یہاں تک مکھی مار مہم چلائی کہ چین سے مکھی کا وجود ہی یکسر ختم کر دیا، مگر سنا ہے کہ اب وہ امراض کی رفتار کو بڑھتا ہوا دیکھ کر پھر مکھی کو چین میں لا رہے ہیں تو کہاں قدرت کا نظام اور کہاں ہماری عقل؟ واقعی نظام قدرت کے سامنے انسانی عقل حیران اور ششدر ہے۔

دنیا پیدا کرنے کا مقصد اور آخرت کی لامحدود زندگی اور بے شمار نعمتیں

بہر حال میں عرض کر رہا تھا کہ دنیا کی بے ثباتی بیان کرنے کے بعد اللہ پاک نے دنیا کو پیدا کرنے کا مقصد ذکر فرمایا اور وہ ہے: ''سابقوا الی مغفرة من ربکم وجنة'' الخ۔ آپ ہی بتلایئے کہ اگر کوئی ایسا جہاں ہو جہاں کی زندگی بے نہایت ہو، ہزار برس نہیں لاکھوں کروڑوں برس نہیں بلکہ کبھی نہ ختم ہونے والی زندگی ہو، تو ایسی زندگی کے لئے تیاری کرنا بہتر ہے؟ یا اس محدود زندگی کے لئے سر کھپانا؟ ظاہر ہے کہ انسان کی حرص غیر محدود ہے تو اس کے لئے زندگی بھی غیر محدود چاہیے، یہ غیر محدود زندگی مرنے کے بعد والی وہ ہی زندگی ہے جو انبیاء کرام علیہم السلام نے بتلائی ہے، اگر اس محدود زندگی کے لئے رات دن کھپے رہتے ہو، وقت لگاتے ہو، محنتیں کرتے ہو، ڈگریاں حاصل کرتے ہو، تحقیقات کرتے ہو، تجربے کرتے ہو تو اگر اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بات پر یقین ہے تو اس ہمیشہ رہنے والی زندگی کے لئے بھی تو وقت دو محنت کرو، جان کھپاؤ! جب ہم مسلمان ہیں، ہمارا اس پر ایمان ہے کہ مرنے کی بعد کی زندگی کامل، لامحدود اور نہ ختم ہونے والی زندگی ہے تو کتنی عجیب بات ہے کہ اس کے لئے کوئی محنت نہ کی جائے، کوئی فکر نہ کی جائے؟ پھر وہاں کی نعمتیں بھی ایسی جن کے بارے میں ارشاد ہے:

﴿وَلَكُمْ فِيهَا مَا تَشْتَهِيْ اَنْفُسُكُمْ وَلَكُمْ فِيهَا مَا تَدَّعُوْنَ﴾ [حم السجدة: ۳۱]

تم اس (جنت) میں جو چاہو گے وہ ملے گا جو مانگو گے وہ فوراً مہیا کر دیا جائے گا۔

نیز ارشاد ہے:

﴿فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّا اُخْفِيَ لَهُمْ مِّنْ قُرَّةِ اَعْيُنٍ﴾ [السجدة: ۱۷]

ان جنتیوں کے لئے جو آنکھوں کی ٹھنڈک، راحت و آسائش چھپا کر رکھی گئی ہے اسے تو کوئی جانتا ہی نہیں (تصور سے بالاتر ہے)

اور ایک حدیث قدسی میں یوں آتا ہے:

قال الله تعالىٰ "اعددت لعبادى الصالحين ما لا عين رات و لا اذن سمعت و لا خطر على قلب بشر" (۱)

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں میں نے اپنے نیک بندوں کے لئے ایسی نعمتیں تیار کر رکھی ہیں جن کو نہ کسی آنکھ نے دیکھا، نہ کسی کان نے سنا، نہ کسی انسان کے دل میں ان کا خیال ہی گذرا۔

ہاں ہاں! ان کو کسی بھی آنکھ نے نہیں دیکھا، خواہ وہ کینیڈی کی آنکھ ہو یا چرچل کی، فرعون کی ہو یا شداد کی، اولین کی ہو یا آخرین کی، کسی بڑے سے بڑے ملک وسلطنت کے بادشاہ کی آنکھوں کو بھی ان کا دیکھنا نصیب نہیں ہوا، ہم بعض چیزوں کو دیکھتے تو نہیں مگر کانوں سے سن لیتے ہیں، گویا سننے کا دائرہ دیکھنے سے زیادہ وسیع ہے اس لئے فرمایا کسی کان نے وہ نعمتیں سنی بھی نہ ہوں گی، پھر احتمال تھا کہ دنیا میں کسی نے دیکھا اور سنا تو نہ ہو لیکن شاید کسی نے اس کا تصور ہی کر لیا ہو، تصور تو ایسی چیز ہے کہ یہاں بیٹھے بیٹھے ہی دور دراز ملکوں اور وہاں کی چیزوں کا تصور کر سکتے ہیں، نہ صرف یہ بلکہ یہ بھی تصور کر سکتے ہیں کہ ہم بادشاہ ہو گئے، یا آسمان پر چڑھ گئے، اس لئے فرماتے ہیں کہ نہیں ان نعمتوں کا تو خیال بھی کسی دل میں نہ گذرا ہوگا۔

اور یہ سب نعمتیں غیر محدود ہوں گی، (اثناء تقریر میں بجلی بجھ گئی اس پر حضرت نے فرمایا: چلو بھئی دل کی روشنی سے کام لو) ہاں تو میں عرض کرنا چاہتا ہوں کہ جب وہ زندگی یقینی بھی ہے اور غیر محدود بھی، کامل بھی ہے اور لذیذ بھی، تو بتلایئے اپنی اس محدود زندگی میں سے آپ نے اس کے لئے کتنا وقت نکالا اور کیا تیاری کی؟ (بجلی آ گئی تو فرمایا الحمد للہ، اس صبر پر بھی الحمد للہ اجر ملے گا)

جنت اور اخروی نعمتوں کا مستحق کون ہے؟

بہر حال یہ جنت اور بخشش کی دولت کس کو ملے گی؟ فرماتے ہیں:

﴿اُعِدَّتْ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ﴾ [الحدید:۲۱]

تیار کی گئی ہے ان کے لئے جو یقین لائے اللہ پر اور اس کے رسولوں پر۔

دنیا کی زندگی میں تو مومن و کافر، نیک و بد، دوست اور دشمن سبھی کو حسب ضرورت و مصلحت دیا جاتا ہے،

---

(۱) صحيح البخارى، كتاب بدأ الخلق، باب ماجاء فى صفة الجنة وانها مخلوقة ج:۱ ص:۴۶۰.
ايضا باب تنزيل السجدة، باب قوله: فلا تعلم نفس ما اخفى لهم من قرة اعين ج ۲ ص: ۷۰۴ ط: قديمى

یہ خوانِ یغما ہے یہاں ایمان وکفر کا سوال نہیں بلکہ کافر اور فاسق کو زیادہ دیا جاتا ہے، اس کی مصلحت ہمیں معلوم کرنے کی ضرورت نہیں، لیکن اس زندگی کے بعد جو امتحان ہوگا اس کے نتیجہ میں آخرت کی نعمتیں اپنی محنت میں کامیاب ہونے والوں کو ملیں گی، ہاں تو ادنی جنتی کو تمہاری زمین سے دس گناہ زیادہ جنت کی زمین ملے گی۔

جنت کی وسعت و بلندی

لوگ کہتے ہیں صاحب اتنی بڑی جنت کہاں سے آ گئی؟ میں پوچھتا ہوں یہ جو سیارے فضا میں معلق ہیں، کیا ان کی تعداد اور ان کی وسعت تمہیں معلوم ہے؟ صرف کہکشاں کے بارے میں تمہارے فلکیات کے ماہر کہتے ہیں کہ اس میں تین ارب ستارے ہیں، تو گویا اسی فضا کو جس میں سیارے گردش کر رہے ہیں اگر انسانوں پر تقسیم کر دیا جائے اور جتنے انسان موجود ہیں ان سے کروڑوں بلکہ اربوں گنا زائد انسان ہوں تب بھی تمہاری زمین سے دس گنا کیا ہزاروں گناہ زیادہ رقبہ ایک آدمی کے حصے میں آ سکتا ہے اور پھر جنت تو اس فضائے بسیط سے بھی کہیں بلند و بالا اور وسیع تر ہے، بہر حال اگر آپ کو یقین ہے اس ابدی زندگی پر تو دیکھنا یہ ہے کہ آپ اس کے لئے تیاری کیا کرتے ہیں، میں یہ نہیں کہتا کہ دنیا کے منصب حاصل نہ کرو، یہاں کی ترقی سے کنارہ کش ہو جاؤ، اس کے لئے محنتیں نہ کرو، نہیں جو جائز ہے سب کچھ کرو، خوب کرو، محنت سے کرو، لیکن اسے وسیلہ سمجھو، مقصد نہ بناؤ، کیونکہ زندگی میں کھانا بھی ہوگا، پہننا بھی ہوگا، رہنا بھی ہوگا اور جو بھی اس زندگی بسر کرنے کے لوازمات ہیں سب درکار ہوں گے، مگر سب بقدر ضرورت اور وقتی، اس کی مثال ایسی ہے کہ کوئی پشاور سے کراچی کا سفر کرے تو دو تین دن کا سفر ہے اس کے لئے کھانے ناشتے کا انتظام، اور جتنے پہننے کے کپڑے، سونے کے لئے بستر، جگہ (سیٹ) وغیرہ کا انتظام اور خرچ کے لئے جیب میں کچھ پیسے سب ہی ضروری ہیں لیکن نہ یہ سفر بذات خود مقصد ہے، نہ اس کے لوازمات، نہ کوئی درمیانی ویٹنگ روم (انتظار گاہ) آخری منزل ہے، اب اگر وہ مسافر کسی ویٹنگ روم کی سج دھج کو دیکھ کر وہیں بیٹھا مزے لیتا رہا اور گاڑی نکل جائے تو اس کو آپ احمق اور بے وقوف کہیں گے یا نہیں؟ پس اس سے بھی بڑھ کر بے وقوف وہ شخص ہوگا جو دنیا کے ویٹنگ روم کے تماشہ میں کھو کر اسی کو مقصد بنا لے اور اس کی لطف اندوزیوں میں منزل مقصود کو بھول جائے۔

حق تعالیٰ نے آپ کو دنیاوی وسائل بھی دیئے ہیں اور عقل وشعور بھی دیا ہے، اب اگر آپ آخرت کو مقصد بنائیں تو یہ دنیا اور اس کی تمام نعمتیں بھی آخرت بن جائیں گی، مثلاً جہاد کے لئے تلوار بنائی جائے، تو یہ ساری محنت باعث اجر ہوگی اور اگر اسی تلوار کو ظلم و تعدی کے لئے بنایا جائے تو موجب جرم و عذاب ہوگی، تو مقصد آخرت کو بنا کر اس کی خاطر دنیا میں جو بھی صحیح اور جائز محنت کرو گے وہ سب آخرت میں شمار ہوگی اور اگر دنیا ہی کو مقصد بنا لیا تو آخرت کے کام بھی دنیا بن جائیں گے۔

اخروی ابدی زندگی کے حصول کا طریقہ

اب میں آپ کو متوجہ کرنا چاہتا ہوں کہ آخرت کی ابدی زندگی کے لئے ہم کیا کر رہے ہیں؟ شاید آپ کہیں ابھی تو ہم طالب علم ہیں، ڈگری حاصل کرنے کے بعد منزل بھی متعین کرلیں گے، لیکن یہ دھوکا ہے آخر آپ کے پاس کیا سند ہے کہ اتنی مدت ہم زندہ بھی رہیں گے، یہاں تو یہ ہوتا ہے کہ اسّی برس کا بوڑھا رینگتا رہتا ہے اور تنومند، مضبوط نوجوان حرکت قلب بند ہونے سے ختم ہو جاتا ہے، اس قسم کے بیسیوں عبرت آموز واقعات آپ کے سامنے ہیں۔

دوسرا دھوکہ یہ ہے کہ ہم خیال کرلیا کرتے ہیں کہ عالم فاضل یا گریجویٹ بننے کے بعد کام کریں گے، آپ مسلمان ہیں آپ طالب علمی میں بھی بہت کچھ کام کر سکتے ہیں، پروفیسر ہوں وہ بھی خوب کام کر سکتے ہیں، اگر ہم میں سے ہر شخص اپنی اپنی جگہ دین کی طرف متوجہ ہو جائے تو دنیا میں انقلاب آ جائے، تو اگر آپ نے طالب علمی ہی سے آخرت کی طرف توجہ کرلی تو گویا آخرت کا سامان کرلیا اور اگر مقصد صرف ڈگری اور تنخواہ ہے تو یہ وہی کافروں کی سی حیوانی زندگی ہے، جس کے بارے میں فرمایا ہے:

﴿وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا يَتَمَتَّعُوْنَ وَ يَاْكُلُوْنَ كَمَا تَاْكُلُ الْاَ نْعَامُ وَالنَّارُ مَثْوًى لَّهُمْ﴾ [محمد:۱۲]

اور جو لوگ کافر ہیں وہ تو (دنیا میں) ایسے ہی نفع اٹھاتے اور کھاتے پیتے ہیں جیسے چوپائے اور آخرت میں تو ان کا ٹھکانا جہنم ہے۔

ہر انسان کو اللہ تعالیٰ نے عقل و شعور کی دولت دی ہے اور نبوت و بعثت کی نعمت اس کی رہنمائی کے لئے عطا فرمائی ہے، کیا انسان کی قیمت یہی حیوانی زندگی ہے کہ کھائے اور نکالے، کھائے اور نکالے؟ انسان کو اعلیٰ سے اعلیٰ ڈگری، بڑی سے بڑی تنخواہ میسر آ جائے، اچھا فرنیچر، عمدہ کار، بہترین بنگلہ اور آسائش کا ہر سامان مل جائے لیکن اگر مقصد پیٹ کو بھر لینا اور سو رہنا اور جو کھایا ہے اس کو نکال دینا ہی ہو تو انسان گویا پاخانہ بنانے کی اچھی خاصی مشین بن گیا کہ ڈالو اور نکالو، ڈالو اور نکالو، اگر یہ مقصد زندگی ہو تو ذرا سوچ لیجئے آپ نے انسان کو کہاں پہنچایا، اسی کے متعلق فرمایا ہے:

﴿اُولٰٓئِكَ كَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ﴾ [الاعراف:۱۷۹]

یہ لوگ تو ڈھوروں جیسے ہیں بلکہ ان سے بھی گئے گذرے۔

اس لئے کہ ان کے پاس تو عقل نہیں کہ وہ کچھ سوچیں وہ تو صرف اتنا شعور رکھتے ہیں کہ بھوک لگی تو چارہ کھالیا اور پیاس لگی تو پانی پی لیا مگر یہ انسان نما جانور تو عقل کے باوجود ڈوب گئے۔

بے دینی کے سیلاب کو روکنے کے لئے سب کو مل کر کوشش کرنی چاہیے

آپ طالب علمی اور جوانی میں وہ خدمت کر سکتے ہیں جو بڑھاپے میں نہیں کر سکتے، اسلام ایک دعوت اور پیغام ہے۔آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

"الا فلیبلغ الشاھد الغائب"(۱)

یعنی ہر موجود شخص دین کا پیغام غیر موجود لوگوں کو پہنچائے۔تو آپ کے ذمہ بھی ایک فرض عائد ہوتا ہے، اسلام کو پہنچانے کا، آج اسلام کو خطرناک سیلابوں کا سامنا ہے جس کا بڑا سبب مغرب کی طاغوتی طاقتیں ہیں، دراصل اہل مغرب نے صلیبی جنگوں سے یہ اندازہ اچھی طرح کر لیا تھا کہ ہم مسلمانوں کو قوت شمشیر اور زور بازو سے شکست نہیں دے سکتے اس لئے انہوں نے اسلام کے خلاف ذہنی جنگ شروع کی تاکہ مسلمانوں کو اسلام کی نعمت سے محروم کر دیا جائے، ان کی یہ کوششیں جو کئی صدی پہلے شروع کی گئی تھیں آج اپنی شباب پر ہیں آج ان کے پاس طاقت ہے، وسائل ہیں، بے پناہ ذرائع ہیں آج ان کا نقشہ ٹھیک وہی ہے جو موسیٰ علیہ السلام نے فرعون کا بیان فرمایا تھا:

﴿رَبَّنَا اِنَّكَ اٰتَيْتَ فِرْعَوْنَ وَمَلَاَهٗ زِيْنَةً وَّاَمْوَالًا فِى الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا رَبَّنَا لِيُضِلُّوْا عَنْ سَبِيْلِكَ رَبَّنَا اطْمِسْ عَلٰى اَمْوَالِهِمْ﴾ [یونس:۸۸]

اے پروردگار! آپ نے فرعون اور اس کے سرداروں کو دنیوی زندگی، بے حد مال و دولت اور زینت و آرائش دی ہے، اے پروردگار! اس کے نتیجے میں وہ (بجائے شکر کے) تیرے بندوں کو گمراہ کر رہے ہیں، اے پروردگار! ان کے مالوں کو ملیامیٹ کر دے۔

وہ خود یہ جانتے ہیں کہ وہ جس زندگی میں مبتلا ہیں وہ بدترین اور تباہ کن زندگی ہے، دنیا ہی میں جہنم کی زندگی میں مبتلا ہیں، مجھے کراچی کے ایک دوست نے جو انگلینڈ سے آئے تھے بتلایا کہ وہاں ایک شخص بہت بڑا مالدار تھا، اس نے اپنے والدین کو ملازم رکھ چھوڑا تھا، وہ فخر سے کہا کرتا تھا کہ جب میں دوسروں کو ملازم رکھتا ہوں تو اپنے ماں باپ کو کیوں ملازم نہ رکھوں۔یہ ہے نئی تہذیب وتمدن، انسانیت ختم، عاطفت ختم، جانوروں میں جو شفقت پائی جاتی ہے وہ بھی انسانوں میں مفقود ہے، وہ خود جن فواحش، منکرات اور عریانیوں میں غرق ہیں چاہتے ہیں کہ مسلمانوں کو بھی غرق کر دیں، افسوس ہے کہ ہم اسی بدترین زندگی کو اپنا کر ان کے نقش قدم پر جا رہے ہیں۔

بہر حال اسلام کے دشمن رات دن اس فکر میں ہیں کہ کسی طرح اسلام کی برکات سے ہمیں محروم کر دیں، تو جب تک ہمارے نوجوان طالب علم، پروفیسر، تاجر، کسان غرضیکہ ہم سب مل کر اپنے دین کو بچانے کی فکر نہیں کریں

(۱) صحیح البخاری، کتاب المناسک، باب الخطبة ایام منی ج:۱ ص:۲۳۴، ط:قدیمی

گے، اس وقت تک بے دینی کے اس بڑھتے ہوئے سیلاب کو روکنا ممکن نہیں ہوگا، اس سیلاب کو روکنا کسی مخصوص طبقے کے بس کا کام نہیں، البتہ اتنا ہو جائے گا کہ یہ لوگ اپنے دین کو بچالیں، لیکن جس عالمگیر پیمانے پر بے دینی کا سیلاب آیا ہے جب تک اسی پیمانے پر اسے روکنے کے لئے محنت نہیں کی جائے گی اس وقت تک یہ نہیں رکے گا۔

ہمارا دینی فرض

میری زندگی کا موضوع مسائل حیات پر غور کرنا ہے، میں بہت تڑپ رہا ہوں، ایک چھوٹی سی درس گاہ میرے پاس ہے، دو چار سو طالب علم پاس بیٹھے رہتے ہیں، لگا رہتا ہوں، لیکن جب سوچتا ہوں کہ میرا کام اس سے پورا ہو گیا تو دل جواب دیتا ہے قطعاً نہیں، میں اپنے کو دھوکا دوں گا اگر میں یہ سمجھ لوں کہ میں نے بخاری شریف کا درس دے لیا اور میرا کام پورا ہو گیا، دین کا تقاضا ہے کہ اگر آگ لگی ہو تو اسے بجھانے کے لئے مجھے جانا چاہئے، اللہ تعالیٰ شاید مجھے نہیں چھوڑیں گے کہ دنیا میں فسق و فجور کی آگ لگ رہی تھی ایک جہاں اس میں جل رہا تھا اور میں بخاری شریف پڑھا رہا تھا۔

میرے دوستو! میں اور آپ ایک کشتی کے مسافر ہیں ہماری منزل آخرت ہے، اگر اس کشتی میں کوئی سوراخ کر دے تو ہم سب غرق ہوں گے، اس لئے اس کے ہاتھوں کو پکڑنا اور اس کی صحیح رہنمائی کرنا ہمارا سب کا فرض ہے، اس لئے میں آپ حضرات سے اس مختصر وقت میں یہی عرض کرنا چاہتا ہوں کہ خدا کے لئے دنیا کو مقصد نہ بناؤ، اپنے منصب کو پہچانو، اپنے وقت کی قدر کرو اور حق تعالیٰ کے سامنے جوابدہی کی تیاری کرو اور اسلام کا پیغام دنیا کو پہنچاؤ، اس کے لئے کسی خاص فراغت اور فرصت کی ضرورت نہیں، تم ہر جگہ رہ کر ہر حال میں اسلام کی خدمت کر سکتے ہو، اگر آپ نے ایسا کر لیا تو واللہ دنیا کی کامرانی بھی آپ کے ہاتھ ہوگی اور اگر بالفرض کامیابی نہ بھی ہوئی تو آپ کا کام تو بہر حال پورا ہو ہی گیا۔

عالمگیر فتنوں کے مقابلہ کے لئے تبلیغی جماعت کا وجود

اب میں ایک ضروری مضمون عرض کر کے ختم کرتا ہوں، ایک دفعہ مکی مسجد (کراچی) جانا ہوا، میں کبھی کبھی وہاں چلا جاتا ہوں، وہاں تبلیغی حضرات نے مجھے پکڑ لیا اور کچھ بیان کرنے کی دعوت دی، میں نے سوچا کیا بیان کروں، بولنا مجھے آتا نہیں، خیر میں ان حضرات کے اصرار پر بیٹھ گیا، "الحمد للہ رب العلمین" کی آیت پڑھی بس پھر کیا تھا قرآن کی برکت سے سینہ کھل گیا، عجیب وغریب مضامین ذہن میں آئے، کوئی ڈیڑھ دو گھنٹہ بیان ہوا، تفصیل تو مجھے اب یاد نہیں رہی کچھ مضمون یاد ہے وہی اس موقعہ پر عرض کرنا چاہتا ہوں، میں نے کہا اللہ جل ذکرہٗ عالمین کا رب ہے، اس کی ربوبیت کے کرشمے ظاہر ہیں، لیکن اتنے عجیب وغریب کہ عقل حیران ہے، جسمانی ربوبیت کی تفصیل کو چھوڑتا ہوں، صرف روحانی ربوبیت کو دیکھئے کہ نبوت ختم ہو چکی ہے، علماء امت کی مساعی اوّل تو

ناکافی ہیں پھر جتنی چھ ہیں وہ بھی کامیاب نہیں اور نئی نسل کی تباہی اور گمراہی کے لئے بیسیوں فتنے موجود ہیں، تھیٹر، سینما وغیرہ وغیرہ اخلاق کی قربان گاہ تھے ہی اب تو بے دینی کے انتہائی غلبہ اور تسلط کی وجہ سے اسکولوں، کالجوں اور یونیورسٹیوں کا بھی جو حال ہے وہ آپ کو معلوم ہے، اخبارات میں روزانہ اس کی خبریں آپ پڑھتے ہیں، اس کے علاوہ وہ ممالک جو فحاشی اور بے حیائی کے مرکز ہیں، امریکہ، برطانیہ وغیرہ ان ممالک سے مواصلات اور رسل ورسائل کی آسانی کی وجہ سے فتنوں کا ایک تانتا بندھا ہوا ہے۔

الغرض ان حضرات کی برکت سے پوری بات ذہن میں آ گئی، میں ان تبلیغی حضرات کے اخلاص کا بڑا معتقد ہوں، اب بھی بعض مخلصین کی وجہ سے بول رہا ہوں ورنہ مجھے بیان کرنا نہیں آتا، تو دل میں یہ بات آئی کہ اللہ تعالیٰ کی شانِ ربوبیت کا کرشمہ یوں ظاہر ہوا ہے کہ ان عالمگیر فتنوں کے مقابلہ میں اللہ تعالیٰ نے تبلیغی جماعت کا یہ نظام جاری فرما دیا، یہ وہ نظام ہے جو عالمگیریت چاہتا ہے، اس میں عالم بھی کھپ جاتا ہے اور ان پڑھ بھی، امیر بھی اور غریب بھی، تاجر بھی اور صناع بھی، کالا بھی اور گورا بھی، مشرقی بھی اور مغربی بھی، اگر اس زمانے میں یہ تبلیغی نظام جاری نہ ہوتا تو گویا اللہ تعالیٰ کی شان ربوبیت کا کمال ظاہر نہ ہوتا، ورنہ ہمارے مدارس، تعلیمی ادارے، اسکول اور کالج جتنے آدمی تیار کرتے ہیں وہ تو اس عالمگیر سیلاب کے لئے کافی نہیں تھے، یہ تبلیغ والے ایک گشت لگاتے ہیں، سیلاب کے طریقہ سے آتے ہیں اور دو، چار، پانچ، دس آدمیوں کی ہدایت کا سامان بن جاتے ہیں، کہیں کسی کو امریکہ سے پکڑ لاتے ہیں، کہیں لندن سے، مصر کے صدر ناصر نے پانچ ہزار مبلغ بھیجے اور سالانہ کروڑوں روپیہ ان پر صرف ہوتا ہے لیکن ان سے پوچھئے کہ کتنے لوگوں کو صحیح مسلمان بنایا، ادھر تبلیغی نظام کی برکات آپ کے سامنے ہیں کہ ہزاروں لاکھوں بندگانِ خدا کی ہدایت کے لئے یہی نظام ذریعہ بن گیا، تو اللہ پاک نے تبلیغی جماعت کا جو نظام جاری فرمایا ہے یہ درحقیقت اللہ تعالیٰ کی روحانی ربوبیت کا ایک کرشمہ ہے، جو اللہ پاک نے اس امت کے اندر ظاہر فرمایا ہے تاکہ اللہ کی حجت پوری ہو جائے اور کسی کو یہ کہنے کا موقعہ نہ رہے کہ میرے پاس فرصت نہ تھی۔ اللہ نے یہ نظام ہی ایسا جاری فرمایا کہ مشغول سے مشغول آدمی بھی اس میں کھپ سکتا ہے اس نظام کے ذریعہ اللہ تعالیٰ نے یہ سبق دیا کہ تمہارے ذمے اس پیغام کا پہنچانا ہے اگر کسی کو "لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ" یاد ہے وہ یہی دوسرے بھائی کو سکھا دے، کسی کو "سبحانک اللّٰھم" یاد ہے وہ سکھا دے، کیونکہ ایسے لوگ بھی موجود ہیں جن کو یہ بھی یاد نہیں، تو اللہ رب العالمین کی ربوبیت کا جیسا مادی نظام ہے ایسا ہی تبلیغی جماعت کا وجود میرے نزدیک روح کی غذا اور آخرت کی تیاری کے لئے اللہ تعالیٰ کا روحانی نظام ربوبیت ہے، یہ ایک مختصر متن ہے جس کی شرح پر کتابیں لکھی جا سکتی ہیں۔ اس لئے میں آپ حضرت سے یہی عرض کروں گا کہ آپ اس جماعت سے تعلق رکھیں، خدا تعالیٰ آپ کو توفیق دے، آپ دنیا کے اندر انقلاب پیدا کر دیں گے، فرض شناسی اور دین پر چلنے کی ہمت آپ میں پیدا ہوگی اور اس کی وہ لذت، فرحت اور مسرت آپ کو حاصل ہوگی کہ:

''لذت ایں بادہ بخدا نشناسی تا نہ چشی''

اور سچ پوچھئے تو اللہ تعالیٰ کے ذکر میں وہ لذت وہ سرور اور وہ اطمینان قلب رکھا ہوا ہے کہ بے چارے بادشاہوں کو اس کی ہوا بھی نہیں لگی اور یہ وہ دولت ہے جو آج دنیا میں مفقود ہے، امریکہ اور برطانیہ کو خبر نہیں کہ ان بوریا نشین فقیروں کے پاس سکون قلب کی کتنی بڑی دولت ہے، ان کا حال تو وہی ہے جو قرآن مجید میں بیان فرمایا گیا ہے:

﴿وَاِنَّ جَهَنَّمَ لَمُحِيْطَةٌۢ بِالْكٰفِرِيْنَ﴾ [التوبة:۴۹]

اور بے شک جہنم محیط ہے کافروں کو۔

آخرت میں تو جہنم ان کو گھیرے ہوئے ہوگی ہی، یہ دنیا بھی ان کے لئے سراپا جہنم بن کر رہ گئی ہے۔ تو اللہ جل ذکرہٗ نے تبلیغی جماعت کے ذریعہ ہدایات کا سامان پیدا کر دیا ہے اور آپ کے لئے اپنی اور اپنے بھائیوں کی اصلاح کی صورت پیدا کر دی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو توفیق عطا فرمائیں کہ ہم اس پر گامزن ہو جائیں تا کہ ہماری زندگی درست ہو جائے، ہماری ساری زندگی آخرت کے لئے بن جائے اور ہمیں آخرت کی جاودانی زندگی نصیب ہو جائے۔

وآخر دعو انا ان الحمد للہ رب العلمین

[محرم الحرام ۱۳۸۸ھ]

تبلیغ دین و دعوت الی اللہ

عرصہ دراز سے امت محمدیہ سے ایک اہم تقصیر ہو رہی اور خیر القرون کے بعد سے ہی اس تقصیر کی بنیاد پڑ گئی تھی، یعنی تبلیغ دین اور دعوت الی اللہ میں قابل حسرت کوتاہی ہو رہی ہے، دعوت و ہدایت دین اسلام کا اساسی اصول ہے، جب دعوت ناکام ہو اور اس کی اشاعت کے راستے میں روڑے اٹکائے جائیں تو جہاد و قتال کی نوبت آتی ہے۔ قرون اولی کے سلف صالحین گفتار سے زیادہ اپنے کردار سے یہ دعوت پیش کرتے رہے، قوت بیانی سے پہلے اخلاقی وایمانی قوت سے دعوت دیتے رہے۔ ہر ایک صحابی سر سے پیر تک اسلامی اخوت اسلامی، مواسات اور اسلامی اخلاق کا اعلیٰ نمونہ تھا، دنیا میں اسلام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرامؓ کے دینی حسن و جمال اور حسن اخلاق کے کمال سے پھیلا تلوار کے زور سے نہیں پھیلا، صاحب انصاف وصاحب عقل وبصیرت مورخ اس سے بے خبر نہیں، اگر مسلمان اس اہم فریضہ میں کوتاہی نہ کرتے تو شاید تمام عالم مسلمان ہوتا تکوینی مصالح تو حق تعالیٰ ہی جانتا ہے تاہم دنیا کے مزاج میں کفر و اسلام کے امتزاج سے انکار نہیں کیا جا سکتا، لیکن جہاں تک عقل اور اسلامی اصولوں کا تقاضا ہی وہ یہی ہے جو کچھ عرض کیا جا رہا ہے۔ چنانچہ اپنے اثرات کے اعتبار سے دیرپا اسلام وہی رہا جو دعوت و ارشاد کے راستوں سے پھیلا ہے، اسلامی فتوحات کے ادوار میں یہ بات بھی بالکل واضح ہے کہ حضرات صحابہ

کے عہد میمون میں جو ممالک اسلام کے زیرنگین آئے وہ آج تک اسلام پر قائم ہیں اور بعد میں سلاطین اسلام کی تلوار سے جو مسلمان ہوئے وہ یکے بعد دیگرے اسلام سے نکلتے جارہے ہیں، نیز یہ فرق بھی واضح ہے کہ قرون اولیٰ کے مفتوحہ ممالک میں عقائد کی پختگی آج بھی باقی ہے، اگرچہ اعمال واخلاق میں یورپ کی نقالی کا رنگ غالب ہے۔اس کے برخلاف جو ممالک بعد میں سلاطین اسلام اور ملوک اسلام کے زور تلوار سے فتح ہوئے ہیں ان میں عقائد کی خامی واضح ہے، اگر کہیں اعمال ظاہری میں بظاہر پختگی بھی نظر آئے تو کرید نے کے بعد معلوم ہوگا کہ قلبی عقیدہ اتنا کھوکھلا ہو چکا ہے کہ ایک دھکے سے ختم ہوجاتا ہے، دراصل ابتدائی دور کی فتوحات میں اخلاص نمایاں تھا انہوں نے اگر جہاد بھی کیا تو وہ بھی صرف اس غرض سے تھا ''لتکون کلمة الله هی العلیا'' تاکہ صرف حق تعالیٰ کا دین غالب ہو۔ اس لئے ان فتوحات کی برکات سے مسلمانوں کے عقائد میں پختگی پائی جاتی ہے اور جو ملک بعد میں فتح ہوئے ان میں اخلاص کا وہ درجہ نہ تھا بلکہ ملوکیت اور شان وشوکت کی آمیزش تھی اس لئے وہ دینی تصلب حاصل نہ ہوسکا، کہنا یہ تھا کہ دعوت وارشاد میں امت مقصر رہی ہے اور آج جو نقشہ اسلام اور مسلمانوں کا ہے اسی تقصیر کا نتیجہ ہے۔

تبلیغی جماعت اور اس کے شاندار اثرات

حق تعالیٰ کی ہزاروں ہزار رحمتیں ہوں حضرت مولانا محمد الیاس کاندھلوی کی روح پر، جنہوں نے مسلمانوں کو بھولا سبق یاد دلایا اور اس سبق یاد دلانے میں ہی فنا ہو گئے، اگر کوئی فنافی اللہ، فنافی الرسول اور فنافی الشیخ کے مظاہر کو سمجھنا چاہتا ہو تو حضرت مرحوم کو دیکھ لے کہ کس طرح فنافی التبلیغ ہو گئے تھے، اٹھتے، بیٹھتے، سوتے، جاگتے بس یہی فکر ہی دامن گیر تھی، تمام زندگی اور تمام افکار وانفاس بس اسی مقصد کے لئے وقف تھے، حق تعالیٰ نے ان کی جانفشانی وقربانی ایثار واخلاص اور جدوجہد کو قبول فرمایا اور چاردانگ عالم میں اس کے ثمرات وبرکات پھیل گئے، شاید روئے زمین کا کوئی خطہ ایسا باقی نہ رہا ہوگا جہاں ان کی جماعت کے قدم نہ پہنچے ہوں۔ ماسکو، فن لینڈ واچین سے لے کر چین وجاپان تک ان قافلوں کی دعوت وانبیاء کرام علیہم السلام کے طریق دعوت سے بہت مشابہت رکھتی ہے، اس کا انتظار نہیں کہ لوگ خود آئیں گے اور دین سیکھیں گے، بلکہ گلی کوچوں اور بازاروں میں چل پھر کر اور گھر گھر لوگوں کے پاس پہنچ کر دعوت دی جاتی ہے اور زبان سے حسن اخلاق سے اور اپنے طرز عمل سے دعوت دی جاتی ہے، سر سے پیر تک اسلامی مجسمہ بن کر اسلام کا عملی نمونہ پیش کیا جاتا ہے اس لئے اس کا اثر یقینی ہوتا ہے۔

آج امت تقریر وتحریر کی محتاج نہیں یہ بہت کچھ ہو چکا ہے ضرورت عملی نمونہ پیش کرنے کی ہے، فصاحت وبلاغت کا دریا امت بہا چکی ہے، لیکن آج صرف سادہ عملی دعوت کی ضرورت ہے۔ الحمد للہ کہ آج تبلیغی جماعت اس پر عمل پیرا ہے بہر حال طبیب خود مریض کے پاس جاتا ہے اس کا انتظار نہیں کرتا کہ مریض طبیب کے پاس پہنچے تو علاج ہو، اگر یہ طریقہ عام ہو جائے اور امت کی اکثریت یا کم از کم بڑی کثرت اس مقصد کو شروع

کردے تو توقع ہوسکتی ہے کہ امت کو نجات مل جائے اور بیڑہ پار ہو جائے، اگر امت پوری طاقت اسی طرح اصلاح ودعوت پر لگائے اور معاشرے کی اصلاح ہو جائے تو ہوسکتا ہے کہ آئندہ اقتدار بھی انہی صالح ہاتھوں میں آ جائے اور پھر جو کام سالوں میں ہوتے ہیں وہ منٹوں میں ہو جایا کریں، بنیادی اصول بھی یہی ہے کہ پہلے معاشرے کی اصلاح کی جائے، اگر اصلاح شدہ معاشرے کے افراد کی ہاتھوں میں حکومت کی باگ ڈور ہو تو کامیابی یقینی ہے ورنہ امت کا وہی حشر ہوگا جو آج ہو رہا ہے اور اکثریت کے جو نمائندے مسند حکومت پر براجمان ہیں ان کا ''صورت ببین حالش مپرس'' والا قصہ ہے، اس طرح بلاشبہ کچھ دیر تو لگے گی لیکن قوموں کے عروج وزوال کی تاریخ میں دس پندرہ سال کا عرصہ کچھ زیادہ نہیں ہوتا، آج قوم کی کشتی جس خطرناک بھنور میں پھنس گئی ہے روزانہ اخبارات کے صفحات میں اس کو دیکھئے اور پڑھیئے، حیرت واضطراب کی کوئی انتہاء باقی نہیں رہتی، لے دے کر ایک عالم دین مسند حکومت پر متمکن ہوا مگر شیطانوں کے لئے اس کا وجود بھی ناقابل برداشت ہے۔ خدا جانے کتنی مشکلات ان کے لئے پیدا کی جارہی ہیں، کتنے روڑے ان کے راستے میں اٹکائے جارہے ہیں، تمام شیاطین الانس والجن مقابلے پر سینہ تان کر کھڑے ہو گئے ہیں، الغرض جب تک معاشرے کی اصلاح نہ ہو جائے، نقار خانے میں طوطی کی آواز کون سنتا ہے، اللہ تعالیٰ رحم فرمائیں۔

لندن میں بین الاقوامی تبلیغی اجتماع

لندن سے برادرم محترم مولانا مفتی عبدالباقی کا ایک مکتوب گرامی آیا تھا جس میں بین الاقوامی تبلیغی اجتماع (لندن) کا ایک منظر پیش کیا گیا ہے اوپر جو کچھ عرض کیا گیا اس سے اس کی تائید ہوتی ہے، نامناسب نہ ہوگا اگر اس کا اقتباس پیش کروں، وہ لکھتے ہیں:

① بین الاقوامی تبلیغی اجتماع ختم ہو چکا، تثلیث کے اس ملک میں توحید کی آواز عجیب منظر پیش کر رہی تھی، ایسا معلوم ہو رہا تھا گویا قرونِ اولیٰ کے بچے بچائے لوگ (جن کی زندگی میں اسلام کی جھلک نظر آ رہی تھی) جمع ہوئے ہیں ان میں لمبی لمبی ڈاڑھیوں والے، لمبے لمبے کرتوں والے، پاجاموں والے، شلواروں والے، بڑی بڑی پگڑیوں والے تھے جنہیں دیکھ کر گورے لوگ محو حیرت بھی تھے اور محو تماشا بھی۔

جب ہندوستان کا وفد لندن کے ہوائی اڈہ ہیتھرو بلڈنگ نمبر ۳ پر تشریف لایا تو قانونی کارروائی سے فراغت کے بعد سب سے پہلے امیر التبلیغ حضرت مولانا انعام الحسن صاحب باہر تشریف لائے، نہ زندہ باد یا مردہ باد کے نعرے، نہ ہنگامہ نہ شور وشر، کچھ بھی نہیں تھا بلکہ انتہائی وقار اور خاموشی کے ساتھ لبوں پر تبسم، چہروں پر طلاقت، اطمینان اور سکون کی فضا میں معانقے ہوئے، مصافحے ہوئے اور پھر دعا شروع ہوئی جس میں آہیں سسکیاں اور پھر آخر میں دھاڑیں مار کر رونے کی آوازیں بلند ہوئیں، تثلیث کے پرستار نیم عریاں لباس میں

کیمرے تان کر کھڑے تماشہ کر رہے تھے اور تماشہ دکھا رہے تھے، ان کو فوٹو اتارنے سے منع کیا گیا تاہم چپکے چپکے سے وہ کیمروں کو ہلاتے رہے سرتاپا حیرت کے مجسمے بنے ہوئے تھے۔ چونکہ لندن ایئرپورٹ (ہیتھرو) پر ایک منٹ میں جہاز اترتا ہے اور قریباً دوسرے میں اڑتا ہے اس لئے مسافروں کا تانتا بندھا رہتا ہے، مسافر آتے جاتے تھوڑی دیر کے لئے ضرور رکتے اس لئے کہ منظر ہی ایسا تھا کہ ہر ایک کو دعوت نظارہ دے رہا تھا۔

⑵ یہ مجمع مرکز تبلیغ لندن گیا اور پھر دوسرے دن اجتماع گاہ شیفیلڈ میں پہنچا، تین دن شیفیلڈ میں بڑی رونق رہی، خاص طور پر جب خیموں میں اور خیموں سے باہر میدان میں نمازوں کے لئے صفیں درست ہو جاتی تھیں تو اس منظر کو دیکھنے کے لئے محل اجتماع سے باہر فٹ پاتھوں پر انگریز مرد اور انگریز عورتیں کافی تعداد میں کھڑے ہو کر تماشہ کرنے لگتے، یہ روح پرور منظر ان پر بڑا اثر انداز ہو رہا تھا، اجتماع میں قریباً اڑتیس ملکوں کے وفود شامل ہوئے، جو آسٹریلیا کے علاوہ باقی چاروں براعظموں کے مختلف بولی بولنے والے مختلف نسل و رنگ کے لوگ تھے، کینیڈا، امریکہ، افریقہ اور ایشیا اور یورپ، عرب وعجم اسلام کے عالمگیر دین ہونے کا عملی نقشہ نظر آ رہا تھا۔ قریباً بارہ سو آدمیوں نے چار مہینوں، چلوں اور کم وبیش وقت لگانے دور اور دیر کے لئے نکلنے کے لئے اپنے نام پیش کئے، بائیس جماعتیں بیرونی ممالک کے لئے تیار ہو گئیں اور پینتالیس اندرون ملک کے لئے۔

⑶ کینیڈا اور امریکہ سے آئی ہوئی جماعتوں میں قریباً پندرہ آدمی حاجی حسین احمد جاجبھائی کی مسجد میں (جہاں میرا قیام ہے) جہاز کی روانگی میں تاخیر ہونے کی وجہ سے بارہ دن تک ٹھہرے، رات کو عشاء کی نماز کے بعد یہ لوگ ٹرانسلیٹر (ترجمان) کے ذریعہ مجھ سے سوالات کرتے رہتے اور میں ان کو جوابات دیتا رہتا، کبھی کبھی چار چار ترجمان ہوتے تھے، یہ سلسلہ رات کے ڈیڑھ بجے اور کبھی دو دو بجے تک چلتا تھا، انہوں نے مختلف موضوعات پر سوالات کئے، علم رمل، علم جفر، علم نجوم، قیافہ، پامسٹری، کہانت، الہام، وحی عذاب قبر، برزخ، دوزخ، جنت، علامات قیامت، دجال، امام مہدی علیہ السلام، حضرت عیسیٰ علیہ السلام، یاجوج ماجوج، دیدار الٰہی سے لے کر خوابوں کی تعبیرات تک سوالات کئے، چونکہ ان میں اکثر نومسلم تھے اس لئے علم کے بہت پیاسے تھے آخر میں انہوں نے کہا کہ نیویارک میں ہمارے اور بہت سے بھائی ہیں جو اپنے سوالات کے تسلی بخش جوابات چاہتے ہیں، آپ ہمارے ساتھ نیویارک اور کینیڈا چلیں، بہت عذر پیش کیا کہ مجھے انگریزی نہیں آتی وغیرہ، ہاں اگر یہ میرے ترجمان میرے ساتھ جائیں تو کسی وقت آپ کے ہاں آنا ہو سکتا ہے لیکن یہ لوگ بضد رہے پھر یہ لوگ واپس چلے گئے یہ اکثر کالے رنگ اور نسل سے تعلق رکھتے تھے۔

⑷ ہم نے محمد علی کلے سے متعلق ان سے پوچھا تو انہوں نے محمد علی کلے کے بارے میں کسی اچھی رائے کا اظہار نہیں کیا، کہنے لگے اس نے آج تک پورا کلمہ نہیں پڑھا ''لا الہ الا اللہ'' پڑھا ہے اور اپنے آپ کو مسلمان کہتا ہے، محمد رسول اللہ آج تک نہیں پڑھا اور اس نے آج تک نماز نہیں پڑھی اور بہت مالدار ہے کبھی زکاۃ نہیں نکالی اور

حج ابھی تک نہیں کیا روزہ کا حال خدا کو معلوم ہے۔

تبلیغ دین اور دینی مدارس

بہر حال میرا ناقص خیال ہے کہ جتنے عملی فتنے رونما ہو رہے ہیں ان کی اصلاح کے لئے یہ طریقہ دعوت اور اس میں شمولیت بلا شبہ مؤثر نسخہ اور علاج ہے، لیکن علمی فتنوں کے لئے ٹھوس علم کی ضرورت ہے آج کل اعداء اسلام مستشرقین وغیرہ اسلام کے بنیادی مسائل کو ڈائنامیٹ لگا رہے ہیں، قران کریم کے کلام الٰہی ہونے میں شبہات، حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں وساوس، فقہ اسلامی پر تنقیدات واعتراضات، ان علمی فتنوں کی سرکوبی کے لئے ٹھوس علم دین، جدید علم کلام، جدید سائنس، معلومات عامہ، حسن تحریر، شگفتہ بیانی، سنجیدہ متوازن دماغ، پیہم کوشش اور صالح ومؤثر لٹریچر کی ضرورت باقی رہے گی، جو علم سے ناواقف تبلیغی حضرات یہ تصور قائم کر لیتے ہیں کہ اب نہ مدارس کی ضرورت ہے، نہ خانقاہوں کی، یہ غلو ہے، جہل ہے، علم دین تو تمام دینی کاموں کے لئے بنیاد ہے، امت علوم دینیہ سے کسی وقت بھی بے نیاز نہیں ہوسکتی، جب مسلمانوں میں علمی فتنوں کا دور زیادہ نہ تھا اس وقت بھی علوم اسلامیہ میں مہارت کی اہمیت سے انکار نہیں ہوسکتا تھا۔ سابقہ ادوار میں ارباب اقتدار کو علمی فتنوں کے عام کرنے کا موقع بہت کم ملا، شخصی طور سے فتنے برپا کئے جاتے تھے، صرف امام احمد بن حنبل کے دور میں مامون عباسی کو اقتدار کے ذریعہ خلق قران کا فتنہ مسلط کرنے کا موقع ملا اور اس کے بعد امین و معتصم، لیکن آج تو برطانوی وامریکی اور روسی اقتدار کے سایہ میں فتنوں پر فتنے پرورش پا رہے ہیں، اتنی بڑی بڑی طاقتور حکومتیں خود مختلف راستوں سے علمی فتنے پھیلانے میں مصروف ہیں، اگر علماء امت نہ ہوتے اور ان کے دانت کھٹے نہ کرتے تو آج اسلام کا نقشہ ہی کچھ اور ہوتا اور خاکم بدہن اسلام صفحۂ ہستی سے کبھی کا مٹ چکا ہوتا، یہ تو ان بوریہ نشین علماء کے کارنامے ہیں کہ آج بھی اسلام باقی ہے اور جو کچھ حصہ باقی نظر آ رہا ہے وہ سوکھی روٹی کھانے والوں کا رہین منت ہے۔ بہر حال عصر حاضر کے علمی فتنوں کے پیش نظر علمی خدمات اور علمی مدارس کی اہمیت پہلے سے ہزار گنا زیادہ ہے، نیز آج کے پر آشوب دور میں جب عقیدہ اسلامی بہت کمزور ہو گیا ہے اس کی حفاظت کے لئے علم دین کی ضرورت بہت زیادہ ہے۔ لینن وکارل، مارکس وماؤزے تنگ کے اقتصادی فلسفوں کے سرکوبی کے لئے حاذق علماء کی ضرورت ہے، ہاں یہ ضروری ہے کہ ارباب علم پوری طرح جدید علمی ہتھیاروں سے مسلح ہوں تاکہ صحیح مقابلہ ہو سکے، عصری تقاضوں کے پیش نظر جدید علمی تربیت سے آراستہ ہونا اور جدید معلومات فراہم کرنا اور نئی دنیا سے باخبر ہونا بے حد ضروری ہے، بس شکوہ اگر ہے تو اس کا ہے کہ صحیح پختہ کار علماء کا وجود کبریت احمر ہے۔

بہر حال خدمت دین اور اسلام کو ان علمی فتنوں سے بچانے کے لئے محقق اور بابصیرت ارباب علم کی بے انتہا ضرورت ہے اور ان علمی خدمات کو مؤثر بنانے کے لئے انتہائی اخلاص کی شدید حاجت ہے، نرے علم پر مطلوبہ

ثمرات مرتب نہیں ہو سکتے جب تک علم کے ساتھ اخلاص نہ ہو، قبولیت عند اللہ کے لئے اخلاص کا ہونا تو بالکل واضح ہے لیکن علمی خدمات پر صحیح اثرات مرتب ہونے کے لئے بھی اخلاص کے بغیر چارہ کار نہیں، گویا قبول عند الناس بھی ثمرہ ہے قبول عند اللہ کا، کہنا یہ ہے کہ تبلیغی خدمات اور موجودہ طرز پر دین کا جو کام ہو رہا ہے بلاشبہ دین ہے اور اہم جزو دین، لیکن یہ سمجھنا کہ بس یہی دین ہے اور اس کے بعد علم دین کی ضرورت نہیں یہ بالکل غلط بلکہ گمراہی ہے۔ (۱)

آج کل ایک سب سے بڑا فتنہ یہ ہے کہ جو ارباب علم ہیں وہ صرف علم اور تعلیم پر قناعت کر کے بیٹھ گئے ہیں اور جو ارباب عمل اور ارباب دعوت ہیں وہ اپنے آپ کو علم اور علماء سے مستغنی سمجھتے ہیں، علماء کو میدان عمل میں آنے کی ضرورت ہے اور ارباب عمل کو علم حاصل کرنے کی ضرورت ہے اور ساتھ ہی ساتھ قدم قدم پر اخلاص کی ضرورت ہے۔

جب علم و عمل و اخلاص تینوں باتیں جمع ہو جائیں گی تو اس کے بہترین نتائج و برکات ظاہر ہوں گے، مزید برآں سراپا اخلاص بن کر بھی حق تعالیٰ کی توفیق و فضل کی ضرورت ہے، افسوس کہ مادیت کے اس دردناک دور میں تمام دینی اقدار ختم ہو گئے اور وہ سارے دینی کلمات صرف بے معنی الفاظ رہ گئے، مسلمانوں کے معاشرے میں اتنا شدید انقلاب آ گیا کہ تمام دینی اصطلاحیں مسلمانوں کی زندگی میں بے حقیقت الفاظ رہ گئے، اگر حضرت نبی کریم

---

(۱) علمائے اہل حق سے سوء ظن اور ان کی بے وقعتی بہت ہی خطرناک ہے، علماء کرام سے استغنا، گمراہی اور کج روی کا پہلا زینہ ہے، کسی کج رو جماعت یا تحریک کی پہلی علامت یہ ہے کہ وہ علماء حق سے بے نیاز ہو، تفصیل کے لیے حضرت شیخ الحدیث الحاج مولانا محمد زکریا کاندھلوی دامت برکاتہم کی تصنیف ''الاعتدال فی مراتب الرجال'' کا مطالعہ کیا جائے۔

الحمد للہ تبلیغی جماعت کے اکابر کو ہمیشہ اس کا اہتمام رہا کہ اس کام میں عوام کا علماء سے جوڑ ہو وہ ان کی قدر و قیمت کو سمجھیں اور ان سے استفادہ کریں، حضرت مولانا محمد الیاس مختلف عنوانات سے بار بار اس کی تاکید فرمایا کرتے تھے ایک بار فرمایا ایک عامی مسلمان کی طرف سے بدگمانی بھی ہلاکت میں ڈالنے والی ہے اور علماء پر اعتراض تو بہت سخت چیز ہے، پھر فرمایا: ہمارے طریقہ تبلیغ میں عزت مسلم اور احترام علماء بنیادی چیز ہیں، ہر مسلمان کی بوجہ اسلام کے عزت کرنی چاہیے اور علماء کا بوجہ علم کے بہت احترام کرنا چاہیے۔ ایک موقعہ پر فرمایا: ہمارے کارکن جہاں بھی جاویں وہاں کے حقانی علماء و صلحاء کی خدمت میں حاضری کی کوشش کریں الخ۔ ایک صاحب کو تحریر فرمایا: علم کے فروغ اور ترقی کے بقدر اور علم ہی کے فروغ اور ترقی کے ماتحت دین پاک فروغ اور ترقی پا سکتا ہے، میری تحریک سے علم کو ذرا بھی ٹھیس پہنچے، یہ میرے لئے خسران عظیم ہے۔ حضرت مولانا محمد الیاس اور حضرت مولانا محمد یوسف (نور اللہ مرقدہما) کی اس قسم کی بے شمار تصریحات ہیں (تفصیل کے لئے حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کاندھلوی مدظلہ کی تازہ تالیف ''دہلی کی تبلیغی جماعت پر عمومی اعتراضات اور ان کے مفصل جوابات'' ملاحظہ فرمایئے۔)

اس سے معلوم ہوا وہ تبلیغی کارکن جو علماء کرام کی مساعی کو (بعض اس وجہ سے کہ وہ تبلیغی کام میں لگے ہوئے نہیں) قدر و منزلت کی نظر سے نہیں دیکھتے وہ ناپختہ کاری کی وجہ سے دعوت کے مزاج سے ناآشنا ہیں یا بقول حضرت شیخ الحدیث دراصل وہ دعوت کے کام میں لگنے سے پہلے علماء کرام سے بیزار تھے اور اس کام میں لگنے کے بعد بھی ان کی خو نہ بدلی، گویا طالب علم چور نہیں ہوتے بلکہ بعض اوقات چور طالب علمی کرنے لگتے ہیں۔ (مدیر)

صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ اور دور اوّل کے مسلمان زندہ ہو کر ہمارے دور حاضر کے نام لیوا مسلمانوں کی زندگیاں دیکھ لیں تو کیا فرمائیں؟ اللہ تعالیٰ اپنے فضل وکرم سے صحیح اسلام پر قائم رکھے اور صحیح مسلمانوں کے خدوخال کی حفاظت فرمائے اور تقویٰ طہارت کی حیات طیبہ نصیب فرما کر فوز وفلاح کے مدارج عالیہ سے نوازے، آمین۔

بحرمة النبی الامین علیه صلوات الله وسلامه الی یوم الدین

[شوال المکرم ۱۳۹۲ھ - دسمبر ۱۹۷۲ء]

دنیا اور اس کی بے ثباتی

غالباً ۴۸ء کی بات ہے شیخ الاسلام حضرت استاذ مولانا شبیر احمد عثمانی رحمہ اللہ کراچی عامل کالونی میں قریشی صاحب کے مکان پر قیام فرما تھے، میں پشاور سے کراچی آ کر جامعہ ڈابھیل ضلع سورت جارہا تھا حضرت استاذ مرحوم نے مجھے تنہائی میں بلا کر دو ارشاد فرمائے:

① حکومت پاکستان کا خیال ہے علماء کا ایک خیر سگالی وفد ممالک اسلامیہ عربیہ بھیجا جائے، مولوی عبد العلیم صاحب صدیقی بھی ان میں ہوں گے مجھ سے اصرار ہو رہا ہے کہ میں بھی ساتھ جاؤں لیکن اختلاج قلب کے مرض کی وجہ سے ہوائی جہاز کا سفر میرے لئے مشکل ہے، جی چاہتا ہے کہ آپ ضرور جائیں علماء کے وفد میں ایک جید عالم اور عربی ادیب کا ہونا ضروری ہے۔

② بلاد عربیہ کے لئے سفراء کا تقرر کیا جارہا ہے ظاہر ہے کہ سفارت پر تو اسی شخص کا تقرر کریں گے جو انگریزی کا ماہر ہو لیکن اس کے ساتھ بحیثیت معاون عربی دان کا تقرر ضروری ہے، آپ ان بلاد عربیہ کے لئے بہت موزون ہیں اور ان ممالک میں مصر سب سے زیادہ موزون ملک ہے، جس میں آپ فراغت کے ساتھ علمی مشاغل بھی جاری رکھ سکیں گے میری خواہش ہے کہ آپ اس کے لئے آمادہ ہو جائیں، مسٹر لیاقت علی خان میری بات کو رد نہیں کرتے وہ اس کو ضرور مان لیں گے۔

راقم الحروف نے پہلی بات کے بارے میں عرض کیا کہ اگر آپ تشریف لے جائیں تو میری انتہائی خوش قسمتی ہوگی کہ آپ کی خدمت کا شرف حاصل کر سکوں اور اگر آپ تشریف نہ لے جائیں تو پھر میں اس وقت اس خدمت سے معذور ہوں۔

دوسری بات حضرت مرحوم نے ایسی بزرگانہ شفقت اور اخلاص سے فرمائی تھی کہ میں حیران تھا کہ کیا جواب دوں؟ دل نے تو سنتے ہی انکار کر دیا تھا لیکن جس بزرگانہ مرحمت نوازی سے اظہار فرمایا تھا صاف انکار کرنا میرے لئے خلاف ادب تھا، عرض کیا ڈابھیل پہنچ کر استخارہ کے بعد عرض کروں، ڈابھیل پہنچا جواب جو پہلے سے دل میں تھا وہی تھا عرض کیا کہ حضرت جب تک مجھے اس ملک میں علمی زندگی کفاف کے ساتھ میسر ہے میں ان مناصب کا

تصور بھی نہیں کر سکتا اس وقت میرا مشاہرہ ڈابھیل میں ایک سو پچاس روپے تھا۔

حضرت شیخ الاسلام رحمہ اللہ کی قدر و منزلت جو پاکستان میں تھی وہ ظاہر ہے پاکستان کے منصۂ وجود پر آنے سے چند سال قبل بمبئی میں موصوف نے مسٹر محمد علی جناح سے ان کی کوٹھی پر مالا بار ھل میں غلام حسن احمد پی بٹلر راندیری کی وساطت سے جو اہم ملاقات کی تھی اس کے نتیجہ میں حضرت مرحوم نے جو اس وقت دارالعلوم دیوبند کے صدارت کے عہدے پر فائز تھے کوشش فرمائی اور حضرت مولانا حسین احمد مدنی اور حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ اور جمعیۃ علماء ہند کو مسلم لیگ کے ساتھ ایک معاہدہ کے بعد مسلم لیگ کی حمایت پر آمادہ کر دیا، ان کا برامت کی مساعی اور لیگ کے شانہ بشانہ خدمات انجام دینے کے بعد ہی مسلمان قوم من حیث القوم لیگ میں شامل ہوئی اور مسٹر جناح کو دہلی کے عام مشترکہ اجلاس میں اس کا اعتراف کرنا پڑا کہ بلاشبہ عوام پر آج بھی علماء کا اقتدار ہے۔ سوء اتفاق یا حسن اتفاق سے کچھ عرصہ کے بعد جمعیۃ علماء ہند اس خیال سے کہ مسلم لیگ اپنے معاہدہ پر قائم نہیں رہی اور جن شرائط پر معاہدہ ہوا تھا ان کا ایفا نہیں کیا گیا مسلم لیگ سے علیحدہ ہوگئی اور حسب سابق کانگریس کی ہم نوائی کرتی رہی، لیکن حضرت شیخ الاسلام مرحوم بدستور مسلم لیگ کے ساتھ وابستہ رہے اور تشکیل پاکستان کے سلسلہ میں اہم ترین خدمات انجام دیں، لیکن ان کے اخلاص اور عالی ہمتی نے کبھی گوارا نہیں کیا کہ پاکستان قائم ہونے کے بعد اپنی خدمات کا کوئی صلہ حاصل کریں۔ جس وقت اگست ۱۹۴۷ء میں اسمبلی کا پہلا اجلاس کراچی میں ہوا تو حضرت مرحوم بھی بنگال کی طرف سے اسمبلی کے ممبر تھے، اجلاس کے لئے تشریف لائے تھے اور بحیثیت مہمان ''گل رعنا کوٹھی سولجر بازار'' میں مقیم تھے، پھر جیکب لائن میں شیخ محمد حیات الیکٹرک انجینئر کی دعوت پر ان کے مکان میں منتقل ہوگئے اور نہایت تکالیف وعسرت کی زندگی بسر کرتے رہے، بعد ازاں عامل کالونی میں مسٹر قریشی کے بنگلے میں اقامت پذیر رہے، اس موقعہ پر دیوبند سے کراچی کے فرسٹ کلاس کے ٹکٹ اور اسمبلی کے اجلاس کے ایام کا معاوضہ کل ۸۰۰ روپے کا چیک زندگی بھر میں وصول کیا ہے اور بس، سنا تھا کہ مسٹر لیاقت علی خاں مرحوم نے حضرت مرحوم کو کسی بنگلہ کی چابیاں ارسال فرمائی تھیں کہ وہاں سکونت اختیار کر لیں لیکن حضرت موصوف نے انکار فرمایا اور چابیاں واپس فرما دیں۔ اسی زمانہ کا ایک لطیفہ بھی یاد آیا حضرت الاستاذ مرحوم جب پہلی بار اسمبلی کے اجلاس کی شرکت کے لئے تشریف لے گئے تو عام طور پر تقریریں سب انگریزی میں ہوئیں اس روز جب واپس تشریف لائے تو بہت افسردہ تھے فرمایا کہ ایسی زبان میں تقریریں ہوئیں کہ ہم سمجھ نہ سکے کہ کیا کہا گیا، اردو میں ہوتیں تو ہم بھی جواب دیتے اور ان کو معلوم ہوتا کہ علماء بھی کچھ جانتے ہیں اس کے بعد یہ ایک بلیغ جملہ فرمایا: ''انگریزی زبان ان کے جہل پر ایک نقاب ہے یہ نقاب اترے تو حقیقت کھل جائے۔''

غرض یہ ہے کہ خدا کا شکر ہے کہ نہ ہمارے اکابر نے کبھی ان مناصب کا خیال کیا اور نہ ان کے کفش برداروں نے ان دنیا کے مناصب کو کوئی وقعت دی اور نہ زندگی کا نصب العین بنایا۔

الحمد للہ نہ وزیر بننے کا شوق، نہ کرسیٔ صدارت کی آرزو، نہ ادارۂ تحقیقات اسلامیہ کے ڈائریکٹر بننے کی تمنا، نہ مشاورتی کونسل کی رکنیت کی خواہش، نہ بڑے بڑے مشاہرات کی طرف رغبت، ہم بوریا نشین ہیں اور بوریا نشینی پر ہی ہم فخر کرتے ہیں، یہ مناصب، یہ کرسیاں، یہ گرانقدر تنخواہیں، یہ متاع دنیا، یہ وجاہتیں تمہیں مبارک ہوں، آرزو صرف یہی ہے کہ پاکستان جس مقصد کے لئے بنا ہے خدا کرے وہ فراموش نہ ہو جائے۔ اللہ تعالیٰ کی یہ نعمت گرانمایہ دین اسلام اور یہ وراثت محمدی علیہ الصلاۃ والسلام ضائع نہ ہو جائے، سمجھ میں نہیں آتا کہ آخر ان ملاحدہ وزنادقہ کو دین میں کھلی ہوئی تحریف والحاد کا موقع کیوں دیا جا رہا ہے، تم میزائل بناؤ، تم راکٹ تیار کرو، تم آسمان پر جاؤ، تم کرۂ قمر پر جاؤ، یا مریخ پر پہنچو، تم بڑی بڑی تنخواہیں اور الاؤنس لو اور خوب عیش وعشرت مناؤ، لیکن اللہ تعالیٰ کے اس دین کو برباد مت کرو اس نے تمہارا کیا بگاڑا ہے؟ اغیار کا آلہ کار مت بنو، یہ تمہارے دوست ہرگز نہیں بن سکتے خواہ امریکہ یا روس ہو، خواہ برطانیہ یا فرانس یا جرمنی، خدارا! ان دشمنان اسلام اور دشمنان پاکستان کی آرزوؤں کو خاک میں ملادو، دین پر غیرت کرو اور مسلمان قوم کی آبرو کو بچاؤ، ثقافت اسلامی کے نام پر غیرت سوز، روح فرسا، ننگ انسانیت، ہوس رانیوں کو چھوڑ دو، زندہ، باوقار، غیور قوم بنو، امریکہ کی امداد کو بھی اس کے منہ پر مارو اور روس کی امداد کو بھی ٹھوکر مارو، تمہارے سامنے چینی قوم کی زندہ مثال موجود ہے، ان سے سبق لو، دیکھو چند سال کے عرصہ میں یہ قوم صرف اپنے دست وبازو پر بھروسہ کر کے اور اپنے پاؤں پر کھڑے ہو کر ہر اعتبار سے کہاں سے کہاں پہنچ گئی اور اس راز کو معلوم کرو کہ روس جیسی جبار حکومت اور امریکہ جیسی دولت منداور طاقت ور سلطنت دونوں اس قوم سے لرزہ براندام کیوں ہیں۔

علماء اور ان کا فریضہ

غالباً چار سال کا عرصہ ہوا کہ کراچی کے ڈپٹی کمشنر جناب منیر صاحب نے کراچی کے چند منتخب خطباء اور ائمہ مساجد اور علماء کو بلایا تھا کہ صدر مملکت کی طرف سے چند ہدایات آئی ہیں کہ آپ کے حضرات کو پہنچا دی جائیں:

① ''فیملی لاز'' عائلی قوانین کی مخالفت نہ کی جائے۔

② خاندانی منصوبہ بندی اگرچہ قانون تو نہیں بنا ہے لیکن حکومت کی خواہش ہے کہ وہ کامیاب ہو آپ اس کی بھی مخالفت نہ کریں۔

③ مذہبی اختلافات کی بنا پر ہرگز کسی قسم کا نزاع اور تصادم نہ ہونے دیا جائے۔

④ اقلیتوں کے خلاف (یعنی عیسائیوں کے خلاف) کوئی قدم نہ اٹھائیں۔

⑤ مساجد میں صلاۃ وسلام پر جو شدید اختلافات ہیں ان کو ختم کیا جائے۔

جہاں تک یاد ہے یہ ان ہدایات کا خلاصہ ہے، راقم الحروف نے انتہائی جرأت کے ساتھ عرض کیا:

ان ہدایات کے جواب میں کچھ عرض کرنے سے پہلے اتنا بتلا دینا ضروری سمجھتا ہوں کہ جس طرح اس کرسی پر آپ کو صدر مملکت نے بٹھایا ہے اس لئے آپ کا فرض تھا کہ ہم لوگوں تک ان کی ہدایات پہنچا دیں اسی طرح احکم الحاکمین نے ہمیں بھی ایک مسند پر بٹھایا ہے اس لئے ہمارا بھی فرض ہے کہ ہم بے خوف وخطر نہایت صفائی اور جرأت کے ساتھ اس احکم الحاکمین کا پیغام اس سلسلہ میں آپ تک اور آپ کی وساطت سے صدر مملکت تک پہنچا دیں اس تمہید کے بعد جواب سنئے!

① انتہائی افسوس کا مقام ہے کہ جو قانون سابق ملعون دور میں بنا تھا اور قرآن وسنت اور اسلام کے بالکل مخالف تھا پوری قوم نے اس کی شدید مخالفت کی تھی اور سابقہ حکومت کو مجبور اس کو دفن کرنا پڑا تھا آخر کون سی ایسی مصلحت ہے کہ اس متعفن (سڑی ہوئی) لاش کو قبر سے نکال کر ہمارے سروں پر مسلط کیا جا رہا ہے، حکومت مسلمہ کی اطاعت ہمارا مذہبی فریضہ ہے لیکن اگر حکومت غیر اسلامی قانون بنانے لگے تو اس کی مخالفت بھی ہمارا مذہبی فریضہ ہے، اس کی اطاعت تو کیا اس پر سکوت بھی جرم ہے۔

② خاندانی منصوبہ بندی کے بارے میں علماء امت نے ازروئے اسلام وعقل اور ازروئے اخلاق ومعاشرت غرض ہر پہلو سے اس کے نقائص اور خطرناک نتائج واضح کر دیئے ہیں اور خاص کر اس اسلامی ملک میں جو رسوا کن نتائج نمودار ہوں گے ان کی تفصیلات ایک ایک کر کے عیاں کر دی گئی ہیں، ان حالات میں ہمارا اس کی موافقت کرنا یا خاموش رہنا بے حد مشکل بلکہ بدترین خیانت ہے، اس سلسلہ میں جو چھاپ تک کہا گیا ہے حکومت کا فرض تھا کہ کروڑوں روپیہ اس منصوبہ پر اندھا دھند خرچ کرنے سے پہلے اس پر ٹھنڈے دل سے غور کرتی اور اپنے اس فیصلہ پر نظر ثانی کرتی نام تو خانہ داری یا خاندانی منصوبہ بندی ہے، صاف کیوں نہیں کہتے کہ ''ضبط تولید'' کی تدبیر ہے۔

③ مذہبی اختلافات کا دائرہ صرف علمی حد تک محدود رہنا ضروری ہے، اسٹیج پر عوام کے سامنے ان مسائل کو لانا یقیناً غلط اور فساد کا موجب ہے، اخلاص دین وعقل کا تقاضہ یہی ہے کہ ان اختلافات کو علمی حلقوں اور تصنیف وتالیف کے دائرہ تک محدود رکھا جائے۔

④ افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ حکومت ان اقلیتوں کے ساتھ جو رواداری برت رہی ہے یہ اقلیتیں اس سے غلط فائدہ اٹھا کر اپنے حدود سے تباہ کن تجاوز کر کے ملک کے مسلمانوں کو مرتد بنا رہی ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی پر ناقابل برداشت رکیک حملے کر رہی ہیں، قرآن کریم کو نشانہ بنا رکھا ہے، اس مارشل لاء کے دور میں اور دفعہ ۱۴۴ر کے زمانے میں (اس وقت دفعہ ۱۴۴ر نافذ تھی) ان کو عام جلسوں کی اجازت دی جاتی ہے، مسلمانوں کے ملک میں اور اسلامی حکومت کے عہد میں اسلام کے خلاف زہر اگلا جاتا ہے اور مسلمانوں کو آہ تک کرنے کی اجازت نہیں دی جاتی؟ یہ کہاں کا انصاف ہے؟ ابھی دو ماہ پیشتر حیدرآباد میں اسی مشنری کے فتنہ

پردازی سے انتہائی شرمناک واقعہ پیش آچکا ہے، تعجب ہے کہ میناریٹی کے ساتھ اتنی رواداری اور میجارٹی کے ساتھ یہ بے رخی اور اتنی بے انصافی یہ کیسی سیاست ہے!!۔

⑤ صلاۃ وسلام فرض نمازوں کے بعد اعلان کر کے قیام کے ساتھ اور لوگوں کو اس پر مجبور کرنا اور جو نہ کرے اس کو وھابی وغیرہ وغیرہ طعنے دینا یہ قطعاً اسلام اور اسلامی روح کے منافی ہے، صلاۃ وسلام کا جو طریقہ عہد نبوت سے چلا آرہا ہے وہی طریقہ باقی رہنا چاہیے، اس موقع پر مولانا عبدالحامد صاحب بدایونی نے کچھ اپنے مسلک کی طرف سے صفائی پیش کی تھی جس کا معقول جواب دیا گیا تھا۔

غرض یہ ہے کہ ہماری خواہش اور کوشش رہی ہے کہ حکومت وقت حالات کا صحیح جائزہ لے کر اسلامی احکام کی عظمت وتوقیر کو اپنا فرض سمجھ کر قدم اٹھائے کہ اسلامی حکومت کا تقاضا یہی ہے، جب صدر محترم نے خود صدارتی الیکشن کے موقع پر صاف الفاظ میں یہ اظہار فرمایا تھا کہ اگر میرے سامنے قوم قانون اسلام کا مطالبہ کرے گی تو میں سفید کاغذ پر دستخط کر کے دے دوں گا۔ سابق اسمبلی کے دور میں اراکین مرکزی اسمبلی نے ۷ ارترمیمات ''فیملی لاز'' میں پیش کی تھیں اور ان پر غور کرنے کے لئے سب کمیٹی بنائی گئی تھی، آخر اس کی کارروائی کو کیوں دفنا دیا گیا؟ اس کے برعکس اس جدید عہد میں بی ڈی ممبران کو صریح ہدایت دی جاتی ہے کہ ان قوانین کو عوام میں مقبول بنائیں اور ان پر عمل کرائیں، حالانکہ ملک کے تمام سربرآوردہ مستند علماء کرام نے ان قوانین کے شریعت کے خلاف ہونے کو ثابت کرنے کے بارے میں کوئی کسر باقی نہیں چھوڑی، کوئی ایسا پہلو نہیں جو تشنہ رہ گیا ہو، ہماری آرزو اور خواہش تو یہی ہے کہ صدر مملکت فیلڈ مارشل محمد ایوب خان صاحب جس طرح محبوب تھے آخر تک اسی طرح محبوب رہیں اور جس طرح سیاسی و دنیوی اصلاحی کارنامے انجام دے چکے ہیں ٹھیک اسی طرح دینی کارنامے بھی انجام دیں تاکہ خالق ومخلوق دونوں کے سامنے سرخ رو ہوں اور دنیا وآخرت دونوں کی نعمتوں سے سرفراز ہوں۔

ہم صاف کہتے ہیں کہ مسئلہ اب بھی علماء سے پوچھا جائے گا، نہ بنیادی ممبران سے، نہ ڈاکٹر فضل الرحمن سے، نہ مشاورتی کونسل سے پھر کون سی مصلحت کا تقاضا ہے کہ قوم پر قرآن وحدیث کی تصریحات اور امت کے اجماعی مسائل کے خلاف قانون نافذ کرایا جائے:

الدین النصیحۃ للہ ولرسولہ ولکتابہ ولائمۃ المسلمین

اللہ تعالیٰ ہمیں اور ہمارے حکمرانوں کو حق سمجھنے اور حق پر چلنے کی توفیق عطا فرمائیں، آمین۔

[ربیع الاول ۱۳۸۶ھ - جولائی ۱۹۶۶ء]

رحمتوں اور برکتوں والا مہینہ

بشریت کو قدم قدم پر ٹھوکریں لگتی ہیں، کبھی نفسانی خواہشات کی راہ سے اور کبھی عدو مبین شیطان لعین کے

فریب وتلبیس کی راہ سے اور کبھی شیاطین الانس (انسانی شیطانوں) کے وساوس اور غلط ماحول کے برے اثرات سے ، لیکن ارحم الرحمین کی رحمت کاملہ قدم قدم پر اس کمزور فطرت انسان کی برابر دستگیری فرماتی رہتی ہے، عقل جیسی نعمت عطا فرمائی اور پھر عقل کی رہنمائی کے لئے انبیاء کی بعثت ورسالت اور آسمانی تعلیمات کا نظام جاری فرمایا اور امت محمدیہ کے لئے تو اس رحمت کاملہ کے مظاہر رحمت کو دیکھ کر حیرت ہوتی ہے، عبادت وعبودیت کے مظاہر (افعال واعمال) میں انتہائی تیسیر وتسہیل (سہولت اور آسانی) اور پھر اس عبادت پر بیکراں اجر وثواب اور قدم قدم پر قبولیت اور رضامندی کی بشارتیں، انہی بیکراں نعمتوں میں سے ایک عظیم نعمت ماہ رمضان المبارک ہے، جو سرتا پا ماہِ رحمت ہے اور ماہِ برکت ہے جس میں اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کی بارش ہوتی ہے۔

حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کی ایک طویل روایت میں آیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ ماہ شعبان کی آخری تاریخوں میں خطبہ دیا اور فرمایا:

''اے لوگو! تم پر ایک عظیم الشان برکتوں والا مہینہ سایہ فگن ہونے والا ہے، جس میں:

① ایک رات (شب قدر) ایسی ہے کہ اس میں عبادت ایک ہزار مہینوں کی عبادت سے بڑھ کر ہے۔

② اس مہینہ کے دنوں میں روزے فرض ہیں اور اس کی راتوں میں نمازیں پڑھنا بہت زیادہ باعث خیر وبرکت ہے۔

③ اس مہینہ میں نفل کا ثواب فرض کے برابر ہے۔

④ اور فرض کا اجر وثواب ستر گنا ملتا ہے۔

⑤ یہ صبر کا مہینہ ہے اور صبر کا بدلہ جنت ہے۔

⑥ مسلمانوں خصوصاً فقراء کے ساتھ مواسات وہمدردی کا مہینہ ہے۔

⑦ مومن کا رزق اس مہینہ میں بہت زیادہ ہوجاتا ہے۔

⑧ ایک روزے دار کا روزہ افطار کرانے والے کے بہت سے گناہوں کی مغفرت ہوجاتی ہے اور دوزخ کی آگ سے رہائی نصیب ہوتی ہے اور خود اس روزہ دار کو اپنے روزہ کا ثواب الگ ملتا ہے اور لطف وکرم یہ ہے کہ روزہ دار کا ثواب بالکل کم نہیں ہوتا اور پھر آپ نے اس کی تفصیل بیان فرمائی کہ روزہ کی یہ افطاری چاہے دودھ کی لسی ہو یا ایک کھجور کا دانہ یا پانی کا ایک گھونٹ ہو۔

⑨ کسی روزے دار کو پیٹ بھر کر کھانا کھلانے کے صلہ میں حوض کوثر سے وہ سیرابی نصیب ہوگی جس کے بعد کبھی پیاس نہیں لگے گی۔

⑩ اس مہینہ کا پہلا عشرہ اللہ تعالیٰ کی رحمت ہے، درمیانی عشرہ اللہ تعالیٰ کی مغفرت ہے اور آخری عشرہ دوزخ کی آگ سے رہائی کا پیغام ہے۔

⑪ جس روزہ دار نے اپنے غلام (یا نوکر یا مزدور) کا بوجھ ہلکا کر دیا اس کے گناہ بھی معاف ہو جائیں گے۔(۱)

احادیث نبویہ میں ماہ رمضان کے فضائل و برکات کا بڑا ذخیرہ موجود ہے جس کے بیان کرنے کی ان صفحات میں گنجائش نہیں اسی ایک روایت پر اکتفا کیا جاتا ہے۔

ولی کامل بنانے کا آسمانی نسخہ

ماہ رمضان درحقیقت مومن کو ولی کامل بنانے کا ایک عجیب آسمانی نسخہ ہے، قرآن حکیم میں ارشاد ہے:

﴿اَلا اِنَّ اَوْلِیَآءَ اللهِ لَا خَوْفٌ عَلَیْهِمْ وَلَاهُمْ یَحْزَنُوْنَ اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَکَانُوْا یَتَّقُوْنَ﴾ [یونس:٦٢،٦٣]

یاد رکھو! بلاشبہ اللہ کے ولی اور دوست وہ ہیں جن کو نہ کوئی خوف (ودہشت) ہے اور نہ ہی وہ غمگین ہوں گے۔
اس آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ اللہ کا ولی - جو ہر خوف و غم سے آزاد ہوتا ہے - ہر وہ شخص ہے جس میں یہ دو وصف موجود ہیں: (۱) ایمان اور (۲) تقویٰ، گویا کمال تقویٰ کا دوسرا نام ولایت ہے۔

اس ارشاد گرامی کے بعد حسب ذیل آیت کریمہ ملاحظہ ہو:

﴿یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا کُتِبَ عَلَیْکُمُ الصِّیَامُ کَمَا کُتِبَ عَلَی الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِکُمْ لَعَلَّکُمْ تَتَّقُوْنَ﴾ [البقرة:١٨٣]

اے ایمان والو! تم پر روزہ فرض کیا گیا ہے جس طرح تم سے پہلی امتوں پر فرض کیا گیا تھا تاکہ تم متقی بن جاؤ۔

اس آیت کریمہ میں حصول تقویٰ کا ذریعہ روزے کو قرار دیا ہے، دونوں آیتوں کو ملانے سے صاف نتیجہ نکلا کہ روزہ ولی اللہ بننے کا وسیلہ ہے۔

تقویٰ حاصل کرنے کا ذریعہ

اب ذرا غور فرمائیں روزہ رکھنے سے تقویٰ کیونکر حاصل ہو سکتا ہے؟ ظاہر ہے کہ روزہ رکھنا ایک فرض حکم خداوندی کی تعمیل ہے، روزہ رکھنے سے منہیات (ممنوع کاموں) اور برائیوں سے اجتناب میسر آئے گا، برائیاں کچھ تو ایسی ہیں جن کا تعلق زبان سے ہے، کچھ کا تعلق پیٹ سے ہے، کچھ کا تعلق شرمگاہ سے ہے اور ان سب کا تعلق نفس انسانی کی خواہشات سے ہے، نفسانی خواہشات بھی مختلف قسم کی ہیں، کچھ خصلتیں تو انسان میں درندوں کی ہیں، دوسروں کو مارنا پیٹنا، توڑنا پھوڑنا اور غیظ و غضب کے تقاضوں کو پورا کرنا، کچھ خاصیتیں جانوروں کی ہیں، شکم

(۱) مشکوة المصابیح، کتاب الصوم، الفصل الثالث ص:۱۷۳، ط: قدیمی

پروری، تن پروری، کھانے پینے اور سونے وغیرہ کے مشاغل اور اس کے نتیجہ میں حوائج ضروریہ، کچھ نفسیاتی تقاضے شرم گاہ سے متعلق ہیں جن کو ہم عرف میں نفسانی خواہشات کہتے ہیں، یہ تینوں نفسانی قوتیں اور ان کی خواہشات جب تک قابو میں نہ آئیں تقویٰ کا حصول ممکن نہیں۔

اسلام یہ چاہتا ہے اور تمام علماء اخلاق کا کہنا بھی یہی ہے کہ ان تینوں قوتوں کی تہذیب و اصلاح مجاہدہ اور ریاضت کے ذریعہ ہوجائے یعنی ان کا رخ صحیح ہوجائے ان کا استعمال بروقت اور برمحل ہو، بے جا اور ناوقت استعمال اور غلط راہ روی سے کلی طور پر اجتناب ہوجائے۔

اس مقصد کے حصول کے لئے حکماء وعقلاء میں ہمیشہ سے چند اصولی امور پر اتفاق رہا ہے:

① تقلیل طعام (کم خوری) ② تقلیل کلام (کم گوئی)

③ تقلیل منام (کم خوابی) ④ تقلیل اختلاط مع الانام (لوگوں سے کم ملنا جلنا)

ماہ رمضان کے روزے ان تینوں مقاصد کو پورا کرتے ہیں روزہ دار کو:

① دن میں طلوع فجر سے غروب آفتاب تک کھانے پینے اور نفسانی خواہشات پورا کرنے سے بالکل روک دیا گیا ہے۔

② رات میں تراویح، قیام لیل، شب بیداری کے ذریعہ نیند پر کنٹرول کرنے کا موقعہ فراہم کیا گیا ہے۔

③ تلاوت کلام اللہ اور ذکر اللہ واستغفار کی کثرت کی ترغیب دے کر قلت کلام (کم گوئی) کی تدبیر کی گئی ہے۔

④ رمضان کے عشرہ اخیرہ میں اعتکاف کو مسنون قرار دے کر لوگوں سے کم ملنے جلنے اور بلاضرورت میل جول ترک کرنے کی عادت پیدا کرنے کی تدبیر کی گئی ہے۔

پورے ایک ماہ یہ ریاضت کرانے کا مقصد یہ ہی ہے کہ یہ خصلتیں مستقل عادات واخلاق بن جائیں، چنانچہ پورے تیس دن سحری کا حکم دے کر سحر خیزی کی عادت ڈالی جاتی ہے اور پورے ایک ماہ تراویح کا حکم دے کر شب میں کثرت سے نفلیں پڑھنے کی عادت ڈالنا مطلوب ہے۔

یہ ہی روزہ کے مقاصد ہیں ان کی اہمیت کا اندازہ کرنے کے لئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حسب ذیل ارشادات عالیہ کامل غور وفکر اور توجہ کے ساتھ ملاحظہ فرمائیں اور ان پر عمل کیجئے۔

۱ - من لم یدع قول الزور والعمل به فلیس لله حاجة فی ان یدع طعامه وشرابه(۱)

۱۔ جو شخص روزہ میں جھوٹ بولنا اور جھوٹے (بڑے) کام کرنے نہ چھوڑے تو اللہ تعالیٰ کو اس سے بھی

(۱) صحیح البخاری، کتاب الصوم، باب من لم یدع قول الزور والعمل به ج:۱ ص:۲۵۵، ط: قدیمی

کوئی سروکار نہیں ہے کہ وہ کھانا پینا چھوڑے (جب روزہ کا مقصد پورا نہیں کرتا تو بھوکا پیاسا مرنے کی کیا ضرورت ہے)۔

٢-و اذا كان يوم صوم احد كم فلا يرفث ولا يصخب فان سابه احد فليقل انى صائم(١)

۲۔اور جب تم میں سے کسی کے روزہ کا دن ہوتو اس کو نہ کوئی بے شرمی و بے حیائی کی بات کرنی چاہئے اور نہ شوروشغب کرنا چاہیے اگر اس سے کوئی سخت کلامی یا گالم گلوچ یا ہاتھا پائی کرے تو اس کے جواب میں بس اتنا کہہ دے میرا روزہ ہے۔

٣-كم من صائم ليس له من صيامه الا الظمأ و كم من قائم ليس له من قيامه الا السهر(٢)

۳۔بہت سے روزہ دار ہیں جن کے روزہ کا حاصل بجز بھوک پیاس کی مصیبت جھیلنے کے اور کچھ نہیں اور کتنے ہی راتوں کو نماز پڑھنے والے ہیں جن کی نمازوں کا حاصل بجز مفت کی جگائی کے کچھ نہیں۔

٤ - ليس الصيام من الا كل والشرب انما الصيام من اللغو والرفث،فان سابه احدا وجهل عليك فليقل انى صائم(٣)

۴۔روزہ صرف کھانے پینے سے رکنے اور بچنے کا نام نہیں، روزہ تو حقیقت میں صرف بیہودہ اور بے حیائی کی باتوں سے رکنے اور بچنے کا نام ہے، پس اگر کوئی تمہیں گالی دے یا تمہارے ساتھ بدتمیزی کرے تو تم کہہ دو: میاں! میرا روزہ ہے۔

٥-رب صائم ليس له من صيامه الا الجوع(٤)

۵۔بہت سے روزے دار ہوتے ہیں جن کے روزوں کا حاصل بھوکے مرنے کے سوا کچھ نہیں۔

٦ - من لم يدع الخناو الكذب فلا حاجة لله ان يدع طعامه وشرابه(٥)

۶۔جو روزہ دار فحش کام (گالی گلوچ، بے شرمی کی باتیں) اور جھوٹ نہیں چھوڑتا اللہ کو اس کے کھانا پینا

---

(١) صحيح البخاری،كتاب الصوم،باب هل يقول انى صائم اذاشتم ج:١ ص:٢٥٥،ط:قديمى
الصحيح لمسلم،كتاب الصوم،باب ندب للصائم اذادعى الى الطعام...ج:١ ص:٣٦٣،ط:قديمى
(٢)سنن الدارمى،كتاب الصوم،باب فى المحافظة على الصوم ج:٢ ص:٣٩٠،ط:دار الكتاب العربى بيروت
(٣) صحيح ابن خزيمة، كتاب الصيام، باب النهى عن اللغو فى الصيام ج: ٣ ص: ٢٤٢، ط: المكتب الاسلامى بيروت
(٤)سنن ابن ماجه،ابواب ماجاء فى الصيام،باب ماجاء فى الغيبة والرفث للصائم ص:١٢١،ط:قديمى
(٥) المعجم الاوسط للطبرانى ج:٤ ص:٦٥،ط:دارالحرمين قاهرة

چھوڑنے سے کوئی سروکار نہیں۔

۷- الصيام جنة مالم يخرقها قيل وبم يخرقها؟ قال بكذب او غيبة(۱)

۷- روزہ (گناہوں سے بچانے والی) ایک سپر (ڈھال) ہے جب تک روزہ دار اس کو نہ توڑے۔ عرض کیا گیا اس ڈھال کو توڑنے والی کیا چیز ہے؟ آپ نے فرمایا: جھوٹ اور غیبت۔

اس حدیث [illegible] غور سے پڑھئے اور دیکھئے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کس [illegible] روزوں کی حفاظت فرمائی ہے تاکہ روزوں کا خاطر خواہ فائدہ تقویٰ اور پرہیزگاری کی تربیت حاصل ہو۔

مجاہدہ نفس اور روزہ

الغرض اللہ تعالیٰ نے ماہ رمضان المبارک کو مجاہدہ نفس کا مہینہ بنایا ہے تاکہ امت کی ظاہری و باطنی تربیت اور اصلاح ہو سکے اور ان کو یہ موقع [illegible] اپنے اعمال کا جائزہ لیں اور گذشتہ پورے سال میں جو کوتاہی کر چکے ہیں اس کا تدارک کریں اور آئندہ کے لئے بھی ایسی تیاری کریں کہ جلد نفس وشیطان کے اثرات سے متاثر نہ ہوں۔ دن کو روزہ جیسی مبارک عبادت فرض کی جو عجیب وغریب اصلاحی تدابیر پر مشتمل ہے اور یہاں تک حکم دیا ہے کہ روزہ دار کسی سے سخت کلامی بھی نہ کرے اور کوئی بے حیائی کی بات زبان پر نہ لائے بلکہ اگر کسی نے سخت کلامی کی اور کوئی تکلیف پہنچائی تو [illegible] بقدر اس میں بدلہ لینے کی اجازت ہے لیکن روزے کی حالت میں اس کی بھی اجازت نہیں صرف [illegible] کہ میرا روزہ ہے، یعنی جواب سے معذور ہوں، افطاری وسحری میں اگر اعتدال سے کام لیا جائے اور شرعی ہدایات اور نبوی ارشادات کے مطابق روزہ رکھ لیا جائے تو درحقیقت انسانی زندگی میں انقلاب پیدا ہو جائے گا اور روحانیت ترقی کر کے ایک منزل پر پہنچ جائے کہ اللہ تعالیٰ کی محبت قلب میں جلوہ گر ہو جائے اور محبت الٰہی کا وہ اثر دل میں پیدا ہو جائے گا کہ کسی اور تدبیر سے ممکن ہی نہیں، رات کو تراویح کی عبادت مقرر کر دی تاکہ نماز اور اللہ تعالیٰ کے کلام پاک سے نفس انسانی پر وہ نقوش مرتسم ہو جائیں جو کسی اور تدبیر سے حاصل نہیں ہو سکتے، قرآن کریم زبان سے خود پڑھتا ہے یا کانوں سے سنتا ہے، قیام ورکوع وسجود سے اللہ تعالیٰ کے دربار میں عبادت میں مشغول ہے کبھی [illegible] اور کبھی تسبیح وتہلیل [illegible] قدرت کے کیسے روحانی عجیب [illegible] ترقی کا ذریعہ [illegible]۔

تراویح کی ہر چار رکعت کے بعد جو مختصر وقفہ ہے اس میں تسبیحات کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کی تقدیس وبزرگی کی جاتی ہے اور بندہ اپنے خدا کے حضور میں حاضر رہتا ہے اور برکات روحانی سے مالا مال ہوتا ہے، یہ

---

(۱) سنن النسائی، کتاب الصیام، باب فضل الصیام ج:۱ ص:۳۱۱، ط: قدیمی

بڑا قیمتی وقت ہے اس میں توجہ الی اللہ سے غفلت نہیں ہونی چاہیے، کلمۂ تمجید تو ہر شخص کو یاد ہوتا ہے یعنی "سبحان الله والحمد لله ولا اله الاالله والله اكبرو لاحول ولا قوة الا بالله العلى العظيم" وہ پڑھ لیا کرے، یا "سبحان الله وبحمده سبحان الله العظيم" کا ورد جاری رکھے اور فقہاء نے ایک خاص تسبیح جو بہت ہی جامع ہے لکھی ہے وہ یہ ہے " سبحان ذی الملك والملكوت ،سبحان ذی العزة والعظمة والقدرة والكبرياء والجبروت،سبحان الحى الذى لا ينام ولا يموت،سبوح قدوس،ربنا ورب الملا ئكة والروح لا اله الا الله،نستغفر الله نسالك الجنة ونعوذبك من النار" اس کو تین مرتبہ ہر ترویحہ میں اور وتر اور تراویح کے وقفہ میں پڑھا کریں۔

غرض اللہ تعالیٰ نے ماہ رمضان میں شرعی احکام کا ایسا پروگرام بنایا کہ انسان چاہے تو اپنی پوری زندگی میں صالح و متقی بن جائے، نیز ماہ صیام میں اللہ تعالیٰ کے راستے میں زیادہ خرچ کرنے کی ترغیب دیکر متقی ہونے کے ساتھ ساتھ اس کو سخی بنانے کی بھی تدبیر فرمائی اور اس کے طبعی بخل کی اصلاح اس طرح کی، الغرض پورے مکارمِ اخلاق، تقویٰ وصلاح، نیکوشعاری اور نیک گفتاری، جود وسخا اور کرم نفس کی ایسی تلقین کی گئی اور اس کے لئے ایسا پروگرام بنایا گیا کہ عقل انسانی حیران رہ جاتی ہے اور اس سے بہتر تدبیر کا کوئی امکان باقی نہیں رہتا، قرآن کریم کے ایک لفظ میں ان سب باتوں کی طرف اشارہ کیا گیا، ارشاد ہے "لعلکم تتقون" یعنی تم پر روزہ اس لئے فرض کیا گیا تاکہ تم متقی و صالح بن جاؤ۔

دینی تربیت اور ماہ رمضان

آج کل والدین اپنی اولاد کی دینی تربیت میں بے حد کوتاہی کرتے ہیں، حالانکہ جس طرح ان کے ذمہ فرض ہے کہ خود نماز پڑھیں، صالح اور متقی بنیں اسی طرح ان کے ذمہ یہ بھی فرض ہے کہ اپنی اولاد کو اور گھر والوں کو نماز سکھائیں اور پڑھائیں چنانچہ حکم ہے کہ جب بچہ سات برس کا ہو جائے تو اس کو نماز پڑھنے کا حکم دیں، گویا نماز سکھانا اس سے بھی پہلے ہوگا اور اگر دس سال کا ہو جائے اور نماز نہ پڑھے تو والدین اس کو پیٹیں اور نماز پڑھائیں، الغرض دینی تربیت دینا اور صالح بنانا بھی ان کے ذمہ فرض ہے، اللہ تعالیٰ نے قرآن شریف میں تاکید فرمایا ہے ﴿يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قُوْا اَنْفُسَكُمْ وَ اَهْلِيْكُمْ نَارًا﴾ [التحریم:۶] یعنی اے ایمان والو! اپنے آپ کو اور اپنے اہل وعیال کو آگ سے بچاؤ۔ ماہ رمضان سے یہ فائدہ بآسانی حاصل کیا جا سکتا ہے، اس لئے کہ ان دنوں مغرب اور عشاء کی نماز میں بچوں کو آنے کا طبعاً شوق رہتا ہے، اسی طرح سحری میں اٹھنے کا بھی شوق ہوتا ہے، یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک قدرتی روشنی ان کے دل میں ہوتی ہے اگر بچے کے اس فطری جذبہ اور شوق وصلاحیت سے کام لیا جائے تو نہایت آسانی سے نماز وسحر خیزی کا عادی بنایا جا سکتا اور یوں رمضان کی برکت سے اپنی اولاد کو

صالح بنانے کی بھی تدبیر کی جاسکتی ہے، اگر انسان خود ان باتوں پر عمل کرے تو خود بخود اولاد کو صالح و نیک بنانے کی صورتیں نکل آتی ہیں، نیز چونکہ حدیث میں اس مہینہ کو ہمدردی کا مہینہ فرمایا گیا ہے اس لئے پڑوسیوں کے ساتھ اچھے تعلقات اور محبت قائم کرنی چاہئے۔ایک دوسروں کے ہاں تھوڑا سا ہدیہ بھیجنے میں بھی بہت سا ثواب ہے اور اللہ تعالیٰ اس کے ذریعہ سے دلوں میں محبت بڑھادیتے ہیں اور نیکی کا ذریعہ بنادیتے ہیں، اپنے چاروں طرف نیکی کی یاد دلانا اور نیکی پھیلانے کی کوشش کرنا اللہ تعالیٰ نے مسلمان پر فرض کیا ہے، لہٰذا محض اللہ تعالیٰ کی لئے باہمی محبت اور نیک برتاؤ ضروری ہے، رمضان کے مہینے سے اس کام میں بھی بڑی مدد ملتی ہے اور بہت برکت ہوتی ہے، اللہ تعالیٰ ہم سب کو توفیق عطا فرمائے کہ ہم رمضان کی برکتوں سے مالا مال ہوں اور اس عاشقانہ ومحبانہ عبادت الٰہی کے ثمرات وآثار سے بیش از بیش حصہ نصیب ہو، آمین۔

و صلی الله علی خیر خلقه حبیب رب العالمین و خاتم النبیین محمد و آله و صحبه اجمعین

[رمضان المبارک ۱۳۸۶ھ-جنوری ۱۹۶۷ء]

قومیت اور اس کے روح فرسا نتائج

پچھلے چند دنوں میں خاص طور پر خون ناحق کی ارزانی وفراوانی اور جان و مال کے محافظوں کے ہاتھوں جان و مال کی تباہ کاری و بربادی کے جو دردناک وخون چکاں واقعات پیش آئے ہیں اور ان کا سلسلہ اب تک بھی ختم نہیں ہوا ہے، یہ تاریخ پاکستان کے سیاہ ترین اوراق ہیں، جس طرح بھائی بھائی سے دست وگریباں ہے، بھائی بھائی کے ہاتھ قتل ہو رہا ہے، بھائی بھائی کے مکان ودکان کو آگ لگا رہا ہے، سامان کو لوٹ رہا ہے، یہ تاریخ پاکستان کا انتہائی دردناک دور ہے، نہ بھائی سے بھائی کی جان محفوظ ہے، نہ آبرو محفوظ ہے، نہ مال محفوظ ہے، انتہائی کرب انگیز صورت حال ہے مسلمان کے خون کی یہ ارزانی مسلمانوں کے ہاتھوں، مسلمانوں کے گھروں اور دوکانوں مارکیٹوں کی یہ تباہی و بربادی تاریخ پاکستان کے الم انگیز اور شرمناک واقعات ہیں، بلکہ پاکستانی قوم کی پیشانی کا سیاہ داغ ہیں، مہاجروں اور سندھیوں میں سفاکی کے یہ ہولناک مناظر ہلاکو اور چنگیزی بربریت کی یاد تازہ کرتے ہیں بلکہ ان خدانا آشنا وحشیوں کو بھی شرماتے ہیں، انا للہ وانا الیہ راجعون۔

اردو سندھی لسانی تنازعہ کے عنوان سے ابھرنے والی ملعون قومیت کے نتائج انتہائی حسرت ناک ہیں، کاش حکومت ذرا غور وتدبر سے کام لیتی اور اس نازک ترین مواقع پر اس قضیہ کو ابھرنے نہ دیتی اور موزوں وقت کا انتظار کر لیتی تو شاید یہ دردناک صورت پیش نہ آتی، اگرچہ یہ تو ظاہر ہی ہے کہ یہ نزاع واختلاف ان واقعات ومحرکات کی محض ظاہری صورت ہے ورنہ پس پردہ کوئی اور مخفی طاقت ہے جو ان واقعات کو اچھال رہی ہے، لیکن

حیرت تو اس پر ہے کہ اس طاقت کی تشخیص کے باوجود آخر کیوں اس کو زہر پھیلانے کا موقعہ دیا جا رہا ہے، زہر بھی وہ زہر جس سے خود صدر مملکت اور برسر اقتدار پارٹی بھی نہیں بچ سکتی، خیال تھا کہ مشرقی پاکستان کے واقعات کا اعادہ مغربی پاکستان میں نہ ہوگا اور مشرقی پاکستان کے واقعات سے مغربی پاکستان کو عبرت ہوگی لیکن افسوس کہ عبرت تو کیا ہوتی ان کی تقلید کی جا رہی ہے ان کو مثال اور نمونہ بنایا جا رہا ہے۔

دراصل اسلامی اخوت کی نعمت سے جب مسلمان قوم محروم ہوجاتی ہے تو لسانی، قومی، وطنی عصبیتوں کی لعنت میں گرفتار ہوجاتی ہے اور عالم گیر اسلامی ملت اور قوم چھوٹے چھوٹے دیشوں اور قوموں میں تبدیل ہوجاتی ہے، پاکستان کے پیٹ سے بنگلہ دیش تو جنم لے ہی چکا ہے اور اگر ان قومی ولسانی لعنتوں کو ختم نہ کیا گیا تو بقیہ مملکت کے بھی ٹکڑے ہوجائیں گے اور بنگلہ دیش کے بعد سندھو دیش جنم لے گا اور پھر نہ معلوم اور کون کون؟ اور اس معلون عصبیت کا سیلاب کہاں جا کر تھمے گا؟

بلاشبہ یہ جو کچھ ہو رہا ہے ہماری طویل غفلت کی سزا ہے بلکہ غلط اور غیر اسلامی نظام زندگی کو اپنانے کا نتیجہ ہے، ہم ''بینات'' کے صفحات میں بار ہا یہ ماتم کر چکے ہیں اور بار بار یہ تنبیہات کر چکے ہیں لیکن ''صدائے بر نخاست'' زبان پر نام اسلام کا ہو اور افکار اور اعمال تمام کے تمام کافروں کے ہوں، استعمال تو زہر اور سمیات کا ہو اور نتیجہ میں امید ''تریاق'' کی ہو ''ایں خیال است ومحال است وجنوں'' بہت پرانی مثال ہے ''گندم از گندم بروید جوز جو۔''

پورے پچیس سال ہم نے خدا اور خدا کی مخلوق کو دھوکہ دیا ہے، اسلام کے نام سے اسلام کی بنیادوں کو ڈائنا میٹ لگایا ہے ہر اس لعنت اور اس عمل کو جو حق تعالیٰ کے قہر وغضب کو دعوت دیتا ہے اپنایا اور اس کی حوصلہ افزائی کی ہے اور یہ نفاق کا سلسلہ افزوں ہوتا جا رہا ہے، نہ تو سابق زندگی سے توبہ کی توفیق نصیب ہوتی ہے، نہ دردناک واقعات سے عبرت ہوتی ہے، نہ معلوم اس بدنصیب ملک کا کیا انجام ہوگا اور اس بدقسمت قوم کا کیا حشر ہوگا؟

اسلامی اخوت

قرآن عظیم:

۱-﴿اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ فَاَصْلِحُوْا بَيْنَ اَخَوَيْكُمْ﴾ [الحجرات:۱۰]

اس کے سوا نہیں کہ اہل ایمان تو (آپس میں) بھائی بھائی ہیں، پس اگر کوئی نزاع ہوجائے تو اپنے بھائیوں کے درمیان صلح صفائی کرادو۔

۲-﴿فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَ اَصْلِحُوْا ذَاتَ بَيْنِكُمْ﴾ [الانفال:۱]

سو ڈرو اللہ سے اور صلح کرو آپس میں۔

۳-﴿وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللهِ جَمِيْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا﴾ [آل عمران:۱۰۳]

اور تھام لو اللہ کی رسی کو سب مل کر اور الگ الگ (قوموں میں) نہ بنو۔

حدیث پاک:

٤- المسلم اخو المسلم لا يظلمه ولا يسلمه ومن كان فى حاجة اخيه كا ن الله فى حاجته ، ومن فرج عن مسلم كر بة فر ج الله بها كر بة من كرب يوم القيامة ، ومن ستر مسلما ستره الله يوم القيا مة.(١)

مسلمان مسلمان کا بھائی ہے، نہ اس پر ظلم کرتا ہے اور نہ اس کا ساتھ چھوڑتا ہے اور جو کوئی اپنے بھائی کی حاجت پوری کرنے میں لگے گا اللہ اس کی حاجتوں کو پورا کرے گا اور جو کوئی کسی مسلمان کی مصیبت دور کرے گا اللہ اس کی مصیبت قیامت کے دن کی مصیبتوں میں سے دور کرے گا اور جس نے کسی مسلمان کا پردہ رکھا اللہ قیامت کے دن اس کا پردہ رکھے گا۔

٥- المسلم اخوا لمسلم لا يخذله ولا يكذ به و لا يظلمه(٢)

مسلمان مسلمان کا بھائی ہے نہ اس کا ساتھ چھوڑتا ہے نہ اس کو جھٹلاتا ہے نہ اس پر ظلم کرتا ہے۔

٦-المؤمن للمؤمن كالبنيان يشد بعضه بعضًا(٣)

مسلمان مسلمان کے لئے عمارت (کی اینٹوں) کی طرح ہے ایک دوسرے کو مضبوط رکھتا ہے۔

٧-من مشى فى حاجة اخيه كا ن خيرا له من اعتكاف عشر سنين.(٤)

جو شخص اپنے بھائی کی ضرورت پوری کرنے کے لئے چلے گا (جدوجہد کرے گا) یہ اس کے حق میں دس سال کے اعتکاف سے بہتر ہے۔

٨- المسلم من سلم المسلمون من لسانه و يده(٥)

---

(١) صحيح البخارى،ابواب المظالم والقصاص،باب لا يظلم المسلم المسلم ولا يسلمه ج:١ ص:٣٣٠، ط: قديمى. الصحيح لمسلم،كتاب البر والصلة والادب،باب تحريم الظلم ج:٢ ص:٣٢٠،ط: قديمى

(٢) سنن الترمذى،ابواب البر والصلة،باب ماجاء فى شفقة المسلم على المسلم ج:٢ ص:٢٥،ط: فاروقى كتب خانه ملتان

(٣) صحيح البخارى،ابواب المظالم والقصاص،باب نصر المظلوم ج:١ ص:٣٣١،ط: قديمى. الصحيح لمسلم،كتاب البر والصلة والادب،باب تراحم المؤمنين وتعاطفهم وتعاضدهم ج:٢ ص:٣٢١، ط: قديمى

(٤) المعجم لاوسط للطبرانى ج:٧ ص:٢٢٠،ط: دار الحرمين قاهرة

(٥) صحيح البخارى،كتاب الايمان،باب اى الاسلام افضل ج:١ ص:٦،ط: قديمى.

صحيح مسلم،كتاب الايمان،باب بيان تفاضل الاسلام واى اموره افضل ج:١ ص:٤٨،ط: قديمى

مسلمان وہ ہے جس کے ہاتھ اور زبان سے مسلمان محفوظ رہیں۔

۹-مثل المؤمنين فى توادهم وتراحمهم وتعاطفهم كمثل جسدٍ ان اشتكى عضو منه تداعى له سائرا الجسد بالسهر والحمى.(۱)

مسلمانوں کی مثال (صفت) آپس میں شفقت کے لحاظ سے ایک جسم (اور بدن) کے مانند ہے، اگر اس (بدن) کا ایک عضو کسی تکلیف میں مبتلا ہوتا ہے تو بدن کے تمام اعضا بخار اور بے خوابی میں اس کا ساتھ دیتے ہیں۔

۱۰- الا اخبركم بافضل من درجة الصيام والصلاة والصدقة ؟قالوا بلى !قال: اصلاح ذات البين فان فسادذات البين هى الحالقة(۲)

کیا میں تم کو ایسا عمل نہ بتلاؤں جو روزے، نماز اور صدقہ کے درجہ سے بھی افضل ہو؟ صحابہ نے عرض کیا ضرور بتلایئے، آپ نے ارشاد فرمایا وہ عمل باہمی تعلقات کی درستی ہے اس لئے کہ بلاشبہ آپس کے تعلقات کی خرابی ہی تو (تمام خوبیوں اور برکتوں کو) مٹادینے والی ہے۔

ایسے بے شمار جواہرات ہیں جن میں سے بطور مثال یہ چند پیش کئے گئے ہیں، جن سے اسلامی اخوت کے ایمانی رشتہ کی اہمیت اور ضرورت قومی اور اجتماعی زندگی کے بقا اور تحفظ میں واضح ہوتی ہے، بشرطیکہ کوئی عقل وہوش کے کانوں سے سنے اور دل سے سبق حاصل کرے، نیز عیاں ہوجائے کہ ایک مسلمان کا مسلمان کے ساتھ تعلق کیسا ہونا چاہیے؟ اور مسلمان کے مسلمان کے ذمے کیا حقوق ہیں اور مسلمان کی امداد واعانت کے کیا کیا درجات ہیں؟

ان آسمانی ہدایت وارشادات پر غور کریں اور جو کچھ ہو رہا ہے اور جس دردناک طریق پر مسلم خون کی ارزانی ہورہی ہے اس کو دل کی آنکھوں سے دیکھیں، یقین نہیں آسکتا کہ جو قوم زبانی ہی سہی مسلمان ہونے کا دعویٰ کرتی ہے وہ ان وحشیانہ جرائم کا ارتکاب کیسے کرسکتی ہے؟ درحقیقت ایسا معلوم ہوتا ہے کہ دلوں سے اسلام کی روح نکل چکی ہے، حق تعالیٰ کے خوف سے دل خالی ہوگئے ہیں، قیامت پر ایمان نہیں رہا ہے ورنہ تو مذکورہ بالا آیات واحادیث کے علاوہ مذکورہ ذیل احا[illegible] کے لئے بہت کافی ووافی ہیں۔

---

(۱)صحيح البخارى،كتاب الادب،باب رحمة الناس والبهائم ج:۲ ص:۸۸۹،ط:قديمى.
صحيح مسلم،كتاب البر والصلة والادب،باب تراحم المؤمنين وتعاطفهم وتعاضدهم ج: ۲ ص: ۳۲۱، ط:قديمى

(۲) سنن الترمذى،ابواب الزهدعن رسول الله صلى الله عليه وسلم،باب منه ج:۲ ص:۷٤،ط:فاروق كتب خانه ملتان. سنن ابى داؤد،كتاب الادب،باب فى اصلاح ذات البين ج:۲ ص:٦٧٣،ط:حقانيه

مسلمان کی جان کی اہمیت (قتل مسلم پر وعیدیں)

۱۔رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشادفرمایا ہے:

لزوال الدنیا اھون علی اللہ من قتل رجل مسلم(۱)

ایک مسلمان کاقتل حق تعالی کےنزدیک تمام کائنات کے تباہ ہوجانے سے بھاری ہے۔

۲۔ایک اورحدیث میں ارشادہے:

قتل المؤ من اعظم عند اللہ من زوال الد نیا(۲)

ایک مومن کاقتل اللہ کےنزدیک تمام دنیاکےزوال سے بڑھ کر ہے۔

۳۔ایک اورحدیث میں جوترمذی نے بروایت ابوسعید خدریؓ وابوہریرۃؓ نقل کی ہے،اگرتمام روئے زمین وآسمان کے باشندے کسی ایک مسلمان کےقتل کرنے میں شریک ہوجائیں تواللہ تعالی سب کواوندھے منہ جہنم میں ڈال دے گا۔(۳)

ایک اورحدیث میں ارشادہے:

اگرتمام انس وجن ایک مسلمان کےقتل پرجمع ہوجائیں توسب کےسب جہنم میں جائیں گے۔

۴۔ایک اورحدیث میں جوابن ماجہ وغیرہ میں آئی ہے،ارشادفرمایا:

جوشخص کسی مسلمان کےقتل کرنے کے بارے میں ایک آدھ لفظ بھی زبان سے کہے گاتوقیامت کے روز اس کی پیشانی پرلکھاہوگاکہ یہ شخص حق تعالی کی رحمت سے مایوس ہے۔(یعنی محروم ہے)العیاذباللہ۔(۴)

۵۔صحیح بخاری ومسلم کی ایک حدیث میں جن سات چیزوں کوامت کی تباہی کاذریعہ بتلایاگیاہےان میں سےایک مسلمان کاخونِ ناحق ہے۔(۵)

۶۔ایک اورحدیث میں آیاہےکہ:مسلمان کی جان ومال حق تعالی کےنزدیک بیت اللہ شریف سےبھی

---

(۱)سنن الترمذی،ابواب الدیات،باب ماجاء فی تشدیدقتل المؤمن ج:۱ص:۱٦٧،ط:فاروق کتب خانہ ملتان. سنن النسائی،کتاب المحاربۃ،باب تعظیم الدم ج:۲ص:۱٦٢،ط:قدیمی

(۲) سنن النسائی،کتاب المحاربۃ،باب تعظیم الدم ج:۲ص:۱٦٢،ط:قدیمی

(۳) سنن الترمذی،ابواب الدیات،باب الحکم فی الدماء ج:۱ص:۱٦٨،ط:فاروق کتب خانہ ملتان

(۴) سنن ابن ماجہ،ابواب الدیات،باب التغلیظ فی قتل مسلم ظلما ص:۱٨٨،ط:قدیمی

(۵)صحیح البخاری،کتاب المحاربین من اھل الکفروالردۃ،باب رمی المحصنات ج:۲ص:۱۰۱۳. ایضا کتاب الوصایا،باب ان الذین یاکلون اموال الیتامیٰ ج:۱ص:۳٨٧،ط:قدیمی. الصحیح لمسلم،کتاب الایمان،باب الکبائرواکبرھا ج:۱ص:٦٤،ط:قدیمی

زیادہ قابل احترام ہے۔(۱)

۷-ایک اور حدیث میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ:

ایک قاتل کو کسی مسلمان کے قتل پر قیامت میں ایک ہزار مرتبہ قتل کیا جائے گا۔(۲)

(یعنی ہر مرتبہ قتل کے بعد زندہ کیا جائے گا پھر قتل کیا جائے گا)

۸-ایک اور حدیث میں ارشاد فرمایا ہے:۔

اگر قاتل کو مسلمان کے قتل سے روکا نہ گیا تو تمام امت عذاب میں مبتلا ہوگی۔(یہی ہو رہا ہے)

اس قسم کے اور بے شمار ارشادات نبویہ موجود ہیں، ان کو ٹھنڈے دل سے پڑھئے اور پھر آج کل جو سرزمینِ سندھ میں ہو رہا ہے اس کا جائزہ لیجئے، یقین سا ہوتا جاتا ہے کہ خاکم بدہن اس قوم کی تباہی کا وقت آ گیا ہے، یہ دردناک صورتحال مسلمانوں کے جہل کا نتیجہ ہے، یا بے دینی کا، خود کر رہے ہیں یا کرایا جا رہا ہے؟ قدیم سندھی، جدید سندھیوں سے کہہ رہے ہیں کہ سندھ سے نکل جاؤ یا جدید قدیم سے کہہ رہے ہیں کہ تمہارا وجود ناقابل برداشت ہے تم سندھ کو چھوڑ دو۔

بدقسمتی سب سے بڑی یہ ہے کہ حکومت اصلاح احوال میں بری طرح ناکام ہو چکی ہے، درحقیقت مسلمان قوم کو من حیث القوم خدا فراموشی کبھی راس نہیں آ سکتی، افراد اس لعنت میں گرفتار ہوں تو معاملہ قابل برداشت ہو جاتا ہے لیکن جب پوری قوم اس تباہ کن معصیت یعنی خدا فراموشی میں مبتلا ہو جائے تو نجات کیسے ہو۔

ایک طرف تو یہ مصیبت عظمیٰ نازل ہے دوسری طرف چھپے ہوئے دشمنان اسلام اور اس ملک کے اصلی غدار، بے ضمیر ملحد و دہریئے، مار آستین بنے ہوئے ہیں وہ سندھ کی علیحدگی اور جئے سندھ کا نعرہ بلند کر رہے ہیں اور سندھودیش کے شیطانی راگ الاپ رہے، بلاشبہ پاکستان کی تاریخ میں یہ سب سے دردناک اور تباہ کن دور ہے۔

سب سے زیادہ افسوس اس بات کا ہے کہ ملک تباہی کے کنارے آ لگا ہے لیکن دلوں کی قساوت وغفلت کی کوئی انتہا نہیں، اب بھی عبرت نہیں ہوتی، آج بھی اگر پوری قوم محکوم اور حاکم پبلک اور پولیس وفوج سب صدق دل سے اپنی بدکرداریوں سے توبہ کر لیں اور اللہ تعالیٰ سے اپنے جرائم کی معافی مانگ لیں اور اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کر لیں اور اس خدا فراموش وخودفراموش زندگی کو یک قلم ترک کر دیں اور ہر شخص اپنے دائرہ اختیار میں ایمانداری سے اصلاح احوال کا عزم کر لے اور اپنی زندگی خدا ترسی کی زندگی بنا لے تو:

﴿ان رحمة الله قریب من المحسنین﴾

---

(۱)سنن الترمذی، ابواب البر والصلة، باب ماجاء فی تعظیم المؤمن ج:۲ ص:۲۴، ط: فاروقی کتب خانہ ملتان

(۲)کنز العمال، کتاب الدیات، فصل فی ترھیب القتل ج:۱۵ ص:۲۳۶، ط: موسسة الرسالة بیروت.

مصنف ابن ابی شیبة، الفتن، من کرہ الخروج فی الفتنة وتعوذ منہاج:۷ ص:۴۸۶، ط: مکتبة الرشد ریاض

بیشک اللہ کی رحمت مخلص نیکوکاروں سے قریب ہے۔

بلاشبہ اللہ تعالیٰ کی رحمت ضرور نازل ہوگی، مملکت بھی محفوظ ہو جائے گی اور باشندگانِ مملکت بھی آرام کی نیند سوئیں گے۔

جب یہ بات یقینی ہے کہ اپنے اعمال کی سزا اُمت کو مل رہی ہے یعنی مرض کی تشخیص ہوگئی ہے، تو تشخیص مرض کے بعد تو علاج بہت آسان ہو جاتا ہے، قرآن حکیم نے اس قسم کے امراض کے لئے جو تیر بہدف نسخہ تجویز فرمایا ہے وہ استغفار ہے، انابت الی اللہ اور اپنے اعمال پر ندامت ہے، صدق دل سے توبہ ہے، اس ملک میں صحیح معاشرہ کا قیام ہے، اس کے لئے اسلامی قانون جلد سے جلد نافذ کیا جائے، شراب اور شراب خانے فوراً بند کئے جائیں، شرعی سزائیں جاری کی جائیں مختصر یہ کہ غیر اسلامی زندگی کو فوراً ختم کیا جائے، یعنی حق تعالیٰ کے قہر و غضب کو دعوت دینے والی زندگی کو پہلی فرصت میں ترک کر دیا جائے۔ اللہ تعالیٰ کی رحمت و فضل و کرم کو دعوت دینے والی حیات طیبہ کو قائم و رائج کیا جائے، پھر دیکھئے چند دنوں میں انقلاب آ جائے گا اسلامی اخوت کے مظاہرے ہونے لگیں گے، قلوب میں سکینت و اطمینان پیدا ہو جائے گا جان مال آبرو سب محفوظ ہو جائیں گی۔

۱۹۶۵ء میں حق تعالیٰ نے اپنی قدرت کاملہ کا یہ نمونہ بھی اہل پاکستان کو دکھلا دیا ہے، چند دنوں میں پوری قوم نے فسق و فجور کی زندگی سے تائب ہو کر صالحین کی زندگی اختیار کر لی تھی، مسجدوں اور گھروں میں اللہ تعالیٰ کے ذکر سے فضائیں گونجنے لگی تھیں پورے ملک کا نقشہ ہی بدل گیا تھا۔

دیکھا آپ نے کہ کیسے اللہ تعالیٰ کی تدبیر کا ظہور ہوا اور کیسے لطیفہ غیبیہ کا اظہار ہوا حق تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَلَوْ اَنَّ اَهْلَ الْقُرٰى اٰمَنُوْا وَاتَّقَوْا لَفَتَحْنَا عَلَيْهِمْ بَرَكٰتٍ مِّنَ السَّمَاۗءِ وَالْاَرْضِ﴾ [الاعراف:٩٦]

اور اگر بستیوں والے (صدق دل سے) ایمان لے آتے اور نافرمانی ترک کر دیتے تو ہم یقیناً ان پر آسمان اور زمین سے برکتیں نازل کر دیتے۔

یہ آسمانی نسخہ اور قرآنی علاج ہے تاریخ عالم کا آزمایا ہوا نسخہ اور علاج ہے۔

لیکن اگر خدانخواستہ یہی خدا فراموشی اور خود فراموشی کی زندگی قائم رہی، یہی لیل و نہار رہے تو اس کے دردناک عواقب و نتائج بھگتنے کے لئے بھی تیار رہنا چاہیے۔

﴿وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللهِ تَبْدِيْلًا﴾ [الاحزاب:٦٢]

اور تم سنت الٰہیہ میں تبدیلی ہرگز نہیں پاؤ گے۔

حق تعالیٰ رحم فرمائیں اور امت پاکستانیہ کو توبہ وانابت کی توفیق نصیب فرمائیں اور قہر الٰہی سے نجات اور سعادت و رضاء الٰہی کے آثار ظاہر فرمائیں اور موجودہ و آئندہ شقاوت و بربادی و تباہی سے امت کو بچائیں۔

بحرمة سید المر سلین وامام المتقین وخاتم النبیین المبعوث للعالمین علیہ صلوات اللہ والملا ئکۃ والناس اجمعین.

[رجب المرجب ۱۳۹۲ھ - ستمبر ۱۹۷۲ء]

تقویٰ اور اس کی اہمیت

ایمان کے بعد تقویٰ ہی ایسی بڑی نعمت ہے جو سعادت دارین کا ذریعہ ہے، قرآن کریم اور دین اسلام کی زبان میں تقویٰ احکام شرعیہ پر عمل کرنے کا دوسرا نام ہے، تقویٰ کیا ہے؟ اوامر الٰہیہ کا اتباع اور منہیات شرعیہ اور فواحش ومنکرات سے بالکلیہ اجتناب، تقوی کیا ہے؟ اللہ تعالیٰ کی معیت کا وسیلہ اور اللہ تعالیٰ کی محبوبیت کا ذریعہ، قرآن کریم کی تلاوت اور مطالعہ سے تقویٰ کی جو برکتیں اور ثمرات ونتائج معلوم ہوتے ہیں وہ نہایت ہی عجیب ہیں، ایک مرد مومن کی آرزو یہی ہوگی کہ زندگی سکون واطمینان سے گذرے، ضروریات زندگی بآسانی مہیا ہوں، وہ کسی کا محتاج نہ ہو، دنیا میں انجام کار بہتر ہو، تجارت کرے تو اس میں نفع ہو، زراعت کرے تو اس میں برکت ہو، اس کے اعمال صالحہ بارگاہ ربوبیت میں خلعت قبول سے نوازے جائیں، آنکھیں بند ہوں اس دنیا سے کوچ کا وقت آئے تو جنت کی بشارت ملے، آخرت میں جنت کی (بیش قیمت) نعمتیں میسر ہوں، گناہ اور تقصیریں معاف ہوں، ابدالآباد کی زندگی چین سے گذرے، اللہ تعالیٰ کی طرف سے محبوبیت کا تمغہ ملے اور ولی اللہ ہونے کی سعادت نصیب ہو، الغرض جس کام میں ہاتھ ڈالے کامیابی اور کامرانی اس کے قدم چومے، خواہ دنیا کا کوئی صحیح مقصد ہو یا آخرت کی کوئی نعمت سب اس کی آرزو کے مطابق حاصل ہوتی چلی جائیں، ظاہری وباطنی پاکیزگی اسے نصیب ہو، وہ فلاح دارین سے ہمکنار ہو، کیا اس سے بھی زیادہ کوئی صحیح آرزو ہوسکتی ہے؟ قرآن کریم بار بار اور صاف صاف ان حقائق کا تذکرہ کرتا ہے، مختلف اسالیب بیان سے ان عظیم الشان مقاصد کا ذکر فرماتا ہے، عجیب عجیب عنوانات سے ان کو ذہن نشین کراتا ہے اور مؤثر ترین نفسیاتی انداز سے اس کی ترغیب دیتا ہے، ہم ذیل میں چند آیات کے اقتباسات کے ذکر کرنے پر اکتفا کرتے ہیں۔ (۱)

۱ - ﴿بَلٰى مَنْ اَوْفٰى بِعَهْدِهٖ وَاتَّقٰى فَاِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِيْنَ﴾ [آل عمران:٧٦]

جو شخص اپنے عہد کو پورا کرے اور اللہ سے ڈرے تو بے شک اللہ تعالیٰ محبوب رکھتے ہیں (ایسے) متقیوں کو۔

۲ - ﴿لِلَّذِيْنَ اتَّقَوْا عِنْدَ رَبِّهِمْ جَنّٰتٌ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ﴾ [آل عمران:١٥]

ایسے لوگوں کے لئے جو (اللہ سے) ڈرتے ہیں ان کے مالک (حقیقی) کے پاس ایسے ایسے باغ ہیں

(۱) آیات کا ترجمہ حضرت حکیم الامت تھانوی نور اللہ مرقدہ کے ترجمہ قرآن مجید سے لیا گیا ہے۔

جن کے پائیں میں نہریں جاری ہیں۔

٣-﴿وَسَارِعُوْا اِلٰی مَغْفِرَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَجَنَّةٍ عَرْضُهَا السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ اُعِدَّتْ لِلْمُتَّقِيْنَ﴾ [آل عمران:١٣٣]

اور دوڑ وطرف مغفرت کی جو تمہارے پروردگار کی جانب سے ہو، اور طرف جنت کی جس کی وسعت ایسی ہے جیسے سب آسمان اور زمین تیار کی گئی ہے، خدا سے ڈرنے والوں کے لئے۔

٤-﴿فَمَنِ اتَّقٰی وَاَصْلَحَ فَلَاخَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَاهُمْ يَحْزَنُوْنَ﴾[الاعراف:٣٥]

سو جو شخص پرہیز رکھے اور درستی کرے سوان لوگوں پر نہ کوئی اندیشہ ہے اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔

٥-﴿وَلَوْ اَنَّ اَهْلَ الْقُرٰی اٰمَنُوْا وَاتَّقَوْا لَفَتَحْنَا عَلَيْهِمْ بَرَكٰتٍ مِّنَ السَّمَاءِ وَالْاَرْضِ﴾ [الاعراف:٩٦]

اور اگر ان بستیوں کے رہنے والے ایمان لے آتے اور پرہیز کرتے تو ہم ان پر آسمان اور زمین کی برکتیں کھول دیتے۔

٦-﴿اِنَّ اللهَ مَعَ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا وَّالَّذِيْنَ هُمْ مُّحْسِنُوْنَ﴾ (النحل:١٢٨)

اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کے ساتھ ہوتا ہے جو پرہیزگار رہوتے ہیں اور جو نیک کردار ہوتے ہیں۔

٧- ﴿يٰـاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اِنْ تَتَّقُوا اللهَ يَجْعَلْ لَّكُمْ فُرْقَانًاوَّ يُكَفِّرْعَنْكُمْ سَيِّاٰتِكُمْ وَ يَغْفِرْلَكُمْ وَاللهُ ذُوا لْفَضْلِ الْعَظِيْمِ﴾ (الانفال:٢٩)

اے ایمان والو! اگر تم اللہ سے ڈرتے رہو گے تو اللہ تعالیٰ تم کو ایک فیصلہ کی چیز دے گا اور تم سے تمہارے گناہ دور کرے گا اور تم کو بخش دے گا اور اللہ تعالیٰ بڑے فضل والا ہے۔

٨-﴿وَمَنْ يَّتَّقِ اللهَ يَجْعَلْ لَّهٗ مَخْرَجاً.وَّ يَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَايَحْتَسِبُ﴾ (الطلاق:٢،٣)

اور جو شخص اللہ سے ڈرتا ہے اللہ تعالیٰ کے لئے (مضرتوں سے) نجات کی شکل نکال دیتا ہے اور اس کو ایسی جگہ سے رزق پہنچاتا ہے جہاں اس کا گمان بھی نہیں ہوتا۔

٩- ﴿وَمَنْ يَّتَّقِ اللهَ يَجْعَلْ لَّهٗ مِنْ اَمْرِهٖ يُسْرًا﴾ (الطلاق:٤)

اور جو شخص اللہ سے ڈرے گا اللہ تعالیٰ اس کے ہر ایک کام میں آسانی کردے گا۔

١٠- ﴿وَمَنْ يَّتَّقِ اللهَ يُكَفِّرْ عَنْهُ سَيِّاٰتِهٖ وَ يُعْظِمْ لَهٗ اَجْرًا﴾ (الطلاق:٥)

اور جو شخص اللہ سے ڈرے گا اللہ تعالیٰ اس کے گناہ دور کردے گا اور اس کا بڑا اجر دے گا۔

١١- ﴿وَاتَّقُوا اللهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ﴾ [البقرة:١٨٩]

اور اللہ تعالیٰ سے ڈرو امید ہے کہ تم کامیاب ہوگے۔

١٢- ﴿وَالْعَاقِبَةُ لِلتَّقْوٰى﴾ (طه:١٣٢)

اور بہتر انجام تو پرہیز گاری ہی کا ہے۔

١٣- ﴿وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِيْنَ﴾ (الاعراف:١٢٨)

اور آخر کامیابی انہی کو ہوتی ہے جو خدا سے ڈرتے ہیں۔

١٤-﴿اِنْ اَوْلِيَاءُهٗ اِلَّا الْمُتَّقُوْنَ﴾ (االانفال:٣٤)

اس کے ولی تو سوا متقیوں کے اور کوئی بھی اشخاص نہیں۔

١٥- ﴿وَاعْلَمُوْا اَنَّ اللهَ مَعَ الْمُتَّقِيْنَ﴾ (البقرة:١٩٤)

اور یقین کرلو کہ اللہ تعالیٰ ڈرنے والوں کے ساتھ ہوتے ہیں۔

١٦- ﴿اِنَّمَا يَتَقَبَّلُ اللهُ مِنَ الْمُتَّقِيْنَ﴾ (المائدة:٢٧)

خدا تعالیٰ متقیوں ہی کا عمل قبول کرتے ہیں۔

١٧- ﴿وَاِنَّ لِلْمُتَّقِيْنَ لَحُسْنَ مَاٰبٍ﴾ (ص:٤٩)

اور پرہیز گاروں کے لئے (آخرت میں) اچھا ٹھکانا ہے۔

١٨-﴿وَاللهُ وَلِيُّ الْمُتَّقِيْنَ﴾ (الجاثیه:١٩)

اور اللہ دوست ہے اہل تقویٰ کا۔

ان آیات کریمہ پر غور کیجئے تو معلوم ہوگا کہ ارباب تقویٰ کے لئے جن برکات کا وعدہ ہے ان سے زیادہ کا کوئی تصور بھی نہیں کرسکتا ہے پھر حیرت وتعجب بلکہ افسوس کا مقام ہے کہ مسلمان ہوکر ان عظیم الشان نعمتوں کے حاصل کرنے کے لیے نہ صرف یہ کہ کوشش نہیں کی جاتی ہے بلکہ ان سے صاف صاف اعراض وانحراف کیا جارہا ہے، ایک مسلمان جس کے مذہب کی بنیاد ہی تقویٰ وطہارت پر ہے اس کے لئے ازبس ضروری ہے کہ وہ ان حقائق الٰہیہ پر غور کرے دل اور دماغ اعضاء وجوارح الغرض ہر حصہ بدن کے تقویٰ (١) کے حقوق ادا کرے اور ظاہر ہے کہ بنیادی تقویٰ دل کا ہے اس کے حصول کے بعد ہی اعضاء وجوارح کا تقویٰ حاصل ہوسکتا ہے۔

اس لئے حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں دل کی طرف اشارہ کرکے فرمایا گیا:

"الا ان التقوى ههنا "(٢)

---

(١) ہر حصۂ بدن کے تقویٰ کی تفصیل کے لئے امام غزالیؒ کی ''احیاء العلوم''، ''کیمیائے سعادت'' اور ''تبلیغ دین'' ترجمہ ''اربعین'' سے، نیز حضرت حکیم الامت تھانویؒ کی تصانیف اور مواعظ سے معلوم کی جائے

(٢)الصحيح لمسلم،كتاب البر والصلة والادب،باب تحريم ظلم المسلم وخذله واحتقاره ج:٢ ص: ٣١٧، ط:قديمى

١٢- ﴿وَالْعَاقِبَةُ لِلتَّقْوٰى﴾ (طٰه:١٣٢)

اور بہتر انجام تو پرہیز گاری ہی کا ہے۔

١٣- ﴿وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِيْنَ﴾ (الاعراف:١٢٨)

اور آخر کامیابی انہی کو ہوتی ہے جو خدا سے ڈرتے ہیں۔

١٤- ﴿إِنْ أَوْلِيَاءُهُ إِلَّا الْمُتَّقُوْنَ﴾ (االانفال:٣٤)

اس کے ولی تو سوا متقیوں کے اور کوئی بھی اشخاص نہیں۔

١٥- ﴿وَاعْلَمُوْا أَنَّ اللهَ مَعَ الْمُتَّقِيْنَ﴾ (البقرة:١٩٤)

اور یقین کرلو کہ اللہ تعالیٰ ڈرنے والوں کے ساتھ ہوتے ہیں۔

١٦- ﴿إِنَّمَا يَتَقَبَّلُ اللهُ مِنَ الْمُتَّقِيْنَ﴾ (المائدة:٢٧)

خدا تعالیٰ متقیوں ہی کا عمل قبول کرتے ہیں۔

١٧- ﴿وَإِنَّ لِلْمُتَّقِيْنَ لَحُسْنَ مَاٰبٍ﴾ (ص:٤٩)

اور پرہیز گاروں کے لئے (آخرت میں) اچھا ٹھکانا ہے۔

١٨-﴿وَاللهُ وَلِيُّ الْمُتَّقِيْنَ﴾ (الجاثیه:١٩)

اور اللہ دوست ہے اہل تقویٰ کا۔

ان آیات کریمہ پر غور کیجئے تو معلوم ہوگا کہ ارباب تقویٰ کے لئے جن برکات کا وعدہ ہے ان سے زیادہ کا کوئی تصور بھی نہیں کر سکتا ہے پھر حیرت وتعجب بلکہ افسوس کا مقام ہے کہ مسلمان ہو کر ان عظیم الشان نعمتوں کے حاصل کرنے کے لیے نہ صرف یہ کہ کوشش نہیں کی جاتی ہے بلکہ ان سے صاف صاف اعراض وانحراف کیا جارہا ہے، ایک مسلمان جس کے مذہب کی بنیاد ہی تقویٰ وطہارت پر ہے اس کے لئے ازبس ضروری ہے کہ وہ ان حقائق الٰہیہ پر غور کرے دل اور دماغ اعضاء وجوارح الغرض ہر حصہ بدن کے تقویٰ (١) کے حقوق ادا کرے اور ظاہر ہے کہ بنیادی تقویٰ دل کا ہے اس کے حصول کے بعد ہی اعضاء وجوارح کا تقویٰ حاصل ہوسکتا ہے۔

اس لئے حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں دل کی طرف اشارہ کرکے فرمایا گیا:

”الا ان التقوی ھھنا“(٢)

---

(١) ہر حصۂ بدن کے تقویٰ کی تفصیل کے لئے امام غزالیؒ کی ''احیاء العلوم''، ''کیمیائے سعادت'' اور ''تبلیغ دین'' ترجمہ ''اربعین'' سے، نیز حضرت حکیم الامت تھانویؒ کی تصانیف اور مواعظ سے معلوم کی جائے

(٢) الصحیح لمسلم، کتاب البر والصلة والادب، باب تحریم ظلم المسلم وخذله واحتقاره ج:٢ ص: ٣١٧، ط: قدیمی

سن رکھو کہ تقویٰ یہاں ہوتا ہے۔

اور قرآن کریم میں بھی ارشاد ہے:

﴿فَاِنَّهَا مِنْ تَقْوَى الْقُلُوْبِ﴾ [الحج:۳۲]

یہ تو دلوں کا تقویٰ ہے۔

اطباء اور علمائے علم النفس کا یہ قطعی فیصلہ ہے کہ متقیانہ زندگی سے دل و دماغ پر کنٹرول رہتا ہے اور غلط کاری و غلط روی سے جو برے نقوش لوح دل اور صفحۂ دماغ پر مرتسم ہوتے ہیں، اس طرح حفاظت کی بنا پر جسمانی صحت اور طاقت محفوظ رہتی ہے، گویا روحانی صحت دماغی صحت کا سرچشمہ ہے اور دماغی صحت سے بدن کی صحت وقوت محفوظ رہتی ہے، اطباء کے نزدیک دماغ اعصاب کا منبع ہے، جب دماغ میں ضعف وانحطاط رونما ہوگا تو جسمانی اعضاء خود بخود کمزور ہوں گے، ''اسلامی تعلیم'' کی بنیاد یہی ہونی چاہئے کہ نفس انسانی کا تزکیہ ہو اور صحیح روحانی تربیت اس کو حاصل ہو تا کہ طالب علم فارغ ہونے کے بعد زندگی کے جس شعبے میں بھی جائے وہاں صحیح خدمت کر سکے اور اپنے منصب کے تقاضے خوش اسلوبی سے انجام دے سکے، اگر تعلیم کے لئے جسمانی ورزش کو ضروری تصور کیا جاتا ہے تو اس سے کہیں زیادہ دل و دماغ کی پاکیزگی اور ذہن وشعور کی طہارت ضروری ہے۔

ان شرعی اور عقلی حقائق کی روشنی میں یہ بات کتنی واضح ہو جاتی ہے کہ اسکولوں، کالجوں اور دیگر تعلیمی اداروں میں ''مخلوط تعلیم'' سے کتنے برے نتائج رونما ہو سکتے ہیں تو پھر تعلیمی مضامین میں ثقافتی رقص وسرود کو لازم کرنے اور طلبہ وطالبات کے آزادانہ اختلاط کے مواقع بہم پہنچانے کے ''سم قاتل'' ہونے میں کیا شبہ ہو سکتا ہے؟ اور مقصدِ تعلیم اور تعلیمی روح سے یہ چیز کتنی بعید ہوگی؟ ان عریاں مناظر اور فواحش ومنکرات کی معاشرت سے دل و دماغ کے صفحات پر جو بہیمانہ، شہوت انگیز اور گندے نقوش مرتسم ہوں گے ان کے نتائج کتنے برے ہوں گے، اسلامی مزاج سے کتنے بعید اور قومی صحت کے لئے کتنے مضر ہوں گے؟۔

قدم قدم پر بے حیائی کے جان فرسا اور ایمان سوز مناظر اور کوچے کوچے میں تھیٹر، سینما، عریاں تصاویر، بے محابا برہنگی، اور مرد وزن کے ایمان ربا اختلاطی تماشے ہی اخلاق انسانی کا دیوالہ نکالنے کے لئے کیا کچھ کم تھے کہ ان پر مستزاد تعلیمی اداروں میں اس کے مواقع بہم پہنچائے جائیں؟ خوشی ہوئی تھی کہ حکومت مغربی پاکستان نے تعلیمی اداروں میں رقص وسرود پر پابندی کا قانون بنایا اور مزید خوشی کی بات ہوتی اگر مرکزی حکومت صوبائی حکومت کے اس مستحسن اقدام کی پرزور تائید کرتی، لیکن اخباری اطلاع کے مطابق اس کے بالکل برعکس ہوا یعنی مرکزی حکومت نے صوبائی حکومت کے اس فیصلہ کو احمقانہ قرار دے کر مسترد کر دیا اس سلسلہ میں حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب اور راقم الحروف کا ایک مشترکہ بیان کراچی کے اخبارات میں شائع ہوا جو حسب ذیل ہے:

''چند روز قبل بعض اخبارات میں ایک غیر مصدقہ خبر شائع ہوئی ہے کہ مرکزی حکومت نے تعلیمی اداروں

میں رقص و سرود پر سے پابندی اٹھالی ہے اور اس سلسلہ میں صوبائی حکومت کے فیصلہ کو احمقانہ قرار دیا ہے، اس خبر کی اشاعت کے بعد مرکزی حکومت کی طرف سے اس کی کوئی تردید شائع نہیں ہوئی جس کی وجہ سے ملک بھر میں شدید اضطراب پیدا ہو رہا ہے۔ آج سے چند ماہ پہلے جب صوبائی حکومت نے تعلیمی اداروں میں ناچ گانے مخلوط ڈراموں اور چست لباس پر پابندی عائد کی تھی تو ملک بھر میں اس مستحسن فیصلہ کا بڑی گرمجوشی کے ساتھ خیر مقدم کیا گیا تھا اور ہر طبقہ فکر نے اس قابل تعریف اقدام کو سراہا تھا جس سے صاف ظاہر ہے کہ صوبائی حکومت کا یہ فیصلہ عوام کی خواہش کے مطابق تھا ادھر مرکزی حکومت کے ذمہ دار حضرات کی طرف سے آئے دن یہ اعلانات شائع ہوتے رہتے ہیں کہ وہ ملک کے ہر شعبہ زندگی کو اسلامی تعلیمات کے سانچے میں ڈھالنا چاہتے ہیں۔''

''کون نہیں جانتا کہ رقص و سرود، مخلوط ڈرامے اور مرد و عورت کا آزادانہ میل جول اسلامی تعلیمات کے سراسر خلاف ہے اور اس نے ہمیں اخلاقی تباہی کے کنارے پہنچا دیا ہے، خاص طور سے تعلیمی اداروں میں اس قسم کی شرمناک سرگرمیوں سے نہ صرف تعلیم و تربیت کا اصل مقصد فوت ہو رہا ہے بلکہ طلباء کی صحت اور اخلاق پر اس کے بدترین اثرات مشاہدہ میں آچکے ہیں، ان حالات میں توقع تو اس بات کی تھی کہ مرکزی حکومت کی طرف سے صوبائی حکومت کے اس فیصلہ کی ہمت افزائی کی جائے اور مشرقی بازو بھی اس کی تقلید کرے گا لیکن اس کے برعکس اس فیصلے کو احمقانہ قرار دینے کی یہ خبر توقع کے یکسر خلاف انتہائی حیرت ناک اور سخت اضطراب انگیز ہے اور اس سے بجا طور پر ملک کے عوام میں زبردست بے چینی پیدا ہو رہی ہے۔''

''یہ ملک جو سو فیصد اسلام کے نام پر بنا ہے اس کی بیس سالہ تاریخ اس پر گواہ ہے کہ یہاں کے دس کروڑ عوام قرآن و سنت کی صحیح صحیح تعلیمات ہی کو اپنی فلاح و بہبود کا ضامن سمجھتے ہیں، انہوں نے ہمیشہ اس فیصلہ کو شدید نفرت کی نگاہ سے دیکھا ہے جو قرآن و سنت کے خلاف ہو اور اس فیصلہ کا دل و جان سے خیر مقدم کیا ہے جو انہیں اسلامی تعلیمات سے قریب کرے، اس لئے ہم مرکزی حکومت سے پرزور مطالبہ کرتے ہیں کہ وہ صوبائی حکومت کے فیصلہ کو ہر قیمت پر بحال رکھے اور پوری وضاحت کے ساتھ اس خبر کی تردید شائع کر کے عوام کی دلی بے چینی کو دور کرے۔''(۱)

[ذوالقعدہ ۱۳۸۶ھ - مارچ ۱۹۶۷ء]

---

(۱) یہ حروف لکھے جا چکے تھے کہ اخبارات میں یہ اطلاع پڑھی کہ ایک صوبائی وزیر محترم نے اس خبر کی تردید کر دی ہے اور اس امر کی وضاحت بھی کہ صوبائی حکومت اس قانون کو واپس لینے کا کوئی ارادہ نہیں رکھتی، ہم اس خوشخبری پر تمام مسلمانان پاکستان کی طرف سے صوبائی حکومت کی تحسین کرتے ہوئے گذارش کرتے ہیں کہ بقیہ فواحش و منکرات کی روک تھام کے لئے بھی ہماری حکومت جرأت مندانہ قدم اٹھا کر معاشرہ کو ممکن حد تک پاک کرنے کی کوشش کرے، دعا ہے کہ حق تعالیٰ حکومت اور عوام دونوں کو اپنی مرضیات کی توفیق بخشے، آمین۔

کمال ایمان

حضرت ابوامامۃ رضی اللہ عنہ سے سنن ابی داؤد شریف میں حدیث مروی ہے:

"من احب لله وابغض لله واعطى لله ومنع لله فقد استكمل الايمان". (۱)

جس نے کسی سے محبت کی تو اللہ کے لئے اور دشمنی کی تو اللہ کے لئے اور کسی کو کچھ دیا تو اللہ کے لئے، نہ دیا تو اللہ کے لئے، تو اس نے اپنے ایمان کو مکمل بنالیا۔

گویا کمالِ ایمان کی علامت یہ ہے کہ محبت ہو تو اللہ کے لئے اور بغض ہو تو اللہ کے لئے، اسی حدیث میں مضمون کے قریب قریب جامع ترمذی اور مسند احمد میں حضرت معاذ بن انس رضی اللہ عنہ سے اور سنن ابی داؤد میں ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ سے روایتیں موجود ہیں، غرض متعدد صحابہ کرام سے متعدد کتابوں میں اس مضمون کی حدیثیں موجود ہیں، لہٰذا بحسب المتن اس حدیث کا درجہ خبر واحد سے متجاوز ہو کر خبر مشہور کے قریب پہنچ گیا ہے۔ یہ تو سرسری ورق گردانی سے معلوم ہوا ہے، جستجو اور تلاش کے بعد بہت کچھ توقع ہے کہ اور صحابہ کرام سے بھی یہ روایت مل جائے۔

بہر حال کہنا یہ ہے کہ ایک مومن مسلمان کی شان یہ ہونی چاہیے کہ وہ ہمیشہ محبت وعداوت دوستی ودشمنی میں اللہ تعالیٰ کی مرضی کو پیش نظر رکھے، نفسانی خواہش کو اس میں دخل دینے کا مطلق موقع نہ دے، صحابہ کرام کی بھی یہی خصوصیت تھی، ان کے بعد مخلصین امت کا بھی یہی وتیرہ رہا ہے، بدقسمتی سے یہ جوہر آج کل بہت کمیاب ہے اور جو ہے وہ بھی روز بروز کم ہوتا جارہا ہے، غور کرنے سے معلوم ہوگا کہ درحقیقت یہ محبت فی اللہ اور بغض فی اللہ نتیجہ ہے محبت الٰہی کا، اگر اللہ تعالیٰ سے محبت کامل ہے تو اس کی محبت کا تقاضا یہ ہونا چاہئے کہ جو شخص اللہ تعالیٰ سے محبت کرے اس کی محبت دل میں جگہ پائے اور جس کو اللہ تعالیٰ سے محبت نہ ہو دل اس کی محبت سے خالی ہو، مختصر یہ کہ اللہ تعالیٰ کی محبت ہر چیز پر غالب ہونی چاہیے۔

﴿وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ﴾ [البقرة:١٦٥]

مومنین کی محبت اللہ سے بہت زیادہ ہے۔

اللہ تعالیٰ سے محبت کے کچھ لابدی آثار ولوازمات ہیں جن کا عملی زندگی میں ظہور ضروری ہے، مثلاً دل میں اللہ تعالیٰ کی انتہائی عظمت وہیبت اور جلال کا استحضار، جو چیز اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب ہو اس کی تعظیم وتکریم، اللہ تعالیٰ کی اطاعت یعنی اوامر الٰہیہ پر عمل کرنے کا جذبہ صادق اور حتی المقدور ان کی پابندی، احکام ربانیہ سے عقیدت واحترام، مرضیات الٰہیہ کو بدل وجان تسلیم کرنا، اس رضا وتسلیم کا عملاً اظہار اور اس کی حفاظت کے لئے تدابیر اختیار کرنا، مومنین صالحین سے محبت کرنا، کفار ومنافقین سے نفرت کرنا، اگر عقل وادراک اللہ تعالیٰ کے کسی حکم

---

(۱) سنن ابی داؤد، کتاب السنة، باب فی رد الارجاء ج:۲ ص:٦٤٣، ط: حقانیه

کی حکمت و مصلحت سمجھنے سے قاصر ہوں تو اپنی کوتاہیٔ عقل کا اعتراف کرنا وغیرہ وغیرہ، اب اگر کوئی شخص اللہ تعالیٰ کے کلام میں اپنی رائے سے کوئی ایسی تاویل و توجیہ کرتا ہے جو منشاء خداوندی اور اجماع امت کے خلاف ہو تو لازمی طور پر یہی کہا جائے گا کہ یہ متقضاء ایمان کے خلاف ہے۔

الحاد و زندقہ

جس طرح ایمان و اسلام شرعی حقائق ہیں اور ان کے خاص خاص مفہوم و مصداق ہیں اور اسلامی تاریخ میں عہد نبوت سے لے کر آج تک ان کے وہی معانی و مصادیق امت کے نزدیک واضح و متعین اور مسلّم چلے آتے ہیں، ٹھیک اسی طرح صلاۃ، صوم، زکاۃ، حج، بیع، ربا، خمر، میسر کے معانی واضح اور مراد متعین ہیں، ان معانی واضحہ و مسلمہ کو محض اختلاف ظروف و احوال اور بدلے ہوئے سماجی حالات اور خود ساختہ علل و مصالح کی بنا پر چھوڑ کر صرف اپنی رائے اور لغت پر اعتماد کر کے دوسرے معانی اختیار کرنا یا ان میں ترمیم و تنسیخ کرنا اسی کا نام ہے تحریف، اسی کا نام ہے الحاد، اسی کا نام ہے زندقہ، علماء امت، فقہاء و محدثین، متکلمین و ارباب حقائق سب کا اس پر اتفاق ہے کہ دین اسلام کے وہ احکام جن کی قطعیت اور معانی مقصودہ علماً و عملاً تواریثاً و تواتراً مسلّم چلے آتے ہیں وہ شریعت کی اصطلاح میں ''ضروریات دین'' کہلاتے ہیں جس طرح ان کا انکار کفر ہے ٹھیک اسی طرح ان میں تاویل کرنا بھی کفر ہے۔ امام غزالی رحمہ اللہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے اس موضوع پر مستقل کتاب "فیصل التفرقه بين الإسلام والزندقه" تصنیف فرمائی اور آخری بے مثل اور جامع ترین کتاب حضرت امام العصر مولانا محمد انور شاہ رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب "إكفار الملحدين فى ضروريات الدين" ہے۔

واضح رہے کہ کفر و الحاد، کافر و ملحد یہ سب شرعی مصطلحات ہیں جو شخص واقعی طور پر ان کلمات کا مصداق یا ان ناموں کا مستحق ہو اسی کے لئے یہ الفاظ استعمال ہوں گے، یہ سب دشتم یعنی دشنام اور گالی گلوچ نہیں اگر کوئی اس کا غلط اور بے محل استعمال کرے تو اگر وہ جانتا ہو کہ واقعہ میں یہ شخص ایسا نہیں ہے تو یہ گالی اور ہتک عزت سمجھی جائے گی اور وہ آخرت میں گنہگار اور دنیا میں لائق تعزیر ہوگا، اگر وہ فی الواقع اس کو صحیح سمجھتا ہے تو پھر نہ گالی ہوگی اور نہ ہتک عزت اور توہین، البتہ کبھی یہ حکم غلط ہوگا کبھی صحیح، غلط حکم پر اگر قائل مجتہد ہے تو معذور ہوگا ورنہ گنہگار ہوگا اور اگر حکم صحیح ہوگا تو اس کو اجر ملے گا یہ ہے مسئلہ کی تنقیح۔

اب جو حضرات ان قطعی احکام شرعیہ اور نصوص قرآنیہ میں شب و روز تحریف و تبدیل اور ترمیم و تنسیخ کرتے یا ان کا بے محل استعمال کرتے رہتے ہیں ظاہر ہے کہ وہ خود شرعاً ان کلمات کا مصداق بنتے ہیں، پھر اگر شریعت کا عالم اس حکم شرعی کا اظہار کرنے کی غرض سے ان کلمات کا استعمال کرے یعنی حکم شرعی بتلائے تو معلوم نہیں کیوں یہ حضرات چراغ پا ہوتے ہیں اور کیوں اس کے ان کلمات کو خلاف تہذیب اور اس عالم کو غیر مہذب سمجھا جاتا

ہے، افسوس وحیرت کا مقام ہے کہ یہ حضرات اللہ اور رسول کی اہانت کرتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ اللہ کے بندے اس کو سن کر چپ رہیں اور اس توہین کو برداشت کریں؟ اللہ و رسول کے کلام کو توڑ مروڑ کر نئے نئے معنی پہنانا اس سے بڑھ کر منصب خدائی اور منصب رسالت و نبوت کی کیا توہین ہوگی؟ منصب خدائی پر حملے ہوتے ہیں، پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کے ذخیرہ سنت کو زمانہ مابعد کی پیداوار اور تدوین حدیث کو تحریک یعنی سازش کہہ کر رد کیا جاتا ہے اور جان نثار ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے توقع کی جاتی ہے کہ ان کی تعریف کی جائے، ان سے خندہ پیشانی اور نرم خوئی سے گفتگو کی جائے؟ اپنی ذات گرامی صفات پر ذرا سا حملہ برداشت نہ کرنا اور اللہ و رسول کی ذات پر جتنے قبیح و فضیح حملے ہوتے ہیں ان کو برداشت کرنے اور بردباری و نرم خوئی کی تلقین کرتے رہنا اور اسی کو تہذیب قرار دینا کہاں کا انصاف ہے اور کہاں کی دیانت؟ عجیب فلسفہ ہے! اللہ کی ذات وصفات کے بارے میں اتنی وسعت صدر اور اپنی ذات وصفات کے متعلق اتنی تنگ حوصلگی، سبحان اللہ! کیسا عجیب فلسفہ تہذیب واخلاق ہے؟ حالانکہ حب فی اللہ اور بغض فی اللہ کا تقاضا تو یہ تھا کہ معاملہ اس کے برعکس ہوتا، اپنی ذات وصفات کے بارے میں صبر و استقامت اور عفو و صفح کو اسوہ بنایا جاتا اور اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام و تعلیمات و ہدایات کے بارے میں بغیر کسی رواداری و مداہنت کے ناراضگی و ناگواری کا اظہار کیا جاتا کہ یہی تقاضاء عین کمال ایمان ہے اور یہی کتاب و سنت کی تعلیم ہے۔

[شوال ۱۳۸۴ھ]

اجتہاد

''مجمع البحوث الاسلامیۃ کی کانفرنس قاہرہ میں ۶ رتا ۲۲ر مارچ ۱۹۶۴ء منعقد ہوئی، زیر بحث مسائل سے مندوبین حضرات کو پہلے سے مطلع نہیں کیا گیا تھا لیکن حضرت مولانا نور اللہ مرقدہ نے بغیر کسی تیاری کے اجتہاد جیسے اہم موضوع پر محققانہ انداز میں مقالہ تحریر فرمایا، جس کا مندرجہ ذیل ترجمہ ''بینات'' میں حضرت مولانا محمد ادریس صاحب استاذ حدیث جامعہ علوم اسلامیہ کے قلم سے شائع ہوا تھا''

خطبہ ماثورہ کے بعد:

بلاد اسلامیہ کے برگزیدہ حضرات علماء وفضلاء:

ہم اولاً جناب ڈاکٹر محمود حب اللہ ناظم اعلیٰ ''ادارہ تحقیقات اسلامی'' زیر سرپرستی جامعہ ازہر کی وساطت سے اس عظیم مؤتمر عالم اسلامی کی شرکت کے لئے ادارہ ازہر کی جانب سے دی گئی لائق فخر ومباہات دعوت کو خوش آمدید کہتے ہیں۔ ثانیاً ہم خود کو اور تمام شرکاء مؤتمر کو ہدیہ تہنیت و تبریک پیش کرتے ہیں اس قابل قدر دعوت پر جو عصر حاضر کی دینی مشکلات کو قرآن حکیم اور سنت نبویہ علی صاحبہا الصلاۃ والتسلیم کی روشنی میں اور اس لائق فخر علمی

میراث (فقہ اسلامی) کی رہنمائی میں حل کرنے کے لئے دی گئی ہے، جس کو امت محمدیہ کے ایسے فقہاء نے آنے والی نسلوں کی لئے بطور ترکہ چھوڑا ہے جن کے پاک وصاف قلوب ایک عظیم ترا خلاص، تقویٰ اور خشیت الٰہیہ کے انوار سے لبریز تھے، دوسری طرف وہ کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ کے لافانی علوم ومعارف کے سر چشموں سے بھی شایانِ شان طور پر سیراب وسرشار ہو چکے ہیں۔ اور انہوں نے صبح وشام اپنی زندگی کے تمام شب وروز اور اپنی تمام تر توانائیاں علوم ومعارف الٰہیہ اور تعلیمات سنت نبویہ کے اندر دقت نظر میں اور طویل بحث وتفتیش میں صرف اور وقف کر دی تھیں اور اس سب سے بڑھ کر یہ کہ توفیق وتائید الٰہی ان کے ساتھ تھی، اسی لئے وہ آنے والی دنیا کی گھٹا ٹوپ تاریکیوں میں ایسے روشن اور تابناک ستارے بن کر چمکے کہ اطراف واکناف عالم ان کے علوم ومعارف کی روشنیوں سے جگمگا اٹھا اور آج تک مشرق ومغرب میں ان کی علمی فتوحات کے جھنڈے فضاء بسیط میں لہرا رہے ہیں۔

عظیم المرتبت جلیل القدر بزرگو!

جامع ازہر یا زیادہ صحیح تعبیر کے ساتھ جامعہ ازہر یہ تقریباً ایک ہزار سال سے ایسی عظیم الشان علمی اور دینی خدمت انجام دے رہا ہے کہ کسی بھی ملک ومملکت یا علمی وتعلیمی ادارہ کی خدمات اس کے مقابلہ پر تو کیا پاسنگ بھی نہیں بن سکتیں، اسی لئے بدون کسی شک وشبہ کے جامع ازہر تمام امت کی جانب سے علیٰ حسب المراتب عظیم الشان تعظیم واحترام، قدر دانی وقدر شناسی اور تحسین وستائش کا مستحق ہے، خاص طور پر جبکہ تاتاریوں کی تاخت وتاراج اور قتل وغارت کا تباہ کن سیلاب بلاد اسلامیہ کے علمی مرکز بغداد اور اس کے تمام علمی وتعلیمی مراکز عظیم درس گاہوں اور عظیم ترکتب خانوں اور سالہا سال کے علمی ذخائر کو بہا لے گیا اور صفحہ وجود سے حرف غلط کی طرح مٹا ڈالا۔ (لیکن جامع ازہر اللہ جل شانہٗ کے فضل وکرم سے ہر طرح کی تباہی سے محفوظ اور اس طوفان خیز دور میں بھی برابر خدمت علم ودین میں مصروف رہا) ایسی صورت میں ازہر کا علمی مقام دنیا کے ہر اس علمی وتعلیمی ادارہ پر جو تحسین وستائش اور تعظیم واحترام کا مستحق ہو ایسی نمایاں فوقیت وبرتری کا مالک ہے کہ اس کا مقابلہ نہیں کیا جا سکتا۔

معزز حضرات!

زمانہ اور اس کے کوائف وظروف بالکل بدل چکے ہیں، فکر ونظر کے انداز کچھ سے کچھ ہو گئے ہیں، عہد حاضر کے مسائل حیات میں روز بروز مغربی تمدن کی پیدا کردہ نو بنو مشکلات اور پیچیدگیاں سنگ راہ بن کر سامنے آرہی ہیں، زندگی کے تہذیبی، معاشی، اقتصادی اور تجارتی نظامات میں نئے نئے نظریئے اور افکار وخیالات رونما ہو رہے ہیں، یہ ایک نظری اور فکری سیلاب ہے جو پوری قوت کے ساتھ یورپ سے آرہا ہے، لہٰذا ہم دنیا کے تمام مسلمان بجا طور پر ازہر سے امید اور توقع رکھتے ہیں کہ جس طرح ازہر نے اپنے سابقہ سنہری عہد اور شاندار ماضی میں عالم اسلامی کی لازوال علمی اور دینی قیادت کی تھی اسی طرح وہ اس پر فتن دور حاضر میں بھی اپنی تمام تر دینی بصیرت اور حکمت وتدبر کے ساتھ اسلام کے اساسی حقائق اور بنیادی اغراض ومقاصد کو سامنے رکھ کر ایسی ہی لافانی

رہنمائی کرے اور مسائل عصریہ کی دینی مشکلات اور پیچیدگیوں کو اس روشن اور پاکیزہ طریق پر حل کرے جس کا اسلام کی روح اور دین کا جوہر متقاضی ہے، کتاب اللہ، سنت رسول اللہ، اجماع ائمہ اور اسلامی فقہ پر اس کا مدار ہو، یورپ کی پرفریب اور گمراہ کن تہذیب اور خدا پرستی کے جذبہ پر ضرب کاری لگانے والے تمدن کا اس پر سایہ تک نہ پڑے اور اس طرح اس یورپین تمدن کے تباہ کن طوفان کے مقابلہ کے لئے ایک مضبوط چٹان کی طرح میدان میں آجائے اور ایک آزمودہ کار مرد آہنی اور تجربہ کار دانائے راز کی طرح مقابلہ کرے، اس لئے کہ بغیر کسی شک وشبہ کے اس وقت اسلامی دنیا کی امیدیں ازہر سے وابستہ اور نظریں ازہر کی طرف اٹھ رہی ہیں، جبکہ ہمارے پاس نہ اس سیلاب کے دھارے کو روکنے کے (مادی) وسائل ہیں اور نہ ہمیں اس کی امید باقی رہی ہے کہ ہم اس طوفان کا مقابلہ کرسکیں گے۔ لہٰذا اس یاس و ناامیدی کے عالم میں بجا طور پر ازہر سے اس دینی فرض کو ایسے طریق پر انجام دینے کی توقع کی جاتی ہے جو رحمت خداوندی اور رضاء الٰہی کے حصول کا ذریعہ ہو، تاکہ ازہر از سرنو اطراف واکناف عالم میں مسلمانوں کے لئے مقتدا اور دوسری قوموں کے لئے ایک مثالی نمونہ بن جائے۔

معزز حاضرین!

اسلامی اور یورپین تہذیب وتمدن کے اس تصادم وتلاطم کے زمانہ میں دنیا دو متضاد سمتوں اور کناروں پر کھڑی ہے، ایک طرف علماء دین کا گروہ ہے جن کو تصلب فی الدین اور تمسک بالشریعت نے ایسا جمود ورثہ میں دیا ہے کہ انہوں نے حالات حاضرہ میں علم اور دین کی خدمت کے لئے جن تقاضوں اور وسائل کی شدید ضرورت ہے ان کو بالکل ہی نظر انداز کردیا ہے۔ دوسری طرف ان روشن خیال مفکرین کا گروہ ہے جس میں عہد حاضر کی مشکلات اور پیچیدگیوں کو سمجھنے کی اہلیت تو بدرجہ اتم موجود ہے وہ بہت اچھی طرح وقت کے ان تقاضوں سے واقف ہیں جن کی امت مسلمہ عہد حاضر کی مشکلات حل کرنے میں محتاج ہے۔ ان کے دلوں میں وہ ایمانی جرأت بھی موجود ہے جس کے تقاضہ کی بنا پر وہ اس خدمت کو انجام دینے کے لئے مضطرب ہیں اور چاہتے ہیں کہ ان تمام دشواریوں اور پیچیدگیوں کو حل کردیں جنہوں نے امت کے ذہن وفکر کو حیرانی کے گرداب میں سرگرداں بنا رکھا ہے، لیکن وہ اس دینی بصیرت وایمانی فراست اور صحیح و پختہ علم دین کی کماحقہٗ واقفیت سے محروم ہیں جس کے بغیر عہد حاضر کی پیدا کردہ مشکلات وپیچیدگیاں حل نہیں ہوسکتیں، لہٰذا اس میں شک نہیں کہ یہ ہر دو فریق امت کی توقعات کو پورا کرنے سے قاصر ہیں اور ان جیسے عصری مسائل کو ان دونوں میں سے کسی بھی ایک گروہ کے سپرد کردینا اور اسی پر تکیہ کرلینا زبردست غلطی اور گمراہ کن نادانی ہوگی، نہ اس سے دین وملت ہی کو کوئی تقویت پہنچے گی اور نہ امت کی پیاس ہی بجھے گی۔

حضرات علماء وفضلا!

ہماری آرزو اور تمنا یہ ہے کہ اس تحریک کی بنیاد اس پر رکھی جائے کہ ایسے رجال دین کو کسی ایک جگہ جمع کیا

جائے جن کے نفوس ایک طرف کتاب وسنت اور فقہ اسلامی کے علمی سرچشموں سے کماحقہٗ سیراب وسرشار ہوں اور دوسری طرف عہد حاضر کی پیدا کردہ ان مشکلات اور پیچیدگیوں کو بھی خوب اچھی طرح سمجھنے اور ان کو حل کرنے کی بھی کماحقہٗ اہلیت رکھتے ہوں، اسی کے ساتھ ساتھ ایمانی بصیرت، اخلاص اور ورع وتقویٰ کے زیور سے بھی آراستہ ہوں یا یہ ادارہ ''مجمع البحوث الاسلامی'' ایک ایسی مجلس کی تشکیل کرے جس کے مستقل اراکین مذکورہ بالا متنوع صفات اور متفرق خصائص کے حامل ہوں، ایسی صورت میں اگر ہر رکن ان تمام اوصاف کا جامع میسر نہ آئے تو ادارہ مجمع البحوث دونوں قسم کے ایسے علماء کو یکجا کرے جو اپنی علمی اور فنی صلاحیتوں کے ساتھ ساتھ اس دینی خدمت کو انجام دینے پر دل سے متفق ومتحد بھی ہوں اور اس باہمی تعاون سے یہ جماعت مجموعی طور پر ان تمام ضروری اوصاف وخصائص کی حامل ہو سکے گی جن کا اوپر تذکرہ کیا جا چکا ہے۔

معزز ومحترم حضرات!

میں اس وقت بحث اجتہاد کی ان گہرائیوں میں نہیں جانا چاہتا جس کی تحقیق کا سہرا ان علماء اصول فقہ کے سر ہے جو تدوین علوم وفنون کے قدیم تر عہد سے اس پچھلے زمانہ تک ہر دور اور ہر زمانہ میں اس کا حق ادا کرتے رہے ہیں، چنانچہ اس موضوع اجتہاد پر سب سے پہلے قلم اٹھانے والے مصنف قاضی ابو یوسف ہیں، ان کے بعد امام شافعی، پھر امام ابوجعفر طحاوی، ان کے بعد ابو بکر جصاص رازی، ان کے بعد ابوزید دبوسی، ان کے بعد بزدوی، پھر غزالی اور ابن حزم، ان کے بعد رازی وآمدی، ابن حاجب، بیضاوی، اسنوی، زرکشی، سبکی، قرافی، نسفی، شاطبی، امیر اتقانی اور ابن ہمام رحمہم اللہ کی تصانیف اس موضوع کی تحقیق وتنقیح کا حق ادا کرتی رہی ہیں اور قاضی شوکانی رحمہ اللہ پر یہ سلسلہ تصنیف وتالیف ختم ہوتا ہے۔ ان بزرگوں نے اس موضوع پر چھوٹی بڑی محققانہ کتابیں جن میں کوئی ایک جلد میں ہے کوئی ایک سے زائد جلدوں میں لکھ کر اس موضوع کو اتنا غنی بنا دیا ہے کہ اس پر اضافہ یا مزید بحث وتنقیح اور کسی بھی پہلو سے تحقیق وتفحص کی گنجائش باقی نہیں چھوڑی، چنانچہ اجتہاد کی حقیقت، شرائط، اقسام اور مجتہدین کے طبقات، نیز یہ بحث کہ اجتہاد کا دروازہ کلاً یا جزءاً کھلا ہے یا بند ہو گیا، یہ تمام مباحث بالکل طے شدہ اور بحث سے بالا تر ہو چکے ہیں، اس کے بعد اب اجتہاد کے معنیٰ مبادی اور اصول پر بحث کرنے کا حاصل ایک بدیہی مسئلہ کو نظری بنا دینے کے سوا اور کچھ نہیں، مشاہدہ اس کا سب سے بڑا ثبوت ہے، جس کا جی چاہے مذکورہ بالا مصنفین کی تصانیف کا مطالعہ ومشاہدہ کرے، ان مجتہدین عظام کی فنی تحقیقات اور مسائل کے استنباط جزئیات کے استخراج نو بنو رونما ہونے والے مسائل اور حوادث کے حل کے جو اصول اور طریقے بحث وتحقیق کے بعد ان حضرات نے مقرر کر دیئے ہیں وہ اس امر کی حقیقت کو معلوم کرنے کے لئے روشن ترین دلیل اور قوی ترین حجت ہیں کہ کہاں اجتہاد جائز ہے اور کہاں نہ اور کس قدر اجتہاد باقی رہ گیا ہے اور کس حد تک ختم ہو چکا اور یہ فیصلہ آج کا نہیں بلکہ قدیم ترین زمانہ سے قرون وسطیٰ تک یا زیادہ سے زیادہ متاخرین کے عہد میں ہو چکا ہے، یہ وہ بدیہی حقیقت ہے کہ اس کا انکار وہی شخص

کرسکتا ہے جو معاند ہو یا ہٹ دھرمی کرنے والا ہے۔

اس وقت مجھے سب سے زیادہ اہم چیز جو نظر آتی ہے وہ یہ ہے کہ میں شریک اجلاس علماء کرام اور فضلاء عظام کی توجہ چند اہم ترین امور کی جانب منعطف کراؤں اور اس میں بھی بسط و تفصیل کے بجائے اشارات پر اکتفا کروں:

امر اول: یہ کہ تمام تر اجتہادی اور فقہی قانون سازی کے اساسی منبع و مآخذ صرف دو ہیں: ایک قرآن حکیم اور دوسرے سنت نبویہ علی صاحبہا الصلاۃ والتسلیم۔

امر دوم: یہ کہ خلفاء راشدین، ابوبکر و عمر و عثمان و علی رضی اللہ عنہم کی سنت، ان کے بعد فقہاء مثلاً ابن مسعود، معاذ بن جبل، ابوالدرداء، زید بن ثابت، ابی بن کعب، ابوموسیٰ اشعری، حذیفہ، عمار، عبدالرحمن بن عوف، ان کے بعد ابن عمر، ابن عباس، ابن عمرو وغیرہ صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کے اقوال و آثار بھی استدلال اور حجت میں لائق اتباع سنت اور علوم نبوت کے انوار حاصل کرنے کے لئے منارہ ہائے نور ہیں۔

امر سوم: یہ کہ امت محمدیہ کے اجماع خصوصاً اہل حرمین شریفین کے اجماع، مدینہ کے سات یا دس فقہاء کے اجماع اور اس کے بعد درجہ بدرجہ فقہاء امت کے اجماع کو بھی اصول دین کے اندر ایک ایسا محکم اور پائیدار مقام حاصل ہے کہ اس کو نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔

امر چہارم: یہ کہ امت محمدیہ کا علمی اور عملی متوارث و متواتر تعامل جو قرنہا قرن سے چلا آرہا ہے اس کا مرتبہ بھی اجماع صریح سے کم نہیں ہے۔

امر پنجم: یہ کہ وہ تمام ائمہ مجتہدین جن کے مذاہب مشرق و مغرب میں پھیلے ہوئے ہیں اور روئے زمین کے تمام متنفس مسلمان بلا استثنا انہیں کے مقرر کردہ اصول و فروع پر اللہ تعالیٰ کی عبادت و اطاعت کررہے ہیں اور انہیں میں سے کسی ایک کے مسلک کی پیروی اور ان کے نقش قدم پر چلنے میں اپنی نجات کے معتقد ہیں، یہ عظیم تر قبول عام ان حضرات کو صرف اس لئے میسر نہیں آیا کہ یہی کتاب و سنت کے سرچشموں سے سب سے زیادہ سیراب تھے اور علوم کتاب و سنت کے فوق العادہ حاذق و ماہر تھے، اجتہاد کے لئے جن علمی و فنی لوازمات کی ضرورت ہے ان میں یہ کامل الفن تھے یا زمانہ ہائے دراز تک یہ اس بحث و تمحیص میں لگے رہے تھے اور اسی میں انہوں نے اپنی تمام تر توانائیاں اور عمریں صرف و وقف کردی تھیں بلکہ اسی کے ساتھ ساتھ یہ مقدس ہستیاں ورع و تقویٰ میں، معرفت و خشیت الٰہیہ میں، اللہ کے دین کے لئے عظیم تر اخلاص میں، بندگان خدا کی رہنمائی میں اور اللہ کے دین اور اس کی کتاب اور عامۃ المسلمین کی خیر خواہی میں عہد نبوت سے قریب تر ہونے اور بچشم خود آثار نبوت کا مشاہدہ کرنے میں اور اس ماحول میں زندگی بسر کرنے میں جو دین کی معرفت کا کامل معیار تھا اور پھر ان میں سے بعض حضرات خود ان قرون خیر کے اندر ممتاز اور نمایاں حیثیت کے مالک تھے، جن کے خیر ہونے کی شہادت دی گئی ہے

اوران سب باتوں سے بڑھ کر یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ازلی مشیت کا فیصلہ تھا کہ ان پاکیزہ نفوس اور مقدس ہستیوں کو دنیاءِ اسلام میں قبول عام حاصل ہوگا یہ ان نفوس قدسیہ کی برگزیدگی کے ایسے روشن دلائل ہیں کہ کائنات کے صفحات اس کی شہادت دے رہے ہیں اور اسلامی تاریخ کے اوراق اس کا اعتراف کر رہے، دشمن تک ان کے تقدس طہارت کے معترف ہیں۔

لہٰذا اس عہد کے ہر محقق و مفکر کے پیش نظر یہ بدیہی حقیقت رہنی چاہئے کہ ان تمام موجب اعتماد امور کے حصول کا اس تاریک دور میں کسی بھی شخص کے لئے تصور بھی قریب قریب ناممکن ہے چہ جائیکہ حصول، لہٰذا ائمہ مجتہدین اور ان کے مذاہب کی عظمت کا اعتراف دل کی گہرائیوں میں راسخ ہونا ازبس ضروری ہے ان سے باہر نکلنے کا تصور بھی پاس نہ آنا چاہیے۔

امر ششم: یہ ہے کہ لائق فخر میراث (فقہ مذاہب اربعہ) جس کا امت محمدیہ کے ایسے ایسے ائمہ مجتہدین نے امت کو وارث بنایا ہے یہی وہ سب سے بڑی دولت وثروت ہے جس سے امت ابدالآباد تک مستغنی اور بے نیاز نہیں ہوسکتی، ایسی صورت میں مسائل حاضرہ کے حل کرنے میں ان مذاہب کے مجتہدین سے بحث واستفادہ ازبس ضروری ہے۔

امر ہفتم: یہ کہ یہی قرآن حکیم، احادیث نبویہ، مسائل اجماع، مدون فقہ کے مسائل اور ائمہ مجتہدین کا تعامل اور طریق کار ان نو بنو مسائل وحوادث کے حل کرنے میں ہماری موثق رہنمائی کریں گے، جو سلف کے زمانے میں نہ تھے، اس لئے کہ کتب فتاویٰ، کتب نوازل اور ہر عہد میں کتب ''تجنیس ومزید'' اس امر کی روشن دلیل ہیں کہ ہر زمانہ میں جو بھی نیا واقعہ یا حادثہ یا مسئلہ پیش آیا ہے ہمارے فقہاء نے اس کے حل کرنے میں مطلق کوتاہی نہیں کی ہے۔

امر ہشتم: یہ ہے کہ دنیا کی تاریخ اور اس کے واقعات وحوادث قانونِ قدرت کے تحت برابر بڑھتے چلے جارہے ہیں اور بڑھتے چلے جائیں گے۔ ان میں وقوف اور ٹھہراؤ نام کو نہیں اور جتنی کتابیں اب تک تصنیف کی گئی ہیں اور فتوے دیئے گئے ہیں اور فقہاء کے مسائل ہم تک پہنچے ہیں وہ اس جدید زمانے میں پیدا ہونے والے نو بنو واقعات اور تازہ بتازہ حوادث ومسائل کے حل کرنے کے لئے یقینا کافی نہیں ہیں، اس لئے ہم اس پر مجبور یا مامور ہیں کہ ان جدید مسائل کو اسی ذخیرہ علم وہدایت کی روشنی میں حل کریں جو ہم تک پہنچا ہے یعنی کتاب اللہ وسنت رسول اللہ، اجماع امت اور اجتہادی وفقہی مسائل میں متقدمین کی علمی میراث یعنی فقہ مذاہب مجتہدین اور اپنی کوتاہ بینی یا اعتراف عجز وشکست اور احساس کمتری میں مبتلا ہوکر جدید فکر ونظر کے اس سیلاب میں (جو یورپین مفکرین کی جانب سے آرہا ہے) ہرگز نہ بہیں۔

امر نہم: یہ ہے کہ جہاں تک ہوسکے اور جس طرح بھی ہوسکے ہم ائمہ مجتہدین کے اقوال ہی سے استدلال کریں اور فقہ مذاہب اربعہ سے باہر نہ جائیں، اگرچہ کسی خاص مسئلہ میں ان میں سے کسی ایک کا مسلک چھوڑ کر

دوسرے کا مسلک اختیار کرنا پڑے، غرض ان مذاہب متبوعہ میں سے جس مذہب میں بھی عہد حاضر کی کسی پیچیدگی اور دشواری کا حل مل جائے اور اس سے وہ عقدہ لاینحل کھل جائے اسی سے استدلال کریں اور اس کو دانتوں سے پکڑ لیں، تاکہ ہر نئے مسئلہ میں جدید اجتہاد ہمارا مبلغِ سعی نہ بن جائے اور ہمیں اجتہاد کا دروازہ ہر کس و ناکس کے لئے چوپٹ کھولنا نہ پڑے، اس لئے کہ فریضۂ وقت اور تقاضائے ضرورت نہ اجتہاد کے دروازہ کو بالکل کھول دینا ہے اور بالکلیہ بند کر دینا اور اس پر سیل لگا دینا، بلکہ اس افراط وتفریط کے درمیان اعتدال کی راہ ہی صراط مستقیم ہے کہ ناگزیر ضرورت کے وقت اجتہاد کیا جائے اور وہ اجتہاد فقہ مذاہب اربعہ کے اصول اور طریق کار سے باہر اور آزاد نہ ہو۔

امر دہم: یہ ہے کہ آج ہمارے سامنے ''مہم'' جس کو ہمیں سر کرنا ہے، ان جدید مسائل کا حل ہے جو سلف صالحین کے عہد میں یکسر موجود نہ تھے اور نہ ان کے خیال وفکر میں آ سکتے تھے۔ اس لئے کہ یہ صرف مغربی تہذیب یا جدید تمدن کی پیداوار ہیں اور یہ بھی ظاہر ہے کہ وہ مزایا اور خصوصیات جو فراواں علم، عظیم اخلاص اور شدت خشیت اللہ کے ساتھ ساتھ ہمارے سلف صالحین کے اندر موجود تھیں جیسا کہ میں بتلا چکا اس دور میں کسی بڑی سے بڑی شخصیت میں بھی نہیں جمع ہو سکتیں، للہذا اس کی کی تلافی اس طرح کی جائے کہ جہاں تک ہو کسی ایک فرد کی شخصی رائے پر اعتماد اور اس کو قبول کرنے سے اجتناب کیا جائے خواہ وہ کتنا ہی بڑا وسیع النظر اور کثیر المعلومات عالم کیوں نہ ہو، بلکہ اس ذمہ داری کا بار اٹھانے کے لئے ایک جماعت سامنے آئے جس میں بحیثیت مجموعی وہ تمام ممیزات وخصائص موجود ہوں جن کا تذکرہ کیا جا چکا ہے۔

اس سلسلہ میں امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے طریق کار کو اسوۂ حسنہ اور مشعل راہ بنایئے کہ امام صاحب موصوف باوجودیکہ بجائے خود اتنے قدیم العہد مجتہد ہیں کہ صحابہ اور کبار تابعین سے ان کا زمانہ بالکل ملا ہوا ہے اور خود صغار تابعین میں سے ہیں اور کتاب وسنت کے موجزن سرچشموں سے مکمل طور پر سیراب وسرشار ہیں، اس فراوانی علم کے ساتھ ساتھ قیاسی مشکلات، دشوار ترین فقہی مسائل اور قضا وافتاء سے متعلق مغلق پیچیدگیوں کو حل کرنے میں روشن بصیرت اور ایسی فوق العادۃ قدرتِ اجتہاد کے مالک ہیں باتفاق رائے آپ کے ہم عصروں نے آپ کو رئیس المجتہدین تسلیم کیا ہے اور امام محمد بن ادریس شافعی رحمۃ اللہ علیہ جیسے صف اول کے مجتہدین آپ کے بارے میں فرماتے ہیں کہ ''تفقہ واجتہاد میں تمام دنیا ابوحنیفہ کی عیال (پروردہ) ہے'' جیسا کہ حافظ ابن عبد البر صمیری اور ابن ابی العوام سے بحوالہ ابی عبید بن قاسم اور بحوالہ حرملہ وربیع وغیرہ تلامذہ امام شافعی نے امام موصوف کا تذکرہ بالا مقولہ نقل کیا ہے (۱)۔

لیکن ان تمام خارق العادۃ اور مسلم صلاحیتوں کے باوجود امام ابوحنیفہؒ ایک ایسی جماعت کی تخلیق وتشکیل سے مستغنی اور بے نیاز نہ ہو سکے جس میں مجتہدین، محدثین، لغویین، اہل عربیت اور اربابِ ورع وتقویٰ، عباد وزہاد

---

(۱) تاریخ بغداد ج: ۱۳ ص: ۳۴۶، ط: دار الکتاب العربی بیروت

موجود ہوں، چنانچہ انہوں نے ایک اجتہاد کمیٹی بنائی جس کے مستقل اراکین قاضی ابو یوسف، امام زفر، محمد بن الحسن شیبانی، حسن بن زیادہ، اسد بن عمرو، نوح بن ابی مریم، عافیہ ازدی، حمزہ زیات، ابن مبارک اور وکیع بن الجراح جیسے تقریباً چالیس ماہرین علوم وفنون ائمہ عصر جمع کئے، جن میں سے ہر ایک ممبر کسی نہ کسی علم وفن یا زہد وتقویٰ میں اختصاصی اہلیت کا مالک تھا، جیسا کہ الموفق المکی نے اس ''لجنۃ الاجتہاد'' سے بحث کی ہے۔ تو دیکھئے کہ امام ابوحنیفہؒ نے اپنی شخصی رائے پر اپنے مذہب کی بنیاد نہیں رکھی بلکہ حنفی مذہب کی تشکیل وتدوین ان تمام حذاقِ علوم وفنون اور اربابِ ورع وتقویٰ ائمہ کی باہمی مشاورت ومساعدت سے جود میں آئی ہے، یہی وجہ ہے کہ دوسرے شخصی مذاہب کے بالمقابل جو وسیع اور محیط عالم قبول عام حنفی مذہب کو میسر آیا ہے اور کسی مذہب کو میسر نہیں آسکا، اسی لئے جیسا کہ حنفی مذہب اپنے تکون کے اعتبار سے سب سے زیادہ قدیم العہد اور پہلا مذہب ہے، اسی طرح دنیا سے انقراض اور زوال کے اعتبار سے بھی دنیا کا سب سے آخری مذہب ہوگا (انشاءاللہ) جیسا کہ امام شعرانیؒ نے اس کی تصریح کی ہے۔ بہر حال عمر فاروقؓ، خلفاء راشدین اور صحابہ کرامؓ کے بعد ابوحنیفہ پہلے مجتہد ہیں جنہوں نے اپنے مذہب کی بنیاد (شخصی رائے کے بجائے) باہمی مشاورت اور اجتماعی رائے پر رکھی ہے، تو بھلا اس تاریک در تاریک دور مظلم میں جو اس عہد زریں اور ورع وتقویٰ، اخلاص اور یقین کے انوار سے روشن زمانہ سے کوئی بھی نسبت نہیں رکھتا بلکہ بالکل متضاد ہے، ہم کیونکر اس اجتماعی رائے اور مشاورت باہمی سے مستغنی اور بے نیاز ہو سکتے ہیں، اللہ تعالیٰ بھی آیت کریمہ ﴿إِنْ تَتَّقُوا اللهَ يَجْعَلْ لَّكُمْ فُرْقَانًا﴾[الانفال:۲۹] میں اسی کی جانب اشارہ فرماتے ہیں اور نبی علیہ الصلاۃ والتسلیم کی ایک حدیث سے تو اس مسئلہ کے تمام پہلو روشن بلکہ منصوص ہو جاتے ہیں۔ چنانچہ حافظ طبرانی نے معجم کبیر اور معجم اوسط میں بسند خود حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضرت علیؓ کہتے ہیں: میں نے عرض کیا یارسول اللہ! جب ہمارے سامنے کوئی ایسا مسئلہ آئے جس کے متعلق کوئی واضح بیان (نص کتاب وسنت) موجود نہ ہو، نہ امر ہو نہ نہی، نہ حکم ہو نہ ممانعت، تو ایسے مسئلہ کے متعلق آپ ہمیں کیا حکم فرماتے ہیں؟ ہم کیا کریں؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ایسے مسئلہ میں تم فقہاء اور اربابِ ورع وتقویٰ سے مشورہ کرو اور کسی بھی شخصی رائے پر تکیہ نہ کرو (۱)۔ حافظ ہیثمی مجمع الزوائد میں فرماتے ہیں: اس روایت کے تمام راوی ثقہ اور رجال صحیحین میں سے ہیں۔ (۲)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد گرامی میں اسی اجتماعی اجتہاد اور اس کے شرائط کی طرف رہنمائی کی گئی ہے جس کا حاصل حسب ذیل ہے:

① اجتہاد کی ضرورت صرف ایسے مسائل میں معتبر ہے جن میں (کوئی نص صریح نہ ہو) نہ رسول اللہ کی

---

(۱) المعجم الاوسط للطبرانی ج:۲ ص:۱۷۲، ط: دار الحرمین القاهرة

(۲) مجمع الزوائد ج:۱ ص:۲۱۷، ط: دار الفكر بيروت

وی سنت (حدیث) ہو نہ وحی الٰہی (نص قرآن) ہو۔

② ایسے مسائل کا حل لابدی طور پر جماعت علماء کے مشورہ سے کیا جائے نہ کہ کسی شخص رائے سے۔

③ اس اجتہاد کمیٹی کے اراکین میں بیک وقت دو وصف ضرور موجود ہونے چاہئیں، ایک تفقہ فی الدین دوسرے تقویٰ وعبادت گزاری۔

لائق احترام بزرگو!

اس میں شک نہیں کہ قرآن حکیم اور سنت نبویہ ایسے دو سیراب کن سرچشمے ہیں جن کے اندر قیامت تک پیدا ہونے والی ہر نئی سے نئی بیماری کے لئے کامل شفاء اور ہر دور میں رونما ہونے والی علمی تشنگی کی تسکین کے لئے آب حیات موجود ہے، اس لئے ہمارا عقیدہ ہے کہ ایک طرف تو اللہ تعالیٰ کا علم اس قدر محیط ہے کہ ہر وہ فتنہ اور گمراہی جو برائی اور ہر وہ بگاڑ جو انسانی معاشرہ میں کسی بھی دور کے اندر رونما ہونے والی ہے، اس سے وہ بخوبی واقف تھا دور حاضر کی جدید تہذیب وتمدن کے زمانہ میں نوع انسانی کے نظام زندگی میں جو بھی معاشرتی، معاشی، اقتصادی اور تجارتی ضروریات وقتاً فوقتاً پیش آتی رہیں گی، خواہ شخصی ضرورتیں ہوں، خواہ اجتماعی، خواہ مادی ضرورتیں ہوں یا وسائل ان کو بھی وہ خوب اچھی طرح جانتا تھا، دوسری طرف اس کی قدرت بھی اس قدر کامل اور محیط ہے کہ وہ اپنے بندوں کے لئے ایسا کامل واکمل نظام زندگی آسمان سے نازل فرمادے جو ہر زمانہ میں اور ہر جگہ کافی ووافی ہو۔ یقیناً اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ اس سے قاصر وعاجز نہیں ہے، ایسی صورت میں قطعی طور پر ہمارا یہ عقیدہ ہے کہ شریعت محمدیہ جو اللہ نے عطا فرمائی ہے وہ یقیناً ہر کٹھن منزل پر نوع انسانی کی دستگیری کے لئے کفیل ہے اور اس کے آغوش علمی میں ہر مشکل اور دشواری کا حل یقیناً موجود ہے، صرف اتنی بات ہے کہ عام انسانی عقول وافکار اس کے مآخذ تک پہنچنے سے قاصر رہتی ہیں تو وہ (اپنی لاعلمی کا اعتراف اور اہل علم کی طرف رجوع کرنے کے بجائے) اس عہد میں انسانی مسائل کے لئے شریعت کے ناقابل عمل ہونے اور عصر حاضر کی ضروریات کو پورا کرنے سے قاصر ہونے کے طعنے مارنے شروع کردیتی ہیں۔

لہٰذا وقت کا تقاضا ہے کہ شریعت کے اساسی اصول تشریع کو سامنے رکھ کر ان عصری مسائل کو حل کرنے کے لئے صحیح معیار اور درست پیمانہ پر قدم اٹھایا جائے اور ''مجمع بحوث اسلامی'' کے کارفرماؤں سے یہ توقع رکھی جاتی ہے کہ وہ ان کے حل اور نتیجہ پر پہنچنے میں عجلت سے کام نہ لیں، صبر وضبط، تحمل وبردباری، دیانت داری وآہستہ روی سے کام لیں، علوم قدیمہ وجدیدہ میں ربط واتصال پیدا کریں، نظر دقیق اور رائے صائب کے ذریعہ ان کو جمع کرنے کی انتہائی محتاط کوشش فرمائیں اور اس امانت الٰہیہ کی حفاظت کی ذمہ داری کا احساس وشعور ہر لمحہ پیش نظر رکھیں، تاکہ وہ حل صحیح ہو، اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں بھی مقبول ہو اور عامۃ الناس کے نزدیک بھی پسندیدہ، دُول وممالک اسلامیہ کے لئے وہ قابل اعتماد طریق کار اور امت مسلمہ کے لئے لائق اتباع نمونہ ہو۔

کاش! کہ ہمیں اس مؤتمر میں آنے سے پہلے زیر بحث مسائل کی اطلاع دے دی جاتی تو ہم اس سے زیادہ بصیرت اور تیاری کے ساتھ مؤتمر کے تحقیقاتی کاموں میں حصہ لیتے۔

بہرحال اب بھی ہم ان تمام زیر بحث مسائل میں اپنا نظریہ پیش کرنے کے لئے تیار ہیں اور آپ سے اتنی توقع ضرور رکھتے ہیں کہ مسائل شرعیہ میں صرف رخصتوں کا تتبع (۱) اور تلفیق بین المسائل (۲) پر قناعت کر کے اس دھوکہ میں نہ پڑ جایئے کہ ہم نے شریعت کا دامن پکڑ رکھا ہے اور اس طرح دین مبین کو کھیل بنا لینے کے مرتکب نہ ہو جایئے، اعاذنا الله منه.

اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ سے پرخلوص دعا ہے کہ وہ ہماری امیدوں کو ناکام ونامراد نہ فرمائیں اور یہ عظیم خدمت ''ازہر'' کے زیر سایہ سید جمال عبدالناصر صدر جمہوریہ عربیہ متحدہ کے عہدِ مسعود میں صالح اور مخلص علماء کی مساعی سے پایہ تکمیل کو پہنچے۔

خاتمہ پر میں ممالک اسلامیہ کے محترم علماء وفضلاء کے سامنے معذرت خواہ ہوں کہ یہ چند کلمات ''قاہرہ'' پہنچے کے دو دن بعد مؤتمر کے پروگرام کا علم ہوتے ہی مصروف ترین اوقات میں سے دو چار گھنٹے بچا کر قلم برداشتہ لکھ کر پیش کر رہا ہوں، امید ہے کہ ادائے مقصد میں ناکامی ہونے کی صورت میں چشم پوشی اور عفو سے کام لیں گے۔

والله ولى التوفيق والسلام عليكم ورحمة الله

[صفر ۱۳۸۴ھ]

(۱) تتبع رخص: مسائل شرعیہ میں مذاہب اربعہ میں سے ہر مذہب میں سے سہولتیں اور آسانیاں چھانٹ کر انہی کو اختیار کر لینا۔

(۲) تلفیق بین المسائل: مذاہب اربعہ کے مسائل کو اس طرح خلط ملط کر دینا کہ ان کے ممیزات وخصائص مٹ کر ایک نیا مذہب اور نئی فقہ بن جائے۔

اسلامی قوانین میں اجتہاد و عقل کا مقام اور جدید مسائل میں اجتہاد کا طریق کار

تحریر: حضرت العلامہ مولانا محمد یوسف بنوری رحمہ اللہ تعالیٰ

ترجمہ: مولانا محمد یوسف لدھیانوی

''زیر نظر مقالہ: ''موقف التشریع الاسلامی من الاجتہاد ومنصب العقل فی الدین'' کے عنوان سے ''ادارہ تحقیقات اسلامی'' راولپنڈی کی بین الاقوامی کانفرنس (۱۱/ ۱۲/ ۱۳) ذی القعدہ ۱۳۸۷ھ کے لئے لکھا گیا تھا، مقالہ چونکہ تاخیر سے تیار ہوا تھا اس لئے وہاں پڑھا نہیں گیا البتہ اس کا خلاصہ زبانی بیان کر دیا گیا تھا اس لئے اس کا ترجمہ ہدیہ قارئین ہے''۔ (مترجم)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد لله رب العالمين والصلاة والسلام على سيد المرسلين وخاتم النبيين محمد وآله وصحبه المجاهدين للدين،وعلى الفقهاء المجتهدين والعلماء الراسخين الى يوم الدين ، أما بعد:

فهذه كلمة مو جزة فى موضع الاجتهاد ولست أريدبسط القول فيما يتعلق بالموضوع من لفظ الاجتهاد ومعانيه وحكمه وركنه وشرطه و اقسامه، واقامة الحجة على المنكرين وما الى ذلك من ابحاث واسعة الارجاء ، فقد تدفقت بها كتب علماء اصول الفقه من ائمة المذاهب ، فلم يغادروا صغيرة ولاكبيرة الا احصوها و نقحوها بتحقيق و تخريج من اقدم عصور الاسلام الى منتهى عصورالعلم ، ولا ريب انها ثروة عظيمة للامة الاسلامية ، لايستغنى عنها من يدعى البحث والتفقه او يدعى حل المشاكل العصرية.

فمن عهد الامام ابى حنيفة وصاحبه الامام قاضى القضاة ابى يوسف ثم الامام الشافعى ثم الطحاوى ثم الجصاص الرازى ثم ابى زيد الدبوسى ثم الفخر البزدوى والغزالى ثم وثم الى عهد الرازى والآمدى الى عهد الامير الكاتب الاتقانى وابن الهمام الحنفى ظهرت فى المكتبة الاسلامية العلمية الفقهية ما تند هش له العقول.

و انما احاول ان الفت انظار اهل العلم اولى التحقيق الى دعائم الاجتهاد فى المسائل الحاضرة والمشاكل الحديثة ، فقد احدثت المدنية الحاضرة مسائل جديدة نرى

فیها امورًا نحتاج الی تطبیقها علی قواعد الشر یعة المحمدیة والفقه الا سلامی.

ولا ریب ان الدین الاسلامی خاتم ادیان العالم کفیل بکل مایحدث الی یوم القیامة ، فالکتاب والسنة وما یدوری حولهما کل ذلك ینابیع فیاضة ینبع منها حل الحوادث ، فمذاهب الصحابة ومن بعدهم من التابعین ثم ائمة الدین رضوان الله علیهم انهم اجتهدوا وقاسوا علی الاصول التی ثبتت احکامها بالنص واجتهدوا لتعدیه حکم النصوص الی الفروع والحوادث والنوازل ، فهکذا اصبح الاجتهاد والقیاس مدرکًا من مدارك الشرع وبه اتسعت دائرة التفقه فی الدین ، ولسنا ممن یضیق هذه الدائرة او ان نسد هذه المنابع الفائضة فی دین الله ، فدلائل الکتاب والسنة والعقل قائمة علی تو سیع هذه الد ائرة فی کل عصر من عصور الاسلام.

منها :قوله تعالیٰ: ﴿فَاعْتَبِرُوْا یٰاُولِی الْاَبْصَارِ﴾. [الحشر:٢]

ومنها:﴿ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَعِبْرَةً لِّاُولِی الْاَبْصَارِ﴾ [آل عمران:١٣]

ولا ر یب ان الاعتبار هو رد حکم الشیء الی نظیره ومنه یسمی الاصل الذی یرد الیه النظائر عبرة.

ومنها : ﴿وَلَوْ رَدُّوْهُ اِلَی الرَّسُوْلِ وَ اِلٰٓی اُولِی الْاَمْرِ مِنْهُمْ لَعَلِمَهُ الَّذِیْنَ یَسْتَنْبِطُوْنَهٗ مِنْهُمْ﴾ [النساء:٨٣]

ولیس الاستنباط الا استخراج المعنی من المنصوص بالرأی ، کما یقوله السرخسی فی الاصول.

ومنها قوله:﴿فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِیْ شَیْءٍ فَرُدُّوْهُ اِلَی اللهِ وَالرَّسُوْلِ﴾[النساء:٥٩]

و یقول الد ر خسی:

"فلا یجوز ان یقال المراد هو الرجوع الی الکتاب والسنة ، لانه علق ذلك بالمنازعة والامر بالعمل بالکتاب والسنة غیر متعلق بشرط المنازعة ، ولان المنازعة بین المؤمنین فی احکام الشرع قلما تقع فیما فیه نص من کتاب اوسنة ، فعرفنا ان المراد به المنازعة فیما لیس فی عینه نص ، وان المراد هو الامر بالرد الی الکتاب والسنة بطر یق التأمل فیما هو مثل ذلك الشیء من المنصوص، وانما تعرف هذه المماثلة باعمال الرای وطلب المعنی فیه".(اصول السرخسی ج:٢ص:١٢٩)

والاخبار عن رسول الله صلی الله علیه وسلم وعن الصحابة فی حکم الاجتهاد والمقایسة والاعتبار فی غایة الکثرة ، وقد استوفی منها قدرًا صالحًا السرخسی

فی اصوله ، و ابن عبد البر فی جامع بیان العلم ، والحافظ ابن القیم فی اعلام الموقعین وغیرهم من الاعلام . ونحن نکتفی بحدیث معاذ فی السنن رواه الائمة وتلقاه بالقبول الامة جمعاء.

و یقول الا مام الغزالی فی المستصفی:

"حدیث تلقته الامة بالقبول و لم یظهر احد فیه طعنا او انکارا وما کان کذلک ، فلا یقدح فیه کونه مرسلا، بل لا یجب فیه البحث عن اسناده وهذا کقوله لا وصیة لوارث ولا تنکح المراة علی عمتها ، فلا یتوارث اهل الملتین ، وغیر ذلک مماعملت به الامة کافة ، الا انه نص فی اصل الاجتهاد و لعله فی تحقیق المناط وتعیین المصلحة فیما علق اصله بالمصلحة فلا یتناول القیاس الابعمرمه".(المستصفی للغزالی ص:۹۴)

غیر انه طال البحث من طائفة وکثرت التساؤل عن سنده فناتی بصفوة تحقیق ولبابه للبحاثة المحقق الامام الکوثری فی تقو یة اسناده علی اصولهم.(مقالات کوثری ص:۶۰الی۶۴)

والحدیث هذا قد اخرجه ابوداؤد والترمذی والدارمی عن معاذ بن جبل بالفاظ مختلفة.

"انه لما بعثه النبی صلی الله علیه وسلم الی الیمن سأله قائلا کیف تقضی؟قال اقضی بما فی کتاب الله ، قال فان لم یکن فی کتاب الله ، قال فبسنة رسول الله ، قال فان لم یکن فی سنة رسول الله ، قال اجتهد رأی و لا آلو ، فقال رسول الله صلی الله علیه وسلم: الحمد لله الذی وفق رسول رسول الله لما یر ضاه رسول الله".(۱)

وهذا الحدیث رواه عن اصحاب معاذ ، الحارث بن عمرو الثقفی ولیس هو بمجهول العین حیث ان شعبة یقول عنه : انه ابن اخ المغیرة بن شعبة ، ولا بمجهول الوصف من حیث انه من کبار التابعین فی طبقة شیوخ ابی عون الثقفی المتوفی سنة۱۱۶ھ.

ولم یثبت فیه جرح مفسر فیکفی بعدالته وقبول روایته ولم یبق حاجة الی ثبوت نقل توثیقه عن اهل طبقته ، والتابعون کلهم مشهود لهم بالخیر ، عدول مالم یثبت فیهم

---

(۱) سنن ابی داؤد،باب الاجتهادفی الرأی فی القضاة ص:۵۰۵،ط:نورمحمد.
سنن الترمذی ، باب ماجاء فی القاضی کیف یقضی ج:۱ ص:۱۵۹ .
سنن دارمی ص:۳۳باب الفتیا و ما فیه من الشدة.

جرح مؤثر، وجرح مفسر ، واما الصحابة فكلهم عدول ، لايوثرفيهم الجرح اصلاً مع ان الحارث هذا ذكره ابن حبان فی الثقات.

و لا مجال لتضعيف الحديث بتفرد ابن عون عن الحارث ، لان ردّ الحديث بتفرد راوٍ غير مجروح ليس من اصول اهل الحق و ابوعون هذا يروی عنه امثال الاعمش و ابی اسحاق و مسعر و شعبة والثوری وابی حنيفة وغيرهم وهو من رجال الصحيحين وتو ثيقه موضع اجماع بين اهل النقد.

وروی عنه هذا الحديث ابو اسحاق الشيبانی وشعبة بن الحجاج وعن ابی اسحاق ابو معاو ية الضرير وعن شعبه يحيیٰ بن سعيد القطان و عثمان بن عمر العبدی و علی بن الجعد ومحمد بن جعفر وعبد الرحمٰن ابن المهدی و ابو داؤد الطيالسی و غيرهم ، و عنهم من لا يحصون كثرةً حتی تلقت فقهاء التا بعين الحديث بالقبول.

ومحاولة توهين الحديث بانه روی عن اصحاب معاذ من اهل الحمص عن معاذ ، واصحاب معاذ مجاهيل محاولة فاسدة.

اما اولًا : فاصحاب معاذ معروفون بالدين والثقة ولا يمكن لاحد ان يثبت جرحاً فی احد اصحاب معاذ نصاً.

و اما ثانيا : فذكر الاصحاب بدون ذكر احد منهم يدل علی مبلغ شهرة الحديث من جهة الرواية كما يقوله القاضی ابو بكر ابن العر بی(۱)وغيره ، فالبخاری فی صحيحه (۲) فی حديث عرو ة البارقی يروی : سمعت الحی يتحدثون عن عروة ولم ينزل الرواية عن الصحة ، وقال مالك فی القسامة (۳) انه اخبره رجال من كبراء قومه ، وايضا فی الصحيح (۴) عن الز هری:حدثنی رجال عن ابی هر يرة (من صلی علی جنازة فله قيراط).

و اما ثالثًا : فقد وقع فی لفظ شعبة فی تار يخ ابن ابی خيثمه [بحواله مقالات كوثری ص۶۲] قال سمعت الحارث ابن عمروابن اخی المغيرة بن شعبة يحدث عن اصحاب رسول الله صلی الله عليه وسلم عن معاذبن جبل ومثله عند ابن عبد البر فی

(۱)شرح ترمذی لابن عربی ج:۶ ص:۷۳مطبوعه مصر

(۲) بحواله شرح ترمذی لابن عربی ج:۶ ص:۷۳مطبوعه مصر

(۳)المؤطاللامام مالك،باب القسامة ص:۶۸۰مطبوعه نورمحمد

(۴) صحيح مسلم ج:۱ ص۳۷۰رشيديه دهلی

"جامع بیان العلم"(۱) فإذن اصحاب معاذ هم اصحاب رسول الله صلی الله علیه وسلم وهم عدول.

اما رابعاً: فیقول الخطیب البغدادی فی "الفقیه والمتفقه"(بحواله مقالات الکوثری ص ۶۳) وقول الحارث ابن عمرو: عن اناس من اصحاب معاذ یدل علی شهرة الحدیث و کثرة رواته، و قد عرف فضل معاذ و زهده وقد قیل: ان عبادة ابن نسی رواه عن عبد الرحمن ابن غنم عن معاذ، و هذا اسناد متصل ورجاله معروفون بالثقة علی ان اهل العلم قد تقبلوه واحتجوا به، فوقفنا بذلك علی صحة الحدیث عندهم و بالجملة الحدیث صحیح ثابت عند فقهاء المحدثین الجامعین بین الفقه والحدیث وربما یبلغ حد التواتر المعنوی مع ضم القرائن المحتفة و بقیة الروایات المؤیدة، انتهی ملخصاً.

ومن اجود الادلة فی حجیة الاجتهاد فی النوازل ماروراه النسائی فی سننه فی باب الحکم باتفاق اهل العلم: عن عبد الله ابن مسعود فی اثر طویل وفیه:

"فان جاء امر لیس فی کتاب الله ولا قضی به نبیه صلی الله علیه وسلم فلیقض بما قضی به الصالحون، فان جاءه امر لیس فی کتاب الله ولا قضی به نبیه صلی الله علیه وسلم ولا قضی به الصالحون فلیجتهد رایه ولا یقول: انی اخاف، انی اخاف، فان الحلال بین والحرام بین وبین ذلك امور مشتبهات فدع ما یریبك الی مالا یریبك.(۲)"، قال ابو عبد الرحمن (النسائی) هذا الحدیث حدیث جید جید، ومثله عن عمر رضی الله عنه.

[سنن نسائی ج:۲ص:۲۶۴. سنن دارمی ص:۳۴]

و اما ضرورة الاجتهاد من جهة العقل فهو ظاهر جدا فیقول الامام السرخسی:

"ما من حادثة الا وفیها حکم الله تعالیٰ من تحلیل وتحریم اوایجاب اواسقاط، و معلوم ان کل حادثة لا یوجد فیها نص، فالنصوص محدودة متناهیة ولا نهایة لما یقع من حوادث الی قیام الساعة وفی تسمیته حادثة اشارة الی انه لا نص فیها فان ما فیه النص یکون اصلا معهودا الی آخر ما قال". [اصول السرخسی ج:۲ص:۱۳۹]

و بالجملة: حوادث العالم تجری مستمرة وتحدث مسائل ونوازل فلا بد ان نحل تلك الحوادث النازلة بضوء من الکتاب والسنة واجماع الامة ومن تراث الائمة من غیر عمه وضلال وعجز و فشل.

---

(۱) جامع بیان العلم وفضله وماینبغی فی روایته وحمله، لابن عبدالبر ج:۲ص:۵۵ مطبوعه منیریه

(۲) سنن مجتبی للنسائی ج:۲ص:۲۶۴، طبع نورمحمد. سنن دارمی ص:۳۳، ط: نظامی کانپور

وتاريخ التشريع الاسلامى وتكميل ادوار الفقه وتدوين الكتب فى النوازل والاجناس فى كل عصر من عصور العلم حجة مقطوعة على فتح باب الاجتهاد فى المسائل الغير المنصوصة فى الكتاب والسنة، كما تعامل به الامة وتوارثت فى القرون فلا داعى لمزيد الحث فى جواز الاجتهاد، فان الله سبحانه وتعالىٰ قد خلق العقل وجعله مدارا فى الانسان لحمل الامانة الالٰهية وحث على التدبر فيه و استعماله فى البصائر والعبر.

و يقول الا مام الفخر البزدوى فى اصوله:

"انه نور فى بدن الآدمى مثل الشمس فى ملكوت الارض تضيء به الطريق الذى مبدأه من حيث تنقطع اليه اثر الحواس ثم هو عاجز بنفسه، واذا وضح لنا الطريق كان الدرك للقلب بفهمه، كشمس الملكوت الظاهر اذا بزغت وبدا شعاعها ووضع الطريق كان العين مدركة بشعاعها". [كشف الاسرار على اصول البزدوى ج:۴ ص:۲۳۲]

وبالجمله :هو نور تتجلى به ظلمات الاوهام ونور تشرق به علل الاحكام وقد اثنى الله سبحانه فى التنزيل العزيز على العقل فى كثير من الآيات القرآنية، فقال عزّوجلّ:

۱-﴿اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یَّعْقِلُوْنَ﴾ [الرعد:۴]

۲-﴿فَتَكُوْنَ لَهُمْ قُلُوْبٌ یَّعْقِلُوْنَ بِهَا﴾ [الحج:۴۶]

۳-﴿كَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الْاٰیٰتِ لِقَوْمٍ یَّعْقِلُوْنَ﴾ [الروم:۲۸]

۴-﴿صُمٌّ بُكْمٌ عُمْیٌ فَهُمْ لَا یَعْقِلُوْنَ﴾ [البقرة:۱۷۱]

۵-﴿وَیَجْعَلُ الرِّجْسَ عَلَى الَّذِیْنَ لَا یَعْقِلُوْنَ﴾ [یونس:۱۱۰]

۶-﴿وَمَا یَعْقِلُهَا اِلَّا الْعٰلِمُوْنَ﴾ [العنكبوت:۴۳]

۷-﴿اَفَلَا یَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ اَمْ عَلٰى قُلُوْبٍ اَقْفَالُهَا﴾ [محمد:۲۴]

۸-﴿اِنَّمَا یَتَذَكَّرُ اُولُوا الْاَلْبَابِ﴾ [الرعد:۱۹]

۸-﴿لَعَلَّهٗ یَتَذَكَّرُ اَوْ یَخْشٰى﴾ [طه:۴۴]

۹-﴿وَ مَا یَتَذَكَّرُ اِلَّا مَنْ یُّنِیْبُ﴾ [المومن:۱۳]

۱۰-﴿وَلِیَذَّكَّرَ اُولُوا الْاَلْبَابِ﴾ [ابراهيم:۵۲]

۱۱-﴿وَ یَضْرِبُ اللّٰهُ الْاَمْثَالَ لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ یَتَذَكَّرُوْنَ﴾ [ابراهيم:۲۵]

وليكن أمام الباحث انه نور وهّاج لكن له دائرة خاصة لا يمكن ان يتعداها و حيث ينتهى طيران العقل يبتدأمن هناك طور من وراء طور العقل، وهو طور الوحى

الا لٰهی وطورالنبوة الالٰهية. فلا ريب ان العقل يقصر من مدارك الوحی وكفاه فخرًا بان يدرك ما اثبته الوحی والنبوة وبلغ الى ادراك حقائق الوحی بنوره الثاقب وادرك حكمها العالية ومصالحها الغامضة وعللها الخفية. وثبت من ذلك ان الكتاب والسنة والشرائع الالٰهية والاحكام المنصوصة لا غنى للعقل عن الخضوع امامها والقيام بين يديها بادب ووقار وانقياد وتسليم واذا لم يصل الى دركها اعترف امامها بقصوره.

وعلى كل حال تقديم العقل فی كل شیء مع وجود نص الوحی تجاسر قبيح و تاخيره عن كل شیء مع عدم وجود النص قصور و عجز. فالامر بين الامرين و هذا هو الصراط المستقيم.

و لكن من المهم الى الغاية ان نشير الى نقاط ينجلی منها هذاالموضوع فی وضوح:

الاولى : علم القرآن والسنة واجماع الامة والوقوف على مؤلفات الفقه الاسلامی ومعرفة العلوم التی يحتاج اليها فی فهم القرآن والسنة خصوصاً بثلج الصدر بعلم اصول الفقه الاسلامی حيث لا مندوحة عنه.

الثانية : الفهم الثاقب والذكاء البالغ مع التقى والخشية الالٰهية والاخلاص لدين الله.

الثالثة : العناية بالاجتهاد الشورىٰ حيث يشكل وجود رجال افذاذ فی تلك الصفات فيجبر ذلك الوهن من رأی فردی شخصی بآراء جماعة تجتمع فيها هذه الصفات مجموعة فيهم وان لم تجتمع فی فرد واحد منهم حيث ان الحديث النبوی ارشد الامة الى ان يشاوروا الفقهاء والعابدين من ان يقضوا برأی فرد كما ثبت ذلك فی حديث رواه الطبرانی عن علی وعن ابن عباس ، وابوحنيفة الامام مع كونه فقيه الامة لم يستبد بنفسه بل كون جماعة لهذا الغرض من اربعين من كبراء الكبراء كما يذكره الموفق فی مناقب ابی حنيفة.

الرابعة : اذا صادفنا حلًا للنازلة فی احد من مذاهب الائمة المتبوعين ولا يكون ذلك الحل من جملة شذوذ اوخروج عن الاجماع ، نختاره لكی لا نضطر الى اجتهاد جديد او الخروج عن المذاهب.

الخامسة : ان المذهب السائد فی هذه البلاد مذهب الامام ابی حنيفة فلا داعی لان نخرج عن اتباعه بدون الجاء شديد واضطرار اكيد ، و ان نشوّش رای العامة من غير أی جدوىٰ.

السادسة : ان المسائل المنصوصة المقطوعة فوق دائرة الاجتهاد فى كل عهد، وان دائرة الاجتهاد فى غير المنصوصة وفى غير المسائل الاجماعية فاستخراج علة او مصلحة او حكمة وجعلها مدارا للحكم ، بحيث يجعل المنصوص غيرمعمول به او يكون خارقا للاجماع ، هذا مما لامساغ له و يكاد يقرب من الحاد او تحريف و قد ارتكبه كثير من الناس اما من جهل وعناد. [حجة الله البالغة،باب الفرق بين المصالح والشرائع]

السابعة : ان عهد الخلافة الراشدة وخصوصاً عهد الشيخين ابى بكر و عمر رضى الله عنهما لا يمكن لان يجعل نظيرا فى بعض المسائل و الاجتهاد الجديد ، فان منصب الخلافة فوق منصب الاجتهاد و اتباعه مامور به من الشارع عليه الصلاة والسلام.

الثامنه : ان يجتنب عن تلفيق الاقوال فى المذاهب وتتبع الرخص عند الائمة الا فى بعض المسائل عند الاضطرار فان ذلك يرادف الانخلاع عن الدين.

التاسعة : ان القوانين الجارية فى البلاد الغيرالاسلامية المتبعة فى الحضارة الجديدة التى تنافى روح الاسلام لا يجتهد فى تطبيقها فى البلاد الاسلامية ، سواء بسواء و يعتذر بالاضطرار اليها مع مخالفتها المقطوعات الاسلامية ، بل يجتهد فى تطبيق حلها بما نجد بدلا عنها فى الاسلام وذلك مثل مسئلة ربا البنوك والتامين والوكالات التجارية وغيرها فان فى الاسلام ابوابا من الشركة القراض والكفالة مافيه غنى عن اتخاذها قدوة واسوة.

وان المشكلة فيها قد احدثها تطبيق فروع غيراسلامية على اصول اسلامية ، فيظن بالاسلام انه لا يمكن ان يساير نظام العالم الحديث ، وليكن امام الباحث ان الاصول الاسلامية منبعها العلم الصحيح المحبط الى قيام الساعة والقدرة الازليه الكاملة لا تعجز عن شىء فجاءت من لدن عليم خبير ومن هو على كل شىء قدير.

العاشرة : ان يفرق فرقا واضحا جليا بين الالجاء والاضطرار وبين الترف والترفه ورغبة ، توفيرالاموال واتخاذ الثروة ، ومن الظلم العظيم ان لو سوّى بين رجل جائع لا يجد ما يسد به خلته وجوعه وبين رجل يتدفق بيته بانواع من النعيم و لا يسد نهمته شىء ، فذاك اضطرار وهذا سرف وتبذير ، وسوء الفهم يعمل المضحكات بل المبكيات، ورحم الله من انصف!

هذه اشارات موجزة فى موقف التشريع الاسلامى من الاجتهاد ، اكتفيت فيها بالاجمال دون الخوض فى غمار التفصيلات حرصاً على الوقت ، ولا شك ان الموضوع يحتاج الى بسطٍ شافٍ نظرا الى اهميته ولكن ما لا يدرك كله لا يترك كله ، ودمع من عوراء

غنيمة باردة ، وجهد المقل دموعه، فكان الا مر كما قال قائلهم:

جهد المتيم اشواق فيظهر ها

دمع على صفحات الخدينحدر

والله سبحانه ولی التو فيق وهو حسبنا ونعم الو كيل

یہ ''اجتہاد'' کے موضوع پر مختصر سا مقالہ ہے میں (اس وقت) موضوع سے متعلقہ تمام مباحث پر مفصل بحث کا ارادہ نہیں رکھتا، مثلاً اجتہاد کی لغوی تحقیق، اجتہاد کے معانی، حکم، ارکان، شرائط، اقسام، حجیت اجتہاد پر دلائل اور اس قسم کی اور طویل بحثیں جن سے تمام ائمہ مذاہب کے اصول فقہ کی کتابیں بھری پڑی ہیں، چنانچہ ان اکابر نے کسی چھوٹی بڑی بحث کو نہیں چھوڑا جس کی کماحقہ تحقیق وتنقیح نہ کر ڈالی ہو، یہ سلسلہ اسلام کے قدیم دور سے لے کر علمی دور کے آخری سرے تک جاری رہا ہے، بلاشبہ یہ امت اسلامیہ کی مایہ فخر دولت ہے جس سے نہ بحث وتفقہ کا طالب علم مستغنی ہے، نہ عصری مسائل کے حل کا مدعی اس سے بے نیاز ہوسکتا ہے۔

چنانچہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے تلمیذ رشید قاضی القضاۃ ابو یوسف کے دور سے، پھر امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ، امام طحاوی، جصاص رازی، ابوزید دبوسی، فخر بزدوی، امام غزالی کے دور سے، امام رازی اور آمدی کے دور تک اور ان کے دور سے امیر کاتب اتقانی اور ابن ہمام حنفی کے دور تک اسلامی کتب خانے میں (اصول فقہ پر) اتنا بڑا ذخیرہ وجود پذیر ہوا جس سے عقل حیران رہ جاتی ہے۔

آج کی فرصت میں میرے پیش نظر صرف یہ ہے کہ محققین اہل علم کی توجہ مسائل حاضرہ اور جدید مشکلات میں اجتہاد کے اہم اصولوں کی طرف مبذول کراؤں، کیونکہ نئے تمدن نے نئے مسائل کو جنم دیا ہے اور ان میں بہت سی چیزیں ایسی نظر آتی ہیں جنہیں قواعد شرعیہ اور فقہ اسلامی کے مطابق ڈھالنا ہماری پہلی ضرورت ہے۔

ہمارا ایمان ہے کہ دین اسلام تمام ادیان عالم کے لئے خاتم اور قیامت تک کی ضرورتوں کا کفیل ہے، چنانچہ کتاب وسنت اور ان سے متعلقہ علوم وہ فیاض چشمے ہیں جن سے حل مسائل کے سوتے ابلتے ہیں، پھر صحابہ و تابعین اور ائمہ مجتہدین کا طریق کار ہمارے لئے روشنی کا مینار ہے، ان حضرات نے اجتہاد کیا اور جن اصول کے احکام نص سے ثابت تھے ان پر (غیر منصوص) کو قیاس کیا اور نصوص کے حکم کو فروع وحوادث کی طرف متعدی کرنے کے لئے اجتہاد سے کام لیا، اس طرح اجتہاد وقیاس اصول شرعیہ میں سے ایک اصول قرار پایا، جس سے تفقہ فی الدین کا دائرہ وسیع ہوا، ہم اس حق میں نہیں کہ اس دائرے کو تنگ کر دیا جائے، یا دین خداوندی کے ان فیاض چشموں کو بند کر دیا جائے، کیونکہ کتاب وسنت اور عقل کے دلائل سے ثابت ہے کہ یہ دائرہ ہر دور میں وسیع رہے گا۔

چنانچہ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے: پس تم عبرت لو، اے عقل مندو۔

نیز ارشاد ہے: بے شک اس میں عبرت ہے بصیرت والوں کے لئے۔

اور ظاہر ہے کہ کسی شئ کے حکم کو اس کی نظیر کی طرف لوٹانے کا نام اعتبار ہے، اسی لئے جس اصل کی طرف نظائر کو لوٹایا جائے اسے ''عبرۃ'' کہا جاتا ہے۔

نیز ارشاد ہے: اور اگر یہ لوگ اس کو رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کے اور جو ان میں ایسے امور کو سمجھتے ہیں ان کے حوالے کر دیتے تو ان میں جو لوگ اس کو سمجھنے کی صلاحیت رکھتے ہیں اس کو خود ہی جان لیتے۔

اور استنباط کے معنی ہیں۔جیسا کہ سرخسی نے لکھا ہے:

''اجتہاد کے ذریعہ حکم منصوص کی علت دریافت کرنا''۔

نیز اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: پس اگر تم کسی امر میں جھگڑ پڑ دتو اسے اللہ و رسول کی طرف لوٹاؤ۔

امام سرخسیؒ لکھتے ہیں:

''یہ کہنا صحیح نہیں ہوگا کہ اللہ و رسول کی طرف لوٹانے سے مراد کتاب وسنت کی طرف رجوع کرنا ہے، کیونکہ یہاں ''رد'' کو منازعت پر معلق کیا گیا ہے اور ظاہر ہے کہ کتاب وسنت پر عمل کرنا اس شرط پر معلق نہیں، نیز جن احکام شرعیہ پر کتاب وسنت کے نصوص موجود ہوں ان میں اہل ایمان کے نزاع کی صورت مشکل ہی سے پیش آسکتی ہے، اس سے واضح ہوا کہ یہاں مراد وہ منازعت ہے جو ایسے واقعہ میں پیش آئے جس کے لئے کتاب وسنت کا صریح حکم موجود نہ ہو اور ''رد'' سے مراد یہ ہے کہ جس حادثہ میں نزاع واقع ہو غور وفکر سے کتاب وسنت کے منصوص احکام میں اس کی نظیر تلاش کی جائے اور یہ مماثلت اجتہاد کے ذریعہ علت حکم کی دریافت ہی سے معلوم ہوسکتی ہے''۔

اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی احادیث، اجتہاد، قیاس اور اعتبار کے سلسلہ میں کافی تعداد میں موجود ہیں ان کی ایک اچھی مقدار امام سرخسی نے اصول میں امام ابن عبد البر نے جامع بیان العلم میں اور حافظ ابن قیم نے اعلام الموقعین میں اور دوسرے اکابر نے جمع کر دی ہے۔ہم یہاں حدیث معاذؓ کے ذکر پر کفایت کرتے ہیں، جو سنن میں موجود ہے، ائمہ حدیث نے اسے روایت کیا ہے اور تمام امت نے اسے قبول کیا ہے۔

امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ المستصفی میں لکھتے ہیں:

''اس حدیث کو امت نے قبول کیا ہے اور کسی نے اس میں طعن یا انکار کا اظہار نہیں کیا، اس لئے اس کا مرسل ہونا قادح نہیں بلکہ اس کی سند کی تفتیش بھی ضروری نہیں، جیسا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وہ احادیث جن پر پوری امت عمل پیرا ہے، مثلاً وارث کے لئے وصیت نہیں، کسی عورت سے اس کی پھوپھی پر نکاح نہ کیا جائے، دوملتوں کے لوگ ایک دوسرے کے وارث نہیں ہوں گے وغیرہ (کہ اس عملی تواتر کے بعد ان کی اسناد کی بحث غیر ضروری ہو جاتی ہے) البتہ یہ حدیث (معاذ رضی اللہ عنہ) اصل اجتہاد میں نص ہے اور شاید یہ ''تحقیق

مناط'' اور ''تعیینِ مصلحت'' کے بارے میں ہے، جہاں کہ اصل کا حکم مصلحت پر معلق ہو اس لئے یہ قیاس کو صرف اپنے عموم کی بنا پر شامل ہوگی۔

مگر چونکہ بعض لوگوں نے اسے طویل بحث کا نشانہ بنایا اور اس کی اسناد کا سوال اٹھایا ہے اس لئے ہم یہاں امام کوثری کی تحقیق کا خلاصہ اور لب لباب پیش کرتے ہیں جو اصول حدیث کے قواعد کے مطابق انہوں نے اس کی قوت سند کے بارے میں فرمائی ہے۔

اس حدیث کو امام ابوداؤد، ترمذی اور دارمی نے مختلف الفاظ میں حضرت معاذ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ:

''جب حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یمن کا قاضی بنا کر بھیجا تو فرمایا: فیصلہ کیسے کرو گے؟ عرض کیا کتاب اللہ کے مطابق، فرمایا: اگر اس کا صریح حکم کتاب اللہ میں نہ ہو؟ عرض کیا تو سنت رسول کے مطابق، فرمایا: اگر سنت رسول میں بھی نہ ہو؟ عرض کیا پھر میں اپنی رائے سے اجتہاد کروں گا اور غور و فکر میں کوتاہی نہیں کروں گا۔ یہ سن کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کا بے حد شکر ہے کہ اس نے فرستادۂ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے پسندیدہ طریق کی توفیق دی''۔

اس حدیث کو اصحاب معاذ رضی اللہ عنہ سے حارث بن عمرو ثقفی نے روایت کیا ہے اور حارث نہ تو مجہول العین ہے، چنانچہ امام شعبہ فرماتے ہیں کہ وہ مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کے بھتیجے ہیں اور نہ وہ مجہول الوصف ہے، کیونکہ وہ کبار تابعین میں ابوعون ثقفی (م ۱۱۶ھ) کے طبقہ شیوخ میں ہے اور ان کے بارے میں کوئی جرح مفسر ثابت نہیں، اس لئے ان کی ثقاہت اور قبول روایت کے لئے اتنا ہی کافی ہے۔ اس کے بعد ان کے اہل طبقہ سے نقل توثیق کی حاجت نہیں رہ جاتی، اور تمام تابعین کے حق میں خیر کی شہادت دی گئی ہے وہ سب ثقہ اور عادل ہیں جب تک کہ ان میں جرح مؤثر اور جرح مفسر ثابت نہ ہو اور صحابہ سب عادل ہیں ان میں کسی قسم کی جرح بھی مؤثر نہیں، علاوہ بریں حارث کو ابن حبان نے ثقات میں ذکر کیا ہے۔

اور یہ حدیث اس وجہ سے بھی ضعیف نہیں قرار دی جاسکتی کہ ابن عون، حارث سے اس کی روایت میں متفرد ہیں، اس لئے کہ ثقہ راوی کے تفرد کی وجہ سے حدیث کو رد کر دینا اہل حق کا اصول نہیں اور ابن عون، امام اعمش، ابواسحق، مسعر، شعبہ، ثوری اور ابوحنیفہ جیسے اکابر کے استاذ، صحیحین کے راوی اور باتفاق اہل نقد ثقہ ہیں۔

ابن عون سے اس حدیث کو ابواسحاق، شیبانی اور شعبہ بن حجاج نے روایت کیا ہے اور ابواسحاق سے ابو معاویہ ضریر نے اور شعبہ سے یحییٰ بن سعید قطان، عثمان بن عمر عبدی، علی بن جعد، محمد بن جعفر، عبدالرحمان بن مہدی اور ابوداؤد طیالسی وغیرہم نے روایت کیا ہے اور ان حضرات سے بے شمار لوگوں نے روایت کیا یہاں تک کہ فقہاء تابعین نے اس حدیث کو بالاتفاق قبول کیا۔

اور اس حدیث کو اس وجہ سے رد کر دینا کہ یہ اصحاب معاذؓ سے مروی ہے اور وہ مجہول ہیں چند وجوہ سے غلط ہے:

اولاً: اس لئے کہ اصحاب معاذ دین وثقاہت میں معروف ہیں اور ناممکن ہے کہ کوئی شخص اصحاب معاذ میں سے کسی ایک کے حق میں بھی جرح ثابت کر سکے۔ (اور ثقہ کا مبہم ہونا مضر نہیں)

ثانیاً: اس لئے کہ اصحاب معاذ کا بلاتعیین ذکر اس امر کی دلیل ہے کہ روایت کے اعتبار سے یہ حدیث حد شہرت کو پہنچی ہوئی تھی، جیسا کہ قاضی ابوبکر ابن عربی نے کہا ہے، چنانچہ امام بخاری نے عروہ بارقی کی حدیث کی سند اس طرح نقل کی ہے: میں نے قبیلہ کے لوگوں کو عروہ سے روایت کرتے سنا ہے' اس کے باوجود یہ روایت درجہ صحت سے نہیں گری، اور امام مالک نے قسامة میں سند یوں بیان کی ہے: ''اسے اس کی قوم کے بڑے لوگوں میں سے چند مردوں نے خبر دی'' نیز صحیح مسلم میں زہری سے یوں روایت ہے کہ: مجھ سے چند مردوں نے بروایت ابوہریرہ یہ حدیث بیان کی ہے کہ: ''جس نے جنازہ کی نماز پڑھی اس کے لئے ایک قیراط ہے''۔

ثالثاً: اس لئے کہ تاریخ ابن ابی خیثمہ میں بروایت شعبہ یہ لفظ ہیں: ''میں نے مغیرہ بن شعبہ کے بھتیجے حارث بن عمرو سے سنا: وہ اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے معاذ کی یہ حدیث بیان کرتے تھے''۔ حافظ ابن عبد البر نے بھی جامع بیان العلم میں اسی طرح روایت نقل کی ہے، اندریں صورت اصحاب معاذ رضی اللہ عنہم سے مراد اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اور وہ سب عادل ہیں۔

رابعاً: اس لئے کہ خطیب بغدادی ''الفقیہ والمتفقہ'' میں لکھتے ہیں:

''حارث بن عمرو کا ''عن اناس من اصحاب معاذ'' کہنا شہرت حدیث اور کثرت رواۃ کی دلیل ہے اور حضرت معاذ کا فضل و زہد معروف ہے (ان کے اصحاب بھی معمولی درجہ کے لوگ نہیں ہوں گے) اور کہا گیا ہے کہ عبادہ بن نسی نے اسے بروایت عبدالرحمن ابن غنم حضرت معاذ سے روایت کیا ہے اور یہ سند متصل ہے اور اس کے راوی سب ثقہ ہیں، علاوہ بریں اہل علم نے اسے بالاتفاق قبول کیا ہے اور اس سے استدلال کیا ہے جس سے واضح ہے کہ یہ حدیث ان کے نزدیک درجہ صحت رکھتی ہے۔''

حاصل یہ کہ فقہاء محدثین کے نزدیک یہ حدیث صحیح اور ثابت ہے اگر اس کے ساتھ خارجی قرائن اور تائیدی روایات کو بھی ملا لیا جائے تو یہ قریباً تواتر معنوی کا درجہ رکھتی ہے، امام کوثری کی تحقیق کا خلاصہ ختم ہوا۔

اور جدید مسائل میں حجیت اجتہاد کی عمدہ ترین دلیل وہ حدیث ہے جسے امام نسائی نے سنن میں ''باب الحکم باتفاق اھل العلم'' کے ذیل میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے طویل اثر میں روایت کیا ہے کہ:

''پس اگر ایسا معاملہ پیش آئے جس کا صریح حکم نہ کتاب اللہ میں ہو نہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا فیصلہ فرمایا ہو تو وہ فیصلہ کرے جو سلف صالحین نے کیا ہو اور اگر ایسا معاملہ درپیش ہو جو نہ کتاب اللہ میں ہو نہ

سلف نے، تو اپنی بصیرت سے اجتہاد کرے اور یہ نہ کہے کہ میں ڈرتا ہوں۔ میں ڈرتا ہوں، کیونکہ حلال بھی واضح ہے اور حرام بھی، اور حلال وحرام کے مابین بعض چیزیں مشتبہ ہیں اس لئے اس پہلو کو چھوڑ دو جو کھٹک پیدا کرے اور وہ پہلو اختیار کرو جس میں کھٹک نہ ہو''۔

امام نسائی فرماتے ہیں کہ یہ حدیث بہت عمدہ ہے اور اسی کی مثل حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے بھی روایت ہے۔

اور عقلی حیثیت سے اجتہاد کی ضرورت بالکل واضح ہے، امام سرخسی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''کوئی حادثہ ایسا نہیں جس میں اللہ تعالیٰ کی جانب سے حلت یا حرمت، وجوب یا عدم وجوب، کا حکم نہ ہو، اور ظاہر ہے کہ ہر حادثہ میں نص صریح نہیں ہوگی کیونکہ نصوص محدود ومتناہی ہیں جبکہ قیامت تک کے حوادث غیر متناہی، اور حادثہ کا نام حادثہ رکھنے میں اس طرح اشارہ ہے کہ اس میں نص نہیں ہوگی ورنہ جس پر نص صریح موجود ہو وہ اصل معہود ہوا''۔

حاصل یہ کہ زندگی رواں دواں ہے اور وہ اپنے جلو میں بہت سے نئے مسائل کو لاتی ہے اس لئے ہمارا فرض یہ ہونا چاہئے کہ ہم کتاب وسنت، اجماع امت اور فقہ اسلامی کی روشنی میں ان جدید مسائل کا حل اس طرح تلاش کریں کہ نہ تو کجروی اور گمراہی کی وادیوں میں بھٹکیں، نہ بزدلی سے ہاتھ پر ہاتھ دھر کر بیٹھ جائیں۔

تشریع اسلامی کی تاریخ فقہی دور کی تکمیل اور ہر زمانے میں جدید مسائل پر کتابوں کی تصنیف اس امر کی قطعی دلیل ہے کہ جن مسائل میں کتاب وسنت کے نصوص موجود نہیں ان میں اجتہاد کا دروازہ ہر وقت کھلا ہے، چنانچہ امت اسی اصول پر کاربند رہی ہے اس لئے جوازِ اجتہاد پر مزید بحث کی ضرورت نہیں، کیونکہ حق تعالیٰ نے عقل پیدا کی ہے، انسان میں امانت الٰہیہ کی برداشت کا مدار اسی پر رکھا ہے اور ''بصائر وعبر'' میں غور وتدبیر کی بار بار دعوت دی ہے۔

امام فخر الاسلام بزدوی فرماتے ہیں:

''عقل، بدنِ انسان میں ایک نور ہے جیسا کہ زمینی عالم میں آفتاب، اس سے وہ راہیں کھلتی ہیں جہاں حواس ظاہری کا دائرہ ختم ہو جاتا ہے، پھر یہ بذات خود راہنما نہیں بلکہ اس کا کام صرف راستے کا اجاگر کر دینا ہے، راستہ واضح ہو جانے کے بعد اس کا ادراک قلب اپنے نورِ فہم سے کرے گا، جس طرح طلوع آفتاب سے راستہ کھل جاتا ہے مگر راستہ نظر آنے کے لئے تنہا سورج کی روشنی کافی نہیں بلکہ چشم بینا کی بھی ضرورت ہے''۔

بہرحال عقل ایک نور ہے ایسا نور! جس سے اوہام کی تاریکیاں چھٹ جاتی ہیں، ایسا نور! جس سے عللِ احکام کی راہیں اجاگر ہو جاتی ہیں، حق تعالیٰ نے قرآن کریم کی متعدد آیتوں میں عقل کی مدح وتوصیف فرمائی ہے۔

چنانچہ ارشاد ہے:

(آیات شریفہ کا ترجمہ حضرت شیخ الہندؒ کا ہے)

ان چیزوں میں نشانیاں ہیں ان کو جو غور کرتے ہیں۔

جو ان کے دل ہوتے جن سے سمجھتے۔

یوں کھول کر بیان کرتے ہیں ہم نشانیاں، ان لوگوں کے لئے جو سمجھتے ہیں۔

بہرے گونگے اور اندھے ہیں سو وہ کچھ نہیں سمجھتے۔

اور وہ ڈالتا ہے گندگی ان پر جو نہیں سوچتے۔

اور ان کو سمجھتے وہی ہیں جن کو سمجھ ہے۔

کیا دھیان نہیں کرتے قرآن میں، یا دلوں پر لگ رہے ہیں ان کے قفل۔

سمجھتے وہی ہیں جن کو عقل ہے۔

شاید وہ سوچے یا ڈرے۔

اور سوچ وہی کرے جو رجوع رہتا ہو۔

اور تا سمجھیں عقل والے۔

اور بیان کرتا ہے اللہ مثالیں لوگوں کے واسطے تا کہ وہ فکر کریں۔

یہ بات خاص طور سے یاد رکھنے کی ہے کہ بلاشبہ عقل نورِ فروزاں ہے، مگر اس کے لئے ایک خاص دائرہ ہے، جس سے آگے قدم بڑھانا اس کے لئے ممکن نہیں اور جہاں عقل کی پرواز ختم ہوتی ہے وہاں سے عقل سے بالاتر دائرہ شروع ہوتا ہے اور وہ وحی الٰہی اور نبوت الٰہیہ کا دائرہ ہے۔ لاریب کہ عقل ان امور کا ادراک نہیں کر سکتی جو وحی کی آنکھ سے نظر آتے ہیں، عقل کے لئے یہی فخر کیا کم ہے کہ وہ وحی کے بیان کردہ حقائق کا ٹھیک ٹھیک ادراک کر لے، اور اپنے نورِ خداداد سے ان حقائق کی بلند حکمتوں، گہری مصلحتوں اور باریک اسرار و علل کا سراغ لگانے میں وہ کامیاب ہو جائے۔

اس سے واضح ہوا کتاب و سنت، شرائع الٰہیہ اور احکام منصوصہ کے سامنے سر جھکانے اور ادب و وقار اور تسلیم و انقیاد کے ساتھ ان کے سامنے کھڑا ہونے کے سوا عقل کو کوئی چارہ نہیں اور اگر حقائق وحی تک اس کی رسائی نہ ہو سکے تو اسے اپنی تنگ دامانی کا اعتراف کرنا ہوگا۔

مختصر یہ کہ نصوص وحی کے ہوتے ہوئی بھی عقل کو ہر چیز میں مقدم رکھنا بڑی گھناؤنی جسارت ہے، یونہی نصوص وحی کے نہ ہونے کی صورت میں بھی اس سے کام نہ لینا نری حماقت اور کوتاہی ہے، صحیح راستہ ان دونوں کے بیچ سے ہو کر گزرتا ہے اور وہی صراط مستقیم ہے۔

البتہ یہاں چند اہم نکات کی طرف اشارہ ہمارے لئے بے حد ضروری ہے جن سے موضوع کھل کر

روشن ہو جائے۔

اوّل: اجتہاد کے لئے قرآن وحدیث اور اجماع امت کا علم وفقہ اسلامی کی کتابوں سے واقفیت اور فہم کتاب وسنت کے لئے جن علوم کی ضرورت ہے ان میں مہارت ازبس ضروری ہے، خصوصاً علم اصول فقہ میں کامل بصیرت ہونی چاہیے کہ اس کے بغیر ہم ایک قدم آگے نہیں چل سکتے۔

دوم: بالغ نظری اور دقیقہ رسی کے ساتھ تقویٰ، خشیت الٰہیہ اور دین خداوندی کے ساتھ کامل اخلاص۔

سوم: شورائی اجتہاد کا اہتمام، چونکہ ایسے یکتا اشخاص کا وجود جو ان مجتہدانہ صفات میں کامل ہوں، بے حد مشکل ہے، اس لئے شخصی رائے کی کمی کو ایسی جماعت کی آراء سے پورا کیا جانا چاہیے جن میں فرداً فرداً نہ سہی مگر مجموعی حیثیت سے یہ تمام صفات کامل طور سے جمع ہوں۔ یہی وجہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے امت کو یہ ہدایت فرمائی ہے کہ جدید مسائل میں انفرادی رائے کے بجائے فقہاء وعابدین سے مشورہ کیا جائے۔ امام طبرانی نے یہ حدیث حضرت علی اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے اور یہی وجہ ہے کہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے فقیہ الامت ہونے کے باوجود انفرادی اجتہاد نہیں کیا بلکہ اس مقصد کے لئے ایسے چالیس افراد کی جماعت تشکیل کی جن میں سے ہر ایک اپنی جگہ یکتائے زمانہ تھا جیسا کہ الموفق نے مناقب ابی حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ میں ذکر کیا ہے۔

چہارم: جب کسی پیش آمدہ مسئلہ کا حل مذاہب اربعہ میں سے کسی میں موجود ہو بشرطیکہ وہ رائے شاذ اور اجماع امت کے خلاف نہ ہو تو ہمیں اسی کو اختیار کرنا ہوگا تاکہ اجتہادِ جدید اور مذاہب مجتہدین سے خروج کی ضرورت نہ رہے۔

پنجم: چونکہ ہمارے ملک میں حنفی مسلک رائج ہے اس لئے بدون شدید اضطرار کے بلاوجہ اس سے نکلنا اور رائے عامہ کو خواہ مخواہ پریشان کرنا غیر معقول ہوگا۔

ششم: جن مسائل میں نصوص قطعیہ موجود ہوں وہ ہر دور میں دائرہ اجتہاد سے خارج ہیں، اجتہاد صرف ان مسائل تک محدود ہے جو نہ منصوص ہوں نہ اجماعی، اس لئے اس کی گنجائش نہیں کہ کسی حکم کی علت، مصلحت یا حکمت تراش کر اسے ایسے طور پر مدار حکم قرار دے دیا جائے کہ اس سے نص کا غیر معمول بہ ہونا یا اجماع امت کا باطل ہونا لازم آئے، یہ طرز عمل تقریباً الحاد وتحریف سے جاملتا ہے اور بہت سے لوگ جہل یا عناد کی بناء پر اس کے مرتکب ہیں۔

ہفتم: مسائل جدیدہ میں اجتہاد کے لئے خلافت راشدہ خصوصاً خلافت شیخین حضرت ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما کو نظیر بنانا ناممکن ہے، کیونکہ خلافت راشدہ کا مقام منصب اجتہاد سے بالاتر ہے اور خلافت راشدہ کے فیصلوں کو مضبوطی سے پکڑنے کا حکم شارع علیہ الصلاۃ والسلام کی طرف سے امت کو دیا گیا ہے۔

ہشتم: مذاہب مختلفہ کو ملانے (تلفیق) اور اضطراری حالت کے بغیر مذاہب فقہاء سے چھانٹ چھانٹ کر رخصتوں کو تلاش کرنے سے پرہیز کیا جائے کیونکہ یہ دین ہی سے نکل جانے کے مرادف ہے۔

نہم: جدید تمدن کی بدولت غیر اسلامی ممالک میں بیشتر ایسے قوانین رائج ہیں جو روحِ اسلام کے منافی اور قطعیات اسلامیہ سے ٹکراتے ہیں، انہیں اضطرار کے بہانے سے اسلامی معاشرے میں جوں کا توں فٹ نہ کیا جائے، بلکہ اس مشکل کو حل کرنے کے لئے اسلام میں اس کا جو بدل موجود ہے اسے اختیار کیا جائے۔ مثلاً بینک کا سود، بیمہ اور کمیشن ایجنسی کا مسئلہ ہے کہ اسلام میں اس کا بدل شرکت، قراض اور کفالت وغیرہ کی صورت میں موجود ہے، جس کے ہوتے ہوئے ان حرام کے ارتکاب کی ضرورت نہیں رہتی۔

اشکال کی جڑ بنیاد یہ ہے کہ ہم غیر اسلامی قوانین کو ان میں رتی بھر تبدیلی کئے بغیر اسلامی اصول پر منطبق کرنے بیٹھ جاتے ہیں اور جب وہ فٹ نہیں ہوتے تو گمان کر لیا جاتا ہے کہ اسلام معاذ اللہ جدید دور کے ساتھ قدم ملا کر چلنے کی صلاحیت نہیں رکھتا۔ یہ یاد رہے! کہ اصول اسلامیہ کا سرچشمہ ذاتِ خداوندی ہے جس کا علم صحیح قیامت تک کے حوادث کو محیط ہے اور جس کی قدرت ازلیہ کاملہ کسی چیز سے عاجز نہیں کیونکہ یہ شریعت اس ذات کی طرف سے آئی ہے جو علیم وخبیر بھی ہے اور ہر چیز پر قادر بھی۔

دہم: الجاء واضطرار کے درمیان اور عیش پرستی، زر اندوزی اور امیر سے امیر تر بننے کی حرص کے درمیان جو نمایاں فرق ہے اسے ملحوظ رکھنا چاہیے، ایک بھوکا ننگا فاقہ کش ہے، جسے قوت لایموت بھی میسر نہیں اور ایک وہ امیر کبیر ہے جس کا گھر طرح طرح کے اسباب تنعم سے پٹا پڑا ہے، مگر اس کی حرص کی جہنم کو صبر نہیں، یہ کتنا بڑا ظلم ہوگا کہ دونوں کا حکم یکساں قرار دیا جائے، پہلی صورت اضطرار کی ہے (جس میں سد رمق تک مردار کھانے کی بھی اجازت ہے) اور دوسری اسراف وتبذیر کی (جس کے لئے مجبوری کا بہانہ مضحکہ خیز نہیں تو اور کیا ہے) اور بدفہمی (اسی طرح کے) مضحکہ خیز لطیفوں بلکہ ماتم انگیز حادثوں کو جنم کر دیا کرتی ہے۔

حق تعالیٰ رحم فرمائے اس پر جو انصاف سے کام لے۔

''اسلامی قوانین میں اجتہاد کے مقام'' پر یہ چند مختصر اشارے عرض کئے گئے ہیں جن میں تنگی وقت کے پیش نظر تفصیلات کے بجائے اجمال سے کام لیا ہے۔ اس میں شک نہیں کہ موضوع کی اہمیت شرح وبسط کی متقاضی تھی تاہم جس چیز کا پورا ادراک ممکن نہ ہو اسے بالکلیہ چھوڑ دینا بھی زیب نہیں، کانی آنکھ کا رونا بھی صد غنیمت ہے اور نادار کی کل کائنات اس کے چند آنسو ہوتے ہیں، میرا حال وہی ہے جو کسی شاعر نے کہا ہے:

عاشق کی جمع پونجی وہ سوزِ دروں ہے جس کی غمازی رخسار پر بہتے ہوئے چند آنسو کیا کرتے ہیں۔

واللہ سبحانہ ولی التوفیق وھو حسبنا ونعم الوکیل

[محرم الحرام ۱۳۸۸ھ]

حضرت مولانا محمد یوسف بنوری رحمہ اللہ کا تحریری بیان
جو آپ نے ''مجمع البحوث الاسلامیہ ازہر'' کی تیسری کانفرنس میں پیش کیا

كلمة الوفود

الازهر:

"مجمع البحوث الاسلاميه المؤتمر الثالث"

كلمة :لمحمد يوسف البنورى الو فد الباكستانى

السكرتارية الفنية

الحمد لله و اشهد ان لا اله الا الله وان محمدا رسول الله ﷺ وعلى آله وصحبه ومن اهتدى بهديه وهداه ، اما بعد:

السيد الرئيس والسادة الاجلة !

لاشك ان ادارة الازهر الشريف قديما وحديثاً مما يستحق كل اجلال وتقدير و اعجاب من الامة الاسلامية خصوصاً فى اهل العلم ، بانها ادارة وحيدة قامت بخدمة الدين والعلم فى حل المشاكل العلمية الدينية التى انشاتها المدينة الجديدة والحضارات الحديثة او الاستشراق الاورباوى.

ومن مفاخر الازهر انه قد قام فى كل دور من ادوار الاسلام بما يقتضيه مصالح العصر وقام امام كل الحاد وتحريف سدا منيعا وحصنا حصينا ، فذب عن الاسلام و حوذة الدين الحنيف كل حملة شعواء وفتنة شنعاء ، فاصبح قدوةً و اسوة فى العالم طوال القرون ومنارة النور الوهاج يستضيء بها السائدون فى العصور المختلفة.

وهذه منة جزيلة يستحق ان يشكرها المسلمون فى حنايا ضلوعهم وطوايا قلوبهم ، ومما يسر نا ان الكلمات الثلاث التى القيت فى حفلة المؤتمر صباحاً:

(١) للاستاذ الاكبر(٢) وسيادة الامين العام لمجمع البحوث الاسلامية (٣) و السيد نائب الرئيس حسين الشافعى ، قد اتفقت على حل جميع المشكلات الدينية والعلمية بضوء القرآن الكريم والسنة النبوية والّا يشوه وجهها بتحريف والحاد و تاويل يتبرأ عنه روح الاسلام وجوهر الدين، كما اصبح هو ديدن كثير من ارباب الاقلام، فرجائى من القائمين بالامر ان يكون هذا اساسا عملياً لحل المسائل و المعضلات ، لكى يتلقى بالقبول فى بلاد الاسلام باذعان وانقياد وترحيب ولكى لا

يكون حلًا على صفحات القراطيس بل على صفحات القلوب..

ولا ريب انها ستكون خدمة نبيلة جالبة للرحمة الالهية مماثلة لما اختطته عقول سلفنا الصالحين من الائمة المجتهدين ومن بعد هم افذاذ اهل العلم والدين.

وبالجملة :الرجاء الاكيد ان تقدم حلول هذه المشاكل كافة للناس نا صعة الجبين مرضاةً لرب العالمين.

وآمالنا معقودة بمؤتمرات مجمع البحوث الاسلامية بان تقوم بواجبها بكل كفاءة وديانة وهى احق بها و اهلها.

والخطط المرسومة والقرارات والتوصيات فى المؤتمرين السابقين لمجمع البحوث الاسلامية تجعلنا مطمئنين للخُطُوات المتقدمة الى الامام ونرجو ان تكون له مزايا ومفاخر فى هذ االصدد بحيث لا يبارىٰ ولا تجارى.

ووجود كبار العلماء فى الازهر وعلى راسهم الامام الاكبر شيخ الازهر فى مجمع البحوث الاسلامية كفيل بانجاح هذا الآمال المعقودة والاعمال المنشودة لكى تكون انوارًا ثاقبةً فى دياجى هذه المادية القائمة.

ثم لى رجاء ان:

الاول : ان يخصص مجمع البحوث و يكون لجنة خاصة للاشراف على التاليف الصادرة فى جوهرالدين وحقائق الاسلام فى الجمهورية المتحدة ، وان يرد على كل ما يستحق الرد من الخروج فى جوهر الدين او الشذوذ عن معتقد اهل الحق وان يلقموا احجارًا فى افواه اولئك التابعين وراء كل ناعق ، لكى تتم اعماله القيمة فى كل ناحية ذباً عن حريم الشريعة المحمدية وبذلك يحي شعار الازهر القديم فى ربوع الدنيا مرةً اخرىٰ.

والثانى : ان فرع الارشاد والوعظ الدينى بالازهر ان يتسع نطاقه عملياً فى كل قطرمن اقطار البلاد للارشاد الدينى وتربية العامة الذين اصبحت صلتهم بالدين فى غاية الوهن وان ينتخبوا علماء صالحين متبرعين بالخدمة والخروج الى القرىٰ و الضواحى للنصح والتبليغ والتربية من غير ان تكون لهم رواتب سامية بدل هذه الخدمة و يصرفوا على رحلاتهم واسفارهم نفقات خاصة من عند انفسهم.

وقد قام فى بلاد الهند والباكستان على هذا الطراز جماعات للدعوة قد نشروا الدعوة الاسلامية عمليا ويمثلون حياةً اسلامية خالصة فى حلهم وترحالهم ، فحصل

بذلك خير كثير و بر كات فى كل ناحية.

والله سبحانه ولى كل تو فيق ونعمة وهو حسبنا ونعم الو كيل.

جناب صدر اور جلیل القدر حضرات علماء!

اس میں شک نہیں کہ ازہر کا ادارہ ہمیشہ سے اور آج بھی پوری امت اسلامیہ خصوصاً اہل علم کے احترام، قدردانی اور سپاس وتحسین کا مستحق ہے اس لئے کہ یہ وہ منفرد ادارہ ہے جس نے ہمیشہ ان تمام تر علمی اور دینی مشکلات کو حل کر کے جو جدید تمدن، جدید تہذیب اور یورپین (فتنہ) استشراق کی پیداوار ہیں، علم اور دین کی خدمت بطریق احسن انجام دی ہے۔

ازہر کے لائق فخر کارناموں میں شاندار کارنامہ یہ ہے کہ اس نے ہمیشہ اسلام کے ہر دور میں (دینی اور علمی) مصالح وقت کے تقاضوں کو مکمل طور پر پورا کیا ہے اور ہر کجروی، انحراف اور دینی تحریف کے سیلاب کو روکنے کے لئے مضبوط بند اور لادینی کی یورشوں کے مقابلہ کے لئے محکم قلعہ بن کر سامنے آیا ہے اور اسلام اور حریم دین توحید کی جانب سے ہر اندھادھند حملے اور بدترین فتنہ کا مکمل دفاع کیا ہے، اسی بناء پر ازہر تمام عالم اسلامی کے لئے، قرناً بعد قرن، لائق اقتداء نمونہ اور مختلف ادوار میں علمی اور دینی قائدین کے لئے روشنی کا منارہ (سرچ لائٹ) بنارہا ہے کہ اس کی روشنی میں عمائدین اپنے اپنے ملک میں دینی قیادت کا فرض انجام دے رہے ہیں۔

یہ وہ احسان عظیم ہے جس کی بنا پر ازہر اس کا مستحق ہے کہ تمام ملکوں کے مسلمان اپنے دلوں کی گہرائیوں اور سینوں کی پہنائیوں میں ازہر کے شکر و سپاس کے جذبات محسوس کریں۔

ہمارے لئے انتہائی مسرت کا موجب یہ امر ہے کہ صبح موتمر کے اجلاس میں جو تینوں بیاں پڑھے گئے:

(۱) استاذ بزرگ شیخ ازہر کا بیان (۲) مجمع البحوث کے عمید عمومی (ڈائریکٹر جنرل) کا بیان (۳) نائب صدر جمہوریہ متحدہ مصر جناب حسین شافعی کا بیان، وہ اس پر متفق ہیں کہ تمام دینی اور علمی مشکل اور پیچیدہ مسائل خالص قرآن عظیم اور سنت نبویہ (علی صاحبہا الصلاۃ والسلام) کی روشنی میں حل کئے جائیں گے، بغیر کسی قطع برید، کجراہی و انحراف کے اور بغیر کسی ایسی تاویل کے جو اسلام کی روح اور اساسِ دین کے منافی ہو، جیسا کہ یہ طریق کار اس زمانہ میں بہت سے آزاد اہل قلم مصنفین ومؤلفین کا شیوہ بن گیا ہے، لہٰذا مجھے (مجمع البحوث کے) ارباب اختیار سے کامل توقع ہے کہ مسائل حاضرہ اور مشکلات عہد جدید کے حل کرنے کی لئے یہی اساس عملی طور پر کار فرما رہے گی، تاکہ (اس معیار پر کئے ہوئے) یہ حل تمام عالم اسلام میں یقین واطمینان، تسلیم وانقیاد اور سپاس وتحسین کے ساتھ قبول عام حاصل کریں اور تاکہ یہ حل زینت صفحاتِ کتب بننے کے بجائے صفحات قلوب پر ثبت ہو کر بقاء ودوام حاصل کریں۔

اور اس میں تو شک ہو ہی نہیں سکتا کہ یہ شاندار (دینی اور علمی) خدمت اللہ تعالیٰ کی رحمت کا موجب

ہونے کے ساتھ ہی ساتھ ہمارے سلف صالحین، ائمہ مجتہدین اوران کے بعد آنے والے یگانۂ روزگار علماء امت اورارباب دین کی فہم وفراست کے اسوۂ اور طریق کار کے مماثل ومشابہ بھی ہوگی۔

بہرحال قوی امید ہے کہ یہ روشن اور تابناک حل (نہ صرف مصر کے لئے بلکہ) تمام عالم اسلام کے لئے پیش کئے جائیں گے اور رب العالمین کی رضا کا وسیلہ ہوں گے۔

اور ہماری تو تمامتر امیدیں مجمع البحوث الاسلامیہ کی ان کانفرنسوں سے وابستہ ہیں کہ وہ پوری اہلیت وصلاحیت اور دیانت داری کے ساتھ اپنا فرض ادا کریں گی اس لئے کہ وہی اس کی اہل ہیں اور وہی اس کی مستحق ہیں۔

مجمع البحوث کی سابقہ دو موتمروں کے رسمی طریق کار اور تجاویز وسفارشات ہمیں اس کے آئندہ اٹھنے والے قدموں کے بارے میں کلی طور پر مطمئن کرتی ہیں اور ہمیں توقع ہے کہ وہ اس (دینی وعلمی خدمت کی انجام دہی کے) معاملہ میں ایسی امتیازی خصوصیات اور لائق فخر کارناموں کی مالک ہوگی جن کا نہ مقابلہ کیا جاسکے گا اور نہ انکار۔

مجمع البحوث میں ازہر کے کبار علماء اور ان کے سربراہ شیخ ازہر کا وجودِ مسعود ہماری ان امیدوں کے پورا ہونے اور شاندار کارناموں کے انجام پانے کی بہت بڑے ضمانت ہے، تاکہ اس سیاہ رُو مادیت کی تاریکیوں کے دور میں وہ مشعل راہ بن سکیں۔

علاوہ ازیں میں مجمع البحوث سے دو امر کی درخواست کرتا ہوں:

اوّل: یہ کہ مجمع البحوث جمہوریہ متحدہ مصر میں دین کے اساسی موضوعات اور اسلامی حقائق پر لکھی اور شائع کی جانے والی کتابوں پر خصوصی نگرانی کی غرض سے ایک مخصوص نگران کمیٹی کی تشکیل کرے، یہ نگران کمیٹی ان تمام تصنیفات وتالیفات کی دندان شکن تردید کرے جو اساس دین سے بغاوت یا اہل حق کے مسلمہ معتقدات سے انحراف پر مشتمل ہوں اور ان اہل قلم کا منہ بند کردے جنہوں نے ہر نیا نعرہ لگانے والے کی آواز پر لبیک کہنا اپنا شعار بنالیا ہے، تاکہ ہر پہلو سے مجمع البحوث کے قابل قدر کارنامے شریعت محمدیہ کے دفاع کے باب میں کامل ومکمل ہوجائیں اور اس طریق پر ازہر کا شعار (امتیازی نشان) دنیا کے تمام آباد خطوں میں نئی زندگی حاصل کرے۔

ثانی: میں درخواست کرتا ہوں کہ ازہر کے شعبہ وعظ وتبلیغ کے حلقہ کی عملی طور پر ملک کے ہر ہر حصہ میں مزید توسیع کی جائے اور دینی وعظ وتبلیغ اور عوام کی دینی تربیت کا جال گوشہ گوشہ میں بچھا دیا جائے اس لئے کہ اس زمانہ میں عوام کا دین سے تعلق اور وابستگی انتہا درجہ مضمحل ہوچکی ہے۔ (ملک گیر تبلیغ دین کی شدید ضرورت ہے) اور اس تبلیغ ودینی تربیت کے لئے لوجہ اللہ کام کرنے والے ایسے اعلماء کا انتخاب کیا جائے جو بغیر کسی معاوضہ (تنخواہ) کے بستی بستی اور گاؤں گاؤں گشت کرکے محض رضاء الٰہی کے لئے وعظ وتبلیغ اور مسلمانوں کی دینی تربیت کا فرض انجام دیں اور نہ صرف یہ کہ اس خدمت دین کا کوئی معاوضہ نہ لیں بلکہ آمدورفت اور سفر کے اخراجات بھی خود ہی برداشت کریں۔

ہندوستان وپاکستان میں اسی طرز کی ایک ملک گیر تبلیغی جماعتوں کا نظام قائم ہے، یہ جماعتیں نہ صرف

ملک میں بلکہ بیرونی ممالک میں بھی اپنے سفر و حضر میں عملی طور پر خالص اسلامی زندگی کا نمونہ پیش کررہی ہیں اور دین کی دعوت پہنچا رہی ہیں اور اس بابرکت تبلیغی تحریک سے ملک کے ہر حصہ میں مسلمانوں کو بہت زیادہ فائدہ اور نفع پہنچ رہا ہے۔

اور اللہ تعالیٰ ہی ہر توفیق و نعمت عطا فرمانے والے ہیں وہی ہمارے لئے کافی ہیں اور بہت اچھے کارساز ہیں۔

کتبہ

محمد یوسف البنوری ۱۹۶٦ء-۸-۱۰

افاداتِ حمادیہ

سرزمین سندھ میں حضرت مولانا حماد اللہ صاحب ہالیجوی ان اکابر امت میں سے تھے کہ ان کے کمالات کو یا تو کسی نے صحیح طور پر پہچانا نہیں یا پہچان کر فائدہ نہیں اٹھایا، وہ پیر و مرشد تھے لیکن متبع سنت، وہ حکیم بھی تھے لیکن نہایت حاذق، وہ عالم بھی تھے لیکن نہایت محقق، وہ زاہد تھے جن کی زہد کی نظیر میں نے اپنی زندگی میں نہ دیکھی نہ سنی، وہ عارف تھے تصوف کے رموز و اسرار اور ان کے لطائف و اذکار کے دانائے راز تھے، ان کی یہ خصوصیت تو ایک مقالے کی محتاج ہیں، دو چار ملاقاتوں میں ان کی زندگی کے ایسے گوشے نظر آئے کہ حیرت ہوئی، ان مختصر مجالس اور مختصر قیام میں چند باتیں سنی تھیں، جن کی حلاوت و لذت سے اب تک سرشار ہوں، ان افادات کو اپنی یادداشت میں کچھ عرصہ کے بعد قلم بند کرلیا تھا، جی چاہا کہ "بینات" کے ناظرین اور اہل علم حضرات کو بھی اس لذت میں شریک کروں، کاش ان کے علمی ملفوظات اور مجالس کی جواہرات قلم بند ہوتے تو آج تصوف کے علمی خزانے میں بیش بہا جواہرات کا اضافہ ہوتا:

اے بسا آرزو کہ خاک شدہ

فائدہ : ﴿اولئك الذين انعم الله عليهم﴾ الآية:

الانبياء هم الذين جعل الله سبحانه وتعالىٰ قلوبهم موارد الوحى الالٰهى ، ينزل عليها الوحى ، والصديقون هم الذين جعل الله قلو بهم اوعية للوحى فتحفظ الوحى، والشهداء هم الذين يغدون بمهجهم وامو الهم لحفظ الوحى ، والصالحون هم الذين يعملون بمقتضى الوحى الالٰهى ، فاحق هؤلاء بالعمل الذين اختارهم منازل وموارد لوحيه واعرفهم بحقائقه ، ثم الذين قلوبهم اوعية بطبيعتها لحفظه فلا يضيع الوحى الالٰهى هناك ابدًا ، ثم الشهداء ثم الصالحون هذا ما استفدته من العارف السندى مولانا الشيخ حماد الله السندى.

و يقول الشاه عبد العزيز الحجة الدهلوى فى فتح العزيز : النبى من تاثر بنور القدس الالٰهى من جهة القوة النظرية العلمية فيتجلى له الاشياء وحقا ئقها من غير ان يقع فيها اشتباه ، ومن جهة القوة العملية بحيث تحصل له ملكة تصدر منها الاعمال الصالحة بغاية المحبة والرضاء وتنفرمن اعمال الشر بطبيعته ثم اذا تم كمال قواه البدنية واستوفى عقله التجربى ونضج يبعث الى هداية الخلق و يؤيد بالمعجزات الالٰهية و بالآيات العقلية.

ثم بين تلك الآيات العقلية من اخلاقه الكريمة وعلومه الصادقة والبيان الواضح والحجة الواضحة وتاثر الخلق بانوار صحبته وما الى ذالك.وهذه الآيات يستدل بها اهل الفضل والكمال من الخواص كما ان المعجزات يستدل بها العامة.

والصديق يقارب النبى فى قوته النظرية دون العملية.

والشهيد من يثلج صدره باجابة النبى و يشاهد قلبه عياناً ذلك بحيث يستعد لكل تضحيةٍ من نفسه وما له بكل سهولة ، فهو يشبه النبى فى قوته العملية.

والصالح من لم يبلغ فى قوته اليه غير انه يتابع النبى فى حياته من اجتناب المعاصى والاتصاف بالعقائد الطاهرة وما الى ذلك ، و يطلق الولى فى العرف عليه وان كان يشمل هولاء الثلاثة والقدرالمشترك بين الاربعة بان الله يحبهم و يضع لهم القبول فى الارض و يتكفل (رزقهم) ومعاشهم بامتياز من عامة الناس و يكون همتهم عالية لا يرضون بحطام الدنيا ، وتكون قلوبهم مستنيرةً ينجلى لهم الاشياء ماتقصر عنها عقول الناس.انتهى ملخصاً(١)

ارشاد خداوندی ہے! جو حکم مانے اللہ کے اور اس کے رسول کا پس یہ لوگ ان کے ساتھ ہوں گے جن پر اللہ کا انعام ہوا، یعنی نبی، صدیق، شہید اور صالحین۔

انبیاء (علیہم السلام) وہ حضرات ہیں جن کے قلوب کو اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے وحی الٰہی کا محل بنایا کہ ان پر

---

(١) یہاں حجۃ الاسلام مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کی تحقیق بھی پیش نظر رہے تو مناسب ہے وہ فرماتے ہیں:

''اہل فہم جانتے ہیں کہ نبوت کمالات علمی میں سے ہے کمالات عملی میں سے نہیں، الغرض کمالات ذوی العقول کل دو کمالوں میں منحصر ہیں، ایک کمال علمی دوسرا کمال عملی اور بنائے مدح کل انہیں دو باتوں پر ہے، چنانچہ کلام اللہ میں چار فرقوں کی تعریف کرتے ہیں: نبیین اور صدیقین اور شہداء اور صالحین، جن میں سے انبیاء کو تو منبع العلوم اور فاعل اور صدیقین کو مجمع العلوم اور قابل سمجھئے اور شہداء کو منبع العمل اور فاعل اور صالحین کو مجمع العمل اور قابل خیال فرمایئے......'' (تحذیر الناس صفحہ ۵)

اس کے بعد حضرت نے تفصیل سے اس متن کی شرح کی ہے، یہ پوری بحث دلچسپ اور قابل مطالعہ ہے۔ (مدیر)

وحی نازل ہوتی ہے۔

صدیق: وہ حضرات ہیں جن کے قلوب کو حق جل شانہٗ نے خازن وحی بنایا وہ وحی کو محفوظ کرتے ہیں۔

شہید: وہ حضرات ہیں جو حریم وحی کی پاسبانی کے لئے جان و مال قربان کرتے ہیں۔

صالحین: وہ حضرات ہیں جو منشاء وحی کی تعمیل کے لئے ہر آن حاضر رہتے ہیں۔

بس جن حضرات (انبیاء کرام علیہم الصلوۃ والسلام) کو اللہ پاک نے اپنی وحی کا محل ومورو بنانے کے لئے منتخب فرمایا وہ وحی کے حقائق ومعارف کے علم اور اس کی تعمیل میں سب سے آگے ہیں ان کے نقش قدم پر وہ حضرات ہیں جو فطرۃً خازن وحی ہیں، ان حضرات کے ہوتے وحی الٰہی کے (علماً یا عملاً) ضائع ہوجانے کا احتمال نہیں، ان کے بعد شہداء کا پھر صالحین کا درجہ ہے۔ یہ تو عارف سندھی مولانا حماد اللہؒ کا افادہ ہے۔

اور شاہ عبدالعزیز دہلوی (نور اللہ مرقدہٗ) ''فتح العزیز'' میں فرماتے ہیں:

نبی وہ ہوتا ہے جس کی قوت نظریہ اور قوت عملیہ دونوں قدسِ الٰہی کے نور سے منور ہوں، چنانچہ اس کی قوت نظریہ کے اعتبار سے ان کے سامنے تمام اشیاء کے اصل حقائق روشن ہوجاتے ہیں۔

اور ان میں کسی قسم کا اشتباہ نہیں رہتا اور قوت عملیہ کے اعتبار سے اسے ایسا فطری ملکہ حاصل ہوتا ہے جس کی بنا پر وہ کمال محبت و رضا کے ساتھ اعمال صالحہ پر قادر ہوتا ہے اور برے اعمال سے اسے طبعاً نفرت ہوتی ہے، پھر جب اس کی بدنی قوتیں پایہ تکمیل کو پہنچ جاتی ہیں اور عقلِ تجربی پوری طرح کامل و پختہ ہوجاتی ہے تو اسے مخلوق کی ہدایت کے لئے کھڑا کیا جاتا ہے اور خدائی معجزات اور عقلی دلائل وآیات اس کی پشت پر ہوتے ہیں۔ اس کے بعد شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے دلائل عقلیہ کی تفصیل بیان کی ہے، یعنی نبی کے اخلاق کریمہ، علومِ صادقہ، بیان واضح، حجۃ قاطعہ، مخلوق کا اس کی صحبت سے اثر پذیر ہونا وغیرہ۔ خواص اہل فضل وکمال ان آیات سے نبی کی نبوت پر اسی طرح استدلال کرتے ہیں جس طرح کہ عوام حسی معجزات سے۔

صدیق: وہ ہوتا ہے جو قوت نظریہ میں نبی کے ہمرنگ ہو مگر قوت عملیہ میں نہیں۔

شہید: وہ ہوتا ہے جو نبی کی ہر بات ثلج صدر (قلبی اطمینان) سے قبول کرتا ہے اور اس کا قلب آنکھوں سے اس کا مشاہدہ کرتا ہے اور اسی بنا پر وہ اپنی پوری قوت کے ساتھ ہر قسم کی جانی و مالی قربانی کے لئے ہمہ وقت تیار رہتا ہے۔ یہ گویا قوت عملیہ میں نبی کے ہمرنگ ہوتا ہے۔

صالح: وہ ہوتا ہے جو اپنی دونوں قوتوں میں نبی (سے ہمرنگی) تک نہیں پہنچ پاتا، تاہم وہ اپنی زندگی کے تمام لمحات میں نبی کے نقش قدم پر چلتا ہے۔ عقائد واخلاق میں بھی، اعمال وعبادت میں بھی اور گناہوں سے بچنے میں بھی۔ عرف عام میں اسی کو ''ولی'' کہتے ہیں، اگرچہ ''ولی'' کا مفہوم پہلی تین قسموں کو بھی شامل ہے۔

اور ان چاروں قسم کے حضرات کے درمیان قدر مشترک یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ان سے محبت فرماتا ہے، ان

کی مقبولیت زمین میں پھیلا دی جاتی ہے، عام لوگوں سے کچھ نرالے انداز میں ان کے رزق ومعاش کی کفالت فرماتا ہے ان کی ہمتیں بلند ہوتی ہیں، وہ دنیا کی متاع حقیر کو خاطر میں نہیں لاتے، ان کے قلوب روشن ہوتے ہیں، ان کے سامنے وہ حقائق روشن ہوتے ہیں جن سے عام انسانی عقلیں قاصر رہتی ہیں۔ اھ ملخصا

فائدہ : حسنات الابرار سیئات المقربین

الابرار هم الذين يعملون الصالحات ابتغاء لجنته ونعيمها وما اعد الله سبحانه لهم من الجنة الدائمة.

والمقربون هم الذين يريدون وجهه تعالىٰ وذاته العليا ، بحيث فنيت شهواتهم و ارادتهم من دون كبريائه فوصلوا الىٰ درجة المحبة الذاتية ، والابرار بقوافى درجة المحبة الصفاتية ، ولم يرتقوا منها فكانهم يذكرونه ويحمدونه حصولًا لتلك النعماء الالهيه.كمثل رجل لهٗ ابنان ، ابن يخدم اباه و يطعف عليه و يبره نظرًا الى حصول ما وعده ابوه من اعطاء صلة ووراثة ، فيعلم انه يستحقة اذا برّ به ويحرم اذا عقه ، فهذا اذا حصل له مراده فتر عطفه و برّه أو ينتهى ، أو اذا يئس منه وتيقن حرمانه لامر ينتهى عاطفته.وابن يخدم اباه محبةً مع شخصيته و ذاته دون ان يخطر بقلبه هذه الاغراض فان برّه وعطفه لا ينتهى ابدًا ، سواء حصل له من خيرٍ او لم يحصل.فالاول فى درجة الا برار والثانى فى درجة المقربين. فلا شك ان حسنةً يقوم بها الابرارغرضاً لتلك الصلة الماديه سيئةٌ كبيرةٌ فى نظر المقربين الذين لا يريدون الا وجهه ، ولا يشوب محبتهم شىء من الاغراض المادية ، فاذن علاقة المقربين علاقة متينةٌ قوية لا انفصام لها ، وعلاقة الابرار واهية على شرف السقوط عند حصول المقصود ، وبالجملة ليس الفرق بين هولاء وهولاء الا من جهة النيات دون الاعمال ، فهم متفقون فى ظواهرهم مختلفون فى بواطنهم و انما الاعمال بالنيات و انما لامرى ما نوى ، والله اعلم.

ابرار: وہ حضرات ہیں جو جنت اور نعمائے جنت کے لئے اعمال صالحہ کرتے ہیں، تاکہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نیک بندوں کے لئے جو پائیدار نعمتیں اور دائمی جنت تیار کر رکھی ہے اسے حاصل کر سکیں۔

مقربین: وہ ہیں جو صرف حق تعالیٰ کی ذات اور اس کی رضا چاہتے ہیں، ذات کبریا کے سامنے ان کی خواہشیں اور ان کے ارادے مٹ چکے ہیں، پس مقربین محبت ذاتیہ کے مقام پر فائز ہو چکے ہیں اور ابرار ابھی محبت صفاتیہ کے مقام میں، اس سے اوپر نہیں گئے، یہ حضرات اللہ تعالیٰ کا ذکر وحمد نعمتہائے خداوندی کے لئے کرتے ہیں، ان کی مثال ایسی سمجھو کہ ایک شخص کے دو بیٹے ہیں، ایک بیٹا باپ کی خدمت بھی کرتا ہے اس کی ضروریات بھی پوری کرتا ہے، اس کے ساتھ اظہار محبت بھی کرتا ہے مگر اس کا مقصد یہ ہے کہ والد ماجد نے جس انعام یا وراثت کا اس

سے وعدہ کر رکھا ہے اسے حاصل کر سکے، اسے معلوم ہے کہ وہ اپنے باپ کا مطیع وفرمانبردار ہوگا تو انعام ومیراث کا مستحق ہوگا اور عاق ہونے کی صورت میں محروم رہے گا، اس بیٹے کے بارے میں یہ توقع بے جا نہیں کہ جب اس کا مطلب پورا ہو جائے گا تو اس کی خدمت واطاعت میں فتور آ جائے گا یا یہ سلسلہ بالکل ہی ختم ہو جائے گا، اسی طرح اگر وہ کسی وقت انعام سے مایوس ہو جائے اور اسے یقین آ جائے کہ وہ بہر حال محروم رہے گا تب بھی اس کی خدمت گذاری کا سارا سلسلہ یکسر بند ہو جائے گا۔ اس کے برعکس ایک دوسرا بیٹا ہے جو اپنے باپ کی خدمت اس کی ذات وشخصیت سے محبت کی بنا پر کرتا ہے کسی اور غرض کا کبھی خیال تک اس کے دل میں نہیں آیا، اس بیٹے کو باپ کی طرف سے کوئی انعام ملے یا نہ ملے مگر اس کی خدمت واطاعت کا سلسلہ کبھی موقوف نہیں ہوگا، پہلا بیٹا ابرار کے درجہ میں ہے اور دوسرا مقربین کے درجہ میں، ظاہر ہے کہ ان مادی انعامات کے لئے ابرار جو نیکیاں کرتے ہیں وہ مقربین کی نظر میں بہت بڑی غلطیاں ہوں گی وہ تو صرف اس کی رضا چاہتے ہیں، ان کی محبت ان اغراض مادیہ کی آمیزش کو گوارا نہیں کرتی۔

اس سے معلوم ہوا کہ مقربین کا تعلق ایسا مضبوط ہے کہ اس کے ٹوٹنے کا احتمال نہیں اور ابرار کا تعلق کمزور ہے، ہر دم خطرہ ہے کہ ان کا مقصود بر آ جائے تو یہ جاتا رہے، خلاصہ کلام یہ کہ اُن میں اور ان میں فرق ہے تو صرف نیت کا ہے عمل کا نہیں، ظاہر دونوں کا ایک جیسا ہے لیکن باطن الگ الگ، اعمال کا مدار نیتوں پر ہے اور ہر شخص کو وہی ملے گا جس کی اس نے نیت کی۔ واللہ اعلم۔(۱)

---

(۱) یہاں مقصود صرف ان دونوں باتوں کے درمیان فرق بتانا ہے اور یہ کہ محبت ذاتیہ کا مرتبہ سب سے عالی ہے اور اس مرتبہ میں ارتداد کا خطرہ نہیں، مگر صفاتی محبت میں مرنے سے پہلے پہلے زوال کا خطرہ رہتا ہے، مگر اس کے یہ معنی ہرگز نہیں کہ جب تک محبت ذاتیہ کا مرتبہ حاصل نہ ہو سب کچھ بیکار ہے، بہت سے لوگ بعض بزرگوں کے حالات (مثلاً رابعہ بصریہ رحمۃ اللہ علیہا کے واقعہ) سے یہ سمجھ بیٹھے ہیں کہ جنت اور نعمت الٰہیہ کے حصول کے لئے یا اس کے عذاب اور جہنم سے بچنے کے لئے عبادت کرنا بے کار اور غلط ہے، حالانکہ اگر یہ خیال صحیح ہوتا تو قرآن وحدیث میں جگہ جگہ ثواب وعذاب اور وعدہ وعید کی کیا ضرورت تھی؟ سورۂ انبیاء میں بہت سے انبیاء کرام کا تذکرہ فرمانے کے بعد اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿انهم كانوا يسارعون فى الخيرات و يدعوننا رغبا و رهبا و كانوا لنا خاشعين﴾ تحقیق یہ حضرات بھلائیوں میں جلدی کرتے تھے اور رغبت سے اور ڈرتے ہمیں پکارتے تھے اور ہمارے سامنے عاجزی کرنے والے تھے۔ یہاں یہ بھی یاد رہنا چاہئے کہ حضرات انبیاء کرام علیہم السلام اور ان کے مخلص متبعین مقام ذات کے ساتھ مقام صفات کو بھی جمع کر لیتے ہیں وہ عمل جنت ہی کے لئے کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ سے بار بار جنت اور نعمائے جنت کی دعائیں کرتے ہیں (جیسا کہ احادیث میں بکثرت وارد ہے) مگر جنت ان کو اس لئے مطلوب ہے کہ وہ محبوب حقیقی کی رحمت ورضوان کی جگہ ہے جو وہاں پہنچ جائے گا اس سے ہمیشہ ہمیشہ کی رضا ورحمت کا وعدہ ہو چکا ہے۔ پس جنت خود مطلوب نہیں بلکہ اس لئے مطلوب ہے کہ رضائے الٰہی کا مظہر ہے، خدانخواستہ وہاں بھی رضائے الٰہی نصیب نہ ہو تو جنت، جنت نہیں بدترین دوزخ ہے، اس سے معلوم ہوا کہ اصل مقام حب ذاتی کا ہے تاہم جنت اور نعمائے جنت سے استغناء نہیں، واللہ اعلم۔(مدیر)

اس آیت کی تفسیر میں شاہ عبد القادر دہلوی لکھتے ہیں: "لوگ کہتے ہیں جو کوئی اللہ کو پکارے توقع سے یا ڈر سے وہ محب تحقیق نہیں، یہاں سے اس کی غلطی نکلی۔"

حکیم الامۃ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ اپنے شیخ امام العارفین مولانا حاجی امداد اللہ مہاجر مکی نور اللہ مرقدہٗ سے نقل کرتے ہیں کہ وہ فرمایا کرتے تھے: "بھائی ہم تو احسانی عاشق ہیں"۔

درحقیقت محبت صفاتیہ ہی محبت ذاتیہ کا زینہ ہے، جب تک مقام صفات میں رسوخ نہ ہو، مقام ذات تک رسائی کیسے نصیب ہوسکتی ہے؟ اور ہم نالائقوں کو حق تعالیٰ کی صفات و احسانات کا بھی شعور نہیں ذاتی محبت کیا کریں گے۔

[شعبان ۱۳۹۰ھ-اکتوبر ۱۹۷۰ء]

افادات حمادیہ

فائدة : من باب المعرفة بالله:

قد بين السادة الصوفياء العرفاء للذكر اربع طبقات:

الاولى : الناسوت ، والثانية : الملكوت،

والثالثة : الجبروت، والرابعة : اللاهوت.

فالناسوت : ظهور البشر فى عالم الوجود ، والمرأ اذا ظهر فى هذه المرتبة فله قرينان : النفس والشيطان وايضا هو محفوف بالحوائج الطبيعية من النفقة والسكنى وغيرهما.

فالنفس تشتهى لذائذ الدنيا وشهواتها كما اشار اليه سبحانه وتعالى فى قوله :

﴿زين للناس حب الشهوات من النساء والبنين والقناطير المقنطرة من الذهب والفضة﴾ [آل عمران:١٤]

والشيطان يزين لها تلك اللذائذ والشهوات والاعمال الفاسدة من الفسق والفجور كما بينه الله سبحانه وتعالى فى عدة آيات التنزيل :

﴿واذ زين لهم الشيطان اعمالهم﴾ [الانفال:٤٨]

﴿وزين لهم الشيطان﴾ [النمل:٢٤]

والحاجات البشرية المرأ بطبيعته يشتهيها فهذه الامور كلها تستدعى ان تكون محبوبةً وتقع محبتهامن المرأ بجذر قلبه وتستولى عليه ، فالذكر باسم الجلالة "الله" يكون القصد بان ينفى محبة هذه الامور و يثبت محبة الله جل ذكره . فاذا قال : "اللهُ الله" فكانه

يجيب النفس والشيطان بانی لاحب الا الله و لا محبة الا لله جل ذكرهٗ ، فیکرره و یقول "اللہُ اللہ" وهو الذکر فی مرتبة النا سوت.

ثم کانه یرتقی السالك الذاکر من هذه المرتبة الیٰ مرتبة الملکوت (مبالغة فی الملك بفتحتین) والملك لانفس هناك ولا شیطان ولا تلك الطبائع البشرية ، والحاجات الطبعیة ومقصود الملائکة رضا الله جل ذکره ، فالذکر فی هذه المرتبة القصد فیها حصول رضا الله سبحانه وتعالیٰ ، فیقول "الله الله" ابتغاء لرضاه تعالیٰ.

ثم یرتقی منه الی مرتبة الجبروت وهی عبارة عن مر تبة صفات الله تبارك و تعالیٰ فیلاحظ فی هذه المرتبة صفاته العلیا من جلال وکبریاءِ وعظمةٍ واحسان و رافة و رحمةٍ و بالجملة فیراقب صفاته من جلال وجمال و یقول : "الله الله"، استغراقًا فی صفاته تعالیٰ جل وعلا.

ثم یرتقی من درجة الصفات و یلاحظ مرتبة اللاهوت (والتاء فیها زائدة مبالغة للنفی) کما فی قوله "لات" فکانه فی الاصل "لات هو" فنفی غیر الله سبحانه بقوله "لات" ثم اثبت ذاته البحتة بقوله "هو" فکانه رعایةً للجبروت وقع هذا التر تیب فاخرت التاء.

ففی هذه المرتبة یراقب و یلاحظ ذاته العلیا من غیر ملاحظة الصفات ، بان ذاته تعالیٰ هو المقصود المطلوب دون ماعداه ، وانه من حیث هو هو مستحق لکل حمدٍ و ثناء فیقول الذاکر "الله الله" نظراً الی ذاته البحتة وانه هو المقصود الاعظم فهکذا ، یقول الذاکر : "الله الله" مرتین فی مرتبة الناسوت جوابا للنفس والشیطان ثم یقول : "الله الله" مرتین طلبا لرضاه وابتغاءَ لما یرضاه دون ما عداه ، ثم یقول "الله الله" مرتین ملاحظةً لصفاته العلیاء بانه یستحق الذکر من جهة هذه الکمالات ، ثم یقول : "الله الله" مرتین مراقبة لذاته العلیاء فیذ کره بهذه النیة فاذن یذکره اسم الجلالة ثمانی مرات.کل مرتین بنیة مفردة ، وهکذا یختلف الملاحظة باختلاف النیات فی کل مرتبة.

وفی الشریعة له نظائر بان شیئا واحد یراد بنیاتٍ متعددة ویختلف تاثیراته علی مقتضی النیات والملاحظات . فمائة مرة فکذا حیث کل مرة تحوی ثمانی مرات من ذکر اسم الجلالة تکون سبحة واحدة تحوی ثمانی مائة مر ة من اسم الجلاة : "الله" فینبغی کل یوم للذاکر مائة مرة من الذ کر بهذه الکیفیة.

(هذا ملخص استفدت من الشیخ العارف السندی رحمة الله علیه)

حضرات صوفیاء کرام (رحمہم اللہ) نے ذکر کے چار درجے بیان فرمائے ہیں: ناسوت، ملکوت، جبروت، لاہوت۔

ناسوت: سے مراد ہے انسان کا عالم وجود میں ظاہر ہونا، آدمی جب اس مرتبہ میں ظہور پذیر ہوتا ہے تو نفس وشیطان اس کے ساتھ لگے رہتے ہیں نیز وہ خوراک، رہائش اور اس قسم کی دوسری ضروریات میں گھرا رہتا ہے۔
اب نفس دنیا کی لذائذ وشہوات پر لپکتا ہے، جیسا کہ حق تعالیٰ نے اپنے ارشاد میں اس کی طرف اشارہ فرمایا:
''آراستہ کی گئی لوگوں کے لئے محبت خواہشات کی یعنی عورتیں، بیٹے، سونے چاندی کے جمع کئے ہوئے ڈھیر''۔

اور شیطان نفس کے لئے ان لذات وشہوات کو خوبصورت کر کے دکھاتا ہے، اور فسق وفجور اور اعمال بد کی ترغیب دیتا ہے۔

جیسا کہ حق سبحانہ تعالیٰ نے یہ قرآن مجید کی کئی آیتوں میں بیان فرمایا، ایک جگہ ارشاد ہے:
''اور جب آراستہ کر دکھائے ان کو شیطان نے ان کے عمل'' نیز ارشاد ہے:
''پس آراستہ کیا ان کے لئے شیطان نے''۔

اور انسانی ضروریات کا تقاضہ خود آدمی کی طبیعت میں موجود ہے، پس یہ سب چیزیں محبوب بننا چاہتی ہیں اور ان کی محبت آدمی کے دل کی گہرائیوں میں پیوست ہوا چاہتی ہے، پس حق تعالیٰ کے اسم گرامی ''اللہ'' کے ذکر سے مقصد یہ ہے کہ ان تمام امور کی محبت کی نفی کی جائے اور حق تعالیٰ کی محبت کا اثبات کیا جائے، پس جب ذاکر ''اللہ اللہ'' کہتا ہے گویا وہ نفس وشیطان کو جواب دیتا ہے کہ اللہ کے سوا کسی سے محبت نہیں کرتا اور محبت اللہ جل شانہٗ کے سوا کسی کا حق نہیں، چنانچہ غیر اللہ کی محبت کو مٹانے اور صرف اللہ جل شانہٗ کی محبت کو راسخ کرنے کے لئے وہ بار بار ''اللہ اللہ'' کا ورد کرتا ہے یہ مرتبہ ناسوت کا ذکر ہے۔

پھر سالک ذاکر اس مرتبہ سے ترقی کر کے مرتبہ ملکوت میں پہنچتا ہے (ملکوت ملک کا مبالغہ ہے) مرتبہ ملکیت میں نہ نفس ہے، نہ شیطان، نہ بشری طبائع ہیں، نہ طبعی حاجات۔ ملائکہ کا مقصود صرف اللہ جل شانہٗ کی رضا جوئی ہے اس لئے اس مرتبہ میں ذکر کا مقصد محض حق سبحانہ وتعالیٰ کی رضا جوئی ہے اور بس، پس اسی رضائے الٰہی کے لئے ''اللہ اللہ'' کا ذکر کرتا ہے۔

پھر یہاں سے مرتبہ جبروت میں ترقی پاتا ہے اور یہ عبارت ہے حق تبارک وتعالیٰ کے مرتبہ صفات سے، اس مرتبہ میں وہ حق تعالیٰ شانہ کی صفات عالیہ، جلال، کبریائی، عظمت، احسان، شفقت، رحمہ وغیرہ کا ملاحظہ ومراقبہ کرتا ہے اور صفات میں مستغرق ہو کر ''اللہ اللہ'' کا ذکر کرتا ہے۔

پھر درجہ صفات سے ترقی کرتے ہوئے مرتبہ ''لاہوت'' کا ملاحظہ کرتا ہے (''لاھوت'' میں ''تا'' مبالغہ

نفی کے لئے زائد ہے) جیسے ''لات'' میں گویا ''لاہوت'' اصل میں ''لات ھو'' تھا ''لات'' سے غیر اللہ کی نفی کی گئی اور ''ھو'' سے حق تعالیٰ شانہ کی ذات بحت کا اثبات کیا گیا، غالباً جبروت کی مناسبت سے ''لات ھو'' میں ''تا'' کو موخر کر کے ''لاھوت'' بنالیا گیا۔(۱)

بہر حال اس مرتبہ میں صرف حق تعالیٰ کی ذات عالیشان کا لحاظ ہوتا ہے، صفات کا بھی لحاظ نہیں ہوتا، ذاکر یہ تصور اور مراقبہ کرتا ہے کہ حق تعالیٰ کی ذات ہی مقصود ومطلوب ہے اس کے سوا کچھ مطلوب نہیں اور وہ بلا لحاظ کسی اور چیز کے اپنی ذات کی وجہ سے ہر حمد وثنا کا مستحق ہے، پس محض ذات کا تصور باندھ کر وہ ''اللہ اللہ'' کا ذکر کرتا ہے کہ وہی مقصود اعظم ہے، پس ذاکر دو مرتبہ ''اللہ اللہ'' مرتبہ ناسوت میں کہتا ہے، جس سے مقصود نفس وشیطان کو صاف صاف جواب دینا ہے، پھر دو مرتبہ ''اللہ اللہ'' کہتا ہے جس سے مراد حق تعالیٰ شانہٗ کی رضا اور مرضیات کا حصول ہے، پھر اس کی صفات عالیہ کو مدنظر رکھ کر دو مرتبہ ''اللہ اللہ'' کہتا ہے، مطلب یہ کہ وہ ان کمالات کی وجہ سے ذکر وحمد کا مستحق ہے، پھر اس کی ذات عالی شان کا مراقبہ کرتے ہوئے دو مرتبہ ''اللہ اللہ'' کہتا ہے کہ ذات بحث ہی مقصود اعظم ہے، یہ اسم مبارک کا ذکر آٹھ مرتبہ ہوا اور ہر دو مرتبہ الگ نیت کے ساتھ ذکر کیا گیا، اسی طرح ہر مرتبہ میں نیتوں کے مختلف ہونے سے مقاصد مختلف ہو جاتے ہیں۔ اور شریعت میں اس کے بہت سے نظائر ہیں کہ ایک ہی چیز میں مختلف نیتیں جمع کی جاسکتی ہیں اور ہر نیت کے مطابق اس کے الگ الگ اثرات ظاہر ہوتے ہیں، خواہ سو نیتیں جمع کر لی جائیں، اسی طرح جب اسم مبارک ''اللہ اللہ'' کا ایک بار ذکر مختلف نیتوں کے اعتبار سے آٹھ مرتبوں پر مشتمل ہوا تو ایک تسبیح اسم مبارک ''اللہ'' کے آٹھ سو مرتبہ ذکر کرنے کے قائم مقام ہوگی، لہٰذا ہر ذاکر کو چاہیے کہ سو مرتبہ یومیہ اسی کیفیت سے ذکر کیا کرے۔

(یہ خلاصہ ہے اس تقریر کا جو مولانا حماد اللہ رحمۃ اللہ علیہ سے میں نے سنی)

فائدہ: تتعلق بالذكر على طريقة اهل المعرفة:

ينبغي للذاكر ان يذكر اسم الجلالة على ثلاثة تصورات:

اما اولاً : فيلاحظ ان الله سبحانه وتعالىٰ هو المحبوب الحقيقي لانه هو الخالق والرازق والمنعم لكل نعمة ، فمنه تعالىٰ الالطاف والنعم كلها ، فيتصور لن قلبه يحب الله سبحانه و يعلم انه المحبوب الحقيقي فيدعوا اسم الله سبحانه و يقول "الله الله".

واما ثانيا : فيلاحظ انه يخاطب الله سبحانه لانه مصدر كل كمال و جمال فيثبت لله تعالىٰ كل كمال و ينفي عن نفسه كل كمال وصفة ، فيراقب كمالاته تعالىٰ ثم يدعوه و يناديه كانه يخاطبه ، غير انه لا ياتي بحرف النداء وهو مراد في ذهنه وتصوره ، فيقول :

---

(۱) یہ لفظی توجیہ نہایت ہی لطیف اور نادر ہے۔(مدیر)

"الله الله الله". و هكذا يستمر.

وثالثاً : يتصور انه الموجود الحق وان كل من سواه كانه غير موجود ، لانه يزول و يفنى ولا يبقى ﴿كل شيء هالك الا وجهه﴾ فيدعو الله سبحانه على هذه المراقبة ، و يقول : "الله ، الله ، الله" و هكذا فيذكر الله سبحانه على هذه المراقبات والملاحظات الثلاث على هذا الترتيب وقتاً طويلا ، و يناسب ان يكون نحو ثمانية آلاف مرة ، وان لم يتسع وقته فعلى حسب وسعه و وقته ، و اقله سبع عشرة مرةً في اليوم ، و يستوى الذكر الخفى من غير تلفظ اوبتلفظ خفى او جهرًا كما تقتضيه طبيعته ، هكذا ارشدنى اليه الشيخ العارف بالله مولانا حماد الله السندى الهاليجى من خلفاء الشيخ العارف تاج محمود الامروتى السندى القادرى طريقةً ومشرباً.

ذاکر کو چاہیے کہ اسم مبارک ''اللہ'' کے ذکر میں تین دھیان رکھا کرے۔

اول: یوں دھیان کرے کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ محبوب حقیقی ہیں، وہی خالق، وہی رازق ہیں، وہی ہر نعمت عطا کرنے والے ہیں، ساری عنایتیں اور نعمتیں اسی کی جانب سے ہیں، اب یہ تصور کرے کہ اس کا دل اللہ سبحانہ سے محبت کرتا ہے اور اس بات کا یقین کرے کہ وہی محبوب حقیقی ہے یہ دھیان باندھ کر اللہ سبحانہ کے نام کو پکارے، اور کہے: ''اللہ اللہ''.

دوم: یہ دھیان کرے کہ وہ اللہ سبحانہ سے خطاب کا شرف حاصل کر رہا ہے، کیونکہ وہی ہر کمال و جمال کا مصدر و منبع ہے، پس اللہ تعالیٰ شانہ کے لئے ہر کمال کو ثابت کرے اور اپنے سے ہر کمال و صفت کی نفی کرے، اللہ تعالیٰ کے کمالات کا مراقبہ کرتے ہوئے اسے پکارے گویا وہ اللہ تعالیٰ سے خطاب کر رہا ہے، مگر حرف ندا لفظوں میں نہیں لاتا، البتہ اس کے ذہن و تصور میں ہے پس خطاب کے دھیان سے کہے: ''اللہ اللہ'' بس اسی طرح کہتا رہے۔

سوم: یہ تصور کرے کہ وہی موجود حقیقی ہے اور اس کے ماسوا جتنے ہیں وہ گویا وجود ہی نہیں رکھتے، کیونکہ زائل اور فانی ہیں ان کو بقا نہیں، ہر چیز مٹنے والی ہے سوائے اس کی ذات کے، پس اللہ سبحانہ کو اس دھیان اور مراقبہ کے ساتھ پکارے اور کہے ''اللہ اللہ اللہ'' ان تینوں مراقبوں کے ساتھ علی الترتیب اللہ سبحانہ کا ذکر دیر تک کرتا رہے، مناسب ہے کہ تقریباً آٹھ ہزار مرتبہ ذکر کرے اور اگر وقت میں اتنی گنجائش نہ ہو تو اپنی وسعت اور وقت کی گنجائش کے مطابق کر لیا کرے، مگر یومیہ سترہ مرتبہ سے کم نہ ہو خواہ ذکر خفی تلفظ کے بغیر ہو، خواہ آہستہ آواز سے، خواہ مناسب جہر سے، جیسا طبیعت چاہے کر لیا کرے۔ حضرت شیخ عارف باللہ مولانا حماد اللہ سندھی ہالیجوی نے مجھ سے اسی طرح فرمایا تھا آپ شیخ عارف باللہ مولانا تاج محمود امروٹی سندھی قادری کے خلیفہ تھے۔

[رمضان ۱۳۹۰ھ]

افکار ڈاکٹر فضل الرحمٰن

ڈاکٹر فضل الرحمن صاحب نے کچھ عرصہ خاموشی کے بعد پھر اپنا کام تیزی سے شروع کر دیا ہے، انہوں نے اللہ کی طرف سے قرآن کریم کے ابدی ہونے کے معنی یہ بتلائے کہ قران کے احکام ابدی نہیں بلکہ اس کے علل ابدی ہیں، یعنی احکام خداوندی سارے تبدیل ہو سکتے ہیں، سنت نبویہ کے بارے میں یہ تحقیق فرمائی کہ اس عہد کے قانون رائج الوقت کا نام تھا، آج ہم نئے حالات کے تحت نئے قوانین وضع کر سکتے ہیں، احادیث افسانے ہیں اور ہر دور میں مولوی احادیث بناتے رہے اور سنت میں اضافے کرتے رہے، نمازوں کی تعداد پانچ سے انکار کیا، نصاب شہادت کو ختم کیا، بینک کے سود کو جائز قرار دیا اور بیئر کو حلال بتلایا گیا، شرح زکاۃ کو قابل تبدیلی بتلایا وغیرہ وغیرہ۔ ان تحقیقات اسلامیہ سے جب فراغت ہوئی تو اب حدود اللہ کی باری آئی، چنانچہ تازہ پرچہ ''فکر و نظر'' میں اس پر گل افشانی فرماتے ہیں جس کا حاصل یہ ہے کہ ''حدود کی اصطلاح جرائم وسزا کے لئے فقہاء کی ایجاد کردہ ہے، قرآن کریم نے حدود کو اس معنی میں استعمال نہیں کیا ہے، تمام حدود کا مقصد صرف یہ ہے کہ لوگوں کو شر سے محفوظ رکھا جائے، زنا، چوری ڈاکہ، کے بعد اگر تائب ہو جائے تو یہ تمام جرائم اس کے لئے معاف کر دیئے جائیں گے'' الخ۔ یہ ہیں وہ تحقیقات اسلامیہ جن پر لاکھوں روپیہ سالانہ خرچ کیا جارہا ہے، ڈاکٹر صاحب اگر بالارادہ اور بقصد تحریف والحاد یہ سب کچھ نہیں کہہ رہے ہیں اور یہی حسن ظن بھی ہے تو یہی کہا جائے گا کہ ان میں عربیت اور علوم دین کے صحیح فہم اور صحیح ذوق کا فقدان ہے، اگر ایک لفظ ایک لغوی عموم کے اعتبار سے قرآن میں ایک معنی میں استعمال ہو گیا تو شارع علیہ الصلوۃ والسلام کو گویا یہ حق حاصل ہی نہیں رہتا کہ کسی شرعی معنی میں اسی لفظ کو استعمال کر سکے، ڈاکٹر صاحب حکم اور حکمت میں آج تک فرق نہ کر سکے، ایک تو شرعی حکم ہے مثلاً نماز پڑھنا اور ایک اس کی حکمت ہے جو ہم سمجھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی یاد مقصود ہے، اب کوئی شخص آئے اور یہ کہہ دے کہ بس اللہ کی یاد مقصود ہے جس طرح کی جائے تو یہ کیسے صحیح ہوگا اور ''چہ دلاوراست دزدے کہ بکف چراغ دارد'' اپنے ان خیالات کو اس انداز سے پیش فرمایا ہے کہ امام محمد بن الحسن شیبانی اور عزالدین بن عبد السلام اور تفتازانی، قرافی اور شاہ ولی اللہ بھی ان کے ہمنوا ہیں، فیا للاسف۔ ہم ڈاکٹر صاحب کو چیلنج کرتے ہیں کہ ان اکابر پر اتہام لگایا ہے وہ اس تہمت سے بری ہیں۔ سبحانك هذا بهتان عظيم، ہمت وجرأت ہو تو دعویٰ کا اثبات کریں، ڈاکٹر صاحب نے میکگل یونیورسٹی میں اپنے استاذ محترم اسمتھ مستشرق کی نگرانی میں ایک کتاب تیار کی ہے اور ہوسکتا ہے کہ ڈاکٹریٹ کی ڈگری اسی پر لی ہو، غالباً یہ مضامین اسی کتاب کے ابواب ہیں، جو تین سال سے ڈاکٹر صاحب اردو ترجمہ شائع کر کے اپنے شیخ کے خلف الرشید ہونے کا پورا حق ادا کرتے رہتے ہیں۔

جشن قرآن

مؤتمر عالم اسلامی کے سیکریٹری جناب مسٹر انعام اللہ خاں صاحب کی طرف سے ایک اعلان ''بینات'' میں بغرض اشاعت موصول ہوا ہے جو آج ہی کے شمارے میں کہیں درج ہوگا جس میں قرآن کریم کی چودہ سو سالہ ''سال گرہ'' منانے کی تجویز پیش کی ہے، شاید یہ تجویز ڈاکٹر حمید اللہ صاحب کی ہے ہمیں تو اس موقع پر صحیح بخاری کی وہ حدیث یاد آتی ہے کہ یہود کہا کرتے تھے کہ آیۂ کریمہ ﴿اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ وَرَضِیْتُ لَکُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا﴾ [المائدۃ: ۳] اگر ہماری توراۃ میں اس قسم کی آیت ہوتی تو اس کے نزول کے دن کو یادگار مناتے، حضرت فاروق اعظمؓ نے فرمایا کہ ہمارے یہاں تو اس دن کو دو عیدیں ہیں، جمعہ کا دن اور عرفہ کا دن (۱)۔ یعنی خود بخود یادگار رہیں ہمیں اس کے علاوہ یادگار منانے کی کیا ضرورت ہے، ٹھیک اسی طرح حق تعالیٰ نے ماہ رمضان کو قرآن کریم کا سال گرہ مقرر فرمایا ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ماہ رمضان میں جبریل امین کے ساتھ قرآن کریم کا دور فرمایا کرتے تھے اور جس سال وصال ہوا تو دو مرتبہ دور فرمایا، پھر تمام روئے زمین پر جہاں جہاں مسلمان آباد ہیں تراویح میں ختم قرآن کریم ہوتا ہے اور جشن قرآن منایا جاتا ہے اور تقریباً اکثر مسلمان ماہ رمضان میں ختم قرآن کرتے ہیں اور بعض ارباب توفیق تو متعدد ختم کرتے ہیں، یہ قدرتی اور فطری یادگار ہر حیثیت سے معنی خیز اور مؤثر و بابرکت ہے، یعنی اللہ تعالیٰ نے اس کو عبادت کی شکل دے دی ہے، لاکھوں مسلمان بچے روزانہ ناظرہ قرآن کریم اور حفظ قرآن کریم میں مکاتب و معاہد میں مشغول رہتے ہیں اور کروڑوں مسلمان فجر کی نماز اور جہری نمازوں میں قرآن کریم پڑھتے اور سنتے ہیں، روزانہ عالم اسلام میں ہزاروں قرآن کریم کے ختم ہوتے ہیں، کہیں حل مشکلات کے لئے، کہیں ایصال ثواب کے لئے، دنیاء اسلام کے گوشے گوشے میں قرآن کریم مطابع میں چھپتے ہیں۔ روئے زمین پر کوئی کتاب قرآن کریم سے زیادہ نہ پڑھی جاتی ہے، نہ زیادہ دیکھی جاتی ہے، الغرض یہ سب جشن قرآن نہیں تو اور کیا ہے؟ جس چیز کی ضرورت ہے وہ قرآن کریم پر عمل کرنا اور اس کے حقائق الٰہیہ سے عبرت و موعظت حاصل کر کے معرفت الٰہی کا ذریعہ بنانا ہے، اس کو قانون و دستور کی شکل دے کر دنیا کو نجات و سعادت دارین سے ہمکنار کرنا ہے، جس پر کہیں عمل نہیں ہورہا ہے، وہ عمل بالقرآن ہے جو دین و دنیا کی عزت و مجد و سربلندی کا ذریعہ ہے، ضرورت ہے تو اس کی ہے کہ قرآن کریم کا قانون و آئین بنانے کی تدابیر پر غور و خوض ہو، اس پر عمل کرنے کے لئے مسلسل جد وجہد ہو، اس ''حبل اللہ المتین'' اور ''العروۃ الوثقی'' کو سختی سے تھامنے کی ضرورت ہے، یادگار منائیں تو اس کے لئے منائیں۔

درحقیقت جس قوم سے روح نکل جاتی ہے اور جو قوم بے عمل ہوجاتی ہے وہ یادگاروں کو سوچتی ہے ورنہ اگر

---

(۱) صحیح البخاری، کتاب التفسیر، باب قولہ تعالی الیوم اکملت لکم دینکم ج:۲ ص:۶۶۲، ط: قدیمی

مسلمان عامل بالقرآن ہوں تو ان کو یادگار بنانے کی کیا ضرورت ہے، ہر مسلمان زندہ یادگار ہے، سیرت کے جلسے ہوں یا میلاد کی محفلیں، یہ سالگرہیں یہ مظاہرے، بے عمل اور بے روح قوم کی نشانیاں ہیں، مؤتمر عالم اسلامی اگر کوئی جاندار چیز ہے تو چاہیے کہ اس ملک اور تمام ممالک اسلامیہ میں قرآن کریم کو آئین بنانے کے لئے مؤثر تدابیر اختیار کرے نہ یہ کہ جگہ جگہ قدم قدم پر قرآن کریم کے حقائق ربانیہ اور احکام الٰہیہ میں الحاد وتحریف خود ساختہ تشریح کو روکنے کی کوشش کرے، سب سے بڑی ضرورت تو یہ ہے کہ قرآنی حکومت آخر تشکیل کی جائے اور دنیا کو ایک مرتبہ یہ باور کرایا جائے کہ "لن يصلح آخر هذه الامة الا ما اصلح اولها"(١) آج بھی قرآن کریم عہد قدیم کی یاد تازہ کررہا ہے اور موجودہ معاشرہ اور دنیا کی قومیں جس تباہی و بربادی کے کنارے کھڑی ہیں ان کو نجات دلانے اور سربلندی عطا کرنے کے لئے قرآن کریم پکار رہا ہے۔

والله سبحانه ولى التوفيق والهداية وهو حسبنا ونعم الوكيل وصلى الله على خير خلقه سيدنا محمد وآله وصحبه وبارك وسلم.

عصر حاضر کے جدید مسائل کا حل

اور ایک غلط فہمی کا ازالہ

''بینات'' کے چند مسلسل اعداد میں راقم الحروف نے علماء امت کی خدمت میں جو گذارش کی تھی اس کا حاصل یہ تھا کہ دین اسلام کامل ترین نظام حیات ہے، ہر عصر کے لئے صالح نظام ہے اور ہر مشکل کا علاج اس میں موجود ہے۔ قرآن کریم وسنت نبویہ دو ایسے سرچشمے ہیں جن کا آب حیات قیامت تک آنے والی نسلوں کے لئے حیات بخش ہے اور قیامت تک پیدا ہونے والے امراض کے لئے نسخۂ شفا ہے، انہی دو چشموں سے اجماع امت اور قیاس فقہی کی نہریں جاری ہوئی ہیں۔ اور اس طرح سے کتاب وسنت یا قرآن وحدیث اور اجماع امت وقیاس سے فقہ اسلامی وجود میں آئی اور اسلامی قانون مدوّن ہوا ہے اور فقہاء امت کی مساعی مشکورہ سے ہزاروں لاکھوں مسائل قرآن وحدیث کی روشنی میں مرتب ہوگئے ہیں۔

فقہاء امت نے انہی اسلامی مآخذ کی روشنی میں ہر دور کے نئے مسائل کو حل کرکے یہ ثابت کردیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا یہ قانون ابدی اور محکم ہے، ہر مرض کی دوا اس میں مل جاتی ہے، جس طرح ہمارے سلف صالحین نے اپنے اپنے زمانے میں جدید واقعات ومسائل کا حل تلاش کیا اور امت کی رہنمائی کی اور امت کو گمراہی سے بچایا ٹھیک اسی طرح آج یہ فریضہ عہد حاضر کے علماء کے ذمے عائد ہوتا ہے کہ جدید تمدن سے جو جدید صورت حال رونما

---

(١) الرياض النضرة فى مناقب العشرة، الباب الثانى فى مناقب امير المؤمنين ابى حفص عمر بن الخطاب ج:٢ ص:٤٠٢، ط: دار الكتب العلمية بيروت

ہوئی ہے اس کے پیش نظر مدون ومرتب ذخیرہ کی روشنی میں ان سے نئے مسائل کا حل معلوم کر کے جدید نسل کو گمراہی سے بچائیں اور ایک دفعہ پھر اس تاریخی حقیقت کو باور کرائیں کہ دین اسلام اور قانون اسلامی ہر زمانے کے لئے کافی وشافی ہے اور یہ کہ فقہاء اسلام کی کوششوں سے جو کچھ مرتب ہوا یہ ہمارا قیمتی سرمایہ ہے، امت کبھی اس سے بے نیاز نہیں ہوسکتی، اس خیال کے تجزیہ سے یہ بات نہایت واضح ہے کہ جو کچھ قرآن کریم اور احادیث نبویہ میں منصوص احکام شرعیہ آگئے ہیں، وہ امت کے لئے ہر حالت میں واجب الاطاعت ہیں اور ہمارے اجتہاد کے دائرے سے بالاتر ہیں اور اگر احادیث میں کچھ تعارض ہے یا قرآن کریم کی دلالت قطعی موجود نہیں ہے تو فقہاء امت اور محدثین کرام نے انہی مشکلات کے تصفیہ کے لئے اصول فقہ اور اصول حدیث کے علوم وفنون تدوین کئے ہیں اور وہ مسائل وابحاث دائرہ فقہ میں آجاتے ہیں، الغرض دین کے احکام تین قسم کے ہیں۔

① احکام مخصوصہ اتفاقیہ۔

② احکام اجتہادیہ اتفاقیہ۔

③ احکام اجتہادیہ خلافیہ۔

پہلی دو قسموں میں جدید اجتہاد کی قطعاً گنجائش نہیں ہے، تیسری قسم میں بھی اجتہاد کی ضرورت نہیں سمجھتا البتہ اتنی گنجائش ہے کہ اگر مذہب حنفی میں واقعی دشواری ہے اور امت محمدیہ واقعی تیسیر اور تسہیل کی محتاج ہے اور اعذار بھی صحیح وواقعی ہیں، محض وہمی وخیالی نہیں ہیں تو دوسرے مذاہب پر عمل کرنے اور فتوی دینے کی گنجائش ہوگی اور ضرورت کس درجہ میں ہے اور ہے بھی یا نہیں؟ یہ صرف علماء وفقہاء کی جماعت طے کرے گی۔

چوتھی قسم مسائل کی وہ ہے جو جدید تمدن نے پیدا کئے ہیں اور سابقہ فقہ اسلامی کے ذخیرہ میں اس کا ذکر نہیں ہے، نہ نفیاً نہ اثباتاً، ان مسائل میں ان جدید تقاضوں کو پورا کرنا اور ان مشکلات کو حل کرنا دور حاضر کے علماء کا فریضہ ہے یعنی یہ کہ وہ ان مسائل کا قیاس واجتہاد سے قدیم ذخیرہ کی روشنی میں فیصلہ کریں، ان علماء میں حسب ذیل شرائط ہوں:

① اخلاص ② تقویٰ ③ قرآن وحدیث وفقہ اسلامی میں مہارت ووسعت

④ دقت نظر وذکاوت ⑤ جدید مشکلات کے سمجھنے کی اہلیت۔

ان صفات کے ساتھ شخصی فیصلہ نہ کیا جائے بلکہ ان صفات پر متصف جماعت ہو اور ان کے فیصلہ سے مسائل حاضرہ حل کئے جائیں، بہر حال قران کریم حجت ہے، احادیث نبویہ اور سنت نبویہ دین کی اہم بنیاد ہے، تعامل علماء امت واجماع امت شرعی حجت ہیں، فقہاء کرام کے اجتہادی مسائل واجب العمل ہیں، ظاہر ہے جو شخص یہ دعوی کرے کہ اجتہادِ جدید کی ضرورت ہے یعنی سارا دین اسلام کا قدیم ڈھانچہ بدل کر جدید ڈھانچہ تیار کیا جائے، یا منصوص اجماعی ومتفق علیہ مسائل کو از سر نو زیر بحث لایا جائے اور قانون اسلامی کے متفقہ مسائل سے

خلاصی کی راہ ڈھونڈ نکالیں اور یہ سب کچھ صرف اس لئے کہ عصر حاضر کی خواہشات و تقاضے سابقہ کوششوں سے پورے نہیں ہوتے۔ اگر کوئی صاحب یہ خیال قائم کریں تو کتنا غلط اور غیر واقعی خیال ہوگا۔ سبحانك هذا بهتان عظيم. بہر حال میرا یہ منشا قطعاً نہیں کہ فیصلہ شدہ مسائل جو عہد نبوت سے آج تک مسلمہ ہیں اور امت محمد یہ ان پر عمل پیرا ہے خواہ قرآن کریم کی تصریحات سے ہیں یا احادیث نبویہ میں فیصلہ شدہ ہیں، یا فقہاء امت نے طے کر لئے ہیں، ان میں ترمیم کی گنجائش ہے یا تبدیل کا امکان! یہ سب فرق مراتب کے باوجود عملی حیثیت سے سب کے لئے واجب الاطاعت ہیں۔

ڈاکٹر فضل الرحمن صاحب ڈائریکٹر مرکزی ادارہ تحقیقات اسلامی کراچی نے اپنی تائید میں میرا جو حوالہ پیش کیا ہے مجھے اس پر تعجب ہے۔ ڈاکٹر صاحب بینک کے سود کو جائز قرار دیتے ہیں اور موجودہ معاشرے کے لئے بے حد ضروری خیال کرتے ہیں، حالانکہ سود کے جملہ اقسام کی حرمت دین اسلام کا مسلمہ قانون ہے۔ ڈاکٹر صاحب کا خیال ہے کہ علماء امت دوبارہ اس مسئلہ پر غور کر کے ان کی تائید و تصدیق کر دیں گے۔ حالانکہ ڈاکٹر صاحب کے خیال کا دار و مدار ہی اس حقیقت پر ہے کہ انہوں نے حرمت ربا کی احادیث نبویہ کو قطعاً نظر انداز کر دیا ہے اور حضرت رحمت عالم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات اور قرآن دانی اور منصب نبوت سے سراسر ناواقفیت کا ثبوت دیا ہے، نیز قرآن فہمی کے لئے جن علوم عربیت اور علوم بلاغت اور اصول فقہ کے مسلمہ قواعد واصول کی ضرورت تھی یہ مضمون لکھ کر انہوں نے اپنی ناواقفیت کا ثبوت بہم پہنچایا ہے، جس کی تفصیل و تحقیق ڈاکٹر صاحب ہی کی تعمیل حکم کے پیش نظر عنقریب پیش کی جائے گی اور ان کی جدید تحقیق کا تجزیہ کر کے دکھلایا جائے گا کہ ڈاکٹر صاحب سنت نبویہ اور سنت جاہلیہ کے حدود بھی متعین نہ کر سکے۔ ڈاکٹر صاحب احادیث نبویہ کو ایک حدیثی تحریک کی حیثیت ہی سے جانتے ہیں جو بعد کی پیداوار ہے، وہ اس کی تشریعی حیثیت کے بالکل منکر ہیں۔

ڈاکٹر صاحب ''مجلہ فکر و نظر'' میں جو اپنے مضامین شائع فرما رہے ہیں۔ ان سے یہ خطرہ لاحق ہو گیا ہے کہ ان کی اصول موضوعہ کے پیش نظر دین اسلامی کے اساسی مسائل سب زیر بحث آ سکتے ہیں، نماز، روزہ، زکاۃ، حج، شراب، زنا، سود سب میں تادیل و تحریف کر کے اچھا خاصا اسلام کا جدید ڈھانچہ تیار ہو سکتا ہے، اور شاید جدید معاشرے کے لئے یا اسلام کے جدید ایڈیشن کی تیاری کی تدبیر ہو رہی ہے۔ قرآن کریم کے متن کی تشریح کے لئے اگر تعلیمات نبوت سے روشنی حاصل نہ کی جائے تو پورے کفر کا دوسرا نام اسلام ہو سکتا ہے، جیسا کہ آج تک ہر دور کے ملاحدہ، باطنیہ کرتے رہے، پھر مسٹر پرویز کرتے رہے اور یہی کام خاکسار تحریک کے بانی نے کیا۔ کیونکہ خاکسار تحریک کی بنیاد بھی اسی انکار حدیث پر تھی اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت بحیثیت امیر کے مانتے تھے، نہ بحیثیت نبوت، اس لئے ان کے نزدیک وفات کے بعد پیغمبر کے اقوال واجب الاطاعت نہیں رہتے، اللہ تعالیٰ رحم فرمائے۔

چند اقتباسات ملاحظہ ہوں۔ ڈاکٹر صاحب فرماتے ہیں:

آنحضرتؐ اساسی طور پر بنی نوع انسان کے اخلاقی مصلح تھے، وقتاً فوقتاً کچھ انفرادی فیصلوں کو چھوڑ کر جن کی حیثیت محض ہنگامی واقعات کی ہوتی تھی، آپ نے اسلام کی ترقی کی لئے بہت ہی کم عام قانون سازی کی طرف توجہ فرمائی ہے۔ خود قرآن مجید میں بھی اسلامی تعلیمات کا بہت تھوڑا سا حصہ ہے جس کا تعلق عام قانون سازی سے ہے الخ۔"

ڈاکٹر صاحب کا خیال ہے:

"آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) جو وقت وفات تک اہل مکہ اور عرب کی اخلاقی اصلاح کی شدید جدوجہد میں مصروف اور اپنی قومی ریاست کی تنظیم میں مشغول رہے، ان کو اتنا وقت ہی نہ مل سکتا تھا کہ وہ زندگی کے جزئیات کے لئے قوانین مرتب فرماتے"۔

ڈاکٹر صاحب کی تحقیق ہے:

"کہ اوقات نماز اور ان کی جزئیات کے بارے میں آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) نے امت کے لئے کوئی غیر لچکدار اور جامد انداز نہیں چھوڑا، یعنی لچکدار انداز چھوڑا"۔

ڈاکٹر صاحب نے اپنی تائید میں اپنے فہم کے مطابق موطا مالک کی پہلی حدیث سے استدلال کیا ہے جس میں صراحۃً پانچ نمازیں آپ نے پڑھی ہیں، لیکن اس میں راوی نے پانچ اوقات کی تصریح نہیں کی حالانکہ دوسری روایات میں ان پانچ وقتوں کی تصریح بھی آگئی ہے، جہاں تک ڈاکٹر صاحب کی نگاہ نہیں پہنچی، بلکہ خود اسی روایت میں وقت الصلوۃ کا ذکر ہے، آگے خود موطا مالک ہی میں فجر، عصر، ظہر، مغرب، عشاء سب ہی اوقات کی احادیث موجود ہیں، لیکن ڈاکٹر صاحب کی تحقیق ملاحظہ ہو:

"بعد ازاں حدیث میں جب کبھی نماز پر زور دیا جاتا ہے تو "صلواۃ" کے ساتھ **"علی میقاتھا"** بھی شامل کر دیا جاتا ہے، یعنی نماز اپنے صحیح وقت میں، اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ نمازوں کے لئے ایک معیاری وقت قائم کرنے کی مہم چلائی گئی۔" (مجلہ فکر و نظر شمار نمبر: ا جلد نمبر: ا)

دیکھا آپ نے کس صفائی کے ساتھ اب اعتراض فرمایا گیا کہ پانچ نمازیں بعد کی پیداوار ہیں، گویا نہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے پانچ نمازیں پانچ اوقات میں پڑھی ہیں، نہ حکم دیا ہے، انا اللہ! جب ڈاکٹر صاحب کی تحقیقات یہاں تک بے نقاب ہو کر آگئیں تو آئندہ کیا توقع رکھی جا سکتی ہے:

قیاس کن زگلستان من بہار مرا

ڈاکٹر صاحب نے "مجلہ فکر و نظر" کے تین اعداد و شمار میں تقریباً ستر صفحات کا جو مضمون تحریر فرمایا ہے وہ سب اسی انداز کا ہے، اس سے چند جملے بلا تبصرے کے پیش کئے گئے تا کہ ناظرین مفصل تبصرے کے انتظار میں

زیادہ زحمت نہ اٹھائیں، ایسا محسوس ہوتا ہے کہ ڈاکٹر صاحب نے کافی عرصہ قبل یہ ''بارود'' تیار کر رکھی تھی جواب دفعۃً موصوف نے چھوڑ دی، نہ معلوم ڈاکٹر صاحب کے بارود خانہ میں تباہ کاری کے اور کتنے سامان پنہاں ہیں، یہ تو محض بسم اللہ ہے، یہ ہے پاکستان کا مرکزی ادارہ تحقیقات اسلام! شاباش زندہ باد! ادارہ تحقیقات اسلام! ہم تو ایک پرویز کی ہی مرثیہ خوانی کر رہے تھے کیا معلوم تھا کہ: این خانہ ہمہ آفتاب است

ناطقہ سر بگریباں ہے اسے کیا کہیے

اللہ تعالیٰ امت محمدیہ کو صحیح اسلام اور اسلامی حقائق کی صحیح فہم عطا فرمائے اور اپنے دین کی حفاظت کے لئے کوئی غیبی سامان فرمائے۔ **وماذلك على الله بعزيز۔**

[رجب ۸۳ ۱۳ھ - دسمبر ۱۹۶۳ء]

مرکزی ادارہ تحقیقات اسلامی میں کی ہوئی علامہ بنوریؒ کی تقریر کی تلخیص

تمہید

مرکزی ادارہ تحقیقات اسلامی کا ماہانہ فکر ونظر جب سے شائع ہونا شروع ہوا ہے ادارے کے ڈائریکٹر فضل الرحمن صاحب کے قلم سے جو مضمون شائع ہوا تو محسوس ہوا کہ رسالے کے بنیادی مضامین میں انکار سنت کا فتنہ نئی صورت میں پیش کرنے کی کوشش کی جا رہی ہے بلکہ نہ صرف انکار سنت یا انکار حدیث کا فتنہ ہے بلکہ پورے دین اسلام کے بنیادی وجوہری مسائل کی بنیاد اکھاڑی جا رہی ہے، اور فکر ونظر کے تین شماروں میں ۹۴ صفحات پر یہ مضمون پھیلا ہوا ہے، جن انگریزی مآخذ سے اس کا تانا بانا لیا گیا ہے اتفاق سے ہمارے کتب خانہ میں عربی زبان میں وہ سارا ذخیرہ موجود ہے، جس سے یہ اندازہ ہوا کہ ان نام نہاد تحقیقات میں مستشرقین کی تقلیدات ہی جلوہ گر ہیں، مدعی اسلام یا مدعی علم کی شان سے بہت ہی بعید معلوم ہوا کہ اس صفائی کے ساتھ دین اسلام کے اساسی مسائل بلکہ اساسی شعائر کی تحریف کی کوشش کی جائے، چنانچہ ''بینات'' کے شذور میں اس کا اجمالاً ذکر کیا **اور عزم** تھا کہ آئندہ چل کر اس کی تردید کی جائے گی۔

رفیق ادارہ جناب مولانا محمد ادریس صاحب نے اس طویل مضمون کا ایک خلاصہ نکالا اور ڈاکٹر فضل الرحمن صاحب کی خدمت میں بھیجا کہ وہ بھی تصدیق کر دیں کہ یہی خلاصہ ہے اور اس تصدیق کے بعد جو کچھ ہمیں لکھنا ہے لکھیں۔ ڈاکٹر صاحب موصوف نے اس خلاصہ کو دیکھنے کے بعد خواہش کی کہ پہلے ایک ملاقات ہو جائے تو بہتر ہے۔ چنانچہ اگلے روز ایک ملاقات طے پائی جس میں راقم الحروف اور ڈاکٹر صاحب کا تبادلہ خیالات ہوا

اور ''بینات'' کے ایڈیٹر مولانا محمد ادریس صاحب اور فکر ونظر کے ایڈیٹر فاطمی بھی موجود ہوں اس طرح مجھے دینی خیر خواہی کا براہ راست موقع ملا اور غنیمت سمجھا یہ مجلس تقریباً ڈیڑھ گھنٹہ جاری رہی، یہ ایک پرائیویٹ مجلس تھی اس کی تفصیلات شائع کرنے کی اس وقت حاجت نہیں، البتہ اتنا کہنا نامناسب نہ ہوگا کہ ڈاکٹر صاحب سے جو سوالات کئے گئے اور ڈاکٹر صاحب نے جو جوابات دیئے اگر وہ جوابات موصوف کے دل کی صحیح ترجمانی ہے تو ان کی ذات کے متعلق تو شبہات ختم ہو جانے چاہئیں لیکن جہاں ان کی شخصیت کے بارے میں شبہات کا ازالہ ہو جاتا ہے ان کے مضامین کے بارے میں شبہات افسوسناک شکل اختیار کر لیتے ہیں، ڈاکٹر صاحب نے جو کچھ اطمینان دلایا ہے اس کا خلاصہ حسب ذیل ہے۔

الف: اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات کمال پر ایمان کا تقاضا یہ ہے کہ آخرت پر یقین ہو۔ اللہ تعالیٰ کی صفت عدل پر ایمان لانے کے بعد یوم جزاء کا ہونا ضروری ہے۔

ب: قرآن مجید اللہ تعالیٰ کا کلام ہے لفظ ومعنی دونوں اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل ہوئے ہیں۔

ج: قرآن مجید کے متعلق یہ بات صحیح نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ارشادات ربانیہ کو حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لباس کا جامہ پہنایا ہے۔

د: قرآن کریم نے حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تشریح وبیان کا حق دیا ہے اور حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا بیان دین اسلام کا جز ہے۔

ہ: حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بیانات کا یہ حصہ دین میں محفوظ چلا آرہا ہے۔

و: آپ کے بیانات کا اکثر حصہ امت کے سامنے جو مدون شکل میں موجود ہے، صحیح بخاری، صحیح مسلم، ابوداؤد، نسائی وغیرہ میں آ گیا ہے البتہ جن احادیث میں پیشین گوئیاں کی گئی ہیں ان احادیث پر مجھے شبہ ہے کہ شاید بعد میں ملائی گئی ہیں (اس پر میں نے درمیان میں کہا کہ اگر ان احادیث کی صحیح توجیہات کی جائیں جن سے آپ کی تصدیق وتائید نکلے تو پھر آپ کو کیا اعتراض ہوسکتا ہے فرمایا ہاں یہ ہوسکتا ہے)۔

ز: نبوت اللہ تعالیٰ کا ربانی عطیہ ہے کسب کا اس میں کوئی دخل نہیں، یعنی وہبی منصب ہے کسبی چیز نہیں۔

ان واضح اسلامی حقائق کے اعتراف کرنے کے بعد میں نے کہا کہ اب تو مجھے آپ سے بہت مفصل واضح طور پر سوالات کرنے کا حق ہے اور آپ اب اس کے مکلف ہیں کہ مجھے قابل اطمینان جواب دیں۔

اس کے بعد ڈاکٹر صاحب نے کہا کہ آپ ادارے میں ایک لیکچر دیں جس میں ادارے کے سارے افراد موجود ہوں اور اپنے خیالات پیش کریں، میں نے اس خواہش کا احترام کی اور دعوت قبول کی اگلے روز مرکز ادارہ کے ہال کمرے میں اس خطاب کا انتظام کیا گیا اور تقریر کو ریکارڈ کرنے کا بھی انتظام کیا گیا۔

پھر روزنامہ ''ڈان'' انگریزی میں اور ماہنامہ ''فکر ونظر'' میں اس کا خلاصہ جس انداز سے پیش کیا گیا اس

میں غلط فہمی کی گنجائش تھی کہ میں نے ادارے کے ساتھ غیر مشروط تعاون کا اظہار کیا ہے اور ادارے کے موجودہ طرز عمل سے میں مطمئن ہوں بلکہ ماہنامہ ''بینات'' کے خلاصے سے بھی کسی قدر غلط فہمی کا اندیشہ ہوسکتا ہے۔ اس لئے ضروری معلوم ہوا کہ اس تقریر کا ریکارڈ ہم بھی ان سے حاصل کر کے اس کو شائع کریں تا کہ ناظرین کے سامنے تصویر کا صحیح رخ سامنے آئے اور غلط فہمی دور ہو، خطبہ کا موضوع یہ تھا:

ادارہ تحقیقات اسلامی کے اغراض ومقاصد کیا ہونے چاہئیں؟

نوٹ: تقریر چونکہ بہت طویل ہوگئی تھی جب اس کو ٹیپ ریکارڈ سے صفحات کا غذ پر اتارا تو تیس صفحات فل اسکیپ سائز سے متجاوز تھے اس لئے تلخیص ہی مناسب معلوم ہوئی۔

الحمد لله نحمده ونستعينه ونستغفره ونؤمن به ونتوكل عليه، أما بعد:

فاعوذ بالله من الشيطان الرجيم، بسم الله الرحمن الرحيم

﴿اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا﴾ [المائدة:٣]

جناب صدر ومعزز حضرات! مجھے اس وقت خوشی محسوس ہو رہی ہے کہ آپ حضرات کے صدر محترم کی دعوت پر مجھے موقع مل رہا ہے کہ میں آپ کے سامنے اپنے خیالات کا اظہار کروں اور یہ حسن اتفاق ہے کہ ایک نجی واتفاقی ملاقات میں یہ خواہش پیدا ہوئی کہ میں آپ حضرات کے سامنے اپنے خیالات ظاہر کروں، مجھے اس پر مسرت ہے کہ اس طرح مشافہۃً گفتگو کرنے سے ایک دوسرے کو سمجھنے کا موقع مل جاتا ہے اس حیثیت سے اس اجتماع کو نہ صرف مفید بلکہ مبارک سمجھتا ہوں اور نیک فال سمجھتا ہوں۔

حضرات! اس نازک دور میں دین جس انداز سے خدمت کا محتاج ہے وہ محتاج بیان نہیں، ضرورت ہے کہ ہم اپنی اپنی جگہ پر اللہ تعالیٰ نے جو اہلیت اور موقع جس کو دیا ہے وہ دین کی خدمت کرے اور دین کو فائدہ پہنچائے، اگر ہم اس طرح خدمت کریں گے تو دین کی یہ عمارت ہماری متفقہ کوششوں سے ایک خوشنما عمارت بن جائے گی، جس کے ثمرات وبرکات سے آئندہ نسل مستفید ہوگی اور ان کی تربیت کے لئے ایک ایسا ذخیرہ مہیا ہوجائے گا جو ہماری آخرت کے لئے مفید ہوگا۔

علماء وجدید تعلیم یافتہ حضرات کے اجتماع سے دینی مسائل کا حل

سوء اتفاق سے علماء حضرات اور جدید تعلیم یافتہ حضرت کے درمیان اتنا وسیع خلیج حائل ہوگیا ہے کہ یہ خیال ہونے لگا کہ دونوں حضرات کا اجتماع ممکن ہی نہیں، یہ بالکل غلط ہے اور سوء تفاہم کا نتیجہ ہے۔ اگر اخلاص ہے اور مقصد صحیح ہے تو دونوں حضرات کے اجتماع ہی سے آج کل صحیح خدمت دین کا موقع مل سکتا ہے اور بہت سے

مسائل کا صحیح حل نکل آئے گا۔

ادارۂ تحقیقات اسلامی کی غرض و غایت

ادارۂ تحقیقات اسلامی اس ملک میں قائم ہوا ہے، اس کے اغراض و مقاصد کیا ہونے چاہئیں؟ میں اس موضوع پر اپنے خیالات پیش کرنا چاہتا ہوں، ظاہر ہے کہ غرض و غایت متعین ہونے کے بعد ہی منزل مقصود تک پہنچنا آسان ہوگا اور اس کے بعد ہی یہ سمجھنے کا موقع ملے گا کہ جس راستہ کو ہم نے اختیار کیا ہے وہ صحیح ہے یا غلط اور اس راستے کو طے کرنے کے لئے کس قسم کے رفقاء اور کن معاونین کی ضرورت ہے، الغرض غایت و غرض کے تعین کے بعد ہی رفقاءِ سفر کا انتخاب اور طریق کار کی تعیین سے منزل مقصود کی رہنمائی ہوگی۔

آیۃ کریمہ جو میں نے تلاوت کی ہے درحقیقت یہی موضوع سخن ہے، ٹھیک ایک ہزار تین سو چوہتر برس قبل ذی الحجہ کا مہینہ تھا، عرفہ کا دن تھا، جمعہ کا مبارک دن تھا، حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کا تئیسواں برس تھا اور آپ کی حیات مقدسہ کا تریسٹھواں سال تھا، عصر کا وقت تھا، عرفات کا میدان تھا، سامعین کا ایک عظیم الشان مجمع ایک لاکھ کے لگ بھگ تھا، ایسا مجمع کہ روئے زمین پر اتنا برگزیدہ مجمع کبھی جمع نہیں ہوا۔ آپ اپنی ناقہ قصوا پر سوار تھے اور ایک عظیم الشان خطبہ ارشاد فرما رہے تھے جو نہ صرف اسلامی تاریخ میں بلکہ نسل انسانی کی تاریخ میں انتہائی محیر العقول تھا، جو آج بھی کائنات کے صفحات پر وحی ربانی کے حروف سے لکھا ہوا ہے، نسلِ آدم کی جس آخری تربیت کے عظیم مقصد کے لئے آپ کی بعثت ہوئی تھی اس کا آخری مرحلہ تھا اور جس نسل کے تزکیہ نفوس و تکمیل و تربیت کا بیڑا اٹھا چکے تھے آج اس کی تکمیل ہو رہی تھی، اس عظیم و جلیل موقع پر یہ آیت کریمہ نازل ہوئی اور علیم و قدیر، عالم الغیب والشہادۃ کا خدائی اعلان ہوا کہ آج کے دن تمہارے لئے تمہارے دین کو ہر طرح کا کامل کر دیا اور میں نے تم پر اپنا انعام پورا کر دیا اور میں نے اسلام کو تمہارا دین بننے کے لئے پسند کر لیا، یعنی اب قیامت تک کے لئے یہی دین رہے گا اور یہی آخری نعمت تھی جو تمہیں دی گئی۔

آیۃ کریمہ لفظ ''دین'' کی تشریح

دین نام ہے اس طریق کار کا جو نسل انسانی کی تربیت و تزکیہ نفوس اور تعلق مع اللہ کے لئے حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر حضرت خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم تک حق تعالیٰ نے آسمان سے بذریعہ وحی الٰہی سلسلہ جاری کیا ہے، حق تعالیٰ کی مرضیات کا ادراک عقل انسانی کے دائرہ سے بالاتر تھا، عقل کا دائرہ مشاہدات و مادیات و ظاہری کائنات تک محدود ہے، غیب و ماوراء الطبیعۃ کا دائرہ حیطۂ عقل سے باہر تھا، اس لئے اللہ تعالیٰ نے عقل کی رہنمائی کے لئے وحی و نبوت کا سلسلہ جاری فرما دیا، درحقیقت عقل کی سرحد جہاں ختم ہوتی ہے وہاں سے نبوت کا دائرہ شروع ہوتا ہے۔

بہر حال مخلوق کا جو معاملہ خالق سے ہوگا اور خالق کی رہنمائی سے مخلوق کو ہوگا چاہے اس کا تعلق عقائد سے ہو، یا اعمال سے، اخلاق سے ہو یا معاملات سے، اس سب کا نام دین ہے، جو نظام نسل انسانی کے لئے اللہ تعالیٰ نے قائم کیا ہے اس کا نام دین ہے، اسی حقیقت کے لئے قرآن کریم نے یہ تعبیر کی ہے، تفصیل میں جانے کی حاجت نہیں۔

''اسلام'' کی تشریح

عربی لغت میں اسلام کے معنی ہیں سونپنا، سپرد کرنا یہاں یہ لفظ اس لئے لایا گیا ہے کہ جو شخص حلقہ بگوش اسلام ہوگیا اس نے اپنی جان و مال و وقت اللہ تعالیٰ کے سپرد کر دیا۔ جب بھی ان تین چیزوں میں سے کسی چیز کا مطالبہ ہو تو عذر نہ ہوگا، اس حقیقت کو واضح کرنے کے لئے قرآن کریم میں متعدد آیتیں ہیں، ایک جامع ترین آیت حسب ذیل ہے:

﴿قُلْ اِنْ كَانَ اٰبَآؤُكُمْ وَاَبْنَاؤُكُمْ وَاِخْوَانُكُمْ وَاَزْوَاجُكُمْ وَعَشِيْرَتُكُمْ وَاَمْوَالُنِ اقْتَرَفْتُمُوْهَا وَتِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ كَسَادَهَا وَمَسٰكِنُ تَرْضَوْنَهَا اَحَبَّ اِلَيْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَجِهَادٍ فِيْ سَبِيْلِهٖ فَتَرَبَّصُوْا حَتّٰى يَاْتِيَ اللّٰهُ بِاَمْرِهٖ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ﴾ [التوبة:٢٤]

صاف اعلان ہوگیا کہ باپ بیٹے، بیویاں، قبیلہ، مال، تجارت، مکانات، ان سب چیزوں کی محبت اللہ و رسول کی محبت میں حائل نہیں ہونا چاہئے، بوقت ضرورت ان سب کو اللہ و رسول کے لئے چھوڑا جا سکتا ہے۔

اب یہ دین اسلام دین محمدی کا نام ہے، اس دین اسلام کو آخری نعمت کہا گیا ہے اور اس کی تکمیل کا اعلان کیا گیا ہے، یہ عجیب و غریب آیۃ کریمہ ایک بشارت عظیمہ تھی جس کا اعلان ایسے عظیم الشان موقع پر کر دیا گیا جس کی یاد ہر ہفتہ و ہر سال تازہ ہوتی ہے۔

اللہ تعالیٰ کا علم محیط تھا، اس کے علم ازلی میں یہ بات موجود تھی کہ قیامت تک کے آنے والی نسلوں میں کیا کیا خرابیاں پیدا ہونگی اور معاشرے کی اصلاح کس کس طرح ہوگی، اور حق تعالیٰ کی قدرت بھی کامل تھی کہ قیامت تک معاشرے میں پیدا ہونے والے امراض کے لئے ایک جامع ترین و کامل ترین نسخہ شفا اتارے۔ جب علم بھی محیط ہے اور قدرت بھی کامل ہے اس علم و قدرت کے مطابق دین اسلام کا نسخہ اس کائنات کے لئے تجویز ہوا اور نازل فرمایا، انسانی عقول و ادراکات سے بالاتر چیز ہے، اس لئے نہ اس میں کسی تبدیلی کی گنجائش، نہ ترمیم، نہ اضافہ، نہ کمی کی، پھر قابل غور ہے کہ جس ہستی نے انسان کی تخلیق کی ہو اس کی نفسیات سے زیادہ باخبر اور کون ہو سکتا ہے؟ اس لئے قرآن کریم آخری ربانی پیغام ہدایت ہے جو نسل انسانی کو دی گئی اور حضرت خاتم الانبیاء آخری رسول و نبی ہیں جو قیامت تک کی امتوں و نسلوں کی رہنمائی کے لئے بھیجے گئے ہیں، اب نہ کوئی اور کتاب آنے کی اور نہ کوئی

رسول و نبی پس دین اسلام کامل و مکمل ہو چکا ہے اس بات کو سمجھ لینے کے بعد سارے شبہات خود بخود دور ہو جاتے ہیں، یہ نظام چند عقول کی پیداوار نہیں جن کا دائرہ محدود ہے بلکہ یہ نظام تو خالق العقول کی طرف سے آیا ہے۔

قرآن کریم اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم

قران کریم نے جس طرح ارشادات وہدایات کا بیان فرمایا ہے ساتھ ہی ساتھ یہ بھی اعلان کر دیا ہے کہ ایک سمجھانے سکھانے والا بھی ساتھ ساتھ بھیجا جن کا نام محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہے اور صاف صاف اعلان کر دیا کہ قرآن کی تعلیم، نسل انسانی کی تربیت وتزکیہ نفوس وغیرہ ان کے فرائض ہیں اور یہ بھی اعلان کر دیا ہے کہ جو وہ کہے اور جو سمجھائے اسے باور کرنا ہوگا اور وہ ہمارا نائب ہے، ان کا بیان ہر جہت سے معتبر ہے، اس کا بیان ہمارا بیان متصور ہوگا، قرآن کریم میں ایک سو کے قریب آیتیں ایسی ہیں جن سے یہ مضمون بالکل صاف ہو جاتا ہے اور اس کا کوئی امکان باقی نہیں رہا کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شخصیت کو چھوڑ کر قرآن کریم پر ایمان باقی رہ سکتا ہے، اگر کاغذ کے صفحات پر اللہ تعالیٰ کا پیغام ثبت ہے تو کائنات کے صفحات پر حیات محمد کے کارنامے ثبت ہیں۔

دین اسلام کی علمی و عملی حفاظت

دین اسلام میں حق تعالیٰ کا منشا خداوندی پورا ہو گیا اور یہ قیامت تک محفوظ بھی ہونا چاہیے، اگر یہ محفوظ نہیں تو حق تعالیٰ کی حجت امتوں پر پوری نہ ہوگی، اس لئے ارشاد ہوا ہے: ﴿إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَ إِنَّا لَهُ لَحَافِظُوْنَ﴾ [الحجر: ۹] دیکھئے اگر ایک قانون کا مسودہ تیار ہو گیا، اس کے الفاظ بھی مرتب و مدون و محفوظ ہو گئے، لیکن الفاظ ایسے ہیں کہ ہر شخص اس کا نیا مطلب نکال سکتا ہے اور اس طرح اس کا مفہوم و مقصد محفوظ نہ ہو سکا تو الفاظ کی حفاظت بے معنی ہے، اب تو ضرور یہ ماننا پڑے گا کہ اس کے الفاظ و مقاصد سب محفوظ ہیں، قرآن کریم کے مقاصد کا یہ حصہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات سے، عملی زندگی سے، امت کے تعامل سے، احادیث نبویہ، سنت نبویہ سے پورے طور پر محفوظ ہو گیا، صلاۃ، زکاۃ، صوم، حج، ربا، خمر، زنا، کفر، اسلام، نکاح، طلاق، عدت، وغیرہ وغیرہ قرآنی اصطلاحات ہیں، تعلیمات نبویہ د تعامل محمدی نے ان سے مقاصد وا ساسی شکل و صورت سب کو محفوظ کر دیا ہے، کسی ملحد یا پرویزی خیال شخص کو تحریف کا موقع نہیں مل سکتا۔ بلکہ میں تو یہاں تک کہتا ہوں کہ نہ صرف علمی اعتبار سے دین اسلام مامون و محفوظ ہو گیا ہے بلکہ عملی اعتبار سے بھی قیامت تک محفوظ رہے گا اور امت محمدیہ میں ایک جماعت قیامت تک ایسی موجود رہے گی جو اپنی عملی زندگی سے قرآن وحدیث کے مطابق دین اسلام کے پورے خدوخال کی حفاظت کرے گی اور ان کو دیکھ کر دین اسلام کو صحیح طور پر سمجھنے کا موقع ملتا رہے گا۔ عہد نبوت کے بعد عہد خلافت راشدہ نے ہر طرح دین کی علمی و عملی حفاظت کی، ملوکیت کے ادوار میں بھی اسلام کی روح باقی رہی اور عاملین بالدین ہر دور میں موجود رہے، کسی دور میں بھی کسی زندیق وملحد کو یہ قدرت نہ ہو سکی کہ وہ دین کے شعائر اور

اساسی مسائل میں کوئی تحریف کرے اور وہ چل جائے اور امت غافل رہے، آج تک الحمدللہ دین اسلام کا پورا نقشہ صحیح وسالم شکل میں موجود ہے، فرق صرف تناسب کا ہے پہلے صحیح عمل کرنے والے بہت تھے اور اب تھوڑے ہیں، بہر حال موجودہ دور میں اسلامی تصنیفات، اسلامی ادارے، دینی مدارس، دینی انجمنیں یہ سب درحقیقت دین اسلام کی حفاظت کی قدرتی تدابیر ہیں، اس لئے صفائی سے عرض کرتا ہوں کہ آپ کے ''ادارہ مرکز تحقیقات اسلام'' کا موضوع بھی یہی ہونا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ کی آخری نعمت دین اسلام جس صورت میں آیا تھا ہم اس کی پوری حفاظت کریں، اگر آئندہ نسلوں کے لئے ہم نے اس نعمت کی حفاظت کی اور ہمارے ذریعہ سے یہ نعمت محفوظ ہوجائے تو ہماری کتنی بڑی سعادت ہوگی اور ہمارا منصب کتنا اونچا ہوگا، اگر ہماری حکومت کے ذمہ پاکستان کے باشندگان کی جان ومال وآبرو کی حفاظت فرض ہے، ہماری سرزمین، ہماری سرحدوں کی حفاظت فرض ہے، حکومت اپنی فوج، پولیس اور اپنے وسائل کے ذریعے اربوں روپیہ اس پر خرچ کرتی ہے اور اس مادی نظام کی حفاظت کرتی ہے جس سے ہمارا مختصر محدود تعلق ہے تو کوئی وجہ نہیں کہ ہمارے دین کی حفاظت نہ کرے جو ہمارا روحانی نظام ہے اور جس کے ذریعہ ہم غیر محدود ابدالآباد کی نعمتوں سے مالا مال ہوں گے، آپ کے ''ادارہ تحقیقات اسلام'' کا اصلی مقصد تو یہی ہونا چاہیے کہ وہ صحیح معنی میں ''وانا له لحافظون'' کی عملی تفسیر بنے، اس طوالانی تمہید کے بعد اب میں ان نقطوں کو واضح کرنا چاہتا ہوں جو آپ کے ادارے کے لئے عملی خطوط ہوں۔

[ربیع الاول ۱۳۸۴ھ]

''مرکزی ادارہ تحقیقات اسلامیہ'' کے بنیادی مقاصد کیا ہونے چاہئیں؟

ادارہ تحقیقات اسلامیہ کے لئے دو اساسی اصول ہونے چاہئیں ① اسلامی عقائد اور ② اسلام کی حقانیت کے لئے عصر حاضر میں قدرت کاملہ نے جو سائنس کے ذریعہ تحقیقات کرائی ہیں ان سے اس مقصد کے لئے فائدہ اٹھایا جائے، اللہ تعالیٰ کی ربوبیت کا کرشمہ ہے کہ معجزات نبوت ورسالت کا دور تو ختم ہوچکا تھا، نہ جدید نبوت کا ظہور ہوسکتا تھا نہ نبوت کے معجزات ظاہر ہوسکتے تھے، لیکن چونکہ اسلام کی دعوت حق قیامت تک کی آنے والی نسلوں کے لئے تھی اس لئے قدرت نے طبیعیات، کونیات اور نظام کائنات میں ایسے ایسے عجائبات ظاہر فرمادیئے جن سے ایک منصف حکیم وقت اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات وکمالات کے اعتقاد پر مجبور ہوجائے اور اللہ تعالیٰ کے وجود اور اس کائنات کے محیر العقول نظام میں اس کے اقتدار وتدبیر وتصرف کے اسرار وغوامض معلوم کرلے تاکہ اللہ تعالیٰ کی حجت پوری ہوجائے اور قیامت کے روز انکار کی گنجائش باقی نہ رہے۔

جدید علم کلام

درحقیقت جدید علم کلام نام ہی اس طریقہ فکر کا ہے کہ نظام کائنات کے حقائق سے اصول اسلام کی تائید و تصدیق کا سامان مہیا کیا جائے، قرآن کریم نے اسی انداز میں فکرِ انسانی کو دعوت غور وفکر دی ہے، حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی بانی دارالعلوم دیوبند نے اپنی کتاب ''حجۃ الاسلام'' اور ''مباحثہ شاہجہان پور'' اور ''انتصار الاسلام'' اور ''قبلہ نما'' اور ''تقریر دلپذیر'' اور ''مکتوب قاسم العلوم'' میں اس جدید علم کلام کی بنیاد رکھی ہے اور سلطان عبدالحمید خاں کے عہد کے سب سے بڑے محقق عالم الشیخ حسین الجسر طرابلسی نے "الرسالة الحميدية" میں جدید علم کلام کی دعوت دی ہے اور ان کے صاحبزادے الشیخ عبداللہ ندیم الجسر مفتی طرابلس نے "قصة الايمان بين الفلسفة والعلم والقرآن" میں اسی موضوع کو اختیار کیا ہے(۱)، میرا یہ مقصد نہیں کہ ایسے جدید نظریات جو اَب تک زیر بحث ہیں اور قطعیت کے درجہ تک نہیں پہنچے ہیں ان پر ایمان لاکر قرآنی حقائق اور اسلامی اصول وعقائد میں فوراً تاویل کر کے تحریف کا راستہ نکالا جائے، بلکہ سائنس کے قطعی اصول وتحقیقات کی روشنی میں دین اسلامی کے قطعی حقائق کی تصدیق کا راستہ نکالا جائے ورنہ یہ تو الحاد کا طریقہ کار ہوگا، اسلام وحقیقت سے اس کا دور کا واسطہ بھی نہیں، جیسے آج کل بہت سے مدعی تحقیق غیر شعوری طور پر اس الحاد میں مبتلا ہو چکے ہیں یہ بحث تفصیل کی محتاج ہے یہاں اشارہ کافی ہوگا۔

غرض پہلا بنیادی نقطہ یہ ہونا چاہئے کہ سائنس اور طبیعیات کی تحقیقات کی صحیح معلومات کے ذریعہ اصول اسلام کی تصدیق وتائید کے دلائل فراہم کئے جائیں، سائنس کا یہ ذخیرہ یورپ کی زبانوں کے علاوہ عربی زبان میں بھی بہت کافی منتقل ہو چکا ہے اور عربی زبان بھی اس غرض کے لئے غنی زبان ہے، تین چار تو مستقل انسائیکلو پیڈیا عربی میں تالیف ہو چکی ہیں اور شاید ہی کوئی شعبہ ایسا ہو کہ عربی زبان میں اس پر مواد نہ ملتا ہو، چاہے مستقل تصنیف ہو یا ترجمہ ہو چکا ہو۔

عہد نبوت کے چند واقعات اور سائنس

عہد نبوت میں بہت سے واقعات ایسے ملتے ہیں جو درحقیقت حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات تھے، ملاحدہ تسلیم نہیں کرتے تھے اس لئے کہ وہ ان واقعات کو عقل یا درایت یا فلسفہ کی رُو سے خلاف سمجھتے تھے لیکن آج سائنس کی ترقیات نے نہ صرف ان کا امکان ثابت کر دیا ہے بلکہ حقائق بن کر وہ دنیا کی نگاہوں میں آ گئے ہیں لیکن وہ معجزات اس لئے تھے کہ اسباب کے بغیر وجود میں آئے تھے اور عقل انسانی کی ترقی کے بعد جب

(۱) مثالوں کا اضافہ بعد میں کیا گیا ہے۔

اسباب کے دائرے میں آ گئے تو اب معجزات نہ رہے۔

مثلاً عرفات کی وادی میں ایک لاکھ کے مجمع میں آپ اپنی معتاد آواز میں خطبہ ارشاد فرما رہے ہیں ہر شخص سن رہا ہے کسی کو کوئی دقت محسوس نہیں ہو رہی ہے، یا اس سے بھی عجیب تر ایک واقعہ ہے جو سنن ابی داؤد میں ہے آپ جانتے ہیں کہ منیٰ کی وادی تقریباً آٹھ مربع میل ہوگی، آٹھ مربع میل میں ایک لاکھ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا مجمع منتشر طور پر اپنے اپنے خیموں میں موجود ہے، حضرت رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے قیام گاہ خیمہ میں (جہاں آج کل مسجد بنائی گئی ہے اور مسجد خیف کے نام سے مشہور ہے) خطبہ ارشاد فرما رہے ہیں، سب صحابہ دور دراز وادی میں پھیلے ہوئے اپنے اپنے خیموں میں پوری آواز سن رہے ہیں، حالانکہ نہ بجلی ہے، نہ لاؤڈ اسپیکر ہے، نہ ریڈیو اسٹیشن ہے، یہ سب کچھ بغیر ان اسباب و آلات کے ہو رہا ہے۔ سنن ابی داؤد کی حدیث میں الفاظ یہ ہیں:

"خطبنا رسول اللہ ﷺ ونحن بمنی ففتحت اسماعنا حتی کنا نسمع ما یقول ونحن فی منازلنا فطفق یعلمهم مناسکهم حتی بلغ الجمار، الخ.(۱)

آپ نے خطبہ ارشاد فرمایا جس میں حج کے مسائل تھے، رمی جمار تک مسائل بیان فرمائے ہم منیٰ میں اپنی اپنی قیام گاہوں میں یہ خطبہ سنتے تھے ہمیں ایسا محسوس ہو رہا تھا کہ آج ہماری قوت سماع بڑھا دی گئی ہے۔

بہر حال یہ تو نبوت کا معجزہ تھا کہ بغیر ظاہری آلات و تدبیر کے اتنا بڑا مجمع جو میلوں میں پھیلا ہوا تھا اور اپنے کاموں میں مشغول تھا آپ کی آواز سن رہا تھا، موجودہ ریڈیو کے نظام نے اسباب کے درجہ میں اب یہ ترقی کر لی ہے کہ جہاں چاہیں اپنی آواز پہنچا دیں۔

ایک اور بنیادی عقیدہ کا حل

قدیم فلاسفہ آواز کو عرض کہتے تھے اور یہ نظریہ تھا کہ عرض وجود میں آنے کے بعد فنا ہو جاتا ہے، اس نظریہ کی بنیاد پر اسلامی عقیدہ کہ انسانی آوازیں سب محفوظ ہیں اور قیامت میں اللہ تعالیٰ جب چاہیں گے سنوا دیں گے، کمزور ایمان لوگوں کا یہ عقیدہ متزلزل ہونے لگا تھا، جدید سائنس نے یہ عقدہ بھی حل کر دیا کہ یہ سارے اعراض خواہ آوازیں ہوں یا حرکات، وجود میں آنے کے بعد سب باقی رہتی ہیں، کوئی چیز فنا نہیں ہوتی، غرض قدیم بطلیموس اور فیثاغورث اور ارسطو کی تحقیقات نے اسلام کے عقائد کو متزلزل کر دیا تھا اللہ تعالیٰ نے اپنی حجت پوری کر دی، جدید فلسفہ نے آ کر اس فلسفہ کے بہت سے نظریات و مسائل کو غلط ثابت کر دیا، اس طرح اسلامی عقائد کا راستہ صاف ہو گیا بلکہ اس کی تصدیق و تائید ہو گئی ﴿وَكَفَى اللّٰهُ الْمُؤْمِنِيْنَ الْقِتَالَ﴾ [الاحزاب:۲۵] [فرق

(۱) سنن ابی داؤد، کتاب المناسك، باب مایذکر الامام فی خطبته بمنی ج:۱ ص:۲۷۰، ط: حقانیه

صرف اتنا ہے کہ انسان مخصوص آلات ووسائل کے ذریعے ان آوازوں کو محفوظ کرتا ہے اور رب العالمین خالق اسباب کے لئے ساری کائنات کے صفحات ریکارڈنگ کے وسائل ہیں، جلّت قدرته۔

عذاب قبر کے مسئلہ کا حل اور اس کی مثال

اسلامی عقائد میں ایک مسئلہ عذاب قبر کا ہے کہ انسان پر موت طاری ہونے کے بعد اور روح جدا ہونے کے بعد تکلیف وراحت کا احساس وشعور وادراک باقی رہ سکتا ہے، اس مسئلہ سے زیادہ بعید از عقل اور کوئی مسئلہ بظاہر نہ ہوگا، لیکن جدید فلاسفہ کی تحقیقات نے اس بعید عن القیاس مسئلہ کو بھی اتنا صاف کر دیا ہے کہ عقل حیران ہے، مسمریزم اور علم الارواح کی تحقیقات وواقعات نے اس مشکل کے حل کا راستہ بھی نکال دیا ہے، ڈاکٹر فرید وجدی مصری نے اپنی کتاب ''دائرۃ المعارف'' (انسائیکلوپیڈیا) ج:۱ص:۳۰۷ میں ایک فرانسیسی ماہر مسمریزم اور اس پر بجوڈیلزم ''کولونیل دردشاس'' کا (جو پیرس کے انجینئرنگ کالج کا پرنسپل تھا) ایک واقعہ ذکر کیا ہے کہ اس نے ایک شخص پر مسمریزم کا عمل توجہ کیا اور اتفاق سے توجہ زیادہ دے دی، یہاں تک کہ معمول کی حرکت وغیرہ ختم سی ہوگئی جواب دینا بند ہوگیا اور اس کو بہت تشویش ہوئی کہ شاید مرگیا، فوراً ایک دوسرے شخص پر عمل توجہ کیا تاکہ اس کے ذریعے سابق معمول کی حالت معلوم کر سکے، دوسرے معمول نے بتلایا کہ اس کی روح کچھ فاصلے پر بیٹھی ہے اور بدن سے نکل گئی آنا نہیں چاہتی، وہ عامل اس کی تلاش میں رہا یہاں تک کہ اس کے بالکل قریب پہنچ گیا، اس وقت دوسرے معمول نے کہا کہ اس وقت آپ کا ہاتھ اس کی پنڈلی پر ہے، کولونیل نے ایک نشتر ہاتھ میں لے کر اس طرف ہوا میں لگایا فوراً اس معمول کی ٹانگ سے اسی جگہ سے خون نکل آیا حالانکہ درمیان میں فاصلہ بھی تھا۔

اس واقعہ سے جو نتیجہ نکلتا ہے کتنا اہم ہے کہ روح بدن سے جدا ہونے کے بعد بھی اس کا ایک قسم کا تعلق بدن سے رہتا ہے، نیز روح کے تاثر سے بدن متاثر ہوتا ہے، برزخی دور کے لئے اس سے زیادہ واضح مثال کیا ہو سکتی ہے، دیکھا آپ نے کہ کس طرح ایک غامض ودقیق مسئلہ کے لئے موجودہ جدید تحقیقات سے امداد مل گئی، الغرض حق تعالیٰ کے وجود وصفات کمال کے لئے موجودہ سائنس اور جدید معلومات سے کافی دلائل وشواہد مل سکتے ہیں۔ میرا مقصد جدید علم کلام سے اس قسم کی تحقیقات ہیں جن سے اسلام کو فائدہ پہنچ سکتا ہے، ہمارے استاذ حضرت امام العصر مولانا محمد انور شاہ کشمیری دیوبندی نے ایک کتاب ''ضرب الخاتم علی حدوث العالم'' لکھی ہے، جس میں قدیم وجدید طبعیات والٰہیات سے دلائل وبراہین قائم کئے ہیں، لیکن وہ کتاب عربی نظم میں ہے اور بہت دقیق ومشکل ہے، اس میں ایک شعر اس مضمون کا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انبیاء کرام کو جو معجزات دیئے ہیں درحقیقت وہ اس بات کی تمہید ہے کہ آئندہ نسل انسانی اسباب کے درجہ میں پہنچ کر یہ ترقیات کرے گی، گویا انبیاء کرام کے معجزات مادی وتمدنی ترقیات کا پیش خیمہ ہیں، فرماتے ہیں:

وقد قيل ان المعجزات تقدم
بما يرتقى فيه الخليقة فى مدى

عصر حاضر میں اس طرح ہم اسلام کی بڑی خدمت انجام دے سکتے ہیں۔

نیز قدیم متکلمین کے بعض نظریات جو فلسفہ ارسطو کے خلاف تھے یا اشاعرہ کے بعض مسائل جو معتزلہ کے خلاف تھے، آج نئی تحقیقات نے ان کی تصدیق کردی اور ایک مستمر نزاع وجدال کا سلسلہ جو عرصہ سے جاری تھا آج مشاہدات کی روشنی میں حل ہوگیا، حضرت رسالت پناہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے معراج کا واقعہ، حضرت سلیمان علیہ السلام کے ہوائی تخت کا مسئلہ، جدید ترقیات وسائنس کے کارناموں نے اس کا امکان پیدا کردیا ہے، امکان کے بغیر مخبر صادق صلی اللہ علیہ وسلم کے بیان کا قطعی ہونا ایک مومن کے لئے کافی ہے۔

متکلمین نے تو لکھا تھا کہ روح انسانی کا تعلق بدن کے ساتھ پانچ طرح کا ہوتا ہے:

① بحالت جنین، جبکہ شکم مادر میں ہو ② ولادت کے بعد، بحالت بیداری ③ بحالت نیند ④ موت کے بعد برزخی دور میں ⑤ مرنے کے بعد کی زندگی، جیسا کہ حافظ ابن القیم نے کتاب الروح میں اور ان کے علاوہ دیگر محققین نے لکھا ہے۔ نمبر ۴ تعلق کے اثبات کے لئے سابق فرانس کے عالم مسمریزم کے واقعہ نے بات صاف کردی۔

کسوف شمس (سورج گرہن) کے بارے میں قدیم سے یہ سوال چلا آیا ہے کہ یہ حسابی معاملہ ہے، کائنات میں یہ واقعہ ہمیشہ ہوتا رہتا ہے، جب کرہ قمر زمین وسورج کے درمیان حائل ہوتا ہے، یہ صورت نمایاں ہوتی ہے، اب احادیث نبویہ سے معلوم ہوتا ہے کہ آپؐ پریشان ہوتے تھے نماز پڑھا کرتے تھے، نماز پڑھنے کا حکم دیا کرتے، خیرات وصدقات کا حکم دیا کرتے، اور اس نازک وقت میں اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرنے، دعاوزاری میں مشغول ہونے کا حکم دیا کرتے تھے وغیرہ وغیرہ، اس کی کیا وجہ ہے؟ لیکن جدید طبعیات کے نظام نے قطعی طور پر ثابت کردیا ہے کہ یہ وقت نظام عالم کی لئے خطرناک وقت ہوتا ہے، سورج میں جاذبیت کا نظم ہے اور زمین میں بھی کشش موجود ہے اور خطرہ ہوتا ہے کہ چاند کا کرہ درمیان میں زمین سے ٹکرا کر پاش پاش ہوجائے۔ الغرض یہ وقت انتہائی خطرناک ہوتا ہے، ایسے وقت پریشانی کا ہونا اور اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرنا ایک فطری تقاضا ہے اور بالکل قرین عقل ہے، اسی لئے تو نیوٹن کہتا ہے کہ کواکب کی حرکات حالیہ ممکن نہیں کہ عام قوت جاذبہ کے فعل کا نتیجہ ہوں، یہ قوت جاذبہ تو کواکب کو شمس کی طرف دھکیلتی ہے، اس لئے کواکب کو سورج کے گرد حرکت دینے والا ضروری ہے، کوئی خدائی ہاتھ ہو جو باوجود قوت جاذبہ کی عام کشش کے ان کو اپنے اپنے مدارات پر قائم رکھے سکے، کوئی طبعی سبب ایسا نہیں بتلایا جاسکتا جس نے تمام کواکب کو کھلی فضا میں جکڑ کر بند کردیا ہے کہ وہ سورج کے گرد چکر لگاتے رہیں اور معین مدارات پر ایک خاص جہت میں حرکت کریں اور کبھی اس کے خلاف نہ ہو، میں تو سمجھ رہا ہوں کہ اللہ

تعالیٰ ان سائنسدانوں پر اپنی حجت پوری کر رہا ہے تاکہ قیامت کے روز یہ نہ کہہ سکیں کہ عقل ان باتوں کو باور نہیں کر سکتی تھی اور معجزات کا دور گذر چکا تھا، انبیاء کا زمانہ ختم ہو چکا تھا، گویا اللہ تعالیٰ نے کائنات میں اپنے علمی معجزے ان ہی سائنسدانوں کے ذریعہ دکھلائے اور اس طرح اللہ تعالیٰ کی حجت قاہرہ اور سلطان قاہر کا مشاہدہ کریں، انکار کی مجال باقی نہ رہے، الغرض وقت کا ایک اہم کارنامہ یہ ہوگا کہ جدید تحقیقات و نظریات سے اسلام کے اساسی عقائد و مسائل کے لئے دلائل و شواہد فراہم کی جائیں، نہ یہ کہ اسلام کے عقائد کی بیخ کنی جدید نظریات سے کی جائے یا کسی سائنسدان نے کچھ کہہ دیا اس سے قبل کہ اس کی تحقیق کی جائے یا وہ پایہ ثبوت کو پہنچے اسلامی عقائد میں تحریف و تادیل و انکار کے راستے تلاش کئے جائیں۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں جن حقائق و کونیات کو بیان فرمایا ہے وہ قطعی و یقینی ہیں، چاہیں ہم انہیں سمجھیں یا نہ سمجھیں، اللہ کے کلام کی حقانیت کی تائید و تصدیق انسانی عقول و ادراکات سے بالاتر ہے۔ مقصد صرف اتنا ہے کہ نئی نسل جو جدید سائنس پر ایمان لا کر قرآن کریم اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے منحرف ہو رہی ہے ان کی ہدایت و رہنمائی کے لئے کوئی سامان مہیا کیا جائے، خلاصہ یہ کہ ایک کام تو یہ ہوگا کہ ''ادارہ تحقیقات اسلامیہ'' اس انداز سے دین اسلام کی خدمت کا ارادہ کرے اور اپنے مقاصد میں اس کو شامل کرے اور تحقیقات اسلامیہ کا یہ ایک اصولی شعبہ ہوگا۔

فقہ اسلامی کی جدید تدوین

دوسرا مقصد یا دوسرا شعبہ فقہ اسلامی کی تدوین جدید ہے۔ فقہ علم شریعت کا وہ علم ہی جس کا تعلق ہماری زندگی کے ہر شعبے سے ہے، خواہ وہ عبادات ہوں یا معاملات، عقود ہوں یا معاہدات، حدود ہوں یا تعزیرات، جدید تمدن و تہذیب نے زندگی کے ہر شعبے میں نئے نئے مسائل پیدا کر دیئے ہیں، علماء امت کے ذمہ اب یہ فرض عائد ہوتا ہے کہ قرآن کریم اور سنت نبویہ اور احادیث نبویہ اور فقہاء امت کی مدون کردہ فقہ کی روشنی میں جدید مسائل کا حل تلاش کریں، عبادات سے میری مراد وہ جدید مسائل ہیں جو نماز، روزہ، حج تقریباً ہر بات میں نئے نئے سوالات کے ساتھ پیدا ہو گئے ہیں، نماز ایک شخص اپنے صحیح وقت میں پڑھ لیتا ہے اور جیٹ طیارے میں ایک ایسے ملک میں پہنچ جاتا ہے کہ ابھی نماز کا وقت داخل نہیں ہوا کیا یہ نماز دوبارہ پڑھی جائے گی یا نہیں؟ نماز کا وقت آ گیا ہوائی جہاز میں سفر ہو رہا ہے، جہاں ہوائی جہاز پہنچے گا یا اترے گا نماز قضا ہو چکی ہوگی، یہ نماز ہوائی جہاز میں پڑھی جائے گی یا قضا کی جائے گی؟ عید کی نماز حجاز میں پڑھ لی پاکستان آ کر ابھی ماہ رمضان باقی ہے، یا مثلاً کسی ملک میں ماہ رمضان شروع ہو چکا ہے وہاں کے حساب سے روزہ شروع ہو گیا ہے دوسرے ملک میں پہنچا جہاں دو دن بعد روزہ شروع ہوتا ہے اگر سابق ملک کا اتباع کرے گا تو ۲۸ روزے ہوں گے اور اگر آخری ملک کا اتباع کرے گا تو ۳۲ روزے رکھنے ہوں گے؟ یا حج کے بارے میں مثلاً میقات سے احرام باندھنا ہوتا ہے، صحیح میقات

کی محاذات کا تعین مشکل، اور محاذات کا مسئلہ ''ہوا'' میں مختلف مواقیت سے ہوسکتا ہے، یا کوئی شخص گلوکوز کا انجکشن لیتا ہے یا اور کوئی ایسا انجکشن جس سے بھوک و پیاس ختم ہوجائے کیا یہ انجکشن مفسد صوم ہوگا یا حرام یا مکروہ یا موجب کفارہ؟ وغیرہ وغیرہ، الغرض زندگی کے ہر شعبے میں حتی کہ عبادات تک میں نئی نئی صورتیں پیدا ہوگئی ہیں اس قسم کی خدمت کے لئے ممتاز علماء دین اور صالح ومتقی حضرات کی مشترکہ جدوجہد ہی سے کوئی قابل قبول وقابل اطمینان صورت نکل سکے گی اگر نااہلوں کو یہ انتظام سونپا گیا تو یہ دین کی تخریب ہوگی نہ کہ تعمیر۔

مقصد یہ نہیں ہے کہ جدید معاشرے میں جدید تمدن نے جو صورت حال پیدا کردی ہے اس کی خواہشات کی تسکین کے لئے نصوص قطعیہ کے مفاد میں ترمیم کی جائے اور فیصلہ شدہ متفقہ مسائل پر جدید اجتہاد کے نام سے عملی جراحی شروع کی جائے۔ زنا وشراب، سود وقمار، رقص وسرود، عریانی وبے حیائی وغیرہ وغیرہ کے لئے نصوص قطعیہ میں تحریف کرکے دین اسلام کے مسخ کرنے کی کوشش کی جائے (۱)، بلکہ اسلام تو ایک کامل ترین نظام زندگی ہے جو اپنے خاص اصول پر ایک معاشرے کی تشکیل کرتا ہے جس میں اللہ ورسول کی اطاعت اس کا سرمایہ سعادت ونجات ہو، آخرت پر اس کا ایمان ہو، حرص وبخل، رذالت وبے حیائی سے پاک ہو، خدائے تعالیٰ سے ایسا تعلق ہو کہ مخلوق خدا پر رحم کرے، ایک مسلمان کی جان اور اس کا مال وآبرو اس سے محفوظ ہو، جدید خدا فراموش تمدن کے ہاتھوں اور آبرو باختہ انسانوں کے قوانین کے ذریعہ جو مہلک نظام وجود میں آچکا ہے اگر آپ چاہیں کہ ان دونوں بالکل متضاد نظاموں میں کوئی درمیانی راستہ نکالیں تو:

ایں خیال است ومحال است وجنوں

سابق شعبہ جس کا تعلق ایمانیات واصول دین سے ہوگا اس شعبہ کا یہ فرض ہوگا کہ اسلام کی حقانیت کے عقلی دلائل وبراہین سے اسلام کی برتری ثابت کرے اور نظام اسلام کے صالح ثمرات سے دنیا کو آگاہ کرے اور جدید مہلک نظام کے تباہ کن اثرات کو دنیا پر واضح کرے، صحیح پاؤں کے لئے ایک قالب یا ایک سانچہ جو بنایا گیا اگر ٹیڑھا پاؤں اس میں فٹ نہ ہو تو سانچہ کا کیا قصور؟ آپ چاہیں کہ ماڈرن اسلام کا کوئی نسخہ ایسا تجویز کرلیں کہ خواہشات نفس کا جدید نظام اس میں سما جائے تو اسلام کے ساتھ اس سے بڑھ کر دشمنی کیا ہوگی؟ الغرض جدید تدوین سے میری مراد یہ ہے کہ اسلام ایک مکمل دین ومذہب ہے جس میں نسل انسانی کے فطری صحیح تقاضوں کو پورا کیا گیا ہے، اگر فقہ اسلامی کے اجتہادی قوانین جن کا تعلق مخصوص عہد کے عرف سے ہو اور قرآن وسنت کی رہنمائی وہاں نہ ہو یا ایسے مسائل ہوں کہ نسل انسانی بغیر ان کے زندہ نہ رہ سکے اور سابق فقہ میں اس کا فیصلہ نہ ہوا ہو تو قرآن وسنت

---

(۱) جیسا کہ ادارہ ثقافت اسلامیہ (لاہور) سے رقص وسرود اور مردوں کے لئے سونے اور ریشم کے استعمال کے جواز پر قرآنی مفاہیم کو مسخ کرکے کتابیں شائع کی گئی ہیں۔

کے اصول کے پیش نظر اور فقہ اسلامی کی روح کی روشنی میں آپ فیصلہ کریں اور اس کا حل ڈھونڈ نکالیں۔
تجارت وخرید وفروخت، اجتماعی زندگی کے لئے ایسا ضروری شعبہ ہے کہ کوئی حکومت یا دولت بغیر اس کے چل نہیں سکتی اور ظاہر ہے کہ آج کے دور میں کوئی ملک دنیا کے ملکوں سے الگ تھلگ نہیں رہ سکتا، درآمد وبرآمد کے بغیر کوئی ملک زندہ نہیں رہ سکتا، باہر کی دنیا میں غیر اسلامی زندگی رائج ہے جس کی بنیاد سود اور بینک پر ہے، ان کے بغیر نظام آج کل نہیں چل سکتا ہے، تو ہمیں غور کرنا ہوگا کہ ایسا نظام تجارت سوچیں اور ایسا بینک قائم کریں کہ بغیر سود کے چل سکے، چاہے وہ مضاربت کے اصول پر ہو یا شرکت کے قانون پر ہو، نہ یہ کہ ہم یہ انداز فکر اختیار کریں کہ بینکنگ کے سود کو جائز ٹھہرائیں کہ یہ وہ سود نہیں جس کو اسلام نے حرام کیا ہے، میں تو سمجھتا ہوں کہ درحقیقت بینک کا سود ہی وہ بڑی لعنت ہے جس پر سرمایہ داری کی ساری عمارت کھڑی ہے، اور یہی لعنت ہے جو اپنے ردعمل کے طور پر اشتمالیت واشتراکیت کا سبب بن رہی ہے، کیپیٹل ازم ہی کے ردعمل سے دنیا میں کمیونزم کی بنیاد پڑ جاتی ہے، دنیا میں یہ طبقاتی تفاوت کہ ایک انسان نان شبینہ کے لئے محتاج رہے اور دوسرا کروڑوں کا مالک بن بیٹھے اس کا منشا سودی کاروبار نہیں تو اور کیا ہے۔

سرمایہ داریت میں فقراء ومساکین کے ساتھ ہمدردی وغم خواری کا جذبہ یکسر ختم ہو جاتا ہے اور سرمایہ دار کے دل میں بے رحمی وقساوت پیدا ہو جاتی ہے، انسانی اخلاق کی جگہ بہیمانہ زندگی جنم لیتی ہے، اس کی وجہ سے پوری قوم اور ملک وملت کے سرمایہ ودولت پر چند سرمایہ داروں کا قبضہ ہو جاتا ہے، اس لئے قرآن کریم نے اتنا شدید اعلان فرمایا کہ اگر تم سود کو نہ چھوڑو گے تو تم سے اللہ اور رسول اعلان جنگ کرتے ہیں، گویا سودخور تو ہین کا سزاوار بن جاتی ہے، سودخور اور سرمایہ دار کا پیٹ کبھی نہیں بھرتا، اس لئے حدیث میں آیا ہے کہ دو حریص ایسے ہیں کہ ان کا پیٹ کبھی نہیں بھرتا علم کا حریص اور مال کا حریص، آج اگر قرض حسنہ کی بنیاد پر معاشرے کی تشکیل ہو اور سودی نظام کو ختم کیا جائے تو کمیونزم واشتمالیت خود بخود ختم ہو جائے گی۔

الغرض جدید تدوین فقہ میں اس پر غور کرنا ہوگا کہ موجودہ نظام تجارت کو سود سے کیسے پاک کیا جائے، نہ یہ کہ سود ہی کو جائز کیا جائے، اسلام کا منشا یہ ہے کہ دنیا کے سارے مادی نظام کی بنیاد روحانی نظام پر قائم ہو، جس میں اخلاق اور انسانی ہمدردی کی روح کارفرما ہو، اگر روحانی رابطہ اس مادی نظام سے کٹ گیا تو سراسر فساد پیدا ہوگا، لہذا اسلامک ریسرچ انسٹی ٹیوٹ کے دو بنیادی مقاصد ہونے چاہئیں۔ دین اسلام کے اصولی نظام کی حفاظت اور فروعی نظام کی جدید تشکیل، ہر مقصد کے لئے صحیح موزوں افراد کا انتخاب کرنا ہوگا، ورنہ نااہلوں کو کام سپرد کرنے کے نتائج ظاہر ہیں۔ مصر کے مجمع البحوث الاسلامیہ میں جس طرح قدیم وجدید علماء کے اشتراک عمل سے کام ہو رہا ہے ہمیں بھی اسی انداز سے کام کرنے کی ضرورت ہے، جدید تعلیم یافتہ طبقہ ہمارے ملک میں دینی تعلیمات سے بالکل بے خبر رہتا ہے اس لئے کہ ہماری تعلیم کی بنیاد دین پر نہیں، مصر وشام ان بلاد میں جدید تعلیم یافتہ طبقہ آٹھ سال تک جس تعلیم سے

بہرہ ور ہوتا ہے اس کی بنیاد دین اسلام پر ہے، اس لئے وہ دینی معلومات اور اسلامی تعلیمات سے بڑی حد تک باخبر رہتا ہے، آئندہ کالجوں اور یونیورسٹیوں میں جاکر البتہ کسی شعبے کو اختیار کر لیتا ہے، لیکن دینی معلومات سے بقدر ضرورت واقفیت ہوتی ہے، افسوس کہ ہمارے ملک میں اب تک جو نظام تعلیم رائج ہے وہ بالکل اس سے مختلف ہے، اس لئے ہمارے قدیم طرز کے علماء اور جدید تعلیم یافتہ حضرات میں قدر مشترک مفقود ہے جس کی وجہ سے اختلاف کی خلیج زیادہ وسیع ہوگئی ہے۔

بہر حال ہمارے ملک میں بڑی ضرورت ہے کہ فقہ اسلامی کی جدید تدوین کے ذریعہ جو قرآن وسنت اور حضرت حق جل ذکرہٗ اور حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے منشاء کے مطابق صالحین کے موروثہ اثاثہ کی روشنی میں کی جائے، جدید پیدا شدہ مسائل کا حل تلاش کر کے فیصلہ کر دینا چاہیے تاکہ دین اسلام کا مضبوط اور حسین وجمیل قلعہ قیامت تک اعداء اور اغیار کے حملوں سے محفوظ رہے، مشکل سب سے بڑی یہ ہے کہ ہم یورپ کے جدید معاشی واقتصادی نظام اور معاشرتی نظام کو پہلے ہی سے اپنا لیتے ہیں اور پھر چاہتے ہیں کہ جوں کا توں یہ پورا نظام اسلام کے اندر فٹ ہو جائے یہ کیسے ممکن ہے، اس لئے کہ جس معاشرے کی بنیاد میں نہ عفت ہو، نہ عصمت، نہ حیا ہو نہ شرم، نہ حلال وحرام کی تمیز ہو، مرد وعورت کا آزادانہ اختلاط ہو، کلبوں اور سینماؤں کی دنیا ہو، شراب وقمار کا مشغلہ زندگی کا جزء لاینفک بن چکا ہو، سودی کاروبار تجارت کا جزء ہو، اس کا اللہ تعالیٰ کے اس قانون سے کیا جوڑ لگ سکتا ہے جہاں حیاء کو ایمان کا جزء بتلایا گیا ہو، غضِ بصر کا حکم ہو، شہوانی زندگی پر پابندی ہو، زنا وشراب پر درّے لگنے کا حکم ہو، یا سنگسار کرنے کا قانون ہو، پردہ اور حجاب کا حکم ہو، مرد وعورت کے اختلاط کی ممانعت ہو، شہوت کی نگاہ کو مسموم تیر سے تشبیہ دی گئی ہو، الغرض جس معاشرے کے کمالات وتمدن کے طریقے وہاں جرائم ہوں، تعزیرات وحدود اس پر لگائے گئے ہوں دونوں میں کیسے مصالحت ہوسکتی ہے؟ اس لئے خدائے تعالیٰ کی اس آخری نعمت دین اسلام کے صالح نظام کی حفاظت جوامت کے ذمہ فرض ہے اگر آپ کا ادارہ جس کو مالی ومادی ہر طرح کے وسائل حاصل ہیں یہ خدمت انجام دے سکے تو دنیا میں بھی اس کی عزت ہوگی اور آخرت میں اللہ تعالیٰ کی قبولیت کی خلعت سے سرفرازی ہوگی، نیز اس کی ضرورت ہے کہ ادارہ تحقیقات اسلامی موجودہ نظام تعلیم کی اصلاح کے لئے بھی قدم اٹھائے۔

اور میٹرک تک تعلیمی نظام میں تعلیمات اسلام کا اتنا حصہ آ جائے کہ اگر آگے چل کر تعلیم دین نہ حاصل کر سکے تو تب بھی سچا و پکا مسلمان رہ سکے ٭اس ادارے کے ڈائریکٹر کا پہلا فرض یہ ہے کہ صحیح مقاصد متعین کرنے کے بعد ادارے میں صالح ومتقی، باکمال اشخاص وافراد کا تقرر کرے، جن میں ان مقاصد کی تکمیل کی پوری اہلیت اور جذبہ ہو، افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ ہماری کرم فرما حکومت نے ایک اعلیٰ ترین خدمت اور اونچے منصب کے لئے مشاورتی کونسل قائم کردی، لیکن جن افراد کا انتخاب اس میں کیا گیا ہے ان میں سے اکثر اس کی اہلیت سے عاری ہیں، بلکہ بعض تو وہ افراد ہیں کہ اسلامی نظام کے ساتھ ان کا علاقہ ورابطہ وہی ہے جو مستشرقین اعداء اسلام کا اسلام

کے ساتھ ہے، موجودہ وقت کا سب سے بڑا فتنہ یہ ہے کہ ارباب حکومت اور علماء امت میں کوئی رابطہ نہیں ہے، بلکہ جانبین میں بے اعتمادی بلکہ بداعتمادی کے خیالات جاگزیں ہیں۔ ادارہ تحقیقات اسلام کو اس طرف بھی توجہ کرنی چاہیے کہ یہ فتنہ ختم ہو جائے نہ یہ کہ اس کی پرورش ہوتی رہے۔

آج دنیا اسلام کے محاسن سے فائدہ اٹھا رہی ہے لیکن مسلمان اس نعمت سے محروم ہوتے جاتے ہیں، یورپ والے اسلام کی ظاہری خوبیوں کی بدولت دنیا کی عزت ووجاہت سے متمتع ہو رہے ہیں، راست بازی، راست گوئی، معاملات کی صفائی، اجتماعی روح، انسانی ہمدردی وغیرہ وغیرہ جو اسلام کی تعلیمات تھیں، آج دنیا کی حیثیت سے یورپ والے اپنا رہے ہیں، اگر مسلمان اسلامی روح وجوہر کے ساتھ ان پر عمل کریں تو دنیا وآخرت دونوں میں کامیابی ان کے ہمکنار ہوگی، مسلمان ان باتوں پر اللہ تعالیٰ کی رضامندی کے لئے اور آخرت کے تصور سے عمل کرتا ہے، غیر مسلم صرف دنیا کی حیثیت سے عمل کرتا ہے، ظاہری صورت اگرچہ ملتی جلتی ہے لیکن حقیقت میں بڑا فرق ہے حدیث میں آتا ہے:

"لا یبقی بیت و بر ولا مدر الا ادخله الله الاسلام بعز عزیز وذل ذلیل"(۱)

یعنی کوئی آبادی متمدن وغیر متمدن ایسی نہیں رہے گی جہاں اسلام نہ پہنچے خواہ لوگ چاہیں یا نہ چاہیں۔

ہمارے حضرت شیخ امام العصر مولانا محمد انور شاہ کشمیریؒ فرماتے تھے کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ اسلام کی خوبیوں کو دیکھ کر دنیا کے مذاہب اپنے اپنے مذاہب کی اصلاح پر مجبور ہوں گے اور اسلام کے بہت سے محاسن اپنا لیں گے، اس وقت کا سب سے اہم کام یہ ہے کہ نئی نسل کو اسلام سے روشناس کرائیں اور اسلام کے محاسن ان کے سامنے لائیں، تاکہ اسلام سے ان کو محبت وتعلق پیدا ہو جائے، انہی مقاصد کے پیش نظر پاکستان کے حصول کی کوشش کی گئی تھی لیکن افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ پاکستان اپنے نصب العین سے کتنا دور ہوتا چلا گیا، ہماری سب کی مشترکہ کوشش ہونی چاہیے کہ ملک دنیاوی قوت وشوکت کے ساتھ معنوی وروحانی طاقت سے بہرہ ور ہو، اور ظاہر وباطن ہر طرح پاکستان کی یہ خوشنما عمارت "تسر الناظرین" کا مصداق بن جائے، میں سمجھتا ہوں کہ یہ فتنوں کا بڑا نازک دور ہے، اگر ذرا اخلاص سے کام کیا جائے تو بہت زیادہ ثمرات ظاہر ہوں گے، افسوس کہ مسلمانوں میں آج اخلاص، عزم، دیانت، امانت، تندہی، محنت وجفاکشی جیسی بہترین خصوصیات جو مسلمانوں کے امتیازی نشان تھے ختم ہو رہے ہیں، ان اخلاق کی جگہ نفاق، خودغرضی، خیانت، بے ہمتی، راحت طلبی، تن آسانی جیسے مہلک امراض پیدا ہو گئے ہیں، اگر آپ کا یہ ادارہ اخلاص کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے لئے کام کرے تو ہم ہر قسم کے تعاون کے لئے آمادہ ہیں، یہی تو ہماری زندگی کا نصب العین ہے اور اگر خدانخواستہ یہ ادارہ اسلام کی بیخ کنی کرے تو ہم تعاون تو کیا جو کچھ اس کے خلاف کر سکیں گے کریں گے، سیاہی کا سب سے بڑا کارنامہ یہ ہوتا ہے کہ جس مقصد کے

(۱) مشکوۃ المصابیح، کتاب الایمان، الفصل الثالث ص:۱۶، ط: قدیمی

لئے اس کا تعین ہو وہ وہ اپنی جان قربان کردے، ایک خادم دین کے سامنے دین و مذہب جان و مال سے زیادہ عزیز ہونا چاہیے، بہر حال اس دین کی حفاظت ہمارا نصب العین ہے، اس نصب العین کی حفاظت کی خاطر ہم ہر قربانی کے لئے تیار ہیں:

''ہر چہ بادا باد ما کشتی در آب انداختیم''

ہم بوریہ نشینوں کی مختصر زندگی ہے اس کے لئے زیادہ فکر کی ضرورت نہیں، جس وقت آپ کا ماہنامہ ''فکر و نظر'' وجود میں آیا مضامین دیکھ کر بہت مایوسی ہوئی کہ خدا خیر کرے کہ ایک نیا فتنہ اور ظاہر ہوا ہے لیکن آج کی ان مجلسوں سے کچھ توقع ہوگئی ہے کہ شاید رخ صحیح ہو سکے۔

یہ چند باتیں تھیں جو صفائی کے ساتھ ''الدین النصیحة'' کے پیش نظر آپ حضرات سے عرض کر دیں۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہماری نیتوں و اعمال دونوں کی اصلاح فرما کر اپنی مرضیات کی توفیق نصیب فرمائے۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

اس تقریر کے ختم کے بعد جناب ڈاکٹر فضل الرحمن صاحب نے شکریہ ادا کیا اور یقین دلایا کہ ہم کوشش کریں گے کہ موزوں افراد کا انتخاب کریں اور دراصل یہ کام علماء کا ہے کہ وہ فقہ اسلامی کی تدوین کریں اور جدید معاشرے کو بتائیں کہ یہ کام اس طرح چل سکے گا(۱)، اور انشاء اللہ تعالیٰ ہماری نیتوں میں فرق نہیں پائیں گے۔

[ربیع الثانی ۱۳۸۴ھ]

چند حقائق اور توجہ طلب باتیں

① ہر طبیعت، ہر مزاج، ہر عقل، ہر فکر کے لئے قدرت ازلیہ نے ایک محدود و معین معیار مقرر فرما دیا ہے، ہر چیز کی پرواز اسی حد تک ہوگی جو قدرت الٰہیہ نے ازل سے اس کے لئے ٹھیک ٹھیک اندازہ کے مطابق تجویز فرمادی۔ ذلك تقدير العزيز العليم۔

علیٰ ہذا ہر فن اور ہر علم کا ایک خصوصی اثر ہے، پھر اس علم و فن کی کثرت و مزاولت اور استمرار کے ساتھ اس کے مطالعہ درس و تدریس کا بھی ایک خاص اثر ہے، اسی طرح ماحول کے اثرات، تربیت کے اثرات، معاشرت کے اثرات بھی مستقل خصائص رکھتے ہیں۔

ان گونا گوں عوامل کے ہوتے بہت مشکل ہے کہ ایک انسان جس کی طبیعت میں تاثر و انفعال کا خاصہ قدرت نے خلقۃً رکھا ہوا ہے بالکلیہ اپنے معاشرہ اور ماحول کے اثرات سے محفوظ رہ سکے، ہاں کبھی کبھی قدرت الٰہیہ

---

(۱) مقصد تو یہی ہے کہ آپ کا ادارہ اس مقصد کے لئے جید علماء کا انتخاب کرے اور یہ کام اپنی نگرانی میں ان سے کرائے، حضرات علماء کے پیش نظر تو عرصہ سے یہ کام ہے ہی لیکن وسائل کے نہ ہونے سے وہ اب تک اس کی تکمیل نہیں کر سکے ہیں۔

المعی قسم کی غیر معمولی اور خارق العادہ مثالی ہستیوں کو پیدا فرما کر ارادہ الٰہی کے "فوق کل شیئ" ہونے کا اظہار فرماتی رہی ہے، اسی کا نام قدرت الٰہی کا معجزہ ہوتا ہے، اسی نظامِ اسباب وعادت کی جانب اشارہ کرنے کے لئے سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں:

"اذ سمعتم بجبل زال عن مكانه فصدقوه واذا سمعتم برجل زال عن خلقه فلا تصدقوه". (۱)

اگر تم سنو کہ کوئی پہاڑ اپنی جگہ سے ہٹ گیا تو یہ ممکن ہے اس کی تصدیق کر سکتے ہو اور اگر تم سنو کہ کوئی شخص اپنی فطرت سے ہٹ گیا تو یہ ناممکن ہے اس کی تصدیق مت کرو۔

② اگر آپ چاہیں کہ مادر زاد نابینا کو سرخ وسفید، کالے پیلے، مختلف قسم کے رنگ والوان کے باہمی امتیازات سمجھا دیں اور وہ سمجھ لے تو یہ ناممکن ہے، اس میں اس تمیز کی اہلیت ہی نہیں، اگر آپ چاہیں کہ "اخشم" جس کی قوت شامہ (سونگھنے کی قوت) مفقود ہو، کو بدبو، خوشبو اور گلاب، کیوڑہ، خس کی خوشبو کا فرق سمجھا دیں تو یہ ناممکن ہے، علی ہذا القیاس۔

③ اگر یہ حقائق یقینی ہیں اور درست ہیں تو بتلائیے کہ کیا اس کا امکان ہے کہ جو شخص نعمت ایمان سے، اہل ایمان کی صحبت سے، ماحول سے، معاشرہ سے بالکل محروم ہے، آپ اس کو حلاوت ایمان سے آشنا کرا سکیں؟ جو شخص مومن نہیں آپ اس کو کیسے سمجھا اور باور کرا سکتے ہیں کہ ایک مومن کامل کو سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم سے کیسی عقیدت ہوتی ہے اور کیسی محبت اور کیسا قلبی تعلق ہوتا ہے اور کس درجہ کا والہانہ عشق، جو شخص ایمان سے محروم ہو، ایمانی معاشرت سے محروم ہو، اسلامی تہذیب وتمدن سے عاری ہو، اسلامی طرز فکر سے بے مایہ ہو، علوم نبوت کی تعلیم وتعلم کی اسے ہوا تک نہ لگی ہو، حدیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا علم اور مزاولت اس کو میسر نہ آئی ہو، علم اصول حدیث، علم اسماء الرجال سے بے خبر ہو، نہ اصل حاملین حدیث، صحابہ وتابعین کی زندگی اور نفسیات سے واقف ہو، نہ ان کی فوق العادہ حرص حفاظت حدیث اور قوت حفظ سے، بھلا وہ محروم وبے بہرہ انسان کیا اندازہ لگا سکتا ہے کہ حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ذخیرہ کیوں کر محفوظ ہوا؟ اور سنت رسول علیہ الصلوۃ والسلام کس طرح سینہ بسینہ منتقل ہوئی؟ پھر جس کی نیت بھی صحیح نہ ہو، نگاہ بھی کج ہو، شکوک وشبہات اور اوہام وخیالات فاسدہ سے ذہن بھی ماؤف ہو چکا ہو، کیا اس کا امکان ہے کہ وہ محدثانہ علوم، محدثانہ ذوق، محدثانہ بصیرت کا صحیح ادراک کر سکے؟ اور نیت کی خرابی تو ایسی تباہ کن بنیاد ہے کہ اس پر قائم شدہ تحقیق ونظریات کی پوری عمارت کے ایک دم گر جانے کا خطرہ ہر وقت لگا رہتا ہے، عداوت وعناد تو جحود وانکار سے بھی زیادہ خطرناک اور لاعلاج مرض بلکہ روگ ہیں، یہی وہ مقام ہے جس پر پہنچ جانے کے بعد ﴿طُبِعَ عَلَى قُلُوْبِهِمْ فَهُمْ لَا يَفْقَهُوْنَ﴾ [المنافقون: ۳] کی مہر لگ جاتی ہے اور

(۱) مسند احمد بن حنبل، ومن حديث ابی الدرداء عويمرؓ ج:٦ ص٤٤٣: ط: عالم الكتب بيروت

﴿خَتَمَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ وَعَلٰى سَمْعِهِمْ وَعَلٰى اَبْصَارِهِمْ غِشَاوَةٌ﴾ [البقرة: ۷] کی مہر لگ جاتی ہے اور پھر ﴿لَهُمْ قُلُوْبٌ لَّا يَفْقَهُوْنَ بِهَا﴾ [الاعراف: ۱۷۹] ان کا طرۂ امتیاز بن جاتا ہے۔

مستشرقین نے آج تک جو علوم اسلامیہ پر ریسرچ کی ہے اور کرتے رہتے ہیں، خواہ وہ جدید ہوں، یا قدیم، گولڈزیھر ہو یا شاخت، آربری ہو یا ولسن، ان سب کے متعلق یہی فطری اور نفسیاتی حقائق ہیں جن کو پیش نظر رکھ ان کی تحقیقات کو پڑھنے اور غور کرنے کی ضرورت ہے۔

اسی طرح ہماری نسل کے مفکرین و محققین جو انہی مستشرقین اور یورپین مصنفین کی گودوں میں پلے ہوئے اور انہی کی زیر تعلیم وتربیت طرزِ تفکر و تحقیق سیکھے ہوئے اور ان ہی کی ریزہ چینی اور زلہ ربائی سے ان کے دماغوں اور ذہنوں کی نشوونما ہوئی ہے۔ مزید برآں گراں قدر وظائف لے کر ان کے رہین منت بھی رہ چکے ہیں، ان سے حدیث وسنت رسول اللہ کے متعلق کسی کلمہ حق اور کلمہ خیر کی کیا توقع ہو سکتی ہے؟ سب سے زیادہ خطرناک امر یہ ہے کہ یہ مستشرقین اور انگریز مصنفین جن کے رگ وریشہ میں اسلام سے عداوت و کینہ اور جذبہ انتقام پیوست ہو چکا ہے، انتہاء درجہ زیرک و چالاک واقع ہوئے ہیں، ان کا واحد مقصد مسلمانوں کی نئی نسلوں کو لادینی کا شکار بنانا ہے، اس لئے اسلام اور مسلمانوں کے انتہائی ہمدرد اور خیرخواہ بن کر ان کے ایمان پر ڈاکے ڈالتے ہیں اور ان سے رہنمائی کے نام سے رہزنی پر مسلمانوں سے ہدیہ تشکر و امتنان بھی وصول کرتے ہیں، استغفر اللہ العلی العظیم۔

حدیث کے بعد قرآن

یادش بخیر ہمارے دوست ڈاکٹر فضل الرحمن صاحب ڈائرکٹر ''مرکزی ادارہ تحقیقات اسلامی'' کی ایک اور جدید تحقیق بھی سامنے آ گئی اب سے کچھ دن پہلے تو ڈاکٹر صاحب موصوف نے ۹۰ صفحات کا ایک طویل مقالہ تصور سنت اور تحریک حدیث کے عنوان سے سپرد قلم فرمایا تھا، جس کا مقصد تقریباً انکار حدیث تھا، ہم اس پر کچھ لکھنے کی فکر میں تھے کہ ڈاکٹر صاحب نے یہ اطمینان دلا کر ہمیں خاموش کرنے کی سعی کی کہ اس میں کچھ حصے میرے منشا کے خلاف ترجمہ ہو گئے ہیں، عنقریب ان کی وضاحت کرنا چاہتا ہوں، آپ انتظار کریں ''المؤ من غر کریم'' (مسلمان شریف اور بھولا بھالا ہوا کرتا ہے) ہم خاموش ہو کر چشم براہ تھے کہ کب اس کی وضاحت ہوتی ہے ہم نے سوچا کہ بمصداق ''وكفى الله المؤمنين القتال'' خود ڈاکٹر صاحب اپنی غلطیوں اور خامیوں کی تردید فرما دیں تو اچھا ہے، لیکن ہمیں معلوم ہوا کہ دوسری طرف ڈاکٹر صاحب اپنے حلقہ احباب و رفقاء کو یہ یقین دلاتے رہے کہ دیکھئے مولوی صاحبان سب خاموش ہیں، فانا للہ!

آخر مجبور ہو کر اور بسم اللہ کہہ کر ہم نے مقالہ تصور سنت و تحریک حدیث پر قلم اٹھانا چاہا تھا کہ ماہ اکتوبر ۱۹۶۴ء کے ماہنامہ ''فکر ونظر'' میں ایک نیا شگوفہ سامنے آیا، عنوان تو ہے ''قرآن کی ابدیت'' لیکن معنون

(ماحصل) ہے قرآن کی عدم ابدیت ''برعکس نام زنگی نہند کافور'' مثل مشہور ہے۔

ارشاد ہوتا ہے:

''درحقیقت ابدیت ان علل و غایات کو حاصل ہے جو قرآنی احکام کی تہہ میں ہیں اور جو ہمیشہ قرآن سے صراحۃً یا کنایۃً یا سیاقاً اخذ کئے جا سکتے ہیں''۔

فرمایئے! اب پرویز صاحب اور ڈاکٹر صاحب میں کیا فرق رہا؟ پھر یہ باہمی ''جنگ زرگری'' کیوں ہے؟

بطور مثال زکاۃ کو مالی ٹیکس اور نصاب شہادت میں عورت کو مرد کے مساوی قرار دے کر ڈاکٹر صاحب قرآن کی قطعی نصوص میں ترمیم فرماتے اور اس کو عین منشاء قرآن بتلاتے ہیں۔ پرویز صاحب نماز، روزہ کو اسی لائن میں شمار کر چکے، یعنی ترمیم و تنسیخ کا تختۂ مشق بنا چکے ہیں آخر'' تشابهت قلوبهم ''قاتلهم الله انى يؤفكون'' کی اس سے بڑھ کر اور کیا مثال ہوگی۔

گویا اللہ تعالیٰ نے یہ احکام نازل فرمانے کے وقت ان حضرت کو مشورہ میں شریک کر لیا تھا اور اپنا منشا بتلا دیا تھا کہ ان احکام کی علت غائی و مصلحت یہ ہے، نیز ان احکام کی یہ محض ظاہری صورت ہے ان کی روح وہ ہوگی جو تم بیان کرو گے، نیز یہ ہنگامی اور وقتی احکام ہیں، اس عبوری دور کے لئے ہیں، آگے چل کر ہر دور میں عصری تقاضوں کے مطابق ان کی تعبیر و تشریح کا تمہیں اختیار ہے۔ علت و غایت کو سامنے رکھ کر مصالح وقت اور ظروف و احوال کے مقتضیٰ کے مطابق ان میں ترمیم و تنسیخ ہوتی رہے گی۔ العياذ بالله ، استغفر الله العظيم۔

کیا قرامطہ اور باطنیہ نے اپنے اپنے دور میں یہی کچھ نہیں کہا تھا اور یہی کچھ نہیں کیا تھا؟ اس ماءِ مہین سے پیدا شدہ مضغۂ لحم کی یہ پرواز ''تفو برتو اے چرخ گرداں تفو'' عالم الغیب اور احکم الحاکمین کے علم و حکمت کو اپنی بے مایہ و کثیف عقل کے پیمانہ سے ناپتا ہے! نصوص صریحہ، قرآن کی علل و غایات کی خود تعیین کرتا ہے اور ان کو قطعی اور ابدی قرار دے کر صریح نصوص و احکام خداوندی پر خط ترمیم و تنسیخ کھینچتا ہے؟ اور اس پر طرّہ یہ ہے کہ اس کو عین منشاء الٰہی بتلاتا ہے۔ ''بسوخت عقل ز حیرت کہ ایں چہ بوالعجبی است'' کیا پدی اور کیا پدی کا شوربہ۔

یہ عقل و خرد کے فقیر تو اتنا بھی نہیں جانتے کہ اللہ تعالیٰ علام الغیوب ہے اور اس کا علم تمام کائنات پر محیط ہے، ازل سے ابد تک کے انسانی تقاضے اور بدلتے ہوئے حالات و ظروف سب اس کے سامنے ہیں، پھر وہی خالق ہے وہی مدبر، مخلوق کی گوناگوں اور متنوع و متجدد حاجات و ضروریات کو اس سے زیادہ کون جان سکتا ہے اور اس سے بہتر ان کی تدبیر کون کر سکتا ہے؟ قدرت بھی اس کی کامل ہے، اختیار بھی تام ہے، حسب مصلحت تدبیر و تصرف سے بھی کوئی مانع نہیں، ان حقائق پر ایمان رکھنے کے بعد کیسے کوئی جرأت کر سکتا ہے کہ ان نصوص صریحہ پر بدلے ہوئے حالات و ظروف کا نام لے کر خط تنسیخ پھیرے اور ساتھ ہی ان کی علل و غایات پر عمل کرنے کا مدعی بلکہ علمبردار بھی ہو۔

اور پھر یہ ظروف و احوال اور ان پر مبنی علل و غایات تو ہمیشہ بدلتی رہیں گی آج پرویز صاحب اور ڈاکٹر

صاحب نے یہ علت و غایت بتلائی ہے کل کوئی اور نئے پرویز اور جدید ڈائرکٹر صاحب اور کوئی علت و غایت بتلائیں گے اس کا لازمی نتیجہ یہ نہ ہوگا کہ آیات قرآنیہ اور نصوص ربانیہ بازیچہ اطفال بن کر رہ جائیں گی؟

یہ علم و بصیرت سے تہی دامن مساکین اتنا بھی نہیں جانتے کہ نماز، روزہ، زکاۃ اور حج خالص عبادات ہیں، بذات خود مطلوب ہیں، اصل مقصد اللہ جل ذکرہٗ کی عبادت و عبودیت ہے، یہی اصل روح عبادت ہے اور یہی ان احکام کی علت و غایت ہے، شارع علیہ الصلوۃ والسلام نے ان کی جو صورت اللہ تعالیٰ کے حکم سے مقرر فرمادی ہے اس میں سرمو ترمیم و تنسیخ اور تغیر و تبدل کی مطلق مجال نہیں، عبد (بندہ) کا کام معبود کی اطاعت و فرمان برداری ہے، بندہ کو جس طرح حکم ملا ہے آقا کی اطاعت ہو بہو اسی طرح کرنی ہوگی، بندہ اس کی علت و غایت سمجھنے کا نہ مامور ہے نہ مکلف، نہ اس کی عقل کی رسائی وہاں تک ممکن ہے، نہ ہی وہ اس کا مجاز ہے کہ اس کے مماثل یا اس سے بہتر کوئی اور صوت اپنی عقل و فہم سے تجویز کرے۔

یاد رکھئے! کسی عبادت کا قلب و قالب جسم و روح، ظاہر و صورت و معنی سب حضرت حق جل و علا کی طرف سے تجویز و متعین کردیئے گئے ہیں، ان جاہلوں کو اتنا بھی نہیں معلوم کہ علت کسے کہتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے افعال معلل بالاغراض ہو بھی سکتے ہیں یا نہیں؟ اور جن کو یہ علت کہہ رہے ہیں وہ علت ہیں بھی یا نہیں؟ زیادہ سے زیادہ ان کو حکمت و منفعت کہا جاسکتا ہے اور حکمت و منفعت بھی وہ جس کو اپنی عقل نارسا سے دریافت کرسکا ہے۔

نماز اللہ تعالیٰ کی ایک عبادت ہے، یہی اس کی علت غائیہ ہے، نہ یہ کہ نماز نظم و ضبط کا عادی بنانے کے لئے ایک ورزش و ریاضت ہے، لہٰذا انسان کو حق حاصل ہے کہ جب چاہے اور جس طرح چاہے اور ہر دور میں جو وقت کا تقاضا ہو اس کے مطابق اس کی صورت تبدیل کرے۔ یہ دوسری بات ہے کہ اس عبادت میں یہ منفعت بھی رکھ دی گئی ہے جو انسان نے اپنی عقل کے مطابق سمجھی ہے۔

اسی طرح روزہ اللہ تعالیٰ کی ایک بدنی عبادت ہے مخصوص زمانہ میں معین وقت تک کے لئے ان مفطرات و مفسدات سے انسان کو منع کردیا جاتا ہے جو اس کے طبعی تقاضے ہیں، اسی پابندی میں اس کی آزمائش ہے اور یہی مطلوب ہے اور یہی روزہ کی علت غائیہ ہے، یہی وجہ ہے کہ اگر بالارادہ اور عمداً ایک ماشہ کی مقدار بھی کوئی چیز کھالی تو روزہ ٹوٹ گیا اور وہ شخص گناہ کبیرہ کا مرتکب ہوگیا، کفارہ بھی لازم آئے گا اور توبہ بھی کرنی ہوگی، تب جاکر اس جرم کی اخروی سزا جہنم سے بچنے کی توقع ہوسکتی ہے، یہ سب کچھ کیوں ہے؟ صرف اس لئے کہ اس نے عمداً خدا کی نافرمانی کا ارتکاب کیا ہے، اور اگر بھول چوک سے پیٹ بھر کر بھی کھالے گا روزہ نہیں ٹوٹے گا اور یہ شخص روزہ دار رہے گا، صرف اس لئے کہ اس نے عمداً خدا کی نافرمانی نہیں کی اور یہ جو شکم سیر ہو کر کھایا ہے یہ منجانب اللہ ضیافت خاصہ اور مرحمت الٰہیہ تصور کی جائے گی، جبکہ پہلی صورت میں ایک ماشہ غذا بھی اللہ کے غضب کا موجب تھی یہ کیوں؟ صرف اس لئے کہ مدار فرمان برداری اور نافرمانی ہے، نہ کوئی مصلحت پیش نظر ہے نہ کوئی علت معتبر ہے۔

اسی طرح زکاۃ اللہ جل شانہٗ کی ایک مالی عبادت ہے، اس کی شرح نصاب اور اموال زکاۃ خود شارع علیہ الصلاۃ والسلام نے اللہ تعالیٰ کے حکم سے مقرر فرما دیئے ہیں، مصارف زکاۃ اور مستحقین بھی متعین کر دیئے ہیں، اس کی علت محض عبادت اور تعمیل حکم ہے اور بس یہ کہ اس سے فقراء کی حاجات پوری ہوتی ہیں، یہ اس امت پر محض اللہ تعالیٰ کی مرحمت ومکرمت ہے ورنہ امم سابقہ میں زکاۃ اور صدقات سے انتفاع قطعاً ممنوع تھا، اس کو منفعت وحکمت تو کہہ سکتے ہیں علت ہرگز نہیں کہا جا سکتا۔

بہرحال زکاۃ محض ایک عبادت ہے، یہی وجہ ہے کہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد ان لوگوں سے جنہوں نے زکاۃ کو ایک مالی ٹیکس سمجھ کر ادا کرنے سے انکار کر دیا تھا، جہاد کرنے کا حکم دے دیا اور فرمایا: ''جو شخص بھی نماز اور زکاۃ میں تفریق کرے گا، یعنی نماز کو تو عبادت سمجھے گا اور زکوٰۃ کو عبادت نہ سمجھے گا تو میں اس سے ضرور جنگ کروں گا''، فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے پہلے تو کچھ مخالفت کی لیکن جلد ہی حقیقت حال سمجھ کر حضرت ابوبکر صدیقؓ سے اتفاق کر لیا اور مانعین زکاۃ سے قتال اور جنگ کرنے پر تمام صحابہ کا اتفاق اور اجماع ہو گیا(۱)، اگر زکاۃ کی علت صرف حکومتی ٹیکس ادا کرنا تھا تو وہ تو کہتے تھے کہ ''اب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد جو ہمارے قبائلی سردار اور حکمران ہوں گے ہم ان کو زکاۃ ادا کریں گے'' علاوہ ازیں تیرہ سو سال سے امت برابر زکاۃ وصدقات کو ایک مالی عبادت سمجھ کر شریعت کے مقرر کردہ طریق پر ادا کرتی چلی آ رہی ہے، اگر یہ مالی ٹیکس ہوتا تو ظاہر ہے کہ ہر حکومت اپنے اپنے عہد میں اپنی صوابدید کے مطابق اس کی شرح مقرر کرتی اور حسب مصلحت اپنی ضروریات اور سرکاری مصارف میں صرف کرتی، نہ شرح زکاۃ محدود ومتعین ہوتی اور نہ مصارف ومستحقین کی تحدید وتعیین ہوتی، لیکن آج تک پورے اسلامی دور میں دنیا کے تمام ممالک اسلامیہ میں کسی بھی حکومت وحکمران بلکہ کسی بھی مدعی اسلام نے یہ جرأت نہیں کی کہ زکاۃ کو ایک مالی ٹیکس کہہ کر اس کی شرح یا اموال زکاۃ میں تغیر وتبدل کا نام تک لے بلکہ حاکم ومحکوم سب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مقرر فرمودہ اموال میں سے مقررہ شرح کے مطابق اغنیاء سے زکاۃ لیتے اور فقراء کو دیتے چلے آتے ہیں۔

کیا موجودہ حکومتوں کا پیٹ دور حاضر کے ان جاں گسل اور خون آشام گوناگوں ٹیکسوں سے نہیں بھرتا، جن کے بارِ گراں سے قومیں کراہ رہی ہیں اور ان کی صلاحیتیں اور اہلیتیں ختم اور فنا ہو رہی ہیں اور اس ظلم وجور سے بچنے کے لیے غیر قانونی تدبیروں کے اختیار کرنے پر مجبور ہو رہے ہیں کہ کسی طرح ان ٹیکسوں کی گراں بار شرح سے بچ سکیں اور مضطرانہ جدوجہد میں ضمیر، دین ودیانت اور اخلاق کی حدود سے تجاوز کر کے تباہ ہو رہے ہیں، کیا یہ کافی نہیں ہے کہ اب زکاۃ وصدقات جو محض فقراء اور یتامیٰ کے لئے اللہ تعالیٰ نے حلال کئے ہیں ان کو بھی ٹیکس قرار دے

---

(۱) صحیح البخاری، کتاب الزکوۃ، باب وجوب الزکوۃ ج: ۱ ص: ۱۸۸، ط: قدیمی

کر شرح بڑھانے اور من مانے طریق پر خرچ کرنے کی غرض سے اپنے ایجنٹوں سے فتوے حاصل کر کے ضروریات دین میں تاویل وتحریف کی جارہی ہے، تاکہ حکمرانوں اور اراکین وافسران حکومت کی ہوس رانیوں اور غیر اخلاقی عیش کوشیوں کی تکمیل اور حرص وآز کے جہنم کو بھرنے کا سامان کیا جائے، فانا للہ وانا الیہ راجعون۔

اسی طرح حج اللہ جل جلالہٗ کی ایک مخصوص عبادت ہے، اللہ تعالیٰ کی تجلیات خاصہ کے مرکز قدیم بیت اللہ کی عاشقانہ زیارت اور مشتاقانہ طواف وسعی، برکات وسعادت اور رحمت ورضوان الٰہی کے خصوصی روحانی فیوض کے حصول کا ذریعہ ہیں، ان مشاہد مقدسہ میں حاضری اور اس طرز کی والہانہ عبادات دلوں کے تزکیہ، روحوں کے تجلیہ اور ورع وتقویٰ کے حصول کے وسائل اور عبدیت کے کامل ترین مظاہر ہیں اور یہی اظہار عبدیت حج کی علت غائیہ ہے، یہ دوسری بات ہے کہ اس کے ذریعہ اور دوسرے انفرادی واجتماعی فوائد ومنافع بھی حاصل ہو جاتے ہیں، ایک مقدس خطہ زمین پر ہر سال تمام ممالک اسلامیہ وغیرہ اسلامیہ کے مسلمانوں کا اجتماع ہوتا ہے اس بے مثل عظیم اجتماع سے گوناگوں دنیاوی منافع بھی حاصل کئے جاسکتے ہیں لیکن اس کے باوجود یہ کہنا کہ اسلام میں حج درحقیقت ان عرب اور غیر عرب اقوام کی جو بیت اللہ کی عظمت کی قائل ہیں ایک ''سالانہ کانفرنس'' کے طور پر مقرر کیا گیا ہے اور یہی اسلامیانِ عالم کا سالانہ اجتماع حج کی علت غائیہ ہے صریح کفر ہے، العیاذ باللہ۔

قرآن حکیم تو تمام نوع انسانی کو خطاب کر کے اعلان کر رہا ہے:

﴿وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَيْهِ سَبِيْلاً﴾ [آل عمران:۹۷]

لوگوں پر محض اللہ کے لئے بیت اللہ کا حج فرض ہے جو سفر کرنے کی قدرت رکھتے ہوں۔

اور اللہ جل شانہٗ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو حکم فرمارہے ہیں:

﴿وَ اَذِّنْ فِى النَّاسِ بِالْحَجِّ يَاْتُوْكَ رِجَالاً وَّعَلٰى كُلِّ ضَامِرٍ يَّاْتِيْنَ مِنْ كُلِّ فَجٍّ عَمِيْقٍ﴾ [الحج:۲۷]

اے ابراہیم! تم لوگوں میں حج کا اعلان تو کر دو، لوگ پا پیادہ اور ہر نحیف ولاغر اونٹنی پر سوار، دور دراز وادیوں کے سفر طے کر کے ضرور آئیں گے۔

اسی لئے اس مقدس ترین عبادت کو ملت ابراہیمی اور دین محمدی کے شعائر میں شمار کیا گیا ہے، چنانچہ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: ''اگر باوجود استطاعت کوئی حج نہ کرے تو چاہے وہ یہودی مرے، چاہے نصرانی مرے، اللہ جل شانہٗ کو اس کی کوئی پرواہ نہیں''۔(۱)

(۱)سنن الترمذی،ابواب الحج عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم،باب ماجاء من التغلیظ فی ترک الحج ج:۱ ص:۱۰۰،ط:فاروقی کتب خانہ ملتان

اللہ تعالیٰ نے بھی اپنے نبی کی تائید میں فرمادیا:

﴿وَمَنْ كَفَرَ فَاِنَّ اللّٰهَ غَنِيٌّ عَنِ الْعٰلَمِيْنَ﴾ [آل عمران:۹۷]

اور جو نہ مانے تو اللہ تعالیٰ کو تو تمام جہان والوں کی بھی پرواہ نہیں۔

اگر ان خرد باختہ ملحدوں کے قول کے مطابق حج صرف مسلمانانِ عالم کی ایک سالانہ کانفرنس ہوتی تو حکومتوں کو اختیار ہوتا جہاں چاہتیں یہ اجتماع کراتیں، پھر اس وادی غیر ذی زرع کی کیا ضرورت تھی، اور کیوں پابندی ہوتی، کہیں وادیٔ کشمیر، یا سوئزرلینڈ جیسی سرزمین میں اس کا انعقاد ہوا کرتا، استغفر الله العلی العظیم۔

پس واضح اور قطعی طور پر سمجھ لیجئے کہ نماز عبادت ہے، ورزش ہرگز نہیں، روزہ عبادت ہے، حفظان صحت کی تدبیر ہرگز نہیں، زکاۃ عبادت ہے مالی ٹیکس ہرگز نہیں، حج عبادت ہے سالانہ کانفرنس ہرگز نہیں، ان چار عبادتوں پر دین اسلام کی عمارت اسی طرح قائم ہے جیسے کلمہ شہادت پر اور یہ پانچوں بناء اسلام کے اساسی ارکان ہیں، خاتم انبیاء سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کا اعلان ہے:

”بنی الا سلام علی خمس (۱) شهادة ان لا اله الا الله وان محمدا رسول الله (۲) واقام الصلاة (۳) وايتاء الزكاة (٤) وصوم رمضان (۵) وحج البيت“(۱)

اسلام کی بنیاد پانچ چیزوں پر رکھی گئی ① اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت ② نماز قائم کرنا ③ زکاۃ کو ادا کرنا ④ رمضان کے روزے رکھنا ⑤ بیت اللہ کا حج کرنا۔

جس طرح کلمہ شہادت یعنی اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت پر ایمان لانا ضروری ہے ٹھیک اسی طرح نماز، روزہ، زکاۃ اور حج، بعینہ اس متواتر شرعی صورت میں جس پر امت چودہ سو سال سے عمل کرتی چلی آرہی ہے کی فرضیت پر ایمان لانا بھی فرض ہے اور ان کو اللہ تعالیٰ کی عباداتِ عظمیٰ سمجھنا بھی فرض ہے، ان عبادات محضہ کو اللہ تعالیٰ کی محض عبادت نہ سمجھنا بھی کفر ہے، جس طرح سرے سے ان کا انکار کرنا کفر ہے، یہی حکم ان تمام نصوص قطعیہ اور ضروریات دین کا ہے جن پر چودہ سو سال سے امت کا اجماع ہے اور علی التواتر امت ان کو مانتی اور ان پر عمل کرتی چلی آرہی ہے، یہ دین کے وہ قطعی احکام ہیں جن میں انکار اور تاویل دونوں کفر ہیں، جس طرح نماز کو ورزش کہنا کفر ہے، حج کو کانفرنس کہنا کفر ہے، ٹھیک اسی طرح زکاۃ کو ٹیکس کہنا اور ایک عورت کی شہادت کو ایک مرد کے برابر کہنا بھی کفر ہے۔

---

(۱) صحيح البخاری، كتاب الايمان، باب قول النبی صلی الله عليه وسلم بنی الاسلام علی خمس ج:۱ ص:٦، ط: قديمی. الصحيح لمسلم، كتاب الايمان، باب بيان اركان الاسلام ودعائمه العظام ج:۱ ص: ۳۲، ط؛ قديمی

افسوس ہے کہ ان ڈاکٹروں اور ڈائرکٹروں کو نہ تو علماء دین سے علم دین حاصل کرنا نصیب ہوا، اور نہ صالحین ومتقین کی صحبت نصیب ہوئی، علم دین اگر سیکھا تو یورپین معلمین اور مستشرقین سے، اور وہ بھی دارالکفر اور کافرانہ ماحول میں اور صحبت نصیب بھی ہوئی تو کافروں اور اعداء ایمان واسلام کی، اور اعداء بھی ایسے شاطر اور فرزانہ جو دشمنی کریں دوستی کی شکل میں، ان عوامل ومحرکات کے نرغہ میں دارالکفر کی معاشرت اور کفار کی صحبت کے اثرات سے اسلامی فطرت کا مسخ ہو جانا لازمی اور لابدی امر ہے، سچ فرمایا اصدق القائلین صلی اللہ علیہ وسلم نے:

''کل مولود یولد علی الفطرة فابواه یهودانه او ینصرانه اویمجسانه''(۱)

ہر بچہ فطرت (سلیمہ) پر پیدا ہوتا ہے، پھر اس کے ماں باپ اس کو یہودی یا عیسائی یا مجوسی بنا دیتے ہیں۔

اور یہ تو ہمارا حسن ظن ہے ورنہ حقیقت تو یہ ہے کہ نیت ہی فاسد ہو چکی ہے، صرف علوم دینیہ سے جہل ہی نہیں ہے، بلکہ عمداً دین میں تاویلیں اور تحریفیں کر کے اس کی بیخ کنی کا بیڑہ اٹھا چکے ہیں، ایمان و دیانت کے متاع گراں مایہ کی نعمت ہی سے محروم ہو چکے ہیں۔

چونکہ عوام میں ہردلعزیزی مطلوب ہے، اس لئے کہ مسلمان بن کر اسلام کی جڑیں کھوکھلی کرنا چاہتے ہیں اور قرآن وحدیث کا نام لئے بغیر رائے عامہ کو اپنے لئے ہموار نہیں کر سکتے، اسلامی معاشرہ میں، اسلامی ملک میں صاف وصریح نصوص قرآنیہ کا انکار کرنے کی جرأت وہمت نہیں ہے، اس لئے چور دروازہ سے داخل ہو کر اور ابدیت قرآن کا نعرہ لا کر تاویلات وتحریفات کی راہ سے نصوص قرآن کی ابدیت کو مٹانے پر تلے ہوئے ہیں، درحقیقت یہ جدید ملاحدہ خواہ مستشرقین ہوں، خواہ ان کے چیلے مستغربین، ان سب کی کوشش یہی رہی کہ الحاد فی الدین اور تحریف دین کے نت نئے طریقے نکالیں اور ضروریات دین میں تشکیک وارتیاب کی راہ سے ارکانِ دین وایمان کی عظمت و عقیدت مسلمانوں کے دلوں سے ختم کریں اور اس پرفریب طریق پر اسلام اور مسلمانوں سے انتقام لے کر اپنے دلوں کو ٹھنڈا کریں، اس لئے ہم مجبور ہیں کہ اس پوشیدہ و پنہاں الحاد وزندقہ کا تار و پود بکھیر دیں اور ان مدعیان علم وعقل کے سامنے ان کے علم وعقل کا آئینہ رکھ دیں کہ دیکھو اس میں اپنے جہل کی مکروہ وقابلِ نفریں صورت۔

وباللہ التوفیق

وسیعلم الذین ظلموا ای منقلب ینقلبون

[دسمبر ۱۹۶۴ء۔رجب ۱۳۸۴ھ]

''بینات'' کے گذشتہ شمارے میں ڈاکٹر فضل الرحمن صاحب ڈائرکٹر ''مرکزی ادارہ تحقیقات اسلامی'' کی بعض آراء پر تبصرہ کیا گیا تھا کہ زکاۃ مالی عبادت ہے، حکومت کا ٹیکس نہیں، عبادت کی کمیت وکیفیت کی تحدید سے

---

(۱) صحیح البخاری، کتاب الجنائز، باب ماقیل فی اولاد المشرکین ج:۱ ص:۱۸۵، ط: قدیمی۔
الصحیح لمسلم، کتاب القدر، باب معنی کل مولود یولد علی الفطرة ج:۲ ص:۳۳۶، ط: قدیمی

عقلِ انسانی قاصر ہے، زیادہ سے زیادہ بعض نکات یا بعض جہات یا بعض منافع تک رسائی ہوجاتی ہے، لیکن وہ بھی حرف آخر نہیں ہوسکتا اس سلسلہ میں مزید تنبیہ کی ضرورت ابھی باقی ہے۔

یہ بات تو صاف ہوگئی تھی کہ زکاۃ حکومت کے مصارف پورے کرنے کے لئے نہیں بلکہ فقراء و مساکین کی حاجت روائی کا ذریعہ ہے، ممکن ہے کسی کو یہ خیال گذرے کہ اب موجودہ شرح اڑھائی فیصد اس مقصد کے لئے کافی نہیں ہوگی، اس لئے یہ بات پیش نظر رہے کہ زکاۃ صرف آمدنی پر نہیں بلکہ سرمایہ پر واجب ہے، اس حیثیت سے اموال کی شرح بہت بڑھ جاتی ہے، مثلاً پاکستانی بینکوں کے پاس تین ارب سرمایہ ہے جس سے وہ کاروبار چلا رہے ہیں، اب تین ارب کے مالکوں کو تین ارب ہی کی زکاۃ نکالنی ہوگی، نہ یہ کہ جو آمدنی مالکان کو ہوگی صرف اس کی زکاۃ نکالنی ہوگی، پھر کارخانوں میں تیار شدہ اربوں کا مالِ تجارت جو جمع ہوگا اس سب پر زکاۃ ہوگی، نہ صرف یہ کہ کارخانوں سے جو فروخت شدہ مال کی رقم ہے صرف اس پر زکاۃ واجب ہوگی، پھر شخصی طور پر گھروں میں تجوریوں میں، مضاربت شرکت وغیرہ کے ذریعہ جہاں بھی جو سرمایہ لگا ہوگا اس سب پر زکاۃ آئے گی، پھر گھروں میں جو زیورات کی شکل میں یا سونے چاندی کے برتنوں کی صورت میں جو سرمایہ ہوگا اس سب کی زکاۃ دینی ہوگی، مثلاً اگر قوم کی سالانہ آمدنی ایک ارب روپیہ ہے تو زکاۃ اڑھائی کروڑ ہوگی، لیکن کل سرمایہ جو بینکوں میں جمع ہے، یا کارخانوں میں بشکل مالی تجارت موجود ہے، یا دکانوں میں جو مال موجود ہے، یا گھر میں زیورات ہیں ان سب کی جتنی مالیت ہے اس سب پر زکوۃ واجب ہوگی، دیکھئے اس طرح سرمایہ اور آمدنی کی تناسب میں کتنا بڑا تفاوت ہو گیا، اگر آمدنی ایک ارب ہے تو سرمایہ دس ارب ہوگا، اور دس ارب کی زکاۃ پچیس کروڑ ہوگی، اسی لئے یہ بالکل یقینی امر ہے کہ اگر صحیح شرعی طریقے سے زکاۃ ادا کی جائے تو ناممکن ہے کہ دنیا میں فقیر کا نام بھی باقی رہے، اس لئے جب زکاۃ کے بارے میں یہ خیال آئے کہ شاید اس زمانے میں یہ شرح کافی نہ ہوگی تو اس وقت فوق الذکر مدت اور ان کے فرق کو ضرور پیش نظر رکھنا چاہیے، پھر زکاۃ جو فقراء کا حق ہے وہ صرف نقد سرمایہ اور اموال تجارت ہی میں محدود نہیں ہے بلکہ زرعی پیداوار کی آمدنی میں بھی عشر یا نصف عشر (دسواں یا بیسواں) حصہ ادا کیا جاتا ہے، ان سب کو ملا کر زکاۃ کی شرح ممکن ہے کہ کروڑوں سے متجاوز ہو کر اربوں کو پہنچ جائے، اس لئے اسلام نے جو شرح مقرر فرمائی ہے وہ ہر دور میں کافی ہے اور اس طرح یہ صالح ترین نظام ہر دور میں جامع ترین نظام رہے گا، سرمایہ و دولت میں ہمیشہ اضافہ ہوتا رہتا ہے ملکیت تبدیل ہوتی رہتی ہے، لیکن تبدیل ملکیت سے زکاۃ پر اثر نہیں پڑتا، تعجب تو اس پر ہے کہ یہ حضرات جن کا فن ہے کہ ان حقائق پر غور کریں وہ ایسی سطحی باتیں کیسے کرتے ہیں، ایسا محسوس ہوتا ہے کہ دین کی عداوت میں عقلی صلاحیتیں بھی جواب دے چکی ہیں، اللہ تعالیٰ مسلمانوں پر رحم فرمائے اور ارباب انصاف کو حق سمجھنے کی توفیق نصیب فرمائے۔

[شعبان ۱۳۸۴ھ۔ جنوری ۱۹۶۵ء]

عصر حاضر کے جدید مسائل اور علماء کے فرائض

''بینات'' جلد: ۲ شمارہ: ۳، ۴ میں عصر حاضر کے مسائل کے بارے میں کچھ عرض کیا تھا کہ عہد حاضر کے علماء امت کے ذمہ جو اہم فریضہ عائد ہوتا ہے وہ جدید مسائل کی عقدہ کشائی ہے، غنیمت ہے ابھی تک خال خال علم فقہ کے علماء و ماہرین کچھ موجود ہیں، ضرورت ہے کہ ان کی حیات میں جدید مسائل کا حل تلاش کرلیا جائے، تاکہ آئندہ آنے والی نسلیں اس بارگراں سے سبکدوش ہوں اور حدیث نبوی "اتخذ الناس رؤوسا جهالاً فافتوا بغير علم فضلوا واضلوا"(۱) (ایسا زمانہ آئے گا کہ جاہل ارباب فتویٰ ہوں گے، بغیر علم کے فتوے صادر کریں گے، خود بھی گمراہ ہوں گے اوروں کو بھی گمراہ بنائیں گے) کے مصداق نہ بنیں، جس وقت یہ خیال آیا تھا اور بینات میں علماء امت کے سامنے لمحہ فکریہ پیش کیا تھا، ٹھیک اسی وقت ہندوستان کے ارباب علم وفضل کے حلقہ میں بھی یہی موضوع زیر بحث تھا۔ چنانچہ مجلس تحقیقات شرعیہ کے نام سے ندوۃ العلماء میں ایک علمی مجلس کی تشکیل وجود میں آچکی ہے، اور کام بھی شروع ہوگیا ہے اس لئے شعبہ تصنیف وتالیف نے ان سے بھی رابطہ قائم کرلیا ہے۔ انشورنس (بیمہ) کے مسائل سے مجلس نے افتتاح کیا ہے اور ایک سوالنامہ شائع کیا ہے، سوالنامے سے قبل بطور تمہید بیمہ کی حقیقت اور اس کی قسمیں تفصیل سے بیان کی ہیں، تاکہ علماء کو سوال کی حقیقت سے پوری واقفیت حاصل ہوجائے، تاکہ علی وجہ البصیرت اس کی روشنی میں علمی وفقہی مسائل پر غور کر کے حل پیش کرسکیں، ہم ان حضرات کے ممنون ہیں کہ ان کی توجہ سے منقح سوالنامہ سامنے آگیا، اب بینات کے پڑھنے والے اہل علم حضرات بھی اس مسئلہ کا حل پیش کرسکیں گے، اس لئے تمہید وسوالات دونوں شائع کئے جارہے ہیں اور جو جواب بینات کی طرف سے ہوگا آئندہ شمارہ میں وہ بھی شائع کیا جائے گا، والله الموفق۔

سوالنامہ متعلق انشورنس

(۱) بیمہ کی حقیقت

بیمہ انگریزی لفظ ''Insure'' (انشور) کا ترجمہ ہے، جس کے معنی لغت میں یقین دہانی کے ہیں، چونکہ کمپنی بیمہ کرانے والے کو مستقبل کے بعض خطرات سے حفاظت اور نقصانات کی تلافی کی یقین دہانی کردیتی ہے اس لئے اسے انشورنس کمپنی کہتے ہیں، یہ ایک معاملہ ہے جو بیمہ کے طالب اور بیمہ کمپنی کے درمیان ہوتا ہے اور اس کی شکل یہ ہوتی ہے کہ بیمہ کمپنی (جس میں بہت سے سرمایہ دار شریک ہوتے ہیں اسی طرح جس طرح تجارتی کمپنیاں

---

(۱) صحیح البخاری، کتاب العلم، باب کیف یقبض العلم ج:۱ ص:۲۰، ط: قدیمی۔
الصحیح لمسلم، کتاب العلم، باب رفع العلم وقبضه ج:۲ ص:۳۴۰، ط: قدیمی

ہوتی ہیں) بیمہ کے طالب سے ایک معینہ رقم بالاقساط وصول کرتی رہتی ہے اور ایک معینہ مدت کے بعد وہ رقم اسے یا اس کے پسماندگان کو (حسب شرائط) واپس کر دیتی ہے، اس کے ساتھ ایک مقررہ شرح فی صد کے حساب سے اصل رقم کے ساتھ کچھ مزید رقم بطور سود دیتی ہے، گو اس رقم کا نام ان کی اصطلاح میں ربا یا سود نہیں، بلکہ بونس یعنی منافع ہے۔

(۲) کمپنی کا مقصد اس رقم کے جمع کرنے سے یہ ہوتا ہے کہ اسے دوسرے لوگوں کو بطور قرض دے کر ان سے اعلیٰ شرح پر سود حاصل کرے، یا کسی تجارت میں لگا کر یا کوئی جائداد خرید کر اس سے منافع حاصل کرے، اس کے شرکاء اپنی ذاتی رقم خرچ کئے بغیر کثیر رقم بصورت سود یا منافع حاصل کرتے رہتے ہیں اور اسی سود یا منافع میں سے بیمہ دار کو ایک حصہ دیتے ہیں۔

ممکن ہے کسی درجہ میں ان لوگوں کا مقصد مصیبت زدہ یا پریشان حال افراد کی امداد بھی ہوتا ہو، لیکن اصل مقصود وہی ہوتا ہے جو اوپر عرض کیا گیا ہے، مگر اس کی بحث بے ضرورت ہے، اس لئے کہ نفس مسئلہ پر اس کا کوئی اثر نہیں پڑتا، بیمہ کرانے والے کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ اس کا سرمایہ محفوظ رہے اور اس میں اضافہ بھی ہوتا رہے اس کے علاوہ اس کے پسماندگان کو امداد و رعایت حاصل ہو یا ناگہانی حادثات کی صورت میں اس کے نقصان کی تلافی ہو جائے۔

(۳) بیمہ کی تین قسمیں ہیں:

(الف) زندگی کا بیمہ (ب) املاک کا بیمہ (ج) ذمہ داری کا بیمہ۔

الف: زندگی کا بیمہ

اس کی شکل یہ ہوتی ہے کہ بیمہ کمپنی اپنے ڈاکٹر کے ذریعہ سے بیمہ کے طالب کا معائنہ کراتی ہے اور ڈاکٹر اس کی جسمانی حالت دیکھ کر اندازہ کرتا ہے کہ اگر کوئی ناگہانی آفت پیش نہ آئی تو یہ شخص اتنے سال مثلاً بیس سال زندہ رہ سکتا ہے، ڈاکٹر کی رپورٹ پر کمپنی بیس سال کے لئے اس کی زندگی کا بیمہ کر لیتی ہے، اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ بیمہ کے لئے ایک رقم مابین طالب و کمپنی مقرر ہو جاتی ہے، جو بالاقساط بیمہ دار کمپنی کو ادا کرتا ہے اور ایک معینہ مدت میں جب وہ پوری رقم ادا کر دیتا ہے، تو بیمہ مکمل ہو جاتا ہے، اب اس کے بعد اگر بیمہ دار اتنی مدت کے بعد انتقال کر جاتا ہے جس کا اندازہ کمپنی کے ڈاکٹر نے کیا تھا تو کمپنی اس کے پسماندگان میں سے جسے وہ نامزد کر دے یا اگر نامزد نہ کرے تو اس کے قانونی ورثاء کو وہ جمع شدہ رقم مع مزید رقم کے جس کو بونس (Bunus) کہتے ہیں یکمشت ادا کرتی ہے۔

اور اگر وہ مدت مذکورہ سے پہلے مر جائے خواہ طبعی موت سے یا کسی حادثے وغیرہ سے تو بھی کمپنی اس کے پس

ماندگان کوحسب تفصیل مذکورہ پوری رقم مع کچھ زائد رقم کے ادا کرتی ہے، گو اس صورت میں شرح منافع زائد ہوتی ہے۔

تیسری صورت یہ ہے کہ وہ شخص مدت مذکورہ کے بعد بھی زندہ رہے اس شکل میں بھی اسے رقم مع منافع واپس ملتی ہے، مگر شرح منافع کم ہوتی ہے، زندگی کا بیمہ تو پورے جسم کا بیمہ ہے لیکن اب تو انفرادی طور پر مختلف اعضاء کے بیمہ کا رواج بھی بکثرت ہوگیا ہے، مثلاً ہاتھوں کا بیمہ، سر کا بیمہ، ٹانگوں کا بیمہ وغیرہ، اس کی شکل بھی وہی ہوتی ہے فرق صرف یہ ہوتا ہے کہ ان شکلوں میں ڈاکٹر کسی ایک عضو کی زندگی یا کارکردگی کا اندازہ لگاتا ہے، اس کے اندازہ پر بقیہ معاملہ اسی طرح ہوتا ہے جس طرح زندگی کے بیمہ کی صورت میں اور واپسی رقم مع منافع کی شکلیں وہی تین ہیں، البتہ یہاں پورے جسم کی مدت کے قائم مقام صرف ایک حصہ جسم کی صحت یا اس کے ناکارہ ہونے کو قرار دیا جاتا ہے۔

ب: املاک کا بیمہ

عمارت، کارخانہ، موٹر، جہاز وغیرہ ہر چیز کے بیمہ کا رواج اب عام ہوگیا ہے اس کی شکل بھی وہی ہوتی ہے یعنی بیمہ دار ایک معینہ مدت کے لئے ایک رقم بالاقساط ادا کرتا ہے اور کمپنی ایک مدت کے بعد اسے وہ رقم مع کچھ زائد رقم کے واپس کرتی ہے اور اگر کسی حادثہ کی وجہ سے بیمہ شدہ املاک تلف ہوجائے، مثلاً کارخانہ میں آگ لگ جائے یا جہاز غرق ہوجائے یا موٹر کسی حادثے میں ٹوٹ جائے تو کمپنی اس نقصان کی تلافی کرتی ہے اور اس رقم کے ساتھ کچھ مزید رقم زیادہ شرح فیصد کے حساب سے بیمہ کرانے والے کو دیتی ہے۔

ج: ذمہ داریوں کا بیمہ

ناسمجھ بچے کی تعلیم، شادی وغیرہ کا بیمہ بھی ہوتا ہے، کمپنی ان کاموں کی ذمہ دار ہوتی ہے، رقم وغیرہ کی ادائیگی اور وصولی کی صورتیں وہی ہوتی ہیں۔

(۴) بیمہ کرانے والے کو ایک معینہ رقم بصورت اقساط ادا کرنی پڑتی ہے، لیکن اگر بیمہ دار (حسب قواعد وشرائط) کچھ اقساط ادا کرنے کے بعد مزید رقم کی ادائیگی بند کردے تو اس کی ادا کی ہوئی رقم سوخت ہوجاتی ہے اور واپس نہیں ملتی لیکن اسے اختیار ہوتا ہے کہ وہ جب چاہے درمیان کے بقایا اقساط ادا کر کے حسب سابق اقساط جاری کرائے، بقایا اقساط نہ ادا کرنے کی صورت میں بھی بعض قواعد کے ماتحت اقساط کا سلسلہ دوبارہ جاری ہوسکتا ہے لیکن اگر وہ سلسلہ منقطع کر کے جمع شدہ رقم واپس لینا چاہے تو ایسا نہیں کرسکتا۔

(۵) بیمہ دار اگر سود نہ لینا چاہے تو کمپنی اسے اس پر مجبور نہیں کرتی اور حسب شرائط اس کو اصل رقم واپس کردیتی ہے۔

(۶) بیمہ دار ۲ رسال تک قسط ادا کرنے کے بعد کم شرح سود پر قرض لینے کا مجاز ہوجاتا ہے۔

(۷) ہندوستان میں زندگی کے بیمہ کے متعلق حکومت نے ایک قانون بنایا ہے جس کی رو سے بیمہ کی یہ قسم نجی کمپنیوں کے ہاتھ سے نکل کر خود حکومت کے ہاتھ میں آ گئی ہے، اور اب کسی نجی کمپنی کے بجائے یہ معاملہ بیمہ دار اور حکومت کے درمیان ہوتا ہے، بظاہر حالات سے ایسا نظر آتا ہے کہ کچھ عرصہ کے بعد یہ پورا کاروبار نیشنلائز کر لیا جائے گا اور نجی کمپنیاں ختم کر کے حکومت خود یہ معاملہ کرے گی۔

خلاصہ

بیمہ کی یہ مختلف شکلیں ہیں لیکن ان سب کی حیثیت وہی ہے جو سب سے پہلے عرض کی جا چکی ہے، یہاں اختصار کے ساتھ مکرر پیش کیا جاتا ہے۔

حقیقت کے لحاظ سے انشورنس کا معاملہ ایک سودی کاروبار ہے، جو بینک کے کاروبار کے مثل ہے، دونوں میں جو فرق ہے وہ شکل کا ہے، حقیقت کے لحاظ سے دونوں میں کوئی فرق نہیں ہے، حقیقت میں اگر فرق ہے تو صرف اتنا کہ اس میں ربا کے ساتھ غرر بھی پایا جاتا ہے۔

بیمہ کرانے والا کمپنی کو روپیہ قرض دیتا ہے اور کمپنی اس رقم سے سودی کاروبار یا تجارت وغیرہ کر کے نفع حاصل کرتی ہے اور اس نفع میں سے بیمہ کرانے والے کو بھی کچھ رقم بطور سود ادا کرتی ہے، جس کا مقصد صرف یہ ہوتا ہے کہ لوگ اس منفعت کے لالچ میں زیادہ سے زیادہ بیمہ کرائیں، بینک بھی یہی کرتے ہیں، البتہ اس میں شرح سود مختلف حالات وشرائط کے اعتبار سے بدلتی رہتی ہے عموماً ایسا نہیں ہوتا۔

بیمہ کے مصالح اور مفاسد

دنیاوی نقطہ نظر سے بیمہ پالیسی خریدنے میں کیا مصلحتیں ہیں اور کیا مفاسد ہیں؟ ان کا تذکرہ درج ذیل ہے تاکہ حضرات اہل علم ان پر نظر فرما کر فیصلہ فرما سکیں، اس لئے یہاں صرف انہیں دنیاوی مصالح ومفاسد کا تذکرہ کیا جاتا ہے جو فی نفسہ کسی نہ کسی درجہ میں شرعاً بھی معتد بہ ہیں، جو مصالح ومفاسد شرعاً غیر معتد بہ ہیں ان کا تذکرہ نہیں کیا گیا، مثلاً ایسی دنیاوی مصلحت کا کوئی تذکرہ نہیں کیا گیا ہے کہ اس طرح خریدار کو سود ملتا ہے اور اس کی اصل رقم میں بغیر محنت اضافہ ہوتا ہے، اس لئے کہ یہ مصلحت شرعاً غیر معتد بہ ہے بلکہ مصلحت کے بجائے مفسدہ ہے، اسی طرح اس مفسدہ کو بھی نظر انداز کر دیا گیا ہے کہ قلیل آمدنی والے افراد جب پالیسی خریدنے کے لئے کچھ رقم پس انداز کریں گے تو تحسینات میں کمی کرنے پر مجبور ہونگے اور بعض جائز لذتوں سے محروم رہیں گے، اس لئے کہ شرعاً یہ مفسدہ غیر معتد بہ ہے۔

مصالح: ناگہانی حادثات کی صورت میں بیمہ دار تباہی وبربادی سے بچ جاتا ہے مثلاً:

① ہندو مسلم فساد میں بہت سے مسلمانوں کے رخانے خاک سیاہ اور تباہ وبرباد کر دیئے گئے، جن لوگوں

نے اپنے کارخانوں کا بیمہ کرالیا تھا وہ تباہی سے بچ گئے اور انہوں نے دوبارہ اپنا کاروبار جاری کر دیا، لیکن جنہوں نے اپنے کارخانوں کا بیمہ نہیں کرایا تھا وہ پورے طور پر برباد ہو گئے اور پنپ نہ سکے، دوکانوں اور مکانوں وغیرہ کی بھی یہی کیفیت ہوئی۔

نوٹ: فسادات ہندوستان کا روزمرہ معمول بن چکے ہیں اور انکا انسداد مسلمانوں کی استطاعت سے باہر ہے۔

۲ اوسط طبقہ کے افراد جو کثیر العیال بھی ہوں، اگر ناگہانی طریقہ سے وفات پا جائیں تو ان کے پسماندگان سخت پریشانی میں پڑتے ہیں، اپنی قلیل آمدنی میں عموماً وہ کوئی رقم پس انداز کر کے نہیں رکھ سکتے جو ان کے پسماندگان کے کام آسکے، ایسی حالت میں اگر وہ بیمہ پالیسی خرید لیں تو ایک طرف تو انہیں پس اندازی میں سہولت ہوتی ہے، دوسرے ان کی ناگہانی وفات پر ان کی پس انداز رقم مع مزید رقم کے ان کے پسماندگان کو مل جاتی ہے جو ان کے لئے بہت مفید اور معاون ہوتی ہے۔

تعلیم وغیرہ کی صورت میں تو یہ مصلحت اور بھی زیادہ نمایاں ہو جاتی ہے اس لئے کہ اگر وہ اپنی اولاد کو مناسب تعلیم دلانے سے قبل وفات پا جائیں تو اولاد کا سلسلہ تعلیم منقطع نہیں ہوتا اور کسی نہ کسی دن اولاد اس قابل ہو جاتی ہے کہ کچھ کما سکے۔

۳ اگر اولاد ناہنجار ہو تو باپ کے مرنے کے بعد ماں کی طرف سے غفلت برتتی ہے اور اس کا شرعی حق نظر انداز کر کے باپ کی کل جائیداد و املاک پر قابض ہو جاتی ہے۔

اگر شوہر بیمہ کی پالیسی خرید کر اپنی بیوی کو اس کا وارث قرار دے دے تو یہ رقم بیوہ کو بے خرخشہ مل جاتی ہے۔

اگر اولاد کے درمیان تحاسد و تباغض ہو یا بعض بچے چھوٹے ہوں اور دوسری اولاد سے خطرہ ہو کہ ان کے حقوق کو غصب کر لیں گے تو بھی ان کے نام سے بیمہ پالیسی خرید لینا مفید ہو سکتا ہے۔

۴ چونکہ کمپنیاں عموماً اہل ہنود کی ہیں اس لئے بیمہ پالیسی خریدنا فساد کی تباہ کاریوں کو روکنے کا بھی ایک ذریعہ ہو سکتا ہے، اس لئے کہ فسادی یہ معلوم کر کے کہ مسلمان کی بیمہ شدہ مملوکہ شئ کو نقصان پہنچانا خود ہندوؤں کو نقصان پہنچانا ہے، شاید اس نقصان پہنچانے سے باز رہیں اس طرح ممکن ہے کہ کسی درجہ میں یہ حفاظت جان کا ذریعہ بھی بن جائے۔

نوٹ: اب سے دو چار صدی پیشتر مسلمانوں کے حالات مختلف تھے، اوّل تو ناگہانی حادثات کی اتنی کثرت نہیں تھی جو آج مشینوں کے رواج کی وجہ سے پیدا ہو گئی ہے، دوسرے بکثرت مسلمان اسلامی حکومتوں میں رہتے تھے جہاں بیت المال بڑے حد تک ان حوادث کے نتائج سے پناہ دیتا تھا، تیسرے مصارف زندگی کا اتنا بوجھ بھی نہیں ہوتا تھا، چوتھے آپس کی ہمدردی کا جذبہ اتنا سرد نہیں ہوا تھا جتنا آج ہو گیا ہے، پانچویں تعداد کی قلت اور قوم کی بحیثیت مجموعی دولت مندی زکاۃ و صدقات کا رواج یہ سب امور مل کر اس قسم کے نقصانات کی تلافی کر دیا

کرتے تھے، اب ان سب چیزوں کا تقریباً فقدان ہے، آبادی میں اضافہ مزید پریشانی کا باعث ہے، سو میں ایک کی تباہ حالی دور کرنا آسان ہے مگر سو میں ۲۵ کے ساتھ مواسات کرنا بہت مشکل ہے۔

مفاسد: واضح رہے کہ یہاں صرف دنیاوی مفاسد کا تذکرہ مقصود ہے، جن کی طرف بعض اوقات بعض اہل علم کی نظر نہیں جاتی، دینی مفاسد سے چونکہ ہر صاحب علم واقف ہے اس لئے ان کا تذکرہ نہیں کیا گیا:

① ایسے واقعات بھی ہوتے ہیں کہ کسی وارث نے بیمہ کی رقم وصول کرنے کے لئے مورث کو (جو کہ بیمہ دار تھا) قتل کروادیا۔

② اس قسم کے واقعات بھی پیش آتے ہیں کہ بیمہ دار نے دھوکہ دے کر اپنی دکان یا اپنے مکان یا کسی اور چیز کی مالیت زیادہ ظاہر کردی اور اس کا بیمہ کرادیا اور کچھ عرصہ کے بعد سود کی رقم (جو اس کی مملوکہ شے کی مالیت سے معتد بہ حد تک زائد تھی) وصول کرنے کے لئے اس شی کو مخفی طریقہ سے خود تلف کردیا، مثلاً آگ لگادی یا اور اسی قسم کی حرکت کی اور اس طرح نقصان کی تلافی کے ساتھ مزید نفع بھی اٹھایا، اس قسم کے واقعات کی تعداد اگرچہ قلیل ہے مگر نہ تو بعید از قیاس ہے اور نہ النادر کالمعدوم کہے جاسکتے ہیں۔

③ تجربات شاہد ہیں کہ جو دولت بے مشقت اور بے محنت ہاتھ آجاتی ہے، آدمی اسے بہت بے دردی کے ساتھ خرچ کرتا ہے، نوجوان اولاد کو اگر باپ کے بعد بیمہ کی رقم بغیر محنت وکوشش ملے گی تو ظن غالب یہی ہے کہ وہ اسے بے دریغ صرف کرے گی، اسراف وتبذیر کی عادت فی نفسہٖ مذموم ہونے کے علاوہ افلاس وتباہی کا پیش خیمہ بھی ہے، جو اخلاقی خرابیاں ایسی صورت میں پیدا ہوتی ہیں ان کی تفصیل بے ضرورت ہے۔

④ یہ بات کھلی ہوئی ہے کہ بیمہ پالیسی کی خریداری میں سرمایہ دار طبقہ ہی پیش پیش ہوسکتا ہے، سود کی رقم اس کی دولت میں اور اضافہ کرے گی اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ سرمایہ دار کو مزید ترقی ہوگی۔

ان تمہیدی امور کے عرض کرنے کے بعد حضرات علماء کرام سے درخواست ہے کہ ''انشورنس'' کے متعلق مندرجہ بالا حقیقت اور اس کے مصالح ومفاسد کو پیش نظر رکھ کر شریعت مقدسہ اسلامیہ کی روشنی میں مندرجہ ذیل سوالات کے جوابات عنایت فرمائیں استدعا یہ ہے کہ براہ کرم جوابات مدلل ومفصل عنایت فرمائیں۔

سوالات

① انشورنس کی جو حقیقت بیان کی گئی ہے اس میں کمپنی جو رقم بطور سود دیتی ہے، جس کا نام وہ اپنی اصطلاح میں منافع رکھتی ہے شریعت کا اصطلاحی ربا ہے یا نہیں؟

② اگر سود مذکور شرعی اصطلاح میں ربا ہے تو کیا مصالح مذکورہ کے پیش نظر اس کے جواز کی کوئی گنجائش نکل سکتی ہے اگر نکل سکتی ہے تو کیا؟

③زندگی کے بیمہ، املاک کے بیمہ، ذمہ داری کے بیمہ کے درمیان شرعاً کوئی فرق ہوگا یا تینوں کا حکم ایک ہی ہوگا؟

④معاملہ کی یہ شرط کہ اگر بیمہ شدہ شخص یا شے وقت معین سے پہلے تلف ہوجائے تو اتنی رقم ملے گی اور اس کے بعد تلف ہوئی تو اتنی جبکہ تلف ہونے کے وقت کا تعین غیر ممکن ہے، اس معاملہ کو قمار کے حدود میں تو داخل نہیں کر دیتی ہے؟

⑤اگر یہ قمار یا غرر ہے تو کیا مصالح مذکورہ کے پیش نظر اسے نظر انداز کر کے اس معاملہ کے جواز کی کوئی گنجائش نکل سکتی ہے؟ اور اگر نکل سکتی ہے تو کیسے؟

⑥اگر بیمہ دار مندرجہ اقسام بیمہ سے کسی میں سود لینے سے بالکل محترز رہے اور اپنی اصل رقم کی صرف واپسی چاہتا ہو تو کیا یہ معاملہ جائز ہوسکتا ہے؟

⑦جو رقم کمپنی بطور سود ادا کرتی ہے اسے ربا کے بجائے اس کی جانب سے اعانت و امداد اور تبرع و احسان قرار دیا جاسکتا ہے یا نہیں؟

نوٹ: بعض کمپنیوں کے ایجنٹ اس کا مقصد امداد ہی ظاہر کرتے ہیں۔

⑧اگر کوئی مسلمان کسی دار الحرب کا باشندہ ہو (مستامن نہیں) اور کمپنی حربیوں ہی کی ہو، تو کیا اس صورت میں یہ معاملہ مسلمانوں کے لئے جائز ہوگا؟

⑨اس صورت میں جبکہ انشورنس کا کاروبار خود حکومت کر رہی ہو اور اس صورت میں جبکہ یہ کاروبار نجی کمپنیاں کر رہی ہوں کوئی فرق ہے یا نہیں؟

⑩اگر یہ کاروبار حکومت کے ہاتھ میں ہو تو کیا اس بنیاد پر کہ خزانہ حکومت میں رعیت کے ہر فرد کا حق ہوتا ہے، زیر بحث معاملہ میں سود کی رقم عطیہ حکومت قرار پا کر ربا کے حدود سے خارج ہوسکتی ہے یا نہیں؟ اور کیا اس صورت میں یہ معاملہ جائز ہوسکتا ہے۔

⑪فرض کیجئے بیمہ کا کاروبار حکومت کے ہاتھ میں ہے، ایک شخص بیمہ پالیسی خریدتا ہے اور میعاد معین کے بعد اصل مع سود کے وصول کرتا ہے لیکن:

(الف) سود کی کل رقم بصورت ٹیکس و چندہ خود حکومت کو دے دیتا ہے۔

(ب) ایسے کاموں میں لگا دیتا ہے جن کا انجام دینا خود حکومت کے ذمہ ہوتا ہے، مگر وہ لاپرواہی یا کسی دشواری کی وجہ سے انہیں انجام نہیں دیتی، مثلاً کوئی جگہ پل یا رستہ بنوانا، کسی تعلیمی ادارے کو امداد دینا، کنواں کھدانا یا نل لگوانا وغیرہ جہاں یہ امور قانوناً حکومت کے ذمہ ہوں۔

(ج) ایسے کاموں میں صرف کرتا ہے جو قانوناً حکومت کے ذمہ نہیں ہوتے مگر عام طور پر رعایا ان کے

بارے میں حکومت کی امداد چاہتی ہے اور حکومت بھی ان کی اس خواہش کو مذموم نہیں سمجھتی بلکہ بعض اوقات امداد کرتی ہے، مثلاً کسی جگہ کتب خانہ کھول دینا وغیرہ۔

تو کیا مندرجہ بالا صورتوں میں اس شخص کے لئے بیمہ پالیسی کی خریداری جائز ہوگی اور اسے ربا لینے کا گناہ تو نہ ہوگا؟

نوٹ: مندرجہ بالا تینوں صورتوں (الف، ب، ج) کے احکام میں اگر فرق ہے تو اسے واضح فرمایا جائے۔

⑫ بیمہ دار اگر سود کی رقم بغیر نیت ثواب کے کسی دوسرے شخص کو امداد کے طور پر دے دیتا ہے، تو کیا اس صورت میں انشورنس کا معاملہ جائز ہوگا؟

اگر انشورنس کے جواز کی کوئی گنجائش نہیں ہے تو کیا مصالح وحاجات مذکورہ کو سامنے رکھ کر:

(الف) اس کا کوئی بدل ہوسکتا ہے جس میں مصالح مذکورہ موجود ہوں اور اس پر عمل کرنے سے ارتکاب معصیت لازم نہ آئے اگر ہوسکتا ہے تو کیا ہے؟ یا

(ب) انشورنس کی مروجہ شکل میں کیا کوئی ایسی ترمیم کی جاسکتی ہے جو اسے معصیت کے دائرے سے خارج کردے اور مصالح مذکورہ کو فوت نہ کرے اگر ہوسکتی ہے تو کیا ہے؟

مجلس تحقیقات شرعیہ ندوۃ العلماء بادشاہ باغ لکھنو

[شعبان ۱۳۸۴ھ۔ جنوری ۱۹۶۵ء]

عصر حاضر کا خطرناک فتنہ

① وقت کا سب سے بڑا فتنہ یہ ہے کہ علمی ودینی دقیق ترین مباحث اور اساسی اصول پر طبع آزمائی فرما رہے ہیں بے علم وبے دین گریجویٹ حضرات، جن کی عملی زندگی اس تعبیر کا بین ثبوت ہے، اللہ جل شانہ کا یہ دین جس کے حاملین ہر دور میں صلحاء امت اور علماء وفقہاء کی خدا ترس جماعت رہی ہے، آج بے علم وبے عمل خدا ناشناس بیرسٹروں کے لئے تختہ مشق بنا ہوا ہے اور دین اسلام کے حقائق اور شرائط الٰہیہ ہر کس وناکس کے لئے بازیچہ اطفال بنے ہوئے ہیں، اس سے بڑھ کر قیامت کبریٰ کی اور کیا علامت ہوگی؟ صادق مصدوق نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

"اتخذ الناس رؤوسا جهالًا فسئلوا فافتوا بغير علم فضلوا و اضلوا"(۱)

لوگ (آخر زمانہ میں) جاہلوں کو سردار (دینی پیشوا) بنالیں گے، پس ان سے دینی مسائل دریافت کئے

---

(۱) صحيح البخاری، كتاب العلم، باب كيف يقبض العلم ج: ۱ ص: ۲۰، ط: قديمی.
الصحيح لمسلم، كتاب العلم، باب رفع العلم وقبضه ج: ۲ ص: ۳۴۰، ط: قديمی

جائیں گے تو وہ علم کے بغیر فتوے دیں گے خود بھی گمراہ ہوں گے دوسروں کو بھی گمراہ کریں گے۔

امانت الٰہیہ اس بری طرح ضائع ہو رہی ہے کہ جس مسلمان کے دل میں ذرا بھی خوف خدا ہو وہ اس صورت حال کو ہرگز برداشت نہیں کرسکتا۔

(۲) اس سے بھی بڑھ کر فتنہ یہ ہے کہ انہی نااہلوں کو اہل سمجھا جارہا ہے اور اسی گروہ کو اسلامی موضوعات پر تحقیقات کی خدمت تفویض کی جارہی ہے اور ملک وملت کا لاکھوں روپیہ اسی نام نہاد اسلامی تحقیقات پر بے دریغ خرچ کیا جارہا ہے۔

درحقیقت ریسرچ کے نام سے اسلام کا پوسٹ مارٹم اور تعمیر کے نام سے دین کی تخریب ہو رہی ہے اور تحقیقات کے نام سے علانیہ تحریفات کی جارہی ہیں، جہاں انگریزی زبان وادب میں بیرونی ممالک یا اندرون ملک کی کوئی ڈگری کسی کے ہاتھ آئی اور گریجویٹ ہونے کا ٹھپہ لگ گیا اور تھوڑا بہت لکھنے کا سلیقہ آ گیا، کچھ انگریزی اردو ادب اور انشاء پردازی کی مشق کے مواقع میسر آ گئے، بس سارے شرائط اجتهاد فی الدین پورے ہوگئے اور اسلامی موضوعات پر برائے نام دو چار مقالے یا رسالے لکھ دیئے اور بن گئے تجدد پسند محقق و مجتہد، اور اگر کسی کافر مستشرق کی تربیت بھی حاصل ہوگئی اور استشراقی اندازِ فکر کے تحت الحاد و تحریف کا جدید زاویۂ نگاہ اور مشق نگارش بھی نصیب ہوگئی تو پھر معراج فضل وکمال حاصل ہوگئی۔

(۳) ستم بالائے ستم یہ ہے کہ جو خدا ترس خادمانِ دین اس ظلم وعدوان کے خلاف صدائے احتجاج بلند کرتے ہیں ان کو قدامت پسندی، رجعت پسندی اور جمود کے طعنے دے کر ہدف ملامت بنایا جاتا ہے اور قوم کے جدید تعلیم یافتہ طبقہ اور نئی نسل کے دلوں سے ان کی دینی عظمت ودیانت کو ختم کرنے کی کوشش کی جارہی ہے۔

ادارہ تحقیقات اسلامی کا جدید شاہکار

(۴) مرکزی ادارہ تحقیقات اسلامی کا جدید شاہکار ''اجماع اور باب اجتہاد'' نامی جدید کتاب شائع ہوئی ہے، یہ کمال فاروقی صاحب کی تالیف ہے جن کا تعارف وزارت اطلاعات ونشریات کی طرف سے شائع شدہ کتابچہ پاکستان میں اسلامی عائلی قانون میں حسب ذیل الفاظ میں کرایا گیا ہے، یہی کمال فاروقی صاحب کا مبلغ علم ہے۔

مصنف (کمال فاروقی) نے کیلیفورنیا یونیورسٹی سے خصوصی تعلیمات میں گریجویشن کیا، پھر لندن کے مڈل ٹمپل سے بیرسٹرایٹ لاء کی ڈگری حاصل کی، اب کمال فاروقی صاحب کراچی بار میں وکالت کررہے ہیں، نیز وہ مرکزی ادارہ تحقیقات اسلامی کے قانونی مشیر ہیں۔

گویا اب ادارہ تحقیقات اسلامی نے کتاب وسنت کے بعد اجماع واجتہاد پر بھی عمل جراحی اور طبع

آزمائی شروع کردی ہے، شریعت محمدیہ کے چار ستون تھے: کتاب وسنت، اجماع وقیاس (اجتہاد)۔

تجدد پسند طبقہ[1] مجبور ہے کہ ان چار بنیادی اصطلاحوں کی ایسی تعبیر وتشریح کرے کہ دین کی گرفت ڈھیلی ہوجائے تاکہ وہ من مانی کارروائی، ترمیم وتصریف کر سکے اور عوام کو یہ باور کرا سکے کہ دین کے انہی اصول اربعہ پر ہمارا ابھی عمل ہے، یعنی ہماری تعمیر نو ان اساسی اصول دین سے باہر نہیں ہے۔

⑤ ظاہر ہے کہ علوم دینیہ میں قرآن وحدیث یعنی اللہ اور رسول کے کلام کو سمجھنے کے لئے علماء امت نے روز اول سے جن لابدی اور ضروری علوم وفنون کو مدون کیا ہے، ان میں دقیق علم، علم اصول حدیث، علم اصول فقہ ہیں، اجماع واجتہاد کا تعلق اس موخر الذکر علم سے ہے اور پھر اجماع واجتہاد تو اس علم کا نہایت دقیق اور غامض حصہ ہے، خصوصاً قیاس واجتہاد کے مباحث تو اتنے غامض ودقیق ہیں کہ قیاس واجتہاد کے مدارک ومراتب سمجھنے کے لئے تمام علماء امت میں بھی ہر دور کے اندر چند افراد سے زیادہ نہ ملیں گے۔ ائمہ مجتہدین کے بعد علماء حنفیہ میں امام ابو جعفر طحاوی، امام ابوبکر جصاص، ابوزید دبوسی، سرخسی، فخر الاسلام بزدوی، قدماء میں سے ممتاز گذرے ہیں اور متاخرین میں امیر عمید الدین کاتب اتقانی (صاحب کتاب الشامل) شیخ ابن ہمام اور عبدالعزیز بخاری (صاحب کشف الاسرار) ممتاز شخصیتیں ہیں۔ غرض اسلام کے ہر دور میں اس موضوع پر قلم اٹھانے والے علماء امت کے وہی افراد ہوئے ہیں جو علوم قرآن وحدیث اور جملہ علوم اسلامیہ میں انتہائی حذاقت ومہارت کے ساتھ ہی ساتھ اذکیاء امت میں بھی شمار ہوئے ہیں اور صلاح وتقویٰ، زہد وعبادت میں بھی فخر روزگار سمجھے گئے ہیں۔

مذہب حنفی اور شورائیت

امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ جیسی عظیم شخصیت نے بھی جب سب سے پہلے استنباط احکام شرعیہ یعنی اجتہاد کا بیڑہ اٹھایا تو اپنے وقت کے کبار محدثین اور ازکیا وصالحین، عارفین وزاہدین کے چالیس افراد کی منتخب روزگار جماعت انتخاب فرمائی اور ان کے تعاون ومشورہ سے تحقیق مسائل فقہیہ کا کام شروع کیا① قاضی ابو یوسف ② محمد بن الحسن الشیبانی③ زفر بن الہذیل ④ اسد بن عمرو⑤ یوسف بن خالد السمتی ⑥ نوح بن ابی مریم⑦ وکیع ⑧ حمزہ زیات ⑨ یحییٰ بن زکریا⑩ عافیۃ ازدی⑪ حفص بن غیاث ⑫ حبان⑬ مندل ⑭ قاسم بن معن ⑮ فضیل بن عیاض ⑯ داؤد طائی جیسے اکابر علماء امت اس مجلس شوریٰ میں شامل تھے، حافظ حدیث ابن ابی العوام کے الفاظ میں یہ ''کبراء الکبراء'' بڑوں کے بڑوں کا مجمع تھا۔

یہی وجہ تھی کہ حنفی مذہب کو قبول عنداللہ اور قبول عندالناس اس درجہ حاصل ہوا ہے کہ بقیہ تینوں مذہبوں کو مل کر بھی یہ درجہ قبول نصیب نہ ہوسکا، ظاہر ہے کہ ایک شورائی اور اجتماعی مذہب تھا جس پر اکابر امت نے مل کر سالہا

---

(۱) ''نیا اسلام'' پسند کرنے والا گروہ جس کا خصوصی نعرہ ''اسلام کی تعمیر نو'' (نیو کنسٹرکشن) New constretion of islam ہے۔

سال تک غور و خوض کیا تھا اس کی بالمقابل بقیہ مذاہب ثلاثہ انفرادی اور شخصی مذاہب کی حیثیت رکھتے تھے۔

⑥ اب خیال فرمائیے کہ اتنا اہم اور اعلیٰ وارفع موضوع ہو اور اس پر اس دور جدید میں قلم اٹھانے والے کون حضرات ہوں؟ وہ گریجویٹ اور بیرسٹر جنہوں نے قرآن وحدیث اور علوم فقہیہ تو ایک طرف، عربی زبان کے مبادی الف، ب، صرف ونحو بھی کسی عربی مدرسہ کے طالب علم کو چند ماہ معاوضہ (ٹیوشن فیس) دے کر سیکھے ہوں اور ہر موضوع پر قلم اٹھانے سے پہلے آیات واحادیث اور فقہی عبارتوں کے حوالے تنخواہ دار مولویوں سے نکلوا کر ان میں سائنٹیفک ریسرچ یعنی من مانی مسخ وتحریف کرتے ہوں۔ بتلائیے اس سے بڑھ کر امانت الٰہیہ کے ضائع ہونے کی لرزہ خیز اور روح فرسا کوئی مثال ہو سکتی ہے؟

عہد حاضر کی جاہلیت کا شاہکار

⑦ پھر یہ عہد حاضر کی جاہلیت کا شاہکار واقعی کوئی مبسوط تالیف یا تحقیقی مقالہ ہے؟ جی نہیں چند صفحات کا مجموعہ ہے جس میں مصنف نے ایک دو عالموں سے اجماع وقیاس پر ایک مکتوب کے ذریعہ چند سوالات کئے ہیں اور ان کے مختصر سے جوابات پر اپنی تحقیق کی بنیاد رکھ کر کوشش فرمائی ہے کہ اجماع کا دائرہ کار اتنا وسیع کر دیں کہ دور حاضر کے عوام کا اجماع بھی سلف صالحین اور علماء عاملین کے اجماع کے قائم مقام ہو سکے اور اگر یہ خدمت ججوں کی کوئی قانون ساز جماعت انجام دے دے تو سبحان اللہ! پھر تو اس کے حجت ہونے میں شک وشبہ یا چون وچرا کی کوئی گنجائش ہی نہیں رہ سکتی، حالانکہ خود مولف کے لفظوں میں گذشتہ دس سالوں کے دوران میں انسانی علم، عمق اور وسعت کے اعتبار سے زبردست ترقی بھی کر چکا ہے۔

الغرض یہ تحقیقی مقالہ یا تالیف کیا ہے؟ چند بے معنی ومہمل تعبیرات، لغو استدلالات اور چند بے محل آیات کریمہ سے بے معنی استنباطات کا ایک مجموعہ ہے، فیا للاسف۔

ہمیں کمال صاحب کی نیت پر زیادہ بدگمانی نہیں، ہو سکتا ہے کہ وہ جو کچھ فرماتے ہوں خلوص اور نیک نیتی پر مبنی ہو، لیکن کیا کریں جو تحقیق واستدلال ہمارے سامنے ہے اس میں تو کمال صاحب نے کمال ہی کر دکھایا ہے۔

آخر میں ہم قارئین کرام سے دریافت کرتے ہیں کہ اگر کوئی عربی دان مولوی جس نے عربی زبان وادب کی تحصیل ومزاولت میں ساری عمر گذاری ہو، صرف انگریزی ریڈرون پڑھ کر شکسپیئر کے ڈراموں پر تنقید اور اس کی فصاحت وبلاغت پر تبصرہ کرنے لگے تو اس سے بڑھ کر کوئی اور مضحکہ خیز حرکت ہو سکتی ہے؟

قومی اسمبلی میں وزیر قانون نے
اسلامی کونسل کی سفارشات کا اعلان کر دیا

اسلامی مشاورتی کونسل کا قابل قدر کارنامہ: روزنامہ جنگ کراچی ۱۲ رجولائی ۶۵ء (سنڈے ایڈیشن) رقمطراز ہے:

''راولپنڈی ۱۰ رجولائی (اپ پ رپ پ ا) مرکزی وزیر قانون سید محمد ظفر نے آج قومی اسمبلی میں وقفہ سوالات کے دوران اعلان کیا کہ اسلامی نظریہ کی مشاورتی کونسل اب مسلم عائلی قوانین کے آرڈیننس پر غور کر رہی ہے اور جلد ہی اپنی سفارشات پیش کر دے گی، انہوں نے ڈاکٹر علیم الرضی کے ایک سوال کا جواب دیتے ہوئے کہا کہ حکومت نے شراب سود اور جوئے وغیرہ کے بارے میں کونسل کی رائے طلب کی تھی بعض مسائل پر کونسل سے مزید مشورہ طلب کیا گیا ہے، ایک ضمنی سوال کے جواب میں وزیر موصوف نے کہا کہ شراب کے مسئلہ پر کونسل کی رائے سے اس کے ایک رکن نے اختلاف کیا ہے اور اپنے اختلافی نوٹ میں لکھا ہے کہ اگر شراب کے استعمال سے واقعی نشہ نہ ہو تو قرآن وسنت نے اس کی ممانعت نہیں کی ہے، اس لئے کہ صرف نشہ کی ممانعت کی ہے، اس اختلافی نوٹ پر ارکان قومی اسمبلی نے شدید ناراضگی کا اظہار کیا۔ مسلم لیگ کے سید اصغر علی شاہ نے کہا کہ اسلامی کونسل کے جس رکن نے اختلافی نوٹ لکھا ہے اس کا نام بتایا جائے اور یہ بھی بتایا جائے کہ اسے کونسل کی رکنیت سے کیوں محروم نہیں کیا گیا ہے؟ وزیر قانون نے نام بتانے سے انکار کر دیا اور کہا کہ اس ایک رکن کے سوا باقی تمام ارکان نے یہ رائے ظاہر کی ہے کہ قرآن اور سنت کی رو سے کسی بھی حالت میں شراب کا استعمال جائز نہیں، وزیر موصوف نے مزید کہا کہ اسلامی کونسل نے بیئر کو بھی شراب قرار دیا ہے اور اس کے استعمال کو ناجائز کہا ہے، ہر قسم کے جوئے کو جس میں گھوڑ دوڑ بھی شامل ہے، کونسل نے اسلامی تعلیمات کے منافی قرار دیا ہے، پریس آرڈنس کے بارے میں کونسل نے کہا کہ دفعہ نہیں، جو قرآن وسنت کے خلاف ہو، کونسل نے اتفاق رائے سے یہ فیصلہ کیا کہ اس میں ایسی کوئی قانون شریعت میں ترمیم کے بل کو منظور کرنے کی سفارش نہیں کی جاسکتی۔''

اسلامی کونسل کی سفارشات

قومی اسمبلی میں مرکزی وزیر قانون سید محمد ظفر نے اسلامی نظریہ کی مشاورتی کونسل کی جن دس سفارشات کا اعلان کیا وہ درج ذیل ہیں:

① روزمرہ کی زندگی میں اسلامی قدروں پر عمل کرانے کی لئے محکمہ مذہبی امور قائم کیا جائے جو خاص طور پر اسلامی اصولوں کے مطابق صلاۃ، تعظیم المساجد، زکاۃ اور بیت المال اور خدمت خلق وغیرہ کا انتظام کرے۔

۲(الف) سرکاری اور عام تقریبات میں شراب پیش کرنے کی ممانعت کی جائے۔

(ب) افطار اور نماز کے وقت سرکاری محکموں، اسکولوں اور کالجوں وغیرہ کی طرف سے جلسے کرنے اور عصرانہ وغیرہ کو نماز کے اوقات میں جاری نہ رکھنے کا حکم دیا جائے۔

(ج) ماہ رمضان کے دوران سرکاری و عام تقریبات میں دوپہر کے کھانے کی دعوتوں اور چائے کی دعوتوں کے انتظامات پر پابندی لگائی جائے۔

۳ الف: ایسی فلموں کی اجازت نہ دی جائے جن سے مذہبی جذبات مجروح ہوں، جن سے مملکت کی سلامتی کو نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہو، جن میں اخلاقی پستی کا مظاہرہ کیا گیا ہو اور جو فحش ہوں۔

(ب) سنسر بورڈ میں ایسے افراد شامل کئے جائیں جو قومی ذمہ داریوں کا احساس رکھتے ہوں اور اسلامی نظریہ کو فروغ دینے کے اہل ہوں، ساتھ ہی ساتھ فحش ادب کی اشاعت اور فروخت پر پابندی لگائی جائے۔

۴ ایسے نائٹ کلب چلانے کی اجازت نہ دی جائے جن میں عام شراب نوشی اور نیم عریاں رقص ہوتے ہوں۔

۵ جو لوگ ملاوٹ کے مجرم پائے جائیں ان پر بھاری جرمانہ کیا جائے ان کی پوری املاک بھی ضبط کی جاسکتی ہیں اور عمر قید کی سزا بھی دی جاسکتی ہے۔

۶ بچوں کو اغوا کرنے والوں کو عمر قید کی سزا دی جائے۔

۷ اسمگلنگ کی سزا دس سال قید رکھی جائے۔

۸ مذہبی لٹریچر کی چھان بین کے لئے مرکزی سنسر بورڈ قائم کیا جائے اور لاہور و ڈھاکہ میں اس کی صوبائی شاخیں کھولی جائیں۔

۹ ادب، فلم، اشتہارات، ریڈیو ٹیلیویژن پروگرام نقاشی، مجسمہ سازی، پینٹنگ، نائٹ کلب اور ثقافتی سرگرمیوں میں فحاشی اور عریانیت کا خاتمہ کرنے کے لئے سخت پالیسی اختیار کی جائے۔

۱۰ پبلک ہائی اسکولوں میں ایسی تعلیم دی جائے کہ طلباء قوم کی نظریاتی ضرورتیں پوری کرسکیں۔

مذکورہ بالا خبر انتہائی مسرت انگیز اور تنقید و تبصرہ سے بالاتر ہے، باقی جس رکن مشاورتی کونسل نے حرمت شراب کے مسئلہ پر اختلافی نوٹ لکھا ہے وہ بھی جانے پہچانے ہیں، انہی کی نگرانی میں بہت بڑا ادارہ تحقیقات اسلامی چل رہا ہے، کاش وہ اختلافی نوٹ میں ان آیات و احادیث کی نشاندہی بھی کردیتے جن پر ان کا اختلافی نوٹ مبنی ہے، ہمیں بھی غور کرنے کا موقعہ ملتا۔

بہرحال مشاورتی کونسل کو اور خصوصاً اس کے صدر محترم کو ہم مبارک باد دیتے ہیں کہ تین سال کے عرصہ میں ہی سہی پہلی حق کی آواز تو اٹھائی گئی۔ اب مرکزی اسمبلی کا فرض ہے کہ جلد از جلد ان سفارشات کو آئینی شکل

دے کر قانون سازی کی رسمی کارروائی پوری کر دے اور حکومت بلا تاخیر ان قوانین کو نافذ کر دے۔

ہم بار بار صاف طور پر یہ کہہ چکے ہیں کہ مرکزی اسمبلی کا منصب ملک کے قانون کو شریعت کے مطابق بنانے کے بارے میں صرف شرعی احکام کو رسمی قانون کی شکل دینا ہے اور بس، درحقیقت احکام شریعہ الہیہ ان کی قانون سازی کے دائرہ سے بالاتر ہیں، اسی طرح مشاورتی کونسل کا منصب یہ ہے کہ وہ صحیح احکام شرعیہ کی نشاندہی کرے اور قانون ساز اسمبلی کا فرض ہے کہ وہ ان کو قانونی شکل دے دے اور حکومت کا فرض یہ ہے کہ وہ ان کو نافذ کر دے، نہ کسی کو ان میں ترمیم وتصرف کا حق ہے، نہ ان کی منظوری کے لئے کثرت وقلت رائے کا سوال ہے، قانون سازی کا دائرہ درحقیقت مملکت کے انتظامی امور اور اداری نظم ونسق تک محدود ہے۔

اسلامی نظریہ کی مشاورتی کونسل سے ہم متوقع ہیں کہ وہ مملکت کے دستور جس کی بنیاد کتاب وسنت پر رکھی گئی ہے، کے تحت تدریجی طور پر مگر تیز رفتاری کے ساتھ پوری شریعت اسلامیہ کے ملک میں اجراء کے لئے عملی اقدامات کرے، چند مسائل کی سفارشات وہ بھی زمانہ دراز میں اور چند جزوی احکام کے نفاذ کے لئے محکمہ امور مذہبی کے قیام کا مطالبہ یہ سب ناتمام تصورات ہیں، یاد رکھئے ان چند جزوی ہدایات وسفارشات کر دینے سے آپ شرعی ذمہ داری سے عہدہ برآ نہیں ہو سکتے، ہماری آرزو ہے کہ اللہ تعالیٰ ہماری اس سلامی مملکت کو پوری شریعت اسلامیہ کو جلد از جلد ملک کا قانون بنا کر نافذ کر دینے کی توفیق عطا فرمائیں اور اس اسلامی مملکت کو دینی، سیاسی، اقتصادی اور فوجی غرض ہر اعتبار سے مستحکم ترین مملکت بنا دیں اور اس وقت جبکہ بیشتر ممالک اسلامیہ آج قانون الٰہی کو چھوڑ کر فوضویت وانتشار، اختلال واضطراب اور فقدان استحکام کی آماجگاہ بنے ہوئے ہیں، ہماری حکومت پاکستان اسلامی شریعت کا ملک میں اجراء کر کے اسلامی دنیا میں سیادت وقیادت کی علمبردار بنے، صدر مملکت سے بھی ہماری درخواست ہے کہ وہ اپنی خداداد جرأت وقابلیت سے جس طرح ملک کے سیاسی استحکام اور اقتصادی ترقی کو اپنا نصب العین بنا چکے ہیں اور اس میں شب وروز خاطر خواہ کامیابیاں وکامرانیاں حاصل کر رہے ہیں، اسی طرح شریعت الٰہیہ کے نفاذ واجراء کو بھی اپنا مقصد حیات بنا کر دنیا وآخرت کی دائمی سرخروئی حاصل کریں اور اللہ تعالیٰ کی اس نعمت کا کہ دوبارہ مسند صدارت پر ان کو جلوہ آرائی کا موقعہ نصیب فرمایا ہے، عملی شکریہ ادا کریں اور اللہ جل شانہٗ کی مزید نعمت ورحمت سے سرفراز ہوں، ﴿لئن شکرتم لازیدنکم ولئن کفرتم ان عذابی لشدید﴾.

[ربیع الاول ۱۳۸۵ھ۔ اگست ۱۹۶۵ء]

انسانیت کی نجات اور فلاح وبہبود کا راستہ

ابھی حال ہی میں صدر محترم نے اسلامی نظریات کی مشاورتی کونسل کے اراکین کو شرف ملاقات بخش

ہے اور کچھ ہدایات بھی فرمائی ہیں (بحوالہ روز نامہ جنگ ۲۵ رمئی ۶۶ء)

ہمارا حسن ظن یہ ہی ہے کہ صدر محترم بغیر نام لئے ڈاکٹر فضل الرحمن کو جو کونسل کے اجلاس سے صرف دو روز پہلے پریس کو ایک نہایت غیر ذمہ وارانہ بیان دے چکے ہیں اور اس میں اپنے غیر اسلامی نظریات کا اعلان کر چکے ہیں اور ان جیسے لوگوں کو اپنے خاص انداز میں نصیحت فرمانا چاہتے ہیں، ارشاد ہے ''ہمیں اپنی روز مرہ کی زندگی میں اسلامی نظریات سے مستقل رہنمائی حاصل کرنی چاہیے''۔

اسلامی تعلیمات نے عقل اور علم کو بہت بلند مرتبہ عطا کیا ہے لہٰذا ضروری ہے کہ انسانیت کو اسلام سے جو راہنمائی ہوئی ہے اس کے لئے عقل وعلم سے دلائل فراہم کئے جائیں۔

بالکل بجا ارشاد فرمایا روز مرہ کی زندگی میں مستقل طور پر راہنمائی کا منصب صرف آسمانی تعلیمات اور اسلامی نظریات ہی کو حاصل ہے، انسانی عقل اور تدبر وتفکر کا کام یہ ہے کہ وہ ان خداوندی تعلیمات اور اسلامی نظریات کو عام انسانی فہم سے قریب تر بنانے کی غرض سے ان کی تائید وتصدیق علم وحکمت اور سائنس کی نو بنو تحقیقات واکتشافات کی روشنی میں اس طرح کرے کہ وحی الٰہی پر ایمان وبصیرت میں برابر اضافہ ہوتا رہے اور یقین وطمانیت جس کی روزہ مرہ کی زندگی میں نشاط کار اور یقین محکم پیدا کرنے کے لئے شدید ضرورت ہے، برابر بڑھتا رہے۔

یہی ماہنامہ بینات شروع سے ڈاکٹر فضل الرحمن اور ان کے رفقاء کار کو سمجھانے اور باور کرانے کی کوشش کرتا رہا ہے کہ:

مذہب اسلام کے قطعی احکام میں قطع وبرید اور تاویلات وتحریفات کرتے رہنے کے بجائے اسلام کی حقانیت کے دلائل وبراہین علوم جدیدہ اور سائنسی تحقیقات کے ذریعہ مہیا کیجئے (ملاحظہ فرمایئے ادارہ تحقیقات اسلامی میں راقم السطور کی تقریر ماہنامہ بینات بابت ماہ ربیع الثانی ۸۴ھ)۔

اس کے بعد صدر محترم فرماتے ہیں کہ:

''اگر جدید زندگی کے مسائل کے حل کے لئے مذہب اور سائنس کے امتزاج سے ایک نیا فلسفہ تیار کیا جائے تو اسلامی تصور حیات کو زیادہ بہتر طور پر پیش کیا جاسکتا ہے''۔

نہ معلوم صدر محترم نے کس انداز میں یہ بات فرمائی ہے اور پریس میں کس انداز سے آئی ہے؟ لیکن جو کچھ ہمارے سامنے ہے اس کے اعتبار سے ہم سمجھتے ہیں کہ سابق الذکر ارشاد کے ساتھ اس کا جوڑ صحیح نہیں معلوم ہوتا، اس لئے کہ مذہب کا دائرہ عبادات، معاملات اور اخلاقیات کی تعلیمات سے نیز معاشرہ کی اصلاح وبہبود اور نظام معیشت کے قوانین کی تعیین وتجدید سے ہے، سائنس کا دائرہ اس سے بالکل الگ ہے، وہ کائناتی نظام میں حق تعالیٰ کے جو لامحدود قدرتی خزانے اور قدرتی وسائل کے ذخیرے چھپے ہوئے ہیں اور اب تک وہ انسان کی نگاہ سے اوجھل رہے ہیں، سائنس شب وروز ان کی تلاش وجستجو میں منہمک اور ان کو منظر عام پر لانے اور انسان کے لئے

قابل انتفاع بنانے میں مصروف ہے۔

اب رہا ان کا استعمال اور ان سے کام لینا یہ خود انسان کا کام ہے، مذہب اسی استعمال اور انتفاع میں انسان کی رہنمائی کرتا ہے اور ان کو انسانیت کی فلاح وترقی میں استعمال کرنے کے طریقے متعین کرتا ہے اور انہی اکتشافات وایجادات کے انسانیت کی تباہی وبربادی کا ذریعہ بننے کے راستوں کی نشاندہی کرتا ہے اور ان راستوں میں ان خزائنِ قدرت کے استعمال کرنے کے ان خطرناک عواقب ونتائج سے جو ہوا وہوس کے پھندوں میں گرفتار انسان کی نظر سے اوجھل رہتے ہیں، ڈراتا اور خبردار کرتا ہے، الغرض قدرت کے خزائن کو مذہب نسل انسانی کے لئے رحمت الٰہی بناتا ہے اور وحی الٰہی کی تعلیمات قدم قدم پر انسان کی رہنمائی کرتی ہیں۔

اسی لئے روزمرہ کی زندگی میں اسلامی تعلیمات کی مستقل رہنمائی کی اشد ضرورت ہے، جیسا کہ صدر محترم نے اپنی مذکورہ بالا صدارتی ہدایات میں اراکین مشاورتی کونسل کو تنبیہ فرمائی ہے۔

چنانچہ نہ صرف تجربہ بلکہ بالکل فی الوقت مشاہدہ بھی یہی ہے کہ جب بھی اس اسیر ہوا وہوس انسان نے ان قدرتی وسائل اور سائنس کے دریافت کردہ قدرتی ذخائر کو استعمال کرنے میں مذہب سے بغاوت کی ہے یہ دنیا انسانوں کے لئے جہنم بن گئی ہے۔

دنیا کی قوموں کے عروج وزوال کی تاریخ ہی نہیں بلکہ موجودہ دور میں یورپین ممالک اور اقوام کے فلسفہ زندگی اور نظام معیشت اور تباہ کن فلسفہ حیات، جدید تہذیب وتمدن کی شکل میں جنم دیا ہے، جس کے مہلک نتائج آخرت سے پہلے دنیا ہی میں ظاہر ہو رہے ہیں، نسل انسانی شدید ترین اخلاقی واقتصادی تباہی میں گرفتار ہو کر کراہ رہی ہے، سکون واطمینان مفقود ہو چکا ہے، دنیا دو گروپوں میں تقسیم ہو کر سائنسی ایجادات کے اسلحہ سے مسلح ہو کر ایک دوسرے کو تباہ کرنے پر تلی ہوئی ہے، سرد جنگ پورے عروج پر پہنچی ہوئی ہے ہر فریق اور اس کے حلیف زیادہ سے زیادہ خطرناک اور جہاں سوز ایٹمی اسلحہ تیار کرنے میں رات دن مصروف ہیں، حکومتوں اور قوموں کے تمام تر مالی وسائل اور پیداوار انسانیت کی فلاح وبہبود میں اور معیار زندگی کو بہتر بنانے میں صرف ہونے کے بجائے متوقع یا ممکنہ حملوں کے دفاع کی تیاریوں میں یا کمزور اقوام کی آزادیوں کو سلب کرنے میں صرف ہو رہے ہیں، طاقت ور اور ترقی یافتہ ممالک نے کیپٹل ازم یا کمیونزم کا ایسا تباہ کن اقتصادی اور سیاسی جال پھیلایا ہوا ہے کہ پست اور کمزور اقوام کے لئے ان میں سے کسی ایک میں پھنس کر شکار ہونا ناگزیر ہو گیا ہے، تو نو آزاد اور کمزور ممالک کے لئے ناطرف دار رہ کر اپنے مالی وسائل اور پیداوار کو صرف اپنی فلاح وبہبود پر صرف کرنا ناممکن ہو گیا ہے اور یہ سب کچھ مذہب اور وحی الٰہی کی تعلیمات سے بغاوت کا لازمی نتیجہ ہے۔

دوسری طرف اسی مذہب سے بغاوت نے ایک ایسی تباہ کن تہذیب ومعاشرت کو جنم دیا ہے جس میں تمام اخلاقی قدریں، پرسکون عائلی زندگی کے فطری پاکیزہ رجحانات اور جان ومال اور عزت وآبرو کا امن کلی طور پر

تباہ ہو چکا ہے، جدید سائنس کی دریافت کردہ ایجادات واختراعات، عریانی، فحاشی بے لگام شہوت رانی کو فروغ دینے میں صرف ہو رہی ہیں، نو بنو امن سوز جرائم تازہ بتازہ جنسی بے راہ روی کے کارنامے اس قدر عام ہو گئے ہیں کہ ان ممالک کا سنجیدہ طبقہ ششدر اور حیران ہے کہ اپنی اس تہذیب وتمدن کی تباہ کاریوں کا مقابلہ یا روک تھام کس طرح کرے، کوئی دن ایسا نہیں جاتا کہ اخبارات کے صفحات اس تباہ کن گندی تہذیب کی تباہ کاری کی داستانوں سے خالی ہوتے ہوں، لیکن درحقیقت سائنس اور اس کی نو بنو ایجادات واختراعات اور جدید اکتشافات ہرگز اس تباہ کن جہان سوزی اور بے راہ روی کے ذمہ دار نہیں، سائنس اور اس کی ایجادات ہرگز انسان کو اس تباہ کاری، جہاں سوزی اور ہلاکت آفرینی کا درس یا ترغیب وتحریض ہرگز نہیں دیتیں، سائنس تو صرف حق تعالیٰ کے پیدا کردہ ان مخفی خزانوں ذخیروں اور طاقتوں کو جواب تک انسان کی گناہ سے اوجھل تھے، منظر عام پر لاتی ہے اور انسان کے سپرد کر دیتی ہے وہ خود گونگی بہری اور بے جان و بے جس ہے وہ کسی ذی عقل وذی ہوش مخلوق کی رہنمائی کرنے کی اہلیت ہی نہیں رکھتی۔

اب اگر ان نو دریافت شدہ قدرتی خزانوں اور ذخیروں کو ذی عقل وذی ہوش انسان مذہب یعنی وحی الٰہی کی راہنمائی میں استعمال کرتا اور ان سے نفع اٹھاتا ہے تو یہی ذخیرے اور خزانے نسل انسانی کے لئے خزائن رحمت بن جاتے ہیں اور اگر یہ خودسر اور ہوا پرست انسان مذہب اور تعلیمات وحی ونبوت سے بغاوت وسرتابی اختیار کرتا ہے تو یہی خزائن وذخائر قدرت نسل انسانی کے لئے قہر وغضب الٰہی کا سامان بن کر نسل انسانی کا نام ونشان صفحۂ ہستی سے مٹا دیتے ہیں۔

اگر مذہب اور سائنس کے امتزاج سے صدر محترم کی مراد یہی مذہب کی رہنمائی اور بالا دستی ہے تو ''چشم ماروشن دل ماشاد'' کیا عمدہ بات ہے اور کتنی اچھی نصیحت ہے، اس امتزاج نے اسلام کے عہد عروج میں جو اسلامی تصور حیات پیش کیا ہے اس کے آثار و برکات کی تعریف میں نہ صرف مسلمان مؤرخین بلکہ یورپین مورخین بھی رطب اللسان ہیں اور اسلامی تہذیب وتمدن کے موضع پر انہوں نے مستقل تصانیف لکھی ہیں۔

اور اگر خدا نا کردہ صدر محترم کی مراد یورپ وامریکہ کا خالص ہوا وہوس اور خود غرضی وخود پرستی کی اساس پر قائم شدہ مغربی تمدن اور نظام معیشت ومعاشرت ہے تو ہم بصد احترام صدر محترم سے عرض کریں گے کہ موجودہ مغربی تہذیب وتمدن نہ سائنس ہے اور نہ ہی اس کو سائنس کا تقاضہ کہا جا سکتا ہے، جیسا کہ ہم اس سے قبل عرض کر چکے ہیں کہ مذہب اور سائنس دو بالکل علیحدہ اور مختلف الجنس چیزیں ہیں اور دو مختلف الجنس چیزوں کے اختلاط وامتزاج سے کسی نئے فلسفہ کے تیار کرنے کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔

باقی رہی مغربی تہذیب وتمدن اور نظام معیشت تو اس کی ہلاکت آفرینیوں سے تو یورپین اقوام بھی پناہ مانگ رہی ہیں، سائنس کی ترقی کے ذریعہ انسان نے ان تباہ کاریوں کو اس درجہ پر پہنچا دیا ہے کہ تمام آباد دنیا قطعی

اور یقینی ہلاکت کے کنارے پر کھڑی ہے۔

صدر محترم! آپ بچشم خود دیکھ رہے ہیں کہ سود و قمار کی بنیادوں پر قائم شدہ اقتصادی و تجارتی نظام شہوت رانی اور جنسی اختلاط و بے راہ روی کے آغوش میں پروان چڑھنے اور پرورش پانے والا معاشرہ، اخلاقی انارکی اور نو بنو جرائم کی جنم دینے والی سوسائٹی، انسانیت کش، بہیمانہ رجحانات پیدا کرنے والی تعلیم و تربیت، سب اس بے لگام مغربی تہذیب کے برکات و ثمرات ہیں جنہوں نے انسانیت کی تمام تر مقدس قدروں کو یکسر پامال کر کے رکھ دیا ہے۔

اس لحاظ سے اس جدید تہذیب اور جدید سائنسی ترقیات کے دور میں تو مذہب کی بالادستی اور کنٹرول کی ضرورت ہزار درجہ پہلے سے زائد بڑھ گئی ہے، اگر سابق غیر متمدن عہد میں ایک شخص تیر و تفنگ سے ایک آدمی کو ہلاک کر سکتا تھا تو آج اسی ایک شخص کے صرف ایک بٹن دبا دینے سے کروڑوں انسان ہلاک ہوتے ہیں۔

ان حالات میں انسانیت کی نجات اور فلاح و بہبود کا راستہ اگر ہے تو وہ صرف ایک ہی ہے اور وہ ہے روز مرہ کی زندگی میں مذہب یعنی وحی الٰہی اور تعلیمات نبوت کی بالادستی اور مستقل رہنمائی۔

اور یہ حقیقت اظہر من الشمس ہے کہ مذاہب عالم میں کامل ترین اور جامع ترین مذہب صرف اسلام ہے، اس لئے اب انسانیت کی نجات کا راستہ زندگی کے تمام شعبوں میں خواہ انفرادی ہوں، خواہ اجتماعی صرف اسلام کی فرمانبرداری میں مضمر ہے، وحی ربانی کی یہ دعوت آج بھی نسل انسانی کو متنبہ اور خبردار کر رہی ہے:

﴿وَمَنْ يَّبْتَغِ غَيْرَ الْاِسْلَامِ دِيْنًا فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْهُ وَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ﴾

[آل عمران:۸۵]

جو شخص بھی اسلام کے علاوہ کسی بھی دین کو اختیار کرے گا وہ دین ہرگز نہیں قبول کیا جائے گا اور وہ آخرت میں (آخر کار) خسارہ میں پڑنے والوں میں شامل ہوگا۔

اور اعلام عام کر رہی:

﴿مَنْ عَمِلَ صَالِحاً مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَنُحْيِيَنَّهٗ حَيٰوةً طَيِّبَةً وَ لَنَجْزِيَنَّهُمْ اَجْرَهُمْ بِاَحْسَنِ مَاكَانُوْا يَعْمَلُوْنَ﴾ [النحل:۹۷]

جو شخص بھی مرد ہو یا عورت نیک کام کرے گا بشرطیکہ وہ (خدا رسول پر) ایمان رکھتا ہو، ہم یقیناً اس کو پاکیزہ زندگی عطا فرمائیں گے اور ان کے بہترین اعمال کی جزا ان کو ضرور دیں گے۔

اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو اور مسلمان حکمرانوں کو دین اسلام کو سمجھنے کی اور اس پر پورے طور پر چلنے کی توفیق عطا فرمائیں۔

هذا، وصلى الله تعالىٰ على خير خلقه صفوة البرية سيد نا محمد وآله واصحابه و بارك وسلم.

[جون ۱۹۶۶ء۔ صفر ۱۳۸۶ھ]

فرضیت زکاۃ اوراس کی قطعیت

کون نہیں جانتا کہ زکاۃ بھی عبادت ہے جس طرح نماز، روزہ اور حج عبادات ہیں؟ کون نہیں جانتا کہ یہ چاروں اسلام کے بنیادی ارکان ہیں، کلمہ شہادت کے ساتھ مل کر یہ پانچ ستون ہیں جن پر اسلام کی عمارت قائم ہے اور ان کی فرضیت کا عقیدہ دین اسلام کا متوارث اور متواتر عقیدہ ہے جو عہد نبوت سے آج تک مسلسل چلا آرہا ہے، جس کی تصدیق میں قرآن عظیم کی صدہا آیات اور سنت نبویہ (علی صاحبھا الصلاۃ ولسلام) کی متواتر احادیث موجود ہیں۔ غرض کتاب وسنت اور اجماع وتوارث ہر دلیل و برہان سے زکاۃ کی فرضیت اور اس کا عبادت ہونا ثابت ہے۔ مکتب کا بچہ اور دار العلوم کا استاد اس عقیدہ کو یکساں طور پر جانتے اور مانتے ہیں۔

جس طرح نماز کی رکعتیں اور ان کی تحدید اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے ٹھیک اسی طرح زکاۃ کی شرح نقو دیعنی سونا چاندی ہوں یا جاندار اموال یعنی مویشی ہوں یا زرعی پیداوار ہو سب کی شرح ادائیگی حضرت رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم سے متوارث چلی آرہی ہے۔ زکاۃ وصدقات کے مصارف اور مستحقین خود حق تعالیٰ نے قرآن کریم میں متعین فرمادیئے ہیں اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے مطابق صَرف اور تقسیم کرکے قولاً وعملاً واضح فرمادیا ہے۔ زکاۃ اوراس کی شرح ان احکام شرعیہ میں سے ہیں کہ عہد نبوت میں ہی ان کے تحفظ کا اتنا اہتمام کیا گیا کہ نہ صرف خلفاء راشدین کو بلکہ تحصیل ووصول صدقات کے لئے جو عمال بھی مقرر ہوتے تھے ان کو یہ احکام لکھوا کر حوالہ کردیئے جاتے ہیں۔

مختصر یہ ہے کہ زکاۃ کی شرح اور مصارف کی تفصیلات کو کسی کے اجتہاد اور قیاس ورائے پر نہیں چھوڑا گیا بلکہ خود شارع علیہ الصلوۃ والسلام نے تعیین فرما کر ان کی قطعیت پر آخری مہر ثبت کردی، قیامت تک کے لئے کسی کو یہ حق نہیں دیا گیا کہ اس شرح میں ترمیم وتبدیل کرسکے۔

عہد صدیقی میں جب عرب کے چند مسلمان قبائل نے یہ خیال کرکے زکاۃ دینے سے انکار کیا کہ زکاۃ کی حیثیت سرکاری ٹیکس کی ہے، جب حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جو امیر امت اور سربراہ مملکت تھے دنیا سے رخصت ہوگئے تو اس ٹیکس (زکوۃ) کی ادائیگی بھی ختم ہوگئی اب زکاۃ ادا کرنا ضروری نہیں ہے۔

تو اس پر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے تمام صحابہ کے مجمع میں فرمایا:

"واللہ لاقاتلن من فرق بین الصلاۃ والزکاۃ"

خدا کی قسم میں ہر اس شخص سے ضرور جنگ کروں گا جو نماز اور زکاۃ میں فرق کرے گا۔

نیز فرمایا:

"واللہ لو منعونی عقالا کانوا یودونھا الی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

لقا تلتهم".(۱)

خدا کی قسم! اگر وہ مانعین زکاۃ ایک زکاۃ کا اونٹ باندھنے کی رسی بھی جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ادا کیا کرتے تھے مجھے دینے سے انکار کریں گے تو میں ان سے ضرور جنگ کروں گا۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کی صحیح حدیث کا مضمون بھی یہی ہے، جو صحیحین میں موجود ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں:

"ان رسول الله ﷺ قال امرت ان اقاتل الناس حتی یشهدوا ان لا اله الا الله وان محمداً رسول الله ، و یقیموا الصلاة و یؤتوا الزکاة ، فاذا فعلوا ذلك عصموا منی دمائهم وحسابهم علی الله".(۲)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں لوگوں سے جنگ کرتا رہوں یہاں تک کہ وہ شہادت دیں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد اللہ کے رسول ہیں اور نماز کو قائم کریں اور زکاۃ ادا کریں، جب وہ اس پر عمل کرنے لگیں گے تب وہ مجھ سے (میری دست برد سے) اپنی جان اور مال کو محفوظ کر سکیں گے (مسلمان ہو جائیں گے اور ان کی جان و مال محفوظ ہو جائے گا) باقی ان (کے دلوں) کا حساب (کہ وہ دل سے مسلمان ہوئے یا نہیں) اللہ کے سپرد ہے۔

بینات ماہ رجب وشعبان کے شماروں میں اس مسئلہ کی مزید تحقیق وتفصیل ملاحظہ فرمائیں۔

صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے ان ہر دو فیصلوں کو تمام صحابہ کرام نے متفق الکلمہ قبول کر لیا امت کا یہ سب سے پہلا اور سب سے قوی اجماع ہے جو رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی رحلت کے فوراً بعد پیش آنے والے حادثہ نازلہ میں منعقد ہوا اور آج تک امت مسلمہ میں مسلّم چلا آ رہا ہے، پہلا فیصلہ زکاۃ کے عبادت اور رکن اسلام ہونے کی قطعی دلیل ہے اور دوسرا فیصلہ شرح زکاۃ کے محدود و متعین ہونے کی قطعی دلیل ہے۔

صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے پیش نظر یہی حقیقت تھی کہ جس طرح نماز عبادت ہے اسی طرح زکوۃ بھی عبادت ہے، وہ بدنی عبادت ہے اور یہ مالی عبادت ہے، قرآن کریم نے بھی واضح طور پر اعلان کیا ہے:

﴿فَاِنْ تَابُوْا وَ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ فَخَلُّوْا سَبِيْلَهُمْ﴾ [التوبة:۵]

پس اگر وہ (کفر و شرک سے) توبہ کر لیں اور نماز کو قائم کریں اور زکوۃ ادا کریں، اسلام قبول کر لیں تو ان

(۱) صحیح البخاری، کتاب الزکوة، باب وجوب الزکوة ج:۱ ص:۱۸۸، ط:قدیمی

(۲) صحیح البخاری، کتاب الایمان، باب فان تابوا واقاموا الصلوة واتوا الزکوة فخلوا سبیلهم ج:۱ ص:۸، ط:قدیمی. الصحیح لمسلم، کتاب الایمان، باب الامر بقتال الناس حتی یقولوا لااله الاالله... ج:۱ ص:۳۷، ط:قدیمی

کا رستہ چھوڑ دو قتل و غارت سے ہاتھ روک لو۔

ڈائرکٹر (سربراہ) ادارہ تحقیقات اسلامی ڈاکٹر فضل الرحمن نے ادارے کے ترجمان ماہنامہ فکر و نظر بابت ماہ اکتوبر ۶۴ء میں نصوص قرآن میں قطع برید اور تحریف کی راہ ہموار کرنے کی غرض سے ابدیت قرآن کے عنوان سے جو تحقیقی مقالہ سپردِ قلم کیا ہے اس میں تصریح فرماتے ہیں کہ:

''معاشرہ کی ضروریات کے لئے موجودہ شرح زکاۃ کافی نہیں حکومت کو اس میں اضافہ کا حق حاصل ہے''۔

اور اسی رسالہ کے ایک اور محقق اور قلمی معاون ڈاکٹر رفیع اللہ نے ڈاکٹر صاحب موصوف کی تائید میں فکر و نظر بابت ماہ نومبر ۶۵ء میں اس موضوع پر ایک تحقیقی مقالہ سپردِ قلم کیا اس میں وہ فرماتے ہیں:

''معیشت کی تبدیلیوں کی وجہ سے اس نصاب (زکاۃ) میں کچھ خامیاں پیدا ہوگئی ہیں اس لئے اس پر ایک تحقیقی نظر ڈالنا ضروری ہے''۔

پھر اپنی خانہ ساز تحقیق و تفصیل کے بعد فرماتے ہیں:

''اب اوسط نصاب زکوٰۃ ۲۹۳۹ روپے ہونا چاہیے اور آج کل کے ماہرین معاشیات کا نقطہ نظر بھی یہی ہے کہ اس سے کم آمدنی والے لوگ ہر قسم کے ٹیکس سے مستثنیٰ ہوں''۔

یہ تو ادارہ تحقیقات اسلامیہ کی اندرون خانہ تحقیقات سے متعلق چند سطریں ہیں، ۲۱ مئی ۶۶ء کو راولپنڈی میں اسلامی مشاورتی کونسل کا اجلاس شروع ہونے سے دو دن پہلے ڈاکٹر صاحب موصوف پی پی اے کے نمائندے کو خصوصی انٹرویو دیتے ہیں کہ:

① قرآن مقدس میں مسلمانوں پر مملکت کو صرف ایک ہی ٹیکس لگانے کا اختیار دیا گیا ہے اور وہ زکاۃ ہے۔

② یہ ٹیکس بنیادی طور پر اس لئے وضع کیا گیا تھا کہ اسے مملکت کی مختلف ضروریات پوری کرتے ہوئے نہ صرف مسلم معاشرہ کی سماجی ترقی پر صرف کیا جائے بلکہ مملکت کی دفاعی اور دیگر ضروریات بھی پوری کی جائیں، انہوں نے کہا: زمانہ قدیم میں مسلم مملکت کی ضروریات اتنی زیادہ نہیں ہوتی تھیں جتنی آج کے زمانہ میں ہیں، جدید مملکت کے لئے معمولی شرح پر زکاۃ کا حصول بالکل بیکار ہے اور حاصل شدہ رقم سے اس کی مالی ضروریات پوری نہیں ہوسکتیں، اس لئے ڈاکٹر فضل الرحمن نے زور دیتے ہوئے کہا کہ مسلمانوں پر شرح میں اضافہ کے ساتھ زکاۃ عائد کرنی کی ضرورت ہے۔''

اسلامی مشاورتی کونسل کا اجلاس منعقد ہونے سے صرف دو دن پہلے ڈاکٹر فضل الرحمن جیسے رکن کونسل کے اس انٹرویو سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ یا کونسل کے ایجنڈے پر یہ مسئلہ موجود ہے ورنہ خود ڈاکٹر صاحب کونسل کے اجلاس میں یہ تجویز پیش کرنے والے ہیں، چنانچہ پی پی اے کا نمائندہ اس عنوان سے یہ خبر دیتا ہے:

''اسلامی مشاورتی کونسل کے آئندہ اجلاس راولپنڈی میں تجویز پیش کی جائے گی کہ ملک کے بھاری

ترقیاتی اخراجات پورے کرنے کے لئے زکاۃ کی مقررہ شرعی شرح میں اضافہ کر کے وصول کی جائے''۔

پی پی اے کی اس خبر اور ڈاکٹر فضل الرحمن کے اس انٹرویو سے ملک میں سخت اضطراب کی لہر دوڑ گئی اور ایک ہلچل مچ گئی، ملک کے ہر طبقہ کی جانب سے شدید مخالفت برہمی اور غیظ وغضب کا اظہار ہونے لگا تو ڈاکٹر صاحب کو تو یہ کہتے بنی کہ: (۱)

''یہ میرے ذاتی نظریات ہیں اسلامی مشاورتی کونسل اور اس کے ہونے والے اجلاس کی کارروائی سے ان کا کوئی تعلق نہیں۔'' (۲)

اور اسلامی نظریات کی مشاورتی کونسل کے چیئرمین علامہ علاء الدین صدیقی کو یہ تردیدی بیان دینا پڑا:

''کونسل میں زیر بحث مسائل سے متعلق امور پر ڈاکٹر فضل الرحمن کے ذاتی نظریات کو مشاورتی کونسل کی کارروائیوں سے خلط ملط کرنا غیر ضروری ناجائز اور نامناسب ہے''۔

یہ خلط ملط کرنے کا موقعہ خود ڈاکٹر فضل الرحمن نے عمداً کونسل کے اجلاس شروع ہونے سے صرف دو دن پہلے انٹرویو دے کر پیدا کیا ہے، سوال یہ ہے کہ ایسے غیر اسلامی نظریات کا نہ صرف مالک بلکہ ان کا پرچار کرنے والا شخص اسلامی مشاورتی کونسل کا رکن کیسے نامزد کیا گیا اور ایسے غیر ذمہ دار، غیر محتاط اور غیر اسلامی نظریات کا اعلان کرنے والے شخص کو کونسل کی رکنیت سے کیوں نہیں الگ کیا جاتا؟

ڈاکٹر فضل الرحمن کے متضاد بیانات یا قلابازیاں

پھر ایک طرف اندرون ملک ان کی سرمایہ دارانہ نظام معیشت کی حمایت وسرپرستی کا یہ عالم ہے کہ اسی انٹرویو میں وہ فرماتے ہیں:

''ترقیاتی مقاصد کے لئے سرمایہ پر سود لگانا مذہب کی اسپرٹ کے منافی نہیں اور اس کا جواز موجود ہے''۔

نہ صرف یہ بلکہ وہ تین سال سے ماہنامہ فکر ونظر میں پورا زور قلم تجارتی سود کے جواز پر صرف کر رہے ہیں اور سرمایہ دارانہ نظام معیشت کی حوصلہ افزائی فرما رہے ہیں اور دوسری طرف وہ بیرون ملک امریکی پرنسٹن یونیورسٹی کے زیر اہتمام منعقد ہونے والی مذاہب کانفرنس میں پاکستانی مندوب کی حیثیت سے کس جسارت کے ساتھ

---

(۱) درحقیقت ڈاکٹر فضل الرحمن عہد حاضر کے نہایت ''زیرک'' محقق ہیں وہ مشاورتی کونسل کے اجلاس سے صرف دو دن پہلے یہ انٹرویو دے کر قوم کی اسلامی حمیت اور غیرت ایمانی کا جائزہ لینا چاہتے تھے کہ مسلسل تین سال سے ماہنامہ فکر ونظر کے ذریعہ وہ جس الحاد کی تخم ریزی کر رہے ہیں وہ بیج پھولنے پھلنے کے قابل ہوا ہے یا سوخت ہوگیا۔ الحمد للہ! ابھی پاکستان کے مسلمانوں میں اتنی اسلامی حمیت ہے کہ وہ اسلام کی شہ رگوں پر کار روزنی کرنے والوں کی چھری کو کند کرنے کے لئے بہت کافی ہے۔ ۱۲ مدیر

(۲) صحیح اسلام سے ان کا کوئی تعلق نہیں، تصحیح از مدیر بینات، نوٹ! انجام کراچی مورخہ ۷ جون ۶۶ء میں ڈاکٹر صاحب کا ایک وضاحتی بیان نظر سے گذرا آئندہ اشاعت میں اس کا جواب پیش کیا جائے گا۔

کمیونزم کی پرزور تائید کرتے ہیں، ارشاد ہے:

''بعض خصوصی سماجی حالات میں بیسویں صدی کا کامیاب مذہب کمیونزم ہے اس کی تردید نہیں کی جاسکتی''۔

دیکھئے کس قدر شاندار تضاد ہے، طفل مکتب بھی جانتا ہے کہ کمیونزم کیپٹیل ازم (سرمایہ داری) کا سخت ترین مخالف اور سرسخت دشمن ہے مگر ڈاکٹر صاحب ہیں کہ ساری عمر سرمایہ داری کی علمبرداری کرنے اور اسی کے زیر سایہ پرورش پانے کے با وجود نہایت شدومد کے ساتھ کمیونزم کو بیسویں صدی کا کامیاب مذہب قرار دے رہے ہیں۔

ایک اور عجیب تضاد

پھر ایک طرف تو وہ اندرون ملک برابر تین سال سے اسلام کی تعمیر نو میں اپنا زور قلم صرف کرر ہے ہیں اور اسلام کی منصوص اور قطعی احکام کو موجودہ زمانہ کے تقاضوں کے مطابق بنانے کے لئے نو بنو تاویلیں اور تحریفیں کرر ہے ہیں اور اس مذکورہ بالا انٹرویو میں اسی مسئلہ سود پر علماء اسلام کو مذہبی لیڈر کے لفظ سے یاد کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

انہوں نے کہا کہ'' اس سوال (مسئلہ سود) پر مذہبی لیڈروں نے غلط تاویل کی ہے، کیونکہ قرآن سود چارج کرنے کے سوال پر خاموش ہے''۔

اور علماء اسلام ڈاکٹر صاحب کے لفظوں میں مذہبی لیڈروں پر وہ جدید حالات میں اسلام کی تاویل نہ کرنے کی وجہ سے عوام کے ساتھ غداری کرنے کا الزام لگاتے ہیں:'' ارشاد ہے انہوں نے کہا کہ:'' مذہبی لیڈروں نے جدید حالات میں اسلام کی تاویل پیش نہ کر کے عوام کے ساتھ غداری کی ہے''۔

دوسری طرف وہ مذکورہ بالا کانفرنس میں پاکستانی مندوب کی حیثیت سے گوہر افشانی فرماتے ہیں:

''انہوں نے کہا کہ: موجودہ زمانہ کی ضروریات کے لئے اسلام کی تاویل سے نفسیاتی نقصان پہنچا ہے، یہ مسلمانوں کے لئے خطرناک صورت حال ہے کیونکہ اگر وہ اپنی سوسائٹی کو جدید بنالیں جیسا کہ آج کل ہو رہا ہے تو اسلام بحیثیت ایک سماجی طاقت کے ختم ہوجائے گا حالانکہ اس کا دعویٰ ہے کہ وہ انفرادی زندگی ہی میں نہیں بلکہ معاشرتی زندگی میں بھی ایک طاقت ہے''۔

اب آپ ہی بتلایئے غدار کون ہے؟ مذہبی لیڈر یا ہمارے یہ لامذہبی لیڈر؟ موجودہ زمانہ کے لئے اسلام کی تاویل نہ کرنے والے یا تاویل کرنے والے؟ یہ ہیں ہمارے واحد اسلامی تحقیقاتی ادارہ کے سربراہ (ڈائریکٹر) اور واحد اسلامی نظریات کی مشاورتی کونسل کے رکن رکین کے متضاد افکار اور پراگندہ خیالات نہیں بلکہ منافقانہ دسیسہ کاریاں اور قلابازیاں۔

آپ اندرون ملک تجارتی سود اور ترقیاتی قرضوں پر سود لینے دینے کو جائز اور حلال کہہ کر سرمایہ کاری اور

سودی کاروبار کی یعنی سرمایہ داری کی بنیاد پر قائم نظام معیشت کی تائید اور ہمت افزائی فرماتے ہیں اور بیرون ملک پاکستان کے مندوب کی حیثیت سے بیسویں صدی کا کامیاب مذہب کمیونزم کو بتلاتے ہیں جو کیپٹیل ازم (سرمایہ داری کا) شدید ترین مخالف اور دشمن ہے۔

ایک ہی سانس میں کیمونزم کو بیسویں صدی کا کامیاب مذہب قرار دے کر کمیونزم کی حمایت اور حوصلہ افزائی کرنا اور دوسری طرف باصرار تمام تجارتی سود کو حلال اور سودی کاروبار کو جائز قرار دے کر سرمایہ داری کی حمایت اور حوصلہ افزائی کرنا ہمارے اسلامی تحقیقاتی ادارہ کے سربراہ اور اسلامی نظریات کی مشاورتی کونسل کے رکن رکین کا ایسا شاندار تضاد ہے کہ اس بیسویں صدی میں اس کی نظیر نہیں مل سکتی۔

اور سنئے! چین سے خراج تحسین حاصل کرنے کی غرض سے اسی مذاہب کی کانفرنس میں ہمارے یہ پاکستانی مندوب فرماتے ہیں (پی پی، اے کا نمائندہ لکھتا ہے) مغربی ممالک اور امریکہ کو مشورہ دیا گیا ہے کہ وہ عوامی جمہوریہ چین کو سمجھنے کی کوشش کریں جس کی آبادی ۷۰ کروڑ کے قریب ہے اور جہاں انسانوں کی بہت بڑی تعداد کو سماجی برائیوں سے نجات دلانے اور نیا سماجی اقتصادی نظام قائم کرنے کی زبردست کوشش کی جارہی ہے، یہ بات ڈاکٹر فضل الرحمن نے بتائی جو پاکستانی مندوب کی حیثیت سے امریکی پرنسٹن یونیورسٹی کے زیر اہتمام مذاہب کی کانفرنس میں شریک ہوئے۔

کیا چین کی دوستی کا مقصد یہ ہے کہ پاکستان اسلام کو چھوڑ کر کمیونزم کی ہمنوائی اختیار کرے؟ آج تو مارکس کے ملک میں بھی مارکسریزم (کمیونزم) ختم ہو رہا ہے، کمیونزم تو درحقیقت ایک سیاسی حربہ ہے جو سرمایہ پرست قوموں کے خلاف استعمال کیا جا رہا ہے بلکہ سرمایہ پرست قوموں کے سودخوری کی بنیاد پر قائم شدہ نظام معیشت کا ردعمل ہے جو دنیا کی دوسری خصوصاً ایشیائی اقوام کا خون چوس رہا ہے، کیا ہمارے یہ لامذہبی لیڈر۔ ڈاکٹر فضل الرحمن۔ اسلام کے نظام معیشت کو ناقص قرار دے کر مذہبی لیڈروں۔علماء اسلام۔ کو اس پر غداری کا طعنہ دیتے ہیں کہ وہ اسلام کو کمیونزم کی صورت میں پیش کیوں نہیں کرتے۔ فانا للہ!!

گویا ڈاکٹر صاحب کے اس بیان کی روشنی میں اسلام، علماء اسلام اور حکومت پاکستان سب ہی عوام سے غداری کے مجرم ہیں کہ نہ وقت کے تقاضہ کو سمجھ رہے ہیں اور نہ پورا کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔

مانا کہ یہ ڈاکٹر صاحب کے ذاتی نظریات ہیں لیکن سوال یہ ہے کہ ایسے متضاد اور غیر اسلامی نظریات کے نہ صرف مالک بلکہ ببانگ دہل اندرون ملک اور بیرون ملک اعلان واشاعت کرنے والے شخص کو ایک لمحہ کے لئے بھی اسلامی تحقیقاتی ادارہ کا سربراہ، اسلامی نظریات کی مشاورتی کونسل کا رکن باقی رکھا جا سکتا ہے؟ اور کیا اگر کسی دوسرے ادارہ کا سربراہ ملک کے باہر منعقد ہونے والی کسی کانفرنس میں اس طرح کا رسوا کن اور خود حکومت اور قوم کو مجرم گردانے والا بیان دیتا تو کیا حکومت فوراً اس کو معزول نہ کر دیتی اور اس مجرمانہ بیان پر اس کو سزا نہ دیتی؟

ہم نہیں سمجھتے کہ ڈاکٹر فضل الرحمن ایسے نادان ہیں کہ وہ ایسے متضاد بیانات دیں جن کے تضاد کو ایک طفل مکتب بھی محسوس کر سکتا ہے وہ تو نہ صرف میکگل یونیورسٹی کے فاضل ہیں بلکہ برسوں میکگل یونیورسٹی اور دوسری یونی ورسٹیوں میں پروفیسر بھی رہے ہیں اور اپنے شفیق استاد مشہور مستشرق ڈاکٹر اسمتھ کے شاگرد رشید ہیں، وہ درحقیقت طے شدہ منصوبہ کے تحت اسلامی تحقیقاتی ادارہ پاکستان کے سربراہ بنا کر بھیجے گئے ہیں تا کہ اپنے استاد ڈاکٹر اسمتھ اور دوسرے مستشرقین کی نیابت کریں۔ حکومت پاکستان غیر شعوری طور پر اس دسیسہ کاری کا شکار ہوگئی ہے لیکن اب تو ڈاکٹر صاحب کی حقیقت پاکستان کے ہر مسلمان پر عیاں ہو چکی ہے اب تو حکومت کا فرض ہے کہ ان کو نہ صرف ان کے غیر اسلامی نظریات کی بنا پر بلکہ غیر ممالک میں ان رسوا کن بیانات کی بنا پر فوراً ان عہدوں سے معزول کر کے ان کے خلاف محکمانہ کرروائی کرے اس لئے کہ ان کے یہ بیانات اسلام، علماء اسلام اور دستور پاکستان کے ساتھ غداری کے مرادف ہیں۔

اس وقت پوری قوم کا یہ متفقہ فیصلہ ہے کہ ''اسلامی تحقیقاتی ادارہ'' پر جو ملک کا لاکھوں روپے سالانہ سرمایہ صرف ہو رہا ہے وہ نہ صرف ضائع جا رہا ہے بلکہ اسلام کی بیخ کنی پر صرف ہو رہا ہے اور متفقہ مطالبہ ہے کہ اسلامی نظریات کی مشاورتی کونسل اور اسلامی تحقیقاتی ادارہ کو جلد از جلد ڈاکٹر فضل الرحمن اور ان کے ہمنوا قلمی معاونین سے پاک کر دیا جائے۔

خدا کا شکر ہے کہ ہمارا یہ بیان صرف اپنی مملکت خداداد پاکستان کے مفاد کے پیش نظر ہے اور محض دینی ذمہ واری کے احساس پر مبنی ہے، خدا شاہد ہے کہ ڈاکٹر صاحب سے ہمیں کوئی ذاتی عداوت نہیں بلکہ ہم نے تو ایک ڈیڑھ سال تک ان سے برادرانہ تعلقات بھی محض دین کی خاطر قائم رکھے اور ڈاکٹر صاحب کو کافی موقع دیا کہ وہ ملک وملت کی صحیح خدمات انجام دیں تو ہم بھی ہر قسم کے تعاون کے لئے تیار ہیں اور خود ڈاکٹر صاحب کے ادارہ پر ادارہ تحقیقات اسلامیہ میں جا کر تقریر اور تبادلہ خیالات بھی کیا اور اپنے بے لوث جذبات کے اظہار میں کوئی کوتاہی نہیں کی، لیکن جب بالکل مایوسی ہوگئی تو اظہار حق کا فریضہ تو ہر چیز پر مقدم ہے اس لئے آج تین سال بعد یہ آواز اٹھانی پڑی ہے۔ واللہ علی ما نقول وکیل۔

[صفر ۱۳۸۶ھ - جون ۱۹۶۶ء]

عصر حاضر میں اسلام کی بے چارگی اور اس کے خلاف دشمنوں کی سازش

(۱) انتہائی افسوس کا مقام ہے کہ ہم ایسے دور سے گذر رہے ہیں جس میں تمام اسلامی حقائق کو مسخ کیا جا رہا ہے اور باطنیت والحاد کا جو فتنہ ہزار برس پہلے ظہور پذیر ہو چکا تھا آج تمام عالم میں پھیل گیا ہے اور جو بیج

پورے ایک ہزار برس پہلے بویا گیا تھا آج اس کے برگ و بار کے شباب کا دور ہے۔ اس وقت چونکہ عام مسلمانوں میں دین کا شغف، یقین کا رسوخ اور ایمان کی پختگی پائی جاتی تھی اس لئے یہ امکان نہ تھا کہ جدعوام کے ایمان کو ختم کیا جا سکے۔ پھر علماء امت میں ایسے اساطین اسلام موجود تھے جو ان کے زندقہ والحاد کے تار و پود بکھیر کے رکھ دیا کرتے تھے، ابوبکر باقلانی، امام الحرمین، امام غزالی، امام ابوحامد اسفرائینی، امام ابوالمظفر اسفرائینی، امام فورک جو چوتھی اور پانچویں صدی ہجری کے آسمان علم و تحقیق کے درخشاں ستارے تھے۔ بلکہ امام ابومنصور ماتریدی اور امام ابوالحسن اشعری سے لے کر عزالدین بن عبدالسلام اور حافظ ابن تیمیہ تک بزرگوں نے اسلام عقائد کی حیرت انگیز حفاظت فرمائی، جن کے قلم نے اسلامی حقائق کی حفاظت میں وہ کام کیا جو سلاطین اسلام کی تلوار نہ کر سکی، نیز ان محققین امت کو سلاطین اسلام کی سرپرستی بھی میسر تھی اور اسی ظل خداوندی کے سایہ عاطفت میں اعداء دین کی سرکوبی کرتے رہے۔ آج ظاہر ہے کہ نہ تو وہ محققین ہیں جو دین حق کی حفاظت کے لئے بے نیام تلوار تھے نہ وہ سلاطین اسلام ہیں جو حفظ دین کی خاطر میدان شہادت کے لئے تابانہ انداز میں سبکف تھے:

''آں قدح بشکست وآں ساقی نماند''

اور ان ملاحدہ نے آج میدان کو خالی دیکھ کر اور فضا کو ساز گار سمجھ کر وہ شگوفے کھلانے شروع کر دیئے ہیں کہ عقل حیران رہ جاتی ہے، تحریف دین کا نام تحقیق اسلام ہے، الحاد فی الدین کا نام اظہار حقیقت ہے، حقائق دین کو اس طرح پامال ہوتا دیکھ کر بڑا دکھ ہوتا ہے، کیا کیا جائے ''از ماست کہ بر ماست'' اسلام کی غربت و بیچارگی کا یہ دور انتہائی حسرت ناک بھی ہے اور عبرت ناک بھی، انا للہ وانا الیہ راجعون، اور انتہائی تعجب ہے کہ بغیر سمجھے غزالی، ابن رشد، ابن مسکویہ وغیرہ کے نام لے کر ناظرین کو مرعوب کرنا چاہتے ہیں کہ ہم بھی اس میدان کے شہسوار ہیں تاکہ عوام یہ خیال کرنے لگیں کہ واقعی جو کچھ گوہر افشانی کر رہے ہیں اس کی بھی کوئی قیمت ہے، حالانکہ غور سے دیکھنے والوں سے یہ حقیقت مخفی نہیں کہ جو کچھ فرما رہے ہیں محض نام ہیں۔ ما لهم بذلك من علم ان هم الا يخرصون (ان کو کچھ بھی علم نہیں ہے صرف اٹکل سے باتیں کرتے ہیں)۔

قرآن کریم اللہ کا کلام اور وحی ہے

(۲) امت محمدیہ کا اجماعی عقیدہ ہے کہ قرآن کریم اللہ تعالیٰ کا کلام ہے اور اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات کی طرح قدیم غیر مخلوق اور غیر حادث ہے، معتزلہ کا فرقہ جو اہل حق کے نزدیک حق سے بعید ہے انہوں نے فلسفہ یونان سے تاثر کی بنا پر کچھ موشگافیاں کیں اور تمام اہل سنت سے علیحدہ راستہ اختیار کیا وہ خاص علمی وکلامی بحث ہے جو ان صفحات کے لئے موزوں نہیں، قرآن کریم اور تمام کتب الٰہیہ کی تصریحات کے مطابق حضرت جبرئیل امین جو بارگاہ قدس کے مقرب ترین فرشتہ ہیں وحی قرآنی کو محفوظ طریقے پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر اتارتے تھے جس کے

کلمات والفاظ میں حضرت رسالت پناہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی ذرا تصرف کرنے کا حق حاصل نہ تھا۔

قرآن کریم میں اس انزال وتنزیل کی تعبیرات کی کوئی حد نہیں، ذیل میں اس بحر محیط کے چند موتی ملاحظہ ہوں:

(۱) ﴿نَزَلَ بِهِ الرُّوْحُ الْاَمِيْنُ. عَلٰى قَلْبِكَ لِتَكُوْنَ مِنَ الْمُنْذِرِيْنَ. بِلِسَانٍ عَرَبِيٍّ مُّبِيْنٍ﴾ [الشعراء:۱۹۳تا۱۹۵]

(۲) ﴿قُلْ مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِّجِبْرِيْلَ فَاِنَّهٗ نَزَّلَهٗ عَلٰى قَلْبِكَ بِاِذْنِ اللّٰهِ﴾ [البقرۃ:۹۷]

(۳) ﴿اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَالْكِتٰبِ الَّذِيْ نَزَّلَ عَلٰى رَسُوْلِهٖ﴾ [النساء:۱۳۶]

(٤) ﴿اَللّٰهُ نَزَّلَ اَحْسَنَ الْحَدِيْثِ كِتٰبًا مُّتَشَابِهًا﴾ [الزمر:۲۳]

(۵) ﴿وَاِنْ كُنْتُمْ فِيْ رَيْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا عَلٰى عَبْدِنَا فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّنْ مِّثْلِهٖ﴾ [البقرۃ:۲۳]

(٦) ﴿تَبَارَكَ الَّذِيْ نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلٰى عَبْدِهٖ لِيَكُوْنَ لِلْعٰلَمِيْنَ نَذِيْرًا﴾ [الفرقان:۱]

(۷) ﴿اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْقُرْاٰنَ تَنْزِيْلًا﴾ [الدھر:۲۳]

(۸) ﴿وَنَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ وَّهُدًى وَّرَحْمَةً﴾ [النحل:۸۹]

(۹) ﴿وَاَنْزَلْنَا اِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَيْهِمْ﴾ [النحل:٤٤]

(۱۰) ﴿اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ اَنْزَلَ عَلٰى عَبْدِهِ الْكِتٰبَ﴾ [الکہف:۱]

(۱۱) ﴿وَهٰذَا كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ مُبٰرَكٌ فَاتَّبِعُوْهُ﴾ [الانعام:۱۵۵]

(۱۲) ﴿اِنَّا اَنْزَلْنٰهُ فِيْ لَيْلَةِ الْقَدْرِ﴾ [القدر:۱]

(۱۳) ﴿شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِيْ اُنْزِلَ فِيْهِ الْقُرْاٰنُ﴾ [البقرۃ:۱۸۵]

(۱٤) ﴿تَنْزِيْلُ الْكِتٰبِ لَا رَيْبَ فِيْهِ مِنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ﴾ [السجدۃ:۲]

(۱۵) ﴿وَاِنَّهٗ لَتَنْزِيْلُ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ﴾ [الشعراء:۱۹۲]

(۱٦) ﴿وَاٰمَنُوْا بِمَا نُزِّلَ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّهُوَ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّهِمْ﴾ [محمد:۲]

① اس کو امانت دار فرشتہ لے کر آیا ہے، آپ کے قلب پر صاف عربی زبان میں، تاکہ آپ منجملہ ڈرانے والے کے ہوں۔

② آپ یہ کہئے کہ جو شخص جبرئیل کا دشمن ہو (ہوا کرے) اس نے تو قرآن آپ کے قلب تک پہنچا دیا ہے خداوندی حکم سے۔

③ تم اعتقاد رکھو اللہ کے ساتھ اور اس کے رسول کے ساتھ اور اس کتاب کے ساتھ جو اس نے اپنے

رسول پر نازل فرمائی۔

④اللہ تعالیٰ نے بڑا عمدہ کلام نازل فرمایا ہے جو ایسی کتاب ہے کہ باہم ملتی جلتی ہے۔

⑤اور اگر تم لوگ کچھ خلجان میں ہو اس کتاب کی نسبت جو ہم نے نازل فرمائی ہے اپنے بندہ خاص پر تو اچھا پھر تم بنا لاؤ ایک محدود ٹکڑا جو اس کا ہم پلہ ہو۔

⑥بڑی عالیشان ذات ہے جس نے یہ فیصلہ کی کتاب اپنے بندہ خاص پر نازل فرمائی تاکہ وہ تمام جہان والوں کے لئے ڈرانے والا ہو۔

⑦ہم نے آپ پر قرآن تھوڑا تھوڑا کر کے اتارا ہے۔

⑧اور ہم نے آپ پر قرآن اتارا ہے کہ تمام باتوں کا بیان کرنیوالا ہے اور مسلمانوں کے واسطے بڑی ہدایت اور بڑی رحمت ہے۔

⑨اور آپ پر بھی یہ قرآن اتارا ہے تاکہ جو مضامین لوگوں کے پاس بھیجے گئے ہیں وہ آپ ان سے ظاہر کر دیں۔

⑩تمام خوبیاں اس اللہ کے لئے ثابت ہیں جس نے اپنے بندے پر کتاب نازل فرمائی۔

⑪اور یہ ایک کتاب ہے جس کو ہم نے بھیجا بڑی خیر و برکت والی سو اس کی اتباع کرو۔

⑫بے شک ہم نے قرآن کو شب قدر میں اتارا ہے۔

⑬ماہ رمضان کا مہینہ ہے جس میں قرآن مجید بھیجا گیا ہے۔

⑭یہ نازل ہوئی کتاب ہے اس میں کچھ شبہ نہیں یہ رب العالمین کی طرف سے ہے۔

⑮اور یہ قرآن رب العالمین کا بھیجا ہوا ہے۔

⑯اور ایمان لائے اس پر جو محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر اتارا گیا ہے اور حق ہے ان کے رب کی جانب سے ہے۔ (ترجمہ حضرت تھانویؒ)

قرآن کریم کی ان آیات کریمہ سے حسب ذیل حقائق خوب واضح ہو جاتے ہیں:

قرآن مجید حق تعالیٰ نے اتارا، جبرئیل امین کے ذریعہ اتارا، حضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر اتارا، ماہ رمضان میں اتارا، شب قدر میں اتارا، کس نے اتارا؟ کس کے ذریعہ سے اتارا؟ اس کا نام کیا ہے؟ اس کا لقب کیا ہے؟ کس پر اتارا؟ اس کا نام کیا ہے؟ کس ماہ اتارا؟ کس رات اتارا؟ [illegible] آیات مقدسہ میں نہایت وضاحت کے ساتھ تمام تفصیلات موجود ہیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث طیبہ میں ان ہی کی تفصیلات موجود ہیں جنہیں ملحدین افسانہ کا نام دے کر بے وزن کرنا چاہتے ہیں۔ ان حقائق قرآنیہ کی روشنی میں تمام امت اسلامیہ کا یہ متفقہ عقیدہ ہے کہ قرآن مجید اللہ کا کلام ہے اور محفوظ ترین طریقے پر بواسطہ جبرئیل

امین اللہ تعالیٰ نے حضرت رسول اللہ کے سینے میں اتارا اور آپ ﷺ نے اسی طرح بغیر ذرہ بھر تغیر کے امت تک پہنچا دیا یہ امت محمدیہ کا اجتماعی عقیدہ ہے۔

ان حقائق کی روشنی میں کتنی بڑی جہالت کی بات ہے جو یہ کہے کہ قرآن کریم کا چشمہ پیغمبر کے سینے سے پھوٹ کر بہا، جبرئیل کوئی خارجی شئی نہیں، وحی کے لئے خارجیت نہیں، اس کے سوتے قلب مبارک سے نکلے اور قرآن اگر کلام الٰہی ہے تو (معاذ اللہ) بایں معنی جیسے شاعروں کو کہا جاتا ہے تلامیذ الرحمن اور سچ تو یہ ہے کہ کفار و مستشرقین نے جو کچھ زہر اگلا تھا انہی کی ترجمانی کی جارہی ہے اور اسی قے کو چاٹا جارہا ہے، لیکن جمہور امت کے خوف سے کوشش یہ کی گئی کہ الفاظ کے گورکھ دھندوں میں پھنسا کر اگر کچھ ایسی تعبیر کی جائے کہ گریز کا رستہ کچھ باقی رہے اور ساری لغویات وخرافات کے بعد یہ کہا جاسکے کہ جی ہاں اللہ کا کلام بھی ہے اور رسول کا کلام بھی ہے، پھر اس کی تاویل کی جائے اور چاہتے ہیں کہ اس کفر صریح کو الفاظ وتعبیرات کے پردوں میں چھپا کر پیش کریں اور یہ اللہ کے کلام کی تشریح کرنے والے مزید راندہ جرأت کر کے اسی کو غزالی اور شاہ ولی اللہ کا عقیدہ بتلاتے ہیں۔ لیکن ایمانی بصیرت سے محرومی کی وجہ سے عقل وفہم کا حال یہ ہے کہ عام وحی الٰہی نبوت اور نزول وحی کی کیفیات کی جو تشریحات یا تعبیرات ان بزرگوں سے منقول ہیں اس کو وحی قرآنی پر محمول کرتے چلے جاتے ہیں، سوائے اس کے کیا کہا جائے کہ یہ سب کچھ ایمانی بصیرت اور ایمانی نور سے محرومی کا نتیجہ ہے یا پھر ان حقائق الٰہیہ سے جہل عظیم کا ثمرہ ہے۔ خدارا! انصاف کیجئے کہ تمام قرآن اور تمام وحی کو پیغمبر کا اخلاقی تجربہ اور توسیع ذات بتلایا جائے کیا یہ صریح گمراہی نہیں اور ادب واحترام کے لہجے میں ایسی تعبیر کی جاتی ہے کہ عوام متاثر ہوں اور یہ خیال کریں کہ ان لکھنے والوں کے دلوں میں اللہ اور اللہ کے رسول کا بڑا احترام ہے، لیکن حقائق بین نگاہیں محسوس کرتی ہیں کہ اللہ دین اور حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مقدس ارشادات کی جڑیں کاٹ رہے ہیں اور اپنے سلف مستشرقین کی دلی آرزوں کو پورا کر کے وہ کام انجام دے رہے ہیں جو ان سے نہ ہوسکا۔

ادارہ تحقیقات اسلامی کے لئے اہل حضرات کون ہیں؟

یہ سطریں زیر قلم تھیں کہ یہ معلوم ہوا کہ ادارہ تحقیقات اسلامی کے ڈائریکٹر جو ان لغویات کے علمبردار تھے عوام کے احتجاج پر اپنے منصب سے برطرف کردیئے گئے لیکن سوال تو یہ ہے کہ اس وقت تک ان کی رہنمائی میں ماہنامہ فکر ونظر اور اسلام وغیرہ کتابوں کے ذریعہ جو بیج ڈالا گیا ہے اس کا کیا کیا جائے گا؟

اب تک جتنا لٹریچر ظہور میں آیا ہے وہ ''غرق مئے ناب اولیٰ'' کا مصداق ہے جب تک اس کو دریا برد نہ کیا جائے اس وقت تک کیا اطمینان ہے کہ پھر بھی کچھ نہیں ہوگا اور ان تحریفات والحاد پر اس وقت تک جو پاکستان کے خزانے سے لاکھوں روپیہ خرچ کیا گیا ہے اس کا کیا تدارک کیا جائے گا؟ اور جو اپنے ہم خیال اسٹاف کو اپنے ارد

گرد جمع کیا تھا اس کا کیا حشر ہوگا؟ ضرورت اس کی ہے کہ یہ ادارہ امین ہاتھوں میں دیا جائے اور اس کی علمی و دینی معاونت کے لئے علماء امت میں سے معتمد ترین افراد کا انتخاب کیا جائے جن کے علم و تقوی پر جمہور امت کو اعتماد ہو اور وہ شرعی احکام و مسائل معلوم کرنے کے لئے ان کی طرف رجوع کرتے ہوں۔

اور یہ بھی نہایت ضروری ہے کہ ان تحقیقات کے لئے دائرہ عمل متعین کیا جائے اور دین کے مسلمات کو زیر بحث لانے کی اجازت نہ دی جائے۔

جب تک یہ روک تھام نہ ہوگی اس وقت تک قابل اطمینان صورت ملک میں پیدا نہ ہوگی۔

والله سبحانه هو الموفق

[رجب ۱۳۸۸ھ]

ادارہ تحقیقات اسلامی اور ڈاکٹر معصومی

مقام مسرت ہے کہ ادارہ تحقیقات اسلامی پاکستان کا رخ بدل رہا ہے اور بجائے جدید استشراق، قدیم عہد سلف لے رہا ہے اور جناب ڈاکٹر معصومی صاحب کی سرپرستی میں اونچے پیمانے پر علمی و دینی تحقیق کا حق ادا ہو رہا ہے، ادارے کا جدید شاہ کار امام ابوجعفر طحاوی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب ''اختلاف الفقہاء'' کی طباعت اور اس کا ایڈٹ کرنا ہے، جس پر آئندہ اشاعت میں ایک مختصر بصیرت افروز مقالہ انشاء اللہ ناظرین کے سامنے آئے گا، مدت سے یہی تمنا تھی کہ ادارہ کے اساسی مقاصد اسی قسم کے ہونے چاہیئے تھے، خدا کرے استقامت نصیب ہو اور ملک و ملت کے لاکھوں روپے صحیح دینی و علمی مقاصد پر خرچ ہوں اور قدیم اسلام میں مستشرقین کے جدید اسلام کا پیوند لگانے کی کوشش نہ ہو، جدید علم کلام اور فقہ اسلامی کی صحیح خدمت ہو تاکہ اللہ تعالی اور اس کی مخلوق دونوں بیک وقت راضی ہوں۔

والله سبحانه هو الموفق لكل خير

[جمادی الاولی ۱۳۹۲ھ - جولائی ۱۹۷۲ء]

نزول قرآن کریم کا چہاردہ صد سالہ جشن

ادارہ تحقیقات اسلامی راولپنڈی کی طرف سے امسال ماہ فروری ۱۹۶۸ء میں ایک بین الاقوامی اسلامی کانفرنس کا انعقاد عمل میں آیا جس میں ممالک اسلامیہ اور عربیہ کی ممتاز شخصیتیں شامل ہوئیں، مندوبین میں السید محمد امین الحسینی الفلسطینی، مصر کے الاستاذ احمد حسن الباقوری مدیر الازہر، مجمع البحوث الاسلامیہ قاہرہ کے ڈائرکٹر الاستاذ ڈاکٹر حب اللہ، الشیخ منصور محجوب لیبیا کے قاضی القضاۃ اور ہیئت کبار علماء کے مستشار، شام کے مفتی الشیخ احمد کفتارو عراق کے الاستاذ جواد علی، ترکی کے ڈاکٹر ذکی ولیدی طوغان، ایران کے ڈاکٹر بدیع الزمان فیروز، مراکش

نے شیخ عبد الرحمن وکالی قائدین افواج کے مذہبی رہنما، تاشقند کے مفتی ضیاء الدین المعروف بابا خانوف وغیرہ کے نام خاص طور سے قابل ذکر ہیں، اندرون ملک مشرقی ومغربی پاکستان کے مشاہیر اہل علم کو بھی دعوت دی گئی تھی بلکہ سنی شیعہ وغیرہ تمام طبقات کے نمائندے بلائے گئے تھے تمام مندوبین کے قیام کا انتظام ادارے کی طرف سے راولپنڈی کے سب سے بڑے ہوٹل ''انٹرکانٹی نینٹل'' میں کیا گیا تھا۔

مورخہ ۳۱/اکتوبر ۶۷ء کو ادارے کے سربراہ ڈاکٹر فضل الرحمن کی جانب سے راقم الحروف کو دعوت نامہ ملا کہ ادارہ تحقیقات اسلامی قرآن کریم کے نزول بابرکت کے چہاردہ صد سالہ جشن کی تقریب سعید پر پاکستان اور تمام ممالک اسلامیہ کے اہل علم وفکر کی موتمر منعقد کررہا ہے اور حکومت پاکستان نے اس کی سرپرستی منظور کرلی ہے، کانفرنس کا پروگرام آپ کی خدمت میں بھیج رہا ہوں مجھے یقین ہے کہ آپ اس کانفرنس میں شرکت ضرور قبول فرمائیں گے اور اپنے علم ودانش اور بصیرت دینی سے کانفرنس کے مندوبین اور ان کے ذریعہ تمام عالم اسلام کو مستفیض فرمائیں گے، آپ سے درخواست ہے کہ کانفرنس کے انعقاد کے دوران ادارہ تحقیقات اسلامی کو میزبانی کا شرف بخشیں، آپ کے سفر کے اخراجات بھی ادارے کے ذمہ ہوں گے اس دعوت کی شرکت کے شرف قبول سے جلد سے جلد مطلع فرمائیں وقت تھوڑا کام بہت ہے، آپ کی اعانت کے لئے ہم سب آپ کے ممنون ہوں گے۔

راقم الحروف نے جواب میں عرض کیا کہ دعوت منظور ہے بشرطیکہ حسب ذیل تین شرائط منظور فرمائیں:

① ممالک اسلامیہ کے مندوبین کے اسماء گرامی سے مطلع فرمائیں۔

② مؤتمر کے موضوعات میں سے مجھے کسی ایک موضوع پر مقالہ پیش کرنے کا حق دیا جائے۔

③ مقالات پر مناقشہ وتنقید کا حق حاصل ہو۔

جواباً ڈاکٹر صاحب نے تینوں شرطوں کو منظور فرمایا اور تحریر فرمایا کہ ''مجھے اور موتمر کی مجلس انتظامیہ کو بہت مسرت ہے کہ آپ نے موتمر میں شرکت کی دعوت قبول فرمائی۔''

۱۰/فروری کو انٹرکانٹی نینٹل کے ہال میں بڑے پیمانے پر اجلاس کا افتتاح ہوا مندوبین کے علاوہ دوسرے ممالک اسلامیہ کے سفراء بھی موجود تھے عام شرکت کے لئے دعوت نامے جاری کردیئے گئے تھے۔

قرآن کریم کی تلاوت سے افتتاح ہوا اس کا افسوس رہا کہ افتتاحی تلاوت کے لئے نہایت ہی غیر معیاری قاری کا انتخاب ہوا تھا جس نے نہ صرف تجوید وحسن لہجہ ہی ساقط کردیا تھا بلکہ قرآن کریم غلط بھی پڑھا اور بار بار قرآن کریم ہاتھ میں لینے کے باوجود بھی غلطی کی اصلاح نہ کی حالانکہ عمدہ سے عمدہ قاری اس مجمع میں موجود تھے منتظمین کی اس فروگذاشت سے مجھے بے حد خفت ہوئی کہ باہر کے مندوبین کیا کہیں گے کہ اتنے اہم موقع پر ایسی غلط سلط تلاوت کی گئی۔

تلاوت قرآن کریم کے بعد پاکستان کے صدر محترم کا پیغام سنایا گیا اور اس کے بعد ڈاکٹر فضل الرحمن

نے مصر، سوڈان، انڈونیشیا وغیرہ سے وصول شدہ پیغامات سنائے افتتاحی اجلاس انہی پیغامات پر ختم ہوا۔

۱۱ رفروری کی صبح کو حضرت المفتی محمد امین الحسینی الفلسطینی کی صدارت میں ہوٹل کے بڑے ہال میں اجلاس شروع ہوا، تلاوت قرآن کریم اور ابتدائی کارروائی کے بعد مولانا محمد جعفر شاہ پھلواری کے مقالہ سنانے کا نمبر تھا، لیکن موصوف نے فرمایا کہ میرا مقالہ گم ہو گیا چھپ نہیں سکا اور مجھے کچھ یاد بھی نہیں تاہم زبانی کچھ [illegible] چنانچہ موصوف نے اجتہاد پر تقریر شروع کی زور دیا کہ اجتہاد باقی ہے بند نہیں ہوا اور عقل کی اہمیت پر تقریر کے دوران چند ساقط اور موضوع احادیث بھی سنائیں حالانکہ عقل و تدبر پر قرآن کریم واحادیث نبویہ صحیحہ کا ذخیرہ کافی تھا ان ہی سے استدلال کرتے تو بہت ہوتا، بہر حال تقریر کا یہ حصہ سکون سے سنا گیا موصوف نے اس کے بعد اجتہاد کے دائرے کو منصوصات قطعیہ تک وسیع کیا اور صاف فرمایا کہ قرآن کریم اور صحیح احادیث کے مقابلے میں بھی اجتہاد کا حق حاصل ہے اور حضرت فاروق اعظمؓ نے ایسا کیا، قرآن کریم نے مؤلفۃ القلوب کو بھی صدقات کا مصرف مقرر کیا، فاروق اعظمؓ نے اس کو ختم کیا۔ یک وقت تین طلاقوں کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک طلاق رجعی قرار دیا تھا فاروق اعظمؓ نے تین کو تین ہی رہنے دیا، جس طرح عمر فاروقؓ نے کیا آج ہمیں بھی یہ حق حاصل ہے کہ وقتی مصالح کے پیش نظر اجتہاد سے کام لے کر مسائل وقوانین کا فیصلہ کریں، موصوف کی تقریر کا یہ خلاصہ ہے۔ ظاہر ہے کہ تقریر کا یہ حصہ قطعاً تحقیق کے خلاف اور بڑی غلط فہمیوں پر مشتمل تھا اور قابل برداشت نہ تھا، راقم الحروف نے مجبور ہو کر صدر محترم کو مخاطب کیا کہ مقرر موضوع سے باہر ہو گیا ہے اور آپ چونکہ اردو نہیں سمجھتے اس لئے تنبیہ نہیں ہوا، براہ کرم اس کو روک دیں، چونکہ موصوف کی بات میرے نزدیک ناقابل برداشت تھی اس لئے طبعاً غصہ آنا چاہیے تھا چنانچہ شدید اور سخت لہجہ میں یہ احتجاج عربی زبان ہی میں کیا:

"یاسیدی الرئیس! ارجوك ان تلجم هذا الخطیب فانه قد خرج عن موضوعه ووسع دائرة الاجتهاد الی النصوص القطعیة الصریحة ارجوکم ان تلجموه"

جناب صدر جلسہ! مقرر کو روکئے یہ اپنے موضوع سے نکل گئے ہیں اور انہوں نے نصوص صریحہ تک اجتہاد کے دائرے میں لانے کا دعویٰ کیا ہے اس لئے براہ کرم روک دیجئے۔

میرے احتجاج پر مشرقی پاکستان کے دو عالموں نے مندوبین میں سے کھڑے ہو کر احتجاج کیا، مفتی محمود صاحب نے صدر جلسہ سے تنقید کے حق کا مطالبہ کیا، مندوبین کے علاوہ ہال میں [illegible] الغرض مقرر نے تقریر کو مختصر کر کے ختم کیا، سب سے پہلے ڈاکٹر سید محمد یوسف صاحب صدر شعبہ عربی کراچی یونیورسٹی نے باجازت صدر عربی میں بہت عمدہ سلجھی ہوئی تقریر فرمائی کہ عقل کے دائرے کو جو شخص اتنا وسیع کرے کہ قرآن وحدیث کے صریح نصوص قطعیہ بھی اس کی زد میں آجائیں وہ تو مسلمان ہی نہیں ہے۔ اس تقریر کا بہت اچھا اثر ہوا اور عرب ممالک کے مندوبین بھی خوش ہو گئے اس کے بعد ڈاکٹر حب اللہ نے جو ازہر میں مجمع البحوث

الاسلامیہ کے ڈائرکٹر اور بڑے محقق عالم اور دینی تصلب و پختگی میں ممتاز ہیں، باجازت صدر نہایت عمدہ اور مؤثر تقریر فرمائی اور فرمایا کہ افسوس کہ جناب مقرر نے جن احادیث سے عقل کی اہمیت بیان کی ہے، یہ احادیث بہت ہی ضعیف یا موضوعی ہیں اور عقل کا دائرہ شریعت کے اندر محدود ہے، عقل کو یہ آزادی کبھی نہیں دی گئی کہ شرائع الٰہیہ کے حدود سے باہر جائے، فلسفی عقل کے لئے شریعت میں کوئی جگہ نہیں، عملی عقل کا دائرہ وحی الٰہی کے دائرے میں ہے، باقی جو کچھ بقیہ تقریر کا حصہ تھا چونکہ وہ خالص اردو میں تھا اس لئے ڈاکٹر حب اللہ نہ سمجھ سکتے تھے، نہ اس کی تردید فرما سکے، آخر میں صدر محترم السید الحسینی نے تنقید کے لئے راقم الحروف کو دعوت دی، میں نے چاہا کہ عربی میں تقریر ہو لیکن اردو خواں حاضرین کا اصرار تھا کہ تقریر اردو میں ہوتا کہ ان کے پلے بھی کچھ پڑے، سابق دو تقریریں عربی میں تھیں میری تقریر و تنقید کا خلاصہ یہ تھا کہ:

میری تقریر ڈاکٹر حب اللہ صاحب کی تقریر ہی کا تکملہ ہے، امت محمدیہ کا اس پر اجماع ہے کہ جو حکم شرعی قرآن و حدیث میں واضح طور پر آ گیا ہے نہ اس میں اجتہاد کی گنجائش ہے نہ اس کی مخالفت کا امکان، اجتہاد کا دائرہ وہ حوادث و واقعات ہیں جہاں کتاب و سنت خاموش ہوں، جو جدید مسائل پیش آئیں ان میں قرآن و سنت نے اجتہاد کی نہ صرف اجازت دی ہے بلکہ اس کا حکم دیا ہے، ان مسائل میں اجتہاد کا دروازہ قیامت تک کھلا رہے گا ان مسائل میں اجتہاد کو بند کرنا اسلام کو بدنام کرنا ہے، البتہ اجتہاد کے لئے اہلیت اجتہاد کی ضرورت ہوگی اس کے لئے کوئی وجہ جواز نہیں کہ جو شخص اجتہاد کا اہل نہ ہو وہ بھی اجتہاد کرے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک صحیح حدیث میں جدید اجتہاد کے لئے بھی ایک فیصلہ کن ارشاد موجود ہے وہ حدیث حافظ نورالدین ہیثمی نے اپنی کتاب ''مجمع الزوائد و منبع الفوائد'' میں بحوالہ معجم کبیر و معجم اوسط طبرانی بروایت حضرت علی و حضرت ابن عباس نقل کی ہے، حضرت علیؓ کی روایت کے الفاظ یہ ہیں:

''عن علی رضی اللہ عنہ قال: قلت یا رسول اللہ، اذا نزل بنا امر لم یکن فیہ بیان لا امر و لا نہی فما تامرنا فیہ؟ قال: شاوروا الفقہاء والعابدین ولا تمضوا فیہ رای خاصۃ، وفی روایۃ ولا تقضوا فیہ برای خاصۃ''.(۱)

(۱) یہ حدیث راقم الحروف کو ۱۳۴۶ھ سے یاد تھی، پہلی مرتبہ تو زبانی حضرت الاستاذ امام العصر مولانا محمد انور شاہ رحمہ اللہ سے سنی تھی، ایک دفعہ دارالعلوم دیوبند میں مرحوم مولانا حبیب الرحمن خاں صاحب شیروانی ایک خاص وفد میں تشریف لائے تھے، موصوف نے حضرت شیخ سے جدید مسائل و حوادث کے بارے میں سوال کیا، حضرت شیخ نے فوراً برجستہ یہ حدیث بلفظہ سنادی، ہیثمی کی روایت بھی نقل فرمائی، یاد تو اسی رات ہوگئی تھی اور بعد میں اپنی یادداشت میں لکھ لی تھی، حضرت شیخ کی وفات کے بعد حافظ نورالدین ہیثمی کی یہ کتاب مصر سے چھپ کر آ گئی تو پہلی جلد میں کتاب العلم میں یہ حدیث دوبارہ نظر سے گذری اور ایک ٹکڑا اس کتاب کا ہندوستان میں چھپا تھا اس میں بھی دیکھی، بہرحال یہ حدیث مجھے چالیس سال سے یاد تھی بعد میں الحمدللہ کہ میرے توسط سے اور ''بینات'' کے توسط سے بہت سے حضرات کو معلوم ہوئی، وللہ الحمد۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ سے روایت ہے کہ میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! جب ہمارے سامنے کوئی ایسا حادثہ پیش آئے جس کے بارے میں کوئی واضح حکم امر و نہی کا نہ ہو، اس کے متعلق آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) ہمیں کیا ارشاد فرماتے ہیں؟ فرمایا: فقہاء و عابدین سے مشورہ کرو اور اس میں شخصی رائے نافذ نہ کرو، ایک روایت میں یوں ہے کہ اس میں شخصی رائے سے فیصلہ نہ کرو۔

حافظ حدیث امام نورالدین ہیثمی نے نقل کرنے کے بعد فرمایا:

ورجاله موثقون من اهل الصحيح(۱)

اسناد کے رواۃ سب ثقہ اور صحیح احادیث کے راوی ہیں۔

اس حدیث نبوی سے بات بالکل صاف ہوگئی اور حسب ذیل امور روشنی میں آ گئے:

(الف) جدید مسائل میں اجتہاد کا دروازہ بند نہیں ہوا۔

(ب) جب جدید مسائل پیش آئیں تو سب سے پہلے قرآن وسنت کے بیانات کی طرف رجوع کیا جائے۔

(ج) اگر اس کے حکم سے قرآن وسنت دونوں خاموش ہیں کوئی صریحی بیان نہیں ملتا تو اجتہاد کے ذریعہ فیصلہ کرنا چاہیے۔

(د) اجتہاد کے اصول دو ہیں:

① اجتہاد کرنے والے فقہاء ہوں جن کو دین کا فہم اللہ تعالیٰ نے عطا فرمایا ہے۔

② شخصی اجتہاد سے گریز کیا جائے، بلکہ اجتماعی یا اجماعی اجتہاد کیا جائے، یعنی فقہاء و علماء مل کر غور کریں اور مسائل کا حل تلاش کریں، تنہا شخصی رائے قابل اعتماد نہیں۔

(ھ) اجتہاد کرنے والی جماعت، دینی فہم وتفقہ کے ساتھ صلاح وتقویٰ وخدا ترسی، کثرت عبادت سے متصف ہو۔

دیکھئے کتنی صفائی کے ساتھ جدید اجتہاد کے شرائط روشن ہو گئے اور اجتہاد کے لئے یہ سب بنیادی چیزیں ہیں اگر کسی میں تفقہ فی الدین کی اہلیت نہیں تو ظاہر ہے کہ اس کا اجتہاد بازیچہ اطفال قرار پائے گا، کیا کسی عاقل کے نزدیک یہ گنجائش ہے کہ کسی انجینئر سے امراض کا علاج کرایا جائے یا کسی طبیب سے مکان کا نقشہ بنوایا جائے۔ جب یہ بات مسلم ہے کہ "کل فن له رجال" ہر فن کے لئے اپنے اپنے آدمی ہیں، تو اجتہاد کے لئے کیونکر اتنی آزادی دی جاسکتی ہے کہ ہر شخص کو اجتہاد کرنے کا حق ہے، جب دنیا کے ہر معمولی پیشہ کے لئے ماہر کی شرط لگائی جاتی ہے تو آخرت اور دین کے معاملے میں یہ شرط کیوں ساقط کر دی جاتی ہے، حالانکہ دنیا تو محض عقل کے تابع ہے

(۱) المعجم الاوسط للطبرانی ج:۲ ص:۱۷۲، ط: دارالحرمین القاهرة.
مجمع الزوائد ج:۱ ص:۲۱۷، ط: دارالفکر بیروت

اور آخرت عقل کے ساتھ وحی الٰہی کی محتاج ہے۔

بہر حال اس صحیح حدیث کی روشنی میں جدید اجتہاد کا مسئلہ بالکل صاف ہوگیا اور ساتھ ہی ساتھ قرآن وسنت کی جامعیت کا بھی اندازہ ہوگیا، کوئی مرض ایسا نہیں کہ قرآن وسنت نے اس کی دوا تجویز نہ کردی ہو اور کوئی درد ایسا نہیں کہ شریعت اسلامیہ کے شفاخانے میں اس کا مرہم نہ موجود ہو۔

الحمدللہ میری اس مختصر تقریر کی تصور سے بالاتر قدر افزائی ہوئی اور سامعین کو فوق العادہ سکون ہوا، عربی ممالک کے مندوبین میں سے الشیخ عبدالرحمن وکالی مراکش ورباط کے مندوب نے اٹھ کر فرمایا:

یاشیخ! واللہ ان خطابك وھذا الحدیث الذی ذکرته کان بلسماً لجروحنا

آپ کے اس بیان اور اس حدیث نے ہمارے زخموں پر مرہم کا کام کیا۔

دوسرے دن اجلاس میں حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب کا مقالہ بہت اہم تھا، اجلاس الاستاذ احمد حسن الباقوری (جمہوریہ مصر) کی صدارت میں شروع ہوا اور حضرت مفتی صاحب نے اپنا مقالہ اردو میں پڑھ کر سنایا جو تقسیم دولت اور اسلامی نظام معیشت پر تھا پسند کیا گیا بعد ازاں چائے کے وقفے کے بعد جناب مسعود چیف ایڈمنسٹریٹر اوقاف کا انگریزی میں مقالہ تھا جس میں قرآن کریم سے اشتراکیت یا سوشلزم کے اثبات کی کوشش کی گئی تھی اور علماء امت پر کچھ ناشائستہ انداز سے تنقید تھی، مقالہ انگریزی میں تھا مقالہ ختم کرنے کے بعد ہال میں شور اور غوغا آرائی ہوئی بلکہ اتنا شور ہوا کہ معاملہ قابو سے باہر ہوگیا آخر مولانا مفتی محمود صاحب نے استاذ باقوری سے تقریر کرنے کی اجازت لی کہ یہ ہنگامہ بغیر تردیدی تقریر کے خاموش نہیں ہوسکتا چنانچہ مفتی صاحب کی تقریر سے لوگوں کو تسلی ہوگئی اور اس روز کی مجلس بھی ختم ہوگئی۔

آخری دن ۱۳ر فروری ۱۹۶۸ء کو اختتامی اجلاس تھا خواجہ شہاب الدین وزیر مواصلات کی صدارت میں اجلاس شروع ہوا، ابتدائی تلاوت قرآن کریم کے بعد وزیر قانون جناب ایس ایم ظفر صاحب نے سیمینار کے مقاصد پر روشنی ڈالی اور معزز مندوبین کی تشریف آوری کا شکریہ ادا کیا، تقریر انگریزی میں تھی، عربی ترجمہ ڈاکٹر سید محمد یوسف صاحب کررہے تھے اس روز کوئی اہم مقالہ نہ تھا آخر میں صدر محترم جناب خواجہ شہاب الدین صاحب نے ایک مبسوط مقالہ پڑھا، مقالہ اردو میں تھا اور جہاں تک اس کے پڑھنے کا تعلق تھا خواجہ صاحب نے بہت عمدہ خطیبانہ انداز سے پڑھا، اولاً سکون سے سنا گیا مقالہ کی روح یہ تھی کہ مسلمانوں کی پستی اور تنزل کا سبب سائنس سے ناواقفی ہے اور مغرب اور یورپ کی ترقی کا راز سربستہ سائنس سے فائدہ اٹھانے میں ہے اور قرآن کریم نے بھی اسی پر زور دیا ہے۔ چنانچہ قرآن کریم کی آیت انما یخشی اللہ من عبادہ العلماء میں علماء سے مراد وہی علماء ہیں جو ان سائنس کے علوم کو جانتے ہیں اور کائنات وکونیات سے واقف ہیں۔

ظاہر ہے کہ قرآن کریم کی دعوت حق کو اسی بات میں منحصر کرنا اسلامی روح کے سراسر منافی ہے، قرآن تو

سب سے پہلے اصلاح نفوس وتزکیہ قلوب کی دعوت دیتا ہے، ایمان ویقین، توحید و رسالت اور مبدا و معاد کا صحیح تصور پیش کرتا ہے، ہر ہر عمل پر محاسبہ آخرت اور جزا و سزا کا یقین دلوں میں اتارتا ہے، عقائد و اعمال اور سیرت وکردار کی اصلاح کے ذریعہ انسانوں کو حیوانات کی صف سے نکال کر فرشتہ خصلت انسان بناتا ہے اور اس کے بعد دنیا کے ان وسائل سے صحیح فائدہ اٹھا کر خلق اللہ کی صحیح خدمت ان کے ذریعے کرانا چاہتا ہے اس طرح ان دنیوی وسائل کو [illegible] اقتدار اور ظلم واستبداد کا آلہ کار بننے سے بچاتا ہے۔

اہل فہم ودانش طبقہ کو خواجہ صاحب کے مقالہ سے اختلاف تھا لیکن ان کے منصب کا احترام [illegible] ہوئے سکون سے سنتے رہے، لیکن ختم کے بعد نوجوان نسل سے برداشت نہ ہوسکا اور شور مچایا کہ خواجہ صاحب کے اس مقالہ پر تنقید کا موقع دیا جائے۔ بنوری یا مفتی محمود کو تردید کا وقت دیا جائے، چونکہ احتفال کی یہ آخری نشست تھی اور دیر کافی ہوچکی تھی اس لئے اجلاس تو منتشر ہوا لیکن شدید ہنگامہ ہوا خواجہ صاحب کو بھی عوام کی ناراضگی کا [illegible] احساس ہوا اور وہ جلد ہی چپکے سے تشریف لے گئے، راقم نے سب حضرات سے عرض کیا کہ آپ مطمئن [illegible] صحیح تدبیر کی جائے گی، وقتی طور سے تردید اتنی مؤثر نہ ہوگی بلکہ جب یہ مقالہ ادارہ تحقیقات اسلامی [illegible] ہوگا تو اس کی تردید بھی ساتھ طبع ہوگی۔ اس صورت حال کا جائزہ لیتے ہوئے مرکزی وزیر قانون جناب محترم [illegible] ظفر صاحب نے مجھ سے فرمایا کہ میں آپ کی قیام گاہ میں آکر ملنا چاہتا ہوں اور کچھ باتیں کرنی ہیں، چنانچہ وہ حسب وعدہ ٹھیک ۱۲/۲ بجے تشریف لائے اور قریباً ۴۵ منٹ بہت بے تکلفی سے مخلصانہ ماحول میں ان سب باتوں پر سیر حاصل گفتگو ہوئی اور الحمد للہ کہ موصوف کو ان باتوں سے بہت مطمئن پایا اور [illegible] پہچاننے اور قریب سے دیکھنے کا موقع مل گیا اور آئندہ کے لئے ان دینی موضوعات پر بھی تبادلہ خیال [illegible] راستہ ہموار ہوگیا، مجھے خوشی ہوئی کہ وزیر موصوف کو میں نے ایک دردمند اور حساس دل رکھنے والا انسان محسوس [illegible] اور ان کے دل میں کام کرنے کے صحیح جذبہ اور تڑپ کا احساس ہوا اور ادارہ تحقیقات اسلامی سے ایک مرتبہ پھر یہ توقع ہوگئی کہ شاید وہ اس انداز سے کام کرسکے جس سے خالق ومخلوق دونوں راضی ہوں اور وقت کے تقاضوں کے مطابق صحیح قدم اٹھایا جاسکے۔ وزیر موصوف نے گفتگو کے بعد فرمایا کہ انشاء اللہ آپ سے پھر ملاقات ہوگی اس طرح یہ خصوصی مجلس اور عمومی اجلاس دونوں ختم ہوئے، رات کو تمام مندوبین کی دعوت شہرزاد ہوٹل اسلام آباد [illegible] تھی، وزیر موصوف نے میرے مزید ٹھہرنے کی خواہش ظاہر فرمائی لیکن مجھے کراچی جلد پہنچنا ضروری تھا افسوس [illegible] اس خواہش کی تکمیل نہ کرسکا۔

رات کے اجتماع میں جناب ڈاکٹر حب اللہ کی بڑی اہم تقریر ہوئی جو سیمینار ہی میں ہونی چاہیے تھی چونکہ مجھے اس کا علم تھا کہ تقریر ہوگی اس لئے پہلے سے برادرم مولانا محمد تقی صاحب عثمانی سے کہا تھا کہ ان کی تقریر ضبط کریں اس کا کچھ خلاصہ اسی شمارے میں دوسری جگہ ملے گا۔

یہ مجلس مذاکرات بہت ہی نافع ہوتی اگر وقت کم ازکم ایک ہفتہ ہوتا اس میں شک نہیں کہ جناب وزیر قانون، ڈاکٹر فضل الرحمن صاحب اور بقیہ منتظمین نے بڑی عرق ریزی سے کام کیا تاہم یہ پہلا موقع تھا اس لئے بہت سی خامیاں رہ گئیں اور جتنی کامیابی کی توقع تھی وہ نہ ہوسکی، وقت بہت کم تھا تراجم کا انتظام تحریراً یا تقریراً نامکمل تھا، اللہ تعالیٰ ہم سب کو صحیح خدمت علم، خدمت دین اور خدمت ملک کی توفیق عطا فرمائے تاکہ پاکستان کا علمی و دینی اور سیاسی وقار بڑھے، آمین۔

[ذی الحجہ ۱۳۸۷ھ]

تفاسیر قرآن اور مسلمان قوم

آج کل یہ دیکھا گیا جو تحریک اسلام کی نام سے اٹھتی ہے اور جو شخص اسلام کا نام لے کر اٹھتا ہے، اس کی خواہش اور کوشش یہ ہوتی ہے کہ قرآن کریم کی ایک تفسیر لکھ ڈالے۔ اس پچاس سال کے عرصہ میں اس ملک میں کتنی تحریکیں اٹھیں اور کتنی اب بھی موجود ہیں اور سب کا تختہ مشق قرآن کریم ہے، کیا اچھا ہوتا ہے کہ اہل حق و اہل علم کی جو تفاسیر موجود ہیں انہی کو مشعل راہ بناتے اور ان سے فائدہ اٹھاتے لیکن افسوس کہ وہ کس طرف جائیں اور کس کو صحیح سمجھیں۔ قرآن کریم حق تعالیٰ کا کلام ہے۔ بلاشبہ جہاں اللہ تعالیٰ نے نصیحت وعبرت وعمل کے لئے آسان کردیا ہے وہاں علوم وحقائق ومعارف الٰہیہ کا وہ سمندر ناپیدا کنار ہے کہ جس کی تہہ تک پہنچنا کسی کی مجال نہیں ہے، اس لئے اکابر صحابہ جن کی زبان، اسلوب بیان اور اصطلاحیں تعبیر قرآن کریم نے اختیار کیں وہی اولین وبہترین مخاطب ہیں، ان کے سامنے اسباب نزول موجود ہیں ان کے سامنے وہ ماحول ہے جس میں قرآن نازل ہوا، ان کے سامنے وہ حیات مقدسہ ہے جو قرآن کریم کی عملی تفسیر ہے، الغرض دنیا کی کوئی قوم اور کوئی دور ایسا نہیں کہ جو ان کی ہمسری کا دعویٰ کر سکے، ان حالات وحیثیات کے ہوتے ہوئے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ اور عمر فاروقؓ سے لے کر تمام صحابہ کرام قرآن کی تفسیر کے اقدام سے گھبراتے تھے، ایک موقع پر حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ جو بلاشبہ حضرت رسالت پناہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اعلم الناس بالقرآن تھے، وہ فرماتے ہیں:

"ای سماء تظلنی وای ارض تقلنی اذا قلت فی کتاب الله برأیی"(۱)

یعنی اس آسمان کے نیچے اور زمین کے اوپر کیونکر میں رہوں گا اگر قرآن کریم کی اپنی رائے سے تفسیر کروں۔ خلفاء راشدین کے بعد حضرت عبداللہ بن مسعودؓ اور حضرت عبداللہ بن عباسؓ وہ بزرگ ہیں کہ حضرات

---

(۱) الاتقان فی علوم القرآن للسیوطی، النوع السادس والثلاثون فی معرفة غریبه ج:۱ ص:۳۰۴، ط: بیروت. البرهان فی علوم القرآن للزرکشی، فی معرفة غریبة ج:۱ ص:۲۹۵، ط: دارالمعرفة بیروت. کنزالعمال، فصل فی حقوق القرآن ج:۲ ص:۴۴۵، ط: مؤسسة الرسالة بیروت

صحابہ اپنی مشکلات قرآن میں ان سے رجوع فرماتے تھے، حضرت عبدالرحمن بن عوفؓ جو عشرہ مبشرہ میں سے ہیں وہ حضرت ابن عباسؓ سے قرآن کریم پڑھا کرتے تھے۔ حضرت مجاہد نے جو کبار تابعین میں سے ہیں حضرت ابن عمرؓ سے تیس مرتبہ قرآن کریم پڑھا اور مشکلات حل فرمائیں۔ یہ ایک طویل داستان ہے جس کو یہاں بیان کرنا مقصود نہیں، اس لئے علماء امت اور ائمہ تفسیر نے پندرہ علموں کی مہارت قرآن سمجھنے کے لئے ضروری قرار دے دی ہے کہ جب تک ان علوم میں مہارت نہ ہو قرآن کریم کی تفسیر پر اس کو اقدام کرنا جائز ہی نہیں۔ لیکن افسوس کہ آج کل ہر شخص سمجھتا ہے کہ سب سے آسان کام یہی ہے کہ قرآن کریم کی تفسیر وتشریح کا بیڑہ اٹھائیں پھر چاہے اسلام کا بیڑہ بھی غرق ہوجائے۔ اس سب کی نیتوں پر شبہ نہیں کرتا لیکن طرز عمل پر تنقید کرتا ہوں، یہ مانا کہ کہیں کہیں عمدہ بات اور بہتر توجیہ بھی کر لیتے ہیں لیکن کہیں اپنی رائے کی حریت اور علم کی کمی سے ایسی باتیں لکھتے ہیں کہ ان کی تمام محنتوں پر پانی پھر جاتا ہے اور بسا اوقات وہ غلطی گمراہ کن اور خطرناک ہوتی ہے اور قطعی عقیدہ کے خلاف ہوتی ہے، بطور مثال اس وقت ایک نمونہ پیش کرتا ہوں۔

ڈاکٹر اسرار احمد اور تفسیر قرآن

ہمارے ایک محترم نے سورۃ العصر کی تفسیر وتشریح میں حسب ذیل حقائق کا اظہار فرمایا ہے، جس کا حاصل یہ ہے:

الف: سورہ العصر میں نجات کی کم از کم چار شرائط بیان ہوئی ہیں اور ان سے کم پر نجات کی توقع نہیں کی جاسکتی، یہاں کامیابی کی فرسٹ یا سیکنڈ ڈویژن کا تذکرہ نہیں بلکہ صرف آخری درجہ میں پاس ہونے کی شرح کا بیان ہو رہا ہے۔

ب: ایمان وعمل صالح، تواصی بالحق، تواصی بالصبر چاروں شرطیں لازمی ہیں اور ان میں سے کسی ایک کو بھی ساقط نہیں کیا جاسکتا، مسلمانوں کی ایک عظیم اکثریت کے ذہنوں میں یہ بات غلط بیٹھ گئی ہے کہ ہر کلمہ گو کی نجات لازمی ہے گویا نجات کے لئے صرف ایمان اور اس کا بھی محض زبانی اقرار کافی ہے۔ (دیکھو انسان کا اصلی سرمایہ از: ڈاکٹر اسرار احمد خان، مطبوعہ ادارہ اشاعت علوم ملتان۔)

افسوس کہ اس وقت تفصیلی گفتگو کا موقع نہیں صرف اجمالی واختصار سے چند باتیں عرض کرتا ہوں:

(۱) قرآن کریم اور احادیث نبویہ متواترہ اور اہل سنت والجماعت کی تصریحات ہیں کہ اصلی نجات یعنی کفر سے نجات جس کا نتیجہ خلود نار اور دوامی جہنم ہے، صرف ایمان پر ہے جو کلمہ شہادت میں ذکر ہے، بشرطیکہ دل وجان سے یہ عقیدہ ہو صرف زبانی اعتراف نہ ہو۔

قرآن کریم کا ارشاد ہے:

﴿اِنَّ اللّٰہَ لَا یَغْفِرُ اَنْ یُّشْرَکَ بِہٖ وَ یَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِکَ لِمَنْ یَّشَاءُ﴾ [النساء:٤٨]

یعنی بلاشبہ حق تعالیٰ شرک وکفر کو نہیں بخشتا اور اس کے علاوہ جسے چاہے بخش دے۔

عمل صالح کو جزء ایمان ایسا ماننا کہ اس کے نہ ہونے سے نجات نہ ہو اور انسان کافر بن جائے، یہ مذہب خوارج کا ہے اور قریب اس کے معتزلہ کا مذہب ہے، بہر حال اس قسم کا نظریہ دور حاضر میں جناب مودودی صاحب نے اپنی کتابوں میں بہت زور وشور سے پیش کیا، شاید ہمارے محترم چونکہ ان کے رفیق کار تھے ان سے لیا گیا ہوگا اور مودودی صاحب سے پہلے غالباً مولانا فراہی صاحب مرحوم بھی اس قسم کی باتیں لکھ چکے ہیں، بہر حال کسی نے بھی کہا ہو یہ سراسر غلط ہے۔قرآن کریم کی نصوص قطعیہ کے خلاف ہے اور اہل سنت والجماعت کے عقیدہ کے خلاف ہے۔ پھر سورہ والعصر میں جو کچھ بیان فرمایا گیا ہے اس کو تیسرے درجہ کی کامیابی سمجھنا سراسر غلط ہے، وہ تو اعلیٰ ترین کامیابی ہے جس کے اوپر کوئی درجہ نہیں ہوسکتا "وعملوا الصالحات" کی فہرست اتنی طویل ہے کہ اسلام کی کوئی بات باقی نہیں رہی جو اس میں نہ آئی ہو۔

اس وقت تفصیل کا موقع نہیں ورنہ صاف صاف ان غلطیوں کی نشاندہی کرتے جہاں ہمارے محترم سے غلطیاں ہوئی ہیں، دراصل باکمال اصحاب کی صحبت کے بغیر علم دین اور قرآن کریم کا فہم میسر نہیں آسکتا، اسی وجہ سے مودودی صاحب بھی ان خطرناک غلطیوں میں مبتلا ہوگئے کہ تعجب ہوتا ہے۔ نیز واضح ہو کہ ایمان یقین قلبی کا نام ہے محض زبانی اعتراف کا نام ایمان نہیں ہے، قلبی اعتقاد قطعی کے ساتھ زبانی اعتراف کی ضرورت ہے ورنہ محض زبانی اعتراف ہو اور دل میں اعتقاد نہ ہو یہ نفاق وزندقہ ہے اس کو ایمان کہنا ہی غلط ہے، اگر کوئی شخص دل میں تمام اسلامی عقائد کا یقین کامل رکھتا ہے لیکن اعمال صالحہ پر اس کی تقصیر ہے تو ابدی جہنم سے محفوظ ہوگیا، ہوسکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت سے معاف ہوجائے یا شفاعت سے معاف ہوجائے یا پھر سزا بقدر معاصی بھگتنے کے بعد نجات مل جائے، ایسی صورت میں مسلمان کلمہ گو کو کافر نہیں کہتے اور کلمہ گو کے معنی یہ نہیں کہ محض زبانی اقرار ہو اور دل ایمان سے خالی ہو، اللہ تعالیٰ صحیح فہم عطا فرمائے اور انصاف نصیب فرمائے۔ واللہ سبحانہ ولی التوفیق۔

[رمضان وشوال ۱۳۹۷ھ۔ستمبر واکتوبر ۱۹۷۷ء]

"کتاب الزھد لابن المبارک" پر تبصرہ اور اس کا تعارف

حضرت رسالت پناہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث کے ذخیرے کو محدثین امت نے آٹھ قسموں پر تقسیم کیا① عقائد وتوحید کی احادیث② احکام شرعیہ③ آداب ومکارم اخلاق④ تفسیر قرآن⑤ سیر وتاریخ⑥ فتن واشراط الساعۃ⑦ مناقب وفضائل⑧ زہد ورقاق، ان آٹھوں قسم کی احادیث کا مقصد یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ احادیث آخرت اور جنت کی نعمتوں کا شوق پیدا کریں اور ان سے دنیا اور دنیا کی نعمتوں کی طرف سے بے

رغبتی پیدا ہو، درحقیقت دنیا اور نعیم دنیا کی محبت ہی معاصی اور آخرت سے بے تعلقی کی بنیاد ہے۔ دور حاضر کا سب سے بڑا فتنہ یہی ہے، حضرت عبداللہ بن المبارک خراسانی کی یہ کتاب اسی سلسلہ کی مشہورترین کتاب ہے اور شاید امت میں پہلی کتاب یہی ہو، بعضے ان کے معاصرین اور بعد کے کبار محدثین کی کتابیں بھی ہیں جن میں امام احمد بن حنبل کی ''کتاب الزہد'' معروف و مشہور ہے اور ملک عبدالعزیز بن سعود کی توجہ سے پہلی بار مکہ مکرمہ کے سرکاری پریس مطبعۃ ام القریٰ میں ۱۳۵۷ء میں طبع ہو چکی ہے، اس طرح حافظ ابوبکر بیہقی کی بھی دو کتابیں اسی موضوع پر ہیں، الکبیر، الصغیر، الکبیر کا ایک عمدہ نسخہ راقم الحروف کے پاس بھی محفوظ موجود ہے، ہندوپاک کے بڑے محدث اور رجال حدیث کے محقق عالم اور امام العصر حضرت شیخ مولانا محمد انور شاہ رحمہ اللہ کے ممتاز اور مایہ ناز تلمیذ حضرت مولانا حبیب الرحمن الاعظمی زیدت فیوضہ وبرکاتہٗ ہمارے بے حد شکریہ کے مستحق ہیں کہ موصوف نے حضرت عبداللہ المبارک امام حدیث، فقیہ امت کی یہ کتاب الزھد آب وتاب سے شائع کرانے کی سعی فرمائی ہے۔ موصوف کے رشحاتِ قلم سے مجلس علمی کراچی وڈابھیل کے لئے مسند حمیدی کی تعلیقات ومقدمہ علمائے حدیث سے خراج تحسین حاصل کر چکے ہیں اور عنقریب مجلس علمی کے لئے مصنف عبدالرزاق موصوف کے تحشیہ وتعلیقات ومقدمہ کے ساتھ جلوہ افروز ہونے والی ہے۔ مسند احمد پر محدث احمد شاکر مصری کے تحشیہ ومقدمات پر فاضلانہ ومحققانہ ومحدثانہ تنقید امت کے سامنے آ چکی ہے، عبداللہ بن المبارک خراسانی مروزیؒ امت محمدیہ کے ان افراد میں سے ہیں جن کے متعلق امام حدیث اسمٰعیل بن عیاش کا یہ جملہ بہت مشہور ہے:

''ما علی وجه الارض مثل عبد الله ابن المبارك ولا اعلم ان الله خلق خصلة من خصال الخير الا وقد جعلها الله فی عبد الله بن المبارك''.(۱)

روئے زمین پر عبداللہ بن مبارک جیسا شخص نہیں اور اللہ تعالیٰ نے خیر کی جتنی خصلتیں پیدا کیں ہیں میرے علم کی حد تک وہ سب عبداللہ بن مبارک میں موجود ہیں۔

جس کو شارح بخاری کرمانیؒ، ابن الجوزی وخطیب بغدادی وغیرہ نے نقل کیا ہے، ان کی یہ قابل قدر کتاب موصوف کے نفیس مقدمہ وعمدہ ترین تعلیقات کے ساتھ امت کے سامنے آ رہی ہے۔ موصوف کی تحریرات کی خصوصیت ہے کہ فضول تطویل اور حشو سے پاک ہیں، مقدمہ یا تقدمہ نہایت عمدہ اور محققانہ ہے، کتاب کی افادیت کے لئے صاحب تعلیقات نے متعدد فہارس بنائی ہیں، فہرست ابواب، فہرست احادیث مرفوعہ، فہرست مراسیل، فہرست احادیث موقوفہ، فہرست آثار مقطوعہ، آخر کتاب میں استدراکات وتعقبات اور مفصل صحت نامہ۔ وقت کی اہم ضرورت اس کتاب سے پوری ہوگئی خدا کرے کہ اس کتاب کا اردو ترجمہ بھی شائع ہو جائے تاکہ

---

(۱)تاريخ بغداد ، ذكرمن اسمه عبد الله واسم ابيه المبارك ج:۱۰ ص:۱۵۷، ط:دارالكتب العلمية بيروت. البداية والنهاية، سنة احدىٰ وثمانين ومأة، ج:۱۰ ص:۱۷۸، ط:مصر

عوام بھی براہ راست استفادہ کرسکیں۔

ملنے کا پتہ: مولانا محمد عثمان مکتبہ احیاء المعارف مشرقی اقبال روڈ، مالیگاؤں، ناسک، انڈیا۔

الابواب والتراجم پر تبصرہ

قرآن کریم کے بعد صحیح بخاری شریف پہلی کتاب ہے کہ آج تک امت محمد یہ اس کی تشریح، تلخیص، ترجمہ وغیرہ میں مصروف ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قبولیت کے جس معیار پر اس کو پہنچایا ہے کوئی کتاب بھی اس کی ہمسری نہیں کرسکتی، خطابی وابن بطال مغربی سے لے کر آج تک اس کی شروح کا سلسلہ جاری ہے اور کہا جاتا ہے کہ حافظ ابن حجر شافعی اور حافظ بدرالدین عینی حنفی نے مل کر اس کی شرح لکھنے کا حق ادا کردیا ہے۔ لیکن یہ بھی کہا گیا کہ صحیح بخاری کے ابواب وتراجم کی تشریح کا حق ابھی امت کے ذمہ باقی ہے، امام بخاری کے تراجم یعنی عنوانات ابواب کے بارے میں کہا گیا ہے کہ "فقه البخاری فی تراجمه" یعنی فقہی مسلک کی تحقیق اور دقت نظر امام کی انہی عنوانات میں جھلکتی ہے، اس لئے کبار محدثین اور اذکیاءِ محدثین نے ابواب وعنوانات کی مستقل شرحیں لکھی ہیں، حافظ حدیث امام ابوعبداللہ بن رشید السبتی کی کتاب "ترجمان التراجم" امام ناصرالدین احمد بن المنیر مالکی کی کتاب "المتواری علی تراجم البخاری" قاضی بدرالدین بن جماعہ کی تصنیف، الشیخ محمد بن منصور سجلماسی کی کتاب "فك اغراض البخاری المبهمة فی الجمع بین الحدیث والترجمة" وغیرہ وغیرہ اس سلسلہ کی مشہور تصانیف ہیں، آخری دور میں حضرت شاہ ولی اللہ الدہلوی کی کتاب بھی اسی موضوع پر بارہا طبع ہوئی، حضرت شیخ المشائخ شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندی رحمہ اللہ نے اس موضوع پر طبع آزمائی فرمائی ہے، جب مالٹا میں اسارت کا زمانہ پورا کررہے تھے قرآن کریم کا ترجمہ وہیں مکمل فرمایا اور اس کے فوائد سورہ بقرہ، آل عمران، نساء کے مکمل فرمائے اور صحیح بخاری شریف کے ابواب وتراجم پر لکھنا شروع فرمادیا، ہمارے سامنے اس وقت جتنا ذخیرہ موجود ہے حضرت شیخ الہند کی یہ کتاب سب پر فوقیت رکھتی ہے، لیکن افسوس کہ کتاب بالکل ناتمام رہ گئی پوری نہ ہوسکی تاہم جس انداز سے موصوف نے ایک حصہ لکھا ہے اور چند کلی مقصد واشارات کے ذریعہ سے اغراض بخاری کی وضاحت فرمائی ہے وہ نہایت قابل قدر ہیں، عرصہ ہوا کہ یہ حصہ ایک مرتبہ دیوبند میں چھپ چکا تھا اور عرصہ سے مفقود تھا ہمارے محترم دوست مفتی اکبر علی صاحب شکریہ کے مستحق ہیں جنہوں نے اس کی دوبارہ اشاعت فرمائی ہے اور اس عجالہ نافعہ کو دوبارہ عام کردیا۔ مدرسین وطلباء بخاری پڑھنے پڑھانے والے امید ہے کہ اس کی پوری قدردانی کریں گے۔

پتہ: جناب مفتی اکبر علی صاحب، اشاعۃ القرآن بوائز سکینڈری اسکول بڑا میدان، کراچی نمبر ۱۸۔

[رجب ۱۳۸۷ھ]

تبصرہ بر رکن ایمان ترجمہ قرآن

ازمولانا ابوالقاسم محمد عتیق بحر العلومی

الحمد لله وكفى وسلام على عباده الذين اصطفى خصوصاً على سيدنا محمد المصطفى وآله وصحبه ماكفى وشفى.

امابعد! قرآن حکیم حق تعالیٰ کا آخری پیغام نجات ہے، قیامت تک کی آنے والی نسلوں کے لئے نسخہ شفاء ہے، الحمدللہ کہ امت مرحومہ نے ہر دور میں حتی المقدور عصری تقاضوں کے مطابق قرآنی خدمت کا حق ادا کیا، یوں تو قرآن کریم حق تعالیٰ کی کتاب ہے، مخلوق کے حیطہ قدرت سے اس کا حق ادا کرنا باہر ہے، وہ مخزن اسرار الٰہی ہے کہ زبان فیض ترجمان نبوت سے "لا تنقضي عجائبه" کی حقیقت کا انکشاف ہو چکا ہے، اس کے نہ لطائف ختم ہوں گے، نہ اسرار تک عقل کی رسائی ہو سکے گی، چونکہ وہ ایک ابدی پیغام حیات ونجات ہے، ہر قوم وملت اور ہر ملک ووطن کے باشندوں کے لئے چراغ راہ ہے اور تمام امت اس کی مخاطب ہے، اس لئے حق تعالیٰ نے اپنی حجت پوری کردی ہے کہ ہر عہد میں عصری ذوق وتقاضے کے مطابق امت کو تفسیر وتشریح کی توفیق نصیب ہوئی، اسی سلسلہ کی ایک کڑی ہے کہ گرامی مآثر محترم المقام مولانا ابوالقاسم محمد عتیق صاحب زیدت معالیہم نے ایک خاص انداز سے قرآنی خدمت انجام دی ہے:

① قرآن کریم کا اردو عمدہ با محاورہ واضح ترجمہ فرمایا اور جہاں تفہیم مقاصد کے لئے مزید توضیح کی ضرورت ہوئی تو قوسین میں کلمات کا اضافہ فرمایا تاکہ نفس ترجمہ سے مقصد کی تشریح ہو جائے اور تشنگی باقی نہ رہے۔

② حاشیہ پر ہر آیت کریمہ کا ایک عنوان مقرر فرمایا یہ بجائے خود ایک مستقل خدمت ہے۔

③ ہر آیت کریمہ کا مختصر عنوان الگ قائم فرمایا جو آیت کے موضوع کا کاشف ہے۔

④ جن آیات کریمہ سے حضرت سالت پناہ فداہ ابی وامی ﷺ کی ذات گرامی یا کمالات نبوت میں کوئی وسوسہ پیدا ہونے کا اندیشہ تھا اس کے ازالہ وتشفی کے لئے ایک مستقل عنوان کے ماتحت "التوضيح العجيب لآيات وردت في حق الحبيب" تالیف فرمائی جو ایک سو پچاس ایسی آیات کی تفسیر ہے۔

⑤ ترجمہ وحاشیہ کے تفسیری مضامین کے مآخذ علماء امت کی قابل اعتماد تفاسیر ہیں، جن کا حوالہ ہر مقام پر دیا گیا ہے۔

⑥ ترجمہ کا نام: ''رکن ایمان ترجمہ قرآن'' رکھا گیا۔

⑦ تمام اسماء ونام تاریخی ہیں جن سے مصنف کا استخراج تاریخ کا خصوصی ذوق معلوم ہوتا ہے۔

⑧ مصنف محترم حضرت بحر العلوم مولانا عبد العلی لکھنوی رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت ملا نظام الدین مرحوم

جن کے نام نامی سے درس نظامی معروف ومشہور ہے،ان کے خاندان کے چشم و چراغ ہیں گویا مصنف ومترجم موصوف کو یہ ذوق ورثہ میں ملا ہے، بہرحال دورحاضر میں قرآن کریم کی عمدہ خدمت ہے جوانتہائی قابل قدر ہے۔ مجھے امید ہے کہ مولانا موصوف کی خدمت عوام وخواص دونوں میں مقبول ہوگی اورحق تعالیٰ کی بارگاہ قدس میں خلعت قبول سے سرفراز ہوگی۔

والله سبحانه ولی کل توفیق

[جمادی الاخریٰ ۱۳۹۰ھ/اگست ۱۹۷۰ء]

التقريظ والانتقاد

اختلاف الفقهاء للطحاوی رحمه الله

یا

"مختصر اختلاف الفقهاء للرازی رحمه الله"

بلاشبہ علوم دینیہ اور علوم اسلامیہ میں فقہ یا تفقہ فی الدین کو جومقام حاصل ہے وہ اظہر من الشمس ہے، صرف قرآن کریم کی ایک آیت کریمہ اور صحیح بخاری شریف کی ایک حدیث ہی اس کی مزیت اور اہمیت ثابت کرنے کے کافی ہے،حق تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿فَلَوْلَا نَفَرَ مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ مِّنْهُمْ طَائِفَةٌ لِّيَتَفَقَّهُوْا فِي الدِّيْنِ وَلِيُنْذِرُوْا قَوْمَهُمْ اِذَا رَجَعُوْا اِلَيْهِمْ لَعَلَّهُمْ يَحْذَرُوْنَ﴾ [التوبة:۱۲۲]

سو کیوں نہ نکلا ہر فرقہ میں سے ان میں کا ایک حصہ (گروہ) تا کہ وہ سمجھ پیدا کریں دین میں اور تا کہ وہ خبر پہنچاویں اپنی قوم کو جبکہ لوٹ کر آئیں ان کی طرف تا کہ وہ بھی بچتے رہیں۔

حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

"ومن يرد الله به خيرا يفقهه فی الدين"(۱)

(رواه البخاری ومسلم من حديث معاوية والترمذی من حديث ابن عباس وابن ماجه من حديث ابی هريرة)

اللہ تعالیٰ جس کو خیر پہنچانا چاہتے ہیں اسے دین میں تفقہ اور سمجھ بوجھ عطافرمادیتے ہیں۔

---

(۱)صحيح البخاری،كتاب العلم،باب من يرد الله به خيرا يفقه فی الدين ج:۱ ص:۱۶، ط: قديمی. الصحيح لمسلم،كتاب الزكوة،باب النهی عن المسئلة ج:۱ ص:۳۳۳،ط:قديمی. ايضاًكتاب الامارة، باب قوله ﷺ لاتزال طائفة من امتی ظاهرين علی الحق ج:۲ ص:۱۴۳، ط: قديمی. سنن الترمذی،ابواب العلم عن رسول الله ﷺ،باب اذااراد الله بعبدخيرافقهه فی الدين ج:۲ ص: ۸۹، ط:فاروق كتب خانه ملتان. سنن ابن ماجه،المقدمة،فضل العلماء والحث علی طلب العلم ص: ۲۰، ط:قديمی

لیکن یہ علم جتنا اہم ہے اتنا ہی مشکل بھی ہے اس لئے ہر اسلامی دور میں عام محدثین کی تعداد کے اعتبار سے فقہاء کی تعداد بہت کم رہی ہے، صحابہ کرام کے عہد مبارک سے لے کر قرونِ متوسطہ تک اسی تناسب سے یہ سلسلہ جاری رہا ظاہر ہے کہ دراصل تفقہ فی الدین یا فقہ کا تعلق فوق العادہ دماغی صلاحیتوں کے بعد انتہائی غور و فکر کی اہلیت سے ہوتا ہے، اسی لئے مفکرین اور ''ارباب رائی'' کی تعداد ہر دور میں کم ہوتی ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ حق تعالیٰ شانہٗ نے چونکہ انسانی عقول متفاوت پیدا کی ہیں چنانچہ یہ ضروری نہیں کہ ہر بات کو ہر عقل پا سکے، اس لئے اجتہادی مسائل میں اختلاف ناگزیر تھا، قرآن کریم اور احادیث نبویہ کریمہ دینِ اسلام کے دو اساس ہیں، لیکن تمام مسائل دین کو دقیق و عمیق حکمت کی بنا پر ان کو صراحت کے ساتھ بیان نہیں فرمایا گیا اور امت کے فقہاء کو موقع دیا گیا کہ وہ خود غور و خوض کر کے ان مسائل کا استخراج و استنباط کریں اور اس اختلاف کو نہ صرف یہ کہ برداشت کیا گیا بلکہ قانونی مقام دیا گیا، اسی لئے عہد صحابہ اور عہد سلف ہی سے یہ اجتہادی مسائل میں اختلاف کا سلسلہ جاری رہا۔ مسند احمد و سنن ابی داؤد وغیرہ میں ''حدیث معاذ'' اجتہاد و تفقہ فی الدین کی بنیادی حدیث ہے اور اسی بنیاد پر تمام فقہاء اسلام کا طرزِ عمل رہا ہے، امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے اگرچہ یہ کوشش کی کہ اپنے دور کے ممتاز محدثین اور ارباب فکر و نظر اور اصحاب ورع و تقوی کو ایک مرکز پر جمع کر کے فقہ کا شورائی نظام قائم کریں اور بقول موفق مکی اپنے عہد کے ممتاز چالیس ارباب حدیث و اصحاب فقہ اور ارباب ورع و تقوی کی ایک جمعیت کی بنائی گئی تھی اور اس مجلس میں مہینوں بعض مسائل زیر بحث رہتے تھے لیکن اس کے باوجود بہت سے مسائل میں اتفاق نہ ہو پاتا تھا اور اختلاف باقی رہتا تھا تاہم ظاہر ہے کہ اس شورائی فقہی مذہب میں جو پختگی ہوسکتی تھی انفرادی مذاہب میں وہ پختگی نہیں پیدا ہوسکی۔

بہرحال مجتہد کے لئے جہاں یہ ضروری ہے کہ قرآن و حدیث اس کے پیش نظر ہوں وہاں یہ بھی ضروری ٹھہرا کہ اپنے سے پہلے عہد کے سلف صالحین کے اقوال و آراء بھی اس کے پیش نظر رہیں تا کہ ''رائی'' قائم کرنے میں پوری بصیرت میسر آسکے اسی مقصد کے تحت امام ابوحنیفہ نے قضایا ءصحابہ پر ایک مستقل کتاب لکھی اور شاید ابو حنیفہ امت میں پہلے بزرگ ہیں جنہوں نے صحابہ کے اقوال و آراء کو مدون فرمایا، کاش! اگر امت کو یہ جوہر گرانمایہ مل جاتا تو کتنا اچھا ہوتا۔

غرض یہ کہ فقہاء امت کے اقوال و آراء و افکار امت مسلمہ کا بڑا قیمتی سرمایہ ہیں اس کی حفاظت بہت ضروری ہے یہ اہم ترین ترکہ ہوتا ہے جو امت کو اپنے اسلاف میں ملتا ہے اسی وجہ سے جن علماء امت نے اپنی تالیفات میں اس سرمایہ کو محفوظ فرمایا ہے ان کا امت پر بڑا احسان ہے ان نفوس قدسیہ میں چند حضرات حسب ذیل ہیں:

۱. امام محمد بن نصر المروزی المتوفی ۲۹۴ھ

۲. امام ابو بکر محمد بن المنذر المتوفی ۳۰۹ھ

۳. امام ابو جعفر محمد بن جریر الطبری المتوفی ۳۱۰ھ
٤. ابو حنیفة نعمان بن محمد المغربی
٥. ابو بکر الطبری الحنفی
٦. امام ابو جعفر احمد بن محمد الطحاوی ۳۲۱ھ
۷. امام محمد بن محمد الباهلی الشافعی ۳۲۱ھ
۸. ابو یحیی زکریا الساجی.

یہ چند حضرات تو قدماء میں سے ہیں باقی قرن سادس میں قابل ذکر ابو المظفر یحیی بن محمد بن ہبیرۃ الحنبلی کی کتاب الاشراف ہے اور ابو علی الحسین النعمانی کی کتاب ہے۔

باقی وہ علماء ومحدثین جنہوں نے اپنی ضخیم مؤلفات میں مذاہب ائمہ کے بیان کرنے کا التزام کیا ہے ان میں حافظ ابو عمر ابن عبد البر مالکی ہیں جن کی کتاب "الاستذکار لمذاهب علماء الامصار" قابل قدر کتاب ہے، جس کی ایک جلد اس وقت "المجلس العلمی للشئون الاسلامیة" مصر کی توجہ سے طبع ہوگئی ہے اور ہمارے پاس آ گئی ہے۔ ابن رشد اپنی کتاب بدایۃ المجتہد میں اسی الاستذکار سے مذاہب نقل کرتے ہیں۔

امام نووی شافعی کی شرح المہذب امام ابن قدامۃ الموفق حنبلی کی کتاب "المغنی" امام بدر الدین عینی کی کتاب عمدۃ القاری مطبوعات میں اور نخب الافکار شرح شرح معانی الآثار مخطوطات میں قابل ذکر کتابیں ہیں۔ متاخرین میں سے امام شعرانی اور عبد الرحمن دمشقی کی کتابیں مشہور ہیں، اس فن کی کتابوں کی مزاولت سے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ سینکڑوں کتابیں اس موضوع پر لکھی گئی ہیں، ہندوستان کے علما میں سے قابل ذکر شخصیت حضرت قاضی ثناء اللہ پانی پتی کی ہے جنہوں نے اپنی تفسیر مظہری میں تحقیق مذاہب اور ان کے ادلّہ کے بیان میں دادِ تحقیق حاصل کی ہے۔ جزاهم الله جمیعاً خیر مایجزی عباده المحسنین، بہر حال ان کتابوں کی اہمیت سے کوئی انکار نہیں کرسکتا۔

ادارہ تحقیقات اسلامیہ اسلام آباد نے امام طحاوی کی کتاب اختلاف الفقہاء کا ایک قطعہ جو شائع کیا ہے یہ ادارہ کی قابل قدر خدمت ہے اور علمی کتب خانے میں قابل قدر اضافہ ہے، کاش ابتداء ہی سے ادارہ تحقیقات اسلامی پاکستان کا رخ اس طرف ہوتا تو آج تک خاصہ بڑا علمی ذخیرہ جمع ہو جاتا اور اس وقت تک جو ایک کروڑ سے زیادہ روپیہ اس ادارہ پر خرچ ہو چکا ہے، اس کا قابل ذکر نتیجہ سامنے آجاتا اگر سابق ڈاکٹر اور ڈائرکٹر کی توجہ اس طرف مبذول ہوتی تو ادارہ تحقیقات کا نقشہ ہی کچھ اور ہوتا۔

جناب ڈاکٹر صغیر حسین صاحب معصومی ہمارے شکریہ کے مستحق ہیں کہ موصوف نے اس کتاب کو حاصل کر کے بہت عرق ریزی سے اس کو آڈٹ کیا اور اس پر ایک قابل قدر بصیرت افروز مقدمہ لکھا ہے جو بجائے خود

ایک نہایت مفید مقالہ ہے، مقدمہ میں ائمہ اجتہاد کے اختلافات کی اہمیت اور تفقہ و اجتہاد کے باب کی ضرورت واہمیت کو واضح فرمایا ہے اور فروعی اختلاف کی حکمت اور امت میں اس کے رحمت ہونے کی وضاحت فرمائی ہے اور یہ بالکل صحیح کہا ہے کہ اصول و عقائد میں اختلاف تو عذاب الٰہی ہے لیکن فروعی مسائل میں اختلاف بلا شبہ رحمت الٰہی ہے۔ الحمد للہ کہ راقم الحروف ہی کے قلم سے بینات کے صفحات پر اس موضوع پر ایک بصیرت افروز مضمون آ چکا ہے، بہرصورت کسی قلمی مخطوطہ کو طباعت کے لئے آراستہ کرنے اور مقدمات لکھ کر ان کو نافع سے نافع تر بنانے کے لئے کیا کچھ کرنا پڑتا ہے اس کی حقیقت وہی شخص جانتا ہے جو ان صحراؤں کی بادہ پیمائی کر چکا ہو:

دربیاباں گر زشوقِ کعبہ خواہی زد قدم
سرزنشہا گر کند خار مغیلاں غم مخور

مقدمہ کے صفحہ ۱۲ پر مروزی کا نام احمد بن نصر ذکر کیا ہے صحیح محمد بن نصر ہے۔

ڈاکٹر معصومی کی رائے سے اختلاف

جناب ڈاکٹر معصومی صاحب نے اس طبع شدہ حصہ کو امام ابوجعفر طحاوی رحمہ اللہ کی اصل کتاب کا ہی حصہ قرار دیا ہے اور صاحب کشف الظنون حاجی خلیفہ اور محقق عصر شیخ محمد زاہد کوثری کی رائے سے اختلاف کیا ہے، صاحب کشف الظنون کی رائے یہ ہے کہ امام طحاوی نے ایک مبسوط کتاب ''اختلاف الفقہاء'' لکھی ہے جو ایک سو تیس جزء سے زائد میں ہے اور شیخ کوثری نے بھی الحاوی وغیرہ میں اسی کا ذکر کیا ہے اور قاہرہ میں کتاب کا جو حصہ موجود ہے وہ امام ابوبکر جصاص رازی کی کتاب کا حصہ ہے جو امام طحاوی کی کتاب کا اختصار ہے، یہ تو ظاہر ہے کہ ان اجزاء سے حدیثی اجزاء مراد ہیں جو آج کل کے عرف کے مطابق دس بارہ جزء کا ایک مجلد بن جاتا ہے، گویا اس حساب سے امام طحاوی کی تالیف دس بارہ اجزاء (مجلدات) میں ہوگی، حاجی خلیفہ بہرحال اس فن کے امام ہیں مخطوطات پر جو ان کی نظر ہے اس کی وسعت سے کون انکار کر سکتا ہے، نیز شیخ کوثری بھی اس دور میں قابل حیرت وسیع النظر محقق ہوئے ہیں ان کی وسعت نظر اور تحقیقی نگاہ میں کلام کی گنجائش نہیں، نیز عام قاعدہ ہے کہ اگر کوئی شخص کسی بات کا اثبات کا دعویٰ کرتا ہے اور دوسرا نافی ہے (اس کی نفی کرتا ہے) تو مثبت کو ترجیح دی جاتی ہے، اسی طرح ابن ندیم کا یا آخری دور میں خضری مصری کا یہ کہنا کہ طحاوی نے اپنی اس کتاب کا اہتمام نہیں کیا قابل اعتبار نہیں، علاوہ ازیں جو شخص بھی امام طحاوی کی تصانیف کی مزاولت کے نتیجہ میں ان کے انداز سے واقف ہو وہ غور کرنے کے بعد یہی فیصلہ کرے گا کہ یہ امام طحاوی کی اصل کتاب نہیں ہے، نیز ظاہر یہ ہے کہ طحاوی کی اصل کتاب اس لئے بھی طویل ہوگی کہ وہ اپنی تصانیف میں جو اخبار و آثار اور روایات پیش کرتے ہیں اپنی اسناد سے پیش کرتے ہیں، ان اسانید کو ہی اختصار کرنے والے نے حذف کیا ہوگا اور یہی عام طور سے ارباب اختصار کیا کرتے ہیں، ثبوت کے

لئے جامع بیان العلم جو حافظ ابن عبدالبر کی کتاب ہے اس کی تلخیص دیکھ لیجئے۔

امام طحاوی کی مشکل الآثار کے اختصار کو اور اختصار کے اختصار کو دیکھ لیجئے، بہر حال یہ تو عام شواہد ہیں اور ذوقی اشیاء ہیں، معصومی صاحب نے ایک دلیل یہ بھی دی ہے کہ جصاص کی تالیف میں کسی مترجم نے اس اختصار کا ذکر نہیں کیا حالانکہ یہ ایک واضح حقیقت ہے کہ کسی مصنف کی تمام تالیفات کا استقصاء یا استیفاء کون کرتا ہے۔ اگر کوئی کرنا بھی چاہے تو نہیں کر سکتا اسی لئے عام طور پر یہ دلیل بہت کمزور سمجھی جاتی ہے کہ فلاں مصنف کی تصانیف کی فہرست میں اس کتاب کا ذکر نہیں ہے۔ بہر حال راقم ایک ایسی دلیل پیش کرتا ہے کہ یقین ہے کہ معصومی صاحب بھی اس سے انکار نہ فرما سکیں گے، یہی کتاب جس کو خود معصومی صاحب نے آڈٹ کیا ہے اور تصحیح کی ہے اور تعلیقات تحریر فرمائی ہیں اسی میں ایک اتنی واضح دلیل مل گئی ہے کہ یہ کتاب ابو بکر جصاص کی ہے اور اصل کتاب کا اختصار ہے اصل کتاب یہ نہیں ہے: ملاحظہ فرمایئے مطبوعہ کتاب کے صفحہ (۱۰۱) کی عبارت یہ ہے:

فی الحلف بالامانة : "ذکر ابو جعفر عن اصحابنا فیمن حلف بامانة الله انها لیست بیمین".

ظاہر ہے کہ خود امام طحاوی کبھی ایسا نہیں فرما سکتے کہ "ذکر ابو جعفر عن اصحابنا"، بلکہ اگر یہ طحاوی کی عبارت ہوتی تو یوں ہوتی: "قال ابو جعفر : قال اصحابنا" آگے اور سنئے:

جصاص یہ لکھ کر اس پر تنقید فرماتے ہیں:

قال ابو بکر: ولیس کذلك الجواب فی الاصل هی یمین عندهم وقال الشافعی لیست بیمین اھ.

جس کا ترجمہ یہ ہے کہ ابو بکر کہتا ہے: امام طحاوی نے ائمہ احناف کی طرف جو بات منسوب کی ہے یہ صحیح نہیں ہے بلکہ "کتاب الاصل" یعنی مبسوط امام محمد میں مذکور ہے کہ یہ قسم درست ہے اور شرعی یمین ہے، البتہ شافعی کے یہاں یمین نہیں ہے۔ "کتاب الاصل" مبسوط امام محمد کا دوسرا نام ہے اور کتب ظاہر روایت میں شمار ہے۔ گویا جصاص نے اعتراض کیا ہے کہ اس مسئلہ میں امام طحاوی کی یہ نسبت ائمہ حنفیہ کی طرف درست نہیں کیونکہ مبسوط کے اندر اس کے خلاف بیان کیا ہے۔

یہ عبارت اور یہ تعبیر بالکل صاف دلیل ہے اس دعوے کی کہ یہ کتاب جو اختلاف الفقہاء کے نام سے طبع ہو رہی ہے یہ مختصر اختلاف الفقہاء ہے اور ابو بکر جصاص رازی کی تالیف ہے، طحاوی کی کتاب نہیں ہے، بظاہر معصومی صاحب کی نگاہ اس عبارت پر نہیں پڑی ورنہ کوئی امکان نہیں کہ اس عبارت کو دیکھ کر وہ صاحب کشف الظنون اور کوثری کے دعوے کی تردید فرماتے، بہر حال یہ تو ایک ضمنی بحث و تحقیق ہے جو قطعہ کتاب کا زیور طبع سے آراستہ ہو گیا ہے وہ بھی بڑی قابل قدر علمی خدمت ہے دوسرے اجزاء کا بے صبری سے انتظار ہے، کاش! یہ مختصر بھی

پوری مل جاتی تو ہمارا بڑا کام چل جاتا کیونکہ ہمارے سامنے مطبوعات کے ذخیرہ میں کوئی ایسی کتاب نہیں کہ فقہاء بالا سفیان ثوری، اوزاعی، حسن بن شبرمہ، ابن ابی لیلیٰ وغیرہ کے اقوال و آراء کے ذکر کا التزام کرتی ہو، البتہ شیخ کوثری کا یہ فرمانا کہ: ''اس کتاب میں ائمہ اربعہ وغیرہ کے اقوال کا ذکر ہے'' تو ہم اس میں معصومی صاحب کے ساتھ ہیں کہ یہ سہو قلم ہے، امام احمد کے اقوال کا ذکر نہیں کیا گیا اور ممکن ہے کہ وجہ وہی ہو جو معصومی صاحب نے لکھ دی ہے، بہر حال ہمیں تو ان حضرات کے اقوال کی زیادہ ضرورت ہے جن کے مذاہب مدون نہیں ہوئے اور جن کے متبعین بھی دنیا سے اٹھ گئے ہیں، یعنی ثوری، اوزاعی، ابن شبرمہ، ابن ابی لیلیٰ وغیرہ وغیرہ۔

واللہ سبحانہ ولی التوفیق

[رجب المرجب ۱۳۹۲ھ/ستمبر ۱۹۷۲ء]

ماہنامہ ''فاران انگلستان'' کا اجراء

خوشی کی بات ہے کہ انگلستان میں مغرب کے افق سے ایک اردو دینی ماہنامہ ''فاران'' کا طلوع جناب موسیٰ سلیمان کرماڈی کی ادارت میں ہوا ہے، اس سے بڑھ کر مسرت کی بات یہ ہے کہ کاغذ، طباعت، حسن خط اور ساری ظاہری رعنائیوں کے ساتھ ساتھ ماشاء اللہ ہر طرح سے معنوی حسن و جمال کا مرقع ہے، خیالات کی پاکیزگی مضامین مندرجہ کے انتخاب سے نمایاں ہے، اگر معنویت کا یہی انداز باقی رہا تو کفرستانِ مغرب میں ان شاء اللہ تعالیٰ نورِ ایمان کا کوکب درخشاں ہوگا، اللہ تعالیٰ مزید تابانی نصیب فرمائے، آمین۔

وہاں کے مسلمانوں کو اس سے پورا پورا فائدہ اٹھانا چاہئے۔

Manager faran monthly

109 Rutterwals (slaffs) u.k tel.wa 22936

قصیدہ مناجاتیہ

حضرت مولانا بنوری نور اللہ مرقدہ نے یہ قصیدہ رمضان المبارک ۱۳۵۰ھ میں تحریر فرمایا تھا اور ربیع الاول ۱۳۹۴ھ میں بینات میں شامل اشاعت ہوا۔ حضرت مولانا رحمہ اللہ تعالیٰ کے عربی اشعار کا مجموعہ الحمدللہ قارئین کی خدمت میں "القصائد البنوریۃ" کے نام سے پیش کیا جاچکا ہے۔ (مختار)

الٰهی انَّ آثامی حوتنی — و ضلَّ مذاهبی و بکا هداها

الٰہی! میرے گناہ مجھ پر چاروں طرف سے محیط ہیں — مجھ سے راستے گم اور ان کے نشان اوجھل ہو گئے ہیں

فجهد النفس فی شرك الأمانی — و تضییع الشباب فی هواها

نفس کی تمام جدوجہد آرزوؤں کا جال پھیلانے میں مصروف ہے — اور جوانی اس کی خواہش میں ضائع ہو رہی ہے

و جهدی فی معاقرة الخطایا — و نفسی فی الهوی بلغت مداها

میری محنت خطاکاریوں میں کھپ رہی ہے — اور میرا نفس خواہشات کی حد نہایت کو پہنچ گیا ہے

أضعت العمر فی لعب و لهو — فیا لهفی علی نفسی و آها

میں نے ساری عمر کھیل تماشے میں اڑا دی — پس میرے نفس پر جتنا افسوس کیا جائے کم ہے

صرفت العمر فی الآثام حتی — ضللت حائرا منها متاها

گناہوں میں عمر کھو چکا ہوں یہاں تک کہ — اب حیران و سرگرداں پھر رہا ہوں

و قد مزقت ثوبامن تقاةٍ — یواری سوأتی عزّا و جاها

میرا لباس تقویٰ تار تار ہے — جو عزت و وجاہت سے میری ستر پوشی کرتا تھا

و انی قد غرقت فی ذنوب — فخلصنی الٰهی من بلاها

اور میں گناہوں میں مستغرق ہوں — الٰہی! مجھے ان کی بلا سے خلاصی عطا فرما

و قد ضیعت عمری فی الملاهی — و اشیاء اتتنی من هواها

میں نے ساری عمر ملاہی — اور خواہشات نفس کے پورا کرنے میں بسر کردی

فکانت کلها اهواء نفس — بلیت بها فنفسی فی شجاها

یہ سب نفس کی خواہشات تھیں — جن میں میں مبتلا رہا پس میری جان سخت غم و اندوہ میں ہے

ملاذی ملجئی مولایَ ربّی — الٰهی فاحمنی نارًا لظاها

اے میری پناہ! اے ملجا! اے میرے مولا! اے میرے رب! — اے میرے معبود! مجھے آگ کے شعلے سے بچا لیجئے

نصیری ناصری و ملیك نفسی — رشیدی مرشدی هادی عماها

اے میرے ناصر و مددگار اور میری جان کے مالک! — اے مجھے ہدایت دینے والے تاریکیوں میں رہنمائی کرنے والے

الٰهی جئت اوّاهًا منیبًا — فأنزل منك من مزن حیاها

الٰہی! میں گڑگڑاتا اور توبہ کرتا ہوا تیرے دربار میں حاضر ہوں — مجھ پر اپنی رحمت کے بادلوں کی بارش نازل فرمائیے

فما عندي لعاقبتي مزاد
میرے پاس کوئی توشہ آخرت نہیں
و عفوك يا الٰهي قد كفاها
الٰہی! اس کی جگہ تیرا عفو ہی کفایت کنندہ ہے

فأكرمني بعفو من ذنوبي
میرے گناہوں کو معاف فرما کر مجھے ذلت سے بچا لیجئے
و رحم واسع هو مقتضاها
اور میرے گناہوں کی بقدر مجھ پر وسیع رحم فرمایئے

فان كان العباد بحار ذنب
اگر بندے گناہوں کے سمندر ہیں تو
فبحر العفو منك قد طواها
تیری عنایت کا سمندر ان کو پاٹنے کے لئے کافی ہے

و ان كان العبيد في سقام
اور اگر بندے مختلف امراض میں گرفتار ہیں تو
فعندك يا الٰهي من دواها
الٰہی تیرے پاس ان کی دوا موجود ہے

الٰهي أنت ربي أنت حسبي
الٰہی آپ ہی میرے رب ہیں آپ ہی مجھے کافی ہیں
عليم بالنفوس و ما ثواها
دلوں سے اور دلوں کے پوشیدہ خیالات سے باخبر ہیں

الٰهي قد ترعوت رقودًا
الٰہی میں خواب غفلت میں پل کر جوان ہوا
فأيقظ نفس عبدك من كراها
پس اپنے بندے کو اس کی نیند سے چونکا دیجئے

و هذا شهر رمضان المبارك
اور یہ رمضان کا مبارک مہینہ ہے
فدعوات تجاب لمن دعاها
جس میں مانگنے والوں کو منہ مانگی مرادیں ملتی ہیں

فشهر فيه نور قد أتانا
یہی مہینہ ہے جس میں ہمارے پاس نور (قرآن مجید) آیا
و شهر فيه انوار نراها
اور اس مہینے میں ہم واضح انوار کا مشاہدہ کرتے ہیں

فايام و ليلات كريمة
اس کے دن رات میں کرم ہی کرم ہے
فأسئل منك من كرم زهاها
میں آپ سے غایت کرم کا خواستگار ہوں

فنعم الشهر نعم الوقت ربي
میرے رب! یہ بہت خوب مہینہ، بہت ہی خوب وقت ہے
و أيام بليلات ضياها
اس کے دن اور راتیں باہم دگر متشابہ ہیں

غني أنت ذو جود غزير
آپ غنی ہیں بے پایاں جود و احسان کے مالک ہیں
و نفسي اجدبت مما دهاها
اور میرا نفس اپنی آفات کی وجہ سے خشک بنجر ہے

فمنك الفيض ليس له نفاذ
پس آپ کی جانب سے نہ ختم ہونے والا فیض ہے
ومنك الجدب ليس لها دواها
اور اسکی جانب سے ایسا فاقہ ہے جسکی دوا اُسکے پاس نہیں

ومنك السع ليس له نهاءٌ
اور آپ کی جانب سے رحمت کا بے پناہ سیلاب ہے
و منها النشف ما منه غناها
اور اسکا کام اسے جذب کرنا ہے جسکے بغیر اسے چارہ نہیں

سألتك يالٰهي في ليال
الٰہی میں نے تیرے سامنے دست سوال دراز کیا ہے راتوں میں
بخوف قد عراني في دجاها
ایسے خوف کیساتھ جو تاریکیوں میں مجھ پر ملا رہی ہے

أتيتك سائلا والنفس ترجو
میں بغرض سوال تیرے دربار میں حاضر ہوا اور دل میں امیدیں ہیں
و أنت المنعم الموفي مناها
اور آپ انعام کرنے اور دلی آرزوؤں کو پورا کرنے والے ہیں

فطنب فوقها فسطاط عفو
پس اس پر معافی کا خیمہ تان دیجئے
و قوض من خطایاها خباها
اور اس کی غلطیوں کے خیمے اکھاڑ دیجئے

ذنوبی ان عدت عدًّا وحصرًا
میرے گناہ اگرچہ حد شمار سے متجاوز ہیں
ففضلك یا الٰهی قد عداها
لیکن الٰہی تیرا فضل ان سے بھی متجاوز ہے

فعاملنی و جاملنی بفضل
پس درگزر فرما کر مجھ سے فضل کا ایسا معاملہ فرما دیجئے
کما انت له أهل الّها
جو آپ کی شایانِ شان ہو

واللّٰهم صل ثم سلم
اور اے اللہ! صلاۃ و سلام نازل فرمائیے
علی خیر البرایا مصطفاها
اس ذاتِ عالی پر جو تمام مخلوق سے بہتر اور برگزیدہ ہے

الی ما تذرف العین دموعًا
جب تک آنکھوں سے آنسو بہتے ہیں
و ما وجلت قلوب من بکاها
اور جب تک رونے سے دل کانپتے رہیں

[ربیع الاول ۱۳۹۴ھ/اپریل ۱۹۷۴ء]

باب دوم

حالات حاضرہ

پاکستان اور اسلام

بینات کے صفحات پر عرصہ سے اس امر کو واضح کرنے کی کوشش کی جارہی ہے کہ:

دین اسلام ہی اللہ تعالیٰ کی وہ آخری نعمت ہے جو اس عالم کو دی گئی اور عصرِ حاضر کی تاریخ میں پاکستان ہی ایک ایسا ملک ہے جو اسلام کے نام پر وجود میں آیا ہے۔

لیکن ان روشن حقائق کے باوجود:

پاکستان ہی ایسا ملک ہے جہاں نہایت سرعت کے ساتھ اسلام کے نام پر غیر اسلامی معاشرہ پھیل رہا ہے۔ پاکستان ہی وہ بدنصیب ملک ہے جہاں شعوری یا غیر شعوری طور پر اسلامی شعائر، اسلامی خصائص اور اسلامی تہذیب کو فنا کیا جارہا ہے۔

پاکستان ہی وہ بدقسمت سرزمین ہے جہاں اسلام کے نام سے غیر اسلامی قانون بنائے اور جاری کئے جارہے ہیں۔

پاکستان ہی وہ خطہ ہے جہاں ملک وملت کے خزانے کی بھاری رقمیں اسلام کی تحریف پر بہائی جارہی ہیں۔

پاکستان ہی وہ مملکت ہے جہاں آزادیٔ فکر اور آزادیٔ رائے کے بہانے سے تمام عیسائی مشنریوں کو تمام زنادقہ وملاحدہ کو دل کھول کر اسلام پر اعتراضاف کرنے اور طعن وتشنیع کا نشانہ بنانے کا موقعہ دیا جارہا ہے۔

پاکستان ہی وہ حکومت ہے جس کے جتنے حکمران بھی آئے ہر ایک کے عہد حکومت میں پاکستان کے دینی معیار کو بلند کرنے سے غفلت برتی گئی۔

توقع ہوگئی تھی کہ صدر محترم فیلڈ مارشل محمد ایوب خان نے جس طرح پاکستان کی اقتصادی اور سیاسی پوزیشن کو مضبوط کردیا ہے شاید ان کے عہد میں دینی اقدار کو بھی استحکام نصیب ہوجائے اور ان کی وہ انحطاط پذیر حیثیت نہ رہے جو سابق ادوار میں رہی ہے لیکن افسوس:

اے بسا آرزو کہ خاک شدہ

تعجب وتاسف کا مقام یہ ہے کہ ایک طرف تو قرارداد مقاصد اور دستور میں یہ طے کیا جائے کہ کتاب

وسنت پر پاکستان کے قانون کا مدار ہوگا اور کتاب وسنت کے خلاف کوئی قانون نہیں بنایا جائے گا۔

لیکن دوسری طرف جو قانون بنائے جائیں کتاب وسنت کے خلاف بنائے جائیں۔

اور صرف اتنا ہی نہیں کہ کتاب وسنت کے خلاف قانون بنائے جائیں بلکہ ستم ظریفی یہ ہے کہ اس کے ساتھ یہ بھی قانون بنادیا جاتا ہے کہ ان قوانین کو بڑی سے بڑی عدالت میں بھی چیلنج نہیں کیا جاسکتا۔ بتیس جدید قوانین ایسے بنائے گئے ہیں جن میں عائلی قانون بھی شامل ہے جن کی حفاظت کے لئے قانون بنایا گیا ہے کہ ان کو کسی عدالت میں چیلنج نہیں کیا جاسکتا ہے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

آخر اس تلبیس کی کیا ضرورت ہے قرارداد مقاصد ہی کو کیوں نہیں ختم کر دیا جاتا؟ سابق دستور کو کیوں نہیں منسوخ کردیا جاتا؟ پھر جو قانون مزاج چاہے بنایئے۔

بہرحال اس پرآشوب صورت حال میں ہمارے محترم ایس ایم ظفر وزیر قانون کا حالیہ بیان جو ۲۰/ ستمبر ۶۶ء کی پریس کانفرنس میں انہوں نے دیا ہے وہ ان مایوس کن گھٹاؤں میں امید کی اک ہلکی سی کرن ہے، موصوف فرماتے ہیں:

''اسلام ہی ایک ایسا مضبوط رشتہ ہے جو مشرقی اور مغربی پاکستان کی یک جہتی کو قائم رکھ سکتا ہے، پاکستان میں مسلم معاشرہ کی تشکیل کے لئے پروگرام مرتب کیا گیا ہے، نوجوانوں کو اسلامی تعلیمات سے روشناس کرایا جائے گا اور اس سلسلہ میں ایک جامع کتاب ''اسلامی قوانین'' شائع کی جائے گی جس پر آئندہ قانونی عمل درآمد ہوگا''۔

اس امید افزا اعلان سے کون مسلمان ہے جو خوش نہ ہوگا اور وزیر محترم کو خراج تحسین نہ پیش کرے گا لیکن جن باتوں سے یہ عظیم کام انجام پائے گا بیان میں جو کچھ اس کی تفصیل آئی ہے، افسوس کہ اس کی بھیانک تاریکی میں وہ امید کی کرن ایسی تہہ بتہہ ظلمتوں میں چھپ جاتی ہے کہ آئندہ کے لئے کوئی امید باقی ہی نہیں رہتی، فرمایا ہے:

''یہ کام ادارہ تحقیقات اسلامی کے سپرد کیا گیا ہے اور ماہنامہ فکر ونظر (اردو) اسلامک اسٹڈیز (انگریزی) الدراسات الاسلامیہ (عربی) الامۃ (انگریزی) کے ذریعہ سے ادارہ کے محققین، پروفیسروں، ریڈروں، ریسرچ فیلوز اور بیرسٹروں کی نگرانی میں ہو رہا ہے''۔

یہ وہ مایوس کن تفصیل ہے جس نے جو امید بندھی تھی اس کو خاک میں ملا دیا اور بدرجہ مجبوری راقم الحروف نے پریس کو ایک بیان دیا جو ۶ ستمبر ۶۶ء کے مؤقر روزنامہ جنگ کراچی میں شائع ہو چکا ہے اور اس میں یہ کہنا پڑا کہ ڈاکٹر فضل الرحمن کی نگرانی میں اب تک جو تحقیقی کارنامے منظر عام پر آئے ہیں ان کو دیکھتے ہوئے یہ توقع غلط ہے کہ ان کی نگرانی میں اور ان کے قلمی رفقاء کے ذریعہ کوئی صحیح کام ہو سکے گا یا کوئی معیاری اسلامی کارنامہ وجود میں آئے گا اور ساتھ ہی یہ بھی صاف صاف کہہ دیا کہ اگر اس ملک کے مقتدر علماء دین پر اعتماد نہیں ہے اور ان کی تنگ نظری کا شکوہ ہے تو پھر ممالک اسلامیہ شام، مصر، عراق، حجاز، الجزائر وغیرہ سے ایسے چند ممتاز علماء و محققین کو جو جدید

وقدیم علوم کے ماہر ہوں کچھ عرصہ کے لئے اس کام کو پایہ تکمیل تک پہنچانے کے لئے دعوت دی جائے مثلاً:

①ڈاکٹر محمد مصطفیٰ زرقاء ②ڈاکٹر محمد مبارک کو دمشق سے

③ڈاکٹر عبداللہ بن محمد جسر طرابلسی کو بیروت سے ④ڈاکٹر عمر بہاء الامیری کو حلب سے

⑤ڈاکٹر محمد عبداللہ العربی ⑥اور ڈاکٹر ابوزہرہ کو قاہرہ سے۔

یہ حضرات وہ ممتاز اہل علم ہیں جن سے حکومت پاکستان بھی متعارف ہے چنانچہ ۱۹۵۸ء میں جو انٹر نیشنل کلوکیم لاہور میں ہوئی تھی یہ سب حضرات اس میں شامل تھے اور ڈاکٹر جسر طرابلسی کو تو اس کے بعد مؤتمر عالم اسلامی کی ایک کانفرنس میں بھی نمائندگی کا موقعہ دیا گیا تھا۔

لیکن اگر مدار کار ادارہ تحقیقات اسلامی کے موجودہ ''ارباب تحقیق'' پر رہا اور یہی ڈاکٹر فضل الرحمن، مسٹر کمال فاروقی، مسٹر رفیع اللہ خان اور عمر احمد تھانوی جیسے حضرات ہی متوقع اسلامی معاشرہ کی تشکیل اور قوانین اسلام کی تدوین کے روح رواں رہے تو پھر:

قیاس کن زگلستان من بہار مرا

تعجب اس پر ہے کہ اگر اتفاق سے ادارہ تحقیقات اسلامی میں بعض ایسے افراد آ گئے ہیں جن سے کسی قدر صحیح کام کی امید ہو سکتی ہے تو یا تو ان کو نہایت سرعت کے ساتھ ان کے دینی تصلب کی بناء پر علیحدہ کر دیا گیا ہے یا ان کو عضو معطل بنا کر ڈال دیا گیا ہے، ان سے اسلامی موضوعات پر کام کرایا جاتا ہے مگر ان کے صحیح کام میں قطع برید کر کے اسے اپنے منشا کے سانچے میں ڈھال لیا جاتا ہے۔

بہر حال ۶ ستمبر ۱۹۶۶ء کے روزنامہ جنگ میں مدیر محترم نے ایک قیمتی شذرہ اپنے ایڈیٹوریل نوٹ کے ذیل میں اس موضوع پر لکھ کر حکومت کو متوقع فتنہ سے بروقت متنبہ کیا ہے، ہم شکریہ کے ساتھ قارئین بینات کے لئے اس کو نقل کرتے ہیں:

اسلام کا قانون

''مرکزی وزیر قانون ایس ایم ظفر نے بتایا ہے کہ اسلامی تحقیق کا ادارہ اس وقت ''اسلام کا قانون'' نامی ایک کتاب مرتب کر رہا ہے، یہ کتاب تقریباً چار سال میں مکمل ہوگی اور وزیر قانون کا کہنا ہے کہ اسے عدالتوں کی رہنمائی کے لئے استعمال کیا جا سکے گا، مسٹر ظفر نے یہ بھی بتایا ہے کہ اس کتاب میں اسلامی قوانین پر جدید وقدیم علماء کے افکار شامل ہوں گے اور اس پر تعمیری تنقید کا خیر مقدم کیا جائے گا تاکہ بعد کے ایڈیشنوں کو بہتر بنایا جا سکے، ظاہر ہے پاکستان اسلام کے نام پر حاصل کیا گیا تھا اور اس ملک میں اسلام کا قانون ہی چلنا چاہیئے لیکن مغرب کی غلط تقلید نے پاکستان کے تعلیم یافتہ طبقہ کو کچھ اس طرح گمراہ کیا کہ اسلام کے نام پر حاصل کی جانے والی

اس مملکت میں اسلام سے اکثر انحراف ہوتا رہا، اسلام کو پوری قومی زندگی پر حاوی دیکھنے والے حلقے یقیناوزیر قانون کے اس اعلان کا خیرمقدم کریں گےلیکن اس کتاب کی تدوین میں اس بات کا خاص خیال رکھنا ہوگا کہ قدیم کے ساتھ جدید علماء کے افکار پیش کرنے کی کوشش میں قرآن وحدیث کے مطلب ومعنی کو غلط رنگ میں پیش نہ کیا جائے، اس کتاب کی ترتیب کا خیال بہت نیک ہےلیکن مسودہ کو قطعی صورت دینے سے قبل انتہائی احتیاط کے ساتھ اس کی جانچ ہونی چاہیئے، اس لئے کہ مختلف ادوار میں اسلام کو دانستہ یا نادانستہ مسخ کرنے کی کوششیں ہوتی رہی ہیں، ہم اسلام کی سربلندی کے علمبردار ہیں، ہماری ذراسی لغزش سے ایک نیا فتنہ کھڑا ہوسکتا ہے، لہٰذا اسلام کو بروئے کار لانے کے اقدامات میں ہمیں ضرورت سے زیادہ محتاط رہنا ہوگا، امید ہے اسلامی تحقیق کا ادارہ صحیح اسلامی اسپرٹ سے کام لے گا اور اس کتاب کی اشاعت سے قبل تمام اسلام پسند حلقوں کا تعاون حاصل کرنے کی کوشش کرے گا تاکہ بعد میں تعمیری نکتہ چینی کے بجائے کوئی نیا فتنہ کھڑا نہ ہوجائے''۔ (روزنامہ جنگ ۶ رستمبر ۱۹۶۶ء)

گذشتہ چند سال کے تلخ تجربوں کی روشنی میں مدیر موصوف نے جو نتیجہ اخذ کیا ہے وہ بالکل صحیح ہے، ظاہر ہے کہ جب تک وزیر قانون یہ کام قابل اعتماد ارباب تحقیق کے سپرد نہیں کریں گے ہرگز قابل اطمینان اور ملک وملت کے لئے قابل قبول نہ ہوگا بلکہ بقول مدیر موصوف ملک میں ایک نیا فتنہ کھڑا ہوجائے گا، بقول شاعر:

ایں رہ کہ تو می روی بتر کستان است

واضح رہے کہ اگر حکومت یا وزیر قانون کی نیت بخیر ہے اور امت وملت کو کسی غلط فہمی میں مبتلا کرنا مقصود نہیں ہے اور واقعی دینِ اسلام کا صحیح قانون بنانا ہی مقصود ہے اور اب تک پاکستان میں جو کچھ ہوا ہے اس کی تلافی کرنے کا عزم ہو چکا ہے تو قطعاً اس کی ضرورت ہے کہ رجال کار کا صحیح انتخاب کیا جائے اور ممالک اسلامیہ سے ایسے صحیح رجال کار کو بلا کر یہ کام سپرد کیا جائے جن میں اسلام وایمان کی پختگی کے ساتھ ساتھ جدید وقدیم علوم سے واقفیت بھی اعلیٰ درجہ کی ہو یعنی شریعتِ محمدیہ کے نہ صرف قوانین واحکام جانتے ہوں بلکہ شریعت محمدیہ کے مزاج شناس ہوں اور عصر حاضر کے دینی تقاضوں کو اور پاکستانی مسلمانوں کے دینی مزاج وخواہشات کو جانتے ہوں۔

اگر ان حضرات کے بجائے کہیں یورپ وامریکہ سے چند مستشرقین کو بلایا گیا اور اسمتھ اور شاخت جیسے اعداء اسلام سے اس کام کی تکمیل کرائی گئی تو اس مضحکہ خیز طریقہ کار کی نہ صرف پاکستانی مسلمان بلکہ دنیا کا کوئی بھی مسلمان تحسین نہیں کرسکتا بلکہ یہ صورت کار جہاں اسلامی غیرت، دینی حمیت، ملکی مصلحت کے خلاف اور اپنی بے دینی وبدنیتی کا واضح ثبوت ہوگی ساتھ ہی اس ملک کے عوام میں شدید اور دوررس انتشار پیدا کرنے کے مترادف اور بقول مدیر جنگ ایک نئے فتنہ کا دروازہ کھولنا ہوگا، اس دردناک صورت حال سے بدرجہا بہتر یہ ہے کہ صاف اعلان کردیا جائے کہ اس ملک کے اندر ''رومن لاء'' یا ''سوئیزرلینڈ'' کا قانون یا امریکہ یا لندن کا قانون نافذ کیا جائے گالیکن اگر اسلام کے نام سے ہمارے سروں پر کفر کے قانون کو مسلط کرنے کی کوشش کی تو یادرہے کہ اس

ملک کے اندر غیر مختتم انتشار و اضطراب کا سلسلہ رونما ہوگا اور اس کے جو بدترین سیاسی نتائج نکلیں گے اس کی ذمہ داری انہی سربراہان حکومت پر ہوگی جو دیدہ دانستہ اس عظیم گناہ کے مرتکب ہوئے ہوں گے، جب موجودہ ''ادارہ تحقیقات'' کا یہ عملہ باوجود دعویٰ اسلام و ایمان اور دعویٰ دین کے اسلامی قانون کی تشکیل کے لئے اہل نہیں تو شاخت اور اسمتھ جیسے مستشرقین عیسائی اور یہودی کیسے قابل اعتماد ہوسکتے ہیں اور یہ کہنا قطعاً کھلا ہوا فریب ہے کہ ہم ان مستشرقین کو طریق کار سکھانے کے لئے بلاتے ہیں جیسا کہ موجودہ ڈاکٹر صاحب نے اب سے تین سال پہلے اپنے ایک ڈان مورخہ ۹/۱۰/۶۳ء میں شائع شدہ انٹرویو میں کہا تھا۔ کچھ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کراچی میں رہ کر ان کو اس اقدام کی جرأت نہیں ہوسکی ہے اسی لئے ادارہ کو اسلام آباد راولپنڈی لے گئے ہیں، بہرحال ہم اس اقدام کے انتہائی خطرناک نتائج سے بروقت حکومت اور وزیر قانون کو متنبہ کرتے ہیں، جدید طرز تحقیق کے ان سے بدرجہا بہتر ماہرین اس وقت اسلامی ممالک میں موجود ہیں جن کے تحقیقی شاہکاران مستشرقین کے علی الرغم شائع ہو چکے ہیں۔

مزید وضاحت اور قارئین کی معلومات میں اضافہ کی غرض سے ادارہ بینات روزنامہ حریت کراچی ۸/ ستمبر ۶۶ء میں رفیقِ محترم مولانا مفتی ولی حسن کا اسی موضوع پر شائع شدہ مضمون پیش کرتا ہے:

اسلامی قوانین کی ترتیب وتدوین کے لئے تحقیقاتی جدوجہد

محترم وزیر قانون نے ۳۰/اگست ۱۹۶۶ء کو راولپنڈی کی ایک پریس کانفرنس میں ایک اہم حقیقت کا اظہار فرمایا ہے کہ:

''پاکستان میں اسلامی نظریہ کو محوری حیثیت حاصل ہے، ملک کے دونوں صوبوں کے درمیان یک جہتی کے لئے اسلام ایک مستقل قوت ہے اس لئے نئی نسل کو اسلامی تعلیمات سے روشناس کرانا ضروری ہے۔''

ہم محترم وزیر قانون کے اس خیال کی پرزور تائید کرتے ہوئے ان سے گذارش کرتے ہیں کہ آپ کے یہ الفاظ پاکستان کے دس کروڑ عوام کے دلوں کی آواز ہے، اسلامی نظریہ حیات پاکستان کی روح ہے اس مملکت کا قیام بھی اسی نظریہ کے لئے ہوا، اس کی بقاء بھی اسی نظریہ میں مضمر ہے اور اس کی کامیابی بھی اسی کی رہین منت ہوسکتی ہے۔

پاکستان کے دونوں صوبوں کے درمیان وسیع خلیج کو یہی نظریہ حیات پاٹ سکتا ہے کیونکہ دونوں صوبوں کے درمیان اگر کوئی چیز مشترک ہے تو وہ اسلام اور صرف اسلام ہے اس لئے اس رشتہ کو جس قدر مضبوط کیا جائے گا اسی قدر پاکستان مضبوط ہوگا، اس کے دونوں صوبے ایک دوسرے سے قریب تر آجائیں گے جس طرح حصول پاکستان کے وقت متحد تھے اور دونوں صوبوں کے درمیان علیحدگی پسند عناصر کا فتنہ اپنی موت آپ مر جائے گا۔

نئی نسل کو اسلامی تعلیمات سے روشناس کرانا ضروری ہے، ہماری نئی نسل پر مادیت کے سائے گہرے ہوتے جارہے ہیں، اللہ تعالیٰ اور اس کے برگزیدہ دین سے یہ نہ صرف ناواقف بلکہ منحرف ہیں، ہمارے تعلیمی

ادارے اس سلسلے میں جو کردار ادا کر رہے ہیں اس سے آپ بے خبر نہیں ہیں۔

محترم! ادارہ تحقیق اسلامی کے بارے میں آپ نے جو کچھ فرمایا ہے وہ ہمارے لئے محلِ نظر ہے، ہم اپنی معروضات بصد ادب پیش کر رہے ہیں، امید ہے کہ آپ ہماری معروضات پر ٹھنڈے دل سے غور فرمائیں گے۔ ہمارے اس ملک میں ادارہ تحقیق اسلامی کی ضرورت اپنی جگہ مسلم کیونکہ آپ نے جن موضوعات کی نشاندہی فرمائی ہے، واقعی ان پر کام کرنے کی ضرورت ہے مثلاً: اسلامی قانون کی ترتیب وتدوین، اسلام کا سماجی نظام، اسلام کے اقتصادی اصول، اسلام کا سیاسی نظام وغیرہ لیکن ہمیں بصد افسوس عرض کرنا پڑتا ہے کہ موجودہ ادارہ تحقیق اسلامی جس پر ملک کا لاکھوں روپیہ خرچ ہو رہا ہے اپنے مقصد تاسیس سے نہ صرف بہت دور بلکہ اس کی ضد ہے۔

محترم! آپ نے ادارہ تحقیق اسلامی کے مقصد تاسیس کو اس طرح بیان فرمایا ہے: ''ادارہ کا بنیادی مقصد عوام الناس کو اپنی زندگی اسلامی تعلیمات کی مطابق گذارنے میں مدد دینا ہے''۔

اس مقصد کو سامنے رکھ کر جب ہم ادارہ کے اب تک کے کام کا نہایت اخلاص سے جائزہ لیتے ہیں تو ہم کو شدید مایوسی ہوتی ہے، ادارے کے قیام کو ایک عرصہ ہوگیا لیکن اس کی طرف سے اب تک اسلام کی کوئی قابل ذکر خدمت سامنے نہیں آئی، ہمیں تو ایسا نظر آتا ہے کہ ادارہ ایک نئے اسلام کی داغ بیل ڈال رہا ہے جس سے یہاں کے عوام سخت انتشار میں مبتلا ہو گئے ہیں، اس نئے اسلام کے بنیادی خطوط بطور نمونہ درج ذیل ہیں، جن سے آپ ادارہ کے دانشوروں، علماء، محققین، پروفیسروں، ریڈروں، ریسرچ فیلوز کے ذہنی رخ کا بخوبی اندازہ لگا سکتے ہیں:

① قرآنی احکام ابدی نہیں بلکہ ان کی علل وغایات ابدی ہیں۔

② حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم زمانۂ مابعد کی پیداوار ہیں۔

③ سنت ہر زمانہ کے رسم ورواج کا نام ہے۔

④ شرعی سزائیں قابل تبدیلی ہیں۔

⑤ قرآن ایک اخلاقی کتاب ہے۔

⑥ جو لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ قرآن میں بنا بنایا قانون موجود ہے، وہ جاہل اور کم فہم ہیں۔

⑦ بینک کا سود حلال ہے۔

⑧ زکوٰۃ مالی عبادت نہیں بلکہ ٹیکس ہے۔

⑨ زکوٰۃ کی شرح میں اضافہ ہونا چاہیئے۔

⑩ بیئر، شراب حلال ہے وغیرہ وغیرہ۔

ہم نے اس مختصر مراسلے میں صرف چند ارشادات پر اکتفا کیا ہے، آپ اگر اس سلسلہ میں تحقیق کرنا چاہیں (جس کی ذمہ داری ادارہ کا صدر ہونے کی بنا پر آپ پر بھی عائد ہوتی ہے) تو ہم ادارہ تحقیق اسلامی کے اب

تک کے کام کا تفصیلی جائزہ لینے میں آپ کا ہاتھ بٹا سکتے ہیں، ان محققین بلکہ متجددینِ عصر کی تحقیقات کو صحیح اسلام کی روشنی میں آپ کو دکھا سکتے ہیں کہ یہ حضرات کس مشن کے تحت اسلامی تحقیقات کر رہے ہیں۔

جہاں تک اسلامی قوانین کی ترتیب وتدوین کا تعلق ہے تو اس بارے میں عرض ہے کہ ادارہ تحقیق اسلامی ترتیب وتدوین کا مطلب یہ سمجھتا ہے کہ کتاب وسنت کے منصوص ومقررہ احکام میں بھی ترمیم واضافہ کیا جائے، زمانہ اور حالات کو کتاب وسنت کے ماتحت نہ کیا جائے بلکہ خود کتاب وسنت کو زمانہ اور حالات کے ماتحت کر دیا جائے۔ یہ نظریہ اور اندازِ فکر اسلام کے لئے نہایت خطرناک اور مہلک ہے، اس طرح تو یہ دین قیم بازیچہ اطفال بن جائے گا اور اپنی ابدیت کھو بیٹھے گا۔ ترتیب وتدوین کا صحیح طریقہ یہ ہے کہ کتاب وسنت اور فقہاء ومجتہدین کی کاوشوں اور تحقیقات کی روشنی میں جدید ترتیب وتہذیب کے ساتھ ایک ایسا مجموعہ قوانین اسلام مرتب کیا جائے جس میں منصوص احکام کو جوں کا توں باقی رکھ کر فقہاء امت کی تحقیق کی پیروی کی جائے اور جدید مسائل اور پیش آمدہ صورتوں کو قرآن وسنت اور فقہ کی روشنی میں حل کیا جائے۔

ادارہ تحقیق اسلامی سے اس ملک کے عوام کو بڑی توقعات تھیں کیونکہ اسلام کو اس ملک میں پھولتا پھلتا دیکھنا ان کی سب سے بڑی آرزو ہے اور جب اس ادارہ کی بنیاد رکھی گئی تو عوام کے دلوں میں خوشی کی لہر دوڑ گئی تھی اور لوگ کہنے لگے تھے کہ حکومت نے بالکل صحیح قدم اٹھایا ہے لیکن ادارہ کے کام کو دیکھ کر توقعات سراب سے زیادہ ثابت نہیں ہوئیں، اب ان کے دلوں میں نا قابل تردید شکوک وشبہات بلکہ نا قابل برداشت ''جراحتیں'' ہیں جو ادارہ کے نام نہاد علمائے محققین نے اسلام کے خلاف کام کر کے ان کے قلوب میں ڈالی ہیں جن کے پس منظر کی اطلاع بہت کچھ آپ کو بھی ہے۔

محترم! ان جراحتوں کا مرہم پریس کانفرنس نہیں بلکہ ادارہ کا صحیح رخ موڑنا ہے، ادارہ کا قبلہ شروع سے اب تک میکگل یونیورسٹی، یہودی ونصرانی مستشرقین کی تحقیقات ہیں، آپ اس کا رخ کعبۃ اللہ، قرآن کریم، حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم اور فقہاء ومحدثین ومفسرین اسلام کی طرف موڑ دیجئے، لوگوں کی جراحتیں مندمل ہو جائیں گی اور اسلام اور ملک وملت کو ان سرنگوں سے نجات مل جائے گی جو زیر زمین بچھائی جا رہی ہیں اور اس ملک کے عوام آپ کو اسلام کے وکیل اور کامیاب وزیر قانون کی حیثیت سے ہمیشہ یاد رکھیں گے۔

[جمادی الثانیہ ۱۳۸۶ھ - اکتوبر ۱۹۶۶ء]

اسلام اور پاکستان (۱)

ہمارے ملک کے نامور قانون دان جناب تنزیل الرحمن صاحب ایم اے، ایل ایل بی ایڈوکیٹ، مشیر قانون "ادارہ تحقیقات اسلامی پاکستان" مجموعہ قوانین اسلام کے نام سے اسلامی قانون کی تدوین کا کام کر رہے ہیں، اس کی پہلی جلد پر جو قانون نکاح پر مشتمل تھی بینات میں تفصیلی تبصرہ کیا جا چکا ہے، دوسری جلد جو قانون طلاق پر مشتمل ہے ہمیں کچھ دن ہوئے موصول ہوئی ہے، مصنف محترم اس کے مقدمہ میں اسلامی قانون طلاق کے بالمقابل یہودی عیسائی اور ہندو مذاہب نیز ترقی یافتہ مغربی ممالک کے رائج الوقت قانون "طلاق" کا جائزہ لیتے ہوئے آخر میں اپنے نتیجہ فکر کا اظہار ان الفاظ میں کرتے ہیں:

"حقیقت یہ کہ ان نام نہاد "ترقی یافتہ" قوانین کے مقابلہ میں اسلامی قانون طلاق توازن، عدل وانصاف، رواداری، اخلاق وعصمت کی محافظت، محبت ومودت، مقاصد نکاح کے حصول، نجات اخروی، مصلحت عامہ اور انسانی فطرت کے اصولوں پر قائم ہے اور ہم فخر کے ساتھ دنیا کے سامنے یہ دعویٰ کر سکتے ہیں کہ چودہ سو سال پہلے جو قانون اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول اللہ ﷺ نے عطا کیا ہے وہ مغربی دنیا کے موجودہ قوانین طلاق سے افضل اور بدرجہا بہتر ہے (اس دعوے کے ثبوت میں انتہائی انکسار اور عاجزی کے ساتھ یہ کتاب حاضر ہے) دراصل مغربی دنیا کا قانون اخلاقی قانون کے ساتھ قائم نہیں رہ سکتا اور نہ ہی نکاح کے دیوانی نتائج مذہبی نتائج کے مطابق ہو سکتے ہیں، اس کا اعتراف خود ہالسبریز لاز آف انگلینڈ مرتبہ لارڈ سیمانڈس جلد: ۱۳ صفحہ: ۳۳۴ پر کیا گیا ہے"۔

وسیع مطالعہ، طویل غور وفکر اور مسلسل تحقیق وریسرچ کے بعد ایک مسلمان ماہر قانون جس نتیجہ پر پہنچا ہے اسے متعدد غیر مسلم انصاف پسندوں نے بھی تسلیم کیا ہے مگر چونکہ وہ اعتراف حقیقت کے باوجود خود اسلامی قانون پر ایمان لانے سے محروم رہے ہیں اس لئے ہم انہیں کوئی اہمیت نہیں دیتے نہ انہیں یہاں نقل کرنا چاہتے ہیں۔

انسان کے خود ساختہ قوانین خواہ وہ مشرق والوں کے ہوں یا مغرب والوں کے، امریکہ اور انگلینڈ کے ہوں یا روس اور چین کے، دقیانوسی دور کے ہوں یا آج کی ترقی یافتہ تہذیبوں کے، خدائے خالق ومالک کے نازل کردہ قوانین کے مقابلہ میں ان کی حیثیت وہی ہے جو خالق کے مقابلہ میں مخلوق کی ہو سکتی ہے، ملحد سے ملحد تہذیبیں بھی انسانی فطرت کو بہر حال تسلیم کرتی ہیں اور یہ کہ انسان اپنی فطرت کے تابع ہے، انسانی فطرت کے تمام تقاضوں، اس کی ضرورتوں آسائشوں اور مضرتوں کا ٹھیک ٹھیک علم بھی انسان کو نہیں بلکہ خود خالق فطرت ہی کو ہو سکتا

---

(۱) حضرت اقدس مولانا بنوری مدفیضہم علالت کی بناء پر "بصائر وعبر" نہیں لکھ پائے۔ البتہ آپ نے چند ارشادات لکھ کر عنایت فرما دیے۔ حضرت مولانا محمد یوسف صاحب لدھیانوی نے ذیل کی تحریر ان ہی ارشادات کی روشنی میں سپرد قلم کی ہے۔

ہے، وہی اس کی صحیح نشونما کر سکتا ہے اور اسی کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ فطرت کی راہنمائی کے لئے قانون سازی کرے، یہ کام نہ خود فطرت انجام دے سکتی ہے نہ انسان جو اپنے صحیح یا غلط فطری تقاضوں کے سامنے سپر انداز ہے۔

قانون کا بنیادی مقصد

اہم ترین مقصد عدل وانصاف کو بروئے کار رلانا اور انسانیت کو ظلم وجور اور بہیمیت ودرندگی کے چنگل سے نجات دلانا ہوتا ہے، لیکن اگر خود قانون کجروی اور درندگی کی آماجگاہ بن جائے، قانون ساز اداروں پر ظلم پیشہ درندوں کا تسلط ہو جائے اور وہ اپنی پست اور گھٹیا خواہشات کے مطابق اندھا دھند قانون سازی کرنے لگیں تو ظاہر ہے کہ قانون حفاظت عدل کے بجائے ظلم وعدوان کا پشتیبان اور پاسبان بن کر رہ جائے گا، اس خطرہ سے بچنے کے لئے ضرورت ہوگی کہ عدل کا مفہوم متعین کیا جائے اور اسے ظلم وعدوان سے ممتاز کیا جائے۔

عدل کیا ہے؟ اور ظلم کسے کہتے ہیں؟ یہ ایک ایسا نکتہ ہے جس کے بغیر قانون کا سارا دفتر لغویت وہذیان کا پلندہ بن کر رہ جاتا ہے اور ہمیں یہ سن کر حیرت ہوتی ہے کہ دنیا کے اعلیٰ ترین مفکر اور ماہرین قانون، عدل کا ایسا مفہوم متعین کرنے سے عاجز ہیں جو تمام انسانیت کے لئے یکساں قابل قبول ہو اور جو شخص یہ نہیں جان سکتا کہ عدل کیا ہے؟ آخر کس قانون سے اسے قانون سازی کا حق حاصل ہے؟ ایک حق تعالیٰ ہی کی ذات ایسی ہے جس کا علم کائنات کے ذرہ ذرہ کو محیط ہے اور جس کی رحمت ساری انسانیت بلکہ ساری کائنات کے لئے عام ہے، انسانوں کے کسی خاص گروہ سے اس کا مفاد وابستہ نہیں، وہی انسانیت کے لئے ''عدل'' کا ٹھیک ٹھیک مفہوم متعین کر سکتا ہے اور اسی کا نازل کردہ قانون، قانون عدل کہلانے کا مستحق ہے، قانون الٰہی کے سوا دنیا کے خود تراشیدہ قانون نہ عدل وانصاف کے تقاضوں کو پورا کر سکتے ہیں نہ انسانیت کو ظلم وستم کے آہنی پنجے سے نجات دلا سکتے ہیں، حق تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿لَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَيِّنٰتِ وَاَنْزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتٰبَ وَالْمِيْزَانَ لِيَقُوْمَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ﴾ [الحدید:۲۵]

ہم نے اپنے پیغمبروں کو کھلے کھلے احکام دے کر بھیجا اور ہم نے ان کے ساتھ کتاب کو اور انصاف کرنے والے ترازو کو نازل کیا تا کہ لوگ اعتدال پر قائم رہیں۔

جرم اور سزا کے درمیان وہی رشتہ ہے جو مرض اور دوا کے درمیان ہے، ایک ماہر طبیب مرض کی نوعیت اس کے اسباب وعوارض اور اس کے آثار ونتائج کو سمجھتا ہے، مریض کی عادت ونفسیات کا بغور مطالعہ کرتا ہے، اس کے محل، بود وباش اور تقاضائے سن وسال کو سوچ سمجھ کر اس کے لئے نسخہ تجویز کرتا ہے، طریقہ استعمال بتاتا ہے، غذا اور پرہیز کی بابت ہدایات دیتا ہے، لیکن ایک عطائی کو ان چیزوں سے سروکار ہے نہ اہلیت، اس نے کہیں سے

سن لیا کہ فلاں مرض کے لئے فلاں دوا مفید ہے بس وہ دوا اٹھائی اور لوگوں کو دینا شروع کر دی، اس کے بعد مریض کی قسمت کہ وہ جئے یا مرے۔

انسانیت کے امراض اور ان کا علاج

جرائم انسانیت کے سب سے بڑے امراض ہیں اور قانون کے ذریعہ ان امراض کا علاج کیا جاتا ہے۔ قانون کا سب سے مشکل مرحلہ جرم اور سزا کے درمیان توازن کا قائم کرنا ہے اور ایسی ترازو دنیا کے کسی کارخانے میں تیار نہیں ہوتی جس سے جرم کے آثار و نتائج کا وزن کرکے اس کے ہم وزن سزا تجویز کی جائے، یہی وجہ ہے کہ انسانی قانون کی تمام تر درازدستیوں کے باوجود مہذب ممالک میں جنایت کی رفتار تیز تر ہوتی جارہی ہے اور جب تک دنیا اس ''انبیائی میزان'' کے مطابق جرم وسزا کا موازنہ نہیں کرتی اس وقت تک انسانیت پر جنگل کا قانون نافذ رہے گا اور انسانیت ظلم وعدوان کے نیچے سسکتی بلکتی رہے گی۔

یہی میزانِ نبوت ہمیں بتاتی ہے کہ زنا اپنے اندر تعفن اور گندگی کی کتنی مقدار رکھتا ہے اور اس کا علاج کتنے پتھروں یا کوڑوں سے ہونا چاہئے اور کسی کے مال پر ناجائز ہاتھ ڈالنا کتنا بڑا معاشرتی روگ ہے اور اس کا علاج صرف ہاتھ کاٹنے سے ہوسکتا ہے، جو شخص فالج کا علاج کونین سے اور موتیابند کی تدبیر ''اسپرو'' سے کرنا چاہتا ہے وہ جاہل مریض کا دوست نہیں، دشمن ہے اور جو شخص قتل کا علاج اتنے سال کی قید سے اور ڈکیتی کا علاج اتنے ماہ کی قید سے کرنا چاہتا ہے وہ قانون ساز نہیں، انسانیت کا قاتل ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آج مہذب ممالک کے جیل خانے جرائم کی تربیت گاہ بن کر رہ گئے ہیں، مجرم جب سزا کاٹ کر واپس آتے ہیں تو مرض جرم سے شفایاب ہوکر نہیں نکلتے بلکہ عادی مجرم بن کر آتے ہیں۔ الا ماشاء اللہ۔

اللہ تعالیٰ جل شانہ کا کامل ومکمل آخری قانون

خدائے برتر کا آخری قانون اپنی جامع اور کامل ترین صورت میں حضرت خاتم النبیین محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوا، اس نے انسانیت کے لئے عدل وانصاف، مودت ورحمت، ہمدردی وخیر خواہی، اخوت ومواسات اور سکون واطمینان کی وہ فضا پیدا کی جس کی مثال چشم فلک نے کبھی نہ دیکھی تھی، یہ ایک ایسا خودکار نظام تھا جس کی بدولت اوّل تو جرائم کی تعداد گھٹتے گھٹتے صفر کے نقطہ تک پہنچ گئی تھی اور کبھی سہو یا بشریت کی بنا پر کوئی جرم کسی سے صادر ہو ہی جاتا تو مجرم خود ہی طهرنی یارسول الله (یارسول اللہ! مجھے سزا دے کر پاک کر دیجئے) کا نعرہ لگاتے ہوئے عدالت کے کٹہرے میں حاضر ہوتا اور جب تک عدالت نبوت اس کے بارے میں کوئی فیصلہ نہ کر دیتی اس کے ضمیر کی خلش، ایمان کی حرارت اور محاسبہ آخرت کی فکر اسے مسلسل بے چین کئے رکھتی، نہ کسی کو کسی سے شکایت نہ کوئی طبقاتی مسئلہ، نہ کوئی اقتصادی الجھن نہ کوئی سیاسی آویزش، کیا آج کا ترقی یافتہ لیکن بے حد مظلوم

انسان اس کا تصور بھی کرسکتا ہے؟ یہ تھی اسلامی شریعت! جس نے دنیا کو عدل وانصاف سے بھر دیا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

قد جئتکم بالسمحة البیضاء لیلها ونهارها سواء(۱)

میں تمہارے پاس ایسی آسان اور روشن شریعت لایا ہوں جس کے رات دن یکساں روشن ہیں۔

پاکستان اس مقصد کے لئے معرض وجود میں آیا تھا کہ اسے دارالامن والایمان ومہد السلامۃ والاسلام، ایمان واسلام کا گھر اور امن وسلامتی کا گہوارہ بنایا جائے گا، لا الہ الا اللہ کا واسطہ دے کر ہم نے خدا اور رسول سے نیز دس کروڑ مسلمانوں سے عہد کیا تھا کہ اس مملکت خداداد کا آئین اسلام ہوگا، ہماری اجتماعی زندگی کا ایک ایک شعبہ اسلام کے زیر نگین ہوگا، ہم اپنے سفر حیات کی ایک ایک لائن کو شریعت محمدیہ کے صراط مستقیم پر لائیں گے اور آج کی دکھ بھری دنیا کو بتائیں گے کہ تم جس متاع گم گشتہ کی تلاش میں مارے مارے پھرتے ہو وہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے نقش قدم کی پیروی سے آج بھی مل سکتی ہے۔

اگر ہمارے ارباب اقتدار نفاق ورزی سے کام نہ لیتے اور امت مسلمہ کے ساتھ ساتھ خدا اور رسول کو بھی صرف وعدوں اور لکچروں سے نہ بہلاتے تو یہ ملک واقعۃً اسلام اور سلامتی کا گہوارہ اور پوری دنیا کے لئے مثالی نمونہ ہوتا، پاکستان کی اعلیٰ قیادت ایک نئی دنیا کی معمار ہوتی اور آج عالم اسلام کا نقشہ یقیناً کچھ اور ہوتا، مگر یہاں بائیس سال سے جو کچھ ہوا اور اس کی جو قیمت پوری قوم کو ادا کرنا پڑی اور ہم اس کے نتیجہ میں جس خودغرضی، افرا تفری، افتراق وانتشار اور ذلت ونکبت کا شکار ہوئے اس کا تذکرہ رنج والم اور ندامت وخجالت کا موجب ہے۔

اسلامی جمہوریہ پاکستان کا مقصد اسی وقت پورا ہوسکتا ہے اور اسلامی مملکت کا خواب اسی وقت شرمندہ تعبیر ہوسکتا ہے جبکہ یہاں اسلامی آئین نافذ ہو اور اسلامی شریعت اور خدائی قانون کو زندگی کے تمام شعبوں میں جاری کیا جائے، عدلیہ میں قرآن وسنت اور فقہ اسلامی کے مطابق فیصلے کئے جائیں، حدود اللہ کا اجراء کیا جائے، اسلامی قانون کتاب وسنت اور فقہ اسلامی میں مدون ومرتب موجود ہے، صدیوں اس پر عمل ہوتا رہا ہے، وہ آج بھی نافذ کیا جاسکتا ہے۔

کسی ملک کے دارالاسلام بننے کا مدار کس چیز پر ہے؟

تمام علمائے امت کا اتفاق ہے کہ کسی خطۂ زمین کے دارالاسلام بننے کا مدار اس بات پر نہیں کہ وہاں مسلمانوں کی آبادی کا تناسب کیا ہے، بلکہ اس کا مدار قانون اسلام کے نفاذ پر ہے، جس ملک میں برسر اقتدار طبقہ کی جانب سے عوام کو اسلامی قانون کے فیوض وبرکات سے مستفید ہونے کا موقعہ نہ دیا جائے، جہاں کفر اور جاہلیت کا

---

(۱) سنن ابن ماجه، المقدمة، باب اتباع النبي صلی الله علیه وسلم ص:۲، ط: قدیمی

آ ئین وقانون مسلط ہو اور جہاں کے بے بس عوام مسلسل احتجاج کے باوجود خدائی قانون کے بجائے طاغوتی قانون کے مطابق اپنے مقدمات فیصل کرانے پر مجبور ہوں، اسے ہزار بار مسلمانوں کا ملک کہہ لیجئے لیکن اسے حقیقی معنی میں اسلامی مملکت اور دارالاسلام کہتے ہوئے حیا آتی ہے۔ اسلام کے گھر میں بھی اگر اسلام کو قدم ٹکانے کی اجازت نہ ہو تو وہ مسلمانوں کا گھر تو ہوسکتا ہے لیکن کیا دنیا کا کوئی عقلمند اسے اسلام کا گھر مان لے گا؟ پاکستان اگر واقعی ''دارالاسلام'' اسلام کا گھر ہے تو یہاں کے دس گیارہ کروڑ فرزندان اسلام اور اس کے قائدین سے اپیل بے جا نہ ہوگی کہ خدا کے لئے اس گھر میں اسلام کو قدم رکھنے کی جگہ دیجئے اور اسے اپنے گھر کی اصلاح کرنے دیجئے۔

اسلام کیا ہے؟

بعض حضرات کی زبان فیض ترجمان سے اسلامی اقدار، اسلامی اصول، اسلامی نظریہ حیات اور اسلامی مساوات جیسے مبہم الفاظ وقتاً فوقتاً سننے میں آتے ہیں، یہ تعبیر بڑی غلط فہمی اور تلبیس کا موجب ہوسکتی ہے، اسلام صرف چند مبہم اصولوں یا اعلیٰ اخلاقی قدروں کا نام نہیں، بلکہ وہ عقائد، عبادات، معاملات، تعزیرات اور اخلاق کے تفصیلی قوانین کا مجموعہ ہے۔ اسلام اگر زنا، چوری، ڈکیتی، قتل، شراب نوشی جیسی گھناؤنی حرکات کو جرائم قرار دیتا ہے تو ان کے انسداد کے لئے ایک مفصل تعزیراتی نظام بھی دیتا ہے، وہ جہاں معاشی تحفظ کا وعدہ دیتا ہے وہاں اقتصاد و معاش کی جائز اور ناجائز صورتیں بھی بتاتا ہے، اگر وہ معاملات میں عدل اجتماعی پر زور دیتا ہے تو اس کے لئے ایک دیوانی قانون بھی رکھتا ہے، اگر وہ اصلاح معاشرہ کی ذمہ داری لیتا ہے تو اس کے لئے ایک کامل نظام ہدایت بھی دیتا ہے۔

الغرض زندگی کا کون سا گوشہ ہے جس کے لئے اسلام نے تفصیلی قوانین وضع نہ کئے ہوں، دارالاسلام وہی ہوسکتا ہے اور اسلامی مملکت وہی ہوسکتی ہے جہاں اسلام کی ہمہ گیر فرمانروائی ہو اور جہاں اسلام کے وہ تمام احکام وقوانین جاری ہوں جن کی تفصیلات کتاب وسنت اور فقہ اسلامی میں موجود ہیں اور جن پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد سے لے کر زوال خلافت کے آخری دور تک عمل ہوتا رہا ہے، جو لوگ اسلام کا نام لیتے ہوئے شرماتے ہیں اور صرف اسلامی اصول اور اسلامی مساوات جیسی اصطلاحات استعمال کرتے ہیں ان کے بارے میں یہ اندیشہ غلط نہیں کہ وہ اسلام کے نام پر ''جاہلیت جدیدہ'' لانا چاہتے ہیں۔

یکم جنوری سے شروع ہونے والا نیا سال ملک میں نئے انقلاب اور نئی تبدیلیوں کا پیغام لا رہا ہے، پردہ غیب سے کیا کچھ طلوع ہوگا؟ اس کا ٹھیک علم اللہ تعالیٰ ہی کے پاس ہے تاہم حالات کی نزاکت بتاتی ہے کہ اس موقعہ پر ادنیٰ غفلت اور معمولی لغزش بے حد تباہ کن اور سنگین نتائج کی حامل ہوگی، اس لئے ضروری ہے کہ قوم کا ایک ایک فرد یہ سوچ سمجھ کر فیصلہ کرے کہ مجھے کل اللہ تعالیٰ کے حضور میں اس کی جواب دہی کرنا ہوگی، اگر خدانخواستہ وقت کی نزاکت کا صحیح احساس نہ کیا گیا اور جس مقصد کی خاطر پاکستان بنا تھا اسے پس منظر میں ڈال دیا گیا تو اس کا

خمیازہ پوری قوم کو دنیا و آخرت میں بھگتنا ہوگا۔ اس سلسلہ میں سب سے پہلی ذمہ داری مارشل لاء حکومت پر عائد ہوتی ہے، موجودہ حکومت کا یہ عظیم کارنامہ ہے کہ اس نے قوم کے تمام طبقات کے لئے اطمینان بخش پالیسی اختیار کی ہے، اسے اس سے آگے بڑھ کر ایسی پالیسی بھی اختیار کرنی چاہئے جس سے اللہ اور رسول خوش ہو جائیں اور ایسے اقدامات بھی کرنے چاہئیں جس سے اسلامی نظام کے قیام کے امکانات روشن ہوں اور حکومت کو رضائے خداوندی کا تمغہ ملے۔ دوسری ذمہ داری طبقہ علماء پر عائد ہوتی ہے کہ تمام نزاعات کو بالائے طاق رکھ کر کامل یکسوئی، جانفشانی اور للّٰہیت کے ساتھ قوم کا ذہن اسلام کے سایہ رحمت کے لئے تیار کریں۔ تیسری ذمہ داری قوم کے قائدین اور سیاست دانوں پر عائد ہوتی ہے کہ وہ فروعی اور علاقائی نعروں کو چھوڑ کر صرف اسلام کے لئے کام کریں، سب سے آخری اور عظیم ذمہ داری مسلم عوام پر عائدہ ہوتی ہے کہ وہ صرف اسلام کے لئے اپنا حق رائے دہی استعمال کریں، یہ گذارشات نہایت اختصار کے ساتھ پیش کی گئی ہیں، ضرورت ہوئی تو انشاء اللہ کسی صحبت میں اس پر مفصل معروضات پیش کی جائیں گی۔

اے اللہ! ہماری حالت زار پر رحم فرما اور ہمیں ایسے اعمال کی توفیق عطا فرما جس سے تو راضی ہو اور ہمیں ایسی حرکات سے بچا یوجو دنیا و آخرت میں تیرے غضب کا موجب ہیں۔

وصلی اللہ تعالی علی خیر خلقه صفوة البرية محمد وآله وصحبه اجمعين

[ذوالقعدہ ۱۳۸۹ھ-جنوری ۱۹۷۰ء]

شریعت اسلامیہ کا نفاذ اور پاکستان

اسلام دین رحمت ہے اور ہر مسلمان جس کے دل میں ایمان کی رمق بھی موجود ہو اس کی دلی تمنا یہی ہوگی اور یہی ہونی چاہیئے کہ وہ اسلام کی سراپا عدل ورحمت حکمرانی کو ہر شعبہ زندگی میں جاری وساری دیکھے، اسی کی خاطر مسلمانوں نے پاکستان کا مطالبہ کیا تھا، مگر گزشتہ ربع صدی میں اسلام سے سردمہری اور لاپرواہی کا جو مظاہرہ ہوتا رہا اسے دیکھتے ہوئے ایسا محسوس ہو رہا ہے کہ پاکستان کی سرزمین میں اسلامی شریعت کے نفاذ کے لئے شاید عمر نوح کی ضرورت ہوگی، انگریز کی ذہنی غلامی اور مغرب کے بے خدا تمدن سے مرعوبیت ہم لوگوں پر کس حد تک مسلط ہے؟ اس کا اندازہ کرنے کے لئے صرف ایک چھوٹی سی مثال کافی ہے۔ تیس اکتیس سال کا طویل عرصہ گذرنے کے بعد ہمارے ارباب اقتدار کو اسلام پر بس اتنا رحم آیا کہ یوم جمعہ کی سرکاری تعطیل کا اعلان کیا گیا اور وہ بھی فی الفور نہیں بلکہ اس شرط کے ساتھ کہ آئندہ جولائی سے اتوار کے بجائے جمعہ کی تعطیل ہوا کرے گی، بلاشبہ جمعہ ایک عظیم تر اسلامی شعار ہے اور جمعہ کا دن مسلمانوں کے نزدیک اس سے کہیں بڑھ کر مقدس و عظم ہے جتنا کہ عیسائیوں کے نزدیک اتوار، عیسائی ممالک میں ہفتہ وار چھٹی اتوار کو ہوتی ہے اس کے برعکس تمام ممالک اسلامیہ عربیہ میں یہ شعار

ہمیشہ سے قائم ہے کہ ہفتہ وار تعطیل بجائے اتوار کے جمعہ کو ہوتی ہے، مگر اسلامی قوانین کے مقابلے میں اس کی کیا حیثیت ہے؟ اور جب اکتیس سال بعد صرف یوم جمعہ کی تعطیل کا اعلان ہو سکا تو غور فرمایئے کہ اسلامی قوانین کے نفاذ کے لئے کتنی صدیاں درکار ہوں گی۔

سیرت کانفرنس اور اسلام

قیام پاکستان سے لے کر آج تک ہمارا ملک ارباب اقتدار کے دعووں کے باوجود اسلام اور اسلامی قانون سے محروم ہے اور اسلامیت کا بھرم رکھنے کے لئے سراسر مصنوعی سہاروں سے کام لیا جا رہا ہے۔ چنانچہ قومی سیرت کانفرنس کی بنیاد رکھی گئی جس کی اسلام میں کوئی اہمیت نہیں، اسلام کے قرون اولیٰ، قرونِ مشہود لہا بالخیر میں اس کا کہیں پتہ تک نہیں ملتا، پس اسلامیت کی نمائش کے لئے ان مصنوعی چیزوں کو اپنانا درحقیقت اس امر کی علامت ہے کہ قوم میں اصلی روح تو باقی نہیں رہی اس لئے اس مصنوعی ڈھانچے سے دلوں کو مطمئن کرنے کی کوشش کی جا رہی ہے۔

صحابہ و تابعین سیرت کانفرنسیں منعقد نہیں کرتے تھے نہ انہیں ضرورت تھی، کیونکہ اس دور میں ہر مسلمان اپنی شکل و وضع، رفتار و گفتار، نشست و برخاست، عبادات و معاملات الغرض اپنی ایک ایک چیز سے سیرت نبوی کا عملی نمونہ پیش کرتا تھا، مسلمانوں کی زندگی کا ایک ایک شعبہ اپنی جگہ عملی سیرت کانفرنس تھا، سیرت نبوی ان کا قول نہیں عمل تھا، گفتار نہیں کردار تھا، وہ اسی پر جیتے تھے اور اسی پر مرتے تھے، اس کے برعکس جب سے سیرت نبوی کو زندگی کے ایک ایک شعبہ سے خارج کر دیا گیا، سیاسیات و معاملات تو کجا شکل و وضع تک سیرت نبوی کے مطابق نہ رہی تو سیرت کی یاد منانے کے لئے سیرت کانفرنسیں ہونے لگیں، یہ گویا بزبان حال اس امر کا اعتراف ہے کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت مقدسہ دنیا سے ختم ہو گئی ہے اور ہمارے کسی شعبہ زندگی میں اس کی نمود نہیں، چلو اس سیرت گم گشتہ کی یاد منانے کے لئے سیرت کانفرنس یا میلاد کی محفلیں گرم کریں، عیسائی قومیں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی سیرت و کردار کو فراموش کر کے جس طرح ان کا یوم میلاد مناتی تھیں مسلمانوں نے بھی اسی کی نقالی شروع کر دی۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت باسعادت کی یادگار منانے کا سلسلہ چھٹی صدی ہجری میں موصل کے بادشاہ نے شروع کیا تھا، اگرچہ وہ محض محفل نہ تھی بلکہ فقراء و مساکین پر ہزاروں دینار خرچ کئے جاتے تھے، انہیں کھانا کھلایا جاتا تھا اور کپڑے تقسیم کئے جاتے تھے، بہرحال خدا فراموش قوم کو اسوۂ رسول یاد دلانے کے لئے سیرت کانفرنسیں منعقد کی جاتی ہیں لیکن جب مقصد ہی محض نمائش اور نقالی ہو تو اس پر کیا نتائج مرتب ہو سکتے ہیں؟ چنانچہ ان کانفرنسوں سے ان محفلوں سے کتنے لوگوں کی اصلاح ہوئی! کتنی سیرتیں بنیں! کتنی صورتیں درست ہوئیں! کتنے لوگ نمازی بن گئے! کتنے باخدا بن گئے! یہ فیصلہ آپ خود فرمالیں۔

پھر ستم بالائے ستم یہ کہ اس بے جان رسمی چیز کو اتنی اہمیت دی جاتی ہے کہ گو یا اسلام کا سب سے بڑا شعار قائم کیا جا رہا ہے، بڑی شد و مد سے اعلان کیا جاتا ہے کہ جناب بھٹو صاحب اس کا افتتاح کریں گے اور اس پر طرہ یہ کہ یہ نمائش ٹھیک اس وقت کی جاتی ہے جب جناب بھٹو صاحب الیکشن کے لئے کمند ڈالیں گے، گو یا انتخاب میں کامیابی کے لئے پبلک کو اسلامی کارناموں کا یقین دلانا ضروری ہے، اس کے لئے بطور وسیلہ سیرت کانفرنس استعمال ہوگی اور انتخابی معرکہ میں سیاسی اسلحہ کا کام دے گی، بس یہی اسلام ہے جو سیاست میں کام آئے گا:

"لا دین الا السیاسة"

گزشتہ پانچ سالوں میں حسن اتفاق سے قادیانی امت کو غیر مسلم اقلیت قرار دیا گیا مگر کب؟ جبکہ ان کے حوصلے اتنے بڑھ گئے کہ مسلم نوجوانوں کو کھلے دن میں ظلم وستم کا نشانہ بنایا گیا اور اس کے ردعمل کے طور پر پوری قوم شعلۂ جوالہ بن گئی اور پھر جب قادیانی گروہ کے سربراہ مرزا ناصر احمد نے قومی اسمبلی میں وہ بیان دیا جس سے تمام ارکان اسمبلی، ملک کا صدر اور وزیر اعظم اور تمام امت مسلمہ کافر اور دائرہ اسلام سے خارج ہو جاتے ہیں، جب جا کر آنکھیں کھلیں کہ اب فیصلہ کی دو ہی صورتیں ہیں یا تو حضرت خاتم النبیین محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ماننے والے کروڑوں افراد جو عقیدہ ختم نبوت پر ایمان رکھتے ہیں بقول قادیانیوں کے نعوذ باللہ کافر و مرتد اور دائرہ اسلام سے خارج ہیں یا پھر مرزا کی جدید نبوت پر ایمان لانے والے کافر و مرتد ہیں، بیک وقت دونوں کو مسلمان تسلیم نہیں کیا جا سکتا، فیصلہ واضح تھا کہ منکرین ختم نبوت ہی کافر اور دائرہ اسلام سے خارج ہیں، اس لئے تمام اراکین اسمبلی نے متفقہ طور پر امت مرزائیہ کو غیر مسلم اقلیت قرار دے دیا، بلا شبہ بھٹو صاحب کے دور حکومت میں یہ قابل قدر فیصلہ ہوا تھا لیکن صد افسوس کہ اڑھائی برس گزرنے پر بھی اس کے لئے مناسب قانون سازی نہیں کی گئی، گو یا بکری نے دودھ دیا مگر مینگنیاں ڈال کر، اس کی وجہ تو یہ ہے کہ بھٹو صاحب دل سے اس فیصلہ پر راضی ہی نہ تھے اس لئے دفع الوقتی کے لئے آئین میں تو ترمیم کر دی گئی مگر قادیانیوں کی دل جوئی کے لئے قانون سازی سے گریز کیا گیا، شاید اس کو آئندہ انتخابات میں طمع دلانے کے لئے چھوڑا گیا تا کہ اس کو انتخابی نعرہ بنایا جا سکے اور اس کے ذریعہ شکار ہو سکے، آئندہ پانچ سالوں میں شاید یہ وعدہ بھی پورا کر دیا جائے کہ اس کے لئے مناسب قانون سازی ہو جائے لیکن کیا اس ملک میں کوئی ایسا وقت آئے گا کہ شراب پر پابندی ہوگی؟ زنا جرم قرار پائے گا؟ اور اس پر شرعی حد جاری ہوگی؟ عائلی قوانین جو ایوبی دور کی بدترین یادگار ہیں کبھی منسوخ کئے جائیں گے؟ جن کی رو سے دوسری شادی تو قابل تعزیر جرم ہے لیکن داشتہ رکھنا اور شب و روز حرام کاری اور بدکاری کرنا کوئی جرم نہیں۔

اسلام کے ہزاروں مسائل ہیں اور بے شمار قوانین وضوابط ہیں۔ اب اگر ہر ایک ضابطہ کے لئے پانچ پانچ سال کا عرصہ درکار ہو تو حساب لگا لیجئے کہ کیا اسلامی قانون کے نفاذ کا کام عمر نوح میں انتہا کو پہنچ سکتا ہے؟ ہمارا

ناقص خیال تو یہ ہے کہ اگر ارباب اقتدار نے اپنے دعووں کی پاسداری کی یہی وضع قائم رکھی جواب تک رہی ہے تو یہ عرصہ بھی قطعاً کافی نہیں بلکہ شاید صور اسرفیل تک یہی سلسلہ رہے گا، آخر دنیا ختم ہو جائے گی مگر اس بدنصیب ملک میں اسلامی قانون کے نفاذ کا خواب کبھی شرمندہ تعبیر نہ ہو سکے گا، انا للہ وانا الیہ راجعون۔

سب سے بڑی آفت یہ ہے کہ اسلام کی خدمت کے نمائشی وعدے کرنا اور پھر ان سے انحراف کر لینا سیاست کا کھیل بن چکا ہے، تحریک پاکستان سے لے کر اب تک یہ خوشنما وعدے ہوتے رہے مگر وعدہ وفائی کی شاید نیت ہی نہیں ہوتی نہ اس کی توفیق ہوتی ہے، ہم یہ سمجھنے سے قاصر ہیں کہ اگر خدا اور رسول پر ایمان ہے، قیامت کے حساب و کتاب پر ایمان ہے، آخرت کی جزا و سزا پر ایمان ہے تو یہ طرز عمل کیوں اختیار کیا جاتا ہے، اسلام سے بے اعتنائی و بے وفائی کیوں اختیار کی جاتی ہے، موت و حیات کا سلسلہ اس عالم میں جاری ہے، خدا تعالیٰ کی ذات یکتا و بے ہمتا مالک الملک ہے اسی کے قبضہ میں عزت و ذلت ہے اور دنیا ایک عبرت کدہ ہے، رات دن اور صبح و شام عبرت انگیز واقعات آنکھوں کے سامنے آتے ہیں، ظالموں کا انجام بھی دیدہ عبرت سے مخفی نہیں، عاد و ثمود کے واقعات کو تو جانے دیجئے عصر حاضر کی تاریخ بھی نو بہ نو واقعات سے لبریز ہے۔

حق تعالیٰ عقل و فہم نصیب فرمائے، اس ملک کے ارباب اختیار و اقتدار کو اسلام کی سچی وفاداری نصیب ہو اور ان کا نام ظالموں کے بجائے خدا تعالیٰ کے وفادار اور نیک و عادل حاکموں کی فہرست میں لکھا جائے۔

وصلی اللہ تعالیٰ علی خیر خلقه صفوة البرية محمد وآله واصحابه واتباعه الی یوم الدین

[صفر ۱۳۹۷ھ-فروری ۱۹۷۷ء]

اسلامی مملکت کیسی ہونا چاہیے؟

عرصہ دراز کے بعد ایک خطہ حق تعالیٰ نے مسلمانوں کو عطا فرمایا تاکہ یہ خطہ اس آخری دور میں ملت مسلمہ کی ایک مثالی مملکت ہو جہاں حق تعالیٰ کے قوانین عدل جاری ہوں اور اس مملکت کے باشندے اللہ تعالیٰ کی رحمتوں سے مالا مال ہوں اور ظاہری و باطنی برکات سے سرفراز ہوں، یہاں سکون قلب نصیب ہو، جان و مال و آبرو محفوظ ہو، امن و عافیت کی زندگی ہو، ظلم و عدوان کا دور ختم ہو، ہر شخص اس امانت الٰہیہ کا حق امانت ادا کرے، راعی ہو یا رعیت، فوج ہو یا پولیس، حاکم ہو یا محکوم، تاجر ہو یا زمیندار، دکاندار ہو یا مزدور۔ ہر شخص اپنا فرض منصبی ادا کرے اور اطمینان کا سانس لے اور راحت کی زندگی گزارے اور صحیح معنی میں جنت جیسی زندگی ہو:

بہشت آنجا کہ آزارے نباشد
کسے را با کسے کارے نباشد

حقیقت میں اسلامی زندگی دنیا میں ہی جنت کی زندگی ہوتی ہے، سب سے بڑی عظمت جو صحیح اسلام کی دولت سے نصیب ہوتی ہے وہ سکون قلب اور عافیت واطمینان ہے، اگر ہزاروں نعمتیں حاصل ہوں، مال ودولت کی فراوانی ہو، عیش وعشرت کے تمام وسائل واسباب میسر ہوں لیکن قلبی سکون نہ ہو اور حزن وغم سے قلب حزیں ہو تو یہ تمام نعمتیں بے سود ہیں اور تمام باغ وبہار بے کار:

بہارِ گل دل آسودہ رابکار آید
چودل ملول بودگل بدیدہ خار آید

خیال یہی تھا کہ پاکستان کے وجود میں آتے ہی ایک نیا نقشہ ہوگا جس طرح روئے زمین کے نقشہ پر پاکستان کا وجود رونما ہوا اسی طرح زندگی کا ایک نیا نقشہ ہوگا، اخوت ومودت کا عالم ہوگا صوبائی اور قبائلی وطنی اور لسانی تفریق مٹ جائے گی، نہ سندھی، نہ پنجابی، نہ پٹھان، نہ بلوچ، نہ مہاجر، نہ اصلی باشندہ، اسلام کی عالمگیر اخوت کا مظاہرہ ہوگا، نہ مشرقی کا فرق نہ مغربی کا فرق، ایک اسلامی روح تمام جسم پاکستان میں جلوہ گر ہوگی، راعی یا سربراہ مملکت کے دل میں اپنی رعیت کی محبت ومودت ہوگی، ان کے سامنے تمام باشندے یکساں ہوں گے، بلا تفریق وطن اور بلاتمیز مسلک سب حقوق انسانی برادری کے اصول سے یکساں طور پر ادا ہوں گے، قرآن وحدیث میں جو کچھ اسلامی اخوت کے حقوق واصول بیان ہوئے ہیں اور جن کا ایک اچھا خاصا حصہ اس حقیر مجلہ "بینات" کے صفحات پر بار بار پیش کرنے کی سعادت حاصل کی گئی ہے خیال تھا کہ یہ نقشہ سامنے آئے گا بے تاب نگاہیں اور تڑپتے ہوئے دل اس کے مشاہدے سے تسکین روح حاصل کریں گے، لیکن جو کچھ ہوا اور جو کچھ ہو رہا ہے آپ کے سامنے ہے، عیاں راچہ بیاں۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ درحقیقت سب سے بڑی مصیبت صالح قیادت کا فقدان ہے بالکل ابتداء میں کچھ توقع ہوگئی تھی لیکن چشم زدن میں وہ توقع ختم ہوگئی:

از ماست کہ بر ماست

حدیث نبوی میں جو ارشاد ہوا کہ:

"بادشاہ یا اسلامی مملکت کا سربراہ حق تعالیٰ کا اس زمین میں سایہ ہے(۱)"، یہ ظل خداوندی یہ سایہ الٰہی اگر نصیب ہو تو پھر کس بات کا خطرہ؟ خلافت الٰہیہ کا صحیح مظہر ایک اسلامی ملک کا سربراہ ہی ہوسکتا ہے، حق تعالیٰ شانہ کی ربوبیت کا پورا ظہور نسل انسانی میں کسی ملک کا صالح فرمانروا ہی ہوتا ہے، اس کی جان ومال اور عزت وآبرو کی حفاظت کا وہ ذمہ دار ہوتا ہے، بھوکوں پیاسوں کے لئے تمام انتظامات کرتا ہے، ضروریات زندگی کی کفالت کرتا ہے، غرض کہ تمام رعایا کے لئے ہر طرح صحیح معنوں میں ملجا وماویٰ ہوتا ہے، حق تعالیٰ سے صحیح تعلق ہوتا ہے، پاکیزہ

---

(۱) شعب الایمان للبیہقی، فصل فی فضل الامام العادل ج:٦ ص:١٥، ط: دارالکتب العلمیة بیروت

اخلاق، پاکیزہ زندگی، باخدا زندگی کا مظہراتم ہوتا ہے، مظلوم پر رحم کرتا ہے، ظالم سے مظلوم کے لئے انتقام لیتا ہے، جس طرح ان کی جسمانی ضروریات اور امراض کے لئے مستشفیات وہسپتال قائم کرتا ہے، رعایا کی جان و مال کی حفاظت کے لئے پولیس کا نظام کیا جاتا ہے، مملکت کے حدود کی دشمن اسلام سے حفاظت کے لئے فوجیں ہوتی ہیں، سلسلہ معاش، وسائل رزق اور نقل وحمل اور درآمد و برآمد کے لئے صحیح تدابیر ہوتی ہیں، مظلوم کے لئے ظالم سے داد خواہی کے لئے شرعی محاکم عدلیہ کا نظم ہوتا ہے وغیرہ وغیرہ، ٹھیک اس طرح روحانی واخلاقی کردار کی درستگی کے لئے دل وجان سے لگ کر مؤثر تدبیریں اختیار کی جاتی ہیں، لیکن وائے ناکامی ہوکیا رہا ہے؟ کونسی برائی ہے جو روز افزوں ترقی پر نہ ہو؟ بلکہ مختلف تدبیروں سے مسلسل ان برائیوں کو معاشرے میں پھیلایا جارہا ہے اور نئی نسل بری طرح ان کی شکار ہورہی ہے، افسوس کہ یہ ملک تباہی و بربادی کے کنارے پر پہنچ چکا ہے۔

مسلمانوں کی دردناک صورتِ حال اور اس کا سبب

دراصل جو موجودہ دردناک صورت حال کا نقشہ ہے کچھ ایسا محسوس ہورہا ہے کہ معاشرہ اتنا تباہ و برباد ہو چکا ہے کہ اب ان سے انتقام لیا جارہا ہے کہ ان پر ایسے بے رحم مسلط ہورہے ہیں کہ الامان والحفیظ، ایک بحران ہے ایک اضطراب ہے، ایک انتشار ہے، ہر طرف بے قراری، بے چینی، بدامنی اور خود غرضی، نہ کسی کی جان محفوظ، نہ کسی کی آبرو محفوظ، آج کارخانے کا مالک ہے کل نان شبینہ کا محتاج ہے، کسی کو کچھ معلوم نہیں کہ کل کیا افتاد پیش آجائے، ہر طرف اقتدار کی مجنونانہ ہوس ہے، نہ رحم ہے، نہ عاطفہ، نہ اخلاق، نہ خداترسی، گرانی روز افزوں بڑھ رہی ہے، بے ایمانی بدمعاملگی اور بدعہدی کا دوردورہ ہے، نہ پولیس اپنا فرض ادا کرتی ہے، نہ حاکم کو اپنے زیردستوں کی فکر ہے، نہ مزدور کو چین نہ کارخانہ دار کو سکون نہ زمیندار کو اطمینان، نہ کاشت کار کو قناعت، ہر طرف حرص ہی حرص ہے، مال ودولت کی بھوک ہے جو کبھی ختم نہیں ہوتی، ملک کی پیداوار خزانہ شاہی بھرنے کی غرض سے باہر جاتی ہے، تاکہ زر مبادلہ حاصل ہوجائے، لوگ بھوک سے مر رہے ہیں اور یہاں کی پیداوار باہر بھیجی جارہی ہے، غریب نان ونفقہ کے لئے تڑپ رہے ہیں اندرونی ملک اپنی پیدا کردہ چیزوں سے محروم ہے اور جو کچھ زر مبادلہ حاصل ہوتا ہے وہ عیاشی وفحاشی کی نذر ہوتا ہے یا پھر چند مخصوص افراد کے پیٹ میں پہنچ جاتا ہے، غریب پھر بھی محروم رہتا ہے، نہ ملک کو زر مبادلہ سے فائدہ پہنچتا ہے نہ ملک اپنی پیداوار سے نفع اندوز ہوتا ہے، عمدہ شکر و چینی باہر جائے اور اندرونی ملک گڑ کے لئے ترستا رہے، ٹیکس پر ٹیکس کا وہ عالم کہ کوئی حد نہیں، غریب ومزدور بھوکا ہے اس کے پاس نہ بدن ڈھکنے کا کپڑا ہے نہ سر چھپانے کی جگہ، نہ پیٹ بھرنے کا کوئی ذریعہ ہے نہ وہ علاج کا چارہ کرسکتا ہے، جب یہ لوگ تمام ضروریات زندگی کے لئے محتاج نظر آتے ہیں تو سوشلزم کی آواز اٹھاتے ہیں اور نفاق سے اس کے ساتھ اسلام کا پیوند لگانے کا نعرہ بھی لگا دیتے ہیں اور اسلامی سوشلزم لانے کی چیخ وپکار کرتے ہیں تاکہ ان نعروں سے مزدوروں

وغریبوں کودھوکا دے سکیں، کبھی جاگیروں پر قبضہ کرنے کاارادہ کرتے تو کبھی کارخانوں کوقومیانے کی تحریک کرتے ہیں، اسلام میں نہ سوشلزم کی گنجائش نہ کمیونزم کی گنجائش، نہ کسی کی جائیدادو مال پر قبضہ کرنے کی گنجائش، اسلام کا عادلانہ نظام اسلامی حکومت کے تمام شہریوں کی عام ضروریات کا کفیل ہوتا ہے، سربراہ مملکت گلی کوچوں میں پھر کر غریبوں کی خبر گیری کرتا ہے، نہ وہاں کوئی بھوکا رہتا ہے نہ کروڑوں کا مالک ہوتا ہے۔

اسلام کیا سکھا تا ہے؟

اسلام مالدار کے دل میں خداترسی پیدا کر کے رحم دلی پیدا کرتا ہے، اسلام فقیر کے دل میں آخرت کی نعمتوں کی یاد تازہ کرتا ہے اور اسے صبر وقناعت پر آمادہ کرتا ہے اور قناعت کی دولت سے اسے مالا مال کر دیتا ہے، اغنیاء کو انفاق کی ترغیب دے کر جنت کی نعمتوں کا مستحق بناتا ہے، اسلام سراپا خیر ہے، سراپا سعادت ہے، اسلام سکون قلب کا سرچشمہ ہے، اسلام پاکیزگی سکھاتا ہے، اسلام انسان کو فرشتہ بناتا ہے، اسلام کو چھوڑ کر قیامت تک دنیا کا کوئی نظام بھی عالم کی اصلاح نہیں کرسکتا، اسلام کو چھوڑ کر خسارہ ہی خسارہ اور بربادی ہی ہے، نہ معلوم ان عقل کے دعویداروں کو کیا ہو گیا کہ اتنا بھی نہیں سمجھتے جو تمدن وتہذیب یورپ سے آیا ہے اور جس کی رات دن نقالی کی جارہی ہے آخراس کا کیا حشر ہوگا؟ اسلام کے آفتاب عالم تاب کو چھوڑ کر ان ظلمت کدوں سے کیا نور ملے گا؟ اور کیونکر فلاح کا راستہ نظر آئے گا؟ آج یورپ وامریکہ کی دنیا سراسر شہوات کی حیوانی دنیا ہے۔ وہ انسانیت کے تصور سے بھی محروم ہیں، انسانی صورتوں میں خالص درندے اور چارپائے ہیں، آج ان کی نقل اتارنا دنیا کو ہلاکت میں دھکیلنا ہے، انسانیت سے حیوانیت کی طرف لے جانا ہے، نور سے ظلمت کی طرف لے جانا ہے، سکون وطمانیت سے بے چینی کی طرف لے جانا ہے، آج کل ہماری مملکت خداداد کا جوحشر ریڈیو اور ٹی وی پر ہو رہا ہے یہ خطرناک مستقبل کی پیش گوئیاں کررہا ہے، لا فعل الله وأعاذنا منه (خدا کرے ایسا نہ ہو اور اللہ تعالیٰ پناہ میں رکھے)۔

آج اس ملک میں جو مناظر بازاروں، سڑکوں اور تفریح گاہوں میں نظر آرہے ہیں انہیں دیکھ کر مسلمانوں کو ڈوب مرنا چاہیئے، یہ سب کچھ تاریک عاقبت کی نشاندہی کررہا ہے، اللہ تعالیٰ اس امت پر رحم فرمائے، بجاہ نبیه الکریم علیه صلوات الله وسلامه۔

درحقیقت یہ سب کچھ صالح قیادت کے فقدان سے ہو رہا ہے، اگر صالح ہمدرد اور ملک کے لئے مخلص قیادت نصیب ہوتی تو آج یہ روز بد نہ دیکھنا پڑتا اور جس دردناک حسرت ناک مقام پر پہنچ گئے نہ پہنچتے، صحیح اسلامی تعلیمات اور اسلامی تربیت نہ ہونے سے کالجوں، اسکولوں اور یونیورسٹیوں کا جو حال ہو رہا ہے آپ کے سامنے ہے، حیرت ہی حیرت ہے، کارخانے کے مزدوروں کو چھوڑ یئے وہ غیر تعلیم یافتہ ہیں، ان تعلیم یافتگان کی حالت ملاحظہ کریں، یاد رکھو اور گوش ہوش سے سنو، جب تک صحیح اسلام نہ لایا جائے گا نہ تو رشوتیں ختم ہوں گی، نہ قارونی

حرص ختم ہوگی، نہ ہوس اقتدار ختم ہوگی، نہ عدالتوں میں انصاف ملے گا، نہ جان محفوظ ہوگی نہ مال محفوظ ہوگا، نہ آبرو محفوظ ہوگی نہ قلب کو سکون میسر ہوگا، نہ زندگی میں آرام نصیب ہوگا، یہ سب نعمتیں اسلام کی بدولت نصیب ہوتی ہیں، لیکن یادرکھو کہ زبان کا اسلام نہیں، نام کا اسلام نہیں بلکہ ظاہر و باطن میں صحیح اسلام کی ضرورت ہے تاکہ نہ حق تعالیٰ کے حقوق میں تقصیر ہو نہ بندوں کے حقوق میں تقصیر ہو:

﴿وَلَوْ اَنَّ اَهْلَ الْقُرٰى اٰمَنُوْا وَاتَّقَوْا لَفَتَحْنَا عَلَيْهِمْ بَرَكٰتٍ مِّنَ السَّمَاءِ وَالْاَرْضِ وَلٰكِنْ كَذَّبُوْا فَاَخَذْنٰهُمْ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ﴾ [الاعراف:۹۶]

اگر یہ بستیوں والے ایمان لاتے اور پرہیزگاری اختیار کرتے تو ہم ان پر آسمان وزمین کی نعمتوں کے دروازے کھول دیتے لیکن جھٹلایا انہوں نے تو ان کے اعمال کے بدلے ان کو پکڑ لیا ہم نے۔

اسلامی مملکت کے صحیح خدوخال

کسی اسلامی مملکت کے صحیح خدوخال یہ ہیں کہ وہاں اسلامی تعلیمات وہدایات کی جلوہ نمائی ہو، اسلامی شعائر کا پرچم بلند ہو، اسلامی اقدار کا بول بالا ہو اور ایک مسلمان سربراہ مملکت کی ادنیٰ علامت یہ ہے کہ دینی قدروں کو خواہشات والحاد کی سیم اور تھور سے اور اسلامی شعائر اور خصائص کو موسمی ہواؤں کی زد سے محفوظ رکھنے کی ہر ممکن کوشش کرے۔ اسلام کی عزت ووقار کے نازک آبگینہ کو معمولی ٹھیس سے بھی بچائے، اسے اسلامی تہذیب پر فخر ہو اور غیر اسلامی تہذیبوں سے بغض ونفرت۔

کل تک مسلمان یہ ماتم کررہے تھے کہ ایرانی شہنشاہیت کا رشتہ ہزاروں سال کی پارینہ وکافرانہ تہذیب سے جوڑا جارہا ہے اور آج اس پر ماتم کیجئے کہ خود اپنے ملک کا ایک حلقہ پانچ ہزار سالہ کافرانہ تہذیب سے رشتہ عقیدت وابستہ کررہا ہے اور اس بت پرستانہ تہذیب کے احیاء کے لئے کروڑوں کی بھیک مانگی جارہی ہے جسے قہر خداوندی کے تازیانہ نے پیوند خاک کردیا تھا، خبر ملاحظہ فرمائیے:

''لاڑکانہ ۲۲ رفروری صدر ذوالفقار علی بھٹو کل موئن جودارو میں سہ روزہ بین الاقوامی سیمینار کا افتتاح کریں گے، صدر کل صبح ۱۰ بجے موئن جودارو ائیر پورٹ پر پہنچیں گے، جہاں ان کا استقبال مرکزی وزیر قانون مسٹر عبدالحفیظ پیرزادہ، مرکزی وصوبائی وزراء، اعلیٰ حکام، افسران اور شہری کریں گے ان کے ہمراہ وزیر اعلیٰ سندھ ممتاز بھٹو بھی ہوں گے''۔

معلوم ہوا ہے کہ موئن جودارو کو سیم وتھور کی تباہی سے بچانے کے لئے پاکستان نے سات کروڑ ڈالر کی امداد طلب کی تھی لیکن یونیسکو نے صرف ایک کروڑ ڈالر دینے پر رضامندی ظاہر کی۔ (روزنامہ جنگ کراچی ۲۴ رفروری)

اور یہ سب کچھ اس ملک میں ہو رہا ہے جس کا نصف اعلیٰ خود آثار قدیمہ بن چکا ہے جس کا باقی ماندہ دھڑ بھی فتنہ و فساد کے سیم اور تھور کی زد سے محفوظ نہیں جس کے زندہ نوادرات ہی موسمی ہواؤں کی وجہ سے شکست و ریخت کا نشانہ بنے ہوئے ہیں، جہاں انتشار و خلفشار کی طوفانی موجیں امن و عافیت کی دیواروں سے ٹکرار ہی ہیں اور جہاں غریب عوام کو پیٹ بھرنے کو روٹی، ستر پوشی کے لئے کپڑا اور سر چھپانے کے لئے جھونپڑا میسر نہیں:

بریں عقل و دانش بباید گریست

کیا پاکستان کے موجودہ حالات میں تباہ شدہ تہذیبوں کو زندہ کرنے کے لئے شاہی دربار منعقد کرنا اور اس کے لئے بھیک مانگ مانگ کر قوی دولت لٹانا قرین عقل ہے؟ اسلامی تہذیب و اقدار کو زندہ در گور کرنا اور ہزاروں برس کی مردہ تہذیبوں کو کھود کر قومی ہیرو بنانا کیا اس بات کی علامت نہیں کہ یہ قوم ذہن و فکر کی ساری صلاحیتیں کھو کر خود آثار قدیمہ بن چکی ہے؟

ہادیٔ برحق صلی اللہ علیہ وسلم نے ہدایت فرمائی تھی کہ:

"لا تدخلوا مساكن الذين ظلموا انفسهم الا ان تكونوا باكين ان يصيبكم ما اصابهم"(۱)

ان تباہ شدہ ظالموں کی بستوں میں داخل ہونا پڑے تو روتے ہوئے داخل ہو، مبادا جو عذاب ان پر نازل ہوا تمہیں بھی اپنی لپیٹ میں لے لے۔

پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا عملی نمونہ بھی پیش فرمایا چنانچہ جب غزوہ تبوک کو جاتے ہوئے قوم ثمود کی بستیوں کے کھنڈرات سے گذرے تو سر مبارک ڈھانک لیا اور نہایت تیزی کے ساتھ وہاں سے نکل گئے۔ مگر آج ہماری گمراہی و کجراہی کا تماشا دیکھئے کہ انہی تباہ شدہ بستیوں کو "تماشا گاہ عالم" بنایا جا رہا ہے، وہاں کانفرنسیں بلائی جاتی ہیں، محفلیں جمائی جاتی ہیں، عیش و عشرت کی داد دی جاتی ہے اور قوم اس پر فخر و مباہات کا غلغلہ بلند کر رہی ہے، انا للہ وانا الیہ راجعون۔ ہم تو یہ سمجھنے سے قاصر ہیں کہ نہ معلوم ہمارا بدنصیب ملک کس طرف جا رہا ہے اور افسوس کہ ہمارے سیاہ دن ابھی تک ختم نہیں ہوئے یا بالفاظ دیگر ہم ابھی تک سزا و ابتلاء کے دور سے نہیں نکلے، اللہ تعالیٰ اس ملک کی حفاظت فرمائے اور حکمرانوں کو صحیح اسلامی خدمت کی توفیق عطا فرمائے۔

اللهم اهد قومي فإنهم لايعلمون

[صفر ۹۳ ۱۳ھ-اپریل ۱۹۷۳ء]

---

(۱)صحيح البخاری، كتاب الانبياء،باب قول الله:والی ثمود اخاهم صالحاالخ ج:۱ ص٤٧٨،ط: قديمی. صحيح مسلم،كتاب الزهد،باب النهی عن الدخول علی اهل الحجرالامن يدخل باكيا ج:۲ص:٤١٠،ط:قديمی

مملکت پاکستان اور مسلمانوں کا فریضہ

طاقت وقوت، دولت وثروت اور حکومت وسلطنت اللہ تعالیٰ کی وہ عظیم نعمتیں ہیں جو مسلمانوں کو صرف اس لئے دی جاتی ہیں کہ ان کے ذریعہ اس سرزمین پر اللہ تعالیٰ کا قانون اور احکامات نافذ کر کے اللہ تعالیٰ کی رحمت کے مستحق بنیں، چنانچہ تقریباً ایک ہزار سال تک اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو ان نعمتوں سے سرفراز فرمایا لیکن جب مسلمان قومیں دولت وحکومت کے نشہ میں مست ہو کر اس مقصد سے منحرف وروگرداں اور اس کی پاداش کے طور پر سلطنت کی اہلیت سے محروم ہو گئیں تو اللہ تعالیٰ کی وہ نعمتیں بھی ان سے چھن گئیں، کہیں تو بالکلیہ ان نعمتوں سے محروم ہوئیں اور کہیں حقیقۃً تو چھن گئیں برائے نام رہ گئیں۔

اسی قانون فطرت کے تحت متحدہ ہندوستان پر صدیوں مسلمانوں کا اقتدار اعلیٰ برقرار رہا ہے اور اسلامی پرچم اس پورے برصغیر پر لہراتا رہا لیکن آخر شامت اعمال کے برے نتائج سامنے آئے اور برطانوی استعمار کے ابوالہول نے مسلمانوں کی عزت وعظمت، دولت وثروت اور حکومت وسلطنت سب خاک میں ملادی۔

غلامی کی رسوا کن ٹھوکریں کھانے کے، بعد آنکھ کھلی تو عرصہ دراز تک تو بارگاہ الٰہی میں گریہ وزاری اور آہ وفغاں کرتے رہے اور کچھ عرصہ دولت رفتہ کو دوبارہ حاصل کرنے کی تدبیریں بھی کیں اور قربانیاں بھی دیں آخر پھر دریائے رحمت جوش میں آیا اور توفیق الٰہی نے سہارا دیا اور چھنی ہوئی سلطنت کا کچھ حصہ دوبارہ بطور امتحان عطا فرمایا اسی کا نام پاکستان ہے۔

ظاہر ہے کہ پاکستان کی تشکیل کا واحد مقصد حکومت الٰہی کا قیام تھا، نعمت حق کا خوان یغما اس کا نام لینے والی مخلوق کے لئے بچھانا تھا، اس کے قانون رحمت قانون عدل وانصاف اور قانون حکمت وعدالت کو اس پاک سرزمین پر نافذ کرنا تھا تاکہ اس ارض پاک پر ایک پاکیزہ معاشرہ کی تشکیل وتعمیر ہو اور اس پاکیزہ ماحول میں ایک خدا پرست صالح امت وجود میں آئے اور وہ اپنے پاکیزہ کردار اور اہلیت وصلاحیت کی بناء پر ہندوستان کے بقیہ حصہ کی وراثت کی صحیح معنی میں مستحق بنے، دین ودنیا ہر اعتبار سے ایک معیاری حکومت فلاحی مملکت اور ایمانی قوت سے مسلح قوم بن کر جلد از جلد اس قابل ہو جائے کہ امت مسلمہ کے چھ کروڑ نفوس جو ایک ظالم وجابر اور بے رحم اقتدار کے آہنی شکنجہ میں کراہ رہے ہیں ان کو اس ''دیو استبداد'' کے خونخوار پنجے سے نجات دلائے۔

یہی ہماری آرزو ہے اور یہی ہر مسلمان کی تمنا ہونی چاہیئے، اسی خواہش کے تحت ''بینات'' کے صفحات پر جو کچھ لکھا جا سکا لکھا گیا کسی کسی وقت طرز بیان سخت اور درشت بھی ہو گیا ہے اور تنقید نے شدید لہجہ بھی اختیار کر لیا، لیکن الحمد للہ! جو کچھ اب تک لکھا گیا ہے اور جو کچھ آئندہ لکھا جائے گا وہ محض اخلاص پر مبنی اور اسی قلبی آرزو کی ایک دبی ہوئی تڑپ ہوتی ہے جو تیز وتند تعبیر اور طرز ادا کی شکل اختیار کر لیتی ہے، ہوسکتا ہے کہ حقیقت ناشناس طبائع کے

لئے ہماری یہ تلخ نوائی قابل اعتراض ہو، ہوا کرے، واقعہ بہر حال یہ ہے ہم نہ رسمی سیاست جانتے ہیں اور نہ سیاست حاضرہ کے مردمیدان ہیں نہ کسی سیاسی جماعت سے تعلق ہے نہ اس کی ترجمانی، نہ قومی اسمبلی میں کوئی کرسی حاصل کرنے کی خواہش ہے نہ کسی کرسی وزارت کی تمنا، ہاں یہ خواہش اور کوشش وکاوش ضرور ہے کہ قومی یا صوبائی اسمبلی کی کرسی پر بیٹھنے والے اور قلمدان وزارت وحکومت سنبھالنے والے افراد اس کرسی اور قلمدان کی واقعی اہلیت کسی نہ کسی طرح ضرور پیدا کرلیں اور جس طرح وہ دنیا میں عزت وعظمت سے ہمکنار ہوئے تھے اسی طرح آخرت کی سرخروئی سے بھی ضرور سرفراز ہوں، یعنی اللہ تعالیٰ کے قانون عدل وانصاف کو اس پاک سرزمین میں ضرور نافذ اور استوار کریں تا کہ اسلامی مملکت کا وقار خالق ومخلوق دونوں کی نظروں میں پیدا کرسکیں اسی مقصد کے لئے ہم وقتاً فوقتاً ان کو جھنجھوڑتے رہتے ہیں۔

بہر حال جس طرح ہر پاکستانی کا طبعی اور فطری جذبہ یہ ہے اور ہونا چاہیئے کہ ہمارا یہ ملک دنیا میں ایک مضبوط اور طاقت ور ملک اور اغیار واعداء کی گوناگوں ریشہ دوانیوں سے ہمیشہ محفوظ رہے اسی طرح ایک سچے پاکستانی مسلمان کے دل میں بحیثیت مسلمان ہونے کے یہ تڑپ بھی ضرور ہے اور ہونی چاہیئے کہ اس مملکت میں اسلامی قانون ضرور جاری ہو اور پاکیزہ اسلامی معاشرہ کی تشکیل ضرور ہو تا کہ حیات طیبہ اور پاکیزہ معیشت کی دینی اور دنیوی برکات سے یہ مملکت مالا مال ہو، لیکن جب بھی وہ یہ محسوس کرے کہ حالات کی رفتار امید اور توقع کے بالکل برعکس ہے اور مقصد فوت ہو رہا ہے پوری قوم مجموعی طور پر سیرت وصورت گفتار وکردار، اخلاق واطوار اور جذبات ورجحانات غرض ہر اعتبار سے ایک خدا فراموش قوم کی صورت اختیار کرتی جارہی ہے تو اس کو یہ اندیشہ اور اس پر جانکاہ صدمہ بھی ضرور ہوگا کہ خدانا کردہ۔ خاکم بدہن۔ یہ آزمائشی طور پر دی ہوئی نعمت کہیں پھر نہ چھن جائے۔

اس لئے کہ کسی بھی شخص کے مسلمان ہونے کے معنی ہی یہ ہیں کہ وہ خدا اور رسول سے معاہدہ کر چکا ہے کہ وہ اللہ اور اس کے رسول کی بہر حال اطاعت کرے گا، احکام الٰہیہ کو بہ دل وجان تسلیم اور ان پر عمل پیرا ہوگا اور اگر اس کے ہاتھ میں اقتدار اعلیٰ ہے یا آئے گا تو ان احکام الٰہیہ کو ملک میں نافذ بھی کرے گا، اس حقیقت کے ہوتے ہوئے جب مسلمان اس معاہدہ کی خلاف ورزی کرے گا تو قوی اندیشہ ہے کہ وہ اس عہد شکنی کے جرم کی سزا میں جلد یا بدیر پکڑا نہ جائے۔ پھر کیونکر ممکن ہے کہ ایک مسلمان مملکت کا مسلمان شہری ملک کی اس غیر اسلامی رفتار کو دیکھ کر خاموش بیٹھا رہے۔

دینی اتحاد

مسلمان از روئے مذہب جس طرح اس کا مامور ہے کہ اپنے ملک اور قوم کا ایک فرد ہونے کی حیثیت سے اپنی ملکی مسلمان برادری کے حق میں قولاً فعلاً جس طرح ممکن ہو خیر خواہی کرے اسی طرح وہ عالمگیر اسلامی

اخوت کی بنا پر ایک عالمگیر برادری۔مسلمانانِ عالم۔میں منسلک ہونے کی حیثیت سے مذہباً اس کا بھی مامور ہے کہ ہر ملک کے مسلمانوں کے حق میں قولاً فعلاً جس طرح ممکن ہو خیر خواہی اور خیر سگالی کا فرض ادا کرے، قرآن کریم کے واضح ارشادات اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی صریح احادیث اس عالمی اسلامی خیر خواہی کے باب میں بکثرت موجود ہیں۔

اس لئے کہ مسلمان کے لئے عالمگیر رابطہ عالم اسلام اور عالمگیر رشتہ اخوت اسلامی اور دینی وحدت ہے جس میں تمام روئے زمین کے مسلمان منسلک ہیں، نہ قومیت مسلمانوں کا رشتہ اتحاد ہے، نہ وطنیت، نہ رنگ اور نہ نسل۔اسلامی قومیت کی اساس اتحاد خون و نسل، اتحاد ملک و وطن اور اتحاد رنگ و روپ سب سے برتر اور وراءالوراء خالص دینی اتحاد ہے جو محض ایک روحانی اور معنوی رشتہ ہے اور ظاہر ہے کہ روحانی رشتہ مادی رشتہ سے بہت زیادہ اعلیٰ وارفع اور قوی و محکم تر ہوتا ہے، اس لئے تمام اسلامی حکومتوں اور تمام ممالک کے مسلمانوں کا فرض ہے کہ اس روحانی رشتہ۔اسلامی وحدت۔کو ہر طرح کے اضمحلال اور ضعف سے محفوظ کر کے قوی سے قوی تر بنائیں۔

مجمع البحوث الاسلامیہ

اسی روحانی رشتے، اسلامی وحدت اور علمی و دینی مشکلات کو باہمی تبادلہ خیالات کے ذریعہ متفقہ صورت میں حل کرنے کی غرض سے پچھلے مہینے جناب شیخ ازہر قاہرہ کی دعوت پر برفاقت حضرت مولانا مفتی محمود صاحب ۳۰ر دسمبر ۶۶ء کو قاہرہ جانا ہوا، یہ دعوت محض علمی اور دینی نقطہ نگاہ سے مجمع البحوث الاسلامیہ کی تیسری سالانہ کانفرنس کی شرکت کے لئے دی گئی تھی۔

جامع ازہر کے تین اہم شعبے ہیں:

① پہلا شعبہ ادارۃ الازہر ہے جس کے ماتحت معاہد ازہریہ اور کلیات ازہر (ازہر کے اسکول اور کالج) ہیں اور مختلف قدیم و جدید علوم و فنون میں تخصص (پی، ایچ، ڈی) کا ایک وسیع نظام ہے۔اسی شعبہ کے ماتحت مدينة البعوث الاسلامية (بیرونی اسلامی ممالک کے طلبہ کا شہر) ہے جس میں ساٹھ ممالک اسلامیہ کے پانچ ہزار طلبہ مختلف مراحل (تعلیمی درجوں) میں زیر تعلیم ہیں گویا یہ انہی طلبہ کی تعلیمی اور اقامتی بستی ہے۔

② دوسرا شعبہ المجلس الاعلیٰ للشئون الاسلامیہ ہے جس کا سالانہ بجٹ ۲۵ر لاکھ پونڈ ہے، اس شعبہ کا کام تمام مسلم اور غیر مسلم ممالک کے لئے عصری تقاضوں کے مطابق اسلامی لٹریچر تیار کرنا اور پہنچانا ہے، اس شعبہ کا قابل ذکر اور لائق فخر بے نظیر کارنامہ "المصحف المرتل" ہے، یہ ۴۴ر ریکارڈوں میں بھرا ہوا پورا قرآن عظیم ہے جو مذکورہ ذیل عالمی شہرت کے مالک اساتذۂ فن قرات و تجوید نے پڑھا ہے اور ریکارڈ کیا گیا ہے:

① الشیخ محمود حصری۔ ② القاری عبدالباسط عبدالصمد۔

③الشیخ محمد صدیق المنشاوی۔ ④القاری مصطفیٰ کامل۔

جو روزانہ قاہرہ کے مختلف اور متعدد ریڈیو اسٹیشنوں سے مستقل طور پر پڑھا جاتا ہے، علاوہ ازیں جہاں بھی ضرورت ہوتی ہے اس کے مکمل اسطوانات (ریکارڈ) بھیج دیئے جاتے ہیں، اسی طرح روزہ نماز، حج، زکاۃ وغیرہ اسلامی احکام کے ریکارڈ بھی جید علماء سے بھروائے گئے ہیں جو مصر اور مختلف ممالک میں بھی حسب ضرورت بھیجے جاتے ہیں۔

اس وقت اس شعبہ کے سربراہ (ڈائریکٹر) الاستاذ محمد توفیق عویضہ نہایت پرجوش فعال اور بااخلاق نوجوان ہیں۔

③ تیسرا شعبہ مجمع البحوث الاسلامیہ (ادارہ تحقیقات اسلامی) ہے اس شعبہ کا کام یہ ہے کہ عصر حاضر میں جدید تمدن سے پیدا شدہ پیچیدہ اور دشوار مسائل کتاب وسنت اور فقہ اسلامی کی روشنی میں حل کئے جائیں اور اسلام اور اس کی تعلیمات واحکام پر ملحدین خصوصاً یہودی اور عیسائی مستشرقین نے جو اعتراضات کئے اور شکوک وشبہات پیدا کئے ہیں ان کے محکم اور مسکت جوابات دیئے جائیں، نیز جدید نسل کی تربیت اور جدید معاشرہ کی تشکیل کے لئے اسلام کے جن پہلوؤں کو واضح کرنے کی ضرورت اور اس مادیت کے دور میں اسلام کو جس اسلوب میں پیش کرنے کی حاجت ہے اس کے مطابق پیش کیا جائے اور ثابت کیا جائے کہ اس تاریک دور میں صرف اسلام کی روشنی میں ہی انسانی معاشرہ کی تطہیر واصلاح ممکن ہے۔

اس ادارہ کے مستقل اراکین جامع ازہر کے جدید وقدیم علوم کے ماہر چیدہ وبرگزیدہ علماء ومشائخ کے علاوہ اور دیگر اسلامی ممالک عربیہ کے چند سرفہرست علماء ومشائخ بھی شامل ہیں۔(جن میں سے معروف ومتعارف حضرات کے اسماء گرامی گذشتہ ماہ کے ''بینات'' میں ذکر کئے گئے ہیں)

ان حضرات کے ذمہ مذکورہ بالا مقاصد کے تحت تجویز شدہ عنوانات ومسائل پر مبسوط مقالات ومضامین تیار کرنا اور مجمع البحوث الاسلامیہ کی سالانہ کانفرنس میں پڑھنا ہوتا ہے، اس کانفرنس میں مختلف اسلامی ممالک کے اور ان ملکوں کے جہاں مسلمان معتد بہ مقدار میں آباد ہیں مستند اور معروف علماء کو ہر سال ازہر کے خرچ پر اس کانفرنس میں شرکت کی اور تیار شدہ مقالات ومضامین پر تبادلہ خیالات اور جرح وتنقید کرنے کی عام دعوت دی جاتی ہے، تاکہ مجمع البحوث کے اراکین کے تیار کردہ مقالات ومضامین اور پیچیدہ ودشوار مسائل کے حل متفقہ فیصلہ کے بعد عالم اسلام میں پیش کئے جائیں اور تمام علماء امت کے لئے قابل قبول ہوں۔

چنانچہ اس ادارہ کی یہ تیسری کانفرنس تھی سابقہ دو کانفرنسوں کی مکمل کاروائی مبسوط مقالات اور مضامین نہایت شاندار طریق پر تقریباً ۵۰۰ صفحات کی ضخیم کتاب کی شکل میں طبع کرا کے تمام شرکاء کانفرنس میں تقسیم کئے گئے۔

بہرحال کانفرنس کے مندوبین کا کام یہ ہوتا ہے کہ طے شدہ عنوانات ومسائل پر جو مقالات دوران

سال اراکین نے تیار کئے ہیں جن کی ٹائپ شدہ کاپیاں تمام مندوبین کو اجلاس سے اتنے وقت پہلے تقسیم کر دی جاتی ہیں کہ وہ پڑھ کر بحث و تنقیح کے لئے تیار ہوسکیں، ہر مقالہ نگار اپنے مقالہ کو خود پڑھتا ہے اور مندوبین کی بحث و تنقیح یا جرح وتنقید کا یا جواب دیتا ہے یا تسلیم کر کے اپنے مقالہ میں ترمیم کرتا ہے۔ ایسا بھی ہوا ہے کہ اگر کوئی مقالہ اسلامی روح تشریع کے منافی پڑھا گیا ہے تو مندوبین کے احتجاج پر اس کو مجمع البحوث کی کاروائی سے بالکل خارج کر دیا گیا ہے۔

الغرض ایک خالص علمی اور دینی کانفرنس ہوتی ہے نہ سیاسی مسائل زیر بحث آتے ہیں نہ سیاسی تجاویز پاس کی جاتی ہیں، البتہ مندوبین کے اعزاز و احترام اور پاس جذبات کی خاطر ان کو موقع دیا جاتا ہے کہ اگر کوئی مندوب (ڈیلی گیٹ) اپنے ملکی یا ملی مسائل پر کوئی تقریر کرنا چاہے یا مقالہ پڑھنا چاہے تو اس کو موقع دیا جاتا ہے اور کلمۃ الوفود (مندوبین کے بیان) عنوان سے مقامی پریس والے اس ٹائپ شدہ تقریر یا مضمون کو بطور خود اخبارات میں شائع کر دیتے ہیں۔ مجمع البحوث کی طرف سے بعینہ وہ بیان یا اس کا خلاصہ الگ چھپتا ہے اور اگلے روز تمام مندوبین میں تقسیم کر دیا جاتا ہے۔

بہرحال یہ مؤتمر کوئی عام سیاسی طرز کی کانفرنس نہیں ہوتی جیسا کہ پاکستان کے پریس والے اور اخبارات کے قارئین نے ناواقفیت کی بناء پر سمجھا ہے اور غلط فہمی میں مبتلا ہوئے ہیں۔

اس کے برعکس سعودی حکومت کے تحت الرابطۃ الاسلامیہ کے نام سے جو ادارہ قائم ہے اس کی نوعیت بالکل سیاسی ہے اس کی بھی سالانہ کانفرنس ہر سال ہوتی ہے اور عام اسلامی سیاست سے متعلق تجاویز اس کانفرنس میں پاس ہو کر شائع ہوتی ہیں شاید یہی اشتباہ غلط فہمی کا منشاء ہو کہ مجمع البحوث الاسلامیہ کو بھی الرابطۃ الاسلامیہ کی قسم کا سیاسی ادارہ سمجھ کر اس سے بھی اسی قسم کی تجاویز کی توقع قائم کر لی گئی ہو جیسی الرابطۃ الاسلامیہ میں پاس ہوتی ہیں۔

بہرحال مجمع البحوث الاسلامیہ کی حیثیت مصر میں وہی ہے جو پاکستان میں مرکزی ادارہ تحقیقات اسلامی کی ہے فرق صرف اتنا ہے کہ مجمع البحوث کا پورا نظام جید اور مستند علماء امت کے ہاتھ میں ہے اور تمام امت کے علماء کے اتفاق رائے سے فیصلے کئے جاتے ہیں اور پاکستان کے ادارہ تحقیقات اسلامی کے سیاہ و سفید کا مالک اور مطلق العنان سربراہ (ڈائریکٹر) ایک مئیکگل یونیورسٹی کا تعلیم و تربیت یافتہ مستشرقانہ نظریات کا داعی آزاد خیال نیم عالم ہے، اسی کے ہم خیال و ہمنوا اس ادارہ کے تمام محققین اور لکھنے والے ہیں۔

اس فرق کے نتیجہ میں ہر دو اداروں کی متضاد تحقیقات کے مندرجہ ذیل مظاہر اور آثار و شواہد ہیں:

① پاکستان کے ادارہ تحقیقات اسلامی کا فیصلہ ہے کہ زکاۃ اسلامی حکومت کا ایک ٹیکس ہے اس میں کمی بیشی تغیر و تبدل اور تصرف کا کلی اختیار حکومت وقت کو حاصل ہے۔

مصر کی مجمع البحوث الاسلامیہ کا فیصلہ ہے کہ زکاۃ ایک مالی عبادت ہے اس کی شرح میں کمی بیشی اموال

زکاۃ میں تغیر وتبدل وغیرہ کا اختیار امت کے کسی بھی فرد یا جماعت کو حاصل نہیں ہے۔

۲ پاکستانی ادارہ تحقیقات اسلامی کا فیصلہ ہے کہ شاہی فرمان (آرڈی ننس) کے ذریعہ ملک میں جاری کردہ عائلی قوانین کے تحت اگر طلاق بصورت تحریر نہ ہو تو واقع نہ ہوگی اور دوسری شادی زوجہ اوّل کی رضامندی اور عدالت کی اجازت کے بغیر قانوناً جائز نہ ہوگی۔

مصر کی مجمع البحوث الاسلامی کا فیصلہ ہے کہ شوہر کے زبانی طلاق دیتے ہی نافذ ہوجائے گی اگر چہ بصورت تحریر طلاق نہ بھی دی جائے، نیز دوسری شادی کے لئے نہ زوجہ اول کی رضامندی کی ضرورت ہے اور نہ عدالت کی اجازت کی حاجت، شرعی طریق پر گواہان کی موجودگی میں زوجین کے ایجاب وقبول کے بعد نکاح ثانی درست ہے۔

۳ پاکستان کے ادارہ تحقیقات اسلامی کے نزدیک غذائی پیداوار اور معاشی وسائل کے اندیشہ کی بناء پر ضبط تولید اور تحدید نسل جائز اور درست ہے۔

مصر کی مجمع البحوث کے نزدیک قومی سطح پر تحدید نسل اور ضبط تولید دینی اقتصادی، فوجی اور سیاسی غرض ہر اعتبار سے سخت مضر اور شرعاً ناجائز ہے۔

۴ پاکستانی ادارہ تحقیقات اسلامی کے نزدیک بینک کا سود قطعاً جائز ہے۔

مصر کی مجمع البحوث کے نزدیک ہر قسم اور ہر طرح کا سود قطعاً ناجائز اور حرام ہے۔

ظاہر ہے کہ جہاں بھی اسلامی تحقیقاتی ادارہ کا نظام ایسے عالم نما جاہلوں اور بے لگام لکھنے والوں کے ہاتھ میں ہوگا جو ڈنکے کی چوٹ پر نیا اسلام (ماڈرن اسلام) تیار کرنے کا اعلان کررہے ہیں وہاں دینی مسائل اور اسلامی شرائع واحکام کا یہی حشر ہوگا اور جہاں اسلامی تحقیقات کا نظام مستند اہل علم کے ہاتھوں میں ہوگا وہاں کبھی اس قسم کے الحاد وتحریف اور خاتم انبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کے لائے ہوئے دین میں قطع برید اور مسخ وتشویہ (صورت بگاڑنے) کا وسوسہ بھی پاس نہیں پھٹک سکتا خیال تو بڑی بات ہے۔

انتہائی افسوس اور شرم کا مقام ہے کہ ہمارا اتنا بڑا ملک جس کے بسنے والے نہ صرف علماء دینی اور علمی رفعت کے اعتبار سے بلکہ عوام بھی دینداری اور مذہبی روایات کی عملی پابندی کے اعتبار سے آج بھی مصر وشام وحجاز وغیرہ ممالک اسلامیہ سے گوئے سبقت لے گئے ہیں اور جو اسلامی معاشرہ کے اعتبار سے بھی مغربی تہذیب ومعاشرت کے زہریلے جراثیم سے نسبتاً محفوظ ہے اور عوام تو دینی تمسک اور تصلب اور پختگی میں ان ممالک سے کہیں آگے ہیں وہاں تو دین اور اس کے احکام میں یہ علانیہ قطع برید اور مسخ وتحریف ہو رہی ہو اور ایک آزاد اور یورپی تہذیب ومعاشرت میں سرتاپا غرق ملک میں دین اور اسلامی احکام وشرائع کی ہر قسم کے الحاد وتحریف سے اس طرح حفاظت ہو رہی ہو۔

ہم بلاخوف تردید کہہ سکتے ہیں کہ پاکستان کی عملی زندگی اورعوام کی دینی حالت ان تمامترخرابیوں کے باوجود جن کو ہم بغرض اصلاح وقتاً فوقتاً گناتے رہتے ہیں۔آج تمام عالم اسلامی سے بہتر ہے پھرایسی قوم پر گوناگوں حیلوں اورفریب کاریوں سے زبردستی غیر اسلامی معاشرہ مسلط کرنا شریعت کےصریح خلاف اور منافی احکام آرڈی ننس کے زور سے نافذ کرنا اور جان بوجھ کرالحادوتحریف کے دروازے کھولنا کتنا بڑاظلم وعدوان ہے:

لمثل هذا يذوب القلب عن كمد

ان كا ن فى القلب اسلام و ايمان

اسی جیسی صورت حال پر دل غم کے مارے پگھلتے ہیں بشرطیکہ ان دلوں میں اسلام اور ایمان موجود ہو۔

مصری حکومت میں ہم نے جس چیز کا خطرہ سب سے زیادہ محسوس کیا وہ دو ہیں:

① مصری حکومت نے اشتراکی نظام -سوشلزم- کو پوری طرح اپنالیا ہے بڑی بڑی جاگیرداریاں ختم کر دی ہیں، بڑی بڑی صنعتیں حکومت نے اپنی ملکیت میں لے لی ہیں اور اس اشتراکیت کے حق میں اتنی شدت کے ساتھ پروپیگنڈا کیا جارہا ہے کہ اس اشتراکیت نے عقیدہ کی صورت اختیار کر لی ہے، اس لئے شدید خطرہ ہے کہ یہ اشتراکیت -سوشلزم- شیوعیت- کمیونزم- کی سیڑھی نہ بن جائے چنانچہ متحدہ جمہوریہ مصر کے مخالفین نے تو ابھی سے اشتراکیت کوشیوعیت کا درجہ دے کرمخالفانہ پروپیگنڈے کا بازار گرم کررکھا ہے۔

② دوسرا خطرہ یہ ہے کہ علماء ومشائخ آسودہ حالی اور ترفہ وتنعم (رئیسانہ زندگی) کے اس قدر عادی بن گئے ہیں کہ اگر ان کوحق بات کہنے میں اس ترفہ وتنعم (رئیسانہ زندگی) اورخوشحالی سے محروم ہوجانے کا ذرا بھی اندیشہ ہوتو وہ حق بات کہنے کی جرأت نہیں کرتے اس لئے ان سے آنے والے تباہ کن خطرہ کے سامنے سینہ سپر ہونے کی توقع اٹھتی جارہی ہے۔

یہ مصر ہی کی خصوصیت نہیں بلکہ مغربی تہذیب ومعاشرت کا جو تباہ کن سیلاب آرہا ہے تمام ممالک اسلامیہ خصوصاً عرب ممالک تو اس کی خاص زد میں آئے ہوئے ہیں اور سب سے زیادہ اس سیلاب کی طوفان خیز موجوں میں بہہ رہے ہیں۔ بلکہ ڈوب رہے ہیں۔ دوسری طرف عرب قومیت کا بھوت سب کے سروں پر بری طرح سوار ہے اسلام کا نعرہ بھی برائے نام رہ گیا ہے اس پر مستزاد یہ کہ مال ودولت کی فراوانی وطغیانی کے جو زہریلے اثرات ہوا کرتے ہیں وہ بری طرح پیدا ہو رہے ہیں۔

ان حالات کو دیکھ کر شدید مایوسی ہوتی ہے جب تک کوئی لطیفہ غیبیہ ربانیہ فوق العادہ طریق پر ظاہر نہ ہو کوئی اصلاح کی توقع نہیں، بجز اس کے کہ دین اور اسلام کا درد رکھنے والے مسلمان رب العالمین کی بارگاہ میں سربسجود اور دست بدعا ہوں کہ:

ربّنا لا تجعلنا فتنة للقوم الظالمين ونجنا برحمتك من القوم الكافرين. ربنا

لا تجعلنا فتنة للذين كفروا واغفر لنا ربنا انك انت العزيزالحكيم. وصلى الله على صفوة البرية خاتم النبيين وحبيب رب العالمين سيدنا محمد وآله واصحابه وعلماء امته وصالحي عباده وبارك وسلم.

[شعبان ۱۳۸۶ھ]

حکومت کے اوصاف اور سربراہ کے فرائض

بلاشبہ حکومت اللہ تعالیٰ کی رحمت ہے بشرطیکہ حکومت صالح ہو، اور صالح حکومت وہی ہے جو اپنی رعایا کی جان و مال اور عزت وآبرو کی محافظ اور ان کی ضروریات زندگی کی کفیل ہو، جس کے زیر سایہ رعیت کا ہر شخص سکون واطمینان کی زندگی بسر کرتا ہو، حکمراں کے دل میں رعیت سے ہمدردی و محبت ہو، ملکی ضروریات میں وہ عقل وتدبر اور عاقبت اندیشی سے کام لیتا ہو، قوم وملک کی راحت رسانی کے لئے مضطرب اور بے چین ہو، تاجر، زمیندار، مزدور اپنی اپنی جگہ مطمئن ہوں، تجارت وزراعت پیشہ افراد پر ٹیکسوں کا بوجھ اتنا ہو کہ وہ برداشت کر سکیں، مظلوم کو ظالم سے نجات حاصل ہو، مملکت میں بداخلاقی و بے حیائی کے پھیلاؤ کو روکنے کے لئے مؤثر تدابیر ہوں، فساد پیشہ افراد کی کڑی نگرانی ہو، حکام فرض منصبی ادا کرتے ہوں اور ان کی کوتاہی پر شدید باز پرس ہو، رشوت سے ملک پاک ہو، انصاف وعدل حکومت کے ہر شعبے میں جلوہ گر ہو، داخلی نظم ونسق وحفاظت کا نظام بے نظیر ہو، خارجی خطرات اور سرحدوں کی حفاظت کے لئے فوجی نظام قابل تعریف ہو، حکمران رحم دل ہو، بہادر ہو، مدبر و سیاستداں ہو، قابل قدر سیاست سے قوم کی کشتی کو منزل مقصود پر پہنچانے کی صلاحیت رکھتا ہو، تباہی و بربادی کی موجوں سے اپنے سفینے کو ساحلِ کامرانی پر صحیح وسلامت پہنچانے کی اہلیت رکھتا ہو، ایسی بداخلاقیوں میں مبتلا نہ ہو جن کی وجہ سے رعیت اور قوم کے دلوں میں اس کا وقار نہ رہے، کوئی ایسی حرکت نہ کرے جس سے اس کی عزت قلوب سے نکل جائے۔

الغرض شائستہ سیرت ہو، ملک کا خیر خواہ ہو، مملکت کو ہر طرح بامِ عروج تک پہنچانے کی اہلیت رکھتا ہو، خوش کردار وخوش گفتار ہو، مملکت کو ہر خطرے سے محفوظ رکھنے کا ذمہ دار ہو، عاقل، مدبر اور دور اندیش ہو، بردبار وحلیم ہو، طیش وغضب میں آنے والا نہ ہو، بلاشبہ ایسی حکومت رحمت ہے اور اگر حسن اتفاق سے کسی اسلامی مملکت کا مسلمان سربراہ ہو تو ان باتوں کے علاوہ اس کا اہم ترین فرض یہ ہے کہ مسلمان قوم کی قیادت قرآن وسنت اور اسلامی قانون کے مطابق کرے، معاشرہ سودی کاروبار سے پاک ہو، زنا وشراب پر پابندی ہو، امر بالمعروف ونہی عن المنکر کے لئے محاکم احتساب قائم ہوں، محاکم عدلیہ میں حق تعالیٰ کا قانون رحمت جاری ہو، شریعت اسلامی کے مطابق فیصلے ہوتے ہوں، چوروں، ڈاکوؤں شراب خوروں اور زناکاروں پر شرعی حدود قائم ہوں، ایسا اسلامی نظام وجود میں آئے کہ دنیا کے بعد آخرت کی زندگی میں ہر مسلمان اللہ تعالیٰ کی جنت اور نعمتوں کا مستحق ہو جائے،

گویا دنیا کے نظام کو درست کرنے میں کافر و مسلمان دونوں برابر کی حیثیت رکھتے ہیں، البتہ اخروی نظام کے لئے مسلمان سربراہ کے فرائض زیادہ ہوجاتے ہیں، عملی فتنوں سے مملکت کو بچانے کی تدبیر میں کوئی تقصیر نہ ہو، اسی طرح علمی فتنوں سے دین اسلام کی حفاظت کی مؤثر تدبیریں اختیار کرے، تعلیم کی بنیاد دین پر ہو اور اسلام کی حفاظت کے ساتھ جدید علوم جو نافع سے نافع تر ہوں ان کی تعلیم کا انتظام ہو، غرض یہ کہ مسلمان حکمران کا فرض منصبی جس طرح دنیا کو درست کرنا ہے ٹھیک اسی طرح آخرت کی زندگی درست کرنے کی تدبیریں بھی اس کے ذمے ہیں، یہ وہ نظام ہے جس کو اسلام نے "السلطان ظل الله فی الارض من اکرمه اکرمه الله و من اهانه اهانه الله"(۱) کے منصب عالی پر پہنچا دیا اور جس کو آسمانی وحی نے ﴿أَطِيْعُوا اللهَ وَأَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ﴾ [النساء:۵۹] کے بعد ﴿وَأُولِي الْأَمْرِ مِنْكُمْ﴾ فرما کر اعلیٰ ترین منصب عطا فرما دیا، اس وقت علمی انداز سے علمائے نفسیات یا علمائے اخلاق نے جو کچھ لکھا ہے، اس کی تفصیل مقصود نہیں، حکماء و فلاسفہ نے جو کچھ لکھا ہے یا ابن خلدونؒ، جلال الدین دوانیؒ اور شاہ ولی اللہ دہلویؒ نے جو کچھ لکھا ہے ان باتوں کو لکھنا منظور نہیں:

چہ نسبت خاک را با عالم پاک

یہاں تو اقتدار کی ہوس ہے جس کی لاٹھی اس کی بھینس کا قصہ ہے، نہ صفات عالیہ کی بحث ہے نہ کمالات کا ذکر ہے، اس ملک کی تاریخ اور دور حاضر کے دیگر ملکوں کی تاریخ خواہ اسلامی حکومتیں ہوں یا غیر اسلامی ہوں، ایشیائی مملکتیں ہوں یا یورپی، دیکھ کر عبرت ہی عبرت ہوتی ہے۔ دنیا میں کتنا بڑا زوال آ گیا ہر حکمران مسولینی، ہٹلر اور چرچل کی تاریخ دہرانا چاہتا ہے اور ان کے نقش قدم پر چلنے کو اپنی اعلیٰ ترین کامیابی سمجھتا ہے، یہاں حیا، رحم دلی، انصاف، خوف خدا خوف خلق خدا کا کیا سوال؟ حدیث نبوی میں ''امام عادل'' عادل حکمران کا مرتبہ ان سات اشخاص میں ذکر فرمایا ہے جو قیامت کے روز عرش کے سایہ میں ہوں گے(۲)۔ موجودہ دور کے حکمرانوں کی حالت دیکھ کر ایسا محسوس ہوتا ہے کہ حق تعالیٰ اپنی مخلوق سے ناراض ہو گیا ہے، ان پر بے رحم ظالموں کو مسلط کر دیا ہے جن کے سامنے ہوس اقتدار کے سوا کوئی اور مسئلہ نہیں۔ حق تعالیٰ نے اس دنیا کے مناصب کو اتنا ذلیل کر دیا ہے کہ حافظ شیرازی رحمۃ اللہ علیہ کا مصرعہ صادق آتا ہے:

طوق زریں ہمہ در گردن خری بینم

دور جانے کی حاجت نہیں اپنے بدنصیب ملک کی تاریخ پر ایک نظر ڈالو کے بعد دیگرے یہاں کیسے کیسے

---

(۱) شعب الایمان للبیهقی، فصل فی فضل الامام العادل ج:٦ ص:١٧، ط: دار الکتب العلمیة بیروت

(۲) "عن ابی هریرة رضی الله عنه عن النبی ﷺ قال: ''سبعة یظلهم الله فی ظله یوم لاظل الا ظله الامام العادل'' الخ، صحیح البخاری، کتاب الاذان، باب من جلس فی المسجد ینتظر الصلوة و فضل المساجد ج:١ ص:٩١، ایضاً کتاب الزکوة، باب الصدقة بالیمین ج:١ ص:١٩١، ط: قدیمی

افراد آئے؟ دیکھئے اور اپنی قسمت کو رو دیئے، اللہ تعالیٰ نے عرصہ دراز کی غلامی کے بعد ایک پاکیزہ خطہ عطا فرمایا تھا تا کہ ہم اپنے وعدوں کو سچ کر دکھا سکیں لیکن جو کچھ ہوا اور جو کچھ ہو رہا ہے آپ کے سامنے ہے بجز حسرت وافسوس اور آہ و بکا اور کیا کر سکتے ہیں؟ اے اللہ اپنی مخلوق پر رحم فرما، ہمارے اس بگڑے نظام کو تو ہی درست فرما سکتا ہے، ہمارے ان حکمرانوں کو عدل وانصاف کے تقاضوں کے مطابق حکومت چلانے کی صحیح اہلیت عطا فرما تا کہ صحیح معنوں میں یہ حکومت سایہ رحمت، ہو دین ودنیا کی برکات سے مالا مال ہو، رعیت وقوم مطمئن اور آسودہ حال ہو، ظاہری وباطنی ترقیات نصیب فرما، اعدائے اسلام اور کافروں کی ریشہ دوانیوں سے اس مملکت کی حفاظت فرما، راعی ورعیت دونوں کو اپنی ربوبیت کریمانہ عادلانہ کا مظہر بنا، ایسا نظام مبارک عطا فرما جس کے ذریعہ آخرت وجنت کی نعمتوں کے ہم مستحق بنیں، اے اللہ آپ ہر چیز پر قادر ہیں، ہم عاجز ہیں تو قادر ہے۔

وصلی اللہ علی سید البریۃ خاتم النبیین محمد وعلی آلہ وصحبہ اجمعین

اسلامی میلہ انگلستان

انگلستان میں اسلامی میلہ ہوا، اسلامی ملکوں اور عرب حکومتوں نے دل کھول کر عطیات دیئے اور اعداء اسلام کو اس کے ذریعہ اسلام اور مسلمان حکمرانوں سے انتقام لینے کا ایسا موقعہ ملا جو تاریخ میں کبھی نہ دیکھا ہوگا تمام تقریروں اور تحریروں میں ڈاکٹر عبدالحلیم محمود شیخ الازہر کی تقریر کے سوا کوئی چیز مسلمان کے لئے خوشی کی نہیں تھی مندوبین کے لئے تمام انتظامات تھے لیکن نماز کے لئے کوئی انتظام نہیں تھا، نہ کسی نے اس کی ضرورت ہی محسوس کی، انا للہ!

''میلہ عالم اسلام'' کے الفاظ ہی اسلام کی نفی کرنے کے لئے کافی تھے اور پھر وہاں جو کچھ ہوا اور مسلمانوں سے جو کچھ کرایا گیا وہ اسلام دشمنی کا بدترین مظہر تھا۔ عجب بات یہ ہے کہ میلہ عالم اسلام کا افتتاح ملکہ برطانیہ نے کیا، گویا عیسائیوں نے مسلمان حکومتوں کی دولت وثروت کے ذریعہ اسلام کو بدنام کرنے کے لئے اس میلے کو استعمال کیا، چنانچہ وہاں سب کچھ تھا دنیا بھر کی خرافات جمع تھیں اگر نہیں تھا تو اسلام یا اسلامی سیرت کا نمونہ نہیں تھا، افسوس ہے کہ مسلمان کہاں سے کہاں پہنچ گئے۔

حق تعالیٰ عقل وفہم اور ایمان واخلاص نصیب فرمائے۔ آمین

[جمادی الاولی ۱۳۹۶ھ۔ جون ۱۹۷۶ء]

دستور پاکستان اور اس کی حقیقت

مدتوں کی آرزوؤں، پیہم کوششوں اور عظیم جانی ومالی قربانیوں کے بعد دنیا کے نقشہ پر دنیا کی سب سے بڑی اسلامی مملکت کے نام سے پاکستان وجود میں آیا اور حضرت الاستاذ شیخ الاسلام مولانا شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ کی برکات وتوجہات سے قرارداد مقاصد میں اسلام اور کتاب وسنت پر اس مملکت خداداد کی بنیاد قائم ہوئی، کافی

عرصہ کے بعد پاکستان کا دستور بنااور کتاب وسنت پراس کی بنیادوں کواستوار کیا گیا۔

الغرض اسلام قرآن عظیم اور سنت نبویہ (علی صاحبہا الصلوۃ والتسلیم) کے نام پراس جدید مملکت کا دنیا میں تعارف ہوا کچھ عرصہ کے لئے اسلامی تعلیمات بورڈ کے نام پر پاکستان کے لئے اسلامی قانون کے نفاذ کے لئے انتظار کرایا گیا اس کے دفنانے کے بعد اسلامی مشاورتی کونسل اور ادارہ تحقیقات اسلامیہ نے جنم لیا اور باور کرانے کی کوشش کی گئی کہ اب عنقریب اسلامی قانون بن جائے گا۔

لیکن افسوس کہ ان تمام توقعات کی حقیقت سراب سے زیادہ نہ ثابت ہوئی اور نہ صرف یہ کہ اسلامی قانون کے نفاذ کی کوئی کوشش ہی نہیں کی گئی بلکہ مخالفانہ کوششیں اور قانون سازی جاری رہی اور اعداء اسلام کی مخالفانہ ومعاندانہ کوششوں کو پورے طور پر ہوادی گئی تاکہ نئی نسل کے دلوں سے حقیقی اسلامی قانون کا تصور ہی ختم ہوجائے اور اس کے بالمقابل اسلام کے خلاف تحریکوں کو پھولنے پھلنے کی پوری آزادی دی گئی اور عملی اعتبار سے معاشرہ میں عمداً ایک ننگ اسلام صورت حال پیدا کردی گئی، شعائر اسلام کی توہین، منکرات وفواحش کی ترویج میں کوئی کسر باقی نہ چھوڑی گئی اور سب سے زیادہ تباہ کن اور تکلیف دہ یہ ہے کہ یہ سب کچھ اسلام کے نام پر کیا جارہا ہے، زبان سے اسلام کا نام لیا جارہا ہے، قرآن کا نام لیا جارہا ہے، دین کا نام لیا جارہا ہے اور رسول علیہ الصلاۃ والتسلیم کی سیرت کے تذکرے بڑے شاندار طریق پر کئے جارہے ہیں اور انتہائی افسوسناک طریق پر یہ باور کرایا جارہا ہے کہ یہی اسلامی تعمیر وترقی ہے، فواحش ومنکرات پر "ثقافت اسلامیہ" کا لیبل لگایا جارہا ہے، لادینی کو دین بنایا جارہا ہے، مختصر یہ کہ ایک خدافراموش خدانا آشنا قوم کے جو اوضاع واطوار ہوتے ہیں وہ پورے طور پر ابھرتے چلے آرہے ہیں۔ کیا یہ "کاسہ بدست اسلام" دنیا کے لئے پیغام امن وسلامتی اور آب حیات بن سکتا ہے؟ اور کیا یہی نفسانی خواہشات کا پروردہ اسلام کمیونزم اور سوشلزم کا مقابلہ کرسکتا ہے؟

انتہائی افسوس کی بات یہ ہے کہ نام تو قرآن وسنت کا لیا جارہا ہے لیکن مسلم عائلی قانون ملک بھر میں نافذ کر کے نکاح وطلاق وعدت وتوریث جیسے اہم مسائل واحکام میں قرآن وسنت کی صریح خلاف ورزی کی جارہی ہے، نام تو اسلام کا لیا جارہا ہے لیکن قرآن اور قرآنی روح کے صریح منافی خاندانی منصوبہ بندی کی ترویج پر۔ اس ملک میں جہاں باہمی رضامندی سے زنا جرم نہیں ہے۔ پورا زور صرف کیا جارہا ہے، آخر اتنا بھی نہیں سوچا جاتا کہ ہم یہ کر کیا رہے ہیں؟ دستور کی بنیاد تو قرآن وسنت پر رکھی گئی ہو اور ملک میں جو قانون نافذ ہو جو منصوبہ بنے وہ قرآن وسنت کے خلاف اور منافی ہو، آخر اس منافقانہ دورخی پالیسی کا کیا حاصل ہے؟ جرأت کے ساتھ صاف اعلان کیوں نہیں کردیا جاتا کہ پاکستان کی حکومت لامذہبی ہے، اسلام سے اس کا کوئی واسطہ نہیں، شام اور الجزائر کی حکومتوں نے غیر اسلامی حکومت ہونے کا اعلان کردیا کسی نے ان کا کیا بگاڑ لیا؟

آخر اس اعلان کا کیا مقصد ہے کہ خاندانی منصوبہ بندی اسلامی اصولوں کے منافی نہیں، اسلامی اصولوں

کے منافی ہونے یا نہ ہونے کا فیصلہ کرنے کا منصب آپ کو کب سے اور کیوں کر حاصل ہو گیا؟ ملک کی فوجی طاقت متوقع حملہ آوروں کے دفاع اور مقابلہ کے لئے کافی ہے یا نہیں؟ اس کے فیصلہ کا منصب بے شک آپ کو حاصل ہے اس لئے کہ آپ نے اس میں پوری زندگی بسر کی ہے اس کے اسرار اور رموز کو بے شک آپ سمجھتے ہیں لیکن کسی قانون یا منصوبہ کے اسلام کے منافی ہونے یا نہ ہونے کے فیصلہ کا منصب تو انہی حضرات کو حاصل ہے جن کی زندگیاں اسلامی تعلیمات کے مطالعہ اور فہم میں گذری ہیں۔

علاوہ ازیں ایک خالص غیر اسلامی تحریک یعنی خاندانی منصوبہ بندی کی ترویج واشاعت پر ملک کا خزانہ انتہائی بے دردی سے خرچ کیا جارہا ہے، پریس کی پوری طاقت نشر واشاعت کے تمام وسائل عوام کو متاثر کرنے کے تمام نفسیاتی ذرائع بروئے کار لائے جارہے ہیں لیکن ساتھ ہی ساتھ ۱۲ راگست ۶۶ ء لاہور سے یہ اطلاع بھی (پ۔پ۔ا) کے ذریعہ شائع کی جارہی ہے:

''مانع حمل ادویہ کا ناجائز استعمال حکومت کو گہری تشویش: لاہور ۱۲ راگست (پ پ ا) حکومت مغربی پاکستان کو غیر شادی شدہ شہریوں میں مانع حمل ادویات کے روز افزوں استعمال پر گہری تشویش ہے، باوثوق ذرائع سے معلوم ہوا ہے کہ صوبائی ارباب اختیار ان ادویات کے ناجائز استعمال کی روک تھام کے سوال پر سنجیدگی سے غور کررہے ہیں، خیال ہے کہ حکومت ان ادویات کی فروخت پر پابندیاں عائد کردے گی، جس کی رو سے ضرورت مند شہریوں کو مانع حمل ادویات کی خریداری سے قبل اپنے رہائشی علاقہ کے معزز افراد کا ایک صداقت نامہ پیش کرنا ہوگا کہ وہ واقعتا شادی شدہ ہیں؟ متعلقہ حکام کو اس بات کا سخت قلق ہے کہ حکومت نے خاندانی منصوبہ بندی کی خاطر مانع حمل اشیاء برائے نام قیمت پر بازاروں میں فراہم کی تھیں لیکن ان کو غیر شادی شدہ افراد خصوصاً نوجوان ناجائز مقاصد کے لئے استعمال کررہے ہیں، خاندانی منصوبہ بندی چونکہ مرکزی معاملہ ہے اس لئے صوبائی حکومت مرکز سے درخواست کرے گی کہ وہ خاندانی منصوبہ بندی کے نیک کام کو بدنامی اور برائی سے بچانے کے لئے ٹھوس اقدام کرے''۔ (روزنامہ جنگ کراچی ۱۴ راگست ۶۶ء)

اس اخلاق سوز تحریک اور منفعت سے بدرجہا زائد مضرت پہنچانے والے منصوبہ کا لازمی نتیجہ یہی ہونا تھا، اگر عالم اسباب کے پیش نظر کسی درجہ میں کوئی احتمالی فائدہ ہو بھی سکتا ہو تب بھی ایک ایسا منفعت سے زیادہ مضرت پہنچانے والا منصوبہ اور اس کو کامیاب بنانے کے لئے ایسی غیر محتاط جدوجہد جس کے نتائج معاشرہ کو تباہ کر ڈالنے کی صورت میں ظاہر ہوں کیسے برداشت کیا جاسکتا ہے۔

آخر ایک مدعی اسلام مسلمان کو حق تعالیٰ کی رزاقیت وربوبیت میں کیوں اور کس طرح شک وشبہ یا تردد دامنگیر ہوسکتا ہے؟ ظاہری وسائل، رزق حلال کی تلاش وجستجو اور اہتمام وانتظام کو رزاقیت کا درجہ کیوں دے دیا گیا؟ ذرا غور کیجئے! اگر کچھ عرصہ پہلے انتظام وانصرام وسائل کا ٹھیکہ دار انسان یہ تصور کرتا کہ ملک میں روزانہ

ایندھن اتنی مقدار میں صرف ہورہا ہے اور ملک میں جنگلات جن سے کوئلہ لکڑی حاصل ہوتا ہے اتنے ہیں، اس رفتار سے تو سو سال میں ملک کے اندر ایندھن کی پیداوار بالکل ختم ہوجائے گی اس لئے اب ملک کے اندر کھانا صرف ایک ہی وقت پکایا اور کھایا جائے تاکہ ایندھن کم خرچ ہو تو ذرا سوچئے کتنا احمقانہ یہ منصوبہ ہوتا آخر مٹی کا تیل، معدنی کوئلہ، الیکٹرک اور پھر معدنی اور مصنوعی گیس وغیرہ قسم قسم کا ایندھن ملک کے اندر ہی لکڑی کوئلہ کی کمی کو پورا کرنے کے لئے وجود میں آ گیا یا نہیں؟

تعجب ہے اللہ تعالیٰ کی ہمہ گیر رزاقیت اور لامحدود خالقیت کے یہ کرشمے ایک اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھنے والے کے سامنے آئیں اور اسے اتنی بصیرت نصیب نہ ہو کہ جو ملک کی روز افزوں آبادی کو بڑھا رہا ہے وہی نو بنو وسائلِ معاش اور غذائی مادوں کو پیدا کر دینے پر بھی قادر ہے، جو قادر مطلق ملک کی آبادی کو بڑھائے گا وہی ان کے روزی کے ذرائع کو بھی بڑھائے گا اس لئے کہ خالقیت بھی اس کی مخصوص صفت ہے اور رزق رسانی کا ذمہ بھی اسی نے لیا ہے، اسی سلسلہ میں خاص طور پر انسانی تدابیر کی درماندگی و بے چارگی قدم قدم پر عیاں ہے۔

کمیونزم اور اسلام

ابھی ابھی معلوم ہوا ہے کہ ایرویز ایمپلائز یونین پی آئی اے کراچی کی سرکردگی میں منشور کے نام سے ایک ماہنامہ نکلتا ہے جو آفسٹ پریس پر بارہ ہزار کی تعداد میں چھپتا ہے اور مردوزن کے درمیان مفت تقسیم کیا جاتا ہے اور پی آئی اے کے ملازمین کی تنخواہوں میں سے ماہانہ ایک روپیہ اس ماہنامہ کی اشاعت کے لئے کٹتا ہے۔

ماہنامہ کیا ہے؟ شعائر اسلام کی توہین، علماء دین اور دیندار طبقہ کی تحقیر کمیونزم کی نشر واشاعت، پاکستان کے خلاف نفسیاتی پروپیگنڈے، ممالک اسلامیہ کے خلاف زہریلے مواد فراہم کرنے کا ایک آرگن ہے۔ اتحاد اسلامی کا مذاق اڑایا جارہا ہے، جولائی ۶۶ء کی اشاعت میں صفحہ ۲۹ پر ''اگر اجازت ہو'' کے مستقل عنوان کے تحت پابند صوم وصلاۃ مسلمان کا مذاق اڑایا گیا ہے، الفاظ ملاحظہ ہوں:

''فرشتوں کی ایسی تیسی تم اور تمہارے فرشتے سب فراڈ ہیں''

کیا پاکستان اس لئے بنا تھا کہ اسلامی معتقدات (فرشتوں) کا اس طرح مذاق اڑایا جائے؟

اور تو اور یہ ماہنامہ تو پاکستان کی بنیادوں کو بھی کھوکھلا کر رہا ہے، اور کیا ایئر مارشل اصغر خان کو اتنا بھی موقع نہ ملا کہ وہ دیکھیں ان کے حدود واختیارات میں کیا ہو رہا ہے؟ بہرحال واقعات وحقائق دردناک ہیں، اگر ہماری غفلتوں کی یہی حالت رہی تو اسلام وپاکستان خاکم بدہن دونوں کا جنازہ اس ملک سے عنقریب نکل جائے گا اور آنے والی نسل میں خدا کا نام لینے والا بھی کوئی ڈھونڈنے سے نہ ملے گا۔

ضروری تنبیہ

ایمان وکفر، نفاق والحاد، ارتداد وفسق

جس طرح نماز، زکوۃ، روزہ اور حج اسلام کے بنیادی احکام وعبادات ہیں اور دین اسلام میں ان کے مخصوص معنی اور مصداق متعین ہیں، قرآن وحدیث کی نصوص اور حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرامؓ کے تعامل سے ان کی حقیقتیں اور عملی صورتیں واضح ومسلّم ہوچکی ہیں اور چودہ سو سال میں امت محمدیہ اور اس کے علماء ومحققین ان کو جس طرح سمجھتے اور عمل کرتے چلے آئے ہیں اس تواتر وتوارث عملی نے اس پر مہر تصدیق ثبت کردی ہے، ان عبادات واحکام اور ان نصوص کی تعبیرات کو ان کے متواتر شرعی معانی سے نکال کر کوئی نئی تعبیر اور نیا مصداق قرار دینا یقینا دین سے کھلا ہوا انحراف ہے، ٹھیک اسی طرح کفر، نفاق، الحاد، ارتداد اور فسق بھی اسلام کے بنیادی احکام ہیں، دین اسلام میں ان کے بھی مخصوص ومتعین معنی اور مصداق ہیں قرآن کریم اور نبی کریم علیہ الصلاۃ والتسلیم نے قطعی طور پر ان کی تعیین وتحدید فرمادی ہے، ان الفاظ کو بھی ان شرعی معانی ومصادیق سے نکالنا کھلا ہوا دین سے انحراف ہوگا اور ان کو از سر نو محل بحث ونظر بنانا اور امت نے چودہ سو سال میں ان کے جو معنی اور مفہوم سمجھے اور جانے ہیں نو بنو تاویلیں کر کے ان سے ہٹانا کھلا ہوا الحاد وزندقہ ہوگا۔

ایمان کا تعلق قلب کے یقین سے ہے اور خاص خاص چیزیں ہیں جن کو باور کرنا اور ماننا ایمان کے لئے ضروری ہے، جو کوئی ان کو نہ مانے قران کریم کی اصطلاح اور اسلام کی زبان میں اس کا نام کفر ہے اور وہ شخص کافر ہے، جس طرح ترک نماز، ترک زکاۃ، ترک روزہ اور ترک حج کا نام فسق ہے بشرطیکہ ان کے فرض ہونے کو مانتا ہو صرف ان پر عمل نہ کرتا ہو۔ اور اگر انہی تعبیرات، صلاۃ، زکاۃ، صوم، حج کو اختیار کرنے کے بعد کوئی شخص ان کو معروف ومتواتر شرعی معنی سے نکال کر غیر شرعی معنی میں استعمال کرے یا ان میں ایسی تاویلیں کرے جو چودہ سو سال کے عرصہ میں کسی بھی عالم دین نے نہ کی ہوں تو اس کا نام قرآن کی اصطلاح اور اسلام کی زبان میں الحاد ہے۔

قرآن کریم نے ان الفاظ کفر، نفاق، الحاد، ارتدار کو استعمال فرمایا ہے اور جب تک روئے زمین پر قرآن کریم موجود رہے گا، یہ الفاظ بھی انہی معانی میں باقی رہیں گے۔

اب یہ علماء امت کا فریضہ ہے کہ وہ امت کو بتلائیں کہ ان کا استعمال کہاں کہاں صحیح ہے اور کہاں کہاں غلط ہے؟ یعنی یہ بتلائیں کہ جس طرح ایک شخص یا فرقہ ایمان کے تقاضوں کو پورا کرنے کے بعد مومن ہوتا اور مسلمان کہلاتا ہے اسی طرح ان ایمان کے تقاضوں کو پورا نہ کرنے والا شخص یا فرقہ کافر اور اسلام سے خارج ہے، نیز علماء امت کا یہ بھی فرض ہے کہ ان حدود وتفصیلات کو یعنی ایمان کے تقاضوں کو اور ان کفریہ عقائد واعمال وافعال کو متعین کریں جن کے اختیار کرنے سے ایک مسلمان اسلام سے خارج ہوجاتا ہے تاکہ نہ کسی مومن کو کافر اور اسلام سے

خارج کہا جا سکتا اور نہ کسی کافر کو مومن و مسلمان کہا جا سکے۔

ورنہ اگر کفر و ایمان کی حدود اس طرح مشخص و متعین نہ ہوئیں تو دین اسلام بازیچۂ اطفال بن کر رہ جائے گا اور جنت و جہنم افسانے۔

یاد رکھئے! اگر ایمان ایک متعین حقیقت ہے تو کفر بھی ایک متعین حقیقت ہے، اگر کفر کے لفظ کو ختم کرنا ہے اور کسی کافر کو بھی کافر نہیں کہنا ہے تو پھر ایمان و اسلام کا بھی نام نہ لو اور کسی بھی فرد یا قوم کو نہ مومن کہو نہ مسلمان، رات کے بغیر دن کو دن نہیں کہہ سکتے، تاریکی کے بغیر روشنی کو روشنی نہیں کہہ سکتے، پھر کفر کے بغیر اسلام کو اسلام کیونکر کہہ سکتے ہو؟ اور پھر یہ کہنا اور فرق کرنا بھی سرے سے غلط ہوگا کہ یہ مسلمانوں کی حکومت ہے اور یہ کافروں کی اور یہ تو اسلامی حکومت ہے اور وہ کفریہ حکومت ہے، پھر تو حکومت سیکولر اسٹیٹ یعنی لادینی حکومت ہوگی، غرض کفر اور کافر کا لفظ ختم کرنے کے بعد تو اسلامی حکومت کا دعویٰ ہی بے معنی ہوگا یا پھر یہ لفظ الیکشن جیتنے کے لئے ایک دل کش نعرہ اور حسین فریب ہوگا۔

غرض یہ ہے کہ علماء پر۔ کچھ بھی ہو۔ رہتی دنیا تک یہ فریضہ عائد ہے اور رہے گا کہ وہ کافر پر کفر کا حکم اور فتویٰ لگائیں اور اس میں پوری پوری دیانت داری اور علم و تحقیق سے کام لیں اور ملحد و زندیق پر الحاد و زندقہ کا حکم اور فتویٰ لگائیں اور جو بھی فرد یا فرقہ قرآن و حدیث کی نصوص و تصریحات کی رو سے اسلام سے خارج ہو اس پر اسلام سے خارج اور دین سے بے تعلق ہونے کا حکم اور فتویٰ لگائیں جب تک سورج مغرب سے طلوع نہ ہو، قیامت نہ آ جائے۔

چونکہ کفر و اسلام کے حکم لگانے کا معاملہ بے حد اہم اور انتہائی نازک ہے اور ایک شخص جذبات کی رو میں بھی بہہ سکتا ہے اور فکر و رائے میں غلطی بھی کر سکتا ہے اس لئے علماء امت کی ایک معتمد علیہ جماعت جب اس کا فیصلہ کرے گی تو وہ فیصلہ یقیناً حقیقت پر مبنی اور شک و شبہ سے بالاتر ہو جائے گا۔

بہر حال کافر، فاسق، ملحد، مرتد وغیرہ شرعی احکام و اوصاف ہیں اور فرد یا جماعت کے عقائد یا اقوال و افعال پر مبنی ہوتے ہیں نہ کہ ان کی شخصیتوں اور ذاتوں پر، اس کے برعکس گالیاں جن کو دی جاتی ہیں ان کی ذاتوں اور شخصیتوں کو دی جاتی ہیں، لہٰذا اگر یہ الفاظ صحیح محل میں استعمال ہوتے ہیں تو یہ شرعی احکام ہیں ان کو سب و شتم اور ان احکام کے لگانے کو دشنام طرازی کہنا یا جہالت ہے یا بے دینی، ہاں کوئی شخص غیظ و غضب کی حالت میں یا ازراہ تعصب و عناد کسی مسلمان کو کافر کہہ دے تو یہ بے شک گالی ہے اور یہ گالی دینے والا خود فاسق ہوگا اور تعزیر کا مستحق اور اگر کوئی شخص جان بوجھ کر کسی واقعی مسلمان کو کافر کہہ دے تو یہ کہنے والا خود کافر ہو جائے گا۔

علماء حق جب کسی فرد یا جماعت کی تکفیر کرتے ہیں تو درحقیقت ایک کافر کو کافر بتلانے والے اور مسلمانوں کو اس کے کفر سے آگاہ کرنے والے ہوتے ہیں نہ کہ اس کو کافر بنانے والے، کافر تو وہ خود بنتا ہے جب کفریہ عقائد یا اقوال و افعال کا اس نے ارتکاب کیا اور ایمان کے ضروری تقاضوں کو پورا نہیں کیا، تو وہ باختیار خود کا

فر بن گیا لہذا یہ کہنا کہ مولویوں کو کافر بنانے کے سوا اور کیا آتا ہے سراسر جہالت ہے یا بے دینی۔

اگر علماء ایمانی حقائق اور اسلام کی حدود کی حفاظت نہ کرتے تو اسلام کا نام ہی صفحہ ہستی سے کبھی کا مٹ چکا ہوتا، جس طرح کسی حکومت کا فرض ہوتا ہے کہ وہ اپنی مملکت کی حدود کی حفاظت کرے اور ان کے تحفظ کے لئے فوجی طاقت اور دفاعی سامان جنگ وغیرہ کی تیاری میں ایک لحہ کے لیے غافل نہ ہو، اسی طرح ایمان، اسلام، اسلامی معاشرہ، مسلمانوں کے دین و ایمان کو ملحدوں، افترا پردازوں اور جاہلوں کے حملوں سے محفوظ رکھنا علماء حق اور فقہاء امت کے ذمہ فرض ہے۔ ابھی چند دنوں کا قصہ ہے جب بھارت نے پاکستان پر حملہ کیا اور حکومت پاکستان نے جہاد کا اعلان کیا اور پاکستان کی افواج قاہرہ اور عوام نے اس جہاد میں جوش وخروش کے ساتھ حصہ لیا تو بھارت کے لوگوں کو یہ کہنے کا موقعہ مل گیا کہ پاکستان ''اسلامی حکومت'' نہیں ہے اور یہ لڑائی اسلامی جہاد نہیں ہے اور اگر ہے تو پھر ہندوستان بھی اسی طرح دارالاسلام ہے جس طرح پاکستان، اسلامی قانون نہ وہاں نافذ ہے نہ یہاں، مسلمان وہاں بھی رہتے ہیں یہاں بھی بھارت کو یہ کہنے کا موقعہ کیوں ملا؟ صرف اس لئے کہ نہ پاکستان میں اسلامی قانون نافذ ہے اور نہ اسلامی معاشرہ موجود ہے۔ یہ ہماری وہ کمزوریاں ہیں جن سے دشمن نے ایسے نازک موقعہ پر فائدہ اٹھایا اگر اس ملک کے اندر نبوت کا مدعی اور ختم نبوت کا منکر مرزا غلام احمد قادیانی کی امت (مرزائی فرقہ) بھی مسلمان ہے اور پورے اسلام کے چودہ سوسالہ اسلامی عبادات ومعاملات کے نقشہ کو مٹاڈالنے والا اور جنت و دوزخ سے صریح انکار کرنے والا غلام احمد پرویز اور اس کی جماعت بھی مسلمان ہے اور اگر قران کے منصوص احکام کو عصری تقاضوں کے سانچوں میں ڈھالنے والا، سنت رسول کو ایک تعاملی اصطلاح اور رواجی قانون بتلانے والا، سود کی حرمت سے قرآن کو خاموش بتا کر حلال کرنے والا بھی نہ صرف مسلمان ہے بلکہ اسلامی تحقیقاتی ادارہ کا سربراہ ہے تو پھر یاد رہے کہ محض قرآن کریم کو ''زردوزی'' کے سنہری حروف میں لکھوانے سے قران کی حفاظت قیامت تک نہیں ہوسکتی اور یہ دعویٰ انتہائی مضحکہ خیز ہے یا پھر عوام کو بے وقوف بنانے کا ہتھکنڈہ ہے۔

ابھی کل تک یہی ملحدین مسلمانوں کو طعنہ دیا کرتے تھے کہ قرآن مجید اس لئے نازل نہیں ہوا ہے کہ ریشمی رومالوں میں لپیٹ کر اس کو بوسے دیئے جائیں، پیشانی سے لگایا جائے اور سروں پر رکھا جائے، یہ تو مسلمانوں کے لئے ایک علمی قانون ہے عمل کرنے کے لئے نازل ہوا ہے۔ پھر آج اس حقیقت سے یہ بے اعتنائی کیوں ہے کہ باہمی رضامندی سے زنا کو جرم نہیں قرار دیا جاتا۔ بینکاری سود کو شیر مادر کی طرح حلال قرار دے کر خود حکومت سود لے رہی اور دے رہی ہے، ریس کورس جیسی مہذب قمار بازی کے، شراب کی درآمد و برآمد اور خرید وفروخت کے لائسنس دیئے جارہے ہیں، نکاح وطلاق و وراثت کا قانون سب صریح قرآن وسنت کی تصریحات کے خلاف جاری ہے، جرائم اور سزاؤں کا تو کہنا ہی کیا غرض قرآن وسنت کو بالائے طاق رکھ کر قانون سازی کا سلسلہ جاری ہے اور زردوزی کے سنہری حرفوں میں لکھوا کر قرآن عظیم کی حفاظت کا اہتمام بھی کیا جارہا

ہے، نہایت صبر آزما حقائق ہیں آخر مسلمانوں کو کیا ہو گیا کہ اتنے واضح حقائق کی فہم کی توفیق بھی سلب ہوگئی؟
اللهم اهد قومی فانهم لا یعلمون.

[جمادی الاولیٰ ۱۳۸۶ھ ؍ ستمبر ۱۹۶۶ء]

پاکستان کا موجودہ نظام تعلیم

صدمے کی بات ہے کہ تمام عربی اسلامی دنیا میں ابتدائی تعلیم کی بنیاد دین پر رکھی جارہی ہے، دنیا کی ضروریات کو یقیناً تعلیم کا جزُ بنا دیا گیا ہے لیکن ڈھانچہ دینی ہے، چنانچہ حکومت کے ابتدائی مکاتیب (پرائمری اسکول) میں ہی مسلمان ۔ بچے بقدر ضرورت یعنی فرض عین دین سے واقف ہوجاتے ہیں، لیکن ہماری بدنصیب مملکت ہے کہ آج تک اس کے تعلیمی نظام کا زائچہ دینی نہ بن سکا، اگر بچہ ابتدائی دینی مکتب میں یا اپنے گھروں میں والدین کے زیر سایہ دین نہ سیکھ سکا تو موجودہ اسکولوں، کالجوں کے دائرے میں وہ مسلمان کبھی نہیں بن سکتا نہ فرائض دین سے واقف ہوسکتا ہے، نہ عقائد اسلامیہ سے یہ ہمارے اس تعلیمی نظام کا سب سے بڑا المیہ ہے، جو ہمدردانِ ملت کی اولین توجہ کا محتاج ہے۔

مسجدوں میں دنیوی تعلیم کا حکم

روزنامہ مشرق مورخہ ۱۲ ؍ اگست ۱۹۶۸ء میں حسب ذیل خبر شائع ہوئی ہے:

''کراچی ۱۱ ؍ اگست (مشرق رپورٹ) مغربی پاکستان میں مذہبی تعلیم کی اشاعت و ترویج کے سلسلے میں محکمہ اوقاف کے تحت کراچی کے سرکردہ علماء کی ایک کانفرنس منعقد ہوئی جس کی صدارت ناظم اوقاف کراچی زون نے کی، کانفرنس میں مدرسوں، اسکولوں اور کالجوں میں مذہبی تعلیم کو لازمی قرار دیئے جانے کی سفارش کی گئی اور اس مسئلے پر خاص طور پر غور کیا گیا کہ شہر کی درسگاہوں میں مذہبی تعلیم کی صحیح تدریس میں ائمہ مساجد کیا کردار ادا کرسکتے ہیں، کانفرنس میں مولانا محمد یوسف بنوری، مولانا محمد طیب، مولانا متین خطیب، قاری زاہر قاسمی، مولانا عبید اللہ اور میاں عبدالعزیز نے شرکت کی۔

اجلاس میں اس مسئلہ پر مکمل اتفاق رائے پایا گیا کہ مسلم اوقاف کی انتظامیہ پر یہ لازم ہے کہ وہ مذہبی تعلیم کی اشاعت و ترویج میں نمایاں کردار ادا کرے اور اس سلسلہ میں ائمہ مساجد کے دائرہ کار کو وسعت دینے کے سوال پر طویل غور و خوض ہوا، اجلاس کی رائے میں مذہبی تعلیم کو مدرسوں، اسکولوں اور کالجوں میں لازمی قرار دیا جانا چاہیے کہ اسلامیات سے نابلد طلباء دوسرے علوم کی صرف مادی افادیت کے قائل ہو کر نہ رہ جائیں اسلامیات کا مضمون بذات خود اتنا وسیع ہے کہ اس کے گوشے زندگی کے تمام پہلوؤں پر محیط ہیں۔

اجلاس میں شریک علماء کی اکثریت اس بات پر متفق تھی کہ اسلامیات کی تعلیم کے لئے صرف وہ اساتذہ

مفید ثابت ہو سکتے ہیں جنہیں اس مضمون پر مکمل عبور حاصل ہو، علاوہ ازیں ان اساتذہ کا موجودہ سائنسی دور کے تقاضوں کو بھی ذہن میں رکھنا ضروری ہے، طے پایا کہ محکمہ اوقاف مطلوبہ معیار کے اساتذہ پیدا کرنے کے لئے مناسب قدم اٹھائے اور اس تمام پروگرام میں ائمہ مساجد کی مسلم معاشرہ میں اہمیت اور افادیت کو مدنظر رکھے''۔

اس خبر کو پڑھ کر نہ صرف تعجب ہوا بلکہ انتہائی صدمہ ہوا کہ حکومت کے ذمہ دار اعلیٰ مناصب کے مالک حضرات بھی عوام کی سطح پر آ کر خلاف واقعہ بات کہنے میں ذرا بھی تامل نہیں کرتے، واقعہ صرف یہ ہے کہ جمعہ ۹ر اگست کو حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب مہتمم دارالعلوم دیوبند کے اعزاز میں جناب محمود صاحب اور ان کے بھائی جناب مسعود صاحب چیف ایڈمنسٹریٹر اوقاف مغربی پاکستان نے عصرانہ کی دعوت دی اور راقم الحروف کو باصرار بلایا، باتھ آئی لینڈ کی ایک سرکاری کوٹھی میں یہ دعوت دی گئی تھی۔ چنانچہ راقم الحروف اور مہمان خصوصی حضرت مولانا قاری طیب صاحب اور قاری زاہر القاسمی وہاں پہنچے دونوں بھائیوں نے مہمانوں کا خیر مقدم کیا، مسعود صاحب مہمان خصوصی کے ساتھ خود بھی بیٹھے اور راقم الحروف کو بھی بٹھایا، فوٹو گرافر فوٹو لینے جب آیا تو راقم الحروف نے فوٹو لینے سے سختی سے منع کیا اس پر مسعود صاحب نے پوچھا کیا ناجائز ہے؟ میں نے کہا جی ہاں حرام ہے، فرمایا پشاور میں دوصد علماء جمع تھے بعض مشاہیر کا نام بھی لیا ان میں سے کسی نے تو فوٹو لینے کو جائز کہا بعض نے مکروہ کہا، اس پر میں نے جواب دیا مجھ پر کسی کا علم حجت نہیں ہے میں حرام سمجھتا ہوں، حضرت مولانا طیب صاحب نے بھی دریافت فرمانے پر فرمایا: ''ممنوع ہے''۔ اس کے بعد ایک خاص فرقہ کے کروڑوں روپے کے اوقاف پر محکمہ اوقاف کے قبضہ نہ کرنے کے سلسلے میں گفتگو ہوئی اس پر موصوف نے اپنی مجبوری کا اظہار فرمایا۔

اتنے میں ہم نے اجازت چاہی اور روانہ ہو گئے راستہ میں قاری طیب صاحب سے مسعود صاحب نے پوچھا: اگر مساجد میں دینی تعلیم ہو تو حرج ہے؟ قاری صاحب نے فرمایا اس میں کیا مضائقہ ہے، بس اتنی بات ہوئی اور ہم چلے آئے، بعد میں باقی ماندہ چند مدعوین تھے، ان کے درمیان کوئی تجویز پاس ہوئی یا نہیں ہوئی؟ اس کا ہمیں علم نہیں لیکن انتہائی ستم ظریفی ہے کہ عصرانے کی دعوت کو کانفرنس کہنا اور جس بات کا ذکر بھی مجلس میں نہ آیا ہو اس کو تجویز بتا دینا کتنی حیرت انگیز بات ہے، رہا یہ کہ جو کچھ کہا گیا ہے وہ دراصل ان کے دل کی آواز ہے اور وہ انتہائی کوشش میں ہیں کہ کسی نہ کسی طرح مساجد پر قبضہ کر کے ان کو اسکول کے بچوں کی آماجگاہ بنا دیں۔ اسی قسم کی باتوں کو ''کلمة حق ارید بها الباطل'' کہا کرتے ہیں۔ دینی تعلیم ہمیشہ مساجد میں ہوتی رہی ہے اور آج بھی ہو رہی ہے، بڑے بڑے شہروں میں آج بھی مساجد قرآن وحدیث کی آوازوں سے گونج رہی ہیں لیکن آپ یہ چاہیں کہ مسجدوں میں بچوں کو کتوں، بلیوں کے قصے پڑھائے جائیں تو مسلمانوں سے اس کی توقع نہ رکھیں، مسجدیں اللہ تعالیٰ کی عبادت گاہیں ہیں ان میں جو کام عبادت یا وسیلہ عبادت نہ ہو اس کی اجازت ہرگز نہیں دی جا سکتی۔ بعض فقہاء نے تو تعلیم القرآن کو بھی اگر تنخواہ لے کر ہو تو ممنوع قرار دے دیا ہے، بہر حال اس وقت اس سے بحث نہیں کہ یہ

تجویز صحیح ہے یا غلط، افسوس اس کا ہے کہ شاطرانہ طریقے پر عصرانے کی دعوت کو کانفرنس میں تبدیل کر دیا گیا۔ انا للہ، مہمانانِ خصوصی کے تو فرشتوں کو بھی خبر نہ تھی، جی ہاں! صحیح بخاری شریف کی ایک حدیث میں ہے:

ان مما ادرك الناس من كلام النبوة الاولى اذا لم تستحی فافعل ماشئت(۱)

انبیاء سابقین کی تعلیمات میں سے یہ بات مشہور چلی آئی ہے کہ شرم و حیا اگر نہ ہو تو پھر جو جی چاہے کر گذرو۔

اللہ تعالیٰ رحم فرمائے اور ارباب مناصب کو اپنے شانِ منصبی کے وقار کو برقرار رکھنے کی توفیق مرحمت فرمائے، آمین۔

یہ تو بالکل ظاہر ہے کہ مسجدوں میں مذہبی تعلیم و تربیت سے کون انکار کر سکتا ہے لیکن دراصل سوال یہاں مذہبی تعلیم کا نہیں بلکہ سوال تو یہ ہے کہ مسجدوں کو اسکول بنا دیا جائے، کیا آج کل جو اسکولوں کی تعلیم ہے اور جو کتابیں اس میں پڑھائی جاتی ہیں کیا وہ سب مذہبی کتابیں ہیں اور مذہبی تعلیم ہے؟ کیا غیر مذہبی چیزوں کی اور تصویروں کو بنانے کے لئے ڈرائنگ کی تعلیم بچوں کو مسجد سے نکال کر باہر میدان میں دی جائے گی؟ اصل مقصد اس حیلے سے مساجد اللہ کی آزادی کو ختم کرنا اور مذہبی آزادی و تعلیم کا گلا دبانا ہے، عنوان کتنا دل فریب ہے لیکن مقصد کتنا نفرت انگیز ہے، اللہ تعالیٰ صحیح نیت اور صحیح علم اور صالح عمل کی توفیق نصیب فرمائے۔

و صلى الله على صفوة الكائنات سيد السادات محمد وآله وصحبه و بارك وسلم.

[جمادی الثانیہ ۱۳۸۸ھ]

جدید تہذیب و مخلوط تعلیم کی برکات

گذشتہ دنوں کراچی میں ہاکس بے کا جو واقعہ پیش آیا اس پر نہ صرف تمام جرائد و اخبارات بلکہ حکمران بھی چیخ اٹھے کہ جدید نسل کی بے حیائی نے مسلمانوں کو شرم و حیا کے مارے زندہ درگور کر دیا، بے شرمی و بے حیائی کو خود اپنے ہاتھوں پھیلانے کے بعد پھر نہ معلوم کیوں چیختے ہیں، یہ جدید تہذیب کی برکات اور جدید مخلوط تعلیم کے ثمرات ہیں۔ تعجب و افسوس تو اس پر ہے کہ اس قسم کے شرمناک واقعات کے جو حقیقی عوامل و اسباب ہیں ان کو کیوں پیش نظر نہیں رکھتے، مخلوط تعلیم کی وبا، لڑکوں اور لڑکیوں کا بے تکلف اختلاط، عام معاشرہ میں دینی ماحول کا فقدان، کالجوں اور اسکولوں میں دینی تربیت کا فقدان، زیب و زینت کر کے تفریح گاہوں میں ان کو لے جانا، سینما اور ٹی وی کے روح فرسا مناظر کا رات دن کا مشغلہ، قدم قدم پر عریاں مناظر، حیا سوز مظاہر اور پھر یہ شکوہ؟ خود کردہ را چہ

(۱) صحیح البخاری، کتاب الانبیاء، باب حدیث الغار ج:۱ ص:۴۹۵.
ایضاً کتاب الادب، باب اذالم تستحی فاصنع ماشئت ج:۲ ص:۹۰۴، ط: قدیمی

علاج؟ جب یہ جدید نظام تعلیم کے تبرکات ہیں تو کیوں اس پر نظر نہیں کرتے کہ اس نظام کو بدلا جائے، اس بے حیائی کا قلع قمع کیا جائے، اس کے تمام اسباب کو چن چن کر ختم کیا جائے، ہمارے نزدیک ان تمام شر و رفتن کی جڑ ہی صنف نازک کو پردہ عفت و عصمت سے نکال کر اسکول کالجوں میں بھیجنا، سینماؤں اور کلبوں میں لئے لئے پھرنا، انہیں گلیوں، بازاروں اور اسٹیجوں پر جلوہ نمائی کی دعوت دینا، اگر لڑکیوں کے لئے کسی درجہ میں اسکولوں کی تعلیم ضروری ہے تو صرف دینی و معاشرتی ابتدائی تعلیم تک پردے میں ہونا چاہئے، لباس و پردہ کی پابندی ضروری ہے، مخلوط تعلیم کو ممنوع قرار دیا جائے ورنہ جو شرمناک مظاہر پیش آئے آئندہ اس سے زیادہ کا خطرہ ہے۔

اللهم اهد قومي فانهم لا يعلمون

مدرسہ عربیہ اسلامیہ کا شعبہ تحقیق و تصنیف

الحمدللہ! کہ مدرسہ عربیہ اسلامیہ میں ایک مستقل شعبہ تحقیق و تصنیف قائم ہوا، اس طرح یہ دیرینہ آرزو پوری ہوگئی کہ ایک ایسا ادارہ وجود میں آجائے جو نئی نسل کی اصلاح و تربیت اور انہیں عصر حاضر کے الحادی اثرات سے بچانے کے لئے اعلی معیار کی دینی کتابیں شائع کرے، شعبہ تحقیق و تصنیف کے سامنے دو اہم مقصد ہیں:

ایک وقتی تقاضوں کے مطابق علمی موضوعات پر اور مسائل پر تحقیق کرنا اور ان تحقیقات کو کتابی شکل میں منظر عام پر لانا، دوسرے عمدہ اور بہترین کتابوں کو منتخب کر کے ان کے تراجم مختلف زبانوں میں شائع کرنا۔

ہمیں اپنی کوتاہ سامانی اور کم مائیگی کے ساتھ ساتھ اس راستے کی مشکلات کا پورا احساس ہے، تاہم اللہ تعالیٰ کی نصرت و اعانت کے بھروسے پر اپنے حقیر وسائل کے مطابق کئی موضوعات پر کام شروع کر دیا گیا ہے، الحمد للہ چار مخلص و محقق اہل علم و اہل قلم اس خدمت کے لئے وقف ہیں جن میں سے بعض حضرات اردو، عربی اور انگریزی تینوں زبانوں کے ماہر ادیب ہیں۔

عربی سے اردو ترجمہ کے لئے سب سے پہلے شیخ مصطفیٰ سباعی مرحوم کی کتاب "السنة ومكانتها في التشريع الاسلامي" کو منتخب کیا گیا جو اپنے موضوع پر بے نظیر جامع کتاب ہے، ترجمہ کی پہلی جلد طبع ہو چکی ہے اور دوسری زیر طبع ہے، اردو کتابوں میں مولانا محمد اسحاق صدیقی کی تصنیف "دینی نفسیات" اچھوتی کتاب ہے جو زیر طبع ہے، اس کے بعد موصوف کی دوسری تصنیف ختم نبوت عنقریب شائع کی جائے گی جس میں مسئلہ ختم نبوت کے عقلی و نفسیاتی پہلوؤں پر نئے انداز سے بحث کی گئی ہے۔

کتابوں کی نشر و اشاعت کے لئے مکتبہ رشیدیہ غلہ منڈی ساہیوال کو شعبہ تحقیق و تصنیف مدرسہ عربیہ اسلامیہ کی جانب سے وکیل عام بنایا گیا ہے، اللہ تعالیٰ ان کو جزائے خیر دے کہ انہوں نے اس ذمہ داری کو بخوشی اٹھانا منظور کر لیا ہے۔ ہمیں حق تعالیٰ کے الطاف غیبیہ سے امید ہے کہ جس طرح مدرسہ کی مشکلات کے حل کرنے

میں ہماری دستگیری فرماتے ہیں اسی طرح اس شعبہ کی ضروریات کی تکمیل میں ہماری امداد فرمائیں گے۔

وهو ولی التوفیق والنعمة وهو حسبنا ونعم الوكيل

[جون ۱۹۷۲ء- ربیع الثانی ۱۳۹۲ھ]

پہلی اسلامی سربراہ کانفرنس لاہور

گزشتہ دنوں لاہور میں اسلامی سربراہ کانفرنس ہوئی جس میں پہلی مرتبہ ۳۷ ممالک کے سربراہان مملکت اور نمائندہ وفود ایک جگہ جمع ہوئے، بلاشبہ یہ تاریخی واقعہ ہے جسے شاید موجودہ حکومت کا زریں کارنامہ شمار کیا جائیگا، دراصل امت اسلامیہ کا سب سے بڑا المیہ آپس کی پھوٹ اور تشتت وافتراق ہے، مسلمانوں کا یہی کمزور پہلو ہے جس سے اعداء اسلام نے ہمیشہ فائدہ اٹھایا آج بھی اگر یہ شقاق ونفاق ختم ہوجائے اور اتحاد و یک جہتی کی نعمت میسر آجائے تو عالم اسلام دنیا کی سب سے بڑی طاقت کی حیثیت سے ابھر سکتا ہے، مسلمانوں کو حق تعالیٰ نے دنیا کے نقشہ پر کلیدی مقامات عطا کئے ہیں، خانہ بدوش صحراء نوردوں پر دنیا کے خزانوں کے منہ کھول دیئے ہیں اور ان بے کار صحراؤں اور ریگستانوں سے وہ زمینی ذخائر عطا کئے کہ آج کفر کی تمام طاقتیں ان کی محتاج ہیں، کاش یہ مادی وسائل ترقی اسلام پر صرف ہوتے تو آج عالم اسلام کا نقشہ ہی کچھ اور ہوتا۔

موجودہ کانفرنس کا بنیادی مسئلہ

کانفرنس کا بنیادی مسئلہ قدس اور مقبوضہ علاقوں کو اسرائیلی جارحیت سے پاک کرانے کا عزم بالجزم تھا جہاں تک قراردادوں کا تعلق ہے الحمدللہ اتفاق رائے سے پاس ہوئیں، لیکن کیا اچھا ہوتا کہ اسلام کی سربلندی اور اعلائے کلمۃ اللہ کا عہد کیا جاتا، مسلمانوں میں عہد نبوی کے اسلام کو زندہ کرنے کی تدابیر پر غور کیا جاتا اور حقیقی منزل مقصود تک پہنچنے کا عزم راسخ ظہور پذیر ہوتا، کروڑوں روپے کا خرچ ہزاروں انسانوں کی شبانہ روز محنت وخدمت سڑکوں کی آرائش محفلوں کی زیبائش یہ سب کچھ اگر صحیح اسلام کی سربلندی کے لئے ہوتا تو سودا سستا تھا، ورنہ کیا حاصل؟

کانفرنس کا اصل مقصد کیا ہونا چاہیے؟

کانفرنس کے اصل مقاصد کیا ہونے چاہئیں اور کون سے اہم نکات عالم اسلام کے ممتاز نمائندوں کی اولین توجہ کے مستحق ہیں؟ اس سلسلہ میں چند مختصر تجاویز ایک محضر کی شکل میں تمام سربراہان عالم اسلام کی خدمت میں بھیجی گئیں، توقع ہے کہ ان تک پہنچی ہوں گی نامناسب نہ ہوگا اگر اس کے عربی متن کا ترجمہ "بینات" کے "بصائر وعبر" میں پیش کردیا جائے۔

حضرت ! قائدینِ اسلام ورہنمایانِ ملت اسلامیہ! اللہ تعالیٰ آپ کا حامی و ناصر ہو، پاکستان کے علماء یہاں کے دینی مراکز اور علمی ادارے آپ کو دل کی گہرائیوں سے خوش آمدید کہتے ہیں، اس موقع پر ہم آپ حضرات کی خدمت میں چند آرزوئیں پیش کرتے ہوئے توقع رکھتے ہیں کہ یہ آپ کی مساعی جمیلہ سے بارآور ہو سکیں گی، یہ ایک خیرخواہی ہے کہ جوامت اسلامیہ (علی صاحبہا الصلاۃ والسلام) کے ہر فرد پر فرض ہے۔

① اسرائیل اور دیگر تمام ملعون طاقتوں کا استیصال کرنے کے لئے عالم اسلام کی صفوں میں اتحاد و یک جہتی پیدا کرنا اور ہر ممکن طریقہ سے آپس کے اختلافات اور رنجشوں کو رفع کرنا ازبس ضروری ہے، کیا بعید ہے کہ اللہ تعالیٰ اس اقدام کو خلافت اسلامیہ کے احیاء کا ذریعہ بنادے جو اسلام کے اہم ترین مقاصد میں سے ہے۔

② ہمارے جہاد کا مقصد اور ہماری تمام کوششوں کا محور محض اعلائے کلمۃ اللہ اور اسلام کی سربلندی ہونا چاہئے جو رنگ و نسل قوم و وطن اور زبان کے تمام نعروں سے بالاتر ہو۔

③ تمام اسلامی ممالک میں ہر شعبہ زندگی میں اسلامی قانون کا نفاذ ہو، اسلامی نظام تعلیم کا اجراء ہو اور احتساب کے محکمے قائم کئے جائیں، جو علمی و عملی طور پر امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ انجام دیں۔ یہی ایک چیز ہے جس سے اللہ تعالیٰ کی رحمتیں اور برکتیں نازل ہوسکتی ہیں۔

④ عالم اسلام کو ان لوگوں کی ریشہ دوانیوں سے محفوظ رکھنے کے لئے نہایت چوکس رہنے کی ضرورت ہے، جو بظاہر اسلام کا لیبل لگا کر آتے ہیں مگر ان کے مخصوص مذہبی عقائد اور غیر اسلامی نظریات اب کسی سے پوشیدہ نہیں رہے، یہ لوگ ''خدمت اسلام'' کے دلفریب عنوان سے اسلامی ممالک میں گھسنے کی کوشش کرتے ہیں مگر ان کا کام اسلامی ممالک میں اعداء اسلام کی سازشوں کی تکمیل ہوتا ہے۔

⑤ نوجوان نسل کو اعلیٰ فنی تعلیم کے لئے باہر بھیجنے کے بجائے یہ ضروری ہے کہ خود اپنے ممالک میں اعلیٰ سے اعلیٰ تعلیم کے مراکز قائم کئے جائیں اور دنیا بھر کے ماہرین کو گرانقدر معاوضہ دے کر جمع کیا جائے تاکہ اسلامی ماحول میں نوجوانوں کی تعلیم و تربیت ہو۔

⑥ اسلامی ممالک میں اسلحہ سازی کے کارخانے قائم کئے جائیں جن میں عصری تقاضوں کے مطابق جدید ترین اسلحہ تیار کیا جائے اور اس مقصد کے لئے امکانی وسائل کے مطابق جرمنی، جاپان اور چین سے فنی ماہرین طلب کئے جائیں۔

⑦ عالم اسلام کا ایک مشترکہ غیر سودی بنک قائم کیا جائے جو شرکت و مضاربت کے اسلامی اصولوں پر کام کرے اور اس کے ذریعہ پسماندہ اسلامی ممالک کو بھرپور مدد دی جائے۔

یہ چند بنیادی نکات ہیں، آپ حضرات کی دوررس نگاہوں اور مدبرانہ بصیرت کے پیش نظر ان کی توضیح وتشریح کی ضرورت نہیں، آپ کے قیمتی اوقات کا لحاظ رکھتے ہوئے ہم صرف اشارات پر اکتفا کررہے ہیں، دعا ہے

کہ اللہ تعالیٰ اسلامی طاقت کو متحد اور مسلمانوں کے شیرازہ کو مجتمع فرمائے، قائدین اسلام کو قوت دے کر ان کی نصرت وحمایت فرمائے اور کافر وظالم دشمنان اسلام کے شر سے محفوظ رکھے، اللہ تعالیٰ آپ کو اسلام کی قیمتی متاع اور مسلمانوں کی ناقابل تسخیر قوت کی حیثیت سے تادیر قائم رکھے، آمین۔

محمد یوسف بنوری	محمد ہاشم	محمد شفیع
صدر جامعۃ العلوم الاسلامیہ کراچی ۵	شمالی ناظم آباد کراچی ۳۳۔	صدر دارالعلوم کراچی ۱۴۔

یہ سات نکاتی محضر دراصل اسلام کی نشاۃ ثانیہ کا منشور، عالم اسلام کے لئے فیصلہ کن دعوت عمل اور ملت اسلامیہ کے دل کی آواز ہے، اس کی تشریح وتفصیل کبھی موقعہ ہوا تو پھر عرض کی جائی گی، البتہ ایک بات مزید اس سلسلہ میں کہنے کو جی چاہتا ہے وہ یہ کہ بلاشبہ وحی آسمانی کا حکم ہے کہ کفار اور اعدائے اسلام کے مقابلہ کے لئے پوری قوت خرچ کرنا اور جدید سے جدید اسلحہ مہیا کرنا نہایت ضروری اور امت اسلامیہ کا فرض ہے، لیکن یہ اس لئے کہ کامیابی ونصرت کا مدار ان مادی وسائل اور مادی طاقتوں پر نہیں بلکہ اس کا مقصد یہ ہے کہ دشمنان اسلام پر مسلمانوں کا رعب قائم رہے ورنہ حق تعالیٰ کا صاف صاف ارشاد ہے کہ فتح ونصرت کا مدار نہ تو ظاہری قوت وطاقت پر ہے نہ کثرت پر اللہ تعالیٰ کی نصرت وتائید شامل حال ہوتو بے ساز وسامان فوج بھی فتح مند ہوسکتی ہے اور تھوڑی سی جماعت بھی بڑی بھاری جماعت پر غالب آسکتی ہے، اس لئے امکانی حد تک ساز وسامان کی تیاری میں کوتاہی نہیں ہونی چاہیے، کیونکہ حق تعالیٰ کا حکم ہے، مگر توکل واعتماد ان وسائل واسباب پر نہیں بلکہ محض حق تعالیٰ کی ذات اور اس کی غیبی امداد پر ہونا چاہیے، بلاشبہ آج بھی اسلامی حکومتیں اسلحہ سازی پر پوری توجہ کریں تو بہت کچھ کرسکتی ہیں لیکن ظاہر ہے کہ دشمنان اسلام کی طاغوتی طاقتیں بھی خاموش نہیں بیٹھیں گی، بیس پچیس سال میں کہیں سے کہیں تک پہنچ جائیں گی، اس لئے مسلمانوں کو اس کے بغیر چارہ کار نہیں کہ ان کا اصل اعتماد اس ذات عالی پر ہو جو تمام طاقتوں کا سرچشمہ ہے، آسمان وزمین کی تمام طاقتیں اسی کے قبضہ قدرت میں ہیں، انہی سے تعلق قائم کیا جائے، قرآن پاک میں صاف ارشاد ہے کہ: ''نصرت تو حق تعالیٰ ہی نازل فرماتا ہے فرشتوں کا نازل فرمانا صرف تمہاری تسلی کے لئے ہے''۔ [آل عمران:۱۲۶] حاصل یہ کہ اس عالم اسباب میں اسباب سے غنا نہیں، اپنی مقدور کے مطابق ممکنہ وسائل واسباب مہیا کرنے میں کوئی کسر باقی نہ رکھی جائے، لیکن توکل واعتماد صرف حق تعالیٰ کی ذات پر ہو، اسلام کے دور اوّل کی فتوحات میں یہی راز مضمر تھا جنگ حنین میں شکست کے اسباب یہی بتلائے گئے کہ تعداد کی کثرت پر اعتماد کیا گیا۔

[صفر ۱۳۹۴ھ - مارچ ۱۹۷۴ء]

گندی سیاست

عرصہ ہوا کہ حضرت مولانا عبدالہادی دین پوری کی دعوت وتحریک پر ایک مختصر اجتماع ہوا تھا جس کا اساسی مقصد جماعت تنظیم اہل سنت، مجلس ختم نبوت، جمعیت علماء اسلام اور احرار اسلام کے درمیان اتحاد تھا۔ان جماعتوں کی مشترکہ مجلس عمل وجود میں آئی تھی جس کا مقصد اسلامی جماعتوں کا مشترکہ لائحہ عمل تیار کرنا تھا یہ اجتماع اس تاریخی دن ہوا جس کی شام کو ایوب خان کے اقتدار کا آفتاب غروب ہوا اور صدر یحییٰ کے مسند اقتدار پر جلوہ افروز ہونے کا اعلان نشر ہوا۔

اس اجتماع میں ایک بات یہ طے ہوئی تھی کہ اسلامی معاشیات پر ایک اسلامی خاکہ تیار کیا جائے، اس کام کے لئے حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب، مولانا مفتی محمود صاحب، مولانا مفتی ولی حسن صاحب، مولانا مفتی رشید احمد صاحب اور راقم الحروف کے نام تجویز ہوئے۔راقم الحروف کی دعوت پر مدرسہ عربیہ اسلامیہ کراچی میں یہ اجتماع طے پایا، حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب کی علالت کی بنا پر ان کے دو صاحبزادگان برادرم مولانا محمد رفیع صاحب اور مولانا محمد تقی صاحب کو ان کی نیابت کے طور پر شرکت کی دعوت دی گئی، خالص علمی ودینی انداز سے کام شروع ہوا اور ابتدائی خاکہ دس دن میں تیار ہوا، مولانا مفتی محمود صاحب سے جو سابق حسن ظن تھا کہ وہ فقہی بصیرت میں امتیازی خصوصیت رکھتے ہیں اس موقعہ پر اس کا خوب خوب مشاہدہ ہوا۔

چند دن ہوئے ایک پمفلٹ نظر سے گذرا جو کسی کے استفسار کے جواب میں مولانا مفتی رشید احمد صاحب نے مرتب کیا ہے جس میں اس باوقار علمی مجلس کی روئیداد جس انداز سے مرتب کی گئی ہے اسے جس ناروا اور بے ڈھنگا اسلوب دیا گیا، مضامین مندرجہ کو جس نہج سے خلاف واقعہ گھڑا گیا ہے اور جس طریقہ سے اس مجلس کو محض دو مفتیوں کے سوال وجواب اور جدال ومناظرہ کا مرقع بنا کر پیش کیا گیا ہے اسے دیکھ کر انتہائی حیرت ہوئی، انا للہ۔

میں اس کا تصور بھی نہیں کرسکتا کہ کوئی عالم دین اور مدعی علم وتقویٰ اس انداز سے خلاف واقعہ افسانہ طرازی اور واقعہ سازی کرسکتا ہے اور عقل باور نہیں کرتی کہ کوئی مفتی شرع متین اس قدر افترا پردازی کرسکتا ہے، نہ معلوم کس ظالم کی نوک قلم نے اس علمی مجلس کو مسخ کر کے واقعات کی فرضی تصویر تیار کی اور پھر اس سارے افسانے کو مفتی رشید احمد صاحب کی طرف منسوب کرڈالا۔

اجیر مشترک اور اجیر خاص کا مسئلہ جس انداز میں مفتی محمود سے منسوب کیا گیا ہے وہ جہاں بالکل خلاف واقعہ ہے، وہاں بداہت عقل کے بھی خلاف ہے، ایک بری کو متہم کرنا انتہائی دردناک چیز ہے۔اس پمفلٹ کے سلسلہ میں مختلف جہات سے استفسارات کئے جارہے ہیں اس لئے بادل ناخواستہ مختصر اشارات ناگزیر ہوئے اسی

سلسلہ میں ایک مختصر جواب مولانا محمد ادریس صاحب نے لکھ کر ترجمان الاسلام کو بھیجا ممکن ہے دوبارہ ضاحت وصراحت کی ضرورت پڑے۔(۱)

اللهم ارزقنا من خشيتك ماتحول به بينناو يبن معاصيك، واجعلنا من الذين يخافون عقابك و يرجون ثوابك. وصلى الله تعالىٰ على اتقى البشر و اخشاهم لله وآله وصحبه و بارك وسلم.

مشاورتی کونسل اور شراب

روز نامہ جنگ مورخہ ۱۵ رستمبر ۱۹۶۴ء کا شذراتی نوٹ مدیر روز نامہ کے قلم سے:

''مغربی پاکستان کے وزیر مالیات وآبکاری شیخ مسعود صادق نے انکشاف کیا ہے کہ ملک میں امتناع شراب کے سوال پر اسلامی مشاورتی کونسل میں اتفاق رائے نہیں پایا جاتا ہے''۔

شیخ صاحب کا یہ بیان اپنی نوعیت کا انوکھا اور بے حد دلچسپ بیان ہے اس لئے کہ شراب بندی پر اسلامی مشاورتی کونسل کے ارکان کے اختلاف رائے کا مطلب سوائے اس کے اور کیا ہوسکتا ہے کہ اس ادارے کے بعض معزز اراکین شراب بندی کے خلاف ہیں، جب اتنے واضح مسئلہ پر اس کونسل کا یہ حال ہے تو آگے چل کر اہم تر قانون اور آئینی مسائل پر کیا ہوگا، اس کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے، گناہ وثواب کا تصور اسلام میں انسان کی معاشرتی اخلاقی اور معاشی زندگی سے تعلق رکھتا ہے، شراب نہ صحت کے لئے مفید ہے اور نہ مالی اعتبار سے سودمند، شراب کی ممانعت کے لئے یہی دو دلائل کافی ہیں تعجب ہے اسلامی مشاورتی کونسل میں اس پر کیسے اتفاق رائے نہ ہوسکا شاید ایسے ہی مواقع کے لئے کہا گیا ہے:

چو کفر از کعبہ برخیزد کجا ماند مسلمانی

خبر جس قدر افسوسناک ہے مدیر جنگ کا تبصرہ اتنا ہی مسرت انگیز ہے افسوس کہ یہ ہے مشاورتی کونسل کا

---

(۱) جناب مفتی رشید احمد صاحب کی طرف منسوب کردہ یہ افسانہ الگ کتابچہ کی شکل میں بھی شائع ہوا ہے، نیز مرکزی جمعیت علماء اسلام کے نوزائیدہ ترجمان ''ہفت روزہ صوت الاسلام'' نے اپنی پیدائش کے دوسرے دن (شمارہ نمبر ۲ میں) اژدہانما کارٹون کے ساتھ اسے شائع کیا ہے۔ ہمارا خیال تھا کہ کارٹون اور تصویر کے ذریعہ پروپیگنڈہ ''سرخوں'' کا شعار ہے یا نئی قسم کے اسلام پسندوں کا، اہل حق کا طبقہ تھانوی گروپ ہو یا ہزاروی، کم از کم اس لعنت سے بیزار ہے، مگر صوت الاسلام کے اس اژدہانما کارٹون کو دیکھ کر خیال ہوا کہ اسلام کی آواز بلند کرنے کے لئے حضرات اہل فتوی کے نزدیک بھی ان جدید تکنیکی آلات اور اوچھے ہتھیاروں کی ضرورت مسلم ہے، دکھ کی بات یہ ہے کہ کسی صاحب کو چھوٹے منہ اور ٹوٹے قلم سے بھی اس پر نکیر کی توفیق نہ ہوئی، یہی کیفیت دوسری جمعیت کے بعض حامی پرچوں کی ہے، کاش ہمارے یہ بزرگ اسلامی سیاست اور اسلامی صحافت کا کوئی اچھا نمونہ پیش کرتے۔ چٹان، شہاب، نصرت اور جسارت وغیرہ کی نقالی علماء کرام اور مفتیان عظام کی شان سے بہت نیچے کی چیز ہے یہ سب کچھ آج کی گندی سیاست کے چھینٹے ہیں۔

کارنامہ، انا للہ۔

دین اسلام کی وہ ضروریات جن کا علم وعقیدہ وعمل ہر کلمہ گو مسلمان پر فرض ہے، مثلاً پانچ نمازیں، ماہ رمضان کے روزے، زکاۃ، حج بیت اللہ جس طرح یقینی قطعی ہیں اور دین اسلام کے بنیادی مسائل ہیں۔ ہر مسلمان پر ان کا جاننا بھی فرض اور عمل کرنا بھی فرض ہے، اسی طرح شراب، جوا، سود، زنا، چوری وغیرہ وغیرہ کی حرمت بھی یقینی وقطعی ہے، ہر مسلمان کو اسکی حرمت کا علم ہونا اور اس کی حرمت پر عقیدہ رکھنا فرض ہے اور اس سے بچنا واجب ہے۔

کون نہیں جانتا کہ بہت سے حلال وحرام کے مسائل اسلام کے تشریعی نظام میں تدریجی طور پر نافذ ہوئے ہیں، قطعی حرمت سے پہلے کچھ اشارات ہوئے ہیں، اس کے بعد قطعی تحریم نازل ہوئی، بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ بعض حساس طبیعتوں میں شراب نوشی کی قباحتیں خود بخود آئیں اور بحثیں شروع ہوئیں اور بعض فوائد شمار کرنے لگے اور بعض مضار ونقصانات بتلانے لگے اور سوالات شروع ہوئے۔ چنانچہ سورہ بقرۃ کی آیت میں ارشاد ہوا ہے:

﴿يَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ قُلْ فِيْهِمَا اِثْمٌ كَبِيْرٌ وَّمَنَافِعُ لِلنَّاسِ وَاِثْمُهُمَا اَكْبَرُ مِنْ نَّفْعِهِمَا﴾ [البقرة:٢١٩]

وہ آپ سے شراب وجوئے کے بارے میں پوچھتے ہیں آپ کہہ دیجئے کہ ان دونوں میں بہت بڑا گناہ ہے اور لوگوں کے لئے کچھ فائدے بھی ہیں اور ان دونوں کا گناہ فائدہ سے بہت زیادہ ہے۔

چنانچہ اس سوال کے جواب میں صاف طور پر بتلا دیا کہ بے شک ان میں کچھ منفعتیں بھی ہیں لیکن بڑا گناہ ہے اور گناہ نفع سے بہت بڑا ہے۔

اس آیت کے نزول کے بعد ہی محتاط طبیعتیں شراب نوشی کی عادت سے دستبردار ہوگئیں، کسی موقع پر نماز مغرب باجماعت ہو رہی تھی، امام سورہ الکافرون میں نشہ کی حالت میں "لا اعبد ما تعبدون" کی جگہ "اعبد ما تعبدون" پڑھ گیا ظاہر ہے کہ مقصد بالکل معکوس ہوگیا اور شرک سے اظہار برأت کی دعوت کی جگہ شرک کی دعوت بن گئی فوراً آیت کریمہ نازل ہوئی:

﴿يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَاتَقْرَبوا الصَّلٰوةَ وَاَنْتُمْ سُكٰرٰى حَتّٰى تَعْلَمُوْا مَا تَقُوْلُوْنَ﴾ [النساء:٤٣]

اے ایمان والو! نشہ کی حالت میں نماز کے قریب بھی مت جاؤ جب تک سمجھ نہ لو جو کچھ تم کہتے ہو۔

اس حکم سے مزید ناپسندیدگی کا اظہار ہوگیا لیکن ابھی تک حرمت کا صاف اعلان نہیں ہوا تاہم بہت سے حضرات نے شراب نوشی بالکل چھوڑ دی اور جو مبتلا رہے انہوں نے بھی عصر اور مغرب کی نمازوں کے بعد اس لئے

ترک کردی کہ نمازوں کا وقت قریب ہوتا ہے۔ بہرحال یہ صاف وصریح اشارات اور قرائن تھے کہ عنقریب حرمت کا اعلان ہونے والا ہے، حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ دونوں آیتوں کے نازل ہونے کے بعد بہت بے تابی سے کہنے لگے:

"اللهم بين لنا في الخمر بياناً شافياً"(۱)

اے اللہ! شراب کے بارے میں فیصلہ کن حکم فرما دیجئے۔

مگر چونکہ عرب میں شراب کا رواج انتہا کو پہنچا ہوا تھا دفعۃً ممانعت کرنا مخاطبین کی عادت کے لحاظ سے آسان نہ تھا، اس لئے اللہ تعالیٰ شانہ نے نہایت ہی حکیمانہ انداز میں اول اشارے کر کے نفرت بٹھلا دی گویا زمین پوری طرح ہموار کردی، دین اسلام کا یہ حکیمانہ تدریجی نظام نفسیاتی اعتبار سے کتنا عجیب ہے، بالآخر سورہ مائدہ میں جو قرآن کی ترتیب نزول سے آخری سورت ہے قطعی ممانعت کا حکم اس عجیب وغریب ومؤثر انداز سے جس میں ام الخبائث کی حرمت وممانعت کی حکمت اور اس کی گندگی کا درجہ سب کچھ بیان کردیا۔ چنانچہ ارشاد ہوا:

﴿يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالْاَنْصَابُ وَالْاَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطٰنِ فَاجْتَنِبُوْهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ اِنَّمَا يُرِيْدُ الشَّيْطٰنُ اَنْ يُّوْقِعَ بَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَاءَ فِي الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ وَيَصُدَّكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللهِ وَعَنِ الصَّلٰوةِ فَهَلْ اَنْتُمْ مُّنْتَهُوْنَ. وَاَطِيْعُوا اللهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَاحْذَرُوْا فَاِنْ تَوَلَّيْتُمْ فَاعْلَمُوْا اَنَّمَا عَلٰى رَسُوْلِنَا الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ﴾ [المائدة:۹۲]

اے ایمان والو! بات یہی ہے کہ شراب اور جوا اور بت اور پانسے یہ سب گندے شیطانی کام ہیں، ان سے بالکل بچتے رہو تا کہ تم کو فلاح ونجات ہو۔ شیطان تو یہی چاہتا ہے کہ تم میں شراب وجوئے کے ذریعہ بغض وعداوت ڈالے اور روکے تمہیں اللہ کی یاد سے اور نماز سے کیا اب تم باز نہیں آؤ گے۔ اللہ ورسول کی اطاعت کرو اور (مخالفت سے) ڈرتے رہو اگر تم (اب بھی) اعراض کرو گے تو ہمارے رسول کے ذمہ صرف کھول کر پہنچا دینا ہے۔

دیکھئے اس آیت کریمہ میں شراب کی حرمت کس مؤثر انداز سے بیان فرمائی ہے کسی حرام اور ممنوع چیز کی حرمت کا اعلان اس انداز سے نہیں کیا گیا اور ساتھ ہی ساتھ ممانعت کی علت وحکمت بھی دینی ودنیوی دونوں پہلو سے بیان فرمادی، کسی تشریح وتفسیر کے بغیر صرف ترجمہ سمجھ کر اس آیت کو بار بار پڑھئے اور سوچئے کہ کتنا بلیغ پیرایہ بیان اختیار کیا گیا ہے، آیت کریمہ جن نکات پر مشتمل ہے ذیل میں اجمالاً اس کا ذکر کیا جاتا ہے:

① خمر ومیسر کی شناعت وقباحت کو محسوس کرانے کے لئے انصاب وازلام کے ساتھ ان کا ذکر کیا گیا یعنی بت پرستی کی قباحت جس طرح واضح ہے ٹھیک اسی طرح شراب نوشی کی شناعت بھی کھلی ہوئی ہے۔

(۱) كنز العمال، مسند عمر رضي الله عنه، حد الخمر ج:۵ ص:۶۹۲، ط: مؤسسة الرسالة بيروت

② رجس گندی چیز ہے قابل نفرت ہے ہر عقلمند کو نفرت کرنی چاہئے۔

③ شیطانی عمل ہے اس میں خیر کا نام تک نہیں نہ ہی خیر کی توقع رکھنی چاہئے۔

④ جب اتنی بری اور قبیح چیز ہے تو اس سے اجتناب چاہیے اس کے قریب بھی نہ جانا چاہیے۔

⑤ تمہاری فلاح دارین و بہبودی ہر پہلو سے اس سے بچنے پر موقوف ہے۔

⑥ خمر و میسر کے ذریعے شیطان مومنین کے قلوب میں بغض و عداوت پیدا کرتا ہے جن قلوب میں انتہائی محبت و مودت ہونی چاہیے شیطان اس کے ذریعے اس کو ختم کرنا چاہتا ہے۔

⑦ شراب نوشی اور جوئے کے سبب اللہ تعالیٰ کی یاد جو مسلمان کے لئے سب سے بڑی دولت ہے اس سے محرومی ہوتی ہے۔

⑧ نماز جیسی نعمت جو ایمان کی سب سے بڑی علامت ہے اور دین کی عمارت کا بنیادی ستون ہے اس سے شرابی غافل ہو جاتا ہے۔

⑨ اتنی محسوس واضح برائیوں کے بعد کیا ایمان والے شراب نوشی سے باز نہیں آئیں گے؟

کیا کوئی عاقل ان خرابیوں کے بعد اس معصیت کے ارتکاب کی جرأت کر سکتا ہے؟

⑩ کلمہ ''انما'' قواعد بلاغت کی رو سے اس لئے لایا گیا کہ ان حقائق کے بدیہی ہونے کا دعویٰ کیا جائے یعنی کسی عاقل کو شک وشبہ کی گنجائش ان میں نہیں یہ حقائق اتنے یقینی ہیں کہ ہر قسم کے شک وشبہ سے بالاتر ہیں، پھر اس حکم کے آخر میں اللہ ورسول کی اطاعت کا حکم دیا گیا تاکہ حجت پوری کر دی جائے کہ ان احکام کا ماننا فرض ہے پھر آخرت کے عذاب سے ڈرایا گیا اتنی صاف صریح ہدایات واحکام پر بھی اگر عمل نہ کریں تو پیغمبر اسلام کا منصبی فریضہ پورا ہو گیا۔

غور فرمایئے کہ حرمت کے اعلان کے لئے کتنا مؤثر وبلیغ طرز اختیار فرمایا گیا ہے ان حقائق کے بعد کتنا احمقانہ خیال ہے اور کتنا جاہلانہ تصور ہے کہ یہ کہا جائے کہ قرآن کریم نے نہ تو صریح حرام کا لفظ استعمال کیا ہے اور نہ ہی ان محرمات کا جہاں ذکر ہے وہاں بیان کیا ہے، اثم، رجس، اجتناب، انتہاء، عمل شیطان، سبب بغض وعداوت، نماز وذکر اللہ سے غفلت کا باعث وغیرہ وغیرہ تعبیرات سے کیا ایک لفظ حرام زیادہ مؤثر ہو سکتا ہے؟ کیا کسی چیز کی ممانعت کی ایک ہی تعبیر ہو سکتی ہے کل کو زنا کے بارے میں بھی کہا جائے گا کہ حرام کا لفظ کہاں ہے، وہاں تو صرف ''لا تقربو الزنا'' کا حکم ہے وغیرہ وغیرہ کیا اس قسم کے خرافات علمی دلائل کے سامنے کچھ وقعت رکھتے ہیں، بعض خرد باختہ اونچے منصب والوں سے میں نے خود سنا ہے کہ جس چیز میں حکومت کا انٹرسٹ ہو یا خارجی سیاست کا تقاضا ہو اس پر پابندی نہیں لگائی جا سکتی، انا للہ وانا الیہ راجعون، کیا ایسی باتیں بھی تبصرہ وتنقید کی محتاج ہیں۔

افسوس کہ ایسا دور آ گیا ہے کہ آج دین اسلام کے مسلمات دین محمدی کے مہمات اور ضروریات

وقطعیات شریعت اسلامیہ کے محاسن وکمالات بھی محل شبہات بن گئے، کیا ہماری اس اسلامی مملکت کے ارباب حل وعقد اور مشاورتی کونسل کے اراکین شعائر اسلام اور مسلمات دین میں اسی طرح اختلاف کرتے رہیں گے؟ اس کا حاصل تو یہی رہا کہ مسلمات میں شکوک پیدا کر کے فیصلہ شدہ احکام کو مجروح کر دیا جائے، کرنا کیا چاہئے تھا اور کر کر رہے ہیں؟ کیا شراب جیسی چیز جس کی حرمت دین اسلام کی قطعیات میں داخل ہے جس کی خرابیوں ونقصانات پر امریکہ ولندن میں کتابیں ومقالات لکھے جارہے ہیں، جس کے ضرر ونقصانات سے کافر بھی تنگ آ گئے ہیں اس ام الخبائث کی حلت پر غور کیا جارہا ہے؟ خدارا! اسلام پر رحم کیجئے، آپ کو اگر پینا ہے تو پیتے رہیئے، لیکن حرام کو حلال تو نہ بنایئے اور فسق سے نکل کر کفر کے دائرہ میں تو نہ آیئے، اور دین ودنیا کے دونوں وبال سے بچئے۔

[جمادی الاولی ۱۳۸۴ھ]

ہر کسے را بہر کارے ساختند

عن ابی ھریرۃ رضی اللہ عنہ قال بینما النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی مجلس یحدث القوم جاءہ اعرابی فقال: متی الساعۃ؟ فمضی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یحدث، قال: این السائل عن الساعۃ؟ قال: ھا انا یا رسول اللہ! قال: اذا ضیعت الامانۃ فانتظر الساعۃ فقال: کیف اضاعتھا؟ قال: اذا وسد الامر الی غیر اھلہ فانتظر الساعۃ۔(۱)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک مجلس میں تشریف فرما تھے حدیث بیان فرمارہے تھے، ایک اعرابی (دیہاتی) آیا پوچھا کہ قیامت کب ہوگی؟ آپ حدیث بیان کرنے میں مشغول تھے، جب فارغ ہوئے تو فرمایا کہ قیامت کا سوال کرنے والا کہاں ہے؟ سائل نے عرض کیا جی ہاں یا رسول اللہ میں حاضر ہوں، فرمایا: جب امانت (الٰہی) ضائع ہو جائے، قیامت کا انتظار کرو۔ سائل نے دریافت کیا کہ امانت کیونکر ضائع ہوگی؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب معاملات نااہلوں کے سپرد ہوں قیامت کا انتظار کرو۔

دیکھئے کیسا عجیب سوال وجواب ہے اور کتنا واضح وصاف بیان ہے اور کیسی روشن علامت بیان فرمائی ہے، دنیا کا نظام اسی طرح چلتا ہے کہ جو شخص جس کام کے لئے موزوں ہو اس کے لئے اسی کا انتخاب کیا جائے، صدر مملکت سے لے کر چپڑاسی وچوکیدار تک غور کر لیجئے، یہی قانون فطرت کارفرما ہے، یہی معقول وموزوں زندگی کا نظام ہے، دنیا کا صحیح نظم اسی وقت تک قائم رہے گا جب تک اس فطری وطبعی اور عقلی قانون پر عمل کیا جاتا رہے گا، جب اس قانون کے خلاف کیا جائے گا، نظم ونسق میں خلل واقع ہوگا، حکیم وطبیب کا کام انجینئر کے کسی نے سپرد نہیں

(۱) صحیح البخاری، کتاب العلم، باب فضل العلم ج:۱ ص:۱۴، ط: قدیمی

کیا، کسی منطقی و فلسفی یا ریاضی کے استاذ کو فقہ و حدیث کا درس کسی نے حوالہ نہیں کیا، کسی ادیب یا شاعر کو ہیئت و ہندسہ کا درس حوالہ نہیں کیا جا سکتا۔ اسی طرح میدان جنگ میں قیادت افواج کا کام کسی فلسفی مفکر کے کسی نے حوالہ نہیں کیا ''ہر کسے را بہر کارے ساختند'' مثل مشہور ہے۔ حضرت رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کبار میں بھی یہ صلاحیتوں کا تنوع واختلاف واضح تھا جو کام حضرت خالد بن الولید رضی اللہ عنہ کا تھا ابوذر غفاری ؓ سے نہیں لیا گیا۔ یہ جامعیت کبریٰ تو صرف حضرت خاتم الانبیاء سید المرسلین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات ستودہ صفات میں ہی پیدا فرما کر اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت کاملہ کا کرشمہ دکھلایا تھا اور سارے کمالات علمیہ وعملیہ آپ کی ذات گرامی میں جمع کر دیئے تھے، آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری۔

ان حقائق کی روشنی میں مندرجہ ذیل خبر ملاحظہ فرمائیے:

''اسلام کی تعبیر وتشریح کی ذمہ داری کسی مخصوص گروہ کو نہیں سونپی جاسکتی''۔

وزیر قانون شیخ خورشید احمد کی تقریر:

پشاور ١٢/اکتوبر (اپ پ اپ پ) مرکزی وزیر قانون شیخ خورشید احمد نے آج ہائی کورٹ اور ڈسٹرکٹ بار ایسوسی ایشن کے ممبروں کو خطاب کرتے ہوئے ایک سوال کے جواب میں کہا:

''اسلام کی تعبیر وتشریح کا کام کسی ایک مخصوص گروہ کو نہیں سونپا جاسکتا اس لئے یہ ذمہ داری قانون سازوں کے سپرد کی گئی ہے جو منتخب نمائندوں کی حیثیت سے عوام کے ضمیر کے نگہبان اور محافظ ہیں''۔

تعجب کی کیا بات ہے؟ اب بھی اگر قیامت کے قرب کا آپ کو یقین نہیں آئے تو کب آئے گا، وزیر قانون کے بارے میں سنی سنائی باتوں کی بنا پر ہمیں عقیدت تھی کہ اس دور میں اور موجودہ نظام میں ان کا وجود پھر بھی غنیمت ہے، لیکن افسوس ''خود غلط بود آنچہ ماپنداشتیم'' قرآن کریم اور احادیث نبویہ جو دین اسلام کے دو بنیادی ستون ہیں ان کے حقائق اور فقہی مسائل کے استنباط کے لئے تو کبار صحابہؓ میں بھی چند خاص خاص شخصیتیں متعین تھیں، عام صحابہ کی دسترس سے بھی یہ حقائق بالاتر تھے۔ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ جیسی شخصیت قرآن کریم میں اپنی رائے سے کوئی بات بیان کرنے سے گھبرایا کرتے تھے اور فرماتے تھے:

" ای سماء تظلنی وای ارض تقلنی اذا قلت فی کتاب اللہ برأیی "(١)

کس آسمان کے زیر سایہ اور کس روئے زمین پر میں رہ سکوں گا جب اللہ کی کتاب میں اپنی رائے کو دخل دینے لگوں گا۔

---

(١) الاتقان فی علوم القرآن للسیوطی، النوع السادس والثلاثون فی معرفة غریبه ج:١ ص:٣٠٤، ط: بیروت. البرهان فی علوم القرآن للزرکشی، فی معرفة غریبه ج:١ ص:٢٩٥، ط: دارالمعرفة بیروت.
کنز العمال، فصل فی حقوق القرآن ج:٢ ص:٤٤٥، ط: مؤسسة الرسالة بیروت

قرآن کریم واحادیث نبویہ وفقہ اسلامی میں جن کی زندگیاں گذری ہیں اگر وہ ان کا حق ادا کرسکیں تب بھی غنیمت ہے لیکن اگر یہ مخصوص گروہ بھی اس عظیم کام سے علیحدہ کردیا جائے تو پھر کیا رہے گا؟ کار طفلاں تمام خواہد شد۔

آخر جب کوئی حکومت قانون بناتی ہے یا قانون کی تعبیر وتشریح میں کوئی اختلاف ہوجاتا ہے تو ماہرین قانون ہی کی خدمات حاصل کرتی ہے؟ تو اگر انسانی دماغوں کے ساختہ پرداختہ قوانین کی تعبیر وتشریح کے لئے ماہرین کی ضرورت ہے تو احکم الحاکمین کے قوانین کے لئے ماہرین قانون اسلامی سے کیوں کر استغنا ہوسکتا ہے؟

میں اس سلسلہ میں لائق احترام وزیر قانون موصوف کو چند قطعی اور یقینی امور کی طرف متوجہ کرنا اور اس کے بعد چند اہم سوالات کرنا چاہتا ہوں امید ہے کہ موصوف ان امور پر توجہ فرمائیں گے اور ان سوالات کے جوابات ایک بیان کی صورت میں دیں گے:

① تیرہ سوسال سے امت کا اس پر اتفاق واجماع ہے کہ اسلام اتنا کامل واکمل اور ایسا واضح وروشن مذہب ہے کہ وہ کسی کی تعبیر وتشریح کا محتاج نہیں، اسلام کی تعبیر وتشریح کا نام اور اس کام کو کسی کے سپرد کرنے کا سوال صرف انہی لوگوں کی زبان پر آتا ہے جو اسلام کو اپنی اغراض وخواہشات کے ڈھانچہ میں ڈھالنا چاہتے ہیں ورنہ امت مسلمہ تو تیرہ سوسال سے بغیر کسی کی تعبیر وتشریح کے علی وجہ البصیرت اسلام کو جانتی پہچانتی اور اس کے احکام پر عمل کررہی ہے۔

② ایسے جزوی حوادث ومسائل جو زمانے کے ساتھ بدلتے اور نو بنو وجود میں آتے رہتے ہیں ان کے متعلق اسلام کا قطعی اور اساسی اصول شارع علیہ الصلاۃ والسلام نے حسب ذیل بیان فرمایا ہے:

عن علیؓ قال: قلت یارسول الله! ان نزل بنا امر لیس فیه امر ولا نهی فما تامرنی؟ قال: "شاوروا فیه الفقهاء والعابدین ولا تمضوا فیه رأی خاصة" (١)،

رواه الطبرانی فی الاوسط ورجاله موثقون من اهل الصحیح

حضرت علی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے عرض کیا: یارسول اللہ! اگر کوئی ایسا مسئلہ پیش آئے جس میں کوئی واضح بیان (نص کتاب وسنت) موجود نہ ہو نہ امر (حکم) ہو نہ نہی (ممانعت) ہو، ایسے مسئلہ کے بارے میں آپ ہمیں کیا حکم دیتے ہیں (ہم کیا کریں)؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ایسے مسائل میں تم فقہاء اور عبادت گذاروں سے مشورہ کیا کرو اور کسی بھی شخصی رائے سے ان کو طے نہ کیا کرو۔

سوال: لائق احترام وزیر قانون سے میں دریافت کرتا ہوں کہ:

---

(١) المعجم الاوسط للطبرانی ج:٢ ص:١٧٢، ط: دار الحرمین القاهرة.
مجمع الزوائد ج:١ ص:٢١٧، ط: دار الفکر بیروت

راحت میسر آتی ،ملعون زندگی ،ملعون معاشرہ اور ظلم وستم کی گرم بازاری یک قلم ختم ہوجاتی اور حق تعالیٰ کے ارشاد:

﴿وَلَوْ اَنَّ اَهْلَ الْقُرٰی اٰمَنُوْا وَاتَّقَوْا لَفَتَحْنَا عَلَيْهِمْ بَرَكٰتٍ مِّنَ السَّمَاءِ وَالْاَرْضِ﴾ [الاعراف:۹٦]

اور اگر بستیوں والے ایمان لاتے اور تقویٰ اختیار کرتے تو ہم ان پر آسمان وزمین کی برکتوں کے دروازے کھول دیتے۔

کے مطابق برکات وتجلیات کا ظہور ہوتا اور ہر طرف اسلام کے روح پرور نظارے سامنے آتے۔

مگر ہم شکر نعمت. کے راستہ کو چھوڑ کر خدا فراموش قوموں کے راستے پر چلے قرارداد مقاصد اور پھر ۱۹۵٦ء کے دستور میں فیصلہ ہوا تھا کہ ملک کا قانون کتاب وسنت کی مطابق ہوگا کیا آج تک اس وعدہ کے ایفاء کی توفیق ہوئی؟ یہاں حکومتوں پر حکومتیں بدلیں ،کئی حکمران آئے اور گئے مگران سب میں قدر مشترک یہ تھی کہ ہر حکمران اپنے دور اقتدار میں اس سے پہلوتہی کرتا رہا اور اس کے نتائج ہمارے سامنے آتے رہے۔

یہ ٹھیک ہے کہ ہمارا ملک تجارت کی لائن میں کچھ آگے بڑھا ،زراعت کے شعبہ میں کچھ ترقی ہوئی ،نادار اور متوسط طبقہ کے کچھ لوگ مالدار ہو گئے ،کچھ جھونپڑیوں کے مکین بنگلہ نشین ہو گئے ،کچھ بے روزگار افراد کو نوکری اور روزگار مل گیا مگر کیا کسی اسلامی حکومت کا اہم کارنامہ بس یہی ہے جس پر فخر کیا جائے۔

اسلام کو چھوڑ کر مادی اسباب اختیار کرنے کا خمیازہ

دین کو چھوڑ کر ہمارے یہاں مادی ترقی کے لئے جو راستہ اختیار کیا گیا وہ ہلاکت و بربادی اور فساد وخون ریزی کی مہیب وتاریک وادیوں پر جا کر ختم ہوا ،مال ودولت کی اندھی محبت ،استحصال کے غلط طریقوں ،متمول طبقہ کی ستم رانیوں ،دولت کی غیر منصفانہ تقسیم اور ہمارے بزرجمہروں کی مصنوعی منصوبہ بندی نے معاشرے میں زمین وآسمان کا معاشی تفاوت پیدا کر دیا اس کے رد عمل میں طبقاتی کشمکش پیدا ہوئی جس نے بالآخر مجیب ،بھاشانی اور بھٹو کی شکل اختیار کی اور دیکھتے ہی دیکھتے قوم کے امن وسکون کو نذر آتش اور ملک کو سنگین بحران سے دو چار کر دیا ، ہماری فہم وفراست کو داد دینی چاہیے کہ ہم تباہی کے اسی راستے پر اب تک دوڑے چلے جارہے ہیں اور کسی کو یہ سوچنے کی توفیق نہیں ہوتی کہ ہماری غلط روی کا نقطہ آغاز کیا ہے اور اس کا انجام کیا ہوگا؟

ہم تو یہ سمجھتے ہیں اور ایسا سمجھنے میں حق بجانب ہیں کہ اگر ہمارے ملک میں موجودہ دنیا کی چہل پہل نہ بھی ہوتی ،عصر حاضر کے تمدن کی یہ رعنائیاں اور عقل فریبیاں نہ بھی ہوتیں ،یہ بڑے بڑے بینک ،یہ بڑے بڑے کارخانہ اور انڈسٹریاں ،یہ دیو قامت محلات ،یہ حسین وجمیل کاریں نہ بھی ہوتیں بلکہ یہاں صرف صحیح مسلمان ہوتے ،صحیح اسلامی معاشرہ ہوتا ،رشوت کی گرم بازاری نہ ہوتی ،قتل وسفا کی بے رحمانہ ومجرمانہ وارداتیں نہ ہوتیں ،

اختیار کر کے اس فتنہ کی حمایت کی جارہی ہے، جہاں جہاں اسلام پسند طبقوں نے اس طرح کا دھوکہ کھایا ہے آج وہاں نہ وہ اسلام پسند موجود ہیں اور نہ وہاں اللہ کا نام لینے والا کوئی باقی ہے، اینگلو امریکی سامراج کے لائے ہوئے سرمایہ دارانہ نظام کی مخالفت اور معاشی انصاف اور عدل عمرانی کے قیام کے لئے اسلام کا لفظ اختیار کرنا کافی ووافی ہے اگر اس پرفریب اصطلاح سے کلی طور پر اجتناب نہ کیا گیا تو اندیشہ ہے کہ ملحد و بے دین طبقہ اسلام کی آڑ لے کر ماؤزے تنگ کا لادینی نظام قائم کر لے گا ہماری نظر میں یہ مسئلہ صرف پاکستان ہی کی موت وزیست کا مسئلہ نہیں ہے بلکہ اس ملک میں اسلام کی بقاء اور عدم بقاء کا مسئلہ بھی ہے، اس لئے سوشلزم اور اسلامی سوشلزم کی مخالفت ہمارا ایمان ہے اور جس طرح سرمایہ دارانہ نظام کے خلاف جہاد کرنا فرض ہے اسی طرح سوشلزم اور اسلامی سوشلزم کے خلاف جہاد کرنا بھی وقت کا سب سے بڑا فریضہ ہے، اس فتنہ کی سرپرستی خواہ کوئی فرد کرے یا کوئی جماعت اور گروہ دیوبندی، بریلوی، شیعہ، سنی، مقلد اور اہل حدیث سب کو مل کر اس لادینی فتنہ کی مخالفت اور اس کے خلاف جہاد کرنا ناگریز اور ضروری ہے۔ والسلام

(مولانا) احتشام الحق تھانوی

[رجب المرجب ۱۳۸۹ھ - اکتوبر ۱۹۶۹ء]

نعمت خداوندی پاکستان اور اس نعمت کا شکر ادا کرنے کا طریقہ

اس حقیقت کا اظہار بار بار کیا گیا کہ مملکت خداداد پاکستان حق تعالیٰ کی ایک بڑی نعمت ہے، جو شدید و مدید ابتلاء کے بعد عطا ہوئی ہے، قانون الٰہی یہ ہے کہ اگر نعمت کا شکر ادا کیا جائے تو نعمت میں روز افزوں ترقی ہوتی ہے اور ناشکری پر زوال ہی کا نہیں بلکہ انتقام کا بھی خطرہ لاحق رہتا ہے۔ جو فرد یا قوم کسی نعمت کے استعمال اور اس کا شکر ادا کرنے میں نااہل ثابت ہو اس سے نہ صرف یہ کہ وہ نعمت سلب کر لی جاتی ہے بلکہ اس بے قدری نعمت پر اسے ذلیل ورسوا بھی کیا جاتا ہے:

﴿وَلَئِن كَفَرْتُمْ إِنَّ عَذَابِي لَشَدِيدٌ﴾ [ابراھیم:۷]

اس نعمت الٰہی کا شکر یہ تھا کہ یہاں ایک خداترس اور صالح حکومت قائم ہوتی جو ملک وملت کی بے لوث خدمات انجام دیتی، قانون الٰہی کے سایہ رحمت میں یہاں ایک صالح معاشرہ تشکیل پاتا جو اقوام عالم کے سامنے اسلام کے مثالی معاشرہ کا نمونہ پیش کرتا، یہاں اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ شریعت کو نافذ کیا جاتا جو اس کائنات کے لئے حق تعالیٰ کی آخری نعمت انتہائی رحمت نجات وفلاح کا آخری پیغام اور سعادت دارین کا واحد راستہ ہے، ہماری عدالتیں عدالت نبوت سے منور ہوتیں، قانون الٰہی کے سایہ رحمت تلے پوری قوم چین کی زندگی بسر کرتی، فوج ہو یا پولیس، دفتر ہو یا دکان، کارخانہ ہو یا تجارت ہر طرف اسلامی قانون کے انوار جگمگاتے، قلب کو سکون اور دماغ کو

جمعیت علماء اسلام کے اجلاس منعقدہ ملتان میں اس امر کا اعلان کیا گیا تھا کہ اب پاکستان بن جانے کے بعد اسلامی خطوط پر اس کی تعمیر کا مسئلہ ہے، لہٰذا کانگریسی اور غیر کانگریسی کا امتیاز ختم کر دینا چاہئے حضرت مولانا احمد علی صاحب لاہوری نے مجھے جمعیت علماء اسلام کا ناظم اعلیٰ مقرر فرمایا تھا مگر میں نے بچند وجوہ کنارہ کشی کا فیصلہ کر لیا تھا اس لئے بار بار اصرار کے باوجود میں نے مولانا احمد علی صاحب لاہوری سے معذرت ظاہر کر کے معافی مانگ لی تھی، اگر کانگریسی اور غیر کانگریسی کی تفریق میرے گوشۂ خیال میں ہوتی تو دستوری نکات ترتیب دینے کے سلسلہ میں ہر مکتب فکر کے علماء کے اجتماع میں مولانا احمد علی صاحب لاہوری اور مولانا محمد علی صاحب جالندھری، مولانا محمد یوسف صاحب بنوری اور مولانا مودودی صاحب کو کیوں شریک کرتا وہ اجتماع میری اور صرف میری رائے سے ہوا تھا جس کا مطلب یہ ہے کہ تعمیر پاکستان کے مسئلہ میں کانگریسی اور غیر کانگریسی کا امتیاز کبھی میرے وہم وگمان میں بھی نہیں رہا۔

سابق صدر ایوب خان نے اپنی خانہ ساز کتاب میں پاکستان کی مخالفت کے سلسلہ میں جن کانگریسی علماء کا اور مولانا مودودی صاحب کا تذکرہ کیا ہے وہ بھی میری نظر میں خلاف واقعہ اور بے بنیاد ہے جس کا اظہار میں نے بارہا اپنی تقریروں میں کیا ہے، کیونکہ کانگریسی علماء کا اختلاف جس فارمولے پر مبنی تھا وہ مسلمانوں کے مستقبل کے اعتبار سے مخلصانہ اور ان کے نقطہ نظر سے نیک نیتی سے متعلق تھا اور مولانا مودودی صاحب نے تحریک پاکستان کی جس قیادت پر عدم اعتماد کا اظہار کیا تھا وہ بھی کچھ زیادہ غیر واقعی نہ تھا اور اگر پاکستان قرآن وسنت کی حکومت قائم کرنے میں کامیاب نہ ہو تو تحریک پاکستان سے اختلاف کے اسباب اور وجوہ غلط نہیں قرار دیئے جاسکتے، اگر اسلامی حکومت کے نصب العین میں پاکستان کامیاب ہو جاتا ہے تو تحریک پاکستان سے متعلق تمام اختلافات کو بے بنیاد غیر صحیح اور توہمات کا درجہ دیا جاسکتا ہے۔ پھر غاصبانہ کا الزام میری طرف سے اس وقت صحیح ہوگا جب میں جمعیت علماء اسلام کا دعویدار ہوتا، مولانا احمد علی صاحب لاہوری رحمۃ اللہ علیہ نے وصال سے کچھ روز قبل علالت کی حالت میں عمرہ کے لئے جاتے ہوئے غریب خانے پر تشریف لا کر فرمایا تھا کہ میری انتہائی خواہش ہے کہ آپ جمعیت علماء اسلام کو سنبھالیں، میں نے اس وقت غایت ادب سے عرض کیا تھا جی بہتر ہے۔

پھر مولانا غلام غوث ہزاروی اور مفتی محمود صاحب دونوں حضرات نے مولانا عبداللہ صاحب درخواستی کا استخارہ بیان کرتے ہوئے مجھے جمعیت علماء اسلام کے لئے فرمایا میں نے معذرت پیش کر دی تو ایسی صورت میں میری طرف سے قبضہ غاصبانہ کا الزام دینے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

مجھے نہ کانگریسی علماء سے اختلاف ہے اور نہ جمعیت علماء اسلام کی موجودہ قیادت سے بلکہ اصل اختلاف اس عالمگیر اور اسلام کش فتنہ سے ہے جو کمیونزم اور سوشلزم کے نام سے ہمارے ملک میں سر اٹھا رہا ہے اور جمعیت علماء اسلام کے پلیٹ فارم سے یا اس کے اخبار ترجمان اسلام سے اسلامی سوشلزم کی پرفریب مگر مہلک اصطلاح

عظمت واحترام کے بھی منافی ہیں جو تحریک پاکستان کے مسئلہ میں اختلاف کے باوجود ان اکابر ملت کے لئے میرے دل میں ہمیشہ سے ہے۔

اخبار جہاں کے انٹرویو کی صورت یہ ہوئی کہ ۱۲ر جون بروز جمعرات صبح دس بجے اسلامیہ کالج کراچی میں طلبہ کی جانب سے سیرۃ النبی کا ایک جلسہ تھا اور یہ تاریخ ایک ہفتہ پہلے سے میری ڈائری میں درج تھی ۱۱ر جون بروز بدھ صرف ایک روز پہلے اخبار جہاں کے دفتر سے فون آیا کہ اس کے نمائندے کل صبح انٹرویو لینے کے لئے آنا چاہتے ہیں میں نے ڈائری کا پروگرام دیکھ کر بتادیا کہ دس بجے مجھے اسلامیہ کالج کے جلسہ میں جانا ہے اگر آپ آنا چاہیں تو ۹ بجے صبح آجائیں لیکن اخبار جہاں کے نمائندے ساڑھے نو بجے کے بعد میرے پاس پہنچے، انٹرویو دیتے ہوئے پندرہ بیس منٹ ہی گذرے تھے کہ اسلامیہ کالج کے طلبہ مجھے لینے کے لئے آئے، میں نے اخبار جہاں کے نمائندے سے معذرت کی کہ کسی دوسرے وقت آپ تشریف لائیں انٹرویو کا باقی حصہ میں مکمل کرادوں گا مگر وہ نہیں مانے اور کہنے لگے کہ آپ میرے چند سوالات کے جوابات ہاں یا نہیں میں مختصراً دے دیجئے، میں انہیں اپنے الفاظ میں پھیلا کر لکھ لوں گا، چنانچہ ان سوالات میں سے ایک سوال یہ بھی تھا کہ جمعیت علماء اسلام مغربی پاکستان کے موجودہ عہدے دار کیا پاکستان کی تحریک میں شامل تھے میں نے جواب دیا نہیں، بلکہ ان حضرات کو تحریک پاکستان سے اختلاف تھا اور اسی اختلاف کی بنا پر مولانا شبیر احمد صاحب عثمانی رحمۃ اللہ علیہ نے جمعیت علماء اسلام کی تشکیل فرمائی تھی۔ دوسرا سوال یہ تھا کیا مولانا شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھی رفقاء کی یہ ذمہ داری نہیں ہے کہ وہ میدان میں آکر نظریہ پاکستان کی حفاظت کریں؟ میں نے جواب دیا بے شک یہ رفقاء کی ذمہ داری ہے اور مولانا ظفر احمد عثمانی جو مولانا شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ کے قریبی اور ہم عصر ساتھی ہیں انہیں اس میں پہل کرنی چاہیے۔ یہ وہ مجمل جوابات ہیں جن کا پھیلاؤ انٹرویو ترتیب دینے والے صاحب نے اپنے الفاظ اور اپنی عبارت میں کیا، غاصبانہ قبضہ، کانگریسی علماء، پاکستان دشمن وغیرہ جیسے الفاظ بائیس سال کے عرصہ میں کبھی کسی نے میری زبان سے نہ سنے ہوں گے اور نہ میں ایسی تلخ گوئی کا عادی ہوں۔

تحریک پاکستان سے اختلاف کی وضاحت چاند کے مسئلہ میں نظر بندی سے رہائی کے بعد لاہور کے استقبالیہ کی تقریر میں کر چکا ہوں جس کی صدارت استاذ العلماء حضرت مولانا رسول خاں صاحب نے کی تھی اور اس میں مولانا ابوالاعلیٰ مودودی صاحب بھی شریک تھے، اسی طرح کی وضاحت دو سال پہلے ڈیرہ غازی خان کی ایک تقریر میں بھی کر چکا ہوں جس کی بناء پر حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ کے بعض متوسلین نے یہ خیال ظاہر کیا تھا کہ میں اپنے خیالات ضبط تحریر میں لاکر شائع کرادوں، کانگریسی علماء اور قبضہ غاصبانہ الفاظ بھی میرے نہیں ہیں بلکہ مفہوم میرا ہے یعنی یہ کہ یہ حضرات تحریک پاکستان سے اختلاف رکھتے تھے پھر پاکستان بننے کے بعد ان حضرات نے جمعیت علماء اسلام کی تنظیم کو اپنا لیا ہے۔

مولانا احتشام الحق صاحب تھانوی کا ''اخبار جہاں''میں ایک انٹرویو شائع ہوا تھا جس نے دراصل اختلاف کی خلیج کو وسیع بنایا تھا، جمعیۃ علماء اسلام کی شوریٰ کا اجلاس لاہور میں ہو رہا تھا کہ وہ بیان سامنے آیا مولانا مفتی محمود صاحب نے ٹیلیفون پر مجھ سے اس بیان کے بارے میں دریافت کیا کہ اگر واقعی مولانا احتشام الحق صاحب نے یہ بیان دیا ہو تو ہم اس کا جواب لکھیں ورنہ مولانا موصوف اس کی تردید فرمائیں، اسی وقت میں نے مولانا احتشام الحق صاحب سے ٹیلیفون پر رابطہ قائم کرنے کی کوشش کی لیکن مولانا سے رابطہ قائم نہ ہو سکا، تاہم میں نے جمعیۃ علماء والوں کو اس کے خلاف بیان دینے سے روک دیا اس کے بعد مولانا احتشام الحق صاحب ڈھاکہ چلے گئے واپسی پر ملاقات ہوئی دوران گفتگو اس کا ذکر آیا تو مولانا نے فرمایا کہ: وہ الفاظ میرے نہیں ہیں، چنانچہ انہوں نے اس کی تردید میں ایک سائل کے جواب میں تحریر سنائی اور اس کی ایک کاپی بغرض اشاعت مجھے دی، میرا خیال ہوا کہ خود جمعیۃ علماء اسلام ہی اس کو شائع کرے تو بہتر ہوگا لیکن مفتی محمود صاحب کوئٹہ گئے ہوئے تھے، مولانا ہزاروی سے رابطہ قائم نہ ہو سکا اس لئے اس تردید کی اشاعت بروقت نہ ہو سکی اور فریقین کے بیانات اخبارات میں آنے شروع ہو گئے، اس لئے اب سب کی رائے ہوئی کہ وہ اصلی بیان شائع کر دیا جائے کہ فی الجملہ بعض بنیادی غلط فہمیاں دور ہو جائیں مولانا احتشام الحق کا وہ مکتوب حسب ذیل ہے:

۲۳؍جولائی ۱۹۶۹ء

محترم گرامی قدر جناب محمد حسین صاحب

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

مشرقی پاکستان کے پندرہ روزہ دورے سے واپسی پر آپ کا ملفوف مراسلہ اور اشتہار دونوں میری نظر سے گذرے اسی قسم کے کچھ اور خطوط بھی اس سے پہلے مجھے موصول ہوئے تھے جن میں معاندانہ اور مفسدانہ انداز اختیار کیا گیا تھا اس لئے میں نے ان کو قابل خطاب نہیں سمجھا اور خاموشی اختیار کی لیکن آپ کی تحریر سے اخلاص اور ادب کا اندازہ کر کے میں نے مناسب سمجھا کہ آپ کو صورت حال سے مطلع کر دوں۔

اشتہار کے صفحہ ۳؍و صفحہ ۴؍ پر جو عبارتیں نقل کی گئی ہیں ان میں سے صفحہ ۴؍ کی عبارت کا تعلق مفتی محمد شفیع صاحب سے ہے اور میرے افکار و خیالات کا اس سے کوئی تعلق نہیں ہے، البتہ صفحہ ۳؍ پر جو عبارت نقل کی گئی ہے وہ اخبار جہاں کے انٹرویو کا اقتباس ہے جس میں الفاظ اور عبارت انٹرویو کے ترتیب دینے والے صاحب کے ہیں اور مفہوم تقریباً میرا ہے، الفاظ اور عبارت سے عام تاثر یہ ہوتا ہے کہ میں نے تحریک پاکستان سے اختلاف رکھنے والوں کو پاکستان دشمن قرار دیا جبکہ ان میں حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ جیسے اکابر امت بھی شامل تھے اور دوسرا تاثر یہ ہوتا ہے کہ میں اس مبینہ اختلاف کو آڑ بنا کر جمعیت علماء اسلام مغربی پاکستان کی مخالفت کرنا چاہتا ہوں حالانکہ یہ دونوں تاثرات نہ صرف یہ کہ بے اصل اور بے سروپا ہیں بلکہ میری اپنی افتاد طبع کے بھی خلاف ہیں اور اس

اہم تدبیر ہے کہ اس معاہدہ کے ذریعے یہ راستہ روک دیا جائے اور لیبر یونین کو سوشلزم کے بجائے خالص اسلامی معاشی نظام کے جھنڈے کے نیچے لاکر کھڑا کر دیا جائے۔ ۵۰ رلاکھ مزدوروں کو چند گمراہ لیڈروں کی گود میں کیسے چھوڑا جاسکتا ہے اگر چہ ان کی اپنی پرانی تنظیم ہے لیکن ان میں نفوذ کا بھی راستہ کھلا ہے، علاوہ ازیں یہ ان کی آخری رائے نہیں ہے، ۲۶ رستمبر کو سرگودھا میں شوریٰ کے اجلاس میں یہ مسئلہ پیش ہوگا ہوسکتا ہے کہ بجائے توثیق کے تنسیخ ہوجائے، دوسرے فریق کا خیال تھا کہ اصولاً یہ تو صحیح ہے کہ لیبر یونین کی اصلاح کی ضرورت ہے اور سیاسی اعتبار سے بھی یہ صحیح ہے لیکن طریقہ کار جو اختیار کیا گیا ہے غلط ہے ان کو اپنی جماعت میں آنے کی دعوت دینا چاہیے تاکہ وہ تابع ہوکر آئیں موجودہ صورت حال میں خطرہ ہے کہ علماء ان میں مدغم ہوکر اپنے مستقل وجود کو ختم کر دیں گے بہر حال یہ اختلاف رائے باقی رہا اور اس مسئلہ میں اتفاق نہ ہوسکا۔

میرے نزدیک فریقین کا اتفاق بے حد ضروری تھا اس لئے کہ اس میں شک نہیں کہ اس ظاہری اور غیر اصولی اختلاف رائے کو خود غرض حضرات ہوا دے کر اصولی اختلاف بنانے اور فتنہ انگیز عواقب و نتائج پیدا کرنے کی کوشش کریں گے۔ میری رائے میں علماء کا اتحاد و اتفاق لیبر یونین کے معاہدے سے زیادہ قیمتی تھا، میرے نزدیک تو اگر کوئی ایک فریق اپنے محاذ کو چھوڑ کر دوسرے فریق کو ذمہ داری سپرد کر دیتا تو افتراق سے بدرجہا بہتر تھا، لیکن یہ آرزو پوری نہ ہوسکی تاہم جانبین ایک دوسرے کے بہت قریب آگئے اور باہمی مباحثہ و گفتگو سے بہت سی غلط فہمیاں دور ہوگئیں اور حسب ذیل بیان مرتب کر کے فریقین کے دستخط ہوگئے بیان کا مسودہ یہ ہے:

کچھ روز سے بعض اخباری بیانات اور اسلام دشمن عناصر کی ریشہ دوانیوں سے جمعیت علماء اسلام کے رہنماؤں کے مابین جو اختلافات اور کشیدگی پیدا ہوگئی ہے اس کو دور کرنے اور باہم ایک دوسرے سے قریب کرنے کے لئے مولانا مفتی محمد شفیع صاحب، مولانا محمد یوسف بنوری صاحب، مولانا اطہر علی صاحب، مولانا عبدالحق صاحب حقانی اور مولانا احتشام الحق صاحب تھانوی پر مشتمل ایک کمیٹی مفتی محمود صاحب اور مولانا غلام غوث ہزاروی صاحب کی منظوری سے قائم کی گئی ہے، یہ کمیٹی مفاہمت اور مصالحت کے مذاکرات جاری رکھے گی، سردست اس کمیٹی کے ارکان اور مفتی محمود صاحب و مولانا غلام غوث ہزاروی صاحب نے بالاتفاق اعلان کیا ہے کہ مفاہمت کی گفتگو جاری ہے فریقین میں سے ہر ایک اپنے اپنے کام کو جاری رکھتے ہوئے کسی دوسرے پر تقریروں میں یا اخباری بیانات میں حملے نہ کریں اور ہر فریق دوسرے کا احترام باقی رکھے۔

① مولانا مفتی محمد شفیع صاحب
② مولانا محمد یوسف صاحب بنوری
③ مولانا احتشام الحق صاحب تھانوی
④ مولانا مفتی محمود صاحب
⑤ مولانا غلام غوث ہزاروی صاحب
⑥ مولانا عبدالحق صاحب حقانی اکوڑہ
⑦ مولانا اطہر علی صاحب کشور گنج مشرقی پاکستان۔

جمعیۃ علماء اسلام اور مولانا احتشام الحق تھانوی

۲ راگست ۱۹۶۹ء کو کراچی میں حضرت مولانا ظفر احمد صاحب عثمانی اور حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب کی رہنمائی میں کل مرکزی جمعیۃ علماء اسلام کی جدید تشکیل وجود میں آئی، مشرقی پاکستان کی چند مشہور شخصیتیں بھی مندوبین میں شامل تھیں، ۲۲ راگست ۶۹ء کو سکھر میں وفاق المدارس العربیۃ کا اجلاس تھا اور سندھ کے تقریباً تیس چالیس مدارس دینیہ نے وفاق سے الحاق کا ارادہ کیا تھا اس لئے میرا سکھر جانا ضروری تھا جمعیۃ علماء کے اجلاس میں شریک نہ ہوسکا۔

۲۴ رکی شام کو میرے نام حضرت مولانا اطہر علی صاحب کا تار ملتان پہنچا جس کی اطلاع بذریعہ ٹیلیفون مجھے لاہور ملی کہ تم جلد سے جلد کراچی پہنچو اور مولانا عبدالحق صاحب دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ کو بھی دعوت دو اور ہوسکے تو مولانا شمس الحق افغانی کو بھی دعوت دو اور دونوں جماعتوں میں مصالحت کی کوشش کرو چند اور حضرات کو بھی دعوت دی گئی تھی اور مولانا مفتی محمود صاحب اور مولانا غلام غوث ہزاروی کو بھی مدعو کیا گیا تھا، ٹیلیفون پر سب حضرات سے رابطہ قائم کیا گیا اور طے پایا کہ ۳۰ راگست ۶۹ء کراچی پہنچ کر مفاہمت ومصالحت کی کوشش کی جائے گی اور سب حضرات کی خدمت میں گذارش کی گئی کہ اس عرصہ میں کوئی فریق پریس یا اخبارات میں دوسرے فریق کے خلاف بیان نہ دے، چنانچہ حسب وعدہ راقم الحروف اور بقیہ حضرات بھی ۳۰ راگست کو کراچی پہنچ گئے، اتوار ۳۱ راگست کو پہلے مدرسہ عربیہ اسلامیہ میں پھر حضرت مولانا احتشام الحق تھانوی کے یہاں جیکب لائن میں پھر حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب کے یہاں دارالعلوم کورنگی میں اجتماعات جاری رہے، آخری اجتماع یکم ستمبر کو صبح مولانا احتشام الحق صاحب کے یہاں رکھا گیا جس میں حسب ذیل حضرات شریک رہے:

① حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب
② حضرت مولانا احتشام الحق صاحب
③ مولانا غلام غوث صاحب
④ مولانا مفتی محمود صاحب
⑤ مولانا عبدالحق حقانیہ والے
⑥ حضرت مولانا اطہر علی صاحب (مشرقی پاکستان)
⑦ اور راقم الحروف۔

بحث وتمحیص کے بعد یہ بات صاف ہوئی کہ الحمد للہ دونوں فریق کے درمیان کوئی اصولی اختلاف نہیں ہے، سوشلزم یا کمیونزم کے سیلاب کو روکنے کے لئے مشترکہ جدوجہد ضروری ہے اور اس کی مخالفت میں فریقین کے درمیان مطلق کوئی اختلاف نہیں نیز یہ کہ سرمایہ دارانہ نظام بھی قطعاً اسلامی روح کے منافی ہے اس پر بھی اتفاق رائے تھا، خلاف کا آخری نقطہ وہ معاہدہ تھا جو جمعیۃ علماء اسلام نے لیبر یونین سے کیا تھا جمعیۃ علماء اسلام کا نظریہ یہ تھا کہ سوشلزم کا دروازہ بھی لیبر یونین ہے جب بھی سوشلزم اس ملک میں آئے گا اسی راستہ سے آئے گا اس لئے یہ ایک

کے محکمہ سے منسلک ائمہ مساجد وخطباء ہی مدعوین ومندوبین ہیں، مجلس مذاکرہ علمی حیثیت سے بہت کمزور تھی دو تین مقالوں کے علاوہ اور کسی مقالہ میں علمی روح جلوہ گر نہ تھی نظم ونسق کے اعتبار سے بھی کوئی قابل ذکر مجلس نہ تھی۔

جہاں تک اوقاف کی تنظیم کا تعلق ہے اور اوقاف کو غاصبوں کی دست وبرد سے بچانے کا مسئلہ ہے ادارہ اوقاف کی اہمیت سے انکار نہیں کیا جا سکتا لیکن سب سے زیادہ قابل توجہ مسائل اوقاف کے مصارف کا مسئلہ ہے، اوقاف امت اسلامیہ کی امانت ہیں واقفین نے جن مقاصد کے لئے وقف کیا ہے شرعاً ان کی پابندی ضروری ہے، واقف کی منشاء کے خلاف کسی بھی اور مصرف میں خرچ کرنا خیانت ہے۔

محکمہ اوقاف کے قبضہ میں حسب ذیل نوعیت کے اوقاف ہیں:

الف: اوقاف خیر یہ جس میں واقفین نے مصرف خیر میں خرچ کرنے کی وصیت کی ہو۔

ب: مساجد و مدارس کے اوقاف جو واقفین نے صرف کسی مسجد یا مدرسہ کے لئے وقف کئے ہوں۔

ج: مزارات کی آمدنی یعنی مزارات پر چڑھائی جانے والی نذر ونیاز۔

پہلی مد میں اس کی گنجائش ہے کہ ہر کار خیر میں صرف کیا جائے، دوسری مد میں شرعاً کوئی گنجائش نہیں کہ کسی بھی اور کام میں خرچ کیا جائے، تیسرے مد کی بنیاد ہی سرے سے مشتبہ ہے اس میں حلال، حرام تمام قسمیں جمع ہو گئی ہیں زیادہ سے زیادہ ذمہ داری سے بچنے کے لئے مناسب یہ ہے کہ فقراء پر تقسیم کیا جائے۔

کاش ارباب اقتدار اس امانت کو صحیح شرعی طریقے پر خرچ کرنے کا انتظام کرتے تو کتنا اچھا ہوتا، مساجد کے اوقاف میں فقہاء نے بہت تشدید کی ہے یہاں تک کہ کسی ایک مسجد کی آمدنی دوسری مسجد پر خرچ کرنا بھی جائز نہیں سمجھا اگرچہ خاص خاص حالات میں گنجائش نکالی جا سکتی ہے، جس ملک میں آج تک اسلامی قانون نہیں بن سکا اور کتاب وسنت کے خلاف عائلی قوانین تک بنالئے گئے اگر اس میں اوقاف کا نظم غیر شرعی ہو تو کیا تعجب!

۱۹۶۸ء میں اوقاف کی آمدنی ۶۸۲۰۲۰۰ روپے اور خرچ ۳۱۲۵۸۰۰ گویا اس سال کی بچت ۳۶۹۴۴۰۰ روپے ہے۔

یہ سالانہ رقم اتنی بڑی رقم ہے کہ اس کے ذریعہ بہت سی علمی ودینی خدمات انجام دی جا سکتی ہیں، بہر حال اہم ضرورت یہ ہے کہ تینوں مدات کے کھاتے الگ الگ ہوں اور ہر ایک مد کی آمدنی کے مصارف شرعی قانون کے مطابق تجویز کئے جائیں اور انہی میں وہ آمدنی خرچ کی جائے اگر توجہ دی جائے تو بہت آسانی سے یہ نظم قائم ہو سکتا ہے۔ ہمیں امید ہے کہ ہماری اس گذارش پر غور کیا جائے گا اور اس طرح دنیا و آخرت دونوں کی مسئولیت سے عہدہ برآ ہونے کی کوشش کی جائے گی۔

اتنی گری ہوئی بات کہنے سے احتراز فرمائیں گے۔

والله يقول الحق و هو يهدی السبيل

[ربیع الاول ۱۳۸۹ھ]

چوں کفر از کعبہ برخیزد!

جامعہ بہاول پور میں ایک افسوسناک واقعہ پیش آیا ہے، ۱۲/مارچ ۷۰ء کے جنگ میں ایک خبر شائع ہوئی ہے کہ:

''گورنر مغربی پاکستان جامعہ اسلامیہ میں تشریف لے گئے اور بہت سے طلبہ کو بے ریش دیکھ کر حیرت سے پوچھا کہ آپ لوگوں کی داڑھیاں کیوں نہیں۔

رئیس الجامعہ نے فوراً کہا کہ ''اسلام داڑھی میں نہیں ہے''۔

انتہائی افسوس کا مقام ہے کہ گورنر صاحب تو داڑھی کا احترام کریں اور علم دین حاصل کرنے والے طلبہ سے توقع رکھیں کہ ان کی صورت و سیرت اسلامی تعلیمات کا آئینہ ہوگی، لیکن جامعہ کے ڈین صاحب اس جرأت کے ساتھ دین کا تمسخر اڑائیں؟ کاش یہ کہتے کہ اسلام صرف داڑھی میں نہیں تو معاملہ آسان ہوتا کہ ہم مقصر ہیں دین کے تقاضے کون پورے کر سکتا ہے؟ بہرحال ان فتنوں کے دور میں یہ بات زیادہ عجیب نہیں کہ علم و عمل کا تطابق نہ ہو، علوم تو انبیاء کے حاصل کریں اور شکل و صورت ولسن یا لینن کی ہو۔ بہرحال یہ واقعہ اپنے پہلو میں عبرت کے بہت سے پہلو لئے ہوئے ہے، گویا اب یہ دور آ گیا کہ عوام یا غیر علماء تو انبیاء و صالحین امت کے اس شعار کو مدت ہوئی عموماً ترک کر ہی چکے تھے الا ماشاء اللہ، مگر اب جانشین مسند نبوت بھی ان کے پیچھے جا رہے ہیں۔ انا للہ!

''بسوخت عقل زحیرت کہ ایں چہ بوالعجبی است''

رحم الله الامة للرشاد وجنبهم عن الزيغ والالحاد

[صفر ۱۳۹۰ھ-اپریل ۱۹۷۰ء]

محکمہ اوقاف اور اس کی ذمہ داریاں

محکمہ اوقاف کی طرف سے لاہور میں ۲۴/اگست ۱۹۶۹ء سے ۲۷/اگست ۶۹ء تک ایک سیمینار (مجلس مذاکرہ) منعقد کیا گیا تھا، راقم الحروف کو بھی دعوت دی گئی تھی تسخیر کائنات اور اسلام کے موضوع پر ایک مقالہ کی فرمائش بھی کی گئی تھی، دعوت نامے سے یہ معلوم ہوا تھا کہ بین الاقوامی سطح پر مجلس منعقد ہوگی اور ممالک اسلامیہ اور ممالک عربیہ سے بھی مندوبین شرکت کریں گے، اسی کشش کی وجہ سے باوجود عدیم الفرصتی کے دعوت قبول کر لی تھی اور فرمائش کی تکمیل بھی کر لی، عین وقت پر لاہور پہنچ کر معلوم ہوا کہ مجلس صرف مقامی ہے اور زیادہ تر اوقاف

① اسلام کی (عمومی) تعبیر وتشریح کے متعلق مذکورہ بالا فیصلہ کرنے کا مجاز ان کو یا کسی اور کو کس نے بنایا ہے؟

② کیا یہ منتخب نمائندے اس اہلیت کے مالک اور اس معیار پر پورے اترتے ہیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمایا ہے۔

آخر میں دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ اس ملک پر رحم فرمائے اور ارباب اقتدار کو صحیح فہم عطا فرمائے۔

[جمادی الثانیہ ۱۳۸۴ھ]

اوقاف کے ناظم اعلیٰ کا حیرت انگیز اور مضحکہ خیز بیان

پچھلے دنوں اخبارات میں اوقاف کے ناظم اعلیٰ کے ایک دو بیان نظر سے گذرے جن سے حیرت تو نہیں ہوئی اس لئے کہ درخت سے ہی پھل پہچان لیا جاتا ہے، اس ناظم اعلیٰ سے اس سے زیادہ کوئی توقع ہو ہی نہیں سکتی، جو شخص نہ دین کو جانتا ہو، نہ دینی مزاج رکھتا ہو، ہوش سنبھالنے کے بعد سے ہی جو نقوش اس کے لوح قلب پر مرتسم ہو چکے ظاہر ہے کہ ان کے اثرات سامنے آکر رہیں گے، لیکن افسوس وصدمہ اس کا ہے کہ جب ایک خالص دینی منصب پر ایک ایسے شخص کو ذمہ دار بنا دیا جائے تو یہ ارشاد نبوی علیہ الصلاۃ والسلام کے مطابق قیامت ہی کی علامت ہو سکتی ہے(۱)۔ کسی بھی باوقار مملکت میں کوئی منصب بھی ایسے نااہل شخص کو سپرد کرنا جو کسی طرح اس کے لئے موزوں نہ ہو افسوس کی بات ہے، پھر مارشل لاء کی حکومت میں جبکہ قوم کو ابھی ابھی سکون کا سانس لینا نصیب ہوا ہے ایسے اشتعال انگیز بیانات دینے کی جرأت کرنا قوم کے بڑے طبقہ میں اضطراب وانتشار پھیلانا کہاں کی مصلحت اور کہاں کی دانائی ہے؟ امامت وخطابت کا منصب اسلام میں ایک اعلیٰ دارفع منصب ہے جب رسول و نبی امت میں ہوتے ہیں تو یہ فریضہ منصبی حیثیت سے انہی کا ہوتا ہے اور نبی کی غیر موجودگی میں جو اپنے کمالات میں ان سے اشبہ واقرب شخصیت ہوتی ہے یہ منصب اس کے سپرد کیا جاتا ہے امامت کے فرائض میں معاشی نظام کی خدمت اور پولٹری فارم اور نرسنگ ہوم کے فرائض ائمہ مساجد اور خطباء کے لئے تجویز کرنا ایسا ہی ہے جیسے کسی مملکت کے حکمران کے لئے یہ شرط لگائی جائے کہ وہ جاروب کش ہو اور مہتری کے فرائض اچھی طرح انجام دے سکتا ہو، اور مزید افسوس اس بات پر ہے کہ انداز بیان ایسا اختیار کیا جاتا ہے جس سے اسلامی اقدار اور اسلامی شعائر کی عظمت مجروح ہوتی ہے، یہ کہاں کی دانائی ہے کہاں کا انصاف ہے؟ بہر حال دونوں مضمون انتہائی مضحکہ خیز بھی ہیں اور دل آزار بھی، جہاں امامت کے منصب سے بعید ہیں اسی طرح ایک اونچے ذمہ دار افسر کے منصب کی شان سے بھی فروتر ہیں، کیا ہم توقع کر سکتے ہیں کہ ہمارے محترم ناظم اوقاف آئندہ قوم کے جذبات کو مجروح کرنے سے اور اپنے منصب سے

---

(۱) "عن ابی هريرة رضی الله عنه قال بينما النبی ﷺ فی مجلس يحدث القوم.....قال: اذا وسد الامر الى غير اهله فانتظر الساعة". صحيح البخاری، كتاب العلم، باب فضل العلم ج:۱ ص: ۱٤، ط: قديمی

آئے دن کے یہ دردناک واقعات نہ ہوتے جن سے نہ کسی کی جان محفوظ نہ عزت وآبرو، نہ مال ومتاع، اغواء کے ہولناک حوادث اور تمدن ودولت کی فراوانی وطغیانی کے پیدا کردہ حیاسوز مناظر نہ ہوتے، یہ لاکھ پتی، کروڑ پتی اور ارب پتی نہ ہوتے، یہ بڑے بڑے کاغذی منصوبے نہ بھی ہوتے، یہ اربوں کے غیر ملکی قرضے نہ بھی ہوتے صرف اسلامی عدالت کا محکمہ عدل وانصاف ہوتا، مسلمانوں کے جان ومال اور عزت وآبرو کی حفاظت ہوتی، دین محفوظ ہوتا، اخلاق پاکیزہ ہوتے، تقویٰ وطہارت، اخوت ومساوات، ہمدردی وخیر خواہی کا قابل رشک معاشرہ ہوتا۔ سبحان اللہ! کیا عجیب منظر ہوتا اگر اسلامی تعلیمات کی صحیح ترویج اور اسلامی معاشرہ کی صحیح تشکیل ہوتی تو نہ صوبائی عصبیت کو سر اٹھانے کا موقع ملتا نہ بنگلہ دیش کی تحریک کا کہیں نام ونشان ہوتا، نہ ملک کی سالمیت کو خطرات لاحق ہوتے یہ جو کچھ ہورہا ہے ہماری بدترین مجرمانہ غفلت کے نتائج ہیں جو سامنے آرہے ہیں۔

ملک وقوم کے لئے ایک خطرناک ابتلاء وآزمائش

اچھا جانے دیجئے نہ یہ ہوا نہ وہ ہوا پاکستان اسلامی ملک کی حیثیت سے کم از کم اتنے دینی تقاضوں کو تو پورا کرتا کہ جو لوگ صحیح مسلمان رہنا چاہتے ہوں وہ آزادی سے زندگی بسر کرسکتے، دین پر الحاد ودہریت کے جو حملے ہر چہار طرف سے ہورہے ہیں ان کا دفاع کرسکتے، اسکولوں اور کالجوں میں نئی پود (نوجوان طبقہ) کی اسلامی تعلیم و تربیت ہوتی اور اسے اخلاقی بگاڑ سے بچایا جاسکتا ہے، الغرض ہمارا دین ہر طرح سے محفوظ ہوتا تب بھی غنیمت تھا لیکن صد افسوس کہ اب تو نوبت یہاں تک آپہنچی ہے کہ اس اسلامی ملک میں اسلام بھی محفوظ نظر نہیں آتا، اہل باطل تو جو چاہیں کریں اور اہل حق کو اتنی بھی اجازت نہیں کہ وہ حق کو حق اور باطل کو باطل کہہ سکیں، ذرا کچھ کہا جائے تو اسے فرقہ وارانہ اختلاف کہہ کر جرم قرار دیا جاتا ہے اور ان حق پرست مجرموں کو ان تمام مراحل سے گذرنا پڑتا ہے جس کے مستحق اخلاقی مجرم ہیں بلکہ بعض اوقات تو یہ بھی دیکھنے میں آتا ہے کہ مبینہ قتل کے ملزم قابل ضمانت سمجھے جاتے ہیں مگر حق گوئی کا جرم عظیم ناقابل ضمانت قرار دیا جاتا ہے۔

اسلام کا بنیادی عقیدہ ہے کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم خاتم النبیین ہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ہر قسم کی نبوت کا دروازہ اللہ تعالیٰ نے بند کردیا ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت آخری امت ہے اور قرآن کریم آخری پیغام الٰہی ہے اس کے بعد اور کوئی وحی اللہ تعالیٰ کی طرف سے نہیں آئے گی نہ آسکتی ہے، نئی نسل کو اتنا سمجھانا بھی اب جرم ہوتا جارہا ہے۔ صدیق وعمر اور عثمان وعلی (رضی اللہ عنہم اجمعین) امت مسلمہ کا عظیم سرمایہ ہیں اس عقیدے کی حفاظت کرنا بھی جرم بنتا جارہا ہے، خلفائے راشدین کی سیرت کو نصابی کتابوں سے کھرچ کھرچ کر نکالا جارہا ہے گویا پاکستان اب ایسی مملکت کا نام بنتا جارہا ہے جہاں ہر عیاشی وفحاشی اور ہر بداخلاقی وبے حیائی تو خوب پھل پھول رہی ہے مگر مسلمانوں کے لئے اپنے اسلامی عقیدے کا اظہار بھی جرم ہے، مزید تعجب وافسوس اس پر

ہے کہ پاکستان کے دشمن تو پاکستان کے خیر خواہ سمجھے جائیں اور مملکت کے انتظام وانصرام کی باگ ڈوران کے ہاتھ میں دینے میں بھی کوئی مضائقہ نہ سمجھا جائے ، ظاہری و باطنی غداروں کے لئے مسند اقتدار بھی بچھائی جائے مگر ملک کے وہ مخلص مسلمان جو کلمہ حق تو برملا کہنا جانتے ہیں مگر غداری اور سازش کے مفہوم سے بھی ناآشنا ہیں ان کی مخلصانہ آواز کو ہر ممکن طریق سے دبانے کی کوشش کی جائے ، ایک حدیث میں علامات قیامت کے ذیل میں فرمایا گیا ہے:

"و یؤتمن الخائن ویخوّن الامین"(۱)

خائن کو امین اور امانت دار کو خائن سمجھا جائے گا۔

اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو اسلامی تعلیمات پر چلنے کی توفیق نصیب فرمائے اور حکمرانوں کو اس اسلامی ملک کو ظاہری و باطنی فتنوں سے ہر طرح محفوظ کرنے کی ہمت عطا فرمائے اور اللہ تعالیٰ پاکستان کو صحیح طور پر اسم بامسمی بنا کر تمام عالم اسلام کی قیادت کا اسے علمبردار بنائے۔

اسمبلیاں اوران کا فائدہ

سیاسی جوڑتوڑ کا سلسلہ شروع ہوگیا دستور ساز اسمبلی کی ہوائیں سیاسی لیڈروں کے دماغوں کو معطر کرنے لگیں ہیں ہر جماعت کو اقتدار کا فکر لاحق ہے، وزارت کس پارٹی کی ہو اور وزیر اعظم کون ہو، علماء کا ایک طبقہ بھی منتخب ہوگیا ہے یہ حقیقت واضح ہے کہ ان اسمبلیوں میں حق کی آواز کی کامیابی کی کوئی توقع نہیں، عائلی قانون جیسے خلاف قرآن قانون کی ترمیم بھی نہیں کرائی جاسکی، جبکہ خلاف قرآن ثابت کرنے میں کوئی کسر باقی نہیں رکھی گئی لیکن باوجود اس کے ایک جماعت کا یہ نظریہ ہے کہ مؤثر اتمام حجت کے لئے اسمبلی کے میدان سے اور کوئی موزوں مقام نہیں، گویا دینی کامیابی یا اعلاء کلمۃ اللہ کی کوئی توقع نہیں، صرف مؤثر انداز سے آواز اٹھانے کی تدبیر ہے، صوبہ جاتی پارلیمان میں تو اس کی گنجائش ہوسکتی ہے بشرطیکہ اتفاق رائے یا اکثریت اس کی حمایت کرے لیکن جو نقشہ سامنے آرہا ہے اس سے اگر کچھ امید ہو بھی سکتی تھی تو ختم ہوگئی، ہماری اور بہت سے اکابر ارباب فکر کی بھی رائے ہے کہ علماء کو اگر پارلیمان میں پہنچنا ہی ضروری ہو تو وزارت یا وزارت عظمیٰ سے سروکار نہ رکھنا چاہئے بلکہ اظہار حق کے لئے اگر اتفاق واکثریت ممکن نہ ہو تو حزب مخالف کی حیثیت سے رہتے، اس اشارے کی تشریح کی جاسکتی ہے، اس وقت شاید یہ کافی ہوگا۔ وما علینا الا البلاغ

اندکے باتو گفتم حال دل وترسیدم — کہ آزردہ شوی ورنہ سخن بسیار است

[شعبان ۱۳۹۱ھ - اکتوبر ۱۹۷۱ء]

---

(۱) مسند احمد بن حنبل، مسند عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ ج:۲ ص:۱۶۲، ط: عالم الکتب بیروت.
کنز العمال، الاکمال من اشراط الساعۃ الکبری ج:۱۴ ص:۲۷۴، ط: مؤسسۃ الرسالۃ بیروت

حکومتیں اوران کے بجٹ

کسی مملکت کے فرائض میں بجٹ تیار کرنے کا کام بہت اہمیت رکھتا ہے، اس موقع پر ملک کی آمدنی اور اس کے اخراجات کا تخمینہ لگایا جاتا ہے، درآمد وبرآمد پر نظر ڈالی جاتی ہے اگر ضرورت ہو تو قرض لینے دینے کے فیصلے کئے جاتے ہیں، وسائل وذرائع آمدنی کا جائزہ لیا جاتا ہے اور مصارف مقرر کئے جاتے ہیں، کسی ملک کا نظام بغیر آمدوخرچ کے نظم کے نہیں چل سکتا اور بجٹ کی تیاری کے بغیر ان میں توازن اور نظم قائم نہیں ہوسکتا، جس کے بغیر ملک کی معاشی کشتی کے غرق ہونے کا اندیشہ ہوتا ہے، یہی وجہ ہے کہ حکومتیں اس کی تیاری میں پوری دماغی صلاحتیں صرف کردیتی ہیں۔ اس کدوکاوش کا مقصد اگر قوم کی فلاح وبہبود ہو تو یہ بہت لائق تحسین ہے اور ایسی حکومت ملک کے شکریے کی مستحق اور قوم میں محبوب ہوتی ہے، لیکن اگر اس سے مقصد صرف اپنے اقتدار کی بقا اور حکومت کی گدی سے وابستگی ہو تو یہ بجٹ ملک وقوم کے لئے بہت منحوس ثابت ہوتا ہے، معاشی بدحالی کی بادخزاں ملک کے چمن کو خشک کردیتی ہے اور حکمراں طبقہ یا ان کے کاسہ لیسوں کو مستثنیٰ کرکے عام افرادِ قوم کے لئے زندگی ایک تلخ حقیقت بن جاتی ہے۔

پاکستان کے قیام کو ۲۶، ۲۷ رسال کی مدت گذر چکی اس مدت میں متعدد بجٹ بن چکے ہیں مگر ان سب میں یہ خصوصیت مشترک طور پر پائی جاتی ہے کہ انہیں بناتے وقت اس حقیقتِ واضحہ کو نظر انداز کردیا گیا جو ہر مسلمان کو ہر وقت پیش نظر رکھنا چاہیے، اس اہم کام کو انجام دیتے وقت بجٹ بنانے اور بنوانے والوں کے ذہن کے کسی گوشہ میں بھی اس بدیہی حقیقت کی روشنی نہیں ہوتی کہ وہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں اس کی ایک ایک پائی اور ایک ہندسہ اور صفر کے لئے جواب دہ ہیں، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: "کلکم راع وکلکم مسئول عن رعیته"(۱) یہی وجہ ہے کہ اس کے مداخل ومصارف میں حلال وحرام، طاعت ومعصیت اور خیر وشر کا امتیاز مفقود ہوتا ہے، مداخل میں سود، شراب، قمار وغیرہ ذرائع سے حاصل ہونے والی آمدنی بلاتکلف داخل کی جاتی ہے اور مخارج میں معاصی اور فسق وفجور کو رواج دینے اور ان کی ہمت افزائی کرنے کے لئے مصارف کو منتخب کرنے میں ذرا بھی ہچکچاہٹ نہیں محسوس کی جاتی، البتہ مصارف کے اس وسیع احاطے میں اسلام کے فروغ، احکام شریعت کی تنفیذ، معروف کی ترویج اور منکرات کو مٹانے، اسلامی قوانین جاری کرکے ملک میں اخلاق حسنہ کو رواج دینے اور بد اخلاقیوں سے انھیں بچانے، کتاب وسنت کی اتباع اور صحابہ کرامؓ کی پیروی کو ملک وقوم کا مزاج بنانے کے لئے کسی مد کو جگہ نہیں ملتی۔

---

(۱) صحیح البخاری، کتاب الاحکام، باب قول اللہ واطیعوا اللہ واطیعوا الرسول واولی الامر منکم ج:۲ ص:۱۰۵۷، ط: قدیمی

احکام الٰہی سے سرتابی کا نتیجہ

حقیقت ہے اعراض اور اسلام کا نام لے کر احکام الٰہی سے سرتابی کا نتیجہ اللہ تعالیٰ کے عذاب کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے جو کبھی شکست کی شکل میں آتا ہے کبھی سیلاب اور زلزلہ کی شکل میں اور کبھی اور کسی مصیبت ونکبت کے روپ میں، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَضَرَبَ اللهُ مَثَلاً قَرْيَةً كَانَتْ اٰمِنَةً مُّطْمَئِنَّةً يَّاْتِيْهَا رِزْقُهَا رَغَدًا مِّنْ كُلِّ مَكَانٍ فَكَفَرَتْ بِاَنْعُمِ اللهِ فَاَذَا قَهَا اللهُ لِبَاسَ الْجُوْعِ وَالْخَوْفِ بِمَا كَا نُوْا يَصْنَعُوْنَ﴾ [النحل:۱۱۲]

اور اللہ تعالیٰ ایک بستی کی حالت عجیبہ بیان فرماتے ہیں کہ امن واطمینان میں تھے ان کے کھانے پینے کی چیزیں بڑی فراغت کے ساتھ ان کے پاس پہنچا کرتی تھیں پس انہوں نے خدا کی نعمتوں کی ناقدری کی اس پر اللہ تعالیٰ نے انہیں ان کی حرکات کی وجہ سے ایک محیط قحط اور خوف کا مزہ چکھایا۔

ذلت خیز شکست اور لاکھوں مسلمانوں کی جان وآبرو کی بھینٹ لے کر آدھا ملک الگ ہوگیا جو باقی رہ گیا وہ بھی بہت کمزور اور مضمحل ہے۔

خلافت ترکیہ کے اضمحلال کے زمانہ میں یورپ والوں نے ترکی کو ''یورپ کے مرد بیمار'' کا لقب دیا تھا یہ صحیح تھا یا غلط اس سے بحث نہیں مگر پاکستان کی سیاسی ومعاشی زبوں حالی کو دیکھتے ہوئے اسے ایشیا کا مرد بیمار کہیں تو بے جا نہیں۔ دوستوں کے دلوں سے اس کا وقار اور دشمنوں کے دلوں سے رعب رخصت ہو چکا ہے، دوست نما دشمنوں کی حریصانہ نظریں اسی پر جمی ہوئی ہیں، افراط زر، گرانی، سیم وتھور وغیرہ کے پریشان کن مسائل سامنے ہیں اور انہیں جس قدر سلجھایا جاتا ہے اسی قدر الجھے جاتے ہیں، حرام کمائی سے پرورش پانے والوں کا طبقہ اپنی تجوریاں بھر رہا ہے، مگر ملک کی اکثریت فلاکت (ناداری، مفلسی) اور معاشی بدحالی کا شکار ہے، مصائب کے اس حال سے رہائی کی کتنی ہی تدبیریں کی جائیں رہائی ناممکن ہے، کیونکہ ان کا اصل سبب اللہ تعالیٰ کا غضب ہے جو ہماری نافرمانی اور سرکشی کی وجہ سے ملک کی طرف متوجہ ہوا ہے، باب توبہ اب بھی کھلا ہوا ہے اور اللہ تعالیٰ شانہ کی رحمت بے پایاں کو اب بھی اپنی طرف متوجہ کیا جاسکتا ہے:

﴿قُلْ يٰعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰى اَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللهِ اِنَّ اللهَ يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِيْعًا﴾ [الزمر:۵۳]

آپ فرمادیجئے کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں، اے میرے بندو! جنہوں نے اپنے نفس کے ساتھ زیادتی کی ہے (مبتلائے معصیت ہوئے) تم اللہ تعالیٰ کی رحمت سے مایوس نہ ہو بے شک اللہ تعالیٰ سب گناہ معاف فرماتے ہیں۔

ارباب اقتدار اگر حقائق کا ادراک کرلیں اور کتاب وسنت اور اسوۂ صحابہ کی روشنی میں صحیح راہ منزل متعین کر کے ملکی وقومی قافلے کو لے چلیں تو فلاح وکامرانی پاکستان کے قدم چومے گی، ہر سنگ راہ چور چور ہوکر دور ہو جائے گا اور ہمارا ملک دنیا میں ممتاز حیثیت حاصل کرلے گا، بالکل بدیہی حقیقت ہے کہ اللہ تعالیٰ کے عذاب کو کسی تدبیر سے نہیں ٹالا جاسکتا، انابت الی اللہ اور اطاعت احکام الہیہ اسے ٹالنے کی واحد تدبیر ہے۔ کیا ارباب اقتدار حالات سے عبرت ونصیحت حاصل کریں گے؟ کیا ان میں کوئی اس آواز کا سننے والا اور اس سچی بات پر کان دھرنے والا ہے؟ الیس منکم رجل رشید؟

یہود کی اسلام دشمنی

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿لَتَجِدَنَّ اَشَدَّ النَّاسِ عَدَاوَةً لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوا الْيَهُوْدَ وَالَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا﴾

[المائدة: ۸۲]

اورتم یہود اور مشرکین کو مسلمانوں کا سب سے بڑا دشمن پاؤ گے۔

قرآن مجید کی اس خبر کا مشاہدہ ہوتا رہتا ہے اور ہم دیکھتے ہیں کہ یہود کے دل میں اسلام اور مسلمانوں کی عداوت اور ان سے عناد وحسد کی جو آگ بھڑک رہی ہے وہ کسی طرح سرد نہیں ہوتی، اس کا تازہ نمونہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ کو فلم کی صورت میں پیش کرنے کی ناپاک کوشش جاری ہے، اس کا مقصد وحید یہ ہے کہ خاکم بدہن عظمت رسالت دلوں سے کم کردی جائے، اس سے پیشتر "فجر اسلام" کے نام سے ایک فلم بنا کر یہ لوگ صحابہ کرامؓ کی توہین کر چکے ہیں، اس فلم کا تصور بھی درحقیقت یہودی دماغ ہی کی اختراع تھا اور یہ بھی اسی سازشی اور مجرم ومفسد ذہن کی ایجاد ہے۔ افضل الخلائق سید العالمین صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے حالات زندگی کو لہو ولعب کا ذریعہ بنانا، ایکٹروں اور ایکٹرسوں کا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور صحابیات کا پاٹ ادا کرنا اور ان مقدس ہستیوں کی سوانح زندگی کو پردۂ سیمیں پر پیش کر کے اسے ذریعہ تفریح بنانا یقیناً نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان اقدس میں سخت گستاخی اور صحابہ کرامؓ کی شان میں بے ادبی ہے، یہ ایسی واضح حقیقت ہے کہ جس کے لئے کسی استدلال کی حاجت نہیں، فریب یہ دیا جارہا ہے کہ اس سے سیرۃ طیبہ کا عام تعارف ہوتا ہے جو تبلیغ ودعوت اسلام کے مرادف ہے، حیرت ہے کہ یہود کے اس جال میں بعض عربی ممالک بھی پھنس گئے اور اسلام کے یہ نادان دوست اس فلم کی تیاری کی ہمت افزائی کررہے ہیں، اسے اشاعت دین اور تعلیم وتعارف سیرۃ سید المرسلین کا ذریعہ کہنا خالص فریب ہے، بے شک دونوں باتیں مطلوب ومحمود ہیں مگر ان کا طریقہ وہی ہوسکتا ہے جو ان مقدس اور عظیم الشان مقاصد کے ساتھ مناسبت رکھتا ہو اور ان کے شایان شان کہا جاسکے، یہ ذلیل اور پست طریقہ ان پاکیزہ

مقاصد عالیہ کے ساتھ ادنیٰ مناسبت بھی نہیں رکھتا، یہ یقیناً بارگاہ رسالت اور شان صحابہ میں سخت بے ادبی اور گستاخی ہے، سہولت فہم کے لئے قومی جھنڈے کی مثال کافی ہے کیا کوئی ملک اسے گوارا کرسکتا ہے کہ اس کا قومی جھنڈا اتعارف کے مقصد سے کسی مزبلے اور کوڑے خانے پر نصب کردیا جائے؟ وجہ ظاہر ہے کہ یہ جگہ اس کے شایان شان نہیں، اس لئے جھنڈے کی توہین ہے، اسی طرح فلمی پردہ مقاصد مذکورہ کے ساتھ کوئی مناسبت نہیں رکھتا اور ان کے شایان شان نہیں اس فلم کی خبر نے مسلمانان عالم کے دل مجروح کردیئے ہیں، دنیا کی جملہ مسلمان حکومتوں اور عام مسلمانوں پر واجب ہے کہ اس کی تیاری رکوانے کی پوری کوشش کریں، ہم اس کے متعلق اپنی حکومت سے کہنے کا حق زیادہ رکھتے ہیں، بناء بریں اس سے مطالبہ کرتے ہیں کہ وہ اپنے امکانی ذرائع اور وسائل سے اسے رکوانے کی پوری کوشش کرے، پاکستان کے عوام مسلمین بھی یہ عزم کرلیں کہ اگر یہ فلم خدانخواستہ تیار ہوجائے تو کسی قیمت پر بھی پاکستان میں اس کی نمائش کو گوارا نہ کریں گے اور اس سینما کو دنیا میں باقی نہ چھوڑیں گے جو اس کی نمائش کی جرأت کرے۔

[جمادی الاخری ۱۳۹۵ھ - جولائی ۱۹۷۵ء]

استحکام پاکستان اور قیام امن کا راستہ اسلام اور صرف اسلام ہے

پچھلے دنوں پاکستان کے نئے صدر محترم جنرل یحییٰ خان نے پشاور گورنمنٹ ہاؤس میں اخباری نمائندوں سے فرمایا تھا کہ ’’پاکستان اسلام کی بنیاد پر قائم کیا گیا تھا اس لئے ملک کے استحکام اور اسلام کے وقار کے سوال پر کوئی سمجھوتہ نہیں ہوسکتا‘‘۔ شاید اس انداز اور اس صراحت سے پہلی مرتبہ پاکستان کی کسی ذمہ دار شخصیت نے اس حقیقت کا اعتراف کیا ہے جس کا اعلان ہمدردان اسلام روز اوّل سے کرتے آئے ہیں ہم جہاں اس اعلان کا خیر مقدم کرتے ہیں وہاں اس امر کا اظہار کرنے پر بھی مجبور ہیں کہ ابتداہی سے خصوصاً قائد ملت لیاقت علی خاں مرحوم کے بعد تدریجاً حکومت کا رخ جس طرح ہوگیا اس سے ارباب اقتدار کے بارے میں باشندگان پاکستان کے دلوں میں شکوک وشبہات پیدا ہوتے گئے اور حالات وواقعات نے لوگوں کو یہ سمجھنے پر مجبور کردیا کہ ’’ایں رہ کہ تو می روی بہ ترکستان است‘‘۔

گذشتہ خلفشار نے اس حقیقت کو پایہ ثبوت تک پہنچادیا ہے کہ ملک میں امن کے قیام اور پاکستان کے استحکام کا راستہ اسلام اور صرف اسلام ہے، مشرقی ومغربی پاکستان کے درمیان رشتہ اتحاد بھی صرف اسلام ہے اور اسی حبل متین کے ذریعہ دونوں میں رابطہ قائم رہ سکتا ہے، جو خطرات سر پر منڈلا رہے ہیں اور جن شیاطین کو مشرقی پاکستان کی علیحدگی کے خواب نظر آرہے ہیں ان کے انسداد کے لئے سوائے اسلامی وحدت اور رابطہ کے اور کوئی مؤثر طاقت نہیں ہوسکتی ہے اسی طرح سوشلزم، کمیونزم اور مغربی استعمار جیسے جاہلی فتنوں کو کچلنے کے لئے بھی ایک ہی

ذریعہ ہے اور وہ ہے اسلام!

لیکن یہ واضح رہے کہ صرف اسلام کا نام لینا ہی کافی نہیں بلکہ اسلام کا قانون اور اسلام کا ہمہ گیر نظام جب تک جاری نہ ہوگا اس وقت تک یہ خواب شرمندہ تعبیر نہیں ہوسکتا، گذشتہ دنوں ملک جس بحرانی کیفیت سے دو چار رہا، ہر طرف بے اطمینانی کا جو طوفان بر پا رہا اور پاکستان کی تمام مخالف طاقتوں کو کھل کر کھیلنے کے جو مواقع ملے ہیں ان سب کا واحد علاج اسلامی قوانین کی تنفیذ اور اسلام کے مستحکم نظام عدل کا نفاذ ہے، جب تک دین اسلام کے سایہ رحمت میں محاکم شرعیہ عدلیہ کا قیام نہ ہوگا اور جب تک شرعی سزائیں جو کہ ارحم الراحمین والحاکمین کے منشاء عدل کی تکمیل وتشریح ہے جاری نہ ہوں گی اس وقت تک نہ پاکستان میں امن قائم ہوگا اور نہ پاکستان کو استحکام حاصل ہوگا، اسلامی قوانین کے نفاذ کے بغیر پاکستان کے استحکام کا دعویٰ محض سراب ہے نیز اسلام زندہ باد کے کھوکھلے نعروں اور پاکستان زندہ باد کی آوازیں اسلامی نظام کے بغیر صدا بصحرا ہیں۔

قیام پاکستان کو بائیس سال ہوئے ہیں اس وقت کے بچے آج بچوں کے باپ ہیں، اس وقت کے نوعمر آج سفید ریش ہیں اور اس وقت کے ادھیڑ آج مسافر آخرت ہیں لیکن اسے کیا کہیے کہ بحیثیت قوم کے گویا ہم ابھی شیر خوار بچے ہیں، جنہیں جب سے اب تک صرف اسلام، اسلام کی لوریوں سے بہلانا سہلانا کافی سمجھا گیا، اس ربع صدی کی طویل مدت میں ہم نے اپنے مطلب اپنے مفاد اور ذاتی اغراض کے لئے ''پاکستان کی بنیاد اسلام پر ہے'' ''پاکستان محض اسلام کی خاطر معرض وجود میں آیا'' ''پاکستان کا مطلب کیا؟ لا الہ الا اللہ''۔ جیسے فقرے اور نعرے اتنی شدت وکثرت اور اتنے اصرار وتکرار سے دہرائے اور بڑی فیاضی سے مسلسل دہراتے چلے گئے کہ ہمارے ہونٹوں پر پپڑیاں جم گئیں، ہماری زبانیں خشک ہوگئیں، مگر قوت واقتدار و وسائل کی فراوانی اور ہر طرح کی آزادی کے باوجود ہمیں کبھی یہ احساس نہیں ہوا کہ ہمارے ان دعوؤں کے کچھ عملی تقاضے بھی ہیں جن کے لئے خدا کے حضور میں جواب دہ ہونا ہوگا اور یہ کہ اس وسیع دنیا میں پھیلی ہوئی انسانیت کی آنکھیں ہمارے قول وعمل کا بڑی باریک بینی سے مطالعہ کررہی ہیں، یہ عالمی عدالت ہمارے کھوکھلے نعروں پر نہیں بلکہ ہمارے عمل کو ناپ تول کر ہی ہمارے اخلاص ونفاق اور سچ جھوٹ کا فیصلہ کرے گی۔

داخلی وخارجی فتنوں اور پریشانیوں کا سبب اسلام سے بے وفائی ہے

ہمارا جتنا وقت اسلام کی خالی خولی رٹ لگانے پر ضائع ہو چکا ہے، اگر اس سے کم عرصہ میں پاکستان میں اسلام کے نظام تعلیم وتربیت، نظام عدل وسیاست، نظام تمدن ومعاشرت، نظام معیشت واقتصاد اور نظام عبادات واخلاق کو اپنانے اور ایمان داری کے ساتھ اسے زندگی کے تمام شعبوں میں جاری وساری کرنے کی کوشش کر لی جاتی

تو آج کا نقشہ ہی کچھ اور ہوتا۔ آج اسلام اپنی ساری برکات کے ساتھ ہمارے سروں پر سایہ فگن ہوتا، وہی برکات جن سے یہ امت مرحومہ خلافت راشدہ کے دور میں فیضیاب ہو چکی ہے، توفیق الٰہی ہماری راہنما اور نصرت خداوندی ہماری مددگار رہوتی، وہی نصرت جس کا اس امت سے وعدہ ہو چکا ہے:﴿اِنْ تَنْصُرُ اللهَ يَنْصُرْكُمْ﴾ [محمد: ۷]

ہمیں بھوک اور افلاس کے لئے امریکہ و برطانیہ کے دروازوں پر کشکول گدائی لے کر نہ جانا پڑتا بلکہ ہم اسلام کا علم لے کر نکلتے اور انہیں عزت کے ساتھ اسلام یا ذلت کے ساتھ جزیہ قبول کرنا ہوتا، وہ ہمیں نظر حقارت سے نہ دیکھتے بلکہ اسلام کے مقابلہ میں قیصر و کسریٰ کی طرح ان کی ذلت کا تماشہ دنیا دیکھ لیتی۔ ہمیں معاشی ناہمواری ختم کرنے کی لئے روس اور چین کے غیر فطری نظام درآمد کرنے کی ضرورت نہ رہتی بلکہ خود انہیں درس مؤاسات سیکھنے کے لئے دبستگان اسلام میں داخلہ لینے کی ضرورت محسوس ہوتی، ملک کے مشرقی و مغربی بازوؤں کے درمیان اتحاد قائم رکھنے کے لئے ہم ان مصنوعی رشتوں کی تلاش میں نہ نکلتے بلکہ اسلام کی مقناطیسی کشش آپ سے آپ ہمیں بنیان مرصوص بنائے رکھتی، ہمیں تفریح کے لئے بددین اور بے ایمان قوموں کی طرح سینما اور کلب جیسی گندی جگہوں میں اپنا دین وایمان غارت کرنے اخلاق وانسانیت کے سرمٹی ڈالنے اور سرمایہ ووقت برباد کرنے کی ضرورت اور فرصت نہ ہوتی بلکہ ذکر الٰہی، اقامت صلاۃ اور اعلائے کلمۃ اللہ ہمارے لئے غذائے روح، اطمینان قلب، راحت وسکون اور آنکھوں کی ٹھنڈک ثابت ہوتے۔

ہماری ساری الجھنوں، تمام پریشانیوں، ہر قسم کے داخلی وخارجی خطروں کا اصل سبب یہی ہے کہ ہم نے اسلام سے بے وفائی کی، ضرورت کے ہر موقعہ پر اسلام کا نام لیا ہے مگر عملی طور پر اس سے بالکل بیگانگی برتی، اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ نہ صرف ہماری اجتماعی قوتیں اور انفرادی صلاحیتیں ضائع ہوئیں بلکہ ہمارا اجتماعی وجود اور قومی تشخص خطرے کی زد میں آ گیا، عالمی میدان میں ہماری ہوا اکھڑ گئی، عالم اسلام میں ہمارے ہمدردوں کے لئے ہماری زبوں حالی، اضطراب وتشویش کا سبب بن گئی اور ہمارے بدخواہوں نے ہماری حالت زار پر نہ صرف خوشی کے شادیانے بجائے بلکہ ہمارے طرز عمل سے ہمارے مقدس دین کی (خاکم بدہن) ناکامی پر استدلال کر کے ہماری غیرت کو للکارا، سکرات موت کی حالت میں جب مریض کا طبعی نظام تنفس معطل ہو جاتا ہے تو بیرونی آلات سے مصنوعی تنفس جاری کرنے کی کوشش کی جاتی ہے، ہماری شامت اعمال سے بعض حضرات مختلف قسم کے نظریاتی آلات کے ذریعہ جو ادھر ادھر سے اکٹھا کر لئے گئے ہیں، ہماری قومیت کے نظام تنفس کو جاری کرنا چاہتے ہیں، کہیں سوشلزم کے انجکشن دیئے جا رہے ہیں، کہیں لسانی اور صوبائی حرارت سے اس کے اعصاب کو تپایا جا رہا ہے، کہیں مغربی جمہوریت کے نسخہ شفا پر زور دیا جا رہا ہے، کہیں استبداد کے ڈنڈے کو بگڑے ہوئے دماغ کا علاج بتلایا جا رہا ہے، لیکن مصنوعی تنفس سے مریض کو زیادہ دنوں تک زندہ نہیں رکھا جا سکتا، ہمارا احساس یہ ہے کہ اس ملک کے جسم سے اگر اسلام کی روح نکل گئی ولا فعل اللہ ذلك۔ تو اس لاشہ بے جان کو پھر سے زندہ کر دینا کم از کم کسی

انسان کے بس کی بات نہیں ہوگی، ہمیں سوچنا چاہیے کہ آج جو سرخ و سفید سامراج کرگسوں کے غول اس کے سر پر منڈلا رہے ہیں وہ کہیں اسی روز بد کی تاک میں تو نہیں؟

بہر حال آج ہمیں دوٹوک فیصلہ کر لینا چاہیے اگر ہمیں ایک باحمیت، باغیرت، باضمیر اور بامقصد قوم کی حیثیت سے زندہ رہنا ہے، ملک کو داخلی سازشوں اور استعماری یورشوں سے بچانا ہے تو ہمیں نئے عزم، نئے یقین پورے اخلاص اور امانت داری سے اسلام قبول کرنا اور اسے زندگی کے تمام شعبوں میں نافذ کرنے کا نئے سرے سے عہد کرنا ہوگا ورنہ اگر ہماری بد عملی، نفاق ورزی اور سیاست بازی کا رنگ ڈھنگ یہی رہا تو ہمیں اس سے بھی زیادہ خطرات پیش آسکتے ہیں۔

یہ سطریں زیر تحریر تھیں کہ صدر محترم کا پیغام جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے یوم ولادت کے موقعہ پر انہوں نے جاری کیا ہے اخبارات میں شائع ہوا خاتمہ کلام پر اس کا نقل کر دینا مناسب ہوگا:

''حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یوم ولادت تمام دنیا کے مسلمانوں کے لئے اہم ترین موقع ہے اس روز ہر مسلمان بنی نوع انسان کے اس پیشوائے عظیم کی مقدس یاد تازہ کرتا ہے اور انہیں خراج تحسین پیش کرتا ہے، ان کی یاد آتے ہی ہر مسلمان کے دل میں عقیدت و احترام اور جاں نثاری کے جذبات امڈ آتے ہیں اور ان جذبات کا اظہار رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود و سلام بھیجنے سے ہوتا ہے۔ وہ نہ صرف بنی نوع انسان کی ہدایت اور رہنمائی کے لئے اللہ کا پیغام لے کر آئے بلکہ خود ان کی اپنی زندگی ان اوصاف جمیلہ کا ایک نمونہ تھی جن کی انہوں نے تبلیغ کی۔ ان کے ورود مسعود کی بدولت دنیا نے غلامی کا وہ طوق اتار پھینکا جس نے معاشرے کی مادی اور روحانی ترقی روک رکھی تھی، پیغمبر خدا نے فرمان الٰہی اور اپنی مثال کے ذریعہ دنیا کی رہنمائی کی اور وہ راستہ بتایا جس پر چل کر انسان پر مسرت و خوشحال زندگی گزار سکتا ہے، انہوں نے دنیا کو اخلاقی، روحانی، مادی اور دنیوی زندگی کے ایک مثالی نظریہ سے مالا مال کیا، مسلمانوں نے جب بھی اور جہاں بھی ان کی تعلیمات اور اسوۂ حسنہ پر عمل کیا وہ کامیاب و کامران رہے لیکن جب بھی انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بتائے ہوئے راستہ سے انحراف کیا انہیں تباہی و بربادی کا سامنا کرنا پڑا۔ برصغیر کے مسلمانوں نے اسلامی تعلیمات کی بنیاد پر ہی آزادی حاصل کی اور انہیں ایک نیا وطن نصیب ہوا، بانیان پاکستان کا یہ علانیہ نصب العین تھا کہ (اس نئے وطن میں) مسلمان اپنی انفرادی و اجتماعی زندگی اسلامی نظریات وعقائد اور پیغمبر خدا حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعین کئے ہوئے طریقہ کے مطابق گزاریں گے۔ لوگ آزادی کے لئے پوری جد و جہد کے دوران انہی نظریات سے سرشار رہے۔ پاکستان کا قیام ان نظریات اور اقدار کی فتح تھی، اس لئے اس ملک میں ہمارے لئے اسوۂ حسنہ کی پیروی اور اپنے نظریاتی اور روحانی ورثہ کے مطابق زندگی گزارنے کے سوا کوئی راستہ نہیں ہے''۔

حق تعالیٰ ہمیں اس پر عمل کی بھی توفیق دیں۔

اللهم لا تهلكنا فجأةً ولا تاخذنا بغتةً ولا تغفلنا عن حق ولا وصية.
وصلى الله تعالىٰ على خير خلقه سيدنا محمد النبى الأمى وعلى آله و اصحابه و بارك وسلم.

[ربیع الثانی ۱۳۸۹ھ۔ جولائی ۱۹۶۹ء]

اسلام اور پاکستان، سوشلزم اور کمیونزم

جب سے دولتِ خداداد وجود میں آئی ہے دین اسلام کا درد رکھنے والا طبقہ ہمیشہ کڑھتا رہا ہے کہ پاکستان کا مقصد پورا نہیں ہو رہا نہ اسلامی قانون رائج ہوا، نہ اسلامی تعلیمات کا عملی نظام جاری ہوا، یہ دونوں بنیادی مقاصد تھے لیکن روز بروز پاکستان اپنے ان مقاصد سے دور ہوتا گیا اور ظاہر ہے کہ جب نہ اسلامی تعلیم ہو نہ اسلامی قانون تو اسلامی اخلاق کا ظہور کیونکر ممکن ہوگا؟ آخر نتیجہ یہ ہوا کہ تمام اسلامی اخلاق ایک ایک کر کے ختم ہوتے رہے اور کافرانہ تہذیب اور یورپ کی خدا فراموش زندگی کو ترقی ہوتی رہی اور صرف اتنا ہی نہیں کہ اسلام کا قانون جاری اور اسلامی تعلیمات کا نظام قائم نہیں کیا گیا بلکہ اس کے برعکس اسلام کے اساسی مقاصد کی وہ بیخ کنی کی گئی جس کی نظیر نہیں، اسلامی احکامات کے استیصال کے لئے ادارے قائم کئے گئے، افراد و اشخاص کو تحریف کی پوری آزادی دی گئی، اسلام کے نام سے لادینی نظریات کو پھیلایا گیا اور جاہلیت جدیدہ کے لئے قرآن کریم کو بے دھڑک استعمال کیا گیا، عیسائی مشنریوں کو آزادی دی گئی اور کروڑوں روپیہ اسلامی تہذیب کو برباد کرنے پر خرچ ہوا۔

آخر اسی لادینیت کا نتیجہ یہ ہوا کہ ملک کے اندر مزدوروں کی ہمدردی کے نام سے سوشلزم کو فروغ ہوا، کمیونسٹوں کو اسلام سے انتقام لینے کا موقع ملا انہوں نے اسلامی حقائق کا مذاق اڑایا اور نئی پود (نئی نسل) کو دین سے برگشتہ کرنے اور اللہ و رسول سے باغی بنانے پر اپنی قوتیں صرف کر دیں، اس مقصد کے لئے روس اور چین کا زہریلا لٹریچر اس ملک میں بری طرح تقسیم ہوا اور پھیلایا گیا، دوسری طرف رشوت، سود، قمار اور حرام کے راستے سے سرمایہ داروں کو اکتنازِ دولت کے وہ مواقع ملے کہ غریبوں کی زندگی دوبھر ہوگئی، حالات بد سے بدتر ہو گئے، اس ذہنی تضاد اور طبقاتی تفاوت کے نتیجہ میں یہ وقت بھی آیا کہ پاکستان کے شرفاء کی جان و مال اور آبرو تک غیر محفوظ ہوگئی تھی، یہ سب کچھ اس غیر اسلامی نظام کا لازمی نتیجہ تھا جو شروع سے اب تک یہاں مسلط رہا اگر موجودہ مارشل لاء حکومت نہ آتی تو نہ معلوم اس توڑ پھوڑ اور قتل و غارت میں اس ملک کا کیا حشر ہوتا، بہر حال یہ خدا فراموشی کی سزا تھی اور ہمارے غلط طرزِ زندگی کا وبال تھا:

﴿مَا اَصَابَكُمْ مِّنْ مُّصِيْبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتْ اَيْدِيْكُمْ وَ يَعْفُوْا عَنْ كَثِيْرٍ﴾ [الشوریٰ: ۳۰]

جو کچھ تمہیں مصیبت پہنچتی ہے وہ صرف تمہاری شامت اعمال کا نتیجہ ہے اور بہت کچھ تو اللہ تعالیٰ نے

معاف فرمایا۔

نئی تعلیمی پالیسی

اس مایوسی کے دور میں جس طرح جدید حکومت رحمت ثابت ہوئی اور خدا کرے یہ جب تک ہے رحمت بن کر ہی رہے، ٹھیک اسی طرح حکومت کی انتظامی کونسل کے ایک رکن کی طرف سے نئی تعلیمی پالیسی میں اسلامی تعلیمات کو اہمیت دینے کی خوشخبری سنائی گئی، پاکستان کی بائیس سالہ زندگی میں پہلی مرتبہ ایک ذمہ دار اور اونچے درجے کے افسر نے نہایت دل سوزی اور عرق ریزی کے ساتھ تعلیمی جائزہ پیش کیا جو ہر طرح تبریک و تحسین کا مستحق ہے اور مزید قابل تبریک بات یہ ہے کہ اپنی رائے کو زبردستی قوم پر مسلط کرنے کی کوشش اور خواہش نہیں کی گئی بلکہ ۱۵ر اگست ۶۹ء تک تمام ناظرین سے تجاویز و ترامیم طلب کی گئی ہیں۔ مدرسہ عربیہ اسلامیہ کراچی اور دارالعلوم کراچی کے ذمہ دار حضرات نے تقریباً بائیس گھنٹے اس تعلیمی جائزہ رپورٹ پر غور کیا اور نہایت دیدہ ریزی کے ساتھ اس کے دور رس نتائج کو سمجھنے کی کوشش کی، اردو تراجم کے علاوہ انگریزی مسودہ کی بھی مراجعت کی گئی، پورے غور و خوض کے بعد کچھ تجاویز و ترامیم پیش کی گئی ہیں، بینات کے اسی شمارے میں ان کا خلاصہ ناظرین کی نظر سے گذرے گا اور اس بحث و تمحیص کے سلسلہ میں کراچی یونیورسٹی اور باوانی کالج کے چند ماہرین تعلیم کی تجاویز بھی اسی شمارے میں ملاحظہ سے گذریں گی۔

مجھے اس وقت صرف اتنی بات عرض کرنی ہے کہ اسکولوں، کالجوں اور یونیورسٹی کے نظام تعلیم کو اسلامی بنانے اور طلبہ کی اسلامی اخلاق کے مطابق تربیت کرنے کا ہر طرف سے خیر مقدم کیا جائے گا اور یہ دیرینہ آرزو پوری ہوجائے گی کہ جدید تعلیم یافتہ حضرات اسلامی تعلیم و تربیت سے بہرہ ور ہونے کے بعد پاکستان کی قیادت کی صحیح ذمہ داری کا بار اٹھانے کے قابل ہوجائیں گے اور اس طرح یہ امکان پیدا ہوجائے گا کہ ایک عظیم الشان اسلامی مملکت کے خواب کی صحیح تعبیر سامنے آسکے لیکن اس سے یہ نتیجہ نکالنا صحیح نہیں ہوگا کہ قدیم دینی درس گاہوں کی ضرورت ختم ہوجائے گی، قرآن و حدیث و تفسیر و فقہ و اصول وغیرہ وغیرہ جو اسلامی و دینی علوم ہیں ان کی اہمیت و ضرورت بدستور اپنی جگہ قائم رہے، یہ علوم انبیاء کرام علیہم السلام کی وراثت ہیں، ان کا اپنا ایک خاص مزاج ہے ان کے لئے ایک خاص ماحول درکار ہے اور ان کی تعلیم و تربیت کا ایک خاص طرز ہے جو بظاہر کالجوں اور یونیورسٹیوں کے ماحول میں نہیں چل سکتا نہ یہاں ٹھوس ماہرین پیدا ہوسکتے ہیں، ہاں اس کی ضرورت سے انکار نہیں کہ جدید علوم ریاضی، سائنس، جغرافیہ اور اسلامی تاریخ کی شدید ضرورت ہے، مناسب ہے کہ دینی درسگاہوں کے نصاب میں اس کا جوڑ لگایا جائے، قدیم بطلیموسی ہیئت کی جگہ جدید فلسفہ پڑھا جائے اور قدیم علم کلام کے ساتھ جدید علم کلام بھی پڑھایا جائے تاکہ قدیم علوم کی افادیت میں ترقی ہو، نیز اس سے انکار نہیں کہ ابتدائی اسکولوں میں جس طرح قرآن

کریم کی تعلیم واسلامیات کے مبادی کی تعلیم ضروری ہے اسی طرح دینی درسگاہوں میں حساب وجغرافیہ وغیرہ کا داخل کرنا بھی ضروری ہے، بے شک انسانی ضروریات زندگی کے لئے ان مبادی علم کا ہونا بے حد ضروری ہے مگر اسی طرح دین اسلام کے تحفظ کے لئے علوم اسلامیہ کا تحفظ بھی نہایت ہی ضروری ہے۔ نیز تقریر وتحریر کی جو کمی ہے اس کی طرف بھی متوجہ کرنا بے حد اہمیت رکھتا ہے، بلاخوف لومۃ لائم یہ اظہار نا گزیر ہے کہ مسلمانوں کی نجات کا راستہ ایک ہی ہے اور وہ دین اور علوم نبوت کی حفاظت ہے، صحیح افادیت پیدا کرنے کے لئے جدید اسلحہ کی ضرورت ہے جن سے عام دینی مدارس بے بہرہ ہیں۔

الغرض حکومتی سطح پر تو انتہائی ضروری ہے کہ نظام تعلیم میں دین و دنیا کی تفریق کو ختم کیا جائے اور ابتداء سے لے کر دس بارہ سالہ تعلیم تک اتنا دین ہر تعلیم یافتہ کو آ جائے کہ وہ علی وجہ البصیرت سچا اور پکا مسلمان بن جائے، آگے چل کر خصوصی مہارت پیدا کرنے کے لئے خصوصی شعبے ہونے چاہئیں، بہر حال جو غفلت اور بے توجہی آج تک برتی گئی ہے خدا کرے جلد یہ صورت حال ختم ہو جائے، حکومت کو ان دینی مدارس کا ممنون ہونا چاہیے کہ اس سرزمین میں بوریہ نشینوں کی دینی درسگاہوں کا فیض اور مخلص علماء کی مساعی جمیلہ ہی کا نتیجہ ہے کہ اس ملک کے اندر قرآن وتفسیر، حدیث وفقہ واصول وغیرہ اسلامی علوم کی حفاظت ہو رہی ہے، اگر یہ علماء مدارس قائم نہ کرتے تو آج اس ملک میں اسلام کا نام ونشان تک مٹ گیا ہوتا، ولایفعل اللہ ذالک۔ اگر آج یہ علماء اسلام نہ ہوتے تو سوشلزم اور کمیونزم اور مارکسزم کے سیلاب کا کوئی روکنے والا نہ ہوتا، انہی علماء کی برکت سے دیندار مخیر ارباب ثروت نے دینی قلعوں کو محفوظ کرنے کی کوشش کی، اہل علم اور اہل خیر کے اس مبارک ربط وامتزاج نے وہ عظیم الشان کام سرانجام دیا جو کوئی دینی عظیم المرتبت مملکت ہی کرسکتی تھی اور اس طرح اس فرض کفائی کے بوجھ سے ارباب حکومت سبکدوش ہو گئے۔

پاکستان اور داخلی اور خارجی فتنے اور ان سے بچاؤں کی تدابیر

آج اخبار کی دو خبریں دیر تک مرکز نظر رہیں: ''بھارت ہائیڈروجن بم کا دھماکہ کرنے والا ہے''، ''ملک میں قحط سالی کا خطرہ''، ان دو خبروں پر نظر جمتے ہی ہمارے ملک کی اندوہناک صورتِ حال کا نقشہ ذہن میں ابھرا اور آیت کریمہ کانوں میں گونجنے لگی اور ورد زبان ہوگئی:

﴿وَضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا قَرْيَةً كَانَتْ اٰمِنَةً مُّطْمَئِنَّةً يَّاْتِيْهَا رِزْقُهَا رَغَدًا مِّنْ كُلِّ مَكَانٍ فَكَفَرَتْ بِاَنْعُمِ اللّٰهِ فَاَذَاقَهَا اللّٰهُ لِبَاسَ الْجُوْعِ وَالْخَوْفِ بِمَا كَانُوْا يَصْنَعُوْنَ﴾ [النحل:۱۱۲]

اللہ تعالیٰ نے ایک بستی کی مثال بیان فرمائی جو امن اور اطمینان سے تھی جس کا رزق فراوانی سے ہر طرف سے آتا تھا، اس نے اللہ کی نعمتوں کی ناشکری کی اس کی پاداش میں اللہ تعالیٰ نے اس کو بھوک اور ڈر کا لباس پہنا دیا

اس کے کرتوتوں کی بنا پر۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے ایک بستی کی مثال بیان فرمائی ہے اس سے کوئی معین بستی مراد نہیں ہے جیسا کہ بعض مفسرین کی رائے ہے، ہر ملک اور انسانی آبادی کا حصہ اس کا مصداق بن سکتا ہے جو اپنی صورت آیت کریمہ کے آئینہ میں دیکھ سکے، جس انسانی آبادی کا ذکر ہو رہا ہے اس کی کیفیت یہ تھی کہ وہ امن کی چادر اوڑھے ہوئے اطمینان وسکون کی فضا میں سانس لے رہی تھی، اس کی سرحدیں محفوظ، اس کی فوج جدید ترین اسلحہ اور ساز و سامان سے لیس ملک کی حفاظت کے جذبہ سے سرشار پہرہ دے رہی تھی، اس کی فوج میں ایسے غدار نہیں تھے جن کی وفاداریاں دشمن ملکوں سے وابستہ ہوں، دوسری طرف وہ داخلی فتنوں سے مامون، اخلاقی وروحانی اور مادی اطمینان وسکون سے زندگی کی شاہراہ پر گامزن تھی، رزق کی فراوانی تھی، ہر طرف سے رزق و دولت کے انبار ان کی طرف پہنچ رہے تھے، غرض داخلی وخارجی فتنہ سامانیوں سے بہت دور یہ بستی طمانینت وراحت کی زندگی گذار رہی تھی کہ اس بستی نے اپنے پروردگار کی نعمتوں کی ناشکری کی، اپنے مقصدِ وجود کو بھول کر خود کو شہوت وغضب کی قوتوں کے حوالہ کر دیا، روحانی قدریں پامال کر دیں گئیں، انسانیت واخلاق کی رواء زریں کو پارہ پارہ کر دیا گیا، پیغمبر کی تعلیمات کو پس پشت ڈال کر اغیار کے دروازوں کو دستک دینے لگے، اپنے نظام حیات کو چھوڑ کر فکر مستعار کے غلام ہو گئے، رشوت وچور بازاری اس ملک کا شیوہ بن گیا، عصبیت کے عفریت نے ان کے اتحاد کو پاش پاش کر دیا، اس کی فوج کی عظمت وشوکت کا سورج غروب ہونے لگا۔ اللہ رب العزت نے ان کو سزا دی، ان کو خارجی و داخلی فتنوں نے گھیر لیا، امن اور اطمینان کا لباس اتار کر ان کو خوف اور بھوک کا لباس پہنا دیا گیا، خوف اور بھوک ان کے وجود کے ساتھ لازم ہو گئی، جدا اور علیحدہ ہونے کا کوئی تصور نہیں کیا جا سکتا۔

آج ہمارا ملک بھی اسی قسم کے اندوہناک احوال سے گذر رہا ہے، اس کا ہمسایہ ملک روز بروز طاقتور بنتا جا رہا ہے، ایٹم بم کے تجربہ کے بعد وہ ہمارے دروازے پر ہائیڈروجن بم کا تجربہ کر رہا ہے، دوسری طرف قحط سالی کا خطرہ ہے جو ہمارے سروں پر منڈلا رہا ہے اس کے علاوہ وہ داخلی فتنے ہیں جو ہماری جڑوں کو کھوکھلا کر رہے ہیں، ملک کا بڑا حصہ کٹ چکا ہے، دوسرے حصوں کا رشتۂ اتحاد دن بدن کمزور ہوتا جا رہا ہے، اس دردناک صورت حال کا صحیح علاج تو یہ تھا کہ:

......اپنے رب کی طرف انابت اور اپنے گناہوں سے استغفار کیا جاتا۔

......پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات اور آپ کے اسوۂ حسنہ کو زندگی کا مطمح نظر بنایا جاتا، کتاب اور سنت کے مطابق زندگی گذارنے کا عہد کیا جاتا۔

......اسلام کا نظام زندگی ہر شعبہ میں جاری کیا جاتا۔

......اسلام کا نظام عدل وقضا بروئے کار لایا جاتا۔

سوشلزم صہیونی جال کا ایک پھندا ہے

غرض اسلام کے مہر جہان تاب کی روشنی سے قلب ونگاہ کو منور کر کے از سر نو زندگی کا سفر شروع کیا جاتا، آپ دیکھتے کہ تھوڑے ہی دنوں میں نکبت وذلت کے یہ بادل چھٹ جاتے اور ہماری عظمت رفتہ لوٹ آتی لیکن اس کے برعکس یہ ہو رہا ہے کہ وہی داستان دہرائی جارہی ہے جس سے یہ صورت حال پیدا ہوئی۔ اسلامی سوشلزم کے نعرے بڑے زور وشور سے لگائے جارہے ہیں، بعض وقت تو اسلامی کا لفظ بھی غائب کر دیا جاتا ہے اور صرف سوشلزم ہی رہ جاتا ہے، اس نعرہ کا تقریر وتحریر کے ذریعہ پروپیگنڈہ کیا جارہا ہے، دنیا جانتی ہے عقل وخرد رکھنے والا شخص سمجھ سکتا ہے کہ سوشلزم کا اسلام سے دور کا تعلق بھی نہیں ہے، سوشلزم ایک نظریہ ہے جس کے پس منظر میں خالص مادی نقطہ نگاہ کارفرما ہے، اس کی مستقل تاریخ ہے، روحانی اور اخلاقی قدروں سے عاری یہ نظریہ جب کسی ملک میں گیا اپنے پس منظر اور تاریخ کے ساتھ گیا، اس ملک کے اپنے نظریہ کو اس نے ختم کر دیا اور اس کی تاریخ نے اس کو اپنی تاریخ سے محروم کر دیا، مارکس اور لینن خدا فراموش ہی نہیں خدا سے باغی اس کے روح رواں ہیں، حقیقت یہ ہے کہ سوشلزم صہیونی جال کا ایک پھندا ہے جس قوم کے گلے میں یہ پھندا پڑ جاتا ہے وہ قوم روحانیت، اخلاق انسانیت سے تہی دامان ہو کر مادیت اور حیوانیت کے ظلمت کدہ میں بھٹکتی پھرتی ہے، اللہ تعالیٰ کا انکار، پیغمبر کی تعلیمات سے انحرف، اباحیت، اخلاق باختگی اس کا شعار بن جاتا ہے، پھر حیرت در حیرت اس پر ہے کہ سوشلزم کے نعرے اس ملک کے ذمہ دار لگارہے ہیں جس کے دستور میں کتاب وسنت پر عمل کرنے کی ضمانت دی گئی ہو اور جس کا سرکاری مذہب اسلام ہو، کیا ان کو معلوم نہیں کہ اسلام جامع ترین نظام حیات ہے، عقائد، عبادات، مناکحات، معاملات کے ساتھ ہی ساتھ اس کا اپنا اقتصادی نظام ہے جو نہایت متوازن اور معتدل ہے وہ افراط وتفریط سے خالی ہے، وہ انفرادی ملکیت کی اجازت دیتا ہے لیکن اس کے ساتھ مالداروں پر فرائض بھی عائد کرتا ہے، وہ تقسیم دولت کا قائل ہے، وہ ارتکازِ دولت کا مخالف ہے، اس نے زکاۃ، عشر، صدقہ فطر اسی لئے عائد کئے تاکہ دولت چند ہاتھوں میں مرتکز نہ ہو جائے، پھر وہ جہاں حقوق عطا کرتا ہے وہاں فرائض بھی عائد کرتا ہے، ہمیں شبہ ہے کہ سوشلزم کا نعرہ لگانے والے یا تو سوشلزم سے واقف نہیں یا اسلام سے واقف نہیں، اگر واقف ہیں تو قوم اور ملک کو تضاد اور نفاق میں مبتلا کرنے سے کیا فائدہ؟ شاید ان کو معلوم نہیں کہ قوموں کی زندگی میں تضاد اور نفاق سم قاتل ہے۔

اللہ تعالیٰ ہمارے حکمرانوں کو صحیح فہم عطا فرمائے، آمین۔

[ذوالحجہ ۱۳۹۴ء۔جنوری ۱۹۷۵ء]

اسلام کے نام پر حاصل کردہ مملکت پاکستان

کہا جاتا ہے کہ دنیا کے نقشے میں پاکستان پہلا ملک ہے جو اسلام اور صرف اسلام کے نام سے وجود میں

آیا، یعنی قیام پاکستان کے لئے جو سیاسی سطح پر جدوجہد ہوئی وہ صرف اسلام کے نام سے ہوئی، متحدہ ہندوستان میں جو تحریک چلائی گئی، تمام مسلمانوں کو متحد کیا گیا اور سیاسی تنظیم جس انداز سے ہوئی وہ صرف اسلام کے نام پر ہوئی، عوام یہی سمجھے، خواص یہی سمجھے، علماء یہی سمجھے، جاہل یہی سمجھے، تجارت پیشہ حضرات یہی سمجھے اور مزدور کار یہی سمجھے، غرض قوم کے تمام افراد سے یہی کہا گیا اور اسی انداز سے اتحاد کی کوششیں ہوئیں اور عوام کو یہی باور کرایا گیا کہ پاکستان کے معنی ہیں "لا الہ الا اللہ"۔

البتہ خواص الخواص یا اونچے قائدین یا برطانیہ کے ارباب اقتدار کچھ اور سمجھے ہوں تو ہوسکتا ہے بلکہ اس کا یقین ہوتا جارہا ہے کہ ان کی نیت کچھ اور تھی اور بعد کے حالات سے کچھ اس کی تائید ہوتی ہے اور شاید یہی وجہ ہے کہ اتنے بلند بانگ دعوؤں کے باوجود آج تک پاکستان میں ان حقائق کا خواب شرمندہ تعبیر نہ ہوسکا جن کا عوام کو یقین دلایا گیا تھا، کاش عوام کو اپنی حالت پر چھوڑتے تو اسلام اتنا رسوا نہ ہوتا، تاجر طبقہ نے کارخانے اور انڈسٹریاں چلاکر مالی واقتصادی ملک کی حالت مضبوط کی اور علماء امت اور صالحین نے دینی ادارے، دینی مراکز، مساجد وغیرہ دینی نظام کی حفاظت کی، پاکستان ایک باوقار مملکت کی حیثیت سے دنیا کی سطح پر ابھرا، لیکن افسوس کہ عرصہ دراز تک آئین اسلامی سے محروم رہا، وہی برطانیہ کا متعفن نظام جاری رہا اور اب بھی ہے کچھ عرصہ سے برائے نام آئین اسلامی وجود میں بھی آیا تو اس کے مطابق قانون سازی کا نظام اب تک شرمندہ عمل نہ ہوسکا بلکہ اسلام کی بیخ کنی کے لئے تدبیریں اختیار کی گئیں جن کے دہرانے کی ضرورت نہیں:

ماخانہ رمیدگان ظلمیم پیغام خوش از دیار مانیست

اسلام کا نام لے کر اسلام سے دشمنی

عقل حیران ہے کہ اس بدنصیب ملک کا کیا انجام ہوگا، قدرت کی طرف سے ایک شدید سزا مل گئی اور نصف پاکستان ختم کردیا گیا بقیہ نصف کا اللہ تعالیٰ حافظ وناصر ہو، لیکن اب تک نہ صرف یہ کہ ہوش نہیں آرہا ہے بلکہ غفلت وبے حسی انتہا تک پہنچ گئی، اسلام کے نام سے تمام اسلام کے ساتھ بدترین عداوت کا جو معاملہ ہورہا ہے اس کے تصور سے بھی رونگٹے کھڑے ہوجاتے ہیں، ایک طرف اگر پنجاب اسمبلی میں قرآن وسنت کی روشنی میں اقتصادی نظام کی باتیں سنائی دے رہی ہیں تو دوسری طرف سوشلزم کے نعرے اتنے زور سے لگائے جارہے ہیں کہ کانوں کے پردے پھٹنے آگئے، تعجب ہے کہ پنجاب اسمبلی نظامِ زکوٰۃ رائج کرکے زکوٰۃ وصول کرنے کی قرارداد منظور کرارہی ہے گویا باقی سارا اسلامی نظام تو رائج ہوگیا زکاۃ کے نظام کو درست کرنے کی تدبیر سوچی جارہی ہے، کون نہیں جانتا کہ نماز اسلام کی بنیاد اور بنیادی رکن ہے، اس کے لئے تو کوئی تدبیر نہ سوچی جائے، اسلامی عقائد کی حفاظت کی کوئی تدبیر نہ سوچی جائے، روزہ کی حفاظت کی کوئی تدبیر نہ کی جائے اور ملک میں ماہ رمضان المبارک

میں تمام ہوٹل کھلے رہیں، کوئی احتساب نہیں، شراب و زنا کے لائسنس جاری کئے جاتے ہیں، عریانی و فحاشی کو ہر صورت میں ہوا دی جا رہی ہے، اس صورت حال میں صرف زکاۃ کے نظام سے کیا تمام اسلامی نظام قائم ہو جائے گا؟ ہمیں تو اندیشہ ہے کہ صالح طبقہ کے لوگ اپنے اموال کی زکاۃ سے معاشرے کے نادار افراد کی جو خدمت کرنا چاہتے ہیں اس کا دروازہ بھی بند ہو جائے گا، زکوٰۃ کے مالی نظام پر قبضہ کر کے جو حضرات اپنے صدقات و زکوٰۃ سے اقارب اور فقراء و نادار حضرات کی ہمدردی کرتے ہیں اور کچھ دینی ادارے چلا رہے ہیں اس کو بھی گویا ختم کیا جا رہا ہے، عرصہ سے بار بار یہ کوشش کی گئی جو ناکام ہوئی، خدارا! اس قوم پر رحم کرو اور اگر تم سے اس کی صحیح دینی تربیت نہیں ہو سکتی تو اس کو اپنی حالت پر چھوڑ دو، ارباب خیر کے لئے ایک ہی دینی راستہ فقراء اور اصحاب حاجات کی خدمت کرنے کے لئے تھا وہ بھی بند کرنا چاہتے ہو، سینکڑوں مسائل ملک میں موجود ہیں، شراب پر پابندی لگانے کے لئے کوئی قرارداد پیش نہ ہو سکی، زنا کے کھلے لائسنس دینے کے لئے کوئی قانون نہ بن سکا، نائٹ کلبوں میں جو بے حیائی و عریانی کے روح فرسا مناظر موجود ہیں ان کے لئے کوئی بل پارلیمنٹ میں نہ آ سکا، ملک میں جو روز افزوں فحاشی و بے حیائی ہو رہی ہے اس کے لئے کوئی قرارداد منظور نہ ہو سکی، سینما اور ٹی وی پر جو کچھ دردناک روح فرسا گندگی اچھالی جا رہی ہے اس کے لئے کوئی تدبیر نہیں کی جا رہی ہے، ملک میں رشوت ستانی نے قوم کو تباہی و ہلاکت کے گڑھے میں پہنچا دیا ہے اس کے لئے کوئی مؤثر غور و فکر نہ ہو سکا، خدا فراموش قوم کو باخدا بنانے کے لئے کوئی مؤثر قدم اٹھانے کی توفیق تو نصیب نہیں ہوئی اگر رہ گیا تو بس ایک زکاۃ کا مسئلہ؟

اسلامی قانون بنانے کے لئے آج تک کوئی قدم نہیں اٹھایا گیا، حق تعالیٰ کے غضب کو دعوت دینے والے غیر اللہ کے قوانین پر آج تک محاکم میں فیصلے ہو رہے ہیں، اس کے لئے کوئی بل یا قرارداد پیش نہ کی گئی کہ اس لعنت کو اس ملک سے دور کیا جائے، اس کے لئے کیا کیا گیا؟ پاکستان اسلام کے لئے بنایا گیا تھا، تعلیماتی بورڈ سے لے کر شوریٰ کونسل تک اسلام کا کام ہجز دغا کے کیا کیا گیا؟ مسلمانوں کا ایک متفقہ عقیدہ اسلام کا متفقہ کلمہ رہ گیا تھا اس کو بھی ڈائنامیٹ لگانے کی کوشش جاری ہے، منیر رپورٹ (رسوائے عالم رپورٹ) نے اسلام پر کیسے آرے چلائے؟ کیا اسلام اسی کا نام رہ گیا ہے کہ سیرت کانگرس یا سیرت کانفرنس کر کے اپنے اسلام کا ثبوت دیا جائے؟ ادارہ تحقیقات قائم کر کے قوم کا لاکھوں روپیہ خرچ کر کے الحاد و زندیقیت کا بیج ڈالا جائے؟ اور اسلامی عقائد کو مسخ کر کے رکھ دیا جائے؟ کیا یہ اسلام کی خدمت ہوگی، الغرض قیام پاکستان کے طویل عرصہ میں وہ کون سی بے حیائی اور کون سا گناہ ہے جس کی پرورش نہ کی گئی ہو؟ اسلام کے چہرہ کو مسخ کر کے کیا کچھ نہیں کیا جا رہا ہے؟ ایک زکاۃ کا مسئلہ رہ گیا اس کو حل کیا جا رہا ہے؟

اللہ تعالیٰ رحم فرمائے اور صحیح سمجھ عطا فرمائے اور اسلام کی حفاظت کی غیبی تدبیر فرمائے، آمین۔

اسلام اور پردہ

سیرت کانگرس کے آخری استقبالیہ میں ہمارے وزیر اعظم نے جو تقریر فرمائی اس سے سیرت کانگرس سے وابستہ مقصد بے نقاب ہو گیا اور اسلامی پردے کے خلاف جو کچھ فرمایا اس پر بجز افسوس و حیرت کیا ہو سکتا ہے؟ جی یہ نہیں چاہتا تھا کہ ہمارے ملک کے سب سے بڑے صاحب اقتدار عالم اسلامی کے مندوبین کے سامنے ایسے رسوا ہوتے، عقل کا تقاضا یہ ہے کہ جس موضوع کی پوری اہلیت نہ ہو اس کو چھیڑا ہی نہ جائے، اسلامی پردے کی واضح ہدایات حق تعالیٰ کے آخری پیغام میں موجود ہیں، سورہ نور میں جس طرح احکام دیئے گئے ہیں انہیں وہ شخص جو قرآن کریم کا مطالعہ کر چکا ہو بخوبی جانتا ہے، سورہ احزاب میں تو امہات المومنین ازواج مطہرات کو جن کی طرف نگاہ اٹھانے سے ایمان ہی سلب ہو جاتا ہے، ان کو مخاطب کر کے اعلان کیا گیا:

﴿وَقَرْنَ فِيْ بُيُوْتِكُنَّ وَلَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِيَّةِ الْأُوْلٰى﴾[الاحزاب:۳۳]

کہ گھر میں جم کر بیٹھ رہو، باہر نکل کر جاہلیت اولیٰ کی سی بے حیائی و بے پردگی کا مظاہرہ مت کرو۔ جب امہات المؤمنین جیسی پاک دامن اور مقدس ہستیوں کو یہ حکم دیا جا رہا ہے تو عام مسلمان عورتیں کیسے اس سے مستثنیٰ رہ سکتی ہیں؟ بہر حال ہمارے وزیر اعظم کو سیرت کانگرس میں پردہ کے موضوع پر اظہار خیال کرتے ہوئے یہ خیال ہوا ہو گا کہ شاید میرے احترام کی وجہ سے باہر سے آنے والے مہمان خاموش رہ جائیں گے اور اس خاموشی کا فائدہ اٹھایا جائے گا لیکن انہی مندوبین سے اس فرض کفایہ کو ادا کرنے کے لئے جناب یوسف ہاشم رفاعی حکومت کویت کے سابق وزیر اوقاف نے ہمارے وزیر اعظم کے خیالات کی سخت تردید فرمائی، ان کی تقریر عربی میں تھی اور پھر خود انہوں نے انگریزی میں اس کا ترجمہ بھی کیا اور خود عربی کا انگریزی ترجمہ اس لئے کیا کہ کوئی دوسرا مترجم مضمون میں قطع و برید نہ کرے۔ حیرت ہے کہ کوئٹہ کے اجتماع میں ہمارے محترم وزیر اعظم نے پھر پردہ کے خلاف فتویٰ صادر فرما کر کچھ پردہ نشین عورتوں کو (نہ معلوم وہ بھی واقعی پردہ نشین تھیں یا مصنوعی طور پر پردہ نشینی کا پارٹ ادا کرنے والی بیگمات تھیں) حکم دیا کہ پردہ سے باہر نکل آؤ، خبر رساں ایجنسی کا کہنا ہے کہ ان عورتوں نے وزیر اعظم کے حکم کی تعمیل میں پردہ اٹھایا اور بے پردہ مردوں کے انبوہ میں شامل ہو گئیں، اگر یہ صحیح ہے تو وہ عورتیں جو اللہ ورسول کے حکم کے خلاف کسی کے حکم کی تعمیل کرنے والی ہیں بڑی لعنت کی مستحق ہو گئیں، کسی بھی شخص یا حکمران کی ایسی اطاعت جو اللہ ورسول کے قانون شرعی کے خلاف ہو واجب الامتثال نہیں ہے، بڑی جسارت ہے کہ ایک شخص اسلامی قانون سے سراسر بے خبر ہو اور وہ ایسے احکامات کا اقدام کرے جو سراسر اسلام کے خلاف ہوں، بجز افسوس اور حیرت کیا ہو سکتا ہے اور کمال ہے کہ قدم قدم پر ان غیر شرعی احکامات کے اعلانات ہوں اور دعویٰ ہو کہ ہم اسلامی قانون نافذ کرنے والے ہیں۔

اسلامی مساوات کسے کہتے ہیں؟

اور کمال یہ ہے کہ عورتوں کی عفت وعصمت کے محافظ پردہ کو اسلامی مساوات کے خلاف سمجھا جاتا ہے، کیا مساوات کے معنی یہ ہیں کہ مردوں اور عورتوں کے فرائض ایک جیسے ہوں گے؟ حق تعالیٰ نے ہر ایک نوع کو اور ہر ایک جنس کو ایک کام کے لئے پیدا کیا ہے، بیل گائے کا کام نہیں کرسکتا، گائے بیل کا کام نہیں انجام دے سکتی، آنکھ کا وظیفہ فطری دیکھنا ہے، کان کا سننا ہے، ہر ایک کی اپنی خاصیت ہے، اگر مرد کا کام عورت سے لیا جائے گا تو یہ ظلم ہوگا جس طرح عورت کا کام مرد سے لینا خلاف فطرت ہے ﴿فِطْرَتَ اللهِ الَّتِيْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا﴾ [الروم: ۳۰] حق تعالیٰ نے ہر چیز کی خاص فطرت رکھی ہے وہ چیز اپنے فطری تقاضے کو پورا کرے گی، کیا اسلامی مساوات کے یہ معنی ہیں کہ مرد عورت سب ایک ہی گاڑی میں جت جائیں؟ اور مرد و زن کا فرق نہ رہے؟ اسلامی مساوات کے معنی یہ ہیں کہ اسلام سے مشرف ہونے کے بعد عربی عجمی قرشی حبشی کالے گورے مکی مدنی افریقی یورپی سب میں اسلامی اخوت کی وجہ سے مساوات ہے، حق تعالیٰ کے یہاں سب برابر ہیں، سب حضرت آدم علیہ السلام کی اولاد ہیں اگر تفاوت مراتب ہے تو صرف تقویٰ وتقدس کی زندگی کی وجہ سے ہے، جس کا اعلان قرآن کریم کی سورہ حجرات میں کیا گیا ہے اور جس طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے آخری حجۃ الوداع کے موقع پر اعلان فرمایا تھا، یہ ہے اسلامی مساوات، یہاں اسلام میں قومیت، نیشنلزم اور ابیض واسود کا کوئی سوال نہیں، سب بھائی بھائی ہیں، فطرت نے جو فطری خواص ہر صنف میں رکھے ہیں ان کو مٹا کر مساوات کا نعرہ لگانا فطرت الٰہی کو مسخ کرنے کے مترادف ہے، جو حقوق والدین کے ہیں اولاد کے نہیں، جو بیوی کے ہیں بھائی بہن کے نہیں، جو مرد کے ہیں عورت کے نہیں، جو عورت کے ہیں مرد کے نہیں، تعجب ہے کہ اتنی موٹی سی بات بھی نہیں سمجھی جاسکتی ہے، اللہ تعالیٰ صحیح فہم عطا فرمائے اور عناد وضد سے بچائے اور اللہ تعالیٰ اسلام کو بازیچۂ اطفال نہ بنائے اور جس منصب کا جو اہل ہے اللہ تعالیٰ اس کو اس پر فائز کرے اور نااہلوں کی حکومت واقتدار سے اس امت کو نجات عطا فرمائے، آمین۔

[ربیع الثانی ۱۳۹۶ھ - مئی ۱۹۷۶ء]

مملکت پاکستان پر اللہ کا شکر کس طرح بجالایا جائے؟

قدیم ترین آسمانی قانون الٰہی ہے کہ نعمت کے شکر ادا کرنے سے جہاں حق نعمت ادا ہوتا ہے وہاں نعمت میں ترقی بھی ہوتی ہے قرآن حکیم کا ارشاد ہے: ﴿لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَأَزِيْدَنَّكُمْ﴾ [ابراہیم: ۷] اگر شکر نعمت ادا کرو گے تو اور زیادہ دیں گے۔ ملک خداداد پاکستان بلاشبہ عطیہ الٰہی تھا اس شکر نعمت کا طریقہ یہی تھا کہ صالح حکومت ہوتی، صالح قیادت کی سرپرستی میں قانون عدل کا پرچم لہراتا، شراب نوشی، فحاشی، بے غیرتی، ڈاکہ، چوری، قتل وقتال پر شرعی سزائیں نافذ ہوتیں، ہر طرح جان ومال وآبرو کی حفاظت ہوتی، خداترسی کی زندگی ہوتی، مسجدیں

آباد ہوتیں، ایک بہترین معاشرہ وجود میں آتا، حق تعالیٰ کی رحمتیں نازل ہوتیں، آسمان کے فرشتے دعائیں کرتے، زمینی مخلوق تعریفیں کرتی، ہر شخص اپنی جگہ مطمئن و قانع ہوتا، پولیس رعایا کی جان و مال کی حفاظت میں کوتاہی نہ کرتی، فوج مملکت کے حدود کی حفاظت کو اپنا فخر سمجھتی، سرکاری اداروں میں خدمت انجام دینے والے اصحاب پورا پورا فرض منصبی ادا کرتے، نہ حرام خوری ہوتی، نہ رشوت ستانی ہوتی، نہ خیانت ہوتی، الغرض ایک پاکیزہ اور صالح ترین معاشرہ جنم لیتا اور یہ دنیا بھی باشندوں کے لئے جنت بنتی:

بہشت آنجا کہ آزارے نباشد کسے را با کسے کارے نباشد

خدا بھی راضی، مخلوق خدا بھی راضی، روح بھی خوش، پیٹ بھی پر سکون۔

یہ ایک سرسری جائزہ ہے کہ نقشہ پاکستان کا کیسے ہونا چاہیے تھا، پھر بھی اگر یہ محسوس ہوتا کہ اتنی بڑی نعمت کا حق شکر ادا نہیں ہوا تو تقصیر کا احساس ہوتا اور اس تقصیر کے لئے اللہ تعالیٰ سے معافی مانگتے، بقول شیخ سعدی:

بندہ ہماں بہ کہ ز تقصیر خویش عذر بدرگاہِ خدا آورد

ورنہ سزاوار خداوندیش کس نتواند کہ بجا آورد

لیکن جو کچھ ہوا اور جو کچھ ہو رہا ہے اس کا نقشہ سامنے ہے، عیاں راچہ بیاں۔

''خموشی معنی دارد کہ در گفتن نمی آید''

پاکستان کی حفاظت کے لئے لطیفۂ غیبیہ اور قوم کی ناشکری

۶۵ء ستمبر میں ایک بڑے اور حیرت انگیز لطیفہ غیبیہ کا ظہور ہوا کہ پاکستان کی ظاہری ترقی وقوت کو اعداء اسلام دیکھ نہ سکے اور آنکھیں خیرہ ہونے لگیں، بین الاقوامی قانون جنگ سے بے نیاز ہو کر ہندوستان کی ہندو حکومت نے پاکستان پر بلا اعلان جنگ حملہ کر دیا لیکن اللہ تعالیٰ نے کیسی حفاظت فرمائی اور دشمن اسلام اپنے ناپاک ارادے میں کیسے ناکام ہوا اور حق تعالیٰ نے کیسے غیبی حصار کے ذریعہ ملک کو بچایا؟ دنیا پر پاکستان کا رعب بیٹھ گیا ایک ہی رات میں قوم باخدا بن گئی، ولی کامل بن گئی، اللہ تعالیٰ نے نجات عطا فرمائی، غیب کے فرشتوں نے حفاظت کی، اس عظیم نعمت کا شکر ادا کرنے کی ضرورت تھی، ایک غیبی تنبیہ تھی کہ سنبھل جائیں لیکن ہوا کیا کہ سرکاری احکامات جاری ہو گئے کہ اس فتح عظیم کو جہاد نہ کہا جائے، بجائے صدقات ونماز سے شکرانہ ادا کرنے کے رقص و سرود کی محفلیں قائم کی گئیں، ورائٹی شو کے روح فرسا مناظر دکھائے گئے، اس طرح شکریہ ادا کیا گیا، انا اللہ۔ بجائے طاعت وعبادت کے معصیت، فسق و فجور اور بے حیائی کا مظاہرہ کیا گیا، آخر عزیز منتقم نے سزا دی اور روس وامریکہ جیسی شدید العداوۃ طاقتوں کو پاکستان کے خلاف متحد ومتفق کر کے ہندوستان سے حملہ کروا کر آدھے سے زیادہ ملک کو ہم سے کاٹ دیا اور دنیا کے نقشے پر جو سب سے بڑی اسلامی مملکت تھی وہ چھوٹی حکومت میں تبدیل ہو گئی، کاش اس

تنبیہ سے عبرت حاصل کرتے لیکن ہوا کیا؟ وہ جو آپ دیکھ رہے ہیں اس پانچ سالہ حکومت میں کیا ہوا؟ اور اس سے پہلے پچیس سالہ دور حکومت میں کیا ہوا؟ سب آپ کے سامنے ہے۔

اب کچھ ایسا محسوس ہونے لگا ہے کہ شاید حق تعالیٰ اس قوم سے ناراض ہے اور اس کے غضب کے آثار نمایاں ہونے لگے ہیں اور شدید خطرہ ہوگیا کہ اس کا حشر بھی ان برباد شدہ ملکوں جیسا نہ ہوجائے، اللہ تعالیٰ اپنی پناہ میں رکھے، آمین۔ انتخابات کی ہنگامہ آرائی شروع ہوئی، خدا خدا کرکے وہ ہنگامہ ختم ہوا لیکن اس ہنگامہ آرائی نے ایک ایسی خطرناک ہنگامہ آرائی کا بیج ڈال دیا کہ نہ معلوم اس کی عاقبت کیا ہوگی؟ اس بتداء کی خبر کیا ہوگی؟

اعداء اسلام پاکستان پر نظر جمائے ہوئے ہیں وہ یہاں کٹھ پتلی حکومت کے خواہشمند ہیں، اگر بالفرض کوئی صالح دینی قیادت ابھرتی نظر آتی ہے تو انہیں اس کا خطرہ لاحق ہوجاتا ہے اور ''الکفر ملة واحدة''تمام کفر ایک ملت ہے کے مصداق آپس کے اختلافات کو ختم کرکے اس کے خلاف سب اعداء اسلام متفق ہوجاتے ہیں اور جو بھی غیر دینی قیادت ہو اس کو لبیک کہتے ہیں۔

دردناک صورت حال اور اس کا علاج

بہر حال موجودہ صورت حال ایک طرف انتہائی دردناک ہے اور شدید خطرہ ہے کہ ملک میں بدامنی اور بے اطمینانی کا دورہ شروع ہوکر خون ریزی شروع نہ ہوجائے اور وہ دردناک دور شروع نہ ہوجائے جس کے تصور سے بھی رونگٹے کھڑے ہوجاتے ہیں، دوسری طرف اصلاح انتہائی مایوس کن ہے اس لئے کہ گذشتہ تیس سالہ تجربات نے اصلاح کی صورت سے مایوس بنادیا ہے موجودہ صورت کا علاج ہماری نگاہ میں حسب ذیل ہے:

الف:.....تمام امت اسلامیہ پاکستان کے باشندے یوم توبہ وانابت منائیں، انفرادی واجتماعی طور پر یوم توبہ مقرر کرکے صلوۃ الحاجۃ پڑھیں اور اللہ تعالیٰ سے دعائیں مانگیں کہ:

''اے اللہ! ہم گناہ گار اور بدکار ہیں اور ہم اپنے گناہوں اور تقصیرات سے توبہ کرتے ہیں، ہمیں معاف فرما اور اس غضب آلود زندگی سے نجات عطا فرما کر رحمت انگیز حیات طیبہ نصیب فرما اور اس ملک وقوم پر رحم فرما کر صالح قیادت ہمیں نصیب فرما اور جو بزرگوں کو ہم نے گالیاں دی ہیں اور ان کی توہین کی ہے اور تیرے اولیاء وصالحین واتقیاء امت کی توہین وتحقیر کی ہے ہمیں معاف فرما اور آج بھی جن کی پاکیزہ روحوں کو ایذاء دیتے ہیں اے اللہ ہمیں معاف فرما اور اے اللہ پورے تیس سال پاکستان کے بیت گئے، اس دوران ہم نے جو بداعمالیاں کی ہیں اور تیرے غضب کو دعوت دینے والی جو زندگی اختیار کی ہے ہمیں معاف فرما اور اصلاح وتقویٰ کی زندگی عطا فرما اور ہمیں اپنی رحمت کاملہ کا مستحق بنا۔

الغرض ایک بات تو یہ ہے کہ اس طرح انفرادی واجتماعی توبہ کرکے سابقہ زندگی پر ندامت کے ساتھ

آئندہ صالح زندگی کا عزم کیا جائے۔

ب:......امت اسلامیہ پاکستان کے خواص وعوام دعوت واصلاح کی طرف توجہ کریں اور امت کی اصلاح کی علمی وعملی تدابیر اختیار کریں اور آج کل تبلیغی جماعت کے طرز پر عموم کے ساتھ اس کی اصلاح کی تدبیروں میں لگ جائیں اور دینی فضا پیدا کرنے کی محنت کریں اور ہر شخص اپنی صلاحیت وفرصت کے مطابق ہمت وتوجہ کرے۔

اور محسوس بھی ہوا کہ جب تک اس معاشرے کی اصلاح نہ ہو انتخابات کا صحیح نتیجہ ہوگا نہ پارلیمانی نظام سے فائدہ ہوگا، نہ اکثریت واقلیت کی بحثوں سے نتیجہ برآمد ہوگا نہ پارٹیوں کی حکومت سے فائدہ پہنچے گا، اگر قوم کی اصلاح ہوجائے تو پھر ان میں جو نمائندہ حکومت قائم ہوگی وہی درحقیقت قوم کے امراض کا صحیح علاج کرے گی، پھر جو کام انتہائی جدوجہد سے نہ ہو سکے گا وہ اشاروں میں ہوگا۔ بلاشبہ اس کام کے لئے کچھ عرصہ درکار ہوگا اور وقت لگے گا لیکن یہ مطلب بھی نہیں کہ بقیہ سیاسی تدابیر یک قلم ترک کردیں اور غیر صالح قیادت کو آزاد اور بلامحاسبہ چھوڑ دیں اگر ایسا ہوگا تو حکومت کی پوری طاقت ومشینری سے الحاد ودہریت کی قوتیں اتنی ابھر آئیں گی کہ اس سیلاب کو بند لگانا آسان نہ ہوگا بلکہ میرا مقصد یہ ہے کہ اصلاح کے دونوں طریقوں سے کام لینے کی ضرورت ہے، جس طرح ظاہری سیاسی تدابیر بردئے کار لائی جاتی ہیں اس سے زیادہ معاشرے کی اصلاح از ردئے دعوت وتبلیغ کی بھی ضرورت ہوگی اور جو صالح افراد پارلیمنٹ میں پہنچیں ان کا فریضہ صرف پارلیمانی تقاضوں کو پورا کرنا نہ ہوگا بلکہ اس کے ساتھ دوسرے فریضے کی طرف بھی پوری توجہ دینی ہوگی بہرحال اصلاح کی تکمیل تک اس عبوری دور میں دونوں طریقہ ہائے علاج سے کام لینا ہوگا۔

اس وقت جو سب سے بڑی فروگذاشت ہوئی وہ یہ کہ صرف سیاسی تدبیروں کو واحد علاج سمجھا گیا یا عملاً ایسا ہی ہوا، اگر ابتدائی طریقہ کار یہ ہوتا کہ ظاہری وباطنی دونوں طریقے بروئے کار لائے جاتے تو یہ روز بد ہمیں نہ دیکھنا پڑتا اور آج ہم قابل رشک مقام پر پہنچتے، اسی طرح ارباب دنیا اور اصحاب کارخانہ جات اور مالکان انڈسٹریز اگر صرف اپنی دنیا پر قانع نہ ہوتے اور اسی نعمت کو پاکستان کی قیمت نہ سمجھتے بلکہ اپنی اور دوسروں کی اصلاح ودعوت کی طرف توجہ کرتے تو آج جو خطرات ان کو پیش آئے اور آرہے ہیں اور وہ نعمت بھی چھینی گئی یا چھننے والی ہے یہ برا انجام ان کو نہ دیکھنا پڑتا، تاہم توبہ ورجوع کا اب بھی وقت باقی ہے بلکہ شاید اب امتحان کا وقت آگیا ہے کہ کیا یہ قوم اپنی مومنانہ شان کے ساتھ رہنا چاہتی ہے؟ یونس علیہ الصلوۃ والسلام کی قوم عذاب کے بادل چھا جانے کے بعد اخلاص سے توبہ کرنے سے نجات پاسکتی ہے تو مایوسی کا مقام نہیں، بلاشبہ بڑی غفلت ہوئی اور ہورہی ہے لیکن اب بھی من حیث القوم توبہ وانابت سے رحمت الٰہی کے دروازے کھل سکتے ہیں، چند افراد کی آہ وبکا سے نجات کی توقع سراب سے زیادہ کوئی حقیقت نہیں رکھتی، کیا حدیث نبوی میں یہ تصریحات موجود نہیں کہ بدی کی طاقتیں جب زیادہ

ہو جائیں تو صالحین کے ہوتے ہوئے بھی اللہ تعالیٰ کا عذاب نازل ہوسکتا ہے اور قوم تباہ ہوسکتی ہے(۱)، اور خود قرآن کریم میں حق تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَاتَّقُوْا فِتْنَةً لَّا تُصِيْبَنَّ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْكُمْ خَاصَّةً وَاعْلَمُوْا اَنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ﴾ [الانفال:۲۵]

اور تم ایسے وبال سے ڈرو کہ جو خاص ان ہی لوگوں پر واقع نہ ہوگا جو تم میں سے گناہوں کے مرتکب ہوتے ہیں اور جان رکھو کہ اللہ تعالیٰ سخت سزا دینے والے ہیں۔

حق تعالیٰ پاکستان اور پاکستان والوں کی حفاظت فرمائے اور امت کو صالح قیادت نصیب فرمائے اور امت کو صالح بننے کی توفیق مرحمت فرمائے، آمین یارب العلمین۔

وصلی الله علی خیر البریة سیدنا محمد رحمة للعالمین وعلی اصحابه وامته المرحومین

[ربیع الثانی ۱۳۹۷ھ/اپریل ۱۹۷۷ء]

پاکستان کے بحران کے باطنی اسباب

﴿هٰذَا بَصَآئِرُ مِنْ رَّبِّكُمْ وَهُدًى وَّرَحْمَةٌ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ﴾ [الاعراف:۲۰۳]

کچھ عرصہ سے ہماری یہ اسلامی مملکت شدید ترین بحران سے دوچار ہے، یہ بحران سیاسی بھی ہے اور اقتصادی بھی اور فوجی بھی، حق تعالیٰ کے تکوینی نظام کے کچھ اسباب بھی ہوا کرتے ہیں، یہ اسباب ظاہری بھی ہوتے ہیں اور باطنی بھی، ہمیں اس وقت ظاہری اسباب کے بارے میں کچھ کہنا نہیں، ان صفحات میں بارہا ان کی طرف اشارات وتنبیہات کر چکے ہیں اور وہ اتنے دقیق اور گہرے بھی نہیں ہیں کہ عوام کے فہم سے بالاتر ہوں، اس وقت تو باطنی اسباب یا اسرار قدرت کے بارے میں کچھ عرض کرنا مقصود ہے۔ گذشتہ ستمبر ۶۵ء میں لطیفہ غیبیہ کا جس طرح ظہور ہوا اور نصرت الٰہی اور غیبی برکات نے جس طرح اس ملک کو مالا مال اور دشمنان اسلام کی تدبیروں سے محفوظ فرمایا اور مغربی پاکستان پر ہندوستان کی یلغار کو اس طرح روکا اور ناکام بنایا کہ مسلمانوں میں حق تعالیٰ کی طرف رجوع اور انابت کی روح پیدا ہوگئی، دشمن کا رعب دلوں سے نکل گیا، پوری قوم چند لمحوں میں اپنے ناپسندیدہ اخلاق وکردار سے تائب ہوگئی، اخلاقی حالت میں تو عظیم الشان انقلاب آ گیا، جرائم تقریباً ختم ہو گئے اور جرائم پیشہ افراد

(۱) "عن زینب بنت جحش ان النبی ﷺ دخل علیها فزعا یقول: لا اله الا الله ویل للعرب من شر قد اقترب، فتح الیوم من ردم یاجوج وماجوج مثل هذه، وحلق باصبعیه الابهام والتی یلیها، فقالت زینب بنت جحش: قلت یارسول الله انهلك وفینا الصالحون؟ قال: نعم اذا کثر الخبث". صحیح البخاری، کتاب الانبیاء، باب قصة یاجوج وماجوج، ج:۱ ص:۴۷۲، ط: قدیمی. صحیح مسلم، کتاب الفتن واشراط الساعة، فصل من اشراط الساعة خروج یاجوج وماجوج، ج:۲ ص:۳۸۸، ط: قدیمی.

طبقات تائب ہو گئے، مسجدیں نمازیوں سے آباد اور تلاوت قرآن سے گونجنے لگیں، گھروں میں اللہ تعالیٰ کی یاد اور ختمات قرآن کے جلوے نظر آنے لگے، سنگ دل تاجروں کے دلوں میں بھی رقت پیدا ہوئی۔ یہ افسانہ نہیں واقعات ہیں، کل کی بات ہے، سب جانتے ہیں، مغربی پاکستان کی سالمیت کو اللہ تعالیٰ نے بدستور محفوظ و برقرار رکھا دشمنانِ اسلام کے اس کو ٹکڑے ٹکڑے کرنے کے منصوبے خاک میں مل گئے، حق تعالیٰ کے اس عظیم احسان کا قوم کو شکر ادا کرنا تھا لیکن جو کچھ ہوا آپ کے سامنے ہے:

''عیاں را چہ بیان''

چنانچہ اس کے چند ہی روز بعد اس سرعت سے معاشرے کی حالت بگڑنی شروع ہوئی اور اس حیرت انگیز انداز سے تمام فواحش و منکرات نے ترقی کی کہ عقل انگشت بدنداں ہے، اس ناشکری اور ان معاصی اور گناہوں کے ناگزیر قدرتی اثرات رونما ہوئے تمام ملک ان کی لپیٹ میں آ گیا جس طرح زہر کھانے سے موت آتی ہے اور جمال گوٹہ کھانے سے دست آتے ہیں، ٹھیک اسی طرح ہر معصیت اور گناہ کی ایک تاثیر ہوتی ہے اس کا ظاہر ہونا ناگزیر ہے۔

ہمارے ملک میں جو مہلک بیماریاں اس وقت روز بروز ابھر رہی اور پیدا ہو رہی ہیں، ملک کے عوام وخواص سب ہی شدید معاشی اقتصادی اور سیاسی اضطراب میں مبتلا ہیں، محکوم و حاکم دونوں ناقابل برداشت حد تک پریشان ہیں، قلوب میں سکون و اطمینان کلی طور پر مفقود ہو گیا ہے، دشمنوں کا رعب اور دبا ؤ حد سے زیادہ بڑھ گیا ہے، ان کی چیرہ دستیوں سے زبردستی چشم پوشی کر رہے ہیں، مشرقی پاکستان کی علیحدگی کے خطرات خطرناک صورت میں پیدا ہو گئے ہیں اور دوبارہ پاکستان کی سالمیت مخدوش ہو رہی ہے، ان سب خرابیوں اور امراض کے کچھ باطنی اسباب ہیں ہمارے معاشرے میں جو خرابیاں ناسور کی شکل اختیار کر چکی ہیں وہ یہ ہیں، سود ہے، رشوت ہے، شراب نوشی ہے، زنا ہے، قتل ہے، بے محابا غارت گری اور چوری ہے، بے پردگی اور عریانی ہے، ان مفاسد اور جرائم کی اتنی کثرت ہو گئی ہے کہ عقل حیران ہے، سود نے تمام معاشرے کو مفلوج کر دیا ہے، اس معصیت کو نہ چھوڑنے پر حق تعالیٰ کی طرف سے صریح اعلان جنگ ہے فرمایا ہے:

﴿فَإِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا فَأْذَنُوْا بِحَرْبٍ مِّنَ اللهِ وَرَسُوْلِهِ﴾ [البقرة:۲۷۹]

اگر تم بقیہ سود نہیں چھوڑو گے تو اللہ اور اس کے رسول کا اعلان جنگ سن لو، العیاذ باللہ۔

رشوت کے لئے بارگاہ نبوت سے فرمایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی لعنت ہو رشوت لینے اور دینے والے پر(۱)، شراب کے متعلق فرمایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی لعنت ہو جو شراب پیئے یا پلائے یا جو لائے اور جس

(۱) ''عن عبداللہ بن عمرو قال: لعن رسول اللہ ﷺ الراشی والمرتشی''۔ سنن الترمذی، ابواب الاحکام عن رسول اللہ ﷺ، باب ماجاء فی الراشی والمرتشی فی الحکم ج:۱ ص:۱۵۹، ط: فاروقی کتب خانہ ملتان. سنن ابی داؤد، کتاب القضاء، باب فی کراھیۃ الرشوۃ ج:۱ ص:۵۰۴، ط: حقانیہ.

کے لئے خریدے اور جو فروخت کرے اور جو تیار کرے وغیرہ وغیرہ(۱) اور اتنی وعیدیں آئی ہیں کہ سنگدل لوگوں کے بھی رونگٹے کھڑے ہوجاتے ہیں، حدیث شریف میں صاف اور صریح الفاظ میں آیا ہے: ''علانیہ سودخوری اور زنا کاری پر دنیا میں ہی اللہ تعالیٰ کا عذاب نازل ہوتا ہے''(۲)۔

الغرض بے شمار گناہ اور جرائم ہیں کہ روز بروز دن دونی رات چوگنی ان کی کثرت ہوتی جارہی ہے حکومت ہے کہ شراب اور زنا کے لائسنس دے رہی ہے، حرام بچوں کی شرح پیداوار بھی روز افزوں ترقی پر ہے، ماہ رمضان المبارک میں ہوٹل کھلے رہتے ہیں، علی الاعلان قانون خداوندی سے بغاوت اس ملک میں ہوتی رہی ہے، مختصر یہ کہ کون سی معصیت ہے جو ہمارے معاشرے میں نہیں ہورہی، یہ تمام گناہ ہی ہیں جو اللہ تعالیٰ کی لعنت اور غضب کو دعوت دے رہے ہیں اور رحمت الٰہی سے محروم کررہے ہیں، دوسری طرف عبادات نماز، روزہ، تقویٰ وطہارت کی زندگی دینداری وغیرہ جو حق تعالیٰ کی رحمت کے نزول کا ذریعہ ہیں وہ تیزی کے ساتھ روز افزوں تنزل پر ہیں، ختم نبوت جو اسلام کا بنیادی عقیدہ ہے اس کے نہ ماننے والوں کو اقتدار سونپا جارہا ہے، جن اکابر امت کے صدقے اسلام کی یہ نعمت آج تک محفوظ رہی ہے ان کو برملا برا کہا جارہا ہے اور ان کہنے والوں کے ہاتھوں میں ہی اقتدار آرہا ہے، ان تمام خرابیوں کا ہی لازمی نتیجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت روز بروز دور ہوتی جارہی ہے، لعنتیں برس رہی ہیں، قلوب سے سکون واطمینان مفقود ہورہا ہے، دماغوں میں صحیح شعور وادراک کا مادہ ختم ہورہا ہے۔

یہاں تک میں تقریباً آخر شعبان میں لکھ چکا تھا دوبارہ رمضان المبارک کے بعد حرمین شریفین سے واپسی پر چند حروف سپرد قلم کررہا ہوں۔

بھارت کا مشرقی پاکستان پر حملہ

آخر وہ شدید خطرہ جو لاحق تھا اس کا ظہور ہوگیا اور دشمن اسلام ودشمن پاکستان طاقت (بھارت) نے ازلی دشمنان اسلام طاقتوں کے ایماء پر مشرقی پاکستان پر دوبارہ باقاعدہ حملہ کردیا، بلاشبہ ہمارے اعمال تو اسی لائق ہیں کہ ان کی سزا دی جائے کیونکہ جو نعمت پاکستان کی صورت میں اللہ تعالیٰ نے ہمیں دی تھی ہم نے اس کا شکر نہیں ادا کیا نہ

---

(۱)''عن ابی علقمة وعبدالرحمن بن عبدالله الغافقی انهما سمعا ابن عمر یقول قال رسول الله ﷺ: لعن الله الخمر وشاربها وساقیها وبائعها ومبتاعها وعاصرها ومعتصرها وحاملها والمحمولة الیه''.

سنن ابی داؤد، کتاب الاشربة، باب العصیر للخمر ج:۲ ص:۵۱۷، ط: حقانیه.

سنن ابن ماجه، کتاب الاشربة، باب لعنة الخمر علی عشرة اوجه ص:۲۴۲، ط: قدیمی

(۲)''عن ابن عباس قال: نهی رسول الله ﷺ ان یشتری النمر حتی یطعم وقال: اذا ظهر الزنا والربا فی قریة حلوا بانفسهم عذاب الله''. شعب الایمان للبیهقی ج:۴ ص:۳۹۷، ط: دار الکتب العلمیة بیروت.

مجمع الزوائد، باب ماجاء فی الربا ج:۴ ص:۲۱۳، ط: دار الفکر بیروت

صرف یہ بلکہ ۶۵ء کی عظیم الشان نعمت خداوندی اور نصرت غیبی کے شکر کا جو تقاضا تھا اس سے بھی ہم نے مجرمانہ غفلت اختیار کی، خطرہ تو ہے کہ کہیں یہ اسی جرم کی سزا نہ ہو لیکن حق تعالیٰ کی رحمت بے غایت اور بے انتہا ہے اگر وہ ہمارے گناہوں پر ہمارا مؤاخذہ فرماتا تو ہم مدتوں پہلے ختم ہو گئے ہوتے اور ہم میں سے کوئی متنفس بھی زندہ نہ ہوتا لیکن اس کی بے پایاں رحمت ہے کہ ہم اب تک زندہ ہیں اور اللہ تعالیٰ کی نعمتوں سے مالا مال ہیں، امید ہے کہ یہی رحمت الٰہی اب بھی پاکستانی مسلمانوں کی دستگیری فرمائے گی اور جس طرح ۶۵ء میں غیبی نصرت کے خوارق و معجزات پیش آئے تھے اسی طرح اب بھی پیش آئیں گے۔ دعا ہے کہ رب کریم اپنے لازوال کرم سے دوبارہ ہمیں معاف فرمادے۔

بلاشبہ حالات انتہائی خوف و رجاء اور امید و بیم کی صورت اختیار کر رہے ہیں ہماری حالت تو اگرچہ پاداش وسزا کی متقاضی ہے لیکن حدیث قدسی میں ارشاد ہے: ''میری رحمت میرے غضب سے پہلے اور غالب ہے''(۱)۔ اس لئے امید ہے کہ پروردگار عالم اپنے فضل وکرم سے امید اور رجاء کا پہلو خوف وبیم پر غالب رکھیں گے اور اس میں تو شک ہی نہیں کہ توبہ کا دروازہ ابھی بند نہیں ہوا ہے، اب ضرورت ہے کہ ہم اپنے گناہوں سے بصدق دل توبہ کریں اور اپنی تقصیرات و ناشکری کی معافی مانگیں اور حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی جو سنت ہے یعنی ایسے نازک مواقع پر نماز میں قنوت نازلہ پڑھنا اس کو صدق دل سے اختیار کریں، صبح کی نماز میں دوسری رکعت کے رکوع کے بعد اسلام، عساکر اسلام اور مسلمانوں کی نصرت کی دعائیں مانگی جائیں، امام بآواز بلند دعائیہ کلمات کہے اور مقتدی پوری توجہ اور خشوع وخضوع کے ساتھ آمین کہتے رہیں، کراچی کے بعض مخلصین نے عوام کی رہنمائی کے لئے قنوت نازلہ اور اس کے پڑھنے کے طریقے کتابچہ کی شکل میں طبع کرا کے شائع کر دیئے ہیں اور نماز ہی کی کیا تخصیص ہے اپنی تمام دعاؤں میں اسلام اور مسلمانان عالم کی فتح ونصرت خصوصاً پاکستانی مسلمانوں کی کامیابی اور دشمنان اسلام کی تباہی کی دعائیں کرنی چاہئیں۔

پاکستان میں اسلامی شعائر کا احترام اور اس کی وجہ

اگر قریب سے تمام عالم اسلام کا جائزہ لیا جائے تو معلوم ہو جائے گا کہ الحمدللہ پاکستان میں اب بھی اسلامی شعائر کی تعظیم واحترام بقیہ ملکوں سے بہت زیادہ موجود ہے۔ پاکستانی عوام کے ذریعہ آج بہت کچھ دینی چہل پہل برقرار ہے، پاکستان کے وجود میں آنے کے بعد یہ تمام مسجدیں، دینی ادارے، مدرسے، مکتب اور ان میں حکومت کے اثر سے آزاد دینی خدمات جس قدر انجام پا رہی ہیں یہ سب پاکستان کے عام ارباب خیر کی دینی

(۱) صحیح البخاری، کتاب بدأ الخلق، باب ماجاء فی قول الله: وهو الذی یبدأ الخلق ثم یعیده وهو اهون علیه ج:۱ ص:۴۵۳، ط: قدیمی.

صحیح مسلم، کتاب التوبة، باب سعة رحمة الله تعالیٰ وانها تغلب غضبه ج:۲ ص:۳۵۶، ط: قدیمی

حمیت اور کوششوں کا نتیجہ ہے، روئے زمین کے کسی ملک کے مسلمان بھی اس معاملہ میں پاکستانی ارباب خیر کی ہمسری نہیں کر سکتے۔

برطانوی اقتدار کے دور میں ہمارے اکابر و اسلاف نے جب یہ محسوس کیا کہ حکومت اور طاقت اب غیر اسلامی ہاتھوں میں جا رہی ہے اور آئندہ حکومتوں سے کسی خیر اور دینی حمیت کی توقع نظر نہیں آتی اب تو عام مسلمانوں کی مذہبی اور اخلاقی رہنمائی کی غرض سے دینی خدمات جو بھی ہوں آزاد دینی معاہد و مدارس اور دار الافتاء یا مساجد و خانقاہوں کے ذریعہ انجام دینی ہوں گی اور خود مسلمانوں خصوصاً عوام کو ان کی کفالت کرنی ہوگی اس عاقبت اندیشی کا نتیجہ ہے کہ دینی شعائر کا قیام حکمرانوں کے ہاتھوں سے منتقل ہو کر عام مسلمانوں کے ہاتھ میں آ گیا اور تمام دینی نظام کا دارومدار آزاد ارباب خیر اور آزاد ارباب علم و فضل کی مساعی اور توجہات پر ہو گیا۔ چنانچہ حکمران کافر تھے جب بھی دین اس ملک میں اسی طرح باقی رہا اور خدا کے فضل سے یہی سنت مستقل طور پر قائم ہو گئی لیکن دوسرے اسلامی ممالک میں حالات اس سے مختلف رہے۔ آج تک مساجد کی تعمیر، جامعات و معاہد کی تاسیس اور تمام دینی نظام کی کفالت حکومت کے ذمہ ہے اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ان ملکوں میں جہاں اسلامی حکومت کا دینی مزاج بگڑ گیا تمام دینی نظام بھی اس سے متاثر ہوئے، کم وبیش یہی تمام اسلامی ممالک کا حال ہے۔ الحمد للہ کہ تمام پاکستان میں جو کچھ دینی رونق ہے وہ پاکستانی مسلمانوں کی جدوجہد کی مرہون منت ہے اور اس کا افسوس ہے کہ حکومت اسلامی کہلانے کے باوجود اس میں کوئی حصہ نہیں لیتی اور شاید حق تعالیٰ کے تکوینی نظام کی مصلحت وحکمت یہی ہو۔

برطانوی اقتدار اور حکومت سے جہاں روح فرسا اذیتیں مسلمانوں کو متحدہ ہندوستان میں پہنچیں وہاں ایک عظیم فائدہ بھی مسلمانوں کو پہنچا کہ انہوں نے دینی خدمتوں کی خود کفالت کرنا اور ان کو حکومت کے اثر سے آزاد رکھنا سیکھ لیا۔ بلاشبہ آج بھی پاکستان تمام عالم اسلام کی دینی قیادت کی اہلیت رکھتا ہے اور دینی اقدار تمام عالم سے زیادہ اس خطۂ پاک میں نمایاں ہیں، تمام عالم اسلام خصوصاً عربی ممالک میں حکومت کے اثر سے یورپ کی نقالی کی جو وبا پھیل گئی ہے الحمد للہ پاکستان بدرجہا ان سے بہتر حالت میں ہے۔ خدانخواستہ پاکستانی مسلمان بھی اگر اپنی خصوصیات کھو بیٹھیں تو بس اللہ تعالیٰ ہی اسلام کی حفاظت فرمائے گا، ضرورت ہے کہ اس عام دینی روح اور اس عمومی دینی مزاج کو بہر صورت و بہر حالت باقی رکھا جائے، اسی وسیلہ سے اہالی پاکستان کو اللہ تعالیٰ کی رحمت کی کچھ امید ہو سکتی ہے۔

ربنا لا تؤاخذنا ان نسينا او اخطانا ربنا ولا تحمل علينا اصرا كما حملته على الذين من قبلنا ربنا ولا تحملنا ما لا طاقة لنا به واعف عنا واغفرلنا وارحمنا انت مولانا فانصرنا على القوم الكافرين (آمین)

[شوال ۱۳۹۱ھ - دسمبر ۱۹۷۱ء]

آئینی بحران اور اس کا دانشمندانہ حل

الحمد للہ کہ آئین کے مسئلہ پر جو بحران ایک عرصہ سے چلا آرہا ہے تھا اور جس نے بڑھتے بڑھتے سنگین صورت حال اختیار کر لی تھی بالآخر حسن تدبر سے اس پر قابو پالیا گیا، پاکستان کے افق پر جو سیاہ گھٹائیں چھائی ہوئی تھیں وہ چھٹ گئیں، قوم جس خطرناک موڑ پر آکھڑی ہوئی تھی وہ خطرہ ٹل گیا اور حزب اقتدار و حزب اختلاف نے متفقہ طور پر آئین منظور کر لیا، گویا مایوس کن حالات میں اللہ تعالیٰ کی رحمت شامل حال ہوئی ناامیدی کے دھند لکے سے امید کی کرن پھوٹ نکلی اور ماحول میں خوشگوار فضا پیدا ہوگئی، فالحمد لله حمدا کثیرا۔

یہ بحران دوسرے بہت سے مسائل کی طرح حزب اقتدار اور حزب اختلاف کی رسہ کشی کی پیداوار تھا حزب اقتدار کو اپنی اکثریت پر ناز اور اپنی طاقت پر اعتماد تھا وہ دستوری مسائل میں اپنی رائے پر بضد اور اپنے مجوزہ دستور کو بہر صورت منوانے پر مصر تھی، ادھر حزب اختلاف کی طرف سے دستور کے خلاف عوامی تحریک چلانے کا اعلان کیا جارہا تھا، ان کا خیال تھا کہ مجوزہ دستور چونکہ عوام کی نمائندگی نہیں کرتا اس لئے عوام کی طاقت ان کے ساتھ ہوگی، خدانخواستہ شقاق و نفاق اور فساد باہمی کی یہ کیفیت باقی رہتی تو حالات کا جو بھیانک اور مکروہ نقشہ مرتب ہوتا اس کے تصور سے بھی رونگٹے کھڑے ہوجاتے ہیں، اللہ تعالیٰ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ فریقین کو بروقت صحیح سمجھ آگئی، جانبین نے موقع کی نزاکت کو اچھی طرح محسوس کر لیا، غلط فہمیاں دور ہوئیں اور بڑی حد تک خیر سگالی کی فضا پیدا ہو گئی، حزب اختلاف کی کچھ ترمیمات قبول کر لی گئیں اور بعض ترمیمات کے بارے میں انہوں نے تسامح سے کام لیا کہ چلئے جتنا کام ہوا ہوگیا بقیہ کی تکمیل پھر ہوتی رہے گی، ان مایوس کن حالات میں جو کچھ ہوا وہی صد غنیمت ہے، بہر حال ابلیس لعین کی امیدیں خاک میں مل گئیں اور قوم تصادم اور ٹکراؤ سے بال بال بچ گئی ورنہ خاکم بدہن خطرہ تھا کہ قوم کی کشتی آئین کے ساحل سے ٹکرا کر ایک بار پھر ٹوٹ جائے گی، اللہ تعالیٰ کا بے حد شکر ہے کہ:

''رسیدہ بود بلائے ولے بخیر گذشت''

آئینی بحران اور اس کا دانشمندانہ حل ہمارے قومی رہنماؤں کے لئے ایک سبق آموز واقعہ کی حیثیت رکھتا ہے کہ تمام متنازع فیہ مسائل کو اسی نہج پر سلجھایا جاسکتا ہے، ضد، تعصب اور کبر و غرور سے مسائل جنم لیتے ہیں، کشاکشی پیدا ہوتی ہے اور انتشار پھیلتا ہے اور کشادہ ذہنی، رواداری اور تواضع سے افہام و تفہیم کا راستہ کھلتا ہے اور مسائل کے سلجھانے میں مدد ملتی ہے، ہمارے یہاں یہ بڑی بری رسم چل نکلی ہے کہ جو شخص اپنی رائے سے موافقت کرتا ہو اس کی ہر خطا صواب ہے اور ہر گناہ ثواب اور جو شخص اختلاف رائے کا مرتکب ہو، اس کے لئے بد سے بدتر لفظ کا لغت سے انتخاب کرنا ضروری ہے، جب ہر فریق اپنے تئیں عقل کل سمجھے، جب مخالف کی آواز کو ہر جائز و ناجائز طریقہ سے دبانے کی کوشش کی جائے اور جب متانت و سنجیدگی، عدل و انصاف اور باہمی عزت و احترام کے

بجائے شور وشغب، ظلم وتعدی اور دوسروں کی تجہیل وتحمیق کو کامیابی کا راستہ فرض کرلیا جائے تو معمولی سے معمولی مسئلہ بھی عقدہ لاینحل ہو کر رہ جاتا ہے اور اس کے برعکس جب ہر شخص تواضع اور فروتنی کا پیکر ہو، جب جہد للبقاء کے سفر میں ہر شخص کو دوسروں کی مدد کی ضرورت کا بھرپور احساس ہو اور جب آپس میں اتحاد واعتماد اور ایثار وقربانی کی فضا قائم ہو تو دنیا کا کوئی مشکل سے مشکل مسئلہ ایسا نہیں جسے حل نہ کیا جاسکے۔

خطا ونسیان بشریت کا خاصہ ہے اور انبیاء علیہم السلام کے ماسوا کوئی شخص نہ معصوم محض ہے اور نہ مطاع مطلق، کوئی شخص کمزوریوں سے مستثنیٰ نہیں ہوسکتا، اسلام کی تعلیم یہ ہے کہ دوسروں کی خوبیوں کا اعتراف کرو اور اپنی کمزوریوں پر نظر ڈالو، اس سے باہمی رواداری اور حق شناسی کے جذبات ابھریں گے اور باہمی محبت واعتماد کی فضا پیدا ہوگی برخلاف اس کے کبر وغرور سے نفرت وبیزاری پیدا ہوگی اور عداوت وبداعتمادی کا ماحول جنم لے گا۔

شیطان یہ سمجھتا ہے کہ اگر تم نے دوسرے کی بات مان لی تو تمہاری سبکی ہوجائے گی، ناک کٹ جائے گی اور دنیا تمہیں بنظر حقارت دیکھے گی، اس کے برعکس نبوت کی تعلیم یہ ہے کہ:

من تواضع لله رفعه الله ومن تكبر وضعه الله(۱)

جو اللہ کی خاطر جھک جائے اللہ تعالیٰ اسے اونچا کردیتے ہیں اور جو تکبر کرے اللہ تعالیٰ اسے نیچا کردیتے ہیں، کبر سے ایک تو معاملات الجھتے ہیں، دوسرے خود متکبر لوگوں کی نظر میں ذلیل ہوجاتا ہے اور فروتنی سے نہ صرف معاملات سلجھتے ہیں بلکہ ایسے شخص کو عزت ووقار اور قدر ومنزلت کی نظر سے دیکھا جاتا ہے۔

الغرض آئینی مصالحت سے جو خیر سگالی کی فضا پیدا ہوئی ہے اس کو مزید بڑھانے کی ضرورت ہے، باہمی تو تکار سے تلخی بڑھتی ہے، کشیدگی میں اضافہ ہوتا ہے، قلوب میں نفرت وبیزاری کے کانٹے چبھتے ہیں، فضا مکدر اور حقائق مشتبہ ہوجاتے ہیں، باہر کی دنیا میں ہوا اکھڑ جاتی ہے، وزن گھٹ جاتا ہے اور زندگی اجیرن ہوجاتی ہے۔

قوموں کا آئین اور دستور

دستور ساز اسمبلی کے آخری اجلاس میں صدر مملکت کی تقریر کا یہ جملہ قابل قدر ہے کہ ”آئین کوئی مقدس صحیفہ نہیں کہ اس میں مناسب ترمیم نہ کی جاسکے“۔ اس سے واضح ہوتا ہے کہ آئین میں بعض چیزیں اصلاح طلب ہوسکتی ہیں، اس ضمن میں ہماری گذارش یہ ہے کہ یہ اصلاح کا کام جتنی جلدی ہوجائے اچھا ہے، اس کو محض اس انتظار پر ملتوی نہیں رکھنا چاہیے کہ جب لوگوں کی طرف سے اس کا مطالبہ ہوگا اور اس کے لئے باقاعدہ تحریک چلے گی یا جب حکومت کو کسی قانون کے نفاذ میں دقت پیش آئے گی تو آئینی سقم کی اصلاح کرلی جائے گی، سب جانتے ہیں کہ دستور کسی قوم کا وہ بنیادی قانون ہے جو اس کے قومی وجود کے لئے خشت اوّل کی حیثیت رکھتا ہے، اگر اس میں ذرا بھی کجی

(۱) مشکوۃ المصابیح، کتاب الآداب، باب الغضب والکبر ج:۲ ص:۴۳٤، ط: قدیمی

رہ جائے تو "تا ثریا می رود دیوار کج" والا قصہ ہوتا ہے، دستور ملت کے قومی سفر کا سنگ میل ہے جو اسے نشان منزل سے آگاہ کرتا ہے، سابقہ دساتیر کی غلطیوں نے قوم کو آج تک "وادی تیہ" کا مسافر بنائے رکھا جو پچیس سال گھوی پھری، سفر کے تکان سے اس کے قویٰ مضمحل اور اعضاء شل ہو گئے مگر اسے منزل تک رسائی نصیب نہ ہوئی اگر اس متفقہ دستور میں خدانخواستہ کوئی نادانستہ غلطی بھی باقی رہی تو اندیشہ ہے نجات مشکل ہے کہ قوم آج نہیں تو کل پھر اپنی منزل سے بھٹکنے لگے، آئین آئے دن نہیں بنا کرتے، نہ عقلاء و جہلاء کے جم غفیر کا کسی چیز پر متفق ہونا آسان ہے۔

سربراہ مملکت کی ذمہ داریاں

آئین کی متفقہ منظوری کے بعد صدر محترم کی شخصیت باہر کی دنیا میں بڑی قدآور ہو گئی ہے اور ان کا وزن کئی گنا بڑھ گیا ہے، اب ان کا تعارف صرف اکثریتی پارٹی کے لیڈر کی حیثیت سے نہیں ہوگا بلکہ پوری قوم کی نمائندگی کا تاج ان کے سر پر ہوگا اور وہ بیرونی حریفوں سے پورے عزم و اعتماد کے ساتھ نمٹ سکیں گے، لیکن اگر ایک طرف ان کے وقار میں اضافہ ہوا ہے تو دوسری طرف پوری قوم کی عظیم مسئولیت بھی انہی پر آن پڑی ہے کل فردائے قیامت میں اللہ ذوالجلال کی عدالت میں جب ان کی پیشی ہوگی تو پوری قوم کا بار امانت ان کے کندھوں پر ہوگا اور انہیں پوری قوم کے اعمال اور کارناموں کے بارے میں جوابدہی کرنا ہوگی، اگر ملک میں صحیح آئین نافذ ہوا اس کی روشنی میں خدا تعالیٰ کا پسندیدہ قانون رائج ہوا اور عدالتوں میں اسلامی عدل کے مطابق فیصلے ہوئے تو ان سب کا اجر و ثواب ان کے نامہ عمل کی زینت ہوگا اور اگر ان کے مرتب کردہ آئین میں ایک بھی غلطی ہوئی اور اس کے مطابق ایسے قوانین وضع کئے گئے جن پر رضائے خداوندی کی مہر ثبت نہیں تھی اور عدالتوں میں غیر اسلامی قانون کے مطابق فیصلے ہوئے تو اس کا بار گناہ بھی سربراہ مملکت کی گردن پر ہوگا، رعایا کے جو حقوق اللہ تعالیٰ کی جانب سے حکومت پر عائد کئے گئے ہیں اگر ان کے ادا کرنے میں کسی امیر، وزیر یا ماتحت افسر نے کوتاہی کی تو اس کی باز پرس صرف اسی سے نہیں بلکہ صدر مملکت سے بھی ہوگی، ارشاد نبوی ہے:

الا کلکم راع وکلکم مسئول عن رعیتہ(۱)

کان کھول کر سن لو! تم میں سے ہر شخص (اپنے اپنے دائرے میں) نگہبان ہے اور ہر شخص اپنی رعیت کے بارے میں مسئول ہوگا۔ صدر مملکت کی اس اہم مگر نازک حیثیت کے پیش نظر ان کا اولین فرض یہ ہے کہ وہ آئینی اصلاحات کو فردائے انتظار پر معلق نہ رکھیں بلکہ جہاں ممکن ہو جلد از جلد چوٹی کے ماہرین دساتیر اور ماہرین قانون اسلام سے مشورہ لے کر آئین کو ہر خامی سے ممکن حد تک پاک کرائیں اور پھر اس کے مطابق صحیح قوانین وضع

---

(۱) صحیح البخاری، کتاب الاحکام، باب قول اللہ واطیعو اللہ واطیعواالرسول واولی الامر منکم ج:۲ ص: ۱۰۵۷، ط: قدیمی۔

کرائیں تاکہ یہ امت رب العالمین کی رحمت اور جود و کرم کے نفحات طاہرہ سے بیش از بیش متمتع ہو، ایسا نہ ہو آئین کچھ کہے اور قانون اسلام کچھ اور ایسا نہ ہو کہ ہمارے دین اور ہمارے آئین کے مابین ہم آہنگی نہ ہونے کی وجہ سے ''اسلام در کتاب و مسلمانان در گور'' کا مضمون صادق آئے اور قرآن کریم ایسی پاکیزہ کتاب کے ہوتے ہوئے اور اس پر دعوائے ایمان کے باوجود ہمارے اعمال ایسے ہوں کہ:

''جنہیں دیکھ کے شرمائیں یہود''

تمام رائج الوقت قوانین جو آئین اسلام کے خلاف ہیں بیک جنبش قلم انہیں موقوف کر دیا جانا چاہیے اور جدید قوانین اسلامی اصولوں کے مطابق نافذ اور رائج کئے جانے چاہئیں، یہی ایک صورت ہے جس کے ذریعہ ہم رحمت الٰہی کے مستحق ہو سکتے ہیں۔ قہر خداوندی سے بچ سکتے ہیں اور ایک اور مہلت جو ہمیں عطا کی گئی ہے اس سے دانشمندی کے ساتھ فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔

آئین میں اصلاح طلب چند امور

اسلامی نقطہ نظر سے آئین میں کن اصلاحات کی ضرورت ہے؟ اس کے بارے میں تو اپنی ناقص رائے کا اظہار ہم اسی وقت کریں گے جب پورا آئین ہمارے سامنے آئے گا البتہ اخبارات کے ذریعہ جتنا کچھ سامنے آ سکا ہے اس کے پیش نظر اپنی کم مائیگی اور بے بضاعتی کا پورا پورا اعتراف کرتے ہوئے یہاں چند امور کی طرف توجہ دلانا ضروری معلوم ہوتا ہے۔

اسلامی آئین کسے کہتے ہیں؟

آئین کے واضعین کی جانب سے بڑی شدت و اصرار کے ساتھ یہ فرمایا گیا ہے کہ آئین اسلامی جمہوری اور وفاقی ہے، یہ امر کسی تشریح کا محتاج نہیں کہ وہی آئین اسلامی آئین کہلانے کا مستحق ہوگا جس میں اعلان کیا گیا ہو کہ:

① حکومت کا کوئی اقدام اسلام کے خلاف نہیں ہوگا۔

② مملکت کے تمام مسلم شہریوں پر اسلامی فرائض کی پابندی قانوناً لازمی ہوگی۔

③ ہر شہری اسلام کے عدل عمرانی سے مستفید ہوگا اور اسلامی معاشیات کا نفاذ ہوگا۔

④ ممنوعات شرعیہ پر اسلامی تعزیرات جاری ہوں گی۔

⑤ ملک کی تمام عدالتیں صرف اسلامی قانون کی پابند ہوں گی اور اس آئین کے نفاذ کے دن سے تمام رائج الوقت غیر اسلامی قوانین منسوخ تصور کئے جائیں گے۔

⑥ خدا اور رسول کے صریح احکام بغیر کسی مسخ و تحریف کے نافذ کئے جائیں گے اور ان پر کسی اتھارٹی کو

رائے زنی کا حق حاصل نہیں ہوگا۔

⑦ مجلس قانون ساز کا کوئی فیصلہ اگر اسلامی اصول کے منافی ہو تو عدالت عالیہ میں اسے چیلنج کرنے کا ہر مسلمان کو حق ہوگا۔

⑧ اسلامی شعائر کا تحفظ کیا جائے گا اور ان کی بے حرمتی مستوجب سزا ہوگی۔

⑨ منافی اسلام سرگرمیاں ممنوع ہوں گی۔

⑩ مسلمانوں کو گمراہ کرنے کی کسی کو اجازت نہیں ہوگی اور

⑪ ارتداد کو اسلام کے خلاف بغاوت تصور کیا جائے گا اور اس کی وہی سزا ہوگی جو بغاوت کی ہو سکتی ہے۔

پاکستان کے جدید اور قدیم دساتیر کا فرق

اس میں شک نہیں کہ اسلامی نقطۂ نظر سے نیا دستور سابقہ دساتیر سے فی الجملہ بہتر ہے، اس کا دیباچہ اسلام کے حق میں خاصا پر جوش ہے، دیباچہ دستور میں اللہ کی حاکمیت کا اعلان بھی خوب ہے (اگرچہ وزیر قانون کی وضاحت کے مطابق اسے کسی قسم کا آئینی تحفظ حاصل نہیں، نہ اس کی کوئی آئینی حیثیت ہے) دستور میں یہ بھی تسلیم کیا گیا ہے (اگرچہ بڑی ردوکد اور گریز پائی کے بعد ہی سہی) کہ ملک کا سرکاری مذہب اسلام ہوگا، صدارتی عہدہ کے لئے اسلام کی شرط بھی رکھی گئی ہے، حزب اختلاف کی درخواست پر سوشلزم کا لفظ حذف کر دیا گیا ہے اور یہ ضمانت بھی دی گئی ہے کہ کوئی قانون کتاب وسنت کے منافی نہیں بنایا جائے گا (اگرچہ اس کو برسوں پر معلق کر دیا گیا ہے اور اس کے ساتھ مشاورتی کونسل کی "ایوبی بدمست" کا لاحقہ بھی چسپاں کر دیا گیا ہے) ہم ان تمام امور کے لئے واضعین دستور کے شکر گذار ہیں مگر یہ ساری چیزیں تو کم وبیش سابقہ دساتیر میں بھی موجود تھیں۔ سوال یہ ہے کہ کیا نئے آئین میں یہ بات کہی گئی ہے کہ ہر معاملہ میں اسلام کو بالادستی حاصل ہوگی؟ یا کسی اسلامی عقیدے، اسلامی شعائر یا اسلام کے کسی اصول اور قانون کو آئینی تحفظ دیا گیا ہے؟ کیا اسلامی عدالت پر اسلامی قانون کے مطابق فیصلہ کرنے کی پابندی عائد کی گئی ہے؟ کیا اسلامی تعزیرات کے نفاذ کا اعلان کیا گیا ہے؟ کیا مسلمانوں پر اسلامی فرائض کی پابندی کو لازم کیا گیا ہے؟ کیا انسداد ارتداد کے لئے کچھ کیا گیا ہے؟ کیا اسلام کش سرگرمیوں پر قدغن لگائی گئی ہے؟ کیا یہ اعلان کیا گیا ہے کہ اسلامی مملکت خدا اور رسول کے احکام کو جوں کا توں نافذ کرنے کی پابند ہے؟ کیا یہ ضمانت دی گئی ہے کہ اگر پارلیمنٹ یا کوئی ماتحت ادارہ اسلام کے خلاف کوئی فیصلہ کرے تو اسے چیلنج کیا جا سکتا ہے؟

اگر ان تمام سوالات کا جواب نفی میں ہے تو خود اپنے ضمیر سے دریافت فرمائیے کہ یہ دستور کہاں تک اسلامی دستور کہلانے کا مستحق ہے؟ اور اللہ تعالیٰ کی نظر میں اس کی کیا قیمت ہوگی؟ اگر اسلام کے کسی اصول کو آئینی تحفظ حاصل نہیں اور صرف وعظ کے درجہ میں عوام کی نمائش کے لئے اسلام کا نام لیا گیا ہے تو کیا یہ ایسی چیز ہے جس

پرمسرت وشادمانی کے شادیانے بجائے جائیں؟ کیا اسے اسلام سے وفاداری کہا جائے گا؟ اور کیا ہمارا یہ طرز عمل حق تعالیٰ کی رضا اور رحمت کا موجب ہو گا؟

رحمت الٰہی اور رضاء خداوندی حاصل کرنے کا طریقہ

بالکل ظاہر ہے کہ جب تک نفاق کو ترک کر کے اسلامی قانون کو اپنانے کا عہد نہیں کیا جائے گا جب تک زندگی اسلامی ڈھانچے میں نہیں ڈھالی جائے گی اور جب تک قول اور فعل کا تضاد ختم نہیں کیا جائے گا جو آج تک ہماری زندگی کا مستقل وطیرہ رہا ہے تب تک حق تعالیٰ کی رحمت کی کیا امید ہو سکتی ہے؟ قول وفعل اور عقیدہ وعمل کا تضاد حق تعالیٰ کے نزدیک نہایت مکروہ اور ناپسندیدہ چیز ہے، ارشاد خداوندی ہے:

﴿يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لِمَ تَقُوْلُوْنَ مَا لَا تَفْعَلُوْنَ كَبُرَ مَقْتًا عِنْدَ اللهِ اَنْ تَقُوْلُوْا مَا لَا تَفْعَلُوْنَ﴾ [الصف:۲،۱]

اے ایمان والو! ایسی بات کیوں کہتے ہو جو کرتے نہیں ہو، خدا کے نزدیک یہ بات بہت ناراضگی کی ہے کہ ایسی بات کہو جو کرو نہیں۔

پاکستان کی ابتدائی نشاۃ سے آج تک قوم کو طفل تسلیوں سے بہلایا گیا کہ یہاں اسلامی قوانین مرتب اور نافذ ہوں گے، کبھی نمائش کے لئے تعلیمات اسلام کا بورڈ قائم کیا گیا، کبھی مشاورتی کونسل تشکیل کی گئی، کبھی تحقیقاتی ادارے بنائے گئے، مگر اسلامی قانون کا خواب آج تک شرمندہ تعبیر نہ ہو سکا، ان بورڈوں کے سامنے شعائر اللہ کی تخفیف ہوئی، ان مشاورتی کونسلوں کے علی الرغم محرمات کو فروغ دیا گیا اور ان تحقیقاتی اداروں کے جلو میں کفر والحاد کو رائج کیا گیا، اسلامی عقائد کو پامال کیا گیا اور اسلامی شعائر کو مسخ کیا گیا آخر اس نفاق اور بدعملی کا نتیجہ کیا نکلا؟ نہ صرف یہ کہ آمروں کا یہ ٹولہ اپنے ساختہ پرداختہ دستوروں سمیت ﴿فَخَسَفْنَا بِهٖ وَبِدَارِهِ الْاَرْضَ (۱)﴾ کی یاد تازہ کر گیا بلکہ اپنے نفاق و بدعملی کی بدولت قوم کو بھی آتش فشاں کے دہانے پر کھڑا کر گیا، نصف ملک ٹوٹ چکا ہے اور باقی کا خدا حافظ، اناللہ وانا الیہ راجعون۔ عوام کو چند دن غلط فہمی میں مبتلا رکھا جا سکتا ہے، خوش آئند وعدوں اور خواب آور تھپکیوں کے سہارے انہیں کچھ عرصہ کے لئے سلا دیا جا سکتا ہے لیکن بالآخر اس تزویر وفریب کی قلعی کھل جاتی ہے اور حق تعالیٰ کو تو ایک لمحہ کے لئے بھی دھوکا نہیں دیا جا سکتا:

''با خدا تزویر و حیلہ کے رواست''

البتہ وہ ظالموں اور سرکشوں کو ڈھیل دیتا ہے، غافلوں اور مجرموں کو مہلت دیتا ہے، اور نافرمانوں اور بدکاروں سے درگذر کرتا رہتا ہے، اس کے اسی حلم وعفو سے کچھ لوگ غلط فہمی میں مبتلا ہو جاتے ہیں، جو شقاوت و بدبختی

(۱) یہ ارشاد قارون کے بارے میں فرمایا کہ: پس ہم نے اس کو اس کے گھر سمیت زمین میں دھنسا دیا۔ [القصص:۸۱]

کی علامت ہے، حق تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿اَفَاَمِنُوْا مَكْرَ اللهِ فَلَا يَاْمَنُ مَكْرَ اللهِ اِلَّا الْقَوْمُ الْخٰسِرُوْنَ﴾ [الاعراف:۹۹]

ہاں! تو یہ لوگ اللہ تعالیٰ کی ناگہانی پکڑ سے نڈر ہوگئے تو (خوب سمجھ رکھو) کہ اللہ تعالیٰ کی ناگہانی گرفت سے کوئی نڈر نہیں ہوتا ماسوا ان کے جن کی شامت ہی آ گئی ہو۔

اور آنحضرت رسالتماب صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

"ان الله ليملي الظالم حتى اذا اخذه لم يفلته، ثم قرأ: ﴿وكذلك اخذ ربك اذا اخذ القرى وهي ظالمة ان اخذه اليم شديد﴾".(۱)

بلاشبہ اللہ تعالیٰ ظالم کو مہلت ضرور دیتے ہیں تا آنکہ جب اسے پکڑتے ہیں تو پھر اسے چھوڑتے نہیں، یہ فرماتے ہوئے آپ نے یہ آیت تلاوت فرمائی اور آپ کے رب کی دارو گیر ایسی ہی (سخت ہوتی ہے) جب وہ کسی بستی والوں پر دارو گیری کرتا ہے جبکہ وہ ظلم کیا کرتے ہوں بلاشبہ اس کی پکڑ بڑی دردناک اور سخت ہے۔

کس کو کب تک ڈھیل دی جائے؟ اور اسے کب اور کس طرح پکڑا جائے؟ یہ حق تعالیٰ کے تکوینی مصالح ہیں جن کو وہی جانتا ہے۔

نعوذ بالله من غضب الله وغضب رسوله

موجودہ نام نہاد اسلامی آئین کی خامیاں

الغرض ہمیں اپنی تاریخ سے عبرت لینی چاہیے، اگر نئے دستور کے سائے میں سوشلزم کا (جسے اسلامی سوشلزم سے ملمع کیا جاتا ہے) پرچار کیا جاتا ہے، اگر انگریزی دور کے مسخ شدہ کالے قوانین کی عملداری قائم رہتی ہے، اگر ایوبی آمریت کی مکروہ یادگار عائلی قانون بدستور نافذ رہتا ہے، اگر اسلامی تعزیرات کو نافذ نہیں کیا جاتا، اگر پارلیمنٹ کے فیصلوں کو اسلامی احکام کے مقابلہ میں چیلنج نہیں کیا جاسکتا تو کیا یہ دستور اسلامی ہوگا؟ وہ وفاقی جمہوری ہو تو ہو لیکن اسلامی نہیں ہوسکتا جس دستور کے تحت ہر قسم کے فواحش ومنکرات اور کفر والحاد کی آزادی ہو، تلاعب بالدین کی کھلی چھوٹ ہو، اسلام سے انحراف وارتداد کی اجازت ہو، شعائر اللہ کو مسخ کیا جاسکتا ہو، قطعیات دین میں تاویلیں کرنے کی گنجائش ہو، حضرت خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم سے بغاوت کوئی جرم نہ ہو، اکابر امت پر سب وشتم کی ممانعت نہ ہو، جدید نبوت پر ایمان لانے والوں کی عزت افزائی کی جائے اسے اسلامی دستور کا نام دے کر اللہ تعالیٰ کو خوش کیا جاسکتا ہے؟ جو دستور اللہ تعالیٰ کے نازل کردہ پاکیزہ دین اس کے عقائد اور اس کے احکام کے تحفظ کی ضمانت نہیں دیتا کیا یہ توقع رکھی جائے کہ اللہ تعالیٰ اس دستور کی اور اس ملک کی جس میں یہ دستور نافذ ہے

---

(۱) صحيح البخاري، كتاب التفسير سورة يونس، باب قوله: وكذالك اخذ ربك ج: ۲ ص: ۶۷۸، ط: قديمي

حفاظت فرمائیں گے؟

صحیح اسلامی آئین

ان معروضات کا خلاصہ صرف یہ ہے کہ آئین میں جو اسلامی دفعات رکھی گئی ہیں وہ خوب ہیں قابل ستائش ہیں، اس کے باوجود اسلامی نقطہ نظر سے آئین تشنۂ تکمیل اور محتاج اصلاح ہے۔ اگر معاملہ صرف بندوں تک محدود ہوتا تو معاملہ چنداں دشوار نہیں تھا انہیں پروپیگنڈے کی طاقت، ملمع کاری کی ساحری اور پارلیمانی اکثریت کی دلیل سے مطمئن کیا جاسکتا تھا، مگر اسلام کا معاملہ اس سے مختلف ہے وہ اللہ رب العالمین کا نازل کردہ دین ہے اور اللہ تعالیٰ کے یہاں نام و نمود اور ریاء و نمائش کی کوئی قیمت نہیں، نہ اسے پروپیگنڈے سے فریب دیا جاسکتا ہے، نہ اس کے سامنے یہ دلیل چل سکتی ہے کہ ہم قوم کے نمائندے تھے، ہماری اکثریت تھی اور قوم نے پہلی بار بالغ رائے دہی کے اصول سے ہمیں ایوان میں بھیجا تھا اور ہمیں اپنی مرضی کا آئین تیار کرنے کا اختیار دیا تھا، ہم نے قوم کو ایسا آئین دیا جو ان کی امنگوں کی عکاسی کرتا تھا، اس دلیل سے قوم کے ذہن کو اپیل کی جاسکتی ہے مگر اس سے اللہ تعالیٰ کو خوش نہیں کیا جاسکتا نہ اس کی رضا و رحمت کا فیصلہ ہمارے حق میں ہوسکتا ہے۔ اس لئے اگر آئین کو اسلامی بنانا ہے تو اس میں ایسی اصلاحات از بس ضروری ہیں جن سے خدا کے بندوں پر خدا کی حکمرانی عملاً نافذ ہو، ہم یہ سوچ کر مطمئن ہیں کہ یہ آئین عوام کے نمائندوں کا تیار کردہ ہے اس لئے کوئی شخص اس کو اپنی جگہ سے نہیں ہلاسکتا، مگر ہم یہ بھول جاتے ہیں کہ سابقہ دستور بھی قہر خداوندی کا نشانہ بنے جو غلام محمد، اسکندر مرزا، ایوب خان اور یحییٰ خان کی شکل میں نمودار ہوا اور جب قہر الٰہی نازل ہوتا ہے تو وہ نہ عوام کو پوچھتا ہے نہ عوام کے نمائندوں کو وہ نہ ملک کی پرواہ کرتا ہے نہ اس کے مقدس آئین کی، ہمیں دستور کی پائیداری کے سلسلہ میں صرف عوامی طاقت پر تکیہ نہیں کرنا چاہیے بلکہ قہر خداوندی سے حفاظت کی بھی کچھ فکر کرنی چاہیے۔

اسلامی آئین کے نفاذ کا تقاضہ

اسلامی آئین کے نفاذ کے بعد سب سے اہم مسئلہ یہ ہے کہ اخلاص اور دیانت داری کے ساتھ اس کے تقاضوں کو پورا کیا جائے اور خدا خوفی کے ساتھ اس پر عملدر آمد شروع کیا جائے اور اس کے لئے عوام و خواص کی اسلامی اصولوں کے مطابق اخلاقی تربیت کی جائے، میں پہلے بھی بارہا کہہ چکا ہوں اور اب پھر کہتا ہوں کہ تم لاکھ آئین بناؤ یا قوانین وضع کرو جب تک مسلمانوں کو عملی طور پر حقیقی مسلمان بنانے کی کوشش نہ کرو سب کچھ بے سود ہے، آج لوگوں نے حکومت، سلطنت جمہوریت، دستور اور پارلیمان جیسی چیزوں کو نسخہ کیمیا سمجھ رکھا ہے حالانکہ ان میں سے ایک چیز بھی ایسی نہیں جو مسلمانوں کو راحت و سکون، امن و امان اور عیش و نشاط کی دولت عطا کر سکے جس سے ملت کی رگوں میں تازہ خون پیدا ہو، ان کے اخلاق میں بلندی، ان کے نفس میں شائستگی، ان کے اقوال میں

متانت اور ان کے افعال میں رزانت کے اوصاف ابھریں، اور جو پوری قوم کو ﴿اشداء علی الکفار رحماء بینھم﴾ کافروں پر سخت اور آپس میں رحم کا مظہر بنادے، یہ نسخہ کیمیا نہ ملک ہے، نہ حکومت. نہ کونسل، نہ ممبری، نہ دستور، نہ امارت، نہ وزارت بلکہ وہ صرف اسلام کی دعوت وتبلیغ اور افراد امت کا تزکیہ ہے۔

فریضۂ دعوت وتبلیغ اور مسلمان

افسوس ہے کہ قرون مشھود لھا بالخیر کے بعد امت دعوت وتبلیغ میں بہت مقصر رہی ہے اور اب تو اس بنیادی چیز کو چھوڑ کر دوسری چیزوں ہی کو مقصود بنالیا، بلا شبہ سلاطین اسلام نے سیف وسنان اور جہاد وقتال کے بہت سے کارنامے انجام دیئے اور اس کے نتیجہ میں بہت سے لوگ حلقہ بگوش اسلام ہوئے لیکن اسلام کے بتائے ہوئے اہم اصول اخلاقی دعوت وتبلیغ کے راستے سے اسلام کو پھیلانے کی کوششیں بہت کم ہوئیں ورنہ دنیا کا نقشہ ہی کچھ اور ہوتا، اسلام کا وہ نور جو دعوت وتبلیغ کے راستہ سے دلوں میں اترتا ہے وہ بڑا قوی پائیدار اور بابرکت ہوتا ہے۔

غزوۂ خیبر کے موقعہ پر حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی مرتضی کرم اللہ وجہہ کو اسلامی پرچم عطا فرماتے ہوئے جو ہدایت فرمائی اسے صحیح بخاری شریف کے الفاظ میں سنئے:

"انفذ علی رسلك حتی تنزل بساحتهم ثم ادعهم الی الا سلام واخبرهم بما یجب علیهم من حق الله فیه فوالله لان یهدی بك الله رجلا واحدا خیر لك من حمر النعم".(۱)

اطمینان سے جاؤ یہاں تک کہ ان کے قریب جاکر فروکش ہوجاؤ، پھر انہیں اسلام کی طرف بلاؤ اور اللہ کی جانب سے اسلام لانے کا جو حق ان پر عائد ہوتا ہے اس سے انہیں آگاہ کرو، پس خدا کی قسم! اگر تیری وجہ سے ایک آدمی کے لئے بھی اللہ تعالیٰ ہدایت کا فیصلہ فرمادیں یہ تیرے لئے سرخ اونٹوں سے بہتر ہے۔

اسلام تو دراصل نام ہے اس دین کا جس کی بنیاد ہی دعوت وتبلیغ پر قائم ہے جس کا سب سے بڑا سرمایہ شفقت ورحمت اور محبت ومودت ہے اور جس کا پیغام امن وسلامتی ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے چودہ سال صرف دعوت وتبلیغ، اصلاح وتزکیہ اور قلوب میں ایمان باللہ اور ایمان بالآخرۃ کو پختہ کرنے کے لئے مختص تھے، جب دعوت وتبلیغ کا کام اپنی آخری حد کو پہنچ گیا اسلام کی صداقت اور اس کی اخلاقی قوت ہر خاص وعام کے سامنے روز روشن کی طرح کھل کر واضح ہوگئی اور باطل پھر بھی اپنی ضد سے باز نہ آیا اور جب ہر طرح کی ہمدردانہ کوششیں ناکام ہوگئیں اور مسلمانوں کو اہل عناد کی دسیسہ کاریوں سے انتہائی مجبور کن حالات کا سامنا کرنا پڑا تو جہاد بالسیف کی اجازت دی گئی اور حکم ہوا کہ اب باطل کا کانٹا صاف

---

(۱) صحیح البخاری، کتاب المغازی، باب غزوة خیبرج:۲ ص:٦٠٦، ط: قدیمی.

کر دیا جائے اور فتنہ پردازوں کے وجود سے خدا کی زمین کو پاک کر دیا جائے، چنانچہ اعلان کر دیا گیا:

﴿اُذِنَ لِلَّذِیْنَ یُقَاتَلُوْنَ بِاَنَّهُمْ ظُلِمُوْا وَاِنَّ اللهَ عَلٰی نَصْرِهِمْ لَقَدِیْرٌ﴾ [الحج:۳۹]

اب لڑنے کی ان لوگوں کو اجازت دی گئی جن سے کافروں کی طرف سے لڑائی کی جاتی ہے اس وجہ سے کہ ان پر بہت ظلم کیا گیا اور بلاشبہ اللہ تعالیٰ ان کو غالب کر دینے پر پوری قدرت رکھتا ہے۔

بہر حال کہنا یہ ہے کہ جب تک اصلاح نفوس اور تزکیہ قلوب کی قرآنی دعوت کے اصول پر جم کر کام نہ کیا جائے تب تک اصلاح کی توقع بے سود ہے۔ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا وہ مقولہ جو عام طور پر امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کی طرف منسوب ہے آج بھی اپنی جگہ عین حقیقت ہے فرمایا:

"لن یصلح آخر هذه الامة الا بما صلح به اولها".(۱)

آخری دور میں بھی اس امت کی اصلاح صرف اسی نہج پر ہو سکے گی جس نہج پر پہلے دور میں اس کی اصلاح ہوئی۔

قرآنی اصول کے مطابق اسلامی دعوت کو جب تک عام نہیں کیا جاتا جب تک اس کام کو کام سمجھ کر یہ امت اس دعوت کے لئے نہیں اٹھ کھڑی ہوتی اور جب تک اس دعوت کی آواز گھر گھر نہیں پہنچتی تب تک اصلاح ممکن نظر نہیں آتی، امت کی حیات نو اور نشاۃ ثانیہ کا بس یہی ایک طریقہ ہے اس کے علاوہ جتنے طریقے اپنائے جائیں گے ان سے اگر کسی قدر فائدہ ہوگا بھی تو محض عارضی، وقتی، ناپائیدار اور غیر مستقل ہوگا۔

مغربی سیاست اور اس کے مضر اثرات

مغربی سیاست نے جن بدعات کو جنم دیا ہے ان سے عداوت و نفرت، کینہ و بغض اور تفریق و انتشار کے کانٹے تو مل سکتے ہیں مگر الفت و محبت، سلامتی و امن و اتحاد و اعتماد کے پھول دستیاب نہیں ہو سکتے، دور جدید کا سب سے بڑا بت عوامی طاقت ہے جس کی پرستش کے لئے انتخابات، اسمبلی اور جمہوریت کے بلند و بالا صنم کدے تعمیر کئے جاتے ہیں، پجاریوں کی مختلف پارٹیاں اس معبود کی رضا جوئی کے لئے مختلف منتیں مانتی ہیں جبین نیاز خم کرتی ہیں اور ہر ممکن طریقے سے اسے خوش کرنا چاہتی ہیں، ان میں باہمی رقابت چلتی ہے، مسابقت کی دوڑ ہوتی ہے، ایک دوسرے کے خلاف پروپیگنڈہ کیا جاتا ہے، ایک ایک کا نسب نامہ تلاش کیا جاتا ہے، ہر کردہ و ناکردہ گناہ ایک ایک کے نامہ عمل میں ڈالا جاتا ہے، گفتنی و ناگفتنی کا بازار گرم ہو جاتا ہے، منشور چھپتے ہیں، اشتہارات نکلتے ہیں، جلسہ و جلوس، شور وغوغا، طعن و تشنیع یہ ہیں وہ وظائف جو رضائے معبود کے لئے پڑھے جاتے ہیں، مقصد صرف یہ کہ رضائے معبود کی

(۱)الریاض النضرة فی مناقب العشرة، الباب الثانی فی مناقب امیر المومنین ابی حفص عمر بن الخطاب، ذکر وصف علی له بمایتاهل معه للخلافة ج:۲ ص:۴۰۲، ط: دار الکتب العلمیه بیروت

سند۔ ووٹ۔ کسی طرح ہمیں حاصل ہو جائے تا کہ ہم عالم بالا، حکومت و کونسل میں پہنچ کر من مانی کریں۔

دنیا کی گمراہ قومیں جن میں یہودی عیسائی اور لا مذہب سب شامل ہیں وہ تو خیر اس طریق کار پر مجبور تھیں کہ اوّل تو ان کا منتہائے مقصود اور نقطۂ عروج حکومت و سلطنت سے آگے نہیں جاتا پھر وہ دین و مذہب سے بالکل بے بہرہ ہیں یا اگر برائے نام مذہب ہے بھی تو صرف چند رسوم و قیود تک محدود ہے، وہ تو خیر مجبور تھے کہ حکمرانی کے اصول وضع کریں، قانون سازی کے ادارے تشکیل کریں اور قوم کے لئے صحیح غلط قانون و دستور تیار کریں لیکن امت مسلمہ کو ان کی نقالی کی کیا ضرورت تھی؟ ان کے پاس خدا کا نازل کردہ آئین حیات مکمل طور پر موجود تھا ہر شعبہ زندگی کے رہنما اصول سے لے کر جزئی قواعد و ضوابط تک موجود ہیں، ہر مرض کے لئے نسخۂ شفا موجود تھا آخر ان کو کیا مصیبت پڑی تھی کہ اللہ تعالیٰ کے اصول رحمت اور قانون عدل کے بجائے چند افراد کے وضع کردہ ضوابط کو ذریعہ نجات سمجھنے لگے، خالق کائنات کے قانون رحمت و عدل کو چھوڑ کر مخلوق کے ساختہ پرداختہ قانون میں امن و عافیت ڈھونڈنا کہاں کا فلسفہ ہے؟ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دامن رحمت سے کٹ کر یہودیوں اور عیسائیوں کے طریقہ کار اور فلسفہ حیات میں پناہ لینا کیا عقل و دانش کی بات ہے؟

ببین از کہ بریدی و با کہ پیوستی؟

چھوڑو پارلیمانی دستوروں کو اور انسانوں کے خود ساختہ قانون کو! کیا قرآن کریم جیسی وحی ربانی تمہارے پاس نہیں؟ کیا خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی پاکیزہ سنت کا ریکارڈ اور مقدس صحیفے تم سے گم ہو چکے ہیں؟ کیا اسلامی قانون اپنی پوری جامعیت اور ہمہ گیری کے ساتھ مکمل ضابطہ حیات کی شکل میں تمہارے ہاتھ میں نہیں؟ سب کچھ ہے مگر مسلمانوں کا زاویۂ نظر صحیح نہیں رہا ورنہ مسلمان کیوں اس تباہ کن زندگی میں سر سے پاؤں تک ملوث ہوتے؟ اگر انہیں اپنے گھر کی خبر ہوتی تو کیوں کشکول گدائی لے کر انسانیت کش نظاموں سے بھیک مانگنے کو جاتے آج جتنی جدوجہد اسمبلی کی نمائندگی کے لئے کی جاتی ہے، حکومت سازی کے لئے جتنے پاپڑ بیلے جاتے ہیں اور ان نمائشی ڈراموں پر جتنی خطیر قمیں اڑائی جاتی ہیں اگر آج مسلمان اس کا عشر عشیر بھی دعوت و تبلیغ پر خرچ کرتے تو اس شقاق و افتراق سے محفوظ رہتے اور رحمت الٰہی کے مستحق ہوتے، صالح معاشرہ وجود میں آتا، پاکیزہ سیرتیں جلوہ گر ہوتیں، سکون و اطمینان کی زندگی نصیب ہوتی، آخرت سے پہلے جنتی زندگی کے پاکیزہ نفحات مشام جان کو معطر کرتے، اللہ تعالیٰ صحیح توفیق عمل نصیب فرمائے آمین۔

وصلى الله على خير خلقه صفوة البرية خاتم النبيين سيدنا ومولانا محمد وآله وصحبه واتباعه اجمعين.

[ربیع الثانی ۱۳۹۳ھ۔ جون ۱۹۷۳ء]

قانون الٰہی سے روگردانی اور اس کی سزا

سنن ابن ماجہ ومستدرک حاکم میں حضرت عبداللہ بن مسعود اور حضرت عبداللہ بن عمر (رضی اللہ عنہم) کی روایت سے ایک حدیث مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"من جعل الهموم هما واحدا هم آخرته كفاه الله هم دنياه ومن تشعبت به الهموم في احوال الدنيا لم يبال الله في اى اوديتها هلك"(۱) او کما قال.

جس نے اپنی تمام فکروں کو ایک ہی فکر یعنی فکر آخرت بنالیا حق تعالیٰ شانہ دنیا کے افکار سے اسے نجات عطا فرمائے گا اور جو دنیا ہی کی فکروں میں پریشان خاطر ہو کر رہ گیا تو وہ دنیا کی کس وادی میں ہلاک ہو؟ حق تعالیٰ اس کی کوئی پرواہ نہیں کرے گا۔

مقصد ظاہر ہے کہ ایسے شخص کے لئے حق تعالیٰ کی حفاظت جب نہیں رہے گی تو اس کی تباہی دبربادی میں کیا شک ہے، آج کل ہمارا پاکستان جس دور سے گذر رہا ہے اور جو کچھ پیش آیا اور آرہا ہے جو کچھ ہوا اور جو کچھ ہو رہا ہے وہ اس حدیث نبوی کی عملی تفسیر ہے مسلمان ایک معاہد قوم کا نام ہے جس نے اللہ ورسول سے یہ معاہدہ کرلیا ہے کہ چونکہ دنیا عبوری دور ہے اور منزل مقصود آخرت ہے اس لئے عبوری دور میں جو احکامات خداوندی ہوں گے وہ بسر وچشم ان کی اطاعت کرے گا اور اس کی تنفیذ (نافذ کرنے) میں حتی المقدور کوئی تقصیر نہیں کرے گا۔

عرصہ دراز کی آہ وبکار کے بعد ہمیں دنیا کا لاکھوں مربع میل خطہ زمین اس شرط پر ملا کہ اس پر حق تعالیٰ کی حاکمیت کا ظہور اور احکامات خداوندی کا اجراء ہوگا لیکن جو کچھ ہوا وہ سب کے سامنے ہے "عیاں راچہ بیان"، آخر اس کا ہولناک نتیجہ بھی سامنے آیا بلا شبہ ہم نے فیکٹریاں بنائیں، انڈسٹریاں چلائیں، سڑکیں بنائیں، سربفلک عمارتیں بنائیں، درآمد وبرآمد میں حیرت انگیز ترقی کی، باہر ملکوں میں سفارتیں قائم کیں، منصوبے بنائے، سودی قرضے لئے، بینک کھولے، انشورنس کمپنیاں جاری کرائیں، تھیٹر بنائے، سینما چلائے، ریڈیو اسٹیشن قائم کئے، ٹی وی اسٹیشن لگائے وغیرہ وغیرہ ترقیات کہاں تک گنوائیں، سب کچھ ہم نے کیا جو دنیا کی تمام قومیں کرتی ہیں جو یورپ نے کیا، جو امریکہ نے کیا، جو خدا فراموش قوموں نے کیا، سب کی نقلیں اتاریں اور نقالی میں وہ سب کچھ کیا جو خدا فراموش قوم کیا کرتی ہے، جوئے شراب اور زنا کے کلب قائم کئے، عورتوں کو برہنہ کیا، سیرتوں کو بگاڑا، صورتوں کو مسخ کیا، ناچنے اور گانے والیوں کو باہر بھیجا، باہر سے بلایا، ورائٹی شو کی مجلسیں سجائیں، لاکھوں کروڑوں روپیہ بے حیائی وعریانی پر بہایا، چکلے بنائے، بازار حسن میں جلوے دکھائے، ہر کفر والحاد کی حوصلہ افزائی کی، سچائی کو دبایا، رشوت کا

---

(۱) سنن ابن ماجه، ابواب الزهد، باب الهم بالدنيا ص: ۳۰۲، ط: قديمی.

المستدرك على الصحيحين للحاكم، تفسير سورة حم عسق ج: ۲ ص: ٤۸۱، ط: دار الكتب العلمية بيروت

بازار گرم کیا، حق کو باطل اور باطل کو حق بنانے میں کوئی کسر باقی اٹھا نہیں رکھی، خدارا بتلایئے کہ حق تعالیٰ کی غضب ڈھانے والی کون سی معصیت ہے کہ ہم نے نہیں کی، پھر جو سزا ملی اور مل رہی ہے اس پر تعجب کیوں ہے؟ جو زہر ہلاہل کھائے گا مرے گا، جو شعلہ فشاں آگ میں کودے گا جلے گا، جو متلاطم سمندر کی موجوں میں چھلانگ لگائے گا غرق ہوگا، معاہد قوم جب بغاوت کرے گی بغاوت کی سزا بھگتے گی۔

نہ صرف یہ کہ ہم نے قانون رحمت کو جاری نہیں کیا اور قانون عدل سے قوم کو محروم رکھا بلکہ دنیا کی کافر قوموں کے ہاں جو ظاہری خوبیاں تھیں، اتحاد تھا، تنظیم تھی، دنیوی معاملات میں صفائی تھی، ملک وقوم سے وفاداری تھی وہ بھی نہ اپنائیں، ملک وقوم کو ترقی دینے کے لئے جو وسائل وذرائع ہو سکتے تھے ان میں سے کسی کو اختیار نہیں کیا اور کافر قوموں میں جو برائیاں تھیں ان کی ایسی نقل کی کہ اصل سے بڑھ جائے اور جو خوبیاں تھیں ان میں سے ایک کو بھی اختیار نہیں کیا، فوجی حکومت کے سہارے زندگی بسر کی جو فوجی حکومت کو لعنت سمجھتے تھے آج اس لعنت میں خود گرفتار ہیں، نہ زمیندار کو راحت ہے، نہ کسان کو چین، نہ کارخانے دار کو سکھ ہے، نہ مزدور کو آرام، نہ کسی کی جان محفوظ، نہ کسی کا مال محفوظ، نہ کسی کی آبرو محفوظ، حدیث نبوی "لم یبال اللہ فی ای اودیتها هلك" (اللہ کو کچھ پرواہ نہیں کہ وہ کس گڑھے میں گرا) کی اس سے زیادہ کیا واضح تفسیر ہوگی؟ اناللہ وانا الیہ راجعون۔

کاش! یہ مصیبت صرف دنیا کی ہوتی تو آخر ختم ہو جاتی، سب سے بڑی مصیبت تو یہ ہے کہ ہمارے یہاں زندگی کا جو نقشہ تیار ہوا ہے یہ آخرت کے مصائب کو دعوت دے رہا ہے، ایک حدیث نبوی میں دعا کے یہ کلمات کتنے عجیب ہیں:

> "اللهم لا تجعل مصيبتنا فی ديننا و لا تجعل الدنيا اكبر همنا و لا مبلغ علمنا و لا تسلط علينا من لا يرحمنا". (۱)

اے اللہ! ہماری مصیبت دین کی نہ ہو اور دنیا ہمارا مقصد زندگی اور اوڑھنا بچھونا نہ ہو، صرف دنیا ہی ہماری علمی پرواز نہ ہو اور ہم پر ایسوں کو نہ مسلط فرما جو ہم پر رحم نہ کریں۔

افسوس ہے کہ نہ مرض کی صحیح تشخیص کی کوشش ہے، نہ صحیح علاج کی فکر، بلکہ اس سے بڑھ کر افسوس اس کا ہے کہ نہ صرف یہ کہ مرض کا احساس ہی نہیں بلکہ مرض کو صحت وتندرستی سمجھ لیا گیا ہے، نہ ماضی سے عبرت، نہ مستقبل کی فکر، نہ حال کا خطرہ، اب علاج ہو تو کیونکر ہو اور کرے تو کون کرے؟ عقل وفکر سے کام لے کر یہ سوچنے کی بھی زحمت نہیں کی جاتی کہ پاکستان کی تخریب کے کیا کیا عوامل تھے اور دوبارہ تعمیر جدید کے کیا عوامل ہو سکتے ہیں، جب ذہنی جمود اس حد تک پہنچ جائے تو نجات کی کیا توقع۔

---

(۱) سنن الترمذی، کتاب الدعوات، باب ماجاء فی جامع الدعوات ج:۲ ص:۱۸۸، ط: قدیمی۔

پاکستان کی باطنی وظاہری تعمیر

گذشتہ شمارے میں پاکستان کی باطنی تعمیر جو پاکستان کی روح ہے اس کا بیان ہم کر چکے ہیں اور ظاہری تعمیر جو پاکستان کا جسد اور قالب ہے اس کا ذکر بھی آچکا ہے، قومی روح اور قومی جسد ہو تو کمال صحت وقوت وتوانائی حاصل ہوگی، مریض جسد میں کمزور روح سے کیا ترقی ونجات کی امید! آخر موجودہ صورت حال سے کوئی سبق نہ لینا کیا جنون نہیں ہے؟ تزکیہ روح سے انتہائی غفلت کے ساتھ تقویت جسد سے بھی غفلت شعاری انتہائی ناقابل برداشت صورت حال ہے، سیاسی مزاج کی صحت کے لئے جس صبر وتحمل کی ضرورت ہے وہ مفقود ہے، قومی اتحاد کے لئے جس بصیرت وعواقب اندیشی کی ضرورت ہے وہ غیر موجود ہے، ملکی استحکام کے لئے جس دانائی وفرزانگی اور سمجھ بوجھ کی ضرورت ہے وہ عنقا ہے، صبح کو ایک اعلان اور شام کو دوسرا حکم، جس کے معنی یہ ہیں کہ صرف دینی مزاج کا فقدان ہی نہیں بلکہ سیاسی مزاج بھی مفلوج ہو کر رہ گیا ہے، کیا کسی باوقار ملک میں پولیس نے بھی ہڑتال کی ہے؟ جب ذہنی پراگندگی اور انتشار اتنا شدید ہو جائے کہ پولیس والے بھی ہڑتال کرنے لگیں تو ملک کا خدا ہی حافظ ہے، نہ معلوم اس بدنصیب قوم اور اس بدنصیب ملک کا کیا حشر ہوگا، طبیب خود لاعلاج مرض میں مبتلا ہو گیا ہے، علاج کس سے کروائیں، کسی لطیفہ غیبیہ کا اس ملک میں ظہور ہو تب ہی نجات کی امید ہو سکتی ہے۔

مزید افسوس اس کا ہے کہ اہل علم کے مزاج پر بھی سیاست کا اتنا غلبہ ہو گیا ہے کہ ہر بات کو دینی نقطہ نظر کے بجائے سیاسی انداز سے سوچا جاتا ہے، پارٹی کے مفاد کی حیثیت سے غور کیا جاتا ہے، جب ارباب دین کے گھر سے دین رخصت ہوا اور ارباب علم کے حلقوں سے دین ہجرت کرے اور دین وعلم کی جگہ سیاست ہو اور سیاست بھی دینی سیاست نہ ہو تو پھر اللہ تعالیٰ ہی عاقبت بخیر کرے، اہل حق میں بھی خیر کا پہلو بہت کم ہوتا جا رہا ہے، مخلصین کے اخلاص کے ساتھ غیر شعوری طور پر اتنی آمیزش ہو جاتی ہے کہ اخلاص کا پتہ چلانا بہت مشکل ہو جاتا ہے، یہ حقیقت اب واضح ہوتی جارہی ہے کہ سیاسی راستوں سے اس قوم وملت کی اصلاح نہیں ہو سکتی ویسے بھی حضرت خلیفہ راشد صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا وہ جملہ مشہور ہے جو اکثر حضرات نے امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کی طرف منسوب کر دیا ہے "لن يصلح آخر هذه الامة الا ما اصلح اولها"(۱) کہ امت کے آخری دور کی اصلاح بھی اسی چیز سے ہوگی جس سے پہلے دور کی اصلاح ہوئی تھی، وہ دین اور محض دین ہے کیا اچھا ہوتا کہ رہنمایانِ قوم تمام کے تمام اپنی پوری طاقت ومحنت دعوت الی الخیر اور دعوت الی اللہ پر خرچ کرتے اور کچھ عرصہ پوری توجہ اسی پر ہوتی تو توقع ہو سکتی تھی کہ اس کے مبارک ثمرات امت کے سامنے آتے اور منجدھار میں پھنسی ہوئی کشتی ساحلِ مراد تک پہنچ جاتی اور پھر یہ اصلاح شدہ

---

(۱) الرياض النضرة فى مناقب العشرة، الباب الثانى فى مناقب امير المؤمنين ابى حفص عمر بن الخطاب، ذكر وصف على له بما يتاهل معه للخلافة ج:۲ ص:٤٠٢، ط: دار الكتب العلميه بيروت

تزکیہ یافتہ قوم جہاں بھی جاتی راستہ صاف ہوجاتا، چاہے وہ اسمبلی ہال میں ہو، یا دفتر کی کرسی پر، منصب صدارت پر جلوہ افروز ہو یا پولیس کے تھانے میں، الغرض باخدا قوم تیار کرنے پر بڑی محنت کی ضرورت ہے بلا شبہ یہ مرحلہ کٹھن ہے لیکن مایوسی کی کوئی وجہ نہیں، ہمت ومحنت کی ضرورت ہے، ''صبر اگرچہ تلخ است ولے ثمرہ شیریں دارد'':

مصلحت دید من آنست کہ یاران ہمہ کار*

بگذرانند و خم طرہ یارے گیرند

ابھی یہ موضوع تشنہ ہے اس پر بہت کچھ لکھنے کی ضرورت ہے، وباللہ التوفیق۔

عائلی قوانین اور اسلام

یہ معلوم ہو کر افسوس ہوا کہ حکومت کی ایک ذمہ دار شخصیت نے یہ اعلان کر دیا کہ عائلی قوانین میں کوئی ترمیم نہ ہوگی اور اسی طرح نافذ رکھا جائے گا، تعجب وحیرت ہے کہ ایک طرف تو یہ دعوی بانگ دہل کیا جاتا ہے کہ کتاب وسنت کے خلاف کوئی قانون نہیں بنایا جائے گا اور یہ کہ کتاب وسنت کے مطابق آئین تیار ہوگا اور دوسری طرف عائلی قوانین کو بدستور رکھنے کی خوشخبری سنائی جاتی ہے، یہ تضاد قابل حیرت بھی ہے اور قابل افسوس بھی ہے، عائلی قانون وہ رسوائے عالم قانون ہے جو قرآن کریم کی نصوص قطعیہ، صریح احادیث نبویہ، مذاہب اربعہ اہل سنت اور مذہب اہل شیعہ سب کے مخالف ہے، یہ دور ایوبی کا ملعون قانون تھا، جمعیت علماء اسلام کے قائد مولانا مفتی محمود نے قومی اسمبلی میں اس کی مؤثر ومدلل تردید فرمائی اور سترہ ترمیمیں پیش کیں اور علمائے امت نے اس کے خلاف آواز اٹھائی اور مستقل رسالے تصنیف کئے اور کوئی شک کسی کو باقی نہ رہا کہ وہ تقریباً سراسر اسلام کے خلاف ہے اور عقل کے بھی خلاف ہے، اس خلاف عقل اور خلاف نقل رسوائے عالم قانون کے بارے میں یہ اعلان کرنا کتنا حیرت انگیز ہے اور اس قسم کے اعلانات کے ہوتے ہوئے اس اعلان کی کیا وقعت رہ جاتی ہے کہ کتاب وسنت کے خلاف کوئی قانون نہیں بنایا جائے گا، آخر دنیا یہ باور کرنے پر مجبور ہوگی کہ اس قسم کے جتنے اعلانات ہیں سراسر دھوکہ اور خداع ہے، اس کی کوئی صحیح حقیقت نہیں گویا صرف نعروں سے قوم کو بہلانے کی کوشش ہورہی ہے (۱) اور یہ پہلے سے پاکستانی سنت چلی آرہی ہے کہ محض عوام کو خوش کرنے کے لئے کچھ نعرے لگائے جائیں، سکندر مرزا کے تعلیمی بورڈ، دور ایوبی

---

(۱) صرف اسلامی قانون کے نفاذ کی بات نہیں بلکہ ہر شعبہ میں یہی ریت چل نکلی ہے کہ رہنمایانِ قوم گھسے پٹے خواب آور نعرے لگایا کریں اور نیم مدہوش قوم ان نعروں کی تبلیغ کے لئے دیوانوں کی طرح ہلڑ مچایا کرے اور کسی کے منہ سے سچی بات اگر نکل ہی جائے تو اسے گالیوں سے نوازا جائے۔ مشرقی بازو کٹ چکا ہے اور مغربی حصہ طوفان کی زد میں ہے مگر قوم کو اس نشہ کی ایسی چاٹ پڑی ہے کہ چھڑائے نہیں چھٹتی، رہنماؤں کو احساس ہی نہیں کہ اس نشہ کا انجام کیا ہوگا؟ اور عمل کو چھوڑ کر گلیوں بازاروں میں نعرے لگانے والی قوم آخر کتنے دن جئے گی اور اسی کے ساتھ دوسرا نشہ پارٹی مفاد کا ہمارے قومی ناخداؤں پر سوار ہے ان کا نظریہ یہ ہے کہ ملک جائے تو جائے مگر پارٹی مفاد پر آنچ نہ آئے، حکومت بنے تو ہماری بنے اور چلے تو تمہاری چلے قوم کو زوال آئے تو آئے مگر پارٹی کی مونچھ نیچی نہ ہونے پائے۔

کے ادارہ تحقیقات اسلامیہ بلکہ قرار داد مقاصد کا بنیادی اعلان یہ سب ایک ہی تھیلے کے چٹے بٹے ہیں، اللہ تعالیٰ ہم پر رحم فرمائے اور صالح حکومت کی نعمت نصیب فرمائے، آمین۔

یارب العالمین و یا ارحم الراحمین

[صفر ۱۳۹۲ھ/اپریل ۱۹۷۲ء]

عذاب وسزا کے سلسلہ میں قانون الٰہی

حق تعالیٰ کا قانون یہ ہے کہ کسی قوم پر جبکہ محض غافل ہوا چانک کوئی عذاب نازل نہیں فرمایا جاتا بلکہ اسے معمولی تنبیہ اور سرزنش کی جاتی ہے، بار بار آگاہ کیا جاتا ہے اس پر بھی جب وہ خواب غفلت سے بیدار نہیں ہوتی تو عذاب الٰہی اپنی مہیب شکل میں نازل ہوجاتا ہے اور پھر کوئی تدبیر کارگر نہیں ہوتی، پاکستان پر جس عذاب الٰہی اور غضب خداوندی کا ظہور ہوا وہ بھی اچانک نہیں بلکہ ربع صدی کی طویل مدت میں بار بار خبردار کرنے کے بعد ہوا اور جو کچھ ہوا وہ ہمارے اعمال اور غفلت شعاری کا لازمی نتیجہ تھا:

﴿وَ مَا اَصَابَکُمْ مِّنْ مُّصِیْبَةٍ فَبِمَا کَسَبَتْ اَیْدِیْکُمْ وَ یَعْفُوْ عَنْ کَثِیْرٍ﴾ [الشوری: ۳۰]

اور تم کو جو کچھ مصیبت پہنچتی ہے تو وہ تمہارے ہی ہاتھوں کے کئے ہوئے کاموں سے (پہنچتی ہے) اور بہت سی تو درگذر ہی کردیتا ہے۔ (بیان القرآن)

لیکن سب سے بڑا عذاب یہ ہے کہ عذاب نازل ہو اور عذاب کا احساس نہ ہو، جب دلوں کی قساوت اس خطرناک حالت تک پہنچ جاتی ہے تو اس کے نتائج بے انتہا دردناک ہوتے ہیں، پاکستان پر اتنا بڑا تاریخی حادثہ کبریٰ نازل ہوا جس کی کوئی مثال اسلامی تاریخ میں نہیں ملتی اور ابھی تک یہ ملک موت وحیات کی کش مکش میں ہے لیکن افسوس صد افسوس! کہ تمام قوم جہاں تھی وہیں کی وہیں ہے، نہ اپنے اعمال پر ندامت، نہ توبہ، نہ استغفار، نہ اصلاح اخلاق وکردار کی فکر، جاہ پسندی وخودغرضی کے وہی مظاہرے، بے حمیتی وبے حیائی کے وہی مناظر، اخلاق واعمال کی وہی گراوٹ، انتشار وخلفشار کے وہی ہنگامے، بدعملی وبدکرداری کے وہی روح فرسا مظاہر۔ مسجدیں ویران اور عشرت کدے آباد۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

پاکستان کی تعمیر کے لئے مؤثر اقدامات

موجودہ حکومت نے بار بار اعلان کیا ہے کہ وہ پاکستان کی نئی تعمیر کرے گی، اب تک جتنے آئے دعویٰ ان کا بھی ملک کے استحکام وتعمیر ہی کا تھا مگر ان کے عمل سے وہ کچھ رونما ہوا جو آج دنیا کے سامنے ہے، اس لئے ضروری ہے کہ آئندہ ہر قدم نہایت دانشمندی خلوص اور حزم واحتیاط کے ساتھ اٹھایا جائے، آئندہ تعمیری پروگرام کے دو شعبے ہوسکتے ہیں اور دونوں میں مؤثر اقدامات کی ضرورت ہے، ظاہری تعمیر، باطنی تعمیر، مثلاً ظاہری تعمیر کے لئے یہ کہ:

① ملک کے تمام صوبوں کے عوام کو اعتماد میں لیا جائے، ان میں باہمی تعاون یک جہتی اور ایثار و ہمدردی کی فضا پیدا کی جائے اور ان کے جمہوری حقوق بحال کئے جائیں مگر اس سلسلہ میں گذشتہ حکومتوں کی طرح محض طفل تسلیوں سے گریز کیا جائے۔

② مارشل لاء کو دفن کر کے ایک عبوری آئین کے تحت قومی اسمبلی کا اجلاس بلایا جائے اور قومی اہمیت کے مسائل میں قومی اسمبلی کو فیصلہ کرنے کا موقع دیا جائے۔

③ صوبوں میں جو نمائندہ حکومتیں تشکیل دی جائیں انہیں مناسب حدود کے اندر وسیع اختیارات دیئے جائیں مگر ساتھ ہی شر پسندوں پر کڑی نظر رکھی جائے۔

④ بھارت اور اس کی ہمنوا سازشی طاقتیں مشرقی پاکستان کو ہڑپ کرنے کے بعد سیر نہیں ہوئی ہیں بلکہ اب ان کی پروپیگنڈا مشینری اور نشری ادارے، مغربی پاکستان میں صوبائی عصبیت اور منافرت پھیلانے میں مصروف ہیں اور بدقسمتی سے انہیں اس کے لئے مناسب فضا میسر آ گئی ہے۔ اس لئے یہ مسئلہ سب سے اہم اور فوری توجہ کا مستحق ہے کہ اعداء اسلام کی اندرونی اور بیرونی ریشہ دوانیوں کا دفاع کس طرح کیا جائے؟ یہ کام نہ مارشل لاء کے ڈنڈے سے ہو سکتا ہے، نہ خالی تقریروں، وعدوں اور دھمکیوں سے، بلکہ اس کے لئے ضروری ہے کہ ملک کے ہر فرد کو امن و انصاف میسر ہو، اندرونی طور پر کسی کو کسی سے شکایت نہ ہو اور پاکستان کا ہر شہری یہ محسوس کر سکے کہ اس ملک میں اس کے حقوق محفوظ ہیں، الغرض جب تک ملک اندرونی طور پر مستحکم نہیں ہوگا اور یہاں کا ایک ایک فرد پورے خلوص اور اطمینان کے ساتھ حکومت کی پشت پر نہیں ہوگا اس وقت تک اعداء اسلام کو اپنی زبوں حرکتوں کا موقع ملتا رہے گا۔

⑤ پاکستان اس وقت مالی اعتبار سے جس قدر کمزور ہے اس کا اظہار صدر مملکت کی زبان سے کئی بار ہو چکا ہے ظاہر ہے کہ اس صورت میں یہ مظلوم ملک اور اس کے غریب شہری نہ سرکاری شعبے میں شاہ خرچی کے متحمل ہیں، نہ بڑے لوگوں کی عیش کوشی کو برداشت کر سکتے ہیں اس کے سدباب کے لئے اوپر سے نیچے تک اصلاح ناگزیر ہے مثلاً:

☆ بڑے افسروں کی تنخواہوں میں تخفیف اور زیادہ سے زیادہ تنخواہ کا منصفانہ معیار قائم کرنا ہوگا۔

☆ سرکاری وغیر سرکاری شعبوں میں تمام غیر ضروری اخراجات بند کرنے ہوں گے۔

☆ شاہانہ دعوتوں ضیافتوں اور پارٹیوں کا سلسلہ ختم کرنا ہوگا۔

☆ پوری قوم کو کفایت شعاری اور پس اندازی کا خوگر بنانا اور اس کے لئے بڑے لوگوں کو قابل تقلید نمونہ پیش کرنا ہوگا۔

☆ تمام غیر ضروری اشیاء کی درآمد بند کر کے صرف بنیادی ضرورت کی چیزیں منگوانی ہوں گی۔

☆ اندرون ملک بے فائدہ اور لایعنی صنعتوں پر جو روپیہ صرف ہو رہا ہے، مثلاً فلم سازی وغیرہ اسے کسی مفید صنعت میں لگانا ہوگا۔

الغرض ملکی معیشت کے استحکام کے لئے صرف وعظ و تلقین کافی نہیں بلکہ ٹھوس اقدامات کی ضرورت ہے، سوچنے کی بات ہے کہ وہ مفلوج قوم جس کا نصف حصہ شل ہو گیا ہو اور باقی نصف ضعف و اضمحلال کا شکار ہو جس کا خانہ خالی ہو اور جو موت و زیست کی آخری جنگ لڑ رہی ہو اس کے بڑوں کا سالگرہیں منانا ضیافتیں اڑانا اور دادِ عیش دینا کتنا عجیب لگتا ہے؟

پاکستان کی باطنی تعمیر کے لئے اہم نکات

① ملک میں بلا تاخیر اسلامی آئین کا نفاذ کیا جائے اور موجودہ لادینی قوانین کے بجائے کتاب وسنت کا قانون رائج کیا جائے۔

② سود، جوا، شراب اور تمام محرمات سے معاشرے کو پاک کیا جائے اور ان جرائم کے ارتکاب کرنے والوں پر شرعی تعزیرات عائد کی جائیں اور ملک میں غیر سودی نظام معیشت جاری کیا جائے۔

③ اخلاقی اصلاح کے لئے عریانی و بے حجابی، مخلوط تعلیم، مرد و زن کے بے محابا اختلاط اور فحاشی و عیاشی کے اڈوں کا قلع قمع کیا جائے، جو حقائق اب تک سامنے آئے ہیں ان کے مطابق حالیہ شرمناک شکست کا سب سے بڑا سبب ہمارے سابق آمر اور اس کے حواریوں کی عیاشی و فحاشی اور شراب نوشی و بدکاری تھی۔

④ پوری قوم سے صورت و سیرت کی اصلاح اور نماز روزہ وغیرہ دینی شعائر کی پابندی کرائی جائے اور ایک خدا ترس معاشرہ وجود میں لانے کے لئے مناسب تدابیر کی جائیں اور اس کے لئے ملک میں ایک مستقل محکمہ امور شرعیہ قائم کیا جائے۔

⑤ قوم کی اصلاح کے لئے علماء کرام کی موجودہ کوششوں کو کافی نہ سمجھا جائے بلکہ دعوت و اصلاح کے مؤثر نظام کے ذریعہ اس ڈوبتی ہوئی قوم کو بچانے کی ہر ممکن تدبیر کی جائے۔ آج کل اگر کوئی تدبیر کی بھی جاتی ہے تو صرف ظاہری اصلاح کی، باطنی اصلاح کی طرف کسی کی توجہ نہیں حالانکہ ظاہری اصلاح محض ڈھانچہ اور جسم ہے اور باطنی اصلاح مغز اور روح، جسم خواہ کتنا ہی قوی اور حسین ہو جب تک اس میں روح نہ ہو مردہ ہے، حق تعالیٰ کی رحمت کا نزول اور برکات کا ظہور اسی اصلاح روح پر موقوف ہے۔

بہرحال جو سانحہ پیش آچکا ہے اس سے عبرت حاصل کرنا اور مستقبل کی تعمیر میں ماضی کی غلطیوں سے سبق حاصل کرنا وقت کا شدید تقاضا ہے، اگر ہم اسی لیت و لعل میں رہے اور کوئی مؤثر قدم نہ اٹھایا تو وقت ہمیں زیادہ مہلت نہیں دے گا ایسا معلوم ہوتا ہے کہ حق تعالیٰ کی طرف سے آخری تنبیہ ہوگئی، اگر قوم اب بھی خواب غفلت سے

بیدار نہ ہوئی تو حق تعالیٰ کا قانون مکافات پھر حرکت میں آئے گا اور اس کا انجام نہایت دردناک اور حیرت ناک تباہی ہوگا، معاذ اللہ۔

بلا شبہ اعداء اسلام برطانیہ، امریکہ اور روس نہ کسی صحیح اسلامی حکومت کو برداشت کر سکتے ہیں، نہ صالح معاشرہ کی تشکیل ان کو بھاتی ہے، انہوں نے اسلامی ملکوں کو اتنا اپاہج اور کمزور کر رکھا ہے کہ کوئی اسلامی ملک ان کے اشارے کے بغیر حرکت نہیں کر سکتا مگر صالح قیادت کی دانشمندی یہ ہے کہ ان متلاطم موجوں سے گذر کر اس ٹوٹے ہوئے سفینہ ملک کو ساحل پر پہنچایا جائے اور ﴿الا ان تتقوا منهم تقاة﴾ کو چراغِ راہ بنایا جائے۔

اسلامی ممالک میں پاکستان ہی ایک ایسا ملک تھا جس میں بظاہر کچھ جان تھی جس سے اسلامی ملکوں کا وقار قائم تھا اور جس سے اسلامی بلاک اور اسلام کی نشاۃ ثانیہ کی توقعات وابستہ کی جاسکتی تھیں، مگر بین الاقوامی سازش نے اپنوں کی غداریوں اور حکمرانوں کی حماقتوں کے ذریعہ اس پر ایسی ضرب لگائی جس سے پورے عالم اسلام کی کمر ٹوٹ گئی، موجودہ صورت حال اتنی نازک ہے کہ اگر فوری طور پر اصلاح کی کوشش نہ کی گئی تو سامراجی طاقتیں اسے ایک اور دھکے سے صفحۂ وجود سے مٹانے کی کوشش کریں گی اس لئے ایک لمحہ ضائع کئے بغیر جلد سے جلد ظاہری و باطنی تعمیر پوری قوت، دانائی اور صبر و ہمت سے شروع کر دینی ضروری ہے۔

اللہ تعالیٰ ہماری لغزشیں معاف فرمائیں اور ہر قدم پر ہماری رہنمائی فرمائیں اور اس ملک کی حفاظت فرمائیں، آمین۔

وصلی اللہ تعالیٰ علی خیر خلقه صفوة البریة محمد وعلی آله واصحابه واتباعه اجمعین.

[محرم الحرام ۱۳۹۲ھ - مارچ ۱۹۷۲ء]

دین اسلام سے انحراف اور اس کی سزا

﴿اِنَّ الدِّیْنَ عِنْدَ اللّٰهِ الْاِسْلَامُ﴾ [آل عمران: ۱۹]

اسلام خدا تعالیٰ کا آخری آسمانی دین رحمت ہے، جو پوری انسانیت کی دنیوی و اخروی فلاح و کامیابی کے لئے نازل کیا گیا، جو شخص اسلام اور اسلامی تعلیمات کو اپنائے گا وہ دنیا و آخرت میں سرخ رو ہوگا اور جو شخص اس سے انحراف کر کے کسی اور طرف دیکھے گا وہ دنیا میں ذلیل و خوار اور آخرت میں خائب و خاسر ہوگا، اسی انحراف کے نتیجہ میں ۲۸ رسال سے ہمارا ملک آفات کا تختہ مشق بنا ہوا ہے۔ مگر صد حیف کہ تباہ کن آفتوں، سیلابوں، زلزلوں اور جھٹکوں سے بھی نہ ہمارے ارباب اختیار کو کوئی عبرت ہوتی ہے، نہ عام لوگوں کو ہوش آتا ہے۔ مقتدر طبقہ کی کچھ عادت ہوگئی ہے کہ اٹھتے بیٹھتے وہ سوشلزم وغیرہ کے غلط اور لادینی نعرے لگاتے رہتے ہیں اور ملک میں اسلام کش

تحریکیں چل رہی ہیں مگر انہیں کوئی پرواہ نہیں، اگر کوئی شخص یہ کہے کہ معاذ اللہ اسلامی عقائد وعبادات نامکمل ہیں اور ان کی تکمیل کے لئے یہودیت، عیسائیت یا ہندو مذہب کی پیوند کاری کی ضرورت ہے تو کیا وہ مسلمان ہوگا؟ اسی طرح جو شخص یہ دعویٰ کرتا ہے کہ اسلام کے ہوتے ہوئے سوشلزم یا کسی اور نظریۂ حیات کی ضرورت ہے یا اسلام کے معاشی نظام میں سوشلسٹ نظریات کو سمونے کی حاجت ہے یا اسلام کو زمانے کے مطابق ڈھالنے کی احتیاج ہے وہ درحقیقت اسلام کی صداقت اور اس کے دینِ خداوندی ہونے کی نفی کرتا ہے اس سے بڑھ کر افسوس کی بات یہ ہے کہ جو حضرات کل بڑے شدومد سے سوشلزم کو کفر قرار دیتے تھے وہ آج ''سکوتِ مصلحت آمیز'' کی چادر تانے آرام سے سو رہے ہیں، اگر پاکستان کو تباہی و بربادی ذلت ورسوائی اور خدا تعالیٰ کے قہر وغضب سے بچانا ہے تو خدا کے لئے ان لوگوں کو باز رکھو جو خدا تعالیٰ کے دین کی مخالفت کر کے قہر الٰہی کو دعوت دے رہے ہیں، یہاں ہم عبرت وموعظت کے لئے ایک معروف عالم دین کا وہ خط درج کرتے ہیں جو بینات (رجب ۸۹ھ) میں پانچ سال قبل شائع ہوا تھا:

۲۳ر جولائی ۱۹۶۹ء

محترم گرامی قدر جناب محمد حسین صاحب

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

اشتہار کے صفحہ ۳ر وصفحہ ۴ر پر جو عبارتیں نقل کی گئی ہیں ان میں سے صفحہ ۴ر کی عبارت کا تعلق مفتی محمد شفیع صاحب سے ہے اور میرے افکار وخیالات کا اس سے کوئی تعلق نہیں ہے، البتہ صفحہ ۳ر پر جو عبارت نقل کی گئی ہے وہ اخبار جہاں کے انٹرویو کا اقتباس ہے جس میں الفاظ اور عبارت انٹرویو کے ترتیب دینے والے صاحب کے ہیں اور مفہوم تقریباً میرا ہے، الفاظ اور عبارت سے عام تاثر یہ ہوتا ہے کہ میں نے تحریک پاکستان سے اختلاف رکھنے والوں کو پاکستان دشمن قرار دیا جبکہ ان میں حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ جیسے اکابر امت بھی شامل تھے اور دوسرا تاثر یہ ہوتا ہے کہ میں اس مبینہ اختلاف کو آڑ بنا کر جمعیت علماء اسلام مغربی پاکستان کی مخالفت کرنا چاہتا ہوں حالانکہ یہ دونوں تاثرات نہ صرف یہ کہ بے اصل اور بے سروپا ہیں بلکہ میری اپنی افتادِ طبع کے بھی خلاف ہیں اور اس عظمت واحترام کے بھی منافی ہیں جو تحریک پاکستان کے مسئلہ میں اختلاف کے باوجود ان کا برملت کے لئے میرے دل میں ہمیشہ سے ہے۔

اخبار جہاں کے انٹرویو کی صورت یہ ہوئی کہ ۱۲ر جون بروز جمعرات صبح دس بجے اسلامیہ کالج کراچی میں طلبہ کی جانب سے سیرۃ النبی کا ایک جلسہ تھا اور یہ تاریخ ایک ہفتہ پہلے سے میری ڈائری میں درج تھی ۱۱ر جون بروز بدھ صرف ایک روز پہلے اخبار جہاں کے دفتر سے فون آیا کہ اس کے نمائندے کل صبح انٹرویو لینے کے لئے آنا چاہتے ہیں میں نے ڈائری کا پروگرام دیکھ کر بتادیا کہ دس بجے مجھے اسلامیہ کالج کے جلسہ میں جانا ہے اگر آپ

آنا چاہیں تو ۹ بجے صبح آجائیں لیکن اخبار جہاں کے نمائندے ساڑھے نو بجے کے بعد میرے پاس پہنچے، انٹرویو دیتے ہوئے پندرہ بیس منٹ ہی گذرے تھے کہ اسلامیہ کالج کے طلبہ مجھے لینے کے لئے آئے، میں نے اخبار جہاں کے نمائندے سے معذرت کی کہ کسی دوسرے وقت آپ تشریف لائیں انٹرویو کا باقی حصہ میں مکمل کرادوں گا مگر وہ نہیں مانے اور کہنے لگے کہ آپ میرے چند سوالات کے جوابات ہاں یا نہیں میں مختصراً دے دیجئے، میں انہیں اپنے الفاظ میں پھیلا کر لکھ لوں گا، چنانچہ ان سوالات میں سے ایک سوال یہ بھی تھا کہ جمعیت علماء اسلام مغربی پاکستان کے موجودہ عہدے دار کیا پاکستان کی تحریک میں شامل تھے میں نے جواب دیا نہیں، بلکہ ان حضرات کو تحریک پاکستان سے اختلاف تھا اور اسی اختلاف کی بنا پر مولانا شبیر احمد صاحب عثمانی رحمۃ اللہ علیہ نے جمعیت علماء اسلام کی تشکیل فرمائی تھی۔ دوسرا سوال یہ تھا کیا مولانا شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھی رفقاء کی یہ ذمہ داری نہیں ہے کہ وہ میدان میں آکر نظریہ پاکستان کی حفاظت کریں؟ میں نے جواب دیا بے شک یہ رفقاء کی ذمہ داری ہے اور مولانا ظفر احمد عثمانی جو مولانا شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ کے قریبی اور ہم عصر ساتھی ہیں انہیں اس میں پہل کرنی چاہیے۔ یہ وہ مجمل جوابات ہیں جن کا پھیلاؤ انٹرویو ترتیب دینے والے صاحب نے اپنے الفاظ اور اپنی عبارت میں کیا، غاصبانہ قبضہ، کانگریسی علماء، پاکستان دشمن وغیرہ جیسے الفاظ بائیس سال کے عرصہ میں کبھی کسی نے میری زبان سے نہ سنے ہوں گے اور نہ میں ایسی تلخ گوئی کا عادی ہوں۔

تحریک پاکستان سے اختلاف کی وضاحت چاند کے مسئلہ میں نظر بندی سے رہائی کے بعد لاہور کے استقبالیہ کی تقریر میں کر چکا ہوں جس کی صدارت استاذ العلماء حضرت مولانا رسول خاں صاحب نے کی تھی اور اس میں مولانا ابوالاعلیٰ مودودی صاحب بھی شریک تھے، اسی طرح کی وضاحت دو سال پہلے ڈیرہ غازی خان کی ایک تقریر میں بھی کر چکا ہوں جس کی بناء پر حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ کے بعض متوسلین نے یہ خیال ظاہر کیا تھا کہ میں اپنے خیالات ضبط تحریر میں لاکر شائع کرادوں، کانگریسی علماء اور قبضہ غاصبانہ الفاظ بھی میرے نہیں ہیں بلکہ مفہوم میرا ہے یعنی یہ کہ یہ حضرات تحریک پاکستان سے اختلاف رکھتے تھے پھر پاکستان بننے کے بعد ان حضرات نے جمعیت علماء اسلام کی تنظیم کو اپنا لیا ہے۔

جمعیت علماء اسلام کے اجلاس منعقدہ ملتان میں اس امر کا اعلان کیا گیا تھا کہ اب پاکستان بن جانے کے بعد اسلامی خطوط پر اس کی تعمیر کا مسئلہ ہے، لہٰذا کانگریسی اور غیر کانگریسی کا امتیاز ختم کر دینا چاہئے حضرت مولانا احمد علی صاحب لاہوری نے مجھے جمعیت علماء اسلام کا ناظم اعلیٰ مقرر فرمایا تھا مگر میں نے بچند وجوہ کنارہ کشی کا فیصلہ کرلیا تھا اس لئے بار بار اصرار کے باوجود میں نے مولانا احمد علی صاحب لاہوری سے معذرت ظاہر کر کے معافی مانگ لی تھی، اگر کانگریسی اور غیر کانگریسی کی تفریق میرے گوشۂ خیال میں ہوتی تو دستوری نکات ترتیب دینے کے سلسلہ میں ہر مکتب فکر کے علماء کے اجتماع میں مولانا احمد علی صاحب لاہوری اور مولانا محمد علی صاحب جالندھری،

مولانا محمد یوسف صاحب بنوری اور مولانا مودودی صاحب کو کیوں شریک کرتا وہ اجتماع میری اور صرف میری رائے سے ہوا تھا جس کا مطلب یہ ہے کہ تعمیر پاکستان کے مسئلہ میں کانگریسی اور غیر کانگریسی کا امتیاز کبھی میرے وہم وگمان میں بھی نہیں رہا۔

سابق صدر ایوب خان نے اپنی خانہ ساز کتاب میں پاکستان کی مخالفت کے سلسلہ میں جن کانگریسی علماء کا اور مولانا مودودی صاحب کا تذکرہ کیا ہے وہ بھی میری نظر میں خلاف واقعہ اور بے بنیاد ہے جس کا اظہار میں نے بارہا اپنی تقریروں میں کیا ہے، کیونکہ کانگریسی علماء کا اختلاف جس فارمولے پر مبنی تھا وہ مسلمانوں کے مستقبل کے اعتبار سے مخلصانہ اور ان کے نقطہ نظر سے نیک نیتی سے متعلق تھا اور مولانا مودودی صاحب نے تحریک پاکستان کی جس قیادت پر عدم اعتماد کا اظہار کیا تھا وہ بھی کچھ زیادہ غیر واقعی نہ تھا اور اگر پاکستان قرآن وسنت کی حکومت قائم کرنے میں کامیاب نہ ہو تو تحریک پاکستان سے اختلاف کے اسباب اور وجوہ غلط نہیں قرار دیئے جاسکتے، اگر اسلامی حکومت کے نصب العین میں پاکستان کامیاب ہوجاتا ہے تو تحریک پاکستان سے متعلق تمام اختلافات کو بے بنیاد غیر صحیح اور توہمات کا درجہ دیا جاسکتا ہے۔ پھر غاصبانہ کا الزام میری طرف سے اس وقت صحیح ہوگا جب میں جمعیت علماء اسلام کا دعویدار ہوتا، مولانا احمد علی صاحب لاہوری رحمۃ اللہ علیہ نے وصال سے کچھ روز قبل علالت کی حالت میں عمرہ کے لئے جاتے ہوئے غریب خانے پر تشریف لاکر فرمایا تھا کہ میری انتہائی خواہش ہے کہ آپ جمعیت علماء اسلام کو سنبھالیں، میں نے اس وقت غایت ادب سے عرض کیا تھا جی بہتر ہے۔

پھر مولانا غلام غوث ہزاروی اور مفتی محمود صاحب دونوں حضرات نے مولانا عبداللہ صاحب درخواستی کا استخارہ بیان کرتے ہوئے مجھے جمعیت علماء اسلام کے لئے فرمایا میں نے معذرت پیش کردی تو ایسی صورت میں میری طرف سے قبضہ غاصبانہ کا الزام دینے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

مجھے نہ کانگریسی علماء سے اختلاف ہے اور نہ جمعیت علماء اسلام کی موجودہ قیادت سے بلکہ اصل اختلاف اس عالمگیر اور اسلام کش فتنہ سے ہے جو کمیونزم اور سوشلزم کے نام سے ہمارے ملک میں سر اٹھارہا ہے اور ------- کے پلیٹ فارم سے یا اس کے اخبار--------- سے اسلامی سوشلزم کی پرفریب مگر مہلک اصطلاح اختیار کرکے اس فتنہ کی حمایت کی جارہی ہے، جہاں جہاں اسلام پسند طبقوں نے اس طرح کا دھوکہ کھایا ہے آج وہاں نہ وہ اسلام پسند موجود ہیں اور نہ وہاں اللہ کا نام لینے والا کوئی باقی ہے، اینگلو امریکی سامراج کے لائے ہوئے سرمایہ دارانہ نظام کی مخالفت اور معاشی انصاف اور عدل عمرانی کے قیام کے لئے اسلام کا لفظ اختیار کرنا کافی ووافی ہے اگر اس پرفریب اصطلاح سے کلی طور پر اجتناب نہ کیا گیا تو اندیشہ ہے کہ ملحد و بے دین طبقہ اسلام کی آڑ لے کر ماؤزے تنگ کا لادینی نظام قائم کرلے گا، ہماری نظر میں یہ مسئلہ صرف پاکستان ہی کی موت وزیست کا مسئلہ نہیں ہے بلکہ اس ملک میں اسلام کی بقاء اور عدم بقاء کا مسئلہ بھی ہے، اس لئے سوشلزم اور اسلامی سوشلزم کی

مخالفت ہمارا ایمان ہے اور جس طرح سرمایہ دارانہ نظام کے خلاف جہاد کرنا فرض ہے اسی طرح سوشلزم اور اسلامی سوشلزم کے خلاف جہاد کرنا بھی وقت کا سب سے بڑا فریضہ ہے، اس فتنہ کی سرپرستی خواہ کوئی فرد کرے یا کوئی جماعت اور گروہ، دیوبندی، بریلوی، شیعہ، سنی، مقلد اور اہل حدیث سب کو مل کر اس لادینی فتنہ کی مخالفت اور اس کے خلاف جہاد کرنا ناگزیر اور ضروری ہے۔

[شعبان ۱۳۹۵ھ/ستمبر ۱۹۷۵ء]

مسلمانوں کی موجودہ پستی اور اس کا علاج

''رباط کانفرنس'' سے دنیا بھر کے مسلمانوں کو یہ توقع تھی کہ عالم اسلام کے معزز سربراہ ارضِ مقدس فلسطین اور مسجد اقصیٰ کو اسرائیل کے پنجۂ استبداد سے واگذار کرانے کے لئے اہم ترین فیصلے کریں گے، اس سے ایک نئی تاریخ ابھرے گی اور عالمی سیاست کے دھارے بدل جائیں گے لیکن افسوس کہ یہ توقع پوری نہ ہوسکی اور مغصوبہ عرب علاقے اسرائیلی جارحیت کے پنجۂ استبداد میں بدستور سسکتے تڑپتے رہ گئے، علاج صرف ایک ہے کہ اسلامی ممالک مغربی یا اشتراکی بلاک سے انصاف کی امید نہ رکھیں، اقوام متحدہ کے دروازوں پر دستک دینا چھوڑ دیں، اپنے متحدہ وسائل جمع کریں اور اللہ کی ذات کے بھروسے پر ''اسلامی جہاد'' کا اعلان کریں، سعودی سفیر برائے پاکستان جناب محمد عبد اللہ المطلق کی خواہش پر جس کا اظہار موصوف نے ایک ملاقات میں کیا تھا راقم الحروف نے شرکاء کانفرنس کے نام جو پیغام بھیجا تھا اس میں عالم اسلام کے سربراہوں کی خدمت میں یہ گذارش کی گئی تھی کہ آج کا مرض کیا ہے؟ اس کا علاج کیا ہونا چاہیے؟ پیغام کا مضمون یہ تھا:

''دعوت و تبلیغ کی ناکامی کے بعد صرف جہاد ہی اصلاح امت کا واحد راستہ ہے، وہ جہاد جس کا مقصد تمام سیاسی و مادی اغراض سے ہٹ کر محض اعلاء کلمۃ اللہ ہو، مسلمانوں کی موجودہ ذلت و نکبت کا سب سے بڑا سبب اسلامی جہاد کا ترک کرنا ہے، فلسطین کا غصب، بیت المقدس کا سقوط، مسجد اقصیٰ کی آتشزدگی اور تمام اسلامی آثار کو مٹا ڈالنے کے ناپاک صہیونی عزائم اسلام کے لئے ایسا دردناک حادثہ ہے جسے مسلمانوں کے عرق خجالت سے لکھا جانا چاہیے، یہود جیسی ملعون قوم کا یہ جبری اقتدار ہماری شامت اعمال کی بدلی ہوئی شکل ہے، اور اس صورتِ حال کے بنیادی سبب دو ہیں:

① مسلمانوں کا اسلام دشمن طاقتوں پر اعتماد کرنا ان ہی سے اپنی مشکلات کے حل کی توقع رکھنا اور ان کے دعدوں کو صحیح سمجھنا یہی وہ بنیادی غلطی ہے جس نے عالم اسلام کے لئے گونا گوں مسائل کو جنم دیا۔

② مسلمانوں میں راحت پسندی، عیش پرستی اور جدید تمدن کی وجہ سے دنیا کی محبت اور موت سے نفرت جاگزین ہوگئی، اسی کو حدیث نبوی میں ''وھن'' (دوں ہمتی) سے تعبیر کرتے ہوئے فرمایا گیا ہے کہ اس کی وجہ سے کثرت

تعداد کے باوجود مسلمان خس و خاشاک کی طرح ہوں گے جیسے سیلاب کا معمولی ریلا بہا لے جاتا ہے(۱)۔ مسلمانوں کو کبھی عدد و عُدّہ (تعداد اور سامان) کی کثرت سے کامیابی نہیں ہوئی، ان کی کامیابی کا ایک ہی طے شدہ اصول ہے اور وہ یہ ہے:

﴿اِنْ يَّنْصُرْكُمُ اللهُ فَلَا غَالِبَ لَكُمْ وَاِنْ يَّخْذُلْكُمْ فَمَنْ ذَا الَّذِيْ يَنْصُرُكُمْ مِّنْ بَعْدِهٖ وَعَلَى اللهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ﴾ [آل عمران:۱۶۰]

اگر اللہ تمہاری مدد کرے تو تم پر کوئی غالب نہیں آ سکتا اور اگر وہ تمہاری مدد سے ہاتھ کھینچ لے تو اس کے بعد کون ہے جو تمہاری مدد کو آئے؟ اور اہل ایمان کو لازم ہے کہ وہ صرف اللہ کی ذات پر بھروسہ کریں۔

ہماری تمام مشکلات کا صحیح حل یہ ہے کہ ہم راحت طلبی اور تن آسانی اور تشتت و افتراق کی فضا ختم کریں، عالم اسلام کی مجلس متحدہ قائم کریں، اسلام دشمن طاقتوں سے کٹ کر صرف حق تعالیٰ کی ذات پر اعتماد کریں اور کفر کے مقابلہ میں بنیان مرصوص بن کر اعلاء کلمۃ اللہ کے لئے سر سے کفن باندھ کر میدان جہاد میں کود جائیں، حق تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿اِنْ تَنْصُرُوا اللهَ يَنْصُرْكُمْ وَ يُثَبِّتْ اَقْدَامَكُمْ﴾ [محمد:۶]

اگر تم اللہ کی مدد کے لئے نکلو گے تو اللہ تمہاری مدد کے لئے نکلے گا اور تمہیں ثابت قدم رکھے گا۔

مقام شکر ہے کہ علمائے حرمین نے جہاد کا فتویٰ دیا ہے اور سعودی عرب کے فرمانروا شاہ فیصل بن عبد العزیز اور ان کے تمام امراء، وزراء، اعیان و اکابر اور مشاہیر اہل قلم نے اعلان جہاد کر دیا ہے۔ ان کی تمام تقریریں سعودی عرب کے اخبارات اور مجلہ المنہل میں شائع ہو چکی ہیں، لیکن ضرورت اس بات کی ہے کہ اعلان سے آگے بڑھ کر کوئی عملی قدم اٹھایا جائے اور ارضِ مقدس کو یہودی نجاست سے پاک کر دیا جائے۔

کفر اور امن عالم

احمد آباد اور جنوبی ہند کے بعض دوسرے شہروں میں مسلمانوں کی جان و مال اور عزت و آبرو کو جس درندگی، بربریت اور قساوت سے تباہ و برباد کیا گیا ہے اور جس کا سلسلہ ابھی تک جاری ہے وہ بھارتی حکومت کے مکروہ چہرے پر کلنک کا ٹیکہ ہے، گاندھی ازم کے پجاریوں نے عقل و انصاف اور شرافت و انسانیت کے سارے

---

(۱) ''عن ثوبان قال قال رسول اللهﷺ: يوشك الامم ان تداعى عليكم كما تداعى الاكلة الى قصعتها، فقال قائل: ومن قلة نحن يومئذ؟ قال: بل انتم يومئذ كثير ولكنكم غثاء كغثاء السيل ولينزعن الله من صدور عدوكم المهابة، وليقذفن الله في قلوبكم الوهن، فقال قائل: يارسول الله! وما الوهن؟ قال حب الدنيا وكراهية الموت''. سنن ابى داؤد، كتاب الملاحم، باب فى تداعى الامم على الاسلام، ج:۲ ص: ۵۹۰، ط: حقانيه

تقاضوں کو پس پشت ڈال رکھا ہے، بائیس سال سے مسلسل یہی ہوتا چلا آیا ہے کہ نہتے مسلمانوں کو فسادات کا نام دے کر بے دریغ قتل کیا جاتا ہے اور پھر بھارتی حکومت نہ صرف یہ کہ ان مفسدوں کے خلاف کوئی اقدام نہیں کرتی بلکہ یہ سارا قصہ یہ کہہ کر پلٹ دیا جاتا ہے کہ یہ فسادات پاکستان کی سازش سے ہوئے۔ پاکستان اگر ایسا ہی سازشی ہے تو سوال یہ ہے کہ وہ اپنے ملک کی غیر مسلم اقلیتوں کی عزت و ناموس کی حفاظت کیوں کرتا ہے؟ دراصل یہ بھارتی مسلمانوں کو صرف ان کے مسلمان ہونے کی سزا دی جارہی ہے اور ہمیں خوب معلوم ہے کہ کفر ہمیشہ تنگ نظر، سفاک اور ظالم رہا ہے، گاندھی ازم کے پرستاروں نے بھارت میں جو خونی ڈرامہ کھیلا یورپ و امریکہ کے مہذب درندوں نے ویٹ نام وغیرہ میں جو کچھ کیا اور سوشلزم کے نقیبوں نے سمرقند و بخارا اور دوسرے سوشلسٹ ممالک میں جو کارنامے انجام دیئے یہ کفر کی طبعی افتاد ہے، جس سے واضح ہوتا ہے کہ کفر کے پاس امن عالم اور انسانی سلامتی کے لئے کچھ نہیں، صرف اسلام ہی وہ مذہب ہے جو عالم کے لئے پیغام رحمت اور انسانیت کے لئے مژدہ امن و سلامتی ہے۔ چنانچہ پاکستان میں تمام غیر مسلم اقلیتوں کا نہ صرف جان و مال محفوظ ہے بلکہ ان کی مادی ترقی اور آسودہ حالی قابل دید ہے اور تقریباً یہی حال تمام ممالک اسلامیہ کی غیر مسلم اقلیتوں کا ہے وہ کفر تھا اور یہ اسلام ہے:

ببین تفاوت رہ از کجاست تا بکجا

جمعیۃ علماء اسلام اور اس کا منشور

جمعیت علمائے اسلام کی مرکزی مجلس عمومی نے اپنے اجلاس منعقدہ ۲۸ رستمبر ۱۹۶۹ء (بمقام سرگودھا) میں اتفاق رائے سے جمعیت کا جو منشور منظور کیا ہے اس کا خلاصہ اخبارات میں اور پورا متن ہفت روزہ ترجمان اسلام (۱۰ راکتوبر ۶۹ء) میں شائع ہو چکا ہے اجلاس میں پاکستان کے دونوں حصوں سے ممتاز شخصیتیں شامل ہوئیں جن میں اکثریت علماء کرام کی تھی۔

منشور کی دفعات و عنوانات میں بڑی حد تک جامعیت کو ملحوظ رکھنے کی کوشش کی گئی ہے، نظام حکومت کی توضیح پر ۱۴ ردفعات ہیں، ۷ ردفعات محکمہ احتساب شرعی کے قیام اور اس کے فرائض کی تعیین پر ہیں، تعلیم کے ۲۶ ر نکات میں قریب قریب وہ تمام تجاویز آ گئی ہیں جو نئی تعلیمی پالیسی کے سلسلہ میں حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب اور راقم الحروف کے زیر انتظام کراچی کے علماء کی تعلیمی جائزہ کمیٹی نے متفقہ طور پر پیش کی تھیں، معاش و اقتصاد اور تجارت سے متعلقہ نکات میں اعتدال پسندی سے کام لیا گیا ہے، صنعتوں اور کارخانوں کے سلسلہ میں موجودہ فتنوں کے پیش نظر جدید مشکلات کی رعایت کی گئی ہے، زراعتی پالیسی پر ۱۷ ردفعات ہیں، مسئلہ مزارعت میں صاحبین رحمۃ اللہ علیہ کے مفتی بہ قول کو لیا گیا ہے اور ناگزیر حالات میں امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور جمہور ائمہ کے قول کی روشنی میں ''بٹائی'' کے بجائے اجارہ (ٹھیکہ) کے اصول کو تسلیم کیا گیا ہے اور حتی الامکان تجدید ملکیت کے نظریہ سے

احتراز کیا گیا ہے، آخر میں اس بات کی تصریح کر دی گئی ہے کہ منشور ہذا کی دفعات میں قرآن وسنت کی نصوص اور ملک وملت کے مفاد کے تحت ترمیم وتبدیلی اور کمی بیشی کی تجاویز پر غور کیا جاسکتا ہے، منشور کا سب سے اہم جزء وہ بائیس نکات ہیں جنہیں ۱۹۵۳ء میں حضرت مولانا احتشام الحق تھانوی کے زیر اہتمام ملک کے جید علماء کی ''مجلس منتخبہ'' نے بالاتفاق منظور کیا تھا، یہ متفقہ بائیس نکاتی مسودہ پاکستان کی ملت اسلامیہ کے اتحاد واتفاق کا سنگ بنیاد ہے، اس مجلس منتخبہ میں ملک کے تمام فرقوں کے نمائندے اور ممتاز ترین علمی دینی اور سیاسی ومذہبی شخصیتیں شامل تھیں (جناب مولانا مودودی صاحب خود بھی اس میں شامل تھے جو آج جمعیۃ علمائے اسلام سے سیاسی انتقام لینے کے لئے ان نکات سے انحراف کرتے ہوئے خود اپنے بنے ہوئے کو ادھیڑنا چاہتے ہیں ''كالّتى نقضت غزلها من بعد قوة انكا ثاً'' جس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ اتحاد ملت کی جو بنیاد ایک دفعہ رکھی جا چکی ہے اسے بھی اکھاڑ پھینکا جائے اور ملت کو ہمیشہ کے لئے انتشار وافتراق کی نذر کر دیا جائے۔

بہر حال کہنا یہ ہے کہ منشور بحالات موجودہ بڑی حد تک جامع بھی ہے اور قابل عمل بھی اور اس کا سب سے خوش آئند اور نمایاں پہلو یہ ہے کہ موجودہ مشکلات کو حل کرنے اور معاشرہ کی ہمہ جہتی کجی کو سیدھا کرنے کے لئے قدم قدم پر قرآن وسنت کی نصوص اور اسلامی اصول کو سامنے رکھا گیا ہے اور ہر ایسی تجویز کا خیر مقدم کیا گیا ہے جو قرآن کی روشنی میں ملک وملت کے لئے مفید تر ہو اور یہ قرارداد منظور کی گئی ہے کہ اگر لیبر پارٹی اس اسلامی منشور کو تسلیم کر لے تو معاہدہ کی توثیق کی جاتی ہے۔

جمعیت کے زعماء کے بارے میں جو غلط فہمیاں تھیں اور انہیں سوشلسٹ ہونے کا جو طعنہ دیا جاتا تھا اس منشور کے بعد اسے ختم ہو جانا چاہیے البتہ لیبر لیڈروں کا یہ فرض ہے کہ وہ اس اسلامی منشور کی منظوری کا صاف اعلان کریں اور اگر ان کی طرف سے ان کی موافقت کا اعلان نہ ہو تو جمعیۃ کو اعلان کرنا چاہیے کہ ان کی شرط کے مطابق معاہدہ باقی نہیں رہا یہ معاملہ صاف ہو جانا چاہیے تاکہ شقاق وافتراق کا دروازہ آئندہ کے لئے کھلا نہ رہے۔

کتاب ''آدمیت کی کہانی'' اور جامعہ اسلامیہ بہاول پور

چو کفر از کعبہ برخیزد کجا ماند مسلمانی

ہفت روزہ چٹان لاہور (۲۰/اکتوبر ۶۹ء) میں کسی انگریز مصنف ہنڈرک واں لون کی کتاب ''آدمیت کی کہانی'' (THE STORY OF MANKIND) کے اقتباس شائع ہوئے ہیں جن میں رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات پر نہایت سفیہانہ انداز میں جگر شگاف حملے کئے گئے ہیں، چٹان نے لکھا ہے کہ یہ کتاب محکمۂ اوقاف کے سرکاری ادارہ جامعہ اسلامیہ بہاول پور کے تخصص فی التاریخ کے نصاب میں شامل ہے۔

پاکستان کے صدر محترم جناب جنرل محمد یحییٰ خاں کئی بار اعلان کر چکے ہیں کہ ''اسلام اور نظریہ پاکستان

کے خلاف کوئی چیز برداشت نہیں کی جاسکتی'' ادھر وزارت تعلیم کی طرف سے اطمینان دلایا جاتا ہے کہ نئی تعلیمی پالیسی کے ذریعہ ملک کے نظام تعلیم کو اسلامی سانچے میں ڈھالا جائے گا۔

ہمارے نزدیک ایسی گندی کتاب کو پاکستان میں داخلہ کی اجازت دینا نہ صرف حضرت رسالتماب صلی اللہ علیہ وسلم سے توہین آمیز بے وفائی ہے بلکہ اسلام کی عزت و ناموس اور اسلامیان پاکستان کی حمیت وغیرت کے خلاف کھلا چیلنج ہے۔

سوال یہ ہے کہ پاکستان میں یہ کتاب کس نے درآمد کی؟ محکمہ اطلاعات ونشریات نے کیوں اس کا نوٹس نہیں لیا؟ محکمہ تعلیم نے اس کی منظوری کیسے دی؟ اوقات کے ناظم اعلیٰ مسٹر مسعود جو ائمہ مساجد کو اردو نماز اور ایک آنہ اجرت پر مرغیوں کے ٹیکے لگانے کی تربیت کا اعلان بڑے دینی جذبے سے فرمایا کرتے ہیں وہ اس کتاب کے مندرجات سے کیوں جاہل رہے؟ جامعہ کے پرنسپل مولانا نورالحق الندوی الازہری اور جامعہ کی انتظامیہ اور تعلیمی کمیٹی نے اس نجس کتاب سے اپنی دامن آلودگی کو کس حوصلہ سے برداشت کرلیا؟ سارا قضیہ کسی گہری اور ناپاک سازش کا پتہ دیتا ہے۔

ہم ارباب اقتدار سے گذارش کرتے ہیں کہ اس کتاب کو فوراً جامعہ کے نصاب سے خارج اور ملک میں اس کا داخلہ ممنوع قرار دیا جائے، نیز جن افراد کی ملی بھگت نے اس کتاب کے ذریعہ اسلامیان پاکستان کی دینی غیرت کو للکارا ہے ان کا محاسبہ کیا جائے اور انہیں عبرت ناک سزائیں دی جائیں، جو ملک اللہ ورسول کے نام پر کلمہ طیبہ کے نعروں سے حاصل کیا گیا تھا اور جس کے لئے قرآن مجید ہاتھ میں لے لے کر اسلام کا واسطہ دیا گیا اور جس کے لئے مسلمانوں نے جان و مال ہی نہیں عزت و ناموس تک کو قربان کرڈالا اور احمد آباد وغیرہ میں ابھی تک یہ قربانی دی جارہی ہے کتنی شرم کی بات ہے کہ آج اسی پاک ملک میں اللہ ورسول کے نام کی تحقیر، کلمہ طیبہ کی بے حرمتی، قرآن مجید کی سوختنی اور اسلام کی پامالی کے لئے سازشوں کے جال پھیلائے جارہے ہیں اور اس سے بڑھ کر ڈوب مرنے کی بات یہ ہے کہ محکمۂ اوقاف کے زیر سایہ اللہ ورسول کے نام پر پلنے والی دینی درسگاہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی توہین کر کے اسلام اور پاکستان کا مذاق اس طرح اڑایا جاتا ہے کیا یہی پاکستان ہے؟ کیا یونیورسٹی کا یہی اسلامی نظام تعلیم ہے؟ کیا محکمہ اوقاف کی یہی حسن کارکردگی ہے؟ کیا یہی جامعہ اسلامیہ بہاول پور کی لن ترانیاں ہیں؟

﴿اِنَّ الَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ وَاَعَدَّ لَهُمْ عَذَابًا مُّهِيْنًا﴾ [الاحزاب:۵۷]

[رمضان المبارک ۱۳۸۹ھ۔نومبر ۱۹۶۹ء]

مسلمانوں کے تفرق، اختلاف وانتشار کے ظاہری وباطنی اسباب

آج کل پاکستان جس بحرانی دور سے گذر رہا ہے وہ انتہائی دردناک ہے اور شاید پاکستان کی ۲۴ سالہ زندگی میں اتنا دردناک دور کبھی نہیں آیا ہوگا، ستمبر ۶۵ء میں بلاشبہ ایک ایسا نازک اور دردناک دور آیا تھا جس میں پاکستان کے وجود کے لئے خطرہ پیدا ہوگیا تھا اور مکار دشمن نے اس شدت سے حملہ کیا کہ پاکستان صفحۂ وجود ہی سے مٹ جائے لیکن حق تعالیٰ نے محض فضل وکرم سے اس کے نتائج سے بچایا تمام ملک اور پوری قوم میں ایک غیبی لطیفہ کا ظہور ہوا، تمام امت میں ایمانی روح کی لہر دوڑ گئی اور اس کے نتیجے میں تصور سے بالاتر برکات اور نصرت الٰہی نازل ہوئی اور قوم وملک تباہی وبربادی سے بچ گئے، اس وقت ضرورت تھی کہ اس نئی روح کی حفاظت کی جاتی اور حق تعالیٰ کا صحیح شکر ادا کیا جاتا اگر یہ ہوتا تو حق تعالیٰ کا وعدہ ﴿لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَاَزِيْدَنَّكُمْ﴾[ابراھیم:۷](اگر تم شکر کرو گے تو مزید انعامات دیں گے) پورا ہوجاتا، ملک قوی سے قوی تر ہوجاتا، قوم کو راحت وسکون کی زندگی میسر آتی اور اعدائے اسلام کے حوصلے پست ہوجاتے، لیکن افسوس صد افسوس! کہ ایسا نہیں کیا گیا بلکہ اس کے برعکس اس نئی روح کو فنا کرنے اور اس نئے خون کو پاکستان کے بدن سے جلد از جلد خارج کرنے کی کوشش کی گئی، یوں اس ملک کو تباہی وبربادی کے راستے پر ڈالا گیا، تفصیل میں جانے کی ضرورت نہیں، یہ ابھی کل کی تاریخ ہے جو دنیا کے سامنے ہے ہم نے خود اپنے ہاتھوں وہ حالات پیدا کئے جن کے نتائج بد ہمارے سامنے آرہے ہیں، شدید خطرہ ہے کہ کہیں حق تعالیٰ کے دوسرے قانون ﴿وَلَئِنْ كَفَرْتُمْ اِنَّ عَذَابِيْ لَشَدِيْدٌ﴾[ابراھیم:۷](اور اگر تم میری ناشکری کرو گے تو میرا عذاب بہت سخت ہے) کا ظہور نہ ہوجائے۔

مسلمانوں کو اغیار سے کبھی اتنا نقصان نہیں ہوا جتنا اپنوں سے پہنچا، اسلامی ملکوں میں اغیار کی ریشہ دوانیاں ہمیشہ سے ہوتی رہی ہیں اور اب بھی ہورہی ہیں مگر ان کے نتائج کبھی اتنے دردناک نہیں نکلے جس قدر کہ اپنوں کی غداریوں، خیانتوں اور حماقتوں سے ملک وملت کو ہلاکت وتباہی کے گڑھے میں گرنا پڑا، خلافت عباسیہ کی تباہی سے سلاطین مغلیہ کے زوال تک مسلمانوں کی یہی تاریخ ہے۔

مشرقی پاکستان میں جو نقشہ آج کل تیار ہورہا ہے خاکم بدہن کہیں ایسا نہ ہو کہ یہ سابق ناشکری کی سزا ہو، ظاہر ہے کہ جس مقصد کے لئے پاکستان کی ضرورت بتلائی گئی تھی اسے پورا نہیں کیا گیا، مقصد یہ تھا کہ آزاد قوم کی حیثیت سے ایک پاک سرزمین میں ایک باخدا قوم کی تشکیل کی جائے، آزادی کے ساتھ دین ودنیا کے نظام کو چلایا جائے پاکستانی قوم اپنی ذہنی اور ایمانی صلاحیتوں کے لحاظ سے ایک معیاری اور مثالی قوم ہو، جس میں تمام عالم اسلام کی قیادت کی اہلیت ہو اور اس خطۂ پاک میں خدا کے دین کو نافذ کرکے دنیا کو یہ بتایا جاسکے کہ موجودہ دور میں اسلام نہ صرف یہ کہ زندگی کی راہنمائی کرسکتا ہے بلکہ اسلام ہی وہ ضابطہ حیات اور دستور زندگی ہے جو انسانی مشکلات کا واحد حل ہے وغیرہ وغیرہ۔

لیکن جو کچھ ہوا اور جو کچھ ہو رہا ہے وہ مخفی نہیں، تمام دعوے غلط ثابت ہوئے، تمام آرزوئیں خاک میں مل گئیں، اصل مقصد نگاہوں سے اوجھل ہو کر طاق نسیان کی زینت بن گیا اور ہمارے سامنے صرف ایک مسئلہ رہ گیا اور وہ ہے پیٹ کا مسئلہ، اس کو حل کرنے کے لئے بھی بدترین قسم کے نظام سرمایہ داری کا راستہ اختیار کیا گیا، معیار ترقی کے خبط میں ظلم واستحصال کی آخری حدود کو چھولیا گیا، سود، قمار، سٹہ، لاٹری اور بیمے کا گھن ملک کی عوامی معیشت کے تمام مغز کو چاٹ کر کھوکھلا کر گیا، غریبوں کی ضرورتوں کو پس پشت ڈالا گیا، بے حیائی وعریانی اور فواحش ومنکرات کا بازار خوب خوب گرم ہوا، دین کے دشمنوں کو کھلی چھٹی ملی، اسلام کو دفن کرنے کی تدبیریں کی گئیں، محرمات کو حلال ثابت کرنے کے لئے لاکھوں کروڑوں کے مصارف سے ادارے قائم کئے گئے اور خدا کے دین کا نام ملائیت رکھ دیا گیا، الغرض وہ کون سی کسر ہے جو یہاں باقی چھوڑی گئی، سیاسی، اقتصادی، دینی، علمی، اخلاقی، سماجی ہر اعتبار سے قوم قعر مذلت میں گرتی چلی گئی، مگر قوم کے ناخداؤں کی آنکھیں نہ کھلیں، انا للہ۔

بالآخر یہ حقائق رنگ لائے اور ان کے بدترین نتائج ہمارے سامنے آئے، آج جو سیاسی بحران نظر آرہا ہے، وطنی ولسانی عصبیتیں ابھر رہی ہیں، بھائی بھائی کا گلا کاٹ رہا ہے، ایک ہی جسم کے اعضاء ایک دوسرے کے خلاف نفرت وبیزاری کے بھیانک مظاہرے کر رہے ہیں اور ملکِ پاک کا نازک آبگینہ چورا ہے میں ٹوٹ کر منتشر ذرات میں تحلیل ہوا چاہتا ہے، یہ سزا ہے خدا فراموشی کی، چنانچہ خدا فراموش قوم کے تمام خدوخال آج ایک ایک کر کے سامنے آرہے ہیں۔

ہماری ناقص رائے میں موجودہ حالات کے دو سبب ہیں، ایک ظاہری اور ایک باطنی ان دونوں کی طرف ہم نے اشارہ کر دیا۔

باطنی منشاء تو یہی کہ پاکستان کے اصل مقصد وجود کو نظر انداز کر دیا گیا اور اللہ تعالیٰ کی عظیم نعمت کی ناشکری کی گئی، عرصہ دراز سے مسلمانوں کی آزادی کی کوششیں جاری تھیں ۱۸۵۷ء اور اس کے بعد سے مختلف سیاسی تدبیریں کی گئیں، سنۃ اللہ یہ ہے کہ بغیر قربانی کے اتنی بڑی نعمت نہیں ملتی۔ بالآخر وہ قربانی بادل ناخواستہ دینی ہی پڑی لاکھوں جانیں ضائع ہوئیں، عورتیں بیوہ اور بچے یتیم ہوئے، ہزاروں عصمتیں لٹیں، وطن چھوڑا، مال واسباب اور جائیداد لٹائی، ہجرت کرنی پڑی گویا وہی نقشہ تھا جو آل فرعون کا قرآن نے بیان کیا:

﴿كَمْ تَرَكُوْا مِنْ جَنّٰتٍ وَّعُيُوْنٍ. وَّزُرُوْعٍ وَّمَقَامٍ كَرِيْمٍ. وَّنَعْمَةٍ كَانُوْا فِيْهَا فٰكِهِيْنَ﴾ [الدخان: ۲۵تا۲۷]

وہ لوگ کتنے ہی باغ اور چشمے اور کھیتیاں اور عمدہ مکانات اور آرام کے سامان جن میں وہ خوش رہا کرتے تھے چھوڑ گئے۔

آخر اللہ تعالیٰ نے پاکستان کی شکل میں اس کا بدلہ دیا، سلطنت دی، دولت وثروت دی، عزت وراحت دی، دولتِ خداداد پاکستان کا وقار اونچا کیا اور اسے سربلندی عطا فرمائی، کارخانے، دوکانیں، انڈسٹریاں ملیں،

الغرض جو کچھ گیا تھا اس سے بڑھ کر دیا، آخر ان نعمتوں کا شکر ہی تو ادا کرنا تھا، تقویٰ وطہارت کی زندگی اختیار کرنی تھی، کتاب وسنت کا خدائی قانون نافذ کرنا تھا، اسلامی اخوت ومؤاسات کے رشتے قائم کرنے تھے، اسی سے تمام ملکی ولسانی اور قومی عصبیتیں ختم ہوجاتیں، بہرحال ایک باخدا قوم کے آثار ونشان قائم کرنے تھے اور دنیا سے زیادہ دین کی ترقی کی فکر کرنی تھی لیکن یہ سب کچھ نہ ہوا، نہ کیا۔

وہ تو اللہ تعالیٰ بھلا کرے قوم کے صالح افراد کا کہ حکومت کی سطح پر اگرچہ نہیں ہوا مگر قوم کے صالح اور دردمند لوگوں نے انفرادی تعاون سے ہزاروں مسجدیں بنائیں، سینکڑوں مدرسے چلائے، بہت سے ادارے قائم کئے، مسلمان بچوں کی دینی تعلیم کا انتظام کیا، جب جاکر اسلام کا کچھ نقشہ باقی رہا اور اللہ تعالیٰ کا عذاب ٹل گیا ورنہ عذاب الٰہی نہ معلوم کس شکل میں آتا لیکن جیسا کہ عرض کیا گیا یہ دینی خدمت جو تھوڑی بہت ہوئی انفرادی شکل میں ہوئی مگر قومی اور حکومتی سطح پر آج تک کوئی قابل قدر کام نہ ہوسکا۔ ۲۳، ۲۴ رسال سے اسلامی دستور اور اسلامی قانون کے لفظی نعروں سے فضا گونج رہی ہے۔ مگر عجیب بات ہے کہ آج تک نہ اسلامی قانون کا منت کش معنیٰ ہوا، نہ اسلامی دستور کا خواب شرمندہ تعبیر ہوسکا، سنت اللہ کے مطابق جب کسی قوم سے اجتماعی جرم سرزد ہوتا ہے تو اس قوم پر باندازہ جرم اسی نوعیت کا اجتماعی وبال آتا ہے، یہ ہے اصل باطنی سبب اس شدید قسم کے سیاسی، لسانی، وطنی اور اقتصادی بحران کا جس نے پوری قوم کو موت وحیات کی کش مکش میں ڈال دیا ہے اور اس کا ظاہری سبب دراصل صالح، قوی، مخلص اور بیدار مغز قیادت کا فقدان ہے۔

اولاً...... ملک ہمیشہ سے اغیار اور دشمنان اسلام کی ریشہ دوانیوں کی آماجگاہ رہا الا ماشاء اللہ، ہر قیادت نے اپنے دینی وقومی اور مقامی وجغرافیائی تقاضوں سے زیادہ اغیار کے اشاروں پر عملدرآمد کو نشان سعادت مندی سمجھا، مفسد وشریر عناصر کو من مانی کرنے کی کھلی چھٹی دی گئی، ان کی اصلاح کرنے اور انہیں راہ راست پر لانے کی صحیح تدبیر نہیں کی گئی، صوبائی نظام کو توڑ کر پہلے وحدانی نظام (ون یونٹ) بنایا گیا، اسکے پس منظر میں بھی نہ اسلامی رشتہ اتحاد کو مضبوط کرنا تھا نہ اسلامی نظام کے اجراء کے لئے اچھی فضا پیدا کرنا بلکہ سیاسی اغراض ومقاصد کارفرما تھے، تاہم اس کی صورت اور اس کا ڈھانچہ شاید اسلام سے قریب تر تھا مگر اسے توڑ کر پھر وہی صوبائی نظام دوبارہ مسلط کردیا گیا اور پٹھان، پنجابی، سندھی، بلوچی، بنگالی، مشرقی اور مغربی کی لعنت پھر سے مسلط کردی گئی اور اسلامی وحدت پارہ پارہ ہوکر رہ گئی۔

ثانیاً......شرپسند عناصر جو پہلے ہی سے بے قابو تھے، ان پر گرفت ڈھیلی کردی گئی اس سے مفسدہ پرداز اور فتنہ انگیز عناصر کو بے گناہ شہریوں کی جان ومال اور عزت وآبرو سے کھیلنے کا موقع مل گیا اور مصنوعی نعروں کی آڑ میں اپنی ذاتی اغراض کی تکمیل نے قیادت کی کمزوری اور نفاق کو واضح کردیا۔

ثالثاً......سرمایہ داری اور دولت کی طغیانی نے غریب عوام کے لئے مشکلات کا پہاڑ کھڑا کردیا، ہمارے

قائدین نے اس رستے ہوئے ناسور کا بروقت مداوا کرنے کی ضرورت محسوس نہ کی، نہ انہیں پسماندہ اور مظلوم طبقوں کے مسائل حل کرنے کی طرف توجہ ہوئی، عوام میں اس سے ہیجانی کیفیت پیدا ہوئی اور کج ذہن عناصر کے جذباتی نعروں نے جلتی پر تیل کا کام دیا، ظلم واستحصال کی داستانیں کچھ ایسی لے میں سنائی گئیں کہ قوم ان کو خضر و مسیحا سمجھ بیٹھی، آخر ان حالات نے مجیب اور بھنو کی شکل اختیار کر لی۔

''شامت اعمال ما صورت نادر گرفت''

''از ماست کہ بر ماست''

''خود کردہ را چہ علاج''

فرمان خداوندی ہے:

﴿وَ مَا اَصَابَكُمْ مِنْ مُصِيْبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتْ اَيْدِيْكُمْ وَ يَعْفُوْا عَنْ كَثِيْرٍ﴾ [الشوریٰ: ۳۰]

جو کچھ تمہیں پہنچ رہا ہے یہ خود تمہارے اپنے ہاتھوں کے کرتوت ہیں اور بہت کچھ تو اللہ تعالیٰ معاف فرما دیتا ہے۔

مسلمانوں کے تفرق وانتشار کا باطنی وظاہری علاج

مرض کی ٹھیک تشخیص کے بعد صحیح علاج ہو تو مریض کے جانبر ہونے کی امید کی جاسکتی ہے، باطنی مرض کا علاج تو یہ ہے کہ حق تعالیٰ کی طرف رجوع کیا جائے سابقہ زندگی سے توبہ کی جائے، انابت الی اللہ کا راستہ اختیار کیا جائے اور عہد کر لیا جائے کہ امن وسکون ہوتے ہی پہلی فرصت میں اسلام کا عادلانہ قانون نافذ کر دیا جائے گا اور صالح معاشرے کے قیام وتشکیل میں کوئی کسر نہیں اٹھا رکھی جائے گی، حق تعالیٰ کو ناراض کر کے قوم کی رضامندی حاصل کرنے کی کوشش نہ کی جائے اور گڑگڑا کر حق تعالیٰ سے اپنے اعمال کی معافی مانگی جائے، خصوصیت کے ساتھ سورہ بقرہ کی آخری آیت میں جو دعا سکھائی گئی ہے: ''ربنا لا تؤاخذنا'' سے آخر آیت تک اسے ہر وقت اور ہر نماز کے بعد پڑھا جائے اور آخر میں آمین اور درود شریف پڑھیں۔

ظاہری علاج یہ ہے کہ نہایت تدبر واخلاص کے ساتھ معاملہ کو سلجھانے کی کوشش کی جائے اور غلط قوتیں جو ابھر آئی ہیں ان کی اصلاح کے لئے مناسب تدبیریں حزم واحتیاط اور ہوشمندی ودانائی کے ساتھ اختیار کی جائیں جو ''نہ سیخ جلے نہ کباب'' کا مصداق ہوں۔ یہ مختصر اور ناتمام اشارے ہیں جو سپرد قلم کئے گئے ہیں:

اندکے پیش تو گفتم حال دل ترسیدم

کہ آزردہ شوی ورنہ سخن بسیار است

میں ایک عرصہ سے باہر تھا حرمین شریفین میں قریب ایک ماہ کے گذر گیا اور اس کے بعد ''المجلس

الاعلی للشئون الاسلامیة" کی دعوت پر قاہرہ چلا گیا، ایک ہفتہ مصر رہا اس طرح گویا ایک چلہ باہر گذر گیا، جب یہاں سے حرمین شریفین کا سفر ہوتا ہے تو پاکستانی اور غیر پاکستانی تمام حالات سے بے خبر ہوجاتا ہوں، توجہ کا محور بدل جاتا ہے اور نقطۂ نگاہ وہاں کے مناسب زندگی ہوتی ہے، نہ یہاں کے اخبار پڑھتا ہوں اور نہ وہاں کے اخبار، نہ ریڈیو، نہ ٹیلیویژن، چلتے چلاتے کان میں کوئی بات پڑ گئی تو ناتمام علم ہوجاتا ہے، البتہ اپنے ملک سے قلبی تعلق کی بناء پر بالکلیہ بے تعلق بھی نہیں رہتا، وہاں کا جو کام ہے اسلام کے لئے اور مسلمانوں کے لئے دعائیں کرنا اور خصوصاً اپنے پاکستان اور صحیح قیادت اور صحیح نظام اسلام قائم کرنے کی دعائیں کرنا اس میں کوتاہی نہیں ہوتی۔

جب بارگاہ قدس کی حاضری نصیب ہوئی اور حق تعالیٰ کی دعوت پر جبکہ رحمت و رضوان کی بارگاہ عالی، تجلیات رحمانی کا ضوفشاں ماحول میسر آئے تو چونکہ جس طرح ارحم الراحمین کی رحمت بے انتہا ہے اس طرح انسان اور انسانی ضروریات و حاجات و آرزوؤں کی بھی کوئی حد نہیں، اس لئے سب کچھ مانگا جائے، خانہ کعبہ ہو یا ملتزم، مقام ابراہیم ہو یا میزاب رحمت، صفا ہو یا مروہ رحمت الٰہیہ کی تجلیات اور حریم قدس کی آیات بینات ہیں، امسال خصوصیت کے ساتھ عام دعائیں مسلمانوں اور پاکستان کے لئے اور تمام عالم اسلام کے لئے قدس و فلسطین کے لئے بہت کیں۔

ہر سال لاکھوں مسلمان عالم اسلام کے گوشے گوشے سے بارگاہ قدس میں جلوہ گر ہوتے ہیں، اور نور ایمان کی خصوصی ضوء فشانی کی نعمتیں تقسیم ہوتی ہیں، گویا یہ تمام عالم اسلام کے نمائندے پہنچ جاتے ہیں اگر ان کی اصلاح ہوجاتی اور واپس جاکر تمام عالم میں پھیل کر داعی الی اللہ بن جاتے تو کتنا بڑا انقلاب آجاتا، دنیا بدل جاتی، لیکن صدمہ اور افسوس ہے کہ جس طرح ہماری ہر عبادت سے روح نکل گئی ہے اسی طرح حج بیت اللہ کی برکات سے بھی پورا استفادہ نہیں ہوتا، اگر حدیث نبوی کے مطابق "من حج ولم یرفث ولم یفسق رجع کیوم ولدته امه"(۱) اس طرح صالح بن کر واپس لوٹتے تو کتنا عظیم تغیر زندگیوں میں آجاتا بہر حال کہنا یہ تھا کہ میں ایک عرصہ سے حالات سے بے خبر رہا ہوں اور اب بھی چنداں معلومات نہیں اور نہ معلوم میری یہ سطریں جب قارئین کے پاس پہنچیں گی تو سیاسی بحران کہاں تک پہنچ جائے اور اس کے نتیجے میں پاکستان کا کیا بنے گا؟ اللہ تعالیٰ ہی کو علم ہے، بہر حال اپنی معلومات اور بساط کے مطابق جو سمجھا تھا اور جو کچھ تجویز سمجھ میں آئی وہ عرض کردی۔

حق تعالیٰ سے دعا ہے کہ پاکستان کی حفاظت فرمائے اور ملک کو ٹکڑے کرنے سے بچائے اور دشمنان اسلام کی ریشہ دوانیوں سے محفوظ فرمائے اور چند سفہاء قوم کے اعمال کے برے نتائج سے تمام ملت کو ہلاک نہ فرمائے دعا ہے:

ربنا لا تؤاخذنا بما فعل السفهاء منا ان هي الا فتنتك ، ربنا لا تجعلنا

---

(۱) سنن، کتاب المناسك، باب فضل الحج المبرور، ج:۱ ص:۲۰۶، ط: قدیمی۔

فتنة للقوم الظالمین ونجنا برحمتك من القوم الکافرین ، وصلی الله علی صفوة البریة رحمة للعلمین محمد وعلی آله وصحبه وتابعیه اجمعین.

[صفر المظفر ۱۳۹۱ھ/اپریل ۱۹۷۱ء]

پاکستان میں فسادات - ان کا سبب اور علاج

گذشتہ چند ماہ میں جو ہنگامہ آرائی رہی ملک وملت کے سکون کا شیرازہ جس دردناک طریقے سے منتشر ہوا وہ پاکستان کی تاریخ کے خونچکاں صفحات ہیں، مسلمان کی جان ومال وآبرو غیر محفوظ تھی، خصوصاً مشرقی پاکستان میں جو روح فرسا واقعات پیش آئے ماضی قریب میں اس کی نظیر تاریخ میں نہ ہوگی، یہ سب کچھ ہوا اس ملک میں جو اسلام کے نام سے وجود میں آیا ہے اور اس ملک میں جس کی غالب اکثریت مسلمانوں کی ہے اور جو کچھ کیا مسلمانوں نے اور جو کچھ ہوا مسلمانوں کے ساتھ، ان عبرت ناک واقعات نے ثابت کر دیا کہ اس ملک میں مشکلات کے لئے جو حل تجویز کیا گیا تھا وہ صحیح نہ تھا، وہ تریاق نہ تھا، زہر تھا، جو نسخہ تجویز کیا گیا وہ صحیح نہ تھا اور جو کچھ رد عمل ہوا اور اس غلط نسخے کی تاثیر تھی جو اس ملک کے لئے اور اس قوم کے لئے غلط تجویز کیا گیا اس کے برے اثرات سے نہ راعی بچا، نہ رعیت، امیر وفقیر یکساں طور پر متاثر ہوئے:

﴿وَ مَا اَصَابَکُمْ مِّنْ مُّصِیْبَةٍ فَبِمَا کَسَبَتْ اَیْدِیْکُمْ وَ یَعْفُوْا عَنْ کَثِیْرٍ﴾[الشوری:۳۰]

اور جو بھی مصیبت تم پر آتی ہے وہ تمہارے ہی ہاتھوں کے کئے کاموں کی وجہ سے آتی ہے اور بہت کچھ تو اللہ (اپنے رحم وکرم سے) معاف کرتا رہتا ہے۔

آخر کب تک یہ غلط تجربات کئے جائیں گے اور کب تک ہم اعداء اسلام کے آلہ کار بنتے رہیں گے، اگر اس غفلت کی نیند سے آنکھیں نہیں کھولی گئیں تو خاکم بدہن تاریخ سے ہمارا نام مٹ جائے گا۔

یہ حسرت ناک انجام سب کے سامنے ہے، ارباب حکومت ہوں یا اہل ملک ارباب تجارت ہوں یا اصحاب زراعت، دکاندار ہوں یا پیشہ ور، کارخانہ دار ہوں یا مزدور، سب نے یہ تماشا دیکھ لیا، صدارتی نظام بھی آزمایا گیا اور نام نہاد جمہوری نظام بھی، برطانوی طریقہ حکومت کا تجربہ بھی کیا گیا اور امریکی طرز حکومت کا بھی، اب تمام ملک وملت کے لئے اسلام اور اسلامی آئین کا ایک ہی صراط مستقیم باقی رہ گیا ہے:

﴿وَ اَنَّ هٰذَا صِرَاطِیْ مُسْتَقِیْمًا فَاتَّبِعُوْهُ وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِکُمْ عَنْ سَبِیْلِهٖ﴾ [الانعام:۵۳]

اور بیشک یہ میرا سیدھا راستہ ہے پس تم اسی کی پیروی کرو اور دوسرے راستوں کی پیروی مت کرو کہ وہ تم کو میرے راستہ سے منتشر کر دیں گے۔

بلا شبہ اس وقت تمام عالم اسلام شدید ابتلا میں گرفتار ہے، عربی ممالک خصوصاً اعداء اسلام کی ریشہ دوانیوں کے مراکز بنے ہوئے ہیں، کہیں عربی قومیت کا بھوت سوار ہے، کہیں مال و دولت کی فراوانی سے قوم اپنی قیمت کھو رہی ہے، کہیں عیش پروری و تن آسانی نے قوم کو تباہی کے گڑھے تک پہنچا دیا ہے، ظاہری اسباب کچھ بھی ہوں لیکن حقیقی سبب حق تعالیٰ کے قانون سے روگردانی ہے، غیر اسلامی آئین کا تسلط ہے، خدافراموش قوموں کی تہذیب وتمدن کی نقالی ہے، بازاروں میں، ہوٹلوں میں، سیرگاہوں میں، تفریح گاہوں میں، کلبوں میں بلکہ گھروں تک میں وہی عریانی کے روح فرسا مناظر ہیں، رقص وسرود کی محفلیں ہیں، قہوے خانے، شراب خانوں میں تبدیل ہو گئے ہیں، کون سی وہ لعنت ہے جسے یورپ کی تہذیب نے جنم دیا ہو اور عرب ملکوں میں موجود نہ ہو، کہیں اگر مذہب کا نام ہے تو وہاں مذہب کے نام پر وہ جہالت وہ قساوت وہ خشونت ہے کہ عقل حیران ہے، مذہبی حکومتوں کے بعض مشاہیر اہل علم نے آج بھی یہ فتویٰ لگایا ہے کہ جو شخص زمین کی کرویّت کا قائل ہو، یا زمین کو متحرک مانے وہ کافر ہے مرتد ہے اور واجب القتل ہے، اگر مذہب کا نام ہے تو اس جہل کے ساتھ ہے، ''تن ہمہ داغ داغ شد پنبہ کجا کجا نہم'' دردناک حیرت ہے کہ ان عقلوں پر کیسے پردے پڑ گئے۔

تمام عالم اسلام میں یہی آخری مملکت پاکستان کی تھی جہاں کے عوام میں دینی پختگی تھی، دینی خدمات کا جذبہ تھا، مسجدیں، مدرسے، دینی ادارے، جمعیتیں سب کی رونق مسلمان قوم کی توجہ سے قائم تھی اور اربابِ دولت وحکومت سے بے نیاز ہو کر حفاظت دین کی خدمت انجام دیتے رہے، آخر دشمنان دین نے اپنی ریشہ دوانیوں سے یہاں بھی ڈائنامیٹ لگانے شروع کر دیئے اب یہ قوم بھی بری طرح ان سازشوں کی شکار ہو رہی ہے، سرمایہ دار سود خواروں کی سنگدلی نے کمیونزم وسوشلزم کے راستے ہموار کر دیئے، بے عمل مسلمانوں کے طرز عمل نے اسلام کو بدنام کر دیا، خود غرض ارباب دین کی حرکتوں نے علماء دین کی وقعت ختم کر دی، ایک عجیب سیلاب ہے معلوم نہیں کہاں جا کر رکے گا، اللھم اھد قومی فانھم لایعلمون۔

یہ ہے اس وقت عبرت ناک احوال کا ایک ہلکا سا خاکہ ان حالات پر غور کرنے سے جو بات سمجھ میں آتی ہے رہنمایانِ ملت وقوم کے سامنے عرض کرنے کی جسارت کرتا ہوں:

① سب سے پہلی بات تو یہ ہے کہ اصلاح معاشرے کی طرف ایک مہم کی صورت میں قدم اٹھایا جائے، اصلاح معاشرے سے میرا مقصد یہ ہے کہ اگر تمام قوم کا نہ ہو تو قوم کی اکثریت کا دعوت وتبلیغ کے ذریعہ دینی مزاج بنایا جائے، اعتقادی، عملی، اخلاقی ہر پہلو سے مسلمان بنانے کی کوشش ہو، تمام ملک میں دعوتی وتبلیغی وفود کی منظم طور پر حرکت ہو، جگہ جگہ مراکز بنائے جائیں، شہروں میں، بستیوں میں، آبادیوں میں اور ویرانوں میں تبلیغی وفود ''دعاۃ الی اللہ'' پہنچیں، سب کو نمازی بنانے کی کوشش کی جائے اور دلوں میں ایمان کی دبی ہوئی چنگاری سلگائی جائے۔

آج ملک میں معروف تبلیغی جماعت کے قافلے جو حضرت مولانا محمد الیاس رحمہ اللہ کے طریقہ پر گھر دل

سے نکل کر تمام دنیا میں پھیل گئے ہیں یہ تمام جماعتیں اپنی پوری طاقت کو اور تمام وفود اور قافلوں کو صرف پاکستان کے دونوں بازوؤں کے لئے وقف کردیں اور جم کر کام کریں، یعنی کچھ عرصے کے لئے یہ منتشر طاقتیں جو یورپ وافریقہ کے ممالک میں پھیل رہی ہیں یہ پوری قوت کے ساتھ اور اس سے زیادہ بہتر تنظیم کے ساتھ اسی ملک میں کام کریں اور تمام مسلمان زیادہ سے زیادہ اس کام میں حصہ لیں، علماء، طلبہ، تاجر، زراعت پیشہ، دکاندار، ملازم پیشہ غرض ہر طبقے کے لوگ زیادہ سے زیادہ شرکت کریں اور وقت دیں، ایک عالم گیر طریقے پر اور ایک مہم کے طور پاکستان کے گوشے گوشے میں پہنچ جائیں، بڑی بڑی بستیوں اور شہروں میں مستقل ڈیرے لگائے جائیں اور روزانہ مقررہ اوقات میں گشت کئے جائیں اور نظام وہی ہو جو تبلیغی جماعت کا ہے کہ دفتر وسیکریٹری وخازن کچھ نہ ہوں، اپنے جیب سے خرچ کریں یا پھر ان پر ایسے خرچ کرنے والے ہوں کہ "لا تعلم شماله ما تنفق يمينه" (کہ بائیں ہاتھ کو بھی خبر نہ ہو کہ دائیں ہاتھ نے کیا خرچ کیا) کے مصداق ہوں، بہت قلیل عرصے میں انشاء اللہ حیرت انگیز آثار ظاہر ہوں گے۔

دیکھئے ماضی قریب میں ستمبر ۶۵ء میں جب ہندوستان کے ساتھ جہاد کی نوبت آئی تو کس محیر العقول انداز سے قوم کا مزاج دینی بن گیا تھا، مرد، عورتیں، بوڑھے، بچے، عوام وخواص سب ہی اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہو گئے تھے، پھر کتنے حیرت انگیز طریقے سے حق تعالیٰ کی رحمت وقدرت کے معجزانہ کرشمے دیکھنے میں آئے، کیا کوئی باور کرسکتا تھا کہ یہی وہ خدا فراموش قوم تھی؟ مسجدیں نمازیوں سے بھر گئی تھیں، گھروں میں ذکر وتلاوت قرآن کی آوازیں گونجتی تھیں، ہائے افسوس! کہ اس صورت حال کو باقی رکھنے کی کوشش نہیں کی گئی، نہ صرف یہ بلکہ بہت ہی ظالمانہ انداز سے اس صورت حال کو ختم کرنے کی کوشش کی گئی اور اس کے مبارک نقوش کو مٹانے کی پوری سعی کی گئی۔

بہر حال مایوسی اب بھی نہیں، ساٹھ فیصدی سے زیادہ قوم کا مزاج آج بھی دینی ہے اور زمین بھی نمناک ہے اور زرخیز، اگر تبلیغی اور دعوتی مہم چلائی جائے اور تھوڑے سے عرصے کے لئے پوری قوت کے ساتھ اس خدمت کو انجام دیا جائے تو بہت کچھ امید ہو سکتی ہے کہ اس کوشش وکاوش کے مبارک آثار خود بخود چمکنے شروع ہو جائیں گے اور باہر کی جو طاقتیں مختلف ازموں کے نام سے تحریکیں اٹھا رہی ہیں وہ خود بخود اپنی موت مر جائیں گی، مگر ہونا یہ چاہیے کہ ہر وفد میں صالح مخلص علماء موجود ہوں اور حکمت وموعظمت کے اصول پر تربیت کریں، اگر کوئی عالم پورا وقت نہ دے سکے تو باری باری یکے بعد دیگرے علماء وطلبہ کی اس مہم کے لئے تنظیم کی جائے اور سب وقت لگائیں، یہ کام ان علماء کی رہنمائی میں زیادہ بہتر طریقے پر انجام پذیر ہوگا جو تبلیغی قافلوں کی سرکردگی ورہنمائی کرتے رہے ہیں، بہر حال تنظیم کے ساتھ اصلاح معاشرے کی پوری جدوجہد کی انتہائی ضرورت ہے۔

② دوسری تدبیر یہ ہے کہ ملک میں جو کام کرنے والی جماعتیں اور جمعیتیں ہیں جمعیت علماء اسلام ہو یا جمعیۃ علماء پاکستان، تنظیم اہل سنت ہو یا تحفظ ختم نبوت، احرار اسلام ہو یا جماعت اہل حدیث وغیرہ وغیرہ یہ تمام

جماعتیں تمام اختلافات کو بالائے طاق رکھ کر اللہ تعالیٰ کے دین کی حفاظت کے لئے متحد ہو جائیں اور تمام امت کو صرف اسلام کے جھنڈے تلے جمع کریں اور ایسے طریقوں سے جد و جہد کا آغاز کریں کہ بہرصورت اس ملک میں اسلامی دستور کے تحت کتاب وسنت کے مطابق آئندہ قانون بنایا جائے، ملک میں موجودہ سیاسی جماعتیں مسلم لیگ، کونسل مسلم لیگ یا کنونشن لیگ اگر اس اسلامی علَم کے نیچے جمع ہو سکیں تو ان کو بھی موقع دیا جائے، بقیہ سیاسی تنظیمات جس طرح چاہیں بعد میں یہ پروگرام طے کریں لیکن ملکی قانون کے اسلامی ہونے پر متحد ہوں، مؤخر الذکر جماعتوں کے لئے بھی جو مستقبل میں خطرات لاحق ہیں ان سے بچنے اور دنیوی نجات کے لئے بھی بس یہی ایک راستہ رہ گیا ہے ورنہ خدانخواستہ اگر لادینی طاقتیں کامیاب ہوتی ہیں تو ظاہر ہے کہ ان جماعتوں کے لئے بھی سوائے اس کے کہ دین ودنیا دونوں کی تباہی ہو اور کوئی صورت نجات نہیں اگر دین سے عداوت نہیں ہے یا عداوت انتہاء کو نہیں پہنچی ہے تو دنیا کی خیر منانے کے لئے بھی دین ہی کی ضرورت ہوگی اور دین ہی کے دامن میں پناہ ملے گی، دین ہی ایک ایسا مرکزی نقطہ ہے جس پر اسلامی، دینی تمام جماعتیں متحد ہو سکتی ہیں، گذشتہ ہنگاموں میں سیاسی اور فکری اضطراب انگیزی کے جو دردناک مناظر سامنے آئے کیا ان سے عبرت نہیں ہوگی؟ اگر نجات آخرت مطلوب ہے تو اس کا راستہ بھی اسلام کا صراط مستقیم ہے اور اگر دنیا کی نجات مقصود ہے اور سکون قلب کی خواہش ہے تو اسلام ہی کے ذریعہ یہ نعمت بھی حاصل ہوگی۔ خدا کا شکر ہے کہ دین پور شریف کے سجادہ نشین حضرت مولانا عبدالہادی کی مبارک کوششوں سے مسلمانوں کی تین جماعتیں جمعیۃ علماء اسلام، مجلس تحفظ ختم نبوت، تنظیم اہل سنت متحد ہو گئی ہیں اور چند ہی روز قبل ۲۵ / مارچ ۱۹۶۹ء کو مارشل لاء نافذ ہونے سے چند گھنٹہ قبل ملتان میں راقم الحروف کی موجودگی میں تینوں جماعتوں میں سے ایک ایک نمائندہ پر مشتمل ایک جماعت ''اسلامی مجلس'' کے نام سے وجود میں آچکی ہے اور توقع ہے کہ مجلس احرار اسلام بھی اس میں شمولیت کرے گی، اس مجلس کے لائحہ عمل میں یہ چیز واضح کر دی گئی ہے کہ تمام اسلامی جماعتوں کو صرف اسلام کے نام پر متحد بنانے کی جد و جہد کی جائے اور سب مل کر آئینی طریقوں سے منزل مقصود تک پہنچنے کی کوشش کریں۔ مولانا مفتی محمود صاحب اور مولانا محمد علی جالندھری صاحب اس مجلس کے ممتاز رکن ہیں، مولانا محمد علی صاحب کو اس مجلس کا کنوینر بنایا گیا ہے، اگر کسی جماعت میں ذرا بھی اخلاص وانصاف ہے تو اس جماعت کے ساتھ اتفاق واتحاد کا رابطہ قائم کر کے اس دینی محاذ کو مضبوط کرے گی، خدا کا شکر ہے کہ موجودہ مارشل لاء کے عہد میں اس قسم کے پرسکون مقاصد کے لئے یہ خاموش فضا نہایت سازگار ہے، اس طرح خدمت انجام دینے سے حکومت وقت کی بھی اعانت ہوگی، آخر میں ہمیں موجودہ حکومت سے بھی یہ توقع ہے کہ ۶۲ء کے قانون میں سے کم از کم عائلی قوانین کو جو اسلامی قانون اور کتاب وسنت کے سراسر خلاف ہے منسوخ کر کے مسلمانوں کو مطمئن کر دے اگر ایسا ہوا تو مارشل لاء کے دور کا یہ مبارک ترین کارنامہ ہوگا۔

دعا ہے کہ حق تعالیٰ مسلمانوں کو صحیح سمجھ عطا فرما کر اپنی رحمت کاملہ سے صحیح توفیق عطا فرمائے اور امت

اسلام کے اس سفینہ کو جو منجدھار میں پھنس گیا ہے ساحل مقصود سے ہمکنار فرمائے۔

وصلی اللہ علی خیر خلقه رحمة للعالمین وآله وصحبه اجمعین

[صفر ۱۳۸۹ھ]

انحطاط وتنزل اور اس کے اسباب

متحدہ ہندوستان میں مسلمان ہی حکومت اور اقتدار اعلیٰ سے محروم ہوئے تھے اور اپنی نالائقیوں اور بد اعمالیوں کی پاداش میں وہی برطانوی استعماری ریشہ دوانیوں کا شکار ہوئے تھے اور اسلامی حکومت کی نعمت انہی سے چھینی گئی تھی۔

حق تعالیٰ کی صفات کمال میں سے ایک وصف یہ ہے کہ وہ ”قائما بالقسط“ ہے یعنی عدل پر قائم ہے، اس کے عدل کا تقاضا ہے کہ وہ جو نعمت کسی کو عطا کرتا ہے از خود اور بلا وجہ اس سے واپس نہیں لیتا، وہ کریم بھی ہے اور جواد بھی، اس کے جود و کرم کا تقاضا بھی یہی ہے کہ وہ دی ہوئی نعمت واپس نہیں لیتا، الا یہ کہ اس نعمت کی واپسی اور زوال کے اسباب و دواعی خود اس کی طرف سے وجود میں آ جائیں، حق تعالیٰ شکور اور قدر شناس بھی ہے چنانچہ شکر نعمت۔ یعنی اس نعمت کے برمحل استعمال۔ پر مزید نعمتیں عطا فرماتا ہے، صبور بھی ہے اسی لئے ناشکریوں کی سزا میں جلدی نہیں کرتا اور بڑی حد تک ان ناشکریوں کو برداشت کرتا ہے۔

متحدہ ہندوستان کے آخری دور میں مسلمان امراء اور سلاطین کی ناسپاسی اور نااہلی کی ناگفتہ بہ داستانیں ارباب بصیرت پر مخفی نہیں ہیں، چنانچہ اگر کسی وقت شامت اعمال نے ”نادر“ کی صورت اختیار کی تھی تو آخر وہ وقت بھی آ گیا کہ وہ نعمت ہماری نااہلیت اور نالائقی کی بدولت بالکل ہی ہمارے ہاتھوں سے چھین لی گئی۔ ایسٹ انڈیا کمپنی نے اپنی سازشوں اور دسیسہ کاریوں سے برطانوی استعمار کے لئے راستہ ہموار کر دیا اور مسلمان نہ صرف حکومت وسلطنت اور اقتدار اعلیٰ بلکہ آزادی سے بھی محروم ہو گئے، گویا اگر اس وقت شامت اعمال نے نادر کی صورت اختیار کی تھی تو اس وقت شامت اعمال نے کافر کی صورت اختیار کر لی۔ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ لَمْ يَكُ مُغَيِّرًا نِّعْمَةً اَنْعَمَهَا عَلٰى قَوْمٍ حَتّٰى يُغَيِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِهِمْ﴾ [الانفال:۵۳]

یہ اس لئے کہ بیشک اللہ کی شان سے بعید ہے کہ وہ کسی قوم کو دی ہوئی نعمت کو بدلے (واپس لے) تا وقتیکہ وہ خود اپنی حالت کو بدل ڈالیں۔

اور اس وقت تو ایسا محسوس ہوتا ہے کہ پورے عالم اسلام کو ہی خدا فراموشی اور ناسپاسی کی سخت ترین سزا مل رہی ہے، ذرا اس پچاس سال کی روداد پر غور کیجئے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ دنیا کی سب ہی اسلامی حکومتوں کی چولیں

اس کی تیس دیکھئے! پہلی جنگ عظیم کے بعد خلافت عثمانیہ کا زوال شروع ہوا جس حکومت اور جس قوم نے صدیوں اسلام کی خدمت کی تھی اور تمام یورپ اس کی سطوت وشوکت سے لرزہ براندام رہتا تھا مسلسل ناسپاسیوں اور نافرمانیوں کی پاداش میں اس کے ایسے حصے بخرے ہوئے کہ ایک حکومت سے تقریباً بائیس حکومتیں بن گئیں اور اس طرح اسلامی خلافت کو پارہ پارہ کر کے ہمیشہ کے لیے طوائف الملوکی کا دروازہ کھول دیا گیا۔

اس کے تھوڑے عرصہ بعد ہی اس ناسپاسی اور نافرمانی کے نتیجہ میں وسط ایشیا کی قدیم ترین اسلامی حکومت مملکت بخارا وسمرقند، روسی حکومت کی دست درازیوں اور کمیونسٹوں کی خون آشامیوں سے موت کے گھاٹ اتار دی گئی اور اسلامی صناعی کے عظیم الشان شاہکار، عالی شان مسجدیں، خانقاہیں، مدارس ومکاتب اور تمام دینی معابد، شراب خانوں، قحبہ خانوں، رقص گاہوں، کلبوں، سینماؤں اور تھیٹروں میں تبدیل کر دیئے گئے، سرخ فوجوں کے گھوڑوں کے اصطبل بنا دیئے گئے ورنہ مسمار کر کے ان پر ہل چلا دیئے گئے، شاہ بخارا جناب عالی بھاگ کر افغانستان میں پناہ گزین ہو گیا لیکن ہزاروں لاکھوں علماء وصلحاء میں سے کچھ تو دردناک اور لرزہ خیز مظالم کا شکار ہوئے اور بری طرح قتل کر دیئے گئے اور کچھ وطن عزیز کو خیر باد کہہ کر بیک بینی ودوگوش ہجرت کر گئے، آج بھی سرزمین حرمین شریفین ان مہاجرین کے خاندانوں سے آباد ہے۔

غرض اسی شامت اعمال کے نتیجہ میں وہ علم وعرفان کی سرزمین اور خالص اسلامی خطہ جس سے امام بخاری وترمذی وابن ماجہ جیسے ہزاروں محدثین، عارفین، فقہاء اور علوم اسلامیہ کے وہ ائمہ جن کی نظیر پورے عالم اسلام میں نہیں ملتی پیدا ہوئے، آج وہاں خدا دشمن ملعون کمیونسٹ دندناتے پھرتے ہیں اور اس طرح یہ خالص اسلامی ملک، جہاں کسی غیر مسلم کا نام تک نہ تھا، اسلامی علوم اور اسلام کی نعمت سے یکسر محروم ہو گیا، اس پچاس سالہ دور انقلاب اور انتقام الٰہی کی تباہ کاریاں اسلامی ممالک تک ہی محدود نہیں رہیں، بلکہ کچھ ہی عرصہ بعد یورپ کی دوسری جنگ عظیم نے پورے یورپ کو تہہ وبالا کر کے رکھ دیا اور چند دنوں میں ہی یورپ کی دسیوں حکومتیں تباہ وبرباد ہو گئیں، برطانیہ کی ''جنت'' انگلستان' جرمنی کی آتش فشاں بمباریوں سے جہنم زار بن گیا، پھر وہ یورپ کو تہ وبالا کر دینے والی زبردست طاقتیں بھی یعنی جرمنی اور ان کی حلیف حکومتیں بھی اس طرح پیوند خاک ہو گئیں کہ وہ ہٹلر، ہملر اور گوبلز جن کے ناموں سے دنیا لرزتی تھی ایسے بے نام ونشان ہو گئے کہ تاریخ کے اوراق کے علاوہ کہیں ان کا ذکر تک نہیں ملتا۔

الغرض اس پچاس سالہ دور انقلاب میں تمام عالم کو اپنی خدا ناشناسی، بدعملی اور ظلم وعدوان کی سزا مل گئی، برطانیہ عظمیٰ کی وہ حکومت جس میں سورج غروب نہیں ہوتا تھا چند جزیروں میں سمٹ کر رہ گئی، ہندوستان جیسی سونے کی چڑیا انگریزوں کے ہاتھ سے نکل گئی۔

اسی اثناء میں مسلمانانِ ہندوستان کا عرق ندامت وانفعال اور آہ وبکا، استخلاص ملک وملت کی تدبیریں

اور قربانیاں رنگ لائیں اور مالک الملک کی رحیمی وکریمی نے اسلام کے نام لیوا مسلمانوں کو بطور امتحان ملک کا ایک خطہ پاکستان کے نام سے دوبارہ عطا فرمادیا: "لینظر کیف تعملون"۔

تا کہ دیکھیں اب تم کیا کرتے ہو۔

اب اس کا آپ خود فیصلہ کیجئے کہ یہ مسلمان اور پاکستان کے حکمران اس امتحان میں کہاں تک کامیاب ہوئے۔

ایک ملک اسلام کے نام پر مانگا گیا، اس ملک میں اسلامی قوانین نافذ کرنے کی غرض سے تمام جانی و مالی نقصانات اور حوادث و آلام برداشت کئے گئے کہ اس خداداد مملکت پر پھر ایک دفعہ اسلام کا جھنڈا لہرائے گا نہ صرف یہ کہ اس پاک سرزمین میں اسلامی شریعت کے قوانین نافذ ہوں گے بلکہ یہ مثالی اسلامی حکومت تمام عالم اسلام کو بھولا ہوا سبق یاد دلائے گی اور پاکستان سے لے کر ترکی اور مراکش تک یہ اسلامی حکومت مسلمانوں کی قیادت کرے گی، اسلام کا جھنڈا اس کے ہاتھ میں ہوگا، طاقتوروں کی چیرہ دستیاں کمزوروں پر، مالداروں کی دراز دستیاں غریبوں پر مٹادی جائیں گی، استحصال اور ظلم وعدوان کے جابرانہ اور سرمایہ دارانہ سیاہ قوانین یکسر ختم کردیئے جائیں گے، وہ اسلامی شریعت کے عادلانہ قوانین نافذ ہوں گے جن کے ذریعہ مظلوموں کی دادرسی ہوگی۔

زناکاری اور شراب نوشی کے اڈے ختم کردیئے جائیں گے، بے حیائی وعریانی اور فواحش ومنکرات کی نجاست سے اس پاک سرزمین کو پاک وصاف رکھا جائے گا، چوروں کے ہاتھ کاٹے جائیں گے، زناکاروں کو سنگسار کیا جائے گا یا کوڑے لگائے جائیں گے، ڈاکوؤں کو سرراہ سولی پر لٹکایا جائے گا، قصاص و دیت کا عادلانہ نظام قائم کرکے جان و مال کی حفاظت کی جائے گی، فقر وافلاس کا ملک سے خاتمہ کردیا جائے گا، کوئی متنفس خوراک ولباس سے محروم نہ رہے گا، کوئی غریب بے روزگار نہ رہے گا، سرمایہ دارانہ معاشی نظام سود اور سودی کاروبار اور بینکاری سسٹم جس کے ذریعہ ملک کی دولت چند افراد یا خاندانوں میں سمٹ آتی ہے اور غریب غریب سے غریب تر اور امیر امیر سے امیر تر ہوتا چلا جاتا ہے اور ملک معاشی بحران کا شکار ہوجاتا ہے اور غیر متوازن معاشرہ کو جنم دیتا ہے یکسر ختم کرکے اس کی جگہ اسلام کا وہ عادلانہ معاشی نظام جاری کیا جائے گا جس کے ذریعہ دولت کی گردش برابر جاری رہتی ہے، طبقاتی امتیازات کے ساتھ ساتھ ملک کا ہر طبقہ رفاہیت وخوشحالی سے زیادہ سے زیادہ بہرہ یاب ہوتا رہتا ہے اور کمیونزم وسوشلزم کے سیلاب کو روکنے کے لئے سد سکندری کا کام دیتا ہے۔

افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ پاکستان کی بائیس سالہ سرگذشت نے ثابت کردیا کہ یہ تمام دعوے جھوٹے تھے، تمام نعرے سیاسی ڈھونگ تھے، اسلام کی شیدائی سادہ لوح قوم کو یہ سبز باغ دکھا کر چند خودغرض افراد اور جماعتوں نے عوام کو اپنا آلہ کار بنایا تھا، نہ اسلام کو سربلند کرنے کی نیت تھی نہ اسلامی قوانین نافذ کرنے کا ارادہ تھا بلکہ مٹھی بھر دولت مندوں اور ان کے سرپرست حکمرانوں نے بے خوف وخطرہ اور بے شرکت غیرے معاشی

لوٹ کھسوٹ اور استحصال کی غرض سے یہ ملک حاصل کیا تھا اسی لئے اس بائیس سال کے عرصہ میں اس کے سوا اور کچھ نہیں ہوا، اور تو اور ملک سے اسلامی خدوخال بھی مٹنے لگے، علانیہ کتاب وسنت کے خلاف قوانین بنائے اور نافذ کئے گئے، سود اور شراب جیسی گندی چیزوں کو حلال اور جائز ثابت کرنے کی کوششیں کی گئیں اس وقت جو سرخ سیلاب آرہا ہے اور سوشلزم کے جو خوش نعرے لگ رہے ہیں درحقیقت یہ ردعمل ہے اس غیر اسلامی نظام معیشت ومعاشرت اور کافرانہ زندگی اختیار کرنے کا، سزا ہے ان جھوٹے وعدوں اور پرفریب نعروں کی، خصوصاً غلام محمد، سکندر مرزا اور ایوب خاں کے دور حکومت میں تو کون سی چیز ہے اسلام کی جو باقی رکھی گئی ہو، قوم ان غیر اسلامی حکومتوں کے دور میں سر تا سر اس خدا فراموش زندگی اور حلال وحرام کی پرواکئے بغیر ہوس زراندوزی کی لعنت میں گرفتار ہوچکی ہے، جس کا چند سال پیشتر تصور بھی نہیں کیا جاسکتا تھا یہ بھیانک صورت حال سزا ہے ملک میں اسلامی قوانین نافذ نہ کرنے کی، صدائے بازگشت ہے شرعی محاکم عدلیہ قائم نہ کرنے کی۔

آخر جب ملک کو معاشی بحران کے شعلوں نے اپنی لپیٹ میں لے لیا تو موجودہ مارشل لا حکومت قائم ہوئی اور ملک کو فوری تباہی کے خطرے سے بچایا اس فوجی حکومت کے طریق کار سے کچھ کچھ توقعات قائم ہوئی ہیں، اس مارشل لا حکومت نے بالغ رائے دہی کے اصول پر آزادانہ انتخابات کرانے کا اعلان بھی کیا ہے، انتظامات بھی کررہی ہے، اسی لئے اب پھر اسلام اسلام کے نعرے لگائے جارہے ہیں، مردہ سیاسی پارٹیاں دوبارہ زندہ ہورہی ہیں، مردہ اور زندہ تمام سیاسی لیڈر جن کے سیاہ کارناموں سے ملک کا بچہ بچہ واقف ہے۔ پھر عوام کو اسلامی قوانین نافذ کرنے کے وعدوں کا سبز باغ دکھا رہے ہیں، حتی کہ بعض خالص کمیونسٹ اور سوشلسٹ پارٹیاں بھی سوشلزم پر اسلام کا لیبل لگا کر اسلامی سوشلزم کے نعرے لگا رہی ہیں، ہر پارٹی اور اس کا لیڈر اسلام اور پاکستان کا وفادار اور فدائی ہونے کا مضحکہ خیز دعوی کررہا ہے حالانکہ اس کی سوشل زندگی برملا اس دعوے کی تردید کررہی ہے، نہ اس کی صورت اسلام کے معیار کے مطابق اسلامی ہے، نہ سیرت، نہ اس کے اخلاق واطوار اسلام کے معیار پر اسلامی ہیں، نہ کردار اسلامی، ایسے وقت میں تو علماء کی تمام جماعتوں اور جمعیتوں کا فرض منصبی تھا کہ ان سیاسی ہنگاموں سے الگ تھلگ رہ کر حقیقی معنی میں اسلامی حکومت قائم کرنے کی ٹھوس تدبیروں میں مصروف ومنہمک ہوجاتیں لیکن افسوس کی ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ وہ بھی سیاسی خارزار میں پھنس کر افتراق وانتشار کا شکار ہوچکی ہیں۔

اس تمام غوغا آرائی اور طوفان بے تمیزی میں صرف ایک ہی چیز انتہائی خوشی کی ہے اور وہ یہ کہ الحمدللہ مجموعی طور پر پاکستانی قوم اور پاکستانی عوام کی اکثریت واقعی مسلمان ہے اور اسلام کے نام پر سب کچھ قربان کر دینے کے لئے بے قرار ہے، اسی لئے ہر پارٹی اور ہر جماعت صرف عوام کے ووٹ حاصل کرنے کی غرض سے۔ خواہی نخواہی یہ دعوی کرنے پر مجبور ہے کہ ہمیں تجربہ کا موقع دیجئے، ہم پہلی فرصت میں اسلامی قوانین نافذ کردیں گے اور اگر ہماری جماعت برسر اقتدار آگئی تو اسلام اور مسلمان دونوں کا بھلا ہوگا، الغرض سب جانتے اور برملا کہتے

ہیں: ''یہ بازو میرے آزمائے ہوئے ہیں''۔

بہر حال تصویر کا یہ رخ انتہائی امید افزا ہے کہ بائیس سالہ دور عیش و عشرت اور ہمہ گیر فسق و فجور میں بھی اسلام ختم نہیں ہوا ہے اور مسلمانوں کے دلوں سے اسلام کی محبت نہیں نکلی ہے اسلامی قوانین ملک میں نافذ کرنے کے لئے زمین تیار ہے صرف تخم ریزی کی دیر ہے۔

لیکن تصویر کا دوسرا رخ انتہائی یاس انگیز ہے کہ غیر سوشلسٹ سیاسی اور دینی جماعتوں میں بھی شدید اختلاف و انتشار ہے، نہ صرف یہ بلکہ اختلاف رائے دلوں کے اختلاف اور شقاق و افتراق تک پہنچ چکا ہے اور فتوے بازی تک کی نوبت آ گئی ہے، افسوس! ان بے محل فتووں نے برمحل فتاویٰ کی قدر و قیمت کو بھی کم کر دیا، کون نہیں جانتا کہ وہ کمیونزم اور سوشلزم جس کو مارکس و لینن یا ماوزے تنگ جیسے خدا دشمن، اعداء اسلام نے اختراع کیا ہے جس کی بنیاد ہی حق تعالیٰ کی ربوبیت اور اس کے وجود کے انکار پر رکھی گئی ہے، وہ کفر صریح ہے اور کون نہیں جانتا کہ قوم کے بعض لیڈر جو برملا عوام کو ہر قسم کی تباہ کاریوں قتل و غارت، آتش زنی، گھیراؤ، لوٹ کھسوٹ پر اکسا رہے ہیں وہ باہر کے اشاروں پر ناچ رہے ہیں، وہ اعلیٰ درجہ کے خود غرض اور اقتدار پرست ہیں ان کی شخصی اور عملی زندگی اس کا روشن ثبوت ہے۔

بہر حال اس ہنگامہ آرائی کے پیش نظر شدید خطرہ ہے کہ کہیں اس اختلاف و انتشار ہی کو ملک میں اسلامی قوانین نافذ نہ کرنے کا بہانہ بنا لیا جائے۔

بظاہر یہ آخری موقع ہے کہ رائے عامہ کے متفقہ مطالبہ کے تحت اسلامی قانون کو مملکت کا قانون بنایا جا سکتا ہے، لیکن اس کے لئے ضروری ہے کہ اہل حق کی تمام جماعتیں صدق دل سے اس مقصد پر متفق اور شانہ بشانہ متحد ہو کر اپنی تمام تر قوتوں اور توانائیوں کو اسی مرکزی نقطہ پر صرف کریں اور اس جہاد عظیم کی راہ میں اپنے تمام شخصی اور جماعتی اغراض و مقاصد کو قربان کر دیں۔

مارشل لاء حکومت کے حکمرانوں اور کار پردازوں کے سینوں میں بھی اگر ایمان و اخلاص ہو اور واقعی وہ ملک میں اسلامی قانون نافذ کرنے کی تڑپ رکھتے ہوں تو جس طرح انہوں نے جرأت کے ساتھ بالغ رائے دہی کے اصول پر انتخابات کرانے کا اعلان کیا ہے اسی طرح وہ پاکستان میں اسلامی قوانین کے نفاذ کا اعلان بھی کر سکتے ہیں اور جس طرح انہوں نے ون یونٹ توڑ کر سابقہ صوبے عملی طور پر بحال کر دیئے ہیں اسی طرح ملک کی تمام عدالتوں میں فوری طور پر اسلامی قانون کے مطابق فیصلے کرنے کے احکامات بھی جاری کر سکتے ہیں، اس لئے کہ بالغ رائے دہی کے اصول پر انتخابات کرانے کے مطالبہ کی بہ نسبت بدر جہاز یادہ یقینی قوم کا متفقہ مطالبہ ملک میں اسلامی قوانین نافذ کرنے کا مطالبہ ہے، پاکستان کا کوئی ایک فرد یا جماعت بھی اس مطالبہ سے اختلاف نہیں کر سکتا ''ون یونٹ'' توڑنے نہ توڑنے کے بارے میں تو تھوڑا بہت اختلاف رائے تھا بھی، اسلامی قانون ملک میں نافذ کرنے

کے بارے میں تو برائے نام بھی اختلاف نہیں ہے، آخر قانون سازی کے پانچ بنیادی اصول بھی تو خود مارشل لاء حکومت نے تجویز کئے ہیں، فوجداری اور دیوانی عدالتوں میں اسلامی قوانین کے مطابق مقدمات کے فیصلے کرنے کا بنیادی اصول بھی مارشل لاء حکومت طے کر سکتی ہے، یقین مانئے ایک متنفس بھی اس کے خلاف احتجاج نہیں کریگا۔

اسلامی قانون بنا بنایا موجود ہے، اول تو اردو، انگریزی دونوں زبانوں میں فقہ اور قضا سے متعلق فقہی کتابوں کے ترجمے ہو چکے ہیں، زیادہ سے زیادہ جدید قانونی سانچوں میں ڈھالنے اور عدالتوں کے حکام کو ٹرینڈ کرنے کا سوال پیدا ہوگا اس کام کے لئے بیشک وقت درکار ہے، سو اس کام کو تو اپنی جگہ جاری رکھا جائے فوری طور پر اس مقصد کے لئے تمام فوجداری اور دیوانی عدالتوں میں مذہبی مشیر کے نام سے ایک ایک فقیہ عالم کا تقرر کر دیا جائے، عدالتیں ہر معاملہ میں شرعی حکم اس عالم سے معلوم کر کے فیصلے کرنے شروع کر دیں، ہر مکتب فکر کے شخصی قوانین (پرسنل لاء) بھی مرتب و مدون موجود ہیں، وہ بآسانی ان پر نافذ کئے جا سکتے ہیں، لہذا نہ شیعہ سنی کا سوال پیدا ہوگا، نہ اس ملک میں حنفی، شافعی کا سوال پیدا ہوگا، اس لئے کہ ملک کی غالب اکثریت حنفی مسلک کی پیرو ہے، بر طانوی حکومت کے ابتدائی دور میں عدالتوں میں یہ طریق کار کافی عرصہ تک جاری رہا ہے۔

چند روز کی بات ہے کہ ایک باوقار سنجیدہ اور مخلصانہ اجتماع میں چیف جسٹس مسٹر حمود الرحمن صاحب کی خدمت میں راقم الحروف نے اسلامی قانون کے فوری طور پر نفاذ کی یہ صورت پیش کی تھی موصوف استبعاد کے سوا اس کے خلاف کچھ نہ فرما سکے۔

بہر حال اگر نیت صحیح ہو تو اسلامی قوانین کے نفاذ کی فوری طور پر تشکیل بھی کچھ مشکل نہیں، مارشل لاء حکومت اتنے کہ انتخابات ہوں اور قانون ساز اسمبلی ۱۲۰ دن میں قانون کا مسودہ تیار کرے، اس صورت کا تجربہ کر کے دیکھ لے اور دنیا کو دکھا دے، باقی نہ کرنے کے سو بہانے ہیں۔ حق تعالیٰ اخلاص، فہم صحیح اور ایمانی جرأت عطا فرمائیں اور عمل کرنے کی توفیق نصیب فرمائیں، آمین۔

[ربیع الاول ۱۳۹۰ھ - مئی ۱۹۷۰ء]

انتخابات

خدا خدا کر کے پاکستان کی تاریخ میں وہ دن بھی آ گیا کہ اس ملک کی صدارت کے لئے انتخاب ہوا اور جمہوریہ اسلامیہ پاکستان کسی درجہ میں تو اسم بامسمی جمہوریہ ہوا، اگرچہ یہ انتخاب جمہوریت کو محدود کر کے صرف بنیادی جمہوریت کے ارکان کے دائرہ میں محدود کر دیا گیا ہے اور اس بنیادی جمہوریت کے نظام کو انگلستان میں آزمانے کے بعد ختم کر دیا گیا ہے اور اس کو حقیقی اور آزاد جمہوریت کے منافی قرار دیا جا چکا ہے، گویا مدعیان جمہوریت کے نزدیک بھی یہ ایک فرسودہ اور برائے نام نظام جمہوریت ہے، اسی لئے جدید نظام جمہوریت کے

پرستار اس نظام کہن سے بیزار ہو چکے ہیں اور خیر باد کہہ چکے ہیں۔

بہر حال ۱۹۶۵ء کا سال اس حیثیت سے پاکستان کی تاریخ میں ضرور اہمیت رکھتا ہے کہ اگست ۱۹۴۷ء سے چل کر ۱۹۶۵ء میں سترہ سال مسلسل چلنے کے بعد کسی نہ کسی درجہ میں جمہوریت کے دروازے پر تو پہنچا اور اس جہت سے موجودہ صدر مملکت کا یہ ایک کارنامہ سمجھنا چاہیے اگر چہ اس کا بے انتہا صدمہ ہے کہ اس برائے نام جمہوریت کی منزل تک پہنچنے میں بھی قوم کو بہت بڑی قربانی دینی پڑی ہے۔ وہ کون سا ظلم و عدوان ہے جو نہیں ہوا؟ کہاں کہاں حق و انصاف کا گلا نہیں دبایا گیا؟ کامیابی سے پہلے بھی اور کامیابی کے بعد بھی افسوس کہ یورپ و امریکہ کی نقالی بھی صحیح طور پر نہیں آئی، وہاں بھی ہزاروں لاکھوں نہیں کروڑوں افراد ووٹ ڈالتے ہیں مگر کسی کو خراش تک بھی نہیں آتی، کس ووٹر کی نکسیر تک بھی نہیں پھوٹتی، لیکن یہاں جبر و اکراہ، فساد و خونریزی، قتل و غارت غرض کونسی بدعنوانی، بے رحمی اور بغض و عناد کا مظاہرہ ہے جو آپ نے اخبارات کے صفحات میں نہ پڑھا ہو، فانا للہ وانا الیہ راجعون۔ یہ ہے ہمارے اس ملک اور بدنصیب قوم کی جمہوریت۔

جب کسی قوم کا ستارہ اقبال غروب ہو جاتا ہے اور خدا کی بھیجی ہوئی عالمگیر رحمت سے وہ منہ موڑ لیتی ہے تو تاریخ عالم شاہد ہے کہ اس قوم کا ہمیشہ ایسا ہی حشر ہوا ہے، مسلمان ایک معاہد قوم ہے یعنی یہ قوم خدا اور رسول سے اسلام کے نام پر معاہدہ کر چکی ہے، معاہد قوم کی بدعہدی کبھی برداشت نہیں کی جاتی، فوراً سزا ملتی ہے اس کے برعکس کفار غیر معاہد قوم ہے وہ پہلے سے ہی باغی ہیں ان کو ڈھیل دینے کی غرض سے دنیا کی آسائشوں سے محروم نہیں کیا جا سکتا، اس لئے کہ وہ آخرت کی نعمتوں سے کلی طور پر محروم ہیں۔

اسلامی قانون کا نفاذ

بہر صورت پہلا مرحلہ صدارت کا مسئلہ طے ہو گیا، اب دوسرا مرحلہ ملک میں اسلام اور قانون اسلامی کے بقا و نفاذ کا ہے۔ اسلام کی زبان میں اور شریعت اسلامیہ کی اصطلاح میں صرف اسی ملک کو اسلامی کہا جاتا ہے جس میں اسلامی قانون رائج ہو، محاکم شرعیہ عدلیہ قائم ہوں، کتاب و سنت اور فقہ اسلامی کے مطابق احکامات نافذ ہوتے ہوں، غرض قانون الٰہی کا سایہ رحمت باشندگان ملک کے سروں پر سایہ فگن ہو اور رحمت خداوندی کا آفتاب عالمتاب اس ملک میں ضوفشاں ہو، اس لئے کہ رب العالمین کی صفت کمال ہی "قائما بالقسط" ہے اس کی اس صفت قسط و عدل کا ظہور اس کے قانون عدل و انصاف کے نفاذ کی صورت میں ہی ہو سکتا ہے تا کہ آخرت کے عدل و انصاف کا ایک ہلکا سا نمونہ دنیا میں ہی عبرت و موعظت کے لئے قائم رہے اور حقیقی دار الجزاء سے پہلے ہی نظام عالم کے تحفظ کے لئے دنیا میں بھی عدل الٰہی کی مظہر داد گاہیں قائم ہوں اور مجرموں کو ان کے کیفر کردار تک پہنچایا جائے اور یہ عالم مادی صحیح معنی میں مظہر صفات الٰہیہ بن جائے۔

علاوہ ازیں کسی ملک ومملکت کے صحیح حسن و جمال اور اس کے حسن کے حقیقی خدوخال کا مظہر بھی یہی نظام عدل وداد ہوا کرتا ہے اس لئے کہ انسانی جان ومال اور انسانی آبرو ہی انسان کا سب سے زیادہ قیمتی سرمایہ ہے کسی قانون کے کمال وخوبی کا آئینہ وہ عدالتی نظام ہی ہوتا ہے جس میں اس سرمایہ کے زیادہ سے زیادہ تحفظ کی ضمانت ہو، ایسے عدالتی نظام کا نفاذ واجراء اور اہالی ملک کا اس کے ثمرات سے کماحقہٗ بہرہ یاب ہونا ہی اس کی سب سے زیادہ قابل قدر نعمت ہے، جس ملک میں انسانوں کی جان ومال وآبرو محفوظ نہ ہوں وہ ملک جانوروں اور درندوں کا ملک تو ہوسکتا ہے انسانوں کا ملک ہرگز نہیں ہوسکتا۔

پیغمبر اسلام شارع اعظم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اس آخری اور تاریخی خطبہ کے چند کلمات طیبات جو آپ نے نبوت کے تئیسویں سال من جانب اللہ تکمیل دین اسلام کا اعلان ہوجانے کے بعد حجۃ الوداع کے موقعہ پر عیدالاضحیٰ کے دن وادی منیٰ میں کم وبیش ایک لاکھ انسانوں کے مجمع میں دیا تھا حسب ذیل ہیں:

"فان دماءکم واموالکم واعراضکم حرام علیکم کحرمة یومکم هذا فی شهر کم هذا فی بلدکم هذا". (۱)

بے شک تمہاری جان مال اور آبرو تم پر ایسی ہی حرام ہیں جیسے تمہارے اس شہر (سرزمین حرم) میں تمہارے اس ماہ (حرم) میں تمہارے اس (آج کے) دن کی حرمت (مسلم) ہے۔

یعنی جس طرح تمہارے ذہنوں میں اس شہر (مکہ) کا اس مہینہ (حرام) کا اور اس دن (یوم عیدالاضحیٰ) کا احترام مسلم ہے، ٹھیک اسی طرح اللہ کے دین اسلام میں مسلمانوں کی جان ومال وآبرو کا احترام اور قدر و قیمت مسلم ہے اور جس طرح ان تینوں چیزوں کے احترام کی حفاظت کو تم اپنا فرض سمجھتے ہو بالکل اسی طرح مسلمان کے ان تین قیمتی سرمایوں کی حفاظت کو ہمیشہ اپنا فریضہ سمجھو، جیسے وہ اللہ کی امانتیں ہیں ایسے ہی یہ بھی اللہ کی امانتیں ہیں اور جیسے ان تینوں چیزوں کی حرمتوں کا توڑنا اللہ کی امانت میں خیانت ہے ایسے ہی مسلمانوں کے ان تینوں سرمایوں پر دست درازی اللہ کے دین میں خیانت ہے۔

مسلمانوں کی جان ومال وآبرو کے تحفظ کی اس ضمانت دینے کے بعد ارشاد فرمایا:

"الا فلیبلغ الشاهد الغائب". [حوالہ سابقہ]

سن لو! جو شخص یہاں حاضر ہے اور یہ حکم سن چکا ہے اس کا فرض ہے کہ جو لوگ اس وقت موجود نہیں ہیں ان کو یعنی آنے والی نسلوں کو یہ پیغام پہنچادے۔

یہ ہے وہ آخری پیغام جو پیغمبر اسلام علیہ الصلاۃ والسلام نے رہتی دنیا تک کے لئے امت محمدیہ کو دیا ہے اور یہ ہے وہ مسلمان کے جان ومال وآبرو کے تحفظ کی ضمانت جو اسلام اور اس کا قانون دیتا ہے کان کھول کر سن

---

(۱) صحيح البخاري، كتاب المغازي، باب حجة الوداع، ج:۲ ص:۶۳۲، ط: قديمي

پس! مسلمان حکمران اور ارباب اقتدار!

اسلامی قانون

پاکستان اب کسی نہ کسی درجہ میں جمہوریہ تو بن گیا ہے اب رہا اسلامیہ بننا تو اس کے لئے ضرورت ہے کہ غیر مسلم حکمرانوں اور غیر ملکی فرمانرواؤں نے جو ہماری بدنصیبی سے ہمیں غیر اسلامی قانون کا تحفہ دیا تھا وہ فی الفور ''عطا تو بلقاء تو'' کہہ کر واپس کر دیا جائے اور وہ قدیم ترین مقدس تحفہ جو نہ صرف مسلمانوں بلکہ ساری کائنات کے لئے رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ رحمن ورحیم اور علیم وقدیر رب العالمین نے امت محمدیہ کو عطا فرمایا ہے یعنی اسلامی قانون مملکت اس کو جلد از جلد اپنا کر پورے ملک میں نافذ کر دیا جائے۔

یہ وہ سرتا سر رحمت وسعادت قانون فطری ہے جس کا اس روئے زمین پر سالہا سال تجربہ بھی ہو چکا ہے اور چشم فلک اس قانون پر عمل کرنے والوں کے سروں پر دنیاوی عظمت ومجد کا تاج اور دنیا کی دوسری قوموں کے مقابلہ میں سربلندی وسرخروئی کا سہرا دیکھ چکی ہے تاریخ کے صفحات پر اس کا ریکارڈ ثبت ہے۔

''ثبت است بر جریدۂ عالم دوام ما''

اسی قانون کی برکت وسعادت سے ایک ہزار سال تک مسلمان دنیا پر حکومت کر چکے ہیں وہ مالک الملک جس کی شان ہے:

﴿تُؤْتِي الْمُلْكَ مَنْ تَشَاءُ وَتَنْزِعُ الْمُلْكَ مِمَّنْ تَشَاءُ وَتُعِزُّ مَنْ تَشَاءُ وَتُذِلُّ مَنْ تَشَاءُ بِيَدِكَ الْخَيْرُ اِنَّكَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ﴾ [آل عمران:۲٦]

تو جس کو چاہتا ہے ملک وسلطنت عطا کرتا ہے اور جس سے چاہتا ہے ملک وسلطنت چھین لیتا ہے جس کو تو چاہے عزت (غلبہ واقتدار) دیتا ہے اور جس کو چاہے ذلت دیتا ہے (اور غلبہ واقتدار سے محروم کر دیتا ہے) تیرے ہی ہاتھ میں تمامتر خیر (وخوبی) ہے بے شک تو ہر چیز پر پوری طرح قادر ہے۔

اس کی رضا وخوشنودی کا حصول بھی اسی قانون خداوندی کے احیاء پر موقوف ہے آخرت کی لازوال نعمتیں بھی اسی سے وابستہ ہیں، دنیا کی قوموں پر غلبہ واقتدار بھی اسی کا رہین منت ہے اور حکومت خداوندی کا جھنڈا فضاء عالم میں لہرا کر خلیفۃ اللہ فی الارض کے استحقاق کا عملی ثبوت دینے کا واحد وسیلہ بھی یہی ہے یاد رکھیے:

﴿وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَا اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰئِكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ﴾ [المائدة:٤٤]

اور جو اللہ کے نازل کردہ قانون پر فیصلے نہ کریں وہی لوگ کافر ہیں۔

﴿وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَا اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ﴾ [المائدة:٤٥]

اور جو اللہ کے نازل کردہ قانون پر فیصلے نہ کریں وہی لوگ ظالم ہیں۔

﴿وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَا اَنْزَلَ اللهُ فَأُولٰئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ﴾ [المائدة:٤٧]

اور جولوگ اللہ کے نازل کردہ قانون پر فیصلے نہ کریں وہی لوگ فاسق ہیں۔

اللہ جل جلالہ کے قانون کونہ ماننا، اس پر عمل نہ کرنا، اس کونافذ نہ کرنا، وحی الٰہی (قرآن) کی زبان میں اس کا نام کفر ہے، ظلم ہے، فسق ہے، اس کفر وظلم وفسق سے نجات حاصل کرنے کا واحد ذریعہ یہی ہے کہ قانون الٰہی بلاتاخیر اور بغیر کسی حیلہ بہانے کے جلد از جلد نافذ کر دیا جائے ورنہ اس میں ذرہ برابر شک نہیں کہ رب العالمین کے قانون کو پس پشت ڈال دینا اور انسانی دماغوں کے ساختہ پرداختہ قانون کو اپنانا اور سینہ سے لگانا اس سے بڑھ کر اور کیا ظلم ہوگیں، احکم الحاکمین کی مخلوق پر بھی یہ ظلم ہے اور مالک الملک کے ملک پر بھی یہ ظلم ہے، انسان اور رب العالمین کے مقابلہ پر قانون بنائے؟ استغفر اللہ، العیاذ باللہ، یاد رکھئے ''ان الحكم الا لله'' نہیں ہے حکم مگر اللہ کا۔

صدر مملکت کا اب دوبارہ برسر اقتدار آنے کے بعد اولین فرض یہ ہے کہ جس طرح وہ دنیا کے اقتدار اعلیٰ کی عزت سے سرفراز ہوئے ہیں اس طرح رب العالمین کے قانون کو نافذ اور جاری کرے آخرت کی سرفرازی کی نعمت وسعادت سے بھی بہرہ ور بنیں اور مالک الملک کی عطا کی ہوئی نعمت حکومت وسلطنت کا شکریہ ادا کریں اور اس سلسلہ میں جو غلطیاں اور کوتاہیاں وہ کر چکے ہیں ان کی تلافی کریں اور آئندہ ان کا اعادہ نہ ہونے دیں اور جو حالات وواقعات اس انتخاب کے دوران پیش آئے ہیں ان سے صحیح معنی میں عبرت حاصل کریں اور اس اقتدار اعلیٰ کو صحیح طور پر استعمال کریں، اللہ رب العالمین کی مخلوق پر رحم کر کے حقیقی اسلامی قانون۔ مصنوعی نہیں۔ نافذ کردیں تاکہ دنیا اور آخرت دونوں کی سرخروئی ان کو حاصل ہو سکے ورنہ یاد رکھیں اللہ جل جلالہ کی شان ''وتنزع الملك ممن تشاء'' بھی ہے اس موقعہ کو غنیمت سمجھیں الیکشن کے دوران صدر محترم نے جو وعدے کئے ہیں دنیا منتظر ہے کہ ان کی عملی تصدیق جلد از جلد اپنی آنکھوں سے دیکھ لے۔

انتہائی مسرت وطمانینت کا مقام ہے کہ صدر محترم کی آخری تقریر بہت کچھ امید افزا ہے اور بجا طور پر توقع ہے کہ صدر محترم اپنی پوری قوت وہمت کے ساتھ ان وعدوں کا ایفا اور اپنی صداقت کا عملی ثبوت دیں گے۔

صدر مملکت کے اختیارات وفرائض

اس میں کوئی شک نہیں کہ اسلامی قانون کے تحت صدر مملکت یا جماعت شوریٰ (ممبران اسمبلی) کا منصب قانون سازی نہیں ہے بلکہ اسلامی قانون کو نافذ اور جاری کرنا ہے، نبی آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم کا لایا ہوا جو اسلامی قانون کتاب وسنت میں موجود ہے اس میں نہ کسی مشاورت واستصواب رائے کی ضرورت ہے نہ کسی اصلاح وترمیم کی گنجائش ہے، صدر مملکت اور ماہرین قانون اسلامی کا دائرہ عمل محدود ہے، صرف ان انتظامی اور تنفیذی حدود کے اندر جہاں اسلام نے کوئی خاص رہنمائی ضروری نہیں سمجھی اور حالات کے تقاضوں پر چھوڑ دیا ہے

لیکن جن امور و معاملات کے متعلق صاف اور صریح احکام موجود ہیں ان کی پابندی حاکم و محکوم دونوں پر اسی طرح ضروری ہے جس طرح عبادات کی پابندی ضروری ہے، مشاورتی کونسل کا فرض صرف اتنا ہے کہ صدر مملکت یا اراکین اسمبلی جن دینی احکام سے ناواقف ہوں اور اراکین مشاورتی کونسل سے دریافت کریں وہ انتہائی دیانت داری کے ساتھ کتاب وسنت کی روشنی میں ان احکام کو بتلادیں، نہ ان کو زیر بحث لانے کا سوال ہے، نہ ان پر رائے زنی کا، اسی لئے ضروری ہے کہ مشاورتی کونسل کے اراکین اسی فرض کو انجام دینے کے اہل ہوں یعنی کتاب وسنت کے مستند عالم اور قانون اسلامی (فقہ اسلامی) کے ماہر ہوں۔

اب شرعی احکام کے اجراء کو اسمبلی کے فیصلے یا مطالبہ پر موقوف رکھنا اور بے معنی آئینی گورکھ دھندوں میں الجھانا شرعی احکام کے نفاذ سے انحراف اور روگردانی کے مترادف ہے، خصوصاً جب کہ موجودہ دستور کے تحت پورے اختیارات یا ۹۰ رفیصد اختیارات خود صدر مملکت کو حاصل ہیں ایسی صورت میں اس قسم کے دینی اور اساسی امور کو اسمبلیوں کے سپرد کرنا اور ان کی منظوری یا مطالبہ پر موقوف رکھنا عذر لنگ نہیں تو اور کیا ہے۔

اس سلسلہ میں سب سے پہلے رسوائے عالم عائلی قوانین کو ایک آرڈی ننس (صدارتی حکم) کے ذریعہ اسی طرح ختم کریں جس طرح آرڈی ننس کے ذریعہ اسے نافذ کیا تھا یا کم از کم جو ترمیمات علماء کرام کر چکے ہیں ان کو فوراً قبول کرلیں اور اس کے علاوہ بقیہ اسلامی قوانین کے اجراء کا بھی اعلان فرمادیں اور صرف اعلان پر اکتفا نہ کریں بلکہ تدریجی طور پر الاھم فالاھم کے اصول پر شرعی قانون نافذ کرتے رہیں تاکہ کم سے کم مدت میں مکمل اسلامی قانون ملک میں نافذ ہو جائے، نیز یہ بھی ضروری ہے کہ فقہ حنفی کو جو اس ملک کے عام باشندوں کا مذہب ہے اساس قرار دیں اور اس پر عمل کرنے کے لئے محاکم عدلیہ میں دو دو، تین تین فقہ اسلامی خصوصاً فقہ حنفی کے مستند ماہرین کا تقرر فرمائیں۔

ایک نہایت اہم تنبیہ

آخر میں ایک نہایت ضروری اور اہم تنبیہ گوش گذار کرنا میں اپنا فرض سمجھتا ہوں اور وہ یہ ہے کہ عام طور پر یہ کہا جاتا ہے کہ اصول اسلام کے مطابق ملکی قوانین بنائے جائیں گے۔ چنانچہ آج ہی ایک روزنامہ میں وزیر قانون جناب خورشید صاحب کے بیان میں یہی فقرہ شائع ہوا ہے یاد رکھئے! اس فقرہ کی حقیقت بھی وہی ہے جو مرکزی اسلامی تحقیقاتی ادارہ کے ڈائرکٹر صاحب دادِ تحقیق دے رہے ہیں کہ قرآن کے ابدی ہونے کے معنی یہ ہیں کہ قرآن کی علل وغایات ابدی ہیں نصوص قرآن میں ترمیم و تنسیخ کی جاسکتی ہے جس کی واضح اور قطعی تردیدی بینات میں آچکی ہیں۔

اس قسم کی پرفریب تعبیر میں ایک خطرناک تلبیس (دھوکہ) مضمر ہے جس کی طرف عوام کے ذہن منتقل

نہیں ہو سکتے عوام تو اس قسم کے بیان سن کر خوش اور مطمئن ہو جاتے ہیں کہ چلئے اسلام کے اصول کی پابندی تو حکومت نے تسلیم کر لی، لیکن یاد رکھئے! کہ اسلام نے جو اصول بتلائے ہیں عدل وانصاف کو قائم کرنا، مجرموں کو سزا دینا وغیرہ وغیرہ انہی اصول پر خود قانون بھی بنائے ہیں اور ان قوانین کا بنانے والا کوئی انسانی دماغ نہیں ہے بلکہ علیم وقدیر رب العالمین نے خود وحی رسالت کے ذریعہ کتاب وسنت میں وہ قوانین متعین فرما دیئے ہیں، مثلاً مجرم اگر چور ہے تو اس کے جرم کی سزا خود مقرر فرما دی ہے کہ اس کا ہاتھ کاٹ دیا جائے، اگر غیر شادی شدہ مرد وعورت زنا کریں تو مجمع عام میں ان کے سو درّے لگائے جائیں اور اگر شادی شدہ مرد وعورت اس جرم کا ارتکاب کریں تو انہیں سنگسار کیا جائے۔ اب اگر کوئی شخص یہ قطع برید کر لے کہ ان مجرموں کو سزا تو دے لیکن یہ سزا نہ دے جو اسلام نے تجویز کی ہے اور قرآن میں اس کی تصریح موجود ہے بلکہ کوئی اور خود ساختہ سزا دے تو یہ صریح اسلامی قوانین کی خلاف ورزی ہوگی اور "ومن لم یحکم بما انزل اللہ" کے تحت داخل ہوگا اگر چہ کہنے کو نفس سزا تو دے دی جو ان حضرات کے بقول اصول اسلام کا تقاضا تھا، یاد رکھئے! اسلام تو درحقیقت احکام تجویز کرتا ہے اصول ان احکام سے اخذ کئے جاتے ہیں بالفاظ دیگر مقدم اور اصل احکام ہیں اور اصول ان احکام سے ماخوذ ومستنبط ہیں نہ یہ کہ اصول مقدم اور اصل ہیں اور احکام ان پر مرتب، یہی خداوندی قانون سازی اور انسانی قانون سازی میں فرق ہے یہ دوسری بات ہے کہ اللہ تعالیٰ کے علم ازلی میں ان کی محرکات وعلل ہوتے ہیں، درحقیقت جن کو تم اصول کہتے ہو وہ تو دراصل وہ مقاصد وغایات اور مصالح وحکم ہیں جو ان احکام پر مرتب ہوتے ہیں اسلامی احکام کی احساس اور اصول صرف خدا پرستی ہے اور بس جیسا کہ آیت کریمہ ﴿وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ﴾ [الذاریات:۵۶] سے واضح ہے۔ بدقسمتی یا سوئے فہم سے تشریع الٰہی (خداوندی قانون سازی) کی صورت کو برعکس سمجھ لیا گیا اور انسانی قانون سازی پر قیاس کر لیا گیا۔

اسی لئے انسان نہ ان احکام کو بدلنے کا مجاز ہے اور نہ ان غایات ومقاصد اور مصالح وحکم کو متبادل احکام کے ذریعہ حاصل کرنے کا اسے اختیار ہے کہ اس قسم کا تصرف خدا پرستی کے منافی ہے اس لئے اس کو کفر فسق اور ظلم کہا گیا ہے۔

غرض جس علیم وقدیر رب العالمین نے اصول بتلائے ہیں اسی نے فروع (احکام) بھی مقرر فرما دیئے جس طرح ان اصول کا اتباع ضروری ہے ٹھیک اسی طرح ان فروع واحکام کی متابعت بھی ضروری ہے، مدار خدا پرستی حکم پر ہے اصول پر نہیں، ہم کو احکام کا مکلف بنایا گیا ہے اصول کا نہیں، قیامت کے دن سوال ان احکام پر عمل کرنے یا نہ کرنے کا ہوگا عبادت واطاعت کا مظہر بھی تعمیل احکام ہی ہے۔

یاد رکھئے! اگر اس تلبیس کا سد باب نہ کیا گیا اور اس پر فریب تعبیر کو اپنایا گیا تو اسلام کی پوری عمارت منہدم ہو جائے گی، نہ عبادات محفوظ رہیں گی، نہ معاملات اور یہ ملحد خدا کے بھیجے ہوئے اور رسول اللہ کے لائے

ہوئے دین کو مسخ کر کے رکھ دیں گے، نعوذ باللہ منھم، یہی وہ الحاد ہے جو یادش بخیر جناب پرویز پھیلانے میں مصروف ہیں اور یہی فریب کاری اس قماش کے اور بہت سے لوگ کر رہے ہیں اور یہ کوئی نئی چیز نہیں ہے اب سے بہت پہلے باطنی ملاحدہ اسی قسم کی تلبیس و تحریف کرتے رہے ہیں اور اسی راستہ سے مستشرقین یورپ اسلام اور اس کی تعلیمات پر حملہ آور ہوئے ہیں اور بد قسمتی سے اسی رو میں ہمارے مستغربین بھی بہے چلے جا رہے ہیں۔

اس پر فریب تعبیر و تشریح کا دائرہ خدانخواستہ اگر وسیع ہوگیا اور مسلمان اس فریب میں آ گئے تو نماز، روزہ، زکاۃ، حج اور حرمت سود و قمار و شراب و زنا اور حدود و قصاص وغیرہ وغیرہ تمام ہی حدود اللہ اور شعائر دین ختم ہو جائیں گے اور اسلام دنیا سے اسی طرح اٹھ جائے گا جیسے ملت ابراہیمی کفار و مشرکین عرب کی دستبرد سے اور دین موسیٰ و عیسیٰ علیہم السلام یہود و نصاریٰ کی تلبیس و تحریف سے مسخ ہو گیا تھا۔

اسی لئے میں مکرر، سہ مکرر تنبیہ کرنا اپنا فرض سمجھتا ہوں کہ مسلمان ہوشیار رہیں، اس دل کش اور خوشنما تعبیر میں پوری تلبیس والحاد مضمر ہے اور اس طرح کے بیان دینے والے (دانستہ یا نادانستہ) اسلام کی بیخ کنی کر رہے ہیں۔

اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو صحیح سمجھ عطا فرمائیں اور دانا دشمن اور نادان دوست دونوں سے بچائیں، آمین ثم آمین۔

وصلی اللہ علی خیر خلقه سیدنا ومولانا محمد وآله واصحابه [illegible]ك وسلم

[فروری ۱۹۶۵ھ / رمضان ۱۳۸۴ء]

انتخابات اور اس کا نتیجہ

اس وقت پاکستان کے گوشے گوشے سے انتخابات! انتخابات! کی صدائیں بلند ہو رہی ہیں اور ایک شور وغوغا برپا ہے، بیانات، پریس کانفرنس، مقالات، مضامین، جلسے جلوس، بدگمانیاں، تلخیاں، الزامات، اتہامات گویا ہنگامہ محشر برپا ہے۔ علماء، زعماء اور عوام و خواص سب میدان انتخاب میں کود پڑے ہیں، ہر سیاسی و نیم سیاسی پارٹی، کیا دین دار، کیا بے دین اس فکر میں ہے کہ زیادہ سے زیادہ نشستوں پر قابض ہو۔ اس کے لئے جماعتی مشورے ہو رہے ہیں، تدابیر سوچی جا رہی ہیں، جوڑ توڑ ہو رہا ہے، وزن بڑھانے کے لئے اتحاد کے معاہدے کئے جا رہے ہیں ان اتحادی معاہدوں میں یہ بھی ہو رہا ہے کہ دو جماعتوں میں اصولی فرق ہے، دونوں ایک دوسرے کے سائے سے بھاگتے ہیں، مگر انتخاب کی موجِ بلا ہے کہ اتحاد کی نمائش پر مجبور کر رہی ہے ﴿ تَحْسَبُهُمْ جَمِيعًا وَقُلُوبُهُمْ شَتَّىٰ ﴾ [الحشر: ۱۴] بظاہر مل بیٹھے ہیں مگر دل پھٹے ہوئے ہیں، مخالفوں پر چوٹیں ہو رہی ہیں اور ان کے لئے تحقیر و مذمت کے گھٹیا سے گھٹیا لفظ استعمال ہو رہے ہیں۔ ادھر ہر جماعت کا یہ دعویٰ ہے کہ ۱۲ کروڑ عوام ہمارے ساتھ ہیں ملک بھر کے ووٹ ہمارا ورثہ ہے اور ہمارے سوا سب ملک کے دشمن اور عقل کے کورے ہیں، فنڈ جمع ہو رہے ہیں، تھیلیاں پیش کی جا رہی ہیں اور درونِ خانہ خدا جانے کیا کیا ہو رہا ہے۔

ملک کی سیاست کو جس رخ پر ڈال دیا گیا ہے اور افراتفری اور شوراشوری کی جو ناخوشگوار فضا پیدا ہوگئی ہے اس کے نتیجہ میں اس معرکہ جہاد کے بعد پیش آنے والے خطرات کا تقاضا ہے کہ چند باتیں صاف صاف عرض کر دی جائیں تا کہ ملک کا ہر دردمند فرد غور و فکر کے بعد صحیح فیصلہ کر سکے۔

دردناک قومی المیہ

انتخابات کو اتنی اہمیت دی جارہی ہے کہ گویا دنیا و آخرت کی نجات و سعادت تمام تر اسی پر موقوف ہے، تمام مشکلات کا حل صرف قانون ساز اسمبلی ہے، پاکستان کا مقصد وحید یہی تھا اور اسلام کی ساری روح بس اسی میں سمٹ آئی ہے، ہر پارٹی کا دعویٰ ہے کہ ہم برسر اقتدار آتے ہی اسلام کو نافذ کریں گے اور عوامی مشکلات کو حل کر دیں گے۔

اس بحث کو تو جانے دیجئے کہ مغربی طرز کے جمہوری انتخابات اسلامی تقاضوں کو کہاں تک پورا کر سکتے ہیں، مگر اس حقیقت سے تو انکار نہیں کیا جا سکتا کہ انتخاب صحیح بھی ہوسکتا ہے اور غلط بھی، اچھی قیادت بھی ابھر کر اوپر آسکتی ہے اور بری بھی، اقتدار پر مخلصین کا قبضہ بھی ہوسکتا ہے اور خودغرض لوگوں کا بھی۔ اب ذرا انصاف اور حقیقت پسندی سے حالات کا جائزہ لیجئے، مدعیان دین و سیاست پارٹیوں میں اکثریت ان حضرات کی ہے جن کے گذشتہ کارنامے سب کو معلوم ہیں، ان کی اسلامی خدمات بھی کسی سے پوشیدہ نہیں، ماضی قریب میں ان کے قول و عمل کے تضاد کی سیاہی ابھی تک خشک نہیں ہوئی اور حال میں ان کے افکار و نظریات، ان کی دعوت، ان کی زندگی کے اعمال و کردار اور ان کا سیاسی موقف آنکھوں کے سامنے ہے، ان سب باتوں سے یہ اندازہ کرنا کچھ مشکل نہیں کہ وہ آئندہ اپنے عزائم کی تکمیل کے لئے کیا کچھ نہیں کریں گے، لیکن تعجب ہے اور افسوس بھی کہ عوام کو نہ ماضی سے عبرت ہے نہ حال کا مشاہدہ، نہ مستقبل کی فکر ہے، انتخابی نعروں کے فریب میں ان تمام حقائق سے آنکھیں بند کئے ہوئے ماضی و حال کے عادل گواہوں کی شہادت کے خلاف مستقبل کا فیصلہ فرما رہے ہیں، فیا للاسف۔

جو قومیں ماضی سے سبق نہیں لیتیں ان کو شاندار مستقبل کی نہیں بلکہ حسرت ناک انجام کی توقع رکھنی چاہیے اور جس قوم کے افراد سر کی آنکھوں سے سب کچھ دیکھنے کے باوجود پروپیگنڈے کے سحر سامری پر ایمان لے آئیں یا چند ٹکوں کی خاطر پوری قوم کی نکیل غلط ہاتھوں میں تھما دینے پر آمادہ ہوجائیں ان کی سادہ لوحی لائق ماتم ہے، کیا ہمارے یہاں اس دردناک قومی المیہ کو محسوس کیا گیا۔

جمہوری الیکشن اور اس کی حقیقت

اب ذرا الیکشن کی کامیابی و ناکامی کے نقشہ پر بھی ایک نظر ڈالئے، اس وقت ملک میں پارٹی در پارٹی کا رجحان غالب ہے، تقسیم در تقسیم کے عمل نے درجنوں کے حساب سے سیاسی جماعتوں کو جنم دیا ہے اور ہر جماعت اس خوش فہمی میں مبتلا ہے یا محض نمائش کے لئے قوم کو غلط تاثر دیا جاتا ہے کہ پچاس فیصد ووٹ ہمیں ملیں گے اور شاید

بعض حضرات اس سے بھی زیادہ خبط میں مبتلا ہوں اور ۸۰، ۹۰ رفیصد کے خواب دیکھ رہے ہوں، لیکن یہ تمام قیاس آرائیاں سطحی ہیں، عین وقت پر معلوم ہوگا کہ:

''خواب تھا جو کچھ کہ دیکھا جو سنا افسانہ تھا''

کبھی یہ ہوگا کہ عہد و پیمان کسی طرف تھا اور ووٹ کسی اور طرف ڈھلک گیا، کہیں جس کی لاٹھی اس کی بھینس کا قصہ ہوگا، کہیں دستِ غیب کا عمل جاری ہوگا، کہیں ترغیب و ترہیب کے حربے آزمائے جائیں گے، کہیں وعدہ وعید کی کارفرمائی ہوگی، کہیں اثر و رسوخ سے کام نکالا جائے گا، گذشتہ دور میں یہ سب کچھ ہوتا رہا ہے اور آئندہ کیا کچھ نہیں ہوگا؟ انتخابی جنگ میں اس خفیہ اسلحہ کا استعمال بند ہونا چاہیے تھا مگر ابھی تک اس کی روک تھام کا خیال نیک خواہشات سے آگے نہیں بڑھ سکا ان حالات میں یہ سمجھنا کہ کوئی پارٹی بھاری اکثریت سے کامیاب ہوجائے گی خود فریبی کے سوا اور کیا ہے؟

وجود میں آنے والی اسمبلی کے فرائض

اب دیکھئے کہ الیکشن کے نتائج کیا ہوں گے؟ سب کو معلوم ہے کہ صدارتی حکم کے مطابق آئندہ وجود میں آنے والی اسمبلی کو ۱۲۰ ردن میں اسلامی جمہوریہ پاکستان کا اسلامی دستور بنانا ہوگا۔ خدانخواستہ اس مدت میں وہ کسی متفقہ دستور کا فیصلہ نہ کرسکے تو آئین ساز ادارہ خود بخود معطل سمجھا جائے گا اور صدر محترم اپنی صوابدید کا دستور نافذ کریں گے۔

ادھر سیاسی جماعتوں کی ذہنی سطح کا اندازہ اوپر کے دیئے گئے نقشہ سے لگایا جاسکتا ہے، انہیں انتخابی سرگرمیوں کی وجہ سے۔ یا غالباً ہر جماعت کے بیجا پندار کی بنا پر۔ اس پر غور و فکر کرنے کی مہلت ہی نہیں ملی کہ نہ یہ موسم سیاسی جنگ کے لئے راس ہے نہ گروہی عصبیت یا ذاتی خوش فعلیوں کے لئے موزوں ہے، قوم کی کشتی منجدھار میں ہے، سب کو مل جل کر اسے پار لگانے کی فکر کرنی چاہیے تھی، باوقار قومیں بے آئین اور بے دستور الیکشن نہیں لڑا کرتیں۔

اگر ہمارے سیاسی لیڈر فی الواقع مخلصانہ سوجھ بوجھ سے کام لیتے تو الیکشن سے پہلے آئینی دفعات پر اتفاق ضروری تھا مگر یہاں آئین تو کیا کسی آئینی بنیاد پر بھی اتفاق رائے ضروری نہیں سمجھا گیا، باہمی نفرت و بیزاری کے بل پر سیاسی معرکہ شروع کردیا گیا جس کا نتیجہ ظاہر ہے کہ اول تو کسی پارٹی میں اتنا وزن نہیں کہ اپنے نمائندوں کی بھاری اکثریت آئین ساز اسمبلی میں بھیج دے، بالفرض ایسا ہو بھی جائے تو اس بات کا کیا اطمینان ہے کہ پارٹی کے معزز ممبر اسمبلی میں پہنچ کر پارٹی کے وفادار رہیں گے، کسی جوڑ توڑ، رسہ کشی اور مفاد پرستی کا شکار نہیں ہوں گے، وہ جاتے ہی بس دستوری دفعات مرتب کرنا شروع کردیں گے اور سب یک زبان ہوکر برق رفتاری کے ساتھ آئینی مسودہ ۱۲۰ ردن میں بنا ڈالیں گے، اگر ایسا ہوجائے اور خدا کرے ہوجائے تو بلاشبہ یہ پاکستانی قوم کی بہت بڑے

کرامت ہوگی مگر باہر کی تلخی کے پیش نظر اس کرامت کے امکانات بہت کم ہیں اور اگر بالفرض اکثریت ایک آئینی مسودہ پر متفق ہو جائے تو کیا ضروری ہے کہ وہ تسلیم بھی کر لیا جائے گا اور کوئی غیر متفق اقلیت اس میں کوئی سقم نکال کر اسے سبوتاژ کرنے کی کوشش نہیں کرے گی۔

خلاصہ یہ کہ موجودہ الیکشن جن حالات میں ہو رہا ہے اور جس انداز سے سیاسی زور آزمائی ہو رہی ہے اسے دیکھ کر تو ایسا محسوس ہوتا ہے کہ اس کا رستہ ایک ایسے بحران پر جا کر ختم ہوتا ہے کہ اس کے بعد جو خلا پیدا ہوگا اس کے تصور سے ہی رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں، کہاں کا آئین؟ کہاں کا دستور؟ کہاں کا اسلام؟ اور کہاں کا دین؟ افسوس ہے کہ بیرونی سازشوں اور خفیہ ہاتھوں سے جن ہولناک خطرات کا سامنا ہے ان کی طرف ہلکا سا اشارہ بھی کیا جائے تو موجودہ حالات میں اسے ''مجذوب کی بڑ'' سمجھ کر ٹال دیا جاتا ہے، حسبنا الله ونعم الوكيل۔

یہ سیاسی گرم بازاری جس کی خاطر ہزاروں پاپڑ بیلے جا رہے ہیں، لاکھوں مسلمانوں کے دلوں میں عداوت و نفرت اور کراہت و بیزاری کے بیج بو کر انہیں ایک دوسرے کا دشمن بنایا جا رہا ہے، قوم کا کروڑوں روپیہ اس داؤ پر لگا دیا گیا ہے، بے حد قیمتی صلاحیتوں کو ضائع کر دیا گیا ہے حتی کہ مسلمانوں کی عزت و حرمت کو بھی مباح بنا دیا گیا ہے اس کا نتیجہ موہوم مشکوک بلکہ صفر ہے، ضرورت ہے کہ اس کے حقیقی اسباب کا جائزہ لے کر غلطی کی اصلاح کی جائے ان تمام اسباب پر تفصیل سے گفتگو کرنا تو مشکل ہے البتہ بعض بنیادی امور کی نشاندہی ضروری ہے۔

پاکستانی قوم کے بائیس سال

بائیس سال سے اوپر سے نیچے تک قوم کی دینی و اخلاقی اور معاشی صحت کو تباہ کرنے کے ان گنت ذرائع تو فراہم کئے گئے لیکن واقعہ یہ ہے کہ قوم کی اصلاح و تربیت کے لئے کوئی ملک گیر مہم نہیں چلائی گئی، نہ قوم کے مختلف اعضاء میں باہمی تعاون، اخوت و مواسات اور ایثار و قربانی کا جذبہ پیدا کیا گیا، نہ ایمان باللہ اور محاسبہ آخرت کی بنیاد پر ایک دوسرے کے حقوق ادا کرنے کا ولولہ پیدا کیا گیا، اسلامی شعائر سے رشتہ توڑ دیا گیا، دینی اعمال زندگی سے خارج ہو گئے، ظاہر ہے کہ اس کے بعد کسی خیر کی توقع کیونکر ہو سکتی ہے؟ شور و شر اور فتنہ و ہنگامہ آرائی سے ہٹ کر دینی و اخلاقی بنیادوں پر جس قوم کی تعمیر اور تربیت نہ ہو اس سے سفلی مظاہرے تو ہو سکتے ہیں مگر وہ ملک و ملت کا کوئی مفید کارنامہ انجام نہیں دے سکتی، بلاشبہ بے دین یا بد دین جماعتیں اور خود غرض افراد اس کام کی طرف کبھی توجہ نہیں کریں گے، ان کا مفاد اسی میں ہے کہ قوم کا اخلاقی مزاج بگاڑ دیا جائے اور دینی ڈھانچہ تباہ کر دیا جائے مگر جن لوگوں کے دلوں میں اللہ تعالیٰ کا ذرا بھی خوف ہے ان کی طرف سے جو کوششیں انتخابات کی لئے کی جا رہی ہیں اگر اس سے آدھی محنت بھی دعوت و اصلاح پر صرف کی جائے تو قوم کا نقشہ ہی بدل جائے گا اور جب معاشرہ میں صلاح و تقویٰ کی فضا پیدا ہو جائے تو نہ انتخابات پر کروڑوں روپے کے خرچ کی ضرورت، نہ دلوں میں عداوت و نفرت کے

بیج بونے کی ضرورت، نہ بے ضمیر افراد کے ابھر آنے کا اندیشہ، نہ کسی سازش کے آلہ کار بننے کا خطرہ۔ بنیاد صحیح اور مضبوط ہوتو اس پر جو عمارت بنائی جائے گی وہ مضبوط ہوگی ورنہ ہم ریت پر ہوائی قلعے تعمیر کر کے خوش ہوں گے اور نتیجہ ''کوہ کندن وکاہ برآوردن'' ہوگا۔

مصلحت دید من آنست کہ یاراں ہمہ کار
بگزارند وخم طرۂ یارے گیرند

کامیابی وکامرانی کاراستہ

یہاں سیدنا حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا مشہور ارشاد جسے محب طبری نے ''الریاض النضرۃ'' میں نقل کیا ہے یاد آتا ہے:

"لن یصلح آخر هذه الامة الاماصلح به اولها"(۱)

اس امت کے آخری حصے کی اصلاح بھی بس اسی چیز سے ہوسکتی ہے جس سے اس کے پہلے حصہ کی اصلاح ہوئی۔

ربع صدی سے یہاں سب کچھ آزمایا جاچکا ہے، آیئے اس جدید نظریہ کو بھی آزمالیجئے:

''فلک راسقف بشگافیم وطرح نودر اندازیم''

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فرائض منصبی

قرآن حکیم نے چار مقامات پر حضرت خاتم الانبیاء جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چار منصب بیان فرمائے ہیں:

① آیات پڑھ کر سنانا۔
② تزکیہ کرنا، یعنی کفر وشرک، بدعملی وبداخلاقی اور امور جاہلیت سے ان کو پاک وصاف کرنا۔
③ کتاب اللہ کے احکام کی تعلیم دینا اور اس کے مضامین کی تشریح کرنا۔
④ حکمت ودانائی، احکام کے علل وغایات اور شریعت کے اصول ومقاصد کی تعلیم دینا۔

تزکیہ سے مراد عقائد ونظریات اور اعمال واخلاق کی پاکیزگی ہے، قرآن کریم نے تین مقامات پر تزکیہ کا ''تعلیم'' سے مقدم ذکر فرمایا جس سے ایک بات تو یہ معلوم ہوتی ہے کہ بقدر ضرورت تزکیہ تعلیم سے پہلے ہونا چاہیے تعلیم اسی وقت مفید اور بارآور ہوسکتی ہے جبکہ قلوب میں اس کے قبول کرنے کی اہلیت اور جذب کرنے کی

---

(۱) الریاض النضرة فی مناقب العشرة، الباب الثانی فی مناقب امیر المومنین ابی حفص عمر بن الخطاب، ذکر وصف علی له بمایتاهل معه للخلافة ج:۲ص:۴۰۲، ط:دارالکتب العلمیه بیروت

صلاحیت موجود ہو، زمین کو پہلے کاشت کے قابل بنایا جائے پھر تخم ریزی کی جائے ورنہ وہی کیفیت ہوگی جو عارف شیرازی نے فرمائی:

باراں کہ در لطافت طبعش خلاف نیست
در باغ لالہ روید و در شورہ بوم خس

یہ تزکیہ حضرت خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کے فیضان صحبت اور مکارم اخلاق سے حاصل ہوتا تھا اور اب بھی بقدر استعداد اللہ تعالیٰ کے مقبول بندوں سے ربط وتعلق اور ان کی صحبت اور مجالست سے حاصل ہوسکتا ہے۔

دوسری بات یہ معلوم ہوئی کہ تعلیم کتاب وحکمت سے بھی اصل مقصود تزکیہ ہے، یہ نہ ہوتو ساری تعلیم بیکار ہے، اعمال واخلاق کے بغیر نرے علوم ومعارف کی حق تعالیٰ کے یہاں کوئی قدر نہیں، آدمی ساری دنیا کی کتابیں چاٹ لے لیکن اگر انسانی اخلاق اور ایمانی اعمال نہیں تو پڑھا لکھا جانور تو ہوسکتا ہے مگر انسان کہلانے کا مستحق نہیں۔

تزکیہ کے بغیر نہ ایمان میں رسوخ کی کیفیت اور یقین واطمینان کی قوت پیدا ہوگی نہ اخلاق درست ہو سکیں گے، نہ اخلاص کی دولت ملے گی، نہ اعمال پر مداومت نصیب ہوگی، نہ اندر کا فرعون (مکارنفس) ہلاک ہوگا، نہ مخلوق سے لڑائی بند ہوگی:

نفس ما ہم کمتر از فرعون نیست

یہی وجہ ہے کہ صحابہ کرام فرماتے ہیں: "تعلمنا الایمان ثم تعلمنا القرآن"(۱) کہ ہم نے پہلے ایمان سیکھا پھر قرآن سیکھا، یہ ایمان کا سیکھنا ہی تزکیہ کہلاتا ہے کہ قلب غیر اللہ کے بتوں سے پاک ہو، اعمال ریا وغیرہ سے پاک ہوں اور نفس کمینے اخلاق سے پاک ہو، معاشرہ امور جاہلیت سے پاک ہو، کمائی حرام اور مکروہ ذرائع سے پاک ہو وغیر ذلک۔

یہی تزکیہ تھا جس کی وجہ سے حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو اللہ تعالیٰ نے بہت ہی بشارتوں سے نوازا اور انہیں آسمانی وحی کی شہادت اور سند ملی، سورہ فتح میں ان کے امتیازی اوصاف ذکر کرتے ہوئے ایک وصف باہمی رحمت وشفقت ذکر کیا گیا ہے، "رحماء بینھم" اور یہ وصف کامل تزکیہ کے بعد ہی حاصل ہوسکتا ہے اور اسی کو نہ سمجھنے کی خرابی ہے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم سے بدگمانی پیدا ہوتی ہے، حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے صحابہ کرام کا پہلا وصف یہی بیان فرمایا: "ابرھم قلبا" کہ ان کے دل بہت پاک صاف تھے، دوسرا وصف بیان فرمایا: "واعمقھم علما" ان کا علم بڑا گہرا تھا، تیسرا وصف بیان فرمایا: "واقلھم تکلفا" ان کی زندگی تکلفات اور تصنع سے پاک تھی (۲)۔

---

(۱) سنن ابن ماجہ، المقدمۃ، باب فی الایمان، ص: ۷، ط: قدیمی

(۲) مشکوۃ، کتاب الایمان، باب الاعتصام بالکتاب والسنۃ، الفصل الثالث، ج: ۱ ص: ۳۲، ط: قدیمی

حضراتِ صوفیاء اور اشاعت دین

حضرات صوفیا کرام (رحمہم اللہ) جن کے ذریعہ دین کی تبلیغ و اشاعت سلاطین کی تلوار اور علماء کے قلم سے بھی زیادہ ہوئی ہے ان کا خاص موضوع یہی ہے کہ نفوس کی تربیت اور اخلاق کا تزکیہ کیا جائے، ان کے یہاں بھی تربیت کا ایک طریقہ یہ ہے کہ پہلے جذب ہو پھر سلوک، اسی کا نام مجذوب سالک رکھتے ہیں، بظاہر یہ طریقہ اقرب الی القرآن ہوگا۔

البتہ قرآن کریم میں صرف ایک جگہ جہاں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا نقل فرمائی ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ان چار مناصب میں سے تزکیہ کو کتاب و حکمت کی تعلیم کے بعد سب سے آخر میں رکھا ہے، اس سے ایک تو اس طرف اشارہ معلوم ہوتا ہے کہ تعلیم کا اول و آخری مقصد تزکیہ ہے، دوسرے اس طرف اشارہ ہے کہ تزکیہ بقدر ضرورت تو تعلیم سے پہلے ہونا چاہئے مگر کامل تزکیہ کی نوبت علم کے بعد ہی آسکتی ہے، یعنی علم کے بعد عمل ہوگا اور علم ہی ذریعہ بنے گا عمل کا، گویا اس آیت میں تربیت کا دوسرا طریقہ بیان فرمایا ہے جو حضرات صوفیہ (رحمہم اللہ) کے یہاں سالک مجذوب کہلاتا ہے، لوگوں کی استعدادیں مختلف ہوتی ہیں کسی کو تعلیم کے بعد بھی تزکیہ کی ضرورت رہتی ہے اور کسی کو تزکیہ کے بعد تعلیم کی حاجت ہوتی ہے، نہ تزکیہ کے مراتب ختم ہوتے ہیں نہ تعلیم کی انتہا ہے۔

خلاصہ یہ کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا منصب صرف تعلیم اور سمجھانا ہی نہیں تھا بلکہ اس کی تعمیل کرانا اور قوم کو ایک باعمل امت بنانا بھی تھا، جب تک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دیئے ہوئے نقشہ کے مطابق تعلیم و تربیت پر محنت نہیں ہوتی اور افراد کی اصلاح کے ذریعہ ایک پاکیزہ اور صالح معاشرہ وجود میں نہیں آتا سیاسی محنت صحیح طریق پر بارآور نہیں ہوگی اور تمام قوتیں شر و فساد کی نذر ہو جائیں گی۔

اسلامی سیاست اور موجودہ سیاست

دینی تربیت کے فقدان ہی کا ایک پہلو یہ بھی ہے کہ باوجودیکہ تمام زعماء اور سیاسی لیڈر اسلامی خدمت کا اعلان فرما رہے ہیں اور ملک و ملت کی صحیح نمائندگی کا دم بھرتے ہیں یقیناً ان میں سے بعض حضرات مخلص بھی ہوں گے اور وہ اسلام کے نام کو محض اقتدار طلبی کے لئے استعمال نہیں کرتے ہوں گے لیکن ان اسلامی نمائندوں کی اکثریت اس بات سے بھی واقف نہیں کہ جس اسلام کا ہم نام لیتے ہیں اسی اسلام نے سیاست کے بھی کچھ آداب تجویز کئے ہیں اور بے ہنگم سیاست بازی پر کچھ پابندیاں عائد کی ہیں، مثلاً موجودہ سیاست کی بنیاد ہی اس بات پر قائم ہے کہ ایک شخص اقتدار طلبی کے لئے کھڑا ہو، اپنی پارٹی بنائے، اپنا پروگرام قوم کے سامنے رکھے اور قوم سے اپیل کرے کہ اس کو ووٹ دے کر کرسی اقتدار پر فائز کیا جائے، اس کے بعد وہ جانے اور قوم کے مسائل۔

اب دیکھئے! کہ اسلام اقتدار طلبی کے مزاج ہی کی جڑ کاٹ دیتا ہے، اسلام اقتدار کی خواہش کو پسند نہیں کرتا بلکہ وہ یہ ذمہ داری معاشرہ پر ڈالتا ہے کہ وہ ایسے افراد کو آگے لائے جو:

﴿لَا یُرِیْدُوْنَ عُلُوًّا فِی الْاَرْضِ وَلَا فَسَادًا﴾ [القصص:۸۳]

جو نہیں چاہتے زمین میں اونچا ہونا اور نہ فساد۔

کے معیار پر پورے اتریں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کسی ایسے شخص کو جو عہدہ کی درخواست لے کر آئے عہدہ نہیں دیتے تھے، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے ہاتھ جوڑ جوڑ کر اور منتیں کر کر کے حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم کو عہدے دیئے ہیں، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کو عہدہ قضاء کی پیش کش کی انہوں نے انکار کیا امیر المؤمنین رضی اللہ عنہ نے فرمایا تمہارے باپ نے بھی تو قبول کیا تھا، عرض کیا ان میں ہمت ہوگی مجھ میں نہیں، امیر المؤمنین نے منت و سماجت کی مگر ان کی معذرت غالب آگئی، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا: بہت اچھا مگر کسی اور کو نہ بتانا ورنہ کوئی بھی اس کے لئے آمادہ نہ ہوگا۔ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے ملفوظات میں ہے کہ شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کا جامع مسجد دہلی میں وعظ تھا جس میں ایک انگریز بہادر بھی موجود تھا، تقریر کے بعد اس نے مسلمانوں سے سوال کیا کہ مسلمانوں کے ہاتھ سے سلطنت کیوں جاتی رہی؟ کسی نے کچھ جواب دیا کسی نے کچھ، اس نے کہا میں بتاتا ہوں کہ اصلی وجہ یہ تھی کہ اس منصب کے اہل لوگوں نے اس سے گریز کیا اور نااہل لوگ اوپر آگئے اور یہی نااہلی زوال سلطنت کا باعث بنی۔

مسلمانوں کی نمائندگی

ہم جانتے ہیں کہ اس زمانہ قحط الرجال میں جس میں انسانوں کی تو افراط ہے مگر آدمی بہت کم ہیں، نہ اسلام کا معیاری معاشرہ ہے نہ معیاری نمائندے مل سکتے ہیں، لیکن کم از کم اتنا تو ہو کہ جو لوگ اسلام کی خدمت اور مسلمانوں کی نمائندگی کا دعوی لے کر اٹھیں ان میں صوم وصلوٰۃ کی پابندی، دینی شعائر کا احترام، اسلام کے ضابطہ حیات پر کامل اذعان اور اسلامی اخلاق و اعمال پائے جائیں، وہ قول کے سچے اور بات کے پکے ہوں، انہیں غریب مسلمانوں کے مسائل کی سمجھ بوجھ اور دینی احکام کا شعور ہو، ملت کے تمام افراد کے یکساں ہمدرد ہوں، وہ اسلام دشمن طاقتوں کے ہاتھ کا کھلونا نہ بنیں، گذشتہ بائیس سالہ تجربہ شاہد ہے کہ غیر تربیت یافتہ اور غیر اصلاح شدہ نمائندوں نے اسمبلیوں میں کیا گل کھلائے ہیں، اب پھر اسی قسم کے لوگوں کو آگے لانے کا مطلب اس کے سوا اور کیا ہے کہ اس الیکشن اور اس کے بعد وجود میں آنے والے دستور سے جو توقعات وابستہ کی جارہی ہیں ان کا حشر بھی وہی ہوگا جو پہلے ہو چکا ہے، یہ دستور سازی کا سارا وقت اکھاڑ پچھاڑ میں کھو دیں گے اور ۱۲۰ دن بعد کہا جائے گا کہ اسلامی دستور پر قوم کے نمائندے متفق نہیں ہو سکے، لا فعل اللہ ذالک۔

جن لوگوں کا بار ہا تجربہ ہو چکا ہے، دوبارہ ان ہی کا تجربہ کئے چلے جانا اور جن کی اسلامیت کا نقشہ آنکھوں کے سامنے ہے، ان پر اعتماد کر لینا، اس کا نتیجہ سوائے ندامت کے اور کیا ہوگا، حافظ شیرازی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

ہر چند کازمودم ازوے نبود سودم

من جرب المجرب حلت به الندامة

میں نے ہر چند اسے آزمایا مگر مجھے اس سے کچھ نفع نہ پہنچا جو شخص تجربہ شدہ کو آزماتا ہے اسے ندامت کے سوا کچھ حاصل نہیں ہوتا۔

موجودہ حکومت اور اسلامی آئین

موجودہ حکومت نے اپنی صوابدید کے مطابق یا رائے عامہ کا احترام کرتے ہوئے جو بہت سے اہم اقدامات کئے ہیں اور ان کے بارے میں جو فیصلے مخالف آواز کے باوجود پوری قوت سے نافذ کئے ہیں، ان کے تذکرہ کی ضرورت نہیں، سوال یہ ہے کہ کیا اسلامی آئین کا مسئلہ اتنا الجھا ہوا ہے کہ اسے آئندہ اسمبلی پر ٹال دیا گیا؟ اسمبلی جن حالات و کوائف میں وجود میں آئے گی وہ کسی سے ڈھکے چھپے نہیں اور اس سے جو ناقابل اصلاح بحران پیدا ہو جانے کا قوی امکان ہے وہ بھی مخفی نہیں۔

اس کا احساس ہر عامی کو بھی ہے کیا اس کا نتیجہ یہ نہیں ہوگا کہ قوم ہمیشہ کے لئے بے دستور رہے اور اسلامی آئین کی راہ میں ایک ایسی خندق حائل کر دی جائے جسے صدیوں تک پاٹنا ممکن نہ ہو، قوم مسلمان ہے ملک مسلمانوں کا ہے اسلام ہی کے نام پر حاصل کیا گیا ہے یہاں بغیر کسی بحث و تمحیص کے اسلامی آئین نافذ ہونا چاہیے، جو خود گومگو کی حالت میں ہوں گے، جو متضاد ذہن لے کر اسمبلی میں جائیں گے اور جن کی ناکامی کی سزا پوری قوم کو خدا جانے کب تک ملتی رہے گی۔

مارشل لاء حکومت کی بے نفسی و بے غرضی اس صورت میں زیادہ نمایاں ہو سکتی ہے کہ وہ ارباب حل وعقد، علماء و زعماء اور ماہرین قانون کے مشورے سے ایک مسودہ آئین تیار کر کے اسے منظور کر لیتی، اس کے مطابق انتخابات ہوتے اور آئین ساز اسمبلی کو حق دیا جاتا کہ وہ اسے منظور کرے یا اس میں مناسب ترمیم کرے یا کم از کم اتنا ہی کر لیا جاتا کہ ایک آئینی مسودہ اسمبلی میں پیش کر دیا جاتا اور اس کے ساتھ یہ تصریح کر دی جاتی کہ دستور کی فلاں فلاں دفعات جن کا تعلق اسلامی قانون کے نفاذ سے ہے زیر بحث نہیں آئیں گی اور ان کے علاوہ انتظامی نوعیت کی دفعات میں ایوان کو ترمیم کا حق ہوگا، تب بھی امکان تھا کہ اسمبلی ۱۲۰ دن میں اس بھاری بوجھ سے عہدہ برآں ہو سکتی، غالباً یہ پہلا تجربہ ہے کہ اسمبلی کو کسی مسودہ کے بغیر ہی آئین سازی کی زحمت دی جائے اور اس کے

لئے چار ماہ کی مدت بھی مقرر کر دی جائے۔

جہاں تک اسلامی قانون کے نفاذ کا تعلق ہے وہ امت مسلمہ کی مشترکہ میراث ہے، اس پر رائے زنی، بحث وتمحیص اور ووٹنگ یا اختلاف رائے کا کوئی اعتبار نہیں، اسمبلی کا دائرہ عمل انتظامی امور، خارجہ پالیسی، شعبوں کی تقسیم اور ہر شعبے کے اختیارات جیسے مسائل تک محدود رہنا چاہیے تھا۔ خلاصہ یہ کہ اسلام میں شریعت کے مسلمہ اصول وقواعد اور احکام ومسائل پر رائے زنی کا حق کسی حکمراں کسی ادارے اور کسی گروہ کو نہیں دیا گیا۔

راہ نجات

اوپر جو کچھ عرض کیا گیا ہے اس سے مستقبل کے بھیانک خطرات کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے نجات کا مختصر راستہ بس یہ ہے کہ:

① سیاسی جماعتوں اور ان کے قائدین کو مشرقی ومغربی، سرخ وسفید اور دائیں بائیں کی تلخیوں کو مزید نہیں بڑھانا چاہیے، گروہی مفادات سے ہٹ کر امت کے مفاد کی بنیاد پر سوچنا چاہیے، انہیں یہ بات اچھی طرح سمجھ لینی چاہیے کہ اصولی طور پر الیکشن محض کرسی اقتدار کے لئے نہیں بلکہ دستور بنانے کے لئے ہے اور اگر باہمی مفاہمت نہیں ہوئی اور فضا کو خوشگوار نہیں بنایا گیا تو نہ دستور بنے گا نہ اسمبلی رہے گی نہ آپ لیڈر رہیں گے نہ آپ کی سیاسی جماعت رہے گی، اس نازک وقت میں ایک دوسرے پر الزامات تھوپنا، نفرت انگیزی کی مہم چلانا اور ایک دوسرے کو نیچا دکھانے کی روا اور ناروا کوششیں کرنا، سیاسی نابالغی کی علامت اور خودکشی کا پیش خیمہ ہے۔ اگر سیاسی جماعتوں کے قائدین میں ذرا بھی اخلاص وایمان اور فہم وبصیرت ہے تو ان کو باہمی مفاہمت، خلوص اور اسلامی وفاداری کے خطوط پر سوچنا ہوگا، ظلم وعدوان کا ماحول بنانے کے بجائے بر وتقوی اور خلوص ونیک دلی کی فضا پیدا کرنی ہوگی، بہرحال یہ الیکشن فیصلہ کرے گا کہ ہمارے سیاسی قائدین ہوش اور تدبر کے ساتھ ملک کا نظام بھی چلا سکتے ہیں یا صرف لڑنا جانتے ہیں۔

② امت کے مختلف اعضاء میں جو بدمزگی پیدا ہو رہی ہے یا جان بوجھ کر پیدا کی جا رہی ہے، یہ بھی پوری قوم کے لئے پیام موت ہو سکتی ہے، آجر واجیر، کارخانہ دار اور کاریگر، کسان اور زمیندار، غریب اور امیر، اساتذہ وطلبہ مختلف طبقات نہیں بلکہ حسب ارشاد نبوی (صلی اللہ علیہ وسلم) امت مسلمہ کے اعضاء اور ایک دوسرے کے دست وبازو ہیں جو شخص بھی ان میں منافرت پیدا کرنا چاہتا ہے وہ پوری قوم کو مفلوج کرنے کے درپے ہے اور ملک کو تباہی کے غار میں دھکیلنا چاہتا ہے، شدید ضرورت ہے کہ ملت کے ایک ایک فرد میں حق طلبی کے بجائے حق شناسی اور حق دہی کا ایسا جذبہ پیدا کیا جائے کہ کسی کو کسی سے شکایت کا موقع نہ رہے، ایک فرد کا دکھ درد پوری قوم کو تڑپا کر رکھ دے، مشکلات کو ہمدردی سے حل کیا جائے، ضد اور ہٹ دھرمی کے ذریعہ مشکلات میں مزید اضافہ نہ ہونے دیا جائے۔

⑤ ملک کے بارہ کروڑ عوام کو اچھی طرح محسوس کرنا چاہیے کہ دستور سازی کا سارا بوجھ صدر مملکت نے دراصل ان کے کندھوں پر ڈال دیا ہے اگر قوم کسی آئینی بحران کا شکار ہوئی تو اس کی مسئولیت سے کوئی فرد بھی بری الذمہ نہیں ہوگا، جو نمائندے آپ کے ووٹ سے منتخب ہوں گے ان کی اچھی یا بری کارگذاری آپ کے سر ہوگی، اس لئے ملک کے ایک ایک فرد کا یہ فرض ہے کہ وہ کسی حلقے سے خود غرض، مفاد پرست، بد دین اور منافقت پیشہ لوگوں کو کامیاب ہونے کا موقعہ نہ دیں بلکہ صرف ان ہی افراد کو منتخب کریں جن کے دین و دیانت پر اعتماد ہو، جو اسلام پر غیر متزلزل ایمان رکھتے ہوں، بے ایمان اور بد دین نہ ہوں، دینی شعائر کا احترام کرتے ہوں، اعمال شرعیہ کے پابند ہوں، ملک وملت کے خیر خواہ ہوں، غریب عوام کا واقعی درد رکھتے ہوں، ان کی زندگی اور سیرت وکردار پر ظلم وستم کے داغ نہ ہوں، خواہ ان کا تعلق کسی پارٹی سے ہو۔

علماء کرام اور الیکشن

ہم نے حضرات علماء کرام -ثبتنا الله وایاهم علی دینه- کی خدمت میں بہت کچھ لکھا ہے مگر اب تک یہ ہوا ہے کہ ہر فریق نے اپنے مطلب کی باتیں لے لیں اور باقی تھوک دیں، بقول عارف رومیؒ:

ہر کسے از ظن خود شد یارِ من

وز درونِ من نجست اسرار من

اس لئے اب مزید لکھنے کو جی نہیں چاہتا تاہم ملک وملت کے نئے حالات کا تقاضا ہے کہ دونوں طرف کے بزرگوں سے ایک دوسرے کے بارے میں ایک بار پھر عرض کیا جائے کہ:

"صل من قطعك واعف عمن ظلمك واحسن الى من اساء اليك"(۱)

جو تم سے کٹے تم اس سے جڑو، جو تم پر ظلم کرے تم اسے معاف کردو اور جو تم سے برائی سے پیش آئے تم اس سے بھلائی کرو۔ ارشاد نبوت ہے اور حضرات علماء کرام ہی سے اس اخلاق نبوت کے نمونے کی توقع رکھی جاسکتی ہے۔

رہا نظریات کا اختلاف تو یہ محض سراب اور دھوکہ ہے:

بقول دشمن پیمان دوست بشکستی

ببیں کہ از کہ بریدی وبا کہ پیوستی

اسی دھوکے میں آکر ایک فریق مبتدع جماعتوں کے ساتھ تو معاہدہ کرتا ہے کہ ان کے خلاف لب کشائی ہوگی نہ قلم کو جنبش آئے گی مگر دوسرے فریق کو سوشلسٹ کہا جاتا ہے اور یہ دوسرا فریق ایسے لوگوں کے ساتھ جن کی

---

(۱) جامع الاصول فی احادیث الرسول، کتاب الیمین، احادیث مشترکة تبین آفات النفس ج: ۱۱ ص: ٦٨٨، رقم الحدیث ۹۳۱۸، ط: رئاسة ادارة البحوث العلمية مكة المكرمه

اسلام سے وابستگی کا حال سب کو معلوم ہے انتخابی وعدہ کرتا ہے اوران کے ہر قول و عمل کی توثیق ضروری سمجھی جاتی ہے، مگر پہلے فریق کو امریکی سامراج اور سرمایہ داروں کا ایجنٹ قرار دیتا ہے، انا للہ۔ گویا جن بزرگوں کی داڑھیاں قال اللہ وقال الرسول میں سفید ہوئیں اور آج بھی بحمد اللہ اسی خدمت میں مشغول ہیں وہ تو یکایک خدانخواستہ ایک طرف سے سوشلسٹ اور دوسری طرف سے امریکی سامراج کے ایجنٹ بن گئے اور جن کے پیمان وفا کا نیا نیا انکشاف ہوا ہے وہ پکے مسلمان یا اسلام پسند ہیں، صدق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم :

"و یقصی اباہ و یدنی صدیقہ"(۱)

ہمارا مقصود ان معاہدوں پر یا ان بزرگوں کے اخلاص پر تنقید کرنا نہیں، ہم خود اس حق میں ہیں کہ اس نازک وقت میں زیادہ سے زیادہ امت کو اسلام کے ایک پلیٹ فارم پر جمع کیا جائے، ہماری تمنا ہے کہ دو ان کو اور یہ اُن کو کھینچ کر لائیں اور امت واحدہ بنادیں اور پر جو کچھ کہا گیا ہے اس کا منشا یہ ہے کہ :

① جب دور دور جا کر صلح ہوسکتی ہے اور معاہدے کئے جاسکتے ہیں تو غلط فہمیوں کے غبار میں نزدیک والوں سے ملنے کو کیوں کسر شان سمجھا جائے؟

② جس سے انتخابی معاہدہ کر لیا جائے کیونکر اس کے ہر قول و عمل کی توثیق کی جائے؟

③ اگر ایک کا موقف دوسرے کی سمجھ میں نہیں آیا تو اس کے لئے ضرورت افہام وتفہیم کی ہے یا کہ تنابزوا بالالقاب کی؟

④ اصول یہ ہونا چاہیے کہ صحیح بات اگر حریف کہے تو رد نہ کرو اور غلط بات حلیف کے منہ سے نکلے تو تاویلیں نہ کرو۔

بہرحال یہ ایک ضمنی بات تھی جو بادل ناخواستہ زبان قلم پر آگئی، اصل بات جو حضرات علماء سے عرض کرنی ہے وہ یہ ہے کہ ان کو اور ان کے ساتھ تمام مخلص مسلمانوں کو ناکام کرنے کا منصوبہ بن چکا ہے اور اس کی تفصیلات طے ہو چکی ہیں۔ نصف منصوبہ الیکشن سے پہلے کا ہے اور نصف اس کے بعد کا، بائیس سال سے باطل قوتیں دھیرے دھیرے اپنا راستہ بنارہی تھیں مگر انہیں کھل کر سامنے آنے کی ہمت نہیں تھی، انہیں ان بوریہ نشین درویشوں اور دین وملت کے پاسبانوں کی قوت ایمانی کا احساس تھا اچانک تاریخ نے ایک نیا ورق الٹا اور یہ الیکشن سامنے آیا جس کا ماقبل و مابعد پیش کیا جاچکا ہے، طاغوتی قوتوں نے محسوس کیا کہ یہی موقع ہے کہ راستے کے اس پتھر کو ہٹا دیا جائے اور علماء کو ان ہی کی تلوار سے کاٹ دیا جائے، چنانچہ پروپیگنڈے کے ذریعہ علماء میں پھوٹ کی بنیاد ڈالی گئی، اخبارات میں جھوٹی سچی خبریں چھاپی گئیں، لگائی بجھائی کے لئے دونوں طرف مفسدوں کا ایک ٹولہ مقرر کیا گیا، ایک کو سفید سامراج کے خلاف اکسا کر کام نکالا گیا، دوسری طرف سرخ آندھی کے خطرہ کی گھنٹی بجائی گئی کوئی

(۱)سنن الترمذی، ابواب الفتن، باب ماجاء فی اشراط الساعۃ، ج:۲ ص: ٤٤، ط: فاروقی کتب خانہ ملتان

آئے نہ آئے مگر دونوں طرف سے علماء کو کچل دیا گیا، جہاد کے دونوں فریق اسلام کے لئے لڑ رہے ہیں مگر جب معرکہ کارزار ختم ہوگا تو پتہ چلے گا کہ مال غنیمت دوسروں کے حصہ میں آیا اور اسلام کے بے لوث سپاہیوں کے حصے میں گہرے زخم۔جن سے کبھی جانبر نہ ہوسکیں۔یا کم از کم ان کی ٹیس ہمیشہ باقی رہے۔

خود غرض مفسدوں نے دونوں طرف کا تمام اسلحہ اسی خانہ جنگی میں ختم کرا دیا، بد باطن ملاحدہ خوش ہیں کہ دونوں طرف کے بزرگوں نے ایک دوسرے پر ضمیر فروشی اور کفر تک کے فتوے لگا کر اپنے ہاتھ خود کاٹ لئے فتوؤں کی دوطرفہ تیر اندازی سے ان کے بازو شل اور جسم چھلنی ہوگئے وہ مجموعی طور پر آئندہ کبھی باطل کے لئے خطرہ نہیں بنیں گے نہ ان کا فتویٰ کبھی ان سے تجاوز کرے گا۔

ادھر عالم مسلمان ششدر ہیں، حیران ہیں، پریشان ہیں کہ یا اللہ! یہ یکا یک کیا آفت آگئی اور اب صورت حال یہ ہے:

لا یصلح الناس فوضی لا سراة لهم
و لا سراة اذا جهالهم سادوا

ترجمہ: فوضیت (انتشار و پراگندگی) کے ہوتے ہوئے جب کہ قوم کے رئیس باقی نہ رہیں، اصلاح کی کوئی توقع نہیں جس طرح کہ جاہلوں کی قیادت میں کوئی خیر نہیں اس کا وجود عدم سے بدتر ہے۔

یہ تھا منصوبے کا پہلا حصہ جو بڑی چابکدستی سے نافذ کیا گیا، کہ کسی کو احساس تک نہ ہونے دیا گیا (اور دوسرے حصہ کا خاکہ تیار ہے مگر ایکشن تک خود ان کا مفاد مانع ہے) اس کا نتیجہ ہے کہ اب سے کچھ پہلے کسی کو جرأت نہ تھی کہ وہ علمائے کرام پر فقرے چست کرے، اخباروں کے مزاحیہ کالم بڑوں بڑوں پر لکھے جاتے تھے لیکن کسی عالم دین پر لکھنا سوء ادب سمجھا جاتا تھا اب نہ صرف علماء پر گھٹیا قسم کے مقالے لکھے جارہے ہیں بلکہ تیسرے اور چوتھے درجہ کے صحافی جنہیں شاید صبح اٹھ کر منہ دھونا بھی نصیب نہ ہوتا ہو اللہ تعالیٰ کے ایسے ایسے مقبول بندوں پر طعنہ زنی کرتے ہیں، جن کے آنسوؤں سے بوقتِ سحر گاہی زمین سیراب ہوتی ہے، جن کی دعائیں عرش پر سے اللہ تعالیٰ کی رحمت کو کھینچ لاتی ہیں اور جن کے وجود کی برکت سے عذاب ٹلتا ہے:

"أفما تنصرون و ترزقون بضعفائكم"(۱)

اب کیسے یقین دلایا جائے کہ بحمد اللہ نہ وہ سوشلسٹ ہیں نہ یہ کسی کے ایجنٹ، انسانی کمزوریوں سے معصوم و مبرا کوئی بھی نہیں نہ ہم، نہ وہ، نہ یہ، نہ کوئی دوسرا تیسرا (جو کچھ عرض کیا گیا ہے یہ محض شاعری نہیں، سوچے سمجھے منصوبے کی نشاندہی ہے) کاش کسی بڑی سے بڑی ذات کا واسطہ دے کر عرض کیا جاسکتا کہ اے حضرات علماء

(۱) سنن الترمذی، ابواب الجهاد عن رسول الله ﷺ، باب ماجاء فی الاستفتاح بصعاليك المسلمين، ج: ۱ ص: ۲۰۳، ط: فاروقی کتب خانہ ملتان

کرام! غلط فہمیوں اور بدگمانیوں کے طلسم کو توڑ ڈالو، بخدا! تم ایک دوسرے کے دشمن نہیں یہ خفیہ سازشی ہاتھوں کا کھیل ہے، بزدل دشمن نے رات کی تاریکی میں تم پر شب خون مارا ہے، اور تاریخ کے نہایت خطرناک موڑ پر انتقام لینے کے لئے تمہیں لڑا دیا گیا ہے، آؤ ایک دوسرے سے گلے مل جاؤ، کہا سنا سب معاف کر دو۔

"ألا تحبون أن يغفر الله لكم" سب مل کر باطل کے مقابلہ میں ڈٹ جاؤ اور دشمن کے سارے منصوبے خاک میں ملا دو، جو کر و باہمی مشورے سے کر و سب کو ساتھ ملاؤ، ہر طبقے اور ہر جماعت کو اسلام کے پلیٹ فارم پر جمع کر و مگر باطل کو ایک لمحہ کے لئے گوارا نہ کر و، خواہ وہ سرخ ہو یا سفید، کالا ہو پیلا، غرض اپنی تمام قوتوں کو مجتمع کر کے اسلام کا بول بالا اور کفر کا منہ کالا کرو۔

﴿وَلَا تَنَازَعُوْا فَتَفْشَلُوْا وَتَذْهَبَ رِيْحُكُمْ وَاصْبِرُوْا اِنَّ اللهَ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ﴾
[الانفال:٤٦]

اور آپس میں جھگڑو نہیں، ورنہ بودے ہو جاؤ گے اور تمہاری ہوا اکھڑ جائے گی اور صبر و ضبط سے کام لو۔ اللہ تعالیٰ صبر والوں کے ساتھ ہے۔

اند کے پیش تو گفتم حال دل و تر سیدم
کہ آزردہ شوی، ورنہ سخن بسیار است

اللهم ارحم امة محمد ﷺ، و الف بين قلوبهم واصلحهم واصلح ذات بينهم وانصرهم على عدوك وعدوهم، وصلى الله تعالى على خير خلقه صفوة البرية سيد نا محمدن النبي الامي وعلى آله واصحابه واتباعه و بارك وسلم.

[جمادی الاخری ۱۳۹۰ھ/اگست ۱۹۷۰ء]

صوبائی تعصب اور فتنہ رنگ و نسل کا اصل علاج

خدا خدا کر کے طویل انتظار بلکہ مایوسی کے بعد پہلی مرتبہ جمہوری انداز میں انتخاب ہوا، انتخاب کے نتائج اگر چہ زیادہ امید افزا نہیں ہیں بلکہ بعض وجوہ سے افسوس ناک ہیں تاہم آئندہ کے لئے ایک گونہ طرح پڑ گئی اور توقع ہو گئی کہ انشاء اللہ کسی نہ کسی وقت اس ملک کا بیڑہ ساحل مراد پر لگ جائے گا، تمام رہنمایان قوم نے بانگ دہل اعلانات کئے ہیں کہ ہم اس ملک میں اسلامی دستور اور اسلامی آئین نافذ کریں گے اور اس ملک میں کتاب وسنت کا قانون بنے گا، اب یہ ان کے لئے شدید امتحان کا وقت ہے کہ یہ دعوے میں کہاں تک صحیح تھے اور ان میں کتنی صداقت تھی، ہم بار بار یہ صاف عرض کر چکے ہیں کہ اس ملک کا مزاج اسلامی ہے اور صحیح اسلام کے سوا اور کوئی نسخہ کامیاب نہیں ہو سکتا، جب قوم اسلامی قانون کی خواہاں ہو اور رہنمایان قوم نے اسی کا اعلان کیا ہو اور مشرقی و مغربی پاکستان میں اتحاد کا بھی ایک ہی رشتہ ہو اور ایک ہی راستہ، تو خدارا! رہنمایان قوم اس ملک پر رحم کریں اور جلد سے جلد

اسلامی دستور تیار کرنے کے بعد اسلامی قانون کو نافذ کریں، اگر اسلامی قانون نافذ ہو گیا تو یہ تمام تنگ نظریاں صوبائی عصبیتیں، لسانی تعصبات اور رنگ و نسل کے یہ فتنے سب کے سب ختم ہو جائیں گے، ان فتنوں کی سرکوبی کے لئے ایک ہی نسخہ شفاء ہے اور وہ قرآن و اسلام ہے، پھر اسلام کی برکات نہ صرف اس ملک تک محدود رہیں گی بلکہ تمام عالم اسلامی انڈونیشیا سے لے کر مراکش تک ایک عظیم ترین اسلامی رابطے میں منسلک ہو جائے گا اور اعداء اسلام کے تمام منصوبے خاک میں مل جائیں گے۔ مغربی سرمایہ داری، روسی کمیونزم یا چینی سوشلزم کے درمیان نقطہ اعتدال صرف اسلام ہی ہے، صرف پیٹ کا مسئلہ حل کرنے سے فکری انتشار کبھی ختم نہ ہوگا، ذہنی انتشار و اضطراب کا علاج روحانی اقدار ہیں جب تک روح کا علاج نہ ہو جائے اور قوم کی دینی اقدار پر تربیت نہ ہو جائے اور اس مخلوق کا خالق سے رابطہ مضبوط نہ ہو جائے اس وقت تک سکون و اطمینان ممکن نہیں، بہر حال اگر رہنمایان قوم کے نعروں میں ذرا بھی صداقت ہے تو انتظامی قوانین کے الجھاؤ میں اسلامی قانون سے جو قدر مشترک ہے ہرگز گریز نہ کریں بلکہ جلد سے جلد اسلامی دستور و اسلامی آئین تیار کر کے خدائے تعالیٰ اور اس کی مخلوق کے سامنے سرخ رو ہو جائیں۔

مرزا ناصر احمد کا دورۂ یورپ اور سعودی عرب میں ٹیلیویژن پر اس کی نمائش

پچھلے دنوں مرزا غلام احمد آنجہانی کا پوتا مرزا ناصر احمد، سرظفر اللہ کی معیت میں یورپ کے دورے پر گیا، خبر آئی ہے کہ اس کے دورے کے مناظر سعودی عرب میں ٹیلیویژن پر دکھائے گئے، ہمیں مرزا ناصر کے دورۂ یورپ سے تعجب نہیں کیونکہ جس حکومت نے اس ناپاک پودے کی کاشت سرزمین پنجاب میں کی تھی اسے اس کی ہر قسم کی نگہداشت بھی بہر حال کرنی ہوگی، اب اگر اس دورے کے ذریعہ وہاں کے کسی مسلمان کو گمراہ اور مرتد کیا جا سکتا ہے تو انگریز کا اس سے دلچسپی لینا بھی ایک منطقی بات ہے آخر کون کاشت کار اپنے خود کاشتہ پودے سے پھل اٹھانے کا متمنی نہیں ہوتا۔

لیکن جو بات ہمارے لئے ناقابل فہم ہے وہ یہ ہے کہ سعودی عرب میں مرزا ناصر کے مناظر دکھانے کی کیا تک ہوئی، گذشتہ حج پر سرظفر اللہ قادیانی اپنے چند رفقاء سمیت شاہ فیصل کا مہمان بن بیٹھا اور اب یہ قصہ پیش آیا، سرزمین تقدس اور مرزا غلام احمد جیسے دجال مسیلمہ پنجاب اور بدکردار آدمی کے متبعین کی پذیرائی؟

چو کفر از کعبہ برخیزد کجا ماند مسلمانی؟

دنیا بھر کے ستر کروڑ مسلمانوں کے لئے ڈوب مرنے کی بات ہے کہ ان کا قبلہ اوّل یہودیوں کے قبضے میں ہے اور اللہ کا پہلا گھر قادیانی مرتدین کی یلغار کی زد میں ہے، رب کعبہ! تو بے نیاز ہے! ہمیں یہ روز بد بھی دیکھنا تھا کہ کعبہ کے پاسبانوں کے سامنے کعبے کی حرمت یوں لٹے گی؟ کون کہہ سکتا تھا کہ بیت المقدس پر موشے دایان اور حرم مقدس پر ظفر اللہ قادیانی مرتد یوں دندناتے پھریں گے اور پھر بھی عرب کے سادہ لوح ٹیلیویژن پر مرزا ناصر

کے دورے کی فلمیں دیکھیں گے؟ کاش عالم اسلام کے ستر کروڑ مسلمانوں کی غیرت نہ مرجاتی یہ خود مرجاتے تاکہ قیامت کے دن رب کعبہ کے سامنے روسیاہ نہ ہوتے، کاش! کوئی ہمارا پیغام عرب بھائیوں کو پہنچادے کہ وہ قادیانیوں کی پذیرائی کر کے عالم اسلام کے زخمی دلوں پر نمک پاشی نہ کریں۔

مسلمان فروعی اختلافات ختم کر کے تبلیغ میں مشغول ہوں

مرزا ناصر نے دورۂ یورپ سے واپسی پر کراچی کی ایک پریس کانفرنس میں یہ وعظ فرمایا ہے کہ مسلمانوں کے تمام فرقے اپنے فروعی اختلافات کو بھول کر سات سال کے لئے تبلیغ اسلام میں مشغول ہو جائیں:

چہ دلاور است دزدے کہ بکف چراغ دارد

مرزا ناصر یہ وعظ فرماتے وقت شاید بھول گئے کہ ان کا دادا مرزا غلام احمد تمام مسلمانوں کو "ذریة البغایا وخنازیر الفلا" (کنجریوں کی اولاد، حرامزادے اور جنگل کے سور) سے نوازتا تھا، ان کا باوا مرزا محمود "ہر شخص بڑے سے بڑا مرتبہ پاسکتا ہے حتیٰ کہ محمد رسول اللہ سے بھی بڑھ سکتا ہے" کے تحفے تقسیم کیا کرتا تھا، مرزائی امت عیسیٰ علیہ السلام کو شرابی کے لقب سے ملقب کرتی تھی اور قائد اعظم سمیت تمام مسلمانوں کو کافر تصور کرتے ہوئے ان کا جنازہ جائز نہیں سمجھتی تھی، وغیر ذالک۔ کیا یہ سب فروعی اختلاف تھے؟ مرزائی جو باتفاق امت مرتد کافر اور خارج از اسلام ہیں، آپ جانتے ہیں کہ ان کو فروعی اختلاف کے وعظ کی جرأت کیوں ہوئی؟ اس لئے کہ حکومت پاکستان میں ان مرتدوں کو مسلمانوں کی فہرست مردم شماری میں شامل رکھا گیا (اگرچہ مرزائی امت ہمارے ان حکمرانوں کو آج تک کافر ہی سمجھتی رہی جس طرح ظفر اللہ قادیانی نے قائد اعظم کو سمجھا) ان کے ساتھ ہر طرح کی مدارات بلکہ مداہنت برتی گئی، سول اور فوج کے اونچے اونچے مناصب پر ان کو مسلمانوں کے بجائے مسلط کیا گیا، انہیں ایک الگ اقلیتی فرقہ قرار دینے سے ہمیشہ کنی کترائی گئی اور انہیں مسلمانوں کو مرتد کرنے کی کھلی چھٹی دی گئی پھر آج مرزا ناصر یہ وعظ نہ کرتے تو کیا کرتے:

اے باد صبا ایں ہمہ آوردۂ تست

تاہم مرزا ناصر کا وعظ اپنی جگہ قیمتی ہے ہم تمام مسلمانوں سے اپیل کرتے ہیں کہ وہ اپنے تمام فروعی اختلافات سات سال کے لئے نہیں بلکہ ہمیشہ کے لئے بھول کر تبلیغ اسلام اور رد مرزائیت میں مشغول ہو جائیں، کیا مرزا ناصر کے اس اعلان کے بعد بھی مسلمانوں کو عقل نہیں آئے گی؟ کیا اب بھی ہماری حکومت ان مرتدین کے عزائم اور سرگرمیوں کا نوٹس نہیں لے گی؟ اللہ تعالیٰ اسلام اور مسلمانوں پر رحم فرمائیں، آمین۔

وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ خلقه صفوة البرية محمد وآله وصحبه اجمعين

[شعبان ۱۳۸۷ھ]

برطانوی عہدِ حکومت اور مسلمان

امت اسلامیہ کا یہ آخری دور بہت ہی پر فتن ہے، قدم قدم پر فتنے ہی فتنے ہیں، برطانوی عہد حکومت میں سب سے زیادہ انتقام مسلمانوں سے لیا گیا۔ ہر ملک میں نہایت خطرناک فتنے کھڑے کئے گئے، متحدہ ہندوستان میں انگریزوں کے قدم جمے تو چونکہ یہ سرزمین اہل علم میں پختگی اور دینی بصیرت کے لئے ممتاز تھی اس لئے یہاں کے مسلمانوں کو سب سے زیادہ انتقام کا نشانہ بنایا گیا اور دین اسلام سے مسلمانوں کا رشتہ منقطع کرنے کے لئے سب سے زیادہ فتنوں کی تخم ریزی کی گئی مثلاً:

(الف)......علماء و صلحاء کو چن چن کر ٹھکانے لگانے کی کوشش کی گئی، مسلمانوں کے مذہبی اوقاف ضبط کر لئے گئے، ان کے معابد و مدارس اجاڑ دیئے گئے، دینی راہنماؤں کو عوام کی نظر میں ذلیل کرنے کے لئے طرح طرح کے القاب وضع کئے گئے، ملک میں مسیحی مشنریوں کا جال پھیلایا گیا اور لوگوں کو عیسائی بنانے کے لئے ترغیب و ترہیب کے تمام ذرائع اختیار کئے گئے۔

(ب)......اسکولوں، کالجوں اور یونیورسٹیوں میں مغرب کا ملحدانہ نصاب تعلیم اور طریقہ تعلیم رائج کیا گیا اور اس کے ذریعہ اسلامی عقائد پر کاری ضرب لگانے کی کوشش کی گئی، نئی نسل کے دل و دماغ کو خالص لامذہبیت میں ڈھالنے کے سانچے تیار کئے گئے اور دین سے نفرت و بیزاری اور اسلام کی ہر بات میں تشکیک و تذبذب ہی تعلیم کا سب سے اونچا معیار سمجھا گیا۔

(ج)......پورے اسلامی معاشرہ پر مغربی تہذیب کی یلغار ہوئی اور وہ تمام گندگی جو تہذیب مغرب کا خاصہ ہے، غلامان ہند کا فیشن قرار پائی، گویا تعلیم جدید نے ذہن و قلب کو بدلا تھا اور مغرب کے تہذیبی تحفہ نے یہاں کے مسلمانوں کی صورت و سیرت، وضع و قطع، اخلاق و معاشرت، تہذیب و ثقافت کے تمام زاویے ہی بدل ڈالے اور تہذیب جدید کے متوالوں کے لئے یہود و نصاریٰ کی نقالی عزت و افتخار کا نشان بن گئی، اناللہ وانا الیہ راجعون۔

الغرض اس طرح کے بے شمار فتنے کھڑے کئے گئے جن کی تفصیل کے لئے ایک دفتر چاہئے، مگر ان تمام فتنوں میں سب سے بڑا فتنہ اور امت اسلامیہ کے خلاف سب سے بڑی سازش جو برطانوی حکومت نے کی وہ فتنہ قادیانیت اور مرزائیت ہے جو مرزا غلام احمد آنجہانی کے ذریعہ ظہور میں آیا۔

حکومتِ برطانیہ اور فتنۂ قادیانیت و مرزائیت

انگریزوں نے واضح طور پر محسوس کیا کہ ہزار کوششوں کے باوجود وہ اس بات میں کامیاب نہیں ہو سکے کہ امت اسلامیہ کا رشتہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دامن نبوت سے بالکل ہی کاٹ ڈالیں، انہیں اس بات کا بھی خوب تجربہ ہوا کہ مسلمان خواہ ایمانی و اخلاقی انحطاط کے آخری نقطہ تک پہنچ چکے ہوں لیکن جب محمد رسول اللہ کی

عزت وحرمت کا سوال سامنے آتا ہے تو امت اسلامیہ کے دل میں ایمان کی چھپی چھپائی چنگاری بھی ایک خوفناک آتش فشاں کی صورت اختیار کرلیتی ہے اور وہ کسی نہ کسی غازی علم الدین شہید کو سامنے الا کھڑا کرتی ہے، اس لئے انہیں ایک ایسے دین ومذہب کی ضرورت تھی جو دین کے نام پر بے دینی کا مرقع ہو، جس کے ظاہر میں دین کا مقدس نام ہو اور باطن میں سراسر کفر پوشیدہ ہو۔

انہیں ایک ایسی تحریک درکار تھی جو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے آستانہ سے ہٹا کر مسلمانوں کو ایک ایسی نئی نبوت سے وابستہ کردے جس کی تمام وفاداریاں انگریزی طاغوت کے لئے وقف ہوں، انہیں سرزمین ہند میں ایک ایسا خاردار خودکاشتہ پودا نصب کرنے کی ضرورت تھی جس کے کانٹوں میں الجھ کر امت اسلامیہ کا دامن اتحاد تار تار ہوجائے اور جس کے سائے میں انگریزی طاغوت کو استحکام نصیب ہو، انہیں معلوم تھا کہ مہدی موعود کا دعویٰ اسلامی تاریخ کا کوئی انوکھا واقعہ نہیں ہے اس سے پہلے بہت سے طالع آزمادکان مجددیت چمکا کر دجل وفریب کا بیوپار کرچکے ہیں۔ وہ یہ بھی جانتے تھے کہ مسلمانوں میں ہر صدی میں ایک مجدد پیدا ہوتا ہے، ادھر عوام کالانعام میں جاہلانہ اعتقاد نہ جانے کس شیطان نے پھیلا دیا تھا کہ چودھویں صدی ہی بس آخر صدی ہے اس کے بعد کوئی صدی نہیں۔ قیامت سے پہلے جن چیزوں کے وقوع کی خبر احادیث میں دی گئی ہے یعنی ظہور مہدی، خروج دجال، نزول عیسیٰ، یاجوج ماجوج اور دابۃ الارض وغیرہ وہ سب اسی صدی میں ہوں گی۔ (۱)

ادھر نہ صرف ہندوستان بلکہ پورے عالم اسلام کے مسلمانوں کے سیاسی حالات نہایت ابتر تھے اور عام لوگ ان حالات کے سامنے بالکل بے بس اور سپرانداز نظر آتے تھے، ان پر ذہنی حبس اور یاس وقنوطیت کے بادل منڈلا رہے تھے اور فطری طور پر ان حالات کے مقابلہ کے لئے مرد ے از غیب کے منتظر تھے، اسلام اور مسلمانوں کے ازلی دشمنوں نے سوچا کہ ان حالات میں مجددیت، مہدویت اور مسیحی نبوت کا جعلی سکہ چلایا جائے تو بڑی آسانی سے چل سکتا ہے، چنانچہ اس مقصد کے لئے صوبہ پنجاب میں قادیان ضلع گورداسپور کے مرزا غلام احمد کو منتخب کیا گیا، اس مہم کے لئے پنجاب اور قادیان کا حسن انتخاب بھی بڑا معنی خیز تھا، پنجاب اپنے مخصوص مزاج کی وجہ سے انگریز سرکار کا سب سے زیادہ وفادار صوبہ تھا اسے فوجی کمک سب سے زیادہ یہیں سے میسر آتی تھی اور قادیان

---

(۱) مرزا جی نے اس جاہلانہ خیال سے فائدہ اٹھانے کی پوری کوشش کی، چنانچہ اربعین ۲ر میں فرماتے ہیں "انبیاء گذشتہ کے کشوف نے اس بات پر مہر لگادی کہ وہ (مسیح موعود) چودھویں صدی کے سر پر پیدا ہوگا اور یہ کہ پنجاب میں ہوگا"۔ اور ضمیمہ نصرۃ الحق میں لکھتے ہیں: "احادیث صحیحہ میں آیا تھا کہ وہ مسیح صدی کے سر پر آئے گا اور وہ چودھویں صدی کا امام ہوگا"۔ انبیاء گذشتہ اور احادیث صحیحہ پر مرزا جی کی یہ تہمت ان سینکڑوں کذب بیانیوں میں سے ایک سفید جھوٹ ہے، کسی نبی کے کشف اور کسی حدیث میں یہ نہیں آتا کہ مسیح علیہ السلام فلاں صدی میں تشریف لائیں گے اور یہ کہ پنجاب میں ہوگا، یہ مرزا کا دوسرا بڑا جھوٹ ہے جس سے انہوں نے جاہلوں کو دھوکا دیا، اس کے برعکس احادیث صحیحہ میں تو یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا نزول دمشق کے شرقی منارہ پر ہوگا۔ (مدیر)

میں مرزا صاحب کا خاندان انگریزی عملداری کے آغاز ہی سے انگریز کا سب سے بڑا پشتیبان اور تاجِ برطانیہ کی اطاعت گذاری وفا شعاری اور نمک خواری کا اعلیٰ نمونہ تھا، اس لئے سیاسی نبوت کے لئے اسی پشتینی وفادار خاندان کے ایک فرد کا انتخاب نہایت موزوں تھا، یوں بھی پنجاب کی زرخیز سرزمین میں پیروں، مریدوں کا قحط نہیں تھا، یہاں بلاتمیز ہر شعبدہ باز کو مریدوں کی اچھی خاصی تعداد کا میسر آ جانا ایک معمولی بات تھی۔

مرزا غلام احمد اور دعویٰ نبوت

مرزا صاحب نے مسیحائی کے مراتب طے کرنے کے لیے بڑی محتاط قسم کی تدریجی رفتار اختیار کی، پہلے پہل گوشۂ گمنامی سے نکل کر وہ ایک مناظر اسلام کی حیثیت سے قوم کے سامنے آئے اور تمام ادیانِ باطلہ کے مقابلہ میں اسلام کی حقانیت ثابت کرنے کے لئے ''براہین احمدیہ'' کی پچاس جلدیں لکھنے کا اشتہار دیا اور قوم سے چندہ کی اپیل کی۔ (۱)

جب وکیل اسلام کی حیثیت سے ان کی روشناسی ہوئی تو اپنے دعاوی میں علی الترتیب محدث، ملہم من اللہ، امام الزماں، مجدد، مہدی موعود، مثیل مسیح، مسیح موعود، ظلی نبی کے درمیانی مدارج طے کرتے ہوئے تشریعی نبوت کی بام بلند پر پہنچ گئے اور ببانگ دہل وحی، نبوت اور معجزات کا اعلان کر دیا اور ''محمد رسول اللہ'' کا مصداق خود بن بیٹھے، قرآن کریم کی جو آیات حضرت خاتم النبیین محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں تھیں ان کو اپنی ذات پر منطبق کیا، اپنے دور کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دور سے افضل بتلایا، اولوالعزم انبیاء کرام کی توہین کی، انبیاء علیہم السلام سے افضلیت کا دعویٰ کیا، اپنی وحی کو قرآن جیسی قطعی وحی بتلایا اور جو لوگ ان کی اس خانہ ساز نبوت پر ایمان نہیں لائیں انہیں کافر و جہنمی قرار دیا، بلکہ انہیں ولد الحرام، ذریۃ البغایا، کنجریوں کی اولاد، خنزیر اور کتوں کے نام سے یاد کیا، نئی شریعت کے ذریعہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت کے جن اجزاء کو چاہا منسوخ کر ڈالا، برطانوی حکومت کو ظل اللہ فی الارض کا خطاب عطا ہوا، اس کی اطاعت کو فرض اور اسلام کے دو حصوں میں سے ایک حصہ قرار دیا، کافروں سے جہاد کا حکم منسوخ ہوا اور انگریزوں کے مقابلہ میں جہاد کے حرام ہونے کا فتویٰ صادر ہوا، دین کے قطعی عقائد کا مذاق اڑایا، احادیث متواتر کی تکذیب کی، قرآن کریم کی بے شمار آیتوں میں کھلی تحریف ہوئی، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو غبی کے خطاب سے نوازا، مسلمانوں سے شادی بیاہ کرنا، ان کے جنازے میں شریک ہونا اور ان کے پیچھے نماز پڑھنا ممنوع اور حرام قرار پایا، الغرض ایسے صریح سے صریح ترین دعوے کئے کہ ان میں

(۱) مرزا صاحب کو اس پر خوب چندہ ملا مگر انہوں نے مسلمانوں کا چندہ کھا پی کر پچاس جلدوں کے بجائے صرف پانچ جلدیں تحریر فرمائیں اور یہ نکتہ ارشاد فرمایا کہ ۵ اور ۵۰ میں صرف ایک نقطے کا معمولی سا فرق ہے، لہذا پانچ سے پچاس کا وعدہ پورا ہو گیا۔ (مدیر)

سے یہ بات مستقل نفر کی بات تھی اور ان میں کسی طرح بھی تاویل کی گنجائش نہیں تھی۔ اس لئے علمائے امت نے متفقہ طور پر مرزا صاحب اور ان کی امت کا کافر و مرتد ہونے کا فتویٰ دیا اور ان کی کتابوں سے ایک سو کے قریب صریح کفریات جمع کئے، اگر پوری طرح استقصا کر کے تمام کفریات و ہذیانات کو جمع کیا جائے تو ایک ہزار کفریات سے کم نہ ہوں گے۔ خدا کا غضب ہے کہ ظل و بروز کے پردے میں اسلام کے تمام اصطلاحات کو مسخ کیا گیا، مرزا صاحب کی اہلیہ کے لئے "ام المؤمنین" کی اصطلاح استعمال ہوئی، ان کے ہاتھ پر کفر و ارتداد قبول کرنے والوں کو صحابی کہا گیا اور ان کو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ سے افضل بتایا گیا، قادیان کو حرم اور مرزا کی قبر کو گنبد بیضا قرار دے کر مکہ اور مدینہ کے بجائے یہاں کے حج و زیارت کی دعوت دی گئی اور اسے مکہ و مدینہ کے حج و زیارت سے افضل بتایا گیا:

تفو بر تو اے چرخ گرداں تفو!

اور شخصی زندگی ایسی کہ ان صفحات پر اس کا ذکر کرنا بھی باعث شرم ہے۔

انگریزی دربار اور مرزا غلام احمد اور اس کی امت

انگریزی دور میں مرزا غلام احمد اور ان کی امت کا مشن صرف دو چیزیں تھیں، امت مسلمہ میں تفریق و انتشار کے بیج بونا اور مسلمانوں کو انگریزوں کی وفاداری کی تلقین کرنا ان کی دعوت یہ تھی کہ برطانوی حکومت "ظل اللہ فی الارض" ہے، اس کی حمایت و حفاظت ہر مسلمان کا فرض ہے اور اس کے خلاف جہاد حرام ہے، گویا اس دور میں قادیانی نبوت پر ایمان لانے کے معنی انگریزوں کی وفاداری پر ایمان لانے کے تھے، خود مرزا صاحب کے لفظوں میں باعتبار مذہبی اصول کے گورنمنٹ کا اول درجے کا وفادار اور جان نثار یہی نیا فرقہ ہے جس کے اصول میں سے کوئی اصول گورنمنٹ کے لئے خطرناک نہیں۔ اور یہ کہ "اور میں یقین رکھتا ہوں کہ جیسے جیسے میرے مرید بڑھیں گے ویسے ویسے مسئلہ جہاد کے معتقد کم ہوتے جائیں گے، کیونکہ مجھے مسیح اور مہدی مان لینا ہی مسئلہ جہاد کا انکار کرنا ہے"۔

ایک طرف اگر انگریز کو مسلمانوں میں انتشار پھیلانے، انہیں دین سے برگشتہ کرنے اور انگریز کا وفادار بنانے کے لئے اس خانہ ساز نبوت کی ضرورت تھی تو دوسری طرف مرزا صاحب اور ان کی امت کو بھی اس امر کا بجا طور پر احساس تھا کہ جعلی نبوت کا یہ سکہ انگریز کی اندھیر نگری ہی میں چل سکتا ہے اور اسی کے سایہ عاطفت میں جھوٹی نبوت کا یہ شجرہ خبیثہ پرورش پا سکتا ہے، کوئی گھٹیا سے گھٹیا اسلامی حکومت بھی اس کفر و ارتداد کو برداشت نہیں کر سکتی، اس لئے فیصلہ کیا گیا کہ قادیانیت اور انگریز بہادر کے مفادات باہم متحد ہیں، قادیانیت کی ترقی انگریزی

حکومت کے استحکام کی ضامن ہے اور انگریزی استعمار کی توسیع قادیانیت کے پھلنے پھولنے کی ضمیں ہے۔ (۱)

تاج برطانیہ کا خود کاشتہ پودا

مرزا صاحب اور ان کی امت نے جس طرح خود کو تاج برطانیہ کا خود کاشتہ پودا بتایا، ملکہ برطانیہ اور دیگر اعلیٰ اونیٰ حکام کے حضور میں جس طرح نیاز مندانہ خطوط لکھے، ان کے مراحم خسروانہ کے حصول کی خاطر تعلق اور خوشامد کا جو پست اور گھٹیا انداز اختیار کیا اور گورنمنٹ برطانیہ کے حق میں مسلمانوں کی رائے کو ہموار کرنے کے لئے فتویٰ حرمت جہاد کی پچاس پچاس الماریوں کے جو حوالے دیئے وہ آج بھی ان کی مطبوعہ کتابوں میں محفوظ ہیں، یہاں ان کے نقل کرنے کی نہ گنجائش ہے نہ ضرورت ہے۔

قادیانی انگریزوں کے ایجنٹ

الغرض قادیانی جہاں جاتے اور جس ملک میں ہوتے وہ انگریز کے ایجنٹ کی حیثیت سے کام کرتے، کیونکہ دونوں کے مفادات متحد تھے اور ان مفادات کا تحفظ جبھی ممکن تھا جب کہ ان کا الگ قومی تشخص ہو، اس لئے وہ انگریزی دور میں بھی مسلمانوں سے الگ اپنے قومی تشخص پر زور دیتے تھے، چنانچہ تقسیم ملک کے وقت باؤنڈری کمیشن کے سامنے انہوں نے یہ مؤقف اختیار کیا کہ چونکہ وہ مسلمانوں سے الگ ایک قوم ہیں اس لئے انہیں ایک الگ خطہ دیا جائے، لیکن ان کے اس مؤقف کا فائدہ ہندوستان کو ملا کیونکہ ملک کی تقسیم مسلم اور غیر مسلم کی بنیاد پر ہورہی تھی اور جب مرزائیوں نے خود اپنے کو غیر مسلم ظاہر کردیا تو جس خطے کا وہ مطالبہ کررہے تھے وہ ہندوستان کا حق قرار پایا اور یوں مسلمانوں کے جو علاقے پاکستان کے حصہ میں آتے تھے ہندوستان کا استحقاق ان پر ثابت ہوگیا، قیام پاکستان کے بعد وہ اپنے روحانی مرکز کو چھوڑ کر پاکستان چلے آئے اور یہاں آکر انہوں نے طے کیا کہ:

(الف)... پاکستان میں ایک عارضی مرکز (۲) قائم کیا جائے، چنانچہ ایک مستقل علاقہ پنجاب میں کوڑیوں کے مول لیا گیا اور وہاں ربوہ کے نام سے خالص مرزائی شہر آباد کیا گیا، وہاں تک ریلوے لائن چلائی گئی، دفاتر قائم کئے گئے، کالج اور اسکول کھولے گئے، اخبارات جاری ہوئے، الفرقان کے نام سے ایک اسپیشل فوج تیار

---

(۱) خلیفہ قادیان کا ایک اعلان جو ان کے اخبار "الفضل" میں ۲۷ جولائی ۱۹۱۸ء کو شائع ہوا ان کے اس مشن کی صحیح نمائندگی کرتا ہے، اس کا ایک جملہ درج ذیل ہے: "سلسلہ احمدیہ کا گورنمنٹ برطانیہ سے جو تعلق ہے وہ باقی تمام جماعتوں سے نرالا ہے، ہمارے حالات ہی اس قسم کے ہیں کہ گورنمنٹ اور ہمارے فوائد ایک ہوگئے ہیں، گورنمنٹ برطانیہ کی ترقی کے ساتھ ہمیں بھی آگے قدم بڑھانے کا موقع ہے اور اس کو خدانخواستہ کوئی نقصان پہنچے تو اس صدمے سے ہم بھی محفوظ نہیں رہ سکتے"۔

(۲) عارضی اس لئے کہ ان کے نزدیک ملک کی تقسیم عارضی تھی، اور خدا کا منشا یہ تھا کہ بہت جلد دونوں حصوں کو پھر ایک کردیا جائے غالباً مشرقی پاکستان کا سقوط ان کے خیال میں خدا کی منشا کی پہلی قسط ہے۔ (مدیر)

کی کی اب ربوہ پاکستان میں ایک مستقل ریاست کی حیثیت رکھتا ہے، جہاں عملاً حکومت خلیفہ قادیان کی ہے، پاکستان کے ہر خطہ میں مرزائی آباد ہو سکتے ہیں لیکن کیا مجال کہ اس قادیانی ریاست میں کوئی مسلمان رہ سکے؟ حکومت پاکستان نے تمام اسلامی وغیر اسلامی اوقاف پر قبضہ کیا لیکن ان کے کروڑوں کے اوقاف کو نہیں چھیڑا۔

(ب)...... خلیفہ ربوہ کی ہدایت کے مطابق سول سروس فوج اور بیرونی سفارت خانوں میں زیادہ سے زیادہ مرزائیوں کو بھیجنے اور کلیدی آسامیوں پر انہیں مسلط کرنے کی اسکیم تیار کی گئی، بدقسمتی سے پاکستان کا سب سے پہلا وزیر خارجہ سر ظفر اللہ قادیانی ہوا، اس نے اپنے اثر ورسوخ سے اندرون وبیرون ملک قادیانیت کی جڑیں خوب مضبوط کیں، یہاں تک کہ پاکستان کے ہر دور میں اس فتنہ کی آبیاری ہوتی رہی، آج اعداد وشمار ہی بتا سکتے ہیں کہ قادیانیوں کی کل تعداد کتنی ہے اور وہ تمام محکموں میں کتنے بڑے حصے پر قابض ہیں۔

(ج)...... مذہبی طور پر اگرچہ مرزائیوں نے اپنا الگ تشخص باقی رکھنا ضروری سمجھا مگر مسلمانوں کو کافر کہنے کی پالیسی میں لچک پیدا کر لی اور ۱۹۵۳ء میں میز عدالت میں مرزا محمود نے اعلان کر دیا کہ ہم غیر احمدی مسلمانوں کو کافر نہیں کہتے مگر یہ سب دجل اور نفاق تھا، دراصل ہوا کا مخالف رخ دیکھ کر مرزائیوں نے محسوس کر لیا تھا کہ اب مسلمانوں کو کافر کہنے کا نتیجہ یہ ہوگا کہ انہیں ایک غیر مسلم اقلیت قرار دے دیا جائے گا اور مسلمانوں میں شامل رہ کر جن کلیدی آسامیوں پر وہ فائز ہیں اس استحصال کے دروازے بند ہو جائیں گے، یہ مرزائیوں کا ایسا دجل تھا جس نے گذشتہ دور کے سارے حکمرانوں کو تاریکی میں رکھا۔

(د)...... اندرون ملک مسلمانوں کو مرتد بنانے کی کوششیں تیز کر دی گئیں اور اپنی سیاسی طاقت پیدا کرنے کے لئے کم از کم بلوچستان کے صوبہ کو احمدی بنانے کی خوفناک تحریک کی گئی۔

(الفضل ۱۳/اگست ۴۸ء خلیفہ ربوہ کا خطبہ)

(ہ)...... انگریزوں کی ایجنٹی کا کام نہایت ہی منظم اور خفیہ طریقہ سے جاری رکھا اور مغربی ممالک کے علاوہ اسلامی اور عربی ممالک میں سازشیں پھیلانے کے لئے وہاں مشن کھولے، چنانچہ اسرائیل کے ساتھ پاکستان سمیت اسلامی ممالک کے تعلقات نہیں ہیں، مگر قادیانیوں کے ان سے باقاعدہ روابط ہیں اور انگریزوں کو ان پر یہاں تک اعتماد ہے کہ ایک حکمران نے اس امر کا اظہار کیا کہ اگر فلاں قادیانی کو ہٹا دیا جائے تو ہماری بیرونی امداد بند ہو جائے گی، غالباً یہی وجہ ہے کہ قادیانیوں کو قیام پاکستان سے لے کر اب تک کلیدی عہدوں پر تفوق حاصل رہا ہے، ایوب خان نے تمام سابق سیاست دانوں کو ملک کا غدار کہا مگر بقول ان کے غداروں کے دور میں جو قادیانی جن بڑے عہدوں پر فائز تھے ایوب صاحب نے انہیں ان سے الگ نہیں کیا بلکہ انہیں مزید ترقی دی اور مزید قادیانی بھرتی کئے، موجودہ دور میں ایوب خان کو جلی کٹی سنائی جاتی ہیں لیکن قادیانی ایوبی دور سے بھی اب بلند عہدوں پر فائز ہیں۔

الغرض ہر دور میں اس فتنہ کی آبیاری ہوتی رہی، انہیں تبلیغ اسلام کے نام پر غیر ملکوں میں مشن کھولنے کے لئے زرمبادلہ کی خطیر رقمیں مہیا کی گئیں، لیبیا، انڈونیشیا وغیرہ اسلامی ممالک میں مسلمانوں کے نام سے قادیانی ڈاکٹر انجینئر اور دیگر ماہرین بھیجے گئے اور اب تو پانی سر سے گذر گیا ہے اور تمام سابقہ ریکارڈ ٹوٹ گئے ہیں اور جب عربی اسلامی حکومت اور وہاں کے علماء و مشائخ کو اس مکروہ صورت حال کا علم ہوا تو وہ چیخ اٹھے، انہیں اس مہیب خطرے کا احساس ہوا تو انہوں نے علماء ہند و پاک کی موافقت کی اور اس فرقہ کا فر دی تکفیر کی، اس کے عقائد و نظریات اور عزائم و مقاصد پر رسالے لکھے اور مضامین و مقالات شائع کئے اور پہلی مرتبہ بین الاقوامی سطح پر ان حقائق سے پردہ اٹھا اور عالمی اسلامی تنظیموں نے تمام اسلامی ممالک سے اپیل کی کہ مرزائیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دیا جائے، کیونکہ وہ عالم اسلام میں اسرائیل کے ایجنٹ ہیں، یہ سب کچھ اخبارات و رسائل میں چھپ چکا ہے، اب تو مرزائیوں کے حوصلے اتنے بڑھ گئے ہیں کہ ان کے موجودہ خلیفہ مرزا ناصر نے الفضل میں پاکستان کی موجودہ حکومت کو بھی دھمکی دے ڈالی، یہ ملک کی بدنصیبی ہے کہ پیپلز پارٹی کے ٹکٹ پر ۱۳، ۱۴ مرزائی پہلی مرتبہ مرکزی اسمبلی کے لئے مسلمانوں کے ووٹوں سے منتخب ہوئے، انا للہ۔ انسان ان دردناک حقائق کو کہاں تک شمار کرائے، بہر حال عالم اسلام میں بیداری کی کچھ لہر پیدا ہوئی تو امت مرزائیہ کو بھی اپنی فکر ہوئی اور مرزا غلام احمد آنجہانی کے دعوی نبوت میں تاویلات کرنے لگی، مرزائیوں کے طرز عمل سے کچھ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ اب وہ ظاہری سطح پر بدل رہے ہیں اور مرزا آنجہانی کو مجدد ماننے کی طرف آرہے ہیں، جس طرح لاہوری پارٹی ان کو مجدد مانتی ہے، پہلے بھی اسلامی ممالک میں جہاں ان کو ابتلاء پیش آیا تو تقیہ کر کے مرزا آنجہانی کی نبوت سے انکار کرنا شروع کر دیا، ان کی اس تبدیلی رخ کا مقصد صرف یہ ہے کہ بین الاقوامی سطح پر ان کے خلاف جو ہنگامہ آرائی شروع ہوگئی ہے وہ ذرا دب جائے اور طوفان کا یہ ریلا نکل جائے اس لئے اس صورت حال کے پیش نظر چند گذارشات پیش کرنا ضروری ہے۔

کفر وارتداد سے توبہ کا طریقہ

① اگر کوئی کافر یا مرتد اپنے کفر وارتداد سے تائب ہو کر مسلمان ہونا چاہتا ہے تو اسلام کی وسیع اور عالمگیر رحمت کے دروازے اس کے لئے بند نہیں ہیں، وہ صاف وصریح توبہ کر کے اسلام میں داخل ہوسکتا ہے اور اسلامی برادری کا معزز فرد بن سکتا ہے "چشم ماروشن دل ماشاد" مگر اسے اپنے تمام سابقہ کفریہ عقائد سے اجمالاً وتفصیلاً توبہ کرنا ہوگی اور اپنے سابقہ عقائد سے برأت کا اعلان کرنا ہوگا۔

② جس شخص کا کفر وارتداد ثابت ہو جائے اور اس کے کفریہ عقائد میں تاویل کی کوئی گنجائش نہ ہو، اس کو امام، مقتدا، مصلح اور مجدد ماننا بھی کفر ہے، کیونکہ ایسے شخص کو امام اور مجدد ماننے کے معنی یہ ہیں کہ یہ شخص اس مرتد کے عقائد و نظریات اور اس کے تمام دعووں کو تسلیم کرتا ہے، ایک مسلمان کو مسلمان کہنا اور سمجھنا جس طرح ضروری ہے

ٹھیک اسی طرح ایک دجال، کافر و مرتد کو کافر کہنا بھی ضروری اور فرض ہے۔ چنانچہ مرزائیوں کی لاہوری جماعت کا عقیدہ یہ ہے کہ مرزا غلام احمد آنجہانی مجدد تھے نبی نہیں تھے مگر علمائے امت نے اسی نکتہ کی بنیاد پر بھی ان کو کافر ہی سمجھا بلکہ انہیں قادیانی مرزائیوں سے بھی زیادہ خطرناک سمجھا گیا۔

③ مرزائیوں کو اگر واقعی اپنی گمراہی کا احساس ہو گیا ہے اور وہ تہہ دل سے مسلمان ہونا چاہتے ہیں اور پاکستان کے سچے شہری خواہ بن کر اسلامی برادری میں شامل ہونا چاہتے ہیں تو مرزائی امت کو (خواہ قادیانی، ربوی ہوں یا لاہوری) صاف صاف اپنے عقائد کفریہ سے توبہ کا اعلان کر دینا چاہیے اور اس امر کا اقرار و اعتراف کرنا چاہیے کہ مرزا غلام احمد آنجہانی اپنے تمام دعاوی میں واقعۃً جھوٹا تھا، مفتری تھا، کذاب تھا، دائرہ اسلام سے خارج تھا، اگر وہ ایمانی جرأت سے کام لے کر اپنے نفاق اور تاویلات سے توبہ کرنے پر آمادہ ہیں تو ماشاء اللہ کیا کہنا، وہ ہمارے بھائی ہوں گے اور اخوت اسلامیہ کی عالمگیر برادری میں شامل ہو جائیں گے۔

اپنے سالہا سال کے عقائد کو غلط کہنا اور باپ دادا کے مذہب کو خیر باد کہنا بڑے دل گردے کا کام ہے، آدمی اس میں طبعاً خفت محسوس کرتا ہے، مگر حق بات کا ماننا اگرچہ مشکل اور بے حد مشکل ہے لیکن اس سے آدمی کی عزت و وقار کو ٹھیس نہیں لگتی بلکہ اس میں اضافہ ہی ہوتا ہے، ہم مرزائیوں کو اطمینان دلاتے ہیں کہ مرزا آنجہانی کی سیاہی نبوت سے چپکے رہنے کے بجائے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دامن نبوت سے وابستہ ہو جائیں تو ان کے کسی سابقہ قول و فعل پر کوئی مسلمان انہیں عار نہیں دلائے گا بلکہ تمام مسلمان انہیں سر آنکھوں پر بٹھانے کے لئے تیار ہوں گے، نیز اگر وہ دین مرزائیت سے تائب ہونا چاہتے ہیں تو انہیں مرزا غلام احمد آنجہانی کی تمام کتابوں سے دستکش ہو جانا چاہیے اور غلام احمد کی احمدی نسبت ترک کر دینی چاہئے اور اندرون و بیرون ملک مرزائیت کے تمام اڈوں کو ختم کر دینا چاہئے۔

مرزائی امت تقریباً سو سال سے تاویل در تاویل کے گرداب میں پھنسی ہوئی ہے، عبداللہ آتھم عیسائی کی موت اور احمدی بیگم کے آسمانی نکاح کی پیشگوئی ہو یا مرزا آنجہانی کے عجیب و غریب دعوے ہوں، مرزائیت کی تو کوئی کل بھی سیدھی نہیں، مرزائی امت کے صنادید سو سال سے تاویل کے تیشوں سے اس کی تراش خراش میں مصروف ہیں مگر جسے خدا نے ٹیڑھا پیدا کیا ہو اسے کون سیدھا کر سکتا ہے "ولن یصلح العطار ما افسد الدھر" یقیناً مرزائی دوست سو سال تک مرزا آنجہانی کی ہذیانات کی الٹی سیدھی تاویلیں کرتے کرتے تھک چکے ہوں گے، خود ان کا ضمیر بھی انہیں ملامت کرتا ہوگا کہ وہ صریح غلط بیانیوں کو خواہ مخواہ تاویل کے رندوں سے تراش تراش کر سچ ثابت کرنے کی عبث کوشش کیوں کر رہے ہیں، کاش وہ جس جال میں پھنسے ہوئے ہیں ایک جھٹکا دے کر اسے توڑ ڈالتے اور ذہنی پیچ اور دماغی جو کیفیت ان پر سو سال سے طاری ہے اس سے ان کی گلو خلاصی ہو جاتی۔

⑤ بہر حال اگر مرزائی صاحبان دین مرزائیت سے تائب ہونا چاہتے ہیں تو اسلام کی آغوش ان کے لئے

اب بھی کشادہ ہے اور مسلمان انہیں گلے لگانے کے لئے تیار ہیں، لیکن اگر انہیں اپنے عقائد پر اصرار ہے اور وہ مرزا آنجہانی کو بدستور مسیح موعود اور مہدی معہود یا مصلح اور مجدد مانتے ہیں اور صرف ہوا کا رخ دیکھ کر از راہ تقیہ اپنے نظریات کو تاویلات کے نئے غلاف میں پیش کر کے مسلمانوں کو دھوکا دینا چاہتے ہیں تو انہیں یہ غلط فہمی ذہن سے نکال دینی چاہیے کہ وہ دجل وتلبیس کے راستہ سے مسلمانوں کی صفوں میں ایک بار پھر گھس آئیں گے، من جرب المجرب حلت به الندامة۔

کتے، خنزیر، کافر، جہنمی اور ولد الحرام کے وہ سینکڑوں خطابات مسلمانوں کو اب تک بھی خوب یاد ہیں اور ہمیشہ یاد رہیں گے جن سے مرزائے آنجہانی نے مسلمانوں کو نوازا تھا، مسلمانوں کو مرزائیوں کے خلیفہ دوم کے وہ بیسیوں اعلانات بھی خوب یاد ہیں جن میں بڑے غرور اور تحدی سے کہا جاتا تھا:

''کل مسلمان جو حضرت مسیح موعود کی بیعت میں شامل نہیں ہوئے، خواہ انہوں نے حضرت مسیح موعود کا نام بھی نہ سنا ہو وہ کافر اور دائرہ اسلام سے خارج ہیں''۔ (آئینہ صداقت مصنفہ مرزا محمود)

''حضرت مسیح موعود نے تو فرمایا ہے کہ ان کا (یعنی مسلمانوں کا) اسلام اور ہے ہمارا اور، ان کا خدا اور ہے ہمارا اور، ہمارا حج اور ہے اور ان کا اور، اسی طرح ہر بات میں ان سے اختلاف ہے''۔ (مرزا محمود کی تقریر)۔

''یہ غلط ہے کہ دوسرے لوگوں سے ہمارا اختلاف صرف وفات مسیح یا اور چند مسائل میں ہے، آپ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کی ذات، رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم، قرآن، نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ غرض آپ نے تفصیل سے بتایا کہ ایک ایک چیز میں ان سے ہمیں اختلاف ہے''۔

⑤ کیا ان واضح اعلانات کے بعد بھی اس کا امکان ہے کہ مرزا آنجہانی کے واضح کفریات کی تصدیق کرنے کے باوجود مرزائیوں کو مسلمانوں کی صفوں میں گھسنے کی اجازت دی جائے گی؟ مرزائی امت نے مسلمانوں کو آخر ایسا بےحس کیوں سمجھ لیا ہے کہ وہ مرزائیوں کی صد سالہ تاریخ کو یکسر بھول جائیں گے، مرزائی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عزت وحرمت پر حملہ کریں، مرزا آنجہانی کو نہ صرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی جگہ لا کھڑا کریں بلکہ آپ سے بھی اونچا مقام دیں، انبیاء کرام کی توہین وتذلیل کریں، مسلمانوں کو جنگل کے سور اور ذریۃ البغایا جیسی مقدس گالیاں دیں، مگر مسلمان ان تمام چیزوں کے باوجود انہیں امت اسلامیہ کی صف میں جگہ دیں، الغرض مرزائیوں کے لئے صرف دو ہی راستے ہیں یا تو اپنے عقائد کفریہ سے ہاتھ جھاڑ کر مسلمان ہو جائیں یا پھر مسلمانوں کی صفوں میں گھسنے کا سودائے خام اپنے ذہن سے نکال دیں، انہیں خوب یاد رکھنا چاہیے کہ وہ مرزا آنجہانی کی نبوت کو ہزار ظل وبروز کے پردوں میں لپیٹیں یا مجدد ومہدی کے رنگ میں پیش کریں لیکن امت اسلامیہ کا معدہ اسے کبھی ہضم نہیں کر سکتا، علاوہ ازیں مرزائی صاحبان کو اپنے مسیح موعود کی وصیت یاد رکھنی چاہیے کہ:

''تمہیں دوسرے فرقوں کو جو دعویٰ اسلام کرتے ہیں بکلی ترک کرنا پڑے گا''۔ (حاشیہ تحفہ گولڑویہ)

''خدا تعالیٰ یہ چاہتا ہے کہ ایک جماعت تیار کرے پھر جان بوجھ کر ان لوگوں میں گھسنا جن سے وہ الگ کرنا چاہتا ہے منشا الٰہی کی مخالفت ہے''۔ (الحکم ۷ر فروری، ۱۹۰۳ء)

ہم بھی مرزائی صاحبان سے یہی درخواست کرتے ہیں کہ انہیں مسلمانوں کو بکلی ترک کرنا پڑے گا اور مسلمانوں میں گھس کر انہیں منشاء الٰہی کی مخالفت کی اجازت نہیں دی جائے گی، الاّ یہ کہ وہ اپنے دین مرزائیت سے تائب ہوکر نئے سرے سے اسلام میں داخل ہو جائیں۔

⑥ ہم اپنی حکومت سے بھی گذارش کرنا چاہتے ہیں کہ ۲۶ رسال تک پاکستان میں مرزائیت نوازی کی سرکاری مہم جاری رہی انہیں مسلمانوں کے حقوق دیئے گئے اور ان کو مصنوعی طور پر مسلمان بنانے کی کوشش کی گئی، لیکن اس کا نتیجہ کیا ہوا؟ یہی کہ انہیں اندرون و بیرون ملک سازشوں کا موقعہ ملتا رہا مگر اب یہ صورت حال تبدیل ہو جانی چاہئے مستقبل میں مؤقف کی نزاکت کا احساس کریں، اسلامی ممالک جو پاکستان کے تحفظ کا ذریعہ ہیں اور جن سے صحیح ہمدردی کی توقع کی جاسکتی ہے، صرف ارباب کفر کی خوشنودی کے پیش نظر ان کی ہمدردی اور دوستی وتعاون سے چشم پوشی نہ کریں، آخرت کے غضب الٰہی سے قبل دنیا کے عذاب اور ذلت سے بچنے کی تدبیر کریں اور بحالت موجودہ سیاسی واقتصادی مشیر اور ہوائی اور بری وبحری قیادت کی جو صورت حال ہے اس کو فوراً ختم کریں اور سابق حکمرانوں کی غلط پالیسیوں کے نتیجے میں جو تباہی نازل ہو چکی ہے اس سے کچھ تو عبرت حاصل کریں۔ اسلامی وعربی ممالک جن کے ساتھ ہمارے اخوت اسلامی کے مضبوط رشتے ہیں اور جو مرآزے وقت میں پاکستان کے بہترین دوست ثابت ہوئے ہیں افسوس ہے کہ انہیں بھی ہماری اس داخلی کمزوری اور ارتدادنوازی کا علم ہو چکا ہے اور ان ممالک میں قادیانی اسرائیل گٹھ جوڑ پر بحثیں ہورہی ہیں اس کے اثرات ہمارے حق میں کیا ہوں گے؟ دانشمندی کے ساتھ سوچنے کی بات ہے، یہاں ہم یہ شکایت بھی ارباب اقتدار کے نوٹس میں لانا چاہتے ہیں کہ ایک طرف تو یہ حالت کہ جب مسلمانوں کی جانب سے قادیانیوں کا ذرا بھی تعاقب کیا جائے تو فوراً امن عامہ کو خطرہ لاحق ہوجاتا ہے، فرقہ واریت کا جن بوتل سے باہر نکل آتا ہے اور قانون اپنے تقاضوں کو پورا کرنے کے لئے بڑی تیزی سے حرکت میں آجاتا ہے زبانیں بند اور جلسہ جلوس اور اجتماع پر پابندی۔

اور دوسری طرف مرزائی ہیں کہ کھلے بندوں گلی گلی اور گھر گھر حضرت مسیح موعود کا پرچار کر رہے ہیں اور یہاں تک جرأت کہ مسلمانوں کی مسجدوں اور دینی اداروں میں جا کر بڑے معصومانہ انداز سے مرزائے آنجہانی کی رسالت ونبوت کی تشریح کرتے ہیں، ہم صاف صاف کہہ دینا چاہتے ہیں کہ یہ صورت حال مسلمانوں کے لئے ناقابل برداشت ہے، مرزا آنجہانی کے ہفوات وہذیانات کے تیروں سے مسلمانوں کے سینے چھلنی ہو چکے ہیں، وہ اس ملک پاک میں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے غداروں کی بات سننے کے لئے تیار نہیں ہیں، دانشمندی کا تقاضہ یہ ہے کہ قادیانیوں کو ایک غیر مسلم اقلیت قرار دیا جائے، انہیں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تاج ختم نبوت پر

ہاتھ ڈال کر اشتعال دلانے سے روکا جائے اور ان کی تحریک ارتداد پر پابندی عائد کی جائے اور اگر اصرار ہو کہ مرزائی بھی امت اسلامیہ کا ایک حصہ ہیں تو ہمیں یہ کہنے میں باک نہیں کہ واقعۃً یہ امت کا ایک ایسا گلا سڑا حصہ ہے جسے جسم امت سے الگ کر دینا ہی اس کا صحیح علاج ہے، ورنہ اس ناسور کا زہر ملت اسلامیہ کے پورے دھڑ میں سرایت کر جائے گا اور اس کا نتیجہ موت اور تباہی کے سوا کچھ نہیں ہوگا، اس مسئلہ کا حل کل بھی یہی تھا اور آج بھی یہی ہے ایک معمولی اقلیت کی خوشنودی کے لئے ایک بڑی اکثریت کو ناراض کرنا آخر کون سی سیاست ہے؟ حق تعالیٰ صحیح فہم نصیب فرمائے۔

وصلی الله علی خیر خلقه سیدنا محمد وآله واصحابه واتباعه اجمعین.

[رجب، شعبان ۱۳۹۳ھ رستمبر، اکتوبر ۱۹۷۳ء]

مسئلہ ختم نبوت اور پاکستان

پاکستان کی بنیاد لا اله الا الله محمد رسول الله پر رکھی گئی تھی اور خدا تعالیٰ سے عہد اور قوم سے وعدہ کیا گیا تھا کہ اس میں اسلام کا عادلانہ نظام قائم کیا جائے گا، یہاں کی حکومت خلافت راشدہ کا نمونہ ہوگی، مسلمانوں کی انفرادی و اجتماعی زندگی اسلام کی جیتی جاگتی تصویر ہوگی، یہ ملک عالم اسلام کے لئے ایک مثالی نمونہ ہوگا اور اسلامی فلاحی مملکت قائم کر کے پوری دنیا پر وا کیا جائے گا کہ اگر راحت وسکون کی زندگی مطلوب ہے تو خدا تعالیٰ کے آخری پیغام کو اپناؤ جو حضرت خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم لے کر آئے وغیرہ وغیرہ، مگر جو کچھ ہوا وہ سب کے سامنے ہے۔ ''عیاں راچہ بیان''۔

بدقسمتی سے آزادی کے بعد پے در پے ایسے حکمران آئے جنہوں نے ملت اسلامیہ کے اجتماعی ضمیر میں جھانکنے کی کبھی زحمت گوارا نہیں کی، نئے اسلامی ملک اور نئی قوم کے تقاضے کیا ہیں؟ ملت اسلامیہ کی تشکیل کن عناصر سے ہوتی ہے؟ اس کے حقیقی خدوخال کیا ہوتے ہیں؟ جس قوم نے خدا اور رسول کے نام پر انہیں اسلامی ملک کی مسند اقتدار پر فائز کیا ہے وہ ان سے کیا کیا توقعات رکھتی ہے؟ ان سوالات پر غور انہوں نے کبھی کیا ہی نہیں یا شاید وہ اس کی صلاحیت ہی نہیں رکھتے تھے، ان کے سامنے دور غلامی کا پامال راستہ تھا جس پر وہ رواں دواں تھے، وہی آئین و قانون، وہی حکمرانی کے اصول اور پیمانے، وہی جبر و استبداد اور مطلق العنانی، وہی افسر شاہی کی نازک مزاجی، جو لوگ انگریز دشمنی کی بنا پر دور غلامی میں خطرناک سمجھے گئے وہ اپنے اخلاص وللّٰہیت قومی خدمات اور حب الوطنی کے باوجود ان نئے حکمرانوں کی لغت میں بھی خطرناک اور معتوب ہی رہے اور ان پر سی آئی ڈی کا پہرہ بدستور رہا اور جن لوگوں کی تخم ریزی اور نشوونما انگریز نے اپنے مخصوص مصالح کے لئے کی تھی وہ اسلامی ملک میں بھی برسر اقتدار معزز اور معتمد علیہ رہے۔

اگر ان حکمرانوں میں معمولی سی بات دینی حس یا کم از کم صحیح سیاسی بصیرت ہی موجود ہوتی تو دورِ غلامی کے نوکر شاہی ذہن کو بدل کر نئے ملک کے لئے نئے تقاضوں کو سمجھتے ،امت مسلمہ کی نفسیات کا مطالعہ کرتے اور مسلمانوں کے وہ متفقہ اجتماعی وملی مسائل جنہیں شدید مطالبوں کے باوجود انگریز کی حکومت نے لائق توجہ نہیں سمجھا تھا بغیر کسی تقاضے کے خود آگے بڑھ کر انہیں حل کرتے ،اگر انہوں نے اس فہم وتدبر اور مسلمانوں سے ہمدردی وبہی خواہی کا مظاہرہ کیا ہوتا تو بے چینی کی فضا ختم ہوجاتی ،ملت کا شیرازہ مستحکم ہوجاتا اور دنیا کی نیک نامی کے ساتھ آخرت کی سعادت بھی ان کے حصہ میں آتی۔

مگر یہاں ہوا یہ کہ جب بھی مسلمانوں نے اپنے جذبات کا اظہار کیا تو دفع الوقتی سے کام لیا گیا اور شدت سے مطالبہ ہوا تو پائے استحقار سے ٹھکرادیا گیا، معاملہ بے قابو نظر آیا تو گولہ بارود سے جلیانوالہ باغ کی یاد تازہ کرڈالی اور اپنی ہی قوم کو اقتدار کی طاقت سے کچل ڈالا گیا،نتیجہ یہ کہ حکمران خود تو بصد ذلت ورسوائی کیفر کردار کو پہنچے ہی مگر ان کی غلط اندیشی اور کم ظرفی نے ملک کو تباہ کر ڈالا، اس طرح نہ صرف یہ کہ پاکستان کا مقصد وجود ظہور پذیر نہ ہوسکا بلکہ ہم الٹی سمت سفر کرتے کرتے کہیں سے کہیں جا نکلے، چنانچہ ایک مدت سے ہم شک وتذبذب افراتفری وبدامنی اور بے یقینی وبے چینی کے لق ودق بیابانوں میں بھٹک رہے ہیں، آج ہمارے سامنے مسائل کا جنگل ہے مگر ہم میں سے ہر شخص جس کے منہ میں زبان اور ہاتھ میں قلم ہے وہ اپنے سوا ہر شخص کو وطن دشمن اور غدار کا خطاب دے کر یہ فرض کر لیتا ہے کہ مسائل کا یہ جنگل اس خطاب غداری کی چنگاری سے خود بخود بھسم ہوجائے گا، ملک دو نیم ہو چکا ہے اور بقیۃ السلف پر بیرونی سازشوں کے کرگس منڈلا رہے ہیں، مگر ہمارے زعماء باہم دست وگریبان ہیں، سوچنا چاہیے کہ ان حالات میں اس ملک کا مستقبل کیا ہوگا؟

انا للہ وانا الیہ راجعون

عقیدہ ختم نبوت کو تسلیم کئے بغیر پاکستان قائم نہیں رہ سکتا

کسی عمارت کی بنیادیں کھود کر انہیں اپنی جگہ سے ہٹا دینا اور پھر یہ توقع رکھنا کہ عمارت جوں کی توں قائم رہے گی ایک مجنونانہ حرکت ہے ،ملت اسلامیہ کا شیرازہ حضرت ختمی مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات عالی سے قائم ہے اور یہی وجود پاکستان کا سنگ بنیاد ہے، جو شخص اس سے انحراف کرتا یا اسے منہدم کرتا ہے وہ اسلام، ملت اسلامیہ اور پاکستان تینوں سے غداری کا مرتکب ہے،ایک ایسے شخص سے جو ملک وملت کی جڑوں پر تیشہ چلا رہا ہو کسی مفید تعمیری خدمت کی توقع رکھنا خود فریبی نہیں تو اور کیا ہے، جو شخص رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا وفادار نہ ہو وہ ملک وملت کا وفادار کیونکر ہوسکتا ہے۔ تاریخ شاہد ہے کہ ملت اسلامیہ کا اجتماعی ضمیر کبھی برداشت نہیں کر سکا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بجائے کسی اور شخص کو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور رحمۃ للعالمین کی حیثیت سے

کھڑا کیا جائے اور اس کے لئے وہ تمام حقوق و مناصب اور آداب و القاب تجویز کئے جائیں جو مسلمانوں کے مرکز عقیدت (صلی اللہ علیہ وسلم) کے ساتھ مختص ہیں، بایں ہمہ یہ اصرار بھی کیا جائے کہ وہ مسلمان ہے، ملک وملت کا وفادار ہے اور مسلمانوں کو اس پر اعتماد کرنا چاہیے۔

ایک ناگہانی حادثہ اور اس کے اثرات

۲۹ رمئی کا سانحہ قوم کے لئے ایک ناگہانی حادثہ تھا، جس نے قوم کو طویل خواب غفلت سے اچانک جگا دیا، جذبات کے سوتے ابل پڑے اور ملک بھر میں اس کا شدید ردعمل رونما ہوا، قومی جذبات کو نظم وضبط کا پابند رکھنے اور انہیں اجتماعیت کے دائرے میں لانے کے لئے ایک ایسی مجلس عمل کی تشکیل ناگزیر ہوئی جو ملک بھر کی دینی وسیاسی جماعتوں کی نمائندہ ہو، یہ بات بڑی خوش آئند اور لائق تحسین ہے کہ موجودہ عوامی حکومت نے بھی قوم کے ملی جذبات کا احترام کرتے ہوئے ان کے مطالبہ پر ہمدردانہ غور کا وعدہ کیا ہے اور اس کے لئے قومی اسمبلی کی ایک خصوصی کمیٹی تجویز کر دی گئی، توقع ہے کہ ان سطور کی اشاعت تک کمیٹی کے غور وفکر کا کوئی واضح نتیجہ سامنے آچکا ہوگا، کمیٹی کی کارروائی کے پیش نظر ملک میں قادیانی مسئلہ کے بارے میں اظہار خیال پر پابندی عائد ہے، اس لئے ہم بھی اس مسئلہ کے اعتقادی، مذہبی، سماجی ومعاشرتی اور سیاسی واقتصادی پہلوؤں سے تعرض نہیں کرتے البتہ تمام اہل وطن سے اپیل کرتے ہیں کہ یہ بہت نازک وقت ہے، پوری قوم کے امتحان کا موقعہ ہے، تمام مسلمانوں کا فرض ہے کہ نظم وضبط کو برقرار رکھیں اور ملک میں امن وامان کا مسئلہ ہرگز پیدا نہ ہونے دیں، بلکہ جائز حدود کے اندر رہتے ہوئے اپنی آواز متعلقہ افراد تک مسلسل پہنچاتے رہیں، تا آنکہ مسئلہ کے اطمینان بخش حل کی صورت نکل آئے۔

ملک وملت کے بدخواہ اس موقعہ پر نہ صرف خفیہ ریشہ دوانیوں میں مصروف ہیں بلکہ اس کوشش میں بھی ہیں کہ اشتعال انگیزی کے ذریعے حالات مخدوش کر دیئے جائیں، مختلف ذرائع سے مطبوعہ لٹریچر مسلمانوں کے گھروں میں پہنچایا جا رہا ہے، گذشتہ دنوں لاکھوں روپے کے بڑے بڑے اشتہار قریباً تمام اخبارات میں مسلسل کئی دن تک شائع ہوتے رہے جن کا مقصد اشتعال دلانے کے سوا کچھ نہیں تھا، ہمیں معلوم ہے کہ یہ کس دماغ کی اختراع تھے، ان کے لئے سرمایہ کس نے مہیا کیا اور جس انجمن کا فرضی نام غلط طور پر استعمال کیا گیا ہم اس کے ارکان سے بھی متعارف ہیں، بہر حال ہماری اپیل یہی ہے کہ مسلمانوں کو پر امن رہنا چاہیے۔

غیر مسلموں سے مقاطعہ (سوشل بائیکاٹ)

ان دنوں یہ شرعی مسئلہ خاص طور سے زیر بحث ہے اور اس سلسلہ میں بار بار سوال کیا جاتا ہے کہ کیا کسی غیر مسلم سے مقاطعہ جائز ہے؟ یہاں پر مفصل بحث کی گنجائش نہیں مختصر یہ کہ کسی کافر سے موالات اور دوستی کا برتاؤ تو کسی حال میں بھی جائز نہیں، نہ انہیں ملی مشوروں میں شریک کیا جاسکتا ہے، نہ ملک کی پالیسیوں میں انہیں دخیل بنایا

جاسکتا ہے، نہ کسی کافر کو کسی کلیدی اسامی پر فائز کیا جاسکتا ہے، رہا لین دین اور میل جول کا سوال! تو کافر اگر حربی یا باغی ہو، مسلمانوں کے مقابلے میں برسر پیکار ہو اور اس سے لین دین کا معاملہ مسلمانوں کے حق میں مضر ہو تو اس سے ہر قسم کے تعلقات ختم کر لینا نہ صرف جائز بلکہ واجب ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا قریش کی ناکہ بندی کرنا سیرت نبوی کا معروف واقعہ ہے، اسی طرح حضرت ثمامہ بن اثالؓ کا واقعہ بھی مشہور ہے کہ انہوں نے کافروں کی رسد روک کر ان کا ناطقہ بند کردیا تھا اور جب تک کافروں نے بارگاہِ اقدس میں حاضر ہوکر معذرت اور منت و سماجت نہیں کی ان کی رسد بحال نہیں ہوئی (۱)، قرآن کریم میں اجمالاً اور بخاری شریف میں تفصیلاً حضرت کعب بن مالکؓ اور ان کے رفقاء کے مقاطعہ کا عبرت آموز قصہ بھی موجود ہے (۲)، جس سے واضح ہوتا ہے کہ سنگین موقعہ پر تادیب اور سرزنش کے لئے بعض اوقات ایک مسلمان سے بھی مقاطعہ صحیح ہے، یہ تو کفار ہیں اور بعض اوقات مسلمانوں سے مقاطعہ کا مسئلہ تھا اور جو شخص دین اسلام سے العیاذ باللہ منحرف ہوکر مرتد ہوگیا ہو اس کے ساتھ تو کسی نوع کا بھی تعلق قطعاً جائز نہیں، یوں بھی اسلامی غیرت اس کو برداشت نہیں کرتی کہ باغیِ اسلام کے ساتھ کسی قسم کا ربط رکھا جائے، ایسے موقعوں پر عموماً انسانی ہمدردی اور اسلامی رواداری کی اپیل کی جاتی ہے مگر یوں نہیں جانتا کہ انسانی ہمدردی اور رواداری کی بھی کچھ حدود ہوتی ہیں، بعض اوقات جرم کی نوعیت ہی کچھ اتنی سنگین ہوتی ہے کہ انسانی ہمدردی اور رواداری کے سب پیمانے ٹوٹ جاتے ہیں اور رحم کی اپیل مسترد کردی جاتی ہے، یہ ہمارے سامنے روزمرہ کے واقعات ہیں، ارتداد اسلام کی نظر میں بدترین جرم ہے کیونکہ وہ بغاوت کا دوسرا نام ہے، اس لئے مرتد کے معاملہ میں انسانی ہمدردی اور رحم کی کوئی اپیل اسلام کی عدالت میں لائق التفات نہیں، تاوقتیکہ مجرم اپنے جرم بغاوت سے باز نہ آجائے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں عکل اور عرینہ کے چند افراد نے اس جرم کا ارتکاب کیا تھا مرتد ہوکر انہوں نے صدقات کے اونٹوں پر قبضہ کرلیا اور راعی کو قتل کرڈالا تھا، پکڑے گئے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قصاص میں ان کے ہاتھ پاؤں کٹوا کر انہیں چلچلاتی دھوپ میں ڈلوایا، وہ پیاس کی شکایت کرتے تو پانی

---

(۱) "عن ابی هریرة.....فاتی الیمامة حبس عنهم فضجوا وضجروا فکتبوا تأمر بالصلة قال: وکتب الیه". (مسند احمد بن حنبل، مسند ابی هریرة، رقم الحدیث ۷۳۵۵، ج:۲ ص:۲٤٦، ط: مؤسسة قرطبة قاهرة".) وفی روایة البخاری، "عن ابی هریرة بعث النبی ﷺ خیلا قبل نجد فجاءت برجل من بنی حنیفة یقال له ثمامة بن اثال.....فبشره رسول الله ﷺ وامره ان یعتمر فلما قدم مکة قال له قائل: صبوت، قال: لا ولکن اسلمت مع محمد رسول الله ﷺ، ولا والله لا یاتیکم من الیمامة حبة حنطة حتی یاذن فیها النبی ﷺ. (صحیح البخاری، کتاب المغازی، باب وفد بنی حنیفة وحدیث ثمامة بن اثال، ج:۲ ص: ٦٢٧، ط: قدیمی.)

(۲) صحیح البخاری، کتاب المغازی، باب حدیث کعب بن مالك وقول الله عزوجل "وعلی الثلاثة الذین خلفوا" ج:۲ ص:٦٣٤، ط: قدیمی.

تک نہ دیا جاتا، بالآخر اسی طرح تڑپ تڑپ کر اپنے انجام کو پہنچے۔ سوال ہوگا کہ ان کے معصوم بچوں کا کیا قصور ہے؟ مگر اس کا خود رسول اللہ ﷺ جواب دے چکے ہیں چنانچہ عرض کیا گیا کہ کافروں کی بستی پر رات کی تاریکی میں حملہ کیا جائے تو ان کے بچے بھی اس کی زد میں آجاتے ہیں فرمایا: "ھم من اٰبائھم"(۱) وہ بھی تو کافروں کے ہی بچے ہیں یعنی جو حکم کافروں کا ہے وہی کافروں کے بچوں کا۔

ایک غلط فہمی کا ازالہ

بعض لوگوں کی جانب سے یہ غلط فہمی پھیلائی جارہی ہے کہ مجلس عمل میں چونکہ دینی وسیاسی جماعتیں شریک ہیں لہذا یہ سیاست بازی ہے، حالانکہ ملک بھر کی جماعتوں کا کسی ایمانی مسئلہ پر متفق ہوجانا صرف ایمانی تقاضہ ہے اسے سیاست سے کیا تعلق؟ بلاشبہ یہ تمام امت مسلمہ کا مشترک سرمایہ ہے، جس میں حزب اقتدار اور حزب اختلاف کی تفریق ہی غلط ہے، خود وزیراعظم برملا اعلان کرچکے ہیں کہ وہ منکرین ختم نبوت کو دائرہ اسلام سے خارج سمجھتے ہیں، اس لئے یہ ذمہ داری تو سب سے بڑھ کر با اقتدار جماعت پر عائد ہوتی ہے کہ وہ اسلام کے ایک قطعی اور بنیادی مسئلہ میں مسلمانوں کو مطمئن کرے، اندریں صورت اس مسئلہ کے تقدس کو سیاسی الزام سے مجروح کرنا نہایت افسوسناک بے انصافی ہے۔

[رجب المرجب ۱۳۹۴ھ/اگست ۱۹۷۴ء]

قادیانیت کے خلاف اہل پاکستان کا شدید ردعمل

کسے کیا معلوم تھا کہ "ربوے" کا واقعہ ایک عظیم انقلاب کا ذریعہ بن جائے گا اور انتہائی ناکامیوں اور مایوسیوں کے بعد پاکستان کی سرزمین ایک عظیم نعمت سے مالامال ہوگی اور جو کام ستائیس برس میں نہ ہوسکا وہ تین ماہ کے قلیل عرصہ میں انجام پذیر ہوگا۔

برطانیہ کی اسلام دشمنی

برطانیہ کی اسلام دشمنی ضرب المثل ہے، محتاج بیان نہیں، دوسری جنگ عظیم میں برطانیہ کو جب شکستوں پر شکستیں ہونے لگیں اور اسے شدید خطرہ لاحق ہوگیا کہ انگلستان کے بچانے کے لئے اگر پوری طاقت جمع نہ کی گئی تو

---

(۱) "عن الصعب بن جثامة ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قیل لہ لوان خیلاً اغارت من اللیل فاصابت من ابناء المشرکین قال:ھم من اٰبائھم". صحیح مسلم، کتاب الجھاد والسیر، باب جواز قتل النساء والصبیان فی البیات من غیر تعمد، ج:۲ ص:۸۵، ط:قدیمی". صحیح البخاری، کتاب المغازی، باب اھل الدار یبیتون فیصاب الولدان والذراری، ج:۲ ص:۴۳۲، ط:قدیمی.

صفحہ عالم سے مٹ جائے گا ان حالات کی وجہ سے وہ متحدہ ہندوستان کی تقسیم پر آمادہ ہو گیا، جبکہ مسلمانوں کی عظیم الشان اکثریت تقسیم ملک کا مطالبہ کر رہی تھی، انگریز کو برصغیر سے بوریا بستر لپیٹنا پڑا تو جاتے جاتے پاکستان کو لنگڑا لولا بنانے کے لئے ایک سازش کر گیا، صوبہ بنگال مسلم اکثریت کا صوبہ تھا اور پنجاب میں بھی مسلم اکثریت تھی، تقسیم ہند کے طے شدہ اصول کے مطابق یہ دونوں صوبے پورے کے پورے پاکستان کے حصے میں آتے تھے، لیکن انگریز نے ان دونوں کی تقسیم کی شکل نکالی چنانچہ دونوں صوبوں کی تقسیم ضلعی اکثریت کی حیثیت سے وجود میں لائی گئی، یہ برطانیہ کی مسلمانوں کے ساتھ پہلی غداری تھی، ہندو کو خوش کیا اور مسلمانوں پر ظلم کیا، اس موقعہ پر چاہئے تھا کہ مسلمانوں کی اکثریت کی طاقت اس جدید منطق کو ٹھکرا دیتی لیکن افسوس کہ ایسا نہ ہو سکا اور ہماری غفلت یا تغافل سے دشمن نے فائدہ اٹھایا، پھر بنگال اور پنجاب دونوں کو تقسیم کرنے کے بجائے مناسب صورت یہ تھی کہ مشرقی بنگال کے بدلے پاکستان کو مشرقی پنجاب دے دیا جاتا تاکہ روز روز کے جھگڑے نہ ہوتے اور پاکستان کے دونوں حصوں میں ایک ہزار میل کا غیر فطری فاصلہ حائل نہ ہوتا جس کی وجہ سے ہمیں اے ء میں روز بد دیکھنا پڑا، لیکن افسوس یہ بھی نہ ہو سکا اور یہ انگریز کی دوسری غداری و مکاری تھی، پھر جو کمیشن تقسیم پنجاب کے لئے مقرر ہوا اس میں بھی برطانوی کمیشن نے غداری کی کہ مشرقی پنجاب کے وہ حصے جو پاکستان میں آنے والے تھے اور جو پاکستان کے شہ رگ کی حیثیت رکھتے تھے وہ ہندوستان کے نقشے میں لائے گئے، چنانچہ قادیان، پٹھان کوٹ وغیرہ کے خطے پاکستان کا حق تھے مگر برطانیہ اور ان کے گماشتوں کی سازش سے بھارت میں چلے گئے، جس کی وجہ سے کشمیر کا مسئلہ پیدا ہوا اور آج تک عقدہ لاینحل بنا ہوا ہے، یہ مسلمانوں کے ساتھ برطانیہ کی تیسری غداری اور سازش تھی، پھر برطانیہ نے سر ظفر اللہ خاں قادیانی کو پاکستان کا پہلا وزیر خارجہ مقرر کرانے پر اصرار کیا، اس نے سات سال کے عرصہ وزارت میں پاکستان کے اندر اور باہر قادیانیوں کی جڑوں کو خوب مضبوط کیا، اس کے دور وزارت میں پاکستان کے بیرونی سفارت خانوں میں چن چن کر قادیانی بھیجے گئے اور وہ قادیانی مشن کے طور پر کام کرتے رہے اور یہ چوتھا خنجر تھا جو انگریز نے مسلمانوں کے سینے میں ایسا گھونپا کہ اس کا نکالنا مشکل ہو گیا۔

''ربوہ'' ایک نیا قادیان

پاکستان میں ایک نیا ''قادیان'' بسانے کے لئے ایک علیحدہ خطہ ربوہ کے نام سے پاکستان میں حاصل کیا گیا اور اس کے لئے اس وقت کے انگریز گورنر پنجاب نے خاص کارنامہ یہ انجام دیا کہ پاکستان کے قلب میں ایک وسیع خطہ قادیانی ریاست کے لئے مخصوص کر دیا اور ربوہ کے قادیانیوں کو ایسی آزادی دی گئی کہ عملاً پاکستان کی حکومت وہاں نہیں تھی، گویا پنجاب میں اس کو ایک آزاد ریاست کی حیثیت حاصل تھی، جسے ریاست در ریاست کہنا صحیح ہوگا، تبلیغ اسلام کے نام پر دو لاکھ سالانہ زرمبادلہ قادیانی وصول کرتے رہے جس کے ذریعہ مشرقی افریقی

ممالک میں وسیع پیمانے پر مرزائیوں نے اپنے مبلغ بھیجے اور ارتداد کا جال پھیلا یا یہاں تک کہ اسرائیل کی یہودی حکومت سے حکومت پاکستان کا کوئی تعلق اور رابطہ نہیں تھا مگر مرزائیوں نے ان کے مرکز تل ابیب اور حیفہ میں مراکز قائم کئے اور اس طرح برطانیہ کا خود کاشتہ پودا نہ صرف پاکستان میں بلکہ تمام اسلامی اور غیر اسلامی ممالک میں بھی ایک تن آور درخت بن گیا، ستم بالائے ستم یہ کہ سکندر مرزا اور ایوب کی غفلتوں یا غداری کی وجہ سے پاکستان کے کلیدی مناصب پر مرزائی چھا گئے، اس طرح مٹھی بھر مرزائی پاکستان پر حکومت کرنے کے خواب دیکھنے لگے، حکومت نے محکمہ اوقاف کے ذریعہ سے مسلمانوں کے تمام اوقاف وقف ایکٹ کے ماتحت قبضہ میں لے لئے، لیکن قادیانی مرزائیوں کے اوقاف کو ہاتھ نہیں لگا یا گیا جس کے ذریعہ نہ صرف ان کی مالی حیثیت اور قوی ہوگئی بلکہ ان میں خود مختار ریاست کا تصور شدت سے ابھرا، علاوہ اس کے بین الاقوامی سطح پر دشمنان اسلام اسرائیل و برطانیہ وغیرہ کی جانب سے ان کی جو مخفی اعانت ہوتی رہی اور سر ظفر اللہ نے تین سالہ زندگی میں اقوام متحدہ کی نمائندگی کے دوران باہر کی دنیا میں مرزائیت کی جڑوں کو جو مضبوط کیا وہ اس پر مستزاد ہے، جس سے مرزائیوں کو اپنی بین الاقوامی پوزیشن کے مضبوط ہونے کا گھمنڈ ہونے لگا، الغرض ان متعدد عوامل کے تحت یہ فتنہ روز بروز قوی تر ہوتا گیا جس کی تفصیلات حیرت ناک بھی ہیں اور دردناک بھی۔

تحریک ختم نبوت

۵۳ء میں تحریک ختم نبوت چلی لیکن افسوس اور صد افسوس کہ خواجہ ناظم الدین جیسے دیندار اور حاجی نمازی کے زمانے میں مسلمانوں کی یہ مقدس تحریک سیاست کی بھینٹ چڑھ گئی، سینکڑوں ہزاروں مسلمانوں کی خون ریزی ہوئی، ان کی لاشوں کو نذر آتش کیا گیا، دریائے راوی کی لہروں کے سپرد کر دیا گیا، مسلمانوں پر وہ مظالم ڈھائے گئے جو رنجیت سنگھ کے زمانے میں نہیں ہوئے تھے اور اس طرح مسلمان حکمرانوں کے ذریعہ مسلمانوں کا خون بہایا گیا اور تحریک کو کچل کر کے رکھ دیا گیا، لیکن ان شہداء ختم نبوت کی روحیں تڑپتی ہوئی بارگاہ الٰہی میں پہنچیں اور انہوں نے رحمت الٰہی کے دروازے کھٹکھٹائے آخر ربوہ کا حادثہ پیش آیا اور انجام وہی ہوا جس کی ضرورت تھی اور اگر روز اول سے یہ صورت اختیار کی جاتی کہ قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دے کر ان کا قصہ پاک کر دیا جاتا تو یہ خونچکاں صورت حال پیدا نہ ہوتی۔

حادثۂ ربوہ اور اس کے نتائج

۲۹ رمئی ۷۴ء کو ربوہ کا حادثہ پیش آیا اور حالات نے نازک صورت اختیار کی مسلمانوں کے جذبات بھڑک اٹھے اور حکومت نے بروقت صحیح قدم نہیں اٹھایا، ۳ رجون ۷۴ء کو پنڈی میں علماء کرام اور مختلف فرقوں کا نمائندہ اجتماع ہوا اس کو بھی ناکام بنانے کے لئے تین مندوبین مولانا مفتی زین العابدین، مولانا حکیم عبد الرحیم

اشرف اور مولانا تاج محمود کو لالہ موسیٰ کے اسٹیشن پر روک کر ٹرین سے اتار لیا گیا، ۳؍جون کے اجتماع کو ناکافی سمجھ کر ۹؍جون کو راقم الحروف کی طرف سے لاہور میں اجتماع رکھا گیا اور تمام اسلامی فرقوں اور جماعتوں کو شرکت کی دعوت دی گئی، چنانچہ مسلمانوں کے تمام فرقے اور جماعتیں دیوبندی، بریلوی، اہل سنت، شیعہ، اہلحدیث، مسلم لیگ، جمعیت علمائے اسلام، جمعیت علمائے پاکستان، جماعت اسلامی وغیرہ وغیرہ شریک ہوئیں، بیس جماعتوں کا نمائندہ اجتماع ہوا، راقم الحروف نے مختصر سی تقریر کی جس کا خلاصہ یہ تھا کہ ہمارا یہ اجتماع اس وقت صرف ایک دینی عقیدہ کی حفاظت کے لئے ہے یہ اجتماع ختم نبوت کے مسئلہ پر ہے اس کا دائرہ آخر تک محض دینی رہے گا، سیاسی آمیزشوں سے اس کا دامن پاک رہنا چاہیے، جو سیاسی حضرات اس میں شامل ہیں ان کا مطمح نظر دین ہی ہوگا اور حزب اقتدار و حزب اختلاف کی کش مکش سے بالاتر ہوگا۔

تحریک ختم نبوت کا طریق کار

ختم نبوت کی تحریک کا طریق کار نہایت پر امن ہوگا اور اسے تشدد سے کوئی سروکار نہ ہوگا، اگر کوئی مزاحمت ہوئی یا تکلیف پیش آئی تو دین کے لئے اس کو برداشت کرنا ہوگا اور صبر کرنا ہوگا، مظلوم بن کر رہنا ہوگا اور ہمارے مدمقابل صرف مرزائی امت ہوگی، حکومت نہ ہوگی، ہم حکومت کو ہدف بنانا نہیں چاہتے، اگر حکومت نے ان کی حفاظت یا ان کی حمایت میں کوئی غلط قدم اٹھایا تو اس وقت مجلس عمل کوئی مناسب فیصلہ کرے گی، ابھی قبل از وقت کچھ کہنا درست نہیں، اس کے بعد مولانا مفتی محمود صاحب نے تائیدی تقریر فرمائی، پھر جناب نوابزادہ نصر اللہ خاں اور دیگر مختلف نمائندوں نے تقریریں کیں، تحریک کو نظم وضبط کے تحت رکھنے کے لئے ایک مجلس عمل وجود میں آئی اور راقم الحروف کو عارضی طور پر اس کا صدر منتخب کیا گیا، میری آرزو اور خواہش یہی تھی کہ آئندہ اجتماع میں مجھے اس بوجھ سے سبکدوش کر دیا جائے گا، پریس کانفرنس کی گئی اور ۱۴؍تاریخ کو ملک میں مکمل ہڑتال کا اعلان کر دیا گیا، اسی کے ساتھ امت مرزائیہ سے سوشل بائیکاٹ کا فیصلہ کیا گیا، اس دوران وزیر اعظم بقصد مذاکرات لاہور میں قیام پذیر ہوئے، مجلس نے یہ فیصلہ کر لیا کہ اگر وزیر اعظم کی جانب سے ملاقات اور مذاکرات کی دعوت دی گئی خواہ انفرادی ہو یا اجتماعی اسے قبول کر لینا چاہیے کہ شاید افہام وتفہیم سے کوئی راستہ نکل آئے۔

۱۱؍جون ۷۴ء کو وزیر اعظم صاحب بھٹو نے مجھے ملاقات کے لئے بلایا اور بعد میں مجلس عمل کے دیگر افراد کو یکے بعد دیگرے فرداً فرداً بلایا، راقم الحروف نے بہت صفائی اور سادگی کے ساتھ واضح اور غیر مبہم الفاظ میں جو کچھ کہا اس کا حاصل یہ تھا کہ قادیانی مسئلہ بلاشبہ پاکستان کے روز اول سے موجود ہے، پہلی غلطی اس وقت ہوئی جب ظفر اللہ قادیانی کو وزیر خارجہ مقرر کیا گیا، شہید ملت (خان لیاقت علی خاں مرحوم) کو اس خطرناک غلطی کا احساس ہوا اور انہوں نے قادیانیوں کو اقلیت قرار دینے کا عزم کر لیا تھا لیکن افسوس کہ وہ شہید کر دیے گئے اور ہوسکتا

ہے کہ ان کا یہ عزم ہی ان کی شہادت کا سبب ہوا ہو، اس وقت جو جرأت مرزائیوں کو ہوئی ہے اگر اس وقت اس کا تدارک نہ کیا گیا اور وہ غیر مسلم اقلیت قرار نہیں دیے گئے تو مسلمانوں کے جذبات بھڑکیں گے اور ان کی جان و مال کی حفاظت حکومت کے لئے مشکل ہوگی، اقلیت قرار دیے جانے کے بعد اس ملک میں ان کی حیثیت ''ذمی'' کی ہوگی اور ان کی جان و مال کی حفاظت شرعی قانون کی رو سے مسلمانوں پر ضروری ہوگی، اس طرح ملک میں امن قائم ہو جائے گا۔ میں مانتا ہوں کہ آپ پر خارجی غیر اسلامی حکومتوں کا دباؤ ہوگا لیکن اس کے بالمقابل ان اسلامی ممالک کا تقاضا بھی ہے کہ ان کو جلد غیر مسلم اقلیت قرار دیا جائے، جن ممالک سے ہمارے اسلامی تعلقات بھی ہیں اور ہر قسم کے مفادات بھی وابستہ ہیں، خارجی دنیا میں غیر اسلامی حکومتوں کے بجائے اسلامی مملکتوں کو مطمئن اور خوش کرنا زیادہ ضروری ہے، نیز ایک معمولی سی اقلیت کو خوش کرنے کے لئے اتنی بڑی اکثریت کو غیر مطمئن کرنا دانشمندی نہیں، گر آپ حق تعالیٰ پر توکل و اعتماد کر کے اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے لئے مسلمانوں کے حق میں فیصلہ فرمائیں تو دنیا کی کوئی طاقت آپ کا بال بیکا نہیں کر سکتی اور اس راستہ میں موت بھی سعادت ہے۔ غلام محمد، سکندر مرزا اور ایوب خان کا جو حشر ہوا وہ سب کے سامنے ہے اور شہید ملت شہید ملت ہو گئے، الغرض گفتگو بہت طویل تھی، میں ٹھیک ۳۲ منٹ تک بولتا رہا درمیان میں ایک آدھ سوال وزیر اعظم صاحب نے کیا جس کا جواب شافی فوراً دے دیا گیا اور ان کو خاموش ہونا پڑا، بقیہ حضرات نے بھی فرداً فرداً ملاقات کی اور اپنے تاثرات پیش کئے، ۱۳؍ جون کو وزیر اعظم صاحب نے اردو میں لمبی تقریر کی جو ریڈیو پر نشر ہوئی جس میں حادثہ ربوہ پر ایک حرف بھی نہیں فرمایا البتہ ختم نبوت پر اپنا ایمان ظاہر فرمایا کہ میں مسلمان ہوں، میرا عقیدہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم آخری نبی ہیں لیکن یہ مسئلہ بہت پرانا ہے، اتنا جلد کیسے حل ہو سکتا ہے، ۱۴؍ جون ۱۹۷۴ء کو درّہ خیبر سے کراچی تک اور لاہور سے کوئٹہ تک ایسی مکمل ہڑتال ہوئی جس کی نظیر پاکستان کی تاریخ میں نہیں ملے گی۔

۱۶؍ جون کو راقم الحروف نے فیصل آباد میں اجتماع رکھا تھا جس میں وزیر اعظم صاحب کی تقریر پر تبصرہ ہوا اور تنقید کی گئی کہ وزیر اعظم نے اپنی تقریر میں مسلمانوں کے مطالبہ سے کچھ زیادہ ہمدردی کا ثبوت نہیں دیا، ایسا محسوس ہوتا ہے کہ وہ نیشنل اسمبلی میں صرف ایک قرارداد پیش کرنے کے خواہشمند ہیں اور پھر اس قرارداد کو سپریم کورٹ یا مشاورتی کونسل کے حوالے کر کے سرد خانے میں ڈالنا چاہتے ہیں، قرارداد خواہ صوبائی اسمبلی کی ہو یا قومی اسمبلی کی آئینی طور پر اس کی کوئی حیثیت نہیں، اس کی حیثیت صرف ایک مشورے اور سفارش کی ہے، جبکہ مسلمانوں کے ملی مطالبہ کے پیش نظر ضرورت اس امر کی کہ جلد سے جلد آئین اور دستور میں واضح طور پر ختم نبوت پر ایمان لانا ہر مسلمان کے لئے ضروری قرار دیا جائے اور جو شخص اس پر ایمان نہیں رکھتا اسے کافر اور دائرہ اسلام سے خارج قرار دیا جائے اور نیشنل اسمبلی میں ترمیمی بل اس مقصد کے لئے پاس کرایا جائے، وزیر اعظم صاحب چونکہ اکثریت کے لیڈر بھی ہیں اس لئے ان پر سب سے پہلے یہ فرض عائد ہوتا ہے کہ وہ اپنی جماعت کے ارکان کو اس مسئلہ میں

آزاد نہ چھوڑیں بلکہ انہیں ناموس رسالت کے تحفظ کی خاطر مرزائیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دینے پر مامور و مجبور کریں، نیز مسئلہ کی اہمیت اور مسلمانوں کی بڑھتی ہوئی بے چینی کا تقاضا یہ ہے کہ بجٹ سیشن کو ملتوی کر کے سب سے پہلے اس مسئلہ کو حل کیا جائے۔

مجلس عمل کے لاہور کے اجلاس میں راقم الحروف کو مجلس کا عارضی صدر مقرر کیا گیا، میری خواہش تھی کہ اس نازک ذمہ داری کے لئے کسی اور موزوں شخصیت کو صدارت کے لئے منتخب کرلیا جائے گا:

''قرعہ فال بنام من دیوانہ زدند''

اب کے مجلس عمل کا مستقل صدر پھر راقم الحروف کو باتفاق حاضرین منتخب کیا گیا، بہر حال یہ طے کیا گیا کہ پرامن طریقے پر تحریک کو منزل مقصود تک پہنچانے کے لئے پوری جدوجہد کی جائے اور قادیانیوں کا بائیکاٹ جاری رکھا جائے اور تحریک کو سول نافرمانی سے بہر قیمت بچایا جائے ادھر مجلس عمل کی پالیسی تو یہ تھی کہ حکومت سے تصادم سے بہرصورت گریز کیا جائے، ادھر حکومت نے ملک کے چپے چپے میں دفعہ ۱۴۴ نافذ کردی، پریس پر پابندیاں عائد کردیں، انتظامیہ نے اشتعال انگیز کاروائیوں سے کام لیا اور مسلمانوں کو گرفتار کرنا شروع کیا، چنانچہ سینکڑوں اہل علم اور طلبہ کو گرفتار کیا گیا، انہیں ناروا ایذائیں دی گئیں، کبیر والا، اوکاڑہ، سرگودھا، فیصل آباد، کھاریاں، ضلع گجرات وغیرہ میں دردناک واقعات رونما ہوئے، جن کو مظلومانہ صبر کے ساتھ برداشت کیا گیا، صرف ایک شہراوکاڑہ میں ان مظالم کے خلاف احتجاج کے طور پر بارہ دن مکمل اور مسلسل ہڑتال ہوئی، اسی سے اندازہ کیجئے کہ ملک بھر میں مجموعی طور پر کتنا ظلم اور اس کے خلاف احتجاج ہوا؟ جگہ جگہ لاٹھی چارج کیا گیا، اشک ریز گیس کا استعمال بڑی فراخدلی سے کیا گیا، مجلس عمل کی تلقین تمام مسلمانوں کو یہی تھی کہ صبر کریں اور مظلوم بن کر حق تعالیٰ کی رحمت اور غیبی تائید الٰہی کے منتظر رہیں، قریباً پورے سو دن تک ان حالات کا مقابلہ کیا گیا اور تمام سختیوں کو خندہ پیشانی سے برداشت کرتے رہے جن کی تفصیل کی ان اوراق میں گنجائش نہیں۔

جناب وزیر اعظم بھٹو صاحب مشرقی پاکستان (حال بنگلہ دیش) کے دورے سے جب واپس آئے تو پوری قومی اسمبلی کو ایک خصوصی کمیٹی کی حیثیت دے کر اس کے سامنے دو قراردادیں پیش کی گئیں کہ اسمبلی بحیثیت خصوصی کمیٹی کے ان پر غور و فکر کرے:

① کہ آئین میں مسلمان کی تعریف کی جائے (پھر اس کے نتیجہ کے طور پر یہ فیصلہ کرنا سپریم کورٹ یا مشاورتی کونسل کا کام ہوگا کہ مرزائی غیر مسلم ہیں یا نہیں)

② کہ مرزائیوں کو دستوری حیثیت سے غیر مسلم اقلیت قرار دے کر غیر مسلم اقلیت کی فہرست میں ان کا نام درج کیا جائے، پہلی قرارداد حزب اقتدار کی جانب سے جناب وزیر قانون نے پیش کی اور دوسری حزب اختلاف کے ارکان نے، یہ بھی طے کردیا گیا کہ کمیٹی کے لئے چالیس اشخاص کا کورم ہوگا ان میں سے ۳۰ ممبر

حزب اقتدار کے اور ۱۰ رحزب اختلاف کے لازما ہوں گے، گویا اصولی طور پر طے ہوگیا کہ جب تک حزب اختلاف کے دس ارکان کمیٹی کے فیصلہ کی تصدیق نہیں کریں گے وہ فیصلہ کالعدم ہوگا، بہر حال ایک رہبر کمیٹی بنی اور خوشی کی بات ہے کہ سفارشات کے تمام مراحل اتفاق رائے سے طے ہوتے چلے گئے، اس دوران حکومت نے مرزائیوں کو صفائی پیش کرنے کا موقع دینا ضروری سمجھا، چنانچہ مرزا ناصر نے ۱۹۲ رصفحے کا صفائی نامہ پیش کیا اور مرزائیوں کی لاہوری پارٹی کے صدر صدر الدین نے تحریری بیان پیش کیا، گیارہ دن تک مرزا ناصر پر جرح ہوتی رہی اور تین دن صدر الدین پر جرح ہوئی، جرح کے دوران تمام اراکین اسمبلی کے سامنے یہ بات بالکل واضح ہوگئی کہ مرزا غلام احمد مدعی نبوت دجال ہے اور نبی اور مجدد تو کیا ایک شریف آدمی کہلانے کا بھی مستحق نہیں، دوسری قرار داد جو حزب اختلاف کی جانب سے پیش کی گئی تھی اس کی تشریح وتوضیح کے لئے دوصد صفحے کی ایک کتاب جو جدید طرز پر مرتب کی گئی تھی ان ارکان کی جانب سے پیش کی گئی اور ایوان میں سنائی گئی، جس سے تمام ممبران اسمبلی کو مرزائیوں کی مذہبی حیثیت اور ان کے سیاسی عزائم سے آگاہی ہوئی اور ان کی آنکھیں کھل گئیں۔

بہر حال مسلمانوں کی کوششیں نیشنل اسمبلی کی سطح پر اور باہر مسلمانوں کی عام سطح پر پرامن طریقے سے جاری رہیں، آخر جناب وزیر اعظم بھٹو صاحب نے ۷ ستمبر ۱۹۷۴ء آخری فیصلہ کے اعلان کی تاریخ مقرر کردی، حالات آخر تک مایوس کن تھے اور توقع نہ تھی کہ مطالبہ کا احترام کیا جائے گا، اس لئے کہ تین ماہ کے عرصہ میں تحریک کو کچلنے کی کوئی کسر باقی نہیں رکھی گئی لیکن "واللہ غالب علی امرہ" حق تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے، قلوب بھی حق تعالیٰ کے ہاتھ میں ہیں اور زبانیں بھی اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہیں، خوف ورجائی کے بہت سے مراحل آتے رہے، بالآخر جناب وزیر اعظم بھٹو صاحب نے چھ اور سات کی درمیانی رات کو رات کے بارہ بجے کے بعد مسلمانوں کا مطالبہ تسلیم کرلیا، اگلے دن ستمبر کو اڑھائی بجے رہبر کمیٹی کا اجلاس ہوا، ساڑھے چار بجے نیشنل اسمبلی کا اجلاس ہوا اور ساڑھے سات بجے ایوان اعلیٰ کا اجلاس ہوا، تمام حاضر اراکین کے اتفاق سے مسلمانوں کا مطالبہ منظور ہوگیا اور آخری اعلان آٹھ بجے کی خبروں میں ہوگیا اور اس طرح الحمدللہ یہ مسئلہ بخیر وخوبی طے ہوگیا، جب سے پاکستان بنا ہے مسلمانوں کو کبھی اتنی مسرت اور خوشی نہیں ہوئی جتنی کہ اس خبر سے ہوئی کہ اس سرزمین پاک میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ختم نبوت کو آئینی تحفظ دے کر پاکستان کے مسلمانوں نے تاریخ اسلام میں ایک زریں باب کا اضافہ کیا، اب ان گذشتہ باتوں کو دہرانے کی ضرورت نہ تھی مگر یہ چند اجمالی اشارے دووجہ سے ضروری سمجھے گئے، اوّل یہ کہ مسلمان یہ جاننے کے لئے بیتاب تھے کہ ان کی ملی تحریک کن مراحل سے گذری اور کس طرح اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل واحسان سے اسے کامیابی سے ہمکنار کیا۔ دوم یہ کہ بعض حلقوں کی جانب سے یہ تاثر دیا گیا کہ مسلمان مرزائیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دینے کا مطالبہ کر کے خدانخواستہ ظلم کررہے ہیں، حالانکہ تحریک کو اول سے آخر تک دیکھا جائے تو قدم قدم پر مسلمانوں کی مظلومیت کے نقوش ثبت ہیں، مظلوم کو فریاد کرنے کی بھی اجازت نہ دینا

کہاں کا انصاف ہے!۔

سپاس وتشکر

اس موقعہ پر ہم سب کو اللہ پاک کا شکرادا کرنا چاہیے کہ محض اسی نے اپنے فضل واحسان سے اپنے حبیب پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی ختم نبوت کی لاج رکھ لی اور اس تحریک کو کامیابی عطا فرمائی، اسی نے اس کے فوق العادت اسباب مہیا کئے، مسلمانوں کے تمام طبقوں کو متحد اور مجتمع فرمایا، اور اسی نے اراکین آسمبلی کے دل میں صحیح فیصلہ ڈالا۔ الحمد لله وحده، لا اله الا الله وحده، انجز وعده، ونصر عبده (اعنی سیدنا محمد صلی الله علیه وسلم) وهزم الاحزاب وحده۔ اللہ تعالیٰ کے بہت سے نیک بندوں نے اس موقعہ پر دعائیں کیں، اللہ تعالیٰ سے التجائیں کیں، اللہ تعالیٰ نے ان کی دعائیں قبول فرمائیں، جو کچھ ہوا محض اللہ تعالیٰ کے فضل سے تکوینی طور پر ہوا، وہم وگمان سے بالاتر اللہ تعالیٰ نے احسان فرمایا۔

مجلس عمل کے خادم کی حیثیت سے میں یہ فرض سمجھتا ہوں کہ جناب وزیر اعظم صاحب اور ان کے رفقاء کو مبارکباد اور ہدیہ تشکر پیش کروں، اگر موصوف نے آخری مرحلہ میں تدبر سے کام نہ لیا ہوتا اور گذشتہ حکمرانوں کی طرح نشہ اقتدار میں مسلمانوں کے ملی مطالبہ کو خدانخواستہ ٹھکرادیا جاتا تو شاید ہم سب غضب الٰہی کی لپیٹ میں آگئے ہوتے اور پاکستان میں پھر ۵۳ء کی یاد تازہ ہو جاتی، یہ اللہ تعالیٰ کا ان پر احسان ہے کہ یہ مسئلہ ان کے دور اقتدار میں حل ہوا، اگرچہ مسلمانوں کو ابتلا سے گذرنا پڑا لیکن بالآخر اللہ تعالیٰ نے فضل فرمایا جناب وزیر اعظم صاحب کے دل میں صحیح بات ڈال دی، بہرحال وہ اس جرأت مندانہ اقدام پر تمام عالم اسلام کی جانب سے مبارکباد کے مستحق ہیں۔

نیز میں قومی اسمبلی کے صدر اور معزز مسلمان اراکین کو تمام مسلمانوں کی جانب سے مبارکباد پیش کرتا ہوں کہ انہوں نے مرزائیت کے تمام ما لہ وما علیہ کو بڑی محنت اور جانفشانی سے پڑھا اور پوری بصیرت سے صحیح فیصلہ صادر کیا۔

ملت اسلامیہ نے جس بے مثال اتحاد کا مظاہرہ کیا اور تمام مسلمانوں نے جس عزم واستقلال کے ساتھ تحفظ ناموس رسالت (علی صاحبہا الصلاۃ والسلام) کی خاطر ہر قسم کی گروہ بندیوں سے بالاتر ہو کر ایثار وقربانی کا نمونہ پیش کیا اس کی تحسین کے لئے الفاظ کا دامن تنگ ہے، جن جن لوگوں نے اخلاص کے ساتھ اس میں حصہ لیا وہ اپنا اجر اللہ تعالیٰ کے یہاں پائیں گے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت کے مستحق ہوں گے، حق یہ ہے کہ اس موقعہ پر ملت اسلامیہ کا ایک ایک فرد مبارکباد کا مستحق ہے۔

اس حادثہ ربوہ کا آغاز عزیز طلبہ پر ظلم وستم سے ہوا اور انہوں نے ایک طرف تحریک کے لئے قربانیاں پیش کرنے کا عزم کیا اور دوسری طرف اپنے جوش وخروش کو مجلس عمل کی ہدایات کے مطابق بے جا استعمال کرنے سے حتی الوسع پرہیز کیا، ورنہ نوجوان طبقہ صبر وتحمل کی تلقین کو مشکل ہی سے سننے کا عادی ہوتا ہے اس لئے ہمارے عزیز

طلبہ دوگونہ مبارک باد کے مستحق ہیں اور کبھی کبھی خیال ہوتا ہے کہ اگر ان نوجوانوں کی ہمت و ارادہ کے دھارے صحیح رخ پر بہنے لگیں اور ان کی ایسی تربیت ہو کہ وہ اس پاکستان کی پاک سرزمین میں ہر قسم کی گروہ بندیوں اور ذاتی مفادات سے بالاتر ہو کر صرف اللہ تعالیٰ کے دین کی خاطر محنت کرنے والے بن جائیں تو اس ملک کا نقشہ ہی بدل جائے، وما ذالك على الله بعزيز۔

اس موقعہ پر حزب اختلاف کی جماعتوں کے کردار کو داد نہ دینا بے انصافی ہوگی، سیاسی جماعتوں کا مزاج ہی کچھ ایسا ہوتا ہے کہ وہ کسی مناسب موقعہ سے سیاسی فائدہ اٹھانے سے نہیں چوکتیں، مگر ہماری تحریک بحمد اللہ خالص دینی تھی، صرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس اور آپ کی ختم نبوت کی آئینی حفاظت اس کا مشن تھا، اس لئے جو جماعتیں بھی مجلس عمل میں شامل ہوئیں انہوں نے پوری شدت کے ساتھ اس مقدس تحریک کو سیاسی آلائشوں سے پاک رکھنے کا عزم کیا اور عملی طور پر اس کا پورا پورا مظاہرہ بھی کیا، اللہ تعالیٰ سب کو جزائے خیر دے۔

قومی پریس پر سخت پابندیاں عائد تھیں، تحریک کی خبروں کی اشاعت چھن چھن کر ہوتی تھی اس کے باوجود قومی پریس نے مسلمانوں کی ملی تحریک سے حتی الامکان ہمدردی اور تعاون کا مظاہرہ کیا، خصوصیت کے ساتھ نوائے وقت لاہور نے بڑے بڑے بصیرت افروز اداریے اور مقالے شائع کئے، انصاف یہ ہے کہ دیگر دینی جرائد کے ساتھ نوائے وقت کا اس مقدس تحریک میں بہت ہی بڑا حصہ ہے، اللہ تعالیٰ اس کے ذمہ دار اصحاب کو بہت ہی جزائے خیر عطا فرمائے اور دنیا و آخرت میں اس کا بہترین اجر عطا فرمائے۔

ناسپاسی ہوگی اگر ہم اس موقعہ پر عالم اسلام کی ان مایۂ ناز اور پروقار شخصیتوں کا ذکر نہ کریں جنہوں نے اس نازک موقعہ پر پاکستان کے مسلمانوں سے ہمدردی فرمائی اور ارباب حل وعقد کو اپنے قیمتی مشوروں سے مستفید کیا میں ان کی خدمت میں پاکستان کے تمام مسلمانوں کی طرف سے مبارکباد پیش کرتا ہوں۔

اس مسرت وشادمانی کے موقعہ پر ہمیں اپنے ان بزرگوں کی یاد آتی ہے جنہوں نے اپنی ساری زندگی اس کے لئے بے چینی میں گذاری، حضرت الاستاذ امام العصر مولانا محمد انور شاہ کشمیری، حضرت مولانا پیر مہر علی شاہ گولڑوی، حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی، حضرت مولانا ثناء اللہ امرتسری، حضرت مولانا شاہ عبدالقادر رائپوری، مولانا سید عطاء اللہ شاہ بخاری، مولانا محمد علی جالندھری، مولانا قاضی احسان احمد شجاع آبادی، مولانا لال حسین اختر اور دیگر بہت سے اکابر رحمہم اللہ نے اپنے وقت میں مرزائی فتنہ کے استیصال کے لئے اپنی ہمتیں صرف فرمائیں، حق تعالیٰ ان کو بہترین درجات عطا فرمائے کہ انہی کی جوتیوں کے طفیل آج مسلمانوں کو کامیابی نصیب ہوئی، یہاں خصوصیت سے علامہ اقبال مرحوم کا تذکرہ ضروری ہے کہ سب سے اول انہوں نے قادیانیوں کو اقلیت قرار دینے کا مطالبہ اٹھایا۔

۵۳ء کی تحریک میں یا تحریک کے موجودہ مرحلے میں جن حضرات نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ختم نبوت پر اپنی جان نثار کی اور جام شہادت نوش فرمایا ہم ان کی ارواح طیبہ پر بھی عقیدت کے پھول نچھاور کرتے

ہیں، ان کی قربانیاں رنگ لائیں اور جس مقصد کے لئے انہوں نے اپنی جان کا ہدیہ پیش کیا تھا بالآخر اللہ تعالیٰ نے وہ مقصد عطا کر دیا، اللہ تعالیٰ ان سب کو بلند درجے عطا فرمائے اور ان کی لغزشوں سے درگذر فرمائے۔

آثار ونتائج

قوموں کی زندگی میں اس قسم کے تاریخ ساز واقعات ہمیشہ نہیں آتے اس لئے جی چاہتا تھا کہ پاکستان کی تاریخ کے اس زریں واقعہ کے آثار ونتائج پر کچھ تفصیل سے لکھا جائے، مگر افسوس کہ اس کی نہ فرصت ہے نہ گنجائش، مختصراً یہ کہ ۱۹۷۱ء میں سقوط مشرقی پاکستان سے پاکستان کے مسلمانوں کو جو گہرا زخم پہنچا تھا اس سے نہ صرف مسلمانوں کا وقار مجروح ہوا بلکہ خود اسلام کے بارے میں بھی (جو اس ملک کا سنگ بنیاد تھا) طاغوتی طاقتوں نے طرح طرح کے پروپیگنڈے شروع کر دیئے، الحمدللہ قومی اسمبلی کے ایمانی فیصلہ سے اس کی بڑی حد تک تلافی ہوگئی، عالم اسلام میں پاکستان کا وقار بلند ہوا جس کا اندازہ ان تہنیتی تاروں سے ہو رہا ہے جو وزیر اعظم اور دیگر عمائد ملک کو موصول ہو رہے ہیں، بلکہ کافر ممالک کو بھی یہ احساس ہوگیا کہ اسلام ایک زندہ طاقت ہے اور مسلمانوں میں ابھی ہمت وارادہ موجود ہے اور وہ اپنے دین کی سربلندی کے لئے جرأت مندانہ اقدام کرنے کی سکت رکھتے ہیں، اسلام کے صرف ایک مسئلہ اور بنیادی مسئلہ کو اپنانے کی یہ برکت ہے اگر ہمارے حکمران کمال اخلاص کے ساتھ خدا تعالیٰ کو راضی کرنے کے لئے پورے کا پورا دین انفرادی اور حکومتی دونوں سطحوں پر اپنائیں تو آخرت میں تو جو اجر ملے گا ملے گا، انشاء اللہ دنیا کی سرخروئی بھی مسلمانوں کو نصیب ہو سکتی ہے۔

پاکستان اور مسلمانوں کی بقاء اسلام سے وابستہ ہے

ہمارے ملک میں کچھ عرصے سے لادینی کمیونسٹ نظام کو لانے کے لئے اسلامی سوشلزم کی باتیں ہو رہی ہیں، عوام کو روٹی، کپڑا اور مکان کے نعروں سے فریب دیا جا رہا ہے اور ذرائع ابلاغ سے ایسے مضامین شائع اور نشر کئے جا رہے ہیں، قومی اسمبلی کا حالیہ تاریخی فیصلہ اس امر کی علامت ہے کہ جو شخص یہاں کے عوام کو اسلام سے برگشتہ کرنے کے کھیل کھیلتا ہے وہ چند دنوں کے لئے فریب دے سکتا ہے لیکن بالآخر اسے منہ کی کھانی ہوگی، پاکستان حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور کلمہ طیبہ کے نام پر اور اسلام کی خاطر بنا ہے جو لوگ یہاں کے مسلمانوں کے دل سے اسلام کی وقعت نکالنا چاہتے ہیں، محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاک طریقوں سے مسلمانوں کو ہٹاتے ہیں وہ دراصل پاکستان کے نقشہ کو مٹانے کے درپے ہیں، غرض ایک بار یہ حقیقت پھر ابھر کر سامنے آ گئی کہ پاکستان اور پاکستان کے مسلمانوں کی بقا اسلام اور صرف اسلام سے وابستہ ہے۔

اقلیت قرار دیئے جانے کے بعد مرزائیوں کی حیثیت

مرزائیوں کی حیثیت قبل ازیں کفار محاربین کی تھی اور قومی اسمبلی کے فیصلہ کے بعد ان کی حیثیت پاکستان کے غیر مسلم شہریوں کی ہے جن کو ذمی کہا جاتا ہے (بشرطیکہ وہ بھی پاکستان میں بحیثیت غیر مسلم کے رہنا قبول کرلیں اس لئے کہ عقد ذمہ دوطرفہ معاہدہ ہے) اور کسی ذمی کے جان و مال پر ہاتھ ڈالنا اتنا سنگین جرم ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قیامت کے دن بارگاہ الٰہی میں ایسے شخص کے خلاف نالش کریں گے، اس بنا پر تمام مسلمانوں کا فرض ہے کہ ان کی جان و مال کی حفاظت کریں، مجلس عمل نے مرزائیوں سے سوشل بائیکاٹ کا فیصلہ کیا تھا جو مسلمانوں کے دائرہ اختیار کی چیز تھی لیکن جن مرزائیوں نے قومی اسمبلی کا فیصلہ تسلیم کر کے اپنے غیر مسلم شہری ہونے کا اقرار کرلیا ہو، اب ان سے سوشل بائیکاٹ نہیں ہوگا اور جو مرزائی اس فیصلہ کو قبول نہ کر رہے ہوں تو اس کے معنی یہ ہیں کہ وہ مسلمانوں سے ترک محاربت پر آمادہ نہیں۔

مرزائیوں کو آئینی حیثیت سے غیر مسلم تسلیم کرنے کے بعد کچھ انتظامی اقدامات ہیں جو حکومت پاکستان سے متعلق ہیں، ہم توقع رکھتے ہیں کہ حکومت اس بات میں تغافل سے کام نہیں لے گی اس سلسلہ میں زیادہ اہم یہ امر ہے کہ خفیہ ریشہ دوانیوں پر کڑی نظر رکھی جائے اور کسی نئی سازش برپا کرنے کے امکانات کو نظر انداز نہ کیا جائے۔

مرزائیوں سے متعلق مسلمانوں اور حکومت کے کرنے کا اصل کام

حکومت اور عام مسلمانوں سے متعلق جو چیز ہے وہ یہ ہے کہ مرزائیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دے کر ہمارا مشن پورا نہیں ہوجاتا بلکہ یہ تو اس کا نقطہ آغاز ہے، اصل کام جو ہمارے کرنے کا ہے وہ یہ ہے کہ جو لوگ کسی مادی غرض یا کسی غلط فہمی کی بنا پر اس مرزائیت سے وابستہ ہوئے انہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دامن ختم نبوت میں لانے کے لئے محنت کی جائے، ان کے کچھ شبہات ہوں تو ان کو زائل کیا جائے، ان کی کچھ مجبوریاں ہوں تو ان کو رفع کیا جائے، مرزائیوں نے عام طور پر مسلمانوں ہی کو شکار کیا ہے ضرورت اس بات کی ہے کہ ان کو پوری ہمدردی اور خیر خواہی کے ساتھ جہنم سے نکالنے کی فکر کی جائے، پاکستان کے اندر اور باہر جس قدر لوگ مرتد ہوئے ہیں انہیں پھر سے اسلام کی دعوت دی جائے، غرض مرزائیوں کو خارج از اسلام قرار دینا اصل مقصد نہیں تھا بلکہ انہیں داخل در اسلام کرنا اصل مقصد ہے، اس سلسلہ میں انشاء اللہ ایک وسیع ارادہ ہے جو صالحین اس کے لئے قربانیاں دینے کو تیار ہوں گے ان کے لئے انشاء اللہ بڑی ہی بشارتیں ہیں، راقم الحروف کے ایک نہایت مخلص دوست جناب شیخ محمود حافظ مدنی نے جو ان دنوں دمشق میں ہیں ایک گرامی نامہ تحریر فرمایا ہے اس کا ایک فقرہ یہاں نقل کرتا ہوں:

"فانی ابشرکم انی رأیتکم فی المنام لیلة ۳ شعبان ۹۴ ھ رؤیا طیبة جدا، اهنئکم بها، واختصرها لکم، رایتکم مع جماعة علیهم سیما الصلاح والتقوی متقدمین فی السن، وکلهم یعملون فی جمع صفحات القرآن

الذی کتبتموہ بخطکم وقلمکم الجمیل بمدادٍ لونہ زعفرانیٌ وقصدکم طباعۃ هذا القرآن ونشره بین الناس لتعمیم الفائدة ، هکذا سمعت منکم وانتم تشیرون الیّ فی غایة من الفرح والسرور والابتهاج ، وعند ما تیقظت لصلاة الفجر قمت متضائلا والفرحة تملأ قلبی وایقنت بأن الله تعالیٰ کلل اعمالکم بالفوز والنجاح، والحمدلله الذی بنعمته تتم الصالحات". انتهی باختصار.

ترجمہ: میں آپ کومبارک باد دیتاہوں کہ میں نے ۳؍شعبان ۱۳۹۴ھ کی رات کوآپ کے بارے میں بہت عمدہ اورمبارک خواب دیکھا ہے جس کی آپ کومبارک باد دیناچاہتاہوں،اس کو یہاں مختصرً انقل کرتاہوں، میں نے آپ کوایسے شیوخ کی جماعت کے ہمراہ دیکھا جوسن رسیدہ ہیں اورجن پرصلاح وتقویٰ کی علامات نمایاں ہیں. یہ سب حضرات اس قرآن کریم کے صفحات جمع کرنے میں مصروف ہیں جوآپ نے اپنے قلم سے سنہری زعفرانی رنگ کی روشنائی سے خودتحریر کیا ہے اورآپ کا قصد یہ ہے کہ اس کو عام فائدہ کے واسطےلوگوں میں شائع کیا جائے ، آپ نے اپنے اس قصد کا اظہار نہایت مسرت وشادمانی اورسرور کی حالت میں میری طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا صبح کونماز فجر کے لئے اٹھا تو قلب فرحت سے لبریز تھا اور مجھے یقین ہے کہ آپ کے اعمال کوحق تعالیٰ نے کامیابی وکامرانی کا تاج پہنایا ہے،اللہ تعالیٰ کا بےحد شکر ہے جس کی نعمت سے تمام خوبیاں تکمیل پذیر ہوتی ہیں۔

خواب مختصرالفاظ میں ختم ہوا۔

اہل فہم جانتے ہیں کہ ملاحدہ نے قرآن کریم کی آیات کوجس طرح مسخ کیااوران میں تاویل وتحریف کرکےان کےمفہومات کوبگاڑا ہے،قرآن کوسنہری حروف میں لکھ کرتمام عالم میں شائع کرنے کی تعبیراس کےسوا کیا کی جائے کہ ان ملاحدہ کی تحریفات دنیا کےجس جس خطے تک پھیلی ہوئی ہیں ان کے اثرات وہاں سے مٹائے جائیں اورقرآن کریم کی سنہری تعلیمات کی طرف لوگوں کودعوت دی جائے ،کیابعید ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے کمزور نالائق اور پست ہمت بندوں سے بھی اس سلسلہ میں کچھ خدمت لےلیں، وماذالک علی اللہ بعزیز۔

اب دیکھئے وہ کون خوش قسمت لوگ ہیں جوقرآن کےان سنہری صفحات کوجمع کرنے کے لئے میدان میں آتے ہیں:

گوئے توفیق وسعادت درمیاں افگندہ اند

کس بمیدان درنمے آید،سواراں راچہ شد

والحمد لله اولا وآخرا والصلاة والسلام علی خیرخلقه صفوة البریة سیدنا محمد وآله واصحابه واتباعه اجمعین.

[رمضان المبارک وشوال المکرم ۱۳۹۴ھ/اکتوبر ۱۹۷۴ء]

برطانیہ: اسلام کا سب سے بڑا دشمن

حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندی رحمۃ اللہ علیہ کا مقولہ اپنے اساتذہ سے سنا تھا کہ ''اسلام کے خلاف دنیا میں کہیں بھی کوئی سازش کی گئی ہو اس میں برطانیہ کا ہاتھ ضرور ہوگا'' واقعہ یہ ہے کہ برصغیر پر غاصبانہ تسلط کے دوران اسلام کو جتنا نقصان حکومت برطانیہ نے پہنچایا اتنا شدید نقصان شاید تمام طاغوتی طاقتوں کی مجموعی قوت سے بھی نہیں پہنچا، ماضی قریب میں اسلام کا سب سے بڑا دشمن، سب سے بڑا حریف اور سب سے بڑا مجرم انگریز رہا ہے، اسلامی تہذیب و معاشرت، اسلامی قلب و قالب اور اسلام کی روح و معنویت کو اس سفید دشمن نے جیسا مسخ کیا اس کی نظیر تاریخ میں نہیں ملتی، یہی دشمن ہے جس نے خلافت عثمانیہ کے عظیم و وسیع اسلامی قلعہ کو مسمار کر کے عالم اسلام کو چھوٹی چھوٹی ٹکڑیوں میں تقسیم کر ڈالا، جس نے اسلامی ممالک کے درمیان شقاق و نفاق کے کانٹے بوئے، جس نے اسلام کے مقامات مقدسہ کی حرمت کو پامال کیا، جس نے اسلامی شعائر کو مغربیت کی کند چھری سے ذبح کیا، جس نے مسلمانوں کی اسلامی و ملی غیرت کو کچل ڈالا، جس نے انسانیت کو بہیمیت و درندگی اور مکاری و عیاری کا درس دیا، جس نے خواتین اسلام کے سر سے ردائے عفت چھین لی، جس نے صنف نازک کو بازار فسق کا بکاؤ مال بنا ڈالا۔

ہاں یہی طاغوت ہے جس نے لاکھوں مسلمانوں کو شہید کیا، جس نے ہزاروں اولیاء اللہ کو تختہ دار پر کھینچا، جس نے معصوم بچوں کے خاک و خون میں تڑپنے کا تماشہ دیکھا، جس نے پردہ نشینان اسلام کو درندگی و بہیمیت کا نشانہ بنایا، جس کی سازش نے عالم اسلام کے جگر میں اسرائیل کا صیہونی خنجر گھونپا، جس نے لاکھوں فلسطینیوں کو خانہ بدوشی کی سزا دی، خدا کی زمین میں کون سی جگہ ہے جہاں انگریز کے جور و ستم اور سازشوں کے نقش ثبت نہیں؟ عالم اسلام کے چپے چپے پر اس کے دندانِ حرص و آز کے زخم موجود ہیں۔

جانشین ہوں گے تو اس سے دوہرا مقصد حاصل ہوگا، ایک طرف انگریز و برطانوی حکومت کے حق میں ظل اللہ فی الارض کا قادیانی تصور قائم رہے گا اور دوسری طرف قادیانی نبوت انگریزی داشتہ کی حیثیت سے کام کرے گی، برطانیہ کو جہاد کے خطرہ سے نجات ملے گی اور اسلام کی جگہ قادیانیت کو پنپنے کا موقعہ ملے گا۔

قادیانیت انگریز کا خودکاشتہ پودا

اس مقصد کے لئے افریقی ممالک میں جس طرح عیسائیوں کے لئے سکول، ہسپتال اور گرجے قائم کئے گئے، ٹھیک اسی طرح قادیانیوں کے ہسپتال، اسکول اور نئے گرجے بنائے گئے، اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ وہاں مسلمانوں کو عیسائیت اور مرزائیت کی چکی کے دو پاٹوں کے درمیان پیس ڈالا گیا اور حیرت ہے کہ قیام پاکستان کے بعد قادیانیوں نے ان ممالک کے سادہ لوح عوام کو یہ تاثر دیا کہ پاکستان میں مرزائیوں کی حکومت قائم ہے، ربوہ دارالخلافہ ہے اور پاکستان کا امیر المومنین خلیفہ ربوہ ہے۔ اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ اس نئے حربے سے بھولے

بھالے مسلمانوں کو کتنی آسانی سے شکار کیا گیا ہوگا؟ اس لئے شدید ضرورت ہے کہ ان شیاطینی تدابیر کا توڑ کیا جائے اور ختم نبوت کے جھنڈے تلے حضرت خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کے دین کی صحیح نشر و اشاعت کی جائے، یہ مسئلہ تمام اسلامی ممالک کی توجہ کا اولین مستحق ہے، خصوصاً پاکستان کی حکومت پر اس کی سب سے بڑی ذمہ داری عائد ہوتی ہے اس کے لئے بہترین صلاحیتوں کے مخلص پرعزم اور باہمت نوجوانوں کی ضرورت ہے جو پرچم اسلام کو سر بلند کرنے کے لئے اپنی تمام صلاحیتیں اللہ تعالیٰ کے راستہ میں وقف کر سکیں۔

قادیانیوں کی پاکستان خلاف سازشیں

یہ دیکھ کر بے حد صدمہ ہوا کہ قادیانی گروہ جو انگریز کی اطاعت و فرماں برداری اور خوشامد و تملق کا خوگر ہے، اس نے ستمبر ۷۴ء کے بعد پاکستان کے خلاف زہر اگلنا شروع کر دیا ہے، بیرونی ممالک میں قادیانیوں پر حکومت پاکستان کے مظالم کی فرضی داستانیں تراش تراش کر پوری دنیا میں پاکستان کے خلاف پروپیگنڈا کر رہا ہے، قادیانی افسانہ سازوں کی ان حرکات کا نوٹس لینا اور ان کے مکروہ پروپیگنڈہ کا جواب دینا حکومت کا فرض تھا اور پاکستانی سفارت خانوں کو اس کا توڑ کرنا چاہیے تھا، مگر افسوس ہے کہ اس طرح توجہ نہیں کی گئی اور اس فیصلہ کے مضمرات کی کما حقہ تشہیر و اشاعت سے غفلت روا رکھی گئی، اس لئے مجبوراً یہ خدمت بھی مجلس تحفظ ختم نبوت کو انجام دینا پڑی، الحمد للہ اسلامی ممالک کے علاوہ افریقی ممالک میں بھی مجلس تحفظ ختم نبوت کی شاخیں قائم کی جارہی ہیں اور مجلس کے مبلغین اپنے محدود وسائل کی حد تک قادیانیوں کے گمراہ کن اثرات کو زائل کرنے میں مصروف عمل ہیں، بہر حال پاکستان کی حکومت اور پبلک کے لئے قادیانی مسئلہ کا یہ پہلو بھی خاص طور سے توجہ طلب ہے۔

قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دینے کے تقاضے

ستمبر ۱۹۷۴ء کے آئینی فیصلے کے تقاضے ابھی تشنہ ہیں اور مسلمان ان کی تکمیل و تعمیل کے لئے مضطرب ہیں، اس سلسلہ میں روزنامہ نوائے وقت لاہور (۱۳؍جنوری ۱۹۷۶ء) کا اداریہ مسلمانوں کے جذبات کا صحیح ترجمان ہے ہم اسے ذیل میں نقل کر کے ملک کے ارباب حل و عقد کو اس اہم ترین فریضہ پر توجہ کرنے کی دعوت دیتے ہیں۔

قادیانی...... آئینی ترمیم پر عملدرآمد

مرکزی مجلس تحفظ ختم نبوت کے زیر اہتمام ایک تقریب میں جو کراچی میں اس تنظیم کے سربراہ مولانا محمد یوسف بنوری کے اعزاز میں منعقد ہوئی یہ بتایا گیا کہ مجلس کا ایک وفد جلد ہی وزیر اعظم مسٹر بھٹو سے ملاقات کرے گا اور اس بات پر زور دے گا کہ قادیانیوں کو غیر مسلم قرار دینے کے لئے ۷؍ستمبر ۱۹۷۴ء کو آئین میں اتفاق رائے سے جو ترمیم کی گئی تھی اسے عملی جامہ پہنانے کے لئے ضروری اقدامات میں مزید تاخیر نہ کی جائے۔

آئین میں یہ ترمیم برصغیر کے مسلمانوں کی جس طویل اور ایمان افروز جدوجہد کے بعد کی گئی تھی وہ محتاج وضاحت نہیں اور اس کی منظوری کے موقع پر وزیر اعظم مسٹر بھٹو کا یہ اظہار فخر بالکل بجا تھا کہ ان کی حکومت کو ایک بہت پرانا اور نازک مسئلہ حل کرنے کی منفرد سعادت حاصل ہوئی ہے، اس کے ساتھ انہوں نے قومی اسمبلی میں اپنی تقریر کے دوران میں ان دوسرے متعلقہ اہم معاملات کی طرف بھی جلد ہی مناسب توجہ کرنے کا واضح یقین دلایا تھا جو مسلمانوں کے اس بنیادی مطالبہ کے لازمی مضمرات کی حیثیت رکھتے تھے، ان میں فوری نوعیت کا معاملہ یہ تھا کہ تحریک تحفظ ختم نبوت کے سلسلے میں ملک بھر میں جن علمائے کرام سیاسی کارکنوں اور دوسرے اصحاب کے خلاف مقدمات درج کئے گئے تھے وہ واپس لئے جائیں، یہ فوری معاملہ بھی تدریجاً اور قسطوں میں ہی حل کرنے کی کوشش کی گئی ہے اور ابھی تک پوری طرح حل نہیں ہوا کیونکہ گاہے گاہے مختلف مقامات سے ان مقدمات کا سلسلہ ختم کرنے کے مطالبات منظر عام پر آتے رہتے ہیں لیکن بیشتر دوسرے اور نسبتاً اہم تر مضمرات ابھی تک تشنہ تکمیل چلے آرہے ہیں، ہماری مراد قادیانیوں کو کلیدی مناصب سے علیحدہ کرنے، ملازمتوں کے سلسلہ میں ان کی آبادی کے تناسب کو ملحوظ رکھنے کے ساتھ اس صورت حال کو بھی مستقلاً ختم کرنے سے ہے جو قادیانیوں کی طرف سے اپنے آپ کو مسلمان بلکہ بطور مسلمان مسلمانوں سے بھی بہتر مسلمان ظاہر کرنے پر اصرار سے پیدا ہو جاتی ہے۔

پچھلے سال کے شروع میں آئینی ترمیم کی روشنی میں ضابطہ تعزیرات میں مناسب تبدیلی کے لئے ایک مسودہ قانون قومی اسمبلی میں پیش کیا گیا تھا لیکن ابھی تک اسے منظور نہیں کرایا گیا اور یہی بات اضطراب وتعجب کا باعث بنی ہوئی ہے، یہ درست ہے کہ اس دوران میں شناختی کارڈوں، پیشہ ورانہ تعلیم کے بعض اعلیٰ اداروں میں داخلہ، حج اور عمرہ کے لئے درخواستوں وغیرہ کے سلسلہ میں عقیدہ ختم نبوت پر کامل ایمان کے اظہار کے لئے حلف نامے ضروری قرار دیئے جاچکے ہیں، لیکن ضابطہ تعزیرات میں تبدیلی کا مسودہ قانون منظور کرنے میں جو تاخیر ہو رہی ہے اس کی وجہ سے جہاں قادیانی حسب سابق اپنے آپ کو مسلمان ظاہر کرنے کی کوشش کر رہے ہیں وہاں انہوں نے طنز وتضحیک کے انداز میں اصل مسلمانوں کو محض آئینی قانونی مسلمان قرار دینے کا بھی اشتعال آفریں سلسلہ شروع کر رکھا ہے اور ان کے بعض اخباروں اور ترجمان جرائد نے تو اس حرکت کو معمول بنالیا ہے۔

ضابطہ تعزیرات میں آئینی ترمیم کے مطابق تبدیلی کرنے میں تاخیر سے یہ عجیب صورت بھی پیدا ہوگئی ہے کہ جو لوگ آئینی طور پر غیر مسلم قرار پاچکے ہیں وہ نہ صرف اسلام کے مبلغ ہونے کے دعویدار بنتے ہیں بلکہ ان اسلامی اصطلاحات کو بھی بے دریغ استعمال کرتے ہیں جو عقیدہ وایمان اور تاریخ وروایت کے اعتبار سے صرف اسلام کا حصہ اور مسلمانوں کا ورثہ اور سرمایہ ہیں، قادیانیوں کی طرف سے یہ گمراہ کن اور اشتعال آفرین سلسلہ اب اسی طرح ختم ہوسکتا ہے کہ ضابطہ تعزیرات میں بھی تبدیلی کرنے میں مزید تاخیر نہ کی جائے، تاکہ آئین میں تاریخی ترمیم کے اصل مقاصد پورے کرنے کی راہ کما حقہ ہموار ہوسکے۔

ہمیں امید ہے کہ مرکزی مجلس تحفظ ختم نبوت نے وزیر اعظم سے اپنے ایک وفد کی ملاقات کا جو پروگرام بنایا ہے اس اہم ضرورت کو پورا کرنے کی مثبت کوشش ثابت ہوگا اور اسلامیان پاکستان کو ۱۹۷۴ء میں اپنے بنیادی عقیدہ اور عشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے تحفظ و اظہار کے لئے باقاعدہ آئینی اہتمام کرنے کی جو سعادت حاصل ہوئی تھی وہ ہر لحاظ سے پایہ تکمیل تک پہنچ جائے گی، قادیانی حلقے آئینی ترمیم کی طرح ضابطہ تعزیرات میں تبدیلی پر بھی یقیناً بڑے برہم ہوں گے، لیکن جب وہ دائرہ اسلام سے باہر قرار دیئے جا چکے ہیں تو پھر انہیں کوئی حق نہیں پہنچتا کہ وہ اپنے غیر اسلامی عقائد کے باوجود مختلف مفادات کے حصول و تحفظ کے لئے اپنے آپ کو مسلمان ظاہر کریں اور اسلامی اصطلاحات استعمال کرنے پر اصرار کرتے رہیں۔

محرم ۱۳۹۶ء/فروری ۱۹۷۶ء

(بشکریہ: روزنامہ نوائے وقت لاہور ۱۳/جنوری ۱۹۷۶ء)

غنڈہ گردی اور اس کا سد باب

وطن عزیز میں ظلم و ستم اور جور و جفا کے سائے دن بدن گہرے ہوتے جا رہے ہیں اور ملک کا مستقبل لمحہ بہ لمحہ تاریک سے تاریک تر ہوتا جا رہا ہے، یہاں آئے دن کوئی نیا شگوفہ کھلتا ہے اور نیا شگون رونما ہوتا ہے، اسلام آباد کی مرکزی مساجد سے دو علماء کے اغواء کی دردناک کہانی اسی ہفتہ اخبارات میں نظر سے گذری، جن میں ایک مولانا عبداللہ صاحب خطیب لال مسجد بھی شامل ہیں اور اس سے چند دن پہلے جامعہ رشیدیہ ساہی وال اور بعض دوسرے دینی مدارس و مساجد پر چھاپہ مارا گیا اور اخبارات کے مطابق جامعہ رشیدیہ کی جامع مسجد کو شراب سے ملوث کیا گیا، انا للہ وانا الیہ راجعون۔

ہمیں معلوم ہے کہ یہ کس بت فتنہ گر کی عشوہ طرازیاں ہیں؟ یہ کس کی مشق ناز کی کرشمہ سازی ہے؟ کس کے اشارہ چشم و ابرو سے قتل عشاق کا سامان کیا جا رہا ہے؟ لیکن سوال یہ ہے کہ یہ فسطائی حربے، یہ سبائی ہتھکنڈے یہ غنڈہ گردی ارباب اقتدار کی بدنامی کا موجب ہے یا اس نیک نامی سے حکومت مضبوط ہوتی ہے؟ اگر یہ سب کچھ حکومت کے علم و ایماء کے بغیر ہو رہا ہے تو اس دہشت گردی اور بربریت کے انسداد سے حکومت کیوں قاصر ہے؟ کیا ان مہیب واقعات پر حکومت کی پراسرار خاموشی اس کی رضامندی کی دلیل نہیں؟ خدارا! ان فسطائی حربوں سے شعائر اللہ کی مٹی پلید کر کے خدا تعالیٰ کی غیرت کو چیلنج نہ کریں، ظلم و بربریت کا انسداد کر کے اپنے تدبر اور ہوشمندی کا ثبوت دیں۔

لفظ غیر مسلم لکھوانے سے قادیانیوں کا انکار

مدعی نبوت مرزا غلام احمد قادیانی اور اس کے متبعین کی حیثیت آئین میں متعین کر دی گئی اور مرزائی فرقہ کو

غیر مسلم اقلیتوں کی فہرست میں شامل کیا جا چکا ہے، لیکن مرزائی فرقہ کے آرگن روز نامہ الفضل ربوہ نے اعلان کیا ہے کہ ہم شناختی کارڈ اور دوسرے کاغذات میں غیر مسلم لکھنا برداشت نہیں کریں گے، مرزائیوں کا یہ اعلان آئین کی صریح خلاف ورزی ہے اور اس کا نوٹس لینا آئین کے محافظوں کا فرض ہے، تاہم یہ امر واضح ہے کہ مرزائیوں کو غیر مسلم اقلیت کی حیثیت سے جو آئینی تحفظ دیا گیا اگر وہ اس حفاظتی بند کو خود توڑنے کی جسارت کریں تو اس کے معنی یہ ہوں گے کہ انہوں نے یہ آئینی معاہدہ خود منسوخ کر دیا اس کے بعد ان کی حیثیت شرعاً حربی کافروں کی ہوگی اور مسلمان اسی بات پر شرعاً و اخلاقاً مجبور ہوں گے کہ مرزائیوں سے کم از کم سوشل بائیکاٹ کریں۔

دین اسلام اور رنگ و نسل و علاقائیت

خدا جانے ہمارے ارباب اقتدار کو کیا ہو گیا کہ عبرت انگیز حقائق و واقعات سے عبرت نہیں ہوتی؟ غفلت کی انتہا ہو گئی کہ آنکھیں نہیں کھلتیں، اسلامی اتحاد اور اسلامی اخوت کی عالمگیر نعمت کی قدر دانی نہیں اور ملکی لسانی اور مقامی تہذیب و ثقافت کے محدود ترین دائرہ میں سوچتے ہیں اور اس کے احیاء کی کوشش کرتے رہتے ہیں، مراکش سے لے کر انڈونیشیا تک وحدت اسلامی کی ''سلک مروارید'' کو چھوڑ کر سندھی، پنجابی اور بلوچی تہذیبوں کے احیاء کی کوشش فرماتے ہیں، جس کے ذریعہ نہ صرف وحدت اسلامی کو پارہ پارہ کرتے ہیں بلکہ پاکستانی حبل متین کے اتحاد کو بھی پارہ پارہ کر کے مشرقی پاکستان کی دردناک وحسرت ناک اور شرمناک صورت حال کو دعوت دے رہے ہیں، انا للہ وانا الیہ راجعون۔

اسلام نے پہلے قدم پر رنگ و نسل اور وطن کے تمام بتوں کو توڑ کر بے نظیر روحانی رشتہ میں سب روئے زمین کے مسلمانوں کو پرو دیا تھا، پاکستان بنانے کی سب سے بڑی دلیل یہی تھی کہ دنیائے اسلام کی سب سے بڑی حکومت وجود میں آئے گی اور اس کے ذریعہ تمام عالم اسلام کے اتحاد کا روح پرور منظر وجود میں آئے گا۔

اسلام ہی وہ عالمگیر مذہب ہے جس نے جاہلیت قدیمہ و جاہلیت جدیدہ کی لعنتوں کو ختم کیا تھا اور مشرق و مغرب کے مسلمانوں میں روحانی حبل اللہ المتین کا وہ رشتہ قائم کیا جس کی نظیر تاریخ عالم میں نہیں ملتی، یہ وہ طاقت تھی کہ دشمنان اسلام اس سے لرزہ براندام تھے اور اس رشتہ کی برکت سے ایک ہزار برس تک اسلام کا علم لہراتا رہا، دشمنان اسلام نے صدیوں محنتیں کر کے اور کروڑوں روپیہ خرچ کر کے اس کو تباہ کرنے کی ریشہ دوانیاں کیں، یہاں تک کہ خلافت عثمانیہ کے ٹکڑے ٹکڑے کر کے دم لیا اور عرب دنیا کو ''ترکی بھوت'' سے ڈرا کر اتحاد اسلامی کو پارہ پارہ کیا، پھر عرب اتحاد کے خوف سے ان کے سینوں پر ملعون یہودی حکومت قائم کرا دی، تاکہ دوبارہ قیامت تک متحد نہ ہو سکیں اور آج جو کچھ نقشہ آپ کے سامنے ہے یہ صدیوں کی سوچی سمجھی ہوئی اسکیم تھی جس کا ظہور ہو گیا۔

اعدائے اسلام کی امید کے خلاف مسلمانوں کی ایک بہت بڑی قوت پاکستان کی صورت میں دنیا کے

نقشے پر نمودار ہوگئی تو سر ظفر اللہ مرزائی قادیانی کو اس کا وزیر خارجہ بنوا کر پاکستان اور عالم عرب کو پارہ پارہ کرنے کا بیج ڈال دیا گیا، سب سے پہلے افغان حکومت کو ناراض کر کے دشمن بنا دیا گیا اور پھر ایسے مہرے آگے آتے رہے کہ رہی سہی توقعات سب کی سب ختم ہوگئیں، نہ اسلامی قانون وآئین جاری کرایا، نہ اسلامی اخوت کا پرچار کیا، نہ اسلامی اتحاد کی قدر کی۔

اعدائے اسلام کو بنگلہ دیش بنانے کا موقع مل گیا، روس، امریکہ اور ہندوستان تینوں نے مل کر وحدت اسلامی پر پہلا وار کر کے پاکستان کو دو ٹکڑے کرایا، اب وہ اس پر صبر وقناعت نہیں کرنا چاہتے بلکہ ان کی خواہش ہے کہ سندھو دیش بھی قائم ہو، بلوچستان بھی الگ کیا جائے اور سرحد کو بھی کاٹ دیا جائے، پنجاب میں مرزائیوں کے بل بوتے پر دوبارہ نئی حکومت ایسی قائم کی جائے جس کے ذریعہ عرب دنیا کو ڈائنامیٹ لگایا جا سکے۔

سندھ صدیوں کے آئینہ میں

ان نازک ترین حالات میں ''سندھ صدیوں کے آئینہ'' میں سیمینار قائم کیا جاتا ہے اور اگر یہ صحیح ہے کہ امریکن فاؤنڈیشن کی اعانت سے قائم کیا گیا تھا تو آغاز ہی سے اس کے انجام کا پتہ چل جاتا ہے، اس مبارک سیمینار کا اختتام یوں ہوا کہ جمعہ مبارک کی شام کو آرٹس کونسل کراچی میں سندھی موسیقی ورقص کا پروگرام پیش کیا گیا ہے، جس میں وزیروں کی بیگمات نے بھی حصہ لیا اور کیا گیا ''نغمہ سرائی'' اور'' ہوجمالو'' کی دھن پر رقص کے فضیح وقبیح منظر کے ذریعہ بین الاقوامی سیمینار کے نمائندگانِ عالم کے سامنے سامان تفریح پیش کیا گیا، انا للہ وانا الیہ راجعون۔ یہ ہمارا پاکستان ہے اور یہ ہمارا اتحاد اسلامی کا منظر ہے، سنا ہے کہ ایک بیچارے ترکی نمائندہ نے سچ کہا ہے کہ'' پاکستان کو سنا کرتے تھے مگر آج دیکھ لیا''۔ اس نقار خانے میں جو آواز سنجیدہ اور متانت کی اٹھی، وہ جناب اے کے بروہی کی تھی جس نے اسلامی تہذیب اور عربی زبان پر زور دیا، کاش طوطی خوش الحان کی یہ آواز نقار خانے میں سنی جائے۔

خدارا! اس رہے سہے پاکستان پر رحم کرو، دشمنانِ اسلام کی ریشہ دوانیوں سے بچو، ان دیشوں بدیشوں سے پناہ مانگو، جلد سے جلد اسلامی آئین وقانون کو نافذ کرو اور حق تعالیٰ کے غضب کو مزید دعوت مت دو، فیا للاسف۔ نہ معلوم عقلوں پر کیا پردے پڑ گئے، دماغوں کو کیسا کلورافارم سونگھایا گیا کہ ہوش نہیں آتا ہے، اے اللہ ہم پر رحم فرما اور اپنے غضب سے بچا۔

واعف عنا واغفر لنا وارحمنا انت مولانا فانصرنا علی القوم الکافرین، آمین۔

[ربیع الثانی ۱۳۹۵ھ/مئی ۱۹۷۵ء]

قادیانیت اور عالم اسلام

(ایک سفر نامہ کا اقتباس)(۱)

حج سے پہلے رابطہ عالم اسلامی کے جنرل سیکرٹری شیخ محمد صالح قزاز صاحب سے حضرت مولانا مدظلہ کی ملاقات ہوئی، مولانا نے ان کو اپنے سفر کے تاثرات سنائے جس پر انہوں نے خوشی اور اطمینان کا اظہار کیا اور دعائیں دیں، حضرت مولانا نے ان کو بھی یہ تجویز پیش کی کہ رابطہ کی طرف سے کتاب "موقف الامة الاسلامية من القاديانية" کی طباعت کا انتظام ہو اور اسے بلاد اسلامیہ میں تقسیم کیا جائے، جسے انہوں نے بخوشی قبول کیا اور کتاب کو متعلقہ کمیٹی کے سامنے پیش کرنے کا حکم دیا۔

موسم حج میں ہر سال رابطہ کی طرف سے ''بین الاسلامی مجلس مذاکرہ'' منعقد ہوتی ہے، اس مجلس کے اجلاس جاری تھے، شیخ محمد صالح قزاز صاحب نے حضرت مولانا کو اس میں شرکت کی دعوت پیش کی اور اصرار کیا کہ کم از کم اس کے اختتامی اجلاس میں آپ ضرور شرکت فرمائیں، جسے آپ نے قبول فرمالیا، اس ''بین الاسلامی مجلس مذاکرہ'' میں جن موضوعات پر مقالے پیش کئے گئے وہ یہ ہیں:

① قادیانیت ② غیر مسلم ممالک میں مسلم اقلیتیں

③ اسلام میں عورت کا مقام۔

مجلس کا آخری اجلاس ۵ رذوالحجہ ۱۳۹۵ھ مطابق ۷ ردسمبر ۱۹۷۵ء کو عشاء کے بعد رابطہ کے ہال میں شروع ہوا، حضرت مولانا نے بھی اس میں شرکت فرمائی رابطہ کے حضرات نے آپ کا استقبال کیا اور شیخ محمد صالح قزاز اپنی جگہ چھوڑ کر آئے اور مولانا کو خاص مہمانوں کی جگہ بٹھایا، اس اجلاس میں مسلم اور غیر مسلم ممالک کے سینکڑوں علماء نے شرکت کی۔

اس اجلاس میں مندرجہ بالا موضوعات سے متعلق مجلس مذکراہ کی خصوصی کمیٹی نے اپنی سفارشات پڑھ کر سنائیں، قادیانیت کے متعلق جو سفارشات پیش کی گئیں وہ یہ ہیں:

بین الاسلامی مجلس مذاکرہ کی طرف سے قادیانیت سے متعلق مقررہ کمیٹی نے بڑے غور وخوض سے قادیانی جماعت کے اغراض ومقاصد کا مطالعہ کیا اور اس نتیجہ پر پہنچی کہ یہ جماعت بظاہر اسلام کا لبادہ اوڑھ کر اسلام کی جڑیں کاٹ کر مسلمانوں میں اپنے خبیث نظریات پھیلاتی ہے اور اسلام اور مسلمانوں کے عقائد کے خلاف مندرجہ ذیل امور کی مرتکب ہے:

(۱) یہ سفر نامہ محترم جناب مولانا ڈاکٹر عبدالرزاق صاحب زید مجدہم نے تحریر فرمایا۔

الف ...... اس جماعت کے لیڈر مرزا غلام احمد نے نبوت کا دعویٰ کیا۔

ب...... اپنے گھٹیا اغراض کے لئے قران کریم کی آیات کی تحریف کی۔

ج...... اپنے آقا استعمار اور صہیونیوں کو خوش کرنے کے لئے جہاد کے منسوخ ہونے کا اعلان کیا، نیز کمیٹی نے ان عقائد کے سیاسی اور اجتماعی خطرات کا بھی مطالعہ کیا جن کا اس جماعت کی وجہ سے عالم اسلامی کو خطرہ لاحق ہے اور بعض فضلاء کی زبانی یہ سن کر افسوس ہوا کہ یہ جماعت افریقہ، ایشیا، یورپ اور امریکہ کے بعض ممالک میں اپنا کام کر رہی ہے اس لئے یہ کمیٹی مندرجہ ذیل قرارداد پیش کرتی ہے:

① بین الاسلامی مجلس مذاکرہ ان اسلامی حکومت کو مبارک باد پیش کرتی ہے جنہوں نے قادیانیت کے بارے میں اپنا واضح مؤقف اختیار کرتے ہوئے اسے غیر مسلم اقلیت قرار دیا اور یہ مجلس تمام اسلامی حکومتوں اور دینی تنظیمات سے پر زور مطالبہ کرتی ہے کہ وہ بھی یہ اعلان کریں کہ قادیانیت غیر مسلم جماعت ہے اور اسلام کی دائمی تعلیمات کے خلاف ہے۔

② حسن اتفاق سے اس وقت نائیجیریا کے سربراہ مملکت دیار مقدسہ میں موجود ہیں اور جیسا کہ معلوم ہے کہ نائیجیریا میں قادیانی سرگرمیاں بہت تیز ہو رہی ہیں اور اب یہ جماعت وہاں کی یوریا زبان میں قرآن کریم کا ترجمہ شائع کرنا چاہتی ہے، اس لئے کمیٹی یہ سفارش کرتی ہے کہ علماء افاضل کا ایک وفد تشکیل دیا جائے جو نائیجیریا کے صدر محترم سے ملاقات کرے اور ان کے سامنے اس غیر مسلم اور باغی جماعت کے بارے میں امت اسلامیہ کے مؤقف کی وضاحت کرے اور ان سے اپیل کرے کہ وہ ان کے اس خطرناک منصوبے کو پورا ہونے سے روکیں۔

③ مسلمانوں کو مختلف وسائل کے ذریعہ قادیانی لٹریچر پڑھنے سے روکا جائے اور اس لٹریچر کو مسلمانوں میں پھیلانے کا سدباب کیا جائے خصوصاً قرآن کریم کے تحریف شدہ ترجمے۔

④ کمیٹی یہ سفارش کرتی ہے کہ اس غیر مسلم گمراہ کن جماعت کی سرگرمیوں پر کڑی نگاہ رکھی جائے اور رابطہ عالم اسلامی اس سلسلہ میں ایک خاص شعبہ قائم کرے جس کا کام اس جماعت کی سرگرمیوں اور اس کی نقل وحرکت پر نگاہ رکھنا اور اس کی مقاومت کے لئے مناسب قدم اٹھانا ہو۔

⑤ جن بلاد میں یہ فتنہ پھیلا چکا ہے وہاں کثرت سے ایسے مخلص مبلغین کو بھیجا جائے جو قادیانی مذہب اس کے مقاصد اور اس کے طریقہ کار سے خوب واقف ہوں۔

⑥ جن ممالک میں قادیانی سرگرمیاں موجود ہیں وہاں مدارس، ہسپتال اور یتیم خانے قائم کئے جائیں تاکہ مسلمان بچے ان کے مدارس اور ہسپتالوں میں جانے پر مجبور نہ ہوں۔

⑦ یہ کمیٹی رابطہ عالم اسلامی سے یہ بھی مطالبہ کرتی ہے کہ اسلامی ممالک میں ایسی کتابیں بکثرت شائع کرے جو اس فرقہ کے خطرات سے آگاہ کرتی ہوں تاکہ مسلمان ان کے فاسد عقائد اور ناپاک اغراض پر مطلع ہو سکیں۔

⑧ اسلامی حکومتوں سے یہ بھی اپیل کرتی ہے کہ وہ اپنے ہاں شائع ہونے والی کتابوں کی نگرانی کے لئے ایسے حضرات کا تقرر کرے جو صحیح اسلامی فکر کے مالک ہوں۔

⑨ جو لوگ محض جہالت یا دھوکے میں قادیانیت کے جال میں پھنس چکے ہیں ان کو نہایت نرمی اور حکمت عملی سے اسلام کی دعوت دی جائے اور اس سلسلہ میں مناسب تدابیر اور وسائل کو کام میں لایا جائے، و باللہ التوفیق۔

حرمین شریفین میں مقامی علمی اور دینی شخصیات کے علاوہ دوسرے ممالک سے آئی ہوئی شخصیات سے بھی ملاقاتیں ہوئیں اور ان سے اس موضوع پر تبادلہ خیالات ہوا اور ان کو مذکورہ کتاب پیش کی گئی، ان ممالک میں جاپان، انڈونیشیا، ملایا، فلپائن، ہندوستان، شام، عراق، اردن، لیبیا، نائیجیریا، سیرالیون، اپر وولٹا، ایروی کوسٹ، سینیگال، جنوبی افریقہ اور ترکی قابل ذکر ہیں۔

وصلی اللہ علی سیدنا محمد خاتم النبیین وآلہ واصحابہ وسلم

[ربیع الثانی ۱۳۹۶ھ / مئی ۱۹۷۶ء]

طاغوتی قوتوں کی اسلام دشمنی

اس پر آشوب دور میں علمی و عملی فتنوں کا سیلاب ہر طرف سے امڈ رہا ہے، کوئی گوشہ ایسا نہیں رہا جہاں سے کسی نہ کسی فتنہ کا چشمہ نہ ابلتا ہو، اور جس طرح اسلامی حکومتوں کے خلاف تمام طاغوتی طاقتیں متحد ہو کر تہیہ کر چکی ہیں کہ ان اسلامی دولتوں کو صفحۂ ہستی سے حرف غلط کے طرح مٹا دیں اسی طرح یہ حکومتیں گمراہ کن افکار کے ذریعہ اس کی جد و جہد میں مصروف ہیں کہ کسی طرح دین اسلام کے کسی بھی خد و خال کو صحیح باقی نہ رہنے دیا جائے، بڑی بڑی نامور حکومتیں اونچی سطح پر اس تدبیر میں مشغول ہیں کہ کسی طرح اسلامی شعائر اور اسلامی خصوصیات مٹ جائیں، بڑی بڑی خطیر رقمیں اس کام کے لئے نکالی جارہی ہیں اور ایسے مشہور ملحدین جو مستشرقین کی تربیت میں اپنے استادوں سے بھی گوئے سبقت لے جا چکے ہیں ان کو منتخب کر کے ان کے ذریعہ یہ کام کیا جارہا ہے، ان ملعون طاغوتی طاقتوں کو اصل دشمنی دین اسلام سے ہے، اگر وہ اسلامی حکومتوں کو ختم نہ کر سکیں تو پھر اس کو غنیمت سمجھتے ہیں کہ ان ملکوں سے صحیح اسلام کی روح نکال دیں، اس مہم کو کامیاب بنانے کے لئے دو محاذوں پر بڑی تیزی کے ساتھ کام کیا جارہا ہے۔

ایک یہ کہ نئی نسل جو دینی اقدار، دینی عقائد اور دینی مسائل سے ناآشنا ہے، اس کے سامنے اسلام کی ایسی تعبیر کی جائے کہ اگر کسی کفر صریح پر اسلامی لیبل لگا دیا جائے تو وہ اسی کو اسلام سمجھنے لگے، دوسری طرف اہل حق اور ارباب دین میں مختلف ذرائع سے اتنا شدید اختلاف و انتشار پیدا کر دیا جائے کہ ان کی قوت مفلوج ہو کر رہ جائے، ظاہر ہے کہ جب ملحدین کو ٹوکنے والے کسی اور دھندے میں مشغول ہوں گے تو اسلام کو ذبح کرنے کا اس سے بہتر اور کوئی موقع نہیں آئے گا۔

اعدائے اسلام کی ریشہ دوانیوں کا سبب

درحقیقت اعدائے اسلام کی ریشہ دوانیوں کا سبب تمام اسلامی ممالک میں (پاکستان ہو یا انڈیا، مصر ہو یا مراکش والجزائر) مسلمانوں کی غفلت اور اسلام سے تعلق کی کمی ہے۔ کسی جگہ نہ دین اسلام کی علمی روح باقی رہی، نہ عملی قالب سالم وباقی رہا، پھر برائے نام اسلام کا جو بھی حشر ہو زیادہ مستبعد نہیں، پھر ان سب پر مستزاد یہ فتنہ ہے کہ اسلام کے نادان دوست نہ معلوم نادانستہ یا دانستہ کسی خودغرضی کی بناء پر خدمت اسلام کے نام پر اسلام کی جڑیں اکھاڑ رہے ہیں، فیا غربۃ الاسلام!

فتنۂ انکار حدیث (فتنۂ پرویزیت)

کسے معلوم نہیں کہ فتنۂ انکار ختم نبوت کے بعد اس سرزمین میں سب سے بڑا فتنۂ انکار حدیث کا پیدا ہوا جو عام طور سے فتنہ پرویزیت کے نام سے معروف ہے اور جس نے اسلام کے بنیادی اصول تمام مسائل کو مجروح کرنے کی کوشش کی، عقائد، عبادات، اخلاق، اعمال، شعائر اسلامی، معاشرت اسلامی، اقتصادی نظام وغیرہ کسی چیز کو بھی نہیں چھوڑا، جس کو مجروح نہ کیا ہو اور اپنے زعم باطل میں اسے ختم نہ کیا ہو، آخر مجبور ہو کر علماء حق نے اپنی مسئولیت کے پیش نظر ان کفریات سے نقاب اٹھایا اور حق کو واضح کیا۔

سکندر مرزا آنجہانی کے عہد حکومت میں ۵۸ء میں جو کلوکیم لاہور میں ہوا تھا اور تمام اسلامی ملکوں کے ارباب علم موجود تھے، جب پرویز کے مقالات سامنے آئے تو مصری، شامی، مغربی وغیرہ تمام اہل علم نے ان کے خلاف متفقہ آواز اٹھائی کہ یہ صریح کفر ہے اور اسلام کے نام پر یہ صریح کفر قابل برداشت نہیں، اس موقعہ پر غلام احمد پرویز کی جو رسوائی ہوئی وہ اپنی نظیر آپ تھی، جس کی وجہ سے سکندر مرزا کا سارا کھیل ناکام رہا اور اس طرح پاکستان کے لاکھوں روپے غارت ہو گئے، اس ناکامی کے بعد امریکن فاؤنڈیشن کمیٹی نے فوراً ہی دوسرا کلوکیم کراچی میں منعقد کرلیا لیکن اس کو بھی ناکامی کا منہ دیکھنا پڑا، لیکن افسوس اور صد افسوس کہ آج دوبارہ بعض ارباب قلم جن پر حسن ظن بھی رہتا ہے نہ معلوم کیوں خامہ فرسائی کرر ہے ہیں کہ پرویز سے اختلاف فروعی ہے اور علماء کو تکفیر کا فتویٰ واپس لے لینا چاہئے اور کسی جدید تالیف میں چند باتیں اپنے مزاج کی دیکھ کر اس کی تعریف میں رطب اللسان ہو گئے، اناللہ۔ پرویز صاحب کی یہ نئی کتاب جس سے متاثر ہو کر ہمارے بعض ارباب قلم علماء کو فتویٰ واپس لینے کا مشورہ دے رہے ہیں ابھی تک ہماری نظر سے نہیں گذری۔ اس لئے نہیں کہا جا سکتا کہ اس میں اسلام کے بارے میں کیا کچھ لکھا گیا ہوگا تاہم فرض کر لیجئے کہ یہ کتاب صحیح حقائق سے لبریز بھی ہو اور کوئی بات اس میں کفر کی نہ بھی ہو لیکن جب تک تمام سابق ریکارڈ کی جو کفریات سے مالا مال ہے مسٹر پرویز تردید نہ کریں تو ایک کتاب میں چند اچھی باتیں لکھ دینے کو کیسے رجوع الی الحق سمجھ لیا جائے؟ کیا ارباب کفر اور دشمنان اسلام تمام باتیں کفر کی کرتے

ہیں؟ نہیں بلکہ بسا اوقات اچھے اچھے حقائق بھی ظاہر کرتے ہیں، کائنات اور کونیات ربانیہ کے اسرار و رموز خفیہ ظاہر کرتے ہیں اور اس کائنات کے حقائق باطنیہ سے پردے اٹھا کر تمام عالم کو ان سے روشناس کراتے ہیں، لیکن یہ حقائق اپنی جگہ اور ان کا کفر اور کفریہ کارنامے اپنی جگہ، کیا ضروری ہے کہ جھوٹا آدمی ہر بات جھوٹی ہی کیا کرے؟ ہرگز نہیں، تو پھر چند باتوں کے پسند آنے سے سابق کی تمام غلط باتیں کیسے صحیح ہو جائیں گی؟

پرویزی تحقیقات ملحدانہ پر ایک نظر

ہم یہاں مسٹر پرویز کے بحرِ الحاد کے چند قطرے پیش کرتے ہوئے اہل عقل و انصاف سے اپیل کرتے ہیں کہ براہ کرم ان پرویزی تحقیقات پر دوبارہ نظر ڈالیں اور پھر خود ہی فیصلہ فرمائیں کہ کیا یہ فروعی مسائل ہیں یا اسلام کے بنیادی اصولی اساسی مسائل ہیں؟ جن کی جڑوں پر مسٹر پرویز نے تیشہ چلا کر شجر اسلام کو کاٹنے کی کوشش کی ہے، حوالہ جات بغرض اختصار نہیں دیئے، مکمل تفصیلات کے لئے مدرسہ عربیہ اسلامیہ کی شائع کردہ کتاب ''علماء امت کا متفقہ فتویٰ پرویز کافر ہے'' کا مطالعہ کیا جائے۔

① قرآن کریم میں جہاں اللہ و رسول کا ذکر آیا ہے اس سے مراد مرکز نظام حکومت ہے۔

② رسول کو قطعاً یہ حق نہیں کہ لوگوں سے اپنی اطاعت کرائے۔

③ رسول کی اطاعت نہیں کیونکہ وہ زندہ نہیں۔

④ ختم نبوت سے مراد یہ ہے کہ اب دنیا میں انقلاب شخصیتوں کے ہاتھوں نہیں بلکہ تصورات کے ذریعہ رونما ہوا کرے گا، اب سلسلہ نبوت ختم ہو گیا ہے اس کے معنی یہ ہیں کہ اب انسانوں کو اپنے معاملات کے فیصلے آپ کرنے ہوں گے۔

⑤ اب رہا یہ سوال کہ اگر اسلام میں ذاتی ملکیت نہیں تو پھر قرآن میں وراثت وغیرہ کے احکام کس لئے دیئے گئے؟ اس کی وجہ یہ ہے کہ قرآن انسانی معاشرے کو عبوری دور کے لئے بھی ساتھ کے ساتھ راہنمائی دیتا چلا جاتا ہے، ورثہ، قرضہ، لین دین، صدقہ خیرات سے متعلق احکام عبوری دور سے متعلق ہیں۔

⑥ صحیح قرآنی خطوط پر قائم شدہ مرکز ملت اور اسکی مجلس شوریٰ کا حق ہے کہ وہ قرآنی اصول کی روشنی میں صرف ان جزئیات کو مرتب کرے جن کی قرآن نے کوئی تصریح نہیں کی، پھر یہ جزئیات ہر زمانہ میں ضرورت پر تبدیل کی جا سکتی ہیں یہی اپنے زمانہ کے لئے شریعت ہیں۔

⑦ جن اصول کا میں نے اپنے مضمون میں ذکر کیا ہے وہ قانون اور عبادت دونوں پر منطبق ہو گا، نماز کی کسی جزئی شکل میں جس کا تعین قرآن نے نہیں کیا اپنے زمانے کے کسی تقاضے کے ماتحت کچھ رد و بدل ناگزیر سمجھے تو وہ ایسا کر سکے گی اصولاً مجاز ہو گی۔

⑧ مسلمانوں کو قرآن سے دور رکھنے کے لئے جو سازش کی گئی اسکی پہلی کڑی یہ عقیدہ پیدا کرنا کہ رسول کو اس وحی کے علاوہ جو قرآن میں محفوظ ہے ایک اور وحی بھی دی گئی تھی، یہ وحی روایات میں ملتی ہے، دیکھتے دیکھتے روایات کا ایک انبار جمع ہو گیا اور اسے اتباع سنت رسول اللہ قرار دے کر امت کو اس میں الجھا دیا، یعنی یہ جھوٹ مسلمانوں کا مذہب بن گیا، وحی غیر متلو اس کا نام رکھ کر اسے قرآن کے ساتھ قرآن کی مثل ٹھہرا دیا گیا، ان احادیث مقدسہ کے جو حدیث کی صحیح ترین کتابوں میں محفوظ ہیں اور جو ملاّ کی غلط نگہی اور کوتاہ اندیشی سے ہمارے دین کا جز بن رہی ہیں سلام علیک کیجئے اور ہاتھ ملا لیجئے، جنت مل گئی، دو مسلمان جب مصافحہ کرتے ہیں تو ان دونوں کے جدا ہونے سے پہلے اللہ تعالیٰ انہیں بخش دیتا ہے اب مسجد میں چلئے اور وضو کیجئے جنت حاضر ہے۔

⑨ اور آج جو اسلام دنیا میں مروج ہے وہ زمانہ قبل از قرآن کا مذہب ہو تو ہو، قرآنی دین سے اس کا کوئی واسطہ نہیں۔

⑩ خدا عبارت ہے ان صفات عالیہ سے جنہیں انسان اپنے اندر منعکس کرنا چاہتا ہے اس لئے قوانین خداوندی کی اطاعت درحقیقت انسان کی اپنی فطرت عالیہ کے نوامیس کی اطاعت ہے۔

⑪ قرآن ماضی کی طرف نگاہ رکھنے کے بجائے ہمیشہ مستقبل کو سامنے رکھنے کی تاکید کرتا ہے اسی کا نام ایمان بالآخرت ہے۔

⑫ بہرحال مرنے کے بعد کی جنت اور جہنم مقامات نہیں انسانی ذات کی کیفیات ہیں۔

⑬ ملائکہ سے مراد وہ نفسیاتی محرکات ہیں جو انسانی قلوب میں اثرات مرتب کرتے ہیں، ملائکہ کے آدم کے سامنے جھکنے سے مراد یہ ہے کہ یہ قوتیں جنہیں انسان مسخر کرسکتا ہے انہیں انسان کے سامنے جھکا ہوا رہنا چاہیے۔

⑭ آدم کوئی خاص فرد نہیں تھا بلکہ انسانیت کا تمثیلی نمائندہ تھا، قصہ آدم کسی خاص فرد کا قصہ نہیں بلکہ خود آدمی کی داستان ہے جسے قرآن نے تمثیلی انداز میں بیان کیا ہے۔

⑮ رسول اکرمؐ کو قرآن کے سوا کوئی معجزہ نہیں دیا گیا۔

⑯ واقعہ اسراء اگر یہ خواب کا نہیں تو یہ حضور کی شب ہجرت کا بیان ہے، اس طرح مسجد اقصیٰ سے مراد مدینہ کی مسجد نبوی ہوگی جسے آپ نے وہاں جا کر تعمیر فرمایا۔

⑰ مجوسی اساورہ نے یہ سب کچھ اس خاموشی سے کیا کہ کوئی بھانپ نہ سکا، انہوں نے تقدیر کے مسئلے کو اتنی اہمیت دی کہ اسے مسلمانوں میں جزء ایمان بنا دیا۔

⑱ اب ہماری صلاۃ وہی ہے جو مذہب میں پوجا پاٹ یا ایشور بھگتی کہلاتی ہے، روزے وہی ہیں جنہیں مذہب میں برت کہتے ہیں، زکاۃ وہی شے ہے جسے مذہب دان خیرات کر کے پکارتا ہے، ہمارا حج مذہب کی یاترا ہے، آپ نے دیکھا کہ کس طرح دین (نظام زندگی) یکسر مذہب بن کر رہ گیا ان امور کو نہ افادیت سے کچھ تعلق

ہے نہ عقل و بصیرت سے کچھ واسطہ۔

⑲ قران کریم نے نماز پڑھنے کے لئے نہیں کہا بلکہ قیام صلاۃ یعنی نماز کے نظام کے قیام کا حکم دیا ہے، عجم میں مجوسیوں کے ہاں پرستش کی رسم کو نماز کہا جاتا تھا، لہذا صلاۃ کی جگہ نماز نے لے لی۔

⑳ زکوۃ اس ٹیکس کے علاوہ اور کچھ نہیں جو اسلامی حکومت مسلمانوں پر عائد کرے، اس ٹیکس کی کوئی شرح متعین نہیں کی گئی۔

㉑ حج عالم اسلامی کی بین الملی کانفرنس کا نام ہے، اس کانفرنس میں شرکت کرنے والوں کے خورد ونوش کے لئے جانور ذبح کرنے کا ذکر قرآن میں ہے۔

㉒ یہ عقیدہ کہ بلا سمجھے قرآن کے الفاظ دہرانے سے ثواب ہوتا ہے یکسر غیر قرآنی عقیدہ ہے، یہ عقیدہ درحقیقت عہد سحر کی یادگار ہے۔

یہ چند کفریات مشتے نمونہ از خروارے کے طور پر ذکر کئے گئے، ان کے حوالہ جات اور پوری تفصیل اور ان کے جوابات اور جوابات کی تصدیق پر علماء امت کے دستخطوں کے لئے مکمل اور مفصل کتابی صورت میں فتویٰ ملاحظہ فرمائیں، خدارا مسٹر پرویز کی ان تصریحات کو سامنے رکھ کر بتایئے کہ اللہ ورسول، اطاعت اللہ ورسول، جنت، دوزخ، یوم آخرت، ختم نبوت، نماز، روزہ، زکوۃ، حج، تلاوت قرآن، قربانی اور تقدیر سے انکار، شریعت اسلامیہ کے منسوخ ہونے کا دعویٰ، احکام قرآن محض عبوری دور کے لئے تھے، اب ان کا حکم باقی نہیں، وراثت خیرات وصدقہ وغیرہ وغیرہ تمام احکام وقتی تھے اب مرکز ملت کو اختیار ہے کہ جو فیصلہ صادر کرے حق ہے، انا للہ۔ آخر اسلام کی کون سی چیز باقی رہ گئی جس پر مسٹر پرویز نے ہاتھ صاف نہ کیا ہو حدیث عجمی سازش ہے، حدیث کا انبار بے معنی چیز ہے اور اب جو اسلام مسلمانوں کے پاس ہے وہ سب افسانہ عجم ہے، وغیر ذلك من الهفوات والاكاذيب۔

بتایئے کیا یہ مسائل فروعی مسائل ہیں؟ اور گر یہ فروعی مسائل ہیں تو اصولی مسائل کیا ہوں گے اور کیا تکفیر کبھی بھی فروعی مسائل کے انکار سے ہوتی ہے؟ قرآن حدیث، تمام عبادات، تمام احکام شرعیہ، بیک جنبش قلم ختم کر دیئے گئے پھر بھی سب اچھا ہے اور اسلام بخیر ہے! اسلام کی قریبی تاریخ میں مرزا کے سوا آج تک اتنا بڑا ملحد پیدا نہیں ہوا جس نے بیک وقت تمام شریعت کی اس طرح تحریف کی ہو، گویا مرزا غلام احمد قادیانی کی روح چودھری غلام احمد پرویز میں آ گئی ہے، ڈاکٹر فضل الرحمن سابق ڈائرکٹر مجلس تحقیقات اسلامی یہ سب ایک طرح کے دین اسلام کو مسخ کرنے والے ہیں، افسوس کہ اسلام اتنا غریب الدیار بن گیا ہے کہ جو بے رحم زندیق وملحد آئے اسلام کو ذبح کرے، جس طرح چاہے اس کی شہ رگ پر کند چھری چلائے کوئی چھڑانے والا نہیں! ہاں، ان ملاحدہ کو ٹوکنے والے ظالم ہیں! انا للہ وانا الیہ راجعون۔ تصور بھی اس کا نہیں ہوسکتا تھا کہ پاکستان کی سرزمین پر ایسے ایسے گمراہ وملحد اس آزادی کے ساتھ اسلام کی گردن پر چھری چلائیں گے کہ کوئی آہ بھی نہ کر سکے گا، ایک طرف یہ دردناک صورت حال ہے دوسری

طرف اسلامی ثقافت اور محبت رسول کے نام پر خرافات و بے حیائی و بے دینی کے وہ روح فرسا مناظر کہ الا مان والحفیظ ،ایک طرف سراسرالحادوزندیقیت کے مناظر دوسری طرف دین کی محبت کے نام پر بے دینی و بے حیائی کے مناظر ،فیا غربة الاسلام و یا خیبة المسلمین ۔اللہ تعالیٰ رحم فرمائے اوراس مملکت پاکستان کی سرزمین کو صحیح اسلام کانمونہ بنادے اورایسی مثالی حکومت قائم فرمائے جوتمام عالم اسلام کی دینی وسیاسی قیادت کرسکے۔

اسلام اور پیغمبراسلام کے خلاف یہودی زہرآلودذہنیت

ایک عرصہ سے پاکستان میں لندن کے ایک یہودی مصنف کی ایک کتاب درآمد کی جارہی ہے، جمعیۃ المشائخ لاہور کے ہم ممنون ہیں جس نے اس یہودی اسرائیلی کتاب کے چندحوالے ذکرکر کے امت اسلامیہ کومتنبہ کیا ہے،کتاب کیا ہے؟یہودی ذہنیت کی رذیل وذلیل ذہنیت کاایک مرقع ہے،آج تک اس قدراخلاق سے ساقط معیار پراسلام اورپیغمبراسلام کے خلاف زہرآلودذہنیت کامظاہرہ کسی نے بھی نہیں کیا ،افسوس کہ ایسی رسوائے عالم کتاب کا داخلہ پاکستان میں کیسے ہوا جونہایت آزادی سے یہاں فروخت ہورہی ہے،نہ معلوم کہ ارباب اقتدار کیسی تکلیف دہ غفلت میں مبتلا ہیں،بہرحال جمعیۃ المشائخ کےفراہم کردہ اقتباسات معہ ترجمہ اورابتدائی نوٹ یہاں دیاجاتا ہے،پڑھئے اوراغیار کےظلم وستم اورمسلمانوں کی بے حسی اورغفلت شعاری کی داددیجئے۔

نام کتاب''جیول ان دی لوٹس''(JEWEL IN THE LOTUS)

تصنیف:یہودی ایلن ایڈورڈ،ازلندن۔

کتاب مذکورجس کی چھپائی سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ کئی سال سے پاکستان میں برسربازارفروخت ہورہی ہے اورجس میں جناب نبی کریم علیہ الصلاۃ والسلام،اسلام،صحابہ کرام اور ہمارے قابل قدراسلاف کے متعلق انتہائی غلیظ،فحش،گندی اور بازاری زبان استعمال کی گئی ہے،اسلام کے دشمنوں خاص کرہنود و یہود نے اسلام کےمتعلق جوکچھ آج تک لکھاہے وہ کسی مسلمان سے پوشیدہ نہیں،لیکن جومواداس کتاب میں ہےاس سے قبل اس قدردیدہ دلیری کسی ذلیل بدبخت اورحیاسوختہ انسان نمادرندے نےنہیں کی۔اس کتاب سے فقط مسلمانان پاکستان ہی کےنہیں مسلمانان عالم کے دل بھی مجروح ہوئے ہیں،افسوس کی بات یہ ہے کہ جہاں حکومت کے کارندے صاحبانِ اقتدار کے خلاف ایک فقرہ برداشت نہیں کرتے اورایسی تحریر جوکسی لیڈر کےمتعلق لکھی گئی ہوا سےان کی دوررس نگاہیں فوراً جانچتی ہیں اورتحریر بمع محررضبط کردی جاتی ہے،لیکن ایسی کتاب جس میں پیغمبراسلام کےمتعلق یاوہ گوئی کی گئی ہوبڑےآرام سےسرحدپارکرکےاس مملکت اسلامیہ میں داخل ہوتی ہےاور برسرعام فروخت ہوتی ہےلیکن اس کی آمدپرنہ توسنسربورڈ کےکانوں پرجوں رینگتی ہےاورنہ ہی ایوانوں میں کوئی بےچینی یا اضطراب پیداہوتاہے۔

ہم حکومت وقت سے پرزور اپیل کرتے ہیں کہ وہ جلد از جلد اس کتاب کو ضبط کرے اور خدارا ایک ایسا بورڈ بنائے جو خاص طور پر ایسے لٹریچر پر نگاہ رکھے۔

ہم عاشقان رسول اللہ سے اپیل کرتے ہیں کہ وہ کتاب کی ضبطی کے لئے پرامن احتجاج کریں اور حکومت پر زور دیں کہ اس کتاب کو ضبط کرے اور برطانوی حکومت کے نمائندوں کو یہ ثابت کردیں کہ مسلمان ابھی زندہ ہے اور اپنے پیغمبر اسلام کے خلاف کسی قسم کی توہین برداشت نہیں کرسکتا''۔

SOME OF THE EXTRACTS TAKEN FROM THE BOOK WRITTEN BY A JEW ALLEN EDWARDS, PRINTED BY TANDEM BOOK LTD. LONDON. THE TITLE OF THE BOOK IS 'JEWEL IN THE LOTUS'!

1. The golden crescent of El Islam denoted Vulva. Elmehrab in the mosques and sacred black stone of El Kaaba in Mecca are symboles of female Genitalia.
Page 55.

2. The Arabs in all seriousness pledged 'I swear upon the Cullions of Lord Mohammad' page 73.....

3. The Minarets sleek and white is most architectural phallic in origin. The Star of Islam is representative of sexual conjunction.
Page 81.....

4. One of the ninety nine names of God 'Elfutooh' the opener proclaims his divine command over the Vulva of Maidenhood.
page 93.....

5. In Elhijaz province of Saudi Arabia women and boys flock outside Mecca and Medina clamouring to sell their bodies to pilgrims were thereafter allowed to revel in the debauchery as their rewards. Page 126.....

6. Pilgrimage to Mecca is not completely perfected

saved by copulation with the camel. Page 240.....

7. Guest Harlotry, thus excused by the Prophet, soon made its appearance. The custom of lending wives and daughters to guests proved lucrative to the lazy 'Deyyose' who did nothing but, to entertain wealthy guests. Page 128.....

8. This tail never ends like the entrails of Omar. This road never ends and as long as the puzzle of Omar. This black guard is like Omar, born without anus and suckled on the blood. Page 216.....

9. Tipoo saheb, the demented tiger of Mysore took pains to capture the children of Europeans, then, when he felt the urge, he ordered them into his private chamber..... In emulation of Turks, Tipoo saheb sought and tried every method of gratification known to man. Women had long ago satiated the tiger, and was tired of men and boys as well. Taking a large goose he said 'you must one day try this: it is wonderfully singular. He (Tipoo) was also wont to display his ability with sows and goats.
Page 222/223.

ترجمہ:

① اسلام کا سنہرہ ہلال عورت کی جائے مخصوصہ کی مانند ہے اور مسجد میں محراب، کعبہ شریف میں حجر اسود بھی عورت کے خاص مقامات کی اشکال ہیں۔ صفحہ: ۵۵۔

② عرب نہایت سنجیدگی سے قسم کھاتے کہ مجھے رسول پاک (توبہ نعوذ باللہ) کے فوطوں کی قسم۔ صفحہ: ۴۷۔

③ مساجد کے سفید اور پتلے مینار سے مردانہ عضو تناسل سے مشابہت رکھتے ہیں اور اسلام کا ستارہ جنسی اختلاط کی شکل ظاہر کرتا ہے۔ صفحہ: ۸۱۔

④ اللہ تعالیٰ کے ننانوے نام جو کہ مسلمانوں نے بنائے ہیں ان میں سے ایک الفتوح ہے جس کا مطلب ہے دوشیزاؤں کے خاص مقامات کھولنے والا۔ صفحہ: ۹۴۔

⑤ سعودی عرب کے صوبہ الحجاز کی لڑکیاں اور لڑکے مکہ اور مدینہ کے باہر زائرین کے لئے جسم فروشی کے

لئے اکٹھے ہو جاتے، بعدازاں زائرین کو بطور انعام ان سے لطف اندوز ہونے کی اجازت دی جاتی۔ صفحہ:۱۶۶۔

⑥ مکہ میں حج تب تک مکمل تصور نہیں کیا جاتا جب تک زائرین اونٹ کے ساتھ بدفعلی نہ کرتے۔ صفحہ:۲۴۔

⑦ مہمانوں کو لڑکیاں پیش کرنے کی رسم جیسا کہ پیغمبرؐ (تو بہ نعوذ باللہ) نے اجازت دی تھی جلد ہی مہمانوں کو لڑکیاں اور بیویاں پیش کرنے کی رسم کاہل اور ذلیل میزبان کے لئے نہایت نفع بخش کاروبار بن گیا جو اپنے دولت مند مہمانوں کو خوش کرتا تھا۔ صفحہ:۱۲۸۔

⑧ یہ کہانی (خاکم بدہن) حضرت عمر کی انتڑیوں سے بھی لمبی ہے اور نہ ختم ہونے والی ہے، یہ سڑک اتنی لمبی ہے جتنی کہ عمر کا عضو، یہ کالا حبشی حضرت عمر کی طرح ہے کہ بغیر مقعد کے پیدا ہوا اور خون پر پلا ہوا۔ صفحہ:۲۱۶۔

⑨ ٹیپو صاحب میسور کا ذلیل شیر بڑی جدوجہد کر کے یورپی بچوں کو گرفتار کرتا اور جب بھی خواہش ہوتی تو انہیں اپنے شب خوابی کے کمرے میں بلواتا، ترکوں کی طرح ٹیپو صاحب نے اپنی جنسی شہوت کی تسکین کے لئے ہر ممکن طریقہ اختیار کیا، عورتوں سے بہت مدت سے دل بھر چکا تھا اور مردوں اور بچوں سے بھی تھک چکا تھا ایک دن اس نے ایک بڑا بطخا پکڑ کر کہا کہ ایک دن میں اس کو بھی استعمال کروں گا وہ (ٹیپو) سورنیوں اور بکریوں کے ساتھ بھی بدفعلی کرتا تھا۔ صفحہ:۲۲۲۔ ۲۲۳۔

[جمادی الاخریٰ ۱۳۹۴ھ/جولائی ۱۹۷۴ء]

مفتی محمود صاحب کی وزارتِ علیا

الحمد للہ کہ پاکستان کی تاریک گھٹاؤں کے اندر بھی کبھی سورج کی شعاعین نظر آجاتی ہیں اور مایوسیوں کے تہہ بہ تہہ بادلوں میں بھی کچھ امید کی کرنیں پھوٹ پڑتی ہیں۔

خدا کا شکر کہ اس جدید مایوس کن دور میں ایک دفعہ پھر امید پیدا ہوگئی کہ شاید یہ ملک اللہ تعالیٰ کی رحمت کا مستحق ہو سکے، صوبہ سرحد میں وزارتِ علیا کے منصب پر ایک عالم اور صحیح عالم جلوہ افروز ہوا ہے اور خوشی ہے کہ عصر حاضر کے دینی و سیاسی تقاضوں سے بھی موصوف کو حظ وافر ملا ہے، سیاسی مجالس میں اپنے حریفوں سے بارہا اپنا لوہا منوا چکے ہیں، سب سے بڑا خلا اس ملک میں یہی رہا ہے کہ جو سیاست دان ہیں اور نظام مملکت کا شعور رکھتے ہیں وہ دین سے بے بہرہ اور بے خبر ہیں اور جو مسند علم و دین پر متمکن ہیں وہ عصر حاضر کے سیاسی تقاضوں سے بے خبر اور نابلد ہیں، اسلام کے قرون اولیٰ اور قرون اخیرہ میں یہی بنیادی فرق رہا ہے۔

منصب وزارت پر فائز ہوتے ہی ام الخبائث (شراب) کی کلی طور پر ممنوعیت کا اعلان کیا گیا ہے اور تمام قوانین کو اسلامی سانچے میں ڈھالنے کا عزم فرمایا گیا ہے، توقع ہوگئی کہ انشاء اللہ العزیز صوبہ اسلامی شعائر کی

حفاظت میں گوئے سبقت لے جائے گا اور پنجاب وسندھ وبلوچستان کے لئے بھی باعث عبرت بنے گا، اگر چہ طاغوتی طاقتیں بدحواس ہورہی ہیں، کوئی یہ احمقانہ اعلان کرتا ہے کہ شراب پر بندش انسانی بنیادی حقوق کے خلاف ہے، ان احمقوں کو اب تک انسانی بنیادی حقوق کی ہوا بھی نہیں لگی، کوئی یہ کافرانہ صدا بلند کرتا ہے کہ شراب کو بند کر کے غیر مہذب دنیا کی طرف لوٹایا جاتا ہے انا للہ، صریح کفر کا کلمہ ہے۔ کوئی مسیح یہ اعلان کرتا ہے کہ مسیحیوں کے لئے تو شراب حلال ہے ان پر پابندی کیسے برداشت ہوگی؟ الغرض شیاطین بے قرار ہو گئے ہیں، طرح طرح کی بکواس پر اتر آئے ہیں، کوئی در پردہ سیاسی ہتھکنڈوں کے ذریعہ موصوف کو ناکام بنانے کی تدبیروں میں لگا ہوا ہے، اگر حق تعالیٰ کا فیصلہ اس امت پر رحمت نازل فرمانے اور غضب سے بچانے کا ہو چکا ہے تو یہ تمام سازشیں ناکام ہوں گی اور ضرور ہوں گی اور اگر اس بدنصیب ملک کے حق میں تباہی مقدر بن چکی ہے، خاکم بدہن تو تمام اصلاحی کوششیں ناکام رہ جائیں گی۔

بہرحال دعا ہے کہ حق تعالیٰ حکومت سرحد کو اپنے مبارک مقاصد میں کامیابی عطا فرمائے اور کتاب وسنت پر مبنی صحیح قانون بروئے کار آئے اور پاکستان صحیح معنی میں اسلامی مملکت بنے، سب سے بڑا صدمہ یہ ہے کہ ملک میں ناپاک سیاست کا عنصر ایسا وبا کی طرح پھیل گیا ہے کہ ہر نیک اور اچھی سے اچھی تحریک کو صرف سیاسی مصالح کے پیش نظر ناکام بنانے کی پوری کوشش کی جاتی ہے، بہرحال جو کام آج تک مرکز میں نہ ہوسکا وہ پاکستان کے ایک گوشے میں ہی ہوجائے تو بسا غنیمت ہے، ممکن ہے کہ مرکز کے لئے اور بقیہ صوبوں کے لئے یہ ایک سبق آموز درس ہوجائے، اس وقت ہر اس شخص کے لئے جو دل سے اسلام چاہتا ہو انتہائی مسرت اور شکر گذاری کا مقام ہے کہ سرحد کی وزارت اعلیٰ پر فائز ہونے کا ایک ایسی شخصیت کو منجانب اللہ موقع ملا ہے جس کی طویل زندگی کا پورا حصہ درس وتدریس میں گذرا ہے اور ایک دینی علمی درس گاہ کے شیخ الحدیث اور صدر مدرس بھی ہیں، صاحب بصیرت، وباذوق فقیہ ہیں، محقق عالم ہیں، صاحب قلم ہیں، مجالس عامہ میں اظہار مافی الضمیر پر عمدہ قدرت رکھتے ہیں، سیاسی داؤ پیچ سے بخوبی واقف ہیں، دینی سیاست کے ماہر ہیں، منصب کے بھوکے نہیں ہیں، جاہ ومنصب اور وجاہت کے تصور سے بھی بالاتر ہیں، شاید قرون اخیرہ کی اسلامی تاریخ میں اس کی نظیر نہ ملے کہ اس منصب پر ایسا شخص برسر اقتدار آیا ہو، الحمدللہ جو کچھ کہہ رہا ہوں انتہائی احتیاط اور بصیرت کے ساتھ کہہ رہا ہوں اور تجربہ سے کہہ رہا ہوں، ضرورت اب اس بات کی ہے کہ ایسے آزمودہ کار مشیر اور اچھے رفقاء اور اعوان وانصار بتوفیق الٰہی ان کے گرد جمع ہوجائیں جو ان کے عزائم وارادات کی تکمیل میں سچے دل سے پوری جدوجہد کریں، تاکہ اسلامی قانون کے اثرات وبرکات سے تمام ملک بہرہ انداز اور سرفراز ہو، اعداء اسلام کو کہنے کا موقع نہ ملے کہ یہ اسلامی قانون ایک پارینہ دستاویز ہے، اس دور میں نہیں چل سکتا، زیادہ افسوس اس بات کا ہے کہ ناکامی نظام وتدبیر کی ہوتی ہے مگر بدنامی اسلام کے نام پر تھوپ دیتے ہیں، الغرض پاکستان سے لے کر لندن وامریکہ تک تمام اسلام دشمن اور

پاکستان دشمن قوتیں حیران ہیں کہ یہ کیا ہوگیا؟ اللہ تعالیٰ سے التجا ہے کہ اپنے فضل وکرم سے ہماری اس تمام کوشش کو مثمر فرمائے اور امت مسلمہ کو صحیح فکر وعمل کی توفیق عطا فرمائے۔

بلوچستان وزارت

افسوس ہے کہ بلوچستان میں اس معیار پر وزارت نہ بن سکی، بعض ایسے حضرات منصب وزارت پر جلوہ افروز ہوئے ہیں جن میں اگرچہ دین وعلم دین جلوہ گر ضرور ہے لیکن اس کے ساتھ جس عقل وتدبر اور سیاسی شعور و جرأت کی ضرورت ہے وہ مفقود ہے، کسی زمانہ میں کہا گیا ہے کہ ''یک من علم را دہ من عقل باید'' اس وقت تو یہ کہنا بے محل نہ ہوگا کہ ''یک من علم را صد من عقل باید'' اس وقت اگر ان علمائے دین نے جو منصب وزارت پر فائز ہوئے ہیں حکومت کے صحیح تقاضوں کو پورا نہ کیا تو بدقسمتی سے یہی سمجھا جائے گا کہ اسلامی قوانین اس دور میں نہیں چل سکتے، اس لئے اور بھی انتہائی احتیاط کی ضرورت ہے کہ ایسی صورت پیش نہ آئے، ورنہ اسلام اور تمام مسلمانوں کی رسوائی ہوگی، خدا کرے کہ ہمارے حکمرانوں کی نیتیں بھی درست ہوجائیں، اگر مرکز میں کسی وجہ سے وہ اسلامی آئین صحیح معنی میں نہ بناسکیں تو انہیں صوبوں کو آئینی آزادی ضرور دے دینی چاہئے، تاکہ وہ جس طرح چاہیں اسلامی آئین کا نفاذ کرائیں اور ان کے راستے میں رکاوٹیں نہ کھڑی کریں اور باہر کے اشاروں کے تحت مشکلات نہ پیدا کریں، مرکز اور صوبوں کے صحیح ربط ہی سے اس ملک کے استحکام اور سالمیت کی حفاظت ہوسکتی ہے، بہرحال حق تعالیٰ سے دعا ہے کہ اس ملک کی غیبی تائید کے اسباب میسر فرمائے اور اسلامی قانون واسلامی آئین اور اسلامی دستور کی برکات سے اس مملکت کو سرفراز فرمائے۔

[جمادی الاولیٰ ۱۳۹۲ھ/جولائی ۱۹۷۲ء]

پاکستان اور حقوق نسواں کمیٹی

عصر حاضر کی تاریخ میں مملکتِ خداداد پاکستان پہلا ملک ہے جو اسلام کے نام سے حاصل کیا گیا ہے اور عرصہ دراز کی رسوائیوں کے بعد وہ وقت بھی آگیا کہ اس کے دستور میں یہ تسلیم کیا گیا:

(الف)......حاکمیت اللہ تعالیٰ کی ہوگی۔

(ب)...... پاکستان کا سرکاری مذہب اسلام ہوگا۔

(ج)......تمام قوانین قرآن وسنت کے مطابق بنائے جائیں گے۔

لیکن نہ معلوم کہ دستور کے مطابق قوانین اسلامی بنانے کا موقع کب آئے گا، مرزائی امت کو خارج از اسلام تسلیم کرلیا گیا اور پارلیمان میں ایسا متفقہ فیصلہ ہوا جس کی نظیر مشکل سے ملے گی اور دستور میں مرزائیوں کو غیر مسلم اقلیتوں کی فہرست میں درج کیا گیا لیکن پرزور وعدوں کے باوجود اس کے لئے قانون سازی کا خواب شرمندہ

تعبیر اب تک نہ ہوسکا، عرصہ ہوا کہ اس کے لئے سب کمیٹی بھی بنائی گئی، لیکن غالباً ابھی تک اس کا کوئی اجلاس بھی نہیں ہوا، سب سے بڑا صدمہ یہ ہے کہ ہمارے ارباب اقتدار کے طرز عمل سے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ جس طرح عوام کو اپنے خوشنما وعدوں سے فریب دے کر مطمئن کر لیتے ہیں وہ یہ سمجھتے ہیں کہ شاید اسی طرح آسمانی نظام قدرت بھی ان کے زبانی جمع خرچ سے مطمئن ہوجاتا ہوگا، انہیں یہ معلوم نہیں کہ اس کے عواقب کتنے خطرناک ہوتے ہیں، مشرقی پاکستان کی علیحدگی میں جو رسوائی ہوئی، فوجی اور مادی طاقت کی جس طرح تباہی آئی اور دنیا کی دو بڑی طاقتیں آپس کی شدید عداوت کے باوجود پاکستان کی تباہی پر جس طرح متفق ہوگئیں کیا یہ چھپی باتیں ہیں؟ لیکن افسوس کہ کوئی عبرت نہیں ہوئی جو قوم حق تعالیٰ کے غضب کو دعوت دینے والی زندگی اختیار کرتی ہے اس قوم کا حشر اسی طرح دردناک ہوتا ہے، اللہ تعالیٰ رحم فرمائے۔

اسی سال جنوری میں حکومت نے حقوق نسواں کمیٹی کی تشکیل کی، اس کی جو رپورٹ سامنے آئی ہے اس پر بجز مایوسی کے کیا ہوسکتا ہے؟ عائلی کمیشن کے وہ رسوائے عالم قوانین جو قرآن وسنت کے خلاف تھے عقل کے خلاف تھے اور جن کی تردید پر بے شمار مقالات رسالے اور کتابچے لکھے گئے، ان قوانین کو حقوق نسواں کمیٹی کی رپورٹ کا جزو بنایا گیا، جس پر متعدد مجلّات میں واویلا مچایا گیا، بینات کے گذشتہ شماروں میں بھی اس پر تنقید کی گئی، اب تک معلوم نہ ہوسکا کہ اس کا کیا حشر ہوا، کوئی صاف بات ابھی تک نہیں آئی، لیکن الحمد للہ یہ خوشی کی بات اخبارات میں آگئی کہ بلوچستان میں شرعی قوانین کا نفاذ کردیا گیا اور قاضیوں کا تقرر عمل میں لایا جارہا ہے، اللہ تعالیٰ کرے کہ یہ خوشخبری تکمیل تک پہنچ جائے اور ایسا نہ ہو کہ بعض وقتی مصالح کے پیش نظر یہ اعلان کیا گیا ہو اور مقصد پورا ہونے کے بعد کوئی عذر لنگ پیش کیا جائے، کون بدنصیب مسلمان ایسا ہوگا کہ پاکستان کی سرزمین میں اسلامی قوانین کا نفاذ نہ چاہتا ہو، ملک کے استحکام اور ملک میں امن وامان کے قیام کے لئے اسلامی قوانین نافذ کئے بغیر اور کوئی چارہ کار نہیں۔ اگر بلوچستان والوں کو یہ نعمت دی گئی تو بقیہ پاکستان کو کیوں اس نعمت سے محروم رکھا جاتا ہے؟ اگر وہاں کوئی مصلحت درونِ پردہ ہے تو وہ مصلحت بیرونِ پردہ و درونِ پردہ یہاں بھی انشاء اللہ تعالیٰ ظہور میں آئے گی، ملک پر جو نظام اب تک مسلط رہا ہے اور جو نظام مسلط کیا جارہا ہے تجربہ نے ثابت کردیا ہے کہ وہ ناکام ہے، دلوں میں اضطراب ہے، دماغوں میں بے چینی ہے، امن وامان مفقود ہے، کسی کی جان ومال وآبرو محفوظ نہیں، عیاشوں اور بدمعاشوں کو آزادی مل گئی ہے، شراب نوشی اور قمار بازی سے خدا کی مخلوق تنگ آچکی ہے، عریانی وبے حیائی نے پاکستان کو رسوا کردیا ہے، روز افزوں گرانی نے نئے نئے جرائم کو جنم دیا ہے، خدا کی مخلوق پر رحم کرو اور اپنی جانوں پر رحم کرو، شراب نوشی اور قمار اور بے حیائی کے نئے نئے مراکز بنا کر خدا تعالیٰ کے غضب کو دعوت نہ دو، ہم ان صفحات پر بار بار لکھ چکے ہیں کہ جب تک زبان پر اسلام کا دعویٰ ہے اور من حیث القوم آپ مسلمان کہلائے جاتے ہیں، شراب نوشی وبدمعاشی ان پر راس نہیں آتی، بالآخر قوم کا انجام تباہی وبربادی کے سوا اور کچھ نہیں، آخر

آنکھوں پر کیوں پردے پڑے ہوئے ہیں، تازہ بتازہ بیروت کا حشر آپ کے سامنے ہے جس معاشرہ سے یورپ بھی چیخ اٹھا ہے، آخر قوم کو اس معاشرے میں کیوں دھکیلا جارہا ہے؟ کیا پاکستان اس لئے بنایا گیا تھا کہ دلوں کا سکون ختم ہو، جان و مال اور آبرو غیر محفوظ ہو، ہر طرف فساد ہی فساد ہو، غنڈہ گردی عروج پر پہنچ جائے، زرمبادلہ، فارن ایکسچینج کی حرص میں قوم اپنی ملکی پیداوار کی نعمتوں سے محروم ہو، روح فرسا گرانی عوام کو حواس باختہ بنائے، قومی ادارے، قومی مدارس دینی معابد اور مساجد کو ہر وقت خطرہ لگا رہے کہ آج حکومت نے قبضہ کیا اور آج کیا، جو کام حکومت کے کرنے کے تھے بیچاری قوم کن کن مشکلات میں ان کو خود انجام دیتی رہے اور جب تکمیل تک پہنچ جاتے ہیں تو نااہلوں کا استیلا ہو جاتا ہے، کاش اس کی خدمت کا حق ادا کرتے تو پھر بھی مضائقہ نہ تھا، جن مقاصد کے پیش نظر بنائے جاتے ہیں کاش وہ حاصل ہوتے، کیا یہ پاکستان ہے کہ نہ کسی کی دنیا محفوظ ہو نہ دین محفوظ ہو، نہ جان امن میں ہو نہ مال امن میں ہو، ﴿خسر الدنيا والآخرة ذالك هو الخسران المبين﴾ نہ معلوم کہ وہ مبارک دن کب آئے گا کہ جو وعدے کئے گئے وہ پورے ہوں، اسلامی قوانین عدل و رحم جاری ہوں، ہر شخص کی جان و مال و آبرو کی حفاظت و کفالت ہو، عصمت فروشی کے اڈے یکسر ختم ہوں، شراب نوشی کے مراکز بند ہوں، بے حیائی، بے پردگی جرم ہو، اشیائے ضرورت عوام کے لئے سستی ہوں، عیاشی و بدمعاشی کے تمام ذرائع پر پابندی ہو، پولیس اپنے فرائض میں کوتاہی نہ کرے، فوج مملکت کی حدود کی حفاظت کے لئے ہر وقت سربکف ہو، ہر طرف اعلاء کلمۃ اللہ کی محفلیں گرم ہوں، اتفاق و اتحاد کا روح پرور منظر ہو، حکمران کا تصور صحیح طور پر ملک و ملت کی خدمت ہو، قوم و رعیت کی خیر خواہی اس کا نصب العین ہو، لیکن افسوس کہ جو کچھ ہو رہا ہے اور جو کچھ کیا جارہا ہے اس کا نقشہ آپ کے سامنے ہے کیا کہا جائے:

خموشی معنے دارد کہ در گفتن نمے آید

اللہ تعالیٰ رحم فرمائے۔

پاکستان کی سلامتی اسلامی قوانین کے جاری کرنے میں ہے

اب کہنا یہ ہے کہ خدارا اس ملک پر اور اس قوم پر رحم کرو، بلکہ اپنی عاقبت کے پیش نظر جلد سے جلد اسلامی قوانین کا اجراء کر دیا جائے، عدالتوں میں قضاۃ کا تقرر کیا جائے، اسلامی حدود اور تعزیرات جاری کئے جائیں، سرکاری سکولوں اور کالجوں میں دینی تعلیم و تربیت لازمی قرار دی جائے، عربی زبان کو لازمی مضمون کی حیثیت دی جائے، اسلامی اوقاف انہی مقاصد پر خرچ ہوں جو واقفین کے شرائط ہیں، سودی نظام اور سودی کاروبار کو جلد ختم کیا جائے۔

ہم صاف صاف یہ بات کہنے پر مجبور ہیں کہ بلاشبہ بدکرداری کی سزا تو آخرت میں ملے گی جو صحیح معنی

میں دارالجزاء ہے لیکن حق تعالیٰ کی حکمت کا تقاضا ہے کہ دنیا کو ایک حد تک آخرت کا نمونہ بنایا گیا ہے، عبرت کے لئے کہ چشم بصیرت دیکھ لے، دنیا میں بھی کچھ نمونہ سزا کا مل جاتا ہے، یوں ہی نہیں چھوڑا جاتا۔ آخر پاکستان کے سابق حکمرانوں کا حشر بھی دنیا نے دیکھ لیا کہ جو ملک کے غدار ہوتے ہیں ان کا حشر کتنا حسرت ناک ہوتا ہے، اللہ تعالیٰ نے نظامِ مملکت چلانے کی وہ صلاحیتیں دے رکھی ہیں اگر ان کے ساتھ دینی نظام برکت وسعات کو بھی جاری کروائیں تو دنیا کی نیک نامی بھی ان کے سامنے ہوگی اور کامیابی بھی ان کے قدم چومے گی اور آخرت پر اگر ایمان ہے تو اس کی کامیابی اور سعادتیں بھی نصیب ہوں گی۔

اسلامی قانون کے نفاذ میں حائل عذرِ لنگ

اسلامی قانون کے نفاذ میں سب سے بڑا عذرِ لنگ جو لیاقت علی خاں کے دور سے لے کر آج تک پیش کیا جارہا ہے اور جسے اباحیت پسند ملحدوں کی کھیپ مسلسل چلا چلا کر دہرا رہی ہے، یہ ہے کہ صاحب! یہاں کوئی ایک فرقہ تو نہیں ہے جس کا فقہی قانون اٹھا کر ملک میں نافذ کر دیا جائے، یہاں تو مختلف فرقے آباد ہیں، بھانت کی بولیاں ہیں، ایک فرقہ کا فقہی قانون نافذ کرو تو دوسرا فوراً مشتعل اور برافروختہ ہو جائے گا، یہ ہے اصل رکاوٹ اسلامی قانون کے نفاذ میں۔

مگر یہ عذر ''من پاپی عذر ہزار'' کے زمرے میں آتا ہے، ان دانش مندوں سے کوئی پوچھنے والا نہیں کہ آپ نے تیس سال سے جو انگریز کا چبایا ہوا نوالہ اور اس کا کافرانہ قانون اس پاک مملکت میں نافذ کر رکھا ہے، ذرا بتائیے کہ اس پر کون کون سے اسلامی فرقے ایمان رکھتے ہیں اور اس کے نفاذ میں تم نے کن کن مسلمان فرقوں کی دل جوئی ملحوظ رکھی ہے؟ کتنے شرم کی بات ہے کہ یہاں کے سوادِ اعظم کا قانون تو اس لئے نافذ نہیں کیا جاتا کہ باقی اقلیتی فرقے ناراض ہو جائیں گے مگر کتاب وسنت کے علی الرغم خدا اور رسول کے علی الرغم تمام اسلامی فرقوں کے علی الرغم اور یہاں کے جمہور عوام کے علی الرغم انگریز کا کالا قانون ملک پر مسلط کرتے ہوئے نہ خدا اور رسول کی ناراضی کا اندیشہ کسی کو لاحق ہوتا ہے نہ کسی اسلامی فرقے کے جذبات کو ٹھیس پہنچتی ہے، گویا خالص کفر ملک پر مسلط رہے تو مضائقہ نہیں لیکن اسلامی قانون اگر نافذ کر دیا جائے تو خطرہ لاحق ہو جاتا ہے کہ کہیں اس ملک پر قہرِ الٰہی نہ ٹوٹ پڑے اور یہ ملک گروہ بندی کا شکار ہو کر ختم نہ ہو جائے۔

اور پھر ہم پوچھتے ہیں کہ اس ملک پر ایوبی دور میں جو ہٹلرانہ عائلی قانون مسلط کیا گیا اور آج بھی مسلط ہے اس میں کن کن اسلامی فرقوں کے جذبات کو بطورِ خاص ملحوظ رکھا گیا؟ اور اب جو حقوقِ نسواں کمیٹی کی سفارشات پر ایک لادینی قانون مسلط کیا جارہا ہے اس کی سفارش کس اسلامی فرقے نے کی ہے؟۔

سیدھی بات یہ ہے کہ یہاں کے اباحیت پسند جنہیں بدقسمتی سے اقتدار میں ہمیشہ رسوخ حاصل رہا ہے،

ان کا نہ اسلامی قانون کی خیر و برکت پر ایمان ہے نہ وہ اس کے نفاذ کے معاملہ میں مخلص ہیں، وہ پاکستان کی پبلک کو جس راستے پر ڈالنا چاہتے ہیں اسلامی قانون کا نفاذ اس میں سب سے بڑی رکاوٹ ہے، اس لئے وہ عوام کو بھیڑ بکری سمجھ کر من مانے قانونی ڈنڈے سے ہانکتے رہتے ہیں، ورنہ مسلمانوں کا فرقہ وارانہ اختلاف اسلامی قانون کی راہ میں کبھی حائل نہیں ہوا، نہ ہوسکتا ہے، یہ فرقہ واریت کچھ آج پیدا نہیں ہوئی یہ اس وقت بھی تھی جب اسلامی قانون کا پرچم ساری دنیا میں لہراتا تھا مگر تاریخ شاہد ہے کہ مسلمانوں کے فقہی اختلافات نے کبھی اسلامی قانون کے سامنے بند نہیں باندھا۔

اس لئے اباحیت پسندوں کی یہ دلیل بالکل غلط ہے کہ چونکہ پاکستان میں مختلف مذہبی فرقے آباد ہیں اس لئے اسلامی قانون یہاں نافذ نہیں ہوسکتا۔ آج اگر اسلامی قانون کے نفاذ کے اختیارات کلیۃً کسی اہل کے سپرد کر دیئے جائیں تو ایک سال کے اندر اندر انشاء اللہ یہ ملک انگریز کے کافرانہ قانون سے آزاد ہوگا، اس کی جگہ اسلام کی حکمرانی ہوگی اور تم دیکھو گے کہ اس کے سایہ عدل و رحمت میں کسی مسلمان فرقے کو کجا کسی غیر مسلم کو بھی کوئی شکایت نہیں ہوگی:

﴿اَلَّذِيْنَ اِنْ مَّكَّنّٰهُمْ فِى الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَ اٰتَوُا الزَّكٰوةَ وَ اَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَ نَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ وَلِلّٰهِ عَاقِبَةُ الْاُمُوْرِ﴾ [الحج:٤١]

وہ لوگ کہ اگر ہم ان کو حکومت دیں زمین میں تو نماز قائم کریں، زکاۃ ادا کریں، نیکی پھیلائیں اور بدی مٹائیں اور اللہ ہی کے ہاتھ ہے تمام کاموں کا انجام۔

[جنوری ۱۹۷۷ء، محرم الحرام ۱۳۹۷ھ]

اسلامی نظریاتی کونسل کی جدید تشکیل

حق تعالیٰ کا شکر ہے کہ سیاسی بحران نے جو مایوس کن صورت اختیار کر لی تھی وہ ختم ہوگئی، اور اس کی امید ہوگئی کہ اگر ہماری قوم کو من حیث القوم معافی مل گئی تو کسی درجہ میں صحیح نمائندہ حکومت برسر اقتدار آجائے گی اور لوگوں کو حکومت الٰہیہ کے سایہ رحمت میں سکون کا سانس نصیب ہوجائے گا۔ موجودہ مارشل لاء کی حکومت سے جہاں قوم کو ظالموں کے پنجے سے نجات ملی اور سکون نصیب ہوا، وہاں آئندہ حکومت اسلامی کے لئے راستہ بھی ہموار ہوگیا، اسلامی نظریاتی کونسل کی جدید تشکیل سے بھی بہت کچھ توقعات وابستہ ہوگئیں اور حسب ذیل بنیادی تبدیلیاں کی گئیں۔

الف...... یہ ادارہ مستقل آزاد ادارہ ہوگا، کسی وزارت کے ماتحت نہیں ہوگا، جیسا کہ اب تک وزارت قانون کے ماتحت چلا آتا تھا۔

ب......اس کی حیثیت محض مشیر کی نہیں ہوگی بلکہ اس کی سفارشات حتمی ہوں گی اور ان کا نفاذ حکومت کے ذمہ ہوگا، انہیں رد کرنے کا حق نہیں ہوگا اور نہ وہ اکثریت واقلیت کی رائے شماری کے چکر میں آئیں گی۔

ج......ادارہ تحقیقات اسلامی اس کے ساتھ ملحق ہوگا اور اس کا ایک جزء ہوگا، علمی تحقیقات کے لئے اس کے تینوں مجلّے اسلامک اسٹڈیز (انگریزی) الدراسات الاسلامیۃ (عربی) اور فکر ونظر (اردو) اس کے ترجمان ہوں گے اور اس کی معاونت کا کام ان سے لیا جائے گا۔

د......اس کی تمام کارروائی امت کے سامنے آئے گی اور کوئی تجویز بھی صیغہ راز میں نہیں رکھی جائے گی، توقع رکھنی چاہیے کہ ان چار باتوں سے اسلامی کونسل میں جان آجائے گی، اسلامی نظریاتی کونسل کی تشکیل کوئی نئی چیز نہیں بلکہ پہلے تعلیمات بورڈ پھر مشاورتی کونسل پھر اسلامی نظریاتی کونسل کے نام سے ادارے قائم کئے گئے اور ان اداروں نے کچھ کام بھی کیا لیکن ارباب اقتدار کو چونکہ اسلام سے نہیں بلکہ صرف نام سے غرض تھی اس لئے ان کی سفارشات کو نافذ تو کیا کیا جاتا ان کی کارروائی تک کو صیغہ راز میں رکھا گیا، کیونکہ ان حکومتوں نے صرف عوام کو مطمئن کرنے کے لئے یہ کام شروع کر رکھا تھا ورنہ عملی طور پر ان اداروں کی کارروائی کو ردی کی ٹوکری میں ڈالا جاتا رہا اور عوام کو قصداً اس سے بے خبر رکھا گیا تاکہ کوئی احتجاج نہ کرسکے کہ سفارشات کو قبول کیوں نہیں جاتا ورنہ بہت کچھ کام ہوگیا تھا، اگر سابقہ حکومتیں اسلام کے بارے میں مخلص ہوتیں اور ان سفارشات کو نافذ کراتیں تو آج یہ روز بد نہ دیکھنا پڑتا، لیکن افسوس ''خود غلط بود آنچہ ما پنداشتیم'' وہاں تو معاملہ ہی کچھ اور تھا، اب الحمدللہ کہ اسلامی کونسل ایک مستقل اور بااختیار ادارہ کی حیثیت سے جدید انتخاب کے ساتھ پھر وجود میں آئی ہے، اب قوم کو یہ دیکھنا ہے کہ وہ اسلام کے نفاذ میں کتنی فعال، کتنی سرگرم اور کتنی مخلص ثابت ہوتی ہے، اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان ایام میں وہ سب کام کرائے جو سالہا سال میں نہ ہوسکا۔

ادارہ تحقیقات اسلامی کا رخ اس وقت تک اسی طرف لگا رہا کہ اسلام کا جدید ماڈل تیار کیا جائے جس میں یہ صلاحیت ہو کہ جدید تہذیب کے تمام کافرانہ خدوخال موجود ہوں، اسی مقصد کے پیش نظر جناب ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی کو ہٹا کر ڈاکٹر فضل الرحمن کو ادارہ کا سربراہ بنایا گیا تھا، ابتداء میں اس کا دس لاکھ کا بجٹ تھا پھر بارہ لاکھ پھر ۲۴ رلاکھ کا سالانہ بجٹ رہا اور یہ کروڑوں روپیہ حکومت کا الحاد اور دہریت کی نذر ہوتا گیا، اشک شوئی کے لئے کبھی کبھی کوئی ایک آدھ علمی کتاب بھی شائع کرائی گئی تاکہ عوام کی زبان بند ہو اور کوئی شکایت نہ کرسکے کہ کام نہیں ہورہا ہے، خوشی کی بات ہے کہ جنرل محمد ضیاء الحق صاحب چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر نے اس ادارہ کو اسلامی کونسل کا جزء بنا کر امت پر ایک اور احسان کیا، اب اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ محض اپنے فضل وکرم سے رفقاء ادارہ کو صحیح خدمت اسلام کی توفیق عطا فرمائے۔

یوم تجدید میثاق اور توبہ وانابت

اسلامی کونسل نے قوم وملت سے ایک دن مقرر کر کے توبہ وانابت اور تجدید میثاق کی اپیل کی ہے، مقصد یہ کہ حکومت اور عوامی دونوں سطح پر ایک ایسا دن مقرر کیا جائے کہ سب مل کر بارگاہِ قدس میں توبہ کریں، تیس سالہ دور میں جو اللہ تعالیٰ سے بدعہدی کی ہے اور غیر اسلامی زندگی کو جس انداز سے عام کیا ہے اس کی معافی مانگی جائے اور آئندہ کے لئے یہ عہد کیا جائے کہ جس مقصد کے لئے پاکستان بنایا گیا تھا اس مقصد کے لیے سرتوڑ کوشش کی جائے گی اور اس ملک میں صحیح معنوں میں حکومت الٰہیہ قائم کی جائے گی۔

ہم نے بینات کے صفحات پر بار بار ان حقائق کا واشگاف اظہار کیا ہے کہ خدا کے لئے اس ملک پر رحم کرو اور اللہ تعالیٰ کے غضب کو دعوت دینے والی زندگی سے توبہ کرو، موجودہ صورت اور دردناک حالات ہماری شامت اعمال کے نتائج ہیں، جن کے ذریعہ ہم اللہ تعالیٰ کی نعمتوں سے محروم ہو گئے، نہ جان محفوظ نہ آبرو محفوظ، نہ مال محفوظ، بجائے روز افزوں ترقی کے روز افزوں قعر مذلت میں گرتے جارہے ہیں، بہرحال اس وقت اس کی ضرورت ہے کہ ہمارے واعظین اور خطباء ومقررین ان حقائق کو امت کے کانوں تک پہنچائیں اور ہمارے اخبارات ومجلّات، ریڈیو، ٹیلی ویژن وغیرہ ذرائع نشر واشاعت سے ان حقائق کو واضح کرائیں اور صحیح اسلامی معاشرت سے زندگی کے ثمرات ونتائج سے روشناس کرائیں اور اسلامی حکومتیں جن خطرناک غلطیوں سے دنیا کے صفحے سے مٹ گئی ہیں ان کی عبرت ناک داستانیں سنائیں اور بتلائیں کہ مسلمانوں پر من حیث القوم خدافراموش زندگی کبھی راس نہیں آئی اور ظلم وکبر اور بربریت کے ساتھ کوئی حکمران بھی اس کے برے عواقب سے بچ نہیں سکتا اور حق تعالیٰ کی حکمت ومصلحت سے آخرت سے پہلے بھی ان مجرموں کو دنیا میں بھی سزا مل جاتی ہے، آخر پاکستان کے اندر ہی کیا کوئی مرقع عبرت نہیں؟ آخر سکندر مرزا، غلام محمد اور ایوب خان کا حشر کیا ہوا؟ اور قائد عوام کا حشر اب دنیا دیکھ رہی ہے اور مزید دیکھ لے گی، اللہ تعالیٰ کی اس مخلوق کو کس بے رحمی اور ظلم سے ستایا گیا اور کیسی عبرت ناک تفصیلات جرائد اور اخبارات کے صفحات پر آرہی ہیں، ان ظالموں نے اللہ تعالیٰ کی اس خداداد مملکت کو کس طرح نیست ونابود کرنے کی کوشش کی؟ کون سی گندگی اور بے رحمی ہے جس کا ارتکاب نہ کیا گیا ہو؟ بے حیائی، سنگدلی، بے رحمی کے ریکارڈ توڑ دیئے گئے، دنیا کے جابر وظالم ڈکٹیٹروں نے اس دنیا میں جو کچھ کیا ان سب کو یہاں جمع کر دیا، آخر مخلوق تو خدا کی ہے، اللہ تعالیٰ نے کسی حکمران کو اپنی خدائی نہیں دی ہے کہ اس کی مخلوق کے ساتھ جو چاہے کرے لیکن حق تعالیٰ صبور وحلیم ہے ہر چیز کے لئے ایک وقت مقرر ہے "لکل اجل کتاب". بہرحال ایک وقت آتا ہے کہ "عزیز ذو انتقام" کی صفت کا بھی ظہور ہوتا ہے، واقعات ناظرین کے سامنے ہیں بیان وتفصیل کی حاجت نہیں۔

اسلام دشمن طاقتیں اور پاکستان

موجودہ بحران سے جو افسوسناک حقیقت واشگاف ہوکر سامنے آئی ہے وہ یہ ہے کہ پاکستان میں اسلام دشمن وشریر طاقتیں منظم ہوکر حق کے مقابلہ میں رونما ہوئی ہیں، تمام شر کی قوت منظم ہوکر خیر سے نبرد آزما ہوگئی ہے، گذشتہ قیادت کا سب سے بڑا کارنامہ بھی یہی ہے کہ اس کی بدولت منتشر شر وفساد کی طاقتیں منظم ہوئیں اور ظاہر ہے کہ جیسی روح ویسے فرشتے، الحاد و دہریت اور لادینی کے پرستار، دین کے دشمن تمام عناصر متفق ہو گئے ہیں اور لادینی قیادت ہی چاہتے ہیں، ہمارے بعض حضرات ان حقائق سے غافل نظر آتے ہیں، وہ اپنے جلسوں میں صالحین کی اکثریت دیکھ کر یہ خیال کرنے لگتے ہیں کہ بس اب تو آنکھیں بند کر کے صالح قیادت ہی کی حمایت ہو گی، دوسری طرف سے آنکھیں بند کر لیتے ہیں کیا لاہور اور پنڈی میں شر وفساد کے عناصر کے محیر العقول اجتماعات سے فیصلہ لگانا بھی حقائق سے چشم پوشی ہے؟ بلاشبہ غلبہ حق کا ہوتا ہے بشرطیکہ خالص حق ہو، اگر دال میں کچھ کالا کالا ہے تو پھر کیونکر اطمینان ہوسکتا ہے اور کیوں انسان خوش فہمی میں مبتلا ہوتا ہے، عہد نبوت میں حق خالص ہونے کے باوجود اپنی اکثریت پر گھمنڈ ہوا تو کیا حشر ہوا؟ وحی آسمانی میں غزوہ حنین کے واقعہ سے کیا عبرت نہیں ہوتی؟ مسلمان کا شیوہ یہ ہونا چاہیے کہ ہر وقت حق تعالیٰ پر ہی توکل ہو اور ضعف وناتوانی پیش ہو اور حق تعالیٰ کی صمدیت و بے نیازی سامنے ہو، نہ معلوم کس وقت کیا تکوینی مصلحت ہو، لن ترانیاں اور دعوے اسلامی مزاج کے بالکل خلاف ہیں، افسوس ہے کہ اچھے اچھے حضرات بھی پھسل جاتے ہیں اور ان حقائق سے غفلت کی وجہ سے خلاف توقع صورتیں پیش آجاتی ہیں، پھر شیطانی وساوس شروع ہوجاتے ہیں، حدیث میں آتا ہے کہ دشمن یعنی کافر کے مقابلے کی آرزو مت کرو، لیکن جب واسطہ پڑے تو پھر کمال یہ ہے کہ قدم نہ ڈگمگائے (۱)۔ یہ برسر عام اجتماعات میں جلسوں اور جلوسوں میں نعرے لگانے اور یہ کہ ہم یوں کر دیں گے اور یوں کر دیں گے، یہ تمام اسلامی مزاج کے خلاف ہیں۔ بہر حال حضرت رسالت پناہ علیہ صلوات اللہ وسلامہ کی زندگی اور اسوۂ حسنہ اور صحابہ کرام علیہم رضوان اللہ کا طرز زندگی اور واقعات مسلمانوں کے سامنے رہنے کی ضرورت ہے اسی میں خیر وبرکت ہے، اسی میں فلاح دارین اور سعادت کونین ہے، بلاشبہ موجودہ قیامت اگرچہ بصورت فوجی حکومت ہے، لیکن بلاشبہ اللہ تعالیٰ کی رحمت کا جلوہ ہے اس کی شکر گذاری کی ضرورت ہے کہ اللہ تعالیٰ کرے کہ ان کے ذریعہ سے تمام روڑے راستے سے ہٹ جائیں [illegible] قیادت کے لئے راستہ ہموار ہوجائے اور مجرمین کو سزا مل کر دنیا کو راحت وسکون کا سانس نصیب ہو [illegible] تمام عناصر ذلیل ورسوا ہوں اور اس مملکت خداداد میں عدل وانصاف کا دور دورہ ہو اور اللہ تعالیٰ کی رحمت [illegible]

(۱) ”....ثم قام في الناس فقال يا ايها الناس لاتمنوا لقاء العدوّ وسلوا الله العافية فاذا لقيتموهم فاصبروا“ الخ. صحيح البخاري، كتاب الجهاد، باب لا تمنوا لقاء العدو، ج:۱ ص:۴۲۴، ط: قديمي.

پرنور ہو اور خدا فراموش زندگی سے نجات نصیب ہو اور یہ مملکت دنیا کے ممالک اسلامیہ میں باعزت ہو اور تمام عالم اسلام کی قیادت کی صلاحیت حاصل ہو اور تمام مایوسی کی گھٹاؤں کے بعد امید کے آفتاب عالم تاب کی شعاعوں سے دنیا منور ہو، وما ذالك على الله بعزيز۔

[ذوالقعدہ ۱۳۹۷ھ/نومبر ۱۹۷۷ء]

بھٹو دورِ حکومت اور پاکستان

عرصہ ہوا کہ یہ بدنصیب ملک شدید سے شدید حالات سے دو چار ہوتا جا رہا ہے جس وقت جناب ذوالفقار علی بھٹو صاحب مسند آرائے مملکت ہوئے تو قعات وابستہ ہوگئیں کہ موصوف بلا کے ذہین اور زیرک ہیں اور سابقہ ادوار سے عبرت آموز ہو گئے ہیں اور جب عہدِ ایوبی میں وزارت خارجہ کے منصب سے فائز تھے بعض امور ایسے پیش آئے تھے جن سے حسن ظن پیدا ہو گیا تھا، لیکن وائے ناکامی کہ موصوف جس وقت سے کرسی اقتدار پر آئے حیرت انگیز واقعات ایسے پیش آتے رہے جن سے یہ یقین ہو گیا کہ ان کی ساری ذہانت ان کی قوت عمل، ان کی حرکت، ان کی تدبیر صرف اپنی ذات کے لئے ہے، ملک وملت کو کوئی فائدہ نہیں پہنچ سکا، وہ جب سے مطلع سیاست پر نمودار ہوئے ہیں ملک مسلسل فتنوں اور بحرانوں کی منجدھار میں ہے، انہوں نے سب سے پہلا بحران ۱۹۷۱ء میں ''ادھر تم ادھر ہم'' کے نعرہ سے پیدا کیا جس کے نتیجہ میں ملک دولخت ہو گیا اور ہماری آبادی کا بڑا حصہ کٹ کر الگ ہو گیا اور باقی ماندہ کٹے پٹے ملک پر وہ دادِ حکمرانی دینے لگے، گویا ان کا اقتدار ان کے خود آوردہ بحران کی پیداوار تھی، اس کے بعد اپنے پنج سالہ دور میں انہوں نے مسلسل پے در پے اتنے بحران تخلیق کیے اور قوم وملک کے زخم خوردہ جسم پر اتنے چرکے لگے کہ قوم نیم جان ہو کر رہ گئی۔ حکومت کا سب سے بڑا فرض یہ ہوتا ہے کہ وہ ملک کے شہریوں کو امن وامان اور راحت وآسائش کی ضمانت دے، مگر بدقسمتی سے مسٹر بھٹو کا دورِ اقتدار پاکستان کی تاریخ کا وہ سیاہ ترین دور ہے جس میں کسی کو سکھ کا سانس لینا نصیب نہ ہوا، نہ کسی کی جان محفوظ رہی نہ مال، نہ آبرو، ملک کے ممتاز لیڈروں کو دن دہاڑے سڑکوں پر خون میں نہلایا اور موت کے گھاٹ اتارا گیا۔ غنڈوں کو من مانی کرنے کی کھلی چھٹی ملی اور پرامن شہریوں کو جیلوں میں سڑنے پر مجبور کیا گیا۔ رذیلوں کی عزت اور حوصلہ افزائی کی گئی اور شرفاء کو گھناؤنے مقدمات میں پھانسا گیا، مزدوروں، طالب علموں اور عورتوں پر لاٹھیاں اور گولیاں برسائی گئیں، وکلاء کو ذلیل کیا گیا، علماء سے توہین آمیز سلوک روا رکھا گیا، بھٹو حکومت کی غلط پالیسیوں اور الّلے تللّے اخراجات کی بدولت گرانی اور افراطِ زر کا دور دورہ ہوا، مصنوعی قحط کا دیو عریاں ناچنے لگا، متوسط طبقہ کی قوت خرید جواب دے گئی، غریب عوام کی زندگی اجیرن ہو گئی اور ملازم طبقہ بدحالی و پریشانی کا شکار ہو گیا۔

قومی اتحاد اور مسٹر بھٹو

مسٹر بھٹو کا پیدا کردہ آخری بحران (خدا کرے یہ آخری ہو) موجودہ انتخابی بحران تھا، بھٹو صاحب جانتے تھے کہ اب وہ قوم میں مقبول نہیں رہے ہیں اور ان کے غلط اقدامات کی وجہ سے قوم انہیں مسترد کر چکی ہے، اس لئے انتخابات میں وسیع پیمانے پر دھاندلیاں کی گئیں اور ریڈیو اور ٹیلی ویژن پر انتخابی نتائج کے غلط اعلانات نشر کئے گئے، قوم اس زیادتی کو برداشت نہ کر سکی بلکہ دوبارہ انتخابات کا مطالبہ کیا، عقل و انصاف کا تقاضا تھا کہ سابقہ نتائج کو منسوخ کر کے فوراً دوبارہ پولنگ کرادی جاتی اور قوم کو بغیر کسی دھونس اور دھاندلی کے اپنی رائے کے اظہار کا موقع فراہم کر دیا جاتا، مگر مسٹر بھٹو کی بحران پسند طبیعت نے اس سیدھے راستہ کو اختیار کرنے کے بجائے لاٹھی اور گولی سے قوم کی مرمت شروع کر دی، پولیس، ایف ایس ایف، اور بالآخر فوج کو قوم کی گوشمالی پر مامور کر دیا اور پھر اس کا جو انجام ہوا وہ سب کے سامنے ہے، ملک ایک ایسے بحران کی نذر ہو گیا جس سے ملک کی چولیں ہل گئیں لیکن الحمدللہ اب یہ توقع سی ہونے لگی ہے کہ پاکستان کی امت اسلامیہ اس شدید بحران کے تلاطم خیز سمندر سے نکل کر ساحل کے کنارے پہنچ جائے اور محض حق تعالیٰ کے فضل و کرم سے یہ امید ہوگئی ہے کہ اس امت کے گناہ شاید معاف ہو جائیں اور وہ شاید مقصود سے ہم کنار ہو جائے اور الحمدللہ کہ ایک بوریہ نشین، درویش عالم دین، باخدا شخصیت کی صالح قیادت اور حسن تدبر سے قوم کی کشتی منزل مقصود کے قریب آ گئی ہے۔

قومی تحریک اور اس کی قیادت

اس تحریک میں قوم نے جس بے مثال اتحاد کا مظاہرہ کیا وہ قابل صد ستائش ہے اور تمام طبقوں نے اپنی جان و مال اور عزت و آبرو کی جو قربانیاں اسلام کی خاطر دیں ان کی نظیر اس دور میں مشکل سے ملے گی، قومی اتحاد کی آہنی دیوار میں شگاف ڈالنے کی ہر ممکن کوشش کی گئی (اور جب تک مسٹر بھٹو کا بس چلے گا آئندہ بھی ان سے یہی توقع ہے) مگر تمام قائدین اور ان کے رفقاء مستحق تبریک ہیں کہ انہوں نے ایسی تمام کوششوں کو ناکام بنادیا، تحریک کی قیادت حالیہ تحریک میں ایک بین الاقوامی قیادت کی حیثیت سے ابھری، مولانا مفتی محمود صاحب نے ایک باوقار، بااصول اور مدبر سیاست دان ہونے کا ثبوت پیش کیا، بلاشبہ ان کے تمام رفقاء لائق صد تحسین ہیں جنہوں نے اپنے نیک مشوروں سے ان کی اعانت فرمائی اور باہمی اتفاق و اعتماد کے ساتھ زمام اختیار ان کے سپرد کر کے نہایت قابل قدر حکمت و تدبر کا ثبوت دیا۔

مفتی محمود صاحب کو صوبہ سرحد کی وزارت عظمیٰ کے دوران بھی ایک بے لوث درویش ہستی کی حیثیت سے دنیا نے پہچانا تھا، مگر حالیہ تحریک کے دوران ان کے صبر و استقامت، حسن تدبر اور معاملہ فہمی کی بدولت ان کی شخصیت اور بھی نکھر کر سامنے آئی، وہ نہ صرف عالم دین ہیں بلکہ عصر حاضر کے قابل فقیہ ہیں۔ اسلامی قانون کی

تدوین میں عالم اسلام میں ممتاز ہیں، وہ ایک سلیم الذوق محدث، نہایت کامیاب مدرس، عمدہ خطیب، نہایت زکی و مدبر اور غیر مرعوب شخصیت اور حاضر دماغ و حاضر جواب سیاست دان ہیں، دنیا کے جاہ و منصب سے بالاتر ہیں، ان کے لئے کرسی، اقتدار، گھر کی چار دیواری، جیل کی تاریک کوٹھری، اور مسند درس و تدریس سب یکساں ہیں، انہیں نہ کسی قیمت پر خریدا جاسکتا ہے نہ دنیا کے مطامع دنیہ ان کے پائے استقامت میں لغزش پیدا کر سکتے ہیں، نہ دار و رسن کا خوف انہیں کلمہ حق کہنے سے روک سکتا ہے، وہ عالم ہیں، متقی ہیں، دل و زبان پر قابو یافتہ ہیں، دینی و شرعی سیاست سے باخبر ہیں، دور حاضر کی گندی سیاست سے بالاتر ہیں اور اس ناپاک سیاست سے کبھی مرعوب نہیں ہوتے۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس مملکت کی دینی خدمات کے لئے انہیں کامیابی و کامرانی کے ساتھ تادیر سلامت رکھے اور اس مملکت کے سفینہ کو کامیابی کے ساتھ ساحل مقصود تک پہنچائے اور قومی اتحاد کے تمام معزز قائدین کو اسلام کی حفاظت و خدمت کے لئے باہم متفق و متحد رکھے، آمین۔

اس دوران سعودی حکومت اور اس کے فرمانروا جلالۃ الملک شاہ خالد اور سفیر باتوقیر عالی جناب ریاض الخطیب نے جس حسن تدبر، ہمدردی و اخلاص کا ثبوت دیا اور اس بحران سے نکالنے کے لئے جو پرخلوص جد و جہد فرمائی، ہم اس کے شکریہ سے قاصر ہیں، اللہ تعالیٰ ان کو دارین کی عزت و سعادت عطا فرمائے اور دونوں جہاں کی نعمتوں سے مالا مال فرمائے اور مزید اسلامی اخوت و صداقت کی نعمت سے سرفراز فرمائے، آمین۔

کچھ ایسا محسوس ہو رہا ہے اگر پاکستانی امت اس شدید ابتلاء و امتحان سے باہر آنے اور مافات کی تلافی کے لئے مسلسل جد و جہد کرے تو امید ہے کہ مستقبل روشن ہو جائے گا اور خاکم بدہن اگر خدانخواستہ اس ابتلاء کے بعد بیدار نہیں ہوئی اور وہی خدا فراموش سابقہ زندگی ہے تو شاید پھر دوبارہ موقع ہاتھ نہیں آئے گا اور مستقبل جس انداز سے تاریک ہوگا اس کے تصور سے بھی رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔

عزت و کامرانی کے اسباب

عام طور سے دنیا میں مال و دولت سے عزت آتی ہے اور حکومت سے امن و چین نصیب ہوتا ہے، لیکن افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ آج عرب اسلامی ممالک میں جو مال و دولت کی فراوانی ہے غیر اسلامی حکومتیں اس کا تصور بھی نہیں کر سکتیں تھیں، لیکن باوجود اس مال و دولت کے وہ عزت و طاقت سے محروم ہیں، وہ خوف زدہ و ذلیل ہیں، ہر وقت اعداء اسلام کا خوف دامن گیر رہتا ہے، کسی کو امریکہ کا خوف و دبدبہ کھائے جا رہا ہے اور کسی کو روسیاہ روس کی یلغار کا خطرہ لاحق ہے۔ یہ سب کچھ نتیجہ ہے اس بات کا کہ مسلمانوں کا تعلق اللہ تعالیٰ سے منقطع ہو گیا، دنیا اور دنیا کے مال و دولت کو کعبہ مقصود بنا لیا، نہ اسلام کی صحیح ہمدردی ہے نہ اسلام کی صحیح خدمت ہے، عیش و عشرت کی زندگی میں ڈوبے ہوئے ہیں، مٹھی بھر اسرائیل کا خطرہ وبال جان بنا ہوا ہے، یہ مانا کہ اسرائیل امریکہ کی دولت و ایٹمی

قوت اور برطانیہ کی سیاست وحکمت کے زیر سایہ زندگی بسر کررہا ہے لیکن اللہ تعالیٰ کی قدرت وعزت وجبروت کے سامنے ان دنیاوالوں کی طاقت وقوت کی کیا حیثیت ہے، اگر مسلمانوں کا رشتہ اللہ تعالیٰ سے قوی ہوجائے اور ربانی ہدایات وارشادات "واعدوا لهم ما استطعتم من قوة" پر عمل کریں تو دنیا میں سب سے باعزت قوم مسلمان ہوگی، حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ کو فرمایا تھا:

"يا ابا عبيدة اذا طلبت العزة بالله اعزك الله واذا طلبت العزة بغير الله اذلك الله".(۱)

اے ابوعبیدہ! جب تم اللہ تعالیٰ سے عزت کے طالب ہوگے تو اللہ تعالیٰ تمہیں عزت دیں گے اور جب غیر اللہ سے عزت چاہوگے تو اللہ تعالیٰ تمہیں ذلیل کردیں گے۔

یہ وہی ابوعبیدہ ہیں جن سے حضرت فاروقؓ نے فرمایا:

" كلنا قد غيرته الدنيا الا انت يا ابا عبيدة"(۲)

اس دنیا نے ہم سب کو بدل دیا ہے مگر ایک آپ ہیں اے ابوعبیدہ!۔

میں تو سمجھتا ہوں کہ ہماری دنیا کی کامرانی وکامیابی کے دو پختہ اصول ہیں:

① ظاہری مطلوبہ اسباب کی فراہمی میں پوری جدوجہد کرکے توکل واعتماد صرف حق تعالیٰ کی ذات پر ہو، اسباب پر مدار نہ ہو۔﴿ وَعَلَى الله فَلْيَتَوَ كَّلِ الْمُؤْ مِنُوْنَ ﴾ [ابراهيم:۱۱] صرف اللہ تعالیٰ ہی کی ذات پر مسلمانوں کا توکل وبھروسہ ہو۔

② اصلاح امت کے لئے وہی قدیم ترین آسمانی نسخہ استعمال کریں جس سے اس امت کی پہلے اصلاح ہوئی تھی، لن يصلح آخر هذه الامة الا ما اصلح اولها۔

پاکستانی مسلمان من حیث القوم توبہ واستغفار کریں اور جتنا دین پر چلنا ان کے قبضہ وقدرت میں ہے اس پر صحیح طریقے سے عمل کریں، نمازیں پڑھیں، حقوق اللہ وحقوق العباد کی ادائیگی میں کوتاہی نہ کریں، تمام منکرات سے خود بچیں اور دوسروں کو بچانے کی کوشش کریں۔ الغرض خود معروفات شرعیہ پر عمل کریں دوسروں کو عمل کرنے کی تلقین کریں، منکرات سے بچیں، اوروں کو منکرات سے بچانے کی سعی کریں، سورۃ العصر میں حق تعالیٰ نے ان چار باتوں کا حکم دیا ہے اس میں تقصیر نہ کریں، اگر ایسا ہو تو انشاء اللہ تعالیٰ بہت جلد نقشہ بدل جائے گا اور مایوس

(۱)حلية الاولياء،عمر بن الخطاب،ج:۱ ص:٤٤،ط:دارالكتاب العربي.البداية والنهاية،فتح بيت المقدس على يدى عمر بن الخطاب،ج:۷ص:٦٠،ط:مكتبة المغارف بيروت.

(۲)الرياض النضرة فى مناقب العشرة،الباب العاشرفى مناقب ابى عبيدة،ذكرزهده،ج:۲ ص:۳۱۲، ط: مصر.اسدالغابة فى معرفة الصحابة،ج:٦ ص:۲۰۲،ط:دارالكتب العلمية بيروت.

کن حالات ختم ہو جائیں گے، بفضلہ تعالیٰ۔

حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب مدظلہ راقم الحروف کے نام ایک تازہ گرامی نامہ میں تحریر فرماتے ہیں:

''آپ کے یہاں کے حالات کے لئے دعاؤں میں بہت اہتمام کر رہا ہوں اور کرا رہا ہوں، ایک آدھ دن کو آس کی خبر سنتا ہوں تو دو دن یاس اور نا امیدی کی، اللہ تعالیٰ ہی اپنے فضل وکرم سے پاکستان کے حال پر رحم فرمائے، کتنی امیدوں اور دعاؤں کے ساتھ پاکستان بنا تھا اور حضرت مدنی جیسے حضرات نور اللہ مرقدہم اکابر کی زبان سے کئی دفعہ خود میں نے یہ فقرہ سنا کہ ابتداء میں تو ہم مخالف تھے اور ہماری رائے کے خلاف بنا لیکن جب بن گیا تو اب اس کی سلامتی اور ان امیدوں کو پورا ہونے کے لئے دل سے دعا کرتے ہیں جن امیدوں پر یہ قائم کیا گیا، حضرت مدنی سے تو اس ناکارہ نے کئی دفعہ اس قسم کی دعائیں سنیں اور حضرت رائپوری سے بھی اور دیگر اکابر سے بھی جو ابتداء مخالف تھے، اللہ تعالیٰ ہی اپنے فضل وکرم اور رحم سے ان امیدوں کو پورا کرے جو اس سے وابستہ تھیں''۔

[رجب المرجب ۱۳۹۷ھ/جولائی ۱۹۷۷ء]

بھٹو حکومت کا خاتمہ اور مارشل لاء کا نفاذ

الحمد للہ جو مایوس کن گھٹائیں چھائی ہوئی تھیں چھٹ گئیں اور خلاف توقع ایک لطیفہ غیبیہ کا ظہور ہو گیا اور امید ہو گئی کہ اب وقت آ گیا کہ جس مقصد کے لئے پاکستان کی نعمت امت کو مل گئی تھی اب اسلام کی صحیح ہدایت کی شمع روشن ہو جائے اور تیس سال شدید ابتلاء کا دور گذر گیا اور یہ امت شاید قابل معافی ہو گئی اور حق تعالیٰ کے ابر رحمت کی مستحق ہو گئی اور جنرل ضیاء الحق کی صورت میں یہ رحمت ظاہر ہو گئی، اگر مارشل لاء ایسا ہوتا ہے جس کا ظہور اس وقت ہو گیا، بلا شبہ یہ اللہ تعالیٰ کی ایسی رحمت ہے کہ اگر تمام عمر یہ مارشل لاء ہو تو کوئی مضائقہ نہیں، دلوں کو سکون نصیب ہو، دماغوں کو چین حاصل ہو اور ایسی صورت پیدا ہوئی کہ ہزاروں مایوسیوں کے بعد یہ توقع ہو گئی کہ اس خداداد مملکت میں قانونِ معدلت اور محاکم عدل کا نظام جاری ہو سکے اور آزاد صحیح انتخابات ہوں، البتہ شدید امتحان کا وقت آ گیا اور پاکستانی قوم کے سامنے ایک آخری مرحلہ امتحان کا آ گیا ہے کہ وہ اپنے ووٹ ورائے کی قیمت کو سمجھیں اور اخلاص کے ساتھ اپنا ووٹ اس شخص کو دیں جس کے دین وایمان اور مخلصانہ زندگی پر یقین ہو، ان میں خدمت قوم کی صحیح اہلیت ہو اور ان کے دل میں خدمت اسلام کا قوی جذبہ ہو، ان کا ماضی بے لوث ہو، ان سے مستقبل کی صحیح توقعات وابستہ ہوں، ذاتی مفاد سے بالاتر ہوں، پارٹیوں کی گندی سیاست سے اعلیٰ وارفع ہوں، خدمت دین وخدمت ملت کا صحیح جذبہ رکھتے ہوں، حق تعالیٰ نے اپنی رحمت کاملہ اور قدرت کاملہ سے یہ آخری موقع مہیا کر دیا

ہے کہ صحیح رجال کار منتخب ہوں اور ان کے ہاتھوں میں زمام حکومت منتقل ہو اور ان کے ذریعہ قانون عدل نافذ ہو اور اللہ تعالیٰ اور حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خوشنودی اور رضا کے لئے یہ خدمت انجام دیں اور تمام غیر اسلامی ازم ختم ہوں اور اسلامی معاشرہ کی تکمیل ہو "و یکون الدین کلہ للہ" کی جیتی جاگتی تصویر دوبارہ آنکھوں کے سامنے آئے، بلاشبہ جس شخصیت کے ذریعہ یہ موقع نصیب ہو وہ شخصیت آسمان کے فرشتوں اور سمندر کی مچھلیوں اور صحراؤں کے کیڑے مکوڑوں اور زمینی مخلوق کی دعاؤں کی مستحق ہے، اللہ تعالیٰ کی برکتیں اس پر نازل ہوں گی اور دارین کی سعادتوں سے سرفرازی نصیب ہوگی، بظاہر یہ آخری موقعہ ہے کہ قوم وملت کو آزادانہ انتخاب کا موقع ہاتھ آیا، اگر خدانخواستہ ملت نے یہ آخری موقع ضائع کیا تو بظاہر یہ ملت ختم ہوگئی اور پاکستان ایک بے حقیقت چیز رہ گئی اور پھر اس ملک کو اللہ تعالیٰ کے غضب سے کوئی چیز بچانے والی نہ ہوگی، اللہ تعالیٰ اپنے فضل وکرم سے اپنے غضب سے بچائے اور توفیق نصیب فرمائے کہ پاکستان ایک مثالی معیاری حکومت بنے اور عالم اسلام کی قیادت کرے اور عالم اسلام کو جو توقعات وابستہ تھیں وہ پوری ہو جائیں۔

آخر میں موجودہ اقتدار سے بھی گذارش ہے کہ وہ نہایت ہی تیقظ اور بیداری اور نہایت تدبر سے کام لے اور کڑی نظر رکھے کہ غلط طاقتیں نہ ابھریں اور ان کی تباہ کن تدبیریں خاک میں مل جائیں، وہ غلط فضاء نہ پیدا کرسکیں اور سد باب اختیار کرنے میں کوتاہی نہ کرے اور حق تعالیٰ کی ذات پر توکل واعتماد کرے اور رضاء الٰہی اپنا مقصد بنائے۔

دین اسلام نعمت ربانی ہے

اسلام حق تعالیٰ کی آخری نعمت ہے، اگر صحیح اسلام نصیب ہو قلب وقالب دونوں کی اصلاح ہو جائے گی، آخرت سے پہلے دنیا میں بھی جنت کا نمونہ نصیب ہوگا، جان ومال وآبرو محفوظ رہے گی، قلب کو سکون ہوگا، دماغ کو راحت ہوگی، "کسے را با کسے کارے نباشد" کا نقشہ سامنے آئے گا مخلوق خدا کی محبت دل میں ہوگی، خدا کی مخلوق پر رحم آئے گا، مسلمانوں کی تکلیفوں سے دل کو دکھ ہوگا، دنیا کے کسی گوشے کے مسلمان کو اگر کوئی تکلیف ہوگی تو اپنے قلب کی گہرائیوں میں وہ تکلیف محسوس کرے گا، اتحاد عالم اسلام کا وہ نقشہ سامنے آئے گا جس کا تصور بھی انسان نہیں کرسکتا، لیکن ہائے افسوس کہ مسلمانوں نے اسلام پر چلنا چھوڑ دیا صرف زبانی جمع وخرچ پر قناعت کرلی ہے، نہ حق تعالیٰ کا خوف دل میں ہے، نہ جہنم کا ڈر ہے، نہ جنت کی آرزو ہے، نہ مخلوق خدا پر رحم، ظلم وقساوت وخودغرضی کا دور دورہ ہے اور آج کل کے مسخ شدہ یہود ونصاریٰ کی تقلید وپیروی کا جذبہ اتنا غالب آگیا ہے کہ نہ سیرت اسلامی ہے، نہ طرز معاشرت اسلامی ہے، جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو فرمایا تھا:

”لتتبعن سنن من كان قبلكم شبرا بشبر وذراعا بذراع حتى لو دخل احدهم جحر ضب لدخلتموه“.(۱)

کہ یہود ونصاریٰ کا اتباع ایسا غالب آئے گا کہ اگر ان میں سے کوئی گوہ کے سوارخ میں داخل ہوگا تم بھی داخل ہوگے، یعنی لغو اور بے ہودہ کاموں میں بھی ان کا اتباع کروگے۔

تہذیب وتمدن کے علمبرداروں کی حالت زار

جو قومیں اسلام کی نعمت سے محروم ہیں اور تہذیب وتمدن کی مدعی ہیں، ذیل میں ان کی دو مثالیں ملاحظہ ہوں:

جنسی بیماریاں:

بین الاقوامی ادارہ صحت (W.H.O) کی رپورٹ کے بموجب دنیا میں جنسی بیماریاں روز افزوں ترقی پر ہیں، ایک محتاط اندازہ کے مطابق دنیا میں ہر سال ۲۵ / کروڑ افراد سوزاک اور ۵ / کروڑ آتشک (Gonorrhea Syplilis) میں مبتلا ہورہے ہیں، چونکہ امریکہ میں انسانی فلاح وبہبود اور ذہنی وجسمانی اذیت کی وجہ سے اسقاط حمل کو قانونی تحفظ حاصل ہے، اس لئے صرف نیو یارک شہر میں یکم جولائی ۱۹۷۰ء سے ۳۰ / جون ۱۹۷۲ء تک (PARKEN BERGEN REPORT JULY1973) ۱۲ / ہفتہ سے کم حمل کے اسقاط ۳ لاکھ ۲۱ / ہزار ۵ / سو اور ۳ / ہفتہ سے زائد کے اسقاط کی تعداد ۸۰ / ہزار ۵ / سو ریکارڈ کی گئی ہے، یہ تو وہ رپورٹ ہے جو کہ قانونی طریقہ سے قلم کی زد میں آ گئی، کیا آپ اندازہ کرسکیں گے کہ غیر قانونی اسقاط جو گرفت قلم سے باہر ہیں وہ کس قدر ہوتے ہوں گے، سوزاک اور آتشک جنسی متعدی امراض کی موجودگی ہی صرف اس امر کی نشاندہی کرتی ہے کہ تہذیب یافتہ ممالک میں بے حجابانہ جنسی اختلاط کی بدولت (جن کی نقل کرنے میں ہمارے مرد وزن ہمہ تن کوشاں ہیں) بے راہ روی کس قدر ہے، کیا یہی مغربی مساوات مرد وزن کے درمیان ہونی چاہئے؟ یہ بیماریاں ملیریا، بخار کی طرح مچھر کاٹنے سے تو نہیں ہوگئیں، ان کا منبع صرف اور صرف مرد وزن کے ناجائز اختلاط کی بوقلمونی ہے، مغربی اقوام اس بڑھتے ہوئے معاشرہ کی غلاظت اور رستے ہوئے ناسوروں سے اب پریشان ہیں اور اسلامی معاشرے نے تو چودہ سو سال پیشتر ہی اس سے پرہیز کا حکم دیا تھا۔

جرائم ولوٹ مار:

معاصر جریدہ جنگ رقم طراز ہے (نیو یارک ۲۰ / جولائی ۷۷ء، جنگ نیوز) گذشتہ ہفتہ ۹۰ / لاکھ آبادی

---

(۱) صحيح البخاری، كتاب الاعتصام، باب قول النبی صلى الله عليه وسلم لتتبعن سنن من كان قبلكم، ج: ۲ ص: ۱۰۸۸، ط: قدیمی

والے شہر نیو یارک میں بجلی فیل ہونے کی وجہ سے جو تاریکی پھیلی تھی اس میں ایسی زبردست لوٹ مار کی گئی جس کی مثال نہیں ملتی، گرفتار شدگان سے جیلیں بھر گئیں اور جو قید خانے پرانے ہونے کے باعث بند کر دیئے گئے تھے انہیں دوبارہ کھولنا پڑا، ۳۷۷۶ افراد گرفتار کئے گئے، پولیس کے چار سو سے زیادہ آدمی زخمی ہوئے، تمام رات لوٹ مار کا بازار گرم رہا، نیو یارک کے میئر نے موم بتیوں کی روشنی میں اپنا ہنگامی اجلاس کیا، دو ہزار سے زیادہ اسٹوروں کو لوٹ لیا گیا، نقصان کا اندازہ کوئی ایک ارب ڈالر ہے۔ اسٹوروں کے سامنے لگی ہوئی لوہے کی گرل توڑ دی گئیں، نوعمر لڑکے اور لڑکیاں اور بڑی عمر کے لوگ دکانوں کو تباہ کرنے کے لئے ٹوٹ پڑے، جن میں سلے سلائے کپڑوں، بجلی کے سامان، فرنیچر، ٹیلیویژن سیٹوں اور کریانہ کی دکانیں شامل تھیں، ایک آدمی کو اس وقت پکڑا گیا جب وہ لوٹے ہوئے بلیک اینڈ وائٹ ٹی وی کو واپس لے کر اس کی جگہ رنگین ٹی وی لوٹنے کے لئے آ رہا تھا کچھ لوگوں نے عظیم الشان اسٹوروں میں لوٹ کے سامان کی دکانیں لگائیں اور وہاں سامان کو فروخت کرتے رہے۔

حکومت کویت کا موسوعہ فقہ اسلامی

حکومت کویت نے جہاں جہاں بانی کی طرف حیرت انگیز قدم اٹھایا ہے اور نہایت سرعت سے آگے بڑھ رہی ہے خوشی کی بات ہے کہ وہ اسلامی علوم و معارف کی طرف بھی توجہ کر رہی ہے، چنانچہ آج کل موسوعۃ الفقہ الاسلامی (اسلامی فقہ کی انسائیکلو پیڈیا) مرتب کروا رہی ہے، اس مقصد کے لئے جامعہ دمشق کے مشہور عالم شیخ مصطفی الزرقاء کو دعوت دی گئی ہے اور موصوف اس خدمت میں اپنا وقت صرف کر رہے ہیں، شیخ مصطفی الزرقاء کا انتخاب نہایت عمدہ انتخاب ہے، موصوف کے قلم سے فقہ حنفی اور فقہ اسلامی کی چند مجلدات "الفقه الاسلامی فی ثوبه الجديد" اور "المدخل الى الفقه الاسلامی" کے نام سے چند سال پیشتر خراج تحسین حاصل کر چکی ہیں، قدیم عبارات کو جدید تعبیرات میں منتقل کرنے اور قانونی دفعات پر فقہ اسلامی کو مرتب کرنے میں اچھی خاصی مہارت کے مالک ہیں، موصوف نے ایک مقالہ راقم الحروف سے اور ایک مقالہ حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب سے بھی لکھوانے کی خواہش ظاہر کی ہے، واللہ الموفق۔

[ربیع الاول ۱۳۸۷ھ]

رابطہ عالم اسلامی اور اس کے فرائض

مکہ مکرمہ زادھا اللہ کرامۃ میں امسال "الرابطة الاسلامية" کی مؤتمر ایام حج کے بعد منعقد ہوئی، "الرابطة الاسلامية" کا مقصد جیسا کہ نام سے ظاہر ہے ممالک اسلامیہ میں اسلامی اخوت کی بنیاد پر تعلقات و روابط قائم کرنے ہیں، اس ادارے کی بنیاد پانچ سال قبل شاہ مخلوع ملک سعود بن عبدالعزیز کے عہد میں ڈالی گئی تھی، گویا یہ جمال عبدالناصر حکمران جمہوریہ عربیہ متحدہ کا عملی جواب تھا جس کی اساس "وحدة

العروبة" (اتحادعرب) پر رکھی گئی، اگر چہ ان کا دعویٰ یہ تھا کہ اتحادعرب ہمارے مقاصد کی پہلی سیڑھی ہے اور ''وحدت اسلام'' کے لئے تمہیدی قدم ہے، تاہم ان کے اس نعرے کو اسلام ازم کے خلاف نیشنلزم سمجھا گیا اور کہا گیا کہ اسلام نے قومیت وطنیت اور رنگ ونسل کی جس لعنت کوختم کرنے کا اعلان کیا تھا یہ اس سے متصادم اقدام ہے، قرآن حکیم نے سورہ حجرات میں ﴿اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللهِ اَتْقٰكُمْ﴾[الحجرات: ۱۳]اور حضرت رسالت پناہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے پیغمبرانہ تاریخی خطبہ میں جو حجۃ الوداع کے موقع پر ارشادفرمایا تھا، صاف اعلان فرمادیا تھا:

"ألا لا فضل لعربي على عجمي ولا لعجمي على عربي ولا لأسود على احمر ولا لأحمر على اسود الا بالتقوى ، ان اكرمكم عندالله اتقاكم"(۱)۔

بہرحال صرف عرب کا اتحادقومیت کی بنیاد پر تھا اور یہی سمجھا گیا، اس لئے ضرورت تھی کہ عالمگیر اسلامی اخوت کی بنیاد پر دوبارہ تحریک اٹھے اس حیثیت سے سعودی حکومت تعریف وثناء کی مستحق ہے کہ انہوں نے وحدت اسلام کے پیش نظر "الرابطة الاسلامية" کی عالمگیر تاسیس کی اور اکثر اسلامی ممالک سے نمائندے منتخب کئے، ابتداء صرف سترہ نمائندے تھے جن میں مسلمانان ہند سے بھی ایک نمائندہ منتخب کیا گیا تھا اور سال میں دومرتبہ الرابطۃ کا اجلاس ہوتا تھا(۱) رجب میں (۲) ذی الحجہ میں، حج کے بعد امسال ملک فیصل کے عہد میں "الرابطة الاسلامية" کے سلسلہ کو مزید توسیع دی گئی ہے اور ممالک اسلامیہ سے مزید نمائندے منتخب کئے گئے اور اجلاس سال میں ایک مرتبہ ہی رکھا گیا، چنانچہ امسال اس مؤتمر میں ساٹھ ممالک سے مندوبین یا تو بلائے گئے یا حج بیت اللہ کے موقع پر جو مشہور حضرات یا ارباب علم مکہ آئے ہوئے تھے ان کو مدعو کیا گیا، اس طرح بآسانی ساٹھ ملکوں کے نمائندے شامل اجلاس ہوسکے، پاکستان سے دوقسم کے نمائندے مدعو ہوئے، بعض حضرات کو خود پبلک سے منتخب کیا گیا اور بعض کو حکومت پاکستان کے ذریعے بلایا گیا، حکومت نے اپنے نقطہ نگاہ کے مطابق افراد کو بھیجا، کچھ قرار دادیں پاس کی گئیں اور "الرابطة الاسلامية" میں مختلف شعبے قائم کئے گئے، شعبہ ثقافت، شعبہ دعوت وارشاد، شعبہ تاسیسی وغیرہ وغیرہ اور ہر شعبہ کے لئے مختلف ارکان کا تقرروانتخاب عمل میں آیا اور اب یہ بھی ارادہ ہے کہ ہر ملک میں الرابطۃ کا ایک باقاعدہ باتنخواہ ملازم رکھا جائے اور دفتر کھولا جائے تاکہ الرابطۃ کے اغراض ومقاصد کی اشاعت ہوسکے، خدا کرے کہ تجاویز وقراردادوں تک یا محض دعایہ و پروپیگنڈے تک یہ جدوجہد محدود نہ رہے بلکہ عملی اقدامات اور مقاصد کی تکمیل کے لئے صحیح ومؤثر تدابیر اختیار کی جائیں، تاکہ ممالک اسلامیہ میں صحیح اسلام کی روح جلوہ گر ہو، اور مغربی تہذیب نے جو جدید خدوخال چھوڑے ہیں یکسر ان کوختم کردیا جاسکے اور سیاست سے

---

(۱) حلية الاولياء، المنذر بن مالك، ج:۳ص:۱۰۰،ط:دارالكتاب العربي بيروت.

زیادہ دین مطلوب ہو اور قالب سے زیادہ روح پر توجہ ہو اور ظاہر سے زیادہ باطن کی اصلاح کی کوشش ہو، مال و دولت کی بے پناہ فراوانی سے جو برائیاں پیدا ہو رہی ہیں ان کی اصلاح کی تدبیریں سوچی جائیں، نئی نسل میں مغربی تہذیب کو اپنانے کا جو ولولہ پیدا ہو رہا ہے اس کے روک تھام کی کوشش کی جائے، جدید تعلیم کے ساتھ دینی تعلیم پر پوری توجہ ہو، جس طرح مسجد حرام اور مسجد نبوی کی قابل قدر توسیع پر بے دریغ دولت خرچ کی گئی ہے اس سے زیادہ مناسک حج کے صحیح ادا کرانے کی طرف توجہ ہو، وادی عرفات میں، وادی عرنہ کے مقام پر وقوف صحیح نہیں لیکن ہزاروں حجاج وہیں وقوف کرتے ہیں جن کا حج ہی ختم ہو جاتا ہے، وادی مزدلفہ میں مقام محشر جو مزدلفہ اور منیٰ کے درمیان تقریباً ساڑھے پانچ سو گز طولاً قطعہ ہے وہاں مبیت و وقوف دونوں جائز نہیں، ہزاروں حجاج وہیں رات گذارتے ہیں، وہیں صبح وقوف کرتے ہیں، اس کی طرف کوئی توجہ نہیں، انتہا یہ ہے کہ ''منتہیٰ مزدلفہ'' اور ''مبدأ منیٰ'' کا جو بورڈ لگایا گیا ہے اس سے لوگوں کو مزید غلط فہمی ہو جاتی ہے، مسجد حرام میں نمازوں میں عورتیں مردوں کے شانہ بشانہ کھڑے ہوتی ہیں اس کی طرف کوئی توجہ نہیں، موجودہ تدبیر قطعاً ناکافی ہے، طواف بیت اللہ شریف میں مرد و عورتوں کا اختلاط بری صورت اختیار کر جاتا ہے، اس کی اصلاح پر توجہ مرکوز کرنے کی حاجت ہے، الغرض اس قسم کے مختلف مسائل ہیں جن پر ''الرابطة الاسلامية'' کو پوری توجہ کرنے کی ضرورت ہے، رؤیت ہلال کا مسئلہ جس کا قرآن مجید میں تصریح کے ساتھ ''مواقيت للناس والحج'' میں ذکر فرمایا گیا ہے اس کی شہادت و رؤیت کا صحیح شرعی نظام نہیں، وقوف عرفات کی تاریخ میں اکثر اشتباہ ہو جاتا ہے، اس سال یہی قصہ پیش آیا۔

کاش ''الرابطة الاسلامية'' ان بے معنی قراردادوں اور بے عمل تجاویز سے زیادہ توجہ ان مسائل پر کرتی تو مخلوق خدا کے حج ہونے کی قابل اطمینان صورت پیدا ہوتی، جس طرح شاہ فیصل نے افتتاحی تقریر عمدہ اور مؤثر انداز میں فرمائی ہے اسی کی روشنی میں عملی اقدامات کی طرف توجہ بھی ہونی چاہیے، تاکہ معاملہ صرف ایک تقریر تک محدود نہ رہے، طاقت و اقتدار کے حصول کے بعد تقریر سے زیادہ عمل کی ضرورت ہے، تجویز سے زیادہ تنفیذ کی ضرورت ہے۔

ایک حاجی احرام کی حالت میں تلبیہ پڑھتے ہوئے سرزمین حرم میں داخل ہوتا ہے اس کا جی چاہتا ہے کہ مقدس سرزمین حرم کے جلال و عظمت کے پیش نظر جو اس وقت اور اس مقام کے مناسب افکار و تصورات ہونے چاہئیں ان میں کوئی چیز مخل نہ ہو، لیکن ہوتا یہ ہے کہ ڈرائیور اس وقت بھی اور ان مقامات میں بھی ریڈیو سے اور ریڈیو گرام سے گانا سناتا ہے اور روکنے سے بھی نہیں رکتا، سرزمین حجاز میں غنا کی یہ کثرت اور ابتلاء انتہائی تکلیف دہ ہے، سنا ہے کہ جدہ میں تھیٹر و سینما کی اجازت بھی دی گئی ہے اور ٹیلیویژن بھی لگ گیا ہے، اناللہ۔

چیست یاران طریقت بعد ازیں تدبیر ما

الغرض اس طرح کے سینکڑوں مسائل ہیں جن پر رابطہ اسلامیہ کو بے حد توجہ دینے کی ضرورت ہے،

شعائر اللہ کی تقدیس و تعظیم ایمان کا جز ہے، ہر قیمت پر توجہ کے مستحق ہیں، مال کی فراوانی اور مواصلات کی آسانی، نقل و حرکت اور سیاحت کی کثرت سے ایک ملک کی برائیاں بہت سرعت کے ساتھ دوسرے ملک میں پہنچ جاتی ہیں، خدا کرے کوئی لطیفہ غیبیہ ان مراکز ایمان میں جلد سے جلد ظہور پذیر ہو جس سے اس سیلاب بلا کی روک تھام ہو جائے، وما ذلک علی اللہ بعزیز۔

[محرم ۱۳۸۵ھ/جون ۱۹۶۵ء]

حضرت مولانا محمد یوسف بنوری مدظلہ کا سعودی عربیہ کے مشہور روزنامے ''الندوۃ'' کو انٹرویو

☆ باہمی اتحاد و اعتماد ہی اسلام کی روح ہے۔
☆ ''رابطہ اسلامیہ'' اور دعوت الی اللہ کے میدان میں اس کا کردار۔
☆ قادیانیت مسلمانوں کے خلاف ایک محاذ جنگ ہے۔
☆ اسلامی اتحاد سے زیادہ اعلیٰ و ارفع دنیا کا کوئی اتحاد نہیں ہو سکتا۔
☆ باہمی اتحاد و اعتماد ہی اسلام کا جوہر اصلی ہے۔
☆ اس اسلامی اتحاد کی طرف دعوت کے بارے میں کتاب و سنت کی بے شمار نصوص (تصریحات) موجود ہیں۔

مکہ مکرمہ روزنامہ ''الندوۃ'' کے نمائندہ صالح جمال آفندی انٹرویو سے پہلے مندرجہ ذیل الفاظ میں حضرت مولانا موصوف کا تعارف کراتے ہیں:

اس سال بھی حضرت مولانا محمد یوسف بنوری مہتمم مدرسہ عربیہ اسلامیہ کراچی نے فریضہ حج ادا کیا، موصوف پاکستان کے اکابر علماء میں سے ہیں، آپ اپنے قلم اور علم دونوں کے ذریعہ حریم اسلام سے دفاع اور دین متین اور عربی زبان کی خدمت میں مصروف ہیں۔

جس مدرسہ کے آپ مہتمم ہیں وہ پاکستان کی ان قدیم ترین درس گاہوں میں سرفہرست شمار ہوتا ہے جنہوں نے اسلام کی نشر و اشاعت اور اسلامی تعلیمات کی ترویج و توسیع میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا ہے اور فقہ، قضا اور علم (کتاب و سنت) کے محاذوں پر کام کرنے والے مجاہد پیدا کئے ہیں۔

ان تعارفی کلمات کے بعد نامہ نگار موصوف لکھتے ہیں:

میں نے حضرت مولانا محمد یوسف صاحب بنوری سے ملاقات کے بعد پہلا سوال پاکستان میں قادیانی تحریک کے بارے میں کیا۔

قادیانیت سامراج کا آلہ کار

س:...... پاکستان میں قادیانیت اپنی سیاسی اغراض کے ہدف اصلی، مسلمانوں کے ہر اتحاد وارتباط اور اجتماعی جدوجہد کے ٹکڑے ٹکڑے کرڈالنا، کے تحت اتحاد اسلامی کے خلاف پے درپے حملے کررہی ہے، کیا آپ کے خیال میں کوئی معتد بہ اثر اتحاد اسلامی کی مساعی کو ناکارہ بنادینے کی صورت میں مرتب ہوسکتا ہے؟ اور کیا یہ محاذ۔ قادیانیت۔ اتنا قوی ہے کہ وہ اسلامی اتحاد اور مسلم ممالک کے باہمی ارتباط کی تحریک کے فروغ اور نشوونما پر کسی بھی پہلو سے اثرانداز ہوسکے گا؟

قادیانیت استعمار کا ایک حربہ ہے

مولانا بنوری نے جواب دیا:

قادیانیت کی تمامتر کوششیں صرف برطانوی سامراج کے ہاتھ مضبوط کرنے اور برطانیہ کے استعماری منصوبوں کے لئے اسلامی ملکوں میں زمین ہموار کرنے اور ان کو کامیاب بنانے کی غرض سے ہمیشہ اسلامی وحدت کو پارہ پارہ کرنے اور ان کے باہمی ارتباط واتحاد کو درہم برہم کرنے کے لئے وقف رہی ہیں، چنانچہ قادیانیت کا عقیدہ ہے کہ برطانوی سامراج روئے زمین پر اللہ کا سایہ ہے، جیسا کہ اس فرقہ کے بانی مرزا غلام احمد قادیانی نے اپنی کتاب براہین احمدیہ میں اس کی تصریح کی ہے۔

لہٰذا یہ فرقہ خالص استعمار کی پیداوار ہے، برطانوی سامراج نے اسے جنم دیا ہے، اس لئے مسلمان جہاں کہیں بھی ہوں گے ان کے خلاف ہر قسم کی سازش کو یہ فرقہ دینی جہاد قرار دیتا ہے اور اپنے خالق ومربی استعمار کا حق نمک ادا کرتا ہے، ایسی صورت میں ان قادیانیوں کا وجود ہر اسلامی ملک اور اس کے مسلمانوں کے لئے زبردست خطرہ ہے۔

اور جب یہ واضح ہوگیا کہ قادیانیت اسلامی ممالک میں کام کرنے کے لئے برطانوی استعمار کا ایک خود کار (آٹومیٹک) حربہ ہے، تو ان قادیانیوں کی طاقت وقوت کے اصل سرچشمہ کا اور ان کی ذات سے ظہور میں آنے والے خطرناک نتائج وعواقب کا معلوم کرلینا بہت آسان ہے۔

اسلامی اتحاد و باہمی اعتماد کی منزل تک پہنچنے کا راستہ

س:...... دنیا کی مسلمان قومیں مجموعی طور پر عرب ہوں یا غیر عرب، اگر کسی ایک خطہ زمین پر جمع یا باہمی اتحاد وتعاون پر متفق ومتحد ہی ہوجائیں تو یہ دنیا کی اتنی بڑی اور زبردست طاقت بن سکتے ہیں جس کو ہرگز نظرانداز نہیں کیا جاسکتا، آپ کے خیال میں وہ کون سا راستہ یا طریقہ کار ہے جس کو اختیار کرکے باہمی اتحاد وتعاون کلی یا

جزئی طور پر حاصل کیا جاسکتا ہے؟

جواب: ...... شیخ بنوری نے فرمایا: اسلامی اتحاد و تعاون باہمی کے اتنے فوائد اور عظیم ثمرات ہیں جن سے کسی طرح انکار نہیں کیا جاسکتا باقی اس مقدس آرزو کو پورا کرنے کے لئے میرے خیال میں چند طریقے ہیں۔

① دین اسلام اور اس کی امن و سلامتی کی ضامن تعلیمات کی اشاعت پوری قوت کے ساتھ دنیا کے چپہ چپہ پر کی جائے، خصوصاً جن ممالک کے لوگ اسلامی تعلیمات کے لئے تشنہ اور بے چین ہیں اور صرف تعلیمات کی اشاعت پر اکتفا نہ کیا جائے بلکہ اس کے ساتھ ساتھ اسلامی اخلاقی تربیت اور اسلامی معاشرہ کی تشکیل نیز دینی شعور کو بیدار کرنا اور اسلامی احساسات ورجحانات پیدا کرنا بھی از بس ضروری ہے۔

② تمام اسلامی ممالک میں یکساں نظام تعلیم رائج کیا جائے اور تربیتی پروگراموں میں بھی یکسانیت پیدا کی جائے۔

③ پھر یہ اسلامی ممالک وسیع تر ملی مفادات کو سامنے رکھ کر آپس میں تجارتی، اقتصادی، سیاسی اور ثقافتی معاہدے کریں۔

ان تدابیر سے بڑھ کر یہ ہے کہ:

تمام اسلامی حکومتوں کے دستور اور رسمی قوانین یکساں ہوں اور وہ اسلامی شریعت اور اسلامی قوانین کی روشنی میں بنائے جائیں۔

باہمی اتحاد و تعاون ہی اسلام کی روح ہے

س: ...... اس باہمی اتحاد و تعاون کی طرف مقدس دعوت کے نتیجہ میں امت مسلمہ کے لئے جس عمومی خیر و صلاح کی امید کی جاسکتی ہے اس کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے؟

جواب: ...... باہمی اتحاد و تعاون تو اسلام کی روح اور جوہر اصلی ہے، لہٰذا اسلام تو نام ہی ہے باہمی اتحاد و یگانگت اور امن و سلامتی کی ضمانت کا، قرآن کریم کی بہت سی آیات و احادیث میں اس اتحاد و تعاون کی دعوت صراحۃً موجود ہے اور اسلامی اخوت تو بے شمار آیات و احادیث میں منصوص و معروف ہے، لہٰذا اس باہمی تعاون و یگانگت سے اعلیٰ و ارفع اور کون سا اتحاد و تعاون ہوسکتا ہے جس کی دعوت ہمارا دین حنیف دیتا ہے اور اس میں شک نہیں کہ ہر مسلمان اس اعلیٰ و ارفع شرعی و دینی دعوت پر لبیک کہے گا اور جب اس دعوت کی روح اخلاص ہو اور اس کی اساس آسمانی تعلیمات پر قائم ہو تو اس میں کامیابی یقینی اور اس کے مقدس ثمرات کا حصول قطعی ہے۔

مجمع البحوث قاہرہ کی کانفرنس اور اس کی تجاویز

س: ...... آپ نے مجمع البحوث قاہرہ کی تیسری کانفرنس میں شرکت فرمائی ہے، مؤتمر مختلف اسلامی

موضوعات پر نہایت اہم اور محکم تجاویز پاس کرنے میں کامیاب ہوئی ہے، کیا ان میں سے کوئی قرارداد وقوع میں آئی ہے اور اس پر عمل ہوا ہے؟ اور کیا مؤتمر میں سید قطب اور ان کے رفقاء کی شہادت کا مسئلہ اٹھایا گیا تھا؟

جواب:...... ہم اس کانفرنس میں شریک ضرور ہوئے ہیں، مقالات پر بحث وتنقید میں حصہ بھی لیا ہے، اپنی رائے کا اظہار بھی کیا ہے، لیکن قراردادیں اکثر وبیشتر ہمارے واپس چلے آنے کے بعد ایک خاص اساسی کمیٹی میں پاس ہوئی ہیں، جو مجمع البحوث کانفرنس کی روشنی میں قراردادیں پاس کرنے کے لئے مقرر ہے اس کا ابھی تک علم نہیں ہوا کہ اس کمیٹی میں کیا قراردادیں پاس ہوئیں اور ان میں سے کون کون سی نافذ ہوئیں، جو قرارداد ہماری موجودگی میں باتفاق آراء پاس ہوئی وہ اسرائیل کے خلاف قرارداد ہے، باقی سید قطب کی شہادت کا مسئلہ وہاں اٹھانا ممکن نہ تھا کیونکہ ان کے سیاسی مصالح کے خلاف تھا۔

دین کے خلاف محاذ جنگ

س:...... میں نے شیخ بنوری سے سوال کیا کہ پاکستان میں ادارۂ تحقیقات اسلامی کیا کام کر رہا ہے اور اس ادارہ کے اغراض ومقاصد کیا ہیں؟

جواب:...... ادارۂ تحقیقات اسلامی جس کے سربراہ ڈاکٹر فضل الرحمن ہیں اس کی تمام کارکردگی اور اغراض ومقاصد کتاب وسنت کی بالکل ضد ہیں، معلوم ہوتا ہے کہ اس ادارہ کا اصلی مقصد اسلام کے نام سے ایک نیا اسلام پیش کرنا ہے۔

مسلمانوں کو اس ادارہ کے اغراض ومقاصد سے آگاہ کرنے کے لئے اس ادارہ کے سربراہ (ڈاکٹر) کے چند افکار ونظریات پیش کئے جاتے ہیں، جن کا بار بار اور برملا اظہار وہ اپنی تصانیف مقالات اور ماہنامہ فکر ونظر میں کر چکے ہیں، یہ تمام افکار ونظریات اسلامی معتقدات کے بالکل ضد ہیں اور ان سے ٹکراتے ہیں، ان افکار ونظریات نے ایک (خطرناک قسم کا) فکری انتشار پیدا کر دیا ہے، اور نہایت افسوسناک بات یہ ہے کہ اس ادارے کو حکومت کی سرپرستی حاصل ہے اور وہ وزارت قانون کی نگرانی میں کام کر رہا ہے اور اسلامی حکومت کے خزانہ سے گرانقدر رقمیں اس پر صرف کی جارہی ہیں حالانکہ یہ ادارہ دین اسلام میں برابر رخنہ اندازی میں مصروف ہے۔

ڈاکٹر فضل الرحمن کہتے ہیں:

① قرآن کے منصوص احکام ابدی نہیں بلکہ احکام کی علل وغایات ابدی ہیں اور اس تعلیل (علت آفرینی) کی دو مثالیں پیش کرتے ہیں۔

② شرعی زکوٰۃ کی وہ مقدار جو شریعت نے مقرر کی ہے آج کے زمانہ میں حکومت کی ضروریات کو پورا کرنے کے لئے کافی نہیں ہوسکتی، چونکہ زکوٰۃ مالی ٹیکس ہے اس لئے حکومت کو حق حاصل ہے کہ اپنی ضروریات کے

مطابق جس حد تک چاہے زکوۃ کی مقدار میں اضافہ کرسکتی ہے۔

③ (قرآن حکیم کا) عورت کی شہادت کو مرد کی شہادت کا نصف قرار دینا اس زمانہ کی بات ہے (کیونکہ اس وقت عورتیں ان پڑھ ہوا کرتی تھیں) لیکن آج کے پڑھے لکھے دور میں ایک مرد کے ساتھ ایک عورت کی شہادت بھی کافی ہے ایک مرد کی جگہ دو عورتوں کی ضرورت نہیں۔

غرض ڈاکٹر فضل الرحمن نے قرآن کے تمام منصوص (صریح) اور قطعی (یقینی) احکام میں تغیر و تصرف کرنے کی غرض سے یہ (مذکورہ بالا) اصول وضع کر رکھا ہے، چاہے وہ احکام نماز سے متعلق ہوں، چاہے زکوۃ سے یا روزہ اور حج سے۔

④ ڈاکٹر فضل الرحمن کہتے ہیں:

''وحی کی وہی بات قابل قبول ہے جو عقل و بصیرت اور تاریخ کے مطابق ہو'' حالانکہ اللہ تعالیٰ اور اس کی وحی اس سے مبرا اور برتر ہے کہ وہ بصیرت و عقل صحیح (اور تاریخ) کے خلاف ہو۔

⑤ اور کہتے ہیں:

''وحی الٰہی اور نبی دونوں اپنے ماحول کے تاریخی اثرات سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتے''۔

⑥ اور کہتے ہیں: '' قرآن و سنت کے اکثر و بیشتر احکام وقتی اور اس زمانہ کے مخصوص ظروف و حالات کے ساتھ مخصوص تھے''۔

⑦ اور کہتے ہیں: '' سنت نبوی (صلی اللہ علیہ وسلم) کا اکثر و بیشتر حصہ ان رسم و رواج پر مشتمل ہے جو اسلام سے پہلے عرب میں رائج تھا، پھر فقہاء نے یہودیوں، رومیوں اور پارسیوں کی روایات کا اس میں اور اضافہ کر دیا''، گویا ان کے نزدیک سنت (آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال و افعال کا نام نہیں بلکہ) فقہی قوانین کے مجموعہ کا نام ہے جو ان غیر مسلم اقوام اور ان کے قوانین سے ماخوذ ہیں۔

نیز ڈاکٹر فضل الرحمن (۱) نزول مسیح علیہ السلام سے انکار کرتے ہیں اور دعویٰ کرتے ہیں کہ مسلمانوں نے یہ عقیدہ عیسائیوں سے لیا ہے اسی طرح (۲) معراج جسمانی (۳) شفاعت (۴) ظہور مہدی کا بھی انکار کرتے ہیں (اور ان عقائد کو بھی عیسائیت سے ماخوذ بتلاتے ہیں)۔ اسی قسم کے بے شمار بے ہودہ خیالات ان کی جانب سے کئے جاتے ہیں، جو اسلام کے قطعی عقائد سے ٹکراتے ہیں، اس لئے تمام علماء امت اور مفکرین اسلام سے ان کی جنگ ہے، یہ ڈاکٹر فضل الرحمن کے ان بہت سے افکار و نظریات کا ایک نمونہ ہے جو اس مختصر سے وقت میں پیش نہیں کئے جاسکتے (مشتے نمونہ از خروارے)

مولانا نے فرمایا:

مدرسہ عربیہ اسلامی کراچی کا ماہنامہ بینات (خاص طور پر) ڈاکٹر فضل الرحمن (اور ان کے قلمی رفقاء)

کے ان افکار ونظریات کو پوری تفصیل سے منظر عام پر لانے اور انتہائی دیانت داری اور انصاف کے ساتھ ان پر جرح وتنقید اور علمی معیار پر تردید کا فرض ادا کر رہا ہے۔

حضرت مولانا نے مزید فرمایا:

میں نے عالم اسلام کے گیارہ علما، کو جن میں شیخ عبداللہ بن حمید بھی شامل ہیں، ڈاکٹر فضل الرحمن موصوف کے ان ملحدانہ افکار وخیالات سے بخوبی آگاہ کر دیا ہے۔

رابطہ عالم اسلامی کو کیا کرنا چاہیے؟

س:...... نامہ نگار موصوف کہتے ہیں اس کے بعد میں نے رابطہ عالم اسلامی سے متعلق ایسی تجاویز کے بارے میں سوال کیا جن کے ذریعہ رابطہ اپنا پیغام عالم اسلامی کے وسیع سے وسیع تر دائرہ تک پہنچا سکے اور تمام عالم اسلامی کی ترجمانی کر سکے۔

جواب:...... میرے خیال میں رابطہ کے اہم مقاصد حسب ذیل امور ہونے چاہئیں:

① تمام بلاد اسلامیہ میں حکیمانہ اسلوب سے اسلام کی تبلیغ واشاعت خصوصاً وہ ممالک جن میں اسلام کی دعوت پر لبیک کہنے کی زیادہ امید ہے، جاپان، چین اور جنوبی کوریا جیسے ممالک، آج بہت سے قلوب ایسے دین کے شدید پیاسے ہیں جو ان کے بقاء واستحکام کے ساتھ ہی ساتھ روحانی اطمینان اور قلبی سکون کا باعث بن سکے، یہ عہد حاضر میں اسلام کی سب سے بڑی خدمت ہے، میں نے اپنی یہ رائے رابطہ اسلامیہ کے الامین العام جنرل سیکریٹری سے ملاقات کے وقت بھی پیش کی ہے اور انھوں نے اس رائے سے پورا اتفاق کیا ہے اور وہ اس سلسلہ میں عملی قدم بھی اٹھانے والے ہیں۔

② رابطہ نئی نسل میں اپنی دعوت کو زیادہ سے زیادہ عام کرے اور جو نومسلم ان ممالک میں اسلام قبول کرتے ہیں، انھیں اسلامی ممالک میں بلا کر ان کی دینی تعلیم وتربیت کا خاص طور پر انتظام کیا جائے، تاکہ اسلامی تعلیمات ان کے قلوب میں راسخ ہو جائیں اور وہ اپنے وطن واپس جا کر اسلام اور اس کی تعلیمات کو اپنی وطنی زبان میں زیادہ سے زیادہ پھیلا سکیں۔

[ربیع الاول ۱۳۸۷ھ]

مؤتمر قاہرہ کے مشاہدات وتاثرات

(ادارہ مجمع البحوث الاسلامیۃ کی مختصر روئیداد)

۶/مارچ ۱۹۶۴ء رات کے ۲/بجے جاپان ایئر لائنز سے ہمارا یہ سفر شروع ہوا اور ۷/مئی ۱۹۶۴ء، ۱۱/بجے صبح پی آئی اے کے ذریعہ ہم واپس کراچی پہنچ گئے، تین ہفتے قاہرہ میں قیام رہا، دو ہفتہ مدینہ منورہ میں، دو ہفتہ

مکہ مکرمہ میں اور ایک ہفتہ عراق و ایران میں اور کل ۱۲ر گھنٹہ آمدورفت و پرواز پر صرف ہوئے، اس طرح ۲ر ماہ ایک دن اور چند گھنٹوں میں وہ طویل سفر طے ہوا جو ادارہ جامعہ ازہر کی دعوت پر شروع ہوا تھا، جامعہ ازہر نے اپنی نشاءت ثانیہ میں ایک ادارہ مجمع البحوث الاسلامیہ کے نام سے قائم کیا ہے جس کا مقصد یہ ہے کہ جدید تمدن نے جو مسائل پیدا کئے ہیں قرآن وسنت اور فقہاء امت کی مدون کردہ فقہ اسلامی کی روشنی میں ان مسائل کا متفق علیہ حل نکالا جائے۔ مجمع البحوث الاسلامیہ ایک ادارہ ہے (۱) جو چند سالوں سے قائم ہے اور اس کے لئے مصر اور سوڈان اور مغربی افریقہ کے بعض عربی ممالک سے ممتاز اہل علم کا انتخاب کیا گیا ہے، چند حضرات کے نام حسب ذیل ہیں:

① فضیلۃ الشیخ الجلیل فرج اللہ سنہوری ② فضیلۃ الشیخ محمد ابوزہرہ
③ فضیلۃ الشیخ محمود عبدالحلیم ④ فضیلۃ الشیخ علی نورالحسن
⑤ الشیخ الدکتور عبداللہ العربی ⑥ الشیخ الدکتور مہدی العلام۔

اس ادارے کے ڈائرکٹر جنرل ڈاکٹر محمود حب اللہ ہیں جو قدیم وجدید علوم کے ایک محقق ماہر ہیں اور نہایت سنجیدہ و باوقار شخصیت کے حامل ہیں یہ حضرات اس ادارے کے مستقل اعضاء اور ارکان ہیں۔

جامعہ ازہر کے ارباب اقتدار نے چاہا کہ اس اکیڈمی کی طرف سے اسلامی ملکوں کی ایک کانفرنس بلائی جائے جن کے مقاصد حسب ذیل ہوں:

الف ...... ان موضوعات و مقالات پر علمی تبادلۂ خیال ہو جو اب تک لکھے جاچکے ہیں۔

ب ...... جو مسائل زیر بحث نہیں آئے ان کو متعین کیا جائے کہ کن کن موضوعات پر لکھنے کی ضرورت ہے۔

ج ...... اس تبادلہ افکار و بحث و تمحیص سے ان لائینوں کو واضح طور پر متعین کیا جائے جن پر آگے چل کر کام کرنا ہے۔

د ...... کتاب وسنت، اجماع، قیاس کی عام چار شاہراہیں جو امت کے سامنے آگئی ہیں اور انہی

---

(۱) ہمارے ملک میں بھی اس وقت تین ادارے اس مقصد کے پیش نظر موجود ہیں: (۱) ادارۂ تحقیقات اسلامی کراچی (۲) ادارہ ثقافت اسلامیہ لاہور (۳) مشاورتی کونسل۔ پہلا ادارہ اور مؤخر الذکر سرکاری ادارے ہیں جن پر حکومت پاکستان کا لاکھوں روپیہ خرچ کیا جارہا ہے، مقصد بھی تقریباً مشترک ہے، فرق صرف اتنا ہے کہ قاہرہ کے مجمع بحوث میں قدیم وجدید ماہرین کا جس طرح حسین امتزاج ہوا ہے ہمارے ادارے اس سے محروم ہیں بلکہ افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ بعض حضرات تو ان اداروں میں ایسے نامزد کئے گئے ہیں جن کو ان مقاصد سے دور کا واسطہ بھی نہیں اور ان میں کسی قسم کی اہلیت بھی اس خدمت کے لئے نہیں ہے اور بعض ایسے حضرات ہیں کہ جن سے قیامت تک یہ توقع پوری ہونے کا امکان نہیں، بلکہ اندیشہ ہے کہ ان کے پیش کردہ اسلام کی جدید تعبیر و تصویر اسلامی حقائق کو ایسا مسخ کردے گی کہ آئندہ نسل اسلام کے صحیح خدوخال پہچاننے سے بھی عاجز رہے گی، چنانچہ اس وقت تک ان کے جو نتائج ہمارے سامنے آئے ہیں، ان سے یہ اندیشہ مزید قوت پکڑتا جارہا ہے کاش ہماری حکومت بھی اس ادارے کے لئے ایسے افراد و ارکان نامزد کرتی جو اس عظیم مقصد کی تکمیل کے لئے موزوں ترین ہوتے اور قوم وملت کو ان کی شخصیتوں پر واقعۃً پورا اعتماد ہوتا۔ (بنوری)

...وں سے چار مذاہب وجود میں آئے ہیں، کیا اس کا امکان بھی ہے کہ جدید مسائل حل کرنے میں چار مذہبوں میں ایک خاص مذہب فقہی کی پابندی نہ ہو بلکہ جس مذہب میں گنجائش زیادہ نکلے اس کو اختیار کیا جائے۔

ھ...... نیز ان فقہی مسائل کے حل کرنے کے علاوہ اس پر غور کیا جائے کہ اسلامی دعوت رشد و ہدایت جو ... سے تمام عالم میں پھیل گئی تھی اس کے کیا اسباب وعوامل تھے۔ ان عوامل واسباب کی روشنی میں دوبارہ دعوت حق کے نشر واشاعت کی کیا کیا تدبیر اختیار کی جائیں۔ الغرض جو مقالات پڑھے گئے اور وہ ارکان پہلے سے تیار کر ... تھے ان سب میں یہی روح جلوہ گر تھی، چنانچہ اس کانفرنس کے لئے تمام بلاد اسلامیہ اور غیر اسلامیہ کے ... کو دعوت دی گئی تھی، ابتدائی مرحلے میں کانفرنس کے مندوبین ۳۸ ممالک سے پہنچ گئے، بعد میں ۴۲ اور پھر پچاس تک تعداد پہنچ گئی، ان میں لندن، یوگوسلاویہ، ہنگری، چین، جاپان، روس کے بھی اسلامی ... شریک تھے، لیبیا، تونس، الجزائر، سوڈان، عراق، لبنان، ترکی، موریتانیا (مغربی افریقہ) کویت، بحرین، ... نائیجیریا، گھانا، کینیا، پاکستان، افغانستان، بھارت، جاوا، ملایا، فلپائن وغیرہ وغیرہ سب ہی دنیا کے تھے لیکن تعجب ہوا کہ سیریا (شام)، حجاز، ایران ان تین اسلامی ملکوں کے نمائندے شامل نہ تھے۔

ان مندوبین کی تعداد ابتداءً ستر تھی بعد میں سو سے متجاوز ہوگئی تھی۔ ان سب نمائندوں کو قاہرہ کے دو ممتاز ہوٹلوں ''فندق اطلس'' اور ''کونٹینل ہوٹل'' میں ٹھہرایا گیا تھا۔ ان سب نمائندوں کو ہوائی جہاز کے فرسٹ کلاس ... مصری سفارت خانوں کے ذریعے بھیجے گئے تھے۔ ایئرپورٹ پر استقبال کے لئے علماء وغیرہ موجود ہوتے تھے۔ ۱ مارچ ۶۴ء کانفرنس کا آغاز ہوا، لیکن کانفرنس کی کارروائی ۷ مارچ سے شروع ہوئی ۶ مارچ کو صرف ... میں نماز جمعہ کا پروگرام تھا، ایئرکنڈیشن حسین وجمیل بسوں اور کاروں کے ذریعہ وفود کو جامع ازہر کی تاریخی قدیم ترین جامع مسجد میں پہنچایا گیا۔

قاہرہ میں تین مساجد تاریخی اور قدیم ترین ہیں، پہلی مسجد جامع عمرو بن العاص، جو مصر قدیمہ فسطاط میں ... میں حضرت عمرو بن العاصؓ فاتح مصر کے صاحبزادے عبداللہ بن عمروؓ کا مزار مبارک بھی ہے، ... عبداللہ بن عمروؓ صحابہ میں وہ ممتاز بزرگ ہیں جنہوں نے عہد نبوت ہی میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ... احادیث نبویہ جو خود براہ راست سنتے تھے کا ایک مجموعہ تیار کیا تھا جس کا نام ''الصادقۃ'' تھا۔ (۱)

دوسری مسجد جامع ابن طولون ہے جو حرم مکی کے نمونے پر تیار کی گئی تھی اور وسط جامع میں وضو خانہ تھا جیسے ... حرام میں ہے۔

تیسری مسجد جامع ازہر ہے جو چوتھی صدی میں فاطمیین کے دور میں بنائی گئی تھی۔ اسی جامع ازہر نے

(۱) جن کی تفصیل ابن سعد اور حافظ ابوعمر ابن عبدالبر اندلسی کی کتاب ''جامع بیان العلم'' اور ''مسند دارمی'' میں ہے، اور اس مبارک مجموعہ میں صحیح بخاری کی احادیث سے زیادہ مجموعہ موجود تھا۔ (بنوری)

جامعہ ازہر کی صورت اختیار کی اور دنیاءِ اسلام کے ہزاروں ممتاز علماء یہاں سے نکلے اور اسلام کی علمی تاریخی دنیا اس کے ساتھ وابستہ ہے۔ جامع ازہر کے دائیں بائیں طلبہ کے لئے دار الاقامہ بنایا گیا ہے جو ''رواقات'' کے نام سے مشہور ہے، ہر ملک کے طلبہ کے لئے علیحدہ علیحدہ ''رواقات'' ہیں۔ رواق الافغان، رواق الشوام، رواق الجبرت وغیرہ وغیرہ۔ اب ازہر کے جدید نظام میں یہ طلبہ مستقل ایک بستی میں جو مدینۃ البعوث کے نام سے بنائی گئی اس میں رہتے ہیں، اس مدینۃ البعوث میں اس وقت ۶۰ ملکوں کے تین ہزار طلبہ قیام پذیر ہیں، جن کو ۱۲ پونڈ مصری وظیفہ دیا جاتا ہے اور ۵ پونڈ ان سے ناشتہ کھانا چارپائی بستر وغیرہ کے عوض وصول کیا جاتا ہے، یہ وفود جامع ازہر پہنچے، جامع ازہر کے دروازے پر دو طرفہ سیاہ وردی میں زرق برق پولیس انتظام اور استقبال کے لئے کھڑی تھی، راستہ کو قالینوں سے سجایا گیا تھا، صف اول میں مہمانوں کے لئے نشست مخصوص تھی، قاہرہ میں عام مسجدوں میں سب قالینوں کا فرش ہوتا ہے اور ان مساجد کا انتظام و تولیت وزارت اوقاف کی طرف سے ہوتی ہے اور یوں تو تمام مساجد میں بجائے بوریا یا شطرنجی کے قالین ہی بچھائے جاتے ہیں لیکن ذرا اہتمام کر کے نئے نئے قالین بھی بچھائے گئے تھے، حسب معمول وزارت اوقاف کی طرف سے ہر جامع مسجد میں نماز جمعہ سے قبل نصف گھنٹہ قرآن کریم کی تلاوت کرنے کے لئے بہترین خوش الحان قاری مقرر ہوتے ہیں، چنانچہ جب ہم پہنچے تو یہاں بھی ایک قاری نہایت مؤثر اور دردانگیز لہجہ میں تلاوت فرما رہے تھے، اذان ہوئی، سنتیں ہوئیں، ایک نوجوان ازہری عالم خطیب تھے۔ انہوں نے عمدہ خطبہ دیا، اجتہاد و تقلید کے موضوع پر یہ خطبہ تھا جو بظاہر اس موقع کے مناسب سوچ کر دیا گیا تھا (ہمارے نقطۂ خیال سے اس خطبہ میں گرفت کے مقامات بھی تھے) نماز سے فراغت کے بعد وفود و مندوبین میں تعارف کے لئے ایک ہال میں اجتماع ہوا جو جامع ازہر کے ایک گوشے میں تھا اور پر تکلف کرسیوں اور بہترین قالینوں سے آراستہ تھا، قہوہ مصری سے تواضع کی گئی اور سلام و مصافحہ اور سرسری ملاقات کے بعد اپنی اپنی موٹروں میں اپنے ہوٹلوں میں پہنچا دیئے گئے، وہاں اگلے روز یعنی ۷ مارچ کا پروگرام بھی بتلایا گیا کہ کل مجمع البحوث الاسلامیہ کی مؤتمر کا افتتاح ہوگا اور ۹ بجے جانا ہوگا۔

کانفرنس کا محلِ انعقاد

قاہرہ ویسے بھی خوبصورت شہر چلا آ رہا ہے اور اس وقت تو ۴۵ لاکھ کی آبادی کا مرکز قدیم و جدید تمدن کا خوبصورت ترین صاف ستھرا شہر بن گیا ہے، خصوصاً شہر کا وہ حصہ جو دریائے نیل کے کناروں میلوں تک چلا جاتا ہے وہ تو لاجواب ہے، قاہرہ کے اس علاقہ میں قدیم اشیاء کا ''متحف'' یعنی میوزیم یا عجائب گھر ہے، جس میں فراعنۂ مصر کے تاریخی آثار ہیں اور فراعنہ کی محفوظ کی ہوئی لاشیں ہیں۔ اس مقام میں جامعۃ الدول العربیۃ کی عظیم الشان عمارت ہے جہاں چند روز پیشتر مؤتمر القمہ کے نام سے ملوکِ بلادِ عرب کی کانفرنس ہوئی تھی جس میں ۱۳ ممالک

عربیہ کے سربراہ شریک ہوئے تھے۔ اسی مقام پر قاہرہ کا سب سے عظیم الشان خوبصورت ترین ہلٹن ہوٹل ہے اور اسی مقام پر میدان التحریر آزادی کی یادگار ہے اور اسی مقام پر پندرہ منزلہ عظیم الشان سرکاری عمارت بناء المجمع کے نام سے ہے جو سیکرٹریٹ ہے جس کی ہر منزل میں تقریباً ایک سو بیس کمرے ہیں، یہاں سب سرکاری دفاتر ہیں۔ اسی مقام پر ایک اور خوبصورت عمارت ہے جو صرف تین چار منزلہ ہے، چاروں طرف باغیچے و چمن و سبزہ ہیں ہیں، سامنے پر شکوہ دریائے نیل ہے، دوطرفہ پارکوں اور درختوں اور پھولوں سے آراستہ ہے۔ قدرت کی فیاضی کے ساتھ جدید فن دست کاری کے کمال نے سونے پر سہاگہ کا کام کیا ہے۔ اس عمارت کے سامنے پھولوں اور سبزے کے روشوں کے ساتھ ایک وسیع ترین احاطہ ہے جہاں کاریں کھڑی کی جاسکتی ہیں، اس عمارت کا نام بناء المحافظہ ہے، اس عمارت میں مجمع البحوث الاسلامیہ کی المؤتمر الاول (پہلی کانفرنس) کے انعقاد کا انتظام تھا۔ علی الصباح ۹ ر بجے پہلے سارے وفود کو قصر القبہ کے نام سے جو گورنمنٹ ہاؤس ہے وہاں پہنچا دیا گیا اور وہاں دفتر میں سب نے ایک رجسٹر پر دستخط کئے، جو غالباً رئیس جمال عبدالناصر کے سامنے پیش کرنے کے لئے ہوں گے، جن حضرات نے چاہا ان کے گروپ فوٹو لئے گئے، یہاں سے بناء المحافظہ پہنچ گئے۔ مؤتمر کا افتتاح بناء المحافظہ کے زیر زمین ہال میں کیا گیا تھا، جس میں ریکارڈنگ اور فلم سازی کے سارے آلات موجود تھے۔ صدر مقام میں چند کرسیاں تھیں جو جمال عبدالناصر کے نائب السید حسین محمود شافعی، دوسرے پر وکیل الازہر ڈاکٹر عبداللہ ماضی، ڈاکٹر محمد البھی وزیر الاوقاف وشؤن الازہر ڈاکٹر محمود حب اللہ مجمع البحوث کے ناظم اعلیٰ کے لئے تھیں، ایک کرسی الشیخ خلیل محمود الحصری کے لئے تھی جو قاہرہ کے سب سے بڑے قاری ہیں اور سرکاری رسمی احتفالات واجتماعات میں ہر جگہ انہی کو دعوت دی جاتی ہے۔ گیارہ بجے السید حسین محمود شافعی جمال عبدالناصر کے نائب کی حیثیت میں افتتاح کے لئے پہنچ گئے، ان کے چہرے سے شرافت، متانت، سنجیدگی، شجاعت ٹپک رہی تھی، قاری خلیل حصری نے قرآن کریم سے موقع کے مناسب آیات کا انتخاب کر کے تلاوت شروع فرمائی۔ قرآن کریم کا اثر پھر موقع کے مناسب آیات کا انتخاب بہترین لب ولہجہ ان سب مؤثرات نے مل کر مجمع پر ایک عجیب کیفیت اور رقت طاری کر دی۔ قرأت کے بعد نائب الرئیس (وائس پریزیڈنٹ) نے مختصر مگر نہایت جامع ومؤثر تقریر فرمائی جس میں وفود ممالک اسلامیہ اور مندوبین کا خیر مقدم کیا گیا۔ ان کی تشریف آوری کا شکریہ ادا کیا گیا اور اسلام کی جامعیت، ازہر کی خدمات، جدید ازہر کے عزائم پر روشنی ڈالی گئی اور استعماریت نے جو نقصان اسلام کو پہنچایا ہے اس کا ذکر کیا تھا۔ حمد وثناء سے تقریر شروع کی تھی اور انداز تقریر خطیبانہ تھا۔ اس کے بعد ڈاکٹر محمد البھی وزیر الاوقاف وشؤن الازہر پھر ڈاکٹر عبداللہ ماضی نے تقریریں کیں۔ سب نے اسلام کی جامعیت اور ازہر جدید کے عزائم اور مجمع البحوث الاسلامیہ کی امت اور جدید مسائل حل کرنے کی طرف توجہ دلائی۔ پھر الشیخ الحاج ابراہیم بناس سنیغال اور نائیجیریا کے شیخ الاسلام اور مغربی افریقہ کے ممتاز دینی وعلمی رہنما اور سلسلہ صوفیہ تیجانیہ کے شیخ ومرشد نے تمام وفود اور مندوبین

کی طرف سے بحیثیت وکیل حکومت مصر اوران حضرات کا شکریہ ادا کیا جنہوں نے اس عظیم ترین مقصد کے لئے مجمع البحوث کے مؤتمر کا اجلاس بلایا تھا۔ممدوح نے اتحاد اسلامی پر زور دیا اوروحی آسمانی کی رہنمائی کی اہمیت وعظمت بیان کی اورنہایت سادہ لہجہ میں عمدہ اورمختصر تقریر فرمائی، پھرڈاکٹرمحمود حب اللہ کی تقریر اور شیخ خلیل محمود حصری کی تلاوت قرآن پر یہ کارروائی ختم ہوئی،اس کے بعد اوپر کی منزل کے ہال میں نائب الرئیس حسین شافعی نے وفود سے ملاقات ومصافحہ کا موقعہ فراہم کیا تھا جس کے بعد مؤتمر کا صبح کا اجلاس ختم ہوگیا،سب تقریروں میں مقصد کی اہمیت اور وقت کی نزاکت اور علماء ونمائندگان بلاد اسلامیہ کی تہنیت وخیر مقدم کی روح جلوہ گر تھی،اب مؤتمر کا نظام یہ مقرر ہوا کہ شام کو ۵رسے ساڑھے سات بجے تک اور صبح کو ۱۰رسے ایک بجے تک اجلاس ہوا کریں گے۔

۷رمارچ ۱۹۶۴ءکو شام ۵ربجے سے مؤتمر کا باقاعدہ اجلاس شروع ہوا،''مبنی المحافظۃ'' کی شاندار عمارت کی پہلی منزل کے ایک ہال میں جونہایت خوبصورت تھا پورا ہال ائیر کنڈیشن تھا تین طرف نشستیں ترتیب دی گئی تھیں۔سامعین کے لئے ایک طرف مستقل نشستوں کا بھی انتظام تھا۔ہرشخص کی کرسی کے سامنے میز پر ایک خوبصورت پلاسٹک کا مائیکرفون بھی ہوتا تھا اس کے نیچے میز پر ہیڈفون اورشیشے کے نیچے ایک ورق لگا یا گیا تھا۔ سامنے ایک چھوٹی مشین تھی اس پر یہ عبارت لکھی ہوئی تھی کہ آپ عربی،فرانسیسی،انگریزی جس زبان میں چاہیں اس کی سوئی گھما کر لگا دیجئے۔اسی ہال کے ایک حصہ میں ترجمہ کرنے والوں کے لئے تین کیبن تھیں جیسا آج کل یو، این،او کے اسمبلی ہال میں انتظام ہوتا ہے اور گوہمارے پاکستان کی اسمبلی میں بھی اسی طرح کا انتظام ہے لیکن یہاں ترجمہ کا انتظام خاطرخواہ نہیں،جس انداز سے یہاں ترجمہ ہوتا تھا یہ محسوس ہی نہیں ہوتا تھا کہ ترجمہ ہورہا ہے بلکہ یہ محسوس ہوتا تھا کہ اسی زبان میں مقرر بول رہا ہے اور پھر علمی اصطلاحات اورعلمی تحقیقات کا اس سرعت وفصاحت سے ترجمہ کرنا حیرت انگیز تھا۔الغرض اس انداز سے اس کا نظم ونسق تھا۔مختلف موضوعات پر مجمع البحوث کے ارکان کے وہ مقالات تھے جو وہ لکھ کر اپنے ساتھ لائے تھے جس روز مقالہ پڑھا جاتا تھا اگلے روز چھاپ کر تقسیم کردیا جاتا تھا۔مؤتمر کے مندوبین کو ان مقالات پر مناقشہ ومباحثہ کا حق ہوتا تھا۔نیز صدر کی طرف سے کوئی جدید مقالہ جدید موضوع پر لکھنے یا ان موضوعات پر لکھنے کی اجازت ہوتی تھی۔حسب ذیل موضوعات پر مقالات تھے:

① اسلامی دعوت کے جلد پھیلنے کے کیا اسباب وعوامل تھے؟

② اجتہاد کے مختلف ادوار کا جائزہ۔

③ مختلف اسلامی فقہی مذاہب سے مسائل منتخب کرنا،اس کا عنوان تھا''التلفیق بین المذاھب''۔

④ ملکیت زمین کا مسئلہ اسلام میں (لیکن اس موضوع پر کسی نے مقالہ نہیں پڑھا)۔

ان کے علاوہ چند اور موضوعات بھی تھے خیال ہے کہ آئندہ بینات کی کسی اشاعت میں ان مباحث کا خلاصہ پیش کیا جائے۔راقم الحروف نے بھی اجتہاد پر ایک مختصر مقالہ وہیں مرتب کیا جو فل اسکیپ سائز کے ۶ر

... پیش کیا گیا، نیز اجتہاد کے سابق مقالات پر بحث میں حصہ لیا اور تنقید کی اور اپنے مقالہ میں تلفیق بین المذاہب پر بلکی روشنی ڈالی اور مقالہ نگار کی رائے سے اختلاف کیا۔ ہمارے رفقاء میں سے مولانا مفتی محمود صاحب اور مولانا غلام غوث صاحب نے بعض موضوعات پر مقالات پیش کئے۔

مجمع البحوث الاسلامیہ اور اس کی پہلی کانفرنس کے بارے میں تاثرات

اس مؤتمر کا سب سے عظیم الشان فائدہ یہ ہوا کہ حکومت جمہوریہ متحدہ جو عربی ممالک کے اتحاد کے لئے جدوجہد کر رہی تھی۔ ایسا محسوس ہو رہا تھا عربی اتحاد کی جگہ اسلامی اتحاد آ رہا ہے اور ایسا محسوس ہوا کہ جمال عبدالناصر کو وحدۃ العربیہ میں ناکامی ہونے کے بعد اب ان کی توجہ اسلامی اتحاد کی طرف بڑھ رہی ہے۔ اگرچہ وہاں کے سربرآوردہ حضرات بھی کہا کرتے تھے کہ عربی اتحاد سے ہماری غرض یہ ہے کہ اتحاد اسلام کی یہ پہلی کڑی ہے۔ بہر حال اس جہت سے اس کانفرنس سے یہ سیاسی فائدہ بھی اٹھایا گیا کہ اسلامی اخوت اور عالمگیر اسلامی رشتہ مودت کی طرف قدم اٹھانا چاہیے اور اسی وجہ سے مشرقی افریقہ کے جدید آزاد شدہ ممالک کی طرف کافی توجہ تھی اور اسی وجہ سے بار بار مختلف جہات سے یہ کوشش ہوتی رہی کہ سب مندوبین اسلامی عالمگیر اخوت کے رشتہ کی اہمیت زیادہ محسوس کریں اور یہ گویا سمجھایا جا رہا تھا کہ جمہوریہ متحدہ عربیہ کے پیش نظر اسلامی اخوت کا رشتہ مضبوط ہے۔ اس مؤتمر میں اخبارات میں شائع ہونے سے قبل سب وفود کو یہ خبر سنائی گئی کہ ہمارا دستور تیار ہو گیا اور اس میں یہ بات طے ہو گئی کہ حکومت جمہوریہ عربیہ متحدہ کا مذہب اسلام ہوگا اور سرکاری زبان عربی ہوگی۔ اس مؤتمر میں پہلے صدر ... اللہ ہاشمی نے شاندار الفاظ میں یہ اعلان کیا کہ حکومت نے مصحف مرتل کے لئے ایک خاص اسٹیشن کھولا ہے جس کے میٹر کا نمبر یہ ہوگا۔ اس پر صرف قرآن کریم روزانہ چودہ گھنٹہ نشر کیا جائے گا۔ مصری وقت کے مطابق صبح ۶ر سے ۱۰ رتک اور ار سے ۱۱ رتک، ہمارے یہاں ۱۰ر سے ایک تک اور ۴ر سے ۲ر بجے رات تک۔

صدر جمال عبدالناصر نے وفود سے جب ملاقات کی تو سب سے مصافحہ اور مزاج پرسی کے بعد کہا:

''حضرات! میری خوش قسمتی ہے کہ میں آج آپ حضرات کی زیارت کر رہا ہوں۔ ہم سب اسلامی اخوت کے رشتہ میں منسلک تھے۔ استعماری طاقت نے اپنے سیاسی اغراض کے لئے جدا کر دیا اور استعماری سیاست نے دنیا کو تباہ کر دیا (یہ جملہ دو مرتبہ دہرایا اور اس پر زور دیا) میں اس وقت مشغول ہوں، رخصت چاہتا ہوں، خدا حافظ۔ عربی تقریر کا پہلا جملہ یہ تھا:

''ایها السادة ! انی لسعید برؤ یتکم'' اور آخری جملہ تھا '' سیر وا علی بر کة الله''۔ اور اسی وجہ سے حدود فلسطین میں صلح کی حد بندی پر جہاں یو، این، او کا حفاظتی دستہ بھی موجود ہے، سب وفود کو چار سو کیلو میٹر ... لے گئے اور یہ تجویز پاس کرائی کہ فلسطین کا قضیہ تمام عالم اسلامی کا مشترکہ قضیہ ہے، یہ تنہا

عربی ممالک کا قضیہ نہیں اس لئے ہم تمام نمائندگان ممالک اسلامیہ اور مسلمانان عالم متفقہ احتجاج کرتے ہیں کہ فلسطین میں مہاجرین کو جلد از جلد آباد کیا جائے اور سب مندوبین سے اس قرارداد کی تائید کے لئے کہا گیا۔ دوسرا نمبر راقم الحروف کا آیا حسب ذیل عربی الفاظ میں قرارداد کی تائید کی:

”ایها السادة وفود البلاد الاسلامية وعلماء المسليمن! لا شك فى ان المؤمنين اخوة على تواصى بلادهم واقطارهم وهم كما قال سيدنا الرسول صلى الله عليه وسلم :”المؤمنون فى تراحمهم وتوادوهم و تعاطفهم كجسد واحد اذا اشتكى عضو تداعى له سائر الجسد بالسهر والحمى“(۱) ولا ريب ان قضية فلسطين قضية اسلامية عالمية ليست قضية عربية فقط، فمن واجبنا ان نقوم للدفاع عنها متكافئين فى سبيلها وحل مشاكلها. وايها السادة! ان قضية فلسطين وقضية كشمير متماثلتان متجانستان، فاربعة ملايين من المسلمين تئن تحت سيطرة حكومة غاشمة ظالمة مستبدة ، تحكم عليهم بكل قسوة وجفوة ليست فيها أية رحمة وعاطفة فالرجاء ان نتحد لها كذلك.

ترجمہ: حضرات! ممالک اسلامیہ کے نمائندو! بلاشبہ مسلمان کہیں کے بھی باشندہ ہوں ان میں اسلامی اخوت کا رشتہ موجود ہے اور حضرت رسالت پناہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کے مطابق ساری دنیا کے مسلمان اپنی ہمدردی وتعلق ومحبت میں ان کی مثال ایک بدن کی ہے، بدن کے کسی حصہ میں اگر کوئی شکایت ہے تو سارا بدن بخار و بے خوابی میں مبتلا رہتا ہے، بلاشبہ فلسطین کا قضیہ تمام عالم اسلامی کا مسئلہ ہے تنہا عربی ممالک کا نہیں۔ اس لئے ضروری ہے کہ اس مشکل کو حل کرنے کے لئے ہم سب متحد ہو کر سوچیں۔

حضرات! جس طرح فلسطین کا مسئلہ تمام عالم اسلامی کا مسئلہ ہے، ٹھیک اسی طرح کشمیر کا قضیہ بھی تمام عالم اسلامی کا مسئلہ ہے، چالیس لاکھ مسلمان کشمیر میں ایک ظالم بے رحم حکومت کے پنجۂ استبداد کے نیچے کراہ رہے ہیں، توہمیں اس کے لئے بھی متحد ہونے کی ضرورت ہے۔(۲)

---

(۱) صحيح البخارى،كتاب الادب،باب رحمة الناس والبهائم ج:۲ص:۸۸۹،ط:قديمى.
صحيح مسلم،كتاب البروالصلة والادب،باب تراحم المؤمنين وتعاطفهم وتعاضدهم ج: ۲ ص: ۳۲۱،ط:قديمى

(۲) عالم اسلام کے نمائندہ وفود کے اجتماع میں قاہرہ جیسے مرکزی مقام پر مسئلہ کشمیر کی یہ ایسی مؤثر ترجمانی ہوگئی ہے کہ اس پر ہماری حکومت کو حضرت علامہ بنوری کا ممنون ہونا چاہیے، خصوصاً حضرت ممدوح نے مسئلہ کشمیر کو مسئلہ فلسطین کا ہم پلہ قرار دے کر اتنا وزن بڑھا دیا کہ اس سے زائد کا تصور کوئی سیاسی مدبر بھی نہیں کرسکتا۔ (غ،م)

الغرض یہ محسوس ہوا کہ اب عرب دنیا بھی اپنے مسائل ومشکلات کے حل کرنے میں عالم اسلامی کے تعاون سے بے نیاز نہیں ہوسکتی اور خدا کا شکر ہے کہ ان کو بھی اس کا احساس ہو چلا ہے۔

[محرم الحرام ۱۳۸۴ھ/جون ۱۹۶۴ء]

مجمع البحوث الاسلامیۃ قاہرہ کی دوسری کانفرنس

مؤتمر رابطہ اسلامیہ منعقدہ مکہ مکرمہ کے بعد قاہرہ مئی ۱۹۶۵ء میں مجمع البحوث الاسلامیہ کی دوسری مؤتمر منعقد ہوئی، ۱۳رمئی سے ۲۳رمئی تک کانفرنس جاری رہی، حسب معمول سابق پاکستان سے چار مندوبین کو دعوت دی گئی: ① راقم الحروف ② مولانا مفتی محمود ③ مولانا غلام غوث ہزاروی ④ مولانا تاج الاسلام (مشرقی پاکستان)، میں مکہ مکرمہ میں تھا، دعوت نامہ یہاں سے ہوکر وہاں پہنچا، سفارت خانہ جمہوریہ عربیہ متحدہ مقیم سعودیہ عربیہ نے جدہ سے براہ راست قاہرہ روانگی کے لئے آمادگی کا اظہار بلکہ اصرار کیا لیکن میرے ساتھ خاندان کا ایک مختصر سا قافلہ تھا اس لئے میں نے براہ راست قاہرہ کے سفر سے معذرت کی، کراچی ۱۷رمئی کو مراجعت ہوسکی، پہلا سا خیال ہوا کہ تین چار دن کی شرکت ہی سہی قاہرہ چلا جاؤں اس لئے کہ خالص علمی مباحث، جدید مسائل پر محققانہ تبادلہ خیال اور علمی مناقشات میری دلچسپی کے موضوعات تھے، لیکن سفارت خانہ جمہوریہ عربیہ متحدہ مقیم کراچی سے معلوم ہوا کہ پاکستان کی وزارت خارجہ کے کارکنوں نے میری غیر موجودگی کو غنیمت سمجھا اور جمہوریہ عربیہ متحدہ کے سفارت خانے سے سفارش کی کہ ان کے خصوصی نمائندے سے میری جگہ کی خانہ پری کردی جائے، بہر حال میں قاہرہ کا یہ سفر نہ کرسکا۔

غیرت اسلام اور پاکستان

مؤتمر مجمع البحوث الاسلامیہ میں اس سال جو مقالات پڑھے گئے ان میں اسلامی مالیاتی نظام اور بینکاری وبیمہ صرف دو ہی مسئلے زیر بحث تھے اور جو مقالہ پڑھے گئے ان میں تین مقالے سب سے زیادہ اہم تھے۔

① ایک زکاۃ وصدقات پر شیخ ابوزہرہ کا نہایت محققانہ اور مبسوط علمی مقالہ۔

② دوسرا بینکاری اور اسلام پر ڈاکٹر عبداللہ العربی رکن مجمع البحوث کا نہایت جامع اور مدلل مقالہ۔

③ تیسرا مقالہ اسلام کے نظام مالیات پر شیخ رفیق القصیر کا تھا۔

مؤخر الذکر مقالے میں بینک کے تجارتی سود کے جواز پر زور دیا گیا تھا جس پر پورے ہال میں شور مچ گیا اور ڈاکٹر عبدالحلیم محمود پرنسپل شعبہ اسلامیات ازہر نے شدید مؤاخذہ اور احتجاج کیا اور اس مقالہ کو منصوص قطعیہ قرآنیہ اور اجماع امت کے خلاف قرار دے کر مطالبہ کیا کہ اس مقالہ کو مجمع البحوث کے مقالات بلکہ مؤتمر کی کارروائی اور روداد سے نکال دیا جائے اور مقالہ نگار کو اس خیال اور عقیدہ سے توبہ کا اعلان کرنا چاہیے۔

غنیمت ہے کہ اس دور الحاد و زندقہ میں اور ایک ایسی سرزمین اور ملک میں جس کو "حریت رائے" کے لئے ضرب المثل سمجھا جاتا ہے اتنی حرارت ایمانی اور ایسی غیرت دینی کا مظاہرہ! عبرت کا مقام ہے کہ ہمارے اس اسلامی ملک اور پاک سرزمین میں جس کے بسنے والوں کے قلوب میں مذہبی حمیت دینی تصلب اور شعائر اسلامی کا احترام و تعظیم تمام ممالک اسلامیہ اور بلا دعربیہ سے زیادہ موجزن ہے اور ایسی اسلامی مملکت میں جو دنیا کی سب سے بڑی اسلامی مملکت ہے اور اس کے ایسے نیم سرکاری ادارہ کی طرف سے جس پر حکومت کا لاکھوں روپیہ خرچ ہو رہا ہے تجارتی سود کے جواز پر اردو عربی اور انگریزی زبانوں میں مستقل مقالے شائع ہوں اور نصوص قطعیہ قرآنیہ (قرآن کی قطعی اور صریح آیات) میں تاویلیں اور تحریفیں کی جائیں اور اعلانیہ کہا جائے کہ:

قرآن کی صرف علل وغایات ابدی اور قطعی ہیں نصوص قرآن (قرآن کے صریح الفاظ) میں بدلے ہوئے حالات وظروف کے تحت تصرف کیا جاسکتا ہے۔

اور ہمارے تمام ارباب دین، ارباب فکر ونظر، ارباب قلم، ارباب مدارس عربیہ ومراکز دینیہ اور مدعی اسلام حکمران غرض راعی سے لے کر رعایا تک سب ہی خاموش ہیں، فانا لله وانا الیه راجعون۔

بسوخت عقل زحیرت کہ ایں چہ بوالعجبی است

اگر ہماری غفلت و بے خبری، بے اعتنائی و بے توجہی کا یہی عالم رہا تو نہ معلوم یہ سیلاب کہاں جا کر رکے گا؟ بینات کے صفحات میں بار بار ہر طبقہ فکر کو توجہ دلائی گئی اور حسب مقدور بہت کچھ لکھا بھی:

ولکن لا حیاۃ لمن تنادی

کچھ محسوس ایسا ہوتا ہے کہ ارباب اقتدار علماء دین کی بے حسی بے خبری اور بے دست و پائی سے اور عام تعلیم یافتہ طبقہ کی ٹھوس دینی معلومات سے بے بصیرتی اور ناواقفیت سے ناجائز فائدہ اٹھا کر بالارادہ اس ملک میں یہ کام منظم طریق پر کر رہے ہیں جس کے نتیجہ میں یہ دردناک وقت آ گیا ہے کہ پاکستان بھی ان اسلامی ملکوں کی صف میں شامل ہو گیا جہاں مذہبی غیرت اور دینی حمیت کا کوئی مظاہرہ نہیں ہوتا یا نہیں ہوسکتا۔

گذشتہ اسمبلی کے اجلاس میں باتفاق آراء پاکستان کے دستور کی بنیاد کتاب وسنت پر رکھی گئی ہے، ظاہر ہے کہ جدید تمدن اور یورپین تہذیب نے جس کی بنیاد ہی بے لگام نفس پرستی اور فحاشی پر رکھی گئی ہے، ملک میں سرمایہ کاری، سودخوری، قمار بازی، شراب نوشی، زناکاری وغیرہ اخلاقی اور معاشرتی بدکاریوں کے جو جراثیم (۱) قوم کے اعلیٰ اور متوسط طبقہ میں پیدا کر دیئے ہیں اور شب و روز ان کے مظاہرے اعلیٰ سوسائٹیوں، ہوٹلوں، رقص گاہوں اور

(۱) عصر حاضر کے تجدد پرست "مجتہدین" کے طبقہ کی مراد "بدلے ہوئے حالات وظروف" سے یہی جدید تمدن کی پیداوار، گمراہی اور بے راہ روی ہے، جس کے تحت وہ سودخوری، قمار بازی کو جائز قرار دیتے ہیں اور امتناع شراب نوشی کی مخالفت کرتے ہیں۔

بنگلوں، کوٹھیوں میں ہو رہے ہیں، اسلامی شریعت اور کتاب و سنت کی تعلیمات نہ صرف ان کو بلکہ ان کے تصور کو بھی ایک لمحہ کے لئے برداشت نہیں کرسکتیں اب دو ہی صورتیں رہ جاتی ہیں۔

① ایک یہ کہ دوبارہ اسمبلی دستور میں ترمیم کردے اور کتاب و سنت کی پابندی کا جوا اپنی گردنوں سے اتار پھینکیں۔

② دوسری صورت یہ ہے کہ کتاب و سنت اور تعلیمات شریعت میں اتنی توسیع پیدا کردی جائے کہ جدید تہذیب وتمدن کے پیدا کردہ تمام مسائل حسب خواہش اس میں سما سکیں۔

ادارۂ تحقیقات اسلامی اور اس کے سنہرے کارنامے

رائے عامہ کے دباؤ اور عالمی رسوائی کے خوف کی وجہ سے پہلی صورت اختیار کرنے کی جرأت نہیں ہے، اس لئے دوسری صورت ہی اختیار کی جارہی ہے اور ہمارے مرکزی ادارۂ تحقیقات اسلامی کراچی نے تو ایسا معلوم ہوتا ہے اس کار خیر کا بیڑہ اٹھایا ہوا ہے، چنانچہ اس ادارہ کے ڈائرکٹر ڈاکٹر فضل الرحمن صاحب اور ان کے تمام کے تمام قلمی رفقاء بڑی جانفشانی اور تن دہی سے یہ خدمت انجام دینے میں ہمہ تن مصروف ہیں اور ماہنامہ فکر و نظر (اردو) اسلامک اسٹڈیز (انگریزی) اور الدراسات الاسلامیہ (عربی) سندھان (بنگالی) کے صفحات ان نام نہاد اسلامی تحقیقات (صحیح تحریفات) کے لئے وقف ہیں تا کہ اس شیریں اور دل آویز زہر کو ہر زبان کا پڑھنے والا زہر مار کرلے۔

اول کتاب اللہ کے بارے میں صاف صاف اعلان ہوا کہ قرآن حکیم کے ابدی ہونے کے معنی یہ ہیں کہ جن علل وغایات پر احکام الٰہیہ کا مدار ہے وہ علل وغایات ابدی ہیں، بدلے ہوئے حالات وظروف کے تحت قرآن کی نصوص (صریح آیات) میں انہی علل وغایات کے تحت تصرف، تغیر و تبدل اور اخذ و ترک کیا جاسکتا ہے، پھر ان علل وغایات کے سمجھنے، جاننے اور متعین کرنے والے کون ہیں؟ مجتہد عصر ڈاکٹر فضل الرحمن اور ان کے تجدد پرست قلمی رفقاء، جو ''سائنٹیفک ریسرچ'' کی تربیت حاصل کررہے ہیں اور مجتہد عصر بننے کے امیدوار ہیں اور قرآن کی ابدی علل وغایات وہ ہیں جو ادارۂ تحقیقات اسلامی کے ترجمان مذکورہ بالا ماہنامے اور سہ ماہی رسائل پیش کررہے ہیں جس کا لب لباب یہ ہے:

① زکوٰۃ اسلامی حکومت کا ٹیکس ہے اور اس کی علت دفع فقر اور رفع مسکنت ہے، اس لئے اسلامی حکومت شریعت کی مجمع علیہ اور متواتر شرح زکاۃ اور اموال زکوٰۃ میں موجودہ زمانے کے بدلے ہوئے حالات کے تحت جتنی چاہے شرح زکوٰۃ مقرر کرسکتی ہے اور جہاں مناسب سمجھے صرف کرسکتی ہے۔

② قرآن حکیم کا منصوص نصابِ شہادت دو ثقہ مرد یا ایک مرد اور دو عورتیں اس زمانہ کی پسماندہ اور غیر

تعلیم یافتہ عورتوں کے پیش نظر تھا، اس زمانہ کی تعلیم یافتہ، بیدار مغز اور مضبوط دل و دماغ کی ایک عورت بھی ایک مرد کے برابر ہے اور ایک مرد اور ایک تعلیم یافتہ عورت سے نصاب شہادت پورا ہو جاتا ہے اور ان کے علاوہ اور آزاد اجتہادات جن کے بینات کے صفحات میں مختصر مگر شافی جوابات دیئے جا چکے ہیں، مگر افسوس یہ ہے کہ عموماً قارئین فکر ونظر تک یہ جوابات نہیں پہنچ پاتے۔

ادارہ تحقیقات اسلامی کے سربراہ ڈاکٹر فضل الرحمن صاحب نے اپنے اور اپنی زیر تربیت مجتہدین کے اجتہادات کو کتاب وسنت کے تحت لانے کی غرض سے سنت کے تیرہ سو سالہ معروف مجمع علیہ معنی میں اپنے سفید فام معلم اور مشہور ومعروف یہودی مستشرق ڈاکٹر جوزف شاخت کی رہنمائی سے عجیب وغریب توسیع (نہیں تحریف) کی ہے اور ان اجتہادات کے لئے داغ بیل ڈالنے کی غرض سے ایک نہایت طویل وعریض مقالہ سنت، اجماع اور اجتہاد پر لکھا ہے، اسی مقالہ سے ماہنامہ فکر ونظر کی بسم اللہ یعنی افتتاح کیا ہے، اور اس مقالہ میں قرن اول و دوم کے مجتہدین کی تصانیف کے اقتباسات کے ذریعہ یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے اور پورا زور قلم اس پر صرف کیا ہے کہ سنت درحقیقت ایک ''تعاملی اصطلاح'' ہے جس کی تشکیل آزاد شخصی رائے سے ہوتی ہے، اور عوام الناس یا رائے عامہ کے قبول کر لینے کے بعد وہ ہی سنت بن جاتی ہے اور رائے عامہ کے اس قبول کر لینے کا نام ہی اجماع ہے جس کو وہ آزاد اجماع کے نام سے یاد کرتے ہیں اور ان کی تحقیق کے مطابق:

① ملت مجموعی طور سے اپنے آپ کو سنت نبوی کے مشمولات کی تخلیق کے ضروری استحقاق کی متحمل سمجھتی ہے۔

② ملت الفاظ پر زور نہیں دیتی بلکہ اس روح کو سمجھنے کی کوشش کرتی ہے، جس کے تحت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان شدہ تاریخی کوائف میں وحی الٰہی کا مفہوم متعین کرنے اور اس کی تفسیر کرنے کے لئے کوئی اقدام فرمایا (۱) اور اس تعاملی اصطلاح کو جاری وساری رکھنے کی غرض سے ڈاکٹر صاحب موصوف اس کا نام سنت جاریہ یا زندہ سنت رکھتے ہیں، کتنا حسین اور دلکش نام ہے اور امت مسلمہ کی مجمع علیہ اور متواتر سنت پر کتنی سخت چوٹ ہے اور اپنے مفروضات کو ثابت کرنے کے لئے قرن اول اور دوم کے کبار مجتہدین کی تصانیف سے اقتباسات پیش کئے ہیں۔

منصب نبوت

حالانکہ یہ قطعاً ظاہر اور ناقابل انکار حقیقت ہے کہ رسول اور نبی کی دینی حیثیت اور منصب ہی یہ ہے کہ اس کو سرتاپا معصوم اور امت کے لئے سراپا اسوہ اور قدوہ بنایا جاتا ہے، اس کی اطاعت جزو ایمان ہوتی ہے، ارشاد ہے:

﴿وَمَا اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا لِيُطَاعَ بِاِذْنِ اللّٰهِ﴾ [آل عمران: ٦٤]

---

(۱) مذکورہ بالا اقتباسات کے لئے ملاحظہ فرمایئے، ماہنامہ ''فکر ونظر'' بابت ماہ جولائی و اگست ۱۹۶۳ء، شمارہ نمبر (۱) جلد (۱) مقالہ ''تصور سنت''۔

ہم نے ہر رسول وپیغمبر کو اپنے حکم سے واجب الاطاعت بنا کر بھیجا ہے۔

تمام انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام نوح، ہود، صالح، لوط، شعیب، موسیٰ وعیسیٰ سب ہی یک زبان ہو کر یہی دعوت دیتے ہیں: ﴿فاتقوا الله واطيعون﴾

پس تم اللہ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو۔

الغرض رسول ونبی کی سنت کا واجب الاتباع ہونا تو ہر دین سماوی کا متفقہ اساسی عقیدہ ہے، اسلامی تعلیمات اور شریعت محمدیہ مطہرہ کی تشریعی اصطلاحات کے وجود میں آنے کے بعد کتاب وسنت، قرآن وحدیث کے الفاظ اپنے مخصوص شرعی اور اصطلاحی معنوں میں استعمال ہونے لگے، یعنی جہاں شریعت یا علوم شرعیہ میں کتاب کا ذکر آئے گا تو اس سے مراد کتاب اللہ اور قرآن ہی ہوگا جو حضرت خاتم انبیاء صلی اللہ علیہ وسلم پر آخری وحی الٰہی کی صورت میں نازل ہوا اور ایسا کون جاہل ہوسکتا ہے جو یہ کہے کہ اس کتاب سے کوئی بھی لکھی ہوئی کتاب مراد ہے، بالکل اسی طرح علوم وتعلیمات شرعیہ یا تشریعِ اسلامی کے ذیل میں جہاں بھی مطلق (یعنی صرف) سنت کا ذکر آئے گا اس سے مراد صرف سنت رسول اللہ ہی ہوگی۔

الحاد وزندقہ

بہرحال شرعی اصطلاح مقرر ہو جانے کے بعد ان الفاظ کے معانی شرعیہ چھوڑ کر لغوی معنی اختیار کرنا یہی الحاد ہے، یہی تحریف فی الدین، کون نہیں جانتا کہ ایمان، اسلام، صلوٰۃ، زکاۃ، صوم، حج یہ سب عربی زبان کے کلمات تھے جو نزول قرآن کریم سے پہلے عرب میں مستعمل تھے اور لغت عرب کے مطابق اپنے لغوی معانی میں مستعمل تھے، اسلام کے دنیا میں آنے کے بعد ان کلمات کے خاص خاص شرعی معانی متعین کئے گئے اور ان میں ان کلمات کو استعمال کیا گیا، شرعی اور لغوی معنی میں مناسبت کے ہوتے ہوئے بھی ان شرعی معانی میں بالکل جدید حیثیات وخصوصیات پیدا ہو گئیں، اب ان شرعی معانی مقصودہ کو چھوڑ کر لغوی معنی مراد لینا اور ان میں استعمال کرنا اور ان شرعی اصطلاحات کو لغت کے تابع کر کے ساری شرعی حیثیات وخصوصیات کو ختم کر دینا یہی الحاد فی الدین اور "ان الذين يلحدون فی آیاتنا" کا مصداق ہے، جس کو امت محمدیہ کے تمام محققین نے سلفاً عن خلفٍ (اول سے آخر تک) متفقہ طور پر الحاد وزندقہ قرار دیا ہے، اسی موضوع پر حجۃ الاسلام امام غزالی (متوفی ۵۰۵ء) رحمۃ اللہ علیہ نے "فیصل التفرقه بين الاسلام والزندقة" اور "قانون التاويل" وغیرہ مستقل کتابیں تصنیف فرمائی ہیں، اسی سلسلہ میں آخری اور جامع ترین تصنیف حضرت امام العصر مولانا محمد انور شاہ نور اللہ مرقدہ کی تصنیف "اکفار الملحدین فی ضروریات الدین" ہے، جس کا اردو ترجمہ عنقریب مجلس علمی کراچی کی طرف سے شائع ہونے والا ہے۔

بہر حال یہ کہنا کہ سنت ایک تعاملی اصطلاح ہے اور اس کی تخلیق و تشکیل آزاد شخصی رائے سے ہوتی ہے اور رائے عامہ اس کی توثیق کرتی ہے، مصطلحات شرعیہ کے ساتھ یقینا تلاعب ہے، یہی ملحدانہ طریقہ ڈاکٹر صاحب کے ایک پیش رو حریف اور ان کے اتباع نے اختیار کر رکھا ہے اور رات دن اسی کی نشر و اشاعت میں لگے ہوئے ہیں، حالانکہ پاکستان کے مسلمان ان کے متعلق اپنے فیصلہ کا اعلان کر چکے ہیں، ڈاکٹر صاحب موصوف کو اس سے سبق لینا چاہیے اور اس طریق کار کو چھوڑ دینا چاہیے اس سے پہلے کہ پاکستان اور دنیا کے مسلمان ان کے متعلق کوئی فیصلہ کریں۔

یہ تو ایک جملہ معترضہ ہے جو "الدين النصيحة" کے جذبہ سے بیچ میں آ گیا، اب اصل موضوع کی طرف متوجہ ہوتے ہیں۔

زیر نظر الفاظ و کلمات کے مصطلحات شرعیہ قرار پا جانے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ اب کوئی شخص ان کلمات کو لغوی معنی میں کہیں بھی استعمال نہیں کر سکتا، خود قرآن حکیم میں "واقيموا الصلاة" میں لفظ صلاۃ کو عبادت مخصوصہ کے معنی میں استعمال کرنے کے باوجود آیت کریمہ ﴿وَمَا كَانَ صَلَاتُهُمْ عِنْدَ الْبَيْتِ اِلَّا مُكَاءً وَّ تَصْدِيَةً﴾ [الانفال: ۳۶] میں اسی لفظ صلاۃ کو غیر شرعی یعنی لغوی معنی میں استعمال فرمایا ہے۔ لہٰذا اگر کہیں امام مالک رحمۃ اللہ علیہ یا امام اوزاعیؒ یا کسی اور بزرگ نے "هو السنة عندنا ،هذا سنة بلدنا"، یا "سنة المسلمين" وغیرہ کے الفاظ اپنے شہر کے یا اپنے ملک کے یا عہد تابعین کے مسلمانوں کے تعامل کے لئے جو فی الجملہ سنت نبویہ کی روشنی ہی میں قائم ہوتا تھا، استعمال کر لیے تو اس کے معنی یہ نہیں ہیں کہ ان کے نزدیک کتاب و سنت کے ساتھ ساتھ جو لفظ سنت ماخذ تشریع کے طور پر استعمال ہوتا ہے اس سے بھی یہی عامۃ الناس کا تعامل مراد ہے اور یہی سنت کی حقیقت ہے، جیسا کہ ڈاکٹر صاحب فرماتے ہیں کہ "درحقیقت سنت ایک تعاملی اصطلاح ہے" اور اس کا نام سنت جاریہ یا زندہ سنت رکھ کر یہ تاثر پیدا کرنا کہ ہر زمانہ میں امت نے سنت نبوی میں تخلیق و باز تخلیق کا عمل جاری رکھا ہے، لہٰذا ہم بھی اس استحقاق کے مالک ہیں اور ہمیں بھی تخلیق سنت کا حق ہے، بتلایئے کتنا بڑا ظلم اور کتنا زبردست دھوکہ اور فریب ہے!!۔

کیا اچھا ہوتا کہ اس نفاق کو ختم کر کے جرأت کے ساتھ یہ اعلان کر دیا جاتا کہ:

عہد حاضر میں ہم ایک دوسری ہی زندگی کے اس طرح عادی ہو چکے ہیں اور جدید تمدن سے ہم اس طرح وابستہ ہو چکے ہیں اور اس سلسلہ میں ہم اتنے آگے بڑھ چکے ہیں کہ اب اس کو چھوڑ کر چودہ سو سال پیچھے لوٹنا ہمارے لئے بے حد مشکل بلکہ محال ہے، ہم مجبور و معذور ہیں، اس زندگی کو نہیں چھوڑ سکتے، اللہ تعالیٰ ہمیں معاف فرمائیں۔

یہ بہت بہتر ہوتا بہ نسبت اس کے کہ یہ کہا جائے کہ:

موجودہ دور کی تمام ترقیات اور تمدن جدید کے تمام اخلاقی معاشرتی اور اقتصادی مسائل کتاب وسنت کی روح کے عین مطابق وموافق ہے۔

مگر ہو یہ ہی رہا ہے کہ کتاب وسنت کے نام پر اسی تلبیس وتحریف میں پوراز ورِ قلم اور تمامتر توانائی فکر ونظر صرف کی جارہی ہے، یہ تلبیس نہ اللہ تعالیٰ کے ہاں قابل عفو ودر گذر ہو سکتی ہے، نہ ہی امت مسلمہ کا دیندار وایماندار طبقہ اس ابلہ فریبی کو وقعت کی نظر سے دیکھ سکتا ہے، البتہ اعداء اسلام یہودی و مسیحی مستشرقین اور ان کے پروردہ مسلمان مستغربین ضرور خوش ہو سکتے ہیں کہ ایک مسلمان کا زورِ قلم ہی اسلام کی بیخ کنی کر رہا ہے:

از ماست کہ بر ماست

سنت جاریہ کے پردہ میں چھپے ہوئے دجل وفریب اور کذب وافتراء کو بے نقاب کرنے کے لئے بینات کے اس شمارہ میں سنت جاریہ اور ائمہ مجتہدین رحمہم اللہ کے عنوان سے ایک مبسوط تنقیدی مقالہ کی پہلی قسط شائع ہو رہی ہے، اللہ تعالیٰ اپنے فضل وکرم سے مسلمانوں کو حسن نیت، فہم صحیح اور حسن عمل کی توفیق عطا فرمائیں۔

یاس وناامیدی کی تاریک گھٹاؤں میں امید وآس کی ایک کرن

انتہائی مسرت کا مقام ہے کہ پاکستان ہی کے ایک صالح نوجوان شیخ احمد ارشاد ایم اے نے جو سالہا سال تک ملک کے اندر وباہر رہ کر بینکاری کی مکمل قابلیت وتجربہ حاصل کرنے کے بعد بینکاری نظام اور سودی کاروبار کی تباہ کاریوں اور اسلامی نظام مالیات کی رفاہیت آفرینی پر پہلی مرتبہ قابل قدر کتاب بلاسود بینکاری کے نام سے تصنیف کی اور گزشتہ سال اس کا انگریزی ایڈیشن اور اس سال اس کا اردو ایڈیشن شائع کیا ہے اور عملاً بھی ''دی کوآپریٹو انویسمنٹ اینڈ فنانس کارپوریشن لمیٹڈ'' کی بنیاد رکھی ہے [1]، تاکہ جلد سے جلد اس اسلامی نظام کے تجربات بھی سامنے آجائیں، موصوف ہر طرح تہنیت وتبریک اور حوصلہ افزائی کے مستحق اور پاکستان کے لئے لائق فخر ہیں کہ انہوں نے تمام اسلامی ملکوں سے پہلے پاکستان میں اسلامی نظام کی عظمت کے لئے بروقت یہ عملی قدم اٹھایا اور اس سنت حسنہ کی بنیاد رکھی، اب ضرورت ہے کہ پاکستان کا مسلمان کاروباری طبقہ دل کھول کر اس کی معاونت اور حوصلہ افزائی کی طرف ہاتھ بڑھائے کہ یقیناً یہ معاونت ''تعاونوا علی البر والتقوی'' کا مصداق ہے اور آج جو بینکوں میں بلاسود کروڑوں روپیہ ڈپازٹ کی مد میں پڑا ہوا ہے، اس میں سے معتد بہ حصہ نکال کر اس کارپوریشن میں لگادیں اور سعادت دارین حاصل کریں۔

انہی دنوں قاہرہ کے مشہور فاضل الاستاذ محمد عبداللہ العربی نے بھی بینکاری کے موجودہ نظام اور اسلامی

---

(۱) راقم الحروف نے بھی سفیر عراق صاحب السعادۃ الاستاذ عبدالقادر گیلانی کی معیت میں اس کارپوریشن کی تقریب افتتاح میں شرکت کی ہے۔

نظام مالیات پر عربی میں ایک محققانہ کتاب شائع کی ہے(۱)،جس کا نام "المعاملات المصرفیة الحاضرة ورأی الاسلام فیھا" ہے، نیز اسی موضوع پر عربی میں ایک بصیرت افروز مقالہ مؤتمر مجمع البحوث الاسلامیہ قاہرہ میں پیش کیا ہے، جس میں ارتکاز دولت کی قباحتیں اور اس کے بالمقابل اسلامی نظام مالیات کے محاسن پر سیر حاصل بحث کی ہے۔

بہر حال عہد حاضر کی یہ کوششیں یقیناً یاس انگیز گھٹاؤں میں مسرت وکامرانی کی ایک چمک اور متوقع لطیفہ غیبی کا پیش خیمہ ضرور ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان مخلصین و مصلحین کی ان مساعی کو کامیاب اور مثمر فرمادیں اور نہ صرف امت محمدیہ بلکہ نوع انسانی ان برکات سے مالا مال ہو اور سرمایہ داری وسود خوری کی لعنت سے نجات پائے اور مسلمان دنیا و آخرت میں سرخرو ہوں، واللہ الموفق۔

[صفر ۱۳۸۵ھ/جولائی ۱۹۶۵ء]

مؤتمر قاہرہ کے مشاہدات وتاثرات

گذشتہ سطروں میں ناظرین کے سامنے تصویر کا ایک رخ سامنے آگیا ہوگا۔ اس کا اصلی مقصد یہ ہے کہ ہمارے ارباب اقتدار بھی صحیح مقاصد کے پیش نظر عالم اسلامی کو متاثر کرنے کے لئے گاہے گاہے ایسا اقدام کیا کریں، اور جو عربی دنیا پاکستان یا باقی اسلامی دنیا سے تقریباً کٹی ہوئی نظر آتی ہے اس کو جوڑنے کی ان تھک کوشش کرنی چاہیے، صحیح حالات پیش کرنے سے میرا مقصد یہی ہے کہ جو مفید اور کام کی بات ہو اس سے فائدہ اٹھایا جائے، کیونکہ صحیح مقاصد کے حصول کے لئے تنافس اور تسابق تو عین اسلام ہے۔ الحمد للہ جو کچھ خامہ فرسائی کی گئی ہے وہ اشخاص کی تعریفوں سے اور ذاتی اغراض سے بالاتر سطح پر رہ کر کی گئی ہے، جب مقصد عبرت وسبق حاصل کرنا ہو تو کسی قوم یا فرد یا ملک کے محاسن کے ذکر سے فائدہ اٹھایا جاسکتا ہے نہ کہ برائیوں کے اظہار سے، لیکن واقعاتی سطح پر "خوگرِ مدح" کو تھوڑا سا "گلا" بھی احتیاط واعتدال کے ساتھ کرنا پڑے تو چنداں مضائقہ نہ ہوگا، بلکہ تاریخ کا حق اسی طرح ادا ہو سکے گا اور ایک مؤرخ کا قلم اپنے منصبی فرض سے صحیح معنی میں سبکدوش ہو سکے گا۔ لہٰذا مؤتمر اور جدید ازہر اور جمال ناصر کے متعلق چند تاثرات جو دوسرے رخ کی ترجمانی کریں گے اس لئے پیش کئے جاتے ہیں کہ ہم ان سے بچنے کی تدبیر سوچیں اور وہ حضرات اس کی اصلاح کی تدابیر پر غور کریں۔

علمائے ازہر کے بارے میں رائے

ہندوستان و پاکستان کے اکابر علماء میں جو خصوصیت ہے محسوس ہوا کہ عربی ممالک کے اہل علم سے وہ

---

(۱) ادارہ بینات اس کتاب کا عنقریب ترجمہ شائع کر رہا ہے، امید ہے کہ ارشاد صاحب کو اس کتاب کے مطالعہ سے بہت کچھ امداد ملے گی خصوصاً اسلامی دقیق معلومات کے سلسلہ میں۔

خصوصیت مدت ہوئی کہ رخصت ہو چکی ہے۔ دینی تصلب و پختگی، شعائر اسلام کی بقا کی کوشش، بلاخوف لوم لائم حق کے اظہار میں جرأت اور قوت ایمانی کا ثبوت، کسی غیر صحیح مقصد کے لئے حکومت وقت کا آلہ کار نہ بننا اور اس مسلک میں جو عواقب و نتائج پیش آئیں خندہ پیشانی سے لبیک کہنا، میں سمجھتا ہوں کہ یہ جوہر ممالک عربیہ میں ختم ہو چکا ہے، تاریخی روشنی میں مجھے نظر آتا ہے کہ چند افراد کو مستثنیٰ کرنے کے بعد دسویں گیارھویں صدی ہجری سے وہ صفات جو عرب ممالک کے خصائص تھے غیر منقسم ہندوستان کی طرف منتقل ہو گئے۔ امام ربانی مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی، شیخ عبدالحق محدث دہلوی، حضرت شاہ ولی اللہ صاحب اور شاہ عبدالعزیز دہلوی، حضرت سید احمد بریلوی، حضرت اسمٰعیل شہید، حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمہم اللہ جمیعً کی نظیر اپنے اپنے دور میں مشکل ہی سے کہیں اور ملے گی۔

جو حضرات ازہر کے نمائندہ علماء تھے اور جو سوڈان، لبنان، عمان، قدس، غزہ، تونس وغیرہ سے آئے تھے، ان حضرات میں وہ بات محسوس نہ ہو سکی جس کی ان سے توقع تھی، البتہ موریتانیا اور مراکش، فاس کے علماء کو زیادہ پختہ پایا۔ یہ حضرات جدید رو میں بہنے کے لئے تیار نہ تھے۔ میرا احساس یہ ہے کہ حکومت مصر کے پیش نظر جو کام ہیں علماء ازہر چاہتے تھے کہ کسی نہ کسی طرح ان مقاصد کا فقہ اسلامی کی روشنی میں حل نکالنا ضروری ہے اور اس کی دو وجوہ نظر آتی ہیں:

① ان کو یہ خطرہ لاحق ہے کہ اگر ان مسائل کو اس طرح حل نہ کیا گیا اور حکومت کے منشا کی تکمیل نہ ہو سکی تو اس کے خطرناک عواقب برداشت نہ کر سکیں گے۔

② یا یہ خیال ہے کہ عصر حاضر میں اتنا جمود بے معنی ہے اور توسع و آزادی ضروری ہے۔ اگر اساسی اصول قرآن و سنت کو مان لیا جائے تو پھر رخصت و تیسیر پر عمل کرنا یا کسی ضعیف قول کو اختیار کرنا عین مصلحت و ثواب ہے، بلکہ اس وقت یہی صواب ہے۔

بہر حال وجہ جو کچھ بھی ہو ایک قسم کی مداہنت عام علماء میں زیادہ محسوس ہوئی۔ کلمة حق عند سلطان جابر ظالم حکمران کے سامنے کلمہ حق کی جرأت ان میں نہیں ہے، بہت ممکن ہے کہ جو استبدادی پنجہ ان کے سامنے ہے اس کے خوف سے یہ صورت پیدا ہو چکی ہو۔ اس لئے مؤتمر کے ان مقالات میں جو مستقل اعضاء وارکان نے تحریر کئے تھے ان میں یہ طبعی ضعف نمایاں تھا۔ ایسا محسوس ہو رہا تھا کہ اس میں کوئی مقصد پنہاں ہے، جس کی تکمیل کی کوشش کی جا رہی ہے اور وہ بھی نہایت عالمانہ بلکہ محققانہ انداز سے کہ اس کی گرفت بھی آسان نہ ہو، البتہ چونکہ سب مقالات پختہ اہل علم کے قلم سے تھے اس لئے ایسے نہ تھے جیسے پرویزی قسم کے سوقیانہ یا ادارہ ثقافت کے دین فروشانہ یا اسلامک ریسرچ انسٹی ٹیوٹ کے عام مقالات ہوتے ہیں، جن میں ضروریات دین کے قطعی حقائق کو مجروح کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ کہنا صرف یہ ہے کہ مؤتمر کے علماء کے مقالات میں ہمارے

ملک کے مسلّمہ اکابر کی تحقیقات کی جو نوعیت ہوتی تھی وہ روح جلوہ گر نظر نہیں آتی۔

جدید ازہر کے خدوخال

مؤتمر کے دوران مندوبین کے سامنے جو علمی و دینی کارنامے سامنے آئے ہیں ان میں سب سے زیادہ اہم الازہر یونیورسٹی کا تجدیدی نظام یا الازہر کی نشاۃ ثانیہ ہے، جس کی عظیم الشان عمارت کی بنیاد قاہرہ و مصر کے جدید شہر مدینۃ النصر میں رکھی گئی ہے۔ مدینۃ النصر کے جس علاقہ میں اس جدید یونیورسٹی کے لئے کئی مربع میل کا احاطہ تھا اس میں جس جگہ بنیاد رکھی جانے والی تھی، ایک عظیم الشان حسین وجمیل پنڈال بنایا گیا تھا جس میں اسکندریہ سے قاہرہ تک الازہر کی مختلف شاخوں سے آ کر بیٹھنے والے طلباء وعلماء ہی بیس ہزار تھے، اسٹیج پر صرف مندوبین اور المؤتمر کے وفود اور جمال اعبدلناصر اور ان کے نائبین کے لئے کرسیاں تھیں، جن پر نام لکھے تھے، میں نے اپنی زندگی میں اتنا خوبصورت اور عظیم الشان پنڈال، نہایت خوبصورت قیمتی قالینوں سے فرش شدہ کبھی نہیں دیکھا تھا۔ یہ جس خوبصورتی سے سجایا گیا تھا قابل دید تھا، اتفاق سے جمال عبدالناصر اس روز ملک حسین والیٔ اردن کے وداعی امور میں مشغول تھے، اس لئے نہ آسکے اور حسین محمود شافعی نے ان کی نیابت کی، خلیل حصری کی قرأت سے احتفال کی کارروائی شروع ہوئی، پھر تقریریں ہوئی او اور اس کے بعد سنگ بنیاد رکھا گیا، جس میں وفود کی طرف سے شیخ ابراہیم نیاس نے وکالت کی، اس موقع پر ایک بڑا تمغہ سب مندوبین کو دیا گیا جس پر کوفی خط میں ”تذکار وضع حجر الاساس للازهر الجديد“ کی عبارت کندہ تھی یہ تمغہ ایک مخملی ڈبے میں رکھا ہوا تھا۔

اس مؤتمر کے مصارف کے لئے ابتدائی طور پر حکومت نے دس ملین پونڈ یعنی دس کروڑ روپیہ کی منظوری دے دی تھی، جدید یونیورسٹی میں جو جو کالج اور شعبے قاہرہ واسکندریہ یونیورسٹی میں ہیں وہ سب کے سب مزید ترقی یافتہ صورت میں موجود ہوں گے اور یورپ کی چند زبانوں میں سے فرانسیسی، انگریزی، جرمنی، ایطالوی کوئی نہ کوئی زبان سیکھنا ازہری عالم کے لئے ضروری ہوگا، جہاں تک علوم دینیہ کی مہارت کے ساتھ یورپ کی کسی زبان سیکھنے کا تعلق ہے اس کی افادیت سے انکار نہیں کیا جاسکتا ہے۔ آج کل تبلیغ، تالیف وتحقیق کے لئے ان زبانوں میں سے کسی ایک کا حاصل کرنا بہت ضروری ہوگیا ہے۔ اگر متقی علماء دین اس طرف توجہ کریں تو اسلام کی تبلیغ وتحقیق کا نقشہ ہی بدل جائے، لیکن جہاں تک علوم دینیہ میں مہارت کا تعلق ہے یعنی تفسیر وحدیث فقہ واصول فقہ، فلسفہ وکلام میں اعلیٰ ترین قابلیت کا تعلق ہے اس جدید نظام میں یہ پہلو بہت کمزور ہے۔ الازہر کی جو خصوصیت چلی آ رہی تھی کہ علوم اسلامیہ ودینیہ کے ماہرین یہاں پیدا کئے جائیں وہ خصوصیت اب ختم ہو جائے گی، یوں تو تقریباً ایک سو سال سے یہ ضعف دن بدن بڑھتا ہی جارہا تھا لیکن ایسا محسوس ہوتا ہے کہ اب اس امتیاز کا خاتمہ ہی ہو جائے گا، آخر ان جدید علوم کے لئے کیا ضرورت تھی کہ الازہر بھی اس خدمت کو انجام دیتا۔ مصر میں یونیورسٹیاں اور وزارت معارف

وتعلیمات کے ادارے اس خدمت کو انجام دے رہے تھے، قرآن وسنت کے محققین و ماہرین پیدا کرنے کی جو ضرورت ہے وہ اس صورت سے پوری نہ ہو سکے گی، بلکہ اگر یہ ہوتا کہ علوم دینیہ میں تو انتہائی مہارت پیش نظر رہتی اور علوم جدیدہ میں کسی قدر واقفیت اور یورپ کی کوئی زبان ضروری قرار دی جاتی تو بہت ہوتا، لیکن جو صورت اختیار کی گئی ہے وہ یہ ہے کہ علوم دینیہ سے تو بقدر ضرورت واقفیت رہے اور جدید علوم میں مہارت خصوصی حاصل ہو، ظاہر ہے کہ یہ صورت حال امید افزا نہیں ہے، اس کی وجہ سے الازہر کو جو تاریخی خصوصیت حاصل تھی وہ بالآخر ختم ہو جائے گی۔ میرے خیال میں اگر کوئی قوی العزم، باوقار محقق عالم اور دینی مفکر حسن تدبیر کے ساتھ صحیح طریقہ پر جمال عبد الناصر کو سمجھانے کی کوشش کرتا تو شاید یہ سعی مثمر ہوتی، لیکن محسوس ہوا کہ اس وقت تو کوئی شیخ الازہر ہی نہیں، شیخ محمود شلتوت مرحوم کے بعد اب تک اس جلیل القدر عہدے کے لئے کسی کا انتخاب نہیں ہوا ہے، سنا ہے کہ الشیخ عبدالرحمن تاج اس جلیل القدر منصب کے لئے موزوں شخصیت ہیں، افسوس ہے کہ ان سے ملاقات نہ ہو سکی اور ان اجتماعات واحتفالات میں ان کا یکسر شرکت نہ کرنا یا تو ان کے معتوب ہونے کی وجہ سے تھا یا پھر ان کے اس تجدید سے غیر مطمئن ہونے کی دلیل ہے۔ بہر حال علماء ازہر جو حکومت کے نظام سے وابستہ ہیں اگر تدبر وحکمت کے ساتھ قدم اٹھائیں تو شاید بہت کچھ اصلاح ہو سکے گی۔

جمال عبدالناصر

جمال عبدالناصر اور ان کے کارنامے یا عمل نامے یہ میرا موضوع سخن نہیں، اس لئے اس روئیداد میں اس کا تذکرہ بے محل ہے، لیکن ممکن ہے کہ بعض حضرات گذشتہ صفحات میں جو کچھ لکھا گیا ہے اور مؤتمر کا جس انداز سے جائزہ لیا گیا ہے اس سے کسی غلط فہمی میں مبتلا ہو جائیں۔ اس لئے چند سطریں وضاحۃً پیش خدمت ہیں:

اس میں شک نہیں کہ جمال عبد الناصر ایک فوق العادۃ شخصیت کے مالک ہیں، عزم وارادے کا اتنا مضبوط آہنی انسان ہے کہ شاید ہی مسلمانوں میں ازمنۂ متاخرہ میں اس قوت وارادے کی کوئی شخصیت اس درجہ کی گذری ہو، جمال ناصر استعماریت اور یورپ خصوصاً برطانیہ کے شدید ترین مخالف ہیں، ان کی شاید ہی کوئی تقریر استعماریت پر حملہ سے خالی ہوتی ہو، وہ انتھک کام کرنے کے عادی ہیں، بہترین خطیب ہیں، عیاشی سے ان کی زندگی خالی ہے، اخلاقی کمزوریوں پر ان کے دشمن بھی ان کو متہم نہیں کر سکتے، وہ روزانہ اٹھارہ گھنٹے کام کرنے کے عادی ہیں، ان کا دماغ ہمیشہ کوئی نہ کوئی اسکیم سوچتا ہی رہتا ہے، ناصر کی زندگی سادہ ہے، صدر مملکت ہونے سے پہلے جب کرنل تھے تو جس مکان میں رہتے تھے اب بھی اسی میں رہتے ہیں، ان کی اہلیہ گاؤں میں رہتی ہیں اور مہینے میں دو بار خود ناصر اپنے گاؤں جاتے ہیں، ان کے بچے سائیکل پر اسکول جاتے ہیں، جتنا پروپیگنڈہ ان کے خلاف ہوتا رہا ہے مصر کی موجودہ ملکی ترقیات نے سب کو غلط ثابت کر دیا ہے، وہ نہ خروشیف کے حلیف ہیں نہ امریکہ و برطانیہ

کے، البتہ اپنے ملک میں اشتراکیت کو لاکر اشتمالیت سے بچانے کی کوشش کررہے ہیں اور موجودہ کمیونزم کا جواب سوشلزم سے دینا چاہتے ہیں، اس سوشلزم کے اختیار کرنے کی وجہ سے روس کا قدرے اعتماد حاصل ہو چکا ہے، روس کو دراصل یہ طمع ہوگئی ہے کہ شاید آئندہ کسی وقت یہ ملک کمیونسٹ بن جائے، لیکن ناصر ایک سخت دل انسان ہے، اپنے مخالف کو ختم کرنے میں کوئی رحم نہیں کرتا، جب انتقام پر اترتا ہے تو ایسا محسوس ہوتا ہے کہ اس کے دل میں رحم کا شائبہ بھی نہیں۔

جمال ناصر اپنی رائے میں بہت مستبد ہیں بہت کم کسی کے مشورے پر عمل کرتے ہیں، گو ان کی رائے ہمیشہ صحیح بھی نہیں ہوتی، ان کی تربیت دینی نہیں ہوئی نہ مزاج ہی دینی پایا ہے، اس لئے جس طرح دنیوی مسائل کے سمجھنے کی ان میں اہلیت ہے دین کو سمجھنے کی نہیں ہے، اسی لئے جس انداز سے دنیا کی طاقت وشوکت کے طریقوں کو سوچ کر وہ آگے بڑھ رہے ہیں دین کی حیثیت وہاں صفر نظر آتی ہے، کاش ناصر کا مزاج دینی ہوتا تو آج مصر کا نقشہ ہی کچھ اور ہوتا، وہ اپنی رائے میں بسا اوقات اتنی جلد بازی کر جاتے ہیں کہ نقصان تک اٹھانا پڑتا ہے، وہ ابتداء عرب ممالک کے اتحاد میں کوشاں تھے اور عرب سیادت کے خواب دیکھ رہے تھے لیکن اس مقصد میں ناکام ہو کر اب وہ افریقہ کے جدید آزاد شدہ ممالک میں رسوخ حاصل کرنے کی کوشش کررہے ہیں اور اسلامی ممالک سے اپنے تعلقات درست کرنے کی خواہش رکھتے ہیں، چنانچہ اس سلسلہ کی ایک کڑی مجمع البحوث کی پہلی مؤتمر کو سمجھنا چاہیے۔

نہر سویز کی آزادی، اسوان بند، اسکندریہ کی بندرگاہ، مدیریۃ التحریر، مدینۃ النصر، مدینۃ العمال اور الازہر کی جدید نشاۃ، دارالقرآن کی عظیم الشان عمارت کی تاسیس، المصحف المرتل کے ریکارڈ سارے اسلامی دنیا میں بھیجنا اور خود قاہرہ میں مخصوص ریڈیو کے اسٹیشن سے ۱۴ گھنٹہ قرآن کریم (المصحف المرتل) نشر کرنا، افریقہ کے ممالک میں ہزاروں مبلغ و معلم بھیجنا، جمال کی زندگی کے روشن کارنامے ہیں۔

اب دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان مسلمان ممالک کے سربراہوں کو اسلام کی شوکتِ بازرفتہ دوبارہ واپس لانے کے لئے متحد کرے اور مسلمان مملکتوں کے مادی وسائل سے مستفید ہو کر دین اسلام کی نشاۃ ثانیہ کا ذریعہ بنائے اور اغیار کی ریشہ دوانیوں سے محفوظ رکھے۔

وصلی اللہ علی خیر خلقہ سیدنا محمد وآلہ وصحبہ اجمعین

[صفر ۱۳۸۴ھ]

مجمع البحوث الاسلامیہ قاہرہ کی پانچویں کانفرنس

قمری سال کے آخری ذی الحجہ ۱۳۸۹ء کے اواخر میں قاہرہ میں ''مجمع البحوث الاسلامیہ'' کی پانچویں کانفرنس منعقد ہوئی، اس دفعہ حکومت پاکستان کی وساطت سے راقم الحروف کو کانفرنس میں شمولیت کی دعوت ملی یعنی

رسمی (سرکاری) طور پر پاکستانی مندوب کی حیثیت سے جانا پڑا۔

ہوا یہ کہ جنوری ۷۰ء کے آخر میں اسلام آباد سے وزارت قانون کے سیکریٹری نے ٹیلیفون کیا کہ قاہرہ میں ایک علمی کانفرنس ہو رہی ہے اور آپ کو پاکستانی نمائندہ کی حیثیت سے جانا ہوگا، میں نے عذر کیا کہ میں فروری ۷۰ء کی ۴ر تاریخ کو حج بیت اللہ الحرام کا عزم کر چکا ہوں، اس لئے میں کانفرنس کی شمولیت سے معذرت خواہ ہوں، سیکریٹری صاحب کی طرف سے اصرار ہوا اور فرمایا کہ حج بیت اللہ سے واپس آ کر تشریف لے جائیں، میں نے کہا یہ بھی مشکل ہے، انہوں نے فرمایا کہ ہم نے تاریخ معلوم کرنے کے لئے ٹیلیگرام دلوایا ہے، یہ ہو سکے گا کہ آپ جدہ سے قاہرہ براہ راست چلے جائیں، چنانچہ دوبارہ ٹیلیفون آیا اور تاریخ معلوم ہوئی کہ ۲۷ر فروری ۱۹۷۰ء ۲۱ر ذی الحجہ ۱۳۸۹ھ کو کانفرنس شروع ہوگی اور جب ٹکٹ آ جائے گا تو پاکستانی سفارت خانے جدہ بھیج دیا جائے گا، پاکستانی سفیر مقیم جدہ سے رابطہ قائم رکھیں اور ٹکٹ وصول کر کے قاہرہ چلے جائیں، میں نے عرض کیا کہ یہ ممکن ہے۔

۲۶ر فروری ۷۰ء کو پاکستانی سفیر مقیم جدہ سے ملا، معلوم ہوا کہ ایک خط آیا ہے کہ بنوری کو قاہرہ جانے پر آمادہ کریں، ٹکٹ جب پہنچ جائے گا فوراً بھیج دیں گے اور آپ فوراً ان سے رابطہ قائم کر کے پہنچا دیں، لیکن ۲۶ر فروری تک نہ پہنچنے پر مزید تاخیر مشکل تھی اس لئے سفیر صاحب کے مشورے سے طے پایا کہ اس ٹکٹ کے انتظار کئے بغیر قاہرہ پہنچ جانا چاہیے۔(۱)

حج کا موسم تھا اس زمانہ میں ہوائی جہازوں پر رش ہونے کی وجہ سے عین وقت پر سیٹ کا ملنا بہت دشوار ہوتا تھا، لیکن ”الوكالة الحسينية“ سے مراسم و تعلقات کی وجہ سے یہ مرحلہ بآسانی طے ہوا اور ۲۷۔۲۸ کی درمیانی شب میں قاہرہ پہنچ گیا۔

یہ کانفرنس تمام سابقہ مؤتمرات سے زیادہ اہم تھی اور نظم و نسق کے اعتبار سے بھی ممتاز تھی، ہر نمائندہ کے لئے مستقل کار تھی اور اس پر مثلاً وفد پاکستان کی چٹ لگی ہوئی تھی اور مندوب کے ساتھ ایک مرافق عالم ہوتا تھا کہ جب کسی کام کی ضرورت پیش آئے مثلاً ٹکٹ، ویزہ وغیرہ وغیرہ تو وہ ان کاموں کو انجام دے۔

جمعہ ۲۷ر فروری سے کانفرنس کا افتتاح ہوا اور جمعرات ۵ر مارچ ۷۰ء کو یہ کانفرنس ختم ہوگئی، لیکن جمعہ کو عالم التعطیل ہونے کی وجہ سے کوئی خاص کام نہیں ہوا تھا، صرف جامع ازہر میں تمام مندوبین نے نماز جمعہ ادا کی تھی اور شام کو ایک بڑے اور شاندار ہوٹل میں استقبالیہ دیا گیا تھا۔ ۲۸ر فروری ۷۰ء کی صبح ۱۰ بجے سے باقاعدہ کانفرنس شروع ہوئی، جس میں چالیس (۴۰) ملکوں کے ایک سو نمائندوں نے شرکت کی، شیخ الازہر اور وزیر شئون الاوقاف والازہر اور مجمع البحوث الاسلامیہ کے ڈائرکٹر ڈاکٹر عبدالحلیم محمود نے مؤثر مقالات پڑھے، اسی روز شام کو

(۱) بعد میں معلوم ہوا کہ سفارت خانہ کی عمارت سے نکلتے ہی ٹکٹ پہنچ گیا تھا، لیکن قیام گاہ نہ معلوم ہونے کی وجہ سے وہ نہ پہنچا سکے۔

اور اگلے روز کلمۃ الوفود کے عنوان سے نمائندوں کو اپنے تاثرات کے اظہار کا موقع دیا گیا کہ جو کہنا چاہیں کہیں۔

یوں تو عام طور سے مجمع البحوث کی جو کانفرنسیں ہوتی رہی ہیں ان میں زیادہ تر علمی مقالات جو مجمع البحوث کے اعضاء لکھ کر لاتے ہیں پڑھے جاتے ہیں اور مندوبین کو ان پر بحث و مباحثہ کا حق دیا جاتا ہے، لیکن اس دفعہ تمام کانفرنس میں فلسطین اور قدس کا مسئلہ خاص طور پر پیش نظر تھا، ایسا محسوس ہوتا تھا کہ اس کانفرنس کا اصلی منشاء یہی ہے کہ تمام عالم اسلامی کی رائے اس سلسلہ میں معلوم کی جائے اور اس مشکل کے حل کے لئے ان کے ذہنوں میں جو تجویزیں ہیں وہ معلوم کی جائیں اور اس طرح تمام عالم اسلام کو ان نمائندوں کے ذریعہ بیت المقدس کے مسئلہ پر متفق کیا جائے، اسی لئے اکثر مقالات کا تعلق اسی موضوع سے تھا۔

چنانچہ شیخ الازہر ڈاکٹر محمد فحام کے مقالے کا عنوان تھا: "استرداد بیت المقدس" (بیت المقدس پر مسلمانوں کا دوبارہ قبضہ)

ڈاکٹر عبداللہ قاضی کے مقالے کا عنوان تھا: " الجهاد بالمال فی نظر الاسلام" (اسلام میں جہاد بالمال کی اہمیت)

ڈاکٹر اسحاق موسیٰ الحسینی کے مقالے کا موضوع تھا: " الجانب الاسلامی من القضية الفلسطينية" (فلسطینی مسئلہ کے بارے میں عالم اسلامی کی رائے)

قائد ڈاکٹر محمود شیت خطّاب کے مقالے کا عنوان تھا "اهداف اسرائیل التوسيعية فی البلاد العربية" (عربی ممالک پر اسرائیل کی للچائی ہوئی نظریں)

قائد عبدالرحمن امین کا مقالہ تھا: "التولی یوم الزحف" (جہاد کے موقعہ پر میدان جہاد سے پشت پھیرنا)

ڈاکٹر بھی مصری کے مقالے کا موضوع تھا: "اسرائیل والدین" (دین اسلام اور اسرائیل)

الاستاذ عبدالمنعم خلاّف کے مقالہ کا عنوان تھا" الغارة الصهيونية غارة دينية على الاسلام والانسانية" (یہ صہیونی حملہ تمام اسلام وانسانیت کے خلاف ہے)

اس لئے مقالات کے موضوعات کا علم ہونے کے بعد طبعاً مندوبین کو بھی اپنے ملکوں کی طرف سے اسی موضوع پر اظہار خیال ضروری تھا، چنانچہ اپنی مملکت خداداد پاکستان کی طرف سے راقم الحروف نے بھی اسی موضوع پر اظہار خیال کیا جس کا ترجمہ و خلاصہ حسب ذیل ہے:

جناب صدر اور معزز حاضرین!

میں جمہوریہ عربیہ متحدہ کا عموماً اور ادارہ مجمع البحوث الاسلامیہ کا خصوصاً شکر گذار ہوں جن کی مساعی سے ہمیں اس خالص اسلامی مسئلہ پر اظہار خیال کا موقع ملا، میں اپنی حکومت مملکت اسلامیہ جمہوریہ پاکستان اور اس

کے باشندوں کی طرف سے یعنی حکومت اور پبلک دونوں کی طرف سے ہدیہ شکر پیش کرتا ہوں اور واضح الفاظ میں اعلان کرتا ہوں کہ بیت المقدس پر یہود کے غاصبانہ قبضہ سے تمام عالم اسلامی کو بے حد صدمہ ہے اور اس صدمے میں ملت پاکستان کسی عربی مملکت سے پیچھے نہیں، بلکہ احتجاج کے طور پر جلسوں اور جلوسوں کے لحاظ سے شاید آگے ہو، مجاہدین''الفتح'' ہمارے ملک میں پہنچ چکے ہیں اور بیشتر مساجد میں جمعہ کے دن مسلمان دل کھول کر ان کی اعانت کرتے ہیں، جامع مسجد نیوٹاؤن کراچی میں راقم الحروف بھی اس تعاون میں حصہ لیتا رہا ہے اور مدرسہ عربیہ اسلامیہ کے فاضل اساتذہ نے نہایت موثر انداز میں ان کی عربی تقریروں کی اردو زبان میں ترجمانی کی ہے۔

محترم حضرات! میرے خیال میں بیت المقدس کے مسئلہ کا حل صرف ایک ہی ہے اور وہ ہے اسلامی جہاد، لیکن اسلامی جہاد کے لئے جن امور کی ضرورت ہے میرے ناقص خیال میں وہ حسب ذیل ہیں:

① اولاً: اس جہاد کا مقصد قومیت، وطنیت، جنسیت سب سے بالاتر ہونا چاہئے اور واحد مقصد صرف اعلاء کلمۃ اللہ ہونا چاہیے۔

② ثانیاً: حتی المقدور اسباب ووسائل اور سامان جنگ مہیا کرنے کے بعد اعتماد صرف اللہ تعالیٰ کی ذات پر ہو، نہ کہ اسباب ووسائل پر۔

③ ثالثاً: اسلامی جہاد میں استعماری طاقتوں میں سے خواہ مغرب میں ہوں یا مشرق میں ان دونوں میں سے کسی پر بھی اعتماد کرنے کے بجائے صرف اور محض حق تعالیٰ کے اس کلمہ پر توکل واعتماد کرنا ہوگا جس کی طرف قرآن کریم نے اشارہ کیا ہے، **لا شرقية ولا غربية**۔

④ رابعاً: ہماری زندگی میں مغربی تہذیب کے زہریلے اثر سے جو تعیشات سرایت کر گئے ہیں، ان کو ایک قلم چھوڑنا ہوگا، سادی زندگی، سادی معاشرت اختیار کرنی ہوگی، جب تک عیش وعشرت کی یہ زندگی ختم نہ ہوگی کامیابی موہوم ہے۔

⑤ خامساً: قرآن کریم نے جس آیت کریمہ میں(۱) سامان جہاد کی تیاری کا جس میں جہاد بالمال بھی شامل ہے (اس کی تفصیل زبانی بیان کی) حکم دیا ہے اس کے آخر میں ارشاد ہے: ﴿**وما تنفقوا من شیء فی سبیل الله یوف الیکم وانتم لا تظلمون**﴾ میں سمجھتا ہوں کہ اس آیت کریمہ میں یہ اشارہ بھی ہے کہ اگر تم جہاد فی سبیل اللہ کرو گے تو اس کے پورے پورے نتائج حسنہ پاؤ گے اور کوئی ظالم طاقت تم پر مسلط نہ ہو سکے گی، لہٰذا کسی ظالم طاقت کا ہم پر مسلط ہونا اس کی دلیل ہے کہ ہم نے کماحقہ جہاد فی سبیل اللہ کا فریضہ انجام نہیں دیا، میری

---

(۱) پوری آیت یہ ہے: ﴿وَاَعِدُّوْا لَهُمْ مَا اسْتَطَعْتُمْ مِنْ قُوَّةٍ وَّمِنْ رِّبَاطِ الْخَيْلِ تُرْهِبُوْنَ بِهٖ عَدُوَّ اللّٰهِ وَ عَدُوَّكُمْ وَاٰخَرِيْنَ مِنْ دُوْنِهِمْ لَا تَعْلَمُوْنَهُمْ اَللّٰهُ يَعْلَمُهُمْ وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ شَيْءٍ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ يُوَفَّ اِلَيْكُمْ وَاَنْتُمْ لَا تُظْلَمُوْنَ﴾ [الانفال: ٦٠]

دعااورآرزو ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں اعلاء کلمۃ اللہ کے لئے صحیح اسلامی جہاد کرنے کی توفیق عطافرمائے۔

چنانچہ "مقترحات من كلمة السيد محمد يوسف البنوری وفد پاکستان" کے عنوان سے اس تقریر کا چھپاہوا خلاصہ عربی میں کانفرنس کے اگلے اجلاس میں تقسیم کیا گیا۔

کانفرنس کے اختتام کے بعد جمال عبدالناصر سے گورنمنٹ ہاؤس مندوبین کی ملاقات مقرر تھی، چنانچہ تمام مندوبین اپنی اپنی کاروں میں تنہا-اس موقع پر جومرافقین مقرر تھے ان کو بھی علیحدہ کر دیا گیا- جمال عبدالناصر سے ملاقات کے لئے گئے، ملاقات ہوئی اورصدر موصوف نے سب سے پرتپاک مصافحہ کیا، اس اثناء میں جوشخص ان سے کچھ کہنا چاہتا تھا کہتا بھی تھااور بہت اطمینان سے وہ سنتے بھی تھے، راقم الحروف نے ان کی کوششوں کو سراہتے ہوئے متنبہ کیا کہ اگرصرف حق تعالیٰ کی ذات کی طرف اوراس کے دین کی تائید کی طرف توجہ ہوگی تو غیبی امدادضرور آئے گی۔

﴿إِنْ تَنْصُرُوا اللهَ يَنْصُرْكُمْ وَيُثَبِّتْ أَقْدَامَكُمْ﴾ [محمد:۷]

اگرتم اللہ تعالیٰ کے دین کی امداد کرو گے تو اللہ تمہاری مدد کرے گا اور تمہارے قدم جمادے گا۔

ملاقات کے بعد جمال عبدالناسر نے مختصرسی تقریر کی جس کا حاصل یہ تھا:

''میں آپ کا شکر گذار ہوں کہ آپ مصرآئے اور بیت المقدس کے استرداد کے لئے ہمدردانہ غور وخوض کیا، جوقراردادیں آپ حضرات نے پاس کی ہیں وہ میں نے پڑھ لی ہیں، ضرورت اس بات کی ہے کہ ان تجاویز کو عملی جامہ پہنایا جائے، اس وقت جو ہماری کوششیں کارفرما ہیں وہ مشکل کے حل کرنے کے لئے کافی نہیں ہیں، ہمارا مقابلہ تنہا اسرائیل سے نہیں ہے بلکہ پس پردہ بہت بڑی طاقتور حکومت امریکہ سے ہے، جواسرائیل کو ہرطرح امداد پہنچارہی ہے، ابھی کچھ دن ہوئے کہ جدید ترین بمبار طیارے امریکہ نے اسرائیل کودیئے ہیں، دنیا کے تمام یہودی اسرائیل کی کافی امداد کررہے ہیں، پانچ سوملین ڈالر کا چندہ اسرائیل کوابھی ابھی پہنچا چکے ہیں اورمزید پانچ سوملین ڈالر کی امداد پہنچائی جانے والی ہے، اس لئے مسلمانوں کواورتمام عالم اسلام کوبھی اسی طرح اس عظیم مقصد کی طرف متوجہ ہونے کی ضرورت ہے، یہ مسئلہ تنہا عرب قوموں کا نہیں تمام عالم اسلام کا ہے، بلکہ عیسائیوں کا بھی ہے، اس لئے کہ دوہزار عیسائیوں کوبھی قدس سے نکلنا پڑا ہے، جولوگ پناہ گزین بن کر ہمارے ملک میں آئے ہیں ان میں عیسائی بھی کافی ہیں، ضرورت ہے کہ تمام مسلمان متحد ہوکر ہماری طرح امداد واعانت کریں تاکہ ہم اسرائیل کے مقابلہ کے لئے جدید ترین اسلحہ مہیا کرسکیں، اگرمسلمانوں نے کما حقہ توجہ کی تو کچھ بعید نہیں کہ آئندہ سال اس کانفرنس کے موقع پر یہ حالات بدل چکے ہوں گے''۔

آخر میں جمال عبدالناصر نے مندوبین کے اعزاز کے طور پراپنے ساتھ ہرایک کا یادگار فوٹو کھچوانے کے لئے کہا، راقم الحروف کی جب باری آئی تو صف سے علیحدہ ہوکر پیچھے کرسی پر جا بیٹھا، دوشخص آئے کہ جمال عبد

الناصر بلا رہے ہیں کہ فوٹو لیا جائے، میں نے معذرت کی اور کہا کہ میں اس کو صحیح نہیں سمجھتا اور میرے نزدیک اس کی کوئی دینی قیمت بھی نہیں، اس لئے معذرت خواہ ہوں، اگلے روز پہلی فرصت میں قاہرہ سے جدہ کے لئے سیٹ مل گئی اور قاہرہ سے جدہ ہو کر مدینہ طیبہ پہنچا اور مدینہ سے مکہ مکرمہ، غرض جو سفر درمیان میں نا تمام رہا تھا پورا کر کے مراجعت بالخیر ہوئی، وللہ الحمد۔

خوشی ہوئی کہ عین اس وقت جب کہ قاہرہ کانفرنس ختم ہوئی جدہ میں اسلامی ممالک کے وزراء خارجہ کی کانفرنس منعقد ہوئی اور کثرت رائے سے طے پایا کہ ممالک اسلامیہ کا ایک مشترکہ پلیٹ فارم اور مشترکہ سیکرٹریٹ جس کے ذریعہ تمام مشترکہ اسلامی مسائل حل کئے جائیں قائم کیا جائے، رباط کانفرنس میں یہ تجویز پاس ہوگئی اور اس کی تشکیل کے انتظامات بھی شروع ہو گئے، مزید خوشی کی بات یہ ہے کہ ہماری مملکت کے ایک معزز وزیر نے اس سلسلہ میں قابل قدر کردار ادا کیا اور تمام مندوبین نے اس کی تحسین کی، شام و عراق کی عدم شمولیت سے افسوس ہوا ان حکومتوں کا عدم اشتراک ان کی نیتوں کی غمازی کر رہا ہے، آج سب سے بڑا فتنہ یہی ہے کہ اکثر ملوک و امراء کے دلوں میں شقاق و نفاق بھرا ہوا ہے، "تحسبهم جميعا و قلوبهم شتى" کا مصداق ہیں، اسی لئے اعداء کے دلوں میں ان کی ہیبت اور رعب ختم ہو گیا، دوسرا فتنہ علماء امت کا اختلاف ہے جس کی وجہ سے عوام کے دلوں میں سے علماء کی عظمت و محبت نکل گئی، بلکہ دین سے برگشتہ ہو رہے ہیں، بلا تخصیص تمام علماء پر اس کی مسئولیت عائد ہوتی ہے، ابھی وقت ہے، کاش! اب بھی علماء امت متفق و متحد ہو کر تمام باطل قوتوں کی سرکوبی کے لئے متحد ہو جائیں اور صرف اسلام کے جھنڈے کے نیچے جمع ہونے کی امت کو دعوت دیں۔

وما علينا الا البلاغ المبين

[صفر الخیر ۱۳۹۰ھ/اپریل ۱۹۷۰ء]

شیخ الازہر شیخ عبدالحلیم محمود کی پاکستان آمد

گذشتہ ماہ میں ہماری وزارت اوقاف کی دعوت پر جامع ازہر کے شیخ الازہر ڈاکٹر عبدالحلیم محمود پاکستان کے سرکاری دورے پر آئے، موصوف سے براہ راست تعارف و تعلق تھا اس لئے موصوف نے حکومت کو مطلع کیا تھا کہ مدرسہ عربیہ اسلامیہ تشریف لائیں گے اور راقم الحروف سے ملاقات کریں گے۔ چنانچہ اسلام آباد سے متعدد فون آئے اور پروگرام بھی بتلایا گیا اور اس خواہش کا ذکر بھی ہوا، بلاشبہ جمہوریہ مصر میں شیخ الازہر کا مقام وہاں کے وزیر اعظم سے بھی اونچا ہوتا ہے اور صدر مملکت کے بعد ہی اس کی شخصیت ہوتی ہے اور قدیم زمانہ سے ہی ان کی یہ حیثیت و شخصیت محفوظ چلی آتی ہے، ہمارا دستور مدرسہ عربیہ اسلامیہ میں روز اول سے یہی رہا کہ خود کسی بڑی شخصیت کو دعوت نہیں دیتے لیکن کوئی بڑی شخصیت خود آنا چاہے تو رد کرتے بھی نہیں، خود ان کی خواہش تھی کہ وہ مدرسہ میں تشریف

لائیں، میرا ان سے براہ راست تعارف تھا، اس لئے اپنی بساط کے مطابق اہتمام کیا، یہ ہمارا ''بینات'' کا موضوع نہیں اور نہ یہ مختصر صفحات اس کے لئے ہیں کہ یہ لکھیں کہ موصوف نے کیا فرمایا؟ اور ہم نے کیا کہا؟ اگرچہ تمام ریکارڈ محفوظ ہے۔

الحمد للہ کہ موصوف کو مدرسہ دیکھ کر خوشی بلکہ حیرت ہوئی اور جب ایک امریکن نومسلم طالب علم یوسف طلال نے ان کے سامنے فصیح وبلیغ عربی زبان میں ایک تقریر پڑھ کر سنائی تو موصوف کی حیرت کی کوئی انتہا نہ رہی کہ نیویارک کا یہ نومسلم انگریز عربی زبان کا کس خوبی سے تلفظ کرتا ہے، فرمانے لگے کہ زندگی میں پہلی مرتبہ ایک انگریز کو صحیح عربی تلفظ کرتے دیکھا، ہمارے طلبہ کے تخصصات (ڈاکٹریٹ) کے بعض مقالات کا جب ان کو علم ہوا تو خواہش ظاہر فرمائی کہ دو مقالے جن میں سے ایک عبداللہ ابن مسعود پر تھا وہ ادارہ از ہر شریف کی طرف سے شائع کریں گے، یہ محض حق تعالیٰ جل ذکرہ کا احسان ہے کہ ہمارے ایک گمنام ادارے کی حیثیت اتنی کردی کہ دنیائے اسلام کی سب سے بڑی علمی یونیورسٹی اس کے طلبہ کے مقالات کو شائع کرنے کی خواہش کرتی ہے، **ذلك فضل الله يؤتيه من يشاء والله ذو الفضل العظيم**۔ وزارت اوقاف کے سیکریٹری جناب تجمل حسین صاحب ہاشمی ساتھ تھے اور ساتھ ہی ان کا ٹی وی کا عملہ بھی تھا، جب فلم بنانے کے لئے کارروائی شروع کی تو راقم الحروف نے سختی سے منع کیا کہ یہ فوٹو ہمارے مسلک میں حرام ہیں ہم اس کی اجازت نہیں دے سکتے، تو اس پر ہاشمی صاحب نے فرمایا کہ چونکہ یہ سرکاری دورہ ہے اور حکومت کا حکم ہے کہ اس کی فلم بنائی جائے اس لئے یہ تو کرنا ہی ہوگا، اس پر ہم بے بس ہو گئے اور کہہ دیا کہ شرعی ذمہ داری اب آپ پر ہوگی، ہم بری ہیں، مصری سفیر نے تعجب سے یہ ماجرا سنا جب چائے کی محفل پر بیٹھے تو مجھ سے گفتگو شروع کی، شیخ الازہر بھی سن رہے تھے میں نے کہا کہ آپ کے شیخ محمد بخیت مطیعی جو اپنے زمانے میں شیخ الازہر تھے انہوں نے فوٹو کے جواز پر رسالہ لکھا تو ایک شاگرد رشید نے اسی زمانے میں اپنی کتاب ''النهضة الاصلاحية للاسرة الاسلامية'' میں بڑی شدت کے ساتھ اپنے شیخ کے خلاف لکھا، ڈاکٹر عبدالحلیم محمود سن رہے تھے اور تبسم فرمارہے تھے، بہرحال اس صورت حال کو واضح کرنے کے لئے یہ چند سطریں لکھنی پڑیں کہ آگے چل کر کوئی ہمیں متہم کرکے معصیت میں مبتلا نہ ہو، یا اس واقعہ کو فوٹو کے جواز کی دلیل نہ بنائے، واللہ سبحانہ ولی التوفیق۔

[ربیع الثانی ۱۳۹۴ھ/مئی ۱۹۷۴ء]

عرب واسرائیل جنگ اور شکست کے اسباب

مسجد اقصیٰ، بیت المقدس، قبۃ الصخرہ وغیرہ مقامات مقدسہ مسلمانان عالم کا مشترک ملی سرمایہ ہیں اور ان کی حفاظت تمام عالم اسلام کا مشترکہ دینی فریضہ ہے، شرق اوسط کا حالیہ سانحہ کبریٰ یعنی قدس پر صہیونی تسلط اور

یہودی اقتدار اور دور حاضر کا انتہائی دردناک حادثہ اور سلطنت بخاریٰ کی تباہی اور خلافت آل عثمان کی بربادی کے بعد سب سے بڑا المیہ ہے، ابھی دس سال پیشتر کا قصہ ہے کہ برطانیہ، فرانس اور اسرائیل کا سہ طاقتی حملہ پوری شدت اور قوت کے ساتھ مصر پر ہوا تھا مگر حملہ آوروں کو شرمناک شکست اور ناکامی کا سامنا کرنا پڑا تھا اور آج بظاہر تنہا اسرائیل حملہ آور ہوا اور مصر، شام، اردن، حجاز، عراق، لیبیا، الجزائر اور کویت وغیرہ تقریباً ایک درجن عرب ممالک نے مشترکہ دفاع کیا اور ناکامی کا منہ دیکھنا پڑا۔ صدر جمال عبدالناصر کو شکست ندامت اور ذلت کا ایسا اعتراف کرنا پڑا جس کا تصور وہ خود بھی نہیں کر سکتے تھے، جس سے عالم اسلام پر یکا یک نزع کا عالم طاری ہو گیا اور دوسری طرف تل ابیب، لندن اور نیویارک میں مسرت کے شادیانے بجنے لگے آخر یہ سب کچھ کیوں ہوا؟ دس سال کے قلیل عرصے میں اتنا بڑا تغیر کیسے آ گیا؟ اور وہ کون سے عوامل ہیں جن کے نتیجے میں پورے عالم اسلام کو بالعموم اور عرب ممالک کو بالخصوص غرق ندامت ہونا پڑا؟

یہ ایک اہم سوال ہے جس کا جواب ہر قسم کی جذباتیت، جھنجھلاہٹ اور سطحیت سے بالاتر ہو کر پوری سنجیدگی اور گہرے غور و فکر کے ساتھ ہمیں دینا ہوگا۔

ذرا شرق اوسط کی دہ سالہ تاریخ کو سامنے لایئے، ایک طرف اسرائیل کی ملعون قوم ہے جس نے ان دس سالوں کا ایک لمحہ بھی غفلت میں ضائع نہیں کیا، عسکری تربیت، جدید ترین اسلحہ کی فراہمی اور جذبہ انتقام کی پرورش میں ذرا کوتاہی نہیں کی بلکہ ہر قیمت پر انتہائی قوت اور خوفناک جارحانہ عزائم میں برابر اضافہ کرتا چلا گیا، برطانیہ اور امریکہ نے اسرائیلی جارحیت کو پروان چڑھانے اور قوی سے قوی تر بنانے کے لئے اندھا دھند مدد دینے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی، جس کے نتیجے میں بیس، پچیس لاکھ کا پورا ملک جنگی کیمپ اور فوجی چھاؤنی میں تبدیل ہو گیا، دوسری طرف جانب مخالف نے فتح و کامرانی کے نشہ میں بدمست ہو کر اس دس سال کے وقفے میں اپنی طاقتوں کا بے محل استعمال شروع کیا، باہمی خانہ جنگی اور سر پھٹول میں مالی اور فوجی قوت کا جنازہ نکالا، دشمن کی بڑھتی ہوئی طاقت پر صحیح نظر رکھنے اور دفاعی تدابیر بروئے کار لانے سے تغافل برتا، مصنوعی پروپیگنڈا، اخباری شور و غوغا، کھوکھلے نعروں، دھمکی آمیز بیانوں اور تقریروں پر قناعت کی جس قوم کو اعداء اللہ کے مقابلے کے لئے اپنی تمام ممکنہ قوتوں کے مجتمع رکھنے کا خطاب تھا ﴿واعدوا لھم ما استطعتم من قوۃ﴾ وہ اپنی تمام قوتیں جھوٹے وقار پر ضائع کرنے لگی، جس قوم کو اسلامی اتحاد اور اسلامی اخوت کا آفاقی نصب العین دیا گیا تھا وہ قومیت اور نیشنلزم جیسی لعنتوں میں مصروف پیکار ہو گئی، جس امت کو مرتے دم تک اسلام پر قائم رہنے کی تلقین کی گئی تھی ﴿لا تموتن الا و انتم مسلمون﴾ ان کی لغت میں اسلام پر جمنا ایک طعنہ بن کر رہ گیا، جس امت کو کفر اور شعارِ کفر سے بیزاری کا حکم دیا گیا تھا ﴿انا برآء منکم ومما تعبدون من دون اللہ کفرنا بکم﴾ اس نے شکل و وضع، صورت و سیرت، تہذیب و تمدن اور افکار و نظریات میں کفار اور شعارِ کفر کی نقالی کو مایہ فخر سمجھا، جس امت کو تمام مادی وسائل،

سامان حرب وضرب اور عدد وعُدّہ کی فراہمی کے ساتھ ساتھ اللہ سے گڑگڑا کر دعا مانگنے، اسی کی ذات پر اعتماد اور بھروسہ کرنے اور اسی سے فتح ونصرت کی دعائیں کرنے کی تلقین کی گئی تھی اس نے موہومہ مادی قوت پر اعتماد کرتے ہوئے خدا فراموشی کا راستہ اختیار کیا ﴿نسوا الله فنسيهم﴾ آخر اس تمام پس منظر کا نتیجہ ''شامت اعمال صورت نادر گرفت'' کے سوا اور کیا ہوسکتا تھا؟ اس چشم دید اور دردناک صورت حال کی طرف چند مختصراً اشارے گزشتہ ماہ کے بصائر وعبر میں کر چکا تھا، افسوس کہ جس چیز کا مجھے اندیشہ تھا وہی ہوکر رہی، انا للہ۔ روس ہو یا امریکہ، برطانیہ ہو یا فرانس، چین ہو یا جاپان جب تک مسلمان ان بتوں کو دل سے نہیں نکالیں گے ٹھوس اسلامی بنیادوں پر اتحاد عالم اسلام بروئے کار نہیں لائیں گے، صدق دل سے کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ پر چلنے کا عہد تازہ نہیں کریں گے اور اسلامی تاریخ کے سبق آموز واقعات سے عبرت پذیر نہیں ہوں گے اس وقت تک کوئی قوت ان کو حرمان وخسران سے نہیں بچاسکتی:

﴿اِنْ يَّنْصُرْكُمُ الله فَلَا غَالِبَ لَكُمْ وَاِنْ يَّخْذُلْكُمْ فَمَنْ ذَا الَّذِيْ يَنْصُرُكُمْ مِّنْ بَعْدِهٖ﴾ [آل عمران: ١٦٠]

آخر اسرائیل جیسی مغضوب اور ملعون قوم جسے نبیوں کی زبانی ملعون کہا گیا، اس کی یہی کامیابی ہما ے لئے کیا کچھ کم عبرت آموز ہے؟ مگر وہ اسی پر قائم نہیں، خدانخواستہ ہماری خود فراموشی اور خ ارى کی یہی ناگفتہ بہ صورت حال قائم رہی تو۔ خاکم بدہن۔ اسرائیل خیبر و مدینہ کے خواب دیکھ رہا ہے اور بنی نضیر، بنی قریظہ، بنی قینقاع اور یہود خیبر کا انتقام لینے کے لئے دانت پیس رہا ہے، فیا غربة الاسلام و یاخیبة المسلمین۔ کاش! یہی تازیانہ عبرت مسلمانوں کو خواب غفلت سے جگانے اور اسلامی ممالک کے سربراہوں کی آنکھیں کھولنے کے لئے کافی ہوجائے، کاش عالم اسلام کے کسی گوشے سے کوئی صلاح الدین ایوبی شہید اٹھے او ارضِ مقدسہ کی تطہیر کے لئے علم جہاد بلند کرے۔

مسلمان قوم اور اس کے امراض

عالم اسلام بالخصوص عرب کے صحراؤں میں قدرتی وسائل، خام ذخائر اور مال و دولت کی کمی نہیں، بلکہ فراوانی اور طغیانی ہے مگر یہ کتنا بڑا المیہ ہے کہ ان کے مال و دولت کا بڑا حصہ یا تو غیر ملکی بینکوں میں جمع ہونے کی وجہ سے دشمنان اسلام کے کام آتا ہے، یا شاہ خرچی، عیش پرستی، عافیت کوشی اور آسائش پسندی کے لئے ضائع کیا جاتا ہے، یا پھر لایعنی منصوبوں اور بے مصرف صنعتوں پر برباد کیا جاتا ہے، لیکن فوجی استحکام، عسکری تربیت اور اسلحہ سازی تقریباً صفر ہے دشمنان اسلام جگہ جگہ ہوائی اڈے، بحری بیڑے، فوجی چھاؤنیاں اور اسلحہ سازی کے بڑے بڑے کارخانے قائم کررہے ہیں، مگر عالم اسلام خدا فراموشی کے ساتھ ساتھ ظاہری تدابیر سے بھی مجرمانہ

غفلت میں مست ہے۔

مسلمان قوم کو تن آسانی، آسائش پسندی اور عیش پرستی کبھی راس نہیں آتی، اندلس اور بغداد کی تباہی سے لے کر ترکی اور بخاری تک کی تاریخ پڑھئے اور سبق لیجئے، اسلام کے خیر القرون میں بھی جب اللہ تعالیٰ کی نصرت وتائید کی طلب میں ذرا سی غفلت یا اللہ اور رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کے ارشاد کی تعمیل میں معمولی سی کوتاہی ہوئی یا ظاہری ساز وسامان پر نظر گئی تو فوراً تنبیہ کی گئی اور بعض اوقات ناکامی کا سامنا کرنا پڑا۔

بہرحال مسلمان قوم اور مسلمان حکومتیں حسب ذیل امراض میں مبتلا ہیں جن کا ازالہ جلد از جلد ہونا چاہیے:

① اسلامی اخوت کے بجائے قومیت کا نعرہ۔

② اقتدار اور طاقت کے باوجود اسلامی قوانین الٰہیہ کو نافذ نہ کرنا۔

③ تن آسانی، تن پروری، عیش وعشرت اور لہو ولعب پر مال ودولت کا برباد ہونا۔

④ فوجی اور عسکری قوت اور جدید ترین جنگی اسلحہ سے مجرمانہ تغافل۔

⑤ صرف مصنوعی سطحی اور وقتی نعروں پر قوم کی تنظیم کا خبط۔

⑥ اعلاء کلمۃ اللہ کے لئے اسلامی دینی جہاد کی روح کو ختم کر کے ہوس ملک گیری اور شخصی قیادت کے بقاء کے جنون میں گرفتار ہونا۔

⑦ اسلامی معاشرت کی جگہ ملعون قوموں کی تہذیب ومعاشرت کو اپنانا۔

⑧ اسلامی اخوت، ایثار وقربانی اور غریب پروری کے جذبہ کا ختم ہوجانا۔

⑨ غلط نظام معیشت کی وجہ سے ایک طبقے کا دولت کی فراوانی کے ہیضہ میں مبتلا ہوجانا اور دوسرے طبقے کا نان شبینہ کے لئے بلکنا۔

⑩ اللہ تعالیٰ مالک الملک، خالق ورازق اور قادر مطلق سے غفلت برتنا اور دنیائے کفر کی طاغوتی طاقتوں کو قبلۂ حاجات سمجھنا اور ان سے ہمدردی اور خیر کی توقع رکھنا۔

⑪ اسلامی نظام معیشت کی جگہ بینک کے موجودہ کافرانہ نظام مالیات کو اختیار کرنا اور اسی کو ذریعہ نجات اور مشکل کشا سمجھنا۔

⑫ اسلامی فلسفہ تعلیم کی جگہ خدا بیزار اور آخرت فراموش نظام تعلیم کو اپنانا اور اسی کو معراج ترقی سمجھنا۔

میں سمجھتا ہوں کہ عصر حاضر میں مسلمانوں کی تباہی کے حقیقی اسباب یہی ہیں، کاش! ان کے ازالہ واصلاح کی طرف عالم اسلام کو متوجہ ہونے کی توفیق ہوجائے۔

بیت المقدس پر اسرائیل کا قبضہ

بہر حال جون ۱۹۶۷ء کے پہلے عشرہ کے چار دنوں میں بیت المقدس پر یہود کا قبضہ، خلیج عقبہ پر ان کا تسلط اور غزہ و عریش اور صحراء سینا پر ان کا اقتدار دور حاضر کی تاریخ کا دردناک حادثہ اور عالم اسلام کی جبین پر سیاہ داغ ہے، کہنے والوں کا کہنا ہے کہ یہ سارا قصہ چار دن میں نہیں صرف چار گھنٹوں میں طے ہو گیا تھا، پھر تقریباً ڈیڑھ لاکھ باشندگان قدس و خلیل کا انتہائی ذلت سے بیک بینی و دو گوش ملک بدر کیا جانا یہود کی قلبی قسادت اور سنگدلی کا نیا ریکارڈ ہے جس بد بخت اور تاریخی مجرم قوم نے انبیاء کرام علیہم السلام کے خون سے ہاتھ رنگین کئے ہوں ان سے انسانیت کی توقع کب ہو سکتی ہے؟ امریکہ و برطانیہ کا اس یہودی سازش میں بلا واسطہ شرکت کرنا، اقوام متحدہ کی نام نہاد سلامتی کونسل (۱) کا اظہار حق کی جرأت سے احتیاط کرنا، عین وقت پر روس کا اپنے بلند بانگ دعوؤں کے باوجود پہلو تہی کرنا اور برطانیہ و امریکہ کی سامراجیت سے گٹھ جوڑ کرنا ہماری عبرت کے لئے کیا کچھ کم ہے؟ جو کچھ ہونا تھا ہو گیا، اب بعد از وقت روس کا اسرائیل سے سفارتی تعلقات ختم کر لینا، ان دردناک زخموں کو کبھی مندمل نہیں کر سکتا، روس اور اس کے ہمنوا ممالک اب جو کچھ کر رہے ہیں وہ ''مشتے کہ بعد از جنگ بیاد آید بر کلہ خود باید زد'' کا مصداق ہے، کیا اب بھی ان دشمنان اسلام سے دوستی اور خیر خواہی کی توقع رکھی جا سکتی ہے؟ افسوس ہے کہ ہمارے عرب اور غیر عرب ملوک و سلاطین کی آنکھیں اب بھی نہیں کھلتیں، کوئی روس کی ہمدردی حاصل کرنے کے لئے اس کے کافرانہ اشتراکی نظام کا حلقہ بگوش بنا ہوا ہے اور کوئی امریکہ و برطانیہ کی مدح سرائی اور قصیدہ خوانی میں مست ہے، انا للہ وانا الیہ راجعون۔

اسرائیل کا بیت المقدس پر قبضہ، علامات قیامت کا پیش خیمہ

فلسطین و بیت المقدس پر یہود کے استیلاء سے اب جو نقشہ بن گیا ہے کچھ بعید نہیں کہ یہی ملحمۂ کبریٰ اور ان ملاحم کے لئے جن کا ذکر احادیث میں بسلسلہ اشراط الساعۃ آتا ہے پیش خیمہ ہو اور آثار بھی ایسے ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ اس بے خبر دنیا کے ختم ہونے کا وقت شاید قریب آ پہنچا ہے۔

یہاں تک لکھ چکا تھا کہ جنگ مورخہ ۱۴؍ جون ۱۹۶۷ء میں مراکش کے شاہ حسن کا بیان نظر سے گذرا جس سے میری معروضات بالا کی تائید ہوتی ہے، اقتباس ملاحظہ ہو:

---

(۱) اس عالمی ادارے کا احترام اپنی جگہ لیکن ستمبر ۶۵ء کی پاک بھارت جنگ اور شرق اوسط کے حالیہ بحران کے دوران اس ادارے نے جو کردار ادا کیا ہے وہ عالم اسلام کے لئے قطعاً مایوس کن ہے، یہ ادارہ صرف بڑی طاقتوں کا اکھاڑہ اور جارحیت و صہیونیت کا آلہ بن کر رہ گیا ہے، یہ عجیب ستم ظریفی ہے کہ جو عالمی ادارہ عالمی مسائل کے سلجھانے کے لئے وجود میں آیا تھا وہ طاقت و جارحیت کے خلاف کسی قسم کی کاروائی کرنے سے عاجز ہے، اور مظلوم کے حق میں ایک لفظ تک کہنے سے اس کی زبان گنگ ہے۔

’’شرق اوسط کی حالیہ جنگ میں عربوں کی شکست کی سب سے بڑی وجہ عرب ریاستوں کا عدم اتحاد اور مسلمانوں کے بڑھتے ہوئے گناہ ہیں، خدا نے ہمیں ہمارے گناہوں کی سزا دی ہے اور ہمیں متحد ہونے کی ہدایت کی ہے، خدا نے ہمیں حکم دیا ہے کہ ایک دوسرے کی توہین نہ کی جائے، اور ہم نے زبانی اور تحریری طور پر ایک دوسرے کی توہین کی ہے، خدا نے ہمیں ایک اور موقع دیا ہے کہ ہم اس کے دیئے ہوئے احکامات کی پابندی کریں اور اپنی زندگی کو خدائی قانون کے مطابق ڈھالیں، خدا نے ہم سے اس لئے آنکھیں موڑ لیں کہ ہم خود اس سے دور ہوگئے۔‘‘

باضمیر بادشاہ نے صفائی سے جن حقائق کا اعتراف کیا ہے قرآن کریم اور احادیث نبویہ نے ان حقائق کونیہ کا اتنا واشگاف اعلان کیا ہے اور اسلا[illegible] نے اس کے [illegible] اتنے شواہد جمع کر دیئے ہیں کہ جس دل میں نور ایمان کا کوئی ذرہ موجود ہو اور جو پوری طرح مسخ نہ ہوگیا ہو وہ ان کا اعتراف کئے بغیر نہیں رہ سکتا، اے اللہ! اس امت پر رحم فرما، اس کے گناہوں کو معاف فرما، ان کو سچا مسلمان بننے کی توفیق عطا فرما اور انہیں دنیوی سرخروئی اور اخروی نجات نصیب فرما، (آ[illegible])۔

اتحادِ عالم اسلام

ان تلخ حقائق اور دردناک حوادث میں اگر کسی قدر خوشی کی جھلک نظر آتی ہے تو وہ عرب ممالک کا اتحاد خصوصاً اسلامی اتحاد کی طرف رجحان ہے، بلاشبہ وقت کا فوری تقاضا یہ ہے کہ تمام عالم اسلام ایک پلیٹ فارم پر جمع ہو جائے اور امریکہ و برطانیہ کی تحریک تفریق بین المسلمین کو ناکام بنا کر اسلامی بلاک وجود میں لایا جائے، اگر آج بھی مسلمان عقلمندی سے کام لیں اور اس تباہی سے عبرت پکڑیں تو متحدہ مساعی سے اپنی سیاسی، اقتصادی اور عسکری قوتوں میں استحکام پیدا کر سکتے ہیں، اگر ہمارے سروں پر مسلط شدہ کافرانہ نظام معیشت، طرز معاشرت اور درآمد شدہ نظریوں کی اصلاح کر لی جائے، توبہ و انابت کے راستے کو اختیار کر لیا جائے، تو تباہ شدہ عزت و مجد اور شرف و وقار کو واپس لوٹایا جا سکتا ہے، مسلمانوں میں آج بھی خالد بن ولید، طارق بن زیاد اور صلاح الدین ایوبی کے جانشین پیدا ہو سکتے ہیں، جو ارضِ مقدسہ کو صہیونیت کے نجس قدموں سے پاک کر دیں اور ﴿من یسومھم سوء العذاب﴾ کا قرآنی وعدہ پھر ایک بار پورا کر دکھائیں، لیکن اگر مسلمان ہی صہیونی پارٹ ادا کرنے لگیں اور یہود و نصاریٰ اور ہنود و مجوس کی سی زندگی کو اپنا لیں اقبال کے لفظوں میں:

وضع میں تم ہو نصاریٰ تو تمدن میں ہنود
یہ مسلمان ہیں جنہیں دیکھ کے شرمائیں یہود؟

تو خدا کو ایسے ’’بدنام کنندہ نیکو نامے چند‘‘ قسم کے نام نہاد مسلمانوں کی ضرورت نہیں ہے، پھر ان کی ذلت اور موت مقدر ہو چکی ہے، (لا یبالیھم اللہ بالۃ) معاذ اللہ۔

فتح وشکست کے حقیقی اسباب

حق تعالیٰ شانہ کی قدرت و ربوبیت آسمان سے لے کر زمین تک تمام کائنات پر محیط ہے، اس عالم کون وفساد کا کوئی ذرہ نہ اس کی قدرت سے خارج ہے نہ اس ربوبیت سے بے نیاز، قوموں کا عروج وزوال، ترقی و بربادی، فتح وشکست اور کامیابی وناکامی بھی براہ راست مشیت خداوندی کے تحت داخل ہے، الغرض حق تعالیٰ کا غیر مرئی نظام قدرت ونظام ربوبیت عالم کے ہر ہر جزء میں جاری وساری ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اس عالم میں اسباب ومسببات کا ایک ظاہری سلسلہ جاری فرمادیا ہے لیکن اسباب ومسببات کا خالق ومالک بھی وہی ہے اور اقتدار وتصرف بھی اسی قادر مطلق کے قبضہ قدرت میں ہے، پھر جس طرح اس عالم میں ظاہری اسباب کا سلسلہ جاری ہے اسی طرح اللہ تعالیٰ کے کارخانہ قدرت میں اسباب سے بالاتر بھی ایک مخفی نظام کارفرما ہے، ظاہری اسباب بھی اسی وقت مؤثر ہوتے ہیں جبکہ حق تعالیٰ شانہ کی حکمت ومشیت کا تقاضا ہو ورنہ اسباب وتدابیر کا تمام کارخانہ بے کار اور معطل ہو کر رہ جاتا ہے، فتح ونصرت کے لئے جس طرح ظاہری اسباب موثر ہیں اس سے کہیں زیادہ باطنی اسباب اور غیبی نظام کی تاثیر فیصلہ کن ہوتی ہے۔

شرقِ اوسط کے دردانگیز حالات پر جہاں تک غور کیا یہی سانح ہوا کہ ظاہری ومادی اسباب ایسے نہ تھے کہ ایسی حیرت ناک اور ذلت آمیز شکست مسلمانوں کو ہوتی بلکہ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ ہماری بدعملیوں کی پاداش میں قدرت کا مخفی نظام حرکت میں آیا، مصری حکومت پر غلط فہمی اور غفلت طاری کردی گئی، یوں اس کا فوجی نظام تہہ وبالا کردیا گیا اور سالہا سال کی جنگی تدبیروں اور دفاعی استحکام کو آن کی آن میں پیوند خاک کردیا گیا۔

﴿إِذْ أَعْجَبَتْكُمْ كَثْرَتُكُمْ فَلَمْ تُغْنِ عَنكُمْ شَيْئًا وَضَاقَتْ عَلَيْكُمُ الْأَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ ثُمَّ وَلَّيْتُم مُّدْبِرِينَ﴾ [التوبة:۲۵]

درحقیقت یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے تازیانہ عبرت ہے تاکہ ہم اپنے اعمال کا جائزہ لیں، خدافراموش زندگی سے توبہ کرلیں اور حق تعالیٰ سے ٹوٹے ہوئے رشتے کو دوبارہ جوڑ لیں، یہ سانحہ کسی خاص ملک کے لئے نہیں بلکہ مصر شام، تیونس، الجزائر، حجاز اور کویت بلکہ تمام اسلامی ممالک سبھی کے لئے تازیانہ عبرت تھا، جیسا کہ بینات کے سابقہ شمارے میں تفصیلی اشارے کئے گئے تھے لیکن صدمے کی بات یہ ہے کہ اس عبرت انگیز شکست اور سبق آموز صورت حال سے جیسی عبرت ہونی چاہیے تھی نہیں ہوئی، واللہ المستعان۔

ماضی کی ہلاک شدہ قوموں کی عبرت ناک تباہی کی داستانیں پڑھنے سے جو بنیادی بات آدمی محسوس کرتا ہے وہ یہی ہے کہ ان کے دل ودماغ نشہ غفلت سے اس قدر ماؤف ہو چکے تھے کہ ان پر عذاب آتا مگر انھیں یہ احساس بھی نہ ہوتا کہ یہ حق تعالیٰ کا عذاب ہے، بس یوں ہی اسباب کی طرف منسوب کرکے اپنی جگہ مطمئن ہوجاتے اور اگر کہیں اسباب کا کوئی سرا نہ ملتا تو ان حوادث کو بخت واتفاق کا کرشمہ قرار دے دیا ﴿قد مس آباء نا الضراء

والسراء ﴾ غفلت، لاپروائی اور سنگدلی کی یہی وہ خطرناک سرحد تھی جس سے گذرنے کے بعد ان کا نام و نشان تک مٹا دیا گیا ﴿ هل تحس منهم من احد او تسمع لهم ركزا ﴾ موجودہ حسرت ناک اور دردناک صورت حال میں بھی یہی محسوس ہو رہا تھا، فتح و شکست کوئی نئی چیز نہیں بلکہ یہ سلسلہ تو ابتدا ہی سے چلا آ رہا ہے لیکن شکست کے اصلی اور حقیقی اسباب پر غور نہ کرنا قابل صد افسوس ہے، قرآن حکیم نے اسی حقیقت کو واضح فرمایا ہے ارشاد ہے:

﴿اَوَ لَا يَرَوْنَ اَنَّهُمْ يُفْتَنُوْنَ فِيْ كُلِّ عَامٍ مَّرَّةً اَوْمَرَّتَيْنِ ثُمَّ لَايَتُوْبُوْنَ وَلَا هُمْ يَذَّكَّرُوْنَ﴾ [التوبة:١٢٦]

اور کیا وہ دیکھتے نہیں کہ انھیں آزمایا جاتا ہے ہر سال ایک مرتبہ یا دو مرتبہ، پھر بھی نہ وہ توبہ کرتے ہیں اور نہ وہ غور کرتے ہیں۔

"ولا هم يذكرون" نہایت ہی قابل غور ہے، نیز ارشاد ہے:

﴿فَلَوْلَا اِذْجَاءَهُمْ بَاْسُنَا تَضَرَّعُوْا وَلٰكِنْ قَسَتْ قُلُوْبُهُمْ وَزَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطٰنُ مَاكَانُوْا يَعْمَلُوْنَ﴾ (١) [الانعام:٤٣]

پھر وہ کیوں نہ گڑگڑائے جب ان پر ہمارا عذاب آیا تھا لیکن ان کے دل سخت ہو گئے اور اچھا کر دکھلایا ان کو شیطان نے جو کچھ وہ پہلے سے کر رہے تھے۔

نیز ارشاد ہے:

﴿وَلَقَدْ اَخَذْنَاهُمْ بِالْعَذَابِ فَمَا اسْتَكَانُوْا لِرَبِّهِمْ وَمَا يَتَضَرَّعُوْنَ﴾ [المومنون:٧٦]

اور یقیناً ہم نے ان کو عذاب میں پکڑا تھا پھر نہ تو وہ اپنے رب کے سامنے جھکے اور نہ وہ گڑگڑاتے ہیں۔

اسی قسم کی آیات سے واضح ہے کہ حوادث سے عبرت نہ پکڑنا اور حق تعالیٰ کی طرف رجوع نہ کرنا نہایت خطرناک حالت ہے۔

---

(١) کتنا عجیب نقشہ ہے جو قرآن حکیم نے "در حدیث دیگراں" خود ہماری صورت حال کا کھینچ کر رکھ دیا، جنگ سے ذرا پہلے ہمارے یہاں یہ بحث چھڑی ہوئی تھی کہ ہماری ترقی کے لئے سب سے بڑی رکاوٹ یہی مذہبیت رجعت اور ملائیت ہے اسے ختم کر کے اسلامی اشتراکیت اور اسلامی سوشلزم کو لانا چاہیے، مصر غریب جس کی اشتراکیت پسندی اور تجدد پرستی کے حوالے یہاں بار بار دیئے جاتے تھے سب نے دیکھا کہ وہ " عبادًا لنا اولى باس شديد "کی تاب چار دن بھی نہیں لا سکا، لیکن ہمارے فکر و نظر میں اب بھی تبدیلی نہیں ہوئی، ہمارے مفکرین کا رخ اب بھی مذہب کش اشتراکیت ہی کی طرف ہے، امت کے عمومی فساد مزاج کی انتہا یہ ہے کہ سقوط بیت المقدس کے بعد بھی سینماؤں میں سیرۃ النبی کے اجلاس منعقد کئے جاتے ہیں اور عربوں کے نقصانات کی تلافی کے لئے عرب عورتوں کے مینا بازار جیسے شرمناک اور حیا سوز منظر کا اہتمام کیا جاتا ہے، "واذا اراد الله بقوم سوءا فلا مرد له" نظریں اس طرف تو کبھی کی جاتی ہیں کہ مسلمان سائنس اور ٹیکنالوجی میں پیچھے رہ گئے تھے، اس لئے انھیں شکست ہوئی اور ایک معاصر نے تو یہاں تک مشورہ دے ڈالا کہ پاکستان میں مسجدوں پر جتنے ٹکے مسلمان برباد کر رہے ہیں وہ سب سائنسی ترقی اور فوجی استحکام پر خرچ کئے جانے چاہئیں، لیکن اس طرف کسی کی نظر نہیں جاتی کہ یہ امت تعلق مع اللہ، ایمانی قوت اور خود اعتمادی کی دولت کھو بیٹھی ہے، اس [illegible] سے اقوام متحدہ تک اس کی حیثیت گھاس پھوس کی ہو کر رہ گئی ہے، جس کی نہ کوئی قیمت ہے نہ کوئی وزن۔ (مدیر)

عرب قومیت اور اشتراکیت کی نحوست

عرب ممالک میں بظاہر ممتاز فوجی قوت، عسکری نظام، مادی ساز و سامان اور جدید اسلحہ کے اعتبار سے مصری حکومت ہی اس پوزیشن میں تھی کہ اسرئیل اور امریکہ و برطانیہ کی سامراجیت سے پنجہ آزمائی کر سکے، پھر مصر کے صدر جمال عبدالناصر کے حوصلوں سے کسی اچھے کارنامے کی توقعات وابستہ ہوسکتی تھیں لیکن اس کا کیا کیا جائے کہ عرب قومیت اور اشتراکیت کی نحوست سے تمام کارناموں پر پانی پھر گیا، مان لیجیے کہ اتحاد عرب کی تحریک اتحاد اسلام کے پیش خیمہ کے طور پر شروع کی گئی ہوگی، یعنی پہلے اپنے گھر کو بنائیں پھر باہر کی دنیا کی خبر لیں گے، لیکن ہوا یہ کہ اتحاد عرب نے اتحاد اسلام کی جگہ لے لی اور وہ بذات خود مقصد بن کر رہ گیا، جس سے اسلامی اتحاد کمزور ہوتا گیا اور اعدائے اسلام کو اسی راستے سے گھسنے کا موقعہ مل گیا، پھر بعض سیاسی غلطیوں یا ہوس اقتدار سے عرب اتحاد بھی پارہ پارہ ہوگیا اور افسوس ہے کہ اس نازک موقعہ پر جو اتحاد عرب کی توقع پیدا ہوگئی تھی اعداء اسلام کی عیاری اور اپنوں کی سادہ لوحی کی وجہ سے وہ بھی ختم ہوگئی، جنگ کے بعد حالات نے جو نئی کروٹ لی ہے اس سے قوی اندیشہ اس امر کا ہوگیا ہے کہ جمہوریہ مصر، شام، عراق اور الجزائر تو روسی بلاک میں شامل ہوکر اسلامی عربی انفرادیت کو کھو بیٹھیں گے بلکہ شاید روس کی دوستی کی قیمت ادا کرنے کے لئے۔ خاکم بدہن۔ اپنے ملکوں سے اسلام ہی کو ختم کر دیں گے اور دوسری طرف بقیہ چند عرب ممالک امریکہ و برطانیہ سے دوستانہ تعلق کو مزید استوار کر کے اسلام کے لئے مستقل خطرہ بنیں گے، بہرصورت موجودہ نقشہ انتہائی دردناک ہے جس کے تصور سے بھی رونگٹے کھڑے ہوجاتے ہیں، خدا فراموشی، تن پروری اور اقتدار پرستی کا تاریک انجام یہی ہوسکتا ہے جو ہوا، فالی اللہ المشتکی۔

شکست کے اسباب صرف یہ بتلائے گئے کہ دشمن کے پاس سامان زیادہ تھا اور یہ کہ ہمیں حملہ کا خطرہ مشرق سے تھا لیکن حملہ مغرب سے ہوا(۱)، گویا محض سطحی اور ظاہری اسباب پر ایمان لاکر صرف اسلحہ کی کمی کو پورا کر لینا ہی معراج کمال سمجھا گیا اور ساتھ کے ساتھ اشتراکیت پر عزم کا بھرپور اظہار کیا گیا تا کہ کہیں ''پیغمبر اشتراکیت''

---

(۱) انقلاب مصر کی ۱۵ رویں سالگرہ کے موقعہ پر صدر ناصر کی جو تقریر مقامی اخبارات میں شائع ہوئی ہے اس کے بعض جملے بلاشبہ قابل تحسین ہیں، صدر ناصر نے کہا: اللہ تعالیٰ ہمیں ایک سبق دینا چاہتا تھا جو ہم نے سیکھنے کی کوشش نہیں کی تھی وہ سبق یہ تھا کہ ہم اپنی خامیوں کو دور کریں، اپنے گناہوں سے توبہ کریں اور اپنے وطن کی تعمیر میں لگے رہیں، اب ہم نے یہ سبق حاصل کرلیا ہے، ہمیں یقین ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمارے ساتھ ہے اور اگر ہم فتح حاصل کرنے کی جدوجہد کریں گے تو وہ یقیناً ہمیں فتح و نصرت سے ہمکنار کرے گا۔ انھوں نے کہا: ہم کسی عرب ملک کو سوشلسٹ نظام کے تحت لانے کی کوشش نہیں کریں گے، اسرائیل کا مقابلہ کرنے کے لئے ایک عرب محاذ ہونا چاہیے، انہوں نے مزید کہا: میں نے سربراہ کانفرنس طلب کرنے کے لئے سوڈان کے وزیر اعظم کی تجویز منظور کر لی ہے، ہم مطالبہ کرتے ہیں کہ عرب ملک جو کچھ کر سکتے ہیں کریں اور اپنی طرف سے کوئی کسر نہ اٹھا رکھیں، کاش! اللہ تعالیٰ تمام عرب سربراہوں کو اپنی واقعی خامیوں کو سمجھنے، گناہوں سے توبہ کرنے اور وطن کی تعمیر کے بجائے اعلاء کلمۃ اللہ کو نصب العین بنانے کی توفیق بخشیں، ضرورت جن چیزوں کو عمل میں لانے کی تھی اب تو انھیں زبان پر لانا بھی شاذ و نادر ہی ہوتا ہے اور عرب سربراہ کانفرنس بھی مفید اسی وقت ہوسکتی ہے جبکہ شرکت کرنے والے جذبہ مفاہمت سے شریک ہوں اور ایک دوسرے کی غلطیاں بغیر یاد دلائے معاف کر دینے کے لئے تیار ہوں اور اگر صرف اپنی کہنے اور اپنی سنانے کے جذبے ہی سے شرکت کی گئی تو خطرہ ہے کہ اس کا انجام اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی کا سا نہ ہو۔ (مدیر)

روس ناراض نہ ہو جائے اور روسی بحری بیڑہ کے سکندریہ اور سوئز پہنچنے پر اطمینان کا سانس لیا گیا حالانکہ جس رات ۶ / ۷ بجے حملہ ہوا ہے تین بجے رات تک روس ہی اطمینان دلانے والا تھا کہ اسرائیل کی طرف سے حملہ نہیں ہوگا، تم حملے میں پہل نہ کرنا اور عین اس وقت جبکہ اسرائیلی درندے مصر، شام اور اردن پر بمباری کر رہے تھے روسی بیڑہ کچھ زیادہ دور نہیں تھا اور روس اور امریکہ کے درمیان عدم مداخلت کا سمجھوتہ ہو رہا تھا، اگر یہ واقعات صحیح ہیں تو پھر کیا تعجب اور افسوس کا مقام نہیں کہ روس پر اس کے بعد بھی اعتماد باقی رکھا جائے، یہ صحیح ہے کہ جدید اسلحہ اور دیگر جنگی سامان کے لئے انہی خدا فراموش قوموں میں سے جس کو نسبتۃً غنیمت سمجھا جائے گا اسی سے امداد لی جائے گی لیکن صرف اسی کو ذریعہ نجات سمجھنا کہاں کی عقل اور کہاں کی تدبیر ہے۔

اگر خدانخواستہ عقبہ، غزہ، عریش اور صحرائے سینا کے بعد نہر سوئز پر بھی ان کا قبضہ ہو جاتا ہے جو بظاہر امریکہ و برطانیہ کی پوری سازش ہے تو عرب جمہوریہ کی شہ رگ کٹ جاتی ہے اور اس کے بعد اسلام اور مسلمانوں پر جو کچھ گذرے گی اس کا تصور بھی آج نہیں کیا جا سکتا ہے، بہر حال عرب ممالک کا موجودہ نقشہ اور روزانہ کے پیش آنے والے حالات و واقعات ایک مسلمان کے لئے انتہائی ناقابل برداشت صدمہ کا موجب ہیں، جو کچھ پہلے لکھا گیا یا اب لکھا جا رہا ہے الحمد للہ وہ صرف اپنے ضمیر کی آواز ہے، نہ پہلے کسی کی غلطی کو خوبی سمجھا نہ اب کسی کی واقعی خوبی سے انکار ہے۔

عالم اسلام کے اتحاد کی ضرورت

ظاہر ہے کہ آج کا مسئلہ صرف عرب ممالک کا نہیں بلکہ تمام عالم اسلامی کا مسئلہ ہے، مکہ مدینہ اور قدس تمام عالم اسلام کا مشترک سرمایہ ہے، اس لئے موجودہ صورت حال میں تمام عالم اسلام کو متحد و متفق ہونا چاہیے، سربراہان عرب کا فرض ہے کہ وہ عرب ممالک کے سربراہوں کا اجتماع بلانے کے بجائے عالم اسلامی کے سربراہوں کی کانفرنس منعقد کریں۔

خدا کا شکر ہے کہ اس ابتلاء میں پاکستان کا اسلامی مؤقف ممتاز اور قابل فخر رہا اور ترکی نے بھی قابل تعریف موقف اختیار کیا، ان صبر آزما حالات میں عرب اور اسلام کی مشترکہ مشکلات کو حل کرنے کے لئے اتحاد اسلام کا بہترین موقع ہے، دشمنان اسلام انتہائی عیاری اور چالاکی سے جس طرح عرب حکومتوں میں تفریق کے درپے ہیں اسی طرح اس کوشش میں بھی مصروف ہیں کہ جلد سے جلد چند اسلامی ملکوں کا بلاک قائم کر کے عالم عرب سے انہیں جدا کر دیا جائے۔

بظاہر ایسا محسوس ہوتا ہے کہ چین کے خوف نے روس اور امریکہ کو کسی خفیہ سمجھوتے پر مجبور کر دیا ہے اور وہ اندرون خانہ عرب ممالک کی قسمت کا فیصلہ بھی کر چکے ہیں، اگر اس خیال میں کچھ بھی واقعیت ہے تو روس کی دوستی پر

اعتماد کرنا اور اسی کو ذریعہ نجات اور وسیلہ کامیابی سمجھنا بڑی خطرناک اور تباہ کن غلطی ہوگی۔

جہاں تک جدید اسلحہ سازی کا تعلق ہے عرب اور دیگر ممالک اسلامیہ اتنے پیچھے ہیں کہ سو سال میں بھی یہ توقع نہیں کہ اپنے پاؤں پر کھڑے ہوسکیں گے، ان حالات میں صراط مستقیم یہی ہے کہ پورا عالم اسلام متحد ہو کر مشترکہ فوجی تنظیم اور جنگی سامان کی تدابیر کرے، حتی المقدور تمام ممکن وسائل جہاں کہیں سے بھی حاصل ہوں مہیا کئے جائیں، اللہ تعالیٰ سے صحیح رشتہ جوڑیں، قانون اسلام نافذ کریں، اعلائے کلمۃ اللہ کو نصب العین بنا کر جدید تہذیب وتمدن کی تمام لعنتوں کو اپنے اپنے ملکوں سے نکال پھینکیں، متحد ہو کر عالمی ترازو میں اپنا وزن ڈالیں، اقوام متحدہ اور سلامتی کونسل کے چکروں سے نکلیں اور اسلامی اخوت کی پناہ میں آجائیں، اس طرح انشاء اللہ تعالیٰ کامیابی وکامرانی ان کے قدم چومے گی۔

لیکن اگر اس کا امکان نہیں تو مستقبل میں اپنی تباہی وبربادی اور ناکامی وذلت کے لئے تیار ہوجائیں، جس سے نہ روس کی اشتراکیت بچا سکے گی نہ امریکہ وبرطانیہ کا ظل عاطفت۔

مصلحت دید من آنست کہ یاراں ہمہ کار
بگذارند وخم طرّہ یارے گیرند

ان تنصروا الله ینصرکم ویثبت اقدامکم، والله سبحانه وتعالى ولی التوفیق وهو حسبنا ونعم الوکیل

[جمادی الاولیٰ ۱۳۸۷ھ]

مشرق وسطیٰ اور جمال عبدالناصر

گذشتہ ستمبر ۱۹۷۰ء میں اردن میں جو خونچکاں اور روح فرسا واقعات پیش آئے ان پر جتنا ماتم کیا جائے کم ہے، مسلمانوں کے ہاتھوں مسلمانوں کا وہ قتل عام بجا طور پر دور حاضر کا تاریخی المیہ کہلانے کا مستحق ہے، وہ طاقت جو اسرائیلی طاغوت کے مقابلے میں خرچ ہونی چاہیے تھی آپس میں خانہ جنگی کی نذر ہو کر رہ گئی، جہاد کے بجائے خانہ جنگی کی مکروہ ترین و دردناک صورت حال سامنے آئی، اسباب کیا تھے؟ اور صحیح واقعات کیا ہیں؟ یہ ایک معمہ سا بن گیا ہے، خیر اسباب کچھ بھی ہوں نتائج بہرحال ہمارے سامنے ہیں، اتنا ضرور ہے کہ اعداء اسلام نے جانبین کی حوصلہ افزائی کے لئے نہ صرف ریشہ دوانیاں کیں بلکہ دونوں طرف مادی تعاون بھی جاری رہا اور مسلمان اپنے ہی بھائیوں کا گلا کاٹنے کے لئے اعداء کے آلہ کار بن گئے، انا للہ وانا الیہ راجعون۔

اس المیہ کے ظاہری علل واسباب کچھ بھی ہوں مگر اس کا باطنی سبب تو بظاہر شامت اعمال ہی معلوم ہوتا ہے، خدا فراموشی، نسل پرستی، اعلائے کلمۃ اللہ کے تصور کا مفقود ہوجانا، جدید تمدن وتہذیب سے نہ صرف ملوث

ہونا بلکہ اس میں مستغرق ہوجانا، قدم قدم پر عریانی اور فواحش و منکرات کے روح فرسا مناظر اور خود پسندی، خودغرضی اور بداعتمادی کے مظاہر، یہ ہیں وہ چیزیں جنہوں نے عقلوں کو بے ہوش بنا دیا تھا:

''شامت اعمال ماصورت نادر گرفت''

یہی دردناک صورت حال جمال عبدالناصر جیسی مضبوط اور آہنی شخصیت کے لئے جان لیوا ثابت ہوئی، یہ ان کی زندگی کا بے مثال کارنامہ ہے کہ فریقین اور تمام عرب ممالک کے سربراہوں کو بلا کر ان کی صلح کرائی اور ان کے تدبر سے آخر یہ گتھی سلجھ گئی، جمہوریہ عربیہ متحدہ کے سفیر جناب علی خشبہ سے معلوم ہوا کہ جمال ناصر مرحوم کو نو راتیں مسلسل نیند نہیں آئی، ڈاکٹروں کے اصرار پر خواب آور گولیوں کی مدد سے دن رات کے چوبیس گھنٹوں میں بمشکل دو گھنٹے آرام کرتے تھے، بلاشبہ یہ ان کی زندگی کا آخری کارنامہ ان کے نامہ اعمال کا زریں حصہ ہے۔

مشرق وسطی کے حالات عرصہ سے پیچیدہ ہیں اور اب جمال عبدالناصر کی وفات سے اور زیادہ پیچیدہ ہو گئے، عرصہ دراز کے بعد عرب ممالک میں استعماری طاقتوں خصوصاً امریکہ، برطانیہ اور یہود کا مضبوط ترین مخالف پیدا ہوا تھا، چنانچہ مرحوم کی وفات کے بعد ان کی مقبولیت کا ٹھیک اندازہ دنیا کو ہوا، امریکہ و برطانیہ عرب ممالک میں جو ریشہ دوانیاں کر رہے ہیں ان کے لئے جمال ناصر کا وجود ایک آہنی دیوار تھا، ان کا سب سے بڑا وصف استعمار دشمنی تھا، جہاں کہیں استعماریت کے خلاف تحریک حریت شروع ہوئی انہوں نے نہ صرف اس کی ہمنوائی کی بلکہ ممکن سے ممکن اعانت سے بھی دریغ نہ کیا، الجزائر کی آزادی میں اوّل سے آخر تک جو محیر العقول اعانت کی وہ بجائے خود ایک عظیم کارنامہ ہے، برطانیہ، فرانس اور یہود کے سہ طاقتی حملے کو جس بہادری و تدبر سے پسپا کیا وہ قابل حیرت ہے، اگر اخوان المسلمین ان کے سیاسی حریف نہ بنتے اور ان کے قتل سے ان کا دامن داغدار نہ ہوتا تو دنیا میں اس کی مقبولیت تاریخی طور پر بے مثال ہوتی، اس وقت بظاہر امریکہ و برطانیہ کی ملعون سازشوں کے لئے میدان خالی سا ہو گیا ہے، چنانچہ فوراً امریکہ نے تقریباً بیس ارب ڈالر کا دفاعی بجٹ منظور کر کے اسرائیل کو ۵۰۴ کروڑ ڈالر قرض دینے کی تجویز پاس کر لی اور دو میزائل اڈے فلسطین میں تعمیر کرانے کا منصوبہ بنا لیا، اس طرح عرب ممالک کی مشکلات میں اضافہ ہو گیا اور یہود سے قدس اور مغصوبہ سرزمین کے استخلاص کی امید کھٹائی میں پڑ گئی۔

خیر یہ تو سیاسی مسائل ہیں علمی و دینی مسائل ہمارے بصائر و عبر کا اصل میدان ہے، جامعہ ازہر کے میزانیہ کو ساڑھے نو ملین پونڈ تک پہنچا دیا، اس کے تعمیری سلسلہ کو اس قدر حیرت انگیز ترقی دی کہ عقل حیرت میں ہے، سات ہزار بیرونی ممالک کے طلبہ کے وظائف مقرر کئے اور مدینۃ البعوث میں ان سات ہزار طلبہ کے لئے رہائش کا انتظام کیا، عمدہ سے عمدہ غذائیں ان کے لئے فراہم کیں، ناشتے میں فول اور انڈے، دوپہر اور شام کے کھانے میں ہفتہ میں تین روز مرغ اور اتنی وافر مقدار میں کہ جتنا چاہیں کھائیں اور اگر طلبہ کے مہمان بھی ہوں تو ان کے لئے الگ انتظام مطبخ سے مزید جتنا چاہیں کھانا طلب کر لیں، دینی یا غیر دینی اداروں اور قومی یا حکومتی مدارس و جامعات

میں تاریخ اس کی نظیر پیش کرنے سے قاصر تھی۔

سرکاری مناصب از ہریوں کے لئے کھول دیئے گئے اور دین و دنیا کی تفریق علوم و معارف میں جو قائم ہوگئی تھی ناصر پہلا شخص ہے جس نے اسے ختم کر دیا اور تمام شعبوں میں خواہ انجینئرنگ ہو یا اکنامکس، دین کا اتنا حصہ شامل کر دیا کہ آدمی جاہل نہ رہے، "كلية الهندسة" (انجینئرنگ کالج) کا نصاب دیکھ کر حیرت ہوئی کہ ہمارے یہاں اسلامیات کی تعلیم جو ایم اے میں ہوتی ہے اس کے مقابل میں صفر ہے، الغرض دوسرے ممالک کے طلبہ کے لئے بھی آسائش حیرت انگیز ہے اور جیب خرچ کے لئے ۷ ر پونڈ کا وظیفہ دینا اس پر مستزاد، خود مصریوں کے لئے تمام تعلیم مفت یعنی کتاب، پنسل اور کاپی تک حکومت دیتی ہے اس لئے فوج کے علاوہ تمام وزارتوں سے وزارت تعلیم کا بجٹ زیادہ ہوتا ہے۔

ازہر کی زیر نگرانی ایک شعبہ مجمع البحوث الاسلامیہ کا قائم کیا جس میں جدید مسائل کتاب وسنت کی روشنی میں حل کئے جائیں گے، اس کے لئے اکثر عرب ممالک سے مستقل ارکان اور اعضاء کا انتخاب کیا، پھر یہ اہتمام کیا کہ یہ مسائل تمام عالم اسلام کے علماء کے سامنے پیش کئے جائیں، اس کے لئے مؤتمرات یعنی کانفرنسیں ہوتی ہیں اور ان کانفرنسوں میں ہر نمائندے کو ردوقدح کی اجازت ہوتی ہے، فیصلہ ہونے کے بعد کتابی صورت میں وہ مسائل ومقالات چھپتے ہیں۔

ازہر میں ایک شعبہ قائم کیا جس کے زیر اہتما تمام عالم میں -خواہ اسلامی ہوں یا غیر اسلامی- عربی ادب، عربی علوم یا اسلامی دعوت کے لئے علماء بھیجے جائیں، چنانچہ امریکہ سے پاکستان تک یہ سلسلہ جاری ہے، کراچی، ڈھاکہ، لاہور، پشاور تمام جگہ یہ اساتذہ عربی سکھانے یا قرأت سکھانے یا بقیہ علوم سکھانے کے لئے موجود ہیں اور بعض ممالک میں تو اتنے علماء بھیجے کہ حد ہوگئی، سومالی لینڈ میں سو کے قریب عالم بھیجے، اس طرح ہزاروں کی تعداد میں مبعوثین باہر کی دنیا میں بھاری مشاہرات سے بھیجے جاتے ہیں اور اہل وعیال سمیت ان کے آنے جانے کے لئے ہوائی جہازوں تک کے تمام مصارف حکومت برداشت کرتی ہے۔

دینی وعلمی کتابوں کی نشر واشاعت کے لئے ایک مستقل ادارہ "المجلس الاعلى للشئون الاسلامية" قائم کیا اور اس میں ایک شاخ "احياء التراث الاسلامى" قائم کی، جس نے ان چند سالوں میں درجنوں اعلی سے اعلی کتابیں لاکھوں کی تعداد میں شائع کی ہیں، یہ کتابیں علمی اداروں اور تمام اسلامی وغیر اسلامی ممالک کے مطالبے پر مفت اپنے خرچ پر بھیجتے، بلکہ افراد واشخاص کے نام ارسال کرتے ہیں اور ان میں اسلامی اصول اور جدید انداز سے اسلامی علوم کی جو خدمت کی گئی عقل حیران ہے۔

قاری محمود خلیل مصری کی تلاوت سے امام حفص رحمۃ اللہ علیہ کی قرأت کو ۴۸ ر بڑے ریکارڈوں میں تمام قرآن کریم کو ریکارڈ کر کے تمام ممالک اسلامیہ میں اس کے سیٹ بھیج دیئے، تاکہ حکومتیں اسے ریڈیو پر نشر کرتی

رہیں، اس طرح امام ورشؒ کی قرات کے ۶۵ / ریکارڈ بنائے گئے اور مراکش اور افریقہ وغیرہ ممالک میں بھیجے گئے، وہاں عام طور سے لوگ مالکی مذہب کے ہیں اور وہ امام ورشؒ کی قرأت پڑھتے ہیں، اسی طرح قاری عبدالباسط عبد الصمد کی تلاوت کو ریکارڈ کر کے محفوظ کر دیا گیا اور وہ قاہرہ ریڈیو سے نشر کی جاتی ہے، قاہرہ میں ایک مستقل ریڈیو اسٹیشن قائم کیا گیا جس کا نام "محطة اذاعة القرآن الكريم" رکھا ہے، اس اسٹیشن پر صرف قرآن کریم کی تلاوت روزانہ چودہ گھنٹہ ہوتی ہے، اس طرح دنیا میں حفاظ قرآن کے لئے آسانی کی گئی اور قرآن کریم کے احترام کے لئے اور کوئی خبر اس اسٹیشن سے نشر نہیں کی جاتی۔

نماز سکھانے کے لئے چھوٹے کیسٹ بھرے اور تمام دنیا میں اس کو عام کر دیا، قرشوں سے اس کی قیمت رکھی اور مفت تمام ممالک میں بھیجے، قرآن کریم کے لاکھوں نسخے چھوٹے عمدہ سائز کے بہترین کاغذ پر طبع کرا کے افریقہ کے ان تمام ممالک کو بھیجے جو آزاد ہو گئے ہیں، اس کے علاوہ سفارت خانوں کی معرفت تمام اسلامی ممالک میں بھیجتے ہیں، تاکہ قرآن مطبعی اغلاط سے محفوظ رہے اور قرآن کی تلاوت عام ہو، پچھلے سالوں میں جب یہودیوں نے محرف قرآن شائع کیا تو اس کے جواب میں تمام عالم کے لئے قرآن چھاپ کر ناصر کی حکومت نے ہر ہر گوشے گوشے میں نسخے ارسال کئے، قرآن کریم کی اشاعت، قرآت، طباعت جتنی اس کے دور میں ہوئی کبھی نہیں ہوئی، ماہ رمضان المبارک میں تمام عالم اسلامی میں مراکش سے لے کر انڈونیشیا تک قاری بھیجے جاتے ہیں، چنانچہ ہر سال پانچ یا تین قاری پاکستان بھی آتے ہیں، کیا اسلام کے دشمن ایسے کام کرتے ہیں؟ اگر بالفرض یہ سیاسی اغراض کے لئے ہیں تو دوسرے اسلامی ممالک کیوں ایسا نہیں کرتے؟

غالباً پانچ برس کی بات ہے کہ "مجمع البحوث الاسلامیہ" کی مؤتمر کے زمانے میں راقم الحروف بھی مؤتمر میں مدعو تھا اس وقت قاہرہ میں ہمارے پاکستان کے سفیر اے۔ کے دہلوی تھے، (عبدالسمیع خاں دہلوی) وہ مجھ سے اس دوران میں کچھ مانوس سے ہو گئے تھے اپنی قیام گاہ پر (یہ دریائے نیل پر سر آغا خاں کی ایک عظیم الشان کوٹھی تھی اور حکومت پاکستان کو دی گئی تھی) مجھے استقبالیہ دعوت دی، فراغت کے بعد مجھ سے کہا کہ میرا ایک پیغام آپ ہمارے صدر مملکت جناب ایوب خان کو پہنچا دیجئے، ان کو بتائیں کہ دنیا میں حکومت ایسی ہوتی ہے جیسی صدر جمال عبدالناصر کرتا ہے، میں نے پوچھا وہ کیسی؟ اس کے بچے اسکول اور کالج سائیکل پر جاتے ہیں، ان کے لئے موٹر نہیں، کسی بینک میں ان کا کوئی کھاتہ نہیں، جتنی زمین ان کی ملکیت تھی صدر بننے کے بعد اس میں کوئی اضافہ نہیں ہوا، جس وقت وہ کرنل تھے اس وقت جس مکان میں رہتے تھے بدستور اسی مکان میں رہتے ہیں، گورنمنٹ ہاؤس میں نہیں رہتے صرف ملاقات کے لئے وہاں آیا کرتے ہیں، اٹھارہ گھنٹے روزانہ کام کرتے ہیں...... میں نے کہا کہ آپ خود براہ راست یہ پیغام کیوں نہیں پہنچاتے؟ کہا یہ ہمارا منصب نہیں، تم جیسے جرأت مند مولویوں کا کام ہے، میرا ارادہ تھا کہ اگر ایوب خاں صاحب سے ملاقات ہوگئی تو ضرور یہ پیغام ان کو پہنچاؤں گا۔

ناصر کا سب سے بڑا جرم یہ سمجھا جاتا ہے کہ اشتراکیت کی بنیاد ڈالی اور عرب قومیت کی علمبرداری کی، ہمیں ان کی وکالت نہیں کرنی، ہر شخص قیامت کے روز اپنے اعمال کا مسئول ہوگا، پہلی بات تو یہ ہے کہ جمال عبد الناصر عہد حاضر کا فرمانروا تھا، وہ فاروق اعظمؓ نہ تھا کہ دین و دنیا کے تمام نظام میں اسلامی شریعت اور آسمانی قانون کی اتباع سے سر مو تجاوز نہ کرے، اس معیار پر نہ جانے بمشکل تاریخ اسلام میں کتنے افراد نکلیں گے، لیکن قابل غور یہ ہے کہ وہ اشتراکیت یا اشتمالیت جس کا سرا مارکس ولینن سے جڑتا ہے اور جو سراسر کفر والحاد ہے اسے ایک لمحہ کے لئے کوئی مسلمان تو درکنار ایک عاقل انسان بھی برداشت نہیں کر سکتا، لیکن جو ملک غلط نظام معیشت کی وجہ سے عیش پرستی کا مرکز ہو، طبقاتی تفاوت زمین وآسمان کا ہو، ایک کو عیش پرستی کا ہیضہ ہو اور ایک نان شبینہ کے لئے ترستا ہو، اخلاقی و دینی گرفتیں ڈھیلی ہو جائیں، ایسے نظام کی اصلاح کے لئے تدبیر کرنا تو جرم نہیں، البتہ تدبیر میں شرعی اصولوں سے نکلنا جرم ہے، تمام دنیا میں سرمایہ داری اور عیش پرستی کے ردعمل کے طور پر کمیونزم آ رہا ہے، اگر کوئی شخص اس مہلک سیلاب کے روکنے کی تدبیر کرے اور صریح کفر سے بچائے تو کیا یہ قابل قدر کارنامہ نہ ہوگا؟ تمام یورپ کے عقلاء یہ کہتے ہیں کہ دنیا میں مصر ہی ایک ایسا ملک ہے جہاں روس کا کمیونزم نہیں آ سکتا، جو اقتصادی نظام وہاں جاری ہے اس میں کمیونزم کے سیلاب کو مصر میں آنے سے روک دیا ہے، یوں بھی وہاں کمیونزم اور قادیانیت دونوں خلاف قانون ہیں۔

بلاشبہ روسی اشتراکیت یا اشتمالیت دونوں کفر ہیں اور اگر کسی نے محض اسلام کے اقتصادی نظام کا نام اشتراکیۃ الاسلام یا اسلامی سوشلزم رکھ دیا تو بلاشبہ یہ بھی غلط ہے، اسلامی نظام اقتصاد کو اجنبی نام سے پکارنا بھی گناہ ہے، اسی طرح اسلام کے مالی نظام کے لئے دوسرے نظاموں سے استعارہ کر کے نام رکھنا بھی جرم ہے، یہ ذہنی مرعوبیت اور فکری غلامی کی دلیل ہے کہ اسلامی ناموں کو چھوڑ کر غیر اسلامی نام رکھا جائے، حق تعالیٰ نے اسلام کے تمام نظام کو خواہ اس کا اقتصادی شعبہ ہو یا سیاسی و معاشرتی شعبہ دوسروں سے مستغنی کر دیا ہے، ہمیں کوئی ضرورت نہیں کہ روس یا چین کے ناموں سے اسلامی چیزوں کو پکاریں، لیکن واقعی سوشلزم لانا اور چیز ہے اور صرف اسلامی مالی نظام کو سوشلزم سے تعبیر کرنا ایک دوسری چیز، دونوں میں زمین وآسمان کا فرق ہے، ایک صریح کفر اور دوسرا گناہ ہے، اخوان المسلمین کے ایک مشہور رکن رکین مصطفی سباعی مرحوم نے اسلامی مالی نظام پر ایک ضخیم کتاب لکھی اور اس کا نام ''اشتراکیة الاسلام'' رکھا کیا نام رکھنے سے وہ کافر ہو گیا؟ العیاذ باللہ۔ ہاں اگر اسلامی نظام کے بالمقابل روس کی اشتراکیت کو سراہا جائے جیسا کہ سید قطب کی کتاب ''العدالة الاجتماعية'' سے مترشح ہوتا ہے تو بڑی خطرناک اور بڑی ناسمجھی کی بات ہے، بہر حال جو جرم اخوان المسلمین کے رکن نے کیا یہی جرم ناصر نے بھی کیا ہے۔

ناصر کی سب سے قابل مواخذہ بات درحقیقت عربی قومیت میں غلو ہے، اگر چہ وہ خود یہ کہتے تھے کہ

اتحاد اسلامی سے پہلے وحدۃ العروبۃ یعنی عرب اتحاد کی ضرورت ہے اور یہ اتحاد اسلامی کی طرف ہمارا پہلا قدم اور پہلی منزل ہے، لیکن ہوا یہ کہ تمام اعداء اسلام نے خود اس کو اتنا اچھالا کہ یہ ایک مستقل حقیقت بن گئی اور تمام عرب ممالک کا دامن اس نیشنلزم سے ملوث ہوگیا، اعداء اسلام کو موقع مل گیا کہ اس کو اتنی قوت پہنچائیں کہ اتحاد اسلامی کا نعرہ دفن ہوکر رہ جائے، عرب اور غیر عرب کے درمیان تفریق ہو جائے اور قومیت کے ساتھ وطنیت کی لعنت سوار ہو جائے، اس جذبے نے اتنی ترقی کرلی کہ عرب عیسائی غیر عرب مسلمان سے بہتر سمجھا جانے لگا، بلاشبہ یہ عذاب تمام عربی ممالک پر مسلط ہوگیا اور مصر اگر ابتداء اس نعرے کا مرکز رہا لیکن دوسرے ممالک ان سے بھی اب نمبر لے گئے، حق تعالیٰ رحم فرمائے۔ بہرحال جو نظام عہد ناصری میں جاری ہوا اس سے بڑی حد تک غریبوں کا مسئلہ حل ہوگیا اور ایک غریب فلاح کو تعلیم و ہسپتال وہ سہولتیں میسر آئیں جو کسی وقت صرف امیر کو میسر ہوسکتی تھیں، تاہم ہم نے اس نظام کی ظلمت محسوس کی نہ معلوم یہ حقیقت ہے یا ہمارا فریب نظر۔

یوں تو مصر کی سرزمین آزادی کے لئے تاریخی طور پر مشہور ہے، صدیوں پہلے حافظ بدرالدین عینی رحمۃ اللہ علیہ نے عمدۃ القاری میں اس کی بڑی تلخ شکایت کی تھی، مگر جب سے نپولین کا اقتدار قائم ہوا اور فرانسیسی نسلیں قاہرہ واسکندریہ میں لاکر بسائی گئیں تو بے پردگی کا رواج عام ہوتا گیا، نئی نسل میں بالخصوص شہری آبادی میں "سفور" یعنی بے حجابی کی وبا پھیل گئی، تعلیمی مدارس کے تمام شعبوں میں لڑکیاں تعلیم پانے لگیں، تاہم ازہر میں دینی تعلیم کے دروازے لڑکیوں کے لئے بند تھے، ناصر کے عہد میں پہلی بار یہ پابندی اٹھائی گئی، ازہر کے دروازے لڑکیوں کے لئے کھول دیئے گئے اور ان کے لئے لڑکوں سے الگ انتظام کردیا گیا، ہمارے نزدیک بے حجابی ایک لعنت ہے خواہ مصر میں ہو یا شام میں، افغانستان میں ہو یا پاکستان میں اور بے پردگی لعنت ہے خواہ وہ تعلیم کے لئے ہو یا پارلیمنٹ کی ممبری کے لئے، جدید تعلیم کے لئے ہو یا قدیم کے لئے، میڈیکل کالجوں میں ہو یا پولیس تھانوں کی خدمات کے لئے، کرسی عدالت ہو یا مسند تدریس پر ہم کسی موقعہ پر بھی "سفور" (بے پردگی) کی حوصلہ افزائی برداشت نہیں کرسکتے، یہ نہ صرف فطرت سے انحراف اور تقاضائے انسانیت سے بغاوت ہے بلکہ انسانیت کے مظلوم طبقہ (عورتوں) پر مزید ظلم ڈھانے اور اسے نشانہ ہوس بنانے کے لئے ایک شیطانی حربہ ہے، دور جدید کی بے پردگی مغرب کے بے خدا، بے دین اور بے غیرت قوموں اور تہذیبوں کا لایا ہوا تحفہ ہے، ناپاک اور نجس تحفہ۔ اسلام کی نظر میں عورت سراپا ستر ہے اور جو اس ستر کو برہنہ کرے وہ ملعون ہے۔ عورت کو برہنہ کرکے مغرب جس گرداب میں پھنس چکا ہے کاش ہمارے مسلمان بھائی اسی سے عبرت پکڑتے اور خدا اور رسول کے حکم کی مخالفت کرکے شرف انسانیت کو یوں رسوا نہ کرتے۔

[رمضان المبارک ۱۳۹۰ھ/نومبر ۱۹۷۰ء]

مصرواسرائیل جنگ سے درس عبرت

ماہ رمضان المبارک ۱۳۹۳ھ میں مصروشام اور اسرائیل کے درمیان جو جنگ ہوئی اس میں امریکہ کی یہودنواز نکسن حکومت نے اسرائیل کو چار پانچ دن میں تین ہزار ملین ڈالر کا جدید سے جدید ترین اسلحہ مہیا کیا اور بقول ''بی بی سی لندن'' امریکہ واسرائیل کے درمیان ہوائی پل بنا ہوا تھا اور ہوائی راستے سے سامان جنگ مسلسل اسرائیلی محاذ پر پہنچ رہا تھا امریکہ کی پوری طاقت اور توجہ اس مہم پر خرچ ہو رہی تھی اس کے باوجود جب اسرائیل کسی طرح کامیاب نہ ہو سکا تو قبرص سے تازہ دم امریکی افواج نے آکر جنگ کا نقشہ بدل دیا، اس طرح امریکہ کھل کر اس جنگ میں کود پڑا، جبکہ روس نے اپنے روایتی نفاق کا ثبوت دیا اور زبانی دعووں سے زیادہ کوئی مؤثر امداد نہیں دی، الغرض اس جنگ میں اسرائیل کو دی جانے والی امریکی امداد اور روس کے منافقانہ رویہ کی وجہ سے اگرچہ فاتح ومفتوح کے درمیان کچھ زیادہ فرق نمایاں نہیں ہو سکا لیکن الحمدللہ مسلمانوں کو اس سے متعدد فوائد اور تجربات حاصل ہوئے۔

① مشرق وسطی کی یہ پہلی جنگ تھی جو بڑی حد تک قوم ووطن کے تصور سے بالاتر ہو کر صرف اسلام کے نام پر اور اعلاء کلمۃ اللہ کے لئے اسلامی جہاد کی حیثیت سے لڑی گئی، اسلامی جہاد بہت ہی اعلی وارفع مقصد ہے اس کے لئے بہت اونچے ایمان واخلاص اور توکل علی اللہ کی ضرورت ہے اور مسلمان اگر واقعۃً اس منزل مراد کو پانے میں کامیاب ہو جائیں اور نصرت خداوندی کے اسلحہ سے لیس ہو کر اسلام کی سربلندی کے لئے میدان میں نکل آئیں تو کفر کی بڑی سے بڑی طاغوتی طاقتیں ان کے سامنے نہیں ٹھہر سکتیں، تاہم اس جنگ میں اسلام کے نام پر لڑنے کا ہلکا سا تجربہ ہوا۔

② عرب ممالک اور شرق اوسط کی حکومتیں ایک مدت سے باہمی شقاق ونفاق کے مرض میں مبتلا تھیں اگرچہ کبھی کبھی بظاہر یہ نظر آیا کہ وہ متحد ہو گئے ہیں لیکن جب ذراغور سے دیکھا تو " **تحسبهم جميعا وقلوبهم شتى**" کا حال نظر آیا (یعنی تم گمان کرتے ہو کہ وہ متفق ومتحد ہیں حالانکہ کے دل پراگندہ ومختلف ہیں) مانا کہ یہ صورت حال برطانیہ وامریکہ اور یہود ونصاری کی ریشہ دوانیوں سے پیدا ہوئی، لیکن اسباب خواہ کچھ ہی ہوں نتائج سب کے سامنے ہیں، الحمدللہ ماضی قریب کی تاریخ میں پہلی مرتبہ اسلامی وعربی ممالک کو اتحاد واتفاق کی نعمت کا کچھ احساس ہوا، عرب سربراہوں کے آپس میں صلاح مشورے ہوئے اور مراکش اور شرق اوسط سے لے کر انڈونیشیا تک مسلمانوں میں فی الجملہ یک جہتی نظر آئی، کاش! مسلم ممالک کے سربراہوں کو اللہ تعالیٰ عقل عطا فرمائے اور تمام عالم اسلام میں کامل اتحاد پیدا ہو جائے تو ان کے بہت سے مسائل حل ہو سکتے ہیں۔

③ ایک مدت سے مسلمانوں پر مغرب سے مرعوبیت کا '' کابوس'' طاری ہے وہ فکر ونظر سے لے کر روٹی

پانی تک اور اسلحہ سے لے کر سامان تعیش تک میں مغرب کے دست نگر ہیں، یہ بات ان کے حاشیہ خیال میں بھی نہیں آتی کہ وہ ان گورے کافروں کی اعانت وحمایت اور دوستی وموالات کے بغیر بھی جی سکتے ہیں، اسی جنگ میں پہلی بار مسلمان سربراہوں کو احساس ہوا ہے کہ صرف وہی گوروں کے محتاج نہیں بلکہ وہ گوروں کو بھی احتیاج کا مزہ چکھا سکتے ہیں، یورپ وامریکہ کی ساری ترقیات کی کلید خود ان کے ہاتھ میں ہے، وہ جب چاہیں تیل کی سپلائی بند کر کے یورپی وامریکی صنعت کا پہیہ جام کر سکتے ہیں، وہ جب چاہیں مغربی بینکوں سے سرمایہ نکال کر ان کی اقتصادیات کو مفلوج کر سکتے ہیں اور جب چاہیں مغربی امریکی اور یہودی مصنوعات کا بائیکاٹ کر کے ان کے سارے تجارتی کاروبار کو تلپٹ کر سکتے ہیں، الحمدللہ پہلی بار مسلمانوں نے اس جانب کچھ قدم اٹھایا ہے اور پہلی بار مملکت سعودیہ کے سربراہ ملک فیصل نے امریکہ کو نہایت جرأت مندانہ جواب دیا ہے، اگر اس تجویز کو مزید آگے بڑھایا جائے تو عالم اسلام متحد ہو کر مغربی وامریکی فرعونوں کو جھکنے پر مجبور کر سکتا ہے۔

④ الحمدللہ یہ بھی بڑی مبارک علامت تھی کہ یہ جہاد مادی تصورات سے بالاتر تھا اور اس لئے مصر وشام کے مجاہدین میں اسلامی روح جلوہ گر اور دینی جذبات وعواطف موجزن تھے، چنانچہ پہلی مرتبہ مصری فوجوں میں نصرت الٰہی کے آثار نظر آئے اور یہود واسرائیل میں غضب الٰہی کے آثار نمایاں تھے اور سیریا کے سربراہ نے پہلی مرتبہ یہ اسلامی جذبات سے لبریز اعلان کیا کہ ''ہم اس وقت تک لڑیں گے جب تک کہ اسرائیل کا وجود صفحۂ ہستی سے نہیں مٹ جاتا، اگرچہ مصر وشام دنیا کے نقشے سے مٹ جائیں، کیونکہ اسرائیل مٹ جائے تو صہیونی طاقت ختم ہو جائے گی مگر مصر وشام کے ختم ہونے سے اسلام ختم نہیں ہوگا''۔ اگر واقعی مسلمان وقاتلوهم حتى لا تكون فتنة (اور لڑو ان سے یہاں تک کہ فتنے کا وجود مٹ جائے) کی قرآنی ہدایات کو مقصد بنا کر سربکف ہو جائیں تو انشاءاللہ آخری نتائج ان کے حق میں ہوں گے۔

⑤ دنیا کو پہلی مرتبہ اس کا بھی احساس ہوا کہ اسرائیل کوئی مافوق الفطرت اور ناقابل تسخیر قوت نہیں ہے، اس مرتبہ اگر مسئلہ صرف اسرائیل کا ہوتا اور امریکہ درمیان میں نہ کودتا تو مصر وشام کی افواج قاہرہ اسرائیل کو صفحۂ ہستی سے مٹانے کے لئے کافی تھیں، دراصل اسرائیل کیا؟ کسی بھی باطل میں کوئی قوت نہیں، اسرائیل تو دنیا کی وہ بدترین مغضوب اور ذلیل وبزدل قوم ہے جو صدیوں سے ذلت ورذالت میں ضرب المثل چلی آئی ہے، کچھ یہی حال ہنود کا ہے اگر مسلمان یہود وہنود سے پٹتے ہیں تو اس کے معنی یہ نہیں کہ یہود وہنود معزز ہو گئے بلکہ اس کے معنی یہ ہیں کہ نالائق شہزادے کی گوشمالی کے لئے اسے ایک بھنگی سے پٹوایا جارہا ہے، واقعۃً اسرائیل کا قیام اور اس کا عربوں کو دانت دکھانا ہماری شامت اعمال کا نتیجہ ہے ورنہ مسلمان ذرا سی ایمان کی انگڑائی لے کر خواب غفلت ومعصیت سے جاگ اٹھے تو اسرائیل بے چارے کی کیا حقیقت ہے؟ ہاں! یہ وقت بھی انشاءاللہ آئے گا جبکہ اسرائیلیوں کو سر

چھپانے کی جگہ بھی نہیں ملے گی اور شجر وحجر پکار کر کہیں گے کہ اے مسلمان! یہ یہودی چھپا بیٹھا ہے اسے قتل کر۔ جیسا کہ حدیث میں آتا ہے۔(۱)

⑥ اور یہ تو خیر بار ہا تجربہ ہو چکا ہے اور اب بھی ہوا اور خوب تلخ تجربہ ہوا کہ مسلمانوں خصوصاً عربوں کو کافروں پر اعتماد نہیں کرنا چاہئے، ادھر عیسائی امریکہ نے اسرائیلی یہود کی ہر قسم کی کھل کر مدد کی، ادھر روس رو سیاہ نے ہمیشہ نفاق کا ثبوت دیا، دراصل چین کی ابھرتی ہوئی طاقت کے خطرے سے امریکہ اور روس دونوں لرزہ براندام ہیں اور ہر ایسے موقع پر بظاہر ان کا مؤقف مختلف ہوتا ہے، مگر اندر ہی اندر یہ دونوں طاقتیں کوئی خفیہ معاہدہ سا کر لیتی ہیں، مشرقی پاکستان میں جو جنگ پاکستان اور ہندوستان کے مابین ہوئی، اس میں روس ہندوستان کا کھل کر حامی تھا اور امریکہ نفاق کی پالیسی پر عمل پیرا تھا، شرقِ اوسط میں اس کے بالکل برعکس امریکہ کھلے بندوں اسرائیل کی پشت پر تھا اور روس ''کج دار و مریز'' کی نفاق آمیز پالیسی پر گامزن رہا۔ گویا روس نے مصر سے انتقام لیا اور جب صلح کی ضرورت پیش آئی تو نکسن کے اشارے پر روسی وزیر اعظم فوراً مصر اور دمشق پہنچ گیا اور اس نے جو خاکہ مرتب کیا اس میں رنگ بھرنے کے لئے امریکہ کا یہودی وزیر خارجہ پہنچ گیا اس سے تمام مسلمانوں میں یہ احساس پیدا ہو جانا چاہیے کہ مسلمان خواہ کسی طاغوت پر انحصار کریں ہمیشہ مار کھائیں گے۔

⑦ اگرچہ اس بار عربوں کو یہ فائدہ بھی ہوا کہ سفارتی اور اخلاقی سطح پر بیشتر ممالک کی ہمدردیاں انہیں حاصل ہوئیں مگر اس سے استفادہ خود ان کے دست و بازو کی طاقت پر منحصر ہے، عالمی رائے عامہ صرف طاقت ور کے سامنے جھکتی ہے اور کمزور کو کسی التفات کا مستحق نہیں سمجھتی بلکہ اسے پاؤں تلے روند کر آگے بڑھ جاتی ہے خواہ وہ کتنا ہی مظلوم ہو۔

مسلمانوں کے لئے لائحہ عمل

آیئے ان تازہ حقائق کی روشنی میں غور کریں کہ مسلمانوں کا آئندہ لائحہ عمل کیا ہونا چاہیے، مسلمانوں پر حق تعالیٰ شانہ کا یہ عظیم احسان ہے کہ ان کے پاس ہر شعبہ زندگی کی طرح صلح و جنگ کے لئے بھی آسمانی وربانی ہدایات موجود ہیں، سورۃ انفال اور سورۃ توبہ میں صلح و جنگ اور اعداء اسلام اور منافقین کے مقابلہ کا مفصل دستور العمل موجود ہے، قرآن کریم کا کتنا صاف اعلان اور واضح مطالبہ تھا:

﴿وَ اَعِدُّوْا لَهُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ قُوَّةٍ وَّمِنْ رِّبَاطِ الْخَيْلِ تُرْهِبُوْنَ بِهٖ عَدُوَّ اللّٰهِ

---

(۱) ''عن ابی ہریرۃ رضی اللہ عنہ قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ''لاتقوم الساعۃ حتی تقاتلوا الیہود حتی یقول الحجر وراءہ الیہودی: یامسلم! ھذا یہودی ورائی فاقتلہ''

صحیح البخاری، کتاب الجہاد، باب قتال الیہود ج:۱ ص:۴۱۰، ط: قدیمی

وَ عَدُوَّكُمْ وَاٰخَرِينَ مِن دُونِهِم لَاتَعْلَمُوْنَهُمْ اَللّٰهُ يَعْلَمُهُمْ وَمَاتُنْفِقُوْا مِنْ شَيْئٍ فِي سَبِيْلِ اللّٰهِ يُوَفَّ اِلَيْكُمْ وَاَنْتُمْ لَاتُظْلَمُوْنَ﴾ [الانفال:٦٠]

اور ان کافروں کے لئے جس قدر تم سے ہو سکے ہتھیار سے اور پلے ہوئے گھوڑوں سے سامان درست رکھو اور اس کے ذریعہ تم رعب جمائے رکھو ان پر، جو کہ اللہ کے دشمن ہیں اور تمہارے دشمن ہیں اور ان کے علاوہ دوسروں پر بھی جن کو تم نہیں جانتے ان کو اللہ ہی جانتا ہے اور اللہ کی راہ میں جو کچھ بھی خرچ کرو گے وہ تم کو پورا دے دیا جائے گا اور تمہارے لئے کچھ کمی نہیں ہوگی۔ (ترجمہ حضرت تھانویؒ)

یہ ارشاد ربانی مسلمانوں پر بصورت خاص یہ فریضہ عائد کرتا ہے کہ ان کے پاس ہمہ وقت اتنی قوت موجود رہنا ضروری ہے جس سے اعداء اسلام مرعوب خائف اور لرزہ براندام رہیں اور پوری مسلم قوم کو اس کی تیاری میں مصروف رہنا چاہیے۔

مگر مسلمانوں پر صدیوں سے ایک جمود ساطاری ہے اور وہ نفس پرستی، عیش کوشی اور اغراض پرستی کی دلدل میں کچھ ایسے پھنسے ہیں کہ عرصہ دراز سے مسلمان حکومتوں نے اس فریضہ الٰہی سے تغافل اختیار کر رکھا ہے اور سورۃ توبہ وانفال کی واضح ہدایات کے ہوتے ہوئے غفلت و جہالت کی وادیوں میں بھٹک رہے ہیں، جبکہ اعداء اسلام اسلام دشمنی سے کبھی غافل نہیں ہوئے، اس دردناک غفلت و بے عملی کے جو نتائج سامنے آنے تھے وہ ظاہر ہو کر رہے، جس طرح دواؤں اور غذاؤں کے خواص ہیں اسی طرح اعمال کے بھی خواص ہیں، جو شخص زہر کھاتا ہے وہ ہلاک ہوگا اسی طرح ان ارشادات سے روگردانی کی سزا کو سمجھ لیجئے۔

حق تعالیٰ نے مسلمانوں کو کلیدی مقامات عطا فرمائے، دنیا کے نقشہ پر نظر ڈالو تو معلوم ہوگا کہ دنیا کا قلب اب بھی مسلمانوں کے حیطۂ اقتدار میں ہے اور قدرت نے نقشہ کچھ ایسا رکھا کہ تمام عالم اسلام باہم مربوط اور ایک اسلامی ملک کی سرحدیں دوسرے سے ملی ہوئی ہیں، پھر مسلم ممالک خصوصاً عرب ممالک کو مادی وسائل کی وہ فراوانی عطا فرمائی کہ عقل حیران ہے، اگر ان وسائل کو اسلامی ترقی اور فوجی طاقت مہیا کرنے پر صرف کیا جاتا تو عالم اسلام کا نقشہ ہی کچھ اور ہوتا اور آج یہ روز بد نہ دیکھنا پڑتا، اب اگر عرب اور مسلم ممالک یہ چاہتے ہیں کہ ان کفار اور دشمنان اسلام کی سازشوں سے محفوظ رہیں تو مندرجہ ذیل تدبیر پر عمل پیرا ہونا ضروری ہے:

الف.....قومیت، وطنیت اور جنسیت کے مادی روابط سے بالاتر ہو کر صرف اسلام کے ''العروۃ الوثقیٰ'' اور ''حبل متین'' کو مضبوطی کے ساتھ تھاما جائے اور مغرب کی تمام لعنتوں کو خیر باد کہہ کر نئے سرے سے اسلام سے وفاداری کا عہد کیا جائے اور باہمی اتفاق واتحاد کے رشتے مضبوط کئے جائیں، تمام اسلامی ممالک یکجان دو قالب ہو کر ہر قسم کے باہمی نفاق وشقاق اور حسد و کبر کو دل سے نکال دیں، یہ یقین دلوں میں جاگزیں ہونا چاہیے کہ مسلمانوں کی عزت اسلام اور اسلامی زندگی کے اپنانے میں منحصر ہے، اسلام سے انحراف کر کے اور اس کی ہدایات

کو پس پشت ڈال کر یہ قوم کبھی سرخرو اور کامیاب نہیں ہو سکتی۔

ب...... حق تعالیٰ نے اپنی قدرت کاملہ سے جو مادی وسائل نصیب فرمائے ہیں ان کے ذریعہ اسلحہ سازی کے کارخانے قائم کریں اور پوری کوشش کریں کہ جدید سے جدید اسلحہ میں خود کفیل ہو جائیں، بلاشبہ اس میں دیر لگے گی لیکن بیس پچیس سال میں نقشہ ہی بدل جائے گا، اس مقصد کے لئے جرمن، چین اور جاپان سے فنی اعانت حاصل کی جا سکتی ہے اور زیادہ سے زیادہ معاوضہ دے کر ماہرین کی خدمات حاصل کی جا سکتی ہیں، کافروں کی خوشامد کرنے ان سے بھیک مانگنے اور ان کے رحم و کرم پر زندگی بسر کرنے کے بجائے جب تک مسلمان اپنے وسائل پر انحصار نہیں کریں گے تب تک نہ باعزت اور مستغنی قوم کی حیثیت سے دنیا کے نقشہ پر ابھر سکتے ہیں نہ ذلت کی وادیوں سے قدم باہر نکال سکتے ہیں، چین کی مثال ہمارے سامنے ہے جو قوم چالیس پچاس سال پہلے افیونی قوم مشہور تھی اور اپنی بے مائیگی میں ضرب المثل تھی آج وہ کہاں سے کہاں پہنچ گئی کہ امریکہ اور روس بھی اس سے خائف اور اس کے مقابلہ میں منافقانہ ملی بھگت پر مجبور ہیں، ان کی ترقی کا راز سوشلزم نہیں جیسا کہ ہمارے جہلاء اس کا پروپیگنڈہ کرتے ہیں بلکہ اتحاد و اتفاق غیروں سے استغناء اور اپنے وسائل پر انحصار چین کی ترقی کا باعث ہے، الغرض جب تک عرب اور مسلم ممالک اپنے پاؤں پر کھڑے نہ ہوں گے اور ان اعداء اسلام کفار امریکہ، روس، برطانیہ، فرانس سے بے نیاز نہ ہوں گے اس وقت تک یہی صورت حال قائم رہے گی جس کا افسوسناک نقشہ ہمارے سامنے ہے۔

ج...... آج کل عالم اسلام کے اتحاد کی باتیں بہت کی جاتی ہیں اس کے لئے کانفرنسیں ہوتی ہیں، مقالے پڑھے جاتے ہیں، تجاویز سوچی جاتی ہیں، لیکن اس نکتے سے سب غافل ہیں کہ جب تک سب کا ایک مرکز نہ ہو اور تمام سربراہان مملکت اور عوام اپنے مفادات اپنی ذاتی اغراض اور اپنی انا کو چھوڑ کر ایک مرکز ثقل پر جمع ہونے کے لئے آمادہ نہ ہوں ان منتشر ٹکڑوں میں اتحاد کیسے پیدا ہو سکتا ہے، شاید آج کے ماحول میں یہ بات ''دیوانے کی بڑ'' سمجھی جائے گی لیکن خدا لگتی بات یہ ہے کہ جب تک مسلمان خلافت اسلامیہ کا احیاء نہیں کریں گے جسے برطانیہ کی سازش اور کمال اتاترک کی بداندیشی نے ذبح کر ڈالا تھا اس وقت تک عالم اسلام نہ متحد ہو گا نہ ان کا کوئی مسئلہ حل ہو گا، اب مسلمان چاہیں تو خواہ یہ کام آج کر لیں کہ سب متحد ہو کر ایک ''خلیفۃ المسلمین'' بنائیں اور سب کے سب اس کے جھنڈے تلے جمع ہو جائیں یا کچھ عرصہ مزید ذلیل و خوار ہو لیں، کافروں کی کند چھری سے ذبح ہوتے رہیں اور بعد میں جو زندہ رہے گا وہ یہ کام کرلے گا بہرحال مسلمانوں کے مسائل کا آخری حل خلافت کی تاسیس و احیاء ہے۔

مسلمانوں نے ایک بہترین اور بے نظیر قوم کی حیثیت سے دنیا پر حکومت کی ہے، صفحۂ ہستی پر نہایت خوشنما نقوش چھوڑے ہیں اور تاریخ عالم پر اپنے کارناموں کے زریں باب رقم کئے ہیں، لیکن آج باوجودیکہ قرآن

جیسا آسمانی ہدایت نامہ ان کے ہاتھ میں ہے اور خاتم الانبیاء رحمۃ للعالمین جیسا ہادی برحق ان کا رسول و نبی اور مقتداء و پیشوا ہے، مگر آج اس کی ذلت و نکبت اور بے حسی و بے غیرتی کا تماشا دیکھو کہ یہود و ہنود سے مار کھانا پسند کرتے ہیں لیکن اپنے طویل جمود، عیش پرستی و تن آسانی، آپس کے کبر و غرور اور انانیت و لن ترانی کو چھوڑنے پر آمادہ نہیں ہو پاتے، زمین کے خزانے اور دنیا بھر کے وسائل ان کے قبضہ میں ہیں مگر انہیں کہاں خرچ کیا جا رہا ہے؟ اسلام اور مسلمانوں کی ترقی اور جہاد فی سبیل اللہ پر نہیں بلکہ تماشوں اور سینماؤں پر، تفریحوں اور کھیلوں پر، ریڈیو اور ٹیلیویژن پر، کلبوں اور ہوٹلوں پر، انا للہ۔ حق تعالیٰ کا ارشاد گویا آج ہی ان کے حق میں نازل ہوا ہے:

﴿فَلَمَّا اٰتٰهُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ بَخِلُوْا بِهٖ وَتَوَلَّوْا وَّهُمْ مُّعْرِضُوْنَ فَاَعْقَبَهُمْ نِفَاقًا فِيْ قُلُوْبِهِمْ اِلٰى يَوْمِ يَلْقَوْنَهٗ بِمَا اَخْلَفُوا اللّٰهَ مَا وَعَدُوْهُ وَبِمَا كَانُوْا يَكْذِبُوْنَ﴾

[التوبة: ۷٦،۷۷]

سو جب اللہ تعالیٰ نے ان کو اپنے فضل سے (بہت سا مال) دے دیا تو وہ اس میں بخل کرنے لگے اور روگردانی کرنے لگے اور وہ تو روگردانی کے عادی ہیں، سو اللہ تعالیٰ نے اس کی سزا میں ان کے دلوں میں نفاق قائم کر دیا جو خدا کے پاس جانے کے دن تک رہے گا، اس سبب سے کہ انہوں نے خدا تعالیٰ سے اپنے وعدہ میں خلاف کیا اور اس سبب سے کہ وہ اس وعدہ میں شروع ہی سے جھوٹ بولتے تھے۔

اس آیت کریمہ کو بار بار پڑھئے اور غور کیجئے کہ جو ممالک ان کفار مستعمرین کے انتداب سے آزاد ہوئے خواہ وہ فرانس ہو یا برطانیہ، مراکش سے لے کر پاکستان تک کیا ان ممالک نے وعدے پورے کر لئے؟ کیا صحیح اسلامی حکومت قائم کی؟ یا اس کے لئے کوشش کی؟ کوشش تو کیا اس کی خواہش بھی کی؟ جواب نفی میں ملے گا، درحقیقت یہ تو "بما اخلفوا اللہ ما وعدوہ وبما کانوا یکذبون" کی سزا ہے جو روز افزوں تنزل اور ذلت کے گڑھوں میں گرتے جا رہے ہیں۔

الغرض مسلمانان عالم کو چاہیے کہ تمام قدرت کے عطا کردہ وسائل، اپنی فوجی قوت و طاقت مہیا کرنے پر خرچ کریں اور غریب حکومتیں جہاد کا فنڈ قائم کر کے مسلمانوں سے جہاد کے لئے مال جمع کریں اور صرف اسی صحیح مقصد پر خرچ کریں اور اتفاق و اتحاد پر اپنی پوری توجہ مرکوز کریں۔

ان سب تدابیر و اسباب کو اختیار کرنے کے بعد توکل و اعتماد صرف حق تعالیٰ ہی کی ذات، نصرت الٰہی اور اس کی غیبی امداد پر ہو، ان وسائل کو حاصل کرنا اس لئے ضروری تھا کہ حق تعالیٰ کا ارشاد اور حکم یہی ہے ایک راستہ تو مسلمانوں کی ذلت کو عزت سے بدلنے کا یہ معلوم ہوتا ہے۔

فلاح وکامیابی اورعزت وترقی کا راستہ

اس کے سوا ایک راستہ اور بھی ناقص خیال میں آتا ہے، عرب وعجم کے سب مسلمان اسلامی دعوت وتبلیغ کے لئے وقف ہوجائیں، یہ مقصد نہیں کہ تمام کاموں کو چھوڑ کر اس میں لگ جائیں، بلکہ مقصد یہ ہے کہ ہر ملک اور قوم کا کافی حصہ کفر کے ممالک میں اسلامی اصولوں پر دعوت وتبلیغ دین کا کام شروع کرے اور قافلے کے قافلے ہر طرف پھیل جائیں، زیادہ تر توجہ ان ممالک پر مرکوز رکھیں جن قوموں کو اسلام سے سخت عداوت نہ ہو اور ان میں کبر وغرور بھی نہ ہو اور وہ اپنی زندگی سے اکتا چکے ہیں، سکون قلب مفقود کر چکے ہیں، پریشان ہیں، ان کو اسلام کی دعوت دے کر مسلمان بنانے کی کوشش کریں، ان کوششوں کا زیادہ تر دائرہ افریقی ممالک کے علاوہ چین وجاپان کو بنائیں، ہوسکتا ہے کہ کسی وقت یہ طاقتور قومیں اسلام کی حلقہ بگوش ہوجائیں اور مسلمانان عالم کا نقشہ ہی بدل جائے۔

﴿وَاِنْ تَتَوَلَّوْا يَسْتَبْدِلْ قَوْماً غَيْرَكُمْ ثُمَّ لَا يَكُوْنُوْا اَمْثَالَكُمْ﴾ [محمد:۳۸]

اور اگر تم منہ پھیرلو تو اللہ تعالیٰ تمہاری جگہ کوئی دوسری قوم لے آئیں گے پھر وہ تم جیسے نہیں ہوں گے۔

کا نمونہ سامنے آئے، نبی کریم علیہ صلوات اللہ وسلامہ نے کیا یہ دعا نہیں فرمائی:

اللهم ايد هذا الدين باحب الرجلين اليك ابی جهل وعمر (۱)

اے اللہ! اس دین اسلام کو دو آدمیوں میں سے جو آپ کو پسند ہو، اس کے ذریعہ قوت عطا فرما دیجئے۔ آج ہم بھی اس سنت نبوی کی روشنی میں چین وجاپان کی ہدایت کے لئے یہ دعا کر سکتے ہیں، تبلیغی راستوں سے اس تدبیر میں کوتاہی نہیں کرنی چاہئے۔

الغرض میرے ناقص خیال میں یہی دو تدبیریں ہیں اور اگر دونوں کو جمع کرلیا جائے تو سبحان اللہ! حکمران پہلی تدبیر پر عمل کریں اور علماء امت اور عوام دوسری پر عمل پیرا ہوں، اگر یہ اسلامی طریقے اختیار کئے جائیں تو توقع ہے کہ اللہ تعالیٰ کی مشیت ان کوششوں کو ضائع نہیں فرمائے گی، اور کم از کم آخرت کی مسئولیت سے تو سبکدوش ہوجائیں گے، انسان کوشش ہی کا مکلف ہے، نتائج حق تعالیٰ کے قبضہ قدرت میں ہیں۔

ان اريد الا الاصلاح ما استطعت وماتوفيقی الا بالله وحده عليه توكلت واليه انيب. وصلى الله على خاتم النبيين وسيد المرسلين محمد وآله واصحابه اجمعين الى يوم الدين.

[ذوالقعدہ ۱۳۹۳ھ دسمبر ۱۹۷۳ء]

---

(۱) سنن الترمذی، ابوب المناقب، مناقب ابی حفص عمر بن الخطاب رضی الله عنه، ج: ۲ ص: ۲۰۹ ط: فاروق کتب خانه. الرياض النضرة فی مناقب العشرة، الباب الثانی فی مناقب امیر المؤمنین ابی حفص عمر بن الخطاب، الفصل الرابع فی اسلامه، ج: ۱ ص: ۱۹۷، ط: مصر.

طرابلس اور شیخ محمد بن علی السنوسی رحمۃ اللہ علیہ

بعد زیارت حرمین شریفین کے بعد بلادِ عربیہ کے دو ایک نئے ممالک کے دیکھنے کا اتفاق ہوا، جدہ سے بیروت ہوکر طرابلس الغرب (تریپولی) جانا ہوا، یہ سفر خالص دینی دعوتی اور تبلیغی مقاصد کے لئے تھا، جناب سید محمد صاحب سابق اکاؤنٹنٹ جنرل پاکستان وحال صدر انجمن اشاعت القرآن رفیق سفر تھے، تقریباً ایک ماہ تک طرابلس، عمان اور کویت وغیرہ کے دیکھنے، وہاں کی دینی حالت کا مشاہدہ کرنے، عالم اسلام کے اصلاحی مسائل پر تبادلہ خیال کرنے اور وہاں کے علماء اور عوام سے ملنے اور ان سے دعوت دین کے موضوع پر خطاب کرنے کا موقع ملا اور مسجدوں میں تقریریں کیں۔

طرابلس کا نام مشہور داعی الی اللہ، مجاہد اعظم، مصلح ملت، متبع سنت، وسیع النظر عالم دین الشیخ السید محمد بن علی السنوسی رحمۃ اللہ علیہ کی وجہ سے کافی روشن تھا، پھر مسلمانانِ طرابلس کے مجاہدانہ کارنامے جو اٹلی کے جابرانہ تسلط واقتدار کے خلاف ظہور میں آئے ان کی بدولت اسے نصف صدی سے شہرہ آفاق حیثیت حاصل ہوگئی ہے اور جب سے طرابلس الغرب کے ریگستانی صحراؤں سے تیل اگلنے لگے اور یکا یک ایک فقیر ملک متمول ممالک کی صف میں شمار ہونے لگا اس وقت سے اس کی عالمگیر شہرت میں چار چاند لگ گئے، سننے والوں کو تعجب ہوگا کہ ساڑھے چار لاکھ مربع میل پر پھیلا ہوا یہ ملک جو ہمارے ملک پاکستان سے ایک لاکھ مربع میل زیادہ وسعت رکھتا ہے، صرف ۱۵ لاکھ کی آبادی پر مشتمل ہے، دلچسپ بات یہ کہ اس سال آبادی کے تناسب کے اعتبار سے سب سے زیادہ حج کرنے والی قوم طرابلس ہی کی تھی، یعنی ۱۵ لاکھ کی آبادی کے ملک سے ۱۸ ہزار افراد نے حج ادا کرنے کی سعادت حاصل کی، معلوم ہوا کہ ملک معظم السید ادریس نے ہزاروں افراد کو حکومت کی طرف سے امداد دے کر حج کے لئے بھیجا تھا، اتنی قلیل آبادی سے ملک کا میزانیہ (بجٹ) تقریباً پاکستان کے برابر رہتا ہے، ملک معظم نے چار سو کروڑ پونڈ کی خطیر رقم ملک کی تعمیر وترقیات کے لئے عطا فرمائی ہے۔

خیال یہ تھا کہ یہ محض صحرائی اور ریگستانی ملک ہوگا، لیکن طرابلس الغرب کی سرسبزی وشادابی کو دیکھ کر تعجب ہوا، زیتون، انگور، کھجور اور دیگر پھلوں کے باغات، گیہوں اور جو کے میلوں لمبے قطعات دیکھ کر حیرت میں پڑ گیا۔

مملکت لیبیا کا طرابلس کے بعد دوسرا عاصمہ یعنی دارالحکومت بیضاء ہے، تین سو کیلومیٹر کا یہ طویل اور عظیم پہاڑی علاقہ قدرتی حسن وجمال کے دلکش مناظر اور حیرت انگیز سرسبزی وشادابی سے مالا مال ہے، آب وہوا بہت عمدہ ہے، خصوصاً جبل اخضر کا آخری علاقہ ''درنہ'' تو دلکشی، جلوہ ریزی اور طبعی مناظر کے لحاظ سے بے نظیر ہے، بیضاء جو طرابلس سے ۱۲۰۰ کیلومیٹر کے فاصلہ پر واقع ہے اور بیضاء کے صوبہ میں شحات اور سوسہ کے

رومانی اور یونانی آثارقدیمہ آج بھی تاریخ کے ادوارِ سابقہ کی عظمت کی داستانیں تازہ کررہے ہیں۔

حکومت لیبیا میں دو یونیورسٹیاں ہیں ایک جامعہ لیبیا جو طرابلس الغرب میں ہے اور دوسری جامعۃ السید محمد بن علی السنوسی الاسلامیہ جس کا مرکز صوبہ بیضاء ہے، یہ جامعہ نوعمر ہے، جسے قائم ہوئے کوئی چار سال کا عرصہ ہوا ہے، لیکن اس وقت اس کا سالانہ میزانیہ (بجٹ) تین ملین پونڈ ہے، اس کے شیخ الجامعہ کی حیثیت اور تنخواہ وزیر اعظم سے کسی طرح کم نہیں ہوتی، شیخ الجامعہ، الشیخ عبدالحمید بن عطیہ الدیبانی بڑی جامع کمالات اور جاذب ترین شخصیت کے مالک ہیں، میں اس پورے سفر میں جس شخص سے سب سے زیادہ متاثر ہوا وہ شیخ الجامعہ ہی کی شخصیت تھی۔

عرب قوم، ان کے امراض اور ان کا علاج

بہر حال اس سفر کی تفصیلات پیش کرنے کا نہ ارادہ ہے نہ مقصد، بے ساختہ چند حروف زیر قلم آ گئے، کہنا یہ ہے کہ ان عرب ممالک کو دیکھ کر میرے اس سابقہ یقین میں مزید اضافہ اور استحکام پیدا ہوا کہ عرب قوم دو شدید قسم کے امراض میں مبتلا ہے، جو بقیہ تمام بیماریوں کے لئے ام الامراض کا درجہ رکھتے ہیں، یعنی ① عرب قومیت پرستی ② مغربی تہذیب وتمدن کا تسلط، یہ ضرور ہے کہ مصر کی جدید حکومت اس کی نمایاں طور پر علمبردار ہے لیکن یہ مرض اب سارے عرب کا مشترکہ روگ ہے جو اس کے جسم میں خون کی طرح سرایت کر گیا ہے۔

''قومیت'' عربی ہو یا عجمی، مشرقی ہو یا مغربی، دین اسلام کی نظر میں وہ بہر حال ایک لعنت ہے، وہ ایک بت ہے جس کی پرستش کو اسلام شعار جاہلیت قرار دیتا ہے، قومیت اور اس کی بنیاد پر ابھرنے والے تمام فلسفوں اور نظریوں کو کچل ڈالنے کی دعوت دیتا ہے، لیکن یا للاسف! آج قوم عرب جو اسلام کی دعوت الی اللہ کی اولین حامل تھی، اس لعنت کا بری طرح شکار ہے، قومیت کے طاغوت نے عرب ممالک میں اسلامی اخوت کو پارہ پارہ کر ڈالا ہے، آپ کو یہ سن کر دکھ ہوگا کہ اسرائیل اور عربوں کی جو خلفشار ان دنوں جاری ہے اس سلسلے میں عرب راہنماؤں کے جو بیانات، خطبات اور لیکچر ریڈیو پر نشر کئے جاتے ہیں ان میں خدا اور رسول یا دین اسلام کا نام تک نہیں آنے پاتا۔ عرب قومیت، عرب وطنیت، عرب افواج اور ملکی وسائل وثمرات ہی کا وظیفہ بار بار پڑھا جاتا ہے اور اس سے بڑھ کر یہ کہ ایک خطبہ کا افتتاحی جملہ "بسم اللہ" کے بجائے "باسم القومیة العربیة" اور "باسم الکرامة العربیة" تھا، انا للہ۔ جب معاملہ یہاں تک پہنچ جائے تو خیر واصلاح کی توقع بہت ہی کم باقی رہ جاتی ہے۔

افسوس ہے کہ اسلام نے جس لعنت کو مٹایا تھا برطانوی طاغوت نے مسلسل تدابیر سے اس لعنت کو دوبارہ جنم دیا۔ "ولقد صدق علیهم ابلیس ظنه" انہی ملعون تدابیر سے اس نے پہلے تو خلافت اسلامیہ کو ختم کرانے کے لئے عرب وترک دشمنی کا بیج بویا اور بھائی بھائی کو دشمن بنایا اور جب اس میں کامیابی ہوئی تو وطنیت کا زہر پھیلایا، آج قومیت، وطنیت اور رنگ ونسل کی ان لعنتوں نے عربوں کو اتنا کمزور کر ڈالا کہ ۱۲ ر کروڑ عرب ۱۵ ر لاکھ اسرائیل سے جو ان کے قلب کا ناسور اور عرب ممالک کے عین وسط میں واقع ہے ہراساں، اس کے علاج سے

[illegible] سے درماندہ ہیں اور اسرائیل کا حوصلہ کتنا بڑھ گیا ہے؟ اس کا اندازہ اس سے کیجئے کہ عرب سربراہوں کی تقریریں سننے کے بعد اسرائیلی ریڈیو نے کہا:

''تم لیکچر دیتے رہو اور افسانے اڑاتے رہو جب وقت آئے گا تو تمھیں معلوم ہوگا کہ اسرائیل کون ہے، [illegible] کا وقت ہے قول کا نہیں، نرے دعووں سے کچھ نہیں ہوتا''۔

لعنه الله و خذله

کیا یہ اپنی اپنی ڈفلی بجانے والے قومیت اور وطنیت کے پرستاروں کے لئے عبرت کا مقام نہیں؟ کیا [illegible] نہیں آیا کہ تمام عالم اسلام کلمہ، ایمان، خدا اور رسول اور اسلامی اخوت کے نام پر متحد ہو کر ''بنیان مرصوص'' بن جائے؟ اور دشمنان اسلام نے غلط فہمیاں پھیلا کر اختلاف وتفرق کے جس غار میں ہمیں دھکیل دیا ہے اس سے باہر آنے کی تدبیر کریں؟

یہ درست ہے کہ ''اسرائیلی سانپ'' کو قلب اسلام میں ڈسنے کے لیے امریکہ و برطانیہ نے مل کر جنم دیا ہے، وہی اس کی پرورش کرتے رہے ہیں اور آج بھی اس کی پشت پر یہ طاقتیں موجود ہیں، لیکن آخر ان طاقتوں کو ہمارے اختلاف وتفرق ہی سے فائدہ اٹھانے کا موقع ملا، اس اختلاف وتفرق کی ایک مکروہ صورت حال اسی سفر میں خود ان آنکھوں نے دیکھی، طرابلس (لیبیا) کے اندر میلوں کے رقبہ میں پھیلا ہوا عظیم امریکی ہوائی اڈہ اور [illegible] ذمہ دار سے دریافت کرنے پر اس کی مصلحت یہ بتلائی گئی کہ مصری حکومت کے خطرے کے پیش نظر طرابلس کی حفاظت کے لئے یہ تدبیر کی گئی ہے، سبحان اللہ! ڈاکوؤں، رہزنوں اور قزاقوں کو پاسبانی کا شرف [illegible] جاتا ہے اور انہی کو محافظ، چوکیدار بنایا جاتا ہے، شدید ترین دشمنوں سے دوستی کی توقع رکھی جاتی ہے، سادہ لوحی اور خوش فہمی کی بھی انتہا ہوگئی اور اسی کا نتیجہ ہے کہ آج انہی ہوائی اڈوں سے اسرائیل کی امداد ہو رہی ہے اور اسے تمام عالم اسلام کے مقابلے میں خم ٹھونکنے کے قابل بنایا جا رہا ہے، نہ معلوم یہ عقلیں اتنی کیوں مسخ ہوگئیں، ان ملکوں [illegible] بڑی دردناک ہیں، اللہ تعالیٰ اپنا لطف وکرم فرمائے اور تمام عرب ممالک کو صدق واخلاص کے ساتھ [illegible] اور اپنے تمام اختلافات کو بھول کر مل بیٹھنے کی توفیق بخشیں۔ (۱)

---

(۱) [illegible] راہنماؤں کے اتحاد کی جو خبریں آرہی ہیں وہ تمام عالم اسلام کے لئے نوید مسرت ہیں، اردن کے شاہ [illegible] صدر ناصر سے مدت سے بچھڑے ہوئے دو بھائیوں کی طرح ملنا اور ان دونوں ملکوں کے سربراہوں کا مشترکہ دفاعی [illegible] قابل تقلید مثال بھی ہے اور موجودہ تاریخ کا زریں باب بھی، اسی طرح صدر ناصر کا یمن سے مصری افواج [illegible] بلاشبہ قابل تحسین ہے، کاش تمام ممالک اسلامیہ میں ایمانی گہرائیوں سے یہ اتحاد عمل میں آجائے محض نمائشی، سیاسی اور وقتی نہ رہے۔

اللهم الف بين قلوب المؤمنين واصلحهم واصلح ذات بينهم واجعل فى قلوبهم الايمان،
اللهم ارحم امة محمد ﷺ ،آمين بحرمة سيدالمرسلين ﷺ

مال و دولت کی فراوانی اور اس کا معاشرہ پر اثر

اسی طرح ان عرب صحراؤں اور ریگستانوں میں جب سے سونے کی کانیں نکلنا شروع ہوئیں اور پٹرول کی نہریں بہنے لگیں، مال و دولت کی فراوانی اور طغیانی نے ان پر مغربی تہذیب و معاشرت کو مسلط کر دیا عرب تو ہیں اس سے اس قدر متاثر ہیں کہ ''دق'' کی طرح مغربی تہذیب و تمدن کا مرض ان کے دین و ایمان کو چاٹتا جا رہا ہے اور قریب قریب لا علاج صورت اختیار کر چکا ہے، عرب قومیت نے اگر اسلامی عالمگیر اخوت کو پارہ پارہ کیا تھا تو شکل وصورت تہذیب و تمدن اور معاشرت و ثقافت میں مغرب کی نقالی دامن اسلام ہی کو تار تار کر رہی ہے، کسی طبقہ اور معاشرے میں جس رفتار سے تہذیب فرنگ خیمہ زن ہوتی جائے گی اسی رفتار سے قلوب سے ایمان اور معاشرے سے اسلامی اقدار رخصت ہوتی جائیں گی، اسی لئے ایک موقعہ پر حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے انصار کے چند نوجوانوں سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا تھا:

'' فو الله ما الفقر اخشى عليكم ولكنى اخشى عليكم ان تبسط الدنيا عليكم كما بسطت على من كان قبلكم فتنافسوها كما تنافسوها وتهلككم كما اهلكتهم. (اخرجه الشيخان واللفظ لمسلم)(۱)

پس بخدا میں تمہارے حق میں فقر کا اندیشہ نہیں رکھتا، بلکہ مجھے ڈر یہ ہے کہ کہیں دنیا تم پر بھی اسی طرح نہ پھیلا دی جائے جس طرح تم سے پہلے لوگوں پر پھیلائی گئی، پس تم بھی اس پر اسی طرح ریجھ جاؤ جس طرح وہ اس پر ریجھے، پھر یہ تمہیں بھی ہلاک کر ڈالے جس طرح انہیں ہلاک کر ڈالا۔

جیسا کہ ابھی عرض کیا گیا مادیت کا یہ غلبہ اور اس کے نتیجے میں یورپی تہذیب کا تسلط سارے عرب میں عام ہے، کویت وغیرہ میں ان صحراء نوردسار بانوں کا طنطنہ دیکھ کر حیرت ہوئی، بازاروں میں جاؤ تو لندن اور پیرس کا شبہ ہوتا ہے، اور موٹر کاروں جیسے سامان تمول کو دیکھو تو امریکہ کا دھوکا ہوتا ہے، بلا شبہ ابھی تک مسجدیں آباد ہیں، مگر عام طور پر فقراء و مساکین اور مزدور طبقہ ہی مساجد کی زینت ہے، مال کی فراوانی کے سیلاب میں آخر کب تک یہ نظام قائم رہے گا؟ ان ممالک کے اونچے طبقہ میں اور امراض بھی پیدا ہوا چکے ہیں جن کا ذکر یہاں ضروری نہیں، بہر حال۔

قیاس کن زگلستان من بہار مرا

حال کے آئینے میں مستقبل کے مناظر کتنے بھیانک نظر آتے ہیں؟

ان حالات میں مسلمانوں کا فرض ہے کہ ''دعاۃ الی اللہ'' کی جماعتیں دعوت دین کو مستقل مقصد بنا کر

---

(۱) صحيح مسلم، كتاب الزهد، ج:۲ ص:۴۰۷، ط: قديمی.

صحيح البخاری، كتاب الرقاق، باب مايحذر من زهرة الدنيا والتنافس فيها، ج:۲ ص:۹۵۱، ط: قديمی

ایک ملک میں مقیم ہوں اور پوری قوت اور توجہ سے اصلاح کا کام شروع کیا جائے، ابھی تک دلوں میں نور ایمان کی دبی دبائی چنگاریاں موجود ہیں لیکن دن بدن ان کی روشنی مضمحل ہوتی جارہی ہے، ابھی تک ان قوموں میں بات سننے اور سنانے کی صلاحتیں موجود ہیں، اس لئے اصلاح کی توقع کی جاسکتی ہے لیکن اگر دس پندرہ سال اسی غفلت میں گذر گئے تو پانی سر سے گذر جائے گا، ایمانی حرارت یکسر ختم ہوجائے گی اور اس وقت اصلاح کی کوئی توقع باقی نہیں رہے گی۔

عمان میں ''رابطۃ العلوم الاسلامیۃ'' کے ایک اجتماع میں اس قسم کی تدبیر کی نشاندہی اور امراض کی تفصیل عرض کی گئی، شاید کسی موقعہ پر اس تقریر کا خلاصہ پیش کیا جاسکے، وہاں محسوس ہوا کہ اونچے طبقے میں حالات ابھی تک مایوس کن نہیں، بلکہ کچھ افراد ابھی ایسے موجود ہیں جو ہر حیثیت سے قابل قدر ہیں، کچھ علماء اور ارباب فکر بھی ہر ملک میں ایسے مل جائیں گے جن کو ملا کر اصلاحی کوشش بارآور ہو سکے گی، بیروت میں جماعت ''انصار الرحمن'' اور مفتی لبنان کا مدرسہ اور عمان میں دار القرآن اور رابطۃ العلوم الاسلامیہ وغیرہ ان ظلمات میں امید کی کرنیں ہیں، ان سب سے بروقت صحیح کام لیا جاسکتا ہے، جو حضرات اس عظیم مقصد کی خاطر ان ممالک میں دینی دعوت کو زندہ کرنے کے لئے کچھ بھی وقت نکال سکتے ہوں ان کی ہر قسم کی ممکنہ معاونت اور مشورہ کے لئے میں ہر وقت حاضر ہوں۔

اس سفر میں یہ احساس بھی شدت سے دامن گیر ہوا کہ ان ملکوں میں جہاں دینی انحطاط کے آثار روز افزوں ہیں وہاں علمی انحطاط کا المیہ بجائے خود روح فرسا ہے، علوم اسلامیہ کی قابل قدر خدمات کی انجام دہی نہیں ہورہی، جدید طرز پر چند دینی مضامین کالجوں اور کلیات میں پڑھائے جاتے ہیں، جن سے علوم اسلامیہ کی حفاظت کا تصور لغو ہے، یہ ایک مستقل تفصیل طلب داستان ہے، بہرحال دعاؤں اور محنت کی بے حد ضرورت ہے، اللہ تعالیٰ ان بلاد کی اصلاح کے لئے کوئی لطیفہ غیبیہ ظاہر فرمادے، وما ذالك على الله بعزيز۔

[ربیع الاول ۱۳۸۷ھ]

انقلاب لیبیا

گذشتہ دنوں یکم ستمبر ۶۹ء کو ایک اور اسلامی مملکت لیبیا کی حکومت کا تختہ الٹ دیا گیا، انقلابی رہنماؤں کے طرز عمل سے صاف پتہ چلتا ہے کہ سوشلسٹ بلاک کی تدبیر سے یہ سانحہ پیش آیا ہے، گویا سوڈان کے بعد یہ دوسرا عرب ملک ہے جو اشتراکیت کی گود میں چلا گیا، انا للہ وانا الیہ راجعون۔

شاہ ادریس سنوسی تمام اسلامی وعربی ممالک میں سب سے زیادہ خدا پرست اور خداترس بادشاہ تھا، شیخ محمد بن علی سنوسی مجاہد اعظم جن کی کوششوں سے یہ مملکت وجود میں آئی تھی اور ایطالیہ کے ظالمانہ اور غاصبانہ قبضے سے مسلمانوں کو نجات ملی تھی شاہ ادریس ان کا پوتا تھا، موجودہ ممالک اسلامیہ میں یہ پہلا اور آخری بادشاہ تھا جو شب خیز

عبادت گذار بھی تھا اور شیخ طریقت بھی، باقاعدہ بیعت وارشاد کی مسند ان کے دم سے قائم تھی، نہایت فیاض اور رحمدل بادشاہ تھا، غریب پروری اور رحمدلی میں موجودہ بادشاہوں میں ان کی نظیر نہ تھی، صوبہ بیضاء میں جو طرابلس (تریپولی) کے بعد دوسرا پایہ تخت تھا ۵۰۰ رملین پونڈ کا عظیم الشان عطیہ دے کر فقراء اور مساکین کے لئے مکانات تعمیر کرائے تھے، بادشاہ کی طرف سے یہ اعلان تھا کہ جو شخص حج بیت اللہ کے لئے جانا چاہے اور غیر مستطیع ہو حکومت اس کی معاونت کرے گی، یہی وجہ ہے کہ لیبیا آبادی کے تناسب کے اعتبار سے پہلا ملک ہے جس کے شرکاء حج کی تعداد تمام اسلامی ممالک سے گوئے سبقت لے گئی تھی، یعنی لیبیا کی آبادی کل ۱۵ ر لاکھ ہے اور پندرہ ہزار لیبیا کے حجاج کرام سال گذشتہ حج میں موجود تھے۔

شاہ ادریس نے بیضاء میں اپنے جد امجد کے نام پر ایک یونیورسٹی قائم کی تھی جس کا نام تھا جامعۃ الشیخ محمد بن علی السنوسی الاسلامی اس کا میزانیہ ابتدائی امراحل میں ۳۵۰ رملین پونڈ سالانہ [illegible] اس کے ماتحت معاہد و مدارس میں گذشتہ دو سال سے قبل تک ۷ ر ہزار لڑکے اور لڑکیاں قرآن مجید حفظ کر رہے تھے لڑکیوں کے لئے اس عظیم الشان پیمانے پر حفظ قرآن کا یہ انتظام تمام عالم اسلام میں بے نظیر تھا۔ اساتذہ کے لئے مستقل مدینۃ الجامعۃ کے نام سے بیضاء میں ایک شہر کئی ملین پونڈ کی لاگت سے تعمیر کرایا جا رہا تھا۔

الغرض بہت سے مفاخر و مآثر کا مالک بادشاہ تھا، البتہ نظم حکومت اور استحکام مملکت کے لئے جس تیقظ و تدبر کی ضرورت ہوتی ہے اس کی کمی تھی، اسی وجہ سے پڑوسی ممالک کے جبر و استبداد اور ناگہانی تسلط سے بچنے کے لئے امریکہ کو ایک عظیم الشان ہوائی اڈہ طرابلس میں قائم کرنے کی اجازت دی ہوئی تھی، گویا امریکہ ہی کے رحم و کرم پر جی رہا تھا اور بیت المقدس کے سقوط میں اس امریکی ہوائی اڈے کا کارنامہ سب کو معلوم ہے، ممکن ہے تکوینی طور سے یہی غفلت مملکت کے زوال کا باعث بنی ہو، ایک بار بادشاہ نے وزیر اعظم کو تین سو ہوائی جہاز خریدنے کا حکم دیا تھا بعد میں معلوم ہوا کہ اس فرمان کی تعمیل میں صرف تین ہوائی جہازوں کی خریداری ہوئی تھی، بوقت [illegible] کو جب علم ہوا تو اتنا شدید صدمہ پہنچا کہ قریب تھا کہ حرکت قلب بند ہو جائے اور اس وزیر اعظم کو ہٹانا پڑا۔

بہر حال کہنا یہ ہے کہ سوشلسٹ یا کمیونسٹ ملک اور قوم کے لئے اس سے بہتر نظام حکومت بھی قائم نہیں کر سکتے جو اس شاہ معزول کے عہد میں قائم تھا اور یہ محض فریب اور دھوکا ہے کہ غریبوں اور مزدوروں کی امداد و فلاح کے جذبے کے تحت علم برداران اشتراکیت ملکوں میں انقلابات برپا کرتے ہیں، بالکل نہیں ہے، اس میں کوئی حقیقت نہیں، چنانچہ لیبیا پر قبضے کا یہ منصوبہ محض ایک ارب پونڈ سالانہ کے تارکول اور پٹرول کی آمدنی پر قبضہ کرنے کے لئے بنایا گیا ہے، ورنہ اس کا کوئی امکان نہیں ہے کہ جس طرح شاہ مخلوق، فقراء و مساکین اور حجاج کی اعانت کرتا تھا، انقلابی حکومت اس کا عشر عشیر بھی کرے گی، اشتراکیت تو غریبوں اور مزدوروں کی امداد و فلاح کے نام سے خدا کی مخلوق پر وہ مظالم ڈھاتی ہے جس کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا، سمرقند و بخارا کی تاریخ دنیا کے سامنے ہے، وسط ایشیا کا

عظیم الشان اور زرخیز خطہ خالص اسلامی ملک تھا اس کا کیا حشر ہوا؟ الامان الحفیظ۔ آج اس طویل وعریض سرزمین کا ذرہ ذرہ اسلام اور اسلامی ورثہ کا مقتل ومدفن ہے، ہاں یہ درست ہے کہ اب سیاسی مصالح کے پیش نظر اس بربریت، وحشت اور دہشت انگیزی کا دور دورہ نہیں رہا اور زمانہ کے تقاضوں سے مجبور ہوکر یہ کمیونسٹ بھی اسلام کش پالیسی پر نرمی کرتے رہتے ہیں، لیکن اس میں تو کوئی شبہ نہیں کہ یہ خدا دشمن گروہ غریبوں اور محتاجوں کے نام سے تسلط واقتدار حاصل کرتے ہیں اور پھر اسلام کو ختم کرنے کی کوشش کرتے ہیں، سوڈان عربی ممالک میں اپنے دینی مزاج کے لحاظ سے ممتاز تھا لیکن آج وہاں اسلامی نظام مرثیہ خواں ہے، اگر اخبارات وجرائد اور خبر رساں ایجنسیوں کے بیانات صحیح ہیں تو چند دنوں میں اسلام کا نام بھی نہ رہے گا، افسوس اس امر کا ہے کہ اگر یہ اسلامی حکمران ان اسلامی حکومتوں میں صحیح نظام اسلام قائم کر لیتے تو اس کی ظاہری وباطنی برکات ان ملکوں کو ان تمام فتنوں سے محفوظ رکھ سکتی تھیں، دراصل یہ حق تعالیٰ کی طرف سے خدا فراموشی کی سزا ہے، سقوط بیت المقدس اور پھر مسجد اقصیٰ کے جلانے کا دردناک واقعہ اگر غور کیا جائے تو ہماری شامت اعمال کا نتیجہ ہے: ''شامت اعمال ماصورت نادر گرفت'' پھر ممالک ... حق تعالیٰ شانہ اور اس کے قوانین سے انحراف کرنے کے بعد کسی نے روس کو خدائی کا درجہ دے دیا اور کسی نے ... کو اور ان ہی خدا دشمن قوموں کو اپنا مشکل کشا سمجھ لیا، آفتاب نیمروز کی طرح یہ حقیقت واضح ہے کہ یہ صرف ان ملکوں میں اسلامی قانون نافذ ورائج نہ کرنے کی سزا ہے کہ آج یہ اسلامی ممالک بے دین سوشلسٹوں کے ہاتھوں پامال ہو رہے ہیں، کاش ہمارے ملک کے رہنماؤں اور لیڈروں کی آنکھیں کھل جائیں۔

بدقسمتی سے اس اسلامی ملک میں سرمایہ دارانہ نظام اور سودی کاروبار نے مالدار طبقہ کے دلوں میں وہ قساوت اور بے رحمی پیدا کر دی ہے جس کے نتیجہ میں اشتراکیت کا سیلاب آ جانے کا خطرہ ہے، یہ اشتراکیت یا سوشلزم درحقیقت رأسمالیت کا ردعمل ہے، حکومت پاکستان کو اس اسلامی دنیا سے اور ان دردناک انقلابات سے عبرت حاصل کرنے کی شدید ضرورت ہے، نجات کا راستہ اسلام اور صرف اسلام میں منحصر ہے، لیکن نام کا اسلام نہیں بلکہ صحیح عملی اسلام، جس کے لئے اولین فرصت میں اسلامی قانون کو نافذ کرنا، اسلامی اقدار واخلاق کو اپنانا، اسلامی نظام تعلیم رائج کرنا، بدمعاشی اور بداخلاقی وبداطواری کے حیا سوز مظاہر کی یک قلم بیخ کنی کرنا ہوگی، اسلامی حدود وتعزیرات کو جاری کرنا ہوگا، اسلام کے معاشی نظام کو قائم کرنا ہوگا، شخصی وقومی اور انفرادی واجتماعی گوشوں میں عادلانہ اسلامی نظام کو لانا ہوگا، تب کہیں جا کر سوشلزم کی لعنت سے نجات مل سکے گی، صرف کھوکھلے نعروں، وعظوں، لیکچروں تقریروں، پریس کانفرنسوں، پمفلٹوں اور کتابوں سے اس سیلاب کو روکنا ناممکن ہے۔ یہ جو کچھ ہو رہا ہے یہ علاج ہرگز نہیں کسی حکیم کے صرف نسخہ لکھ دینے سے مرض نہیں جایا کرتا جب تک کہ نسخہ کا صحیح استعمال اور پرہیز کی پابندی نہ ہو۔

سوشلزم اور کمیونزم کا صحیح علاج

بہر حال سوشلزم یا کمیونزم کا صحیح علاج غریب طبقہ کی مشکلات کو انتہائی ہمدردی کے ساتھ سمجھ کر اسلام کے معاشی نظام سے ان کا ازالہ کرنا اور ۹۰ رفیصد آبادی کو مطمئن کرنا ہے، اس کے لئے اسلامی اصول واقدار کی ترویج واشاعت کے ذریعہ ملک گیر تعلیم وتربیت کی ضرورت ہے، اسے خدا فراموش زندگی سے نکال کر خدا ترس زندگی سے روشناس کرنا ہوگا اور معاشرے کی اصلاح اسلامی احکامات وارشادات اور اسلامی قانون سے کرنا ہوگی، صرف اتنی بات ہرگز کافی نہیں کہ ان کے پیٹ کا انتظام کر دیا جائے اور روح وقلب کی اصلاح سے غفلت برتی جائے، ورنہ تو کسی وقت بھی وہ غلط اقتدار کا آلہ کار بن سکیں گے، علماء، واعظین، اداروں اور جمعیتوں کا اصلی مقصد معاشرے کی اصلاح کرنا ہونا چاہیے، تب جا کر توقع ہو سکے گی کہ یہ مہیب سیلاب رک جائے، ورنہ اس کے بغیر ''ایں خیالست ومحالست وجنوں''، حضرت رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک طویل حدیث ہے جو صحیح بخاری ومسلم میں نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ کی روایت سے مروی ہے اس کے آخر میں حکیمانہ ارشاد ہے:

"الا وان فی الجسد مضغة اذا صلحت صلح الجسد كله واذا فسدت فسد الجسد كله الا وهی القلب".(۱)

''سنو! جسم انسانی میں ایک گوشت کا لوتھڑا ہے اس کی اصلاح سے تمام جسم انسانی کی اصلاح ہوگی اور اس کے فساد سے تمام بدن میں فساد ہوگا اور وہ دل ہے۔

دل کی اصلاح ظاہر ہے کہ اسلام کے عملی نظام نافذ کرنے ہی سے ہوگی۔

اتحاد اور اس کی ضرورت

اس کا صدمہ ہے کہ اس وقت علماءِ حق کی دو جماعتوں میں تصادم ہو رہا ہے، انصاف سے دیکھا جائے تو صرف طریقہ فکر یا طریقہ عمل کا اختلاف ہے لیکن خودغرض اصحاب جو دونوں طرف بری طرح چمٹے ہوئے ہیں ان کو حقیقی اختلاف بنا کر دینی اقدار کو شدید نقصان پہنچا رہے ہیں، بینات کے گذشتہ شمارے میں اس حقیقت کی طرف اشارہ کیا گیا تھا لیکن آج مزید صراحت کے ساتھ یہ گذارشات پیش کی جا رہی ہیں:

① اس پرآشوب دور میں علماءِ دین اور خصوصاً مشارٌ الیہا اکابر کا اتفاق بے حد ضروری ہے۔

ایسا اختلاف جو حدود سے متجاوز ہو ہر دور میں انتہائی مضر رہا ہے لیکن آج تو اس سے بچنے کی اور بھی شدید ضرورت ہے "وایاکم وفساد ذات البین فانها هی الحالقة" (آپس کے فساد سے بچتے رہنا!

---

(۱) صحیح البخاری، کتاب الایمان، باب فضل من استبرأ لدینه، ج:۱ ص:۱۳، ط: قدیمی. صحیح مسلم، کتاب البیوع، باب اخذ الحلال وترك الشبهات، ج:۲ ص:۲۸، ط: قدیمی

کیونکہ یہ دین کا بالکل صفایا کردیتا ہے) ارشاد نبوی سب کے سامنے ہے۔ (۱)

④ اگرچہ دونوں فریق نیک نیتی سے اپنے مؤقف کو حق سمجھتے ہیں لیکن اس سلسلہ میں انتہائی تیقظ و تدبر کی ضرورت ہے، ایسا نہ ہو کہ تمام کوششیں اور محنتیں رائیگاں چلی جائیں، خودغرض عناصر جو علماء کے اتحاد، وقار اور ان کی متحدہ مساعی کو تشویش کی نگاہ سے دیکھتے ہیں ان کی تمنا پوری ہو اور نتیجہ غیر صحیح نکلے۔

③ وسعت قلب کی بڑی ضرورت ہے اور انتہائی کوشش کی جائے کہ سوءِ تفاہم اور غلط فہمی سے اختلاف رائے کا دائرہ قلوب کے اختلاف تک نہ پہنچایا جائے۔

④ اگر بدقسمتی سے اتحاد نہ پیدا ہو سکے تو جہاں تک ممکن ہو تنقید اور منفی پہلو سے گریز کیا جائے اپنا دائرہ عمل مثبت طریق کار تک محدود ہو اور اپنے تمام اتباع کو اس کی ہدایت کی جائے۔

⑤ اگر ایک جماعت کی رائے یہ ہے کہ دنیا میں سوشلزم سب سے بڑی لعنت ہے اور وہ اسلام کی تباہی کا پیش خیمہ ہے اس لئے ان حضرات کی بیشتر طاقت اسی کی تردید میں صرف ہو رہی ہے، وہ مغربی سرمایہ داری کو بھی لعنت سمجھتے ہیں، مگر ان کی طرف سے جس قدر سوشلزم سے بیزاری کا اظہار ہو رہا ہے اس انداز سے سرمایہ داری سے نفرت کا اظہار نہیں ہو رہا، نہ اس کی تردید اس انداز سے ہو رہی ہے۔ دوسرا فریق سرمایہ داری کو لعنت قرار دے رہا ہے اور یہ خیال کرتا ہے کہ سوشلزم میں کوئی حسن نہیں بلکہ وہ درحقیقت سرمایہ داری کا ردعمل ہے، سرمایہ داری کی پیدا کردہ الجھنوں کو اسلامی اصول کی روشنی میں حل کر دیا جائے تو سوشلزم اپنی موت آپ مر جائے گا، ان حضرات کی جانب سے جتنا زور سرمایہ داری سے بیزاری میں صرف ہوتا ہے سوشلزم کی تردید میں نہیں ہوتا، اب ذرا ٹھنڈے دل و دماغ سے غور کیا جائے تو مقصد دونوں حضرات کا ایک ہے، صرف طریق کار اور الاھم فالاھم کی تعیین کا اختلاف ہے، اس لئے اس کو اختلاف رائے سمجھ کر یقیناً برداشت کر لینا چاہیے، اگر قلوب میں اخلاص ہے تو اختلاف رائے یا اختلاف ذوق افتراق و تشتت کا ذریعہ نہیں بن سکتا ہے اور محبت و خلوص کی فضا میں تبادلہ خیالات کے ذریعہ الاھم فالاھم کی تعیین بھی آسانی سے کی جا سکتی ہے اور متفق علیہ طریق کار کا تصفیہ بھی مشکل نہیں۔ (۲)

⑥ اگر ایک فریق کی رائے یہ ہے کہ لیبر یونین سے اس لئے معاہدہ ضروری ہے کہ ۹۵ فیصد مزدوروں کو جو مسلمان ہیں سوشلزم کے حوالہ کس طرح کر دیا جائے، اور ان سے معاہدہ اسلامی اصولوں کے مطابق مسائل حل کرنے پر کیا گیا ہو اور یہ معاہدہ ان کی رائے میں سوشلزم کے روکنے کے لئے بھی مؤثر تدبیر ہو تو فبہا، ورنہ ان مزدوروں کو سوشلسٹ اپنا آلہ کار بنا کر خونیں انقلاب لائیں گے تو دوسرے فریق کو یہ تو حق ہے کہ وہ اس معاہدہ کا اسلام اور مسلمانوں کی لئے غیر مفید ہونا دلائل سے واضح کرے، لیکن اس معاہدہ کو ''کفر سے اتحاد'' سے کیونکر متہم کیا جاتا ہے،

(۱) سنن الترمذی، ابواب الزھد، باب اصلاح ذات البین، ج: ۲ ص: ۷۳، ط: فاروقی کتب خانہ
(۲) لیکن خارجی عناصر جن کا اپنا مفاد علماء کے جدال و نزاع میں ہے وہ یہ فضا کیسے پیدا ہونے دیں گے۔

کون نہیں جانتا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہود مدینہ سے معاہدہ کیا تھا، کون نہیں جانتا کہ قرآن کریم کی سورہ براءت کے باوجود انتہائی شدت کے ساتھ کفار سے کئے گئے معاہدوں کا بھی احترام کیا گیا، کون نہیں جانتا کہ قرآن کریم میں کفار قریش کے بارے میں ہے کہ ﴿وَاِنْ جَنَحُوْا لِلسَّلْمِ فَاجْنَحْ لَهَا وَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ﴾ اور اسی سورہ انفال میں ﴿وَاِنْ يُّرِيْدُوْا اَنْ يَّخْدَعُوْكَ فَاِنَّ حَسْبَكَ اللّٰهُ﴾ [الانفال: ۶۱، ۶۲] وغیرہ وغیرہ صاف تصریحات موجود ہیں۔ اگر کفار سے معاہدات کرنے میں کفر نہیں تو ایک مسلمان جماعت۔ جو سوشلزم سے متہم ہے۔ کے ساتھ معاہدہ کو کفر یا سوشلزم کے مرادف کیسے قرار دیا جا سکتا ہے؟ ہاں اس کی ضرورت ہے کہ یہ فریق بھی جلد سے جلد اپنا منشور شائع کرے تاکہ تہمت کا دروازہ بند ہو جائے۔ نیز بڑی احتیاط کی ضرورت ہے کہ مشترک مظاہروں اور جلسوں میں کوئی غیر اسلامی شعار نہ ہو، غیر اسلامی نعرہ نہ ہو اور غیر اسلامی جھنڈے جو کمیونسٹوں کے شعار ہیں ان سے پورا پورا احتراز کیا جائے، نیز جماعت کے اخبار ترجمان اسلام میں غیر ذمہ دارانہ مضامین یا ایسے مضامین جن سے سوشلزم کی بو آتی ہو بالکل ختم کرنا چاہیے اور اگر کسی کی ذاتی رائے اس قسم کی ہو تو اس کی ضرورت ہے کہ اس کو علیحدہ کر دیا جائے تاکہ خواہ مخواہ جماعت بدنام نہ ہو، بلکہ سچ یہ ہے کہ اس وقت جماعت کی بدنامی کا باعث اس اخبار کا طرز نگارش اور اس کے بعض مضامین ہیں، بلاشبہ لیبر یونین کے بعض لیڈروں کا تزکیہ کرنا کہ سوشلزم سے ان کا دامن صاف ہے واقعیت سے بعید ہے اور اس قماش کے لوگوں کے لئے نشستوں کو محفوظ کرانے کے مطالبات کرنا کہاں تک دانشمندی ہے، اور اس کی کیا ضمانت ہے کہ کل کو علماء کی ہم نوائی اور ان کی کوششوں سے برسر اقتدار آ جائیں تو وہ اسلام کی ترجمانی کریں گے، اب اگر کوئی یہ رائے قائم کرے کہ سوشلزم کا راستہ روکنے کے بجائے ایسا نہ ہو جائے کہ ان کے لئے راستہ صاف ہو جائے اور علماء کو دھوکا دے کر اپنا الّو سیدھا کریں گے تو کیوں اس رائے کو سرمایہ داری کی حمایت سمجھا جاتا ہے، بہر حال شکوک وشبہات کا دائرہ تو بہت وسیع ہے وہ ہر طرح موجود ہیں، کہنا یہ ہے کہ ہر طرف شبہات بھی ہو سکتے ہیں اور ہر بات کی تاویل کی بھی گنجائش ہے، اگر ہر جماعت اور ہر فریق کوشش کرے کہ "اعجاب کل ذی رای برأیه" کے فتنے سے محفوظ ہو جائے تو معاملہ بہت آسان ہے، ورنہ روز بروز اختلافات کی یہ خلیج وسیع ہوتی جائے گی اور علماء کی بدنامی ہوگی، عوام علماء سے ویسے ہی دور ہیں ان کا بُعد بڑھتا جائے گا اور جانبین کے وقار کا خاتمہ ہو جائے گا اور اس طرح دینی وقار کو جو نقصان پہنچے گا اس کے تصور سے بھی تکلیف ہوتی ہے، یہ چند حقائق تھے جو عرض کئے گئے، امید ہے کہ اکابر واحباب اس تلخ نوائی کے لئے معاف فرمائیں گے، یہ سطور لکھی جا چکی تھیں کہ ۱۸ ستمبر ۶۹ء کی اخبارات میں یہ خبر شائع ہوئی کہ مشرقی پاکستان کے ڈیڑھ سو علمائے کرام اور ائمہ مساجد نے مغربی پاکستان کے علماء اور اکابر دین سے اللہ ورسول کا واسطہ دے کر دردمندانہ اپیل کی ہے کہ وہ اپنے اختلافات کو دور کریں، اپیل کا متن یہ ہے۔

"آپ حضرات کے درمیان اگر کسی قسم کا کوئی اختلاف ہے تو اللہ ورسول کے واسطے سارے اختلافات

سے قطع نظر کر کے دشمنان دین کے مقابلہ کے لئے آپس میں متحد ہو جائیں، علمائے کرام کے آپس کے اختلافات اور توہین آمیز جملوں کی جو خبریں اخبارات میں شائع ہو رہی ہیں ان کے باعث پاکستان کے اسلام دشمن عناصر خصوصاً مشرقی پاکستان کے اسلام دشمن مفاد پرست حلقے فائدہ اٹھا رہے ہیں اور یہاں تحفظ اسلام کے نام پر جدوجہد کرنے والوں کو مشکلات پیش آ رہی ہیں اور عام مسلمان بددل ہو رہے ہیں''۔ (جنگ کراچی)

حق تعالیٰ ہمیں عبرت لینے کی توفیق بخشیں ایسا نہ ہو کہ دوسروں کے لئے ہمارا وجود عبرت گاہ بن جائے۔

اللهم الف بين قلوب المؤ منين و اصلحهم و اصلح ذات بينهم ، آمين

اسرائیلی جارحیت اور اس کا حل

اگست کی ۲۱ رتاریخ کو مسجد اقصیٰ میں آتش زنی کا روح فرسا اور المناک سانحہ پیش آیا عالم اسلام لرز اٹھا، تمام غیر متعصب اور انصاف پسند دنیا نے بلاتمیز ملک وملت تاریخ کے اس ہولناک واقعہ کی ذمہ داری اسرائیل پر ڈالی اور اسے صہیونی عزائم کی تکمیل کی ایک کڑی قرار دیا، اسلامی ممالک میں جلسے ہوئے، جلوس نکلے، ہڑتالیں ہوئیں، تقریریں کی گئیں، قراردادیں پاس ہوئیں، پاکستان اور دوسرے اسلامی ممالک کے نمائندوں کی کوششوں سے سلامتی کونسل کا اجلاس طلب کیا گیا، قرارداد مذمت پیش کی گئی، سات دن کی بحث وتمحیص کے بعد سلامتی کونسل کے گیارہ ممبروں کے ووٹ سے منظور کی گئی، فرانس نے اس کی جزوی تائید کی، اسرائیل نے اسے پہلے قدم پر ٹھکرا دیا، برطانیہ آخر دم تک ہچکچاتا رہا (اور جب اسے یقین دلایا گیا کہ اس قرارداد میں اسرائیل کی براہ راست مذمت نہیں کی گئی ہے تو قرارداد کے حق میں ووٹ دینے پر راضی ہوا) امریکہ نے کھل کر قرارداد کی مخالفت کی اور اس کے زیر اثر سلامتی کونسل کے تین ممبروں نے چپ سادھ لی نتیجہ کیا ہوا؟ وہی ڈھاک کے تین پات!

اگر سلامتی کونسل اتفاق رائے سے ہی اسے منظور کر لیتی تب بھی کیا حاصل تھا؟ اقوام متحدہ کی کتنی قراردادیں ہیں جنہیں اسرائیل جوتے کی نوک سے ٹھکرا چکا ہے، آج تک اس کا کسی نے کیا بگاڑ لیا؟ ظلم اور درندگی کی حد ہو گئی، ادھر مسجد اقصیٰ سے آگ کے شعلے بلند ہو کر ستر کروڑ مسلمانوں کے دلوں کو خاکستر کر رہے ہیں اور ادھر امریکہ اس آگ کو بجھانے کے لئے اسرائیل کو فینٹم طیارے سپلائی کر رہا ہے، اس سے پہلے ان صفحات میں کئی بار عرض کیا جا چکا ہے کہ یہ مسئلہ نہ ہماری تقریروں اور وعظوں سے حل ہوگا، نہ اقوام متحدہ کی قراردادوں سے، اس کے لئے نہ امریکہ سے توقع رکھی جا سکتی ہے نہ روس سے،'' آزمودہ را آزمودن جہل است'' اگر دنیا بھر کے ستر کروڑ مسلمان اتنا دم خم بھی نہیں رکھتے کہ وہ اپنے مقامات مقدسہ کی - جو انہیں اپنی جان سے زیادہ عزیز ہیں - حفاظت کر سکیں تو انہیں پوری دنیا سے مایوس ہو جانا چاہیے۔

مقام شکر ہے کہ اس سانحہ پر غور کرنے کے لئے اسلامی ممالک کے سربراہوں کی کانفرنس رباط میں ۲۲ر

ستمبر سے شروع ہورہی ہے، تادم تحریر ۲۶ اسلامی ممالک کی طرف سے اس میں شرکت کی دعوت قبول کرنے کی خبر موصول ہوچکی ہے، قبل از وقت کچھ نہیں کہا جاسکتا ہے کہ یہ کانفرنس عالم اسلام کو کیا دے گی؟ تاہم ہماری دعا ہے کہ حق تعالیٰ عالم اسلام کے سربراہوں کو اس سلسلہ میں صحیح اور نتیجہ خیز فیصلوں پر متفق ہونے کی توفیق عنایت فرمائے۔

اتنی بات بالکل واضح ہے کہ اس وقت اصل مسئلہ صرف مسجد اقصیٰ اور بیت المقدس کا نہیں بلکہ فلسطین میں اسرائیل کے ناجائز وجود اور اس کی کھلی جارحیت کا ہے اور اس کا اصل سبب بڑی طاقتوں کی طوطا چشمی ہے، اس لئے یہ مسئلہ اسی وقت حل ہوسکتا ہے جبکہ:

① اسرائیل کے خلاف تمام اسلامی ممالک مل کر اعلان جہاد کریں۔

② عالم اسلام اپنا متحدہ محاذ بنائے اور اقوام متحدہ سے کنارہ کش ہوجائے۔

③ امریکہ اور اس کے حلیفوں پر واضح کر دیا جائے کہ اگر وہ اسرائیل کی پشت پناہی سے باز نہ آئے گا تو اس سے سفارتی روابط توڑ لئے جائیں گے۔

④ ان کو پٹرول کی سپلائی بند کی جائے۔

⑤ اسلامی ممالک کا جتنا سرمایہ یورپ کے بینکوں میں جمع ہے اسے واپس لیا جائے۔

⑥ یہودی مصنوعات کا داخلہ اسلامی ممالک میں ممنوع قرار دیا جائے۔

ہمیں اچھی طرح معلوم ہے کہ یہ تجاویز لفظاً جتنی آسان ہیں عملاً اتنی ہی دشوار بھی ہیں، بہت سی مشکلات پیش آئیں گی، خطرات کا سامنا ہوگا، مادی مفادات پر ضرب پڑے گی، لیکن ہمارے لئے قبلہ اوّل اور مقامات مقدسہ کی ناموس کی خاطر ہمت وعزیمت، قوت ایمانی اور نصرت خداوندی کے سہارے وقت کے اس چیلنج کو قبول کئے بغیر کوئی چارہ نہیں۔

مسجد اقصیٰ اور قدس کے مسئلہ پر آج اگر عرب اور اسلامی ممالک میں اتحاد نہ ہوسکا تو قیامت تک امکان نہیں کہ ان میں اتفاق ہوسکے، دو سال سے اتنے مسئلہ پر متفق نہ ہوسکے کہ سربراہوں کی کانفرنس کہاں پر ہو اور اس کا ایجنڈا کیا ہو؟ انتہائی صدمہ ہے کہ آج تمام عالم اسلام ایک خطرناک دور سے گذر رہا ہے اور ان حالات میں اگر اتفاق سے محروم رہے تو مستقبل میں کیا توقع ہوسکے گی۔ افسوس کہ اگر ان کا اجتماع بھی ہوتا ہے تو آخری نتیجہ تشتت وافتراق ہی نکلتا ہے "تحسبهم جميعا و قلوبهم شتى" کا نمونہ ہے، حق تعالیٰ صحیح فہم عطا فرمائے۔ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ تمام اسلامی ممالک میں اسلامی رابطہ بہت کمزور ہوگیا ہے اور عربی ممالک میں مزید کمزوری آگئی ہے، اس لئے روحانی رابطہ کے ضعف کی تلافی کرنے کے لئے مادی وسائل کی تلاش میں مبتلا ہوگئے، عربی ممالک میں اس وقت سب سے بڑا فتنہ عرب قومیت کا ہے اس کے بعد وطنیت کا بھوت آجاتا ہے، اسلامی روح نکلنے کے بعد رفتہ رفتہ تمام مادی فتنوں کے لئے زمین تیار ہوجاتی ہے، پھر کہیں اشتراکیت واشتمالیت آجاتی ہے اور کہیں ملوکیت

جنم لیتی ہے اور آخر کار "نسوا الله فانساهم انفسهم" (وہ اللہ کو بھول بیٹھے، نتیجۃً اللہ نے انہیں اپنے آپ سے بیگانہ کر دیا) کے قانون ازلی کے مطابق کسی نہ کسی شکل میں غضب الٰہی نمودار ہو جاتا ہے۔

العياذ بالله، اللهم لا تهلكنا بما فعل السفهاء منا ان هى الا فتنتك.

[شعبان المعظم ۱۳۸۹ھ/ اکتوبر ۱۹۶۹ء]

لیبیا میں اسلامی دعوت و تبلیغ کی پہلی کانفرنس

ماہ رمضان المبارک کے اواخر میں راقم الحروف مدینہ طیبہ (علی صاحبہا التحیۃ والسلام) میں معتکف تھا کہ مملکت لیبیا کے پاکستانی سفارت خانے کا اسلام آباد سے ایک دعوت نامہ پہنچا کہ حکومت لیبیا کے پایہ تخت طرابلس (ٹریپولی) میں ایک اسلامی کانفرنس منعقد ہو رہی ہے، بحیثیت پاکستانی مندوب آپ شرکت کریں، یہ دعوت نامہ کراچی مدرسہ عربیہ اسلامیہ میں آیا تھا یہاں سے بذریعہ ڈاک مجھے مدینہ طیبہ بھیج دیا گیا اور ساتھ ہی ساتھ ہوائی جہاز کا ٹکٹ بھی پہنچ گیا، جب سفارت خانے والوں کو معلوم ہوا کہ میں حجاز مقدس میں ہوں تو پتہ معلوم کر کے ایک طویل ٹیلی گرام بھی دیا، ایک ٹیلی گرام مدینہ دیا گیا اور ایک مکہ مکرمہ اور پھر تیسرا ٹیلی گرام جدہ دیا گیا کہ بیروت سے تمہاری سیٹ ۹ ردسمبر ۷۰ء کو برائے طرابلس محفوظ کر دی گئی ہے، کچھ عرصہ سے لیبیا میں انقلابی حکومت قائم ہو چکی تھی اور ملک ادریس تخت سلطنت سے محروم ہو گئے تھے۔ غالباً اہل بیت رسول (علیہ الصلوۃ والسلام) کی یہ آخری حکومت مغرب میں تھی جو ختم ہو چکی تھی اور یہی خیال تھا کہ جس طرح انقلابی حکومت سوریہ (شام) سوڈان اور جنوبی یمن کی ہے اسی طرح کی یہ حکومت بھی ہوگی، جن کے حالات سامنے آچکے تھے اس لئے کچھ زیادہ خیر کی توقع نہ تھی، لیکن دعوت نامے کا پروگرام اور کانفرنس کا ایجنڈا جب پڑھا تو توقع کے خلاف پایا، حسن اتفاق سے میں مسجد نبوی کے مقدس ترین حصہ "ریاض الجنۃ" میں بیٹھا تھا، جمعہ کا دن اور عصر کے بعد کا وقت تھا، اسی مقام مقدس میں دعوت نامہ عزیزی نور چشم محمد بنوری سلمہٗ نے لا کر دیا، جو اس سفر میں امسال میرے ساتھ تھا، اس لئے دعا اور غور و فکر کا موقع مل گیا، پھر دو تین یوم بعد دکتور الاستاذ محمد مبارک شامی سے۔ جو آج کل کلیۃ الشریعۃ مکہ مکرمہ کے عمید ہیں۔ ملاقات ہوئی تو معلوم ہوا کہ وہ بھی مدعو ہیں اور دکتور الاستاذ مصطفی زرقا شامی۔ جو آج کل کویت کی حکومت کی طرف سے فقہ اسلامی کے انسائیکلو پیڈیا کی ترتیب و تدوین پر مامور ہیں وہ۔ بھی کانفرنس میں مدعو ہیں اور رباط (مراکش) سے دکتور الاستاذ عمر بہاء الامیری شامی۔ جو ابتدا میں پاکستان میں سوریہ کی طرف سے سفیر رہ چکے ہیں وہ۔ بھی اس کانفرنس میں نمائندگی کریں گے، چونکہ ان حضرات سے براہ راست میں واقف تھا بلکہ یہ میرے احباب تھے اس لئے اب مجھے اطمینان ہوا کہ کانفرنس والوں کی نیت بخیر ہے، انشاء اللہ تعالیٰ شرکت مفید ہوگی، اس کے بعد تار کے ذریعہ لیبی سفارت خانے کو منظوری کی اطلاع دے دی کہ میں انشاء اللہ ضرور شرکت کروں گا، لیکن

بجائے کراچی کے جدہ ہی سے روانہ ہوں گا، میری سیٹ کراچی واپسی کے لئے ۳۰/نومبر ۷۰ء کو بک ہو چکی تھی اور مدینہ طیبہ میں نمازِ عید کے فوراً بعد جدہ روانگی طے ہو چکی تھی لیکن اس کانفرنس کی شرکت کی غرض سے کراچی کی روانگی ملتوی کر دی، کانفرنس ۱۲/دسمبر سے شروع ہونے والی تھی اس لئے مجھے مزید ایک عشرہ حرمین شریفین میں قیام کا موقعہ مل گیا، کانفرنس کا نام تھا "المؤتمر الاول للدعوة الاسلامية" یعنی اسلامی دعوت وتبلیغ کی پہلی کانفرنس، پروگرام کا سرنامہ یہ آیت کریمہ تھی:

﴿وَ مَنْ اَحْسَنُ قَوْلًا مِّمَّنْ دَعَا اِلَى اللهِ وَعَمِلَ صَالِحاً وَّقَالَ اِنَّنِیْ مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ﴾ [حم السجدة :۳۳]

اس شخص سے بہتر بات اور کس کی ہو سکتی ہے جو حق تعالیٰ کی طرف لوگوں کو بلائے اور خود بھی نیک عمل کرے اور اعلان کرے کہ میں بلاشبہ مسلمان ہوں۔

دعوت نامہ تو طویل تھا لیکن پروگرام کے ایجنڈے کے کلمات حسب ذیل تھے:

(۱) محاربة الغزو العقائدی فی البلاد الاسلامية والمناطق المؤهلة للاسلام.

(۲) تحديد المناطق الاكثر احتياجاً للدعوة الاسلامية.

(۳) بحث شروط الداعية للاسلام وحقوقه.

(٤) أية مقترحات اخرى.

یعنی اسلامی ملکوں میں جو بدعقیدگی اور لادینی کی وباء پھیل رہی ہے اس کی اصلاح اور مقابلہ کی تدبیر کرنا، جن مقامات میں اسلامی دعوت کی زیادہ ضرورت ہے ان مقامات کی تعیین کرنا اور جو شخص دعوت دے اس کے لئے کن شرائط کی ضرورت ہے اور اس سلسلہ میں جو مزید تجاویز پیش ہوں۔

بہر حال انتہائی مسرت ہوئی کہ اس پر آشوب مادی دنیا کی مایوس کن فضا میں پہلی مرتبہ اسلامی دعوت وتبلیغ کی آواز اٹھی، بلاشبہ قابل صد مبارک باد ہے، بڑی سے بڑی اسلامی حکومتوں کو آج تک یہ توفیق نصیب نہیں ہوئی، عام طور سے اگر کوئی دینی آواز اٹھی بھی تو غور کرنے سے پتہ چلا کہ اس کا پس منظر بھی سیاست ہے، اکثر وبیشتر اسلامی ممالک میں اگر علمی سطح پر کچھ کام ہوتا بھی ہے تو وہ اس انداز سے کہ اسلامی اساسی مسائل میں قطع وبرید کا سلسلہ جاری رہتا ہے یا جدید تہذیب وتمدن کا پیوند لگانے کی کوشش ہوتی ہے اور آخر میں یہی کہنا پڑتا ہے:

"واثمهما اكبر من نفعهما"

فائدہ سے نقصان زیادہ ہے۔

بہر حال خلاف توقع یہ کانفرنس جہاں تک راقم الحروف کا خیال تھا اور تمام ارباب بصیرت مندوبین کا بھی یہی فیصلہ تھا کہ یہ کانفرنس تمام سیاسی آلائشوں سے پاک وصاف ہے، اگر آگے چل کر حکومت کا رخ نہ بدلا اور

اسی انداز پر کام آگے بڑھتا چلا گیا تو یہ حکومت اپنی نوعیت کی پہلی حکومت ہوگی، حق تعالیٰ سے یہی دعا ہے اور یہی آرزو ہے کہ اسی انداز سے صراط مستقیم پر تمام اسلامی ممالک کو چلنے کی توفیق نصیب ہو۔

کانفرنس میں بیس اسلامی ممالک کے ساٹھ نمائندے شریک ہوئے، مقالات عمدہ سے عمدہ پڑھے گئے، مباحثے ہوئے، تجویزیں پاس ہوئیں، چند قابل ذکر شخصیتیں حسب ذیل تھیں:

ڈاکٹر عمر بہاء الامیری رباط سے، ڈاکٹر عبدالحلیم محمود وکیل الازہر، اور ڈاکٹر محمد توفیق عویضہ المجلس الاعلیٰ للشئون الاسلامیہ کے ڈائرکٹر اور الشیخ احمد حسن باقوری اور ڈاکٹر احمد حوفی مصر سے، ڈاکٹر مصطفےٰ زرقاء شام کویت سے، ڈاکٹر محمد مبارک شامی سعودیہ عربیہ سے، ڈاکٹر عبدالقہار مذکر انڈونیشیا سے، ڈاکٹر احمد نونوجی امریکہ سے، اللواء ڈاکٹر محمود شیت خطّاب عراق سے، الاستاذ صالح مسعود بوبصیر الشیخ محمود صبحی عبدالسلام لیبیا سے، الشیخ محمد داود مراکش سے، الاستاذ عبدالواحد الیاس نائجیریا سے، الشیخ حسین جوزوریو گوسلاویہ سے، عبدالکریم ساتیو جاپان سے، الاستاذ مالک بن النبی الجزائر سے، وغیرہ وغیرہ، مختلف کمیٹیاں بنائی گئیں:

① اسلام کی نشر و اشاعت کے لئے کامیاب ترین وسائل پر غور۔

② اسلامی دعوت کے لئے اہم ترین مراکز کا انتخاب۔

③ دعوت دینے والے افراد کے شرائط پر غور۔

④ تجاویز و قراردادوں کو درست کرنے کا کام۔

بہت سی اہم قراردادیں اور تجویزیں منظور ہوئیں، جن کا خلاصہ یہ ہے کہ لیبیا میں اسلامی دعوت کا مرکز قائم کیا جائے جو بوقت ضرورت کسی دوسری اسلامی مملکت میں بھی منتقل کیا جا سکے گا اور تمام اسلامی ملکوں میں اس کی شاخیں قائم ہوں اور ہر ایک اسلامی ملک میں اس مقصد کے لئے امداد و مساعدت (چندہ) کی رقوم جمع کرنے کے صندوق رکھے جائیں اور ان تمام اسلامی ملکوں میں جن کی زبان عربی نہیں ہے عربی سکھانے کے تعلیمی وسائل اختیار کئے جائیں تاکہ قرآن کریم سمجھنے میں آسانی ہو، محقق علماء کی ایک جماعت منتخب کی جائے کہ وہ عصری تقاضوں کے پیش نظر قرآن کریم کی تفسیر لکھیں اور تمام زبانوں میں اس کے تراجم ہوں، نیز احادیث نبویہ کا ایک مجموعہ بھی مرتب کیا جائے اور اس کے بھی تراجم تمام عالم میں پھیلائے جائیں اور اسلامی مصطلحات سمجھانے کے لئے ایک لغت کی انسائیکلو پیڈیا تیار کی جائے۔

اسلام ایک جامع ترین نظام حیات ہے وہ عبادات، معاملات، اخلاق، سیاست و حکومت کے تمام تقاضے پورا کرتا ہے، اس کو اسی انداز سے سمجھایا جائے اور تمام عالم میں اسی انداز سے اس کی اشاعت کی جائے اور اسلام کے مفہومات و مصطلحات میں جو تحریف کرکے غلط معنی لئے جاتے ہیں ان کی تردید کی جائے، بلکہ ان کا راستہ بند کیا جائے، تمام اسلامی حکومتوں سے مطالبہ کیا جائے کہ اپنی جدید نسل کی اسلامی تربیت کریں، صحیح اسلامی ثقافت اور صحیح

اسلامی دعوت ملکوں میں پھیلائیں اور مستشرقین ومعاندین اسلام کی تدبیروں کو خاک میں ملائیں، فقہ اسلامی ۔تمام مذاہب فقہاء کے ساتھ ۔ یہ اسلام کی بڑی عظیم الشان دولت ہے تیرہ سو سال کا قدیم ترین سرمایہ ہے، اس کی حفاظت کی جائے اور اس کی روشنی میں تمام جدید مسائل حل کئے جائیں، یورپ وغیرہ کے قوانین صرف سو یا ڈیڑھ سو سال کی متاع کا سد ہیں، نیز ان کا طویل تجربہ بھی نہیں ہوسکا ہے، اس لئے اسلامی فقہ کے مقابلہ پر ان کی کوئی حیثیت نہیں ہوسکتی، لہٰذا فقہ اسلامی کے مطابق مجموعہ قوانین تیار کیا جائے اور تمام اسلامی ملکوں میں اس کو رائج کیا جائے اور ہر ملک کا قانون اسی کے مطابق بنایا جائے، تاکہ تمام ملکوں میں تشریعی یگانگت پیدا ہو اور سیاسی وانتظامی اختلافات مٹ جائیں، حق تعالیٰ کی ذات لطیف وخبیر ہے اس نے عالم انسانی کے لئے جو قانون مرتب فرمایا ہے انسانی عقول اس قسم کا ہمہ گیر قانون بنانے سے قطعاً عاجز ہیں، اس لئے اس کا بنایا ہوا آسمانی قانون ہی انسانیت کے لئے ذریعہ نجات وسعادت بن سکتا ہے، نیز قطعی دلائل سے یہ ثابت ہو چکا ہے کہ جو قانون خالق کا بنایا ہوا ہے وہ کامل اور اکمل ہے اور جو مخلوق نے بنایا ہے وہ ناقص وابتر ہے۔

اسکولوں، کالجوں، یونیورسٹیوں کے طلبہ کو اسلامی شعائر اور اسلامی تہذیب کا پابند بنایا جائے، تمام اسلامی حکومتیں جو ''کلچرا تاچی'' دوسرے ملکوں میں بھیجیں ان کے ذمہ اسلام کی تبلیغ اور نشر واشاعت کا فریضہ عائد کیا جائے، مسلمان بچوں کی تعلیم وتربیت کے لئے سلسلہ وار اسلامی تعلیمات کے سیٹ مرتب کئے جائیں، عربی ملکوں میں عربی زبان میں ہوں بقیہ ملکوں کے لئے اس کے تراجم کئے جائیں، نیز تمام غیر اسلامی ملکوں میں بھی اسلامی مراکز قائم کرنے چاہئیں جن میں مسجد وکتب خانہ اور ہسپتال اور اسلامی لیکچروں کے لئے ٹاؤن ہال قائم کئے جائیں، ایک کمیٹی ایسی بنائی جائے جو عربی کی ان اہم کتابوں کے جو اسلامی دعوت کے لئے مفید ہوں دوسری زبانوں میں تراجم کرے، اسی طرح دوسری زبانوں کی اہم کتابوں کے عربی زبان میں تراجم ہوں، اسلامی دعوت وارشاد کے لئے مستقل کالج ہوں اور ان میں علوم دینیہ سے فارغ التحصیل طلبہ کو دعوت وارشاد کے لئے تیار کیا جائے جس شخص کو اسلامی دعوت دینے کے لئے منتخب کیا جائے وہ حسب ذیل صفات کا مالک ہو:

(الف) اس کا ایمان قوی ہو۔

(ب) اسلامی اخلاق وملکات سے آراستہ ہو۔

(ج) قرآن کریم اور دین اسلام کے ضروری علوم سے پورا واقف ہو۔

(د) اس ملک کی زبان وعادات ورسومات سے واقف ہو، بہترین خطیب ہو، تفہیم وافہام کا سلیقہ رکھتا ہو۔

(ھ) اس قوم کے غم وخوشی اور سوشل زندگی میں باقاعدہ حصہ لے وغیرہ وغیرہ۔

یہ چند اہم قراردادوں کا خلاصہ ہے جو قارئین کے سامنے پیش کیا گیا ہے، بلاشبہ اگر اس انداز سے یہ خدمت انجام دی جائے تو اسلامی دعوت وتبلیغ اور نشر واشاعت کا فریضہ جس کے ادا کرنے میں عرصہ دراز سے امت

تقصیر کر رہی ہے خوش اسلوبی سے پورا ہو جائے گا، حق تعالیٰ تمام ممالک اسلامیہ کو اس انداز سے کام کرنے کی توفیق عطا فرمائے، آمین۔

کراچی میں ممالک اسلامیہ کے وزراء خارجہ کی حالیہ کانفرنس اتحاد اسلامی کے لئے نیک فال ہے، اسرائیلی فتنہ نے جون ۱۹۶۷ء میں مسلمانوں کو اور اسلامی حکومتوں کو پہلی مرتبہ اتحاد اسلامی کی فکر پر مجبور کیا ہے اور یہ محسوس کیا گیا ہے کہ یہ عذاب الٰہی درحقیقت مسلمانوں کی شامت اعمال کی سزا اور اسلامی حکومتوں کے تشتت وافتراق کا نتیجہ ہے اور اگر عالم اسلام کے تشتت کا یہی عالم رہا تو۔ خاکم بدہن۔ وہ دن دور نہیں کہ اسرائیل کی اغراض مشئومہ کا منحوس نقشہ دنیا میں رونما ہو جائے اور شاید پہلی مرتبہ اس کا بھی احساس ہوا کہ دائیں جانب اور بائیں جانب کی دشمن اسلام طاقتیں نہ معاہدوں کی پاس رکھتی ہیں، نہ مسلمانوں سے ہمدردی اور الکفر ملة واحدة کے مطابق سب ایک ہی ہیں۔

اس لئے پہلی رباط (مراکش) میں سربراہ کانفرنس ہوئی، پھر کچھ عرصہ کے بعد جدہ میں وزراء خارجہ کی پہلی کانفرنس ہوئی جس میں اسلامی ملکوں کا سکریٹریٹ قائم ہوا، اور تنکوعبدالرحمن (ملائشیا) کو جنرل سکریٹری منتخب کیا گیا، دوسری سہ روزہ کانفرنس کراچی میں ہوئی اور آئندہ کابل میں ۱۹۷۱ء کے وسط میں یہ کانفرنس ہوگی۔

ہماری ناقص رائے میں جب تک مسلمانوں کا اعتماد سلامتی کونسل کی قراردادوں اور اقوام متحدہ کے فیصلوں پر رہے گا اس وقت تک یہ گتھی نہیں سلجھ سکتی، اسرائیلی جارحیت کا جواب عالم اسلام کا صحیح اور عملی اتحاد اور حق تعالیٰ کی ذات پر اعتماد اور اعلاء کلمۃ اللہ کے لئے اعلان جہاد پر ہے، اگر یہ تین باتیں پوری ہوگئیں تو انشاء اللہ تعالیٰ یہود خائب وخاسر ہوں گے، یہود نے آج تک سلامتی کونسل کی کسی قرارداد پر عمل نہیں کیا اور نہ توقع ہے، اس لئے سوائے اسلامی جہاد کے اور کوئی راستہ نہیں، تجاویز سے کچھ نہیں ہوتا عمل کی ضرورت ہے۔

بہرحال یہ خوشی کی بات ہے کہ عرب دنیا بھی یہ سمجھنے پر مجبور ہوگئی کہ تنہا عرب دنیا کامیاب اور عہدہ برآ نہیں ہو سکتی جب تک عالم اسلام کا اتحاد نہ ہو، عالم اسلام کی تمام مشکلات کا صحیح اور ایک ہی علاج اسلامی وحدت ہے، قومیت ووطنیت کے تمام نعرے بیکار بلکہ تباہ کن ہیں، اسلام اور پیغمبر علیہ السلام نے جاہلیت قدیمہ کی اس لعنت کو مٹایا تھا، اتاترک کمال کے تسلط اور خلافت عثمانیہ کے زوال وسقوط کے بعد اس قومیت کی لعنت نے تمام عالم اسلامی کے اتحاد کو پارہ پارہ کر ڈالا اور دردناک صورت میں اس کے حسرت ناک نتائج سامنے آگئے اور آرہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ مسلمان حکمرانوں کو صحیح سمجھ عطا فرمائے اور اتحاد اسلامی کی نعمت ورحمت سے سرفراز فرمائے۔

[ذی القعدہ ۱۳۹۰ھ/جنوری ۱۹۷۱ء]

سربراہ کانفرنس کے نام جناب حسین شافعی کا پیغام

گذشتہ شمارے میں شاہان اسلام کی خدمت میں ایک عرض داشت پیش کی تھی اور سرزمین پاکستان میں پہلی مرتبہ سربراہ کانفرنس کو غنیمت سمجھ کر اسلامی خیرخواہی کے پیش نظر چند گذارشات پیش کی تھیں، خیال تھا کہ ان بنیادی نقطوں کی دل خواہ تشریح کی جاتی تاکہ اس کی اہمیت واضح ہوتی، لیکن انہی دنوں میں قاہرہ کی جمعیۃ شبان المسلمین کا ماہنامہ پہنچا جس کا نام "الرسالۃ الاسلامیۃ" ہے یعنی اسلام کا پیغام، مجلہ کے رئیس التحریر یعنی مدیر اعلیٰ الاستاذ الشیخ ابراہیم الطحاوی ہیں جو دینی ذوق اور شوق جہاد میں ممتاز شخصیت کے مالک ہیں، اور ساتھ ہی ساتھ صالح اور باخدا بزرگ ہیں شخصی طور پر مجھے ان سے واقفیت حاصل ہے، موصوف کے مجلہ میں سب سے پہلا مضمون جناب حسین شافعی کا ہے جو حکومت مصر کے نائب صدر ہیں اور جمال عبدالناصر کے عہد میں بھی تین نائب صدور میں سے تیسرے نائب صدر تھے، موصوف نے سربراہ کانفرنس کو ہی متوجہ کیا ہے اور انہی سے خطاب کیا ہے، کسی عظیم ملک کے عظیم نائب صدر کا اتنا عمدہ مضمون کم کہیں نظر سے گذرا ہے اور پھر اسلامی رنگ میں ڈوبا ہوا مضمون ہے، جی چاہا کہ بینات کے صفحات پر اس کا مکمل ترجمہ شائع کیا جائے۔

سربراہ کانفرنس کے نام:

"تمام تعریفیں اس خدائے برتر کے لئے ہیں جس نے اپنی کتاب میں آپ کو امت واحد قرار دیا اور درود و سلام ہو ہمارے آقا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر جو کائنات کے لئے رحمت ہونے کے ساتھ ہی جہاد کے شارع نبی بن کر آئے اور جو پورے عالم کے لئے مبشر و نذیر اور راہ حق کے داعی بنا کر مبعوث کئے گئے ہیں۔

الحمد للہ کہ یہود کے خلاف مصر کی لگاتار جد و جہد گذشتہ رمضان کی لڑائی سے نتیجہ خیز مرحلہ میں داخل ہوگئی، یہ حقیقت کسی بھی مسلم سے مخفی نہیں ہے کہ قدس اور مسجد اقصیٰ کی آزادی اس جہد پیہم کی غرض اولین ہے، مقدس سرزمین کے آزاد کرنے میں اس کو بنیاد اور مدار کی حیثیت حاصل ہے، گو بعض کوتاہ بین یہ سمجھتے ہوں کہ اس سے فلسطین کے قضیہ کے گوشۂ نسیان میں پڑ جانے کا اندیشہ ہے۔

رمضان کے ان معرکوں نے دلوں پر چھائی ہوئی مردنی کو نشاط سے اور جمود کو حرکت سے تبدیل کر دیا۔ ان معرکوں نے حق کا ولولہ پیدا کر کے اس کو ازسر نو حیات بخشی، اسی کے ساتھ ان معارک نے پوری دنیا کو بھی بیدار کر کے چھوڑا ہے، اس کے نتیجہ میں ملکی سطح پر عرب اتحاد نے واشگاف الفاظ میں اپنی حقیقت دنیا سے منوالی، اسلامی سطح پر مسلم سربراہ کانفرنس کے انتظامات شروع ہوگئے اور عالمی سطح پر افریقہ نے مصر اور عربوں کی طرف دوستی کا ہاتھ بڑھایا، یورپ بلکہ دنیا کے تمام ممالک نے ازسرنو اپنے سود و زیان کا حساب کیا، وہ سمجھ گئے کہ ان کے پاس اگر مادی اسلحہ ہے تو عرب اور مصر ایسے اسلحہ اور قوت کے مالک ہیں جس سے وہ محروم ہیں، ان کو اللہ نے ان بلند اور

دائمی اقدار سے نوازا ہے جن کی گہرائیوں کا ادراک ناممکن ہے۔

یہ ہے آج کی وہ فضا جس میں سربراہ کانفرنس لاہور میں منعقد ہونے والی ہے میں اس کانفرنس کو مخاطب کر کے مصر کا پیغام پہنچانا چاہتا ہوں کہ بے شک آپ کا ہر عمل قابل احترام اور مشکور ہے، لیکن اعمال کی بلندی، مقاصد اور اہداف کی بلندی کے تابع اور اس پر موقوف ہے اور ان بلند مقاصد میں کامیابی کا راز صدق نیت، مضبوط ارادے اور سچے انقلابی جذبہ میں مضمر ہے۔

اس سے قبل بھی اسلام کے نام پر اجتماعات منعقد ہوئے ہیں، جو جزوی طور پر اسلام کے مسائل آگے کر کے قابل قدر خدمات انجام دیتے رہے ہیں، لیکن موجودہ اجتماع کی حیثیت ان سے مختلف ہے، یہ رمضان کے اس معرکہ کے بعد منعقد ہو رہا ہے جو اس دور میں قدرت کا ایک معجزہ ثابت ہوا اس لئے اس اجتماع سے بھی بجا طور پر ہم اس کی معجزانہ شان کی امید وابستہ کرتے ہیں۔

اس اجتماع کے اسباب و محرکات متعدد ہو سکتے ہیں تاہم اگر صرف بیت المقدس اور مسجد اقصیٰ کا قضیہ اس کا داعی اور محرک ہو تو بھی کافی ہے کیونکہ یہ تنہا اتنا بڑا مسئلہ ہے جو اس اہتمام کا یقیناً مستحق ہے، اب ضرورت ہے کہ اسلام کے سربراہ کلام و تجاویز کی حدود سے نکل کر باہمی اتفاق سے کسی ایسے ٹھوس اور مثبت طریقہ کار کو اپنائیں جس میں ان کی موجودہ خستہ حالی کی اصلاح اور ان کو درپیش چیلنج کا جواب ہو، اب وقت ہے کہ وہ خود کو یہ سوچنے پر مجبور کر دیں کہ آخر اپنے ملکوں میں وہ ایسے بے سہارا بن کر کیوں رہ رہے ہیں؟ ان کا رعب ان کے دشمنوں کے دلوں سے کیوں نکلا؟ وہ معزز ہونے کے باوجود ذلیل وخوار کیوں ہوئے؟

کوئی بھی اسلامی اجتماع اس وقت تک کامیابی سے ہمکنار نہیں ہو سکتا جب تک کہ وہ قرآن کے اس واضح اور روشن موقف کے معیار پر نہ ہو کہ عزت درحقیقت اللہ اور اس کے رسول اور مومنوں کے لئے ہے: ﴿وَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ وَلِرَسُوْلِهٖ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ﴾ (المنافقون: ۸)

ہم صرف اس وقت راہ راست پر ہو سکتے ہیں کہ عزت کا معیار اپنا عقیدہ اور اپنے دین کے احکام کی پابندی کو سمجھیں۔

بیت المقدس کا مسئلہ اس اجتماع کے پروگراموں کا اصل اور اہم موضوع بحث ہونا چاہیے، اس وقت ہماری نگاہیں پوری دنیا کے مسلمانوں پر مرکوز ہیں، اس وقت ہر مسلمان بزبان حال اپنی قوم کو مخاطب کر کے یوں گویا ہے کہ بیت المقدس کی آزادی کا حل تلاش کیجئے ورنہ! آپ قصوروار اور عظیم گناہ کے مرتکب قرار دیئے جائیں گے۔ یہ فریضہ آپ پر صرف وہاں کے مسلم باشندوں کی خاطر نہیں بلکہ تمام سماوی ادیان اور مطلق عقیدہ کی آزادی کی خاطر بھی عائد ہو رہا ہے، کیونکہ اسلام ہی وہ دین ہے جو سب سے پہلے اس عظیم حقیقت کا اعلان کر چکا ہے ''لا اکراہ فی الدین'' دین (اسلام) میں زبردستی نہیں ہے۔

اے لاہور کے اجتماع میں شریک ہونے والی قوم کے رہنماؤ! بے شک اللہ نے مسلمانوں سے ان کی جانیں اور ان کے اموال خرید لئے ہیں اور (اس کے عوض) ان کے لئے جنت تیار کی ہے یہ لوگ خدا کی راہ میں لڑتے ہیں تو مارتے بھی ہیں اور خود بھی مارے جاتے ہیں، یہ تورات اور انجیل اور قرآن میں اس کا سچا وعدہ ہے:

﴿إِنَّ اللّٰهَ اشْتَرٰى مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اَنْفُسَهُمْ وَاَمْوَالَهُمْ بِاَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَيَقْتُلُوْنَ وَ يُقْتَلُوْنَ، وَعْدًا عَلَيْهِ حَقًّا فِى التَّوْرٰةِ وَالْاِنْجِيْلِ وَالْقُرْاٰنِ﴾

(التوبة:۱۱۱)

مسلمانو! صرف آپ ہی کا دین یہ امتیاز رکھتا ہے کہ وہ پوری دنیا کے لئے رحمت بن کر آیا، اللہ کے برحق انبیاء میں تفریق نہ کرنا، اور ہر سماوی عقیدہ پر ایمان اس دین کی اولین شرائط میں داخل ہے۔

اب ان حقائق کی روشنی میں اپنے مقدسات کی آزادی کے لئے جو بھی جنگ ہم لڑیں گے وہ درحقیقت مبغوض تعصب اور قابل نفرت فرقہ واریت کے خلاف جنگ ہوگی، اس سے اسلام کی فراخدلی کی تائید اور اس کی وسیع الصدری دنیا پر عیاں ہوگی۔

یہود اور مسیحی گذشتہ چودہ صدیوں تک مسلسل مسلمانوں کو قدس، مسجد اقصیٰ اور دوسرے مقدسات کے کلید بردار تسلیم کرتے رہے، وہ مسلمانوں کے ساتھ مل کر بیت المقدس اور دنیا کے دوسرے اسلامی ممالک میں اسلام کی وسعت قلبی کے زیر سایہ امن وامان کی زندگی گذاتے رہے، البتہ اسلام کی وسعت قلبی ہمیشہ ایسے وقت میں لڑائی کی اجازت بلکہ اس کو ضروری قرار دیتی ہے جبکہ ہمارے عقیدے بلکہ ہر سماوی عقیدہ کی راہ میں کوئی رکاوٹ بن کر کھڑا ہونے کی کوشش کرے۔

قدس کی آزادی کے بعد اگلا مرحلہ مسلم اتحاد کے لئے کوشش

قدس اور مسجد اقصیٰ کو دشمن کے قبضہ سے چھڑا لینے کی تدبیر اور منصوبہ بندی کے بعد اس اجتماع کا دوسرا اہم مسئلہ مسلم اتحاد کے لئے ٹھوس اقدام ہونا چاہیے، بجائے اس کے کہ مسلمان آپس میں منتشر ہو کر دوسروں کے رحم وکرم پر زندہ رہیں ان میں اتحاد پیدا کر کے ان کو امت واحدہ بنانا چاہئے۔

وحدت امت کی دعوت دے کر میں کوئی مخصوص اور محدود گروہ بندی مراد نہیں لے رہا ہوں، کیونکہ اسلام کسی گروہ یا قوم کے لئے نہیں بلکہ پوری دنیا کے لئے دین رحمت بن کر آیا ہے میں تو صرف حکم خداوندی کے مطابق مسلمانوں کو پوری دنیا کی ہدایت کے لئے یکجا دیکھنا چاہتا ہوں۔

دنیا میں موجود یہ متعدد گروہ بندیاں مختلف نظریات کی بنیاد پر وجود میں آئی ہیں، یہ نظریات اپنے مبدا اور فکر کے اعتبار سے کتنے ہی بلند کیوں نہ ہوں، بہر حال انسانی ارادے کے تابع، ترمیم واصلاح کے قابل،

کمزوری اور کوتاہی کے اسباب کی تلافی کے محتاج ہوتے ہیں، لیکن اسلام اللہ کی وہ دائمی اور ناقابل تغیر شریعت ہے جس میں عجز وقصور اور ضعف کے لئے ذرا بھی گنجائش نہیں۔

﴿ذٰلِكَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ﴾ [الروم: ۳۰]

یہی ہے سیدھا دین لیکن اکثر لوگ نہیں سمجھتے۔

یہ نظریات وجود میں آکر ختم ہوجاتے ہیں، ترقی کے بعد تنزل کا شکار ہوجاتے ہیں لیکن اسلام اپنے اصول میں پہاڑ کی طرح بلند اور بے پایاں رسوخ کا مالک ہے، گو اس کے متبعین اس وقت کمزور ہوکر مصائب سے دوچار ہورہے ہیں جس کی وجہ صرف یہ ہے کہ وہ نفس وخواہشات کے بندے بن کر دنیا کے پیچھے پڑ گئے اور دنیا نے ان سے منہ موڑ کر طویل کسمپرسی کے عالم میں ان کو حیران وسرگرداں چھوڑ دیا ہے، ہم دیکھتے ہیں کہ دنیا کی بڑی طاقتیں جب بھی اپنے کسی نظریہ کو فروغ دینا چاہتی ہیں تو ایک ایسی مادی کش مکش اور جنگ کا ہونا ناگزیر ہوجاتا ہے جس کے نتیجہ میں انسانی معاشرہ ایک طویل عرصہ کے لئے مصائب وآلام سے دوچار ہوجاتا ہے، پھر یہ معاشرہ ان مصائب کا حل تلاش کرتے کرتے نادانستہ طور پر اسلام کے قریب آجاتا ہے، لیکن اسلام کے مفکرین ایسے موقعوں کو غنیمت سمجھ کر فائدہ نہیں اٹھاتے کہ حقیقت پسندی اور راہ نجات کی نشاندہی کرتے ہوئے اس مصیبت زدہ معاشرہ کو بتلائیں کہ اب ان آلام اور مصائب سے اس کی خلاصی صرف اس دین کی اتباع میں ہے جو پوری دنیا کے لئے رحمت بن کر آیا ہے۔

اس وقت دنیا ایک اعصابی تشنج میں مبتلا ہوکر حیرت پریشانی اور نفسیاتی الجھنوں کے زبردست دور سے گذر رہی ہے، وہ ان خود ساختہ مذاہب کی بندشوں سے نجات پانے کے لئے برابر پیچ وتاب کھا رہی ہے، لیکن یہ آزادی صرف اس وقت اس کو نصیب ہوگی جبکہ فکر اسلامی کے لئے راہ ہموار کرکے اس کی رحمت کے فیضان، قرآن کی صحیح تطبیق اور دنیا کے موجودہ افکار ونظریات کے مقابلہ کا سامان فراہم کردیں۔

دنیا کے تمام وضعی نظام جو بظاہر اجتماعی عدل وانصاف کے نظریہ کے تحت وجود میں آتے ہیں وہ اشتراکیت ہو یا شیوعیت یا سرمایہ دارانہ نظام ہو یہ سب بلا استثناء اسلام کے عطا کردہ عدل اور انصاف پر مبنی نظام کے مقابلہ سے عاجز اور بے بس ہیں، یہ تمام وضعی نظام وقتاً فوقتاً تبدیل ہوتے رہتے ہیں تجربہ اور تطبیق عملی کے بعد ان کے بہت سے اصول فرسودہ اور غلط ثابت ہوجاتے ہیں، یہ بہرحال انسانی ذہن کی پیداوار ہیں اور انسان اپنی ذات میں، اپنی موت اور حیات میں، اپنی تندرستی اور مرض میں، اپنی غلطی اور صواب میں جیسے عاجز، بے بس اور قوانین قدرت کا پابند واقع ہوا ہے ایسے ہی اس کی خود ساختہ ہر چیز عجز وقصور اور حدوث اور نقص کا مجسم نمونہ اور پیکر ہے، لیکن اسلام کا عطا کردہ نظام سرتاپا خیر ہے وہ اپنے اندر دائمی توانائی اور حیات جاوداں رکھتا ہے، وہ نقص وحدوث کے شائبہ سے بالا ہے، وہ دین ودنیا کی فلاح کا نظام ہے، وہ ایمان وعرفان کا سرچشمہ ہے، وہ حق اور

انصاف کا ناموس اور کائنات کے لئے رحمت کا پیغام ہے۔

اب اگر اس حقیقت سے وقت کے ان مفکرین نے پہلوتہی کر لی جو امت مسلمہ کو درپیش مسائل کے حل کے لئے جمع ہو رہے ہیں تو وہ اپنا رستہ طویل کر دیں گے، ترقی کے اسباب کی تلاش میں ان کی صحرا نوردی بے سود ثابت ہوگی، وہ منزل مقصود تک کبھی پہنچ نہیں سکیں گے اور آخری اور حتمی نتیجہ یہی ہوگا کہ اپنے تمدن اور ترقی سے ہاتھ دھوکر زبردست تباہی کا شکار ہوں گے۔

برادرانِ اسلام! ان وضعی نظاموں کی وہ خوبیاں جو انسان کی فلاح و بہبود سے متعلق ہیں اسلام میں بدرجہ اتم موجود ہیں، جبکہ اسلام کے اسلوب کو یہ برتری حاصل ہے کہ وہ رحمت کا دین بن کر ہمیشہ انسان کو عزت واکرام سے ہمکنار کرنا چاہتا ہے، اسلام انفرادی، اجتماعی اور عالمی سطح پر اپنی رحمت کے مظاہرہ کے لئے اسلوب جدا گانہ رکھتا ہے، وہ اس اسلوب عمل سے اس بات کی پرزور تعلیم دیتا ہے کہ بنی نوع انسان کا باہمی ربط، اخوت وصداقت کے جذبات پر مبنی ہونا چاہیے، ہابیل وقابیل کی داستان غم کو مزید طول دینے کی وہ اجازت نہیں دیتا۔

اسلام انسان کو وہ بلند اور باعزت مقام دیتا ہے جس کی تحدید خداوند قدوس نے اس دن کی تھی جبکہ اس کے حکم سے فرشتے آدم علیہ السلام کے سامنے ان کی عزت واکرام کے لئے سربسجود ہو گئے تھے۔

اگر یہ سربراہ کانفرنس انصاف سے کام لے کر نظریہ اسلام کی اشاعت کے لئے فعال قدم اٹھانا اپنا نصب العین بنالے تو لوگ اللہ کے اس دین میں جوق درجوق داخل ہونا شروع ہو جائیں گے، دنیا کی طاقتیں اپنے افکار و نظریات کو مادی قوت کے ذریعہ مسلط کرتی ہیں، جبکہ اسلام اپنا عدل وانصاف پھیلانے میں روحانی قوت کا سہارا لیتا ہے، جس دن اسلام کے داعی اور مبلغ دنیوی اشغال سے جان چھڑا کر خیر کی مخلصانہ دعوت دینا شروع کریں گے تو اس وقت انسانی معاشرہ اس ظالمانہ مادی طاقت کی گرفت سے چھوٹ کر راہ نجات پر گامزن ہوگا۔

میں ایک بار پھر اس حقیقت کو دہراتا ہوں کہ میں توحید کے علمبرداروں کو اتحاد کی دعوت دے کر دنیا کی موجودہ گروہ بندیوں کے معیار پر ایک اور گروہ کا قیام نہیں چاہتا ہوں بلکہ میں صرف ان کا اتحاد ان پر عائدشدہ فرائض کی انجام دہی کے لئے ضروری سمجھتا ہوں اور اس وقت ان کا کم سے کم فریضہ یہ ہے کہ وہ اسلام کے نور کو پھیلا کر اس کے اصول کی حقانیت اور وقت کے خودساختہ تمام افکار ونظریات پر اس کا غلبہ ثابت کر دکھائیں اور اس میں شک نہیں کہ اسلام ہمیشہ اپنے عادلانہ اصول سے کائنات کے لئے رحمت بن کر وقت کی مشکلات کے حل پر قادر چلا آیا ہے۔

قرآن کیا کہتا ہے:

اللہ کا ارشاد ہے کہ اے لوگو! ہم نے تم کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا اور تمہاری قومیں اور قبیلے بنائے تاکہ ایک دوسرے کو شناخت کرو اور خدا کے نزدیک تم میں زیادہ عزت والا وہ ہے جو زیادہ پرہیزگار ہے: ﴿یَآ اَیُّھَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنَاکُمْ مِّنْ ذَکَرٍ وَّاُنْثٰی وَجَعَلْنَاکُمْ شُعُوْبًا وَّقَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوْا اِنَّ

اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللہِ اَتْقَاکُمْ﴾ (الحجرات: ۱۳)

یہ ہے عزت واکرام کی وہ تحدید جو خالق اپنی مخلوق کے لئے کرتا ہے، انسان ہی دراصل اس وجود کائنات کا مدار اور اہتمام کا مرکز ہے، انسان سے ہر چیز کی ابتداء ہوتی ہے اس کی اصلاح پر دنیا کی اصلاح موقوف اور اس کے فساد پر دنیا کا فساد مرتب ہے، انسان اس اکرام واعزاز کا مستحق کیوں نہ ہو جبکہ اس کے جد اعلیٰ آدم علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے اپنا خلیفہ بنایا۔

اسلام ہمیشہ اپنے اصول وتعلیمات کے ذریعہ اپنے پیرووں میں بدلتے ہوئے حالات کے ساتھ چلنے کی صلاحیت پیدا کرتا چلا آیا ہے، وقفے وقفے کے ساتھ وحی کے قرآنی نزول سے اجداد کی جو تربیت ہوئی ہے اس میں احوال وظروف کی تبدیلی کو ملحوظ رکھنے کی یہی حکمت کارفرما تھی۔

اسلام کی ان تربیت یافتہ اقوام کی شان یہ ہونی چاہئے کہ وہ قرآن کریم کی روشنی میں وقت کی ہر مشکل کا اسلامی حل تلاش کریں، وہ صرف قرآن کے حفظ، اس کی تفسیر اور تلاوت پر اکتفا کرنے والے نہ ہوں بلکہ قرآن ان کا نصب العین ہو، ان کے باہمی معاملات میں حاکم اور ان کی سیرت وسلوک کے لئے مشعل راہ ہو، ان کی شان یہ ہو کہ وہ فہم کے ساتھ متاثر ہونے والا دل بھی رکھتے ہوں، شعور کے ساتھ اخلاق سے بھی متصف ہوں اور متدین ہونے کے ساتھ اپنے تدین پر فخر کرنے والے بھی ہوں، کیونکہ کسی بھی دین کی ترقی کے لئے ضروری ہے کہ اس کے پیرو سب سے پہلے اس کو اپنے لئے مایۂ ناز وافتخار سمجھتے ہوں، دنیا میں اس وقت اگر کوئی جتھہ بندی پائی جارہی ہے تو یہ ان وضعی اور خود ساختہ نظاموں کا نتیجہ ہے، نہ کہ اسلام کا، وہ اسلام جو سرتا پا سلامتی اور انسان کی عزت واکرام کے لئے آیا ہوا دین ہے۔

اسلامی اتحاد کے دوررس اور خوش آئند نتائج

اس فضل ایزدی کا کیا کہنا جس کی یہ امت صرف اور صرف اس وقت مستحق ہوگی جبکہ راہ حق پر چل کر اپنے خالق، خدائے برتر سے تعلق جوڑنے کا اعلان کردے، اس وقت اللہ کی جو بے پایاں مہربانیاں اس پر ہوں گی انسان کے لئے ان کا تصور اور ادراک ناممکن ہے، اس امت کی نصرت وفلاح اس کی استقامت علی الحق اور تعلق باللہ کی مقدار پر ہوگی۔

تالیف قلب اور باہمی اخوت کے جو آثار گذشتہ رمضان کی جنگ میں نظر آئے اس دور میں اس سے قبل ان کی نظیر شاید ہی کسی نے دیکھی ہو۔ عربوں نے باہمی اتحاد کا ثبوت دے کر اپنا وجود منوالیا اور اس کا سرچشمہ دراصل تالیف بین القلوب کا وہ اکرام خداوندی تھا جس کو قرآن کریم ان الفاظ میں بیان کرتا ہے ''اگر تم روئے زمین کے سارے خزانے بھی خرچ کرڈالتے تو بھی ان کے دلوں میں الفت نہ پیدا کرسکتے مگر (وہ تو) اللہ (ہی تھا) جس نے

ان لوگوں میں الفت پیدا کردی۔ ﴿لَوْ اَنْفَقْتَ مَا فِی الْاَرْضِ جَمِیْعاً مَّا اَلَّفْتَ بَیْنَ قُلُوْبِهِمْ وَلٰكِنَّ اللهَ اَلَّفَ بَیْنَهُمْ﴾ (الانفال: ۶۳)

اب غور کرنے کی بات ہے کہ صرف عرب اتحاد دشمن سے برسر پیکار ہونے کے وقت جب یہ نتائج پیدا کرسکتا ہے تو اسلامی اتحاد سے کہیں زیادہ قیمتی اور وزنی نتائج کی امید وابستہ کی جاسکتی ہے، امت مسلمہ کے متحد ہونے کی صورت میں وہ دوررس نتائج اور آثار ظاہر ہوں گے جن کی فعالیت اور قوت کا اندازہ حساب وشمار کی قید سے بالاتر ہوگا۔

پس اے میرے خدا! اپنے فضل سے امت مسلمہ کا انتشار اتحاد میں تبدیل کرکے اس کو اپنے دشمن کے مقابلہ کے لئے ایک صف میں کھڑے ہونے کی توفیق عطا فرما، اے اللہ حق کی راہ میں اس کو جمع ہونے اور ایسی قوت بن جانے کی توفیق عطا فرما جس سے تیرے اور ہمارے دشمن خوف زدہ ہوں، وہ دشمن جن کو ہم جانتے ہیں اور وہ بھی جن کو ہم نہیں جانتے صرف آپ ہی ان کو جانتے ہیں، اے اللہ! لاہور کے اس اجتماع کو اس کے کاموں میں درستی کا سامان عطا فرما، اس اجتماع کے ذریعہ اس امت کو وہ سعادت نصیب فرما جو ان کے اسلاف کو نصیب ہوئی تھی بے شک آپ ہر چیز پر قادر اور دعا قبول کرنے والے ہیں۔

[ربیع الاول ۱۳۹۴ھ/اپریل ۱۹۷۴ء]

دورۂ انگلستان

الحمدللہ ماہ رمضان المبارک میں کچھ لمحات حرمین شریفین میں نصیب ہوئے، انگلستان کی دینی دعوت آئی تھی، اگرچہ صحت اچھی نہیں تھی اور ڈاکٹروں کی حتمی رائے سفر نہ کرنے کی تھی اور خود مجھے بھی تردد ضرور تھا، لیکن استخارہ کرکے اللہ کا نام لے کر میں جدہ سے ۲۲/نومبر ۷۴ء کو روانہ ہوگیا، ہڈرس فیلڈ میں جاتے ہی ایک جدید حادثہ سے دو چار ہوا ڈاکٹروں نے تین روز سکونت اور ایک ہفتہ آرام کا مشورہ دیا لیکن بیانات کا نظم بن چکا تھا اور اس کا اعلان ہوگیا تھا اس لئے بادل ناخواستہ ڈاکٹروں کے مشورے کے خلاف کرنا پڑا، الحمدللہ کہ تقریباً تمام پروگرام حق تعالیٰ شانہ نے پورا کردیا متعدد مقامات پر جانا ہوا اور جن دینی اہم مسائل کی ضرورت سمجھی ان پر بیانات ہوئے ہڈر سفیلڈ، بولٹن، ڈیوز بری، بلیک برن، پرسٹن، بریڈ فورڈ، گلسٹر، والسال، برمنگھم، ولر ہملٹن، کونٹری، لسٹر، نیٹن اور خود لندن کے مختلف مقامات میں پروگرام بن چکے تھے، اللہ تعالیٰ نے باوجود صحت کی خرابی وطبیعت کی ناسازی کے محض اپنے فضل وکرم سے توفیق نصیب فرمائی، متعدد دینی موضوعات پر بیان ہوا مثلاً:

① دین اسلام حق تعالیٰ کی بڑی نعمت ہے۔
② اسلام اور بقیہ مذاہب کا موازنہ۔
③ دنیا اور آخرت کی نعمتوں کا موازنہ۔
④ دنیا کی زندگی کی حقیقت۔

⑤ طمانیتِ قلب دنیا کی سب سے بڑی نعمت ہے اور اس کا ذریعہ حقیقی اسلام ہے۔

⑥ ذکر اللہ جس طرح حیات قلوب کا ذریعہ ہے ٹھیک اسی طرح بقائے عالم کا ذریعہ بھی ہے۔

⑦ لندن وانگلستان میں مسلمانوں کی زندگی کا نقشہ۔

⑧ دنیا کی زندگی میں انہماک اور آخرت سے دردناک غفلت۔

⑨ انگلستان میں مسلمانوں نے اگر دینی انقلاب اختیار نہ کیا تو ان کا مستقبل نہایت تاریک ہے۔

⑩ انگلستان کی پُراز شہوات زندگی میں اصلاحِ نفوس کی تدبیر۔

⑪ مخلوط تعلیم کے دردناک نتائج اور اس سے بچنے کے لئے لائحہ عمل۔

⑫ محبت رسول کی روشنی میں سنت وبدعت کا مقام۔

⑬ حضرات انبیاء کرام کی عصمت اور صحابہ کرام کا مقام۔

⑭ انگلستان میں عالم دین کی زندگی کیسی ہو۔

⑮ رؤیت ہلال وغیرہ بعض مسائل میں علماء کا اختلاف اور اتحاد کے لئے لائحہ عمل۔

⑯ قادیانی مسئلہ اور اس کا اتفاقی حل۔

الغرض اس قسم کے بیانات ہوئے، مجالس اور سوالات کے جوابات میں دار الحرب، دار الاسلام اور ان کے احکام کے اختلاف، غلاموں اور لونڈیوں کی اسلام میں اجازت اور اس کے مصالح وحکم وغیرہ وغیرہ بے شمار مسائل زیر بحث آئے اور اپنی مقدور کے مطابق ان مشکلات کے حل کرنے کی کوشش کی گئی۔

انگلستان کے اس سفر میں جہاں یہ خوشی ہوئی کہ دینی فضا مسلمانوں میں بنتی جا رہی ہے اور ہر ہر شہر میں مسلمانوں کی آبادی میں اضافہ ہے، جماعت خانے اور مسجدیں بھی کثرت سے بنتی جا رہی ہیں، مکتب اور اسکول قائم کیے جا رہے ہیں، تبلیغی جماعت کی نقل وحرکت سے بھی الحمد للہ نوجوانوں میں دینی رجحانات بڑھتے جا رہے ہیں، لیکن ساتھ ہی ساتھ یہ احساس شدت سے پیدا ہو رہا ہے کہ ہم مسلمان خصوصاً اہل علم فریضہ دعوت وتبلیغ میں انتہائی مقصر ہیں، مسلمانوں کو بے انتہاء اصلاح کی ضرورت ہے اور اگر سلیقہ ونظم کے ساتھ مؤثر انداز سے ارباب کفر کو بھی دعوت پیش کی جائے تو قبول کرنے کی بڑی توقع ہے، کافروں کا خصوصاً نوجوان طبقہ دورِ حاضر کی تہذیب ومعاشرت [illegible] سکون قلب کی نعمت سے محروم ہے اور طرح طرح کی تدبیریں سکون دل اور آرام جان کے لئے اختیار [illegible] رہے ہیں، اگر ان کو [illegible] معلوم ہو جائے کہ اطمینان قلب اور سکون روح کے لئے اس سے زیادہ مؤثر [illegible] لئے تیار [illegible] القوم اونچی طبقہ تو اسلام سے قدیمی [illegible] ہے شاید [illegible] ہو لیکن جدید نسل کو تو سکون قلب کی ضرورت ہے، عقول پختہ ہو چکی ہیں، قدیمی تاریخی عداوت نہ ان کے پیش نظر ہے نہ اس کو وقعت دیتے ہیں، اگر ان کو پاکیزہ زندگی کی لذت معلوم ہو جائے تو

اپنی گندی اور ملوث زندگی سے تائب ہونے کے لئے فوراً تیار ہو جائیں۔

یورپ کے ملکوں میں اگر مسلمانوں کی زندگی صحیح اسلامی زندگی ہوتی سر سے پیر تک مجسمہ اسلام ہوتے اور اخلاق و ملکات تمام مسلمانوں کے سے ہوتے، ان کی صورت، ان کی سیرت صحابہ کرام کی ہوتی تو ان کے وجود سے خاموش تبلیغ ہوتی، بغیر زبان ہلائے ارباب کفر کو تبلیغ ہوتی، اسلامی اخلاق اور اسلامی صورت و سیرت میں غضب کی جاذبیت ہے، بلاشبہ کبھی جدید نسل کو بعض شبہات عقلی پیدا ہوتے ہیں اور بسا اوقات مسیحی پادری اسلام کو بدنام کرنے کے لئے اسلام کو مسخ کر کے پیش کرتے ہیں تاکہ عیسائی اسلام سے نفرت کریں، اس وقت صحیح انداز اور مؤثر طریقے پر افہام و تفہیم کی ضرورت پڑتی ہے، اگر اسلامی علوم کے ساتھ صورت و اسلامی سیرت مل جائے تو ہر ایک شخص سراپا دعوت بن جائے، بہر حال مؤثر ترین چیز کردار و عمل ہے، اگر علم بہت بھی ہے لیکن زندگی غیر اسلامی ہے تو فطرۃً اس کا کوئی اثر نہیں ہوتا، دعوت و تبلیغ کی تاثیر کے لئے ضروری ہے کہ عمل و کردار، قول و بیان کی تکذیب نہ کرے اس لئے قرآن کریم میں ارشاد ہے:

﴿اَتَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبِرِّ وَتَنْسَوْنَ اَنْفُسَكُمْ وَاَنْتُمْ تَتْلُوْنَ الْكِتٰبَ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ﴾ [البقرة: ٤٤]

کیا غضب ہے کہ اور لوگوں کو نیک کام کرنے کا کہتے ہو اور اپنی خبر نہیں لیتے؟ حالانکہ تم تلاوت کرتے ہو کتاب کی تو پھر کیا تم اتنا بھی نہیں سمجھتے؟

لیکن افسوس کہ یہ ہو رہا ہے کہ مسلمان اور کافر کے درمیان نہ صورت میں کوئی فرق، نہ سیرت میں، نہ تہذیب میں، نہ معاشرت میں، نہ اعمال میں، نہ اخلاق میں تو کافر کس چیز سے تأثر لے؟ بلاشبہ مسلمان کے دل میں عقیدہ اسلامی ہے لیکن اگر یہ عقیدہ دل میں راسخ ہے تو سیرت کی تخلیق میں اس کو مؤثر ہونا چاہئے، مگر اس کے برعکس ہو رہا ہے کہ مسلمان معاملات میں کافروں سے زیادہ گئے گذرے ہیں، جھوٹ، دھوکہ، وعدہ خلافی، خیانت، بے رحمی اور ظلم و عدوان ایسی بلاؤں میں اس طرح مبتلا نظر آتے ہیں کہ الامان والحفیظ۔

کتنے شرم کی بات ہے کہ مسلمان اسلام کا عملی اور اخلاقی و تہذیبی نمونہ پیش کرنے کے بجائے ایسے کردار کے حامل ہوں کہ "جنہیں دیکھ کے شرمائیں یہود"۔ کافروں کے تمام ظاہری اخلاق و اعمال کی بنیاد محض خود ساختہ عقلی ضوابط پر ہے یا دنیوی مصالح ان کے پیش نظر ہیں، لیکن نیت اور باطن کو کون دیکھتا ہے؟ دنیا ظاہر کو دیکھتی ہے، دنیا دیکھتی ہے کہ مسلمان وعدہ خلافی، خیانت اور دھوکہ دہی کا ارتکاب کرتا ہے، جبکہ کافر بھی ان گھناؤنے [illegible] پرہیز کرتے ہیں، الغرض اسلام کی تبلیغ میں سب سے زبردست رکاوٹ خود مسلمانوں کی عملی زبوں حالی ہے اور جن لوگوں کو اسلام اور مسلمانوں کا درد ہے ان کے لئے یہ بات بے چین و بے تاب کر دینے والی ہے۔

قادیانیوں کو غیر مسلم قرار دینے پر مبشرات

قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دیا جانا بہت ہی عظیم برکات کا کارنامہ ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ختم نبوت کے منکروں کا مسلمانوں سے خلاملا نہ صرف مسلمانوں کے حق میں ایک ناسور تھا بلکہ اس سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی روح مبارک بھی بے تاب تھی، قادیانی مسئلہ کے حل پر جہاں تمام ممالک کی جانب سے تہنیت ومبارک باد کے پیغامات آئے وہاں منامات ومبشرات کے ذریعہ عالم ارواح میں اکابر امت اور خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مسرت وبہجت بھی محسوس ہوئی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے متعلق مبشرات ذکر کرنے کی ہمت نہیں ہوتی تاہم اہل ایمان کی خوشخبری کے لئے اپنے دو بزرگوں سے متعلق بشارت منامیہ بعض مخلصین کے اصرار پر ذکر کرتا ہوں۔

جمعہ ۳ رمضان المبارک ۱۳۹۴ء صبح کی نماز کے بعد خواب دیکھتا ہوں کہ حضرت امام العصر مولانا محمد انور شاہ صاحب کشمیری رحمہ اللہ گویا سفر سے تشریف لائے ہیں اور خیر مقدم کے طور پر لوگوں کا بہت ہجوم ہے، لوگ مصافحے کر رہے ہیں جب ہجوم ختم ہوگیا اور تنہا شیخ رہ گئے تو دیکھتا ہوں کہ بہت وسیع چبوترہ ہے جیسے اسٹیج بنا ہوا ہو اس پر فرش ہے اور اوپر جیسے شامیانہ ہو، بالکل درمیان میں شیخ تنہا تشریف فرما ہیں، دو تین سیڑھیوں پر چڑھ کر ملاقات کے لئے پہنچا، حضرت شیخ اٹھے اور گلے لگایا، میں ان کی ریش مبارک اور چہرہ مبارک کو بوسے دے رہا ہوں، حضرت شیخ میری داڑھی اور چہرے کو بوسے دے رہے ہیں، دیر تک یہ ہوتا رہا، چہرہ و بدن کی تندرستی زندگی کے آخری ایام سے بہت زیادہ ہے، بے حد خوش اور مسرور ہیں، بعد ازاں میں دوزانوں ہو کر فاصلہ سے باادب بیٹھ گیا اور آپ سے باتیں کر رہا ہوں، اسی سلسلہ میں یہ بھی عرض کیا کہ بھول گیا کہ ''معارف السنن'' حاضر کرتا، فرمایا: میں نے بہت خوشی اور مسرت کے ساتھ اس کا مطالعہ کیا ہے، اب چھٹی جلد کا مطالعہ کر رہا ہوں، میں نے عرض کیا کہ میرے پاس تو علم نہیں جو کچھ آپ نے فرمایا تھا بس اس کی تشریح وتوضیح وخدمت کی ہے، بہت مسرت کے لہجے میں فرمایا کہ بہت عمدہ ہے۔

شوال ۱۳۹۴ھ میں لندن کے قیام کے دوران خواب دیکھا کہ ایک بہت بڑا وسیع مکان ہے گویا ختم نبوت کا دفتر ہے، بہت سے لوگوں کا مجمع ہے، میں ایک طرف جا کر سفید چادر جس طرح کہ احرام کی چادر ہو باندھ رہا ہوں، بدن کا اوپر کا حصہ برہنہ ہے کوئی چادر یا کپڑا نہیں، اتنے میں حضرت سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ اسی ہیئت میں کہ احرام والی سفید چادر کی لنگی باندھی ہوئی ہے اور اوپر کا بدن مبارک بغیر کپڑے کے ہے میرے داہنے کندھے کی جانب سے تشریف لائے اور آتے ہی مجھ سے چمٹ گئے، پہلا جملہ یہ ارشاد فرمایا: ''واہ میرے پھول''۔ پھر دیر تک معانقہ فرمایا: میں خواب ہی کی حالت میں خیال کرتا ہوں کہ مبارک باد کے لئے تشریف لائے ہیں، انتہیٰ۔

منامات کی حیثیت مبشرات کی ہے اس سے زیادہ ان کی کوئی شرعی حیثیت نہیں، بہرحال قادیانی ناسور کے علاج سے نہ صرف زندہ بزرگوں کو مسرت ہوئی بلکہ جو حضرات دنیا سے تشریف لے گئے ہیں، معلوم ہوتا ہے کہ انہیں بھی اس سے بے حد و پایاں خوشی ہوئی ہے، فالحمدللہ۔

علاقائی ثقافتی میلے اور اسلام

یکم دسمبر سے کراچی میں ایک ثقافتی میلہ منعقد کیا جا رہا ہے، جس میں سندھی، پنجابی، پٹھانی اور بلوچی ثقافتوں کی نمائش کی جائے گی، اسلامی لغت ''ثقافت'' کے لفظ سے نا آشنا ہے، قرآن کریم حدیث نبوی اور دیگر اسلامی ذخائر میں یہ لفظ کہیں نہیں ملتا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی بعثت کا مقصد مکارم اخلاق کی تکمیل قرار دیا(۱) مگر یہ کہیں نہیں فرمایا کہ میں ثقافت کی تعلیم کے لئے آیا ہوں۔

دراصل انگریزی میں کلچر کا لفظ تہذیب و تمدن اور اسلوب زندگی کے معنی میں رائج تھا، ہمارے عرب ادباء نے اس کا ترجمہ ثقافت سے کرڈالا اور جب سے یہ لفظ مسلمانوں میں کثرت سے استعمال ہونے لگا، مگر یہ مہمل لفظ آج تک شرمندہ مفہوم و معنی نہیں ہوا۔ ہر شخص نے اپنے ذوق کے مطابق اس کا مفہوم متعین کرنے کی کوشش کی اور آج کل عموماً اسے رقص و سرود، ناچ رنگ اور فحاشی اور عیاشی کے مناظر کے لئے استعمال کیا جاتا ہے، خیر کچھ بھی ہو کہنے کی بات یہ ہے کہ اس اسلامی ملک میں ان علاقائی ثقافتوں کی ترویج و نمائش اور حوصلہ افزائی کا کیا مقصد ہے؟ سندھی ثقافت آخر کیا بلا ہے؟ اس سے مراد محمد بن قاسم کی ثقافت ہے یا راجہ داہر کی؟ پنجابی ثقافت کیا چیز ہے؟ کیا راجا جیت سنگھ کی ثقافت کا احیاء مقصود ہے؟

سندھی ایک مسلمان بھی ہوسکتا ہے اور کافر بھی، پنجابی ایک مومن بھی ہوسکتا ہے اور ایک سکھ بھی، بلوچی بھی ایک مسلم بھی ہوسکتا ہے اور ایک یہودی بھی، جب آپ سندھی، پنجابی اور بلوچی ثقافتوں کی نمائش کریں گے تو وہ ایک مسلم و کافر کی مشترکہ میراث ہوگی، سوال یہ ہے کہ ایک مسلمان کو بحیثیت مسلمان کے اس سے کیا دلچسپی ہے؟ کیا پاکستان انہی چیزوں کو نمایاں کرنے کے لئے بنایا گیا جن میں دنیا بھر کے کافروں کی تسلی کا سامان تو ہو مگر اسلام اور مسلمانوں کو ان سے کوئی واسطہ نہ ہو؟

اگر یہ ایک اسلامی ملک ہے اور یہاں کے شہری مسلمان ہیں، تو ان سب کے لئے ایک ہی ثقافت ہوسکتی ہے، قرآن حکیم کی تعلیمات اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اسوۂ حسنہ، عقل و ایمان کا یہ کیسا المیہ ہے کہ اسلام،

---

(۱) "عن ابی هريرة رضی الله عنه،ان رسول الله ﷺ قال:"بعثت لاتمم مكارم الاخلاق"
(المستدرك على الصحيحين،ومن كتاب آيات رسول الله ﷺ التى هى دلائل النبوة،ج۲: ص: ۶۷۰، ط:دارالكتب العلمية بيروت)

اسلامی تعلیمات اور اسوۂ نبوی کی کسی کو فکر نہیں، مسلمانوں کے اخلاق ومعاشرت کی اصلاح کی طرف کسی کو توجہ نہیں، اور زندہ کیا جارہا ہے تو انہی تہذیبوں کو؟ اس کے لئے ہزاروں، لاکھوں روپیہ اس مفلس ملک اور بےبس قوم کا صرف کیا جارہا ہے۔

اور یہ بات بھی شاید ہمارے ارباب حل وعقد کے سوا کسی کی عقل میں نہیں آئے گی کہ ایک طرف تو زبانی جمع خرچ کے طور پر چاروں صوبوں کے درمیان اتفاق واتحاد کی ضرورت پر زور دیا جاتا ہے، علاقائی عصبیت پھیلانے والوں کو ملک وملت اور قوم ووطن کے غدار کے خطاب سے نوازا جاتا ہے اور دوسری طرف ہزاروں روپیہ خرچ کرکے علاقائی ثقافتوں کو ابھار کر علاقائی عصبیت کی چنگاری کو ہوا دی جاتی ہے۔ ان سندھی، پنجابی، پٹھانی، بلوچی ثقافتوں کو جب اچھالا جائے گا تو اس کا نتیجہ اس کے سوا کیا ہوگا کہ لوگوں میں سندھیت اور پنجابیت، پشتونیت اور بلوچیت کا احساس ابھرے گا، صوبوں کے درمیان منافست اور منافرت بیدار ہوگی اور علاقائی عصبیت کا بھوت عریاں رقص کرنے لگے گا، ایک وطن، ایک قوم، ایک ملت اور ایک مقصد کا احساس اگر کسی کے گوشۂ قلب میں موجود ہوتو وہ بھی دب کر رہ جائے گا، کہیں یہ ثقافتی میلے، یہ علاقائی ناچ رنگ کی نمائش ملک کے مزید حصے بخرے کرنے کی سازش تو نہیں؟ کیا یہ مسلمانوں میں مزید جنگ وجدال برپا کرنے کی تمہید تو نہیں؟

ان علاقائی ثقافتی میلوں کا ایک اور دردناک پہلو بھی نہایت اہم ہے، اس وقت پورا ملک ہوشربا گرانی اور قلت رسد کی لپیٹ میں ہے، پنجاب، سرحد اور بلوچستان کے بعض علاقوں میں قحط کے سے آثار نمودار ہورہے ہیں، لوگوں کو ستر پوشی کے لئے کپڑا اور جسم وجان کا رشتہ قائم رکھنے کے لئے قوت لایموت کا حصول بھی مشکل ہورہا ہے، خشک سالی نے آئندہ فصل کے لئے بھی بیم وخوف کی شکل پیدا کردی ہے، بجلی اور پانی کی قلت سے زمین بنجر اور کھڑی فصلیں خشک ہورہی ہیں، حالات کے دباؤ نے لوگوں میں اندیشہ ہائے دوردراز پیدا کردیئے ہیں، ہر شخص فکرمند نظر آتا ہے۔

اگر کسی کے دل میں رحم وانصاف کی کوئی رمق ہوتو اسے سوچنا چاہیے کہ ان سنگین حالات میں یہ ملک ان ثقافتی عیاشیوں کا متحمل ہے؟ ان حالات میں توبہ واستغفار اور انابت الی اللہ کی ضرورت ہے یا ان مختلف علاقوں کے ناچ رنگ کے ڈراموں کی؟

خدارا! اس ملک پر رحم کیجئے، اس قوم پر رحم کیجئے، قوم وملک کو ان لعنتوں میں گرفتار کرکے خدا کے غضب کو دعوت نہ دیجئے، اگر اسلامی ملک کی اصلاح وفلاح اور مسلمانوں کے امن وسکون کے اسباب مہیا کرنا آپ کے بس کی بات نہیں ہے تو کم از کم انہیں تباہی وبربادی کے جہنم میں تو نہ دھکیلئے:

''مرا بخیر تو امید نیست، بد مرساں''

مسلمانوں کا اسوۂ و نمونہ اور نصب العین

زندہ قومیں تاریخ کے سنگلاخ میں اپنا راستہ خود نکالا کرتی ہیں، ان کے پاس خود اپنا نصب العین ہوتا ہے، وہ اپنا طریق کار خود وضع کرتی ہیں، انہیں دوسروں کے اشارہ چشم و آبرو کی حاجت نہیں ہوتی، نہ ان کی اولوالعزمی غیروں کے پامال راستوں پر چلنے کی انہیں اجازت دیتی ہے، مسلمانوں کے پاس سفر حیات کے لئے اپنا نصیب العین ہے، اپنا طریق کار ہے اور اپنا توشۂ سفر موجود ہے، انہیں کسی نظریہ حیات سے نصیب العین مستعار لینے کی ضرورت نہیں، نہ زادسفر کے لئے غیروں کی زلہ ربائی کی حاجت، لیکن بدقسمتی یہ ہے کہ تقلید اغیار میں یہ اپنے نصبؔ العین سے غافل ہو کر اپنے گھر کی ساری دولت سے ہاتھ دھو بیٹھے، اس کا نتیجہ ہے کہ آج ان کے لئے اسوۂ و نمونہ انبیاء و اولیاء نہیں بلکہ یہود و نصاریٰ ہیں، وہ ہر چیز میں غیروں کے دست نگر ہیں، ان کی مثال ان بدقسمت شہزادوں کی ہے جو چند اوباش لونڈوں کے بہکاوے میں آ کر گھر سے نکل جائیں اور باہر جا کر پیشہ گدائی کر لیں، وہ کسی وقت پوری دنیا کی قسمت کے مالک تھے لیکن آج لوگوں کے سڑے بسے دستر خوان کی ریزہ چینی میں فخر محسوس کرتے ہیں، فیاللعجب۔

اسلام اور سوشلزم

ایک مدت سے ہمارے یہاں سوشلزم کے نعرے لگ رہے ہیں، مسلمانوں کو بہکانے کے لئے اس پر بڑے حسین و جمیل لیبل چپکائے جا رہے ہیں، اسلامی سوشلزم، اسلامی مساوات، سائنٹفک سوشلزم وغیرہ وغیرہ لیکن ان بھولے شہزادوں سے کون پوچھے کہ حضرات! یہ سوشلزم کس کے دستر خوان کا چبایا ہوا نوالہ ہے جسے آپ فخر سے تناول فرما رہے ہیں، سوشلزم کی تحریک کا بانی کون تھا؟ اس کی تاریخ کیا ہے؟ اس کے بنیادی عناصر کون کون ہیں؟ اس کا طریق کار کیا ہے؟ یہ کہاں سے آیا؟ کن کن راستوں سے گذرا؟ اس میں کیا کیا تبدیلیاں پیدا ہوئیں؟ اس نے انسانیت سے کیا کیا سلوک کیا؟ وغیرہ وغیرہ۔

جس قوم کے پاس قرآن حکیم جیسا دستور العمل موجود ہو، جو نبی آخرالزماں حکیم انسانیت صلی اللہ علیہ وسلم کے رشتہ عقیدت سے وابستہ ہو، جسے اسلام جیسا پاکیزہ دین نصیب ہو، اور سب سے بڑھ کر یہ کہ جو قوم خداوند ذوالجلال کی عنایت و ہدایات اور نصرت و مدد اپنے ساتھ رکھتی ہو، اسی قوم کے افراد کی دناءت اور دون ہمتی دیکھو کہ وہ روٹی کے چند ٹکڑوں کے لئے کارل مارکس اور لینن کے دروازہ پر سجدہ ریز ہے، سفر حیات کی منزلیں خروشیف اور ماؤزے تنگ سے پوچھ پوچھ کر متعین کر رہی ہے اور زندگی کے ہر کام و قدم میں کافرانِ فرنگ اور ملحدانِ مادیت کے نقش پا کو دیکھ دیکھ کر چلتی ہے۔

ہم مسلمانوں کو دو ٹوک لفظوں میں بتا دینا چاہتے ہیں کہ اسلام کسی ازم اور کسی نظریہ حیات کا محتاج نہیں،

نہ ان سے مصالحت اور پیوندکاری کا متحمل ہے، پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کا قطعی فیصلہ ہے:

"لو کان موسی حیاً لما وسعه الا اتباعی"(۱) (مشکوۃ)

اگر موسیٰ علیہ السلام بھی زندہ ہوتے تو انہیں بھی میری پیروی کے بغیر کوئی چارہ نہ ہوتا۔

امن وعافیت کا راستہ

جو لوگ مسلمانوں کی آنکھوں میں خاک جھونکنے کے لئے اسلام کے ساتھ سوشلزم وغیرہ کے نعرے لگاتے ہیں وہ مسلمانوں کے خیرخواہ نہیں بلکہ محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم سے ان کا رشتہ عقیدت تڑوا کر انہیں غیروں کی دریوزہ گری کی دعوت دیتے ہیں اور سچ پوچھئے تو یہ لوگ نہ اسلام کے مخلص ہیں، نہ سوشلزم کے، اسلام اور سوشلزم کے ملغوبے سے ان کا مقصد محض اپنی خواہشات کی تکمیل ہے اور بس۔

سوشلزم کے مصنوعی نعروں کا خمیازہ قوم ۷۱ء میں ایک بار بھگت چکی ہے، ملک دوٹکڑے ہوا، ذلت ورسوائی کا ریکارڈ پہلی بار مسلمانوں نے قائم کیا، اندرون ملک بے چینی وبے قراری نصیب ہوئی، امن وامان اور راحت وسکون قصہ پارینہ بن گیا، روٹی کپڑے کے لئے یہ سب کچھ کیا گیا، مگر جو پہلے ملتی تھی وہ بھی چھن گئی وغیرہ وغیرہ۔

سوشلزم کے یہی انعامات کافی ہیں جو ہمارے ملک کو عطا ہوئے، خدارا! اب انعامات کی اس بارش کو بند کیجئے، ان مصنوعی نعروں سے ملک وقوم کے مسائل حل نہیں ہوں گے بلکہ مزید الجھیں گے، امن وعافیت کا ایک ہی راستہ ہے اور وہ اسلام کی حبل متین کو مضبوطی سے تھامنا، عالم وعامی، راعی اور رعایا، تاجر اور مزدور جب تک اسلام سے نفاق ورزی کی روش نہیں چھوڑیں گے خدا تعالیٰ کی عنایات ان کی جانب متوجہ نہیں ہوں گی۔

وصلی الله علی خیر البریة سیدنا محمد وآله واصحابه واتباعه اجمعین الی یوم الدین.

[ذوالقعدہ ۱۳۹۴ھ/دسمبر ۱۹۷۴ء]

معاہدۂ تاشقند اور اس کے نتائج

جنوری کے پہلے ہفتہ میں تاشقند کانفرنس منعقد ہوئی، اس کے نتیجہ میں پاکستان اور بھارت کے درمیان ایک قرارداد طے پاگئی، اس قرارداد سے دونوں ملکوں کی فوجوں کے درمیان فائر بندی کی تکمیل ہوگئی اور فائر بندی کی خلاف ورزیوں کا سلسلہ بھی ختم ہوگیا اور اب ایک مقررمدت میں جنگی محاذوں سے فوجوں کی واپسی کا مرحلہ سامنے ہے۔

اس قرارداد کا پس منظر اور وہ گفتگوئیں جو تینوں ملکوں کے سربراہوں کے درمیان ہوتی رہی ہیں اور وہ عوامل ومحرکات جنہوں نے بالکل آخری مرحلہ پر کانفرنس کو ناکامی سے بچالیا، دنیا کے سامنے نہیں ہیں، اس لئے اس

(۱) مشکوۃ، کتاب الایمان، باب الاعتصام بالکتاب والسنة، الفصل الثانی ج:۱ ص:۳۰، ط:قدیمی

پوری صورتحال پر صحیح تبصرہ مشکل ہے، لیکن جو واشگاف حقیقتیں سامنے آچکی ہیں ان کو پیش نظر رکھتے ہوئے کانفرنس کے نتائج افسوسناک اور مایوس کن ہیں۔

ایک ظالم وجارح اور بے رحم ملک کے ساتھ نزاعات کو طے کرتے ہوئے اخلاق وتواضع اور رحم وکرم کا یہ معاملہ جو قرارداد تاشقند کی صورت میں سامنے آیا ہے سمجھ سے بالاتر ہے:

امور مملکت خویش خسروان دانند

جہاد پاکستان کے موقعہ پر پاکستان کے تمام باشندوں میں اتحاد واتفاق کی جو روح پیدا ہوگئی تھی اور حکومت کو عوام کی غیر مشروط وفاداری اور ان کے درمیان ہر دلعزیزی حاصل کرنے میں جو کامیابی حاصل ہوگئی تھی اور اسی کے ساتھ عام مسلمانوں کے عزائم اور حوصلوں میں جو قوت اور بلندی پیدا ہوگئی تھی تاشقند کی اس قرارداد نے اس سب کو ختم کردیا۔

مزید ستم ظریفی یہ ہوئی کہ جب اسی وفا شعار اور ایثار پیشہ قوم نے اس اعلان پر آزادی کے ساتھ اپنی رائے کا اظہار کیا تو اس کو دبانے اور ختم کرنے کے لئے جو طریقے اختیار کئے گئے وہ بھی انتہائی افسوسناک تھے۔

اگر قوم کے نوجوانوں کے پرجوش اور مخلصانہ جذبات کی قدر کی جاتی اور افہام وتفہیم اور مؤثر تدابیر اختیار کر کے ان میں اعتدال پیدا کرنے کی کوشش کی جاتی تو نہ صرف یہ کہ حکومت پاکستان کے حق میں یہ صورت مفید ہوتی اور ملک کے مستقبل کے لئے ایک فال نیک ثابت ہوتی بلکہ دوسرا فریق بھی اس سے متاثر ہوتا اور بھارتی حکومت پر بھی دباؤ پڑتا اور اس کے نتیجہ میں وہ کشمیر کے متنازعہ فیہ مسئلہ کی شدت واہمیت کو محسوس کر کے اس کو حل کرنے کے لئے جلد آمادہ ہوجاتی، لیکن اس بے تدبیری نے خود اپنی صفوں میں بھی انتشار اور خلفشار پیدا کردیا ہے جو اس سلسلہ میں اختیار کی گئی ہے۔

اس سے ظاہر ہے کہ نہ اپنوں کے ساتھ طرز عمل میں حکمت ومصلحت کا لحاظ رکھا گیا ہے اور نہ فریق نزاع کے ساتھ معاملات کو طے کرنے میں معاملاتی سمجھ بوجھ کا ثبوت دیا گیا ہے، ایک مشہور عربی مثل ہے:

"خذہ بالموت حتی یرضی بالحمی"

بہ مرگش بگیر تا بہ تپ راضی شود

بہر حال یہ وہ صورت حال ہے جو واضح ہو کر سب کے سامنے آچکی ہے، لیکن ہم ان حالات کے ان داخلی اسباب وعوامل کی طرف متوجہ کرنا چاہتے ہیں، جن کو ارباب اختیار نے اب تک قابل اعتنا نہیں سمجھا، یا ان کی طرف بہت ہی کم توجہ کی گئی ہے، غور طلب یہ ہے کہ آخر یہ انقلاب کیسے آیا وہ حالات کیوں بدل گئے جو دوران جنگ روشن حقائق بن کر سامنے آگئے تھے، اتحاد کی جگہ افتراق اور تشتت اور محبت ومودت کی بجائے بغض ونفرت کیوں پھوٹ پڑے، یہ حقیقتیں آخر کیوں بدل گئیں۔

اگر ذرا غور کیا جائے تو اس سوال کا جواب واضح ہے، حق تعالیٰ نے جہاد پاکستان میں پاکستانی افواج، پاکستان کی حکومت اور پاکستانی قوم پر جو انعامات کئے وہ تصور سے بھی بالاتر ہیں، ہر موقع پر نصرت الٰہی کی جو غیبی تائیدات پیش آئیں اور قدرت کاملہ کے جو خوارق و معجزات ظاہر ہوئے ان سے کسی کو انکار کی مجال نہیں ہوسکتی، پوری قوم عزت و مجد سے سرفراز ہوئی،، دنیا میں اہل پاکستان کی دھاک قائم ہوگئی اور دوست دشمن سب ہی پاکستانی افواج کی بے مثال بہادری جفاکشی اور ایثار و استقامت کے معترف ہوگئے، اللہ تعالیٰ کی ان عظیم نعمتوں کا حق شکر گذاری سب سے زیادہ صدر محترم پر واجب تھا، پھر وزرائے مملکت پر اور اس کے بعد عام مسلمانوں پر، کیا ہم سب اس حق شکر سے عہدہ برآ ہوگئے؟

نعمت الٰہی کا شکر ادا کرنے کا طریقہ

ظاہر ہے کہ ہر شخص کی شکر گذاری اس کی حیثیت کے مطابق ہوتی ہے، صدر محترم کے ذمہ اس نعمت الٰہی کا شکر یہ تھا کہ وہ اپنے اختیارات کو اللہ تعالیٰ کے قانون رحمت و عدل و انصاف، قرآن حکیم، سنت نبویہ اور فقہائے امت کے مرتبہ قوانین کے نفاذ و اجراء کے لئے استعمال کرتے، عزم و ہمت کے ساتھ اس کے لئے فوری تدابیر اختیار کرتے تاکہ جلد سے جلد اس ملک میں محاکم عدلیہ شرعیہ قائم ہوجاتے۔ ان کے عہد حکومت میں قرآن وسنت کے خلاف جو قوانین نافذ کئے گئے تھے ان سب کو منسوخ کیا جاتا، عائلی قوانین کی جو قرآن کی ہدایات واحکام کے خلاف ہیں منسوخی کا اعلان کیا جاتا یا کم از کم ان سترہ ترمیمات کو منظور فرما کر جو سابق اسمبلی کے مقتدر علماء پیش کر چکے ہیں ان قوانین کو قرآن وسنت کے مطابق بنایا جاتا، خاندانی منصوبہ بندی کی اسکیم کو ختم کیا جاتا، شراب خوری اور سود خواری کی لعنت سے امت کو نجات دلائی جاتی، رقص و سرود کی محفلوں کو خلاف قانون قرار دیا جاتا اور عصمت فروشی کو جرم قرار دیا جاتا، غرض وہ تمام اقدامات کئے جاتے جو صدر محترم کے اس عہد کو پورا کرنے کے لئے ضروری تھے جو انہوں نے غیبی تائیدات کو محسوس فرما کر قوم کے سامنے اللہ تعالیٰ سے کیا تھا۔

وزرائے مملکت اپنے دائرہ اختیارات میں عوام میں اسلامی روح پیدا کرنے کی کوشش کرتے، وزارت تعلیم ابتدائی ثانوی اور اعلیٰ تعلیم کے تمام مراحل میں عربی اور دینی تعلیم کو لازمی قرار دیتی، وزارت جنگ فوجی نظام میں غیر اسلامی رسوم کی اصلاح کر کے نمازوں کی پابندی کے احکام نافذ کرتی، اسی طرح مواصلات اور امور خارجہ کی وزارتیں فریضہ حج کی ادائیگی میں سہولتیں اور زیادہ سے زیادہ حجاج کرام کو سفر کی آسانیاں فراہم کرنے کی کوششیں کرتیں، اسلامی ممالک سے زیادہ قریبی اور مستحکم تعلقات قائم کرنے کی تدابیر اختیار کرتیں، وزارت داخلہ مسلمانوں میں اسلامی معاشرت کے پھیلانے اور خدا فراموش قوموں کی تہذیب و تمدن کے ناپاک اثرات سے ملک کو پاک کرنے کی کوشش کرتی۔

عوام کی شکر گذاری یہ تھی کہ جس طرح وہ جنگ کے دوران اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہو کر گناہوں سے تائب ہو چکے تھے اور مسجدوں کو آباد کر چکے تھے اسی طرح وہ مزید اصلاح، حسن عمل اور حکومت کی ان نیک مساعی میں پر خلوص تعاون کی طرف قدم بڑھاتے۔

اگر ان میں سے ہر طبقہ نے اپنا فریضہ شکر ادا کیا ہوتا تو ہم دیکھتے کہ اس قوم کی اللہ تعالیٰ کے نزدیک مقبولیت کی کیا کیا برکتیں نازل ہوتیں اگر اللہ تعالیٰ کے ساتھ یہ برملا اور خاموش عہد پورے ہوتے تو ہماری قوم بھی وعدہ الٰہی کے مطابق قیادت اقوام کی عزت اور سیادت کبریٰ کے تاج مرصع سے سرفراز ہو گئی ہوتی، آج ہمارے درمیان جو کچھ ہو رہا ہے وہ اس ناشکری کے عواقب اور اللہ تعالیٰ سے کئے ہوئے عہد و قرار پورا نہ کرنے ہی کے نتائج ہیں۔

﴿ذٰلِكَ بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْكُمْ وَاَنَّ اللّٰهَ لَيْسَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيْدِ﴾ [الانفال:۵۱]

یہ اسی سبب سے ہے جو کچھ تمہارے ہاتھوں نے کمایا ہے اور بے شک اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے ساتھ ظلم کرنے والا نہیں ہے۔

دنیا بھی ایک مختصر دار الجزاء ہے، روز جزاء سے پہلے ہی لوگوں کی عبرت و بصیرت کے لئے بعض اعمال کی جزاء کے نمونے بھی اس دنیا میں دکھائے جاتے ہیں، ایسا نہ ہوتا تو طاغوتی طاقتیں اس دنیا کو مسلسل ظلم و عدوان اور فساد و خوں ریزی سے بھر دیتیں۔

اعلان تاشقند کے موضوع پر قارئین بینات کی خدمت میں تفصیلی گذارشات پیش کرنے کا ارادہ تھا لیکن ابھی ابھی ''المنبر'' لائلپور کے توسط سے محترم مولانا عبدالرحیم اشرف صاحب کے تاثرات ہم تک پہنچے ہیں اس لئے مزید کچھ عرض کرنے کی بجائے ان ہم آہنگ خیالات ہی کو قارئین بینات کے لئے اسی شمارہ میں کسی جگہ پیش کیا جا رہا ہے تا کہ وہ بھی موصوف کے ان پاکیزہ رشحات قلم سے مستفید ہو سکیں۔

رؤیت ہلال اور نظام شریعت

رؤیت ہلال کے متعلق شریعت کے نظام بالکل فطری مکمل اور پوری طرح قابل اطمینان ہے، جو ایک حکیم و فلسفی علم ہیئت کے ماہر اور ایک غیر تعلیم یافتہ بدوی دونوں کے لئے یکساں طور پر قابل اعتماد ہے، قمری نظام جو مشاہدہ اور رؤیت بصری پر مبنی ہے، اس حسابی شمسی نظام سے بدرجہا زیادہ باعث یقین اور وجہ طمانینت ہے، جو محض عقل حساب اور یادداشت پر قائم ہے، حساب اگر چہ تقریبی طور پر یقینی ہے لیکن محض عقلی اور علمی ہے اور مشاہدہ و رؤیت کا درجہ یقیناً عقلی اور فکری نتائج سے زیادہ قطعی اور قابل اعتماد و اطمینان ہے، اسی لئے اور اس کے علاوہ متعدد وجوہ سے شریعت اسلامی نے عباوات، حج و روزہ کا مدار ہلال کی رؤیت پر رکھا ہے، قرآن کریم میں ارشاد ہے:

﴿اِنَّ عِدَّةَ الشُّهُوْرِ عِنْدَ اللّٰهِ اثْنَا عَشَرَ شَهْرًا فِيْ كِتَابِ اللّٰهِ يَوْمَ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ

وَالْأَرْضَ مِنْهَا أَرْبَعَةٌ حُرُمٌ، ذٰلِكَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ﴾ [التوبة:۳۶]

بلاشبہ مہینوں کا شمار اللہ تعالیٰ کے نزدیک بارہ مہینے ہے، اللہ تعالیٰ کی کتاب میں جس دن کہ پیدا کیا تھا اللہ نے آسمانوں اور زمین کو، ان (بارہ) میں سے چار حرام ہیں۔ (جن میں جنگ کرنے کی ممانعت ہے) یہ درست دین ہے۔

اور ارشاد فرمایا:

﴿يَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْأَهِلَّةِ قُلْ هِيَ مَوَاقِيْتُ لِلنَّاسِ وَالْحَجِّ﴾ [البقرة:۱۸۹]

وہ آپ سے ہلالوں کے متعلق دریافت کرتے ہیں آپ کہہ دیجئے وہ لوگوں کے لئے مقررہ اوقات (کے پیمانے) ہیں اور حج کے لئے۔

پھر ہلال کے ان فطری مواقیت کا معیار و مدار اس کی طبعی رؤیت و مشاہدہ کو ٹھہرایا ہے، حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"نحن امة امية لا نكتب ولا نحسب الشهر هكذا وهكذا وهكذا"(۱)

ہم امی قوم ہیں نہ لکھتے ہیں نہ حساب رکھتے ہیں، مہینہ ایسا اور ایسا اور ایسا ہوتا ہے، آپ نے دونوں ہاتھوں کی انگلیوں کے شمار سے ایک مرتبہ تیس اور ایک مرتبہ انتیس کے شمار کی طرف اشارہ فرمایا۔

اور فرمایا:

"صوموا لرؤيته و افطروا لرؤيته فان غم عليكم الهلال فكملوا عدة شعبان ثلاثين يوما".(۲)

روزہ رکھو اس (ہلال) کو دیکھنے سے اور افطار کرو اس کے دیکھنے سے اور اگر گھٹا تمہارے لئے چاند (دیکھنے) سے مانع ہو تو شعبان کا شمار تیس دن پورا کرو۔

قرآن وحدیث کی ان نصوص شرعیہ سے فقہائے امت محمدیہ نے رؤیت ہلال کے لئے ایک مفصل نظام اور قانون مرتب کیا ہے اور رویت کے شرعی ثبوت کے لئے ایک مکمل طریق کار اور نظام عمل واضح فرمادیا ہے، اگر حکومت پاکستان شرعی طریقوں پر عمل کرے تو عبادات کی تنظیم اور ان کے اوقات کے صحیح تعین میں کبھی اختلال واضطراب پیدا نہیں ہوسکتا۔

اس سال ہلال عید کے بارہ میں جو اختلاف واضطراب پیش آیا اس کی وجہ یہی تھی کہ اس معاملہ میں شرعی دستور العمل کو نظر انداز کردیا گیا تھا اس کے نتیجہ میں قوم کو مذہبی معاملات کے متعلق حکومت کے رویہ پر مزید بد اعتمادی پیدا ہوئی اور حکومت کو اس فروگذاشت کے لئے سجدہ سہو کرنا پڑا۔

---

(۱)صحيح البخاری، كتاب الصوم، باب قول النبی ﷺ لانكتب ولانحسب، ج:۱ ص:۲۶۵، ط:قديمی

(۲)صحيح البخاری، كتاب الصوم، باب قول النبی ﷺ اذارأيتم الهلال...ج:۱ ص:۲۵۶، ط:قديمی

رؤیت ہلال کے شرعی ثبوت کے لئے فقہائے امت اسلامیہ نے جو اصول بیان فرمائے ہیں ان کا خلاصہ یہ ہے کہ:

(الف)......رؤیت ہلال کی شہادت علماء کے سامنے آئے اور وہ اس کے رد وقبول کا فیصلہ کریں۔

(ب)......شاہد اگر خود علماء تک نہ پہنچ سکیں تو ہر شاہد اپنی شہادت کے دو گواہ بنائے اور پھر یہ گواہ علماء کے سامنے اس شہادت پر گواہی دیں۔

(ج)......اگر کسی جگہ علماء اور قاضیوں کے سامنے شرعی شہادت پیش ہو جائے تو دوسرے علاقہ میں اس عالم یا قاضی کی سربمہر تحریر پر دو شاہد اپنی شہادت پیش کریں۔

(د)......ان تین طریقوں کے علاوہ ایک چوتھی صورت استفاضہ خبر (خبر کی شہرت اور تواتر) کی بھی ہے اور وہ یہ کہ ملک کے مختلف علاقوں سے عام اطلاعات ملیں اور ان خبروں سے رؤیت کا ایک گونہ یقین حاصل ہو جائے۔

روزہ اور فطر کو رؤیت ہلال پر موقوف رکھنے کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے واضح ارشاد اور فقہاء کے استخراجی اصول وقوانین کے ساتھ اگر اس مصلحت عامہ کو پیش نظر رکھا جائے جو اسلام کے تمام اصول واحکام فرائض اور ادائے فرائض کے سلسلہ میں ملحوظ رکھی گئی ہے اور جس کو سمجھنے کے لئے کسی غیر معمولی عقل وفہم کی ضرورت نہیں ہے تو ہلال کی طبعی اور عادی رؤیت ومشاہدہ پر روزہ وافطار کا مدار رکھنے کے اس حکم کی علت وحکمت بہ آسانی سمجھ میں آسکتی ہے، خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے "الدین یسر (۱)" دین آسانی ہی ہے۔

روزہ اور فطر ایک مسلمان کے انفرادی فرائض اور ذمہ داریاں ہیں، فرضیت کے شعور اور ادائے فرض کی ذمہ داری سے سبکدوش ہونے کے لئے اس پر آلات رصدیہ کے استعمال اور فوق العادہ وسائل سائنس اختیار کرنے کی ذمہ داری عائد نہیں کی گئی، ہو سکتا ہے کہ ایک مسلمان یا مسلمانوں کی ایک آبادی ایسی جگہ ہو جہاں ان کو آلات رصدیہ اور حسابی سائنس کی سہولتیں حاصل نہ ہو سکتی ہوں، یہ صورتحال خود ہمارے ملک ہی میں موجود ہے، بہت سے دیہات اور قصبات ایسی الگ تھلگ وادیوں اور دور دراز علاقوں میں واقع ہیں جہاں ماہرین سائنس اور آلات رصدیہ کی سہولتیں تو کیا شہری علاقوں سے جلد خبریں پہنچنے اور حاصل کرنے کی آسانیاں بھی میسر نہیں ہیں اور ان مسلمانوں کے لئے اس کے سوا کوئی چارہ نہیں ہے کہ وہ چاند کی طبعی رؤیت ومشاہدہ پر ہی روزہ اور افطار کا انحصار رکھیں، اس لئے اگر صرف اپنے ہی ملک پاکستان میں عید کی وحدت اور اجتماعیت پیدا کرنے کے لئے ہم سائنس اور رصدیہ آلات کے ذریعہ چاند کی دریافت کو معیار بنائیں تب بھی۔ اس سے قطع نظر کہ اس فوق العادہ اجتماعیت کے ہم مکلف نہیں ہیں۔ ان پسماندہ وور افتادہ بستیوں میں روزہ وافطار کی یہ وحدت اور یکسانیت ممکن نہیں ہوگی اور

---

(۱) صحیح البخاری، کتاب الایمان، باب الدین یسر، ج:۱ ص:۱۰، ط: قدیمی

مشرقی و مغربی پاکستان میں تو روزہ اور عید کی یہ یکسانیت طول بلد کے فرق کی وجہ سے بسا اوقات سائنس اور حسابی اصول کے بھی خلاف ہوگی۔

شریعت کی مطلوب وحدت و اجتماعیت میں بھی عوام کی سہولت و مصلحت ہی ملحوظ ہے، جمعہ اور عیدین میں مسلمانوں کا اجتماع مطلوب شرعی ہے لیکن کثیر آبادی کے شہروں میں شہر کی پوری آبادی کے لئے کسی ایک ہی مسجد یا عیدگاہ میں اجتماع کو ضروری قرار دینا حرج عام اور غیر شرعی تکلیف ہے، اسی طرح ایک ایک ملک کے وسیع علاقہ میں مطالع کے طبعی اور حسابی فرق اور اختلاف کو نظر انداز کر کے روزہ اور عید میں بہ تکلف وحدت و اجتماعیت پیدا کرنا غیر معقول بھی ہے اور شرعی طور پر غیر مطلوب اور عوام کو حرج اور تنگی میں مبتلا کرنے کے مترادف ہے:

﴿يُرِيْدُ اللهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيْدُ بِكُمُ الْعُسْرَ﴾ [البقرة:١٨٥]

اللہ تعالیٰ تمہارے ساتھ آسانیاں برتنا چاہتا ہے اور تمہارے لئے تنگی اور سختی نہیں چاہتا۔

اس لئے فرائض عبادات (حج و روزہ و زکاۃ) کے لئے آسان صحیح اور مکمل نظام الاوقات وہی ہے جو قرآن و سنت نے ہلال اور اس کی عادی رؤیت و مشاہدہ پر قائم کیا ہے اور جس کے لئے فقہائے امت نے نہایت مرتب اور منظم اصول و قواعد مرتب فرما دیئے ہیں۔

رؤیت ہلال کے سلسلہ میں ضروری اصول و احکام اور چند مفید تجاویز پر مشتمل حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب اور راقم الحروف [شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد یوسف صاحب بنوری] کا ایک مشترکہ بیان اخبارات کو دیا گیا ہے جس کو یہاں بھی نقل کیا جا رہا ہے، تاکہ اس مسئلہ کی اہمیت اور اس کا طریق کار عوام اور حکومت کے سامنے پوری طرح واضح ہو جائے اور ایک ایسا دستور العمل معین ہو جائے کہ آئندہ اس قسم کے اختلاف و اضطراب کی صورت پیش نہ آئے۔

ہم صدر محترم سے جنہوں نے رؤیت ہلال کے سلسلہ میں حالیہ فروگذاشت کے متعلق تحقیقات کا حکم بھی جاری فرما دیا ہے اور محترم وزیر داخلہ سے جنہوں نے اس فروگذاشت کے لئے معذرت کا اظہار فرمایا ہے، توقع رکھتے ہیں کہ شرعی نظام رؤیت کی حکمت و مصلحت اور ایک عام دیہاتی مسلمان کی ضرورت اور سہولت پر غور فرمائیں گے اور ان احکام و تجاویز کی روشنی میں رؤیت ہلال کے متعلق ایک واضح دستور العمل معین فرمائیں گے۔

رؤیت ہلال اور شرعی نقطۂ نگاہ

مولانا مفتی محمد شفیع اور شیخ الحدیث مولانا محمد یوسف بنوری کا مشترکہ بیان

امسال عید کے موقع پر رؤیت ہلال کمیٹی اور اس کے فیصلہ کے سرکاری اعلان ... سے جو انتشار و اضطراب ... عام مسلمانوں میں پیدا ہوا ہے، شکر ہے کہ اس کا احساس فرما کر پاکستان کے صدر محترم نے تحقیقات کا حکم

دیا اور وزارت داخلہ کی طرف سے معذرت کے ساتھ آئندہ رؤیت ہلال کمیٹی کی جدید تشکیل اور اس کے نظام کو بہتر بنانے کا اعلان کیا گیا یہ دونوں چیزیں بلاشبہ قابل تحسین و شکر ہیں۔

لیکن اس معاملہ میں جو انتشار آیا اس کا سبب صرف اعلان کی تاخیر نہیں بلکہ رؤیت ہلال کمیٹی کی تشکیل اور اس کے نظام کار میں شرعی حیثیت سے بہت سی خامیاں بھی ہیں، جن کی اصلاح کے بغیر ملک میں عید کی وحدت کا مقصد پورا نہیں ہوسکتا۔

اب جبکہ حکومت نے اس کی اصلاح کا قصد کیا تو ضروری معلوم ہوا کہ اس معاملہ کے شرعی پہلوؤں کی وضاحت اور نظام کار کے متعلق کچھ تجاویز پیش کر دی جائیں، ۱۳۸۰ھ میں بھی ایک مرتبہ اسی طرح کا انتشار پیش آیا تھا، اس وقت احقر نے رؤیت ہلال کے نام سے ایک کتابچہ میں اس کی وضاحت کی تھی اس رسالہ کی چند باتیں خصوصیت سے قابل ذکر ہیں۔

اول یہ کہ ہماری عیدین عام دنیا کے فرقوں اور مذاہب کی عیدوں کی طرح رسمی تہوار نہیں بلکہ عبادات ہیں جن میں شریعت کی ہدایات کے مطابق عمل کرنا ضروری ہے، آراء واہواء الرجال اور لوگوں کی خواہشات کا ان میں دخل نہیں۔

دوسرے یہ کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات سے یہ بات واضح طور پر ثابت ہے کہ رمضان یا عید کرنے کے لئے چاند کا صرف وجود کافی نہیں بلکہ شہود ضروری ہے، یعنی چاند کا افق کے اوپر ایسے انداز میں موجود ہونا جس کو عام لوگوں کی نگاہیں دیکھ سکیں، جو چاند عام نظروں کے ادراک کے قابل نہ ہو، اس کو آلات رصدیہ کے ذریعہ یا ہوائی جہاز میں اڑ کر دیکھ لینا کافی نہ سمجھا جائے اسی لئے شریعت میں ہلال کا مدار رؤیت پر رکھا گیا ہے حسابات پر نہیں۔

تیسرے یہ کہ جب چاند کی رؤیت عام طور پر نہ ہو سکے صرف دو چار آدمیوں نے دیکھا ہو تو یہ صورت حال اگر ایسی فضا میں ہو کہ مطلع بالکل صاف ہو، چاند دیکھنے سے کوئی بادل یا دھواں، غبار وغیرہ مانع نہیں ہو تو ایسی صورت میں صرف دو تین آدمیوں کی رؤیت اور شہادت شرعاً قابل اعتبار نہیں ہوگی، جب تک مسلمانوں کی بڑی جماعت اپنے دیکھنے کی شہادت نہ دے، چاند کی رؤیت تسلیم نہ کی جائے گی، جو دیکھنے کی شہادت دے رہے ہیں ان کا مغالطہ یا جھوٹ قرار دیا جائے گا۔

ہاں اگر مطلع صاف نہیں تھا، غبار، دھواں، بادل وغیرہ افق پر ایسا تھا جو چاند دیکھنے میں مانع ہوسکتا ہے، تو ایسی حالت میں رمضان کے لئے ایک ثقہ کی اور عیدین وغیرہ کے لئے دو ثقہ مسلمانوں کی شہادت کا اعتبار کیا جاسکتا ہے، مگر حکومت کے لئے ایسی شہادت کا اعتبار کر کے ملک میں اعلان کرنے کے واسطے تین صورتوں میں سے کسی ایک کا ہونا ضروری ہے، اگر ان صورتوں میں سے کوئی بھی نہیں ہے تو اس شہادت کی بنیاد پر عید کا اعلان کرنا حکومت

کے لئے یا کسی ذمہ دار جماعت کے لئے جائز نہیں۔ وہ تین صورتیں اصطلاح شریعت میں یہ ہیں:

① شہادت علی الرؤیۃ ② شہادت علی شہادۃ الرؤیۃ ③ شہادت علی القضاء

اس کی تشریح یہ ہے:

اول یہ کہ کسی ایسے ماہر عالم یا جماعتِ علماء کے سامنے یہ شہادت دینے والے بذات خود پیش کئے جائیں جن کی احکام شرعیہ فقہیہ اور اسلام کے ضابطہ کی مہارت پر ملک میں پورا اعتماد و اطمینان کیا جاتا ہو اور یہ عالم یا علماء متفقہ طور پر اس شہادت کو قبول کرنے کا فیصلہ کریں۔

دوسرے یہ کہ اگر یہ گواہ خود حاضر نہیں ہوئے یا نہیں ہو سکے تو ہر ایک گواہ کی گواہی پر دو گواہ ہوں اور یہ گواہ عالم یا علماء کے سامنے یہ شہادت دیں کہ ہمارے سامنے فلاں شخص نے یہ بیان کیا ہے کہ میں نے فلاں رات میں فلاں جگہ اپنی آنکھوں سے چاند دیکھا ہے۔

عمومی اعلان کی شرطیں

تیسرے یہ کہ جس مقام پر چاند دیکھا گیا اگر وہاں کچھ ایسے علماء موجود ہیں، جن کے فتویٰ پر علماء اور عوام اعتماد کرتے ہیں اور یہ چاند دیکھنے والے ان کے پاس پہنچ کر اپنی عینی شہادت پیش کریں اور وہ علماء ان کی شہادت کو قبول کر لیں تو ان علماء کا فیصلہ اس حلقہ کے لئے تو کافی ہے جس میں یہ شہادت پیش ہوتی ہے، مگر پورے ملک میں اس کے اعلان کے لئے ضروری ہے کہ حکومت کی نامزد کردہ مرکزی رؤیت ہلال کمیٹی کے سامنے ان علماء کا یہ فیصلہ بشرائط ذیل پیش ہو۔

یہ سب علماء یہ تحریر کریں کہ فلاں فلاں وقت ہمارے سامنے دو یا زائد شاہدوں نے بچشم خود چاند دیکھنے کی گواہی دی اور ہمارے نزدیک یہ گواہ ثقہ اور قابل اعتماد ہیں، اس لئے ان کی شہادت پر چاند ہونے کا فیصلہ دے دیا، یہ تحریر دو گواہوں کے سامنے لکھ کر سربمہر کی جائے اور یہ دو گواہ یہ تحریر لے کر مرکزی کمیٹی کے علماء کے سامنے اپنی اس شہادت کے ساتھ پیش کریں کہ فلاں علماء نے یہ تحریر ہمارے سامنے لکھی ہے۔

مرکزی کمیٹی کے نزدیک اگر ان علماء کا فیصلہ شرعی قواعد کے مطابق ہے تو اب یہ کمیٹی پورے ملک میں مرکزی حکومت کے دیئے ہوئے اختیار کے ماتحت اعلان کر سکتی ہے اور یہ اعلان سب مسلمانوں کے لئے واجب القبول ہوگا، وہ بھی اس شرط کے ساتھ کہ یہ اعلان عام خبروں کی طرح نہ کیا جائے، بلکہ مرکزی ہلال کمیٹی کے سرکردہ کوئی عالم خود ریڈیو پر اس امر کا اعلان کریں کہ ہمارے پاس شہادۃ علی الرؤیۃ یا شہادت علی شہادۃ الرؤیۃ یا شہادت علی القضاء کی تین صورتوں میں سے فلاں صورت پیش ہوئی، ہم نے تحقیقات ہونے کے بعد اس پر چاند ہونے کا فیصلہ کیا اور مرکزی حکومت کے دیئے ہوئے اختیار کی بنا پر ہم یہ اعلان پورے پاکستان کے لئے کر رہے ہیں، یہ چند

اصولی باتیں ہیں جن کا رؤیت ہلال اور اس کے اعلان کے معاملے میں پیش نظر رہنا ضروری ہے۔

اور اب تک جو انتشار یا مغالطے اس معاملے میں ملک کے اندر پائے جاتے ہیں وہ انہیں بنیادی اصولوں کے نظر انداز کرنے کی وجہ سے پائے جاتے ہیں۔

چند تجاویز

حالیہ عید کے موقع پر جو صورت حال اعلان کی تاخیر سے پیش آ گئی وہ مزید برآں ہے، اس لئے صرف تاخیر کی تحقیقات کرنا کافی نہیں، ضرورت اس کی ہے کہ بنیادی اصول کے ماتحت رؤیت ہلال اور اس کے اعلان کے جدید انتظامات کئے جائیں، جدید انتظامات سے متعلق تجاویز حسب ذیل ہیں:

① مرکزی ہلال کمیٹی جس کا فیصلہ پورے ملک کے لئے واجب العمل قرار دینا ہے اس کمیٹی میں ایسے علماء کا ہونا ضروری ہے جن کے فتویٰ پر عام مسلمانوں میں اعتماد معروف و مشہور ہے تا کہ ان کا فیصلہ قبول کرنے میں عام مسلمانوں کو تامل نہ رہے اور یہ بھی ضروری ہے کہ اس کمیٹی کے فیصلے کو خود کمیٹی کے کوئی عالم اپنے الفاظ میں نشر کریں عام خبروں کی سطح پر اس کا اعلان نہ ہو۔

② ملک کے بڑے شہروں میں ذیلی کمیٹیاں رؤیت ہلال کے لئے بنائی جائیں تا کہ گواہوں کو مرکزی کمیٹی ہی میں پیش ہونے کی ضرورت نہ رہے، ان کمیٹیوں میں حکومت کا کوئی ذمہ دار افسر شریک ہو جو شہادت لینے اور خبر پہنچانے کے انتظامات سرکاری خرچ پر سرکاری ذرائع سے کرانے کا مجاز ہو، مثلاً مغربی پاکستان میں پشاور، پنڈی، لاہور، ملتان، کراچی اور مشرقی پاکستان میں ڈھاکہ، چاٹگام، سلہٹ وغیرہ۔

③ رمضان اور عید سے ایک دو روز پہلے ریڈیو اور اخبارات سے اس امر کی پوری اشاعت کی جائے کہ جو شخص کسی جگہ چاند دیکھے وہ اپنے قریبی تھانے میں فوراً اطلاع کرے، اگر بلا وجہ تاخیر کی تو مجرم سمجھا جائے گا اور اس کی شہادت قابل قبول نہ ہوگی۔

④ ہر تھانہ کو یہ ہدایت دی جائے کہ جس وقت کوئی ایسا گواہ آئے اسی وقت تھانے کا ذمہ دار افسر یہ کام کرے کہ اپنے سے قریب تر رؤیت ہلال کمیٹی کے ذمہ دار سرکاری افسر کو ٹیلیفون پر اطلاع دے کہ اتنے آدمی بچشم خود چاند دیکھنے کی شہادت دے رہے ہیں، ہم ان کو آپ کے پاس بھیجنے کا انتظام کر رہے ہیں اور یہ ذیلی کمیٹی کو اس صورت حال کی اطلاع دے دے۔

⑤ مرکزی کمیٹی غروب آفتاب سے ایک گھنٹہ تک ملک کی ذیلی کمیٹیوں کی خبر کا انتظار کرے، اگر یہ معلوم ہو کہ ملک کے کسی حصے میں چاند کی شہادت پر غور کیا جا رہا ہے تو چاند نہ ہونے کا قطعی اعلان کرنے کے بجائے اسی صورت حال کا اعلان کرے کہ لوگ انتظار کریں جس وقت بھی فیصلہ ہو جائے گا اس کا اعلان کیا جائے گا۔

⑥ مرکزی کمیٹی کے علماء اور ارکان اس کے پابند ہوں کہ قطعی فیصلہ ہونے سے پہلے منتشر نہ ہوں۔
⑦ مرکزی ہلال کمیٹی اس کی پابند ہو کہ ملک میں شہادت کی بناء پر رؤیت ہلال کا فیصلہ اس وقت تک نشر نہ کرے جب تک مذکور الصدر تین صورتوں میں سے کسی صورت پر ان کے نزدیک ثبوت مکمل نہ ہو جائے۔

قابل توجہ

یہاں یہ بات قابل غور ہے کہ اس طریق کار میں یہ ضروری ہے کہ یا تو خود گواہ پنڈی کی مرکزی کمیٹی کے سامنے حاضر ہوں یا پھر کسی ذیلی کمیٹی کا فیصلہ لے کر دو گواہ اس کمیٹی کے سامنے شہادت دیں کہ فلاں شہر کی ہلال کمیٹی نے یہ فیصلہ لکھ کر ہمارے سپرد کیا ہے، اس میں یہ عملی دشواری ہے کہ دور دراز علاقوں سے کچھ لوگوں کا پنڈی پہنچنا ضروری ہوگا جو ہوائی جہازوں کے دور میں تو نہ سہی مگر اشکال سے خالی نہیں۔

اس مشکل کا حل اس طرح کیا جا سکتا ہے کہ گواہوں کو تو صرف اپنی قریبی ہلال کمیٹی تک پہنچایا جائے اور اس ہلال کمیٹی کے علماء ان کی شہادت شرعی اصول پر لینے کے بعد فیصلہ کریں، پھر حکومت کا کوئی ذمہ دار افسر جو ہلال کمیٹی کے انتظام کا ذمہ دار بنایا گیا ہو اس فیصلہ کی اطلاع مرکزی ہلال کمیٹی کو بذریعہ ٹیلیفون دے دے، جس میں اس کی تفصیل موجود ہو کہ فلاں فلاں علماء کے سامنے یہ شہادت پیش ہوئی اور انہوں نے اس کو قبول کیا، مرکزی ہلال کمیٹی کو اگر ان علماء کے فیصلے پر اطمینان ہو جائے تو وہ اعلان میں اپنا فیصلہ نشر کرنے کے بجائے اس ذیلی کمیٹی کے فیصلہ کو اس تصریح کے ساتھ ریڈیو پر نشر کرے کہ فلاں جگہ فلاں علماء نے شہادت ہلال قبول کر کے فیصلہ کیا، مرکزی ہلال کمیٹی ان کے فیصلہ کو درست قرار دے کر حکومت کی طرف سے اعلان کرتی ہے کہ پاکستان کے مسلمان سب اس پر عمل کریں۔

اس طرح مرکزی کمیٹی کے سامنے شہادت کی ضرورت نہ رہے گی کیونکہ وہ خود کوئی فیصلہ نہیں کر رہی بلکہ دوسرے علماء کے فیصلہ کو نشر کر رہی ہے، اس فیصلہ کی اطلاع ٹیلیفون پر بھی دی جا سکتی ہے، بشرطیکہ ٹیلیفون کسی معتمد آدمی کا ہو اور اس میں کسی کی مداخلت کا خطرہ نہ رہے۔

اس کے بعد حضرت مولانا بنوری صاحب نے تقریر کرتے ہوئے فرمایا کہ اسلام ہمارے پاس خدا کی نعمتوں میں سب سے بڑی نعمت ہے، ایک ایسی نعمت جو ہمارے اسلاف کی چودہ سوسالہ قربانیوں کے بعد ہمیں حاصل ہوئی ہے، ہمارے اسلاف نے تلوار کی دھار پر چل کر اس دولت کو ہمارے لئے محفوظ رکھا ہے اور اس کی حفاظت ہم میں سے ہر ایک فرد کی ذمہ داری ہے، ہم نے اس ذمہ داری کو کہاں تک ادا کیا ہے؟ یہ ایک ایسا سوال ہے جس کا جواب ہمارے پاس ندامت کے آنسوؤں کے سوا کچھ نہیں، اللہ نے حالیہ جہاد کے ذریعہ ہمیں اسی ذمہ داری کی طرف دوبارہ متوجہ فرمایا ہے اور اگر تازیانے کے بعد بھی ہم بیدار نہ ہوئے تو خطرہ ہے کہ کہیں ہم اس آیت

کے مصداق نہ بن جائیں کہ:

﴿فَلَمَّا نَسُوْا مَا ذُكِّرُوْا بِهٖ فَتَحْنَا عَلَيْهِمْ اَبْوَابَ كُلِّ شَيْءٍ حَتّٰٓى اِذَا فَرِحُوْا بِمَآ اُوْتُوْٓا اَخَذْنٰهُمْ بَغْتَةً فَاِذَا هُمْ مُّبْلِسُوْنَ﴾ [الانعام: ٤٤] (۱)

[شوال ۱۳۸۵ھ/فروری ۱۹۶۶ء]

مسلمانوں کے لئے دوسرا اسرائیل بھارت

یہاں زخم ایک نہیں جس کے لئے رویا جائے، جس طرح برطانیہ وامریکہ نے اسرائیل کے ذریعہ مصر وغیرہ کی فوجی طاقت کو ٹھکانے لگانے کی سازش کی اور انہیں کامیابی ہوگئی، ٹھیک اسی طرح امریکہ و برطانیہ، چین کا ہوا دکھا کر ہندوستان کو مضبوط سے مضبوط تر کر رہے ہیں اور روس بھی اس سازش میں ان کا ہمنوا اور بھارت کا مد ومعاون ہے، بھوکا بھارت ۹/ارب سے لے کر ۱۱/ارب روپیہ صرف دفاع پر خرچ کر رہا ہے، روس اور امریکہ کی مشترکہ مدد سے ۲۲/اسلحہ ساز کارخانے دن رات کام کر رہے ہیں، روس اور دیگر ممالک سے کثیر مقدار میں جنگی جہاز، مگ طیارے اور جدید ترین اسلحہ فراہم کر رہا ہے، یہ ایک نئی اسرائیلیت ہے جو خاکم بدھن صرف پاکستان کو مٹانے کے لئے پرورش کی جارہی ہے، ان حالات کے پیش نظر ہمیں ہر وقت چوکنا رہنے کی ضرورت ہے، ہمارے لئے غفلت کا ایک لمحہ بھی تباہ کن ثابت ہوگا، ضرورت ہے کہ جہاں سے بھی مل سکے جدید اسلحہ فراہم کیا جائے، اندرون ملک اسلحہ سازی کے کارخانے قائم کئے جائیں، رضا کاروں کو باقاعدہ فوجی تربیت دی جائے، اور عام نوجوانوں کے لئے فوجی تربیت لازم قرار دی جائے۔ حق تعالیٰ کے فضل واحسان سے ہمیں ستمبر ۱۹۶۵ء کی جنگ میں نمایاں کامیابی حاصل ہوئی، لیکن ہمیں زیادہ مغرور نہیں ہونا چاہئے، دس سال پہلے مصر کو بھی کامیابی ہوئی تھی یہ ہمارے لئے مستقل عبرت ہے، عام طور سے یہ ہوتا ہے کہ شکست خوردہ قومیں نئے سرے سے تیاری شروع کر دیتی ہیں اور فاتحین نشہ فتح میں سست روی اختیار کر لیتے ہیں، جس کے نتیجے میں کچھ مدت بعد پانسہ پلٹ جاتا ہے، اس لئے ہمارے عزم، استحکام اور جہد مسلسل میں ادنیٰ رخنہ بھی ہمارے لئے خطرناک ہوگا، حق تعالیٰ ہماری اور تمام عالم اسلام کی حفاظت فرمائیں اور امت مسلمہ کو اپنی مرضیات کی توفیق نصیب فرمائیں۔

وهو علی کل شیء قدير

[ربیع الثانی ۱۳۸۷ھ]

---

(۱) چاٹگام میں سب سے بڑی جامع مسجد میں حضرت مولانا رحمہ اللہ نے ۱۳۸۵ھ میں ایک خطاب فرمایا تھا جس کا یہ ایک اقتباس ہے۔

۱۹۶۵ء کی پاک و ہند جنگ

الحمدللہ کہ ٦ر ستمبر ۱۹۶۵ء مطابق ۹ر جمادی الاولی ۱۳۸۵ء کے مبارک دن مملکت خداداد پاکستان میں ایک جدید اور مقدس باب کا افتتاح ہوگیا، یہ تاریخ پاکستان کی قومی زندگی کی کتاب میں ایک نئے باب کا آغاز ہے، اور پاکستان کی عزت و مجد کے عنوانات میں ایک شاندار عنوان کا اضافہ ہے، مہاجر قوم کے بعد مجاہد قوم! اور ہجرت کے بعد جہاد! سبحان اللہ، نور علی نور۔ اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی قابل قدر اور لائق صد تشکر نعمت ہے۔

چند اہم حقیقتیں اور قابل عبرت بصیرتیں بھی اس مبارک افتتاح میں منظر عام پر آ گئیں:

① ہندوستانی حکومت کی بد نیتی، مکاری، عیاری اور نفاق۔

② ان سے حسن معاشرت اور بہتر ہمسائیگی کے تعلقات کی توقعات سراب سے زیادہ کچھ نہیں:

خود غلط بود آنچہ ما پنداشتیم

③ پاکستانی عساکر و افواج قاہرہ کے مجاہدانہ ولولے اور عزائم، سرفروشانہ جذبات اور احساسات، دین و وطن پر مر مٹنے کی پوری اہلیت و صلاحیت اور میدان کارزار میں استقلال و استقامت اور ذوق و شوق شہادت۔

④ پاکستانی افواج منصورہ کی فنی مہارت، قابلیت، بحری، بری اور فضائی افواج قاہرہ کے فوق العادۃ حیرت انگیز کارنامے جن سے سلف صالحین کے محیر العقول کارناموں کی یاد تازہ ہوگئی اور اقوام عالم کے سامنے پہلی مرتبہ پاکستانی فوجوں کے جوہر اس طرح کھلے کہ دشمنان اسلام پر بھی سکتہ طاری ہوگیا اور آخر ان کو بھی پاکستانی افواج کی برتری اور قابلیت نیز سرفروشانہ و جاں نثارانہ خصوصیت کا اعتراف کرنا پڑا۔ والفضل ما شهدت به الاعداء (بزرگی وہ ہے جس کی دشمن بھی شہادت دیں)۔

⑤ دشمن قیدیوں کے ساتھ ہتھیار ڈالنے کے بعد انتہائی ہمدردانہ، شریفانہ اور حوصلہ مندانہ، انسانیت نواز سلوک۔

⑥ پاکستانی افواج اپنے ملکی دفاع کی پوری قابلیت اور صلاحیت رکھتی ہیں اور وہ حملہ آور دشمن کی چند فوجی طاقت اور سامان جنگ کی فراوانی کے باوجود ہر محاذ پر منہ توڑ جواب دے سکتی ہیں۔

⑦ فیلڈ مارشل محمد ایوب خاں –أيّده الله بنصره– کے حسن تدبر، مجاہدانہ عزیمت، اہلیت، قیادت اور شجاعت و جواں ہمتی کے ساتھ ہی ساتھ سیاسی تدبر کے جوہر بھی اس طرح منظر عام پر آ گئے کہ دنیائے اسلام کو اس کا یقین ہوگیا کہ موصوف دنیائے اسلام کی قیادت کی صلاحیت کے مالک ہیں۔

⑧ پاکستانی قوم بھی اس قدر باشعور اور سمجھدار ہے کہ ملکی دفاع کے نازک ترین مرحلہ پر اپنے تمام باہمی اختلافات اور ذاتی منافع کو یکسر پس پشت ڈال کر اپنے حکمرانوں کی ہر آواز پر لبیک کہنے، تعاون کرنے اور تن، من،

دھن سب کچھ قربان کرنے کے لئے تیار ہوگئی اور زندگی کے ہر شعبہ میں اتحاد اور تنظیم کا مکمل مظاہرہ کیا اور اس قدر حوصلہ مند ہے کہ دشمن کی تباہ کن بمباریوں سے شکستہ خاطر اور ہراساں ہونے کے بجائے اس کے جوش وخروش اور ذوق وشوق شہادت میں چند در چند اضافہ ہوتا ہے، والحمدللہ علی ذلک۔

قابل عبرت نتائج وحقائق

ان بصیرت افروز حقائق اور عبرت انگیز واقعات سے جو عظیم نتائج نکلے ہیں وہ بھی قوموں کی زندگی کی تاریخ میں آب زر سے لکھنے کے قابل ہیں:

① جہاد فی سبیل اللہ اور اعلاء کلمۃ اللہ کا فریضہ انجام دینے کیلئے پاکستانی قوم میں ایک نئی روح پیدا ہوگئی۔

② دشمنان اسلام کے دلوں پر پاکستانیوں کا رعب چھا گیا ﴿ترهبون به عد والله وعدوكم﴾ ”تم اللہ کے دشمنوں پر اور اپنے دشمنوں پر اس سے ہیبت اور رعب طاری کردو“ کی تفسیر سامنے آ گئی۔

③ مسلمان اگر اللہ تعالیٰ پر مکمل اعتماد وتوکل سے بہرہ ور ہوں تو ان کی امداد ونصرت کے لئے اب بھی اللہ تعالیٰ کی غیبی امداد نو بنو انداز میں ضرور آتی ہے۔

④ امریکہ ہو یا روس، برطانیہ ہو یا فرانس یہ سب کفر کی طاغوتی طاقتیں ہیں، ان سے کسی بھی خیر کی توقع رکھنا خالص حماقت ہے اور اخروی سے پہلے دنیوی خسران کا موجب ہے۔

⑤ پاکستان کو صرف اللہ تعالیٰ پر اعتماد اور بھروسہ رکھنا چاہیے اور زندگی کے ہر شعبہ میں جلد از جلد اپنے پاؤں پر کھڑے ہونے کی پوری پوری جدوجہد کرنی چاہیے، اور ارشاد خداوندی:

﴿وَاَعِدُّوْا لَهُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ قُوَّةٍ﴾ [الانفال: ٦٠]

اور جو بھی طاقت وقوت تم ان کے مقابلہ کے لئے مہیا کر سکتے ہو اس کی تیاری کرو پر مکمل طور سے عمل کرنا چاہیے اور اس سلسلہ میں کسی بھی قسم کی تقصیر یا تغافل ہرگز روا نہ رکھنا چاہئے۔

بہر حال ہندوستانی حکومت نے تمام بین الاقوامی اصول پس پشت ڈال کر بغیر کسی سابقہ اعلان جنگ کے رہزنوں کی طرح پوری فوجی طاقت وقوت اور تیاری کے ساتھ پاکستان پر چوطرفی حملہ کر دیا اور اپنی بربریت اور بہیمانہ سلوک میں بھی اصلاً کوتاہی نہیں کی، لیکن احکم الحاکمین کے قانون قدرت نے کمزوروں کا ساتھ دیا اور آیت کریمہ کی:

﴿وَنُرِيْدُ اَنْ نَّمُنَّ عَلَى الَّذِيْنَ اسْتُضْعِفُوْا فِى الْاَرْضِ وَنَجْعَلَهُمْ اَئِمَّةً وَّنَجْعَلَهُمُ الْوٰرِثِيْنَ﴾ [القصص: ٥]

اور ہم چاہتے ہیں کہ جن لوگوں کو روئے زمین پر کمزور سمجھ لیا گیا ہے ان پر احسان فرمائیں اور انہی کو

مقتدی (بین الاقوامی قائد) بنادیں اور انہی کو ان (کے ملک وسلطنت) کا وارث بنادیں۔

تفسیر وتشریح ایک بار پھر دنیا کے سامنے آ گئی کہ مٹھی بھر ناتوان اور (ہر لحاظ سے) کمزور افراد کو اللہ تعالیٰ نے وہ قوت وطاقت بخشی کہ دشمن کے سارے منصوبے خاک میں مل گئے اور آج دشمن کے ۱۶ ر سو سے زیادہ مربع میل رقبہ پر پاکستانی فوجیں قابض ہیں اور پاکستانی پرچم لہرارہا ہے۔ صدر مملکت سے لے کر چپڑاسی تک اور تاجر وصنعت کار سے لے کر معمولی مزدور اور آجر تک خواص وعوام ساری قوم میں حیرت انگیز اور بے مثل اتحاد وتعاون کی روح پورے طور پر کارفرما ہے اور پوری قوم دشمن کے سامنے "بنیان مرصوص" (آہنی دیوار) بن کر کھڑی ہوگئی ہے۔

نعمت خداوندی اور اس کا شکریہ

اللہ تعالیٰ کی اس لائق فخر نعمت عظمیٰ کا شکر یہی ہے کہ ہم صلاح وتقویٰ کی اسی پاکیزہ زندگی کو مستقل طور پر اختیار کرلیں جو اس وقت ہنگامہ رزم وحرب نے پوری قوم کے اندر پیدا کردی ہے، اور خوف وخشیت خداوندی اور ذکر الٰہی کو اپنا شعار بنالیں اور منکرات وفواحش کو جو اس اسلامی ملک میں غیر ملکی تہذیب وتمدن کے تسلط اور ان یورپین خدا ناشناس قوموں کی قابل شرم نقالی کی بناء پر رائج ہو چکے ہیں یک قلم ترک کردیں اور مغرب کی گندی، مہنگی اور بزدل بنا دینے والی معاشرت کے بجائے سیدھی سادی اور سستی اسلامی معاشرت کو مستقل طور پر اپنالیں، اجتماعی زندگی میں فوق العادہ طبقاتی تفاوت کو جہاں تک ممکن ہو ختم کردیں، شجاعت وبہادری کے احساسات کو بیدار کرنے والے خصائل، ایثار ومروت، جفاکشی وسخت کوشی، جوانمردی وحوصلہ مندی کو اختیار کرلیں، راحت پسندی وتن پروری، بے روح نام ونمود اور نمائش پسندی کو خیر باد کہہ دیں، خصوصاً غریبوں اور کمزوروں پر ترحم وشفقت کے جذبات کو زیادہ سے زیادہ بیدار کریں، ہر نوجوان فوجی بنے اور مجاہدانہ احساسات سے سرشار ہو، الغرض ایک ایسے صالح معاشرہ کی تشکیل کی جائے جو "باللیل رھبان و بالنھار فرسان" (رات میں تہجد گذار اور دن میں شہسوار) کی تفسیر ہو۔

کسی قوم کی موت

حقیقت یہ ہے کہ جب کسی قوم میں دو مرض پیدا ہو جائیں ① ایک دنیا کی محبت ② دوسرے موت کا ڈر، تو سمجھ لینا چاہئے کہ یہ قوم مر چکی اور جب کسی قوم کو ان دونوں بیماریوں سے نجات نصیب ہو جاتی ہے تو وہ قوم حیات ابدی سے ہمکنار ہو جاتی ہے، صحیح بخاری شریف میں ایک حدیث آئی ہے جس کا مضمون یہ ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا کہ: ایک وقت ایسا آئے گا کہ تم پر دنیا کی قومیں اس طرح یلغار کریں گی جس طرح کھانے والے کھانے پر ٹوٹ پڑتے ہیں، صحابہ نے عرض کیا: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! کیا اس زمانہ میں ہم مسلمانوں کی تعداد اتنی تھوڑی ہوگی، فرمایا: نہیں تم اتنے زیادہ ہوگے کہ اس سے پہلے کبھی تمہاری اتنی تعداد نہ ہوئی ہوگی مگر تمہاری

مثال ایسی ہوگی جیسے سیلاب پر خس وخاشاک، دشمنوں کے دل سے تمہاری ہیبت نکل جائے گی اور تمہارے دلوں میں وہن پیدا ہوجائے گا، پوچھا کہ وہن کیا چیز ہے؟ ارشاد فرمایا: دنیا کی محبت اور موت سے خوف (۱)۔ اس حدیث سے واضح طور پر ثابت ہوگیا کہ مسلمانوں کی کامیابی وکامرانی کا عددی اکثریت پر کبھی بھی مدار نہیں رہا ہے، نہ ہی عددی اکثریت میں اسلام کی قوت مضمر ہے بلکہ مسلمانوں کی طاقت وقوت کا راز یہ ہے کہ ان کے قلوب دنیا کے محبت سے پاک اور موت کے خوف سے ان کے دل آزاد ہوں۔

آپ نے دیکھا کہ اس موجودہ معرکہ حق وباطل میں مسلمانوں کا جو جوہر سب سے زیادہ نمایاں رہا ہے وہ مسلمان نوجوانوں کے دلوں میں دنیوی زندگی کی بے وقعتی اور شہادت کی موت کو لبیک کہنے کا ذوق وشوق ہے، دنیا نے ایک بار پھر اسلامی روح اور اسلامی قوت وطاقت کا منظر دیکھ لیا اور مسلمان افواج کی بے نظیر شجاعت اور شوق شہادت نے تاریخ میں ایک نئے اور شاندار باب کا اضافہ کردیا یہ واقعہ دور حاضر کی تاریخ کا سنہرا باب ہے جس کو عصر حاضر کا مؤرخ زریں حروف میں لکھے گا۔

کاش! اگر ہماری قوم کی غالب اکثریت میں یہ ہی روح کارفرما ہوجائے تو دنیا اور اس کی قیادت کا نقشہ ہی بدل جائے پھر نہ دنیا پر امریکہ کی بالادستی نظر آئے نہ روس کی۔

مسلمانوں کی بنیادی قوت

یہ حقیقت بالکل ظاہر وعیاں ہے کہ موجودہ اسباب ووسائل کی مادی دنیا میں ہم مسلمان ان کفر کی طاغوتی طاقتوں اور اسلام دشمن قوموں کے مقابلہ پر خواہ روس ہو یا امریکہ، جرمنی ہو یا برطانیہ بہت پسماندہ ہیں، مادی وسائل اور حیرت انگیز سائنسی ترقیات میں ہم ان سے بہت پیچھے ہیں، ایسی صورت میں ہمارے لئے عقلاً بھی ان کے مقابلہ کا یہی مختصر اور محکم راستہ ہے کہ ہم اس رب العالمین سے اپنا رشتہ مضبوط جوڑ لیں اور عبدیت کا تعلق استوار کرلیں جو ان تمام مادی وسائل کا خالق حقیقی ہے اور اس کی قدرت کاملہ اور قوت قاہرہ کے سامنے ان کی کچھ بھی حقیقت نہیں ہے، بھلا اس خالق کائنات کی قدرت کاملہ کے سامنے ان ایٹم بموں اور ہائیڈروجن بموں کی کیا حقیقت ہوسکتی ہے جن کا وہ خود پیدا کرنے والا اور حقیقی موجد ہے۔

اس کا یہ مقصد ہرگز نہ سمجھا جائے کہ ہم مادی اسباب ووسائل سے بے نیازی اختیار کرنے اور غفلت برتنے کا درس دے رہے ہیں، یہ تو خود خداوندی حکم ہے کہ جتنی بھی طاقت وقوت تمہاری استطاعت میں ہو دشمنان اسلام کے مقابلہ کے لئے اس کو فراہم کرنے میں مطلق کوتاہی نہ کرو۔ لیکن اسی کے ساتھ ساتھ اعتماد کا اصل سرچشمہ وہ ذات قدسی صفات ہونی چاہیے، جس کے قبضہ قدرت میں یہ تمام محیر العقول وسائل ہیں اور وہی ان کا حقیقی مالک

---

(۱) سنن ابی داؤد، کتاب الملاحم، باب فی تداعی الامم علی الاسلام، ج:۲ ص: ۵۹۰، ط: حقانیہ

ومتصرف ہے، آپ نے دیکھا چینی قوم جو اب سے بیس سال پہلے تک دنیا کی پست ترین "افیمی قوم" سمجھی جاتی تھی آج وہ قوم اپنی ہمت وجرأت اور تنظیم واتحاد، جفاکشی وسخت کوشی اور سرفروشی کی بدولت نہ صرف صنعت وحرفت میں بلکہ فنی وحربی قوت اور فوجی طاقت میں امریکہ اور روس کے لئے بھی وبال جان بنی ہوئی ہے اور وہ دنیا جو کچھ سرخ خطرہ سے لرزہ براندام ہوا کرتی تھی اب "زرد خطرہ" سے پریشان اور حواس باختہ ہے، حتی کہ اس نے اب امریکہ وروس کے ایوان سیاست وتدبیر کو بھی متزلزل کر دیا ہے، اگر ستر کروڑ چینی، امریکہ وروس کو مرعوب کر سکتے ہیں تو کیا دنیا کے ستر کروڑ مسلمان اگر آج تنظیم واتحاد ہمت وعزیمت، ایثار ومحنت اور سرفروشی کی نعمت سے سرفراز ہو جائیں تو وہ ان طاغوتی طاقتوں کو مغلوب ومقہور نہیں کر سکتے؟

آج اگر دنیا کی مسلمان قومیں اور حکومتیں اغیار کی ریشہ دوانیوں سے محفوظ ومامون ہو جاتیں اور جو قدرتی ذخائر ان بلاد اسلامیہ میں قدرت نے پیدا کئے ہیں ان سے ان "عیار سفید فام" قوموں کے بجائے خود وہ مستفید ہونے لگیں تو دنیا کی سب سے زیادہ طاقتور اور باعزت قوم مسلمان بن جائیں۔

الغرض وقت کا تقاضہ ہے کہ مادی ترقیات میں بھی ہم زیادہ سے زیادہ اغیار سے سبقت لے جانے کی کوشش کریں، مگر اس سے پہلے اللہ جل شانہ سے اپنا رشتہ جوڑیں اور تعلق استوار کریں تو آخرت کی نعمتوں کے ساتھ ساتھ دنیا کی نعمتوں سے بھی مسلمان ہی سرفراز ہوں گے، فاعتبروا یا أولی الابصار۔

عصر حاضر اور علماء کرام

بدقسمتی سے علماء امت کو ہر دور میں بدنام اور متہم کیا گیا ہے کہ یہ لوگ وقت کے تقاضوں سے غافل اور بے خبر رہتے ہیں، ان میں سخت ترین جمود اور تعطل کارفرما رہا ہے، یہ خالص رجعت پسند ہیں، قدامت پرست ہیں، ہر زمانہ میں قومی ترقی کی راہ میں یہی لوگ رکاوٹ بنتے رہے ہیں وغیرہ وغیرہ، یہ وہ طعنے ہیں جو آج بھی علی الاعلان علماء کو دیئے جا رہے ہیں۔

جی ہاں! علماء کا قصور صرف یہ ہے کہ وہ قدیم ترین قانون الٰہی اور دین فطرت کو انسانیت کے لئے واحد ذریعہ نجات سمجھتے ہیں، وہ خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی لائی ہوئی شریعت الٰہیہ کو ہی وسیلہ سعادت دارین مانتے ہیں، فرائض شرعیہ، نماز، روزہ، زکاۃ اور حج کی پابندی کو جزو ایمان جانتے ہیں، محرمات ومنکرات شرعیہ، زنا، شراب، سود، قمار، تھیٹر، سینما، رقص وسرود، بے حیائی اور حیا سوز عریانی، مردوں اور عورتوں کے بے محابا اختلاط اور مخلوط تعلیم وغیرہ کو قطعاً حرام اور قوم کے کردار کی تباہی اور اخلاقی پستی کا واحد ذمہ دار سمجھتے ہیں اور ان فواحش ومنکرات کے مٹانے پر قولاً وعملاً کمربستہ اور سینہ سپر رہتے ہیں اور یہ بدیہی امر ہے کہ انسانی ترقی اور انسانیت کے ارتقاء سے ان فواحش کا دور کا بھی کوئی واسطہ نہیں، بلکہ یہ انسانی ارتقاء کی راہ میں سخت ترین رکاوٹ ہیں اس لئے کہ یہ فواحش تو

خالص بہیمیت اور شہوت رانی کے مظاہر ہیں۔

اور ہاں! یہ علماء قرآن وحدیث کے منصوص اور صریح عقائد واحکام کو ہر طرح کی تاویل وتحریف اور تبدیل وتغیر سے بالاتر سمجھتے ہیں، امت محمدیہ (علی صاحبہا الصلاۃ والسلام) کے اجماعی اور قطعی معتقدات ومسائل کو واجب الاتباع جانتے ہیں، فقہاء امت رحمہم اللہ کے اجتہادات کو عملی زندگی کے لئے رہنما اصول کے طور پر تسلیم کرتے ہیں اور جدید مسائل کے حل کرنے میں ان سے رہنمائی حاصل کرتے ہیں، یہ ہے علماء کی رجعت پسندی اور قدامت پرستی۔

اور ہاں! یہی ہیں وہ علماء اور محافظین تہذیب وتمدن اسلامی جو یورپ وامریکہ کی دہریت ولادینی کے سیلاب کی راہ میں مضبوط چٹان بن کر ہمیشہ صف آرا ہوئے ہیں، یہی وہ علماء ہیں جو پیٹ پر پتھر باندھ کر شعائر اللہ کی پاسبانی کا فرض ادا کرتے رہے ہیں، ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ، مالک رحمۃ اللہ علیہ، شافعی رحمۃ اللہ علیہ اور احمد رحمۃ اللہ علیہ سے لے کر مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ، شاہ ولی اللہ، شاہ اسمٰعیل شہید رحمۃ اللہ علیہ، حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ اور اسیر مالٹا شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ تک کے تمام خدا پرست علماء کی یہ سرفروشانہ خدمات جن کا آپ کو بھی اعتراف ہے نہ ہوتیں تو عہد بنوامیہ اور عہد بنوعباس سے لے کر دور اکبری تک ہی دین اسلام "لعبۂ اہوا" اور "بازیچۂ اطفال" نیز عیش پرست ملوک وسلاطین کی نت نئی اطماع وخواہشات کا اکھاڑہ بن جاتا، دین حق کے یہ پاسبان اگر نہ ہوتے تو یہ خدا کا پسندیدہ دین خدا ہی جانتا ہے اس کا کیا حشر ہوتا۔

مدیر فکر ونظر اور علماء

ہمارے معاصر مدیر "فکر ونظر" کا انتہائی پرفریب انداز "تنقید" نہیں بلکہ "تنقیص" یہ ہے کہ ان اکابر علماء دین کی زرین خدمات کا نہایت فراخ حوصلگی سے اعتراف کرنے کے بعد "لیکن" کے استدراک سے ان سب کو خاک میں ملا دیتے ہیں اور قومی ترقیات واصلاحات۔ جو درحقیقت اسلام کو مسخ ومحرف کرنے کی یہود جیسی مذموم ومنحوس مساعی اور تدابیر ہیں۔ کی راہ میں رکاوٹ بننے کا ان کو مجرم اور مسلمانوں کی موجودہ پستی کا ذمہ دار گردان دیتے ہیں۔

معاصر موصوف نے ماضی قریب کے چند حضرات کے نام لے کر علماء کو طعنہ دیا ہے کہ ان مصلحین کی اصلاحات کے راستہ میں یہ قدامت پرست علماء ہی سدراہ بنے ہیں، اچھا ہوتا کہ وہ ان تین بزرگوں کے نام نہ لیتے۔ کیا ہمارے محترم مدیر فکر ونظر کے پیر ومرشد علامہ سندھی علیہ الرحمۃ نے شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کی تحریک کو ۔اگر وہ کوئی تحریک تھی۔ اکبر کے دین الٰہی کا تکملہ نہیں قرار دیا؟ کیا اکبر کے۔منافق شیعہ علماء کے ساختہ پرداختہ۔ دین الٰہی کی تائید وتصویب کوئی بھی مدعی اسلام عاقل یا عالم کرسکتا ہے؟ ہمارے دوست اکبر آبادی مدیر برہان بھی

باوجود علامہ سندھی رحمۃ اللہ علیہ کے غالی معتقد ہونے کے ان کے اس نظریہ کی توجیہ وتاویل سے عاجز آ گئے۔

یہ قازانی بزرگ۔ جاراللہ۔ جو اتاترک کمال کے دور حکومت کو علی منہاج النبوۃ مانتے اور خلافتِ نبوت سمجھتے تھے۔ قرآنی منصوص احکام کو قانون پارینہ کہہ کر معطل قرار دے چکے تھے کیا ہر ترکی باشندہ سے خواہ ارمنی ہو خواہ گریک مسلمان عورت کے نکاح کو صحیح قرار دینے والا اور اس کے لئے قانون بنانے والا خلیفہ علی منہاج النبوۃ ہوسکتا ہے؟ حج بیت اللہ کو قانوناً جرم قرار دینے والا خلافت راشدہ کا وارث ہوسکتا ہے۔

خدارا بتلایئے! کہ کیا واقعی آپ کے نزدیک دین الٰہی کی حمایت کرنے والے اور اتاترک کی لادینی حکومت کو خلافت علی منہاج النبوۃ کہنے والے حضرات ہی مصلحین امت میں سے ہیں؟ اور ان ملحدانہ خطرناک نظریات پر گرفت کرنے والے علماء دین دقیانوسی ذہنیت کے مالک اور ترقی واصلاح کے راستہ میں سدراہ بننے کے مجرم ہیں؟ اناللہ وانا الیہ راجعون۔

لمثل هذا يذوب القلب عن كمد
ان كا ن فى القلب اسلام وايمان

ان جیسے خیالات ونظریات سے غم کے مارے دل پگھل جانا چاہئے بشرطیکہ اس دل میں اسلام ایمان ہو۔

ہم نہیں چاہتے کہ اس تکلیف دہ سلسلہ کو چھیڑیں، لیکن اگر ہم مجبور ہو گئے تو پھر یہ تمام حقائق واشگاف کرنے پڑیں گے، پھر ناظرین فیصلہ کرسکیں گے کہ آیات وبینات کے سامنے فکرونظر کی خیرگی اور درماندگی کہاں تک پہنچ چکی ہے۔

﴿وسيعلم الذين ظلموا اى منقلب ينقلبون﴾

بھارت اور پاکستان کی جنگ

﴿هٰذَا بَصَائِرُ مِنْ رَّبِّكُمْ وَهُدًى وَّرَحْمَةٌ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ﴾ [الاعراف:۲۰۳]

آخر وہ دور ابتلا آ ہی گیا جس کے آثار نظر آ رہے تھے، بھارت کی ہوس ملک گیری نے پاکستان پر جارحانہ حملہ کر دیا اس کے لازمی نتیجہ کے طور پر پاکستان نے بھی اس اسلامی ملک کی حفاظت اور دین اسلام کے دفاع کی غرض سے اعلان جنگ کر دیا اور مشرقی ومغربی دونوں محاذوں پر شدید ترین اور ہولناک جنگ شروع ہوگئی جس کا آج چودھواں دن ہے۔

ان پریشان کن اور خطرناک حالات کے دوران مسلمانوں سے جس انابت الی اللہ کی توقع کی جاسکتی تھی افسوس ہے کہ اس کا ظہور نہیں ہو رہا یا پھر ہماری نگاہ کا قصور ہے، ۶۵ء کی جنگ کے دوران جو انابت الی اللہ اور تعلق مع اللہ کی صورت حال بن گئی تھی وہ نظر نہیں آتی، تاہم الحمدللہ جتنا خطرہ اور خیال تھا کہ ہماری قساوت قلبی اور غفلت

شعاری اور ہماری کوتاہیاں وغلط کاریاں - خدانا کردہ - رنگ نہ لائیں اور اللہ تعالی کی رحمت ونصرت واعانت کے نزول کی راہ میں حائل نہ ہوجائیں، اس کا اندیشہ نہ رہا اور اس لحاظ سے قدرے اطمینان ہوگیا بلکہ اللہ جل شانہ کی نصرت ورحمت کے آثار وعلامات نظر آنے لگی ہیں اور توقع ہوگئی ہے کہ نصرت بھی انشاء اللہ عنقریب نازل ہوگی "الا ان نصر الله قريب" اور مسلمانوں کو اور پاکستان کو فتح مبین انشاء اللہ نصیب ہوگی۔

سب سے پہلے جو قابل صد شکر چیز ہے وہ یہ ہے کہ ہماری بحری، بری اور فضائی افواج نے جس عزم وثبات اور اخلاص وایثار کا ثبوت دیا ہے اور جس جاں نثاری وجانبازی سے شجاعت وبسالت اور مقاومت اعداء کے جوہر دکھائے ہیں اس نے قرون اولی کی یاد تازہ کر دی۔ اللّٰھم زد فزد۔ اللہ تعالی نے محض اپنے فضل وکرم سے اسلام اور مسلمانوں کی عزت وآبرو رکھ لی اور نہ صرف عالم اسلام بلکہ تمام اقوام عالم سے پاکستانی افواج نے خراج تحسین حاصل کر لیا اور پھر ایک مرتبہ کفار پر خاص کر ہمارے پڑوسی بت پرست مشرک قوم پر ان کا رعب اللہ تعالی نے بٹھا دیا اور اگر ہماری مملکت اور ارباب حکومت اور پوری قوم اللہ کے فرمان ﴿وَاَعِدُّوْا لَهُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ قُوَّةٍ﴾ [الانفال: ۶۰] پر پوری طرح عمل پیرا ہو جاتی اور ان تمام جدید ترین اسلحہ سے ہماری فوجیں مسلح ہوتیں جن کی اس زمانہ میں شدید ضرورت ہے تو اس جنگ کا نقشہ ہی کچھ اور ہوتا۔

پاکستان اور روس

دوسری چیز جو محض قدرت خداوندی اور رحمت الٰہی کا کرشمہ اور واجب الشکر احسان عظیم ہے وہ یہ ہے کہ اول سلامتی کونسل میں اور اس کے بعد جنرل اسمبلی میں اقوام متحدہ کی عظیم ترین اکثریت نے بھارت کو جارحیت کا مجرم قرار دیا اور جو قرارداد پاس کی اس میں اس حقیقت کا اعتراف کیا کہ بھارت حملہ آور ہے اور پاکستان اپنے دفاع کے لئے نبرد آزما ہے اور بڑی بات یہ ہے کہ روس خون آشام کی طاغوتی حکومت ایک مرتبہ پھر بے نقاب اور روسیاہ ہوگئی اور دنیا میں امن وسلامتی کی حمایت کا جولبادہ اس نے اوڑھ رکھا تھا وہ نوچ کر پھینک دیا گیا اور درندہ روس دنیا کے سامنے آگیا اور اقوام عالم پر عیاں ہوگیا کہ وہ ایک ظالم وجابر، بے رحم وسنگدل اور اس کے اشاروں پر چلنے والی حکومت (بھارت) کے ہاتھ مضبوط کرنے اور دنیا کی سب سے بڑی آزاد اسلامی حکومت (پاکستان) کے ٹکڑے ٹکڑے کرنے پر تلا ہوا ہے، حتی کہ اس کو دنیا میں اپنے روسیاہ ہوجانے کا بھی احساس نہیں ہے۔

یہ روس وہی ملعون طاغوتی طاقت ہے جس کا وتیرہ بن چکا ہے کہ بے نوا قوموں اور کمزور ملکوں کو ہضم کر لیا جائے اور ڈکار بھی نہ لے اور ان پر ان گنت مظالم ڈھاتا اور ان کے خون چوستا رہے، وسط ایشیا کی قدیم ترین عظیم اسلامی حکومت سلطنت بخارا وسمرقند کو اسی درندہ نے تباہ وبرباد کر کے جس بربریت اور درندگی کا ثبوت روس کی استعمار پسند حکومت نے دیا ہے تاریخ اس کی مثال پیش کرنے سے قاصر ہے۔

ظاہر ہے کہ جس ظالم وجابر اور سفاک وخون آشام حکومت کا یہ شیوہ ہو کہ کمزور قوموں پر ظلم ستم کے آسمان ڈھائے ان کے بے گناہ اور معصوم خون سے اپنی ہوس خون آشامی کی تسکین کا سامان بہم پہنچائے، اس سے کیا بعید ہے کہ وہ ایک دوسری خون آشام حکومت (بھارت) کو جو اس کی ایجنٹ ہے، مزید سہارا دے کہ وہ خدا کی مخلوق پر خوب ظلم ڈھائے اور اچھی طرح ان کا خون چوسے۔

تمام دنیا پر واضح ہوگیا کہ سلامتی کونسل کے اجلاس میں فوری جنگ بندی اور فوجوں کی غیر مشروط واپسی کی قرارداد کے خلاف تین مرتبہ حق استرداد وتنسیخ (ویٹو پاور) استعمال کرنے کا واحد مقصد یہ ہے کہ روس کے بل بوتے پر جنگ کرنے والی بھاتی فوجیں اس تاخیر اور مہلت سے فائدہ اٹھا کر کسی طرح ڈھاکہ پر قبضہ کرلیں اور بھارت وہاں بنگلہ دیش کی حکومت قائم کردے۔ اور روس اور اس کی ہمنوا کمیونسٹ حکومتیں فوراً بنگلہ دیش کی حکومت مشرقی پاکستان میں تسلیم کرلیں اور اس طرح مشرقی پاکستان کی حکومت کو زندہ درگور کردینے کے شرمناک منصوبہ میں بھارت اور روس کامیاب ہوجائیں گے۔

روسیاہ روس کی اس ڈھٹائی اور بے باکی سے سلامتی کونسل میں ویٹو استعمال کرنے سے آفتاب نیمروز کی طرح روشن ہوگیا کہ درحقیقت روس دنیا کے امن وسلامتی کا نمبر اول دشمن ہے اور جو بڑی حکومتیں ناطرفدار رہیں اور انہوں نے اس قراداد پر ووٹ نہیں دیا وہ عالمی امن وسلامتی کی دشمن نمبر دوم ہیں۔

نیز روس نے پے در پے تین مرتبہ ویٹو پاور استعمال کر کے تمام عالم کو ایک مرتبہ پھر یہ بتلادیا کہ روس کے دل میں مظلوم انسانیت پر شمہ برابر بھی رحم کا جذبہ نہیں ہے، وہ سلامتی کونسل کا رکن صرف دنیا کے امن وسلامتی کی کوششوں کو ناکام بنانے کے لئے بنا ہے۔

بہرحال یہ سب کچھ دنیا اور دنیوی اسباب پر نظر رکھنے والوں کے نقطہ نظر سے عرض کیا گیا ہے، رہے مسلمان تو ان کا ایمان واعتماد تو صرف حق تعالیٰ کی لاتعداد قدرت کی مالک ذات بابرکات پر ہے، جس کے قبضہ قدرت میں تمام عالم ملکوت اور پوری کائنات ہے، فتح ونصرت صرف اور محض اس کے ہاتھ میں ہے، چاہے وہ اپنے بندوں کی امداد واعانت کے لئے فرشتے بھیجے اور چاہے شیاطین الانس، انسانی شیطانوں سے فرشتوں کا کام لے لے اور اپنے بندوں کی حمایت کرادے اور چاہے بغیر ظاہری اور باطنی اسباب کے محض غیبی تائید نازل فرمادے، غرض وہ ہر چیز پر قادر ہے اور جو چاہے کرسکتا اور کراسکتا ہے، چنانچہ اسلامی تاریخ اس قسم کی غیبی تائیدات اور قدرت خداوندی کے حیرت انگیز کرشموں سے بھری پڑی ہے، چنانچہ اس وقت دنیا کی دو بڑی طاقتوں امریکہ اور چین بلکہ فرانس نے بھی جو پاکستان کے مؤقف کی حمایت وتائید کی ہے اور ان کے علاوہ ایک سو سے زیادہ حکومتوں نے جو بھارت کی جارحیت کی مذمت کی ہے اور اسے حملہ آور قرار دیتے ہوئے پاکستان کے حق میں ووٹ دیا ہے یہ ہمارے اس دعویٰ کا زندہ ثبوت اور تائید غیبی ہے۔

بہر حال اللہ تعالیٰ کی رحمت سے مایوس ہونا کفر ہے، بلا شبہ کامیابی اور فتح وظفر میں جو کچھ تاخیر ہو رہی ہے وہ ہماری شامت اعمال کا نتیجہ ہے۔

ماضی کی بے اعتدالیاں

گذشتہ تیس سال میں جو خطرناک غلطیاں ہم نے کی ہیں خصوصاً مشرقی پاکستان کے عوام کے بارے میں جو معاشی اقتصادی اور سیاسی بے اعتدالیاں ہم نے کی ہیں اور جو بے اعتنائیاں ہم نے برتی ہیں وہ انتہائی خطرناک ہیں۔

عرصہ دراز سے۔ پاکستان بننے کے بعد سے۔ایک سادہ لوح قوم کی خالص اسلامی اور قومی تعلیم وتربیت کی طرف توجہ دینے کے بجائے تمام اعلیٰ اونیٰ درس گاہوں کے دروازے غیر مسلم اور کٹر ہندو ذہنیت رکھنے والے استادوں اور استانیوں کے لئے چوپٹ کھول دینا اور خالص ہندو ذہنیت کے تحت تصنیف کی جانے والی کتابیں نصاب تعلیم میں داخل کرنے دینا، بنگالی قومیت کے پرچار کی کھلی چھٹی دے دینا، کیا خود اپنے گلے پر چھری پھیرنے اور اپنے پاؤں پر کلہاڑی مارنے کے مرادف نہیں ہے؟ اسی کا نتیجہ ہے کہ اس تیس سال میں جو نئی پود ابھری اور نئی نسل پروان چڑھی وہ اسلامی روح سے قطعاً بے بہرہ تھی اور بنگالی قومیت کا زہر اس کی رگ رگ میں سرایت کر چکا تھا، وہ بڑی آسانی سے دشمن کی آلہ کار بن گئی اور غیر بنگالی سے نفرت وبیزاری اس قدر بڑھ گئی کہ وہ غیر بنگالی سے مشرقی پاکستان کی سرزمین کو پاک کرنا اپنا اوّلین فرض بلکہ جہاد سمجھنے لگی اور مارچ ۷۱ء کے مہینہ میں انہوں نے غیر بنگالیوں کا خون چوسنے کے سلسلہ میں جس درندگی کا ثبوت دیا دنیا اس سے واقف ہے:

حیف، از ماست کہ بر ماست

ماضی قریب کی سب سے مہلک غلطی

گذشتہ سال محض انتخابات میں کامیابی حاصل کرنے کی غرض سے ملک کی سیاسی جماعتوں نے انتہائی ناعاقبت اندیشی کا ثبوت دیتے ہوئے نہ صرف مشرقی پاکستان میں بلکہ مغربی پاکستان میں بھی عوام کے معاشی استحصال کا مہلک نعرہ سیاسی پلیٹ فارموں سے اس زور وشور کے ساتھ بلند کیا کہ دونوں بازوؤں کے عوام کے سامنے بجز پیٹ اور روٹی، کپڑے اور مکان کے اور کوئی چیز نہ رہی، انہوں نے خدا کو رسول کو، دین کو، اسلام کو، پاکستان کو، غرض ہر غیرت وحمیت کی چیز کو یک قلم فراموش کر دیا اور اکثریت نے انہی جماعتوں کو ووٹ دیا اور اپنا نمائندہ منتخب کیا جو روٹی اور پیٹ کا مسئلہ حل کرنے کی دعویدار تھیں، خصوصاً مشرقی پاکستان میں تو نہ صرف کالعدم عوامی لیگ کو تقریباً سو فیصد نمائندگی حاصل ہوئی بلکہ اسی چلتے ہوئے فقرہ بلکہ منتر کی بدولت مشرقی پاکستان کی علیحدگی اور بنگلہ دیش کی تخم ریزی ہوئی، کاش! مشرقی پاکستان کے عوام ان حقیقی استحصال کرنے والے ہندوؤں کو پہچان سکتے جو نہ

صرف پاکستان بننے کے بعد سے بلکہ برطانوی دور حکومت سے ہی بنگال کے عوام کا استحصال کرتے اور خون چوستے رہتے ہیں، پاکستان بننے کے بعد بھی انہی ہندوؤں نے مشرقی پاکستان کے عوام کا استحصال کیا ہے، جن کی جھولی میں بنگلہ دیش والے ان کو ڈالنا چاہتے ہیں، اللہ بچائے۔

حالیہ غفلت اور غلط کاری

تقریباً سات لاکھ بے گناہ اور بے قصور فرزندان توحید اور بے بس و بے کس مسلمانوں کا خون انتہائی سفاکی کے ساتھ بہانے والوں اور ان کی سرپرستی کرنے والوں کو بیک نوک زبان و بیک جنبش قلم معاف کر دینا اور خونخوار درندوں کی معافی کا محض حقائق سے ناواقف، دنیا کے دباؤ کی وجہ سے بار بار اور برملا اعلان کرنا اور بحفاظت تمام ان کی واپسی اور دوبارہ آبادکاری کا انتظام کرنا، بالفاظ دیگر ان درندوں کو دوبارہ خون آشامی، قتل و غارت اور شر و فساد کا موقعہ دے دینا یہ کہاں کا عدل و انصاف ہے؟ اور کہاں کا تدبر و سیاست ہے؟ بلکہ یہ تو مظلوموں کے زخموں پر۔جن میں مشرقی پاکستان کے غیر بنگالی عوام اور پاکستانی افواج دونوں شامل ہیں۔نمک پاشی اور حوصلہ شکنی کے مرادف ہے۔

سب سے بڑی غلطی بلکہ پہاڑ سے بھی زیادہ بڑی اور بھاری حالیہ غلطی یہ ہے کہ ان بدترین مجرموں کے سرغنہ کو بچا کر محفوظ کوٹھیوں اور سرکاری پہروں میں بٹھا دینا، ناز و نعمت میں اس کی پرورش کرنا اور ہر طرح کے آرام اور راحت کے سامان اس کے لئے مہیا کرنا یہ کون سی دیانت اور کون سی سیاست اور کہاں کا عدل و انصاف ہے؟ کیا دنیا کی غیور اور دلیر قومیں ملک کے باغیوں کے ساتھ یہی سلوک کیا کرتی ہیں؟

غرض اللہ تعالیٰ ہم پر رحم فرمائیں اور ہماری غلطیوں کو محض اپنے فضل و کرم سے معاف فرمائیں اور حبیب رب العالمین محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نام لیواؤں کو اپنے حبیب کے صدقے معاف فرمائیں، اسلامی ممالک خصوصاً عربی اور اخص الخصوص ہمارے قابل قدر ملک فیصل کی سعودی حکومت نے اور عقید معمر قذافی کی حکومت لیبیا نے اپنے پاکستانی مسلمان بھائیوں اور اسلامی حکومت سے جس بے نظیر ہمدردی کا ثبوت دیا ہے اس سے اسلامی اخوت و مواساۃ کی قابل تقلید تاریخی مثال قائم کر دی ہے اور تا قیامت اسلامی تاریخ کے صفحات پر سنہرے حروف سے لکھی جائے گی اور مسلمانان پاکستان کے قلوب پر یہ انمٹ نقوش قیامت تک قائم رہیں گے، اب دیکھنا یہ ہے کہ سلامتی کونسل اور جنرل اسمبلی اپنے وقار کو قائم رکھنے کی کیا تدابیر اختیار کرتی ہیں اور دنیا کو کیسے باور کراتی ہیں کہ اقوام متحدہ اور اس کی سلامتی کونسل چند ارباب استبداد اور طاغوتی حکومتوں کے ہاتھوں کا کھلونا نہیں بلکہ ایک حقیقت ہے، تازہ ترین خبروں سے یہ حقیقت واضح ہوگئی کہ سلامتی کونسل دنیا کے امن و سلامتی کی حفاظت کے لئے نہیں بلکہ روس برطانیہ اور فرانس جیسی طاغوتی طاقتوں کے اغراض و مقاصد اور مفادات کی حفاظت کے لئے قائم کی

گئی ہے، شاید روسیاہ روس کی حکومت کی نگاہ میں پاکستان کا سب سے بڑا جرم یہ ہوگا کہ پاکستان نے چین اور امریکہ کو ایک دوسرے کے قریب لانے میں کچھ خدمات انجام دی ہیں، اس لئے وہ پاکستان سے انتقام لینا ضروری سمجھتا ہے، امریکہ کو ہندوستان کی ضرورت اس لئے تھی کہ چین کے لئے قربانی کا بکرا تیار کیا جائے لیکن جب چین سے امریکہ کو اطمینان ہوگیا تو اس کو اس بکرے کو پالنے کی کیا ضرورت ہے؟ علاوہ ازیں دنیا کی ان دو بڑی حکومتوں کے اتحاد یا قرب سے روس کو اپنی موت نظر آنے لگی ہے۔

اللہ تعالیٰ کی رحمت کا مستحق بننے کا طریقہ

بہرحال یہ تو ظاہر ہے کہ یہ سب شطرنج کا کھیل ہے اور سیاسی شعبدہ بازیاں ہیں "الكفر ملة واحدة"، مسلمان کا کام تو حق تعالیٰ کی طرف انابت ورجوع اور اپنی خطاؤں سے توبہ واستغفار ہے، سابق جنگ عظیم ہی میں دیکھ لیجئے! آخر میں جرمنی کس طرح تنہا رہ گیا اور برطانیہ نے اپنے بدترین دشمن روس کو کس طرح اپنے سینے سے لگالیا اور اتحادی بنالیا، یہ تو سیاست کے مہرے ہیں، رات دن بدلتے رہتے ہیں، ان میں سے کسی کے لئے بھی بقا اور قرار نہیں ہے، حق تعالیٰ کی ذات ازلی، ابدی اور منبع قدرت وکمالات ازلی ہے، تغیر وتبدل سے بالاتر بلکہ وراء الورا ہے، مسلمانوں کے لئے اب ایک ہی مختصر اور قریبی راستہ رہ گیا ہے کہ حق تعالیٰ کو راضی کرنے کی تدبیر میں لگ جائیں، اسلامی قانون عدل نافذ کرنے کا فوری طور پر اعلان کریں، اسلامی معاشرے کی تکمیل کے لئے حکومت کی سطح پر فواحش ومنکرات اور جرائم کے خلاف جدوجہد جاری کریں اور اپنی بساط کے مطابق آلات حرب اور سامان جنگ کی تیاری میں کوتاہی نہ کریں، صحیح اسلامی زندگی اختیار کریں، غیر اللہ کا خوف دل سے نکال دیں، صرف حق تعالیٰ کی ذات پر کامل توکل واعتماد کریں اور دلوں سے وہن اور جبن کو نکال پھینکیں، موت سے ڈرنا چھوڑ دیں، دنیا کی محبت میں سرشار ہونے کے بجائے اس سے تعلق منقطع کرلیں۔ پھر دیکھئے کہ اللہ تعالیٰ کی رحمتیں کس کس طرح نازل ہوتی ہیں۔ ہمارے سامنے چین کی زندہ مثال موجود ہے جو قوم اپنی غفلت وبیکاری میں ضرب المثل بن گئی تھی، دنیا اسے افیم چیوں کا ملک کہتی تھی، آج اپنی جدوجہد اور عزم واستقلال کی وجہ سے اور جفاکشی وسخت کوشی اور عظیم ترین ہمت کی بدولت کہاں سے کہاں پہنچ گئی، عقل حیران ہے اس ملک میں راعی ورعیت کا ایک ہی لباس ہے، ایک ہی خوراک ہے، ایک ہی سی معاشرت ہے، عیش پرستی کے تمام راستے بند کردیئے ہیں، نہ تھیٹر ہیں، نہ سینما، نہ عیاشی کے شبینہ کلب ہیں، نہ راتوں کو داد عیش دینے کے اجتماعات ہیں، اس جفاکشی وسادہ زندگی کی برکت سے ہی ملک کی ترقی میں تمام توانائی خرچ ہورہی ہے، آج عوامی چین اس زندگی کی بدولت ہی اس مقام پر پہنچ گیا کہ روسیاہ روس اور امریکہ بھی اس کی ترقی سے لرزہ براندام ہیں، کاش! یہ قوم اسلام کے حلقہ بگوش ہوجائے، صرف خدائے لایزال پر ایمان لانے کی کسر باقی ہے ورنہ عملی طور پر حقیقی مسلمانوں کی معاشرت اختیار کرچکی ہے، کاش! مسلمانوں کو چین سے عبرت

حاصل ہوتی اور پاکستانی حکمران اور پاکستانی قوم اس قوم سے درس عبرت حاصل کرتی ،مسلمانوں پر من حیث القوم کبھی بھی تاریخ میں فواحش ومنکرات کی زندگی راس نہیں آئی ، بلکہ اس کی سزا ضرور ملی ہے ،اندلس کی تباہی سے لے کر بخارا وسمرقند کی بربادی اور اس کے بعد تک تاریخ اسلام کے صفحات عبرت کے لئے ہمارے سامنے ہیں۔

مسلمانوں کو غیر اسلامی تعبیرات ونعروں سے بچنا چاہئے

بہرحال پاکستان اس وقت شدید ابتلاء کے دور سے گذر رہا ہے اور ایک سنگدل و مکار دشمن سے برسر پیکار ہے، جو ایک خدا کی منکر، باغی وطاغی فرعونی طاقت کا آلہ کار بنا ہوا ہے، ہماری افواج بے نظیر شجاعت و پامردی اور عزم واستقلال کے ساتھ اپنے ملک وملت کی حفاظت میں مصروف ہیں اور صرف اسلامی جہاد کی روح نے ان میں یہ ایثار واخلاص اور بہادری و بے خوفی کے اوصاف پیدا کئے ہیں ،اسلامی جہاد کا اساسی منشا اعلاء کلمۃ اللہ ہے اور دنیا کے مذاہب کے مقابلہ پر دین اسلام کی سربلندی و برتری کو قائم کرنا ہے ،اسلام وطنیت ،قومیت ،جغرافیائی حدود کی اہمیت ، رنگ ونسل اور نسلی تفرقوں سے بالاتر ہے ،اس سلسلہ میں آج کل ریڈیو اور اخبارات اور اس کے علاوہ عام نشریات میں جو نعرے اور تعبیرات آرہی ہیں سراسر اسلامی روح کے منافی ہیں ، وطن مقدس ،حب الوطنی ملکی سالمیت وغیرہ وغیرہ الفاظ سب کے سب اسلامی روح سے بعید ہیں ،غیر شعوری طور پر ہمارا یہ معاشرہ ان غیر اسلامی نعروں اور تعبیرات میں مبتلا ہو گیا ہے ،مسلمانوں کی مملکت اس لئے قابل احترام ہے کہ دین اسلام کے حلقہ بگوش وہاں بستے ہیں ، دین اسلام کے شعائر وہاں زندہ ہیں ، اللہ ورسول کے بابرکت ناموں سے پورے پاکستان کی فضا معمور ہے ، دین اسلام کی خدمت اور اسلامی علوم کی نشر واشاعت کی گراں بہا خدمات انجام پذیر ہیں ،ایک مسلمان کی قیمتی جان اور مذہب وہاں محفوظ ہے ، اگر آج اسلام کے تصور سے قلوب خالی ہو جائیں ، اسلامی شعائر پامال ہونے لگیں اور بحیثیت مسلمان ،مسلمان کا دین وایمان اور جان و مال عزت وآبرو وہاں غیر محفوظ ہو جائے تو وہ ملک و وطن مقدس کہلانے کا کبھی بھی مستحق نہیں ہوتا ،اس لئے ہمارے اخبارات وجرائد اور ریڈیو ونشریات کو چاہئے کہ وہ اس حقیقت کو کبھی نظر انداز نہ کریں اور ان غیر اسلامی الفاظ ،نعروں اور تعبیرات کو یک قلم ختم کر دیں ،ہمیں صدمہ ہے کہ ہماری ریڈیو کی زبان ایسی ہو گئی ہے جیسے غیر مسلم قوموں کی زبان ہوتی ہے ، نہ انشاء اللہ کا ذکر آتا ہے ، نہ ماشاء اللہ کا کلمہ زبان سے نکلتا ہے ،ہم یوں کریں گے اور ہم ایسے ہیں اور ویسے ہیں وغیرہ وغیرہ ،خود سرانہ الفاظ اور نعرے عام ہیں ،اس کے علاوہ تلاوت قرآن کریم ،اذکار وادعیہ ماثورہ ،آیت کریمہ وغیرہ کے بجائے موسیقی کی دھنیں گونج رہی ہیں ،کیا کہیں آج اگر ہماری سیرت ، ہماری صورت ، ہمارا معاشرہ اسلامی ہوتا تو نقشہ ہی کچھ اور ہوتا ،خدا کا شکر ہے کہ ہمارے عوام کے دینی مشاغل ،تلاوت قرآن کریم ،ختم آیت کریمہ ،نمازوں میں قنوت نازلہ اور نوافل وصلاۃ حاجت وغیرہ پڑھی جارہی ہیں اسی لئے ان کے حوصلے بلند ہیں ، ہماری افواج بھی اسلامی جذبے سے سرشار ہیں ،

ان کے نعرہ ہائے تکبیر سے بھی پاکستان کی فضا گونج رہی ہے، غرض ان میں ایسے اوصاف تھے۔ اب ضرورت اس کی ہے کہ قوم کے ادنیٰ اعلیٰ تمام طبقوں میں اسلامی روح کی تربیت کی جائے اور اس کو فنا نہ ہونے دیا جائے۔ گذشتہ ۶۵ء میں جس طرح حق تعالیٰ کی رحمت نازل ہوئی وہ بھی دنیا دیکھ چکی ہے اور اس کے بعد جس طرح اس روح کو کچلنے کی کوشش کی گئی وہ بھی سب کو معلوم ہے۔ ''عیاں راچہ بیاں''

جہاد سے متعلق حضرت مولانا تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ کے چند ملفوظات

یہاں تک لکھ چکا تھا کہ میرے سامنے حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی قدس اللہ سرہ کے چند ملفوظات آئے، جو حضرت نے ۳۳ رسال قبل لکھنؤ کے قیام کے دوران جہاد کے متعلق ارشاد فرمائے تھے اور بعض مخلصین نے بتقضائے وقت نفع امت کے خیال سے شائع کئے ہیں، بطور تبرک ان مبارک ملفوظات کو بینات کے بصائر و عبر کا جزو بنانا بہت ہی برمحل معلوم ہوا اور اللہ تعالیٰ توفیق نصیب فرمائے۔ فرمایا:

''آج کل لوگوں پر مادہ پرستی کا غلبہ ہے، مادی ہی ترقی کو ترقی سمجھا جاتا ہے، چنانچہ مادی اشیاء پر بہت زور دیا جاتا ہے اور ان پر ناز کیا جاتا ہے، لڑائی میں مادی ہتھیار اور سامان جنگ کو نصرت کا سبب خیال کیا جاتا ہے، مالک حقیقی رب العالمین پر نظر نہیں کی جاتی، دیکھئے! ابتدائے اسلام میں جتنے جہاد ہوئے، ان میں عموماً کفار کے پاس ہر قسم کے ہتھیار کافی تعداد میں موجود تھے اور مسلمان ان کے لحاظ سے بالکل بے سروسامان اور تہی دست کہے جانے کے مستحق تھے، غزوہ بدر میں اسلامی لشکر کے پاس تلواریں صرف آٹھ تھیں، گو نیزے وغیرہ اتنے کم نہ تھے اور جنگ دست بدست ہوئی، جس میں تلوار زیادہ کارآمد ہوتی ہے، اس پر طرہ یہ کہ کفار تعداد میں بھی مسلمانوں سے تین گنے تھے اور سب کے سب ہتھیار بند، باوجود اس کے اللہ تعالیٰ نے مسلمان کو منصور و مظفر فرمایا، کامیابی و فتح مندی نے ان کے قدم چومے، بلکہ واقعہ یہ ہے کہ سب غزوات میں کامیاب غزوہ بدر ہی کا ہے کیونکہ اس سے کفار کے حوصلے ہمیشہ کے لئے پست ہو گئے تھے اور ان کی سطوت و شوکت ٹوٹ گئی تھی، تو اب غور کیجئے کیا یہ نصرت مادی ترقی کا نتیجہ تھی یا ایمان و اخلاص کی برکت تھی''۔

اسی سلسلہ میں فرمایا: ''اللہ تعالیٰ کی ایک ایسی بھی فوج ہے (یعنی فرشتے) جس کو نہ گھوڑوں کی حاجت ہوتی ہے، نہ اسلحہ کی ضرورت، نہ رسد کی محتاج ہوتی ہے، نہ کمک کی منتظر، اللہ تعالیٰ جب چاہتے ہیں اس فوج ظفر موج کے ذریعہ سے مسلمانوں کی نصرت فرما کر ظفر مندی کا تاج ان کے سر پر رکھ دیتے ہیں اور اس فوج کے ذریعہ سے نصرت اب بھی ہوتی ہے اور بہت مرتبہ اس کا ظہور ہوا ہے، ابھی تھوڑا ہی عرصہ گذرا کہ لاکھ سے زیادہ تعداد میں ہندوؤں نے ضلع اعظم گڑھ میں مٹھی بھر مسلمانوں پر حملہ کر دیا تھا اور اللہ تعالیٰ نے اس ناگہانی معرکہ میں مسلمانوں کو خاطر خواہ کامیابی عطا فرمائی تھی، بعض لوگوں نے بیان کیا کہ مقابلہ کے وقت جہاں تک نظر جاتی تھی سبز پوش مسلح

مسلمان ہی نظر آتے تھے، یہ سبز پوش لوگ غالباً فرشتے تھے، اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے ملائکہ کی جماعت کو اپنے خاص بندوں کی حفاظت کے لئے بھیجا اور ان کو صرف کفار پر ظاہر کر دیا مسلمانوں سے پوشیدہ رکھا، تا کہ وہ پوری ہمت سے جد وجہد کو جاری رکھیں اور ان کی شان توکل میں کمی نہ آنے پائے اور پھر آخرت میں اجر جزیل حاصل کریں اسی سلسلہ میں فرمایا نزول ملائکہ کا مدار تقویٰ پر ہے، چنانچہ ارشاد ہے:

﴿اِنْ تَصْبِرُوْا وَتَتَّقُوْا وَ یَاْتُوْکُمْ مِّنْ فَوْرِھِمْ ھٰذَا یُمْدِدْکُمْ رَبُّکُمْ بِخَمْسَةِ اٰلٰفٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِکَةِ مُسَوِّمِیْنَ﴾ [آل عمران:۱۲۵]

یعنی اگر تم اے مسلمانو! کفار کے مقابلہ میں استقلال سے کام لو گے اور متقی بنے رہو گے اور وہ تم پر ایک دم ٹوٹ پڑیں گے تو تمہارا پروردگار تمہاری امداد پانچ ہزار خاص وضع کے فرشتوں سے فرمائے گا۔

آج کل لوگوں نے تقوی کو بیکار سمجھ رکھا ہے اور کہتے ہیں کہ تقوی اور فتح میں کیا مناسبت؟''

تقویٰ فتح و کامرانی کا ذریعہ ہے

فرمایا: ''اس زمانہ کے نوتعلیم یافتہ لوگ کہتے ہیں کہ دین کو ظاہری ترقی سے کیا تعلق ہے، گویا بالفاظ دیگر دین کی پابندی کو دنیاوی ترقیات میں حائل سمجھتے ہیں، ان لوگوں کی اس بے سروپا بات پر مجھ کو یہ واقعہ یاد آجاتا ہے کہ:

ایک طبیب نے بادشاہ کو امراض چشم کے لئے کف پا میں مہندی لگانے کو بتایا اس پر خواجہ سرا صاحب سے صبر نہ ہو سکا اور ناقدانہ انداز میں بولے کہ جناب حکیم صاحب کف پا اور چشم میں کیا تعلق ہے؟ طبیب نے فوراً منہ توڑ جواب دیا کہ کف پا اور چشم میں وہی تعلق ہے جو خصیتین اور ڈاڑھی میں ہے، یعنی یہ تو تجھے بھی تسلیم بلکہ مشاہدہ ہے کہ اگر خصیے نکال دیئے جائیں تو داڑھی نہیں نکلتی ہے اور اس تعلق کو تو کھلی آنکھوں اپنی ہی ذات میں دیکھ رہا ہے، تو کف پا و چشم کے تعلق پر کیوں اعتراض و تعجب ہے؟ تو جیسے خواجہ سرا صاحب کی سمجھ میں کف پا و چشم کا تعلق نہیں آیا تھا ایسے ہی ہمارے جدید تعلیم یافتہ نوجوان کی سمجھ میں دین اور ترقی کا تعلق سمجھ میں نہیں آتا، حالانکہ یہ تعلق اس تعلق سے بہت زیادہ ظاہر ہے، صدیوں تک مسلمانوں نے ہی نہیں بلکہ کفار نے بھی مشاہدہ کیا ہے کہ دین کی پابندی نے مسلمانوں پر ہر قسم کی ترقیات کے دروازے کھول دیئے ہیں، ادھر مسلمانوں نے دین کی پابندی چھوڑنا شروع کردی ادھر ترقی نے مسلمانوں کا ساتھ دینا چھوڑ دیا''۔

فرمایا: ''جو لوگ صرف ظاہری ساز و سامان پر نظر رکھتے ہیں اور کامیابی کا راز اسی میں پوشیدہ جانتے ہیں ان کو غور کرنا چاہئے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس کون سا لاؤ لشکر اور ساز و سامان تھا اور فرعون جیسے متکبر و عظیم الشان بادشاہ کے پاس کس شے کی کمی تھی؟ لیکن حضرت موسیٰ علیہ السلام کارساز حقیقی پر توکل کر کے اس کے ارشاد کے ماتحت فرعون سے مقابلہ کرنے جاتے ہیں اور اپنے ساتھ صرف اپنے بھائی ہارون علیہ السلام کو لے لیتے ہیں اور

ان کو بھی اس خیال سے ساتھ لیتے ہیں کہ وہ فصیح البیان ہیں، اچھی شستہ تقریر کریں گے اور میری تائید و تصدیق کریں گے کیونکہ تائید سے دل بڑھتا ہے۔

غرض حضرت موسیٰ علیہ السلام فرعون کے مقابلہ کے لئے تنہا تیار ہو گئے، صرف تائید کے لئے حضرت ہارون علیہ السلام کو ساتھ لے کر اس کے بھرے اور پرشوکت دربار میں پہنچ گئے اور خوب کڑک کر اور بلا جھجک کر گفتگو فرمائی، فرعون کی ہمت نہیں ہوئی کہ ان کو قتل کرادے یا گرفتار کرادے یا اور کوئی مقدمہ قائم کرادے۔ صرف زبانی گفتگو میں اتنا ضرور کہا:

﴿ اِنِّیْ لَاَظُنُّکَ یٰمُوْسٰی مَسْحُوْرًا ﴾ [بنی اسرائیل: ۱۰۱]

یعنی اے موسیٰ! میرے خیال میں تو ضرور تم پر کسی نے جادو کر دیا ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بھی ترکی بہ ترکی جواب دیا:

﴿ وَاِنِّیْ لَاَظُنُّکَ یٰفِرْعَوْنُ مَثْبُوْرًا ﴾ [بنی اسرائیل: ۱۰۲]

یعنی اے فرعون میرے خیال میں ضرور تیری کم بختی کے دن آ گئے ہیں۔

مگر باوجود اس جواب کے بھی فرعون کو اقدام قتل کی ہمت نہ ہوئی اور کیسے ہوتی اللہ کا وعدہ تھا:

﴿ وَ نَجْعَلُ لَکُمَا سُلْطَاناً فَلَا یَصِلُوْنَ اِلَیْکُمَا بِاٰیٰتِنَا اَنْتُمَا وَمَنِ اتَّبَعَکُمَا الْغٰلِبُوْنَ ﴾

[القصص: ۳۵]

یعنی اے موسیٰ و ہارون علیہما السلام! ہم تم دونوں کو ایک خاص شوکت عطا کرتے ہیں جس سے تم پر ان لوگوں کو دسترس نہ ہوگی، ہمارے معجزے لے کر جاؤ تم دونوں اور تمہارے پیرو غالب رہیں گے۔

اب غور کیجئے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام میں یہ قوت و شجاعت، یہ ہمت و جرأت، یہ سطوت کس مادی سامان کی وجہ سے تھی، ان کے پاس توپ و تفنگ نہ تھی، ہوائی جہاز اور تباہ کن گیس نہ تھے، یہ قوت صرف حقانیت اور تعلق مع اللہ کی تھی، یہ تقویٰ، بجا آوری احکام خداوندی کا ثمرہ تھا۔

فرعون کی تدابیر، لڑکوں کا قتل وغیرہ سب بیکار ثابت ہوئیں، جب اللہ تعالیٰ نے چاہا تھا کہ موسیٰ علیہ السلام کے ہاتھوں سے فرعونی حکومت کے تباہی کے سامان بہم ہوں تو فرعون کی ظاہری قوتیں کیا کام کرسکتی تھیں۔

اسی طرح تقویٰ سے اللہ تعالیٰ کا فضل شامل حال ہوتا ہے اور سب مادی و طاغوتی طاقتیں حق تعالیٰ کے سامنے پاش پاش ہو جاتی ہیں، تقویٰ کی وجہ سے ہر قسم کی فلاح بندہ کو نصیب ہوتی ہے، قوت کی اصل روح تعلق مع اللہ ہی ہے، دیکھئے اگر ضلع کا کلکٹر کسی کا حامی و مددگار ہو تو وہ کس قدر بے خوف اور جری ہو جاتا ہے اور اگر کمشنر سے بھی تعلق ہو تو قوت میں بھی دو چند سہ چند اضافہ ہو جاتا ہے، گورنر، وائسرائے اور بادشاہ کے تعلقات کو اسی پر قیاس کر لیجئے اور جس کا تعلق رب العالمین، احکم الحاکمین، سلطان السلاطین سے ہو اس کی طاقت کا کیا اندازہ ہو سکتا ہے، اب

صرف یہ بات رہ گئی کہ تعلق مع اللہ کیسے حاصل ہو، سنئے! تعلق مع اللہ، اللہ تعالیٰ کے ظاہری و باطنی احکام پر اخلاص کے ساتھ عمل کرنے سے حاصل ہوتا ہے۔

ہزیمت

یہ جو کچھ لکھا گیا تھا پریس کو جارہا تھا کہ دردناک خبر کانوں میں پڑی کہ مشرقی پاکستان میں ہماری بہادر افواج کو ہتھیار ڈالنے کا حکم دیا گیا ہے اور دوسرے ہی دن مغربی محاذ پر بھی فائر بندی کا حکم دے دیا گیا، انا للہ وانا الیہ راجعون۔

نااہل قیادت کے ناقابل برداشت عواقب نے اسلام و مسلمانوں کو رسوا کردیا، آئندہ شمارے میں اس حسرت ناک موضوع پر اظہار خیال کیا جائے گا:

اذا کان الغراب دلیل قوم
سیهدیهم طریق الهالکینا

پہلے سات لاکھ کا مرثیہ لکھا اب سات کروڑ کا مرثیہ لکھنا ہوگا۔

[ذی القعدہ ۱۳۹۱ھ - جنوری ۱۹۷۲ء]

سقوط مشرقی پاکستان

﴿هٰذَا بَصَائِرُ مِنْ رَّبِّكُمْ وَهُدًى وَّرَحْمَةٌ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ﴾ [الاعراف:۲۰۳]

اس کارخانہ قدرت کی حکمتوں کو کون ہے جو سمجھنے کا دعویٰ کرے، بجز اس ذات حکیم علی الاطلاق کے کوئی بھی یہ دعویٰ نہیں کرسکتا کہ یہ کائنات رازہائے سربستہ کا ایک حیرت انگیز گنجینہ ہے، جس کے افشاء سے آسمان بریں کے ملائکہ اور فرش زمین کے انبیاء کرام سب ہی عاجز ہیں - علیهم صلوات الله وسلامه - یہ وہ مقام ہے جہاں افلاطون وارسطو بھی طفل مکتب ہیں، یہ وہ مقام ہے جہاں آئن، سائن، رسل، بنری، برگسان کی زبان بھی خاموش ہے، حق تعالیٰ شانہ کا ہر وصف ازلی محیر العقول ہے، حق تعالیٰ کی صفات کمال اور اسماء حسنیٰ میں ایک وصف ''صمدیت'' ہے، جو حق تعالیٰ کی شان بے نیازی کو ظاہر کرتی ہے، وہ بادشاہ ہے مالک الملک ہے جو چاہے کرے کسی کو مجال سوال نہیں، اس کے جلال وعظمت کے سامنے سب سربسجود ہیں اور تمام مخلوقات سرنگوں ہے، قرآن کریم میں ارشاد ربانی ہے:

﴿قُلِ اللّٰهُمَّ مَالِكَ الْمُلْكِ تُؤْتِى الْمُلْكَ مَنْ تَشَاءُ وَتَنْزِعُ الْمُلْكَ مِمَّنْ تَشَاءُ وَتُعِزُّ مَنْ تَشَاءُ وَتُذِلُّ مَنْ تَشَاءُ بِيَدِكَ الْخَيْرُ اِنَّكَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ﴾ [آل عمران:۲۶]

آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کہیں: یا اللہ مالک سلطنت کے، تو سلطنت دے جس کو چاہے اور سلطنت

چھین لے جس سے چاہے اور عزت دے جس کو چاہے اور ذلیل کرے جس کو چاہے، تیرے ہاتھ ہے سب خوبی، بلاشبہ تو ہر چیز پر قادر ہے۔

شیخ فرید الدین عطار رحمہ اللہ نے ''منطق الطیر'' میں تفصیل کے ساتھ اور پند نامے میں اجمال کے ساتھ حق تعالیٰ شانہ کی کبریائی اور بے نیازی کا انتہائی مؤثر نقشہ کھینچا ہے، حضرت موسیٰ علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام جیسے اولو العزم رسول و پیغمبر بھی حکیم مطلق کی حکمتوں کے سمجھنے سے قاصر رہے اور حضرت خضر علیہ السلام کے تکوینی عجائبات قدرت دیکھنے کی تاب نہ لا سکے اور جلد ہی جدائی اختیار کر لی، لیکن ہم سمجھیں یا نہ سمجھیں اتنا ہر ایک مسلمان ضرور سمجھتا ہے اور اس کا عقیدہ و ایمان ہے کہ حق تعالیٰ عادل ہے، قائما بالقسط ہے، کسی پر ذرہ برابر بھی ظلم نہیں کرتا، جو کچھ مصائب و آلام آتے ہیں انسانی اعمال کا نتیجہ ہوتے ہیں، یہ دنیا بھی چھوٹا دار المکافاۃ اور دار الجزاء ہے، پوری جزا و سزا تو آخرت و قیامت کی خصوصیت ہے، البتہ تنبیہ و تہدید کے طور پر دنیا میں بھی اعمال کی کسی نہ کسی قدر جزاء یا سزا مل جاتی ہے۔

عصر حاضر کا سب سے بڑا المیہ

آج کا ہمارا سب سے جانکاہ حادثہ مشرقی پاکستان کا سقوط اور مغربی پاکستان کا مجروح ہونا ہے، انا للہ وانا الیہ راجعون۔ عصر حاضر کی تاریخ کا یہ سب سے بڑا المیہ ہے، سلطنت عثمانیہ کے زوال کے بعد ایشیا کا سب سے بڑا حادثہ ہے، مسلمانوں کی ایک عظیم مملکت جس کی آبادی ۱۲ ر کروڑ تھی اور اس میں تمام عالم اسلام کی قیادت کی صلاحیت تھی چند دنوں میں یکایک ۵ ر کروڑ کی ہوگئی اور اتنی کمزور کہ اس کو اپنی حفاظت بھی مشکل ہوگئی ہے، مسلمانوں کی ایک عظیم ترین صالح قوم ایک سفاک، بے رحم، ہندو جیسی رسوائے عالم طاقت کے اقتدار میں آگئی، ہماری ہزاروں مسجدیں، ہزاروں مدرسے اور خانقاہیں اور سینکڑوں ادارے اور جمعیتیں وحشی درندوں کے ہاتھوں برباد ہوگئیں، ہزاروں نہیں بلکہ لاکھوں جانیں بدترین بربریت کی شکار ہوگئیں، ہزاروں ناموس لٹ گئے، ہزاروں مسلمانوں کی معصوم عورتیں درندوں اور بہائم کے ہاتھ آگئیں، ایک لاکھ کے قریب قابل فخر نوجوان مجاہدین ایک ذلیل قوم کے ہاتھ جنگی قیدی بن کر طرح طرح کے روح فرسا آلام کے شکار ہو رہے ہیں، ہماری اربوں کی جائیداد اور فیکٹریاں، ملیں، کارخانے، ہندو قوم کے ہاتھ آگئے، ہمارا کروڑوں اربوں روپے کا اسلحہ، ٹینک، توپیں اور گولہ بارود اور راشن کفار کے ہاتھوں میں چلے گئے، اور ہماری جان باز و جاں نثار، بے نظیر بہادر فوج ایسی حالت میں ہے کہ زخموں سے کراہ رہی ہے اور دنیا کی کوئی قوم ان کی مرہم پٹی کرنے سے بھی عاجز ہے اور ہم ریڈیو اور ٹی وی پر اپیل کرتے کرتے تھک گئے، لیکن ''صدائے برنخاست'' کسی کے کانوں پر جوں تک نہیں رینگتی، وہ دردناک اور حسرت ناک ذلت نصیب ہوئی ہے جس کے تصور سے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں، کہاں تک مرثیہ خوانی کی

جائے، ''عیاں راچہ بیان'' تمام حالات سامنے ہیں، اگر وحی آسمانی کا سلسلہ بند نہ ہوتا اور نبوت ختم نہ ہوتی اور قرآن نازل ہوتا تو عبرت کی یہ داستان بھی ضرور سنتے کہ یہ کیوں اور کیسے ہوا؟ اصل حقیقت تو اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے لیکن انسانیت کی جو تاریخ ہمارے سامنے ہے، وحی ربانی کے جو عبرت انگیز حقائق روزانہ پڑھتے ہیں قوموں کے عروج وزوال کی بصیرت افروز عبرتناک جو داستانیں قرآن کریم نے نہایت مؤثر پیرائے میں بار بار بیان فرمائی ہیں ان کی روشنی میں جو کچھ ایک مسلمان سمجھ سکتا ہے اس کا خلاصہ حسب ذیل ہے:

سقوط مشرقی پاکستان کے اسباب

① سلطنت مغلیہ کے زوال اور برطانیہ کے تسلط کے بعد متحدہ ہندوستان میں اسلامی سلطنت سے محرومی کے بعد خصوصاً ۱۸۵۷ء عیسوی کی جنگ آزادی کے بعد تدبیریں اور کوششیں شروع ہوئیں، ہندوستان کے باشندے بھی کوششوں میں مصروف ہوئے اور برسر اقتدار طاقت نے بھی ان کو کمزور کرنے میں کوئی کسر باقی نہ رکھی، آخر میں متحدہ ہندوستان میں کانگریس اور لیگ کی بنیاد پڑ گئی اور ہندو مسلم تعلقات کی شدید ناہمواری کی وجہ سے پاکستان کا مطالبہ کیا گیا، برسر اقتدار طاقت دوسری جنگ عظیم کی تباہ کاریوں کی وجہ سے تباہ و برباد ہو رہی تھی، بہ مجبوری یہ سونے کی چڑیا ہاتھ سے نکالنی پڑی تو انگلستان کی پوری طاقت برطانیہ کی حفاظت میں لگا دی گئی، خود مسلمانوں میں پھوٹ ڈالنے کے لئے جہاں مختلف وسائل برطانیہ نے اختیار کئے تھے وہاں ان کو مرتد کا فر بنا نے میں بھی کوئی کسر باقی نہ اٹھا رکھی، اس مقصد کے لئے مرزائیت کا پودہ پہلے ہی کاشت کر چکے تھے اور رفض و تشیع کو بھی پروان چڑھا چکے تھے۔

② ملک کی تقسیم کی بنیاد صوبائی اکثریت پر رکھی گئی تھی لیکن جاتے جاتے بدخواہ برطانوی اقتدار نے ایک اور شوشہ چھوڑا ضلعوں میں ہندو مسلم تناسب سے صوبوں کی تقسیم کرا دی، بنگال سے مغربی بنگال علیحدہ کر دیا اور پنجاب سے مشرقی پنجاب الگ کر دیا اور اس طرح ایک مستقل شقاق و افتراق کی بنیاد ڈال دی۔

③ مسلم لیگ نے اس ظلم کو برداشت کر لیا اور اس پر ڈٹ کر مقابلہ نہیں کیا، کچھ بھی قربانی نہیں دی ورنہ یہ غیر معقول صورت حال وقوع میں نہ آتی۔

④ جب بنگال و پنجاب کی تقسیم کی ٹھہری تو پھر بہت بہتر تھا کہ مشرقی بنگال کو چھوڑ کر مشرقی پنجاب لینے پر زور دیتی، بعض ارباب سیاست نے نواب اسمٰعیل خاں صاحب کو سمجھایا بھی کہ ارباب لیگ اس کو تسلیم کر لیں، لیکن صد افسوس کہ ایسا نہیں کیا۔

⑤ پھر تقسیم پنجاب اور بنگال کی حدود قائم کرتے وقت بونڈری کمیشن نے انتہائی ظلم کیا اور ہندوؤں کی کھلی طرف داری کی، ارباب لیگ نے جانتے ہوئے بھی اس کو بھی برداشت کر لیا۔

⑥ ریاست کشمیر کو تدبیر کے ساتھ اپنے ساتھ ملانے کی کوشش کرتے، اس کے بجائے قبائلی حضرات کو ترغیب جہاد کے نام سے کھڑا کیا، غیر تربیت یافتہ، غیر سنجیدہ افراد کے کارناموں نے اسلام اور مسلمانوں کی آبرو کو خاک میں ملا دیا، جب پاکستان سے احتجاج کیا گیا تو پاکستان نے اپنی لاعلمی اور برأت کا اظہار کیا، کشمیر کی ہندو حکومت نے ہندوستان سے امداد طلب کی اور الحاق کے شرط پر آمادہ ہوگئی، کشمیر نے ہندوستان سے الحاق کرلیا، اب ہندوستان فوج نے ہوائی فوج اور توپوں اور ٹینکوں کی فوج سے حملہ آوروں کا مقابلہ کیا، پاکستان نے برأت کا اظہار پہلے ہی کردیا تھا، بندوقوں اور رائفلوں سے طیاروں کا مقابلہ ناممکن تھا، ادھر پاکستانی افواج کو جو امداد کرنی چاہئے تھی وہ نہ کرسکیں، آخر کشمیر کو ہندو کے قبضے میں دے دیا، ہندوؤں نے پٹھان کوٹ کے راستہ سڑک نکال کر قبضہ مستحکم کرلیا اور بھارت کا جزو بنالیا۔

⑦ بنگال کی اسلامی تربیت کے بجائے غیر اسلامی تربیت کی کوشش کی گئی، عریانی اور فواحش، رقص وسرود کی ترویج میں انتہائی کوشش صرف کی گئی، ہندو نصاب اسکولوں کالجوں میں پڑھایا گیا، ۹۰ رفیصد ہندو ٹیچرز تھے، تعلیم کے راستہ سے بنگلہ دیش کی تخم ریزی کی گئی۔

⑧ بنگلہ دیش کی جڑیں مستحکم ہوگئیں، غیر بنگالی مسلمانوں کو جن کی صحیح تعداد ۷ رلاکھ بتلائی جاتی ہے، انتہائی سفاکی اور درندگی کا ایسا نشانہ بنایا گیا کہ چنگیزی مظالم کی داستان بھی اس کے سامنے ماند پڑگئی اور عوامی لیگ برسراقتدار آگئی جس کا نعرہ بنگلہ دیش تھا اور مجیب کے ۶ رنکات پر اس کا مدار تھا۔

⑨ مجیب ویحییٰ کی گفتگو میں تمام باتیں طے ہوگئی تھیں، صرف دفاع اور باہر کی کرنسی کا مسئلہ طے نہ ہوسکا تھا جب کہ ہمارے ہوائی، بحری، بری راستے ہندوستان کے قبضہ میں جاچکے تھے اور مستقل مقابلہ ہمارے لئے بے حد مشکل تھا، عواقب پر غور کرکے کتنا بہتر ہوتا کہ ان کو اختیارات سونپ دیتے اور متحدہ پاکستان سے رابطہ رہتا تو یہ روز بد نہ دیکھنا پڑتا۔

⑩ مارشل لاء کی حکومتیں یکے بعد دیگرے قائم ہوتی رہیں، عوام کی نمائندہ حکومت قائم نہیں کی گئی، اس طرح فوجی ذہن سے معاملات سلجھانے کی کوشش کی گئی، اس پر مستزاد یہ کہ غالباً اعداء اسلام کا آلہ کار بن کر تاریخی غداری جو اس قوم کا پیشہ تھا اس کو برروئے کار لاکر اسلام کے وقار کو تباہ وبرباد کیا گیا، مسلمانوں کو قعر مذلت میں دفن کردیا گیا، پاکستان کو لنگڑا لولا بناکر دشمنان اسلام کے رحم وکرم پر چھوڑ دیا گیا اور رونے کی بات یہ ہے کہ یہ جن دشمن اسلام طاقتوں نے یہ سب کچھ کرایا صبح وشام ریڈیو واخبارات میں ان کا شکریہ ادا کیا جاتا ہے، مدحیہ قصیدے پڑھے جاتے ہیں۔

اللہ کی نعمتوں کی ناشکری کی سزا

یہ دس نکات ہیں جو پاکستان کی تباہی میں مؤثر ہیں اوران سب باتوں کا خلاصہ یہ نکلتا ہے کہ پاکستان کا مطالبہ اس لئے کیا گیا تھا یا عوام کو یہ سمجھایا گیا تھا کہ حق تعالیٰ کے قانون کی بالادستی ہوگی، اسلامی قانون نافذ ہوگا، کتاب وسنت پر دستور وآئین بنایا جائے گا، اسلامی اخوت واسلامی عدل کا مظاہرہ ہوگیا اور اسلامی سایہ معدلت ورحمت میں مسلمان قوم اطمینان کا سانس لے گی، حق تعالیٰ نے قرآن میں صاف صاف اعلان فرمادیا ہے کہ اسلامی حکمرانوں کو اقتدار حاصل کرنے کے بعد اقامت صلاۃ، ایتاء زکاۃ، امر بالمعروف، نہی عن المنکر کا منصب سپرد ہوتا ہے اور آخر میں فرمایا گیا: وللہ عاقبۃ الامور [1] کہ آخر کار انجام حق تعالیٰ کے قبضہ قدرت میں ہے، یعنی اشارہ کیا گیا ہے کہ اگر ان فرائض منصبی میں کوتاہی کریں گے تو یہ نعمت ان سے چھین لی جائے گی۔

اللہ تعالیٰ نے پاکستان کی نعمت عطا فرمائی لیکن جو کچھ اس نعمت کا شکر یہ ادا کیا وہ ظاہر ہے، درمیان میں ۶۵ء میں حق تعالیٰ نے دوبارہ پاکستان کو نشاۃ ثانیہ عطا فرمائی، لیکن پھر ہم کو تنبہ نہیں ہوا، مزید تباہی وبربادی میں منہمک ہوگئے، آخر ایک بڑا حصہ چھین لیا گیا اور ایک حصہ جو باقی ہے اگر آج اس پر اسلامی حکومت قائم نہیں ہوتی تو خاکم بدہن ایک ہی دھکے میں باقی ماندہ حصہ بھی حصے بخرے کر کے لے لیا جائے گا، جس کا نقشہ اعدائے اسلام نے تیار کرلیا ہے اور رہا سہا کچھ تھوڑا سا ٹکڑا بچا یا بھی گیا تو اس میں انہی اعداء اسلام کی کٹھ پتلی حکومت قائم کی جائے گی اور اسلام کے اساسی مسائل ختم نبوت، جہاد، حج وغیرہ وغیرہ سب کے سب ختم کردیئے جائیں گے اور جدید اسلام کا ایڈیشن تیار کیا جائے گا، بشرطیکہ خارجی سیاسی مصلحت کا تقاضا برائے نام ایک اسلامی ریاست قائم رکھنے کا ہوا، ورنہ ظاہر ہے، بہرحال اب کہنا یہ ہے کہ موجود حکومت کا دعویٰ ہے کہ یہ عوامی حکومت ہے اور سابقہ حکومتیں مارشل لاء کی حکومتیں تھیں، فوجی طاقت سے تمام کام انجام پذیر ہوتے رہے، اب عوام کی مرضی کی حکومت قائم ہوئی ہے اور عوم کے نمائندہ حکومت پاکستان میں پہلی مرتبہ وجود میں آئی ہے، اب اس دعوی کی تصدیق کا وقت آگیا اور امتحان کی کسوٹی پر پرکھنے کا وقت آگیا ہے۔

تمام اسلامی جماعتیں سیاسی یا غیر سیاسی کتاب وسنت پر متفق ہیں اور تمام عوام کا مطالبہ بھی یہی ہے اس لئے اب حکومت کا فرض ہے کہ وہ جلد سے جلد نمائندہ اسمبلی کے ذریعہ اسلامی آئین کتاب وسنت کی روشنی میں تیار کرائیں اور اپنی مرضی کا آئین قوم پر مسلط نہ کریں، پاکستان کی بنیاد اسلام ہے اور اسلام کی بنیاد کتاب وسنت پر ہے، اس لئے بغیر کسی قسم کے چوں وچرا کے جلد سے جلد اس اسلامی عوامی مطالبے کو پورا کردیا جائے اور اس طرح

(۱) ﴿اَلَّذِیْنَ اِنْ مَّکَّنّٰھُمْ فِی الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوۃَ وَاٰتَوُا الزَّکٰوۃَ وَاَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَنَھَوْا عَنِ الْمُنْکَرِ وَلِلّٰہِ عَاقِبَۃُ الْاُمُوْرِ﴾[الحج: ٤١]

سابقہ دعویٰ کی تصدیق مہیا کی جائے اس طرح تمام سابقہ حکومتوں کی بے راہ روی کا تدارک بھی ہوجائے گا اور حکومت کو عملی توبہ کا موقع بھی مل جائے گا اور قوم کی دیرینہ آرزو بھی پوری ہوجائے گی اور پاکستان کے وجود کا اصلی منشاء بھی پورا ہوجائے گا اور کچھ بعید نہیں کہ اسلامی آئین اور اسلامی زندگی کی برکات بھی نازل ہوں اور جو تباہی و بربادی ہوگئی اس کی مکافات ہوجائے اور پھر ہم وہاں پہنچ جائیں جہاں تھے، ورنہ ہنود و یہود کی سازشیں تمام دنیائے اسلام کو ہلاکت کے گڑھے میں ڈال کر رہیں گی۔

حکومت وقت سے التجا

خدارا! اس قوم اور اس ملک پر رحم کرو، جتنی تباہی و بربادی آچکی ہے اور یہ روز بد دیکھنا پڑا ہے اس سے بچنے کی مؤثر تدبیریں اختیار کرو، اسباب کی فراہمی میں کوتاہی نہ کرو، حق تعالیٰ کی ذات پر اعتماد کرو، اعداء اسلام سے خیر کی توقع نہ رکھو، اقتدار کی کرسی تمہیں مبارک ہو ہمیں اپنی بوریہ نشینی پر فخر ہے، پاکستان کو صحیح پاکستان اسم بامسمیٰ بنانے کی کوشش کرو، عوام کو مطمئن کرو، دین و دنیا دونوں کی وجاہت حاصل کرو اور سابقہ سربراہوں سکندر مرزا سے لے کر یحییٰ تک کا جو انجام ہوا اس سے عبرت حاصل کرو۔

ان فی قصصهم عبرة لاولی الالباب

[ذوالحجہ ۱۳۹۱ھ/فروری ۱۹۷۲ء]

اخبارات وجرائد وصحافت اور قوم وملت

موجودہ دور دینی اور اخلاقی ہر اعتبار سے انتہائی پُرآشوب دور ہے، اعتقادی، عملی اور اخلاقی نو بنو فتنوں کا ہجوم ہے، ایسا محسوس ہوتا ہے کہ قلوب سے خوف خدا ختم ہوگیا، آخرت کا تصور نکل گیا ہے، اب محاسبۂ اعمال اور مسئولیت آخرت کا عقیدہ مسلمانوں میں برائے نام رہ گیا ہے، مال کی فروانی، دولت کی طغیانی اور زیادہ سے زیادہ کسب دولت کے جنون نے حلال وحرام کی تمیز بالکل ختم کردی ہے، اہل حق اور اہل علم کے قلوب میں بھی فتنوں کی کثرت نے حسد و رقابت اور حب جاہ ووجاہت کے گونا گوں امراض پیدا کردیئے ہیں، الا ماشاء اللہ:

چو گل بسیار شد پیلان بلغزند

اخلاص عنقا ہوتا جارہا ہے مادی اغراض کا دائرہ وسیع سے وسیع تر ہوتا جارہا ہے۔

ان فتنوں میں آج کل سب سے بڑا فتنہ اخبارات وجرائد اور صحافت کا فتنہ ہے، معاشرے کی تباہی و بربادی میں اس کا بہت بڑا حصہ ہے، ریڈیو، ٹیلیویژن، نائٹ کلبوں اور رقص وسرود کی محفلوں سے زیادہ معاشرے کو یہ صحافت برباد کررہی ہے، اور مصیبت یہ ہے کہ اخبارات کو موجودہ تمدن میں ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت حاصل ہوگئی، اگر اسی کی اصلاح ہوجاتی تو معاشرے کی اصلاح کا مؤثر راستہ کھل جاتا، لیکن کیا کہا جائے یہی صحافت آج معاشرہ

کی تباہی و بربادی کا ذریعہ بن رہی ہے، آج کل اہل حق کے درمیان بھی جو خلیج زیادہ سے زیادہ وسیع ہوتی جارہی ہے اس کا منشاء بھی یہی صحافت ہے، اسی لئے حدیث نبوی علی صاحبہ الصلاۃ والسلام میں قیامت کی علامات میں سے ایک علامت یہ بیان کی گئی ہے: "و یفشو الکذب(۱)" جھوٹ خوب عام ہوجائے گا، آج سیاسی پلیٹ فارم، ریڈیو اور اخبارات کے ذریعہ اس جھوٹ کے عموم کے وہ حیرت انگیز مظاہر سامنے آرہے ہیں کہ عقل حیران ہے، پھر آن کی آن میں تمام عالم کے گوشے گوشے میں یہ جھوٹ پہنچ جاتا ہے، کچھ پہلے تک تو اسٹیج ہی اس جھوٹ کا ممبر تھا لیکن آج کل پریس کانفرنسوں کی جو عام وبا پھیل گئی ہے اس نے تو اس صحافتی جھوٹ کو انتہا تک پہنچا دیا اور جو کچھ کسر باقی رہ گئی تھی وہ اخبارات وجرائد ومجلات کے نمائندگان کے انٹرویوں نے پوری کردی ایسے ہی مواقع کے لئے وحی آسمانی کی ہدایت ہے:

﴿یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اِنْ جَاءَکُمْ فَاسِقٌۢ بِنَبَاٍ فَتَبَیَّنُوْا اَنْ تُصِیْبُوْا قَوْمًاۢ بِجَهَالَةٍ فَتُصْبِحُوْا عَلٰی مَا فَعَلْتُمْ نٰدِمِیْنَ﴾ [الحجرات:٦]

اے ایمان والو! اگر کوئی فاسق (دروغ گو) تمہارے پاس کوئی خبر لائے تو اچھی طرح چھان بین کرلیا کرو کہیں تم کسی جماعت کو نادانی میں کوئی نقصان پہنچا بیٹھو اور پھر اپنے کئے پر نادم ہونا پڑے۔

آج بیشتر اختلافات ومشاجرات اور فساد ذات البین (باہمی تعلقات کی تباہی) کا اصلی سبب اس قرآنی ہدایت سے غفلت واعراض ہی بنا ہوا ہے۔

منشور جمعیۃ علماء اسلام اور لیبر یونین

مقام مسرت ہے کہ جمعیت علماء اسلام کے منشور کو جس کا خلاصہ اور بنیادی نکات کا ذکر سابقہ شمارہ بینات میں آگیا تھا لیبر پارٹی کے کنوینر نے قبول کرلیا اور ان کے اجلاس شوریٰ نے اس کی توثیق کردی ہے اور کہا ہے کہ:

''جمعیت علماء اسلام کے منشور کو ہماری مجلس شوریٰ نے پسند کیا ہے بلکہ اس سے اتفاق کیا ہے''۔

لیکن ضرورت ہے کہ اس سے بھی زیادہ وضاحت کے ساتھ اعلان کیا جائے کہ علماء کی رہنمائی میں ہم اسی منشور پر عمل کریں گے اور اس کے علاوہ اور کوئی منشور پیش ہی نہیں کریں گے، اگر یہ صراحت ہوجائے تو تمام خطرات ووساوس کے راستے بند ہوجائیں گے اور تہمت و بدگمانی کا سلسلہ ختم ہوجائے گا، بہرحال اہل حق کے اختلاف نے جو پریشان کن صورت اختیار کر رکھی ہے وہ اب ختم ہوجانی چاہیے، بادل ناخواستہ دو تین شماروں میں اس موضوع پر کچھ کہنا پڑا جس کا منشا یہ تھا کہ جن چند اصحاب پر محاکمہ (ثالثی) کا بار ڈالا گیا تھا اور ایک معاہدہ ہوگیا

(۱) سنن الترمذی، ابواب الفتن عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، باب فی لزوم الجماعۃ، ج:۲ ص:۳۹، ط: فاروقی کتب خانہ

تھاان میں راقم الحروف بھی شامل تھا، اگر چہ آج کل زمانہ معاہدات کے احترام کانہیں اورخدا ناشناس ارباب اقتدار تواس پرفخر کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ معاہدات توڑنے کے لئے تو ہوتے ہی ہیں، لیکن ظاہر ہے کہ یہ غیر اسلامی نظر یہ ہے، اسلام تو ایفاء عقود وایفاء عہود کی پُرزور دعوت دیتا ہے، اسلام ہی وہ آسمانی دین ہے جو سب سے زیادہ معاہدات کا احترام کرتا ہے، اسلام تو کفار اور اعداء اسلام کے ساتھ کئے ہوئے معاہدات کا بھی احترام کرتا ہے اور اتمام عہود کا حکم دیتا ہے، کون نہیں جانتا کہ قرآن حکیم نے ایفاء عہود پر کتنا زور دیا ہے اور احادیث نبویہ میں عہد شکنی منافقین کی امتیازی عادت بتلائی گئی ہے، بہر حال آج ہم اس موضوع کو ان اشارات پر ختم کرتے ہیں، حق تعالی توفیق عطا فرمائے کہ علماء امت متحد ہو کر تمام باطل ازموں کے خلاف متفقہ آواز اٹھائیں، خواہ وہ سوشلزم ہو یا کمیو نزم ہو، کیپیٹل ازم ہو اور یہ تمام کوششیں ایک مرکزی نقطہ اسلامی نظام پر جمع اور متحد ہو جائیں اور جو سیلاب لایا جارہا ہے حق تعالی اس کے لئے ان متحدہ مساعی کو سد ذوالقرنین بنادے، دنیا میں اہل حق کا اتفاق ہمیشہ اللہ تعالی کی رحمت رہا ہے اور ان کا اختلاف سب سے بڑا عذاب الٰہی رہا ہے، لیکن موجودہ پرآشوب عہد میں جتنی اتفاق کی ضرورت ہے مسلمانوں کی تاریخ کے کسی دور میں بھی اتفاق واتحاد کی اتنی اہمیت نہ ہوگی، نئی نسل کا تعلق اسلام سے برائے نام رہ گیا ہے، نفسانی اہوا (خواہشات) کا تسلط انتہا کو پہنچ گیا ہے، اس لئے علماء کا ذرا سا اختلاف بھی اسلام کی بدنامی کا باعث ہے، جنگ جمل اور جنگ صفین میں ہزاروں مہاجرین وانصار شہید ہو گئے لیکن پھر بھی اسلام باقی رہا، قلوب میں ایمان واسلام راسخ تھا، اس لئے خانہ جنگی کے ان طوفانوں سے بھی اسلام کی بنیاد نہ ہل سکی، لیکن آج کی صورت حال بالکل مختلف ہے، اہل حق کا ذرا سا اختلاف بھی اسلام سے انحراف کا ذریعہ بن سکتا ہے، امید ہے کہ ان حقائق پر غور کیا جائے گا، واللہ سبحانہ ولی التوفیق۔

پاکستان اور نظام تعلیم

نہ معلوم وزارت تعلیم تعلیمی پالیسی کے نافذ کرنے میں اب تک کیوں تائل کر رہی ہے، سرکاری اسکولوں اور کالجوں میں جلد از جلد جدید تعلیمی پالیسی کو نافذ کر دینے کی ضرورت ہے، مگر مفکرین کی طرف سے پیش شدہ ترمیمات کی روشنی میں قدم اٹھانے کی ضرورت ہے، ملک کی اندرونی اصلاحات اور صحیح معنی میں زندہ اور جاندار قوم کی تخلیق اور معاشرے کی اصلاح بغیر صحیح تعلیم کے ناممکن ہے اور اسلامی خطوط پر مسلمان نسل کی تربیت بغیر اسلامی تعلیمات کے ناممکن ہے، حقیقی معنی میں پاکستان اور اس عظیم اسلامی مملکت کے خواب کی تعبیر اسی وقت پوری ہوسکے گی کہ ہمارے جدید نظام تعلیم کا تانا بانا اسلامی تعلیمات کے پیمانہ پر بنا ہوا ہو، اسلامی تعلیم وتربیت ہی سے اسلامی اخلاق پیدا ہوں گے، ظلم وعدوان، بے حیائی وعریانی، رشوت وبے انصافی وغیرہ جن برائیوں نے ہماری قوم کی

جڑیں کاٹ کر رکھ دی ہیں ان سب کی اصلاح صحیح اسلامی تربیت اور اسلامی ماحول (۱) سے ہی ہوسکتی ہے، قومی ڈھانچہ کی اصلاح کے لئے تعلیمی نظام ہی روح رواں ہوتا ہے، اگر یہ نظام صحیح ہو جائے تو تمام اجتماعی نظام صحیح ہو جائے گا، اسی لئے چھوٹی چھوٹی حکومتیں بھی جیسے افغانستان وعراق ومصر تعلیم وتربیت پر ہی اپنے میزانیہ کا اکثر حصہ خرچ کرتی ہیں، تمام عالم اسلام میں صرف پاکستان ہی بدنصیب ملک ہے جہاں نظام تعلیم اب تک حکومت کی صحیح نگرانی سرپرستی اور خسروانہ کرم سے محروم ہے، اللہ تعالیٰ اس ملک پر رحم فرمائے اور حکمرانوں کو صحیح خدمت خلق کی توفیق نصیب فرمائے۔

عالم عرب اور اسرائیل

یہ معلوم کر کے اطمینان ہوا کہ تیرہ عرب ممالک اس پر متفق ہو گئے کہ اسرائیل سے جنگ کئے بغیر چارہ کار نہیں اور ۲۰ دسمبر کو رباط میں سربراہوں کی کانفرنس میں آخری فیصلہ کریں گے، خدا کرے یہ خواب جلد شرمندہ تعبیر ہو جائے، بلاشبہ اس مصیبت کا آخری علاج متفقہ اعلان جہاد ہے، درحقیقت یہ اسرائیل و یہود سے مقابلہ نہیں بلکہ یہ دنیا کی سب سے بڑی طاقت امریکہ سے مقابلہ ہے، یہ جو کچھ ہو رہا ہے یا کیا جارہا ہے در پردہ امریکہ ہی کرا رہا ہے، اگر عرب ممالک اب بھی خواب غفلت سے بیدار نہیں ہوتے اور محض رضاء الٰہی کے لئے اور استخلاص قدس کی نیت سے جہاد نہیں کرتے اور بجائے روس وامریکہ کے حق تعالیٰ کی ذات پر توکل واعتماد نہیں کرتے تو وہ عبرت ناک ذلت کے لئے تیار رہیں، انتہائی ضرورت اس کی ہے کہ بعض عربی ممالک کی بے حساب فراوانی دولت نے تو عیش پرستی وراحت کوشی کی وبا پھیلا ہی رکھی ہے لیکن بعض دوسرے عربی ممالک میں بھی باوجود وسائل معیشت کی قلت کے تعیش وترفہ میں مسابقت جاری ہے، یک قلم اس تعیش وترفہ کی زندگی کو ختم کر دیا جائے اور ظاہر ہے کہ یہ روح اور یہ قوت صرف اسلامی نظام سے ہی پیدا ہوسکتی ہے اسلامی اخوت واتحاد سے ہی اسلامی عظمت ووقار پیدا ہوسکتا ہے قومیت یا وطنیت میں یہ روح اور یہ قوت کہاں؟ آج جو کچھ ہو رہا ہے اگر غور کیا جائے تو ہماری زندگی اس آیت کریمہ کا مصداق ہے:

﴿تَحْسَبُهُمْ جَمِيعاً وَّقُلُوْبُهُمْ شَتّٰى﴾ [الحشر: ۱۴]

تم گمان کرتے ہو کہ وہ متحد ہیں حالانکہ ان سب کے دل مختلف ہیں۔

---

(۱) مگر یہ اسی وقت ممکن ہے جبکہ اسلامی تعلیم واقعی اسلامی تعلیم ہو، ان مسلمان مؤلفین ومصنفین کی کتابیں داخل نصاب کی جائیں جن کے ذہن وفکر استشراقی ذہنیت اور یورپین اقوام کی ذہنی وفکری غلامی اور مرعوبیت کے زہریلے اثرات سے پاک وصاف خالص اسلامی ہوں، اگرچہ اب تک ہو یہی رہا ہے کہ شہرہ آفاق دشمنان اسلام مستشرقین کی تصانیف اسلامیات اور ایم اے عربی کے نصابوں میں داخل کی جاتی ہیں، گذشتہ مہینہ میں ایک انگریز مصنف کی کتاب ''آدمیت کی کہانی'' مصنفہ ''ہنڈرک واں لوں'' کو جامعہ اسلامیہ بہاولپور کے نصاب تخصص میں داخل کرنے پر ہم احتجاج کر چکے ہیں، آج ہمارے پاس فلپ حتی کی ''تاریخ عرب'' کے اقتباسات آئے ہیں، آئندہ ماہ ہم انشاء اللہ اس کتاب پر مفصل اور مدلل اظہار رائے کریں گے۔

بہر حال اتحاد کا سرچشمہ اسلامی رابطہ ہی ہے، توکل واعتماد کا مرکز ومنبع حق تعالیٰ کی ذات ہی ہے، اگر چہ عالم اسباب میں بھی اپنے مقدور کے مطابق اسباب ووسائل کی فراہمی میں کوتاہی نہ کی جائے، مسلمانوں کو فتح کبھی سامان کی کثرت اور عددی اکثریت سے حاصل نہیں ہوئی، بلکہ زیادہ تر فتوحات بے سروسامانی میں ہی میسر آئی ہیں، اسلامی تاریخ دنیا کے سامنے ہے:

﴿ذٰلِكَ بِاَنَّ اللهَ مَوْلَى الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَاَنَّ الْكٰفِرِيْنَ لَامَوْلٰى لَهُمْ﴾[محمد:۱۱]

یہ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کا مددگار ہے اور کافروں کا مددگار کوئی نہیں ہے۔

"اللهم انصر الاسلام والمسلمين وانجز وعدك وكان حقاً علينا نصر المومنين".

وصلى الله على سيدنا محمد وآله وصحبه اجمعين

حکومت پاکستان اور سعودی عرب کو حج کے سلسلہ میں چند تجاویز ومشورے

حج بیت اللہ عظیم اسلامی فریضہ ہے، اس کی اہمیت دینی، اخلاقی، سیاسی ہر حیثیت سے واضح ومسلم ہے، لیکن افسوس کہ پاکستان کی اسلامی حکومت اس فریضہ کی جانب سے جتنی غفلت برت رہی ہے وہ حیرت انگیز ہے اور اب تک کوئی ایسی ٹھوس توجہ نہیں کر رہی، جس سے گوناگوں مشکلات رفع ہوں اور مخلوق خدا مطمئن ہو اور اپنی حکومت کی ممنون بھی ہو اور بارگاہِ قدس میں اپنی حکومت کے لئے دست بدعا بھی ہو۔

بارگاہ قدس کا یہ مسافر طرح طرح کی مشکلات سے دوچار ہے، لیکن صدمے کی بات ہے کہ نہ صرف یہ کہ سابقہ مصیبتوں کو ختم نہیں کیا جاتا بلکہ روز بروز مصیبتوں میں اضافہ ہوتا رجارہا ہے اور اس پر مستزاد یہ کہ حکومت سعودیہ بھی ہر سال نئے نئے ضوابط جاری کر کے حجاج کرام کی مشکلات میں اضافہ کرتی جاتی ہے، اس لئے اپنی حکومت سے مطالبے بھی ناگزیر ہیں اور سعودی حکومت سے استدعا بھی۔

حکومت سے براہ راست اور بذریعہ اخبارات حسب ذیل چند مطالبات کئے گئے تھے:

① کہ ماہ رمضان المبارک سے پہلے حجاج کے ماہ صیام میں ہی سرزمین حرم میں پہنچنے کے لئے جہازوں کا انتظام کیا جائے۔

② حج بدل کا علیحدہ کوٹہ رکھا جائے۔

③ بونس واؤچر کا سلسلہ ختم کیا جائے، اس کی شرعی حیثیت مشتبہ ہے، فریضہ حج کی ادائیگی کے لئے اس کی پابندی غیر اسلامی ہے۔

④ حجاج کرام کے کوٹہ میں اضافہ کیا جائے۔

خدا کا شکر ہے کہ اگر چہ یہ آواز صدا بصحرا ثابت نہیں ہوئی اور پہلی اور دوسری بات قبول کر لی گئی، لیکن ماہ

رمضان میں سفر کے لئے جہاز اتنا چھوٹا تجویز کیا گیا جس سے تشفی نہ ہو سکی، پورے مغربی پاکستان سے ساڑھے چودہ ہزار درخواستیں موصول ہوئیں، جبکہ نشستیں بمشکل تمام صرف (۱۳۰۰) تھیں ضرورت تھی کہ ایک جہاز کا اور انتظام کیا جاتا، خدا کرے کہ آئندہ کے لئے حکومت کو خاطر خواہ توجہ کرنا نصیب ہو، بونس واوچر کی لعنت ختم کرنے کی بے حد ضرورت ہے، اگر خواہ مخواہ رکھنا ہی ہے تو تمام حجاج کی لئے فی کس ایک ہزار زرمبادلہ دینے کی بعد جو کوئی زائد رقم لینا چاہے تو اس کو بونس واوچر کے ذریعہ دی جائے تقریباً پونے دو کروڑ روپیہ پاکستان حجاج کرام کا زرمبادلہ ہوتا ہے، جس میں تقریباً آدھی رقم کی مقدار میں حکومت کو یہ بار اٹھانا پڑتا ہے، اس لئے کہ سعودی حکومت کو اس کے عوض جو سونا دینا پڑتا ہے وہ وہاں کے نرخ سے دینا پڑتا ہے لیکن سمجھ میں نہیں آتا کہ جبکہ حکومت کے میزانیہ کا کروڑوں روپیہ ملکی وسیاسی اغراض کے لئے خرچ کیا جاتا ہے تو کیا مسلمانوں پاکستان کو اس اہم دینی فریضہ کو ادا کرنے اور سیاسی اعتبار سے ان کو مطمئن کرنے کے لئے دو تین لاکھ روپیہ بھی صرف نہیں کیا جا سکتا؟

بہرحال اسی قوم سے وصول کر کے تو یہ میزانیہ پورا کیا جاتا ہے اور نہ معلوم کس کس طرح بے جا اسراف وتبذیر میں خرچ ہوتا ہے، اللہ تعالیٰ ارباب اقتدار کو صحیح فہم نصیب فرمائے تاکہ وہ مسلمانوں کے قلوب کو مطمئن کرنے کے لئے صحیح اقدامات کر سکیں۔

اسی طرح اللہ جل شانہ سے دعا ہے کہ وہ مملکت سعودیہ کے ارباب اقتدار کو بھی توفیق نصیب فرمائیں کہ وہ بھی حجاج کرام کی مشکلات پر اسلامی نقطہ نگاہ سے غور فرما کر بے معنی ضابطوں کی جکڑ بندیاں ختم کر دیں اور ویزوں کے ضابطوں میں حرمین شریفین میں اقامت اور ہجرت کے قواعد میں زیادہ سے زیادہ آسانیاں پیدا کریں، نیز قومیت، وطنیت کی اندھی پیروی اور جدید یورپ کی تقلید میں جو روز بروز نئی نئی پابندیاں بڑھائی جا رہی ہیں ان کو ختم کر دیں، تاکہ سعودی حکومت کا عالم اسلام سے صحیح معنی میں اسلامی رابطہ قائم ہو اور عالمگیر اسلامی اخوت کا عملی ثبوت منظر عام پر آ جائے۔

عملی زندگی میں تو کٹر قومیت اور وطنیت کارفرما ہو اور زبان پر اسلامی اخوت کا نعرہ ہو، اس سے کیا فائدہ؟ مسلمان اتنے بے وقوف نہیں ہیں۔

اگر سفارت خانے والے کسی حاجی کو اس کی آسانی کے پیش نظر مدینہ زیارت اور حج کے لئے اقامت کا ویزہ دے بھی دیتے ہیں تو اگر کسی بھی وجہ سے تین دن کے اندر اندر وہ پاسپورٹ کے دفتر میں اندراج نہ کرا سکے تو سعودی حکومت اس کو بدترین مجرم شمار کر کے سو ریال جرمانہ کر دیتی ہے اور چار کارڈوں پر فوٹو لگا کر "القائمة السوداء" (بلیک لسٹ) میں اس کا اندراج کر دیا جاتا ہے اور تمام سرکاری دفاتر ریاض، جدہ اور مکہ مکرمہ میں ان کارڈوں کو بھیج دیا جاتا ہے۔

اور اس طرح ایک معزز و محترم مسلمان کو ذلیل ورسوا کیا جاتا ہے، بڑی دردناک داستان ہے کیا اللہ

ورسول کے مہمان اس تذلیل کے مستحق ہیں، اسلام تو اپنے مہمان کے اکرام پر اتنا زور دیتا ہے کہ دیکھ کر حیرت ہوتی ہے، ارشاد ہوتا ہے:

"من کان منکم یؤمن باللہ والیوم الآخر فلیکرم ضیفہ"(۱)

جو شخص اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہے اسے اپنے مہمان کی عزت واحترام کرنا چاہیے۔

کیا یہی حجاج کا اکرام ہے؟

سعودی حکومت سے اسی سلسلہ کی ایک اور درخوست پرزور تائید کے ساتھ درج ذیل ہے، حجاج کرام کے لئے سہولتوں کا مطالبہ جو بذریعہ برقیہ جلالۃ الملک شاہ فیصل سے سینٹرل حج پلگرمس لیگ کے چیئرمین جناب حاجی حافظ فریدالدین احمد الوجیہ نے کیا ہے جس کا مضمون حسب ذیل ہے:

"حج فیس حجاج پر بڑا بار ہے، اللہ تعالیٰ نے آپ کو بہت کچھ عطا فرمایا ہے، اس لئے درخواست ہے کہ حج فیس کی وصولیابی کا ضابطہ واپس لے لیا جائے، حالیہ عمرہ کی مدت پر ۳۰ رمضان المبارک تک کی عائد کردہ میعاد کی تنسیخ فرمادی جائے، تاکہ عمومی بے چینی رفع ہوسکے، یہاں کوئی وبائی بیماری نہیں ہے جیسا کہ لاتعداد اسٹول کلچر سرٹیفکیٹ سے واضح ہو چکا ہے، اس لئے اس حکم کی تنسیخ فرمائی جائے اور حجاج سے کھانے پینے کی اشیاء لے جانے کی پابندی ہٹالی جائے"۔

[شوال ۱۳۸۹ھ/دسمبر ۱۹۶۹ء]

صوبہ سندھ میں ہندوؤں کو دوبارہ آباد کرنے کا مسئلہ

سنا جارہا ہے کہ شملہ معاہدہ کے تحت صوبہ سندھ میں ان ہندوؤں کو جو حالیہ جنگ میں بھارت چلے گئے تھے دوبارہ بسانے کی تجویز زیر غور ہے، پاکستانی شہریوں کی پاکستان میں آبادکاری کسی طرح بھی محل اعتراض نہیں ہونی چاہیے، مگر حال میں ملک عزیز جن سازشوں کی آماجگاہ رہا ہے اور جن کا سلسلہ ابھی تھمنے نہیں پایا، ان کے پیش نظر بہت سے خدشات ابھر کر سامنے آتے ہیں جن سے صرف نظر کرنا خودکشی کے مرادف ہوگا، اس لئے ان پر غور کرنا ضروری ہے۔

① سب سے پہلی بات تو یہ ہے کہ پاکستان میں تمام اقلیتیں ہمیشہ امن وامان سے رہی ہیں، انہیں اپنی ہم وطن اکثریت کی جانب سے جان ومال یا عزت وآبرو کا کبھی خطرہ لاحق نہیں ہوا، نام نہاد ہندو مسلم فسادات (۲) جو ہندوستان میں روزمرہ کا معمول بن چکے ہیں، پاکستان کی تاریخ ان سے یکسر خالی ہے، ان حالات میں سوال پیدا ہوتا

---

(۱) صحیح البخاری، کتاب الادب، باب اکرام الضیف وخدمتہ ایاہ بنفسہ، ج: ۲ ص: ۹۰۶، ط: قدیمی

(۲) یہ دراصل سب کچھ مسلم کشی کے لئے ہوتا ہے مگر "فسادات" کا نام دے کر گرفتار بھی مسلمانوں ہی کو کرلیا جاتا ہے۔

ہے کہ سندھ کے ہندوؤں کو آخر وہ کون سا خطرہ لاحق تھا جس کی بنا پر انہوں نے ہمارے متحارب ملک کی طرف راہ فرار اختیار کرنا مناسب سمجھا اور بھارت نے ان کو سیاسی پناہ دینا ضرری تصور کیا؟ سوال یہ ہے کہ کیا ان کا یہ طرز عمل وطن دشمنی کے ذیل میں نہیں آتا؟ کیا یہ ملک کے مفرور بھگوڑے پاکستان کے پرامن شہری بن کر رہ سکتے ہیں؟ اور کیا ان کی دوبارہ آمد یہاں کسی سیاسی سازش کو جنم تو نہیں دے گی؟ کیا ان خدشات کا تشفی بخش حل تلاش کر لیا گیا ہے؟

۲ اس پر یہ مزید اضافہ کر لیجئے کہ جو ہندو ٹھاکر یہاں سے بھاگے، وہ شرافت اور خاموشی سے نہیں چلے گئے، بلکہ انہوں نے ان علاقوں کو تخت وتاراج کیا، وہاں کے شہریوں کو ظلم وستم کا نشانہ بنایا، جن کی المناک داستانیں اخبارات کی فائلوں میں محفوظ ہیں، سوال یہ ہے کہ اس حرکت کے بعد ان کی حیثیت ڈاکوؤں اور لٹیروں کی ہے یا پُر امن شہریوں کی؟

۳ پھر جو ہندو یہاں سے بھاگ گئے تھے ان کی تعداد آٹھ دس ہزار سے زیادہ نہیں ہوگی مگر اخباری اطلاعات سے معلوم ہوتا ہے کہ دس ہزار کی بجائے پچاس ساٹھ ہزار ہندو یہاں لائے جارہے ہیں اور یہ بھی افواہ ہے کہ ہندوستانی فوج کی نگرانی میں ان کو آباد کیا جائے گا اور ان خیالات کا بھی اظہار کیا جارہا ہے کہ وہ مسلح ہوں گے اور گوریلا جنگ کے تربیت یافتہ ہوں گے۔

ہمیں معلوم نہیں کہ ان باتوں میں کہاں تک صداقت ہے، مگر ہندوستان کی ڈپلومیسی سے بعید نہیں کہ یہاں بھی مشرقی پاکستان کی تاریخ دہرانے کا منصوبہ تیار کر لیا گیا ہو، وہاں یہی ہوا کہ پہلے غداران وطن جن میں اکثریت ہندوؤں کی تھی، ملک کی سرحد پار کر کے ہندوستان چلے گئے اور ہندوستان نے انہیں گوریلا تربیت دے کر اور اسلحہ سے لیس کر کے دوبارہ ہماری سرحد میں دھکیل دیا اور پھر جو کچھ ہوا انہی کے ذریعہ سے ہوا۔

بہرحال کہنا یہ ہے کہ اگر ان افواہوں میں ذرا بھی صداقت ہے تو معلوم نہیں کہ ہمارے حکمرانوں کو کیا ہوگیا ہے، کیا بے ہوشی کے عالم میں اس قسم کے معاہدات کئے گئے ہیں، اس کے خطرناک نتائج سے اتنی غفلت کیوں کر ممکن ہے؟ اس کی کیا ضمانت ہے کہ ان مسلح افواج اور اتنی کثیر تعداد دشمنان اسلام کی موجودگی میں صوبہ سندھ میں امن قائم رہ سکتا ہے یا مسلمان آرام کی نیند سو سکیں گے؟ اس قسم کی صورت حال سے مشرقی پاکستان کا کیا حشر ہوا، کیا مغربی پاکستان کو اسی طرح قربانی کا بکرا بنانا ہے، اگر خدانخواستہ ایک فیصدی بھی اس میں صداقت ہو تو خاکم بدہن اس روز بد کے لئے تیار رہنا چاہیے، کیا یہ نقشہ ہندوستان نے نہیں تیار کیا تھا کہ تھرپارکر سے سیدھے آکر حیدر آباد پر قبضہ کر کے کراچی کو مغربی پاکستان سے کاٹ دیا جائے، جو روس کی نظر کرم سے پورا نہ ہوسکا اور جس کا شکریہ امریکہ نے ہم سے پورا کر دایا اور روس کے اس انتہائی ظلم وستم کے باوجود کہ اس نے مشرقی پاکستان کٹوایا اور ہندوستان کی امداد کی ہم نے روس کا شکریہ اس لئے ادا کیا کہ مغربی پاکستان کٹوانے سے بچایا، خدا کرے یہ افواہیں سب غلط ہوں اور مسلمانان سندھ ومغربی پاکستان کی آبرو محفوظ رہے۔

سرکاری مدارس میں شیعہ حضرات کے لئے علیحدہ دینیات

ان دنوں سرکاری مدارس میں شیعہ حضرات کے لئے نصاب کی علیحدگی کی جو تجویز زیر غور ہے، وہ سراسر سیاسی مصالح کے خلاف ہے، شیعہ حضرات کو اس مطالبہ سے پہلے اپنا موقف متعین کرنا چاہئے، اگر ان کا خیال ہے کہ چونکہ وہ حضرات شیخین، ابوبکر صدیق اور عمر فاروق ؓ کی تکفیر پر متفق ہیں، وہ تمام صحابہ کو باستثناء تین یا پانچ کافر سمجھتے ہیں، وہ موجودہ قرآن کریم کو ناقص سمجھتے ہیں، وہ متعہ کو جزو ایمان سمجھتے ہیں، وہ تقیہ کو مدار اسلام خیال کرتے ہیں وغیرہ وغیرہ، اس لئے ان معروف عقائد کے ہوتے ہوئے ان کو مسلمان نہ سمجھا جائے، تو بہت پہلے سے اس کی ضرورت تھی کہ وہ اس قسم کا اعلان کرتے تاکہ موجودہ اہل تشیع کو اسلامی فرقہ نہ سمجھا جاتا اور ان کو ایک مستقل اقلیت شمار کیا جاتا۔

لیکن جب ایسا نہ ہو سکا اور حکومت ان کو مسلمانوں کا ایک فرقہ ہی سمجھ کر معاملہ کرتی رہی اور جب حکومت کی مردم شماری میں یہ مسلمان ہیں، سنی اور شیعہ میں باعتبار اسلام کے کوئی فرق نہیں، تو پھر علیحدگی نصاب کا کیا مقصد؟ اس تجویز کا تو لازم تاثر یہ ہے کہ شیعہ ایک مستقل اقلیت ہے، جس کی دینیات عام مسلمانوں سے الگ ہے اور حکومت جس طرح دوسری اقلیتوں کو راضی کرنا ضروری سمجھتی ہے اسی طرح ان کو بھی ایک اقلیت سمجھتی ہے، ایک طرف مسلمان سمجھنا دوسری طرف علیحدہ نصاب تجویز کرنا یہ کہاں کا فلسفہ ہے؟ اس تجویز سے منافرت اور بڑھ جائے گی، اختلافات زیادہ ہو جائیں گے، ہوسکتا ہے کہ یہ اختلافات ایسی صورت اختیار کر جائیں کہ حکومت کے لئے ہمیشہ درد سر ثابت ہوں، بہر حال جہاں اتحاد و اتفاق کی ضرورت ہے وہاں شقاق و افتراق پیدا کرنا یہ کہاں کی سیاست ہے۔

دراصل اس قسم کی تمام تجویزیں اور مصلحتیں صاف وصریح امر کی دلیل ہیں کہ حکومت کا سرکاری مذہب اسلام نہیں، بلکہ وہ عملاً غیر مذہبی حکومت ہے، جس ملک میں حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خاتم النبیین نہ ماننے والے موجود ہوں، جو آج تک تاج برطانیہ کے نہ صرف وفادار ہوں بلکہ ان کی اعانت جزو ایمان سمجھتے ہوں، ان کو ظل اللہ فی الارض مانتے ہوں، عیسیٰ علیہ السلام کو یوسف نجار کا بیٹا مانتے ہوں، حضرت مریم علیہا السلام کو۔العیاذ باللہ۔زانیہ سمجھتے ہوئے قرآن کریم کی تکذیب کرتے ہوں اور تمام روئے زمین کے مسلمان جو مرزا غلام احمد قادیانی پر ایمان نہ لائیں ان کے "ذریة البغایا" (اولادزنا) ہونے کا عقیدہ رکھتے ہوں وغیرہ وغیرہ اور پھر حکومت کے اعلیٰ سے اعلیٰ مناصب پر جلوہ افروز ہوں، کلیدی مناصب ان کے حوالہ ہوں، جو جماعت بالاتفاق کافر ہو اور وہ ایک حکومت کی مشین کو چلائیں، بتلایئے ایسی حکومت اسلامی حکومت کیسے ہوسکتی ہے؟ بلاشبہ نام اسلامی ضرور ہے لیکن کام تمام کے تمام سیکولر اسٹیٹ کے ہیں جس کا بنیادی عقیدہ خدائے تعالیٰ اور آخرت سے انکار ہو اور اس کا کوئی دین و مذہب نہ ہو اور تمام فرقے اس کی نظر میں برابر ہوں اور تمام فرقوں کو اپنے عقائد میں خواہ وہ اسلام ہو یا کفر ہو،

حریت وآزادی حاصل ہو، درحقیقت پاکستان کا جب ابتداء ہی میں وزیر خارجہ ظفر اللہ قادیانی کو بنایا گیا اور کہا یہ جاتا ہے کہ برطانیہ نے یہ شرط لگائی تھی تو پھر ظاہر ہے کہ اتنا اہم منصب ایک غیر مسلم کافر کے سپرد کرنا اس کی دلیل ہے کہ یہ غیر اسلامی حکومت ہے اور درمیان میں ایک دفعہ قائم مقام صدر ایک عیسائی کو بھی عارضی طور پر بنایا گیا ہے، اسلامی مملکت کے دستور کے ابتدائی دفعات یہ ہوتے ہیں کہ حکومت کا مذہب اسلام ہوگا حکومت کا صدر مسلمان ہوگا۔

ان دستوری دفعات کے بعد کسی کو یہ حق نہیں ہوتا کہ حکومت کے مذہب کے خلاف کوئی غیر اسلامی حرکت کرے، بہر حال کہنا یہ ہے کہ علیحدگی نصاب کی تجویز بالکل اسی کے مترادف ہے کہ فرقہ شیعہ مسلمانوں کا فرقہ نہیں اور اس تجویز سے جو مفاسد پیدا ہوں گے اس کے عواقب ونتائج نہایت دردناک نکلیں گے۔ اللہ تعالیٰ صحیح فہم اور صحیح عمل کی توفیق عطا فرمائے اور پاکستان کو صحیح اسلامی مملکت اور مستحکم مملکت بنائے اور اعداء اسلام کی ریشہ دوانیوں سے اس کی حفاظت فرمائے، آمین۔

وصلی الله علی خاتم النبیین وسید المرسلین وامام المتقین محمد وآله واصحابه اجمعین.

[رمضان المبارک ۱۳۹۲ھ/نومبر ۱۹۷۲ء]

قوم کا اتحاد واتفاق مستقبل کے لئے نیک فال

نہ معلوم اس بدنصیب مملکت کا کیا انجام ہوگا؟ روز اوّل سے تاریخ کچھ ایسی عبرت ناک ہے کہ بجز حیرت وافسوس کے کچھ حاصل نہیں، پاکستان کی سی سالہ مختصر زندگی میں بڑے بڑے بحران آئے اور گذر گئے، لیکن دور حاضر میں جس شکل وصورت میں بحران آیا ہے اور قوم وملت کا جو شدید امتحان شروع ہوا ہے، ادوار سابقہ میں اس کی نظیر نہیں ملتی، ان دردناک حوادث میں جو گھٹائیں چھائی ہوئی ہیں، بلاشبہ مایوس کن ہیں، لیکن امید وکامیابی کی جو کرنیں ان گھٹاؤں کی تہوں سے نکلتی ہیں وہ قدرے حوصلہ افزاء ہیں، ملک وملت کا حیرت انگیز اتحاد شدید اختلافات کے ہوتے ہوئے جس مرحلے میں داخل ہے نہایت ہی امید افزا ہے اور من حیث القوم اسلامی شریعت کے نفاذ کا مطالبہ جس قوت سے پیش آرہا ہے نہایت ہی روشن اور تابناک مستقبل کی خبر دیتا ہے، چند مٹھی بھر افراد جو شراب وزنا اور بے حیائی وعریانی کے جنون میں مبتلا ہیں، ان کے سوا تمام قوم کا اتحاد بے نظیر حسین وجمیل منظر پیش کرتا ہے اور دین کے لئے سربکف میدان میں نکل کر جس غیرت ایمانی وحمیت دینی اور حرارت اسلامی کا ثبوت دیا جارہا ہے اس سے پہلے اس کی نظیر نہیں ملتی۔

گذشتہ دنوں تحریک ختم نبوت میں پاکستانی قوم جس طرح یک دل ویک جان ہوکر متحد ہوگئی تھی، اب دوبارہ پورے دینی نظام کو لانے کے لئے اتحاد واتفاق ہوگیا ہے، جو نہایت امید افزا ہے اور قوم کے اتحاد نے یہ

ثابت کر دیا ہے کہ ملک کا کوئی مسئلہ ایسا نہیں جس کے لئے قوم متحد ہو جائے اور وہ حل نہ ہو سکے، قومی اتحاد لوہے کی ایک ایسی دیوار ہے کہ نہ پولیس کی لاٹھیاں اسے مسمار کر سکتی ہیں، نہ فوج کی گولیاں اس میں رخنہ پیدا کر سکتی ہیں، نہ بیرونی اعداء اسلام اور دشمنان دین کی ریشہ دوانیاں اسے گرا سکتی ہیں اور نہ اس میں سوراخ کیا جا سکتا ہے، اگر ہٹلر و گوبلز اور ہملر و میسولینی کا انجام پیش نظر ہو تو ہر ڈکٹیٹر مزاج حکمران کے لئے مقام عبرت ہے، ظلم و تشدد کے ہتھیار کی عمر بہت کم ہوتی ہے، حق تعالیٰ نے کسی ظالم و جابر حکمران کو اپنی خدائی نہیں دی ہے کہ جو چاہے کرتا رہے، گذشتہ ادوار میں یورپ و ایشیا میں جو ظالم و سنگدل حکمران آئے ان کا عبرت ناک انجام دنیا نے دیکھ لیا، قران کریم میں حق تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَهُوَ الَّذِيْ يُنَزِّلُ الْغَيْثَ مِنْۢ بَعْدِ مَا قَنَطُوْا وَ يَنْشُرُ رَحْمَتَهٗ وَهُوَ الْوَلِيُّ الْحَمِيْدُ﴾ [الشوریٰ:۲۸]

اور وہ ایسا ہے کہ لوگوں کے ناامید ہو جانے کے بعد مینہ برساتا ہے اور اپنی رحمت پھیلاتا ہے اور وہ کارساز لائق حمد ہے۔

کچھ بعید نہیں کہ جس انداز سے ملک و ملت کا خون بہایا جا رہا ہے اور جس انداز سے نوجوانوں کی لاشیں تڑپ رہی ہیں، جیل خانے اسیروں سے بھر گئے ہیں اور ہسپتال زخمیوں سے پٹے پڑے ہیں اس کا صلہ حق تعالیٰ سے عام معافی ہو اور اس قوم پر رحم فرما کر سی سالہ غلطیوں اور غفلتوں کو معاف فرمائے، صالح حکومت اور اسلامی قانون اور شریعت الٰہیہ کے نفاذ کے پرچم لہرائیں اور غضب کو خود ہی حق تعالیٰ ابر رحمت سے بجھائے۔ **وما ذالك على الله بعزيز**۔ بہر حال پوری قوم کو بارگاہ رحمت ہی کی طرف توجہ کی شدید ضرورت ہے اور یہ کہ ان ظاہری اسباب پر فتح و کامیابی کو موقوف نہ سمجھیں، خوشی کی بات ہے کہ مختلف جماعتوں کا اسلام کے اساسی مقاصد پر پورا اتحاد و اتفاق ہے، قرآن کریم و سنت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم و عقیدہ ختم نبوت پر سب کا اتفاق ہے، اگر تھوڑا بہت اختلاف ہے تو چند فقہی مسائل میں قوم اپنے اپنے مسلک کے مطابق اس کو اختیار کرنے کی مجاز ہے، گذشتہ چند دنوں میں راقم الحروف نے پریس کو دو بیانات جاری کئے تھے، پہلا بیان شخصی و انفرادی تھا جو ۹/اپریل کو اخبارات میں شائع ہوا اور دوسرا مجلس تحفظ ختم نبوت کے امیر کی حیثیت سے جو ۱۵/اپریل کے اخبارات میں چھپا، دونوں بیان علی الترتیب حسب ذیل ہیں:

حکومت تشدد کر کے کبھی کامیاب نہیں ہو سکتی

کراچی ۹/اپریل (پ ر) ممتاز عالم دین شیخ الحدیث مولانا محمد یوسف بنوری نے آج یہاں اپنے ایک بیان میں کہا ہے کہ اس وقت پاکستان جس بحران سے گذر رہا ہے وہ بہت دردناک اور تاریخ پاکستان کا تاریک ترین باب ہے، حکومت عوام کی مرضی کے خلاف اقتدار پر قابض رہنا چاہتی ہے، دوسری طرف عوام اس حکومت کو

کسی طرح برداشت کرنے کے لئے تیار نہیں اور اسے متفقہ طور پر بار بار رد کر چکے ہیں۔

ارباب حکومت تشدد سے عوام کے جذبات کو دبانا چاہتے ہیں، جو یقینا بہت مذموم ہے، نیز مسجدوں میں لاٹھی چارج کرنا، اشک آور گیس استعمال کرنا، نمازیوں اور علماء کو زدوکوب کرنا اور بے گناہ مسلمانوں کو گولیوں کا نشانہ بنانا، سراسر عقل و انصاف کے خلاف ہے، اس لئے ہماری رائے یہ ہے کہ حکومت تشدد کر کے کبھی کامیاب نہیں ہوسکتی، برطانیہ جیسی حکومت بھی تشدد کر کے اقتدار سے محروم ہوگئی۔

حکومت کو ہمارا مخلصانہ مشورہ ہے کہ وہ ان حالات میں قوم کے مطالبات کو تسلیم کر لے، مولانا محمد یوسف بنوری نے آخر میں قوم سے اپیل کی ہے کہ وہ تحریک کو پُرامن رکھیں اور مظلوم بنے رہیں، اس لئے کہ مظلوم ہی اللہ تعالیٰ کی نصرت و کامیابی سے ہمکنار ہوتے ہیں، اسلام کی تاریخ عہد نبوت سے لے کر آج تک یہی بتلاتی ہے۔

(جنگ کراچی، ۱۹؍ربیع الثانی ۱۳۹۷ھ۔ ۹؍اپریل ۱۹۷۷ء)

مجلس تحفظ ختم نبوت کے امیر مولانا سید محمد یوسف بنوری کا بیان

ملک عزیز جس ہولناک بحران کی لپیٹ میں ہے، اس پر دل کانپ رہا ہے، خانہ خدا کے تقدس کو پامال کیا جا رہا ہے، علماء، وکلاء اور ملک کے دیگر معززین کی سربازار تذلیل کی جارہی ہے، نہتے شہریوں کو خاک و خون میں تڑپایا جارہا ہے اور ان کا پرندوں کی طرح شکار کیا جارہا ہے، معصوم بچوں اور خواتین پر شہ زوری کا مظاہرہ کیا جارہا ہے، جو کسی قوم کی پیشانی پر سب سے بدنما داغ ہے، معیشت تباہ ہوچکی ہے، اقتصادیات پٹ چکی ہیں، کارخانے اور بازار بند اور کاروبار ٹھپ ہے، عالمی برادری میں ملک کا وقار خاک میں مل چکا ہے، دشمن ہنس رہے ہیں اور دوست رو رہے ہیں، یہ ظلم و ستم، یہ جور و تعدی، یہ انتشار و خلفشار، یہ بے آبروئی و ہواخیزی ملک کے مستقبل کے لئے نہایت خطرناک ہے۔

میں نہایت دل سوزی سے دردمندانہ اپیل کرتا ہوں کہ خدا کے لئے اس ملک کی حالت پر رحم کریں، اقتدار سے الگ ہوکر قوم کو آزادانہ انتخابات اور بے لاگ فیصلہ کا موقعہ دیں، اگر قوم بخوشی انہیں دوبارہ منتخب کر لیتی ہے تو اطمینان سے حکمرانی کریں اور اگر قوم انہیں مسترد کر دیتی ہے تو زبردستی لوگوں کی گردنوں پر مسلط رہنے کی کوشش نہ کریں، ملک کے طول و عرض میں جو خونی ڈرامہ کھیلا جارہا ہے ملک اب اس کا مزید متحمل نہیں۔

(جنگ کراچی ۲۵؍ربیع الثانی ۱۳۹۷ھ۔ ۱۵؍اپریل ۱۹۷۷ء)

یہاں تک لکھا گیا تھا کہ جناب ذوالفقار علی بھٹو کی پریس کانفرنس نشر ہوئی جو بہت غور سے سنی گئی اور اس کے پس منظر و پیش منظر پر غور کیا، تو حیرت و افسوس کی انتہا باقی نہ رہی، اسی وقت رات کو ایک اخباری بیان جاری کیا گیا جو ۱۸؍اپریل کے صبح کے اخبارات میں شائع ہوا، اس کا متن حسب ذیل ہے:

کراچی ۱۷؍اپریل (پ ر) مولانا سید محمد یوسف بنوری امیر مرکزیہ مجلس تحفظ ختم نبوت نے آج رات

ایک بیان میں کہا ہے کہ قوم کو توقع تھی کہ جناب بھٹو اپنی پریس کانفرنس میں پاکستان کے موجودہ بحران کا جس نے پاکستان کی بنیادوں کو ہلا کر رکھ دیا ہے، حل کرنے کے لئے قوم کی خواہشات کا احترام کرتے ہوئے اس کے مطالبات کو منظور کرنے کا اعلان کریں گے، مگر افسوس کہ جناب بھٹو نے صورت حال کا صحیح اندازہ لگانے کی کوشش نہیں کی، انہوں نے پریس کانفرنس میں جن اقدامات کا اعلان کیا ہے انہیں قوم سے مذاق ہی تصور کیا جاسکتا ہے، سوچنے کی بات ہے کہ جس حالت میں قوم کو خاک وخون میں تڑپایا جارہا ہو اور عوام کے مجمعوں پر آتش باری کی جارہی ہو، ان اقدامات کی کیا قیمت ہوسکتی ہے، بہرحال جناب بھٹو صاحب کو اطمینان رکھنا چاہیے کہ قوم اب ان کے سبز باغوں سے فریب نہیں کھائے گی، انہوں نے قوم سے اتنی وعدہ خلافیاں کی ہیں کہ اب قوم کے کسی سنجیدہ فرد کو ان کے کسی وعدہ پر اعتبار نہیں رہا، مثلاً قادیانیوں کے بارے میں قانون سازی کا قومی اسمبلی میں وعدہ کیا تھا مگر تین سال گذرنے پر بھی وعدہ پورا نہ کیا گیا، اس کے لئے بارہا یاددہانی کرائی گئی، تار دیئے گئے، تقاضوں پر تقاضے کئے گئے، مگر کوئی شنوائی نہ ہوئی، ان کے لئے دانشمندانہ راستہ اب یہی ہے کہ وہ مستعفی ہوجائیں، آزادانہ انتخاب کا راستہ صاف کریں اور موجودہ اسمبلیوں کو جو دھاندلیوں کی پیداوار ہیں اور جن کی کوئی قانونی حیثیت نہیں، توڑ کر قوم کے مطالبات تسلیم کرلیں۔ اللہ تعالیٰ صحیح فہم کی توفیق نصیب فرمائے اور ملک پر رحم فرمائے، آمین۔

حکام کے وعدے اور اسلام سے ان کا تعلق

بڑا صدمہ ہے کہ یہاں روز اوّل سے جو حکمران آتے رہے کتاب وسنت کا نام لینے کے باوجود کتاب وسنت کی جڑیں کاٹتے چلے گئے، اسلامی قانون بنانے کے بہانے سے تعلیمی بورڈ قائم کیا گیا، لاکھوں روپیہ اس پر خرچ کیا گیا، پھر مشاورتی کونسل قائم کی گئی جو آج تک موجود ہے، اس وقت شاید کروڑوں روپیہ خزانہ عامرہ کا خرچ ہوچکا ہوگا، لیکن ''ہنوز روز اول ست''۔ صاف محسوس ہوتا ہے کہ یہ ہمارے حکمرانوں کی سیاسی شعبدہ بازی ہے، چونکہ عام مسلمانوں کا مزاج دینی ہے اور انہیں معلوم ہے کہ یہاں کے مسلمان اسلام کے سوا کسی نظام کو برداشت نہیں کرسکتے، اس لئے ان کو غلط فہمی میں مبتلا کرنے کے لئے یہ سب کچھ ہوتا رہا، عائلی قوانین کتاب وسنت کے خلاف نافذ کردیئے گئے، تمام ملک میں احتجاج ہوا مگر کیا مجال کہ حکومت اپنے مؤقف سے سرمو بھی ہٹی ہو، آخری دور بھٹو صاحب کا آیا ہے، اپوزیشن میں چند مؤقر خدا ترس ہستیوں کی مساعی جمیلہ سے خدا خدا کرکے آئین میں پہلی مرتبہ یہ فیصلہ کیا گیا کہ پاکستان کا سرکاری مذہب اسلام ہے اور اس کا آئین کتاب سنت پر مبنی ہوگا، لیکن عملی طور پر زبانی جمع خرچی اور لفظوں کے ہیر پھیر سے زیادہ کوئی نتیجہ نہیں نکلا، اس بدنصیب مملکت کے حکمرانوں کا مزاج سوءِ اتفاق سے ایک ہی قسم کا نکلا تھا، ''تشابهت قلوبهم قاتلهم الله انّٰى يوفكون''۔ بھٹو صاحب کے دورِ حکومت میں بار بار یہی دہرایا گیا، پھر منشور کی بنیادی دفعات میں یہ دہرایا گیا کہ مذہب اسلام ہوگا، معیشت سوشلزم

ہوگی، مگر اسلام کے ساتھ سوشلزم کا جوڑ کیسے؟ کیا کفر واسلام دونوں ایک ہو سکتے ہیں؟ کیا سفید وسیاہ ایک ہی چیز ہے؟ غرض حقائق کو مسخ کر کے الفاظ کے گورکھ دھندوں میں بے چارے عوام کو پھنسانے کی کوشش کی گئی اور ہو رہی ہے، بھٹو دور حکومت میں تمام مسلمانوں نے اپنے اتحاد واتفاق کی قوت سے ملت مرتدہ قادیانیہ، مرزائیہ کو اقلیت بنانے میں کامیابی حاصل کی ضرورت تھی کہ فوراً قانون بنا مرزائیوں کی مردم شماری ہوتی، اس تناسب سے ان کے لئے اسمبلی کی سیٹیں متعین کی جاتیں، ان کے شناختی کارڈوں اور پاسپورٹوں پر قادیانی، مرزائی کا لفظ لکھنا ضروری کر دیا جاتا، تاکہ چور راستوں سے جو اسلامی اور عربی حکومتوں میں گھس کر وہ اسلام کی بیخ کنی کرتے چلے آئے ہیں اس کا راستہ بند کیا جاتا ہے، لیکن افسوس اور صد افسوس کہ ایک قدم بھی نہیں اٹھایا گیا، بلکہ اٹھتے ہوئے قدموں کو کاٹ دیا گیا، مسٹر بھٹو کی حکومت اس سلسلہ میں خود تو کیا اقدام کرتی حزب اختلاف کی طرف سے جو بل اسمبلی میں پیش ہوا اسے بھی مسترد کر دیا اور حالیہ انتخابات سے پہلے مسٹر بھٹو نے مرزا ناصر احمد قادیانی مرتدین کے سربراہ سے تین گھنٹے تک طویل ملاقات کی، نہ جانے کیا خفیہ پخت و پز ہوئی ہوگی، اسی کا شاخسانہ ہے کہ موجودہ نام نہاد اسمبلیوں میں غیر مسلم اقلیت کی حیثیت سے قادیانیوں کو شریک نہیں کیا گیا، گویا آئین میں جو قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دیا ہے عملی طور پر اسے معطل کر دیا گیا، ماضی قریب میں شراب پر فخر ومباہات کا اظہار کیا اور عملی طور پر برسر بازار شراب نوشی کی محفلیں گرم کی گئیں، قانون اسلام کا مضحکہ اڑا گیا، زکاۃ وعشر کے اسلامی نظام کو فرسودہ اور باعث لعنت قرار دیا گیا، بلکہ تمام اسلامی احکام کو پارینہ دیرینہ اور فرسودہ نظام سے یاد کیا گیا، ان حقائق کے ہوتے ہوئے کیا بھٹو صاحب کے وعدے پر اعتماد کیا جاسکتا ہے؟ اپنی کرسی اقتدار کو سہارا دینے کے لئے شراب نوشی کی پابندی کے اعلان سے عوام کو دھوکا دیا جارہا ہے، جبکہ چور راستوں سے غیر ملکی لوگوں اور غیر مسلموں کے لئے کھلی اجازت دے دی گئی، عبرت کی بات ہے کہ ہندوستانی حکومت نے مدت سے شراب کو اس سختی سے ممنوع قرار دے رکھا ہے جس کی نظیر اسلامی حکومت میں نہیں ملے گی، حالانکہ وہ کافر سیکولر حکومت ہے، چند ناموں کا اعلان کر کے اسلامی قانون سازی کے لئے سفارشات پیش کرنے کا اعلان کیا گیا تاکہ ہوا کے رخ کو موڑا جا سکے، سابقہ تجربوں کو سامنے رکھ کر کیا کوئی سادہ لوح بھی ان اعلانوں اور ان وعدوں پر اعتماد کرسکتا ہے؟ بہرحال یہ آخری سیاسی حربہ تھا اور ترکش کا آخری تیر تھا۔

اس وقت ہم نے صرف ایک دینی پہلو کے پیش نظر چند اشارات کئے ہیں، سیاسی اعتبار سے مملکت کی تباہی، اقتصادی بدحالی، بدامنی، بے رحمی، ظلم وعدوان کی فراوانی بیرونی قرضہ جات سے معیشت کی تباہی کی داستانیں اتنی طویل اور اتنی دردناک ہیں کہ نہ قلب میں طاقت، نہ قلم میں یارائی کی قوت ہے۔

[جمادی الاولیٰ ۱۳۹۷ھ/مئی ۱۹۷۷ء]

اخوت اسلامی اور اس کی اہمیت

اسلامی اخوت وہ عالمگیر رابطہ وحدت اور رشتہ یگانگت ہے جو تمام جغرافیائی، نسلی لسانی، ملکی اور وطنی حدود و قیود سے آزاد اور امتیازات سے وراء الوراء ہے، یہ وہ روحانی رشتہ ہے جو مادی علائق وروابط سے منزہ اور بالاتر ہے، وحی ربانی کی آیات بینات اور صاحب وحی ورسالت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات مقدسہ میں اس کی تفصیلات وتمثیلات کے مستقل ابواب موجود ہیں، ارشاد الٰہی ہے:

﴿كُنْتُمْ اَعْدَاءً فَاَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِكُمْ فَاَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهٖ اِخْوَانًا﴾ [آل عمران:۱۰۳]

تم (ایک دوسرے کے) دشمن (خون کے پیاسے) تھے، پس اللہ نے تمہارے دلوں میں الفت پیدا کردی، اب تم اس کے انعام ورحمت سے (ایک دوسرے کی) بھائی ہوگئے۔

ارشاد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہے:

"المومن للمؤمن كالبينان يشد بعضه بعضا وشبك بين اصابعه."(۱)

ایک مومن دوسرے مومن کے لئے عمارت کے ردّوں کی مانند ہے، جس کا ایک ردا دوسرے ردے کو مضبوط ومحکم کرتا ہے۔ اور (آپ نے اس تمثیل کا مشاہدہ کرانے کے لئے) اپنی ہاتھوں کی انگلیاں ایک دوسرے میں پیوست کرلیں اور فرمایا اس طرح۔

نیز ارشاد ہے (صلی اللہ علیہ وسلم):

"مثل المؤمنين فى توادهم وتراحمهم وتعاطفهم مثل الجسد اذا اشتكى منه عضو تداعىٰ له سائر الجسد بالسهر والحمى"(۲)

(بخاری ومسلم بروایت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ)

مومنوں کی مثال باہمی دوستی شفقت وعاطفت اور ایک دوسرے پر مہربان ہونے میں جسم (کے اعضاء) کی مانند ہے، جب جسم کا کوئی ایک عضو مرض میں مبتلا ہوتا ہے تو تمام جسم کے اعضا بیماری کی تکلیف کی وجہ سے راتوں کو جاگنے اور بخار کا اثر قبول کرنے میں اس کا ساتھ دیتے ہیں (اور پورا جسم بیمار ہوجاتا ہے)۔

---

(۱) صحیح البخاری، ابواب المظالم والقصاص، باب نصر المظلوم، ج:۱ ص ۳۳۱، ط: قدیمی.
صحیح مسلم، کتاب البر والصلة والادب، باب تراحم المؤمنين وتعاطفهم وتعاضدهم، ج:۲ ص:۳۲۱، ط: قدیمی.

(۲) صحیح البخاری، کتاب الادب، باب رحمة الناس والبهائم، ج:۲ ص:۸۸۹، ط: قدیمی.
صحیح مسلم، کتاب البر والصلة والادب، باب تراحم المؤمنين وتعاطفهم وتعاضدهم، ج:۲ ص:۳۲۱، ط: قدیمی.

اس کے بالمقابل اس رابطۂ وحدت اور رشتۂ اخوت کو پارہ پارہ کردینے کے بارے میں شدید وعیدیں اور بلیغ مثالیں آئی ہیں، چنانچہ ارشاد ہے:

"الا اخبركم بافضل من درجة الصيام والصلوة والصدقة، قالو: بلى، قال: اصلاح ذات البين ،فان فساد ذات البين هى الحالقة، لا اقول تحلق الشعر ولكن تحلق الدين"(١) (ابوداؤد، ترمذی، بروایت ابو الدرداءؓ)

فرمایا: کیا میں تمہیں روزہ، نماز اور صدقہ کے درجہ سے بھی افضل (عبادت) نہ بتلاؤں؟ (صحابہ نے) عرض کیا: کیوں نہیں (ضرور بتلایئے) فرمایا: (وہ عبادت) باہمی تعلقات کی اصلاح (خوشگوار بنانا) ہے، اس لئے کہ اس کے مقابلہ پر آپس کے تعلقات کو بگاڑنا (اور خراب کرنا) ہی مونڈ دینے والی (معصیت) ہے، میرا مطلب یہ نہیں کہ یہ (حرکت) بالوں کو مونڈتی ہے، بلکہ یہ تو (پوری قوم کے) دین (وایمان) کو مونڈ ڈالتی ہے (تباہ کردیتی ہے)۔

دنیائے اسلام کیلئے مسلمانوں کے باہمی اتحاد وتعاون سے بڑھ کر کوئی نعمت اور رحمت نہیں جس طرح دنیا میں مسلمانوں کے تحزب (دھڑے بندی) اور افتراق سے بڑھ کر کوئی عذاب نہیں، قرآن کریم کی آیت کریمہ:

﴿اَوْ يَلْبِسَكُمْ شِيَعًا وَّ يُذِيْقَ بَعْضَكُمْ بَاْسَ بَعْضٍ﴾ [الانعام:٦٥]

یاتم کومختلف گروہوں میں بانٹ دے اور ایک دوسرے سے لڑادے (خانہ جنگی کے عذاب میں مبتلا کردے)۔

میں اسی عذاب کا ذکر فرمایا ہے۔

جہاد پاکستان اور اتحاد

آج اگر مراکش سے لے کر انڈونیشیا تک کے مسلمانوں میں باہمی اتحاد وتعاون اور تنظیم کی روح کارفرما ہوجائے تو یقیناً دنیا کی سب سے بڑی طاقت اسلام اور مسلمانوں کی طاقت ہو۔ خدا کا شکر ہے کہ جہاد پاکستان کے موقعہ پر اس اسلامی اتحاد وتعاون کی ہلکی سی جھلک سامنے آگئی اور ترکی، ایران، عرب اور جاوہ نے اس نازک موقعہ پر پاکستان کی اعانت وامداد کر کے یہ وحدت اسلامی کا بھولا ہوا سبق مسلمانوں کو یاد دلایا ہے اور اب محسوس ہوتا ہے کہ یہ جہاد کیا تھا نفحۃ الہیہ (نسیم رحمت الٰہی) کا ایک ایسا جھونکا تھا جس نے اسلامی اخوت ووحدت کو بجلی کی طرح دنیا کے مسلمانوں میں دوڑادی اور مشاہدہ میں آگیا کہ جہاد ہی ایسی نعمت ہے جس کے ذریعہ حق تعالیٰ کی رضاوخوشنودی کی سعادت اور دنیا کی عزت وعظمت میسر آسکتی ہے اور اس نعمت سے محرومی مسلمانوں کی دنیا اور آخرت

---

(١) سنن الترمذی، کتاب الزھد، باب اصلاح ذات البين ج ٢ ص:٧٤، ط: فاروق کتب خانہ۔
سنن ابی داؤد، کتاب الادب، باب اصلاح ذات البين، ج:٢ ص:٦٧٣، ط: حقانیہ

دونوں میں ذلت اور رسوائی کا باعث بنتی ہے۔ خاتم انبیاء صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی حقیقت کی طرف امت کو ذیل کے الفاظ میں متوجہ فرمایا ہے:

"الجهاد ماض إلى يوم القيامة"(۱)

جہاد قیامت کے دن تک جاری رہے گا۔

اندرون ملک میں بھی اسی جہاد کی برکت سے پوری قوم میں بے نظیر اتحاد و یگانت اور ہمدردی وتعاون کے جذبات یکدم بیدار ہو گئے، تمام جماعتی اور سیاسی تفرقے مٹ گئے، ایثار وسرفروشی کے احساسات بروئے کار آ گئے اور چشم زدن میں اہل پاکستان اس عظیم نعمت سے سرفراز ہو گئے جس کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا تھا۔

درحقیقت پاکستان کا یہ دور نہایت مبارک ومسعود ہے جس میں قوم کو بہت بڑی سعادت سے ہمکنار ہونا نصیب ہوا، اور برسوں کے خواب غفلت سے پوری قوم بیدار ہو گئی، سب سے بڑی بات یہ ہے کہ تاریخ اسلام میں مسلمانوں کی ترقی وبرتری کا راز سربستہ منکشف ہو گیا، آیات جہاد اور احادیث قتال فی سبیل اللہ کے حقائق وبرکات کا مشاہدہ ہو گیا۔

کاش! مسلمان اس عظیم الشان نعمت الٰہی کا صرف زبانی شکریہ کے بجائے حقیقی شکریہ ادا کریں اور اس منحوس زندگی کو یکسر ختم کر دیں جو غضب الٰہی اور قہر خداوندی کو دعوت دیا کرتی ہے، ارباب اقتدار کا بھی فرض ہے کہ اللہ کی دی ہوئی اس طاقت وقدرت سے صحیح فائدہ اٹھائیں اور اس ملک میں اللہ تعالیٰ کا قانون رحمت وحکمت یعنی مکمل نظام شریعت جلد از جلد جاری کر دیں اور اس کی رہنمائی میں ملک کے اندر ایک صالح معاشرہ کی تشکیل کریں، اور اس شکر نعمت کے نتیجہ میں اللہ تعالیٰ کے وعدے:

﴿لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَأَزِيدَنَّكُمْ وَلَئِنْ كَفَرْتُمْ إِنَّ عَذَابِي لَشَدِيدٌ﴾ [ابراهيم:۷]

اگر تم نے شکر کیا تو ہم تمہیں زیادہ دیں گے اور اگر تم نے کفر کیا تو (یاد رکھو) میرا عذاب بڑا سخت ہے

کے مطابق دنیا میں اور زیادہ سے زیادہ عزت وعظمت اور طاقت وقوت کی نعمت سے فراز ہوں اور آخرت میں رضاء الٰہی اور ابدالآباد تک رہنے والی لازوال نعمتوں سے مالا مال ہوں۔

مگر اس مقصد کے حصول کے لئے ضروری ہے کہ امریکہ، روس، برطانیہ، فرانس اور چین وغیرہ دشمن طاقتوں اور خالص مفاد پرست خودغرض قوموں سے اپنا دامن چھڑا کر احکم الحاکمین کی بارگاہ جلال و [illegible] کریں اور رب العالمین کی بارگاہ قدس میں سربسجود ہو کر کونین کی نعمتوں اور سعادتوں سے سربلند اور سرخرو ہوں۔

---

(۱) المعجم الاوسط، من اسمه عبدالرحمن، رقم الحديث ٤٧٧٥، ج:٥ ص:٩٥، ط: دار الحرمين القاهرة.
مجمع الزوائد، باب لايكفر احدمن اهل القبلة بذنب، رقم الحديث ٤٠٤، ج:١ ص:١٢٦، ط: دار الفكر بيروت

پاکستان کی اصلاح کے لئے چند ضروری تجاویز

چند خوش آئند تبدیلیاں دیکھ کر خوشی ہوئی، ریڈیو کے نظام میں کچھ تبدیلی آ گئی ہے، سنا ہے کہ کالجوں اور یونیورسٹیوں میں مخلوط تعلیم ختم کرنے کے لئے بھی احکامات جاری کر دیئے گئے ہیں، سب سے زیادہ نیک فال یہ ہے کہ قرآن عظیم کے بارے میں پہلی مرتبہ یہ اعلان ہوا ہے کہ حکومت پاکستان قرآن کریم کی رہنمائی کو رہنما اصول کے طور پر تسلیم کرتی ہے، لیکن یہ تبدیلیاں اور اقدامات اصلاح حال کے لئے قطعاً ناکافی ہیں، ریڈیو پر اگرچہ عام گانے بند کر دیئے گئے ہیں لیکن قومی اور رزمی ترانے صنف نازک کی سریلی آوازوں اور طاؤس ورباب کے دلکش نغموں کے ساتھ اور موسیقی کی ترنم ریزیاں ابھی تک باقی ہیں، یہ نہ مرض کا پورا علاج ہے اور نہ کامل شکر نعمت، یہ درست ہے کہ معاشرہ کا مذاق اتنا بگڑ چکا ہے کہ یکدم اصلاح ممکن نہیں، تاہم مدبرانہ تدریجی نظام کے ساتھ مزید اقدامات کے جاری رکھنے کی ضرورت ہے، قرآنی قانون اور شرعی نظام جلد از جلد نافذ ہونا چاہئے، ہر قسم کے رقص و سرود کی محفلیں رفتہ رفتہ ختم ہونی چاہئیں، کلبوں اور اعلیٰ سوسائٹیوں میں عورتوں اور مردوں کے بے محابا اختلاط، سرکاری تقریبات میں لازمی عورتوں کی شرکت کی بھی بیخ کنی ہونی چاہیے، اخبار اور رسائل میں ملکی اور غیر ملکی عورتوں کے نیم عریاں فوٹو اور تصاویر کی اشاعت خصوصاً کاروباری اغراض کے لئے سینما اور دوسری کمپنیوں کے اشتہارات میں عورتوں کی تصاویر کی اشاعت و استعمال قطعاً ممنوع ہونا چاہئے، شراب نوشی اور قمار بازی بہر صورت قابل سزا جرم قرار دیا جانا چاہیے، غرض نہ صرف اغیار بلکہ اعداء کی اس مستعار تہذیب وثقافت اور ملعون زندگی کو جس کی یہ سب نحوستیں ہیں یکسر خیر باد کہہ کر دنیا میں ایک باوقار و باعزت اور خود دار و طاقت ور قوم کی تشکیل ناگزیر ہے، اگر اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ اور آخرت کی مسئولیت پر کامل یقین وایمان موجود ہو اور عہد حاضر کے تجربات ومشاہدات سے استفادہ کرنے والی عقل صحیح عزم راسخ اور خود اعتمادی کی طاقت میسر ہو تو دنیا کی کوئی مشکل بھی مشکل نہیں ہے، عبرت کے لئے چین کی مثال موجود ہے مگر درحقیقت یقین محکم ہونے کے بجائے کمزور، عقل کامل ہونے کے بجائے ناقص اور عزم راسخ ہونے کے بجائے متزلزل اور احساس کمتری غیر شعوری طور پر مسلط ہو چکا ہے، اسی قصور اور خامی کی وجہ سے صورت حال میں مؤثر انقلاب آفرین اقدامات کی ہمت نہیں ہوتی۔

اللہم اہد قومی فانہم لا یعلمون

گروہ بندی ۔ افتراق اور علماء کرام

جس طرح عوام اور قوم کے دوسرے طبقوں میں انتشار وافتراق اور تحزب (گروہ بندی) کارفرما ہے، اسی طرح علماء کرام کے طبقوں اور دینی اداروں میں بھی تشتت وافتراق موجود ہے، نہ صرف مختلف مکاتب فکر کے علماء میں بلکہ ایک ہی مکتب فکر کے بزرگوں میں بھی یہی صورت حال کارفرما ہے، کہیں جمعیت علماء اسلام ہے تو کہیں

جمعیت علماء پاکستان اور کہیں مجلس احرار اسلام موجود ہے تو کہیں جمعیت اہل حدیث، کہیں تنظیم اہل سنت ہے تو کہیں ادارہ ختم نبوت، دین کے لئے یہ انتشار و افتراق سانحہ عظیم ہے، کاش! یہ سب ادارے یا کم از کم ایک ایک مکتب خیال کے ادارے ایک مرکز پر جمع اور متحد و متفق ہو جائیں اور پھر باہمی تعاون و مشاورت اور متحدہ نظام کے تحت تقسیم کار کے اصول پر جو جماعت جس مقصد کے لئے زیادہ اہل اور موزوں ہو وہ کام اس کے سپرد کر دیا جائے، آپس میں کلی ارتباط و اتحاد، تعاون و تناصر اور ہم آہنگی و یگانگت موجود ہو اور سب ایک نظام میں منسلک ہوں۔

خوشی ہے کہ اس مہلک صورت حال کا احساس ہو چلا ہے، چنانچہ گذشتہ ماہ ملتان میں اسی تشتت و افتراق کو ختم کرنے کی غرض سے ارباب علم و فضل کا ایک اجتماع ہوا تھا اور اسی مقصد کے پیش نظر اس ماہ لاہور میں سیاسی کام کرنے والی جماعتوں کے باہمی اتحاد و تعاون سے متحدہ اسلامی محاذ وجود میں آیا ہے اور ۵/دسمبر ۱۹۶۵ء کو جمعیت علماء کے زیر اہتمام دوبارہ ملتان میں اتحاد و تنظیم کے لائحہ عمل اور باضابطہ تشکیل پر غور کیا گیا ہے۔

خدا کرے کہ اس مبارک اور ملک و ملت کے لئے خوش آئندہ مقصد کا سفینہ ساحل مراد تک پہنچ جائے اور علماء کے طبقہ کا یہ تشتت و افتراق دور ہو جائے، دلوں میں خلوص نیت صالح اور عزم راسخ ہو تو کوئی وجہ نہیں کہ کامیابی نہ ہو۔

''مجلس دعوت و اصلاح'' کے اہم ترین مقاصد میں ایک مقصد یہ بھی ہے، اس لئے ہم اس مقصد کے لئے تمام دینی جماعتوں کو سیاسی ہوں یا غیر سیاسی ہر قسم کے تعاون اور عملی اشتراک کا یقین دلاتے ہیں، اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ اس مبارک مقصد کی تکمیل کے لئے ہم سب کو توفیق عمل عطا فرمائیں، وما ذالك على الله بعزيز۔

[شعبان ۱۳۸۵ھ/دسمبر ۱۹۶۵ء]

مسلمانوں کے لئے دنیا کی عزت و آبرو حاصل کرنے کا طریقہ

امسال بتوفیق اللہ تعالیٰ اسلامی اور غیر اسلامی ممالک میں دینی دعوت و تبلیغ کے کام اور طریق کار پر غور کرنے کا زیادہ موقع ملا، اپریل ۱۹۷۳ء کے آخری عشرہ میں بمقام پیٹر میٹرس برگ (صوبہ نیٹال جنوبی افریقہ) میں تبلیغی اجتماع طے پایا تھا بعض مخلصین کی خواہش بلکہ اصرار پر بندہ نے بھی شمولیت کا وعدہ کر لیا تھا، گو اپنی معذوری اور مدرسہ کے علمی و انتظامی اشغال کے پیش نظر ایفاء مشکل تھا، لیکن بہر حال وعدہ کر چکا تھا اور کچھ احباب کا اصرار بھی بہت بڑھ گیا تھا، بلکہ میرے مخلص ترین احباب ''آل میاں'' کو جب خبر ہوئی تو ان کی خواہش ہوئی کہ پورے سفر کے انتظامات وہ خود کریں، چنانچہ ۱۳/اپریل کی صبح کو پی آئی اے سے براہِ عدن نیروبی پہنچا اور نیروبی سے اولمپک ایرویز یونانی کمپنی کے ذریعہ جوہانسبرگ پہنچ گیا اور ۶/ہزار میل کا یہ طویل سفر چند گھنٹوں میں الحمدللہ بعافیت و آسانی طے ہو گیا، ایئر پورٹ پر علماء کرام اور مخلصین و احباب نے خیر مقدم اور استقبال سے شرمندہ فرمایا۔

اس میں سے علمی و دینی مرکز دائرفل کے "المعهد الاسلامی" میں قیام ہوا، جہاں ہر طرح کے آرام و راحت کے سامان تصور سے بالاتر مہیا تھے، اس وقت نہ سفر نامہ لکھنا مقصود ہے نہ عادت ہے، نہ بینات کے محدود صفحات ان دلچسپیوں کے متحمل ہیں، تبلیغی مقصد کے پیش نظر یہ سفر کیا گیا تھا اس لئے دینی اور تبلیغی تاثرات ہی زیادہ تر سفر کا موضوع رہے اور اسی میں وقت صرف ہوا تقریباً ایک ہفتہ تو صرف صوبہ نیٹال کے تبلیغی اجتماعات میں صرف ہوا، اور موضوع صرف یہی رہا کہ اگر مسلمان دنیا میں باعزت زندگی بسر کرنے کے آرزومند ہیں تو ان کو دین کے لئے قدم ضرور اٹھانا پڑے گا، حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی روایت سے صحیح مسلم میں جو صحیح حدیث مروی ہے اس کی سیر حاصل تشریح ہوئی ہے فرمایا ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے:

"ان الله يرفع بهذا الكتاب اقواماً و يضع به آخرين"(۱)

حق تعالیٰ قرآن کریم پر عمل کرنے والوں کو اٹھاتا ہے اور عمل نہ کرنے والوں کو گراتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کی توفیق شامل حال تھی، اس وقت حدیث شریف کی کافی وشافی تشریح اور بیان کا موقع ملا اور اس امر کی وضاحت کی کہ انسان خلیفۃ اللہ فی الارض ہے، اسی کے ذریعہ حق تعالیٰ کے اسرار قدرت اور آثار حکمت ظاہر ہوتے ہیں اور تکوینی مصالح کے لئے تو اس کا وجود از بس ضروری ہے، چنانچہ اگر انسان دین الٰہی کے تابع ہو جائے تو تکوینی و تشریعی دونوں قسم کی مصالح و حکم کے ظہور کا ذریعہ بنتا ہے اور اگر یہی انسان صحیح مسلمان بن کر حق تعالیٰ کے کلام کی صورت کی حفاظت کرتا ہے تو خود اس کی صورت محفوظ ہو جاتی ہے اور اگر اس کے معنوں کی حفاظت بھی کرتا ہے، یعنی اس پر عمل کر کے اس کو محفوظ کرتا ہے تو حق تعالیٰ کا صحیح معنی میں سفیر ہوتا ہے اور سفیر اپنی حکومت کا صحیح نمائندہ ہوتا ہے، لہٰذا اگر سفیر اپنی حکومت کا صحیح ترجمان اور صحیح نمائندہ بنتا ہے تو حکومت کے ذمہ بھی فرض ہوتا ہے کہ اس کی ہر طرح حفاظت کرے، اسی لئے دنیا کے قانون میں سفیر کو نکالنا اس حکومت سے بغاوت کے مترادف سمجھا جاتا ہے اور عداوت اور مخالفت کی دلیل ہے۔

غرض اس موضوع کی تشریح میں حق تعالیٰ کی توفیق شامل حال رہی اور آخرت و دنیا کی نعمتوں کا تفصیلی موازنہ کیا اور "ومامتاع الدنيا فى الآخرة الاقليل" کی خوب خوب توضیح ہوئی، حق تعالیٰ کا شکر ہے کہ خلاف توقع اس کا اثر اچھا ہوا اور کافی تبلیغی قافلے دنیا کے گوشے گوشے کے لئے تیار ہو گئے۔

اس کے بعد مختلف مقامات پر جزوی بیانات ہوئے، پھر پرتگالی مقبوضہ افریقہ موزمبیق کے دار الخلافہ ..... جانے کا اتفاق اور وہاں بھی احباب و مخلصین کے ذریعہ متعدد بیانات ہوئے اور ان ممالک میں تبلیغی کاموں کا جائزہ لیا گیا اور محسوس ہوا کہ اگر کوئی مخلص عالم پرتگیزی زبان جاننے والا اس سرزمین میں کام کرے تو وہاں کی حبشی قومیں بہت آسانی سے اسلام قبول کر سکتی ہیں، چنانچہ معلوم ہوا کہ جامعہ اسلامیہ ڈابھیل کے ایک فارغ

(۱) صحیح مسلم، کتاب فضائل القرآن، باب فضل من يقوم بالقرآن، ج:۱ ص: ۲۷۲، ط: قدیمی۔

تحصیل عالم کے ہاتھ پر ایک ہزار سے زائد حبشی مسلمان ہو چکے ہیں، اس موقعہ پر قرآن کریم میں صدقات وزکوۃ کے مستحقین یا جن لوگوں پر خرچ کئے جائیں کے اقسام میں ایک قسم والمؤلفة قلوبهم کی اہمیت محسوس ہوئی کہ آج بھی ایسی صورت موجود ہے اگر مسلمان ان نو مسلموں کی پرورش پر زکاۃ کے اموال ہی خرچ کریں تو ہزاروں ہزار مفلس حبشی حلقہ اسلام میں داخل ہو سکتے ہیں۔

بہر حال محسوس ہوا کہ جن بلاد میں مسلمانوں کی حکومت نہیں ہے ان میں اس انداز سے کام کرنے میں بہت کچھ کامیابی ہو سکتی ہے، جنوبی و پرتگالی افریقہ سے فارغ ہونے کے بعد لندن کا پروگرام تھا، چونکہ یہ سفر طویل تھا اس لئے آل میاں نے میری رفاقت اور اعانت کے لئے ایک انگریزی داں عالم دین حافظ موسیٰ یوسف میاں کا انتخاب کیا جن سے مجھے ہر طرح کی آسائش و آسانی میسر آئی۔

دورۂ برطانیہ

جوہانسبرگ سے تمام افریقہ کے براعظیم کو تقریباً دس گھنٹہ کی مسلسل پرواز کے ذریعہ طے کر کے اندلس کے دارالخلافہ میڈرڈ پہنچے، ایک شب میڈرڈ میں، دو راتیں قرطبہ میں اور چند گھنٹے غرناطہ میں گذارے، مسلمانوں کے عروج وزوال کی تاریخ بیک وقت سامنے آئی اور قرطبہ کی مرحوم جامع مسجد کو دیکھ کر سینہ کے داغوں کو تازہ کیا اور جامع قرطبہ کے ایک گوشے میں دوگانہ نفل ادا کرنے کی توفیق نصیب ہوئی، لندن میں احباب ومخلصین کا ایک وسیع حلقہ تھا اس لئے تمام انگلستان کے اکثر مقامات ڈیوزبری، والسال، باٹی، برمنگھم، ڈارسٹن، مانچسٹر، بریڈفورڈ، بولٹن، شفیلڈ وغیرہ پر اجتماعات کا پروگرام بن گیا اور ہر جگہ جانا پڑا، نو دن کے قیام میں بیس پچیس بیانات ہوئے، انگلستان کے مسلمان باشندوں کی نئی نسل کے لئے شدید خطرات محسوس ہوئے اس لئے کہ تعلیم لازمی ہے اور مخلوط ہے اور مسلمانوں کے اور لندن کی اصلی باشندہ حکمراں قوم دونوں کے اسکول وکالج ساتھ ہیں، اس مخلوط معاشرے کے زیر اثر ہفتہ وار لڑکیوں کے لئے جدید انداز میں تفریحی غسل کرنا، ان درسگاہوں میں ضروری ہے اور لڑکوں کے لئے ٹیلیویژن پر اس کا دیکھنا بھی ضروری ہے اس تعلیمی وتفریحی اختلاط کے جو زہریلے اثرات پیدا ہوں گے ظاہر ہے کہ وہ نہایت ہی شرمناک و دردناک ہوں گے، ویسے بھی لندن میں کیا بلکہ تمام انگلستان میں عریانی اور فحاشی کے ہیجان انگیز مظاہر عام ہیں اور جدید نسل کے لئے انتہائی تباہ کن ہیں، اس لئے اکثر بیانات میں موضوع یہی رہا ہے کہ اسلامی اقدار کو جدید مخلوط تعلیم کے زہریلے اثرات سے محفوظ رکھنا مسلمانوں کے لئے بہر صورت ضروری ہے اور اس کے لئے جو کچھ تدبیریں سمجھ میں آئیں وہ بیان کرتا رہا، جو ارباب علم وہاں پہنچ چکے ہیں ان کے لئے رضوان الٰہی اور جنت حاصل کرنے کے بے حد مواقع ہیں اگر وہ تبلیغی مقاصد کے پروگرام کے تحت دینی خدمت انجام دیں اور محض مال وزر کی تحصیل مقصد نہ ہو تو وہ دنیا اور آخرت دونوں کی دولت کما سکتے ہیں۔

بہرحال یہ محسوس ہوا کہ ان بلاد میں تبلیغ دین اور مسلمانوں کو بیدار کرنے کی بڑی شدید ضرورت ہے، نیز محسوس ہوا کہ انگلستان کی نئی نسل کو اسلام سے زیادہ عداوت نہیں رہی ہے، عقلوں میں پختگی آ گئی ہے، نفع وضرر، خیر وشر کی تمیز کر سکتے ہیں، عصبیت کے دبیز پردے بھی ہلکے پڑ گئے ہیں، اپنی مسیحیت سے بیزار ہو چکے ہیں، مسلمانوں کے ہاتھ اپنے گرجے فروخت کر رہے ہیں، اپنے طریقہ زندگی میں سکون قلب کو ترستے ہیں، ان حالات میں اگر ان کو اسلام کا نسخہ شفاء اور دوا، سکون وطمانیت کو مؤثر انداز میں پیش کیا جائے تو بہت جلد قبول کرنے کے لئے تیار ہو جائیں گے اور اس میں تو شک ہے ہی نہیں کہ اہل باطل جتنا اپنے باطل دین سے دور ہوں گے اتنا ہی حق اور اسلام کے قریب آئیں گے، افسوس کہ زیادہ قیام کی گنجائش نہیں تھی ورنہ بہت کام ہوسکتا تھا۔

مراجعت پر پیرس، سوئزرلینڈ، ترکی میں بھی تھوڑا تھوڑا قیام ہوا، آج کے ترکی میں اور اتاترک وعصمت انونو کے ترکی میں زمین آسمان کا فرق پایا، نوجوانوں میں عربی زبان، عربی تعلیم کا ذوق بڑھ رہا ہے، دینی کتابیں شائع ہو رہی ہیں دینی اور تجارتی کتب خانے بارونق ہیں۔

قدیم وجدید مطبوعات میسر آ رہی ہیں، مسجدیں آباد ہو رہی ہیں، شیخ الاسلام کے عہدے کے لئے ایک عمدہ اور پختہ عالم دین ''علی فکری یادوز'' کا انتخاب متوقع ہے، یہ انقلاب دیکھ کر بے حد خوشی ہوئی، سابقہ مساجد اور قلمی نوادرات کی ۵ رلاکھ علمی کتابوں کے ساتھ ساتھ جدید ترکی کی یہ ترقی مزید جاذبیت کا ذریعہ ہے، سرزمین حرمین شریفین پر سفر ختم ہوا، ارادہ صرف ایک ہفتہ قیام کا تھا لیکن کسی دینی خدمت کی وجہ سے قیام دو ہفتہ سے بھی زیادہ ہوگیا، اثناء قیام مدینہ طیبہ میں حضرت شیخ الحدیث مولانا زکریا صاحب دامت برکاتہم کی مجالس وصحبت میں حاضری بھی نصیب ہوئی، ۱۹ رجون کو یہ سفر ختم ہوا۔

[جمادی الثانیہ ۱۳۹۳ھ راگست ۱۹۷۳ء]

پاکستان اور اس کے دشمن

﴿هٰذَا بَصَائِرُ مِنْ رَّبِّكُمْ وَهُدًى وَّرَحْمَةٌ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ﴾ [الاعراف: ۲۰۲]

اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ ہماری حکومت نے قرطاس ابیض شائع کر کے امت پر بڑا احسان کیا، حکومت ہی کی زبان سے مشرقی پاکستان کی انسانیت سوز بربریت سامنے آ گئی اور مجیب وبھاشانی کی امت نے جس درندگی کا ثبوت دیا اس کی پہلی مرتبہ نقاب کشائی ہوئی، ان لرزہ خیز مظالم کے تصور سے بھی رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں، انسانیت کی تاریخ قیامت تک اس کا ماتم کرے گی، حکومت ہند کے ناپاک عزائم بھی ایک مرتبہ پھر دنیا کے سامنے آ گئے، برطانیہ کے ناپاک ارادوں پر سے بھی پردہ اٹھ گیا اور بی بی سی لندن جو خود ساختہ خبریں اپنی منحوس خواہشات کے پیش نظر شائع کر کے دنیا کی آنکھوں میں دھول جھونک رہی ہے اس کا پردہ بھی چاک ہوگیا، اس قرطاس ابیض کو

انگریزی اور عربی میں لاکھوں کی تعداد میں شائع کرنے کی ضرورت ہے اور اپنے سفارت خانوں کے ذریعہ دنیا کے گوشے گوشے تک پہنچانے کی حاجت ہے۔

اس کا افسوس ہے کہ ہمارے اکثر سفارت خانے خصوصاً مشرق اوسط کے پاکستانی سفارتخانے اپنے منصبی فرائض کے ادا کرنے میں انتہائی افسوسناک حد تک مقصر ہیں، برطانیہ اور امریکہ کے ناپاک ارادے تو پہلے سے معلوم ہو چکے تھے، اب روس کی منافقانہ چالوں کا پردہ بھی چاک ہوتا جارہا ہے، سچ کہا ہے "الکفر ملة واحدة" یہ تمام داستانیں ہمارے لئے عبرت کے صحیفے ہیں کہ ہمیں خود اپنے پاؤں پر کھڑے ہونے کی شدید ضرورت ہے اور انتہائی کوشش کرنی چاہیے کہ ہم ان دشمنان اسلام سے بھیک مانگنے سے اجتناب کریں اور ہم ان کفر کی طاقتوں کے سامنے ہاتھ پھیلا کر مزید رسواء اور ذلیل نہ ہوں اور اس غیبی طاقت سے اپنا رشتہ جوڑیں جس کے قبضہ قدرت میں تمام کائنات کی طاقتیں ہیں، جو ایک پلک جھپکنے میں تمام کائنات کو صفحہ ہستی سے مٹا دینے کی طاقت رکھتی ہے اور جب تک ملک میں اسلامی قانون نافذ نہ ہو چین سے نہ بیٹھیں، مگر قوم میں اجتماعی دینی روح جب تک پیدا نہ ہو اس وقت تک اس کا کوئی امکان نہیں ہے۔

ضروریات دین کا انکار موجب کفر ہے

چند روز پہلے اخبار جنگ میں یہ خبر نظر سے گذری کہ ایک مسلمان خاتون نے عدالت میں دعویٰ دائر کر کے عدالت سے چارہ جوئی کی ہے کہ میرا شوہر زکاۃ سے منکر ہے، اسلام سے خارج ہو گیا، مجھے اس کے نکاح میں رہنا جائز نہیں، اس لئے قانوناً بھی اس کے حق زوجیت کو ختم کر دیا جائے، اس مایوس کن فضا میں یہ خبر اور ایک مسلمان عورت کا یہ مطالبہ ایک مسلمان کے لئے انتہائی امید افزا ہے، بلاشبہ یہ مطالبہ بالکل صحیح ہے، شرعاً تو اس کی تفریق ہو ہی گئی، نماز، روزہ، زکاۃ، حج یہ بنیادی اسلامی قوانین واحکامات ہیں، ان میں اگر عملی تقصیر ہو جائے تو دائرہ اسلام سے انسان نہیں نکلتا، ہاں معصیت وفسق مبتلا ہو جاتا ہے، لیکن اگر ایک سیکنڈ کے لئے بھی ان کی فرضیت سے انکار کر دے تو فوراً دائرہ اسلام سے خارج ہو جاتا ہے، یہی حکم وقانون ان تمام احکام کا ہے جن کا ثبوت اور دین اسلام کا جزو ہونا قطعی ویقینی ہے کہ ان کے انکار سے کفر لازم آتا ہے، مثلاً شراب کی حرمت، زنا کی حرمت، سود کی حرمت، خنزیر کے گوشت کی حرمت وغیرہ وغیرہ، یہ سب چیزیں دین اسلام میں حرام ہیں، اگر کوئی شخص عملی تقصیر کر کے مبتلا ہو جائے تو فاسق ہوگا کافر نہیں ہوگا لیکن اگر کوئی مسلمان ان کی حرمت سے انکار کرے اور حلال سمجھے چاہے عملاً بچتا ہی رہے پھر بھی کافر ہو جائے گا، اسی طرح حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے آخری نبی ورسول ہونے کا یعنی ختم نبوت کا عقیدہ بھی قطعی ویقینی ہے، قرآن کریم اللہ تعالیٰ کا آخری آسمانی پیغام ہے اور ابدی ہے، اگر کوئی شخص قرآن کریم کے اللہ تعالیٰ کا کلام ہونے سے انکار کرے، چاہے روزانہ تلاوت بھی کرتا رہے وہ مسلمان

نہیں ہوسکتا، اسی طرح جو شخص آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی اور کی نبوت کا قائل ہو کہ آپ کے بعد کوئی اور بھی نبی ہوسکتا ہے تو وہ بھی کافر اور دائرہ اسلام سے خارج ہے۔ (خواہ کلمہ طیبہ پڑھتا رہے)

الغرض جو چیز بھی دین اسلام کا یقینی جزو ہو اس کو اسلام سے خارج کرنے سے انسان خود اسلام سے خارج ہو جاتا ہے، یہی عقیدہ اور عمل کا بنیادی فرق ہے، موٹی سی بات ہے اگر انسان غور کرے، ایک شخص کا اگر یہ عقیدہ ہو کہ موجودہ حکومت صحیح نہیں بلکہ غلط اور غیر آئینی ہے اس کی اطاعت اور احکامات کی پابندی ضروری نہیں تو اسے یقیناً باغی قرار دیا جائے گا اور وہ کسی بھی رعایت کا مستحق نہ ہوگا، لیکن اگر حکومت کو صحیح اور آئینی مانے البتہ کسی بھی وجہ سے کسی قانونی پابندی میں کوتاہی کرے تو یہ جرم پہلے جرم سے بہت ہلکا ہوگا اور قابل معافی بھی ہوسکتا ہے، علماء امت نے بہت وضاحت سے اس کی تحقیق کی ہے کہ جو احکام شرعیہ قطعی ہیں جن کی علمی تعبیر یہ ہے کہ جو ضرورت دین ہیں یعنی ان کا دین اسلام سے ہونا قطعی اور بدیہی ہے اور ان کا انکار کرنا یا ان میں تاویل کرنا اور ان کو ان کے ان مفہومات سے الگ کرنا جو تیرہ سو سال سے مسلّم چلے آتے ہیں، یہ سب کفر ہے، مثلاً نماز جو مخصوص عبادت ہے اس کے لئے وضو کرنا بھی فرض ہے، استقبال قبلہ بھی فرض ہے، جس جگہ پڑھی جائے اس کا پاک ہونا بھی فرض ہے، جن کپڑوں میں نماز پڑھی جاتی ہے ان کا پاک ہونا بھی فرض ہے، تکبیر۔ اللہ اکبر۔ سے شروع ہوتی ہے، سلام ۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ۔ پر ختم ہوتی ہے، قیام، رکوع وسجود وقعود اس کے ارکان ہیں وغیرہ وغیرہ، لہٰذا جس طرح نماز کا فرضیت سے انکار کرنا کفر ہے، ٹھیک اسی طرح نماز کے معنی بدلنا یا اس کی یہ تاویل کرنا کہ نماز سے محض اللہ کی یاد مراد ہے وغیرہ وغیرہ تاویلات بے یقیناً یہ بھی کفر ہے، یہی وجہ ہے کہ غلام احمد پرویز اپنی تحریرات وتالیفات میں نماز، زکاۃ، روزہ، حج، اطاعت رسول اور اطاعت اللہ کے مفہومات بدلنے کی وجہ سے ہی کافر ہوگیا اور اسی لئے مرزا غلام احمد قادیانی جہاں اس کے اور سینکڑوں کفریات ہیں، وہاں ختم نبوت یا نزول مسیح علیہ السلام کے معنی میں تاویل کرنے کی وجہ سے مسلمہ طور پر باتفاق امت کافر ہے، بہرحال ایک خاتون کے اس اسلامی جذبے اور دینی غیرت وحمیت سے بہت مسرت ہوئی مگر ہمیں توقع ہے کہ اگر اس کے شوہر کو سمجھایا جائے تو وہ بھی اس انکار سے توبہ کرلے گا۔

روز افزوں خرابیاں اور ان کا تدارک

پاکستانی معاشرے میں روز افزوں خرابیاں پیدا ہو رہی ہیں، اور نئی نسل اخلاق اور دین کے تقاضوں سے آزاد ہو رہی ہے، یہ صورت حال انتہائی دردناک ہے اور اس کے عواقب ونتائج انتہائی خطرناک ہیں، بنیادی چیز جس پر زیادہ تر دارومدار ہے وہ تعلیم ہے، تعلیم کے دو مؤثر عوامل ہیں (١) نصاب تعلیم (٢) اور اساتذہ تعلیم، انتہائی ضروری ہے کہ ان دونوں عوامل تعلیم کی بنیاد دین پر ہو، قرآن کریم کی تعلیمات، احادیث نبویہ کے اخلاقی جواہر پارے اور حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام کی سیرت مقدسہ نصاب تعلیم کا اہم جزو ہونا

چاہیے، جب تک اس نصاب کی اصلاح نہ ہو کیونکر یہ توقع کی جاسکتی ہے کہ افکار و خیالات اور زندگی میں کوئی انقلاب آسکتا ہے، مشرقی پاکستان کی تباہی و بربادی کی داستان جو آج کل زبان زد خاص و عام ہے، اس میں زیادہ تر مؤثر تعلیمی نصاب تھا، جو نصاب پڑھایا جاتا تھا وہ وہی نصاب تھا جو بھارت نے مغربی بنگال کے مدارس میں ہندو نسل کے لئے تیار کروایا تھا، پڑھانے والے اساتذہ جو دوسرا مؤثر ترین عامل ہے زیادہ تعداد میں ہندو اساتذہ تھے، ہندو استاذوں کی تربیت ہو اور نصاب تعلیم ہندوانہ ہو اس کے نتائج وہی نکلنے تھے جو سامنے آئے، کسی زمین میں جو تخم ڈالا جائے گا وہی پھوٹ کر نکلے گا، اس لئے انتہائی ضروری ہے کہ نصاب تعلیم کے ہر مرحلے پر ابتدائی اسکول سے لے کر ایم اے کے نصاب تک درجہ بدرجہ دینی عنصر مؤثر انداز سے شامل کیا جائے۔

اساتذہ کے انتخاب میں دین و اخلاق اور کردار کی پختگی کو معیار قرار دینا بہت ہی ضروری ہے، اگر اساتذہ غیر اسلامی ذہنیت کے ہوں گے یا اسلامی اخلاقی اقدار سے آزاد ہوں گے تو ظاہر ہے کہ نرا نصاب کچھ نہیں کرسکتا ہے، ان کی زندگی کا اثر طلبہ پر لامحالہ پڑے گا، افسوس یہ ہے کہ ایک طرف تو مؤثر اصلاحی عوامل کی کم یابی بلکہ نایابی ہے اور دوسری طرف یورپ کی تہذیب کی پوری نقالی کی ہر ممکن ترغیب ہے، ایسی صورت میں جو فساد پیدا ہو رہا ہے اس کی کس طرح اصلاح ہوسکتی ہے، سب سے دردناک چیز یہ ہے کہ درحقیقت جو مرض ہے اس کو صحت و تندرستی سمجھ لیا گیا ہے، دنیاوی زندگی میں عیش پرستی اور تن آسانی، دین و اخلاق کے تقاضوں سے آزادی کو ہی عملاً ترقی کا معیار قرار دے دیا گیا ہے اور یہی تصور ذہنوں میں راسخ ہو چکا ہے، بقول شاعر:

اب تو آرام سے گذرتی ہے
عاقبت کی خبر خدا جانے

جب قوم اس مرحلے پر پہنچ جاتی ہے تو عواقب و نتائج انتہائی خطرناک ہوجاتے ہیں، قرآن کریم میں ارشاد ہے:

﴿وَإِذَا اَرَدْنَا اَنْ نُّهْلِكَ قَرْيَةً اَمَرْنَا مُتْرَفِيْهَا فَفَسَقُوْا فِيْهَا فَحَقَّ عَلَيْهَا الْقَوْلُ فَدَمَّرْنٰهَا تَدْمِيْرًا﴾ [الاسراء:١٦]

یعنی جب بداعمالیوں کی شامت کی بنا پر کسی بستی کو ہلاک کرنا ہوتا ہے تو دفعۃً ان کو نہیں پکڑتے بلکہ اتمام حجت کے طور پر ان کو احکام الٰہی پہنچائے جاتے ہیں، لیکن وہاں کے امراء اور ارباب عیش و عشرت جب فسق و فجور میں مبتلا ہو کر تمام معاشرے کو برباد کر دیتے ہیں تو وہ پوری بستی عذاب الٰہی کی مستحق بن جاتی ہے اور ہم اسے ملیا میٹ کر دیتے ہیں۔ (العیاذ باللہ)

جب گھروں کی زندگی میں دینی اقدار ختم ہو جائیں، اسکول، کالج اور یونیورسٹی کی زندگی میں اسلامی اقدار باقی نہ رہیں، باہر کے معاشرے میں ٹیلی ویژن، ریڈیو، سینما، عریاں مناظر، حیا سوز مظاہر قدم قدم پر سامنے

ہوں اور پھر ہم توقع رکھیں کہ صالح معاشرہ پیدا ہو، کیوں کر ممکن ہے؟ وہی مضمون ہوگا، جو کسی شاعر نے لکھا ہے:

اندرونِ قعرِ دریا تختہ بندم کردی
بازمی گوئی کہ دامن تر مکن ہوشیار باش

بلاشبہ اس وقت راہنمایان قوم وملت کو انتہائی خلوص اور بے جگری کے ساتھ ٹھوس قدم اٹھانے کی ضرورت ہے، نوجوان نسل پر یورپ کی کورانہ تقلید کی جو وبا مسلط ہوگئی ہے اس کے خلاف جہاد کرنے کا وقت ہے، تب ممکن ہے کوئی مؤثر کام ہو سکے، بالفرض اگر ناکامی بھی ہوتی ہے تو ہماری مسئولیت تو ختم ہو جائے گی۔

والله سبحانه هو الموفق والمستعان ، وصلى الله على سيدنا محمد وآله واصحابه واتباعه وصالحي عباده وبارك وسلم

[رجب المرجب ۱۳۹۱ھ/ستمبر ۱۹۷۱ء]

امت اسلامیہ کی زبوں حالی اور اس کا اصل علاج

تمام امت اسلامیہ کا شیرازہ منتشر ہو چکا ہے، ہر جگہ اضطراب ہی اضطراب ہے، نہ حکمرانوں کو چین نصیب ہے، نہ محکوم آرام کی نیند سو سکتے ہیں، مصیبت بالائے مصیبت یہ کہ کوئی بھی صحیح علاج نہیں سوچ رہا ہے، جو زہر ہے اس کو تریاق سمجھ لیا گیا ہے، جو تباہی و بربادی کا راستہ ہے اس کو نجات کا راستہ سمجھا جارہا ہے، جو تدبیریں شقاوت کو دعوت دے رہی ہیں انہی کو ذریعہ سعادت خیال کیا جارہا ہے، ماسکو ہو یا واشنگٹن تمام جہنم کے راستے ہیں، کوئی بھی سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم کے مدینہ کا راستہ جو سراسر نجات وسعادت کا اعلیٰ ترین وسیلہ ہے نہیں سوچ رہا ہے، جو صراط مستقیم جنت کو جارہا ہے اس سے بھٹک گئے ہیں، نہ معلوم کہ ارباب عقول کی عقلیں کہاں چلی گئیں؟ ارباب فکر کیوں فکر سے عاری ہو گئے؟ آخر تاریخ کی یہ عبرتیں کس لئے ہیں؟ حقائق سے کیوں چشم پوشی کی جارہی ہے؟ خاکم بدہن ایسا تو نہیں کہ تکوینی طور پر امت پر تباہی و بربادی کی مہر لگ چکی ہے؟ اس امت کا زوال مقرر ہو چکا ہے؟ عروج کا دور ختم ہو گیا ہے؟ حق تعالیٰ نے تو اسلام اور صرف اسلام کی نعمت کو آخری نعمت فرمایا تھا اور یہ صاف وصریح اعلان ہو چکا تھا کہ اس کے سوا کوئی رشتہ ورابطہ کوئی دین ومسلک قابل قبول نہ ہوگا، نجات اسی دین اسلام میں ہے اور اسی دینی رابطہ میں فلاح وسعادت ہے، باقی تمام راستے شقاوت وہلاکت اور تباہی وبربادی کے راستے ہیں اور یہ ابدی اعلان آج بھی حق تعالیٰ کے آخری پیغام میں کیا جارہا ہے:

﴿ وَمَنْ يَبْتَغِ غَيْرَ الْإِسْلَامِ دِيناً فَلَنْ يُقْبَلَ مِنْهُ ﴾ [آل عمران: ۸۵]

اور جو کوئی چاہے سوا اسلام کی حکم برداری کے اور دین، سو اس سے ہرگز قبول نہ ہوگا۔

اور سورۂ عصر میں تاریخ عالم کو گواہ بنا کر پیش کیا گیا ہے کہ جن لوگوں میں ایمان باللہ، عمل صالح، تواصی

بالحق، اورتواصی بالصبر، یہ چار باتیں نہیں ہونگی ان کا انجام تباہی وبربادی ہے، کیا اسی اسلام سے روگردانی کی اتنی بڑی سزا پاکستان اور پاکستانیوں کونہیں ملی کہ چندلمحوں میں بارہ کروڑ آبادی کا عظیم ملک ۵ رکروڑ کا چھوٹا سا ملک بن گیا؟ کیا بنگلہ دیش کے قضیہ سے دونوں طرف کے مسلمان عذاب الٰہی میں نہیں مبتلا ہوئے؟ اسلامی رابطہ اتحاد واخوت ختم کر کے کیا دولت کمائی؟ آخرت سے پہلے دنیا کی رسوائی اور خسران وتباہی بھی دیکھ لی، افسوس کہ وہی غیر اسلامی سبق پھر یہاں مغربی پاکستان میں دوہرایا جارہا ہے، وہی سندھی، پنجابی، بلوچ اور پٹھان کے ملعون نعرے یہاں بھی ابھر رہے ہیں ارحم الراحمین کے غضب کو دعوت دینے والی صورتیں اختیار کی جارہی ہیں، طاغوتی طاقتیں جن کا ڈورا باہر کے شیاطین کے ہاتھ میں ہے، اسلام اور مسلمانوں پر ایک اور کاری ضرب لگانے کی فکر میں لگ گئے ہیں، فانا للہ وانا الیہ راجعون۔ نہ ارباب حکومت مرض کا صحیح علاج سوچ رہے ہیں نہ ارباب دین دین کے تقاضوں کو پورا کررہے ہیں، نہ ارباب قلم زورقلم اصلاح حال پر خرچ کررہے ہیں، غور کرنے سے یہی معلوم ومحسوس ہوتا ہے کہ اس قوم کا آخرت پر یقین یا توختم ہوگیا یا اتنا کمزور ہوگیا ہے کہ نہ ہونے کے برابر ہے، جنت وجہنم اور حیات ابدی کے تصور سے دل ودماغ خالی ہوگئے ہیں، تمام نعمتیں وآسائشیں صرف دنیا کی چاہتے ہیں، جب مرض یہ ہے یعنی دنیا کی محبت اور آخرت سے غفلت تو اب رہنمایان قوم کا فرض یہ ہے کہ اسی کا تدارک کریں اور اسی کا علاج سوچیں، گزشتہ چند سالوں کے تجربات سے یہ بات واضح ہوگئی کہ جوطریقہ علاج کا سوچا گیا اور عملاً اس کو اختیار بھی کیا گیا وہ صحیح قدم نہ تھا، اخبارات بھی جاری کئے گئے، جماعتیں بھی بنائی گئیں، جلسے بھی کئے گئے، جلوس بھی نکالے گئے، مظاہرے بھی کئے گئے، جھنڈے بھی اٹھائے گئے، نعرے بھی لگائے گئے، الیکشن بھی لڑے گئے، کچھ ممبر بھی منتخب ہوگئے، اسمبلی ہالوں میں پہنچ گئے، کچھ تقریریں بھی کیں، کچھ تجویزیں بھی پاس ہوئیں، لیکن یہ سب نقارخانے میں طوطے کی آواز بن کر رہ گئے، قوم سے چندے کئے گئے کروڑوں روپے خرچ بھی کئے، لیکن قوم جہاں تھی کاش وہیں رہتی، ہزاروں میل پیچھے ہٹ گئی، میں یہ نہیں کہتا کہ یہ تدابیر اختیار نہ کی جائیں اور یہ بالکل عبث وضیاع وقت ہے، لیکن اتنا تو واضح ہوگیا کہ یہ پورا علاج نہیں یا اصل علاج نہیں اور یہ نسخہ مفید ثابت نہ ہوا، مرض کا ازالہ اس سے نہیں ہوسکا۔

اصلاح معاشرہ کا صحیح طریقہ

بہر حال ان سیاسی تدبیروں کے ساتھ اب دینی سطح پر کام کی ضرورت ہے، اگر آپ کا شوق اس کا متقاضی ہے کہ سیاسی تدبیریں اختیار کی جائیں اور سیاسی حربے بھی استعمال ہوں اور آپ کی طبیعت اور ذوق ان وسائل کو ترک کرنے پر آمادہ نہیں اگر چہ ہماری دیانتدارانہ رائے یہی ہے کہ ان کی حقیقت ایک سراب سے زیادہ نہیں اور ''کوہ کندن وکاہ برآوردن'' والی مثال صادق آتی ہے، وقتی اور سطحی عوامی فائدے ہیں، لیکن تاہم اگر آپ کا

ذوق تسلیم نہیں کرتا تو ترک نہ کیجئے ،لیکن اصلی اور حقیقی و بنیادی کام اصلاح معاشرہ ہے، اللہ تعالیٰ کی اس مخلوق کو بھولا ہوا سبق یاد دلائیں اور انبیاء کرام اور مصلحین امت کے طریقوں پر آسمانی ہدایات کی روشنی میں اصلاح کا بیڑہ اٹھائیں اور اپنی پوری طاقت انفرادی، اجتماعی اصلاح امت پر خرچ کی جائے ،گھر گھر، بستی بستی پہنچ کر دعوت الی الخیر کا ربانی پیغام پہنچائیں ،اجتماعات ہوں تو اسی مقصد کے لئے ،جلسے اگر ہوں تو اسی بنیاد پر، مجلات ہوں تو اسی کام کے لئے ،اخبارات کے صفحات ہوں تو اسی مقصد کے لئے اور کاش! کہ اگر حکومت کے وسائل حاصل ہوں اور ریڈیو وغیرہ کی پوری طاقت بھی اس پر خرچ ہو تو چند مہینوں میں یہ فضا تبدیل ہوسکتی ہے، بہر حال اس وقت یہ آرزو تو قبل از وقت ہے کہ حکومت کی سطح پر جو وسائل نشر و اشاعت ہیں وہ ایمان کی روح سے آراستہ ہوں اور ایمانی حرارت اور نوران میں جلوہ گر ہو،ان کے ذریعہ اصلاح ہو،اب ضرورت اس کی ہے کہ کہ آج کی نسل خدا ترس بن جائے ان کی اصلاح ہو، آج کی یہی نسل کل حکمران ہو، تمام تر وسائل نشر و اشاعت اور خبر رساں ایجنسیاں سب کے سب اشاعت اسلام و تزکیہ اخلاق کے سرچشمے ہوں ، پوری قوم نہ سہی اکثریت یا قابل اعتبار اہم اقلیت کی ہی اصلاح ہو جائے تو کل کرسی صدارت ہو یا کرسی وزارت ،منصب سفارت ہو یا وسائل نشر و اشاعت ہوں ، یہ سب کے سب تعلیم اسلام و تعلیم دین کے مراکز بن سکیں گے ،اب تو حالت یہاں تک پہنچ گئی ہے کہ پاسبان خود چور بن گئے ہیں ، جو رہبر تھے وہ رہزن بن گئے ہیں ،تفصیلات میں جانے کی حاجت نہیں ۔''عیاں راچہ بیان'' جو صورت حال ہے وہ سامنے ہے۔

خلاصہ یہ کہ اس وقت دین کی اہم ترین پکار یہی ہے کہ خدا کے لئے اٹھو اور خواب غفلت سے بیدار ہو جاؤ اور سفینہ حیات کو ساحل مراد تک پہنچانے کی پوری جدو جہد کرو۔

نیز یہ چیز پیش نظر رہے کہ طاغوتی طاقتیں اور تمام تر فتنہ و فساد برسر کار ہیں اور نہایت تیزی سے سیلاب آ رہا ہے، کمزور و ناتواں کوشش کافی نہیں ،فساد معاشرے میں ایٹم کی رفتار سے پھیل رہا ہے ،ظاہر ہے کہ کیڑے مکوڑوں کی رفتار سے مقابلہ کیا گیا تو کیونکر اصلاح ممکن ہوگی ،خدارا! یہ آگ جو لگ چکی ہے جلد سے جلد بجھانے کی کوشش کرو، ورنہ تمام قوم و ملک اس کے شعلوں کی نذر ہو جائے گا ۔افسوس و تعجب سے کہنا پڑتا ہے کہ اگر کسی کے گھر میں آگ لگ جاتی ہے تو وہ فوراً بجھانے کی تدبیر میں لگ جاتا ہے کوتاہی نہیں کرتا لیکن دین اسلام کے گھر میں آگ لگی ہوئی ہے ،صدیوں کا جمع کیا ہوا ذخیرہ نذر آتش ہونے کے قریب ہے لیکن ہم اطمینان سے بیٹھے تماشائی بنے ہوئے ہیں۔

پاکستان کے بحرانوں کا حقیقی علاج دعوت الی اللہ ہے

ہمارے ملک میں جو بحران ڈیڑھ دو سال سے چل رہا ہے وہ مشرقی پاکستان کو موت کی نیند سلادیے

کے بعد بھی تھمنے نہیں پایا بلکہ اس کا سارا زور سمٹ کر اب نیم جان مغربی پاکستان پر لگا ہوا ہے، مریض کے حالات اتنے غیر یقینی اور مستقبل اتنا بھیانک ہے کہ اسے ضبط تحریر میں لانا ممکن نہیں، ہم علماء سے، طلبہ سے، حکام سے، صحافیوں سے، وکیلوں سے، کسانوں سے، مزدوروں سے اور ہر ادنیٰ و اعلیٰ سے خدا کے نام پر اپیل کرتے ہیں کہ اگر اس ملک کی اور خود اپنی زندگی کچھ دن اور مطلوب ہے، اگر ہمارے دل پتھر، ہمارے ذہن مفلوج، ہمارے دماغ ماؤف اور ہمارے اعضاء شل نہیں ہو گئے ہیں اور اگر ہمارے بدن میں زندگی کی کوئی رمق اور ہماری آنکھ میں عبرت وغیرت کا کچھ پانی ابھی موجود ہے تو ہمیں سارے دھندے چھوڑ کر سارے ضروری کام ملتوی کر کے اور سارے مشاغل سے ہٹ کر چند دن کے لئے دعوت الی اللہ کا کام کرنا ہوگا، اس کے لئے سب کو نکلنا ہوگا، سب کے پاس جانا ہوگا، در بدر کی ٹھوکریں کھانی ہوں گی، اگر ملک کا معتد بہ حصہ اس فرض کو انجام دینے کے لئے اٹھ کھڑا ہوگا تو حق تعالیٰ اس ملک کی اور اس کے ساتھ ہماری بقاء کا فیصلہ فرما دیں گے اور پھر بھارت اور روس بھی ہمارا کچھ نہیں بگاڑ سکیں گے اور اگر ہم بدستور اپنی اپنی لے میں مست اور اپنے اپنے کام میں مگن رہے اور دعوت الی اللہ کے کام کے لئے اپنے اوقات، اپنے مال اور اپنی جان کو خرچ کرنے کی ہمت نہ کی تو خدا ہی جانتا ہے کہ اس فرض ناشناسی کی پاداش کن کن شکلوں میں ظاہر ہوگی، ہماری تدبیریں، ہماری حکومتیں، ہماری وزارتیں، ہماری اسمبلیاں، ہمارے وسائل خدا کے فیصلے کو نہیں بدل سکتے۔

میٹنگیں بلانے، عمائد کو جمع کرنے، اتحاد کے نعرے لگانے اور مشترکہ لائحہ عمل تیار کرنے پر بہت وقت ضائع کیا جا چکا ہے، اب وقت ہمیں ایک لمحہ کی مہلت دینے کو بھی تیار نہیں، نہ دعوت و اصلاح کے خاکے مرتب کرنے پر مزید اضاعت وقت کی ضرورت ہے۔ مولانا محمد الیاس رحمۃ اللہ علیہ والی تبلیغی تحریک ہی بس امید کی آخری کرن ہے، اپنے ذوق، اپنے تقاضوں اور اپنے اختلافات کو ایک طرف رکھ دیجئے، ملت کی شکستہ کشتی کے ٹوٹے ہوئے اس تختہ کو جس پر پانچ کروڑ نفوس سوار ہیں اگر بچانا ہے تو بس یہی ایک تدبیر ہے کہ ہم سب اخلاص کے ساتھ خفافاً وثقالاً اس کام کے لئے نکل کھڑے ہوں اور دعوت کے کام کو سیکھیں اور کریں، ہم ایک بار پھر علماء اور دانشور طبقہ سے عرض کریں گے کہ خدارا! مقتضائے حال کو سمجھو، ہمارے موجودہ مشاغل ہمارے پاؤں کی زنجیر بن جائیں گے، اگر محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کے لئے دعوت و اصلاح کی محنت والا کام نہ سنبھالا گیا اور اگر ہماری بے اتفاقی، لاپروائی اور بے اعتنائی کی یہی کیفیت رہی جو اب تک ہے تو وقت کا فیصلہ بڑا ہی شدید اور بھیانک ہوگا، مشرق والوں کو اس کا تجربہ ہو چکا ہے ہمیں اس سے عبرت پکڑ لینی چاہئے، اللہ تعالیٰ رحم فرمائیں اور ملت بیضاء کی حفاظت کی توفیق امت کو نصیب فرمائیں۔

ایک خواب اور ایک پیغام

کچھ دن ہوئے لاہور سے ایک صاحب کا گرامی نامہ موصول ہوا، ہم اس مکتوب اور اس کے ساتھ منسلکہ خواب کو بصائر وعبر کی مناسبت سے یہاں پیش کرتے ہیں:

السلام علیکم ورحمۃ اللہ!

۹۔۱۰؍جنوری کی درمیانی شب کو میں نے ایک خواب دیکھا جس کی کاپی جناب کو روانہ کر رہا ہوں، اس خواب میں میں نے کچھ علماء کو جناب نبی کریم علیہ الصلاۃ والتسلیم کی خدمت میں بیٹھے دیکھا ہے، جن میں ایک آپ بھی ہیں، پہلی صف میں مولانا مفتی محمد حسن، مولانا محمد یوسف دہلوی، مولانا عبدالقادر رائے پوری، مولانا عنایت اللہ شاہ بخاری اور جناب (مولانا محمد یوسف بنوری) تشریف فرما ئیں۔

پچھلے سے پچھلے رمضان المبارک کو ایک خواب دیکھا تھا جس میں دیکھا تھا کہ چاند اپنی پوری گولائی میں موجود ہے اس پر پاکستان کا نقشہ بنا ہوا ہے مشرقی حصے کے نقشہ پر یہ حروف لکھے ہیں:

"سنهلك الارض واهلها".

ہم اس سرزمین کو اور یہاں کے رہنے والوں کو عنقریب ہلاک کریں گے۔

اب اس خواب کے بعد جو یہاں نقل کیا جا رہا ہے، طبیعت خاصی پریشان ہے، سوچتا ہوں کہ اس پیغام کا حق کیسے ادا ہو، امید ہے آپ کوئی تسلی بخش جواب دیں گے۔

خواب اور پیغام

"جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک مکان میں مشرق کی جانب رخ کئے ایک منبر پر تشریف فرما ئیں، میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بائیں جانب کھڑا ہوں اور ایک دبلے پتلے گورے چٹے بزرگ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی دائیں جانب کھڑے ہیں، علماء کا ایک گروہ بھی حاضر خدمت ہے، ایک عالم دین کھڑے ہو کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پاکستان کے حالات بیان کر رہے ہیں، واقعات سناتے ہوئے جب وہ یہ کہتے ہیں "پھر یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! ہندوستان کی فوجیں فاتحانہ انداز سے ہمارے ملک میں داخل ہوگئیں" تو میں کیا دیکھتا ہوں کہ جناب رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم اپنے داہنے ہاتھ کی انگلیوں سے اپنی پیشانی تھام لیتے ہیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھوں سے لگاتار آنسو بہنے لگتے ہیں، یہ دیکھ کر تمام محفل پر گریہ طاری ہو جاتا ہے اور بعض حضرات تو چیخیں مار مار کر رونے لگتے ہیں۔

کچھ دیر بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم علماء کی جماعت کی طرف متوجہ ہو کر ارشاد فرماتے ہیں "اس حادثۂ عظیم پر ملائکہ بھی غمزدہ ہیں، مگر ان کو تمہارے اعمال کی بدولت تمہاری مدد کے لئے نہیں بھیجا گیا"۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ

وسلم کا چہرہ انور سرخ ہوگیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

''تمہیں معلوم ہے تمہاری اسی مملکت میں میری نبوت کا مذاق اڑایا گیا، میرے صحابہ کو گالیاں دی گئیں اور میری سنت کی تضحیک واہانت کی گئی''۔ اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''اے جماعت علماء! امت کو میرا یہ پیغام پہنچا دو کہ جب تک حکام عیاشی ظلم اور تکبر نہیں چھوڑیں گے، اغنیاء جب تک بخل، حق تلفی اور بے حیائی ترک نہیں کریں گے اور علماء جب تک کتمان حق، حرص دنیا اور ریاکاری وخودنمائی سے باز نہیں آئیں گے، عورتیں جب تک بدکاری، ناچ ورنگ، فحش گانے، شوہروں کی نافرمانی اور عریانی اور بے پردگی نہیں چھوڑ دیں گی اور پوری قوم جب تک جھوٹی گواہی، غیبت، زنا، لواطت، شراب نوشی، سودخوری اور اعمال شرک سے توبہ نہیں کرے گی، خوب یاد رکھو! اس وقت تک عذاب الٰہی سے نہیں بچ سکتی''۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ ''تم مجھے ان باتوں کے ترک کر دینے کی ضمانت دو، میں تمہیں دنیا وآخرت کی بھلائی کی ضمانت اور دشمن پر غلبہ کی بشارت دیتا ہوں لیکن اگر تم اب بھی ایسا کرنے کے لئے تیار نہیں ہو تو خوب یاد رکھو! عنقریب ایک سخت ترین عذاب بصورت نفاق آنے والا ہے جس سے تمہیں اللہ کے سوا کوئی نہیں بچا سکتا۔ (العیاذ باللہ۔ العیاذ باللہ) اس کے بعد آپ نے یہ آیت تلاوت فرمائی:

﴿وَاتَّقُوْا فِتْنَةً لَّاتُصِيْبَنَّ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْكُمْ خَاصَّةً وَاعْلَمُوْا اَنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ﴾ [الانفال: ۲۵]

اور تم ایسے وبال سے بچو کہ جو خاص انہیں لوگوں پر واقع نہیں ہوگا جو تم میں ان گناہوں کے مرتکب ہوتے ہیں اور جان رکھو کہ اللہ تعالیٰ سخت سزا دینے والے ہیں۔ (بیان القرآن)

اس آیت کے سنتے ہی ہم سب پر گریہ طاری ہوگیا، ہم رو رہے تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بار بار یہ آیت دہرا رہے تھے:

﴿وَتُوْبُوْا اِلَى اللّٰهِ جَمِيْعاً اَيُّهَا الْمُؤْمِنُوْنَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ﴾ [النور: ۳۱]

اور اے مسلمانو! تم سے جو ان احکام میں کوتاہی ہوگئی تو تم سب اللہ کے سامنے توبہ کر دو تا کہ تم فلاح پاؤ۔ (بیان القرآن)

اس پر مزید کسی تبصرے کی ضرورت نہیں، عذاب بصورت نفاق کی تعبیر صوبائی عصبیت اور گروہی مفادات کا وہ طوفان ہے جو ملک کی در ودیوار سے ٹکرا رہا ہے، جس میں علماء وصلحاء اور عوام وحکام سب بہے جا رہے ہیں اور جسے برپا کرنے میں اوپر سے نیچے تمام نفاق پیشہ عناصر اپنی پوری قوتیں صرف کر رہے ہیں، پورا ملک آتش نفاق کے مہیب شعلوں کی لپیٹ میں ہے، جس پر توبہ واستغفار، تضرع وابتہال اور دعوت الی اللہ کے ذریعہ آج تو قابو پایا جاسکتا ہے مگر کچھ دن بعد یہ تدبیر بھی کارگر نہیں ہوگی، اور پھر خدا ہی جانتا ہے کہ کیا حالات ہوں گے، کون

یکسر جاہل ہے اور وہ لغوی معنی کے لحاظ سے بھی "شیخ" (بمعنی بوڑھا) نہیں بلکہ جوان یا ادھیڑ عمر کا ہے۔

اس کے بعد میں نے کانفرنس کو اصل حقائق سے آگاہ کرنے کے لئے صحیح حالات و واقعات پر ایک مفصل یادداشت مرتب کر کے پیش کی اور انہیں بتایا کہ مارشل لاء حکومت نے جو اقدام کیا وہ عین حکمت و مصلحت اور ان حالات کا ایک ناگزیر تقاضا تھا، ان کو اطمینان ہوا اور جو فطری تعلق اور طبعی ہمدردی علماء کو ایک حق پرست عالم اور دینی مقتداء سے ہونی چاہیے وہ ختم ہوئی۔

پاکستان کے حالیہ بحران اور اس کے نتیجہ میں پیدا شدہ تکلیف و نتائج کے اسباب و علل پر ہم گذشتہ ماہ کے "بصائر و عبر" میں مختصراً گفتگو کر چکے ہیں، مرض کی تشخیص کے بعد اس کے صحیح مؤثر اور پائیدار علاج کی ضرورت ہوتی ہے، محض وقتی و عارضی علاج چنداں سودمند نہیں ہوتا، بلکہ غلط ذرائع اور مخدرات و مسکنات کے استعمال سے مرض کو دبانے کی کوشش کی جائے تو چند دن بعد وہ پھر ابھر آئے گا اور پوری شدت سے ابھرے گا، اس لئے ضرورت اس بات کی ہے کہ محض عارضی اقدامات پر اکتفا نہ کیا جائے بلکہ صحیح علاج سے مرض کو بیخ و بن سے نکال پھینکنے کی عملی تدابیر کی جائیں، خواہ ان میں کچھ وقت لگے، مگر عزم و ہمت سے اس کا ارادہ کر لیا جائے اور کم از کم ابتدائی عملی تدابیر کا آغاز کر دیا جائے، افسوس ہے کہ ایک عرصہ سے عالم اسلام کے سربراہ ارباب حل وعقد اور بااثر و بااختیار حضرات نہ صرف مسلمانوں کی زبوں حالی کے اسباب کی صحیح تشخیص سے قاصر اور اس کے صحیح علاج سے غافل ہیں بلکہ اکثر و بیشتر قلب و ذہن حقائق کے صحیح ادراک ہی سے جواب دے چکے ہیں، اسی کا نتیجہ ہے کہ نہ دین مسلمانوں کے ہاتھ میں ہے نہ دنیا، جگہ جگہ پٹ رہے ہیں اور بھائی بھائی کا گلا کاٹ رہا، آج اردن میں جو کچھ ہو رہا ہے کیا اس سے بڑھ کر بدنصیبی و بدبختی ہو سکتی ہے؟ جو طاقت دشمنان اسلام، اسرائیل اور یہودیوں کے خلاف استعمال ہونی چاہیے تھی وہ ایک دوسرے کے خلاف باہمی خانہ جنگی میں خرچ ہو رہی ہے، اور یہی حادثہ چند شرپسندوں کے طفیل خود ہمارے ملک میں بھی پیش آیا، بہرحال ہماری نحیف آواز جہاں تک پہنچ سکتی ہے ہم نہایت اخلاص و دلسوزی کے ساتھ اپنا فرض سمجھتے ہیں کہ صحیح علاج اور مناسب تدابیر کی طرف توجہ دلاتے رہیں، بقول عارف شیرازی رحمۃ اللہ علیہ:

حافظ وظیفہ تو دعا گفتن است و بس
در بند آں مباش کہ نشنید یا شنید

① قانون الٰہی کا نفاذ

ہمارے نزدیک مسلمانوں کے تمام مصائب کا پہلا حل یہ ہے کہ بغیر کسی پس و پیش کے اسلام کے عادلانہ قانون رائج کیا جائے، مسلمان جب تک خدا کے قانون سے عملی طور پر باغی رہیں گے، اس وقت تک نہ دنیا کی

ان مشکلات سے نہیں نکال سکتی، اگر تمام عالم اسلام میں ایک ہی اسلامی قانون رائج ہو، ایک ہی اسلامی زبان ہو، یکساں اسلامی معاشرہ ہو اور یکساں اسلامی تہذیب وتمدن ہو تو خود بخود اسلامی اتحاد ہو جائے گا اور اعداء اسلام کی کمر ٹوٹ جائے گی، ان کے حوصلے پست ہو جائیں گے اور وہ مسلمانوں کو اپنی ریشہ دوانیوں کا شکار نہیں بنا سکیں گے، انڈونیشیا سے مراکش تک ایک ہی مسلمان قوم ہو گی جو ہر طاغوتی طاقت کے سامنے سیسہ پلائی ہوئی دیوار ہو گی، اسلامی قانون سے محرومی عالم اسلام کا ایک ایسا خلاء ہے جس کی وجہ سے ایک طرف وہ نصرت خداوندی سے محروم ہیں اور دوسری طرف ان کی جمعیت پارہ پارہ ہو کر رہ گئی ہے، اور آج اس خلاء کو قومیت و وطنیت کے مصنوعی خداؤں سے پُر کرنے کی کوشش کی جا رہی ہے۔

اسلامی معاشرہ کے لئے اسلامی قانون کی ضرورت ایک ایسا بدیہی مسئلہ ہے جو کسی معمولی عقل وفہم کے آدمی سے بھی مخفی نہیں رہنا چاہئے، نہ اس کے لئے دلائل کی ضرورت ہونی چاہئے، مگر افسوس ہے کہ ربع صدی سے ہمارا ملک اس نعمت سے محروم ہے، ملک ہے، حکومت ہے، اقتدار ہے، مسلمان ہیں، مگر نہیں ہے تو اسلامی قانون نہیں ہے اور اس سے بڑھ کر صدمے کی بات یہ ہے کہ آج تک کی تمام حکومتوں نے اسے ٹالنے کے لئے گوناگوں حیلے تراشے، اس کا نتیجہ ظاہر ہے کہ آج ملت کا شیرازہ منتشر ہے اور کوئی قوت ماسکہ ایسی نہیں جو ان پراگندہ دلوں کو جوڑ دے۔

ہم یہ سمجھنے سے قاصر ہیں کہ جب دنیا کے سارے کام مارشل لاء کے ذریعہ ہو سکتے ہیں اور ہر چھوٹی بڑی چیز کے لئے مارشل لاء کے احکام وضوابط جاری کئے جا سکتے ہیں، تو آخری اسلامی دستور اور اسلامی قانون جیسی نعمت ... مارشل لاء کے ضابطے سے کیوں نہیں ہو سکتا؟ جب حکومت کی حکم عدولی، فوج کی گستاخی اور قومی پرچم کی توہین سے مارشل لاء حرکت میں آ سکتا ہے اور آنا بھی چاہیے، تو خدا کی حکم عدولی، انبیاء کرام کی گستاخی، شعائر دین ... احکام شرعیہ کی پامالی پر مارشل لاء کیوں حرکت میں نہیں آ سکتا؟ اگر ملک میں امن کمیٹیاں قائم کی جا سکتی ہیں تو ... اسلامی قانون اور جدید قانون کے ماہرین کی کمیٹیاں قائم کر دینا بھی کچھ مشکل کام نہیں، بہر حال ہمارے ... موجودہ مسائل ومشکلات کا صحیح حل یہ ہے کہ ملک میں بلا تاخیر اسلامی قانون نافذ کر دیا جائے اور فرصت ... لمحے کو بھی ضائع نہ کیا جائے، اس سے نہ صرف عصبیتوں کے بھیانک مظاہر کا سد باب ہو جائے گا بلکہ یہ مارشل لاء حکومت کا ملک اور قوم پر عظیم احسان ہو گا۔

... نعروں سے اجتناب

اس ضمن میں یہ گذارش بھی ضروری ہے کہ صرف خالی نعروں سے نہ مسائل کو حل کیا جا سکتا ہے، نہ حقائق ... سامنا ہو سکتا ہے، چوبیس سال میں ہم اسلام، اسلام کے اتنے نعرے لگا چکے ہیں کہ اگر صرف اسلام کا نام لینے

سے مسائل حل ہو جاتے تو یقیناً اب تک ہمارا کوئی مسئلہ باقی نہ رہتا، جس طرح سارا دن روٹی روٹی کا وظیفہ پڑھنے سے آدمی کا پیٹ نہیں بھر جاتا، اسی طرح یہ بھی ہرگز کافی نہیں کہ نام تو اسلام کا لیا جائے اور کام کفر کے کئے جائیں، صرف زبان سے اسلام کا نام لینا مگر دل کو اس کی اطاعت پر آمادہ نہ کرنا نفاق کہلاتا ہے اور حق تعالیٰ کے یہاں نفاق برداشت نہیں کیا جاتا اس لئے منافق کی سزا قیامت میں کافر سے بھی برتر رکھی گئی ہے، اگر ہم واقعۃً مسلمان ہیں تو ہمیں اخلاص کے ساتھ اسلام کو عملی طور پر اپنانا ہوگا۔

③ درآمدہ شدہ نظریات کی ناکہ بندی

مثل مشہور ہے کہ ''خانہ خالی را دیوے گیرد'' مسلمان معاشرے کی اسلامی نظام عدل سے محرومی ایک ایسا خلا ہے کہ باہر کی طاغوتی طاقتوں کو اسے اپنی کمین گاہ بنانے کا موقع مل گیا اور انہوں نے اسلامی ممالک میں سازشوں کا جال پھیلا دیا، نت نئے نظریات کے تجربات کئے گئے اور مسلمانوں کو نظریاتی جنگ، ذہنی خلفشار اور طبقاتی کش مکش کی آگ میں جھونک دیا گیا، بالآخر وہ اسلامی ممالک میں ایسے افراد اور جماعتیں تیار کرنے میں کامیاب ہو گئے جنہوں نے معاشرے کے امن و سکون کو تباہ کر کے رکھ دیا، مقام شکر ہے کہ مارشل لاء حکومت نے اسلامی نظریہ حیات کے تحفظ کا اعلان کیا ہے، یہ اقدام نہایت صحیح اور حق بجانب ہے مگر ضرورت ہے کہ عملی طور پر تمام خارجی جراثیم سے ملک کو پاک کیا جائے تا کہ لوگ راحت و سکون کا سانس لے سکیں، ہمیں کسی نئی نبوت، کسی سیاسی و اقتصادی فلسفے اور ماڈرن ازم کی ضرورت نہیں، ہماری تمام مشکلات کا حل، تمام مصیبتوں کا علاج، تمام دکھوں کا مداوا حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا لایا ہوا اسلام ہے، اس کے علاوہ جو کچھ ہے وہ معدۂ ملت کا سرطان ہے جب تک اسے کاٹ کر نہیں پھینک دیا جاتا مریض کے جانبر ہونے کی توقع عبث ہے۔

④ اسلامی معیشت کا نفاذ

اسلامی نظام عدل کا ایک شعبہ اسلامی اقتصاد و معیشت ہے جس کو اگر نافذ کر دیا جائے تو ہر شخص کو حسب استطاعت سکون کی زندگی میسر آ سکتی ہے، افسوس ہے کہ ہمارے ملک میں دور غلامی سے آزادی کے چوبیس سال بعد تک مغرب کا سرمایہ دارانہ نظام اپنی بدتر شکل میں رائج ہے، جس کی بنیاد سود، سٹہ، قمار اور اسلامی نقطۂ نظر سے صریح حرام کاروبار پر قائم ہے اور آج تک کسی بندۂ خدا کو توفیق نہ ہوئی کہ اسے بدل کر اس کی جگہ اسلام کا منصفانہ معاشی نظام قائم کرے، قرآن کریم میں سودخوروں کے خلاف خدا اور رسول کی طرف سے اعلان جنگ کیا گیا ہے، جب پوری قوم پر سودی نظام مسلط ہو تو اس کے معنی یہ ہیں کہ قوم کی قوم خدا اور رسول کے خلاف میدان جنگ میں صف آراء ہے، کیا ایسی قوم پنپ سکتی ہے؟ کیا اسے راحت و سکون میسر آ سکتا ہے؟ کیا خدا اور رسول کے مقابلے میں میدان جیت سکتی؟ نہیں! بخدا ہرگز نہیں! بلکہ ایسی بدقسمت قوم کو منہ کی کھانی ہوگی، چنانچہ آج اس ہزیمت خوردہ قوم

اس سلسلہ میں اسلامی تعلیمات اور حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے چند ارشادات بطور نمونہ از خروارے ذیل میں پیش کرنے کی سعادت حاصل کر رہا ہوں، جن میں حق تعالیٰ کے ارشاد:

﴿اِنَّمَا الْمُؤْ مِنُوْنَ اِخْوَةٌ﴾ [الحجرات:١٠]

(کہ مسلمان تو بھائی بھائی ہیں) کی تشریح فرمائی گئی ہے۔

حدیث① فرمایا:

"ترى المؤمنين في تراحمهم وتوادهم وتعاطفهم كمثل الجسد اذا اشتكى عضو تداعى له سائر الجسد بالسهر والحمى".(١)

(بخاری ومسلم عن النعمان بن بشیرؓ)

تم باہمی الفت محبت شفقت وعنایت اور رحم وکرم میں تمام مسلمانوں کو ایک جسم کی مانند دیکھو گے کہ جسم کے ایک حصہ میں کوئی تکلیف ہو تو سارا جسم بے خوابی اور بخار میں مبتلا ہو جاتا ہے۔

حدیث② فرمایا:

"المؤمنون كرجل واحد ان اشتكى عينه اشتكى كله، وان اشتكى راسه اشتكى كله"(٢) (مسلم)

مومنوں کی مثال ایک آدمی کی ہے اگر اس کی آنکھ کو تکلیف تو سارا جسم بے تاب ہو جاتا ہے اور اگر سر میں تکلیف ہو تب بھی سارا بدن بے چین ہو جاتا ہے۔

حدیث③ فرمایا:

"المؤمن للمؤمن كالبنيان يشد بعضه بعضاً ثم شبك بين اصابعه"(٣)

(بخاری ومسلم عن ابی موسیٰؓ)

ایک مومن دوسرے مومن کے لئے ایسا ہے جیسے ایک عمارت کی مختلف اینٹیں کہ وہ ایک دوسرے کی مضبوطی کا باعث ہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر انگلیاں ایک دوسری میں ڈالیں۔

حدیث④ فرمایا:

"المسلم اخو المسلم لا يظلمه ولا يسلمه، ومن كان في حاجة اخيه كان

(١) صحيح البخاري،كتاب الادب،باب رحمة الناس والبهائم،ج:٢ص:٨٨٩،ط:قديمي.
صحيح مسلم،كتاب البر والصلة والادب،باب تراحم المؤمنين..ج:٢ص:٣٢١،ط:قديمي
(٢) صحيح مسلم،كتاب البر والصلة والادب،باب تراحم المؤمنين..ج:٢ص:٣٢١،ط:قديمي
(٣)صحيح البخاري،ابواب المظالم والقصاص،باب نصر المظلوم،ج:١ص:٣٣١،ط:قديمي.
صحيح مسلم،كتاب البر والصلة والادب،باب تراحم المؤمنين..ج:٢ص:٣٢١،ط:قديمي

اللہ فی حاجتہ، ومن فرج عن مسلمہ کربۃ فرج اللہ عنہ کربۃ من کربات یوم القیامۃ، ومن ستر مسلماً سترہ اللہ یوم القیامۃ".(۱)

(بخاری ومسلم عن ابی ھریرۃؓ)

مسلمان مسلمان کا بھائی ہے، نہ اس پر ظلم کرسکتا ہے نہ اسے بے سہارا چھوڑ سکتا ہے اور جو شخص اپنے مسلمان بھائی کے کام میں ہو اللہ تعالیٰ اس کے کام بنادے گا اور جو شخص کسی مسلمان کی پریشانی دور کرے اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کی پریشانی دور کردے گا اور جو شخص کسی مسلمان کی پردہ پوشی کرے اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کی پردہ پوشی فرمائیں گے۔

حدیث⑤ فرمایا:

"المسلم اخو المسلم لایظلمہ ولا یخذلہ ولایحقرہ کل المسلم علی المسلم حرام دمہ ومالہ وعرضہ".(۲) (مسلم عن ابی ھریرۃؓ)

مسلمان، مسلمان کا بھائی ہے نہ اس پر ظلم کرتا ہے نہ اسے بے مدد چھوڑتا ہے، نہ اس کی بے ادبی کرتا ہے، ایک مسلمان کا سب کچھ دوسرے مسلمان پر حرام ہے اس کا خون بھی، اس کا مال بھی اور اس کی عزت بھی۔

حدیث⑥ فرمایا:

"والذی نفسی بیدہ لا یؤمن احدکم حتی یحب لاخیہ ما یحب لنفسہ" (۳)

(بخاری ومسلم عن انسؓ)

اس ذات کی قسم جس کے قبضے میں میری جان ہے تم میں سے کوئی شخص مومن نہیں ہوسکتا جب تک کہ اپنے مسلمان بھائی کے لئے وہی پسند نہ کرے جو کچھ اپنے لئے پسند کرتا ہے۔

حدیث⑦ فرمایا:

"المسلم من سلم المسلمون من لسانہ و یدہ".(۴)

(بخاری عن عبد اللہ بن عمروؓ)

(۱)صحیح البخاری، ابواب المظالم والقصاص، باب لایظلم المسلم المسلم و لا یسلمہ، ج:۱ ص: ۳۳۰، ط: قدیمی. صحیح مسلم، کتاب البر والصلۃ والادب، باب تحریم الظلم، ج:۲ ص: ۳۲۰، ط: قدیمی

(۲) صحیح مسلم، کتاب البر والصلۃ والادب، باب تحریم ظلم المسلم...ج:۲ ص:۳۱۷، ط: قدیمی

(۳)صحیح البخاری، کتاب الایمان، باب من الایمان ان یحب لاخیہ مایحب لنفسہ، ج:۱ ص:٦، ط: ۲ قدیمی صحیح مسلم، کتاب الایمان، باب الدلیل علی ان من الایمان ان یحب لاخیہ مایحب لنفسہ، ج:۱ ص: ۵۰، ط: قدیمی

(۴) صحیح البخاری، کتاب الایمان، باب المسلم من سلم المسلمون...ج:۱ ص:٦، ط: قدیمی

مسلمان تو وہ ہے جس کے ہاتھ اور جس کی زبان سے مسلمان محفوظ رہیں۔

حدیث⑧ فرمایا:

"انصر اخاك ظالماً او مظلوماً فقال رجل یا رسول الله : انصره مظلوماً فکیف انصره ظالماً ؟ قال: تمنعه من الظلم فذلك نصره ایاه". (۱)

(بخاری ومسلم عن انسؓ)

اپنے مسلمان بھائی کی مدد کرو خواہ وہ ظالم ہو یا مظلوم، ایک شخص نے عرض کیا: یارسول اللہ! وہ مظلوم ہو تب تو اس کی مدد کرسکتا ہوں لیکن اگر وہ ظالم ہو تو اس کی مدد کیسے کروں؟ فرمایا: اسے ظلم سے روک دو بس یہی اس کی مدد ہے۔

حدیث⑨ فرمایا:

"لا یرحم الله من لا یرحم الناس". (۲)

(بخاری ومسلم عن جریر بن عبد اللہؓ)

اللہ تعالیٰ ایسے شخص پر رحم نہیں کرتا جو انسانوں پر رحم نہ کرے۔

حدیث⑩ فرمایا:

"الراحمون یرحمهم الرحمن، ارحموا من فی الارض یرحمکم من فی السماء" (۳)

(ابوداؤد، ترمذی عن عبد اللہ بن عمروؓ)

رحم کرنے والوں پر رحمٰن بھی رحم کرتا ہے، تم زمین والوں پر رحم کرو، آسمان والا تم پر رحم کرے گا۔

حدیث⑪ فرمایا:

"والله لا یؤمن والله لایؤمن والله لا یؤمن، قیل : من یارسول الله! قال :

---

(۱) صحیح البخاری، ابواب المظالم والقصاص، باب أعِن اخاك ظالماً اومظلوماً، ج:۱ ص: ۳۳۱، ط: قدیمی. صحیح مسلم، کتاب البر والصلة والادب، باب نصر الاخ ظالما او مظلوماً، ج: ۲ص: ۳۲۰، ط: قدیمی

(۲) صحیح البخاری، کتاب الرد علی الجهمیة وغیرهم، باب قل ادعوا الله اوادعوا الرحمن، ج:۲ ص: ۱۰۹۷، ایضاً کتاب الادب، باب رحمة الناس والبهائم، ج:۲ص:۸۸۹، ط: قدیمی. صحیح مسلم، کتاب الفضائل، باب رحمته صلی الله علیه وسلم، الصبیان والعیال وتواضعه، ج:۲ص:۲۵۴، ط: قدیمی

(۳) سنن ابی داؤد، کتاب الادب، باب فی الرحمة، ج:۲ص:۶۷۵، ط: حقانیة. سنن الترمذی، ابواب البر والصلة، باب ماجاء فی رحمة الناس، ج:۲ص:۱۴، ط: فاروقی کتب خانه

الذی لا یامن جاره بوائقه". (بخاری ومسلم،عن ابی ھریرۃ)(۱)

بخدا! وہ مومن نہیں، بخدا! وہ مومن نہیں، بخدا! وہ مومن نہیں، عرض کیا گیا: یارسول اللہ! کون؟ فرمایا: جس کے ہمسائے اس کی شرارتوں سے محفوظ نہیں۔

حدیث⑫ فرمایا:

"من قضی لاحد من امتی حاجة یرید ان یسره بها فقد سرنی ومن سرنی فقد سر الله ومن سر الله ادخله الله الجنة". (البیهقی عن انسؓ)(۲)

جس شخص نے میرے کسی امتی کو خوش کرنے کے لئے اس کی کسی ضرورت کو پورا کیا اس نے مجھے خوش کیا اور جس نے مجھے خوش کیا اس نے اللہ رب العزت کو خوش کیا اور جس نے اللہ رب العزت کو خوش کیا اللہ رب العزت اسے جنت میں داخل کریں گے۔

یہ نبوت کے بحر ناپیدا کنار کے چند گراں قدر موتی ہیں جو پیش کئے گئے، کیا یہ روح اسلام کی دنیا کے کسی مذہب میں ہے؟ کیا یہ روح بغیر اسلامی تہذیب ومعاشرت کے پیدا کی جاسکتی ہے؟ ہرگز نہیں، دین اسلام کا ہر گوشہ ان جواہرات سے معمور ہے جن کی نظیر تمام ادیان عالم نہیں بلکہ تمام ادیان سماویہ بھی پیش کرنے سے قاصر ہیں، جس دین کو بقاء دوامی کا تمغہ دیا گیا ہو، جس کو آخری نعمت فرمایا گیا ہو، جو قیامت تک آنے والی تمام نسلوں کے لئے ہو اور جس میں ہر مرض کے علاج کا نسخہ شفاء موجود ہو، جو قیامت تک آنے والی تمام نسلوں کے لئے ہو اور جس میں ہر مرض کے علاج کا نسخہ شفاء موجود ہو، اس کی قدر نہ کرنا کتنی بڑی حماقت ہے، اس نعمت عظمی کی بے قدری کا وبال جتنا بھی ہو کم ہے، یہ تو حق کی رحمت کاملہ کا ظہور ہے کہ باوجود ہماری خطرناک اور تباہ کن غلطیوں کے ہمیں معاف فرما دیتا ہے، دنیا کی نظر میں عزت عطا فرماتا ہے، وسائل رزق کی فراوانی فرماتا ہے اس کا کرم ہے اس کی رحمت ہے۔

⑥ اسلامی معاشرے کی اصلاح وتربیت

قرآن کریم کی نصوص اور انبیاء کرام علیہم السلام کے جو حالات وواقعات قرآن کریم میں بیان فرمائے گئے ہیں ان سے پتہ چلتا ہے کہ حیات طیبہ، پاکیزہ زندگی، ایمان باللہ، عمل صالح اور تقوی وطہارت کے بغیر ناممکن ہے، قرآن کریم صاف صاف اعلان کرتا ہے کہ فسق وفجور کی زندگی کا انجام بجز تباہی وبربادی کے کچھ نہیں، وہ تمام

---

(۱)صحیح البخاری،کتاب الادب،باب اثم من لایامن جاره بوائقه،ج:۲ص:۸۸۹،ط: قدیمی

صحیح مسلم،کتاب الایمان،باب تحریم ایذاء الجار،ج:۱ص:۵۰،ط:قدیمی

(۲)شعب الایمان،الثالث والخمسون من شعب الایمان،باب فی التعاون علی البر والتقوی، ج:٦ ص:۱۱۵، ط: دار الکتب العلمیة بیروت

کائنات اور اقوام عالم کی تاریخ کو گواہ بناتا ہے کہ قوموں کی فلاح و بہبود کا دارومدار صالح اور پاکیزہ معاشرے پر ہے، اس نے دوٹوک فیصلہ دیا ہے کہ دنیا و آخرت کی نجات کا بس ایک ہی راستہ ہے اور وہ ہے وحی الٰہی کی پیروی اور حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نقش قدم پر مرمٹنا۔

آج مغرب کی بے خدا قوموں کی تقلید اور اندھی تقلید میں ہمارا معاشرہ گناہ و معصیت، فسق و فجور اور بے حیائی و بے حجابی کے جس گرداب میں پھنس کر رہ گیا، حیوانیت و بہیمیت کے جو جو مظاہرے ہو رہے ہیں، نفس پرستی، تعیش پسندی اور خواہش براری کی نت نئی شکلیں جو سامنے آنے لگی ہیں انہیں دیکھ کر کیا کوئی کہہ سکتا ہے کہ یہ اسلامی معاشرہ ہے؟ اور یہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو نبی ماننے والی قوم ہے؟ جو قوم اخلاق و آداب، تہذیب و تمدن، سیاست و معاشرت کے تمام شعبوں میں اپنے نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) کے راستے کو چھوڑ کر بے دین، بے ہدایت اور بے خدا قوموں کے رستے پر اندھا دھند چل نکلے اس سے نفس پرستی کے سوا کسی کارنامے کی توقع رکھنا بے سود ہے، جب انسانیت ہی رخصت ہو جائے تو انسان نما وحشیوں سے انسانی اخلاق و تہذیب کا مظاہرہ کیسے ہو سکتا ہے؟

افسوس ہے کہ ہمارے ارباب حل وعقد کو اس پہلو پر غور کرنے کی کبھی فرصت نہیں ملی، نہ انسانیت کے ''سوداگروں'' کا نوٹس لینے کی کبھی ضرورت محسوس ہوئی، اخبارات و رسائل میں فحش تصاویر اور گندے مضامین، تعلیم گاہوں میں لڑکے لڑکیوں کا اختلاط اور مشترک ڈرامے، ریڈیو اور ٹیلی ویژن پر حیا سوز پروگرام، سینما ہالوں اور کلبوں میں ننگ انسانیت مظاہر، بازاروں اور سڑکوں میں بے حجابی اور بے حیائی کا طوفان، گویا پورا ملک ایک حیوان ساز فیکٹری ہے جس میں جدید فنی تکنیک سے نئے فیشن کے جانور تیار ہو رہے ہیں، کیا کوئی گھر ہے جو اخلاق سوز گانوں کی آوازوں سے محفوظ ہے، کوئی بازار ہے جہاں قدم قدم پر بے حجابی نظر و قلب کی آلودگی کا سامان مہیا نہ کرتی ہو، اور اب اس بے قید آوارگی و انارکی کے نتائج سب کے سامنے آنے بھی لگے ہیں۔

اگر ہم اسلامی قانون کے سایہ عاطفت میں آنا چاہتے ہیں، اگر اسلامی اخوت کا صحیح نقشہ دیکھنا چاہتے یا زیادہ صاف الفاظ میں اگر ہم زندگی کچھ دن راحت و سکون سے انسانوں کی طرح گذارنا چاہتے ہیں تو اس کے سوا ہمارے لئے کوئی چارہ کار نہیں کہ معاشرے کو اعمال نبوت پر لائیں، اسلامی اخلاق پیدا کرنے کی فکر کریں اور ان تمام شیطانی وسائل کو جن کی نشاندہی اوپر کی گئی ہے ایک ایک کر کے ختم کریں، خلاصہ یہ کہ ہماری ابتری و بدحالی کی اصلاح کا صحیح نقشہ یہ ہے کہ اسلامی قانون نافذ کیا جائے، اسلامی عدالت قائم کی جائے، اسلامی اخوت کے تریاق سے عصبیت کے زہر کا علاج کیا جائے اور نبوت کے اعمال و اخلاق کے مطابق اسلامی معاشرے کی تربیت کی جائے، مگر ان چیزوں کے لفظی ورد سے کچھ نہیں ہوگا بلکہ اخلاص کے ساتھ ان کے عملی نفاذ کا عزم کیا جائے، یہ کام جمہوریت کے سایہ رحمت میں نہ سہی مارشل لاء کے سایہ حکمت میں سہی، مگر اس میں ایک لمحہ کی تاخیر نہ کی جائے۔

اللہ تعالیٰ اس مملکت خداداد پر رحم فرمائیں، اس کی سالمیت وحفاظت کا غیبی سامان فرمائیں، حکمرانوں کو اسلامی قانون نافذ کرانے اور تمام مسلمانوں کو اس قانون پر چلنے کی توفیق وسعادت نصیب فرمائیں اور اس کی برکات سے تمام ملک وملت کو مالا مال فرمائیں، آمین۔

وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ صفوۃ البریۃ سید الکائنات محمد وآلہ وصحبہ اجمعین.

[ربیع الاول ۱۳۹۱ھ/مئی ۱۹۷۱ء]

عالم اسلام اور مسلمانوں کی حالت زار

آج کل تمام عالم اسلام ایک شدید بحران میں مبتلا ہے، مراکش سے انڈونیشیا تک جہاں جہاں نظر ڈالیں کچھ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ شاید عالم اسلام پر سکرات الموت طاری ہیں، دہ ت وحیات کی کش مکش میں مبتلا ہے اور اس کی روح بڑی شدت سے پرواز کی منتظر ہے، اسی طرح بالواسطہ تمام کائنات کی بقاء کے لئے خطرات متوجہ ہیں، کیونکہ جس روح پر تمام عالم کی حیات کا دارو مدار ہے اس کا وقت قریب آ لگا ہے، چنانچہ جس طرف نگاہ ڈالتے ہیں مایوسی نظر آتی ہے، تمام نسل انسانی میں خدا فراموشی کا ایسا طوفان برپا ہے کہ سمجھ میں نہیں آتا کہ اس کا انجام کیا ہوگا؟ مال ودولت کی فراوانی کا یہ عالم ہے کہ جو ممالک کل بکریاں چراتے تھے اور قوت لا یموت کے محتاج تھے آج برطانیہ وامریکہ ان کا محتاج ہے، دینی مدارس روز افزوں ہیں، ان کی تعداد مسلسل بڑھتی جارہی ہیں، کتابوں پر کتابیں تصنیف ہورہی ہیں اور دھڑا دھڑ چھپ رہی ہیں، نئے نئے کتب خانے قائم ہورہے ہیں، اسلاف کے قدیم ذخائر جن کے ناموں کے لئے بھی ترستے تھے آج چھپ کر ہر شخص کو میسر آرہی ہیں، کہیں امام احمد اور ان کے اتباع فقہ حنبلی کی کتابیں چھپ رہی ہیں، کہیں امام مالک کے مذہب کی متبع حکومتیں ہیں، ان کے ذریعہ مالکیہ کے ذخائر سامنے آرہے ہیں، حنفیہ کا تو طویل دور رہا شاید آل عثمان کی حکومت وخلافت کے زوال وسقوط کے بعد ان پر بھی زوال آ گیا، بہر حال حدیث کی عظیم الشان کتابیں طبع ہورہی ہیں، تفسیریں نشر ہورہی ہیں، تبلیغ ودعوت کی مؤتمرات وکانفرنسیں قائم ہورہی ہیں، ... بدن فارغ التحصیل مدارس سے نکل رہے ہیں، مجلات ہیں، اخبارات ہیں، جو روز بروز بڑھتے جارہے ہیں، نئی ... لامی حکومتیں وجود میں آرہی ہیں اور کافر مستعمرین کی قید سے آزاد ہورہی ہیں، الغرض اسلامی حکومتیں بڑھ رہی ہیں ... دینی ادارے کثرت سے معرض وجود میں آرہے ہیں، مسلمانوں کی تعداد بڑھتی جارہی ہے، حج بیت اللہ ودیار حبیب رب العالمین صلی اللہ علیہ وسلم کے زائرین کا سیلاب ہے جو اطراف عالم سے امڈا آ رہا ہے، یہ حیرت انگیز محیر العقول مظاہر سامنے آرہے ہیں، لیکن صد افسوس کہ حقیقی اسلام کی

روح فنا ہو رہی ہے، اسلام ختم ہو رہا ہے، مسلمان بڑھ رہے ہیں، علمی کتابیں، علمی ادارے روز افزوں ترقی پر ہیں لیکن جہل و بے علمی چھا رہی ہے (۱)، زبانوں پر اسلام اور قلوب میں کفر ہے، جب دلوں کو ٹٹولیں گے تو معلوم ہوگا اسلام سے تعلق محض برائے نام ہے اور اللہ تعالیٰ پر اعتراضات، رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت پر تنقیدات، اسلام کے اساسی عقائد و احکام میں شکوک و شبہات، تو اس سطحی و ظاہری آب و تاب پر کیا خوشی؟ یہ کثرت، یہ ہنگامہ آرائی اور یہ غوغا ظاہر تک محدود ہے، قلوب و نفوس دنیا کی محبت میں سرشار ہیں، قدم قدم پر خدا فراموشی کے مظاہر، فواحش و منکرات کا سیلاب، نہ شرم نہ حیا، نہ حلال و حرام کی تمیز، اسلامی ممالک کے مسلمان حکمرانوں کا جب جائزہ لیجئے تو "تحسبهم جميعاً وقلوبهم شتى" (آپ خیال کرتے ہوں گے کہ سب متحد و متفق ہیں لیکن دل ان سب کے جدا جدا ہو رہے ہیں) کا سماں نظر آئے گا، سب کے سب اپنی اپنی اغراض و خواہشات میں مبتلا ہیں، اتفاق و اتحاد کے معاہدے ہو رہے ہیں مگر اندر سے دلوں میں نفاق بھرا ہوا ہے، اسی لئے ان کے دلوں میں حق تعالیٰ نے دشمنان اسلام کا رعب ڈال دیا اور ان کی ہیبت اور رعب کفار کے دلوں سے نکل گیا، اس کثرت کے باوجود قلت میں ہیں اور اس مال و دولت کی فراوانی بلکہ طغیانی کے باوجود فقر و تنگدستی میں گرفتار ہیں، درحقیقت تمام امت نفاق کے شدید مرض میں مبتلا ہو گئی ہے اور اس نفاق کی وجہ سے ایمان کی حلاوت سے محروم ہے، قوت ایمانی پر جو ثمرات

---

(۱) اسلاف کی عظیم الشان گرانمایہ اور نایاب سے نایاب کتابیں جب چھپ چھپ کر سامنے آتی ہیں تو کچھ نہ پوچھئے دل پر کیا قیامت گذرتی ہے، ہمارے اکابر جوان سے استفادہ کے حقیقۃً اہل تھے وہ تو ان کو ترستے دنیا سے رخصت ہوئے مگر ان کو ان کتابوں کی شکل دیکھنا بھی نصیب نہ ہوئی اور آج کے دور "جہل آباد" میں کتابوں کے انبار پر انبار لگ رہے ہیں، مگر لاکھوں میں ایک بھی تو ایسا نہیں جو ان ذخائر سے صحیح استفادہ کر سکے، آج کتابیں خریدی جاتی ہیں الماریوں میں سجانے کے لئے یا پھر ان سے کام لیا جاتا ہے جہل مرکب کی تائید اور مطالب صحیحہ کو بگاڑنے کا، انا للہ۔ کسی نایاب کتاب کی نئی طباعت دیکھ کر راقم الحروف کا پہلا تاثر ہمیشہ حسرت و افسوس ہوا۔

الحمد للہ آج حضرت شیخ بنوری مدظلہ کے تاثر سے اس کی تائید ہوئی، ہمارے نزدیک جہل و غباوت کے اس دور میں کتب نادرہ کی یہ فراوانی، یہ کثرت بلکہ یہ طوفان کسی بڑے طوفان کی آمد آمد کا نقارہ ہے، دور فاروقی میں کسریٰ کے خزانے مسجد نبوی میں ڈھیر ہیں، فرحت و مسرت سے مسلمانوں کے چہرے چمک اٹھتے ہیں، مگر فاروقی بصیرت اس کے روز ان سے آنے والے فتنوں کا مشاہدہ کر رہی ہے، وہ مسجد نبوی کے ایک گوشے میں بیٹھے زار و قطار رو رہے ہیں، حضرت عبد الرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ نے جب پوچھا کہ یہ رونے کا کون سا موقعہ ہے؟ تو ارشاد ہوا کہ "اگر مال و متاع کے اس طوفان میں ذرا بھی خیر ہوتی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم سے زیادہ اس کے مستحق تھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم دنیا سے ایسی حالت میں رخصت ہوئے کہ کبھی دو وقت جو کی روٹی بھی پیٹ بھر کر میسر نہ ہوتی"، آج کی آسانیوں اور فراوانیوں کو دیکھ کر حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کا یہ حکیمانہ ارشاد بار بار یاد آتا ہے۔ واللہ المستعان (مدیر)

وبرکات مرتب ہوتے ہیں ان سے بالکل بے بہرہ ہوگئی ہے۔(۱)

ایسا محسوس ہوتا ہے کہ تمام عالم کو خدا فراموشی کی سزا مل رہی ہے ﴿أو یلبسکم شیعاً و یذیق بعضکم باس بعض﴾ ''یا تم کو مختلف فرقے بنا کر لڑا دے اور ایک دوسرے کو لڑائی کا مزہ چکھا دے'' کا منظر روز افزوں ترقی میں ہے۔

عرصہ دراز کی محنت اور قربانیوں کے بعد پاکستان وجود میں آیا، لیڈروں نے عوام کی قوت سے فائدہ اٹھانے کے لئے اسلام کے نعرے لگائے اور عوام نے اسی نام پر منظم ہو کر برطانیہ جیسی طاغوتی حکومت کو شکست دی اور آزادی حاصل کی، ربع صدی گزرنے کے بعد بھی آج تک یہ ملک اسلامی ملک نہ بن سکا، جو کام پہلے روز ہوجانا چاہیے تھا وہ آج تک نہ ہوسکا اور ہوتا بھی کیسے؟ یہاں تو اوّل سے لے کر آخر تک نفاق کا بدترین حربہ چلتا رہا اور اسی نفاق، غداری اور دوررخے پن کی سخت ترین سزا بھی ملی، ایک بڑا حصہ کٹ گیا، لاکھوں جانیں ضائع ہوگئیں، لیکن ہائے افسوس! کہ ابھی خواب غفلت سے بیداری نصیب نہیں، وہی نفاق، وہی تلبیس، وہی جھوٹے وعوے اور وہی مکاری عیاری، اب تو پاکستان کی گاڑی ایک ایسے خطرناک موڑ پر آ کر ٹھہر گئی ہے کہ اگر اوپر سے نیچے تک قوم نے اپنی روشِ نفاق نہ بدلی تو ایک معمولی سے دھکے سے ایسے گہرے گڑھے میں گرے گی کہ قیامت تک نہ نکل سکے گی، بارہا بینات کے صفحات پر یہ ماتم سرائی کی گئی لیکن ''صدائے برنخاست''۔

میں اس ملک سے باہر تھا اور ہمہ تن یہاں کے تصورات و افکار سے کٹ گیا تھا، اچانک کانوں میں یہ آواز پڑی کہ پارلیمانی سطح پر پہلی مرتبہ بعض مخلصوں کی کوششوں سے متفقہ طور پر یہ طے پایا کہ پاکستان کا مذہب اسلام ہوگا اور اس کا نام اسلامی جمہوریہ ہوگا، یہ آخری جزء تو پہلے طے ہو چکا تھا لیکن یہ لفظ کبھی شرمندہ معنی نہ ہوا، خدا کرے یہ نعرہ نفاق سے خالی ہو اور دل وجان سے اس قرارداد کو تسلیم کیا جائے اور جلد سے جلد اس لفظ کے تقاضوں کو عملاً پورا بھی کیا جائے، اسلام کی صحیح تعریف کو قبول کر کے اس کا حق مکمل طور پر ادا ہو، ایسا نہ ہو کہ رسوائے عالم ''منیر رپورٹ'' کی طرح اسلام کی تعریف کو مشتبہ بنا کر یہ تمام قرارداد معرض التواء میں آجائے، تعجب ہے کہ جس قوم کے پاس قرآن حکیم جیسی کتاب اور رشد وہدایت کی دستاویز موجود ہو اور حضرت رسالت پناہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ

---

(۱) ایک حدیث میں ارشاد ہے کہ جب میری امت دنیا کو بڑی چیز سمجھنے لگے گی تو اسلام کی ہیبت ان کے دلوں سے نکل جائے گی اور جب وہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کو چھوڑ بیٹھے گی تو وحی کی برکات سے محروم ہوجائے گی اور جب میری امت آپس میں گالی گلوچ کرنے لگے گی تو اللہ جل شانہ کی نظر سے گر جائی گی۔[کنز العمال، الزهد، ج: ۳ ص: ۳۳۹، ط: مؤسسة الرسالة بیروت] اس حدیث پاک میں آج کی امت کا عکس نمایاں نظر آتا ہے؟ یہ اللہ کی نظر سے گری ہوئی امت آج امریکہ برطانیہ روس اور چین سے عزت و وجاہت ہی کی نہیں بلکہ روٹی کپڑے کی بھی بھیک مانگتی نظر آتی ہے، مگر بصیرت کے اندھے پن کی وجہ سے اپنی ناکامی اور ذلت کے حقیقی اسباب اور عزت و وجاہت کے حقیقی سرچشمے پر اس کی نظر ہی نہیں جاتی۔(مدیر)

وسلم جیسے آخری پیغمبران کی راہنمائی کے لئے دنیا میں تشریف لائے ہوں اور عہد خلافت راشدہ میں یہ حق تعالیٰ کا آخری پیغام دنیا کے گوشے گوشے میں پہنچ چکا ہے، کروڑوں مسلمان دین اسلام پر عمل کرنے والے موجود ہوں، ان حقائق کے ہوتے ہوئے بھی یہ طے نہ ہو کہ اسلام کیا ہے؟ یہ شیطانی تدبیریں صرف اس لئے کی جاتی ہیں کہ ہر منافق، ہر زندیق، ہر ملحد دین اسلام میں داخل سمجھا جائے اور ہر مدعی اسلام اگرچہ کافر ہو، ختم نبوت کا منکر ہو مسلمان سمجھا جائے، برطانیہ کے دور حکومت میں جو مردم شماری کی فہرست میں مسلمان لکھا گیا وہ مسلمان ہے، اگرچہ نبوت پر ایمان لانا ضروری سمجھتا ہو، اناللہ۔ نہایت دردناک صورت حال ہے، گویا مسلمانوں کو اپنا مذہب تک معلوم نہیں، پاکستان کے حکمرانوں نے اسلام کا نعرہ لگا کر اسلام کے لئے پاکستان بنایا مگر اسلام نہ جانا گیا ہے، محض اندھیرے میں تیر چلائے، جب عقلیں مسخ ہو جاتی ہیں تو ایسی ہرزہ سرائیاں سرزد ہوتی ہیں (۱)۔

بہرحال کہنا یہ ہے کہ بہت طویل عرصہ گذر گیا، بار بار تنبیہ ہوئی، مشرقی پاکستان کی صورت حال سے اگر عبرت نہ ہوئی تو خاکم بدہن کہیں وہ وقت نہ آجائے کہ پاکستان کا وجود نقشہ عالم سے حرف غلط کی طرح مٹ جانے پر آہ وبکا سے کوئی فائدہ نہ ہوگا۔

خدارا! غور وفکر سے کام لیں، بارگاہ ربوبیت میں توبہ واستغفار کریں اور پورے خشوع وحضور قلب سے معافی مانگیں کہ حق تعالیٰ صحیح اسلام پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے اور پاکستان کی حفاظت، اسلام اور مسلمانوں کا تحفظ فرمائے اور پاکستان کی تباہی کے جو خطرات پیدا ہو گئے ہیں حق تعالیٰ ان سے حفاظت فرمائے اور رنگ ونسل ووطن کی جو لعنتیں چمٹ گئی ہیں ان سے نجات ملے اور اخوت اسلامی کا قدم قدم پر مظاہرہ ہو۔

فرنگی قوانین کو اسلامی قالب میں ڈھالنے کی جانب ایک قدم

حکومت سرحد نے موجودہ قوانین کو اسلامی قانون میں ڈھالنے کے لئے ایک کمیٹی کی تشکیل کی ہے جو پانچ ارکان پر مشتمل ہے، اس طرح کم از کم صوبائی سطح پر موجودہ قوانین کو اسلامی قالب میں ڈھالنے کے لئے مبارک قدم اٹھایا گیا ہے، کمیٹی کی چار روزہ پہلی نشست گذشتہ شعبان ۹۲ھ میں راولپنڈی میں ہوئی، حکومت سرحد کے وزیر اعلیٰ کا ارادہ یہ ہے کہ جتنے قوانین تدریجاً مرتب ہوں، آرڈی ننس کے ذریعہ ان کی تنفیذ کی جائے، بعد میں

---

(۱) اور ''منیر رپورٹ'' کی صدائے بازگشت موجودہ قومی اسمبلی میں بھی سنائی دی جب ایک معزز وزیر نے ٹھیک اسی منطق کو اپناتے ہوئے اسلام کی تعریف سے ناواقفی کا اظہار فرمایا، دراصل اسلام کا نام بھی محض سیاسی حربے کے طور پر استعمال کیا جاتا ہے اور ہمارے حکمران اسلام کے نام کا بوجھ بھی اسی منزل تک اٹھانے کے روادار ہیں جہاں تک اسلام ان کے اغراض کی تکمیل کرے، تمام مصلحتوں سے ہٹ کر اور تمام اغراض وخواہشات سے ہٹ کر صرف اللہ رب العزت کو خوش کرنے کے لئے اسلام پر عمل کرنے کا عزم کبھی کیا ہی نہیں، نہ اس کے لئے کبھی سوچا ہے، اسلام اور دین رہے یا جائے عوام کو روٹی کپڑا ملنا چاہئے اور لیڈران کرام کو ووٹ، یہی وجہ ہے کہ اسلام کو نافذ کرنا تو کجا؟ ایک مسلمان پوچھتا ہے کہ مسلمان کسے کہتے ہیں؟ کیا ان ہی سے اسلامی قانون کی توقع رکھی جائے؟ (مدیر)

اسمبلی میں برائے منظوری پیش ہوں، ظاہر ہے کہ اسلامی صوبے میں اسمبلی میں مخالفت کی جرأت نہ ہو سکے گی، بالفرض اگر چند خرد باختہ ارکان نے مخالفت بھی کی تو مؤثر نہ ہوگی۔

اسلامی حکومت میں غیر اسلامی عائلی قوانین کا تحفظ

پہلی نشست میں کمیٹی نے عائلی قوانین اور ساردا ایکٹ میں ترمیم کر کے انہیں اسلامی قوانین کے مطابق بنایا، لیکن سن کر آپ کو تعجب ہوگا کہ عائلی قوانین کو مرکز کی جانب سے تحفظ دیا گیا ہے، مرکز کی اجازت کے بغیر کوئی صوبہ ترمیم یا تنسیخ کا حق نہیں رکھتا، بقیہ قوانین بھی ایسے ہیں جن کو مرکز کے اختیار میں رکھا گیا ہے اور صوبائی اسمبلی اس کی مجاز نہیں کہ وہ مرکز کے حکم کے بغیر انہیں جاری کرا سکے، معمولی نوعیت کے کچھ قوانین ایسے بھی ہیں جو صوبہ کے اختیار میں ہیں، سرحد کے وزیر اعلیٰ نے چاہا کہ مرکزی اسمبلی میں ترمیمی بل پیش ہو، تاکہ تمام صوبے یکساں طور پر اسلامی قانون کی برکات سے مستفید ہو سکیں، لیکن افسوس کہ ایسا نہ ہو سکا اور مرکز میں پیش کرنے کی اجازت نہیں دی گئی، جس قانون ساز اسمبلی کی یہ حالت ہو تو اس سے خیر کی کیا توقع؟ درحقیقت قانون ساز اسمبلی کا نام بھی غیر اسلامی ہے، قانون سازی کا حق اسلام میں صرف حق تعالیٰ کا ہے اور اس کے رسول کریم علیہ صلوات اللہ وسلامہ کا منصب احکام الٰہیہ کی تشریح اور اس کی عملی تشکیل ہے، اسمبلی کا اگر کچھ کام ہے تو اس کے ذمہ ان قوانین الٰہیہ کے اجراء و تنفیذ کا کام ہے، نہ کہ تقنین و تشریع کا، البتہ انتظامی معاملات میں جو قانون چاہیں بنائیں بشرطیکہ وہ شریعت اسلامیہ کے خلاف نہ ہوں۔

بہرحال یہ بات انتہائی قابل قدر و قابل شکر ہے کہ حکومت سرحد نے اپنی بساط کے مطابق اصلاحی قدم اٹھائے ہیں، شراب نوشی کو حرام قرار دے دیا اور اس کی خرید و فروخت اور درآمد وغیرہ کو ممنوع قرار دے دیا، بے پردگی ختم کرادی، سود پر پابندی لگادی، سودی قرضے جو دیئے گئے اس کا سود ختم کر دیا گیا، کالجوں اور یونیورسٹیوں میں طلباء کے لئے نماز کا پڑھنا اور نماز کا ترجمہ سمجھنا لازمی قرار دے دیا، انگریزی لباس کوٹ پتلون کو ختم کرایا، سادہ قومی ملکی لباس کو سرکاری لباس قرار دے دیا، اس لئے مولانا مفتی محمود کی حکومت اس وقت امت محمدیہ کے لئے قابل قدر نعمت ہے اور عقید معمر قذافی کے بعد وہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے شریعت اسلامیہ کی سیادت کو سر پر رکھا اور شریعت محمدیہ کی ترویج کے لئے کمر بستہ ہو گئے حق تعالیٰ جزاء خیر عطا فرمائے اور بقیہ تمام صوبوں کے حکمرانوں کو ان کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔

[ذوالقعدہ ۱۳۹۲ھ۔جنوری ۱۹۷۳ء]

خدا فراموشی اور اس کی سزا

تمام عالم اسلام بے بسی و بے کسی کے ایک ایسے دور سے گذر رہا ہے جس پر غور کرنے کے بعد صدمہ ہی صدمہ ہوتا ہے، مسلمان عرب میں ہوں یا عجم میں، مشرق میں ہوں کہ مغرب میں، ان پر ہر جگہ طاغوتی طاقتوں کی یورش ہے، کچھ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ تمام عالم اسلام کو خدا فراموشی کی سزا مل رہی ہے اور دردناک بات یہ ہے کہ نہ مرض کی صحیح تشخیص ہے نہ علاج کی فکر اور علاج کیونکر ہوسکتا ہے جبکہ مرض کی صحیح تشخیص ہی نہ ہو، اس سے بڑھ کر دردناک صورت حال یہ ہے کہ مرض کو صحت اور اسبابِ مرض کو نسخہ شفا سمجھا جارہا ہے، ایسے مریض کی حالت بجز تباہی و ہلاکت کے اور کیا ہوسکتی ہے؟ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

گذشتہ ہفتہ انڈونیشیا کے ایک قابل قدر عالم دین الشیخ حسین بن ابی بکر الحبشی یہاں تشریف لائے، موصوف دراصل یمنی الاصل عرب تھے، مگر ایک مدت سے انڈونیشیا میں آباد ہیں اور وہاں کی ایک فعال دینی جماعت ''المجلس الاعلی الاسلامی'' کے رئیس وصدر ہیں، موصوف سے انڈونیشا کے جو دردناک حالات معلوم ہوئے سن کر کلیجہ منہ کو آ گیا، وہاں عیسائی آبادی پانچ فیصدی ہے لیکن چھ اہم وزارتیں ان کے پاس ہیں، وزیر دفاع، وزیر مال اور وزیر صحت یہ سب عیسائی ہیں۔(۱)

مذہبی امور کا وزیر ایک مرزائی ''معطی بن علی'' ہے جو لاہور و ربوہ کا قادیانیت گزیدہ ہے اور اس کا جنرل سیکرٹری بہروم انکوتی بھی مرزائی ہے، انا للہ۔ قادیانی، عیسائی، اور کمیونسٹ، اسلام اور مسلمانوں کی عداوت میں متفق ہیں، نوجوانوں کو مادی اور سفلی خواہشات کا لالچ دے کر دھڑا دھڑ عیسائی اور مرزائی بنایا جارہا ہے یا پھر وہ دہریہ ہورہے ہیں، مسلمانوں کی یہ حالت اس مملکت میں ہے جو عالم اسلام میں اس وقت دنیا کی سب سے بڑی حکومت ہے، جس کی آبادی بارہ کروڑ ہے، گویا تمام طاغوتی طاقتوں کی پوری ہمت اس پر لگی ہوئی ہے کہ اس عظیم تر اسلامی ملک کو اسپین بنادیا جائے، افسوس یہ ہے کہ مسلمانوں کو ان عواقب کا عموماً احساس نہیں اور جن خال خال لوگوں کو احساس ہے ان کے پاس اس طاغوتی سیلاب کے سامنے بند باندھنے کے وسائل نہیں، انا للہ۔ افسوس یہ کہ بین الاسلامی سطح پر مسلمانوں کی صحیح مالی تنظیم نہ ہونے سے ان طاغوتی طاقتوں کو زیادہ شکار کا موقع مل جاتا ہے، عرب دنیا جہاں مال و دولت کا سیلاب آیا ہوا ہے، کاش! وہ اپنا تھوڑا سا رخ ان مسلمانوں کی طرف پھیر لیں تو بہت سی مشکلات حل ہوجائیں۔ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو صحیح فہم اور صحیح توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

(۱) وہاں عیسائیوں کے اثر و رسوخ میں سب سے مؤثر عامل غالباً صدر سوہارتو کی اہلیہ ہے جو عیسائی ہے، مدیر

مملکت پاکستان کی روح

عرصہ دراز تک انگریز کی غلامی کی چکی میں پسنے کے بعد اللہ تعالیٰ نے برصغیر کے مسلمانوں پر رحم فرما کر ایک مملکت عطا فرمائی، جس کے رجال کار کے پیش نظر یہ بات تھی کہ اسے ایک مثالی اسلامی ریاست بنا کر اس میں تمام عالم اسلام کی قیادت کی اہلیت پیدا کی جائے لیکن ''اے بسا آرزو کہ خاک شدہ''۔ یہاں کے ارباب حل وعقد رفتہ رفتہ ایسے راستے پر چل نکلے کہ تمام توقعات ہی ختم ہو گئیں۔ ''خود غلط بود آنچہ ما پنداشتیم'' اللہ تعالیٰ رحم فرمائے۔

قیام پاکستان کا مقصد

یہ حقیقت بالکل واضح ہے کہ پاکستان اسلام کے نام پر لیا گیا، عوام نے اس مقصد کے پیش نظر پاکستان کا نعرہ لگایا اور حق تعالیٰ نے بھی دوبارہ امتحان کے لئے ایک وسیع مملکت عطا فرمائی، بلاشبہ پاکستان جغرافیائی حدود کے اعتبار سے صرف ایک ڈھانچہ ہے اور یہ سب کچھ جو اس کا تانا بانا نظر آتا ہے یہ کارخانے، یہ زراعتی ترقیات، یہ صنعتی کاروبار اور جو کچھ کہ آج کے تمدن نے پیدا کیا ہے پاکستان کے اس ظاہری قالب کا نام ہے، جس کی روح دین اسلام ہے، اسلامی نظام مملکت ہے، اسلامی قانون ہے، کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایات کے مطابق زندگی کے تمام شعبوں کو ڈھالنا ہے، الغرض پاکستان نام ہے دو حقیقتوں کے مجموعے کا۔ ایک جسم اور دوسری روح۔ اگر اس کے جسم میں یہ روح کارفرما نہ ہو تو اس بے جان لاشہ کی قدر حق تعالیٰ کے یہاں کچھ بھی نہیں ہے اور بعید نہیں کہ پاکستان کا ایک بڑا حصہ اسی لئے کٹ گیا یا کاٹا گیا کہ جس روح کی توقع تھی وہ اس میں نہ پڑ سکی، اس لئے بے جان جسم حق تعالیٰ کی بارگاہ قدس میں قابل قدر نہ رہا، اب بھی اگر اس روح کو جلد ڈالنے کی کوشش نہ کی گئی تو شدید خطرہ ہے کہ یہ جسم جس کا سڑنا گلنا شروع ہو چکا ہے اس پر موت طاری نہ ہو جائے۔

''بینات'' میں اس حقیقت کو واشگاف کرنے کے لئے نہ معلوم کتنے صفحات سیاہ کئے گئے ہیں، لیکن صد افسوس کہ ''صدائے برنخاست''۔ طوطی کی آواز کتنی ہی خوبصورت اور دل نواز کیوں نہ ہو لیکن نقار خانے میں اسے کون سنتا ہے؟ معاصر روزنامہ ''جنگ'' میں ''یوم آزادی کا مقصد'' ایک قابل قدر آرٹیکل نظر سے گذرا، جی چاہا کہ ناظرین بینات کی خدمت میں اسے پیش کیا جائے تاکہ معلوم ہو سکے کہ یہ آواز صرف ملاؤں کی نہیں بلکہ سنجیدہ و متین جدید طبقہ کی یہی رائے ہے جو خواص سے نکل کر عوام تک اور محراب و منبر سے نکل کر بازاروں تک بھی پہنچ گئی ہے۔

''آج ہم آزادی کی اٹھائیسویں سالگرہ منا رہے ہیں۔ بلاشبہ یہ ہمارے لئے انتہائی خوشی اور مسرت کا موقع ہے لیکن یہی دن سال کے باقی دنوں سے اس بات کے لئے سب سے زیادہ موزوں ہے کہ ہم پلٹ کر اپنے ماضی پر نظر ڈالیں، آزادی کے مقصد کو اپنے ذہنوں میں تازہ کریں اور اس بات کا جائزہ لیں کہ انفرادی اور اجتماعی حیثیت سے ہم نے اس مقصد کے لئے اب تک کیا کچھ کیا ہے، کیونکہ اصل خوشی اور حقیقی مسرت اپنے مقصد میں

کامیاب ہونے کے بعد ہی حاصل ہوتی ہے، جہاں تک انگریزی اقتدار اور ہندو اکثریت کے تسلط سے نجات حاصل کرنے اور پاکستان کے نام سے ایک آزاد مملکت قائم کرنے کا تعلق ہے یقیناً اس جدوجہد میں ہم نے ۱۴ر اگست ۱۹۴۷ء کو کامیابی حاصل کر لی تھی اور اس مبارک ساعت کے آنے پر ہم جس قدر خوشی منائیں کم ہے، لیکن یہ بات بھی ایک حقیقت ہے کہ ہمارا سفر یہیں ختم نہیں ہو گیا تھا، ہمارے نصب العین کی صرف یہی ایک آخری حد نہیں تھی، جہاں پہنچ کر ملت کا قافلہ رک جاتا، حصول پاکستان تو منزل کی طرف اٹھنے والا پہلا قدم تھا، بلکہ یہ کہنا زیادہ صحیح ہوگا کہ پاکستان ہماری قومی جدوجہد کا مقصد نہیں مقصد تک پہنچنے کا ایک ذریعہ تھا اور یہ مقصد ایک ایسی مملکت کا قیام تھا جہاں مسلمان زندگی کے تمام شعبوں میں اسلام کے اصولوں کو نافذ کر کے ایک ایسا معاشرہ تعمیر کر سکیں جو ان کی تہذیب اور ان کی ملی اقدار کا پوری طرح آئینہ دار ہو اور جسے وہ دنیا کے سامنے ایک نمونے کے طور پر پیش کر سکیں، اس مقصد کو معیار بنا کر جب ہم گذشتہ ربع صدی کا جائز لیتے ہیں تو جہاں آزادی کا جشن مناتے ہوئے ہمارے چہرے خوشی سے دمک اٹھتے ہیں وہاں ہم دل میں اٹھنے والی ان ٹیسوں کو بھی نہیں دبا سکتے جو حصول پاکستان کے اصل مقصد سے غفلت اور اس سے پیدا ہونے والے المناک نتائج کی یاد دلاتی ہیں، اس غفلت کا سب سے زیادہ رنج وہ نتیجہ یہ برآمد ہوا کہ پاکستان کا ایک بازو اس سے کٹ کر علیحدہ ہو گیا اور سات کروڑ مسلمان جن کی اکثریت پاکستان سے محبت کرتی تھی غیروں کے زیر اثر چلی گئی، اس عظیم المیے کا صرف یہ پہلو قدرے اطمینان بخش ثابت ہوا کہ اس ٹھوکر نے ہمیں سنبھلنے، اپنا احتساب کر کے اپنی غلطیوں کو سمجھنے اور ان کی اصلاح کرنے کا ایک موقع فراہم کر دیا، وہ غلطیاں جن کا تعلق سیاست دانوں کے دور سے تھا اور پھر وہ غلطیاں جو شخصی اقتدار اور افسر شاہی کے طویل دور سے تعلق رکھتی تھیں۔

اس نئے دور میں جس کا آغاز وزیر اعظم بھٹو کی قیادت سے ہوا ہے ہم نے اپنی جس سب سے بڑی غلطی کی اصلاح کی وہ یہ تھی کہ آئین سے متعلق طویل جھگڑوں اور بحثوں کو ختم کر دیا اور ایک ایسا دستور جلد از جلد مرتب کر لیا جو نظریہ پاکستان اور قومی امنگوں کا آئینہ دار ہے، لیکن ہمیں اس حقیقت کو بھی تسلیم کرنا چاہئے کہ صرف آئین کوئی معجزہ نہیں دکھا سکتا جب تک کہ اس پر پورے خلوص اور دیانت داری کے ساتھ عمل نہ کیا جائے، اس آئین کا سب سے اہم حصہ وہ ہے جس میں موجودہ تمام قوانین کو اسلام کے مطابق بنانے کا ذکر کیا گیا ہے، اس کے تحت زیادہ سے زیادہ آئندہ دس سال کے دوران موجودہ قوانین کی اصلاح کا یہ کام انجام پا جانا چاہیے، لیکن اس کام کے ساتھ جب تک ہم عوام خصوصاً نئی نسل کے ذہنوں کو اسلام کے سانچے میں ڈھالنے اور اس کی اخلاقی تربیت کا کام انجام نہیں دیں گے اسلامی قوانین سے ہم آہنگ معاشرہ وجود میں نہیں آ سکے گا، اس کے لئے صرف تعلیم و تربیت کے تمام ذرائع کو استعمال کرنا ہی کافی نہیں ہوگا بلکہ ہمیں ان منفی کوششوں کا خاتمہ بھی کرنا ہوگا جو نئی نسلوں کے ذہنوں کو پراگندہ کرنے اور کلچر کے نام پر ان میں اخلاقی بگاڑ پیدا کرنے کے لئے کی جا رہی ہیں، ان میں فحاشی پھیلانے والا

اور مصبیتیں بھڑکانے والا لٹریچر، عریاں فلمیں اور ایسی تمام تحریکیں شامل ہیں جن کا مقصد عوام کو نظریہ پاکستان سے منحرف کرنا اور پاکستان کی سالمیت کو ٹکڑے ٹکڑے کرنا ہے، اگر ذہنی تربیت کا کوئی مؤثر کام شروع نہ کیا گیا اور ساتھ ہی ذہنی انتشار اور اخلاقی انارکی پھیلانے والی کوششوں کی سرکوبی نہ کی جاتی رہی تو ایک ایسے دستور اور قوانین کے باوجود اسلامی معاشرے کی تشکیل کا خواب کبھی پورا نہ ہو سکے گا۔

بلاشبہ گذشتہ ۲۸ برس کے دوران پاکستان نے زراعت، صنعت اور تجارت کے میدان میں کافی ترقی کی ہے اور غذائی اعتبار سے اس کے خود کفیل ہونے کے آثار بھی بہت نمایاں ہیں، زندگی کے ہر شعبے میں کم و بیش ترقی ہوئی ہے اور گذشتہ تین سال کے دوران ترقی کی اس رفتار میں کئی گنا اضافہ ہوا ہے اور پاکستان نے ۱۹۷۱ء کے المیے کو برداشت کر کے معاشی اور سیاسی طور پر دوبارہ سنبھل کر عالمی برادری میں بڑا وقار بھی حاصل کر لیا ہے اور توقع ہے کہ آئندہ پانچ دس سال میں پاکستان معاشی سیاسی اور دفاعی اعتبار سے بہت زیادہ ترقی کر جائے، لیکن ہمیں اس بات کو نہیں بھولنا چاہیے کہ پاکستان کے استحکام اور بقا کا انحصار صرف ان باتوں پر نہیں ہے بلکہ اس بات پر ہے کہ ہم پاکستانی معاشرے کو کس حد تک اسلامی بنیادوں پر تعمیر کرنے میں کامیاب ہوتے ہیں اور کس حد تک نظریہ پاکستان کو عملی جامہ پہناتے ہیں، اگر ہم نے یہ بنیادی کام انجام نہ دیا تو کوئی ترقی ہمارے کام نہ آ سکے گی، اس کا تجربہ ہمیں ایوب خاں کے دس سالہ ترقیاتی دور سے ہو چکا ہے، اس برصغیر میں ہم اپنی آزادی اور انفرادیت کو صرف اسلام کا قلعہ تعمیر کر کے ہی محفوظ رکھ سکتے ہیں، اگر اس حقیقت کو ہم نے نہ سمجھا تو یہ ہماری سب سے بڑی غلطی ہوگی، قائداعظم کی عملی جدوجہد، ان کی تمام تقریریں اور اقوال اسی حقیقت کو ہمارے سامنے پیش کرتے ہیں، آج ۱۴ اگست کا یہ مبارک دن بھی ہمیں اسی حقیقت کی یاد دلاتا ہے، اب ہماری سب سے بڑی آزمائش یہی ہے کہ ہم اپنے عمل اور اپنی جدوجہد کو کس حد تک اس حقیقت کے مطابق بناتے ہیں۔ (اقتباس روزنامہ جنگ کراچی ۱۵ اگست ۱۹۷۵ء)

[رمضان و شوال ۱۳۹۵ھ - اکتوبر و نومبر ۱۹۷۵ء]

ہماری معاشرتی زندگی کی ایک جھلک

یہ معلوم ہو کر انتہائی صدمہ ہوا کہ کراچی کے کسی ہوٹل میں کوئی کلب قائم ہوا ہے جس کا نام ''جہنمی'' رکھا گیا ہے اور کلب کے ممبروں نے شب کو دعوت دی ہے اس دعوت کا نام ''شیطانی ڈنر'' رکھا گیا، یہ افسوس ناک خبر روزنامہ ''حریت'' کراچی ۲ ستمبر ۱۹۶۷ء کے پرچہ میں شائع ہوئی، انا للہ۔ یہ تو واقعہ ہے کہ یہ کلب تو واقعی جہنمی ہے اور اس کے ممبران واقعی شیطان ہیں اور اس حیثیت سے یہ اسم با مسمی اور ''زبان خلق نقارہ خدا'' کا مصداق ہے، لیکن اس واقعہ میں جو ہماری معاشرتی زندگی کا جلی عنوان ہے سوچنے کی بات یہ ہے کہ انسانوں کے قلوب خوف خدا سے کس قدر خالی ہو چکے ہیں اور معاصی پر جرأت، بے حیائی اور قلبی قساوت کہاں تک پہنچ گئی ہے، یہ صحیح کہ معصوم صرف

انبیاءکرام علیہم السلام کی ہستیاں ہیں، عصمت ان کا خاصہ ہے، ان کے سوا کون ہے جو معصومیت کا دعویٰ کرے اور سراپا تقصیر انسان سے کیونکر یہ ممکن ہے کہ ہر معصیت سے دامن بچائے؟ کوتاہی اور لغزش، خطا و تقصیر لوازم بشریت سے ہے، لیکن انسانیت ہی کا تقاضہ یہ بھی ہے کہ فرمان بردار اور اطاعت شعار انسان گناہوں کو گناہ سمجھے اور اپنی تقصیر کا اعتراف کرے، حضرت سعدی علیہ الرحمتہ کے دو شعر جو درحقیقت تصوف کا نچوڑ ہے اسی حقیقت کی ترجمانی کرتے ہیں:

بندہ ہماں بہ کہ ز تقصیر خویش عذر بدرگاہ خدا آورد
ورنہ سزاوار خداوندیش کس نتواند کہ بجا آورد

انسان کا کمال اور اس کی بدنصیبی

انسانِ باکمال کا یہ کمال کافی ہے کہ ہمیشہ اپنے آپ کو قصوروار سمجھے، گناہوں سے استغفار کرے، گناہوں پر ندامت اور شرم محسوس کرے، گناہ پر اصرار سے بچے، اس کے دل میں حق تعالیٰ کا خوف موجود ہو، مغفرت کی امید رکھتا ہو اور معاصی کے برے انجام سے بے خوف نہ ہو، یہی ایمان کی خاصیت ہے کہ خوف و رجاء (امید و بیم) دونوں ساتھ ساتھ ہوں۔

انسان کی بدنصیبی اس وقت شروع ہوتی ہے جبکہ اسے گناہوں پر اصرار، عاقبت کی فکر سے بے نیازی ہو اور اس سے بڑھ کر شقاوت یہ ہوتی ہے کہ گناہوں کو کمال سمجھا جائے، ان پر فخر کیا جائے، شرم و حیا اور خجالت و ندامت کا نام و نشان نہ ہو اور اس سے بھی آگے بدنصیبی کی آخری منزل یہ ہوتی ہے کہ گناہوں سے استہزاء کرے اور شرعی اسلامی حقائق کے ساتھ تمسخر کرے، جب نوبت یہاں تک پہنچتی ہے تو انسانی شقاوت اور اس کی قلبی قساوت کی انتہاء ہوتی ہے، ظاہر ہے کہ جنت، جہنم، ملائکہ، شیاطین وغیرہ وہ کلمات ہیں کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے انبیاء و رسل نے شرائع الٰہیہ و کتب سماویہ میں ان کا ذکر فرمایا ہے اور انبیاء علیہم السلام کی زبانی ان کے حقائق بتلا دیئے گئے ہیں، کون مسلمان ہے جو ان حقائق سے بے خبر ہوگا؟ اب اگر کوئی مسخرہ افسانوں، ڈراموں، سینماؤں اور کلبوں میں ان حقائق کو مسخ کر کے ان سے ٹھٹھا کرے تو انتہائی شقاوت بھی ہوگی اور پورے دین اسلام کی توہین بھی، قرآن کریم کا استخفاف بھی ہوگا اور تعلیمات نبویہ کا استہزاء بھی اور جب کسی اسلامی مملکت میں اس جرم شنیع کا ارتکاب کیا جائے اور پھر اس کی خبریں اور تصویریں اخبارات میں چھاپی جائیں تو اس اسلامی مملکت کی بے حرمتی ہوگی اور اگر اس حکومت کا مذہب واقعی دین اسلام اور کتاب و سنت ہے تو گویا بیک وقت اسلام اور حکومت دونوں کی توہین ہوگی، اس صورت میں سب سے پہلے ایک اسلامی حکومت کا فرض ہوگا کہ وہ ان بدلگاموں کو روکے اور سخت سزا دے اور اگر اس پر سکوت کیا جائے تو مجرمانہ غفلت ہوگی، جس کے نتیجہ میں تمام معاشرہ خدا کے قہر کے زد میں آ کر برباد ہوسکتا ہے، الغرض اگر مدعی اسلام قوم اور معاشرہ میں یہ وبا سرایت کر جائے تو حالات انتہائی خطرناک ہوجاتے ہیں اور عذاب الٰہی کے آنے کا خطرہ

قریب تر ہو جاتا ہے، افسوس اس کا ہے کہ ملک میں فواحش ومنکرات کے روز افزوں سیلاب نے نوبت یہاں تک پہنچا دی ہے، اسلامی اخلاق واقدار کو بری طرح ذبح کیا جارہا ہے، اندرونی طور پر دلوں سے خوف خدا نکل گیا اور خارج میں حکومت کے نظام سے فواحش ومنکرات اور بے حیائیوں پر احتساب کا سلسلہ ختم ہو گیا، جس کے نتیجہ میں پورا معاشرہ ذوق معصیت سے چور، بے تمیزیوں میں غرق اور تباہی و بربادی کے آخری کنارے پر کھڑا ہے۔

جب معاشرے میں یہ خرابیاں اس حد تک پہنچ جاتی ہیں تو چند صالح افراد کا صلاح وتقویٰ قوم کو تباہی و بربادی سے نہیں بچا سکتا۔

قرآن کریم میں ارشاد ہے:

﴿وَاتَّقُوْا فِتْنَةً لَّاتُصِيْبَنَّ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْكُمْ خَاصَّةً وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ﴾ [الانفال:۲۵]

اللہ تعالیٰ کے اس عذاب سے بچو جو صرف ظالموں پر نہیں پڑے گا اور یقین جانو کہ اللہ تعالیٰ کا عذاب سخت ہے۔

متعدد احادیث میں یہ مضمون ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا گیا کہ کیا امت پر صالحین کے ہوتے ہوئے عذاب آسکتا ہے؟ فرمایا ہاں اگر برائی اور خباثت کی کثرت ہو، البتہ صالحین شہادت کی موت مریں گے۔(۱)

اگر بالفرض آخرت کی بھلائی اور جنت کی نعمتوں سے استغناء ہے اگر چہ یہ بھی انتہائی بدنصیبی ہے تو دنیا کی خیر منانے کے لئے بھی اس خدا فراموش ناپاک زندگی سے توبہ کرنا ضروری ہے۔

افسوس کہ عقلیں مسخ ہوگئیں، خیر وشر کی تمیز ہی ختم ہوگئی، پاکیزہ زندگی کی برکات سے جہاں آخرت کی نعمتیں ملتی ہیں آخرت سے پہلے دنیا میں بھی راحت وسکون قلب نصیب ہوتا ہے اور عذاب الٰہی سے نجات نصیب ہوتی ہے، شہوات کی زندگی میں انہماک کبھی مسلمان قوم کو راس نہیں آیا، جب کبھی مسلمان اس قسم کی حیوانی زندگی میں مبتلا ہوئے اس کے دردناک اور عبرت ناک نتائج سامنے آئے، تاریخ کے صفحات اس پر شاہد ہیں اور عرب کی

---

(۱) "عن زینب بنت جحش ان النبی صلی الله علیه وسلم دخل علیهافزعایقول لااله الاالله ویل للعرب من شرقداقترب فتح الیوم من ردم یاجوج وماجوج مثل هذه وحلق باصبعیه الابهام والتی یلیهافقالت زینب بنت جحش قلت یارسول الله انهلك وفیناالصالحون؟قال:نعم اذا كثر الخبث". صحیح البخاری،کتاب الانبیاء،باب قصة یاجوج و ماجوج ،ج: ۱ص :٤٧٢ ،ط: قدیمی.

"وفی روایة مسلم "ولكنه یبعث یوم القیامة علی نیته".صحیح مسلم،کتاب الفتن واشراط الساعة، فصل من اشراط الساعة خروج یاجوج و ماجوج، ج: ۲ ص:۳۸۸، ط: قدیمی

حالیہ تباہی اس کی تازہ ترین عبرت ناک مثال ہے۔

ہم اس ملک کے تمام دانشوروں، صحافیوں اور ارباب اقتدار سے نہایت اخلاص درد اور دلسوزی سے صاف صاف کہنا چاہتے ہیں کہ اگر چند دن اور جینے کی خواہش ہے تو عقل ودانش کا تقاضا یہ ہے کہ خدا کی زمین کو مزید ناپاک ہونے سے بچاؤ، خدا کے حلم اور عفوودرگذر کو چیلنج نہ کرو، یہ وقت عیش وعشرت، فسق وفجور اور خرمستیوں کا نہیں عذاب الٰہی کے بادل سروں پر منڈلا رہے ہیں اور ہماری بدعملی اور بدعقلی نے پہلی امتوں کا وہی نقشہ پیدا کردیا ہے جو بالآخران کی تباہی وبربادی پر منتج ہوا ارشاد خداوندی ہے:

﴿وَاِذَآ اَرَدْنَآ اَنْ نُّهْلِكَ قَرْيَةً اَمَرْنَا مُتْرَفِيْهَا فَفَسَقُوْا فِيْهَا فَحَقَّ عَلَيْهَا الْقَوْلُ فَدَمَّرْنٰهَا تَدْمِيْرًا﴾ [بنی اسرائیل:١٦]

جب ہم کسی بستی کو تباہ کرنے کا فیصلہ کرتے ہیں تو اس کی علامت یہ ہوتی ہے کہ وہاں کے اہل ثروت فسق وفجور میں مبتلا ہوجاتے ہیں پس ہمارا فیصلہ اس پر نافذ ہوتا ہے اور ہم اسے پوری طرح تباہ وبرباد کردیتے ہیں۔

اللهم انانسئلك العفو و العافية فى الدنياوالآخرة

[رجب ۱۳۸۷ھ]

عالم انسانیت اور پیٹ کا مسئلہ

کسی موسم کی اچانک اور غیر معمولی تبدیلی کمزور طبائع کے لئے ہیجان واضطراب کا باعث بن جاتی ہے، بعض کے لئے موت کا پیغام لاتی ہے اور بعض کے لئے مختلف امراض کا پیش خیمہ ثابت ہوتی ہے، کسی مریض پر اگر بحرانی کیفیت طاری ہوجائے اور اس کی حالت دگرگوں نظر آنے لگے تو اس کے گھر والوں، تیمارداروں اور معالجوں کی توجہ ہر طرف سے ہٹ کر مریض پر جم جاتی ہے، وہ نہ صرف اپنا سب کاروبار بھول جاتے ہیں بلکہ یہ حادثہ انہیں انسان کی طبعی ضروریات سے بھی غافل کردیتا ہے اور اہم سے اہم مشاغل ثانوی حیثیت اختیار کرلیتے ہیں، بالکل یہی حال اس وقت عالم انسانیت کا ہے وہ اپنی تمام خوبیوں کے باوجود پیدائشی طور پر کمزور طبیعت واقع ہوئی ہے، "خلق الانسان ضعيفا" مال وجاہ کی محبت اس کا موروثی مرض ہے، مادیت کے مختلف موسموں کی تبدیلی کے زیر اثر وہ ہمیشہ نت نئے امراض کا شکار رہا ہے اور ناپختہ عزمی تلون اور سپر اندازی اس کی فطرت بن کر رہ گئی ہے، ادھر کچھ مدت سے اسے "شکمی حادثہ" بھی پیش آ گیا ہے جس کے نتیجہ میں اس پر بحرانی کیفیت طاری ہے اور وہ موت وحیات کی کشمکش میں گرفتار ہے، انسانیت کے غمخواروں، تیمارداروں اور معالجوں کی تمام تر توجہات کا مرکز اس وقت مسئلہ شکم بنا ہوا ہے، چنانچہ آج کل تمام عالم میں عموماً اور دولت خداداد پاکستان میں خصوصاً معاشی نظام کا ایک اچھا خاصا ہنگامہ برپا ہے، گویا دنیا میں دوسرا کوئی مسئلہ ہی نہیں رہا اگر دینی سطح پر دیکھئے تو اسلام کے معاشی نظام،

تقسیم دولت ،گردش دولت وغیرہ وغیرہ مسائل پر گرما گرم بحثیں ہیں اور اخبار و جرائد میں مضامین ومقالات کا ایک طور مار نظر آتا ہے، اگر سیاست کے میدان میں آیئے تو ایک شور برپا ہے، کہیں مساوات کے نعرے ہیں، کہیں سوشلزم کی دہائی ہے، کہیں اسلام کی پیوندکاری ہے، کہیں مزدوروں کا نام استعمال کیا جارہا ہے، گویا تمام عالم میں صرف ایک ہی مسئلہ ہے اور وہ ہے پیٹ کا مسئلہ اور دنیا کی ساری تگ ودو کا محور بس ایک پیٹ ہے۔ دوسری طرف سرمایہ داری نازک حالت میں ہے، سرمایہ دار سراسیمہ ہیں اور سرمایہ داروں کی حمایت کرنے والے حکمران بدحواس ہیں اور چاہتے ہیں کہ کسی طرح جلد سے جلد پیٹ کا مسئلہ حل ہوجائے تو انہیں سکون واطمینان کا سانس نصیب ہو۔ تیسری طرف جاہلیت کی علمبردار انقلابی پارٹیاں اور اسلامی ممالک میں ریشہ دوانی کرنیوالی طاقتیں اس صورت حال سے فائدہ اٹھارہی ہیں اور حکومتوں کے لئے مشکلات پیدا کررہی ہیں۔

بلاشبہ اس صورت حال کا اصلی سبب تو وہ سنگدلی اور بے رحمی ہے جو فقراء ومساکین کے ساتھ کی گئی ہے اور وہ غلط نظام حکومت ہے جس نے رعایا کے پسماندہ افراد کی خبر گیری کے بجائے انہیں مختلف طریقوں سے استحصال کا نشانہ بنایا ہے اور ان سب سے بڑھ کر وہ بے ہودہ نظام معیشت ہے جس نے بینکاری، قمار بازی اور ساہوکاری کے ذریعہ معاشرے کا توازن بگاڑ کر رکھ دیا، ایک طبقہ کو دولت کی فراوانی کا تخمہ (بدہضمی) ہے اور دوسری طرف عام طبقہ زندگی قائم رکھنے کے لئے بنیادی وسائل سے بھی محروم ہے، یہ صورت حال یقیناً خدا فراموشی کی سزا ہے جو قوموں اور حکومتوں کو مل رہی ہے، لیکن بعض لیڈروں کے غلو کی بھی انتہا ہوگئی ہے کہ انہیں تمام اسلام اور سارے قرآن کریم میں سوائے اس مادی نظام کے اور کچھ نظر ہی نہیں آتا، اس سلسلہ میں قرآن کریم کی آیات کی تحریف وتبدیل سے بھی یہ لوگ نہیں ڈرتے اور بلاخوف تردید نہایت صفائی کے ساتھ قرآنی مفہومات اور حقائق کو مسخ کرکے آج کل کی نام نہاد مساوات کے دلائل پیش کئے جارہے ہیں کوئی سورہ نحل کی آیت ﴿وَاللّٰهُ فَضَّلَ بَعْضَكُمْ عَلٰى بَعْضٍ فِى الرِّزْقِ فَمَا الَّذِيْنَ فُضِّلُوْا بِرَآدِّيْ رِزْقِهِمْ عَلٰى مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ فَهُمْ فِيْهِ سَوَآءٌ﴾ [النحل:۷۱] سے مساوات کے لئے استدلال کرتا ہے اور کوئی سورہ سجدہ کی آیت ﴿وَقَدَّرَ فِيْهَا اَقْوَاتَهَا فِىْٓ اَرْبَعَةِ اَيَّامٍ سَوَآءً لِّلسَّآئِلِيْنَ﴾ [حم السجدۃ:۱۰] میں تحریف کررہا ہے، حالانکہ پہلی آیت تفاضل اور عدم مساوات کے لئے نص صریح ہے اور دوسری آیت کا اس موضوع سے تعلق ہی نہیں۔ کوئی ﴿نَحْنُ قَسَمْنَا بَيْنَهُمْ مَّعِيْشَتَهُمْ﴾ [الزخرف:۳۲] سے غلط استدلال کرکے مساوات کا نتیجہ نکال رہا ہے اور تعجب ہے کہ بعض مشاہیر اہل قلم بھی ان غلط فہمیوں میں بھٹک رہے ہیں اور اس سے بڑھ کر حیرت کی بات یہ کہ بعض اہل حق کی جماعت سے وابستہ لوگ اس غلط فہمی کا شکار ہوگئے ہیں۔

بلاشبہ معاشی اور مالی نظام عالم کو ن وفساد کے لئے ریڑھ کی ہڈی ہے اور حق تعالیٰ نے معاشرے کے اس مادی نظام کی اصلاح کے لئے ایک مستقل رسول حضرت شعیب علیہ الصلاۃ والسلام جیسی جلیل القدر شخصیت کو مبعوث

فرمایا ہے جنہوں نے خرید وفروخت اور تجارتی لین دین میں ظالمانہ، غیر عادلانہ اور بے رحمانہ نظام معیشت کی اصلاح کے لئے پیغمبرانہ دعوت دی اور شاید تاریخ انسانیت میں یہ سب سے پہلا ظالمانہ معاشرتی نظام تھا کہ آسمانی وحی کے ذریعہ اصلاح کی دعوت دی گئی اور اسے تسلیم نہ کرنے پر بارگاہ قدس کی عدالت سے اس قوم کی تباہی کا فیصلہ کیا گیا، قرآن کریم کی ایک مستقل سورت کا موضوع ہی لین دین میں کمی اور نقصان کرنے والوں کی بدانجامی کا بیان کرنا ہے، میری مراد سورۃ تطفیف سے ہے۔

امام حجۃ الاسلام غزالیؒ نے ''جواہر القرآن'' میں یہ بحث کی ہے کہ قرآن کریم نے تجارت اور بیع وشراء وغیرہ نظام معیشت کو اس لئے ذکر کیا ہے کہ نظام معاش جب تک قابل اطمینان نہ ہو تو فلاح معاد کی طرف توجہ مشکل ہوتی ہے، دینی خدمات کی انجام دہی کے لئے ضروری ہے کہ معاش ومعیشت کا نظم ونسق درست ہو، حجۃ الاسلام کے الفاظ یہ یاد پڑتے ہیں:

''وما لم ینتظم امر المعاش لا یتم امر المعاد والتبتل الیه تعالیٰ''(۱)

اسی وجہ سے قرآنی ہدایات اور پیغامات ربانیہ میں تجارت کو فضل سے تعبیر کیا گیا ہے اور اسی لئے سود اور سٹے، جوئے اور رشوت کو شدید طور پر حرام کردیا گیا ہے اور سخت ترین وعید سنادی گئی ہے اور دنیا وآخرت دونوں میں اس کے برے انجام پر متنبہ کردیا گیا ہے اور ظاہر ہے کہ حقوق العباد کی حفاظت کا یہ بنیادی نکتہ ہے، قران کریم جیسے آخری پیغام حیات میں اس پر کیونکر توجہ نہ دی جاتی اور مستقبل میں جو مختلف نظام معیشت پیدا ہونے والے تھے ان کی اصلاح کے بارے میں بنیادی ہدایات کو قرآن حکیم کیسے نظر انداز کرسکتا تھا اور ان سے حق تعالیٰ کا آخری پیغام نجات، دستور حیات، اور نظام ہدایت کیونکر خالی ہوسکتا تھا، فقراء ومساکین اور یتامیٰ وایامیٰ کے لئے صدقات وعشر اور خیرات وانفاق کا عظیم الشان نظام نازل فرمایا ہے، بلکہ زکوۃ وعشر کو مالی فریضہ اور عظیم الشان عبادت قرار دیا ہے، اس سے انکار کرنے کو کفر وارتداد کہا گیا ہے، ان فرض وواجب صدقات کے علاوہ عام خیرات وانفاق کے لئے ترغیب دلائی ہے، ان کے لئے آخرت کے اجر وثواب اور جنت نعیم کے دروازے کھول دیئے گئے ہیں، کیا دنیا کا کوئی بھی نظام معیشت آسمانی ہو یا غیر آسمانی اسلام کے اس حیرت انگیز نظام مواسات کی ہم سری کا دعویٰ کرسکتا ہے؟ کیا دنیا کا کوئی نظام ایسا ہے جس نے غریبوں، کسانوں اور مزدوروں کا مسئلہ پیدا ہی نہ ہونے دیا ہو۔

معاشی علوم ہوں یا معیشت کے نکات، اقتصادی نظام ہو یا مال ودولت کمانے کا نظم، قرآن کریم کا دامن اس سے متعلق ہدایات سے لبریز ہے، یہ حقائق سب صحیح سب درست ہیں، کسی کو مجال انکار نہیں لیکن اسلام کو موجودہ معاشی تحریکوں پر منطبق کرنا اس کی سراسر مادی تعبیریں کرنا اور کھینچ تان کر نصوص سے وہی کچھ منوانا جو آج کے

---

(۱)جواہر القرآن ودُررہ، القسم السادس فی تعریف عمارۃ منازل الطریق وکیفیۃ التَّاھُّب للزاد، و الاستعداد باعداد السلاح الذی یدفع سُرَّاق المنازل وقطاعها، ص: ۲۰، ۱۹، ط: دار الکتب العلمیة بیروت

معاشیین کہتے ہیں، بدترین غلطی اور مقامات نبوت سے بے خبری کی دلیل ہے، وحی الٰہی اور نبوت و رسالت کا حقیقی منصب ان حقائق الٰہیہ کو بیان کرنا ہے جن کے ادراک سے انسانی عقول قاصر ہیں، جہاں تک نہ عقل افلاطون پہنچی ہے، نہ ارسطو کا فلسفہ، نہ یونان کے حکماء پہنچے ہیں، نہ رومہ کے قانون دان، نہ مارکس کو اس کی ہوا لگی ہے، نہ لینن کو۔

قرآن کریم کیا ہے؟

قران کریم تذکیر و موعظت کی کتاب ہے، مابعد الطبیعات کے ربانی حقائق حق تعالیٰ کی ذات وصفات اور اس کی قدرت جلال و جمال کا مرقع ہے، جنت و دوزخ، ملائکہ، حشر اجساد، معاد قیامت کی تفصیلات، مابعد الممات کے احوال، برزخ کے واقعات، عبادات و طاعات کے اصول و مہمات کی عظیم الشان دستاویز ہے، حضرت رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے قول و عمل سے ان رموز و اشارات کی شرح اور ان مجمل ہدایات کی تفصیل فرمائی ہے، چنانچہ قرآن و حدیث اور کتاب وسنت دونوں لازم و ملزوم ہیں، دونوں میں تفریق کا امکان نہیں، البتہ حدیث جاننے اور پرکھنے کے لئے فن کی اعلیٰ مہارت چاہئے اور یہی حال قرآن کریم کا بھی ہے، جتنا اونچا کلام ہوگا اس کے سمجھنے میں اتنی ہی دقت ہوگی، ناقصین نے جب بھی دخل دیا الحاد و تحریف دنیا کے سامنے آئی۔

بہر حال قرآن و حدیث کی تعلیم کا نقطہ آغاز وہ اساسی و بنیادی عقائد و حقائق ہیں جو ہزاروں سال سر مارنے کے باوجود عقل مجرد کی گرفت میں نہیں آسکتے، پھر اس کی جامعیت کا یہ حال یہ ہے کہ تمام احکام الٰہیہ خواہ عبادات ہوں یا معاملات، انفرادی مسائل ہوں یا اجتماعی، راعی کے مسائل ہوں یا رعیت کے، معاشرت کے آداب ہوں یا تجارت کے اصول، الغرض زندگی کا کوئی گوشہ اور کوئی موضوع ایسا نہیں جسے کتاب وسنت نے بیان نہ کیا ہو اور اسلام کی ہر نوع کی تعلیمات میں ایسی متانت و رزانت اور اعتدال و میانہ روی ہے کہ عصر حاضر کی نام نہاد اصلاحی تحریکیں اس کی گرد کو بھی نہیں پاسکتیں، قرآن کریم اگر چہ جدید اصطلاح میں دستور یا قانون کی کتاب نہیں ہے جسے عنوانات و دفعات پر مرتب کیا گیا ہو، لیکن اس میں انسانیت کے تمام ہمہ گیر مسائل کی طرف اصولی اشارات دیئے گئے ہیں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت مبارکہ اور سیرت طیبہ میں متشکل ہو کر سامنے آتے ہیں، خلافت راشدہ کی تشریحات اور فقہاء امت کی تنقیحات کے بعد وہ ایسا کامل و مکمل دستور ہے کہ دنیا کا کوئی دستور نہ اس کی ہمسری کر سکا ہے نہ کر سکے گا۔

واضح رہے کہ قرآن کریم کے ارشادات و تعلیم نبوت کے دو حصے ہیں: ایک حصہ تو ان شرعی احکامات کا ہے جن کا درجہ قانون کا ہے اس میں کوتاہی کرنے پر نہ صرف یہ کہ اسلامی حکومت گرفت کر سکتی ہے بلکہ ایسا شخص شرعی اصطلاح میں عاصی اور گنہگار بھی ہے، جس کے لئے آخرت کی سزا و عقوبت کی دھمکی دی گئی ہے، زکاۃ، عشر، صدقہ فطر اور دیگر صدقات واجبہ اسی شعبہ میں داخل ہیں، دوسرا حصہ اخلاقی ترغیبات کا ہے، ان کا درجہ قانون کا نہیں بلکہ

اخلاقی فضلیت کا ہے، انفاق فی سبیل اللہ کا ایک بڑا حصہ دوسری قسم سے وابستہ ہے، آج کل بہت سے نااہل قرآن کریم میں غور کرتے ہوئے ان دونوں حصوں کو باہم ملا دیتے ہیں یہی وہ خلط مبحث ہے جو ان کی خامی وناہلی کی دلیل ہے، آج کل معاشی مسائل میں یہ خلط مبحث انتہاء کو پہنچ گیا ہے ان دو حصوں کو الگ سمجھنے کے لئے عہد نبوت کی عملی زندگی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت مقدسہ اور پھر خلافت راشدہ کے دور میں ان قوانین ومسائل کی تشکیل سے دونوں کا امتیاز واضح ہوجاتا ہے۔

غزوہ تبوک میں عسرت وتنگدستی عام تھی، دور دراز کا سفر تھا، ایک منظم طاقت سے مقابلہ تھا اور جزیرۃ العرب سے باہر جاکر جہاد کرنا تھا، ایسے نازک موقع پر بھی حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی مالدار سے جبرا کوئی استحصال نہیں کیا، بلکہ صرف ترغیب دی، اعلان کردیا، جنت ومغفرت کے وعدے سنادیئے، فرمایا: "من یجھز جیش العسرۃ اضمن لہ الجنۃ(۱)" چونکہ قلوب کی اصلاح ہوچکی تھی اس لئے ہر شخص نے اپنی ہمت واستطاعت کے مطابق جتنا چاہا برضا ورغبت پیش کردیا اور ضرورت پوری ہوگئی، یہی طرز ومعاملہ تمام اسلامی ادوار میں رہا، بعد کے بعض ادوار میں ایسے واقعات ضرور پیش آئے جبکہ تاتاریوں کا سیلاب آیا تو بعض ممالک میں ان کے مقابلہ کے لئے بیت المال کا خزانہ کافی نہ تھا اس وقت علماء نے فتوی دیا کہ جہاں ایسی صورت پیش آئے کہ بیت المال کا خزانہ کافی نہ ہو اور تمام اونچے مناصب والوں کی اعانت بھی کافی نہ ہو تو عوام سے ان کے فاضل اموال لئے جاسکتے ہیں لیکن یہ حق بھی ان اسلامی حکمرانوں کو ہوتا ہے جو اسلامی قوانین ملک میں نافذ کرچکے ہوں اور اسلامی حکومت صحیح معنی میں اسلامی حکومت ہو جس کی سب سے پہلی اور بنیادی شرط یہ ہے کہ وہ معاملات وحقوق میں پورے کا پورا اسلامی قانون نافذ کرے، شرعی تعزیرات وحدود کا اجراء کرے اور معاشرے کو کتاب وسنت کا پابند بنائے، اسلامی سلطنت کے سربراہ کو یہ حق حاصل ہے کہ ملک کے فقراء ومساکین کی کفالت یا ریاست کی دفاعی ضروریات کے لئے اگر بیت المال کی رقم ناکافی ہو تو اغنیاء سے ترغیبی چندہ اور قرضہ حسنہ لے اور اگر اس سے بھی ضرورت پوری نہ ہو اور ارباب دولت وثروت بخل سے کام لیں اور وہ رضاکارانہ طور پر دینے کے لئے آمادہ نہ ہوں تو ان سے زبردستی وصول کرے تاآنکہ وہ ہنگامی ضرورت پوری ہوجائے، ہمارا خیال ہے کہ کسی صحیح اسلامی معاشرہ میں یہ نوبت آہی نہیں سکتی۔

اس شدید وقتی تقاضے کے پیش نظر "مدرسہ عربیہ اسلامیہ" نے چاہا کہ علمی انداز سے اسلامی معاشیات پر ایک مفصل کتاب مدون ہوجائے جو قرآن واحادیث وفقہاء امت کے ارشادات اور تاریخ اسلام کی روشنی میں مرتب ہو، جس میں نہ خدا فراموش سوشلزم یا کمیونزم کے جراثیم ہوں، نہ دین فراموش سنگدل سرمایہ دارانہ ذہنیت

---

(۱) صحیح البخاری، کتاب المناقب، باب مناقب عثمان بن عفان، ج:۱ ص:۵۲۲، ط: قدیمی

کارفرما ہو، اس کے لئے ضرورت تھی کہ چند مستند علماء ایک جگہ بیٹھ کر اس کام کا خاکہ تیار کریں، چنانچہ پہلے مرحلہ پر جن حضرات کو جمع کیا گیا راقم الحروف کے علاوہ ان کے اسماء گرامی حسب ذیل ہیں:

① مولانا مفتی ولی حسن صاحب ② مولانا مفتی رشید احمد صاحب

③ مولانا مفتی محمود صاحب (ملتان) ④ مولانا محمد رفیع صاحب مدرس دار العلوم کراچی

⑤ مولانا محمد تقی صاحب مدرس دار العلوم و مدیر البلاغ ⑥ جناب محمد اقبال صاحب ایڈوکیٹ۔

اس اجتماع میں مزارعت، احیاء موات اور زمینی مسائل سے متعلق ایک مختصر خاکہ تیار کیا گیا تھا جس کی حیثیت بھی صرف استفتاء ہی کی ہوسکتی ہے نہ اس کی کتابی تدوین و ترتیب تھی، نہ وہ آخری رائے تھی بلکہ نا تمام خاکہ تھا جو سائیکلوسٹائل کر کے شائع کیا گیا تھا تا کہ اسے علماء کے پاس بھیجا جا سکے اور اس کی اشاعت کی غرض بھی یہی تھی لیکن خود غرض حضرات نے اس کو آخری فیصلہ سمجھا اس سے اپنا اُلو سیدھا کرنے کی کوشش کرنے لگے یہ جلد بازی ہے، دوسرے مرحلے پر شرکاء مجلس کچھ کم ہو گئے اور کتاب کے مختلف ابواب تجویز کے کام تقسیم کر دیا گیا اور حسب ذیل حضرات اس پر کام کر رہے ہیں:

① مولانا مفتی ولی حسن صاحب مدرسہ عربیہ اسلامیہ کراچی

② مولانا محمد ادریس صاحب مدرسہ عربیہ اسلامیہ کراچی

③ مولانا مفتی رشید احمد صاحب اشرف المدارس کراچی

④ مولانا محمد تقی صاحب دار العلوم کراچی

یہ کام جاری ہے تکمیل تک نہیں پہنچا، حق تعالیٰ جلد اسکی تکمیل کرائے پھر بھی یہ آخری رائے نہ ہوگی، علماء کو تبصرہ و تنقید کا موقع دیا جائے گا، ہوسکتا ہے کہ جرح و تعدیل کے بعد اس کو آخری شکل دی جا سکے، ضرورت تھی کہ اس صورت حال کو واضح کر دیا جائے تا کہ بعض معاصر رسالوں میں جو ابتدائی خاکہ شائع ہو گیا ہے اس کو علماء کی آخری رائے نہ سمجھا جائے، واللہ ولی التوفیق۔

[جمادی الاولیٰ ۱۹۶۹ء]

رؤیت ہلال

اللہ تعالیٰ کا بڑا احسان ہے کہ دین اسلام ایک معقول فطری نظام ہے، پھر یہ تمام ادیان سماویہ اور ادیان عالم میں واحد جامع ترین نظام بھی ہے، اسلام کے پیش کردہ معاملات اور معاشرت کی معقولیت تو واضح ہے ہی لیکن نظام عبادات بھی جو بظاہر عقول و ادراکات کے احاطے سے بالاتر ہوتا ہے اسلام میں بڑی حد تک معقول ہے اور اس کے اسرار و حکم کی گہرائیوں میں جہاں تک عقل نارسا کی رسائی ہوسکی ہے، قلب مومن کو اس سے بڑا سکون و

اطمینان حاصل ہوتا ہے خواہ وہ عبادت نماز ہو یا روزہ زکوۃ ہو یا حج۔

مثلاً عبادات کے نظام اوقات ہی کو لیجئے اسلام نے عبادات کے اوقات کا مدار حس اور مشاہدے پر رکھا ہے تاکہ ان کے بارے میں جس طرح یونان کا ایک فلسفی مطمئن ہوسکتا ہے ٹھیک اسی طرح جزیرۃ العرب کا ایک دور افتادہ بادیہ نشین بھی مطمئن ہو سکے، طلوع فجر سے صبح کا وقت شروع ہوا اور طلوع آفتاب پر ختم ہوا، سورج کے ڈھلنے سے ظہر کا وقت شروع ہوا سائے کے دو قامت ہونے تک باقی رہا، پھر عصر کا وقت شروع ہوا اور غروب آفتاب پر ختم ہو کر مغرب کا وقت شروع ہو گیا، شفق سرخ یا سفید پر مغرب کا وقت ختم ہو کر عشاء کا وقت شروع ہوا اور طلوع فجر تک رہا، اوقات نماز کا یہ کتنا صاف واضح اور فطری نظام ہے؟ جبریل امین نے حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اسی طرح تعلیم دی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے امت کو اسی طرح تعلیم فرمائی۔

جس طرح اوقات نماز کا مدار حس اور مشاہدے پر رکھا اسی طرح تمام عبادات سے متعلقہ نظام اوقات کو قمری مہینوں سے مربوط فرمایا گیا اور اسی قمری نظام کو قرآن حکیم نے دین قرار دیا "ذالك الدين القيم" شمسی نظام خواہ وہ ایران کا ہو یا یونان کا، روما کا ہو یا ہندوستان کا محض عقلی اور حسابی نظام ہے، دین فطرت میں حسابی تخمینوں پر عبادات و احکام کا مدار نہیں رکھا گیا، بلکہ چاند کے محکم فطری نظام پر ان کا مدار رکھا گیا تاکہ امت مرحومہ کا ہر عامی و خاصی اس پر عمل پیرا ہو سکے، چنانچہ روزۂ رمضان کے بارے میں حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد واضح ہے:

''ہم تو امت امیہ ہیں، نہ لکھنے کی حاجت نہ حساب کی ضرورت! چاند دیکھ کر روزہ رکھو اور چاند دیکھ کر عید کرو، ہاں اگر بادل ہوں تو پھر تیس دن پورے کرو۔''(۱)

فقہائے امت نے اس کی تفصیل بیان فرمائی جسے یہاں بیان کرنے کی ضرورت نہیں، یہ حقیقت بھی واضح ہے کہ اگر کوئی اسلامی حکومت رؤیت ہلال (چاند ہونے) کا اعلان کرتی ہے تو امت کے لئے وہ اعلان واجب القبول ہونا چاہیے لیکن یہ شرط ضرور ہے کہ اس اعلان کا طریقہ کار شرعی قواعد سے نہ ٹکرائے بلکہ اس کا طریقہ کار وہی ہو جس کی شرعی صورتیں فقہائے امت رحمہم اللہ نے بیان کی ہیں۔

یہ بات تو سبھی جانتے ہیں کہ شاہد خود آکر قاضی یا عالم کے پاس اپنی شہادت بیان کرتا ہے اور شرعی قاضی فیصلہ کر کے اعلان کراتا ہے، اس وقت حجاز ہو یا مصر شام ہو یا اردن ہر جگہ یہی طریقۂ کار ہے کہ حکومت نے یہ کام ملت کے معتمد علیہ قاضی یا شیخ الاسلام کے (اگر کسی اسلامی حکومت میں اس عہدے پر کوئی عالم مقرر ہو) سپرد کر رکھا ہے، وہ شہادت لے کر فیصلہ کرتا ہے اور حکومت مملکت میں اس فیصلے کا اعلان کرتی ہے، بعض لوگوں کو یہ غلط فہمی ہو رہی

(۱) صحیح البخاری، کتاب الصوم، باب قول النبی ﷺ لا نکتب و لا نحسب، ج:۱ ص:۲۵٦ ایضا باب قول النبی ﷺ اذا رأیتم الهلال فصوموا... ج:۱ ص:۲۵٦، ط: قدیمی

ہے کہ عرب ممالک میں رؤیت ہلال کا نظام صرف حکومتوں کے ہاتھ میں ہے اور وہ آپ سے جب چاہتی ہیں چاند کا اعلان کردیتی ہیں، کل تک جہاں ہندوستان میں اسلامی ریاستیں قائم تھیں، بھوپال، رام پور، ٹونک سبھی جگہ علماء اور قاضیوں کے یہ کام سپرد کیا تھا'' وكانوا أحق بها و أهلها''۔

یہ کون نہیں جانتا کہ ''شاہد'' اور ''قاضی'' کا ایک جگہ رُودررُو ہونا صحت شہادت کے لئے قطعی شرط ہے، جہاں قاضی ہو وہاں شاہد پہنچے یا جہاں شاہد ہوں قاضی صاحب وہاں تشریف لے جاکر شہادت سنیں، اس کے بغیر نہ شہادت کا کوئی وزن ہے نہ وہ کسی کے لئے بھی قابل قبول ہے، اس عید الفطر کے موقع پر دوسری دفعہ جو صورت حال پیش آئی نہایت ہی افسوسناک تھی، اگر ارباب حکومت ذرا غور کرتے اور شرعی اصول کے مطابق اس مشکل کو حل کرنے کی تدبیر فرماتے تو معاملہ بالکل آسان تھا، یعنی جہاں رؤیت ہوئی تھی ان گواہوں کو مرکز میں مرکزی رؤیت ہلال کمیٹی کے پاس پہنچاتے وہ ان سے رُودررُو شہادت لے کر فیصلہ کردیتی اور اعلان ہوجاتا، یہاں ہمیں اس سے بحث نہیں کہ وہ شہود کیسے تھے؟ نہ اس سے بحث ہے کہ ملک بھر میں مطلع صاف ہونے کے باوجود راولپنڈی سے کراچی تک صوبے بھر میں کسی بھی جگہ چاند نظر نہ آنے کی صورت میں ان کی شہادت کی شرعاً کیا حیثیت تھی؟ مگر اتنا تو ہوا ہوتا کہ ان کو اس کمیٹی کے پاس پہنچادیا جاتا یا پھر جن اصحاب کو اس فیصلے کے لئے مقرر کیا گیا تھا ان ہی کو شہود کے پاس پہنچادیا گیا ہوتا، موجودہ دور کے وسائل اور مواصلات میں جہاں عمدہ سے عمدہ تیز رفتار کاریں موجود ہوں، ہیلی کوپٹر ہوں فوکر اور ڈیکوٹا طیارے موجود ہوں، ہر مرکزی مقام میں ہوائی اڈہ موجود ہو حکومت کے لئے یہ انتظام کیا مشکل تھا؟

کون نہیں جانتا کہ آج تک محاکم عدلیہ میں خواہ وہ اسلامی ہوں یا غیر اسلامی، ٹیلیفون یا ٹیلیگرام سے شہادت قابل سماع نہیں ہوتی، پھر رؤیت ہلال کی شہادت کو ٹیلیفون پر قبول کرنے پر کیوں اصرار کیا جاتا ہے؟ بہرکیف ہوا یہ کہ جب رات کے تقریباً دس بجے مرکزی رؤیت ہلال کمیٹی سے حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب نے خود رجوع کیا اور اس ذمہ دار قاضی سے براہ راست ٹیلیفون پر بات کی تو معلوم ہوا کہ گواہ تو کوہاٹ میں تھے مگر ٹیلیفون پر گواہوں کی خبر مرکزی رؤیت ہلال کمیٹی کو دی گئی ہے، کیا شرعاً و عقلاً شہادت کی یہ عجیب و غریب صورت قابل اعتبار ہوسکتی ہے؟ کہ گواہ تو ہوں کوہاٹ میں اور قاضی صاحب پنڈی میں، البتہ اگر ملک کے مختلف مقامات میں تواتر کی حد تک رؤیت ہلال ثابت ہوجاتی اور ان متعدد و مختلف مقامات سے رؤیت کی خبریں ٹیلیفون یا ٹیلیگراف سے پہنچ جائیں تو یہ فقہ اسلامی کا ایک اور قانون ہوتا یعنی استفاضہ خبر (کسی خبر کا شہرت اور تواتر کی حد تک پہنچ جانا) اور اس وقت ''قانون شہادت'' پر عمل کی ضرورت نہ تھی۔ (شریعت میں موسمیات کے فیصلوں کا کوئی وزن نہیں)

کراچی کے جن علماء نے ریڈیو کے اعلان سے موافقت نہیں کی وہ اس وقت جبکہ ان پر شہادت کی مندرجہ بالا نوعیت واضح ہوگئی، خود راقم الحروف نے رات گئے تک نہ خود تراویح پڑھیں نہ نیوٹاؤن کی مسجد میں

پڑھوائیں بلکہ صورت حال کی وضاحت کا انتظار کرتا رہا۔

بہرحال آئندہ اس بدمزگی کے سد باب کے لئے اسلام کے صاف واضح اور فطری قانون پر عمل ضروری ہے اس مشکل کا آسان حل یہی ہے کہ مختلف مقامات اور علاقوں کے مرکزی شہروں میں رؤیت ہلال کمیٹیاں قائم ہوں، جن میں ملت اسلامیہ کے تمام طبقات کے معتمد ماہرین فقہ کو نمائندگی دی جائے اور جہاں شہادت میسر آئے وہیں کی رؤیت ہلال کمیٹی فیصلہ کرے اور وہ اپنے اپنے فیصلوں کی اطلاع مرکزی رؤیت ہلال کمیٹی کو کریں اور مرکزی کمیٹی کا ذمہ دار شخص خود ریڈیو پر اعلان نشر کرے، اس صورت میں مختلف جہات واطراف سے جو خبریں موصول ہوں گی ان کے لئے ٹیلیفون کا واسطہ بھی کافی ہے۔

اس امر کا مزید افسوس ہے کہ بعض ارباب قلم اور معاصرین موجودہ مکدر صورتحال کو ہوا دے کر مزید فساد برپا کرنا چاہتے ہیں اور حکومت کو اکسار ہے ہیں کہ ان مولویوں کے ساتھ محض اس جرم میں کہ انہوں نے روزہ رمضان کے بارے میں شریعت اسلام کے صاف اور واضح حکم کے پیش نظر احتیاط کا پہلو کیوں اختیار کیا، وہی طرز عمل اختیار کیا جائے جو کمال اتاترک نے ترکی میں اختیار کیا تھا اور بعض موقر مجلات نے تو کافی عرصے سے ایک اہم مقصد کے طور پر علماء اور مدارس ومساجد کے خلاف یہ مہم چلا رکھی ہے، کیا اچھا ہوتا کہ یہ حضرات ہماری حکومت کے لئے اتاترک جیسے غلط اندیش جابر حکمران کی مثال پیش نہ کرتے۔

کون نہیں جانتا کہ کمال اتاترک نے خلافت اسلامیہ کا الغاء کرایا اور یورپ کو خوش کرنے کے لئے اس نے یہ غلط قدم اٹھایا؟ کون نہیں جانتا کہ کمال نے سلطنت عثمانیہ کو اسلامی حکومت کی بجائے سیکولر اسٹیٹ بنا کر چھوڑا؟ کون نہیں جانتا کہ اس نے اسلامی قوانین اور احکام شرعیہ کو معطل کرایا اور ان کی جگہ لادینی قانون نافذ کرایا؟ کون نہیں جانتا کہ کمال نے عربی زبان، قرآن کریم اور عربی کتابوں کی طباعت واشاعت کو قانوناً جرم قرار دیا؟ کون نہیں جانتا کہ کمال نے عربی رسم الخط کو ختم کرایا اور ترکی زبان کو لاطینی حروف میں جاری کرا کر اسلامی، ملی اور قومی تہذیب وثقافت سے غداری کی، کون نہیں جانتا کہ کمال نے اسلامی ناموں تک کو جبراً تبدیل کرایا؟ کون نہیں جانتا کہ کمال کے لئے عربی زبان میں اذان واقامت کے پاکیزہ الفاظ بھی ناقابل تحمل تھے، اس نے اذان واقامت کو بھی ترکی زبان میں کرایا؟ کون نہیں جانتا کہ کمال کی غلط بین نظر اسلام کی پردہ عصمت کو بھی برداشت نہ کر سکی اور اس نے عورتوں کے چہروں کو قانوناً بے نقاب کرایا اور لباس مغرب کی پابندی کا قانون بنایا؟ کون نہیں جانتا کہ کمال نے نکاح اور طلاق اور میراث وغیرہ کے اسلامی احکام کو معطل کرایا؟ وغیرہ وغیرہ:

اندکے پیش تو گفتم حال دل دنز سیدم
کہ آزردہ شوی وگرنہ سخن بسیار است

کمال اتاترک کا نام بار بار پیش کرنے والے بتلائیں کہ یہ تمام قوانین اللہ ورسول کے تھے یا مولویوں

کے گھر کے تھے؟ اگر قصور علماء کا تھا وہ نا کردہ گناہ کے مجرم، قتل واعدام کے لائق اور جلا وطنی کے مستحق تھے تو خدا اور رسول نے کیا جرم کیا تھا؟ قانون الٰہی کو کیوں جلا وطن کیا گیا؟ قرآن وسنت کو کیوں تہہ تیغ کیا گیا؟ احکام الٰہیہ کو کیوں پامال کا گیا؟ سنت خیر البشر کو کیوں ذلیل کیا گیا؟ علماء بے چارے تو دین الٰہی کے پاسبان اور سنت نبوی کے خادم تھے اگر انھوں نے دین الٰہی کی پاسبانی کے جرم میں جام شہادت نوش کیا تو ''زہے سعادت''! ان کی شہادت پر اقتدار پرستوں کی ہزاروں زندگیاں قربان!

خدا رحمت کند ایں عاشقان پاک طینت را

کیا افسوس اور تعجب کا مقام نہیں کہ جو کارنامے علماء کے مفاخر میں شمار ہوں ان ہی کو قابل نفرت قرار دیا جائے؟ کیا یہی عقل ودین کا تقاضا ہے؟ کیا یہی عدل وانصاف ہے؟ مظلوم علماء اور ظالم حکمرانوں کی داستان کو بار بار دہرانے کا کہیں یہ مطلب تو نہیں کہ در پردہ ارباب اقتدار کو یہ شہ دی جا رہی ہے کہ اس بدترین سیاہ تاریخ کو پھر سے دہرایا جائے اور ہماری حکومت بھی علماء کے ساتھ وہی حسن سلوک کرے جو کمال اتاترک جیسے نادان حکمران کے دور اقتدار میں ترکی میں ہوا تھا؟ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ کیا کسی دانشمند کے نزدیک کمال جیسے کج فہم، انتہاء پسند کا کوئی کارنامہ کسی اسلامی یا غیر اسلامی حکومت کے لیے قابل تقلید ہوسکتا ہے۔

بہرحال حق، حق ہے اور باطل باطل، ظلم وعدوان اور جور وستم سے حق باطل نہیں بن جاتا اور نہ باطل کو حقانیت کی سند مل جاتی ہے، بالآخر اتاترک کا عبرت ناک حشر بھی اسی دنیا کے رہنے والوں نے دیکھا، عصمت انونو پاشا، عدنان مندریس اور جلال بایار نے تدریجاً وہی قوانین دوبارہ رائج کئے جو معطل کئے گئے:

حذر! اے چیرہ دستاں! سخت ہیں فطرت کی تعزیریں

اگر ''فکر ونظر'' یہ نظر مرحمت فرمائے تو ''الرحیم'' کی نگاہ مرحمت سے تو نہایت بعید ہے، آخر سارا قصور علماء ہی کا ہے؟ ارباب اقتدار کے غلط رویہ پر یا سوئے تدبیر پر کبھی حرف شکایت زبان پر نہ لانا یہ تو انصاف نہیں، ہاں یہ ضروری ہے کہ اہل حق کو قرآن حکیم کے حکیمانہ اصول کے تحت دعوت حق دینا چاہیے، نیز جس حقیقت کا اظہار ہو وہ خلوص نیک نیتی اور اصلاح کی غرض سے ہو، پھر اگر دنیا میں اس دعوت کو شرف قبول حاصل نہ بھی ہو تو آخرت کا سامان تو ہو ہی جائے گا اور اگر دنیا میں اس پر صلہ ملنے کی بجائے الٹی سزا ملے تو اجر عظیم کا باعث ہوگا لیکن اگر شرط اخلاص معدوم ہو تو '' خسر الدنیا والآخرة ذلك هو الخسران المبين'' کا مصداق ہے، معاذ اللہ۔

بہرحال علماء حق کا منصب ابلاغ حق ہے اثر ہو یا نہ ہو:

حافظ! وظیفہ تو دعا گفتن است وبس ۔۔۔ در بند آں مباش کہ نشنید یا شنید

[ذوالحجہ ۱۳۸۶ھ/اپریل ۱۹۶۷ء]

ماہ رمضان اور اس کے برکات وفضائل

ماہ رمضان کی آمد آمد ہے، انوار و تجلیات ربانیہ سایہ فگن ہوں گی، عاصی پُر معاصی ابن آدم کے لئے سامان مغفرت تیار ہوگا، جواد مطلق کے جود و کرم کا فیضان عام ہوگا، ایمان و عمل کی بہار آئے گی، توفیق و سعادت شکست خوردگان معصیت کا دامن تھامے گی، رندانِ بادہ نوش بھی ایک بار توبہ و انابت کی سلسبیل میں غوطہ لگا کر قدوسیوں سے قدم ملانے کی ہمت کریں گے، ابواب جنت مفتوح ہوگا، ابواب جہنم پر قفل چڑھا دیئے جائیں گے، ''اے خیر کے طالب! آگے بڑھ، اور اے شر کے قاصد رُک جا'' کی غیبی صدائیں بلند ہوں گی، ہر رات بے شمار گنہگاروں کی آتش دوزخ سے آزادی کے فیصلے سنائے جائیں گے۔

نفس امارہ کا تزکیہ

نفس امارہ کے تزکیہ و اصلاح کے لئے حق تعالیٰ نے روزہ فرض فرمایا تا کہ مومن تقویٰ کے بلند مراتب حاصل کر کے مرتبہ ولایت پر فائز ہو جائے، راتوں کو قرآن کریم سننے سنانے کی ترغیب دی اور اپنا کلام پاک بندہ کی زبان پر جاری کرنے کے مواقع بہم فرمائے، روزہ سے نفس کے تزکیہ کا سامان اور روح کی تربیت کے لئے کلام پاک سے بہرہ اندوز ہونے کا انتظام فرمایا گیا، ایسا محسوس ہوتا ہے کہ اس ماہ مبارک میں زمین کا رابطہ ملاء اعلیٰ سے قائم کر دیا جاتا ہے، اللہ تعالیٰ نے رمضان المبارک کو جب سے لیل و نہار کا نظام قائم فرمایا ہے عجیب و غریب برکات و تجلیات کا موسم بنایا ہے اور اس خاک کے پتلے کی اصلاح روح و تہذیب نفس کے لئے جب کبھی کوئی آسمانی تحفہ اتارا ہے اس کے لئے اسی ماہ کا انتخاب فرمایا گیا ہے، صحف ابراہیم سے قرآن کریم تک تمام روحانی تحفے اور عجیب عجیب احکام ربانی اور قوانین الٰہی پر مشتمل نظام نامے سب اسی ماہ مبارک کے برکات ہیں، احادیث میں آتا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے صحیفے ماہ رمضان کی پہلی تاریخ کو نازل ہوئے، موسیٰ علیہ السلام کی تورات چھ تاریخ کو، عیسیٰ علیہ اسلام کی انجیل تیرہ تاریخ کو، داؤد علیہ السلام کی زبور ۱۸ رکو، اور قرآن کریم ۲۴ رکو نازل ہوا(۱)، الغرض حق تعالیٰ نے ازل ہی سے کائنات کو اپنی رحمت سے سرفراز کرنے کے لئے اس ماہ مبارک کو مشرف فرمایا ہے۔

بہر حال رمضان مبارک صحف سماویہ اور کتب الٰہیہ خصوصاً قرآن کریم کی ایک دینی یادگار ہے، جو وحی آسمانی نے خود قائم کی ہے، لیکن اس یادگار اور جشن وحی کے لئے صرف یہ صورتیں نہیں رکھی گئیں کہ جگہ جگہ چراغاں کیا جائے، در و دیوار عجیب و غریب جاذب نظر و دلکش مناظر سے آراستہ کئے جائیں، رنگارنگ قمقموں سے سرزمین

---

(۱)مسند احمد بن حنبل ، حديث ابي ثعلبة الخشني عن النبي ﷺ ،رقم الحديث١٧٠٢٥ ، ج: ٤ ص: ١٠٧ ،ط:مؤسسة قرطبة القاهرة. سنن البيهقي الكبرىٰ،باب ذكر كتب انزل الله قبل نزول القرآن، ج:٩ ص:١٨٨ ،ط :مكتبة دارالباز ،مكة المكرمة

جگمگا اٹھے، شامیانے لگائے جائیں، تفریحات کا دور دورہ ہو، نہ عبادت کی فکر ہو نہ نماز کا خیال، نہ خدا کا نام ہو نہ کوئی دینی کام، بے جا اسراف و تبذیر کرکے قوم اور ملک کی توانائی کو ختم کیا جائے، گویا ایک خدا فراموش قوم کی زندگی ہو جس کو نہ ابتداء کی فکر ہو نہ انتہاء کا تصور، نہ مبداء کا خیال ہو نہ معاد کا عقیدہ، یوں ہی لہو و لعب کی دنیا ہو اور عیش پرستی کا سامان۔

آج کل جو یادگاریں قائم کی جاتی ہیں اس کا حاصل تو یہی ہوتا ہے، لیکن جو چیز اللہ تعالیٰ نے دنیا میں اصلاح نفوس کے لئے بھیجی ہو، جس سے روحوں کو جلا ملے، جس سے انسان حیوانات اور درندوں کی صف سے نکل کر صحیح معنوں میں با اخلاق انسان بنے، اس کے لئے یادگار بھی ایسی ہونی چاہیے جس سے اس مقصد کی تکمیل ہو، تاکہ بے عمل افراد باعمل اور خدا فراموش قوم با خدا بن جائے، انسان درندوں اور جانوروں کی صفوں سے نکل کر فرشتہ خصلت بن جائے، غریبوں اور فقیروں کی خبر گیری کی جائے، مسکینوں، یتیموں پر رحم کیا جائے، الغرض انسان انسانیت کے اعلیٰ ترین اخلاق و اوصاف سے آراستہ ہو جائے، انہی مقاصد کے پیش نظر حق تعالیٰ نے ماہ رمضان المبارک کے روزے فرض کر دیئے اور راتوں کو قیام کی سنت جاری فرمادی، تاکہ بندہ مومن اس کی راتوں میں قرآن پڑھے یا سنے، کبھی بارگاہ عظمت و جلال کے سامنے سربسجود ہو کر، کبھی جھک کر تعظیم و تقدیس بجالائے، کبھی کھڑے ہو کر قرآن کریم کے رقت انگیز نغموں سے دل کو گرمائے، اور "یذکرون الله قیاماً وقعودًا وعلی جنوبھم" وہ یاد کرتے ہیں اللہ کو کھڑے بھی بیٹھے بھی اور لیٹے بھی، کا پیکر بن جائے اور دنوں میں اسی قرآن پر عمل کی توفیق نصیب ہو، آنکھیں نیچی اور زبان کلمہ خیر کے علاوہ بند رکھے، لڑائی جھگڑے سے پرہیز کرے، نفسانی خواہشات کے کسی تقاضے کو پورا نہ کرے، صدقہ و خیرات کرے، ہر کار خیر کی طرف لپکے اور اس کی بجا آوری میں دریغ نہ کرے، ہر برائی سے بچے، الغرض سیرۃ و صورۃ اور عمل و کردار کے لحاظ سے سراپا فرشتہ بن جائے، ظاہر و باطن کی ایسی اصلاح ہو جائے کہ اس کے سرتاپا سے ظاہر ہو کہ یہ ایک باخدا قوم کا فرد ہے، اب آپ کے خیال میں ماہ رمضان اور نزول قرآن کا باہمی تعلق واضح طور پر آ گیا ہوگا، یہ ہے حقیقی یادگار نزول قرآن کریم کی۔

جشن قرآن کریم اور پاکستان

پاکستان میں چند ماہ بعد قرآن کریم کا "جشن چہاردہ صد سالہ" منایا جارہا ہے، اس کے لئے زمین و زمان کو آراستہ کرنے کی وہ ساری تدابیر کی جائیں گی جو آج کل مروج ہیں، لیکن سوچنے کی بات یہ ہے کہ جس معاشرے میں سراسر قرآن کے خلاف قوانین جاری ہوں، صبح سے شام تک جو کچھ ہو رہا ہو قرآن کریم کے خلاف ہو، قرآن کریم کے ہر حکم خداوندی کو بری طرح سے ذبح کیا جارہا ہو، دین اسلام اور اس کے احکام کی دھجیاں بکھیری جارہی ہوں کراچی اور لاہور، لندن و پیرس کا کوئی فرق باقی نہ رہا ہو، جو کچھ وہاں ہو رہا ہوں یہاں ہو رہا ہو، شراب خانے کھلے ہوں، ماہ رمضان میں ہوٹل اور کھانے کی دکانیں کھلی ہوں، لوگ بازاروں میں سرراہ کھاتے پیتے نظر

آ رہے ہوں، عریانی و بے حیائی کے عریاں منظر قدم قدم پر موجود ہوں، فسق و فجور ہی نہیں بلکہ کفر و بد دینی کے دروازے کھلے ہوں کہ ہر شخص جو چاہے بکے، کیا اس قوم کو قرآن کریم کے جشن منانے کا حق ہے؟ کیا اس سرزمین پر قرآن کریم کی یادگار قائم ہوگی؟ اس سے بڑھ کر کیا مضحکہ خیزی ہوسکتی ہے کہ ایک طرف قرآن کریم سے دشمنی کا یہ معاملہ ہو اور دوسری طرف قرآن کریم سے محبت کا یہ منافقانہ مظاہرہ:

بریں عقل و دانش بباید گریست

آخر کب تک یہ منافقانہ طریق کار جاری رہے گا؟

محفل میلاد اور اجلاس سیرت النبی

حقیقت یہ ہے کہ جب قوم کی اصلی روح نکل جاتی ہے تو وہ اسی قسم کی طفل تسلیوں سے دنیا کو فریب دینے کی کوشش کرتی ہے، چنانچہ پورے سال تو حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت وسنت کے ساتھ وہ معاملہ کیا جائے جو ایک شقی دشمن کرتا ہے اور ایک رات سیرت ومیلاد کی محفل قائم کر کے محبت رسول کا دعویٰ کیا جائے، اس سے بڑھ کر کیا نفاق ہوگا؟ اسلامی تاریخ شاہد ہے کہ جب تک قوم شریعت پر چلنے کی توفیق سے بانصیب تھی تمام امت سراپا شریعت تھی اور ہر شخص اپنی سیرت وصورت اور عمل وکردار سے شریعت اسلامی، محبت رسول اور اتباع سنت کا پیکر تھا، اس وقت نہ سیرت کی ان رسمی محفلوں کی حاجت تھی، نہ میلاد النبی کے جلسوں کی ضرورت، چنانچہ عہد صدیقی، عہد فاروقی، عہد عثمانی میں آپ کو کہیں نظر نہیں آئے گا کہ میلاد النبی کے لئے کوئی اجتماع ہوا ہو، کیا خیر القرون کی نسل محبت رسول سے بے بہرہ تھی؟ کیا قرون مشہود لہا بالخیر کے مسلمانوں کے دلوں میں اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت نہ تھی؟ کیا ان میں اتباع سنت کا جذبہ نہ تھا؟ یہ مبارک ادوار تو محبت رسول واتباع سنت، ایمانی حرارت وقوت ایمانی کے بے نظیر قرون ہیں، بلکہ تمام صحابہ اور تمام تابعین وائمہ مجتہدین فقہاء امت اور محدثین کرام، ارباب قلوب ومکاشفات، اصحاب ریاضات ومجاہدات کے کسی حلقے میں آپ کو نہ سیرت کے اجلاس ملیں گے، نہ میلاد کی محفل کا پتہ چلے گا، تاریخ اسلام کی مکمل چھ صدیاں ایسی گذریں جن میں سیرۃ الرسول اور بارہ وفات یا میلاد النبی کی محفلوں کا کوئی نام ونشان نہیں، چھٹی صدی ہجری کے اواخر میں ''اربل'' جو موصل کے حکمراں تھے ان کے دور میں تاریخ سیرت کی یادگار منائی جانے لگی۔ فقراء ومساکین پر ہزاروں اشرفیاں خرچ کی جاتی تھیں، کپڑے تقسیم ہوتے کھانا کھلایا جاتا، اس طرح حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روح مقدس کے لئے ایصال ثواب کا سلسلہ جاری کیا گیا، مگر بعد کے ادوار میں تو یہ بات بھی ختم ہوگئی، صرف میلاد کی محفلیں قائم ہونے لگیں، پھر بھی یہ صورت حال خال خال کہیں کہیں نظر آتی تھی، لیکن جب شر القرون کی نوبت آئی تو قوم میں اسلام، دین کا نام نہیں بلکہ قومیت کا نام بن کر رہ گیا اور منافقانہ طور پر اظہار اسلام کا دور شروع ہوگیا، عقیدہ برباد ہوگیا، عملی زندگی تباہ، محبت رسول سے سینے خالی ہوگئے، دماغوں سے

اتباع شریعت کا تصور نکل گیا، دلوں میں ایمانی جذبہ سرد پڑ گیا تو سال میں ایک مرتبہ دعوائے اسلام کے لئے صرف ایک آدھ جشن منا نا ہی کافی ہو گیا، ٹھیک یہی معاملہ قرآن کریم کی یادگار کا ہے کہ بس اب عمل کرنے کی حاجت تو ہے نہیں، صرف ظاہری رسموں کے ذریعہ چراغاں کیا جائے، مکانات اور مسجدیں آراستہ کی جائیں، لاکھوں روپیہ اسراف وتبذیر پر خرچ کیا جائے، خدارا یہ بتائیے کہ یہ کہاں کا انصاف ہے۔

اگر یادگار اس لئے منائی جاتی کہ حق تعالیٰ سے عہد کرنا ہے کہ ہمیں قرآن کریم پر اب عمل کرنا اور اس کو قانون زندگی بنانا ہے، عملی زندگی میں قرآن کریم جاری کرنا ہے، دلوں میں محبت وتعظیم کے ساتھ اپنی معاشرت ونظام زندگی میں اس کو جگہ دینی ہے، گذشتہ بے عملی کی زندگی سے تائب ہونا اور آئندہ کے لئے عزم عمل کا عہد کرنا ہے تو چلئے بہت اچھا! جشن منانے کے لئے چھوٹی تو نکل آتے لیکن یہاں جس طرح کے ارادے ہیں اور جو کچھ کیا جائے گا اس کے اعتبار سے یہ "جشن قرآن" اسلام و قرآن کی توہین، عیسائی قوموں کی مضحکہ خیز نقل اور قومی دولت کو بے فائدہ ضائع کرنا ہے، ان لاحاصل و بے معنی تقریبات نے قوم کی کمر توڑ ڈالی، ان کی قوت برداشت کو ختم، ان کے تصورات کو مسخ، ان کے جذبہ عمل کو تباہ اور ان کے اعصاب کو مفلوج کر دیا، بہر حال ادارہ تحقیقات اسلام کی نگرانی میں لاکھوں روپیہ کے مصارف سے یہ جشن منایا جائے گا اور جہاں تک اندازہ ہے یہ کوشش ہوگی کہ قرآن کریم کے جسم پر کچھ نئے نشتر لگانے کے لئے راستہ نکالا جائے، انا للہ وانا الیہ راجعون۔

اللہ تعالیٰ اپنے دین کی حفاظت فرمائے اور مسلمانوں کو صحیح سمجھ نصیب فرمائے۔

[رمضان المبارک ۱۳۸۷ھ]

حج بیت اللہ اور ارباب حکومت کو چند مشورے

بارگاہ قدس کے مرکز تجلیات کا نام بیت اللہ الحرام اور کعبۃ اللہ ہے، صاحب استطاعت پر عمر میں ایک مرتبہ اس بارگاہ پر حاضری کا نام حج بیت اللہ ہے، جو دین اسلام کا پانچواں رکن اور اہم ترین شعائر اللہ میں شمار ہوتا ہے، قرآن حکیم کی آیات کریمہ میں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ بیت اللہ قیام عالم اور بقاء کائنات کا ذریعہ ہے، جب تک اللہ تعالیٰ کا یہ گھر دنیا میں باقی رہے گا دنیا قائم رہے گی اور جس وقت اللہ تعالیٰ شانہ اس دنیا کو ختم کرنے کا ارادہ فرمائے گا اس کعبے کو ویران کر دیا جائے گا، گویا کعبۃ اللہ اور بیت اللہ میں بقاء عالم کا راز ہے، یہ مرکز عالم ہے اور اس مرکز کے ختم ہو جانے کے بعد فناء عالم کا سلسلہ شروع ہو جائے گا، پھر جس طرح عالم کے ظاہری بقاء کا راز بیت اللہ الحرام کے بقاء میں ہے، ٹھیک اسی طرح روحانی ہدایت ربانی کا سلسلہ بھی اسی بیت اللہ سے قائم ہے، ایسا محسوس ہوتا ہے کہ آسمانی ہدایت وانوار کا فیضان بارگاہ عرش عظیم سے اس بیت عظیم پر ہوتا ہے اور عالم میں اسی بیت کو منبع ہدایت وچشمہ ارشاد بنایا گیا ہے، حق تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿اِنَّ اَوَّلَ بَيْتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِيْ بِبَكَّةَ مُبٰرَكًا وَّهُدًى لِّلْعٰلَمِيْنَ﴾[آل عمران:٩٦]

بے شک سب سے پہلا گھر جو مقرر ہوا لوگوں کے واسطے یہی ہے جو مکہ میں ہے برکت والا اور ہدایت جہان کے لوگوں کو۔(ترجمہ شیخ الہندرحمۃ اللہ علیہ)

بیت المعمور جو ساتویں آسمان پر طواف گاہِ ملائک ہے، اسی کے بالمقابل اللہ تعالیٰ نے روز اوّل ہی سے زمین پر اس مقام کو مرکز تجلیات بنایا اور تاریخ انسانی کے ادوار میں بیت اللہ کی تعمیر ہوتی رہی، ملائکہ کرام، انبیاء عظام اور مقربین بارگاہ کے طوافوں، نمازوں، دعاؤں اور نالہائے عشق ومحبت نے اس کو ایسا بقعہ نور بنا دیا کہ عقل حیران ہے، یہی وجہ ہے کہ عشاق کو نہ طواف سے سیری ہوتی اور نہ دیدار سے، اور بیت اللہ کی یہی معنویت ہے جس کی وجہ سے اسے نمازوں اور نمازیوں کا قبلہ بنا کر مزید بارگاہ قدس کی تجلیات کا نقطہ ومرکز بنایا گیا، اہل بصیرت جانتے ہیں کہ جہاں کوئی ایک صالح اور مقرب بارگاہ جلوہ افروز ہوتا ہے وہاں رحمت خداوندی اور انوار الٰہی کا نزول ہوتا ہے، پس جہاں فرشتوں، رسل وانبیاء اور مقربین بارگاہ کی دعوات وعبادات وتسبیحات وتہلیلات کا مرکز ہو اس کی برکات کا کیا ٹھکانا، حق تعالیٰ کی رحمت کاملہ کے امیدوار اپنے گناہوں سے توبہ کر کے جہاں عالم کے گوشہ گوشہ سے جمع ہو کر والہانہ انداز میں کبھی آہ وبکا اور گریہ وزاری میں مشغول ہوتے اور کبھی سربسجود ہوتے ہیں، ایسے مقام اقدس کی برکتوں کا کیا کہنا جس مقام مقدس پر احادیث نبویہ کے مطابق ایک سوبیس رحمتیں روزانہ نازل ہوتی ہیں، ٦٠/ طائفین کے لیے، ٤٠/نمازیوں کے لئے، ٢٠/زائرین ودیدار کرنے والوں کے لئے (١)، اس کی مقناطیسی کشش کا کیا اندازہ لگایا جاسکتا ہے اور جو سعید روحیں تینوں قسم کی عبادتوں سے سرشار ہوں ان کی سعادتوں کا کیا کہنا۔

الغرض کعبہ کیا ہے؟ اللہ تعالیٰ کی تجلیات کا اس عالم میں عظیم ترین مرکز، رحمت ازلیہ کا خزانہ، مغفرت ورحمت کا گہوارہ اور روحانی سیر وسیاحت کرنے والوں کا ربانی مرکز ضیافت ہے، جہاں ہر شخص اپنی اپنی استعداد کے مطابق فیض اٹھاتا ہے، اس لئے ہر مستطیع شخص پر زندگی میں اس مقام اقدس کی حاضری کے لئے کم ازکم ایک مرتبہ کا حکم دیا گیا تاکہ مرکز رحمت ومرکز تجلیات کے انوار وبرکات سے نور ایمانی میں مزید روشنی وجلا پیدا ہو اور رحمت ازلیہ کے جلوؤں سے بہرہ نصیب ہو، اور اقطار عالم کے مسلمانوں کے لیے آہ وبکا سے سامان مغفرت کرنے والوں اور اخلاص وتوبہ وانابت الی اللہ والوں کا یہ عظیم الشان اجتماع طرح طرح کی برکات کا وسیلہ بنتا ہے، پھر قدم قدم پر شعائر اللہ کی تقدیس وتعظیم کے جلوے، مقربینِ بارگاہ کی یادگاریں، کہیں حجر اسود کی نورانیت کا جلوہ، کہیں مقام ابراہیم کی مقناطیسی کشش، کہیں صفا ومروہ وسعی کے انوار وبرکات، کہیں وادیٔ عرفات کی تجلیات، کہیں مزدلفہ ومنیٰ کے انوار، الغرض قدم قدم پر مغفرت ورحمت کی وعدے ہیں، یہی وجہ ہے کہ آج مادیت کے پر آشوب دور کے باوجود بھی ہزاروں دلوں میں حج بیت اللہ کی صحیح تڑپ موجود ہے، کہ ذرا بھی جس قلب میں ایمان کا نور موجود ہے، حج

---

(١)شعب الایمان، فضیلة الحجر الاسود والمقام الخ، ج٣:ص:٤٥٤، ط:دارالکتب العلمیة بیروت

بیت اللہ کے لئے بے تاب ہے، ظاہر ہے کہ اصلی مقصد تو ان عبادات سے رضائے الٰہی، سامان آخرت کی تدبیر اور آخرت کی نعمتوں کا استحقاق ہے، لیکن شریعت مقدسہ اسلامیہ کی یہ جامعیت ہے کہ ان دینی منافع کے ساتھ ساتھ دنیوی منافع بھی وابستہ کردیئے گئے، دنیائے اسلام کے بہترین دماغ، فکر و سیاست کے ماہرین، ارباب صلاح وتقویٰ، ارباب بیعت وارشاد، علماء، محدثین غرض ہر طبقہ اور ہر مزاج کے لوگ، پھر عوام وخواص، ارباب دولت وارباب طاقت سب ہی کے عظیم ترین اجتماع کا۔ جس کی نظیر عالم میں کہیں نہیں ملتی۔ کس قدر عجیب انتظام ہے، ہر ذوق اور ہر مکتب فکر کا شخص اپنی اپنی حاجت وغایت کی تسکین کا سامان کرسکتا ہے، اتحاد عالم اسلامی کے روح پرور مناظر، مشکلات عالم اسلامی کی تشفی انگیز تجاویز اور تعلیم وتربیت اور افادہ واستفادہ کے لئے ایسے قابل غنیمت مواقع کہاں میسر آسکتے ہیں، بہرحال تجارت واقتصادی تنظیمات ہوں یا علم ومعرفت کے خزانے اور ادارت وسیاست کے مسائل ہوں یا اتحاد عالم کے خواب، سب ہی کی تکمیل کا سامان یہاں موجود ہوتا ہے، قرآن کریم کے دو لفظوں میں یہ سب سمو آ گیا ہے:

۱- ﴿وَاِذْ جَعَلْنَا الْبَيْتَ مَثَابَةً لِّلنَّاسِ وَاَمْنًا﴾ [البقرہ:۱۲۵]

اور جب مقرر کیا ہم نے خانہ کعبہ کو اجتماع کی جگہ لوگوں کے واسطے اور جگہ امن کی۔ (ترجمہ شیخ الہندؒ)

۲- ﴿لِيَشْهَدُوا مَنَافِعَ لَهُمْ﴾ [الحج:۲۸]

تاکہ پہنچیں اپنے فائدہ کی جگہوں پر۔ (ترجمہ شیخ الہندؒ)

کاش! ہمارے پاکستان کے حکمران ان دینی حقائق اور ان سیاسی مصالح پر نظر کرتے اور قوم کے صحیح جذبے اور تڑپ کی قدر کرتے اور ادائے فریضہ حج کے لئے آسانیاں مہیا کرتے تو کیا اچھا ہوتا، یہ مانا کہ زرمبادلہ کا مسئلہ بہت اہم ہے اور حکومت کی مجبوریاں بھی اپنی جگہ بجا ہیں اور یہ بھی صحیح ہے کہ حکومت کے کاندھوں پر قرضوں کا جتنا بوجھ ہے مملکت اس کی برداشت سے عاجز آرہی ہے، لیکن اگر ارباب حکومت ذرا غور فرماتے تو اس مشکل کا حل بہت آسان ہے اور بہت سی صورتیں نکل سکتی ہیں، جو قوم اربوں روپے کا ٹیکس دے کر حکومت کا سارا کارخانہ چلا رہی ہے اور جو حکومت فوج اور پولیس پر اربوں خرچ کرکے ملک وملت کے حدود وجان ومال وآبرو کی حفاظت کررہی ہے اگر یہ حکومت اس قوم کے ادائے فریضہ حج کے لئے ایک کروڑ سالانہ کے زرمبادلہ کا خسارہ برداشت کرے تو کوئی بڑی بات نہیں، لیکن ہم باوجود اس کے ارباب حکومت کے سامنے چند تجاویز پیش کرتے ہیں:

① دو سال کے لئے جدید درخواست حج نہ لی جائے، سابق درخواست کنندگان جن کی تعداد تیس ہزار سے ہرگز زیادہ نہیں اگر پندرہ بیس ہزار ہوں تو بھی بعید نہیں، پہلے ان سب کو بغیر قرعہ اندازی حج کی اجازت دی جائے دو سال بعد کوٹہ سسٹم ختم کردیا جائے۔

ایک سال قدرے حجم ہوگا، ہوسکتا ہے کہ بیس پچیس ہزار ہوجائیں، اگلے سال حالات اعتدال پر

آ جائیں گے اور لوگ بھی مطمئن ہو جائیں گے، بیس ہزار سے کبھی زیادہ نہ ہوں گے، قرعہ کے موجودہ نظام میں پچاس ہزار درخواست کنندگان کی تعداد سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ دراصل حج پر جانے والوں کی تعداد پندرہ بیس ہزار سے زائد نہیں، درخواستوں کی یہ کثرت تو صرف اس لئے ہے کہ درخواست کرنے والے حرص کرتے ہیں کہ شاید نام آ جائے، اس لئے درخواست دے دیتے ہیں، اگر لاکھ دو لاکھ ہوتے تو معلوم ہوتا ہے کہ پچاس ہزار اصلی مشتاق ہیں۔

۲ پندرہ بیس ہزار سے بھی اگر زرمبادلہ بچانا ہے تو بہت اچھی تدبیر یہ ہو کہ جو اشیاء مملکت سعودیہ میں درکار ہیں، چاول، المونیم کے برتن، کورا لٹھا، بوٹ، چمڑے کے تیار کردہ سوٹ کیس وغیرہ وغیرہ بیسیوں چیزیں ہیں جو بہت آسانی سے فروخت ہو سکتی ہیں، ہر حاجی کو برآمد کا لائسنس دیا جائے اور اتنا سامان ہر حاجی کے ساتھ جانے کی اجازت ہو یا کسی تاجر کی معرفت ٹھیکہ دیا جائے وہاں جا کر وہ رقم اس تاجر کے ذریعہ مل جائے گی، بہر حال اس کی تفصیلات بآسانی تاجر طبقہ مرتب کر سکتا ہے، اس طرح حکومت زرمبادلہ کی پریشانی سے بھی بچ جائے گی اور فریضہ حج ادا کرنے میں حجاج کرام کو پوری سہولت بھی حاصل ہو جائے گی۔

۳ ضرورت اس بات کی ہے کہ حکومت اسلامی ہمدردی اور فرض منصبی کے پیش نظر مشکل حل کرنے پر اسلامی سیاسی اور اقتصادی سب گوشوں کو سامنے رکھ کر غور کرے تو کوئی وجہ نہیں کہ مشکل حل نہ ہو، افسوس یہ ہے کہ اکثر ارباب حل وعقد جن کے زمام اقتدار میں یہ مسائل ہیں کبھی اسلامی و ہمدردانہ بنیادوں پر غور نہیں کرتے یا بدقسمتی سے غور کرنے کا موقع نہیں دیا جاتا یا نقطہ نگاہ کا زاویہ ہی بدل گیا ہے، بہر حال مشتاقان دیدار کعبہ کے لئے آسان تدبیریں سوچی جا سکتی ہیں۔

۴ درحقیقت کچھ تکوینی مصالح بھی ہیں کہ یہ سفر، سفر عشق ہے اور عشق کے منازل طے کرنے میں امتحان ناگزیر ہے اور یہی وجہ ہے کہ قلوب میں جتنی تڑپ زیادہ تھی، امتحان بھی شدید تھا، اگر ازمنۂ سابقہ کی تکالیف آج ہوتیں تو شاید بمشکل اس سفر کے لئے تیار ہوتے، آج اگر نقل وحرکت کے ذرائع، مواصلات کی آسانی اور مال ودولت کی فراوانی حاصل ہے جن کی وجہ سے بڑی آسانی سے ہر شخص کو حج بیت اللہ نصیب ہو سکتا ہے تو امتحان اور آزمائش نے حکومتوں کی پابندیوں کی شکل اختیار کر لی ہے۔

۵ جہاں ان حقائق پر غور کرنے کی ضرورت ہے ساتھ ہی حجاج کرام کو بھی شدید ضرورت ہے کہ دنیاوی منافع کے تصورات، سیر وسیاحت اور تفریح کی خواہشات، شہرت وسمعت کے رجحانات کی سطح سے بالاتر ہو کر اس فریضہ کے ادا کرنے کا جذبہ پیدا کریں اور کوشش کریں کہ جو دینی مقاصد ہیں صرف انہی کے پیش نظر حج کے لئے ارادہ کریں، دیکھا جاتا ہے کہ بہت سے حضرات ایسے ہیں کہ حج کر آنے کے بعد ان کی زندگیوں میں کوئی نمایاں تبدیلی نہیں ہوتی، جو بہتر علامت نہیں، حج مبرور کی علامت یہی ہے کہ حج کے بعد زندگی میں ایک بڑا انقلاب آ جائے، اللہ تعالیٰ سے ایسا تعلق قائم ہو جائے کہ اس کی زندگی کا ہر گوشہ متاثر نظر آئے، افسوس یہ ہے کہ حجاج کرام

نہ تو مسائل سے واقفیت حاصل کرتے ہیں، نہ اسلامی تعلیمات کے مطابق حج ادا کرنے کی سعی کرتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ مطوفین و معلمین حضرات نے جو کچھ کرادیا ہے وہی ٹھیک ہے، حالانکہ کسی زمانے میں واقعی معلمین و مطوفین کی سب سے بڑی خدمت یہی ہوتی تھی کہ حجاج کرام صحیح فریضہ حج ادا کر سکیں اور ان کی صحیح رہنمائی ہو، پھر ان کی نقل وحرکت و قیام و سفر میں سہولتیں بھی میسر ہوں، لیکن آج کل تو مطوف و معلم کا مقصد صرف قیام و طعام و نقل وحرکت وسواری و مکان کرایہ کے انتظامات کرنے ہیں، ان کو اس کی کوئی فکر نہیں کہ حج کیسے ہوا اور کیسے نہ ہوا، معلمین کا رخ ہی بدل گیا اور شاید یہ اسی کا اثر ہو کہ حجاج کرام کی نیتوں میں بھی فرق آ گیا، جیسی روح ویسے فرشتے، بہر حال نظام سارا بدل گیا، آوہ کا آوہ بگڑ گیا، حکومت، عوام، راعی، رعیت، حاجی و معلم سب ہی کو توجہ و حسن اصلاح و حسن تدبیر کی ضرورت ہے، تاکہ بے نظیر فریضہ اور حیرت انگیز دینی و دنیاوی مصالح پر مشتمل عبادت بازیچۂ اطفال اور سیر و تفریح و تماشا نہ رہ جائے، اب اگر چند نفوس قدسیہ صحیح روح کے حامل بھی ہوں وہ بھی جدید تغیرات کی وجہ سے پوری برکات سے محروم ہو جاتے ہیں۔

اللھم اھدی قومی فا نھم لا یعلمون

[محرم الحرام ۱۳۸۷ھ]

حج بیت اللہ سے متعلق چند ہدایتیں

اور حجاج سے چند شکایتیں

حج بیت اللہ الحرام مسلمان کے لئے یہ فریضہ ادا کرنا گوناگوں برکتوں کا ذریعہ ہے اور حیرت انگیز نعمتوں کا وسیلہ ہے، باوجودیکہ سابقہ مشکلات ختم ہوگئیں اور بہت کچھ آسانیاں پیدا ہوگئیں ہیں، تاہم دور دراز کا سفر ہے، ہزاروں روپے کا خرچ ہوتا ہے، اکثر لوگوں کو زندگی میں ایک ہی مرتبہ جانا میسر ہوتا ہے اور اب بھی بہت کچھ مشکلات اٹھانا پڑتی ہیں، ایسی صورت میں بے حد ضروری تھا کہ مسلمان اس فریضہ کی ادائیگی میں انتہائی احتیاط برتیں، مسائل حج سے کامل واقفیت حاصل کریں، اسی لئے ہر زبان میں مسائل واحکام حج سے متعلق چھوٹی بڑی کتابیں شائع ہو چکی ہیں، تاکہ شرعی قانون کے مطابق صحیح طور پر حج ادا ہو سکے، لیکن افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ مخلوق خدا کا یہ عظیم انبوہ جو ملک کے ہر گوشے سے پہنچ رہا ہے، اکثر و بیشتر اس فریضہ کے احکام و مسائل سے بالکل بے خبر ہے، سنن و مستحبات تو درکنار، فرائض و واجبات سے بھی غافل ہے، اس کا نتیجہ یہ ہے کہ اتنا ہی نہیں کہ محظورات و ممنوعات کا برابر ارتکاب ہوتا رہا ہے بلکہ اور تمام گناہوں تک سے بچنے کا ذرہ برابر اہتمام نہیں ہوتا، نمازوں کے ادا کرنے میں تقصیر، جماعت کی پابندی میں کوتاہی، حالانکہ ایک فرض نماز بھی حج سے بدرجہا زیادہ اہمیت رکھتی ہے، اگر بغیر عذر شرعی ایک نماز بھی قضا کی تو حج قبول ہونے کی توقع مشکل ہو جاتی ہے، سفر میں خصوصاً احرام باندھنے کے

بعد بجائے تلبیہ کہنے اور ذکر اللہ کرنے کے عام طور پر غیبتیں کرتے ہیں، بکواس بکتے رہتے ہیں، نہ زبان پر قابو، نہ نگاہ پر قابو، نہ ہاتھ پاؤں پر، بلکہ بسا اوقات دیکھا گیا ہے کہ مسجد حرام میں بیٹھے ہیں، نماز کا انتظار ہو رہا ہے اور فضولیات بک رہے ہیں، غیبت میں مبتلا ہیں، حالانکہ زندگی کے اس عظیم مرحلے پر پہنچ کر تو تمام اوقات عبادت اور توبہ واستغفار، انابت الی اللہ سے معمور ہونے چاہئیں، تاکہ ان مقدس مقامات کی برکات سے مالا مال ہوں، گناہوں سے پاک وصاف ہو کر ایسے واپس ہوں جیسے آج ہی ماں کے پیٹ سے ولادت ہوئی ہے، دنیا میں دوبارہ آئے ہیں۔

بعض حضرات مستحبات وآداب میں تو غلو کرتے ہیں لیکن فرائض وواجبات میں تقصیر کرتے رہتے ہیں، اور دور حاضر کے اکثر حجاج کو دیکھ کر تو یہ شبہ ہوجاتا ہے کہ شاید کسی میلہ یا تماشہ کے لئے اکٹھے ہوئے ہیں، عورتوں پر پردہ فرض ہے مگر حرمین شریفین میں پہنچ کر اکثر عوتیں بلکہ ۹۹ رفیصد برقع پوش عورتیں بھی برقع پھینک کر بے حجاب ہو جاتی ہیں اور اس طرح گناہ کبیرہ کی مرتکب ہوتی ہیں، نہ صرف بے حجاب بلکہ بسا اوقات نیم عریاں لباس میں بیت اللہ کا طواف کرتی ہیں اور افسوس اس کا ہے کہ نہ شوہر اور نہ ان کے محرم حضرات اس بے حجابی کو روکنے کی تدبیر کرتے ہیں، نہ حکومت کی طرف سے اس پر کوئی پابندی عائد کی جاتی ہے، بے محابا مردوں کے درمیان گھستی ہیں، حجر اسود کو بوسہ دینے کے لئے مردوں کی دھکا پیل میں جان بوجھ کر گھستی ہیں اور پستی ہیں، اجنبی مردوں کے ساتھ شدید وقبیح اختلاط میں مبتلا ہوتی ہیں، یہ سب حرام ہے، گناہ کبیرہ ہے، ایسا حج کہ جس میں اوّل سے آخر تک محرمات اور کبائر سے احتراز نہ ہو سکے کیا توقع ہے کہ وہ حج قبول ہوگا؟ حج مبرور کے لئے جزاء جنت بے شک ہے، لیکن حج مبرور کیسے ہوگا؟ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حج مبرور کا بیان فرمایا ہے کہ ''حج کرے اور اس میں کوئی بھی بے حیائی کا کام نہ کرے، کوئی گناہ نہ کرے، تب گناہوں سے پاک وصاف ہوگا جیسے ماں کے پیٹ سے آج ہی پیدا ہوا ہے''(۱)۔

پاکستان وہندوستان کی بعض عورتیں، مصر وشام وغیرہ بعض ملکوں کی عورتوں کو دیکھ کر کہ وہ بے پردہ ہیں خود بھی پردہ اٹھا دیتی ہیں اور حرم میں اس طرح آتی ہیں جیسے تمام مردان کے محرم ہیں یا وہ گھر کے صحن میں پھر رہی ہیں، لیکن یہ انتہائی حماقت ہے اگر کوئی قوم کسی گناہ میں مبتلا ہے تو اس سے وہ گناہ جائز نہیں ہوجاتا، پھر دیکھا یہ گیا ہے کہ ان کی بے پردگی یعنی چہرہ کا کھلا ہونا ایک خاص سنجیدگی اور وقار کے ساتھ ہوتا ہے، لباس بھی ان کا سر سے پاؤں تک باحجاب ہوتا ہے، پاؤں تک میں موزے ہوتے ہیں، لیکن پاکستانی عورتوں کا خصوصاً پنجاب وسندھ کی عورتوں کا لباس تو انتہائی بے حیائی کا ہوتا ہے، تمام نسوانی اعضاء نمایاں ہوتے ہیں، بے محابا سینہ تان کر چلتی ہیں، اس کا نتیجہ یہ ہے کہ وہ عورتیں بھی اس بے حیائی کی وجہ سے معصیت وفسق میں مبتلا ہوتی ہیں اور ان کے شوہر بھی ان کی اس بے حجابی پر گنہگار ہوتے ہیں، کیونکہ وہ ان کو مطلق منع نہیں کرتے کوئی اصلاح نہیں کرتے، نہ روکتے ہیں، نہ

---

(۱) صحيح البخاري، كتاب المناسك، باب فضل الحج المبرور، ج:۱ ص:۲۰٦، ط: قديمي.

ٹو کتے ہیں، یہ تو کھلی بے حیائی اور بے غیرتی ہے۔

ان سب سے بڑھ کر ایک اور عام ابتلاء یہ ہے کہ تمام عورتیں پنج وقتہ نمازوں میں مردوں کی طرح حرم میں پہنچتی ہیں، باوجودیکہ عورتوں کے لئے دروازے بھی مخصوص ہیں اور نماز پڑھنے کی جگہیں بھی متعین ہیں، مگر حج کے زمانہ میں چونکہ ازدحام بے حد ہوتا ہے، مستقل جگہ پر نہیں پہنچ پاتیں تو مردوں کے درمیان صفوں میں کھڑی ہوجاتی ہیں اور نماز پڑھنا شروع کردیتی ہیں۔

مسجد حرام اور مسجد نبوی کی نماز اور عورتیں

پہلی بات تو یہ ہے کہ جس طرح اپنے وطن میں عورتوں کو تنہا نماز گھروں میں پڑھنا افضل ہے، اسی طرح مکہ و مدینہ میں بھی عورتوں کے لئے نماز گھروں میں تنہا بغیر جماعت کے پڑھنا افضل ہے اور مکہ و مدینہ میں نماز کا جو ثواب حرم اور مسجد نبوی کا ہے وہ ان کو گھروں پر پڑھنے میں اس سے زیادہ ملتا ہے، جو مسجد میں مردوں کو ملتا ہے، ایسی صورت میں حرمین شریفین میں عورتوں کو نماز گھروں میں ہی پڑھنی چاہیے، بالفرض کسی وقت بیت اللہ کے دیکھنے کی غرض سے یا طواف کرنے کی غرض سے مسجد حرام میں یا صلوۃ وسلام کی غرض سے مسجد نبوی میں آئیں اور نماز باجماعت پڑھ لیں تو ادا ہوجاتی ہے، بشرطیکہ مردوں کے درمیان نہ کھڑی ہوں، ایک عورت اگر مردوں کے درمیان کھڑی ہوجاتی ہے تو تین مردوں کی نماز خراب ہوجاتی ہے، دائیں، بائیں کے دو مردوں کی، اس کی محاذات (سیدھ) میں جو مرد کھڑا ہے اس کی بھی، تینوں کی نمازیں فاسد ہوگئیں، بالفرض بغیر ارادے کی کوئی عورت اتفاقیہ طور پر عین نماز کے وقت صفوں کے درمیان پھنس جائے اور نکلنا دشوار ہوجائے یا طواف کرنے کے درمیان نماز کھڑی ہوجائے تو اس وقت اس کو خاموش بغیر نماز کی جہاں بھی ہو بیٹھ جانا چاہیے، نماز کی نیت ہرگز نہ کرے، ورنہ مردوں کی نماز بھی خراب ہوگی، جب امام نماز سے فارغ ہوجائے تو پھر تنہا وہیں وہ اپنی نماز ادا کرلے، عورتوں کو بیت اللہ کا طواف کرنے کے لئے بھی ایسے وقت میں جانا چاہئے جب نماز کا وقت نہ ہو، اس وقت نسبتاً بھیڑ بھی کم ہوتی ہے اور اگر اتفاقاً نماز کا وقت ہوجائے تو اذان ہوتے ہی جلدی جلدی طواف پورا کرکے یا طواف درمیان میں چھوڑ دیں اور جتنے شوط (چکر) رہ گئے ہیں وہ نماز کے بعد جہاں چھوڑے تھے وہیں سے پورے کردیں، یا اسی طواف کو دوبارہ کرلیں، بہرحال گناہ سے بچنا بے حد ضروری ہے اور بھی بہت سی کوتاہیاں ہوتی رہتی ہیں، لیکن ان سب میں نماز اور بے پردگی کا مسئلہ میرے خیال میں سب سے زیادہ اہم ہے۔

بہرحال حج ایک ایسا اہم فریضہ ہے جو زندگی میں بار بار ادا کرنا بے حد مشکل ہے، اس لئے چاہیے کہ مرد ہوں یا عورتیں انتہائی احتیاط کے ساتھ اس فریضہ کی ادائیگی سے سبکدوش ہوں۔

نیز یہ بھی خیال رہے کہ بعض عورتیں اپنے ملکوں میں بھی پردہ نہیں کرتیں اور گویا مستقل طور پر بے پردہ

رہتی ہیں، بلاشبہ یہ گناہ عظیم ہے اور ایک فرض حکم کی خلاف ورزی ہے، لیکن انہیں بھی حج بیت اللہ کے سفر میں تو چاہئے کہ اس گناہ عظیم سے بچیں تا کہ یہ فریضہ تو صحیح طریقے سے ادا ہو، آج کل بہت سی عورتیں بغیر محرم کے سفر کرتی ہیں، یہ بھی حرام اور گناہ کبیرہ ہے، جس عورت کا کوئی محرم نہ ہو اس پر حج فرض ہی نہیں ہوتا، بلکہ محرم ہو بھی لیکن حج پر قادر نہ ہو یا یہ عورت اس کے مصارف برداشت کرنے کے قابل نہ ہو تب بھی حج فرض نہ ہوگا، انتہائی افسوس کا مقام ہے کہ حج بھی فرض نہ ہو اور پھر وہاں جا کر حج میں اتنی فروگذاشتیں بھی ہوں؟ جب شرعاً اس کے ذمہ حج فرض ہی نہیں ہے تو یہ حج کا سفر کیوں اختیار کیا جاتا ہے۔

نتیجہ یہ ہے کہ حجِ بیت اللہ میں حجاج کرام سے اس قسم کی کوتاہیوں اور خلاف شرع حرکتوں کی وجہ سے ہی حج کی برکتیں ختم ہوتی جاتی ہیں اور باوجود حجاج کی کثرت کے امت جس مقام پر کھڑی ہے وہاں سے روز افزوں تنزل میں جارہی ہے، اگر اتنی کثرت سے حجاج کرام صحیح طریقہ پر یہ فریضہ ادا کرتے اور ہم سب کا حج بارگاہِ اقدس میں شرف قبولیت سے سرفراز ہوتا تو شاید دنیا کا نقشہ ہی بدل جاتا۔حق تعالیٰ مسلمانوں کو صحیح فہم اور توفیق خیر نصیب فرمائیں۔

[ذوالحجہ ۱۳۹۲ھ/فروری ۱۹۷۳ء]

حج اور اس کے فوائد واسرار

حج بیت اللہ الحرام دین اسلام کا اساسی رکن اور ہر صاحب استطاعت مسلمان کا فریضۂ عینی ہے، اسلام کے بنیادی امور میں اصلی جوہر اور روح عبادت ہے، ان سب صورتوں میں احکم الحاکمین کے حکم سے طریقہ عبادت اور اظہار عبدیت وعبودیت کی تعیین کی گئی ہے، اس روح کے لئے جو قالب مقرر کیا گیا ہے وہ بھی من جانب اللہ ہے، اور کسی انسانی عقل کا اس میں دخل نہیں ہے، روح اور جسد دونوں ہی وحی ربانی کا کرشمہ ہیں اور یہ دائرہ عقل اور ادراک انسانی سے ماوراء ہے، جس طرح روح مامور بہ ہے اسی طرح یہ جسد اس کے لئے مطلوب ومقصود ہے، ﴿ذلك تقدير العزيز العليم﴾ لیکن عبادت وعبدیت کے طریقوں کے ماوراء عقل ہونے کا یہ مقصد نہیں ہے کہ عقل وادراک اس کے محاسن اور منافع وثمرات کو سمجھنے سے بھی قاصر ہے، نماز ہو یا روزہ، زکاۃ ہو یا حج جہاں تک عقل کی رسائی ہے ان کے اسرار وحکم کی طرف جو رہنمائی ہوئی ہے وہ بجائے خود حیرت انگیز ہے۔

بہارِ عالم حسنش دل وجان تازہ می دارد
برنگ اربابِ صورت رابہ بوار بابِ معنی را

نماز اور خصوصاً باجماعت اور اذان واقامت میں وقت کی پابندی کے ذریعہ امت محمدیہ میں ایک خاص نظم ونسق کے ساتھ کیسے کیسے فوائد وبرکات کا نظام قائم کیا گیا ہے، روزہ میں ضبط نفس اور پاکیزگیٔ روح کی کیسی نتیجہ خیز اور اثر انگیز تدبیریں کارفرما ہیں، زکاۃ میں فقراء ومساکین کی حاجات وضروریات کی تکمیل کے لئے کیسا عجیب نظم

پیدا کیا گیا ہے، اسی طرح حج بیت اللہ میں اصلاح نفس اور اجتماعی تعاون کی تدبیریں، تربیت خلائق اور ہدایت عالم کی مصلحتیں مضمر ہیں، تعظیم شعائر اللہ اور تجلیات الٰہیہ کے مرکز بیت اللہ کے طواف میں مشاعر مقدسہ کی تعظیم و تقدیس اور عرفات کے روح پرور اجتماع میں اسرار و حکم کے جو رموز ہیں ان کے غور و فکر میں عقل حیران ہے۔

حج کے اس بے مثال عالمی اجتماع میں دنیا کے گوشہ گوشہ سے امت مسلمہ کے افراد جمع ہوتے ہیں، یہ عالمی اجتماع جن ہمہ گیر اجتماعی مصالح و منافع کا ذریعہ بن سکتا ہے وہ بالکل ظاہر ہیں، اسلام کا یہ دینی نظام اتنا محیر العقول ہے کہ تہذیب و ترقی کی مدعی قومیں اور کوئی مذہب و ملت اس کی ہمسری کا دعویٰ نہیں کر سکتی، قرآن کریم کی دو آیتوں میں انہی اسرار و حکم کی طرف اشارہ کیا گیا ہے:

(۱) ﴿وَمَنْ يُّعَظِّمْ شَعَائِرَ اللهِ فَإِنَّهَا مِنْ تَقْوَى الْقُلُوْبِ﴾ [الحج:۳۲]

اور جو کوئی شعائر اللہ کی تعظیم کرتا ہے تو یہ دلوں کا تقویٰ ہے۔

(۲) ﴿لِيَشْهَدُوْا مَنَافِعَ لَهُمْ﴾ [الحج:۲۸]

تاکہ وہ اپنے منافع (اور فوائد) کو دیکھ لیں۔حاصل کر لیں۔

ان اسرار و حکم کی تفصیل کا یہ موقع نہیں ہے۔

حکومت وقت کی حج پر پابندیاں اور اس کے نقصانات

کاش! دولت خداداد پاکستان کے ارباب اقتدار حج بیت اللہ کے ان منافع اور مصالح پر غور کرتے اور صحیح اجتماعی و سیاسی فوائد حاصل کرتے، لیکن دینی امور اور اسلامی شعائر وارکان کے متعلق اس طبقہ کی عام سہل انگاری کا یہ نتیجہ ہے کہ زرمبادلہ کی بچت کے پیش نظر اسلامی فریضہ حج کی ادائیگی پر پابندیوں میں اضافہ ہوتا جا رہا ہے، اس سال حج پر مزید پابندیاں لگا دی گئی ہیں اور ایک خاص تعداد و مقدار مقرر کر دی گئی ہے، یہ روش اور فیصلہ داخلی اور خارجی مصلحتوں کے پیش نظر ہر جہت سے نظر ثانی کا محتاج ہے، جہاں تک موجودہ حالات میں زرمبادلہ کی مشکلات کا تعلق ہے، اس مشکل کو حل کرنے کے بہت سے متبادل طریقے اختیار کئے جا سکتے تھے، جن سے حجاج کی تعداد اور سفر کی سہولتوں پر بھی کوئی اثر نہ پڑتا، لیکن ایسا محسوس ہوتا ہے کہ شعائر دین سے اس بے اعتنائی کی وجہ سے صحیح غور و فکر کی توفیق ہی کلی طور پر سلب ہو چکی ہے، سال رواں میں حج پر پابندیوں میں مزید اضافہ اور تعداد میں یہ غیر معمولی کمی نہ صرف یہ کہ قابل ستائش طریق کار نہیں ہے بلکہ قومی اور عام اسلامی مفادات کے نقطہ نظر سے انتہائی ناعاقبت اندیشی کا اقدام ہے۔

اس سال حق تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے مملکتِ خداداد پاکستان کو نئی زندگانی عطا فرمائی اور قوم کو جہاد کی روح سے سرشار فرمایا، دشمن کو ذلیل و رسوا ہونا پڑا، اقوام عالم میں پاکستان کے رعب اور عزت و منزلت میں

اضافہ ہوا، اور تمام دنیا میں پاکستان ایک باوقار ملک کی حیثیت سے روشناس ہوا، ایک طرف حق تعالیٰ کی اس کرم گستری کے شکر کا تقاضا تھا کہ اس فریضہ کی ادائیگی میں زیادہ سہولتیں پیدا کی جاتیں، دوسری طرف جس قوم نے صدر محترم کی آواز پر لبیک کہہ کر کروڑوں روپیہ بے دریغ دفاعی فنڈ میں پیش کر دیا، اس کے دینی جذبہ کی قدر اور حوصلہ افزائی کے لئے یہ ضروری تھا کہ حجاج کی تعداد اور سفر حج کی سہولتوں میں اضافہ کیا جاتا اس طرح حق تعالیٰ کی خوشنودی بھی حاصل ہوتی اور حکومت ملک کے اندر باہر اور سیاسی و اجتماعی فوائد سے بہرہ اندوز ہوتی۔

نہیں معلوم وزیر خزانہ کی نگاہ صرف زرمبادلہ کی وقت اور بچت ہی پر کیوں مرکوز رہی، اور ان اہم تر مصلحتوں تک نہ پہنچ سکی، جن کو حج کے علاوہ دوسرے طریقوں سے بہت سا زرمبادلہ صرف کرنے کے بعد بھی حاصل نہیں کیا جاسکتا، غیر معمولی اور ہمہ گیر ملی تعاون کے نتیجہ میں زرمبادلہ کی غیر متوقع حاصلات کے پیش نظر اسی، پچاسی لاکھ زرمبادلہ کے خسارے کی کیا اہمیت ہوسکتی ہے، جس کی بچت کے لئے عظیم تر مصلحتوں کو نظر انداز کر دیا گیا ہے، قومی و ملی مصلحتوں سے یہ اعراض و صرف نظر یقیناً پاکستان کے قومی و ملی شعور کا ترجمان نہیں ہے، حج جیسے اہم دینی فریضہ کے متعلق یہ روش اگر بعض شخصی رجحانات اور ناقابل فہم مخفی جذبات کا نتیجہ ہے تو یہ قومی تعمیر کے متعلق اس دینی رجحان سے ہم آہنگ نہیں ہے جس کا صدر محترم بار بار اظہار فرماتے رہے ہیں، اور قوم وملت کے بہترین مفاد کے لئے بھی تباہ کن ہے، کہیں ایسا تو نہیں ہے کہ یہاں بھی انتقام کا مخفی ہاتھ بصورت مہربانی کارفرما ہو اور قہر نے مہر کی صورت اختیار کی ہو۔

بہرحال اس غیر دانشمندانہ روش اور ناعاقبت اندیشی کے فیصلے کے اسباب کچھ بھی ہوں یہ نتیجہ بالکل ظاہر ہے کہ اس افسوسناک فیصلہ سے قوم کے جذبات بری طرح مجروح ہوئے ہیں اور اس کی وجہ سے ہمارے مکار اور ذلیل دشمنوں کو ہمارے خلاف ایک نیا حربہ استعمال کرنے کا موقع ہاتھ لگ گیا ہے۔ ''از ماست کہ بر ماست''۔

اللھم اھد قومی فانھم لا یعلمون

[رمضان ۱۳۸۵ھ/جنوری ۱۹۶۶ء]

ٹیلیویژن اور مشرکانہ پروگرام

یہ معلوم ہو کر انتہائی صدمہ ہوا کہ بتاریخ ۲۴/دسمبر ۷۰ء ٹیلی ویژن پروگرام پر حضرت مسیح ابن مریم علیہ السلام کو خدا کا بیٹا کہا گیا اور الوہیت مسیح کا تصور جیتی جاگتی شکل میں پیش کیا گیا، انا للہ وانا الیہ راجعون۔

اس دردناک واقعہ سے پاکستانی ملت کی غیرت و حمیت کو جس بری طرح مجروح کیا گیا ہے نوک قلم اس کے اظہار سے قاصر ہے، معدودے چند اقلیت کو خوش کرنے کے لئے ملک کی عظیم اکثریت اور حکومت کے مذہب کو اس طرح ذبح کرنا نہ صرف اسلامی تقاضوں کے خلاف ہے بلکہ عقل کے بھی خلاف ہے، اب تک تو شکوہ تھا کہ ٹیلی

ویڑن پر زیادہ تر مخرب اخلاق پروگرام پیش ہوتے ہیں اور انسانی داخلاقی تربیتی پروگرام عمداً پیش نہیں کئے جاتے ورنہ ٹیلی ویژن قوم کے سدھارنے کا بہترین ذریعہ بن سکتا تھا، لیکن اب تو معاملہ اخلاق سے متجاوز ہو کر دین تک پہنچ گیا اور دین اسلام کے بنیادی عقیدہ توحید پر کاری ضرب لگانے کی کوشش کی جارہی ہے۔

دین اسلام کی تمام عمارت صرف توحید الٰہی پر قائم ہے، شرک و بت پرستی کی مذمت تمام شرائع الٰہیہ سماویہ میں موجود ہے، پھر کتنی جرأت و جسارت ہے کہ مسلمانوں کے ملک میں سلامی حکومت کے زیر سایہ شرک کی تبلیغ کی جائے اور توحید کے خلاف پروگرام پیش ہوں، بے غیرتی اور بے دینی کی بھی انتہا ہوگئی۔ اللہ تعالیٰ رحم فرمائے اور ہر منصب کے ارباب اقتدار کو فرائض منصبی ادا کرنے کی صحیح اہلیت نصیب فرمائے، آمین۔ ہوسکتا ہے کہ یہ پروگرام غیر شعوری طور پر لایا گیا ہو لیکن اس قسم کے غیر شعوری پروگرام ایک باشعور قوم وملت کے لئے کلنک کا ٹیکہ ہوتے ہیں، اللہ تعالیٰ رحم فرمائے۔

قابل توجہ مسائل حاضرہ

''بینات'' کے سابق دو شماروں میں راقم نے حضرات علماء کرام کی خدمت میں جو گذارش کی تھی اسی سلسلے میں اب ان کی خدمت میں عصر حاضر کے چند قابل توجہ مسائل بطور مثال ونمونہ کے پیش ہیں۔

عقود ومعاملات

عصر حاضر میں تجارت اور درآمد کا سارا نظام دو باتوں پر موقوف ہے:

① انشورنس یعنی بیمہ۔ ② بینک۔

انشورنس جس کو آج کل جدید عربی میں ''التامین'' کہتے ہیں، اسکی دو بنیادی قسمیں ہیں: ''تامین الاموال''، ''تامین الحیاۃ'' یعنی مال کا بیمہ اور زندگی کا بیمہ، بینات کے صفحات میں عنقریب آپ کے سامنے اس کی تفصیلات آجائیں گی اور آپ حضرات کو کفالہ، غرر، میسر و قمار کی ان جدید صورتوں پر غور کرنا ہوگا۔

بنک کا رائج نظام بغیر ''ربا'' کے چل نہیں سکتا، اس لئے آپ کو بنک کے متبادل نظام مضاربت، وکالت، شرکت پر غور کرنا ہوگا، جو بلا سود کے چل سکے، اور جس سے جدید معاشرے کے مسائل اور مشکلات حل ہوسکیں یہ فیصلہ آپ نہیں کرسکتے کہ بڑے پیمانے پر تجارت یا درآمد و برآمد (ایراد و تصدیر) کا سلسلہ بند کردیں یا موجودہ نسل اس کو تسلیم کر کے ملک کے اندرونی حصے میں تجارت پر قناعت کرے، لامحالہ آپ مجبور ہیں کہ فقہ اسلامی کی روشنی میں غور کر کے جلد از جلد ان مشکلات کو حل کریں تاکہ جدید نسل اس غلطی میں مبتلا نہ ہو کہ دین اسلام عصر حاضر کی مشکل کشائی سے قاصر ہے۔

انہی عقود و معاملات میں جدید کارخانوں اور ملوں کا نظام ہے، ان میں متعدد مسائل درپیش ہیں، بیع سلم،

ربا وغیرہ اور مختلف ابواب سے انکا تعلق ہے۔ بطور مثال:

① کارخانہ دار بنک سے سود پر رقم قرض لے کر زمینداروں میں تقسیم کر دیتا ہے کہ آئندہ کپاس کے موسم اور نرخ پر سب لوگ اپنی کپاس اس کارخانہ میں دیں گے۔

② خریدار اور فروشندہ کے درمیان ایک معاہدہ ہوتا ہے جو بعض اوقات تحریری ہوتا ہے اور بعض اوقات زبانی ہوتا ہے، جس میں باہمی سمجھوتہ ہوتا ہے کہ خریدار کچھ رقم پیشگی دے کر فروشندہ کو اخلاقی طور پر پابند کر لیتا ہے کہ وہ اس پیشگی رقم کے عوض اپنی کپاس خریدار کو دے گا۔

پیشگی رقم فی من کپاس کے حساب سے دی جاتی ہے اور اس کے مطابق وزن بھی طے شدہ ہوتا ہے، مگر بعض اوقات صرف اتنا کہہ کر چھوڑ دیا جاتا ہے کہ فروشندہ کا جس قدر مال اس کی کاشت سے برداشت ہوگا وہ اپنے خریدار کو دے گا، اس صورت میں کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ فروشندہ مقررہ مقدار سے زائد وزن بھیج دیتا ہے اور کبھی کم، کیونکہ کپاس کا دارومدار فصل کی پیداوار پر ہے۔ (اس میں اور مزید تفصیل بھی ہے جو اس وقت حذف کی جاتی ہے)۔

③ نرخ طے کرنے کی بھی ایک تاریخ مقرر ہوتی ہے، مال بھیجنے کے بعد سے مقررہ تاریخ تک فروشندہ کو بازار کے نرخ پر اپنا سودا طے کرنے کا اختیار ہوتا ہے کہ وہ جس دن چاہے سودا طے کرے، اگر فروشندہ اس مقررہ وقت تک بھی اپنا نرخ طے نہ کر پائے تو خریدار مقررہ تاریخ کو بازار کے نرخ پر سودا طے کر کے فروشند کو نرخ سے باخبر کر دیتا ہے اور فروشندہ کو اس نرخ کا پابند ہونا پڑتا ہے۔

④ کپاس کی سودے کی ایک صورت اور بھی ہوسکتی ہے جس کو ''معاہدہ پنبہ برنرخ متعین'' Cotton contract on fixed rate کہا جاتا ہے اس کی بھی مزید تفصیل ہے۔

غرض اس قسم کے معاملات آج کل کثرت سے ہوتے ہیں اور عام لوگ اس میں مبتلا ہیں اس لئے فقہ اسلامی کی روشنی میں ان کا حل تلاش کرنا نہایت ضروری ہے۔

تعلیم وتربیت

تعلیم وتربیت کے سلسلہ میں بہت اہم مسائل درپیش ہیں، ڈرائنگ میں بچوں سے مختلف صورتیں اور شکلیں بنوائی جاتی ہیں اور جاندار چیزوں کے بھی فوٹو اور صور بنوائے جاتے ہیں، کتابیں تصاویر سے آراستہ کی جاتی ہیں، ہر قصہ میں اس کی تصاویر آتی ہیں اور اب انتہا یہ ہوگئی ہے کہ انبیاء کرام علیہم الصلوۃ والسلام وصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی تصاویر سب بنائی گئی ہیں، بلکہ آدم علیہ السلام سے لے کر خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم تک سارے مشہور انبیاء کرام جن کا ذکر قرآن کریم میں ہے، سب کی تصویروں کے ساتھ واقعات لکھے گئے ہیں بعض عرب ممالک اسلامیہ نے اس معصیت کو اتنا رائج کر دیا کہ عقل حیران ہے۔

میڈیکل کالجوں میں تشریح الاعضاء اور جراحت (اناٹومی، سرجری) کی تربیت کے سلسلہ میں لاوارث مردوں کی لاشیں دی جاتی ہیں۔ ان کی چیر پھاڑ کی جاتی ہے اور اس طرح مسلمان اموات کی بے حرمتی کا یہ سلسلہ جزو تعلیم بن چکا ہے، پھر لڑکوں اور لڑکیوں کو یہاں مخلوط تربیت دی جاتی ہے، ایک دوسرے کے اعضاء مستورہ پر بلا تکلف عمل جراحی کرایا جاتا ہے اس طرح یہ تربیتی سلسلہ بھی جاری ہے۔

علاج الامراض وادویہ

مریضوں کے علاج کے سلسلہ میں ڈاکٹر اور ہسپتال جو ادویہ استعمال کرتے ہیں ان میں الکحل استعمال ہوتا ہے جو اکثر اوقات خمر و شراب کی صورت ہوتی ہے۔

ضعیف و ناتوان مریضوں کو خون دیا جایا ہے، کافروں کا خون، اجنبیوں کا خون دیا جاتا ہے، اس کی کہاں تک گنجائش ہے؟ اور جزئیت کا یہ معاملہ کیسے برداشت ہوسکتا ہے؟ قریب الموت اشخاص کی آنکھیں نکال کر نابیناؤں میں لگائی جاتی ہیں۔ یہ سلسلۂ علاج و خوبصورتی، ایک شخص کی کھال کاٹ کر دوسرے شخص (مرد یا عورت) کو لگائی جاتی ہے۔

مرہم پٹی کے سلسلہ میں نرسنگ کا نظام کہ عورتیں مردوں کی خدمت کرتی ہیں اور بدن کے ہر ہر حصہ میں مرہم پٹی کرتی ہیں۔

عورتوں کا آپریشن مرد ڈاکٹر کرتے ہیں، جبکہ اس خدمت کو انجام دینے والی عورتیں (لیڈی ڈاکٹر) بھی موجود ہیں ان سب مسائل کے فیصلے کرنے ہوں گے۔

عبادات

نماز، روزہ، زکوٰۃ ان سب میں جدید تمدن نے نئے نئے مسائل پیدا کر دیئے ہیں، مثلاً ہوائی جہاز میں قضا لازم ہے یا جہاز ہی میں جیسے ممکن ہو نماز پڑھ لی جائے؟ ایک شخص نے کومٹ جٹ طیارے میں اپنے وقت پر نماز پڑھ لی اور دوسرے ملک میں جا پہنچا جہاں ابھی اس نماز کا وقت بھی داخل نہیں ہوا، آیا وہ نماز دوبارہ پڑھے یا نہیں؟

غرض اس قسم کے سوالات ہیں، علماء امت کے ذمہ یہ فرض عائد ہوتا ہے کہ ان سب کے جوابات قدیم فقہ اسلامی اور قرآن و حدیث نبویہ کی روشنی میں پیش کریں اور امت کو مطمئن کر دیں۔

یہ چند مختصر اشارات ہیں اور مقصود صرف اتنا ہے کہ اس وقت جدید مسائل کی نوعیت کی طرف توجہ مبذول کرائی جائے۔ آئندہ ارادہ ہے کہ ان سارے ابواب کے مسائل کا ایک مفصل سوالنامہ مرتب کر کے علماء امت کی خدمت میں پیش کیا جائے تاکہ منفرداً پہلے اس پر غور فرمالیں اور پھر آخری اجتماعی فیصلہ کے بعد اس کو کتابی صورت میں (اردو، عربی، انگریزی، تینوں زبانوں میں) شائع کیا جائے، یہ وہ جدید فقہ اسلامی ہوگی جس کے لئے

ملت کا دیندار طبقہ مضطر ہے اور بے چینی سے انتظار کر رہا ہے۔

''وفاق المدارس العربیۃ الاسلامیہ'' کی طرف سے میں عنقریب یہ تجویز پیش کروں گا کہ فقہ اسلامی کے تخصص و تکمیل (ڈاکٹریٹ) کا آغاز انہی فقہی مسائل کی تحقیق سے کیا جائے۔

ان ارید الا الاصلاح ما استطعت وما توفیقی الا باللہ علیہ توکلت والیہ انیب

[جمادی الاولیٰ ۱۳۸۳ھ/اکتوبر ۱۹۶۳ء]

مسائل حاضرہ

① ماہنامہ بینات کے گذشتہ چند شماروں میں علماء امت کو توجہ دلائی گئی تھی کہ ان کے ذمہ ایک اہم دینی فریضہ عائد ہے کہ وہ جدید تمدن سے پیدا شدہ مسائل کا حل تلاش کر کے اس نازک وقت میں امت کی رہنمائی کا فرض ادا کریں، اور اس حقیقت کا عملی ثبوت دیں کہ دین اسلام ہر دور اور ہر عصر کے لئے صالح ترین اور جامع ترین نظام ہے اور عملی طور پر باور کرائیں کہ اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ابدی قوانین و احکام میں ہر مشکل کا حل تلاش کرنے سے مل جاتا ہے اور فقہاء اسلام کی کاوشیں آج بھی ہماری رہنمائی کی لئے کافی وشافی ہیں۔

② اس سلسلہ میں چند رہنما اصول بھی پیش کئے تھے اور بطور نمونہ چند مسائل کی فہرست بھی ارباب علم وفتویٰ کے غور وفکر کے لئے پیش کی تھی جس میں نہ صرف معاملات سے متعلق مسائل تھے، بلکہ عبادات میں روزہ، نماز، زکوٰۃ اور حج وغیرہ کے بعض مسائل بھی تھے جو توجہ کے محتاج ہیں، ٹھیک جس وقت یہاں اس دینی ضرورت کے احساس کا صفحات قرطاس پر اظہار ہی کیا جا رہا تھا کہ ہندوستان کے ارباب علم ودین کی ایک مستقل مجلس ''دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ'' کی سرپرستی میں ''مجلس تحقیقات شرعیہ'' کے نام سے وجود میں آ گئی، اس مجلس کے کارکن ہمارے شکریہ کے مستحق ہیں کہ انہوں نے اس راہ میں ایک عملی قدم بھی اٹھایا اور انشورنس (بیمہ) کے مسائل کے حل سے کام شروع کر دیا اور ایک جامع اور بصیرت افروز سوالنامہ شائع کیا تاکہ علماء عصر انشورنس (بیمہ) کے مالہ وما علیہ سے پوری واقفیت حاصل کر کے علی وجہ البصیرۃ جواب باصواب دے سکیں، وہ سوالنامہ بینات ماہ رمضان ۸۴ء کے صفحات پر ضرور ملاحظہ سے گذرا ہوگا۔

③ آج کی فرصت میں ادارہ بینات کی جانب سے اس کے مفصل جواب کی پہلی قسط شائع کی جارہی ہے، ظاہر ہے کہ اس قسم کے مسائل میں اجتماعی آراء وافکار کی ضرورت ہے، انفرادی رائے زیادہ مؤثر اور شرعاً نتیجہ خیز نہیں ہو سکتی لیکن بدرجہ مجبوری کہ موجودہ حالات میں اس قسم کا اجتماع دشوار ہے اور ارباب علم وفتوی کی کوئی ایسی مجلس موجود نہیں، انفرادی رائے سے ہی کام لے کر یہ مفصل جواب علماء امت کے سامنے پیش کیا جا رہا ہے، ضرورت بلکہ دینی فریضہ ہے کہ حضرات علماء، مفتیین اس کے ہر پہلو پر کامل غور وخوض فرما کر موافقت یا مخالفت

میں اپنی رائے اور تحقیق سے ادارہ بینات کو مطلع فرمائیں اور نقد وتبصرہ کا دینی حق ادا فرمائیں، تاکہ اس نقد وتبصرہ اور تحقیق وتنقیح کے بعد ایک ایسے فیصلہ پر پہنچا جا سکے جس کو امت کی اجتماعی رائے اور متفقہ فیصلہ سے تعبیر کرنا صحیح ہو، نہ کہ محض شخصی اجتہاد اور انفرادی رائے، اس لئے کہ مستند علماء، مفتیین کا اجتماع میسر نہ آسکنے کی صورت میں بھی ایک طریق کار ہے جس پر مسائل طے ہونے سے امت محمدیہ کے سامنے ایک مستند قابل اعتماد اور مجمع علیہ فیصلہ آسکے گا اور انشاء اللہ العزیز امت کے مضطرب قلوب کو مطمئن کر سکے گا، اس لئے حضرات علماء ومفتیین سے قوی توقع اور مخلصانہ استدعا ہے کہ وہ اس جواب استفتاء کو صرف ایک علمی اور تحقیقی مقالہ کی نظر سے دیکھ کر خاموشی نہ اختیار فرمائیں بلکہ یہ محسوس فرمائیں کہ یہ ایک استفتاء، اور اس کا جواب ہے جو ہمارے سامنے پیش کیا جا رہا ہے اور ہمیں اپنے علم وبصیرت کے مطابق اس پر کچھ نہ کچھ ضرور لکھنا ہے۔

مسائل شرعیہ کے حل کا طریقہ

④ یہ حقیقت واضح رہے کہ کسی مشکل شرعی مسئلہ کو حل کرنے کا طریقہ یہ نہیں کہ جو صورتحال ملک میں رائج ہو اس کو عموم بلویٰ کے عنوان سے بحالہ رکھ کر فیصلہ کر دیا جائے کہ یہ شرعاً جائز ہے، اس لئے کہ بحالت اضطرار اس سے مخلص نہیں، جیسا کہ عام طور پر کہا جاتا ہے کہ بینکنگ کے نظام میں جو سود ہے چونکہ اس سے چارہ کار نہیں اس لئے بینک کا سود شرعی ربا نہیں ہے، اور بیع غرر اور قمار ومیسر کا نظام چونکہ عام طور پر ملکوں میں رائج ہو گیا ہے اس لئے اس کے جواز کا فتویٰ ناگزیر ہے، یہ درحقیقت مسائل شرعیہ کا حل نہیں ہے بلکہ ایک طرف یہ سراسر جہل وبے دینی ہے، دوسری طرف یہ اس امر کا اعتراف ہے کہ۔العیاذ باللہ۔دین اسلام ناقص اور مکمل رہنمائی سے قاصر ہے، انسانی زندگی کے مسائل کا حل اس میں موجود نہیں ہے۔

آج کل جو غیر ارباب دین اور غیر ارباب علم اسی نقطہ نظر سے سوچ رہے ہیں اور اپنے اداروں اور مجلّوں میں اسی قسم کے جوابات شائع کر کے اسلامی احکام واصول اور قانون الٰہی پر عمل جراحی کر رہے ہیں اور اسی کو عین اسلام سمجھ رہے ہیں اور سمجھا رہے ہیں، اس ظلم وعدوان کے خلاف بارہا آواز اٹھائی گئی ہے، لیکن ''صاحب الغرض مجنون'' والی بات ہے، ان حضرات میں سے کسی کو اتنی توفیق نہیں ہوتی کہ اپنے اس طرز عمل کا جائزہ لیں اور اپنے طریق کار پر نظر ثانی کی زحمت گوارا کریں۔

اسلامی قوانین کے نفاذ کے لئے ضروری امر

⑤ یاد رہے کہ اسلامی احکام وقوانین کے صحیح طور پر نفاذ واجراء کے لئے اسلامی مملکت اور شرعی حکومت ضروری ہے، ملک تو ہو غیر اسلامی نظام حکومت سے وابستہ اور آپ چاہیں کہ اس کی مشکلات اسلامی قانون کے تحت حل کی جائیں یہ کیونکر ہو سکتا ہے، اس کی مثال تو بالکل ایسی ہی ہے جیسے ایک جوتے کا قالب سیدھے اور صحیح سالم

پاؤں کے لئے تیار کیا گیا ہے اب اگر کوئی ٹیڑھا اور مڑا ہوا پاؤں اس قالب پر بنے ہوئے جوتے میں فٹ نہ ہو تو یہ نہ جوتے کا قصور ہے نہ قالب کا، بلکہ پاؤں کا قصور ہے کہ وہ ٹیڑھا ہے، ٹھیک اسی طرح ملک کی موجودہ صورتحال کو تصور فرمائیں، آپ چاہیں کہ کافرانہ نظام کے ہوتے ہوئے اسلامی احکام کے نفاذ میں کوئی دقت پیش نہ آئے یہ ناممکن ہے۔

بہرحال انشورنش (بیمہ) کے مسئلہ کا حل موجودہ صورت حال میں جتنی گنجائش شرعاً نکل سکتی تھی سوچا گیا ہے، اگر ملک میں کامل طور پر اسلامی نظام معیشت و معاشرت رائج ہوتا تو بہت سی مشکلات خود بخود حل ہو جاتیں۔

اسلامی احکام کی نفاذ کی راہ میں دشواری صرف اس لئے نظر آتی ہے کہ ملکی معیشت اور معاشرت کا سارا ڈھانچہ غیر اسلامی ہے، دونوں کا جوڑ پورے طور پر لگ ہی نہیں سکتا، یہ حقائق ہیں جن پر ٹھنڈے دل سے غور کرنے کی ضرورت ہے۔

اب جو مسئلہ اور اس کا حل پیش کیا جارہا ہے اس تمام صورت حال پر غور کرنے کے بعد اس پر رائے قائم فرمائیں، نقد و تبصرہ سے نوازیں، ادارہ بینات کو بے صبری کے ساتھ علماء کرام کی آراء کا انتظار ہے۔

حکام پاکستان کا فریضہ

بینات کے گذشتہ شماروں میں ارباب حکومت اور سربراہ مملکت کو متوجہ کیا گیا ہے کہ اسلام اللہ جل شانہ کی وہ آخری نعمت ہے جس سے نبی عربی فداہ ابی وامی صلی اللہ علیہ وسلم کی بدولت امت محمدیہ کو نوازا اور سرفراز کیا گیا ہے، جب اللہ تعالی نے محض اپنے فضل و کرم سے اس نعمت کے پھلنے پھولنے اور بارآور ہونے کے لئے اسی کے نام پر ایک سرزمین ایسی عطا فرمادی جس میں مسلمانوں کو غلامی کی ذلت و لعنت سے نجات میسر آ گئی، تو ارشاد ربانی:

﴿اَلَّذِيْنَ اِنْ مَّكَّنّٰهُمْ فِى الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ وَاَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ وَلِلّٰهِ عَاقِبَةُ الْاُمُوْرِ﴾ [الحج:٤١]

وہ مغلوب و کمزور لوگ جن کو اگر ہم روئے زمین پر اقتدار اعلیٰ اور تمکن عطا فرمادیں تو وہ نمازوں کو قائم کریں، زکاۃ ادا کریں اور ہر بھلے کام کا حکم دیں، اور برے کام سے منع کریں اور (یاد رکھو) انجام کار اللہ ہی کے ہاتھ میں ہے۔

کے مطابق اس نعمت کا شکر ادا کرنے کا یہی طریقہ کہ اس پاک سرزمین میں حقیقی اور صحیح قانون الٰہی نافذ کرایا جائے، اور شرائع الہیہ و شعائر اسلامیہ یہاں قائم کئے جائیں، تاکہ دین و دنیا دونوں کی سرخروئی مسلمانوں کو نصیب ہو، اور ملک کے استقلال و استحکام میں مزید اضافہ ہو کہ اللہ جل شانہ کا وعدہ ہے:

﴿لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَاَزِيْدَنَّكُمْ وَلَئِنْ كَفَرْتُمْ اِنَّ عَذَابِىْ لَشَدِيْدٌ﴾ [ابراهيم:٧]

بخدا!! اگر تم نے شکر ادا کیا تو میں تمہیں اور زیادہ دوں گا اور اگر ناشکری کی تو بے شک میرا عذاب بہت سخت ہے۔

اگر ایسا نہ کیا تو اندیشہ ہے کہ مبادا ہم کفران نعمت اور ناشکری کی پاداش میں اس نعمت سے محرومی کے عذاب شدید میں گرفتار ہو جائیں۔

لیکن جب یہی حکومت کے ارباب کار اور برسر اقتدار طبقہ کو اس طریق کار کی جانب متوجہ کیا جاتا ہے تو جو نااہل اور غیر موزوں اشخاص سوء اتفاق سے اس معاملہ میں ان کے مشیر بن گئے ہیں ان کو فوراً اپنے مناصب کی فکر دامن گیر ہوتی ہے اور اہل حق کے خلاف چلا اٹھتے ہیں کہ یہ لوگ دراصل دینی سیادت کا خواب دیکھ رہے ہیں اور مذہبی اقتدار کے آرزومند ہیں اور طرح طرح کے الزامات و اتہامات لگا کر اور ان کی نیتوں پر حملے کر کے ان کے خلاف ایڑی چوٹی کا زور لگا دیتے ہیں، صرف اس لئے کہ کہیں وہ اس متاع حقیر و قلیل یعنی دنیوی مناصب اور کرسیوں سے محروم نہ ہو جائیں "ذلك مبلغهم من العلم" یہ ہے ان کا مبلغ علمی، اور اس کی پرواز، اس قسم کے فریب خیال اور ہوائے نفس کا شکار وہی خدا فراموش قوم ہوتی ہے جو آخرت کی گرانمایہ نعمتوں کو بھلا چکی ہو اور "وفرحوا بالحيوة الدنيا واطمئنوا بها" (وہ دنیا کی زندگی پر مگن ہیں اور اسی پر مطمئن) کا مصداق بن چکی ہو، اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ یہ بوریہ نشین تو وراثت نبوت کی دولت (علم دین) سے بڑھ کر دنیا کی اور کسی دولت کو خاطر میں نہیں لاتے اور اس فاقہ مستی میں بھی ان کو وہ سکون قلب حاصل ہے جس کا یہ حضرات تصور بھی نہیں کر سکتے۔ اللہ جل شانہ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ تاریخ کی بدنام ترین قوم یہود کی ذہنیت "اتستبدلون الذى هو ادنىٰ بالذى هو خير" کا ہمارے حاشیۂ خیال اور تصور کے آس پاس بھی گذر نہیں ہو سکتا۔

اس گروہ کا چلتا ہوا جادو اور کارگر حربہ جو انہوں نے اپنے آقایان نعمت سے سیکھا ہے، ہمیشہ یہی رہا ہے کہ "لڑاؤ اور حکومت کرو" چنانچہ جب کہا جاتا ہے کہ اس ملک کے تمام باشندے سنی حنفی ہیں، اس ملک کے قانون کی اساس فقہ حنفی پر رکھی جانی چاہئے تو فوراً یہ حضرات حنفی و اہل حدیث اور سنی و شیعہ کا جھگڑا کھڑا کر دیتے ہیں اور مذہبی نزاع کے فتنۂ خوابیدہ کو بھڑکانے کی سرگرم کوششیں شروع کر دیتے ہیں۔

تعجب و تاسف کا مقام ہے کہ یہ حضرات اپنا سارا زور بیان اور فرقہ وارانہ جوڑ توڑ کی پوری صلاحیت اسی پر صرف کرتے ہیں کہ کہیں ملک کے سربراہ دین کی طرف متوجہ نہ ہو جائیں اور ان حضرات کی یہ جاگیرداری ختم نہ ہو جائے اور ان نعمتوں سے جو اس وقت حاصل ہیں محروم نہ ہو جائیں۔

یاد رکھیئے! جو حضرات ملکوں اور حکومتوں میں بلا ترمیم و تنسیخ قانون الٰہی اور احکام شریعت محمدیہ کے نفاذ کے امکانات کو ختم کرنا چاہتے ہیں ان کی سب سے بڑی دلیل یہی ہے کہ ان مذہبی احکام کے نفاذ سے ملک میں ایک مستمر و مسلسل نزاع کی تخم ریزی ہوتی ہے، اس لئے ملک کا قانون مذہبی فرقہ وارانہ اختلافات سے بلند تر ہونا

چاہیے، وہ درحقیقت یہ کہنا چاہتے ہیں کہ حکومت لادینی (سیکولر اسٹیٹ) ہونی چاہیے، اس لئے کہ بجز لادینی کے اور ملک میں کوئی بھی ایسا قانون نافذ نہیں کیا جاسکتا جس کو ملک کے تمام فرقے حق ہوں یا باطل یکساں طور پر قبول کرلیں اور مطمئن ہوجائیں۔

یہ حضرات اتنی موٹی سی بات بھی نہیں سمجھتے کہ دراصل لادینی ہی سے ''انارکزم'' اور ''فوضویت'' جنم لیتی ہے، اور انارکی ہی ملک کے بقاء اور استحکام اور قوت واستقلال کی سب سے بڑی دشمن ہے اور یہ ایک مسلم حقیقت ہے کہ انارکی اور فوضویت کے انسداد اور بیخ کنی کے لئے دینی نظام سے بڑھ کر کوئی دوسرا نظام مفید نہیں ہوسکتا، دنیا کے تمام مفکرین اور مدبرین، خواہ یورپین اقوام سے تعلق رکھتے ہوں، خواہ ایشیائی اقوام سے سب اس پر متفق ہیں حتی کہ آج یورپ کے ملحدین اور منکرین آخرت بھی محض سیاسی مصالح ہی کی غرض سے کلیساؤں کا دامن تھامے ہوئے ہیں، اگر مذہب کا لبادہ اتار دیں تو دنیا میں بھی ان کا کوئی سہارا باقی نہ رہے، اللہ تعالیٰ ان مدعیان اسلام کو صحیح اسلام کو سمجھنے اور اختیار کرنے کی توفیق عطا فرمائیں اور اپنی رضاء وخوشنودی کے حصول کی ان کو بھی اور ہمیں بھی سعادت ارزانی فرمائیں:

﴿یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا کُوْنُوْا قَوّٰمِیْنَ لِلّٰہِ شُھَدَآءَ بِالْقِسْطِ وَلَا یَجْرِمَنَّکُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰٓی اَلَّا تَعْدِلُوْا اِعْدِلُوْا ھُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰی وَاتَّقُوا اللّٰہَ اِنَّ اللّٰہَ خَبِیْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ﴾ [المائدۃ:۸]

[اپریل ۱۹۶۵ء/ذوالقعدہ ۱۳۸۴ھ]

ایک اچھا اقدام

ہمیں انتہائی مسرت ہے کہ ماہنامہ ''فکرونظر'' بابت ماہ جنوری ۱۹۶۵ء کے ادارتی نوٹ بعنوان ''نظرات'' سے توقع ہوگئی کہ ادارہ ماہنامہ ''فکرونظر'' غور وفکر کے بعد اپنا سابق موقف بدل رہا ہے، چنانچہ ارشاد ہے:

''ماہنامہ فکرونظر...... اس کی یہ کوشش ہے کہ ہم اپنے ہر مسئلہ کا حل تلاش کرتے وقت کتاب وسنت کی طرف رجوع کریں اور فقہائے کرام اور علماء سلف کے ارشادات کی روشنی میں ان سے رشد وہدایت حاصل کریں، ملی روایات کے تسلسل پر ہمارا ایمان ہے اور ماضی کی باقیات صالحات ہی پر ہم مستقبل کی تعمیر کرنا چاہتے ہیں، فکرونظر اسلام کی تجدید ضرور چاہتا ہے، اس کی کوشش یہ ہے کہ آج اس زمانے میں اسلام کی ایسی علمی تعبیر ہو جو ہمارے لئے مشعل ہدایت بن سکے، مختصراً ماہنامہ فکرونظر تجدید اسلام کی دعوت نہیں دیتا اس کی دعوت صرف تجدید فکروعمل کی ہے اور تجدید فکروعمل بھی اسلام کی روشنی میں''۔

ماشاء اللہ! سبحان اللہ! کاش! یہی عزم روز اول سے ہوتا اور یہی ارشاد پہلے دن ہی فرمادیتے، بینات بھی

یہی کہتا ہے کہ حقائق اسلام کی تحریف وتبدیل، انکار سنت وتردید احادیث اور تجہیل فقہاء کرام کے بجائے غیر منصوص جدید مسائل کا حل قرآن وسنت اور فقہاء امت کے کلمات طیبات کی روشنی میں اجتماعی صورت میں تلاش کیا جائے، خدا کرے کہ فکر ونظر اس موقف پر قائم رہے اور اس دعوے کا عملی ثبوت بھی فراہم کرے اور اپنے مقالات ومضامین سے اس کی تصدیق وشہادت بھی مہیا کرے اور فکر ونظر، بینات کے شانہ بشانہ چل کر سفینہ اسلام کو جس بھنور میں وہ اس وقت پھنسا ہوا ہے انتہائی دیانت داری ودانائی کے ساتھ اس سے نکال کر ساحل مقصود پر پہنچائے اور تقسیم کار کے اصول پر مقصد کے جس جزء کے لئے اس میں اہلیت ہے وہ انجام دے اور جس کے لئے بینات موزوں ہے وہ اتمام تک پہنچائے۔

لیکن افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ اس شمارے میں جو مضامین شائع ہوئے ہیں وہ اس دعوے کی تردید وتکذیب کرتے ہیں، تمنا عمادی صاحب کا مضمون جس میں بینک کے سود کو صرف اس لئے جائز قرار دیا گیا ہے کہ اس میں فریقین کی رضامندی ہوتی ہے لہٰذا یہ بمنزلہ بیع ہے اور جائز ہے، ربا وہ ہوگا جس میں ظلم پایا جائے، اس سے بڑھ کر اسلامی حقائق محترمہ کو مسخ کرنے کی اور کیا کوشش ہوسکتی ہے؟ اس تراضی طرفین کی دلیل سے کل کو کہا جائے گا کہ:

﴿وَلَا تُكْرِهُوْا فَتَيٰتِكُمْ عَلَى الْبِغَاءِ اِنْ اَرَدْنَ تَحَصُّنًا﴾ [النور:۳۳]

اگر باندیاں پاک دامن رہنا چاہتی ہیں تو زنا پر جبر واکراہ مت کرو۔

کی بنا پر زنا بالجبر زنا ہے اور جرم ہے لیکن جب فریقین میں تراضی ہو تو نہ وہ زنا ہے اور نہ جرم، بلکہ بمنزلہ نکاح کے ہے جس میں باہمی رضامندی سے ایجاب وقبول ہوتا ہے۔

اسی طرح مولوی عمر احمد تھانوی کا طلاق ثلاث سے متعلق مضمون جس میں محمد حسین ہیکل کی کتاب الفاروق کی صریح گمراہ کن تجویز سے استفادہ کیا گیا ہے کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے صریح نص قرآنی کے خلاف اپنے اجتہاد سے کام لے کر یہ فیصلہ کیا ہے، اس لئے ہم اس کی مخالفت کرتے ہیں، افسوس اور رنج اس پر ہے کہ فہم صحیح سے انسان خود محروم ہو اور طعن وتشنیع کا ہدف بنائے حضرت فاروق اعظم جیسی شخصیت کو، کیا کتاب وسنت اور فقہاء امت کے اتباع کا یہی طریقہ ہے؟ اب ہم تو شرعاً مجبور ہیں کہ ان حضرات کی تلبیس آمیز نگارشات کا پردہ چاک کریں۔ واللہ المستعان۔

مسیحی قوموں کا عرصہ سے یہ طریقہ رہا ہے کہ تھوڑے تھوڑے عرصہ کے بعد دین اسلام اور حضرت خاتم الانبیاء رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی توہین وتذلیل کرتے رہتے ہیں، ان دنوں اخبارات سے معلوم ہوا ہے کہ ''جی ایچ براؤننگ'' نے ایک کتاب لکھی ہے ''دی لانگ ورلڈ آف ہسٹری ان کلر'' اور اس میں حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فداہ ابی وامی جو انسانیت کے محسن اعظم ہیں ان کی شان اقدس میں اہانت آمیز کوئی تحریر لکھی ہے، آج جب کہ اسلامی ممالک کا حلقہ دن بدن وسیع ہوتا جا رہا ہے اور امریکہ وروس جیسی حکومتیں بھی مجبور ہوتی جارہی ہیں کہ

مسلمانوں کے دینی احساسات ومعتقدات کی عزت واحترام کر کے ان کو خوش رکھیں اور ان سے دوستانہ روابط وتعلقات قائم کریں، ان حالات میں حکومت برطانیہ کے زیرسایہ مصنفین اس قسم کی زہرآلود تحریریں شائع کرتے رہتے ہیں، یہ دیکھ کر انتہائی رنج وافسوس اور دکھ ہوتا ہے، ایسا محسوس ہوتا ہے کہ برطانیہ کے تدبر کا بالکل ہی دیوالیہ نکل گیا ہے، حیرت یہ ہے کہ جو حکومت تدبر وعاقبت اندیشی میں ضرب المثل تھی آج اس کی یہ فرومائیگی؟ لیکن حقیقت واضح ہے کہ اس قوم کو اسلام سے حد درجہ دیرینہ عداوت ہے، اس کو چھپا نہیں سکتی، بہرحال اب حکومت برطانیہ کا سیاسی فرض ہے کہ اس قسم کے لٹریچر کو یک قلم ضبط کر کے اپنے سیاسی تدبر کا ثبوت دے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿قَدْ بَدَتِ الْبَغْضَاءُ مِنْ اَفْوَاهِهِمْ وَمَا تُخْفِيْ صُدُوْرُهُمْ اَكْبَرُ﴾ [آل عمران: ۱۱۸]

یہ بغض وعناد تو ان کی زبانوں سے ظاہر ہو گیا لیکن جو کچھ دل میں چھپا ہوا ہے وہ اس سے کہیں زیادہ ہے۔

[شوال ۱۳۸۴ھ/مارچ ۱۹۶۵ء]

دینی مدارس اور پاکستان

حق تعالیٰ شانہ نے محض اپنے فضل وکرم سے مملکت خداداد پاکستان مسلمانوں کو عطا فرمائی تاکہ اسلام کے صحیح تقاضے بروئے کار آسکیں، عوام نے دل وجان سے اسی مقصد کے لئے کوششیں کیں، ہر قسم کی قربانیاں دیں، دعائیں کیں، خواص نے بار بار اعلان کیا کہ متحدہ ہندوستان میں مسلمانوں کی دینی آزادی کا مستقبل تاریک ہے اور نہ یہاں یہ امکان ہے کہ اقتصادی ومعاشی سکون وراحت نصیب ہو سکے، غرض اسلام وکفر دونظریوں کے ماتحت یہ مملکت وجود میں آئی، اور کروڑوں مسلمانوں نے ہندوستان سے ہجرت کر کے اس مملکت کو آباد کیا، بلاشبہ مسلمانوں نے ابتداء میں بہت کچھ ایثار سے کام لیا، اپنی تجارتیں اور انڈسٹریز اور دیگر ذرائع معیشت، اسباب راحت وسکون کو خیرآباد کہا، اپنی عبادت گاہیں، مسجدیں اور دینی درسگاہیں چھوڑیں، علمی ادارے چھوڑے، نشر واشاعت کے مراکز کو الوداع کہا۔

حق تعالیٰ شانہ نے ترک وطن کرنے والوں پر احسان فرمایا ان کو وہاں سے بہتر مکانات اور کارخانے عطا فرمائے ان کے ارباب خیر وصلاح نے مسجدیں بنوائیں، تاکہ عوام ان کو آباد کریں، علماء امت کو توفیق عطا فرمائی کہ ہندوستان میں چھوڑی ہوئی دینی درس گاہوں کے بجائے یہاں متبادل دینی وعلمی مراکز، بڑے بڑے دارالعلوم وجامعات اور تعلیم القرآن کے مدارس جاری کئے گئے، تشنگان دین کے لئے دینی مراکز قائم کئے، مشتاقان علم نبوت کے لئے علمی چشمے جاری ہوئے، کتب خانے اور مطابع قائم کئے، علمی ودینی کتابوں کے انبار لگ گئے، علوم ومعارف کے ذخائر تیار ہو گئے، الغرض سندھ کے صحراؤں میں علم ومعرفت کے چشمے پھوٹ پڑے، پنجاب کی وادیوں میں علم ودین کی بہار آ گئی، یہ سب کچھ ان غریب مسلمانوں نے کیا جو اپنا مال ومتاع لٹا کر یہاں آئے تھے، اگر بمبئی، کاٹھیا

واڑ اور گجرات و برما کے مسلمان تاجر یہاں نہ پہنچتے تو یہ کارخانے انڈسٹریاں نظر نہ آتیں، اور اگر ارباب علم و دیندار اصحاب ثروت کا طبقہ یہاں نہ پہنچتا تو یہ مدارس و مساجد و معابد یہاں نہ ہوتے، ان دیندار اور ارباب خیر مسلمانوں کی وجہ سے آج کراچی میں دو ہزار مسجدیں جدید تعمیر ہوئیں، ان میں ایسی مساجد بھی ہیں جن پر دس دس لاکھ روپیہ خرچ ہوا، اگر یہ اہل علم نہ ہوتے تو اس مغربی پاکستان میں چھوٹے بڑے ایک ہزار مدرسے نہ ہوتے، بلاشبہ پاکستان کی ریڑھ کی ہڈی یہی دینی مدارس و تعلیم گاہیں ہیں، پاکستان کی روح یہی مسجدیں اور دینی ادارے ہیں، اگر آج مسلمانانِ پاکستان کی توجہات و کوششیں نہ ہوتیں تو دین کا وہی حشر ہوتا جو اسپین میں ہوا۔

دینی مدارس کو حکومت کی تحویل میں لینے کا منصوبہ

خدارا! بتلائیے کہ کراچی جیسے عظیم شہر میں کتنی مسجدیں ارباب حکومت نے بنائیں؟ کتنی دینی درسگاہیں ہیں جن کو حکومت نے تعمیر کرایا؟ نہ صرف دینی درسگاہیں بلکہ دنیوی تعلیم گاہیں بھی مسلمانوں کی کوششوں کی رہین منت ہیں، کیا حکومت کے قائم کردہ اسکول و مکاتب مسلمان بچوں کی تربیت کے لئے کافی ہو سکتے تھے؟ حقیقت تو یہ ہے کہ پاکستان کی دنیوی حیات جس طرح مسلمان ارباب تجارت کی سعی بلیغ کا ثمرہ ہے، ٹھیک اسی طرح پاکستان کا دینی و علمی نظام، ارباب دین اور ارباب فکر کی کوششوں کا نتیجہ ہے، اگر حکومت پاکستان کا میزانیہ ان کارخانے والوں کا مرہون منت ہے جو ان کے ٹیکسوں کے ذریعہ پورا ہوتا ہے تو ٹھیک اسی طرح پاکستان کا دینی و علمی وقار ان علماء امت کی مساعی جمیلہ کا نتیجہ ہے جو بوریوں پر بیٹھ کر معمولی مشاہروں ''قوت لا یموت'' پر گذارہ کر کے اس نظام دین کو برقرار رکھے ہوئے ہیں۔

یہ ممکن ہے کہ ان ارباب علم میں کچھ لوگ ایسے بھی شامل ہو گئے ہوں جن کے مقاصد بلند نہ ہوں، اخلاص میں کمی ہو، دنیاوی اغراض ان کا مطمح نظر ہوں، لیکن ان کی وجہ سے اس پورے علمی و دینی نظام کو یکسر ختم کرنے کی تدبیر کرنا کہاں کی دانشمندی ہے؟ اس میں شک نہیں کہ اس قماش کے لوگ آخرت کے ثواب سے محروم اور دنیاوی اعزاز و احترام سے تہی دامان ہوں گے اور اس کے لئے یہی سزا کافی ہے لیکن ان کے ادارے بھی خالی از نفع نہیں ہیں، اگر چند کارخانے دار رشوت دے دے کر صنعت کے نظام میں فساد پیدا کر دیں تو اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ سارا صنعت و حرفت کا نظام ناقص اور بے سود ہے۔

آج ہم دیکھ رہے ہیں کہ جن اسکولوں، کالجوں اور علمی اداروں کو حکومت نے قومیا کر اپنی تحویل میں لے لیا ہے ان کا کیا حشر ہوا؟ کیا وہ سابقہ معیار قائم رہ سکا؟ جن کارخانوں کو حکومت نے اپنی تحویل میں لیا، کیا ان کی آمدنی اور پیداوار کا توازن قائم رہ سکا؟ نتیجہ یہ ہوا کہ پیداوار میں خسارہ رہا اور حکومت مجبور ہو گئی ہے کہ نئے ٹیکس لگا کر اپنے میزانیہ کو پورا کرنے کی تدبیر کرے، انا للہ۔

کبھی کبھی یہ آواز سنائی دیتی ہے کہ دینی مدارس حکومت اپنی تحویل میں لینا چاہتی ہے، کیا حکومت کو اپنے سابق تجربات سے یہ عبرت انگیز نصیحت نہیں ملی کہ ان بوریہ نشینوں کو اپنی حالت پر چھوڑ دو، اور ان کو نہ چھیڑو، ورنہ اس کے نتائج جہاں پاکستان کے حق میں تباہ کن ہوں گے وہ حکمرانوں کے حق میں بھی نہایت ہی مضر ثابت ہوں گے، فواحش منکرات کے روز افزوں تباہ کن سیلاب کے راستہ میں اگر کچھ روڑے ہیں تو یہی ٹوٹے پھوٹے مدرسے ہیں، جن کے ذریعہ ملک کے اندرو باہر دینی وقار قائم ہے، ظاہر ہے کہ یہ بوریہ نشین جن کی زندگیاں اسی خدمت کے لئے وقف ہیں وہ ان دینی درسگاہوں کی حفاظت کے لئے کسی قربانی سے دریغ نہیں کریں گے۔

حال ہی میں ملتان میں دیوبندی، بریلوی، اہل حدیث ہر مکتب فکر کے ارباب مدارس، اہل علم کا عظیم اجتماع ہوا، اور سب ہی نے یہ متفقہ فیصلہ کیا کہ ان دینی مدارس کی ہر قیمت پر حفاظت کی جائے گی اور اگر خدانخواستہ ارباب حکومت نے ناعاقبت اندیشانہ قدم اٹھایا تو اس کی مزاحمت کی جائے گی، اگر چہ ہمیں اطمینان ہے کہ حکومت اپنی سیاسی بصیرت کے پیش نظر ایسا قدام ہرگز نہ کرے گی، متفقہ قرارداد کا متن حسب ذیل ہے:

''یہ اجلاس پورے وثوق کی ساتھ اس امر کا اظہار کرتا ہے کہ اس غیر اسلامی اور غیر جمہوری اقدام کے اصل محرک سوشلسٹ عناصر ہیں، جو یہ چاہتے ہیں کہ دینی مدارس کو اپنی تحویل میں لے کر دینی اقدار اور اسلامی روایات کو ختم کیا جائے، اگر خدانخواستہ ایسا قدم اٹھایا گیا تو ملت اسلامیہ کسی صورت میں اسے کامیاب نہیں ہونے دے گی، اور دینی مدارس کے تقدس، آزادی، وقار اور شاندار روایات کو محفوظ رکھنے کے لئے کسی قربانی سے دریغ نہیں کرے گی، ملک کے تمام دینی اداروں کا یہ نمائندہ اجتماع حکومت سے پرزور مطالبہ کرتا ہے کہ اگر اس کا ایسا ارادہ ہے تو اسے یکسر ترک کر دیا جائے، اور بلاوجہ فضا کو مکدر نہ کیا جائے، ورنہ اس کے نتائج کی ذمہ داری حکومت پر ہوگی۔ یہ اجلاس فیصلہ کرتا ہے کہ اس اہم ترین دینی مسئلہ کے بارے میں حکومت کے عزائم کو معلوم کرنے اور اسی مرحلہ پر اس اجتماع کے فیصلہ جذبات واحساسات ارباب اقتدار تک پہنچانے کے لئے ایک نمائندہ وفد ارباب حکومت سے ملاقات کرے گا، دینی مدارس کے تقدس اور آزادی کی حفاظت کے لئے کسی قسم کی قربانی سے دریغ نہیں کیا جائے گا''۔

پاکستان میں دین واسلام کی بقاء دینی مدارس کی مرہون منت ہے

خلاصہ کلام یہ ہے کہ اگر پاکستان اسلام کے نام پر وجود میں آیا اور اسلام پر اس کو باقی رکھنا ہے اور حقیقت میں اس کا وجود بھی اسلام سے وابستہ ہے تو مدارس کا یہ دینی نظام اور یہ علمی ادارے اسی طرح باقی رکھنے ہوں گے، اس سے پیشتر دینی علوم کا یہ نظام اگر بے دین اور اسلام دشمن حکمرانوں کے ہاتھوں میں چلا جاتا تو اسلام اس ملک سے کبھی کا رخصت ہو جاتا، ملک کے دینی مدارس اور علماء ان بے دین حکمرانوں کے عزائم کے سامنے ڈٹ گئے

اور ملک کی دینی حیثیت قدرے باقی رہ گئی، سکندر مرزا، غلام محمد، ایوب خان نے پاکستان کا دینی حلیہ بگاڑنے کی کچھ کم کوشش نہیں کی؟ لیکن ان کا حشر کیا ہوا؟ سب کو معلوم ہے، ان لوگوں نے ہر لادینی تحریک کی حوصلہ افزائی کی اور ہر دینی تحریک کے کچلنے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا، ان ہی منحوس وملعون کوششوں کا نتیجہ ہے کہ کراچی میں سال نو کے افتتاح کے موقع پر دو کروڑ کی شراب پی گئی، کلبوں کی اندر عریاں ناچ کیا گیا اور وہ وہ حرکتیں کی گئیں کہ انسانیت وحیا کا جنازہ اس ملک سے نکل گیا، کیا پاکستان اس کے لئے بنا تھا؟ اگر اس ملک میں قال اللہ وقال الرسول کی یہ صدائیں بلند نہ ہوتیں جن سے کچھ نیکی اور بدی کا توازن قائم ہے تو یہ ملک کبھی کا پیوند زمین ہو گیا ہوتا، مسلمان قوم پر من حیث العموم کافرانہ زندگی اور خدا فراموش ماحول کبھی راس نہیں آیا اور اس کا انجام تباہی و بربادی کے سوا کبھی کچھ نہیں ہوا، صرف وزارت امور مذہبی اور وزارت حج و اوقاف قائم کرنے سے یہ مملکت صحیح معنوں میں اسلامی مملکت نہیں بن سکتی، جب تک کہ اول سے آخر تک تمام نظام اسلامی نہ ہو اور حق تعالیٰ کی حاکمیت کا قدم قدم پر ظہور نہ ہو، محاکم عدلیہ کا پورا نظام کتاب وسنت پر مبنی نہ ہو، اس ملک کی قامت پر سوائے اسلام کی قبا کے اور کوئی چیز راس نہیں آسکتی، سوشلزم یا کمیونزم یا چینی ازم کے جو خواب آج ہمارے حکمران دیکھ رہے ہیں وہ سب تباہی و بربادی کے خطرناک راستے ہیں، دین سے پہلے اس میں دنیا کی تباہی ہے، بارہا بینات کے صفحات میں ہم لکھتے رہے ہیں اور آج پھر صاف صاف کہہ دینا چاہتے ہیں کہ اسلامی مدارس کو ختم کرنے کی اسکیم دراصل ملک کو ٹھیٹ لادینی ریاست میں تبدیل کرنے کا اشتراکی وقادیانی منصوبہ ہے جو اس ملک کے لئے تباہی و بربادی کا موجب ہوگا، اللہ تعالیٰ اس ملک پر رحم فرمائے اور ہمارے حکمرانوں کو صحیح فہم عطا فرمائے اور اس تباہ کن زندگی سے ہمیں نجات عطا فرمائے۔ آمین۔

یہ سطریں لکھ چکا تھا کہ اخبار جنگ مورخہ ۷ ر فروری ۱۹۷۵ء میں اسلام آباد کی یہ خبر شائع ہوئی کہ حکومت مذہبی اداروں کو تحویل میں لینے کا کوئی ارادہ نہیں رکھتی، البتہ حکومت ان مذہبی اداروں کے حسابات کی پڑتال کرے گی۔

بہت اچھا! کوئی مضائقہ نہیں کہ حکومت اس امر کی تحقیق کرے کہ آمدنی صحیح خرچ ہو رہی ہے یا نہیں، تاہم اس سلسلہ میں یہ گذارش بیجا نہ ہوگی کہ آج تک مدارس عربیہ یوم الحساب کی جواب دہی کے عقیدے پر چل رہے ہیں، انہیں خود احساس ہے کہ احکم الحاکمین کے دربار میں ''آمد وصرف'' کا حساب دینا ہوگا۔

ہمارا عقیدہ ہے کہ جب تک یوم الحساب کے خوف کا احساس پیدا نہ ہو صرف دنیا کے دکھاوے کے لئے دیانت وامانت کا معیار قائم رکھنا مشکل ہے، آج کتنے محکمے ہیں جن کے حساب کی پڑتال حکومت کرتی ہے، لیکن ان میں غبن بھی ہوتے ہیں، بددیانتی بھی ہوتی ہے، گھپلے بھی ہوتے ہیں اور شاطروں نے ان چیزوں کے لئے ایسے ایسے طریقے ایجاد کر رکھے ہیں کہ قانون کی کسی بڑی سے بڑی طاقت اور خوردبین سے بھی ان کو نہیں دیکھا جاسکتا، کیا اب مدارس عربیہ میں اسی تجربہ کو دہرایا جائے گا؟ مدارس عربیہ کا حساب کوئی خفیہ چیز نہیں، ایک کھلی کتاب ہے جسے

حکومت ہی نہیں بلکہ ہر ادنیٰ و اعلیٰ مسلمان جب چاہے بصد شوق دیکھ سکتا ہے:

''آں را کہ حساب پاک است از محاسبہ چہ باک''

لیکن مسلمانوں کے وہ اوقاف اور مساجد جو حکومت کے قبضہ میں لے لئے گئے، ان کے بارے میں بھی حکومت نے کبھی قوم کو بتایا کہ ان کا کیا حشر ہے؟ ان کی آمد کن مصارف پر خرچ ہو رہی ہے؟ صرف سندھ کے اوقاف کی چھبیس لاکھ سالانہ آمدنی سے کیا کام لیا جاتا ہے؟ اور حکومت اسے کس مصرف پر خرچ کر رہی ہے؟ اصل مقاصد پر کتنا صرف ہوتا ہے اور کتنا کچھ زبانی جمع خرچ اور دفتری نظام کے دیوتا کی نذر ہوتا ہے؟ ان مساجد کا کیا حال ہے جو آج کل حکومت کے ظلِ عاطفت میں ہیں بہر حال اگر حکومت مدارس عربیہ کے حسابات کا جائزہ لینا چاہتی ہے تو بصد شوق اپنی تسلی فرمائے ،''چشم ما روشن دل ما شاد'' مگر عام احساس یہ ہے کہ بعض ارباب رسوخ جن کے نزدیک دین فرسودگی کا نام ہے وہ دینی مراکز کو حکومت کی لونڈی بنا کر اس ملک سے دین و ایمان کا جنازہ نکال دینا چاہتے ہیں، ظاہر ہے کہ یہ تاثر اس بے چین ملک کے لئے مزید بے چینی کا باعث ہوگا، مدارس عربیہ کسی حکومت کے لئے خطرہ نہیں، البتہ لادینی عناصر (جن میں سوشلسٹ اور قادیانی شامل ہیں) کے لئے ہر وقت خطرہ ہیں اور اسی خطرہ کو ٹالنے کے لئے یہ لوگ دینی مدارس کو قومیانے کے لئے چیخ رہے ہیں۔

[صفر المظفر ۱۳۹۵ھ / مارچ ۱۹۷۵ء]

مدارس عربیہ کے لئے لائحہ عمل (۱)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

۲۲ / رجب ۱۳۶۹ھ

گرامی مآثر مخدوم و محترم زیدت مفاخرکم العالیۃ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

عرصہ گذرا کہ والا نامہ باعث شرف ہوا تھا، مجھے بے حد ندامت اور افسوس اور اپنی تقصیر کا اعتراف ہے کہ جواب میں اتنی شدید تاخیر ہوئی، عمر میں آپ کا یہ پہلا والا نامہ آیا تھا، مجھے فوراً جواب دینے کی کوشش کرنی چاہئے تھی اور شاید میری عمر میں ہی کسی خط کے جواب میں اتنی شدید تاخیر کا یہ پہلا موقعہ ہوگا، بہر حال نادم و مقصر ہوں، لیکن تاخیر دراصل صرف اس لئے ہوئی کہ میں چاہتا تھا کہ تعمیل حکم کے لئے مفصل عریضہ لکھوں اور اس کے لئے فرصت و نشاط کا متلاشی رہا، ایک طرف جامعہ کے سالانہ امتحان کا قرب، کتابوں کے ختم کرانے کی فکر اور دوسری

(۱) حضرت مولانا بنوری رحمہ اللہ نے ایک نہایت قابل احترام بزرگ کے نام مدارس عربیہ کی افادیت کو مزید بڑھانے کے سلسلے میں مندرجہ بالا گرامی نامہ تحریر فرمایا۔

طرف دوسرے مشاغل، کچھ مفید کچھ غیر مفید کاموں کا ہجوم، طبیعت میں نشاط کا فقدان، علمی کسل وغیرہ موانع پیش آتے رہے، ورنہ آپ کا نامہ کرم جواب طلب خطوط میں سب سے پہلے رکھا تھا، امید ہے کہ میرے ان اعذار کی وجہ سے آپ معاف فرما کر ممنون کرم فرمائیں گے۔ جس وقت آپ کا یہ نصاب مرتب ہو چکا تھا برادرم مولانا صاحب نے ایک کاپی ارسال کی تھی، اس وقت سرسری سی کچھ ترمیم پیش کی تھی اور ایک مختصر خط میں چند اصولی باتیں پیش کی تھیں، تجویز نصاب کا مسئلہ بے حد اہم اور وقت کا شدید تقاضا اور اہم ضرورت ہے، اور جیسا کچھ ہو سکے کوشش کر کے طے کرنے کی ضرورت ہے، اتفاق سے مجھے عرصہ سے اس کا احساس اور شغف رہا ہے، لیکن اس ضرورت کے لئے سنجیدہ دماغ مخلص حضرات اور تجربہ کار اصحاب جمع ہو کر کوئی خاکہ تیار کریں تو بہتر ہوگا، انفرادی کوشش نہ تو مفید ہو سکتی ہے نہ مؤثر نہ امت کے لئے قابل قبول، نصاب کے بارے میں تو میں بعد میں عرض کروں گا اور شاید اس مراسلہ میں اس کی نوبت نہ آئے، لیکن میرے خیال میں نصاب سے زیادہ اہم چند باتیں ہیں جو تعیین نصاب کے لئے اصول موضوعہ کا کام دیتی ہیں، اس لئے عرض کرتا ہوں اور یہ مقصد نہیں کہ یہ چیزیں آنجناب کے پیش نظر نہیں ہیں لیکن شاید زیادہ توجہ نہ ہو یا کم از کم لازم فائدۃ الخبر کے درجہ میں خیال فرمائیں۔

① نصاب کوئی بھی ہو لیکن اساتذہ کے انتخاب میں زیادہ غور کی ضرورت ہے، اس کے لئے مندرجہ ذیل امور کا لحاظ ضروری ہے:

(الف) مفوضہ کتابوں کی تدریس میں اعلیٰ درجہ کی مہارت رکھتے ہوں، جس کا حاصل یہ ہے کہ استعداد بہت اعلیٰ ہو۔

(ب) مخلص ہوں اور دل سے چاہیں کہ طلبہ کو علم آ جائے۔

(ج) جن علوم کو پڑھاتے ہوں ان سے شغف وطبعی مناسبت ہو، غرض یہ کہ محض وقت گذارنا یا معاش کی ضرورت کو پورا کرنا مقصد نہ ہو، استعداد، اخلاص، شوق ومناسبت یہ تین باتیں مدرسین کے لئے معیار انتخاب ہوں۔

② طلبہ کی لئے آسائش وراحت کا پورا خیال رکھا جائے، اگر مدرسہ میں سو طلبہ کے لے وسعت اور راحت کا انتظام نہ ہو تو بیس رکھے جائیں، لیکن ان کی عملی نگرانی بہت سخت کی جائے، درسوں میں حاضری، رات کا مطالعہ، امتحانات میں نہایت سختی کی جائے، اور تسامح نہ کیا جائے، مثلاً اگر سہ ماہی میں فیل ہو گیا تو ششماہی کے لئے تنبیہ کی جائے کہ اگر ششماہی میں فیل ہو گیا تو سالانہ امتحان میں نہ لیا جائے گا، اس میں کوئی مراعات ہرگز نہ کی جائے کہ یہی مراعات سم قاتل ہیں۔

③ اساتذہ کو کتابیں پڑھانے کے لئے اتنی دی جائیں کہ آسانی سے ان کا مطالعہ کر سکیں اور ان کے متعلقات کو دیکھ سکیں اور ان کو صرف اس کتاب کے حواشی وشرح پر کفایت نہ کرنی چاہیے بلکہ فن کی اعلیٰ کتابیں پیش نظر رکھنی چاہئیں۔

④ ہر درجہ کے مناسب طلبہ کو بھی مطالعہ کے لئے کتابیں دینی چاہئیں اور ان میں امتحان ضروری ہو، یعنی بغیر تدریس کے صرف مطالعہ سے وہ ان کتابوں پر عبور حاصل کرلیں اور امتحان دیں۔

⑤ طلبہ کی اخلاقی نگرانی بہت شدید ہونی چاہیے، اسلامی حلیہ اور دینی وضع میں کوئی مسامحت برداشت نہیں کی جاسکتی، بلکہ غبی، محنتی کو برداشت کیا جائے اور ذکی مستعد آزاد کو نہ رکھا جائے، مدرسہ میں قواعد وضوابط ایسے ہوں کہ نماز کی پابندی اور لباس وپوشاک میں علمی وضع کی حفاظت ملحوظ ہو۔

⑥ مسابقت کے امتحانات مقرر ہوں، نیز ہر سہ ماہی، ششماہی امتحانات میں طلبہ کی اعلیٰ کامیابی پر وظیفہ دینا چاہیے۔

⑦ ہر سال امتحانات میں ایک پرچہ امتحان کا محض عام استعداد وقابلیت کا رکھنا چاہیے جس کا کسی خاص کتاب سے تعلق نہ ہو، ہاں اس درجہ کی اہلیت ضروری ہے۔

⑧ عربی بولنے کی قابلیت مقاصد میں شامل کرنی چاہیے، تین سال کے بعد تدریس کی زبان عربی ہونی چاہیے۔

⑨ عربی ادب پر خاص معیار سے توجہ دینی ہوگی، تقریر وتحریر کی تربیت دی جائے اور اس کے لئے بہت تفصیل طلب اور مہم تنبیہات کی حاجت ہے جو بعد میں عرض کروں گا۔

⑩ ہر زمانہ کا ایک فن ہوتا ہے اس زمانہ کا مخصوص فن تاریخ وادب ہے اس پر توجہ زیادہ کرنی ہوگی۔

⑪ قرآن کریم کا ترجمہ ابتدا سے شروع کرنا چاہیے اور تین چار سال میں ختم کرنا چاہیے، بغیر کسی تفسیر کے محض ترجمہ ابتداءً زیر درس ہونا چاہیے اور قابلیت بڑھانے کے لئے مخصوص اجزاء اور سورتوں کا انتخاب کرنا چاہیے اور لغوی وادبی تحقیق کے ساتھ پڑھانا چاہیے۔

⑫ طلبہ کے مطالعہ کے لئے ایک دار المطالعہ مخصوص ہو ان کے لئے مفید کتابیں اور عربی مجلات وجرائد رکھنے چاہئیں۔

⑬ مدرسہ کے سالانہ بجٹ میں ایک رقم مستقل بسلسلہ اصلاح نصاب اور تبدیل کتب علیحدہ کرنا ضروری ہو، یہ اس لئے کہ نصاب کی مشکلات میں سب سے زیادہ مشکل مرحلہ ہمارے غریب مدارس کے لئے قلتِ سرمایہ کا ہے۔

⑭ تین نصابوں کی ضرورت ہے:

(الف) ایک سہ سالہ نصاب: جس میں فقہ قرآن وحدیث، تاریخ، صرف ونحو، معانی، ادب، عقائد اور فرائض شامل ہوں، تاکہ جو شخص صرف اپنی ضرورت کے لئے عالم بننا چاہتا ہو، وہ علم حاصل کرسکے، تعلیم وتدریس کو پیشہ نہیں بنانا چاہتا ہو، بلکہ تجارت وغیرہ میں زندگی بسر کرنا چاہتا ہو۔

(ب) مدرس وعالم بننے کے لئے نصاب زیادہ سے زیادہ ہشت سالہ ہو۔

(ج) تیسرا نصاب درجہ تکمیل کا ہے، ایک سال کا اور دو سال کا، اس میں مفتی، محدث، ادیب، مؤرخ

وغیرہ اسی قسم کے چند شعبے ہوں۔

حاصل یہ ہے کہ نصاب خواہ کوئی بھی ہو لیکن اگر ان امور کی رعایت کی جائے تو انشاء اللہ اچھے عالم نکل سکیں گے۔

طلبہ میں تکثیر سواد کی کوشش نہیں کرنی چاہیے، بلکہ معیار انتخاب کے مطابق کوشش کرنی چاہیے، چاہے جتنے بھی کم ہوں، جو طلبہ ذہین و ذکی اور مستعد ہوں، ان کی ترغیب اور حوصلہ افزائی کے لئے مختلف وجوہ کو پیش نظر رکھنا ضروری ہوگا، مثلاً مخصوص وظیفہ جاری کرنا، درجہ تکمیل میں جانے کی ترغیب دینا، بلکہ درجہ تکمیل میں باقاعدہ ایسا وظیفہ دیا جائے جو ضروریات زندگی کے لئے کفایت کرے، ایک اہم بات جو سلسلہ تعلیم میں ضروری ہے اسے لکھنا بھول گیا وہ یہ کہ ابتدائی کتابیں قابل اساتذہ کے پاس ہوں، مثلاً ہر بڑے استاد کو ایک چھوٹی کتاب دی جائے، اس میں طرفین کا فائدہ ہوگا، طلبہ کو تجربہ کار استاذ سے استفادہ کا موقع ملے گا اور مدرس کا کام ہلکا ہو جائے گا بجائے ایک بڑی کتاب کے چھوٹی کتاب ہوگی جس میں اسے زیادہ دماغ سوزی نہیں کرنی پڑے گی، اور جب مدرس مخلص ہوگا تو یہ سوال پیدا نہیں ہو سکتا کہ بڑی کتابیں پڑھانے والا چھوٹی کتابیں پڑھانا اپنی توہین سمجھے۔

نصاب کے بارے میں ایک چیز قابل گذارش ہے کہ موجودہ نصاب میں سوائے چند کتابوں کے کوئی ایسی کتاب نہیں جس سے بہتر قدماء کی عمدہ تالیفات نہ مل سکتی ہوں۔

نصاب کی ترمیم میں یہ بات پیش نظر رکھنا بے حد ضروری ہے کہ کتابیں ایسی داخل درس ہوں جن میں کتاب کی لفظی بحثیں کم ہوں اور مصنف کے الفاظ کے مطالب بیان کرنے میں وقت زیادہ صرف نہ ہو، مثلاً اگر اختصار شدید سے کاغذ کم خرچ کیا گیا لیکن تفہیم میں دماغ اور وقت کتنا زیادہ لگا، اتنا وقت اگر حفظ مسائل پر خرچ ہوگا تو زیادہ بہتر ہوگا، ملکہ وبصیرت مختصراتِ مخلّہ سے کبھی حاصل نہیں ہو سکتی، زیادہ تر کوشش اس کی ہونی چاہیے کہ تفہیم مقاصد و مسائل میں پورا انشراح حاصل ہو، اگرچہ جزئیات کا استیعاب نہ ہو سکے، بعض متون درسیہ میں اگرچہ استقصاء مسائل زیادہ ہے لیکن پہلا مقصد حاصل نہیں ہوتا اور وہ زیادہ ضروری ہے۔ رہا معاشیات واقتصادیات وسیاسیات کا داخل نصاب ہونا تو یہ مرحلہ اتنا مشکل نہیں، امت کو اس کی اتنی ضرورت بھی نہیں کیونکہ اس کے لئے بہت مل جاتے ہیں، مشکل تو ''رسوخ فی العلم'' ہے، ہمیں صحیح العلم، راسخ العلم، ذکی اور مخلص علماء تیار کرنے ہیں، یہ چیزیں مطالعہ کی ہیں بآسانی بعد الفراغ حاصل کی جا سکتی ہیں۔

یہ چند باتیں اس وقت مختصر فرصت میں نہایت استعجال دار تجال کے ساتھ پیش کر رہا ہوں، امید ہے کہ مزاج گرامی بعافیت ہوں گے۔ والسلام خیر ختام۔

[ذوالحجہ ۱۳۸۹ھ]

دینی مدارس کے علماء وطلباء کے لئے لمحہ فکریہ

بلاشبہ دینی مدارس کا وجود سراپا خیر وبرکت اوران کا منصب تعلیم وتعلم نہایت ہی اونچا اور لائق فخر ہے، یہ دینی مدارس انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والتسلیمات کی وراثت کے امین، شریعت الٰہی کے محافظ اور امت محمدیہ کے معلم ہیں، قرآن کریم اور احادیث نبویہ میں دین کی تعلیم وتعلم کے جو فضائل آئے ہیں ان سے کسی کو انکار کی مجال نہیں، لیکن یہ منصب جتنا عالی ہے اس کی قیمت بھی اتنی ہی اونچی ہے، اور وہ صرف رضاء الٰہی اور نعیم جنت ہی ہوسکتی ہے، اگر اس گوہر بے بہا کی قیمت متاع دنیا کو ٹھہرالیا جائے تو اس سے بڑھ کر کوتاہ نظری اور کیا ہوسکتی ہے؟ حدیث میں صاف وصریح وعید وارد ہے کہ:

"من تعلم علما مما یبتغی به وجه الله لایتعلمه الا لیصیب به عرضاً من الدنیا لم یجد عرف الجنة" (۱)

(مسند احمد، ابو داؤد، ابن ماجه عن ابی هریرة رضی الله عنه)

یعنی جس نے وہ علم حاصل کیا جس کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل ہوسکتی ہے مگر وہ اس کو صرف متاع دنیا کے لئے حاصل کرتا ہے تو اس کو جنت کی خوشبو بھی نصیب نہ ہوگی۔ سنا ہے کہ حضرت فقیہ عصر محدث وقت عارف باللہ مولانا خلیل احمد رحمۃ اللہ علیہ سے کسی نے خواب بیان کیا کہ درس گاہ کی تپائیوں کے سامنے طلبہ کے بجائے بیل بیٹھے ہیں، فرمایا: اناللہ، اب لوگ علم دین کو پیٹ کے لئے پڑھنے لگے۔

ہمارے اکابر کے لئے علم وتدریس، تصنیف وتالیف، دعوت وارشاد اور امامت وخطابت کے مشاغل کبھی شکم پروری اور جاہ طلبی کا ذریعہ نہیں رہے، بلکہ یہ خالص دینی مناصب تھے اور بزرگوں کے اخلاص وتقویٰ، خلوص وللّٰہیت، ذکر وشغل اور اتباع سنت نے ان مناصب کے وقار کو اور بھی چار چاند لگا رکھے تھے، لیکن افسوس ہے کہ کچھ عرصہ سے دینی مدارس کی روح دن بدن مضمحل ہوتی جارہی ہے، اساتذہ وطلبہ میں شب خیزی، ذکر وتلاوت، زہد وقناعت، اخلاص وللّٰہیت اور محنت وجانفشانی کی فضا ختم ہورہی ہے، نماز فجر کے بعد تلاوت قرآن کریم کی جگہ عام طور پر اخبار بینی لے رہی ہے، ریڈیو اور ٹی وی جیسی منحوس چیزیں جدید تمدن نے گھر گھر پہنچادی ہیں اور ہمارے دینی قلعے، دینی مدارس بھی ان وباؤں سے متاثر ہورہے ہیں، یہ وہ دردناک صورت حال ہے جس نے ارباب بصیرت، اہل دل کو بے چین کر رکھا ہے، ہمارے مخدوم گرامی منزلت حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کاندھلوی—متع

---

(۱) سنن ابی داؤد، کتاب العلم، باب فی طلب العلم لغیر الله، ج:۲ ص:۵۱۵، ط: حقانیه.
سنن ابن ماجة، المقدمة، باب الانتفاع بالعلم والعمل به، ص:۲۲، ط: قدیمی.
مسند احمد بن حنبل، مسند ابی هریرة، ج:۲ ص:۳۳۸، ط: مؤسسة قرطبة القاهرة.

اللہ الامۃ بحیاتھم الطیبۃ المبارکۃ– نے اسی تاثر کی وجہ سے راقم الحروف کے نام ایک مفصل والا نامہ تحریر فرمایا ہے۔ارباب مدارس کی توجہ اور اصلاح کے لئے اسے ذیل میں نقل کیا جاتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کو ارباب مدارس کے لئے وسیلہ عبرت ونصیحت اور توجہ بنائے، آمین۔

مکتوب مبارک

مدارس کے روز افزوں فتن، طلبہ کی دین سے بے رغبتی و بے توجہی اور لغویات میں اشتغال کے متعلق کئی سال سے میرے ذہن میں یہ ہے کہ مدارس میں ذکر اللہ کی بہت کمی ہوتی جارہی ہے، بلکہ قریباً یہ سلسلہ معدوم ہو چکا ہے اور اس سے بڑھ کر یہ کہ بعض میں تو اس لائن سے تنفر کی صورت دیکھتا ہوں جو میرے نزدیک بہت خطرناک ہے، ہندوستان کے مشہور مدارس دارالعلوم، مظاہر العلوم، شاہی مسجد، مرادآباد وغیرہ کی ابتداء جن اکابر نے کی تھی وہ سلوک کے بھی امام الائمہ تھے، انہی کی برکات سے یہ مدارس ساری مخالف ہواؤں کے باوجود اب تک چل رہے ہیں۔

اس مضمون کو کئی سال سے اہل مدارس منتظمین اور اکابرین کی خدمت میں تقریراً وتحریراً کہتا اور لکھتا رہا ہوں، میرا خیال یہ ہے کہ آپ جیسے حضرات اس کی طرف توجہ فرمادیں تو زیادہ مؤثر اور مفید ہوگا، مظاہر العلوم میں تو میں کسی درجہ میں اپنے ارادہ میں کامیاب ہوں اور دارالعلوم کے متعلق جناب الحاج مولانا قاری محمد طیب صاحب سے عرض کر چکا ہوں اور بھی اپنے سے تعلق رکھنے والے اہل مدارس سے عرض کرتا رہتا ہوں۔روز افزوں فتنوں سے مدارس کے بچاؤ کے لئے ضروری ہے کہ مدارس میں ذکر اللہ کی فضا قائم کی جائے، شرور وفتن اور تباہی و بربادی سے حفاظت کی تدبیر ذکر اللہ کی کثرت ہے، جب اللہ تعالیٰ کا نام لینے والا کوئی نہ رہے گا تو دنیا ختم ہو جائے گی، جب اللہ تعالیٰ کے پاک نام میں اتنی قوت ہے کہ ساری دنیا کا جود اس سے قائم ہے تو مدارس کا وجود تو ساری دنیا کے مقابلہ میں دریا کے مقابلہ میں ایک قطرہ بھی نہیں، اللہ تعالیٰ کے پاک نام کو ان کی بقاء وتحفظ میں جتنا دخل ہوگا ظاہر ہے۔

اکابر کے زمانہ میں ہمارے ان جملہ مدارس میں اصحاب نسبت اور ذاکرین کی جتنی کثرت رہی ہے وہ آپ سے بھی مخفی نہیں اور اب اس میں جتنی کمی ہوگئی وہ بھی ظاہر ہے، بلکہ اگر یوں کہوں کہ اس پاک نام کے مخالف حیلوں اور بہانوں سے مدارس میں داخل ہوتے جارہے ہیں تو میرے تجربہ میں تو غلط نہیں، اس لئے میری تمنا ہے کہ ہر مدرسہ میں کچھ ذاکرین کی تعداد ضرور رہا کرے۔

طلبہ کے ذکر کرنے کے تو ہمارے اکابر بھی خلاف رہے ہیں اور میں بھی موافق نہیں، لیکن منتہی طلبہ یا فارغ التحصیل یا اپنے سے یا اپنے اکابرین سے تعلق رکھنے والے ذاکرین کی کچھ مقدار مدارس میں رہا کرے اور مدرسہ ان کے قیام کا کوئی انتظام کر دیا کرے، مدرسہ پر طعام کا بار ڈالنا تو مجھے بھی گوارا نہیں، طعام کا انتظام تو مدرسہ کے اکابر میں سے کوئی شخص ایک یا دو اپنے ذمہ لے لے یا باہر سے مخلص دوستوں میں سے کسی کو متوجہ کر کے ایک

ایک ذکر کرنے والے کا کھانا کسی کے حوالہ کر دیا جائے، جیسا کہ ابتداء میں مدارس کے طلبہ کا انتظام اسی طرح ہوتا تھا، البتہ اہل مدارس ان کے قیام کی کوئی صورت اپنے ذمہ لے لیں جو مدرسہ ہی میں ہو، اور ذکر کے لئے کوئی ایسی مناسب جگہ تشکیل کریں کہ دوسرے طلبہ کا کوئی حرج نہ ہو، نہ سونے والوں کا، نہ مطالعہ کرنے والوں کا۔

جب تک اس نا کارہ کا قیام سہارن پور میں رہا تو ایسے لوگ بکثرت رہتے تھے جو میرے مہمان ہوکر، ان کے کھانے پینے کے انتظام تو میرے ذمہ تھا، لیکن قیام اہل مدرسہ کی جانب سے مدرسہ کے مہمان خانہ میں ہوتا تھا، اور وہ بدلتے سدلتے رہتے تھے، صبح کی نماز کے بعد میرے مکان پر ان کے ذکر کا سلسلہ ایک گھنٹہ تک ضرور رہتا تھا، اور میری غیبت کے زمانہ میں بھی سنتا ہوں کہ عزیز طلحہ کی کوشش سے ذاکرین کی وہ مقدار اگرچہ نہ ہو مگر ۲۰، ۲۵ کی مقدار روزانہ ہو جاتی ہے، میرے زمانہ میں تو سو، سوا سو تک پہنچ جاتی تھی اور جمعہ کے دن عصر کے بعد مدرسہ کی مسجد میں تو دو سو سے زیادہ کی مقدار ہو جاتی تھی اور غیبت کے زمانہ میں بھی سنتا ہوں کہ ۴۰، ۵۰ کی تعداد عصر کے بعد ہو جاتی ہے، ان میں باہر کے مہمان جو ہوتے ہیں وہ دس بارہ تک تو اکثر ہو ہی جاتے ہیں، عزیز مولوی نصیر الدین سلمہٗ، اللہ تعالیٰ اس کو بہت جزائے خیر دے ان لوگوں کے کھانے کا انتظام میرے کتب خانہ سے کرتے رہتے ہیں، اسی طرح میری تمنا ہے کہ ہر مدرسہ میں دو چار ذاکرین ضرور مسلسل رہیں، داخلی اور خارجی فتنوں سے بہت امن کی امید ہے، ورنہ مدارس میں جو داخلی اور خارجی فتنے بڑھتے جا رہے ہیں اکابر سے زمانہ میں جتنا بعد ہوتا جائے گا اس میں اضافہ ہی ہوگا۔

اس نا کارہ کو نہ تحریر کی عادت، نہ تقریر کی، آپ جیسا یا مفتی محمد شفیع صاحب جیسا کوئی شخص میرے اس مافی الضمیر کو زیادہ وضاحت سے لکھتا تو شاید اہل مدارس پر اس مضمون کی اہمیت زیادہ واضح ہو جاتی، اس نا کارہ کے رسالہ ''فضائل ذکر'' میں حافظ ابن قیم کی کتاب "الوابل الصیّب" سے ذکر کے سو کے قریب فوائد نقل کئے ہیں، جن میں شیطان سے حفاظت کی بہت سی وجوہ ذکر کی گئی ہیں، شیاطینی اثر ہی سارے فتنوں اور فساد کی جڑ ہیں، فضائل ذکر سے یہ مضمون اگر جناب سن لیں تو میرے مضمون بالا کی تقویت ہوگی، اس کے بعد میرا مضمون تو اس قابل نہیں جو اہل مدارس پر کچھ اثر انداز ہو سکے، آپ میری درخواست کو زوردار الفاظ میں نقل کرا کر اپنی یا میری طرف سے بھیج دیں تو شاید کسی پر اثر ہو جائے۔

دار العلوم، مظاہر علوم اور شاہی مسجد کے ابتدائی حالات آپ کو مجھ سے زیادہ معلوم ہیں کہ کن صاحب نسبت اصحاب ذکر کے ہاتھوں ہوئی ہے انہی کی برکات سے یہ مدارس اب تک چل رہے ہیں، یہ نا کارہ دعاؤں کا بہت محتاج ہے، بالخصوص حسن خاتمہ کا کہ گور میں پاؤں لٹکائے بیٹھا ہے''۔

حضرت شیخ الحدیث مدظلہ، بقلم حبیب اللہ

۳۰ نومبر ۷۵ء، والسلام، مکہ المکرمہ

جامعۃ العلوم الاسلامیہ میں ''التخصص فی الفقہ الاسلامی'' کا اجراء

علوم خواہ شرعیہ ہوں یا عقلیہ، دینیہ ہوں یا دنیویہ، ان کی وسعت و ہمہ گیری معلوم و مسلم ہے، ایک طرف تو یہ صورت حال! دوسری طرف طبائع کی آسانی پسندی اور جفاکشی و محنت سے گریز پھر جدید دنیا کے تمدن کی وجہ سے یکسوئی خاطر ناممکن، اس لئے موجودہ صورت حال کے پیش نظر کسی شخص کا تمام علوم میں تبحر و وسیع النظر ہونا اگر ناممکن نہیں تو مشکل ضرور ہے، پھر اس پر مستزاد اذواق کا اختلاف، کسی کو حدیث سے مناسبت، کسی کو فقہ سے ذوق، کسی کو معقول سے دلچسپی، کسی کو ادبی علوم سے لگاؤ، اور تفاوت عقول اور ادراک و فہم کے مدارک کا اختلاف بھی ضروری ہے، قدماء امت میں بھی علوم کے متخصصین ہوتے تھے، سیبویہ اگر عربیت میں امام ہے تو فقہ و اصول میں طفل مکتب، عبدالقاہر جرجانی اگر بلاغت کا امام ہے تو علوم حدیث میں صفر، بہت کم افراد ایسے ملتے ہیں جو ہر علم میں امامت کے درجہ پر فائز ہوں، ان وجوہ کے پیش نظر عرصہ سے یہ آرزو رہا کرتی تھی کہ ضروری علوم کے بعد یہ ضروری ہے کہ مختلف فنون میں تخصص کے درجات جاری کئے جائیں، چنانچہ دارالعلوم الاسلامیہ ٹنڈو اللہ یار کے سابقہ ماہنامہ دعوۃ الحق میں آج سے اٹھارہ سال قبل اس کی تفصیل عرض کی تھی، خوشی ہے کہ وہ صدا بصحرا ثابت نہیں ہوئی اور جامعہ اسلامیہ عباسیہ بہاول پور میں جو محکمہ اوقاف کی جامعہ ہے ان تخصصات کے جاری کرنے کا اعلان کردیا گیا تھا، لیکن اساتذہ وطلبہ کے فقدان سے وہاں معیار مطلوب قائم نہیں ہوسکا، چار سال سے مدرسہ عربیہ اسلامیہ میں التخصص فی الحدیث کا اجراء ہوچکا ہے اور الحمدللہ کہ توقع سے بالاتر اس کے ثمرات ظاہر ہورہے ہیں، دو سال سے التخصص فی الفقہ الاسلامی کے اجراء کا ارادہ ہوتا رہا لیکن جس انداز سے کام کرنا پیش نظر تھا اس کے لئے کوئی متخصص فی الفقہ عالم فارغ نہ تھا جس کی نگرانی میں کام کیا جائے، اس سال سابق اساتذہ میں مولانا مفتی ولی حسن صاحب ٹونکی کی نگرانی و تربیت میں اس شعبہ کے اجراء کا فیصلہ اساتذہ کے جلسۂ شوریٰ میں ہوچکا تھا اس کے بعد ماہنامہ دارالعلوم کراچی البلاغ میں یہ خوشخبری بھی پڑھی کہ حضرت مفتی مولانا محمد شفیع صاحب کی نگرانی میں دارالعلوم کراچی میں یہ شعبہ جاری ہورہا ہے۔ ''اللھم زد فزد'' بہت اچھا ہوا، خدا کرے کہ بقیہ ارباب مدارس علیا دینیہ کو بھی توجہ ہو، اور وہ بھی اپنی اپنی استعداد کے مطابق یہ سلسلہ جاری کریں، التخصص فی الفقہ کے لئے اسی معیار پر داخلہ ہوگا جس پر التخصص فی الحدیث کے لئے ہوا ہے، مدت دو سال، وظیفہ ماہانہ ۶۰ روپے، کام ۱۴ گھنٹہ کرنا ضروری ہوگا۔ کتب فقہ، اصول فقہ اور اس کے متعلقات کا مطالعہ کرایا جائے گا جو کم از کم بیس ہزار صفحہ ہوگا، مقالات لکھوائے جائیں گے، قضاء و افتاء کی تمرین کرائی جائیگی، بہت معتد بہ قواعد یاد کرائے جائیں گے، اس کی تفصیلات بینات کے کسی آئندہ شمارے میں پیش کی جائیں گی، انشاء اللہ داخلہ ۱۵ شوال سے ہوگا۔

[رمضان ۱۳۸۸ھ]

دارالتصنیف سے حضرت مولانا محمد اسحاق صاحب کا انسلاک

مدرسہ عربیہ اسلامیہ میں کچھ عرصہ سے باضابطہ اور مستقل طور پر دارالتصنیف کا شعبہ قائم کیا گیا ہے، جس کا بنیادی مقصد دین اور علم دین کی اس انداز سے خدمت کرنا ہے جس کے ذریعہ عصری، دینی وعلمی تقاضے پورے ہو سکیں، جس طرح تدریس کے ذریعہ علوم دینیہ اسلامیہ عربیہ سے ایک صالح عالم عنصر تیار کرنا مقصود ہے، اسی طرح تصنیف وتالیف کے ذریعہ جدید نسل کی ذہنی اور دینی تربیت مقصود ہے، اس مقصد کے پیش نظر اس شعبہ کی صحیح خدمت کے لئے ایک ایسی شخصیت کی بھی ضرورت تھی جو بیک وقت عربی، اردو، انگریزی تینوں زبانوں کا صاحب علم ادیب ہو، عرصہ سے یہ آرزو تھی، الحمدللہ کہ یہ آرزو پوری ہوگئی اور حضرت مولانا محمد اسحاق صاحب سندیلوی جو دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنو کے شیخ الحدیث اور مہتمم تھے وہ تشریف لائے اور اس شعبہ میں ہمارے رفیق کار بن گئے، موصوف الحمدللہ تینوں زبانوں میں مصنف ہیں اور پختہ کار، کہن مشق فاضل ہیں، علم وعمل، سیرت وصورت سب میں ممتاز اور حکیم الامت قدس اللہ سرہٗ کے سلسلہ سے وابستہ ہیں، سنجیدہ، مفکر سیاست دان، عالم دین ہیں، زیادہ لکھنے سے قلم اس لئے رک رہا ہے کہ اب وہ ہمارے رفیق کار ہیں بضرورت یہ چند کلمے لکھنے پڑے ہیں، اس وقت علاوہ تصنیف وتالیف کے مولانا موصوف کو فقہ اسلامی کے تخصص کے طلبہ ورفقاء کی تربیت سپرد کر دی گئی ہے تاکہ مدرسہ سے بھی رابطہ قائم رہے، توقع ہے کہ اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے بہت جلد ان کے افادات قلمیہ کے جواہر ریزے امت کے سامنے پیش ہوں گے، حق تعالیٰ ہم سب کو اخلاق وحسن نیت اور صحیح جد وجہد کی توفیق عطا فرمائے۔ اس وقت اس شعبہ تصنیف میں احادیث نبویہ پر متعدد وجہات سے ٹھوس علمی کام ہو رہے ہیں، ان کی تفصیلات امت کے سامنے لانا یہ ہمارے مزاج کے خلاف ہے، حق تعالیٰ قبول فرمائے اور امت محمدیہ کو نفع پہنچائے، یہ ناتمام اشارات ارباب بصیرت کے لئے ان شاء اللہ کافی ہیں، ہماری آرزو یہ ہے کہ جو کام اس وقت کہیں نہ ہو رہا ہو وہ یہاں سے ہو جائے۔

وما توفیقی الا باللہ علیہ توکلت والیہ انیب

[ذی الحجہ ۱۳۹۰ھ رفروری ۱۹۷۱ء]

مدرسہ عربیہ اسلامیہ کی تاسیس وابتداء اور ارتقائی مراحل

مدرسہ عربیہ اسلامیہ کراچی کی ابتداء درجہ تکمیل سے کی گئی تھی، کچھ تو وسائل پیش نظر نہیں تھے اور کچھ اس لئے کہ ملک کے طول وعرض میں دینی درس گاہیں بکثرت موجود ہیں، ہمیں اس چیز کی طرف توجہ کرنی چاہئے جس کی شدید ضرورت ہے مگر اس کی طرف کسی کی توجہ نہیں ہے، اس لئے یہی اعلان کیا گیا کہ فارغ التحصیل مستند درس گاہوں کے سند یافتہ حضرات کے لئے حسب ذیل مضامین کا اجرہوگا:

الف: علوم قرآن اور مشکلات قرآن کا درس ہوگا۔

ب: صحیح بخاری کا درس اس انداز سے دیا جائے گا جس میں آراء رجال سے زیادہ توجہ علوم نبوت اور اغراض دین پر ہوگی اور ان مضامین کو زیادہ ابھارا جائے گا جس سے دور حاضر کے امراض کی اصلاح ہو۔

ج: مذاہب اربعہ کے فقہی اجتہادات پر غور و خوض ہوگا اور ابن رشد کی کتاب ''بدایۃ المجتہد'' جو اسی موضوع کی کتاب ہے زیر مطالعہ ہوگی۔

د: ادب اور تاریخ ادب کا درس ہوگا، عربی ادبی اسلوب کی کتابت اور خطابت کا سلیقہ پیدا کرنے کی جدوجہد ہوگی اور ''الوسیط'' کا درس دیا جائے گا۔

ھ: ''حجۃ اللہ البالغۃ'' کی تدریس اور احکام شرعیہ کے مصالح واسرار پر بحث ہوگی۔

ز: ''مقدمہ ابن خلدون'' پڑھایا جائے گا اور علوم اسلامیہ کی تاریخ وارتقائی ادوار زیر بحث لائے جائیں گے۔

اعلان کیا گیا اور اس مقصد کی تکمیل کے پیش نظر درس فارغ التحصیل مستند درس گاہوں کے فاضل، سند یافتہ پہنچ گئے لیکن آگے چل کر جوان دینی درس گاہوں کی نسل سامنے آتی تھی ان کی استعداد علمی بہت ناقص ہوتی تھی اور وہ ہمارے اس درجہ تکمیل میں چل نہیں سکتے تھے اس لئے مجبوراً نیچے اتر کر دورۂ حدیث کا درجہ شروع کیا گیا پھر یہی مشکل اس درجہ میں پیش آئی کہ تعلیم ناقص، استعداد کچی، مجبور ہو کر یہ بارگراں سر پر اٹھایا اور تمام درجات نصاب درس نظامی کے جاری کئے لیکن ساتھ ساتھ تین مضامین کو اپنی درس گاہ کی خصوصیت بنایا:

الف: درس قرآن کریم ابتداء سے لازمی کر دیا گیا اور اسے پانچ سالوں میں تقسیم کیا گیا۔

ب: عربی زبان کے بولنے لکھنے کی تمرین جاری کر دی گئی۔

د: حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت ابتداء سے ہر درجہ میں لازم کر دی گئی۔

ج: مختلف درجات میں نصاب میں ترمیم کر کے عمدہ مفید کتابوں کا اضافہ کیا گیا۔

ھ: بعض درجات تخصص کے جاری کر دیے گئے۔

ایک طرف اسلامی علوم کا سمندر نا پیدا کنار، دوسری طرف جدید علمی نسل کی دماغی کم مائیگی، دونوں پر غور کرنے کے بعد ضروری سمجھا گیا کہ اب ضرورت اس کی ہے کہ ہر فارغ شدہ کے طبعی ذوق، فطری صلاحیت اور علمی استعداد و قابلیت کے پیش نظر تخصصات (ڈاکٹریٹ) کے درجے کھولے جائیں، چنانچہ دینی درسگاہوں کی ضرورت کے پیش نظر کہ علوم حدیث کے ماہرین بہت کم ہوتے جارہے ہیں اور درس حدیث کے حق ادا کرنے والے ناپید ہوتے جارہے ہیں، افتتاح درجہ ''التخصص فی الحدیث'' سے کیا گیا، جس کی تفصیل کا اب یہ موقع نہیں، اس کے بعد ''التخصص فی الفقہ الاسلامی'' اور اس کے چند سالوں بعد ''التخصص فی الدعوۃ والارشاد'' جاری کر دیا گیا، اور

''التخصص فی علوم القرآن ومشکلاتہ'' اور'' التخصص فی الکلام الجدید والفلسفۃ الجدیدۃ'' اور'' التخصص فی تاریخ الاسلام'' وغیرہ کا افتتاح ہوگا، اس آخری تخصص کے ذیل میں مستشرقین نے اسلام کی تاریخ کو جس طرح مسخ کیا ہے اس کی تنقید واصلاح بھی ہوگی، ظاہر ہے کہ ہمارے وسائل محدود ہیں اور رجال کار مفقود، یہ آسان نہیں کہ ایک ہی دفعہ تمام درجات کھولے جائیں۔ اس لئے آہستہ آہستہ اپنی قدرت، امکانیات کے پیش نظر آگے کی طرف قدم بڑھ رہے ہیں، ہماری آرزو تھی کہ قاہرہ جو اسلامی علمی ملکوں میں علوم اسلامیہ کی خدمت میں مرکزیت حاصل کر چکا ہے، وہاں جاکر جدید نظام تعلیم ''الدراسات العلیاء'' اور'' التخصصات'' کے جدید نظاموں سے واقفیت حاصل کی جائے، حسن اتفاق سے " المجلس الاعلی للشئون الاسلامیة" کے الامین العام یعنی امور اسلامیہ مذہبیہ کے ڈائریکٹر السید محمد توفیق عویضہ مدرسہ عربیہ اسلامیہ تشریف لائے ان کے ساتھ دس حضرات رفقاء کرام تھے، جن میں علی خشبہ مصری سفیر وغیرہ اہم شخصیتیں تھیں، ہماری خدمت اور اعلیٰ نظام سے بے حد متاثر ہوئے اور انہوں نے ہر قسم کے تعاون کا وعدہ فرمایا جو پورا کر رہے ہیں، اسی ذیل میں پانچ وظیفے ڈاکٹریٹ کے منظور فرمائے اور فوراً ٹکٹ بھیج کر بطور مہمان خصوصی قاہرہ آنے کی دعوت دی اور ساتھ ہی ہمارے رفیق گرامی مولانا عبدالرزاق صاحب ہزاروی جو مدرسہ کے استاذ اور جامعہ اسلامیہ مدینہ کے ممتاز سند یافتہ تھے اور عربی ادب میں مؤلف اور مدرس تھے، ڈاکٹریٹ کے لئے ان کا انتخاب کیا وہ بھی ساتھ تشریف لے گئے، موصوف کی دعوت اور تعاون پر ہم دونوں قاہرہ پہنچ گئے، برادرم محترم مولانا عبدالرزاق صاحب نے وہیں حسب ذیل مضمون پر ڈاکٹریٹ کے لئے جامعہ قاہرہ میں داخلہ لیا اور الحمدللہ کامیاب ہوکر واپس آ گئے، جن کے ذریعہ ہم اپنے تخصصات کو جدید باقاعدہ نظام کے سانچے میں ڈھال سکیں گے برادر موصوف کا روانگی سے قبل تار ملا اور پھر ایک مکتوب ملا تھا، نامناسب نہ ہوگا اگر ہم ذیل میں اس مکتوب کا اقتباس درج کریں:

"سبق ان ارسلت برقیة الی فضیلتکم بمناسبة حصولی علی شهادة الدکتوراه من جامعة القاهرة لعلها قد وصلتکم، کانت مناقشة الرسالة یوم الاربعاء ۲۲محرم۱۳۹۷هـ الموافق ۱۲ینایر۱۹۷۷ء، واستمرت نحوخمس ساعات وحضرها اکثر من مائتی عالم وطالب علم ، واکرمنی الله بحسن التقدیم وصحة الاجابة کما اثنی کل واحد من اعضاء لجنة المناقشة علی الرسالة وترتیبها والجهودالتی صرفت ، واخیرًا اعلنت اللجنة بمنح شهادة الدکتوراه بتقدیر"جید جدا" مع مرتبة الشرف، والحمد لله".

[ربیع الاول ۱۳۹۷ھ/مارچ ۱۹۷۷ء]

قدیم وجدید نصابِ تعلیم کا امتزاج

جامعہ اسلامیہ بہاول پور اسلامی اوقاف کی برکت سے وجود میں آیا اور اب اس کی حیثیت قانون کی رو سے حکومت کی یونیورسٹی کی ہوگئی، مغربی پاکستان کا گورنر اس کا چانسلر ہوگا اور اس کے گریجویٹوں کی حیثیت وہی ہوگی جو پشاور، لاہور و کراچی یونیورسٹیوں کی ہے، محکمہ اوقاف اور جامعہ اسلامیہ بہاول پور نے علماء کرام وجدید تعلیم یافتہ حضرات کے عملی تعاون سے ہفدہ سالہ نیا نصابِ تعلیم تیار کیا ہے، جس میں بیک وقت علوم دینیہ وعلوم دنیویہ، عربی اور انگریزی کا دوآبہ تجویز کیا ہے، اور ایک مرتبہ پھر سابق ناکام تجارب کے باوجود جدید تجربہ کیا جارہا ہے، مزید برآں کارکنانِ جامعہ کی یہ خواہش ہے کہ ملک کے دینی مدارس ومعاہد ومراکز بھی ان کا نصاب اپنے ہاں جاری کریں یا ان سے الحاق کرائیں تاکہ جامعہ کی یہ ممتاز جامعیت قوم میں مسلم ہوجائے، چند بوریہ نشینوں کی جدوجہد سے عربی دینی مدارس مغربی پاکستان کا ایک فیڈریشن ''وفاق'' وجود میں آچکا ہے، جس میں اس وقت ایک سو بہتر چھوٹے بڑے مدارس شریک ہوچکے ہیں اور آخری سالانہ امتحان بیک وقت مختلف مراکز میں خصوصی ناظمین امتحان کی نگرانی میں ہورہا ہے اور کامیاب طلبہ کو وفاق ہی کی طرف سے سند دی جاتی ہے، وفاق المدارس کی مجلس عاملہ ومجلس شوریٰ کا اجلاس ۲۸، ۲۹، ۳۰ رجمادی الاولی ۸۴ھ، مطابق ۶، ۷، ۸ راکتوبر ۶۴ء ملتان میں منعقد ہوا، جس میں جامعہ اسلامیہ بہاولپور کے نصاب تعلیم ونظام تعلیم پر بھی غور ہوا، اور باتفاق یہ طے ہوا کہ اس صدی میں اس قسم کے جتنے تجربے ہوئے وہ سب ناکام ثابت ہوچکے ہیں، دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنو، مدرسہ الٰہیات کانپور، جامعہ عثمانیہ حیدرآباد دکن، جامع ملیہ اسلامیہ دہلی، جامعہ عباسیہ بہاول پور ان سب چوٹی کی درسگاہوں میں یہ تجربہ ناکام ثابت ہوا ہے، کوئی بھی جامع قسم کا فاضل ومحقق ان مراکز میں ان مخلوط نصابوں سے تیار نہ ہوسکا، الا ماشاء اللہ:

''آزمودہ را آزمودن خطا است''

اس لئے ارباب جامعہ کو یہ مشورہ دیا گیا ہے کہ بجائے اس مخلوط تعلیم کے بہتر یہ ہوگا کہ علوم عصریہ وانگریزی کے لئے ایک علیحدہ درسگاہ قائم کی جائے جس میں مستند عربی درسگاہوں کے فارغ التحصیل حضرات کو علوم عصریہ کی تعلیم وتربیت دی جائے اور انگریزی گریجویٹوں کے لئے ایک دینی درسگاہ قائم کی جائے جس میں علوم دینیہ عربیہ کا چہارسالہ نصاب تعلیم ترتیب دے کر علوم ضروریہ دینیہ کی تعلیم وتربیت دی جائے، اس طرح اس نقص کو دور کیا جاسکے گا اور جن مضرتوں کا دونوں قسم کے نصابوں کے اجتماع سے پیدا ہونے کا یقین ہے وہ ختم ہوجائیں گی، اور مقصد حاصل ہوجائے گا اور ملک وملت کی خدمت کے لئے اس طرح صحیح افراد تیار ہوسکیں گے، وفاق المدارس اصلی مقصد سے بالکل متفق ہے کہ عصر حاضر میں ایسے افراد کی ضرورت ہے جو دونوں قسم کے علوم کے جامع ہوں لیکن طریقہ کار سے اختلاف ہے۔

بڑے مدارس اس خدمت کے لئے تیار ہیں کہ وہ اپنی سرپرستی میں جدید علوم عصریہ اور انگریزی زبان کی تعلیم کے لئے شعبے قائم کریں، بشرطیکہ محکمہ اوقاف صحیح طریق پر تعاون کرے، الغرض اس طریقہ پر جانبین میں جو بعد المشرقین حائل ہے وہ بھی دور ہو جائے گا اور صحیح افراد کار تیار کرنے میں اس دینی مواخاۃ سے صحیح اور بہتر نتائج پیدا ہو سکیں گے، وفاق المدارس کی تجویز حسب ذیل ہے:

''مجلس عاملہ وشوریٰ وفاق المدارس العربیہ، پاکستان ملتان، اجلاس منعقدہ ۲۸، ۲۹، ۳۰/ جمادی الاولی ۱۳۸۴ھ''

''مجلس عاملہ وشوریٰ وفاق المدارس العربیہ جامعہ اسلامیہ بہاول پور کے مجوزہ نصاب کے بارے میں اس قطعی رائے کا اظہار ضروری سمجھتی ہے کہ علوم عربیہ دینیہ کے ساتھ ساتھ علوم عصریہ اور انگریزی زبان کو بیک وقت جمع کرکے پڑھانا ایک طالب علم کے لئے قطعاً غیر مفید ہے، عربی علوم دینیہ اور عصری علوم کے نصاب ہائے تعلیم میں سے ہر ایک نصاب بجائے خود ایک مستقل نصاب تعلیم ہے، ہر ایک نصاب اس نظریہ کو پیش رکھ کر مرتب کیا گیا ہے کہ طالب علم اپنی عمر کا وہ عزیز حصہ جو تحصیل علم کے لئے عموماً مختص ہوتا ہے پورا کا پورا انتہائی یکسوئی کے ساتھ اس میں صرف کر دے تا کہ وہ اس نصاب کی تکمیل کے بعد فاضل علوم دینیہ (عالم دین) یا فاضل علوم عصریہ (گریجویٹ) بننے کا اہل کما حقہ ثابت ہو سکے، اگر ان دونوں نصابوں میں قطع برید سے کام لے کر کوئی متوسط نصاب مرتب کیا گیا تو نہ وہ ضرورت کی حد تک عربی علوم ضروریہ کا حامل ہوگا اور نہ عصری علوم ضروریہ کا، اور اس نصاب کی تکمیل کے بعد اس کا فارغ التحصیل طالب عالم فی الحقیقۃ نہ تو عالم دین کہلانے کا اہل ہوگا اور نہ اچھا گریجویٹ بن سکے گا۔

گذشتہ نصف صدی میں اس قسم کے متعدد تجربات ناکام ثابت ہو چکے ہیں، سب س پہلے علامہ شبلی مرحوم نے ندوۃ العلماء لکھنو میں اس تجربہ کا آغاز کیا، اس کے بعد علامہ عبدالحمید فراہی نے مدرسہ الٰہیات کانپور میں اسی راہ کو اختیار کیا، جامعہ عثمانیہ حیدر آباد دکن میں نظام دکن کی سرپرستی میں اسی مقصد کے حصول کے لئے قائم ہوا، علاوہ ازیں جامعہ ملتِ اسلامیہ دہلی جس کا سنگ بنیاد حضرت شیخ الہند قدس سرہ کے مقدس ہاتھوں سے رکھا گیا تھا اسی مقصد کے لئے قائم ہوا، خود جامعہ عباسیہ میں یہی تجربہ کیا گیا لیکن یہ تمام تجربے ناکام ثابت ہوئے اور ان درس گاہوں میں اس مخلوط نصاب تعلیم سے عموماً کسی ایک جانب کے بھی رجال کار پیدا نہ ہو سکے۔

بنابریں وفاق المدارس العربیہ کا یہ اجلاس کسی ایسے نصاب تعلیم کو مفید نہیں سمجھتا اور نہ اس کی تائید کر سکتا ہے، جو دونوں نصابوں کو مخلوط کر کے مرتب کیا گیا ہو۔

البتہ وفاق المدارس محکمہ اوقاف اور جامعہ اسلامیہ بہاول پور کو یہ ضروری مشورہ دینا اپنا فرض سمجھتا ہے کہ وہ وفاق المدارس کے زیر سرپرستی مذکورہ ذیل دو قسم کی درسگاہیں قائم کرے:

① وہ شعبہ جس میں علوم عصریہ اور انگریزی زبان کا سہ سالہ مختصر نصاب پڑھایا جائے۔

۲) وہ شعبہ جس میں علوم دینیہ کا سہ سالہ مختصر نصاب پڑھایا جائے ، آزاد عربی درسگاہوں کے فارغ التحصیل طلبہ پہلی قوم کی درسگاہوں میں داخل ہوکر بقدر ضرورت عصری علوم حاصل کریں اور کالجوں کے فضلاء (گریجویٹ) دوسری قسم کی درسگاہوں میں داخل ہوکر بقدر ضرورت عربی اور دینی علوم سے بہرہ اندوز ہوں۔

وفاق المدارس کے اس اجلاس کی نظر میں اس طرح دونوں نصابوں کے فضلاء ملک وملت کی حقیقی ضرورت کی تکمیل اور بقاء واستحکام کا باعث بن سکیں گے، انشاء اللہ العزیز''۔

والسلام

یکم جمادی الثانیہ ۱۳۸۴ھ مطابق ۱۸ راکتوبر ۱۹۶۴ء

مجھے امید ہے کہ محکمہ اوقاف کے ناظم اعلیٰ اور جناب حامد حسن صاحب وفاق المدارس کی اس قرارداد اور میری ان گذارشات پر خصوصی توجہ فرمائیں گے اور اپنی رائے سے مطلع کریں گے۔

[جمادی الثانیہ ۱۳۸۴ھ]

مدارس دینیہ اور مدارس عصریہ کے نصاب تعلیم کا تقابل

چند دن ہوئے ایک مقامی روزنامے میں ایک محترم کا مضمون شائع ہوا تھا (جس سے بظاہر مقصد اظہار افسوس تھا) کہ موجودہ مدارس اسلامیہ عربیہ دینیہ کا نصاب تعلیم ناقص ہے اور صحیح رجال کار پیدا نہیں ہوتے ،ضرورت ہے کہ مدارس میں جدید علوم اور انگریزی زبان میں مہارت حاصل کی جائے تاکہ سرکاری دفاتر میں یہ فارغ التحصیل حضرات کام کرسکیں ورنہ یہ بیکار کس کام کے ہیں۔

ہمیں نیت پر شبہ کرنے کی حاجت نہیں، بظاہر اخلاص ہی سے یہ مشورہ دیا گیا ہوگا اور دل سوزی سے اس مقصد کا اظہار کیا گیا ہوگا، لیکن عام تاثر یہ ہوا کہ مدارس عربیہ دینیہ کی تحقیر کی گئی ہے، مضمون نگار کا مقصد اپنے کمال کا اظہار ہو یا ارباب مدارس کی توہین، لیکن مجموعی اعتبار سے مضمون غیر سنجیدہ سمجھا گیا۔

مجھے اس وقت تفصیلات میں جانے کی ضرورت نہیں، مدارس دینیہ کے نصاب تعلیم کا مسئلہ عرصہ دراز سے موضوع بحث ہے اور ہر صاحب فکر ہر دور میں ترمیم کرتا چلا آیا ہے تاکہ اس کی افادیت واضح ہو، بہتر ہوتا اگر مضمون نگار ارباب مدارس دینیہ کو مشورہ دینے کے بجائے ارباب مدارس دنیویہ کو مشورہ دیتے کہ عصر حاضر کے سرکاری مدارس اور حکومت کے تعلیمی ادارے چونکہ قطعاً اس قابل نہیں ہیں کہ مسلمان نسل کی صحیح تربیت کریں، ان میں صرف جدید علوم پر کفایت کی جاتی ہے، اس لئے اگر نئی نسل کو اسلام پر رکھنا ہے تو ان کی دینی تربیت اور ان کو صحیح مسلمان بنانے کے لئے بے حد ضروری ہے کہ نصاب تعلیم میں ترمیم کریں اور دینیات اور عربی زبان کی مہارت کو لازمی قرار دیں تاکہ جو جدید تعلیم یافتہ کسی سرکاری ادارے میں پہنچے تو وہ نہ صرف مسلمان ہو بلکہ عالم بھی ہو، صرف جاہل

انگریزی داں نہ ہو، موجودہ مدارسِ حکومت کا نصاب تعلیم یکسر فرسودہ ہے، یہ نصاب جو انگریزی دور کے آثار قدیمہ سے تعلق رکھتا ہے، اپنی افادیت قطعاً کھو چکا ہے، اس کا کام چند خودسر، آوارہ مزاج اور دین بیزار افسران اور کلرک تیار کرنا ہے اور بس، ملک وملت کے تقاضوں سے اسے کوئی سروکار نہیں، قومی ضروریات کیا ہیں، اس سے اسے کوئی واسطہ نہیں، یہ نصاب تعلیم انگریزوں کی نقل اور مکھی پر مکھی مارنے کے سوا کچھ نہیں سکھاتا، اگر یہ مملکت مسلمانوں کی ہے، اگر یہاں اسلام کی کسی درجہ میں ضرورت ہے، اگر نئی نسل کو اسلام سے روشناس کرانا ضروری ہے اور اگر مسلمان بن کر ملک وملت کی خدمت کرنی ہے تو نصاب تعلیم میں عربی زبان لازمی کرنی چاہیے اور دینی علوم فقہ، حدیث، صرف ونحو، فرائض، معانی، بیان وغیرہ بھی لازمی طور پر نصاب کا جز ہوں تاکہ سرکاری اداروں میں کام کرنے والے مسلمان بھی ہوں اور عالم دین بھی ہوں، ظاہر ہے کہ اسلام دنیاوی تقاضوں سے زیادہ قابل توجہ ہے، اگر قدیم درس گاہوں کے فارغ التحصیل دنیا کے مال ومتاع سے محروم رہے، دنیا کی منڈی میں ان کے پیش قیمت جواہر کا کوئی خریدار نہیں اور وہ سرکاری ادارہ کی ملازمت سے مستفید نہ ہوسکے تو جدید علوم کے حاملین دین کے متاع گراں مایہ سے محروم رہے اور آخرت میں ان کا کوئی حصہ نہ رہا، گویا قدیم نصاب والوں کو دنیا نہیں ملی تو جدید والوں کو دین نہیں ملا، اب دیکھئے کہ زیادہ خسارہ میں کون رہا؟ نقصان کس کا زیادہ ہوا؟ اگر یہ مشورہ ارباب مدارس دینیہ کو دیا جاسکتا ہے کہ وہ جدید علوم کو داخل نصاب کرلیں تو اس سے زیادہ اہم اور نہایت مفید مشورہ سرکاری مدارس کو دیا جانا چاہیے کہ قدیم علوم بھی پڑھائے جائیں تاکہ نئی نسل مسلمان رہے اور دنیا کے متاع کے ساتھ متاع آخرت سے بھی مالامال ہو۔

جدید علوم جن کا نام رکھا ہے غور کرنے کے بعد معلوم ہوگا کہ سب سے زیادہ مدار انگریزی زبان پر ہے، انگریزی زبان جو انگریز پرستی کی یادگار ہے، آج اگر اس کو خانہ بدر کیا جائے اور تمام جدید علوم کو اردو میں منتقل کیا جائے تو علوم جدید کا یہ سارا شوروغل اور غلغلہ یکسر ختم ہوجاتا ہے، آج کل جدید تعلیم یافتہ حضرات میں سوائے انگریزی لکھنے، پڑھنے، بولنے کے اور کیا کمال ہے؟ بلکہ بقول ہمارے استاذ حضرت شیخ الاسلام حضرت مولانا شبیر احمد عثمانیؒ کے ''انگریزی ان حضرات کے جہل پر نقاب ہے''۔ اگست ۴۷ء میں جو پہلا اجلاس ہوا، حضرت مرحوم بنگال سے متفقہ نمائندہ منتخب ہوگئے تھے، اسمبلی کے ممبر تھے، اسمبلی میں تقریریں سب یا اکثر انگریزی میں ہوئیں، مرحوم کو بہت صدمہ تھا، اکثر فرمایا کہ اردو میں تقریریں کریں تو معلوم ہو کہ کیا کہا گیا، غلط بات کا جواب بھی دے سکیں، یہ انگریزی تو ان کے جہل پر نقاب ہے، بالکل سچ فرمایا اور ایک حقیقت کا اظہار عجیب انداز سے فرمایا۔

جس وقت وکالت کے لئے انگریزی زبان لازم نہ تھی، کتنے ارباب علم تھے کہ جنہوں نے اردو میں وکالت کا امتحان دیا، جن کی سامنے یہ ایڈوکیٹ، بیرسٹر دم بھی نہیں مار سکتے تھے، یہ تو ملک کی بدنصیبی ہے کہ انگریز گئے لیکن انگریزیت چھوڑ گئے، اب انگریزی کی محبت دلوں میں سرایت کرگئی اور انگریزی زبان کی محبت کے ساتھ تمام خدافراموش زندگی اور تہذیب وتمدن کے مہلک جراثیم قوم کی زندگی میں ایسے پیوست ہوگئے کہ اب ان کا نکالنا کارے دارد، بلاشبہ یہ کہنا درست ہوگا کہ مدارس عربیہ دینیہ کا رخ صرف آخرت کی طرف ہے اور سرکاری مدارس کا

رخ دنیا کی طرف ہے، لیکن اگر ملک وملت کی خدمت کے لئے اور سرکاری مناصب کے لئے کارکنوں کو تیار کرنے کی غرض سے جدید علوم کی ضرورت ہے تو اس سے کہیں زیادہ آخرت کی نعمتوں کا مستحق ہونے کے لئے قدیم علوم کی ضرورت ہے، قبل ازیں بینات کے کسی شمارے میں علوم دین ودنیا کی تفریق پر ایک بصیرت آموز تحریر آ گئی ہے۔

حقیقی علوم کیا ہیں؟

درحقیقت علوم تو وہ ہیں جن کی بنیاد وحی الٰہی سے ظہور میں آئی ہے، جو عقل انسانی کی پیداوار ہیں یہ سب صنائع کے درجہ میں ہیں، علوم کہلانے کے مستحق ہی نہیں، البتہ خدمت خلق کے جذبے سے اگر ان کو اپنایا جائے تو باعث رضا الٰہی ہیں اور اس وقت دنیا وآخرت کی تفریق بھی ختم ہوجاتی ہے، اگر کوئی شخص انگریزی زبان کو صرف اس لئے سیکھتا ہے کہ یورپ وامریکہ میں جا کر اسلام کی دعوت وتبلیغ کا کام کرے تو بدترین اعداء اسلام کی زبان اعلیٰ ترین دین اسلام کی خدمت اور رضا الٰہی کا ذریعہ بن جاتی ہے، دراصل جو حضرات انگریزی زبان میں ماہر ہوتے ہیں اور چند حروف عربی کے بھی سیکھ لیتے ہیں ان کا غرور وکبر آسمان سے باتیں کرنے لگتا ہے، سمجھتا ہے کہ تمام کمالات کا سرچشمہ ان کی ذات والاصفات میں جمع ہوگیا ہے، اور طبعًا علماء دین اور مدارس عربیہ دینیہ کی تحقیر وتوہین پر آمادہ ہوجاتے ہیں، ہمیں اس سے انکار نہیں کہ عصری تقاضوں کے پیش نظر مدارس دینیہ کا نصاب بہت سی ترمیم کا محتاج ہے یہاں احتیاط زیادہ شدید ہے، کیونکہ اسلام سے انحراف بڑھتا جارہا ہے، مولوی بے چارے اگر دنیا سے محروم ہورہے ہیں، تو مسٹر دین کو چھوڑ کر آخرت سے بے بہرہ ہورہے ہیں، دینی مدارس کے مرثیہ خوانوں سے گذارش ہے کہ ہم دین پر قانع ہیں، سرکاری ملازمتیں تمہیں مبارک ہوں، ہمارا غم نہ کھاؤ، اپنی خیر مناؤ، ہماری دنیا کی فکر نہ کرو، اپنی آخرت کی فکر کرو، قرآن وحدیث فقہ اور علوم اسلامیہ کی تدوین، امامت وخطابت کے فرائض، دعوت وتبلیغ کی خدمات، افتاء وارشاد اور اصلاح وہدایت کے وقیع منصب کو پُر کرنا کیا مسلمانوں کی قومی ضرورت نہیں ہے؟ ان دینی مناصب عالیہ کے مقابلے میں دفتر کے کلرکوں کی کیا حیثیت ہوسکتی ہے؟ دینی مدارس کے فارغ التحصیل احساس کمتری میں مبتلا ہوں تو کیوں؟ دنیا میں تقسیم کار کا اصول سب کو مسلم ہے کہ تمام شعبوں کا کام ایک ہی ادارہ نہیں سنبھال سکتا، مثلاً سول سروس کے لئے الگ، عدالت وقانون کے لئے الگ اور فوج کے لئے الگ رجال کار کی ضرورت ہوتی ہے، اس اصول کو یہاں بھی نظر انداز نہیں کرنا چاہیے، اگر دینی مدارس کوئی اور کام نہ کریں، صرف ان دینی مناصب کو پُر کرلیں تو اس میں اعتراض کی کیا بات ہے؟ بہرحال ان حقائق کے پیش نظر یہ سطحی سی بات کہنا کہ موجودہ مدارس دینیہ بالکل بے کار اور بے مقصد ہیں، کتنے افسوس کی بات ہے، جس کا منشا ممکن ہے کہ ناواقفیت اور سطحیت ہو یا پھر دینی مدارس سے بغض وعناد، کہنے والے کے ذہن میں غالبًا یہ ہے کہ دینی مدارس کا مقصد بھی دنیا ہے آخرت نہیں اور چونکہ دنیا کے مقصد کے حصول کی اہلیت ان میں نہیں تو گویا یہ بے مقصد ہیں، انا للہ۔ کیا یہی انداز ہے سوچنے اور سمجھانے کا؟ اللہ تعالیٰ صحیح فہم عطا فرمائے۔

باب سوم

یادِ رفتگاں

مولانا مفتی محمد صادق بہاولپوری رحمۃ اللہ علیہ

① افسوس کہ اس ماہ میں پاکستان کے ایک جلیل القدر عالم دین حضرت مولانا مفتی محمد صادق صاحب طویل علالت کے بعد اس دارِ فانی سے رحلت فرما گئے ہیں: إنّا لله وإنّا إليه راجعون

مرحوم اس دور کے ممتاز علماء کرام میں سے تھے، جامعیت متانت، سنجیدگی، وقار، کرم نفس، تواضع اور حلم میں ممتاز تھے، ریاست بھاولپور کے مفتی بھی رہے، علماء کرام کے حالات ووفیات کا خاص ذوق تھا، جو علماء سرزمین بھاولپور میں پیدا ہوئے یا باہر سے بھاولپور میں کبھی آئے ان سب کے حالات زندگی کو مرتب فرمایا تھا، فقہ اور علوم دینیہ کے ساتھ علوم عقلیہ کے بھی ماہر تھے اور ان علمی کمالات کے ساتھ نہایت تجربہ کار تھے، انتظامی معاملات اور علوم اسلامیہ کے اداروں کے نظم ونسق اور مدارس کے قواعد وضوابط میں خصوصی مہارت رکھتے تھے، حضرت امام العصر مولانا محمد انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ کے غالی معتقد تھے اور مقدمہ بھاولپور کے تاریخی مقدمہ کے دوران حضرت امام العصر شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے سترہ روزہ قیام بھاولپور میں لیل ونہار ساتھ رہے اور حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی کرامات وخوارق وحالات نہایت والہانہ انداز سے بیان کرتے تھے اور بسا اوقات خود بھی روتے تھے اور سننے والوں کو بھی رلاتے تھے۔ ایک دفعہ ملتان سے بھاولپور ٹرین میں رفاقت نصیب ہوئی، اس عجیب و پرکیف انداز سے احوال سنائے کہ مجھ پر اتنی رقت طاری ہوئی جس کا کیف آج تک بھولا نہیں، افسوس کہ اکابر اٹھتے جاتے ہیں اور ان کی جگہ پُر ہونے کی کوئی توقع نہیں۔

اللّٰهم اغفر له اللّٰهم ارحمه وارضه واعف عنه واجعل الجنة متقلبه ومثواه

مولانا سید اظہار الحق سہیل عباسی امروہی رحمۃ اللہ علیہ

② نیز اس ماہ میں مولانا سید اظہار الحق سہیل عباسی امروہی کا بھی انتقال ہوا، مرحوم فاضل دیوبند تھے حضرت امام مولانا محمد انور شاہ رحمۃ اللہ علیہ کے تلامذہ میں سے تھے۔ ادبی ذوق پر ممتاز تھے، عربی وفارسی کے شاعر بھی تھے، اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت فرمائے اور زلات معاف فرمائے۔

الحاج خواجہ ناظم الدین رحمۃ اللہ علیہ

۲۲ ؍ اکتوبر ۱۹۶۴ء، ۶ بجے شام الحاج خواجہ ناظم الدین مرحوم بھی اس دنیا سے رحلت کر گئے، اگر چہ خواجہ صاحب مرحوم ان طبقہ علیا کے سیاست دانوں اور حکمرانوں میں سے تھے جن کی پوری زندگی اقتدار اعلیٰ کے عروج وزوال کی کشمکش میں گذری ہے، مگر ہمارے لئے ان کی زندگی میں کشش اور ان کی وفات پر تأسف کا موجب صرف یہ ہے کہ وہ صوم وصلوۃ کے پابند اور عامۃ المسلمین کے دوش بدوش نماز جمعہ ادا کرنے کے عادی تھے، ویسے بھی راسخ العقیدہ اور علماء دین سے عقیدت رکھنے والے مسلمان تھے۔ اس حلقہ میں اتنی دینداری بھی مغتنم ہے، اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت فرمائیں اور ان کے پسماندگان کو صبر جمیل عطا فرمائیں۔

[جمادی الثانیہ ۱۳۸۴ھ، نومبر ۱۹۶۴ء]

مولانا بدر عالم میرٹھی رحمۃ اللہ علیہ

الحمد لله الذی لا باقی إلا وجهه ولا دائم إلا ملكه و الصلوة والسلام علی حبیبه الذی أخلص لله وجهه وعلی أله وصحبه الذین لا یریدون إلّا رضاه ووجهه.

یوم جمعہ ۳؍ رجب ۱۳۸۵ھ، ۲۹؍ اکتوبر ۱۹۶۵ء کو مہاجر مدنی حضرت مولانا بدر عالم میرٹھی مدینہ طیبہ میں واصل بحق ہوئے۔

إنا لله وإنا إلیه راجعون اللّٰهم اغفرله وارحمه وأكرم نزله و وسّع مدخله وارزقه دارا خیرا من داره وجارا خیرا من جاره ، أمین یارب العالمین.

مولانا بدر عالم صاحب دورِ حاضر کے ان ممتاز علماء میں سے تھے جن کی بدولت علم ودین کی ساکھ قائم ہے، جن سے مدرسے آباد ہیں، منبر بارونق ہیں، موصوف قابل مدرس، فاضل مقرر، کامیاب ومقبول مصنف تھے، اردو، عربی کے ادیب وشاعر تھے، موثر اسلوب، شگفتہ طرز ادا کے مالک تھے، عام گفتگو میں بھی الفاظ کیا ہوتے موتی کی پروئی ہوئی لڑیاں ہوتی تھیں، جو ان کی نوک زبان سے بکھرتی تھیں، مؤثر تعبیر، دل نشین طرز ادا ان کی خصوصیت تھی، صدق وصفا کے مجسمہ تھے ورع وتقویٰ اور استغنا کے پیکر تھے، نصیحت وخیر خواہی اور حق گوئی میں ممتاز تھے، نہایت زیرک ومدبر تھے اور سب سے بالاتر یہ کہ آخری لمحات حیات میں مرشد کامل تھے، پاک وہند اور جنوبی ومشرقی افریقہ کے سینکڑوں بندگان خدا ان کی تربیت وتزکیہ اور بیعت وارشاد سے فیض یاب ہوئے اور شریعت کی پابندی واستقامت ان کو نصیب ہوئی، ذکی عالم تھے، صاحب فراست بزرگ تھے، مدینہ طیبہ کی سیزدہ سالہ بابرکت زندگی ان کی سرشت وطبیعت میں بہت کارگر اور موثر ثابت ہوئی، مدینہ کے انوار وبرکات نے سونے

پر سہاگہ کا کام کیا، ان کے فطری جوہر کھلے، کرم گستری، مہمان نوازی، مروت و جوان مردی اور اپنے مخلصین سے مخلصانہ ادائیں یہ وہ سب سے زیادہ حیرت انگیز جوہر تھے جو نمودار ہوئے۔ ابتدائی دور طالب علمی میں مظاہر العلوم سہارنپور کی برکات سے بہرہ اندوز ہوئے اور قطب الارشاد حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی قدس سرہ متوفی ۱۳۲۳ھ کے ارشد خلفاء عارف باللہ فقیہ محدث اور صوفی باصفا حضرت مولانا خلیل احمد سہارن پوری مدنی رحمہ اللہ متوفی ۱۳۴۶ھ کے مرکز توجہات والطاف رہے اور ان کے آغوش شفقت میں تربیت نصیب ہوئی، درمیانی عمر میں آیۃ من آیات اللہ امام العصر حضرت مولانا محمد انور شاہ کشمیری دیوبندی متوفی ۱۳۵۲ھ کے آغوش تربیت میں پہنچے، دیوبند میں ان کے فیض اور انوار علوم و معارف سے مستفیض ہوئے اور حضرت عارف باللہ مفتی مولانا عزیز الرحمن قدس سرہ نقشبندی المتوفی ۱۳۴۷ھ سے شرف بیعت کی سعادت نصیب ہوئی، عرصہ دراز تک ان کے انفاس قدسیہ اور صحبت مقدسہ کی برکات سے مالا مال ہوتے رہے، انتہائی استقامت و استقلال کے ساتھ اذکار و اشغال نقشبندیہ کی مداومت نصیب ہوئی، بالآخر حضرت مفتی صاحب کے خلیفہ ارشد حضرت مولانا قاری محمد اسحاق صاحب میرٹھی رحمہ اللہ متوفی ۱۳۶۴ھ نے خلعت خلافت سے سرفراز فرمایا، الغرض اس طرح علمی و عرفانی سرچشموں سے کما حقہ سیرابی کا موقع نصیب ہوا اور اپنے عہد کے ممتاز ترین اکابر کے فیوض سے پورے طور پر فیض یاب اور ان کی ظاہری و باطنی برکات کی سعادت سے ہمکنار ہوئے۔

حیات طیبہ کے آخری لمحات وانفاس میں سید الانبیاء رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جوار مقدس میں قیام کی تمنا پوری ہوگئی، چنانچہ ۱۳۷۲ھ میں مدینہ طیبہ ہجرت کی، خاک پاک مدینہ نے اور حبیب رب العالمین صلی اللہ علیہ وسلم کے جوار مقدس نے طبیعت میں خاص استقامت کی سعادت بخشی اور چارسالہ طویل علالت کے زمانہ میں صبر و شکر کے وہ قابل رشک مظاہر و آثار ظہور میں آئے کہ عقل حیران ہے، ''فیض الباری شرح بخاری'' چار ضخیم جلدوں میں (جو حضرت شیخ امام العصر کی تقاریر درس صحیح بخاری کا مجموعہ ہے) ''عربی'' اور ''ترجمان السنۃ'' اردو میں خدمت حدیث نبوی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دو بے نظیر شاہکار ہیں جو رہتی دنیا تک ان کی زندہ یادگار اور اہل علم ودین کے طبقہ میں منبع فیض بنے رہیں گے ان شاء اللہ العزیز، ''جواہر الحکم'' کے نام سے احادیث نبویہ —علی صاحبها أزكى التحيات وأسنى التسليمات— کا ایک مجموعہ جو عصر حاضر کی عوامی اصلاحی خدمت کے طور پر انتہائی دل نشین تشریحات کے ساتھ تالیف فرمایا ہے، تین حصوں میں شائع ہو چکا ہے، یہ ان کی آخری تصنیف ہے اور ان کے شرح صدر کا عمدہ نمونہ ہے۔

مظاہر العلوم سہارنپور سے فراغت تحصیل علوم کے بعد دیوبند پہنچے اور حضرت امام العصر مولانا محمد انور شاہ رحمہ اللہ کے تلمذ کی سعادت کے ساتھ ہی دار العلوم دیوبند میں منصب تبلیغ و تدریس پر فائز ہوئے اور اسی زمانہ میں تبلیغ اور تقریر خصوصاً رد قادیانیت میں اچھی شہرت حاصل کی اور نہایت کامیاب اور مقبول مقرر ثابت ہوئے،

۱۳۴۶ھ جامعہ اسلامیہ ڈابھیل میں حضرت امام العصر مولانا انورشاہ رحمہ اللہ کے قافلہ کے اہم رفیق بنے اور حدیث کے ''اساتذہ'' میں تقرر ہوا، اسی دور میں دیوبند کے ''مہاجر'' اخبار کے قابل ترین مضمون نگار رہے، ڈابھیل کے بعد بہاول پور و بہاول نگر آپ کا مرکز فیض رہا اور آخر میں دارالعلوم الاسلامیہ ٹنڈو اللہ یار (سندھ) میں استاذ حدیث ونائب مہتمم کے منصب پر فائز ہوئے، عرصہ سے مدینہ منورہ۔ زاد ھا اللہ نورا۔ کی سکونت کی آرزو دل میں موجزن تھی اور نہایت ہی والہانہ انداز میں مدینہ کی ہجرت کا سودا دماغ میں سمایا ہوا تھا، چنانچہ ''البدر الساری تعلیقات فیض الباری'' میں انتہاء والہانہ اور رقت انگیز انداز میں اس آرزو کا اظہار کیا جو رب العرش العظیم کی بارگاہ سے شرف قبولیت کے ساتھ سرفراز ہوئی اور نالہ ہائے سحری رنگ لائے اور جوار حبیب رب العالمین صلی اللہ علیہ وسلم کی تمنائے تہمور سے بالاتر طریقے پر واقعہ کی صورت اختیار کر لی، عبادت واستقامت، ادب وسکون، ذکر وفکر کے ساتھ مسجد نبوی کی حاضری نصیب ہوتی رہی، یہاں تک کہ علالت نے صاحب فراش بنا دیا، پورے چار سال صاحب فراش رہے، اس دور میں صبر وشکر ورضا بالقضا کے جو منازل طے کئے اور جو نعمتیں ان کو نصیب ہوئیں، قابل صد رشک ہیں:

این سعادت بزور باز ونیست
تانہ بخشد خدائے بخشندہ

ماہ رجب المرجب کے مقدس مہینہ اور جمعہ کے مبارک دن میں حبیب رب العالمین کے جوار میں جنت البقیع کی خاک مقدس میں جس کا ایک ایک ذرہ آفتاب عالمتاب سے زیادہ بانور ہے اس خادم علم دین، اس باغیرت وباحمیت شخصیت نے اپنی جان کو جان آفرین کے سپرد کیا:

إنّ للہ ما أخذ ولہ ما أعطی وکل شیء عندہ إلی أجل مسمی

الغرض ذوق ووجدان، بصیرت وعرفان، علم وعمل، ورع وتقویٰ کا یہ پیکر نوری تقریر وتحریر کے کمال کا حامل اور ظرافت وشگفتگی کا مظہر اپنی باوقار شخصیت کے ساتھ اپنے احباب واقربا ومخلصین سے ہمیشہ کے لئے جدا ہو گیا۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس خادم علم ودین کو اپنی بیکراں رحمت سے نوازے اور جنت الفردوس میں رضوان الٰہی سے سرفراز فرمائے۔

رحمہ اللہ رحمۃ الأبرار الصالحین والأخیار المقربین وصلی اللہ علی خیر خلقہ سیدنا محمد وآلہ وصحبہ أجمعین

فرصت ملی تو چند صفحات پر ان شاء اللہ حق صحبت وحق رفاقت اور حق احسان ادا کرنے کے لئے کچھ خامہ فرسائی کا ارادہ ہے، واللہ الموفق والمعین۔

[رجب ۱۳۸۵ھ، نومبر ۱۹۶۵ء]

مولانا عبدالرحمن کامل پوری رحمۃ اللہ علیہ

الحمد لله الذی له البقاء والدوام ، فقال تعالیٰ : ﴿کل من علیها فان و یبقی وجه ربك ذو الجلال والإکرام﴾ والصلوة والسلام علی من هدانا سبل السلام وعلمنا الرضاء بالقضاء والانقیاد لقدره والاستسلام ، وعلی آله و صحبه الذین فازوا بالرضوان فی دار السلام.

سہ شنبہ، ۲۷ ؍شعبان ۱۳۸۵ھ مطابق ۲۱ دسمبر ۱۹۶۵ء کی شام کو غروب آفتاب سے کچھ پہلے مغربی پاکستان کا آفتابِ علم غروب ہوا، حضرت مولانا عبدالرحمن کامل پوری کا وصال ہوگیا:

إنا لله وانا إلیه راجعون ، رحمه الله ورضی عنه وأرضاه وجعل الجنة جنة الفردوس متقلبه ومثواه

﴿کل نفس ذائقة الموت﴾ اور ﴿کل من علیها فان﴾ سنت الٰہیہ اور ابدی قانون ہے، تسلیم وانقیاد اور رضا بالقضاء کے سوا کوئی چارۂ کار نہیں۔

"ان لله ما أخذ وله ما أعطی وکل شیء عنده إلیٰ أجل مسمی"

ترجمہ: بلاشبہ اللہ ہی کا ہے جو کچھ اس نے لے لیا اور اسی کا ہے جو اس نے عطا فرمایا اور ہر چیز اس کے نزدیک ایک مقررہ مدت تک کے لئے ہے"۔

کسی کو نہ مجالِ انکار ہے، نہ مقامِ چون وچرا۔

حضرت مولانا عبدالرحمن رحمہ اللہ کی وفات دنیائے علم واخلاق کا ایک بڑا حادثہ ہے اور ایسے اکابر علماء کی رحلت امارات ساعت (علامات قیامت) میں سے ہے، مولانا مرحوم علوم اسلامیہ دینیہ اور نقلی وعقلی فنونِ علم کے جامع ترین عالم تھے، اصناف علم وفضل وکمال ان کی شخصیت میں مجتمع تھیں، وہ عالم وعارف تھے، صوفی ومحقق اور فقیہ ومحدث تھے، علم اصول وکلام کے ایک ماہر اصولی اور فاضل متکلم تھے، غرض علمی دنیا کے آفتاب وماہتاب تھے، کوہ وقار وتمکنت، پیکر حلم ورزانت، مجسم خمول وتواضع اور صلاح وتقویٰ میں یگانۂ روزگار تھے، فطری ملکات میں ان کو ایک نمایاں امتیاز حاصل تھا، ریاضت ومجاہدہ کے بغیر طبعی طور پر مرتاض تھے، اللہ تعالیٰ نے مرحوم کو وہبی اور فطری اخلاق وملکات کے وہ مقامات عالیہ عطا فرمائے تھے کہ ریاضت ومجاہدات کے بعد بھی ان کا حاصل ہونا قابل فخر اور وجہ شرف ہے، اس علم وفضل اور شرف وکمال کے ساتھ انکسار وتواضع، خاموشی اور کم گوئی ان کی ایک فطری کرامت تھی، ایسی جامع کمالات شخصیت اور مجمع فضائل ہستی کی وفات سے پاکستان کے دینی اور علمی حلقوں میں جو زبردست خلا پیدا ہوا ہے افسوس کہ اس کے پُر ہونے کی توقع نہیں ہے۔

حضرت مولانا مرحوم نے غالباً ۱۳۴۲ھ میں مظاہر العلوم سہارنپور سے تحصیل علوم وفنون سے فراغت حاصل کی اور حضرت مولانا خلیل احمد رحمہ اللہ سے حدیث میں فیض حاصل کیا، ان کے علاوہ دوسرے اکابر علماء مظاہر العلوم سے فیض یاب ہوئے، ۱۳۴۳ھ میں دارالعلوم دیوبند پہنچے اور امام العصر حضرت مولانا انور شاہ صاحب شیخ الحدیث رحمہ اللہ سے دوبارہ دورۂ حدیث پڑھا، اسی طرح دیوبند اور سہارن پور کے دوآبہ علم ودین سے سیراب وسرشار ہوئے۔

حضرت مولانا خلیل احمد رحمہ اللہ اور سہارن پور کے اکابر علم کی نظر انتخاب نے موصوف کو مظاہر العلوم کی خدمت تدریس کے لئے منتخب فرمایا، علوم دینیہ اسلامیہ کی اس اہم درس گاہ میں آپ شروع میں مدرس اور اس کے بعد ایک عرصہ دراز تک صدر مدرس کی حیثیت سے علمی خدمات انجام دیتے رہے، آپ کے ان فطری کمالات اور وہبی خصوصیات ہی کی وجہ تھی کہ مظاہر العلوم کے ایک طالب علم کی حیثیت سے ترقی کرکے اسی علمی مرکز میں آپ شیخ الکل بن گئے اور اس طرح یک سوئی اور خاموشی کے ساتھ شب وروز تدریس علوم کی خدمت میں مصروف رہے کہ پھر اس پیکر زہد وقناعت وورع وتقویٰ نے کسی دنیاوی مقصد کے لئے کہیں کا رخ نہیں کیا اور جب تک پاکستان کی مملکتِ خداداد ظہور میں نہیں آئی آپ مظاہر العلوم ہی میں قیام پذیر رہے۔

پاکستان بننے کے بعد اپنے مادر علمی مظاہر العلوم سہارن پور کو بادل نخواستہ خیر باد کہا اور ملتان کے شہرہ آفاق دینی ومرکزی درس گاہ خیر المدارس میں صدر مدرس ہوئے اور دار العلوم اسلامیہ ٹنڈو اللہ یار (سندھ) کے قیام کے بعد حضرت مولانا احتشام الحق صاحب تھانوی کی سعی اور حسن تدبر سے شیخ الحدیث دار العلوم کے منصب کو آپ نے قبول فرمالیا اور کچھ عرصہ اس مرکز میں درس حدیث کی خدمات انجام دیں، اس کے بعد دار العلوم اسلامیہ کی خدمت سے مستعفی ہوکر اپنے وطن بہبودی ضلع کیمبل پور میں قیام فرمایا، کچھ عرصہ بعد جناب محترم مولانا سید بادشاہ گل صاحب کے اصرار سے مجبور ہوکر جامعہ اسلامیہ اکوڑہ خٹک میں منصب صدارت قبول فرمایا اور چند سال علم کی خدمت انجام دی، آخر طبعی ضعف اور نگاہ کی کمزوری کی وجہ سے اس خدمت سے بھی مستعفی ہوئے اور مستقل طور پر وطن میں قیام پذیر ہوگئے اور نہایت خاموشی کے ساتھ طالبین روحانیت کی تہذیب نفس اور اخلاقی اصلاح کی خدمت انجام دیتے رہے، مشتاقان دین اور طالبانِ فیض اسی طرح خاموشی کے ساتھ فیض یاب ہوتے رہے۔

حضرت مولانا مرحوم کے وہبی کمالات اور فطری محاسن کی وضاحت کے لئے اس واقعہ کا ذکر کافی ہے کہ جس زمانے میں آپ مظاہر العلوم سہارن پور میں صدارت تدریس کے منصب پر فائز تھے، حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی قدس سرہ نے موصوف کو بیعت وارشاد کا اہل سمجھ کر از خود مجاز بیعت بنایا حضرت کامل پوری نے معذرت پیش کی کہ:

''حضرت! میں نے تو اب تک بیعت بھی نہیں کی تو خلافت کا کیا استحقاق ہے؟''

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ:

''میرے نزدیک اہلیت شرط ہے بیعت شرط نہیں۔''

اس کے بعد حضرت مولانا عبدالرحمن مرحوم نے درخواست کی کہ اچھا اب مجھے بیعت بھی فرما لیجئے، یہ واقعہ شاید پہلی ہی نظیر ہے کہ کسی بزرگ نے بیعت سے پہلے ہی کسی بزرگ کو خلافت کی خلعت سے سرفراز فرمایا ہو اور اجازت وخلافت کے بعد پھر بیعت کر کے سلوک طے کرایا ہو۔

یہ واقعہ ایک حکیم امت اور شیخ کامل کی طرف سے مولانا عبدالرحمن رحمہ اللہ کے فطری محاسن اور وہبی فضائل کا اعتراف ہے، درحقیقت یہ ان کی فطری صلاحیت اور طبعی اہلیت ہی تھی جس کی وجہ سے ان میں ریاضت ومجاہدہ واصلاح کے بغیر مشیخت کے اوصاف مجتمع ہو گئے تھے، وہ ازخود اور وہبی طور پر شیخ وقت تھے۔

ان معنوی فضائل ومحاسن کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے ظاہری حسن وجمال کی نعمتوں سے بھی بہرہ مند فرمایا تھا، اپنی قامتِ رعنا، نازک اور تراشیدہ نقوش، روئے منور اور لطافت ونظافت کے ساتھ وہ جمال وکمال کا ایک پیکر نوری محسوس ہوتے تھے۔

راقم الحروف کو دارالعلوم اسلامیہ میں ان کی صحبت ورفاقت کا شرف حاصل رہا اور مرحوم کے قریب سے قریب تر مطالعہ کا موقع نصیب ہوا، لیکن ان کے فطری کمالات وفضائل کی وجہ سے ان کے ساتھ میری گرویدگی میں اضافہ ہی ہوتا رہا۔

افسوس کہ ایسے نازک دور میں جبکہ امت کو علم ودین کے ایسے اکابر کی سرپرستی کی بے حد ضرورت تھی، اس نعمت کا چھن جانا بڑا خسارہ، ایک بڑی مصیبت اور عظیم حادثہ ہے!

فما كان قيس هلكه هلك واحد

و لكنه بنيان قوم تهدما

ترجمہ: ''قیس ایسا نہیں تھا کہ اس کا ہلاک ہونا کسی ایک شخص کی ہلاکت ہو، لیکن اس کا ہلاک ہونا تو ایسا ہوا جیسے ایک قوم کی بنیاد منہدم ہوگئی ہے۔''

دعا ہے کہ اس پیکر صدق وصفا، سراپائے وقار وتمکنت، مجسمہ ورع وتقوی، مخزن علم وعمل، جامع کمالات بزرگ کی روح پاکیزہ ابر رحمت کے فیض قدسی سے ہمیشہ سرشار اور شاداب رہے اور ان کی قبر مبارک آفتاب کرم کی ضوفشانی سے ہمیشہ بقعۂ نور بنی رہے اور ان کا نورانی چہرہ سراپا نور ہو۔

اللّٰهم اغفرله وارحمه وأرضه وارض عنه واحشره مع الأبرار و المقربين وصلى الله على سيدنا محمد وآله وبارك وسلم.

[رمضان المبارک ۱۳۸۵ھ]

مولانا مفتی محمد شفیع سرگودھوی رحمۃ اللہ علیہ

۲۶ ربیع الاول ۱۳۸۶ھ ۱۶؍ جولائی ۱۹۶۶ء شب جمعہ بوقت سحر حضرت مولانا محمد شفیع صاحب سرگودھوی کی روح مبارک پرواز کرگئی:

إنا لله و إنا إليه راجعون إنّ لله ما أخذ و له ما أعطى وكل شيء عنده إلى أجل مسمى

موصوف اس عہد کے ممتاز عالم، مشہور مفتی، مقرر، واعظ، خطیب اور صاحب جرأت وصاحب نسبت وصاحب فراست بزرگ تھے، وہ بیک وقت خانقاہ، درس گاہ، منبر ودارالافتاء کی زینت تھے، وہ جمعیت العلماء (سرگودھا) کے صدر اور جمعیت وفاق المدارس کے نائب صدر اور دینی درس گاہ سراج العلوم سرگودھا کے بانی وصدر مدرس تھے، نہایت سنجیدہ باوقار وذی عالم تھے، ملکی سیاست سے بھی وافر حصہ رکھتے تھے، حضرت مفتی کفایت اللہ صاحب دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کے شرف تلمذ کے بعد امام العصر حضرت مولانا محمد انور شاہ صاحب کشمیری دیوبندی رحمۃ اللہ علیہ کے ممتاز تلامذہ میں سے تھے، ہندوستان و پاکستان کی سرزمین میں وہ ممتاز حافظ قرآن تھے جنھوں نے صرف ۷۳ دن میں قرآن کریم کو حفظ کرلیا تھا، امام العصر حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ کو اس جودتِ حفظ وقوتِ حافظہ پر حیرت ہوئی تھی، مرحوم نہایت خوش لباس اور خوش خورک تھے، لباس فاخر کے شائق تھے، نہایت نفاست پسند تھے نہایت متانت سے گفتگو فرمایا کرتے تھے، اس قحط الرجال کے دور میں ایسی جلیل القدر ہستی کی موت امت کے لئے عظیم سانحہ ہے، افسوس کہ علم ومعرفت کے خم خانے خالی ہوتے چلے جارہے ہیں اور آئندہ کوئی توقع نہیں کہ ان ہستیوں کی جگہ پُر ہو سکے، اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ اس روح پاک کو اپنی رحمت ورضوان سے سرفراز فرمائیں اور جنت الفردوس نصیب فرمائیں اور ان کے صاحبزادگان کرام خصوصاً مولانا حافظ احمد سعید صاحب اور مولانا قاری عبدالسمیع کو اپنے والد بزرگوار کا صحیح جانشین بنائے اور ان کی برکات سے ان سب کو مالا مال کرے، آمین۔

موت التقى حياة لا انقطاع لها
كم مات قوم وهم في الناس أحياء

اللّهم اغفرله وارحمه وأكرم نزله واحشره مع الأبرار الصالحين والعلماء الربانيين بفضلك وكرمك يارب العالمين.

[ربیع الثانی ۱۳۸۶ھ اگست ۱۹۶۶ء]

مولانا عبدالحنان ہزاروی رحمۃ اللہ علیہ

۱۳ رجمادی الاولیٰ ۱۳۸۶ھ ۳۰ راگست ۱۹۶۶ء سہ شنبہ ۴ بجے شام مولانا عبدالحنان صاحب ہزاروی طویل علالت کے بعد اس عالم فانی سے رحلت فرما گئے، انا للہ وانا الیہ راجعون، مرحوم دارالعلوم دیوبند کے علمی دور کے ممتاز فارغ التحصیل علماء میں سے تھے، حضرت امام العصر مولانا محمد انور شاہ رحمہ اللہ سے شرف تلمذ حاصل تھا، طالب علمی کے دور سے ہی تقریر وخطابت سے بہت گہری دلچسپی رکھتے تھے، فراغت کے بعد لاہور پہنچے اور حضرت مولانا احمد علی صاحب رحمہ اللہ سے استفادہ کیا اور آسٹریلین بلڈنگ کی جامع مسجد کے خطیب مقرر ہوئے اور اسی زمانہ میں آپ کی خطابت کے جوہر کھلے، نہایت خوش بیان خطیب اور سنجیدہ مقرر تھے، عرصہ دراز تک غیر منقسم ہندوستان میں جمعیت العلماء ہند کے پلیٹ فارم پر مولانا حفظ الرحمن صاحب مرحوم کے رفیق کار رہے، اور پھر احرار کے پلیٹ فارم پر مولانا سید عطاء اللہ شاہ بخاری کے ساتھی رہے، دینی، سیاسی غرض ہر موضوع کے لحاظ سے بہترین خطیب تھے، ختم نبوت کی تحریک میں قید وبند کی تکلیف سے بھی دوچار ہوئے، آخر میں راولپنڈی میں مدرسہ حنفیہ محلہ ورکشاپی کے مہتمم تھے اور اس طرح مولانا قاری محمد امین صاحب کی رفاقت ومعیت میں ایک علمی درس گاہ کی خدمت انجام دیتے رہے، اللہ تعالیٰ مرحوم کو اپنی رحمت بیکراں اور رضوان ابدی سے جنت الفردوس میں مقام عطا فرمائے اور بال بال مغفرت ہو، (آمین)

حریفاں بادہا خوردند و رفتند
تہی خم خانہا کردند و رفتند

[جمادی الثانی ۱۳۸۶ھ، اکتوبر ۱۹۶۶ء]

مولانا عبدالخالق رحمۃ اللہ علیہ

رجب اور شعبان ۱۳۸۶ھ (ماہ نومبر ودسمبر ۱۹۶۶ء) میں ناقابل تلافی حوادث وصدمات پیش آئے، ۳ ررجب ۱۳۸۶ھ مطابق ۱۴ رنومبر ۱۹۶۶ء بروز دوشنبہ ملتان کے مشہور فاضل عالم حضرت مولانا عبدالخالق صاحب واصل بحق ہوئے، إنا للہ و إنا إلیہ راجعون، مرحوم دارالعلوم کبیر والا ضلع ملتان کے بانی ومہتمم وصدر مدرس تھے، حضرۃ الاستاذ امام العصر مولانا محمد انور شاہ کشمیری دیوبندی رحمہ اللہ کے ان ممتاز تلامذہ میں سے تھے جن کی پوری زندگی علوم نقلیہ وعقلیہ کی تدریس میں گذری، نہایت ذکی عالم تھے، انداز بیان نہایت سلجھا ہوا تھا، علمی مشکلات کو سادے اور مختصر انداز سے حل کرنے پر پوری پوری قدرت رکھتے تھے۔

حضرت مولانا حسین احمد صاحب رحمہ اللہ کے عہد صدارت میں دارالعلوم دیوبند کے طبقہ علیا کے اساتذہ میں عہد تدریس پر فائز رہے، نہایت خوش پوشاک، خوش لباس تھے، بیوی وبچوں کی فکر سے آزاد، درس

وتدریس کے علمی مشاغل کے لئے یک قلم فارغ تھے، قحط الرجال کے دور میں ایسی ہستیوں کا وجود انتہائی غنیمت ہوتا ہے جن کی زندگی سے دینی درس گاہوں کی رونق قائم رہتی ہے، اس پر آشوب عہد میں جبکہ علوم دینیہ کا مقصد بھی وہی ہو گیا ہے جو علوم دنیوی کے حاملین کا ہے، وہی دنیوی آسائش و راحت دنیوی عزت و وجاہت، شکم پروری و تن آسانی۔ ایسے محقق روزگار عالم کا اٹھ جانا ناقابل برداشت صدمہ ہے: و فی الله عزاء من كل هالك.

اللہ تعالیٰ بال بال مغفرت فرمائے، زلات و تقصیرات معاف فرمائے اور راحت و رضوان کے اعلیٰ درجات نصیب فرمائے، آمین۔

مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کی والدۂ ماجدہ کی وفات کا حادثہ

انتہائی رنج و غم کے ساتھ یہ خبر سنی گئی کہ ہمارے محترم عالم ربانی مولانا ابوالحسن علی میاں کی والدہ محترمہ ٦ / جمادی الاخری ١٣٨٨ھ مطابق ٣١ / اگست ١٩٦٨ء کو اس دنیائے فانی سے رحلت کر گئیں، إنا لله وإنا إليه راجعون۔

مرحومہ عابدہ، زاہدہ، صالحہ، شب خیز اور معمر خاتون تھیں جن کی نظیر عصر حاضر میں کم ملتی ہے، ان کے والد ماجد حضرت سید ضیاء الدین مرحوم بن سید سعید الدین مرحوم اپنے زمانہ میں عبادت و تقویٰ اور تعلق مع اللہ میں یگانۂ روزگار تھے، مرحومہ کے کمالات کا اندازہ اسی سے کیا جا سکتا ہے کہ ان ہی کی آغوش تربیت میں حضرت مولانا ڈاکٹر عبد العلی مرحوم اور عالم ربانی مولانا ابوالحسن جیسے نادرۂ روزگار حضرات سراپا اخلاص بنے، اپنی اولاد کو مرحومہ کی وصیت مبارکہ تھی کہ دین کو حصول دنیا کا ذریعہ نہ بنائیں، اللہ تعالیٰ کی رحمتیں ہوں اس پاکیزہ روح (روح طيبة) پر جس نے اس انداز اور اس اخلاص سے تربیت کر کے امت کے سامنے سراپا عمل اور مرقع اخلاص اولاد کا نمونہ پیش فرمایا، مرحومہ نے ۹۳ سال کی عمر پائی، گویا صحیح معنی میں "خيركم من طال عمره وطاب عمله" تم میں بھلا آدمی وہ ہے جس کی عمر لمبی اور عمل اچھا ہو، کی مصداق تھیں، آنے والے سب جانے کے لئے ہی آتے ہیں لیکن مولانا علی میاں صاحب کے لئے والدہ محترمہ کی دعوات صالحہ اور نالہائے نیم شبی سے محروم ہونا بڑا صدمہ ہے، اللہ تعالیٰ مرحومہ کو رحمت و رضوان سے جنت الفردوس نصیب فرمائے اور ان کی روحانی توجہات سے ہمارے مولانا علی میاں کو بعد الموت بھی مالا مال فرمائے اور ان کی وفات، محترم مولانا علی میاں کے لئے حیات سے زیادہ باعث خیر و برکت ہو، آمین۔

مرحومہ اپنے آبائی وطن رائے بریلی تکیہ حضرت شاہ علم اللہ رحمہ اللہ میں اپنے مرحوم شوہر حضرت مولانا حکیم سید عبدالحی صاحب ناظم دارالعلوم ندوۃ العلماء کے جوار میں آسودہ خاک ہوئیں۔

فرحمها الله رحمة المؤمنات الصالحات القانتات

[شعبان ١٣٨٨ھ]

مولانا قاضی احسان احمد شجاع آبادی رحمۃ اللہ علیہ

۱۲ر رجب ۱۳۸۶ھ مطابق ۲۳ر نومبر ۱۹۶۶ء کو مولانا قاضی احسان احمد شجاع آبادی رحلت فرما گئے، مرحوم وقت کے بہترین قادر الکلام خطیب تھے، نہایت پر اثر مقرر تھے، حاضر جواب تھے، بیک وقت منبر ومحراب ومدرسہ کی رونق تھے، مجلس تحفظ ختم نبوت کے عرصہ تک صدر رہے، عرصہ دراز تک حضرت مولانا عطاء اللہ شاہ صاحب بخاری رحمہ اللہ کے رفیق کار رہے، حضرت شاہ بخاری کے محیر العقول خطابت کی بعض خصوصیات کے صحیح وارث تھے، عقیدہ ختم نبوت کے تحفظ وعلمبرداری نے ان کی زندگی میں وقار وعظمت اور عوام کے دلوں میں محبت پیدا کردی تھی، مدارس دینیہ کے سالانہ جلسے ان کے دم سے بارونق تھے، ایسے باکمال آتش فشاں خطیب کی رحلت بڑا سانحہ ہے، مرحوم کی وفات سے جلسے افسردہ ہوگئے اور دینی اجتماعات پژمردہ ہوگئے، گلستان مجلس ختم نبوت کی ہزار داستان، خوش نوا بلبل ہمیشہ کے لئے خاموش ہوگئی۔

اللہ تعالیٰ قاضی صاحب کی خدمات کو خلعت قبول سے نوازے اور ان کو ترقی درجات کا وسیلہ بنائے، بعارضہ سرطان جگر بیمار رہے، آخر جان جان آفریں کے سپرد کردی، مرحوم کے جنازے میں ملتان، بہاولپور، لاہور، لائل پور کے ہزاروں بندگانِ خدا شریک ہوئے، حضرت مولانا عبداللہ درخواستی نے نماز جنازہ پڑھائی۔

مولانا جان محمد سواتی رحمۃ اللہ علیہ

ماہ شعبان ۱۳۸۶ھ کی ۲۳ر تاریخ مطابق ۶ر دسمبر ۱۹۶۶ء بروز دوشنبہ ریاست سوات کے مشہور عالم مولانا جان محمد صاحب بعارضہ قلب طویل علالت کے بعد داعی اجل کو لبیک کہتے ہوئے اس عالم فانی سے رخصت ہوگئے۔

مرحوم ریاست سوات کے ان ممتاز علماء میں سے تھے جن کی پوری زندگی اپنے ملک کے عوام کی اصلاح اور اللہ تعالیٰ کی یاد میں خاموشی سے گذری، صاحب نسبت مخلص باخدا بزرگ تھے، خشوع وخضوع سے نماز پڑھا کرتے تھے، نالہائے سحری میں دیدہ ودل کی حسرتیں نکالا کرتے تھے، ہمارے رفیق کار مولانا فضل محمد صاحب استاذ حدیث مدرسہ عربیہ اسلامیہ کراچی کے والد ماجد تھے، اللہ تعالیٰ مرحوم کو جنت الفردوس نصیب فرمائے اور پس ماندگان کو اس جانکاہ صدمہ میں صبر جمیل وشکیبائی نصیب فرما کر اجر جزیل عطا فرمائے، آمین۔

خدا کا شکر ہے کہ مرحوم کے دو فرزند مولانا فضل محمد صاحب اور قاری فضل حلیم صاحب علم وعمل اور خاموشی کے ساتھ دین کی خدمت کرنے میں اپنے والد محترم کے صحیح جانشین ہیں، دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ مرحوم کے نقش قدم پر چلنے کی مزید توفیق مرحمت فرمائے۔

[شوال ۱۳۸۶ھ، فروری ۱۹۶۷ء]

مولانا شیر محمد سندھی رحمۃ اللہ علیہ

افسوس کہ علماء ربانی کے قافلے بڑی سرعت کے ساتھ عالم آخرت کی طرف جارہے ہیں، علمی ودینی بساط بڑی تیزی سے سمٹ رہی ہے، دینی شمعیں بجھی جارہی ہیں اور علمی محفلیں سونی ہوتی جارہی ہیں اور ایسے دور میں جب کہ آئندہ کوئی توقع نہیں کہ دوبارہ یہ محفلیں آراستہ ہوسکیں گی اور یہ چراغ روشن ہوسکیں گے۔

مغربی پاکستان کے علاقہ سندھ کے ایک مشہور اور معمر عالم دین مولانا شیر محمد صاحب نے ۲۵ر رمضان المبارک ۱۳۸۶ء کی شب میں داعی اجل کو لبیک کہی، موصوف سندھ کے محقق عالم، متواضع درویش اور منکسر المزاج بزرگ تھے، باخدا شخصیت تھی، صرف ونحو کے امام تھے، مسائل صرف اور دقائق نحو سے شغف کیا عشق تھا، علم صرف میں ایک عمدہ کتاب کے مصنف تھے اور سکھر میں دینی درس گاہ کے مؤسس تھے، موت بھی عجیب واقع ہوئی، ۲۴ر رمضان کی صبح کو غسل کیا، نئے کپڑے زیب تن کئے، گویا سفر کی تیاری ہے، دن بھر روزہ رہا، قبل افطار زیادہ طبیعت خراب ہوگئی، معمولی علالت کا سلسلہ پہلے ہی سے چلا آرہا تھا، کچھ وصیتیں فرمائیں، افطار کے وقت غنودگی بڑھ گئی جس کی وجہ سے روزہ افطار نہ ہوسکا، بالآخر نصف شب ۲۵ر رمضان کو روح قفس عنصری سے ''اللہ! اللہ!'' کہہ کر پرواز کرگئی:

إنا لله وإنا إليه راجعون

سبحان اللہ! موت کیا تھی گویا زندگی کا رخ دنیا سے عالم آخرت کی طرف مڑ گیا اور طرفۃ العین میں عالم فانی سے کٹ کر عالم آخرت سے جڑ گئے، راقم الحروف کے کرم فرما اور دعا گو تھے، اللہ تعالیٰ سفر آخرت کے تمام مراحل آسانی سے طے کرائے، درجات عالیہ نصیب فرمائے اور رحمت ورضوان کے گلدستے نچھاور ہوں، خدا کا شکر ہے کہ ان کے خلف رشید برادرم مولانا محمد انور صاحب موجود ہیں، ان سے توقع ہے کہ وہ مرحوم باپ کی جانشینی کا حق ادا کرسکیں گے۔

مولانا احمد حسن چاٹگامی رحمۃ اللہ علیہ

مشرقی پاکستان کے دو مشہور عالم دونوں چاٹگام کے، ایک ماہ رجب ۸۶ھ اور ایک ماہ رمضان ۸۶ھ میں واصل بحق ہوئے۔

حضرت مولانا احمد حسن صاحب جیری ضلع چاٹگام کے نہایت مخلص، جفاکش اور باخدا عالم تھے، مدرسہ اسلامیہ عربیہ جیری کے بانی تھے، اپنی پوری زندگی مدرسہ کی ترقی اور خدمت میں گذاری، ۵۶ سال فرائض اہتمام کی انجام دہی کی توفیق نصیب ہوئی، غالباً مدرسہ معین الاسلام ہاٹھ ہزاری کی قدیم ترین درسگاہ کے فارغ التحصیل تھے، مولانا قاضی محمد حسین صاحب خلیفہ حضرت گنگوہی قدس اللہ سرہ سے مجاز تھے، بنگلہ زبان میں نہایت خوش بیان

واعظ تھے، وعظ میں بہت اثر تھا، ان کے مدرسہ میں عارف باللہ شیخ الہند حضرت محمود حسن دیو بندی اور ان کے صحیح جانشین حضرت مولانا حسین احمد مدنی اور مولانا اصغر حسین صاحب (رحمہم اللہ) سب ہی حضرات کے قدم پہنچے ہیں، راقم الحروف بھی مرحوم کے اصرار پر وہاں گیا تھا اور صحیح بخاری شریف کا ایک درس بھی دیا تھا، طویل علالت کے بعد ۲۳ رمضان ۱۳۸۶ھ کو ۸۷ سال کی عمر میں اس دنیا سے رخصت ہو گئے۔

مولانا محمد اسماعیل چاٹگامی رحمۃ اللہ علیہ

شہر چاٹگام میں مولانا محمد اسماعیل صاحب ایک جید عالم تھے، دار العلوم دیو بند کے فاضل تھے، عرصہ دراز تک علوم کتاب وسنت کی تدریس میں مشغول رہے، آخر میں چاٹگام شہر کے ایک محلہ میں مظاہر العلوم کے نام سے ایک مدرسہ کی بنیاد رکھی تھی، اہتمام کے فرائض خود انجام دیتے رہے، نہایت متواضع اور رقیق القلب تھے، اخلاص وتواضع اور رقت قلب میں ممتاز تھے، راقم الحروف کو تین چار مرتبہ شرف زیارت نصیب ہوا، بار بار دیکھا کہ تقریر سنتے وقت رویا کرتے تھے، آخر ستر سال کی عمر میں بتاریخ ۲۴ رجب ۱۳۸۶ھ حیات مستعار کو الوداع کہہ کر حیات جاودانی سے ہمکنار ہو گئے، اللہ تعالیٰ ان پاکباز ان پاک طینت کو اپنی رحمت ومغفرت و درجات عالیہ سے نوازے، آمین۔

یہ چمن یوں ہی رہے گا اور ہزاروں جانور
اپنی اپنی بولیاں سب بول کر اڑ جائیں گے

[ذوالحجہ ۱۳۸۶ھ، اپریل ۱۹۶۷ء]

مولانا تاج الاسلام رحمۃ اللہ علیہ

افسوس ہے کہ مشرقی پاکستان کے مشہور عالم دین مولانا تاج الاسلام کا ۲۲ ذوالحجہ ۱۳۸۶ھ کو انتقال ہو گیا، موصوف دیو بند کے ممتاز فارغ التحصیل، حضرت الاستاذ امام العصر مولانا محمد انور شاہ رحمہ اللہ کے تلمیذ رشید، بنگال کے عمدہ عربی ادیب اور شاعر، مخلص اور بے لوث خادم دین اور اچھے واعظ تھے، عرصہ دراز تک علوم نبوت (قرآن وحدیث) کا درس دیا، برہمن باڑیہ میں ایک مدرسے کے بانی اور صدر تھے، طالب علمی کے زمانے میں مرزا غلام احمد قادیانی کی ہجو میں ایک بلند پایہ عربی قصیدہ لکھا تھا جسے حضرت امام العصر اور دیگر اساتذہ نے بے حد پسند فرمایا اور بڑی قدر فرمائی، اس کے چند شعر جو علمی اعتبار سے بہت اونچے تھے مجھے بھی سنائے، موصوف سے ملاقات کئی بار ہوئی، ایک مرتبہ تو مجمع البحوث الاسلامیہ کی موتمر قاہرہ کے سفر میں ہمرکابی کا موقعہ بھی ملا، موتمر کے لئے موصوف کا نام نامی میں نے ہی پیش کیا، وہاں پندرہ دن تک ایک کمرے میں رفاقت رہی اور موصوف کے اخلاص اور مزاج کی سادگی کا مزید علم ہوا۔

افسوس کہ مولانا کی وفات کے وقت میں سفر میں تھا، مدینہ طیبہ میں انتقال کی خبر سنی اور اس وقت پہنچا بھی نہ جاسکا، حق تعالیٰ آغوشِ رحمت میں سکون رضوان الٰہی سے سرفرازی اور جنت الفردوس نصیب فرمائے، عمر غالباً ستر سال ہوگی، رحمه الله رحمة واسعة۔

[ربیع الاول ۱۳۸۷ھ]

اہلیہ امام العصر حضرت مولانا سید محمد انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہما

حضرۃ الشیخ الاستاذ امام العصر مولانا محمد انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ کی اہلیہ محترمہ مولانا حکیم محفوظ علی صاحب کی ہمشیرہ مکرمہ اور عزیز مولانا ازہر شاہ و مولانا انظر شاہ کی والدہ ماجدہ مرض سرطان سے طویل و مدید اور صبر آزما علالت کے بعد ۱۸؍ ربیع الاول ۱۳۸۷ھ مطابق ۲۶؍ جون ۱۹۶۷ء بروز سہ شنبہ دیوبند محلہ خانقاہ میں رحلت فرمائے عالم آخرت ہوئیں اور امام العصر رحمۃ اللہ علیہ کے قریب ہی سپردِ خاک ہوئیں۔

مرحومہ گنگوہ کے ایک مشہور سادات خاندان سے تھیں، حضرت الشیخ امام العصر رحمۃ اللہ علیہ کے وصال کے بعد بہت سلیقے سے بچوں کی تربیت کی اور اس ۳۵ سال کے عرصہ میں بڑے بڑے مصائب کا نہایت صبر و استقلال سے مردانہ وار مقابلہ کیا، مرض وفات میں اکثر بے ہوشی کی حالت طاری رہتی، آب و دانہ سے تعلق ختم تھا لیکن نماز کے وقت ہوش آجاتا اور فریضہ نماز ادا کرلیتیں، مرحومہ کے وصال کی اطلاع ملتے ہی یہاں مدرسہ عربیہ اسلامیہ میں صبح کو چھٹی کردی گئی، تمام اساتذہ و طلبہ اور درجات حفظ و تجوید کے بچوں نے ختمات قرآن کریم سے ایصال ثواب کیا۔ اللہ تعالیٰ جنت الفردوس نصیب فرمائے آغوشِ رحمت میں جگہ دے اور رحمت و رضوان سے سرفراز فرمائے۔

اللّٰهم اغفر لها وارحمها و عافها واعف عنها و أكرم نزلها و وسّع مدخلها وارزقها دارا خيرا من دارها وجارا خيرا من جارها بحرمة سيد المرسلين وخاتم النبيين محمد ﷺ.

[جمادی الاولیٰ ۱۳۸۷ھ]

حضرت مولانا محمد ابراہیم بلیاوی رحمۃ اللہ علیہ

ماہ رمضان المبارک ۱۳۸۷ھ کی ۲۴؍ تاریخ چہار شنبہ ۲۷؍ دسمبر ۱۹۶۷ء کو دارالعلوم دیوبند کے مایہ ناز محقق عالم، یگانہ روزگار استاذ، حضرت مولانا محمد ابراہیم صاحب بلیاوی کے وصال کا جانکاہ حادثہ پیش آیا، إنا لله وإنا إليه راجعون۔ موصوف حضرت مولانا شیخ الہند محمود حسن رحمہ اللہ کے تلامذہ میں سے تھے، درسیات کی مشکل ترین کتابوں کے اعلیٰ ترین مدرس اور استاذ تھے، اپنی حیات طیبہ کا بہت بڑا حصہ علوم نقلیہ و عقلیہ کی تدریس و تعلیم میں ہی صرف کیا، پورے ساٹھ برس تدریس علوم دینیہ کی خدمت انجام دی، ابتدائی دور میں دہلی کے مدرسہ فتح

پوری میں تدریس کے فرائض انجام دیئے، پھر دارالعلوم دیوبند میں زندگی کا طویل تر حصہ اسی کار خیر میں گذرا کچھ عرصہ ہاٹھ ہزاری چاٹگام کو اور چند ماہ جامعہ اسلامیہ ڈابھیل کو بھی آپ کے تدریسی عہد کا شرف حاصل رہا، پھر اپنے مادر علمی دارالعلوم میں ہی واپس آ گئے اور زندگی کی آخری سانس تک فرائض تدریس انجام دیتے رہے، حضرت مولانا مدنی قدس اللہ روحہ کے وصال کے بعد دارالعلوم کے صدر الاساتذہ کے عہدے پر فائز رہے، ذکاوت، قوت حافظہ اور حسن تعبیر میں خصوصاً معقول ومنقول کی مشکلات کے حل کرنے میں یکتائے روزگار تھے اور درس نظامی کی آخری کتابوں کے بےنظیر استاذ تھے، ہند و پاک کے تقریباً تمام علماء کرام کے بلاواسطہ یا بالواسطہ استاذ تھے، شاید ہی علمی دنیا کا کوئی گوشہ ایسا ہو جہاں مرحوم کے تلامذہ نہ موجود ہوں، نصف صدی سے زیادہ تو دارالعلوم میں ہی علوم درسیہ کی خدمت انجام دی ہے، مرحوم اپنے علمی کمالات اور جامعیت کے اعتبار سے قدماء سلف کی یادگار تھے، جو کتاب پڑھاتے تھے ایسا محسوس ہوتا تھا کہ نہ صرف اس کے حافظ ہیں بلکہ اس کے مالہ وما علیہ پر مصنف سے بھی زیادہ حاوی ہیں، مشکل مسائل میں ایسی عمدگی کے ساتھ دھیمی دھیمی آواز میں ایک عجیب تسلسل کے ساتھ تقریر فرمایا کرتے تھے کہ کوئی گوشہ تشنہ نہیں رہتا تھا، افسوس کہ علم وفضل کے آفتاب و ماہتاب تیزی کے ساتھ غروب ہو رہے ہیں اور علمی گلستان اس طرح اجڑتے جارہے ہیں کہ ان کی آبادی کی دوبارہ کوئی توقع نہیں۔

إنّ لله ما أخذ و له ما أعطى و كل شيئ عنده إلى أجل مسمى، اللهم اغفر له وارحمه وأرضه وارض عنه وارفع درجاته، آمين يا رب العالمين وصلى الله على صفوة البرية حبيب رب العالمين محمد وآله وصحبه وتابعيه اجمعين.

[ذوالقعدہ ۱۳۸۷ھ]

مولانا شاہ وصی اللہ الہ آبادی رحمۃ اللہ علیہ

﴿كل من عليها فان و يبقى وجه ربك ذو الجلال و الإكرام﴾

ماہنامہ ''الفرقان'' لکھنو میں یہ دردناک خبر پڑھی کہ حضرت مولانا شاہ وصی اللہ صاحب واصل بحق ہوگئے، إنّا لله و إنا إليه راجعون۔

موصوف ضلع اعظم گڑھ (یوپی، بھارت) کے ایک گاؤں فتح پور ''تال نرجا'' کے رہنے والے تھے، معمر بزرگ تھے، حضرت حکیم الامت رحمہ اللہ کے اکابر خلفاء میں تھے، آپ کے فیوض وبرکات سے نہ صرف یوپی اور شمالی ہندوستان بلکہ جنوبی ہند اور بمبئی کے علاقے بھی فیض یاب تھے، مخلصین واحباب واقرباء کے قافلہ کے ہمراہ ''مظفری'' جہاز سے دیار مقدسہ حرمین شریفین کے لئے روانہ ہو چکے تھے، ماہ رمضان کے عمروں اور طوافوں کا جذبہ لئے جارہے تھے کہ داعی اجل سمندر کی طوفان خیز موجوں میں پہنچ گیا اور بجائے دیار قدس ملاء اعلیٰ کی سیر کے لئے

روح ملکوتی جسد عنصری سے بوقت سحر پرواز کرگئی اور جسد عنصری دیار قدس کے سپرد کر دیا گیا، یہ حادثہ ۲۵/ ۲۴/ نومبر کی درمیان شب کے اخیر حصہ میں پیش آیا، سبحان اللہ! کتنے آثار برکات ورحمت کے جمع ہو گئے۔

اللهم اغفر له وارحمه وارفع درجته ومتع المستفيضين ببركاته

افسوس کہ صالحین کے قافلے بہت ہی سرعت کے ساتھ آخرت کی طرف جارہے ہیں اور یہ مادی دنیا روحانی برکات سے خالی ہوتی جارہی ہے۔

إنّا لله وإنا إليه راجعون، هذا وصلى الله على صفوة البرية سر الوجود سيدنا محمد واله واصحابه وصالحي عباده اجمعين.

[شوال ۱۳۸۷ھ]

مولانا سید حمید الدین فیض آبادی رحمۃ اللہ علیہ

﴿كل من عليها فان و يبقى وجه ربك ذو الجلال و الإكرام﴾

صدمہ کی بات ہے کہ علماء ربانیین کے قافلے بڑی سرعت سے عالم آخرت کی طرف کوچ کررہے ہیں اور یہ سرزمین صالحین کی برکات سے محروم ہوتی جارہی ہے۔

ماہ شعبان ۱۳۸۸ھ ۱۵/نومبر ۱۹۶۹ء کو ہندوستان کے ایک جلیل القدر محدث عالم ربانی مولانا سید حمید الدین بن محبوب علی فیض آبادی نے کار کے حادثے میں اپنی جان عزیز جہاں آفریں کے سپرد کی، مرحوم حضرت امام العصر مولانا انور شاہ کے ارشد تلامذہ میں سے تھے اور دورہ حدیث میں میرے رفیق ہم نفس تھے، عربی کے ادیب تھے اور شاعر بھی، حضرت مدنی کے بھانجے تھے اور حضرت مدنی سے بیعت بھی تھے، ابتدائی تعلیم اپنے آبائی وطن ہنسور ضلع فیض آباد (یوپی) میں حاصل کی، اس کے بعد دارالعلوم دیوبند میں تحصیل کی اور جو قافلہ حضرت امام العصر مولانا محمد انور شاہ رحمہ اللہ کے ساتھ دیوبند سے ڈابھیل ضلع سورت گیا تھا اس کارواں میں شریک تھے، جامعہ اسلامیہ ڈابھیل میں فراغت پائی اور ۱۶/طلبہ جو ۶۵/طلبہ حدیث میں سے درجہ اولیٰ میں کامیاب ہوئے ان میں آپ تھے، فراغت کے بعد ابتداءً کچھ عرصہ سرزمین سندھ کے مقام پر پیر جھنڈا میں رہے جہاں حدیث ورجال کے نادر مخطوطات سے استفادہ کا زریں موقع انھیں میسر آیا، پھر مدرسہ انوار الاسلام بہرائچ میں مدرس رہے، اس کے بعد دارالعلوم ندوۃ العلماء کے شیخ الحدیث رہے، آخر میں مدرسہ عالیہ کلکتہ میں شیخ الحدیث کے عہدے پر خدمت حدیث انجام دیتے رہے، دارالعلوم دیوبند سے درس حدیث کی خدمت کے لئے بلائے گئے تھے لیکن شاید نہ آسکے، دارالعلوم دیوبند کی مجلس شوریٰ کے ممبر تھے، دہلی سے بذریعہ کار اپنے خاندان سمیت دیوبند مجلس شوریٰ کے اجلاس کے لئے آرہے تھے، مظفر نگر کے قریب ایک ٹرک سے تصادم میں شہید ہو گئے، ممبران مجلس شوریٰ کے اکثر

افراد حضرت مولانا محمد طیب صاحب، مولانا محمد میاں صاحب، مولانا قاضی زین العابدین میرٹھی، مولانا مرغوب الرحمن بجنوری، مولانا حامد الانصاری غازی وغیرہ حضرات موقع پر پہنچے اور جنازہ دیوبند لایا گیا، نماز جنازہ حضرت مولانا فخر الدین صاحب مراد آبادی شیخ الحدیث دارالعلوم دیوبند نے پڑھائی اور قبرستان قاسمی میں اپنے شیخ عارف مدنی حضرت مولانا سید حسین احمد رحمہ اللہ کے پہلو میں سپرد خاک کئے گئے، ۲۰ رسال کی عمر میں فارغ التحصیل ہوئے تھے اور ۴۳ رسال علوم نبویہ کی خدمت کر کے ۶۳ رسال کی عمر میں عالم فانی سے عالم جاودانی کی طرف رحلت فرمائی، بہت کچھ لکھنے کو جی چاہتا ہے تاکہ رفاقت کا تھوڑا بہت حق ادا ہو سکے لیکن:

داماں نگہ تنگ وگل حسن تو بسیار

ان چند سطروں پر اکتفا کرتا ہوں۔

اللهم اغفرله وارحمه وارض عنه واحشره مع عبادك الصالحين العلماء العاملين والمحدثين، آمين يارب العالمين.

مرحوم برادر محترم مولانا سید محمد اسعد ابن العارف المدنی کے خسر تھے، اس حادثہ میں مولانا اسعد میاں کے جگر گوشہ عزیزم محمد بھی شدید زخمی ہو گئے تھے، چار پانچ دن کے بعد وہ بھی وفات پا گئے اور اس طرح مولانا سید اسعد کے لئے ذخیرہ آخرت بن گئے۔

اللهم اجعله له ذخرا و أجرا و شافعا ومشفعاً

مولانا شمس الحق فرید پوری رحمۃ اللہ علیہ

مشرقی پاکستان کے مشہور عالم ربانی جامعہ قرآنیہ لال باغ ڈھاکہ کے بانی اور شیخ الحدیث مولانا شمس الحق صاحب فرید پوری طویل علالت کے بعد بروز سہ شنبہ ۲ رذی القعدہ ۱۳۸۸ھ ۲۱ رجنوری ۱۹۶۹ھ کو واصل بحق ہوئے، مرحوم دیوبند کے فارغ التحصیل تھے اور سرچشمہ سلوک تھانہ بھون سے روحانی فیض حاصل کیا تھا، مخلص وحق گو تھے، بلا خوف لومۃ لائم ہمیشہ اعلان حق کرتے رہے، استقامت رائے اصابت فکر اور اظہار حق میں فرید ووحید تھے، اپنے وطن فرید پور میں سپرد خاک ہوئے۔

اللهم اغفر له مغفرة ظاهرة و باطنة وارفع درجاته واجعله من عبادك المقربين.

مولانا نصیر الدین غورغشتی رحمۃ اللہ علیہ

مغربی پاکستان کے شمال مغرب میں موضع غورغشتی ضلع کیمبل پور سے بھی علم واخلاص کے جوہر نایاب، تقویٰ وطہارت کے پیکر، صدق وصفا کے مجسمہ، عالم ربانی، عارف لاثانی، حضرت مولانا نصیر الدین صاحب کی روح مبارک عین اس وقت جبکہ وہ حج بیت اللہ کا عزم کر چکے تھے اور کراچی آنے کے لئے پابہ رکاب تھے ۳ رذی

القعدہ ۱۳۸۸ھ مطابق ۲۲ رجنوری ۱۹۶۹ء کو ملاءِ علیٰ کی طرف پرواز کرگئی، إنا لله وإنا إليه راجعون۔

مرحوم حضرت مولانا حسین علی نقشبندی سے روحانی کمالات حاصل کر کے ان کے خلیفہ بن گئے تھے، عرصہ دراز تک علوم نبوت کا درس دیتے رہے، تقریباً چالیس سال سے زیادہ صحاح ستہ، ہدایہ اخیرین، مشکوٰۃ کا درس دیا، علم نبوت کو ذریعہ معاش نہیں بنایا، ہزارہا مخلوق خدا کو فیضیاب فرمایا، غالباً عمر مبارک سو سال سے متجاوز تھی، تمام عمر قال الله وقال الرسول کی صدا سے معمور رہی، اس پرفتن دور میں ایسے نفوس قدسیہ ڈھونڈنے سے بھی نہیں ملیں گے جن کی تمام عمر علم ودین کی خدمت میں گزری ہو، نہ راحت کی فکر، نہ تنخواہ ومشاہروں کا تصور، نہ دولت اور عزت ووجاہت کی آرزو، فقیرانہ زندگی مسجد میں گذاری، درحقیقت اسی قسم کے پاک طینت نفوس مقدسہ ہیں جو علوم نبوت کے وارث اور مسند نبوت کے جانشین ہیں:

إنّ لله عبادا فطنا طلّقو الدنيا وخافوا الفتنا
نظروا فيها فلما علموا أنها ليست لحيّ وطنا
جعلوها لجّة واتخذوا صالح الأعمال فيها سُفنا

ترجمہ: اللہ تعالیٰ کے کچھ سمجھدار بندے ایسے بھی ہیں جنہوں نے فتنوں سے ڈر کر دنیا کو طلاق دے دی۔
دنیا میں غور کرنے سے وہ اس نتیجہ پر پہنچے کہ یہ کسی بھی زندہ مخلوق کا مقام اور وطن نہیں ہے۔
اس لئے انھوں نے دنیا کو ایک غرقاب سمندر سمجھ کر نیک اعمال کے سفینوں سے اسے عبور کیا ہے۔

فاللهم اغفرله وارحمه وأكرم نزله ووسّع مدخله وارزقه دارا خيرا من داره وجارا خيرا من جاره وأنزل عليه شآبيب رضوا نك ونفحات من قديم إحسانك فأنت المنان وأنت الحنان وأنت قد يم الإحسان وأنت ذو الجلال والإكرام وصلى الله على سيد بنى عدنان سيد المرسلين و إمام المتقين وخاتم النبيين إمام الخير وقائد الخير ورسول الرحمة وعلى آله و عترته واهل بيته وصحبه ومن تبعهم أجمعين إلى يوم الدين.

[ذوالحجہ ۱۳۸۸ھ]

حاجی محمد یعقوب کالیہ رحمۃ اللہ علیہ

انتقال پرملال حاجی محمد یعقوب صاحب کالیہ بتاریخ ۸ رمارچ ۱۹۶۹ء مطابق ۱۹ رذی الحجہ ۱۳۸۸ھ روز شنبہ بوقت فجر (خزانچی مدرسہ عربیہ اسلامیہ ومسجد نیوٹاؤن)

کل نفس ذائقة الموت

بہت افسوس وصدمے کے ساتھ یہ خبر سنی جائے گی کہ ہمارے ہردل عزیز مخلص صاحب لطف وکرم حاجی

محمد یعقوب کالیہ دہلوی، مدرسہ عربیہ اسلامیہ کراچی کے خزانچی بتاریخ ۱۹ رذی الحجہ ۱۳۸۸ھ مطابق ۸ رمارچ ۱۹۶۹ء کو وفات پا گئے، إنّا لله وإنّا إليه راجعون.

موصوف پہلے وہ شخص ہیں جن کے ابتدائی مشورے سے مدرسہ عربیہ اسلامیہ کا افتتاح جامع مسجد نیوٹاون میں کیا گیا تھا اور تقریباً مدرسہ کے ۷ رماہ گزرنے کے بعد راقم الحروف نے موصوف کو مدرسہ عربیہ اسلامیہ کا خازن مقرر کیا تھا اور جو رقم میرے پاس تھی موصوف کے حوالے کردی تھی، موصوف نے نہایت اخلاص و ہمدردی سے یہ فریضہ انجام دیا اور مدرسہ کی معاونت بھی کرتے رہے، رفتہ رفتہ مدرسہ اور مدرسہ والوں سے محبت واخلاص وتعلق انتہاء تک پہنچ گیا، مجھے حق تعالیٰ کی ذات سے قوی امید ہے کہ مدرسہ سے یہ تعلق و ہمدردی موصوف کے لئے آخرت میں رفع درجات کا باعث ہوگی، دعا ہے کہ حق تعالیٰ موصوف کی کوتاہیوں کو معاف فرمائے اور بال بال مغفرت فرما کر جنت الفردوس نصیب فرمائے، موصوف کی وفات پر مدرسہ عربیہ اسلامیہ کے ناظم دفتر جناب حافظ قاری محی الدین احمد مکنون نے قطعہ تاریخ لکھا ہے جو درج کیا جاتا ہے:

صاحب خیر بزرگ اور عزیز طلباء — خازن مدرسہ دمسجد جامع محبوب
دار فانی سے سوئے عالم جاوید گئے — کہ تقاضائے مشیت کا یہی ہے اسلوب
یہ تو ہونا تھا کہ مجبور ہے انسان ضعیف — چاہئے صبر کہ بے صبری ہے غایت معیوب
یہ دعا کیجئے کہ بخشش ہو خدایا ان کی — اور کوثر سے عطا ہو انھیں جام مشروب

سال رحلت میں یہ مکنوں سے ہاتف نے کہا
قصر جنت میں ہے سلطان محمد یعقوب
۱۳۸۸ھ

[محرم الحرام ۱۳۸۹ھ]

مولانا سید احمد شاہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ

۵ رمحرم الحرام ۱۳۸۹ھ ۲۴ رمارچ ۱۹۶۹ء کو یوم دوشنبہ مولانا سید احمد شاہ بخاری اجنالوی کا حادثہ وفات پیش آیا إنّا لله و إنا إليه راجعون، مولانا مرحوم قرآن کریم کے حافظ تھے، معقولات میں حضرت مولانا غلام رسول صاحب اور ان کے خلف الرشید مولانا ولی اللہ صاحب ''انہی'' والوں سے مہارت حاصل کی تھی، حضرت مولانا حسین احمد صاحب مدنی کے عہد مشیخت میں دارالعلوم دیوبند سے فیض علوم نبوت حاصل کیا اور کلام وفلسفہ کی چند کتابیں حضرت مولانا ابراہیم صاحب بلیاوی مرحوم اور حضرت مولانا عبد الحق صاحب نافع کاکاخیل سے بھی پڑھیں تھیں، ۱۳۵۲ھ صفر میں دیوبند پہنچ چکے تھے اور حضرت امام العصر مولانا محمد انور شاہ رحمہ اللہ کے جنازہ میں

بھی شرکت کی سعادت حاصل کی تھی، نہایت ذکی تھے، طبیعت میں تحقیق کا مادہ تھا، مزاج میں بہت سادہ تھے، تکلف سے بالاتر تھے، زندگی تدریس وتالیف میں خاموشی کے ساتھ گزاری، چار سال جامع محمدیہ (جھنگ) میں مدرس رہے اور سترہ سال مدرسہ دارالہدی چوکرہ (سرگودھا) میں تدریسی، تبلیغی، تالیفی زندگی گذاری اور دارالہدی سے ردشیعیت میں ماہنامہ ''الفاروق'' جاری کیا جو عرصہ ۶ / ۷ سال تک دشمنان اسلام کے حملوں کا تابڑتوڑ دفاع کرتا رہا اور دلائل حقہ سے اہل تشیع کو مبہوت کر دیا، ۱۳۸۶ھ سے سرگودھا شہر میں مسجد فاروق اعظم اور دارالعلوم فاروق اعظم کی بنیاد ڈالی، مرحوم ردّ روافض وشیعیت کے ممتاز عالم تھے، مدح صحابہ میں نکتہ آفرین طبیعت پائی تھی، ''تحقیق فدک'' ان کی محققانہ تالیف یادرہے گی، ''بسط الیدین'' محمد سبطین شیعی عالم کی کتاب کی تردید میں مشغول تھے، افسوس کہ یہ کتاب ناتمام رہ گئی اور داعی اجل کو لبیک کہہ کر واصل بحق ہو گئے:

اے بسا آرزو کہ خاک شدہ

تریسٹھ سال عمر پائی اور آبائی مسکن اجنالہ میں مدفون ہوئے، افسوس کہ اس طرز کے علماء جو سراپا اخلاص بن کر خاموشی کے ساتھ اونچی دینی وعلمی خدمات انجام دیتے ہوں رخصت ہو رہے ہیں اور کوئی جانشین نہیں چھوڑتے۔

إنّا لله وإنّا إليه راجعون اللهم اغفرله وارحمه و أكرم نزله بفضلك وكرمك يا أرحم الراحمين

[صفر ۱۳۸۹ھ]

مولانا عبدالغفور عباسی مہاجر مدنی رحمۃ اللہ علیہ

الحمد لله الذى لا باق إلّا وجهه ولا راد لقضائه والصلاة والسلام على خاتم أنبيائه وعلى آله وأصحابه وأوليائه.

شب یک شنبہ بتاریخ کیم ربیع الاول ۱۳۸۹ھ مطابق ۱۸ / مئی ۱۹۶۹ء حضرت مولانا عبدالغفور عباسی مہاجر مدنی مدینہ طیبہ کی پاک سرزمین میں اللہ تعالیٰ سے جا ملے، إنّالله وإنّا إليه راجعون.

مرحوم کا آبائی وطن موضع ''جدیا''، علاقہ چکیسر ریاست سوات تھا، ابتدائی تعلیم وطن ہی میں پائی اور آخری تعلیم مدرسہ امینیہ دہلی میں ہوئی، فراغت کے بعد کچھ عرصہ مدرسہ امینیہ میں مدرس بھی رہے، پھر ضلع مظفر گڑھ کے ایک گاؤں مسکین پور میں حضرت مولانا فضل علی صاحب قریشی نقشبندیؒ سے بیعت کی، جہاں ذکر وشغل کے ساتھ ساتھ حضرت قریشی کے مہمانوں کی خدمت میں کنویں سے پانی نکالنے اور جنگل سے لکڑیاں لانے کا سلسلہ بھی جاری رہا، خوب مجاہدہ نصیب ہوا اور آخر اپنے شیخ کامل کی توجہ سے وہ مقام حاصل کیا جو غالباً شیخ کے مریدین میں

سے کسی کو نصیب نہیں ہوا ہوگا، ان مخلصانہ خدمات اور مجاہدات وریاضات نے انہیں اپنے شیخ کا صحیح جانشین بنا دیا، بالآخر ہجرت کی نیت سے مدینہ طیبہ پہنچے اور حج وزیارت کے بعد وطن آ کر اپنی تمام جائیداد فروخت کر دی اور مدینہ طیبہ میں سید محمود صاحب سے (جو حضرت مولانا حسین احمد مدنی رحمہ اللہ کے چھوٹے بھائی ہیں) تین ہزار ریال میں ایک مکان خریدا، غالباً آدھی رقم تو اسی وقت ادا کر دی تھی اور باقی بعد میں ادا کی گئی۔

مدینہ طیبہ میں دوران قیام ہر سال حج کی توفیق ہمیشہ نصیب ہوتی رہی اور عمرے بھی ادا کرتے رہے، آپ کو عمرہ کرنے کا بہت شوق تھا، ہر سال ماہ رمضان میں عمرہ کے لئے جاتے رہے اور مسجد نبوی میں اعتکاف بھی کرتے رہے، یہ اسی عشق کا نتیجہ تھا کہ وفات تک نہ تو حج ترک ہوا اور نہ رمضان المبارک کا عمرہ اور مسجد نبوی کا اعتکاف چھوٹا، اس سال بے حد کمزور تھے لیکن پھر بھی اعتکاف کی سعادت نصیب ہوئی، اعتکاف میں تمام رات تراویح، قیام لیل اور ختمات قرآن میں ان کی فوق العادۃ استقامت قابل رشک تھی، اس دفعہ موسم حج میں غلبہ امراض کی وجہ سے طبیعت انتہائی کمزور تھی لیکن عشق عبادت سے سرشار طبیعت کہاں صبر کر سکتی تھی، چنانچہ سفر عشق کے لئے مدینۃ الرسول سے بلد اللہ الامین کو روانہ ہو گئے منیٰ پہنچتے ہی طبیعت خراب ہو گئی، کسی نہ کسی طرح میدان عرفات میں پہنچ گئے، لیکن وہاں بے ہوشی کا سا عالم طاری رہا، عرفات میں سرکاری ہسپتال میں داخل کئے گئے، وہاں سے سرکاری ایمبولنس کار میں مزدلفہ سے منیٰ اور وہاں سے مکہ پہنچے، شبری پر طواف زیارت اور طواف وداع فرمایا اور وقوف مزدلفہ اور رمی جمرات کے لئے باوجود توکیل کے دودَم دیے اور اسی حالت میں مدینہ طیبہ پہنچے، کچھ عرصہ کے بعد کراچی کے مخلصین کے اصرار پر بغرض علاج کراچی تشریف لے آئے لیکن جب معلوم ہوا کہ علاج سے کوئی فائدہ نہیں ہو رہا ہے تو ایک ہفتہ کے بعد مدینہ منورہ تشریف لے گئے اور ۷۷ رسال کی عمر میں جان جان آفرین کے سپرد کر دی۔

مرحوم طبعاً انتہائی متواضع باوفا اور مہمان نواز تھے، صدق وصفا اور اخلاص کے پیکر اور تقویٰ وطہارت، استقامت اور بکثرت عبادت میں یکتا تھے، بیعت وارشاد کے اونچے مقام نے ان طبعی مکارم اخلاق کے لئے سونے پر سہاگہ کا کام کیا، اصلاحی مواعظ وبیان پر اچھی قدرت تھی، وعظ نہایت مؤثر ہوتا تھا، فرمایا کرتے تھے کہ: ''میں تو توبہ واصلاح کی بیعت کرتا ہوں''، چنانچہ ان کی بیعت سے نہ صرف افراد بلکہ خاندانوں کی اصلاح ہو گئی، سیرتیں اور صورتیں بدل گئیں، ان کی صحبت وتوجہ بھی نہایت مفید ومؤثر تھی، سلسلہ بیعت وارشاد پاکستان وہندوستان کے علاوہ مصر وشام اور ترکی تک پہنچ گیا تھا، سب سے بڑی کرامت اتباع سنت اور استقامت تھی جو فوق الکرامۃ تھی، انتہائی افسوس ہے کہ مدینہ طیبہ میں اپنے رنگ کے دونوں بزرگ تھے، حضرت مولانا بدر عالم صاحب مہاجر مدنیؒ اور حضرت مولانا عبد الغفور صاحب عباسیؒ، یکے بعد دیگرے اللہ کو پیارے ہو گئے اور اس طرح مدینہ طیبہ میں سلوک وارشاد کی یہ دونوں مسندیں خالی ہو گئیں، اللہ تعالیٰ مرحوم کو اپنی رحمت ورضوان کی آغوش میں درجات رفیعہ

عالیہ نصیب فرمائے۔

فرحمه الله رحمة الأبرار الصالحين والعلماء الربانيين والعباد المقربين.

مولانا محمد مبین خطیب رحمۃ اللہ علیہ

افسوس کہ صالحین وعلماء کے قافلے بہت تیزی کے ساتھ عالم آخرت کی طرف جارہے ہیں، ۲۷ رمحرم الحرام ۱۳۸۹ھ مطابق ۱۵ راپریل ۱۹۶۹ء کو مولانا محمد مبین خطیب دیوبندی (مولانا محمد متین خطیب کے والد ماجد) انتقال فرماگئے، مرحوم حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن قدس اللہ سرہ کے قافلہ کے رفقاء سفر میں سے تھے، نہایت صالح اور سن رسیدہ بزرگ تھے، عمر مبارک نوے سال سے متجاوز تھی، متواضع، سنجیدہ اور بااخلاق شخصیت کے آدمی تھے، حق تعالی بال بال مغفرت فرماکر ان کو درجات عالیہ نصیب فرمائے، صحیح بخاری میں حضرت مرداس اسلمیؓ کی روایت سے یہ حدیث مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"يذهب الصالحون الأول فالأول و يبقى حفالة كحفالة الشعير أو التمر لا يبالي الله بهم بالة" [بخاری، كتاب الرقاق، باب ذهاب الصالحين]

یعنی صالحین یکے بعد دیگرے طبقہ بہ طبقہ رخصت ہوتے جائیں گے اور آخر میں ایسے نکمے لوگ رہ جائیں گے جیسے جَو یا کھجور کا ردی حصہ رہ جاتا ہے جن کی اللہ تعالی کے یہاں کوئی قدر و قیمت نہیں ہوگی، جن صالحین کا وجود اس عالم کے لیے باعث رحمت وموجب خیر وبرکت ہے ظاہر ہے کہ ان کے اٹھ جانے سے خیر وبرکت کا وہ حصہ بھی دنیا سے اٹھ جاتا ہے، "إن لله ما أخذ وله ما أعطى وكل شيئ عنده إلى أجل مسمى".

بلاشبہ اللہ کے لیے ہے جو کچھ وہ لیتا ہے اور جو کچھ دیتا ہے اللہ تعالی کے ہاں ہر چیز کا وقت مقرر ہے۔

[ربیع الثانی ۱۳۸۹ھ]

مولانا محمد انوری رحمۃ اللہ علیہ

افسوس ہے کہ اہل اللہ کے قافلے عالم آخرت کی طرف جارہے ہیں اور دنیا ان کے انوار وبرکات سے محروم ہوتی جارہی ہے۔

۱۳ رذی القعدہ ۱۳۸۹ھ مطابق ۲۲ رجنوری ۱۹۷۰ء کو حضرت مولانا محمد انوری کا لائل پور (فیصل آباد) میں تقریبا ستر (۷۰) سال کی عمر میں وصال ہوا، مرحوم ہمارے دور کے جید عالم اور صاحب سلسلہ بزرگ تھے، جس سال حضرت شیخ الہندؒ کی مالٹا سے واپسی ہوئی اسی سال مرحوم دورہ حدیث کے لیے دار العلوم دیوبند حاضر ہوئے، امام العصر حضرت مولانا محمد انور شاہ صاحب، حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمن صاحب، حضرت مولانا سید اصغر حسین صاحب اور حضرت مولانا محمد احمد خلف الرشید حضرت نانوتوی رحمہم اللہ سے حدیث پڑھی، حضرت

شیخ الہندؒ سے بیعت ہوئے، آپ کے بعد حضرت اقدس مولانا عبدالقادر رائے پوریؒ سے بیعت کی اور خلافت واجازت سے مشرف ہوئے، حضرت شاہ صاحب سے خاص شغف وتعلق تھا اس لیے ''انوری'' کہلاتے تھے، بڑی خوبیوں کے بزرگ تھے، بہت سے لوگ آپ کی تعلیم وتربیت سے مستفیض ہوئے۔

فرحمه الله رحمة واسعة ، اللهم أكرم نزله ووسّع مدخله ، وأبدله دارا خيرا من داره وأهلا خيرا من أهله وتقبل حسناته وارفع درجاته.

صاحبزادہ برادرم مولانا سعید الرحمن اب آپ کے جانشین ہیں، حق تعالیٰ موصوف کو علماً وعملاً وسیرۃً واخلاقاً ان کا جانشین بنائے۔

[محرم الحرام ۱۳۹۰ھ]

مولانا شاہ محمد یعقوب مجددی بھوپالی رحمۃ اللہ علیہ

بھوپال کی سرزمین تاریخ کے کسی دور میں علماء وصلحاء اور اہل فضل وکمال کا مرکز رہی ہے، حضرت شاہ محمد یعقوب صاحب مجددی کی ہستی انہی ارباب قلوب کی آخری کڑی تھی جن کا فیض اس سرزمین میں جاری وساری تھا اور جن کی صحبت کی برکات سے قلوب معمور ہوتے تھے، تقریباً تیس برس پہلے کی بات ہے کہ راقم الحروف حضرت مولانا سید سلیمان ندوی رحمہ اللہ کی دعوت پر بھوپال گیا تھا، حضرت سید صاحبؒ کی مہمانی کا شرف نصیب ہوا، اس وقت سید صاحب عہدہ قضا اور تین درس گاہوں کے سرپرست کی حیثیت سے بھوپال میں قیام فرما تھے، سید صاحب نے مجھے لکھا تھا کہ والئ بھوپال کی خواہش ہے کہ یہ سرزمین دوبارہ علمی مرکز بنے، سید صاحب کا اصرار تھا کہ میں بھی ان کی رفاقت اختیار کروں، غرض اس سلسلہ میں پہلی مرتبہ بھوپال جانا ہوا تھا، چونکہ میں سید صاحب کا مہمان تھا اور وہ بے حد شفقت فرماتے تھے، جگہ جگہ مجھے لے جاتے تھے، کبھی وزراء سے ملاتے اور کبھی ارباب علم وفضل سے بات کراتے، ایک دن فرمایا کہ یہاں ایک صاحب دل بزرگ مجددی طریقے کے ہیں، آج ان کے ہاں جائیں گے، چنانچہ سید صاحب کی معیت ورفاقت میں حضرت موصوف کی زیارت کا شرف حاصل ہوا، سید صاحب نے راقم الحروف کا تعارف کرایا اور خاموش بیٹھ گئے، نحیف ولاغر بدن، کم گو، خاموش طبع اور باوقار شخصیت، نورانی چہرہ، تبسم بلب، تسبیح بدست، یہ تھے مولانا شاہ محمد یعقوب مجددی، یوں ہی سا نقشہ خیال میں ہے، اس مجلس کی اور کوئی بات اب یاد نہیں، عرصہ کے بعد برادر محترم جناب مولانا ابوالحسن علی صاحب زیدت برکاتہم کے قلم سے بعنوان ''ایک دو ساعت باہل دل'' ماہ نامہ الفرقان وغیرہ میں بعض ملفوظات موصوف کے نظر سے گذرے، یاد آیا کہ یہ وہی بزرگ ہیں جن سے کچھ عرصہ پہلے ملاقات وزیارت کا شرف نصیب ہوا تھا، افسوس کہ موصوف ۱۴/ربیع الاول ۱۳۹۰ھ پنج شنبہ کی صبح بعمر ۸۷/سال بھوپال میں واصل بحق ہوئے اور اس طرح ہندوستان کی سرزمین ایک اور صاحب دل

بزرگ سے خالی ہوگئی، إنا لله و إنّا إليه راجعون۔

انتہائی صدمہ ہے، جو جاتا ہے اس کی مسند خالی ہوجاتی ہے، جن کی زیارت سے اللہ تعالیٰ یاد آتا ہے "وخيار عباد الله إذا رؤوا ذكر الله" اللہ تعالیٰ کے بہترین بندے وہ ہیں جن کے دیدار سے اللہ یاد آتا ہے، جن کی صحبت سے دلوں کی اصلاح ہوتی ہے اور جن کے انفاس سے مسیحا نفسی کا کام جاری رہتا ہے، دنیا کے گوشے گوشے سے اللہ تعالیٰ کے ایسے نیک بندوں کے قافلے عالم آخرت کی طرف تیزی سے جارہے ہیں، "يذهب الصالحون الأول فالأول وتبقى حفالة كحفالة التمر" حق تعالیٰ کی رحمتیں ان کی روح اور قبر پر نازل ہوں، رحمت ورضوان اور روح وریحان کی بشارتوں سے مالا مال ہوں، الفرقان لکھنو کے ذریعہ وفات کا علم ہوا، تفصیلات کے لئے الفرقان بابت ماہ ربیع الاول ۱۳۹۰ھ دیکھا جائے۔

[رجب ۱۳۹۰ھ، ستمبر ۱۹۷۰ء]

عالم آخرت کے دو مسافر

مولانا سید محمد طلحہ حسنی رحمۃ اللہ علیہ

رجب المرجب ۱۳۹۰ کے مبارک مہینے کی ۲۳ر تاریخ کو (مطابق ۲۵ر ستمبر ۱۹۷۰ء) جمعہ کے مبارک دن میں دو صالح بزرگ عالم آخرت کے سفر پر روانہ ہوئے: إنّا لله وإنّا إليه راجعون

صبح نو بجے ایک بزرگ اور شام تین بجے دوسرے بزرگ، ایک نماز جمعہ سے پہلے اور دوسرے نماز جمعہ کے بعد، پہلے بزرگ حضرت مولانا سید طلحہ تھے جو حضرت سید احمد شہید رحمۃ اللہ علیہ کے خاندان کے چشم و چراغ تھے، کریم النفس، خفیف الروح، خوش طبع، خوش مذاق، عربی علوم کے فاضل روزگار، عقلی ونقلی علوم کے ماہر، ادب وتاریخ کے شہسوار، انگریزی زبان کے گریجویٹ، عربی ادب کے عاشق، اردو ادب کے دلدادہ، متواضع بردبار، باوفا، سراپا اخلاص، مودت شعار، افادہ واستفادہ کے حریص، مجلسی لطائف میں باغ وبہار اور بے تکلف، ان کمالات وخصائل کے باوصف مزاج میں بڑی سادگی اور صاف دلی تھی، دوسروں کے کمالات کے بے حد معترف رہا کرتے، کسی کے ادنیٰ کمال کے اعتراف میں کبھی بخل نہ کرتے، حسد ونفاق سے سینہ صاف تھا، نیک نیتی وخیر خواہی میں اپنی نظیر آپ تھے، تاریخ کی شخصیات کے دانائے راز تھے، ٹونک کے "مدرسہ ناصریہ" میں تعلیم پائی تھی، دو بڑی ممتاز شخصیتوں کے ممتاز شاگرد تھے: ۱۔ حضرت مولانا حیدر حسن خاں ٹونکی مرحوم ۲۔ حضرت مولانا سیف الرحمن مہاجر افغانی، حضرت امام العصر مولانا سید محمد انور شاہ رحمۃ اللہ کے شیدائی اور ڈاکٹر اقبال مرحوم کے دوستوں میں تھے، ہمارے محترم گرامی قدر مولانا ابوالحسن علی کے پھوپھا تھے، عرصہ دراز تک لاہور میں اورینٹل کالج پنجاب یونی ورسٹی کے پروفیسر رہے، ایک عرصہ سے کراچی میں مقیم تھے اور مولانا طفیل احمد کے دار التصنیف سے وابستہ ہوگئے

تھے اور انگریزی تراجم سے قرآن کریم کے انگریزی ترجمہ کے انتخاب کی خدمت میں مشغول تھے، حق تعالیٰ کی ہزار ہزار رحمتیں ان پر ان کی قبر پر اور ان کی روح پر ہوں، آمین۔

مولانا عبدالشکور کامل پوری رحمۃ اللہ علیہ

دوسرے بزرگ حضرت مولانا عبدالشکور صاحب موضع بہبودی ضلع کیمبل پور علاقہ چھچھ کے رہنے والے تھے، مستند عالم، خوش بیان واعظ، سراپا اخلاص اور مجسم زہد و تقویٰ، حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوریؒ کے زمانے میں مدرسہ مظاہر العلوم سہارن پور سے فارغ التحصیل ہوئے، فراغت کے بعد وہیں مدرس ہوئے اور آخر میں وہاں شیخ التفسیر کے عہدے پر فائز ہوئے، تمام زندگی بے سروسامانی میں گذاری جو علماء ربانیین اور علماء آخرت کی بڑی نشانی ہے، عرصہ دراز سے صحت خراب ہو چکی تھی، راول پنڈی میں عرصہ تک علاج جاری رہا، آخر اس فانی دنیا سے اُکتا کر عالم آخرت کا رخ کیا اور پنڈی میں واصل بحق ہوگئے اور اپنے مسکن اصلی بہبودی ضلع کیمبل پور میں اس امانت الٰہی کو سپرد خاک کیا گیا، حق تعالیٰ اپنی رحمت و مغفرت و رضوان سے مالا مال فرمائے، آمین۔

کلّ من علیها فان و یبقی وجه ربك ذوالجلال والإکرام

[رمضان المبارک ۱۳۹۰ھ، نومبر ۱۹۷۰ء]

مولانا خیر محمد جالندھری رحمۃ اللہ علیہ

الحمد لله الذی له البقاء وکتب علی غیره الفناء والصلوة والسلام علی خاتم النبیین وسید الرسل الأنقیا محمد وآله الأصفیاء وصحبه الأذکیا مادام تهمی العیون بالبکاء وتسلی القلوب بالعزاء، وبعد:

۲۱ رشعبان ۱۳۹۰ھ مطابق ۲۲ راکتوبر ۱۹۷۰ء بروز جمعرات بوقت ساڑھے گیارہ بجے حضرت مولانا خیر محمد صاحب جالندھری بانی خیر المدارس ملتان اس عالم فانی سے رحلت فرمائے عالم آخرت ہوئے، انا لله وانا الیه راجعون، بلاشبہ موت و حیات اس عالم کون و فساد کا خاصہ ہے، یہاں جو آیا وہ رہنے کے لئے نہیں بلکہ جانے کے لئے ہی آیا، آنا اور جانا سنت بنی آدم ہے اور "کل نفس ذائقة الموت" حق تعالیٰ کا تکوینی امر ہے جس سے کسی کو بھی مخلص نہیں، یہاں صبر و ضبط، تسلیم و انقیاد اور رضا بالقضا کے بغیر کوئی چارہ کار نہیں۔

"إن لله ما أخذ وله ما أعطی وکل شیئ عنده بأجل مسمی"

تاہم بعض شخصیتیں قافلۂ ہستی کے لئے مینارہ نور ہوتی ہیں، ان کے وجود مسعود سے علم و دانش، زہد و تقویٰ اور یقین و معرفت کی بنیادیں استوار ہوتی ہیں اور ان کے دم قدم سے علوم نبوت کا وقار قائم رہتا ہے، ان کے جانے کے بعد ایسا خلا پیدا ہو جاتا ہے کہ مستقبل میں ان کے پُر ہونے کی کوئی صورت نظر نہیں آتی، حضرت مولانا

مرحوم ہمارے ملک کی ان جامع الکمالات ہستیوں میں تھا، وہ نہ صرف اپنے دور کے جید اور ممتاز عالم تھے بلکہ بڑے عاقل ومتین اور مدبر ومنتظم تھے، علم ووقار کا مجسمہ اور خدا ترسی وللہیت کا بہترین نمونہ تھے، ان کی موت عقل ودانش، حلم ووقار، تدبر وانتظام اور مکارم اخلاق کی موت ہے، ان کے وجود سے علم اور علماء کا وقار قائم تھا، خانقاہ کی عظمت باقی تھی، ارشاد وتلقین کی شمعیں روشن تھیں اور اصلاح وتربیت کی محفلیں آباد و بارونق تھیں، پاکستان کے مرکزی اور تاریخی شہر ملتان میں ان کا مدرسہ خیر المدارس اسم بامسمیٰ تھا، جہاں تعلیم وتدریس کے ساتھ تزکیہ نفوس، اصلاح اخلاق اور تربیت قلوب کی طرف بھی توجہ تھی، صورت کے ساتھ روح بھی تھی، صفائی معاملات میں خصوصی امتیاز تھا، یوں حضرت مرحوم کی شخصیت تھانہ بھون اور دیوبند سے تعلق کی وجہ سے شہرۂ آفاق تھی، آپ حضرت حکیم الامت (قدس اللہ سرہ) کے خلیفہ مجاز اور دارالعلوم دیوبند کی مجلس شوریٰ کے رکن رکین تھے لیکن حضرت مرحوم کو قریب سے دیکھنے اور سمجھنے کا موقعہ اس وقت ملا جب کہ دینی درس گاہوں کی تنظیم ''وفاق المدارس'' کی بنیاد پڑی اور وفاق المدارس کے اجتماعات میں ان سے مصاحبت وہم نشینی کے مواقع میسر آئے، انہیں جذبات سے بالاتر اور طیش وغضب سے پاک دیکھا، ان کے رگ وریشہ میں عقل ودانش اور حلم وتدبر کوٹ کوٹ کر بھرا تھا، خفیف الجسم اور لطیف الروح تھے، بڑی قابل قدر ہستی تھی، حق تعالیٰ ان کو عفو ومغفرت اور رحمت ورضوان کے اعلیٰ ترین مقام پر فائز فرمائے، صاحبزادگان گرامی مولانا حافظ رشید احمد، مولانا حافظ محمد شریف اور مولانا حافظ عبدالحق کو حضرت مرحوم کا صحیح جانشین بنائے اور ان کے آثار باقیہ کو قائم ودائم رکھے۔

ایک حدیث میں ہے:

''یذهب الصالحون الأول فالأول و یبقی حفالة کحفالة الشعیر أو التمر لا یبا لیهم الله بالة''. [بخاری، کتاب الرقاق، باب ذهاب الصالحین]

نیک لوگ یکے بعد دیگرے اٹھتے جائیں گے اور (انسانیت کی) تلچھٹ پیچھے رہ جائے گی جیسا کہ ردی جو اور کھجور رہ جاتے ہیں، حق تعالیٰ ان کی کوئی پرواہ نہیں کرے گا۔

ایک اور حدیث میں ہے:

''إنّ الله تعالیٰ لا یقبض العلم انتزاعا ینتزعه من قلوب العباد ولکن یقبضه بقبض العلماء حتی إذا لم یبق عالما اتخذ الناس رؤوسا جهالا فسئلوا فافتوا بغیر علم فضلوا و أضلوا''. [مشکوة، کتاب العلم]

بے شک اللہ تعالیٰ اس علم کو اس طرح قبض نہیں کرے گا کہ بندوں کے سینوں سے چھین لے بلکہ قبض علم کی صورت یہ ہوگی کہ اللہ تعالیٰ علماء کو اٹھاتا رہے گا، یہاں تک کہ جب ایک عالم بھی باقی نہیں چھوڑے گا تو لوگ جاہلوں کو پیشوا بنالیں گے، ان سے سوالات ہوں گے وہ بغیر جانے بوجھے فتوے دیں گے، خود بھی گمراہ ہوں گے

اور دوسروں کو بھی گمراہ کریں گے۔

ان دونوں حدیثوں سے معلوم ہوتا ہے کہ بقائے انسانیت کا مدار دو چیزوں پر ہے علم صحیح اور عمل صالح۔ یہ دونوں چیزیں انسانیت کے بنیادی جوہر ہیں اور ان دونوں کی موت درحقیقت انسانیت کی موت ہے، جو حضرات علم وعمل کے جامع اور انسانیت کے اعلیٰ نمونہ ہیں اُن کے بتدریج اٹھتے چلے جانے سے یہ دونوں چیزیں اُٹھتی جارہی ہیں اور انسانیت بتدریج دم توڑ رہی ہے، کسی زمانے میں کافروں سے جو اخلاقی نمونے دیکھنے میں آتے تھے، اب وہ مسلمانوں میں بھی بمشکل نظر آتے ہیں، نصف صدی پہلے کے فاسق وفاجر جس بلندی کردار کا مظاہرہ کرتے تھے وہ آج کے بہت سے صالحین میں مفقود ہے اور کچھ عرصہ پہلے کے اُمی اور جاہل خداترسی ودین شعاری کا جو نمونہ پیش کرتے تھے وہ آج کے اہل علم ودانش کے یہاں عنقا ہے جس طرح انسانوں کی جسمانی صحت نسلاً بعد نسل کمزور ہوتی جارہی ہے اسی طرح اخلاقی صحت بھی دن بدن روبزوال ہے، آج کل عام طور پر انسان انسان نہیں، انسانیت کی چلتی پھرتی لاشیں ہیں جو حیات مستعار کا بار کندھوں پر اٹھاتے پھر رہی ہیں اور فضائے بسیط کو اپنے تعفن سے مسموم کررہی ہے:

نیستند آدم خلاف آدم اند

ایں بہائم در غلاف آدم اند

اجل مسمیٰ (موت) کا ہاتھ انسانیت کے دسترخوان سے قیمتی دانوں کو بتدریج اٹھاتا جارہا ہے اور اب انسانیت کے ڈھیر میں خال خال حضرات ایسے نظر آتے ہیں جو انسانیت کے اخلاقی جوہر کے امین ہوں، جن کے سیرت وکردار کو دیکھ کر انسانی سیرت کی نوک پلک درست کی جائے۔

ان اکابر کے سانحۂ ارتحال کا ایک المناک پہلو یہ ہے کہ امت ان فیوض وبرکات سے محروم ہوجاتی ہے جن کا تعلق ان کی ذات سے ہوتا ہے، ان کی دعائے نیم شبی، بارگاہ خداوندی میں ان کی گریہ وزاری پوری امت کے لئے ان کا سراپا سوز وگداز، اصلاح امت کی فکر اور لگن یہ چیزیں ان کی ذات ہی کے ساتھ رخصت ہوجاتی ہیں اور امت کے لئے اس نقصان کی کوئی تلافی ناممکن ہوجاتی ہے۔

علاوہ ازیں ہر بزرگ کے ساتھ تعلق مع اللہ کی ایک نسبت قائم ہوتی ہے جو امت میں قبول حق کی ایک خاص استعداد پیدا کرتی ہے، اس نسبت کے ختم ہوجانے کے بعد قبول حق کی استعداد کا رنگ وہ نہیں رہتا ہے جو پہلے تھا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس کی صحبت ومعیت کی وجہ سے ایمان ویقین کا جو نقشہ تھا، نزول وحی کے مشاہدہ سے جو کیفیت حاصل ہوتی تھی، جبرئیل علیہ السلام کی آمد سے جو ملکوتی اثرات قلوب پر نازل ہوتے تھے اور اس کی وجہ سے تعلق مع اللہ کی جو نسبت قائم ہوتی تھی، دورِ نبوت کے بعد اسے آخر کس طرح حاصل کیا جاسکتا ہے، اسی حقیقت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

"وما نفضنا أيدينا من التراب إلّا أنكرنا قلوبنا"

[ترمذی،أبواب المناقب،باب ماجاء فی فضل النبیﷺ]

ہم ابھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دفن سے فارغ بھی نہ ہو پائے تھے کہ ہمارے قلوب کی وہ کیفیت باقی نہ رہی۔

غروب آفتاب کے بعد آپ روشنی کے ہزاروں وسائل جمع کرلیں،مگر وہ روشنی اور حرارت جو وجود آفتاب سے حاصل ہوتی ہے کسی طرح حاصل نہیں ہوسکتی،اسی طرح خلافت راشدہ کے چاروں ادوار میں نسبت مع اللہ کا رنگ بدلتا رہا،دور صدیقی کی برکات کبھی واپس نہ آسکیں،نہ دور فاروقی کی نسبت کو واپس لیا جاسکا۔

فرض کیجئے ایک مکان میں بے شمار قمقمے روشن ہیں،جو اپنی تابانی اور ضیا پاشی میں مختلف ہیں،اگر ان کو یکے بعد دیگرے گل کردیا جائے تو تدریجا روشنی مدھم ہوتے ہوتے یکسر ختم ہوجائے گی اور پورے ماحول پر تاریکی کے مہیب سائے منڈلانے لگیں گے،اسی طرح اہل اللہ کا وجود اس کائنات کے لئے رُشد وہدایت کی قندیل ہے،جوں جوں اہل اللہ اس عالم سے روپوش ہوتے جارہے ہیں ہدایت کا نور مدھم پڑتا جارہا ہے اور آہستہ آہستہ یہ کائنات کفر وضلالت کی تاریکیوں کی لپیٹ میں آتی جارہی ہے اور قلوب سے نور یقین مٹتا جارہا ہے اور جب رشد وہدایت کی ایک بھی شمع باقی نہیں رہے گی اور ہر چہار جانب سے تاریکی چھا جائے گی تو اس عالم کی بساط کو لپیٹ دیا جائے گا،ارشاد نبوی ہے:

"لا تقوم الساعة حتى لا يقال فى الأرض الله! الله! [مسلم،کتاب الإیمان]

"لا تقوم الساعة إلا على شرار الخلق" [مسلم،کتاب الإمارة]

قیامت قائم نہیں ہوگی جب تک زمین میں اللہ اللہ کہا جاتا ہے،قیامت اس وقت قائم ہوگی جب کہ صرف شریر لوگ باقی رہ جائیں گے۔

اوپر جو کچھ عرض کیا گیا ہے اس سے مقصود صرف یاس اور حسرت کے آنسو بہانا نہیں بلکہ اس بات کی طرف متوجہ کرنا ہے کہ جتنے باخدا بزرگ موجود ہیں ان کے وجود کو غنیمت سمجھ کر زیادہ سے زیادہ استفادہ کی کوشش کی جائے،افسوس ہے کہ دنیا میں فتنوں پر فتنے بڑھتے جارہے ہیں اور جن حضرات کا وجود ان فتنوں کے لئے سدراہ تھا وہ بتدریج اٹھتے جارہے ہیں۔

حق تعالی کے مقبول بندوں کو مرنے کا غم نہیں،وہ تو مرنے کی خوشی میں جیتے ہیں،رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

"تحفة المؤمن الموت" [مشکوة،کتاب الجنائز]

مومن کا تحفہ موت ہے۔

ان کی زندگی کا ایک ایک دن موت کے انتظار میں کٹتا ہے، موت کا دن ان کے لئے فرح وانبساط اور خوشی اور مسرت کا دن ہوتا ہے، ان کے نزدیک موت ہی وہ پُل ہے جسے عبور کر کے وہ اپنے محبوب حقیقی تک پہنچ سکتے ہیں، وہ اسی مقصد کے لئے جیتے ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

"الكيّس من دان نفسه وعمل لما بعد الموت والعاجز من أتبع نفسه هواها و تمنى على الله الأماني" [مشكوة، كتاب الرقاق]

دانا وہ ہے جو اپنے نفس کو قابو میں رکھے اور موت کے بعد کی زندگی کے لئے تیاری کرے اور احمق وہ ہے جو اپنے نفس کو خواہشات کے پیچھے دوڑائے اور اللہ پر جھوٹی آرزوئیں باندھے۔

و صلى الله على صفوة البر ية سيد الكائنات وخاتم النبيين محمد و آله و أصحابه أجمعين.

[شوال المکرم ۱۳۹۰ھ، دسمبر ۱۹۷۰ء]

مولانا محمد علی جالندھری رحمۃ اللہ علیہ

۲۴ صفر ۱۳۹۱ھ ۲۱ اپریل ۱۹۷۱ء بروز بدھ علمی و دینی دنیا کو ایک عظیم سانحہ پیش آیا، اس دن ظہر کے بعد چار بجے فون پر اطلاع ملی کہ حضرت مولانا محمد علی جالندھری ۲ بج کر بیس منٹ پر ملتان میں واصل بحق ہو گئے: إنّا لله و إنّا إليه راجعون.

حضرت مولانا جالندھری مرحوم دور حاضر کے علماء دین میں بڑی خوبیوں کے آدمی تھے، عالم، عاقل، مدبر، ذکی، مجاہد، جفاکش، متواضع، باوقار اور انتھک جد وجہد کرنے والے انسان تھے، ان تمام علمی و دینی کمالات کے ساتھ نہایت منکسر المزاج اور خاموش طبع بلکہ بے مثل مقرر اور پر جوش خطیب تھے، جب کسی جلسہ گاہ کے اسٹیج پر تقریر شروع کرتے تو معلوم ہوتا کہ خاموش سمندر کی موجوں میں یکا یک بلا کا تلاطم شروع ہو گیا، تقریر نہایت مدلل و مؤثر ہوتی، موضوع سے باہر کبھی نہ جاتے، مخاطبین و سامعین کو سمجھانے کی فوق العادۃ قوت حق تعالیٰ نے عطا فرمائی تھی، ٹھوس علمی مسائل کی تشریح اور مثالوں سے ذہن نشین کرانے میں اپنے عصر میں بے نظیر تھے، اسلام کے بنیادی عقیدہ ختم نبوت کے جانثار، ردّ قادیانیت کے امام اور رفض و تشیع اور بدعت و الحاد کی تردید میں یکتا تھے، چار چار گھنٹے بے تکان بولتے تھے اور عوام وخواص میں یکساں مقبول تھے۔

مرحوم نے نصف صدی سے زیادہ بیش بہا دینی، علمی اور سیاسی خدمات انجام دیں، عرصہ دراز تک امام الخطباء حضرت سید عطاء اللہ شاہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے رفیق کار رہے اور اس سے پہلے عرصہ تک حضرت مولانا خیر محمد جالندھری رحمۃ اللہ علیہ کے خیر المدارس میں دست راست رہے، ملتان میں مرکزی دفتر ختم نبوت کی ایک لاکھ کی

شاندار عمارت یادگار چھوڑی جو دعوت وارشاد کا مرکز اور مبلغین ختم نبوت کی تربیت گاہ ہے، اس کے علاوہ مغربی پاکستان میں ختم نبوت کے مراکز قائم کئے اور ان میں دفتر، ٹیلیفون اور مبلغین کا انتظام کیا۔

مولانا مرحوم دارالعلوم دیوبند کے مایہ ناز فارغ التحصیل امام العصر حضرت مولانا سید محمد انور شاہؒ کے شاگرد تھے اور حضرت مولانا عبدالقادر رائے پوریؒ سے بیعت کا شرف حاصل کیا تھا، یاد پڑتا ہے کہ تیس سال قبل لاہور کی ایک کانفرنس میں جو جناب محمود خاں لغاری کی کوشش سے ہو رہی تھی مولانا مرحوم کی تقریر پہلی بار سنی اور وہیں حضرت مولانا عبدالشکور لکھنوی رحمۃ اللہ علیہ کی تقریر سنی تھی، پاکستان بننے کے بعد مختلف مجالس میں اور مجلس ختم نبوت کی شوریٰ کے متعدد اجتماعات میں انہیں نہایت قریب سے دیکھنے کا اتفاق ہوا، بلاشبہ ان کی وفات موجودہ وقت میں جبکہ سر پر قادیانیت والحاد کی گھٹائیں چھائی ہوئی ہیں امت اسلامیہ اور مسلمانان پاکستان کے لئے بڑا دردناک سانحہ ہے:

مصائب شتی جمعت فی مصیبة
ولم یکفها حتی قفتها مصائب

آپ کی موت کے حادثہ میں کئی مصیبتیں جمع ہوگئیں ہیں اور اس کے بعد تو گویا لگاتار مصائب پر مصائب شروع ہوگئے۔

حق تعالیٰ کی مشیت ہر چیز پر غالب ہے علمی و دینی دور ختم ہوتا جا رہا ہے اور جہل و بے دینی کا دور بڑی سرعت سے آ رہا ہے، فإلى الله المشتكى، حق تعالیٰ مرحوم کو اپنی رحمت و رضوان کے اعلیٰ مقام پر فائز فرما کر جنت الفردوس نصیب فرمائے، ان کی تمام زلات وسیئات معاف فرمائے اور جدید نسل اور ان کے اخلاف کو ان کی جانشینی کی توفیق عطا فرمائے، آمین۔

[ربیع الثانی ۱۳۹۱ھ]

مولانا خدا بخش ملتانی رحمۃ اللہ علیہ

ماہ ربیع الثانی ۱۳۹۱ھ میں جناب مولانا خدابخش صاحب ملتانی واصل بحق ہوئے، إنّا لله و إنّا إليه راجعون، مرحوم حق گو، مخلص عالم تھے، سادہ لباس، سادہ مزاج لیکن پختہ دماغ پختہ علم تھے، مہمان نواز، عمدہ مقرر، حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی رحمہ اللہ کے عشاق وعقیدت مندوں میں تھے، حق تعالیٰ مرحوم کو درجات عالیہ سے جنت الفردوس سے سرفراز فرمائے۔

مولانا سید محمود احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ

اسی ماہ ربیع الثانی ۱۳۹۱ھ میں جناب مولانا سید محمود احمد صاحب مدنی کا وصال ہوا جو قافلہ ٹھیک ۷۵ ر سال قبل فیض آباد ہندوستان سے مدینہ منورہ ہجرت کر کے پہنچا تھا حضرت مولانا سید حسین احمد صاحب رحمہ اللہ کے والدین اور بھائی، اس کاروان کا یہ آخری مسافر تھا جو آخرت کے سفر پر روانہ ہوا، عقل وتدبر، متانت ووقار وسنجیدگی میں بے نظیر تھے، حسنِ اخلاق وکرم نفس وتواضع کا کمال مرحوم کو وراثت میں ملا تھا، جس طرح حضرت مدنی رحمہ اللہ اخلاق ومجاہدات میں، علم وفضل میں، میدان سیاست کی شہسواری میں ممتاز تھے اور جس طرح حضرت مولانا مدنی کے بڑے بھائی حضرت سید احمد بانی "المدرسة الشرعية ليتامى بلدة خير البرية" اپنی باطنی نسبت وبزرگی میں اور توجہ قلبی میں ممتاز تھے، اسی طرح ان دونوں کے یہ برادر خورد مولانا سید محمود احمد صاحب اپنی ذہانت وانتظامی معاملات، حسن سلیقہ وتواضع میں ممتاز تھے، مرحوم عالم تھے، ادیب تھے اور عربی کے شاعر بھی تھے، تحصیل علوم مدینہ طیبہ میں کی تھی، ۸ ر سال کی عمر میں مدینہ پہنچے تھے، ۷۵ ر سال قیام کے بعد بعمر ۸۳ ر سال واصل بحق ہوئے، مرحوم کے جانشین ویادگار جناب مولانا سید حبیب احمد صاحب ہیں جو اپنے والد محترم کے کمالات کے صحیح وارث ہیں اور مدینہ طیبہ کے نائب امیر ہیں، دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ مرحوم کو اپنی مغفرت ورحمت ورضوان میں آسودگی نصیب فرمائے، آمین۔

[جمادی الاولیٰ ۱۳۹۱ھ]

مولانا محمد عثمان ہزاروی رحمۃ اللہ علیہ

گذشتہ ماہ یکم جمادی الاخری ۱۳۹۱ھ ۲۵ ر جولائی ۱۹۷۱ء کو ہمارے ایک محب ومحبوب، جوان صالح، سراپا اخلاص عالم، برادر مولانا محمد عثمان صاحب ہزاروی کا حادثہ وفات پیش آیا، مرحوم دارالعلوم دیوبند سے فارغ ہوئے اور حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی رحمہ اللہ سے شرف بیعت بھی حاصل کیا، اس طرح علم وعرفان کی دونوں نسبتیں حضرت مدنی سے نصیب ہوئیں، حضرت مدنی کے کسی خلیفہ مجاز سے شرف اجازت بھی حاصل ہوا، اسی زمانہ میں کراچی آئے، ان دنوں ہمارے مدرسہ عربیہ اسلامیہ کراچی کا ابتدائی دور تھا، تربیت وتکمیل کا درجہ کھولا تھا، فارغ التحصیل حضرات کو حجۃ اللہ البالغہ، مقدمہ ابن خلدون، اتقان اور علوم قرآنی کی مشکلات کا درس دیا جاتا تھا، علاوہ ازیں فقہ مذاہب اربعہ کی تحقیق، ابن رشد کی بدایۃ المجتہد کا مطالعہ، تاریخ ادب عربی، ادب کی کتابت وخطابت کی تمرین وغیرہ مضامین تھے، مرحوم نے باقاعدہ طور پر یہ مرحلہ بھی طے کیا، کچھ عرصہ بعد مدرسہ فرقانیہ راولپنڈی کے صدر مدرس وشیخ الحدیث اور ایک جامع مسجد کے خطیب ہوئے اور چند دن بعد اسلام آباد میں مدارس تعلیم القرآن جو برادر محترم اختر حسن صاحب (وزارت داخلہ کے سیکشن افسر) کی جدوجہد سے وجود میں آئے تھے، ان کی نگرانی

واہتمام کے فرائض بلا معاوضہ انجام دینے لگے، مزاج میں سادگی، تواضع، مسکنت، اصلاح وتقویٰ اور اخلاص کوٹ کوٹ کر بھر دیئے گئے تھے، طبیعت کا معصومانہ انداز، بھولے پن کے ساتھ وقار اور غناء قلبی قابل رشک تھا، کراچی کی حاضری کا سالانہ معمول تھا، افسوس ہے کہ عصر حاضر کے علماء اور خصوصاً نوجوان اہل علم میں یہ خصوصیت بہت کم نظر آتی ہیں، کسی عربی شاعر نے ٹھیک کہا ہے:

الموت نقاد علی کفه
جواهر یختار منها النقاد

موت کی مثال اس جوہری کی ہے جس کے ہاتھ میں جواہرات ہوں جو عمدہ ہو اس کو چن لیتا ہے۔

برادر مرحوم سے ان کے خصائص واخلاص کی وجہ سے کچھ قلبی ربط ایسا پیدا ہو گیا تھا کہ ہر وقت وہ سامنے رہتے تھے اور اب بھی اکثر ان کی یاد قائم رہتی ہے بلکہ ستاتی ہے۔

اے ہم نفسان محفل ما
رفتید ولے نہ از دل ما

حق تعالیٰ مرحوم کی بال بال مغفرت فرما کر رحمت ورضوان کے اعلیٰ مقامات نصیب فرمائے، آمین۔

شیخ محمد نصیف رحمۃ اللہ علیہ

اوائل رجب ۱۳۹۱ھ میں سرزمین حجاز کے ایک ممتاز ووجیہ عالم اور عربی النسل رئیس الشیخ محمد نصیف کا جدہ میں انتقال ہوا، مرحوم جدہ کے قدیم ترین باشندے تھے، ان کے آباؤاجداد عہد عثمانی میں بہت معزز تھے، حبشہ سے جو سیاہ فام مخنث غلام درآمد کئے جاتے تھے اور عہد عثمانی میں حرم سرا کی خدمت یا حرمین شریفین کی خدمات کے لئے جن کو منتخب کیا جاتا تھا جنہیں خواجہ سرا یا عامی عربی میں اغوات (آغا کی جمع) کہا جاتا ہے ان کی دینی تعلیم و تربیت اور آداب خدمت آموزی کا فریضہ اسی خاندان کے سپرد تھا، اسی وجہ سے سلاطین آل عثمان کے ہاں ان کے اسلاف کی بڑی عزت تھی، سعودی حکومت کے پہلے فرمانروا ملک عبدالعزیز مرحوم کے بھی ان سے برادرانہ تعلقات تھے، جدہ میں جب تک سرکاری عمارات نہیں بنی تھیں شاہ عبدالعزیز مرحوم انہی کے مہمان ہوتے تھے، شاہ سعود بن عبدالعزیز سے بھی یہی تعلق رہا اور حجاز ونجد کے موجودہ حکمران شاہ فیصل سے بھی خوشگوار تعلقات تھے۔

مرحوم انتہائی کریم النفس اور با اخلاق عالم تھے، جود وسخا کا پیکر، متانت ورزانت کا مجسمہ، دراز قامت، خوب رو، دوہرا بدن، باوقار شخصیت، جاذب نظر صورت، شگفتہ مزاج، خوش اخلاق اور خوش پوش۔

ایک عظیم الشان کتب خانے کے مالک تھے جس میں سولہ ہزار کتابیں جمع تھیں، قلمی نوادرات کا بھی بڑا ذخیرہ تھا، مطالعہ سے عشق اور کتابوں کی عمدہ سے عمدہ جلد بندی کا خصوصی ذوق تھا، مراکش سے انڈونیشیا تک کے

اہل علم سے روابط وتعلقات تھے، موسم حج میں ان کا دولت خانہ اہل علم کا مہمان خانہ بن جاتا تھا۔

اصل سے شافعی المذہب تھے لیکن حنفی، شافعی، مالکی، حنبلی سبھی قسم کے اساتذہ سے اکتساب فیض کیا تھا اس لئے مذہبی تعصب سے بالاتر تھے، حافظ ابن تیمیہ رحمہ اللہ اور حافظ ابن قیم رحمہ اللہ کے شیدائی تھے، آخر میں سلفی مسلک کے ہو گئے تھے، علم وعقل اور وجاہت وریاست کے باوجود شان وتکبر سے دور تھے اور مزاج میں انتہائی شگفتگی تھی، ہر قوم کے لطائف سنایا کرتے تھے، انہیں دیکھ کر عرب علماء اور عرب اسخیاء کی یاد تازہ ہوتی تھی، عمر اسی (۸۰) سے متجاوز تھی، مرحوم سے میرے روابط ۱۳۵۶ھ سے تھے، افسوس کہ تقریباً پینتیس سالہ ربط چشم زدن میں ختم ہوا۔

آنکھوں کے آپریشن کے لئے لندن گئے تھے مگر آپریشن نہیں کرایا، دو ہفتہ بعد واپس لوٹ آئے، آتے ہوئے چند دن لبنان میں قیام رہا، جدہ واپس ہو کر ایک ہفتہ بعد داعی اجل کو لبیک کہا اور واصل بحق ہو گئے، شاہ فیصل کے حکم سے ولی عہد نے جنازہ میں شرکت کی، حق تعالیٰ مرحوم کو اپنی رحمت ومغفرت سے سرفراز فرمائے اور درجات عالیہ سے نوازے، معلوم ہوا ہے کہ مرحوم کی وصیت کے مطابق ان کا عظیم الشان کتب خانہ جدہ کی جامعۃ عبدالعزیز الاہلیہ میں منتقل ہوا ہے اور ان کا ذاتی مکان ''بیت نصیف'' شاہ فیصل خریدنا چاہتے ہیں، ایک محترم نے جو مرحوم کے رشتہ دار ہیں لکھا ہے کہ شاید دے دیا جائے گا۔

[شعبان المعظم ۱۳۹۱ھ، اکتوبر ۱۹۷۱ء]

مولانا محمد رسول خاں ہزاروی رحمۃ اللہ علیہ

ماہ رمضان المبارک ۱۳۹۱ھ میں حضرت مولانا محمد رسول خاں صاحب کی وفات سے درس وتدریس کی ایسی جامع ترین شخصیت کی جگہ خالی ہوگئی کہ آئندہ صدیوں میں بھی اس کے پُر ہونے کی توقع نہیں، مرحوم معمر ترین بزرگ اور استاذ الکل عالم تھے جن کی زندگی کے تقریباً اسی (۸۰) برس تعلیم وتدریس میں گذرے جن میں پورے بیس سال تو دارالعلوم دیوبند کا عہد تدریس ہے، دارالعلوم دیوبند سے فراغت تحصیل علم کے بعد مدرسہ امداد الاسلام میرٹھ میں مدرس ہوئے، چند سالوں کے بعد دارالعلوم دیوبند کے اکابر ارباب اہتمام کی خواہش پر دارالعلوم ہی میں امام العصر حضرت مولانا محمد انور شاہؒ اور حضرت مولانا شبیر احمد صاحب عثمانیؒ اور حضرت مولانا حبیب الرحمن صاحبؒ اور حضرت مولانا حافظ احمد صاحبؒ وغیرہ اکابر واساتذہ سب شریک ہوئے، موصوف نے معرکہ کا درس دیا اور دارالعلوم میں ان کی شخصیت کی دھاک بیٹھ گئی، مرحوم کو حدیث میں حضرت مولانا شیخ الہند محمود حسن رحمہ اللہ سے شرف تلمذ حاصل تھا اور معقولات کی آخری کتابیں اپنے ہم وطن حضرت مولانا غلام رسول صاحب ہزاروی سے پڑھی تھیں اور انہی کتابوں میں وہ اپنے استاذ کے صحیح جانشین ہوئے، دارالعلوم کے آخری علمی دور میں اصول فقہ

معقول وفلسفہ کی انتہائی کتابیں قاضی مبارک، حمد اللہ، توضیح وتلویح، مسلم الثبوت، صدرا، شمس بازغہ جن دو بزرگوں کے درمیان دائر وسائر تھیں اور وہ بہ سہیل تناوب انھیں پڑھایا کرتے، ان میں ایک حضرت مرحوم تھے اور دوسری شخصیت حضرت مولانا محمد ابراہیم صاحب بلیاوی تھی جو ان علوم وفنون کے امام تھے، آخری چار کتابوں میں دونوں بزرگوں سے راقم الحروف کو شرف تلمذ حاصل ہے، مرحوم درسیات کے محقق عالم تھے، معقول ومنقول دونوں کے بہترین مدرس تھے، حسن تعبیر پر بڑی قدرت حاصل تھی لیکن تعبیرات معقولی طرز کی ہوتی تھیں، بات نہایت منقح فرمایا کرتے تھے، خوب صورت، خوش پوش، خوش لقاء، متواضع باوقار بزرگ تھے، آخر تک تمام خصوصیات قائم رہیں، تقریبا چالیس سال کا عرصہ لاہور میں گذارا، چند سال اورینٹل کالج پنجاب یونیورسٹی کے شعبہ علوم مشرقی میں ''مولوی فاضل'' کی کتابیں پڑھائیں، آخر میں جامعہ اشرفیہ لاہور میں قیام رہا، دور حاضر میں کوئی عالم ایسا نہیں ہوگا جو بالواسطہ یا بلا واسطہ آپ کا شاگرد نہ ہو، ضلع ہزارہ کی تحصیل ''بفہ'' میں ایک گاؤں کے باشندے تھے جس کا نام اچھڑیاں ہے، حضرت مولانا غلام رسول صاحب بھی اسی علاقہ بفے کے باشندے تھے جو معقولات میں آپ کے استاذ تھے، ویسے تو سب ہی جانے کے لئے آتے ہیں لیکن صدمہ اس کا ہے کہ آئندہ جو دور آرہا ہے اس میں ایسی باکمال شخصیتوں کے کمالات کا ادراک بھی نہیں ہو سکے گا، آپ کی وفات سے ہند وپاک کی ایک صدی کی علمی تاریخ کی بساط الٹ گئی، آپ کی رحلت علم وتقویٰ، درس وتدریس، حسن ادا، تواضع ووقار، سنجیدگی ومتانت وغیرہ کمالات کی رحلت ہے إنّا لله و إنّا إليه راجعون، حق تعالیٰ حضرت استاذ مرحوم کو جنت الفردوس میں درجات عالیہ نصیب فرمائے، آمین۔

اللهم اغفرله وارحمه وارض عنه وعامله معاملة الأبرار والصالحين من عبادك الأخيار بفضلك وكرمك يا عزيز يا غفار آمين يا رب العلمين.

مولانا حکیم سید عبد الجبار حیدر آبادی رحمۃ اللہ علیہ

اسی ماہ رمضان المبارک کی پندرہویں تاریخ کو ہمارے دوست ومخلص طبیب صالح ومتواضع باخدا ہستی مولانا سید عبد الجبار صاحب حیدر آبادی کا انتقال ہوا، مرحوم سراپا شفقت وتواضع تھے، علماء وطلبہ کو مفت دوائیں دیا کرتے تھے اور مفت علاج فرمایا کرتے تھے، ریڈیو پر ان کا درس قرآن اور مضامین ومقالات سب ہی عوام سے قبولیت کا خراج تحسین حاصل کر چکے تھے، بعارضہ قلب وفات ہوئی، حق تعالیٰ مرحوم کے اخلاص وپاکیزہ زندگی کا اجر عظیم عطا فرمائے اور مغفرت ورحمت ورضوان سے سرفراز فرمائے، آمین۔

مولانا عرض محمد بلوچستانی رحمۃ اللہ علیہ

اسی ماہ رمضان المبارک میں ہمارے دوست بلوچستان کے مجاہد عالم اور مصلح اور مخلص حق گو، جری رہنما، مدرسہ مطلع العلوم کوئٹہ کے بانی اور مہتمم حضرت مولانا عرض محمد صاحب ریلوے لائن پر تصادم سے شہید ہوئے، انا للہ۔ عرصہ سے بیمار تھے، ضیق النفس وغیرہ امراض کے شکار تھے، موسم سرما گذارنے کے لئے سبی آئے تھے، صبح ہوا خوری کی غرض سے باہر گئے، کچھ دماغی دورہ سا پڑا، احساس نہ ہو سکا، ریلوے لائن عبور کر رہے تھے کہ ایک انجن نے آ کر ان کو شہید کر دیا اور جان آفرین کو اپنی جان عزیز سپرد کر کے واصل بحق ہو گئے اور اس طرح یہ دردناک واقعہ شہادت پیش آیا جو مرحوم کے لئے علو درجات کا انشاء اللہ تعالیٰ بہترین وسیلہ ہوگا۔

رضی اللہ عنہ و أرضاہ جعل الجنة متقلبه و مثواہ آمین

مولانا محمد خلیل انگوی رحمۃ اللہ علیہ

ماہ شعبان ۱۳۹۱ھ کے آخری عشرہ میں ۱۲/ اکتوبر ۱۹۷۱ء کو مولانا محمد خلیل صاحب انگوی کا انتقال ہوا، جامعہ اسلامیہ ڈابھیل سے حضرت الاستاذ امام العصر مولانا محمد انور شاہؒ کی وفات کے بعد سند فراغت حاصل کی تھی اور حضرت الاستاذ مولانا شبیر احمد عثمانیؒ سے شرف تلمذ حاصل تھا، خانقاہ موسیٰ زئی شریف ضلع ڈیرہ اسماعیل خان سے روحانی بیعت کا تعلق قائم تھا، مظہر العلوم کھڈہ کراچی، وزیر آباد (پنجاب)، سجاول (سندھ)، جامعہ قادریہ رحیم یار خاں (بہاولپور) جامعہ محمدیہ (جھنگ) کی مختلف علمی درس گاہوں میں تیس سال سے زیادہ عرصہ تک مختلف علوم دینیہ کی خدمت تدریس انجام دی، فرق باطلہ کی تردید خصوصا مرزائیت وقادیانیت کی تردید میں شمشیر بے نیام تھے، مختلف امراض میں آخر عمر میں گرفتار ہو گئے، نشتر ہسپتال ملتان میں زیر علاج تھے، یہیں انتقال ہوا، مرحوم ایک سنجیدہ بااخلاق، خاموش وباوقار عالم، خوب صورت، خوش سیرت انسان تھے، اللہ تعالیٰ بال بال مغفرت اور رحمت ورضوان سے سرفراز فرمائے، آمین۔

حریفان بادہ ہا خوردند و رفتند
تھی خم خانہا کردند و رفتند

کل من علیها فان و یبقی وجه ربك ذو الجلال والإکرام

[شوال ۱۳۹۱ھ، دسمبر ۱۹۷۱ء]

مولانا حافظ حکیم عبدالمجید لائل پوری رحمۃ اللہ علیہ

گزشتہ ماہ ذی الحجہ ۱۳۹۱ھ کی ۲۶؍اور فروری ۷۲ء کی ۱۲؍تاریخ کو پاکستان ایک عالم ربانی سے محروم ہوا، مولانا حافظ حکیم عبدالمجید صاحب لائل پوری نابینا کی وفات ہوئی، إنا لله وإنا إليه راجعون، مرحوم نے باوجود بصارت کے نہ ہونے کے نہایت التزام کے ساتھ تمام درس نظامی کی کتابوں سے فراغت پائی اور ہمیشہ اپنے حلقہ درس میں ممتاز رہے اور اکثر اعلیٰ نمبروں سے کامیاب ہوتے رہے، حق تعالیٰ نے بصارت کی نعمت کی جگہ تمام علوم اسلامیہ عربیہ میں بصیرت عطا فرمائی تھی، علوم اسلامیہ کے فاضل تھے، انگریزی کے گریجویٹ تھے، حاذق طبیب تھے، عمدہ خطیب اور کامیاب مناظر تھے، رد قادیانیت میں ممتاز تھے، علم وعلماء اور علمی کتابوں کے محب صادق تھے، سنجیدہ باوقار، قدیم وجدید کے مجمع البحرین تھے، ان سب کمالات کے ساتھ اخلاص کی نعمت سے سرفراز تھے، الغرض بڑی خوبیوں کے مالک تھے، بینائی کی معذوری کی وجہ سے طالب علمی میں ایک معاون رفیق طالب علم کو ساتھ رکھتے تھے اور اس کے مصارف بھی برداشت کرتے تھے، ابتدائی کتابیں غالباً اپنے وطن میں پڑھیں، پھر دیوبند پہنچے اور دارالعلوم کے فیض سے سیراب ہوئے، ادب کی ایک کتاب میں ۴۷؍سال قبل میرے ہم درس بھی رہے اور اتفاق سے اس کتاب کے ایک امتحان میں ۱۰۵؍طلبہ میں ہم دونوں ممتاز ترین نمبروں سے ایک درجہ میں کامیاب ہوئے اور پورے نمبروں سے ۵؍نمبر زائد ملے، یہ وہ دور تھا کہ ایک سال بعد امام العصر حضرت مولانا انور شاہ رحمہ اللہ دارالعلوم کے عہدہ صدارت سے مستعفی ہوگئے تھے اور ڈابھیل ضلع سورت میں جامعہ اسلامیہ تعلیم الدین قائم ہوا اور وہاں تشریف لے گئے تھے، مجھ سے ایک سال بعد حضرت امام العصر رحمہ اللہ کی خدمت میں درس صحیح بخاری شریف کا فیض حاصل کیا اور حدیث کی بقیہ کتابیں وہیں ڈابھیل میں پڑھیں، ان کے مفاخر کا ایک قابل ذکر واقعہ یہ ہے کہ حضرت شیخ امام العصر رحمہ اللہ کے درس میں یہ طریقہ تھا (اور عام طور سے عربی مدارس میں یہی طریقہ ہے) کہ جو شخص پہلے بسم اللہ پڑھے گا وہی استاذ کے سامنے اس دن پڑھے گا، ایک دن حافظ صاحب نے بسم اللہ کی، حضرت شیخ یہ سمجھے کہ شاید کسی اور کے لئے باری حاصل کرنے کے لئے یہ سبقت کی ہوگی، مگر جب پڑھنے کا وقت آیا تو حفظ سے عبارت پڑھنا شروع کی اور کہا "حدّثنا" حضرت شیخ نے نہایت مسرور ہوکر فوراً فرمایا "مرحبا" اس روز غالباً صحیح بخاری کی کتاب العلم شروع تھی اور حسب معمول روزانہ درس بخاری شریف کا ورق ڈیڑھ ورق سبق ہوتا تھا، حافظ صاحب مرحوم نے بغیر کسی جھجک کے اس دن کے سبق کی پوری عبارت پڑھی، گویا کتاب سامنے رکھ کر پڑھ رہے ہیں، نہ حافظ صاحب مرحوم سے کسی ایک لفظ میں غلطی ہوئی، نہ سبق اس مقام تک پہنچ سکا جہاں تک حافظ صاحب نے رات کو یاد نہ کیا ہو، آج تک یہ معمہ حل نہ ہوسکا کہ حافظ صاحب نے اس ایک رات میں کتنا حصہ صحیح بخاری شریف کا یاد کیا تھا، ان کے "حدّثنا" اور حضرت شیخ کی "مرحبا" کی

آواز اب تک میرے کانوں میں گویا گونج رہی ہے، اس سال میں حضرت شیخ کے ساتھ سفر کشمیر سے واپسی پر دوبارہ ڈابھیل پہنچا تھا اور کتاب الایمان اور کتاب العلم صحیح بخاری کا درسِ شیخ سنا اور پھر وطن چلا آیا تھا۔

عام طور سے جن حضرات کو بصارت سے محرومی ہوتی ہے حق تعالیٰ ان کو قوت حافظہ اور بصیرت زیادہ عطا فرمادیتا ہے، حافظ صاحب مرحوم کو قوت حفظ اور قلبی بصیرت میں زیادہ خصوصیت عطا فرمائی تھی، میں اس واقعہ کے ذکر سے ان کا حق رفاقت ادا کرنا چاہتا ہوں، حق تعالیٰ مرحوم کی بال بال مغفرت فرمائے اور رضوان ورحمت سے سرفراز فرمائے اور ان کی علمی خدمات اور دینی جذبے کا اپنے لطفِ بے انتہا کے مطابق صلہ عطا فرمائے،

آمين يا أرحم الراحمين

و صلى الله على سيد العالمين وخاتم النبيين وإمام المتقين محمد وعلى آله وصحبه أجمعين.

[صفر المظفر ۹۲ ۱۳ھ، اپریل ۱۹۷۲ء]

مولانا فخر الدین مراد آبادی رحمۃ اللہ علیہ

۲۰ ؍صفر ۱۳۹۲ھ ۵ ؍اپریل ۱۹۷۲ء کو حضرت مولانا فخر الدین احمد طویل علالت کے بعد مراد آباد میں وفات پا گئے، إنا لله وإنا إليه راجعون، افسوس کہ مسلمانان ہند اور علماء اسلام کا ایک درخشندہ تارہ ہمیشہ کے لئے غروب ہوگیا، آپ دارالعلوم دیوبند کے شیخ الحدیث تھے اور عصر حاضر کے جلیل القدر محدث، محقق، عالم اور باخدا بزرگ تھے، دارالعلوم دیوبند کے اکابر مشائخ اور مسند صدارت حدیث کے ممتاز افراد جن کا سلسلہ حضرت مولانا محمد یعقوب نانوتویؒ سے شروع ہوا تھا وہ سلسلہ حضرت مولانا فخر الدینؒ پر بظاہر ختم ہوگیا، کامل ایک صدی میں علوم نبوت کے آفتاب و ماہتاب جن سے دارالعلوم کی چار دیواری میں بلکہ تمام عالم اسلام میں علم کی شعاعیں پہنچتی رہیں آپ اس سلسلہ کی آخری کڑی تھے اور اب تک اکابر دیوبند اور خصوصاً مسند مشیخت حدیث پر جو حضرات متمکن تھے علم ومعرفت کے دونوں چشموں سے سیراب تھے اور ظاہر و باطن دونوں نسبتوں کے حامل تھے، موصوف اس حلقہ کے آخری فرد تھے، اب ایسی شخصیت جو اس مسند کو زینت دے ہماری نظروں میں نہیں۔

موصوف نے ۱۳۲۹ھ میں دارالعلوم دیوبند سے فراغت حاصل کی اور حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندی رحمۃ اللہ علیہ اور امام العصر حضرت مولانا انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ دونوں سے فیض حاصل کیا اور دونوں چشموں سے سیرابی نصیب ہوئی، سنجیدگی وقار، متانت ورزانت، ظاہری سطح میں سکون اور باطنی گہرائیوں میں جوش وخروش کی نعمتوں سے مالا مال تھے، خوش رو، خوش پوش، خفیف الروح، لطیف الجسد تھے، غالباً چوبیس برس پہلے مدینہ طیبہ میں پہلی مرتبہ حضرت مولانا عبدالحق مدنی مرحوم کے مکان پر شرف ملاقات نصیب ہوا تھا، یہ ملاقات پہلی بھی تھی اور آخری بھی، پھر غائبانہ موصوف کے مفاخر و مآثر کا حال معلوم ہوتا رہا، اکابر محدثین اور ممتاز اکابر مدرسین کا

نمونہ تھے جن کی زندگی کے پورے باسٹھ سال درس وتدریس میں گذرے، درس حدیث میں حافظ بدرالدین عینیؒ اور حافظ ابن حجر عسقلانیؒ کے علوم کا نچوڑ اپنی تقریر میں پیش کرتے تھے اور حضرت دیو بندی رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت کشمیری رحمۃ اللہ علیہ کے خصائص کی جھلکیاں نظر آتی تھیں، ان کی تالیف ''القول الفصيح في نضد أبواب الصحيح'' توقدوذکاء کا ایک عمدہ نمونہ ہے، ایسا محسوس ہوتا ہے کہ قیامت کے قرب کے علامات سے جہاں اور مختلف فتنے سرعت سے ظاہر ہورہے ہیں وہاں علمی انحطاط کی رفتار ان سے بھی زیادہ سریع ہے، ان اکابر کے قافلے نہایت تیزی سے سفر آخرت پر روانہ ہورہے اور علمی مراکز ویران ہوتے جارہے ہیں۔

نہ جانے آج تک یہ جانے والے ہیں کہاں جاتے
کھلی ہیں جب سے آنکھیں دیکھتے ہیں کارواں جاتے(۱)

غفر الله له ورحمه رحمة الأبرار الصالحين وحشره في زمرة العلماء الربانيين

وفات اہلیہ محترمہ حضرت مولانا بنوری رحمہما اللہ علیہما

آج پانچواں دن ہے کہ یوم چہارشنبہ ۴ربیع الاول ۹۲ ۱۳ھ،۱۹/اپریل ۱۹۷۲ء بوقت تین بجے شام ''بصائر وعبر'' کے خامہ فرسائی کرنے والے بنوری کی اہلیہ شدید علالت کے بعد داغ مفارقت دے کر سفر آخرت پر روانہ ہوگئی: إنا لله و إنا إليه راجعون.

رات کے ۸ بجے عشاء سے قبل جمعیت پنجابی سوداگران کے قبرستان میں (مقام یوسف پورہ کراچی) سپرد خاک ہوئی، پشاور کے عزیزوں سے لے کر جنوبی افریقہ کے احباب ومخلصین کے تعزیتی پیغامات بذریعہ تار موصول ہورہے ہیں سب کا شکر گذار ہوں جزاهم الله أحسن الجزاء اور ''بصائر وعبر'' کے قارئین کرام سے دعائے مغفرت اور بقدر فرصت وہمت ایصال ثواب کا امیدوار ہوں، إنّ الله لا يضيع أجر المحسنين.

درس سرائے بہار وخزاں بہم آغوش است
زمانہ جام بدست وجنازہ بردوش است

مرحومہ کے حق میں ارحم الراحمین کی بارگاہ رحمت میں رحمۃ للعالمین کی زبان میں یوں نواسنج ہوں:

اللهمّ هذه أمتك و بنت أمتك وعبدك تشهد أن لا إله إلا أنت وحدك لا شريك لك وتشهد أنّ محمدا عبدك و رسولك أصبحت فقيرة إلى رحمتك وأصبحت (وأنت) غنيا عن عذابها تخلت عن الدنيا وأهلها إن كانت زاكية فزكّها وإن كانت مخطئة فاغفر لها و أدخلها الجنة و أعذها من

(۱)أي تفصيلا وتعيينا، وإما إجمالا فنعلم أنهم يروحون إما إلى الجنة وإما إلى النار. (مدیر)

عذاب القبر وعذاب النار ، اللهم لا تحرمنا أجرها و لا تضلنا بعدها ، وصلى الله على صفوة البرية سيد الشاكرين وسيد الصابرين إمام المتقين وخاتم النبيين وعلى آله و أزواجه و ذريته و أصحابه أجمعين.

[ربیع الثانی ۱۳۹۲ھ، جون ۱۹۷۲ء]

مولانا حبیب اللہ گمانی رحمۃ اللہ علیہ

افسوس کہ حضرت مولانا سید فخر الدین احمد مراد آبادی رحمہ اللہ کی وفات کا صدمہ ابھی تازہ ہی تھا کہ حضرت مولانا حبیب اللہ گمانی بہاول پوری کے صدمہ وفات نے آنکھوں کو ازسر نو اشکبار اور دل کو بے قرار بنادیا، إنا لله و إنا إليه راجعون، ہندوستان کا ایک علمی ستارہ غروب ہوا ہی تھا کہ پاکستان کا ایک درخشندہ کوکب بھی غروب ہوگیا اور اس طرح علمی انوار کے غائب ہوجانے کی وجہ سے دونوں ملکوں میں اندھیرا چھانے لگا۔

حضرت مولانا حبیب اللہ گمانی زہد وتقویٰ کے پیکر تھے، تواضع واخلاص کے مجسمہ تھے، سادہ مزاج، سادہ پوش اور سادہ نوش باخدا بزرگ تھے، ایک عالم ربانی کی جو خصوصیات ہوسکتی ہیں ان کا بہترین مظہر تھے، دارالعلوم دیو بند کے مایہ ناز فاضل تھے، حضرت استاذ امام العصر محدث کشمیری مولانا محمد انور شاہ رحمہ اللہ کے ارشد تلامذہ میں سے تھے اور حضرت مولانا حسین علی صاحب رحمہ اللہ میاں والی داں بھچر ان کے ارشد خلفاء میں سے تھے، اپنے قصبہ گمانی میں ایک دینی درس گاہ کی بنیاد ڈالی تھی، اپنے گھر سے تمام طلبہ کے لئے روٹی سالن پکواتے اور مہمانان رسول کو کھلاتے تھے، پھر درس گاہ کے ابتدائی درجات کو وہیں چھوڑ کر علمی درس گاہ مدرسہ انوریہ کے نام سے (حضرت الاستاذ امام العصر کے نام پر) مقام طاہر والی بہاول پور میں قائم کی تھی جو علمی واخلاقی تربیت میں ممتاز تھی، راقم الحروف کو چند لمحوں کے لئے حاضری کا اتفاق ہوا تھا، بارہا حج بیت اللہ الحرام اور زیارت حرمین شریفین کا شرف حاصل کیا اور وہاں کی تجلیات الٰہیہ اور نفحات نبویہ سے مالا مال ہوئے تھے، اس مادی دنیا میں اور اس پر آشوب زمانہ میں ایسے باخدا درویش صفت بزرگ عالم کا وجود دنیائے علم وعمل دونوں کے لئے سایہ رحمت ہوتا ہے، ان کا باوقار وجود، سراپا اخلاص، زہد وتواضع کی عظیم تمثال آنکھوں کے سامنے پھر رہی ہے، حب مال اور حب جاہ کا غالباً خطرہ بھی ان کے دل پر نہ گذرتا ہوگا اور ارباب قلوب کے لئے ان کی شخصیت اور باکمالات ہستی مقناطیس کا اثر رکھتی تھی۔

راقم الحروف جب مدرسہ عربیہ اسلامیہ کے بالکل ابتدائی دور میں غیر آباد مسجد کے گوشے میں درس صحیح بخاری دیا کرتا تھا تو مرحوم بارہا آتے اور درس میں بیٹھا کرتے تھے، اس زمانہ میں سوء اتفاق سے کوئی تعارف وتعلق نہ ہوسکا، عرصہ دراز کے بعد ایک دن تعارف کرایا اور درس صحیح بخاری میں تشریف لانے کا ذکر فرمایا، گویا اس طرح

راقم کا امتحان لیا گیا اور الحمد للہ کہ اپنے شیخ محترم کی جوتیوں کے صدقے اللہ تعالیٰ نے رسوا نہیں فرمایا۔

الغرض دور حاضر کے علماء کے امراض سے بالکل مبرا تھے اور علمی امراض بحث وجدال ومراء وریاء سے بالاتر تھے، دو تین ماہ سے علیل تھے، ملتان کے نشتر ہسپتال میں زیر علاج رہے اور اپنے آبائی وطن گمانی میں واصل بحق ہوئے اور طاہروالی میں مدفون ہوئے۔ افسوس وصد افسوس کہ گلستان وفضل کے یہ بار آور پودے اکھڑ رہے ہیں اور نئے پودے لگ نہیں رہے ہیں، اس طرح سفینۂ علم کے یہ ملاح تیزی سے سفر آخرت پر جارہے ہیں یہ گلستان اجڑ رہا ہے اور ایسا محسوس ہو رہا ہے کہ:

”اتخذ الناس رؤوسا جهالا فأفتو ابغير علم فضلّو وأضلّوا“

کا زمانہ تیزی سے آرہا ہے، إنا لله وإنا إليه راجعون۔

مولانا عبدالعزیز ساہیوال والے رحمۃ اللہ علیہ

افسوس کہ اسی ماہ میں مولانا گمانی کے بعد مولانا عبدالعزیز صاحب ساہیوال والے انتقال فرماگئے، مرحوم حضرت مولانا احمد علی لاہوریؒ کے خلیفہ مجاز تھے، تبلیغی سرگرمیوں سے بھی تعلق تھا، حضرت مولانا الیاسؒ کے تبلیغی قافلوں میں ایک سال کا وقت گذارا اور انہی قافلوں میں انگلستان کا سفر بھی کیا تھا۔

فرحمه الله رحمة واسعة و أفاض عليه من شآبيب رحمته و رضوانه.

مولانا عبدالجبار ابوہرمنڈی والے رحمۃ اللہ علیہ

اسی ماہ میں ایک اور مخلص عالم مولانا عبدالجبار ابوہرمنڈی والے سفر آخرت پر چل بسے، مرحوم کو تعلیم بنات اور تربیت نسواں سے شغف تھا چنانچہ چشتیاں ضلع بہاولنگر میں لڑکیوں کی تعلیم وتربیت کی ایک باقاعدہ منظم درس گاہ قائم کی تھی، سینکڑوں لڑکیاں زیر تعلیم تھیں اور بعض لڑکیاں درس نظامی کی کتابیں بھی پڑھتی تھیں، ”من وراء حجاب“ ان کو تعلیم دی جاتی تھی، پھر اس درس گاہ کی ایک شاخ ملتان شہر میں قائم کی جو بہت کامیابی سے چل رہی ہے، اللہ تعالیٰ کی رحمتیں نازل ہوں ان نفوس طاہرہ پر جنہوں نے اپنی زندگیاں دینی تعلیم، دینی تبلیغ، دینی تربیت کے لئے وقف کیں۔

افسوس کہ علمی بستیاں اجڑ رہی ہیں اور ان کا ماتم کرنے والا بھی کوئی نہ رہا۔

إنّا لله وإنّا إليه راجعون فرضى الله عنه و أرضاه وجعل الجنة متقلبه ومثواه.

[جمادی الاولیٰ ۱۳۹۲ھ، جولائی ۱۹۷۲ء]

سید جلیل الرحمن دہلوی رحمۃ اللہ علیہ

۲۰ ربیع الآخر ۱۳۹۲ھ ۳ جون ۱۹۷۲ء یوم شنبہ بوقت عصر حرکت قلب بند ہونے سے ہماری مجلس احباب کے ایک مخلص رکن سید جلیل الرحمن ہم سے جدا ہو گئے، إنّا للہ۔ موصوف دہلی کے مشہور سادات خاندان کے چشم و چراغ تھے، شہرۂ آفاق مطبع مجتبائی دہلی کے مالک سید عبدالاحد صاحب مرحوم کے پوتے تھے، اپنے اسلاف کی طرح کریم النفس، شریف الطبع، باوقار، سنجیدہ، مہمان نواز تھے، خوش پوش، خوش خوراک، خوش رو تھے، عبادت گذار، ذکر و شغل کے پابند، قابل رشک خشوع سے نماز پڑھنے والے تھے، حضرت حکیم الامت قدس سرہ سے بیعت اور براہ راست فیض یافتہ تھے، اس قحط الرجال کے دور میں ایسے بااخلاق کریم الخصال مخلص کی جدائی سے جتنا بھی صدمہ ہو کم ہے، مرحوم کی اہلیہ ۶ ماہ قبل داغ مفارقت دے چکی تھیں جس سے باوجود صبر واستقامت کے ان کا دل ہل چکا تھا اور یہی قلبی صدمہ جان لیوا ثابت ہوا، مرحوم کو دل کا دورہ ہوا تو اسی وقت راقم الحروف کو یاد کیا، چھوٹے صاحبزادے فوراً لینے کے لئے پہنچے، میں نماز عصر میں تھا، جب فارغ ہو کر وہاں پہنچا تو روح پرواز کر چکی تھی، حق تعالیٰ ان کی روح کو اپنی مغفرت و رحمت کی دولت سے مالا مال فرمائے اور پسماندگان اور احباب و اقرباء کو صبر جمیل سے نوازے۔

افسوس کہ دو تین ماہ سے مسلسل بصائر وعبر کے صفحات ماتم سرائی کے لئے وقف ہو گئے ہیں بلکہ سچ پوچھئے تو ایک عرصہ سے بینات کے ''بصائر وعبر'' ماتم ہی ماتم میں مشغول ہیں، کبھی ملک وملت کی نوحہ خوانی کی جارہی ہے، کبھی ملک وملت کے افراد کی جدائی کی مرثیہ خوانی ہو رہی ہے، کبھی پاکستان کا مرثیہ، کبھی پاکستانیوں کا مرثیہ، گویا ایسا محسوس ہوتا ہے کہ سارا جہاں حزن وملال کی داستان بن گیا ہے، باغ و بہار کا دور ختم ہوا اور اب خزاں کا موسم ہے، قصہ پارینہ کے بجائے آج عہد نو سے سینے کے داغ تازہ ہیں، ''قدس'' ہو کہ ''سویز''، ''عراق'' ہو یا ''شام''، پاکستان ہو یا عربستان ہر طرف ماتم ہی ماتم ہے، گویا جہاں تمام ماتم کدہ بن گیا ہے، کسی نے خوب کہا ہے:

یہ سرائے دہر مسافرو! بخدا کسی کا مکاں نہیں
جو یہاں مقیم تھے کل کے دن کہیں آج ان کا نشاں نہیں

یہ سرائے دہر قیام ہے یہ روا روی کا مقام ہے
جسے یہ خیال ہے خام ہے جو ثبات چاہو تو یاں نہیں

یہ مدام موسم گل کہاں کرے کوئی کیا گلۂ خزاں
یہ ستم ہے گردش آسماں بچے اس سے پیر و جواں نہیں

یہ ہر ایک قبر پہ بے کسی بزبان حال ہے کہہ رہی

تمہیں آنکھ چاہیے غافلو! مجھے احتیاج بیاں نہیں
جو مثال طوطے خوش بیاں دم گفتگو تھے گہر فشاں
وہ پڑے ہیں ایسے خموش یاں کہ دہن میں گو یا زباں نہیں
یہ جہاں خلیل ہے بے بقا نہیں یاں بھروسہ حیات کا
وہ ہے کون باغ جہاں میں گل چلی جس پہ بادخزاں نہیں

[اگست ۱۹۷۲ء۔ جمادی الثانیہ ۱۳۹۲ھ]

مولانا قاضی عبد الرب رحمۃ اللہ علیہ

افسوس کہ ماہ جمادی الاولیٰ ۱۳۹۲ھ اواخر جون ۱۹۷۲ء میں ہمارے ایک مخلص صالح عالم جناب قاضی عبد الرب صاحب کا انتقال ہوا، موصوف زیارت کا کا صاحب علیہ الرحمۃ تحصیل نوشہرہ ضلع پشاور کے باشندے تھے، کریم النفس، سنجیدہ، باوقار اور تعلق و محبت میں نہایت وفادار بزرگ تھے، مزاج میں سادگی مسکنت اور تواضع تھی، معمولات کے نہایت پابند تھے، زندگی میں قانع تھے، ضیق النفس کے مرض میں عرصہ سے مبتلا تھے، مرض سے پہلے باوجود معمر ہونے کے جوان ہمت تھے، غالباً ۸۵ ربرس کی عمر پائی، پشاور میں وفات ہوئی اور اپنے آبائی گاؤں زیارت کا کا صاحب علیہ الرحمۃ میں حضرت کا کا صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے جوار میں مدفون ہوئے، حق تعالیٰ درجات عالیہ جنت الفردوس میں نصیب فرمائے آمین۔

مولانا حافظ حبیب اللہ لاہوری رحمۃ اللہ علیہ

ماہ جمادی الاخری ۱۳۹۲ھ میں مولانا حافظ حبیب اللہ صاحب کی جو عارف باللہ حضرت مولانا احمد علی صاحب لاہوریؒ کے بڑے صاحبزادے تھے، مکہ مکرمہ میں وفات ہوئی، حرمین شریفین کے مہاجر تھے، دارالعلوم دیوبند سے فراغت حاصل کی، اور حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی رحمہ اللہ کے چشمہ فیض سے سیراب ہوئے، غالباً تیس سال سے حرمین میں مقیم تھے، زیادہ تر مدینہ طیبہ میں اقامت رہی، ابتداء مدرسہ علوم شرعیہ میں حسبۃ للہ تدریس کی خدمت بھی انجام دیتے رہے، چند سال جامع ترمذی بھی پڑھائی، آخر میں حرم مدینہ میں تفسیر ابن کثیر پڑھایا کرتے تھے، زندگی کے آخری چند سال مکہ مکرمہ میں بسر کیے، عابد و زاہد اور دنیا کی راحتوں سے بے نیاز تھے، نہایت خاموشی اور گمنامی کے ساتھ حرمین شریفین کی زندگی بسر کی اور حرمین شریفین کی برکات سے مالا مال ہوئے، جنت المعلیٰ کے پرانوار مقبرہ میں حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی قدس سرہ کے پہلو میں سپرد خاک ہوئے، حق تعالیٰ کی ہزاروں ہزار رحمتیں ان کی قبر اور جسد مبارک پر ہوں، آمین۔

مولانا عبدالرحیم اشرفی رحمۃ اللہ علیہ

نہایت رنج وافسوس کے ساتھ یہ خبر درج کی جاتی ہے کہ ہمارے قابل قدر بزرگ اور حضرت تھانوی رحمہ اللہ کے خلیفہ مولانا مفتی محمد حسن صاحب مرحوم کے نوجوان ونوعمر صاحبزادے مولانا عبدالرحیم صاحب بعارضہ قلب پرسوں بروز چہارشنبہ ۵ رجب ۱۳۹۲ھ رخصت ہوگئے: إنا لله وإنا اليه راجعون.

مرحوم نہایت خوش مزاج، خوش اخلاق، جوان صالح تھے حق تعالیٰ بال بال مغفرت فرمائے اور پس ماندگان اخوان کرام کو صبر جمیل اور اجر جزیل سے نوازے، آمین۔

[شعبان المعظم ۱۳۹۲ھ - اکتوبر ۱۹۷۲ء]

حاجی ابراہیم میاں سملکی رحمۃ اللہ علیہ

ہمارے ایک محترم اور معزز بزرگ جناب حاجی ابراہیم میاں صاحب سملکی (ضلع سورت) ۲۹ رذی الحجہ ۱۳۹۲ھ یوم شنبہ کو اس دار فانی سے رخصت ہوگئے، اناللہ وانا الیہ راجعون، مرحوم سملک ڈابھیل کے ایک خدا رسیدہ عابد وزاہد عمر رسیدہ بزرگ تھے، حضرت الاستاذ امام العصر مولانا محمد انور شاہ رحمہ اللہ کے عاشق اور سچے جاں نثار تھے، جب تک حضرت شاہ صاحبؒ زندہ تھے روزانہ بلاناغہ ان کی صحبت سے مستفید ہوتے رہے، بڑی قناعت کی زندگی بسر کی، ابتدائی دور میں سملک وڈابھیل کا جو قافلہ جنوبی افریقہ پہنچا تھا موصوف اپنے چند برادران حقیقی کے ساتھ اس قافلہ کے ایک مسافر تھے، کاروبار تجارت شرکت سے شروع کیا، لیکن بہت جلد مرحوم واپس آگئے، کچھ عرصہ بعد کمپنی کو نفع ہوا اور مرحوم کا حصہ مرحوم کو بھیجا، مگر لینے سے انکار کیا اور فرمایا کہ میرا نام کمپنی سے خارج کردیا جائے، مجھے یہاں اپنی زمینداری کی معیشت کافی ہے، آخر عمر تک اسی پر گذارہ کیا، مرحوم ہمارے کرم فرما مخلص احباب جناب حافظ عبدالرحمن میاں اور مولانا عبدالحق میاں اور مولانا حافظ محمد شفیع میاں کے والد محترم تھے، اول الذکر جنوبی افریقہ میں قابل قدر دینی خدمات انجام دے رہے ہیں، اور میاں عبدالحق صاحب تمام گجرات میں دینی مدارس، تعلیم مساجد اور دینی اداروں کی قابل قدر خدمات میں نہ صرف مشغول ہیں بلکہ منہمک ہیں، یہ سب کچھ حضرت حاجی صاحب مرحوم کی توجہات اور حسن تربیت کا نتیجہ ہے، حافظ عبدالرحمن میاں تجارت میں مشغول تھے، ان کو حکم دے کر تجارت سے نکالا اور دینی خدمت میں لگادیا، ان کے مبارک ہاتھوں سے بفضلہ تعالیٰ اچھے اچھے کام انجام پذیر ہوئے، راقم الحروف کی تالیف معارف السنن کی طباعت کا سہرا موصوف کے سر پر ہے، خدا کا شکر کہ:

ایں خانہ ہمہ آفتاب است

اسی خاندان کے ایک فرد مولانا محمد بن موسیٰ میاں رحمہا اللہ نے "المجلس العلمی" کی بنیاد ڈالی ہے، جس نے تیس چالیس سال کے عرصہ میں علم حدیث اور علوم نبوت کی قابل قدر خدمات انجام دیں، "نصب

الراية في تخريج أحاديث الهداية "چار ضخیم جلدوں میں اور "فیض الباری شرح صحیح البخاری" چار ضخیم مجلدات میں اسی مجلس علمی کا کارنامہ ہے، اورحال ہی میں حدیث نبوی کی قدیم ترین اور علمی اور اعلیٰ ترین کتاب امام حدیث عبدالرزاق بن ہمام صنعانی المتوفی ۲۱۱ھ کی کتاب "المصنف" گیارہ ضخیم جلدوں میں چار لاکھ روپیہ کے صرف سے بیروت میں طبع کرائی:

ایں کار از تو آید و مرداں چنیں کنند

اس کتاب کے تعارف کے لئے ان شاء اللہ تعالیٰ مستقل مقالہ لکھا جائے گا، امام حدیث عبدالرزاق امام ابو یوسفؒ کے شاگرد اور امام احمد بن حنبلؒ کے استاذ اور امام بخاریؒ کے استاذ الاستاذ ہیں — رحمهم الله جميعا — یہ کتاب آج پہلی مرتبہ وفات مصنف کے تقریبا بارہ سو سال بعد زیور طبع سے آراستہ ہوئی، کاغذ اس کے لئے جس اعلیٰ ترین معیار کا چاہا بیروت میں نہیں ملا، لندن سے خریدا گیا، آج تک اس معیار طباعت و اعلیٰ ترین کاغذ پر حدیث وتفسیر کی کوئی کتاب مصر و بیروت یا یورپ میں طبع نہیں ہوئی:

ایں سعادت بزور بازو نیست
تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

بہر حال اس باتوفیق خاندان نے دین کی بڑی قابل قدر خدمت کی اور ملوک وسلاطین جو کام انجام نہ دے سکے اس خاندان کے افراد نے انجام دیے، حق تعالیٰ ان خدمتوں کو قبول فرمائے اور ان کے لئے ذخیرہ آخرت فرمائے، حضرت حاجی ابراہیم میاں مرحوم اس خاندان کے بزرگ تھے۔

غفر الله له ورحمه ورضي عنه وارضاه وجعل الجنة متقلبه ومثواه، آمين يارب العالمين وصلى الله على سيدنا خاتم النبيين محمد وآله وصحبه أجمعين.

[صفر المظفر ۱۳۹۳ھ - اپریل ۱۹۷۳ء]

آغا عثمان جان مجددی رحمۃ اللہ علیہ

افسوس کہ غیر حاضری کے اس مختصر عرصے میں چند بابرکت ہستیاں ہم سے جدا ہوگئیں، صدر المشائخ آغا عثمان جان مجددی واصل بحق ہوئے جو حضرت نور المشائخ مولانا فضل عمر مجددی فاروقی رحمۃ اللہ علیہ کے بڑے صاحبزادے تھے اور حضرت مولانا محمد صادق مجددی مدنی کے بھتیجے تھے اور جناب ضیاء المشائخ مولانا محمد ابراہیم جان المجددی العمری کابلی کے بڑے بھائی تھے، عرصہ سے لاہور میں مقیم تھے یہیں انتقال ہوا۔

مولانا لال حسین اختر رحمۃ اللہ علیہ

جمادی الاولی ۱۳۹۳ھ کو جناب مولانا لال حسین اختر امیر مجلس تحفظ ختم نبوت کا انتقال ہوا، مرحوم نے نوعمری میں ہی مرزائیت سے تائب ہوکر اپنی تمام تر صلاحیتیں ردمرزائیت میں نہایت اخلاص واستقلال سے صرف کیں، انگریزی، عربی، اردو تینوں زبانوں میں نہ صرف پاکستان میں بلکہ یورپ اور اسٹریلیا میں بھی بے نظیر خدمتیں انجام دیں اور مرزائیت وعیسائیت کی بیخ کنی میں کوئی کسر نہیں چھوڑی، اکابر کی دعاؤں نے ان کی خدمات میں مزید رنگ قبولیت عطا فرمادیا تھا۔

مولانا پیر خورشید احمد ہمدانی رحمۃ اللہ علیہ

جمادی الاولی ۱۳۹۳ھ کو مولانا پیر خورشید احمد رحمہ اللہ کا وصال ہوا، مرحوم کی عمر سو سال سے متجاوز بتلائی جاتی تھی، حضرت شیخ المشائخ شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندی اسیر مالٹا رحمۃ اللہ علیہ کے دست مبارک پر بیعت کا شرف حاصل کرچکے تھے، اجازت وخلافت جانشین شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی علیہ الرحمہ سے حاصل تھی، مرحوم نہایت سادے، متواضع، صاحب استقامت بزرگ تھے، جب کراچی تشریف لاتے تو مدرسہ اسلامیہ ہی کو شرف قیام نصیب ہوتا تھا۔

حافظ ابوالحسن پشاوری رحمۃ اللہ علیہ

مکہ مکرمہ میں حافظ حاجی ابوالحسن پشاوری مہاجر مکی جنہوں نے چالیس سال کا طویل عرصۂ ہجرت نہایت اخلاص کے ساتھ عبادت اور تقوی میں گذارا تھا جمعہ کے دن ماہ ربیع الاول ۱۳۹۳ھ میں وفات پائی۔

حاجی حبیب احمد پاکولا والے رحمۃ اللہ علیہ

کراچی میں ہمارے محسن ومخلص دوست حاجی حبیب صاحب پاکولا والے بمرض سرطان رخصت ہوگئے، لندن بغرض علاج تشریف لے گئے تھے، واپسی پر عمرہ کا ارادہ رکھتے تھے، احرام کی چادریں ساتھ لے گئے، لیکن وہیں بعارضہ قلب وفات ہوئی، نعش کراچی لائی گئی اور میوہ شاہ کے قبرستان میں مدفون ہوگئے۔

اللهم اغفر لهم وارحمهم وعافهم واعف عنهم و أكرم نزلهم وأدخلهم الجنة، وقهم عذاب القبر و عذاب النار، وصلى الله على خير خلقه سيدنا محمد وآله وصحبه وصالحي عباده أجمعين إلى يوم الدين.

[جمادی الثانیہ ۱۳۹۳ھ - اگست ۱۹۷۳ء]

مولانا گل بادشاہ طوروی رحمۃ اللہ علیہ

افسوس کہ صوبہ سرحد کے ممتاز جید عالم، سیاسی مفکر مولانا گل بادشاہ صاحب طوروی طویل علالت کے بعد سہ شنبہ ۸ / جمادی الاخری ۱۳۹۳ھ ۱۰ / جولائی ۱۹۷۳ء کو داعی اجل کو لبیک کہہ گئے، انا للہ وانا الیہ راجعون۔ مرحوم سنجیدہ، باوقار پختہ عالم تھے، پشتو زبان کے خطیب و مقرر تھے، زندگی کا اکثر حصہ صوبہ سرحد کی سیاسی خدمات میں گذارا، برطانوی دور حکومت میں مسلسل سات برس اسارت کی زندگی گذاری اس طویل عرصہ میں گونا گوں مصائب و حوادث ان پر گذرے ان کو صابرًا محتسبا برداشت کیا اور ان کے پائے استقامت میں ذرا بھی لغزش نہیں آئی، تمام زندگی ان کی ابتلاء اور پریشانیوں میں گذری کیا مجال ہے کہ کبھی حرف شکایت زبان پر آیا ہو، ہر ابتلاء کو خندہ پیشانی سے برداشت کیا، مرحوم دارالعلوم دیوبند کے عمدہ فاضل تھے، حضرت مولانا سید حسین احمد صاحب مدنی قدس اللہ سرہ کے اجل تلامذہ میں سے تھے اور ان سے ظاہرًا و باطنًا قلبًا و قالبًا وابستہ تھے، ابتداء سے مزاج سیاسی پایا تھا لیکن علمی ذوق و شناسائی سے کافی بہرہ ور تھے، ابتدا سے جمعیت علماء ہند سے وابستہ تھے، پاکستان بننے کے بعد حضرت مدنی رحمہ اللہ سے استفسار کیا کہ اب ہمیں کس انداز سے کام کرنا چاہئے فرمایا کہ ''پاکستان کے وفادار رہ کر دینی وسیاسی خدمت جس طرح ملکی مصالح کا تقاضا ہو کرنی چاہیے''، اسی نصیحت پر قائم رہے اور صدر جمعیت علماء ہند سرحد سے لے کر آخر تک امیر جمعیت علماء اسلام سرحد رہے، اسلام کے وفادار سپاہی اور سیاسی مجاہد، پاکستان کے سیاسی خادم، زندہ دماغ، حساس دل، مفکر مزاج، دردمند طبیعت، جفاکش، بے لوث خادم، نڈر عالم تھے، اردو کے اچھے مقرر، پشتو کے عمدہ ادیب تھے، خطابت میں سنجیدگی، معلومات پر مغز تھے۔

افسوس کہ اس دور میں ایسے باخدا عالم مخلص جاں نثار، جفاکش جری بہادر سپاہی بہت کم ہیں بلکہ کبریت احمر سے کم نہیں ہیں، مرحوم ۶۰ رسال کی عمر میں رخصت ہو گئے اور دنیا کی راحتوں سے میں کوئی بھی حصہ حاصل نہیں کیا، مرحوم پر حق تعالیٰ کے ہزاروں ہزار رحمتیں ہوں ان کی لغزشیں معاف ہوں، ان کے درجات بلند ہوں، جنت کی فراواں نعمتیں نصیب ہوں، آمین۔

اللّٰهم اغفر له وارحمه وعافه واعف عنه واكرم نزله ووسّع مدخله وارزقه دارًا خيرًا من داره واهلًا خيرًا من اهله وجارًا خيرًا من جاره، وقه عذاب القبر وعذاب النار وادخله الجنة مع الابرار۔

[رجب و شعبان ۱۳۹۳ھ / ستمبر و اکتوبر ۱۹۷۳ء]

مولانا عبدالحق نافع رحمۃ اللہ علیہ

﴿كل من عليها فان و يبقى وجه ربك ذوالجلال والاكرام﴾

آہ! دور حاضر کے ایک گمنام محقق حضرت مولانا عبدالحق نافع ہم سے ہمیشہ کے لئے جدا ہو گئے۔ اناللہ وانا الیہ راجعون۔علوم عقلیہ کے ماہر ہی نہیں بلکہ ناقد،علوم نقلیہ کے صاحب بصیرت فاضل،عصر حاضر کے ذکی ترین عالم،نکتہ سنج،نکتہ شناس،دقیقہ رس،شعر وادب کے صاحب ذوق،ہیئت وریاضی کے امام ہم سے جدا ہو گئے،اناللہ۔ علمی مشکلات کے صاحب فہم وبصیرت،مسائل دقیقہ علمیہ کی سہل تعبیر پر قادر ترین فاضل،یگانہ روزگار ہم سے رخصت ہو گئے،اناللہ۔

بلاشبہ اسلام کے ہر دور میں علم وتحقیق کے آفتاب وماہتاب چمکتے رہے اور اسلام کی زرخیز زمین میں کیسی کیسی ہستیاں پیدا ہوئیں،علوم ومعارف کے گلستانوں میں کیسے کیسے پھول کھلے،جن سے آج تک مشام عالم معطر ہے اور رہے گا،ملت محمدیہ کے ابر نیساں نے برس کر کیسے کیسے لعل وگہر پیدا کئے اور اس امت مسلمہ میں کیسی کیسی باکمال شخصیتیں ظہور میں آئیں،سراپا نور صحابہ وتابعین کا تو کیا کہنا،محدثین وفقہاء میں کیسی کیسی ہستیاں ظہور پذیر ہوئیں،محققین ومتکلمین میں کیسے کیسے بابرکت افراد نے دنیاء علم وتحقیق کو روشن کیا،ایک طرف اگر ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ،مالک رحمۃ اللہ علیہ،سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ،اوزاعی رحمۃ اللہ علیہ،شافعی رحمۃ اللہ علیہ نظر آتے ہیں تو دوسری طرف احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ،اسحاق بن راہویہؒ،ابن المدینیؒ،دارمیؒ،بخاریؒ،مسلمؒ،ابوداؤدؒ نگاہِ عالم کو خیرہ کئے ہوئے ہیں،اسی امت میں طحاویؒ،ابن جریرؒ،ابن المنذرؒ،جصاصؒ جیسی باکمال ہستیاں نقد حدیث میں داد تحقیق دے رہی ہیں،بیسیوں نہیں،سینکڑوں نہیں،ہزاروں اہل کمال سے امت محمدیہ کا دامن بھرا ہوا ہے،باقلانیؒ،غزالیؒ، ابن رشدؒ،ابن فورکؒ،ورازیؒ وشیرازیؒ رحمہم اللہ جیسے ماہرین علوم عقلیہ وائمہ موجود ہیں۔

دور نہ جایئے متحدہ ہندوستان کی سرزمین نے شاہ ولی اللہؒ،شاہ عبدالعزیزؒ،بحرالعلوم جیسے جامع کمالات اور علوم عقل ونقل کے ماہر پیدا کر کے دنیا کو حیرت میں ڈال دیا تھا،اس آخری دور میں دہلی،دیوبند،سہارنپور،گنگوہ، نانوتہ،بھون،میں کیسی کیسی ہستیاں ظہور میں آئیں،جن کی نظیر ڈھونڈنے سے بھی نہیں ملے گی،جن کے اخلاص وتقویٰ اور علوم نبوت میں کمال کو دیکھ کر قرن اول کا شبہ ہونے لگتا ہے،آج ان کے علوم وحقائق اور علمی خصائص وکمالات کو صحیح سمجھنے والا بھی کوئی باقی نہیں رہا لیکن ان حضرات کے کچھ علوم ان کے سینوں سے سفینوں میں منتقل ہو گئے ہیں جن کے ذریعہ امت کو استفادہ اور انتفاع کا موقع مل گیا۔

حضرت مولانا عبدالحق صاحب نافع اس دور کے ان علماء راسخین میں تھے جن کی دقت نظر،داد تحقیق، حسن ذوق کا بہت کم کسی کو علم ہوا،افسوس کہ ان کے علمی کمال کا کوئی حصہ بھی سینہ سے سفینہ میں منتقل نہیں ہوا۔اس علمی

وفکری کمالات کے ساتھ حق تعالی نے جن فطری کمالات سے نوازا تھا دور حاضر میں ان ملکات کا انفرادی طور پر بھی بہت کم کسی کو حصہ ملا، وہ حیا کے مجسم پیکر تھے، ان کا سرخ وسفید نورانی چہرہ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ جیسے لعل بدخشاں چمک رہا ہے، مجالس علم میں جب کبھی گفتگو ہوتو انتہائی سنجیدگی، بےعدل متانت ورزانت ووقار کے ساتھ خاموش بیٹھے رہتے تھے، جب ان کو مخاطب کیا جاتا تھا تب بحث میں حصہ لیتے تھے، اس دوران چہرے پر عالمانہ رعب ہمیشہ چھایا رہتا تھا، مجلس میں ان کے وجود سے ایسی رونق ہوتی تھی گویا میر مجلس وہی ہیں، لباس میں انتہائی سادگی کے باوجود ممتاز وضع کے مالک، کھدر پوشی کے باوجود دلکش حسن و جمال کے پیکر، صاحب جود وکرم، وقار وتمکنت میں یگانہ روزگار، صبر وتحمل میں بےنظیر، نفاست طبع ولطافت مزاج میں بےمثل، مزاح میں بھی وقار واعتدال کو ملحوظ رکھتے تھے، آواز میں شیرینی، تعبیرات میں دل کشی، طبیعت میں انتہائی استغناء، رفتار وگفتار میں جاذبیت، ارباب فضل وکمال کے قدرداں، محبت ومودت میں رقت طبع کے ساتھ سنجیدگی ووقار کے مالک، افسوس کہ ایسی جامع شخصیت مدت میں پیدا ہوتی ہے۔

فکر ودماغ کی حیثیت سے انتہائی فلسفی مزاج لیکن باوجود اس فلسفیت کے عقیدہ وعمل میں عالمانہ پختگی، دماغ میں عقل وبرھان کے نور کے ساتھ قلب میں وجدانی سکون کا اجتماع حیرت انگیز تھا، بیک وقت وہ فلسفی بھی اور مؤمن قانت بھی، حقائق ایمان میں وہ منطقی برھان سے زیادہ وجدانی ایقان واطمینان کے حامل تھے۔

ماہرین علوم وفنون سے استفادہ کے عاشق تھے جو شخصیت جس فن میں کمال رکھتی تھی اس سے فیض حاصل کرنے میں دریغ نہیں کرتے تھے۔ دہلی، دیوبند، میرٹھ، گلاوٹھی، رامپور، جہاں کہیں بھی کوئی صاحب کمال دیکھا وہاں تک پہنچے، یہاں تک کہ اپنے دور میں (چکیسر ضلع سوات) میں جب قاضی مبارک کے درس کے لئے گئے تو استاذ سے اس شرط پر درس قبول کیا کہ وہ قاضی مبارک کی تشریح کے دوران مجمل، مفصل، کندیا، حافظ یوسف دراز بھوپالی کے علاوہ جو کچھ ہو اس پر اکتفاء کریں، ان پانچ شروح سے کوئی حرف نہ کہیں، دور تحصیل میں کسی طالب علم کی کیا یہ حیثیت کسی نے سنی ہے؟ زندگی کا بڑا حصہ درس وتدریس میں گذارا، تمام علوم وفنون کی کتابیں پڑھائیں، طبیعت ایسی پائی تھی کہ واضح کی ایضاح اور بلا مقصد بلاضرورت تطویل سے گریز، حل مشکلات میں بقدر ضرورت پر اکتفاء کرتے تھے، اس لئے اذکیا طلبہ کو بےحد نفع ہوتا تھا اور اغبیاء محروم رہتے تھے، بنگال اور ہندوستان میں مختلف مقامات پر مدرس رہے، آخری دور دیوبند میں گذارا، دارالعلوم کے طبقہ علیا کے مدرس تھے، عقائد، جلالی، خیالی، شرح حکمت، شرح اشارات، شرح چغمنی، ابن کثیر زیادہ تر زیر درس رہیں۔

پاکستان کے وجود میں آنے کے بعد دارالعلوم دیوبند سے انقطاع ہوگیا کچھ عرصہ مظہرالعلوم کھڈہ کراچی میں شیخ الحدیث وصدر مدرس رہے، جب راقم الحروف نے کراچی میں درس گاہ کی بنیاد ڈالی تو کچھ عرصہ میرے رفیق کار رہے، درس بخاری صدر مدرس کا منصب ان کو حاصل تھا، ضعف وخانگی ضروریات کی وجہ سے ہم ان کی رفاقت

کی نعمت سے محروم رہے۔

افسوس کہ ان کی فوق العادہ ذکاوت، جامعیت علوم، مکارم اخلاق، فطری ملکات وکمالات کے باوجود ناقدرشناس دنیا نے ان کی قدر نہیں کی، جس قدر ومنزلت کے یہ نادرۂ روزگار مستحق تھے اتنی قدر ومنزلت نہ ہوسکی:

تو نظیری زفلک آمدہ بودی چو مسیح

بازپس رفتی وکس قدر تو نشاخت دریغ

مرحوم سے میرا تعلق تقریباً نصف صدی رہا، تحابب وتوادد کی اس منزل پر ہم پہنچے جس کی نظیر کم ملے گی، میں نے اپنے معاصرین اور حلقہ احباب اور اساتذہ میں باستثناء بعض حضرات ذکاوت طبع، دقت نظر، حسن ذوق، جامعیت مزاج میں ان کی نظیر نہیں دیکھی، میرے والد محترم حضرت مولانا سید محمد زکریا صاحب (مد ظلہم ودامت برکاتہم) فرماتے ہیں کہ ''مشکل سے مشکل مسائل کو آسان وسادہ تعبیر میں حل کرنے والا عالم ان جیسا نہیں دیکھا''۔

افسوس کہ علم وفضل کا یہ گوہر آبدار دنیا سے رخصت ہوگیا، میرے نصف قصائد کا موضوع ان کی ذات رہی ہے جو قلم ان کو مخاطب کر کے یہ لکھتا تھا:

اتانی منك یا فرد الزمان

کتاب لفظه عقد الجمان

یا یہ لکھتا تھا:

بلغت الغاية القصوى مرادًا

وان تطلب تجد مجدًا سواها

آج وہ اشکبار آنکھوں سے غم گساری میں یہ چند حروف سپرد قلم کر رہا ہے، مرحوم کی ولادت ۱۳۱۳ھ میں ہوئی، ٹھیک اسی (۸۰) برس کی عمر میں بتاریخ ۱۳ ر ذی الحجہ ۱۳۹۳ھ مطابق ۸ ر جنوری ۱۹۷۳ء میں داعی اجل کو لبیک کہا، علالت کا سلسلہ ایک سال سے جاری تھا، میرا ایک تار مرحوم کی حالت معلوم کرنے کے سلسلہ میں گیا، جب ان کو علم ہوا تو جاہلی شاعر کا یہ شعر پڑھا:

سئمت تكاليف الحياة ومن يعش

ثمانين حولا لا ابالك يسأم

یعنی زندگی کی تکالیف سے تنگ آ گیا ہوں اور جو اسی (۸۰) سال زندہ رہے ضرور زندگی سے اکتا جائے گا۔

اور فرمایا کہ ''تسلی کا جواب دو''۔

ادبی ذوق عجیب وغریب تھا کہ ایک دفعہ چار سال قبل میں مکہ مکرمہ میں تھا، مکتوب ملا، اس وقت بعض احباب کے ساتھ موٹر میں میدان عرفات، وقوف عرفات سے دو دن قبل جا رہا تھا، ڈاک راستہ میں ملی، خط راستہ میں

نہیں کھولا، جب جبل الرحمت پہنچے تو لفافہ کھولا، عربی میں رقت انگیز مکتوب تھا، سرنامہ عربی کا ایک شعر تھا:

انا محیوك یا سلمیٰ فحیینا
واذا سقیت کرام الناس فاسقینا

یہ شعر پڑھتے ہی سب پر بکاء کی کیفیت طاری ہوگئی اور اس رقت انگیز طرز تعبیر نے نہ صرف مجھ پر بلکہ سب پر رقت طاری کردی۔

افسوس کہ میری غیر موجودگی میں ان کا حادثۂ وفات پیش آیا میں نے سرزمین مقدس مجاز مکہ مکرمہ میں ۴؍ذی الحجہ ۱۳۹۳ھ جمعہ کی نصف شب کو خواب دیکھا کہ مرحوم وفات پاچکے خواب صریح تھا اور امارات وقرائن بھی اس کے موید تھے۔ اس لئے مقامات مقدسہ اور اوقات قبول دعا میں بجائے صحت وعافیت کے مغفرت اور ترقی درجات کی دعائیں کرتا رہا لیکن کسی ذریعہ سے کوئی اطلاع نہ مل سکی۔ تردد ہوا کہ شاید خواب صریح نہ ہو یا کچھ اور تعبیر ہو تو دوبارہ خواب دیکھا کہ خواب سچا ہے۔

میری ایک لڑکی نے جو حج میں ساتھ تھی تین مرتبہ ماہ ذی الحجہ میں ان کی وفات کے خواب دیکھے تھے بعد میں معلوم ہوا کہ واقعہ صحیح تھا البتہ حادثہ وفات بتاریخ ۱۳؍ذی الحجہ میں حج کے بعد وقوع میں آیا۔

صد افسوس کہ نہ آخری لمحات حیات میں ملاقات ہوسکی، نہ جنازہ میں شرکت نصیب ہوئی اب مزار مبارک پر حاضری ہوگی:

بجنازہ گر نہ آئی بمزار خواہی آمد

والد محترم نے نام عبدالحق رکھا تھا والدہ نے نافع گل، حضرت مولانا شیخ الہند رحمہ اللہ کا حکم تھا کہ اس کو عبدالحق کہا کریں، اگر کوئی نافع گل کہتا ایک آنہ جرمانہ کرتے تھے، آخر میں راقم الحروف مرحوم کو عبدالحق نافع لکھا کرتا تھا اور یہی عام ہوگیا۔

حق تعالیٰ سے دعا ہے کہ ان کے مزار پُرانوار کو نور سے بھر دے اور ابر کرم کی بارش سے رحمت ورضوان کی نہریں جاری فرمادے۔ بال بال مغفرت ہو۔ اعلیٰ علیین میں مسکن ہو، بے حساب وبے کتاب جنت الفردوس نصیب ہو، آمین۔

حزینہ

علیك سلام الله یاروح نافع و رحمته ماشاء ان یترحما
تحیة حب حین یشجوفواده واضحی بحال کاد ان یتحطما

تحیه قلب هائم متألم و یرجو من الله الرحیم ترحما
رحیم رؤف بالعباد غیاثهم یجود بعفو منة و تکرما
رزیة علم ثم فضل مصیبة تفوق رزایا الدهر حقا محتما
رثاء فقید العلم ثم خل رزیه تقطع قلبا هائما و متیما
فیارب انزل من سحائب رحمة علی قبره ماکان أغزر أدوما

[محرم الحرام ۱۳۹۴ھ]

مولانا عبدالمنان میواتی دہلوی رحمۃ اللہ علیہ

ان عشت تفجع بالاحبة کلهم
وبقاء نفسك لا ابا لك افجع

حضرت مولانا عبدالحق صاحب نافع کی وفات کی خبر سے دل کا زخم ابھی تازہ تھا کہ برادر محترم مولانا عبد المنان صاحب میواتی دہلوی کی وفات حسرت آیات کی خبر سنی، مرحوم یوم سہ شنبہ ۲۷/ذی الحجہ ۹۳ھ ۲۲/جنوری ۷۴ء کی شام کو دہلی میں واصل بحق ہوئے، انا لله وانا الیه راجعون.

مرحوم سراپا اخلاص اور سراپا سوز و گداز تھے، جید عالم تھے عربی اور اردو کے بے مثل فطری شاعر تھے، عربی شعر گوئی میں اس دور میں متحدہ ہندوستان میں ان کی نظیر نہیں تھی، اشعار میں روانی، زبان دانی، اسلامی قدیم دور کے شعراء کی یاد تازہ کرتی تھی۔ حافظہ بے عدیل تھا جو قصیدہ لکھا سالہا سال تک یاد رہتا تھا، سنانے کا طرز بھی بے عدیل تھا جس وقت شعر سنانے بیٹھتے ایک ایسا وجد و بے خودی طاری ہوتی تھی کہ سراپا جذب و سراپا وجد بن جاتے تھے، سوز و گداز کے باوجود باغ و بہار تھے، ان کی مجلس عجیب پر لطف ہوتی تھی، بزرگوں سے عقیدت، بزرگوں کی خدمت اور بزرگوں کی دعاؤں کی برکت نے ان کی ساخت کو عجیب بنا دیا تھا، وہ بیک وقت شاعر بھی تھے صالح عالم بھی تھے، اور باخدا بھی تھے دلوں کو تڑپانے والے بھی تھے، راتوں کو اٹھ اٹھ کر رویا کرتے تھے، اور آخری عمر تک سلسلہ چشتیہ کا ذکر بالجہر بارہ تسبیح کا ورد پابندی سے کیا کرتے تھے، ذکر کرتے وقت ان کی دردناک آواز اندرونی سوز و گداز کی غمازی کیا کرتی تھی، جب پاکستان آتے اور مدرسہ عربیہ اسلامیہ میں وارد ہوتے تو مدرسہ میں آپ کی تشریف آوری سے عجیب رونق آجاتی تھی، مکہ المکرمہ میں موسم حج میں کچھ دن ان کی معیت و صحبت نصیب ہوئی ان کے کمالات خوب کھلے۔

دہلی کے ایک خط سے معلوم ہوا کہ وفات سے کچھ ماہ قبل اپنی وفات کا احساس ہوگیا تھا گویا وہ ہر وقت منتظر رہتے تھے اور بار بار یہ اظہار کیا کہ تین حج کی دعا کی تھی قبول ہوگئی اب سفر آخرت قریب ہے۔ افسوس کہ یہ بلبل

خوشنوا جو ہر مجلس میں چہکتی تھی اب خاموش ہوگئی اور سوز و گداز کے وہ نغمے جو ہر مجلس کو گرماتے تھے آج ختم ہو گئے۔

اللّٰھم اغفر له وارحمه وعا فه واعف عنه واکرم نزله ووسع مدخله وادخله الجنة واعذه من عذاب القبر ومن عذاب النار.

حاجی علی محمد موسیٰ رحمۃ اللہ علیہ

پرسوں چہارشنبہ کے دن بلکہ جمعرات کی رات مغرب کے بعد ۵ر صفر ۹۴ھ، ۲۷ر فروری ۷۴ء ہمارے مخلص دوست سابق اسلامک اسٹیم شپنگ کمپنی کے اسپیشل ڈائرکٹر حاجی علی محمد موسیٰ کی اچانک وفات کا حادثہ پیش آیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ مرحوم کراچی و سندھ کے قدیم باشندے تھے ان کے اخلاص، تواضع، مسکنت اہل اللہ، صالحین اور علماء دین سے ان کی محبت دیکھ کر یہ یقین ہی نہیں ہوسکتا تھا کہ یہ اس صدی کا شخص ہے بلکہ محسوس ہوتا تھا کہ کوئی قدیم باقی ماندہ روح ان میں جلوہ گر ہے، سراپا اخلاص، سراپا مسکنت و تواضع، فیض رساں خدمت خلق کا دلدادہ جس کی نظیر اس دور میں بہت کم ملے گی۔ ''پان اسلامک کمپنی'' قائم ہونے سے پہلے یہ خاندان کراچی میں حجاج کرام کی خدمت کے لئے وقف تھا لیکن اس بحری کمپنی سے تعلق کے بعد حق تعالیٰ نے حجاج کرام اور علماء عظام اور حج و عمرہ پر جانے والے عام لوگ خصوصاً علماء یا ان کے احباب کے لئے وہ خدمات ان سے لیں جن کا تصور بھی اس دور میں مشکل ہے، اور حق تعالیٰ کے فضل و کرم سے یہی امید ہے کہ ان کے یہی اعمال آخرت کے لئے سب سے زیادہ مفید ذخیرہ بھی ہوگا۔ وفات کے بعد ان کے چہرے سے گویا نور کے شعلے نکلتے دیکھے، اور لب پر تبسم کا منظر عجیب تھا، الحمد للہ کہ ان کی مغفرت اور ترقی درجات کی بہت کھلی علامات تھیں، حق تعالیٰ کی ہزاروں ہزار رحمتیں ان پر ہوں اور جنت الفردوس کی بشارت سے سرفرازی نصیب ہو:

خدا رحمت کند ایں عاشقان پاک طینت را

علماء و احباب و مخلصین کے قافلے آخرت کی طرف بہت سرعت سے جا رہے ہیں نہ معلوم اس مرثیہ خواں قلم کی باری کب آتی ہے؟

اللّٰھم اختم لنا بخیر واجعل خیر اعمارنا آخرها

[صفر المظفر ۱۳۹۴ھ / مارچ ۱۹۷۴ء]

الشیخ محمد ابوزہرہ مصری رحمۃ اللہ علیہ

افسوس کہ مصر کے مایۂ ناز محقق عالم الشیخ محمد ابوزہرہ گذشتہ شنبہ ۱۳/اپریل ۱۹۷۴ھ ۱۹/ربیع الاول ۱۳۹۴ھ کو واصل بحق ہوئے، انا للہ الیہ راجعون۔

موصوف دور حاضر کے ممتاز عالم، بے نظیر مصنف، حیرت انگیز خطیب تھے، ائمہ اربعہ اور چند افراد امت پر ان کی تصانیف ان کے علمی شاہکار ہیں، تصنیفی اسلوب میں نقد و تحلیل اور بحث و تحقیق کے امام تھے وہ مسلکاً حنفی تھے لیکن بعض مسائل میں وہ اپنے خیال میں دلیل و حجت کے تابع تھے، موصوف سے پہلی مرتبہ اس وقت ملاقات ہوئی تھی جب لاہور میں ۵۸ء میں ''کلوکیم'' ہوا تھا تو وہ کراچی آئے تھے، مدرسہ عربیہ اسلامیہ میں بھی تشریف لائے تھے پھر ''کلوکیم'' میں ان کی تقریروں کے سننے کا موقع ملا تھا، غلام احمد پرویز اور عبدالحکیم ادارہ ثقافت والے پر ان کی تنقید و تقریر قابل قدر تھی بعد میں "مجمع البحوث الاسلامیة" کی کانفرنسوں میں موصوف کو قریب سے دیکھنے کا موقع ملا اور ان کی علمی خصوصیات کے جوہر کھلے وہ بیک وقت بہترین ادیب و کاتب بھی تھے اور اعلیٰ ترین خطیب بھی تھے، حافظہ بے نظیر تھا جو لکھا سب یاد ہوتا تھا "مجمع البحوث الاسلامیة" میں جب بھی کسی موضوع پر سینکڑوں صفحات کا مقالہ تیار فرمایا تو کھڑے ہو کر خود سناتے تھے، اکثر حافظے سے سناتے تھے گویا تقریر کر رہے ہیں، عقیدہ سلیم تھا۔ مزاج میں سنجیدگی اور وقار تھا، غرض اپنے اس دور میں علماء ازہر میں ممتاز حیثیت کے مالک تھے، عرصہ دراز تک وہ ''کلیۃ الحقوق'' (لاء کالج) کے عمید (پرنسپل) تھے، ہمارے مولانا عبدالرزاق صاحب جو مدرسہ عربیہ اسلامیہ میں ہمارے رفیق کار تھے "المجلس الاعلیٰ للشئون الاسلامیة" کی دعوت پر ڈاکٹریٹ کے لئے مصر گئے ہیں، حضرت عبداللہ بن مسعودؓ پر مقالہ تیار کر رہے تھے، جامعۃ القاہرہ کی طرف سے مشرف استاد الشیخ ابوزہرہ تھے، افسوس صد افسوس کہ اس قحط الرجال کے دور میں ایسی باکمال شخصیتیں مشکل سے پیدا ہوتی ہیں، حق تعالیٰ بال بال مغفرت فرمائے، درجات عالیہ نصیب فرمائے اور ان کی علمی و دینی خدمتوں کو بارگاہ ربوبیت میں شرف قبولیت بخشے۔ آمین۔

مولانا سید شمس الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ

افسوس کہ ہمارے بلوچستان فورٹ سنڈیمن کے نوجوان غیور عالم مولانا شمس الدین بتاریخ ۱۴/مارچ ۱۹۷۴ء صفر ۹۴ھ بڑی بے دردی سے شہید کر دیئے گئے، انا للہ وانا الیہ راجعون۔ مرحوم کے اس نوعمری میں سیاسی میدان میں قدم رکھنے سے بہت سے حیرت انگیز کمالات کا ظہور ہوا، سنجیدہ باوقار، خوبصورت، خوب سیرت، اصول کے پابند عالم تھے، بلوچستان اسمبلی کے ڈپٹی اسپیکر تھے اس دوران ان کو شدید سے شدید آزمائشیں پیش آئیں اور ایسے ایسے خطرناک ہوشربا امتحانات سے واسطہ پڑا جہاں بڑوں بڑوں کے قدم ڈگمگا گئے لیکن کیا مجال کہ مولانا شمس

الدین کے پائے استقامت کو ذرہ بھر بھی لغزش ہوئی ہو، مال سے مستغنی، جاہ و منصب سے بے نیاز، فقیری میں پادشاہ، فیض رساں، خدمت خلق کے لئے وقف، جری، بہادر، جمعیت علماء اسلام اور مولانا مفتی محمود صاحب خصوصی طور پر تعزیت کے مستحق ہیں، کسے معلوم تھا کہ بلوچستان کی سنگلاخ وادی اس ابر نو بہاری کے فیض سے اتنی جلد محروم ہو جائے گی:

اکنوں چہ تواں کرد کہ تقدیر چنیں بود

حق تعالیٰ نے موت بھی شہادت کی نصیب فرمائی، حق تعالیٰ اس شہید ملک و ملت کو شہداء برحق کے درجات رفیعہ سے سرفراز فرمائیں اور حیات جاودانی نصیب فرمائیں اور شہداء کے لئے احادیث نبویہ علیہ الصلوۃ والسلام میں جن درجات کا ذکر آیا ہے حق تعالیٰ وہ مولانا شمس الدین کو عطا فرمائیں، آمین۔ ان کی خدمات قبول ہوں ان کی خونی شہادت ان کے حق میں ہر طرح سے باعث خیر و برکت ہو، آمین ثم آمین۔

[ربیع الثانی ۱۳۹۴ھ/مئی ۱۹۷۴ء]

مولانا عبدالرحمن جالندھری رحمۃ اللہ علیہ

افسوس کہ میرے ایک قدیم ترین محب مولانا عبدالرحمن بن فقیر محمد جالندھری کل بروز شنبہ بوقت عصر مورخہ ۱۱ ربیع الاخر ۱۳۹۴ھ، ۴ مئی ۱۹۷۴ھ کو راہی ملک بقا ہوئے، انا للہ وانا الیہ راجعون۔ مرحوم سے شناسائی اور تعلق ۱۳۴۴ھ میں دارالعلوم دیوبند میں پیدا ہوا وہ ۱۳۴۰ھ سے دارالعلوم میں داخل تھے اور اس وقت متوسط کتابیں پڑھتے تھے، ۱۳۴۶ھ میں دارالعلوم میں جب انقلاب آیا جس میں امام العصر مولانا محمد انور شاہ رحمہ اللہ اور چند از اں بعد مولانا شبیر احمد عثمانی، عارف باللہ حضرت مولانا عزیز الرحمن دیوبندی اور مولانا سراج احمد رشیدی وغیرہ حضرات علیحدہ ہوئے اور طلبہ کی ایک بڑی جماعت میں ہیجان برپا ہوا، اس وقت مرحوم غالباً اپنے ماموں کے مشورے سے جو اس وقت پشاور میں تحصیلدار تھے دارالعلوم سے چلے آئے اور اورنٹیل کالج لاہور میں مولوی فاضل کلاس میں داخلہ لے لیا چند سال لاہور رہے، مولوی فاضل اور منشی فاضل کیا اور دوبارہ ۱۳۵۱ھ میں اپنی کتابوں کی تکمیل کے لئے دارالعلوم پہنچے، ۱۳۵۳ھ میں دارالعلوم سے سند فراغ حاصل کی جس کے الفاظ یہ تھے:

"وهو عندنا سليم الطبع جيد الفهم مرضى السيرة، محمود السريرة وله مناسبة بالعلوم تامة، يقدر على نشر العلوم وافادتها".

وہ ہمارے نزدیک سلیم الطبع، عمدہ فہم، پسندیدہ سیرت اور قابل تعریف عادت کے شخص ہیں، انہیں علوم سے پوری مناسبت ہے اور وہ علوم کی نشر و اشاعت پر قادر ہیں۔

عرصہ دراز کے بعد معلوم ہوا کہ کسی کالج میں استاذ ہیں بعد میں ریٹائر ہو گئے اور لائل پور کی کسی مسجد میں

خطیب مقرر ہوئے، اسی دوران چند ماہ ایک خاص جماعت کی ابتدائی کتابوں کی تعلیم کے لئے مدرسہ عربیہ اسلامیہ کراچی میں بھی استاذ رہے، فریضہ حج غالباً ۱۳۵۷ھ میں ادا کیا ایک بار عمرہ وزیارت کے لئے بھی سفر حرمین کی توفیق ہوئی، دوسری بار اب سے کوئی اڑھائی تین مہینے پہلے عمرہ وزیارت کے لئے بڑے ذوق وشوق سے حرمین پہنچے ایک ماہ مدینہ طیبہ میں اور ایک ماہ سے زائد مکہ مکرمہ میں قیام رہا اس دوران والہانہ ومجذوبانہ انداز میں طواف و عبادات اور مجاہدات میں مشغول رہے، طبیعت وہیں بگڑ گئی تھی لیکن آرام کا خیال نہ کیا سفینہ حجاج سے واپسی ہوئی کراچی پہنچنے سے ۳۰ ر گھنٹے قبل بخار ہوا بے ہوش ہو گئے جہاز کے ہسپتال میں داخل کئے گئے مگر تشخیص نہ ہوسکی بے ہوشی کے عالم میں کراچی اتارے گئے اور سول میڈیکل ہسپتال پہنچائے گئے، معلوم ہوا کہ گردن توڑ بخار کا عارضہ ہے جس سے مریض شاذ ونادر ہی جانبر ہوتا ہے، تمام تدبیریں کی گئیں مگر ناکام ہوئیں، بالآخر عمرے کا یہ مسافر تمام عمر کے لئے سفر آخرت پر روانہ ہو گیا۔

طبیعت ابتدا ہی سے نیم مجذوبانہ تھی، دیوبند کی طالب علمی کے دوران آدھی آدھی رات کو جنگل میں چلے جاتے کبھی سہارن پور جانے کے لئے اسٹیشن پر پہنچے، ریل نکل گئی تو پا پیادہ سہارنپور چل دیئے اور ۲۲ ر میل کا سفر چند گھنٹوں میں طے ہو جاتا، ۱۹۳۰ء میں لاہور میں مولوی فاضل کی تیاری کے دوران ایک خاص شکل میں ذکر و شغل کرنے لگے جس کی وجہ سے یہ کیفیت طاری ہوئی کہ بہت سے لوگوں کی صورتیں بندر وغیرہ کی نظر آنے لگیں اور بے حد پریشان ہوئے، بالآخر میرے اصرار پر اس شغل کو ترک کیا تو کچھ عرصہ بعد یہ کیفیت جاتی رہی مگر اس شغل کی وجہ سے اس وقت امتحان میں ناکام ہوئے، یہی نیم مجذوبانہ کیفیت آخر عمر تک رہی، لذائذ وشہوات سے طبعاً دور تھے، مشتبہات سے اجتناب کرتے تھے، سنا ہے کہ دورہ حدیث کے اختتام پر حضرت مدنی قدس اللہ سرہ سے بیعت بھی ہو گئے، پوری زندگی سادگی اور مجاہدے میں گذاری، زبان پر کبھی کسی کی غیبت وغیرہ نہ آتی، غالباً ۶۸ ر برس عمر ہوگی کہ سفر مبارک سے سفر آخرت پر روانہ ہوئے، چہرے کی نورانیت قابل رشک تھی، مغفرت کی علامات نمایاں اور حرمین کے انوار وبرکات مشاہد تھے، الحمد للہ بہت جلد تجہیز وتکفین اور تدفین کے مراحل طے ہو گئے اور یوسف پورہ میں سوداگران دہلی کے قبرستان کراچی میں ان کی آخری آرام گاہ بنی۔ حق تعالیٰ کی بے انتہا رحمتیں اس مسافر آخرت پر ہوں جس نے تمام زندگی زہد وقناعت اور تقویٰ ومجاہدہ کی منزلیں طے کرنے میں گذاری۔

اللهم اغفرله وارحمه وارض عنه وادخله دارالنعيم بفضلك وكرمك ياارحم الراحمين.

[جمادی الاولی ۱۳۹۴ھ/جون ۱۹۷۴ء]

مولانا دوست محمد قریشی رحمۃ اللہ علیہ

افسوس کہ ہمارے محب و مخلص باخدا عالم مولانا دوست محمد قریشی بتاریخ ۳ / جمادی الاولیٰ ۱۳۹۴ھ ، ۲۶ / مئی ۱۹۷۴ء ہم سے ہمیشہ کے لئے جدا ہو گئے ، انا للہ وانا الیہ راجعون ۔ مرحوم سے جامعہ اسلامیہ ڈابھیل ضلع سورت (ہند) کے ۱۳۵۸ھ میں دورہ حدیث کے ایک طالب علم کی حیثیت سے تعارف و تعلق ہوا ، مرحوم سنن ابی داؤد شریف کے چند ممتاز طلبہ کے ساتھ میرے درس میں شریک تھے ، ایک مخلص تلمیذ اور خادم کی حیثیت سے ان سے یہ توقع اسی وقت تھی کہ اگر عمر نے وفا کی تو یہ مسلک اہل علم کا ایک تابندہ گوہر ہوگا ، فراغت کے بعد عرصہ دراز تک مختلف مدارس میں علوم دینیہ کا درس دیا پھر ردفرق باطلہ میں امتیازی خصوصیت کے حامل بنے اور تھوڑے عرصہ میں ایک ممتاز شعلہ فشاں اور فصیح اللسان خطیب کی حیثیت سے پاکستان میں ان کا تعارف ہوا اور ساتھ ہی ساتھ نقشبندی سلسلہ میں حضرت عبدالمالک صاحب نقشبندی شیخ طریقت کے (جو حضرت مولانا فضل علی قریشی رحمہ اللہ کے خلیفہ تھے) دست مبارک پر بیعت کا شرف حاصل کیا اور قلیل عرصہ میں اپنی قوت مجاہدہ کی وجہ سے خلیفہ مجاز بن کر خود شیخ طریقت بھی بن گئے ، اس باطنی نسبت کی بنا پر عام خطباء شعلہ بیان کے عیوب سے اللہ تعالیٰ نے ان کی حفاظت فرمائی ، باوجود شیخ طریقت عمدہ مقرر مشہور عالم ہونے کے اخلاق میں تواضع اور اپنے اکابر سے عقیدت مندی و وابستگی آخر تک قائم رہی ۔

کوٹ ادو میں درسگاہ و خانقاہ کی بنیاد بھی ڈال دی اور وہی آخری قیام گاہ بھی ثابت ہوئی ، کچھ عرصہ پہلے فالج ولقوہ کا حملہ ہوا تھا ، حق تعالیٰ نے شفاء عطا فرمائی اور تقریروں کا سلسلہ پھر شروع ہو گیا ۔ مرحوم خوبصورت ، خوب سیرت ، باوقار سنجیدہ مزاج تھے ، حضرت عطاء اللہ شاہ بخاری رحمہ اللہ کے اسلوب پر خطابت کا انداز تھا حافظہ عمدہ تھا ، حضرت شاہ بخاریؒ کے بعض خصوصی مواعظ وتقاریر کے گویا حافظ تھے ، اللہ تعالیٰ نے باوجود کمالات کے حب مال وجاہ سے محفوظ فرمایا تھا ، اور ایک بیدار دماغ ، دردمند دل سے نوازا تھا ، شیعہ پاکٹ بک وغیرہ جیسی تصنیفی یادگار بھی چھوڑ چکے ہیں ، کچھ عرصہ مدرسہ عربیہ اسلامیہ کے شعبہ ردفرق باطلہ کے لئے ایام تعطیل میں تشریف لایا کرتے تھے اور تعلیم وتربیت وامتحان کے بعد سند مدرسہ سے دی جاتی تھی ، اس قحط الرجال کے دور میں ان کا وجود بسا غنیمت تھا افسوس کہ جو شخصیت جاتی ہے اس کی جگہ خالی ہو جاتی ہے ، حق تعالیٰ کی ہزاروں ہزار رحمتیں ان پر ہوں ، درجات عالیہ نصیب ہوں ان کی دینی ، تبلیغی ، تربیتی خدمات بارگاہ ربوبیت میں قبول ہوں اور اس کے اجر وثواب سے یوم محشر میں مالا مال ہوں ، آمین ۔

[جمادی الاخریٰ ۱۳۹۴ھ / جولائی ۱۹۷۴ء]

مولانا خیر محمد بہاولپوری مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ

افسوس کے ساتھ یہ اطلاع دی جاتی ہے کہ حرم محترم مکہ کے ایک باخدا بزرگ اور معمر عالم حضرت مولانا خیر محمد صاحب بہاول پوری مہاجر مکی گذشتہ ماہ جمادی الاولی ۱۳۹۴ھ میں واصل بحق ہوئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ مرحوم اپنے علم وفضل اور استقامت واستقلال میں سلف صالحین کی یادگار تھے، مسجد حرام میں نماز کے بعد درس شروع فرمایا کرتے تھے اکثر اوقات بیت اللہ الحرام کے مواجہہ شریفہ میں طالبان علوم تسکین کا سامان کرتے تھے، صحیح بخاری وغیرہ کتب حدیث سے لے کر تفسیر ابن کثیر اور شاطبیہ تک تمام علوم بے تکلف پڑھایا کرتے تھے، مہاجر علماء میں اس آخر دور میں ان کی نظیر نہیں تھی، مزاج میں انتہائی سادگی، معمولات میں انتہائی پابندی اور تدریس، علوم سے شغف قابل حیرت تھا، اخلاص، تواضع، مہمان نوازی وغیرہ ایک عالم برحق کی تمام خصوصیات کے حامل تھے، آخری عمر میں ضعف وعلالت اور بینائی کی انتہائی کمزوری کے باوجود آخری شب میں حرم کی حاضری کی تڑپ قابل دید تھی۔

اس پر آشوب دور اور قحط الرجال کے زمانے میں ایسی باخدا ہستیاں، عالم باعمل، جامع العلوم ماہر الفنون، محض حق تعالیٰ کی رضا جوئی کے لئے جفاکشی، محنت وعرق ریزی کے ساتھ علوم دینیہ کی خدمت کرنے والے کہاں سے آئیں گے؟ نہ مال کی محبت نہ جاہ کی رغبت، نہ وجاہت کی خواہش، صرف علوم ہی کی خدمت زندگی مقصد ہو۔ ایسے بزرگ اب کہاں؟ سن مبارک بظاہر نوے کے قریب ہوگا افسوس کہ مجھے زیادہ تفصیل معلوم نہ ہوسکی بہرحال تمام زندگی علم کی بادیہ پیمائی میں صرف کی اور بظاہر نصف صدی کے قریب کا زمانہ مکہ معظمہ میں کعبۃ اللہ کے سائے میں گذارا، سبحان اللہ!

ایں سعادت بزور بازو نیست

محض حق تعالیٰ شانہ کا عظیم احسان ہے کہ پاک سرزمین میں پاک نیت سے پاک طینتی کے ساتھ حیات کا یہ کاروان منزل مقصود تک پہنچ جائے۔ اے اللہ! ان کے درجات کو بلند اور مغفرت ورحمت ورضوان کے اعلیٰ مقامات نصیب فرما اور ان کے صاحبزادے محمد مکی کو ان کا صحیح جانشین بنا۔

آمین یارب العلمین وصلی اللہ علی خاتم النبیین وسید المرسلین محمد وعلی آلہ وصحبہ اجمعین۔

[رجب المرجب ۱۳۹۴ھ، اگست ۱۹۷۴ء]

مفتی اعظم سید محمد امین الحسینی فلسطینی رحمۃ اللہ علیہ

اور

مولانا محمد ادریس کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ

سال رواں کچھ ایسا محسوس ہو رہا ہے کہ علمی دنیا کے لئے ''عام الحزن'' ہے، بڑی بڑی جلیل القدر ہستیاں اور عظیم القدر اشخاص سفر آخرت پر روانہ ہوئے، ابھی ابھی جولائی ۷۴ء، ماہ جمادی الاولی ۹۴ھ میں عالم اسلام کے مفکر، عظیم سیاسی رہنما، تجربہ کار قدیم سیاست دان اور فقہ اسلامی کے مفتی اعظم سید محمد امین الحسینی فلسطینی واصل بحق ہوئے۔ اخبارات کے صفحات پر مرحوم کے حادثہ وفات پر اظہار تاثرات کے سلسلہ کی روشنائی ابھی خشک نہ ہونے پائی تھی کہ دور حاضر کے ایک متبحر عالم اور جلیل القدر محدث حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ ہمیشہ کے لئے ہم سے رخصت ہو گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ حضرت مرحوم کی وفات بلاشبہ اہل علم کے لئے ناقابل برداشت خسارہ ہے جس کی مکافات وتدارک کا کوئی امکان نہیں۔

حضرت مرحوم کی زندگی پوری نصف صدی تک درس وتدریس اور تصنیف وتالیف میں گذری، تعلیم اور فراغت مدرسہ مظاہر العلوم سہارنپور میں ہوئی۔ مظاہر العلوم سے فراغت کے بعد دارالعلوم دیوبند آ کر حضرت امام العصر مولانا محمد انور شاہ رحمہ اللہ کا شرف تلمذ حاصل کیا، مطالعہ کتب کا ابتداء ہی سے ذوق تھا، درسیات سے متعلقہ شروح وحواشی کے علاوہ بھی مطالعہ کتب کا شوق رہا، حافظہ بہت ہی عمدہ اور قابل قدر تھا اس لئے تبحر ووسعت نظر میں اپنے معاصرین میں ممتاز رہے، نیز ابتداء ہی سے علمی شوق کے ساتھ عبادت کا ذوق بھی تھا، جس نے سونے پر سہاگہ کا کام کیا، حضرت مولانا بدر عالم صاحب رحمہ اللہ مہاجر مدنی کچھ حالات سنایا کرتے تھے، حضرت الاستاذ امام العصر مولانا محمد انور شاہ صاحبؒ سے تلمذ کے بعد دارالعلوم دیوبند ہی میں مدرس مقرر ہوئے، مفوضہ کتب کے علاوہ روزانہ صبح کی نماز کے بعد درس ترجمہ قرآن کریم بہت شوق وذوق سے دیا کرتے تھے اور جمعہ کے روز بعد نماز جمعہ موطا امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے درس کا سلسلہ شروع کر رکھا تھا، دارالعلوم دیوبند ہی میں ابتدائی تدریسی عہد میں مقامات حریری کا حاشیہ لکھا اور مشکاۃ المصابیح کی شرح شروع کی تھی، اسی وجہ سے ابتدائی تدریسی زندگی میں مرحوم کو متوسط درجہ کی کتابوں سے آگے کی کتابیں برائے تدریس دی گئیں تھیں، چنانچہ ابتدائی دور میں جہاں حضرت مولانا محمد ابراہیم صاحب بلیاویؒ جیسے محقق روزگار کو مشکوٰۃ المصابیح دی گئی تھی وہاں مرحوم کو بھی مشکوٰۃ المصابیح کی جماعت ثانیہ حوالہ کردی گئی تھی، ۱۳۴۶ھ میں دارالعلوم سے حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ نے استعفاء دیا، اور فتنے کا دور شروع ہوا اس لئے حضرت مرحوم کو یہ پسند نہ تھا کہ وہاں اپنے تدریسی شغل کو جاری رکھیں نیز حضرت مولانا حبیب الرحمن مرحوم سے تعلقات تھے ان کو بھی ناراض کرنا مشکل تھا اس لئے مرحوم دارالعلوم کو خیر باد کہہ کر

حیدر آباد دکن جا کر وکیل فیض الدین مرحوم کے ہاں اقامت پذیر ہوئے، وکیل صاحب مرحوم کو بڑا علمی ذوق تھا بڑا عظیم الشان کتب خانہ جمع کیا تھا حضرت مرحوم کے قیام کو نعمت غیر مترقبہ سمجھ کر انھوں نے صحیح بخاری کا درس لینا شروع کیا اور یک صد ماہوار مشاہرہ بھی مقرر کیا، حضرت مرحوم کو یہ فرصت کے لمحات بڑے مغتنم مل گئے، تمام رات فتح الباری کا مطالعہ کرتے تھے اور جتنی فتح الباری مطالعہ کی اتنا ہی سبق پڑھا دیا کرتے تھے اور کچھ تصنیفی کاموں کے لئے فرصت بھی مل گئی، اس دوران حج بیت اللہ کا فریضہ بھی ادا کیا اور وکیل فیض الدین کی رفاقت میں یہ سفر کیا گیا، حج ادا کرنے سے پہلے حضرت امام العصر مولانا محمد انور شاہؒ کی خدمت میں بقصد بیعت تشریف لائے، دیو بند پہنچ کر معلوم ہوا کہ حضرت امام العصر رحمہ اللہ تبدیلی آب وہوا کے لئے بجنور تشریف لے گئے ہیں، بہت بے چینی سے بجنور پہنچے، حضرت امام العصر شاہ صاحب کا قیام مولانا مشیت اللہ بجنوری کے ہاں تھا اور راقم الحروف بنوری اس وقت پہلی مرتبہ خادم خصوصی کی حیثیت سے شرف خدمت سے سرفراز تھا، یہ ماہ شوال کے اواخر ۱۳۴۶ھ کا واقعہ ہے، میری موجودگی میں شرف بیعت سے مشرف ہوئے اور اذکار کی تلقین کی، اس وقت کی تمام کیفیات و حالات الحمدللہ سب یاد ہیں۔ حضرت شاہ صاحب کی وفات ۳/صفر ۱۳۵۲ھ کو ہوئی، حضرت شاہ صاحبؒ کی وفات کے بعد مجاہد عصر و عارف باللہ شیخ وقت حضرت مولانا سید حسین احمد صاحب مدنی رحمہ اللہ کے زمانہ صدارت میں دیو بند دوبارہ تقرر ہوا اور غالباً اسی دوران حضرت حکیم الامت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ سے استفادہ کا سلسلہ جاری ہوا اور آخر تک دارالعلوم ہی میں خدمت تدریس انجام دیتے رہے یہاں تک کہ تقسیم ہندوستان کا تاریخی واقعہ پیش آیا اور ہجرت کرکے پاکستان تشریف لائے کچھ عرصہ جامعہ عباسیہ بہاولپور میں تعلیمی خدمات انجام دیں۔ بعد ازاں حضرت مولانا مفتی محمد حسن صاحب خلیفہ مجاز حضرت تھانوی رحمہ اللہ کی دعوت پر لاہور تشریف لائے اور جامعہ اشرفیہ میں جس کی ابتداء نیلا گنبد سے ہوئی شیخ الحدیث مقرر ہوئے اور نہایت سکون و اطمینان سے تدریسی و تصنیفی زندگی میں مصروف ترین وقت گذارا۔ ''التعلیق الصبیح'' جو مشکوٰۃ المصابیح کی شرح ہے وہ موصوف کی ابتدائی تصنیفات میں سے ہے، اس کے طباعت کے لئے شام کا سفر کیا اور دمشق میں قیام فرما کر طبع کرائی، آخری جزء وہاں طبع نہ ہو سکا رقم ختم ہوگئی۔ اس کے بعد کی تصانیف میں زیادہ اتقان ہے۔ تصانیف میں ''سیرۃ المصطفیٰ'' نہایت عمدہ منقح اور قابل اعتماد سیرت نبوی اردو میں تالیف فرمائی، صحیح البخاری کی شرح ''تحفة القاری بحل مشکلات البخاری'' قابل قدر سرمایہ ہے جس کے ابتدائی چند جزو طبع ہوگئے ہیں۔ اور آخری جزو بھی طبع ہو چکا ہے جو نہایت محققانہ انداز میں ہے بلکہ اجزاء سابقہ میں اپنے تحقیقی معیار میں ممتاز ہے۔ قرآن کریم کی تفسیر ''معارف القرآن'' کے نام سے تالیف فرما چکے ہیں جلد پنجم طبع ہوگئی جو سورۃ توبہ پر ختم ہے، بلاشبہ عمدہ قابل قدر تفسیر اور ان کی علمی پختگی کی شاہکار ہے، بعض غرر نقول کا نہایت عمدہ انتخاب فرمایا ہے، کلام باری میں ان کا رسالہ ''الکلام الموثوق فی تحقیق ان القرآن کلام اللہ غیر مخلوق'' نہایت عمدہ رسالہ ہے اور تقریباً تیس سالہ محنت

ومطالعہ کا نتیجہ ہے، دارالعلوم دیو بند کے آخری دور میں اس موضوع کا مطالعہ اور لکھنا شروع کیا تھا میری ناقص رائے میں یہ کتاب تحقیقی معیار اور حسن ترتیب کے اعتبار سے تمام تالیفات میں امتیازی شان رکھتی ہے، ابتداء حافظ ابن تیمیہ و حافظ ابن القیم سے متاثر تھے لیکن آخر میں امام ابوبکر باقلانی کی ''الانصاف'' سے متاثر ہوئے اور آخری تحقیق جمہور متکلمین کے بالکل موافق ہوئی اور یہی رنگ تمام کتاب میں واضح ہے، حضرت مرحوم کی قابل رشک زندگی کا ایک پہلو یہ ہے کہ تمام لمحات حیات علمی کدوکاوش سے فارغ نہیں بیٹھے۔ اور اس میں ایسا استغراق رہا کہ دنیا کی خبر نہیں اور یہ بھی اللہ تعالیٰ کا ان پر احسان رہا کہ دنیوی افکار واشغال سے فارغ رکھا اور تمام افکار واشغال علمی بادیہ پیمائی میں صرف ہوئے اور علمی جدوجہد کا سلسلہ اور وقت حافظہ آخری لمحات حیات تک باقی رہی، عربی شعر کا بہت قابل قدر ذوق تھا بے تکلف اور برجستہ شعر کہتے تھے، فارسی شعر بھی فرماتے تھے۔

بہر حال حضرت مرحوم حدیث وتفسیر میں اپنے اہل عصر میں ممتاز رہے، وہ محدث تھے، مفسر تھے، ادیب تھے، شاعر تھے، صوفی مزاج تھے، صوفیانہ لطائف و معارف سے بہت ذوق تھا، مرحوم اپنے فضل و کمال کے پیش نظر جس قدردانی کے مستحق تھے وہ نہ ہوسکی اور جس شہرت کے مستحق تھے وہ شہرت نہ ہوسکی، مکارم اخلاق عالمانہ تھے، لطیفہ گو اور حاضر جواب تھے، اپنی رائے پر پختہ تھے، کسی شخصیت سے کم مرعوب ہوتے تھے اپنی رائے پر زیادہ اعتماد کرتے تھے۔ اہل علم کے قدردان تھے، خفیف الجسم، لطیف الروح تھے، مزاج میں انتہائی سادگی تھی، دنیا کے بکھیڑوں سے بے خبر تھے، مطالعہ اور تصنیف میں ہمہ وقت مستغرق رہے، ان کے اوقات علم وعمل اور درس و تدریس سے معمور تھے، کتابوں کے عاشق تھے، نئی مطبوعہ کوئی کتاب جس قیمت سے بھی ملتی تھی خرید لیتے تھے، خوش مزاج تھے مجلس لطائف وظرائف سے مالا مال ہوتی تھی، مہمان نواز تھے آخری ملاقات وفات سے دو ہفتے پہلے ہوئی، الحمد للہ کہ حسب معمول نہایت شفقت و محبت فرمائی، کسے معلوم تھا کہ یہ علمی پیکر معارف و لطائف کا خزانہ، اخلاق کا مجسمہ، سراپا علم وفضل، محدث ومفسر، ادیب، یگانۂ روزگار ہستی اتنی جلد ہم سے رخصت ہونے والی ہے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ حق تعالیٰ اپنے فضل وکرم سے درجات عالیہ نصیب فرمائے، اور اپنی خصوصی رحمت ورضوان سے مالا مال فرمائے، زلات وسیئات کو حسنات میں تبدیل فرمائے۔ افسوس کہ جنازہ کی شرکت سے محروم رہا، راولپنڈی میں اطلاع پہنچی تھی ہوائی جہاز کی سیٹ نہ ملنے سے یہ سعادت نصیب نہ ہوسکی۔

[شعبان المعظم ۱۳۹۴ھ رستمبر ۱۹۷۴ء]

مولانا ظفر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ

﴿كل من عليها فان و يبقى وجه ربك ذوالجلال والاكرام﴾

كل ابن انثى وان طالت سلامته
يوما على آلة حدباء محمول

آہ! آج مسند علم وتحقیق، مسند تصنیف وتالیف، مسند تعلیم وتدریس، مسند بیعت وارشاد بیک وقت خالی ہوگئیں، انا للہ وانا الیہ راجعون۔

۲۳ر ذی قعدہ ۱۳۹۴ھ، ۸ر دسمبر ۱۹۷۴ء اتوار کی صبح حضرت مولانا ظفر احمد صاحب عثمانی نے داعی اجل کو لبیک کہا اور واصل بحق ہوئے۔ اس مرد حق نے زندگی کی نوے منزلیں طے کر کے سفر آخرت کے لئے قدم اٹھایا ختم ہونے والی زندگی ختم ہوگئی اور نہ ختم ہونے والی زندگی کے لئے عالم برزخ میں قدم رکھا۔

مولانا عثمانی کی ذات سے تھانہ بھون اور سہارنپور کی پوری تاریخ وابستہ تھی، آپ عالم تھے اور ذکی عالم فقیہ تھے، اور محدث رجال حدیث کے محقق تھے، اصول حدیث کے نہ صرف ماہر بلکہ اس علم کی مہمات کو کتب حدیث ورجال سے تلاش وجستجو کے ذریعہ جمع کرنے والے تھے، اکابرامت اور جہابذۂ عصر کی توجہات کا مرکز رہے، مراکز علم میں علوم حاصل کئے اور مرکز صدق وصفا میں تربیت پائی، حکیم الامت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی محبت وشفقت کے زیر سایہ تمام علمی وتصنیفی کارنامے انجام دیئے، علمی جواہرات کو ملفوظات وتقریرات کی صورت میں قلم بند کرتے کرتے خود صاحب جواہرات بن گئے، نسبی نسبت نے علمی وعرفانی نسبت تک پہنچا دیا، تقریر وتحریر میں حکیم الامتؒ کے جلوے نظر آنے لگے، عربی کے ادیب تھے، شاعر تھے، عربی نظم ونثر پر یکساں قدرت تھی، علمی کمالات کے ساتھ مزاج میں حددرجہ سادگی تھی۔

مولانا عثمانی کی وفاداری اور اخلاص شک وشبہ سے بالاتر تھا، بے شمار چھوٹی بڑی کتابوں کے مصنف تھے، اگر ان کی تصانیف میں ''اعلاء السنن'' کے علاوہ اور کوئی تصنیف نہ ہوتی تنہا یہ کتاب ہی علمی کمالات حدیث وفقہ ورجال کی قابلیت ومہارت اور بحث وتحقیق کے ذوق محنت وعرق ریزی کے سلیقہ کے لئے برہان قاطع ہے، اعلاء السنن کے ذریعہ حدیث وفقہ اور خصوصاً مذہب حنفی کی وہ قابل قدر خدمت کی ہے جس کی نظیر مشکل سے ملے گی، یہ کتاب ان کی تصانیف کا شاہکار اور فنی تحقیقی ذوق کا معیار ہے، علمی جواہرات کی قدرشناسی وہی شخص کرسکتا ہے جس کی زندگی اسی وادی میں گذری ہو، دوردراز مواقع اور غیر مظان سے جواہرات نکال کر خوبصورتی سے سجا کر رکھ دینا یہ وہ قابل قدر کارنامہ ہے جس پر جتنا رشک کیا جائے کم ہے، موصوف نے اس کتاب کے ذریعے جہاں علم پر احسان کیا ہے وہاں حنفی مذہب پر بھی احسان عظیم کیا ہے۔ علمائے حنفیہ قیامت تک ان کے مرہون منت رہیں

گے، بلا شبہ اس بے نظیر کتاب میں حکیم الامت قدس سرہ کے انفاس قدسیہ اور توجہات عالیہ اور ارشادات گرامی کا بہت کچھ دخل ہے، لیکن حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی کے ذریعے ان کا ظہور پُرنور ان کے کمال کی دلیل ہے۔ ۱۳۵۷ھ میں جب راقم الحروف قاہرہ میں مجلس علمی کی طرف سے ایک علمی خدمت پر مامور تھا اور میرے رفیق کار مولانا سید احمد رضا بجنوری تھے اس وقت حکیم الامت قدس سرہ نے اعلاء السنن کے طبع شدہ اجزاء بھیجے اور خواہش ظاہر کی کہ جب تک تمہیں اس کی ضرورت ہو اپنے پاس رکھو اور ضرورت کے بعد حضرت شیخ محمد زاہد کو ہدیۃً پیش کر دیں اور اگر ان کے ذریعہ قاہرہ میں عمدہ ٹائپ سے طبع ہو سکے تو بہت اچھا ہے اور بقیہ اجزاء غیر مطبوعہ بھی نقل کروا کر ارسال کر دوں گا، حضرت شیخ کوثری اس وقت دنیائے اسلام کے محقق عالم اور نادرۂ روزگار تھے اور علمائے احناف کے سرمایۂ افتخار اور بے نظیر محقق وسیع النظر متبحر عالم تھے، ترکی الاصل تھے فتنہ کمالیہ میں وطن سے ہجرت کر کے مصر میں مقیم تھے، جب کتاب میں نے پیش کی تو حضرت نے مطالعہ کر کے فرمایا کہ احادیث احکام میں حنفیہ کے نقطہ نگاہ سے اس کتاب کی نظیر نہیں اور فرمایا کہ یہ مجھے دیکھ کر حیرت ہوئی ہے کہ قدماء کی کتابوں میں بھی اس استیعاب واستیفاء کے ساتھ ادلہ حنفیہ کو جمع کر کے اس تحقیق وتنقیح کی مثال مشکل سے ملے گی اور پھر وہ تقریظ تحریر فرمائی جو کتاب کے ساتھ طبع ہوئی ہے۔

اعلاء السنن کا مقدمہ ''انہاء السکن'' کے نام سے تالیف فرمایا، یہ مقدمہ اصول حدیث کے نوادر اور نفائس پر مشتمل ہے تمام کتب رجال اور کتب حدیث اور کتب اصول حدیث سے انتہائی عرق ریزی کے ساتھ وہ نفائس جمع کر دیئے ہیں کہ عقل حیران ہے بجائے خود ایک مستقل بے مثال کتاب ہے۔

حلب کے مایہ ناز عالم ربانی اور دنیائے اسلام کے محقق فاضل اور ہمارے مخلص ومحترم کرم فرما الشیخ ابوغدہ عبدالفتاح کو حق تعالیٰ شانہٗ جزائے خیر عطا فرمائے کہ جنہوں نے مصنف سے اجازت لے کر کتاب کا نام ''قواعد التحدیث'' تجویز فرمایا اور اس پر قابل قدر تعلیقات واضافات ومقدمہ لکھ کر علم اور اہل علم پر احسان عظیم فرمایا اور نہایت آب وتاب کے ساتھ زیور طبع سے آراستہ کیا کہ جسے دیکھتے ہی دل سے دعا نکلتی ہے کہ کتاب جس خدمت کی مستحق تھی الشیخ ابوغدہ اطال اللہ بقاءہ نے اس خدمت کو خوش اسلوبی سے انجام دیا کہ قیامت تک آنے والی نسلیں ان کی احسان مند رہیں گی۔

بہرحال کہنا یہ ہے کہ اس شہید علم کی یہ کتاب ہی ان کی آئینہ کمالات ہے اگر اور تصنیف نہ بھی ہوتی تو صرف یہ ایک کتاب ہی کافی وشافی تھی حالانکہ ان کے قلم خوب رقم سے کتنے جواہرات مرصع خزانہ علم میں آئے ہیں ان کی قابل رشک زندگی کا پہلو یہ ہے کہ آخر لمحہ حیات تک تدریس حدیث اور تصنیف وتالیف میں مشغول رہے ''اعلاء السنن'' کا پہلا حصہ جو احیاء السنن کے نام سے چھپا تھا وہ نامقبول ہوا تھا اور اس میں کچھ ایسی چیزیں آ گئی تھیں جس سے کتاب کا حسن ماند پڑ گیا تھا، اس کو دوبارہ ادھیڑ کر ''خذ ما صفا و دع ما کدر'' کے پیش

کل ذی علم علیم" جاری تھا، بار بار اسی کا تکرار کر رہے تھے، آج بھی ان کے وجد و کیف کا وہ نقشہ آنکھوں کے سامنے ہے، گویا انہیں اس عالم سے تعلق نہیں تھا، بس یہی آیت ورد زبان ہے، مجھے اپنے دعویٰ کی تائید کا موقعہ مل گیا، میں نے پوچھا کہ اب بتاؤ بڑے عالم کون ہیں؟ اور وہ جواب میں یہی آیت دہراتے، بہت اصرار و تکرار کے بعد اعتراف کیا کہ آج یہ حقیقت واضح ہوگئی کہ حضرت مولانا انور شاہؒ اس دور کے سب سے بڑے جامع و محقق عالم ہیں، بہر حال یہ مرحوم کی ذہانت و طباعی اور علمی شغف کا ایک واقعہ تھا جو نوک قلم پر آ گیا۔

اسی طالب علمی کے زمانہ میں راقم الحروف سے رفاقت اور شدید تعلق و محبت کے باوجود مرحوم میں علمی تنافس و تسابق کا جذبہ بھی غلو کی حد تک تھا، دورۂ حدیث میں اول آنے کے لئے وہ محنت کی کہ باید و شاید، اس وقت مشہور تھا کہ یوسفین میں سے کوئی اول آئے گا اتفاق سے جب قرعہ فال راقم الحروف کے نام نکل آیا تو مرحوم کو قلبی قلق اور صدمہ ہوا جو مدت تک رہا فراغت کے بعد حضرت مولانا شبیر احمد عثمانیؒ سے تعلق بڑھ گیا تھا انہی کے ذریعہ مسند تدریس پر پہنچے، بنارس میں خدمت تدریس کے ساتھ تجارت کا چسکہ پڑ گیا اور اس میں خاصا انہاک بلکہ غلو ہوا، مرحوم از راہ ہمدردی اپنے ہر عالم دوست کو تجارت کی ترغیب دیا کرتے تا کہ عوام میں ذلیل نہ ہو، بہر حال یہ ممتاز طالب علم، ممتاز عالم اور پھر تاجر بن گئے، مردان کے ہوتی بازار میں تجارت تھی لیکن علم سے تعلق آخر تک رہا، کبھی درس قرآن، کبھی درس حدیث، کبھی محاضرات کی شکل میں فیض رسانی کرتے رہے، یہاں تک کہ داعی اجل کو لبیک کہا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ حق تعالیٰ بال بال مغفرت فرمائے اور درجات عالیہ سے سرفراز فرمائے، آمین۔

[محرم الحرام ۱۳۹۵ھ/فروری ۱۹۷۵ء]

مولانا محمد زکی کیفی رحمۃ اللہ علیہ

افسوس کہ ہمارے محترم جناب مولوی محمد زکی صاحب حضرت مولانا محمد شفیع صاحب مفتی اعظم پاکستان کے بڑے صاحبزادے یوم شنبہ ۱۱/محرم ۱۳۹۵ھ، ۲۵/جنوری ۱۹۷۵ء داعی اجل کو لبیک کہہ گئے، انا للہ وانا الیہ راجعون۔ مرحوم ابھی ابھی تازہ تازہ دیار قدس حرمین شریفین کی حاضری سے واپس آئے تھے، فریضہ حج بیت اللہ کے ارکان والہانہ انداز سے ادا کئے، آستانہ برکات مدینہ طیبہ کی حاضری بھی نصیب ہوئی، سفر حج میں لبیک لبیک کو ایسی قبولیت نصیب ہوئی کہ سفر آخرت کے لئے لبیک کہہ کر عالم آخرت کا سفر اختیار کیا، گویا حرمین شریفین میں قبولیت کے شرف سے متاع گرانمایہ کو عطا کر کے پرآشوب دنیا سے ملوث نہیں کرایا گیا اور جلد ہی پاک وصاف کر کے اپنے پاس بلا لیا، بلاشبہ ایسی موت ہر عاقل کے لئے قابل رشک ہے اور بلاشبہ پسماندوں اکابر و اصاغر کے لئے اس قسم کی موت اور اس کا صدمہ قابل تسلی ہے، مرحوم نہایت ذکی، سنجیدہ، باوقار، مہمان نواز طبیعت کے مالک تھے، نہایت خلیق و طلیق تھے، شعر و سخن سے بہرہ ور تھے، کیفی تخلص رکھتے تھے۔ حضرت مفتی صاحب کو بڑھاپے

نظر جدید تصنیف بنائی، حق تعالیٰ کی ہزار ہزاروں رحمتیں ہوں اس شہید علم پر جس نے آخری لمحہ زندگی کو خدمت علم میں خرچ کیا، مظاہر العلوم سہارنپور سے فراغت علوم کی سند حاصل کی اور وہیں عرصہ تک تدریس علوم کی خدمت انجام دیتے رہے، پھر ڈھاکہ وغیرہ میں رہے کچھ عرصہ جامعہ اسلامیہ ڈابھیل میں رہے اور آخری زندگی کے تقریباً بیس سال دارالعلوم الاسلامیہ ٹنڈوالہ یار میں گذارے، افسوس یہ سال علمی سانحوں سے لبریز ہے۔ حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلوی کی وفات ایک علمی حادثہ تھا اور اس کے زخم ابھی مندمل نہ ہونے پائے تھے کہ حضرت عثانی کے عظیم سانحہ نے قلوب کو مجروح کر دیا، صدمہ اس بات کا ہے کہ ان اکابر کے رخصت ہوجانے سے ان کی مسند علم وفضل ہمیشہ کے لئے خالی ہوجاتی ہے اور کوئی اس کو پُر کرنے والا مستقبل میں بھی نظر نہیں آتا ہے عرصہ دراز سے یہ دردناک سلسلہ یوں ہی جاری ہے، انا للہ وانا الیہ راجعون۔

حق تعالیٰ حضرت مرحوم کو رحمت ورضوان کے درجات عالیہ سے سرفراز فرمائیں اور ان کی علمی خدمات کو قبول فرمائیں اور ان کے لئے اجر وثواب کا عظیم سرمایہ بنائے اور ان کے زلات سے درگذر فرمائیں، آمین۔

[ذوالحجہ ۱۳۹۴ھ/جنوری ۱۹۷۵ء]

مولانا محمد یوسف عباسی رحمۃ اللہ علیہ

۲۱/رمضان المبارک ۱۳۹۴ھ کو مولانا محمد یوسف عباسی کا مردان میں انتقال ہوا، افسوس کہ غیر موجودگی کی وجہ سے بروقت مطلع نہ ہوسکا، مولانا مرحوم مردان کے قریب ''طورو'' نامی بستی کے باشندے تھے، متحدہ ہند کی مختلف درسگاہوں میں تحصیل علم کرتے ہوئے آخر میں حضرت مولانا برکات احمد ٹونکی مرحوم کی خدمت پہنچے اور معقول وفلسفہ کی کتابیں ان سے پڑھیں، خصوصی تعلق کی بنا پر حضرت موصوف کی توجہ کا خصوصی مرکز بن گئے اور انہیں بھی اپنے شیخ محترم سے انتہائی عقیدت ہوگئی، ۱۳۴۶ھ میں دورۂ حدیث کے لئے ڈابھیل پہنچے، یہی سال میرے دورۂ حدیث کا تھا اس لئے میرا یہ ہمنام طالب علم رفیق درس، رفیق مسکن اور رفیق معاشرت بنا، ہمارے درمیان تقریباً روزانہ مباحثہ رہتا تھا، میرا عقیدہ تھا کہ دور حاضر کے سب سے ممتاز ترین محقق اور جامع عالم حضرت الاستاذ مولانا محمد انور شاہ صاحب (رحمہ اللہ) ہیں۔ مرحوم کا خیال یہ تھا کہ اس شان کے عالم حضرت مولانا برکات احمد ٹونکی ہیں، اس بحث کا فیصلہ اس دن ہوا جب ''صحیح بخاری''، ''کتاب الایمان'' کی ''حدیث ہرقل'' زیر درس آئی، جیسا کہ حضرت شیخ امام العصر کے اس درس کا طرۂ امتیاز تھا اس حدیث کی تشریح وتحقیق میں اسلامی تاریخ، یہودیوں کے عہد عتیق، شروحِ تورات اور تالمود وغیرہ کے حوالے آئے اور فلاسفہ کے علوم، ان پر تنقید اور دیگر بے شمار مباحث پر سیر حاصل بحث ہوئی اس دن مولانا عباسی مرحوم کی حیرت کی کوئی انتہا نہ تھی، درس سے فراغت کے بعد ان پر وجد وکیف کا ایک خاص حال طاری تھا اور زبان سے بے ساختہ قرآن کریم کی آیت کا قطعہ ''وفوق

میں اور پھر امراض کے ہجوم میں یہ صدمہ بلاشبہ عظیم صدمہ ہے لیکن ترقی درجات کے لئے ارحم الراحمین کے شئون وراء الوراء ہیں، حق تعالیٰ مرحوم کو رحمت و رضوان سے مالا مال کر کے جنت الفردوس نصیب فرمائے، آمین۔ اور پس ماندگان کو اجر جزیل و صبر جمیل سے نصیب فرمائے، آمین۔ الحمد للہ کہ مدرسہ عربیہ اسلامیہ میں تمام طلبہ نے ختم قرآن سے ایصال ثواب کیا اور اس طرح ایک ادنیٰ حق ادا کرنے کی توفیق نصیب ہوئی، اللہ تعالیٰ قبول فرمائے۔

[صفر المظفر ۱۳۹۵ھ/ مارچ ۱۹۷۵ء]

سیدہ فاطمہ بنوریہ رحمۃ اللہ علیہا

بلاشبہ اس دنیائے کون و فساد میں موت و حیات کی سنت مستمرہ ایسی جاری ہے کہ بجز صبر و انقیاد اور تسلیم و رضا کوئی چارہ کار نہیں۔ جس طرح یہ ایک حقیقت ہے اسی طرح یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ بعض حوادث اتنے صبر آزما ہوتے ہیں کہ بڑا حوصلہ مند انسان بھی حوصلہ ہار جاتا ہے۔ ۴/ ربیع الاول ۱۳۹۵ھ، ۱۸/ مارچ ۱۹۷۵ء کو میری ایک تیس سالہ بچی سیدہ فاطمہ (جس کو عرصہ دراز تک سلمہا لکھا کرتا تھا، آج رحمہا اللہ لکھنا پڑا) سالوں کے مصائب و آلام برداشت کر کے اپنی جان جان آفرین کے سپرد کر گئی۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ سیدہ فاطمہ رحمہا اللہ کا مرثیہ درحقیقت صبر و شکر کا نوحہ و فریاد ہے، فاطمہ کی وفات کا صدمہ عبادت و تقویٰ کا رونا ہے، فاطمہ کا ماتم حیا و شرافت کا ماتم ہے، حق تعالیٰ نے مرحومہ کو وہ فطری کمالات عطا فرمائے تھے جو اس دور میں نہ کہیں دیکھے نہ سنے۔ فاطمہ پر آنسو بہانا درحقیقت بہت سے فضائل و بہترین خصائل کا رونا ہے، میں نے اپنی ستر سالہ زندگی میں اپنے عزیزوں اور اقرباء میں تو کیا اپنے حلقہ احباب و حلقہ تعارف اور اپنے دائرہ علم میں بھی ایسا پیکر صبر اور سر سے پیر تک شکر کا مجسمہ کہیں نہیں دیکھا نہ سنا، تقریباً اڑھائی برس کی عمر سے تیس سال تک مرحومہ جن آلام و امراض کا تختہ مشق بنی، اس کے تصور سے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں، ایک حادثہ میں ناک میں زخم سے ناسور ہو گیا۔ بارہ سال کی عمر میں اسی حادثہ کی وجہ سے بینائی سے محروم ہو گئی، بینائی کی محرومی سے سالہا سال تک سر میں درد اور آنکھ کی پتلیوں کے درد و کرب میں مبتلا رہی، اسی عرصہ میں ایک بار گر گئی ہاتھ ٹوٹ گیا مگر کسی کو خبر نہیں کی خود غلط جڑ گیا۔ ایک بار ٹانگ جل گئی، کھال ادھڑ گئی، پھر بدن کے نچلے حصہ میں ایسا استرخاء ہو گیا کہ جس سے بوٹی کاٹی جائے تو احساس تک نہ ہو، اس سے شفایاب ہو گئی تو مرض دق میں مبتلا ہو گئی، مسلسل چار ماہ مکمل علاج کے بعد شفاء حاصل ہو گئی، پھر فالج کا حملہ ہوا پھر اچھی ہو گئی، دل کے امراض کا شدید و مدید ابتلاء پیش آیا۔ ان تمام امراض و اوجاع کو جس صبر سے برداشت کرتی رہی عقل حیران ہے۔ معمولی صحت و نعمت پر جس انداز سے شکر گذاری کرتی رہی وہ محض حق تعالیٰ کی قدرت کاملہ کا ایک حیرت انگیز کرشمہ تھا۔ ان مصائب و آلام میں راتوں کا جاگنا، عبادت کرنا بارہ سال کے سن میں بصارت کے زوال کے بعد حفظ قرآن کی نعمت سے سرفراز ہوئی، تمام رات کو تلاوت و ذکر اللہ میں گذارنا، گھنٹوں سجدوں میں خشیت الٰہی سے آہ و بکا کرنا، آلام و مصائب پر آہ نہ کرنا، خوف خدا سے گھنٹوں آہ و بکا کرنا، کیا کیا کہا

جائے اور کہاں تک لکھا جائے۔ اس طویل مصائب وحوادث کی زندگی میں الحمدللہ کہ دوسال حرمین شریفین کا قیام دو سفروں میں نصیب ہوا، تین حج نصیب ہوئے، بے شمار عمروں کی دولت ملی، پانچ سال کی عمر میں زیارت حرمین شریفین اور حج بیت اللہ کی پہلی مرتبہ سعادت نصیب ہوئی تھی، راتوں کو جاگنا اور طواف کرنا اور آہ وبکاء کی توفیق نصیب ہوئی:

این سعادت بزور بازو نیست

۲۹ رسال کی عمر میں ازدواجی زندگی میں قدم رکھا، یہ سنت بھی پوری ہوگئی۔ ایک بچی سیدہ عاصمہ کی والدہ ہونے کا شرف بھی حاصل ہوا، جو والدہ کی وفات سے چند ہی روز قبل ذخیرہ آخرت بنی، عقلاً تو مجھے سکون ہوا کہ مرحومہ کی پُرآلام حیات کا خاتمہ ہوکر حیات جاودانی کی سعادت ملی اور حق تعالیٰ کی رحمت بے پناہ کی توقع پر انتہائی سکون کے لمحات مل گئے، لیکن جب ان مجسمہ کمالات کی مفارقت کو دیکھتا ہوں اور ان کی طویل مظلومی ومسکینی ومحرومی کی داستان سامنے آتی ہے تو طبعاً انتہائی صدمہ ہوتا ہے، زندگی میں عقل وطبع کے اس تجاذب وکش مکش کا ایسا ابتلا کبھی پیش نہیں آیا۔ ان مجاہدات وریاضات میں حق تعالیٰ نے قرآن کریم کا عجیب وغریب ذوق مرحومہ کو عطا فرمایا تھا۔ ایسا شرح صدر ہوا کہ آیات کریمہ کے ایسے خواص کا انکشاف ہوا کہ عقل دنگ رہ جاتی ہے۔ جس کی تفصیل کا یہ موقع نہیں۔ صبر وشکر کا یہ پیکر، رضا بالقضاء کی تصویر، نالہ وفریاد کا یہ مرغِ سحری، ہم سے کیا جدا ہوا کہ قلب کا انس وسکون ختم ہوا، دل ودماغ پر، گھر کے درودیوار پر وحشت طاری ہوئی۔ گویا ایک نور کا وجود تھا جس کے غروب سے ظلمت چھاگئی، چھ سال کی عمر سے نوسال کی عمر تک تین سال میں ٹنڈو اللہ یار میں لڑکیوں کے اسکول میں جو گھر سے متصل تھا پانچ جماعتیں پڑھیں۔ اس معمولی تعلیم کی وجہ حساب میں وہ مہارت کہ حیرت ہوتی تھی۔ ان تمام امراض وتکالیف میں حافظہ کی قوت اور دماغ کا استحضار قابل حیرت تھا۔ مرض موت میں اپنے شوہر مولانا محمد انور بدخشانی سے تجوید وقرات میں مقدمہ جزریہ پڑھا، منطق کی مشہور کتاب شرح تہذیب پڑھی، زبانی تفسیر قرآن پڑھتی رہی۔ تعجب ہے کہ یہ ہمت وقوت کہاں سے آئی، اس لئے فاطمہ کا ماتم درحقیقت بہت سے مفاخر اور فضل وکمال کا ماتم ہے۔ حق تعالیٰ کی ہزاروں ہزار رحمتیں ان پر نازل ہوں۔ یہ تمام آلام ومصائب بارگاہ قدس میں رفع درجات کا وسیلہ ہوں۔

اللهم اغفر لها وارحمها وعافها واعف عنها واكرم نزلها ووسع مدخلها وارزقها دارًا خيرًا من دارها واهلًا خيرًا من اهلها واغسلها بالماء والثلج والبرد، ونقها من الخطايا كما نقيت الثوب الابيض من الدنس وادخلها الجنة واعذها من عذاب القبر وعذاب النار واعظم لنا فى موتها الاجر والهمنا الصبر. آمين يا ارحم الراحمين.

۴ ربیع الاول ۱۳۹۲ھ کو رفیقۂ حیات داغ مفارقت دے گئی تھی، ٹھیک تین سال بعد اسی تاریخ ۴ ربیع

الاول ۱۳۹۵ھ کو یہ لختِ جگر ہم سے جدا ہوگئی۔ ''بصائر عبر'' کا خامہ فرسا اپنے محسن قارئین بصائر وعبر سے التجا کرتا ہے کہ بقدر فرصت وہمت مرحومہ کو ایصال ثواب کر کے اجر آخرت سے سرفراز ہوں، بجائے خطوط تعزیت وہمدردی ایصال ثواب پر توجہ فرما کر ممنون فرمائیں۔

خدا جانے یہ دنیا جلوہ گاہ ناز ہے کس کی
ہزاروں اٹھ گئے رونق وہی باقی ہے مجلس کی

بہت سے خطوطِ تعزیت اور تار احباب ومخلصین کے پہنچ رہے ہیں، فرداً فرداً جواب سے معذرت خواہ ہوں۔حق تعالیٰ سے دعا ہے کہ ان محسنین کو جزاء خیر عطا فرمائیں، آمین۔

[ربیع الثانی ۱۳۹۵ھ/ مئی ۱۹۷۵ء]

الفقید الراحل جلالۃ الملک شاہ فیصل شہید رحمۃ اللہ علیہ

فما كان قيس هلكه هلك واحد
ولكنه بنيان قوم تهدما

''بصائر وعبر'' کی کتابت ہو چکی تھی کہ یہ دردناک وحسرت ناک خبر آج ۲۵/ مارچ ۱۹۷۵ء، ۱۲/ ربیع الاول ۱۳۹۵ھ کو ۵/ بجے شام پاکستانی ریڈیو نے نشر کی کہ شاہ فیصل کو ان کے ظالم بھتیجے نے گولی کا نشانہ بنا دیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ مملکت سعودی کا یہ فرمانروا عصر حاضر کا سیاسی مفکر، اسلامی اتحاد کا داعی، جہاد فلسطین وقدس کا علم بردار، شعائر اسلام کی حفاظت میں بے مثال غیور فرمانروا تھا، ان کی شہادت پر جتنا ماتم ونوحہ کیا جائے کم ہے۔ اس نازک ترین دور میں عرب واسلامی دنیا کو ان کی بڑی ضرورت تھی اس وقت یہ پاسبان حرم اور خادم الحرمین الشریفین صرف حرمین وحجاز اور ریاض کا پاسبان نہ تھا بلکہ سچ یہ ہے کہ تمام عالم اسلامی اور تمام ممالک عربیہ کا پاسبان تھا، عرصہ کے بعد مسلمان وعرب سلاطین میں ایسا معتدل المزاج مدبر فمانروا پیدا ہوگیا تھا، جس کے تدبر وسیاست نے برطانیہ وامریکہ کو پریشان کر رکھا تھا، جس کے جود وکرم، نوال وعطا اور جود وسخا نے تمام پارینہ داستانوں کو پارہ پارہ کر دیا تھا، جس کے حسن اخلاق اور بردباری نے دشمنوں کو دوست بنالیا تھا، جس نے مصری سادات حکومت پر رحم وکرم کے خزانے کھول دیئے تھے۔ اسے ۵۷/ ملین ٹن پیٹرول دیا، سقوط نہر سوئز کا ابتداء سے آج تک جتنا خسارہ ہوا وہ سب پورا کر دیا، نہر سوئز کے شہر پورٹ توفیق کو جو اسرائیل کی بمباری سے تباہ وبرباد ہوگیا تھا مکمل طور پر دوبارہ آباد کرنے کا تکفل کیا۔ جس نے مصری حکومت کی اعانت کے لئے جہاد فلسطین وقدس کے واسطے مصر میں دو بینک کھول دیئے اور یہ اعلان کیا کہ اس مقصد کے لئے جتنی امداد کی ضرورت ہو وصول کرلیا کریں۔ جس نے شام کی حکومت کو ۳۵/ کروڑ ڈالر بطور قرض ۱۵/ کروڑ ڈالر کی امداد اور بیس کروڑ ڈالر ترقیاتی کاموں کے لئے دینے منظور کئے، جس نے عمان کی حکومت کو ایک کروڑ پچاس لاکھ ڈالر ماہانہ اور ڈیڑھ کروڑ ڈالر اپنی آمد کے موقعہ پر بطور خاص دینے کا

اعلان کیا تھا، جس نے تنظیم آزادی فلسطین کو پچاس لاکھ ڈالر سالانہ امداد دینے کا اعلان کیا تھا، جس نے پاکستان کے زلزلے میں ایک کروڑ ڈالر کا عطیہ دیا، سربراہ کانفرنس میں تیس کروڑ کا عطیہ دیا۔ جس نے پاکستان کی سلامتی اور امداد میں کوئی کسر باقی نہیں چھوڑی۔ یہ تو مرحوم کے دریائے سخا کے چند قطرے ہیں، ورنہ عالم اسلام میں ان کی سخاوت وجود کی کی نہریں بہہ رہی ہیں، اپنی یازدہ سالہ حکومت میں عرب اور مسلمانوں پر وہ عظیم احسانات کئے جو قیامت تک دنیا یاد رکھے گی۔ بلاشبہ حق تعالیٰ نے ان کے لئے زمین کے خزانے کھول دیئے تھے، ۲۹ ارب ڈالر سالانہ تک تیل کی آمدنی پہنچ گئی تھی، لیکن الحمدللہ کہ اس مرد حق نے بھی خوب شکر ادا کیا، مسلمانوں کی امداد کے لئے اپنے خزانوں کے دروازے کھول دیئے تھے۔ ان کی موت بلاشبہ تمام عالم اسلام کے لئے دور حاضر کا سب سے بڑا المیہ ہے، عرب سیاست میں ان کی رحلت سے جو خلا پیدا ہو گیا بمشکل پُر ہوگا۔ ان کے بھتیجے فیصل بن مساعد کے ہاتھ سے یہ حادثۂ کبریٰ پیش آیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ خدا کا شکر کہ مرحوم عمر کے آخری مراحل میں نالہائے سحری کے عادی ہو گئے تھے، نماز کے پابند تھے، مزاج میں تواضع ومسکنت کی انتہا تھی۔ راقم الحروف کو دو مرتبہ خصوصی ملاقاتوں میں قریب سے قریب تر ہو کر ان کی شخصیت کو پڑھنے اور دیکھنے کا موقع ملا تھا اور ان کے وقار ومتانت اور اسلامی ہمدردی کے گہرے نقوش قلب پر مرتسم ہو گئے تھے، حق تعالیٰ ان کے زلات کو معاف فرمائے اور جس طرح دولت کے خزانے ان کی زندگی میں ان کے لئے کھول دیئے تھے۔ اسی طرح ان کے مرنے کے بعد اپنی عفو ومغفرت اور رحمت بیکراں کے دروازے ان پر کھول دے، دولت وثروت کی زوال پذیر سلطنت کے بدلے محض اپنے فضل وکرم سے رحمت ورضوان کی لازوال سلطنت انہیں نصیب فرمائیں (آمین) اور ان کے جانشین خالد بن عبدالعزیز کو ان کا صحیح جانشین بنائے اور ان کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق نصیب فرمائیں (آمین)۔

[ربیع الثانی ۱۳۹۵ھ/مئی ۱۹۷۵ء]

مولانا عبدالودود مردانی رحمۃ اللہ علیہ

ماہ صفر ۱۳۹۵ھ میں گڑھی کپورہ ضلع مردان کے ہمارے ایک مخلص وصالح عالم دین مولانا حافظ عبد الودود صاحب واصل بحق ہوئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ مرحوم نے تمام عمر سلف کے طرز پر حفظ قرآن سے لے کر درسی علوم کے مختلف فنون کی کتابیں پڑھائیں، خاموشی کے ساتھ قناعت کی زندگی بسر کی، جمعیۃ العلماء احناف یوسف زئی کے ناظم اعلیٰ بھی تھے، کچھ عرصہ جمعیۃ علماء اسلام کے لئے شیخ الاسلام حضرت الاستاذ عثمانی رحمہ اللہ کی سرپرستی میں بھی خدمات انجام دیتے رہے۔ مرحوم سنجیدہ باوقار اور مرنجاں مرنج طبیعت کے مالک تھے، حضرت مولانا عبدالرحمن رحمہ اللہ بہبودی والوں سے شرف بیعت بھی حاصل تھا۔ اس طرح تھانوی سلسلہ کے فیض یافتہ تھے، تراویح میں ختم قرآن کریم کا معمول رہا۔ صرف آخری رمضان المبارک میں علالت کی وجہ سے صرف ۲۲/ بارے سنائے مگر ختم نہ کر سکے۔ شب وفات میں عشاء کی نماز باجماعت کی سعادت نصیب ہوئی تہجد کے لئے پانی

رکھوایا عین تہجد کے وقت آخری شب میں روح قفس عنصری سے پرواز کرگئی۔حق تعالیٰ مغفرت ورحمت ورضوان کے مقامات عالیہ نصیب فرمائیں۔آمین۔

[جمادی الاولیٰ ۱۳۹۵ھ/جون ۱۹۷۵ء]

آہ! علامہ ابوالوفا قندھاری رحمۃ اللہ علیہ

نشستہ در ظلم با قمر چہ کار مرا
چراغ تیرہ شبم با سحر چہ کار مرا

حضرت مولانا ابوالوفا قندھاری افغانی کی روح مبارک ملاءاعلیٰ کی طرف پرواز کرگئی، انا للہ وانا الیہ راجعون۔

اذاجاء اجلهم لا يستاخرون ساعة ولا يستقدمون

آج رات ۲۵، ۲۶ رجولائی ۱۹۷۵ء کی درمیانی رات شنبہ ۱۷ر رجب المرجب ۱۳۹۵ھ حیدرآباد دکن سے ایک تار یہ دردناک خبر لے کر آیا کہ حضرت مولانا ابوالوفا وفات پاگئے، ٹیلیگرام ۲۳ رجولائی کا ہے نہ معلوم وصال کب ہوا۔افسوس کہ ان چند ماہ میں آسمان علم کے کیسے کیسے آفتاب وماہتاب اور درخشاں ستارے یکے بعد دیگرے غروب ہوتے گئے، بصائر وعبر کے مرثیہ خوان قلم کی روشنائی خشک ہونے سے پہلے نو بہ نو مصیبت کی مرثیہ خوانی کرنی پڑ رہی ہے، حضرت والا مولانا سید محمد زکریا رحمہ اللہ کی وفات حسرت آیات کی جان کاہ مصیبت کا پہاڑ سر پر ٹوٹا جس نے دماغ کو پاش پاش کردیا ان ٹکڑوں کو سمیٹنے سے فرصت نہیں ملی تھی کہ ایک باخدا عالم، گمنام درویش، دور حاضر کے ولی اللہ، پارسا متقی، زاہد، فقہ حنفی کے محقق، حنفیہ کے محسن اعظم، فاضل قندھاری کی وفات نے حواس باختہ کردیا، انا للہ وانا الیہ راجعون۔افغانستان وقندھار کا یہ مایہ ناز عالم جس نے حیدرآباد دکن کو اپنا گہوارہ علم بنالیا تھا ان کے کمالات وصفات کے بیان کے لئے دفتر چاہئے۔

وہ فقہ حنفی کے امام تھے، قدماء حنفیہ کی کتابوں کے حافظ تھے، امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور امام محمد بن حسن رحمۃ اللہ علیہ کی کتابوں کے عاشق تھے، جس دیدہ ریزی سے ان ائمہ کی کتابوں کو دنیا کے گوشہ گوشہ سے جمع کرکے ان کی حفاظت کرتے تھے اور پھر ان کی اشاعت کے انتظامات کرتے تھے آج کی دنیا اس کا اندازہ لگانے سے بھی قاصر ہے، زہد وتقویٰ کا یہ پیکر مجسم جس مقام پر پہنچا تھا یہ عیش پرست دنیا اس کا تصور بھی نہیں کرسکتی، ورع وخشیت کا جو درجہ ان کو نصیب تھا عصر حاضر کا گمان بھی وہاں نہیں پہنچ سکتا۔

حیدآباد دکن جیسے شہر میں جس کی عیش پرستی کے سیلاب میں پہاڑ بھی بہہ گئے اور جہاں بڑوں بڑوں کے قدم بھی پھسل گئے، اس مرد خدا کے پائے استقامت کو کیا مجال کہ ذرہ برابر بھی لغزش پیدا ہوئی ہو، مرحوم صحیح معنی میں عالم باعمل تھے، قرآن کے حافظ تھے عشرہ قرأت کے عالم تھے، تجوید وقرأت میں دو کتابوں کے مصنف تھے،

رات کو جب اٹھتے تھے تو جب تک وضو کرتے تھے اور نماز کی تیاری کرتے تھے دردناک فارسی اشعار پڑھتے تھے اور خوب رویا کرتے تھے، پھر تہجد میں طویل طویل قیام کرتے تھے اور دردناک لہجے میں اس والہانہ انداز میں قرآن کریم کی قرأت کرتے کہ سننے والوں کو تڑپادیا کرتے تھے اور بسا اوقات آہ و بکا کی کیفیت طاری ہوتی تھی صبح کی نماز خود پڑھایا کرتے، طوال مفصل کی بڑی سورتیں پڑھتے تھے اور کبھی کبھی نماز میں حفص رحمۃ اللہ علیہ کی قرأت کے علاوہ بقیہ قرأت سبعہ میں سے کوئی قرأت پڑھا کرتے تھے۔ مدرسہ نظامیہ حیدرآباد دکن میں عرصہ دراز تک مدرس اور استاذ رہے تھے، بعد میں معمولی سی پنشن ہوگئی تھی، بس اسی حقیری پنشن سے قوت لا یموت کی زندگی بسر کرتے تھے۔ کسی رئیس جاگیردار کا نہ کھاتے تھے نہ کسی حیدرآبادی رئیس و جاگیردار کی دعوت قبول کرتے تھے۔ وہ جاگیردار جو صالحین میں شمار ہوتے تھے کبھی ان کے یہاں بھی چائے کا ایک گھونٹ تک نہیں پیا، باوجود اس کے یہ تمام حضرات رؤساء و جاگیرداران سے ایسی عقیدت رکھتے اور ان کا ایسا احترام کرتے تھے کہ عقل حیران ہے، کمال یہ ہے کہ کبھی ان رؤسا کے یہاں ملنے جایا کرتے تھے لیکن نہ چائے نہ پانی۔

عالم ہو یا غیر عالم غنی ہو یا فقیر کسی کا ہدیہ قبول نہیں کیا کرتے، خیرات وصدقات تو کجا۔ نہایت مخلصانہ ہدیہ جو بغیر اسراف کے ہو وہ بھی کبھی قبول نہیں کیا، یہ ان کا ایک خاص اضطراری ذوق تھا کسی کی حجت و دلیل نہیں سنتے تھے اس سلسلہ کے بڑے دلچسپ واقعات ہیں (۱)۔

مولانا محمد انوار اللہ صاحب مرحوم کے شاگرد رشید تھے، اکثر کتابیں حیدرآباد دکن میں مرحوم سے پڑھی

---

(۱) یہاں ایک واقعہ کا ذکر کرنے کو بے اختیار جی چاہتا ہے جو خود حضرت بنوری مدظلہ کو پیش آیا، وہ حضرت ہی کے الفاظ میں یہاں نقل کیا جاتا ہے۔ ایک زمانہ میں مولانا مرحوم پر تنگی کا ایسا دور تھا کہ کئی کئی دن کا فاقہ ہوتا مجھے (حضرت بنوری کو) مرحوم کا اصول معلوم تھا کہ وہ کسی کا ہدیہ قبول نہیں فرمایا کرتے، میں نے مولانا محمد موسیٰ میاں افریقی کو مولانا کے بارے میں لکھا، انھوں نے مرحوم کے نام بغیر کسی تعارف کے کچھ رقم بھیجی مرحوم نے مجھے ڈابھیل خط لکھا کہ یہ افریقہ میں کون صاحب ہیں جنہوں نے مجھے رقم بھیجی ہے، اور میرا پتہ ان کو کس نے بتایا؟ اور یہ کہ میں اس رقم کو واپس کرنا چاہتا ہوں اس کی واپسی کی صورت کیا ہوسکتی ہے؟ میں نے لکھا کہ یہ ایک مخیر عالم ہیں علماء کرام کو عموماً ہدایا بھیجتے رہتے ہیں ان کو آپ کے نام سے واقفیت ہوگی اس لئے انھوں نے آپ کو بھی ہدیہ بھیج دیا ہوگا۔ آپ اسے واپس نہ کیجئے بلکہ قبول فرما لیجئے۔ آپ کو وہ حدیث معلوم ہے کہ ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو کچھ مال عطا فرمانا چاہا تو انھوں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ کسی ایسے شخص کو دیجئے جو مجھ سے زیادہ ضرورتمند ہو۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ''بغیر اشراف نفس کے کچھ مل جائے تو اسے قبول کرلیا کرو'' اور آپ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے زیادہ زاہد نہیں، لہذا آپ بھی اس ہدیہ کو جو اشراف نفس کے بغیر آیا ہے رد نہ فرمائیے۔ مرحوم نے اس کے جواب میں لکھا کہ تم نے یہ حدیث نہیں پڑھی کہ ''الید العلیا خیر من الید السفلی'' میں نے لکھا کہ اول تو یہ حدیث ہدیہ سے متعلق نہیں بلکہ صدقہ سے متعلق ہے، علاوہ ازیں ''ید علیا'' کی ایک تفسیر لینے والے ہاتھ سے بھی کی گئی ہے۔ بہرحال آپ کے پاس اس ہدیہ کے رد کرنے کی کوئی وجہ نہیں۔ مرحوم نے پھر لکھا کہ میں یہ دروازہ ایک دفعہ بند کرچکا ہوں اب تمہاری تلقین سے اس کو کھولنا نہیں چاہتا بس مجھے یہ بتاؤ کہ یہ رقم کیسے واپس کی جائے؟ اس کے بعد خط آیا کہ اب مجھے طریقہ معلوم ہوگیا ہے۔ بہرحال اس شدید تنگی میں بھی موصوف نے اس رقم کا ایک حبہ تک استعمال نہیں کیا بلکہ پوری کی پوری رقم واپس کرکے دم لیا۔ کیا اس حرص وطمع کے دور میں اس کی نظیر مل سکتی ہے؟ اس نوعیت کے نہ جانے کتنے واقعات مرحوم کو پیش آئے ہوں گے۔ (مدیر)

تھیں، اس لئے حیدرآباد دکن بعد میں ان کا مسکن اور وطن ثانی بنا، موصوف کی زندگی کا سب سے بڑا قابل صد فخر کارنامہ احیاء المعارف النعمانیہ جیسے ادارے کی تاسیس ہے، اس ادارے کا اساسی مقصد یہ تھا کہ حضرات ائمہ کرام، امام ابوحنیفہ، ابو یوسف، محمد بن الحسن شیبانی رحمہم اللہ کی اصلی کتابوں کو مہیا کر کے تعلیقات ومقدمات کے ساتھ عمدہ سے عمدہ صورت میں شائع کیا جائے۔ اس کے بعد طبقہ ثانیہ وثالثہ کے ائمہ فقہا حنفیہ کی تالیفات کی خدمت کی جائے، امام العصر حضرت مولانا محمد انور شاہ رحمہ اللہ جیسی ہستی اس ادارے کی معاون رکن بن گئی اور جیب خاص سے ایک رقم بھی عطا فرمائی، اس لحاظ سے حضرت شیخ کی رہنمائی اور اعانت کا شرف اس ادارے کو حاصل رہا اور حضرت شیخ کی رہنمائی سے ہی یہ معلوم ہوا کہ قاہرہ میں ایک محقق حنفی عالم الشیخ محمد زاہد کوثری موجود ہیں، چنانچہ امام العصر کے بعد دوسری ہستی، محقق روزگار، متصلب حنفی، وسیع النظر، ترکی علامہ کی سرپرستی بھی ان کو نصیب ہوئی۔

۱۳۵۰ھ سے ۱۳۷۱ھ تک مدۃ العمر حضرت شیخ کوثری اس ادارے کے بے نظیر علمی معاون اور رہنما رہے، نہ صرف رہنما بلکہ مقدمات وتعلیقات میں نام بے نام اصلاح فرمایا کرتے تھے اور استنبول کے علمی کتب خانہ کے نوادرات کی اطلاع دیا کرتے تھے، اور ان کے فوٹو وغیرہ منگوانے میں ان کی رہنمائی فرمایا کرتے تھے اور طباعت کے لئے کتابوں کا انتخاب ان کی رائے سے ہوتا تھا، قاہرہ میں شیخ رضوان محمد رضوان ان کی رہنمائی سے وکیل احیاء المعارف منتخب ہوئے جن کی کوششوں سے احیاء المعارف کی کتابیں قاہرہ میں آب وتاب سے عمدہ تصحیح کے ساتھ چھپنی شروع ہوگئیں، حضرت شیخ کوثری کی رہنمائی ہی سے ادارہ نادر ترین مخطوطات سے مالا مال ہوگیا اور امام ابوزید دبوسی اور امام جصاص کے نوادر مؤلفات ادارے میں پہنچ گئیں، حضرت مولانا مفتی مہدی حسن صاحب شاہ جہاں پوری کا امام العصر حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ کی وجہ سے ادارے سے تعلق ہوا، "کتاب الحجة علی اهل المدينة" انہی کی تصحیح ومقابلہ وتعلیقات سے حیدرآباد میں طبع ہوئی، رفتہ رفتہ مجلس علمی ڈابھیل کی بھی توجہ ہوئی اور امام محمد بن الحسن کی کتاب الآثار کی شرح مولانا ابوالوفا صاحب رحمہ اللہ سے لکھوانے کی خواہش کی جس کی دو جلدیں طبع ہوگئیں اور غالباً شرح پوری نہ ہوسکی یا طباعت پذیر نہ ہوسکی۔ راقم الحروف بنوری کو ۱۳۵۰ھ میں اس ادارے کی مجلس عاملہ کا رکن منتخب کیا گیا۔ بعد میں غالباً مولانا عبدالرشید نعمانی کو بھی ادارے کا ممبر بنایا، الغرض احیاء المعارف النعمانیہ کے ذریعہ جس طرح ٹھوس علمی خدمت کی اور قدماء ائمہ اور قدماء فقہاء حنفیہ کی کتابیں عمدہ ترین ٹائپ میں تعلیقات ومقدمات کے ساتھ شائع کرتے رہے، یہ قیامت تک ان کی یادگار رہے گی اور انشاء اللہ تعالیٰ ان کے لئے صدقہ جاریہ رہے گا، احیاء المعارف النعمانیہ کی جس انہماک وشغف اور عشق ومحبت سے علمی خدمت کی اس کی نظیر ہم نے نہ کبھی دیکھی نہ سنی اور اگر نہ دیکھتے تو یہ گمان بھی نہیں ہوسکتا تھا کہ ایسی کوئی ہستی بھی ہوگی جو اس انداز سے خدمت کرتی ہو۔ شب وروز علاوہ عبادت وسحر خیزی کے یا تصحیح ومقابلہ ہے یا تعلیق کا کام ہے۔ اور کمال تو یہ تھا کہ خود ایک حبہ تک کا معاوضہ مجلس سے نہ لیتے تھے اور کوشش یہ ہوتی تھی کہ دوسرا شریک کار مقابلہ کے لئے بھی ایسا ملے کہ معاوضہ نہ دینا پڑے۔

ڈاکٹر حمید اللہ صاحب حیدرآبادی- متع الله الامة بخدماته الدينية- جو آج کل پیرس میں قیام پذیر ہیں، وہ ادارے کی مجلس عاملہ کے رکن تھے ان سے بھی مقابلہ وتصحیح کی خدمات لیتے تھے، انتہائی عسرت تکلیف کی زندگی گذارتے تھے اور انتہائی معمولی حقیر پنشن پر زندگی بسر کرتے تھے لیکن کیا مجال کہ کوئی معاوضہ مجلس سے وصول کریں، آج انہی کے اخلاص واحتیاط کی برکت سے ادارے کے کتب خانے میں بے شمار علمی مخطوطہ نوادر کا ذخیرہ جمع ہو گیا اور مطبوعات کا بڑا سرمایہ فراہم ہو گیا خود مرحوم کا بڑا نادر کتب خانہ تھا نہ معلوم کہ ان ذخائر علمیہ اور علمی خزانوں کا کیا حشر ہوا ہوگا۔ حضرت مرحوم نے تجرد کی زندگی گذاری اور تمام زندگی علمی خدمات کی نذر کی اور تقریبا پچاس برس تک احیاء المعارف کی جلیل القدر قابل رشک خدمات انجام دیں، مرحوم کی برکت سے کتب ستہ میں سے پہلی مرتبہ الجامع الکبیر مصنفہ امام محمد بن الحسن عمدہ تعلیقات ومقدمہ کے ساتھ زیور طبع سے آراستہ ہوئی اور امام ابو یوسف کی کتاب الآثار کا پہلی مرتبہ دنیائے علم کو علم ہوا کہ امام ابو یوسف کی بھی کتاب الآثار ہے، مرحوم ہی کی کوشش سے حکومت کے مطبعہ دائرۃ المعارف سے امام محمد رحمہ اللہ کی کتاب المبسوط شائع ہونی شروع ہوئی۔ اس شہید علم پر اللہ تعالیٰ کی رحمتیں نازل ہوں جس نے اس پر آشوب دور میں سلف صالحین کی یاد تازہ کر دی، میرا انتہائی اصرار رہا کہ ادارے کو پاکستان کراچی منتقل فرما دیں، میری طرف سے ہر ممکن امداد سے دریغ نہ ہوگا کیونکہ مجھے یہ محسوس ہو رہا تھا کہ آپ کے بعد ادارے کا مستقبل تاریک ہے اور اس شمع فروزاں کے بعد اندھیرا ہی اندھیرا ہوگا، میرے اصرار پر بات سمجھ میں آ گئی تھی اور وعدہ فرمایا کہ اگر ارکان مجلس راضی ہوں تو میں اس سلسلہ میں عملی قدم اٹھاؤں گا لیکن افسوس کہ یہ خواب شرمندہ تعبیر نہ ہو سکا، کاش اگر ڈاکٹر حمید اللہ صاحب حیدرآباد میں ہوتے تو شاید ادارے کی حیات کی صورت باقی ہوتی، مقدرات کا کیا چارہ کار کیا جائے، تفصیلات تو معلوم نہیں لیکن اجمالاً تو مایوسی ہے، خدا کرے کہ مایوسی کی اس شب دیجور میں کوئی امید کی کرن پیدا ہو، مولانا ابوالوفا قندھاری افغانی کی وفات سے ورع وزہد کا ایک پیکر، تقویٰ وخشیت الٰہی کی قوی روح، جہد وسعی کا ایک حیرت انگیز نمونہ، سلف صالحین کی عجیب یادگار، بوس وخمول کی حیثیت سے ہو یا قناعت وزہد کی جہت سے ہو ایک عظیم ترین شخصیت دنیا سے رخصت ہو گئی، بس اللہ تعالیٰ ہی کی قدرت ہے کہ ایک ضعیف ونحیف جسم میں قدیم ترین سلف کی روح جلوہ گر ہو گئی تھی، عصر حاضر میں اس کا تصور بھی نہیں ہو سکتا علم وعمل، شب خیزی اور نالہائے سحری کا یہ بلبل ہمیشہ کے لئے خاموش ہو گیا، بہار دنیا میں جو روز افزوں خزاں کی ہوائیں چل رہی ہیں بجز قدرت خداوندی کوئی توقع نہیں کہ دوبارہ اس چمنستان دہر میں ایسا گلدستہ نمودار کرے جس کی خوشبو سے دماغ علم معطر ہو، وفی الله عزاء من كل فائت۔ حق تعالیٰ ان کی روح پر فتوح پر جنت الفردوس کے دروازے کھول دے اور نعیم جنت کے رحمت ورضوان کے وہ مقامات عالیہ نصیب فرمائے جو ارحم الراحمین کی رحمت ازلیہ کے شایان شان ہوں:

اللّٰهم اغفر له، اللّٰهم ارحمه، اللّٰهم ارفع درجاته عندك في مقعد صدق یارب العلمين.

قاری محمد حسن امروہوی رحمۃ اللہ علیہ

افسوس کہ ہمارے محترم قاری محمد حسن صاحب امروہوی نے جمعرات ۹ ؍جمادی الاخری ۱۳۹۵ھ، ۱۹؍ جون ۱۹۷۵ء صبح کو داعی اجل کو لبیک کہا، مرحوم قاری محمد صدیق بنگالی استاذ مدرسہ فرقانیہ لکھنو کے شاگرد رشید تھے، لیکن اپنی خداداد قابلیت اور موزونیتِ طبع سے حسن تجوید وحسن قرات اور حسن تلاوت کے اس مقام پر پہنچے تھے کہ متحدہ ہندوستان میں ان کی کوئی ہمسری نہیں کرسکتا تھا، میں نے اپنی زندگی میں اتنا موثر پڑھنے والے قاری کو کبھی نہیں دیکھا نہایت وقار وخشوع کے ساتھ وردناک آواز میں اس انداز سے تلاوت فرماتے تھے کہ معلوم ہوتا تھا کہ یہ قرآن آج نازل ہورہا ہے، خصوصاً فجر کی نماز میں سننے والوں پر ایسی کیفیت طاری ہوتی تھی کہ دنیا ومافیہا سے غائب ہوجاتے تھے۔ رنگون، راندیر، سورت، ریاست قلات میں زندگی گذاری، آخری زندگی کراچی میں گذری، افسوس کہ کوئی اپنا شاگرد رشید ایسا نہیں چھوڑا جس سے ان کی یاد تازہ ہو، طبیعت میں انتہائی ظرافت تھی، خوش مزاج مرنج مرنجان تھے ان میں محاکات کا مادہ غضب کا تھا جب کسی کی نقل اتارتے تو اصل سے یہ نقل بڑھ جاتی تھی، کبھی کبھی مدرسہ عربیہ اسلامیہ میں بعد عصر تشریف لایا کرتے تھے ان کی آمد سے اچھی خاصی محفل قرأت آراستہ ہوجاتی تھی، طلبہ سے قرآن سنتے اور خود بھی سناتے، اچھے پڑھنے والوں کے بڑے قدردان تھے اور انکی قراءت سے بے حد محظوظ ہوتے تھے۔ افسوس کہ راقم الحروف اپنی علالت کی وجہ سے نماز جنازہ میں شرکت سے محروم رہا۔

رحمه الله رحمة واسعة، وارفع درجاته فی مقعد صدق عند مليك مقتدر.

مولانا ابواحمد عبداللہ لدھیانوی رحمۃ اللہ علیہ

پنج شنبہ ۲۹ ؍جمادی الاخری ۱۳۹۵ھ، مطابق ۱۰ ؍جولائی ۱۹۷۵ء کو قبیل مغرب گوجرانوالہ میں حضرت مولانا ابواحمد عبداللہ لدھیانوی کا قریباً ۹۳ ؍سال کی عمر میں انتقال ہوا، انا للہ وانا الیہ راجعون۔ مرحوم موضع بلیہ وال ضلع لدھیانہ (مشرقی پنجاب) کے ایک علمی خاندان کے چشم وچراغ تھے، مرحوم کو مولانا نور احمد امرتسری، مولانا مفتی محمد حسن، مولانا سلطان محمود، امام العصر مولانا سید محمد انور شاہ کشمیری اور حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندی (نور اللہ قبورہم) سے شرف تلمذ حاصل تھا اور حضرت مفتی محمد حسنؒ کے خلیفہ مجاز تھے، حضرت شیخ الہندؒ نے اپنے دست مبارک سے انہیں حدیث کی سند اجازت لکھ کر دی تھی، جو ایجاز کا اعلیٰ نمونہ ہے، تبرکاً اس کا متن درج ذیل ہے:

بسم الله الرحمن الرحيم

نحمده ونصلی علی نبيه الكريم وبعد!

فان الصالح السعيد المولوی عبد الله قدقرا الامهات الست فی الحديث، فانا اجيزه باذن الله واوصيه بالبر والتقوىٰ والله الموفق

والمعین۔ فقط

العبد
محمود عفی عنہ
یکم ذیقعدہ ۱۳۳۳ھ

مرحوم نے زندگی کا طویل سفر اپنے اسلاف و اکابر کے نقش قدم پر طے کیا، مدۃ العمر تعلیم و تدریس اور ارشاد و تلقین کے پاکیزہ مشاغل میں منہمک رہے، تقسیم سے قبل لدھیانہ وغیرہ میں تدریس کے فرائض انجام دیئے اور تقسیم کے بعد گوجرانوالہ میں آ رہے اور وہاں ''دارالعلوم نعمانیہ'' کے نام سے ایک تعلیمی ادارہ قائم کیا، جس کے آخر دم تک مہتمم رہے۔ قیام پاکستان کے بعد موصوف عالم اسلام کے اتحاد اور ارباب حکومت کی اصلاح کے لئے متفکر رہا کرتے تھے، ان پر پاکستان کے ارباب حل و عقد، اعلیٰ افسران، فوجی حکام اور عالم اسلام کے سربراہوں اور چید شخصیتوں کو دینی دعوت دینے کا جذبہ غالب آ گیا تھا ان کا یہ احساس تھا اگر عالم اسلام کے ذمہ دار افراد کا رخ اسلام کی طرف پھر جائے اور وہ اسلام کو ایک ضابطہ حیات اور ایک لائحہ عمل یقین کر کے صدق دل سے اس پر عمل پیرا ہو جائیں تو مسلمان آج بھی اقوام عالم سے آگے نکل سکتے ہیں، اس پیغام کو متعلقہ حضرات تک پہنچانے کے لئے موصوف نے ایک ادارہ تصنیف و تالیف قائم کیا تھا، جس کے زیر اہتمام متعدد کتابیں خود مرتب کر کے ہزاروں کی تعداد میں شائع کیں اور اعلیٰ احکام اور سربراہان عالم اسلام کے نام ارسال کیں۔ حق تعالیٰ شانہ مرحوم کو اپنی رحمت و رضوان سے نوازے اور ان کے گرامی قدر صاحبزادگان مولانا عبدالواسع، مولانا محمد اسماعیل، مولانا حافظ محمد طاہر اور مولانا محمد احمد کو ان کا صحیح جانشین بنائے، آمین۔

[شعبان المعظم ۱۳۹۵ھ/ستمبر ۱۹۷۵ء]

مولانا فاروق احمد بہاولپوری رحمۃ اللہ علیہ

استاذ العلماء حضرت مولانا فاروق احمد رحمۃ اللہ علیہ کی وفات حسرت آیات سے بہاول پور کے ان جلیل القدر علماء کرام کی یاد تازہ ہو گئی جن میں شیخ الجامعۃ العباسیہ مولانا غلام محمد گھوٹوی، مولانا احمد علی، مولانا محمد صادق، مولانا عبید اللہ، مولانا محمد علی رحمہم اللہ تعالیٰ کی جیسی نادر روزگار شخصیتیں شامل ہیں۔ مولانا سہارنپور کے علمی خاندان کی یادگار تھے۔ اور برِّ اعظم کے مشہور عالم دین مولانا خلیل احمد سہارن پوریؒ کے حقیقی بھتیجے تھے۔ بہاول پور میں نصف صدی سے ادھر کا عرصہ قال اللہ و قال الرسول اور درس و تدریس میں گذارا، باوجود پیرانہ سالی اور کمزوری کے ابھی تک مرحوم کے فیوض کا سلسلہ جاری تھا جس سے اہلیان بہاول پور محروم ہو گئے۔ مرحوم کی قیام گاہ مرجع خاص و عام بنی ہوئی تھی۔ صبح اور شام کے اوقات میں بے شمار مخلوق آپ کے فیوض و برکات سے فی سبیل اللہ مستفیض ہوتی تھی۔

اس قحط الرجال کی دور میں حضرت رحمۃ اللہ علیہ کا وجود کسی نعمت عظمیٰ سے کم نہ تھا جس سے اہلیانِ بہاولپور محروم ہو گئے۔ مولانا نے ۲۷؍رمضان المبارک کو داعی اجل کو لبیک کیا اور ۲۷، ۲۸؍رمضان المبارک کی درمیانی بابرکت شب کو علماء، صلحاء، حفاظ اور عوام وخواص کے اجتماع عظیم نے آپ کی نماز جنازہ میں شرکت کی، جس کے بعد ایک اشک بار جم غفیر کی موجودگی میں انھیں سپرد خاک کر دیا گیا۔ اللہ تعالیٰ مغفرت فرمائیں اور اعلیٰ علیین میں جگہ دیں۔ آمین۔

انا للہ وانا الیہ راجعون

[ذوالقعدہ ۱۳۹۵ھ/دسمبر ۱۹۷۵ء]

مولانا گل محمد سکھروی رحمۃ اللہ علیہ

یوم الجمعہ ۲۱؍ذوالحجہ ۱۳۹۵ھ، دسمبر ۷۵ء کو میری دوسری اہلیہ کے والد ماجد مولانا گل محمد صاحب سکھر میں واصل بحق ہوئے، انا للہ وانا الیہ راجعون۔ مرحوم کے اخلاص، کرم نفس، جود وسخا، ہمت ومردانگی، جفاکشی، غیرت دینی، مکارم اخلاق کا مجھے پہلے سے علم ہو چکا تھا، دو سالہ تعلق کے عرصہ میں ان کے اوصاف حمیدہ کا مشاہدہ بھی ہوتا رہا، طویل ترین علالت کے دوران ان کی استقامت وصبر کو دیکھ کر حیرت ہوئی، آخر میں دق وسل جیسے موذی مرض میں مبتلا ہوئے لیکن کیا مجال کہ ان کی خوش خلقی اور صبر وتحمل میں ذرا بھی فرق آیا ہو، کبھی اپنی تکلیف کی کسی سے شکایت نہیں کی، حکایت حال کے طور کچھ زبان پر کبھی آیا تو آیا، خواص میں اس قسم کے کمالات ہوں تو زیادہ تعجب نہیں ہوتا لیکن عوام امت میں ایسے قابل رشک صفات یقیناً باعث تعجب ہیں۔ حق تعالیٰ کی اس مخلوق کے گمناموں میں نامعلوم کتنے اولیاء اللہ ہیں جن کا کسی کو علم نہیں، اگر مشاہیر میں یہ کمالات ومحاسن موجود ہوں جب بھی قابل قدر ہیں، لیکن غیر مشہور گمنام شخصیتوں میں اس قسم کے محاسن حیرت افزا ہیں، خدا کا شکر ہے کہ مرحوم کا تمام خاندان صالحین واہل علم کا ہے، ان کے والد ماجد حضرت مولانا شیر محمد صاحب مستند عالم اور خدا شخصیت تھی، صرف ونحو کے تو امام تھے، حضرت عارف سندھی مولانا حماد اللہ ہالیجوی سے بیعت واصلاح کا تعلق تھا، بارہا ملاقات ہوئی، ان کی بزرگانہ شفقت واخلاص کا ممنون ومعترف ہوں، مرحوم انوار العلوم سکھر کے روح رواں تھے، اس کی ترقی کے لئے ہمیشہ کوشاں تھے، ان کی اہلیہ محترمہ طلبہ کے لئے سکھر کی گرمی میں سالن اور روٹی اپنے ہاتھ سے تیار کیا کرتی تھیں اور صبح وشام گھنٹوں یہ صبر آزما خدمت انجام دیا کرتی تھیں اور اب بھی کرتی ہیں، بیماری وعلالت میں کبھی کوئی نماز فوت نہیں ہوئی، جس رات صبح کو وفات مقدر تھی اشارے سے تہجد پڑھی اور سورہ رحمن وسورہ یاسین کی تلاوت کی اور تبسم کیا، تیمارداروں کو الوداع کہی سب کو صبر کی تلقین کی، جزع وفزع اور آہ وبکاء رد کنے کی وصیت کی، جمعہ کی صبح اذان کے بعد بھائیوں اور بیٹوں کو نماز کے لئے جانے کا حکم دیا اور اس دوران ان کی روح ملاءاعلیٰ کی طرف پرواز کر

گئی، انا للہ وانا الیہ راجعون ۔حق تعالیٰ جنت الفردوس میں درجات عالیہ نصیب فرمائے اور رحمت ورضوان ومغفرت کے مقامات عالیہ سے سرفراز فرمائیں، آمین۔میری اہلیہ کواسی جمعہ کی رات یعنی وصال سے چند لمحے قبل خواب میں زیارت ہوئی صبر واستقاست کی تلقین کی، دنیا سے رخصتی کا حال سنایا اور اپنا حسین وخوبصورت اور دلاویز گھر جنت میں دکھلایا، والہانہ انداز سے اہلیہ نے اس مکان میں رہنے کا اشتیاق ظاہر کیا تو فرمایا کہ تمھیں بھی یہاں آنا ہے لیکن ابھی وقت نہیں آیا، فرمایا محنت کرو تمھارا گھر بھی تیار ہوگا، میرا گھر تیار ہوگیا، حسب عادت راقم الحروف کی خدمت درضا جوئی کی وصیت فرمائی۔

خدا رحمت کند ایں عاشقاں پاک طینت را

افسوس کہ باوجود کوشش جنازے پر نہ پہنچ سکا، تدفین کے بعد مزار پر فاتحہ خوانی نصیب ہوئی

ان لله ما اخذوله ماعطى وكل شيء عنده باجل مسمّى فالحمد لله رب العالمين حمد الصابرين الى يوم الدين.

[محرم الحرام ۱۳۹۶ھ/فروری ۱۹۷۶ء]

مولانا عبدالباری انصاری لکھنوی رحمۃ اللہ علیہ

جمعہ کے مبارک دن ۲۸ رمحرم ۱۳۹۶ھ، ۳۰ رجنوری ۱۹۷۶ء دور حاضر کے اسلامی مفکر، عصر حاضر کے متکلم وفیلسوف حضرت مولانا عبدالباری انصاری لکھنوی ہمیشہ کے لئے ہم سے رخصت ہو گئے اور ان کی روح پاک عالم غیب کی طرف پرواز کر کے واصل بحق ہو گئے. انا لله وانا اليه راجعون

وہ عالم تھے، وہ عارف تھے، وہ صوفی باصفا تھے، سراپا اخلاص تھے، ورع وتقوی کے پیکر تھے، عصر حاضر کے علماء ربانیین کے ایک ممتاز فرد تھے، حیدرآباد دکن کی سرزمین میں دنیا سے الگ ہو کر اپنی دنیا بسانے والے ایک ہی شخص نظر آئے، مرحوم کا ابتدائی تعارف حضرت مولانا سید سلیمان صاحب ندوی کی سیرۃ النبی کے جزء سوم سے ہوا، جس میں معجزات پر ان کا فاضلانہ مضمون ہے پھر غالباً ۱۳۵۹ھ میں حیدرآباد دکن میں پہلی ملاقات کا شرف بمعیت حضرت مولانا مناظر احسن گیلانی مرحوم حاصل ہوا، دوسری ملاقات کا شرف اس وقت نصیب ہوا جب میں دارالعلوم اسلامیہ ٹنڈو اللہ یار میں ۱۳۷۰ھ میں اقامت پذیر تھا اور مہمانی کی سعادت بھی نصیب ہوئی اور دو ایک مجالس بھی رہیں جن میں ہم دونوں ایک دوسرے کے بہت قریب ہوئے اور ''صدق جدید'' میں مرحوم نے اپنے سفر نامے میں اس کا ذکر بھی فرمایا، پھر تیسری ملاقات کی سعادت کراچی میں حاصل ہوئی جبکہ مدرسہ عربیہ اسلامیہ کراچی کی بنیاد پڑ چکی تھی اس مرتبہ الحمد للہ قریب سے قریب تر دیکھنے کا موقع ملا اور مجالس میں ان کو اچھی طرح پالیا اور عقیدت ان سے بڑھ گئی، فکر کی گہرائی میں قرآنی حقائق کے ذوق میں بے مثل تھے، نئی نسل کی تربیت

واصلاح پر غور کرنے میں بے نظیر تھے۔

جدید فلسفے اور جدید الٰہیات پر ان کی نظر اور ہمہ گیری حیرت انگیز تھی، ان جدید فلاسفہ کے نظریات پر اتنی وسیع نظر تھی کہ حیرت ہوتی تھی گویا ان کے سر پر جوتے مارے ہیں، ان کی نظر نہیں ملتی، ان کے افکار کو جس جستجو اور عرق ریزی سے یکجا کر کے ان سے استنباط کرتے تھے انہی کا حصہ تھا۔

حضرت حکیم الامتؒ کے دامن سے وابستگی سے تو ان کی دنیا ہی بدل گئی اپنی جائداد اور وسائل معاش کو خدمت دین کے لئے وقف کر کے حضرت تھانوی قدس سرہ کے علوم اور حقائق ومعارف کو جدید نسل کی رہنمائی کے لئے مفید سے مفید ومؤثر بنانے کے لئے تمام قلمی وفکری صلاحیتیں ختم کر دیں اور یہ ان کی زندگی کا اہم ترین کارنامہ ہے، حضرت تھانوی قدس سرہ کی تمام مختلف الانواع تصانیف سے، متفرق موضوعات سے، منتشر ملفوظات سے، مواعظ حکیمہ سے ایک ایک چیز موضوع کے تحت یکجا کر کے روح نکال دی، اس کی مؤثر تمہیدات اور منقح تشریحات سے چار چاند لگا دیئے، درحقیقت تمام امت پر اور خصوصاً تھانوی بارگاہ کے خوشہ چینوں پر ناقابل فراموش احسان کیا ہے۔

اصلاح علم وعمل کے نام سے سورہ العصر کی تفسیر لکھ کر تمام علماء اور خادمانِ دین کو عبرت آموز سبق دیا۔ ''سائنس اور مذہب'' جیسی نافع وعظیم تصنیف سے تمام فلاسفہ اور ملاحدہ کے سر پر جوتے لگائے اور اللہ تعالیٰ کی حجت پوری کر دی، زہد وقناعت کی قابل رشک زندگی بسر کی، تمام مرغوبات ولذائذ کو یک قلم ترک کے زاہدین کے لئے نظیر قائم کر گئے، بلاشبہ دور حاضر کی مخلص ترین باخدا شخصیت تھی افسوس کہ ان کے کمالات وخصائص ان کے ساتھ دفن ہو گئے، علماء اور ارباب قلم میں اس ذوق اور ان خصوصیات کی کوئی ہستی نظر نہیں آتی، انا للہ وانا الیہ راجعون۔

خدا رحمت کند ایں عاشقان پاک طینت را

اللہ تعالیٰ کی ہزار ہزار رحمتیں ہوں اس مشتِ استخوان پر اور ہزاروں ہزار رحمتیں ہوں ان کی روح پر فتوح پر جنت الفردوس میں اپنے حضرت شیخ تھانوی کے جوار قدس میں مقام اعلیٰ نصیب ہو اور ان کی روح ان مخلصانہ ومحققانہ تصانیف کے ثمرات سے اور فقیرانہ زندگی کی برکات سے مالامال ہو۔

آمین یارب العالمین وصلی اللہ علی صفوۃ البرایۃ خاتم النبیین سیدنا محمد وآلہ وصحبہ اجمعین.

مولانا سید مہدی حسن شاہ جہان پوری رحمۃ اللہ علیہ

جس طرح بارانِ رحمت سے خشک صحرا، وادیاں، جھلسے ہوئے کھیت اور خشک باغات سرسبز وشاداب ہو کر لہلہاتے ہیں، ٹھیک اسی طرح علماء ربانیین کا وجود قلوب عباد کے لئے باران رحمت ہے، بلکہ علماء حقانی کا وجود تمام کائنات کے لئے رحمت ونعمت ہے، ان کے وجود سے دلوں کو حیات، روحوں کو غذا اور دماغوں کو تازگی ملتی ہے،

فضاء عالم منور ہوتی ہے، ظلمات کفر وضلال کافور ہو جاتی ہیں، بلکہ صحیح تعبیر یہ ہے کہ اس عالم کی بقاء کا راز علماء ربانیین کے وجود میں مضمر ہے اور یہی وجہ ہے کہ سمندروں کی مچھلیاں، صحراؤں کے کیڑے مکوڑے اور جنگلات کے حشرات وحیوانات تک ان کے لئے دعا کرتے ہیں، آسمانوں کے فرشتے دعا کرتے ہیں، زمین کے فرشتے ان کے قدموں کے نیچے پر بچھاتے ہیں، بلاشبہ جو ہستیاں انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی وارث، نیابت نبوت کی زینت بخش اور ہدایت مخلوق کا ذریعہ ہوں ان کے یہ فضائل ہونے چاہئیں، چنانچہ زبان خاتم نبوت صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ اور اس قسم کے فضائل ان کے منقول ہیں۔ انہی علماء ربانیین میں سے حضرت مولانا سید مہدی حسن شاہجہان پوری کی شخصیت تھی جن کی زندگی کے ستر سال سے زیادہ قرآن وحدیث وفقہ وعلوم اسلامی کی خدمت میں گزرے، رجب ۱۳۰۰ھ شاہجہانپور محلہ ''ملاخیل'' میں ولادت باسعادت ہوئی اور غالباً ماہ جمادی الاولی ۱۳۹۶ھ کے اواخر میں شاہجہانپور محلہ ''جھنڈا کلاں'' میں واصل بحق ہوئے،، اناللہ وانا الیہ راجعون۔ گیارہ سال راندیر ضلع سورت میں پوری صحاح ستہ پڑھائیں، جامعہ اشرفیہ میں سات سال اور جامعہ محمدیہ میں چار سال۔ نیز متفرق علوم کی کتابیں پڑھاتے رہے اور افتاء کا کام بھی کرتے رہے، پورے تیس سال راندیر سورت میں افتاء کی خدمت انجام دی، ۱۳۶۸ھ سے لیکر ۱۳۹۰ھ تک دارالعلوم دیوبند میں صدارت افتاء کی خدمات انجام دیتے رہے اور شرح معانی الآثار طحاوی بھی پڑھاتے رہے اور سالہا سال کے بقایا استفتاءات، ہزاروں کی تعداد میں نمٹائے اور تقریباً اٹھارہ گھنٹے یومیہ مشغول رہتے تھے، آخری عمر میں فالج کا حملہ ہوا کچھ افاقہ ہوا لیکن ہاتھوں پر رعشہ کا اثر باقی رہا، دارالعلوم کا تعلق ختم ہو گیا تھا اور اپنے گاؤں شاہجہان پور میں مرض کے ایام گزارتے رہے، آپ تعجب کریں گے کہ مرتعش ہاتھوں میں قلم لے کر ایک اہم ترین کتاب کی تصنیف شروع کی یعنی امام ابو محمد ابن حزم کی کتاب ''المحلی'' پر تنقید، جہاں امام موصوف کے قلم نے وہ کام کیا جو حجاج کی تلوار کرتی تھی اور علماء میں عام مثل ہے ''سیف الحجاج و قلم ابن حزم تو أمان'' کہ حجاج بن یوسف کی تلوار اور ابن حزم کا قلم دونوں جڑواں بہنیں ہیں۔ اور تمام ائمہ دین میں کسی کو بھی نہیں چھوڑا کہ تردید نہ کی ہو اگرچہ زیادہ تر حصہ امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا ہے اور ہر دور میں علماء امت نے ابن حزم کے جوابات دیئے اور '' القدح المعلی فی رد المحلی '' کے نام سے بعض اکابر نے مستقل کتاب بھی لکھی۔ بہرحال محدث شاہجہان پوری کے قلم سے اس وقت بھی ایک اہم تصنیف کی جارہی تھی ''السیف المجلی فی الرد علی المحلی '' کے نام سے دو ایک چھوٹے چھوٹے اجزاء طبع بھی ہو گئے تھے اور راقم الحروف کے پاس بھی بھیجے گئے تھے، ایسی علالت کی حالت میں ایسی اہم تالیف میں مشغول ہونا لوگوں کے لیے موجب تعجب ہوگا مگر جس کی زندگی جس کام میں فنا کا مقام حاصل کر لیتی ہے اس کی یہی شان ہوتی ہے۔ افسوس کہ حضرت محدث شاہجہان پوری کی مرثیہ نگاری کے لیے قلم اس وقت ہاتھ میں آرہا ہے جب کہ ڈاکٹروں اور طبیبوں نے قلبی عارضہ کی وجہ سے دماغی کاموں سے منع کر دیا ہے اور راحت کی تاکید کی ہے اس لیے بہت افسوس کے ساتھ ''بصائر وعبر'' کا نامہ نگار اپنی معذوری کی وجہ سے

مرثیہ نگاری سے قاصر ہے، اس لیے برادر محترم مولانا محمد یوسف صاحب لدھیانوی سے خواہش کی کہ عرصہ دس بارہ سال پہلے حضرت مرحوم کی "کتاب الحجة" کی تعلیقات کی وجہ سے مرحوم کا جو علمی ترجمہ سپرد قلم کیا تھا اور حیدر آباد دکن کے دائرۃ المعارف میں طبع ہوگیا تھا اس کا ترجمہ شامل کر دیا جائے، نیز ۱۹۴۷ء میں جب راقم الحروف کراچی آیا تھا اور مرحوم سورت میں تھے اس وقت ایک مکتوب گرامی حسرت ناک آیا تھا جس میں ایک غمگین واقعہ کا ذکر کیا تھا اور چند عربی اشعار مجھے لکھے تھے، اس وقت ارتجالاً چند عربی اشعار بطور تعزیت وتسلی اسی قافیہ وبحر پر فوراً نوک قلم پر آ گئے تھے وہ بھی شامل کر دیے جائیں تا کہ کسی درجہ میں حق ادا ہو سکے اور کسی قدر ان کی قدر ومنزلت کی طرف اشارہ ہو سکے:

فغاں کہ گشت نیو شدہ سخن خاموش
دگر چہ گو نہ تسلی کنم من ایں لب وگوش

اللّٰهم اغفرله مغفرةً لا تغادر ذنبا وارحمه رحمة كاملة تخص بها عبادك المقربين وادخله فى جنات النعيم وارضه وارض عنه مالا يوازيه منزلة ولا نعيم، وصلى الله على صفوة عباده خاتم النبيين سيدنا محمد وآله وصحبه وتبعه وعلماء الدين.

[شعبان المعظم ۱۳۹۶ھ]

حالاتِ محدث شاہجہانپوری رحمۃ اللہ علیہ

[جو ۱۳۸۵ھ میں کتاب الحجۃ کے مقدمہ کے لئے لکھے گئے]

کتاب الحجۃ کے شارح اور مصحح شیخ محدث علامہ مفتی مہدی حسن کا سلسلہ نسب یہ ہے:

مہدی حسن بن سید کاظم حسن بن علامہ سید فضل اللہ بن سید محب اللہ شاہ بن شیخ العصر سید قطب الدین المعروف قطبی میاں بن شیخ سید درویش بن شیخ سید شہاب الدین احمد شاہ آبادی بن شیخ کامل سید ابواسحاق ابراہیم بن فاضل سید شہاب الدین احمد شاہ گیلانی۔

جن کا سلسلہ نسب بیس واسطوں سے امام ربانی شیخ محی الدین عبد القادر جیلانی الحسنی الحسینی سے جا ملتا ہے، مفتی صاحب کے جد امجد شیخ ابواسحاق ابراہیم شاہجہاں کے عہد سلطنت میں بغداد سے دہلی تشریف لائے اور نو سال بعد بغداد کی طرف مراجعت فرما ہوئے، دوبارہ پھر ہندوستان آئے، اور اورنگ آباد دکن میں وفات پائی۔ پھر ان کے صاحبزادہ سید احمد ۱۰۹۰ھ میں بعہد سلطان عالمگیر بغداد سے دہلی آئے، شاہ آباد میں سکونت اختیار کی وہیں انتقال ہوا اور محلہ کڑہ میں دفن ہوئے وہاں ان کی قبر زیارت گاہ خاص وعام ہے، مفتی صاحب ۱۳۰۰ھ میں شاہجہان پور کے محلہ ملاخیل میں پیدا ہوئے پہلا نام خواجہ حسن تھا بعد ازاں ایک عارف کے اشارہ سے نام بدل کر مہدی حسن کر دیا گیا یہ

اس بزرگ کی فراست تھی کہ مہدی حسن کے نام میں ان کے ہدایت یافتہ ہونے کی نیک فال تھی۔

قرآن کریم والد ماجد سے پڑھا انہی سے کچھ حصہ حفظ بھی کیا بقیہ حفظ بارہ سال کی عمر میں دیگر اساتذہ سے پورا کیا اسی طرح فارسی کی ابتدائی کتابیں والد ماجد اور بڑے بھائی سے پڑھیں، پندرہ سال کی عمر ہوئی تو محلہ کی مسجد میں پہلی مرتبہ تراویح میں مصلی سنایا، پھر اپنے شہر کے مدرسہ عین العلم میں داخل ہوئے، اور صرف ونحو کی کتابیں مدرسہ کے اساتذہ سے پڑھیں جن میں سب سے مشہور بانی مدرسہ مولانا شیخ عبدالحق رحمۃ اللہ علیہ خلیفہ مجاز حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ تھے۔ نیز نحو اور فقہ کی کچھ کتابیں حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ سے پڑھیں اور جب مفتی کفایت اللہ صاحب مدرسہ امینیہ دہلی میں منتقل ہوئے تو آپ کے والد ماجد نے آپ کو بھی وہیں بھیج دیا، چنانچہ ادب فارسی، ادب عربی، علوم عقلیہ منطق وفلسفہ، اصول فقہ اور علم حدیث وغیرہ تمام علوم وفنون کی کتابیں حضرت مفتی کفایت اللہؒ اور دیگر ساتذۂ مدرسہ سے پڑھیں، ۱۳۲۶ھ میں سند فراغ حاصل کی اور مدرسہ امینیہ میں ہی مدرس بن گئے، صحیح بخاری اور جامع ترمذی کے اطراف سنا کر شیخ العصر حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندی رحمہ اللہ سے حدیث کی اجازت حاصل کی اور ۱۳۲۸ء میں دارالعلوم دیوبند سے سند فضیلت حاصل کی، قطب العالم حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ سے بیعت ہوئے اور حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کے خلیفہ حضرت مولانا شفیع الدین صاحب مہاجر مکی سے خرقہ خلافت حاصل کیا۔

پھر مدرسہ اشرفیہ راندیر ضلع سورت صوبہ بمبئی میں صدر مدرس ہوئے اور سات سال تک صحاح ستہ کے علاوہ منطق وفلسفہ اور بلاغت کی کتابیں پڑھائیں، پھر چار سال تک مدرسہ محمدیہ راندیر میں صدر مدرس کی حیثیت سے صحاح ستہ کی تدریس کے فرائض انجام دیئے۔

۱۳۳۸ھ سے ۱۳۶۸ھ تک مسلسل تیس سال صوبہ بمبئی میں افتاء میں مشغول رہے تا آنکہ ۱۳۶۸ھ میں دارالعلوم دیوبند میں صدر مفتی کی حیثیت سے ان کا تقرر ہوا اور تادم تحریر (۱۳۸۵ھ) وہاں افتاء اور دین وعلم کی خدمت میں مشغول ہیں۔ دارالعلوم دیوبند میں دو مرتبہ امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ کی شرح معانی الآثار کا بحث وتحقیق کے ساتھ درس دیا، پہلا حج ۱۳۳۷ھ (۱۹۱۹ء) میں کیا اس کے بعد اب تک چار حج کر چکے ہیں، ان اسفار میں حرمین کے علماء ومشائخ سے ملاقاتیں ہوئیں، مختلف مسائل میں بطور افادہ واستفادہ ان سے علمی مذاکرے رہے اور وہاں کے اکابر مشائخ نے اجازتوں سے مشرف فرمایا، مکہ مکرمہ میں جن مشائخ سے اجازت حاصل ہوئی ان کے اسماء گرامی حسب ذیل ہیں:

شیخ احمد بن علی نجار الطائفی المکی الشافعی مدرس حرم۔ شیخ عمر بن ابی بکر جنید الشافعی وکیل حنابلہ۔ شیخ سید حسین بن علی الملک۔ ماہر علوم عقلیہ ونقلیہ شیخ محمد مرزوقی۔ شیخ سید محمد بن ہاشم الحنفی۔ شیخ حبیب اللہ بن مایابی المالکی الشنقیطی۔ شیخ محمد حسن پشاوری مہاجر مکی مؤلف غنیۃ الناسک۔ شیخ عمر بن حمدان المحرسی المالکی۔ مولانا شیخ شفیع الدین

الہندی مہاجر مکی وغیرہ۔

اور مدینہ منورہ میں جن مشائخ سے اجازت حاصل ہوئی ان کے اسماء گرامی یہ ہیں:

شیخ احمد شمس المالکی المغربی۔ شیخ محمد زکی بن شیخ علامہ سید احمد برزنجی الشافعی۔ قاضی القضاۃ شیخ ابراہیم بن عبد القادر البری المدنی مدرس حرم مدنی۔ شیخ محمد عائش بن محمود الشافعی المصری المدنی۔ شیخ عبد القادر الطرابلسی الحنفی۔ شیخ محمد طیب المغربی المالکی۔ محدثہ امۃ اللہ بنت شیخ محدث شاہ عبد الغنی مجددی مہاجر مدنی۔ شیخ عبد اللہ بن حسین بن محسن الانصاری الیمنی۔ مولانا شیخ خلیل احمد سہارنپوری مہاجر مدنی صاحب بذل المجہود شرح سنن ابی داؤد۔

مفتی صاحب کو شیخ محقق علامہ محمد زاہد الکوثری نزیل قاہرہ سے بھی بذریعہ خط اجازت حاصل ہوئی اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کی تصنیفات کتاب الحجۃ علیٰ اہل المدینہ اور کتاب الآثار کی اجازت امام العصر مولانا الشیخ محمد انور شاہ الکشمیریؒ سے حاصل کی، موصوف نے عربی اور اردو میں متعدد کتابیں لکھیں، عربی میں ان کی چند تالیفات کے نام حسب ذیل ہیں:

اللا لی المصنوعه فی الر وایات المر جوعه. شرح کتاب الآثار تین جلدوں میں، شرح کتاب الحجة، الد رالثمین، رجال کتاب الآثار، شرح بلا غات محمد فی کتاب الآثار، الاهتداء فی رد البدعة۔

اور اردو میں مختلف موضوعات پر ان کی بہت سی کتابیں ہیں ان میں سے چند نام یہ ہیں:

القاء اللمعه علی حدیث لا جمعه، اقامة البرهان ، التحقیق المتین ، قطع الوتین ،بئس القرین ، الاختلاف المبین، مفید القاری والسامع ، التوضیحات ، کشف الغمه عن سراج الا ئمه ، فراسته العر یف ، التحقیق التام فی حدیث اذا خرج الا مام فلا صلاة و لا کلام، رفع الارتیاب، شمیم حیدری، ضربة الصمصام، اظهار دجل المر ید، اظهار الصواب، اظهار اسرارالمتحدثین، الا سعاف، التنو یر فی حکم الجهر بالتکبیر، القول الصواب، طلوع بدر الر شاد،وغیره.

موصوف اردو میں بہت عمدہ ادیبانہ شعر کہتے ہیں اور کچھ اشعار ان کے عالمانہ ہیں، وہ اپنی تحریر میں بڑے طویل النفس ہیں، تکان اور اکتاہٹ ان کے قریب بھی نہیں پھٹکتی، ان کا عربی اسلوب تحریر بڑا آسان اور واضح ہے، اس میں کوئی گنجلک نہیں ہوتی، وہ صحاح ستہ اور دیگر کتب حدیث کے علم الرجال کے متخصص اور ممتاز عالم ہیں، انہیں علمائے حنفیہ سے خصوصی شغف اور کتب رجال اور طبقات وتراجم کے اوراق میں سے علمائے احناف کے التقاط کا خصوصی اہتمام ہے۔ کثیر المطالعہ، شب بیدار، انتہائی مہمان نواز، کریم النفس، فراخ دست، کشادہ رو، اللہ کے دین کے معاملہ میں حمیت وغیرت ان پر غالب آ جاتی ہے تو پھر کسی لومۃ لائم کی پروا نہیں کرتے۔ آج وہ کتب

فتاوی کی وسعت معلومات میں اپنی نظیر نہیں رکھتے، چالیس برس سے زیادہ کا عرصہ گزرتا ہے کہ وہ کتب فتاوی کے مطالعہ کے لئے وقف ہیں، رمضان مبارک میں بکثرت عبادت کرتے ہیں، ہر رمضان میں اعتکاف کرتے ہیں اور قرآن کریم کے کئی کئی دور ختم کرتے ہیں، نرم خو، خاموش طبع، صلح جو، فقراء سے محبت اور علماء کا عزت و احترام کرتے ہیں شکل وشمائل اور رہن سہن میں علماء کی سی زندگی بسر کرتے ہیں، عمر چوراسی ۸۴ر کو پہنچ چکی ہے مگر فتوی نویسی اور خدمت علم میں جوانوں کی سی ہمت ونشاط کے ساتھ منہمک ہیں۔ حق تعالیٰ ان کی عمر مبارک میں برکت فرمائے اور اس دور میں ان کے سے رجال بکثرت پیدا کرے۔

مکتوب منظوم

(جو مفتی مہدی حسنؒ کو ۱۹۴۷ء میں ان کے خط کے جواب میں ارتجالاً لکھا گیا)

سلام على شيخ جليل المناقب ومن علمه كالنور وسط الغياهب
سلام على حبر العلوم وبحرها ومن فيضه فى الد هر مىن الا طايب
سلام على مفتى الانام ومن يحل الفتاوىٰ فى جميع المارب
سلام على هادى الانام بوعظه يرق له قلب العد والمغاضب
سلام خلوص فى دعاء تحية هد ية داع ثم دعوة غائب
اتانى كتاب بالحوادث ناطقاً افاض دموعاً من عيون السحائب
اولئك حساد و اعداء نعمة يقولون زوراً باختلاق الاكاذب
لقد علموا علم اليقين بانهم يقولون كذبا بافتراء المثالب
واعداء علم يمكرون مكائدا و ياتون بالكيد العظيم المآرب
يا شيخ صبرا فى رزايا ملمة عواقبه تحلو عقيب المصائب
لحى الله ذى الدنيا مناخاً لراكب فكل عظيم فى العناوالمتاعب
اشد بلائً فى الورىٰ خيرامة لنا قدوة فيهم و اسوة راغب
وقاك له من طروق حوادث واولاك مجداً من رفيع المراتب
نرجوا رحيما ان يسد حالنا ويحفظنا كيدا لعدو المشاغب
فنحمد ربا للورىٰ وهو عالم ونرجوه فضلاً فى صلاح العواقب
كريم ودود ذوالعطا يا مهيمن رؤوف رحيم عالم بالمغائب

مولانا مفتی محمد شفیع رحمۃ اللہ علیہ

۱۱رشوال ۱۳۹۶ھ (مطابق ۱۶را کتوبر ۱۹۷۶ء) چہارشنبہ کو ایک بجے رات سرزمین پاکستان میں دار العلوم دیو بند کی آخری یادگار حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب دنیائے فانی سے رخصت ہو گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

مرحوم مختلف عوارض خصوصاً عارضہ قلب میں کچھ عرصہ سے مبتلا ہو گئے تھے اور عوارض اور امراض وتکالیف کو قابل رشک صبر وتحمل سے برداشت کرتے رہے اور رضا بالقضاء کے اعلیٰ ترین مقام کے حصول اور ترقی درجات سے مالا مال ہوتے گئے اور کمال یہ ہے کہ بزرگوں کی صحبت وتوجہات کی برکت سے طبیعت ایسی بن گئی تھی کہ آخر وقت تک علم ودین کے مشاغل سے وابستہ رہے، افتاء کی مجلسیں بھی ہوتی رہیں، تالیف وتصنیف کا سلسلہ بھی کسی نہ کسی صورت میں قائم رہا، علمی مشاورت اور دینی مسائل میں غور وخوض کا سلسلہ بدستور قائم رہا۔

امام العصر حضرت الاستاذ مولانا محمد انور شاہ رحمہ اللہ سے تلمذ واستفادے کے بعد حضرت مفتی صاحب کا ہمیشہ ظاہری وباطنی تعلق شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے قائم رہا، انقلاب کے زمانے میں جبکہ حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ دار العلوم سے جدا ہو گئے تھے اس وقت بھی آپ کا تعلق ایک لمحے کے لیے منقطع نہیں ہوا تھا، برابر حاضری ہوتی رہی، کیا مجال ہے کہ تعلق وعقیدت وارادت میں ذرا بھی فرق آئے، انہی دنوں میں جب کہ اختلاف وافتراق شباب پر تھا حضرت مفتی صاحب' حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ کی خدمت میں زیارت وعیادت کے لیے حاضر ہوئے اور دو روپے ہدیۂ عقیدت پیش کیا، حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ نے نہایت محبت وشفقت سے قبول فرمایا۔

حضرت مفتی صاحب کی علمی زندگی میں حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ کی توجہات کا بہت بڑا دخل رہا، بالکل ابتدائی دور میں جب معارف اعظم گڑھ میں فوٹو کے جواز پر ایک مبسوط مقالہ آیا جو درحقیقت شیخ محمد بخیت مطیعی شیخ الازہر کے رسالہ " اباحة الصور الفوتوغرافيه" کا چربہ تھا اور اچھا خاصا محققانہ علمی انداز تھا کیونکہ شیخ محمد بخیت اپنے دور میں مصر کے سب سے بڑے عالم ومحقق سمجھے جاتے تھے اور مذاہب امت کے ادلہ وتفصیلات میں بقول حضرت شیخ محمد زاہد الکوثری رحمۃ اللہ علیہ آیۃ من آیات اللہ تھے (۱)، جب یہ مقالہ شائع ہوا تو حضرت مولانا انور شاہ صاحب رحمہ اللہ کو اس کی فکر ہوئی اور اپنے حلقہ تلامذہ میں سے حضرت مفتی صاحب کو بلایا اور فرمایا کہ اس کا جواب لکھیں، چنانچہ حضرت مفتی صاحب نے ان کی علمی راہنمائی میں القاسم (ماہنامہ دار العلوم دیو بند) میں اس پر ایک مفصل علمی وتحقیقی مضمون لکھا، جو بعد میں "التصوير لاحكام التصوير" کے نام

---

(۱) قاہرہ میں ۱۳۵۷ھ/ ۱۹۳۸ء کی ایک مجلس میں راقم الحروف نے حضرت شیخ محمد زاہد الکوثری سے عرض کیا کہ آپ ان کے کمالات کے بیان میں اتنا غلو فرماتے ہیں کہ استحضار مذاہب ائمہ میں ان کو آیۃ من آیات اللہ فرماتے ہیں، حالانکہ فلاں فلاں مسائل وحوادث میں ان کی فقہی رائے بہت کمزور ہے، اس پر شیخ کوثری نے فرمایا "نعم كان غير موفق فی النوازل" یعنی جی ہاں! جدید مسائل وحوادث میں صائب الرائے نہیں تھے۔

سے مستقل رسالہ کی شکل میں شائع ہوا، حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ ہی کی راہنمائی میں آیت خاتم النبیین کی شرح تفسیر عمدہ ادیبانہ انداز سے عربی میں تالیف فرمائی جو "ھدیۃ المھد یین" کے نام سے شائع ہوئی اس پر حضرت امام العصر رحمہ اللہ کی قابل رشک تقریظ ہے، اس کے چند جملے ملاحظہ ہوں:

اما بعد: فان صاحبنا الاحوذی المولوی محمد شفیع الدیو بندی وفقه الله لما یحب و یرضاه، جمع باستدعائی رسالته"هدیة المهدیین فی آیة خاتم النبیین" جزاه الله عنی وعن سائر المسلمین خیر الجزاء وقد سرد فیه نحو مائة وخمسة وستین حدیثاً فی انقطاع النبوة بعد ما بعث الله نبیه محمدًا مصطفاه ....الی قوله وهاك رسالة تفسیر یة حدیثیة کلامیة فقهیة و بعد ذالك کله ادبیة یسری الفاظها کسرایة الروح فی البدن و یقع فی قلب المؤمن کحلاوة الایمان ویجری فی العروق کمحض اللبن.

هلم یا صاح الی روضة یجلو بها العانی صداهمه
نسیمها یعثر فی ذیله و زهرها یضحك فی کمه

ترجمہ: ہمارے رفیق دانشمند مولوی محمد شفیع دیو بندی نے۔ اللہ تعالیٰ انہیں اپنی مرضیات کی توفیق عطا فرمائے۔ میری فرمائش پر رسالہ "ھدیۃ المھدیین فی آیۃ خاتمہ النبیین" جمع کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ انہیں میری طرف سے اور تمام مسلمانوں کی جانب سے جزائے خیر عطا فرمائیں، اس میں اس مضمون کی قریبا ۱۶۵ ر حدیثیں ذکر کی ہیں کہ بعثت محمدیہ کے بعد نبوت ختم ہو چکی ہے ...... یہ رسالہ تفسیری بھی ہے اور حدیثی بھی، کلامی بھی اور فقہی بھی اور ان تمام امور کے ساتھ ساتھ ادبی بھی، جس کے الفاظ روح کی طرح بدن میں سرایت کرتے ہیں، حلاوت ایمان کی طرح قلب مومن میں جاگزیں ہوتے ہیں اور خالص دودھ کی طرح رگ و پے میں گردش کرتے ہیں۔ اے رفیق! اس گلشن کی سیر کرو جس سے ایک غم زدہ شخص اپنے ہموم وافکار کا زنگ دور کرتا ہے اس کی باد صبا اس کے دامن سے اٹھکیلیاں کرتی ہے اور اس کی کلیاں اس کے دامن میں مسکراتی ہیں۔

حضرت شاہ صاحبؒ کے رسالہ "التصریح بما تواتر فی نزول المسیح" کو حضرت مفتی صاحب نے مرتب فرمایا اور اس پر ایک بہترین ادیبانہ اور فاضلانہ مقدمہ لکھا، جو بجائے خود ایک مستقل رسالہ ہے (۱) اس طرح حضرت شیخ رحمہ اللہ کی توجہات سے ان کی علمی قابلیت اور رد قادیانیت کے سلسلہ میں ان کی خدمات میں روز افزوں

(۱) رسالہ "التصریح بما تواتر فی نزول المسیح" کی روشنی میں حضرت مفتی صاحب نے "مسیح موعود کی پہچان" کے نام سے ایک اور رسالہ لکھا، جس میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ان تمام علامات کو جو قرآن وحدیث میں وارد ہیں مرتب کر کے ثابت کیا کہ قادیان کے نام نہاد مسیح مرزا غلام احمد قادیانی میں ان میں سے ایک علامت بھی نہیں پائی جاتی جس سے ہر ادنیٰ عقل وفہم کا آدمی یہ نتیجہ اخذ کر سکتا ہے کہ مرزائے قادیان کا دعویٰ مسیحیت ومہدویت محض کذب وافتراء ہے، یہ نفیس رسالہ بارہا چھپ چکا ہے۔

ترقی ہوتی گئی اور حضرت شیخ رحمہ اللہ سے نسبت میں قوت پیدا ہوتی چلی گئی۔

جس وقت میں نے اپنا رسالہ "بغية الاريب فی احكام القبلة و المحاريب" مرتب کیا اور بعض ماخذ و مراجع دیکھنے کے لیے پشاور سے سفر کر کے دیو بند حاضر ہوا تھا اور پھر خیال ہوا کہ اکابر و اساتذہ کی کچھ تقریظیں بھی تبرک کے لیے لکھواؤں، اس وقت حضرت مولانا محمد شفیع صاحب دار العلوم دیو بند کے منصب افتاء پر فائز تھے، جب رسالہ دیکھا بہت ہی خوش ہوئے اور بے حد متاثر ہوئے اور فرمایا کہ اس پر ایسی تقریظ لکھنے کو جی چاہتا ہے جس طرح حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ نے رسالہ هدية المهديين فی آية خاتم النبيين پر تقریظ لکھی ہے، اسی رسالہ ھدیۃ المھدیین کے متن سے آئندہ ختم النبوۃ فی القرآن، ختم النبوۃ فی الاحادیث اور ختم النبوۃ فی الآثار تینوں رسالے بطور شرح مرتب ہوئے۔

مقدمہ بہاول پور میں حضرت امام العصر شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے دست راست رہے اور آپ ہی کے قلم سے حضرت شیخ رحمہ اللہ کی دقیق و عمیق تعبیرات سہل اردو میں مرتب ہوئیں، جو مقدمہ بہاول پور کے نام سے معروف ہے اور فرمایا کہ ایک رات اسی کام میں ایسی گذری کہ عشاء کے بعد صبح تک اس کی تکمیل میں مشغول رہا اس طرح حضرت شیخ کی دعاؤں و توجہات کے مرکز بنے رہے۔ ۱۹۷۲ء میں قادیانی مسئلہ کے سلسلہ میں جو محاذ قائم ہوا تھا اور حضرت شیخ کے جوتوں کے صدقے میں حق تعالیٰ نے راقم الحروف سے کام لیا اس کے لیے حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ کے صاحبزادے عزیز گرامی برادرم مولانا تقی صاحب کو میں نے راولپنڈی میں بلایا تھا، مسئلہ قادیانیت میں امت اسلامیہ کے موقف کی ترتیب و تالیف میں برادر موصوف نے ایک دفعہ پوری رات گذار دی ایک لمحہ کے لیے بھی آرام نہ کر سکے، میں نے حضرت مفتی صاحب سے فون پر اور بعد میں زبانی یہ عرض کیا تھا کہ آپ کے مقدمہ بہاول پور اور حضرت شیخ کی خدمت و مساعدت سے پوری مشابہت اللہ تعالیٰ نے پیدا فرما دی جس سے حضرت مفتی صاحب بہت خوش ہوگئے اس طرح اللہ تعالیٰ نے برادر موصوف کو اپنے والد محترم کا صحیح خلف الرشید بنایا. فطوبى له هذه السعادة و هنيئًا له بهذه الخلافة۔

الغرض حضرت مفتی صاحب کی علمی طبیعت و مزاج میں حضرت شیخ رحمہ اللہ کی توجہات کو بڑا دخل ہے، جس طرح حضرت حکیم الامت تھانوی قدس سرہ کی توجہات سے یہ مزاج بن گیا کہ وقت کی قدر ہو اور ضیاع وقت سے احتراز کیا جائے اور مفید عوام تالیفات سے دین کی خدمت کی جائے۔

حضرت مرحوم کی خصوصیات و تالیفات اور دار العلوم کراچی کی تاسیس پر اور ''ادارۃ المعارف'' قائم کرنے پر لکھنے والے بہت کچھ لکھیں گے اور لکھتے رہیں گے مجھے تو صرف یہ لکھنا ہے کہ بیک وقت وہ دار العلوم دیو بند اور تھانہ بھون دونوں کی جامع شخصیت تھی اور دونوں کے صحیح نمائندے تھے اور علم و فضل کے ساتھ مزاج میں بے حد سادگی تھی، نہایت متواضع تھے، اہل علم و فضل کے بڑے قدر دان تھے، باوقار بردبار تھے، ۱۳۴۴ھ سے لے کر آج

۱۳۹۶ھ تک میرا ان کا تعلق رہا، ابتداء سے انتہا تک جو چیز نظر آئی وہ یہ ہے کہ علمی شغف، علمی قدردانی، دیوبند اور تھانہ بھون کے صحیح مسلک ومشرب کی نمائندگی کا صحیح حق ادا کیا، حضرت مفتی صاحب کو حق تعالیٰ نے بہت سی نعمتوں سے نوازا اور اولادِ صالح کی نعمت سے مرحوم کی آنکھیں ٹھنڈی ہوئیں اور اپنی عمر کے آخری مراحل میں ''معارف القرآن'' جیسی تفسیر کے ذریعہ سے علمی دینی خدمت انجام دے کر آخرت کے لیے بہت کچھ ذخیرہ جمع فرمایا۔

مجھے اس کا صدمہ ہے کہ جنازے کی شرکت سے محروم رہا حضرت کے وصال سے ۱۲ رگھنٹہ قبل میں ایک ضروری کام سے سکھر پہنچ گیا تھا، وصال کی صبح کو اطلاع ملی بہت کوشش کی کہ کسی طرح جنازے میں شامل ہوسکوں، موئن جوداڑو کے ایئرپورٹ تک ۹۰ رمیل بذریعہ ٹیکسی سفر کیا کہ شاید ہوائی جہاز میں کوئی سیٹ مل جائے اور اس طرح یہ آرزو پوری ہوجائے لیکن افسوس کہ بے نیل مرام واپس آیا۔ ۵ رگھنٹہ کی تگ ودو سے ایک طرف شکستہ بدن اور مقصد میں ناکامی سے شکستہ خاطر واپس آیا اور حسرتوں کو دل میں لے کر آیا۔ حق تعالیٰ اس نحیف البدن خفیف الروح عالم باعمل کے درجات بلند فرمائے اور تمام زلات وسیئات معاف فرما کر رضوان ورحمت کے عالی مقامات پر پہنچائے، جنت الفردوس میں مقام نصیب فرمائے، آمین۔ اور ان کی صالح ذریت کو ان کا صحیح جانشین بنائے۔

مولانا محمد احمد تھانوی صاحب نے تاریخ وفات میں متعدد مواد نکالے ہیں ایک ان میں سے ''موت العالم الصالح موت العالم'' ہے۔

مولانا اطہر علی بنگالی رحمۃ اللہ علیہ

یہ معلوم ہوکر مزید صدمہ ہوا کہ اسی رات اسی تاریخ کو حضرت مولانا اطہر علی صاحب خلیفہ مجاز حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کا ڈھاکے میں طویل علالت کے بعد انتقال ہوا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ مرحوم بنگلہ دیش کے ممتاز ترین عالم تھے۔ علمی وسیاسی خدمات میں مشہور بزرگ تھے، جس وقت بنگلہ دیش مشرقی پاکستان تھا اس وقت مرکزی قومی اسمبلی کے ممبر بھی رہ چکے تھے، کچھ عرصہ نظام اسلامی پارٹی کے صدر بھی رہے، اسی دوران ایک دفعہ سالانہ عظیم اجتماع میں حضرت مفتی محمد شفیع صاحب اور راقم الحروف کو بھی دعوت تھی، ایک جلسہ کی صدارت راقم الحروف کے ذمہ تھی، خطبہ صدارت اردو بنگلہ میں شائع کیا گیا تھا اور ایک جلسہ کے صدر حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ تھے، جامعہ امدادیہ کے نام سے کشور گنج میں ایک عظیم درس گاہ کے بانی تھے، یہ مدرسہ جو اپنی تعمیری خصوصیات میں سب سے ممتاز تھا، کچھ عرصہ راقم الحروف اس کی مجلس شوریٰ کا رکن بھی رہا، بلکہ علمی مشیر بھی، مرحوم بنگلہ دیش (سابق مشرقی پاکستان) کے علماء وفضلاء میں جامع شخصیت تھے، وہ عالم بھی تھے، صوفی بھی، دیوبند کے فاضل تھے، تھانہ بھون کے بھی فیض یافتہ تھے، حضرت حکیم الامت کے خلیفہ تھے، سیاسی خدمات میں بھی حصہ لیتے تھے بلکہ عملی سیاسیات میں حصہ لینے سے مدرسہ کی علمی حیثیت کو نقصان پہنچتا رہا اور بسا اوقات وقتی مصالح کے پیش نظر اس کا فائدہ

اٹھایا گیا لیکن مستقل طور پر مدرسہ کی حیثیت مجروح ہوتی گئی، جدید انقلاب میں افسوس کہ بہت شدید ابتلاء کے دور سے گذرے، جیل میں بھی رہے، آخر بہت سے نا قابل برداشت صدمات سے دو چار ہو کر اس دنیا فانی سے ہمیشہ کے لیے رخصت ہو گئے۔ حق تعالیٰ مرحوم کو جنت الفردوس نصیب فرمائے اور ان کی علمی خدمات کو قبول فرمائے اور ان کے زلات کو عفو فرما کر درجات عالیہ سے سرفراز فرمائے، آمین۔

[ذیقعدہ ۱۳۹۶ھ/نومبر ۱۹۷۶ء]

نواب محمد مسعود علی رحمۃ اللہ علیہ

افسوس کہ ہمارے محترم کرم فرما جناب عشرت علی قیصر کے والد محترم جناب محمد مسعود علی صاحب طویل علالت کی بعد پنجشنبہ ۷ رشوال ۹۷ھ کو واصل بحق ہوئے، انا للہ وانا الیہ راجعون۔ مرحوم کی بعض صفات و کمالات دیکھ کر رشک آتا تھا کہ اس پر آشوب دور میں قوت ایمان کے ایسے دل کش نمونے موجود ہیں۔ حدیث بخاری شریف میں جن سات اشخاص کے بارے میں لسانِ نبوت سے یہ بشارت سنی تھی اور پڑھی تھی کہ سات اشخاص قیامت کے روز میدان حشر میں عرش عظیم کے سایہ تلے ہوں گے، ان میں ایک شخص کے بارے میں یہ الفاظ ہیں "ورجل قلبه معلق فی المساجد(۱)" کہ ایک شخص وہ ہے جس کا دل ہر وقت مسجد میں رہتا ہے، پہلی مرتبہ اس کا مصداق مرحوم کو دیکھا کہ ہر وقت مسجد کی حاضری کی فکر دامن گیر رہتی تھی، نماز پڑھ کر آتے ہی دوبارہ دوسری نماز کی فکر کا شدید تقاضا شروع ہو جاتا، بیماری اور بے ہوشی کے عالم میں بھی مسجد جانے کی فکر اور تقاضا رہا، اس آخر عمر میں مسجد بہت پہلے پہنچتے تھے، خود اذان اقامت کی خدمت انجام دیتے تھے، دوسری قابل غبطہ بات یہ دیکھی کہ ہر وقت زبان پر ذکر اللہ جاری رہتا۔ حدیث نبوی میں ہے "لا تزال لسانك رطباً من ذكر الله(۲)" کہ تمہاری زبان اللہ کی یاد سے ہر وقت تر و تازہ رہے، اس حدیث کا مصداق آپ کی ذات گرامی کو دیکھا، حق تعالیٰ درجات عالیہ جنت الفردوس میں نصیب فرمائے اور بال بال مغفرت فرمائے اور اس جانکاہ حادثہ میں ہمارے کرم فرما قیصر صاحب کو اور ان کی بقیہ اولاد کو صبر جمیل اور اجر جزیل نصیب فرمائے اور تمام پسماندگان کو اجر عظیم عطا فرمائے۔ آمین۔

[ذوالقعدہ ۱۳۹۷ھ]

---

(۱) صحيح البخاری، كتاب الاذان، باب من جلس فی المسجد ينتظر الصلوة، ج:۱ ص:۹۰، ط: قديمی

(۲) سنن الترمذی، ابواب الدعوات عن رسول الله ﷺ، باب ماجاء فی فضل الذكر، ج:۲ ص:۱۷۳، ط: فاروقی كتب خانه

مولانا محمد احمد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ

افسوس کہ سال ۱۳۹۶ھ کے اختتام پر کئی اکابر کی وفات کے حوادث پیش آئے، حضرت مولانا مفتی محمد شفیع دیوبندی (دارالعلوم دیوبند کے مفتی اور پاکستان کے مفتی اعظم، تلمیذ امام العصر مولانا انور شاہ رحمۃ اللہ علیہ و مجاز بیعت حضرت حکیم الامت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ) نے سفر آخرت اختیار کیا، جناب عارف باللہ بابا نجم احسن صاحب مجاز صحبت حضرت حکیم الامت تھانوی واصل بحق ہوئے اور حضرت مفتی کفایت اللہ رحمہ اللہ کے شاگرد رشید مولانا نیاز محمد بنوی، بانی دارالعلوم الاسلامیہ لکی مروت ضلع بنوں راہی دار آخرت ہوئے، رحمھم اللہ جمیعاً واسکنھم اللہ دار النعیم۔

حسرت وافسوس ہے کہ سال ۱۳۹۷ھ کے آغاز پر بھی حادثے پیش آئے۔ ایک حادثہ یہ کہ مولانا محمد احمد تھانوی (برادر خورد حضرت مولانا جمیل احمد تھانوی) نے اس دار فانی سے رحلت فرمائی، انا للہ وانا الیہ راجعون۔ مرحوم عالم تھے، فاضل تھے، جامعہ اشرفیہ سکھر کے بانی و مہتمم تھے اور مادہ ہائے تاریخی کے استخراج میں یکتائے وقت تھے، ان دو تین سالوں میں بڑے بڑے واقعات وحوادث اور وفیات کے تاریخ مادے نکالنے میں مرحوم نے اپنے جوہر دکھائے۔ کسے کیا معلوم تھا کہ یہ تاریخ نگار جو ۱۳۹۶ھ کے اختتام تک اکابر کے تاریخی مادے نکالتا رہا وہ سال نو (۱۳۹۷ھ) کے بالکل آغاز میں ۷ محرم کو خود سال نو کی تاریخی شخصیت بن جائے گا، یہ عبرت کدہ عالم کے تاریخی بصائر ہیں جو چشم بصیرت کے لیے درس عبرت ہیں اور آنسو بہانے کی لیے سامان حزن وملال:

سنی حکایت ہستی تو درمیان سے سنی — نہ ابتداء کی خبر، نہ انتہا معلوم

اللہ تعالیٰ مرحوم کی بال بال مغفرت فرمائے اور جنت الفردوس نصیب فرمائے اور ان کی ذریت کو ان کا خلف الصدق بنائے، آمین۔

مولانا عبدالماجد دریابادی رحمۃ اللہ علیہ

دوسرا حادثہ مولانا عبدالماجد دریابادی مدیر ''صدق'' کی وفات کا ہے، مرحوم نے صرف عمر طبعی پوری نہیں کی بلکہ تقریباً ایک صدی مراحل عمر طے کر کے سفر آخرت پر روانہ ہوئے، مرحوم ایک مفکر، صاحب بصیرت، فلسفی مزاج، حقیقت آگاہ شخصیت تھی، آخری ساٹھ سالہ زندگی کا شاید ایک لمحہ بھی مرحوم نے ضائع نہیں کیا۔ ہماری نگاہ میں حضرت حکیم الامت تھانوی قدس سرہ کے بعد پہلی شخصیت ہے جس نے نظم وضبط کے ساتھ تمام علمی مشاغل جاری رکھے جس میں کوئی خلل نہیں آنے دیا، اردو میں مخصوص ادبی اسلوب کے مالک تھے اور ایک خاص طرز انشاء کے ممتاز ترین ادیب تھے اور متحدہ ہندوستان میں جو ممتاز ارباب قلم گذرے ہیں ان میں سے ایک ممتاز فرد تھے، احادیث اور قرآنی آیات سے اصلاحی نکات کے استنباط کا اچھا سلیقہ اللہ تعالیٰ نے ان کو عطا فرمایا تھا، مرحوم رسمی عالم نہ تھے لیکن باوجود اس

کے اپنی علمی صلاحیت سے بڑا کام لیا، قرآن کریم کی تفسیر تین جلدوں میں لکھی اور عربی دان طلبہ پر بڑا احسان کیا کہ عربی تفسیر کی اصلی عبارتیں سب نقل کر دیں۔ رسمی عالم نہ ہونے کی وجہ سے اور ارباب کمال اور ارباب علوم نبوت سے راسخ صحبت کے نہ ہونے سے عقیدے میں پختگی نہ آسکی۔ بہر حال اللہ تعالیٰ مرحوم کو اپنی مغفرت ورحمت سے نوازے اور سیئات وزلات سے درگذر فرما کر خادمانِ دین کی صف میں جگہ نصیب فرمائے، آمین۔

[صفر المظفر ۱۳۹۷ھ/فروری ۱۹۷۷ء]

حکیم عبدالسلام صاحب ہزاروی رحمۃ اللہ علیہ

افسوس کہ مورخہ ۲ رصفر ۹۷ھ ۲۲ رجنوری ۷۷ء ہمارے کرم فرما مخلص دوست جناب حکیم عبدالسلام صاحب ہزاروی مختصر علالت کے بعد ہم سے ہمیشہ کے لیے جدا ہو گئے، انا للہ وانا الیہ راجعون۔ مرحوم سے میری پہلی ملاقات ۱۹۳۲ء میں ہری پور میں ہوئی جبکہ مرحوم میر پور میں سکونت پذیر تھے (ہری پور کے مضافات میں ایک چھوٹی سی بستی تھی) اس وقت مرحوم ''پیغام سرحد'' ایک ہفتہ وار اخبار میں طبع آزمائی کرتے تھے، مرحوم نہایت باوقار، سنجیدہ، بااخلاق صحیح العقیدہ صحیح المسلک تھے، اکابر دیوبند ودہلی سے وابستہ تھے، سیاسی ذہن حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ اور حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ صاحبؒ کا تھا، اسی پلیٹ فارم پر سیاسی خدمات انجام دیا کرتے تھے اور متعدد بار قید وبند کا نشانہ بنے لیکن پائے استقامت کو کبھی لغزش نہیں ہوئی، علماء اور فضلاء سے ملاقات میں بہت مسرت اور روحانی کیف محسوس کرتے تھے اور ان کا مکان انہی علماء وفضلاء کا مہمان خانہ تھا۔ اچھے خاصے طبیب تھے، مرحوم مولانا حکیم اجمل خان صاحب سے طبی استفادہ بھی کر چکے تھے اور ان سے شرف تلمذ بھی حاصل تھا، آخری حیات میں بھی طب یونانی معاشی ذریعہ تھا، لیکن چونکہ دماغ سیاسی تھا باوجود طبی مشاغل کے سیاسی افکار سے کبھی فارغ نہیں رہے، پاکستان میں جب یونانی طب کو باقاعدہ بنانے کی لیے نیم سرکاری ادارہ ''آل پاکستان طبی بورڈ'' قائم ہوا مرحوم اس کے چیئرمین مقرر ہوئے اور ملک کے طول وعرض میں دورے کرنے پڑے اور طبی امتحانات لیتے رہے اور سرٹیفکیٹ جاری کرانے میں نیک نیتی اور حسن اخلاق کا ثبوت دیتے رہے، مرحوم خوش روح، ہنس مکھ، خوش مزاج تھے اور بہت سی خوبیوں کے مالک تھے:

خدا رحمت کند ایں عاشقان پاک طینت را

اللہ تعالیٰ بال بال مغفرت فرمائے اور حسن عقیدہ اور حسن کردار کی برکات سے مالا مال فرمائے۔ امید ہے کہ مرحوم کے صاحبزادے مولوی عبدالرشید ان کے صحیح جانشین ثابت ہوں گے۔ اور جناب طارق صاحب بھی ان کے نام کو روشن کریں گے۔

[ربیع الاول ۱۳۹۷ھ/مارچ ۱۹۷۷ء]

مولانا سید محمد زکریا بنوری رحمۃ اللہ علیہ

(والد ماجد حضرت بنوریؒ)

آہ! میرے والد محترم: انا لله وانا اليه راجعون:

رفتم واز رفتن من عالمے تاریک شد
من مگر شمعم چو رفتم بزم برہم ساختم

۲۴ر جمادی الاولیٰ ۱۳۹۵ھ، ۵جون ۱۹۷۵ء یوم الخمیس (وما ادراك مايوم الخميس) کی تاریخ میری زندگی کا دوسرا بڑا عظیم حادثہ ہے، اس ستر سالہ زندگی میں پہلا حادثہ کبریٰ امام العصر حضرت مولانا محمد انور شاہ صاحب رحمہ اللہ (متوفی ۳ر صفر ۱۹۵۳ء) کا سانحۂ وفات تھا، یہ دوسرا حادثہ کبریٰ میرے والد حضرت مولانا سید محمد زکریا صاحب کا وصال ہے۔ یوں تو زندگی میں بے شمار حوادث اور حوصلہ شکن واقعات، صبر آزما سوانح پیش آئے لیکن یہ دو عظیم حادثے بلاشبہ ایسے پیش آئے کہ صبر وشکیبائی جواب دے چکی ہے، فرق صرف اتنا ہے کہ پہلا حادثہ اس وقت پیش آیا جب کہ عالم شباب تھا، برداشت کی طاقت تھی لیکن حضرت والد کے وصال کا یہ دردناک سانحہ اس وقت پیش آیا کہ جوانی کی طاقتیں جواب دے چکی ہیں اور سیدہ فاطمہ مرحومہ کی جدائی کے زخم ابھی مندمل نہ ہونے پائے تھے، نیز اس سے قبل دواڑھائی سال میں یکے بعد دیگرے مخلصین واحباب علماء وفضلاء کی رحلت، رفیقہ حیات کی جدائی، غرض مسلسل صدمات نے نڈھال کردیا تھا۔

حقائق اور وجدانی کیفیات کے لئے الفاظ وتعبیرات کا دامن بہت تنگ ہوتا ہے۔ حقائق کی تعبیرات سے الفاظ ہمیشہ قاصر رہتے ہیں اور پھر اس مبالغہ آمیز دنیا میں کسی حقیقت کی صحیح ترجمانی کا حق ادا ہونا بے حد مشکل ہے۔

یوم الخمیس ۲۴ر جمادی الاولیٰ ۱۳۹۵ھ دن کے پونے دس بجے چند روز کی شدید کرب وبے چینی کے بعد میرے والد محترم، میرے آقا، میرے آغاجی، میرے مربی، دنیا میں میرے ماویٰ، میرے ملجا، دنیائے اسلام کی متاع گرانمایہ، جہانِ علم وعمل کے جوہر آبدار، ایمان وعرفان کی عظیم ترین شخصیت اس عالم فانی سے عالم جاودانی کی طرف رحلت فرماگئی، جس کے لئے دومہینوں سے بیتاب تھے اور آخر چشم زدن میں عالم غیب کی طرف روح لطیف نے پرواز کی، انا للہ وانا الیہ راجعون۔ ان کا وجود ہمارے لئے سایہ رحمت الٰہی تھا، حق تعالیٰ کی ایک عظیم ترین نعمت تھی، دعوات نیم شبی اور نالہ ہائے سحری کا ایک سرچشمہ تھا جو خشک ہوگیا، ہمارے سکون قلب کا ذریعہ تھا جس سے ہم محروم ہوگئے۔ والد محترم کی وفات حسرت آیات صرف ایک والد کی مرثیہ خوانی نہیں بلکہ علم وعرفان کا مرثیہ ہے، ایک صاحب کرامات وخوارق عارف باللہ کا ماتم ہے۔ ایک محقق روزگار کا نوحہ ہے، ایک فیلسوف عصر کا غم

ہے۔ایک اولوالعزم وجود کی جدائی پر اظہارحزن ہے، مجاہدات وریاضات میں مصروف رہنے والی عظیم شخصیت کا دردوالم ہے، ایک صاحب کمال معتبر کا نوحہ ہے، ایک باخدا صاحب مکارم اخلاق، جودوسخا، ہمت وشجاعت کا نالہ وشیون ہے، ایک گوشہ نشین صوفی، صاحب صدق وصفا کی جدائی وفراق کا دردوغم ہے، ایک عاشق رسول کا درد واضطراب ہے، اسرار کائنات کے دانائے راز کیگریہ وزاری ہے، حقائق ومعارف کے عالم کی مرثیہ خوانی ہے، شریعت اسلامیہ کے یگانہ روزگار فاضل کا نالہ فریاد ہے، طریقت وحقیقت کے واقف رموز کا حزن وغم ہے۔

والد ماجد کیا تھے؟ ایک گمنام ہستی! جس نے ایک عالم اپنے اندر سمیٹ رکھا تھا شفیق بلخیؒ، ابراہیم ادھمؒ، بایزید بسطامیؒ، سری سقطیؒ، معروف کرخیؒ، جنید بغدادیؒ کے احوال ومواجید تو دنیا نے پڑھے ہیں لیکن اس فقیر بےنوا کی شاہانہ پرواز کی کس کو خبر؟ تقلیل کلام، تقلیل منام، تقلیل اختلاط مع الانام کے واقعات تو آپ سن چکے ہوں گے لیکن اس مجاہدِ زمانہ کے احوال حیرت افزا کی دنیا کو کیا خبر؟ عنفوانِ شباب ہی میں تقلیل خوراک کی جب ریاضت شروع کی تو روزانہ صرف ایک مثقال خوراک یعنی ساڑھے تین ماشے غذا پر سالہاسال زندگی بسر کی، پندرہ دن میں بمشکل اجابت کی ضرورت پڑتی تھی، رویائے صادقہ ومبشرات کا جب سلسلہ شروع ہوا تو سولہ سال کی عمر سے بیس سال تک سو مرتبہ سے زیادہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت بابرکت سے شرف یابی ہوئی۔اور ہر دفعہ زیارت مبارکہ میں ارشادات وہدایات، تلقین اذکار، نصائح عالیہ سے سرفرازی ہوتی تھی، ''اویسی'' نسبت کے وہ کمالات نصیب ہوئے کہ عقل حیران ہے، رویائے صادقہ اور مبشرات کا سلسلہ آخری عمر تک جاری رہا۔اذکار واشغال ومجاہدات کا اتنا غلبہ ہوا کہ عہد کیا کہ تمام زندگی اپنے پروردگار کی عبادت ومناجات میں گذاروں گا۔آپ کے والد مرحوم حضرت سید میر مزمل شاہ رحمہ اللہ کا وصال ہوگیا تھا، والدہ مکرمہ حیات تھیں، جن کا اصرار تھا کہ ازدواجی زندگی اختیار کریں، لیکن عزمِ عبادت وطاعت کے منافی سمجھ کر انکار کرتے رہے، یہاں تک کہ ایک خواب میں یہ حقیقت واضح کردی گئی کہ حضرت علی مرتضی رضی اللہ عنہ فلاں بی بی سے فلاں خاندان میں عقد نکاح باندھ رہے ہیں، اس رویائے صالحہ کے بعد انکار ختم ہوگیا اور ازدواجی زندگی میں قدم رکھ ہی لیا اور اس رویائے صادقہ کی تعبیر اس طرح صادق آگئی، مرشد کامل کی تلاش وجستجو کے لئے جب استخارہ کیا تو خواب دیکھا کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرمارہے ہیں کہ اچھا تم ٹھہرو، میں حق تعالیٰ شانہٗ سے پوچھ کر آتا ہوں، چنانچہ اس ساری حقیقت کا معائنہ خواب میں ہورہا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جاتے ہیں اور تشریف لاتے ہیں اور ارشاد ہوتا ہے کہ حق تعالیٰ فرمارہا ہے کہ جس قسم کی شخصیت کو تم چاہتے ہو وہ نہیں ملے گی لیکن تمہیں صبر نہیں آئے گا جاؤ تلاش کرو، چنانچہ ۱۹۰۶ء کے آخر میں یہ سفر شروع ہوا، بنور، سرہند، دہلی بارگاہ سلطان الاولیا اور اجمیر خواجہ چشتی کی بارگاہ سے گزرتے ہوئے شاہ جیلاں کے دربار بغداد پہنچے اور ہر جگہ ہر مقام پر چلّے اور اعتکاف ومراقبات ومکاشفات کا سلسلہ جاری رہا۔مہینوں اس طرح بادیہ پیمائی کی، اس درمیان عجیب وغریب واقعات اور حیرت انگیز مبشرات پیش آتے رہے، واپس آکر تمام ہندوستان کی

بادیہ پیمائی کر کے ناسک (صوبہ بمبئی) کے جنگل میں شیروں اور چیتوں کے درمیان تکمیل ریاضات کے لئے ڈیرہ ڈال دیا، ایک مرتبہ ۸/ ماہ اور دوبارہ ۹/ ماہ کی گوشہ نشینی اختیار کر کے چنوں اور پتوں پر گذارہ کیا:

لایزال العبد یتقرب الیّ بالنوافل حتی کنت سمعه الذی یسمع بی و بصره الذی یبصر بی...الخ (١)

کبھی بندہ بارگاہِ ربوبیت میں عبادت کرتے کرتے اس مقام کو پہنچ جاتا ہے کہ حق تعالیٰ کے کان سے سنتا ہے اور اسی کی آنکھ سے دیکھتا ہے۔

صحیح بخاری کی یہ حدیث پڑھی ضرور تھی لیکن اپنے زمانہ میں اس کا مصداق اپنے والد کو پایا، چنانچہ ان ریاضات ومجاہدات کے ذریعہ اللہ تعالیٰ نے انعام واکرام سے مالا مال فرمایا، قلب میں بے پناہ قوت ودیعت کردی گئی، شدید بارش کے وقت قلب کی طرف توجہ فرماتے اور بارگاہ ایزدی میں دعا کرتے، اس کا اثر یہ ہوتا کہ ایک مربع میل میں موسلا دھار بارش نہیں ہوتی تھی۔ آفتاب کی شعاعوں کی تمازت جب ناقابل برداشت ہوتی تھی تو خواہش ہوتی تھی کہ بادل سایہ فگن رہیں، شیروں اور چیتوں کی آوازوں سے جب جنگل گونجنے لگتا قلب کی توجہ کانوں کی طرف مبذول ہوجاتی اور ایسا محسوس ہوتا کہ کان کسی آواز کو نہیں سن رہے ہیں، ان مجاہدات وریاضات نے دل کی دنیا یکسر بدل کر رکھ دی تھی، علم وآگہی، فکر وشعور کا ایک بحر بیکراں قلب میں موجزن تھا، جب کسی مسئلہ پر غور شروع کرتے تو مشاہدہ ہوتا کہ میلوں طویل کاغذات سامنے پھیلے ہوئے ہیں اور ابتداء سے لے کر آخر تک ساری تحقیقات آنکھوں کے سامنے ہیں، جو حق ہوتا وہی دل میں راسخ ہوجاتا، غرض فطرت کی اس تربیت گاہ میں جو حالات وواردات پیش آئے قلم کو یارائے بیان نہیں۔ فرماتے تھے کہ ان دنوں ایسا محسوس ہوتا ہے کہ اللہ رب العزت کا خاص فضل میرے شامل حال ہے، جو دعا قلب کی زبان سے نکلتی بارگاہ ایزدی سے خلعت قبول لے کر آتی۔

جب علم توجہ اور علم استحضار ارواح ''اسپر یچوولیزم'' میں قدم رکھا تو روحانی قوت کے وہ کرشمے دیکھے اور عالم ارواح کے وہ عجائبات منکشف ہوئے کہ عقل حیرت میں ہے، جب سب امراض کا ارادہ کیا تو اس درجہ کمال حاصل ہوا کہ بمجرد ارادہ مریض بالکل تندرست ہو کر بیٹھ جاتا تھا کہ جیسے کوئی مرض ہی نہیں۔ جب علم اسرار الحروف وعملیات وتعویذات کی وادی میں قدم رکھا تو اس فن کی ادق کتابیں ''شمس المعارف'' امام بونی کی وغیرہ از بر تھیں، طب کی طرف جب توجہ ہوئی تو افغانستان میں ایسے محیر العقول علاج کئے کہ جرمنی، فرانس، لندن وامریکہ سے مایوس العلاج مریض آتے اور ان کے علاج سے شفایاب ہوتے، بارہا اس قسم کے مریضوں کا علاج کیا اور حیرت انگیز مسیحائی دکھائی، تجارت کا شوق ہوا تو چین سے سبز چائے اور جاپان سے مناری گری اور کنلیری کا سامان منگوا کر پشاور شہر بازار گھنٹہ گھر میں ہول سیل کی دکان کر کے تاجروں کو پیچھے دھکیل دیا۔ ٹھیکیداری کا خیال ہوا تو کابل میں بڑے

(١) صحیح البخاری، کتاب الرقاق، باب التواضع، ج:٢ ص:٩٦٣، ط: قدیمی

بڑے ٹھیکے لئے یہاں تک کہ امیر امان اللہ خان والیٔ افغانستان کے لئے سب سے پہلے جس نے ہوائی جہاز خریدے وہ حضرت والد ماجد ہی تھے، جس کا پانچ لاکھ روپیہ آج بھی ہمارا قرض افغان گورنمنٹ کے ذمے باقی ہے جو امیر امان اللہ خان کے تخت سلطنت سے محروم ہونے کے بعد طوائف الملوکی کی نذر ہو گئے، یہ واقعہ ۱۳۴۵ھ کا ہے۔

حیدر آباد دکن اور بھاول پور میں بڑے بڑے ٹھیکے لئے، بہاول پور میں آج بھی متعدد نہروں کے پل ان کی یادگار ہیں۔ زراعت کا شوق ہوا تو افغانستان کے مشرقی علاقے مقام گجہ خوگیانی ضلع جلال آباد میں۔ جہاں حضرت والد ماجد کی ننہال سرداران محمد زئی آباد تھے۔ زمین خریدی، اپنے ہاتھ سے انار بیدانہ کی شاخیں اور پودے لگائے جو بعد میں اس علاقے میں بیدانہ انار کا اعلیٰ ترین باغ شمار کیا گیا لیکن چھ ماہ کی اندر ہی سب کو ختم کر کے کابل میں اقامت گزیں ہوئے۔ جب کبھی کچھ کمایا اور ہزاروں کمایا گھر آکر بیٹھ گئے دو چار ماہ میں سب مال و دولت ٹھکانے لگا دیا، کسی کا مکان بنوا دیا، کسی کی شادی کرادی، جب سب کچھ خرچ ہوا دوبارہ فکر کرنے لگے، الغرض اتنی انقلاب انگیز اور ہنگامہ خیز زندگی کسی کی نہ دیکھی نہ سنی اور کمال یہ ہے کہ ان کمالات میں سے کسی بھی کمال کو نہ پیشہ بنایا نہ ذریعہ معاش اور نہ کوئی اہمیت دی، سیلاب آیا اور گذر گیا۔ اکثر زندگی فقیرانہ گذاری، لیکن مہمانداری اور مہمان نوازی زندگی کی سب سے بڑی خصوصیت تھی جو ورثہ میں ملی تھی، ہزاروں لاکھوں کمائے لیکن میرے علم میں نہیں کہ کبھی زکوٰۃ واجب ہونے کا موقع آیا ہو:

قرار در کف آزادگان نگیرد مال
نہ صبر در دل عاشق نہ آب در غربال

بے شمار مخلوق خدا کے ساتھ احسانات کئے مگر کیا مجال کہ کبھی دل میں اس کا خطرہ بھی گذرا ہو یا زبان پر کبھی ذکر آیا ہو، ان سب کمالات و کرامات میں سب سے بڑا کمال یہ ہے کہ آپ نے اپنی ہستی کو ایسا مٹا کے چھوڑا کسی کو ان باتوں کی ہوا بھی نہ لگنے دی، آخری زندگی میں کوئی معاش کا ذریعہ اختیار نہیں کیا سب چیزوں کو بالکلیہ ترک کر دیا اور یاد خدا میں مسلسل تیس برس گذارے اور حق تعالیٰ نے راقم الحروف کو خدمت کی سعادت نصیب فرمائی: ذٰلك من فضل الله علينا وعلى الناس ولكن اكثر الناس لا يشكرون۔

اصحاب کمال کے بڑے قدردان تھے، کسی کی بات پسند آجائے اتنی داد دیتے کہ حیرت ہوتی تھی، باوجودیکہ مزاج جلالی تھا لیکن ہر وقت خوش مزاج خوش طبع نظر آتے تھے۔ جس مجلس میں موجود ہوں سکون و وقار کے ساتھ پوری مجلس کی رونق ان سے ہوتی تھی، مزاج آخر تک علمی رہا اور علمی موشگافیوں کی بڑی قدردانی فرماتے تھے۔ ابتدائی عہد تعلیم سے ہی کتابوں پر تعلیقات وحاشیہ نویسی کا شغل رہا، میر ایساغوجی جدیدہ اور شرح حاجی گلستاں بوستاں پر ان کی تعلیقات دیکھ کر تعجب ہوتا ہے، خط اتنا پاکیزہ کہ موتی ٹنکے ہوئے معلوم ہوتے تھے۔ خوش نویسی ایسی کہ بسا اوقات ان کے خطوط پر خصوصاً ابتدائی دور کے خطوط پر کسی ایرانی خوشنویس کا شبہ ہونے لگتا ہے،

حساب میں اتنی مہارت کہ حیرت ہوتی تھی، حالانکہ تعلیم جدید مڈل سے زیادہ نہ تھی لیکن مہارت ایسی کہ آج کل کے ایم اے کو نہ ہو، علمی مشغلہ عرصے سے متروک ومہجور تھا لیکن معلومات تازہ، ایک دفعہ ۱۳۴۶ھ میں دیو بند حضرت امام العصر مولانا انورشاہ رحمۃ اللہ علیہ کی زیارت کی غرض سے تشریف لائے، ان دنوں حضرت شیخ مجھے اپنی کتاب ''ضرب الخاتم علی حدوث العالم'' پڑھاتے تھے، درس میں بیٹھ گئے اور تقریر سنتے رہے، اس وقت اتفاق سے علم کلام کا ''مسئلہ خلق افعال عباد'' جو مشکل ترین مسئلہ ہے زیر بحث آیا، شیخ نے تقریر فرمائی اور مشکلات سلجھاتے رہے، درمیان میں حضرت والد صاحب سوالات کرتے رہے، حضرت شیخ جوابات دیتے رہے، فراغت درس کے بعد حضرت شیخ نے دریافت فرمایا: حضرت! علمی مشغلہ کب سے متروک ہے؟ فرمایا: پچیس برس ہوئے، حضرت شیخ نے بہت تعجب سے سنا اور پھر مختلف مجالس میں بار ہا فرمایا کہ ''ان کے والد کا علمی مشغلہ پچیس سال سے متروک ہے لیکن معلومات عمدہ اور تازہ ہیں''۔ امام العصر جیسے علمی سمندر کی یہ داد کتنی وزنی ہے۔

امام غزالیؒ وامام رازیؒ کے عاشق تھے، ابن تیمیہؒ وابن القیمؒ کے قدردان تھے اوران کی تبحر علمی کی داد دیا کرتے تھے۔ شیخ ابن عربی، شیخ اکبر کے انتہائی مدح سرا تھے، مولانا روم کی مثنوی کی علمی مشکلات کی تمثیلات کے بے حد قدر دان تھے اور کشف حقائق میں ان کو بے نظیر سمجھتے تھے۔

عربی، فارسی اردو تینوں زبانوں میں عمدہ مصنف تھے، ''مطالع الانوار فی فضائل اہل بیت النبی المختار'' عربی میں اور ''ایضاح المشکلات'' اردو میں جس میں وحدۃ الوجود، وحدۃ الشہود وغیرہ مشکلات تصوف اور مشکلات کلام پر سیر حاصل بحثیں کی ہیں، دوضخیم جلدوں میں تحریر فرمائی۔ اپنے خوابوں کو جمع کیا ہے ''المبشرات'' نام رکھا اور تعلیقات میں ان کی تعبیرات ''عبیر المسرات'' کے نام سے لکھی ہیں۔ روح ونفس کا مقالہ مجلس علمی نے طبع کرا دیا ہے۔ فرماتے تھے کہ مجھے صرف تین چیزوں سے محبت ہے: (۱) اللہ تعالیٰ سے (۲) حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے (۳) اپنی خوابوں سے۔ فرماتے تھے کہ خوابوں سے اس لئے محبت ہے کہ ان میں حق تعالیٰ کا دیدار ہے اور یا حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا دیدار ہے۔ فرماتے تھے اگر شرعاً جائز ہوتا تو میں اپنے ان خوابوں کو اپنے ساتھ قبر میں دفن کرنے کا حکم دیتا۔ پھر مجھے ان کی حفاظت کی انتہائی وصیت فرمائی۔ الغرض دنیا میں نہ کسی کمال کو چھوڑا، نہ کسی پیشے کو چھوڑا اور سب سے بڑا کمال یہ کہ کسی کمال کو کمال نہ سمجھا، نہ دل اس میں لگایا، البتہ فرمایا کرتے تھے کہ کہ جو احسانات حق تعالیٰ نے مجھ پر کئے وہ اس دور میں کس پر کئے ہیں؟ وہ بہت سے ادوار ہیں۔ عربی شاعر نے صحیح کہا ہے:

اتزعم انك جرم صغير   وفيك انطوى العالم الاكبر

کیا تم یہ گمان کرتے ہو کہ تم چھوٹے سے جسم ہو حالانکہ تم میں تمام عالم اکبر سمٹ گیا ہے۔ کوئی اور عربی شاعر یوں گویا ہوا:

لیس علی اللہ بمستنکر
ان یجمع العالم فی واحد

حق تعالیٰ کی قدرت سے کوئی بعید نہیں کہ تمام عالم کو کسی ایک فرد واحد میں جمع کرے۔

امام بخاریؒ سے خواب میں پوری صحیح بخاری پڑھ کر اجازت لی اور حافظ بدرالدین عینیؒ سے عمدۃ القاری اور حافظ ابن حجرؒ عسقلانی سے فتح الباری پڑھ کر اجازت لی۔ ایک دفعہ افغانستان میں امیر نصر اللہ خان نائب السلطنہ کابل کا ترکہ فروخت ہورہا تھا اس میں حضرت والا نے ایک ''سمور'' کے پوستین کو ۱۴؍ ہزار افغانی روپیہ سے خریدا (مساوی ۱۰؍ ہزار روپیہ ضرب برطانوی) رات کو حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت ہوئی، محبت آمیز لہجہ میں عتاب فرمایا کہ جب تمہارے پاس دولت ہوتی ہے تو ایسا اسراف کرتے ہو کہ ہزاروں کا پوستین خریدتے ہو، ایک شخص آئے گا تمہارے پیٹ میں چاقو مار کر تمہاری آنتیں نکالے گا اور صاف دھو کر پھر رکھدے گا اور سینہ سی دے گا، یہ شخص نورانی ہوگا اور اس کا چاقو بھی نورانی ہوگا۔ ایک دفعہ ایک بلی پال رکھی تھی اس نے جگہ ناپاک کردی اس کو مارا گھر سے نکالدیا، رات کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت ہوئی، عتاب فرمایا کہ تم نے کیوں بلی کو مارا؟ کیا وہ عقل وشعور رکھتی ہے؟ خبردار! دوبارہ ایسا نہ کرنا، صبح جاکر بلی کو تلاش کیا اور گھر لائے۔ پڑوس میں ایک نادار نے پانچ روپیہ قرض مانگے، اتفاق سے قرض دینے سے انکار کیا، شب کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت ہوئی، عتاب فرمایا کہ تم نے سائل کو کیوں روپے نہیں دیئے؟ جاؤ اس کے گھر دے کر آؤ۔ غرض اس طرح عجیب وغریب روحانی تربیت وعظیم ترین تعلق کا سلسلہ قائم تھا۔ کتنے مبشرات ایسے ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ان سے انتہائی محبت اور وہ تعلق تھا جس کی نظیر عالم میں کم ملے گی۔ ایک دفعہ بیمار ہوگئے تھے، خواب میں حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ زکریا! جب تم بیمار ہوتے ہو تو میں بھی بیمار ہوتا ہوں۔ جب تمہارے سر میں درد ہو تو میرے سر میں بھی درد ہوتا ہے۔ اس قسم کے حیرت انگیز منامات اور مبشرات کتنے ہیں۔ ایک دفعہ وسوسہ دل میں آیا کہ سکرات موت میں کیا حالت ہوگی؟ شیطان بہت پریشان کرے گا۔ خواب میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت ہوئی فرمایا کہ ''جہاں میں ہوں شیطان کا کیا کام''؟ وفات سے چند روز قبل میں حسب معمول اذان فجر سے کچھ قبل یا بوقت اذان رات کی حالت معلوم کرنے پہنچا فرمایا: آگئے؟ میں نے عرض کیا کہ جی ہاں! فرمایا آج حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت ہوئی، پادشاہ خاں (خادم خصوصی جو آخری وقت شب وروز خدمت کرتا تھا اور بے انتہا راحت پہنچاتا تھا) کو فرمایا: اے پادشاہ خان! جو خدمت تم کر رہے ہو میں بھی کرتا ہوں۔ سبحان اللہ! کیا مقام تھا، حق تعالیٰ کی زیارت کا شرف تو بے شمار مرتبہ حاصل ہوا، ایک دفعہ جب دیدار پُرانوار کی سعادت نصیب ہوئی، حق جل ذکرہٗ نے فرمایا: ''زکریا! تمہاری مثال میرے سامنے ایسی ہے جیسے کہ ایک ماں کے گود میں دو تین دن کا بچہ ہو، بچہ نہیں جانتا کہ ماں اس کے ساتھ کیا کیا کر رہی ہے''؟ ان ہی

ایام میں خواب دیکھا کہ حضرت رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم فداہ امی وابی سے کہتے ہیں: کہ یارسول اللہ! میں نے خواب دیکھا کہ حق تعالیٰ کرسی پر جلوہ گر ہیں اور میں ان کا طواف کر رہا ہوں، جب یہ بیان شروع کیا وہی صورت وحالت سامنے ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خواب کی تعبیر دے رہے ہیں، مجھے تو معلوم نہیں کہ آج تک کبھی کسی نے اس انداز کے مبشرات کی سعادت عظمیٰ حاصل کی ہو۔

بچپن سے دادی اور پھوپی سے سنا کرتا تھا کہ تمہارے والد کی عمر سو سال ہوگی جبکہ راقم الحروف کی عمر پانچ برس کی تھی یعنی اب سے ٹھیک ۶۵ برس قبل گھر میں سنا اور ایک دفعہ خود بھی فرمایا کہ میری چھوٹی ہمشیرہ ''مریم'' نے ایک دفعہ جب اس پر حالت طاری ہوئی، میری پیشانی پر ہاتھ رکھ کر کہا کہ زکریا! تمہاری عمر سو سال ہے سو سال۔ وہ صاحب خوارق وکرامات تھی، واردات واحوال غریبہ طاری ہوتے تھے، اس حالت میں جو بات کہتی تھی یقینی ہوتی تھی، بچپن سے دونوں بھائی بہن کا آپس میں خونی رابطہ سے زیادہ روحانی رابطہ تھا، مکاشفات و واردات میں جب حضرت رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت ہوتی تھی ایک دوسرے کے لئے سفارش کرتے تھے، ان کا معاملہ فطری تھا، بغیر سابقہ ریاضات کے حالات طاری ہوتے تھے، والد صاحب کا معاملہ ریاضات کے بعد شروع ہوا، دوسری بڑی ہمشیرہ یعنی میری عمہ نے مجھ سے فرمایا کہ ایک دفعہ شب قدر نصیب ہوئی اور اس کا علم بھی ہوا کہ شب قدر ہے، انھیں وضو کیا، نماز پڑھی، سب سے پہلے دعا اپنے بھائی کے لئے کی کہ ان کی عمر سو سال ہو، یہ باتیں میں سن چکا تھا، بہرحال اس انقلاب آفرین زندگی کے تمام نشیب وفراز دیکھ کر آخری حیات طیبہ یاد خدا میں بسر کی اور ٹھیک سو سال اپنی حیرت انگیز زندگی کے پورے کر کے اپنی جان کو جان آفرین کے سپرد کر گئے۔ مسکراتے ہوئے نور کے شعلوں میں واصل بحق ہوئے۔ بلاشبہ یہ صدمہ میری زندگی میں عظیم ترین صدمہ ہے۔ جب سید البشر خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم جن سے بڑھ کر استقامت وصبر کا پہاڑ مادر گیتی نے نہیں دیکھا نہ کبھی دیکھے گی، سیدنا ابراہیمؑ اپنے جگر گوشے کی وفات پر یوں نغمہ سرا ہیں: ''العین تدمع والقلب یحزن وانا بفراقك یا ابراهیم لمحزونون'' حضرات صحابہ کرام پر جو صبر واستقامت کے پہاڑ تھے، حبیب رب العالمین صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے وقت کیا کیا کیفیتیں طاری ہوئی تھیں۔

اے اللہ! ہم تو ضعیف وناتواں ہیں، ہمیں صبر عطا فرما، اور اے اللہ! اس حادثہ جانکاہ اور روح فرسا میں ہماری اعانت فرما کر احسان فرما۔

اور اے اللہ! میرے والد محترم کے مرقد مبارک کو روضۃ من ریاض الجنۃ بنا، اور ان کی روح پاک کو اعلیٰ علیین میں پہنچا کر اکرام واعزاز فرما۔ اور اے اللہ! ان کا مسکن وماویٰ جنت الفردوس کو بنا، اور اے اللہ! ان سے وہ معاملہ فرما جو تیری شان ارحم الراحمین کے شایان شان ہو، اور اے اللہ! آپ کا معاملہ جو محبوبان بارگاہ رحمت سے ہے اور جو مقربین بارگاہ قدس سے ہے وہ معاملہ فرما۔ اے اللہ! جس طرح آپ نے اپنی ذات سے اور اپنے حبیب

پاک سے دنیا میں جونسبت ان کو عطا فرمائی تھی آخرت میں اسی کے شایان شان رفع درجات وعلو مقامات نصیب فرما، جن کے بارے میں یہی کہا جائے "مالا عین رأت و لا اذن سمعت و لا خطر علی قلب بشر"۔

اور اے اللہ! جس طرح ان کا آپ پر حسن ظن تھا اس کے مطابق معاملہ فرما۔ اور اے اللہ! جس چیز کو ہم نہ جانتے ہیں اور نہ اسے اپنے جہل سے مانگ سکتے ہیں ان کو وہ نعمتیں نصیب فرما کر سرفراز فرما۔

اور اے اللہ! جس طرح آپ نے ہمیں ان کی حیات طیبہ میں دعوات سحری اور نالہائے نیم شبی کی برکات سے سرفراز فرمایا تھا، مفارقت کے بعد ان کی روح پرفتوح کی برکات سے مالا مال فرما کر سرفراز فرما، تیری رحمت بہت وسیع ہے اور تیری قدرت بہت محیط ہے، اور اے اللہ! پشاور سے لے کر کراچی تک اور کراچی سے لے کر افریقہ تک اور افریقہ سے لے کر لندن و یورپ تک جن مخلصین و محسنین نے ایصال ثواب کر کے احسان فرمایا ہے اور جو محسنین ایصال ثواب فرما رہے ہیں ان سب کو اجر عظیم عطا فرما کر احسان فرما اور جن کے بے شمار تعزیت کے ٹیلیگرام اور بے شمار خطوط تعزیت آئے ہیں ان سب حضرات کا رفع درجات فرما۔ اور اے اللہ! ہمارے قلب حزیں اور پسماندگان کے قلوب محزونہ کو صبر و سکون عطا فرما کر احسان عظیم فرما۔

فالعیون دامعة والقلوب فاجعة ونحن بفراقه لمحزونون، و لا نقول الا مایرضی به ربنا تبارك وتعالیٰ. هذا وصلی الله علی خیرالبشر اصبر من جاء ومن غبر صاحب القبر الاطهر ا لانور ومن تسکن قلوب المحبین بحبه و بذکره و بفکره، کلما ذکر وخطر.

[رجب المرجب ۱۳۹۵ھ/اگست ۱۹۷۵ء]

نامناسب نہ ہوگا کہ اگر ان خطوط تعزیت میں سے دو تعزیت نامے شائع کروں۔ ایک تعزیت نامہ برادر محترم مولانا محمد اشرف صاحب صدر شعبہ عربی اسلامیہ کالج کا ہے۔ دوسرا تعزیت نامہ برادر محترم مولانا عبد القدوس صاحب قاسمی کا جو شعبہ اسلامیات کے سابق صدر پشاور یونیورسٹی کے ہیں۔ وجزاهما الله خیرا بحسن عزائهما۔

مخدومی ومطاعی حضرۃ الاستاذ المکرم رزقکم الله صبرا جمیلا وعافية كاملة

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

ابھی ابھی حضرت آغاجی نور اللہ مرقدہٗ و اعلی اللہ مقامہ کی وفات حسرت آیات کی خبر ''نوائے وقت'' میں پڑھی۔ جس بات کا اندیشہ تھا آخر ہو ہی گئی۔

انا لله وانا اليه راجعون. اللّهم اغفرله وارحمه وانزل عليه شآبيب رحمتك وبرّد مضجعه وادخله فى اعلى الجنة جنة الفردوس، وارزقنا وارزق اهله صبرا جميلا.

اللہ تعالیٰ اس حادثہ کبریٰ میں آپ کو صبر و استقامت عطا فرمائے۔ موت حق ہے آج وہ کل ہماری باری ہے۔ لیکن حضرت آغاجی رحمہ اللہ تعالیٰ کی موت ایک عصر کا خاتمہ، عالم کی موت، ایک گوشہ نشین محقق، ایک انتہائی بلند پایہ مصنف، ایک باخدا درویش، ایک مرتاض صوفی، ایک عارف یگانہ اور ایک عظیم شخصیت کی موت ہے، جسے زندگی میں زمانہ نے کماحقہٗ نہیں پہچانا اور نہ ان کی وہ قدر کی جیسا ان کا حق تھا۔ لیکن حق یہ ہے کہ علم و عرفان، عقل و ذوق کا ایسا آمیزہ مدتوں میں دیکھنے میں آتا ہے:

سالہا در کعبہ و بت خانہ می نالد حیات
تا ز بزم عشق یک دانائے راز آید برون

ان کے مجاہدات، ان کی کرامات، ان پر باری تعالیٰ کے مخصوص احسانات و خصائص تو دنیا کی آنکھوں سے اوجھل ہی رہیں گے کہ وہ اس جنس انمول کے دکھاوے سے گردآلود نہیں کرنا چاہتے تھے۔ ان کی مرنجان مرنج طبیعت، ان کے گوناگوں فضائل، ان کی محبت، فقیر پر خصوصی نوازشیں، ہر ایک سے بزرگانہ شفقت، دلبرانہ عتاب جب یاد آتا ہے تو کلیجہ منہ کو آتا ہے، بہرحال زمانہ نے ایک فرد وحید اور گوہر عجیب کو گم کردیا۔ جن لوگوں نے حضرت قدس سرہ کو بے تکلفی کے عالم میں نہیں دیکھا وہ کیا جانے کہ عالم کس آفتاب نور و برکت سے محروم ہوگیا۔ نہ صرف پشاور، نہ صرف پاکستان بلکہ پورا عالم اپنے ایک عظیم و بزرگ فرزند سے محروم ہوگیا۔ اللہ تعالیٰ حضرت نور اللہ مرقدہٗ کی ہر بشری لغزش و خطا کو ان کے جد امجد، سید الساوات، شفیع المذنبین، رحمۃ للعالمین حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صدقے معاف فرمائے اور جنت میں اپنے دادا جان علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ اعلیٰ مقام نصیب فرمائے۔ اور آپ کو اور عزیز محمد اور جملہ پسماندگان کو صبر جمیل عطا فرمائے اور اس حادثہ جانکاہ میں خود ہی آپ کا مونس و غمگسار ہو اور ان کی برکات و فیوض اور ان کی روح پرفتوح کے فیضان سے آپ کو اور ہم سب کو ہمیشہ مالا مال رکھے۔ آمین۔

دل روتا ہے آہ! وہ شفقتیں، بزرگانہ محبتیں، دل نوازیاں، ہمت افزائیاں، عطا و وفا کہاں ملے گی۔ رخصت اے مرد درویش رخصت آہ: الفراق الی یوم التلاق:

مملوفى الحياة وفى المهات لحق انت احدى المعجزات
عليه تحية الرحمات تترى برحمات غواد رائحات

صدمہ عظیم ہے، یہ اشکبار اس بارے میں پورا شریک غم ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کی غمگساری فرمائے اور

آپ کو اس صدمہ پر اپنی انتہائی نوازشوں اور رحمتوں سے نوازے۔ انشاء اللہ کراچی میں حاضری پر تعزیت کی سعادت حاصل کروں گا، بندہ کے جملہ متعلقین اور آپ کے اور حضرت آغا جی مرحوم کے دسترخوانِ کرم بہت بہت تعزیت اور اظہارِ غم کرتے ہیں، میرے تمام عزیزوں کی طرف سے پرسۂ غم قبول فرمائے۔

والسلام

شریکِ غم خاکپائے بزرگان

محمد اشرف

مخدومی المحترم عزی اللہ مصابکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آغا جی رحمۃ اللہ علیہ کی رحلت آپ کے لئے تو مصابِ عظیم ہے، ہم سب منتسبین کو بھی علی تفاوت الدرجات اس حادثہ فاجعہ میں کچھ حصہ ضرور ملا۔ اس عاجز کے بس میں اور تو کچھ نہ تھا صرف دعا ہی تھی۔ اپنے گھر پر چند علماء اور احباب ومخلصین کو دعوت دی کہ ان کے ایصال ثواب کے لئے ختم قرآن کریم پڑھا جائے، اور اس وقت سے لے کر اب تک دعاؤں میں یاد جاری ہے، آغا جی رحمۃ اللہ علیہ میں خاندانِ سادات کے بہت سے آثار نمایاں تھے۔ ان کی ذہانت، جرأت، شہامت، علم، سخا، تقوی، اخلاص، شفقت کس کس وصف کو انسان بھول سکتا ہے، چند دن کی صحبت جو کراچی میں میسر آئی اس میں مجھے شفقتِ پدری کا سکون محسوس ہوتا رہا۔ یہاں کے مشاغل نے بہانہ بن کر آخری ایام کی دعاؤں سے محروم کر دیا۔ ورنہ کئی دفعہ ارادہ کیا کہ اور کچھ نہ ہو تو کم از کم ایک ہفتہ کے لئے حاضری دے آؤں۔ ان کے وصال کے بعد بھی آج تک اسی حیص بیص میں رہا کہ عریضہ کی بجائے خود ہی حاضر ہو کر شریکِ تعزیت ہو جاؤں، مگر گرمی کی شدت بڑھتی چلی گئی، اس لئے بالآخر اس عریضہ کی تقدیم لازمی نظر آئی۔

اخبارات میں تاحال روزانہ علماء وطلبہ کی طرف سے مجالس ایصال ثواب کی اطلاعات چھپتی رہتی ہیں۔ یعنی ملک بھر سے تحائف انکی روحِ مبارک کو برابر پہنچ رہے ہیں۔ ان کے اپنے اعمال خیر بھی عظیم تھے، ان تحائف کا ازدواج ان کے درجات کو مزید ارفع واعلیٰ کر دے گا۔ واللہ عندہ حسن الثواب۔

آغا جی رحمۃ اللہ علیہ ان آخری ایام میں (جب کہ میں کراچی میں تھا) آپ کا ذکر ہمیشہ بہت احترام ومحبت کے لہجے میں کیا کرتے تھے۔ ایسا محسوس ہوتا تھا کہ جذباتِ محبت زیادہ ترقی پر ہیں۔ اللہ تعالیٰ سے دست بدعا ہوں کہ ان کے جذبات محبت کے ثمرات آپ کی ذات کو اور آپ کے جذبات شوق خدمت اور ادعیہ اخلاص کے ثمرات ان کی روح کو احسن ما یجزی والد عن ولدہ عطا فرمائے۔

حضرت مولانا عزیر گل صاحب مدظلہ نے مولانا محمد ایوب بنوری کے والد مرحوم کی تعزیت کے موقع پر

ان کو یہ شعر سنایا تھا، یہ عاجز بھی بزرگوں کی تقلید کے طور پر اس کا اعادہ کرتا ہے:

خير من العباس اجر ك بعده

والله خير منك للعباس

والسلام

دعاجو: محمد عبدالقدوس

(معرفت شعبہ اسلامیات، پشاور یونیورسٹی)